اوّل

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد اوّل

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

تالیف

علّامہ محمّد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علّامہ مولانا محمّد صادق علوی نقشبندی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
	ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد اول)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ مولانا محمد صادق علوی نقشبندی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3300 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلغ العلی بکمالہ

کشف الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

تعارف

از محمد رشید نقشبندی

جان ہے عشقِ مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا، نازِ دوا اٹھائے کیوں

(اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ)

☆حضور سیدِ عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی رحمت کی وہ گھٹا ہے، جو خشک و بنجر صحراؤں پر جب برسی ہے تو کلفت وضلالت کے گرد باد ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر رہ گئے........بیہودگیوں اور بدعقیدگیوں کی دھول بیٹھ گئی۔ظلم و ستم اور جور و استبداد کی حدت خنکی میں بدل گئی۔بداخلاقی و بے حیائی کے جھکڑ دم توڑ گئے۔رحمۃ اللعالمین ﷺ کی بارانِ جودوکرم سے انسانیت کوتپ کفر سے نجات مل گئی۔خیر و برکت کے سبزہ وگُل کی افزائش ہوئی،اور جور و جفا کے بے برگ وبار ماحول میں لالہ ونسترن کِھل گئے۔

☆سید عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے زبردست کی شہنشاہی اور زبردست کی تباہی کے دن تھے۔آدمیت غلامی کی زنجیروں میں مقید ومحبوس تھی۔آپ نے اسے قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ عظمت تک پہنچایا۔ناتواں کوتوانا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت عطا فرمائی۔رحمت و رافت اخوت و محبت کی غیر محسوس زنجیروں کو ذہن واحساس پر نافذ فرمایا۔ملت کو جسدِ واحد بنا کر اور رنگ ونسل،اونچ نیچ کے تمام امتیازات مٹا کر انسانیت کواتحاد ویگانگت کا ابدی پیام سنایا۔

☆اسی لیے یہ امر لابدی ہے کہ سید عالم ﷺ کا ذکرِ جمیل ایک محسن ہونے کی وجہ سے لوحِ دل سے کبھی بھی فراموش نہ کیا جائے۔کیونکہ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ عینِ عبادت اور محبتِ جانِ عالم ﷺ روح ایمان ہے۔

مغزِ قرآن،جانِ ایماں،روحِ دین ہست حبِ رحمۃ للعلمین

☆یہی وجہ ہے کہ ایمان ومحبت والوں نے ہمیشہ فضائل وکمالاتِ مصطفوی کے بیان کو نہ صرف اپنا معمول بنایا ہے بلکہ اسے ایمانی زندگی کی جان،اور انسانی ہدایت کا سرچشمہ،اور روحانی زندگی کی غذا قرار دیا ہے۔

☆محسنِ عالم ﷺ کے جان افزا حالات،اور ایمان افروز واقعات کو جب ایک محبِ صادق اور فنافی

الرسول کی زبان بیان کرتی ہے تو اس کا اثر وہ نہیں ہوتا جو کسی روکھے پھیکے ظاہر بین کے بیان سے ہوتا ہے بلکہ اس کا اثر دل ودماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور پھول ایمان کی ضیاء سے کلیوں کی مانند کھِل اٹھتا ہے۔

☆ زیرِ نظر کتاب "جواہر البحار فی فضائل النبی المختار" (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسے ہی دلربا واقعات و حالات کا ایک حسین و دلنواز مرقع ہے۔ جسے ایک عاشقِ صادق اور فنا فی الرسول شخصیت نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں گلدستہ محبت اور صحیفہ عقیدت بنا کر پیش کیا ہے۔

☆ "جواہر البحار" اس صدی کے کثیر التصانیف ولی اللہ، اور نامور محبِّ رسول حضرت علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) قدس سرہا کی شہرۂ آفاق تالیف ہے۔

☆ "جواہر البحار" اکابرینِ امت اور اساطینِ اسلام کے فرموداتِ عالیہ، اور بیاناتِ جلیلہ کا چار جلدوں میں فضائل و کمالاتِ نبوی، اور خصائل و محامدِ مصطفوی ﷺ کا عظیم الشان شاہکار اور عربی ادب کا ایک نادر ذخیرہ ہے۔

☆ ترجمہ کی نایابی کی بنا پر عربی سے ناآشنا افراد اس عظیم و گرانمایہ مجموعہ سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے وقت کا تقاضا تھا کہ راہنمایانِ دین کے ان فرمودہ جواہر کو اردو کی لڑی میں پرو کر سخن گسترانِ علم و ادب کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

☆ الحمد للہ، فاضل محترم مولانا الحافظ محمد صادق علوی نقشبندی نے اس کمی کو پورا کر کے ایک مستقل خلا کو پر کر دیا ہے۔ "جزاہ اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔"

☆ "جواہر البحار" ایسی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے نسبت و علم دونوں کی ضرورت ہوتی ہے بفضلہٖ تعالیٰ مولانا محمد صادق ان دونوں نعمتوں سے سرفراز ہیں۔ آپ حضرت شیخ الاسلام خواجہ غلام محی الدین نقشبندی غزنوی قدس سرہٗ "آستانہ عالیہ نیریاں شریف تراڑکھل آزاد کشمیر" کے دستِ حق پرست پر بیعت ہیں۔ جن کی نگاہِ فیضان و عرفان نے ان گنت ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا۔ اسی طرح فاضل مترجم اپنے وقت کی نابغہ شخصیات اور جید اساتذہ فن کے کامیاب تلامذہ میں سے ہیں اور اب تقریباً عرصہ چھ سال سے باحسن وجوہ تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

☆ مترجم کی حیثیت سے اگرچہ یہ آپ کی اولین کوشش ہے۔ مگر بڑی مہارت اور حذاقت سے ایک کہنہ مشق مترجم کی طرح اس کتاب کا ترجمہ (ماسوا ان مقامات کے جہاں بلفظہٖ ترجمہ ناگزیر تھا) بڑے سلیس، رواں اور حسین انداز میں کیا ہے۔

2A

☆فقیر غفرلہٗ کو اس ترجمہ میں جو چند خاص خاص خوبیاں نظر آئیں، وہ نظرِ قارئین ہیں:

۱۔آیات کا ترجمہ مجدد مائتہ حاضرہ الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرّہٗ کے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) سے پیش کیا گیا ہے۔اور ساتھ ہی ہر محولہ آیت کا حاشیہ میں حوالہ درج کیا گیا ہے جبکہ اصل کتاب حوالہ سے عاری تھی۔

۲۔مشکل الفاظ کی وضاحت قوسین یا حاشیہ میں کی گئی ہے۔

۳۔"جواہر البحار" کی جن عبارات کی مبلغین و محققین کو ضرورت پڑسکتی تھی ان کی صفحہ وار نشان دہی کی گئی ہے۔

۴۔بعض مقامات پر مضمون کے مناسب فرحت انگیز اشعار کا اضافہ کر کے مضمون کو مزید دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۵۔بعض مضامین کی مزید وضاحت یا اس کی پختگی و تائید کے لیے کئی ایک بزرگوں کی مستند کتب کے حوالہ جات دے کر جہاں نفسِ مضمون کے حسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہیں ان بزرگوں کا تعارف بھی خود بخود قاری کے ذہن میں آجاتا ہے۔

۶۔کئی مقامات پر عربی کی مقفّٰی، مسجّع عبارت کی ادیبانہ چاشنی کو اسی کی مماثل اردو میں بھی برقرار رکھنے کی عمدہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔مثلاً شیخ عبدالعزیز دیرینی قدس سرہٗ کے فرمودات کے اختتام پر شیخ کی عربی عبارت اور پھر اس کا اسی طرز کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

فنوره انور وبرهانه ازهر وسره اظهر، ودينه اكمل، وصوته اجمل، وفضله وقدرته اعلى، وذكره احلى، ولسانه افصح، ودعاؤه انجع،وعلمه ارفع، ونداؤه اسمع وحوائجه اقضى، وشفاعته امضى۔الخ

"جن کا نور روشن تر،جن کے معجزات واضح تر،جن کے تبلیغی مقاصد عیاں تر،جن کی صورت حسین تر،جن کا دین کامل ترین،جن کا منصب و مقام بزرگ ترین،جن کا ذکر خیر شیریں تر،جن کی زبان فصیح تر،جن کی دعا مقبول تر،جن کا علم (وما كان وما يكون) بلند تر،جن کی پکار کی سب سے زیادہ شنوائی،جن کی حاجات کی سب سے بڑھ کر پذیرائی،جن کی شفاعت مقبول تر۔" الخ

۷۔مسلکِ اہلِ سنت کے مطابق حفظ وفرقِ مراتب اور ادب واحترام کے تمام گوشوں کو ملحوظِ خاطر رکھا

گیا ہے۔ذیل کی اس مثال سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلک کی نزاکت کو کس عمدگی سے نبھایا گیا ہے۔مثلاً حضرت امام ابن الحاج مالکی قدس سرہٗ کے فرمودات کے ضمن میں ایک اس قسم کی عبارت ہے کہ جس سے بظاہر سوءِظن اور اضمحلالِ ایمان کا قومی امکان تھا۔مگر مترجم اس سے کمال عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ملاحظہ کریں۔وہ عبارت یہ ہے:

ادع الله ان يغفرلی ماتقدم من ذنبی وما تأخر فرفع يديه حتی رؤی بياض ابطيه فقال اللهم اغفر لعائشة بنت ابی بكر(رضی الله عنهما)مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا،ولا تكسب بعدها خطيئة ولا اثما۔

''دعا فرمایئے کہ اللہ جل مجدہ میری اگلی پچھلی ''ترکِ اولیٰ'' باتیں معاف فرمادے۔(اس عرض پر) نبی کریم ﷺ نے (دعا کے لیے) اپنے دستِ اقدس اتنے بلند فرمائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔اور فرمایا:الٰہی!ابوبکر(رضی اللہ عنہ) کی بیٹی عائشہ(رضی اللہ عنہا) کے ظاہر و باطن کی خلافِ اولیٰ باتیں یوں مٹا دے تاکہ ازاں بعد اس سے تقرب الی اللہ کے منافی امور کا وقوع نہ ہونے پائے''۔

۸۔جہاں یہ محسوس ہوا کہ صرف ترجمہ سے قاری کے ذہن میں الجھن پیدا ہو سکتی ہے تو وہاں بقدرِ ضرورت اس الجھن کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے۔مثلاً امام سیوطی قدس سرہٗ کے فرمودات کے ذیل میں شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما کا ایک قول ہے کہ ''اولیاءِ عظام اور فرشتگاں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔''

مترجم حاشیہ میں اس کی توجیہہ یوں کرتے ہیں:''شیخ عزالدین قدس سرہٗ کے مذکورہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حقیقۃً آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی وسیلہ عظمیٰ ہے۔اور دیگر انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام اگر وسیلہ ہیں تو ان تمام کا منتہیٰ و مرجع بھی آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔لہٰذا شیخ کی رائے کو اگر حقیقت پر محمول نہ کیا جائے تو پھر ''توسل بالعباس'' اور ''توسل بغوث الثقلین'' جس پر سلف سے خلف تک اجماع چلا آرہا ہے، کامحمل غلط ہو جائے گا''۔

☆ممکن ہے ان تمام خوبیوں کے باوجود، بعض خامیوں سے بھی آپ کی نگاہیں دوچار ہوں۔

☆زیرِ نظر جلد میں تیرہ بزرگانِ دین کے فرمودات عالیہ ہیں،جن کے اسمائے گرامی فہرست میں مندرج ہیں۔

☆اس بے مثال کتاب کے شاندار ترجمہ کے لیے عمدہ کتابت، معیاری طباعت اور اعلیٰ کاغذ کی ضرورت تھی بحمدہٖ تعالیٰ یہ مسئلہ بھی احسن طریقہ سے حل ہوگیا ہے۔

☆لائق صد تحسین وتہنیت ہیں حضرت فاضلِ مکرم مولانا محمد انوار الاسلام قادری رضوی جن کو حبِ نبی، عشقِ رسول اور فدائیت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کشاں کشاں اس کتاب کی اشاعت پر آمادہ کیا۔ اور ہو بھی کیوں نہ جبکہ آپ کا مکتبہ حامدیہ رضویہ قائم کرنے کا مقصد وحید ہی صرف یہ تھا کہ اسلاف کے شاندار کارنامے، فدایانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایمان افروز نعتیں، اور بزرگوں کی اسلامی زندگی کے شب وروز، اہتمام وخوش سلیقگی اور نفاست وخوبصورتی سے شائع کر کے نوجوان نسل اور عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیے جائیں۔

☆ مکتبہ حامدیہ کی اپنی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں کسی ملحد وزندیق، اور گستاخِ رسول، دشمنِ صحابہ واولیاء کی کوئی کتاب نہ تو خریدی جاتی ہے اور نہ یہ فروخت کی جاتی ہے۔

☆الحمد للہ مکتبہ حامدیہ اپنے قیام سے لے کر اب تک بزرگانِ دین اور اکابرینِ ملت کی متعدد گراں مایہ تصانیف شائع کر کے اپنی مقبولیت کی سند حاصل کر چکا ہے۔

☆"جواہر البحار" کی جلد اول کا ترجمہ بھی مکتبہ حامدیہ نے ہی شائع کیا ہے اور اب جلد ثانی کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جناب مترجم، حضرت ناشر، اور کاتب سب کی یہ کوشش مقبولیتِ دوام کا درجہ حاصل کرے۔ آمین ثم آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

۲۵ / جمادی الاول ۱۳۹۸ھ

محمد رشید نقشبندی

التوطن: ڈبسی، نکیال، کوٹلی (آزاد کشمیر)

امام محی الدین یحییٰ النووی الشافعی

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

حضور نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب شریف

امام نووی قدس سرہٗ المتوفی ٦٧٦ھ کے فرمودہ ارشادات سے (جو مانندِ جواہر ہیں) ان کی تصنیف (لطیف) ''تہذیب الاسماء واللغات'' ہے جس کے ابتدا میں بوسیلہ نبی اکرم ﷺ اللہ عزوجل سے استعانت کرتے ہوئے جناب رسالتمآب ﷺ کا نسب گرامی یوں بیان کرتے ہیں:

(یعنی سیدنا ومولانا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصَی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یہاں تک آپ کے نسب نامہ میں تمام امت (یعنی اصحابِ سِیَر) کا اتفاق ہے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام تک کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس بارے میں (یعنی معد بن عدنان سے آدم علیہ السلام تک) کوئی قابلِ وثوق صحیح ومعتبر روایت نہیں ملتی (جو اس سے اوپر تک آپ کے نسب شریف کو واضح کر سکے) اور (آپ کے نسب نامہ میں) قصی (1) کے ''قاف'' پر ضمہ ہے۔ نیز (نسب شریف میں مذکورہ نام) لوی (2) ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اور اسی طرح ''الیاس'' میں ہمزہ وصلی (3) ہے اور بعض اہلِ عرب کے نزدیک ہمزہ قطعی ہے۔

سید عالم ﷺ کی کنیت

نبی اکرم ﷺ کی (دو کنیتیں ہیں) مشہور کنیت تو ابوالقاسم ہے، اور جبریل امین کے کنیت رکھنے سے ابوابراہیم بھی آپ کی کنیت تھی۔

اسمائے گرامی

نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی بے شمار ہیں، جیسا کہ امام ابوالقاسم علی بن حسن الشافعی الدمشقی المشہور بہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ دمشق'' میں نبی اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی میں پورا ایک باب باندھا ہے۔ جن میں سے بعض بخاری ومسلم اور بعض دوسری کتبِ احادیث میں پائے جاتے

1۔ یعنی قصی، اقصی کی تصغیر ہے، ضبط اعراب اس طرح ہوگا، بضم ''قاف'' وبفتح ''صاد'' وبتشدید ''یا'' ان کا اصل اسم گرامی ''زید'' ہے آپ نے اپنی قوم کے لیے کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیے، ''دارالندوہ'' کے آپ ہی بانی تھے جہاں قریش کے اہم مہمات امور طے ہوا کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

2۔ لُؤی کا ضبط اعراب اس طرح آیا ہے بضم ''لام'' وبفتح ''صاد'' وبتشدید ''یاء'' ''لوی'' ''لائی'' کی تصغیر ہے۔

3۔ ہمزہ وصلی وہ ہوتا ہے جو درج کلام میں گر جائے اور قطعی وہ جو نہ گرے۔ (مترجم)

ہیں۔ انہی اسمائے مبارکہ میں سے (سیدنا ومولانا) ''محمد'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''احمد'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''حاشر'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''عاقب'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''مقفی'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''ماحی'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''خاتم الانبیاء ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''نبی الرحمۃ'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''نبی الملحمۃ'' ﷺ۔ اور ایک روایت میں ''نبی الملاحم'' ﷺ ہے، (سیدنا ومولانا) ''نبی التوبہ'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''فاتح'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''طٰہٰ'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''یٰسین'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''عبداللہ'' ﷺ۔

قرآن، تورات وانجیل میں مذکورہ اسمائے طیبہ

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض علماء نے آپ کے وہ اسمائے گرامی بھی شمار فرمائے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے اور وہ اسمائے گرامی یہ ہیں:

(سیدنا ومولانا) ''رسول'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''نبی'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''امی'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''شاہد'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''مبشر'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''نذیر'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''داعی الی اللہ'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''سراج'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''منیر'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''رؤف'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''رحیم'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''مذکر ﷺ''، سیدنا ومولانا ''رحمۃ'' ﷺ (سیدنا ومولانا) ''نعمت'' ﷺ، (سیدنا ومولانا) ''ہادی'' ﷺ(1)۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اسمی فی القران محمد وفی الانجیل احمد وفی التوراۃ احید وانما سمیت احید لانی احید امتی عن نار جہنم۔ (ص۱۹۱)

''حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن میں میرا نام محمد (ﷺ) اور انجیل میں میرا نام احمد (ﷺ) اور تورات میں میرا

1۔قرآن کریم میں مذکورہ اسماء طیبہ کے علاوہ یہ اسمائے گرامی بھی ہیں:

سیدنا ومولانا محمد، احمد، مزمل، مدثر، کھیعص، ن، القلم، ﷺ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ن اور قلم حضور ﷺ کا اسم گرامی ہے، نیز کھیعص اسم گرامی کے علاوہ آپ کے روئے تاباں کا بھی مظہر ہے۔ امام اہل سنت قدس سرہٗ اس کی تعبیر یوں بیان فرماتے ہیں: ''ک''، ''گیسو''، ''ہ''، ''دہن''، ''یا''، ابرو، آنکھیں ''ع ص''

کھیعص ان کا چہرہ نور کا

(حدائق بخشش) مترجم غفرلہٗ

نام احید (ﷺ) اس لیے ہے کہ میں اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے دور رکھوں گا۔''

آپ کے مذکورہ بالا اسمائے گرامی میں بعض (فقط) صفات ہیں۔ جن پر اسماء کا مجازاً استعمال کیا گیا ہے (اور بعض ذاتی حقیقی اسمائے عالیہ ہیں) امام ابوبکر ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ''الاحوذی فی شرح الترمذی'' میں اسماء کریمہ کے متعلق بعض صوفیہ کا یہ قول تحریر فرمایا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے ایک ہزار نام ہیں اور اسی طرح سید عالم ﷺ کے بھی ایک ہزار اسمائے گرامی ہیں۔

(صوفیہ کے مذکورہ قول پر تبصرہ) امام ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ اسماء میں حصر مقصود نہیں ہے بلکہ فقط ان حضرات کے شمار کے مطابق یہ تعداد ہے۔ اور یہ گنتی اس کی (غیر محدود) ذات کی بہ نسبت بہت کم ہے(1) البتہ نبی کریم ﷺ کے اسمائے طیبہ جو بظاہر اسماء معلوم ہوتے ہیں، ظاہر طور پر انہیں میں نے شمار کیا ہے، جن میں چونسٹھ میں نے حفظ بھی کیے ہیں۔

پھر امام ابن العربی قدس سرہٗ نے انہیں نہایت عمدہ شرح کے ساتھ تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ ان کے علاوہ اور بھی آپ کے اسمائے طیبہ موجود ہیں۔(2)

نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ

سید عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی (حضرت سیدتنا) آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا (قرشیہ زہریہ) ہے۔ (موصوفہ ممدوحہ کا نسب نامہ یوں ہے): آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لُوّی بن غالب (رضی اللہ عنہم)

حالات مبارکہ از ولادت تا ہجرت ووفات

نبی کریم ﷺ کی پیدائش مبارک ''عام الفیل''(3) میں ہوئی۔

سنِ ولادت کی تعیین میں ائمہ کے اقوال

۱۔ حاکم ابو احمد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عام الفیل کے تیس سال بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۲۔ امام ابن عساکر قدس سرہٗ نے ''تاریخ دمشق'' میں ولادت کے متعلق دو روائتیں ذکر کی ہیں۔ (ایک یہ کہ) آپ عام الفیل کے چالیس سال بعد پیدا ہوئے۔ (اور دوسری یہ کہ) آپ عام الفیل کے دس

1۔ اس لیے کہ اسمائے الٰہیہ اس کی ذات کی طرح غیر متناہیہ ہیں۔

2۔ مثلاً قرآن کریم کی آیت مبارکہ ''الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' میں ''ذکر اللہ'' بروایت بعض مفسرین نبی ﷺ کا اسم گرامی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا نبی کریم ﷺ کا نام لینے سے بے چین دل اطمینان وسکون پاتے ہیں۔

3۔ یعنی وہ سال جس میں یمن کے حاکم ابرہہ اشرم نے کعبہ ڈھانے کیلئے ہاتھیوں کے لشکر سے چڑھائی کی تھی۔ (مترجم غفرلہٗ)

سال بعد پیدا ہوئے۔

۳۔(لیکن) صحیح و مشہور جس پر امام بخاری قدس سرہٗ کے استاذ محترم (حضرت امام) ابراہیم بن منذر قدس سرہٗ اور (حضرت) خلیفہ بن خیاط قدس سرہٗ اور دوسرے محدثین کرام نے اجماع نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی(1)۔ ہاں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ پیر کے دن ربیع الاول شریف کے مہینہ میں پیدا ہوئے۔

(البتہ) اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ربیع الاول کی ''دو'' تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے یا آٹھ کو یا دس کو یا بارہ کو(2) (تاریخِ ولادت کی تعیین میں) یہ چار مشہور اقوال ہیں۔

۱۲ ربیع الاول(3) ۱۱ھ پیر کے دن بوقت چاشت نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے سن ہجری کی ابتدائی تاریخ اسی سال سے متعین کی گئی ہے اور منگل کے دن بوقت ظہر دفن ہوئے۔ اور بروایت بعض بدھ کے دن دفن ہوئے۔

آپ کا وصال شریف تریسٹھ برس کی عمر شریف میں ہوا۔ یہی زیادہ صحیح و مشہور ہے۔ اور بعض (ارباب سیر واحادیث) نے پینسٹھ برس اور بعض نے ساٹھ برس لکھے ہیں۔ یہ تینوں روایات صحیح بخاری کی ہیں۔ ان تینوں روایتوں کے اختلاف کی تطبیق یوں ہے کہ جس راوی نے ساٹھ برس ذکر کیے اس نے کسور(4) کا ذکر نہیں کیا۔ اور جس نے پینسٹھ برس ذکر کیے اس نے وصال و ولادت کے سن کو بھی شمار کیا ہے اور جس نے تریسٹھ برس کی روایت کی ہے اس نے وصال و ولادت کے سال کو شمار نہیں کیا۔

1۔ صحیح و مشہور معتمد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ولودِ مسعود واقعہ اصحابِ فیل کے پچپن دن بعد ہوا۔

2۔ اصح یہ ہے کہ آپ بارہ ربیع الاول شریف کو پیدا ہوئے، اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ کے کلام میں ایک لطیف اشارہ اسی جانب پایا جاتا ہے:

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا　　　بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

3۔ تاریخ ولادت کی طرح تاریخِ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ اور بعض کے نزدیک ربیع الاول کی یکم تھی۔ لیکن بنابر قول حضرت سلیمان تیمی ۲۲ صفر بروز ہفتہ مرض کی ابتداء ہوئی اور ۲ ربیع الاول بروز پیر وصال شریف ہوا۔ امام الحافظ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلیمان تیمی کا قول ہی معتمد و مستند ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اور دوسروں کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہوئی کہ ''ثانی'' کو ''ثانی عشر'' خیال کرلیا گیا۔ پھر اسی وہم میں بعض نے اعتماداً علی السلف بعض کی تقلید کردی۔ (فائدہ) اس وضاحت سے جو امام ابن حجر مکی قدس سرہٗ نے جزماً فرمائی منکرینِ جشنِ میلاد النبی ﷺ کا ایک بڑا سوال بھی خود بخود رفع ہو جاتا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جی ہم ''یومِ وفات'' جو کہ سراپا حزن و ملال ہے کہ یومِ ولادت ''جو سراسر فرح و سرور ہے'' نہیں مناتے۔ اصح یہی ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ (ماخوذ بتصرف از ''سیرت رسول عربی'' مصنفہ حضرۃ العلامہ نور بخش توکلی قدس سرہٗ)

4۔ اہل حساب کے نزدیک ایک سے دس تک کے اعداد کو ''کسر'' کہتے ہیں۔

صحیح یہی ہے کہ آپ کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی۔اسی(1) طرح حضرات ''ابو بکر صدیق'' رضی اللہ عنہ ''عمر فاروق اعظم'' رضی اللہ عنہ ''علی المرتضیٰ'' رضی اللہ عنہ،ام المومنین ''عائشہ الصدیقہ'' رضی اللہ عنہا کی عمر میں بھی صحیح روایت تریسٹھ برس کی ہے۔

حاکم ابو عبد اللہ قدس سرہٗ کے استاذ امام حاکم ابو احمد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت اور وفات حسرت آیات،اور نبوت سے سرفرازی،مکہ مکرمہ سے ہجرت،مدینہ طیبہ میں دخول،یہ تمام واقعات پیر(2) کے دن ہوئے۔آپ کی ولادت باکرامت کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ختنہ کیے ہوئے اور خوش وخرم پیدا ہوئے(3)۔

آپ کو کن کپڑوں میں کفنایا گیا

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق قمیص وپگڑی کے بغیر آپ کو تین سفید(سوتی) کپڑوں میں کفنایا گیا۔

امام حاکم ابو احمد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب سید کائنات ﷺ کو کفنا دیا گیا تو بعدہٗ آپ کی چارپائی(تیار شدہ) قبر انور کے کنارے رکھ دی گئی جہاں بلا امام جماعت در جماعت اصحابِ کرام علیہ صلوٰۃ والسلام عرض کرنے آتے رہے۔سب سے پہلے جنہوں نے صلوٰۃ وسلام عرض کیا وہ حضرت (سیدنا ومولانا) عباس رضی اللہ عنہ تھے۔آپ کے بعد(تمام) بنو ہاشم نے ان کے بعد مہاجرین و انصار نے۔ان کے بعد عام اصحاب نے۔جب سب مرد صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہو گئے تو پھر بچے سلام عرض کرنے کے لیے آئے۔ازاں بعد خواتین سلامی کے لیے حاضر ہوئیں۔عرضِ سلام کے بعد آپ کو لحد میں اتار دیا گیا۔

لحد میں اتارنے کی خدمت سرانجام دینے والے اصحاب

سید عالم ﷺ کو لحد کے سپرد کرنے والے حضرات میں:

۱۔حضرت(سیدنا ومولانا) عباس رضی اللہ عنہ

۲۔(حضرت سیدنا ومولانا) علی رضی اللہ عنہ

1۔یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کے بارے میں صحیح روایت ۶۳ برس کی ہے۔

2۔یہ تاریخ کا نہایت حسنِ اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت ووفات اور مدینہ منورہ میں داخلہ یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول میں ہوا،پھر ولادت اور دخول مدینہ طیبہ ان دو باتوں میں تاریخ،دن اور مہینہ میں اتفاق ہے۔یعنی پیر ۱۲ ربیع الاول شریف۔

3۔عام انسان کی طرح روتے ہوئے یا بے عقل پیدا نہیں ہوئے۔انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اسی طرح ہوتی ہے کہ بوقتِ ولادت نہایت ہشاش بشاش،مکمل عقل والے اور اکمل عارف باللہ ہوتے ہیں۔

۳۔(حضرت سیدنا و مولانا) فضل رضی اللہ عنہ
۴۔(حضرت سیدنا و مولانا) قثم بن عباس رضی اللہ عنہما، اور نبی اکرم ﷺ کے آزاد فرمودہ غلام
۵۔(حضرت سیدنا و مولانا) شقران رضی اللہ عنہ تھے۔

حاکم ابو احمد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض (ائمہ) کہتے ہیں (حضرت سیدنا و مولانا) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور (حضرت سیدنا و مولانا) اوس بن خولی رضی اللہ عنہ بھی مذکورہ حضرات کے ہمراہ قبر انور میں اترے تھے اور دفن کے لیے لحد بنائی گئی تھی جس پر نو کچی اینٹیں لگائی گئیں۔ اس کے بعد مٹی ڈال دی گئی۔ ازاں بعد قبرِ انور (اوپر سے) چہار گوشہ بنانے کے بعد اس پر پانی کا خوب چھڑکاؤ کیا گیا۔

حاکم ابو احمد قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حضرت سیدنا و مولانا) مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی قبرِ انور میں اترے تھے۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔

سید عالم ﷺ کے بزرگوار کب رخصت ہوئے

امام حاکم ابو احمد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ (۱) اٹھارہ ماہ (ڈیڑھ سال) کے تھے کہ آپ کے والد محترم (حضرت سیدنا) عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے رحلت فرمائی۔ اور بعض راویوں نے یوں بھی لکھا کہ جب آپ کے پدرِ گرامی رخصت ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک (۲) نو ماہ (۳) یا سات ماہ (۴) یا دو ماہ تھی (۵) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابھی تک آپ صدفِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد محترم (حضرت سیدنا) عبداللہ (رضی اللہ عنہ) وصال فرما گئے۔ (آخری قول پر مشہور مورخ واقدی کی رائے) (علامہ) واقدی اور ان کے منشی محمد بن سعد کہتے ہیں کہ بحالتِ حمل (آپ کے والد محترم رضی اللہ عنہ کا وصال فرما جانا) صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ (یہ بھی واضح رہے کہ) سید عالم ﷺ کے پدرِ بزرگوار رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک مدینہ (1) طیبہ میں واقع ہوا تھا۔

آپ کے جد امجد اور آپ کی والدہ محترمہ کا وصال

سید عالم ﷺ آٹھ یا چھ برس کے تھے کہ آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی وصال فرما گئے اور بوقتِ وصال شریف آپ کی کفالت و نگہداشت کے لیے ابو طالب کو وصیت فرمائی (2) اور جب آپ چار یا چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ (رضی اللہ عنہا) بھی (مقامِ)

1۔ وہ اس طرح کہ آپ بغرضِ تجارت ملک شام تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں اپنے والد ماجد کے ننھیال بنونجار میں ٹھہرے اور وہیں ایک ماہ بیمار رہ کر وصال فرما گئے۔
2۔ کہ وہ حضرت کا ہر طرح خیال رکھیں۔

"ابواء" میں وصال فرما گئیں(1)۔

آپ رسولِ کائنات کب ہوئے

جب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک (۱) چالیس سال (۲) یا چالیس سال اور ایک دن، کو پہنچی تو آپ کوکل کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

آپ کی بعد از رسالت مکی زندگی

اور نبوت کے بعد آپ نے (۱) تیرہ برس (۲) یا پندرہ برس (۳) یا دس برس تک مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

آپ کی مدنی زندگی

پھر وہاں سے ہجرت فرما کر ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے اور مدینہ منورہ میں باتفاق (محدثین وارباب سیر) دس برس قیام فرمایا۔ (پھر گیارھویں سال) امام حاکم ابواحمد فرماتے ہیں ماہِ صفر کی دوراتیں باقی تھیں کہ بروز بدھ(2) ام المومنین حضرت سیدتنا میمونہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس میں ابتدائے مرض لاحق ہوا(3)۔

حضور اقدس ﷺ کی پرورش اور دوران پرورش آپ کے خصائص

سیدِ عالم ﷺ نے چند دن ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ نوش فرمایا۔ ثوبیہ کی "ثا" پر ضمہ(4) ہے۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ(5) بنت عبد اللہ بن حارث سعدیہ رضی اللہ عنہا کا شیر نوش فرماتے

1۔ سیدہ آمنہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا وعلی بعلہا وابنہا الکریم اپنے شوہر نامدار حضرت سید عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لے گئی تھیں کہ واپسی پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان موضع "ابوا" میں وصال فرما گئیں وہاں آپ کی تربتِ اطہر اب بھی مرجع خلائق اور زیارت گاہ عوام ہے۔

2۔ ماہ صفر کے آخری بدھ کے متعلق عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ اس دن سید عالم ﷺ کو صحت ہوئی تھی بالکل بے بنیاد، غلط اور خلاف روایاتِ صحیحہ ہے، بروایت سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس دن آپ کو شدید بخار تھا۔ (بخاری کی روایت یہی ہے) (مترجم غفرلہٗ)

3۔ اور بنا بر اصح روایت کے ۲ ربیع الاول، اور مطابق مشہور روایت کے ۱۲ ربیع الاول کو ام المومنین سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ قدسیہ میں انہی کی گود میں آپ وصال فرما گئے۔

4۔ ایک لغت میں ثوبیہ بفتح "ثا" بھی آیا ہے۔

5۔ حضرت سیدتنا حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بظاہر فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئیں۔ بعدہٗ مدینہ منورہ میں مستقل قیام رہا اور وہیں وصال فرمایا۔ اور اب جنت البقیع شریف میں آرام فرما رہی ہیں۔ معتبر زائرین حرمین شریفین سے سنا گیا ہے کہ موصوفہ کی تربت

رہے۔ آنحضرت ﷺ کے ایامِ شیر خوارگی کے متعلق (حضرت سیدتنا) حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ایک دن میں اتنا پلتے بڑھتے تھے جتنا اوروں کا عام بچہ ایک مہینہ میں بڑھتا ہے۔

سید کائنات ﷺ پیدائش سے ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی پرورش فرمائی۔

بچپن سے ہی اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو زمانہ جہالت کی غلاظت (یعنی غلط عقیدہ و مذہب و کردار) سے محفوظ و مامون رکھا (مثلاً) آپ نے (نبوت سے قبل اور ایامِ طفولیت میں بھی) کبھی بھی جاہلیت والوں کی طرح ان کے رسوم کے مطابق کسی بت کی تعظیم نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی کبھی آپ ان کی منعقدہ مجلسِ کفر و لغویات میں دعوت دینے کے باوجود شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی آپ کو بچائے رکھا۔ جیسا (حضرت سیدنا و مولانا) علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "نہ ہی تو میں نے کبھی شراب پی اور نہ ہی کسی بت کے آگے سرنگوں ہوا، میں شروع سے ہی ان باتوں کو کفر جانتا تھا اور ان باتوں پر چلنے والوں کو غلط سمجھتا تھا"۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر کرم تھا کہ آپ کو جاہلیت کی تمام نجاستوں سے پاک رکھا، اور عمدہ اخلاق سے اس وقت بھی آپ کو سرفراز رکھا حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے جب آپ کی امانت، دیانت، تقویٰ، طہارت اور صداقت کو دیکھا تو (بے ساختہ) آپ کو (صادق و) "امین" کہنے لگے۔

شام کا پہلا سفر

جب نبی کریم ﷺ بارہ برس کے ہوئے تو آپ کے چچا ابو طالب (حسبِ معمول بغرضِ تجارت) ملک شام جانے لگے تو آپ بھی ان کے ہمراہ ہو لیے۔ اور

حَتّٰی بَلَغَ بُصْرٰی فَرَآهُ بُحَيْرَا الرَّاهِبُ فَعَرَفَهٗ بِصِفَتِهٖ فَجَاءَ وَاَخَذَ بِيَدِهٖ وَقَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ،هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ حُجَّةً لِّلْعَالَمِيْنَ،قَالُوْا فَمِنْ اَيْنَ عَلِمْتَ ذٰلِكَ قَالَ حِيْنَ اَقْبَلْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرَةٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدُ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَّاِنَّا نَجِدُهٗ فِيْ كُتُبِنَا۔الخ (ص ۱۹۳)

شریف پر ہر وقت سبزہ رہتا ہے جواب بھی انکی محبت وشفقت کا بے پایاں کا مظہر ہے۔

بڑی تو نے توقیر پائی حلیمہ کہ تو ہے محمد کی دائی حلیمہ

آپ کے شوہر کا اسم گرامی حضرت سیدنا حارث بن عبدالعزیٰ سعدی رضی اللہ عنہ ہے۔

''جب بصریٰ(1) میں پہنچے تو وہاں عیسائی دین کے ایک(2) درویش ''بحیرا'' (نام) نے آپ کی صفات دیکھ کر آپ کو پہچان لیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا دست اقدس پکڑ کر کہنے لگے ''یہ سارے جہاں کے سردار ہیں''، ''یہ رب العالمین کے رسول ہیں''۔ اللہ تعالیٰ ان کو سارے جہاں کے لیے حجت (ورحمت) بنا کر بھیجے گا۔ (قافلہ والوں نے) پوچھا تجھے کس طرح معلوم ہوا تو بحیرا کہنے لگے جب تم گھاٹی سے اتر رہے تھے (تو میں نے دیکھا(3) کہ) تمام پتھر اور درخت سجدہ میں گر پڑے جبکہ درخت و پتھر پیغمبر کے علاوہ کسی دوسرے کو سجدہ نہیں کرتے۔ اور ہم اپنی کتابوں میں (بھی) انہیں یوں ہی پاتے ہیں۔ پھر بحیرا عالم نے ابو طالب سے درخواست کی کہ آپ انہیں یہیں سے واپس کر دیں۔ (مجھے خطرہ ہے کہ) مبادا یہود انہیں کوئی زک پہنچا دیں۔ چنانچہ ابو طالب وہیں سے واپس ہو گئے'' (4)۔

شام کا دوسرا سفر

پھر دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا مال تجارت ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ لے کر ملک شام کا سفر فرمایا حتی کہ شام کے شہر بصریٰ(5) کی منڈی تک تشریف لے گئے۔ (واضح رہے کہ جب آپ نے یہ سفر اختیار فرمایا) اس وقت تک آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد نہیں فرمایا تھا۔ (اسی سفر سے واپسی کے تین ماہ بعد) پچیس برس کی عمر شریف میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمایا۔

1۔ بصریٰ شام کے ایک تجارتی شہر کا نام ہے۔ بصرۂ عراق جو مشہور نام ہے یہ وہ نہیں۔

2۔ موجودہ وقت میں عیسائی علماء کو پادری کہا جاتا ہے۔

3۔ نور الٰہی اور جلائے ایمانی سے، یہی وجہ ہے کہ بقیہ قافلہ والے، درختوں کو سجدہ میں نہ دیکھ سکے، یا یہ کہ ان کے پاس بحیرا پادری کی طرح ایمانی نور نہ تھا۔

4۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق بحیرا راہب نے واپسی پر سید عالم ﷺ کو (تکریماً و اعزازاً) خشک روٹی اور روغن زیتون بطور زاد راہ دیا تھا۔ (الحدیث)۔ بعض رواۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''بحیرا'' اس وقت نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔

5۔ اس سفر میں بھی مذکورہ واقعہ کی طرح ایک عیسائی عالم ''نسطورا'' نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام ''میسرہ'' کو نیک نیتی سے ساتھ رہنے اور ساتھ نہ چھوڑنے کی تلقین کی تھی نیز آپ کا زمانہ نبوت پانے کی آرزو کی تھی۔

بوقت ہجرت سید عالم ﷺ کے ہمراہی

جب آپ مکہ سے بسوئے مدینہ طیبہ ہجرت کے ارادہ سے نکلے تو آپ کے ہمراہ (امیر المومنین خلیفہ بلافصل) ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ(1) رضی اللہ عنہ۔فہیرہ کی ''فا'' مضموم ہے اور راستہ بتانے والا ایک شخص عبداللہ بن اریقط تھے۔ اس عبداللہ کے اسلام کا کچھ پتہ نہیں۔

سراپا مبارک(2)

نبی کریم ﷺ (کا قد مبارک(3)) نہ تو بہت دراز اور نہ ہی بہت مختصر (بلکہ میانہ مائل بہ درازی)،

1۔آپ کاتبِ وحی، سابق فی الاسلام اور صاحب فضائل کثیرہ تھے۔واقعہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

2۔اہلِ سنت و جماعت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے کمالِ خلق میں کوئی مماثل نہیں یونہی کمالِ خلقت میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کے کوئی مشابہ نہیں۔حتیٰ کہ انبیاء کرام میں بھی کوئی آپ کا معادل نہیں۔جیسا کہ امام بوصیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِي خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ　　وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

یعنی آپ صفاتِ خَلقیہ وخُلقیہ میں ممتنع النظیر ہیں۔آپ کی حقیقت وصف کے ادراک سے تمام وہ لوگ جو اپنے اپنے فن کے استاذ تھے، عاجز رہ کر بے ساختہ پکار اٹھے:

''لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ۔''

اسی بناء پر مشہور عارف باللہ حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ متوفی ۴۲۵ھ نے فرمایا کہ میں تین چیزوں کی ماہیت وحقیقت کو نہ جان سکا۔انہی تین میں سے ایک نبی کریم ﷺ کی حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ میں نبی امی دقیقہ دانِ عالم ﷺ کی حقیقت کے ادراک سے عاجز رہا۔(نفحات الانس) مقام غور ہے کہ اولیاء کرام جو حقائقِ اشیأ کے شناسا و عارف ہوتے ہیں۔اس طائفہ عُلیہ سے تعلق رکھنے والے ایک ولی اللہ جو اپنے وقت کی نابغہ روزگار شخصیت ہیں۔حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے ادراک وعرفان سے مکمل عجز کا اظہار کررہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کسی نے بھی حضور ختمی مآب ﷺ کے حلیہ مبارک کو پیش کیا تو اس نے فقط صورتِ وصف کو پیش کیا نہ کہ حقیقتِ وصف کو۔امام بوصیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِكَ لِلنَّاسِ　　كَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَآءُ

یعنی انہوں نے آپ کی صفات کی صرف صورت ہی دکھائی ہے۔جس طرح پانی ستاروں کی صورت دکھا دیتا ہے۔

اسی مفہوم کو شاعر بارگاہ رسالت حضرت سیدنا حسان بن ثابت اس طرح ادا فرماتے ہیں:۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ　　وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ　　كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

''آپ سے خوب تر میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں، اور آپ سے حسین تر کسی عورت نے کوئی جنا ہی نہیں۔آپ ہر عیب سے یوں پاک پیدا فرمائے گئے کہ گویا آپ کی منشا کے مطابق آپ کی تخلیق ہوئی ہو''۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(جسم مبارک کا رنگ مبارک) نہ تو خالص سفید اور نہ نرا گندمی (بلکہ سفید مائل بسرخی) اور سر مبارک نہ تو بالکل سیدھے اور نہ بالکل لچھے دار اور نہ ہی بالکل گھنگھریالے بغیر خم کے (بلکہ کچھ گھنگھریالے والے خمدار) بوقت وصال شریف بال مبارک بیس تک سفید نہ تھے۔ مبارک گیسوا کثر تا بگوش رہتے اور کبھی کبھار تا بدوش رہتے (1)۔ خوب صورت جسم، دوش مقدس کا درمیانی حصہ فراخ، ریش اقدس گھنی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسی مضمون کو مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ اس طرح ادا فرماتے ہیں ؎

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شُد پیدا جانا

ایسے ہی اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ ادراکِ حقیقت سے عاجز رہنے کے بعد عالمِ تحیر میں اس طرح مدح سرا ہوئے: ؎

سُبْحَانَ اللّٰہُ مَا اَجْمَلَکَ، مَا اَحْسَنَکَ مَا اَکْمَلَکَ

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

مذکورۃ الصدر مسئلہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں سید کائنات ﷺ نے محرم اسرار نبوت سیدنا ابوبکر عبداللہ بن ابو قحافہ عثمان بن عامر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا تھا:

"یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ"۔ (الحدیث)

نیز ارشاد عالی ہے:

"اَیُّکُمْ مِثْلِیْ"

اسی طرح سیدتنا ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

"اَتَانِیْ جِبْرَائِیْلُ فَقَالَ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔"

"جبریل میرے پاس آکر کہنے لگے میں نے زمین کا مشرق و مغرب پلٹ مارا مگر آپ جیسا (حسنِ خلق و خلقت میں) کوئی نظر نہ آیا"۔

ایک شاعر نے عمدہ کہا ہے: ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

وایضاً نعم ماقال الشاعر: ؎

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ اَبَدًا وَعِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یُخْلَقَ

"اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی مثل پیدا نہیں کیا اور مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی پیدا نہ فرمائے گا۔"

(ماخوذ تبصرف از تبرکات اعلیٰحضرت بریلوی و علامہ نور بخش توکلی قدس سرہما)

3۔ تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

(اعلیٰحضرت قدس سرہٗ)

1۔ جب آپ کٹوا دیتے تو کان تک رہ جاتے۔ اور جب نہ ترشواتے تو پھر بڑھ کر شانہ مبارک تک پہنچ جاتے اس کی نفیس حکمتِ عملی اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے منظوم کلام میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔ پڑھیے اور سر دھنیے: ؎

گوش تک سنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش کہ بنیں خانہ بدوشوں کے سہارے گیسو

ہتھیلیاں پُر گوشت، سرِ اقدس اور تمام جوڑ ضخیم، روئے(1) اقدس قدرے گول اور پُر گوشت تھا۔ آنکھیں بڑی اور سرگیں، پلکیں لمبی، آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ(2) ڈورے، چلنے کی رفتار قوت (وقار اور) تمکنت سے ہوتی(3)۔

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ كَأَنَّ وَجْهَهُ الْقَمَرُ۔ آپ(4) کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ گویا آپ کا روئے تاباں پورا چاند تھا۔ خوش آواز، رخسار(5) مبارک ہموار (نہ بہت ابھرے ہوئے اور نہ دبے ہوئے)، دہن مبارک فراخ، شکم(6) اقدس ستا ہوا، کاندھوں اور بازوؤں پر بال، سینۂ اقدس(7) کشادہ، لمبی کلائیاں، چوڑی اور بھری ہوئی ہتھیلیاں، چشمانِ مقدس کا گھیرا لمبوترا، پتلی ایڑیاں(8) (اور بھرے ہوئے قدم مبارک) دونوں کندھوں کے درمیان تکمہ چھپرکھٹ یا بیضۂ کبوتر کی مانند مہرِ نبوت(9)، آپ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ زمین گویا آپ کے

1۔ جو جمالِ الٰہی کا آئینہ اور انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر و مورد تھا۔ اسی روئے اقدس کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دیکھتے ہی بے ساختہ پکار اٹھے تھے:۔

"وَجْهُهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔" ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔

2۔ سابقہ کتبِ سماویہ میں علاماتِ نبوت سے ایک یہ بھی آپ کی علامتِ نبوت مذکور تھی۔ جب آپ نے دوسری مرتبہ شام کا سفر اختیار فرمایا تھا تو بصریٰ میں "نسطورا" پادری نے اسی علامت سے آپ کو پہچانا تھا۔

3۔ اور یہی رفتار محبوب و ممدوح ہے جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ الآیہ

عرش تا فرشِ زمیں ہے، فرش تا عرشِ بریں　　کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے

4۔ ہر چہ اسباب جمال است رخ خوب ترا　　ہمہ بروجہ کمال است کما لا یخفیٰ

خورشید تھا کس زور پہ کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر　　بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(اعلیحضرت قدس سرہٗ)

5۔ جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے　　ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

6۔ کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا　　اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

7۔ اسی سینۂ اقدس میں اسرارِ الٰہیہ اور معارفِ ربانیہ ودیعت رکھے گئے۔

رفع ذکر جلالت پہ ارفع درود　　شرح صدر صدارت پہ لاکھوں سلام

8۔ اک ٹھوکر سے احد کا زلزلہ جاتا رہا　　رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

9۔ دونوں شانوں کے درمیان بدن شریف کے باقی اجزا سے ابھرا ہوا نورانی گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ اسی کو مہرِ نبوت کہا جاتا ہے۔ سابقہ کتب و صحفِ سماویہ میں آپ کی علاماتِ نبوت سے ایک یہ بھی پائی جاتی تھی۔ سمجھانے کی خاطر اسے کبوتر کے انڈے یا زرِ حجلۂ عروسی سے تشبیہ دی جاتی ہے ورنہ یہ ایک ایسا سرِ عظیم و رمزِ عجیب ہے جو صرف حضور اقدس ﷺ (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

لیے پٹتی جارہی ہے۔صحابہ کرام آپ کے ہمراہ پوری کوشش سے چلتے تھے جبکہ آپ بآسانی چلتے (اور پھر بھی سب سے آگے رہتے)، (اولاً بغیر مانگ نکالے) سر مبارک کی زلفیں کھلی رہتیں۔پھر مانگ نکالنا شروع فرمائی۔اور مبارک زلفوں میں کنگھی استعمال فرماتے۔اور یونہی ڈاڑھی مبارک میں (بھی) کنگھی فرماتے۔اور سونے سے پہلے ہر روز تین تین مرتبہ آنکھوں میں سرمہ (1) ڈالتے۔

لباس شریف

نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ لباس قمیص (چادر اور تہ بند تھا) اور (یمنی) دھاری دار چادریں (جن کو ''حِبَرَۃ'' کہا جاتا ہے) سب سے زیادہ پسند فرماتے، قمیص کی آستین (اکثر) کلائیوں تک رہتی۔اور بعض اوقات آپ سرخ (دھاریدار) حلہ زیب تن فرماتے۔اور کبھی چادر اور شلوار بھی استعمال فرما لیتے۔گاہے بگاہے دوسوتی کپڑے استعمال میں لاتے۔اور بعض اوقات ایسا جبہ بھی استعمال فرما لیتے جس کی آستینیں تنگ ہوتی تھیں۔اور کبھی چغہ (بڑا کوٹ) استعمال فرماتے (اکثر) سیاہ عمامہ جس کا شملہ اکثر دونوں شانوں کے درمیان لٹکتا رہتا، استعمال فرمایا ہے۔اور کبھی اونی سیاہ کمبل بھی اوڑھ لیتے۔ (علاوہ بریں) انگوٹھی (2)، موزے، اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خاطر اسے کبوتر کے انڈے یا زِرِحجلہ عروسی سے تشبیہ دی جاتی ہے ورنہ یہ ایک ایسا سرِ عظیم و رمزِ عجیب ہے جو صرف حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مختص ہے جس کی حقیقت صرف اللہ جل مجدہٗ اور اس کے محبوب کریم ﷺ ہی جانتے ہیں یا وہ حضرات جو رازہائے نبوت کے محرمِ خاص تھے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ۔اسی مہرِ نبوت کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

نبوت را توئی آں نامہ در پشت   کہ از تعظیم دارو مہر بر پشت

1۔آپ کی آنکھیں تو قدرتاً سرگیں تھیں۔آپ کو سرمہ کی قطعاً حاجت نہ تھی۔مگر تعلیم امت کے لیے آپ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا:۔

سرگیں آنکھیں، حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال   ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا   اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

2۔محققین نے ثابت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی انگشتری مبارک چاندی کی تھی جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ سے زائد نہ تھا۔لہٰذا مذکورہ وزن سے زائد یا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی استعمال کرنا خلافِ سنت و ناجائز ہے۔اور سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے تو خالص حرام ہے جس کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے۔بلاضرورت چاندی کی انگوٹھی میں بھی مرد کے لیے ترک افضل ہے۔علامہ شامی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا:

انگوٹھی حاکم، قاضی، مفتی یا احمق پہنے فافہم مزید تحقیق انیق کے لیے اعلیٰحضرت مجدد مأتہ حاضرہ الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ کا رسالہ مبارکہ ''الطیب الوجیز'' مطالعہ کریں۔

جوتا(1) استعمال میں رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی اولاد امجاد

نبی اکرم ﷺ کے تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے (حضرت سیدنا) قاسم (رضی اللہ عنہ) تھے۔ جو قبل از نبوت مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر مبارک پا کر وصال فرما گئے اسی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی اور دوسرے حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جو زمانہ نبوت میں پیدا ہونے کی وجہ سے طیب و طاہر کے لقب سے ملقب تھے۔ بعض (اہل نسب) کے نزدیک طیب و طاہر (حضرت سیدنا) عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہیں۔ لیکن بصحت یہی ثابت ہے کہ طیب و طاہر (حضرت سیدنا) عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا لقب تھا۔ اور تیسرے (حضرت سیدنا) ابراہیم(2) (رضی اللہ عنہ) تھے جو ۸ھ میں پیدا ہوئے اور سترہ یا اٹھارہ ماہ کی عمر میں وصال فرما گئے۔

نبی کریم ﷺ کی (بالاتفاق) چار صاحبزادیاں تھیں:

پہلی (حضرت سیدتنا) زینب(3) رضی اللہ عنہا تھیں جن کا عقد ان کے خالہ زاد (حضرت سیدنا) ابوالعاص(4) بن ربیع بن عبدالعزّٰی بن عبدشمس، رضی اللہ عنہ سے ہوا (موصوفہ) کی خالہ کا نام

1۔ نعل پاک چپلی کے مانند تھے جس کے دو دو تسمے دوہری تہہ والے ہوا کرتے تھے۔ طریقہ استعمال اس طرح ہوتا کہ ایک تسمہ انگوٹھے مبارک اور انگوٹھے مقدس کی متصل انگلی مبارک کے درمیان، اور دوسرا تسمہ درمیان کی انگشت پاک اور بنصر کے درمیان ہوا کرتا۔

یہ وہی نعلین مقدس ہیں جن کو ایک روایت کے مطابق عرش اعظم پر بھی اتارنے کی اجازت نہ ملی۔

ولنعم ما قال الشاعر:۔

لَدَی الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اخْلَعْ وَاَحْمَدُ
عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُوْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِہٖ

استاذ زمن امام "حسن" بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

اگر سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور　　تو پھر کہیں گے ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

(ذوق نعت)

2۔ انہی کی نسبت سے حضرت جبریل امین نے نبی کریم ﷺ کی ابوابراہیم کنیت رکھی تھی جیسا کہ اسماء گرامی کی بحث میں اس سے قبل گزر چکا ہے۔

3۔ حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں وصال فرمایا۔

4۔ حضرت سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا اصل اسم گرامی لقیط یا مقسم ہے۔ آپ ۷ھ میں مدینہ طیبہ آ کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ۸ھ ہی میں مشہور صحابی حضرت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور نامور مدبر عرب حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ آ کر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

ہالہ بنت خویلد ہے۔

دوسری (حضرت سیدتنا) فاطمہ (الزہراء) (1) رضی اللہ عنہا جن کا عقد (حضرت سیدنا امیر المومنین) علی (2) (مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ہوا۔

تیسری اور چوتھی (حضرات سیداتنا) رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں جن کا عقد یکے بعد دیگرے (حضرت سیدنا امیر المومنین) عثمان (3) رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اسی بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین (4) (دونور والے) کہلاتے ہیں اور دونوں صاحبات کا وصال شریف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی ہوا۔ (حضرت سیدتنا) رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال شریف ۲ھ رمضان المبارک میں (فتح) غزوۂ بدر کے دن ہوا۔ اور (حضرت سیدتنا) ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال شعبان ۹ھ میں ہوا۔ سید عالم ﷺ کی یہ صاحبزادیاں بالاجماع چار ہیں اور بناء بر روایتِ صحیح کے صاحبزادے تین ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی اولادِ امجاد کی ترتیبِ ولادت

سب سے پہلے (حضرت سیدنا) قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر (حضرت سیدتنا) زینب رضی اللہ عنہا، ان کے بعد (حضرت سیدتنا) رقیہ رضی اللہ عنہا (حضرت سیدتنا) امِ کلثوم (5) رضی اللہ عنہا۔ پھر (حضرت سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ ابو محمد حافظ علی بن احمد قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ (حضرت سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا (حضرت سیدتنا) امِ کلثوم رضی اللہ عنہا سے (عمر میں) بڑی تھیں۔ پھر بعد از بعثت مکہ مکرمہ میں (حضرت سیدنا) عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اور پھر مدینہ منورہ میں (حضرت سیدنا) ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

(واضح ہو کہ) نبی اکرم ﷺ کی تمام اولاد اطہار بجز (حضرت سیدنا) ابراہیم رضی اللہ عنہ

1۔ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ۳؍ رمضان ۱۱ھ میں وصال فرمایا۔

2۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت مبارکہ ۲۱؍ رمضان ۴۰ھ کو جامع مسجد کوفہ میں بحالتِ نماز واقع ہوئی۔

3۔ امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت مقدسہ ۱۸؍ ذی الحجہ ۳۵ھ کو مدینہ طیبہ میں بحالتِ تلاوت کلام پاک واقع ہوئی۔

4۔ ذوالنورین کے مفہوم کی نفیس ترجمانی اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ کی زبانی:

نور کی سرکار سے پایا دوشالا نور کا ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا (حدائق بخشش)

5۔ سیدہ موصوفہ حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا اصل اسم گرامی سیدہ "آمنہ" ہے۔

(حضرت سیدتنا) خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اطہر سے ہے۔ اور (حضرت سیدنا) ابراہیم رضی اللہ عنہ (حضرت سیدتنا) ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔

(یہ بھی خیال رہے کہ حضرت سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی تمام اولادِ امجاد آپ کے حینِ حیاتِ ظاہری میں ہی وصال فرما گئی تھی۔ بنا برصحیح روایت کے (حضرت سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے وصال مبارک کے بعد چھ ماہ تک بقیدِ حیات رہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں اور پھوپھیوں کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہ(1) چچے تھے۔ سب سے بڑے حارث تھے۔ انہی کی نسبت سے (حضرت سیدنا) عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی ابو الحارث کنیت تھی۔ (۲) قثم (۳) زبیر (۴) حمزہ (۵) عباس (۶) ابو طالب(2) (۷) ابولہب (۸) عبد الکعبہ (۹) حجل (۱۰) ضرار (۱۱) غیداق

ان میں سے (صرف) (حضرت سیدنا) حمزہ رضی اللہ عنہ اور (حضرت سیدنا) عباس رضی اللہ عنہ مشرفِ باسلام ہوئے۔ عمر کے لحاظ سے (حضرت سیدنا) حمزہ رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ اور (حضرت سیدنا) عباس رضی اللہ عنہ عمر میں (حضرت سیدنا) حمزہ رضی اللہ عنہ کے لگ بھگ ہیں۔ (حضرت سیدنا) عباس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں تین برس بڑے تھے۔ (حضرت سیدنا) عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد (حضرت سیدنا) عباس رضی اللہ عنہ ہی چاہِ زمزم کے متولی و نگران تھے۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں کی تعداد چھ ہے:

۱۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو (اسد الرسول) حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ اور (حضرت سیدنا) زبیر(3) ابنِ عوام کی والدہ محترمہ ہیں۔ موصوفہ اسلام و ہجرت کے شرف سے مشرف تھیں۔ آپ نے (امیر المومنین سیدنا حضرت) عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

1۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد دس ہے۔

2۔ ابو طالب کا اصلی نام عبد مناف ہے۔ یہ ابو طالب اور زبیر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں۔

3۔ حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سابق فی الاسلام، عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ حواریٔ رسول کہلاتے ہیں۔ ام المومنین حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے اور امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں۔ واقعہ جمل میں شہید ہوئے۔ آج کل بصرہ کے قریب زبیر نامی بستی میں آرام فرما رہے ہیں۔ آپ کی آرامگاہ زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ تربت اطہر اب بھی ہر آنے والے کو للّٰہیت و خلوص کا پیام دے رہی ہے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا)

۲۔ ''عاتکہ'' ان کے متعلق روایت ہے کہ آپ مشرف باسلام ہوئی تھیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے متعلق خواب دیکھا تھا۔ (کتب سیر میں) جس کا واقعہ مشہور ہے۔

۳۔ ''مُرّۃ''(1)

۴۔ ''اروٰی''(2)

۵۔ ''امیمہ''(3)

۶۔ ام حکیم بیضاء(4)

حضور اقدس ﷺ کی ازواجِ مطہرات

نبی اکرم ﷺ کی بیویوں میں سے پہلی (حضرت سیدتنا) خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

۲۔ پھر (حضرت سیدتنا) سودہ رضی اللہ عنہا

۳۔ پھر (حضرت سیدتنا) عائشہ رضی اللہ عنہا

۴۔ پھر (حضرت سیدتنا) حفصہ رضی اللہ عنہا

۵۔ پھر (حضرت سیدتنا) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

۶۔ (حضرت سیدتنا) ام سلمہ رضی اللہ عنہا

۷۔ (حضرت سیدتنا) زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

۸۔ (حضرت سیدتنا) میمونہ رضی اللہ عنہا

۹۔ (حضرت سیدتنا) جویریہ رضی اللہ عنہا

۱۰۔ (حضرت سیدتنا) صفیہ رضی اللہ عنہا (مؤخر الذکر)

یہ نو ازواجِ مطہرات وہ ہیں جن کی موجودگی میں سید عالم ﷺ کی وفات واقع ہوئی۔ اور (حضرت سیدتنا) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عقدِ نکاح میں آئیں۔

1۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق مُرّۃ کا نام ہرّۃ ہے۔

2۔ بعض روایات کے مطابق اروی بھی مسلمان تھیں۔

3۔ آپ ام المومنین حضرت سیدتنا زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا۔ اور مشہور صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، اور نامور صحابیہ حضرت سیدتنا حمنہ بنت جحش کی والدہ ہیں۔

4۔ مرّۃ، امیمہ، بیضا، عاتکہ، حضور اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھیاں ہیں۔ یعنی ابو طالب، زبیر اور حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ والد رسول اللہ ﷺ، اور مذکورہ صاحبات حقیقی بہن بھائی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہما کی خصوصیت

(جملہ ازواجِ پاک میں سے حضرت سیدتنا) خدیجہ (رضی اللہ عنہا کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ) کی زندگی میں حضور اقدس ﷺ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں فرمایا (نیز حضرت سیدتنا) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ) کے علاوہ کسی باکرہ سے حضور اکرم ﷺ نے نکاح (مع الزفاف) نہیں فرمایا۔ اور وہ بیویاں جن کو آپ نے اپنی زندگی پاک میں علیحدہ فرمادیا تھا۔ ان کا ذکر ہم نے کثرتِ اختلاف کی بناء پر ترک کردیا ہے۔

نیز آپ کی دو لونڈیاں بھی تھیں:

۱۔ (حضرت سیدتنا) ماریہ (قبطیہ رضی اللہ عنہا)

۲۔ اور ریحانہ بنت زید یا ریحانہ بنت شمعون۔ پھر ان کو آزاد فرمادیا تھا۔

(حضرت سیدتنا) قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم ﷺ نے پندرہ خواتین سے عقد فرمایا اور تیرہ سے ہم بستر ہوئے۔ اور گیارہ بیک وقت اکٹھی رہیں۔ اور نو کی موجودگی میں آپ نے وصال فرمایا۔

نبی غیب دان ﷺ کے آزاد کردہ غلام

نبی کریم ﷺ کے آزاد کیے ہوئے غلام یہ ہیں:

۱۔ (حضرت سیدنا) ابو اسامہ زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی رضی اللہ عنہ

۲۔ (حضرت) ثوبان بن بُجْدُد رضی اللہ عنہ۔ (بُجْدُد کا ضبطِ اعراب یوں ہے) ''با'' اور ''دال'' مضموم اور ''جیم'' ساکن۔

۳۔ (حضرت) ابو کبشہ سُلیم رضی اللہ عنہ۔ ان کو جنگِ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل تھی۔

۴۔ (حضرت) ماذام رضی اللہ عنہ

۵۔ (حضرت) رویفع رضی اللہ عنہ

۶۔ (حضرت) قصیر رضی اللہ عنہ

۷۔ (حضرت) میمون رضی اللہ عنہ

۸۔ (حضرت) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

۹۔ (حضرت) ہُرمُز رضی اللہ عنہ

۱۰۔ (حضرت) ابوصفیہ عبید رضی اللہ عنہ

۱۱۔ (حضرت) ابو سلمٰی رضی اللہ عنہ

۱۲۔ (حضرت) اَنَسہ رضی اللہ عنہ (اَنَسہ کا ضبطِ اعراب) ہمزہ اور نون مفتوح ہیں۔

۱۳۔ (حضرت) صالح رضی اللہ عنہ

۱۴۔ (حضرت) شقران رضی اللہ عنہ

۱۵۔ (حضرت) رباح رضی اللہ عنہ

۱۶۔ (حضرت) اسود رضی اللہ عنہ

۱۷۔ (حضرت) سار یُوَیْ رضی اللہ عنہ

۱۸۔ (حضرت) ابو رافع رضی اللہ عنہ۔ ان کا اسم گرامی اسلم ہے اور بعض نے اور نام بھی لکھا ہے۔

۱۹۔ (حضرت) ابولبشہ رضی اللہ عنہ

۲۰۔ (حضرت) فضالہ یمانی رضی اللہ عنہ

۲۱۔ (حضرت) رافع رضی اللہ عنہ

۲۲۔ (حضرت) مِدْعَم رضی اللہ عنہ۔ (مدعم کا ضبطِ اعراب) ''میم'' مکسور ''دال'' ساکن اور ''عین'' و ''میم'' ثانی مفتوح ہیں۔

۲۳۔ (حضرت) اسود رضی اللہ عنہ۔ یہ اسود وہ ہیں جن کو ''وادیِ قریٰ'' میں شہید کیا گیا۔

۲۴۔ (حضرت) کرکرۃ رضی اللہ عنہ۔ (کرکرۃ کا ضبطِ اعراب بنا بر تحقیق صحیح کے) دونوں ''کاف'' مکسور ہیں۔ اور بعض اہلِ سِیَر کے نزدیک دونوں ''کاف'' مفتوح ہیں۔ یہ (دوران سفر) نبی اکرم ﷺ کے سامان کے محافظ ہوا کرتے تھے۔

۲۵۔ (حضرت) زید رضی اللہ عنہ۔ یہ ہلال بن یسار بن زید کے جدامجد ہیں۔

۲۶۔ (حضرت) عبیدہ رضی اللہ عنہ

۲۷۔ (حضرت) طہمان رضی اللہ عنہ

۲۸۔ (حضرت) کیسان رضی اللہ عنہ

۲۹۔ (حضرت) مہران رضی اللہ عنہ

۳۰۔ (حضرت) ذکوان رضی اللہ عنہ

۳۱۔ (حضرت) مروان رضی اللہ عنہ

۳۲۔ (حضرت) مابور قبطی رضی اللہ عنہ

۳۳۔(حضرت) واقد رضی اللہ عنہ

۳۴۔(حضرت) ابو واقد رضی اللہ عنہ

۳۵۔(حضرت) ہشام رضی اللہ عنہ

۳۶۔(حضرت) ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ

۳۷۔(حضرت) حنین رضی اللہ عنہ

۳۸۔(حضرت) ابو عسیب احمر رضی اللہ عنہ

۳۹۔(حضرت) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

۴۰۔(حضرت) سفینہ رضی اللہ عنہ

۴۱۔(حضرت سیدنا ومولانا) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۴۲۔(حضرت) ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما

۴۳۔(حضرت) افلح رضی اللہ عنہ

۴۴۔(حضرت) سابق رضی اللہ عنہ

۴۵۔(حضرت) سالم رضی اللہ عنہ

۴۶۔(حضرت) زید بن بولا رضی اللہ عنہ

۴۷۔(حضرت) سعید رضی اللہ عنہ

۴۸۔(حضرت) ضمیرہ بن ابوضمیرہ رضی اللہ عنہما

۴۹۔(حضرت) عبید اللہ بن اسلم رضی اللہ عنہ

۵۰۔(حضرت) نافع رضی اللہ عنہ

۵۱۔(حضرت) نبیل رضی اللہ عنہ

۵۲۔(حضرت) وردان رضی اللہ عنہ

۵۳۔(حضرت) ابواشیلہ رضی اللہ عنہ

۵۴۔(حضرت) ابوالحمرآ رضی اللہ عنہ

نبی اکرم ﷺ کی آزاد کردہ باندیاں

نبی اکرم ﷺ کی آزاد کی ہوئی باندیاں یہ ہیں:

۱۔(حضرت) ام رافع سلمٰی رضی اللہ عنہا۔ سلمٰی کی ''سین'' مفتوح ہے۔

۲۔(حضرت) ام ایمن برکت رضی اللہ عنہا۔ برکت کی ''با'' مفتوح ہے۔ یہی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔

۳۔(حضرت) میمونہ بنت سعید رضی اللہ عنہا

۴۔(حضرت) خضرۃ رضی اللہ عنہا

۵۔(حضرت) رضوی رضی اللہ عنہا

۶۔(حضرت) امیمہ رضی اللہ عنہا

۷۔(حضرت) ریحانہ رضی اللہ عنہا

۸۔(حضرت) ام ضمیرہ رضی اللہ عنہا

۹۔(حضرت) ماریہ(1) رضی اللہ عنہا

۱۰۔اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ شیریں(2) رضی اللہ عنہا

۱۱۔(حضرت) ام عباس رضی اللہ عنہا

معلوم رہے کہ (مذکورہ الصدر) آزاد کیے ہوئے غلام ولونڈیاں حضور اقدس ﷺ کے پاس بیک وقت موجود نہ تھے بلکہ مختلف اوقات میں ہر ایک میں سے الگ الگ تھے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت سرانجام دینے والے حضرات

(مختلف اوقات میں) آپ ﷺ کی خدمت کرنے والے حضرات (حسب ذیل ہیں):

۱۔حضرت انس(3) بن مالک رضی اللہ عنہ

۲۔حضرت ہند بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

۳۔حضرت اسماء بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

۴۔حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ

۵۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔آپ نبی اکرم ﷺ کے نعلین(4) بردار تھے۔جب نبی کریم ﷺ مجلس برخاست فرماتے تو آپ حضور اقدس ﷺ کو نعلین پہنایا کرتے تھے اور جب

1۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ ﷺ انہی کے بطن سے تھے۔

2۔ایک روایت میں ان کا نام سیرین آیا ہے۔

3۔حضرت انس رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ربیب اور نامور صحابیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں۔آپ کا شمار کثرت روایت کرنے والے صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔

4۔آپ نعلین کے علاوہ مسواک، جائے نماز اور وضو کرنے والا آفتابہ بھی ہر وقت ساتھ رکھتے تھے۔

اتارتے تو آپ نعلین کو جھاڑ کر اپنی آستین میں رکھ لیا کرتے تھے اور تا قیام ثانی اپنے پاس ہی رکھتے۔

۶۔(حضرت) عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی خچر کے نگہبان تھے اور جب کبھی نبی اکرم ﷺ کو سفر اختیار کرنا پڑتا تو یہ خچر کی لگام تھامے ہوئے آگے آگے چلا کرتے تھے۔

۷۔(حضرت سیدنا امیر المؤمنین) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام (حضرت) بلال موذن رضی اللہ عنہ۔

۸۔(نیز حضرت سیدنا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام (حضرت) سعد رضی اللہ عنہ۔

۹۔(حضرت) ذومخمر رضی اللہ عنہ اور بعض (ارباب سیر) نے آپ کا اسم گرامی ذومخبر بھی بتایا ہے۔

۱۰۔(حضرت) بکیر بن سرح لیثی، یا بکر بن سرح لیثی رضی اللہ عنہ

۱۱۔(حضرت) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

۱۲۔(حضرت) اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ

۱۳۔(ام المومنین حضرت سیدتنا) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام (حضرت) مہاجر رضی اللہ عنہ۔

۱۴۔(حضرت) ابوسمح رضی اللہ عنہ

سید عالم ﷺ کے کاتب

(حضرت) الحافظ ابو القاسم (المشہور بابن عساکر علیہ الرحمۃ) نے تاریخ ''دمشق'' میں نبی اکرم ﷺ کے کاتبوں کی تعداد ۲۳ بتائی ہے۔ اور یہ تعداد امام ابن عساکر قدس سرہٗ نے بالاسناد ذکر کی ہے وہ حضرات یہ ہیں:

۱۔(سیدنا و مولانا حضرت) ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

۲۔(سیدنا و مولانا حضرت) عمر بن خطاب (فاروق اعظم) رضی اللہ عنہ

۳۔(سیدنا و مولانا حضرت) عثمان (ذوالنورین) رضی اللہ عنہ

۴۔(سیدنا و مولانا حضرت) علی مرتضی رضی اللہ عنہ

۵۔(حضرت سیدنا) زبیر رضی اللہ عنہ

۶۔(حضرت سیدنا) ابی بن کعب سید القراء رضی اللہ عنہ

۷۔(حضرت سیدنا) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

۸۔(حضرت سیدنا) معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما

۹۔(حضرت سیدنا)ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہما

۱۰۔(حضرت سیدنا)محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

۱۱۔(حضرت سیدنا)ابان بن سعید رضی اللہ عنہ

۱۲۔(حضرت سیدنا)ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کے برادر حضرت سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

۱۳۔(حضرت سیدنا)ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

۱۴۔(حضرت سیدنا)حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

۱۵۔(حضرت سیدنا)خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

۱۶۔(حضرت سیدنا)عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ

۱۷۔(حضرت سیدنا)عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ

۱۸۔(حضرت سیدنا)علاء بن عتبہ رضی اللہ عنہ

۱۹۔(حضرت سیدنا)مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

۲۰۔(حضرت سیدنا)سجل رضی اللہ عنہ

۲۱۔اور بعض (ارباب سیر) نے (حضرت سیدنا)شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو بھی شمار فرمایا ہے۔

(مذکورۃ الصدر کاتب حضرات میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لکھا کرتے تھے(1)۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلچی

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تبلیغی مقاصد کی خاطر جب) حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو (شاہِ حبشہ) حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی طرف (اپنا نامہ مبارک دے کر) روانہ فرمایا تو (حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے وہاں پہنچنے پر) انہوں نے اسے لے کر اپنی آنکھوں پر رکھا۔اور (تعظیماً) اپنے تخت سے اتر کر نیچے زمین پر بیٹھ گئے۔بعدہٗ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس طلب کیے گئے تو پھر اپنے اسلام کا اعلان فرمادیا اور نہایت عمدگی سے اسلام پر قائم رہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب گرامی دے کر

1۔امام ابن عساکر قدس سرہٗ نے غالباً شہرت کی بنا پر مندرجہ بالا حضرات شمار فرمائے ہیں۔ورنہ ان کے علاوہ اور بھی متعدد جید اصحاب کرام کا تبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں مستند ومعتبر اصحاب سیر نے شمار فرمائے۔تفصیل کے لیے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ''مدارج النبوت'' ملاحظہ کریں۔

ہرقل شاہِ روم کی طرف روانہ فرمایا اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف نامہ مبارک دے کر روانہ فرمایا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مصر و اسکندریہ کے حکمران شاہِ مقوقس کی طرف نامہ مبارک ارسال فرمایا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پہنچنے پر حاکم مذکور نے آپ کی عزت افزائی کی اور قریب تھا کہ مسلمان ہو جاتا (مگر سلطنت کے طمع میں نہ ہوا) اور (حضرت) حاطب رضی اللہ عنہ کی واپسی کے وقت نبی اکرم ﷺ کے لیے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی ہمشیرہ شیریں بطور تحفہ بھیجیں۔ شیریں حضرت رسول اکرم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عنایت فرما دی۔

اور والیانِ عمان کی طرف حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، آپ (جب وہاں پہنچے تو) دونوں حکمران مشرف باسلام ہو گئے، پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ دونوں نے تنہائی میں (اس) صدقہ و حکمرانی کے متعلق باہم مشورہ کیا (جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا تھا)

اور (اسی طرح) ہوذہ بن علی حنفی حاکم یمامہ کی طرف حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مکتوب گرامی روانہ فرمایا۔

اور حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو (نامہ مبارک دے کر قیصر روم کی طرف سے مقرر کردہ) شام کے گورنر حارث بن ابی شمر کی طرف روانہ فرمایا۔

اور حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو (شاہِ یمن) حارث حمیری کی طرف روانہ فرمایا۔

اور حاکم بحرین منذر بن ساوی کی طرف حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، تو انہوں نے (مکتوب گرامی پڑھنے کے بعد) نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تمام اہلِ یمن کی طرف تبلیغ اسلام و دعوت الی اللہ کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ تمام اہلِ یمن، امراء و عوام مشرف باسلام ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کے مؤذن

حضور اکرم ﷺ کے (منتخب) مؤذن چار تھے:

۱۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں۔

۲۔ حضرت (عبداللہ) ابن مکتوم رضی اللہ عنہ (بھی) مدینہ طیبہ میں۔
۳۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں۔
۴۔ حضرت سعد قرظی رضی اللہ عنہ قبا شریف میں۔

نبی کریم ﷺ کے عمرے

بخاری و مسلم شریف کی روایت کے مطابق ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے چار مرتبہ عمرہ فرمایا۔ اور ہجرت کے بعد ۱۰ھ میں صرف ایک مرتبہ حج فرمایا جو (تاریخ میں) حجۃ الوداع (1) کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی وہ حج جس میں آپ نے لوگوں کو الوداع فرمایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی جنگیں

بنا بر روایت امام موسیٰ بن عقبہ، امام محمد بن اسحاق، امام ابو معشر قدست اسرارہم اور ان کے علاوہ (انہی جیسے) دوسرے سیرت نگار و جنگی حالات قلمبند کروانے والے ائمہ کے، حضور سید عالم ﷺ نے بنفسِ نفیس پچیس سال جنگوں میں شرکت فرمائی۔ اور یہی مشہور ہے اور بعض ائمہ سیر کے نزدیک ایسی ستائیس جنگیں ہوئیں جن میں بذاتِ خود سید عالم ﷺ نے شرکت فرمائی۔

اور علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعد قدس سرہٗ نے "طبقات" میں ستائیس جنگوں پر اتفاق و اجماع نقل کیا ہے۔

اور ایسی لڑائیاں کہ جن میں آپ بذاتِ خود شریک نہ ہوئے (کل) چھپن ہیں۔ جن میں آپ ﷺ حسبِ حالات و مصالح لشکر روانہ فرماتے رہے ہیں۔

ائمہ سیر و مغازی (2) فرماتے ہیں کہ وہ جنگیں کہ جن میں بذاتِ خود سرکارِ دو عالم ﷺ شریک ہوئے اور قتال بھی وقوع میں آیا۔ کل نو ہیں۔ یعنی

۱۔ غزوۂ بدر	۲۔ غزوۂ احد
۳۔ غزوۂ خندق	۴۔ غزوۂ بنی قریظہ
۵۔ غزوۂ بنی مُصطلق	۶۔ غزوۂ خیبر

1۔ اسی حج میں نبی اکرم ﷺ نے مشہور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں آپ نے ایسے اصول پیش فرمائے تھے جو بنی نوع انسان کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں اپنا کر منزل رشد و ہدایت، فلاح و کامرانی تک بآسانی رسائی ہو سکتی ہے۔ کتب احادیث و سیر میں آپ کا وہ خطبہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔
2۔ یعنی وہ حضرات جنہوں نے سیرت اور جنگی حالات قلمبند کیے۔

۷۔غزوۂ فتح مکہ ۸۔غزوۂ حنین

۹۔غزوۂ طائف

یہ نو کی تعداد ان اربابِ سیر کے نزدیک ہے جو فتح مکہ بزور شمشیر مانتے ہیں(1)۔اور بعض (اہلِ سیر) کہتے ہیں کہ غزوۂ وادی القریٰ اور غزوۂ غابہ (2) اور بنی نضیر میں بھی قتال واقع ہوا تھا، واللہ اعلم۔

سید عالم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ

حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے۔آپ کی سخاوت کا ظہور رمضان شریف میں بہت زیادہ ہوا کرتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ خصلت وخلق اور شکل وصورت میں سب سے بڑھ کر تھے۔

(اعضاء مبارکہ میں اعتدال وتناسب اور صورت میں عمدگی کی وجہ سے ہی) آپ کے دستِ اقدس نہایت ملائم تھے۔نبی اکرم ﷺ سب سے بڑھ کر نفاست پسند، عقل میں سب سے آگے، (خانگی طور) برتاؤ اور رہن سہن میں سب سے عمدہ، سب سے زیادہ جری ونڈر اور عرفانِ الٰہی میں سب سے بڑھ کر تھے، (بایں ہمہ) خوفِ الٰہی حد سے زیادہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ اپنے لیے نہ تو کبھی غصہ میں آئے اور نہ ہی (زیادتی کے باوجود) کسی سے اپنی ذات کی خاطر بدلہ لیا۔ہاں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو توڑ دیتا تو اس وقت غیظ وغضب کا اس قدر اظہار فرماتے کہ کسی کو آپ کے غضب کی حالت میں آپ کی تاب نہ رہتی۔اور آپ کے غضب اس وقت تک فرو نہ ہوتا جب تک کہ حق کی خاطر اور حدود اللہ کے لیے بدلہ نہ لے لیتے، اور بحالتِ غصہ حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والے سے چہرۂ انور پھیر لیتے اور پیشانی مبارک پر شکن آجاتے تھے۔

آپ کے خلق عظیم (کا خلاصہ) قرآنِ عظیم تھا۔

آپ سب سے زیادہ منکسر مزاج تھے۔اپنے اہل خانہ کی تمام ضروریات کو پورا فرماتے تھے، کمزور ودرماندہ کے حاجت روا تھے۔

وما سئل شيئا قط فقال لا، اور آپ نے کسی مانگی ہوئی چیز کے جواب میں ''نہ''(3) ہرگز نہیں

1۔محدثین وسیرت نگاروں کے نزدیک ایسی جنگ جس میں حضور اکرم ﷺ خود شریک ہوئے ہوں ''غزوہ'' کہتے ہیں۔اور جس میں آپ نے شرکت نہ کی ہو ''سریہ'' کہتے ہیں۔

2۔اس غزوہ کو غزوۂ ذی قرد بھی کہتے ہیں۔

3۔آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم کی اس جھلک کی ''ترجمان سیرت رسالت، امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ الشاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہٗ'' نے کیا ہی عمدہ ونفیس ترجمانی فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو:۔(بقیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا۔(یعنی کوئی سائل آپ کے درِاقدس سے مایوس ومحروم کبھی نہیں لوٹا)
بردباری وتحمل میں آپ سب سے بڑھ کر تھے۔اور شرم وحیاء میں آپ پردہ نشین دوشیزگاں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے،اور سچی بات (کہنے اور سننے) میں آپ کے نزدیک واقف وناواقف اور طاقتور و کمزور سب برابر تھے(1)۔
نبی کریم ﷺ نے کسی کھانے میں کبھی کوئی نکتہ چینی نہیں فرمائی (بلکہ جب کھانا سامنے آجاتا) اگر کھانے کی رغبت ہوتی تو (بلاتکلف وتامل) نوش فرمالیتے ورنہ چھوڑ دیتے،اور (بوقتِ خوردن) نہ تو تکیہ لگا کر نوش فرماتے اور نہ ہی (پُرتکلف) دستر خوان پر،اور جو آسانی سے مہیا ہو جاتا تناول فرمالیا کرتے تھے،اور مباح شئے کے استعمال کر لینے میں کوئی عار محسوس نہیں فرمایا کرتے تھے اور آپ کے کھانے کی پسندیدہ چیزوں سے ہر میٹھی شئے اور شہد تھا۔(ان کے علاوہ) آپ کے مرغوبات سے کدو،سرکہ اور ثرید(2) تھا۔(چنانچہ سرکہ اور ثرید کے متعلق اس طرح اظہار پسندیدگی فرماتے ہیں):

قَالَ(صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)نِعْمَ الْاِدَامُ۔اَلْخِلُّ وَفُضِّلَ عَائِشَةُ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَآئِرِ الطَّعَامِ۔ (ص۱۹۶)

''فرمایا:بہترین سالن سرکہ ہے اور (سیدتنا) حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا کو تمام عورتوں پر اسی طرح فوقیت وبرتری حاصل ہے جس طرح ''ثرید'' کو سب کھانوں پر حاصل ہے''۔

اور(گوشت میں سے) بکری کے ران کا گوشت پسندیدہ تھا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:حضور نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ نے جو کی روٹی بھی کبھی سیر ہو کر نوش نہ فرمائی تھی (بلکہ قلت پر ہی قناعت تھی)
اور بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ ازواجِ مطہرات کے گھروں میں ایک ایک،دو دو ماہ تک (پکانے کی کوئی شئی نہ ہونے کی وجہ سے) آگ نہ جلتی تھی۔(اور اگر آپ کے پاس ہدیہ یا صدقہ میں سے کوئی شئے آجاتی تو) آپ ہدیہ کی شئے نوش فرمالیا کرتے اور صدقہ کی نوش نہ فرماتے (بلکہ مستحقین میں تقسیم فرمادیتے) اور ہدیہ دینے والے کو(اس کی عزت افزائی کے لیے) اپنی طرف سے بھی کچھ نہ کچھ بطور (تبرک و) تحفہ عنایت فرمایا کرتے اور (بوقتِ ضرورت) اپنے نعلین مقدس خود گانٹھ لیتے تھے،(3)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) واہ کیا جود وکرم ہے شاہ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

1۔یعنی حق بتانے اور سننے یا ناحق پر خاموش رہنے میں آپ کسی کا لحاظ نہیں فرمایا کرتے تھے۔
2۔شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے ڈالنا،پھر جب خوب بھیگ جائیں تو پھر اسے استعمال کرنے کو''ثرید'' کہتے ہیں۔
3۔یعنی علو مرتبہ کے باوجود یہ کام خود کرنے میں کوئی ہتک یا عار نہ سمجھتے تھے۔

اور (ایسے ہی) بوسیدہ پارچات کو خود ہی پیوند بھی لگا لیتے تھے۔

(اور اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کی) بیمار پرسی فرماتے، اور امیر و غریب، چھوٹے و بڑے کو اس کے بلانے پر (خندہ روئی سے) جواب مرحمت فرماتے، اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی کو ادنیٰ و کمتر خیال فرمایا۔

آپ کے بیٹھنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ کبھی تو دو زانو اور کبھی چہار زانو بیٹھتے اور کبھی تکیہ لگا لیتے، اور بسا اوقات گھٹنے مبارک دستِ اقدس سے پکڑ کر سُرین مبارک کے بل بیٹھتے۔

آپ کا طریقہ گفتگو و کھانا پینا

نبی اکرم ﷺ تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے تھے (اور کوئی بھی پینے والی شئے) جب پیتے تو تین سانس سے پیتے تھے، اور ہر سانس برتن سے باہر لیا کرتے تھے۔ او جب گفتگو فرماتے تو آپ کی گفتگو جامع کلمات (2) سے ہوتی، اور سامع کو سمجھانے کی خاطر ایک کلمہ تین بار دہراتے، اور آپ کی گفتگو اتنی آسان ہوتی تھی کہ جو بھی سنتا فوراً سمجھ لیتا تھا۔ (یعنی آپ کا طرزِ تکلم پیچیدگی و تکلف سے قطعاً معرا ہوا کرتا تھا) اور بلا ضرورت آپ گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے۔ نیز اٹھتے، بیٹھتے آپ اللہ ہی کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

آپ کن جانوروں پہ سوار ہوئے

(اوقات مختلفہ میں حسبِ ضرورت) نبی اکرم ﷺ اونٹ، خچر، گھوڑا اور دراز گوش پر سواری فرماتے رہے ہیں۔ اور (جب کبھی) اونٹنی یا دراز گوش پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے اپنے خادم یا غلام کو بھی سوار فرما لیتے اور (یوں نہ ہوتا کہ) اپنے پیچھے کسی کو پیادہ چھوڑ دیں۔

آپ اور آپ کے اہل خانہ کی قناعت

نبی اکرم ﷺ (بسا اوقات) بوجہ (شدتِ) گرسنگی اپنے شکم اقدس پر (سہارا دینے کے لیے) پتھر باندھ دیتے تھے، اور مالک کونین ﷺ کا (تعلیماً و تواضعاً) بستر پاک کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑا تھا۔ ہر طرح کی دنیوی ساز و سامان آپ کے ہاں نہ ہونے کے برابر تھا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنے اہل خانہ سمیت کئی کئی شب بھوکے ہی آرام فرما لیتے (2) جبکہ اللہ

1۔ "جامع کلمات" کا مطلب یہ ہے کہ آپ دورانِ گفتگو ایسے کلمے زبانِ اقدس سے نکالتے جن کے لفظ تو بہت ہی کم ہوتے مگر معانی بہت ہی زیادہ جیسے اطعموا الطعام۔

2۔ یہ سب کچھ اپنی بے مثلیت کے اظہار کے طور پر تھا، نیز تعلیم امت کے لیے کہ اگر امت کو بھی اس قسم کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جل مجدہٗ نے آپ کو تمام زمینی خزانوں کی سب چابیاں عطا فرمائی تھیں (لیکن) آپ نے انہیں قبول نہ فرمایا (بلکہ) دنیا کے بدلے میں آخرت کو پسند فرمایا۔ حضور سید عالم ﷺ ہمیشہ ذکر الٰہی اور فکر (آخرۃ) میں محو رہتے تھے۔ آپ کا جب کبھی ہنسنا ہوتا تو وہ صرف تبسم ہی ہوتا، اور بعض دفعہ ایسا بھی ہنسنا واقع ہو جاتا جس میں آپ کے دندان طرفین تک ظاہر ہو جاتے۔ خوشبو پسندیدہ تھی اور بدبو سے سخت نفرت تھی۔ اور (حسبِ موقعہ) سچائی و حقانیت پر مبنی خوش طبعی بھی فرمالیا کرتے تھے۔ معذرت خواہ کا عذر قبول فرمالیا کرتے تھے۔

امور ہائے امت میں آپ جس قدر خیر خواہ اور رحیم و کریم تھے، اللہ عزوجل نے بھی قرآن کریم میں اسی طرح آپ کی توصیف فرمائی ہے، جیسے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بے شک تشریف لایا تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

نیز اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَصَلِّ عَلَیْهِمْ فَاِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (توبہ:104)

''اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔''

اور (کسی پر) آپ کا عتاب ذو معنی کلام سے ہوا کرتا تھا، (جیسا کہ) فرمایا:

مَا بَالُ قَوْمٍ یَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَّیْسَتْ فِی كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

''اس قوم کا کیا حال ہے جو ایسی (نت نئی) شرطیں نکال لیتی ہے جو کہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔'' (ص ۱۹۷)

(جب کبھی ایسا معاملہ پیش آتا تو) مذکورہ ارشاد کی مانند ہی اظہارِ خیال فرمایا کرتے، نرمی کا حکم فرماتے اور نرمی پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے، درشتی سے ممانعت فرماتے اور (دوسروں کی غلطی پر) درگزر کرنے اور معاف کر دینے پر برانگیختہ فرماتے، عمدہ اخلاق اپنانے کی رغبت دلاتے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حالات سے دوچار ہونا پڑ جائے تو وہ میرے اس اسوہ و طرزِ عمل کو نمونہ بنا کر صبر و شکر سے کام لے ورنہ یہ نہ تھا کہ معاذ اللہ آپ دنیا کی کسی شے کے محتاج تھے یا مجبور تھے۔ آپ کا شکم سیر نہ ہونا بوجہ اضطرار نہ تھا بلکہ اختیاراً تھا۔ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آپ مجبوراً و اضطراراً بھوکے رہتے تھے، شقی ازلی مردود لم یزلی ہے، آئمہ محققین کی مستند کتب اس کی شاہد ہیں۔

نبی اکرم ﷺ وضو فرمانے، سرِ اقدس اور ڈاڑھی مبارک میں کنگھی فرمانے اور پاپوش مقدس استعمال فرمانے، اور ان کے علاوہ دیگر امور میں دائیں طرف سے ابتدا فرمانے کو پسند فرماتے، اور بایاں ہاتھ مبارک استنجاء اور اسی کی مانند دوسرے امور ناپسندیدہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔

جب سونے کا ارادہ فرماتے تو دائیں پہلو پر قبلہ رو ہو کر آرام فرماتے، اور آپ کی مجلس (کیا تھی) بردباری و شرم، امانت (و دیانت) اور حدود اللہ کی نگہداشت اور (مصائب و مشکلات پر) صبر و چین کی عملی تعلیم کی مجلس تھی۔ آپ کی مجلس مبارک میں (بے مقصد) آوازیں بالکل نہ اٹھتی تھیں۔ نیز اس میں عورتوں کا بالکل ذکر نہ چھڑتا تھا۔ (نیز آپ کی مجلس مبارک میں ان امور کی خصوصی ہدایت دی جاتی تھی کہ اگر تمہیں) ایک دوسرے سے مہربانی کرنے کا موقعہ ملے تو اس میں التزام تقویٰ ہونا چاہیے۔ اور باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے انکساری و عجز ہو۔ (بلحاظ عمر اپنے سے) چھوٹوں پر شفقت اور اپنے سے بڑوں کی عزت۔ اور یہ کہ محتاج پر ایثار، مسافر کی نگہداشت، نیک کام کی رہبری (تمہارے مشاغل ہونے چاہئیں)

اپنے اصحاب کی دل جوئی فرماتے اور کسی بھی قوم کے سردار و بزرگ کی تعظیم فرماتے اور اسے اپنی قوم پر بدستور حاکم رہنے دیتے، اور گاہے بگاہے آپ اپنے اصحاب سے غائب بھی رہا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے مزاج مقدس میں طبعاً یا تکلفاً فحش نہ تھا۔ کسی بھی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے۔ حضور سید عالم ﷺ نے اپنے کسی خادم یا غلام یا لونڈی یا اپنے زیر کفالت خواتین میں سے کسی کو کبھی بھی نہیں پیٹا۔ صرف رضائے الٰہی میں کوشاں رہتے۔ آپ کو (اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) دو باتوں میں سے ایک کے اپنانے کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے جو زیادہ سہل و آسان ہوتی اسے اپنا لیتے بشرطیکہ اس سہل بات میں کوئی نافرمانی نہ ہوتی۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق سے متعلق جو باتیں میں نے ذکر کی ہیں ان کے دلائل صحیح بخاری میں مشہور ہیں۔

نبی کریم ﷺ میں اللہ جل مجدہٗ نے عمدہ خصائل و بہترین اخلاق جمع فرما دیے ہیں۔ (نیز) اللہ عزوجل نے آپ کو اگلوں، پچھلوں (کے انجام و تعداد) کا علم عطا فرمایا ہے۔ اور ایسا علم بھی جس میں (اخروی) نجات اور (دنیوی) کامرانی ہے، حالانکہ آپ امی تھے، لکھنا، پڑھنا کسی سے نہیں سیکھا تھا اور نہ ہی انسانوں میں سے کوئی آپ کا استاذ تھا، نبی کریم ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ نے وہ (مرتبہ) عنایت

فرمایا ہے جو سارے جہان میں کسی کو بھی نہ ملا(1)۔

اگلوں اور پچھلوں سے اللہ عزوجل نے آپ ہی کو منتخب فرمایا۔ صلوات اللہ علیہ دائمة الٰی یوم الدین۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم و ملائم کبھی کسی ریشم و کم خواب کو بھی نہیں چھوا، اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات

قرآن کریم سب سے غالب معجزہ

حضور سید عالم ﷺ کے اظہر و اغلب واشہر معجزے کئی ہیں:

۱۔ چنانچہ مشہور و معروف معجزات میں سے ایک قرآن کریم ہے۔ جو ایسا زبردست معجزہ ہے کہ جس کا مقابلہ باطل سے نہ تو آپ کے حینِ حیاتِ ظاہری میں اور نہ (آج تک) آپ کے رخصت فرمانے کے بعد ہو سکا۔ اور جس نے اپنے وقت، اور ہر زمانہ کے قادر الکلام لوگوں کو بے بس کر دیا، اور اس کی مثل، زمانہ کے تمام بلغاء کے تعاون کے باوجود ایک چھوٹی سی سورۃ بھی لا نہ سکے، (اور لا بھی کیسے سکتے جبکہ خود) حکمت و خوبی کے مالک، خدائے قادر قیوم نے فرما دیا:

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

"تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اس پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو"۔

نبی اکرم ﷺ نے (بطورِ دلیل) قرآنِ کریم کے ساتھ اپنے وقت کے سب فصحاء کو ان کی شدید دشمنی کے باوجود اس کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔ (مگر کثرتِ تعداد کے باوجود کوئی بھی مقابلہ کو نہ آسکا) اور قرآن کریم کی یہ للکار آج تک باقی ہے (کہ کوئی بھی مقابلہ کر کے دکھا دے) قرآن کریم کے علاوہ آپ کے معجزوں کا تو احاطہ ہی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ وہ اس تعداد میں ہیں جن کا شمار ہو سکتا ہی نہیں۔

1۔ یہی بولے سدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے، تجھے یک نے "یک" بنایا
سبھی میں نے چھان ڈالے، تیرے "پایہ" کا نہ پایا
(اعلیٰحضرت قدس سرہٗ)

اور وہ دن بہ دن ترقی پر ہیں(1)۔ البتہ میں آپ کے شمار کردہ معجزات میں سے چند (مشہور) مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۲۔ چاند کا پھٹنا

۳۔ آپ کی انگلیوں سے پانی بہنا

۴۔ تھوڑے پانی اور کھانے کا بڑھ جانا

۵۔ کھانے کا ذکر الٰہی کرنا

۶۔ ان کے فراق میں کھجور کے تنے کا گریہ کرنا

۷۔ پتھروں کا آپ کو سلام کرنا

۸۔ بکری کے زہریلے ران کا آپ کو بتا دینا (کہ میں زہر آلود ہیں)

۹۔ آپ کے بلاوے پر درخت کا چل کر آپ کے پاس آنا

۱۰۔ دور دور کھڑے ہوئے دو درختوں کا آپ کے بلانے پر مل جانا اور پھر دونوں کا اپنی اپنی جگہ واپس چلے جانا

۱۱۔ ناتواں بکری کا دودھ والی بن جانا

۱۲۔ اپنے دستِ اقدس سے حضرت قتادہ بن نعمان (انصاری) رضی اللہ عنہ کی آنکھ کے ڈیلے کو اپنی جگہ سے نکلنے کے بعد وہیں لوٹا دینا (اور آنکھ کا فوراً درست ہونا کہ) کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

۱۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھوں میں لعابِ دہن ڈالنا۔ اور ان کا اسی وقت تندرست ہو جانا۔

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے (ٹوٹے ہوئے) پاؤں پر اپنا دستِ شفا پھیرنا۔ اور اس کا اسی وقت صحیح ہو جانا۔

۱۵۔ بدر کے دن مشرکین کے مرنے کی جگہوں کی نشان دہی فرمانا، اور بتا دینا کہ یہ فلاں مشرک کے مرنے کی جگہ ہے۔ چنانچہ آپ کے بتائے ہوئے مقامات سے سرِ مو تجاوز نہ ہوا۔

۱۶۔ اُبی بن خلف کی نسبت خبر دینا کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔

1۔ وہ اس طرح کہ آپ کی امت میں تا قیامِ قیامت اولیاء، علماء، صلحاء رہیں گے اور ان کے متعدد خوارقِ عادات امور کا ظہور اور نیز ان حضرات کا وجود، یہ سب حضور اکرم ﷺ کے معجزات ہی ہیں۔

۱۷۔ اپنی امت کے ایک گروہ کے متعلق خبر دینا کہ وہ سمندر پار کر کے جہاد کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اس جماعت میں شامل ہوں گی۔ یہ اسی طرح واقعہ میں آیا۔

۱۸۔ اطلاع دینا کہ زمین کا مشرق و مغرب جو مجھے بتایا گیا ہے اسے میری امت فتح کرے گی۔

۱۹۔ کسریٰ کے خزانوں کو آپ کی امت کا راہِ خدا میں خرچ کرنے کی خبر دینا۔

۲۰۔ اپنی امت کا دنیا کی رنگینیوں میں کھو جانے کی خبر دینا۔

۲۱۔ روم و فارس کے خزانوں کے مفتوح ہونے کی خبر دینا۔

۲۲۔ (غارِ ثور سے نکلنے کے بعد مدینہ کے راستہ میں) حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ تو کسریٰ کے کنگن پہنایا جائے گا۔

۲۳۔ حضرت الامام امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دو بڑے بڑے اسلامی لشکروں میں ذریعہ صلح ہونے کی خبر دینا۔

۲۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے (ان کی مرض کی حالت میں) فرمانا کہ تو لمبا عرصہ جئے گا۔ اور تیری زندگی سے کچھ لوگ (1) فائدہ اٹھائیں گے، اور کچھ نقصان اٹھائیں گے۔

۲۵۔ حبشہ میں حضرت (اصحمہ) نجاشی رضی اللہ عنہ کے وصال کی اسی دن خبر دینا۔

۲۶۔ یمن میں اسود عنسی کے شب میں قتل ہو جانے کی خبر دینا۔

۲۷۔ ان مسلمان مجاہدین کی خبر دینا جو چھوٹی آنکھوں، فراخ چہرے اور چپٹے ناک والے تاتاریوں سے جہاد کریں گے (2)۔

۲۸۔ اس کی نسبت خبر دینا کہ شام، عراق، یمن، مسلمان فتح کر لیں گے۔

۲۹۔ مسلمانوں کے ان تینوں لشکروں کی بابت بتا دینا کہ وہ (بیک وقت) شام، عراق اور یمن میں پیش قدمی کریں گے۔

۳۰۔ نیز ''مصر''، جس کا قیراط معروف ہے، کے فتح ہونے کی اطلاع دینا، اور مصریوں سے تعلق قریبی (3) کی بنا پر حسنِ سلوک کی وصیت فرمانا۔

1۔ یعنی بوقتِ جہاد آپ کی شمشیر براں سے کافر نقصان اٹھائیں گے، اور آپ کی تبلیغی و فاتحانہ کوششوں سے مسلمان فائدہ اٹھائیں گے، یہ ایسے ہی واقعہ ہوا۔

2۔ آپ کی یہ پیش گوئی ۶۵۶ھ میں اس وقت پوری ہوئی جبکہ چنگیز خاں تاتاری کے پوتے ہلاکو خاں نے عالم اسلام کے مرکزی مقام بغداد پر لشکر کشی کی تھی جس میں اٹھارہ لاکھ مسلمان شہید ہوئے، اور جس کے بعد تہذیب اسلامی کبھی نہ سنبھل سکی۔

3۔ غالباً حضور سید عالم ﷺ نے اس تعلق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت سیدتنا ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے قائم ہوا تھا کیونکہ موصوفہ خالص مصری نسل سے تھیں۔

۳۱۔حضرت اویس قرنی قدس سرہٗ کی نسبت یہ خبر دینا کہ وہ برص کے مریض تھے جس سے وہ (اب) صحت یاب ہو چکے ہیں۔صرف ایک درہم کی مقدار برص کا ایک داغ باقی رہ گیا ہے۔اور یہ کہ وہ یمنیوں کی امداد کے بارے میں تمہارے پاس (سفارش لے کر) آئیں گے۔چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ آپ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۳۲۔اس کی نسبت خبر دینا کہ آپ کی امت سے ایک جماعت (1) ہمیشہ حق پر رہے گی۔

۳۳۔خبر دینا (خودغرض،مطلب پرور،خوشامدی) لوگ (اخیر زمانہ) زیادہ ہو جائیں گے۔

۳۴۔خبر دینا کہ (انصار کرام علیہم الرضوان کی طرح ایثار پسند،سخاوت شعار) لوگ گھٹ جائیں گے۔

۳۵۔انصارِ کرام علیہم الرضوان کی نسبت بتا دینا کہ میرے بعد ان پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔

۳۶۔یہ بتا دینا کہ (عام) لوگ (بناء بر جہالت کے) مسلسل (بے سروپا) باتیں پوچھتے رہیں گے یہاں تک (کہ بعض مسئولہ باتوں پر تبصرۃً) کہہ دیں گے مخلوق کو تو اللہ نے بنایا (لیکن) اللہ جل مجدہٗ کو کس نے بنایا۔

۳۷۔حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرما دینا کہ تو لمبی عمر پائے گا۔

۳۸۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرما دینا کہ تجھے باغی ٹولہ شہید کرے گا۔

۳۹۔امت کے کئی فرقوں میں بٹ جانے کی خبر دینا۔

۴۰۔اپنی امت کی نسبت خبر دینا کہ اس میں شدید جنگ ہوگی۔

۴۱۔حجاز (2) کی زمین سے نکلنے والی آگ کی خبر دینا۔

چنانچہ (مذکورۃ الصدر) تمام امور اسی طرح وقوع میں آئے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع فرمائی تھی۔

۴۲۔حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ تم خوشحال زندگی بسر کرو گے اور شہادت کی موت پاؤ گے۔چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عمدہ زندگی بسر فرمائی اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۴۳۔حضرت عثمان امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ تجھے سخت ہی بغاوت کا سامنا کرنا

1۔جیسے اہل سنت و جماعت کے ہر دور کے علماء اور عامۃ الناس جو نامساعد حالات کے باوجود ہمیشہ خود بھی حق پر رہے اور دوسروں کو بھی حق پر ثابت قدمی کی تلقین فرماتے رہے، جیسے اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ اور ان کے جملہ رفقاء و خدام ایدھم اللہ بنصرتہ الی یوم القیامۃ۔

2۔"نجد" و "تہامہ" کے درمیانی علاقہ کو "حجاز" کہا جاتا ہے۔مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ اسی علاقہ میں آباد ہیں۔(مترجم غفرلہٗ)

پڑے گا۔ اور اسی سے تمہاری شہادت واقع ہوگی۔

۴۴۔ (دورانِ جنگ) مسلمانوں کی جماعت میں ایک سخت جنگجو شخص کی نسبت فرما دینا کہ یہ جہنمی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اس نے (زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے) خودکشی کر لی۔

۴۵۔ (جب) حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ نیکی و بدی کے استفسار کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کا ان سے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دینا کہ تو اچھائی و برائی (کے مسائل) پوچھنے آیا ہے۔

۴۶۔ حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم سے فرمانا کہ (جاؤ) ''روضۂ خاخ'' میں تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس (قریشِ مکہ کے نام) ایک خط ہے (وہ لے آؤ) چنانچہ (ان حضرات نے) اُسے وہاں جالیا (اور اسے خط کے بارے میں پوچھا) اولاً تو وہ انکار کر گئی۔ لیکن پھر (جب ان حضرات رضی اللہ عنہم کی طرف سے سختی کا یقین ہو گیا تو) وہ خط اپنے جوڑے سے نکال کر (ان کے) حوالہ کر دیا۔

۴۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس (جب آپ بیت المال کے محافظ تھے) جس وقت شیطان (پہلی مرتبہ) کھجوریں چرانے آیا تو نبی کریم ﷺ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ وہ اب دوبارہ آئے گا۔ چنانچہ فرمودۂ عالی کے مطابق شیطان دوبارہ آ گیا۔

۴۸۔ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمانا کہ تم میں سے سب سے پہلے جو مجھے ملے گی (یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے جس کی وفات ہوگی) وہ دراز دست(1) ہے۔ چنانچہ یہ ایسا ہی ہوا(2)۔

۴۹۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ (تو جس طرح زندگی میں اسلام پر ثابت قدم رہے گا یونہی) اسلام پر تیرا خاتمہ ہوگا۔

اجابتِ دُعا

۵۰۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کثرتِ مال و اولاد اور طوالتِ عمر کی دعا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ سو سال سے اوپر تک زندہ رہے۔ اور آپ تمام انصاریوں سے زیادہ مالدار تھے۔ اور حجاج کے حملہ کے

1۔ دراز دست، کنایہ سخاوت سے ہے، اور یہ وصف یوں تو سبھی ازواج مطہرات میں تھا مگر ام المومنین حضرت زینب بن جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا اس وصف میں سب پر فوقیت رکھتی تھیں۔

2۔ کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کی ہی وفات واقع ہوئی۔

وقت آپ کی پشت سے آپ کے ایک سو بیس صاحبزادے دفن ہو چکے تھے۔

صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث میں یہ روایت صراحۃً موجود ہے۔

۵۱۔آپ کا یہ دعا فرمانا کہ اللہ جل مجدہٗ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابوجہل کے ذریعہ اسلام کو قوت و شوکت عطا فرمائے۔(چنانچہ آپ کی یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی)اور اللہ جل وعلا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اسلام کو(وہ)غلبہ عطا فرمایا(جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔)

۵۲۔حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ(جب تعاقب میں آئے تھے ان)پر دعا فرمانا(اور اس کی بدولت)ان کے گھوڑے کے اگلے پاؤں کا گھٹنوں تک زمین میں دھنس جانا،اور پھر حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کا امان و پناہ طلب کرنا اور مصیبت سے دعاءِ نجات کی درخواست کرنا۔چنانچہ آپ کا ان کے لیے دعاءِ نجات فرمانا(اور ان کا خلاصی پا جانا)(اور صرف دعا ہی نہ فرمانا بلکہ فرمانِ امن بھی تحریر فرما دینا)

۵۳۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ جل مجدہٗ اس سے سردی و گرمی دور رکھے۔چنانچہ(اسی دعائے مبارک کا ثمرہ تھا کہ)حضرت علی رضی اللہ عنہ گرمی و سردی محسوس نہ فرماتے تھے۔

۵۴۔نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو احزاب مخبری کے لیے رات کے وقت روانہ فرمایا(وہ رات سخت ٹھنڈی تھی)تو ان کے لیے دعا فرمائی کہ اسے سردی نہ لگے۔چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے واپسی تک سردی محسوس نہ کی۔

۵۵۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کی سمجھ عطا فرمائے،تو ایسے ہی ہوا(کہ آپ جیسا فقیہہ امت مسلمہ میں کوئی بھی نہیں)

۵۶۔عتبہ بن ابی لہب پر دعا فرمائی کہ یا اللہ!اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط فرما دے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ"زرقا"میں(حفاظت تامہ کے باوجود)ایک شیر نے اسے مار ڈالا۔

۵۷۔قحط سالی کے زمانہ میں آپ سے عرض کرنے پر،آپ کا نزولِ باراں کے لیے دعا فرمانا۔"جبکہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل نہ تھا"اور اسی وقت بادلوں کا پہاڑوں کی مانند چھا جانا،اور اسی وقت بارش کا شروع ہو کر اگلے جمعہ تک(مسلسل)برستے رہنا،پھر دوبارہ آپ سے بارش کے تھمنے کی درخواست کرنا،اور آپ کا دعا فرمانا اور اسی وقت بادلوں کا ہٹ جانا،حتیٰ کہ لوگ دھوپ میں نکل کر جانے لگے۔

۵۸۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ جل مجدہٗ ان کی شبِ ہم بستری میں برکت فرمائے۔تو ایسا ہی ہوا کہ اس ملاپ سے حضرت ام سلیم رضی

اللہ عنہا حاملہ ہوئیں، اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ان کے ہاں ولادت ہوئی۔(اور اس دعاء مبارک کا اثر صرف ان دونوں میں ہی نہ ہوا بلکہ حضرت عبداللہ بھی اس سے فیض یاب ہوئے اور) ان کے آگے نولڑکے ہوئے جو سب کے سب عالم تھے۔

۵۹۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لیے ایمان و ہدایت کی جب دعا فرمائی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر گئے تو اپنی والدہ کو اسلام لانے کے لیے غسل کرتے ہوئے پایا۔

۶۰۔امام نسائی قدس سرہٗ نے غسل میت کے ابواب میں روایت فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی خواہر حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کے لیے لمبی عمر پانے کی دعا فرمائی (تو اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ) جتنی لمبی عمر حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا نے پائی اتنی عمر کسی بھی عورت کی نہیں ہوئی۔

۶۱۔جنگِ حنین میں شاہت الوجوہ (شکست خوردہ چہرے) فرما کر ایک مٹھی خاک کفار کی طرف پھینکنا اور اس خاک سے کافروں کی آنکھوں کا بھر جانا، اور پھر سب کا شکست کھا کر بھاگ جانا۔

۶۲۔آپ کو گزند پہنچانے کی نیت سے ایک سو قریشیوں کا گھات لگائے بیٹھنا۔(اور پھر آپ کا وہاں سے) ان کے سروں پر مٹی پھینکتے ہوئے (صحیح وسالم) گزر جانا اور ان قریشیوں کا آپ کو نہ دیکھنا۔

نبی اکرم ﷺ کے زیر استعمال آنے والے چوپائے

حضور اکرم ﷺ کے گھوڑے

نبی کریم ﷺ سب سے پہلے جس گھوڑے کے مالک بنے (اس کا نام) سَکْبْ ہے۔(سکب کا ضبط اعراب) ''سین'' مفتوح'' ''کاف'' ساکن اور'' با'' '' منقوطہ'' ہے۔

صفات

اس گھوڑے کے تین پاؤں اور پیشانی سفید تھی اور دایاں پاؤں سفیدی سے خالی تھا۔یہ پہلا گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے جہاد فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کا دوسرا گھوڑا ''سَبْحہ'' (نام کا) تھا۔یہ وہی گھوڑا ہے جسے آپ نے مقابلہ کے طور دوڑایا تھا۔اور یہ دوسرے تمام گھوڑوں سے آگے نکل گیا تھا۔

سید عالم ﷺ کا ''مُرْتَجِز'' نامی ایک تیسرا گھوڑا بھی تھا۔جسے آپ نے اس بدوی سے خرید فرمایا تھا جس کی حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تھی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کے تین گھوڑے تھے:

۱۔ ''لِزاز'' (ضبطِ اعراب) ''لام'' مکسور اور بعدہٗ دو ''زا'' ہیں۔

۲۔ ''ظَرِب'' ''ظاء'' نقطہ والی مفتوح اور ''را'' مکسور ہے۔

۳۔ ''لُحَیْف'' (ضبط اعراب) ''لام'' مضموم ''حا'' بغیر نقطہ والی مفتوح۔

بعض کے نزدیک ''حا'' نقطہ والی ہے۔ یعنی ''لُحیف'' کی بجائے ''لُخیف'' ہے۔

اور بعض کے نزدیک ''لام'' کی جگہ ''نون'' ہے۔ یعنی ''لحیف'' کا نام ''نخیف'' تھا۔

''لِزاز'' مقوقس (شاہِ مصر) نے تحفۃً دیا تھا۔ اور ''لُحَیف'' ربیعہ بن ابی براء نے بطور ہدیہ آپ کو پیش کیا تھا۔ اور اس کے عوض آپ نے بھی کچھ عنایت فرمایا تھا۔ جبکہ ''ظَرِب'' فروہ بن عمرو جزامی نے آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا تھا۔

(علاوہ ازیں) ''ورد'' نامی ایک گھوڑا بھی آپ کے پاس تھا جسے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا تھا۔ بعدہٗ یہ گھوڑا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرما دیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگے ایک دوسرے آدمی کو بخش دیا جسے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس گھوڑے کو اس آدمی کے ہاتھ بازار میں فروخت ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک ''خچر'' (بھی) تھی جس کا ''دُلدُل'' نام تھا۔ (ضبط حرکات) بے نقط دونوں ''دال'' مضموم ہیں۔ جسے آپ عموماً سفروں میں استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یہ ''خچر'' نبی اکرم ﷺ کے وصال شریف کے بعد تک زندہ رہی حتیٰ کہ اتنی بوڑھی ہوئی کہ اس کے دانت بھی ختم ہو گئے تھے، اس وقت اس کے کھانے کے لیے باریک جو ڈالے جاتے تھے۔ ''ینبع'' (1) کے (حاشیہ آگے) مقام پر اس خچر کی موت واقع ہوئی تھی۔

ہم نے تاریخ ''دمشق'' میں متعدد طرق سے نقل کیا ہے کہ یہ ''خچر'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ تھی۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی پر سوار ہو کر خارجیوں (2) سے جنگ فرمائی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی ''عضباء'' نام کی ایک ناقہ تھی جس کے دوسرے نام ''جدعا'' اور

1۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی کچھ مملوکہ زمین مقام مذکورہ میں واقع تھی اور دلدل وہاں غالباً اس طرح منتقل ہوئی کہ حضور سید عالم ﷺ کے کچھ تبرکات حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پاس تھے جیسے شمشیر ذوالفقار وغیرہ۔ اور یہی دلدل خچر، اسی کی طرف حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا ہے ؂

چہارم علی شاہِ دُلدل سوار

2۔ اہل بیت کرام کے دشمنوں کو ''خارجی'' کہا جاتا ہے۔ اہل بیت کرام کی بدخواہی کے علاوہ ان کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

''قصوی'' ہیں۔ ''عضباء''، ''جدعا'' اور ''قصوی'' ایک ہی اونٹنی کے تین نام تھے۔
امام محمد بن ابراہیم تیمی قدس سرہٗ اور ان کے علاوہ دوسرے (ائمہ سیر) سے یہی روایت ملی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ یہ تین الگ الگ اونٹنیوں کے نام تھے۔
حضور سید عالم ﷺ کا ''عفیر'' نامی ایک دراز گوش بھی تھا۔ ''عفیر'' (کا ضبطِ اعراب) ''عین'' غیر منقوطہ مضموم اور ''فاء'' مفتوح ہے۔
قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ''غین'' منقوطہ سے (عفیر) روایت کی ہے۔ (مگر) سب (محدثین) قاضی عیاض قدس سرہٗ کی اس غلطی پر متفق ہیں۔
حضور سید عالم ﷺ کی ایک وقت میں بیس تک اونٹنیاں، ایک سو بکریاں، تین نیزے، تین کمانیں اور چھ تلواریں تھیں۔ انہی چھ میں سے ایک ''ذوالفقار'' تھی جو جنگ بدر کے غنائم سے آپ کے پاس آئی تھی۔ جنگِ احد کے موقعہ پر اسی تلوار کے بارے میں آپ نے خواب ملاحظہ فرمایا تھا (کہ یہ ٹوٹ گئی ہے) نیز آپ کی دو زرہیں، ایک ڈھال اور ایک (مہر والی) انگشتری، لکڑی کا ایک موٹا پیالہ اور سیاہ چمڑے کا چہار گوشہ ایک پرچم اور ایک (کپڑے کا) سفید پرچم تھا۔ بعض نے کہا یہ بھی سیاہ ہی تھا۔ واضح رہنا چاہیے کہ حضور سید عالم ﷺ کے حالات اور آپ کی سیرت، اور آپ کے کمالات و مراتب، اور آپ کے وہ برکات جن کی بدولت پورا جہان فیض رسیدہ ہے، اس قدر ہیں کہ جن کا شمار و احصار ناممکن ہے، خصوصاً اس کتاب میں جو صرف آپ کے اسماء عالیہ وغیرہا کے لیے موضوع ہے جن باتوں کو میں نے ذکر کردیا وہ متروکہ کی بھی نشان دہی کررہی ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ میرا مقصد فقط یہ تھا کہ اپنی کتاب کے شروع میں نبی کریم ﷺ کے کچھ حالات ذکر کرکے کتاب کو بابرکت بنادوں۔ اور

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور بھی بے شمار پر از مفاسد اور خود ساختہ من گھڑت عقائد ہیں۔ اعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔ خارجیوں کے مقابل ''رافضی'' ہیں جو حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان خصوصاً اصحابِ ثلاثہ علیہم الرضوان کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے بھی خوارج کی طرح لاتعداد اسلام سے برگشتہ عقائد ہیں۔ اور ان کے درمیان راہِ راست و صراطِ مستقیم پر اہل سنت و جماعت (بریلوی مسلک) ہیں جو اہل بیت عظام و صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں کے بندۂ بے زر ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں میں سے کسی کا بھی دامن چھوٹ جائے تو بیڑہ غرق ہے، کیونکہ بتصریح حدیث شریف اہل بیت کرام امت کے لیے مثل کشتی کے ہیں۔ اور صحابہ کرام مانند رہبر ستاروں کے، خارجیوں نے ہدایت نما کشتی کو چھوڑا، رافضیوں نے ہدایت کے ستاروں سے منہ موڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی کشتی کفر و ضلالت کے بھنور میں ڈوب گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا بیڑا پار ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو کشتی سے بے نیاز ہیں اور نہ ہی رہنما ستاروں سے مستغنی۔ یعنی نہ تو اہل بیت کے گستاخ و دشمن اور نہ ہی صحابہ کبار کے بدخواہ۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب رسول   نجم ہیں، اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

(''حدائق بخشش'' از امام اہل سنت قدس سرہٗ)

یہ مقصد تو حاصل ہو ہی چکا (اور امرِ واقع بھی یہی ہے کہ) رسولِ مصطفیٰ، حبیبِ مجتبیٰ، سید عالم، خاتم النبیین، امام المتقین، سید المرسلین، ہادیِ امت، نبی رحمت ﷺ کے حالات سے جس کتاب کی ابتداء ہو وہ بابرکت کیوں کر نہ ہوگی۔ اللہ جل مجدہٗ اس کی بزرگی و شرافت میں اور برکت عطا فرمائے اور بارگاہِ نبوی میں قبول فرمائے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سید عالم ﷺ کے خصائص

احکام وغیرہ میں حضورِ اقدس ﷺ کی خصوصیات

یہ فصل نہایت ہی عمدہ ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعیوں) کی عادت یہ ہے کہ وہ ان خصائص کو کتاب النکاح کی ابتداء میں (عموماً) ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ (باب) نکاح میں آپ کے خصائص بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ ہیں۔ ان سب "خصوصیات" کو میں نے "روضہ" میں تفصیلاً ذکر کیا ہے وللہ الحمد۔

(مگر) یہ کتاب (تہذیب الاسماء) ان کی تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں ان خصائص کے مقاصد کی طرف انشاء اللہ اس کتاب میں اشارہ کردوں گا۔ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کے خصائص چار طرح کے ہیں۔

پہلی قسم: وہ واجبات جو صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مختص ہیں

(محققین) فرماتے ہیں کہ وہ خصوصیات جو وجوب کے درجہ پر ہیں ان کے وجوب میں حکمت، قرب کی زیادتی اور بلندیِ مراتب ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا قرب رکھنے والوں کو جس قدر فرائض (و واجبات) کی ادائیگی میں تقرب حاصل ہوتا ہے اتنا کسی اور عبادت کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ صحیح حدیث میں اس کی تصریح اسی طرح آئی ہے۔

امام الحرمین قدس سرہٗ نے ہمارے بعض ائمہ سے نقل فرمایا کہ فرض کا ثواب نفل کے ثواب سے ستر گنا زائد ہوتا ہے۔ بطور حجت اس کے ثبوت میں انہوں نے حدیث سے استدلال کیا ہے۔ پہلی قسم کی مثالیں چاشت کی نماز، قربانی، وتر و تہجد کی نماز، مناجات اور اپنے اصحاب سے مشورہ ہیں۔

ہمارے ائمہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ یہ امور نبی اکرم ﷺ پر واجب تھے، اور بعض نے فرمایا کہ یہ امور سنت ہیں۔ اور (یہ بھی) ہمارے ائمہ کے نزدیک درست ہے کہ نمازِ وتر نمازِ تہجد سے علیحدہ (مستقل) نماز ہے۔ اور (اسی طرح یہ بھی) صحیح ہے کہ تہجد کی نماز نبی کریم ﷺ کے حق میں اسی

طرح منسوخ (الوجوب) ہے۔ جس طرح امت کے حق میں منسوخ(1) ہے۔ اور یہی امام الائمہ شافعی رضی اللہ عنہ کی نص ہے۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (بنی اسرائیل:79)

''اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو۔ یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے''۔

صحیح مسلم میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث اس کی مشیر ہے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کے دشمن اگرچہ دگنی تعداد سے بھی زائد ہوں تو ان کے مقابلہ میں آپ کا تن تنہا ڈٹے رہنا بھی آپ پر واجب تھا۔

۳۔ ایسا مقروض فوت ہونے والا کہ جس کے پس انداز سے اس کا قرض نہ اترتا ہو تو اس کا قرض اتارنا بھی آپ پر واجب تھا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ایسے مقروض کا قرض آپ تکرماً ادا فرمایا کرتے تھے نہ کہ وجوباً۔ (لیکن) ہمارے ائمہ کے نزدیک صحیح ترین یہی ہے کہ یہ آپ پر واجب تھا۔

۴۔ جب آپ کسی دل لبھانے والی شے کو ملاحظہ فرمائیں تو اس وقت یہ کلمات فرمانا بھی آپ پر واجب تھا۔

لَبَّيْکَ اِنَّ الْعَيْشَ، عَيْشُ الْاٰخِرَةِ

''میں حاضر ہوں۔ زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے''۔

۵۔ اور اسی قبیل سے نکاح کے بارہ میں آپ کے کچھ وجوبی خصائص ہیں۔ (مثلاً)

آپ کا ازواجِ مطہرات کو اس کا اختیار دینا کہ وہ آپ کو اختیار کریں یا آپ سے طلاق لے لیں۔ یہ اختیار دینا آپ پر واجب تھا۔

ہمارے بعض ائمہ نے فرمایا کہ یہ اختیار مستحب تھا۔ (لیکن) صحیح یہی ہے کہ یہ اختیار واجب تھا (اس کی وجہ یہ ہے کہ) جب آپ نے اپنی ازواج کو مفارقت یا اپنے پاس رہنے کا اختیار دیا تو سب نے آپ کو اور آخرت کو اختیار فرمایا تھا۔ اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے ان صاحبات کے عمدہ اقدام پر ان کو یہ انعام عطا فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر ان ازواج کی موجودگی میں یا ان کو طلاق دے کر اور کسی عورت سے نکاح حرام فرما دیا۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:

1۔ جمہور احناف کے نزدیک نماز تہجد آپ پر فرض تھی اور اسی طرح فجر کی سنتیں بھی آپ کے لیے فرض تھیں۔ دلائل مطولات فقہ حنفی میں دیکھیے۔

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ

(احزاب:52)

''ان کے بعد.......................ان کے عوض اور بیبیاں بدل لو۔''

پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تا کہ ان ازواج پر آپ کا دوسری عورتیں نہ لانے سے احسان رہے۔جیسا کہ اللہ جل وعلا نے فرمایا:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ (احزاب:50)

''اے غیب بتانے والے.......................جن کو تم مہر دو''۔

ہمارے ائمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا نبی اکرم ﷺ کا ان کو اختیار دینے کے بعد پھر انہیں طلاق دینا حرام تھا یا نہیں۔درست تر یہی ہے کہ ان کو طلاق دینا حرام نہ تھا البتہ ان کو تبدیل کر دینا حرام تھا اور یہ طلاق نہیں۔

دوسری قسم

وہ خصوصیات جو صرف آپ پر ہی حرام تھیں تا کہ ان کے پرہیز میں ثواب زیادہ ہو

ان کی پھر دو قسمیں ہیں:

(۱) علاوہ نکاح کے ہے (جیسے) شعر کہنا، لکھنا، اور صدقاتِ فرضیہ کا قبول کرنا۔

اور نفلی صدقہ کے لینے میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے دو قول ہیں جن میں صحیح ترین یہ ہے کہ نفلی صدقہ بھی آپ پر (فرض کی طرح) حرام تھا اور (بناء بر) صحیح قول کے تکیہ لگا کر کھانا، تھوم، پیاز اور ہر وہ چیز جس میں ناگوار بو پائی جاتی ہو، کا استعمال کرنا آپ پر حرام نہ تھا بلکہ مکروہ تھا (مگر) ہمارے بعض ائمہ کے نزدیک یہ امور بھی آپ کے لیے حرام تھے۔اور (اسی طرح) جب کبھی آپ ہتھیار(1) پہن لیں تو پھر دشمن سے جہاد یا دشمن تک پہنچے بغیر ان کا اتارنا حرام تھا اور بعض نے فرمایا کہ مکروہ تھا۔

(مگر) ہمارے ائمہ کے نزدیک درست یہی ہے کہ اس وقت تک ہتھیار اتارنا حرام تھا۔اسی (اصل) پر ہمارے بعض ائمہ نے قیاس کرتے ہوئے یہ مسئلہ نکالا کہ جو آدمی نفل شروع کر دے تو پھر ان کا پورا کرنا فرض ہے۔لیکن ہے یہ قیاس وتفریع کمزور۔اور (اسی طرح) وہ دنیوی ساز وسامان جو عام

1۔مثلاً زرہ کا زیب تن فرمانا، ڈھال کا سراقدس پہ رکھنا، تلوار کا حمائل کرنا وغیرہا۔یا یہ مطلب ہے کہ جب آپ جہاد کی تیاری فرما لیں تو پھر قتال کیے بغیر تیاری ملتوی فرما دینا حرام تھا جیسا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر ہتھیار بند ہونے کے بعد بعض صحابہ کے مشورہ کے برعکس آپ نے شہر کی حدود سے باہر ہو کر جنگ لڑنے کا حتمی فیصلہ فرمایا تھا۔یہ اسی قبیل سے تھا۔

لوگوں کے لیے نفع مند ہو۔اس کے حصول پر توجہ فرمانا بھی آپ پر حرام تھا۔
اور (یونہی) آپ کی چشمانِ مقدس کا مائل بخیانت ہونا بھی آپ کے لیے حرام تھا۔(مثلاً) سر یا ہاتھ یا ان کے علاوہ کسی اور شئی سے کسی مباح چیز کی طرف اشارہ کرنا، جیسے قتل یا پٹائی یا ان کے علاوہ کسی ایسی چیز کی طرف جو نفس الامر اور واقع کے خلاف ہو۔
اور اسی طرح پہلے آپ ایسے مقروض میت کی نماز جنازہ نہ پڑھا کرتے تھے کہ جس کے ترکہ سے اس کے قرض کی کفایت نہ ہوسکتی ہو، اور صحابہ کرام کو اس کے جنازہ نہ پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔
ہمارے ائمہ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا مقروض میت پر نمازہ جنازہ پڑھنا حرام تھا یا نہیں۔(اولاً حرام تھا)۔ پھر یہ حکم (حرمت) منسوخ ہوگیا تھا۔ چنانچہ (بعد میں) آپ مقروض متوفیٰ کی نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے۔اور اس کا قرض اپنے پاس سے ادا فرمایا کرتے تھے۔
دوسری قسم نکاح میں ہے۔اگر نبی کریم ﷺ کسی عورت کو نکاح کا پیام دیں اور وہ آپ سے نکاح کرنا پسند نہ کرے (تو) ہمارے ائمہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ پھر آپ کا اس سے نکاح کرنا حرام تھا۔ اور بعض نے فرمایا ایسی سے مفارقت تکرماً تھی (نہ کہ تحرماً) اور اسی طرح ہمارے ائمہ کے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح کرنا (بھی) آپ پر حرام تھا۔امام سریج، امام ابوسعید اصطخری، امام قاضی ابوحامد مروزی قدست اسرارہم (جیسے ائمہ) کی بھی یہی رائے ہے (البتہ) امام ابواسحاق مروزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کر لینا بھی آپ پر حرام نہ تھا۔
آپ کا مسلمان لونڈی سے نکاح فرمانا اور کتابی لونڈی سے ہم بستر ہونا، اس میں دو صورتیں ہیں۔اور ان میں سے صحیح ترین صورت یہ ہے کہ کتابی لونڈی سے تسری حلال، اور مسلمان باندی سے نکاح حرام تھا۔
کتابی لونڈی سے نکاح کی تحریم پر جمہور کا قطعی اتفاق ہے۔اور علامہ حناطی قدس سرہٗ نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں (نیز) ہمارے ائمہ نے اسی پر قیاس فرماتے ہوئے کئی مسائل نکالے ہیں جن کا ذکر کرنا میں اس کتاب کے منافی سمجھتا ہوں۔

قسم سوم:۔تخفیفات ومباحات

ایسی باتیں جو صرف آپ ہی کے لیے مباح(1) تھیں، ان کی دو قسمیں ہیں:
ا۔جن میں سے ایک وہ ہے جس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔اور انہی مباحات سے صومِ وصال

1۔اور دوسروں کے لیے ناجائز تھیں۔

ہے(1)۔اور اسی طرح اموالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل اس سے اپنے لیے کوئی بھی شئے چن لینا، وہ چاہے لونڈی (وغلام) ہو یا کوئی اور ضرورت کی شئی، آپ کے لیے مباح تھا۔اور (محدثین) اس چنی ہوئی شئے کو ''صفی اور صفیہ'' کہتے ہیں، جس کی جمع صفایا آتی ہے اور اسی طرح مالِ غنیمت(2) وفئے (3) سے پچیسواں حصہ اور (صرف) اموالِ فئی سے بیسواں حصہ لے لینا آپ کے لئے مباح تھا۔اور اسی طرح مکہ مکرمہ بلا احرام داخل ہونا، اور جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس دن کچھ وقت کے لیے وہاں لڑائی کرنا (بھی) آپ کے لیے مباح تھا۔(البتہ) کسی اور کے لیے اپنے علم سے فیصلہ فرمانا اور اپنی گواہی اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے استعمال فرمانا بھی آپ کے لیے مباح تھا۔اور جو شخص آپ کے لیے گواہی دیتا ہے تو اس کی گواہی قبول فرمایا کرتے تھے۔اور اسی طرح (اگر) آپ کو اپنی کسی (بھی ضرورت کے تحت) فوت شدہ لوگوں سے کسی کو زندہ کرنے کی ضرورت پڑتی تو آپ اسے زندہ فرماتے (یعنی قانونِ الٰہی میں تصرف کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح فرمادیا تھا) اور (یونہی) چاروں شانے چت سونے کی حالت میں بھی آپ کا وضو رہتا تھا۔

اور جب کبھی اپنی زوجہ طاہرہ سے ملاعبت فرمائیں تو (اس حالت میں) وضو کے ٹوٹنے میں ہمارے بعض ائمہ نے دوصورتیں ذکر کی ہیں۔اور مشہور یہی ہے کہ اس صورت میں وضو باقی نہیں رہتا۔

بحالتِ غسلِ ضروری آپ کے لیے مسجد میں قیام فرمانے (یا گزرنے یا آرام فرمانے) کی اباحت کے بارے میں ہمارے ائمہ نے دوصورتیں بیان کی ہیں۔(بعض کے نزدیک مباح نہیں) چنانچہ (مباح کہنے والوں میں سے (ایک) امام ابوالعباس بن قاص قدس سرہٗ (ہیں جنہوں) نے ''تلخیص'' میں ذکر فرمایا کہ (بحالتِ جنابت) آپ کے لیے مسجد میں ٹھہرنا یا گزرنا (سب) مباح(4) ہے۔

(اور جن کے نزدیک مباح نہیں ان میں سے) امام قفل قدس سرہٗ اور ان کے ہمنوا ہیں۔اور علامہ ابوالعباس ابن القاص قدس سرہٗ (کی رائے) کی امام الحرمین قدس سرہٗ اور ان کے ہم خیال دوسرے ائمہ نے تردید کی ہے کہ بحالتِ جنابت آپ کے لیے مسجد میں قیام ومرور مباح نہیں تھا۔اور (جن کے

1۔شب وروز بن کھائے پئے مسلسل روزہ رکھنے کو صوم وصال کہتے ہیں۔

2۔مالِ غنیمت سے وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ میں بطریق قہر وغلبہ حاصل ہو۔(صدر الافاضل شاہ نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ)

3۔لڑائی کے بعد جو (مال) کافروں سے لیا جائے جیسے جزیہ اور خراج۔اس (مال) کو ''فئے'' کہتے ہیں۔(از صدر الشریعت الشاہ امجد علی رضوی مصنف ''بہارِ شریعت'' خلیفہ ارشد اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہما)

4۔صحیح یہی مذہب ہے۔

5A

نزدیک مباح ہے)ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو سعید (خدری) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے اور تیرے سوا کسی اور کے لیے بحالتِ غسلِ ضروری اس مسجد میں ٹھہرنا حلال نہیں۔

امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ''حسن''(1) ہے۔(اب) جن ائمہ نے اس حدیث سے اباحت فی قیام المسجد پر استدلال کیا ہے ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ (مذکورہ) حدیث میں عطیہ (راوی) جمہور (محدثین) کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔(مگر ان کی طرف سے یہ) جواب دیا جا سکتا ہے۔امام ترمذی قدس سرہٗ نے (جو یہ) فیصلہ دیا ہے کہ حدیث ''حسن'' ہے۔(پھر ضعف کیسا رہا) کیونکہ امام ترمذی قدس سرہٗ کو حسن کے متقاضی کوئی بات مل گئی ہوگی (ورنہ آپ حدیث کے حسن ہونے کا فیصلہ نہ فرماتے) اور اسی طرح خورد و نوش کی چیزوں کی جب آپ کو ضرورت پڑ جائے تو بلا اجازت ان اشیاء کے مالک سے لے لینا بھی آپ کے لیے مباح تھا۔

اور (ہاں) ان اشیاء کے مالک پر فرض ہے کہ (جب اسے پتہ لگ جائے کہ آپ کو ان کی ضرورت ہے تو) وہ اشیاء بلا تامل آپ کی بقائے قوئی کے لیے خرچ کر دے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔(احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

معلوم رہے کہ (مذکورہ الصدر) امور اگر چہ نبی اکرم ﷺ کے لیے مباح تھے۔مگر ان کو آپ نے اپنا معمول نہیں بنایا تھا۔

۲۔(ایسی باتیں جو آپ کے لیے مباح تھیں) ان کی دوسری قسم وہ ہے جو نکاح سے متعلق ہے۔ چنانچہ نو بیویاں (بیک وقت) نکاح میں رکھنا آپ کے لیے مباح تھا۔اور صحیح یہ ہے کہ (صرف نو پر ہی انحصار نہ تھا بلکہ) نو سے زیادہ رکھنا بھی آپ کے لیے جائز تھا۔اور صحیح ترین (مذہب) یہ ہے کہ ''ہبہ'' کے لفظ سے انعقادِ نکاح (بھی) آپ کے لیے مباح تھا۔اور یہ بھی صحیح تر ہے کہ (اگر آپ کسی عورت کو طلاق دینا چاہیں تو) آپ کی (یہ) طلاق تین میں منحصر تھی اور بعض آئمہ نے فرمایا کہ تین میں منحصر نہیں۔اور جب لفظ ہبہ سے آپ کا نکاح منعقد ہو جاتا تھا تو (پھر نہ تو) نفسِ نکاح اور نہ خلوت صحیحہ سے آپ کو مہر دینا لازم ہوتا تھا (بلکہ بلا مہر آپ کے لیے تصرف مباح تھا) اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں (کہ بلا ادائیگی مہر عورت سے دخول کرے)۔

2۔حدیث ''حسن'' وہ ہوتی ہے، جس کا ناقل عادل، خفیف الضبط، غیر معلل اور غیر شاذ ہو۔(مقدمہ شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ)

اور (اسی طرح) عورت کے ولی(1) کی بلا اجازت اور بغیر گواہوں کے، اور بحالتِ احرام آپ کے لیے نکاح فرمالینا بنابر (مذہب) صحیح مباح تھا۔ اور (اسی طرح) نبی کریم ﷺ اگر کسی ایسی عورت کو نکاح میں لانا چاہیں جو شوہر نہ رکھتی ہو، تو بنا بر صحیح قول اس عورت پر لازم ہے کہ (بلا سوچے) آپ کے پیام کو قبول کرے۔ اور ایسی عورت کو اگر دوسرے لوگ نکاح میں لانا چاہیں تو یہ عورت ان پر حرام ہو گی(2)۔ حضور سید عالم ﷺ پر اپنی بیویوں اور باندیوں کے درمیان باری کی رعایت کے وجوب میں دو قول ہیں۔ امام اصطخری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آپ پر باری کی رعایت واجب نہ تھی(3) اور یہ آپ کی خصوصیات سے ہے۔

اور دوسرے ائمہ نے فرمایا کہ واجب تھی اس لیے کہ یہ آپ کے خصائص سے نہیں ہے۔ اور ائمہ (سیر) نے اس جگہ ایک قاعدہ بیان کیا ہے جس پر اس قسم کے اکثر مسائل و نظائر کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ (دیکھنا یہ ہے کہ آیا) نبی کریم ﷺ کا نکاح فرمانا ہمارے نکاح کی طرح ہے یا تسری کی مانند؟(4)

(عتق کو مہر کا قائم مقام بنانا اور پھر معتقہ سے نکاح فرمالینا بھی آپ کے لیے مباح تھا جیسا کہ) ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے آزاد فرما کر پھر ان سے نکاح فرمالیا تھا اور ان کی آزادی ہی ان کا مہر قرار پایا تھا۔ اور بعض نے فرمایا کہ آپ نے ان کو اس شرط پر آزاد فرمایا تھا کہ وہ آپ سے نکاح کرلیں گے۔ چنانچہ آپ نے ان سے کی گئی شرط کو (بذریعہ نکاح) پورا فرمایا۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں۔

اور بعض نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے محض آزادی ہی ان کا مہر مقرر فرمایا تھا۔ اور یہ آپ کے حق میں تو درست ہے لیکن دوسروں کے لیے ناجائز ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے

1۔ ولی چاہے قریب ہو یا بعید۔

2۔ ''مدارج النبوۃ'' میں شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ اگر شوہر دار عورت کو نبی اکرم ﷺ اپنے عقد میں لانا چاہیں تو پھر شوہر پر فرض ہے کہ وہ اسے فوراً طلاق دے دے کیونکہ یہاں اس کے ایمان کا امتحان ہے۔ انتہی

نوٹ: اور اسی طرح اس عورت پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے۔

3۔ یہی صحیح ہے کہ رعایت واجب نہ تھی۔ جیسا کہ حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے ''مدارج'' میں فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ازواج سے جو کچھ برتاؤ فرمایا (یعنی نوبت بہ نوبت ہر ایک کے ہاں تشریف فرما ہوتا) وہ بر سبیل تفضل و احسان تھا نہ کہ بنا بر وجوب کے۔ (انتہی ملخصا)

4۔ ہمارے نکاحوں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ تسری کی مانند تھا۔ جیسا کہ شیخ محقق قدس سرہٗ نے فرمایا: تمام مرد اور تمام عورتیں حضور اقدس ﷺ کے لیے لونڈی و غلام کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے حق میں تمام تسری کے حکم میں ہیں۔

نوٹ: اسی سے معلوم ہوا کہ تقسیم اوقات بین الازواج آپ پر کیسے واجب ہو سکتا ہے؟

انہیں بلاعوض و بلاشرط آزاد فرمایا تھا اور پھر ان سے نکاح بلا مہر فرما لیا تھا۔ اور جلد یا بدیر مہر کی ادائیگی کا ذمہ نہیں فرمایا تھا۔ اور یہ (آخری قول) ہی زیادہ صحیح ہے۔

ائمہ نے اس قسم کی بحث میں اور بھی کافی مثالیں ذکر کی ہیں (مگر) میں نے ان کو ترک کر دیا ہے۔

چوتھی قسم:۔ فضائل واعزازات

وہ فضائل وخصائص جو صرف آپ کے ساتھ مختص ہیں ان میں سے ایک آپ کی خصوصیت ہے کہ ایسی ازواج جن کی موجودگی میں آپ نے وصال فرمایا وہ دوسروں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو گئیں(1)۔

اور جن کو آپ نے اپنی حیات شریف میں علیحدہ فرما دیا تھا ان کے بارے میں کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ ان میں صحیح ترین وجہ یہی ہے کہ ایسی خواتین بھی دوسروں پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ امام الآئمہ شافعی رضی اللہ عنہ نے احکام القرآن میں یہی دلیل ذکر فرمائی ہے۔ اور یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوعلی قدس سرہٗ کا (مذہب) مختار ہے۔ بنا بر قول اللہ عزوجل:

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْؕ ۔(احزاب:6)

''اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔''

۲۔ وجہ دوم یہ ہے کہ وہ خواتین جنہیں آپ نے اپنی زندگی شریف میں علیحدہ فرما دیا تھا وہ دوسروں کے لیے حلال ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جن کے ساتھ آپ ہم بستر ہوئے تو وہ بھی (بعد از مفارقت) دوسروں پر حرام ہیں۔

اور اسی طرح اس باندی کے بارے میں جسے آپ نے ہم بستری کے بعد جدا فرمایا۔ اس میں بھی دو قول ہیں(2)۔

۲۔ اور انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی ازواج سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ چاہے وہ حضور اکرم ﷺ کی حیات میں فوت ہوئی ہوں یا حضور اکرم ﷺ ان کی زندگی میں رخصت فرما ہوئے ہوں۔ اور (ماں کے حکم میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی اطاعت اور ان کا احترام لازم،

1۔ اس کی نفیس حکمت و وجہ حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے ''مدارج'' میں یوں رقم فرمائی ہے: ''نبی اکرم ﷺ کی ازواج پاک کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ اپنی قبر انور میں (بحیات حقیقیہ دنیویہ) زندہ ہیں۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا کہ ازواج مطہرات پر (متوفی عنہا زوجہا کی طرح) عدت وفات ساقط ہے۔ (انتہیٰ ملخصاً)

2۔ یعنی اگر موت سے جدائی واقع ہوئی تو پھر دوسروں پر ہمیشہ حرام ہیں۔ جیسے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا، اور اگر زندگی شریف میں فروخت کر دیا یا ویسے ہی علیحدہ فرما دیا تو وہ حرام نہیں۔ (ہکذا قال الشیخ قدس سرہٗ فی المدارج)

اوران سے نکاح اوران کی نافرمانی حرام ہے۔اوراس کے علاوہ دوسرے احکام میں مثلاً پردہ،اوران سے خلوت اختیار کرنا وغیرہ کے،ان کا وہی حکم ہے جو اجنبی عورتوں کا،اوران کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں،اوران کے والدین،اوران کے بھائیوں اور بہنوں کو مسلمانوں کے نانا،نانی،ماموں،خالہ نہ کہا جائے گا۔اور ہمارے بعض آئمہ (یعنی شافعیہ) نے فرمایا کہ ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں اوران کی بہنیں مسلمانوں کی خالہ اوران کے بھائی مسلمانوں کے ماموں ہیں اور ظاہر بھی اسی پر دال ہے اور امام الائمہ شافعی رضی اللہ عنہ نے ''مختصر مزنی'' میں اسی پر نص فرمایا ہے۔(اب رہی یہ بحث کہ) آیا ازواج مطہرات مسلمان عورتوں کی بھی ماں ہیں۔اور یہی حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (اور اس مسئلہ میں) مذہبِ مختار کی بنیاد اصولیوں کے اس قاعدہ پر ہے کہ ''مذکر'' ضمیر کے حکم میں ''مونث'' داخل نہیں ہوتی(1)۔

ہمارے ائمہ (شافعیہ) سے امام بغوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مسلمان مردوں اور عورتوں کے باپ ہیں۔(لیکن) ہمارے دیگر ائمہ سے علامہ واحدی قدس سرہٗ نے نقل فرمایا ہے کہ آپ کو باپ نہیں کہا جاسکتا۔اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔(احزاب:40)

''محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں''۔

اور (جواز کے قائل آئمہ نے) فرمایا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے جواز پر نص پیش فرمائی ہے یعنی نبی کریم ﷺ مسلمانوں کی تعظیم وتوقیر اور حرمت کے لحاظ سے باپ ہیں۔

اور (جواز کے قائلین عدم جواز کے قائلین کی دلیل کا یہ جواب دے رہے ہیں کہ) آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ مردوں میں سے کوئی بھی آپ کا صلبی بیٹا نہیں (اور صلبی لحاظ سے آپ کسی کے باپ نہیں)

امام ابوداؤد قدس سرہٗ نے اپنی سنن میں اور دوسرے ائمہ محدثین نے اپنی اپنی کتب احادیث میں یہ صحیح حدیث روایت فرمائی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ۔

''میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں''۔

(مثل الوالد کی کئی وجوہ ہیں مثلاً) بعض آئمہ نے فرمایا کہ (ارشاد گرامی کا منشا یہ ہے کہ) میں تم پر

1۔یعنی ''وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' میں ''هُمْ'' ضمیر ''مذکر'' ہے۔جس کا مرجع صرف مذکر ہو سکتے ہیں لہٰذا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن صرف مسلمان مردوں کی ماں ہیں،مسلمان عورتوں کی ماں نہیں ہوسکتی۔ (مترجم غفرلہ)

(اسی طرح) شفیق ہوں (جس طرح تمہارا والد تم پر شفقت کرتا ہے) اور بعض ائمہ نے فرمایا کہ ضروری باتیں پوچھنے سے مجھ سے شرماؤ نہیں۔ (جس طرح والد سے اہم باتیں پوچھنے میں نہیں شرماتے ہو) اور بعض نے فرمایا کہ ان سب باتوں میں آپ مثل باپ کے ہیں(1)۔

میں نے ان تمام وجوہات کو وضاحت سے ''کِتَابُ الْإِسْتِطَابَه مِنْ شَرْحِ الْمُهَذَّبِ'' میں بیان کیا ہے۔

۳۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کی ازواج سب جہاں کی عورتوں سے افضل ہیں(2)۔ (یہی وجہ ہے کہ) نیکی پر انہیں (دوسروں کی بہ نسبت) دوگنا ثواب ہے، اور (خدانخواستہ) کسی کی لغزش پر انہیں سزا بھی دوگنا ہے، اور یہ کہ بلا پردہ ان سے کوئی چیز مانگنا یا کوئی بات پوچھنا حرام ہے (جبکہ) ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے (بوقتِ ضرورت) بلا حجاب گفتگو کرنا جائز ہے۔

آپ کی ازواج میں سے سب سے افضل حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

ابو سعید متولی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے آئمہ کا اس میں اختلاف ہے (کہ پھر) ان دونوں میں سے (بلحاظ علم و عمل و بزرگی) کون افضل ہے۔

۴۔ نکاح کے علاوہ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

۵۔ اور آپ ہی تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔

۶۔ آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

۷۔ آپ کے صحابہ تمام زمانہ والوں سے افضل ہیں۔

۸۔ آپ کی امت کسی بھی گمراہی (یا بدعت و ناحق بات) پر متفق ہو جانے سے محفوظ ہے۔

۹۔ آپ کی شریعت دائمی، (جو قیامت تک رہے گی) اور دوسری تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔

۱۰۔ آپ کی کتاب (قرآن کریم) مقابلہ سے عاجز کر دینے والی، اور تحریف و تبدیل سے محفوظ ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی وفات شریف کے بعد (آپ کی صداقت و حقانیت پر) لوگوں کے لیے حجت

1۔ یعنی ناصح، شفیق، واجب التوقیر، لازم الطاعت ہونے کے لحاظ سے اپنی امت کے باپ کہلاتے ہیں۔ بلکہ ان کے حقوق حقیقی باپ کے حقوق سے بہت زیادہ ہیں لیکن اس سے امت حقیقی اولاد نہیں ہو جاتی اور حقیقی اولاد کے تمام احکام وراثت وغیرہ اس کے لیے ثابت نہیں ہوتے۔ (از تبرکات صدر الافاضل السید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ)

2۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ''یوحانذ'' رضی اللہ عنہا اپنے اپنے وقت کی عورتوں سے افضل تھیں، مگر ازواجِ مطہرات ہر زمانہ اور ہر وقت کی عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔ (از تبرکات فقیہہ بے عدیل مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی قدس سرہٗ)

(قاہرہ) اور معجزہ (قویہ) ودلیل (قاطع) ہے جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزے ان کے ساتھ ہی روپوش ہوگئے (1)۔

١١۔ایک ماہ کی مسافت تک آپ کی رعب ودبدبہ سے امداد فرمائی گئی۔ (یعنی اتنے فاصلے تک آپ کا دشمن آپ سے خائف ومرعوب رہتا تھا)۔

١٢۔تمام روئے زمین آپ کے لیے ذریعہ پاکی اور مسجد بنادی گئی (2)۔

١٣۔آپ کے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں۔

١٤۔آپ کو مقامِ محمود اور شفاعت کا تاج عطا فرمایا گیا ہے۔

١٥۔آپ تمام کائنات کے رسول ہیں۔

١٦۔آپ تمام بنی آدم کے سردار ہیں۔

١٧۔(بوقتِ قیامِ قیامت) سب سے قبل آپ کی قبرانور کھلے گی۔

١٨۔(محشر کی ہولناکیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے) سب سے پہلے آپ ہی سفارش فرمائیں گے۔

١٩۔سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

٢٠۔سب سے پہلے آپ ہی کی سفارش مقبول ہوگی۔

٢١۔آپ کی امت تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔

٢٢۔آپ جامع کلمات کے مالک ہیں۔

٢٣۔بحالتِ نماز آپ کی امت کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی مانند ہیں۔

٢٤۔آپ کا قلبِ اطہر بیدار رہتا تھا۔

٢٥۔وَيَرَىٰ مِنْ وَرَآءِ ظَهْرِهٖ كَمَا يَرٰى مِنْ اَمَامِهٖ۔ (ص ٢٠٤)

”آپ پس پشت بھی اسی طرح دیکھا کرتے تھے جیسے اپنے آگے سے دیکھتے ہیں“۔

٢٦۔کسی کو آپ کی آواز پر اپنی آواز اونچی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا جائز ہے۔

٢٧۔وَلَا اَنْ يُّنَادِيَهٗ بِاسْمِهٖ فَيَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ بَلْ يَقُوْلُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (ص ٢٠٤)

1۔ یعنی کسی بھی دوسرے نبی کا معجزہ اب باقی نہیں ہے جسے بطور برہان وحجت دوسروں کی دعوت کے لیے پیش کیا جاسکے۔

2۔ شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ع

مسجد او شد ہمہ روئے زمیں

''اور نہ آپ کو نام لے کر پکارنا جائز ہے۔(مثلاً) یا محمد ﷺ کہہ کر پکارنا بلکہ یا نبی اللہ، یارسول اللہ ﷺ (جیسے القابات سے) پکارے''۔

۲۸۔ وَيُخَاطِبُهُ الْمُصَلِّيْ بِقَوْلِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَلَوْ خَاطَبَ آدَمِيًّا غَيْرَهُ بَطَلَتْ صَلَاتُهُ۔

''نمازی نماز میں نبی کریم ﷺ کو صیغہ خطاب سے اپنی زبان سے ''اسلام علیک ایہا النبی'' سے مخاطب کرتا ہے، جبکہ آپ کے علاوہ کسی اور کو ایسے صیغہ سے مخاطب کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی''(1)۔

۲۹۔ جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اس حالت میں حضور اکرم ﷺ کو پکار دیں تو ایسے شخص کو آپ کی پکار پر اجابت و حاضری فرض ہے اور اس کے جواب و حاضری پر اس کی نماز باطل نہ ہوگی(2)۔

۳۰۔ وَكَانَ بَوْلُهُ وَدَمُهُ يُتَبَرَّكُ بِهِمَا۔

''آپ کا پیشاب و خون (نہ صرف پاک تھے بلکہ) متبرک تھے، (یعنی برکت کے طور حاصل کیے جاتے تھے)''

۳۱۔ نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک (بھی علیحدگی کے بعد) پاک و طاہر تھے، اگرچہ ہم نے فیصلہ دیا ہے کہ اوروں کے بال (کٹنے یا علیحدہ ہونے کے بعد) ناپاک ہیں۔ ہمارے آئمہ نے آپ کے پیشاب و خون اور باقی سب فضلات کے پاک ہونے میں اختلاف کیا ہے۔

۳۲۔ (حاکم مطلق ہونے کی بنا پر) آپ کے لیے (اپنے زیر انتظام و حکم افراد و عمال سے) ہدیہ وصول فرمانا جائز و حلال تھا۔ جبکہ آپ کے علاوہ دوسرے حکام کے لیے اپنے ماتحتوں سے ہدیہ لینا ناجائز و حرام ہے، جیسا کہ تفصیلاً و شہرۃً معلوم ہے۔

۳۳۔ نبی کریم ﷺ پر (خصوصاً) اور تمام نبیوں پر (عموماً) جنوں، دیوانگی اور طویل بے ہوشی کی نسبت جائز نہیں۔ (البتہ) ان حضرات پر (معمولی) غشی طاری ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ ایک قسم کی

1۔ اس کی وجہ شیخ محقق دہلوی نے ''مدارج'' میں یہ بیان فرمائی ہے ''التحیات میں نمازی کا حضور سید عالم ﷺ پر سلام عرض کرنا اس بنا پر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی روح مقدس شہود و ملاحظہ فرما ہوتی ہے اور تمام موجودات میں روح اقدس کے اثرات سرایت فرما ہوتے ہیں۔ خصوصاً نمازیوں کی روحوں میں جلوہ نما ہوتی ہے، نماز کی حالت میں حضور اکرم ﷺ کے شہود و حضور اور وجود گرامی سے جلوہ فگن ہونے سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ (انتہیٰ ملخصا)

2۔ اور اتنی دیر وہ نماز میں ہی رہے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے بلایا اور پکارا ہے، جن کی بدولت نماز نصیب ہوئی اور جو عین ایمان و نماز ہیں۔ (مترجم غفرلہٗ)

بیماری ہے۔(اور بیماریوں میں انبیاء کرام علیہم السلام مبتلا ہوتے رہے ہیں) جبکہ جنوں بیماری نہیں (بلکہ سلبِ عقل کا نام جنوں ہے) اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام ہوسکتا ہے یا نہیں۔اس بارے میں آئمہ نے اختلاف کیا ہے۔مشہور تر یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوسکتا۔

۳۴۔(اور ایک مرتبہ) آپ کی ظہر کی دو سنتیں رہ گئیں تو انہیں عصر کے بعد قضا فرمایا اور بعد ازاں ہمیشہ انہیں پڑھتے رہے۔اس مداومت کے اختصاص میں ہمارے آئمہ کے دو قول ہیں،جن میں سے مشہور و صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ خاص ہے۔

۳۵۔(نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی پر نام رکھنا مبارک و نافع ہے اور دنیا و آخرۃ میں محافظ ہے۔آئندہ عبارت میں اسی طرف اشارہ ہے)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُسَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکَنُّوْا بِکُنِیَّتِیْ۔

''میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو''۔

(یعنی نام و کنیت دونوں جمع نہ ہوں)

اور ابو القاسم کنیت رکھنے کے جواز میں اختلاف ہے۔میں نے اس اختلاف کو ''روضہ'' اور ''کتاب الاذکار'' میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

۳۶۔اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

کُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّاسَبَبِیْ وَنَسَبِیْ۔

''قیامت کے دن ہر ایک کا سبب و نسب (1) میرے سبب و نسب کے علاوہ منقطع ہو جائے گا''۔

بعض آئمہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کی امت آپ کی طرف منسوب ہوگی جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتیں ان کی طرف منسوب ہوں گی اور بعض آئمہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس دن آپ کی طرف منسوب ہونا فائدہ مند ہوگا،جبکہ اور کسی کا نسب بھی سود مند نہ ہوگا۔

1۔سبب سے مراد سسرالی رشتہ ہے،اور نسب سے مراد صلبی رشتہ ہے(شامی جلد اول) اسی لیے سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا بایں خیال کہ حضور سید عالم ﷺ سے سلسلہ سبب اور زیادہ متصل ہو جائے،یعنی دو طرح آپ کا حضور اکرم ﷺ سے سسرالی رشتہ قائم ہو جائے ایک تو آپ حضور اکرم ﷺ کے خسر ہیں اور اب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے داماد ہیں۔

۳۷۔ ہمارے آئمہ نے فرمایا کہ جس نے آپ کے سامنے (آپ کی یا احکام شرعیہ کی) اہانت کی یا زنا کیا تو کافر ہو گیا۔

۳۸۔ علامہ ابن القاص قدس سرہٗ اور علامہ قفال مروزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ نزولِ وحی کے وقت آپ دنیا سے بے تعلق و بے خبر نہیں ہوتے تھے، اور نہ ہی نماز وغیرہ کی مشغولیت ترک فرمایا کرتے تھے، (بلکہ وحی کا وصول بھی ہو رہا ہے اور ان تمام ضروری امور کی مشغولیت بھی جاری ہے)

۳۹۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو اس نے بلاشبہ حق اور آپ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا (اور نہ ہی وہ اس پر قادر ہے) مگر خواب میں جو کچھ آپ سے از قبیل رویت احکام سنے جو کہ دین و شریعت کے مخالف ہوں تو ان پر عمل نہ کرے یہ اس لیے نہیں کہ روایت میں کوئی شک ہے بلکہ اس لیے کہ خبرِ حکم، حافظ، عاقل، ضابط کی قابلِ قبول ہوتی ہے۔ جبکہ بحالتِ نیند خواب میں حفظ و ضبط، غیر معتمد و ناپید ہے۔

۴۰۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، مجھ پر جھوٹ باندھنا، (یعنی آپ کی طرف غلط بات منسوب کرنا) یوں نہیں جیسے عام لوگوں پر جھوٹ باندھ دیتے ہو۔ ہمارے آئمہ (یعنی شوافع) اور ان کے علاوہ (احناف، حنابلہ، مالکیہ قدست اسرارہم) دوسرے ائمہ نے فرمایا کہ قصداً نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا (اشد) کبیرہ گناہ ہے۔ اور آپ کی طرف قصداً جھوٹ کی نسبت کرنے کو حلال جاننا کفر ہے ورنہ دوسرے کبیرہ گناہوں کی طرح ہے جس کا مرتکب کافر نہ ہوگا۔ (لیکن) امام الحرمین قدس سرہٗ کے والد ماجد شیخ الاسلام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر قصداً جھوٹ باندھنے والا (مستحل و مجوز ہو یا نہ ہو) کافر ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک قطعی اور درست پہلی ہی صورت ہے (یعنی قصداً جھوٹ کی نسبت گناہِ عظیم و کبیر، اور مستحلاً و مجوزاً کفر خالص) واللہ اعلم

۴۰۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو مٹی نہیں کھا سکتی (یہ خصوصیت سب نبیوں میں مشترک ہے) معلوم رہے کہ خصائص نبویہ کی بحث کا احصار ناممکن ہے مگر ہم نے جن خصائص کو ذکر کیا ہے ان سے دوسرے خصائص پر بھی کافی رسائی ہو سکتی ہے۔

آخر میں ہم اس (نفیس) بحث کو دو باتوں پر ختم کرتے ہیں:

۱۔ ایک وہ ہے جو امام الحرمین قدس سرہٗ نے بیان فرمائی وہ یہ کہ محققین نے فرمایا کہ خصائص کے مسائل

میں اختلاف لے بیٹھنا محض ایک خبط ہے اور لا طائل بحث (جس میں الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں) اس لیے کہ خصوصیت کے ساتھ کوئی ایسا حکم وابستہ نہیں ہوتا جس کی حاجت ضرور بہ در پیش ہو۔ اختلاف تو ان امور میں ہوا کرتا ہے جن کے احکام کا اثبات لابدی ہو، اس لیے کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس دم نہیں مار سکتا۔ اور مخصوص احکام میں نص کی یہ اتباع ہوتی ہے۔ اور جن احکام میں کوئی (قابل اتباع) نص موجود نہ ہو ان میں اختلاف کرنا بلا فائدہ (خیالات کی) تاریکیوں میں کھونا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام صمیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علامہ ابوعلی ابن حیر قدس سرہٗ نے خصائص میں بحث و تمحیص سے منع کیا ہے اس لیے کہ یہ ایک وقت کا معاملہ تھا جو گزر چکا اور جس کا مقصد پورا ہو چکا، (پھر) ابوعلی بن خیر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ (اگر چہ) ہمارے سب ائمہ نے فرمایا کہ خصائص میں اختلاف و بحث کی گفتگو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور صحیح بھی یہی ہے کیونکہ اس میں ازدیادِ علم ہے، یہ تھا ہمارے ائمہ کا کلام۔

(مگر ہمارا فیصلہ یہ ہے) اور صحیح و درست یہ ہے کہ نہ صرف اس کے جواز پر، بلکہ اس کے مستحب ہونے پر یقین رکھنا چاہیے۔ اور اگر اجماع مانع نہ ہو تو اسے واجب کہہ دینا بھی بعید نہیں۔ اس لیے کہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی جاہل آپ کے بعض ثابت شدہ صحیح خصائص کو سنت سمجھتے ہوئے انہیں معمول بنا لے تو اس وقت اسے یہ باور کروانا واجب ہو جاتا ہے کہ ان خصائص میں کسی اور کی شرکت نہیں ہو سکتی۔ (لہٰذا انہیں تیرا معمول بنانا درست نہیں ہے)

اور اس سے بڑھ کر اور بڑا فائدہ کیا ہو سکتا ہے؟ (البتہ) اثنائے خصائص میں بعض ایسے امور ہیں جن کا آج کل کوئی فائدہ نہیں، وہ بہت ہی کم ہیں۔ اور (ان سے بھی) تجربہ معرفتِ ادلۃ، اور تحقیق حال کے طور پر (تقریباً تمام سے) ابواب فقہ پُر ہیں۔

(مثلاً) جیسے علماء فرائض ایک یہ صورت بیان کیا کرتے ہیں کہ ایک آدمی (فوت ہو جائے اور وہ اپنے ورثاء میں) ایک سو دادیاں چھوڑے (تو ہر ایک کو کیا حصہ ملے گا) اور اسی طرح کی اور کئی صورتیں بیان کر دی جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

آخری وہ امور ہیں جنہیں میں نے نبی کریم ﷺ حبیب رب العالمین، خیر الاولین والآخرین صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ وعلی سائر النبیین وآل کل وسائر الصالحین کے حالاتِ مبارکہ کے لیے منتخب کیا ہے۔

وَحَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

عارف باللہ، الامام، "شیخ الاسلام"

سیدی عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

سید عالم ﷺ کے فضائل، اوصاف، معجزات

شیخ عبدالعزیز دیرینی قدس سرہٗ (متوفی ۶۹۴ھ) کے فرمودہ جواہر سے ان کی تصنیف (لطیف) ''طہارۃ القلوب'' ہے۔ جس میں اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشادِ گرامی:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ (احزاب:46)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر خوشخبریاں دیتا، ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا، اور چمکا دینے والا آفتاب''۔

کونقل کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے فضائل شمار سے زیادہ ہیں اور آپ کے معجزات ومناقب ومحاسن کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے):۔

فَبَالِغْ وَاَكْثِرْ لَنْ تُحِيطَ بِوَصْفِهٖ وَاَيْنَ الثُّرَيَّا مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِ

''نبی اکرم ﷺ کی توصیف میں تو جس قدر بھی مبالغہ کرے، اور (بیان محاسن کی) جتنی بھی کثرت کرے (لیکن) ان کی ستائش کا ہرگز احاطہ نہ کر سکے گا۔ (کیونکہ ان کی ستائش مانند ثریا کے ہے) اور لینے والوں سے ثریا تک کس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے''۔

(باوجودیکہ ان کے فضائل ومحاسن کا احاطہ ناممکن ہے) لیکن (اپنی بساط کے مطابق) ان کے فضائل و مناقب کا ذکر (خیر) ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔ اور (آپ کے) انوارِ عرفان سے قلوب و اذہان کو (تروتازگی اور) روشنی ملتی ہے۔ کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنی محبت کو نبی کریم ﷺ کی محبت پر مشروط فرمایا ہے۔ اور اپنی اطاعت کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت پر موقوف کیا ہے اور اپنا ذکر نبی کریم ﷺ کے ذکر کے ساتھ کیا ہے اور نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کو اپنی بیعت قرار دیا ہے:

۱۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

۲۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ (آل عمران:31)

''اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا''۔

۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (فتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں''۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝ (انشراح:4)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا''۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ (ایک دن) میرے پاس جبریل آئے اور یوں گویا ہوئے کہ اللہ جل مجدہٗ جو میرا اور آپ کا پروردگار ہے، نے فرمایا ہے (جبریل! میرے حبیب سے یوں کہہ دو)

اَتَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا''۔

(قول رسول) تو میں نے فرمایا: اللہ اور اس کا قاصد بہتر جانتے ہیں۔

(قول جبریل حکایۃ) تو جبریل بولے، اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ۔

''(اے حبیب لبیب ﷺ) جب میری یاد ہوگی تو میرے ساتھ آپ کی بھی یاد ہوگی''۔

(اس حدیث کے مطلب میں شیخ قدس سرہٗ نے تین احتمال بیان کیے ہیں:

۱۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ گویا اللہ جل مجدہٗ یوں فرماتا ہے:

جَعَلْتُ تَمَامَ الْاِیْمَانِ بِذِکْرِکَ مَعِیْ۔

''میں نے اپنے ذکر کے ساتھ تمہارے ذکر کو تکمیل ایمان کا سبب بنایا ہے''۔

۲۔ (یا اس کا) مطلب یہ ہے کہ منشائے خداوندی گویا اس طرح ظہور پذیر ہو رہا ہے:

جَعَلْتُکَ ذِکْرًا مِّنْ ذِکْرِیْ فَمَنْ ذَکَرَکَ ذَکَرَنِیْ وَمَنْ اَثْبَتَکَ، اَثْبَتَنِیْ وَمَنْ اَنْکَرَکَ فَمَا عَرَفَنِیْ۔

''میں نے اپنے (جملہ) اذکار میں سے آپ کو اپنا ایک ذکر بنا دیا ہے تو جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا، اور جس نے آپ کی محبت پیدا کی اس نے میری محبت پیدا کی اور جس نے آپ کو نہ پہچانا اس نے مجھے (بھی) نہ پہچانا''۔

۳۔ اور ایک اس کا مطلب یہ بھی ہے:

لَا یَذْکُرُکَ اَحَدٌ بِالرِّسَالَۃِ اِلَّا وَذَکَرَنِیْ بِالرُّبُوْبِیَّۃِ۔

''جس نے آپ کی رسالت کا ذکر کیا تو اس نے (گویا) میری ربوبیت کا ذکر کیا''۔

(یعنی آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرنا ہی اللہ کے رب ہونے کی تصدیق کرنا ہے)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ نُوْرٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نور کو پیدا کیا وہ میرا ہی نور ہے''۔

وَرُوِیَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا خَلَقَ الْعَرْشَ کَتَبَ عَلَیْہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بِالنُّوْرِ فَلَمَّا خَرَجَ اٰدَمُ مِنَ الْجَنَّۃِ رَاٰیٰ عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَعَلٰی کُلِّ مَوْضِعٍ فِی الْجَنَّۃِ مَکْتُوْبًا اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَقْرُوْنًا بِاِسْمِ اللّٰہِ فَقَالَ یَا رَبِّ ھٰذَا مُحَمَّدٌ مَنْ ھُوَ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَدُکَ الَّذِیْ لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقْتُکَ فَقَالَ یَا رَبِّ بِحُرْمَتِ ھٰذَا الْوَلَدِ ارْحَمْ ھٰذَا الْوَالِدَ فَنُوْدِیَ یَا اٰدَمُ لَوْ تَشَفَّعْتَ اِلَیْنَا بِمُحَمَّدٍ فِیْ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَشَفَّعْنَاکَ۔

''مروی ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ نے عرش پیدا فرمایا تو اس پر نورانی حروف سے لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ لکھا۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے، تو آپ نے جنت کی ہر ایک جگہ پر، اور عرش کی پنڈلی پر نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی ''محمد'' ﷺ، اللہ جل مجدہٗ کے اسم گرامی کے متصل لکھا ہوا پایا۔ تو عرض گذار ہوئے یا اللہ! یہ (تیرے نام کے ساتھ) ''محمد'' کون ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اے آدم!) یہ تمہارا وہ بیٹا ہے جو یہ ''نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا'' پھر آدم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی خداوندا! اس بیٹے کے طفیل اس والد پر رحم فرما''(1)۔

1۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ متوفی ۸۹۸ھ نے اسی مفہوم کی یہ ترجمانی فرمائی ہے:۔

اگر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم — نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق بخشنا

نہ ایوب از بلا راحت، نہ یوسف حشمت وجاہت — نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں ید بیضا

یہی مفہوم امام الائمہ سیدنا ومولانا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی متوفی ۱۵۰ھ رضی اللہ عنہ اس طرح ادا فرماتے ہیں:۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ — مِنْ زَلَّۃٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا

آپ کی ذاتِ گرامی وہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بسبب لغزش کے آپ کو وسیلہ بنایا تو کامیاب ہو گئے جبکہ وہ آپ کے (ظاہری طور پر) باپ ہیں۔

تو فوراً ندا آئی اے آدم! (تیری دعا منظور ہے) اگر تو محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل سب زمین و آسمان والوں کی سفارش کرتا، تو میں تیری سفارش کو منظور کر لیتا۔

حضور سید عالم ﷺ کے معجزات

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کے معجزے (اتنے) زیادہ ہیں (کہ جن کا احصار و احاطہ ناممکن ہے) البتہ چند مشہور و عظیم معجزات ذکر کیے جاتے ہیں:

ا۔آپ کا سب سے بڑا اور بلند قدر و شہرت یافتہ، اور واضح تر معجزہ قرآنِ عظیم ہے جس کے معارضہ سے تمام فصحاء، اور جس کی مثل لانے میں تمام عقلاء، عاجز و مایوس رہے۔

اعجاز القرآن کے وجوہ

ا۔فصاحت و بلاغت

قرآنِ عظیم کے وجہ اعجاز میں سب سے اعلیٰ و مقدم اس کی فصاحت و بلاغت، اور بامقصد اختصار، حروف و کلمات کی باہم عمدہ ترتیب و تالیف ہے۔ (جو خارقِ عاداتِ عرب ہے)

۲۔نظمِ قرآن کا اسلوب بدیع

قرآن کریم کا اسلوب جو سب اسالیب سے جدا ہے اور انواعِ کلام(1) میں چاہے نظم ہو یا نثر کسی سے نہیں ملتا۔ (بایں ہمہ) سب (انواع) کے محاسن کا جامع ہے۔

۳۔آنے والے زمانہ سے متعلق غیب کی خبریں

غیوبِ مستقلہ کی خبریں جیسے قرآنِ کریم نے دی ہیں ویسے ہی واقع ہوئیں(2)۔

۴۔گزشتہ زمانہ سے متعلق غیب کی خبریں

قرونِ(1) ماضیہ کے قصے (بھی) قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ (صاحب

1۔انواعِ کلام چار ہیں: قصائد، خطب، رسائل، محاورات۔

واضح رہے کہ اہل عرب ان چہارگانہ انواعِ کلام کے علاوہ کسی اور اسلوب و طرز میں کلام نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ایک بدیع و رفیع اسلوب کا نبی امی ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

2۔جیسے قرآن کریم کا یہ ارشاد "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" جب حضور سید عالم ﷺ بحالت ہجرت عازم مدینہ منورہ ہوئے تو اثنائے راہ میں آپ کو اپنے وطنِ عزیز کا خیال آیا تو اس وقت اللہ جل مجدہٗ نے یہ آیت نازل فرما کر اپنے محبوب مکرم ﷺ کی تشفی فرمائی، کہ آپ دوبارہ اپنے وطن میں آ جائیں گے۔ چنانچہ غیوبِ مستقلہ سے متعلق قرآن کی یہ خبر ۸ھ میں فتح مکہ کے سال پوری ہوئی کہ آپ دوبارہ اپنے وطن مالوف میں تشریف لے گئے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔

3۔مثلاً حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا قصہ، طوفانِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ، حضرت ابراہیم و سارہ علیہما السلام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن) امی تھے۔ کسی سے کچھ پڑھا لکھا نہیں ہے اور نہ ہی علماءِ اہل کتاب کی (علم کی خاطر) مجالست اختیار فرمائی، اور اسی طرح (پہلے انبیاء و گزشتہ اُمم کے تذکرہ کی مانند) اس میں ملکوتِ اعلیٰ اور فرشتوں کا ذکر ہے۔ احوالِ آخرۃ احوالِ قیامت، جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہے۔

۵۔ تحدی کے باوجود معارضہ سے عاجز رہنا

حضور سید عالم ﷺ نے قلتِ اتباع اور کثرتِ اعداء (جو اقلیم سخن کے مالک اور میدانِ بلاغت و فصاحت کے شہسوار تھے) کے باوجود جب قرآنِ کریم کے معارضہ کے لیے چیلنج دیا تو فصاحت و بلاغت کا کمال رکھنے کے باوجود سب کی عقول مقابلہ سے ماند پڑ گئیں اور معارضہ کی ساری امنگیں کافور ہو گئیں (2)۔ اور (صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ) جنگ و جدال کی صورت میں سخت کٹھن حالات کا سامنا کرنے کے باوجود بھی انہوں نے اس کا مقابلہ کرنے سے پہلوتہی اختیار کی۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کے معجزات سے ایک یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب اہل مکہ نے نبوت کی تائید کے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر دینے کا مطالبہ کیا تو (آپ نے انگشتِ مقدس سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا) تو اسی وقت چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ (مکہ والوں کے علاوہ) دوسری اطراف سے آنے والوں نے بھی اسی طرح دیکھا، اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (قمر)

"پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔"

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کا قصہ، حضرت اسحق و یعقوب و لوط علیہم السلام کے حالات، حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام کا قصہ، حضرت زکریا و یحییٰ و عمران و مریم و تولد عیسیٰ علیہم السلام کا قصہ، اور پھر ان قصص میں بعض وہ ہیں جو کہ علماء اہل کتاب کو بھی معلوم نہ تھے، جیسے حضرت ذوالقرنین کا قصہ، اصحابِ کہف کا قصہ، حضرت یوسف اور ان کے برادران کا قصہ، حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ وغیرہا۔ قرآن کریم میں یہ تمام قصص و واقعات کتب سابقہ سماویہ کے مطابق مذکور ہیں۔

1۔ معلوم ہوا کہ جب عرب کے کمال فصاحت و بلاغت کے زمانے میں، افصح الفصحاء، ابلغ البلغاء مصاقع الخطباء، اشعر الشعراء، بتمامہ اسباب کے چھوٹی سی سورت کے معارضہ سے عاجز آ گئے۔ تو قرونِ مستقبلہ کے عرب و عجم کا عجز بھی خود بخود ثابت ہو گیا، اور یہ بھی نبی امی دقیقہ دانِ عالم ﷺ کی نبوت و رسالت کی حجتِ قاطعہ و بینہ ساطعہ ہے کہ آج تک کوئی فصیح و بلیغ، خطیب و ادیب قرآنِ کریم کی اقصر سورت تو کجا اصغر آیت کے معارضہ پر بھی قادر نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ ہو سکے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے کیا ہی عمدہ فرمایا ہے:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

۳۔اسریٰ ومعراج

نبی اکرم ﷺ کے معجزات (جلیلہ اور نعماء عظمیٰ) سے ایک یہ ہے کہ شب کے مختصر حصہ میں براق(1) پر سوار ہوکر مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ کی مسجد سے مسجدِ اقصیٰ (جو بیت المقدس میں ہے) تک تشریف لے جانا، اور (وہاں) سب انبیاء علیہم السلام کا (بخاطر استقبال) حاضر ہونا، اور (پھر) ان کی امامت(2) فرمانا، پھر بیت المقدس سے سیر سمٰوٰت کی طرف متوجہ ہونا، اور آپ کے لے ہر ہر آسمان کے دروازے کا کھلنا، اور وہاں کے رہنے والے فرشتوں کا آپ کو سلام عرض کرنا حتی کہ ساتوں آسمانوں کو عبور فرماکر (مقربین کی آخری منزل) سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا پھر یہاں سے اس مقام میں پہنچنا جہاں قلموں کے چلنے کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ بعدہٗ مقامِ قرب (خاص) وکرامت میں ترقیاں پانا، اور مقام ''نجویٰ''(3) میں جلوہ افروز ہونا، پھر دو کمانوں کی قدر یا اس سے بھی زیادہ قریب(4)، قربِ خاص واعلیٰ میں فائز ہونا، اور وہاں (خیال وقیاس وگمان ووہم سے بھی) برتر ذات کا بلاحجاب کلام سننا۔ اور پھر بڑے بڑے عجائبات وآیات کا ملاحظہ فرمانا(5)، اور (انعام کے طور) امت کے لیے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔ اور پھر باقی ماندہ شب مکہ میں واپس آنا، یہ تمام امور (کچھ تو) قرآن(6) میں

1۔شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سوارِ جہانگیر یکراں براق — کہ بگوشت از قصرِ نیلی رواں

2۔مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا:

نماز اسریٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنی اول وآخر — کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

3۔یعنی وہ مقام جہاں انوار واسرار وقرب وحب کے سوا کچھ نہ تھا۔

4۔رحمت خداوندی نے اپنے قربِ خاص میں اپنے حبیب ﷺ کو آغوشِ رحمت میں اس طرح لیا کہ آگے بھی خدا کا نور، پیچھے بھی خدا کا نور، دائیں بھی خدا کا نور اور بائیں بھی خدا کا نور، نیچے بھی خدا کا نور اور بیچ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور، اس وقت رحمتِ خداوندی دائرہ، اور حضور اکرم ﷺ اس کے مرکز تھے۔

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول، آخر کے پھیر میں ہو — محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

(از تبرکات مفتی اعظم علامہ احمد یار خاں صاحب نعیمی قدس سرہٗ)

5۔حضرت جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود — مپرس از ماز کیفیت کہ چوں بود

6۔مکہ مکرمہ سے نبی اکرم ﷺ کا شب کے مختصر حصہ میں بیت المقدس تک تشریف لے جانا، اس نص قرآنی میں مذکور ہے: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا'' اس کا منکر کافر مخلد فی النار ہے۔ اور آسمانوں پر تشریف لے جانا، آیات وعجائبات ملکوت در بوبیت کا ملاحظہ فرمانا، اور منازلِ قرب میں پہنچنا، یہ تمام امور صحاح کی احادیث معتبرہ، معتمدہ، مشہورہ سے جو حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں ثابت ہے۔ اس کا منکر ضال مضل، گمراہ، بے دین ہے۔

(بطریق نص) موجود ہیں۔اور بکثرت آثار (یعنی اقوالِ صحابہ و تابعین) ان امور کے بیان و تفصیل سے پُر ہیں۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کے معجزات سے یہ بھی ہے کہ متعدد دفعہ آپ کی (دعا و) برکت سے آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہوا(1)۔ یہ (ایک جماعت کثیرہ کے سامنے) بہت سی احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔

انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا

۱۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ بازارِ مدینہ کے قریب مقامِ زوراء میں تھے کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا (اور پانی اتنا نہ تھا جو سب کو کفایت کرتا) تو آپ نے اپنا دستِ اقدس تھوڑے سے پانی کے ایک برتن میں رکھا (تو اس کی برکت سے) تین سو کے اندازہ میں صحابہ نے وضو کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل رہا تھا۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اور ہمارے پاس پانی نہ تھا۔ (اس کی بابت نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس زائد پانی ہو وہ لے آؤ۔ چنانچہ پانی پیش کیا گیا، جسے آپ نے ایک برتن میں انڈیلا، پھر اپنی ہتھیلی مبارک اس میں رکھ دی (پھر کیا تھا) پانی آپ کی انگشتانِ مبارک سے چشموں کی طرح بہنے لگا۔

۳۔ اور (اسی طرح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (صلح) حدیبیہ کے دن جب لوگوں کو پیاس لگی تو سب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ہونے اور پیاسا ہونے کی گزارش لے کر حاضر ہوئے، اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس تھوڑے سے پانی کی ایک چھاگل تھی، آپ نے اپنا دستِ اقدس چھاگل پر رکھا۔ پھر (اس وقت) آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی پھوٹنے لگا۔ (اس واقعہ کے راوی حضرت سالم الجعدار رحمۃ اللہ علیہ نے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ اس دن کتنی تعداد میں تھے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم تھے تو ڈیڑھ ہزار لیکن اس دن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو تب بھی وہ پانی کفایت کرتا(2)۔

۴۔ اور نیز یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ غزوۂ بواط میں لوگ جب پیاسے ہوئے تو آپ

1۔ یہ معجزہ قطعی الثبوت اور معجزہ شق القمر کی طرح آپ کے خصائص سے ہے۔

2۔ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور حکم دیا کہ جو پانی ہے لے آؤ۔ تو لوگوں نے تلاش کے بعد تھوڑا سا پانی پایا جسے آپ نے ایک پیالہ میں ڈال کر اس میں اپنی انگلیاں کھول کر ہتھیلی رکھ دی پھر اس پیالہ میں پانی جوش کھانے لگا حتی کہ پر ہو کر کناروں سے بہنے لگا۔ پھر سب لوگوں نے سیر ہو کر پیا۔ اور سب کو کافی ہو گیا۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ (غزوۂ تبوک کے موقعہ پر) تبوک کے ایک چشمہ پر تشریف لے گئے جس میں قطرہ قطرہ پانی نکل رہا تھا۔ اس میں سے لوگ آپ کے لیے معمولی سا پانی لائے، جس سے آپ نے اپنا چہرۂ انور اور دستِ اقدس دھونے کے بعد غسالہ کو دوبارہ اس چشمے میں ڈلوا دیا، آپ کا وہ دھوون ڈالنے کے بعد چشمہ پانی سے پھوٹ پڑا، اور اس کے پھوٹنے پر (ہمیں) بجلی کی سی کڑک محسوس ہوئی، اور پھر وہ آب کثیر سے ایک بہت بڑا بہنے والا چشمہ بن گیا۔ بعدہٗ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''معاذ! اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو تو اس جگہ کو باغات سے بھرا ہوا دیکھے گا''، اور یہ پھر اسی طرح واقع ہوا۔ (جیسے فرمایا تھا)

۶۔ (اور اسی طرح) ایک ویران و خشک چھوٹے سے کنویں (کھوہی) میں آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر گاڑ دیا اور پھر (تیر والی جگہ سے) اتنا پانی نکلا، جو حدیبیہ کے دن سب شرکاء کو کفایت کر گیا۔

۷۔ مروی ہے کہ ایک سفر میں (قبل از نبوت آپ کے کفیل چچا) ابو طالب نے آپ سے پانی نہ ہونے کے متعلق کہا تو آپ نے اپنا قدم مبارک زمین پر دے مارا پھر اسی وقت وہاں سے پانی نکل آیا۔ (اصطلاح میں اس طرح کے واقعات کو ''ارہاص'' کہا جاتا ہے۔)

اس باب میں (یوں تو) بے شمار احادیثِ صحیحہ وارد ہیں (مگر) ہم نے ان میں سے صرف چند ذکر کی ہیں۔ (ان میں ہی انحصار نہیں ہے)

۵۔ طعام قلیل کو کثیر بنا دیا

حضور سید عالم ﷺ کے معجزات سے یہ بھی ہے کہ آپ کی برکت سے کم کھانا اتنا بڑھا (1) کہ ایک

1۔ اس قسم کا تکثیر طعام و تکثیر آب جناب سرور کائنات ﷺ کے مربی و لیِ نعم ہونے کا اثر ہے۔ کیوں کہ جس طرح حضور انور ﷺ بحسب روحانیت قلوب و ارواح کے مربی و مکمل ہیں، یونہی عالم جسمانیات میں ابدان و اشباح کے پرورش کنندہ بھی ہیں: ؎

شکر فیضِ تو چمن کند اے ابر بہار　　　کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست

شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ ''اشعۃ اللمعات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان گزر رہا تھا، جہاں میں نے ایک سبزی فروش کو دیکھا کہ سبزی پر پانی چھڑکتے ہوئے یوں کہہ رہا تھا ''یَا بَرَکَةَ النَّبِيِّ تَعَالَیْ وَانْزِلِیْ ثُمَّ لَا تَرْتَحِلِیْ'' ''اے نبی کی برکت آ، اور میرے مکان میں اتر، اور کوچ نہ کر۔ (ماخوذ از ''مدارج'' الشیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ و ''سیرت رسول عربی'' علامہ نور بخش توکلی قدس سرہٗ)

بھاری جماعت کو کافی ہوا، اور پھر کافی مدت تک باقی رہا۔ (جیسا کہ حسب ذیل امثلہ سے واضح ہے):

۱۔ (چنانچہ) ایک دن نبی کریم ﷺ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ جن کے پاس چند جو کی روٹیاں تھیں (جب وہ آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں) تو آپ نے ان کے ٹکڑے کرنے کا ارشاد فرمایا، پھر ان پر گھی ڈالا گیا، اس کے بعد آپ نے اس پر کچھ پڑھا(1)۔ پھر آپ نے دس آدمیوں کے بلانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ حسب الحکم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دس آدمی بلا لائے، وہ سیر ہو گئے تو اور دس کو طلب فرمایا۔ اسی طرح اسّی کے لگ بھگ اصحاب نے سیر ہو کر کھایا(2)۔

۲۔ اور (اسی طرح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق کے دن ایک صاع(3) جو سے کھانا تیار کیا جسے ایک ہزار افراد نے سیر ہو کر کھایا اور ان کے جانے کے بعد اس کھانے سے کچھ بھی کم نہ ہوا(4)۔

۳۔ اور (یونہی) نبی اکرم ﷺ نے مانگنے پر ایک شخص کو آدھا وسق(5) جو عنایت فرمائے، جسے وہ ہمیشہ اپنے بیوی، بچوں اور مہمانوں کے ہمراہ کھاتا رہا۔ حتی کہ ایک دن اس شخص نے اسے ناپ لیا(6)۔

۴۔ اور (اسی طرح) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اتنا کھانا تیار فرمایا جو ان دونوں حضرات کے لیے کافی ہو (بعدہٗ) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کو کھانے پر بلایا، چنانچہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (جاؤ اشراف) انصار کے تیس آدمی بلا لاؤ۔ چنانچہ آپ بلا لائے اور انہیں کھانا کھلایا گیا (مگر) کھانا پھر بھی بچا رہا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ساٹھ آدمی بلائے گئے انہیں بھی (اسی طرح) کھلایا گیا (لیکن کھانا پھر بھی ختم نہ ہوا) پھر رسول اکرم ﷺ کے فرمانِ گرامی پر نوے آدمی بلائے گئے (جنہوں نے آ کر کھایا اور کھانا پھر بھی جوں کا

1۔ معلوم ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر دعا مانگنا اور فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ قرآنِ کریم سے بھی یہی مستفاد ہے۔ اور بخاری و مسلم میں حدیث حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما بھی اس کی شاہد و ناطق ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر خزائن العرفان شاہ نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ سورۂ توبہ زیر آیت نمبر ۱۰۳)

2۔ بخاری شریف باب علامات النبوۃ

3۔ ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے۔

4۔ بخاری و مسلم میں یہ حدیث مفصلاً مذکور ہے۔

5۔ ایک وسق، ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، جس کا وزن ہمارے ہاں چھ من تیس سیر بنتا ہے تو نصف وسق تیس صاع کا ہوا جس کا عرفی وزن تین من پندرہ سیر بنتا ہے۔

6۔ تو وہ ختم ہو گیا اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم اسے ناپتے نہ، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ تمہارے پاس باقی رہتا اور تم اسے کھاتے رہتے۔

توں رہا) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن میرے اس کھانے کو ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا تھا۔

۵۔اور (یونہی) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوشت سے بھرا ہوا ایک پیالہ لایا گیا، (پھر آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا) چنانچہ لوگ جماعت در جماعت صبح سے شام تک لگا تار اسے کھاتے رہے۔

۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ سے تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا، جسے ہم نے (خوب) سیر ہو کر کھایا۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے تو پیالہ ویسے ہی بھرا تھا جیسا کہ پہلے رکھا تھا بجز اس کے کہ اس میں سب کی انگلیوں کے نشان تھے۔

۷۔نبی کریم ﷺ نے صرف ایک جامِ شیر تمام اصحاب صفہ کو پلایا(1)۔ یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئے اور جامِ شیر اسی طرح چھلک رہا تھا۔

۸۔امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو عبد المطلب کے چالیس افراد کی دعوت فرمائی، اور ان میں کچھ ایسے (تنومند) لوگ بھی تھے جو سالم بکرا کھا جاتے تھے اور پیتے ہوئے تقریباً ایک "فرق"(2) پانی پی جایا کرتے تھے، (مگر) حضور اکرم ﷺ نے ان کے صرف ایک سیر اناج سے کھانا تیار فرمایا تو ان سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کھانا اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا، اور ان سب نے سیر ہو کر پیا، مگر پیالے میں پانی ویسے ہی رہا جیسا پہلے تھا، (اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ) گویا انہوں نے کچھ بھی نہیں پیا جبکہ اس پیالہ سے تین یا چار آدمی سیراب ہو سکتے تھے۔

۹۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانا تیار کروا کر اپنے اصحاب کو بلوایا، تقریباً تین سو کے لگ بھگ لوگ باری باری آئے اور کھانا کھا کر چلے گئے۔ بعد ازاں مجھے فرمایا: انس! کھانا اٹھا لو۔ (حسب الارشاد) جب میں نے کھانا اٹھایا تو میں کہہ نہیں سکتا کہ کھانا رکھتے وقت زیادہ تھا یا اب اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔

۱۰۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو

1۔اس وقت اصحاب صفہ کی تعداد ستر یا اس سے زائد تھی، اس حدیث کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر — جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

2۔ایک فرق سولہ سیر کا ہوتا ہے۔

شدید فاقہ کا سامنا کرنا پڑا۔حضور انور ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا، کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں، توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں، (فرمایا وہ میرے پاس لے آؤ، جب میں نے حاضر خدمت کیں تو) آپ نے اس میں سے مٹھی بھر کھجوریں نکال کر برکت کی دعا فرمائی، یہاں تک کہ تمام لشکر نے پیٹ بھر کر تناول کیں، پھر نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا جو کچھ تم لائے تھے اسے لے جاؤ۔ (مجھے واپس کرتے وقت) آپ نے (دوبارہ) مٹھی بھر (غالباً اپنے لیے) کھجوریں اس سے نکالیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنا میں لایا تھا اس سے زیادہ پایا۔اس کے بعد میں رسول کریم ﷺ کی ساری مدتِ حیات اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک اس توشہ دان سے (خود) کھاتا رہا اور (دوسروں کو) کھلاتا رہا۔پھر جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے۔(اور دوسرے شرفاء کی طرح میں بھی بغاوت و بلوئی کا نشانہ بنا، اور اسی اثناء میں جب میرا گھر لوٹا گیا) تو وہ توشہ دان (بھی) مجھ سے چھین لیا گیا(1)۔

اا۔اور (اسی طرح) غزوۂ تبوک(2) میں جب لوگ شدید بھوک سے دوچار ہوئے تو آپ نے تمام لشکریوں(3) سے ماحضر جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا، سب نے تھوڑی تھوڑی کھجوریں اکٹھی کیں (یا اور جو کچھ بھی بچا کھچا توشہ تھا) تو سب نے شکم سیر ہو کر کھایا، اور سب نے اپنے اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا پھر بھی دستر خوان پر کھانا بچ گیا(4)۔

(تکثیر آب کی طرح) تکثیر طعام کے سلسلہ میں (بھی) بکثرت احادیث (صحیحہ، معتمدہ، معتبرہ) مروی ہیں۔

1۔صاحب ''روضۃ الاحباب'' نے اسی ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیت بھی نقل کیا ہے جسے آپ اس دن بار بار دہراتے تھے:۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ هَمَّانِ بَيْنَهُمْ هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا

عام لوگوں کو تو ایک غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں۔ایک تو توشہ دان کے گم ہونے کا غم، اور دوسرا شیخ الصحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے غم۔

2۔غزوۂ تبوک حضور انور ﷺ کا سب سے آخری غزوہ تھا۔

3۔شیخ قدس سرہٗ نے ''مدارج شریف'' میں لکھا کہ لشکریوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔اور ''اشعۃ اللمعات'' میں تحریر فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں لشکریوں کی تعداد (بعد میں) ایک لاکھ کو پہنچ گئی تھی۔

4۔اس حدیث شریف کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں مفصل حدیث ''مدارج النبوۃ'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نباتات کا کلام واطاعت وسلام وشہادت

(بطریق اعجاز وخرقِ عادت، اللہ جل مجدہٗ نے نباتات کو بھی آپ کا مطیع ومسخر بنایا تھا)

ا۔(چنانچہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے بعض اسفار میں ایک بادیہ نشین کو دعوتِ اسلام دی تو وہ بولا: آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر شاہد کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ درخت۔ پھر آپ نے اس درخت کو بلایا تو وہ درخت، زمین چیرتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا ہوا اور بولا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں''۔

تین مرتبہ گواہی دینے کے بعد وہ درخت اپنی جگہ پلٹ گیا۔

۲۔حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ سے صداقتِ نبوت پر (کوئی) نشان طلب کیا تو آپ نے فرمایا: جا، اس درخت سے کہہ کہ تجھے رسول اللہ (ﷺ) بلا رہے ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (بدوی نے جب جا کر کہا تو علی الفور) وہ درخت جڑیں گھسیٹتا ہوا آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کہنے لگا۔ پھر جب آپ نے اسے واپس ہونے کا حکم صادر فرمایا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

۳۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث(1) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو علیحدہ علیحدہ درختوں کو بلایا وہ دونوں باہم اکٹھے ہو گئے۔ پھر آپ نے انہیں واپس اپنی اپنی جگہ پر جانے کا حکم فرمایا تو وہ دونوں درخت جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے(2)۔

(نباتات کے کلام واطاعت، اور شہادت وسلام کے) اس باب میں بھی بے شمار احادیثِ صحیحہ مروی ہیں۔

1۔یہی حدیث مفصل طور پر صحیح مسلم شریف میں درج ہے۔

2۔اسی طرف امام بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

جَآءَ ت لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً　　تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

کَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا کَتَبَتْ　　فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِیْعِ الْخَطِّ فِی اللَّقَمٖ

''حضور اکرم ﷺ کے بلانے پر آپ کی طرف درخت اپنے تنا پر بغیر قدم کے سجدہ کرتے ہوئے آئے، وہ درخت گویا ایک خط کھینچتے ہوئے آرہے تھے جن کی ٹہنیاں درمیان میں (سیدھی سطر کی مانند) خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں''۔

آپ کے فراق میں کھجور کے تنے کا رونا

اور اسی قبیل سے تنا کا رونا بھی ہے، جیسا کہ (پہلے پہل) نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک تنا سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اس پر خطبہ ارشاد فرمانے لگے جس کی وجہ سے وہ تنا (آپ کے فراق میں) چیخ چیخ کر رونے لگا(1)۔ اور (ایک روایت کے مطابق) پھر پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور سب حاضرین نے اس کا گریہ سنا، حتیٰ کہ تمام لوگ اس کے رونے کی وجہ سے رو پڑے، پھر نبی کریم ﷺ نے اسے بلایا تو وہ زمین چیرتا ہوا آپ کے پاس آ گیا۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنے ساتھ چپٹایا (تو وہ خاموش ہو گیا) اور اسے لوٹنے کا حکم فرمایا تو پھر وہ اپنی جگہ لوٹ آیا۔ اس حدیث کو دس سے اوپر تک بڑے بڑے (صاحبِ علم و فضل و کمال) صحابہ نے روایت کیا ہے(2)۔

۷۔ کلام جمادات و تسبیح و سلام

۱۔ (نباتات کی طرح جمادات بھی آپ کے مطیع و منقاد تھے) جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ نے مٹھی میں کنکریوں کو لیا تو وہ آپ کے دستِ اقدس میں تسبیح کرنے لگیں۔ اور ہم نے انہیں تسبیح کرتے ہوئے سنا۔

۲۔ قَالَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجَ اِلٰى بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اِسْتَقْبَلَهٗ شَجَرٌ وَلَا جَبَلٌ اِلَّا وَقَالَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"۔ (ص ۲۰۸)

"مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ مکہ کے بعض اطراف میں نکلے۔ (راہ میں) جو بھی درخت یا پہاڑ ملتا تو وہ السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتا"(3)۔

1۔ حضرت عارف رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

استن حنانہ از ہجر رسول — نالہ می زد ہم چوں ارباب عقول

مسندت من بودم از من تاختی — بر سر منبر تو مسند ساختی (مترجم غفرلہٗ)

2۔ لہٰذا تکثیر آب وغیرہ کی طرح یہ معجزہ بھی قطعی الثبوت ہے۔

3۔ شیخ قدس سرہٗ نے مدارج میں رقم فرمایا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے ابتدائی عہد کا ہے۔

۳۔ تسبیح طعام

(اسی باب سے تسبیح طعام بھی ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور کھانے کی تسبیح کو سن رہے تھے، اس باب میں کئی مشہور واقعے احادیث میں مذکور ہیں۔

۸۔ حیوانات(1) کی اطاعت وکلام وسلام

ا۔ سوسمار کی گواہی

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ مَحْفِلٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ بِضَبٍّ فَطَرَحَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ لَا اُوْمِنُ بِكَ حَتّٰى يُوْمِنَ بِكَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ضَبُّ فَقَالَ بِكَلَامٍ فَصِيْحٍ حَتّٰى سَمِعَهُ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا زَيْنَ مَنْ وَافَى الْقِيَامَةَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ عَرْشُهٗ، وَفِي الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِي الْبَحْرِ سَبِيْلُهٗ وَفِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِي النَّارِ عِقَابُهٗ قَالَ فَمَنْ اَنَا؟ قَالَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَقَدْ خَابَ مَنْ كَذَّبَكَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِيُّ۔ (ص ۲۰۸)

''(چنانچہ) امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مجمع اصحاب میں تشریف فرما تھے کہ بنی سلیم کا ایک بادیہ نشین سوسمار شکار کر کے لایا اور اسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے لا کر ڈال دیا اور کہنے لگا جب تک یہ سوسمار (گوہ) آپ پر ایمان نہ لائے میں آپ پر ایمان نہ لاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے بلایا تو وہ فصیح زبان میں اس طرح بولی، جسے سب حاضرین نے بخوبی سنا ''اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت و رونق! میں خدمت و طاعت میں حاضر ہوں'' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تیرا معبود کون ہے؟ عرض کی جس کا عرش آسمان میں، سلطنت زمین میں، اور راہ سمندر میں، اور رحمت جنت میں، اور عذاب دوزخ میں، پھر نبی

1۔ جس طرح انسانوں پر حضور انور ﷺ کی اطاعت فرض و واجب ہے اسی طرح اللہ جل مجدہٗ نے جانوروں کو بھی حضور اکرم ﷺ کا مطیع و فرمانبردار بنایا ہے۔

اکرم ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ عرض کی: آپ پروردگار عالم کے رسول ہیں، اور رسولوں کے ختم فرمانے والے، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ بامراد ہوا، اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ نامراد ہوا''۔

(سوسمار کی گواہی و تصدیق کے بعد) پھر وہ بادیہ نشین ایمان لے آیا۔

۲۔ کلامِ گرگ

(اور اسی طرح) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی بیان کیا کہ ایک گڈریے سے گرگ نے گفتگو کی، اور پھر گڈریے کو نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کی اطلاع دی۔ پھر وہ گڈریا نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔

۳۔ حضرت اہبان بن اوس (اسلمی) رضی اللہ عنہ سے بھیڑیے کا گفتگو کرنا تو (نہایت) مشہور ہے جبکہ وہ (حرۃ الوبرہ(1) کے درمیان) بکریاں چرا رہے تھے تو گرگ ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

اَلْعَجَبُ مِنْکَ وَاَنْتَ وَاقِفٌ عِنْدَ غَنَمِکَ وَتَرَکْتَ نَبِیًّا لَمْ یَبْعَثِ اللّٰہُ قَطُّ نَبِیًّا اَعْظَمَ مِنْہُ قَدْرًا وَقَدْ فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَاَشْرَفَ اَھْلُھَا عَلٰی اَصْحَابِہٖ یَنْظُرُوْنَ قِتَالَھُمْ وَمَا بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ اِلَّا ھٰذَا الشِّعْبُ فَتَصِیْرُ فِیْ جُنُوْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَذَھَبَ وَاَسْلَمَ۔ (ص ۲۰۸)

''تجھ پر تعجب اپنی بکریوں کے ریوڑ پر تو کھڑا ہے اور ایسے نبی کو چھوڑے ہوئے ہے جس سے بلند تر اور عظیم المنصب کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث نہیں فرمایا۔ اور ان کے لیے بلاشبہ جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں۔ اور جنتی ان کے اصحاب کے (راہِ خدا میں) لڑنے (کے اچھوتے انداز) کو جھانک جھانک کر دیکھتے ہیں تیرے اور ان کے درمیان اس درہ کے علاوہ اور کوئی بھی رکاوٹ نہیں۔ (چل جا) اور اپنے آپ کو (تو بھی) اللہ کے لشکروں میں شامل کر لے''(2)۔

(چنانچہ کلامِ گرگ سننے کے بعد) حضرت اہبان رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

1۔ حرۃ الوبرہ (سنگلاخ زمین) مدینہ طیبہ زادہا اللہ تشریفاً و تکریماً سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ (علامہ سمہودی قدس سرہٗ، وفاء الوفاء)

2۔ یا یہ کہ اس درۂ جبل کو عبور کرنے کے بعد تو بھی خدائی لشکر میں شمولیت کر لے گا۔

۴۔(اسی طرح) حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان(1) بن امیہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک گرگ ایک ہرن کا پیچھا کر رہا تھا، جب ہرن (حدود) حرم میں داخل ہوا تو گرگ وہیں رک گیا تو (اس منظر سے) دونوں صاحبان حیران ہوئے۔ اس پر گرگ ان سے کہنے لگا (حیرانگی کی کیا بات ہے) اس سے بھی حیران کن امر یہ ہے کہ حضرت سیدنا محمد بن عبد اللہ ﷺ " رضی اللہ عنہ" (جو تمہارے جانے پہچانے اور تمہارے رشتے دار ہیں) مدینہ منورہ میں (تشریف فرما ہو کر) تمہیں جنت کی طرف بلا رہے ہیں اور تم انہیں(2) دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔

۵۔شُتر کی فریاد

ایک اونٹ نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ اس کے مالکوں نے (پہلے تو) اس سے کافی عرصہ کام لیا (اور اب) جب (وہ) بوڑھا ہو گیا تو اسے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے گزارش سننے کے بعد) اس کے مالکوں سے اس کے بارے میں سفارش فرمائی۔ یہ واقعہ بھی (واقعہ گرگ کی طرح) مشہور ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک پوری جماعت اس کی راوی ہے۔

۶۔کلامِ آہو

اور (اسی طرح) اس ہرنی کا آپ سے ہمکلام ہونا جسے آپ نے شکاری سے چھٹکارا پائیں وجہ دلایا تھا تاکہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلا آئے۔ (چنانچہ چھوٹنے کے بعد) وہ جاتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔

۷۔کلامِ حمار

اور انہی معجزات سے اس گدھے کا آپ سے ہمکلام ہونا بھی ہے جو فتح خیبر کے دن آپ کو حاصل ہوا تھا۔

۸۔بکری کے زہریلے گوشت کا کلام کرنا

وہ زہر آلود بکری (کا بازو) جسے بروز خیبر ایک یہودیہ نے آپ کے لیے تیار کر کے (تحفہ) بھیجی

1۔جبکہ یہ دونوں صاحبان ہنوز مشرکین میں تھے بعدۂ یوم فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ 2۔یعنی اپنی قوم کو۔

3۔حضرت علامہ نور بخش توکلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ" آپ کا یہ معجزہ مردے کے زندہ کرنے سے بھی" بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ کرنا ہے حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا (بدستور) مردہ ہی تھا۔

(" سیرت رسول عربی" مطبوعہ انجمن نعمانیہ لاہور)

تھی۔اس کا آپ سے ہمکلام ہونا بھی آپ کے مشہور معجزات سے ہے(3)۔

۹۔مادری زبان تبدیل فرما دینا

(علامہ) واقدی قدس سرہٗ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مختلف بولیاں رکھنے والے چھ بادشاہوں کی جانب سفیر بنا کر روانہ فرمایا۔اور یہ صحابہ جب ہر ایک بادشاہ کے ہاں پہنچے تو انہی کی زبان میں (بلا تکلف) گفتگو فرمانے لگے۔(حالانکہ یہ تمام حضرات خالص عربی نژاد تھے)

۱۰۔شیر خوار بچوں کی گواہی

(دودھ پیتے بچوں سے اپنی رسالت کی گواہی لینا اور ان کا آپ کی تصدیق کرنا بھی آپ کے معجزات سے ہے جیسا کہ) حجۃ الوداع میں ایک نومولود بچہ آپ کے پاس لایا گیا۔پھر آپ نے اس بچہ سے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس بچے نے کہا: آپ ''رسول اللہ'' ہیں۔آپ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ ''بَارَکَ اللّٰهُ فِيْکَ۔'' اللہ تجھے برکت دے(1)۔(بعد ازاں اس بچے نے جوان ہونے تک کلام نہ کیا) ہم اسے ''مبارک الیمامہ''(2) کہا کرتے تھے۔

۱۱۔شہداء کا گواہی دینا

جس وقت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو بوقت دفن جب آپ کو قبر میں رکھ دیا گیا تو اس وقت لوگوں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا:

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اَبُوْبَكْرِ ۨالصِّدِّيْقُ،عُمَرُ ۨالشَّهِيْدُ، عُثْمَانُ الْبِرُّ الرَّحِيْمُ۔(ص۲۰۹)

''محمد'' تو رسول اللہ ہیں، ﷺ۔اور ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ شہید ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نہایت نیک اور انتہائی رحم دل ہیں''(3)۔

1۔یعنی اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت دے۔

2۔اس حدیث کو امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت معرض بن معیقیب یمامی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

3۔اس روایت کو شفاء شریف میں قاضی عیاض مالکی قدس سرہٗ نے نقل فرمایا ہے۔یہ روایت جہاں نبی اکرم ﷺ کی حقانیت، صداقت، نبوت و رسالت کی گواہ ہے وہیں اصحاب ثلاثہ علیہم الرضوان کے فضائل و خصائل کی بھی شاہد عادل ہے۔ظاہر ہے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ان حضرات کی شان اور کون جان سکتا ہے۔

۱۲۔ بیماروں و زخمیوں کو شفاء مرحمت فرمانا

آپ کا لعابِ دہن بھی شفا و معجزہ ہے

۱۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ احد میں ان کی آنکھ کو صدمہ پہنچا، اور ڈیلا رخسار پر آ پڑا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ڈیلے کو اپنی جگہ رکھ دیا اور آنکھ پہلے سے بھی زیادہ درست ہوگئی۔

۲۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) تیر لگنے سے میرا چہرہ زخمی ہوگیا، اس میں نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا۔ پھر نہ ہی تو کبھی مجھے تیر و تلوار لگی اور نہ ہی خون نکلا۔

۳۔ اور (اسی طرح) فتح خیبر کے روز آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخت دکھتی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا تو وہ فوراً تندرست ہوگئے۔

۴۔ اور اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی چوٹ پر لعاب مبارک لگایا (تو فوراً درد جاتا رہا)۔

۵۔ اور (ایسے ہی) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تلوار سے آئے ہوئے زخم پر اپنا لعابِ دہن مبارک لگایا تو فوراً ان کا زخم جاتا رہا۔

۶۔ اور اسی طرح جنگِ بدر میں حضرت معوذ بن عفرا (قاتلِ ابوجہل) رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹ گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے ہاتھ کو اپنی جگہ پر ملانے کے بعد اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا تو پہلے کی طرح اچھا ہوگیا۔

۷۔ اور اسی طرح ایک نابینا نے آپ کے پاس آکر اپنی بینائی لوٹانے کی درخواست کی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور پھر اس دعا کے پڑھنے کا حکم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ اَنْ تَرُدَّ عَلَیَّ بَصَرِیْ۔ (ص۲۰۹)

"یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ تو میری بینائی لوٹا دے"۔

چنانچہ اس نابینا نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔

۱۳۔ اجابتِ دعا

نبی کریم ﷺ کے معجزات سے یہ بھی ہے کہ آپ جو دعا فرماتے وہ قبول ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جس کے لیے دعا فرماتے تو اس کا اثر اس شخص کے علاوہ اس کے بیٹوں اور پوتوں تک پایا جاتا

تھا۔اور اسی طرح طلبِ باراں وغیرہ کے لیے آپ کا دعا فرمانا (اور اسی وقت بارش کا اتر پڑنا) بھی آپ کے معجزات سے ہے۔

اور یونہی کسی جماعت(1) کے بارے میں خواہ نفع میں ہو یا نقصان میں آپ کی قبولیتِ دعا کا فوری اثر دکھانا بھی آپ کے معجزات سے ہے۔

یہ باب (تو) نہایت وسیع ہے۔اس بارے میں ائمہ (محدثین ؒ) کی کتب مبسوطہ بھری پڑی ہیں جیسے ابوالفضل قاضی عیاض رضی اللہ عنہ کی ''کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ'' میں نہایت وضاحت سے ایسی احادیث منقول ہیں۔

۱۴۔کتبِ الہامیہ سابقہ میں ذکرِ پاک

کتبِ سابقہ الہامیہ مثلاً تورات و انجیل میں نبی اکرم ﷺ کے احوال مبارکہ و صفاتِ رفیعہ اور تعظیم و توقیر سے متعلق پیش گوئیوں کا پایا جانا، اور (نیز) آپ کی بعثت سے قبل علماء اہل کتاب، منجموں، غائبانہ طور جنوں کا آپ کی مدد سے متعلق بشارتیں بھی آپ کے معجزات سے ہے۔اس موضوع پر امام عبداللہ بن ظفر قدس سرہٗ نے ''خیر البشر بخیر البشر'' نامی ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

۱۵۔فضائل و خصائص

۱۔نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآن عزیز میں آپ کے مکارم اخلاق اور محاسنِ افعال کی توصیف فرمائی۔(اور آپ کو محامد و محاسن، مکارم کے زیور سے مزین فرمایا ہے)۔

۲۔جنت کا اعلیٰ مقام ''وسیلہ'' آپ کو عطا ہوگا۔

۳۔قیامت کے دن آپ کو ''شفاعتِ عظمیٰ'' دی جائے گی۔

۴۔آپ کو مقامِ محمود (یعنی شفاعت و کرامت و بزرگی، رفعت کا مقام) عطا فرمایا جائے گا۔

۵۔آپ کے لیے اللہ جل مجدہٗ نے ''حوضِ کوثر'' مخصوص فرمایا ہے۔

ان کے علاوہ اور بے شمار اخروی انعام و اکرام اور فضل و کرم سے آپ کو سرفراز فرمایا جائے گا۔

(اگر) بغور دیکھا جائے تو اس قسم کے بے شمار فضائل و خصائص آپ کے لیے قرآنِ کریم میں پائے جاتے ہیں۔

1۔ جیسے قریش کے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے بحالتِ نماز آپ پر غلاظت پھینکی تھی، یہ آپ کی دعا ہی کا ثمرہ تھا کہ وہ سب کے سب غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے۔(مدارج النبوۃ للشیخ قدس سرہٗ)

۶۔فَهُوَ الشَّاهِدُ(1) لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَاهْتَدٰى وَعَلٰى مَنْ مجد وَاعْتَدٰى۔
(ص۲۱۰)

"(آپ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ) آپ مومن وہدایت یافتہ اور کافر وسرکش پر گواہ ہیں (یعنی آپ مومن کے ایمان وعرفان اور کافر کے طغیان وعصیان میں سب کے شاہد ہیں)"۔

۷۔اور اتمامِ حجت کے طور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق داعی الی اللہ ہونا بھی آپ کے خصائص سے ہے۔

۸۔اللہ جل مجدہٗ کی اطاعت کرنے پر اجر وثواب ملنے کی بشارت دینا، اور نافرمانی پر سزا ملنے کا ڈر سنانا بھی آپ کے خصائص سے ہے۔

۹۔مومن ومصدق جس نے آپ کے نور ہدایت سے اپنا دل منور کیا اس کے لیے روشن چراغ ہونا بھی آپ کے خصائص سے ہے۔

۱۰۔لَمْ يَزَلْ نُوْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمَنِ آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَسْتُوْرُ الصُّوْرَةِ مَنْشُوْرُ الذِّكْرِ عَرَفَهٗ آدَمُ فَتَوَسَّلَ بِهٖ۔(ص۲۱۰)

"نبی کریم ﷺ کا نور اطہر (جسے اللہ جل مجدہٗ نے بلاواسطہ سب سے پہلے تخلیق فرمایا)

1۔لغت میں "شاہد" کے تین معنی ہیں: (۱)۔گواہ (۲)۔حاضر،موجود (۳)۔محبوب
مذکورۃ الصدر عبارت میں تینوں معنی بن سکتے ہیں، ایک معنی تو متن میں مذکور ہے۔دوسرا معنی یوں ہوسکتا ہے کہ دنیا میں مومن ومتقی اور ہر سعادت مند پر کرم مصطفیٰ ﷺ رہتا ہے، توجہ موجود رہتی ہے۔اور کافر وبے دین آپ کی بے توجہی کے موجود رہنے کی بناء پر سراپا شقاوت بن کر طغیان وسرکشی میں منہمک رہتا ہے۔یعنی آپ کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود وحاضر وناظر ہونے کی وجہ سے مومن ومصدق اور کافر ومنکر کے جمیع احوال سے آگاہ ہیں۔(ماخوذ از روح البیان۔زیر آیت انا ارسلنک شاھدا الخ) اور تیسرا معنی اس طرح بن سکتا ہے کہ آپ نفس الامر میں سارے جہاں کے محبوب ومطلق ہیں یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے علاوہ جن، فرشتے، شجر وحجر، دشت وجبل وغیرہ سبھی آپ سے محبت کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔" احد پہاڑ ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں۔(بخاری وترمذی)۔ع

در ہر دلے سودائے تو، عالم ہمہ شیدائے تو

(فائدہ) پہلے معنی کی رو سے معلوم ہوا کہ جس کے ایمان وکفر کی گواہی آپ دے دیں پھر اس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے۔لہٰذا اب جو کوئی حضرات خلفاء ثلاثہ علیہم الرضوان کے ایمان وخلوص میں ذرہ برابر شک وشبہ کرے وہ خود بے دین، ملحد، زندیق ہے۔اس لیے کہ ان حضرات کے ایمان وللہیت کی گواہی محبوب کائنات ﷺ نے دے دی ہے، منکر گویا حضور ﷺ کی شہادت کی صداقت میں شک کر رہا ہے، اب نتیجہ قارئین کے ذمہ۔اس موضوع کی تحقیق انیق کے لیے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات شریف ملاحظہ فرمایئے۔

آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے (اگر چہ) صورتاً مخفی تھا (مگر) حقیقۃً شہرت یافتہ تھا، اور اسی نور کی برکت وعرفان ووسیلہ سے ہی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔"

(جب نور محمدی ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ نے خلق عالم کا واسطہ (1) ٹھہرا کر، عالم ارواح میں ہی اسے نبوت (2) ورسالت سے سرفراز فرمایا تو اس وقت)

۱۱۔ اَخَذَ مِیْثَاقَ جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ لَهٗ۔ (ص ۲۱۰)

"اللہ جل مجدہٗ نے سب انبیاء کی روحوں سے آپ کے لیے عہد و پیمان لیا (کہ وہ آپ کی نصرت وامداد واتباع کریں گے)"۔

۱۲۔ آپ جامع کمالاتِ انبیاء ہیں

(چنانچہ) آپ میں حضرت آدم علیہ السلام کی للّٰہیت وصفوت، حضرت نوح علیہ السلام کا گریہ، اپنے بعض معارف میں حضرت ادریس علیہ السلام کا علم، اپنی بعض پریشانیوں میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم، اپنے قلبی غم میں (بصورت برداشت) حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، شدید اندرونی حزن وملال کے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی زاری وتضرع، اور غناءِ نفس وخودداری حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بڑھ کر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصفِ تکلم، سبھی پایا جاتا تھا، (علاوہ ازیں) ملاءِ اعلیٰ کی رفعت سے بھی بڑھ کر آپ کا مقام تھا، (اسی لیے) آپ کے دلائل ومعجزات واضح وروشن تر تھے۔

۱۳۔ آپ رونقِ کائنات اور خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں۔

۱۴۔ جس طرح سورج کو چاند پر، سمندر کو قطرہ پر برتری حاصل ہے ایسے ہی آپ کو سب انبیاء کرام علیہم السلام پر فوقیت ہے۔

۱۵۔ آپ بزمِ انبیاء کے صدر، آسمانِ نبوت کے بدر، مملکتِ رسالت کے محور، افواج انبیاء کے رئیس، قلادۂ نبوت کا رشتہ (یعنی نبوت کے ہار کا دھاگہ)، نگینۂ رسالت کا نقش، قصیدۂ نبوت کا بیت، دائرۂ رسالت کے مرکز، صبح نبوت کے آفتاب، شب ہائے رسالت کے ماہِ تاباں ہیں۔

۱۶۔ آپ کی شوکت وجلالت سے ساکن اشیاء بھی متحرک ہوگئیں۔ (مثلاً) ستونِ حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا، آپ کے دست اقدس میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا۔ پہاڑوں (1) کا وجد میں آنا، گرگ کا شہادت دینا، شتر ناشاد کا گلہ کرنا (اسی وجہ سے تھا۔)

1۔ امام بخاری قدس سرہٗ کے استاذ محترم حضرت امام عبدالرزاق قدس سرہٗ نے اسی مفہوم کی حدیث کو اپنی "مصنف" میں روایت کیا ہے۔

2۔ "ترمذی شریف"

(اس کے باوجود تمام مشرک دولتِ ایمان سے مالا مال نہ ہو سکے کیونکہ) مشرکوں نے (فقط ظاہری، دنیوی لحاظ سے) آپ کی صورت کو دیکھا تھا نہ کہ کوئی کمالِ حقیقت کو جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ (زخرف)

"کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔"

تو ان مشرکوں کے دل کا چہرہ حسد کے لقوہ کا شکار ہو گیا۔ انہوں نے آپ کو چشمِ حقیقت بیں سے نہ دیکھا۔ اے تمام خوبیوں والے یہ (حسد و عناد) ان کے زنگ آلود دل کا غماز ہے آپ کے چہرۂ انور کا آئینہ دار نہیں۔ اے جھرمٹ مارنے والے، اے بالاپوش اوڑھنے والے، اے نبوت کے پھلوں کی خوشبو، اے مامور بکلمہ "قل" اٹھیے نا! آپ زمین والوں کے تو امام ہیں ہی، اب ذرا ملکوتِ اعلیٰ پر بھی تشریف لائیے تا کہ آسمان والے بھی آپ کے مقتدی بنیں۔

خوشا وہ رات جس میں زمین کی پستیاں آسمان کی بلندیوں پر فوقیت لے گئیں۔ اور جس میں امراء فرشتگاں، رئیس اکبر کو سلام نیاز عرض کر رہے تھے۔

۱۷۔ فَنُوْرُهٗ اَنْوَرُ وَبُرْهَانُهٗ اَزْهَرُ وَسِرُّهٗ اَظْهَرُ وَدِيْنُهٗ اَكْمَلُ وَصُوْرَتُهٗ اَجْمَلُ وَفَضْلُهٗ وَقُدْرَتُهٗ اَعْلٰى وَذِكْرُهٗ اَحْلٰى وَلِسَانُهٗ اَفْصَحُ وَدُعَآؤُهٗ اَنْجَعُ وَعِلْمُهٗ اَرْفَعُ وَنِدَآؤُهٗ اَسْمَعُ وَحَوَائِجُهٗ اَقْضٰى وَشَفَاعَتُهٗ اَمْضٰى وَ نَصْرُهٗ مُؤَيَّدٌ وَاِسْمُهٗ مُحَمَّدٌ جِسْمُهٗ اَعْبَدُ وَرَسْمُهٗ اَوْحَدُ وَاِسْمُهٗ اَحْمَدُ هُوَ حَبِيْبُ الْمَوْلٰى وَهُوَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اَوْلٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔

"جن کا نور روشن تر، جن کے معجزات واضح تر، جن کے تبلیغی مقاصد عیاں تر، جن کا دین کامل ترین، جن کی صورت حسین تر، جن کا منصب و مقام بزرگ ترین، جن کا ذکر خیر شیریں تر، جن کی زبان (حق ترجمان) فصیح تر، جن کی دعاء مقبول تر، جن کا علم (ما کان وما یکون) بلند تر، جن کی پکار کی سب سے زیادہ شنوائی، جن کی حاجات کی سب سے بڑھ کر پذیرائی، جن کی سفارش مقبول تر، جن کی امداد تائید شدہ، جن کا جسم اقدس سب سے بڑھ کر عابد، جن کا نشانِ (نبوت و رسالت) یکتا ترین، جن کا اسم گرامی محمد و احمد ﷺ ہے۔ وہی (تو) اللہ کے حبیب اور مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔"

1۔ جیسے کوہِ حرا، کوہِ ثبیر، کوہِ احد وغیرہا۔

الامام الحافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

امام محمد بن محمد بن سید الناس قدس سرہٗ (التوفی ۷۳۴ھ) کے جواہر فرمودات سے ان کی تصنیف "سیرت الکبریٰ" کا خلاصہ ہے۔"سیرت الکبریٰ" "عیونُ الاثَرِ فِی فُنونِ المَغَازِیٔ وَالشَّمائِلِ وَالسِیَر" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ جس کا (بعدہٗ) آپ نے چند اوراق میں خلاصہ نکال کر "نورُ العُیُونِ فِی تَلخِیصِ سِیْرَۃ الامینِ المَامُونِ" (ﷺ) نام رکھا، میں (علامہ یوسف نبہانی قدس سرہٗ) نے اسے من وعن نقل کر دیا ہے۔ (چنانچہ) امام ابن سید الناس قدس سرہٗ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، بَعْدَ حَمْدِ اللّٰهِ، فَاتِحِ اَبْوَابِ النَّدٰی وَمَانِحِ اَسْبَابِ الْهُدٰی، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّدِ نِالَّذِیْ بَعَثَہُ اللّٰهُ مُحَجَّۃً لِّمَنِ اهْتَدٰی، وَحُجَّۃً عَلٰی مَنِ اعْتَدٰی وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ الَّذِیْنَ اَحْیَوْا سُنَّتَہٗ عَلٰی طُوْلِ الْمَدٰی۔

"بعد از بسملہ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو بخشش کے دروازے کھولنے والا، اور ہدایت کے اسباب مہیا فرمانے والا ہے اور رحمت کاملہ وسلامتی کا نزول ہو اس برگزیدہ نبی پر جو گم گشتگانِ راہ کے راہبر، اور پرہیز گاروں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ اور (نیز) ان کی سبھی آل، اور سب اصحاب پر جنہوں نے اس نبی محترم ﷺ کی سنت کو برس ہا برس زندہ رکھا۔ (یعنی ہمیشہ زندہ رکھا)"۔

جب میں نے اپنی کتاب "عُیُوْنِ الْاَثَرِ فِی فُنُوْنِ الْمَغَازِیْ وَالسِّیَرِ" لکھی تو یہ کتاب (تاریخ وسیرت کے) طالب علم کے لیے نہ صرف مفید تھی بلکہ یہ کتاب دوسری کتب (مغازی وسیر) سے مکمل بے نیاز کر دینے والی بھی تھی، مگر پھر یک لخت مجھے (اس کی طوالت کی بناء پر) خیال آیا کہ کیوں نہ میں چند اوراق میں اس کا خلاصہ نکال دوں، تاکہ وہ خلاصہ ماخذ ونقل میں آسان رہے اور اختصار کی وجہ سے اس کا حفظ وضبط بھی چنداں مشکل نہ ہو، اور نیز مبتدی کے لیے یہ تبصرہ، اور منتہی کے لیے تذکرہ کا کام دے سکے۔ تو میں نے پھر "سیرت الکبریٰ" کا خلاصہ "نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین المامون" کے نام سے نکال دیا۔ ہم کہنے میں اللہ جل مجدہٗ ہی کی توفیق کے طلب گار ہیں۔ اور اسی سے ہر بہتری کے راستے آسان ہونے کی التجا کرتے ہیں۔

حالات نسب وولادت وبعثت ووفات

(سید عالم نور مجسم ﷺ) حضرت سیدنا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ" رضی اللہ عنہ" بن "عبدالمطلب" رضی اللہ عنہ" بن ہاشم" رضی اللہ عنہ" بن عبد مناف" رضی اللہ عنہ" بن قصی" رضی اللہ عنہ" بن کلاب" رضی اللہ عنہ" بن مرّہ" رضی اللہ عنہ" بن کعب" رضی اللہ عنہ" بن لوی" رضی اللہ عنہ" بن غالب" رضی اللہ عنہ" بن فہر" رضی اللہ عنہ" بن مالک" رضی اللہ عنہ" بن نضر" رضی اللہ عنہ" بن کنانہ "رضی اللہ عنہ" بن خزیمہ" رضی اللہ عنہ" بن مدرکہ" رضی اللہ عنہ" بن الیاس" رضی اللہ عنہ" بن مضر" رضی اللہ عنہ" بن نزار" رضی اللہ عنہ" بن معد" رضی اللہ عنہ" بن عدنان" رضی اللہ عنہ"۔ یہاں تک کہ آپ کے نسب شریف کے بارے میں تمام (ائمہ سیر واہل نسب) کا اتفاق واجماع ہے (پھر) عدنان" رضی اللہ عنہ" تا سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے نسب شریف

(یعنی) حضرت جناب محمد "مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم بن سیدتنا آمنہ" رضی اللہ عنہا" بنت وہب" رضی اللہ عنہ" بن عبد مناف" رضی اللہ عنہ" بن زہرہ" رضی اللہ عنہ" بن کلاب" رضی اللہ عنہ" بن مرّہ" رضی اللہ عنہ" (الٰی آخرہٖ)

ولادت باسعادت

آپ سن" عام الفیل" ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ اس میں اختلاف (1) ہے کہ آیا اسی سال تولد ہوا یا اس کے دو یا تین یا بارہ سال یا اس کے علاوہ کسی اور مدت کے بعد ہوا۔

تولد شریف کے وقت خوارق

(تولد شریف کے وقت غائبانہ عجیب وغریب، اور خارق طبع امور ظاہر ہوئے) (چنانچہ) شب ولادت میں" ایوان کسریٰ" پھٹ گیا، جس کے پھٹنے کی آواز سنی گئی، اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فارس کے آتش کدے سرد پڑ گئے، جو ہزاروں سال سے مسلسل جلتے چلے آرہے تھے۔ بُحَیرہ (2) "ساوہ" یکا یک خشک ہو گیا۔

1۔ سن ولادت وتاریخ تولد کی تعیین کے بارے میں مفصل نوٹ امام نووی قدس سرہٗ کے فرمودات کے ضمن میں گزر چکا ہے۔
2۔ جو" ہمدان" و" قم" کے درمیان چھ میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا، اس کے کناروں پر شرک وبت پرستی ہوا کرتی تھی۔
3۔ وغیرہا موصوف نے مثلث مثلاً کے طور پر ان تین امور پر اکتفا فرمایا ہے، ان میں حصر مقصود نہیں کیونکہ ایسے امور لا تعداد ولا تحصٰی ہیں۔

رضاعت

حضرت حلیمہ بن ابی ذویب ہذلیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ انہی کے ہاں آپ کا انشراح صدر ہوا جس سے خون کی ایک پھٹکی نکال کر بعدۂ نور، حکمت وعرفان وایمان سے بھر دیا گیا۔

اور ابولہب کی لونڈی ثوبیہ اسلمیہ نے بھی آپ کو شیر پلایا۔

نگہداشت فرمانے والے حضرات

حضرت ام ایمن برکت حبشیہ رضی اللہ عنہا نے (بھی) سید عالم ﷺ کی پرورش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ایمن رضی اللہ عنہا سید عالم ﷺ کے والدِ محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ترکہ سے آپ کو وراثت میں ملی تھیں۔ جب عمر رسیدہ ہوگئیں تو آپ نے انہیں آزاد فرما دیا تھا۔ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح فرما دیا تھا۔ (انہی سے اسامہ بن زید حب النبی ﷺ کا تولد ہوا۔)

والدین کریمین رضی اللہ عنہما کی وفات

(مشہور اقوال کے موافق)

۱۔ حمل شریف کے دو ماہ پورے ہوئے تو والد محترم رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔

۲۔ بعض (علماء سیر) کا کہنا ہے کہ آپ کی عمر مبارک دو ماہ کی تھی کہ آپ کے والد ماجد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔

۳۔ اور بعض نے فرمایا کہ اس وقت عمر شریف سات ماہ کی تھی۔

۴۔ اور بعض نے فرمایا کہ اس وقت آپ دو سال چار ماہ کے تھے جبکہ آپ کے والد محترم رضی اللہ عنہ رخصت ہوئے۔

آپ چار یا چھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا بھی رحلت فرما گئیں۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ وابوطالب کی کفایت

والدہ قدسیہ رضی اللہ عنہا کی وفات شریف کے بعد آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ کے کفیل ہوئے۔ جب آپ آٹھ سال دو ماہ دس دن کے ہوئے تو آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔ پھر (حسب وصیت) آپ کے چچا ابوطالب آپ کی تربیت کے کفیل بنے۔

شام کا پہلا سفر

جب سید عالم ﷺ بارہ سال دو ماہ دس دن کی عمر شریف کو پہنچے تو آپ بھی اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام روانہ ہوئے۔

فَلَمَّا بَلَغَ بُصْرَىٰ فَرَاٰهُ بَحِيْرًا الرَّاهِبُ فَعَرَفَهُ بِصِفَتِهٖ فَجَاءَهٗ وَاَخَذَ بِيَدِهٖ وَقَالَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَقْبَلْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يُبْقَ حَجَرٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدُ اِنْ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنَّا نَجِدُهٗ فِيْ كُتُبِنَا۔ (ص ۲۱۱)

''پھر جب بصرٰی پہنچے تو ''بحیرا'' پادری نے آپ کو دیکھ کر آپ کی صفات سے پہچان لیا اور حاضرِ خدمت ہو کر آپ کا دستِ اقدس پکڑ کر کہنے لگا، یہ ''رب العالمین کا رسول'' ہے اللہ جل مجدہٗ اسے سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ (قریشی بولے تجھے کیسے معلوم ہوا تو اس نے کہا) جب تم گھاٹی پر چڑھ رہے تھے (تو اس وقت) کوئی درخت و پتھر ایسا نہ تھا جس نے (انہیں) سجدہ نہ کیا ہو، جبکہ پتھر و درخت پیغمبر کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ نہیں کرتے، اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں (بھی) یونہی پاتے ہیں پھر بحیرا نے ابو طالب سے کہا (ان کو واپس لے جاؤ کیونکہ) اگر تم انہیں آگے لے کر شام کی طرف بڑھے تو یہود انہیں مار ڈالیں گے، چنانچہ ابو طالب آپ کو واپس لے آئے'' (1)۔

شام کا دوسرا سفر

سید عالم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمانے سے قبل ان کا مال تجارت ہمراہ ان کے غلام میسرہ کو، لے کر دوسری مرتبہ ملک شام تشریف لے گئے، جب آپ شام پہنچے تو (بازار بصرٰی میں) ایک پادری (نسطورا نام) کی خانقاہ کے قریب ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ تو راہب نے (میسرہ سے کہا) اس درخت کے نیچے (آج تک) کسی پیغمبر کے سوا دوسرا کوئی نہیں اترا۔ اسی (سفر کے دوران) میں میسرہ کہتے تھے کہ دوپہر کی سخت گرمی کے وقتِ دو فرشتے آپ کے سر اقدس پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ اسی سفر سے مراجعت کے بعد آپ نے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا، اس وقت آپ کی عمر پچیس سال دو ماہ اور دس دن تھی۔ بعض (علماء) نے اس کے علاوہ

1۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، بروایت امام ترمذی قدس سرہٗ، اس راہب نے خشک روٹی اور روغنِ زیتون زادِ راہ کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اور کم وبیش عمر بھی لکھی ہے۔

تعمیر کعبہ میں حصہ

پینتیس برس کی عمر مبارک میں آپ نے (ہمراہِ قبائل قریش) تعمیر کعبہ میں حصہ لیا اور سنگِ اسود اپنے مبارک ہاتھوں سے دیوار میں نصب فرمایا۔

ابتدائے وحی

جب سید عالم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال اور ایک دن ہوئی تو اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ (ایک دن آپ حسب معمول غارِ حرا میں مراقب تھے کہ) جبریل غارِ حرا میں (پیغام لے کر) حاضر ہوئے:

فَقَالَ(1) اِقْرَأْ فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیَ الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ،فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ اِلٰی قَوْلِهٖ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ (2)۔

"اور آپ سے عرض کیا پڑھیے، تو آپ نے فرمایا" میں نہیں پڑھتا" (یا میں پڑھا ہوا نہیں) حتی کہ جبریل نے مجھے پکڑ کر بھینچا، یہاں تک کہ وہ مجھ سے "غایت وسع وطاقت کو پہنچا" (یا یہ معنی ہے کہ وہ مجھ سے تھک گیا) پھر جبریل نے مجھے چھوڑ کر کہا" پڑھیے" میں نے کہا میں نہیں پڑھتا (یا میں پڑھا ہوا نہیں) پھر تیسری مرتبہ کہا" پڑھیے' پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا" "تا" آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا"۔

آپ کی نبوت کی ابتداء ۸ ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہوئی، پھر (انذار و دعوت الی اللہ کی بناء پر) اہل مکہ نے آپ کو ایک درہ میں (جو شعب ابی طالب کہلاتا ہے) بند کر دیا، جہاں آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے (اور تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب نے) تقریباً تین برس محاصرہ کی حالت میں قیام فرمایا۔

اور انچاس برس کی عمر میں آپ درہ سے باہر تشریف لائے۔ محاصرہ ختم ہونے کے آٹھ ماہ اکیس دن بعد آپ کے چچا ابو طالب فوت ہو گئے، اور ان کی وفات کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ

1۔ اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ جبریل نے عرض کیا" پڑھیے"۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" میں نہیں پڑھتا" اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے مطلب کی نفیس ترین توجیہات اگر آپ معلوم کرنا چاہیں تو محدث ابن محدث شارح صحیح بخاری علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی مدظلہٗ کی" فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری" کا مطالعہ فرمائیں۔" مکتبہ حامدیہ" و" رضوان" سے دستیاب ہے۔ نیز ابتدائے وحی کا مفصل، اور دلائل و براہین سے مزین واقعہ بھی اس شرح میں آپ کو ملے گا۔

عنہا بھی وفات پا گئیں۔

پچاس برس تین ماہ کی عمر شریف میں شہرِ نصیبین (1) کے جن حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ اور اکیاون برس نو ماہ کی عمر مبارک میں مقامِ ابراہیم اور زمزم کے مابین بیت المقدس تک آپ کو سیر کروائی گئی۔ پھر (حسب سیر سابق) براق پر سوار ہو کر تمام آسمانوں (سے اوپر تک) کی سیر فرمائی۔ (اور اسی سفر میں) نماز فرض ہوئی۔

اور ترپین برس کی عمر مبارک میں بروز دوشنبہ ۷ ربیع الاول کو آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوشنبہ ہی کو آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ اور پورے دس برس یہاں قیام رہا اور یہیں وصال شریف بھی ہوا۔ اس میں (یعنی تاریخ ہجرت و وفات و دخول مدینہ کی تعیین میں) مورخین کا اختلاف ہے۔ ہم نے ان تواریخ سے جو ہمارے ذہن میں تھیں اپنی کتاب ''عیون الاثر'' میں وہی ذکر کی ہیں، (دیگر امور ہائے متعلقہ تبلیغ وسیاست ہائے مدن کے علاوہ) اس دس سالہ مدت کے زمانہ میں آپ نے (بنفس نفیس) پچیس جنگیں لڑی ہیں۔ (بعض ائمہ مغازی وسِیَر) کہتے ہیں کہ ستائیس جنگیں لڑی ہیں، جن میں سے سات میں آپ کو شدید لڑائی لڑنا پڑی (وہ یہ ہیں):

۱۔ بدر ۲۔ احد ۳۔ خندق ۴۔ بنو قریظہ

۵۔ بنو مصطلق ۶۔ خیبر ۷۔ حنین ۸۔ طائف(2)

بعض (آئمہ مغازی) نے فرمایا کہ وادی القرٰی اور غابہ میں بھی قتال وقوع میں آیا تھا۔

(نیز اسی دس سالہ دور میں) پچاس کے لگ بھگ آپ نے (حسبِ موقعہ) مختلف فوجی دستے بمقابلہ دشمن روانہ فرمائے(3)۔

سید عالم ﷺ نے حج کی فرضیت کے بعد صرف ایک مرتبہ حج فرمایا ہے (جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے) اور فرضیت سے پہلے دو مرتبہ حج فرمایا۔

آخری حج کی کیفیت

سید عالم ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تیل، خوشبو، کنگھی استعمال فرما کر دن کے وقت روانہ ہوئے،

1۔ یہ شہر ''موصل'' سے چھ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ موصل سے شام کو جاتے ہوئے راستہ پر آتا ہے۔ وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ الآیہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

2۔ اس جگہ امام ابن الناس قدس سرہٗ سے تسامح ہو گیا ہے یا سہو ناسخ ہے کیونکہ سات کہہ کر آٹھ کی تعداد بتا گئے ہیں۔
(نوٹ) علامہ نووی قدس سرہٗ نے ایسی جنگوں کی تعداد نو بتائی ہے۔ مذکورہ کے علاوہ فتح مکہ کو بھی انہوں نے شمار کیا ہے۔

3۔ امام نووی قدس سرہٗ نے ایسے لشکر جن میں آپ بنفسِ نفیس شریک نہیں ہوئے، کی تعداد چھپن بتائی ہے۔

اور رات (مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر) ذوالحلیفہ (1) میں بسر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آج رات میرے رب کی طرف سے ایک پیغامبر نے مجھے یوں کہا کہ اس وادی میں نماز پڑھیے اور حج وعمرہ دونوں کی نیت فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے قِران (یعنی حج وعمرہ دونوں) کی نیت سے احرام باندھا۔ پھر آپ اتوار کی صبح کو ''کوہِ کدا'' کی بالائی گھاٹی کے راستہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور طوافِ قدوم (2) فرمایا جس میں تین چکروں میں ''رمل'' (3) فرمایا اور چار میں آہستہ اور معمول کے مطابق مشی فرمائی، پھر آپ نے سوار ہوکر صفاو مروہ کی سعی (4) فرمائی۔ (سعی سے فراغت کے بعد) آپ نے حکم فرمایا کہ جن کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام سے نکل آئیں۔ پھر آپ نے ''کوہِ حجون'' کی بالائی جانب قیام فرمایا۔ پھر آپ یوم ترویہ (یعنی آٹھویں ذوالحجہ) کو منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور یہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور نویں ذوالحجہ کی فجر کی نمازیں ادا فرمائیں اور یہیں رات کا قیام فرمایا۔ نویں تاریخ کو جب آفتاب نکل آیا۔ تب آپ عرفات کی طرف روانہ ہوگئے اور میدانِ عرفات کی جانب ''وادیٔ نمرہ'' میں نزول فرمایا، جہاں آپ کے قیام کے لیے خیمہ نصب کیا گیا۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے (مشہور تاریخی) خطبہ (5) حاضرین کے سامنے ارشاد فرمایا (خطبہ سے فراغت کے بعد) پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھائیں۔ پھر آپ نے ''موَقف'' (6) کی جانب روانگی فرمائی۔ یہاں آپ سورج چھپنے تک تکبیر (7) وتہلیل اور دعا وتضرع میں مشغول رہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد پھر آپ عرفات سے مزدلفہ (8) کی طرف روانہ ہوئے۔ اور رات یہاں بسر فرمائی اور یہیں نمازِ فجر ادا فرمائی، اس کے بعد آپ ''مشعرِ حرام'' (9) میں رونق افروز ہوئے۔ پھر سورج

1۔ آج کل یہ مقام بیرِ علی کے نام سے موسوم ہے۔

2۔ طوافِ قدوم سنت ہے۔ یہ طواف اہل مکہ کے لیے نہیں ہے۔

3۔ اکڑ کر، سینہ تانے ہوئے، کاندھے ہلا ہلا کر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔

4۔ صفاو مروہ پر دوڑنے کو سعی کہتے ہیں۔

5۔ وہ مکمل خطبہ مدارج النبوۃ اور دوسری کتب سیر وفضائل میں ملاحظہ کریں۔

6۔ ''موَقف'' کوہِ عرفات کے دامن میں ہے جسے جبل رحمت بھی کہتے ہیں۔

7۔ یعنی اَللّٰہُ اَکْبَر کہنا، اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o

8۔ ''مزدلفہ'' منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے۔

9۔ ''مشعرِ حرام'' مزدلفہ کے درمیان ایک ٹیلے کا نام ہے۔ اب ان مقامات کے فقط نام ہی باقی ہیں، زمانہ نبویہ ﷺ کا نقشہ یکسر بدل چکا ہے۔

نکلنے سے پیشتر منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے اور جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں ماریں، اور ایامِ تشریق کے بقیہ تین دنوں میں پیدل تینوں جمرات پر سات سات رمی فرماتے رہے، اور رمی جمار کی ابتداء جمرۂ اولیٰ ''جو مسجدِ خیف کے متصل ہے'' سے فرماتے، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ پر، پھر جمرۂ عقبہ پر۔ آپ نے جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے پاس نہایت لمبی دعا ارشاد فرمائی (رمی سے فراغت کے بعد) آپ پھر منیٰ میں تشریف لائے اور یہاں اونٹوں کی قربانی فرمائی (قربانی سے فارغ ہونے کے بعد) آپ پھر بیت اللہ میں تشریف لائے اور طوافِ زیارت(1) کے چار چکر لگائے، بعد از طوافِ چاہِ زمزم کے قریب تشریف لائے اور زمزم کا پانی نوش فرمایا، اس کے بعد آپ نے منیٰ کی طرف مراجعت فرمائی اور تیسرے دن (تیرہویں ذی الحجہ) روانگی فرمائی اور وادیِ محصب(2) میں قیام فرمایا اور یہیں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ پورا کر لیں۔ پھر آپ نے مکہ میں بیت اللہ شریف کا طوافِ وداع(3) فرمایا۔ اور بعدہٗ کوچ کا حکم فرمایا۔ پھر سب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سراپا مقدس

میانہ قد (نہ بہت دراز اور نہ ہی کوتاہ، بلکہ میانہ مائل بہ درازی) کندھوں کا درمیانی حصہ فراخ، رنگ مبارک گورا مائل بسرخی روشن وتاباں، گیسو مبارک کان کی لوتک، ریش مبارک اور سر مبارک میں تقریباً بیس(5) بال مبارک سفید تھے۔ نورانی و خوبرو چہرہ جو چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ اعضاءِ مقدسہ میں توسط و اعتدال، آپ جب گفتگو فرماتے تو سب پر چھا جاتے اور جب خاموشی اختیار فرماتے تو وقار و ہیبت و بشاشت، اور قریب سے دیکھنے میں ملاحت معلوم ہوتی۔ شیریں کلام تھے۔ پیشانی مبارک چوڑی، باریک و دراز بھویں مبارک، بینی(6) مبارک خوبصورت و دراز تھی (جس کے وسط میں نور درخشاں وتاباں تھا) دہن مبارک فراخ، رخسار مبارک ہموار، دندان ہائے پیشین فراخ،

2۔ یہ طواف، حج کے ارکان وفرائض میں سے ہے۔ اس کا طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔ (کتب فقہ)

3۔ ''محصب'' مکہ اور منیٰ کے درمیان سنگ ریزوں سے اٹی ہوئی ایک جگہ کا نام ہے، اسی کو ''خیف بنی کنانہ'' وادی بطحا اور ابطح کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے سید عالم ﷺ کو ''ابطحی'' کہا جاتا ہے۔ اسی وادی میں مشرکینِ مکہ نے بنی ہاشم و مطلب سے مقاطعہ کا عہد و پیمان باندھا تھا۔

4۔ طوافِ وداع کو طوافِ صدر بھی کہتے ہیں۔ یہ طواف غیر مکی پر واجب ہے۔

5۔ چودہ سر مبارک کے اور چھ ڈاڑھی شریف کے۔ (مفتی احمد یار خاں قدس سرہٗ)

6۔ اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام (اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)

روشن وتاباں (جن سے بوقتِ تکلم نور چھنتا تھا) ہر دو شانہ کے درمیان مُہرِ نبوت (1)۔ (خلاصہ یہ کہ) جو بھی آپ کو دیکھتا تو بے ساختہ یہی کہتا کہ آپ جیسا دیکھنے میں نہیں آیا۔

اسمائے گرامی

سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: میں ''محمد'' ہوں، میں ''احمد'' ہوں، میں ''ماحی'' ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر مٹائے گا۔ اور میرا نام ''حاشر'' ہے (کیونکہ) میرے قدم پر لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اور میرا نام ''عاقب'' ہے اور عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ میں ''مقفّی'' ہوں (یعنی سب انبیاء کے بعد آنے والا)، اور میرا نام ''نبی توبہ'' اور ''نبی رحمت'' ہے۔ اور صحیح مسلم میں ''نبی الملحمۃ'' مروی ہے (یعنی رسولِ جہاد) علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

قرآن کریم میں آپ کے اسمائے گرامی

اور قرآن کریم میں آپ کے اسماء گرامی (اور القاب) یہ ہیں: بشیر، نذیر، سراج منیر (روشن آفتاب)، رؤف، رحیم، رحمۃ للعلمین، محمد، احمد، طٰہٰ، یٰسین، مزمّل، مدثّر، عبدہٗ ﷺ، جیسا کہ قرآنِ کریم نے اس آیت میں فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (بنی اسرائیل:1)

''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک''۔

اور ''عبداللہ''۔ جیسے اس آیت کریمہ میں اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو عبداللہ ذکر فرمایا:

وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ (جن:19)

''اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا''۔

اور ''نذیر مبین''۔ جیسے اس آیت میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ (حجر:89)

''اور فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا''۔

اور ''مذکّر'' صلی اللہ علیہ وسلم، جیسے اس آیت میں ہے:

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (غاشیہ:21)

''تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو''۔

1۔ امام نووی کے فرمودات کے ضمن میں مہر نبوت کے متعلق تحقیق گزر چکی ہے۔

ان کے علاوہ(1) قرآن کریم نے اور اسماء بھی ذکر فرمائے ہیں۔اور ان اسمائے گرامی میں اکثر آپ کی صفات ہیں۔(جن پر مجازاً اسماء کا اطلاق ہوا ہے)

نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ

حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق مبارکہ کی بابت پوچھا گیا تو موصوفہ نے ارشاد فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ۔

نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن تھا۔آپ کی ناراضگی قرآن کی ناراضگی کے ساتھ تھی، اور یونہی آپ کی خوشنودی قرآن کی خوشنودی کے ساتھ تھی (یعنی ارتکاب معاصی میں آپ کی ناراضگی تھی اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں آپ کی خوشنودی تھی)

عفو و حلم

اپنی ذات کے لئے نہ تو کبھی انتقام لیا اور نہ ہی غصہ کا اظہار فرمایا، ہاں جب کسی حرمات اللہ (اللہ مجدہٗ کی مقررہ حدود) کی بے حرمتی دیکھتے تو اللہ کے واسطے اس کا انتقام لیتے اور پھر ایسے غضب کا اظہار فرماتے کہ کسی کو تاب لانے کی ہمت نہ پڑتی۔

شجاعت وسخاوت

شجاعت وقوت، عزم واستقلال اور دلآوری ان اوصاف میں بھی آپ سب پر فائق تھے۔

(جودِ حقیقی یہ ہے جو بلا عوض وغرض ہو، یہ صفت اللہ تعالیٰ منعم حقیقی کی ہے۔اللہ تعالیٰ کے بعد "جودالا جودین" صرف نبی کریم ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے)

كَانَ اَسْخَاهُمْ وَاَجْوَدُهُمْ مَاسُئِلَ شَيْئًافَقَالَ لَا۔(ص ۲۱۳)

1۔جیسے خاتم النبیین، العزیز، الحریص، قدمِ صدق، العروۃ الوثقٰی، الصراط المستقیم، نور، النجم الثاقب، الکریم، النبی، الامی، الحق، شاہد، شہید، البرہان، مبشر، داعی الی اللہ، مہیمن (مدارج جلد اول) ان کے علاوہ یہ اسمائے گرامی بھی قرآن میں پائے جاتے ہیں: ذکر اللہ، کٰھٰیٰعٓصٓ۔مؤخر الذکر سے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے آپ کے چہرۂ انور کا نقشہ یوں بیان فرمایا ہے:

"ک" گیسو "ہ" دہن "یا" ابرو آنکھیں "ع ص" کٰھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا

نیز یہ اسمائے گرامی بھی قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں: اول وآخر، ظاہر وباطن۔صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ہم زمانہ میں سب سے پچھلے اور قیامت میں سب سے اگلے ہیں۔

وہی ہیں اول، وہی ہیں آخر، وہی ہیں باطن وہی ہیں ظاہر۔انہیں سے عالم کی ابتدا ہے وہی رسولوں کی انتہا ہیں۔

''(چنانچہ) آپ سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جواد تھے، آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کیا گیا کہ اس کے مقابل آپ نے ''لا''(1) (نہیں) فرمایا ہو''۔

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی درہم و دینار رات بھر آپ کے دولت خانہ پر رہا ہو (بلکہ جب آتا اسی وقت لوٹا دیتے) ہاں اگر کبھی اتفاقیہ کچھ بچ رہتا اور لینے والا کوئی سائل بھی رات گئے تک نہ آتا تو (بغرض استراحت) اپنے دولت خانے پر اس وقت تک تشریف نہ لاتے جب تک کہ وہ بچا ہوا مال کسی محتاج کو نہ دے لیتے (اس قدر جود وسخا اور ایثار کے باوجود آپ کی زندگی زاہدانہ تھی کہ) اللہ جل مجدہٗ کے دیے ہوئے میں سے کبھی صرف کھجوریں اور کچھ جو اپنی ازواج کے لئے سال بھر کا گزارہ مہیا فرما دیتے، اور اس میں سے بھی ایثار وسخاوت جاری رہتی۔ اور بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ سال بھر ختم ہونے سے پہلے ہی آپ (بظاہر تعلیم امت کے لئے) تنگدست ہوجایا کرتے تھے۔ (ﷺ)

صدق کلامی، وفا وحیاء

نبی اکرم ﷺ غایت درجہ راست گو، سب سے بڑھ کر مہربان اور حسن وفا وعہد میں سب سے برتر، سب سے بڑھ کر حلیم، اور حسن معاشرت میں سب سے فائق، سب سے بڑھ کر حیادار تھے، حتیٰ کہ خلوت نشین دوشیزہ سے بھی سخت تر حیاء فرماتے تھے۔ (یہی وجہ ہے کہ) نگاہ اقدس نیچی رہتی، اور نیچے نگاہ رکھے رہنا اوپر نگاہ رکھنے سے زیادہ تر (معمول) رہتا، حتیٰ کہ آپ کا بھرپور دیکھنا بھی آنکھ کے کونے سے ہی ہوتا تھا۔

تواضع، شفقت ورحمت

(علوِ مرتبہ کے باوجود) آپ سب سے بڑھ کر متواضع تھے (یہی وجہ تھی کہ) آپ (بلا امتیاز تفاوتِ مراتب) ہر ایک کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے، چاہے دعوت کنندہ مالدار ہوتا یا فقیر بے نوا غلام ہوتا یا آقا۔

1۔ چنانچہ مشہور عربی شاعر حضرت فرزوق قدس سرہٗ آپ کی اس خوبی کو کس عمدگی سے ادا کر رہے ہیں:۔

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَھُّدِہٖ   لَوْ لَا التَّشَھُّدُ کَانَتْ لَاءُہٗ نَعَم

اپنی تشہد پڑھنے کے علاوہ آپ نے ''لا'' کبھی نہیں فرمایا۔ اور اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی ''لا'' بھی ''نعم'' (ہی) ہوتی۔

ایک فارسی شاعر کہتا ہے:۔

نرفت ''لا'' بزبانِ مبارکش ہرگز   مگر باشہدان لا الٰہ الا اللہ

اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ اس مفہوم کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہ بطحا تیرا   ''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(چونکہ ساری مخلوق آپ کی رحمت سے بہرہ اندوز ہے) اسی لئے آپ سب سے بڑھ کر رحیم وشفیق تھے، (انسان تو درکنار جانور بھی آپ کی شفقت ورافت سے بہرہ ور تھے، مثلاً) بلی کے لئے پانی کا برتن اس وقت تک بطور شفقت جھکائے رکھتے جب تک وہ سیر ہو کر نہ پی لیتی تھی۔

حسن معاشرت، عفو

صبر، بردباری اور درگذر کرنے کی صفت میں آپ سب سے آگے تھے، اپنے اصحاب کی عزت افزائی فرماتے، اوران کے درمیان قدم مبارک دراز نہ فرماتے، اپنے اصحاب کے سامنے اژدھام کی وجہ سے اپنے زانوئے اقدس ہرگز نہ پھیلاتے، جو آدمی آپ کو اچانک دیکھتا تو آپ سے مرعوب ہو جاتا، اور جسے اکثر باریابی کا شرف حاصل رہا ہوتا تو آپ سے گھل مل جاتا، آپ کے چند ہم جلیس ایسے بھی ہوتے تھے جو ہمہ تن گوش آپ کی کلام مبارک سنتے رہتے تھے، اور جب کبھی آپ کوئی حکم فرمادیتے تو اس کی بجا آوری میں رائی بھر کوتاہی نہ کرتے۔ اپنے ملاقاتیوں سے (پیشتر گفتگو) السلام علیکم سے ابتداء فرماتے۔ اپنے اصحاب میں سے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آتے اور خدمت اقدس سے غائب رہنے والے اصحاب کے بارے میں استفسار فرمایا کرتے۔ علاوہ ازایں اصحابِ کرام کی خبر گیری فرماتے ہی رہتے (مثلاً) مریض کی عیادت فرماتے، مسافر کو اپنی دعامیں یاد فرماتے ، اور جب کوئی غائب ہو جاتا تو اس کے دریافت حال کے لیے اسے بلوالیا کرتے تھے (جیسے ایک مرتبہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا تھا) اور میت کے لئے دعائے استغفار اور اظہار تعزیت فرماتے۔ جو شخص یہ محسوس کرتا کہ شاید آپ اس پر کبیدہ خاطر ہیں تو (وقت ملنے پر) آپ اس کی دلجوئی کے لئے اس کے گھر جانے سے بھی دریغ نہ فرماتے۔ (بعض اوقات تفریح طبع اور دوسروں کی دلجوئی کی خاطر) اپنے اصحاب کے باغات میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، اوران کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ بزرگوں کی عزت افزائی فرماتے ، وضعدار لوگوں کی دلجوئی فرماتے ، (بوقت عرض ومعروض) کسی سے بیزاری کا اظہار نہ فرماتے بلکہ کشادہ روئی سب کے لئے عام تھی۔ (کسی لغزش پر) عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے۔ (التفات وعنایت کے لحاظ سے) آپ کی مجلس میں سب برابر تھے۔ (اسی متواضعانہ شان کی بناء پر) اپنے پیچھے کسی کو چلنے کی اجازت نہ فرماتے ، اور یوں ارشاد فرما کر چلنے والے کو مطمئن فرمادیتے کہ میری پشت فرشتوں کے لئے چھوڑ دو، (یونہی) جب آپ سواری پر کہیں تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنے ساتھ کسی اور کو بھی ردیف بنالیتے۔ اور اگر کوئی شخص (ازراہ ادب)

آپ کے پیچھے سوار ہونے سے انکاری ہوتا تو آپ فرماتے کہ اچھا تم جائے مقررہ پر پہنچو (میں بھی تمہارے پیچھے آہی گیا)

(بسااوقات) آپ اپنے خدام کی خدمت فرماتے ، (مثلاً) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی گھریلو اور مسافرانہ زندگی میں دس سال خادم کی حیثیت سے مصاحبت اختیار کی، مگر اس دوران میں، مجھ سے زیادہ آپ نے خدمت فرمائی، (یعنی عنایت، کرم، مہربانی، کام میں ہاتھ بٹانا وغیرہ) اور اس دس سالہ دور میں آپ نے مجھے کبھی اف تک نہ فرمائی، اور نہ کبھی یوں فرمایا کہ (انس!) تو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا(1)۔

اور اسی طرح اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے اپنے کھانے پینے اور پہناوے میں کوئی امتیاز نہ برتتے(2)۔

متواضعانہ عادت کریمہ کی ایک نادر مثال

ایک سفر میں آپ نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ کھانے کے لئے ایک بکری درست کرلو۔ اس حکم پر ایک صاحب نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس کا ذبح کرنا میرے سپرد ہے، کھال اتارنا میرے ذمہ ہے، تیسرے صاحب عرض کناں ہوئے پکانا میرے ذمہ ہے۔ اس پر ارشاد فرما ہوئے (اچھا) لکڑیاں چن کرلانا میرے ذمے ہے۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے : یارسول اللہ ﷺ! یہ کام بھی ہم خود ہی کرلیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم کرسکتے ہو، مگر میں نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو تم سے ممتاز کروں، کیونکہ اللہ جل مجدہٗ ایسے بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے رفقاء سے ممتاز بنتا پھرے۔ (چنانچہ) اس کے بعد آپ لکڑیاں اکٹھی کرکے لائے۔

آپ کی مجلس

نبی اکرم ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا ذکر الٰہی کے بغیر نہ ہوتا تھا، آپ جب کسی مجلس میں رونق افروز ہوتے تو جو جگہ خالی پاتے وہیں بیٹھ جاتے، اور دوسروں کو بھی یہی ارشاد فرماتے، جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے ان میں ہر ایک ہم نشین یہی سمجھتا کہ آپ کے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی معزز نہیں، جو شخص آپ کے پاس (بغرض حاجت یا تعلیم) بیٹھتا تو آپ اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک کہ وہ خود واپس نہ ہو جاتا۔ ہاں (اس دوران) اگر کوئی نہایت لابدی امر پیش آجاتا تو پھر آپ اس سے پوچھ کر تشریف لے

1۔ صحیح بخاری کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء

2۔ یعنی جو خود کھاتے، پیتے اور پہنتے وہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو بھی کھلاتے، پلاتے اور پہناتے۔

جاتے، آپ کسی کے سامنے ایسا کام یا گفتگو نہ فرماتے جو اسے ناپسندیدہ ہوتی۔ آپ کسی زیادتی کا بدلہ نہ لیتے تھے بلکہ معاف فرماتے اور درگذر فرمایا کرتے تھے۔

بیمار کی عیادت فرماتے، نادار لوگوں کے ساتھ محبت فرمایا کرتے اور ان کے پاس (ان کی دلجوئی کی خاطر) بیٹھ جایا کرتے، اور (اگر کوئی فوت ہو جاتا تو) اس کے جنازہ میں شرکت فرماتے، اور کسی مفلس کو اس کے افلاس کی وجہ سے کمتر نہ خیال فرماتے، اور نہ (ہی) کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے، ہر نعمت اگر تھوڑی ہی ہوتی اس کی تعظیم فرماتے اور اس میں کسی طرح کی نکتہ چینی نہ فرماتے۔ (یہی وجہ ہے کہ) آپ نے کسی کھانے میں کبھی کوئی عیب نہیں بتایا۔ اگر چاہا تو نوش فرمالیا ورنہ ترک فرمادیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے یہ بھی تھا کہ آپ اپنے پڑوسی کے حقوق کی نگہداشت فرماتے اور مہمان کی عزت افزائی فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر تازہ رو اور تبسم کناں تھے۔ آپ کا اکثر وقت اللہ جلّ مجدہٗ کی عبادت میں یا نہایت اہم امور میں گذرتا تھا۔

آپ کو جب دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے جو زیادہ آسان ہوتی اسے اختیار فرماتے۔ ہاں اگر اس آسان امر میں کسی رشتہ داری کے ٹوٹنے کا احتمال ہوتا تو پھر آپ اس سے کوسوں دور رہتے۔ (پھر بمقابلہ آسان اصعب ہی اختیار فرمالیتے)

آپ کی تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ آپ بوقت ضرورت اپنا جوتا خود ہی گانٹھ لیا کرتے تھے اور کپڑوں کو پیوند بھی خود ہی لگالیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح سواری کے لئے گھوڑا، خچر، دراز گوش، جو بھی میسر آتا اس پر سوار ہو جاتے، اور جب سواری فرماتے تو اپنے کسی خادم یا غلام یا ساتھی کو بھی ردیف بنالیتے۔

اور (اسی طرح) اپنی آستین یا چادر کے پلو سے گھوڑے کے منہ سے گرد و غبار دور فرمایا کرتے۔ آپ کے اخلاق جمیلہ سے یہ بھی تھا کہ بدشگونی کو ناپسند فرماتے۔ اور (اس کے مقابلہ میں) فال کو پسند فرمایا کرتے۔

عمدہ بات سننے یا دیکھنے پر آپ کیا ارشاد فرمایا کرتے تھے؟

جب آپ کے پاس اچھی خبر دیکھنے یا سننے میں آتی تو آپ یوں فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (فاتحہ)

''سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا''۔

اور جب کوئی ناپسندیدہ بات دیکھنے یا سننے کو آتی تو اس طرح ارشاد فرماتے:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

''ہر حال میں سب خوبیاں اللہ کو''۔

کھانا کھا چکنے پر آپ کا طرز عمل

جب آپ کھانا تناول فرمالیتے تو یہ دعا (بطور شکرانہ) ارشاد فرمایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاٰوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

(ص ۲۱۴)

''سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، اور ہمیں پناہ دی اور ہمیں مسلمان بنایا''۔

بیٹھنے کی کیفیت

نبی اکرم ﷺ کا بیٹھنا اکثر قبلہ رو ہوتا تھا۔ اور (بیٹھتے، اٹھتے) ذکر اللہ کی کثرت فرماتے۔ (اکثر) نماز کی ادائیگی لمبی اور خطبہ (جمعہ) مختصر ارشاد فرماتے۔ (خشیت الٰہی سے) آپ کے سینہ (فیض گنجینہ) سے ہانڈی کے جوش کی طرح آواز آیا کرتی تھی۔

وَيَسْتَغْفِرُاللّٰهَ فِى الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِمِأَةَ مَرَّةٍ(1)۔

''اور ایک نشست میں سو مرتبہ استغفار فرمایا کرتے''۔

شب و روز کے معمولات

نبی اکرم ﷺ پیر، جمعرات اور ہر ماہ کے تین دن (تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں) اور دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور جمعہ کے دن بغیر روزہ رہا کرتے تھے، (اور کسی سال پورے ہی

1۔ اس قسم کی عبارات، اور اسی مفہوم کی بعض آیات و احادیث سے بعض ملاحدہ و ملاعنہ نے یہ سخت دھوکا کھایا ہے کہ معاذ اللہ حضور اقدس ﷺ بھی ''معصیت کار اور گنہ گار تھے'' کہ آپ کو استغفار کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، رہی یہ بات کہ آپ استغفار کیوں فرمایا کرتے تھے؟ لیجئے، آپ کے استغفار فرمانے کی نفیس ترین حکمت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ (جیسے) وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ جب ایک مقام اجل و اعلیٰ پر ترقی فرماتے (تو) گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس (موجودہ مقام) کے ایک نوع تقصیر تصور فرما کر اپنے رب کے حضور (اپنے خیال سابق سے) توبہ و استغفار لاتے، تو وہ ہمیشہ ترقی، اور ہمیشہ توبہ بے تقصیر (یعنی بغیر گناہ کے) میں ہیں ﷺ (خلاصہ) ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے جیسے ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' اچھوں کی نیکیاں بھی مقربین کے ہاں برائیاں ہیں۔'' ماخوذ از رسالہ مبارکہ ''جزا اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ۔''

مہینہ کے لگاتار رکھتے)

استراحت فرمانے کی کیفیت

كَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ اِنْتِظَارًا لِلْوَحْيِ۔

''نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں مبارک تو آرام فرما ہو جاتیں مگر وحی کے انتظار میں قلب اقدس بدستور بیدار رہتا تھا''۔

آپ بحالت استراحت خراٹے بھرے بغیر زور زور سے سانس مبارک لیا کرتے تھے۔

خواب میں ناپسندیدہ امر دیکھنے پر آپ کی دعا

سید دوعالم ﷺ جب نیند کی حالت میں کوئی غیر پسندیدہ امر ملاحظہ فرماتے تو یہ (دعا) ارشاد فرمایا کرتے:

هُوَ اللّٰهُ لَاشَرِيْكَ لَهٗ۔

''اللہ وہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں''۔

سونے اور بیدار ہونے کے وقت کی دعائیں

نبی اکرم ﷺ جب آرام فرمانے کی غرض سے بستر پر تشریف لاتے تو یہ ارشاد فرمایا کرتے:

رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔ (ص ۲۱۴)

''پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ، جس دن کہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا''۔

اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا ارشاد فرمایا کرتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَمَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

''سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں موت (نیند) کے بعد حیات (بیداری) عطا کی اور آخرت میں اسی کی طرف رجوع ہے''۔

(آپ کے اخلاق وسیرت سے یہ بھی ہے کہ) آپ صدقہ کی کوئی شے نوش نہیں فرماتے تھے اور ہدیہ (تحفہ) قبول فرمالیا کرتے تھے، (پھر) تحفہ پیش کرنے والے کو اپنی طرف سے بھی کچھ نہ کچھ عنایت فرمایا کرتے تھے، نیز زیادہ کھانے کا کوئی شوق نہ تھا۔ اور (بسا اوقات) شدتِ گرسنگی سے شکم اقدس پر (سہارا دینے کے لیے) پتھر باندھ دیا کرتے تھے (جبکہ)

وَاٰتَاهُ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَلَمْ يَقْبَلْهَا وَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ۔

(ص ۲۱۴)

''اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو ساری زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دے کر مالکِ کل بنایا تھا (مگر) آپ نے (دنیوی آسائش کے مقابلہ میں) آخرت کو پسند فرمایا اور ان خزانوں کی چابیاں قبول نہ فرمائیں''۔

ماکولات و مشروباتِ نبویہ ﷺ

نبی اکرم ﷺ نے (بسا اوقات) روٹی کے ہمراہ (سالن کے طور) سرکہ استعمال فرمایا ہے اور (سرکہ کے بارہ میں) فرمایا: سرکہ عمدہ سالن ہے۔

آپ نے مرغ اور بٹیر کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ اور (ترکاریوں میں) کدو اور (گوشت میں) بکری کی ران پسندیدہ تھی۔ اور (روغنیات میں) روغنِ زیتون کھانے اور سر کی مالش کے طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے، (اور روغنِ زیتون کے فوائد کے متعلق ارشاد فرمایا) کیونکہ یہ بابرکت درخت کی پیداوار ہے۔

(کوئی بھی شے تناول فرماتے وقت) تین انگلیاں استعمال فرمایا کرتے تھے اور (بعدہٗ) انھیں چاٹتے تھے، اور جو کی روٹی چھوہارے کے ہمراہ تربوز، (نیز) شہد اور ہر میٹھی شئے بہت مرغوب تھی، پینے والی ہر چیز بیٹھ کر نوش فرمایا کرتے تھے، اور (کسی عذر کی بناء پر) کھڑے کھڑے بھی پانی نوش فرمایا ہے اور پانی (یا ٹھنڈا دودھ) تین سانس میں نوش فرمایا کرتے تھے اور ہر سانس دہن اقدس برتن سے علیحدہ فرما کر لیا کرتے تھے۔ جب آپ کوئی بھی پلانے والی چیز اوروں کو پلانا چاہتے تو اپنے دائیں طرف والے کو پہلے سرفراز فرماتے۔

آپ نے دودھ کو بھی نوش فرما کر سرفرازی بخشی ہے۔

کھانا کھانے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جسے اللہ مجدہٗ نے کھانا کھلایا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْهُ۔ (ص ۲۱۵)

''خداوند! ہمارے اس کھانے میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر کھلا''۔

دودھ پینے کی دعا

اور (نیز) فرمایا: جسے اللہ جل شانہٗ نے دودھ پینے کو مہیا فرمایا ہے تو وہ دودھ پیتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَافِیْہِ وَزِدْنَامِنْہُ۔(ص ۲۱۵)

"اللہ! ہمیں اس میں برکت عطا فرما، اور اس سے بھی زیادہ عطا فرما"۔

اور (نیز دودھ کے فوائد وخصائص بیان فرماتے ہوئے) فرمایا: کھانے پینے کا بدل دودھ کے سوا اور کوئی دوسری شئی نہیں ہوسکتی۔

آپ کے ملبوسات

آپ کا پہناوا اُونی کپڑے اور سلائی کیا ہوا جوتا ہوا کرتا تھا اور (جب کبھی لباس استعمال فرماتے تو) لباس پہننے میں اتراتے نہیں تھے۔ آپ کا لباسِ پسندیدہ سرخ وسفید دھاریوں والی یمنی چادریں تھیں جبکہ قمیص آپ کو پسند تھی۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا

نبی اکرم ﷺ جب کبھی نیا کپڑا استعمال میں لاتے تو یہ دعا ارشاد فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَااَلْبَسْتَنِیْہِ اَسْئَالُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَمَاصُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّمَاصُنِعَ لَہٗ۔(ص ۲۱۵)

"اللہ! تجھی کو سب خوبیاں، کہ تو نے مجھے یہ نیا کپڑا پہنایا، میں اس کی اور جس کام کے لئے یہ ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی شر سے اور جس کام کے لئے یہ ہے اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

آپ کو سبز رنگ کا لباس بہت پسند تھا۔ اور بعض دفعہ آپ نے صرف ایک ہی چادر زیب تن فرمائی ہے جس کے دونوں کنارے دونوں کندھوں کے درمیان لے لیتے تھے۔ اور جمعہ کے دن سرخ دھاری دار چادریں اور پگڑی استعمال فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی جس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔ کبھی تو دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں اور کبھی بائیں کی چھنگلیا میں استعمال فرمائی ہے۔

خوشبو پسند اور ہر طرح کی بدبو ناخوشگوار تھی۔ اور فرمایا کرتے! اللہ جلّ مجدہٗ نے میری پسند و رغبت (منکوحہ) عورتوں اور خوشبو میں پیدا کی ہے۔ اور نماز میری آنکھوں کی خنکی بنائی گئی ہے مشک، عنبر اور کافور کی آمیزش سے خوشبو تیار فرما کر استعمال فرماتے یا صرف مشک (کستوری) کا استعمال فرما لیتے، آپ خوشبودار لکڑی (صندل اور عود ہندی وغیرہ) اور کافور ملا کر (جلاتے اور) اس کی خوشبو لیا کرتے تھے۔

سرمہ استعمال کرنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ آنکھوں میں ''اثمد'' سرمہ استعمال فرماتے (اور آنکھوں میں تین تین بار سرمہ ڈالتے۔ مگر) کبھی کبھی (یوں بھی استعمال فرمایا کہ) دائیں آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں ڈالتے، نیز بحالت روزہ بھی آپ نے سرمہ استعمال فرمایا ہے۔

ریش اقدس اور سر انور میں ایک دن کے وقفہ سے خوب تیل استعمال فرماتے، اور سرمہ کے استعمال میں طاق عدد کا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

جوتا وغیرہ پہننے کی کیفیت

کنگھی کرنے، جوتا پہننے، وضو فرمانے، اور ان کے علاوہ ہر ایک بات میں دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو محبوب رکھتے تھے، اور اپنی صورت مبارکہ آئینہ میں ملاحظہ فرماتے۔

دوران سفر آپ کے استعمال کی اشیاء

حضور سید عالم ﷺ جب کبھی کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو تیل کی شیشی، سرمہ دانی، شیشہ، کنگھی، قینچی، مسواک، سوئی دھاگہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اوقات مسواک

(تمام نمازوں کے علاوہ) شب میں آپ تین دفعہ مسواک استعمال فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ سونے سے پہلے، اور پھر جب رات کو (تہجد اور) وظیفہ کے لئے قیام فرما ہوتے، اور پھر صبح کی نماز کے وقت استعمال فرماتے، اور (تعلیماً للامت حفاظتِ صحت کے لیے) سینگی لگوایا کرتے تھے۔

کیفیت مزاح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب کی دلجوئی کے لیے گاہے گاہے خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے، مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی۔ (یعنی) آپ کی مزاح کا مضمون و مفہوم بھی حق اور سچ ہی حق ہوتا تھا۔

۱۔ ایک روز ایک صاحبہ نے درخواست کی کہ مجھے اونٹ کی سواری عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اونٹنی کے بچہ پر سوار کردوں گا۔ وہ بولی: میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گی۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: میں تو تجھے اونٹنی کے بچہ پر ہی سوار کروں گا۔ وہ بولی: میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں۔ اس پر حاضرین نے اس سے کہا: اونٹنیاں ہی تو اونٹ جنتی ہیں (یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا ہی بچہ ہوتا ہے)

۲۔ اسی طرح ایک اور عورت آپ کی خدمت میں عرض گزار ہوئی: یارسول اللہ ﷺ! میرا شوہر بیمار

ہے اور آپ کی زیارت کا خواہاں ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تیرا شوہر وہ تو نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ وہ صاحبہ واپس گئیں اور اپنے شوہر کی آنکھ کھول کر دیکھنے لگیں۔ اس پر وہ صاحب بول اٹھے: اری یہ کیا کرتی ہو؟ تو وہ بولی مجھے نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے: واہ ری! ایسا بھی کوئی ہے کہ جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔

۳۔ اور یونہی ایک اور صاحبہ نے گزارش کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ تو آپ نے اس سے فرمایا: اے فلانے کی ماں! کوئی بھی بوڑھی عورت بہشتی نہ ہوگی۔ وہ بڑھیا روتے روتے واپس ہونے لگیں تو آپ نے اصحاب سے فرمایا: اس سے فرمادو کوئی بھی عورت کبرسنی میں جنت میں نہیں جائے گی (بلکہ بحالت جوانی جنت میں داخلہ ہوگا)

جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ (واقعہ)

"بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا، تو انہیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہر پر پیاریاں، انہیں پیار دلاتیاں، ایک عمر والیاں"۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات

۱۔ (نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جن سے تزوج فرمایا وہ سیدتنا ام المؤمنین) حضرت خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا (ہیں)۔

۲۔ پھر ام المؤمنین سیدتنا سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جب آپ پر بڑھاپا غالب آگیا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا تھا۔ اس پر موصوفہ نے اپنی باری حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو سونپ دی اور عرض کناں ہوئیں: مجھے (اب) مردانہ ملاپ کی کوئی آرزو نہیں، میری تمنا تو صرف یہ ہے کہ میرا حشر (بھی) آپ کی ازواج میں رہے (پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ ترک فرمادیا)

۳۔ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں (اور اپنے بھانجے حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے) اُم عبد اللہ کنیت رکھتی تھیں۔ ان سے نبی اکرم ﷺ نے بعمر چھ یا سات سال ہجرت سے دو یا تین سال قبل عقد نکاح فرمایا، اور (پھر) مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں آپ کی رسمِ عروسی ادا کی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت شریف کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی۔

وفات وخصوصیات

سن اٹھاون ہجری (بعمر ٦٦ برس) آپ کا وصال شریف ہوا، سنِ وفات بعض اور بھی بتاتے ہیں۔ ان کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی دوشیزہ سے تزوج (مع الزفاف) نہیں فرمایا۔

٤۔ حضرت ام المومنین سیدتنا حفصہ رضی اللہ عنہا امیر المومنین سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی دختر بلند اختر ہیں(1)۔

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں طلاق (رجعی) دی تھی، اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور حکم الٰہی لائے کہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع فرمالیں، اس لیے کہ وہ کثیر الصیام اور قائم اللیل ہیں۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلجوئی وشفقت فرماتے ہوئے رجوع فرمالیں۔

٥۔ حضرت ام المومنین سیدتنا ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی (نامور) صاحبزادی ہیں۔ ان کا حبشہ میں نبی اکرم ﷺ سے نکاح ہوا۔ جہاں آپ کے نکاح کے وکیل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یا حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے، اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر حضرت نجاشی (شاہِ حبشہ) رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ نے ادا کیے۔ آپ کا وصال شریف ۴۴ھ میں ہوا۔

٦۔ ام المومنین سیدتنا ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا کو بھی نبی کریم ﷺ نے اپنے تزوج سے سرفراز فرمایا ہے، آپ کی وفات شریف ٦٢ھ میں واقع ہوئی۔ ازواجِ مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی نے (۸۴ برس کی عمر شریف میں) وفات پائی۔

بعض نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں سب کے بعد ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال مبارک ہوا۔

٧۔ ام المومنین سیدتنا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی نبی اکرم ﷺ کے حبالہ عقد سے باریاب ہوئی ہیں۔ موصوفہ کی وفات (بابرکات) ٢٠ھ میں پچاس یا ترپن برس کی عمر شریف میں مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔

1۔ ام المومنین سیدتنا حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات شریف ساٹھ برس کی عمر شریف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں ۴۱ھ یا ۴۵ھ یا ۴۷ھ میں واقع ہوئی۔ (" ماخوذ از مدارج وسیرت رسول عربی")

ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا ہی کی وفات واقع ہوئی۔
آپ ہی پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ مسہری (پردہ والی چارپائی) پر اٹھایا گیا۔

۸۔ام المومنین سیدتنا جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا غزوۂ بنو مصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں (تقسیم غنائم کے بعد) حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ پھر ان سے مکاتبت فرمانے کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ادائیگی زرِ کتابت میں اعانت فرمانے کی گزارش لے کر حاضر ہوئیں، اور تھیں آپ صاحبِ حسن و جمال و پرکشش۔ نبی کریم ﷺ نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان سے فرمایا کہ تم اس سے بہتر نہیں چاہتی ہو؟ کہ میں تمہاری طرف سے زرِ کتابت ادا کر دوں اور پھر تم سے نکاح کرلوں۔ آپ نے اس پیش کش کو قبول کرلیا تو پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کی طرف سے زرِ کتابت ادا فرمانے کے بعد ان سے تزوج فرمالیا۔ آپ کا ۵۶ھ (یا ۵۰ھ میں ۶۵ برس کی عمر شریف میں) وصال شریف ہوا۔

۹۔ام المومنین سیدتنا صفیہ رضی اللہ عنہا حی بن اخطب کی دختر، حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، جنگِ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر پھر ان سے تزوج فرما لیا، اور آزادی ہی ان کا مہر قرار پایا۔ آپ ۵۰ھ میں (بعمر ساٹھ سال) وصال فرما گئیں(1)۔

۱۰۔ام المومنین سیدتنا میمونہ رضی اللہ عنہا حارث (عامری) کی دختر، اور (مشہور سپہ سالار سیدنا) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور (نامور فقیہہ و مفسر قرآن) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی آخری زوجہ مطہرہ ہیں (یعنی ان کے بعد نبی کریم ﷺ نے کسی سے عقد نہیں فرمایا۔ آپ کی وفات شریف ۵۱ھ میں واقع ہوئی، اور بعض (سیرت نگاروں) کے نزدیک ۶۶ھ میں وصال شریف ہوا۔ دوسرے قول کے بموجب آپ آخری زوجہ طاہرہ ہیں جنہوں نے ماسوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سب سے آخر میں وصال فرمایا(2)۔

۱۱۔ام المومنین سیدنا زینب رضی اللہ عنہا خزیمہ بن حارث (عامری) کی دختر ہیں۔ آپ ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ سے نبی اکرم ﷺ نے ۳ھ میں عقد فرمایا اور صرف دو تین مہینے نبی

1۔شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے آپ کی وفات شریف کے متعلق چار اقوال تحریر فرمائے ہیں:
(۱) آپ ۳۶ھ یا (۲) ۵۲ھ یا (۳) ۵۵ھ یا (۴) خلافت فاروقی میں رخصت ہوئیں۔ رضی اللہ عنہا (مدارج)
2۔ان کی وفات شریف کے متعلق بھی شیخ محقق قدس سرہٗ نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں:
(۱) ۶۱ھ (۲) ۶۲ھ (۳) ۶۳ھ (۴) ۳۸ھ میں خلافت علوی کے دوران بشمول ۵۱ھ یا ۶۶ھ آپ کی وفات کے بارے میں کل چھ اقوال ہوئے۔ (مدارج جلد دوم)

اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رہنے پائی تھیں کہ (اوائل ۴ھ میں بعمر تیس برس) وصال فرما گئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں رخصت ہوئیں۔ باقی ازواج وہ ہیں جن کی موجودگی میں سید عالم ﷺ رخصت فرما ہوئے۔

(مذکورہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد متفق علیہ ہے)

مطلقات النبی ﷺ

(وہ خواتین جن سے حضور اکرم ﷺ کی نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد، قبل از دخول یا بعد از دخول مفارقت واقع ہوئی)

۱۔ فاطمہ بنتِ ضحاک (کلابیہ) سے بھی نبی اکرم ﷺ نے عقد فرمایا تھا۔ پھر جب آیہ تخییر کا نزول ہوا اور نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دیا (کہ اللہ جل مجدہٗ اور رسول کریم ﷺ کو پسند کرے یا دنیا کو) تو اس نے دنیا کو پسند کیا تھا پھر جب آپ نے اسے علیحدہ فرما دیا تو (آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ) مینگنیاں چنا کرتی تھی۔ اور (جب کوئی اس کا حال پوچھتا تو) کہا کرتی تھی:

اَنَا الشَّقِيَّةُ الَّتِیْ اِخْتَرَتِ الدُّنْيَا۔

''میں وہ بد بخت عورت ہوں جس نے (اللہ و رسول پر) دنیا کو اختیار کیا تھا۔ رضی اللہ عنہا''۔

(قبل از دخول جن سے مفارقت بذریعہ وفات یا طلاق واقع ہوئی وہ یہ ہیں)

۲۔ حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی خواہر، اساف بنت خلیفہ (کلبیہ رضی اللہ عنہا) سے بھی تزوج فرمایا تھا (مگر یہ دخول سے قبل ہی وفات پا گئی تھیں)

۳۔ (اسماء یا سنا) بنت صلت (اسلمیہ) سے بھی عقد ہوا (اور یہ بھی) دخول سے قبل وفات پا گئیں (رضی اللہ عنہا)

(تزوج بذریعہ ہبہ ہوا، مگر عدمِ قبولیت کی بنا پر دخول نہ ہوا۔ ''شیخ محقق قدس سرہٗ'')

۴۔ خولہ بنت ہذیل یا خولہ بنتِ حکیم سے بھی (بذریعہ ہبہ) عقد فرمایا۔ انہی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبۃً پیش کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اِم شریک تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کے طور پیش کیا تھا۔ (رضی اللہ عنہا)

۵۔ اسماء بنتِ کعب جونیہ سے بھی عقد فرمایا (مگر) قبل از دخول طلاق دے دی۔

۶۔ عمرہ بنتِ یزید بن جَون کلابیہ سے بھی تزوج ہوا۔ اور ان سے بھی بذریعہ طلاق قبل از دخول مفارقت

واقع ہوگئی۔

۷۔ عالیہ بنت ظبیان سے بھی عقد ہوا اور قبل از دخول مفارقت واقع ہوگئی۔

۸۔ قبیلہ غفار کی ایک عورت سے بھی تزوج فرمایا۔ جب ان کے زیریں حصہ میں برص کے داغ ملاحظہ فرمائے تو قبل از دخول ان سے بھی علیحدگی فرما کر انہیں ان کے قبیلہ میں پہنچا دیا۔

۹۔ امیمہ (نام کی ایک خاتون) سے بھی تزوج فرمایا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے قرب سے سرفراز فرمانا چاہا تو وہ کہنے لگی: میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: (اچھا!) اللہ نے تجھے پناہ دے دی۔ (جاؤ اب) اپنے خاندان میں چلی جاؤ۔

۱۰۔ ایک اور عورت مُلکیہ (بنت کعب) لیثیہ سے بھی عقد فرمایا۔ (پھر قبل از دخول اس سے جُدائی واقع ہوگئی) بعض کہتے ہیں اسی عورت نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ پھر آپ نے اسے علیحدہ فرما دیا۔

۱۱۔ اسی طرح ایک اور عورت کے لیے آپ نے اس کے باپ کے پاس بغرضِ خواستگاری جب پیام بھیجا تو اس کے باپ نے اس کی تعریف کے قصد سے کہا کہ وہ کبھی بھی بیمار نہیں ہوئی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایسی عورت میں (تو) اللہ جل شانہٗ کے ہاں کوئی خوبی نہیں۔ چنانچہ آپ نے خواستگاری ترک فرما دی(1)۔ (یہ وہ عورت ہے جس سے قبل از نکاح مفارقت واقع ہوئی)

ازواج مطہرات کا مہر

ام المومنین سیدتنا صفیہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ماسوا(2) سب ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا۔

1۔ رسول کریم ﷺ سے منسوبہ خواتین کی کل پانچ قسمیں بنتی ہیں:

ا۔ جو نکاح میں آئیں اور آپ سے پہلے حیاتِ طیبہ میں ہی وصال فرما گئیں۔ ایسی دو ہیں:

(۱) ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا (۲) ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

۲۔ جو نکاح میں آئیں اور آپ کے وصال شریف کے بعد فوت ہوئیں۔ ایسی صاحبات نو ہیں۔

۳۔ وہ جن سے نکاح تو ہوا مگر دخول نہ ہوا۔ ۴۔ وہ جن کو نکاح کا پیام دیا مگر نکاح کی نوبت نہ آئی۔

۵۔ وہ جنہوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔

موخر الذکر تین اقسام کی تعداد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متفق علیہ گیارہ ازواج ہیں، چھ قرشیہ اور چار عربیہ قرشیہ اور ایک غیر عربیہ اسرائیلیہ رضی اللہ عنہن۔ (ماخوذ بتصرف از مدارج و سیرت رسول عربی)

2۔ اس لیے کہ سیدتنا صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کا عتق تھا اور سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو دینار تھا، جسے حضرت نجاشی (شاہ حبشہ) رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ادا کیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی اولادِ امجاد

فرزندگانِ سید عالم ﷺ

۱۔حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے سب سے پہلے فرزند ہیں۔(جو قبل از نبوت متولد ہوئے) نبی اکرم ﷺ کی ''ابوالقاسم'' کنیت انہی کے نام پر ہے۔

۲۔حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، ان کا طیب و طاہر لقب ہے۔بعض (اہل سیر) کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا لقب صرف طاہر ہے۔طیب آپ کے ایک اور فرزند کا نام ہے۔

۳۔حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ، آپ مدینہ منورہ میں حضرت سیدتنا ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے متولد ہوئے اور دو ماہ دس دن یا سات ماہ یا آٹھ ماہ کے بعد وصال فرما گئے۔

دخترانِ سید عالم ﷺ

۱۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

۲۔سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۴۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

سب دخترانِ کرام نے زمانہ اسلام پایا ہے۔اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب صاحبزادگاں بچپن میں قبل از اسلام وصال فرما گئے۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ماسوا آپ کی ساری اولاد سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس سے ہے۔حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی تمام اولاد امجاد نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی رخصت ہوگئی تھی۔اور حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے وصال شریف کے بعد سات ماہ تک زندہ رہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا، جن سے ایک فرزند ''علی'' نام کے اور ایک دختر امامہ تھیں۔آپ کے صاحبزادے علی رضی اللہ عنہ نے حدِ بلوغ کے قریب رحلت فرمائی۔اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تزوج فرمایا۔(حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد) پھر حضرت مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا اور ان سے یحیٰی نام

کے ایک فرزند متولد ہوئے۔

سیدہ رُقیّہ رضی اللہ عنہا

آپ کا امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا، جن سے ایک لڑکا متولد ہوا جن کا اسم گرامی عبد اللہ تھا۔ جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح بدر کی بشارت لے کر (مدینہ) آئے۔ اسی روز حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وصال فرمایا۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

(اصل نام آمنہ ہے) حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال شریف کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اور آپ ہی کے ہاں شعبان ۹ ھ میں آپ کا وصال شریف ہوا۔ ان سے پہلے آپ عُتیبہ بن ابی لہب کی زوجیت میں تھیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

آپ کی اولاد

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین فرزند اور تین دختر تھیں:

فرزند

۱۔ حضرت امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت سیدنا امام محسن رضی اللہ عنہ

دختران

۱۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت محسن رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بچپن میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ جن سے علی نام کے ایک فرزند متولد ہوئے۔ اور انہی کے ہاں وصال فرما گئیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں جن سے زید نام کے ایک فرزند پیدا ہوئے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد ان سے

حضرت عوف بن جعفر رضی اللہ عنہما نے نکاح فرمایا۔ پھر ان کے بعد انہیں کے برادر حضرت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ان سے تزوج فرمایا۔ پھر ان کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے عقد فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کے چچے اور پھوپھیاں

(سید عالم ﷺ کے گیارہ چچے تھے)

۱۔حارث ۲۔قثم ۳۔زبیر ۴۔حمزہ رضی اللہ عنہ ۵۔عباس رضی اللہ عنہ

۶۔(کنیت) ابوطالب (اصلی نام) عبدمناف ۷۔(کنیت) ابولہب (اصلی نام) عبدالعزّی

۸۔عبدالکعبہ ۹۔حجل (لقب) مغیرہ (اصلی نام) ۱۰۔ضرار ۱۱۔غیداق

(سید عالم ﷺ کی چھ پھوپھیاں تھیں)

۱۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۲۔عاتکہ ۳۔اروٰی ۴۔امیہ(1)

۵۔برہ(2) ۶۔ام حکیم بیضا

سید عالم ﷺ کے چچاؤں میں سے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور پھوپھیوں میں سے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مشرف باسلام تھیں۔

سید عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام

۱۔حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، آپ حضرت اسامہ (حبُّ النبی ﷺ) کے والد گرامی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پہلے غلام تھے۔ بعدہٗ ان کو آزاد فرما دیا تھا۔

۲۔حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

۳۔حضرت ابو کبشہ سلیم رضی اللہ عنہ، آپ کو جنگِ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔ان کو نبی اکرم ﷺ نے آزاد فرما دیا تھا۔ جس دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ وہی دن آپ کی وفات شریف کا ہے۔

۴۔ایک اور غلام انیسہ تھے جن کو آپ نے آزاد فرما دیا تھا رضی اللہ عنہ۔

1۔امام نووی قدس سرہٗ نے تہذیب الاسماء میں اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں امیہ کا نام امیمہ بتایا ہے۔

2۔امام نووی قدس سرہٗ نے برہ کا نام مرہ لکھا ہے۔

۵۔آپ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک حضرت صالح ملقب بہ شقران رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض (ائمہ سیر) کہتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کے ترکہ سے ان کے وارث ہوئے تھے اور بعض نے فرمایا کہ ان کو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حضور نذرانہ پیش کیا تھا۔

۶۔انہی آزاد کردہ غلاموں سے ایک رباح نوبی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۷۔ایک یسار نوبی رضی اللہ عنہ جن کو بنوعُرنیہ کے منافقوں نے (چراگاہ میں) شہید کیا تھا۔

۸۔ایک اور غلام ابورافع اسلم رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تھا۔ پھر جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری سنائی تو آپ نے ان کو آزاد فرمادیا تھا اور ساتھ ہی اپنی باندی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ان کا عقد فرمادیا، جن سے (رافع اور) عبیداللہ متولد ہوئے۔

حضرت عبیداللہ ابن ابی رافع رضی اللہ عنہما حضرت امیرالمومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے کاتب (سٹینوگرافر) تھے۔

۹۔ایک اور غلام ابومویہبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۰۔آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ جو شام میں (سکونت پذیر ہوئے اور وہیں) فوت ہوئے۔

۱۱۔انہی غلاموں میں سے ایک رافع رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ کے پاس آنے سے قبل سعید بن عاص کے غلام تھے۔

۱۲۔ایک اور غلام مدعم رضی اللہ عنہ ہیں۔انہیں حضرت رفاعہ جذامی رضی اللہ عنہ نے خدمتِ اقدس میں پیش کیا تھا۔آپ وادی القریٰ میں شہید ہوئے تھے۔

۱۳۔کرکرۃ نوبی رضی اللہ عنہ، جن کو ہوذہ بن علی (حاکم یمامہ) نے پیش کیا تھا۔

۱۴۔انہی غلاموں سے ایک حضرت بلال بن یسار کے دادا حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۵۔اسی طرح حضرت عبید رضی اللہ عنہ موالی میں سے ہیں۔

۱۶۔حضرت طہمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے ہی غلاموں میں سے ہیں۔

۱۷۔انہی غلاموں میں سے حضرت مابور قبطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو مقوقس (شاہِ مصر) نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔

۱۸۔اسی طرح ایک حضرت واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

۱۹۔اسی طرح ایک حضرت واقد رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی غلاموں میں سے ہیں۔

۲۰۔حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کے غلاموں سے ہیں۔

۲۱۔انہی غلاموں میں سے ایک اموالِ ''فئی'' سے حاصل شدہ حضرت ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲۲۔حضرت حنین رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح آپ کی غلامی سے مشرف تھے۔

۲۳۔اور یونہی ایک حضرت ابوعسیب احمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲۴۔ایک اور غلام ابوعبید رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲۵۔ایسے ہی غلاموں سے ایک حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔آپ ام المومنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی ہمیشہ خدمت بجالایا کریں گے۔اس پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جناب! آپ اگر شرط نہ بھی لگاتیں تو میں رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی علیحدہ نہ ہوتا۔حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام رباح یا مہران ہے۔

۲۶۔ایک اور غلام حضرت ابوہند رضی اللہ عنہ تھے۔

۲۷۔انہی غلاموں سے ایک حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حُدِی خواں تھے۔

۲۸۔ایسے ہی غلاموں سے ایک حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ائمہ سیر نے مذکورۃ الصدر موالی کے علاوہ اور بھی کہیں زیادہ ذکر فرمائے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی باندیاں

۱۔(سید عالم ﷺ کی آزاد کردہ لونڈیوں میں سے) ایک حضرت ام رافع سلمیٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

۲۔آپ کی ایک باندی حضرت ام ایمن برکت حبشیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو آپ کو اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کی میراث سے ملی تھیں۔انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی گود میں لے کر پرورش کیا ہے۔

۳۔حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا

۴۔حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

۵۔حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا

۶۔حضرت خضرہ رضی اللہ عنہا

۷۔حضرت رضویٰ رضی اللہ عنہا

نبی اکرم ﷺ کے خدّام

ا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۲۔حضرت ہند بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

۳۔حضرت اسماء بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

۴۔حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ

۵۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۶۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

۷۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ

۸۔حضرت سعید رضی اللہ عنہ

۹۔حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تحمر رضی اللہ عنہ

۱۰۔حضرت کبیر بن شداخ رضی اللہ عنہ

۱۱۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

پاسبانِ(1) بارگاہِ رسالت

(مختلف اوقات میں سید عالم ﷺ کی نگہبانی کی خدمت سرانجام دینے والے حضراتِ قدسیہ میں سے)

ا۔حضرت سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے غزوۂ بدر میں نبی اکرم ﷺ کی نگہبانی کے فرائض سرانجام دیے تھے(2)۔

۲۔حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں نبی رحمت ﷺ کی پاسبانی کی سعادت حاصل کی ہے۔

۳۔(اسی طرح) حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ احد میں حضور اکرم ﷺ کے پہریدار تھے۔

۴۔غزوۂ خندق میں سید عالم ﷺ کی پاسبانی کے فرائض سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے

1۔آج کل کی فوجی زبان میں جس کو "باڈی گارڈ" کہا جاتا ہے۔

2۔ اسی طرح حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی یوم بدر میں سید عالم ﷺ کے محافظ و پاسبان تھے۔

تھے۔

۵۔غزوۂ خیبر میں حضور اکرم ﷺ کی پاسبانی حضرت سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دی تھی۔

۶۔اور اسی طرح غزوۂ خیبر میں حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی سید عالم ﷺ کے پاسبان تھے۔

۷۔(اسی طرح) غزوۂ خیبر میں حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم ﷺ کے محافظ رہ چکے ہیں۔

۸۔غزوۂ وادی القریٰ میں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سید عالم ﷺ کے پہرے دار تھے۔

پھر جب آیہ کریمہ:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (مائدہ:67)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔(الخ)''

اتری، تو پھر آپ نے پاسبانی کے فرائض سرانجام دینے والے اصحاب کرام کو سبکدوش فرمادیا۔

سلاطین کے نام فرامین کی ترسیل

(مختلف اطراف واکناف کے والیانِ سلطنت کی جانب سید عالم ﷺ نے مختلف حضرات کو بطور سفیر وقاصد بنا کر اپنے فرامین ومکاتیب روانہ فرمائے۔)

چنانچہ ان میں سے ایک حضرت اصحمہ یا عطیہ نجاشی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا جب مکتوب(۱) گرامی حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو انہوں نے (ازراہِ ادب وتعظیم) اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔(اور مکتوبِ گرامی میں لکھی ہوئی دعوت کو صدق دل سے قبول کیا بعدہٗ) ہجرت کے نویں سال آپ سرورِ عالم ﷺ کے حین حیات میں وصال فرما گئے اور (مدینہ منورہ میں) نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہِ روم

ہرقل قیصر روم کی طرف حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا(جب اسے مکتوب گرامی کے مضمون سے آگاہی حاصل ہوئی تو)اس کے دل میں سرور عالم ﷺ کی حقانیت راسخ ہوگئی اور اسلام کے صدق کا قائل ہوگیا مگر اس کی رومی رعایا نے اس کی

1۔شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ یہ مکتوب گرامی اب تک حبشہ کے شاہی متروکات میں محفوظ ہے۔(مدارج شریف)

موافقت نہ کی اور یہ زوالِ مملکت کے خوف سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے رک گیا۔

مکتوب گرامی بنام کسریٰ شاہِ فارس

ایک نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حُذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسریٰ شاہِ فارس کی جانب روانہ فرمایا۔ جب مکتوب گرامی پڑھا گیا تو کسریٰ نے نامہ مبارک پارہ پارہ کر دیا۔ (جب نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو) آپ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ اس کے ملک کو ہر طرح سے پارہ پارہ کر دے۔ (چنانچہ جیسے ارشاد فرمایا تھا ویسے ہی ظہور میں آیا کہ ان کی سلطنت و شوکت جاتی رہی اور اب وہ سلطنت صدیوں سے مسلم قوم کے زیرِ نگیں ہے)

مکتوب گرامی بنام مقوقس شاہِ مصر

انہی سفیرانِ بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو نامہ مبارک(1) مقوقس کے پاس لے گئے تھے، مقوقس اسلام لانے کے قریب تھا (مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور یہ اسلام کی نعمت سے سرفراز نہ ہو سکا) پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو کنیزیں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن شیریں اور ایک سفید خچر جسے دُلدُل کہا جاتا ہے۔ ایک ہزار دینار اور بیس کپڑے بطور ہدیہ روانہ کیے۔

مکتوب گرامی بنام والیانِ عمان

انہی سفراء کرام میں سے ایک حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والیانِ عمان جیفر و عبد پسرانِ جلندی کی جانب مکتوبِ گرامی دے کر روانہ فرمایا تھا۔ چنانچہ مکتوبِ گرامی ملنے پر دونوں مشرف باسلام ہو گئے اور دونوں نے تنہائی میں (اس) صدقہ و حکمرانی کے متعلق باہم مشورہ کیا (جو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا تھا) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک وہیں مقیم رہے۔ انہی سفراء عظام میں سے ایک حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو شاہِ یمن حارث حمیری کی جانب مکتوب گرامی لے کر گئے تھے۔ اور انہی سفیروں میں سے ایک حضرت علاء ابن الحضرمی رضی اللہ عنہ ہیں جو منذر بن ساوی حاکم بحرین کی طرف نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ چنانچہ حاکم مذکورہ مکتوب گرامی ملنے پر مشرف باسلام ہو گئے (رضی اللہ عنہ)۔ انہی سفراء کرام میں سے ایک حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی

1۔ یہ نامہ مبارک ترکیہ کے شاہی تبرکات میں اب تک محفوظ ہے۔

اللہ عنہ ہیں جنہیں نبی اکرم ﷺ نے (بلا مکتوب بغرض تبلیغ) یمنیوں کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ (چنانچہ دونوں حضرات کی مجاہدانہ تبلیغ سے) تمام اہل یمن مع بادشاہ وامراء اسلام لے آئے۔

مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر غسانی

انہی سفراء قدسیہ سے ایک حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو مکتوب گرامی دے کر حارث بن ابی شمر غسانی، جو شام کے صوبہ ''بلقاء'' کا گورنر تھا، کی طرف روانہ فرمایا۔ (جب مکتوب گرامی اسے دیا گیا) تو اس نے پڑھ کر زمین پر پٹخ دیا (اور ناگفتہ بہ باتیں بکیں) پھر کہنے لگا: میں ابھی پہنچ کر اس کا خاتمہ کرتا ہوں مگر قیصر رومی نے اسے اس (ناپاک جسارت) سے باز رکھا۔

مکتوب گرامی بنام ہوذہ بن علی حاکم یمامہ

انہی قاصدوں میں سے ایک حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے حاکم یمامہ کی طرف مکتوب گرامی دے کر روانہ فرمایا تھا۔ (ہوذہ نے نامہ مبارک کے جواب میں لکھا) آپ کی دعوت وتبلیغ کا کیا ہی عمدہ طریقہ ہے (میں اسے قبول تو کرلوں لیکن وجہ یہ ہے کہ) میں اپنی قوم کا شاعر وخطیب ہوں (جس کی وجہ سے اہل عرب کے دل میں میرا مقام ہے) لہٰذا آپ اپنے مقبوضہ شہروں میں سے بعض کے حل وعقد کا اختیار و اقتدار میرے سپرد فرمایئے۔ (چنانچہ نبی کریم ﷺ کو جب اس کا خط جس میں امارت وحکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا، موصول ہوا) تو آپ نے (کھلے بندوں) انکار(1) فرمادیا۔ (اور یوں) ہوذہ اسلام کی سعادت سے باریاب نہ ہوسکا۔

کاتبانِ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ

۱۔ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
۲۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
۳۔ امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
۴۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
۸۔ حضرت سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ

1۔ حاکم مذکور اگر اپنے ہی دائرۂ کار کا انتظام وانصرام اپنے ہی پاس رہنے کا مطالبہ کرتا تو قاسم نعمت ﷺ ضرور اس کی گزارش قبول فرماتے ہمگر نالائق نے اپنے خیال میں اپنے بغیر کسی اور کو اہل ہی نہ جانا۔ اور تباہ ہوا۔

۹۔حضرت سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

۱۰۔حضرت سیدنا حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

۱۱۔حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ)

۱۲۔حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۱۳۔حضرت سیدنا شرجبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

بارگاہِ رسالت ﷺ کی طرف سے مجرموں کو سزا دینے والے اصحاب کرام

(مشرکوں، کافروں کی) نبی اکرم ﷺ کی طرف سے گردنیں مارنے پر (حسب ذیل) یہ حضرات متعین تھے۔

(نیز محدودین و مجرمین پر حد قائم کرنے اور جرم کی سزا دینے پر بھی یہی حضرات مامور تھے)

۱۔امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۲۔حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ

۳۔حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

۴۔حضرت سیدنا عاصم بن عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ

۵۔حضرت سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ (وغیرہم)

خفیہ امور کے بارے میں مشیرانِ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ

(حسب ذیل نفوسِ قدسیہ کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ انہیں خاص اسرار و اہم امور کے بارے میں مالکِ کونین دانائے کل سرورِ عالم ﷺ مشورہ کے لیے طلب فرماتے رہے ہیں۔ یہ حضرات گویا نبوی پارلیمنٹ کے ارکان تھے):

۱۔امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲۔امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۳۔سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۴۔سیدنا عم النبی ﷺ حضرت حمزہ (بن عبد المطلب) رضی اللہ عنہ

۵۔سیدنا و مولانا حضرت جعفر (طیار) رضی اللہ عنہ

۶۔سیدنا و مولانا حضرت زبیر (بن عوام) رضی اللہ عنہ

۷۔سیدنا و مولانا حضرت مقداد (بن عمرو کندی) رضی اللہ عنہ

۸۔سیدنا و مولانا سلمان (فارسی) رضی اللہ عنہ

۹۔سیدنا و مولانا حضرت حذیفہ (بن یمان) رضی اللہ عنہ

۱۰۔سیدنا و مولانا حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۱۔سیدنا و مولانا صاحب سر رسول ﷺ حضرت عمار (بن یاسر) رضی اللہ عنہ

۱۲۔سیدنا و مولانا حضرت بلال(1) (بن رباح) رضی اللہ عنہ

مبشر بالجنۃ کا اعزاز حاصل کرنے والے نفوس قدسیہ

۱۔سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

۲۔سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۳۔سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

۴۔سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ عنہ

۵۔سیدنا و مولانا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

۶۔سیدنا و مولانا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۷۔سیدنا و مولانا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۸۔سیدنا و مولانا حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

۹۔سیدنا و مولانا حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

۱۰۔سیدنا و مولانا حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ(2)

نبی اکرم ﷺ کے مواشی

حضور نبی کریم ﷺ کے دس گھوڑے شمار کیے گئے ہیں، جن کے شمار میں اختلاف ہے:

۱۔ایک ''سکب'' نام کا گھوڑا تھا، جو سیاہ مائل بسرخی، اور سفید پیشانی، ہاتھ پاؤں کی سفیدی والا تھا۔اس کا دایاں ہاتھ سفید نہیں تھا۔اس گھوڑے کو آپ نے جنگ احد میں استعمال فرمایا ہے۔

۲۔''مُرتَجِز'' یہ وہ گھوڑا ہے جس کی (خریدنے کے بعد بوقتِ قبضہ) حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تھی۔

۳۔''لِزاز'' اسے مقوقس (شاہِ مصر) نے ہدیۃً بھیجا تھا۔

1۔امام ابن سید الناس قدس سرہٗ نے صرف ان حضرات کا احضار فرمایا ہے ورنہ آپ کے مشیرانِ کرام اور بھی بے شمار ہیں جیسے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

2۔یہ دس نفوس قدسیہ وہ ہیں جن کا جنتی ہونا قطعی الثبوت ہے۔

۴۔ ''لُحَیف'' اس گھوڑے کو ربیعہ بن ابی البراء نے تحفہ کے طور پیش کیا تھا۔

۵۔ ''ظَرِبْ'' اسے حضرت فروہ جذامی نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔

۶۔ ''وردْ'' اس کو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تحفہ کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے تھے۔

۷۔ ''سبحہ'' (اس کا نام امام نووی نے شنجہ لکھا ہے)

۸۔ ''مرواح''

۹۔ ''بحرْ'' (1) اسے نبی اکرم ﷺ نے یمنی تاجروں سے خرید فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ مسابقت (مقابلۃً دوڑانا) فرمائی۔ اور یہ تینوں مرتبہ سب سے آگے رہا۔ (غالبًا دوڑانے کے بعد) نبی کریم ﷺ نے اپنا دستِ اقدس اس کی پیشانی پر پھیر کر فرمایا:

ما انت الا بحر۔ روانی میں تُو تو سمندر ہے۔

(نوٹ:۔ امام نے دسویں گھوڑے کا نام نہیں بتایا۔ شیخ محقق قدس سرہٗ نے آپ کے دسویں گھوڑے کا نام ''ضریس'' بتایا ہے)

نبی اکرم ﷺ کے خچر

رسول اکرم ﷺ کی تین عدد خچریں تھیں:

۱۔ ''دُلْدُلْ'' اسے مقوقس نے ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ یہ پہلا خچر تھا جسے آپ زمانہ اسلام میں سواری کے کام میں لائے۔

۲۔ ''فِضہ'' یہ خچر نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہبہ فرما دیا تھا۔

۳۔ ''ایلیہ'' اس کو حاکم ''ایلہ'' نے ہدیہ کے طور بھیجا تھا۔

دراز گوش

نبی اکرم ﷺ کا ''یعفور'' نامی ایک دراز گوش (گدھا) بھی تھا۔ گائے بھینس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں کہ ان میں سے بھی کچھ رکھتے تھے یا نہیں۔

(مدینہ منورہ کے نواح میں) مقام ''غابہ'' میں آپ کی بیس دودھیل اونٹنیاں تھیں۔ جنہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنوعقیل کے جانوروں سے حاصل کر کے آپ کی خدمت اقدس میں

1۔ امام نووی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا کہ سبحہ یا شنجہ نامی گھوڑے کو مقابلۃً دوڑایا گیا تھا۔ (ممکن ہے دونوں کو مختلف جگہ اور مختلف وقت میں دوڑایا ہو)

پیش کیا تھا۔

آپ کی ایک اور اونٹنی "قصوا" تھی۔ اسی پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔

قصوا کی خصوصیت

اس اونٹنی کے سوا اور کوئی دوسرا جانور نبی اکرم ﷺ کی وحی کے نزول کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا تھا۔

بعض آئمہ سیر نے فرمایا کہ اسی ناقہ کو "عضبا" بھی کہتے ہیں۔

آپ کی ایک اور اونٹنی "جدعا" نام کی تھی، یہ وہی اونٹنی ہے جس سے دوسری کوئی اونٹنی سبقت نہیں لے گئی تھی (صرف ایک مرتبہ) ایک شخص کا اونٹ اس سے سبقت لے گیا تھا اور یہ بات صحابہ کرام کو سخت ناگوار گزری تھی اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہٗ کو حق ہے کہ کسی دنیوی شئے کو عروج کے بعد پست کر دے۔ بعض آئمہ نے فرمایا کہ یہ کوئی اور اونٹنی تھی جس سے دوسرا اونٹ سبقت لے گیا تھا۔ پیچھے رہنے والی "جُدعا" اونٹنی نہ تھی۔

آپ کی مخصوص بکری

نبی اکرم ﷺ کی "غیثہ" نام کی ایک بکری بھی تھی جس کا دودھ آپ خصوصیت کے ساتھ نوش فرمایا کرتے تھے۔

(مذکورہ مواشی کے علاوہ) آپ کا سفید رنگ کا ایک مرغ (بھی) تھا۔

آپ کے آلاتِ حرب

(نبی اکرم ﷺ کے اسلحہ جات سے) نو تلواریں تھیں:۔

۱۔ "ذو الفقار" یہ تلوار (نبیہ و منبہ) پسران حجاج سہمی کی تھی جو جنگِ بدر میں مالِ غنیمت کے طور آپ کے پاس آئی تھی۔ اسی تلوار کے بارے میں آپ نے خواب میں ملاحظہ فرمایا تھا کہ اس کی دھار ٹوٹ گئی ہے، جس کی تعبیر آپ نے ہزیمت سے فرمائی، اور جنگِ احد میں اس کی تعبیر ظاہر ہو گئی۔

۲۔ دوسری تلوار کا نام "قُلَعِیْ" ہے۔

۳۔ تیسری تلوار کا نام "بتار" ہے۔

۴۔ چوتھی تلوار کا نام "حتف" ہے۔ (یہ تینوں تلواریں آپ کو یہود "بنو قینقاع" کے اسلحہ سے حاصل ہوئی تھیں۔)

۵۔ پانچویں تلوار کا نام "مِخْذَمْ" ہے۔

۶۔ چھٹی تلوار کا نام "رَسُوب" ہے۔

۷۔ساتویں تلوار کا نام ''عضب'' ہے۔یہ تلوار حضور اکرم ﷺ کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نذرانہ کے طور پر پیش کی تھی۔

۸۔آٹھویں تلوار کا نام ''قَضِب'' ہے۔یہ پہلی تلوار ہے جسے حضور پرنور ﷺ نے کمر مبارک سے باندھا تھا۔

۹۔آپ کی ایک اور تلوار تھی جو آپ کو اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کے ورثہ سے ملی تھی۔

نیزے

نبی اکرم ﷺ کے چار نیزے تھے۔تین تو آپ کو (یہود) ''بنوقینقاع'' کے آلات سے حاصل ہوئے تھے اور ایک نیزہ تھا جسے ''مثنی'' کہا جاتا تھا۔

حربہ

نبی اکرم ﷺ کا ایک حربہ (1) تھا جسے ''عنزہ'' کہتے ہیں۔اسے نبی اکرم ﷺ عید کے دنوں میں (بغرض سُترہ) اپنے آگے گاڑا کرتے تھے۔

چھڑیاں

تقریباً ایک گز لمبی ٹیڑھے سر والی ایک چھڑی بھی (اکثر نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس میں رہا کرتی) تھی۔(ایسی چھڑی کو محجن کہا جاتا ہے)

نبی اکرم ﷺ کا ایک ''مخصرہ'' تھا، جسے ''عرجون'' کہتے تھے۔یعنی شاخِ خرما کی مانند ایک ایسی چھڑی تھی جس سے آپ ٹیک لگایا کرتے تھے (اور یہ اہل اقتدار کے شعار میں سے ہے) اور (درختِ ''شوخط'' کی لکڑی کی) ایک قضیب تھی، جسے محشوق کہتے ہیں یعنی درخت کی شاخ کی مانند ایک لکڑی بھی آپ چھڑی کے طور اپنے دستِ اقدس میں رکھا کرتے تھے (2)۔

کمان وترکش

نبی اکرم ﷺ کی چار کمانیں اور ایک ترکش تھا۔

1۔حربہ چوب دستی را گویند (صراح) یہ نیزہ یا برچھی کی مانند ایک قسم کا ہتھیار تھا، جو سُترہ اور استنجاء وغیرہ کے لیے ڈھیلے کھودنے کے کام میں آتا تھا۔

2۔حضور سرور عالم ﷺ کے دست اقدس میں مختلف اوقات میں رہنے والے عصا یائے مبارک کے، ان کی ساخت و ماہیت کے اعتبار سے مذکورہ نام ہیں: (۱) محجن (۲) عرجون (۳) مشوق (۱) اکثر بوقت سفر استعمال میں رہتی تھی، (۲) بوقت تخاطب اور (۳) جب کبھی آپ حدود شہر میں دورہ فرمایا کرتے۔واللہ اعلم

ڈھال مبارک

نبی اکرم ﷺ کی ایک ''سپر'' بھی تھی جس پر عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی (مگر آپ نے اس تصویر کو ناپسند جانا) جب آپ نے اس پر اپنا دست اقدس رکھا تو عقاب کی تصویر معدوم ہوگئی۔ یہ سپر آپ کو تحفہ کے طور ملی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی شمشیر کا قبضہ (مُٹھ) اور دھار کے کنارے چاندی کے تھے اور دونوں کے بیچ چاندی کی کڑیاں تھیں۔

زِرہ مبارک

نبی اکرم ﷺ کی ''ذات الفضول'' نام کی ایک زرہ(1) مبارک بھی تھی جسے آپ نے غزوۂ بدرو حنین میں زیبِ تن فرمایا تھا۔ (ائمہ سیر) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حضرت داؤد علیہ السلام کی وہ زرہ بھی تھی جسے انہوں نے ''جالوت'' کو ہلاک کرتے وقت پہنا ہوا تھا۔ (اس زرہ کا نام ''سعدیہ'' تھا)

مغفر

نبی اکرم ﷺ کا ''سبوغ'' نامی ایک ''خود'' بھی تھا۔

کمر بند

نبی اکرم ﷺ کا چمڑے کا ایک کمر بند (پٹی) بھی تھا جس میں چاندی کی تین کڑیاں لگی ہوئی تھیں نیز اس پٹی کا منہ چاندی کا تھا اور کناروں پر سفید موتی لگے ہوئے تھے۔

گھریلو سامان

سرور عالم ﷺ کا ترکہ یمن کے دو عدد سوتی کپڑے اور ایک عدد یمنی چادر، دو عدد ''صحاری''(2) کپڑے اور ایک صحاری اور ایک صحاری قمیص اور ایک ''سحولی''(3) قمیص، ایک یمنی جبہ اور ایک چکور سیاہ کمبل، ایک سفید چادر، تین یا چار ایسی ٹوپیاں جو سر مبارک کے ساتھ لپٹی رہتی تھیں اور ایک ''لحاف'' تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک صندوقچی بھی تھی جس میں شیشہ(4)، ہاتھی دانت کی کنگھی، قینچی اور مسواک

1۔ آج کل کی فوجی زبان میں اسے ''بکتر بند'' کہتے ہیں۔

2۔ صحاری، یمن کے ایک قصبہ ''صحار'' کی طرف منسوب ہے۔

3۔ یمن کے ایک گاؤں ''سحول'' کی طرف منسوب ہے، جہاں کے سوتی کپڑے اپنی عمدگی، ستھرائی اور سفید ہونے میں معروف تھے۔

4۔ نبی اکرم ﷺ کے اس آئینہ کا نام ''مُدِلّۃ'' تھا۔

رہا کرتی تھی۔

آپ کا بستر کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گدا تھا۔

قدح ہائے مبارکہ

نبی اکرم ﷺ کا (مضیب نام کا) ایک پیالہ تھا جس کے تین جگہ میں چاندی کی کیلیں گاڑی ہوئی تھیں۔ ایک شیشے کا پیالہ تھا، ایک اور سادہ پیالہ (مٹی یا لکڑی کا) تھا۔ ایک پتھر کی طغار تھی۔ ایک (''مخصب'' نامی) تانبے کا (پیالہ طرز کا) برتن تھا جس میں سر اقدس کی گرمی دور کرنے کی خاطر وسمہ و مہندی بھگویا جاتا تھا۔ اور (اسی طرح) تانبے کا ایک بڑا برتن تھا جس میں غسل کے لیے پانی بھرا رہتا تھا۔ اور یونہی (مہمانوں کے ہجوم کے وقت استعمال میں آنے والا) ایک کاسہ بزرگ بھی تھا۔

ایک چارپائی اور ایک ''قطیفہ''(1) تھا۔

پیمانے

(آپ کے دو پیمانے بھی تھے) ''صاع''(2) اور ''مُد'' جس سے ناپ کر فطرانہ نکالا کرتے تھے۔

انگشتری مبارک

نبی اکرم ﷺ کی چاندی سے بنی ہوئی ایک انگشتری مبارک بھی تھی، جس میں نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ انگوٹھی کا نقش مبارک ''محمد رسول الله'' (ﷺ) تھا۔ بعض (ائمہِ سیر) فرماتے ہیں کہ انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا۔

موزے

نبی اکرم ﷺ کے دو سیاہ موزے بھی تھے، جنہیں حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ آپ نے ان موزوں کو استعمال فرمایا ہے۔

عمامہ مبارک

ایک سیاہ (اونی) چادر کے علاوہ آپ کا ایک سیاہ عمامہ بھی تھا۔ جس کا نام ''سحاب'' رکھا ہوا تھا۔ یہ عمامہ آپ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرما دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کبھی اسے اپنے سرِ اقدس پہ پہنے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ (از راہِ خوش طبعی

1۔ بحرین کی ساختہ مخملی چادروں کو ''قطیفہ'' کہتے ہیں۔

2۔ ایک ''صاع'' چار ''مُد'' کا ہوتا ہے۔ اور ایک ''مُد'' عراقیوں کے نزدیک دو ''رطل'' کا اور حجازیوں کے نزدیک ''رطل'' اور ایک تہائی کا ہوتا ہے۔ (مدارج النبوت للشیخ قدس سرہٗ)

موجودہ حاضرین سے) فرماتے (دیکھو!) علی تمہارے پاس بادل میں آرہا ہے۔

رومال وجمعہ کالباس

اور دنوں میں استعمال میں آنے والے لباس کے علاوہ آپ کے پاس دو کپڑے اور بھی تھے جنہیں آپ روزِ جمعہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ایک رومال بھی تھا جس سے وضو فرمانے کے بعد چہرۂ انور پونچھا کرتے تھے۔

سرورِ عالم ﷺ کے معجزات

۱۔ آپ کے معجزات (قاہرہ) میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔

۲۔ سینۂ اقدس کا چاک ہونا، (اور پھر ویسے ہی صحیح وسالم اور تندرست رہنا جبکہ یہ عام انسان کے مقدور سے باہر ہے)

۳۔ (قریش مکہ کو) بیت المقدس کی علامات بتا دینا (حالانکہ آپ وہاں کبھی بھی تشریف نہیں لے گئے تھے)۔

۴۔ چاند کا دونیم کر دینا (اور پھر معمول کے مطابق اسے دوبارہ ویسے ہی کر دینا)

۵۔ قریش کی ایک جماعت کا آپ کے ہلاک کر دینے کا پروگرام بنانا اور (بوقتِ تکمیل) ان کا بے خود ہو کر سو جانا، حتیٰ کہ آپ کا وہاں سے گزرنا، اور ان کے سرہانے کھڑے ہو کر " شاہت الوجوہ " فرما کر کنکریلی مٹی کی ایک مشت ان کے سروں پر پھینکنا (اور انہیں خبر تک نہ ہونا) ان میں سے جس جس پر کنکریاں پڑ گئیں جنگِ بدر میں ان سب کا ہلاک ہو جانا۔

۶۔ (اسی طرح) جنگِ حنین میں ایک مشت خاک مشرکین کے چہروں پر پھینکنا، اور سب کا ہزیمت سے دوچار ہونا۔

۷۔ غارِ ثور میں (آپ کی حفاظت کی خاطر) مکڑی کا (فی الفور) جالا تن دینا۔

۸۔ بوقتِ ہجرت آپ کے تعاقب میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا نکلنا، (اور قریب پہنچنے پر) ان کے گھوڑے کے پاؤں کا سخت زمین میں دھنس جانا۔

۹۔ بانجھ بکری کے تھنوں پر آپ کا دستِ اقدس پھیرنا اور اس کا دودھ دینے لگنا۔

۱۰۔ (اسی طرح) حضرت ام معبد (عاتکہ بنت خالد خزاعیہ) رضی اللہ عنہا کی کمزور و لاغر بکری (جس کے تھنوں میں دودھ ختم ہو چکا تھا) کے تھنوں پر دستِ شفاء پھیرنا اور اس کا دودھ بھر آنا۔

۱۱۔ غلبہ اسلام کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمانا (اور ان کے حق میں دعا کا مستجاب

ہونا)۔

۱۲۔حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے دُعا فرمانا کہ اُن کو گرمی وسردی محسوس نہ ہو۔اور پھر ان کے حق میں اللہ جل مجدہٗ کا آپ کی دعا کو اجابت سے نوازنا۔

۱۳۔(اسی طرح) حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آشوب زدہ آنکھوں میں لعاب مبارک ڈالنا،اوران کی آنکھوں کا فوراً صحت یاب ہو جانا اور پھر کبھی بھی نہ دکھنا۔

۱۴۔حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا بہہ کر رخسار پر آجانا،آپ کا اسے لوٹا دینا،اور آنکھ کا پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو جانا۔

۱۵۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے مفسر وفقیہہ ہونے کی دعا فرمانا(1)۔

۱۶۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سست رفتار، پیچھے رہ جانے والے اونٹ کے لیے دعا فرمانا،اور اس کا تیز رفتار اور سب سے آگے نکلنے والا بن جانا۔

۱۷۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے عمر مال و اولاد میں برکت کی دعا فرمانا۔(اور آپ کا طویل العمر، کثیر العیال اور مالدار بن جانا)

۱۸۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کھجوروں میں دعاء برکت فرمانا،اور انہی کھجوروں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کا خاتمہ ہو کر پھر تیرہ وسق کھجوروں کا بچ رہنا۔

۱۹۔بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمانا،اور پھر ہفتہ بھر بارش کا برستے رہنا(دوبارہ) بارش ہٹ جانے کی دعا فرمانا،اور اسی آن آسمان سے بادلوں کا دور ہو جانا۔

۲۰۔عُتیبہ بن ابی لہب کی ہلاکت کی دعا فرمانا،اور اُسے شام کے ایک شہر ''زرقا'' میں شیر کا پھاڑ ڈالنا۔

۲۱۔ایک اعرابی کو آپ کا اسلام کی طرف بلانا۔اور اس دعوت پر اس دیہاتی کا شاہد مانگنا،آپ کا فرمادینا کہ ہاں یہ درخت شاہد ہے۔پھر اس درخت کو آپ کا طلب فرمانا،اور درخت کا آکر حسب منشائے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبہ حقانیتِ اسلام کی شہادت دینا اور بعدہٗ اس کا اپنے مستقر میں دوبارہ لوٹ جانا۔

۲۲۔دو درختوں کے باہم ملنے کا حکم فرمانا،اوران کا آپس میں مل جانا۔

۲۳۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صاحب سے ارشاد فرمانا کہ جاؤ ان کھجوروں سے کہو کہ تمہیں اللہ جل مجدہٗ کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حکم دیتے ہیں کہ باہم مل جاؤ۔(چنانچہ وہ صاحب گئے اور یہی کہا) اور ان کا آپس میں مل جانا۔قضائے حاجت کے بعد ان صاحب سے دوبارہ ارشاد فرمانا کہ جاؤ انہیں کہو کہ اپنی

1۔اس دعا کا بھی آپ کے حق میں مقبول ہونا،چنانچہ اسی دعا کا ثمرہ تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حبر الامت اور ترجمان القرآن ثابت ہوئے۔

جگہ واپس چلی جاؤ چنانچہ وہ اپنے مقام پر واپس ہو گئیں۔

۲۴۔آپ کے استراحت کے وقت ایک درخت کا آپ کے پاس آ کر کھڑے ہو جانا۔بیداری کے بعد اس واقعہ کا آپ سے عرض کیا جانا،اور آپ کا ارشاد فرمانا کہ اس درخت نے مجھ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی تھی۔اور اللہ تعالیٰ نے اس کی التجاء قبول فرماتے ہوئے اسے صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۲۵۔جس دن آپ نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اس دن تمام شجر و حجر کا آپ کو یوں سلام عرض کرنا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ''۔

۲۶۔وَقَالَ اِنِّیْ لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ۔(۲۲۰)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے قبل (بھی مجھے پہچانتا تھا اور) مجھے سلام عرض کیا کرتا تھا''۔

۲۷۔خشک تنے کا آپ کے فراق میں گریہ کرنا۔

۲۸۔آپ کے دستِ اقدس میں کنکریوں کا ''سبحان اللہ'' پڑھنا۔

۲۹۔(نیز) آپ کے دستِ اقدس میں کھانے کا تسبیح پڑھنا۔

۳۰۔زہر آلود بکری کے ران کا آپ کو بتا دینا (کہ میں زہریلا ہوں)

۳۱۔شتر ناشاد کا آپ سے کام کی زیادتی،اور چارے کی کمی کی شکایت کرنا۔

۳۲۔مقید آہو کا آپ سے بچوں کے دودھ پلانے کے لیے رہائی کی درخواست کرنا۔اور واپس آنے کا وعدہ کرنا،(چنانچہ آپ کا رہا فرمانا اور اس کا لوٹ آنا) اور (بوقت رہائی) اس آہو کا آپ کی رسالت کی دو مرتبہ گواہی دینا۔

۳۳۔جنگ بدر میں جہاں جہاں مشرکوں کے مرنے کے آپ نے نشان بتائے تھے ان میں سے ہر ایک کا انہی نشان کردہ مقامات میں مرنا۔

۳۴۔انصارِ کرام کی نسبت بتا دینا کہ میرے بعد ان پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔

۳۵۔اپنی امت کے ایک گروہ کی بابت بتا دینا کہ وہ بحری جنگ کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی انہیں میں سے ہوں گی۔یہ ایسے ہی واقع ہوا(1)۔

1۔چنانچہ یہ جنگ امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بقیادت سلطان المومنین حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''جزیرہ قبرص'' میں لڑی گئی تھی۔جس میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شریک ہوئی تھیں اور وہیں جہاد فرماتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئی تھیں۔(بقیہ آگے)

۳۶۔امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما دینا کہ تمہیں شدید بلوئی و بغاوت کا سامنا ہوگا اور یہ کہ اس بغاوت میں تم بھی کام آ جاؤ گے۔ یہ بھی ایسے ہی ہوا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ دورانِ بغاوت شہید کر دیئے گئے۔

۳۷۔امیر المومنین سیدنا الامام حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت بتا دینا کہ میرا یہ بیٹا "سید" ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے بڑے لشکروں میں صلح ہو جائے گی۔

۳۸۔جس شب "صنعا" (یمن) میں جھوٹے مدعیِ نبوت (اسود) عنسی کا قتل ہوا، اسی وقت اس کے قتل ہو جانے، اور اس کے قاتل (1) کی نسبت بتا دینا۔

۳۹۔حضرت ثابت بن قیس (خطیب رسول ﷺ) رضی اللہ عنہ سے فرما دینا کہ زندگی پسندیدہ ہے اور شہادت کی موت ہے (یعنی تمہاری موت و حیات دونوں ہی عمدہ ہیں) چنانچہ آپ جنگِ یمامہ میں شہادت فرما گئے۔

۴۰۔ایک شخص مرتد ہونے کے بعد کافروں سے جا ملا۔ اس کی موت کی اطلاع جب نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اسے زمین قبول نہ کرے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا (کہ اسے ہر چند دفن کرتے تو زمین اسے باہر پھینک دیتی، آخر کار پتھروں کی باڑ سے اسے چھپایا گیا۔

۴۱۔بائیں ہاتھ سے کھانے والے ایک شخص سے فرمانا کہ سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ اور اس کا (شرمندگی کی خفت کو مٹانے کے لیے) کہنا کہ دایاں ہاتھ کام نہیں کرتا۔ پھر آپ کا اس سے فرمانا کہ اچھا! کام نہیں کرتا تو نہ کرے۔ اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ اس قدر بے کار رہنا کہ منہ تک ہی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

۴۲۔سوسمار کا آپ کی نبوت کی شہادت دینا۔

۴۳۔غزوۂ خندق کے موقعہ پر ایک صاع جو سے تمام لشکر کو سیر ہو کر کھانا کھلا دینا اور کھانے کا بدستور پہلے جتنا ہی بچ رہنا۔

۴۴۔تھوڑی سی کھجوروں سے کثیر افراد کو پیٹ بھر کر کھلا دینا۔

۴۵۔بچے ہوئے کھانے کو دستر خوان پر اکٹھا کرنے کا حکم فرمانا۔ اور پھر اس پر برکت کی دعا فرمانا۔ بعدہٗ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) یہ ام حرام رضی اللہ عنہا وہی ہیں جن کے ہاں دوپہر کے وقت نبی کریم ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور موصوفہ رشتہ میں نبی کریم ﷺ کی خالہ ہیں۔ آپ کا مزار پر انوار آج کل قبرص میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ قبرص میں اس وقت یونانی عیسائیوں اور ترک مسلمانوں کی مشترکہ حکومت ہے۔

1۔ اسود عنسی بدمعاش کے قاتل حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب حضرت نے ملعون کا کام تمام کیا اسی وقت حضور انور ﷺ نے فرمادیا تھا "فاز فیروز"۔ فیروز کامیاب ہوا۔

تمام لشکر میں بانٹنا اور اس کا سارے لشکر کو کفایت کر جانا۔

۴۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کی اکٹھی کی ہوئی کھجوریں آپ کی خدمت میں لائے، اور آپ سے دعاء برکت کی درخواست کی۔آپ نے دعا فرمائی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ان میں سے کتنے ہی من راہِ خدا میں خرچ کیں، خود کھاتا رہا، دوسروں کو کھلاتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یومِ شہادت کے دن وہ کھجوریں مجھ سے جاتی رہیں۔

۴۷۔صفہ والوں کے لیئے تھوڑی سی شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی میں دعاء برکت فرمائی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بایں خیال بار بار اونچا ہوتا تھا تا کہ مجھے بھی حضور انور ﷺ ان کے ہمراہ شریک فرمالیں۔جب اصحاب صفہ فارغ ہو کر اٹھ گئے تو پیالہ کے کناروں میں تھوڑا تھوڑا کھانا لگا ہوا تھا جسے حضور انور ﷺ نے اکٹھا فرما کر ایک لقمہ بنایا اور اسے اپنی انگشت ہائے مبارکہ پر رکھ کر مجھ سے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاتے جاؤ۔اللہ کی قسم میں نے اس لقمہ بھر کھانے سے خوب سیر ہو کر کھایا۔

۴۸۔آپ کی انگشت ہائے مبارکہ سے اتنے پانی کا چھوٹنا کہ جس سے تقریباً چودہ سوافراد کا خوب سیر ہو کر نوش کرنا، اور وضو بھی کر لینا۔

۴۹۔آپ کو پانی کا ایک پیالہ پیش کیا گیا۔اس میں آپ نے اپنا دست اقدس رکھ دیا اور فرمایا: آؤ وضو کرلو۔چنانچہ اس ایک پیالہ پانی سے ستر سے اسّی تک افراد نے وضو کیا۔

۵۰۔جنگِ تبوک میں آپ نے ایک تھوڑے سے پانی کے چشمہ پر، کہ جس سے ایک آدمی کی پیاس بھی ختم نہ ہو سکتی تھی، ورود فرمایا۔پیاسے لشکر کی درخواست پر آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس چشمہ میں گاڑ دیا۔جس سے پانی جوش دے کر بہنے لگا اور تیس ہزار کا لشکر سیراب ہو گیا۔

۵۱۔کچھ لوگوں نے پانی کے کھاری ہونے کی شکایت کی۔تو آپ ﷺ چند اصحاب کو اس کنویں پر لائے اور اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا۔تو اسی وقت شیریں پانی بہنے لگا۔

۵۲۔ایک عورت آپ ﷺ کے پاس اپنا گنجا بچہ لے کر حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے بچے کے سر پر اپنا دستِ شفاء پھیرا، جس سے بچے کے سر پر بال بھی اُگ آئے اور بیماری بھی جاتی رہی، یمامیوں نے جب اس واقعہ کو سُنا تو ان میں سے بھی ایک عورت جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ (کذاب) کے پاس اپنا (گنجا) بچہ لے کر گئی، مُسیلمہ نے جب اس بچے کے سر پر اپنا (ناپاک) ہاتھ پھیرا تو (پھر کیا تھا خود ساختہ نبی کا کرشمہ دیکھیئے) اس بچے کا گنجا پن نہ صرف بڑھا بلکہ اس کی نسل میں بھی گنجا پن پھیل گیا۔

۵۳۔جنگِ بدر میں جب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ نے ان کو ایک لکڑی

عنایت فرمادی جو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تلوار بن گئی آپ اس تلوار سے ہمیشہ جہاد فرماتے رہے۔

۵۴۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے ٹوٹے ہوئے پاؤں پر اپنا دستِ شفاء پھیر دیا تو وہ ایسا تندرست ہو گیا کہ گویا کبھی چوٹ تک نہ آئی تھی۔

۵۵۔ فتح مکہ کے دن اپنے ہاتھ مبارک کی چھڑی سے "جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ" (1) فرماتے ہوئے کعبہ معظمہ میں نصب شدہ بتوں کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے۔

۵۶۔ غزوۂ خندق میں ایک ایسی سخت زمین ظاہر ہوئی کہ جسے کدال کاٹنے سے عاجز رہی۔ پھر آپ نے ایک ہی دفعہ ایسا کدال مارا کہ وہ سخت زمین ریت کے ڈھیر کی مانند پارہ پارہ ہوگئی۔

۵۷۔ ولادت و بعثت کے وقت جنوں اور بتوں کی گواہی

(نبی اکرم ﷺ کی بعثت و ولادت اور نبوت و رسالت کے بارے میں) حضرت مازن بن عضوبہ طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سواد ابن قارب رضی اللہ عنہ اور انہی جیسے اور واقعے مشہور و معروف ہیں (2)۔

(جو اعجاز پر مشتمل ہیں) نبی اکرم ﷺ کے معجزات کا احاطہ نہ تو کسی کتاب میں سما سکتا ہے اور نہ ہی شمار کیا جا سکتا ہے، آپ کے معجزات شمار سے باہر ہیں (مذکورہ معجزات تو "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر تھے)۔

1۔ "حق آیا اور باطل گیا۔" پ ۱۵، بنی اسرائیل، آیت ۸۱

2۔ حضرت مازن طائی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ "عمان" میں ایک بت کے پجاری تھے، اور تھے لا اولاد، ایک دن حسبِ عادت بت کے آگے سرنگوں ہو کر حصولِ ولد کے لیے بت سے کہنے لگے تو بت نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی بشارت سنائی۔ آپ نے فوراً رختِ سفر باندھا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے بامراد ہو کر لوٹے۔ اسی طرح حضرت راشد بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ بھی "سواع" اور "ضماد" نامی بتوں کے بشارت سنانے اور شہادت دینے پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ بھی ایک جن کی بشارت دینے پر حاضر خدمت ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے تھے۔ یہ تمام مفصل واقعات علامہ یوسف نبہانی قدس سرہٗ کی مایہ ناز تصنیف "حجۃ اللہ علی العالمین" میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ عنقریب "مکتبہ حامدیہ" کی طرف سے اصحاب ذوق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز "شواہد النبوت" جامی اور "طیب الوردہ شرح قصیدہ البردہ" علامہ ابو الحسنات قادری قدس سرہٗ میں بھی یہ واقعات مفصلاً مذکور ہیں۔ ہر دو کا اردو ترجمہ مکتبہ حامدیہ سے طلب کریں۔

وصال شریف

نبی اکرم ﷺ چودہ دن بیمار رہنے کے بعد ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کی دوپہر کو ۶۳ برس یا اس سے کم و پیش کی عمر مبارک میں وصال فرما گئے (1)۔ اور بدھ کی شب میں دفن ہوئے۔

نزع کی کیفیت

بوقتِ سکرات آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا جس میں دستِ اقدس تر فرمانے کے بعد چہرۂ انور پہ ملتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔

"خدایا! موت کی تلخیوں پر میری مدد فرما۔"

(بعد از وفات) آپ کو (یمنی) سوتی چادروں سے ڈھانپ دیا گیا۔ بعض ائمہ نے فرمایا کہ فرشتوں نے آپ کو ڈھانپا تھا۔

وصال شریف کے وقت صحابہ کرام کا حال

آپ کے وصال مبارک سے سب صحابہ کرام سراسیمہ و پریشان ہو گئے۔ (جیسے معطل الحواس اور مسلوب العقل ہو (شیخ دہلوی قدس سرہ) چنانچہ اسی سراسیمگی کی بنا پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ کے وصال شریف سے انکار کر بیٹھے۔ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی قوتِ گویائی جاتی رہی۔ امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر اس طرح جم گئے کہ جنبش کی طاقت نہ رہی۔

استقامتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

وَلَمْ یَکُنْ فِیْھِمْ اَثْبَتُ مِنَ الْعَبَّاسِ وَاَبِیْ بَکْرٍ۔ (ص ۲۲۰)

"صحابہ کرام میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور شجاع حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے" (2)۔

(ہوش سنبھلنے پر جب غسل کا پروگرام طے ہوا تو) حاضرین نے حجرۂ مقدسہ کے دروازہ سے ایک آواز سنی: یہ "طاہر و مطہر ہیں انہیں غسل مت دو"۔

(مگر صحابہ کرام کے ازالہ شبہ کے لیے) پھر دوبارہ آواز آئی: انہیں غسل دو، کیونکہ پہلی آواز شیطانی

1۔ یوم وصال کی تعیین میں مدلل نوٹ امام نووی قدس سرہ کے فرمودات گرامی کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

2۔ شیخ محقق دہلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و استقامت پر اسی کیفیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ (مدارج)

تھی اور میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ اور صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے: ہر مرنے والے کا اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور ہر مشکل میں اللہ ہی صبر دینے والا ہے، اور ہر فوت ہونے والے کا کوئی نہ کوئی نائب بن ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اللہ پر اعتماد ہونا چاہیے اور اسی کی مہربانیوں کا امیدوار رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو ثواب سے محروم رہا وہی تو مصیبت زدہ ہے۔ (پھر) بوقتِ غسل شریف صحابہ میں اختلاف یہ ہوا کہ آیا آپ کو لباس مبارک سمیت غسل دیا جائے یا برہنہ کر کے۔ (اسی کیفیت واختلاف میں) اللہ جل مجدہٗ نے سب پر اونگھ طاری فرما دی کہ ناگاہ کسی نامعلوم کہنے والے نے یوں کہا کہ انہیں کپڑوں سمیت غسل دو۔ بعد ازاں آپ کو کپڑوں میں ہی غسل دیا گیا۔

غسال النبی ﷺ

آپ کو غسل دینے والے یہ نفوس قدسیہ تھے:

۱۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

۳۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم ﷺ کے آزاد فرمودہ غلام

۵۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ۔

علاوہ بریں حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔

دورانِ غسل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے بطنِ اطہر کو جب دبایا تو اس سے کوئی (دنیوی) شے بھی خارج نہ ہوئی۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کے حیات و ممات میں کتنی صفائی اور کس قدر خوشبو و لطافت ہے۔

آپ کا کفن شریف

نبی اکرم ﷺ کو اُن سِلے تین سفید سُوتی ''سحول''(1) کے بنے ہوئے کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔

1۔ حضرت امام ابنِ سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سحول'' یمن کے ایک قصبے کا نام ہے۔ امام ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ کے کفن شریف میں مختلف روایات مروی ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے ''مدارج النبوت'' میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کو دو صحاری (منسوب بقریہ صحار نی الیمن) کپڑوں میں کفنایا گیا تھا۔ واللہ اعلم

وَصَلّٰی عَلَیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ اَفْرَادًا لَمْ یَؤُمُّھُمْ اَحَدٌ۔

نمازِ جنازہ کی کیفیت

آپ پر نمازِ جنازہ بلا امامت فرداً فرداً سب مسلمانوں نے ادا کی۔

کیفیت تدفین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں جب قبرِ انور کھودنا طے پایا تو پھر صحابہ کرام میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ آیا آپ کی قبرِ انور بطریق لحد بنائی جائے یا بطریق (شامی) شق، اس وقت مدینہ منورہ کے دو حضرات قبر کھودنے کی مہارت رکھتے تھے، ایک حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ اول الذکر بطریق شق قبر بناتے تھے اور ثانی الذکر لحد بنانے کا تجربہ رکھتے تھے۔ آخرکار فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں میں سے جو پہلے یہاں پہنچ آئے تو اسی کے طریقہ پر قبر بنادی جائے۔ (آخر یہ سعادت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی کہ) پہلے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے لحد کھودی (لحد کی تیاری کے بعد) حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے (بحرین کی بنی ہوئی) سرخ مخملی چادر آپ کی قبرانور میں بچھادی۔ یہ چادر نبی کریم ﷺ نے شقران رضی اللہ عنہ کو اوڑھنے کے لیے عنایت فرمائی تھی۔ (شاید حضرت شقران نے ازراہِ ادب و تبرک اس چادر کو ابھی تک اوڑھا نہیں تھا)۔ واللہ اعلم

لحد شریف کا منہ بند کرنے میں نو (عدد) کچی اینٹیں استعمال کی گئیں۔ اسی حجرۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں نبی اکرم ﷺ کے پہلو مبارک میں امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آرام فرما ہیں۔

الامام العلامہ، شیخ الاسلام

ابو عبداللہ محمد بن الحاج عبدری (نسباً)

مالکی (مذہباً) رضی اللہ عنہ

کے

فرموداتِ گرامی

نبی اکرم ﷺ ماہِ ربیع الاول اور پیر کے دن کیوں تشریف لائے

امام ابن الحاج مالکی قدس سرہٗ (متوفّٰی ۷۳۷ھ) کے جواہرِ فرمودات سے ان کی تصنیف (بے عدیل) ''المدخل'' ہے۔ جس کی ایک فصل میں حضور سید عالم وعالمیان ﷺ کے ماہِ ربیع الاول اور پیر کے دن ورودِ مسعود کی وجہ وحکمت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ماہِ رمضان میں تشریف نہ لائے جبکہ اس ماہِ مبارک کے اور بھی خصائص وفضائل ہونے کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت وفضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں (بنی نوع انسان کے لئے مکمل اور آخری ضابطہءِ حیات) قرآن کریم کا نزول ہوا، نیز اس کی ایک شب ایسی ہے جس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور نہ ہی ماہِ محرم میں جس کی بزرگی وکرامت ابتدائے آفرینش سے برقرار ہے، تشریف آوری ہوئی۔

اور اسی طرح نہ شبِ برات میں (جو بے پایاں رحمتوں اور برکتوں کی حامل ہے) آپ ﷺ کی آمد ہوئی۔

اور نہ ہی آپ ﷺ شب جمعہ یا روز جمعہ (جو کہ ہر دو بے شمار برکات کے موجب ہیں) میں تشریف لائے۔

(آپ ﷺ کا مذکورہ ایام متبرکہ میں ولودِ مسعود کیوں نہ ہوا، اور ربیع الاوّل اور یومِ دوشنبہ کے ساتھ اختصاص کیوں ہوا؟) اس کی چار وجوہ ہیں:

وجہ اول

پہلی وجہ تو وہ ہے جو ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ۔ (ص ۲۲۲)

کہ اللہ جل مجدہٗ نے درخت دوشنبہ کے دن پیدا فرمائے۔ اور اس کی تخلیق میں ایک نہایت عمدہ اشارہ وانتباہ اس جانب ہے کہ اس دن اللہ جل شانہٗ نے وہ اشیاء پیدا کیں جن کے ساتھ انسان کی بقائے حیات وابستہ ہے اور سنت الہیہ بھی یہی ہے (کہ وہ اشیاء کو متعلق باسباب فرماتا ہے) مثلاً خوراک اور (اس کے اسباب) رزق، پھل، اور وہ چیزیں جو انسان کو غذا و دوا کا کام دیتی ہیں اور جن کے سہارے انسان جی سکتا ہے (اس دن) پیدا فرمائیں۔ لہٰذا جن اشیاء سے انسان کی بقا ہے انہیں پا لینے کے بعد ان کی رویت سے ہی انسان کے دل میں خوشی، مسرت، اطمینان وتسکین کی لہر دوڑ آتی ہے

جل مجدہٗ کے ہاں آپ کے اعلیٰ وارفع منصب ومقام کی جانب بھی واضح اشارہ پایا جاتا ہے (کہ جس طرح فصلِ بہار کی ہریالی انسان کے لیے پیغامِ مسرت ونویدِ نعم لے کر آتی ہے یونہی) اسی موسم بہار میں حضور سید عالم ﷺ بھی سراپا مسرت ورحمت بن کر تشریف لائے۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کے لیے نہ صرف نوید جانفزا ہیں بلکہ مہلکاتِ دینیہ وآفاتِ دنیویہ میں ان کے حامی وناصر بھی ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ماسوی اللہ کے لیے سراپا رأفت ورحمت ہیں۔ حتیٰ کہ کافر بھی آپ کی اسی رحمت کے سبب دنیوی عذاب میں ابتلاء سے مامون ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک کہ اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

اور حمایت ونصرت، رأفت ورحمت کا استحقاق مسلمانوں کے لیے بدیں وجہ ہے کہ یہ آپ کے پیروکار ہیں۔ اور سب خوبیاں تو آپ کی اتباع میں ہیں۔ اور (یہ مسلمہ امر ہے کہ) انبیاء کرام علیہم السلام کے سنن کی پیروی، اور اوامر کے امتثال اور شیطان اور اس کے پیروکاروں کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے باب کھل جاتے ہیں۔ (شیاطین کی مخالفت سے تو خصوصی نعمتوں کا ورود ہوتا ہے مثلاً) کیا تجھے معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس کائناتِ رنگ وبو کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تو آپ کے ورودِ مسعود کی بدولت زمین شیاطین سے خالی ہوگئی تھی اور ابلیس لعین کو اپنی جماعت سمیت زمین کے ساتویں طبقہ تک کہیں بھی قرار نصیب نہ ہوا تھا دعا ہے کہ ہم سب زمین کو شیطان اور اس کی ذریت سے خالی پائیں۔ (آمین)۔

اور ماہِ رمضان میں بموجب ارشادِ حدیث، اگرچہ تمام شیاطین مقید ہوتے ہیں۔ لیکن اس قید سے ان کا تمام زمین سے انخلا مستلزم نہیں، جبکہ یوم میلاد شریف میں زمین ساتویں طبقہ تک شیاطین سے پاک تھی۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ خداوندی میں عظمت ورفعت معلوم ہوتی ہے نیز اسی سے آپ کے متبعین کا اعزاز واکرام بھی آشکارا ہے۔

ایک شبہ

اگر یہ کہا جائے کہ پورے رمضان میں شیاطین مقید رہتے ہیں جبکہ یوم میلاد میں صرف ایک دن کی تقیید معلوم ہوتی ہے۔

ازالہ شبہ

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یوم مولد النبی ﷺ میں شیاطین زمین کے ساتویں طبقہ میں ہی محصور ہوتے ہیں اور یہ ایک دن کا تقید واحصار بھی تمام رمضان کے تقید سے برتر ہے۔اس لیے کہ اس قید سے فقط پابندی ہی مقصود نہیں بلکہ اس وقت کی بزرگی وکرامت بھی مطلوب ہے کہ جس میں زمین اللہ کے دشمنوں سے خالی ہوئی تھی۔سمجھدار کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور اللہ ہی سمجھ وعقل کی توفیق دینے والا ہے۔

(جب یہ واضح ہو گیا کہ) فصل بہار میں رزق کی برکات اور دیگر نعمتوں کی فراوانی ہوتی ہے۔اور (یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی اجل نعمتوں، اور اعظم برکتوں میں سے نبی اکرم ﷺ کی ذات بافیوضات ہے تو اس نعمت کی اعطاء کی بدولت اللہ جل مجدہٗ نے بندوں پر احسان فرمایا ہے کہ اسی نعمت کے طفیل انہیں سیدھی راہ کی توفیق ملی۔

میں اللہ جل مجدہٗ سے ملتجی ہوں کہ خداوندا! ہمیں اپنے فضل وعنایت سے اس نعمت کی برکات کی عرفان عطا فرما، اور ہمیں اپنے لطف وکرم سے دین ودنیا اور آخرت میں اس نعمتِ عظمیٰ کی پیروی سے بہرہ ور فرما۔خدایا تیرے سوارب کوئی نہیں۔اور اس نعمت جیسی مربی کوئی ذات نہیں۔آمین

وجہ سوم

موسم ربیع میں آپ کی تشریف آوری گویا آپ کی شریعتِ بیضاء کے مشابہ ہے۔(مثلاً) موسمِ بہار تمام موسموں سے عمدہ اور معتدل ہوتا ہے کہ اس میں نہ ہی تو پریشان کُن گرمی ہوتی ہے اور نہ نقطہ انجماد تک پہنچنے والی سردی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے شب وروز میں طول واختصار پایا جاتا ہے بلکہ سبھی میانہ درجہ پر ہوتے ہیں۔اور (یہ امر تو نہایت مبین ہے کہ) موسم بہار کے فصل نقصان دہ بیماریوں، اور علل و عوارض سے بہ نسبت پت جھڑ کا موسم کے (مکمل) محفوظ ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانی جسم بھی ان امراض سے جو موسم خزاں میں متوقع ہوتے ہیں، بچے رہتے ہیں نیز جس طرح موسم بہار میں انگوریاں اپنے پورے زور کے ساتھ باہر آتی ہیں یونہی اس موسم میں انسانی مزاج میں نشاط، طبیعت میں فرحت اور بدن میں درستگی بھرپور عود کر آتی ہے۔مطلب یہ کہ جس طرح قوائے انسانی کے اسباب میں قوت و طاقت اپنے شباب پر ہوتی ہے۔اسی طرح انسانی ابدان میں بھی قوت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ (اللہ والے) اس موسم میں شب میں بیداری، اور دن میں روزہ داری سے ایک خاص لذت وسرور پاتے ہیں۔کیونکہ جیسا ابھی ابھی گزر چکا کہ موسم بہار کے لیل ونہار میں نہ ہی تو موسمِ گرما کے ایام، اور شبہائے سرما کا طول ہوتا ہے اور نہ ہی شب ہائے گرما اور ایامِ سرما کا اختصار ہوتا ہے اور نہ ہی

جھلسادینے والی حرارت اور ٹھٹھرا دینے والی ٹھنڈک ہوتی ہے بلکہ ہر شئے میں اعتدال و توسط ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

تو ماہِ ربیع شریف میں آپ کی آمد آپ کی شریعت کے مشابہ ہے یعنی جس طرح نبی اکرم ﷺ کی شریعتِ بیضاء سہلہ میں میانہ پن ہے کہ نہ تو اس میں پہلی شریعتوں جیسی بہت سختیاں ہیں اور نہ انتہائی نرمیاں۔ اسی طرح موسم ربیع (جو تمام موسموں سے متوسط ہے) میں آپ کے ولودِ مسعود سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے ہر معاملہ میں توسط ہی توسط ہے۔ آپ کی شریعت کے توسط و اعتدال پر قرآنِ کریم یوں ناطق ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ (اعراف:157)

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت و انجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا، اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا، اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا، اور ان پر وہ بوجھ(1) اور گلے کے پھندے(2) جو اُن پر تھے اتارے گا''۔

وجہ چہارم

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو ماہِ ربیع الاول میں تخلیق فرما کر یہ بتایا کہ زمان و مکان کی خوبیاں و بزرگیاں آپ ہی کے وجودِ بابرکات سے وابستہ ہیں نہ یہ کہ کسی جگہ یا کسی وقت کی خوبی سے آپ کو خوبیاں ملی ہیں بلکہ وہ جگہ اور وہ وقت کہ جس میں آپ جلوہ افروز ہو گئے وہ سب زمان و مکان سے بڑھ کر بابرکت ہو گیا۔

اگر آپ کا ولودِ مسعود ماہِ محرم، یا شعبان، یا رمضان، یا شبِ جمعہ، یا یومِ جمعہ میں ہوتا تو بظاہر کوئی وہمی

1۔ یعنی سخت تکلیفیں جیسے توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا، مال کا چوتھائی حصہ بطورِ زکوۃ نکالنا، وضو کی جگہ تیمم نہ کر سکنا، صرف معابد و مساجد میں ہی عبادت کا جائز ہونا وغیرہا۔

2۔ یعنی مشقت انگیز احکام، جیسے اموالِ غنائم کا جلا دینا، جسم یا کپڑے کے ناپاک حصہ کو قینچی سے کاٹ ڈالنا، گناہوں کا مکانوں کے دروازوں پر ظاہر ہونا، وغیرہ، مذکورہ تمام تکالیف و احکام شاقہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت میں نہیں ہیں یہ تمام مصائب آپ کی برکت سے ہی دور ہوئے۔

کہہ سکتا تھا کہ آپ کو ان (مذکورہ) اوقات سے یہ بزرگیاں و خوبیاں ملی ہیں۔ بدیں وجہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ کا میلاد مبارک ان مذکورہ اوقاتِ مبارکہ کے علاوہ رکھا تا کہ اللہ کے ہاں آپ کا جو مرتبہ و مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کے جو الطاف و انعامات آپ پر ہیں، واضح ہو جائیں۔ اس سے پہلے (المدخل میں) آپ کے کلام شریف میں گزر چکا ہے کہ کسی نے آپ سے دوشنبہ کے دن روزہ رکھنے کے بارہ میں جب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا (اس لیے کہ) اس دن میری ولادت ہوئی تھی۔

جب یوم دوشنبہ کو اپنی ولادت کی آپ نے خود وضاحت فرمادی تو اسی سے اس دن کے "اور جس مہینہ کا یہ دن تھا" فضائل بھی معلوم ہو گئے کہ اس مہینہ کے اس دن کو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا اختصاص حاصل ہے (اور یہی سب سے بڑی فضیلت ہے)

یومِ دوشنبہ جمعہ سے کیوں برتر ہے؟

(جمعہ کے دن میں خوبیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے) جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی بھی ہے کہ جس میں اللہ عزوجل سے جو مانگا جائے، وہی ملتا ہے۔ (اب وہ ساعت کون سی ہے؟ سو اس کی تعیین میں مختلف آراء و اقوال ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جسے) امام ابوبکر فہری المعروف بہ طرطوشی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ گھڑی عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک کی ہے۔

۱۔ اس دعویٰ کی تائید میں رئیس العلماء امام طرطوشی قدس سرہٗ اپنی کتاب میں صحیح مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث پیش فرماتے ہیں۔

۲۔ نیز اپنی کتاب میں امام طرطوشی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روزِ جمعہ کو اس کی آخری گھڑیوں میں جو عصر سے غروبِ آفتاب تک ہیں، پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ سب سے پہلے دنیا میں رہنے والے یہی ہیں۔ اور (بعد از ہبوط) انہی سے پہلا خطاب ہوا تھا۔ (یعنی تلقینِ کلمات برائے تضرع) کیونکہ پکار مکان والے کی ہوتی ہے نہ کہ مکان کی۔

۳۔ نیز امام طرطوشی قدس سرہٗ (اپنے اس دعویٰ کی تائید میں) فرماتے ہیں کہ سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جمعہ کے دن نمازِ عصر پڑھ لینے کے بعد قبلہ رُو ہو کر ذکر اور دعا میں مشغول ہو جاتی تھیں۔ اور اس وقت میں کسی سے گفتگو نہیں فرمایا کرتی تھیں۔ اور موصوفہ اس کی وجہ یہ بیان فرمایا کرتیں کہ "قبولیتِ دعا کی یہی ساعت ہے" اور اپنے اس ارشاد کو اپنے والد گرامی حضور سید عالم ﷺ کی طرف منسوب فرمایا کرتی تھیں۔

یومِ جمعہ کی وہ گھڑی کہ جس میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے جب اس کا یہ عالم ہے کہ اس میں جو

مانگا جائے اللہ تعالیٰ وہی عطا فرماتا ہے لہٰذا یقیناً وہ ساعت کہ جس میں سید عالم ﷺ کا ولود مسعود ہوا، اس میں بھی مانگنے والا (بدرجہ اولیٰ) اپنی مراد کو پالیتا ہے۔ اس لیے کہ ساعتِ جمعہ میں بزرگی محض اس لیے آئی کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ لمحہ اور وہ ساعت کہ جس میں سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوں اس کی بزرگی وشرف کا کیا عالم ہوگا؟ (اور وہ لازماً اپنے ماسوا سے برتر ہے) جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

"میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور مجھے (اس حقیقت کے اظہار میں) کوئی فخر (مقصود) نہیں"۔

نیز فرمایا:

آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ۔

"حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سبھی میرے ہی جھنڈے تلے ہوں گے۔ انتہٰی(1)"

یومِ دوشنبہ کے بزرگ ہونے کی دوسری وجہ

یومِ دوشنبہ ہر قسم کے یمن و برکت، امن و امان سے لبریز اور ہر قسم کے عتاب وعقاب سے محفوظ ہے۔ جبکہ روزِ جمعہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اسی میں سیدنا آدم علیہ السلام بطورِ عتاب جنت سے بسوئے زمین نکالے گئے۔ اور شدید ہولناکیوں سے پُر یومِ قیامت بھی اسی دن برپا ہوگا۔

ایک شُبہ

اگر کہا جائے کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ، خطبہ جمعہ اور دیگر (ان) امور سے (جو زیادتیِ اعمال وثواب کا باعث ہیں) مخصوص ہے (جبکہ یہ باتیں پیر کے دن میں مفقود ہیں)

جوابِ شُبہ

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ امتثال واطاعت امت کے حق میں تخفیف شدہ ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے حدِ اعتدال سے متجاوز امور کا اس امت کو مکلف بنایا ہے۔ اس لیے اللہ جل مجدہٗ نے جس دن کو نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف سے سرفراز فرمایا تو اس دن میں زیادتیِ اعمال کا آپ کی امت کو مکلف بھی نہ بنایا۔ ان امور کی نبی اکرم ﷺ کے

1۔ "انتہٰی" یعنی کلام ابوبکر طرطوشی قدس سرہٗ

اعزاز کی خاطر، اور آپ کے وجود مبارک کے طفیل آپ کی امت سے تخفیف فرمائی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے"۔

نبی اکرم ﷺ سب جہاں کے لیے عام طور، اور اپنی امت کے لیے خاص طور پر رحمت ہیں، اور اس رحمت کی ایک قسم عدمِ تکلیف بھی ہے۔

یوم دوشنبہ کے افضل ہونے کی تیسری وجہ

امام ابوعبدالرحمان صقلی قدس سرہٗ "کتاب الدلالات" میں ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مکرم اور آپ کی امت سے زیادہ محبوب کسی کو بھی پیدا نہیں فرمایا۔ آپ کے بعد پھر سب انبیاء کرام، پھر سب صدیق، پھر سب اولیاء کرام کو خلعت تکریم سے سرفراز فرما کر تخلیق فرمایا۔ جس کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ ﷺ قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ بِاَلْفَىْ عَامٍ وَجَعَلَهٗ فِىْ عُمُوْدٍ اَمَامَ عَرْشِهٖ يُسَبِّحُ اللّٰهَ وَيُقَدِّسُهٗ ثُمَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَخَلَقَ نُوْرَ النَّبِيِّيْنَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ نُوْرِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔اھ(1)۔

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے نورِ محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا اور اسے عرش کے سامنے ایک (نورانی) ستون میں رکھا، جہاں نور محمدی ﷺ اللہ جل مجدہٗ کی توصیف و ستائش کرتا رہا، پھر (دو ہزار سال بعد) اسی نور محمدی ﷺ سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کے نور سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔"

نیز اسی مضمون و مفہوم کی تائید کو فقیہہ ابو ربیع الخطیب قدس سرہٗ کی تصنیف کتاب "شفاء الصدور" سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے چند نہایت عظیم الشان، جلیل القدر باتیں روایت کی ہیں۔ چنانچہ انہی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

اِنَّهٗ لَمَّا شَآءَ الْحَكِيْمُ خَلْقَ ذَاتِهٖ ﷺ الْمُبَارَكَةِ الْمُطَهَّرَةِ اَمَرَ سُبْحَانَهٗ

1۔ الی آخرہ من کلام امام ابوعبدالرحمان صقلی قدس سرہٗ

وَتَعَالٰی جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ یَّنْزِلَ اِلَی الْاَرْضِ وَاَنْ یَّأْتِیَهٗ بِالطِّیْنَةِ الَّتِیْ هِیَ قَلْبُ الْاَرْضِ وَبَهَاءُ هَا وَنُوْرُهَا قَالَ فَهَبَطَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَمَلٰٓئِکَةُ الْفِرْدَوْسِ وَمَلٰٓئِکَةُ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی وَقَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ مَّوْضِعِ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهِیَ بَیْضَآءُ مُنِیْرَةٌ فَعُجِنَتْ بِمَآءِ التَّسْنِیْمِ وَغُمِسَتْ فِیْ مَعِیْنِ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ حَتّٰی صَارَتْ کَالدُّرَّةِ الْبَیْضَآءِ وَلَهَا نُوْرٌ وَشُعَاعٌ عَظِیْمٌ حَتّٰی طَافَتْ بِهَا الْمَلٰٓئِکَةُ حَوْلَ الْعَرْشِ وَحَوْلَ الْکُرْسِیِّ وَفِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَفِی الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ فَعَرَفَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ وَجَمِیْعُ الْخَلْقِ مُحَمَّدًا ﷺ وَفَضْلَهٗ قَبْلَ اَنْ تَعْرِفَ آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَضَعَ فِیْ ظَهْرِهٖ قَبْضَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ آدَمُ فِیْ ظَهْرِهٖ نَشِیْشًا کَنَشِیْشِ الطَّیْرِ، فَقَالَ آدَمُ یَا رَبِّ مَا هٰذَا النَّشِیْشُ قَالَ هٰذَا تَسْبِیْحُ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْ اُخْرِجُهٗ مِنْ ظَهْرِکَ فَخُذْهُ بِعَهْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَلَا تُوْدِعْهُ اِلَّا فِی الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ فَقَالَ آدَمُ یَا رَبِّ قَدْ اَخَذْتُهٗ بِعَهْدِکَ وَمِیْثَاقِکَ وَلَا اُوْدِعُهٗ اِلَّا فِی الْمُطَهَّرِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُحْصَنٰتِ مِنَ النِّسَآءِ، فَکَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ ﷺ یَتَلَأْلَأُ فِیْ ظَهْرِ آدَمَ وَکَانَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ تَقِفُ خَلْفَهٗ صُفُوْفًا یَنْظُرُوْنَ اِلٰی نُوْرِهٖ ﷺ وَیَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اِسْتِحْسَانًا لِمَا یَرَوْنَ، فَلَمَّا رَاٰی آدَمُ ذٰلِکَ قَالَ اَیْ رَبِّ مَا بَالُ هٰؤُلَآءِ یَقِفُوْنَ خَلْفِیْ صُفُوْفًا فَقَالَ الْجَلِیْلُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی لَهٗ یَاآدَمُ یَنْظُرُوْنَ اِلٰی نُوْرِ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْ اُخْرِجُهٗ مِنْ ظَهْرِکَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ اَرِنِیْهِ فَاَرَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ فَآمَنَ بِهٖ وَصَلّٰی عَلَیْهِ مُشِیْرًا بِاِصْبَعِهٖ وَمِنْ ذٰلِکَ الْاِشَارَةُ بِالْاِصْبَعِ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فِی الصَّلَاةِ، فَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا النُّوْرَ فِیْ مُقَدَّمِیْ کَیْ تَسْتَقْبِلَنِیْ الْمَلٰٓئِکَةُ وَلَا تَسْتَدْبِرَنِیْ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرَ فِیْ جَبْهَتِهٖ فَکَانَ یُرٰی فِیْ غُرَّةِ آدَمَ مُنِیْرًا کَدَائِرَةِ الشَّمْسِ فِیْ دَوَرَانِ فَلَکِهَا اَوْ کَالْبَدْرِ فِیْ تَمَامِهٖ

وَكَانَتْ الْمَلٰئِكَةُ تَقِفُ اَمَامَهٗ صُفُوْفًا يَنْظُرُوْنَ اِلٰى ذَالِكَ النُّوْرِ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّنَا اِسْتِحْسَانًا لِمَا يَرَوْنَ ثُمَّ اِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا النُّوْرَ فِيْ مَوْضِعٍ اَرَاهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ ذَالِكَ النُّوْرَ فِيْ سَبَابَتِهٖ فَكَانَ آدَمُ يَنْظُرُ اِلٰى ذَالِكَ النُّوْرِ ثُمَّ اِنَّ آدَمَ قَالَ يَا رَبِّ هَلْ بَقِيَ مِنْ هٰذَا النُّوْرِ شَيْئٌ فِيْ ظَهْرِيْ فَقَالَ نَعَمْ بَقِيَ نُوْرُ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَيْ رَبِّ اجْعَلْهُ فِيْ بَقِيَّةِ اَصَابِعِيْ فَجَعَلَ نُوْرَ اَبِيْ بَكْرٍ فِي الْوُسْطٰى وَنُوْرَ عُمَرَ فِي الْبِنْصَرِ وَنُوْرَ عُثْمَانَ فِي الْخِنْصَرِ وَنُوْرَ عَلِيٍّ فِي الْاِبْهَامِ، فَكَانَتْ تِلْكَ الْاَنْوَارُ تَتَلَأْلَأُ فِيْ اَصَابِعِ آدَمَ مَا دَامَ فِي الْجَنَّةِ فَلَمَّا صَارَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اِنْتَقَلَتِ الْاَنْوَارُ مِنْ اَصَابِعِهٖ اِلٰى ظَهْرِهٖ۔ اھ (ص۲۲۶)

''جب اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ومطہرہ کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو جبریل امین کو زمین میں اترنے کا حکم فرمایا اور زمین کی وہ مٹی لانے کا حکم دیا جو زمین کا دل ہو، اور زمین کی تر وتازگی اور زینت ہو۔ راوی نے کہا کہ حسب حکم پروردگار جبریل امین تمام مقربین اور جنت کے تمام فرشتوں کو ہمراہ لے کر زمین پر اترے اور نبی اکرم ﷺ کی تربت شریف کی جگہ سے سفید چمکیلی مٹی کی ایک مشت حاصل کی اور پھر اسے تسنیم کے پانی سے گوندھا گیا اور بعدا اسے جنتی نہروں میں ڈ بکیاں دی گئیں، جس سے وہ سفید موتی کی طرح ایسی چمکدار بن گئی کہ جس کی روشنی اور کرنیں ہر لحاظ سے بڑی تھیں۔ پھر اس نورانی مادہ کو فرشتے عرش وکرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، دریاؤں میں (برس ہا برس) پھراتے رہے حتیٰ کہ فرشتوں سمیت تمام مخلوق نے نبی اکرم ﷺ کی بلند وبالا ذات اور آپ کے رفیع الشان مقام کو آدم علیہ السلام کے عرفان سے کہیں پہلے پہچان لیا۔ پھر جب اللہ جل مجدہٗ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو نبی اکرم ﷺ کے اس نورانی مادہ کو آدم علیہ السلام کی پشت اقدس میں رکھ دیا۔ (جب اس نور معظم کو پشتِ آدم علیہ السلام میں رکھ دیا گیا) تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت مبارک سے (اس نورانی مادہ کی) پرندوں کے چہچہانے جیسی آواز سنی۔ اس پر آدم علیہ السلام عرض گزار ہوئے، پروردگارا (میری پیٹھ میں) یہ چہچہاہٹ کیسی ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا (اے

آدم) یہ آواز خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کی تسبیح ہے جنہیں میں تیری پشت سے نکالوں گا۔ اے آدم! آپ اس نور کے حق میں مجھ سے عہد و پیمان کرلیں کہ آپ انہیں صرف پاک رحموں میں ہی منتقل کریں گے۔ آدم علیہ السلام عرض کناں ہوئے، خداوندا! میں نے تیرا عہد و پیمان لیا کہ میں اس نور محمدی ﷺ کو پاک پشتوں اور پارسا رحموں کو ہی سپرد کروں گا۔ چنانچہ نور محمدی ﷺ آدم علیہ السلام کی پشت اقدس میں چمکتا تھا اور فرشتے نور محمدی ﷺ کے دیدار کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام کے پسِ پشت صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ اور نور محمدی ﷺ کا نظارہ کروانے پر اللہ جل مجدہٗ کا ''سبحان اللہ'' کہہ کر شکریہ ادا کرتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے یہ منظر ملاحظہ فرمایا تو عرض گزار ہوئے پروردگار! کیا وجہ ہے کہ یہ فرشتے میرے پسِ پشت (تو) صف بستہ کھڑے رہتے ہیں (مگر میرے آگے نہیں آتے) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: آدم! یہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو دیکھتے ہیں جنہیں میں تیری پشت سے نکالوں گا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! وہ نور مجھے بھی دکھادے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کی عرض پر انہیں وہ نور دکھایا تو آپ نے اپنی انگشت سے اشارہ کرتے ہوئے اس نور پر درود شریف پڑھا۔ نماز میں بوقتِ تشہد انگلی سے اشارہ کرنے کی اصل یہی ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام عرض کناں ہوئے: خداوندا! یہ نور میرے سامنے فرمادے تاکہ فرشتے میری پشت کی بجائے میرے آگے رہیں۔ پھر اللہ عزوجل نے نور محمدی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھ دیا جہاں وہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں اس طرح چمکتا تھا جیسے آفتاب و ماہتاب آسمان میں چمکتے ہیں۔ اب فرشتے اس نور انور ﷺ کے نظارہ کی خاطر آدم علیہ السلام کے سامنے صف بستہ کھڑے رہتے، اور اس دیدار کے شکریہ میں ''سبحان اللہ ربنا'' پکارتے رہتے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام عرض پرداز ہوئے: خدایا! اس نور کو ایسی جگہ منتقل فرما جہاں میں بھی اسے دیکھتا رہوں۔ آدم علیہ السلام کی عرض پر اللہ تعالیٰ نے اس نور ازہر کو آدم علیہ السلام کی انگشتِ شہادت میں منتقل فرمادیا جہاں آپ اس نور کی زیارت فرماتے رہتے تھے۔ پھر آدم علیہ السلام پکارے: خدایا! کیا اس نور میں سے کچھ میری پیٹھ میں رہ بھی گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، ابھی اس نور محمدی ﷺ کے صحابہ کا نور باقی ہے۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: خداوندا! باقی ماندہ نور

بھی میری دوسری انگلیوں میں منتقل فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نور آدم علیہ السلام کی درمیانی انگلی میں، اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نور اس کے ساتھ والی انگلی میں اور حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا نور چھنگلیا میں، اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا نور آدم علیہ السلام کے انگوٹھے میں منتقل فرما دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جب تک جنت میں قیام فرما رہے تو یہ سب نور آپ کی انگلیوں میں چمکتے رہے۔ پھر جب آپ زمین میں خلیفہ منتخب ہوئے تو وہ تمام انوار دوبارہ آپ کی پشت اقدس میں منتقل ہو گئے"۔

اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسی روایت کی طرح فقیہ ابوربیع الخطیب قدس سرہ نے اپنی کتاب (لاجواب) "شفاء الصدور" میں یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ:

اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرُ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاَقْبَلَ ذَالِکَ النُّوْرُ يَتَرَدَّدُ وَ يَسْجُدُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَقَسَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی اَرْبَعَةِ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْعَرْشَ وَمِنَ الثَّانِیْ اَلْقَلَمَ وَمِنَ الثَّالِثِ اللَّوْحَ ثُمَّ قَالَ لِلْقَلَمِ اِجْرِ وَاكْتُبْ فَقَالَ يَارَبِّ مَا اَكْتُبُ قَالَ مَا اَنَا خَالِقُهُ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَجَرَیٰ الْقَلَمُ عَلَی اللَّوْحِ وَكَتَبَ حَتّٰی اَتٰی عَلٰی آخِرِ هَا اَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وسُبْحَانَهُ بِهٖ وَاَقْبَلَ الْجُزْءُ الرَّابِعُ يَتَرَدَّدُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَيَسْجُدُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَسَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْعَقْلِ وَمِنَ الثَّانِی اَلْمَعْرِفَةَ وَاَسْكَنَهَا فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ وَ مِنَ الْجُزْءِ الثَّالِثِ نُوْرَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَنُوْرَ الْاَبْصَارِ وَالْجُزْءُ الرَّابِعُ جَعَلَهُ اللّٰهُ حَوْلَ الْعَرْشِ حَتّٰی خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَسْكَنَ ذَالِکَ النُّوْرَ فِيْهِ۔

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے (بلاواسطہ) اپنے حبیب ﷺ کا نور پیدا کیا جو ذات خداوندی کے سامنے مسلسل سجدہ ریز رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے نور محمدی ﷺ کے چار حصے بنائے۔ ایک حصہ سے عرش، دوسرے حصے سے قلم، تیسرے سے لوح (تختی)، کو بنایا۔ اس کے بعد اللہ جل مجدہ نے قلم کو حکم فرمایا کہ لوح پر رواں ہو اور لکھ۔ قلم نے عرض کیا: کیا

لکھوں؟ فرمایا: وہ لکھو جسے میں قیامت تک ہونے والی ہر شے پیدا کروں گا۔ پھر قلم نے لوح پر روانی سے وہ سب کچھ لکھ دیا جس کا اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا تھا(1) اور یہ چوتھا حصہ مسلسل ذاتِ خداوندی کے سامنے سجدہ کناں رہا، پھر اس چوتھے حصہ کے بھی چار حصے بنائے گئے۔ پہلے حصہ سے عقل، دوسرے حصہ سے مومن بندوں کے دلوں کی معرفت اور تیسرے حصہ سے چاند، سورج اور آنکھوں کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس چوتھے حصہ کو عرش کے سامنے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک نورانی ستون میں) رکھا، پھر (اسی نور سے) آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر وہ چوتھا حصہ نور آدم علیہ السلام میں بطور ودیعت رکھا"۔

تخلیق عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ نور محمدی ﷺ ہی ہے

فَنُوْرُ الْعَرْشِ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَنُوْرُ الْقَلَمِ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَنُوْرُ اللَّوْحِ مِنْ نُوْرِهٖ ﷺ، وَنُوْرُ النَّهَارِ مِنْ نُوْرِهٖ ﷺ وَنُوْرُ الْعَقْلِ مِنْ نُوْرِهٖ ﷺ، وَنُوْرُ الْمَعْرِفَةِ، وَنُوْرُ الشَّمْسِ، وَنُوْرُ الْقَمَرِ، وَنُوْرُ الْاَبْصَارِ مِنْ نُوْرِهٖ ﷺ۔ اھ(2) (ص ۲۲۶)

"لہٰذا عرشِ اعظم کا نور آپ کے نور سے، قلم کا نور، لوح کا نور، دن کا نور، عقل کا نور، عرفان کا نور، آفتاب و ماہتاب کا نور، اور نورِ عین سبھی آپ کے ہی نورِ معظم کا پرتو ہیں(3)"۔

1۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے علم ما کان و ما یکون کے اثبات کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تمام کمالات و علوم کے تو آپ ہی ذریعہ ہیں، نیز یہ تمام کمالات تو آپ کے سامنے تیار ہوئے۔ آپ ہی قاسم علم و معلومات اور اس کا منبع ہیں۔

2۔ الیٰ آخرہٖ من کلام الفقیہ ابو ربیع الخطیب قدس سرہٗ۔

3۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ۔

تو اصلِ وجود آمدی از نخست ۔۔۔ دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

مشہور عارف حضرت میاں محمد بخش صاحب قدس سرہٗ (آزاد کشمیر) نے اسی مفہوم کا یہ تخیل پیش فرمایا ہے: ۔

نور محمد روشن آہا آدم جدوں نہ ہویا ۔۔۔ اوّل، آخر دوہیں پاسیں اوہو مل کھلویا
کرسی، عرش نہ لوح، قلم سی نہ سورج، چن، تارے ۔۔۔ تدوں وی نور محمد والا دیندا سی چمکارے

(سیف الملوک)

یہی مفہوم حضرت ملا جامی قدس سرہٗ اس طرح ادا فرماتے ہیں: ۔

وصلی اللہ علی نور کز و شد نورہا پیدا ۔۔۔ زمین از حب اُو ساکن، فلک در عشق اُو شیدا
محمد، احمد و محمود وے خالقش بستود ۔۔۔ کز و شد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا

(کلیاتِ جامی)

اسی (اولیت) کی بناء پر جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام (اظہارِ حقیقت کے طور پر) آپ سے یوں گویا ہوئے تھے:

یَا اَبَاہُ مَعْنًایَ یَا ابْنَ صُوْرَتِیْ۔

''اے وہ ذات ستودہ صفات جو حقیقتاً تو میرے والد ہیں اور ظاہراً میرے بیٹے ہیں۔''

تخلیقِ مکوّنات سے قبل ہی آپ وصفِ نبوّت سے بھی سرفراز تھے

وَقَدْ رَوٰی التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ، قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ص۲۲۶)

''امام الائمہ ترمذی قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایک دن) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کی نبوت کب سے ثابت ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم میں تھے (یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح نے ان کے جس سے تعلق نہ پکڑا تھا)''۔

مذکورۃ الصدر مضمون پر مشتمل روایات بکثرت ہیں جسے دیکھنے کا شوق ہو اسے چاہیے کہ فقیہہ ابوربیع الخطیب قدس سرہٗ کی تصنیف کتاب ''شفاء الصدر'' کا مطالعہ کرے(1)۔

اوقات کی بزرگیاں، زمان ومکاں کی خوبیاں، آپ ہی کی برکات کا نتیجہ ہیں

(مذکورہ مفہوم سے جب یہ عیاں ہو گیا کہ مکوّنات عُلوی، سُفلی اور ساری کائنات کے واسطہ و ذریعہ آپ ہی ہیں، اور تمام کثرتیں آپ ہی کے وحدت نور کا پرتو ہیں)

تو اگر چہ رمضان شریف لیلۃ القدر کی فضیلت سے مختص ہے۔ اور لیلۃ القدر کی بزرگی زبان زدِ عوام ہے، نیز اس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت کے مُساوی، اور اس میں آئندہ سال ہونے والے اہم امور کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ یونہی علاوہ رمضان کے کسی بھی ماہ میں لیلۃ القدر کی عبادت سے بھی زیادہ مشقت عبادت (اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر) راہِ خدا میں جہاد کرنا بھی ہے۔

(اور نیز شبِ برأت کی بزرگی، ماہِ محرم کی عظمت، شب جمعہ اور یومِ جمعہ کی فضیلت اپنی اپنی جگہ مسلّم ہے) مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں ان ماہ وایام کی بزرگیاں کیوں کر معلوم ہوئیں تو ظاہر بالبداہت یہی

1۔ اسی مفہوم پر مشتمل امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قصیدہ مبارکہ بھی دیدنی ہے۔

ہے کہ ان اوقات کی عظمتیں ہمیں نبی اکرم ﷺ کے بتانے سے ہی معلوم ہوئی ہیں۔لہٰذا ماہ ربیع الاول اور یومِ دوشنبہ اور شبِ دوشنبہ کی عظمتیں بھی اسی بات سے عیاں تر ہو گئیں کہ اس ماہِ مقدس میں، اور اس دن میں وہ تشریف لائے کہ جن کے باعث مذکورہ اوقات کو بزرگیاں ملی ہیں(1)۔(اور اگر وہ نہ ہوتے تو ماہِ رمضان اور اس کی عظمتیں کہاں ہوتیں)

یومِ دوشنبہ کیوں افضل ہوا

(ماہِ ربیع الاول شریف اور یومِ دوشنبہ مبارک کیوں کر افضل نہ ہو جبکہ) اس ماہِ مکرم اور یومِ سعید میں تشریف لانے والے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم:

۱۔دائرۂ کائنات کا محور ہیں جس پر تمام ممکنات کا پاٹ گھوم رہا ہے۔

۲۔آپ موجودات کی تخلیق کا باعث ہیں۔

۳۔آپ ہی کی برکات کا ثمرہ اوقات کی بزرگیاں ہیں۔

۴۔آپ ہی کے طفیل امت لیلۃ القدر کی عظمت سے مختص اور باخبر ہوئی۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں سے افضل کونسا ہے؟

فاروقی عقیدہ

ہمارے اس بیان کی تائید امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والے اس مناظرہ سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے تحکمًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر واشگاف الفاظ میں واضح فرما دیا تھا کہ جہاں رسول اللہ ﷺ فروکش ہوں بزرگیاں بھی وہاں ہی ہیں۔لہٰذا مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے (چنانچہ اس مناظرہ کی تفصیل یوں ہے کہ) امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نظریہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے برتر ہے تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا کہ آیا آپ کا ایسے ہی کہنا ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے۔تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں، کیوں نہیں، جبکہ اس میں اللہ کا گھر ہے، اور اس کا حرم ہے، اور اس میں سلامتی ہے۔اس پر حضرت امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے (ذرا درشت لہجہ میں) فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر اور امن و سلامتی میں

1۔معلوم ہوا کہ ماہِ ربیع الاول شریف، رمضان و محرم و شعبان سے بڑھ کر باعظمت، اور یومِ دوشنبہ اور شبِ دوشنبہ، یومِ جمعہ اور شبِ جمعہ، شبِ برات اور شبِ قدر سے افضل۔

نہیں پوچھتا، تو یہ بتا کہ آیا تُو نے یوں ہی کہا ہے؟ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو تین بار دُہرایا۔ (آخر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سکوت فرمالیا) ''صاحب منتقی'' فرماتے ہیں کہ محمد ابن عیسیٰ قدس سرہٗ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اگر افضلیتِ مکہ کا اعتراف فرما لیتے تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ از راہِ تادیب ان کی سرزنش فرماتے، اس لیے کہ اس گفتگو سے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ آپ کا عقیدہ مبارکہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے برتر ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل کا عقیدہ نہ رکھنا چاہیے۔

مگر پہلی وجہ ہی نہایت واضح ہے کیونکہ یہ تمام تر گفتگو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مجمع میں ہوئی اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی فاروقی عقیدہ کا انکار نہ فرمایا۔ لہٰذا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے افضلیتِ مدینہ منورہ پر صراحت پائی گئی کہ آپ کے نزدیک مدینہ طیبہ ہی افضل ہے۔

فضائل مدینہ منورہ پر دلائل و براہین

(اور متعدد احادیثِ صحیحہ سے بھی یہی مترشح ہے)

(۱) جیسا کہ امام الائمہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''مؤطا'' شریف میں بروایت ابو القاسم عبد الرحمٰن الغافقی جوہری قدس سرہٗ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُفْتُتِحَتِ الْقُرٰی بِالسَّیْفِ وَافْتُتِحَتِ الْمَدِیْنَةُ بِالْقُرْاٰنِ۔ (ص ۲۲۷)

''تمام شہر بذریعہ تلوار فتح ہوئے، اور مدینہ منورہ قرآن سے فتح ہوا''۔

(۲) نیز بروایت امام ابو القاسم جوہری قدس سرہٗ امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ اپنی ''مؤطا'' شریف میں حضرت عمرہ بنتِ عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن منبر پر مروان (حاکمِ مدینہ) نے خطبہ میں مکہ مکرمہ کے لمبے چوڑے فضائل بیان کیے، اور مدینہ منورہ کے فضائل میں کچھ بھی نہ کہا۔ اس پر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر فرمایا: ارے تجھے کیا ہوا کہ مکہ مکرمہ کے فضائل تو تُو نے خوب بیان کیے، مگر مدینہ منورہ کا تُو نے نام تک نہ لیا۔ سن لے میں اس پر گواہ ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ (ص ۲۲۷)

"مدینہ طیبہ سب کے لیے بہتر ہے، کاش لوگ اس کی بہتری کو جان لیتے"۔

مدینہ طیبہ کی افضلیت کی وجہ کثرتِ ثمار نہیں

اس کے باوجود (یعنی ہر طرح سے خوبیوں کا ہونا) یہ حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی عمومیت کو بعض علماء نے اس پر محمول کیا ہے کہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے اس لیے افضل ہے کہ اس میں رزق کی فراوانی اور پھلوں کی بہتات ہے حالانکہ انکے اس نظریۂ تخصیص کی تردید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے عیاں ہے جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ص ۲۲۷)

"جو شخص مدینہ منورہ کی مشقت و تنگدستی پر صابر رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا، اور اس کی شہادت دوں گا"۔

اس ارشاد میں "لا وائہا" کا معنی تنگدستی اور مشقت ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔

(اگر کہا جائے کہ اس ارشاد کے مفہوم کو) نبی اکرم ﷺ نے رزق و پھل کی فراوانی پر ہی محمول کیا ہے تو یہ معنی (ولغت) کے اعتبار سے بعید (از قیاس) ہے(1)۔

اس لیے کہ آپ کے ہر ارشاد کی مراد تو اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے متعین و مبین ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ تو وہی ارشاد فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصص ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل واعلیٰ ہوگا۔ بنابریں حدیث کے عام مفہوم کو خاص کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جبکہ مدینہ منورہ کی بزرگی و شرافت نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ ظاہری اور رخصت فرمانے کے باوجود مسلمہ و مختص ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور عنقریب اِن شاء اللہ اس کا بیان آئے گا۔

(مثلاً) جیسے امام رزین قدس سرہٗ نے اپنی کتاب میں جس میں "کتب صحاح" کی ہی احادیث لکھی گئی ہے۔ (آپ) مدینہ منورہ کی فضیلت کے باب میں روایت فرماتے ہیں:

"مدینہ طیبہ بسانے والے پر صلاۃ وسلام۔" (چنانچہ افضلیتِ مدینہ پر) انہی کے الفاظ میں یہ روایت نقل کی جارہی ہے:

(۳) عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ

1۔ نیز اس لیے بھی کہ پھلوں کی کثرت اور رزق کی فراوانی تو مکہ مکرمہ میں بھی موجود ہے بلکہ علی الاطلاق والعموم مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ پر فوقیت رکھتا ہے نہ اس لیے کہ اس میں غلہ و میووں کی کثرت ہے۔ فافہم

يُحفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِئْسَ مَا قُلْتَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُّ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مَا يَكُوْنُ قَبْرِي بِهَا مِنْهَا ثَلَاثًا۔انتہی (ص ۲۲۷)

''حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک جگہ قبر کھودی جا رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ بھی وہیں جلوہ گر تھے، کہ ناگاہ ایک صاحب قبر میں جھانکنے کے بعد کہنے لگے، مومن (متوفی) کی آرامگاہ (یعنی مدفن) بہت بُری ہے۔ان کے اس کہنے کو ٹوکتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تونے بھی جو کچھ کہا ہے وہ بھی تو برا ہے، آپ کے اس ارشاد پر وہ صاحب عذر خواہی سے عرض گزار ہوئے (یارسول اللہ ﷺ) میرا یہ مقصد نہیں کہ اس متوفّٰی کا یہ مدفن برا ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس کی وفات گھر میں واقع ہونے کی بجائے راہِ خدا میں شہادت سے ہونی چاہئے تھی پھر نبی اکرم ﷺ ارشاد فرما ہوئے (ہاں یہ مجھے بھی بخوبی معلوم ہے کہ) راہِ خدا میں شہادت کی موت کا تو کوئی جواب ہی نہیں (مگر سن لے) مجھے زمین کے اس حصہ سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ کوئی بھی حصہ نہیں کہ جس میں میری قبر بنے(1)۔اس (آخری) کلمہ کو آپ نے تین بار ارشاد فرمایا''۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے، مقامِ غور ہے! یہ حدیث شریف کتنے ہی عمدہ اور کثیر فوائد، اور واضح اسرار پر مشتمل ہے۔وہ اس طرح کہ سرزمینِ مدینہ منوّرہ کو جب سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے ورودِ مسعود اور سکونتِ عالیہ سے سرفراز فرمایا ہے اس وقت سے اسے ہر طرح کی خصوصیت ہی خصوصیت حاصل ہے۔کیا تجھے سمجھ نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ نے ''بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ'' مومن کا ''مدفن برا ہے'' کہنے والے کو اپنے اس ارشاد ''بِئْسَ مَا قُلْتَ'' تونے بھی برا کہا ہے، سے ناپسند فرمایا اور آپ نے قائل (و حاضرین) پر واضح فرمادیا کہ مومن کا مدفن تو ہر طرح سے عمدہ و بہتر ہے۔پھر اپنے اس ارشاد گرامی کی جواباً مزید تاکید بھی فرمادی، اور جب ان صاحب نے یہ معذرت پیش کی کہ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اس کی موت جہاد فی سبیل اللہ سے واقع ہوتی۔چنانچہ آپ نے ان کے اس خیال کی اس طرح تردید فرمائی ''اللہ کی راہ میں جان دینے کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔اور اس کے بے شمار

1۔آپ نے اس ارشاد گرامی سے یہ واضح فرمایا کہ زمینِ مدینہ منورہ میرا مدفن ہونے کی بنا پر شہادت فی سبیل اللہ کے مساوی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔جیسا کہ متن میں آگے اس کا بیان آرہا ہے۔

فضائل بھی واضح ہیں''۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ (آلِ عمران)

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہر گز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں''۔

نیز (اسی آیہ کریمہ کے مفہوم کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جہاد فی سبیل اللہ کی موت کو کتنا اہم سمجھتے تھے چنانچہ)

ارشاد فرمایا:

وَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیَا فَاُقْتَلَ۔(الحدیث)

''مجھے یہی پسند ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرتا رہوں اور دورانِ قتال شہید ہو جاؤں اور پھر دوبارہ زندگی ملے اور پھر شہید ہو جاؤں''۔

علاوہ ازیں جہاد کے فضائل و محامد مشہور و معروف ہیں۔(خلاصہ یہ کہ مذکورہ گفتگو میں) نبی اکرم ﷺ نے کسی سے راہِ خدا میں جان دینے سے بھی بڑھ کر مدینہ طیبہ میں دفن ہونے کو فوقیت دی ہے اور نیز اپنی ذاتِ گرامی کے لیے مدینہ طیبہ کی زمین میں روپوش ہونے کے ساتھ اختصاص فرمایا ہے اس کی تو کوئی فضیلت ہمسری کر سکتی ہی نہیں۔یہ خصوصیت اور یہ فضیلت صرف مدینہ طیبہ ہی کی ہے۔ اور یہ خصوصیت ہی اس کے اجل و اعظم فضائل میں سے ہے۔اور زمینِ مدینہ کی یہ سب خوبیاں تو وہ ہیں جبکہ آپ اس کے اوپر تشریف فرما تھے۔اور جب آپ اس کے اندر آرام فرمانے کے لیے تشریف لے گئے تو اب جو آرام و آسائش اور بلندیِ درجات آپ کو ملے ان کا اندازہ کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔اس لحاظ سے مدینہ طیبہ کو جو خصوصیت و فضیلت ملی ہے اس کا احاطہ و ادراک عقل کے بس کا روگ نہیں(1)۔اور نہ ہی اس زمین کی بزرگی و عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) چنانچہ ''مؤطا'' شریف میں ہے کہ (یزیدی) فتنہ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی

1۔اس لئے کہ بموائے حدیث بعد از انتقال ہر شخص کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جیسے سمع، بصر اور ادراک کی قوت، یہ تو عام انسان کے لیے ہے اور جن کی حیاتِ ظاہری میں ہی یہ اشیاء قوی ترین تھیں تو ان کے حیاتِ حقیقی میں ان اشیاء کی طاقت کا کیا عالم ہو گا، لہٰذا بعد از وصال جہاں نبی اکرم ﷺ کے تمام کمالات و فضائل اور محامد و صفات میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے وہیں اس زمین کی عظمتوں اور رفعتوں میں بھی بداہتہً لاتعداد و لاتحصیٰ اضافہ ہو گیا ہے اسی لیے یہ متفقہ اور مسلمہ امر ہے کہ زمین مدینہ طیبہ کا وہ حصہ جس کے ساتھ باعثِ تخلیقِ کائنات ﷺ کا جسم اطہر و انور آرام فرما ہے وہ مکہ تو کجا عرشِ اعظم سے بھی برتر و افضل ہے۔

اللہ عنہما کی ایک آزاد شدہ لونڈی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتنہ سامانیوں سے دل برداشتگی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا: حضرت! میں تو یہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ (میں اپنے اس ارادہ میں حضرت کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں) تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: اری پاگل! (میرا مشورہ تو یہ ہے) تو یہاں ہی رہ، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَأْ وَائِهَا وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (الحدیث)

''جو بھی مدینہ طیبہ کی تنگ دستی و تکلیف کو خندہ پیشانی سے اپنا لے گا تو میں قیامت کی ہولناکیوں میں اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا''۔

الفاظ حدیث کی تشریح

مذکورہ حدیث شریف کے ان دو کلمات ''لا وائها وشدتها'' کے متعلق امام باجی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن دینار قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ (مذکورہ) حدیث میں ''لا وائها'' کے کلمہ کے ساتھ ''وَشِدَّتِهَا'' کے کلمہ کی روایت میں محدث کو (غالبًا) شک پڑ گیا ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے صرف ''لَأْ وَائِهَا'' فرمایا تھا یا ''لَأْ وَائِهَا وَشِدَّتِهَا'' فرمایا تھا) اس لیے کہ ''لَأْ وَاءٌ'' کا (لغوی) معنی فاقہ، شدت اور بیروزگاری ہے۔ اس کی توجیہ یوں کی جاسکتی ہے کہ آپ نے شدت سے بھی ''لا واء'' ہی مراد لیا ہے(1)۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شئے رہنے والے پر تکلیف دہ اور ضرر رساں ہو (اس پر صبر کرنے والے کا مذکورہ انعام ہے)

شفاعت وشہادت کا مطلب

جمہور اہل سنت کے نزدیک شفاعت کی دو قسمیں ہیں:

ایک جنتیوں کے مراتب زیادہ کروانے کے لیے ہے۔

اور دوسری خصوصی سفارش جہنمیوں کو نکلوانے میں ہوگی۔

اور حدیث شریف میں مذکورہ کلمہ ''شَهِیْدًا'' کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں بہ نیت ثواب

1۔ یعنی ''وشدتها'' کا کلمہ گویا سابقہ کلمہ کی تفسیر ہے۔ اس صورت میں ''وشدتها'' کی واؤ تفسیریہ ہوگی یا ''لا واء'' کے کلمہ سے شدت کی تجرید کی گئی ہے اور یہ عام محاورۂ عرب کے مطابق ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

سکونت اختیار کرنے والے پر آپ شہادت دیں گے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ کسی کے لیے آپ کا شاہد بننا اس کی لغزشات کے عفو اور نیکیوں میں اضافہ کا باعث ہے اور اس میں تو کوئی شبہ باقی رہتا ہی نہیں کہ ساکنِ مدینہ طیبہ کا وہاں مقیم ہونا ہی اس کی منجملہ نیکیوں میں سے ہے۔ لہٰذا (واضح ہو گیا کہ) کسی کے حق میں آپ کا گواہ بننا زیادتیِ اجر وثواب کا موجب ہے۔ جیسا کہ شہداءِ اُحد کے حق میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا: ''اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' میں قیامت میں ان پر گواہ ہوں گا۔ (یعنی ان حضرات میں شہادت فی سبیل اللہ کی نیکی تو ہے ہی، میں ان کے حق میں ان کی اس نیکی پر شاہد بن کر ان کے اعمال میں اضافہ کراؤں گا)

مدینہ منورہ میں سکونت کی بزرگی وشرف اب بھی باقی ہے

(نیز) اس حدیث شریف کا مقتضاء یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ظاہری حیات سے رُوپوش ہونے کے بعد بھی، مدینہ طیبہ کو وطن بنا لینے اور وہاں رہائش اختیار کرنے کو شرف و بزرگی حاصل ہے، علاوہ ازیں (نبی اکرم ﷺ کا اپنی تدفین کے لیے) مدینہ طیبہ کو مختص کرنے کا مطلب و مقصد اس حدیثِ قدسی کے مماثل ہے کہ جسے اللہ جل مجدہٗ نے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے کہلوایا کہ:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اُجْزٰى بِهٖ۔

''انسان کا ہر عمل اسی کے لیے ہے۔ مگر روزہ صرف میرے لیے ہے، اور اس کی جزا میں خود ہوں''۔

(مقامِ غور ہے کہ) جب کسی عمل کی جزا و انعام خود ذاتِ خداوندی ہے تو پھر اس عمل کی بزرگی و منزلت کا اندازہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اور نہ ہی بیچاری عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

ہمارا موضوعِ سخن بھی اسی کے مماثل و مشابہ ہے کہ جب مدینہ منورہ کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی سکونت و تدفین سے سرفراز فرما دیا تو اب اس کی قدر و منزلت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا آپ کی برکت و نظرِ کرم سب کے لیے عام ہے۔ وہاں مدفون ہوں یا نہ ہوں۔ اور زندوں کے لیے آپ کی توجہ و عنایت تو واضح ہے ہی مگر مرے ہوئے بھی آپ کی برکات و فیضانِ نظر سے محروم نہیں۔

(اموات کے لیے آپ کی برکات کا اندازہ اس ارشادِ عالی سے لگایا جا سکتا ہے) جیسے فرمایا:

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا اَشْفَعُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا۔

''جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے پر قادر ہو اسے چاہیے کہ وہاں ہی مرے۔ اس لیے کہ میں وہاں مرنے پر اس کی سفارش کروں گا''۔ (ص ۲۲۸)

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی بزرگی وشرف میں صرف اسی پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ اسے اپنی محبوبیت سے بھی نوازا ہے جیسا کہ پہلی حدیث شریف میں صراحۃً بیان کیا جا چکا ہے۔ جس کا آخری جملہ یہ ہے:

مَا عَلَى الْاَرْضِ بَقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْرِيْ بِهَا مِنْهَا، ثَلَاثًا۔ اِنْتَهٰى

"زمین کا وہ حصہ کہ جس میں میری قبر ہو، اس سے بڑھ کر مجھے کوئی بھی زیادہ عزیز نہیں۔ اس جملہ کو آپ نے تین بار دہرایا"۔

آپ کے اس اظہارِ پسندیدگی کی خصوصیت سارے مدینہ منورہ کو شامل ہے۔ اللہ جل وعلا ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔

پھر قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس جملہ کو آپ نے تین بار دہرایا، جس سے ایک نہایت اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب کسی اہم معاملہ یا کسی شی کی عظمت کا اظہار فرمانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی کلام شریف کو تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔ لہٰذا مدینہ طیبہ کے بارے آپ ﷺ کا یہ اظہارِ پسندیدگی اس کے فضائل عامہ اور اس کی برکات شاملہ، اور اس کی رفعت ومنزلت پر واضح ثبوت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں قرآن اس طرح ناطق ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے"۔

لہٰذا نبی اکرم ﷺ کسی بھی شی کی رفعت وعظمت اپنی طرف سے بیان نہیں فرما سکتے بلکہ وہ مامور من جانب اللہ ہوتی ہے۔ اس لیے جب آپ نے مدینہ طیبہ کی بزرگی وشرف کا اظہار فرما دیا تو اب وہ کون سا خطہ ومقام ہے جو اس معظم وبرتر مقام کی عظمت ورفعت کو پہنچ سکے۔

مدینہ طیبہ کے وہ خصائص وفضائل جو مکہ مکرمہ میں نہیں ہیں

مدینہ طیبہ کے بعض فضائل وہ ہیں جنہیں صاحب "تقریب وبیان" اور قاضی (ابو محمد عبد الوہاب قدس سرہٗ) نے "المعونہ" میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے منتخب فرما کر نقل فرمائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

۱۔ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَآئِكَةٌ يَّحْرُسُوْنَهَا لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔

"مدینہ منورہ کے دروازوں پر اس کی حفاظت کرنے والے فرشتے متعین ہیں (اسی لیے)

اس میں طاعون (وباء) اور دجال داخل نہیں ہوسکتا''۔

اور یہ خوبی وشرف مکہ مکرمہ میں مفقود ہے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔

''مدینہ منورہ سب کے لیے بہتر ہے کاش لوگ اس کی بزرگی کو جان لیتے''۔

یہ خوبی بھی مکہ مکرمہ کے بارے میں ناپید ہے۔

۳۔ حضور انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمَدِیْنَةُ کَالْکِیْرِ تَنْفِیْ خُبْثَھَا وَیَنْصَعُ طِیْبُھَا۔

''مدینہ منورہ بھٹی کی مانند ہے جو اس کے زنگ کو دور، اور اس کی ہوا کو خوشگوار بناتا ہے''۔

یہ کمال مکہ مکرمہ میں نہیں ہے۔

۴۔ مذکورہ فضائل سے بھی واضح تر فضیلت اس شہر مقدس کی حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ دَعَاکَ لِمَکَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَةِ بِمِثْلِ دَعَاکَ اِبْرَاھِیْمُ لِمَکَّةَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ۔ (ص ۲۲۹)

''خدایا! ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے (کثرت ارزاق واثمار کی) دعا مانگی تھی۔ جیسے انہوں نے مکہ کے لیے دعا مانگی تھی۔ میں مدینہ طیبہ کے لیے اس کی مانند بھی، اور اس سے دگنی تجھ سے مانگتا ہوں''۔

(لہٰذا یہ خوبی، یعنی مدینہ طیبہ کی ہر شی میں دگنی برکت کا ہونا، مکہ میں نہیں ہے اس لیے کہ) نبی اکرم ﷺ کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ دعا کی قبولیت وبزرگی، دعا کرنے والے کی بزرگی وعظمت کے مطابق ہوتی ہے۔ (اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ نبی کریم ﷺ قدر ومنزلت کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر ہیں۔)

۵۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَةَ کَحُبِّنَا مَکَّةَ اَوْ اَشَدَّ صَحِّحْھَا لَنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّھَا وَصَاعِھَا، وَانْقُلْ حُمَّاھَا فَاجْعَلْھَا جُحْفَةَ۔

''خدایا! مکہ مکرمہ سے بھی بڑھ کر مدینہ منورہ ہمارے لیے محبوب بنادے اور اس کی آب وہوا ہمارے لیے خوشگوار بنا اور اس کے پیمانوں میں خیر وبرکت عطا فرما، اور اس کا شدید

بخار''جھہ'' میں منتقل فرمادے''۔

(یہ ارشادِ گرامی افضلیتِ مدینہ پر مبین دلیل ہے اس لیے کہ) یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اعلیٰ کی بجائے ادنیٰ کی محبت اپنانے کی اللہ تعالیٰ سے درخواست فرمائیں۔

۶۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اسلافِ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک مدینہ طیبہ، مکہ مشرفہ سے افضل ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے (دورانِ مناظرہ) اپنے مدِ مقابل (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے استدلال کا رد فرماتے ہوئے (تحکما) فرمایا تھا:

أَأَنْتَ الْقَائِلُ مَكَّةُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ"ثَلَاثًا"۔

''کیا تو یہی کہتا ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے برتر ہے؟اس جملہ کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا تھا''۔

(یعنی مکہ، مدینہ طیبہ سے برتر کب ہوسکتا ہے)

۷۔نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ لَهَا اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهُ۔

''جو آدمی مدینہ منورہ کو ناپسندیدگی سے ترک کر کے کہیں اور آباد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ میں اس سے بہتر آدمی کو آباد فرمادے گا''۔

۸۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ۔(ص۲۲۹)

''مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم ہوا جو تمام بستیوں پر فوقیت رکھتی ہے،لوگ تو اسے ''یثرب'' کہتے ہیں مگر ہے وہ ''مدینہ''۔یہ بستی لوگوں کے گناہوں کو یوں صاف کرتی ہے جیسے بھٹی گندے لوہے کو صاف کرتی ہے''۔

آپ کا یہ ارشاد کہ ''تَأْكُلُ الْقُرٰى'' یہ تمام بستیوں پر فائق ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام بلاد وامصار سے برتر ہے۔اور اس کی بزرگی وعظمت سب شہروں اور قصبوں سے بڑھ کر ہے۔

۹۔ایمان کی جائے پناہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا۔

''(اخیر زمانہ میں) ایمان مدینہ منورہ میں یوں سمٹ کر آجائے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ کو ایمان کے سمٹنے کے ساتھ مختص کرنا، اس کے زمین کے تمام طبقات سے افضل ہونے کا ثبوت ہے اس لیے کہ یہ خوبی و شرف اور وصف (بشمولِ مکہ) زمین کے کسی اور حصہ میں نہیں ہے۔

۱۰۔وَلِاَنَّ فَضْلَ الْهِجْرَةِ اِلَيْهَا يُوْجِبُ كَوْنَ الْمَقَامِ بِهَا طَاعَةً وَقُرْبَةً وَالْمَقَامُ بِغَيْرِهَا ذَنْبًا وَمَعْصِيَةً وَذٰلِكَ دَالٌّ عَلٰى فَضْلِهَا عَلٰى سَائِرِ الْبِقَاعِ۔

''مدینہ منورہ کی جانب ترکِ وطن کرنے کی جو فضیلت و بزرگی ہے وہ اس کی متقاضی ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام ہی عبادت و کارِ ثواب ہے۔ اور یہاں کی سکونت چھوڑ کر (بغرضِ ثواب) کہیں اور مقیم ہونا نافرمانی و گناہ ہے۔ (مدینہ منورہ میں مقیم ہونا جب عبادت ہے تو) یہ امر مدینہ منورہ کے روئے زمین سے افضل ہونے کا ثبوت ہے''۔

۱۱۔وَلِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَخْلُوْقٌ مِّنْهَا وَهُوَ خَيْرُ الْبَشَرِ فَتُرْبَتُهٗ اَفْضَلُ التُّرَبِ۔

''نیز اس لیے بھی کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش بھی اسی مٹی سے ہے اور آپ جب خیر البشر ٹھہرے تو مدینہ طیبہ کی زمین (جو کہ آپ کے جسم اطہر کا مادہٗ لطیف ہے) بھی سب سے برتر ہی ہوئی۔ ''انتہی کلامہما''

یہاں مصنف ''البیان والتقریب'' اور ''قاضی'' قدس سرہما کا کلام ختم ہوا۔

مدینہ منورہ کو اپنی تدفین کے لیے کیوں منتخب فرمایا

مدینہ طیبہ کو آپ نے اپنے دفن کے لیے اس لیے پسند فرمایا کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ اللہ جل مجدہٗ کو روئے زمین پر یہی ایک خطہ محبوب تر ہے۔ اس لیے کہ یہ تو کبھی ہوا نہیں کہ آپ نے اپنی ذاتِ گرامی کی وجہ سے کسی شئ کو بزرگی و برتری دی ہو بلکہ آپ بھی اسی شئ کو بزرگی و فضیلت دیتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے فضیلت و برتری دی ہوتی۔ اسی کی مؤید وہ حدیث گرامی ہے جو پہلے گزر چکی کہ جب ازواج مطہرات نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان سب پر (رضی اللہ عنہن) آپ کے فوقیت دینے کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ان کے شکوہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ اس لیے کہ (جو

خوبی اس میں ہے وہ تم میں نہیں اور وہ یہ کہ)

افضلیتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ

اِنَّهٗ لَمْ يُوْحَ اِلَيَّ فِي فِرَاشِ اِحْدَاكُنَّ اِلَّا فِي فِرَاشِهَا۔ (ص ۲۳۰)

''تم میں سے ماسوا عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے کسی کے بچھونے پر مجھے وحی نہیں آئی''۔

(یعنی) نبی اکرم ﷺ چیزوں کو اسی قدر فضیلت مرحمت فرماتے تھے جس قدر کہ اللہ جل مجدہٗ نے کسی چیز کو فضیلت دی ہوتی تھی۔ سمجھنے کے لیے اتنا ہی بس ہے۔

علماء مدینہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے

اور مدینہ طیبہ کے علماء کرام(1) علیہم الرضوان کا مذہب مبارک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ سے شرف و بزرگی میں کہیں برتر و افضل ہے۔ اور یہ کہ مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنا ہزار رکعت کی قید لگائے بغیر (علی الاطلاق) مسجدِ حرام میں نماز ادا کرنے سے افضل و برتر ہے۔ جبکہ بہ نسبت دوسری مساجد کے علاوہ مسجد اقصیٰ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا ہزار رکعت کا ثواب زیادہ ہے اور مسجدِ اقصیٰ میں پانچ سو نماز کا ثواب ہے(2)۔ بنا بر مشہور و معروف حدیث کے، علماء کرام مدینہ طیبہ کے مذہب پر ہی امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ نے (فتویٰ) ارشاد فرمایا کہ اگرچہ مکہ معظمہ ذاتی طور پر بے شمار فضائل و محامد کا حامل ہے بایں ہمہ ''اِنَّ الْمَدِيْنَةَ اَفْضَلُ مِنْ مَكَّةَ'' مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔

مکہ مکرمہ کے فضائل

ا۔ یوں تو مکہ مکرمہ کے فضائل میں بکثرت نصوص پائے جاتے ہیں (اور بالفرض اگر اس کی کوئی فضیلت نہ بھی ہوتی تو) اس کے لیے یہی ایک فضیلت کافی ہے کہ یہ شہر مقدس آفتابِ نبوت کا جائے طلوع ہے۔ (یعنی اسے مولد النبی ﷺ کا اختصاص حاصل ہے)

۲۔ اسی شہر میں نبی اکرم ﷺ منصبِ نبوت اور اعطائے وحی الٰہی سے سرفراز فرمائے گئے۔

۳۔ اسی مقدس مقام سے آپ کو مقامِ ''قابَ قوسین'' (دو کمانوں کی قدر) اور مقام ''دنیٰ'' تک لے جایا گیا۔

ان کے علاوہ آپ کی وجہ سے اور بھی کئی خوبیاں اس شہر مقدس کو حاصل ہیں۔ مکہ مکرمہ کو آپ کی وجہ سے اور آپ سے پہلے ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی بدولت اگرچہ ایک خصوصیت عظمیٰ

1۔ واضح رہے کہ علماء سے مراد ائمہ تابعین ہیں جن میں طبقہ دوم کے فقہاء سبعہ مدینہ بھی شامل ہیں۔ رضی اللہ عنہم

2۔ یعنی مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی بہ نسبت مسجد اقصیٰ پانچ سو نمازوں کا ثواب زیادہ رکھتی ہے۔

حاصل ہے۔لیکن سنتِ الٰہیہ یہ ہے کہ اس نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کو ہر شئے کا متبوع و مخدوم بنایا ہے۔اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ہر شئی آپ ہی سے مشرف ہے اور جس بھی چیز کو جو بھی کوئی بزرگی و کمال حاصل ہوا تو وہ آپ ہی کے طفیل حاصل ہوا۔

مدینہ منورہ کی جانب آپ کے ہجرت فرمانے کی نفیس وجہ

(یہی وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ مکرم و محترم شہر مکہ میں تشریف فرمانہ رہے کیونکہ) اگر آپ ہمیشہ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہتے اور وہیں سے تبلیغ رسالت فرماتے رہتے اور وہیں سے آپ کا سفرِ آخرت بھی ہوتا تو پھر یہ وہم ہوسکتا تھا کہ آپ کو جو مرتبہ و مقام حاصل ہے وہ مکہ مکرمہ کی بدولت ہی حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کی جانب منتقل ہوگئے۔تا کہ (آپ کی ذات یکتائے روزگار کی طرح) آپ کا شہر بھی انفرادیت کا حامل بن جائے،جس میں آپ ہی کے لیے خصوصی حرم اور مسجد و روضہ بنے۔اور آپ ہی کے مسکن میں (دور دراز کے) وفود کو توحید و رسالت کی تعلیم لینے کے لیے آنا پڑے،اور یہ (آخری خصوصیت) اسلام کے ان ارکان میں سے ایک ہے جس کے بغیر ایمان و اسلام مکمل نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تو اقرار کرے،مگر نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کا منکر ہو تو اس کا نہ ہی ایمان ہے اور نہ ہی اسلام،عقیدۂ توحید جبھی کارآمد ہے جبکہ اس کے ساتھ عقیدۂ رسالت کا (مع جمیع کمالات وصفات کے) اقرار و اذعان ہو (ورنہ محض عقیدۂ توحید کلیۃً بے کار ہے)۔

مکہ کی خصوصیات کی طرح مدینہ منورہ میں بھی خصوصیات ہیں

وہ مقاماتِ متبرکہ جن کی بزرگی اس بناء پر ہے کہ وہ اللہ جل مجدہٗ کی جانب منسوب ہیں۔یعنی انہیں اپنی ذات کی طرف نسبت کر کے فضیلت دی ہے۔ایسے ہی اللہ جل مجدہٗ نے ان مقامات کو بھی بزرگ و شرف والا بنا دیا ہے۔جہاں نبی اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوگئے۔مثلاً:

۱۔مکہ مکرمہ میں مختلف اطراف سے لوگ بیت اللہ شریف کی زیارت کو آتے ہیں تو یہ (خصوصیت) مدینہ طیبہ میں بھی ہے کہ لوگ مختلف جوانب سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کو آتے ہیں۔

۲۔اللہ جل شانہٗ نے اگر بیت اللہ شریف کا حرم مقرر فرما دیا ہے تو اس کے مقابل اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کا بھی حرم مقرر کر دیا ہے۔

۳۔اگر مکہ مکرمہ کی مسجد حرام کو اللہ جل مجدہٗ نے یہ کمالِ عنایت فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے تو مسجدِ نبوی کو بھی یہ وصف عطا فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنے کا دوگنا ثواب ہے۔

۴۔مکہ مکرمہ کی ایک خُوبی یہ ہے کہ اس میں ''سنگِ اسود'' ہے، جو اسے چوم لے گا، قیامت کے دن یہ اس کی سفارش کرے گا، اور جس کی یہ سفارش کردے گا، وہ جنت میں جائے گا۔ اگر مکہ معظمہ میں یہ خُوبی ہے تو اس کے مقابل ''مدینہ طیبہ'' میں یہ خوبی رکھی گئی ہے کہ اس میں (قبرِ انور و منبر منیف کے مابین) ''جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری ہے''۔ (جو اپنے زائر کی سفارش کرے گی)

جنت کی کیاریوں سے ہونے کا مطلب

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ کہ زمینِ مدینہ منورہ کا یہ ٹکڑا بعینہٖ زمینِ جنت کا حصہ ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ یا یہ کہ اس حصۂ زمین میں عبادت کرنا جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ (جیسے سنگ اسود کو چھونا یا چُومنا جنت کو لازم کر دیتا ہے اسی لیے) قاضی ابو محمد عبدالوہاب قدس سرّہٗ نے اپنی تصنیف ''کتاب المعونہ'' میں تحریر فرمایا کہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ جنت کی کیاری مدینہ منوہ میں ہی ہے اور یہ بھی عیاں تر ہے کہ مدینہ منورہ کو دیگر حصۂ زمین پر برتری حاصل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں جنت کی کیاری ہے، جب اس کی وجہ سے زمینِ مدینہ منورہ سب سے افضل ٹھہری تو ظاہر ہے کہ وہ ٹکڑا یقیناً اپنے ماسوا سے برتر ہے، (لہٰذا سنگِ اسود کی بزرگی کے مقابلہ میں جنت کی یہ کیاری مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے)

ایک شُبہ

اگر کوئی کہے کہ بروایت حضرت سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ''بزار'' نے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل فرمایا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

فُضِّلَ الصَّلٰوۃُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عَلٰی غَیْرِہٖ مِأَۃَ اَلْفِ صَلٰوۃٍ وَفِیْ مَسْجِدِیْ اَلْفَ صَلٰوۃٍ وَفِیْ مَسْجِدِ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ خَمْسَمِأَۃِ صَلٰوۃٍ۔ (ص ۲۳۱)

''مسجدِ حرام میں بہ نسبت دوسری مساجد کے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے اور میری مسجد میں ایک ہزار نماز کا ثواب ہے، جبکہ بیت المقدس کی مسجد میں پانچ سو نماز کا ثواب ہے''۔

(اس حدیث کی سند پر امام بزار نے تبصرہٗ فرمایا) مجھے معلوم نہیں کہ ان ہی الفاظ اور اسی سند کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے کہیں اور بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے جبکہ اس حدیث کی سند ''حسن'' ہے۔

(خلاصہ شبہ یہ ہے کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ پر فوقیت ہے)

جوابِ شُبہ

امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ کا مذہبی اصول یہ ہے کہ آپ (ہمیشہ) اہل مدینہ طیبہ کے عمل (مروّج) کو اپناتے ہیں (اور راہنمائے اصول کے طور پر اسی پر عمل فرماتے ہیں) اگرچہ اس کے مقابلہ پر صحیح حدیث ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اس بارے میں علمائے مدینہ طیبہ کی رائے پہلے گزر چکی ہے کہ علماء مدینہ طیبہ اپنے (اجماعی) قیاس پر بمقابلہ حدیث اس وقت عمل فرماتے ہیں جبکہ حدیث شریف پر کسی طرح بھی عمل نہ ہو سکتا ہو ورنہ یہ (مطلب) نہیں کہ یہ حضرات اپنے قیاس کے مقابلہ میں حدیث شریف کو ترک فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہلِ طیبہ کا عمل (اصولی طور پر اپنانا) اقویٰ ہے۔ اس لیے کہ اہلِ مدینہ منورہ کا عمل آپ کے نزدیک اجماع کی طرح ہے (اور اجماع اہلِ علم وفقہ سے خبر واحد صحیح پر زیادتی جائز ہے)۔

جوابِ ثانی

نیز مذکورہ بالا حدیث شریف کا شرطِ صحت کے ساتھ استخراج بھی نہیں ہے لہٰذا رجوع الی العمل ہی زیادہ مناسب وراجح تر ہے(1)۔

ایک اور شبہ

اگر کوئی یہ کہے کہ (مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ) حرم مکہ معظّمہ میں کوئی بھی شکار کرنے پر شریعت کی طرف سے سزا مقرر ہے جبکہ حرم مدینہ طیبہ میں شکار کرنے پر اس قسم کا کوئی قانون لاگو نہیں۔

جوابِ شُبہ

حرمِ مدینہ طیبہ میں شکار کرنے کے بارے میں ائمہؒ (مجتہدین) کے دو مذہب ہیں: ایک یہ کہ حرمِ مکہ معظّمہ کی طرح حرمِ مدینہ طیبہ میں بھی شکار کرنے پر سزا لازم ہے۔ لہٰذا (اس مذہب پر) استحقاقِ سزا میں دونوں برابر ہیں۔ اور دوسرے مذہب پر حرمِ مدینہ منورہ میں شکار پر لازم نہیں۔ (دوسرے مذہب کی بنا پر اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے) کہ (یعنی حرمِ مدینہ طیبہ میں شکار پر سزا کا لازم نہ ہونا) نبی

1۔ ہر دو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ منورہ کا اس پر اجماع ہے مسجد نبوی شریف میں نماز کا ثواب مسجدِ حرام سے علی الاطلاق بڑھ کر ہے اس لیے صحیح وہی ہوا جو پہلے گزرا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مسجد مکہ معظّمہ سے افضل و برتر ہے اور نیز یہ کہ کمیت کے لحاظ سے وہاں زیادتی ہے اور کیفیت کے اعتبار سے یہاں زیادتی ہے۔

اکرم ﷺ نے امت کے لیے ہمیشہ وہ لائحہ عمل پیش فرمایا اور انہی امور کی نشاندہی کی کہ جن میں کسی عمل کا مکلّف بنائے بغیر اس کے مراتب میں اضافہ ہوتا رہے اس لیے کہ اعمالِ تکلیفیہ میں بسا اوقات بعض یا اکثر سے کوتاہی کا امکان رہتا ہے جو کہ (مکلّف کیلئے) موجبِ نقصان ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے امت سے وہ امور اٹھوا لیے جن میں غفلت و کوتاہی کا بعض سے امکان ہوسکتا تھا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ ہمیشہ امت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں تخفیف و آسانی کی درخواست فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی اسی رافت و رحمت بھری التجاؤں ہی کا ثمرہ ہے کہ آپ کی سفارش، شفقت اور رحمت کے طفیل اللہ جل وعلا نے آپ کی امت سے پچاس نمازوں کو پانچ میں تبدیل فرما دیا۔ (جن کا ثواب پچاس ہی کے مُساوی ہے)

ایک اور شُبہ

اگر یوں کہا جائے کہ مکہ مکرمہ کی طرف تو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کیا جاتا ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے بحیثیت فرض کے سفر نہیں ہوتا۔

جوابِ شُبہ

اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ پہلے (کئی مقامات میں) گزر بھی چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اُمت کے لیے ہمیشہ دو باتیں ملحوظِ خاطر اقدس رکھا کرتے تھے:

۱۔ آپ انہی امور و احکام کی نشان دہی فرماتے تھے جن میں شرف وفضیلت زیادہ ہوتی تھی۔

۲۔ اور وہ امور جن میں تکلیف و مشقت ہو انہیں اپنی اُمت سے ہلکا فرما دیا کرتے تھے، اور ان کے التزام(1) میں صرف اشارہ ہی فرما دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے احکامِ مخصوصہ میں امت سے تخفیف ہے(2)۔

خداوندا! ہمیں نبی کریم ﷺ کی برکات وعنایات سے محروم نہ فرما۔ بیشک تو اس پر قادر ہے اور اس کا مالک ہے۔ (آمِیْنْ بِجَاهِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)

افضلیتِ مدینہ منورہ پر قرآن کریم سے عمدہ استدلال

ہمارے مذکورہ(3) بیان کی تائید قرآنِ کریم کے اس ارشاد سے واضح ہے:

1۔ یعنی ایسے امور پر عمل مستحب ہے۔

2۔ اسی لیے اپنی زیارت کو مثلِ مکہ معظمہ آپ نے فرض نہ کیا تا کہ امت مشقت سے محفوظ رہے۔

3۔ یعنی مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے علی الاطلاق افضل و برتر ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ (الضحیٰ)

''بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے''۔

لہٰذا ہر وہ مقام اور ہر وہ جگہ اور ہر وہ شی جس میں نبی اکرم ﷺ جلوہ فرما رہے، وہ پہلے سے برتر ہے اگر چہ پہلا مقام (وحال ومنصب) غیر متناہی بزرگی وشرف کا مالک ہو (بناء بریں) اس میں شک وشبہ کی تو گنجائش ہی نہیں کہ بوقتِ وصال شریف آپ کا مرتبہ ومنصب سب سے بلند تر اور ترقی پر تھا اس لیے کہ یہ آپ کا آخری حال تھا اور آخری پہلے سے ہر طرح سے عروج پر ہوتا ہے۔ (ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ مکہ سے افضل ہے اس لیے کہ) مکہ مکرمہ اگر آفتابِ نبوت کا جائے (1) طلوع ہے تو مدینہ منورہ آفتابِ نبوت کا جائے غروب ہے۔ اور یہی آپ کا مدفن ومسکن بھی ہے (2)۔

اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ایمان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سمٹ جائے گا''۔

آپ کے اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ اگر مکہ مکرمہ سے اسلام کی ابتداء ہوئی تھی تو مدینہ طیبہ اسلام کے اختتام کی جگہ ہے (3)۔

ماہِ ربیع الاوّل کی بزرگی کے لیے آپ کا وجودِ گرامی ہی کافی ہے

(مذکورہ بیان سے) جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس جگہ یا جس شی کو نبی اکرم ﷺ سے مناسبت و ملابست ہو گئی تو وہ اپنے ماسوا سے افضل و برتر ہے، لہٰذا جس موضوع میں ہم چل رہے ہیں وہ بھی اسی کی مانند ہے۔ اس سے میرا مقصد ماہِ ربیع الاول کی ماہِ رمضان پر فوقیت و برتری بتانا ہے کہ اگر چہ ماہِ رمضان المقدس کی بزرگی پر بے شمار دلائل موجود ہیں (مگر) جس ماہِ مکرم میں نبی اکرم ﷺ کا ولود مسعود ہوا وہ بھی لاتعداد ولاتحصٰی براہین وحجج پر مشتمل ہے کہ آپ کی آمد مبارک پر آیاتِ قاہرہ ومعجزاتِ واضحہ کا ظہور ہوا، (مثلاً) فارس کے آتشکدہ کا بجھ جانا، کسریٰ (شاہِ فارس) کے محل کا پھٹ جانا، آسمانی باتوں کی چوری سے شیاطین کا رُک جانا، شیطان اور اس کی ذریت کا زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں محبوس ہونا، جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے (وغیرہا) اور (بالفرض) اگر مذکورہ دلائل سے کسی بھی شئے کا

1۔ جو کہ آپ کا پہلا مسکن ہے۔

2۔ جو کہ آپ کا پچھلا مسکن ہے اور یہ یقیناً پہلے سے برتر و بہتر ہے۔ لہٰذا اس نص قرآنی سے مدینہ طیبہ کا مکہ مکرمہ سے برتر ہونا روز روشن کی طرح اُجلا ہے۔

3۔ مذکورہ آیہ کریمہ کی رو سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کا ہر پچھلا مقام وحال اگلے سے افضل ہے، تو آپ کے پچھلے مقام میں اسلام کے منتہیٰ کا ہونا بھی مدینہ طیبہ کی افضلیت کا مُشعر ہے۔

وجود نہ ہوتا تو اس ماہِ مقدس کی عظمت و بزرگی کے لیے یہی ایک بزرگی کافی تھی کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا وجودِ گرامی ظہور پذیر ہوا(1)۔ اس پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی شاہد ہے:

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾ (حجر:72)

''اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں''۔

لَعَمۡرُکَ کا معنی ''لَحَیَاتُکَ'' ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ جل مجدہٗ نے نبی اکرم ﷺ کی زندگانی مبارک کی قسم کھائی ہے۔ اسی لیے امام الائمہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی شئے کی بھی قسم نہیں کھائی جا سکتی۔ (نیز مذکورہ مسئلہ کی تائید) اللہ جل مجدہٗ کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ﴿۲﴾ (بلد)

''مجھے اس شہر کی قسم، کہ اے محبوب! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو''۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں ''لا'' تاکید کے لیے ہے (لیکن اصح وہ جو) سید ابو محمد مرجانی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:

''لا'' تاکید کے لیے اس وقت ہوتا ہے جبکہ جس فائدہ پر لفظِ ''لا'' محمول ہے وہ معدوم ہو اور یہاں وہ فائدہ موجود ہے(2)۔ اور وہ یہ کہ ''لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ'' کا معنی یہ ہے کہ:

اَیُّ قَدَرٍ وَاَیُّ خَطَرٍ لِھٰذَا الْبَلَدِ حَتّٰی یُقْسَمَ بِہٖ وَاَنْتَ حِلٌّ بِہٖ وَاِنَّمَا الْقَدَرُ وَالْخَطَرُ لَکَ فَاَنْتَ الَّذِیْ یُقْسَمُ بِکَ لِعَظِیْمِ جَاھِکَ وَحُرْمَتِکَ عِنْدَنَا۔ (ص ۲۳۲)

''اس شہرِ مقدس کی وہ کون سی عظمت و بزرگی ہے کہ جس کے باعث اس کی قسم کھائی گئی ہے (وہ قدر و منزلت اگر ہے تو) صرف یہ کہ اے محبوب مکرم ﷺ! آپ اس شہر میں جلوہ افروز ہیں، یہ عظمت و بزرگی تو صرف اور صرف آپ ہی کی ہے ہمارے ہاں آپ کے ہر طرح سے برتر منصب و مقام ہی کی وجہ سے آپ کی قسم کھائی گئی ہے (یعنی ہمیں شہرِ مکہ کی قسم نہیں بلکہ آپ کے وہاں جلوہ گر ہونے کی قسم ہے) ہمیں اللہ جل مجدہٗ اپنی رحمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ (آمین)''۔

1۔ اور اس ایک فضیلت کے آگے سب خوبیاں ہیچ ہیں۔ اس کی شاہد عربی کی یہ ضرب المثل ہے:

وَکُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَآءِ۔ (مجمع الامثال)

2۔ یعنی آیت کریمہ میں ''لا'' تاکید یہ نہیں بلکہ ''لا'' نافیہ ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شیخ جلیل رضی اللہ عنہ نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے وہ قابلِ غور ہے کہ اس آیت کریمہ میں "بلد" سے مراد بالاتفاق مکہ مکرمہ ہے۔ اور مکہ مکرمہ کی فضیلت و بزرگی پر بے شمار دلائل موجود ہیں، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس شہرِ مقدس میں جلوہ افروز فرما ہونے کی وجہ سے ہی اس کی قسم کھائی گئی ہے نہ یہ کہ اس کی فضیلتِ عظمیٰ کی وجہ سے اس کی قسم کھائی گئی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضل و بزرگی و کمالات کے خورشید تاباں ہیں۔ اور (یہ امر تو ظاہر ہے کہ) آفتاب کی چمک میں ستارے روپوش ہو جاتے ہیں(1)۔ (نہ صرف یہ) بلکہ تمام موجودات آپ ہی کے نورِ معظم کا پرتو و مظہر ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر آپ کی بعض صفات کی توصیف کرتے ہوئے لکھتا ہے: ؎

اِلَى الْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ اَحْمَدُ قَدْدَنَا وَنُوْرُهُمَا مِنْ نُوْرِهٖ يَتَلَأْلَأُ

"(اگرچہ) نبی اکرم احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش و کرسی کے قریب ہوئے (مگر) ان دونوں کا نور آپ ہی کے نور کا پرتو ہے"۔

جب موجودات میں سے فضائل کی حامل اشیاء آپ ہی کے نور انور کا مظہر ہیں، تو آپ کی اقامت گاہ کی برابری دوسرا کوئی مقام کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ آپ کی اقامت گاہ کے ماسوا کی بزرگی و عظمت پر کتنے ہی دلائل موجود ہوں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(واضح رہے کہ) یہ معنی اور اس کے مشابہ جتنے بھی معانی ہیں سب سے افضل و فاضل کے درمیان عظمت و خوبی پہچانی جا سکتی ہے۔

مثلاً جب یہ کہا جائے کہ سورج کی روشنی چودھویں کے چاند سے کہیں زیادہ ہے تو یہ بالکل بجا ہے کیونکہ ماہِ تاباں چمکنے (اور روشنی دینے میں) آفتاب کے مماثل تو ہے مگر سورج کی روشنی چاند سے بڑھ کر ہے اور اس سے زیادہ روشنی کی وجہ سے سورج کی چاند پہ عظمت و برتری واضح ہے۔ جب چمکنے کے لحاظ سے سورج، چاند سے افضل ہے، تو چاند کے علاوہ دوسری تمام اشیاء پر اس کی برتری بھی خود بخود عیاں ہو گئی۔ جبکہ چاند (علاوہ آفتاب کے) جسمانیت و نورانیت کے اعتبار سے اپنے تمام ماسوا سے افضل ہے(2)۔

1۔ لہٰذا آپ کے جلوہ افروز ہونے کے وقت میں مکہ مکرمہ کے دیگر فضائل کیسے آشکارا ہو سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شہر مقدس میں جلوہ افروز ہونا ہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے اور اس ایک خوبی کی چمک دمک کے آگے تمام خوبیاں کافور ہیں۔

2۔ مذکورہ مثال سے واضح ہوا کہ نورانیت کے لحاظ سے آفتاب اور ماہتاب اس کے مقابل فاضل ہے۔ جبکہ ماہتاب اپنے ماسوا کی نسبت تمام سے افضل ہے۔ اسی قاعدہ کی بنا پر یہ بھی واضح ہوا کہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل، اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مدینہ منورہ افضل، اور مکہ مکرمہ فاضل ہے

مذکورہ گفتگو سے جب یہ ظاہر ہو گیا کہ بعض اشیاء کے درمیان فاضل و افضل کی نسبت ہے تو اسی طرح (ہم کہہ سکتے ہیں کہ) مدینہ طیبہ نبی اکرم ﷺ کی حیات و ممات دونوں کے لحاظ سے قیام گاہ ہونے اور آپ کے وہاں تشریف فرما ہونے، اور آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کے باعث اپنے تمام ماسوا سے افضل ہے۔ کیا یہ تمہیں (ابھی ابھی) معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے تمام تر فضائل ہونے کے باوجود اس کی قسم نہیں فرمائی گئی۔ بلکہ اس کی قسم بدیں وجہ فرمائی گئی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ اور جو حیات و ممات میں آپ کا جائے قیام رہا ہو۔ تو اس پر دوسرا کوئی مقام کیسے برتری لے جا سکتا ہے۔ (معلوم رہے کہ) اس سے پہلے جتنے بھی (عقلی و نقلی) دلائل ذکر کیے گئے سب سے (ہمیشہ کے لیے) مدینہ طیبہ کی افضلیت عیاں ہو گئی ہے۔

اِذْ لَا فَرْقَ فِی الْاِحْتِرَامِ لِرَفِیْعِ جَنَابِهِ الْعَزِیْزِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بَیْنَ حَیَاتِهٖ وَمَوْتِهٖ۔ (ص ۲۳۲)

"اس لیے کہ آپ کے بلند و برتر مقام کی وجہ سے زندگی و وفات، کسی بھی حالت میں آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی فرق نہیں"۔

میں نے بعض علماء کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ:

اِنَّهٗ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ دُفِنَ اِلَّا وَقَدْ رُفِعَ بَعْدَ ثَلَاثٍ غَیْرِیْ فَاِنِّیْ سَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْ اَکُوْنَ فِیْمَا بَیْنَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ (ص ۲۳۳)

"آپ نے فرمایا میرے سوا سب انبیاء کرام علیہم السلام دفن ہونے کے تین دن بعد اٹھا لیے گئے (میں اس لیے نہ اٹھایا گیا کیونکہ) میں نے اللہ جل وعلا سے گزارش کی تھی کہ میں قیامت تک اپنی امت میں ہی موجود رہوں گا"۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

"اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو"۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مکہ مکرمہ اس کے مقابل فاضل ہے۔ جبکہ مکہ معظمہ علاوہ مدینہ کے اپنے ماسوا سے افضل ہے یعنی مدینہ طیبہ سے تو افضل نہیں لیکن باقی روئے زمین سے افضل ہے۔ اور اسی طرح ماہ ربیع الاول رمضان سے افضل اور رمضان فاضل۔ جبکہ رمضان باستثناء ربیع الاول اپنے ماسوا سے افضل ہے۔ اور یہی یوم جمعہ اور یوم دوشنبہ، شب جمعہ اور شب دوشنبہ میں مناسبت ہے۔ (مترجم غفرلہ ولوالدیہ)

اللہ جل مجدہٗ ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔ (آمین)

(نیز) نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی قابلِ غور ہے۔ فرمایا:

مَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَسَوّٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بَيْنَهُمَا فِي الشَّفَاعَةِ لَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَقْتَصِرْ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى خَصَّصَ الْمَدِيْنَةَ بِالذِّكْرِ وَحَضَّ عَلٰى مُحَاوَلَةِ ذٰلِكَ بِالْإِسْتِطَاعَةِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَإِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ مَّاتَ بِهَا۔ (ص ۲۳۳)

"جو شخص مدینہ طیبہ یا مکہ مشرفہ میں سے کسی ایک میں فوت ہو جائے تو میں قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔ (مذکورہ ارشاد میں قابل غور امر یہ ہے کہ) آپ نے حرمین میں سے کسی ایک حرم میں وفات پانے والوں کی سفارش میں دونوں کو برابری کا درجہ عنایت فرمایا ہے۔ بس اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مدینہ طیبہ کو خصوصی مقام سے بھی یاد فرمایا ہے۔ اور اس میں حسبِ استطاعت قیام کرنے پر بھی برانگیختہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جو شخص مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ پھر وہاں ہی مرے اس لیے کہ جو مدینہ طیبہ میں مرے گا، میں اس کا سفارشی ہوں گا"۔

(اس حدیث میں) "استطاعت" سے مراد مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی کوشش صرف کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مدینہ طیبہ کو علیحدہ یاد فرمانا، اس کے سب سے ممتاز ہونے کی دلیل ہے۔ اور ہو بھی کیوں کر نہ، جبکہ آنحضرت ﷺ خود ارشاد فرما رہے ہیں:

"حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ" فَجَعَلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حَيَاتَهٗ وَمَمَاتَهٗ كِلَيْهِمَا سَيَّيْنِ فِي الْفَضِيْلَةِ فِيْ تَعَدِّيْ نَفْعِهٖ وَبَرَكَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِأُمَّتِهٖ اَوَّلِهَا وَوَسَطِهَا وَاٰخِرِهَا فَنَصَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عُمُوْمِ نَفْعِهٖ فِي الْحَالَتَيْنِ مَعاً، كَيْفَ لَا وَهُوَ سَيِّدُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَسَيِّدُ مَنْ وَطِئَ الْحَصٰى۔

"میری زندگی و وفات (دونوں) تمہارے لیے بہتر ہیں۔ (اس ارشادِ گرامی میں) نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ و مماتِ رفیعہ دونوں کو اپنی امت کے لیے" چاہے وہ

امت آپ کی اولین مخاطب ہو یا درمیانی یا پچھلی' اپنے نفع وفیض کے شرف میں مساوی مقام عنایت فرمایا ہے اور اپنی دونوں حالتوں کی فیض رسانی پر حتمی فیصلہ صادر فرمایا ہے اور یہ ہوتا بھی کیوں کر نہ، جبکہ آپ اگلوں، پچھلوں، انسانوں وجنوں سبھی کے سردار ہیں''۔

(نیز) آپ، اللہ جل مجدہٗ کے غایت تقدس وتنزہ میں ہونے کے باوجود اس کے دو کمانوں کی قدر یا اس سے بھی انتہائی قریب قربِ خاص میں ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا حق والدین کے حقوق سے بڑھ کر ہے

(لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کی تفسیر میں) شیخ جلیل سیدی ابو محمد المرجانی رضی اللہ عنہ نے جو معنیٰ بیان فرمایا تھا اب ہم دوبارہ اس کے سیاق کی طرف انہی کا بیان فرمودہ معنیٰ بیان کرتے ہیں۔ (چنانچہ) شیخ جلیل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے (ان آیات میں) نبی اکرم ﷺ کی جہاں دوبارہ قسم ارشاد فرمائی وہاں آپ کی امت کی بھی قسم ارشاد فرمائی ہے۔

(چنانچہ) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ (بلد)

''اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو''(1)۔

(اس آیت میں والد سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں اور ولد سے مراد آپ کی امت ہے) اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ حقیقتاً والد ہیں اور آپ کی امت آپ کی اولاد ہے، کیوں کہ امت کے لیے حیاتِ سرمدیہ کے انعام اور جنت کی دائمی نعمتوں کے حصول اور جنت میں ہر طرح کے خطرات سے سلامتی کا سبب وذریعہ آپ ہی ہیں، اور خود حضور انور ﷺ سے بھی اسی طرح مروی ہے، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَثَابَةِ الْوَالِدِ۔ (انتھٰی)

''میں تمہارے لیے بمنزلہ والد کے ہوں''۔

یہ تو بالکل واضح ہے، اور اللہ جل مجدہٗ کے ارشاد سے بھی یہی مُشعر ہے، جیسا کہ فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

(احزاب:6)

1۔نوٹ:۔ یہ ترجمہ اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ کا ہے، آپ کا یہ ترجمہ ایک خاص طرز اور مشہور روایت کی بناء پر ہے، جبکہ شیخ جلیل قدس سرہٗ کا تفسیری ترجمہ ایک خاص نوعیت کا ہے، اور یہ علیحدہ روایت سے مستنبط ہے۔ قارئین کرام ترجمہ آیت اور تفسیری متن سے مغالطہ نہ کھائیں۔ ہذا (مترجم غفرلہٗ)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اسکی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا حق، والدین کے حقوق سے بڑھ کر ہے۔ اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ عالی میں بھی اسی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ ثُمَّ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

''(خرچ اور دیگر امور میں) پہل اپنے آپ سے کر، اس کے بعد جو بھی تیری زیرِ کفالت ہو''۔

اس ارشادِ گرامی میں آپ نے اپنے آپ کو دوسروں سے پہلے ذکر فرمایا ہے (اور آپ کا یہ ارشاد گرامی) اللہ عزوجل کے طریقہ کے عین مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں جہاں کہیں بھی آپ کو یاد فرمایا تو وہاں آپ کا ذکرِ گرامی تمام ایمان والوں سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔ جس کا بالکل کھلا مطلب یہ ہے کہ جب کسی بندہ کے سامنے دو حق آ جائیں، ایک حق اس کا اپنا اور دوسرا حق (1) نبی کریم ﷺ کا، تو اس وقت ایسے شخص کو نبی اکرم ﷺ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح و فوقیت دینا فرض و لازم ہے، اور اپنے حق کو نبی کریم ﷺ کے حق کے ماتحت کرنا لابدی ہے۔ اور یونہی تمام احوال میں آپ کی اتباع ضروری ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفع والدین کے نفع سے بڑھ کر ہے

اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اے انسان! تیرے لیے نبی کریم ﷺ کا نفع و فیض (اور تادیب و تربیت) والدین اور تمام مخلوق کے نفع سے بڑھ کر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گمراہی و بے راہروی، غضبِ مولیٰ کے مُوجب گناہوں اور سرکشیوں کے تلاطم میں جب غوطہ زن پایا تو تجھے اور تیری ڈگر چلنے والے تیرے خاندان کو فوراً باہر نکال دیا جبکہ تیرے والدین کا انتہائی احسان تجھ پر یہ ہے کہ وہ تجھے، کتم سے منصہء شہود میں لائے، گویا وہ تیرے لیے تکلیف و مشقت و ابتلاء میں لانے کا باعث بنے، بعدہٗ سب سے پہلے جس بھی گناہ میں تو مبتلا ہوا تو اس کی وجہ سے تُو عذابِ دوزخ کا مستحق ٹھہرا۔ پھر یہ اللہ جل مجدہٗ کی مشیت و رضا پر موقوف ہے کہ وہ تجھے اپنے عدل و انصاف کے مطابق تیرے کیے کی سزا دے دے، یا اپنے فضل و کرم سے تجھے معاف فرما دے۔

لہٰذا یہ فیضان (صرف اور صرف) نبی کریم ﷺ اور آپ کی اتباع ہی کا ثمرہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ

1۔ نبی اکرم ﷺ کے حقوق بندوں پر کیا ہیں؟ اس کا جواب امام نووی قدس سرہٗ اور امام سیوطی قدس سرہٗ کے فرمودات گرامی کے ضمن میں خصائص النبی ﷺ کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

نے تجھے ''جس مصیبت میں کہ تو مبتلا تھا، اور جس کی برداشت کی تجھ میں تاب وتوان نہ تھی'' نکال باہر کیا۔ (اے انسان!) اللہ جل مجدہٗ کے ہاں نبی اکرم ﷺ کے بلند و بالا مقام سے تجھے باخبر رہنا چاہیے اور تجھے نبی اکرم ﷺ کے عظیم احسان اور جودوکرم کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(تیرے لیے نبی کریم ﷺ کی سوچ کیا تھی؟ وہ) اللہ جل مجدہٗ کی بیان کردہ تیرے بارے میں آپ کی اس صفت سے واضح ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:128)

''تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان''۔

کیا تمہیں ابھی معلوم نہیں ہوا جو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔

''میری زندگی و موت دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں''۔

آپ کی زندگی مبارک کا ہر ایک کے لیے بہتر ہونا تو بالکل ظاہر ہے (مثلاً) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس آدمی نے ایمانی نگاہ سے آپ کی زیارت کر لی، یا آپ کی مجلس اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کر لیا۔ اور اس دوران آپ نے بھی اپنی نظر کریم سے نواز دیا تو اس شرف و بزرگی کی وجہ سے ایسے آدمی پر دوسرا کوئی آدمی کبھی بھی برتری نہیں لے جا سکتا۔

ہر پیر و جمعرات کو اعمال ملاحظہ فرمانا

اور آپ کی وفات شریف بھی سب کیلئے مکمل خیر و برکت ہے۔ اس لیے کہ ہر پیر اور شبِ جمعہ کو آپ کی امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اچھے اعمال والے پر آپ (ﷺ) خوش ہو کر اس کے لیے (زیادتیِ اعمال کی) دعا فرماتے رہتے ہیں۔ اور بد اعمال کے لیے طلبِ مغفرت و بخشش فرماتے رہتے ہیں۔

(تبصرہ) نیکوں کی ترقیِ درجات کے لیے آپ کا دعا گو رہنا اور بدوں کے لیے استغفار فرماتے رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان وکرم وہ ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ (لہٰذا آپ کی حیاتِ ظاہری کی طرح آپ کی وفات (حیات دائمی حقیقی) بھی سراپا خیر ہی خیر ہے۔

والدین و دیگر فوت شدہ اقارب پر بھی اعمال پیش ہوتے ہیں

ہر پیر اور شبِ جمعہ کو (فوت شدہ) ماں، باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں پر بھی زندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر اچھے اعمال ہوں تو یہ لوگ خوش ہوتے ہیں، اور اگر برے اعمال ہوں تو یہ لوگ

افسردہ وشرمندہ ہوتے ہیں، اور بس، انکے علاوہ کسی اور طرح کا تصرف ان کے مقدور سے باہر ہے۔
خداوندا! تیرے ہاں نبی اکرم ﷺ کا جو مرتبہ و مقام ہے، اس کے طفیل ہمیں اس نعمت عظمیٰ کی دائمی قدر و منزلت کی پہچان عطا فرما اور اس نعمتِ کبریٰ کے زوال و بے قدری سے محفوظ فرما۔ اور اس پر قادر و مختار بھی تو ہی ہے۔ آمین

شُبہ

اگر کوئی یہ کہے کہ جس طرح دوسرے ایام متبرکہ اور شب ہائے مبارکہ اور ماہ ہائے متفاضلہ میں کثرتِ اعمال پر ثواب عظیم ہے۔ اِس طرح ماہِ ربیع الاول شریف میں یہ خوبی نہیں ہے(1)۔ (تو یہ ماہِ مبارک دوسرے ماہ و ایام سے برتر کیسے ہوسکتا ہے؟)

جوابِ شُبہ

یہ امر شک وشبہ سے تو بالکل خالی ہے کہ ایسے ماہ و ایام جو بابرکت ہیں ان کی فضیلت و برکت اور عظمت و برتری صرف اس بنا پر ہے کہ ان میں عمدہ اعمال کی کثرت ہوتی ہے۔ گویا انہیں بزرگی وشرف فقط اعمالِ حسنہ کے سبب ہی حاصل ہوئی جبکہ ماہِ ربیع الاول شریف کو یہ بزرگی و کرامت اور عظمت حاصل ہے کہ اس ماہِ مقدس میں وہ مبارک ذاتِ گرامی تشریف لائی، جن کے دم قدم سے تمام اعمال وابستہ ہیں (اور جو اعمالِ حسنہ ملنے کی موجب ہے) اور انہی اعمال کے سبب ان ماہ و ایام کو عظمت ملی ہے۔

جوابِ ثانی

اللہ جل مجدہٗ نے قرآنِ عظیم میں نبی اکرم ﷺ کا ایک وصف یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ (توبہ:128)

''مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان''۔

اور (اس آیت کریمہ کے مقتضاء کے مطابق) نبی اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہوتا آپ اپنی امت کے لیے آسانی کی ہی راہ تلاش فرمایا کرتے تھے، اور حتی الوسع طلبِ تخفیف میں ہی رہا کرتے تھے، (یہی وجہ ہے کہ) جب ماہِ ربیع الاول شریف آنحضرت ﷺ کی آمد وتشریف آوری کے ساتھ مختص ہوگیا تو اس ماہِ ہمایوں میں اللہ جل شانہٗ نے آپ کی امت کو بھی کثرتِ

1۔ نوٹ:۔ فضائل مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ کی بحث جملہ معترضہ کے طور پر تھی، اصل میں امام ابن الحاج قدس سرہٗ ماہِ ربیع الاول اور یومِ دوشنبہ کی برتری تمام ماہ و ایام پر بتارہے تھے، جس کے ضمن میں بطور تائید و دلیل مذکورہ بحث بھی فرمادی۔ یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ تمام تر بحث ماہِ ربیع الاول اور یومِ دوشنبہ کی افضلیت پر پانچویں دلیل کے شواہد کے طور پر تھی۔ اب یہاں سے دوبارہ سابقہ موضوعِ سخن کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

اعمال کا مکلّف نہیں بنایا، بلکہ اس ماہ میں اس جانب (یعنی کثرتِ اعمال کے استحسان کا) فقط اشارہ ہی فرما دیا(1)۔

جوابِ ثالث

یہ امر تو بالکل مسلّم ہے کہ ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں حج کرنے والے افراد اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کے اعزاز و اکرام میں گویا ساری دنیا کے رہنے والے لوگ اللہ جل شانہٗ کے مہمان ہوئے تو اب خود اندازہ کر لیا جائے کہ جس کی ذاتِ اقدس کے طفیل دنیا والوں کو حج ملا، اور جن کے سبب حاجی اللہ تعالیٰ کے مہمان ٹھہرے، وہ ذاتِ کریم جس ماہِ مکرم میں ظہور پذیر ہو، اس کی عظمت و کرامت کا کیا عالم ہوگا، اور اس ماہِ مقدس کی کتنی بڑی شرافت و بزرگی ہوگی ''صلوات اللہ وسلامہٗ علیہٖ'' یہی وجہ ہے کہ اس احسان و نعمت کے شکرانے میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان اپنے جذبات کا اظہار یوں فرماتے رہتے تھے: ؎

فَلَوْ لَا أَنْتَ مَا صَمَمْنَا وَلَا صَلَّيْنَا   وَلَا حَجَجْنَا بَيْتَ رَبِّنَا

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ کی ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو ہمیں نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کی توفیق بھی نہ ہوتی)

لہٰذا جس ماہِ مقدس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس میں امت کا سخت اعمال کا مکلّف نہ ہونا اور مقررہ عبادات سے زائد کا بھی نہ ہونا، اس وجہ سے ہے کہ اس میں آپ کے ولودِ مسعود کی بدولت پوری امت پورا ماہ آپ کی مہمانی میں ہے۔

حجاج جو اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں ان کے احترام میں ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا حرام قرار پایا، اور اس مہمانی کا اہتمام فرمانے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ مہمانی صرف تین دن رہتی ہے جبکہ ربیع الاول شریف وہ ماہِ مقدس ہے جس میں سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کا ظہور ہوا۔ اس لیے یہ سارے کا سارا مہینہ مہمانی ہی کا مہینہ ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر انتہائی مشفق و مہربان ہیں اور سارے جہانوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً آپ رحمت ہیں۔ اس لیے آپ نے ماہِ ربیع الاول شریف میں اپنی امت کو کثرت و شدتِ اعمال کا مکلّف

1۔ یعنی اس ماہِ مبارک میں بھی کثرتِ صوم و صلوٰۃ اور دیگر کارہائے خیر پر اسی قدر ثواب عظیم ہے جس طرح دوسرے متبرک ایام و ماہ ہیں۔ (مترجم غفرلہٗ)

بھی نہیں بنایا۔ کیوں کہ رحمت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ کسی شئے میں کافی گنجائش موجود رہے۔ اسی بناء پر جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے حرمِ مدینہ طیبہ میں شکار کرنے پر کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ ''سمجھدار کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔

نبی کریم ﷺ کے احوال مبارکہ

امام ابن الحاج (مالکی) قدس سرہٗ کے فرمودہ جواہر سے ایک یہ بھی ہے جو انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب ''المدخل'' کے آخر میں مرید کے آداب پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ (اس لیے) ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ نبی اکرم ﷺ کے چند احوال و آثار تبرکاً ذکر کر کے اپنی گفتگو کا اختتام کریں تاکہ مرید کے لیے حضورِ انور ﷺ کے تصرفات، حرکات، سکنات و اشارات کی پیروی کرنے میں سہولت ہو۔ (چنانچہ) آپ کے انہی احوال و آثار سے بعض وہ ہیں جنہیں امام باجی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''سنن الصالحین وسنن العابدین'' میں ذکر فرمایا۔

(امام باجی قدس سرہٗ نے اپنی مذکورہ کتاب میں روایت فرمایا کہ:)

قَالَ مَالِکٌ اِنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا جَالِسَيْنِ وَيَتَحَدَّثَانِ وَكَعْبُ الْاَحْبَارِ قَرِيْبٌ مِنْهُمَا، فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اِنِّيْ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ النَّاسُ جَمَعُوْا لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَرَأَيْتُ النَّبِيِّيْنَ لَهُمْ نُوْرَانِ نُوْرَانِ وَلِاَتْبَاعِهِمْ نُوْرٌ نُوْرٌ، قَالَ وَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مَا مِنْ شَعْرَةٍ فِيْ جَسَدِهٖ وَلَا رَأْسِهٖ اِلَّا وَفِيْهَا نُوْرَانِ، وَرَأَيْتُ اَتْبَاعَهٗ لَهُمْ نُوْرَانِ نُوْرَانِ فَقَالَ لَهٗ كَعْبٌ اِتَّقِ اللّٰهَ وَانْظُرْ مَاذَا تُحَدِّثُ بِهٖ، فَقَالَ اِنَّمَا هِيَ رُؤْيَا رَأَيْتُهَا فَقَالَ كَعْبٌ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهٗ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْمُنَزَّلِ لَكَمَا ذَكَرْتَ۔ (ص ۲۳۵)

''امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو آدمی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ ان کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ (دورانِ گفتگو) ایک نے اپنے دوسرے ہم نشین سے کہا آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ گویا قیامت برپا ہے اور سب لوگ اکٹھے ہیں۔ اسی دوران میں نے سب انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا کہ ان کے لیے تو دو دو نور ہیں اور ان کے پیروؤں کے لیے ایک ایک نور ہے۔ اور اسی اثناء میں جب میں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی، تو مجھے دکھائی دیا کہ آپ کے جسم اقدس کے

لُوں لُوں اور سر اقدس کے ہر ہر بال مبارک میں دو دو نور ہیں، اور اسی طرح آپ کے پیروکاروں میں بھی دو دو نور ہیں (اس گفتگو پر) حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے بات کرنے والے سے فرمایا: خدا کا خوف کر اور دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے، اس شخص نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تو اپنی دیکھی ہوئی خواب بیان کر رہا ہوں۔ اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی تصدیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی قسم، جس طرح تو نے بیان کیا ہے کتاب اللہ میں بھی اسی طرح ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے فراق میں کھجور کے تنے کا گریہ کرنا

وَمِنْهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعَ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ يَقُوْلُ وَهُوَ يَبْكِيْ بِأَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ كَانَ لَكَ جِذْعٌ تَخْطُبُ النَّاسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَثُرُوْا اتَّخَذْتَ مِنْبَرًا تُسْمِعُهُمْ فَحَنَّ الْجِذْعُ لِفِرَاقِكَ حَتّٰى جَعَلْتَ يَدَكَ عَلَيْهِ فَسَكَنَ فَأُمَّتُكَ اَوْلٰى بِالْحَنِيْنِ عَلَيْكَ حِيْنَ فَارَقْتَهُمْ۔ (ص ۲۳۵)

"اور (اسی طرح) امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات شریف کے بعد حضرت امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا گیا کہ آپ گریہ کناں یہ فرما رہے تھے: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پہ قربان، ایک وقت وہ تھا جبکہ آپ ایک تنے پر ٹیک لگا کر لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے، پھر جب سامعین کی کثرت ہوئی تو آپ نے ان کے خطاب کے لیے منبر بنوالیا۔ جس کی وجہ سے وہ تنا آپ کے فراق و جدائی کے صدمہ میں رو پڑا۔ پھر آپ کے اس پر دستِ اقدس رکھنے سے وہ خاموش ہو گیا۔ (جب بے جان اشیاء کو آپ کی جدائی ناقابل برداشت ہے) تو یارسول اللہ ﷺ! جب آپ نے اپنی امت کو داغِ مفارقت دیا تو یہ آپ کے فراق میں رونے کی زیادہ سزاوار ہیں"۔

حضور انور ﷺ کی پیروی اللہ تعالیٰ کی پیروی ہے

بِأَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَ رَبِّكَ اَنْ جَعَلَ طَاعَتَكَ طَاعَتَهٗ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۝ (۲۳۵)

"(عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پہ قربان! اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کو اپنی اتباع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا)"۔

آپ ہی اوّل و آخر ہیں

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ أَنْ بَعَثَكَ آخِرَ الْاَنْبِيَآءِ وَذَكَرَكَ فِيْ اَوَّلِهِمْ فَقَالَ تَعَالٰى: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (احزاب:7)۔(۲۳۵)

"(عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ہی مروی) یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پہ قربان، اللہ جل مجدہٗ کے نزدیک آپ کا وہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث (تو) سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد کیا (مگر) آپ کا ذکرِ (رفیع) ان سب سے پہلے فرمایا: اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے"۔

کافروں کو آپ کا مرتبہ قیامت میں معلوم ہوگا

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ اَنَّ اَهْلَ النَّارِ يُوَدُّوْنَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَطَاعُوْكَ وَهُمْ بَيْنَ اَطْبَاقِهَا يُعَذَّبُوْنَ يَقُوْلُوْنَ يَا لَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ۔

"(امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ارشاد فرماتے ہیں) یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پہ نثار۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے کہ جب دوزخ کی گہرائیوں میں دوزخیوں کو عذاب ہو رہا ہوگا تو اس وقت وہ آپ کی اتباع میں ہونے کی آرزو کریں گے۔ چنانچہ وہ اپنی آرزو کا اس طرح اظہار کریں گے۔ کاش ہم اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسولِ کریم کی پیروی کرتے"۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ جامع کمالاتِ انبیاء ہیں

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَئِنْ كَانَ مُوْسٰى بْنُ عِمْرَانَ

اَعْطَاهُ اللّٰهُ حَجَرًا تَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ فَمَا ذَاکَ بِأَعْجَبَ مِنْ اَصَابِعِکَ حِیْنَ نَبَعَ مِنْهَا الْمَآءُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ۔

''(بسندِ سابق) یارسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پہ فدا، اللہ کی قسم! اگر حضرت موسیٰ بن عمران علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کمال سے نوازا کہ ان کو وہ پتھر عطا فرمایا تھا، جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے تو (ان کا یہ کمال) آپ کے اس کمال سے زیادہ تعجب خیز نہیں، جبکہ آپ کی انگشت ہائے مبارکہ سے پانی کے چشمے ابل پڑے تھے، صلی اللہ علیک''۔

بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَئِنْ کَانَ سُلَیْمَانُ بْنُ دَاوُدَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ رِیْحًا غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ فَمَا ذَاکَ بِأَعْجَبَ مِنَ الْبُرَاقِ حِیْنَ سَرَیْتَ عَلَیْهِ إِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ ثُمَّ صَلَّیْتَ الصُّبْحَ مِنْ لَیْلَتِکَ بِالْاَبْطَحِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ۔

''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر نثار، اللہ کی قسم! اگر حضرت سلیمان بن داوٗد علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو اللہ جل مجدہٗ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ ہوا ان کے ماتحت کر دی گئی تھی، صبح و شام، ایک ایک مہینہ کی مسافت کا سفر طے فرما لیا کرتے تھے، تو (ان کا یہ اعزاز) آپ کے بُراق سے زیادہ ماورائے عقل نہیں جبکہ آپ نے اس پر سوار ہو کر راتوں رات ساتوں آسمانوں کی سیر فرمائی، اور اسی شب کی صبح کی نماز پھر مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی۔ صلی اللہ علیک وسلم''۔

بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَئِنْ کَانَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِحْیَاءَ الْمَوْتٰی فَمَا ذَاکَ بِأَعْجَبَ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ حِیْنَ کَلَّمَتْکَ وَهِیَ مَسْمُوْمَةٌ فَقَالَتْ لَا تَأْکُلْنِیْ فَإِنِّیْ مَسْمُوْمَةٌ۔

''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا، اللہ کی قسم! اگر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کو اللہ جل مجدہٗ نے مردے زندہ کر دینے کے شرف سے سرفراز فرمایا، تو (تو ان کا یہ اعجاز آپ کے اس معجزہ سے بڑھ کر تعجب انگیز نہیں جبکہ زہر آلود بکری (کے ران) نے آپ سے کلام کرتے ہوئے آپ کو بتا دیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے مت کھائیے کیوں کہ میں زہر آلود ہوں)''۔

بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْ دَعَا نُوْحٌ عَلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۞ وَلَوْدَعَوْتَ مِثْلَھَا عَلَیْنَا لَھَلَکْنَا مِنْ آخِرِنَا فَلَقَدْ وُطِیَ ظَھْرُکَ وَأُدْمِیَ وَجْھُکَ وَکُسِرَتْ رُبَاعِیَتُکَ فَأَبَیْتَ اَنْ تَقُوْلَ اِلَّا خَیْرًا فَقُلْتَ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پر فدا، حضرت نوح علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو (اپنی قوم سے اذیّت پہنچنے پر) اپنی قوم پر یہ فرماتے ہوئے: "اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ"۔ بددعا ارشاد فرمائی تھی۔ اگر ان کی طرح آپ بھی ہم پر بددُعا ارشاد فرمادیتے تو ہماری نسل ہی منقطع ہو جاتی۔ جبکہ آپ کی (تکالیف و فتنہ سامانیاں بہ نسبت حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے بڑھ کر تھیں مثلاً) پُشتِ اقدس پر پتھر برسائے گئے، رُوئے تاباں کو مجروح کیا گیا، دندان مبارک کو شہید کیا گیا۔ (مگر پھر بھی) آپ نے بددعا ارشاد نہ فرمائی بلکہ دعائے خیر سے ہی نوازتے ہوئے فرمایا: خدایا! میری قوم کو معاف فرمادے کیونکہ یہ جاہل ہیں"۔

بِأَبِیْ اَنْتَ وَأُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْ اِتَّبَعَکَ فِیْ اَحْدَاثِ سِنِّکَ وَقِصَرِ عُمُرِکَ، مَا لَمْ یَتَّبِعْ نُوْحًا فِیْ کِبَرِ سِنِّہٖ، وَطُوْلِ عُمُرِہٖ فَلَقَدْ آمَنَ مَعَہٗ اِلَّا قَلِیْلٌ۔

"یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پہ نثار، آپ کے پیروکار مختصر عرصہ میں اور آپ کی مختصر سی (تبلیغی) زندگی (یعنی کل ۲۳ سال) میں اس قدر ہوئے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طویل عرصہ اور دراز عمر میں بھی نہ ہو سکے۔ (یہی وجہ ہے کہ) آپ پر بے شمار لوگ ایمان لائے، اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت کم لوگ ایمان لائے"۔

بِأَبِیْ اَنْتَ وَأُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَوْ لَمْ تُجَالِسْ اِلَّا کُفُوًا لَکَ مَا جَالَسْتَنَا وَلَوْ لَمْ تَنْکِحْ اِلَّا کُفُوًا لَکَ مَا نَکَحْتَ اِلَیْنَا وَلَوْ لَمْ تُوَاکِلْ اِلَّا کُفُوًا لَکَ مَا اَکَلْتَنَا وَلَبِسْتَ الصُّوْفَ وَرَکِبْتَ الْحِمَارَ وَوَضَعْتَ طَعَامَکَ بِالْاَرْضِ وَلَعِقْتَ اَصَابِعَکَ تَوَاضُعًا مِّنْکَ۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ۔

''یارسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان، آپ اگر فقط اپنے ہی قبیلہ میں رہن سہن رکھتے تو ہمارے ساتھ کبھی بھی مجالست نہ فرماتے اور آپ اگر صرف اپنے ہی خاندان کی خواتین سے عقد فرماتے تو ہماری مستورات آپ کے حبالہ عقد میں ہرگز نہ آتیں، نیز اپنا خوردونوش اگر آپ اپنے ہی خاندان میں رکھتے تو ہمارے ساتھ ہرگز نہ کھاتے پیتے۔ آپ نے اظہار تواضع کے طور اونی کپڑے استعمال فرمائے، اور تواضعاً دراز گوش کی سواری اختیار فرمائی اور تواضعاً ہی آپ نے کھانا زمین پر رکھ کر نوش فرمایا، اور انکساری کے طور پر ہی آپ نے کھانا نوش فرمانے کے بعد اُنگلیاں (اور برتن) چاٹنے سے بھی عار محسوس نہ فرمائی۔ صلی اللہ علیک''۔

سیّد عالم ﷺ کی طرز معاشرت

امام طبری قدس سرہٗ ''کتاب التفسیر'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

☆ حضور سید عالم ﷺ اُونی کپڑے پہن لیتے تھے۔

☆ سلائی کردہ جوتا استعمال فرماتے تھے۔

☆ اور کسی لباس کے پہننے میں اظہارِ ناپسندیدگی نہ ہوتا تھا بلکہ جو بھی میسر آتا پہن لیا کرتے تھے۔

☆ پہناوے میں کبھی تو صرف سادہ چادر ہوتی اور کبھی دھاریدار سوتی یمنی چادر اور کبھی اونی جُبّہ زیب تن رہتا۔

☆ نبی اکرم ﷺ پکے چمڑے کا نعلین استعمال فرماتے تھے (1) اور بعد از وضو استعمال ہوتا تھا۔

☆ (یہ بھی واضح رہے کہ) نبی اکرم ﷺ کے نعلینِ پاک کے دو تسمے ہوا کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے ایک تسمے والا جوتا استعمال کرنے والے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کا سب سے پسندیدہ لباس یمن کی بنی ہوئی سرخ وسفید لکیروں والی چادریں تھیں، (اسی طرح) قمیص کا پہننا بھی آپ کو بہت مرغوب تھا۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کی عادت کریمہ یہ ہوتی تھی کہ جب کبھی کسی نئے کپڑے کو پاتے تو اس کا

1۔ نبی اکرم ﷺ کی نعلینِ مقدس کی ساخت اور طریقہ استعمال کی بحث امام نووی قدس سرہٗ کے فرمودات کے ضمن میں حاشیہ پر گزر چکی ہے۔

(مروّجہ) نام لے کر استعمال فرماتے، (مثلاً) یوں فرماتے کہ یہ "عمامہ" ہے۔ یہ "قمیص" ہے۔ یہ "چادر" ہے۔ وغیرہ۔

☆ اور لباس پہنتے وقت یہ دعا ارشاد فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا اَلْبَسْتَنِیْهِ اَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔

"اللہ! سب خوبیاں تجھی کو جو تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس کی خیر اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور اس کے شر سے اور جس کے لیے یہ بنایا ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبز لباس بہت پسند تھا۔

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گاہے گاہے فقط ایک ہی اونی کملیا اوڑھ کر نماز ادا فرمائی ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی صرف ایک ہی چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس کے دونوں کنارے دونوں کندھوں کے درمیان بندھے ہوتے تھے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اکثر) پگڑی شریف کے نیچے ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

☆ اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ شریف باندھ لیتے تھے۔

☆ اور گاہے بلا پگڑی مبارک صرف ٹوپی بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

☆ (لوہے کی) کان والی ٹوپی دورانِ جنگ استعمال فرمایا کرتے تھے۔

☆ اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ نماز پڑھتے ہوئے ٹوپی اتار کر بطور سُترہ سامنے رکھ لیا کرتے تھے۔

☆ اور بہت دفعہ ایسے بھی ہوا کہ آپ نے بغیر ٹوپی، پگڑی اور چادر کے مدینہ منورہ کے آخری کناروں تک پیدل چل کر مریضوں کی عیادت فرمائی ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمامہ شریف استعمال فرماتے تو اس کا ایک لڑ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکتا رہتا تھا۔

☆ وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ قَالَ عَمَّمَنِیْ بِعَمَامَةٍ، وَسَدَلَ طَرَفَهَا بَیْنَ کَتِفَیَّ وَقَالَ اِنَّ الْعَمَامَةَ حَاجِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُشْرِکِیْنَ۔

"(جیسا کہ) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمامہ باندھا، جس کا ایک سرا میرے دونوں کندھوں کے درمیان

لٹکا دیا، اور پھر فرمایا: عمامہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان (پہناوے میں) حدِ امتیاز ہے"۔

☆ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن سُرخ چادریں اور عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں چاندی کی ساختہ ایسی انگشتری بھی استعمال فرمائی، جس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا ہوتا تھا۔

☆ نبی کریم ﷺ کی انگشتری مبارک کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔

☆ نبی کریم ﷺ نے کبھی کبھار بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں بھی انگشتری استعمال فرمائی ہے۔

(یہ بھی واضح رہے کہ) نبی کریم ﷺ کی انگشتری مقدس کا نگینہ ہتھیلی مبارک کی طرف ہوتا تھا۔

☆ نبی کریم ﷺ خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔

(چنانچہ اسی اظہار پسندیدگی کے طور) آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل مجدہٗ نے دنیوی اشیاء میں ایک تو میری پسند منکوحہ عورتوں میں رکھی ہے، اور دوسری خوشبو میں، اور تیسری نماز تو میری آنکھوں کی خنکی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کستوری، عنبر اور کافور کی آمیزش سے خوشبو تیار فرما کر استعمال فرما لیتے تھے، حتیٰ کہ اس کی چمک سرِ اقدس کی مانگ میں دکھائی دیتی تھی۔

گاہے گاہے خوشبودار لکڑی (عُود ہندی) اور کافور ملا کر اس کی خوشبو لیا کرتے تھے، (ایسی خوشبو کو بخور کہتے ہیں)

☆ جب کبھی نبی کریم ﷺ کو سخت اندھیری شب میں کہیں گزرنا پڑ جاتا تو آپ اپنی (عمدہ) خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

☆ معلمِ کائنات ﷺ ہر شب (آرام فرماتے وقت) ہر ایک چشم مقدس میں (تعلیماً للامت) تین تین مرتبہ سرمہ ڈالا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ یوں بھی ہوتا کہ آپ دائیں آنکھ مبارک میں تین بار اور بائیں آنکھ مبارک میں دو بار سرمہ ڈالتے۔

☆ اور بسا اوقات بحالتِ روزہ بھی آپ نے سرمہ استعمال فرمایا ہے۔

(اور ساتھ ہی اس کی حکمت بھی واضح فرماتے ہوئے) آپ فرمایا کرتے تھے:

عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمَدِ فَإِنَّهُ يَجْلُوْا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ۔

"سیاہ سُرمہ ضرور ڈالا کرو اس لیے کہ یہ سرمہ نظر تیز کرتا ہے اور پلکیں بڑھاتا ہے۔"

☆ سید عالم ﷺ سرِ اقدس اور ڈاڑھی مبارک میں تیل بکثرت لگایا کرتے تھے۔
☆ سید عالم ﷺ ایک دن وقفہ فرما کر کنگھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔
☆ سید عالم ﷺ شیشہ میں چہرۂ انور بھی ملاحظہ فرمایا کرتے تھے، اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ حضرت سیدنا ام المومنین عائشۃ الصدیقہ سلام اللہ علیہا کے حُجرہ مقدسہ میں رکھے ہوئے پانی کے آفتابہ میں روئے تاباں ملاحظہ فرمالیا کرتے تھے، اور اسی میں (معنبر یں) زُلفیں بھی درست فرمالیتے تھے۔

اشیاءِ سفر

☆ سید عالم ﷺ جب کبھی سفر اختیار کرنے کا ارادہ فرماتے تو سرمہ دانی، شیشہ، کنگھی، قینچی، مسواک، سوئی اور دھاگا ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھا کرتے تھے۔
☆ سیّد عالم ﷺ بوقتِ ضرورت اپنے کپڑے خود ہی سی لیا کرتے تھے۔ اور پھٹا ہوا نعلین شریف بھی خود ہی گانٹھ لیا کرتے تھے۔
☆ نبی اکرم ﷺ "پیلو" (وَن) کی مسواک استعمال میں لایا کرتے تھے۔
☆ سیّد عالم ﷺ شب بیداری کے بعد مسواک استعمال فرمایا کرتے تھے۔ ہوتا یوں کہ جب آپ شب میں آرام فرماتے تو تین دفعہ مسواک استعمال فرماتے، اور اسی طرح جب کسی ذکر و فکر اور وظائف کے لیے تشریف فرما ہوتے، تو پھر بھی مسواک استعمال فرماتے۔ ایسے ہی صبح کی نماز کے لیے جب تشریف لے جاتے تو دوبارہ مسواک کا استعمال ہوتا۔
☆ (امت کو حفظانِ صحت کی تعلیم دینے کی خاطر) نبی کریم ﷺ کسی بھی ماہ کی سترھویں یا اکیسویں یا انیسویں تاریخ کو گردن مبارک کی رگوں میں دونوں کندھوں کے درمیان سینگی لگوایا کرتے تھے، حتیٰ کہ (اسی معمول کے مطابق) مکہ مکرمہ میں بحالتِ احرام پائے مبارک کے اوپر والے حصہ پر بھی آپ نے سینگی لگوائی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے مزاح (1) فرمانے کی کیفیت

سیّد عالم ﷺ اپنے حلقہ بگوشوں کی دلجوئی کے لیے کبھی کبھار خوش طبعی بھی فرمالیا کرتے تھے، مگر آپ کی دل لگی خلافِ واقعہ نہ ہوتی، بلکہ واقعہ اور نفس الامر کے عین مطابق ہوتی تھی۔ (مثلاً):
☆ ایک دن آپ نے حضرت سیدتنا ام سلیم رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم

1۔ نبی اکرم ﷺ مزاح، دل لگی، اور خوش طبعی کیوں فرماتے تھے؟ اس کی حکمت و وجہ امام ابن سید الناس کے فرمودات کے ضمن میں حاشیہ پر گزر چکی ہے۔

سے سرفراز فرمایا، اور اس دن اچانک حضرت سیّدنا ابوطلحہ (انصاری) رضی اللہ عنہ سے آپ کے صاحبزادے کی چڑیا مرگئی تھی، (جس کی وجہ سے وہ صاحبزادے کچھ ملول تھے) اس پر آپ نے ان کی دل جوئی فرماتے ہوئے مزاحاً فرمایا: "یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ"(1) ابوعمیر! تمہاری چڑیا کہاں گئی؟

☆اور (اسی طرح) ایک صاحبہ عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اونٹ کی سواری عنایت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تجھے اونٹنی کے بچہ پر سوار کردوں گا۔

☆یوں ہی ایک صاحبہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرا شوہر بیمار ہے، تو آپ نے فرمایا: اچھا تیرا شوہر وہی ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ وہ صاحبہ واپس گئیں اور اپنے شوہر کی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگیں۔ اس پر وہ صاحب بولے: اری! تجھے کیا ہوا؟ وہ بولیں: مجھے رسولِ کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ تیری آنکھوں میں سفیدی ہے۔ تو وہ صاحب بولے: واہ ری واہ! ایسا بھی کوئی ہے کہ جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو!

☆اور یونہی ایک صاحبہ گزارش کرنے لگیں: یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت عنایت فرمائے۔ آپ نے اس سے فرمایا: اے فلاں کی ماں! کوئی بوڑھی عورت بہشتی نہ ہوگی۔ وہ صاحبہ روتے ہوئے واپس ہونے لگیں تو آپ نے اصحاب کرام سے فرمایا: اسے بتادو کہ کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی (بلکہ بحالتِ جوانی داخلہ ہوگا جیسا کہ) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۔ عُرُبًا اَتْرَابًا ○

"بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا، تو انہیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہر پر پیاریاں، انہیں پیار دلاتیاں، ایک عمر والیاں"۔

☆ام المومنین سیدتنا عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دوڑ لگائی اور میں دوڑ میں آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا جسم پھول گیا، تو میں نے دوبارہ آپ سے دوڑنے میں مقابلہ کیا تو اس مرتبہ حضور اکرم ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے۔ پھر (دوڑ کے اختتام پر) آپ نے میرے کندھوں پر دستِ اقدس پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ (آج کا مقابلہ) پہلی مرتبہ کا بدلہ ہے۔

☆وَجَآءَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السُّوْقِ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِ

1۔ "نُغیر" ہماری زبان میں "ممولا" کو کہتے ہیں۔

رَجُلٍ،اِسْمُهٗ زَاهِرٌ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُحِبُّهٗ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى عَيْنَيْهِ وَمَا كَانَ يَعْرِفُ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،حَتّٰى قَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَا الْعَبْدَ،فَجَعَلَ يَمْسَحُ ظَهْرَهٗ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَيَقُوْلُ إِذَنْ تَجِدُنِىْ كَاسِدًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ لَسْتَ كَاسِدًا۔(ص ۲۳۷)

''ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ بازار تشریف لے گئے اور وہاں پر'' زاہر'' رضی اللہ عنہ نام کے ایک صاحب جن سے آپ محبت فرمایا کرتے تھے، کو ملاحظہ فرمایا۔ پھر آپ نے ان کی پشت سے ان کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ مبارک رکھ دیے اور اس دوران انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ رسولِ کریم ﷺ کے دست (شفاء) ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ یوں ارشاد فرما ہوئے اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ (جب حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں) تو انہوں نے اپنی پشت کو (برکت حاصل کرنے کی خاطر) نبی اکرم ﷺ سے مس کرنا شروع کر دیا، اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے، یارسول اللہ ﷺ اس وقت تو آپ مجھے کھوٹا (مال) پائیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے (ان کی دل جوئی فرماتے ہوئے) فرمایا: ہاں۔ مگر تو اللہ جل مجدہٗ کے ہاں تو کھوٹا نہیں ہے (یعنی دنیا والے اگرچہ تجھے کھوٹا سکہ جانیں مگر تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھرا ہے)''۔

☆ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک راستہ میں حضرت امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ (کھیل کود میں) مشغول دیکھا تو آپ انہیں اپنی شفقت سے نوازنے کیلئے لوگوں سے آگے بڑھنے لگے، اس پر حضرت الامام حسین رضی اللہ عنہ نے اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا، پھر نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں ہنسانے کی خاطر ان کے پیچھے بھاگنا شروع فرما دیا۔ حتی کہ آپ (ﷺ) نے انہیں پکڑ لیا اور پھر اپنا ایک دستِ اقدس ان کے سر کے اوپر، اور دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر پیار فرمایا۔

☆وَكَانَ ﷺ يَدْخُلُ عَلٰى عَائِشَةَ وَالْجَوَارِىْ يَلْعَبْنَ عِنْدَهَا فَإِذَا رَأَيْنَهٗ، تَفَرَّقْنَ فَيُسَرِّهُنَّ إِلَيْهَا۔

''(جب کبھی) سید عالم ﷺ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو (بعض مرتبہ) آپ انہیں اس حالت میں پاتے کہ چھوٹی

لڑکیاں کھیل رہی ہوتی تھیں، جب وہ لڑکیاں آپ کی زیارت سے باریاب ہوتیں تو ادھر ادھر بھاگ جاتی تھیں، (مگر) نبی کریم ﷺ دوبارہ ان لڑکیوں کو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ہاں واپس کھیلنے کے لیے بھیج دیتے تھے۔"

وَقَالَ لَهَا يَوْمًا وَهِيَ تَلْعَبُ بِلُعْبَتِهَا، مَا هٰذِهٖ يَا عَائِشَةُ، فَقَالَتْ خَيْلُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَضَحِكَ، وَطَلَبَ الْبَابَ، فَابْتَدَرَتْهُ وَاعْتَنَقَتْهُ، فَقَالَ مَالَكِ يَا "حُمَيْرَا" فَقَالَتْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِيْ وَمَا تَأَخَّرَ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رُؤِيَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ، فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَةَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا، وَلَا تَكْسِبُ بَعْدَهَا خَطِيْئَةً وَلَا إِثْمًا، ثُمَّ قَالَ ﷺ أَفَرِحْتِ يَا عَائِشَةُ، فَقَالَتْ اَيْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَقَالَ اَمَا وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ، بِالْحَقِّ مَا خَصَصْتُكِ بِهَا مِنْ بَيْنِ أُمَّتِيْ وَإِنَّهَا لَصَلَاتِيْ لِأُمَّتِيْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِيْمَنْ مَضٰى مِنْهُمْ، وَمَنْ بَقِيَ وَمَنْ هُوَ اٰتٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَأَنَا اَدْعُوْا لَهُمْ، وَالْمَلٰئِكَةُ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى دُعَائِيْ۔ (ص ۲۳۸)

"(اسی طرح) ایک مرتبہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے کھلونوں سے دل بہلا رہی تھیں کہ (اتنے میں اچانک) نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے تو آپ نے (مزاحاً) موصوفہ رضی اللہ عنہا سے استفسار فرمایا: عائشہ! (رضی اللہ عنہا) یہ (کھلونا) کیا چیز ہے؟ تو سیّدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو سلیمان بن داوٗد علٰی نبینا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے ہیں۔ یہ جواب سماعت فرمانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا، اور پھر آپ ﷺ دروازہ کی جانب چل دیے۔ پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بھی جلدی سے بھاگ کر آپ کو جالیا۔ (اس کیفیت کے بارہ میں) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: حمیرا! (1) کیا بات ہے؟ تو آپ عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان، دعا فرمائیے کہ اللہ جل مجدہٗ میری اگلی پچھلی "ترک اولیٰ" باتیں معاف فرما دے۔ (اس عرض پر) نبی کریم ﷺ

نے (دعا کے لیے) اپنے دستِ اقدس اتنے بلند فرمائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور فرمایا: الٰہی! ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے ظاہر و باطن کی خلافِ اولیٰ باتیں یوں مٹا دے تاکہ ازاں بعد اس سے تقرب الی اللہ کے منافی امور کا وقوع نہ ہونے پائے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا) اب خوش ہو؟ موصوفہ عرض کرنے لگیں: اس رب کی قسم، جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میں (نہایت) خوش ہوں۔ پھر نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: مجھے بھی ذاتِ الٰہ کی قسم، جس نے مجھے حق دے کر مبعوث فرمایا۔ میں نے اپنی امت میں سے اس دعا کے ساتھ صرف تجھے ہی خاص نہیں کیا بلکہ شب و روز میں میری اس قسم کی دعا ساری امت کے لیے ہے۔ چاہے وہ پہلی ہو یا درمیانی، یا پچھلی قیامت تک آنے والی ہیں سب کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں، اور میری دعا پر سبھی فرشتے آمین کہتے ہیں"۔

☆ نبی کریم ﷺ مہمان کی عزت افزائی فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ مہمان کی دلجوئی و عزت کے لیے اپنی چادر مبارک تک بچھا دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی رضاعی ماں آپ کے ہاں حاضر ہوئیں تو آپ نے مرحبا فرماتے ہوئے اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں اس پر بٹھا دیا۔

☆ سید عالم ﷺ سب سے بڑھ کر خندہ رُو تھے۔

(نیز) نبی کریم ﷺ مسلسل غمناک اور دائم الفکر ہونے کے باوجود، سب میں کشادہ روئی سے رہتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کا کوئی بھی لمحہ یادِ الٰہی کے ماسوا میں نہ گزرتا تھا، یا حوائج ضروریہ (مثلاً) گھریلو امور یا امت کے ضروری امور کی انجام دہی میں مشغولیت رہتی تھی۔

☆ اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے سید عالم ﷺ کو جب کبھی دو باتوں میں سے ایک کے اپنانے کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے صرف آسان بات کو اپنایا کرتے تھے۔ بشرطیکہ اس میں صلہ رحمی کا خلاف نہ ہوتا، اور اگر اس امر میں قطع رحمی کی بات ہوتی تو آپ اس سے کوسوں دور ہو جایا کرتے تھے۔

☆ (بوقتِ ضرورت) سید عالم ﷺ (بعض اوقات) گھریلو امور خود ہی سرانجام دے لیا کرتے تھے، حتیٰ کہ گوشت کترنے تک اپنے اہل خانہ کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

☆ (بوقتِ ضرورت) سید عالم ﷺ اپنے نعلین مقدس خود مرمت کر لیا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ پھٹے ہوئے کپڑے کو خود ہی پیوند لگا لیا کرتے تھے۔

☆(علوِ مرتبت کے باوصف) آپ ﷺ گھوڑے کے علاوہ خچر اور دراز گوش پر بھی سواری فرما لیا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ گھوڑے کی پیشانی کو اپنی آستین یا چادر کے پلو سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ دستِ اقدس میں چھڑی لے کر چلا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

''ہاتھ میں چھڑی لے کر چلنا انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے''۔

☆سید عالم ﷺ نے بکریوں کی گلہ بانی بھی فرمائی ہے، اور اس بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''ایسا کوئی بھی نبی نہیں کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔

☆نبوت ملنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے خود اپنا عقیقہ فرمایا ہے۔ پھر (اس کے بعد) اپنے گھر کے ہر بچہ کا عقیقہ فرمایا کرتے تھے، اور ساتویں دن بچہ کے سر کے بال اتروا کر بالوں کے وزن کے مطابق چاندی خیرات فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ نیک شگون تو پسند فرمایا کرتے تھے اور بدشگونی کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے: ہم میں سے ہر آدمی اپنے دل میں کچھ نہ کچھ (اچھا یا برا) خیال پاتا رہتا ہے مگر جب اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو پھر اللہ جل مجدہٗ اس کے اس قسم کے خیال کو دور فرما دیتا ہے۔

☆سید عالم ﷺ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب کبھی آپ کے پاس کوئی اچھی خبر آتی تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' فرمایا کرتے اور جب کبھی کوئی ناپسندیدہ بات سامنے آتی تو یوں ارشاد فرماتے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ حَالٍ'' ہر حال میں سبھی خوبیاں میرے پروردگار کو ہیں۔

☆سید عالم ﷺ کھانا تناول فرمانے کے بعد اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَآوَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔

''سب خوبیاں اللہ جل مجدہٗ کے لیے، جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، رہنے کو مکان دیا، اور ہمیں مسلمان کیا۔''

☆نیز کھانا نوش فرمانے کے بعد سید عالم ﷺ سے یہ دعا بھی مروی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ، غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنِیْ عَنْہُ۔

''ہر وقت اور ہر حال میں بے شمار پاکیزہ اور بابرکت خوبیاں اللہ کو، پروردگار! ہم سے اس طعام کی برکت دور نہ ہو، اور نہ ہی ہمیں اس کی توفیق ملے کہ ہم (تیرے عطا کردہ طعام

سے) لاپرواہی برتیں"۔

☆ سید عالم ﷺ کو جب کبھی چھینک آتی تو اپنے چھینکنے کی آواز پست فرماتے، اور اپنے دستِ اقدس یا کسی کپڑے سے منہ مبارک ڈھانپ لیا کرتے، اور (چھینک کا اثر ختم ہونے پر) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالاتے۔

☆ سید عالم ﷺ اکثر قبلہ رو ہو کر تشریف فرما ہوا کرتے تھے، اور جب کبھی کسی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو گھیر کر تشریف فرما ہوتے۔

سید عالم ﷺ بکثرت ذکر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہوا کرتا تھا اور ایک نشست میں سو بار استغفار فرمایا کرتے تھے(1)۔

☆ سید عالم ﷺ شب کے پہلے حصے میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصۂ شب میں بیدار رہا کرتے تھے، پھر آرام کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے، اور جب صبح کی اذان سماعت فرماتے تو فوراً اٹھ بیٹھتے، اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے، ورنہ (تازہ) وضو فرما کر نماز کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

☆ نبی کریم ﷺ نفلی نماز اکثر کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے اور کبھی کبھار بیٹھ کر بھی ادا فرما لیتے تھے (مگر عمر شریف کے آخری ایام میں) جیسا کہ سیدتنا ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ وصال مبارک سے پہلے نفلی نماز اکثر بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے تھے۔

☆ نبی کریم ﷺ کے سینۂ اقدس سے بحالتِ نماز ہانڈی کے ابال کی طرح رونے کی آواز سنائی دیا کرتی تھی۔

☆ سید عالم ﷺ ہر پیر اور جمعرات اور ہر ماہ کے تین دن (یعنی ایام بیض) اور دسویں محرم کو ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ جبکہ جمعہ کو بہت کم روزہ رکھتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کے (نفلی) روزے اکثر ماہِ شعبان میں ہوا کرتے تھے۔

تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ اِنتِظَارًا لِلْوَحْيِ وَاِذَا نَامَ نَفَخَ، وَلَا يَغِطُّ غَطِيْطًا۔

"نبی کریم ﷺ کی چشمانِ مقدس تو آرام فرمایا کرتی تھیں مگر قلبِ اقدس وحی کے انتظار میں (بدستور) بیدار رہتا تھا، بحالتِ نیند آپ بلند آواز سے سانس نکالا کرتے تھے، مگر وہ

1۔ سید عالم ﷺ کے استغفار پڑھنے کی حکمت امام ابن سید الناس قدس سرہٗ کے فرمودات کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

آواز زوردار خراٹے بھر کر نہ ہوتی تھی"۔

☆ نبی کریم ﷺ بحالتِ نیند جب کوئی خوفزدہ کرنے والی شئے ملاحظہ فرماتے تو یہ دعا ارشاد فرمایا کرتے تھے:

هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ لَا شَرِیْکَ لَهٗ۔

"اللہ ہی میرا پروردگار ہے، جس کا کوئی شریک نہیں"۔

☆ سیدعالم ﷺ جب استراحت کے ارادہ سے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی دائیں ہتھیلی مقدس دائیں رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر یہ دعا ارشاد فرمایا کرتے تھے:

رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ۔

"پروردگار! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھیو"۔

☆ نیز شب خوابی کے وقت آپ سے یہ دعا بھی منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ بِاِسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔

"الٰہی! میں تیرے ہی نام سے جیوں گا اور روپوش ہوں گا"۔

☆ اور بوقتِ بیداری یہ دعا ارشاد فرمایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ؁

"سبھی خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں (ایک طرح کا) مارنے کے بعد زندگی عطا کی، اور آخر اسی کی طرف سب کا لوٹنا ہے"۔

☆ نبی کریم ﷺ کی مبارک گفتگو اس قدر واضح ہوتی تھی کہ جسے حاضرین مجلس یاد کر لیا کرتے تھے، اور بعض دفعہ سمجھانے کی خاطر بعض باتیں تین دفعہ (بھی) دہرایا کرتے تھے۔

☆ سیدعالم ﷺ بلاضرورت بات نہیں فرمایا کرتے تھے، بلکہ خاموشی اختیار فرمایا کرتے تھے۔

☆ سیدعالم ﷺ کا کلام شریف فضول وناقص نہ ہوتا تھا، بلکہ کھلے اور جامع کلمات سے ہوا کرتا تھا۔

☆ بعض دفعہ سیدعالم ﷺ اپنی گفتگو شریف میں بعض اشعار کی بھی مثال دے دیا کرتے تھے، اور بعض دفعہ محاورات بھی ذکر فرما دیا کرتے تھے، جیسا کہ:

"یَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ یَتَزَوَّدِ"(1)۔

1۔ ترجمہ: اور تجھے وہ شخص خبریں لا کر سنائے گا جس کو تو نے کوئی توشہ نہیں دیا۔ (یعنی غیر متوقع طریقہ سے زمانہ تیرے سامنے واقعات پیش کرے گا۔)

کے محاورہ سے بھی آپ نے مثال دی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کا بڑے سے بڑا ہنسنا بھی صرف تبسم تک ہوتا تھا، اور بسا اوقات کسی امر غریب کے ادراک سے آپ ﷺ کا خندہ اتنا ہوتا تھا کہ دندان (مبارک) پیشین تک واضح ہو جایا کرتے مگر یہ خندہ مبارک بھی قہقہہ کے بغیر ہوا کرتا تھا۔

☆ سید عالم ﷺ نے کسی بھی کھانے کو کبھی بھی عیب نہیں لگایا، اگر کھانے کی ضرورت ہوئی تو کھا لیا ورنہ ترک فرما دیا۔

☆ (نیز) سید عالم ﷺ ٹیک لگا کر یا دستر خوان پر کھانا تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ ہدیہ کی شے تناول فرما لیا کرتے تھے اور ہدیہ پیش کرنے والے کو بھی اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ عنایت فرمایا کرتے تھے، جبکہ صدقہ کی شے آپ تناول نہ فرماتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ اشیاء خوردنی میں ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا کرتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ (بوقت ضرورت) جو بھی پاتے اسے نوش فرما لیا کرتے تھے، اگر کھجوریں ملیں تو کھجوریں تناول فرمالیں، اور اگر روٹی میسر ہوئی تو وہی استعمال فرمالی، اور اگر دودھ مہیا ہوا تو اسی پر اکتفا فرما لیا۔

☆ سید عالم ﷺ نے زندگی بھر باریک آٹے کی روٹی (یعنی چپاتی) استعمال نہیں فرمائی۔

☆قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ۔

"(سید عالم ﷺ کی قناعت کا یہ عالم تھا کہ جیسا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر دم تک جو کی روٹی بھی شکم سیر ہو کر تناول نہ فرمائی"۔

☆ ایسا بھی ہوتا تھا کہ سید عالم ﷺ کی اہل والوں کے گھروں میں ایک ایک، دو دو ماہ تک (پکانے کی کوئی بھی شے نہ ہونے کی وجہ سے) آگ نہ جلتی تھی، صرف پانی اور کھجوروں پر گزارہ ہوتا تھا۔

☆وَكَانَ ﷺ يَعْصِبُ عَلٰى بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجُوْعِ هٰذَا وَقَدْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ، فَاَبٰى اَنْ يَّقْبَلَهَا وَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ۔

"سید عالم ﷺ گرسنگی کی وجہ سے شکم انور پر (سہارا دینے کے لیے) پتھر باندھ دیا کرتے تھے، جبکہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو تمام زمین کی سبھی چابیاں دے رکھی تھیں۔ مگر آپ نے اخروی آسائش کے مقابلہ میں انہیں قبول کرنے سے انکار فرما دیا"۔

☆سید عالم ﷺ نے سرکہ سے بھی روٹی تناول فرمائی ہے، اور سرکہ کی افادیت کے متعلق فرمایا کرتے تھے: ''سرکہ بہترین سالن ہے''۔

☆وَاَكَلَ عَلَيْهِ السَّلَام لَحْمَ الدَّجَاجِ۔

''نیز سید عالم ﷺ نے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے''۔

☆سید عالم ﷺ کدو پسندیدگی سے تناول فرمایا کرتے تھے، نیز بکری کے ران کا گوشت بھی آپ کے مرغوبات میں سے تھا۔

☆سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''گوشتوں میں سے عمدہ اور لذیذ گوشت پشت کا ہوتا ہے''۔

☆وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَام كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ۔

''(روغنِ زیتون کی افادیت بیان فرماتے ہوئے) سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ روغنِ زیتون (بطور سالن) کھاتے رہا کرو، اور اسے مالش کے طور پر بھی استعمال رکھتے رہا کرو، اس لیے کہ یہ بابرکت درخت کی پیداوار ہے''۔

☆سید عالم ﷺ کو ہانڈی کی کھرچن بھی مرغوب تھی۔

☆سید انس و جاں تین انگلیوں سے کھانا نوش فرمایا کرتے تھے، اور کھانے کے بعد انہیں چاٹ لیا کرتے تھے۔

☆سید کائنات ﷺ نے جو کی روٹی کھجور کے ہمراہ تناول فرمائی ہے، اور اس بارے میں فرمایا کہ:

''یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے''۔

☆سید عالم ﷺ نے ککڑی اور تربوز کھجور کے ہمراہ، اور چھوہارے مکھن کے ہمراہ تناول فرمائے ہیں۔

☆سید عالم ﷺ کو ہر میٹھی شے اور شہد بہت پسند تھا۔

☆سید عالم ﷺ پینے والی شے تین سانس میں پیا کرتے تھے اور بیٹھ کر نوش فرمایا کرتے تھے، (جبکہ کسی عذر کی وجہ سے) کھڑے ہو کر بھی آپ نے نوش فرمایا ہے۔ اور اپنا پس نوشیدہ اگر کسی کو پلانے کا ارادہ فرماتے تو پھر جو بھی آپ کے داہنی جانب ہوتا اسے عنایت فرمادیا کرتے تھے۔

کھانا کھانے اور دودھ پینے کے وقت کی دعا

☆حضور سید عالم ﷺ نے دودھ نوش فرما کر اسے بھی سرفرازی عطا فرمائی ہے۔ اور (اس

سلسلہ میں شکر گزاری کی تعلیم دیتے ہوئے) فرمایا: جسے اللہ جل شانہٗ نے کھانا مہیا کیا ہے اسے چاہیے کہ کھانا شروع کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

☆اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَارْزُقْنَا خَيْرًا مِّنْهُ۔

"الٰہی! ہمیں اس میں برکت دے، اور ہمیں اس سے بہتر عطا فرما۔"

☆اور جسے اللہ جل مجدہٗ نے دودھ پینے کو مہیا فرمایا ہے اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ۔

"الٰہی! ہمیں اس دودھ میں برکت عطا فرما، اور ہمیں اور بھی زیادہ مہیا فرما"۔

☆نیز سید عالم ﷺ نے فرمایا: کھانے پینے کا بدل دودھ کے علاوہ اور کوئی بھی شے نہیں ہو سکتی۔

امام باجی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب "سُنَنُ الصَّالِحِيْنَ وَسُنَنُ الْعَابِدِيْنَ" میں سرورِ عالم ﷺ کے احوال و آثارِ شریفہ کے بارے میں مزید فرمایا کہ:

☆سیدِ عالم ﷺ کا خُلق شریف ہر لحاظ سے بڑھ کر تھا، قرآنِ عزیز میں اللہ جل شانہٗ نے بھی آپ کے خُلقِ عظیم کی ستائش اسی طرح فرمائی ہے۔

☆سرورِ عالم ﷺ سب سے بڑھ کر بُردبار، اور سب سے زیادہ منصف مزاج تھے۔

☆سید عالم ﷺ سب سے زیادہ درگزر فرمانے والے تھے۔

☆معلم عالم ﷺ (سب سے بڑھ کر شرمیلے اور باحیا تھے، اسی لئے آپ) نے "مملوکہ، منکوحہ اور محرم خواتین کے علاوہ دوسری کسی غیر محرم خاتون کو آپ کے دستِ اقدس نے چھوا تک نہیں ہے۔

☆رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے، یہی وجہ ہے کہ رات بھر آپ کے پاس ایک درہم و دینار تک باقی نہ رہتا تھا۔ اگر کبھی بچ بھی گیا، اور کوئی لینے والا بھی نہ آیا، اور ایسی صورت میں شب نے بھی آلیا، تو اس وقت تک دولت خانہ پر تشریف نہ لے جاتے تھے جب تک کہ وہ پسماندہ کسی محتاج کو نہ عطا فرما لیتے۔

☆اللہ جل مجدہٗ کے دیے میں سے اپنے لیے صرف تھوڑے سے جو اور معمولی سی کھجوریں سال بھر کے خرچ کے لیے لیا کرتے تھے اور باقیماندہ راہِ خدا میں خرچ فرما دیا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ سے جو بھی شے مانگی گئی، آپ نے وہی عطا فرما دی، حتیٰ کہ اپنے سالانہ خرچ سے بھی ایثار فرما دیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ سال کے اختتام سے پہلے ہی تنگ دست ہو جایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ مجسمہ شرم وحیا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی کے چہرہ پر نظر جما کر ملاحظہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ، آزاد ہو یا غلام ہر ایک کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے، اگرچہ دودھ کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہوتا۔

☆سید عالم ﷺ کو لونڈی و مسکین تک جہاں چاہتے اپنے ہمراہ بلا کر لے جاتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کے حدود کی خلاف ورزی پر تو ناراضگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے، مگر اپنی ذات کے لیے ناراض نہ ہوتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ جنازوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ سب سے بڑھ کر منکسر المزاج تھے۔

☆سید عالم ﷺ اپنے آپ کو بڑا سمجھے بغیر خاموش رہا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ بلا تصنع اور بلا درماندگی سب سے زیادہ بلیغ تھے۔

☆سید عالم ﷺ کسی بھی دنیاوی معاملہ میں خوف زدہ نہ ہوا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ محتاجوں اور ناداروں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ہمراہ کھانے میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ فضلاء کا ان کے مزاج کے مطابق اکرام فرماتے اور شرفاء کی نیکی سے دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ رشتہ داروں سے حسن سلوک فرمایا کرتے تھے، مگر انہیں کسی غیر رشتہ دار افضل شخص پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ کسی پر بھی زیادتی نہ فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ عذر خواہ کا عذر قبول فرمایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ اپنے اصحاب کے باغات میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

☆سید عالم ﷺ کسی محتاج کو اس کی ناداری و محتاجی کی وجہ سے کم تر خیال نہیں فرمایا کرتے تھے، اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوا کرتے تھے، بلکہ دعوت الی اللہ میں دونوں کو برابر کا درجہ عطا فرماتے تھے۔

☆پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ میں کامل سیاست اور فاضل

سیرت اکٹھی فرمادی تھی، جبکہ آپ کی پیدائش بے علم لوگوں کے شہر میں، اور نشو ونما (خالص) بدویانہ زندگی بسر کرنے والوں میں ہوئی۔

☆ (نیز) اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو تمام عمدہ اخلاق اور بہترین طریقے، اور تمام اگلوں اور پچھلوں کے احوال کی خبریں اور اخروی فوز وفلاح کے تمام امور اور دنیوی خلوص و رشک کے لوازمات سکھلا دیے تھے۔

نیز امام باجی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ امام عتبی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا ہے کہ (ایک مرتبہ) میں سید عالم ﷺ کے حجرۂ مقدسہ کے پاس تھا کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور آتے ہی اس نے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کرنے کے بعد کہنا شروع کر دیا، میں نے اللہ جل مجدہٗ کا یہ کلام سنا ہے جس میں اللہ جل مجدہٗ یوں فرماتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (نساء)

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں۔ اور رسول ان کی شفاعت فرمائے، تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، میں آپ کی خدمت میں اپنے پروردگار سے گناہوں کی مغفرت کا طالب ہوں اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں۔'' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْاَرْضِ اَعْظُمُهٗ   فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِی الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ   فِیْهِ الْعِفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

(اے سب سے برتر، جن کی ہڈیاں زمین میں آسودہ و آرام فرما ہیں
اور جن کی خوشبو سے زمین کے نشیب و فراز مہک اٹھے،
جس قبر میں آپ ساکن ہیں، میری جان اس پہ قربان،
(کیونکہ) اس میں پاکیزگی ہے، اور اس میں جود و کرم ہے)

اس کے بعد اس بدوی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ امام عتبی قدس سرہٗ نے فرمایا میں سو گیا تو میں خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا کہ فرما رہے ہیں:

فَقَالَ لِیْ یَا عُتْبِیُّ اِلْحَقِ الْاَعْرَابِیَّ فَبَشِّرْهُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَهٗ(1)۔

1۔ اس قصہ اعرابی میں قرآن کریم کی جو آیت کریمہ مذکور ہے وہ باجماع مفسرین کرام مثبت توسل ہے۔

''عنقی تم اس بدوی سے ملو، اور اسے بشارت سنا دو کہ اللہ جل مجدہٗ نے اس کے گناہ بخش دیے ہیں''۔

☆ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یَّأْخُذُ عَنِّیْ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ فَیَعْمَلَ بِهِنَّ وَیُعَلِّمَ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ، قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ(صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)فَأَخَذَ بِیَدِیْ، فَعَدَّ خَمْسًا، فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَّمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔

''کون ہے جو مجھ سے یہ باتیں سیکھ کر ان پر عمل کرے، اور پھر انہیں سکھائے جو ان پر عمل کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ باتیں میں سیکھتا (اور سکھاتا) ہوں۔ پھر سید عالم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ باتیں شمار فرمائیں اور فرمایا: حرام باتوں سے بچو گے، تو سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے، قضاء الٰہی پر رضامند ہو گے تو سب سے بڑھ کر دولت مند ہو جاؤ گے، پڑوسی سے حسنِ سلوک برتو گے تو کامل مسلمان ہو جاؤ گے، اپنی پسندیدہ شے دوسروں کے لیے بھی پسند کرو گے تو خالص مسلمان بن جاؤ گے، زیادہ مت ہنسنا کیونکہ زیادہ ہنسی دل مُردہ کر دیتی ہے''۔

☆ترمذی شریف میں ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ(صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)مَا النَّجَاةُ قَالَ اَمْسِكْ عَلَیْكَ لِسَانَكَ، وَیَسَعُكَ بَیْتُكَ وَأَبْكِ عَلٰى خَطِیْئَتِكَ۔

''یارسول اللہ (ﷺ)! کن باتوں میں نجات ہے، تو آپ نے فرمایا اپنی زبان روکے رکھو، اور اپنے گھر میں سکونت لازم رکھو، اور اپنے گناہوں پر روتے رہو''۔

نیز ترمذی شریف میں ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ مِنْ اُمَّتِیْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَمَنِ الْغُرَبَآءُ مِنْ اُمَّتِکَ، قَالَ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ۔

"اسلام غریبوں میں ظاہر ہوا، اور عنقریب جیسے ظاہر ہوا تھا، غریب لوگوں میں ہی لوٹ جائے گا۔ میری امت کے غریبوں کو خوش خبری ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت کے غریب کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد میری کسی مٹی ہوئی سنت کو دوبارہ زندہ کردیں گے"۔

امام المحققین، اوحد العارفین،

الشیخ عبدالکریم جیلی شافعی، یمنی رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

سید عالم ﷺ کے انسان کامل ہونے کی وجہ تسمیہ

شیخ عبد الکریم جیلی (المتوفی ۸۱۱ھ غالبًا) رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے ان کی دو کتابیں ''الانسان الکامل'' اور ''الکمالات الالہیہ'' ہیں۔

☆ چنانچہ شیخ عبد الکریم جیلی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''الانسان الکامل'' کے ساٹھویں باب میں فرماتے ہیں:

تمہیں معلوم ہو کہ یہ باب اس کتاب کے تمام ابواب سے نفیس ہے، بلکہ یوں سمجھ لو کہ یہ باب از ابتداء تا انتہا ساری کتاب کی شرح ہے۔

☆ پھر تجھے اس گفتگو کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ نوعِ انسانی کا ہر ہر فرد ایک دوسرے کے لیے ایک مکمل نسخہ ہے۔ لحوقِ عارضہ سے قطع نظر، افرادِ انسانی میں سے جو وصف وخوبی ایک فرد میں ہے اس کا فقدان دوسرے میں نہیں ہے۔ عارضہ کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کے ہاتھ اور قدم مقطوع ہوں۔ یا کوئی آدمی شکمِ مادر میں کسی عارضہ کی بدولت نابینا متولد ہو (تو یہ امور درخورِ اعتنا نہ ہوں گے)

اور جب عارضہ کا تحقق ناپید ہوگا تو پھر نوعِ انسانی کا ہر فرد ان دو آمنے سامنے شیشوں کی مانند ہوگا کہ ان میں سے جب کوئی شے ایک میں موجود ہوگی تو وہی شے دوسرے میں بھی متحقق ہوگی۔

☆ لیکن بعض افرادِ انسانی میں اشیاء بالقوۃ ہوتی ہیں اور بعض میں بالفعل۔

☆ اور جن میں اشیاء بالفعل ہوتی ہیں وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کاملین علیہم الرضوان ہیں۔

☆ پھر ان کامل حضرات کے کمال میں بھی تفاوت ہوتا ہے ان میں سے بعض کامل اور بعض اکمل ہوتے ہیں۔

☆ پھر اس کمال میں انفرادی اور قطعی طور پر جو حقیقت سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے متعین ہے اس کا تعین کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ سید عالم ﷺ کے اخلاق، احوال، افعال اور کچھ اقوال اس امر کے شاہد ہیں۔

لہٰذا انسان کامل سید عالم ﷺ ہی ہیں اور دوسرے انبیاء کرام اور اولیائے کاملین صلوات اللہ علیہم کا سید عالم ﷺ سے اس طرح الحاق ہے جیسے کامل کا اکمل سے الحاق ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور کاملین اولیاء کی سید عالم ﷺ کی طرف وہی نسبت ہے جو فاضل کو افضل سے نسبت

ہوتی ہے۔

☆لیکن میری تصانیف میں جہاں بھی مطلقاً ''انسانِ کامل'' کالفظ آئے گا تو اس سے سید عالم ﷺ کے برتر مقام اور رفیع و اکمل محل کے ادب کے پیشِ نظر میری مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہوگی۔ میرے اس نام رکھنے میں ''انسانِ کامل'' کے مطلق مقام کی طرف کئی ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی سید عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی ان اشارات کی سید عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے نسبت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ انسان کامل بالاتفاق سید عالم ﷺ ہی ہیں۔ جو کمال سید عالم ﷺ کے خَلق اور خُلق میں ہے دوسرے کاملین میں نہیں ہے۔

میں نے اسی بارے میں یہ قصیدہ، جو ''اَلدُّرَّةُ الْوَحِیْدَةُ فِی اللُّجَّةِ السَّعِیْدَہ'' سے موسوم ہے کہا ہے۔

شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کا نفیس قصیدہ

الدرة الوحیدة فی اللجۃ السعیدہ

1۔ قَلْبٌ اَطَاعَ الْوَجْدَ فِیْهِ جِنَانُهٗ وَعَصَی الْعَوَاذِلَ سِرُّهٗ وَلِسَانُهٗ

''دل میں اس کے سرمکنون نے وجد کی پیروی کی، اور دل کے نہاں خانہ اور اس کی زباں نے ملامت کرنے والیوں کی نافرمانی کی۔''

2۔ عَقَدَ الْعَقِیْقُ مِنَ الْعُیُوْنِ لِاَنَّهٗ فَقَدَ الْعَقِیْقَ وَمَنْ هُمْ اَعْیَانُهٗ

''دل نے آنکھوں کے سرخ نگینے باندھ دیے کیونکہ دل اور اس کے ہم نواؤں نے وہ نگینے کھودیے تھے''۔

3۔ اَلِفَ السُّهَارَ وَمَا سَهَا فَكَاَنَّمَا نَظَمَ السُّهٰی فِیْ هُدْبِهٖ اِنْسَانُهٗ

''دل نے بیداری سے الفت کی اور بےخبر نہ ہوا گویا اس کی آنکھوں کی پتلی نے اس کی پلکوں میں باریک ڈوری کو پرودیا''۔

4۔ یَبْكِیْ عَلٰی بُعْدِ الدِّیَارِ بِمَدْمَعٍ سَلْ عَنْهُ سَلْعًا كَمْ رَوَتْ غُدْرَانُهٗ

''دل گھروں کی دوری پر آنسو بہاتا ہے، اس کے متعلق ساتھی سے پوچھ کہ ان سے کتنے حوض بھر چکے ہیں''۔

5۔ فَحَنِينُهُ رَعْدٌ وَنَارٌ زَفِيْرُهُ بَرْقٌ وَمُزْنٌ اَلْمُنْحَنِيْ أَجْفَانُهُ

"بجلی کی کڑک تو اس کا رونا ہے، اور آگ اس کا سانس، اور اس کی ٹیڑھی پلکیں، بارش اور بجلی کی چمک ہیں"۔

6۔ فَكَأَنَّ بَحْرُ الدَّمْعِ يَقْذِفُ دُرَّهُ حَتّٰى نَفَدْنَ وَقَدْ بَدَىٰ مُرْجَانُهُ

"وہ دل گویا آنسوؤں کا سمندر ہے جس نے اپنے موتی پھینکتے پھینکتے ختم کر دیے اور پھر اس کے مونگے ظاہر ہونے لگے"۔ (یعنی ان کی آنکھوں میں پیلاہٹ آ گئی)۔

7۔ وَلَئِنْ تَدَاعٰى فَوْقَ اَرَاكٍ طَائِرٌ دَاعٰى الْحَمَامَ بِأَنَّهُ خَفَقَانُهُ

"اور اگر کوئی پرندہ درخت کے اوپر چہچہایا ہے تو وہ اس کبوتر کو آواز دیتا ہے جو اڑ رہا ہو"۔

8۔ وَيَزِيْدُ شَجْوًا حَنِيْنِ مَطِيَّةٌ زَفَلَتْ بِهَا نَحْوَ الْحِمٰى رُكْبَانُهُ

"اور وہ دل اس افسردہ سواری کی مانند غم بڑھاتا ہے جسے اس کے سوار نے مرغزار کی جانب سے کھینچ لیا ہو"۔

9۔ يَا سَآئِقَ الْعِيْسِ الْمُغْمِمِ فِي السُّرىٰ قِفْ لِلَّذِى تُجِدُّ كَمْ اَشْجَانُهُ

"اے شب میں اونٹ چلانے والے سردار! ذرا اس شخص کے لیے تو ٹھہر جاؤ جس کے غموں کو تم چھیڑ رہے ہو"۔

10۔ بَلِّغْ حَدِيْثًا قَدْرَوَتْهُ مَدَامِعِيْ اِذْ عَنْعَنَهُ مُسَلْسَلًا فَيْضَانُهُ

"میری وہ بات اس تک پہنچا دو جس کی میرے آنسوؤں نے روایت کی ہے۔ جبکہ میں نے اس بات کی "عنعنہ" روایت بھی اس طرح کی ہے کہ اس کا فیضان جاری ہے"۔

11۔ أَسْنِدْ لَهُمْ ضَعْفِيْ وَمَا قَدْ صَحَّ مِنْ مُتَوَاتِرِ الْخَبَرِ الَّذِىْ جَرَيَانُهُ

"اور جو خبر متواتر سے صحیح ہے، ان سے میری پیرانہ سالی کی سند بیان کر دو"۔

12۔ يُرْوِيْهِ عَنْ عَبْرَاتِهِ عَنْ مُقْلَتِيْ عَنْ أَضْلُعِيْ عَمَّا رَوَتْ نِيْرَانُهُ

"وہ میرے گوشہ چشم سے اپنے آنسوؤں کی روایت کرے، اور میری پسلیوں سے نکلنے والی اپنی آگ کی روایت کرے"۔

13۔ عَنْ مُهْجَتِيْ عَنْ شَجْوِهَا عَنْ خَاطِرِيْ عَنْ عِشْقِيْ عَمَّا حَوَاهُ جِنَانُهُ

"میرے دل میں بسے ہوئے میری روح کے غم سے روایت کرے جسے اس کے جگر نے سمویا ہے"۔

14۔ عَنْ ذٰلِکَ الْعَهْدِ الْقَدِيْمِ عَنِ الْهَوٰى عَمَّنْ هُمْ رُوْحِىْ وَهُمْ سُكَّانُهٗ

"اس پرانے زمانہ سے اور پرانی چاہت سے روایت کرے، اور ان لوگوں سے روایت کرے جو میری جان ہیں اور اس میں بسیرا کیے ہوئے ہیں"۔

15۔ وَاسْئَلْ سَلَّمْتُ اَحِبَّتِىْ بِتَلَطُّفٍ اَلْمِسْكِيْنُ عِنْدَهُمْ وَهُمْ سُلْطَانُهٗ

"پوچھ لے میں نے اپنے احبا کے پاس بے نواؤں کی سی نرمی سے سلام بھیجا ہے اور وہ سبھی اس کے لیے حجت ہیں"۔

16۔ وَاسْتَجِدِ الْعَرَبَ الْكِرَامَ تَعَطُّفُ لِمَضِيْعٍ فِىْ هِجْرِهِمْ اَزْمَانُهٗ

"کریم عربوں سے نرمی کا متلاشی رہ، البتہ ان کے فراق میں زمانے برباد ہو گئے"۔

17۔ لَا يُوْحِشَنَّکَ عِزُّهُمْ وَعُلُوُّهُمْ تِلْکَ الدِّيَارُ لِوَفْدِهَا اَوْطَانُهٗ

"تجھے ان کا غلبہ اور ان کی رفعت خوف زدہ نہ کرے، یہ گھر ان کے وفد کے ہی وطن ہیں"۔

18۔ كَلَّا وَلَا تَنْسَ الْحَدِيْثَ فَحُبُّهُمْ قَصَصُ الصَّبَابَةِ لَمْ يَزَلْ قُرْاٰنُهٗ

"ہاں ہاں، لیکن تو بات کو فراموش نہ کر، کیونکہ ان کی محبت عشق کی ایک ایسی داستان ہے جس کا ذکر مسلسل رہا ہے"۔

19۔ مَا اَيِسُوْا الْمَقْطُوْعَ مِنْ اِيْصَالِهِمْ بَلْ آنَسُوْهُ بِاَنَّهُمْ خُلَّانُهٗ

"وہ ان کے یقینی ملاپ سے مایوس نہیں ہوئے، بلکہ اس سے انہوں نے پیار بڑھایا کہ وہ اس کے دوست ہیں"۔

20۔ قَدْ كُنْتُ اَعْهَدُ مِنْهُمْ حِفْظَ الْوُدَّا وَفَلَيْتَ شَعْرِىْ هَلْ هُمْ اَخْوَانُهٗ

"یقیناً میں ان سے محبت کے پیمان کی حفاظت کرنا جانتا تھا۔ کاش وہ میری بات جان جاتے کہ وہ اس کے برادر ہیں"۔

21۔ وَلَقَدْ اُنَزِّهُ عَنْ خِيَانَةِ عَهْدِنَا ۔ شَانَ الْحَبِيْبِ وَاِنْ يَّكُنْ هُوَ شَانُهٗ

"اور میں حتماً محبوب کی شان میں اپنے پیمانِ وفا کو خیانت سے پاک کرتا ہوں۔ اور اس کی شان بھی یہی ہے"۔

22۔ حَيَّا الْاِلٰهُ اَحِبَّتِىْ وَسَقَاهُمْ غَيْثًا يَّجُوْدُ بِوَبْلِهٖ سُكْبَانُهٗ

"اللہ جل مجدہٗ میرے احباء کو سلامت رکھے اور انہیں وہ پانی پلائے جس کی بارش کی اس

کے بادلوں نے بخشش کی ہے"۔

23۔ يَحْيَ بِهِ الرُّبْعُ الْخَصِيْبُ وَلَمْ يَزَلْ حَيًّا تَمِيْسُ بِوُرْقِهِ اَغْصَانُهُ

"اللہ جل مجدہٗ اس بارش کے طفیل نشیبی مقام سرسبز و شاداب کرے اور وہ ہمیشہ آباد رہے۔ جس کی ٹہنیاں اس کے پتوں کے ساتھ جھومتی ہیں"۔

24۔ عَجَبًا لِذَاكَ الْحَيِّ كَيْفَ يُهِمُّهُ قَحْطُ السِّنِيْنَ وَاَحْمَدُ نِيْسَانُهُ

"اس قبیلہ والوں پر حیرت ہے کہ انہیں خشک سالی کیسی مغموم کرتی ہے جبکہ ان کا بَن ہریالی سے معمور ہے"۔

25۔ اَوْ كَيْفَ يَظْمَأُ وَفْدُهُ وَلَدَيْهِمْ بَحْرٌ يَمُوْجُ بَدْرُهُ طَفْحَانُهُ

"اس کا وفد پیاسا کیسے رہ سکتا ہے جبکہ ان کے پاس وہ سمندر ہے جس کے کنارے جوش زن ہیں"۔

26۔ شَمْسٌ عَلٰی قُطْبِ الْكَمَالِ مُضِيْئَةٌ بَدْرٌ عَلٰی فَلَكِ الْعُلٰی سَيْرَانُهُ

"وہ ایسا آفتاب ہے جو کمال کے محور پر (گھومتے ہوئے) چمکتا ہے۔ (اور) وہ ایسا ماہتاب ہے جس کی سیرگاہ آسمان کی رفعت ہے"۔

27۔ اَوْجُ التَّعَاظُمِ مَرْكَزُ الْعِزِّ الَّذِیْ لِرَحٰی الْعُلَا مِنْ حَوْلِهٖ دَوَرَانُهُ

"وہ بڑائی کی بلندی ہے، وہ عزت کا وہ مرکز ہے جس کے گرداگرد رفعت کا پاٹ گھومتا ہے"۔

28۔ مَلِكٌ وَفَوْقَ الْحَضْرَةِ الْعُلْيَا عَلٰی الْعَرْشِ الْمَكِيْنُ مُثْبِتٌ اِمْكَانُهُ

"وہ بادشاہ ہے، اور رفعت کے مواجہ میں عرشِ اعظم کے اوپر اس کا پایۂ ثبات ہے"۔

29۔ لَيْسَ الْوُجُوْدُ بِاَسْرِهٖ اَنْ حَقَّقُوْا اِلَّا حُبَابًا بِاَطْفِحَةٍ دَنَانُهُ

"اگر وہ وجود حقیقت بیان کریں تو وہ محض ایک بلبلہ ہے جسے اس کے مٹکے نے بھرا ہوا ہے"۔

30۔ اَلْكُلُّ فِيْهِ وَمِنْهُ كَانَ عِنْدَهُ تَفْنِیْ الدُّهُوْرُ وَلَمْ تَزَلْ اَزْمَانُهُ

"ہر شے اسی میں ہے، اور اسی سے ہے اور اس کے پاس زمانوں کی فنا ہے جبکہ اس کے زمانے ہمیشہ رہیں گے"۔

31۔ فَالْخَلْقُ تَحْتَ سَمَآءٍ عَلَاهُ كَخَرْدَلٍ وَالْاَمِيْرُ يُبْرِمُهُ هُنَاكَ لِسَانُهُ

''اس کی رفعت کے آسمان تلے تمام مخلوق رائی کے دانہ کی طرح ہے اور وہاں امیر کی زبان اسے کاٹ دیتی ہے''۔

32۔ وَالْكَوْنُ اَجْمَعُهُ لَدَيْهِ كَخَاتَمٍ فِي إِصْبَعٍ مِّنْهُ أَجَلُّ اَكْوَانُهُ

''اور اس کے پاس تمام موجودات انگلی میں پہنی ہوئی انگشتری کی مانند ہیں۔اور ان موجودات کے تمام اعتبارات اسی سے وابستہ ہیں''۔

33۔ وَالْمُلْكُ وَالْمَلَكُوْتُ فِي تَيَّارِهِ كَالْقَطْرِ بَلْ مِنْ فَوْقِ ذَاكَ مَكَانُهُ

''اس کے لبریز سمندر میں تمام زمین وآسمان ایک قطرہ کی مانند ہیں بلکہ اس کا مکان اس سے بھی ماورا ہے''۔

34۔ تُطِيْعُهُ الْاَمْلَاكُ مِنْ فَوْقِ السَّمَآءِ وَاللَّوْحُ يَنْفُذُ مَا قَضَاهُ بَنَانُهُ

''آسمان سے ورے تمام فرشتگان اس کی پیروی کرتے ہیں، جس کا فیصلہ اس کی انگلیاں کردیں، لوحِ محفوظ وہی نافذ کرتا ہے''۔

35۔ فَلَكُمْ دَعَا بِالنَّخْلَةِ الصَّمَا فَجَاءَ تْ مِثْلَمَا جَآءَ تْ غَزْلَانُهُ

''اور جب تمہارے لیے مضبوط کھجور کو بلایا تو وہ بچہ آہو کی مانند دوڑتی ہوئی آئی''۔

36۔ نَاهِيْكَ شَقُّ الْبَدْرِ مِنْهُ بِاِصْبَعٍ وَالْبَدْرُ اَعْلٰى أَنْ يَّزُوْلَ قِرَانُهُ

''آپ کے انگلی کے اشارے سے چاند کو ٹکڑے کردینا ہی بہت ہے۔جبکہ چاند کی پختگی کا دور کردینا اس سے کہیں برتر ہے''۔

37۔ شَهِدَتْ بِمَكْنَتِهِ الْكِيَانُ وَخَيْرُ بَيِّنَةٍ يَكُوْنُ الشَّاهِدِيْنَ كِيَانُهُ

''ان کے بلند منصب کی مخلوق گواہ اور سب سے اچھی دلیل وہ ہوتی ہے کہ جس کی تمام مخلوق گواہ ہو''۔

38۔ هُوَ نُقْطَةُ التَّحْقِيْقِ هُوَ مُحِيْطَةٌ هُوَ مَرْكَزُ التَّشْرِيْعِ وَهُوَ مَكَانُهُ

''نقطۂ تحقیق اور اس کی پرکار وہی ہیں شریعت کا مرکزی مکان (بھی) وہی ہیں''۔

39۔ عَقْدُ اللِّوَآءِ بِمُحَمَّدٍ وَثَنَائِهٖ فَالدَّهْرُ دَهْرٌ وَالْاَوَانُ اَوَانُهُ

''پرچم کی پختگی محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی نعت خوانی سے وابستہ ہے جبکہ زمانہ انہیں کا زمانہ ہے اور وقت انہیں کا وقت ہے''۔

40۔ وَلَهُ الْوِسَاطَةُ وَهُوَ عَيْنُ وَسِيْلَةٍ هِيَ لِلْفَتٰى يَجْلِيْ بِهَا رَحْمَانُهُ

"وساطت انہی کی ہے کیونکہ وسیلہ کی ماہیت وہی ہیں۔ اور وہ وسیلہ اس صاحب ہمت شخصیت کے لیے ہے۔ جسے ان کا مہربان ہویدا کرے گا"۔

41۔ وَلَهُ الْمَقَامُ وَذٰلِكَ الْمَحْمُوْدُمَا لَمْ يَدْرِ مِنْ شَأْنٍ تَعَالٰى شَانُهٗ

"اور ان کے لیے مقامِ محمود ہے (پھر) جب تک ان کی کوئی شان معلوم نہ ہو تو ان کی شان برتر ہی ہے"۔

42۔ مِيْكَالُ طِسْتُ مَوْجِهٖ مِنْ بَحْرِهٖ وَكَذَاكَ رُوْحٌ أُمِيْنُهٗ وَاَمَانُهٗ

"ان کے سمندر کی لہروں کا کچھ حصہ میکائیل علیہ السلام ہیں اور اسی طرح جبریل علیہ السلام ان کی امان اور ان کے امین ہیں"۔

43۔ وَبَقِيَّةُ الْاَمْلَاكِ مِنْ مَائِيَّةٍ كَالثَّلْجِ يَعْقِدُهُ الصَّبَا وَحَرَّانُهٗ

"اور باقیماندہ فرشتگاں ننھے ننھے پانی کے قطرات کی مانند ہیں جیسے برف کو ٹھنڈی اور گرم بھاپ منجمد کر دیتی ہے"۔

44۔ وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ ثُمَّ الْمُنْتَهٰى مَجْلَاهُ ثُمَّ مَحِلُّهٗ وَمَكَانُهٗ

"عرش و کرسی اور سدرۃ المنتہیٰ ان کا محل و مکان اور ان کی جلوہ فرمائی کا مقام ہے"۔

45۔ وَطَوَى السَّمٰوٰتِ الْعُلَا بِعُرُوْجِهٖ طَيَّ السِّجِلِّ كَمُدْلِجٍ رُكْبَانُهٗ

"اپنے عروجِ میمنت لزوم سے رفیع المقام آسمانوں کو شب میں چلنے والے قافلہ کی مانند سجل فرشتہ کے نامہ اعمال کے لپیٹنے کی طرح سمیٹ دیا"۔

46۔ اَنْبَآءَ عَنِ الْمَاضِيْ وَعَنْ مُسْتَقْبِلٍ كَشْفَ الْقِنَاعِ وَكَمْ اَضَآءَ بُرْهَانُهٗ

"ماضی اور مستقبل کے دریچوں سے پردوں کو ہٹا کر خبریں بتائیں اور ان کی حجت بہت واضح ہوئی"۔

47۔ وَاَتَتْ يَدَاهُ بِمَالِ قَيْصَرِهٖ فَفَرَّقَهَا وَكِسْرٰى سَاقِطٌ اِيْوَانُهٗ

"ان کے دستِ اقدس قیصر کے مال کی تقسیم پر پڑے، اور ان کی وجہ سے کسریٰ کے محلات زمین بوس ہو گئے"۔

48۔ وَلَكُمْ لَهٗ خُلُقٌ يُضِيْئُ بِنُوْرِهٖ يَهْدِيْ بِذَاكِرِهٖ الْهُدٰى جِيْرَانُهٗ

"اور تمہارے لیے ان کا وہ خلق عظیم ہی بہت ہے جس کی روشنی میں مشعلِ ہدایت روشن ہے۔ اور جس کے اپنانے سے آپ کے قرب والے بھی ہادی ہیں"۔

49۔ وَلَكُمْ تَطَهُّرٌ فِي التَّزَكِّيْ وَانْتَفٰى حَتّٰى اِنْتَفٰى مَا لَا يُرَامُ عِيَانُهٗ

"اور تمہارے لیے پاکیزگی و نظافت میں صفائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صاف ہے جس کی ذات کے متعلق عدمِ طہارت کا تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

50۔ اَنْبَآءَ عَنِ الْاَسْرَارِ اَعْلَانًا وَلَمْ يُفْشِ السَّرِيْرَةَ لِلْوَرٰى اِعْلَانُهٗ

"تمہیں علی الاعلان پوشیدہ امور بتائے جبکہ مخلوق کے لیے ان کے اعلان نے رازہائے خاص سے پردہ نہ اٹھایا"۔

51۔ نَظَمَ الدَّرَارِيْ فِيْ عُقُوْدِ حَدِيْثِهٖ مُنْتَثِرَاتٌ فَوْقَهَا عِقْيَانُهٗ

"انہوں نے خالص سنہری پراگندہ موتیوں کو اپنی حدیث کی لڑی میں پرو دیا"۔

52۔ حَتّٰى يَبْلُغَ فِي الْاَمَانَةِ حَقُّهَا مِنْ غَيْرِ هَتْكِ رَامِهٖ خَوَانُهٗ

"حتیٰ کہ جس امانت میں کسی نے خیانت کا قصد کیا آپ نے اس میں بلا خیانت امانت کی وفا کا حق ادا کر دیا"۔

53۔ اَللّٰهُ حَسْبِيْ مَا لَا حَمْدَ مُنْتَهٰى وَبِمَدْحِهٖ قَدْجَاءَ نَا فُرْقَانُهٗ

"اللہ کافی ہے۔ احمد مجتبیٰ ﷺ کا کمال لامتناہی ہے اور ان کی توصیف و ستائش میں ہمارے پاس قرآن موجود ہے"۔

54۔ حَاشَاهَ لَمْ تُدْرِكْ لِاَحْمَدَ غَايَةٌ اِذْ كُلُّ غَايَاتِ النُّهٰى بَدَانُهٗ

"اللہ کی قسم! احمد مجتبیٰ ﷺ کی کہ انتہا تک نہیں پہنچا جا سکتا کیونکہ تمام انتہا غایات ان کی ابتداء ہیں"۔

55۔ صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَهْمَا زَمْزَمَتْ كَلِمٌ عَلٰى مَعْنًى يُرِيْحُ بَيَانُهٗ

"جب تک سازِ معانی کے تاروں سے واضح البیان کلمات کا نغمہ پھوٹتا رہے، اس وقت تک اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ پر درود (وسلام) نچھاور فرماتا رہے"۔

56۔ وَالْآلِ وَالْاَصْحَابِ وَالْاَنْسَابِ وَالْاَقْطَابِ قَوْمٍ فِي الْعُلَا اَخْوَانُهٗ

"اور آپ ﷺ کی بلند رتبہ اولاد و اصحاب اور قوم و ملت پر جو ان کے رفیع مقام کے ہم جلیس ہیں"۔

سیّدِ عالم ﷺ وجودِ کائنات کا محور ہیں

اِعْلَمْ حَفِظَكَ اللّٰهُ اَنَّ الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ هُوَ الْقُطْبُ الَّذِيْ تَدُوْرُ

عَلَیْهِ اَفْلَاکُ الْوَجُوْدِ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰی آخِرِهٖ۔(ص ۲۴۳)

☆تو جان لے! اللہ عز اسمہٗ تیری محافظت فرمائے۔ بے شک انسانِ کامل ایک ایسا محور ہے جس پر اوّل سے آخر تک افلاک وجود گردش کرتے ہیں۔

☆پھر جب سے وجود ہے وہ انسانِ کامل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ہی ہے۔

☆پھر وہ انسانِ کامل مختلف لباس میں ملبوس ہے۔

☆اور پھر اس انسان کامل کا ایک لباس کے اعتبار جو نام ہے وہ دوسرے لباس کے اعتبار سے نہیں ہے۔

☆فَاِسْمُهُ الْاَصْلِیُّ الَّذِیْ هُوَ لَهٗ مُحَمَّدٌ وَکُنِیَّتُهٗ اَبُوْ الْقَاسِمِ وَوَصْفُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَلَقَبُهٗ شَمْسُ الدِّیْنِ۔(ص ۲۴۳)

''پس اس کا اصلی اسم گرامی محمد ﷺ ہے اور اس کی کنیت ابوالقاسم ﷺ ہے، اور اس کا وصف عبداللہ ہے، اور اس کا لقب شمس الدین ہے''۔

☆پھر دوسرے ملابس کے اعتبار سے اس کے علیحدہ اسامی ہیں۔

☆پھر ہر زمانہ میں اس کے مناسب لباس کے اعتبار سے اس کا نام ہے۔

☆یہی وجہ ہے کہ میں اپنے استاذِ کامل حضرت شیخ شرف الدین اسماعیل جبرتی رضی اللہ عنہ کی صورت میں سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مگر میں یہ نہ جانتا تھا کہ یہ سیّد عالم ﷺ ہیں۔ میں تو یہی سمجھتا رہا کہ یہ میرے شیخ (قدس سرہٗ) ہیں۔

یہ میرے ان تمام مشاہدات میں سے ایک واقعہ ہے جس کا ۷۹۶ھ میں ''زُبَید'' میں میں نے مشاہدہ کیا۔

ازاں بعد شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے اس بابت ایک لمبا چوڑا کلام ذکر فرمایا ہے جسے میرے جیسے اکثر لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے میں نے اسے اس جگہ نقل بھی نہیں کیا۔ جسے اس کے مطالعہ کا شوق ہوا سے شیخ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ کتاب (الانسان الکامل) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کا

ایمان افروز، باطل سوز خطبہ

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے ان کا وہ خطبہ (رفیعہ) ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''الکمالات الالٰہیہ فی الصفات المحمدیہ'' میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ ایک نفیس کتاب ہے جس کا

حجم تقریباً چھ جزو کا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَظْهَرَ الْكَمَالِ۔

وَحَلَّاهُ مِنْ اَوْصَافِهٖ بِكُلِّ مَا تُعْرَفُ بِهٖ إِلَيْنَا مِنَ الْجَمَالِ وَالْجَلَالِ۔

وَخَصَّهٗ بِالْوَسِيْلَةِ فِیْ مَقَامِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ أَدْنٰى۔

ثُمَّ دَلَّاهُ بَعْدَ مَا اَدْنَاهُ لِيُظْهِرَهٗ فِی الْعَالَمِ بِأَسْمَآئِهِ الْحُسْنٰى۔

وَمَكَّنَهٗ مِنَ الْقُرْبِ الْمُقَدَّسِ فِی الْمَكَانَةِ الْعُلْيَا۔

وَاَحَلَّهٗ مِنَ الْجَوَارِ الْمُؤْنِسِ فِی الْمُسْتَوَى الْاَزْهٰى۔

وَجَعَلَهٗ فِی الْعَالَمِ اُنْمُوْذَجَ حَضْرَتِ الْحَضَرَاتِ وَمِرآةَ ظُهُوْرِ الْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ۔

وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتِهِ الْكَرِيْمَةَ ظَهْرًا وَبَاطِنًا۔

وَعَرَّفَهٗ بِحَقَائِقِ الْاَشْيَآءِ صُوْرَةً وَمَعْنًى۔

فَلَهُ الْحَمْدُ سُبْحَانَهٗ اَنْ جَعَلَهُ النُّسْخَةَ الْعُظْمٰى، لِمُطْلَقِ الْعَدَمِ وَالْوُجُوْدِ۔

وَفَتَحَ عَلٰى يَدَيْهِ اَبْوَابَ خَزَآئِنِ الْكَرَمِ وَالْجُوْدِ۔

اَحْمَدُهٗ حَمْدَهٗ لِنَفْسِهٖ بِمَا يَسْتَحِقُّهٗ مِنْ كَمَالَاتِ قُدْسِهٖ۔

وَاَشْكُرُهٗ شُكْرًا مُتَّصِلًا بِالْعُلْيَا، مُتَوَاتِرًا مَعَ النُّعْمٰى۔

بَالِغًا مِّنَ الْغَايَةِ، نِهَايَةَ الْمَكَانَةِ الزُّلْفٰى۔

جَامِعًا لِمُتَفَرِّقَاتِ الْمَدْحِ وَالثَّنَاءِ۔

مُغْصِحًا عَمَّا يَسْتَحِقُّهٗ لِذَاتِهٖ وَاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهِ الَّتِیْ كُلُّهَا حَسَنٌ وَحُسْنٰى۔

وَأَثْنٰى عَلَيْهِ بِالْحَالِ وَالْقَالِ ثَنَاءَ مَنْ قَامَ مَقَامَ الْاِفْتِقَارِ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَوَكَّلَهٗ فِیْ ثَنَائِهٖ عَلَيْهِ، فَقَالَ مُتَأَدِّبًا فِیْ حَضْرَتِ قُدْسِكَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

☆ سبھی خوبیاں اس اللہ جل مجدہٗ کو جس نے حضرت محمد ﷺ کو مظہرِ کمال بنایا۔

☆ اور جنہیں اپنے تمام جمالی وجلالی صفات سے آراستہ فرمایا۔
☆ اور جنہیں مقام ''قاب قوسین'' اور مقام ''ادنیٰ'' میں ''وسیلہ'' کی فضیلت سے مختص فرمایا۔
☆ پھر مقامِ ''ادنیٰ'' کی سرفرازی کے بعد دنیا میں اپنے اسمائے حسنیٰ کا مورد بنا کر جنہیں غلبہ عطا فرمایا۔
☆ اور جنہیں تقدس مآب قرب سے برتر و بالا مقام میں جاگزیں فرمایا۔
☆ اور جنہیں دلربا ہمسائیگی سے اعلیٰ مقام میں فروکش فرمایا۔
☆ اور جنہیں کائنات میں اپنی برتریں ذات کا نمونہ، اور اپنے تمام اسماً وصفات کا آئینہ بنایا۔
☆ اور جن پر اپنے بلند پایہ ظاہری و باطنی دلائل نازل فرمائے۔
☆ اور جنہیں تمام اشیاء کی اندرونی و بیرونی حقیقتوں سے روشناس فرمایا۔
☆ اسی برتر و بالا ذات کے لیے سبھی خوبیاں ہیں، جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نیست و ہست کے استعمال کے لیے ہر لحاظ سے ایک بڑا نسخہ بنایا۔
☆ اور جس نے ان کے دستِ فیض رساں پر خزانہء جود وسخا کے کواڑ وا فرمائے۔
☆ میں اس کی وہی تعریف کروں گا جو اس نے خود اپنے لیے کی ہے۔ کیونکہ اپنے مقدس کمالات کے قابل وہی ہے۔
☆ اور میں اس کا وہ شکر کرتا ہوں جو بہت ہی برتر اور کثیر نعمتوں کے باعث مسلسل ہے۔
☆ جو اپنی انتہاء کو پہنچنے کے سبب بلند و بالا مکان کی نہایت کو پہنچا ہوا ہے۔
☆ جو متعدد ستائشوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔
☆ جو اپنی ذاتِ جلیلہ، صفاتِ علیا اور تمام اسمائے حُسنیٰ، ''جو اس کے لائق ہیں'' سے نقاب کشائی فرمانے والا ہے۔
☆ میں حال وقال سے اس کی وہی ثناء کرتا ہوں جس کے سامنے مقام نیاز میں کھڑے ہو کر جس ذاتِ اقدس نے کی تھی اور اس کی ثناء اسی کے سپرد کرتے ہوئے حظیرۂ قدس میں ادب بجا لاتے ہوئے (یوں) عرض کیا تھا: ''لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ''۔

اس کے بعد شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

☆ اللہ عزوجل اس کے ذی وجاہت اور پسندیدہ خصلتوں کے حامل والدگرامی کا بھلا کرے۔

☆ بے شک وہ بلندترین کوشش پر جلوہ افروز ہیں اور انہوں نے اللہ جل مجدہٗ کی طرف عالی ہمت افراد کی راہ اپنائی ہے۔

☆ اس لیے میں بھی اسی ذاتِ گرامی کی راہ چلتا ہوں جو نورِ اعظم ہے۔

☆ جو جامع البیان اور فصیح اللسان ہے۔

☆ جو مظہر اکمل واتم ہے۔

☆ جو حبیب مقرب و معظم، اور دلربائے محترم ومکرم ہے۔

☆ جو نور الانوار اور معدن الاسرار ہے۔

☆ جو لباسِ فخر ومباہات کی زینت ہے

☆ جو سلطنت اقتدار وتصرف کا تاج ہے۔

☆ جو عقد نبوت کا واسطہ ہے۔

☆ جو فتوت وسخاوت اور جودوکرم کا بحرِ بیکراں ہے۔

☆ جو صدفِ وجود کا دُرِّ یکتا ہے۔

☆ جو مخزنِ عطا اور منبعِ فضائل ہے۔

☆ جو رافت ورحمت اور جلالت وہیبت کے حقائق کا جامع ہے۔

☆ جو ربانی نظرِ عنایت کا موڈ ودمرکز ہے۔

☆ جو ازل میں ہر ایک کمال کی اکملیت سے موصوف ہے۔

☆ جو انسانی بول چال کا لُبِ لباب اور خلاصہ ہے۔

☆ جو مملکتِ موجودات کا فرماں روا ہے۔

☆ جو مرتبہء سلطانیہ کے مرکز میں خلفاء کو منتخب فرمانے والا ہے۔

☆ جو ہر اس شے کا سربراہ ہے جس پر ماسوی اللہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

☆ جو اس وقت بھی برتریں مراتب میں جلوہ نما تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز کیچڑ میں ہی تھے۔

☆ جن کا اسم گرامی "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہی مالکِ لوائے حمد ہیں۔

☆ وہی اللہ جل مجدہٗ کے عبدِ اکرم، اور اس کے رسولِ اعلم ہیں۔

☆ اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ پر" اور آپ ﷺ کی طرف نسبت رکھنے والے آپ ﷺ کے ہم منصب حضرات انبیاء کرام اور رسلِ عظام، جو دین کے اصولوں کی اساس رکھنے کے لیے آپ ﷺ کے نائب ہو کر دنیا میں تشریف لائے۔" پر رحمت کاملہ اور اور برکتِ شاملہ نازل فرمائے۔

☆ پھر شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا کہ انہیں ربیع الاوّل شریف ۸۰۳ھ ہجرت النبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کے شروع میں اللہ جل مجدہٗ کی طرف اس کتاب کے لکھنے کا (استخارہ کے ذریعہ سے) اشارہ ہوا۔ اور وہ اس وقت (فلسطین کے) "غزہ" شہر میں مقیم تھے۔

☆ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مرتب فرمایا ہے۔

☆ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے مقدمہ میں ذکر فرمایا:

تجھے معلوم رہنا چاہیے کہ سید عالم ﷺ ہی آدمی اور پروردگار جل مجدہٗ کے درمیان نسبت و واسطہ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دوسرے کاملین کا صفاتِ الٰہیہ سے اتصاف بھی صرف اس لیے ہے کہ وہ سید عالم ﷺ ہی کا ایک حصہ ہیں۔

☆ اس لیے برادر! تیرے لیے بہتر یہی ہے کہ پہلے تو یہ جان لے کہ تیرے اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیان صحیح نسبت سید عالم ﷺ ہی ہیں۔

☆ پھر دوسرے مرتبہ پر تجھے یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے صفاتِ کمالیہ کون کون سے ہیں اور اس کی مقدس و برترین کے لائق کیا کیا صفات ہو سکتے ہیں۔

☆ پھر تیسرے مرتبہ پر اس بات کا جاننا تیرے لیے اچھا ہے کہ حضور پاک ﷺ بھی ان اسماء و صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں تا کہ تو ان کی سیدھی و پختہ راہ پر چل سکے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (احزاب: 21)

"بے شک تمہیں رسول اللہ (ﷺ) کی پیروی بہتر ہے"۔ (الخ)

☆ برادر! چوتھے مرتبہ پر تجھے اس کا جاننا ضروری ہے کہ سید عالم ﷺ کی راہ چلنے کے لیے تو خود اپنی ذات کے عرفان کا محتاج ہے۔

پس یہ چار معارف ہیں جن کا تحقق تجھ میں لابدی و ضروری ہے۔ اسی لیے میں نے اس کتاب کو چار ابواب پر مرتب کیا ہے:

☆ پہلا باب اس بیان میں ہے کہ "حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اللہ جل مجدہٗ اور انسانوں کے مابین نسبت ہیں"۔

☆ دوسرا باب اس بارے میں ہے کہ "اللہ جل مجدہٗ کے اسماء وصفات کیا کیا ہیں؟"۔

☆ تیسرا باب "سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا صفات و اسمائے الٰہیہ سے موصوف ہونے کے بیان میں ہے"۔

☆ چوتھا باب اس میں ہے کہ "انسان میں امورِ کمالیہ کیا کیا ہیں اور ان تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے؟"۔

تمام موجودات کو سید عالم ﷺ کی رحمت محیط ہے

☆ پہلا باب اس بیان میں ہے کہ اللہ عزوجل اور بندوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اللہ عزّ اسمہٗ نے فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے"۔

واضح رہے کہ (مذکورہ آیت میں) یہ وہی رحمت ہے جو تمام موجودات کو شامل ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کے اس ارشادِ گرامی:

وَرَحۡمَتِىۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ (اعراف:156)

"اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے"۔

میں اسی رحمتِ عامہ کی جانب اشارہ ہے۔

يَعْنِىْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْوَاسِعُ لِكُلِّ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الشَّيْئِيَّةِ مِنَ الْاُمُوْرِ الْحَقِّيَةِ وَالْاُمُوْرِ الْخَلْقِيَةِ۔(ص ۲۴۵)

"جس کا مطلب یہ ہے کہ امورِ حقیہ اور امورِ خلقیہ میں سے جس بھی امر پر شیئیت کا اطلاق ہوسکتا ہے سیّد عالم ﷺ کی رحمت ان سب کو محیط ہے"۔

اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے مذکورہ آیت کے پچھلے حصہ میں ذکر کرتے ہوئے جو فرمایا:

فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ

مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ (اعراف:157-156)

''تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈراتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی، جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت و انجیل میں (الخ)''۔

وہ اس امر پر ایک انتباہ ہے کہ جس آدمی نے سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے اس طریقہ کی ''جو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ'' صرف آپ ﷺ سے مخصوص ہے، اتباع اپنا لی تو وہ عنقریب آپ ﷺ کے مقام محمدی ﷺ کو پالے گا۔ اور ''فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ'' (الآیہ) کا بھی یہی مقصد ہے۔ یعنی وہ لوگ رحمت کے مستحق ہو جائیں گے۔ فَافۡهَمۡ

رحمت دو قسم کی ہے

جاننا چاہیے کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں:

ایک رحمتِ عامہ

اور دوسری رحمتِ خاصہ

☆ خاص رحمت وہ ہے جس کے باعث اوقاتِ مخصوصہ میں اللہ جل مجدہٗ اپنے بندوں پر تجلّی فرماتا ہے۔

☆ اور عام رحمت سیّد عالم ﷺ کی حقیقت ہے۔ اور اسی کے سبب اللہ جل مجدہٗ تمام اشیاءً کے حقائق پر رحمت فرماتا ہے۔

☆ اور پھر ہر ایک شے اپنے مرتبہء وجود میں جلوہ نما ہوتی ہے، اور اسی رحمت کے سبب موجودات میں قبولِ فیض کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

☆ جیسا کہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں منقول ہے، اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے سب سے پہلے سید عالم ﷺ کی رُوحِ منوّر کو پیدا فرمایا تا کہ اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ کے طفیل موجوداتِ ممکنہ پر رحمت فرمائے۔

☆ اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے موجودات کو نیہ سید عالم ﷺ کے مجموعہ پر پیدا فرمائے تا کہ وہ سید عالم ﷺ سے ہی عرش و کرسی اور تمام عوالم علوی و سفلی پیدا فرمائے۔ تا کہ وہ سید عالم ﷺ کی برکت سے رحمت کے مستحق ہو جائیں۔ کیونکہ وہ سب کے سب سید عالم ﷺ کے ہی نسخہ عظیمہ کے نمونہ پر آپ ﷺ کی ماہیتِ کریمہ سے پیدا ہوئے۔

☆اسی لیے اللہ جل مجدہٗ کی رحمت اسکے غضب پر سبقت لے گئی ہے کیونکہ تمام ماسوی اللہ حبیب مکرم ﷺ کے ہی نسخہ پر ہے، اور حبیب معظم ﷺ مرحوم ہیں (لہٰذا تمام ماسوی اللہ بھی مرحوم ہے) جبکہ حکم رحمت وجود کو لازم ہے۔ اور حکم غضب (لازم نہیں بلکہ) عارضی ہے۔ (اس لیے تمام موجودات کو رحمت بھی لازم ہے) کیونکہ رحمت صفات ذاتی سے ہے اور غضب صفاتِ عدل سے ہے۔ اور عدل فعل ہے اور (یہ تو واضح ہے ہی کہ) ذاتی صفات اور فعلی صفات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

☆اسی لیے اللہ جل مجدہٗ کا ''رحمٰن ورحیم'' نام تو ہے مگر قہر وغضب اس کا (صفاتِ ذات سے) نام نہیں ہے۔

☆اسی لیے یہ کہنا روا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ ازلی ''رحمٰن ورحیم'' ہے۔ مگر یہ کہنا مطلقاً جائز نہیں کہ اللہ جل مجدہٗ ازل سے ہی غضب وقہر سے متصف ہے۔

ان تمام کا راز یہ ہے کہ اللہ عزاسمہٗ کی رحمت غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

☆اس لیے کہ حبیبِ مکرم ﷺ کیلئے وجود اس طرح ہے جیسے صورت کے لیے آئینہ ہوتا ہے۔

☆یا آپ ﷺ کے لیے وجود اس طرح ہے جیسے ذات کے لیے صفت ہوتی ہے۔ یا وجود کو آپ ﷺ سے وہ نسبت ہے جو جُز کو کل سے ہوتی ہے۔

☆لہٰذا سیّد عالم ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے رحمت تمام موجودات کو شامل ہے۔

☆زبانِ حال نے (کیا ہی عمدہ کہا ہے):

حَظِيَتْ بِکَ الْاَکْوَانُ يَا خَيْرَ الْوَرٰى ‏ وَکَذَا الْفُرُوْعُ بِأَصْلِهِنَّ تَطَيَّبَ

''اے افضل الخلق تمام ممکنات آپ ہی سے محظوظ ہوئے، اور فروع اپنے اصل سے اسی طرح فیض یاب ہوتے ہیں''۔

أَنْتَ الْحَبِيْبُ وَكُلُّهَا لَکَ نُسْخَةٌ ‏ جَمِيْعُ مَا هُوَ لِلْحَبِيْبِ، حَبِيْبُ

''آپ محبوب ہیں اور تمام موجودات آپ کا نسخہ ہیں اور جو کچھ بھی محبوب کا ہو وہ محبوب ہی ہوتا ہے''۔

☆معلوم رہے کہ جب اللہ عزوجل نے اس چھپے ہوئے خزانہ کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنی پہچان کروانے کے لیے اس جہانِ امکان کو پیدا کر دینا پسند فرمایا۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد گرامی وارد ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ (ص۲۴۶)

''میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے تمام مخلوق کو پیدا کیا''۔

☆ اور تمام موجودات اس ازلی تجلی میں اللہ جل مجدہٗ کے علم میں موجود، اور حقیقتاً ثابت تھے اور اللہ جل مجدہٗ ان کی صلاحیت سے بھی آگاہ تھا کہ حدوث وقِدم کے مابین کوئی واسطہ ونسبت نہ ہونے کی وجہ سے یہ تمام موجودات اس کے عرفان کی طاقت نہیں رکھتے۔

☆ جبکہ محبت کا مقتضایہ تھا کہ ان موجودات پر اس کا ظہور ہوتا کہ وہ اس کی پہچان کرسکیں۔ لہٰذا اللہ جل مجدہٗ نے اس محبت سے حبیبِ مکرم ﷺ کو پیدا فرما کر انہیں اپنی ذاتی تجلیات سے مختص فرمایا۔ اور پھر اس محبوبِ معظم ﷺ سے تمام مخلوق پیدا فرمائی، تاکہ اللہ عزاسمہٗ اور اس کی مخلوق کے درمیان نسبت قائم ہوجائے اور یوں وہ سبھی اس نسبت کے باعث اللہ جل مجدہٗ کا عرفان حاصل کرلیں۔

فَالْعَالَمُ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الصِّفَاتِ وَالْحَبِيْبُ ﷺ مَظْهَرُ تَجَلِّيَاتِ الذَّاتِ وَكَمَا اِنَّ الصِّفَاتِ فَرْعٌ عَنِ الذَّاتِ كَذَالِكَ الْعَالَمُ فَرْعٌ عَنِ الْحَبِيْبِ فَهُوَ ﷺ وَاسِطَةٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ الْعَالَمِ۔ (ص ۲۴۶)

☆ ''پس سارا جہاں صفاتی تجلیات کا مظہر ہے، اور حبیبِ مکرم ﷺ ذاتی تجلیات کا مظہر ہیں۔ اور جس طرح صفات ذات کی فرع ہیں، اسی طرح سارا جہاں حبیب معظم ﷺ کی فرع ہے(1)۔ لہٰذا سیّد عالم ﷺ ساری مخلوق اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیانؐ واسطہ وذریعہ ہیں''۔

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى مَا قُلْنَاهُ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَنَا مِنَ اللّٰهِ (أَيْ مَخْلُوْقٌ مِنْ نُوْرِهٖ تَعَالٰى أَيْ النُّوْرَ الَّذِيْ خَلَقَهُ اللّٰهُ قَبْلَ كُلِّ شَيْئٍ وَإِضَافَتِهٖ لِلّٰهِ لِلتَّشْرِيْفِ) وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّيْ۔ (ص ۲۴۶)

☆ ''ہماری اس گفتگو پر دلیل سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:''انا من اللّٰہ'' میں اللہ عزوجل سے ہوں۔ (تبصرہ مبہانی قدس سرہٗ) ''یعنی میں اللہ عزّ اسمہٗ کے اس نور سے پیدا ہوا ہوں جسے اللہ جل مجدہٗ نے ہر شے سے قبلؔ پیدا فرمایا ہے۔ اور نور کی اضافت اللہ جل مجدہٗ کی طرف تشریفی ہے''۔ اور تمام ایمان والے مجھ سے پیدا ہیں''۔

☆ ہماری مذکورہ گفتگو پر ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے۔ اور وہ سید عالم ﷺ کا حضرت جابر رضی

1- تو اصلِ وجود آمدی از نخست　　دگر ہرچہ موجود شد فرعِ تست　(مترجم)

اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ "اللہ جل مجدہٗ نے (سب سے پہلے) سید عالم ﷺ کی روح منور کو پیدا فرمایا۔ پھر عرش و کرسی اور عالم علوی و سفلی (وغیرہ) تمام اشیاء کو اس روحِ مقدس سے پیدا فرمایا"۔

☆ اور حدیثِ پاک میں سید عالم ﷺ نے ان تمام اشیأ کے خلق کی ایسی واضح ترتیب بیان فرما دی ہے کہ جس کے بعد اس بات میں بالکل کسی اشکال کا احتمال باقی نہیں رہتا کہ یہ تمام موجودات سید عالم ﷺ کی فرع ہیں۔ اور آپ ﷺ ان کی اصل ہیں۔

☆ ہماری اس مراد پر سید عالم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی دال ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔

"میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی کیچڑ میں ہی تھے"۔

☆ معلوم ہوا کہ سید عالم ﷺ اللہ جل شانہٗ اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان واسطہ ہیں تا کہ آدم علیہ السلام کا ظہور و وجود کامل و صحیح ہو جائے۔ کیونکہ نبوتِ محمد یہ ﷺ نبوتِ تشریعیہ ہے اور یہ عبارت ہے اس واسطہ سے جو بندے اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیان ہے۔

☆ حدیث شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کو خصوصیت سے ذکر کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ سیّد عالم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ عزّ اسمہٗ کے درمیان واسطہ ہیں۔ حتیٰ کہ نسبتِ محمد یہ ﷺ کی وجہ سے ہی حضرت آدم علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے۔

☆ جب سیّد عالم ﷺ کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ آپ علیہ السلام سید عالم ﷺ کے ہی طفیل نبوت سے سرفراز ہوئے، تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی بابت تیرا کیا خیال ہے لہٰذا اولادِ آدم علیہ السلام علوِ مراتب کے حصول میں بدرجہء اولیٰ سیّد عالم ﷺ کی محتاج ہے۔

☆ یہی وجہ ہے جس کی بناء پر اللہ جل مجدہٗ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے سیّد عالم ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی امداد کرنے کا عہد و پیمان لیا تھا۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (آل عمران)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور

ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ، اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں"۔

(آیت کریمہ کے) اس مقام میں "رسول" کو نکرہ لانا باتفاق مفسرین تعظیم کے لیے ہے۔ اور یہ اس لیے نہیں کہ رسول چونکہ "معرفہ" نہیں اس لیے کوئی اور مراد ہو۔ (بلکہ "رَسولٌ" کی تنوینِ تعظیم نے اس کی نکارت میں تخصیص پیدا کر دی ہے)۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ جل مجدہٗ کا "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ" فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جب تک کمالاتِ محمدیہ ﷺ انبیاء کرام علیہ السلام کے سامنے موجود نہ ہو گئے تو اس وقت تک انہیں بذریعہ کشف کمالاتِ محمدیہ ﷺ کا ادراک نہ ہوا۔

وَسَبَبُ ذَالِکَ أَنَّ الْفَرْعَ لَا سَبِیْلَ لَهٗ أَنْ یُّحِیْطَ بِالْأَصْلِ۔

(ص ۲۴۷)

"اور اس کا سبب یہ ہے کہ اصل کا (من کل الوجوہ) احاطہ کرنا فرع کے بس کا روگ نہیں ہے"۔

اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے اُن سے عہد لیا کہ وہ سرورِ عالم ﷺ کے کمالات پر بن دیکھے ایمان لائیں تا کہ یہ ایمان بالغیب ان کے لیے معارفِ ذاتیہ کا ذریعہ بن جائے۔ اور یوں وہ اس کے ذریعہ مراتب اکملیت کو پا سکیں، کیونکہ اللہ جل مجدہٗ کے علم میں تھا کہ وہ اسے سیّد عالم ﷺ کے واسطہ کے بغیر نہیں پا سکتے۔

وَسِرُّ هٰذَا الْاَمْرِ اَنَّهٗ ﷺ مَظْهَرُ الذَّاتِ وَالْاَنْبِیَآءُ مَظْهَرُ الْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ، وَبَقِیَّةُ الْعَالَمِ الْعَلَوِیِّ وَالسِّفْلِیِّ مَظَاهِرُ اَسْمَاءِ الْاَفْعَالِ مَا خَلَا اَوْلِیَاءَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاِنَّهُمْ کَالْاَنْبِیَاءِ مَظَاهِرَ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ لِقَوْلِهٖ ﷺ، عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

(ص ۲۴۷)

"اور اس معاملہ میں راز یہ پنہاں ہے کہ سید عالم ﷺ مظہر ذات ہیں۔ جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام مظہر اسماء وصفات ہیں۔ اور باقی تمام عالم علوی وسفلی ماسوا سید عالم ﷺ کے اولیاء امت کے، اسماء افعال کے مظاہر ہیں۔ جبکہ سید عالم ﷺ کی امت کے اولیاء

کرام انبیاء عظام علیہم السلام کی طرح اسماء و صفات کے ہی مظاہر ہیں۔جیسا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" (یعنی تبلیغ کرنے اور تبلیغی صعوبات کی برداشت پر ثواب ملنے میں) میری امت کے علماء (شریعت وطریقت) انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں"۔

☆جب تجھے یہ علم ہو گیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ جل مجدہٗ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان واسطہ ہیں تو پھر یہ تجھے بطریقِ اولیٰ معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ جل مجدہٗ اور فرشتوں کے مابین واسطہ بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔اس لیے کہ جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ خواص انسان، خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔

☆اور جب یہ صحیح ثابت ہو گیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل مجدہٗ اور خواص انسانوں اور خواص فرشتوں کے درمیان واسطہ و ذریعہ ہیں، تو پھر عام انسانوں اور عام فرشتوں اور اللہ جل مجدہٗ کے درمیان بطریق احسن واسطہ و نسبت ہیں۔اور باقی موجودات ان دونوں جنسوں کے تابع ہیں۔

فَعُلِمَ بِمَا أَوْرَدْنَاهُ أَنَّهُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ لَمْ يَكُنْ مَوْجُوْدًا لَمَا كَانَ شَيْءٌ مِّنَ الْمَوْجُوْدَاتِ يَعْرِفُ رَبَّهُ بَلْ لَمْ يَكُنِ الْعَالَمُ مَوْجُوْدًا۔(ص ۲۴۷)

☆"ہماری مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ ہوتے تو موجودات کی کوئی بھی شے اپنے پروردگار جل مجدہٗ کا عرفان نہ حاصل کر سکتی، اور نہ ہی یہ جہاں موجود ہوتا"۔

☆کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے سارا جہاں صرف اپنی معرفت کی خاطر ایجاد فرمایا ہے۔

☆اور اللہ عزّ اسمہٗ کو یہ بھی علم تھا کہ (ہونے والے) موجودات میں کوئی نسبت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کی معرفت کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے انہیں اولاً پیدا نہ کیا بلکہ سب سے پہلے ان کے درمیان نسبت کو پیدا کیا اور پھر اس نسبت سے ان موجودات کو پیدا فرمایا تاکہ وہ اس نسبت کے باعث اس کا عرفان حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔

وَلَوْ لَمْ تَكُنِ النِّسْبَةُ لَمْ يَكُوْنُوْا وَإِلَى ذٰلِكَ أَشَارَ الْحَدِيْثُ الْقُدْسِيُّ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى لِلنَّبِيِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ "لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ"۔

☆"اور اگر یہ نسبت نہ ہوتی تو ان موجودات کا وجود ہی نہ ہوتا اور حدیثِ قدسی میں اسی جانب اشارہ ہے جو اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔پیارے اگر آپ نہ

ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔"

☆ اور جب سید عالم ﷺ سارے جہاں کے وجود کی علت، اور اس کے لیے رحمت کا باعث، اور اللہ جل مجدہٗ اور موجودات کے مابین واسطہ ہیں۔ تو اسی لیے آخرت میں سید عالم ﷺ کے لیے "مقام وسیلہ" ہے۔ کیونکہ مخلوق نے آپ ﷺ کے ہی وسیلہ سے اللہ جل مجدہٗ کا عرفان حاصل کیا ہے اور آپ ﷺ ہی کے وسیلہ سے انہیں وجود ملا ہے۔ کیونکہ یہ موجودات آپ ﷺ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

پھر جب موجودات نے ہر ظاہری و باطنی بھلائی میں آپ ﷺ کو ہی وسیلہ ٹھہرایا ہے تو "صاحب وسیلہ" بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

☆ سید عالم ﷺ کا اللہ جل مجدہٗ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہونے کے مطلب میں ہم نے اتنی گفتگو کر دی ہے کہ جس میں کسی طرح کی بھی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی مفصل بحث اپنی کتاب "اَلْكَهْفُ وَالرَّقِيْمُ فِيْ شَرْحِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں کر دی ہے۔ اس کتاب میں اس باب سے بس اتنا ہی کافی ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

☆ پھر شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں یہ ذکر فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ کے اسماء و صفات کیا کیا ہیں؟ اور پھر انہیں شمار کرتے ہوئے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ شرح بھی فرمائی ہے۔

امام نبہانی قدس سرہٗ کا تعاقب و انتباہ

اس کتاب کا مؤلف (امام) یوسف نبہانی (قدس سرہٗ) عفا اللہ عنہ کہتا ہے:

☆ یہ جاننا چاہیے کہ سیّد عالم ﷺ کا اسماء و صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہونا صرف اسی طریقہ پر ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ کے مناسب ہے۔ اور جو اللہ جل مجدہٗ کے لائق ہے اس طریقہ سے یہ اتصاف مفقود ہے۔

☆ اور وہ صفاتِ الوہیت جو اللہ عزوجل سے مخصوص ہیں۔ ان سے سید عالم ﷺ کا، یا کسی دوسری مخلوق کا متصف ہونا جائز نہیں۔

☆ مگر اللہ جل مجدہٗ نے اپنی عنایت سے اپنے حبیب معظم، عبد مکرم، سید الخلق حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو شرافت و عظمت دینے کے لیے اپنے بے شمار اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ علیا کی خلعت

عطا فرمائی ہے۔اسی وجہ سے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے درمیان انفرادیت حاصل ہے۔

☆میں نے ''اَحْسَنُ الْوَسَائِلِ فِی نَظْمِ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ الْکَامِلِ'' نام کے ایک منظوم رسالہ میں سیّد عالم ﷺ کے اسماء شریفہ کو ذکر کیا ہے۔اور جن جن معتمد کتابوں تک میری رسائی ہو سکتی ہے انہی میں سے میں نے اِن اسماء کو مذکورہ رسالہ میں اکٹھا کر دیا ہے۔اور یہ تقریباً آٹھ سو اسّی (۸۸۰) اسمائے گرامی ہیں۔

☆پھر میں نے ان اسمائے مبارکہ میں سے جن جن کی شرح ضروری سمجھی انہیں مع شرح کے ایک مستقل کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے۔میں نے اس کتاب کا ''اَلْاَسْمٰی فِیْمَا لِسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَسْمَآءِ'' نام رکھا ہے۔

اور میں نے اس کتاب کو حروفِ ہجا کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔اب یہ دونوں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

☆نیز میں نے ''کتاب الاسمیٰ'' میں وہ فوائد بھی ذکر کیے ہیں جن کو نظم میں لانا ناممکن تھا۔پھر میں نے اس کتاب کو ایک خاتمہ پر ختم کیا ہے۔

☆اب میں کامل افادیت کے لیے ان فوائد کا ذکر کرتا ہوں۔اُس کتاب میں میں نے لکھا ہے کہ قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ''شفاء شریف'' میں اللہ جل مجدہٗ کے تقریباً تیس وہ ''اسمائے حُسنیٰ'' بیان فرمائے ہیں جن کے ساتھ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیبِ مکرم سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو متصف فرما کر شرف بخشا ہے۔

علاوہ بریں بہت سے وہ اسماء ہیں جنہیں قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ذکر نہیں کیا ہے جبکہ میں نے ان کی تعداد اکیاسی (۸۱) تک گنی ہے۔جن کا حروفِ تہجی کی ترتیب پر اکٹھے اور علیحدہ علیحدہ ذکر ہو چکا ہے۔

☆نیز قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خلعتِ کرامت سے نوازتے ہوئے انہیں بعض ''اسمائے حسنیٰ'' سے متصف فرمایا ہے۔

☆جیسے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے وصف ''علیم'' سے نوازا ہے۔

☆اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے وصفِ ''حلیم اور صادق الوعد'' سے سرفراز فرمایا ہے۔

☆اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (بھی) وصفِ ''حلیم'' سے،

☆اور حضرت نوح علیہ السلام کو وصف ''شکور'' سے،

☆اور حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کو وصفِ ''برّ'' سے،

☆اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصفِ ''کریم و قوی'' سے،

☆ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو وصفِ ''حفیظ و علیم'' سے،

☆ اور حضرت ایوب علیہ السلام کو وصفِ ''صابر'' سے مشرف و ممتاز فرمایا ہے۔

☆ قرآن کریم میں جہاں جہاں ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ ان اسماء سے ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اتصاف پر قرآنِ عزیز شاہد و ناطق ہے۔

☆ پھر قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ان تمام اسماء کو ایک مستقل فصل میں ذکر کرنے کے بعد ہر اس آدمی کے وہم کو دور فرمایا ہے جس کے اعتقاد میں یہ وہم سمایا ہوا ہو کہ جب کسی مخلوق کا نام اللہ جل مجدہٗ کے نام پر ہوگا تو پھر مخلوق کی خالق سے مماثلت لازم آئے گی۔

☆ قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا: اب میں یہاں ایک ایسا نکتہ بیان کرتا ہوں جو اسی فصل کے ضمن میں ہے اور اسی نکتہ پر گفتگو ختم کر دوں گا۔ اور ہر بلید الفہم اور ناقص الوہم کے اعتقاد سے مذکورہ اشکال دور کر دوں گا۔ نیز وہ نکتہ ایسے شخص کی، تشبیہ کے پھندے سے گلوخلاصی کرے گا۔

سیّد عالم ﷺ کا اسمائے الٰہیہ سے اتصاف کا مطلب

نکتہ

☆ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ جل اسمہٗ اپنی عظمت و کبریائی میں، اور اپنے ملک و ملکوت میں، اور اپنے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ علیا میں، اپنی مخلوق میں سے کسی بھی شے کے مماثل نہیں ہے۔ اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی شے اس کے مشابہ ہے۔

☆ رہا اس اطلاق کا تعلق کہ جس کا اسلام میں خالق و مخلوق پر رہا ہے۔ تو ان میں حقیقی معنی کے اعتبار سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اس لیے کہ قدیم کی صفات حادِث کی صفات سے مختلف ہیں۔

☆ پھر جیسے اللہ جل اسمہٗ کی ذات، مخلوق کی کسی ذات کے مماثل نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ ان کی صفات اعراض سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ اللہ جل مجدہٗ اعراض سے بری ہے۔ بلکہ اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد کافی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (شوریٰ:11)

''اس جیسا کوئی نہیں۔''

☆ ان محققین علماء طریقت کی اللہ جل مجدہٗ خیر فرمائے، جنہوں نے فرمایا:

اَلتَّوْحِيْدُ اِثْبَاتُ ذَاتٍ غَيْرِ مُشْبِهَةٍ لِلذَّوَاتِ، وَلَا مُعَطِّلَةٍ مِنَ الصِّفَاتِ۔ (ص ۲۸۴)

''ایک ایسی ہستی کا ثابت کرنا جو نہ ہی تو کسی ذات کے مماثل ہو اور نہ ہی صفات سے معطل ہو۔ یہی وحدانیت کا اثبات ہے''۔

☆ حضرت واسطی قدس سرہٗ نے اس سے زائد ایک نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اور وہی ہمارا مقصود بھی ہے۔ چنانچہ واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا:

لَيْسَ كَذَاتِهٖ تَعَالٰى ذَاتٌ وَلَا كَإِسْمِهٖ اِسْمٌ وَلَا كَفِعْلِهٖ فِعْلٌ، وَلَا كَصِفَتِهٖ صِفَةٌ اِلَّا مِنْ جِهَةِ مُوَافِقَةِ اللَّفْظِ اللَّفْظَ۔ (ص ۲۴۸)

''اللہ جل مجدہٗ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اور اس کے نام جیسا کوئی نام نہیں، اور اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں اور اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں۔ ہاں مشابہت اگر کچھ ہو بھی سکتی ہے تو وہ صرف لفظی موافقت کی بنا پر ہو سکتی ہے''۔

جس طرح حادث و ممکن ذات کے لیے قدیم صفت کا ہونا محال ہے اسی طرح قدیم ذات کے لیے حادث صفت کا ہونا بھی محال ہے۔

وَهٰذَا كُلُّهٗ مَذْهَبُ أَهْلِ الْحَقِّ وَالسُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (ص ۲۴۸)

''اہل حق کی جماعت اہل سنت و جماعت بھی کا یہی مذہب ہے''۔

☆ حضرت الامام الاستاذ ابوالقاسم (عبدالکریم بن ہوازن المتوفی ۴۶۵ھ) قشیری رضی اللہ عنہ (معاصر حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش المتوفی ۴۶۵ھ رضی اللہ عنہ) نے اس بات کی تصریح و تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: یہ حکایت توحید کی جامع مسائل پر مشتمل ہے۔

''اللہ جل اسمہٗ کی ذات موجودات کی ذات سے کیسے مماثل ہو سکتی ہے؟ جبکہ اللہ جل شانہٗ کی ذات اپنے وجود میں (اثرِ مؤثر سے) مستغنی ہے''۔

اور اس کا فعل مخلوق کے کسی فعل کے مشابہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس کا کوئی بھی فعل کسی ذاتی منفعت کے حصول، یا کسی موجودہ کمی کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی ذاتی مقصد برآری و غرض کے لیے، اور نہ ہی مباشرتِ اسباب کے لیے ہوتا ہے۔ مگر مخلوق کا فعل ان مذکورہ امور سے خالی نہیں ہوتا''۔

وَقَالَ الْإِمَامُ اَبُوْ الْمَعَالِيْ اَلْجُوَيْنِيُّ مَنِ اطْمَأَنَّ اِلٰى مَوْجُوْدٍ اِنْتَهٰى اِلَيْهِ فِكْرُهٗ فَهُوَ مُشَبِّهٌ وَمَنِ اطْمَأَنَّ اِلَى النَّفْيِ الْمَحْضِ فَهُوَ مُعَطِّلٌ وَاِنْ قَطَعَ

بِمَوْجُوْدٍ وَاعْتَرَفَ بِالْعِجْزِ عَنْ دَرْكِ حَقِيْقَتِهِ فَهُوَ مُوَحِّدٌ۔ (ص۲۴۹)

''حضرت امام ابوالمعالی الجوینی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شخص جس کی فکر موجود تک پہنچنے کے بعد ختم ہوگئی اور وہ اسی پر قناعت پذیر ہوگیا تو وہ ''مشبّہ'' ہے۔اور جو شخص صرف نفی پر ہی بھروسہ کرنے لگ گیا تو وہ ''معطلہ'' ہے۔(یعنی جس کا یہ اعتقاد ہوگیا کہ اللہ جل مجدہٗ اپنی صفات استعمال کرنے کے بعد اب فارغ بیٹھا ہے) اور جس نے موجود کا یقین کیا اور پھر اس کی حقیقت کے ادراک سے بے بسی کا اعتراف کرلیا تو وہ ''مُوَحِّد'' ہے''۔

☆ حضرت سیّدنا ذوالنون (ثوبان بن ابراہیم) مصری رضی اللہ عنہ کا (اس بارے میں) کیا ہی عمدہ کلام ہے۔

''تیرا اس بات سے باخبر ہونا ہی توحید ہے کہ موجودات میں اللہ جل مجدہٗ کی قدرت بلاعلاج (یعنی بلاسبب) اور ان میں اس کا فعل بلامزاج (یعنی بلاآمیزش) ہے۔اور اس کا فعل ہر شے کی علّت ہے جبکہ اس کے کسی بھی فعل کی کوئی بھی شے علّت نہیں ہے''۔

وَمَا تَصَوَّرَ فِيْ وَهْمِكَ فَاللّٰهُ بِخِلَافِهٖ۔ (ص۲۴۹)

''اور تیرے وہم میں جو بھی شے گزرے، اللہ جل مجدہٗ کی ذات اس کے برعکس ہے (یعنی برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم)''۔

☆ شیخ ذوالنون مصری قدس سرہٗ کا یہ کلام بہت عمدہ، دل بھاتا، اور ایمان کو پختہ کرنے والا ہے۔

☆ اور حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ کے کلام کے آخری یہ جملے ''وَمَا تَصَوَّرَ فِيْ وَهْمِكَ فَاللّٰهُ بِخِلَافِهٖ'' (جو تیرے وہم میں سمائے اللہ جل مجدہٗ اس سے بالاتر ہے) یہ اللہ جل مجدہٗ کے ارشاد ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' کی تفسیر ہیں۔

اور ان کی کلام کے یہ جملے ''اس کی صُنعت ہر شے کی علت ہے اور اس کے کسی بھی فعل کی کوئی بھی شے علت نہیں ہے۔'' اللہ جل مجدہٗ کے ارشاد ''لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ'' (انبیاء:23) کی تفسیر ہیں۔

اور حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ کے کلام کے پہلے جملے ''توحید کی حقیقت یہی ہے کہ تیرا اس بات کو جان لینا کہ اللہ جل مجدہٗ کی ممکنات میں قدرت بلاعلاج اور ان میں اس کا فعل بلامزاج ہے''۔ یہ اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (النحل)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ''ہوجا'' وہ فوراً ہوجاتا ہے''۔

کی تفسیر ہیں۔

(دعا یہ ہے کہ) اللہ جل مجدہٗ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اور تمہیں توحید واثبات اور اللہ جل مجدہٗ کی تنزیہ کے اعتقاد پر ثابت قدم رکھے اور تعطل وتشبہ کے بھکے ہوئے راستوں پر چلنے سے بچائے۔ (آمین)

☆ یہاں حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ کا کلام ختم ہو گیا ہے۔

شفا شریف کی شرح میں اس سے پہلی فصل میں حضرت ملا علی القاری قدس سرہٗ نے فرمایا:

''وصفِ حقیقی کے اعتبار سے خالق جل مجدہٗ کے کسی بھی وصف میں مخلوق کا اشتراک ممکن نہیں ہے۔ ہاں جو کچھ اشتراک نظر بھی آتا ہے تو وہ صرف معنے عرفی ومجازی کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ سمیع، بصیر، علیم، حی، قادر، مرید ومتکلم ہے، جبکہ یہی صفات بعض مخلوق میں بھی متحقق ہیں۔ لیکن جیسا کہ یہ کسی متدین سے اوجھل نہیں۔ ان دونوں کی صفات میں واضح فرق ہے''۔

☆ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا:

جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے، قاضی عیاض قدس سرہٗ نے اس فرق کے بیان میں ایک مستقل فصل باندھی ہے تا کہ کوئی شخص راہِ اعتدال سے بھٹک نہ جائے۔ انتہیٰ کلام ملا علی القاری (قدس سرہٗ)

☆ جس فصل کی طرف ملا علی قاری قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا ہے وہ فصل وہی ہے جسے میں نے یہاں بیان کر دیا ہے۔ ''وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ''۔

☆ یہاں میری مذکورہ کتاب کا خاتمہ، اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ اور اس سے ہر وہ اشکال دور ہو گیا ہے جو کسی کے دل میں سیّد عالم ﷺ کا اللہ جل مجدہٗ کے اسماء وصفات سے موصوف ہونے کی بابت کھٹک سکتا تھا۔

☆ ہم پھر شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے کلام کی تکمیل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیسرا باب سیّد عالم ﷺ کا اسماء وصفاتِ الٰہیہ سے متصف ہونے میں ہے۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (قلم)

''اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے''۔

☆ خلق ایک وصف ہے۔ اور اوصافِ عظیمہ صرف اللہ جل مجدہٗ کے ہیں۔

☆ سید عالم ﷺ کے خلق کی نسبت حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا تو

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

سیّد عالم ﷺ کا خلق قرآن کریم تھا۔

☆ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد میں سید عالم ﷺ کا حقیقۃً کمالاتِ الٰہیہ سے متصف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

لِأَنَّ الْقُرْاٰنَ إِنَّمَا هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ كَمَالَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَيْضًا اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْكَلَامُ صِفَةُ الْمُتَكَلِّمِ وَهُوَ خُلُقِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَعْنِيْ وَصْفُهٗ فَهُوَ مُتَّصِفٌ بِأَوْصَافِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَقَدْ اِنْفَرَدَ ﷺ بِكَمَالِ ذٰلِكَ دُوْنَ كُلِّ مَوْجُوْدٍ۔ (ص۲۴۹)

"(دو وجہ سے) کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کے کمالات سے عبارت ہے۔ نیز قرآنِ کریم اللہ جل مجدہٗ کا کلام ہے اور کلام، کلام کرنے والے کی صفت ہوا کرتا ہے۔ (اور جب کلام اللہ، اللہ عزوجل کی صفت ہو) (تو) یہی سید عالم ﷺ کا خلق یعنی آپ ﷺ کا وصف ہے۔ لہٰذا سیّد عالم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کے اوصاف سے متصف ہوئے۔ اور اس کمال میں آپ ﷺ انفرادیت کے حامل ہیں۔ جبکہ موجودات میں دوسرا کوئی بھی اس وصف سے موصوف نہیں ہے"۔

☆ اس کی دلیل حضرت ابنِ وہب رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جو باسنادِ صحیح سیّد عالم ﷺ سے مروی ہے:

إِنَّهٗ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا مُحَمَّدُ سَلْ، فَقُلْتُ يَا رَبِّ وَمَا أَسْئَلُ، اِتَّخَذْتَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا، وَكَلَّمْتَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، وَاصْطَفَيْتَ نُوْحًا، وَأَعْطَيْتَ سُلَيْمَانَ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهٖ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا أَعْطَيْتُكَ خَيْرًا مِنْ ذٰلِكَ، أَعْطَيْتُ الْكَوْثَرَ، وَجَعَلْتُ اِسْمَكَ مَعَ اِسْمِيْ يُنَادٰى بِهٖ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ، وَجَعَلْتُ الْأَرْضَ طَهُوْرًا لَكَ وَلِأُمَّتِكَ وَغَفَرْتُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَأَنْتَ تَمْشِيْ فِي النَّاسِ مَغْفُوْرًا لَكَ وَلَمْ اَصْنَعْ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ، وَجَعَلْتُ قُلُوْبَ أُمَّتِكَ مَصَاحِفَهَا وَخَبَأْتُ لَكَ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ أَخْبَأْهَا لِأَحَدٍ غَيْرِكَ۔ (ص۲۵۰)

"چنانچہ سید عالم ﷺ نے فرمایا اللہ جل مجدہٗ نے (مجھ سے) فرمایا: محمد! "صلی اللہ علیہ وسلم" مجھ سے کچھ مانگیے۔ میں نے عرض کیا: پروردگار جل مجدہٗ! میں کیا مانگوں؟ جبکہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا، اور حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا صفی (نجی) بنایا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو نے وہ ملک دیا جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: (حبیب محترم!) کیا میں نے آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کو ان سے خوب تر نہیں دیا۔ (مثلاً) میں نے آپ ﷺ کو "کوثر" عطا کیا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام سے ملا دیا ہے۔ جو میرے نام کے ساتھ آسمانی فضاؤں میں لیا جائے گا۔ میں نے زمین کو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے ذریعہ طہارت بنا دیا ہے آپ ﷺ کے (بالفرض والتقدیر ترک اولیٰ قسم کے) تمام اگلے پچھلے گناہ آپ ﷺ کے جیتے جی معاف کردیئے ہیں۔ جبکہ آپ ﷺ سے پہلے میں نے کسی کو بھی اس قسم کی خوشخبری نہیں سنائی۔ اور میں نے آپ ﷺ کی امت کے سینوں میں اپنا کلام محفوظ کر لینے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت پوشیدہ رکھ چھوڑی ہے جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ میں نے کسی کی شفاعت مخفی نہیں رکھی"۔

مذکورہ روایت پر شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کا تبصرہ

یہ حدیث صحیح الاسناد اور معتمد الروایت ہے۔ اور اس میں سید عالم ﷺ کا کمالاتِ الٰہیہ سے کمال اتصاف کی طرف ایک بہت بڑا اشارہ ہے اور صرف آپ ﷺ کا ہی ان تمام کمالات میں منفرد ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ہی اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

"میں نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت کو چھپا رکھا ہے"۔

☆ اور جو یہ فرمایا کہ:

"میں نے آپ ﷺ کو ان تمام سے بہتر دیا ہے۔"

یَعْنِیْ اِنَّ هٰؤُلَاءِ النَّبِیِّیْنَ الْمَذْکُوْرِیْنَ تَجَلَّیْتُ عَلَیْهِمْ بِصِفَاتِیْ وَتَجَلَّیْتُ عَلَیْکَ بِذَاتِیْ۔ (ص ۲۵۰)

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام پر (فقط) اپنی صفاتی تجلی فرمائی ہے۔ اور آپ ﷺ پر اپنی ذات کی تجلی فرمائی ہے"۔

☆اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ذاتی ہیں اور آپ ﷺ کے ماسوا سب صفاتی ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو بھی علی الاطلاق اپنے ذاتی اسماء سے موسوم نہیں فرمایا، جبکہ سید عالم ﷺ کو اپنے اسمائے ذاتیہ سے موسوم فرمایا ہے۔ چنانچہ سیّد عالم ﷺ کو اللہ عزوجل نے اسم "حق" اور اسم "نور" سے موسوم فرمایا ہے۔ اور سیّد عالم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو صرف اسمائے صفاتیہ سے موسوم کیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کو "حلیم" و "برّ" سے یاد فرمایا ہے اور اللہ جل مجدہٗ نے "حق" اور "نور" سے صرف سید عالم ﷺ کو موسوم فرمایا ہے اور یہ دونوں نام اللہ جل مجدہٗ کے اسمائے ذاتیہ سے ہیں۔

☆اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمانا کہ "میں نے آپ ﷺ کو "کوثر" دیا ہے"۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ نے وہ معرفتِ ذاتیہ الٰہیہ عطا فرمائی ہے کہ جس سے آپ ﷺ کے علاوہ ہر ایک امداد حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمانا کہ "میں نے آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے، جو آسمانی فضاؤں میں پکارا جاتا ہے"۔ تو یہ سیّد عالم ﷺ کی رفعتِ مکانی اور جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔

اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمانا کہ "میں نے زمین کو آپ ﷺ، اور آپ ﷺ کی امت کے لیے ذریعۂ پاکیزگی بنا دیا ہے"۔ تو یہاں زمین سے مراد سیّد عالم ﷺ کا وہ نفسِ بشری ہے جو طہارت و نظافت کی غایت کو پہنچا ہوا ہے۔

سیّد عالم ﷺ کے اسی نفسِ قدسی کی بابت فرمایا گیا ہے:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی ﴿۱۷﴾ (نجم)

"آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی"۔

جبکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ربانی تجلی سے بیہوش ہو گئے تھے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (صافات:105)

"بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا" علی سبیل عتاب فرمایا گیا تھا۔

اور بے ہوش ہونا آثارِ بشریہ سے ہے۔ اسی طرح "رؤیا" بھی اپنے ظاہر پر ہی محمول رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک نبی پر اس کی

بشریت غالب رہی ہے (جبکہ سیّد عالم ﷺ کا معاملہ اس کے برعکس ہے) کیونکہ سیّد عالم ﷺ کی بشریت ایسی معدوم (یعنی مغلوب) تھی کہ جس کا اثر ناپید تھا۔ جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام، اور اولیاء عظام میں یہ چیز نہیں ہے۔ کیونکہ ان حضرات سے (بعض اوقات) بشریت کا زوال اس معنی میں ہے کہ ان کی بشریت ایسے مواقع پر یوں چھپ جاتی تھی جیسے ظہورِ آفتاب سے ستارے چھپ جایا کرتے ہیں۔ (جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان ستاروں کے چھپنے سے ان کا وجود معدوم نہیں ہوتا کیونکہ) وہ ستارے اگرچہ بظاہر معدوم معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقۃً ان کا وجود باقی رہتا ہے۔ (اسی طرح ان حضرات کی بشریت اگرچہ بظاہر معدوم معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت موجود رہتی ہے) مگر سیّد عالم ﷺ کی بشریت قطعاً مفقود ہے(1)۔

(دلیل) بوجہ سیّد عالم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے

لَمْ یُؤْمِنْ مِنَ الشَّیَاطِیْنِ اِلَّا شَیْطَانِیْ۔

''میرے ہمزاد کے ماسوا کوئی بھی شیطان مسلمان نہ ہوا''۔

(نیز) اسی طہارت کے باعث اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کے اس واقعہ کی مثال بیان فرمائی ہے، جو سیّد عالم ﷺ کے لڑکپن میں ایک فرشتہ نے ''غارِ حرا'' میں آپ ﷺ کا سینہء اقدس شق کیا تھا اور آپ ﷺ کے جوفِ مبارک سے خون کی پھٹکی نکال باہر کی تھی۔

☆ اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمانا:

وَغَفَرْتُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ فَأَنْتَ تَمْشِیْ فِی النَّاسِ حَیًّا مَّغْفُوْرًا لَّکَ۔

''اور میں نے آپ ﷺ کے (ترکِ اولیٰ قسم کے برتقدیر سلیم وقوع) تمام اگلے پچھلے گناہ آپ ﷺ کے جیتے جی معاف کر دیئے ہیں''۔

تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہ آپ ﷺ میں کسی وجہ سے بھی باقی نہیں۔ کیونکہ سید عالم ﷺ من کل الوجوہ اللہ جل اسمہٗ کے کمالات سے موصوف ہیں۔ اور جس کا وجود ہی باقی نہیں اس

1۔ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم ﷺ کی بشریت کی معدومیت پر جو تمہید باندھی اور پھر جو دلائل قائم کیے وہ یکسر یکطرفہ ہیں اور اسے محض شیخ رضی اللہ عنہ کی رائے ہی کہا جاسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کا یہ کلام ''شطحیات'' کے قبیل سے ہو۔ اس لیے کہ شرع شریف میں تو ایسی کسی دلیل کا وجود نہیں کہ جس سے سیّد عالم ﷺ کے وصف ولباس بشریت کا فقدان و انتفاء لازم آتا ہو۔ البتہ اتنی گنجائش ضرور موجود ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی حقیقت کے سامنے بشریت غالب نہ آئی بلکہ مغلوب رہی۔ ''فافہم وہذا'' (از مترجم غفرلہٗ ولوالدیہ)

میں گناہ بھی کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ جل اسمہٗ نے آپ ﷺ کو اس سے بچا رکھا ہے۔

سید عالم ﷺ کسی بھی حالت میں لمحہ بھر بھی عرفانِ الٰہی سے بے خبر نہ تھے

وَقَوْلُهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ دَلِیْلٌ وَاضِحٌ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ مُتَحَقِّقًا بِاللّٰهِ تَعَالٰی فِی سَآئِرِ اَحْوَالِهٖ مِنَ الطُّفُوْلِیَّةِ وَالشُّبُوْبِیَّةِ وَالْکُهُوْلِیَّةِ فَلَمْ یَغْفِلْ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی طَرْفَةَ عَیْنٍ حَتّٰی وَلَا فِی الْاَرْحَامِ وَالْاَصْلَابِ لِاَنَّهٗ کَانَ نَبِیًّا وَّهُوَ فِی الْاَرْحَامِ وَالْاَصْلَابِ وَالنَّبِیُّ لَا یَغْفِلُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَغَیْرُهٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیًّا اِلَّا بَعْدَ کَمَالِهٖ وَظُهُوْرِهٖ فِی الْعَالَمِ الدُّنْیَوِیِّ،فَظَهَرَ مِنَ الْکَلَامِ عُلُوُّ رُتْبَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔(ص۲۵۱)

☆ ’’اور اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ’’ما تقدم من ذنبک وما تاخر‘‘ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ سید عالم ﷺ اپنے لڑکپن، اپنی جوانی اور اپنے بڑھاپے کی ساری زندگی میں اللہ جل مجدہٗ کے عرفانِ الٰہی سے بے خبر نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آباواجداد کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں بھی بے خبر نہ تھے۔ وجہ یہ ہے کہ سید عالم ﷺ اصلاب وارحام میں بھی نبی ہی تھے۔ اور نبی اللہ جل مجدہٗ کے عرفان ومشاہدہ سے بیخبر نہیں ہوتے۔ جبکہ سیّد عالم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کمال کی تکمیل کے بعد اور دنیا میں جلوہ گر ہو کر ہی نبی ہوئے ہیں۔ پس اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد سے سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کی سرفرازی ظاہر ہوئی ہے‘‘۔

☆ اور اللہ جلت صفاتہٗ کا یہ فرمانا:

’’یہ میں نے آپ ﷺ سے قبل کسی کے لیے بھی نہیں کیا‘‘۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کمالاتِ الٰہیہ سے سیّد عالم ﷺ متحقق ہیں ان سے آپ ﷺ سے پیشتر کوئی بھی متصف نہ ہوسکا اور جس کسی کو کمالاتِ الٰہیہ حاصل بھی ہوئے تو وہ سیّد عالم ﷺ کے بعد ہی حاصل ہوئے نہ کہ آپ ﷺ سے پہلے۔

جو مقام کاملین کے ارواح کی انتہاء ہے
وہ سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ اطہر کی ابتدا ہے

☆ اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمانا:

''میں نے آپ ﷺ کی امت کے سینوں میں اپنا کلام محفوظ کر لینے کی صلاحیت رکھ دی ہے''۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمامی اوّلین و آخرین سیّد عالم ﷺ کی امت ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو سیّد عالم ﷺ کے زمانہءاقدس سے پہلے ہو گزرے ان میں سے جو کاملین تھے وہ تو رسول اور نبی کہلائے اور جو سید عالم ﷺ کے زمانہ مبارک سے پیچھے آئے، ان میں سے جو کاملین تھے وہ ولی کہلائے۔ بہرکیف پہلے ہوں یا پچھلے، سبھی سید عالم ﷺ کے پیروکاروں میں سے ہیں۔ اور یہ خصوصیت صرف سید عالم ﷺ ہی کی ہے۔

''اور ان کے سینوں کا مصاحف ہونا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی کلام الٰہی کے باعث تجلیاتِ حق ان کے دلوں پر رہتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم کے معارج (یعنی منازل سلوک) بذریعہ ان کے ارواح کے ہوتے ہیں۔ جبکہ سید عالم ﷺ کا عرش بریں پر عروج صرف روح سے نہ تھا۔ بلکہ روح اور اپنے تمام ہیکل جسمانی سے تھا۔ وہاں تجلی ربانی روح مع الجسم پر ہی تھی۔ مگر دوسرے کاملین حضرات کے ارواح کی جہاں انتہاء ہوتی ہے، وہاں سے سید عالم ﷺ کے جسمِ انور کی ابتدا ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں سیّد عالم ﷺ کی روحِ انور کے لیے وہ مقام ہے جو آپ ﷺ کے غیر کو میسر نہیں۔

☆ اور اللہ عزوجل کا یہ فرمانا:

''میں نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کی سفارش چھپا رکھی ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماسوا میں نے اسے کسی بھی نبی کے لیے نہیں چھپایا''۔

یہ وہ ذاتی خصوصیت ہے جس کے ساتھ اللہ جل مجدہٗ نے صرف سیّد عالم ﷺ کو ہی مخصوص فرمایا ہے۔

شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَلِاُنْفِرَادِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَوَامِعِ الْكَلِمَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ دَلَائِلُ كَثِيْرَةٌ، وَتِلْكَ الدَّلَائِلُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَنْوَاعٍ:

مِنْهَا دَلَائِلُ تَثْبُتُ بِالْكِتَابِ، وَمِنْهَا دَلَائِلُ بِحَدِيْثِهٖ الَّذِیْ هُوَ وَحْیٌ یُّوْحٰی، وَمِنْهَا دَلَائِلُ عَقْلِيَّةٌ اُيِّدَتْ بِالْكَشْفِ الصَّرِيْحِ الَّذِیْ هُوَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِلَاوَاسِطَةٍ يُلْقِيْهِ اِلَی الْكُمَّلِ مِنْ اَوْلِيَائِهٖ۔ (ص۲۵۱)

''سید عالم ﷺ کا جامع کلمات الٰہیہ سے متصف ہونے کی انفرادیت پر بکثرت دلائل موجود ہیں، اور وہ دلائل تین قسم کے ہیں:

☆ کچھ دلائل تو وہ ہیں جو کتاب اللہ سے ثابت ہیں۔

☆ کچھ وہ دلائل تو وہ ہیں جو سید عالم ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہیں جو آپ ﷺ کو وحی کی گئی ہے۔

☆ اور کچھ عقلی دلائل وہ ہیں جو صریح کشف سے مؤید ہیں۔ اور یہ کشف جو اللہ تعالیٰ اپنے کامل اولیاء پر القاء فرماتا ہے۔ اللہ جل مجدہٗ سے انہیں بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے''۔

کمالات محمدیہ ﷺ

☆ نیز حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے ان کی اس حدیث پاک کا نقل کرنا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ قَسَّمَ الْخَلْقَ قِسْمَيْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ قِسْمًا۔ (الحدیث) (ص۲۵۱)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ جل مجدہٗ نے مخلوق کی دو قسمیں کیں اور مجھے ان میں سے سب سے بڑھیا قسم میں رکھا''۔

اس پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد شاہد ہے:

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ (واقعہ:27)

''اور داہنی طرف والے۔''

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ (واقعہ:41)

''اور بائیں طرف والے۔''

پس میں اصحاب یمین سے ہوں، اور سب سے عمدہ اصحاب یمین میں۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے ان دو قسموں کے تین حصے بنائے اور مجھے اس تیسرے بہتر حصہ میں رکھا۔ جس کا اللہ جل اسمہٗ کے اس ارشاد میں بیان ہے:

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾ (واقعہ:8)

''تو داہنی طرف والے، کیسے داہنی طرف والے''۔

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ﴿۹﴾ (واقعہ:9)

''اور بائیں طرف والے، کیسے بائیں طرف والے''۔

پھر ان تینوں حصص کے قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے سے بنایا، جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد میں ہے:

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ۔ (الآیہ)

''اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا''۔

پس میں تمام آدمیوں سے بڑھ کر متقی، اور اللہ جل مجدہٗ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا ہوں۔ اور مجھے اس میں فخر نہیں ہے۔

پھر ان قبائل کو گھروں میں تقسیم فرمایا، اور مجھے سب سے اچھے گھر میں رکھا۔ اس پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد دال ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ (احزاب:33)

''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور فرمادے (الخ)''۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ، قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ص ۲۵۱)

☆ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو نبوت کب سے ملی ہے۔ تو فرمایا جب سے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک جسم اور روح کے درمیان تھے (یعنی جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ابھی تک تخلیق بھی نہ ہوئی تھی)''۔

☆ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''میں اپنے پروردگار جل مجدہٗ کے ہاں جمیع اولادِ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر معزز ہوں، اور مجھے اس میں فخر نہیں ہے''۔

☆ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اس طرح ہے:

''میں بلا فخر تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں''۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرَاهُ اَجَلَّ اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَم اَرَ بَنِيْ اَبٍ اَفْضَلَ بَنِيْ هَاشِمٍ

''اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، سیّد عالم ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل امین میرے پاس آئے اور کہنے لگے: میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان مارے مگر میں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے برتر کسی کو بھی نہ دیکھا(1) اور بنو ہاشم سے افضل کسی باپ کی اولاد کو نہ دیکھا۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شبِ اسریٰ میں سید عالم ﷺ کی سواری کے لیے جب بُراق حاضر کیا گیا تو وہ اُچھلنے کودنے لگا۔ جبریل امین اس سے کہنے لگے: ارے! کیا تجھے محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے اٹھکیلیاں سُوجھی ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ کے ہاں ان سے بڑھ کر معزز کوئی بھی تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے۔ یہ سن کر براق پسنہ سے شرابور ہو گیا۔

☆ حضرت ابوذر، ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم راوی ہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

مجھے چھ چیزیں ---- اور بعض روایات میں پانچ کا ذکر آیا ہے ---- دی گئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی بھی پیغمبر کو نہ مل سکیں۔

۱۔ ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب سے مدد فرمائی گئی ہے۔

۲۔ روئے زمین میرے لیے مسجد اور ذریعۂ پاکیزگی بنادی گئی ہے۔ لہٰذا جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت مل جائے وہیں نماز ادا کرلے۔

۳۔ میرے لیے غنائم حلال کر دی گئیں، جبکہ مجھ سے قبل کسی بھی پیغمبر کے لیے حلال نہ تھیں۔

۴۔ میں سب لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں، جبکہ مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی اپنی قوم کے ہی نبی ہوتے تھے۔

1۔ امام بوصیری قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ　　　وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ

ایک شاعر نے کہا: ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام　　　بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

۵۔اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

اور ایک روایت میں اس خصوصیت کے بدلے یہ خصوصیت مروی ہے:

☆''اور میں جامع کلمات دیا گیا ہوں''۔

اور ایک روایت میں یہ ہے:

☆''وہ پہلا آدمی میں ہوں گا کہ جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی''۔

☆حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ راوی، کہ میں نے سیّد عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''میں اللہ عزوجل کا عبد ہوں، اور میں اس وقت سے ہی خاتم النبیین تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں ہی تھے۔ اور میں دعوتِ ابراہیم علیہ السلام، اور نویدِ مسیح علیہ السلام ہوں''۔

☆امام ابو محمد مکی اور فقیہہ ابولیث سمرقندی قدس سرہما اور انکے علاوہ دوسرے ائمہ نے روایت کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی:

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ۔

''بارِالٰہ! محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل میری لغزش سے درگزر فرما''۔

☆ایک روایت میں ہے کہ:

لَمَّا دَعَا آدَمُ،قَالَ اللّٰہُ مِنْ أَیْنَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا فَقَالَ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ رَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلٰی عَرْشِکَ،فَاِذَا فِیْہِ مَکْتُوْبٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ،فَعَلِمْتُ أَنْ لَیْسَ اَحَدٌ اَعْظَمَ قَدْرًا عِنْدَکَ مِنْہُ حَیْثُ جَعَلْتَ اِسْمَہٗ مَعَ اِسْمِکَ فَأَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَاٰخِرُ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِّیَّتِکَ وَلَوْلَاہُ مَا خَلَقْتُکَ۔(ص ۲۵۲)

''حضرت آدم علیہ السلام نے جب دعا فرمائی تو اللہ عزوجل نے فرمایا: آپ نے محمد ﷺ کو کہاں سے پہچانا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: خداوندا! جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے تیرے عرشِ بریں کی طرف سر اٹھایا تو اس پر میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا پایا تھا جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ جب تو نے ان کے نام کو اپنے نام سے ملایا ہے تو تیرے نزدیک ان سے بڑھ کر کوئی بھی قدر و منزلت والا نہیں ہے۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے آدم! (علیہ

السلام) مجھے اپنی عزت اور جلالت کی قسم! تمہاری اولاد سے یہ آخری نبی ہیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ فرماتا''۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب اللہ جل مجدہٗ نے لوگوں کے دلوں کو ملاحظہ فرمایا تو ان میں سے سیّد عالم ﷺ کے قلبِ انور کو پسند کیا اور پھر اسے اپنی ذات کے لیے منتخب فرمالیا۔ (الحدیث)

☆ اور حدیث اسریٰ میں سید عالم ﷺ کے علو مرتبہ کی صاف تصریح موجود ہے جبکہ اللہ جل مجدہٗ نے ہر نبی کا کوئی نہ کوئی نام معین فرمایا ہوا ہے۔

اور اس حدیث میں اس مقام کو عبور کرنا، سب انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام فرشتوں کے مقامات سے آگے عروج فرمانا، ذکر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبھی انبیاء علیہم السلام اپنے ارادہ سے ورے ہی تشریف فرما رہے۔

نیز اس حدیث شریف میں مذکور ہے کہ سید عالم ﷺ ہی سب انبیاء علیہم السلام کی اصل ہیں۔ اور پھر ان انبیاء علیہم السلام کی امامت کروانے میں آپ ﷺ کا کمالاتِ عُلیا میں منفرد ہونے کی طرف بالکل ظاہر اشارہ ہے۔ اس لیے کہ مقتدی کے مقام سے امام کے مقام کو انفرادیت حاصل ہوتی ہے۔

☆ اسی لیے حضرت امام الائمہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو تمام زمین و آسمان کے رہنے والوں سے زیادہ شرف عطا فرمایا ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: محشر کے دن سب لوگوں سے پہلے میں ہی باہر تشریف لاؤں گا، اور جب سب بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیں گے تو ان کا خطیب بھی میں ہی ہوں گا۔ اور پرچم حمد میرے ہی دستِ کرم میں ہوگا۔ اپنے پروردگار جل مجدہٗ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز بھی میں ہی ہوں گا۔ اور میرا اس میں کوئی بڑائی کرنا مقصود نہیں ہے۔

☆ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

''جب مخلوق بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوگی تو ان کا قائد میں ہی ہوں گا، اور جب وہ حیرت زدگی کے عالم میں چپ سادھے ہوں گے تو ان کا اس وقت خطیب میں ہی ہوں گا۔ اور

جب وہ حسرت و یاس کے عالم میں بیٹھے ہوں گے تو ان کا سفارشی بھی میں ہی ہوں گا۔ (اس وقت) لوائے حمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ اور اپنے پروردگار جل اسمہٗ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت میں ہی ہوں گا''۔

نکتہ

لواء حمد سید عالم ﷺ کی اللہ جل مجدہٗ کے لیے اس توصیف وستائش کا عنوان ہے جس کے ساتھ اللہ جل مجدہٗ نے خود اپنی ذات کی حمد فرمائی ہے۔ اور یہ حمد صرف ذات کی ہی ہوسکتی ہے۔ اور حقیقتِ محمدیہ ﷺ یہی ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''پھر میں عرشِ اعظم کی داہنی طرف کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں میرے سوا مخلوق میں سے دوسرا کوئی بھی قیام نہیں کر سکتا''۔

☆ اس روایت میں بالکل ظاہر تصریح ہے کہ سید عالم ﷺ نے تمام ظاہری باطنی کمالات کا احاطہ فرمایا ہوا ہے۔

☆ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔ اور مجھے اس میں کوئی فخر نہیں ہے۔ لوائے حمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ مجھے اس میں بھی فخر نہیں۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ ہر ایک پیغمبر میرے ہی پرچم تلے ہوں گے، اور سب سے پہلے جس سے زمین کھلے گی وہ میں ہی ہوں گا''۔

☆ سید عالم ﷺ کی اکملیت پر وہ حدیث واضح دلیل ہے جس میں سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تم میں سے ہی ہوں گے۔ پھر سید عالم ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں میرے امتی ہیں۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے چند اصحابِ کرام سید عالم ﷺ کی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں سید عالم ﷺ بھی تشریف لے آئے، اور جب ان کے قریب آئے تو انہیں مذاکرہ کرتے ہوئے پایا۔ پھر سید عالم ﷺ نے ان کی سب باتیں سماعت فرمائیں۔ ان میں سے کچھ تو کہہ رہے تھے یہ امر کس قدر خوش کن ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنی مخلوق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ پھر دوسرے نے کہا اس سے بھی حیرت ناک

بات یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا ہے۔تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امر بھی کوئی کم تعجب انگیز نہیں کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔اور ایک صاحب نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ جل مجدہٗ نے انتخاب فرمالیا ہے۔پھر سید عالم ﷺ ان کے پاس آ کر فرمانے لگے: میں نے تمہاری گفتگو کو سن لیا اور تمہارے تعجب کو بھانپ لیا۔بے شک اللہ جل مجدہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور معاملہ ہے بھی اسی طرح کہ وہ واقعی اللہ جل مجدہٗ کے خلیل ہیں۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ جل مجدہٗ کے کلیم ہیں۔اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔اور یونہی حضرت آدم علیہ السلام واقعی اللہ جل مجدہٗ کے صفی ہیں۔

(مگر) ہاں، ہاں سنتے ہو! (میں کون ہوں؟) میں اللہ عزوجل کا حبیب ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے۔اور بروزِ قیامت لواء حمد کا حامل بھی میں ہی ہوں گا۔اس میں فخر نہیں ہے۔اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت بھی میں ہی ہوں گا، اور اس میں بھی مجھے کوئی فخر نہیں ہے۔اور سب سے پہلے زنجیر ہائے جنت بھی میں ہی کھٹکھٹاؤں گا۔اور پھر وہ میری وجہ سے کھل جائے گا۔پھر میں اس میں فقیر مومنین کے ہمراہ داخل ہو جاؤں گا۔اور اس میں فخر نہیں ہے۔اگلوں، پچھلوں میں سب سے زیادہ باعزت بھی میں ہی ہوں گا۔اور اس میں فخر نہیں ہے۔

تبصرہ

یہ حدیث شریف جہاں سید عالم ﷺ کے کمالات کی جامع ہے وہیں یہ سید عالم ﷺ کی سب مخلوق سے اولیت کی بھی کاشف ہے۔

کمالاتِ محمدیہ ﷺ میں وارد احادیث ذکر کرنے کی وجہ

☆ کمالاتِ محمدیہ ﷺ کی بابت مروی احادیث تو لاتعداد ہیں (مگر یہاں) ان کے ذکر میں یہی مقدار کافی ہے۔اس لیے کہ ان پر تمام امت کا اجماع ہے۔اور یہاں ہم نے یہ مقدار صرف اس لیے ذکر کی تاکہ اہل اللہ کو سید عالم ﷺ کے کمالات اور آپ ﷺ کے حقائق و مراتب کا عرفان حاصل ہو جائے۔

''اس لیے کہ حقائق کی بھی ایک حقیقت ہوتی ہے، اور توحید کیا ہے ماسوی اللہ سے انقطاع، اور توحید کا ادراک کرنے سے قلوب میں ایک ہیجان سا ہوتا ہے''۔

اور پھر فقیر جب کمالاتِ علیا کے حامل ان انبیاء کرام، اور فضائل و محامد سے آراستہ ان ملائکہ عظام علیہم السلام کے مقامات میں غور کرے گا، تو پھر وہ خود بخود یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ یہ تمام حضرات

اپنی اپنی عظمتِ شان اور رفعتِ مکان کے باوجود سید عالم ﷺ سے پیچھے کیسے رہ گئے۔ اور حقیقتِ توحیدیہ کے ادراک میں سیّد عالم ﷺ سے پس تر کیوں رہے، اور سیّد عالم ﷺ کے مقام تک پہنچنے، اور آپ ﷺ کی مثال حاصل کرنے سے کم کیوں رہے۔ (لہٰذا فقیر راہِ سلوک کے پیشِ نظر جب یہ امور ہوں گے) تو وہ سید عالم ﷺ کے سامنے مقامِ ادب میں رہے گا۔ اور اس وقتِ وہ سیّد عالم ﷺ کے ''جو ہر فقیر کا مطلوب ہیں'' روبرو عاجزی وانکساری کو لازم پکڑے گا۔

☆ نیز شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے ان کا ایک فرمان یہ ہے:

نوعِ ثالث ان عقلی دلائل میں ہے جو خواص کے نزدیک صریح کشف سے اور عوام کے نزدیک صحیح خبر سے مؤید ہیں۔

☆ (اور اس نوع کے ذکر کا مقصد یہ ہے) تاکہ اس کے ذریعہ سے سید عالم ﷺ کا کمالات میں یکتا ہونا معلوم ہو جائے۔

☆ (نیز) تاکہ اس بات کا پتہ چل جائے کہ بالاتفاق افضل العالم، اور اشرف الخلق سید عالم ﷺ ہی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی تخلیق نورِ ذات الٰہی سے ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ دوسری تمام مخلوق انوارِ اسماء وصفات سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق جسے اللہ جل اسمہٗ نے پیدا فرمایا ہے وہ سید عالم ﷺ ہی ہیں۔

فَكَمَا أَنَّ الذَّاتَ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الصِّفَاتِ فَمَظْهَرُهَا أَيْضًا مُقَدَّمٌ عَلٰى مَظْهَرِ الصِّفَاتِ۔ (ص ۲۵۳)

''پھر جس طرح (بداہۃً) ذات صفات سے مقدم ہوتی ہے۔ اسی طرح مظہر ذات بھی مظہر صفات سے مقدم ہی ہوگا''۔

☆ اور اس بارے میں سیّد عالم ﷺ نے جو کچھ اپنی بابت فرمایا وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے عیاں ہے۔

چنانچہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ ثُمَّ خَلَقَ الْعَرْشَ مِنْهُ ثُمَّ خَلَقَ الْعَالَمَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُ۔ (ص ۲۵۳)

''جابر! (رضی اللہ عنہ) اللہ جل مجدہٗ نے سب سے پہلے تیرے نبی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی روحِ منور کو پیدا فرمایا ہے۔ پھر اسی سے عرشِ اعظم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس کے بعد

اسی سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا''۔

☆اس حدیث میں سیّد عالم ﷺ نے خلقِ عالم کی ترتیب بھی بیان فرمادی ہے کہ اس عالم میں کچھ تو عالمِ بالا سے متعلق ہیں، اور کچھ عالمِ زیریں سے۔

☆اور سید عالم ﷺ کا اول مخلوق ہونے میں راز یہ ہے کہ وجودِ ذات حکما صفات پر مقدم ہوتا ہے۔ ورنہ پھر ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ کیونکہ ذات کا پہلے ہونا حکم میں ہی ہوتا ہے نہ کہ زمانہ میں۔ اس لیے ناچار یہ ماننا ہی پڑے گا کہ صفات کے لیے کسی ایسی ذات کا ہونا لابدی ہے جو وجود میں ذات سے پہلے ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سیّد عالم ﷺ کا وجود ہی سب سے پہلے ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ذاتِ محض ہیں۔ اور سارا جہاں اسی ذات کا پرتو ہے۔

اور حدیث شریف میں جو مذکور ہوا کہ اللہ جل مجدہٗ نے سارے جہاں کو سید عالم ﷺ سے ہی پیدا فرمایا ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔

روحِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام، قلم اور عقل اول ایک ہی وجود کے مختلف نام ہیں

☆رہی سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی رُوحِ منوّر تو اسے ہی ''قلم اعلیٰ'' ---- ''اور بعض وجوہ کی بناء پر'' ---- ''عقل اوّل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی معنے کے لحاظ سے سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ (ص ۲۵۴)

''سب سے پہلے اللہ جل مجدہٗ نے جس شے کو پیدا فرمایا، وہ ''قلم'' ہے''۔

جبکہ ایک دوسرے مقام پر سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحَ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ۔

''جابر! (رضی اللہ عنہ) اللہ جل مجدہٗ نے سب سے پہلے تیرے نبی مکرم ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی روحِ مقدس کو پیدا فرمایا ہے۔

اب (رہی تطبیق تو وہ یوں ہے کہ) روحِ محمدی ﷺ اور ''قلم'' و ''عقل اول'' تینوں سے وجودِ واحد مراد ہے کیونکہ تینوں سے اگر وجودِ واحد مراد نہ ہو تو اس طرح ان تینوں احادیث میں ''تناقص (وتعارض) لازم آئے گا۔ جبکہ امر واقعہ یوں نہیں ہے بلکہ ان تینوں سے حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہی مراد ہے۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ''قلمِ کتابت'' کو کبھی تو ''یراعت'' سے اور کبھی ''آلہ'' (تحریر) سے اور کبھی ''قلم'' سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ پھر ان تینوں کی تعبیر بلا کمی وبیشی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔

فَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ هُوَالذَّاتِیُ الْوَجُوْدُ وَمَا سِوَاہ فَصِفَاتِی الْوُجُوْدُ وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا اَرَادَ اَنْ یَتَجَلّٰی فِی الْعَالَمِ اِقْتَضٰی کَمَالَ الذَّاتِ اَنْ یَّتَجَلّٰی بِکَمَالِہِ الذَّاتِیُ فِیْ اَکْمَلِ مَوْجُوْدِیَاتِہٖ مِنَ الْعَالَمِ فَخَلَقَ مُحَمَّدًا ﷺ مِنْ نُوْرِ ذَاتِہٖ لِتَجَلّٰی ذَاتِہٖ لِاَنَّ الْعَالَمَ جَمِیْعُہٗ لَا یَسْعُ تَجَلِّیْہِ الذَّاتِیُ لِاَنَّھُمْ مَخْلُوْقُوْنَ مِنَ اَنْوَارِ الصِّفَاتِ فَھُوَ فِی الْعَالَمِ بِمَنْزِلَۃِ الْقَلْبِ الَّذِیْ وَسِعَ الْحَقَّ۔(ص ۲۵۴)

☆ ''اس لیے کہ سید عالم ﷺ کا وجود ذاتی ہے۔اور آپ ﷺ کے علاوہ سب کا وجود صفاتی ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ نے جب دنیا میں ظاہر ہونے کا ارادہ فرمایا تو پھر کمالِ ذات نے اپنے ذاتی کمال سے دنیا کے اکمل موجودات میں ظاہر ہونے کا اقتضاء کیا تو سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات کے ظہور کے لیے اپنے نورِ ذات سے پیدا فرمایا کیونکہ اس کی ذاتی تجلی ساری دنیا میں نہیں سما سکتی تھی اس لیے کہ ساری دنیا کی تخلیق انوارِ صفات سے ہے پس سیّد عالم ﷺ اس دنیا میں اُس دل کی طرح ہیں جس میں تجلیِ حق سما سکتی ہے''۔

اور اسی طرف سید عالم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں اشارہ فرمایا ہے کہ ''یٰسٓ'' قرآن کریم کا دل ہے جبکہ یٰسٓ خود سیّد عالم ﷺ کا اسم گرامی بھی ہے جس کا مطب یہ ہے کہ سید عالم ﷺ قلوب وارواح، اور تمام عوالم موجودات کے درمیان اس طرح (واسطہ) ہیں جس طرح جسم کے درمیان دل ہوتا ہے۔اور باقی سارے موجودات اللہ جل مجدہٗ کی تجلی ذات کے متحمل نہیں ہوسکتے۔جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبی محترم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کہلوایا۔

مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَوَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ(ص ۲۵۴)

میری تجلی ذات میرے زمین وآسماں میں نہیں سما سکتی، میری تجلی (صرف) میرے عبد مومن کے دل میں سما سکتی ہے۔

☆ اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام، اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور سارے فرشتے، اور اسی طرح تمام موجودات میں جتنے بھی مقربین ہیں کسی میں بھی معرفت ذاتیہ کی سکت نہیں ہے۔(ہاں) سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ جو موجودات کا دل اور تمام ممکنات کی ذاتی ہیں یہ صرف انہی کی شان ہے کہ آپ ﷺ ذاتی معرفت کی طاقت واستطاعت رکھتے ہیں۔

اپنے ارشادِ گرامی میں سید عالم ﷺ نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

لِیْ وَقْتٌ مَعَ رَبِّیْ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (۲۵۴)

''میرا، میرے پروردگار کے ساتھ (معرفت ذاتیہ کا) ایک ایسا وقت بھی ہے کہ جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل دم نہیں مار سکتا۔

☆ سیّد عالم ﷺ نے (اس ارشاد میں) ملکِ مقرب اور نبیِ مرسل کو زمین و آسمان کی مانند قرار دیا ہے (تو جس طرح زمین و آسمان تجلیِ ذات کے متحمل نہیں ہو سکتے اسی طرح) ان دونوں میں تجلیِ ذات سما سکتی ہے تو صرف اس ذات میں سما سکتی ہے جو یٰسٓ ممکنات ''یعنی قلبِ موجودات'' ہے۔ اس لیے کہ اس قلب میں معرفتِ الٰہیہ سے وہ کچھ سما سکتا ہے جو زمین و آسمان پر تنگ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس تجلیِ ذات کا موجودات احاطہ کرنے سے بے بس ہیں، سیّد عالم ﷺ اسی ذاتی تجلّی کو سمیٹے ہوئے ہیں۔

☆ جن دلائل کو میں نے اس جگہ ذکر کیا انہیں کے ساتھ اس مسئلہ کی بابت مجھے رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے اور اس مسئلہ کو اس کتاب میں لکھنے کے بعد سیّد عالم ﷺ نے میرے پروردگار جل مجدہٗ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ مجھے اللہ جل مجدہٗ کی تمہارے لیے تلقین ہے۔ (یعنی اللہ جل مجدہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا کہ آپ ﷺ شیخ جیلی کو اس مسئلہ اور اس کے دلائل کی تائید کرتے ہوئے تلقین فرما دیں) اور جیسے میں نے سید عالم ﷺ کی توصیف بیان کی ہے تو اسی طرح آپ ﷺ نے اللہ جل مجدہٗ کی طرف فرمایا (کہ ہاں اللہ جل مجدہٗ نے مجھے اسی طرح کی خوبی عنایت فرمائی ہے) لہٰذا کوئی مانے یا نہ مانے (ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہمارا کام صرف بتا دینا تھا کہ موجودات میں تجلیِ ذات کی مظہر و پرتو صرف سیّد عالم ﷺ ہی کی شخصیت ہے۔)

☆ جب سید عالم ﷺ موجودات کی ذاتی ہیں۔ اور ذاتی تجلّی کے برداشت کی طاقت بھی رکھتے ہیں تو پھر آپ ﷺ لازماً تمام اسماء و صفات سے بھی متصف ہیں۔ اور ہر لحاظ، اور ہر اعتبار، اور ہر وجہ سے جمیع کمالات کو بھی محیط ہیں۔ پس آپ ﷺ تمام کمالات وجودیہ، حقیہ اور خلقیہ کے جامع ہیں، اور آپ ﷺ کے علاوہ موجودات میں اور کسی کو بھی یہ دونوں کمال پوری طرح حاصل نہیں ہیں۔

☆ اسی لیے میں نے اس قسم کو دو فصلوں پر منقسم کیا ہے:

پہلی فصل اس بارے میں ہے کہ سید عالم ﷺ تمام کمالاتِ حقیہ کے صورتاً، معناً، ظاہراً، باطناً، تواضعاً، تحققاً، ذاتاً، صفاتاً، جمالاً، کمالاً، جلالاً جامع ہیں۔

فصلِ اول، سید عالم ﷺ کا کمالاتِ خلقیہ کو خَلق و خُلق کے اعتبار سے استیعاب فرمانے میں

ہے۔

اصحابِ سیر نے ان کمالات کی بابت وہ وہ لطائف بیان کیے ہیں جن کے یہاں ذکر کرنے سے مقام تنگ ہے۔ سمجھدار کے لیے ان میں یہی کچھ کافی ہے۔ ان کمالات کی بابت کچھ باتیں میں نے تبرکاً یہاں بیان کردی ہیں کیونکہ سید عالم ﷺ کی صفاتِ خلقیہ کی ہر صفت میں ایسے اسرارِ جمیلہ و معانی پنہاں ہیں کہ جن کی شرح وبسط غیر ممکن ہے۔

تمام کمالات کی اصل سید عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے

☆ خلاصہ کلام یہ کہ سید عالم ﷺ کے جسم اطہر کی ظاہری صورت تمام کمالاتِ حسیہ وجودیہ اور علوی و سفلیہ کی اصل ہے۔ اور سید عالم ﷺ کی باطنی وجودی صورت تمام کمالاتِ باطنیہ علویہ و سفلیہ کی اصل ہے۔

فَكُلُّ كَمَالٍ تَشْهَدُهُ بِالْمَحْسُوْسَاتِ فَهُوَ مِنْ فَيْضِ صُوْرَتِهٖ الظَّاهِرَةِ وَكُلُّ كَمَالٍ تُعَلِّقُهُ مِنَ الْمَعْنَوِيَاتِ فَهُوَ مِنْ فَيْضِ مَعَانِيْهِ الْبَاطِنَةُ، فَهُوَ فِي الْمَثَلِ مَعْدِنُ كَمَالَاتِ الْعَالَمِ بَاطِنِهَا وَظَاهِرِهَا فَمَحْسُوْسَاتُ الْعَالَمِ تُسْتَمَدُّ مِنْ ظَاهِرِهٖ وَمَعْقُوْلَاتُ الْعَالَمِ تُسْتَمَدُّ مِنْ بَاطِنِهٖ فَهُوَ هُيُوْلٰى الصُّوْرَةِ وَالْمَعَانِىْ الْوَجُوْدِيَّةِ، فَعَالَمُ الشَّهَادَةِ فَيْضُ ظَاهِرِهٖ وَعَالَمُ الْغَيْبِ عِبَارَةٌ عَنْ حَقِيْقَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (ص ۲۵۵)

''لہٰذا ہر وہ کمال جس کا تو محسوسات میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ سید عالم ﷺ کی ظاہری صورت کا فیض ہے۔ اور ہر وہ کمال جس کا تعلق معقولات سے ہے تو وہ سید عالم ﷺ کے احوال باطنی کا فیض ہے۔ پس سید عالم ﷺ کی دنیا کے کمالات ظاہرہ و باطنہ میں معدن کی سی مثال ہے۔ اسی لیے تمام محسوسات میں آپ ﷺ کے ظاہر کی فیض رسانی ہے جبکہ عالم معقولات آپ ﷺ کے باطن کا فیض یافتہ ہے۔ لہٰذا سید عالم ﷺ صورت اور معانی وجودیہ کا مادہ ہیں۔ پس عالم شہادت سیّد عالم ﷺ کے ظاہر کا فیض ہے۔ اور عالمِ غیب آپ ﷺ کے باطن کا پرتو ہے (نیز) عالم غیب سیّد عالم ﷺ کی حقیقت سے بھی تعبیر ہے''۔

☆ اسی لیے ہم نے اس فصل کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

پہلی قسم سید عالم ﷺ کی ظاہری و حِسی خلقت اور ظاہری تشخص میں ہے۔ اور دوسری قسم

B

آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ میں ہے۔

اور یہی اخلاق اگر ظاہر ہوں تو یہ معنوی و باطنی قسم سے ہیں۔

☆ پہلی قسم سید عالم ﷺ کی ظاہری صورت اور ظاہری تشخص میں ہے۔

معلوم رہے کہ سید عالم ﷺ ایسے اعلیٰ پایہ کے معتدل الخلقت تھے کہ جس کے بعد کوئی کمال متوقع نہ تھا۔ اور حسن و جمال بھی ایسا تھا کہ جس پر کسی زیادتی کا شائبہ تک نہ تھا۔

اس لیے کہ امر الٰہی نے آپ ﷺ کو صرف کمال کے لیے ہی ظاہر فرمایا تھا، نہ کہ کسی کمی کے لیے۔

اسی لیے سید عالم ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

''میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں''۔

فَكَانَ الْوَجُوْدُ قَبْلَ بِعْثَتِهٖ نَاقِصًا فَهُوَ الْمُكَمِّلُ لِلْوَجُوْدِ بِالْمَحْسُوْسَاتِ الضَّرُوْرِيَّةِ وَالْمَحْمُوْدَاتِ الشَّرْعِيَّةِ۔ (ص ۲۵۵)

''چنانچہ سیّد عالم ﷺ کی بعثت سے قبل وجود ناقص تھا۔ تو محموداتِ شرعیہ اور موجوداتِ ضروریہ کے وجود کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے آپ ﷺ ہی ہیں''۔

☆ موجوداتِ ضروریہ کی تکمیل پر آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی دال ہے۔

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

''میری بعثت مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے''۔

اور محموداتِ شرعیہ کی تکمیل پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد عالی دلیل ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا''۔ (الخ)

پس (لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ) وجود کو صورت، اور حقیقت کو جو کمال حاصل ہے وہ سید عالم ﷺ ہی کی بدولت حاصل ہے۔

☆ پھر (اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ) جب سید عالم ﷺ (خود) وجود میں کامل (اور دوسروں کو کامل فرمانے والے) ہیں۔ تو پھر ہر شے کا وجود اکملیت میں ایسا انتہائی درجہ کا کامل ہوگا کہ جس میں کسی قسم کی بھی کمی نہ ہوگی۔ اس لیے سید عالم ﷺ کمالِ محض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے فضلات مبارک بھی پاک (اور کامل گر) تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جس خاتون (یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ کا بول مبارک نوش کیا تو انہیں اس فعل سے نہ ہی تو آپ ﷺ نے اور نہ ہی کسی صحابی نے منع فرمایا تھا۔ لہٰذا اگر آپ ﷺ کے فضلات مبارک طاہر (ومکمل گر) نہ ہوتے تو آپ ﷺ انہیں ضرور روکتے، کیونکہ بصورتِ دیگر یہ فعل محل نہی کے ضمن میں آتا ہے۔

☆ اسی لیے سیّد عالم ﷺ کی احسن تقویم میں تخلیق ہوئی اور آپ ﷺ دوسروں کی طرح اسفل السافلین میں لوٹنے والے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے حلیہ شریف میں اکمل و اجمل تھے۔

☆ پس سید عالم ﷺ کا حسنِ صورت، اعتدالِ خلقت، کمالِ اندام، تناسبِ اعضا، نرم جلد، باریک انگلیاں، خوب رُو وپُر رونق چہرہ، عمدہ آواز، سیاہ بال، سرخ وسپید رنگ، فصاحتِ کلام، خوشبودار جسم، پیاری گفتگو، اپنے تمام حرکات وسکنات میں عمدہ معاملات، میانہ قد، نہ بہت دراز نہ بہت پست، مستحکم خلقت، سینے کے برابر سُتا ہوا شکم اقدس، فراخ کاندھے، رفتار پُر وقار، عُمدہ توجہ، نیچی نظریں، جیسے عمدہ اطوار میں ظہور رہوا۔ اور اپنے خَلق وخُلق میں باکمال تھے۔

☆ حضرت امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ ابن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سیّد عالم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان فرمایا کرتے تھے، تو (ایک مرتبہ) میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے سید عالم ﷺ کا حلیہ مبارک یہ امید رکھتے ہوئے پوچھا تا کہ آپ جو مجھ سے بیان فرمائیں اسے (جہاں تک ہو سکے) میں بھی اپنالوں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

☆ سیّد عالم ﷺ کا چہرۂ انور پُر گوشت، کسی قدر گول اور بارُعب تھا۔ اور آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔

☆ سیّد عالم ﷺ نہ تو بہت دراز قامت، اور نہ ہی پست قامت تھے۔ سر مبارک بڑا، بال شریف خمدار قدرے گھنگھریالے۔ اگر موئے مبارک خود بخود پراگندہ ہو جاتے تو آپ ﷺ ان کو دو حصے بطور مانگ کر لیتے تھے۔ اور جب کٹوا دیتے تھے تو کانوں کی لو تک رہ جاتے تھے۔

☆ رنگ مبارک روشن وتاباں، پیشانی مبارک کشادہ، بھویں مبارک دراز وباریک تھیں اور ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہ تھیں۔ ان دونوں کے درمیان باریک سی رگ جو گا ہے بگاہے چمکتی تھی۔

☆ بینی مبارک خوبصورت ودراز (1) تھی، درمیان میں ابھار نمایاں تھا۔ اور بینی مبارک کی ابتداء

1۔ ع اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

پر ایک نور درخشاں تھا۔ جو آدمی اسے بغور نہ دیکھتا تو اسے معلوم ہوتا تھا کہ بینی مبارک بلند ہے (جبکہ بلند نہ تھی، بلندی تو وہ نور تھا جو اسے احاطہ کیے ہوئے تھا)

☆ گھنی اور سیاہ داڑھی مبارک۔

☆ آنکھیں مبارک بڑی، پلکیں مبارک دراز، آنکھوں کی سفیدی خوب تیز اور پتلیاں مبارک بہت سیاہ تھیں۔

☆ رخسارِ مقدس ہموار، منہ مبارک فراخ، دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن و تاباں۔

☆ گردن مبارک کیا تھی گویا وہ بُتِ عاج کی گردن تھی چاندی کی مانند صاف۔

☆ حلقوم اقدس سے ناف مبارک تک بالوں کی باریک سی ڈوری۔

☆ معتدل الخلقت، بدن مبارک مستحکم، بطنِ اقدس سے سینۂ منور کے برابر سینہ مبارک چوڑا، شانے مبارک فراخ، جوڑ مبارک فربہ تھے۔

☆ ناف کا زیریں حصہ بالوں سے صاف تھا۔

☆ شہ رگ اور ناف مبارک تک خط کی طرح بالوں کی ایک باریک سی دھاری، جبکہ سینۂ اقدس اور شکم مبارک بالوں سے خالی تھا۔

☆ سینۂ اقدس وسیع، کاندھوں اور بازوؤں پر بال۔

☆ لمبی کلائیاں، بھری ہوئی ہتھیلیاں، ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک کی انگلیاں دراز و پر گوشت تھیں۔

☆ پنڈلیاں مبارک بھری ہوئیں، پٹھے مبارک دراز و شفاف۔

☆ پاؤں مبارک کی تلیاں زمین سے اٹھی ہوئی۔

☆ صاف و شفاف قدم مبارک، جن سے پانی صاف بہہ جاتا تھا۔

☆ سیّد عالم ﷺ جب چلتے تو قدم مبارک قوت و تثبت اور وقار و تمکنت سے اٹھاتے تھے، اور بے تکلف و آسانی سے چلتے تھے، اور رفتار پوری توجہ سے ہوتی تھی جیسے کہ اوپر سے اتر رہے ہوں۔ اور چلتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا زمین آپ ﷺ کے لیے لپٹتی جارہی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ جب کسی طرف متوجہ ہوتے تو پوری توجہ سے متوجہ ہوتے تھے۔

☆ اکثر نگاہِ اقدس نیچی (1) رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی نگاہِ اقدس آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف

اک ماہِ مدن، گورا سا بدن، نیچی نظریں، کل کی خبریں
وہ سنا کے سخن، دکھلا کے پھبن، مرا پھونک گئے سب تن، من، دھن

زیادہ ہوتی تھی۔

☆ سید عالم ﷺ کا بڑے سے بڑا دیکھنا بھی صرف ایک ہی جھلک ہوا کرتا تھا۔

☆ بعض اوقات سید عالم ﷺ جب اپنے اصحابِ کرام کے ہمراہ چلنے کا قصد فرماتے تو اس صورت میں آپ ﷺ انہیں اپنے آگے آگے رکھتے تھے اور خود قصداً پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

☆ جس آدمی سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوتی، آپ ﷺ اسے سلام فرمانے میں پہل فرمایا کرتے تھے۔

☆ امیر المومنین امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے پھر التماس کی کہ آپ مجھ سے سیّد عالم ﷺ کے کلام شریف کی بابت کچھ بیان فرمائیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

☆ سیّد عالم ﷺ کے چہرۂ انور پر فکر و حزن کے آثار مسلسل ونمایاں رہتے تھے۔ اور بلا ضرورت گفتگو نہ فرمایا کرتے تھے۔ طویل السکوت تھے۔ کلام مبارک کی ابتدا و انتہا بالوضاحت ہوتی تھی، اور جامع کلمات ''جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہوتی تھی'' سے مفصل گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

☆ سیّد عالم ﷺ درشت خُو نہ تھے، بلکہ نرم مزاج تھے۔ کسی کی بھی اہانت نہ فرماتے تھے۔

☆ تھوڑی سی نعمت کی بھی قدر فرمایا کرتے تھے، اور نعمت سے متعلق جو شے بھی ہوتی اس کی برائی نہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

☆ ذوقی اشیاء کی مدح وذم دونوں آپ ﷺ کے ہاں برابر تھیں۔

☆ حق سے روگردانی پر سید عالم ﷺ کا غضب اس وقت تک فرو نہ ہوتا تھا جب تک کہ حق سے معترض شخص کی سرزنش نہ فرما لیتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ نہ ہی تو اپنی ذاتِ اقدس کے لیے غصہ میں آئے اور نہ ہی کبھی اپنی ذاتِ گرامی کی خاطر کسی سے کوئی بدلہ لیا۔

☆ سید عالم ﷺ جب کبھی اشارہ فرماتے تو اپنی پوری ہتھیلی مبارک سے اشارہ فرمایا کرتے تھے، اور کسی امیر غریب کے ادراک پر اپنی ہتھیلی مبارک الٹ پلٹ دیا کرتے تھے، اور بوقتِ گفتگو ہتھیلی ملا دیا کرتے تھے، اور دائیں انگوٹھے مبارک کو بائیں ہتھیلی مقدس پر مارا کرتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ جب غضب ناک ہوتے تو روئے تاباں ورے پھیر لیتے تھے اور اس وقت چشمانِ مقدس سرخ ہو جایا کرتی تھیں۔

☆اور بوقتِ فرحت آنکھ مبارک جھکا لیتے تھے۔

☆سیّد عالم ﷺ کا زیادہ سے زیادہ ہنسا تبسّم (1) ہوتا تھا۔اور بوقتِ تبسّم سیّد عالم ﷺ کا دہن اقدس قطراتِ باراں کی مانند کھلتا تھا۔

حلیہ شریف ذکر کرنے کی غرض وغایت

☆(سیّد عالم ﷺ کے حلیہ شریف کی بابت) یہ ایک جامع حدیث ہے جو آدمی اس میں غور کرے گا،اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ صورتِ کاملہ معتدلہ اپنے حسن و جمال اور کمال واعتدال میں ممتنع النظیر ہے۔

☆اور اگر ہم ان باتوں کی شروح کرنے میں شروع ہو جاتے، جو کتب فراست میں ہر ہر عضو شریف کے مقتضیٰ کی نسبت حکماء نے بیان کی ہیں تو پھر وہ باتیں کئی ضخیم جلدوں میں سما سکتی تھیں،مگر ہم نے ان تمام باتوں سے صرف معتدل الخلقت اور کامل صورت پر ہی اکتفاً کیا ہے۔

لِيَسْتَحْضِرَ الْمُبْتَدِئُ حَالَهَا فِي قَلْبِهٖ فَلْيَشْهَدْهُ مِنْ خِيَالِ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ مَالَا يَحْصُلُ بِدُوْنِ ذٰلِكَ،وَمَتٰى تَعَقَّلَ الْعَبْدُ هٰذِهِ الصُّوْرَةَ فِي قَلْبِهٖ وَكَانَ دَائِمَ الْمُلَاحَظَةِ لَهَا،حَصَلَتْ لَهُ السَّعَادَةُ الْكُبْرٰى وَانْفَتَحَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ طَرِيْقُ الْإِسْتِمْدَادِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ،حَتّٰى اِنَّهٗ اِذَا تَصَفّٰى وَتَزَكّٰى وَتَطَهَّرَ وَتَخَلَّصَ مِنْ خَوَاطِرِهِ النَّفْسِيَّةِ وَالْعَقْلِيَّةِوَمَا دُوْنَهَا فَاِنَّهٗ يَرْتَقِيْ مِنْ ذَالِكَ اِلَى أَنْ تَفَاجَتَهُ الصُّوْرَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ فِي عَالَمِ الْاَرْوَاحِ فَتَظْهَرُ لَهٗ كَمَا هِيَ عَلَيْهِ وَيُنَاجِيُهَا فَتُكَلِّمُهٗ،فَيَأْخُذُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَمَا يَأْخُذُ مِنْهُ اَصْحَابُهٗ،وَمَتٰى كَانَ هٰذَاالْعَبْدُ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ الْخَالِصِ فَاِنَّهٗ يَشْهَدُ بَعْدَ ذٰلِكَ كَمَا لَاتِهِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَبِهَا يَتَقَوّٰى بِالْاِتِّصَافِ بِمَا يَقْدِرُ لَهٗ مِنْهَا،وَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَشْهَدَهٗ فِي الْمَلَكُوْتِ الْاَعْلٰى ثُمَّ يَشْهَدَهٗ فِي

1۔سیّد عالم ﷺ جب تبسّم فرماتے تو دندانِ مبارک سے نور کی شعاعیں چھنتی تھیں۔اور بروایت امام بیہقی قدس سرہٗ جب آپ ﷺ تبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتی تھیں،اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس نور میں گم شدہ سوئی تلاش کی جا سکتی تھی۔

سوزنِ گم گشتہ ملتی ہے تبسّم سے تیرے ۔۔۔ شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا

(مترجم غفرلہٗ والوالدیہ)

الْأُفُقِ الْمُبِيْنِ،فَإِذَا شَهِدَهُ فِي الْأُفُقِ الْمُبِيْنِ اِنْطَبَعَ بِالْخَاصِيَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فِي قَابِلِيَّةِ الْوَلِيِّ كَمَالَاتٌ مُحَمَّدِيَّةٌ مِنْ مَقَامِ الْمُحَمَّدِيْ فِيْهَا يَكْمُلُ وُجُوْدُهُ وَيَتَحَقَّقُ فِي صِفَاتِ مَعْبُوْدِهٖ۔(ص۲۵۷)

''تا کہ (راہِ سلوک کے) مبتدی کے دل میں اس صورت کا حال مستحضر رہے۔اور پھر اس صورت کے خیال میں رکھنے سے اس شے کا مشاہدہ کر سکے جس کا اس کے بغیر نہیں کر سکتا، اور جب بندہ اس صورت کا تصور اپنے دل میں باندھ لے گا اور مسلسل اس کے مشاہدہ میں رہے گا تو اسے جہاں سعادتِ کبریٰ ہاتھ آئے گی وہیں اس کے،اور سید عالم ﷺ کے درمیان استمداد کی راہ بھی بغیر کسی واسطہ کے کھل جائے گی۔حتیٰ کہ جب انسان اپنے نفسانی و عقلی کھٹکوں وغیرہ سے چھوٹ جائے گا اور اپنے آپ کو مصفّٰی،مزکیٰ اور مُطہر بنا لے گا تو پھر وہ اس منزل پر پہنچ جائے گا جہاں عالمِ ارواح میں صورتِ محمدیہ ﷺ فوراً اس کے پاس تشریف لایا کرے گی اور اپنی پوری حقیقت میں عیاں ہو کر اس سے بالمشافہ خصوصی گفتگو کیا کریگی اور پھر وہ شخص سید عالم ﷺ سے اس طرح فیض لے سکے گا جیسے صحابہ کرام آپ ﷺ سے فیض بار ہوا کرتے تھے،اور اگر وہ شخص مخلص صوفی ہوا تو پھر اس کے بعد اس کے لیے سید عالم ﷺ کے معنوی کمالات کا مشاہدہ ہو گا،اور ان کمالات کی وجہ سے جو بھی اس کے لیے مقدر ہے،ان کمالات سے متصف ہو کر عرفانی توانائی حاصل کرتا رہے گا۔اور اس کی یہ حالت مسلسل برقرار رہے گی۔حتیٰ کہ اپنے آپ کو ملکوتِ اعلیٰ اور اُفقِ مبین میں پائے گا۔اور جب اپنے آپ کا افق مبین میں مشاہدہ کرے گا تو پھر خاصیتِ محمدیہ ﷺ کے باعث ولی کی قابلیت میں مقامِ محمدی ﷺ سے کمالاتِ محمدیہ ﷺ منطبع ہوں گے،(یعنی پھر ایسا شخص مظہر کمالاتِ محمدیہ ﷺ بن جائیگا) اور ان کمالات کی بدولت اس کے وجود کی تکمیل ہو جائے گی۔اور جب اس کا وجود کامل ہو جائے گا تو پھر وہ اپنے معبود کی صفات کا مظہر بن جائے گا''۔

☆اور جو شخص سید عالم ﷺ کا ملکوت اعلیٰ و افق ازہیٰ میں مشاہدہ نہ کر سکے گا تو وہ مقام محمدی ﷺ حاصل کرنے والوں سے بھی نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ سید عالم ﷺ کو اپنی ذاتی قابلیت کے مطابق دیکھتا ہے وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی حقیقت کے اعتبار سے نہیں دیکھتا۔

فَإِنَّهُ لَا يُطِيْقُ أَنْ يَرَاهُ مَا هُوَ عَلَيْهِ اَحَدٌ سِوَاهُ ﷺ وَذٰلِكَ سِرُّ اِتِّصَافِهٖ بِصِفَاتِ اللّٰهِ الْمُعَبَّرِ عَنْهَا بِقَوْلِنَا،لَا يَعْلَمُ مَا هُوَ اِلَّا هُوَ۔''فَافْهَمْ

''اس لیے کہ سید عالم ﷺ کو آپ ﷺ کی حقیقت میں دیکھنے کی کوئی شخص بھی طاقت نہیں رکھتا۔ اور سیّد عالم ﷺ کا اللہ جل مجدہٗ کی صفات سے متصف ہونے کا راز بھی یہی ہے۔ جنہیں ہم اپنی زبان میں ''لا یعلم ما ھو، الّا ھُوَ'' ان کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

☆ قسم ثانی سیّد عالم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ میں ہے۔

☆ سید عالم ﷺ عمدہ اخلاق کے جامع، اور علی الاطلاق ان پر حاوی تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی اخلاقِ ضروریہ وکسبیہ کی اکملیت پر تخلیق ہوئی ہے۔

☆ پھر اخلاقِ ضروریہ میں سے کچھ تو وہ ہیں جو محض ضروری کہلاتے ہیں جن میں انسان کے اختیار کا دخل نہیں ہے۔ جبکہ سیّد عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی اپنی سرشت میں مکمل اخلاق ضروریہ پر جلوہ نما ہوئی ہے۔

☆ جیسے سیّد عالم ﷺ کی عقل شریف کی قوت کا (بے مثال) ہونا۔

☆ اور آپ ﷺ کے لیے ادراکِ قلبی میں حظ وافر کا ہونا، اور آپ ﷺ کے فکری قیاس کا بالکل درست رہنا۔

☆ آپ ﷺ کے ظنون کا سچا نکلنا۔

☆ اور آپ ﷺ کی فہم کا صحیح ہونا، زبان کا فصیح ہونا، کلام کا شیریں ہونا، اور حواس واعضاء کا قوی ہونا۔

☆ اور (اسی طرح) وہ حرکاتِ ضروریہ جو کسب سے حاصل ہوتی ہیں، ان کا معتدل ہونا۔ جیسے آپ ﷺ کی غذا، اور آپ ﷺ کا سونا وجاگنا، اور آپ ﷺ کی رہائش ولباس، اور آپ ﷺ کی ازدواجی حالت، اور آپ ﷺ کا لوگوں سے برتاؤ (وغیرہا)۔

☆ ان تمامی امثال کے کمال ہونے میں احادیثِ صحیحہ صریحہ مروی ہیں، بلکہ اخبار متواترہ موجود ہیں کہ سیّد عالم ﷺ ان سب امور میں اکمل حالت اور احسن خصلت پر تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ سیّد عالم ﷺ ان تمام اوصاف کے کمال میں آخری حد پر تھے۔

☆ رہے اخلاقِ کسبیہ تو وہ بھی سیّد عالم ﷺ کی اُسی سرشت کے مطابق تھے کہ جس پر آپ ﷺ کی تخلیق ہوئی ہے۔ اور ہم نے انہیں کسبی صرف اپنے اعتبار سے کہا ہے کیونکہ عام انسان انہیں کسب سے ہی حاصل کرتا ہے۔ جبکہ سید عالم ﷺ کے جمیع اوصافِ عالیہ طبعی وفطری ہیں۔ اور

سید عالم ﷺ ان اوصاف کے کمال کی نقیض سے کسی بھی دور میں کبھی بھی موصوف نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی ان اوصاف کے حسن و کمال کی کسی ضد سے متصف ہوئے ہیں۔

☆ بلکہ عقلاً، شرعاً آپ ﷺ طبعاً اوصافِ حمیدہ کے جامع تھے۔

جیسے علم وحلم، صبر واطمینان، زُہد و تواضع، عفو وعدل، عفت وشجاعت، جود وسخا، مروّت وحیاء، صدق و خامشی، عرضِ حسب و ایفائے عہد، طولِ حیاء و موّدت، رحمت وحسنِ معاشرت، حسنِ ادب و ہدایتِ خلق، اور ہر ایک کے لیے بھلائی پسند کرنا، اور تمام امور میں کماحقہٗ حکمت ملحوظ رکھنا (وغیرہا)۔

☆ اگر کتاب کے بڑھنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سید عالم ﷺ کے ان ان اوصاف میں بھی گفتگو کرتے جو شریعت میں وارد ہیں۔

☆ اللہ جل مجدہٗ کی قسم! وہ اوصاف تو بطریق حصر شمار میں آسکتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ ان کے حصر کا علم وادراک کسی کو بھی نہیں ہے۔ جبکہ سیّد عالم ﷺ کے بہت سے وہ اخلاقِ کریمانہ جو احادیثِ صحیحہ میں باعتماد راویوں سے مروی ہیں، انہیں اہلِ علم بالکل نہیں جانتے، اور کامل لوگوں کو ان کی معرفت، کشف سے حاصل ہے۔ اور بسا اوقات سید عالم ﷺ کے احوال واقوال اور افعال کے تتبع سے بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ بعض کو بعض سے منسوب کر دینے سے بھی معرفت ہو جاتی ہے، تو کتابوں میں وہ کیسے مٹ سکتے تھے، اور علماء ان کا احاطہ کیسے کر پاتے، جبکہ وہ حصر سے ماوراء اور غایت و نہایت سے کہیں برتر ہیں۔

☆ جو شخص اس بارے میں غور وفکر سے کام لے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ تمام کمالات مخلوقات میں سے صرف ایک ہی اکمل انسان کے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ کے نزدیک ہر نبی کے لیے اس کے مقام ومرتبہ کے مطابق تمام کمالاتِ شرعیہ وبشریہ کا ہونا ضروری ہے۔

☆ اس کی توضیح اس طرح ہے کہ (مثلاً) جو ذاتِ گرامی اس طرح ارشاد فرمائے:

آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلَا فَخْرَ۔

''حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سبھی میرے پرچم تلے ہوں گے اور اس میں فخر نہیں ہے''۔

لہٰذا اس ذاتِ گرامی کے لیے ہر وصف کی وہ آخری حد ہو گی کہ جس پر اس وصف کے مرتبہ کا وجودی مقتضیٰ ہے۔

پس سیّد عالم ﷺ کو شجاعت وسخاوت، کمالاتِ بشریہ شرعیہ کی آخری حد تک حاصل ہیں۔ اسی

طرح تمام کمالات غایتِ مراتب تک آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سیّدِ عالم ﷺ کی شجاعت جیسی کوئی شجاعت نہیں اور آپ ﷺ کی سخاوت جیسی کوئی سخاوت نہیں، اور نہ ہی آپ ﷺ کے اوصاف جیسی کوئی صفت کسی میں پائی جاتی ہے۔

☆اس لیے کہ ہر کوئی اپنی ذاتی قابلیت کی بناء پر صفاتِ محمودہ میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ جبکہ سیّدِ عالم ﷺ بھی اپنی ذاتی قابلیت کی رُو سے صفاتِ حمیدہ سے متصف ہیں۔ اور (یہ بات تو واضح ہے ہی کہ) سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی قابلیت اور دنیا والوں کی قابلیت میں نمایاں فرق ہے۔

اسمائے گرامی

نیز شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے ان کا ''سیّدِ عالم ﷺ کے اسمائے گرامی کا اللہ جل مجدہٗ کے اسماٗ سے متصف ہونا'' بیان فرمایا ہے۔ اور پھر ان اسماء میں سے ایک ایک نام ذکر فرمایا ہے۔

''اور میں نے (یہاں) شیخ قدس سرہٗ کا وہی کلام ذکر کیا ہے جس پر میری دسترس تھی۔'' (نبہانی)

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(سیّدِ عالم ﷺ کے جو جو اسماء، اسماءِ الٰہیہ سے موصوف ہیں، انہی میں سے ایک اسمِ گرامی)

☆اللہ (ہے) (ذات واجب الوجود، جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے)

(اس اسم پر دلیل یہ ہے) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ (فتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔'' (الخ)

''تنبیہ''

اس کتاب کا مؤلف فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ (قدس سرہٗ) کہتا ہے شیخ عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے اس جگہ وہ بات ذکر کی ہے جس کے ظاہر کا اعتقاد رکھنا ناجائز ہے۔ وہ اس لیے کہ علماء کرام نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ کا اسم ذاتی صرف تعلق کے لیے ہوتا ہے۔ تخلق کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ (مذکورہ)

دونوں آیتیں اوران کی مانند جتنی بھی ہیں ان سب کا مفہوم ظاہر ہے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ۔

''جس نے میرے امیر کی فرماں برداری کی، اس نے میری فرماں برداری کی''۔

لٰہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امیر بھی ''رسول اللہ'' بن گیا۔تو جس طرح امیر پر رسول اللہ ﷺ کا اطلاق درست نہیں ہے۔اسی طرح رسول اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پر ''اللہ'' جل مجدہٗ کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے بلکہ رسولِ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے فرستادہ ہیں اور اللہ جل مجدہٗ نے اپنے اوامر و نواہی اپنی مخلوق تک پہنچانے کے لیے آپ ﷺ کو واسطہ بنایا ہے۔اس لیے جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے آپ ﷺ کی بیعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی بیعت کی۔

(مثال) جیسے بادشاہوں میں یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا حکم منوانے کے لیے اپنے حکام مقرر کر دیتے ہیں۔چنانچہ لوگ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے مقررہ حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔اور اس حاکم کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت ہے اور اسی طرح جنہوں نے اس امیر کی نافرمانی کی انہوں نے بادشاہ کی حکم عدولی کی۔اس کے باوجود اس امیر پر بادشاہ کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ ہی وہ امیر بادشاہ کہلوائے گا۔اور اگر ایسا وقوع میں آ بھی گیا تو اس سے بادشاہ کب راضی ہوگا۔یہ امر بدیہی ضروری ہے جس پر قیامِ حجت کا احتیاج نہیں۔واللہ اعلم

☆اسی طرح میں نے شیخ عبد الکریم جیلی رضی اللہ عنہ کی اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام میں دیکھا کہ جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے کمالاتِ الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس اثناء میں کہ وہ سیّد عالم ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ان سے حجاب اٹھ گیا اور پھر انہوں نے سید عالم ﷺ کو افقِ اعلیٰ کے اندر بالیقین وصفِ الوہیت میں دیکھا اور وہاں سیّد عالم ﷺ کے گرداگرد سورۂ قُلْ ھُوَاللّٰهُ اَحَدٌ مرقوم تھی اور پھر جب وہ اپنے حواس پر برقرار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اپنے سامنے والی دیوار پر (واقعی) سورۂ قُلْ ھُوَاللّٰهُ اَحَدٌ لکھی ہوئی تھی۔

مذکورہ قول نقل کرنے کا منشاء

☆ممکن ہے کوئی کوتاہ بین شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کے کلام کو نہ سمجھنے کی بنا پر یا تو شیخ رضی اللہ عنہ کو گمراہ قرار دے دے اور یا خود گمراہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جائے۔اس لیے میں نے (یعنی نبہانی قدس

سرہٗ) چاہا کہ میں مذکورۃ الصدر قول کی ایسی وضاحت کر دوں کہ جس سے نہ صرف تمام شبہات کا ہی ازالہ ہو سکے بلکہ ہر مسلمان کے ایمان کو بھی زیادہ کر دے کہ معبود برحق اللہ ہی ہے اور سیّد عالم ﷺ اللہ عزوجل کے بندے اور پیغمبر ہیں۔

امام نبہانی قدس سرہٗ کا عمدہ تعاقب

اس لیے میں کہتا ہوں تجھے معلوم رہنا چاہیے کہ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں ہے۔ اور (اس کا بھی یقین ہے کہ) وہ تمام کا تمام حق اور راہبر ہے۔ اور اسی قرآن کریم میں یہ بھی پایا جاتا ہے:

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ)

"جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو، مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے۔ شاید میں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں۔ یا آگ پر راستہ پاؤں، پھر جب آگ کے پاس آیا، ندا فرمائی گئی، اے موسیٰ! بیشک میں تیرا رب ہوں۔ الخ"

ہمیں اس پر ایمان ہے کہ اللہ جل مجدہٗ اس سے بری ہے کہ وہ حقیقتاً آگ بن جائے ہاں اللہ جل مجدہٗ نے اس آگ کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی۔ کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ ہر شے سے زیادہ پسندیدہ تھی کیونکہ آپ علیہ السلام اپنی بی بی صاحبہ کے لیے سخت سردی میں آگ کی تلاش میں ہی نکلے تھے۔ اس لیے اللہ جل مجدہٗ نے آپ علیہ السلام کے لیے آگ میں تجلی فرمائی۔ "فصوص الحکم" میں حضرت شیخ (محی الدین ابن عربی) رضی اللہ عنہ نے اسی طرح تصریح فرمائی ہے۔ اور یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ اس لیے حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ کے لیے جب سید عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ٹھہری تو اللہ جل مجدہٗ نے شیخ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی تجلی سید عالم ﷺ کی صورت میں اسی طرح فرمائی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے آگ کی صورت میں ظاہر فرمائی تھی۔ جبکہ وہ آگ کی صورت میں تجلیاتِ الٰہیہ کا ایک نور تھا۔ اسے بخوبی سمجھ لینے کے بعد اب تمہیں سیّد عالم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی یاد رکھنا چاہیے۔

"تم میری تعریف میں اتنی مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا جتنی کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی تعریف میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا تھا"۔

(کہ انہیں خداوند تعالیٰ کا مثیل، اور بیٹا کہہ دیا تھا)

☆ اب اگر کوئی شخص شیخ رضی اللہ عنہ کے ظاہر کلام کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اسی طرح اعتقاد جما لے جو نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں کہ سید عالم ﷺ بھی (معاذ اللہ) ''اللہ'' ہیں تو ایسا شخص بالیقین کافر (مخلد فی النار) ہے۔

☆ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شیخ عبد الکریم جیلی رضی اللہ عنہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہوں۔ یہ تو صرف وہ تجلیات و مشاہداتِ الٰہیہ ہیں جنھیں اللہ جل مجدہٗ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اور ہم ان تجلیات کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ اور ہمیں یہ بھی یقینی علم ہے کہ ان خاص بندوں کو بھی ہماری طرح اس میں کوئی شک نہیں ہوتا حضرت سیدنا محمد (رسول اللہ) ﷺ اللہ عز وجل کے بندۂ خاص اور اس کے رسول ہی ہیں (یعنی اللہ نہیں ہیں) اور یہ کہ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سید عالم ﷺ اللہ عز وجل کے تمام بندوں سے عبودیت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی لیے اللہ عز شانہٗ کو سیّد عالم ﷺ سب مخلوق سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ عبودیت کے مفہوم کو میں نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کی عبارت کو اپنی اس کتاب ''جواہر البحار'' میں بھی نقل کیا ہے تاکہ وہ اس کا مقدمہ بن جائے۔

سید عالم ﷺ کی عبودیت کے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ہی میری اس کتاب میں سید عالم ﷺ کے علوِ مرتبت کے متعلق آئمہ عارفین سے وہ کچھ بھی منقول ہے کہ جس کا تصور تک ہماری کوتاہ عقلیں نہیں کرسکتیں۔ پھر اس کے باوجود ان تمام آئمہ عارفین نے یہ اعتراف کیا ہے کہ سید عالم ﷺ کی وہ حقیقت جو اللہ جل مجدہٗ کے ہاں ہے وہ اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ پھر اس کی کتابت کے بعد سیّدی ابو المواہب شاذلی قدس سرہٗ کی کتاب ''المرائی النبویہ'' میری نظروں سے گزری، جس میں آپ قدس سرہٗ نے سو سے زائد ایسے خواب اکٹھے کیے ہیں جن میں انہوں نے سیّد عالم ﷺ کی زیارت سے باریابی حاصل کی۔ چنانچہ آپ قدس سرہٗ اپنا دسواں خواب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں بروز جمعہ ۲۰ ر ذیقعدہ ۸۵۱ھ کو نمازِ چاشت کے بعد اپنے گھر میں سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ''نبی'' ہوں۔ میں ''ابطحی'' ہوں۔ میں ''زمزمی'' ہوں اور میں بلا فخر اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ میری سیادت، عبودیت کے ہمراہ ہے۔ میرے پروردگار نے مجھے اختیار دیا کہ میں چاہوں تو بلا شرکت غیرے بادشاہ بن کر رہوں یا چاہوں تو عبدیت کو اپنا لوں۔ چنانچہ میں نے عبدیت کو ہی اپنایا ہے۔ یہی میرا سب سے بڑا اشرف

ہے۔اور یہی میرے اور پروردگار کے درمیان واسطہ وذریعہ ہے۔'' اس کے بعد آپ قدس سرہٗ نے اپنا پورا خواب ذکر فرمایا ہوا ہے۔اور (یہ بھی واضح رہے کہ) سیّد عالم ﷺ کا خواب میں دیکھنا برحق ہے۔اور سیّدی ابوالمواہب شاذلی قدس سرہٗ نے جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے وہ تمام کا تمام سید عالم ﷺ سے مروی احادیث کے عین مطابق ہے۔

انتباہ

اسے بخوبی ذہن نشین رکھو، اور اولیاء اللہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی ان کی ان بعض عبارتوں کے، جو بظاہر شریعت کے مخالف ہیں، بارے میں سوءِ ظن مت رکھو۔اس لیے کہ ان حضرات نے ایسی عبارتوں میں اسرار و رموز کو پوشیدہ رکھا ہوتا ہے اور ان سے ان کا مطلب وہ باریک معانی ہوتے ہیں جن تک ہم جیسوں کے ذہن نہیں پہنچ سکتے۔اللہ عزوجل ان سے راضی رہے۔اور انہیں ہم سے راضی رکھے (آمین) اور ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا اور آخرت میں نفع دے۔(آمین ثم آمین)

☆ ''اَلرَّحْمٰنُ'' صلی اللہ علیہ وسلم (بہت مہربان)

تمام موجودات میں سید عالم ﷺ کے وجودِ گرامی کے سریان کی وجہ سے اور تمام عالم کا مادہ واصل ہونے کی بنا پر آپ ﷺ وصفِ رحمانیت سے متصف ہیں۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ ہی عالم کی حیات ہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے تمام عالم کو آپ ﷺ سے ہی پیدا فرمایا ہے۔اور پھر آپ ﷺ تمام موجودات میں یوں سرایت فرما ہیں جیسے زندگی ہر زندہ شے میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔لہٰذا حیاتِ عالم آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔(اور جو شے تمام موجودات کو شامل ہو) تو یہی سب سے بڑی رحمت ہے جو تمام موجودات کو شامل ہے۔

اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کی بابت ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے''۔

☆ ''اَلرَّحِيْمُ'' صلی اللہ علیہ وسلم (رحمت والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت سیدنا و مولانا محمد (رسول اللہ) ﷺ کا اسمِ گرامی اس وصف پر رکھا ہے۔جیسا کہ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

"مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان"۔

☆"اَلْمَلِکُ" صلی اللہ علیہ وسلم (حقیقی بادشاہ)

سیّد عالم ﷺ وصفِ ملکیت سے بھی موصوف ہیں۔ (مگر) سید عالم ﷺ نے وصفِ ملکیت کو کامل مقامِ عبودیت میں ڈھال لیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ سے اسی طرح عہد و پیمان لیا تھا جس طرح ایک بادشاہ اپنے نوکروں، چاکروں اور خواجہ سراؤں سے اپنی وفاداری کا عہد لیتا ہے۔

☆"اَلْقُدُّوْسُ" صلی اللہ علیہ وسلم (آلائشوں سے منزہ ذات)

قاضی عیاض قدس سرہٗ نے اپنی "کتاب الشفا" میں ذکر فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے انجیل شریف میں سید عالم ﷺ کے جو اسمائے گرامی گنوائے ہیں انہیں میں سے آپ ﷺ کا ایک اسم گرامی "قدوس" "صلی اللہ علیہ وسلم" بھی ہے۔

☆"اَلسَّلَامُ" صلی اللہ علیہ وسلم (سلامتی دینے والا)

اس وصف سے بھی سیّد عالم ﷺ متصف اور آراستہ ہیں۔ اس کی دلیل سیّد عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد عذابِ خسف و مسخ کا اٹھ جانا۔

یہی وجہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ ہی سلامتیِ عالم کا سبب ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو"۔ الخ

لہٰذا علی الاطلاق سلامتیِ محض، اور سلامتی دینے والے آپ ﷺ ہی ہیں۔

"اَلْمُؤْمِنُ" صلی اللہ علیہ وسلم (امان بخشنے والا)

☆"اَلْمُهَيْمِنُ" صلی اللہ علیہ وسلم (حفاظت فرمانے والا)

(سیّد عالم ﷺ ان دونوں اوصاف سے متصف ہیں) جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (بقرہ:285)

"رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا، اور ایمان والے"۔

"اَلْمُهَيْمِنُ" کے متعلق قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ "امن" کا مصغر ہے۔ اور "ہمزہ" کو "ہا" سے تبدیل کیا گیا ہے۔

پھر قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا: سیّد عالم ﷺ ''امین بھی ہیں، مومن بھی ہیں، مہیمن بھی اور اللہ عزوجل نے ان تینوں سے سیدِ عالم ﷺ کا نام رکھا ہے۔

اور سید عالم ﷺ ''مومن'' اس لیے ہیں کہ تمام جہان کی امان آپ ﷺ ہی ہیں۔ اور علی الاطلاق مومنِ اکبر بھی آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے ''امن الرسول'' کی آیت میں اللہ عزوجل نے اسی بات کی شہادت دی ہے۔

☆ ''اَلْعَزِیْزُ'' صلی اللہ علیہ وسلم۔ (عزت والا، سب پہ غالب)

(سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی موصوف ہیں)

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (توبہ:128)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے''۔

اور فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (منافقون:8)

''اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول (اور مسلمانوں) کے لیے ہے۔ (الخ)

☆ ''اَلْجَبَّارُ'' صلی اللہ علیہ وسلم (عظمت والا، سب سے زبردست، اصلاح کنندہ)

''کتابُ الشفاء'' میں قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت داوٗد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابِ مقدس (زبور شریف) میں اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کو وصفِ ''جبّار'' سے موصوف فرمایا ہے۔ چنانچہ (اس کتاب میں) سیّد عالم ﷺ سے اس طرح خطاب ہوا ہے:

تَقَلَّدْ اَیُّهَا الْجَبَّارُ سَیْفَكَ نَامُوْسُكَ وَشَرِیْعَتُكَ مَقْرُوْنَةٌ بِهَیْبَةِ یَمِیْنِكَ۔

''اے ''جبّار'' (ﷺ) اپنی شمشیر حمائل فرمایئے، کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت و ناموس آپ ﷺ کے دستِ اقدس کی ہیبت سے وابستہ ہے''۔

سید عالم ﷺ کے حق میں اس وصف کے تین مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک تو یہ کہ اپنی تعلیم و ہدایت سے بھٹکے ہوؤں کی اصلاح کرنا۔ (یعنی گم گشتگانِ راہ کے مصلح)

اور دوسرا یہ کہ اپنے جبر و قہر سے اپنے بدخواہوں و دشمنوں کو مغلوب کرنا۔

اور تیسرا یہ کہ اس وصف سے لوگوں پر اپنے علو منصب اور اپنی عظمتِ جاہ ظاہر کرنا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی شان کے نامناسب جبر و قہر کی بھی نفی فرمادی ہے۔

چنانچہ فرمایا:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ (ق:45)

''اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ (الخ)

☆ ''اَلۡمُتَكَبِّرُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (تکبر والا، بڑائی و بزرگی والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے کہ سیّد عالم ﷺ تمام اسمائے حُسنیٰ سے موصوف ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی صفات سے بڑھ کر کوئی بھی بڑائی نہیں ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے اللہ جل مجدہٗ کے ساتھ کبر محمود ہے۔ اور جو کبر مذموم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر کبر کیا جائے۔

مقامِ حمد و مقامِ مذمت کا ہر جگہ لحاظ ہوتا ہے اسے ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ (مطلب یہ کہ جو کبر محمود ہے وہ مذمت سے خود بخود علیحدہ ہے۔ اور یہ بھی کہ ہر کبر برا نہیں بعض اچھے ہیں اور بعض قابلِ مذمت۔ جیسے کافر کے مقابلہ میں غازی کا کبر محمود، اور عالم، شیخ، صالح کے مقابلہ میں جاہل، بے علم، گنوار کا کبر قابلِ ذم ہے)

☆ ''اَلۡخَالِقُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (پیدا کرنے والا)

سیّد عالم ﷺ وصفِ خالقیت سے بھی موصوف ہیں۔

سیّد عالم ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا اس کی دلیل ہے، کیونکہ یہ وصفِ خالقیت ہی ہے۔

☆ ''اَلۡبَارِئُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (جان ڈالنے والا، شے کی ماہیت بدل دینے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ اس کی دلیل (تھوڑے) کھانے کو بڑھا دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ خندق میں سیّد عالم ﷺ نے تقریباً چار سیر جو سے تیار شدہ کھانا ایک ہزار سے بھی زائد افراد کو کھلا دیا (اور کھانا پھر بھی اتنے کا اتنا ہی رہا)

☆ ''اَلۡمُصَوِّرُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (صورت دینے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی موصوف ہیں۔ اس کی دلیل ایک بدوی کیلئے سیّد عالم ﷺ کا ارشاد فرمادینا کہ "کُنْ زَیْدًا"، "تو زید ہو جا" تو وہ فوراً زید ہی نکلا۔ اسی کی تفسیر غزوۂ تبوک میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی ہے کہ جب سیّد عالم ﷺ نے دور سے آتے ہوئے ایک سوار کو ملاحظہ فرمایا تو اس کے لیے "کُنْ اَبَا ذَرٍّ" (تو ابوذر ہو جا) فرمایا۔ چنانچہ وہ سوار حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی نکلے۔

مالکِ امورِ تشریعیہ ﷺ

"اَلْغَفَّارُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (پردہ پوشی کرنے والا، بہت درگزر کرنے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ اس کی دلیل، سید عالم ﷺ کا اس بادیہ نشین کو بخش دینا ہے جس نے رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی تھی نیز سید عالم ﷺ کا اس سے کفارہ معاف فرما دینا ہے۔

ہم نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اثنا میں کہ ہم سیّد عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک شخص آیا اور کہا: یارسول اللہ! "صلی اللہ علیہ وسلم" میں تو برباد ہو گیا ہوں۔ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا تجھے؟ اس نے عرض کیا: میں نے روزہ رکھتے ہوئے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: "میں رمضان میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہوں۔" سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کوئی غلام آزاد کرنے کو ہے؟ عرض کیا: نہ۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ عرض کیا: نہ۔ سیّد عالم ﷺ اسی طرح تشریف فرما ہی تھے کہ یکا یک آپ ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا، تو سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: وہ بادیہ نشین کہاں ہے؟ تو وہ فوراً بولا: (یارسول اللہ ﷺ) میں یہ ہوں۔ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: یہ لے جا، اور اسے صدقہ کر دے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا اپنے سے زیادہ قلاّش پر؟ اللہ قسم! مدینہ طیبہ کے گھروں میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی بھی نہیں ہے۔ (یعنی مجھ سے زیادہ فقیر یہاں کوئی بھی نہیں۔ (یہ سن کر) سید عالم ﷺ ہنس دیے۔ حتّٰی کہ آپ ﷺ کے دندانِ پیشین تک چمکنے لگے۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: (جا) تو اپنے اہل و عیال کو (ہی) کھلا دے(1)۔

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے: ؎

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں، یاں اس کے خلاف   تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (نساء)

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

تبصرہ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ

جَعَلَ اِسْتِغْفَارَ الرَّسُوْلِ شَرْطًا لِلْمَغْفِرَةِ وَالتَّوْبَةِ، وَلَمْ يَكْتَفِ بِاسْتِغْفَارِهِمُ اللّٰهَ تَعَالٰى، بَلْ قَيَّدَهُ بِمَجِيْئِهِمْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ وَسِرُّ هٰذَا اَنَّهُ مُتَّصِفٌ بِصِفَةِ الْمَغْفِرَةِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۲۶۱)

''اللہ عزوجل نے بخشش وتوبہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طلب بخشش کو شرط بنایا ہے اور لوگوں کا صرف اللہ جل مجدہٗ سے طلب بخشش کرنے پر ہی اکتفاء نہ فرمایا بلکہ ان کی طلب بخشش کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری(1) سے مقید فرمایا تاکہ سیّد عالم ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں اور اس میں راز یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ وصفِ مغفرت سے موصوف ہیں''۔

آفتابِ نبوّت ﷺ

☆ ''اَلْقَهَّارُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب پہ غالب، سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ شمسِ نبوت ہیں۔ اور جس طرح نورِ شمس (کے غلبہ) سے ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے نورِ اظہر سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار بھی چھپ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی شریعت نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کو ختم کر دیا۔

(اسی طرح) سید عالم ﷺ کے غلبہ کا ایک سلسلہ، حدیث شریف کی رو سے ایک ماہ کی مسافت تک بذریعہ رعب آپ ﷺ کی مدد کا فرمایا جانا بھی ہے۔

1۔ بخدا، خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر — جو وہاں سے ہو، یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

☆ ''اَلْوَھَّابُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کچھ دینے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ جیسا کہ ہمیں حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت ملی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سیّد عالم ﷺ سے جو بھی شے مانگی گئی تو آپ ﷺ نے (جواب میں) ''نہ'' نہیں فرمایا۔

☆ ''اَلرَّزَّاقُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت بڑا روزی دینے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ اس کی دلیل بارش کا برسانا ہے جو تمام جانداروں کے رزق کا سبب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن ایک آدمی مسجد میں اس دروازہ سے اندر آیا، جو ''دار القضاء'' کی جانب ہے۔ اور اس وقت سید عالم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اور وہ سید عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہی عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مال برباد ہوگئے، رستے کٹ گئے، اللہ عزوجل سے دعا فرمایئے کہ ہمیں بارش سے نوازے۔

رسولِ کریم ﷺ نے اپنے دستِ اقدس اٹھائے اور فرمایا:

اے اللہ جل مجدہٗ! ہم پر مینہ برسا۔ اے اللہ عزّ اسمہٗ! ہم پر بارش فرما۔ اے اللہ عز برہانہ! ہمیں مینہ دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! (اس وقت) آسمان پر کوئی بھی بادل نظر نہ آتا تھا۔ اور یہ بھی نہ تھا کہ ہمارے اور پہاڑوں کے درمیان کوئی گھر یا دروازہ تھا۔ (جو دیکھنے میں آڑ بنتا ہو)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یکایک پہاڑ کے ورے ڈھال کی مانند ایک بادل اٹھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو پھیلتا گیا اور پھر بارش برسنے لگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج کو دیکھا تک نہیں۔

پھر وہی آدمی اگلے جمعہ، اسی دروازے سے اندر آیا اور سیّد عالم ﷺ (اسی طرح) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہی شخص سید عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہی کھڑے عرض گزار ہوا:

یارسول اللہ ﷺ! مال ضائع ہوگئے اور راستے رک گئے، اب اللہ جل مجدہٗ سے دعا فرمایئے کہ

وہ ہم سے بارش روک لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سیّد عالم ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھا کر دعا فرمائی: یا اللہ جل شانہٗ! ہمارے گرد مینہ برسا، اور ہمارے مکانات سے دور رکھ، اے اللہ جل اسمہٗ! چھوٹے بڑے ٹیلوں، ندی نالوں، اور درختوں کے جھرمٹ پر مینہ برسا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

پھر مینہ تھم گیا اور ہم جب نکلے تو دھوپ میں چلتے تھے۔

☆ ''اَلْفَتَّاحُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے بڑا مشکل کشا)

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ (انفال:19)

''اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا۔ (الخ)

صفتِ فتاحیت سے بھی سیّد عالم ﷺ موصوف ہیں۔ کیونکہ درہائے افلاک آپ ﷺ نے ہی کھولے۔ اور آپ ﷺ ہی کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے اندھیاری آنکھیں بینا اور بند پڑے دل وا کیے۔

سید عالم ﷺ نے اپنی ذاتِ گرامی کے لیے جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے اس کی مانند آپ ﷺ کی مروی احادیثِ مبارک میں موجود ہے۔

☆ ''اَلْعَلِیْمُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بے پایاں علم والا)

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ (نساء:113)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ (الخ)''

نیز سید عالم ﷺ کے حق میں فرمایا:

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (بقرہ)

''اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا''۔

سید عالم ﷺ علم محیط کے وصف سے موصوف ہیں۔ اس پر دلیل سید عالم ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ:

''میں نے پہلوں اور پچھلوں کے علم کو جان لیا''۔

وَعِلْمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عِلْمُ الْکَوْنِ بِأَسْرِہٖ فَهٰذَا دَلِیْلُ مَعْرِفَتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَخْلُوْقَاتِ کُلِّهَا ،اَوَّلِهَا وَآخِرِهَا دُنْیَاهَا وَاُخْرٰهَا۔(ص ۲۶۲)

''اور پہلوں پچھلوں کا علم، یہ ساری کائنات کا علم ہے، اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات اگلی پچھلی، دُنیوی، اُخروی کی معرفت حاصل ہونے کی یہی دلیل ہے''۔

رہا اللہ جل مجدہٗ کی ذات کی بابت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، تو اس پر دلیل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مروی وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اُمت کے کاملوں سے فرمانا ہے: ''میں اللہ جل مجدہٗ کی معرفت تم سے زیادہ رکھتا ہوں اور مجھے اس کا تم سے زیادہ خوف ہے۔

☆ ''اَلْقَابِضُ ''صلی اللہ علیہ وسلم، (روزی تنگ کرنے والا، شے کو روک دینے والا)

☆ ''اَلْبَاسِطُ ''صلی اللہ علیہ وسلم، (روزی فراخ کرنے والا، شے کو پھیلانے والا)

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان دوصفتوں سے متصف ہیں۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو روکے رکھا، اور انتظار کارہا کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز ادا فرمالی۔

اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہی صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ نواحِ خیبر میں ''صہبا'' کے مقام پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہورہا تھا اور سرِ انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا کہ آفتاب ڈوب گیا۔ اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر رہ گئی۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! (رضی اللہ عنہ) کیا تم نے نماز گزار لی ہے؟

عرض کیا: نہیں، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ کَانَ فِیْ طَاعَتِکَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِکَ فَارْدُدْ عَلَیْهِ الشَّمْسَ۔(ص ۲۶۲)

''یا اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو اس کے لیے آفتاب کو واپس لا''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

فَرَأَیْتُ غَرَبَتْ،ثُمَّ رَأَیْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ،وَوَقَعَتْ عَلَی

الْجِبَالِ وَالْاَرْضِ۔(ص ۲۶۲)

''میں نے آفتاب کو دیکھا کہ ڈوب چکا تھا پھر میں نے دیکھا کہ ڈوبنے کے بعد نکل آیا(1) اور اس کی روشنی پہاڑوں اور زمین پر پڑی''۔

اس روایت کو امام طحاوی قدس سرہٗ نے ''مشکل الحدیث'' میں بیان فرمایا ہے۔

☆ سیّد عالم ﷺ کا قبض وبسط سے موصوف ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے(2)۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ نے آفتاب کو روک لیا حتیٰ کہ اس کی کرنیں پہاڑوں اور زمین پر پڑیں۔اور اسی طرح دن میں ''بسط'' فرمادیا کہ وہ (معمول سے) بڑھ گیا۔

(اسی طرح) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہما کے مال واولاد میں فراخی پیدا کردینا سمجھدار کو مزید استدلال سے بے نیاز کردیتا ہے۔فافہم

☆ ''اَلْخَافِضُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(پست کردینے والا)

☆ ''اَلرَّافِعُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(بلند کردینے والا)

سید عالم ﷺ ان دونوں صفات سے بھی متصف ہیں،کیونکہ سیّد عالم ﷺ نے شرک (وضلالت) کے جھنڈے سرنگوں فرمادیے،اور ہدایت کے پرچم بلند فرمادیئے۔

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں وصفوں سے سید عالم ﷺ کی توصیف بیان کی ہے۔چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب اپنے قصیدہ میں ان خوبیوں کا ذکر کیا تو سیّد عالم ﷺ نے ان کی تائید فرمائی،اور ان کے ان اوصاف کے بیان کرنے پر کسی قسم کی تردید نہیں فرمائی۔(حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسی قصیدہ کا ایک مصرعہ یہ ہے)ع

وَمَنْ تَضَعُ الْيَوْمَ لَا يَرْفَعُ

''یارسول اللہ ﷺ! آج کے دن جسے آپ ﷺ جھکا دیں گے تو پھر وہ (کبھی) نہ اٹھ

1۔مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی روایت کی اس طرح ترجمانی فرمائی:۔

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم ۔ تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

سورج الٹے پاؤں پلٹے،چاند اشارے سے ہو چاک ۔ اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

2۔ردالشمس کی طرح حبس الشمس بھی سید عالم ﷺ کے وصف ''قابض وباسط'' ہونے کی دلیل ہے۔چنانچہ لیلۃ الاسریٰ کی صبح کو جب کفارِ قریش نے اپنے قافلوں کی بابت حالات دریافت کیے تو سید عالم ﷺ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا کہ وہ بدھ کے دن آئے گا۔قریش نے اس دن انتظار کیا حتیٰ کہ آفتاب ڈوبنے کے قریب ہوگیا،مگر قافلہ نہ پہنچا۔اس وقت سید عالم ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ عزوجل نے سورج کو روکے رکھا،اور دن میں اضافہ کردیا،تا آنکہ قافلہ آ پہنچا۔(شفا شریف،طبرانی،مواہب لدنیہ،بیہقی وغیرہم من کتب الحدیث والسیر)مترجم غفرلہٗ ولوالدیہ

سکے گا"۔

☆ "اَلْمُعِزُّ" صلی اللہ علیہ وسلم، (عزت دینے والا)

☆ "اَلْمُذِلُّ" صلی اللہ علیہ وسلم، (رُسوا کرنے والا)

سید عالم ﷺ ان دونوں اوصاف سے بھی متصف ہیں۔

سید عالم ﷺ کا ساری کائنات میں تصرف کلی پر متمکن ہونا اس کی دلیل ہے۔

چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کے لیے اس بات کی گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ ملکوتِ اعلیٰ میں مُطاع و مخدوم ہیں۔ جیسا کہ سیّد عالم ﷺ کی بابت ارشاد فرمایا:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ (تکویر)

"جو قوت والا ہے، مالکِ عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے"۔

"یعنی مالکِ عرش کے حضور امانت دار ہیں"۔

جب اللہ جل مجدہٗ نے خود یہ گواہی دے دی کہ سیّد عالم ﷺ ملکوتِ اعلیٰ میں مطاع ہیں، اور عالم علوی سید عالم ﷺ کی اتباع میں مسخر ہے اور آپ ﷺ کے ماتحت ہے تو پھر عالمِ سفلی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟

☆ "اَلسَّمِيْعُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت سننے والا، سب کچھ سننے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی موصوف ہیں۔ اس پر دلیل سیّد عالم ﷺ سے مروی وہ روایت ہے کہ:

اِنَّهٗ سَمِعَ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّهَا جَفَّتْ مِنَ الْاَزَلِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ فَسِمَاعُهٗ لِصَرِيْفِهَا اِنَّمَا هُوَ بِالصِّفَةِ السَّمِيْعَةِ الْمُحِيْطَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ (ص ۲۶۲)

"سیّد عالم ﷺ نے قلموں کے چلنے کی چرچراہٹ کو سنا۔ اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ "ابد" تک جو کچھ ہونے والا ہے "ازل" میں اسے قلمیں لکھ کر فارغ ہو چکی ہیں۔ اور سیّد عالم ﷺ کا ان قلموں کی آواز کو سُن لینا، (لامحالہ ماننا پڑے گا کہ) اس سمعی وصف کے ساتھ ہی ہے جو "مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ" (کے امور) کو محیط ہے۔

☆ "اَلْبَصِيْرُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کچھ دیکھنے والا)

سیّدِ عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ دنیوی واخروی امور کے متعلق، عجائب قدرت کے معائنہ ومشاہدہ کی ہمیں سیّدِ عالم ﷺ نے جو خبر دی، یہ روایت اس کی دلیل ہے۔

اس باب میں احادیث اس کثرت سے مروی ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا مثلاً وہ حدیث شریف جس میں سید عالم ﷺ کا جنت اور دوزخ کا دیکھنا مذکور ہے۔

اور اسی طرح وہ حدیث شریف جس میں ملکوتِ اعلیٰ کے عجائبات دیکھنے کا ذکر ہے۔

اور ایسے ہی وہ حدیثِ مبارک جس میں حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اسی وصف کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم)

"بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم)

"آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی"۔

☆ "اَلْحَکَمُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (حاکمِ مطلق، منصفِ مطلق)

☆ "اَلْعَدْلُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت بڑا منصف، سراپا انصاف)

سیّدِ عالم ﷺ ان دونوں وصفوں سے متصف ہیں۔

اس پر اللہ جل مجدہ کا یہ ارشادِ گرامی دلیل ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾ (نساء)

"تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم صادر فرمادو، اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں، اور جی سے مان لیں"۔

(تفسیر) کیونکہ حاکمِ مطلق اور سراپا انصاف آپ ﷺ ہی ہیں۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (مائدہ:49)

"اور ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اُتارے سے (الخ)"۔

اور فرمایا:

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط (نساء:105)

''کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے''۔

یہ تمام آیات اس پر دلیل ہیں کہ سید عالم ﷺ حقیقتاً ان دونوں صفتوں سے موصوف ہیں۔

لٰہذا حاکمِ مطلق، منصفِ مطلق اور سرتاپا انصاف ہی انصاف (صرف اور صرف) آپ ﷺ ہی ہیں۔

☆ ''اَللَّطِیْفُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (باریک بین، جو تند مزاج نہ ہو، بہت لطف و کرم والا) من لا جزء له۔

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی موصوف ہیں۔

اگر سید عالم ﷺ میں کمال لطافت نہ ہوتی تو آپ ﷺ اپنے جسمِ اقدس سمیت آسمانوں بلکہ عرشِ اعظم تک نہ پہنچ پاتے۔ یہ لطافت کی آخری حد ہے نیز سیّد عالم ﷺ اپنی لطافت ہی کے باعث تمام ماسویٰ اللہ سرایت کیے ہوئے ہیں۔

(وصفِ رحمانیت کے تحت) جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے وہی اس پر بھی دلیل ہے۔

(نیز) اس کی دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد بھی ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (آل عمران:159)

''اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے (الخ)''۔

(تفسیر) ''یعنی آپ ﷺ درشت مزاج اور سنگدل نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ﷺ نرم مزاج، اور بڑے مہربان ہیں''۔

☆ ''اَلْخَبِيْرُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (باخبر، آگاہی رکھنے والا)

اس وصف کے ساتھ بھی اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کا اسمِ گرامی موسوم فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (فرقان)

''تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ''۔

ر جیسا کہ مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ''اے مخاطب تو اگر اللہ جل مجدہٗ کی بابت پوچھنا چاہتا ہے تو تُو حضرت محمد (رسول اللہ) ﷺ سے پوچھ لے۔ کیونکہ اللہ جل مجدہٗ کی

بخوبی آگاہی وہی رکھتے ہیں''۔

☆''اَلْحَلِیْمُ''صلی اللہ علیہ وسلم: (سب سے بڑھ کر بردبار)

سید عالم ﷺ وصف حلم سے کامل طور پر متصف تھے۔سید عالم ﷺ کے اس وصف کی حقیقت سے تمام جہاں باخبر ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی ذات کے حق کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ہاں سید عالم ﷺ جب کبھی کسی حرمات اللہ کی بے حرمتی ملاحظہ فرماتے تو اللہ جل مجدہٗ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔

مروی ہے کہ جب (غزوۂ احد میں) سید عالم ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے،اور چہرۂ انور اور سرِ اقدس مجروح ہوئے۔تو یہ بات صحابہ کرام علیہم الرضوان پر سخت ناگوار گزری۔اور پھر سید عالم ﷺ سے عرض گزار ہوئے۔کاش! آپ ﷺ ان پر دعائے بد فرمادیتے۔

تو اس حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

میری بعثت کا مقصد لوگوں پر بددعائی نہیں ہے بلکہ میں تو داعی اور رحمت بن کر آیا ہوں۔

پھر آپ ﷺ کی زبانِ اقدس پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

''خدایا! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے''۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک وقت گفتگو فرماتے ہوئے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام نے تو یہ فرماتے ہوئے:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح)

''اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ''۔

اپنی قوم پر بددعا فرمائی تھی۔

اگر آپ ﷺ اس جیسی دعا ہم پر فرمادیتے تو ہماری نسل ہی تباہ ہوجاتی اور ایک بھی باقی نہ بچتا۔اور آپ ﷺ کی (اذیت ناکی ان سے کہیں بالاتر ہے کہ) پشت پناہی نہ ہوئی، روئے تاباں مجروح ہوا، دانت مبارک شہید ہوئے مگر اس حالت میں بھی آپ ﷺ کی زبانِ اقدس پر یہی دعائیہ کلمات تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

''خدایا! میری قوم کا یہ گناہ معاف کردے کیونکہ وہ نہیں جانتے''۔

☆ "اَلْعَظِیْمُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (ہر لحاظ سے بزرگ ترین)

سید عالم ﷺ کو اس وصف سے بھی اللہ جل مجدہٗ نے موسوم فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (قلم)

"اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے"۔

لہٰذا سید عالم ﷺ وصفِ عظمت سے یقیناً موصوف ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے لیے اس وصف کی اللہ جل مجدہٗ نے خود شہادت دی ہے جیسا کہ فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

"اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔"

☆ "اَلْغَفُوْرُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت بخشنے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے کماحقہٗ موصوف ہیں۔ اس کے اتصاف پر لاتعداد مشہور احادیث شاہد ہیں۔

غورث بن حارث سے جو کچھ مروی ہے، ایک سمجھ رکھنے والے کے لیے وہی کافی ہے کیونکہ غورث نے "جب سید عالم ﷺ ایک درخت تلے آرام فرما رہے تھے۔" آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا۔ پھر جب سید عالم ﷺ بیدار ہوئے تو وہ برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے کھڑا تھا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا: تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

تو سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اللہ (جل مجدہٗ)۔

یہ سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر سیّد عالم ﷺ نے وہی تلوار لے کر فرمایا:

(بتا اب) تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

وہ کہنے لگا:

اچھے طریقہ سے پکڑنے والے بن جایئے۔

چنانچہ سیّد عالم ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور اسے اس کی جسارت کی کچھ بھی سزا نہ دی۔ پھر غورث مذکور اپنی قوم کے پاس آ کر کہنے لگا:

میں ایک بہترین شخص کے پاس سے آ رہا ہوں۔

☆ قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا: سیّد عالم ﷺ کا سب سے بڑھ کر عفو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا، بنا بر صحیح روایت کے، اعتراف کے باوجود اس (مجرم) یہودیہ کو معاف فرما دینا ہے جس نے بکری کا زہریلا گوشت آپ ﷺ کو کھلا دیا تھا۔

☆ اور اسی طرح لبید بن اعصم (یہودی) نے جب سیّد عالم ﷺ پر جادو کر دیا۔ تو معلوم ہو جانے پر، اللہ جل مجدہٗ کا بذریعہ وحی بتا دینے پر بھی آپ ﷺ نے اس سے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔ سزا کے لیے مواخذہ تو درکنار اس کو معاتبہ تک نہ فرمایا۔

☆ اور اسی طرح عبداللہ بن اُبی اور اس کے منافق یاروں پر کسی قسم کا مواخذہ نہ فرمایا جبکہ ان سب منافقوں کی طرف سے سیّد عالم ﷺ کے قول و فعل میں انگشت نمائی کرنا، سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ جس شخص نے (یعنی امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے) ان کے قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ ان سے فرمایا۔ اسے (اور ان کو) جانے دو، کیونکہ لوگ یہی کہیں گے کہ "محمد" "صلی اللہ علیہ وسلم" اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں سیّد عالم ﷺ کے ہمراہ تھا، اور اس وقت آپ ﷺ ایک بھاری چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ ایک بادیہ نشین نے آپ ﷺ کی ردائے اقدس کو اس قدر زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ کی گردن اقدس پر نشان پڑ گئے۔ پھر وہ کہنے لگا: یا محمد "صلی اللہ علیہ وسلم" اللہ جل مجدہٗ کے اس مال سے جو آپ ﷺ کے پاس ہے مجھے میرے ان دو اونٹوں پر لاد دیجیے، کیونکہ آپ ﷺ نہ تو اپنے مال سے اور نہ ہی اپنی وراثت کے مال سے لادیں گے۔ یہ سن کر سیّد عالم ﷺ خاموش ہو رہے۔ پھر فرمایا: مال تو اللہ جل مجدہٗ کا، اور میں بندہ اللہ جل مجدہٗ کا۔ پھر سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اے بادیہ نشین! تو نے مجھ سے جو سلوک کیا ہے، کیا اس کا تجھ سے بدلہ نہ لیا جائے! عرض کیا: نہیں تو؟

سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: کیوں؟

عرض کیا: اس لیے کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

پھر سیّد عالم ﷺ نے ہنستے ہوئے حکم فرمایا کہ اس کا ایک اونٹ جَو سے، اور دُوسرا کھجوروں سے بھر کر دے دو۔

☆ "اَلشَّکُوْرُ" "صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑا شکر گزار، بہت قدردان)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں، جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کے حق میں فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

''بے شک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا''۔

☆ ''اَلْعَلِيُّ ''صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے برتر و بالا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔ سید عالم ﷺ کی برتری دو طرح کی ہے:

☆ ایک آپ ﷺ کے مکان (ومقام) کی برتری۔

☆ دوسرا آپ ﷺ کے مرتبہ (ومنصب) کی برتری۔

☆ مکان کی سربلندی دو وجہ سے ثابت ہے:

☆ ایک تو یہ کہ آپ ﷺ اپنے جسمِ اقدس سمیت عرشِ اعظم پر تشریف لے گئے (اور عرش پہ جانا بھی مکان کی سرفرازی ہے)

☆ دوسری وجہ یہ کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک اعلیٰ درجے کا مقام ہے، جسے ''وسیلہ'' کہتے ہیں۔ اور وہ مقام صرف ایک ہی آدمی کو حاصل ہوگا اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں جسے وہ مقام حاصل ہوگا۔

اور (یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ کی امید ایک امر حقیقی ہے یعنی جس چیز کی امید کی جائے اس کا حصول واقعی ہوتا ہے۔

(دلیل) اور اس مقام کے لیے امید برآ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے اس مقام ''وسیلہ'' کا سیّد عالم ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ جل مجدہٗ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔

اور یہی مکان کی برتری ہے۔

☆ رہی مرتبہ کی سرفرازی، تو یہ تو بالکل واضح، اور واقعی و نفس الامری ہے۔ (دلیل) سیّد عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی میں کمالات و صفاتِ قدسیہ کا ظاہر ہونا، اور ان صفات و کمالات سے آپ ﷺ کا ظاہری و باطنی اعتبار سے متحقق ہونا اس پر دلیل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ ان سب کمالات و صفات میں اس قدر جاگزیں ہوئے کہ ان میں آپ ﷺ کے تمکن کی اللہ جل مجدہٗ نے خود شہادت دی ہے جبکہ اس بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ (تکویر)

''جو قوت والا ہے، مالکِ عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے''۔

اور (آیت کریمہ میں مذکورہ) ''عندیت'' ہی مقام سرفرازی ہے۔

لہٰذا سیّد عالم ﷺ برتریٔ مکان و سرفرازیٔ مرتبہ کے جامع ہیں۔

☆ ''اَلْکَبِیْرُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے بڑا)

یہ وصف سیّد عالم ﷺ کے لیے ظاہراً و باطناً متحقق ہے۔ اور آپ ﷺ وصف کبریائی سے متصف ہیں، اور وصفِ کبریائی سے آپ ﷺ کے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ:

هُوَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ جَمِیْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ مِنْهُ، فَهُوَ كُلُّ الْوَجُوْدِ، وَلَا شَيْئٌ بِأَكْبَرَ مِنْ كُلِّيَّةِ الْوَجُوْدِ بِاَسْرِهٖ۔ (ص ۲۶۴)

''سیّد عالم ﷺ سے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا ہے۔ کیونکہ سیّد عالم ﷺ ہی کل الوجود ہیں اور کلیتِ وجود سے بڑی کوئی شے نہیں ہے۔''

☆ ''اَلْحَفِیْظُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کا محافظ)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔ کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے تمام جہاں سیّد عالم ﷺ سے پیدا فرمایا ہے۔ اور دنیا کی ہر چیز مراتب وجود میں سے کسی ایک مرتبہ میں ہے، اور سیّد عالم ﷺ کے ظاہراً و باطناً مراتب وجودیہ میں ظہور کی وجہ سے ان سب کے آپ ﷺ حافظ ہیں۔

☆ ''اَلْمُغِیْثُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کو قوت دینے والا، فریادرس، بارانِ رحمت)

مشہور روایت کی بناء پر ''المغیث'' و ''المقیت'' (توانائی و روزی دینے والا) کا بدل ہے۔

سیّد عالم ﷺ وصفِ غوثیت سے موصوف ہیں کیونکہ سیّد عالم ﷺ ہی کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے موجودات کی فریادرسی کی ہے۔

سیّد عالم ﷺ غوث العالم کیوں ہیں؟

☆ سیّد عالم ﷺ سے وصفِ غوثیت کا ایک ظہور تو اس طرح ہے کہ آپ ﷺ اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ رسالت کا انقطاع وقوع میں آچکا تھا اور (اہلِ کتاب) بنو اسرائیل نے نہ صرف دین (الٰہی) میں فتور برپا کیا ہوا تھا بلکہ اللہ جل مجدہٗ کی ہدایت آمیز کلام کو بھی بدل ڈالا تھا۔ چنانچہ ایسی (ناگفتہ بہ) حالت میں آپ ﷺ لوگوں کے لیے غوث (فریادرس) بن کر تشریف لائے اور پھر کھلا حق ان تک پہنچایا۔

☆اور دوسرا اس طرح کہ سید عالم ﷺ کی بعثت کے باعث دنیا سے مسخ وخسف کا عذاب ختم کردیا گیا جبکہ یہ عذاب اس وقت اپنے شباب پر تھا اور جگہ جگہ اس کا وقوع ہو رہا تھا۔

فَکَانَ ﷺ غِیَاثًا لِلْعَالَمِ مِنَ الْھَلَاکِ۔ (ص ۲۶۵)

''گویا سید عالم ﷺ دنیا کو تباہی سے بچانے میں اس کے فریادرس ہیں''۔

☆اور تیسرا اس طرح سے کہ سیّد عالم ﷺ نے عارفین کے لیے سلوک کی منازل طے کرنے میں ان کی امداد فرمائی۔ اس لیے کہ سیّد عالم ﷺ کا ظہور تحقیقِ الٰہی سے ہی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ عارفین کے لیے ایک مکمل نمونہ ہیں، تاکہ وہ آپ ﷺ کے طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے منازلِ سلوک طے کرتے رہیں۔

اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (احزاب:21)

''بے شک تمھیں رسول اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی پیروی بہتر ہے (الخ)''۔

☆اور چوتھا اس طرح کہ سیّد عالم ﷺ عملاً دنیا کے غوث ہیں کہ ان کے لیے خشک سالی میں مینہ برسایا اور ان کی ضرورت سے زائد بارش کو تھما دیا۔

جیسا کہ پہلے (الرزاق کے تحت) حدیث میں گزر چکا ہے۔

☆''اَلْحَسِیْبُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (نجابت والا، سب کی کفایت کرنے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں کیونکہ سیّد عالم ﷺ کی نجابت وشرافت سے بڑھ کر اور کسی کی نجابت وشرافت نہیں ہوسکتی۔

ہو بھی کیسے جبکہ ظاہر وباطن، تحقق وتخلق کے اعتبار سے سید عالم ﷺ اسماء الٰہی اور صفاتِ کبریائی سے متصف ہیں۔ اور اس شرف سے بڑھ کر اور کون سا شرف ہوسکتا ہے۔ ظاہری شرف کے برتر ہونے میں تو کوئی کلام نہیں سیّد عالم ﷺ کی نجابت کی برتری اور شرافت کی عظمت میں کوئی خلاف ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اس کے ذکر کی بھی چنداں حاجت نہیں ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: میں جمیع اولادِ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر متقی ہوں، اور اللہ جل مجدہٗ کے ہاں سب سے معزز بھی میں ہی ہوں۔ اس میں بڑائی کی کوئی بات نہیں ہے۔

لہٰذا علی الاطلاق تمام مخلوق کی طرف نبی ورسول ہونا، اور قرشی وولی (مقرب بارگاہ) ہونا، سیّد عالم ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اور یہ خوبی سیّد عالم ﷺ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔

☆ ''اَلْجَلِیْلُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑے مرتبے والا)

سیّد عالم ﷺ وصفِ جلالت سے بھی موصوف ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی جلالتِ قدر کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں سید عالم ﷺ کا ادب کرنے کا حکم فرمایا، اور اپنی آوازیں سیّد عالم ﷺ کی آوازِ مبارک سے اونچی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

☆ ''اَلْکَرِیْمُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت کرم کرنے والا، بہت عزت والا)

سیّد عالم ﷺ کے لیے اس وصف کا بھی تحقق ہے۔ اور آپ ﷺ ظاہر و باطن، ذات وصفات اور (قول و) فعل کے اعتبار سے وصفِ کرم سے موصوف ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سید عالم ﷺ کا اس وصف پر نام رکھا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ (تکویر)

''بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے''۔

☆ ''اَلرَّقِیْبُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑا نگہبان، مشاہدہ کرنے والا)

سیّد عالم ﷺ میں وصفِ رقیبیت متحقق ہے۔ اور آپ ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

''میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے''۔

اور یہی خوبی، کمالِ مراقبہ ہے۔

☆ مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش ہوتے ہیں (چاہے وہ بظاہر چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں) حتیٰ کہ راستہ سے اذیت دہ اشیاء کا دور کر دینا اور مسجد میں تھوکنا، (وغیرہ) ہے۔

فَهٰذَا دَلِيْلٌ وَاضِحٌ لِكَوْنِهٖ رَقِيْبًا لِحَوَادِثِ الْكَوْنِيَّةِ۔ (ص ۲۶۵)

''سید عالم ﷺ کا واقعات دُنیویہ پر نگہبان ہونے کی یہ روشن دلیل ہے''۔

سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''میرا دل بیدار رہتا ہے'' یہ مراقبہ الٰہیہ'' جسے حقیقتِ تعین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے پر دلیل ہے۔ لہٰذا رقیب مطلق سیّد عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

☆ ''اَلْمُجِیْبُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (التجائیں سننے والا، دعائیں قبول کرنے والا)

سیّد عالم ﷺ میں وصفِ اجابت متحقق ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو آپ ﷺ کے اوصافِ جلیلہ کی بابت مروی ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کو بلاتا تو آپ ﷺ اس کے بلاوے کو قبول فرماتے

اور یہی اجابتِ مطلقہ ہے۔

☆ ''اَلْوَاسِعُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (وسعت والا)

یہ وصف بھی سیّد عالم ﷺ میں متحقق ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ میں اللہ جل مجدہٗ کی صفات، اور اس کا علم، اور اس کی تمام مخلوق سمائی ہوئی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کی وسعتِ حقی تو یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ ایسے ''صاحبِ قلب'' ہیں کہ جس کی طرف اللہ جل مجدہٗ نے حدیثِ قدسی میں واضح اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَا وَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَوَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ۔ (ص ۲۶۵)

''میرے زمین و آسماں مجھے احاطہ نہیں کر سکتے میرے مومن بندے کا دل مجھے (ازروئے صفات) احاطہ کر سکتا ہے''۔

اور (یہ امر تو مسلمہ ہے ہی کہ) سیّد عالم ﷺ کے قلب منور سے بڑھ کر وسیع کوئی قلب نہیں۔

فَاِنَّ الْبَحْرَ الْمُحِیْطَ الَّذِیْ کُلُّ الْقُلُوْبِ قَطْرَۃٌ مِّنْ قَطَرَاتِہٖ۔ (ص ۲۶۵)

''کیونکہ سیّد عالم ﷺ کا قلبِ انور ایک ایسا ہمہ گیر سمندر ہے کہ جہاں تمام جہان کے قلوب آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کے سامنے ایک قطرہ کی مقدار ہیں''۔

☆ اور سید عالم ﷺ کی وسعتِ خلقی یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسی رحمت ہیں کہ جس کی بابت اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف:156)

''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

اس مسئلہ کی بڑے بڑے ماہر علماء کی ایک جماعت نے تصریح فرمائی ہے۔

فَهُوَ الْوَاسِعُ لِكُلِّ شَيْئٍ۔ لہٰذا سید عالم ﷺ ہی ہر شے کو واسع ہیں۔

☆ اور سیّد عالم ﷺ کے علم کی وسعت پر دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

عَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

''مجھے پہلوں، پچھلوں سبھی کا علم ہے''۔

☆ ''اَلْحَكِيْمُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (حکمتوں والا، دانا، حقائق الاشیاء کا عارف)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف بھی متحقق ہے۔ اور آپ ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کو تمام مراتبِ وجود یہ عطا فرمائے گئے ہیں اور اس شے کے مقتضیٰ کے مطابق ہر اسم کا مسمّٰی

(ومظہر) ہیں۔

لہٰذا تمام موجودات کے حقائق آپ ﷺ میں متحقق ہیں۔

☆ ''اَلْوَدُوْدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے بڑھ کر محبّ)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ''مقامِ حب'' سید عالم ﷺ کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا محبِ مطلق آپ ﷺ ہی ہیں۔ اور یہی حُب ''وداد'' ہے۔

☆ ''اَلْمَجِیْدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بزرگ تر)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی موصوف ہیں۔ سیّد عالم ﷺ کا اسماء و صفات الٰہیہ سے متصف ہونا اس کی دلیل ہے۔ اور اللہ عزوجل کے اسماء و صفات سے بڑھ کر کوئی بھی بزرگی نہیں ہے۔ اور (پھر) یہ بزرگی تو باطنی لحاظ سے ہے۔ رہا معاملہ ظاہر کا، تو ظاہر کے اعتبار سے وہ کون سی بزرگی ہے جو سیّد عالم ﷺ کی بزرگی سے بڑھ کر ہو۔

☆ جبکہ اللہ جل مجدہٗ اور سید عالم ﷺ کے نام میں معیت ہے۔

☆ اور آپ ﷺ کو مقام وسیلہ و شفاعت دیا گیا ہے۔

☆ اور آپ ﷺ کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے۔

☆ اور آپ ﷺ کی امت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مظاہر موجود ہیں۔

☆ ''اَلْبَاعِثُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (مُردوں کو زندہ کرنے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں اور اس پر دلیل سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ فرمایا:

''میں ''حاشر'' ہوں، لوگ میرے قدموں میں محشور ہوں گے''۔

اور ''حاشر'' ہی باعث ہے۔ اس لیے کہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

☆ ''اَلشَّهِیْدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (گواہ، حاضر و ناظر، محبوب)

اس پر دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد ہے:

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط (نساء:105)

''تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے (الخ)''۔

لہٰذا اللہ جل مجدہٗ اور مخلوق کے علی الاطلاق، گواہ، محبوب، موجود، حاضر و ناظر آپ ﷺ ہی ہیں۔

☆ ''اَلْحَقُّ ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (برقرار، من جانب واقع جس میں مطابقت ہو)

سید عالم ﷺ وصفِ حقیقت سے موصوف ہیں۔ اس پر دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ (یونس:108)

''تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا''۔

اور فرمایا:

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ط (انعام:5)

''بیشک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا''۔

ان دونوں آیتوں میں'' جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا۔

''حق سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ط (حجر:85)

''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنایا''۔

(یعنی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں مفید وسود مند بنا دیا)''۔

اور (اسی طرح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روح کو پیدا فرمایا۔ اور پھر اس روحِ انور سے عرش و کرسی۔ (لوح و قلم) زمین و آسمان اور جمیع موجودات کو پیدا فرمایا۔

☆ ''اَلْوَكِيْلُ ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑا کارساز)

سید عالم ﷺ میں یہ وصف موجود ہے۔ اس کی دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمان ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

جب سیّد عالم ﷺ مسلمانوں کی جانوں کے مالک ہیں تو بداہۃً آپ ﷺ ان کے اموال کے بھی بدرجۂ اولیٰ مالک ہیں۔ اور اس میں آپ ﷺ کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر وکیل مطلق آپ ﷺ ہی ہیں۔

رہا یہ سوال کے اللہ جل مجدہٗ نے تو فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ (بنی اسرائیل)

''او، ہم نے تم کو ان پر کڑوڑا بنا کر نہ بھیجا''۔

جس سے ثابت ہوا کہ سیّد عالم ﷺ کسی کے بھی وکیل نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں وکالتِ مخصوصہ کی نفی ہے (نہ کہ مطلقہ کی) یعنی سید عالم ﷺ مسلمانوں پر محاسبہ ومواخذہ اور عقوبت کے وکیل نہیں ہیں۔ کیونکہ سیّد عالم ﷺ رسولِ رحمت ہیں جس کا مقتضیٰ عدمِ تعذیب ہے۔

☆ ''اَلْقَوِیُّ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑی طاقت والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔ اس کی دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ (تکویر)

''جو قوت والا ہے، مالک عرش کے حضور عزّت والا''۔

☆ ''اَلْمَتِیْنُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (بے پایاں کمال والا، شدید قوت والا)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف بھی متحقق ہے۔

لِاَنَّهٗ ذُو الْكَمَالِ الَّذِیْ لَا یَتَنَاهٰی۔ (ص۲٦٦)

''کیونکہ آپ ﷺ بے پایاں کمال کے مالک ہیں''۔

اس باب سے قبل اسمائے حسنٰی کی شرح میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ''متین'' وہ ہوتا ہے جو لامتناہی کمال کا مالک ہو۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سیّد عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

نبوت ورسالت اور ولایت میں فرق

☆ ''اَلْوَلِیُّ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (مددگار، حمایتی، مالک، انتہائی قریب، انتہائی سزاوار)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ولایت سے بڑھ کر کوئی ولایت نہیں ہے۔ اسی لیے جمہور آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ:

اِنَّ كُلَّ نَبِیٍّ وَلِیٌّ، وَكُلَّ رَسُوْلٍ نَبِیٌّ، وَلَا عَكْسَ، فَمَا كُلُّ نَبِیٍّ رَسُوْلٌ، وَلَا كُلُّ وَلِیٍّ نَبِیٌّ۔ (ص۲٦٦)

''ہر نبی ولی ہوتا ہے۔ اور ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن اس کا عکس نہیں۔ چنانچہ ہر نبی رسول نہیں اور ہر ولی نبی نہیں۔''

(یہ بھی) معلوم رہے کہ ہر نبی ومرسل کی ولایت، اس کی رسالت ونبوت کے ہی مطابق ہوتی ہے۔

اسی لیے محققین نے فرمایا:

اِنَّ الْوِلَایَةَ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ۔

"ولایت، نبوّت سے برتر ہوتی ہے"

اور اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ:

اِنَّ وِلَایَةَ النَّبِیِّ اَفْضَلُ مِنْ نَبُوَّتِہٖ۔ (ص۲۶۶)

"نبی کی نبوت سے اس کی ولایت (1) افضل ہے"۔

اسی مقام کے مناسب کچھ محققین نے یوں فرمایا ہے:

مَقَامُ النُّبُوَّةِ فِیْ بَرْزَخٍ فُدُوْنَ الْوَلِیِّ وَفَوْقَ الرَّسُوْلِ۔

"مقامِ نبوت ایک میانہ درجہ ہے جو کہ ولایت سے پس تر اور رسالت سے برتر ہے"۔

لہٰذا وہ مقامِ ولایت جو ایک نبی کو حاصل ہوتا ہے، جب نبی اس روپ میں ہوتا ہے تو اس وقت اس کی ہمہ تن توجہ خالق جل مجدہٗ کی طرف ہوتی ہے۔

جبکہ مقامِ رسالت میں نبی کی توجہ (اصلاح و تبلیغ کے) مخلوق کی طرف ہوتی ہے (2)۔

وَلِأَجْلِ ذٰلِکَ کَانَتِ الرِّسَالَةُ اَنْزَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ ،وَالنُّبُوَّةُ اَنْزَلُ مِنَ الْوِلَایَةِ، فَافْهَمْ۔ (ص۲۶۷)

"اسی لیے رسالت نبوت سے پس تر، اور نبوت ولایت سے پس تر ہے۔ سوچ لے"۔

☆ "اَلْحَمِیْدُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت صفتایا ہوا)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف موجود ہے۔

(دلیل) اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مروی ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو لواء حمد عطا فرمایا ہے اور لواء حمد اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف و ستائش ہے جو خود اپنی ذات کے لیے فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کا اسم گرامی (مادہ) حمد سے مشتق فرمایا ہے۔ لہٰذا حامد و محمود اور احمد و محمود صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اسی لیے لوائے حمد آپ ﷺ ہی کے لیے ہے۔ اور نزول و اعطاء حمد بھی آپ ﷺ ہی کیلئے ہے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

1۔ لان الولایة کمال باطنی ،والنبوة کمال ظاهری،والکمال الباطنی اشرف۔ (نبراس مصنفہ علامہ عبد العزیز فرہاروی ملتانی قدس سرہٗ) (مترجم غفرلہٗ)

2۔ اور توجہ الی الخالق، توجہ الی الخلق سے افضل ہے۔ اسی لیے نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہوئی۔ واضح رہے کہ مقام عبدیت بھی یہی ہے۔ تو جس طرح نبی کی عبدیت اس کی نبوت سے افضل ہوتی ہے اسی طرح نبی کی ولایت اس کی نبوت سے اعلیٰ ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ (حجر)

''ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن''۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ سورۂ حمد کی بابت نازل ہوئی ہے۔ حمد کے اس معنی میں وہ مخفی لطائف ہیں جن کو صرف ان کی اہلیت رکھنے والے ہی جانتے ہیں۔

☆ ''اَلْمُحْصِیُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (اپنے علم و شمار میں رکھنے والا)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف محقق ہے۔

(دلیل) اس کی دلیل سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والی شے کو دور کرنا۔ اور احصاء کی حقیقت بھی یہی ہے۔

☆ ''اَلْمُبْدِیُٔ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (غرائبِ مخفیہ، آئندہ و گزشتہ اور موجودہ کو آشکارا کرنے والا، پہلی مرتبہ عدم سے وجود میں لانے والا)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف محقق و موجود ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ:

اِنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَبْدَاَ غَرَائِبَ مَكْنُوْنَاتِ الْغَیْبِ، وَاَخْبَرَنَا عَنْهَا مَاضِیًا وَمُسْتَقْبَلًا وَحَالًا، وَاَظْهَرَهَا بَعْدَ اَنْ كَانَتْ مَسْتُوْرَةً بَاطِنَةً مَجْهُوْلَةً غَیْرَ مَعْرُوْفَةٍ۔ (ص ۲۶۷)

''سیّد عالم ﷺ نے اسرار ہائے غیب کے عجائبات کو ظاہر فرمایا۔ اور ہمیں ان غیوب ماضیہ و موجودہ اور مستقبلہ کی بابت اطلاع پہنچائی۔ اور (پھر) ان مغیبات کے نامعلوم غرائبِ نہانی کو آشکارا فرمایا''۔

☆ ''اَلْمُعِیْدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (دوبارہ وجود میں لانے والا)

یہ وصف بھی سیّد عالم ﷺ میں موجود ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے مخلوق کو حق کی جانب بلایا اور انہیں ان کے بھٹکنے کے بعد اللہ جل مجدہٗ کی طرف لوٹایا۔

لہٰذا ان کے لیے سیّد عالم ﷺ ''معید'' ہیں۔

☆ ''اَلْمُحْیِیْ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (زندگانی دینے والا)

سید عالم ﷺ کے لیے یہ وصف ثابت ہے۔

(دلیل) بناء بر اخبارِ متواترہ کے، سیّد عالم ﷺ کا مُردوں کو زندہ فرمانا، اس پر دلیل ہے۔

اور (اسی طرح) دین کے مٹنے کے بعد اسے جلا بخشنا، اور مردہ زمین کو زندہ فرمانا بھی اس پر دلیل ہے۔

اور بالفعل اس کے اس قدر دلائل ہیں جو شمار میں نہیں آسکتے۔

☆ ''اَلْمُمِیْتُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (موت دینے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں جب سیّد عالم ﷺ نے کنکریوں کی ایک مشت مشرکوں کے چہرہ پر پھینکی تو جس جس پر وہ کنکریاں پڑ گئیں تو اس سے کوئی بھی زندہ و سلامت نہ بچ سکا۔

سیّد عالم ﷺ سے اس بارے میں اسی طرح مروی ہے۔

☆ ''اَلْحَیُّ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (آپ زندہ، ہمیشہ زندہ رہنے والا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے متصف ہیں۔

(دلیل) اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ عالمِ موجودات کا مادہ وجود یہ ہیں اور تمام ازلی ابدی موجودات میں حیاتِ سریانی آپ ﷺ ہی ہیں۔

☆ ''اَلْقَیُّوْمُ'' صلی اللہ علیہ وسلم (اوروں کو قائم رکھنے والا، موجدِ عالم، تدبیر کنندہ)

سیّد عالم ﷺ صفتِ قیومیت سے موصوف ہیں۔ اور وصفِ قیّومی آپ میں موجود و متحقق ہے۔

(دلیل) کیونکہ آپ ﷺ حقائق اسماء کے جامع ہیں۔ اور ان سے وابستہ ہیں۔ اور اسی طرح آپ ﷺ صفاتِ خلقیہ کے بھی جامع، اور ان سے قائم و وابستہ ہیں۔ اور یہی صفتِ قیومی ہے۔

☆ ''اَلْمَاجِدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بزرگی والا)

سیّد عالم ﷺ کی رفعتِ شان اور بزرگی سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کمالاتِ الٰہیہ اور صفاتِ خلقیہ سے متصف ہیں۔

☆ ''اَلْوَاجِدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کو پانے والا)

سیّد عالم ﷺ وصفِ وجدان سے موصوف ہیں۔ کیونکہ واجدِ حقیقی آپ ﷺ ہی ہیں۔ سیّد عالم ﷺ کے مناسب جو کمالاتِ الٰہیہ تھے وہ سب کے سب آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔ جیسے تمام مقتضیات کا وجدان آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

☆ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ نے اسم ''واحد'' کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور (اس کا مفہوم یہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ تمام مخلوق میں ایسے یکتا ہیں کہ جس کی نظیر مخلوق میں ناپید ہے۔ لہٰذا اللہ جل مجدہٗ کے بندوں

میں انفرادیت کے حامل اور سب کے سردار آپ ﷺ ہی ہیں۔

☆ ''اَلصَّمَدُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(بے نیاز)

سیّد عالم ﷺ میں وصفِ صمدیت متحقق وموجود ہے۔

(دلیل) اس پر دلیل یہ ہے کہ تمام حقائقِ نفس الامر یہ سیّد عالم ﷺ کے وجودِ گرامی کے محتاج(1) ہیں۔اور سب کا مرجع و ملجاء آپ ﷺ ہی ہیں۔اس لیے کہ آپ ﷺ تمام موجوداتِ خارجیہ کی اصل وماہیت ہیں۔

رہا سیّد عالم ﷺ کا خالی شکم رہنا اور کھانے پینے کا محتاج نہ ہونا اور استغناء کا اپنانا۔تو یہ(اس قدر) مشہور ہے(کہ جو محتاجِ دلیل نہیں) خالی شکم رہنے کی بابت تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ کھایا ہی نہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے دو ماہ تک کچھ بھی نہیں کھایا۔سید عالم ﷺ کے وصفِ صمدیت کے تحقق کے لیے آپ ﷺ کا ''لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ''(میں تمہاری مثل نہیں ہوں) فرمادینا ہی کافی ہے۔

☆ ''اَلْقَادِرُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(قدرت والا)

☆ ''اَلْمُقْتَدِرُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(پوری قدرت والا)

سیّد عالم ﷺ ان دونوں اوصاف سے متصف ہیں۔

(دلیل) اس لیے کہ اس میں تو کوئی خلاف ہے ہی نہیں کہ جب قریش نے سیّد عالم ﷺ سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ سیّد عالم ﷺ ہمارے مطالبے پر پورا نہیں اتر سکتے لہٰذا ہم طلبِ معجزہ سے آپ ﷺ کو بے بس کر دیں گے۔مگر سیّد عالم ﷺ نے ان کی حسبِ منشاء ان کے مطالبہ کو پورا کر دکھایا۔مثلاً انہوں نے سیّد عالم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ انہیں کوئی معجزہ دکھلائیں تو آپ ﷺ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر دکھایا(2) جس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا ''قرنِ جبل'' پر تھا، یہاں تک کہ ''کوہِ حرا'' چاند کے دونوں ٹکڑوں کے مابین دکھائی دیا۔اس کے بعد سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: کیا اب تم نے دیکھ لیا۔

☆ ''اَلْمُقَدِّمُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(آگے کرنے والا)

1۔ ہستی او شد محتاج الیہ ۔۔۔ زیں سبب فرمود حق صلّوا علیہ

2۔ ع ۔۔۔ تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

☆ ''اَلْمُؤَخِّرُ''صلی اللہ علیہ وسلم، (پیچھے رکھنے والا)

سید عالم ﷺ ان دونوں اوصاف سے متصف ہیں کیونکہ یہ دونوں اوصاف اسماء فعلیہ سے ہیں۔

جب سید عالم ﷺ وصفِ قدرت سے متصف ہیں تو پھر سیّد عالم ﷺ کا تمام اسماء فعلیہ سے اتصاف بھی بداہۃً ثابت ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم ﷺ کی توصیف کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا:

وَتَضَعُ الْيَوْمَ لَا يَرْفَعُ۔

''آج کے دن جسے آپ ﷺ نیچا کر دیں گے تو پھر وہ نہ اٹھ سکے گا۔''

تو سیّد عالم ﷺ نے ان کی تائید فرمائی تھی۔

☆ ''اَلْاَوَّلُ''صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے پہلے)

☆ ''اَلْاٰخِرُ''صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کے بعد)

ان دونوں اوصاف سے سید عالم ﷺ متصف ہیں۔ کیونکہ تمام موجودات کی اصل و ماہیت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ سب سے پہلے ہیں۔

اور وجودِ ظاہری کے ظہور کی بنا پر آپ ﷺ سب کے بعد ہیں۔

اور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد ''وَنَحْنُ الْاَوَّلُوْنَ الْاٰخِرُوْنَ'' میں اسی جانب اشارہ ہے۔

اسی طرح سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''سب سے پہلے جس سے زمین کھلے گی وہ میں ہی ہوں۔''

''اور سب سے پہلے جنت میں جانے والا میں ہی ہوں۔''

''اور سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور مقبول الشفاعت میں ہی ہوں۔''

☆ ''اَلظَّاهِرُ''صلی اللہ علیہ وسلم، (آشکارا)

☆ ''اَلْبَاطِنُ''صلی اللہ علیہ وسلم، (پنہاں)

سیّد عالم ﷺ ان دونوں اوصاف سے متصف ہیں۔ ظاہر تو اس طرح ہیں کہ ہر موجود کی حقیقت آپ ﷺ ہی ہیں کیونکہ تمام موجودات آپ ﷺ سے ہی بنے ہیں۔

اور باطن اس طرح ہیں کہ تمام حقائق کی اصل آپ ﷺ ہی ہیں۔ اور یہ حقائق (عام آدمی کے) مشاہدہ سے باہر ہیں۔

☆ ''اَلْوَالِيْ''صلی اللہ علیہ وسلم، (متولی و متصرف)

سید عالم ﷺ میں یہ وصف محقق ہے اور آپ ﷺ ولایتِ کبریٰ کے وصف سے متصف ہیں۔اس لیے وجود کے والی، اور اس کے حاکم اکبر آپ ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ اپنی سخاوت کے مقتضیٰ کے مطابق ہر ایک حقیقت کو اس کا مرتبہ عطا فرماتے ہیں اور یہی نفاذِ حکم ولایتِ کبریٰ ہے۔

فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَالِيُّ اَلْحَقِيْقِيُّ لِاَنَّهٗ قُطْبُ الْوُجُوْدِ الْمُطْلَقِ، عَلَيْهِ تَدُوْرُ رَحٰى الْحَقَائِقِ كُلِّهَا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(ص۲۶۹)

''لہٰذا حقیقی والی آپ ﷺ ہی ہیں۔کیونکہ آپ ﷺ وجودِ مطلق کا ایک ایسا محور ہیں کہ جس پر تمام حقائق کا پاٹ گھوم رہا ہے''۔

☆ ''اَلْمُتَعَالِيْ''صلی اللہ علیہ وسلم،(سب سے برتر و بالا)

سیّد عالم ﷺ اس وصف سے متصف ہیں۔

اس پر دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ (النجم)

''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔پھر خوب اتر آیا۔تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم''۔

اور اسی طرح اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبیِ محترم ﷺ کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ افقِ اعلیٰ پر فائز ہیں۔

☆ ''اَلْبِرُّ''صلی اللہ علیہ وسلم،(عمدہ سلوک کرنے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے متصف و متحقق ہیں۔

(دلیل)اس لیے کہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ حسنِ سلوک فرمانے والے، اور مشفق و مہربان تھے۔

☆ ''اَلتَّوَّابُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت زیادہ توبہ کرنے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

(دلیل)اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں سے توبہ پر بیعت لیا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ﷺ توبہ قبول کرنے والے نہ ہوتے تو کوئی گنہ گار اپنے گناہوں سے تائب نہ ہوتا۔

☆ ''اَلْمُنْتَقِمُ''صلی اللہ علیہ وسلم،(بدلہ لینے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

(دلیل) اور اس پر دلیل وہ ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کی خاطر بدلہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ (اسی قبیل سے وہ ہے جو) سیّد عالم ﷺ نے دو بدکار یہودیوں کو رجم کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اور یوں ہی ایک مخزومیہ خاتون کے چوری کے بدلے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا تھا۔ وغیرذالک

سیّد عالم ﷺ وصفِ انتقام سے موصوف ہونے کے باوجود کامل الرحمت تھے۔

☆ ''اَلْعَفُوُّ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت زیادہ درگزر کرنے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کا اس وصف پر نام رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ۔ (اعراف:199)

''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو''۔

اور فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ (مائدہ:13)

''تو انہیں معاف کردو''۔

سید عالم ﷺ کا بڑے بڑے مجرموں کو معاف فرمادینے اور درگزر کردینے کی بابت جو مروی ہے۔ اس وصف کے تحقق کے لیے وہی بہت کچھ ہے۔

☆ ''اَلرَّؤُفُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بہت مہربان)

سید عالم ﷺ اس وصف سے موصوف ہیں۔

(دلیل) اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سیّد عالم ﷺ کو اس وصف سے موصوف فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان''۔

☆ ''مَالِكُ الْمُلْكِ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (مملکتوں کا مالک)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف متحقق ہے اور آپ ﷺ مملکتِ وجود میں مالکیت کے وصف سے موصوف ہیں۔

(دلیل) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے تمام کائنات آپ ﷺ ہی کے طفیل پیدا

فرمائی ہے۔

لہٰذا مملکتوں کے مالک اور ان کے سربراہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا

''میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں، اور اس میں کوئی بڑائی والی بات نہیں ہے''۔

اور یہ بات تو محقق ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے تمام کائناتِ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے تابع کر دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (جاثیہ:13)

''اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے''۔

اور یہ امر بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ ساری کائنات کے سردار ہیں۔ اس لیے مالک الملک بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

(دلیل) عالمِ ازل میں اللہ جل مجدہٗ کا سید عالم ﷺ کے لیے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لینا، سیّد عالم ﷺ کے بادشاہِ کل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے کہ مالک و مخدوم کیلئے ہی خدام واتباع سے عہد و پیمان لیا جاتا ہے۔

☆ ''ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (عظمت وجلال اور انعام واکرام والا)

سید عالم ﷺ اپنی جلالتِ شان کی وجہ سے اس وصف سے بھی موصوف ہیں۔

☆ ''اَلْمُقْسِطُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (عدل قائم کرنے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے بھی متصف ہیں۔

(دلیل) کیونکہ ''مقسط'' بمعنے ''عدل'' ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ سیّد عالم ﷺ کے ہی ذریعہ اللہ عزّ وجل نے حق و باطل کے مابین تفریق فرمائی ہے۔ اس وصف کے تحقق کے طور پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی دلیل ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (مائدہ:49)

''اور یہ کہ اے مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر''۔

نیز فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ (نساء:65)

"تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں (الخ)"۔

☆ "اَلْجَامِعُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کو اکٹھا کرنے والا)

سید عالم ﷺ وصفِ جامعیت سے موصوف ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے تمام کمالات کو جمع فرمایا ہے۔

☆ "اَلْغَنِیُّ" صلی اللہ علیہ وسلم، (سب سے زیادہ بے نیاز)

سیّدِ عالم ﷺ وصفِ غناء سے موصوف ہیں۔

(دلیل) اس پر دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لے کر سیّد عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ کو سلام کہنے کے بعد فرماتا ہے: یہ چابیاں تمہارے لیے ہیں انہیں قبول فرمایئے۔ تو سیّد عالم ﷺ نے ان سے فرمایا: "نہ، نہ، مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن کھاؤں پیوں اور دوسرے دن روزے سے رہوں"۔ چنانچہ سیّد عالم ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی شے قبول نہ فرمائی۔

☆ "اَلْمُغْنِیُّ" صلی اللہ علیہ وسلم، (دولت مند بنا دینے والا)

سید عالم ﷺ میں یہ وصف متحقق ہے۔

(دلیل) چنانچہ سیّد عالم ﷺ نے قریش اور انصار و مہاجرین (علیہم الرضوان) کے فقر و فاقہ اور غربت کو دولت اور ثروت میں تبدیل فرمادیا۔ حتیٰ کہ یہی فقراء (بعد میں) شہروں کے مالک ہوگئے اور لوگوں کے حکمران بن گئے۔

اور پھر انہی حضرات نے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو لوگوں پر لٹا دیا۔

☆ "اَلْمَانِعُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (روک دینے والا)

سید عالم ﷺ اس وصف سے متصف ہیں۔ اور بعض اوقات آپ ﷺ کا ہاتھ روک لینا کسی نہ کسی مصلحت کے تحت ہوتا تھا۔ اور یہ (منافیِ جود و کرم نہیں بلکہ) عین جود و بخشش ہے۔

☆ "اَلضَّارُّ" صلی اللہ علیہ وسلم، (ضرر پہنچانے والا)

☆ "اَلنَّافِعُ" صلی اللہ علیہ وسلم، (نفع پہنچانے والا)

یہ دونوں وصف اسماءِ فعلیہ سے ہیں۔ سیّد عالم ﷺ وصفِ قدرت سے متصف ہونے کی وجہ

سے ان دونوں اوصاف سے بھی متصف ہیں۔

☆ ''اَلنُّوْرُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (سرتاپا نور، نور بخش، ظاہر لنفسہ، مظہر لغیرہٖ)

☆ ''اَلْهَادِیْ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (سیدھی راہ چلانے والا)

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان دونوں اوصاف سے موصوف ہیں کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے ان دونوں اوصاف پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی رکھا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (مائدہ:15)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا (الخ)''۔

اور فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ (شوریٰ)

''اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو''۔

☆ ''اَلْبَدِیْعُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (بے نظیر اشیاء کا موجد)

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وصف سے موصوف ہیں۔

(دلیل) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ، وہ عجائباتِ قدرت ہویدا فرمائے جن کے بیان کرنے سے موجودات بے بس ہیں۔ ایسی باتوں سے (آئمہ کی) کتب اٹی پڑی ہیں۔

☆ ''اَلْبَاقِیْ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (ہمیشہ، ہمیشہ باقی رہنے والا)

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں یہ وصف متحقق ہے۔

(دلیل) اس پر دلیل اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ (اپنے رب کے پاس) زندہ ہیں''۔ (آل عمران:169)

(یہ امر تو متحقق ہے ہی کہ) سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہادت زہریلے گوشت کے تناول کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اور جب (نصِ مذکور سے یہ ثابت ہو گیا کہ) شہداء کرام زندہ ہیں۔ تو پھر سیّد الشہدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا کیا عالم ہو گا۔

☆ ''اَلْوَارِثُ''، صلی اللہ علیہ وسلم، (سب کے بعد موجود رہنے والا)

☆ ''اَلرَّشِیْدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (نکوئی پسند کرنے والا)

یہ دونوں اسم سید عالم ﷺ میں متحقق ہیں، اور آپ ﷺ ان دونوں اوصاف سے موصوف ہیں۔

☆ ''اَلصَّبُوْرُ'' صلی اللہ علیہ وسلم، (بڑے تحمل والا)

سیّد عالم ﷺ میں یہ وصف موجود ہے۔

(دلیل) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قریش نے جو سلوک و برتاؤ آپ ﷺ سے کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو مجروح کیا۔ دندان مبارک شہید کیے۔ مگر آپ ﷺ نے نہ ہی تو ان پر بددعا فرمائی اور نہ ہی ان سے کوئی بدلہ لیا، بلکہ ان کے لیے یہ فرماتے ہوئے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

''خدایا میری قوم سے درگزر فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے''۔

دعائے خیر سے ہی یاد فرمایا۔

''تنبیہ''

حضرت شیخ عبد الکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے یہ اسماءِ حُسنیٰ ذکر فرمائے ہیں۔ اور پھر انہیں، جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے، حضور سیّد عالم ﷺ کے اوصاف پر محمول کیا ہے اور ان میں سے کچھ دو دو جگہ ذکر فرمائے ہیں۔

☆ اور پھر ان ننانوے اسماء کے علاوہ زائد اسماء بھی ذکر فرمائے ہیں۔

☆ اور من جملہ ان مذکورہ اسماء میں سے ایک ''طٰہٰ'' اور ''یٰسٓ'' ہے۔ اور اب میں اس جگہ ان دونوں اسماء پر شیخ رضی اللہ عنہ کی ہی گفتگو نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ اس میں ایک (نہایت عمدہ) فائدہ ہے۔

☆ چنانچہ شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان اسماء کے متعلق علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ دونوں اللہ جل مجدہٗ کے اسماء ہیں۔

☆ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ سیّد عالم ﷺ کے اسماء گرامی ہیں (1)۔

☆ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ جل مجدہٗ اور سیّد عالم ﷺ ہر دو کے اسماء ہیں اور یہ دونوں نام ذاتی ہیں۔ ان میں وصفیت مفقود ہے۔

☆ اور اسی طرح وہ اسماء جو قرآنِ کریم کی سورتوں کے اوائل میں ہیں۔ جنہیں حروفِ مقطعات کہتے ہیں (ان میں بھی چند مذہب ہیں)

1- ترا عز لولاک تمکیں بس است ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

امام شرف الدین یمنی، شافعی،
وشیخ الاسلام زکریا انصاری،
وشیخ الاجل شہابُ الدین رملی

رضی اللہ عنہم

کے

فرمودات گرامی

امام شرف الدین اسماعیل بن المقری الیمنی الشافعی متوفی ۸۳۹ھ رضی اللہ عنہ "کتاب الروض" کے مصنف ہیں جسے آپ نے "روضہ" امام نووی قدس سرہٗ سے مختصر فرمایا ہے۔

اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رضی اللہ عنہ "کتاب الروض" کے شارح ہیں۔

اور اسی شرح پر شیخ شہاب الدین رملی رضی اللہ عنہ نے حاشیہ لکھا ہے۔

ان تینوں بزرگوں نے فقہاء کرام کی عادت کے مطابق "کتاب النکاح" میں نبی کریم ﷺ کے خصائص ذکر فرمائے ہیں۔ اور ان خصائص کو چار قسموں میں منقسم فرمایا ہے:

ا۔ "واجبات"۔ جیسے چاشت کی نماز، وتر اور قربانی۔

۲۔ "محرّمات"۔ جیسے زکوٰۃ اور صدقہ۔

۳۔ "مباحات"۔ جیسے مسلسل بن کھائے پئے روزہ رکھنا۔ ۴۔ "فضائل واعزازات"۔

واضح رہنا چاہیے کہ میں (یعنی امام نبہانی قدس سرہٗ) صرف اس چوتھی قسم کو بتمامہ متن، شرح اور حاشیہ کے ذکر کروں گا۔ (اور تینوں میں امتیاز اس طرح رہے گا کہ) میں متن کو دو قوسی خطوں کے درمیان، اور قوسین کے باہر شرح کو ذکر کروں گا، اور متن وشرح اور حاشیہ کے درمیان دونوں جانب اردو ہندسوں سے فرق رکھوں گا(1)۔

چنانچہ مذکورۃ الصدر آئمہ کے فرمودات سے ان کا یہ ارشاد ہے (م) "الرابع الفضائل والاکرام وہی تحریم (2) زوجاتہ علٰی غیرہ ولو مطلقات" چوتھی قسم نبی کریم ﷺ کے فضائل و وہی تحریم زوجاتہ علٰی غیرہ ولو مطلقات۔ اکرامات ہیں۔ اور انہی خصائص وفضائل میں سے ایک خصوصیت دوسروں پر آپ

(شیخ رملی) 2۔ دوسروں پر (الخ) امام قضاعی قدس سرہٗ نے "عیون المعارف" میں ذکر فرمایا کہ (یہ خصوصیت صرف نبی کریم ﷺ کی ہے جبکہ) دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ازواج ان کے وصال فرمانے کے بعد دوسرے مومنوں پر حرام نہ تھیں۔ ہمارے استاذ شیخ الاسلام زکریا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

"صحیح تر یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویاں ان کے وصال کے بعد دوسرے نبیوں کے لیے تو حرام نہ تھیں، ہاں نبیوں کے علاوہ دوسرے مومنوں کے لیے حرام تھیں، اور نبی کریم ﷺ کی ازواج سب پر ہی حرام ہیں۔" حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی حرام ہیں۔

1۔ (نوٹ): دوران ترجمہ مصنف قدس سرہٗ اور شارح قدس سرہٗ کے کلام میں امتیاز رکھنے کے لیے دو قوسی خطوں کے درمیان "م" مصنف کی طرف اور "ش" شارح کی طرف اشارہ ہوگا۔ امام نبہانی قدس سرہٗ نے جو فرق مقرر فرمایا ہے وہ ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا، نیز فرق کے لیے متن کی بلفظہٖ عبارت بھی نقل کر دی گئی ہے اور حاشیہ پر بریکٹ کے اندر محشی کا نام بھی دے دیا گیا ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

☆ علماء کرام کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ اللہ جل مجدہٗ کے اسماء ہیں۔

☆ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کے اسماء ہیں۔

☆ اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے کچھ تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسماء ہیں اور کچھ اللہ جل مجدہٗ کے اسماء ہیں۔ اور کچھ قرآن کے نام ہیں۔

اور علماء کرام کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ان اسماء کے ہر ہر حرف میں ایک مستقل اسم کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''طٰہٰ'' کی ''طا'' سے مراد اسمِ ''طاہر'' ہے اور ''ہا'' سے اسم ''ہادی'' کی طرف اشارہ ہے(1)۔

اور یہی حال باقی حروف (اسماء) مقطعات کا ہے۔ (جیسے ''الٓمّ'' میں ''الف'' سے مراد ''اللہ'' اور ''لام'' سے مراد ''لطیف'' اور ''میم'' سے مراد ''معین، مجید، منّان'' ہے۔

☆ مگر ترجیح اس کو ہے کہ یہ تمام ''حروف مقطعات'' اللہ جل مجدہٗ کے اسماء ہیں اور پھر یہی بعینہٖ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھی اسماء گرامی ہیں۔

1۔ اس کے علاوہ ''طٰہٰ'' اور دیگر ''حروف مقطعات'' کے معانی عجیبہ معلوم کرنے کیلئے حضرت فقیہہ اجل مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی قدس سرہٗ کی کتاب مستطاب ''شانِ حبیب الرحمان'' اور آپ کی دیگر بلند پایہ تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ (مترجم غفرلہٗ)

کی ازواج مطہرات کا حرام ہونا بھی ہے، اگر چہ وہ ازواج مطلقہ ہی کیوں نہ ہوں۔

(ش) جمہور کا اس میں اتفاق ہے کہ اگر چہ ایسی عورت کو حضور اکرم ﷺ نے اختیار دے کر جدا کر دیا ہو۔ جبکہ شرح(1) صغیر میں اس کا اختلاف ہے۔ اور (درجہء حرمت میں) یہ کوئی فرق نہیں کہ آپ نے ایسی خاتون سے ہم بستری فرمائی ہو(2) یا نہ۔

ازواج مطہرات دوسروں پر کیوں حرام ہیں؟

اس کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (احزاب:53)

''اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو''۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ ''حضرت'' طلحہ بن عبید اللہ'' رضی اللہ عنہ'' کے حق میں نازل ہوئی۔ (یہ بھی معلوم رہے کہ) یہ ''طلحہ'' ان دس حضرات میں سے نہیں ہیں جنہیں دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے (بلکہ وہ طلحہ بن عبید اللہ قرشی تیمی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں) اس لیے کہ انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیام دوں گا۔ (تب یہ آیت نازل ہوئی)

۲۔ اور بایں وجہ بھی آپ ﷺ کی ازواج دوسروں پر حرام قرار دے دی گئیں کہ وہ تمام مومنوں کی مائیں ہیں، (جیسا کہ) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (احزاب)

''اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

۳۔ اور اس لیے بھی کہ آپ کی ازواج جنت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔ اور امام ابن القشیری

(شیخ زکی) 1۔ شرح صغیر الخ اور قاضی حسین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس میں کوئی اختلاف (یعنی جس کی مفارقت تخییر سے واقع ہوئی، وہ حرام نہیں ورنہ ایسی عورت پھر نہ تو دنیا کی زینت میں اپنی غرض پر قدرت رکھ سکتی ہے اور نہ ہی پھر اختیار دینا کارآمد ہوتا۔ ''عُباب'' کی عبارت (اس باب میں) یہ ہے: ''نبی کریم ﷺ نے جس بیوی کو علیحدہ فرما دیا ہو، اگر چہ وہ جدائی قبل از دخول واقع ہوئی ہو، یا اس بیوی کے اختیار کرنے سے وقوع میں آئی ہو، پھر بھی وہ عورت دوسرے پر حرام ہے۔'' الخ (رائے محشی) وَھٰذَا ھُوَ الْمُعْتَمَدُ۔ اور یہی معتمد علیہ ہے۔

2۔ ہم بستری فرمائی ہو، الخ (جیسا کہ) شرح صغیر میں ہے کہ جس عورت سے نبی اکرم ﷺ نے ہم بستری فرمائی ہو، (اس کے بارہ میں) ظاہر تر یہی ہے کہ ایسی عورت سے دوسروں کا نکاح کرنا حرام ہے۔

قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:
"جنتی عورت جنت میں اپنے آخری شوہر کی بیوی ہوگی"۔
(م) "وسراری" اور (انہی خصائص میں سے) آپ کی لونڈیوں کا بھی دوسروں پر حرام ہونا ہے۔
(ش) یعنی حضور اکرم ﷺ کی وہ لونڈیاں، جنہیں آپ نے ہم بستری کے شرف سے نوازا ہے، وہ آپ کی تعظیم و توقیر کے سبب دوسروں پر حرام ہیں۔ جبکہ وہ لونڈیاں جن سے آپ نے ہم بستری نہیں فرمائی، وہ دوسروں کے لیے حلال ہیں۔
اور بعض (آئمہ) فرماتے ہیں کہ جن باندیوں سے آپ نے ہم بستری فرمائی ہو وہ بھی دوسروں پر حرام نہیں ہیں۔
اور جن لونڈیوں کو آپ نے ہم بستری سے سرفراز فرمایا، ان کا دوسروں پر حرام ہونے کی ترجیح دینا مصنف "قدس سرہٗ" کی طرف سے ہے۔ اور امام طاؤسی قدس سرہٗ اور امام بارزی قدس سرہٗ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ مدخولہ لونڈیاں بھی دوسروں پر حرام ہیں۔

مصنّف کی عبارت کا سُقم

کاش "مصنف قدس سرہٗ"، "سراری" کی بجائے "سراریہ" فرماتے تاکہ "سراری" کا "مطلقات" پر معطوف ہونے کا جو وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہ نہ رہتا۔
(م) وَتَفْضِيْلُ زَوْجَاتِهٖ عَلٰى سَائِرِ النِّسَآءِ۔
"اور (انہی خصائص میں سے) آپ کی ازواج کا سب عورتوں سے افضل ہونا ہے(1)"۔
(ش) جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے (اس لیے کہ جیسا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(شیخ رملی) 1۔ سب عورتوں سے الخ اس اطلاق سے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں کیونکہ موصوفہ بموجب ارشاد سرورِ عالم ﷺ ازواج مطہرات سمیت تمام عورتوں سے افضل ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا:
فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ۔ "فاطمہ میرا ٹکڑا ہے"۔
وَلَا يَعْدِلُ بِبُضْعَةٍ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ۔ اور (یہ مسلّمہ امر ہے کہ) نبی کریم ﷺ کے ٹکڑا کے مساوی کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔
اور نیز بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ:
نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا:
اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِیْ خَيْرَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم اس امت کی تمام عورتوں سے برتر ہو"۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ۔(احزاب:32)

''اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر اللہ سے ڈرو''۔

(م)وَثَوَابُهُنَّ وَعِقَابُهُنَّ مُضَاعَفٌ۔

''(جب ازواج النبی ﷺ سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ٹھہریں تو یہی وجہ ہے کہ) اچھے اعمال پر انہیں دوگنا ثواب ہے اور (تقرب الی اللہ کے منافی امور۔ اگر بتقاضائے بشری ان سے وقوع میں آئیں تو) ان پر سرزنش بھی دگنی ہے(1)''۔

(ش) جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے دو آیتوں میں واضح فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (احزاب:30)

''اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیاء کے خلاف کوئی بات کرے''۔

(م)وَهُنَّ اُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

''اور نبی کریم ﷺ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں''۔

(ش) یعنی نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات احترام، اطاعت اور تحریم نکاح میں ماؤں کے حکم میں ہیں۔

نہ کہ خلوت، میراث، نفقہ، ظہار، مسافرۃ، اور نظر کے حکم میں بھی ماں ہیں۔

(م)''اِكْرَامًا''بوجہ تکریم کے،

(ش) یہ حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے سبب ہے۔ اور اس لیے بھی کہ (بموجب ارشادِ ربانی) آپ کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (احزاب:6)

''اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

ازواجِ مطہرات صرف مومنوں کی مائیں ہیں

(م)''فقط''صرف (مومنوں کی مائیں ہیں)

(ش) یعنی ازواج النبی صرف مومنوں کی مائیں ہیں، مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں۔

1۔ اور دوگنی ہے الخ اس لیے کہ ان کی فضیلت و برتری کی وجہ سے دوسری عورتوں کی بہ نسبت ان پر حد (سزا) بھی دوگنی ہوگی جیسے آزاد کی حد غلام کی حد سے دوگنی ہوتی ہے۔ اسے شارح قدس سرہٗ نے'' تقریر بیان'' میں ذکر فرمایا ہے،'' علامہ'' ناشری قدس سرہٗ نے فرمایا: (بنابریں) مجھے لازم ہے کہ تمہیں اس بات سے آگاہ کروں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواج بے حیائی سے (مکمل) محفوظ ہوتی ہیں۔ اور یہ امر نبی کریم ﷺ پر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کے بعد واضح ہوا۔

ازواج مطہرات کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں نہیں ہیں

اور ازواج مطہرات کی بیٹیاں(1) مومنوں کی بہنیں نہیں ہیں، اور ایسے ہی ان کے والدین مسلمانوں کے نانی یا نانا نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے بہن بھائی مومنوں کے خالہ و ماموں ہیں۔

(م) كَهُوَ فِي الْاُبُوَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ۔

"جیسے نبی کریم ﷺ مردوں اور عورتوں کے باپ ہیں"

(ش) یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ مسلمان مرد وزن کے والد ہیں (اس طرح مذکورہ اشخاص اس حکم میں نہیں ہیں۔

رہا یہ (سوال) کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (احزاب:40)

"محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں"۔

(اس آیت کی رو سے نبی کریم ﷺ تو کسی کے والد نہیں ہیں) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کا حقیقی و صُلبی بیٹا نہیں ہے۔

(م) وَتَحْرِيْمُ سُوَالِهِنَّ اِلَّا مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔

"اور (انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ) آپ کی ازواجِ مطہرات سے بلا پردہ کوئی شی مانگنا یا کوئی بات پوچھنا حرام ہے"۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (احزاب:53)

"اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو"۔

ازواجِ مطہرات کے علاوہ دوسری عورتوں سے رُوبرو پوچھنا جائز ہے۔ امام نووی قدس سرہٗ نے شرح مسلم شریف میں قاضی عیاض قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: امہات المومنین پر بلا خلاف چہرہ اور ہتھیلیوں کا پردہ بھی فرض ہے۔ حتیٰ کہ گواہی وغیرہ میں بھی ان کا کھولنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے مشخص وجود کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ اگر چہ وہ مستور در ثیاب ہوں۔ مگر ان مواقع پر جو

(شیخ زلمی قدس سرہٗ) 1۔ اوران کی بیٹیاں الخ اس کی دو وجوہ ہیں، ایک یہ کہ اگر وہ (فی الحقیقت) مومنوں کی بہنوں کے حکم میں رہتیں تو ان سے کسی کا نکاح جائز نہ ہو سکتا تھا۔

اور دوسری وجہ یہ کہ نام محرمات قیاسیہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کا طریقہ توقیفی ہوتا ہے، اور وہ ان کے بارے میں وارد نہیں ہے۔

ضروریاتِ یہ سے ہیں۔انہیں باہر (باپردہ ہوکر) نکلنا جائز ہے۔

(م) ''فائدہ''

(ش) (امام محی السنۃ) بغوی قدس سرہٗ نے (حضرت علامہ) خطابی قدس سرہٗ سے، انہوں نے حضرت الامام سفیان بن عُیینہ ''رضی اللہ عنہ'' سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات اس طرح ہیں، جیسے عدت گزارنے والی ہوتی ہے، اور یہ (اصول تو واضح ہے کہ عدت گزارنے والی کے لیے رہائش کا ہونا ضروری ہے۔لہٰذا ازواجِ مطہرات کو بھی رہائش کے لیے مکان دیے گئے۔اس لیے جب تک یہ صاحبات بقیدِ حیات ہیں تو ان میں ہی رہیں گی (البتہ) ان کی مالکہ نہ ہوں گی۔

ازواج مطہرات میں سے افضل کون ہے؟

(م) اور ازواج مطہرات میں سے سب سے برتر ''حضرت سیدتنا'' ''خدیجہ'' ''سلام اللہ علیہا'' ہیں۔

(ش) (اس کی دو دلیلیں ہیں، ایک جیسا کہ) امام نسائی قدس سرہٗ نے باسنادِ صحیح روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلَدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''۔(ص ۲۷۲)

''جنتی عورتوں میں سے سب سے افضل ''حضرت سیدتنا'' خدیجہ دختر خویلد رضی اللہ عنہا ہیں اور ''حضرت سیدتنا'' فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ ہیں''۔

(اور دوسری یہ کہ) صحیح روایت سے ثابت ہے کہ:

إِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَائِشَةَ حِيْنَ قَالَتْ لَهُ قَدْ رَزَقَكِ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهَا،لَا وَاللّٰهِ مَا رَزَقَنِيْ خَيْرًا مِّنْهَا آمَنَتْ بِيْ حِيْنَ كَذَّبَنِي النَّاسُ ،وَاَعْطَتْنِيْ مَالَهَا ،حِيْنَ حَرَمَنِيَ النَّاسُ۔(ص ۲۷۲)

''جب ''ام المومنین سیدتنا'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے (بطورِ غبطہ) عرض کیا تھا، (کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی یاد فرماتے رہتے ہیں حالانکہ) اب اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے تو موصوفہ سے جواباً نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا: نہ جی! یہ درست نہیں، مجھے (اب تک) ''خدیجہ رضی اللہ عنہا'' سے بہتر کوئی بیوی نہیں ملی (اس لیے کہ) اس نے میری اس وقت

تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور جب لوگوں نے مجھے بے سہارا کرنا چاہا اس وقت اس نے اپنے مال سے میری امداد کی"۔

۳۔وَسُئِلَ ابْنُ دَاوُدَ اَیُّهُمَا اَفْضَلُ،فَقَالَ عَائِشَةُ اَقْرَأَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جِبْرِیْلَ وَخَدِیْجَةُ اَقْرَأَهَا جِبْرِیْلُ مِنْ رَّبِّهَا السَّلَامَ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ فَهِیَ اَفْضَلُ۔(ص ۲۷۲)

"اور امام ابن داؤد قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے افضل کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل امین کی طرف سے سلام پہنچایا جبکہ "حضرت سیدتنا" خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بوساطت نبی کریم ﷺ جبریل امین نے رب کی طرف سے سلام پہنچایا، لہٰذا یہی افضل ہیں"۔

(یعنی ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے سلام پہنچایا، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جبریل امین نے سلام پہنچایا، اس لیے من وجہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل، اور من وجہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔)

(نیز) امام ابن داؤد قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ (اب یہ بتایئے کہ) "حضرت" خدیجہ (1) رضی اللہ عنہا اور "حضرت" فاطمہ "سلام اللہ علیہا" میں سے افضل کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ وَلَا اَعْدِلُ بِبُضْعَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدًا۔(ص ۲۷۲)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ "رضی اللہ عنہا" میرا ٹکڑا ہے۔ (اس لیے) میں (تو اب) نبی کریم ﷺ کے ٹکڑا کے برابر کسی اور کو درجہ نہیں دے سکتا"۔

(م) "ثم عائشة" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد، پھر عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔حضرت خدیجہ الخ

قَالَ الْاِمَامُ مَالِکٌ لَا اُفَضِّلُ عَلٰی بُضْعَةٍ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ اَحَدًا،وَفِی الصَّحِیْحَیْنِ اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ خَیْرَ نِسَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔(ص ۲۷۲)

"اور امام الائمہ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نبی کریم ﷺ کے ٹکڑے پر کسی کو فوقیت نہیں دے سکتا، نیز "بخاری و مسلم" کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: فاطمہ! کیا تم اس پہ خوش نہیں ہو کہ تم اس امت کی تمام عورتوں سے برتر ہو"۔

(ش) (اس کی وجہ یہ ہے کہ) حدیث شریف میں وارد ہے (کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:)

فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَآئِرِ الطَّعَامِ۔ (ص ۲۷۲)

"سب عورتوں پر عائشہ "رضی اللہ عنہا" کی برتری یوں ہے جیسے ثرید(1) کی سب کھانوں پر۔"

(نیز) حدیث شریف میں مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) "حضرت" عمرو بن عاص "رضی اللہ عنہ" نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ:

اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ، قَالَ عَائِشَةُ۔ (رواهما البخاری)

"لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (مجھے سب سے زیادہ عزیز و محبوب) عائشہ "رضی اللہ عنہا" ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو حضرت امام بخاری قدس سرہٗ نے روایت فرمایا ہے۔ (لہٰذا) نبی کریم ﷺ کے مذکورہ ارشادِ گرامی کے بموجب یہ دونوں صاحبات ہی ان فضائل سے مخصوص ہیں۔

اور "مصنف" قدس سرہٗ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ "حضرت سیدتنا" خدیجہ سلام اللہ علیہا اور "حضرت سیّدتنا" عائشہ (سلام اللہ علیہا وعلٰی بعلہا وابیہا) میں سے ہر ایک "حضرت سیدتنا" فاطمہ (سلام اللہ علیہا وعلٰی ابیہا وبعلہا) سے افضل ہیں۔

لیکن مصنف قدس سرہٗ کی یہ رائے، ابھی ابھی شرح میں جو بات گزری ہے اس کے مخالف ہے۔ (یعنی سیّدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں)۔

امام سبکی قدس سرہٗ کا مختار مذہب

(نیز امام تقی الدین) سبکی قدس سرہٗ سے اس بارے میں استفسار(2) کیا گیا کہ ان تینوں میں سے افضل کون ہے؟ تو امام سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا مختار اور ہمارا عقیدہ تو یہی ہے کہ "حضرت سیدتنا"

1۔ جیسے ثرید کی الخ (حدیث شریف میں) ثرید سے اس کا عین مراد نہیں ہے بلکہ صرف وہ (منفعت اندوز) کھانا مراد ہے جو گوشت اور ثرید دونوں کا ماحصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ "نہایہ" میں ہے:

اَلثَّرِیْدُ غَالِبًا لَایَكُوْنُ اِلَّا مِنْ لَحْمٍ۔

"اغلب یہ ہے کہ ثرید گوشت ہی کا ہوتا ہے"۔

2۔ (شیخ رملی قدس سرہٗ) امام سبکی قدس سرہٗ سے استفسار الخ (شارح قدس سرہٗ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ) امام سبکی قدس سرہٗ نے بھی اس مذکورہ قول (یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سب سے افضل ہیں) کے صحیح و درست ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی افضل ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ "حضرت سیدتنا" خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر ان کے بعد حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ اور امام سبکی قدس سرہٗ نے (اپنے اس دعویٰ پر ایک تو) مذکورۃ الصدر حدیث سے استدلال فرمایا ہے اور (دوسرا) نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے جبکہ آپ نے اپنے وصال شریف کے قریب حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دوسری مرتبہ آہستگی سے فرمایا تھا:

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا مَرْيَمَ۔ (ص ۲۷۳)

"کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو مریم رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب جنتی عورتوں کی سردار ہے۔"

رہا یہ (سوال) کہ "طبرانی" کی حدیث میں وارد ہے کہ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا):

خَيْرُ نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ ثُمَّ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، ثُمَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ثُمَّ آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ (ص ۲۷۳)

"سب جہان کی عورتوں سے برتر حضرت عمران علیہ السلام کی دختر حضرت مریم رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا ہیں، پھر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر برتری صرف انکی والدہ ہونے کے لحاظ سے ہے، بزرگی وسیادت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

کیا حضرت مریم علیہا السلام نبی ہیں؟

پھر امام سبکی قدس سرہٗ کا مختار مذہب(1) یہ ہے کہ حضرت مریم(2) رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہی طبرانی کی روایت کردہ حدیث ہے۔

1۔ امام سبکی قدس سرہٗ کا مختار الخ اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں۔

2۔ امام نووی قدس سرہٗ کے فرمودات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا وغیرہ صرف اپنے وقت کی عورتوں سے افضل تھیں، رہا یہ کہ آپ کی نبوت میں اختلاف ہے لہٰذا اس موہوم اشارہ سے آپ افضل ہوگئیں، تو یہ امام سبکی قدس سرہٗ کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور نیز طبرانی شریف کی مذکورہ حدیث سے بھی علی الاطلاق ان کی افضلیت معلوم نہیں ہو رہی۔ ہمارے اس دعویٰ کی مؤید نسائی شریف کی وہ حدیث ہے جو ابھی ابھی شرح میں گزر چکی۔ نیز امام نسائی قدس سرہٗ کی روایت کے مقابلہ میں امام طبرانی قدس سرہٗ کی روایت کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ (مترجم غفرلہٗ)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت میں (بھی) اختلاف ہے۔

نیز یہ بھی کہا گیا (1) ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں۔

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو افضلیت کی ترجیح دینا، یہ صرف مصنف قدس سرہٗ کی آراء سے ہے۔

(م) ''وَهُوَ'' اور وہ۔

(ش) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(م) ''خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ''، خاتم النبیین ہیں۔

(ش) آپ کے اس وصف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:40)

''ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آپ کی خاتمیتِ نبوت کا معارض نہیں

جیسا کہ (صحیح) حدیث سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو ان کا یہ نزول آپ کے اس وصف کا معارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ:

لِأَنَّهُ لَا يَأْتِيْ بِشَرِيْعَةٍ نَاسِخَةٍ بَلْ مُقَرِّرُهُ لِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَامِلًا بِهَا۔ (ص ۲۷۳)

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نئی ناسخ شریعت لے کر نزول نہیں فرمائیں گے، بلکہ نبی کریم ﷺ ہی کی شریعت کے (مبلغ و) مؤید ہوں گے، اور آپ کا عمل مبارک بھی اسی شریعت کے ماتحت ہوگا''۔

(یعنی آپ اپنی سابقہ شریعت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے)

(م) (آپ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ):

وَسَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔ ''آپ جمیع اولادِ آدم کے سردار ہیں''۔

(ش) اس حدیث کے راوی، امام بخاری قدس سرہٗ اور امام مسلم قدس سرہٗ ہیں۔

محاکمۂ رملی قدس سرہٗ 1۔ یہ بھی کہا گیا ہے الخ محققین نے فرمایا ہر وہ مسئلہ کہ جس میں کوئی یقینی حکم معلوم ہو رہا ہو تو اس میں تخمیناً حکم لگا دینا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ مظنون پر حکم جائز ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ سلام اللہ علیہن میں تفاضل بالظن جائز ہے۔

اور (یہ بھی معلوم رہے کہ) نوعِ انسان ساری کائنات سے افضل ہے۔ (اور سارے انسانوں سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری کائنات سے افضل ہیں۔

رہا یہ (سوال) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو فرماتے ہیں کہ:

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ۔

''انبیاء کرام میں سے کسی کو کسی پر فضیلت مت دو۔''

نیز آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ:

لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی يُوْنُسَ۔

''مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فوقیت مت دو''۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے ارشادات (اس کے متقاضی ہیں کہ آپ کو افضلیتِ کلیہ حاصل نہیں، اس قسم کے ارشادات) کے چار جواب ہیں:

ا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ تعلیم یہ دینا چاہتے ہیں کہ میری افضلیت کا اندازِ بیان اس طرح مت ہو کہ اس میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ اس لیے کہ تنقیصِ انبیاء علیہم السلام کفر ہے۔

۲۔ یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے نفسِ نبوت میں تفضیل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ نبوت و رسالت کے وصف میں سب انبیاء علیہم السلام مساوی ہیں۔ ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ذاتوں میں جو خصائص پائے جاتے ہیں، ان میں (ضرور) فرق ہے (اور ایسی فوقیت دینے سے آپ نے منع بھی نہیں فرمایا) اور اللہ جل مجدہٗ کے فرمان سے بھی ظاہر ہے جیسا کہ فرمایا:

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

''کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا، اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔ (بقرہ:253)

۳۔ یا آپ نے ازراہِ تواضع (1) اور ادب ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ یا یہ ارشادِ گرامی آپ کا اس وقت کا ہے جبکہ آپ کو اپنی افضلیتِ تامہ کا ابھی تک علم نہ ہوا تھا اور جب آپ کو اپنے افضل الخلق ہونے کا پتہ چل گیا تو پھر فرما دیا:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔

1۔ ازراہِ تواضع الخ تا کہ (قائلین افضلیت کے درمیان) نزاع واقع نہ ہو۔ (شیخ زکی قدس سرہٗ)

''میں جمیع اولادِ آدم کا سردار ہوں''۔

(یعنی بعد والا ارشادِ گرامی ناسخ اور پہلا منسوخ ہے۔ اور یہ تو واضح ہے ہی کہ قابلِ عمل ناسخ ہی ہوا کرتا ہے)

(یہ بھی معلوم رہے کہ) تابع اصل کی طرح ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مذکورہ ارشادِ گرامی کے علاوہ ''سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ'' کی تعبیر و بیان میں آپ کے اور ارشادات بھی موجود ہیں، جن کا مطلب یہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ، سرورِ آدم ''علیہ السلام''، آدمیاں، اور سیّدِ کائنات ہیں۔

(م) وَاَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ۔

''اور (انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ) آپ ہی پہلی وہ ذات گرامی ہیں جن کے لئے زمین کھلے گی''۔

(ش) قیامت کے دن۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت فرمایا ہے۔ رہی وہ حدیث شریف کہ جس میں سید عالم ﷺ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔ (میں دیکھوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اچانک عرش کے پائے تھامے ہوئے ہوں گے، اب مجھے معلوم نہیں کہ آپ بھی بے ہوش ہونے والوں میں سے تھے، اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے، یا اللہ جل شانہٗ نے ان کو بے ہوش ہونے والوں سے مستثنیٰ فرما دیا تھا، تو ان دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ ہوسکتا ہے(1) یہ ارشاد آپ نے اس وقت فرمایا ہو جبکہ آپ کو ابھی تک اپنے سب سے پہلے محشور ہونے کا علم(2) نہیں تھا۔

(م) ''وَ'' اور

(ش) سب سے پہلے

(م) مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔

1۔ ہوسکتا ہے الخ حدیث میں یہ احتمال

2۔ (عدمِ علم کا) نہیں ہے کیونکہ اس میں قیامت میں ہونے والے واقعہ کی خبر ہے۔ (شیخ رملی قدس سرہٗ) 3۔ سب سے پہلے باب جنت الخ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں اپنی امت کے متعلق کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ آیا آپ کی امت بھی تمام امم سے پہلے جنت میں داخل ہوگی، (یا نہیں) امام ابن صلاح قدس سرہٗ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں پوچھا گیا کہ ہر ایک نبی اپنی اپنی امت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

2۔ محشی قدس سرہٗ کی یہ رائے قابلِ اعتناء نہیں، اس لیے کہ سید عالم ﷺ کو وصال سے قبل ہر قسم کے علوم سے بہرہ ور فرما دیا گیا تھا۔ شارح قدس سرہٗ نے دونوں حدیثوں میں جو وجہ تطبیق بیان فرمائی ہے وہی معتمد و اصح ہے۔ ''ہذا''۔ (مترجم)

"جو جنت(1) کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔(وہ آپ ہی ہیں)

(م) "وَ" اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔

"اور سب سے پہلے سفارش کرنے والا، اور سب سے پہلے سفارش قبول کیا ہوا"۔

(ش) یعنی سب سے پہلے جس ذاتِ گرامی کی شفاعت مقبول ہوگی، (اس خصوصیت کی حامل بھی آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہے) اسے امام مسلم قدس سرہٗ نے روایت فرمایا ہے۔

امت مسلمہ کے خصائص

(م) وَاُمَّتُهٗ خَيْرُ الْاُمَمِ۔

"اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ کی امت تمام امتوں سے برتر ہے۔"

(ش) جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ۔

"تم بہتر ہو ان سب امتوں میں۔"

اور قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی اپنی امتوں پر تبلیغِ رسالت کی گواہ بھی یہی امت ہو گی، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (بقرہ:143)

"اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل"۔

(م) معصومة لا تجتمع علٰی ضلالة۔

"کسی بھی برائی پر متفق ہونے سے محفوظ ہے"۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا یا اولاً سب انبیاء کرام علیہم السلام داخل ہوں گے، اور پھر ان کی امتیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر یہی ہے کہ اولاً سب انبیاء کرام علیہم السلام ہی داخل ہوں گے، اور انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے ہمارے نبی کریم ﷺ داخل ہوں گے۔ اور اسی طرح آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے داخل ہوگی۔ (اس پر یہ حدیث دال ہے)

قُلْتُ اَخْرَجَ الدَّارُ قُطْنِيُّ فِي الْاَفْرَادِ عَنْ عُمَرَ مَرْفُوْعًا حُرِّمَتْ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى اَدْخُلَهَا وَحُرِّمَتْ عَلَى الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا اُمَّتِيْ۔ (ص ۲۷۳)

"میں (شہاب الدین رملی قدس سرہٗ) کہتا ہوں، امام دارقطنی قدس سرہٗ نے (اپنی) "افراد" میں سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے داخل ہونے سے پہلے جنت سب انبیاء علیہم السلام پر حرام ہے، اور (اسی طرح) میری امت کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے تمام امتوں پر حرام ہے"۔

(ش)(یہی وجہ ہے کہ)اس امت کا اجماع(اتفاق)حُجت(شرعیہ)ہوتا ہے۔اس پر یہ حدیثِ گرامی شاہد ہے،جیسا کہ بخاری و مسلم قدس سرّ ہمانے روایت فرمایا:

لَا تَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ لَامَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ۔رواہ الشیخان(ص ۲۷۴)

''میری امت کی ایک جماعت(اہل سنت و جماعت)ہمیشہ اللہ کے حکم پر(مضبوطی سے)قائم رہے گی۔جو بھی اس جماعت کو رسوا کرنے کے درپے ہوگا،وہ اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور نہ ہی اس کا مخالف اسے کچھ نقصان پہنچا سکے گا،حتیٰ کہ اللہ جل مجدہٗ کا حکم آجائے گا،یعنی قیامت قائم ہو جائے گی۔(مطلب یہ کہ قیامت تک کوئی بھی بدخواہ اس جماعت کا بال بیکا نہ کر سکے گا)''

(م)وَصُفُوْفُهُمْ کَصُفُوْفِ الْمَلٰٓئِکَةِ۔

''اور(اس امت کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ)ان کی(نماز میں)صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں''۔

(ش)اس حدیث کو امام مسلم قدس سرہٗ نے روایت فرمایا ہے۔

سیّد عالم ﷺ کی شریعت ناسخ ہے

(م)وَشَرِیْعَتُهٗ مُؤَیَّدَةٌ وَنَاسِخَةٌ لِغَیْرِهَا۔

''اور(انہی خصائص سے یہ ہے کہ)آپ کی شریعت تائید شدہ اور دوسری شریعتوں کی ناسخ ہے''۔

(ش)(باقی)تمام شریعتوں کی،جیسا کہ گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ آخری نبی ہیں،اور آپ ﷺ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل نہ کرنے پر مامور ہیں۔

قرآنِ عزیز ایک دائمی معجزہ

(م)وَمُعْجِزَتُهٗ بَاقِیَةٌ وَهِیَ الْقُرْاٰنُ۔

''اور(انہی خصائص سے یہ ہے کہ)آپ کا معجزہ ہمیشہ باقی ہے اور وہ قرآن کریم ہے۔''

(ش)اصل کتاب یعنی روضہ(امام نووی قدس سرہٗ)کی عبارت یہ ہے:

وَکِتَابُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُعْجِزٌ مَحْفُوْظٌ عَنِ التَّحْرِیْفِ

وَالتَّبْدِيْلِ وَأُقِيْمَ بَعْدَهُ حُجَّةٌ عَلَى النَّاسِ وَمُعْجِزَاتُ سَآئِرِ الْاَنْبِيَاءِ اِنْقَرَضَتْ۔ (ص ۲۷۴)

''اور نبی کریم ﷺ کی کتاب بھی معجزہ ہے، اور تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے، اور آپ کے وصال شریف کے بعد بھی اسی طرح حجت (قاہرہ) ہے جبکہ اور سب انبیاء علیہم السلام کے سب معجزے ختم ہو گئے۔''

مصنف قدس سرہٗ کا گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے اعراض کرنا، اور صرف مذکورہ قول پر اکتفاء کرنا نبی کریم ﷺ کے قرآنی معجزہ کی بقاء کے حصر کا مفید ہے۔

رہا یہ (سوال) کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات باقیہ میں سے قرآنِ عزیز معجزۂ کبریٰ ہے یا صغریٰ؟ اگر کبریٰ مراد ہو تو یہ مسلم ہے، اور اگر صغریٰ مراد ہو تو پھر یہ ممنوع ہے۔ اس لیے کہ آپ کے باقی رہنے والے معجزاتِ صغریٰ اور بھی کئی ہیں۔ (مثلاً) نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد، کہ آپ نے فرمایا:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

''قیامت اس وقت آئے گی، جب تیس کے لگ بھگ جھوٹے، فریبی دعوائے نبوت کرنے والے آجائیں گے''۔

(نیز) آپ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت آنے سے پہلے علم اٹھ جائے گا''۔

اور نیز یہ کہ:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا۔

''قیامت برپا ہونے سے پہلے سورج (ایک مرتبہ) مغرب سے طلوع ہوگا''۔

اور (نیز) فرمایا:

''میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔''

وَمِنْهَا مَا يَظْهَرُ مِنْ كَرَامَاتِ اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَاءً عَلٰى أَنَّ كَرَامَاتِ اَوْلِيَاءِ اُمَّةِ كُلِّ نَبِيٍّ مُعْجِزَاتٌ لَهٗ ''وَهُوَ الْحَقُّ'' (۲۷۴)

''اور (نیز) انہی معجزات باقیہ سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے اولیاء سے کرامات کا ظاہر ہونا، کیونکہ ہر نبی کی امت کے اولیاء کی کرامات (بھی) اس نبی کے

معجزے ہی ہوتے ہیں'' اورحق بھی یہی ہے''۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ'' مصنف'' قدس سرہٗ نے اس سے وہ معجزہ مراد لیا ہے، جو ظاہر ہوا اور ہمیشہ باقی رہے گا، اور مذکورہ اشیاء میں سے ابھی تک (مکمل) نہیں ہوئیں، بلکہ آئندہ زمانہ میں ظاہر ہوں گی۔

(قاعدہ) جس شے کو نبی کریم ﷺ ملاحظہ فرمائیں، اور پھر اس کا انکار ورد بھی نہ فرمائیں۔تو آپ کا یہ سکوت اس دیکھی ہوئی شے کے جواز پر دلیل ہوتا ہے جبکہ آپ کے علاوہ اور کسی کا اس طرح کا سکوت قابلِ حجت نہیں ہے۔

(م)وَنُصِرَ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لَهُ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَتُرَابُهَا طَهُوْرٌ وَاُحِلَّتْ لَهُ الْغَنَائِمُ۔(ص ۲۷۴)

'' اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ کی ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ سے مدد فرمائی گئی ہے اور تمام روئے زمین آپ کی وجہ سے سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے (کہ ہر جگہ نماز ادا کرنا جائز ہے) اور اس کی مٹی ذریعۂ طہارت بنادی گئی ہے، اور یہ کہ آپ کے ذریعے غنیمتوں کو حلال فرمایا گیا ہے''۔

(ش) اسے امام بخاری قدس سرہٗ اور امام مسلم قدس سرہٗ نے روایت فرمایا ہے۔

مگر'' تُرَابُهَا طَهُوْرٌ'' کی روایت صرف امام مسلم قدس سرہٗ نے فرمائی ہے۔

(تبصرۂ شارح قدس سرہٗ) پہلی خصوصیت کے علاوہ باقی ماندہ خصوصیات میں سیّد عالم ﷺ کے مختص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی بھی ان اوصاف میں آپ کا شریک نہیں، ورنہ پھر اس نبی علیہ السلام کی امت کی بھی ان اوصاف میں مشارکت ہوتی، (جبکہ کسی اور امت کا ان اوصاف سے متصف ہونا ثابت نہیں ہے۔'' م'')

نبی کریم ﷺ کا دنیوی مال میں کوئی وارث نہیں

(م)وَلَمْ يُوْرِثْ وَتَرْكَتُهٗ صَدَقَةٌ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ۔

'' اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ نے اپنا وارث کسی کو بھی نہیں بنایا، اور آپ کا پسِ انداز مسلمانوں پر صدقہ ہے''(1)۔

1۔(شیخ زکی قدس سرہٗ) اور آپ کا پس انداز الخ

نبی کریم ﷺ کے ترکہ کا مصرف کیا ہے؟

امام جلال بلقینی قدس سرہٗ نے فرمایا: درست یہی ہے کہ (آپ کے ترکہ کو انہی مصارف پر خرچ کیا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میراث انبیاء کا وارث نہ ہونے کی وجہ

(ش) آپ کا ترکہ کسی وارث کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، (اس کی وجہ یہ ہے) جیسا کہ "بخاری و مسلم" میں ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جائے گا جن پر خود نبی کریم ﷺ خرچ فرماتے تھے مثلاً) اس ترکہ سے باتفاق صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کی ازواج مطہرات پر خرچ کیا جائے گا (یعنی صحابہ علیہم الرضوان کا اس پر اجماع ہے کہ آپ کے ترکہ کا اولین مصرف آپ کے اہل بیت ہی ہیں۔)

کیا آپ بھی کسی کے وارث تھے؟

علامہ ابن النحوی قدس سرہٗ نے "کتاب الخصائص" میں ذکر فرمایا کہ: کیا نبی اکرم ﷺ بھی کسی کے وارث ہوئے؟ (یا نہیں) میں نے (یعنی شیخ رملی قدس سرہٗ) تو اس بارے میں کوئی نقل نہیں دیکھی۔ البتہ ابن نحوی قدس سرہٗ ہی نے "مشکل الحدیث" کے آخر میں فرمایا کہ:

وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوْرِثُ، إِنَّهُ لَا يَرِثُ بَعْدَ أَنْ أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا كَانَتْ وِرَاثَةُ أَبَوَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُوْحٰى إِلَيْهِ إِنْتَهٰى۔ (ص ۲۷۴)

"نبی کریم ﷺ کے کسی وارث کے نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ بھی بعد از نزولِ وحی کسی کے وارث نہیں بنے، رہا یہ کہ سیّد عالم ﷺ تو اپنے والدین کریمین "رضی اللہ عنہما" کے وارث بنے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ نزولِ وحی سے قبل تھا۔ (انتھی)" (کلام ابن نحوی قدس سرہٗ)

وَفِيْ شَرْحِ الْمَصَابِيْحِ، فِيْ بَابِ الْفَرَائِضِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ مَوْلٰى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَلَدًا وَلَا حَمِيْمًا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَعْطُوْا مِيْرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهٖ۔ (ص ۲۷۴)

"(دلیل ثانی) جیسا کہ "مصابیح" کی "شرح" کے "باب الفرائض" میں حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام فوت ہوا، اور اس کا کوئی قرابت دار، اولاد و احباب میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کا ترکہ اس کے گاؤں والوں میں سے کسی شخص کو دے دو"۔

شارح "مصابیح" نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے اس کے گاؤں کے کسی شخص کو دینے کا حکم دیا تو تصدق و ترفع کے طور پر فرمایا تھا، یا اس کے غلام کا ترکہ اب "بیت المال" کا مال تھا۔ جس کا مصرف و تصدق مصالح مسلمین ہی ہوتا ہے۔

باب وارثت کے بارے میں صحیح قول

(البتہ) امام قلعی قدس سرہٗ نے "کتاب الایضاح" میں ایک بات کہی ہے، وہ یہ ہے کہ:

إِنَّ الْاَنْبِيَاءَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ يَرِثُوْنَ وَلَا يُوْرَثُوْنَ۔ (ص ۲۷۵)

"حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خود تو وارث ہوتے ہیں مگر اپنا وارث کسی کو نہیں بناتے۔"

"شارح مصابیح" قدس سرہٗ نے امام قلعی قدس سرہٗ کا مذکورہ قول نقل فرما کر اس قول کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَآءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔(ص ۲۷۴)

''ہماری انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو بھی چھوڑ دیں، وہ صدقہ ہے''۔

اس اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ دوسری اُمم میں سے کوئی بھی فرد اس خصوصیت میں سید عالم ﷺ کا شریک نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد ہوتا، جیسا کہ حدیث میں اس تصریح موجود ہے۔ تو اس اختصاص میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی ضرور شریک ہوتے۔

اور اللہ جل مجدہٗ کے ان ارشادات کا مطلب کہ:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ (مریم:6)

''تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال، جو میرا کام اٹھالے، وہ میرا جانشین ہو''۔

اور:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (نمل:16)

''اور سلیمان داؤد (علیہما السلام) کا جانشین ہوا''۔

(ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں) تو اس اِرث سے وارثت نبوت اور علم و دین مراد ہے (نہ کہ وراثتِ دنیوی)۔

اقسامِ شفاعت

(م) وَإِكْرَامٌ بِالشَّفَاعَاتِ الْخَمْسِ۔

''اور پانچ مرتبہ شفاعتوں کے ساتھ مکرم ہونا''۔

(ش) (یعنی) قیامت کے دن (سیّد عالم ﷺ کا پانچ شفاعتوں کے اِذن سے سرفراز ہونا بھی آپ کے خصائص سے ہے)

(۱) اَلْأُوْلٰى اَلْعُظْمٰى فِي الْفَصْلِ بَيْنَ أَهْلِ الْمَوْقِفِ حِيْنَ يَفْزَعُوْنَ إِلَيْهِ بَعْدَ الْأَنْبِيَآءِ۔(ص ۲۷۵)

''پہلی شفاعت، شفاعتِ عظمٰی ہے، جو بوقتِ فیصلہ محشر والوں کے درمیان سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوگی۔ جبکہ سبھی اہل موقف سب انبیاء کرام علیہم السلام سے مایوس ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے''۔

(۲) اَلثَّانِيَةُ فِي إِدْخَالِ خَلْقٍ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔(ص ۲۷۵)

''دوسری شفاعت مخلوق کو بلا حساب جنت میں داخل کروانے کیلئے آپ کو عطا ہوگی''۔

(۳) اَلثَّالِثَةُ فِي نَاسٍ اِسْتَحَقُّوْا دُخُوْلَ النَّارِ فَلَا يَدْخُلُوْنَهَا۔ (ص ۲۷۵)

''سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری(1) شفاعت ان لوگوں کے حق میں ہوگی، جو جہنم کے مستحق ہوں گے، مگر (آپ کی سفارش سے) دوزخ میں نہ جائیں گے''۔

(۴) اَلرَّابِعَةُ فِي نَاسٍ دَخَلُوْا النَّارَ فَيُخْرَجُوْنَ۔ (ص ۲۷۵)

''چوتھی سفارش ان دوزخیوں کیلئے ہوگی جو آپ کی سفارش کی وجہ سے دوزخ سے نکالے جائیں گے''۔

(۵) اَلْخَامِسَةُ فِي رَفْعِ دَرَجَاتِ نَاسٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (ص ۲۷۵)

''پانچویں شفاعت جنتیوں کے درجات بلند کروانے کے لیے ہوگی''۔

وَكُلُّهَا ثَبَتَتْ فِي الْاِخْبَارِ، شفاعت کی یہ جملہ قسمیں (معتبر و معتمد) احادیث سے ثابت ہیں۔

(م) وَخَصَّ بِالْعُظْمٰى، وَدُخُوْلِ خَلْقٍ مِّنْ اُمَّتِهِ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

''شفاعتِ عظمٰی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے، اور اپنی امت کے افراد کو بلا حساب جنت میں داخل کروانا (بھی آپ کے خصائص سے ہے)''۔

(ش) شفاعت کی ان پانچ قسموں، پہلی شفاعتِ عظمٰی اور دوسری قسم آپ کے خصائص سے ہے۔ امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں ذکر فرمایا کہ شفاعت کی پانچویں اور تیسری قسم کے ساتھ آپ کا مخصوص ہونا بھی جائز ہے۔

(۶) شیخ الاسلام قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا، اسے جہنم سے نکلوانے کے لیے سفارش فرمانا بھی آپ کی خصوصیات سے ہے۔

(۷) شیخ الاسلام امام سراج ابن الملقن قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ(2) میں فوت ہونے والے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفارش فرمانا (بھی آپ کے خصائص سے ہے)

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔ تیسری شفاعت الخ حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ اور آپ کے علاوہ دوسرے آئمہ نے فرمایا کہ اس شفاعت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل مجدہٗ کی رضا کے مطابق جسے چاہیں گے شریک فرمالیں گے۔

2۔ (شیخ رملی قدس سرہٗ) مدینہ منورہ میں الخ

وَاَنْ يَشْفَعَ فِي التَّخْفِيْفِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، لِخَبَرِ الْقَبْرَيْنِ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا۔

''اگرچہ عذابِ قبر میں تخفیف کی سفارش فرمائیں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم، اور ان کے علاوہ دوسری کتبِ احادیث میں دو قبروں کی حدیث (مشہور) ہے''۔

اس حدیث کو امام ترمذی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت پر بھی فیصلہ فرمایا ہے۔

(۸) نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ بعض ایسے افراد کا عذاب ہلکا(1) کروانے کی سفارش فرمائیں گے، جن کا دوزخی ہونا ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ جیسے ابوطالب (کے عذاب میں تخفیف کی سفارش فرمانا) ان دونوں قسم کی شفاعت پر حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ نے تنبیہ فرمائی ہے۔

(۹) حضرت امام قزوینی قدس سرہٗ نے ''عروۃ الوثقی'' میں ذکر فرمایا کہ سید عالم ﷺ مسلمانوں کی ایک نیک جماعت کے حق میں سفارش فرمائیں گے، جس کی وجہ سے ان کی عبادات میں کوتاہیاں درگزر کردی جائیں گی۔ ''عروۃ الوثقی''

(۱۰) نیز بعض ائمہ نے یہ ذکر بھی فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ مشرکوں کے نابالغ بچوں کی بھی سفارش فرمائیں گے، جس کی بناء پر وہ جنت کے مستحق ٹھہریں گے۔

(م) وَأُرْسِلَ إِلَى الْكَافَّةِ۔ اور سید عالم ﷺ، تمام کی طرف مبعوث ہیں۔

(ش) اور (انہی خصائص سے یہ ہے) جیسا کہ امام بخاری و امام مسلم قدس سرہما نے روایت فرمایا کہ سیّد عالم ﷺ تمام انسانوں اور تمام جنوں(2) کی طرف مبعوث ہیں، جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی رسالت خصوصی ہے، رہا یہ سوال کہ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کی عمومیت بھی بعد از طوفان ثابت ہے۔ (جواب) تو ان کی رسالت صرف ان لوگوں کے لیے تھی جو صرف کشتی میں آپ کے ہمراہ بچ گئے تھے(3)۔

1۔ عذاب ہلکا الخ سرورِ کون و مکاں ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی منانے، اور اسی خوشی میں ثوبیہ کو خوشی سنانے کے عوض، آزاد کرنے پر ہر پیر کے دن (شقی ازلی) ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا ہونا، امام دحیہ قدس سرہٗ اسے شفاعت کے اسی قبیل سے شمار کرتے ہیں۔

(شیخ زکی قدس سرہٗ) 2۔ تمام انسانوں اور جنوں الخ (سید عالم ﷺ کے وصف عامہء رسالت میں) فرشتے داخل نہیں ہیں۔ (مگر) امام ابن حزم قدس سرہٗ اس (نظریہ) کے مخالف ہیں۔ اور اپنے اس نظریہ پر اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد سے استدلال فرماتے ہیں:

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ ''جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو''۔

اور ''ماسوی اللہ'' کے علاوہ ہر ''موجود'' کو عالم کہتے ہیں (اور ''موجود'' میں فرشتے بھی آتے ہیں لہٰذا آپ رسول الثقلین ہونے کے علاوہ رسول الملائکۃ بھی ہیں۔ (مترجم)

1۔ مذکورہ اشکال کا اس سے بھی آسان جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی عمومیت بطور بعثت نہ تھی، بلکہ ایک اتفاقی حادثہ کی وجہ سے آپ کی رسالت میں عمومیت پیدا ہوگئی تھی۔ (مترجم غفرلہٗ)

(م)وَهُوَ اَكْثَرُ الْاَنْبِيَآءِ اِتِّبَاعًا وَكَانَ لَايَنَامُ قَلْبُهٗ۔

''اور (انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ) آپ کے پیروکار سب انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر ہیں، اور نیز یہ کہ آپ کا قلبِ اطہر بیدار رہتا تھا''۔

(ش) جیسا کہ ''بخاری و مسلم'' کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَیْنَیَّ تَنَامَانِ، وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ (ص ۲۷۵)

''میری آنکھیں تو سوتی ہیں، مگر دل بیدار رہتا ہے''۔

اور اسی طرح ''بخاری شریف'' کی ''حدیثِ اسریٰ'' میں حضرت ''انس'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

وَکَذٰلِکَ الْاَنْبِیَآءُ تَنَامُ اَعْیُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ۔ (ص ۲۷۵)

''یونہی سب انبیاء عظام علیہم السلام کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں، مگر ان کے دل بیدار رہتے ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وصف میں سب انبیاء کرام علیہم السلام برابر کے شریک ہیں۔

سوال

مصنف قدس سرہٗ نے ''مجموع'' کے ''بابُ الْاَحْدَاث'' میں فرمایا ہے کہ اس حدیث میں آپ کا مذکورہ وصف (ایک دوسری) ''حدیثِ صحیح'' کے مخالف ہے۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ (خیبر سے واپسی کے موقعہ پر) ایک وادی (تیما) میں آرام فرما ہو گئے تھے اور اسی اثناء میں آفتاب طلوع ہو گیا، اگر آپ کا قلبِ اطہر بیدار تھا، تو پھر آپ نے طلوعِ آفتاب کو کیوں نہ جان لیا۔ اور آپ کی نمازِ فجر کیوں رہ گئی تھی۔ (اربابِ سیر و احادیث اسے واقعہ ''لیلۃ التعریس'' کہتے ہیں۔)

بحالتِ نیند طلوعِ آفتاب کا پتہ کیوں نہ ہوا؟

جواب

اس کا جواب دو طرح سے ہے، ایک مشہور وجہ یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کا قلبِ انور بدستور بیدار تھا، (اور طلوعِ فجر کا نہ جاننا اس وجہ سے تھا کہ) طلوع (وغروب) آفتاب کا جاننا آنکھ کا کام ہے، (اور جب آنکھ بند ہو تو طلوع و غروب کا علم نہیں ہو سکتا) سیّد عالم ﷺ کی چشمانِ مقدس جب نیند میں تھیں، تو نہ جانا گیا۔

اور دوسری وجہ جسے شیخ ابو حامد قدس سرہٗ نے ہمارے بعض ائمہ سے ذکر کیا، یہ ہے کہ نبی کریم

ﷺ کی نیند دو قسم کی تھی۔

ا۔ جس میں قلبِ اطہر اور چشمانِ مقدس دونوں سوتی تھیں۔

۲۔ جس میں میں قلبِ اقدس بیدار رہتا تھا اور صرف آنکھ سوتی تھی، اور (لیلۃ التعریس یعنی) وادی (تیما) کی نیند (1) پہلی قسم سے تھی۔

(م) وَيَرٰی مِنْ خَلْفِهٖ۔ ''اور نبی اکرم ﷺ اپنی پشت مبارک سے دیکھتے تھے''۔

(ش) اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ جس طرح اپنے آگے سے دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پسِ پشت بھی دیکھا کرتے تھے۔

جیسا کہ ''بخاری و مسلم'' میں (اس کی تصریح موجود ہے)۔ ان کے علاوہ اس باب میں جو احادیث مروی ہیں تو وہ صرف نماز کی حالت سے مقید ہیں اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''میں تو دیوار کے پیچھے نہیں جانتا۔'' یہ اسی طرح کہا گیا ہے(2)۔

اگر قائل کی مراد یہ ہے کہ یہ حدیث پہلی حدیث کے مفہوم کو مقید کرتی ہے، تو پھر یہ واضح ہے ورنہ یہ محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ اس میں یہ مذکور نہیں کہ نبی کریم ﷺ پسِ دیوار بھی دیکھتے تھے۔

مخفی نہ رہے کہ آپ کے جسمِ اقدس کو دیوار پر قیاس کرنا غلط ہے۔ (یعنی قیاس کر لینا کہ دیوار پر مثل آئینہ مقتدیوں کی صورتیں منعکس ہو جاتی تھیں۔)

ہاں یہ روایت کی گئی ہے کہ سیّد عالم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان سوئی کے ناکہ کی طرح دو آنکھیں تھیں، جن سے آپ پسِ پشت بھی دیکھ لیا کرتے تھے اور کپڑے دیکھنے سے مانع نہیں ہوتے

(شیخ زکی قدس سرہٗ) 1۔ اور وادی کی نیند الخ شارح قدس سرہٗ کا نقل کردہ قول (دو وجہ سے) باطل ہے، (ایک تو) نبی کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے کہ آپ نے فرمایا ''لاینام قلبی'' ''میرا دل نہیں سوتا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر نیند آنکھ سے ہی ہوتی تھی نہ کہ قلبِ منور سے، اور (دوسرا) اس لیے بھی کہ شارح نے ایسی وجہ سے استدلال پیش کیا ہے جو تعمیم احوال کا مقتضی ہے۔(2)۔ (جو موضوع کے خلاف ہے)

2۔ اس میں اس حدیث کی عدمِ صحت کی طرف اشارہ ہے۔

2۔ پہلی وجہ ہی صحیح و معتمد ہے۔ اس سے بھی احسن توجیہہ شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے مدارج میں فرمائی ہے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ''(۱) اس موقعہ پر دل میں وحی کا القاء اس حکمت کی بناء پر نہ کیا گیا تاکہ قضاء نماز کی (ادائیگی کی) صورتِ مشروعیت معلوم ہو جائے۔ (۲) یا کوئی ایسی وجہ تھی جس سے اللہ جل مجدہٗ ہی خوب واقف ہے۔ (۳) دل یقیناً بیدار تھا، اور نیند و خواب کا اس پر کچھ اثر نہ تھا، لیکن ممکن ہے کہ اس وقت آپ کو ایسا مشاہدہ ربانی حاصل تھا، اور اس میں اس قدر استغراق تھا کہ اس مشاہدہ کے ماسوا آپ تمام صور و معانی سے بے نیاز و غیر متوجہ تھے۔ ''انتہیٰ ملخصا'' (مترجم غفرلہٗ)

تھے(1)۔

(م)وَتَطَوُّعُهُ قَاعِدًا كَقَائِمٍ۔

''اور نبی کریم ﷺ کا بیٹھے ہوئے نفل ادا فرمانا، (اس پر ثواب) ایسے ہی ہے جیسے کھڑے ہو کر ادا فرمانا''۔

(ش) یعنی (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ اگر چہ بغیر کسی عذر کے نفل نماز بیٹھ کر ادا فرمائیں، تو اس پر ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کی مانند ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، (یعنی کتاب کے منتخب مقامات کے علاوہ) کہ سیّد عالم ﷺ کے علاوہ دوسرے کسی کا بلا عذر نفلی نماز پڑھنے پر بہ نسبت کھڑے ہو کر، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ اس کو امام ''مسلم'' قدس سرہٗ نے روایت فرمایا ہے۔

(م)وَلَا تَبْطُلُ صَلٰوةُ مَنْ خَاطَبَهُ بِالسَّلَامِ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جو شخص آپ کو بحالتِ نماز سلام کہے تو اس کی (بالاتفاق) نماز فاسد نہ ہوگی''۔

(ش) اس پر نص یہ ہے) جیسا کہ شرائطِ نماز میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ جس طرح بحالتِ نماز ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ'' کے خطاب سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

(م)وَيَحْرُمُ رَفْعُ الصَّوْتِ فَوْقَ صَوْتِهٖ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) نبی اکرم ﷺ کی آواز مبارک سے اپنی آواز اونچی کرنا حرام ہے''۔

(ش) جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (حجرات:2)

''اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے''۔

(اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو) ہمارے استاذ (مکرم) شیخ الاسلام علامہ ابن حجر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

إِنَّ نِسْوَةً كُنَّ يُكَلِّمْنَهُ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ۔ (ص۲۷۶)

''کچھ خواتین اونچی آواز سے آپ سے گفتگو کر رہی تھیں''۔

1۔ شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ دونوں باتیں عجیب وغریب ہیں۔ اگر یہ کسی صحیح روایت میں ہوں تو ہم ان پر ایمان لے آئیں گے، ورنہ محل تامل ہے۔ کیونکہ یہ دونوں روایتیں اہل سیر کے نزدیک باسناد صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔ ''مدارج النبوۃ'' (مترجم)

(اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ ان خواتین کی مذکورہ گفتگو حکم امتناعی آنے سے قبل کی بات ہے۔
''انتہیٰ'' (کلام الشیخ)

(اسی طرح کی توجیہہ کرتے ہوئے) حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ نے احتمالاً ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ممکن ہے کہ ان کی یہ گفتگو ممانعت سے پہلے کی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بحالتِ اجتماعی ان کے لیے آواز اونچی کرنا ممنوع ہوا ہو، اور بحالت انفرادی منع نہ ہوا ہو۔

(ہاں) میری (یعنی شیخ الاسلام زکریا قدس سرہٗ) رائے یہ ہے کہ ''یہ احتمال(1) ضرور باقی ہے کہ ان خواتین کو ابھی تک ممانعت کا حکم نہیں پہنچا تھا''(2)۔

امام قرطبی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ (اسی پر قیاس کرتے ہوئے) بعض آئمہ آپ کی قبر انور کے پاس بھی آواز کو اونچا کرنا ناپسند کرتے ہیں۔

(م) وَنِدَآءُ هٗ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارنا حرام ہے''۔

(ش) جیسا کہ اللہ جل اسمہٗ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (حجرات:4)

''بیشک وہ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں''۔

یعنی سیّد عالم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔

(شیخ زکی سرہٗ) 1۔ یہ احتمال الخ یہ احتمال کہ ان خواتین تک حکم امتناعی نہیں پہنچا تھا، نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بھی انہیں منع نہیں فرمایا، (اور شانِ رسالت یہی ہے کہ) آپ ممنوع پر خاموش نہیں رہ سکتے۔

2۔ (اقول) یہ امکان بھی ہوسکتا ہے کہ جب سید عالم ﷺ مالک و مختار احکام ہیں۔ تو آپ نے ان خواتین کو اس حکم میں رخصت عطا فرمادی ہو۔ (مترجم)

مطلقاً اسم گرامی سے آپ کو پکارنے کی ممانعت ہے

(م)وَبِاسْمِهٖ، اور آپ کے اسم گرامی کے ساتھ۔

(ش) اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ کو آپ کے اسم گرامی سے پکارنا حرام(1) ہے۔ جیسے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنا۔ اس کی وجہ اللہ جل اسمہٗ کا یہ حکم امتناعی ہے:

(شیخ زکی قدس سرہٗ) 1۔ اسم گرامی سے الخ

اسم گرامی سے علی الاطلاق ندا کی حرمت اب بھی باقی ہے

شَمُلَ نِدَاءُ ہٗ بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔ (ص ۲۷۶)

"(واضح رہے کہ) سید عالم ﷺ کا اسم گرامی لے کر ندا کرنے کی ممانعت کا حکم وفات شریف کے بعد بھی باقی ہے"۔

ذاتی اسم گرامی کے ساتھ اگر الفاظِ تعظیم ہوں تو پھر پکارنا جائز ہے

اَمَّا لَوْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ نِ الشَّفَاعَۃَ اَوِالْوَسِیْلَۃَ اَوْنَحْوَھَا مِمَّا یَقْتَضِیْ تَعْظِیْمَہٗ فَلَا یَحْرُمُ۔

(ص ۲۷۶)

"ہاں اگر آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ایسی صفات ہوں جو کہ آپ کی تعظیم و توقیر کے مقتضی ہیں، تو پھر جائز و حلال ہے، جیسے "یا محمد ن الشفاعة" یا "یا محمد ن الوسیلہ" یا انہی جیسی اور جو بھی صفات ہوں"۔

جیسا کہ اس ندا کی "علت" کا مقتضا بھی یہی بتا رہا ہے کیونکہ آپ کو مذکورہ طریقہ سے ندا کرنے کی تحریم کی "علت" اللہ عز اسمہٗ کا یہ ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ (نور:63)

"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے"۔

ندا بالاسم کی حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ طریقہ سے ندا کرنے میں ترکِ تعظیم ہے۔ جبکہ ہمارے بیان کردہ مسئلہ (یعنی اسم گرامی کے ساتھ اگر ایسے الفاظ ہوں جو مشعرِ توقیر ہیں تو پھر حرام نہیں) میں یہ دونوں علتیں منتفی ہیں اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ:

"ان الحکم یدور مع علته وجودا وعدما" (یعنی) حکم کے وجود و عدم کا مدار (واعتبار) اس حکم کی علت پر موقوف ہوتا ہے۔ اور مذکورۃ الصدر مسئلہ میں سید عالم ﷺ کی کثرتِ تعظیم ہے (نہ کہ ترکِ تعظیم) جیسا کہ امام نووی قدس سرہٗ نے اپنے (تالیف فرمودہ) "اذکار" کے "نمازِ حاجت" کے "باب" میں (اسی طرف اشارہ) فرمایا ہے، (جس کی وضاحت یوں ہے):

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تیرے نبی محمد ﷺ کے ذریعہ سے جو رحمت کے نبی ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ، میں آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف اس حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں۔ تا کہ میری حاجت پوری ہو، اے اللہ! آپ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ (مترجم)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (نور:63)

''رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے''۔

اور نیز یہ کہ اس میں ترکِ تعظیم اور سوءِ ادبی ہے(1)۔ بلکہ آپ کو آپ کے کسی وصف سے پکارا جائے گا۔ جیسے ''یَا نَبِیَّ اللّٰہِ'' صلی اللہ علیہ وسلم'' (وغیرہ)

رہا یہ (سوال) کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ:

ایک دیہاتی آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یَامُحَمَّدُ'' صلی اللہ علیہ وسلم''! آپ کا قاصد ہمیں آ کر کہنے لگا کہ آپ کا خیال ہے کہ آپ کو اللہ عزاسمہٗ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ''الحدیث''۔

تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) شاید اس دیہاتی کا آپ کو ذاتی نام سے پکارنا ممانعت آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔ سوءِ ادبی الخ ہمارے استاذ (گرامی) نے فرمایا: جس مسئلہ کا (شرح وحاشیہ میں) ابھی ابھی ذکر ہوا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کنیت سے بھی نہیں پکارا جائے گا۔ رہا یہ (سوال) کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اسمِ گرامی سے پکارنا منقول ہے۔ تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس طرح پکارنے کا واقعہ یا تو اس پکارنے والے کے اسلام سے قبل کا ہے یا نزولِ آیت سے پیشتر کا۔

اور شارح قدس سرہٗ کے کلام کا یہ منشا کہ ''نِدَا بِالْکُنْیَۃِ میں کوئی حرج نہیں کہ اس میں تعظیم بھی نہیں'' ممنوع ہے۔ اس لیے کہ کنیت رکھنا بالاتفاق تعظیم ہے۔ اسی لیے اللہ جل مجدہٗ کے ارشاد:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۞ ۔ (لہب) ''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ۔

میں ''ابولہب'' جس کا نام عبدالعزّیٰ ہے، کو اس کی کنیت سے کیوں پکارا گیا؟ جبکہ وہ کنیت کا مستحق نہ تھا، کیونکہ کنیت بھی تعظیم ہے۔ اگر کنیت تعظیم نہ ہوتی تو پھر اسے کنیت سے کیوں پکارا گیا؟ اس کی حکمت کیا تھی؟

(یہی وجہ ہے کہ اپنے مقام میں) اس کا جواب دینے کی ضرورت پڑی ہے اور (ہمارا فیصلہ یہ ہے) کہ واضح تر یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کنیت سے پکارنا جائز ہے، اگرچہ آپ کو آپ کے کسی وصف سے پکارنا نہایت بزرگ تر ہے۔

رہی ''بخاری'' شریف کی وہ روایت کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کنیت سے پکارنے کی ممانعت کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ یہود (فرضی طور پر) ''یَا اَبَا الْقَاسِمِ'' کہہ کر آوازیں لگاتے رہتے تھے۔ اس آواز پر جب آپ توجہ فرماتے تو کہہ اٹھتے: جی! ہماری مراد آپ نہیں ہیں۔

یہ سبب ممانعت اس وقت ہے، جبکہ یہ مان لیا جائے کہ آپ کو کنیت سے پکارتے ہوئے اشارہ آپ ہی کی طرف ہوتا تھا، مگر سیرتِ نبوی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پر نگاہ رکھنے والے سے مخفی نہیں کہ ''آیت نور'' کا نزول اس کے بعد ہوا ہے۔ اس لیے کہ ''سورۂ نور'' ۶ھ میں ''غزوۂ مُریسیع'' کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے نزول سے بہت پہلے اللہ جل اسمہٗ نے اہلِ مدینہ کو ان کی شرارتوں سے راحت دے دی تھی۔ اور یہود کو ذلیل وخوار فرما دیا تھا۔ اور ابھی پہلے جو گزرا کہ ''اسی بناء پر آپ کو کنیت سے نہیں پکارا جائے گا''۔ اس میں اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

اس صحرائی کو ابھی تک ممانعت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی(1)۔

امام شافعی قدس سرہٗ کی رائے

''حضرت امام الائمہ'' شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا(2) کہ (اسی طرح) نبی کریم ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' پر اپنی کنیت رکھنا (بھی) حرام ہے۔

اگر آپ کے ذاتی اسمِ گرامی محمد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے سوا (کوئی اور نام رکھ لے اور آپ کی کنیت پر اپنی کنیت رکھی جائے، (تو پھر جائز ہے)

جیسا کہ ''بخاری و مسلم'' کی حدیث میں ہے:

تَسَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ۔ (ص ۲۷۷)

''تم میرے نام پر اپنا نام رکھ سکتے ہو، مگر میری کنیت پر اپنی کنیت مت رکھو''۔

اور ''حضرت امام الائمہ'' مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سیّد عالم ﷺ کی کنیت پر اپنی کنیت رکھنا مطلقاً جائز ہے''۔

(م) وَالنَّھْیُ عَنِ التَّکَنِّیْ بِکُنْیَتِہٖ مُخْتَصٌّ بِزَمَنِہٖ۔

''اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنے کی ممانعت صرف آپ کے زمانہ اقدس سے مختص ہے''۔

(ش) سیّد عالم ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنے کی ممانعت صرف آپ کے زمنِ اقدس میں مخصوص ہونے کی وجہ حدیث شریف میں یہ آئی ہے کہ یہود (بے بہبود) نے بھی سیّد عالم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے حضور انور ﷺ جیسی ہی کنیت رکھنی شروع کر دی تھی اور پھر ایسی کنیت رکھنے والے کو چیخ چیخ کر ''یَا اَبَا الْقَاسِمِ'' کہہ کر پکارتے تھے، اور جب آپ اس آواز پر توجہ فرماتے تو فوراً کہہ دیتے تھے: ''نہ جی! ہم نے آپ کو نہیں پکارا۔'' اور اب یہ سبب ختم ہو چکا ہے۔

امام نووی کی رائے

امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں فرمایا کہ یہی مذہب برحق ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا وہ مذہب روایت کیا جسے میں نے ابھی ابھی پہلے ذکر کیا ہے۔

1۔ ابھی تک ممانعت الخ یہ احتمال بھی سابقہ احتمال کی طرح مسترد ہے۔ (یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی کریم ﷺ منہی عنہ پر خاموش رہیں)

2۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا الخ اس میں شارح قدس سرہٗ نے امام کی رائے کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: (یعنی) امام شافعی قدس سرہٗ کی رائے مبارک صحیح ہے کہ آپ کی کنیت پر کنیت رکھنا بھی حرام ہے)

اور پھر امام نووی قدس سرہٗ نے حضرت امام رافعی قدس سرہٗ سے یہ ترجیح روایت فرمائی ہے کہ جس کا نام "محمد" ہو، اسے "ابوالقاسم" کنیت رکھنے کی ممانعت ہے۔

اور ساتھ ہی امام نووی قدس سرہٗ نے اس روایت کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔

اور پھر امام نووی قدس سرہٗ نے جو یہ فرمایا کہ "یہی مذہب برحق ہے" انہوں نے اس پر سبب نہی کو دلیل بنایا ہے۔ جبکہ اس دلیل کو امام بیہقی "رضی اللہ عنہ" نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر امام بیہقی قدس سرہٗ کا بھی اسے ضعیف کہنا اس (مشہور) ضابطہ کے مخالف ہے کہ:

إِنَّ الْعِبْرَةَ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ، لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ۔

"اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، نہ کہ خصوصِ سبب (یعنی مورد خاص) کا"۔

شارح قدس سرہٗ کی رائے

بلکہ (میرے نزدیک) حق وہی ہے، جسے امام رافعی قدس سرہٗ نے ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ امام السنوی قدس سرہٗ نے (بھی) فرمایا کہ یہی (مذہب) درست ہے۔ اس لیے کہ اس طرح دونوں صحیح حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

ایک پہلی حدیث، (جو بھی امام شافعی "رضی اللہ عنہ" کی روایت سے گزری۔

اور دوسری یہ حدیث، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَسَمّٰی بِإِسْمِیْ فَلَا يَكْتَنَّ بِكُنِيَّتِیْ وَمَنْ تَكَنّٰی بِكُنِيَّتِیْ فَلَا يَتَسَمَّ بِإِسْمِیْ۔ (ص ۲۷۷)

"جو شخص میرے نام پر نام رکھے تو اسے چاہیے کہ میری کنیت سے اپنی کنیت نہ رکھے۔ اور جو میری کنیت سے اپنی کنیت رکھے تو پھر اسے چاہیے کہ میرے نام پر اپنا نام نہ رکھے"۔

اس حدیث کو امام ابنِ حبان قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کا بھی فیصلہ دیا ہے۔

اور اس حدیث کی سند کی امام بیہقی "رضی اللہ عنہ" نے تصحیح کی ہے۔

(م) وَتَجِبُ إِجَابَتُهٗ فِی الصَّلٰوةِ۔

"اور سیّد عالم ﷺ کے بلانے پر، نماز کی حالت میں بھی حاضر ہونا واجب (1) ہے"۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔ حاضر ہونا واجب الخ

نماز کی حالت میں دوسرے انبیاء کے بلاوے پر حاضری فرض نہیں

أَمَّا سَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ فَلَا تَجِبُ إِجَابَتُهُمْ۔ (ص ۲۷۸)

"رہا یہ کہ بحالتِ نماز دیگر انبیاء علیہم السلام کے بلاوے پر بھی حاضر ہونا فرض ہے یا نہیں، تو (اصح یہی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(ش) اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جس کسی کو سید عالم ﷺ بلائیں، اور وہ شخص اگرچہ نماز میں ہی کیوں نہ مشغول ہو، تو اس پر حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا فرض ہے۔ جیسا کہ ''بخاری شریف'' کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول تھے کہ اسی دوران سرورِ عالم ﷺ نے انہیں آواز دی، مگر یہ نماز میں مشغولیت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، (اور بعد از فراغت جب حاضر ہوئے) تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: تمہیں میرے بلانے کے باوجود حاضر نہ ہونے پر کس (باعث) نے روکا تھا جبکہ تم نے اللہ جل اسمہٗ کا یہ ارشاد بھی سنا ہوا ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (انفال:24)

''اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں''۔

نمازی کی سیّد عالم ﷺ کے بلانے پر حاضری سے نماز باطل نہ ہوگی

(واضح رہے کہ) سیّد عالم ﷺ کا کلام شریف اپنے اصل کی طرح اجابت بالفعل (یعنی علی الفور حاضری دینا) کو بھی شامل ہے اگرچہ آپ کا تکلم بکثرت ہی کیوں نہ ہو۔ بنا بریں (فوراً) حاضر ہونا فرض ہے(2)۔ اور اس صورت میں نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا(3)۔

امام اسنوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہی واضح ہے۔

(م) وَكَانَ يَتَبَرَّكُ وَيُسْتَشْفٰى بِبَوْلِهٖ وَدَمِهٖ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ کا پیشاب و خون متبرک و شفاء ہیں''۔

(ش) امام دار قطنی قدس سرہٗ نے روایت فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت ام ایمن ''رضي الله عنها'' نے آپ کے پیشاب مبارک کو نوش جاں کر لیا تو آپ نے فرمایا:

اِذًا لَاتَلِجُ النَّارُ بَطْنَكِ۔ (ص ۲۷۸)

''اب تیرے پیٹ میں (دوزخ) کی آگ داخل نہ ہو سکے گی''۔

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہے کہ) دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اس طرح کے بلاوے پر حاضر ہونا فرض نہیں ہے''۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 2۔ حاضر ہونا فرض الخ اس کی صحت کی طرف اشارہ ہے۔ (یعنی صحیح یہ ہے کہ فی الفور حاضری دینا فرض ہے اور حاضر ہونے سے نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

3۔ یعنی اتنی دیر ایسا آدمی نماز میں ہی رہے گا، اس لیے کہ ان کی بارگاہ سے بلاوا آیا ہے، اور ان سے محوِ گفتگو ہے، جنہوں نے نماز دی ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

اور (اسی طرح) امام ابنِ حبان قدس سرہٗ نے (اپنی) ''ضعفاء'' میں روایت فرمایا کہ ایک ''غلام'' نے سیّد عالم ﷺ کو سینگی لگانے کی خدمت سرانجام دی۔ اور فراغت کے بعد آپ کے خون مبارک کو پی لیا۔ پھر سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''ارے! خون کا کیا کیا؟'' تو اس پر غلام نے عرض کی:

''وہ تو میں نے اپنے پیٹ میں چھپا دیا ہے''۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

إِذْهَبْ فَقَدْ اَحْرَزْتَ نَفْسَکَ مِنَ النَّارِ۔ (ص ۲۷۸)

''چل جا! تو نے اپنی جان کو (عذابِ) دوزخ سے بچا لیا''۔

ہمارے استاذِ (محترم) قدس سرہٗ نے فرمایا جن کا ابھی پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ (یعنی شیخ الاسلام امام ابن حجر قدس سرہٗ):

وَکَانَ السِّرُ فِي ذٰلِکَ مَا صَنَعَهُ الْمَلِکَانِ مِنْ غَسْلِهِمَا جَوْفَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۲۷۸)

''کہ اس میں (یعنی بول و خون کے متبرک ہونے میں) راز وہی ہے جو دو فرشتوں نے آپ کے شکمِ اقدس کو دھونے سے کیا تھا۔''

(م) وَمَنْ زَنَا بِحَضْرَتِهٖ أَوِ اسْتَخَفَّ بِهٖ كَفَرَ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جس نے آپ کے سامنے زنا کیا، یا آپ کو حقیر جانا تو وہ کافر ہوا''۔

(ش) امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں فرمایا کہ زنا کا قول محلِ نظر ہے۔

(م) وَأَوْلَادُ بَنَاتِهٖ يُنْسَبُوْنَ إِلَيْهِ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب (1) ہے''۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔ آپ کی صاحبزادیوں کی الخ

بزرگی و شرافت صرف اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہ عنہا ہی کو حاصل ہے

امام ابنِ ظہیرہ قدس سرہٗ سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے علاوہ سیّد عالم ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کی اولادِ کرام کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا آپ کی دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کو بھی بزرگی و شرافت حاصل ہے؟ اور کیا دوسری صاحبزادیوں کی اولادِ امجاد اور اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام احکام (مخصوصہ) میں مساوی ہیں یا نہیں؟ تو امام موصوف نے جواب فرمایا کہ شرافت و کرامت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(ش) کفو وغیرہ میں جبکہ آپ کے علاوہ اور کسی کی بیٹیوں کی اولاد اس کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ:

کی اولادِ امجاد کو ہی حاصل ہے۔ جبکہ آپ کی دوسری دُخترانِ کرام کی اولاد کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت سیّدتنا فاطمہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ آپ کی دوسری صاحبزادیوں میں سے کسی کا بھی سلسلۂ نسل باقی نہیں رہا ہے۔

سرورِ عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سیّدہ کی مذکر اولاد کتنی تھی؟

وَالشَّرَفُ مُخْتَصٌّ بِأَوْلَادِ الذُّكُوْرِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَمُحْسِنٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ)فَأَمَّا مُحْسِنٌ،فَمَاتَ صَغِيْرًا فِيْ حَيَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَقَبُ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ،وَإِنَّمَا اِخْتَصَّا بِالشَّرَفِ هُمَا،وَذُرِّيَّتِهِمَا لِأُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ۔(ص ۲۷۸)

''اور (حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے بھی) شرافت فقط آپ کی مذکر اولاد کو حاصل ہے۔ جو کہ حضرت امیر المومنین سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام المسلمین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا محسن رضی اللہ عنہ پر مشتمل ہے۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہ تو حضور انور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی بچپنے میں وصال فرما گئے تھے، اور اولاد صرف حضرات امامین ہمامین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ہی کی باقی ہے۔''

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بزرگی کیوں حاصل ہے؟

حضرات امامین حسنین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولادِ اطہار کو خصوصی شرف و بزرگی کئی وجہ سے حاصل ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

مِنْهَا كَوْنُ أُمِّهِمَا أَفْضَلَ بَنَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَكَوْنُهَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِ وَسَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا بُضْعَةٌ مِنِّيْ يُرِيْبُنِيْ مَا رَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا آذَاهَا وَكَوْنُهَا أَشْبَهَ بَنَاتِهِ بِهِ فِي الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ حَتّٰى فِي الْجَنَّةِ وَمِنْهَا إِكْرَامُهُ لَهَا حَتّٰى أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ إِلَيْهِ قَامَ لَهَا وَأَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَكُلُّ ذٰلِكَ لِسِرٍّ أَوْدَعَهُ اللّٰهُ فِيْهَا۔(ص ۲۷۸)

''(امامین رضی اللہ عنہما کی شرافت و بزرگی کی کئی وجوہ میں سے) ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان دونوں صاحبان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا (کو حسب ذیل خصوصی کمالات حاصل ہیں) (۱) سیدِ عالم ﷺ کی تمام دخترانِ عظام سے افضل ہونا۔ (۲) اور ان کا سارے جہان کی عورتوں کا سردار ہونا۔ (۳) تمام جنتی خواتین کا سردار ہونا۔ (۴) سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا فاطمہ ''سلام اللہ علیہا'' میرا ٹکڑا ہے، جس نے اسے پریشان کیا اس نے مجھے پریشان کیا، اور جس نے اسے اذیت پہنچائی اس نے مجھے رنجیدہ کیا۔ (۵) اور یہ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرورِ عالم ﷺ کی تمام صاحبزادیوں کی بہ نسبت صورت و سیرت میں سرورِ عالم ﷺ سے ملتی جلتی تھیں۔ (۶) اسی لیے جنت میں بھی (بلحاظ مراتب) حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سرورِ عالم ﷺ کے مشابہ ہوں گی۔ (۷) اور (نیز) سیدہ موصوفہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات سے یہ بھی ہے کہ سیدِ عالم ﷺ آپ کا بہت اکرام فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے جب کبھی آپ سیدِ عالم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتیں، تو آپ ان کے لیے (اکراماً) کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اور انہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ۔
وَقَوْلُهٗ حُسَيْنٌ بَالَ عَلَيْهِ وَهُوَ صَغِيْرٌ لَا تَزْرِمُوْا ابْنِيْ هٰذَا۔

''سید عالم ﷺ نے امیر المومنین سیّد حسن بن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا: میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ اوراسی طرح بچپنے میں جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے سید عالم ﷺ پر پیشاب کردیا تھاتو آپ نے ارشادفرمایا تھا اسے پیشاب کرنے سے مت روکو، یہ تو میرا بیٹا ہے''۔

قیامت میں آپ کا سبب ونسب دونوں کام آئیں گے

امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں فرمایا کہ حضورسید عالم ﷺ نے ارشادفرمایا:

كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ۔(۲۷۸)

''قیامت کے روز میرے تعلق اور میرے رشتہ کے سواہر ایک تعلق اور رشتہ ختم ہوجائے گا''۔

مذکورہ ارشاد کی تشریح

سید عالم ﷺ کے اس ارشادگرامی کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کی امت آپ کی طرف منسوب ہوگی۔ جبکہ دوسرے انبیاءکرام علیہم السلام کی امتیں ان کی طرف منسوب نہ ہوں گی۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی نسبت کام دے گی۔ اور کسی کا نسب بھی کام نہ دے گا۔

(م) وَتُحَلُّ لَهُ الْهَدِيَّةُ، اورآپ کے لیے ہدیہ قبول کرنا حلال ہے۔

(ش) اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ کے لیے علی الاطلاق ہدیہ قبول کرنا حلال ہے، جبکہ دوسرے حکام وامراء کے لیے (رشوت کی) بدگمانی کے پیشِ نظر ہدیہ لینا جائز نہیں۔ اور یہ خدشہ

اپنی مسند شریف پر بٹھایا کرتے تھے۔ (واضح رہے کہ) یہ تمام تر کمالات وخصوصیات صرف اس (خصوصی) راز کی بناء پر تھے جو اللہ جل وعلاء نے آپ کو ودیعت فرمایا تھا''۔

وَمِنْهَا كَوْنُهُمَا شَارِ كَاالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَسَبِهٖ، فَإِنَّهُمَا هَاشِمِيَّانِ وَمَحَبَّتُهٗ لَهُمَا، وَكَوْنُهُمَا سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ جَنَّةٍ۔(ص۲۷۹)

''(۲) اور انہی وجوہ میں سے) ان دونوں صاحبان کے خصوصی شرف وبزرگی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں حضرات سید عالم ﷺ کے ہم نسب ہیں کیونکہ یہ بھی (حضور اکرم ﷺ کی طرح) ہاشمی ہیں۔ (۳) اور دونوں صاحبان رضی اللہ عنہما سے سید عالم ﷺ کا (غایت درجہ) محبت فرمانا۔ (۴) اور ان دونوں حضرات کا جنتی نوجوانوں کا سردار ہونا''۔

آپ میں منتفی ہے۔

(م)وَاُعْطِیَ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، اور آپ کو جامع کلمات دیے گئے(1)۔

(ش)اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ کو جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں (مثلاً) قرآن کریم، اور آخر سورۂ بقرہ کی وہ چار آیتیں جو عرش کے خزانوں میں سے ہیں، اور جو آپ کے علاوہ نہ تو آپ سے پہلے کسی کو ملیں اور بعد میں، (یہ اسی قبیل سے ہیں)

(م)وَیُؤْخَذُ عَنْ نَفْسِہٖ عِنْدَ الْوَحْیِ وَلَا یَسْقُطُ عَنْہُ التَّکْلِیْفُ۔

''اور (نزولِ) وحی کے وقت آپ کی ذات گرامی پر احکام لاگو رہتے تھے اور نہ ہی امور تکلیفیہ بوجہ وحی ساقط ہوتے تھے''۔

(ش) (اصل کتاب) ''روضہ'' (نووی) کی عبارت اس طرح ہے:

''وَیُؤْخَذُ عَنِ الدُّنْیَا'' (یعنی آپ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ تلقیِ وحی کے وقت نہ تو دنیا سے بے تعلق ہوتے تھے، اور نہ احکام تکلیفیہ آپ سے ساقط ہوتے تھے۔ جیسے امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں فرمایا کہ (ایک دن اسی کیفیت کے طریان کی وجہ سے) نبی کریم ﷺ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں، تو آپ نے ان کو عصر کے بعد قضا فرمایا۔ پھر ہمیشہ انہیں عصر کے بعد ادا فرماتے رہے۔ صحیح ترین مذہب یہی ہے کہ عصر کے بعد دو رکعت پر مواظبت یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

(م)وَلَا یَجُوْزُ الْجُنُوْنُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِخِلَافِ الْاِغْمَاءِ۔

''اور انبیاء علیہم السلام پر دیوانگی جائز نہیں بخلاف بے ہوشی کے''۔

(ش)اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ پر جنون، دیوانگی، (اور نیز طویل بے ہوشی) کی نسبت جائز نہیں۔ اسی طرح سب انبیاء علیہم السلام پر بھی یہ جائز نہیں، بخلاف بے ہوشی کے کہ یہ ان پر آسکتی ہے۔ امام اسنوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بے ہوشی کی نسبت میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ صرف ایک یا دو لمحہ تک ہو۔ یہ امام قاضی (2) (عیاض) قدس سرہٗ نے امام دارکی قدس سرہٗ سے روایت کیا ہے۔

(م)''وَلَا الْاِحْتِلَامُ''

''اور نہ ہی احتلام''۔

(ش) (اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ پر اور (اسی طرح) دوسرے انبیاء علیہم السلام پر

1۔ وہ کلمات جو غایت اختصار میں ہوں، اور معانی کثیرہ کے حامل ہوں۔ (مترجم)

2۔ اسے قاضی الخ اور یہ ہی ظاہر ہے۔ اگرچہ ابن عماد قدس سرہٗ نے اسے بھی باطل قرار دیا ہے۔ (شیخ رملی قدس سرہٗ)

احتلام کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

(م) وَرُؤْيَتُهُ فِي النَّوْمِ حَقٌّ۔

''اور آپ کو خواب میں دیکھنا حق ہے''۔

(ش) (اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جس نے سیّد عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا بلا شبہ اس نے حق اور آپ ہی کو دیکھا۔)

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ۔ (ص۲۷۹)

''اس کی وجہ بروایت ''بخاری و مسلم'' یہ ہے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ آپ کی شکل و شباہت اپنا سکے''۔

(م) وَلَا يُعْمَلُ بِهَا فِيْمَا يَتَعَلَّقُ بِالْأَحْكَامِ لِعَدَمِ ضَبْطِ النَّائِمِ۔

'' (اگرچہ حضور انور ﷺ کا خواب میں دیکھنا حق و سچ ہے مگر) جو کچھ خواب میں از قبیل احکام سنے گا اس پر عمل نہ ہوگا، اس لیے کہ نیند کی حالت میں (صحیح) ضبط نہیں ہوتا''۔

(ش) عدم عمل اس بناء پر نہیں کہ رویت میں کوئی شک ہے۔ (بلکہ اس لیے کہ بحالتِ خواب کامل ضبط و حفظ ناپید ہے)

انبیاء علیہم السلام کے جسم محفوظ رہتے ہیں

(م) وَلَا تَأْكُلُ الْأَرْضُ لِحَرَمِ الْأَنْبِيَآءِ۔

''اور زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی''۔

(ش) جیسا کہ اس باب میں صحیح حدیث منقول ہے۔

(یعنی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ زمین آپ کے جسم اطہر کو نہیں کھا سکتی۔ اور یہ خصوصیت سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے) (مترجم)

(م) وَالْكِذْبُ عَلَيْهِ عَمَدًا كَبِيْرَةٌ۔

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جان بوجھ کر آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا کبیرہ گناہ ہے''۔

(ش) جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔ چنانچہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ كِذْبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكِذْبٍ عَلٰى اَحَدٍ۔ (ص۲۷۹)

''مجھ پر جھوٹ باندھنا، کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کے برابر نہیں ہے''۔
امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' میں فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ سید عالم ﷺ پر جھوٹ باندھنا (اشد) کبیرہ گناہ تو ہے۔ مگر ایسا کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔
(واضح رہے کہ) سیّد عالم ﷺ کے خصائص صرف یہی نہیں جو ذکر کیے گئے۔ (بلکہ) یہ ان میں سے چند ہیں، جن میں سے کچھ (تو مصنف قدس سرہٗ نے اور کچھ) میں نے ذکر کیے ہیں۔ اور ان میں سے چند (مشہور) یہ ہیں:
☆ چنانچہ انہی خصائص سے یہ ہے کہ (بسا اوقات) خالص پاکیزہ(1) پانی آپ کی انگلیوں سے چشمہ کی طرح پھوٹ پڑا۔

(شیخ رملی قدس سرہٗ) 1۔ خالص پاکیزہ پانی الخ سرور عالم ﷺ کے خصائص میں سے کچھ یہ ہیں:
☆ ہر وہ مقام جہاں سیّد عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور آپ کے تعیین قبلہ کی جگہ بھی معلوم ہے تو وہی جگہ قبلہ کے لیے مخصوص و معین ہوگی۔ دائیں بائیں اجتہاد و تحری نہیں کی جائے گی۔ یہ خصوصیت دوسرے محرابوں کو حاصل نہیں۔
☆ اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ نماز کے آخری تشہد (التحیات) میں (یعنی بعد از تشہد) آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے(2)۔
☆ امام اسفرائینی قدس سرہٗ نے ''دخائر'' میں ''تعلیقا'' فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اسماء کا علم دیا گیا تھا، اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک تمام مخلوقات آپ پر پیش کی گئیں۔
☆ (اور انہی خصائص سے یہ ہے جسے) حضرت امام بخاری قدس سرہٗ نے اپنی ''تاریخ کبیر'' میں مرسلاً اور ''کتاب الادب'' میں تعلیقاً ذکر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی جماہی نہیں آئی اور (اسی طرح) حضرت امام مسلمہ بن عبد الملک قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کسی بھی نبی ''علیہ السلام'' کو کبھی بھی جماہی نہیں آئی۔
اور یہ وصف علامات نبوت سے ہے۔

سرور عالم ﷺ کے براز کو زمین نگل لیتی تھی

☆ اور انہی خصائص سے یہ ہے جو حضرت الامام الحافظ عبد الغنی قدس سرہٗ سے نبی کریم ﷺ کے براز مبارک کے متعلق استفسار کیا گیا کہ آیا آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیا کرتی تھی؟ (یا نہیں؟)
تو حافظ عبد الغنی قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ ''غریب'' طریقہ سے تو یہی مروی ہے (کہ زمین نگل لیتی تھی)

شیخ رملی قدس سرہٗ کی رائے

☆ وَالظَّاهِرُ يُؤَيِّدُهُ فَإِنَّهُ لَمْ يُذْكَرْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ رَآهُ وَلَا ذَكَرَهُ۔ (ص ۲۷۹)
''بظاہر تائید اسی کی ہوتی ہے (کہ آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیتی تھی) کیوں کہ کسی بھی صحابی سے یہ مروی نہیں کہ اس نے آپ کے براز کو دیکھا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے اس کے دیکھنے کو ذکر کیا ہے''۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

2۔ احناف کے نزدیک آخری تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ ہاں بقدر تشہد قعود فرض ہے۔ (مترجم)

۲۔ اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ جو امام ابن القاص قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے لیے کسی کو امان دینے کے بعد (کسی بھی مصلحت کے تحت) پھر اس مستامن کا قتل کرنا'' جائز تھا''۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) رہا آپ کا بول مبارک، تو اسے کئی لوگوں نے دیکھا ہے، حتی کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہ نے اسے نوش بھی کیا ہے۔

۳۔ حضرت الامام اصطخری قدس سرہٗ نے'' ادب القضاء'' میں ذکر فرمایا کہ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ جس کسی کے حق میں آپ کوئی فیصلہ فرمادیں پھر ایسا آدمی اگر آپ کے فیصلہ سے ذرہ بھر کبیدہ خاطر ہوا تو کافر ہو جائے گا۔ جبکہ یہ خصوصیت آپ کے علاوہ دوسرے حکام وقضاۃ میں مفقود ہے۔

۴۔ اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ (بعد از وصال شریف) آپ پر باجماعت(1) نماز نہیں پڑھی گئی۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی گئی۔

تمام مردوں کی فراغت کے بعد آپ پر خواتین نے نماز ادا کی۔ پھر ان کے بعد بچوں نے آپ پر نماز ادا کی۔

علیحدہ علیحدہ آپ پر نماز پڑھنے کی وجہ

سیّد عالم ﷺ پر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے کی وجہ امر توقیفی تھا، جیسا کہ:

وَرُوِیَ اَنَّہٗ اَوْصٰی بِالصَّلٰوۃِ فُرَادٰی۔ (ص ۲۸۰)

'' امام طبرانی قدس سرہٗ نے'' مسندا'' اور امام ترمذی قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے علیحدہ علیحدہ ہی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی ہوئی تھی۔''

کیا انبیاء علیہم السلام کی شکل وشباہت ابلیس بنا سکتا ہے؟

اس بارہ میں ائمہ کی آراء

امام قضاعی قدس سرہٗ کی رائے

☆ امام قضاعی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا کہ یہ خصوصیت صرف سیّد عالم ﷺ کی ہے۔ شیطان آپ کی شکل وشباہت نہیں اپنا سکتا۔ جبکہ یہ وصف دوسرے انبیاء علیہم السلام میں نہیں ہے۔

امام ابن نحوی قدس سرہٗ کی رائے

☆ امام نحوی قدس سرہٗ نے بھی آپ کے خصائص میں ایسے ہی فرمایا ہے (کہ ابلیس آپ کی شکل بنانے میں پر قادر نہیں ہے)

امام ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ کی رائے

☆ امام ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ نے فرمایا، کیا یہ صرف سیّد عالم ﷺ کی ہی خصوصیت ہے کہ شیطان آپ کی صورت میں نہیں آ سکتا۔ یا تمام رسولوں اور نبیوں علیہم السلام کی شکل وصورت میں بھی نہیں آ سکتا؟

(اس بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں قائم کی جاسکتی، اس لیے کہ) حدیث شریف میں نہ ہی تو یقینی خصوصیت پر، اور نہ ہی یقینی عمومیت پر کوئی واضح اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس قسم کے امور عقل وقیاس سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ البتہ (اتنا کہا جاسکتا ہے کہ) اللہ جل اسمہٗ کے ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے برتر منصب ومقام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

1۔ (نوٹ) سید عالم ﷺ پر نماز جنازہ فقط صلاۃ وسلام کی صورت میں تھی، مروجہ شرعی نماز نہ تھی۔ (مترجم)

مگر اس قول میں علامہ ابن القاص قدس سرہٗ نے غلطی کھائی ہے۔

☆اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے دنیا و آخرت میں اپنی امامتِ کل واضح کرنے کے لیے شب اسریٰ میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

☆اور انہی خصائص سے یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی مقدس بغلیں سفید سفید تھیں۔(یعنی بال نہ ہونے کی وجہ سے آئینہ کی طرح شفاف تھیں) جبکہ آپ کے سوا کسی دوسرے شخص میں یہ وصف نہیں پایا جاتا۔اس لیے کہ (ایک تو) ہر ایک کی بغلوں میں (بال بھی ہوتے ہیں اور) بال سیاہ ہوتے ہیں۔

آپ سے خطا نہ ہونے کی وجہ

☆وَكَانَ لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ الْخَطَأُ اِذْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ يَّسْتَدْرِكُ خَطَاءَهٗ بِخِلَافِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ۔(ص۲۷۹)

''اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ سے وقوعِ خطاء ناممکن ہے اس لیے کہ آپ کے بعد اور کوئی (نیا) نبی تو آ نہیں سکتا، جو آپ کی خطاء کا تدارک کر سکے بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے، (کہ ان کی خطاء کا ازالہ دوسرے بعد والے انبیاء علیہم السلام کر دیا کرتے تھے)''۔

☆اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) بعد از وصال آپ کو لوگوں کا (عرض کردہ) سلام پہنچتا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) عنایت سبھی انبیاء علیہم السلام کو شامل ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ (یہ تو مسلم ہے ہی کہ) انبیاء علیہم السلام شیطان اور اس کی ذریت کے شر سے (کلیۃً) محفوظ ہوتے ہیں۔لہٰذا معلوم ہوا کہ شیطان دوسرے انبیاء علیہم السلام کی صورت وشباہت بھی نہیں اپنا سکتا۔

امام ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ نے ''اَحْكَامُ الْمَرْجَانِ فِیْ اَحْكَامِ الْجَانِّ'' میں فرمایا کہ شیطان کو یہ طاقت نہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی صورت وشباہت اپنا سکے۔

لہٰذا، اسی سے معلوم ہوا کہ اللہ جل مجدہٗ کی تمثیل اپنانا بھی شیطان کے مقدور سے باہر ہے۔اسی لیے خواب میں اللہ جل مجدہٗ کی نورانی جھلک دیکھنا حق ہے اور اس میں کسی قسم کی شیطانی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔یہ تو تھا ایک جماعت کا مذہب جن میں سے ایک حضرت امام ابوبکر ابن العربی مالکی قدس سرہٗ بھی ہیں۔اور ائمہ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ شیطان کی تمثیل وتصویر سے محفوظ رہنا صرف سید عالم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے۔اس لیے کہ آپ کی ایک صفت بشر (انسان) بھی ہے۔

اور اس صفت کے پیش نظر آپ کی صورت اختیار کرنا بھی ممکن ہے۔لیکن اللہ جل مجدہٗ نے آپ کی تمثیل اپنانے سے شیطان کو باز رکھا ہوا ہے تاکہ خواب میں آپ کا دیکھنا جھوٹ سے خلط نہ ہو جائے۔مگر اللہ جل مجدہٗ تو صورت وتمثیل سے منزہ ومبرا ہے۔اس لیے شیطان کا یہ صورت بنانے سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نہیں۔

لہٰذا رویت باری تعالیٰ میں کسی التباس کے وقوع کا امکان نہیں ہو سکتا۔

☆اور (نیز انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ قیامت کے دن دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغِ رسالت کی گواہی دیں گے۔

دھوپ یا چاندنی میں آپ کا سایہ نہ تھا

☆وَكَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَا یَظْهَرُ لَهٗ ظِلٌّ،وَیَشْهَدُ لِذَالِکَ اَنَّهٗ سَأَلَ اللّٰهَ اَنْ یَّجْعَلَ فِیْ جَمِیْعِ اَعْضَاءِہٖ وَجِهَاتِهٖ نُوْرًا وَخَتَمَ بِقَوْلِهٖ "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا۔" (ص۲۷۹،۲۸۰)

"اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ جب دھوپ یا چاندنی میں چلا کرتے تو آپ کے جسمِ اطہر کا سایہ نہ پڑتا تھا" (1)۔

☆اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) آپ سے "ایلاء و اظہار" کا وقوع نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ دونوں حرام ہیں۔ اور آپ (ہر گناہ سے) معصوم ہیں۔

اور لعان تو آپ کے حق میں (قطعاً) محال (بالذات) ہے۔

☆اور (انہی خصائص سے یہ ہے جو) امام فخر الدین رازی "رضی اللہ عنہ" نے نقل فرمایا کہ سیّد عالم ﷺ کے جسمِ اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی مچھر آپ کے خون مبارک کو چوس سکتا تھا۔

(م) وَذِكْرُ الْخَصَائِصِ مُسْتَحَبٌّ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

"اور سیّد عالم ﷺ کے خصائص کو بیان کرنا مستحب ہے"۔

(ش) امام نووی قدس سرہٗ نے "روضہ" میں نقل فرمایا کہ آپ کے خصائص کے بیان کرنے کو اگر واجب کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ تا کہ کوئی جاہل صحیح حدیث میں مروی آپ کے خصائص دیکھ کر کہیں ان پر عمل کرنا شروع نہ کردے۔

لہٰذا خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان (برائے انتباہ) واجب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

اور اسی سے ان لوگوں کی آراء بھی باطل ہو جاتی ہیں جن کے نزدیک آپ کے خصائص پر گفتگو کرنے کی ممانعت ہے، اور ایسے حضرات وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ (یعنی خصائص کا) ایک ایسا معاملہ تھا، جواب ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان میں گفتگو کرنا لا حاصل ہے۔

1۔ اس لیے کہ:
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
(اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ)

خاتم الحفاظ الامام الاجل شیخ الاسلام

الشیخ جلال الدین السیوطی

رضی اللہ عنہ

کے

فرموداتِ گرامی

فَكَانَ نَبِيًّا وَّآدَمُ مُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ۔ (ص۲۸۱)

''حتیٰ کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خمیر ہی میں تھے''۔

☆ (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) جب اللہ جل شانہٗ نے عالمِ ارواح میں سب روحوں سے (اپنی الوہیت کا) عہد و پیمان لیا، تو سب سے پہلے اللہ جل مجدہٗ کی ربوبیت کا اقرار کرنے والی آپ ہی کی روحِ منورہ تھی۔ یعنی ''الستُ بربّکم'' کے جواب میں سب سے پہلے ''بلیٰ'' (ہاں) کہنے والے آپ ہی تھے۔

☆ اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) حضرت آدم علیہ السلام اور جملہ کائنات آپ ہی کے طفیل پیدا کی گئی۔

☆ (انہی خصائص سے) عرش و آسمان، جنت اور سب ملکوت میں آپ کے اسمِ گرامی کا مکتوب ہونا۔

☆ اور (انہی خصائص سے) (ملاءِ اعلیٰ) فرشتوں میں ہر وقت آپ کے ذکرِ (خیر) کا ہوتے رہنا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' تمام فرشتوں میں، اور عہدِ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر (تا ایں دم) اذان میں آپ کے اسمِ گرامی کا لیا جانا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے (آپ کا زمانہ پانے کی صورت میں) آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا جانا۔

☆ ''انہی خصائص سے'' کتبِ سابقہ میں آپ کی آمد کی بشارت کا ہونا، نیز کتبِ سابقہ میں آپ کی، اور آپ کے تمام صحابہ، اور آپ کی امت کی توصیف و ستائش کا بیان ہونا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' شیطان آپ کی ولادت کی وجہ سے آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا۔

☆ ''انہی خصائص سے'' ایک قول کے مطابق آپ کے سینۂ اقدس کا شق ہونا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' آپ کی پشتِ اقدس پر دل کے مقابل جہاں سے شیطان گھستا ہے، مہرِ (نبوت) ثبت کی گئی۔

☆ ''انہی خصائص سے'' آپ کے لیے ایک ہزار اسماء کا ہونا، اور آپ کے اسمِ گرامی کا اسمِ الٰہی سے مشتق ہونا۔

شیخ الاسلام امام سیوطی قدس سرّہٗ المتوفی ۹۱۱ھ کے فرمودہ ارشادات سے اُن کی کتاب ''خصائصِ کُبرٰی'' ہے، جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بے شمار معجزات و دلائل، اخلاق و فضائل اور آپ کے احوالِ شریفہ سے متعلق امور ذکر فرمائے ہیں۔ اور اس کتاب کے خاتمہ میں نبی کریم ﷺ کے وہ خصائص ذکر فرمائے ہیں جن کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری و فوقیت عطا فرمائی ہے۔ اور وہ خصائص آپ سے پہلے کسی بھی نبی کو میسر نہیں ہوئے۔

''خصائص کبریٰ'' اپنے فن کی بے نظیر کتاب

اور یہ ''خصائصِ کبریٰ'' ہی وہ کتاب ہے جو اپنے فن میں ایک جامع اور نافع تالیف شمار کی گئی ہے۔ اور نہ ہی اپنے فن میں اس کی کوئی نظیر ہے اس لیے کہ میں نے (یعنی علاّمہ نبہانی قدس سرّہٗ) آج تک ایسی کوئی کتاب نہیں دیکھی کہ جس نے اس کی طرح سیّد عالم ﷺ کے خصائص کو اکٹھا کیا ہو۔ اب میں شیخ قدس سرّہٗ ہی کے الفاظ میں ان خصائص کو بیان کرتا ہوں۔

امام سیوطی قدس سرّہٗ نے فرمایا: امام ابوسعید نیشاپوری قدس سرّہٗ نے ''شرف المصطفیٰ'' میں ذکر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے وہ فضائل جن کی بناء پر آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے، کل ساٹھ باتیں ہیں۔ ''انتہٰی''

امام سیوطی قدس سرّہٗ نے فرمایا: میں کہتا ہوں، مجھے کسی ایسے شخص کی اطلاع نہیں ہوئی کہ جس نے ان کو شمار کیا ہو، (البتہ) مجھے آثار و احادیث کے تتبع سے نہ صرف مذکورہ تعداد، بلکہ اس سے بھی تین گنا زائد تعداد ملی ہے۔

پھر میں نے ان خصائص سے چار قسمیں سمجھی ہیں:

۱۔ سیّد عالم ﷺ کے خصائصِ دُنیوی،

۲۔ سیّد عالم ﷺ کے خصائصِ اُخروی،

۳۔ سیّدِ عالم ﷺ کی اُمت کے خصائصِ دُنیوی،

۴۔ سیّدِ عالم ﷺ کی اُمت کے خصائصِ اُخروی،

اب میں ان سب کو تفصیلاً متعدد ابواب میں ذکر کرتا ہوں۔

تخلیق کے لحاظ سے آپ سب سے پہلے نبی ہیں

☆ (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) سیّد عالم ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ تقریباً ستر اسمائے الٰہیہ پر آپ کے اسمائے گرامی رکھے گئے۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' دورانِ سفر فرشتوں کا آپ کو سایہ کرنا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ کہ''سب سے بڑھ کر آپ کا عقلمند ہونا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے کہ'' آپ کو حسن کے تمام لوازمات عطا فرمائے گئے۔ حتیٰ کہ حسنِ یوسفی بھی آپ ہی کے حسن کا کچھ حصہ ہے۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ ہے'' جیسا کہ امام بیہقی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا کہ ابتدائے وحی کے وقت جبریلِ امین کا آپ کو بھینچنا۔

☆ اور یہ کہ سیّد عالم ﷺ کا حضرت جبریلِ امین کو ان کی اصلی صورت میں ملاحظہ فرمانا۔

☆ ''انہی خصائص سے یہ کہ'' جیسا امام ابن سبع قدس سرّہٗ نے ذکر فرمایا، سیّد عالم ﷺ کی بعثت کے سبب کہانت کا ختم ہونا، اور شیاطین کا آسمانی باتوں کے چرانے سے روک دیا جانا ہے اور شیاطین کی ٹوٹے ہوئے ستاروں سے پٹائی کا ہونا ہے۔

سیّدِ عالم ﷺ کے والدین کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا

☆ وَاِحْيَاءُ اَبَوَيْهِ لَهٗ حَتّٰى اٰمَنَا بِهٖ۔ (ص۲۸۱)

''اور'' انہی خصائص سے'' سید عالم ﷺ کے والدین کریمین کا آپ کی وجہ سے زندہ ہونا، اور پھر ان کا آپ پر ایمان لانا''۔

☆ اور'' انہی خصائص سے'' کفار کا عذاب کم کروانے میں آپ کی سفارش کا مقبول ہونا ہے جیسا کہ ابو طالب، اور دو قبر والوں کے قصہ میں (مروی) ہے۔

☆ ''انہی خصائص سے'' لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت کے لیے وعدۂ الٰہی کا ہونا ہے۔

☆ جیسا کہ امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا، آپ کے انہی خصائص سے اسریٰ اور اس کے لواحقات ہیں، (یعنی) شب کے تھوڑے سے حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک سیر فرمانا، اور ساتوں آسمانوں کا عبور فرمانا، اور مقامِ ''قاب قوسین'' تک تشریف لے جانا، اور پھر ان مقامات تک پہنچنا، جہاں نہ تو کوئی نبی مرسل، اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ دم مار سکتا ہے۔

اور (اسی سیر کے دوران) انبیاء علیہم السلام کا آپ کی خاطر زندہ فرمایا جانا،

اور پھر آپ کا انہیں اور تمام فرشتوں کو نماز پڑھانا، اور جنت و دوزخ کا معائنہ فرمانا۔

اور اللہ جل مجدہٗ کی بڑی بڑی آیات کا دیکھنا، اور پھر انہیں یاد بھی رکھنا۔

☆ اور" انہی خصائص سے یہ کہ" آپ کا اللہ جل شانہٗ کی ذات کو (بلا حجاب) دو مرتبہ دیکھنا، اور (اس دیدار سے) آپ کی مقدس آنکھوں کا نہ تو جھپکنا، اور نہ ہی بہکنا(1)۔

☆ اور" انہی خصائص سے" فرشتوں کا آپ کے ہمراہ کافروں سے جنگ کرنا ہے۔

تقریباً یہ چالیس کے لگ بھگ سیّد عالم ﷺ کے وہ خصائص مبارکہ ہیں جن کے ثبوت پر (متعدد) احادیث گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہیں۔

اعجاز القرآن، آپ کی خصوصیت

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ کو دی گئی کتاب معجزہ ہے۔

☆ اور ہمیشہ کے لیے تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے۔

☆ اور ہر ایک شے کی جامع ہے۔

☆ اور (اپنی جامعیت میں) اپنے غیر کی محتاج نہیں۔

☆ اور سابقہ کتب کے جمیع مضامین پر مشتمل ہونے کے علاوہ ان سے زیادہ مضامین پر بھی حاوی ہے۔

☆ اور حفظ کے لیے آسان ہے۔

☆ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے نازل ہوئی۔

☆ اور سات طریقوں سے سات لغات پر نازل ہوئی۔

☆ اور ہر ایک زبان پر مشتمل ہے۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے (قرآن کریم کی مذکورہ صفات کو حسب ذیل) ان آیات میں بیان فرمایا:

۱۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

" تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں، تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے، اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو"۔

اور اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا:

۲۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (حجر)

" بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔

اور جل شانہٗ نے فرمایا:

1۔ موسیٰ زہوش رفت بیک پر توِ صفات — تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

۳۔ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌۙ۝۴۱ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حم السجدہ:42)

”باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے“۔

اور اللہ عزاسمہٗ نے فرمایا:

۴۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (نحل:89)

”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے“۔

اور اللہ جل وعلا نے فرمایا:

۵۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۝۷۶ (نمل)

”بے شک یہ قرآن ذکر فرماتا ہے، بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں“۔

اور اللہ عزبرہانہٗ نے فرمایا:

۶۔ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝۲۲ (قمر)

”اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرمادیا، تو ہے کوئی یاد کرنے والا“۔

اور اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

۷۔ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (بنی اسرائیل)

”اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو“۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

۸۔ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ

”اور کافر بولے قرآن اُن پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا“ (فرقان:32)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ (فرقان:32)

”ہم نے یونہی بتدریج اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں“۔

فضائل وخصائصِ قرآن میں مروی احادیث

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ:

(۱)قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنَ الْاَنْبِیَآءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مَا مِثْلَهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُهٗ وَحْیًا اَوْحَی اللّٰہُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا۔(ص ۲۸۲)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہر ایک نبی کو کوئی نہ کوئی ایسا اعجاز دیا گیا کہ جس کی وجہ سے لوگ ان پر ایمان لائے۔ اور مجھے جو کچھ دیا گیا، وہ وحیِ الٰہی ہے۔ اسی لیے میں امید کرتا ہوں کہ میرے پیروکاران سب سے زیادہ ہوں گے۔''

☆ امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ'' کی تفسیر میں حضرت امام حسن (بصری) ''رضی اللہ عنہ'' سے روایت کیا کہ:

(۲) قَالَ حَفِظَهُ اللّٰہُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَلَا یَزِیْدُ فِیْهِ بَاطِلًا وَّلَا یَنْقُصُ مِنْهُ حَقًّا۔(ص ۲۸۲)

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآن کریم کو شیطان (کے تصرف) سے محفوظ فرما دیا ہے کہ نہ تو وہ اس میں جھوٹ کی زیادتی کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے سچ میں کوئی کمی کر سکتا ہے''۔

حفاظت قرآن سے متعلق ایک دلچسپ حکایت

(۳)عَنْ یَحْیٰی بْنِ اَكْثَمَ قَالَ دَخَلَ یَهُوْدِیٌّ عَلَی الْمَاْمُوْنِ فَتَكَلَّمَ فَاَحْسَنَ الْكَلَامَ فَدَعَاهُ الْمَامُوْنُ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاَبٰی فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ سَنَةٍ جَآءَ نَا مُسْلِمًا،فَتَكَلَّمَ عَلَی الْفِقْهِ فَاَحْسَنَ الْكَلَامَ،فَقَالَ لَهُ الْمَاْمُوْنُ مَا كَانَ سَبَبُ اِسْلَامِكَ،قَالَ اِنْصَرَفْتُ مِنْ حَضْرَتِكَ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمْتَحِنَ هٰذِهِ الْاَدْیَانَ فَعَمِدْتُ اِلَی التَّوْرَاةِ فَكَتَبْتُ ثَلَاثَ نُسَخٍ فَزِدْتُ فِیْهَا وَنَقَصْتُ،وَاَدْخَلْتُهَا الْكَنِیْسَةَ،فَاُشْتُرِیَتْ مِنِّیْ،وَعَمَدْتُ اِلَی الْاِنْجِیْلِ،فَكَتَبْتُ ثَلَاثَ نُسَخٍ فَزِدْتُ فِیْهَا وَنَقَصْتُ وَاَدْخَلْتُهَا الْبِیْعَةَ،فَاُشْتُرِیَتْ مِنِّیْ وَعَمَدْتُ اِلَی الْقُرْاٰنِ فَعَمِلْتُ ثَلَاثَ نُسَخٍ فَزِدْتُ فِیْهَا،وَنَقَصْتُ وَاَدْخَلْتُهَا الْوَرَّاقِیْنَ فَتَصَفَّحُوْهَا فَلَمَّا اَنْ وَجَدُوْا فِیْهَا الزِّیَادَةَ وَالنُّقْصَانَ،رَمَوْا بِهَا فَلَمْ یَشْتَرُوْهَا فَعَلِمْتُ اَنَّ هٰذَا الْكِتٰبَ مَحْفُوْظٌ فَكَانَ سَبَبُ اِسْلَامِیْ۔

قَالَ يَحْيٰى ابْنُ اَكْثَمَ فَحَجَجْتُ تِلْكَ السَّنَةَ فَلَقِيْتُ سُفْيَانَ ابْنَ عُيَيْنَةَ فَذَكَرْتُ لَهُ الْحَدِيْثَ فَقَالَ لِيْ،مِصْدَاقُ هٰذَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قُلْتُ فِيْ اَيِّ مَوْضِعٍ قَالَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ "بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" فَجَعَلَ حِفْظَهٗ اِلَيْهِمْ فَضَاعَ وَقَالَ فِي الْقُرْاٰنِ اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّكْرَوَ اِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ص ۲۸۲)

حضرت امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا:

''حضرت امام یحییٰ ابن اکثم قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ یحییٰ ابن اکثم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک یہودی (خلیفہ) مامون (عباسی) کی خدمت میں آیا اور اس نے (کچھ) کلام کیا، اور اچھا کلام کیا۔ (اس پر خلیفہ) مامون نے اسے دعوتِ اسلام دی، مگر اس نے انکار کر دیا۔ جب ایک سال گزر گیا، تو وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا اور اس نے علم وفقہ پر اچھی گفتگو کی۔ (خلیفہ) مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا باعث ہے؟ بولا: میں نے آپ کے ہاں سے جا کر (مختلف) مذاہب کی جانچ پرکھ کی۔ اور اس سلسلہ میں میں نے توراۃ شریف کے تین نسخے لکھے، اور ان میں (قدرے) کمی بیشی کر دی اور پھر کنیسہ میں بھیج دیے، وہ تینوں مجھ سے بِک گئے، پھر میں نے انجیل مقدس کے تین نسخے لکھے، اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی، اور گرجا میں بھیج دیے، وہ تینوں بھی فروخت ہو گئے، پھر میں نے قرآن کریم کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور انہیں ''وراقین'' کے ہاں بھیج دیا، انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی، اور جب ان میں کمی بیشی پائی، تو ان کو پھینک دیا اور ان کو مول نہ لیا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب (تحریف وتغیر سے) محفوظ ہے۔ اور یہی میرے مسلمان ہونے کا باعث بنا۔

حضرت الامام یحییٰ بن اکثم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ میں نے اسی سال حج کیا، اور حضرت سفیان بن عیینہ ''رضی اللہ عنہ'' سے ملا۔ اور میں نے یہ واقعہ ان سے بیان کیا (اس پر تبصرۃً) شیخ الاسلام امام سفیان بن عُیینہ ''رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا کہ اس کا مصداق تو قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں نے استفسار کیا: کس مقام پر؟ فرمایا: توراۃ وانجیل کی نسبت اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (مائدہ:44) (ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی) (یعنی) توراۃ وانجیل کی حفاظت ان پر چھوڑ دی گئی

تھی۔ لہٰذا وہ کتب ضائع ہو گئیں۔ جبکہ قرآنِ عزیز کی بابت فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (حجر) (بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن، اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔) اس لیے اللہ جل مجدہٗ نے اسے (تغیر و تبدل سے) محفوظ رکھا، اور ضائع نہ ہوا۔ (یعنی قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل مجدہٗ نے خود فرمائی ہے)''۔

(۴) امام بیہقی قدس سرّہٗ نے حضرت خواجہ حسن بصری ''رضی اللہ عنہ'' سے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا کہ:

قَالَ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِائَةً وَّاَرْبَعَةَ كُتُبٍ اَوْدَعَ عُلُوْمَهَا اَرْبَعَةً مِّنْهَا التَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِيْلُ وَالزَّبُوْرُ وَالْفُرْقَانُ ثُمَّ اَوْدَعَ عُلُوْمَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ فِي الْقُرْاٰنِ۔ (ص ۲۸۲)

''حضرت خواجہ حسن بصری ''رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا: اللہ جل شانہٗ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں۔ اور ان سب کے علوم چار کتابوں توراۃ، انجیل، زبور، اور قرآن کریم میں رکھے۔ اور پھر توراۃ وانجیل اور زبور کے تمام علوم قرآن کریم میں رکھے''۔

(۵) امام سعید بن منصور قدس سرّہٗ نے حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنا چاہے، پھر اسے ضروری ہے کہ قرآن کریم سیکھے، اس لیے کہ قرآن کریم میں پہلوں اور پچھلوں (سب) کے علوم ہیں۔

(۶) علامہ ابن جریر قدس سرّہٗ اور امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے:

قَالَ اَنْزَلَ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ كُلَّ عِلْمٍ وَبَيَّنَ لَنَا فِيْهِ كُلَّ شَيْئٍ وَلٰكِنْ عِلْمُنَا يَقْصُرُ عَمَّا بُيِّنَ لَنَا فِي الْقُرْاٰنِ۔ (ص ۲۸۲)

''فرمایا: اس قرآن عزیز میں ہر ایک علم موجود ہے۔ اور اس میں ہمارے لیے ہر شے بیان کر دی گئی ہے۔ ہاں ہماری سوجھ بوجھ قرآن کریم میں بیان شدہ شے تک پہنچنے سے قاصر ہے''(1)۔

1۔ نعم ما قال الشاعر:۔

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

''ترجمہ:۔ قرآن میں تو تمامی علوم ہیں مگر لوگوں کی عقلیں ان تک پہنچنے سے کوتاہ ہیں''۔

(۷) ابوالشیخ قدس سرہٗ ''کتاب العظمت'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ (قرآن کریم میں) اگر کسی (چھوٹی سے چھوٹی) شے کا ذکر (بھی) نہ فرماتا تو چاول، رائی کے دانہ اور مچھر کے ذکر کی طرف توجہ نہ فرماتا۔

(۸) امام حاکم اور امام بیہقی قدس سرہما حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ يَنْزِلُ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ مِنْ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ: زَاجِرٌ وَآمِرٌ حَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابَهٌ وَاَمْثَالٌ (ص ۲۷۲)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا پہلی کتاب، ایک حرف پر ایک ہی طریقہ سے نازل ہوتی تھی، مگر قرآن کریم سات طریقوں سے، سات حرفوں (یعنی سات لغات) پر نازل ہوا ہے۔
اور وہ (سات) طریقے یہ ہیں: ۱۔ زجر (و توبیخ) ۲۔ امر (حکم) ۳۔ حلال ۴۔ حرام ۵۔ محکم (غیر متبدل احکام) ۶۔ متشابہ (جن کی مراد اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ ہی جانیں) ۷۔ امثال

(۹) امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ عنہما نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت جبریل امین علیہ السلام نے (اولاً) مجھے قرآن کریم (صرف) ایک حرف پر پڑھایا (مگر) میں نے اس سے زائد لغات میں پڑھنے کا مطالبہ کیا۔ میرا یہ مطالبہ مسلسل بڑھتا رہا، اور وہ بڑھاتے رہے، حتی کہ سات حروف تک پہنچے''۔

(۱۰) امام مسلم قدس سرہ نے حضرت (سید القراء) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (اولاً) اللہ جل مجدہٗ نے مجھے ایک لغت میں قرآن کریم پڑھنے کا پیغام ارسال کیا۔
میں عرض گزار ہوا کہ میری امت پر آسانی فرمائی جائے، پھر مجھے دو لغتوں میں پڑھنے کا پیام ملا۔ میں نے پھر گزارش کی کہ میری امت پر (اس سے بھی زیادہ) آسانی فرمائی جائے تو (آخر) مجھے سات لغات میں پڑھنے کا پیام آیا۔

(۱۱) (حضرت الامام ابو بکر) ابن ابی شیبہ قدس سرہ نے (اپنی) ''مصنف'' میں، اور علامہ ابن جریر

قدس سرہ نے (اپنی تفسیر میں) حضرت ابومیسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابومیسرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم ہر ایک زبان میں اترا ہے۔

(۱۲) اور اسی طرح کی حدیث امام ابن ابی شیبہ قدس سرہ نے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت فرمائی ہے۔

(۱۳) امام ابن منذر قدس سرہ نے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

قرآن کریم میں ہر ایک زبان موجود ہے۔ (اس پر) آپ سے پوچھا گیا کہ رومی زبان قرآن عزیز میں کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: فَصُرْهُنَّ۔ قرآن کریم رومی لغت ہے جس کا عربی ترجمہ "قَطِّعْهُنَّ" ہے۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے بنادو۔

تبصرۂ رازی

قال الْإِمَامُ الرَّازِیُ فَضْلُ الْقُرْاٰن عَلٰی سَائِرِ الْکُتُبِ بِثَلَاثِیْنَ خَصْلَةٍ لَمْ تَکُنْ فِیْ غَیْرِہٖ۔ (ص ۲۸۳)

"حضرت امام (فخر الدین) رازی قدس سرہ نے فرمایا تیس وجہ سے قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں پر برتری حاصل ہے جو قرآن کریم کے علاوہ کسی اور کتاب میں مفقود ہیں"۔

قرآنِ کریم ایک دائمی معجزہ

☆ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ قرآنِ کریم آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کا وہ معجزہ ہے، جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

جبکہ دوسرے انبیائے علیہم السلام کے معجزات اب باقی نہیں ہیں۔ شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے ان تمام معجزات کو شمار فرمایا ہے جو اور انبیاء کرام علیہم السلام سے وقوع میں آئے۔ اور اپنے وقت میں ختم ہو گئے۔

☆ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ کے معجزات سب انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد

(سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل معجزات کی تعداد کتنی ہے؟)

امام بیہقی قدس سرہٗ نے دو قول ذکر فرمائے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے کل معجزات کی تعداد "ایک ہزار" ہے۔

اور دوسرے قول پر آپ ﷺ کے معجزات(1) "تین ہزار" تک پہنچتے ہیں۔

☆ علامہ حلیمی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے کثیر معجزات ہونے کے باوجود ان میں ایک اشارہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزے، حضور اکرم ﷺ کے معجزوں جیسے نہیں ہیں۔ جیسے اختراع اجسام (کہ اس طرح کا معجزہ دوسروں میں نہیں ہے)

یہ خصوصیت صرف حضور انور ﷺ کے معجزات میں ہے۔ میں (یعنی امام سیوطی قدس سرہٗ) کہتا ہوں:

☆ سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات و کمالات کے جامع ہیں(2)۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی محترم میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ انہیں فقط ایک ہی نوعیت کے معجزہ کی خصوصیت حاصل ہے۔

☆ شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے فرمایا کہ پتھروں کا سلام کرنا۔ تنے کا فراق میں رونا بھی آپ کے خصائص سے ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے لیے اس طرح معجزہ ثابت نہیں ہے۔

☆ اسی طرح انگلیوں سے پانی کے پھوٹ پڑنے کو بھی شیخ عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے آپ ﷺ کے خصائص سے شمار فرمایا ہے۔ اور شیخ قدس سرہٗ کے علاوہ دوسرے آئمہ نے بھی اسی طرح اس معجزہ کو آپ ﷺ کے خصائص سے گنا ہے۔

☆ نیز شیخ عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما کے علاوہ دوسرے آئمہ نے چاند کے پھٹنے کو بھی آپ ﷺ کے خصائص سے شمار فرمایا ہے۔

آخری نبی ہونا خصوصیت ہے

☆ حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے خاتم ہیں۔ اور یہ کہ آپ ﷺ آخری نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

1۔ سید عالم ﷺ کے معجزات کی مذکورہ تعداد جو بیان کی گئی ہے اس سے مراد آپ ﷺ کے وہ معجزات ہیں جو روایات میں آ گئے، ورنہ آپ کے معجزات تو حیطۂ شمار سے باہر ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔

1۔ خوبی و شکل و شمائل، حرکات و سکنات   آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب:40)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے''۔

☆ اور نیز آپ کے خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے قائم ہے اور پہلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ جیسا کہ امام ابن سبع قدس سرہما نے ان دو آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کی شریعت سابقہ تمام شرائع کی ناسخ ہے:

(۱) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ:48)

''اور (اے محبوب ﷺ) ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری، اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور ان پر محافظ و گواہ''۔

(۲)۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (صف:9)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے''۔

☆ (نیز) آپ ﷺ کے انہیں خصائص سے یہ ہے کہ اگر دوسرے انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کا زمانہ نبوت پاتے تو ان پر آپ ﷺ کی اتباع (پیروی) فرض تھی۔ جیسا کہ امام ابونعیم قدس سرہٗ نے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ كِتَابٌ اَصَبْتُهُ مِنْ بَعْضِ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا اَلْيَوْمَ مَا وَسِعَهُ إِلَّا اَنْ يَتَّبِعَنِيْ۔ (ص ۲۸۳)

''حضرت امیر المومنین سیدنا و مولانا عمر فاروق اعظم ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے (ایک دن حسب معمول) سید عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی جبکہ میرے پاس اہلِ کتاب میں سے ایک شخص سے لی ہوئی ایک کتاب تھی (جسے) آپ ﷺ نے (ملاحظہ فرمانے کے بعد) فرمایا، اللہ کی قسم! اب اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بقیدِ حیاتِ ظاہری ہوتے تو انہیں (علیہ

السلام) میری پیروی کیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا''۔

قرآن کریم کے ناسخ ہونے کی عمدہ وجہ

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب (قرآن کریم) ناسخ و منسوخ ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (بقرہ:106)

''جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے''۔

جبکہ دوسری آسمانی کتب میں یہ خصوصیت نہیں۔ اسی لیے یہود نسخ کے منکر ہیں۔

نسخ کے لیے شرط کیا ہے؟

☆ وَالسِّرُّ فِيْ ذَالِكَ اَنَّ سَائِرِ الْكُتُبِ نُزِلَتْ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلَا يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّجْتَمِعَ فِيْهَا النَّاسِخُ وَالْمَنْسُوْخُ لِاَنَّ شَرْطَ النَّاسِخِ اَنْ يَّتَاَخَّرَ نُزُوْلُهٗ عَنِ الْمَنْسُوْخِ۔ (ص ۲۸۳)

''اور اس میں (یعنی قرآن کریم ناسخ و منسوخ کیوں ہے) راز یہ پنہاں ہے کہ دوسری کتب سماویہ کا نزول ایک ہی مرتبہ ہوا اس لیے ان میں ناسخ و منسوخ کے اجتماع کا تو تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ناسخ کیلئے شرط یہ ہے کہ اس کا نزول منسوخ کے بعد ہو''۔

مالکِ خزائنِ عرش ﷺ

☆ وَمِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُعْطِيَ مِنْ كَنْزٍ تَحْتِ الْعَرْشِ وَلَمْ يُعْطَ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهٗ(1)۔ (ص ۲۸۳)

''اور آپ ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عرش کے نیچے سے وہ خزانہ عطا فرمایا گیا جو آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو بھی نہ ملا۔ (یعنی سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات مبارکہ)''۔

رسالتِ عامہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے

☆ سید عالم ﷺ کے انہیں خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہیں۔

1۔ نوٹ: ''خصائص کبریٰ'' مطبوعہ مصر کے اصل نسخہ میں اس کے بعد یہ عبارت پائی جاتی ہے ''سياتي حديثه بعد ابواب'' یعنی اس خصوصیت کے دلائل میں احادیث، چند ابواب کے بعد آرہی ہیں۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ جنوں کے بالاتفاق رسول ہیں۔

اور ایک قول کی بناء پر سارے فرشتوں کے بھی رسول ہیں، جیسا کہ قرآنِ عزیز نے فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اور اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے''۔

☆ حضور سرورِ عالم ﷺ کے انہیں خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیروکار سب انبیاء علیہ السلام کے پیروکاروں سے بڑھ کر ہیں۔

امّی ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے

☆ اور انہیں خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو امّی (1) و ناخواندہ اور خط و کتابت نہ جاننے کے باوجود (تمام علوم سے بھرپور) کتاب (قرآنِ عظیم) دی گئی۔ جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾

''بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر، جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو'' (فرقان:1)

رسالتِ عامہ اور کثرتِ اتباع پر احادیث کی گواہی

☆ اَخۡرَجَ الشَّیۡخَانِ عَنۡ جَابِرٍ قَالَ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، اُعۡطِیۡتُ خَمۡسًا، لَمۡ یُعۡطَهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الۡاَنۡبِیَآءِ قَبۡلِیۡ، نُصِرۡتُ بِالرُّعۡبِ مَسِیۡرَةَ شَهۡرٍ۔

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام بخاری و امام مُسلم ''رضی اللہ عنہما'' نے روایت کیا کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پانچ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے پیشتر کسی بھی نبی ''علیہ السلام'' کو عطا نہ ہوئی تھیں۔ (چنانچہ انہیں خصائص سے یہ ہے کہ) میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ایک ماہ کی مسافت

1۔ سعدی شیرازی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست   کتب خانہ چند ملت بشست

ایک شاعر یوں عرض کرتا ہے:۔

امّی و دقیقہ دانِ عالم   بے سایہ و سائبانِ عالم   (مترجم غفرلہٗ)

تک (دشمن پر) رعب خوف سے مدد فرمائی گئی ہے"۔

☆ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا، فَاَيُّمَا رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ۔

"اور تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے، اور (نیز) زمین کو ذریعہ پاکیزگی بنایا گیا ہے (مراد تیمم ہے) اس لیے میری امت کا کوئی بھی فرد جہاں بھی نماز کا وقت پالے وہیں نماز ادا کرلے"۔

☆ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تُحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ۔

"اور اسی طرح (انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ) میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" لیے غنیمتوں کو حلال کیا گیا ہے، جبکہ مجھ "صلی اللہ علیہ وسلم" سے پہلے کسی کے لیے بھی غنائم کو حلال نہ کیا گیا تھا"۔

☆ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ

"اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" شفاعت (عظمیٰ) عطا کی گئی ہے"۔

☆ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلٰى النَّاسِ عَامَّةً۔ (ص ۲۸۴)

"اور (انہی خصائص سے یہ ہے کہ) ہر نبی "علیہ السلام" خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ اور میں "صلی اللہ علیہ وسلم" تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں"۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، امام بخاری قدس سرہٗ نے اپنی "تاریخ" میں، اور امام بزار، امام بیہقی، امام ابو نعیم قدست اسرارہم نے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" پانچ ایسی اشیاء دی گئی ہیں، جو مجھ "صلی اللہ علیہ وسلم" سے پہلے کسی بھی نبی "علیہ السلام" کو نہ دی گئیں۔

☆ تمام زمین میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" لیے مسجد بنادی گئی ہے اور ساری زمین کو ذریعہ پاکی بھی بنا دیا گیا۔ جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے (مخصوص مقام) محراب کے سوا نماز ادا کرنا جائز نہ تھا۔

☆ اور ایک مہینے کی مسافت تک میری "صلی اللہ علیہ وسلم" خوف ورعب سے مدد فرمائی گئی ہے۔ میرا "صلی اللہ علیہ وسلم" سامنا کرتے وقت اللہ جل مجدہٗ مشرکوں کے دلوں میں میرا "صلی اللہ علیہ وسلم" رعب ودبدبہ ڈال دیتا ہے۔

☆ اور دوسرے نبی "علیہ السلام" خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔اور میں "صلی اللہ علیہ وسلم" تمام جن وانس کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

☆ پہلے انبیاء علیہم السلام، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ الگ کر دیا کرتے تھے،اور آگ آتی اور اسے کھا جایا کرتی تھی۔اور مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" یہ مال اپنی امتوں کے محتاجوں پر خرچ کرنے کا حکم ملا ہے۔

☆ ہر ایک نبی "علیہ السلام" کو ان کی منشاء کے مطابق ایک دعا عطا کی گئی تھی (جس کا ثمرہ انہوں نے دنیا میں ہی طلب فرمالیا ہے) اور میں "صلی اللہ علیہ وسلم" نے وہ مخصوص دعا قیامت میں اپنی "صلی اللہ علیہ وسلم" امت کی سفارش کے لیے محفوظ فرمالی ہے۔

(۳) امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ اور امام سعید بن عثمان دارمی قدس سرہٗ نے "**کتاب الودعة الجهيمه**" میں حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ ایک دن سرورِ عالم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا، ابھی ابھی جبریل میرے پاس آئے اور کہنے لگے: (یارسول اللہ ﷺ!) آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" ذرا باہر تشریف لا کر اللہ جل اسمہٗ کی ان نعمتوں کا ذکر فرمایئے جو بطورِ انعام آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کو ملی ہیں۔

پھر جبریل امین نے مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" ان دس چیزوں کی بشارت سنائی جو مجھ "صلی اللہ علیہ وسلم" سے قبل کسی کو بھی میسر نہ ہوئی تھیں۔(چنانچہ وہ خصوصیات یہ ہیں)

☆ بلاشبہ اللہ جل عزّ اسمہٗ نے مجھے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔اور (ساتھ ہی) مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" تمام جنوں کو بھی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے۔اور مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" اپنا کلام سکھایا، حالانکہ میں "صلی اللہ علیہ وسلم" ناخواندہ تھا، جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ کی تختیاں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی اور میرے سبب میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" پہلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادیے ہیں۔

☆ اور مجھے خیر کثیر عطا فرمایا۔

☆ اور جنگ وقتال کرتے وقت فرشتوں سے میری "صلی اللہ علیہ وسلم" امداد فرمائی۔مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" امداد واعانت دی۔اور رعب (ودبدبہ) میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" سامنے کردیا۔

☆ اور میرا "صلی اللہ علیہ وسلم" حوض سب حوضوں سے بڑا بنایا۔

☆ اور اذان میں میرا "صلی اللہ علیہ وسلم" ذکر بلند فرمایا۔

☆ اور قیامت میں مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" مقامِ محمود پر کھڑا کیا جائے گا۔جبکہ اور مخلوق کا یہ عالم ہوگا

کہ وہ اپنے سروں کو اٹھائے، بھاگے پھریں گے، نیز مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" قیامت کے دن لوگوں کی پہلی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔

☆ اور میری "صلی اللہ علیہ وسلم" سفارش سے اللہ جل مجدہٗ میری "صلی اللہ علیہ وسلم" میری امت کے ستر ہزار افراد و بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔

☆ اور مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" جنتِ نعیم کا بلند چوبارہ عطا فرمائے گا، جس کے اوپر صرف حاملانِ عرش (بغرضِ خدمت) ہوں گے۔

☆ نیز اللہ جل مجدہٗ نے مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" سطوت وشوکت عطا فرمائی۔

☆ اور غنائم کو میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" لیے اور میری "صلی اللہ علیہ وسلم" امت کے لیے حلال فرمایا۔ جبکہ ہم "صلی اللہ علیہ وسلم" (ورضی اللہ عنہم) سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہ تھیں۔

(۴) امام ابویعلیٰ، امام طبرانی، امام بیہقی قدست اسرارہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اللہ جل مجدہٗ نے حضور سرورِ عالم ﷺ کو سب آسمان والوں، اور سب انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آسمان والوں پر آپ کی برتری کیا ہے؟ تو آپ "رضی اللہ عنہ" نے فرمایا: آسمان والوں پر برتری تو اس طرح ثابت ہے کہ اللہ عزّ وجلّ نے اہل آسمان کے حق میں فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ (انبیاء)

"اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے"۔

اور سید عالم ﷺ کے حق میں فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح دی، تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کی وجہ سے (اس آیت مبارکہ میں) آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے متعلقین کی برأت کا اعلان فرما دیا ہے۔ پھر حاضرین نے حضرت ابن عباس "رضی اللہ عنہما" سے استفسار کیا۔ اچھا حضرت! یہ فرمائیے کہ سب نبیوں علیہم السلام پر آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کو

برتری کس طرح ہے؟ تو آپ ''رضی اللہ عنہ'' نے ارشاد فرمایا۔

وہ اس طرح کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بابت ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم:)

''اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا''۔

جبکہ حضورِ انور ﷺ کی نسبت ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اور محبوب (ﷺ) ہم نے تم کو نہ بھیجا، مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے''۔

لہٰذا (دوسرے انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بہ نسبت) آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (اور یہی وصف، یعنی رسول الثقلین ہونا دوسروں پر فوقیت کی دلیل ہے)

امام ابن سعد قدس سرہٗ، حضرت خواجہ حسن ''رضی اللہ عنہ'' سے راوی، انہوں نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَكْنَا حَيًّا، وَمَنْ يُّوْلَدُ بَعْدِىْ۔ (ص ۲۸۴)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں ''ﷺ'' ان سب کا رسول ہوں، جنہیں میں ''ﷺ'' نے زندہ پایا، اور جو میرے ''ﷺ'' بعد پیدا ہوں گے''۔

(٦) (یہی) امام ابنِ سعد قدس سرہٗ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے راوی، انہوں نے فرمایا کہ:

''سیّدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں سب لوگوں کا رسول ہوں۔ اگر (بالفرض) سب میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' رسالت کی تصدیق چھوڑ دیں، تو پھر میرے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لیے عرب ہی کافی، اگر عرب بھی اعراض کریں تو پھر میں قریش کا رسول، اگر قریش بھی پھر جائیں تو پھر میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بنو ہاشم کا رسول، اگر بنو ہاشم بھی میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' رسالت قبول نہ کریں تو پھر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' تنِ تنہا اپنی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ذات کا رسول ہوں''

(٧) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَابِعًا۔ (ص ۲۸۵)

"پیروکاروں کی کثرت کے لحاظ سے میں "صلی اللہ علیہ وسلم" سب انبیاء سے بڑھ کر ہوں"۔

(۸) (جز) امام مسلم قدس سرہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ہی) راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مَا صُدِّقَ نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ مَا صُدِّقْتُ،اِنَّ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ مَنْ لَمْ یُصَدِّقْهُ اِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ۔(ص ۲۸۵)

"جس طرح میری "صلی اللہ علیہ وسلم" رسالت کی تصدیق ہوئی ہے۔ اس طرح کسی بھی نبی "علیہ السلام" کی نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایسے بھی ہیں کہ جن کی تصدیق (ان کی امت سے) صرف ایک ہی آدمی نے کی ہے"۔

(۹) امام بزار قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"میری "صلی اللہ علیہ وسلم" امت قیامت کے دن میرے "صلی اللہ علیہ وسلم" ہمراہ سیلاب کی طرح امڈے گی، (اور کثرت کی بناء پر) میری "صلی اللہ علیہ وسلم" امت کے سروں کی سیاہی رات کی تاریکی کی مانند معلوم ہوگی۔ اور لوگوں کے اسی بے پناہ ہجوم میں فرشتے (بے ساختہ) پکار اٹھیں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے، جو ان کے ہمراہ ہیں۔ سید عالم ﷺ کے ہمراہی ان سے کہیں بڑھ کر ہیں"۔

رسالتِ عامہ کے باب میں امام سُبکی قدس سرہٗ کا استدلال

☆ اس پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ سید عالم ﷺ، جن وانس کے رسول "صلی اللہ علیہ وسلم" ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ﷺ فرشتوں کے بھی رسول "صلی اللہ علیہ وسلم" ہیں یا نہیں؟

امام سُبکی قدس سرہٗ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" فرشتوں کے بھی رسول "صلی اللہ علیہ وسلم" ہیں۔ اور امام سبکی قدس سرہٗ اپنی اس ترجیح پر وہ حدیث شریف دلیل لائے ہیں، جسے شیخ الاسلام امام عبد الرزاق قدس سرہٗ نے حضرت عکرمہ قدس سرہٗ (شاگرد ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا کہ انہوں "رضی اللہ عنہ" نے فرمایا:

صُفُوْفُ اَهْلِ الْاَرْضِ عَلٰى صُفُوْفِ اَهْلِ السَّمَآءِ فَاِذَا وَافَقَ آمِیْنٌ فِی الْاَرْضِ، آمِیْنَ فِی السَّمَاءِ غُفِرَ لِلْعَبْدِ۔(ص ۲۸۵)

(نماز میں) زمین والوں کی صفیں آسمان والوں کی صفوں کی طرح ہیں۔ جب زمین

والوں کا آمین کہنا، آسمان میں آمین کہنے والوں کے موافق ہو جائے تو (آمین کہنے والے) بندے کی بخشش ہو جاتی ہے۔

سب جہانوں کے لیے رحمت ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے

سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا حتیٰ کہ کافروں کیلئے بھی رحمت ہیں کہ آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کی وجہ سے سب کافروں سے عذاب کی تاخیر کی گئی ہے۔ اور اسی طرح دوسری جھٹلانے والی امتوں کی طرح ان کی فوری گرفت نہ کی گئی۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے"۔

نیز اللہ جل اسمہٗ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو"۔

(۱) امام ابو نعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (ص ۲۸۵)

"سید عالم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ عز اسمہٗ نے مجھے "صلی اللہ علیہ وسلم" سارے جہاں کے لیے رحمت، اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے"۔

(۲) امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَلَا تَدْعُوْا عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ، قَالَ اِنَّمَا تَدْعُوْا عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ، قَالَ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً، وَّلَمْ اُبْعَثْ عَذَابًا۔

"سید عالم ﷺ سے گزارش کی گئی، یارسول اللہ ﷺ، آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" مشرکوں کی تباہی کی دعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے فرمایا، (اس

لیے کہ) میں تو رحمت(1) بن کر آیا ہوں اور عذاب بن کر نہیں آیا"۔

(۳) امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی، امام بیہقی قدست اسرارہم نے

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے۔

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

مَنْ اٰمَنَ تَمَّتْ لَهُ الرَّحْمَةُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ عُوْفِیَ مِمَّا كَانَ یُصِیْبُ الْاُمَمَ فِیْ عَاجِلِ الدُّنْیَا، مِنَ الْخَسْفِ، وَالْمَسْخِ وَالْقَذْفِ۔(۲۸۵)

"جس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اس کے لئے دنیا و آخرت میں (آپ ﷺ کی) کامل رحمت ہے اور جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی (اس کے لیے اس طرح رحمت ہیں کہ) وہ دنیا میں دوسری (جھٹلانے والی) امتوں کی طرح عذاب میں گرفتاری سے بچا دیا گیا (یعنی ایسا شخص دنیا میں فوری طور) زمین میں دھنسانے اور شکل کے بدل جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بچ گیا"۔

1۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

سیّد عالم ﷺ کی زندگانی شریف کی قسم

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ کی زندگانی مبارک کی قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (حجر)

''اے محبوب تمہاری جان کی قسم! بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

(۱) امام ابویعلی، امام ابنِ مردویہ، امام بیہقی، امام ابونعیم، امام ابنِ عساکر قدست اسرارہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَمَا ذَرَاءَ نَفْسًا، اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَمَا حَلَفَ اللّٰهُ بِحَيَاتِ اَحَدٍ قَطُّ اِلَّا بِحَيَاتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (ص ۲۸۵)

''سید عالم ﷺ سے زیادہ معزز اللہ جل شانہٗ نے کوئی جان پیدا ہی نہیں کی کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کی زندگی مبارک کے سوا کسی اور کی زندگی کی ہرگز قسم نہیں فرمائی۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: اے محبوب تمہاری جان کی قسم، بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

(۲) (اسی طرح) امام ابن مردویہ قدس سرّہٗ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں ''رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا کہ:

مَا حَلَفَ اللّٰهُ بِحَيَاتِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَيَاتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۲۸۵)

''اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کی زندگانی مبارک کے سوا اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں فرمائی''۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (حجر)

''اے محبوب تمہاری جان کی قسم، بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں ''لَعَمْرُكَ'' کا معنیٰ ''وَحَيَاتِكَ يَا مُحَمَّدُ''، ''صلی اللہ علیہ وسلم''

''یعنی اے محبوب مکرم ﷺ'' آپ کی زندگی کی قسم ہے۔

سید عالم ﷺ کے ہمزاد کا مسلمان ہونا

☆ سرورِ عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا قرین (ہمزاد) اسلام لے آیا۔

☆ اور یہ کہ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی سبھی ازواجِ مطہرات آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی معاون و مددگار ہیں۔ (جیسا کہ:)

ا۔ امام بزار قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں ''رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا کہ:

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سب نبیوں علیہم السلام پر دو وجہ سے برتری حاصل ہے:

ا۔ شیاطین میں سے میرا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' قرین کافر تھا۔ مگر اللہ جل مجدہٗ نے میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اس پر مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

۲۔ اور دوسری وجہ کے بیان سے راوی کو نسیان ہو گیا۔

(۲) امام بیہقی قدس سرہٗ اور امام ابو نعیم قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں ''رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْتُ عَلٰى آدَمَ بِخَصْلَتَيْنِ:
كَانَ شَيْطَانِيْ كَافِرًا، فَأَعَانَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ، وَكُنَّ اَزْوَاجِيْ عَوْنًا لِّيْ
وَكَانَ شَيْطَانُ آدَمَ كَافِرًا وَزَوْجَتُهٗ عَوْنًا عَلٰى خَطِيْئَتِهٖ۔ (ص ۲۸۵)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو طرح سے برتری حاصل ہے:

(ا) میرا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' قرین (ہمزاد) کافر تھا۔ اللہ جل وعلا نے میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اس پر اعانت فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

(۲) اور میری سبھی ازواجِ مطہرات ''رضی اللہ عنہن'' میری ''صلی اللہ علیہ وسلم'' معاون و مددگار تھیں۔

جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا قرین کافر، اور ان ''علیہ السلام'' کی بیوی اُن کی (اجتہادی)

لغزش پر اُن کی معاون تھیں''۔

(۳) امام مسلم قدس سرہٗ حضرت سیّدنا و مولانا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی کہ انہوں'' رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَمَعَهُ قَرِيْنُهُ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"قَالَ"صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"وَاِيَّایَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔(ص۲۸۵-۸۶)

'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس کے ساتھ اس کا ایک ہمزاد فرشتوں سے اور ایک ہمزاد جنوں سے نہ ہو۔ صحابہ کرام'' رضی اللہ عنہم'' بولے، تو کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ساتھ بھی ایسے ہی ہے، فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہاں مگر اللہ جل مجدہٗ نے اس پر میری'' صلی اللہ علیہ وسلم'' مدد و نصرت فرمائی کہ وہ اسلام لے آیا اور بھلائی کے سوا مجھے'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کچھ بھی نہیں کہتا''۔

(۴) اسی طرح کی حدیثِ گرامی امام طبرانی قدس سرہٗ نے بھی حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۵) علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت عبد الرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) حضرت آدم علیہ السلام نے ایک مرتبہ حضور سید عالم ﷺ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: میرے'' علیہ السلام'' ناقہ سوار بیٹے کو مجھ'' علیہ السلام'' پر سب سے بڑھ کر جو فوقیت و برتری حاصل ہے، وہ یہ کہ ان'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ازواج'' رضی اللہ عنہن'' دین (کی اشاعت) میں اُن'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کی معاون و مددگار ہوں گی جبکہ میری'' علیہ السلام'' بیوی میری (اجتہادی) خطا پر میری'' علیہ السلام'' معاون تھی۔

سیّد عالم ﷺ کی خطاب میں خصوصیت

☆ امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کی شرافت و بزرگی واضح کرنے کے لیے بلحاظ مخاطبت آپ'' صلی اللہ علیہ وسلم'' کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر برتری عطا فرمائی ہے۔

وہ اس طرح کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں اپنے اپنے نبیوں علیہم السلام کو'' راعنا

سمعک"، "اپنی گفتگو مبارک میں ہماری رعایت فرمایئے" کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں مگر اس امت کے لیے اس طرح نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ (بقرہ)

'اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہو، اور یوں عرض کرو کہ حضور "صلی اللہ علیہ وسلم" ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

سیّدِ عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نام لے کر نہیں پکارا

☆ علماء کرام نے فرمایا کہ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآنِ کریم میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو تو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا ہے۔ (مثلاً: یَا آدَمُ، یَا نُوحُ، یَا اِبْرَاهِیْمُ، یَا مُوْسٰی، یَا عِیْسٰی، یَا دَاوٗدُ، یَا زَکَرِیَّا، یَا یَحْیٰی عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ)

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

يَا آدَمُ اسْكُنْ (بقرہ:35)

"(اور ہم نے فرمایا) اے آدم! تو (اور تیری بی بی اس جنت میں) رہو"۔

يَا نُوحُ اهْبِطْ (ہود:48)

(فرمایا گیا) اے نوح! کشتی سے اتر۔ الخ

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ (ہود:76)

"اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑ۔ الخ"

يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ (اعراف:144)

"(فرمایا) اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا۔ الخ"

يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي (مائدہ:110)

"اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میرا احسان۔ الخ"

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (ص:26)

"اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا۔ الخ"

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ (مریم:7)

"اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں۔الخ"

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ (مریم:12)

"اے یحییٰ! کتاب (مضبوط تھام) الخ"

مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خطاب نہ فرمایا بلکہ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ (انفال:64)

"اے غیب کی خبریں بتانے والے۔الخ"

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ (مائدہ:67)

"اے رسول۔الخ"

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ (مزمل:1)

"اے جھرمٹ مارنے والے"۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ (مدثر:1)

"اے بالاپوش اوڑھنے والے"۔

سے خطاب فرمایا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نام سے پکارنا حرام ہے

☆ امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا: سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اُمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لے کر پکارنا حرام قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت نہیں کیونکہ دوسری امتیں اپنے اپنے نبیوں "علیہم السلام" کو ان کے نام سے ہی پکارتی تھیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے ان کی ندا کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا۔(مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے انہیں اس طرح ندا کی)

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (اعراف:138)

"بولے، اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنادے جیسا ان کے لیے اتنے خدا ہیں۔الخ"

(اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم آپ سے اس طرح مخاطب ہوئی)

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ (مائدہ:112)

"جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم۔الخ"

مگر نبی کریم ﷺ کی اُمت کو یہ حکم سُنایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (نور:63)

''رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔الخ''

(۱) حضرت ابونعیم قدس سرہٗ نے بطریق حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی بابت روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (جب کچھ لوگوں نے) سید عالم ﷺ کو ''یا محمد'' ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور یا ابا القاسم ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر پکارنا شروع کر دیا (تو) اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبی محترم ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے اعزاز کی خاطر، اس طرح پکارنے سے منع فرمادیا، پھر سب یا نبی اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم''، یا رسول اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے خطاب کرنے لگے۔

(۲) (اور اسی طرح) اس آیت کریمہ سے متعلق امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت علقمہ قدس سرہٗ اور حضرت اسود قدس سرہٗ سے روایت کی کہ اللہ جل مجدہٗ نے (گویا) اس آیت کریمہ میں یوں فرمایا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا يَا مُحَمَّدُ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (ص۲۸۶)

''یا محمد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر مت پکارو بلکہ (آپ کے کسی صفاتی نام سے یاد کرو مثلاً) یا نبی اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم''، یا رسول اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' (اور یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ) کہو''۔

(۳) اسی طرح کی حدیث امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت حسن اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔

(۴) (نیز) امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی آیتِ کریمہ کے بارے میں روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ جل مجدہ نے (گویا)

اَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُهَابَ نَبِيُّهٗ وَأَنْ يُعَظَّمَ وَيُفَخَّمَ وَيُسَوَّدَ۔ (ص۲۸۶)

''یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے نبی مکرم ﷺ کو ایسے القابات سے پکارو کہ جن سے اُن ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ہیبت و عظمت اور سطوت و سیادت ظاہر ہو رہی ہو''۔

سیّد عالم ﷺ کے متعلق قبر میں پوچھا جائے گا

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قبر میں میت سے آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے متعلق پوچھا جائے گا۔(جیسا کہ) امام الآئمہ احمد رضی اللہ عنہ، اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین سیّدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قبر میں میرے متعلق تمہاری آزمائش ہوگی، اور میرے ہی بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

چنانچہ نیکوکار آدمی کو بٹھا کر اس سے پوچھا جائے گا" اس شخص "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں تو کیا کہتا ہے، جو تم میں مبعوث ہوئے تھے"۔ تو مردِ صالح جواب دے گا: "یہ تو (میرے آقا و مولا نبی محترم) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں"۔ (الحدیث)

☆ حکیم ترمذی رضی اللہ عنہ اور امام ابن عبد البر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سوالِ قبر امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے۔ (میری تصنیف) "کتاب البرزخ" میں اس مسئلہ کی مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ستر کو کبھی بھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اگر کوئی دیکھ لیتا تو اس کی بینائی جاتی رہتی۔

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے (بوقتِ وصال) حضرت ملک الموت علیہ السلام آپ ﷺ سے اجازت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ (یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام میں نہیں ہے) میں نے (یعنی سیوطی قدس سرہٗ) "کتاب البرزخ" میں ان احادیث کو بھی ذکر کیا ہے، جن سے بلا اجازت حضرت ملک الموت علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خدماتِ عالیہ میں حاضر ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کا دوسروں پر ہمیشہ کیلئے حرام ہونا

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کے بعد امت پر حرام قرار دے دی گئیں۔

چنانچہ اللہ جل اسمہٗ نے فرمایا:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ﴿احزاب:53﴾

''اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دو، اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو، بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے''۔

(واضح رہے کہ) یہ خصوصیت آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی نبی ''علیہ السلام'' کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ظالم کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ، اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس سے فرمانا کہ یہ میری ''علیہ السلام'' (دینی) بہن ہے۔ اور آپ ''علیہ السلام'' کا حضرت سارہ علیہا السلام کو طلاق دینے کا بایں ارادہ فرمانا کہ وہ ظالم آپ ''رضی اللہ عنہا'' سے نکاح کرلے۔

''اس پر دلیل ہے کہ یہ خصوصیت کسی اور نبی ''علیہ السلام'' کے لیے نہیں ہے''۔

سید عالم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی حرمت کی وجہ

حاکم رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں ''رضی اللہ عنہ'' نے اپنی بیوی صاحبہ ''رضی اللہ عنہا'' سے فرمایا: اگر تم جنت میں میری بیوی بننے پر خوش ہو تو میرے انتقال کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرنا۔

''فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ لِاٰخِرِ اَزْوَاجِھَا فِی الدُّنْیَا''۔ (ص ۲۸۷)

''کیونکہ عورت جنت میں اسی کی بیوی ہوگی جو دنیا میں اس کا آخری شوہر رہا ہوگا''۔

(۱) فَلِذَالِکَ حَرُمَ عَلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّنْکِحْنَ بَعْدَہٗ لِاَنَّھُنَّ اَزْوَاجُہٗ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ص ۲۸۷)

''یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر آپ کے بعد کسی اور سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی تمام ازواج رضی اللہ عنہن جنت میں بھی آپ ﷺ ہی کی ازواج ہوں گی''۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات ''رضی اللہ عنہن'' مومنوں کی مائیں ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ان سے نکاح (نہ صرف) تعظیم وتکریم کے منافی ہے (بلکہ) سخت قبیح ترعیب بھی ہے، جس سے آپ ﷺ کے منصب شریف کا دُور رہنا لازم ہے۔

(۳) وَاِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ فِی قَبْرِہٖ، وَلِھٰذَا حَکَی الْمَاوَرْدِیُّ وَجْھًا اَنَّہٗ لَا یَجِبُ عَلَیْھِنَّ عِدَّۃُ الْوَفَاۃِ۔ (ص ۲۸۷)

''اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی حرمت کی ایک وجہ حضور سید عالم ﷺ کا اپنی قبرِ

انور میں زندہ ہونا(1) بھی ہے۔اسی لیے امام ماوردی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر وفات کی عدت نہیں ہے"۔

رہا حکم ان خواتین کا، جنہیں آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں ہی علیحدہ فرمادیا تھا جیسے وہ خاتون جس نے سید عالم ﷺ سے استعاذہ کیا تھا۔اور (اسی طرح) وہ عورت جس کے پہلو میں سفیدی دیکھ کر جدا فرمادیا تھا۔ "ان کے بارے میں کئی اقوال ہیں":

☆ ایک قول یہ ہے کہ ایسی خواتین بھی حرام ہیں۔امام الائمہ شافعی رضی اللہ عنہ اسی رائے پر پختگی سے قائم ہیں۔اور "روضہ" میں (امام نووی قدس سرہٗ نے) اسی رائے کی تصحیح کی ہے۔یہ قول فرمانے والوں کی دلیل (اس باب میں وارد) آیاتِ مبارکہ کے مفہوم کی عمومیت ہے۔

☆ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی خواتین حرام نہیں ہیں۔

☆ اور تیسرا قول یہ ہے، جسے امام الحرمین قدس سرہٗ نے اور (نیز) امام رافعی قدس سرہٗ نے "شرح صغیر" میں صحیح کہا ہے کہ اگر ایسی خاتون مدخول بہا ہے تو پھر اس سے بھی نکاح حرام ہے (ورنہ نہیں)۔ جیسے مروی ہے کہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے مستعیذہ عورت سے حضرت امیر المومنین عمرِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نکاح کیا تو اس پر حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا ارادہ فرمایا۔مگر آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس خاتون سے سید عالم ﷺ کی ہم بستری نہیں ہوئی تھی۔اس کے بعد حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ انہیں سنگسار کرنے سے باز رہے۔

اور وہ خاتون جس نے سید عالم ﷺ کے فراق کو پسند کیا تھا اس کی حلت و حرمت میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔لیکن حضرت امام الحرمین قدس سرہٗ اور حضرت امام غزالی قدس سرہٗ اور دوسرے ائمہ کرام علیہم الرحمۃ کی پوری ایک جماعت ان کے حلال ہونے پر یقین رکھتی ہے۔(اور وجہ اس کی یہ بیان فرماتے ہیں) تاکہ اختیار دینے کا فائدہ برقرار رہے اور وہ فائدہ دنیوی زیب و زینت پر تصرف و قدرت کا حاصل ہونا ہے۔

اور وہ لونڈی جسے سید عالم ﷺ نے ہم بستری کے بعد علیحدہ فرمادیا، اس میں بھی تین اقوال ہیں: ان میں تیسرا قول یہ ہے کہ اگر مفارقت وفات سے واقع ہوئی ہو، جیسے حضرت ماریہ رضی اللہ

1۔ تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے
(اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ)

عنہا، تو پھر وہ بھی حرام ہے۔ اور اگر اپنی حیاتِ ظاہری میں اسے فروخت کر ڈالا تو پھر حرام نہیں۔

نکتہ چینی اعداء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جوابِ خدا

☆ امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ جب کبھی دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ان کے دشمن نکتہ چینی کرتے، یا کوئی عیب دار بات ان کی طرف منسوب کرتے تو اس کی تردید اور اس کا دفعیہ وہ حضرات علیہم السلام اپنی جانب سے خود ہی فرمایا کرتے تھے۔

جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے منسوب کردہ عیب کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا (جسے اللہ تعالیٰ حکایۃً قرآنِ کریم میں ذکر فرماتا ہے)۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ (اعراف:61)

"اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں"۔

اور اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی ذاتِ گرامی سے نسبت کردہ عیب کی خود مدافعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ (اعراف:67)

"اے میری قوم! مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ"۔

اسی طرح کے نظائر اور بھی کافی ہیں۔

مگر ہمارے رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مخالفین و معاندین نے جو طعن و تنقیص کی اللہ جل مجدہٗ نے بذاتِ خود اس کی تردید فرمادی۔ (اس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت عیاں ہے) جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت و تردید فرماتے ہوئے فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ (قلم)

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں"۔

اور فرمایا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ (نجم)

"تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے"۔

اور فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (یٰسین)

"اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا"۔

علاوہ ازیں اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں (جن میں آپ ﷺ کی جانب سے مدافعت کا اظہار فرمایا گیا ہے)

سید عالم ﷺ شریعت وحقیقت دونوں کے جامع ہیں

امام ابونعیم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وتبارک نے آپ ﷺ کو صاحبِ قبلتین اور صاحبِ ہجرتین بتایا ہے اور۔

اِنَّهٗ جُمِعَتْ لَهُ الشَّرِيْعَةُ وَالْحَقِيْقَةُ وَلَمْ يَكُنْ لِلْاَنْبِيَآءِ اِلَّا اِحْدَاهُمَا۔

"(اسی طرح) آپ ﷺ شریعت وحقیقت دونوں کے جامع ہیں جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام دونوں میں سے صرف ایک کے ہی حامل ہوا کرتے تھے"۔

اس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ ہے جو آپ "علیہ السلام" کو حضرت خضر علیہ السلام سے پیش آیا کہ جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ لَا يَنْبَغِیْ لَکَ اَنْ تَعْلَمَهٗ وَاَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ لَا يَنْبَغِیْ لِیْ اَنْ اُعَلِّمَهٗ۔(ص ۲۸۷)

"مجھے اللہ جل مجدہٗ نے ایک علم (یعنی علمِ حقیقت) عطا فرمایا ہے جس کا سیکھنا آپ کے مناسب نہیں (یعنی آپ اس کے مکلف نہیں) اور آپ کے پاس ایسا علم ہے (یعنی علمِ شریعت) جس کا سیکھنا میرے مناسب نہیں (یعنی میں اس کا مکلف نہیں)"۔

شریعت وحقیقت سے کیا مراد ہے؟

دوسرے آئمہ رحمہم اللہ کی رائے پر مطلع ہوئے بغیر پہلے پہل میں (یعنی امام سیوطی قدس سرہٗ) اسی حدیث سے استنباط کرتے ہوئے مذکورہ خصوصیت پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ پھر میں نے علامہ بدر بن صاحب قدس سرہٗ کے تذکرہ میں دیکھا کہ انہوں نے بھی یہی اشارہ فرمایا ہے۔ پھر اس قصہ کے اور شواہد بھی مجھے مل گئے۔ (مثلاً) اس چور اور نمازی کا قصہ کہ جس کے قتل کا حضور انور ﷺ نے حکم صادر فرمایا تھا۔

یہ مسئلہ اس سے پہلے "اخبار بالمغیبات" کے باب میں وضاحت سے گزر چکا ہے۔ اس قصہ کا سمجھنا ایک قوم پر دشوار گزرا ہے، لیکن اگر وہ غور سے کام لیتے تو اُن پر عیاں ہو جاتا کہ شریعت وحقیقت سے کیا مراد ہے؟

اَلْمُرَادُ بِالشَّرِيْعَةِ، اَلْحُكْمُ بِالظَّاهِرِ وَبِالْحَقِيْقَةِ اَلْحُكْمُ بِالْبَاطِنِ۔(ص ۲۸۷)

"(واضح رہے کہ) شریعت سے مراد ظاہری حکم ہے، اور حقیقت سے مراد باطنی حکم ہے"۔
اور علماء کرام نے (یہ بھی) تصریح فرمائی ہے کہ:

إِنَّ غَالِبَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بُعِثُوْا لِيَحْكُمُوْا بِالظَّاهِرِ دُوْنَ مَا اطَّلَعُوْا عَلَيْهِ مِنْ بَوَاطِنِ الْاُمُوْرِ وَحَقَائِقِهَا۔ (ص ۲۸۷)

"انبیاء کرام علیہم السلام کی اکثریت ظاہری امور پر ہی حکم نافذ کرنے کے لیے مبعوث ہوئی ہے، جبکہ باطنی امور اور ان امور کی حقیقت پر مطلع ہونے کے باوجود بھی ان امور پر تنفیذ حکم کے لیے مامور نہیں ہیں (یا یہ کہ باطنی امور اور ان امور کی حقیقت پر وہ مطلع نہیں ہوئے)"۔

حضرت خضر علیہ السلام صرف ایک ہی نوعیت کے علم کے حامل تھے

حضرت خضر علیہ السلام صرف اس لیے مبعوث تھے کہ جن باطنی امور اور ان امور کی حقیقت پر آپ مطلع تھے، اس کا حکم نافذ کریں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اکثریت اس قسم کے احکام لے کر نہ آئی تھی۔ بدیں وجہ حضرت خضر علیہ السلام کا بچے کو قتل کر دینے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برا مناتے ہوئے ان سے فرمایا تھا:

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿ کہف:74)

"بے شک تم نے بہت بری بات کی"۔

اور آپ نے برا اس لیے منایا کہ یہ ان کا فعل خلاف شرع تھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو یہ جواب دیا تھا:

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ (کہف:82)

"اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا"۔

(یعنی) یہ قتل میرا اپنا فعل نہیں ہے۔ بلکہ انہیں یہی حکم ملا ہے اور وہ اسی طرح کا حکم لے کر آئے ہیں۔
اور حضرت خضر علیہ السلام کے (سابقہ) کلام کا یہی مطلب ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا "آپ کو اللہ جل مجدہٗ نے وہ علم دیا جس کا میں پابند نہیں"۔
شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی قدس سرہٗ نے بخاری شریف کی شرح میں فرمایا کہ:

اَلْمُرَادُ بِالْعِلْمِ التَّنْفِيْذُ وَالْمَعْنٰى لَا يَنْبَغِيْ لَكَ اَنْ تَعْلَمَهٗ لِتَعْمَلَ بِهٖ، لِاَنَّ الْعَمَلَ بِهٖ مُنَافٍ بِمُقْتَضَى الشَّرْعِ، وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ اُعَلِّمَهٗ فَاُعْمَلَ

بِمُقْتَضَاهُ لِاَنَّهُ مُنَافٍ بِمُقْتَضَا الْحَقِيْقَةِ۔(ص۲۸۸)

"(حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد میں) علم سے مراد اس کا نفاذ ہے (یعنی اس کا مکلف بننا) اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (اے موسیٰ علیہ السلام) جو علم میرے پاس ہے اس کا سیکھنا آپ کے لائق نہیں کیونکہ (اس کے سیکھنے کے بعد) اس پر آپ کا عمل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس پر عمل کرنا مقتضائے شرع کے منافی ہے۔اور جو علم آپ کے پاس ہے اس کا سیکھنا، اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنا میرے مناسب نہیں۔اس لئے کہ اس پر میرا عمل کرنا مقتضائے حقیقت (جو میرا علم ہے) کے منافی ہے"۔

مسئلہ

شیخ الاسلام بلقینی قدس سرہٗ نے فرمایا:

فَعَلٰی هٰذَا لَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ التَّابِعِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اطَّلَعَ عَلٰی حَقِيْقَةٍ،اَنْ يَنْفَذَ ذَالِکَ لِمُقْتَضٰی الْحَقِيْقَةِ وَاِنَّمَا عَلَيْهِ اَنْ يَنْفَذَ الْحُكْمُ الظَّاهِرُ۔"انتهٰى "(ص۲۸۸)

"یہی وجہ ہے نبی کریم ﷺ کا متبع ولی اللہ، جب کسی شے کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس حقیقت کے مقتضاء پر عمل کرنا شروع کر دے، بلکہ اس کے لیے حکم ظاہری پر ہی عمل پیرا رہنا ضروری ہے۔"انتہیٰ"

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت میں ائمہ کرام کی آراء

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر "رضی اللہ عنہ" نے "الاصابہ" میں فرمایا کہ علاّمہ ابوحیان قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں فرمایا، جمہور (ائمہ) کا مذہب یہ ہے کہ:

اِنَّ الْخِضْرَ نَبِيٌّ وَكَانَ عَلْمَهُ مَعْرِفَةَ بَوَاطِنَ،اُوْحِيَتْ اِلَيْهِ،وَعِلْمُ مُوْسٰی،الْحُكْمُ بِالظَّاهِرِ۔(ص۲۸۸)

"حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں، اور باطنی امور کی معرفت ہی ان کا علم ہے، جو ان کی طرف وحی کیا گیا ہے اور ظاہری امور پر حکم لگانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم تھا"۔

علاّمہ ابوحیان قدس سرہٗ نے اس جانب اشارہ فرمایا کہ (مذکورہ) حدیث میں دو علموں سے مراد حکم باطنی اور حکم ظاہری کے علاوہ دوسرا کوئی امر نہیں ہے۔

قصہ مذکورہ پر محاکمہ سبکی قدس سرہٗ

وَلَقَدْ قَالَ الشَّیْخُ تِقِیُّ الدِّیْنِ سُبْکِیْ اَنَّ الَّذِیْ بُعِثَ بِهِ الْخِضَرُ شَرِیْعَۃ لَہٗ، فَالْکُلُّ شَرِیْعَۃٌ۔

"شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جن احکام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام مبعوث تھے، (اس وقت کے مزاج کے مطابق) وہی ان کی شریعت تھی۔ لہٰذا (شریعت موسوی اور ان کی شریعت میں کوئی تصادم نہ تھا بلکہ) یہ سب کی سب شریعت ہی ہے"۔

سید عالم ﷺ حضرت خضر علیہ السلام کی خصوصیت کے بھی جامع ہیں

(اب) رہا (معاملہ) ہمارے نبی کریم ﷺ کا، سو آپ کو بھی پہلے پہل ظاہر پر ہی حکم فرمانے کا اختیار تھا، اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آپ بھی باطنی امور اور ان کی حقیقت پر حکم لگانے پر مامور نہ تھے، اسی لیے سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ نَحْکُمُ بِالظَّاهِرِ۔

"ہم ظاہری امور پر ہی حکم فرماتے ہیں"۔

اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

اِنَّمَا اَقْضِیْ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ یَتَوَلَّی السَّرَائِرَ۔

"میں "صلی اللہ علیہ وسلم" تو ظاہر پر ہی حکم فرماتا ہوں، رہا باطنی امور اور ان کی حقیقت کا فیصلہ تو یہ اللہ جل شانہٗ کے سپرد ہے"۔ (ص ۲۸۸)

اور (اسی طرح) فرمایا:

اِنَّمَا اَقْضِیْ بِنَحْوِ مَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ آخَرَ، فَاِنَّمَا هِیَ قِطْعَۃٌ مِنَ النَّارِ۔ (ص ۲۸۸)

"میں "صلی اللہ علیہ وسلم" جیسے سنتا ہوں ویسے ہی فیصلہ کرتا ہوں، لہٰذا جس کے لیے میں نے کسی دوسرے کے حق میں فیصلہ دے دیا (اور تھا اس کا سنانا غلط) تو یہ آگ کا ٹکڑا ہے"۔

اور (یونہی) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اَمَّا ظَاهِرُکَ فَکَانَ عَلَیْنَا وَاَمَّا سَرِیْرَتُکَ فَاِلَی اللّٰهِ۔ (ص ۲۸۸)

"آپ "رضی اللہ عنہ" کے ظاہر کے تو ہم "صلی اللہ علیہ وسلم" ذمہ دار ہیں۔ اور آپ "رضی

اللہ عنہ" کے باطن کا اللہ مالک ہے"۔

اور (اسی طرح) جنگِ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے ان کے اندرونی حالات کو اللہ جل مجدہٗ کے سپرد فرمایا تھا۔

اور (اسی طرح) اس غلط کردار والی عورت کے متعلق فرمایا:

لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا مِّنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ رَجَمْتُهَا۔ (ص ۲۸۸)

"بلا شہادت اگر میں کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا"۔

اور نیز اس کے بارے میں فرمایا:

لَوْ لَا الْقُرْاٰنُ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَانٌ۔ (ص ۲۸۸)

"اگر قرآنِ کریم کا ظاہر حکم نہ ہوتا تو میرا "صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس عورت کا بھی عجیب تر معاملہ ہوتا (یعنی میں اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا)" (ص ۲۸۸)

مذکورہ تمام ارشادات میں اس امر کی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ (وقوعِ جرم پر شریعت کے ظاہری حکم کے مطابق گواہ مل جانے، یا (مجرم کے) اعتراف جرم پر ہی فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے جبکہ اندرونی امور اور ان کے حقائق پر مطلع ہونے کے باوجود فیصلہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (اگرچہ سیّد عالم ﷺ کو ظاہری امور کے مطابق ہی فیصلہ فرمانے کا حکم تھا) مگر اللہ جل مجدہٗ کو آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کی شان و شرافت بڑھانا مقصود تھی۔ اس لیے (بعد میں) آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" کو باطنی امور اور ان کی حقیقت کے مطابق فیصلہ فرمانے کی بھی اجازت فرما دی تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ کے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے شرائع اور حضرت خضر علیہ السلام کی خصوصیت (یعنی باطنی امور پر فیصلہ صادر فرمانا) سبھی اکٹھی کر دی گئیں جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی علیہ السلام کو یہ دونوں خصوصیات اکٹھی حاصل نہیں ہوئیں۔

اپنے علم کے مطابق فیصلہ کون کرسکتا ہے؟

(اسی بناء پر) امام قرطبی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ تمام (مذاہب حقہ کے) علماء کا اس پہ اتفاق ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے علم کے مطابق قتل کا فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اس کی شہادت اس نمازی اور چور کا واقعہ ہے جن کے قتل کر دینے کا آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے حکم صادر فرمایا تھا۔

فَاِنَّهٗ اِطَّلَعَ عَلٰى بَاطِنِ اَمْرِهِمَا وَعَلِمَ مِنْهُمَا مَا يُوْجِبُ الْقَتْلَ۔ (ص ۲۸۸)

"کیونکہ آپ ﷺ ان کے باطنی معاملہ پر مطلع تھے۔ اوران کے قتل کے سبب کو جانتے تھے"۔

نوٹ: آخر باب میں جن لوگوں نے ان دونوں حدیثوں سے میرے استشہاد کونہیں سمجھا، اب انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت وحقیقت سے مراد صرف ظاہری و باطنی حکم ہے، اس کے علاوہ کوئی اور شے نہیں۔ اور نہ ہی کوئی مسلمان، کوئی کافر، کوئی پاگل اس کا قائل ہے (کہ شریعت وحقیقت سے مراد ظاہری وباطنی حکم نہیں ہے)

اچانک مرنے والے کو حضرت خضر علیہ السلام قتل فرماتے ہیں

وَقَدْ ذَكَرَ بَعْضُ السَّلَفِ أَنَّ الْخِضَرَ إِلَى الْآنِ يَنْفُذُ الْحَقِيقَةَ، وَأَنَّ الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ فَجْأَةً هُوَ يَقْتُلُهُمْ فَإِنْ صَحَّ ذَالِكَ فَهُوَ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِطَرِيْقِ النِّيَابَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُ صَارَ مِنْ اِتْبَاعِهٖ۔ (ص ۲۸۸)

"بعض آئمہ متقدمین نے ذکر فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک انہی باطنی امور پر فیصلہ فرماتے ہیں۔ (اسی لیے کہا گیا ہے کہ) جولوگ اچانک مرتے ہیں انہیں آپ ہی قتل فرماتے ہیں۔ (آئمہ کی) یہ رائے اگر درست تسلیم کرلی جائے توان کا یہ حکم اس امت میں نبی کریم ﷺ کے نائب ہونے کی حیثیت میں ہے۔ اس لیے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پیروکاروں میں سے ہیں"۔

عیسیٰ علیہ السلام حضور علیہ السلام کے نائب ہوں گے

كَمَا أَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا يَنْزِلُ، يَحْكُمُ بِشَرِيْعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَابَةً عَنْهُ وَيَصِيْرُ مِنْ اَتْبَاعِهٖ وَاُمَّتِهٖ۔ (ص ۲۸۸)

"جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو آپ علیہ السلام سید عالم ﷺ کی شریعت کے مطابق آپ "ﷺ" کے نائب ہو کر ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ اور آپ کے پیروکاروں اور آپ "ﷺ" کی اُمت میں سے ہوں گے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیّد عالم ﷺ کے کلیم اللہ ہونے میں فرق

شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ (اگر) اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور اور وادیِ مقدس میں کلام

فرمایا(تو) ہمارے نبی مکرم ﷺ سے،سدرۃ المنتہیٰ پر کلام فرمایا۔

اور صرف ہمکلامی سے ہی نہیں نوازا، بلکہ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو اپنے دیدار، محبت وخلت سے بھی سرفراز فرمایا۔

علامہ ابنِ عساکر قدس سرہ نے حضرت سیّدنا (عبداللہ) بن مسعود سلام اللہ علیہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ نَحَلْتُ اِبْرَاهِيْمَ خُلَّتِیْ، وَکَلَّمْتُ مُوْسٰی تَکْلِيْمًا، وَاَعْطَيْتُکَ يَا مُحَمَّدُ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) خُلَّتِیْ وَمَحَبَّتِیْ وَکَلَّمْتُکَ کِفَاحًا۔ (ص۲۸۹)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میرے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پروردگار عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم علیہ السلام کو (تو) اپنی خُلت عطا کی اور موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ (مگر) اے محبوبِ مکرم! ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو اپنی کثیر محبت اور عظیم خلت عطا کی، اور (بلا حجاب) اپنے رُوبرو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے کلام کیا۔''

(نیز) علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ حضرت سیّدنا سلمان (فارسی) رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا (یا رسول اللہ! ﷺ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے کلیم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی رُوح، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ عزوجل کے خلیل، حضرت آدم علیہ السلام اللہ جل مجدہٗ کے صفی ہیں۔ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو کون سی برتری حاصل ہے؟ اسی اثناء میں حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حاضرِ خدمتِ عالیہ ہو کر عرض کیا: (یارسول اللہ ﷺ! آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا پروردگار جل وعلا فرماتا ہے: (اے محبوبِ معظم ﷺ!) ابراہیم علیہ السلام اگر میرے خلیل ہیں، تو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میرے حبیب ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اگر زمین پر میرے کلیم ہیں، تو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' آسمان پر میرے کلیم ہیں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق رُوحِ مقدس سے ہے تو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے اسم گرامی کی تخلیق تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کی ہے۔)

(اے محبوب مکرم ﷺ!) آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' آسمان کی ان بلندیوں تک پہنچے، جہاں نہ تو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے پہلے کوئی پہنچا، اور نہ بعد میں کوئی پہنچ سکے گا۔

25B

آدم علیہ السلام اگر میرے صفی (برگزیدہ) ہیں تو آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میرے بھیجے ہوئے آخری نبی ہیں۔

اور میرے ہاں مخلوق میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے بڑھ کر مکرم نہیں۔

(ان کے علاوہ یہ خوبیاں بھی صرف آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی کو دی گئی ہیں)

میں نے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو حوضِ کوثر، شفاعتِ (عظمٰی)، شاخ، اونٹنی، تاج، شجاعت، حج وعمرہ اور برکاتِ ماہِ رمضان مرحمت کیے، شفاعت سب کی سب آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے لیے ہے۔ (یعنی شفاعت کی کل اقسام کے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی مالک ہوں گے) حتیٰ کہ قیامت میں میرے عرش کا سایہ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پر ہی پھیلا ہوگا اور سبھی خوبیوں کا تاج آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی کے سر ہوگا۔ میں نے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا اسم گرامی اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ (یعنی) جہاں میرا ذکر ہوگا، وہیں میرے ساتھ آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا بھی ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَاَهْلَهَا، لِاُعْرِفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَلَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا۔ (ص۲۸۹)

''میں نے دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لیے بنایا تا کہ میرے ہاں آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا جو مرتبہ و مقام، اور شرافت و بزرگی ہے، وہ انہیں بتا دوں''۔

(پیارے! ''صلی اللہ علیہ وسلم'') اگر آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا، تو میں دنیا ہی پیدا نہ کرتا(1)۔

(نیز) امام ابن عساکر قدس سرہٗ حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اَعْطَا مُوْسٰى الْكَلَامَ وَاَعْطَانِيَ الرُّؤْيَةَ، وَفَضَّلَنِيْ بِالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَالْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ۔ (ص۲۸۹)

''بے شک اللہ جل اسمہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی سے نوازا۔ اور مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اپنے دیدار سے سرفراز فرمایا۔ اور (نیز) مقامِ محمود اور حوضِ مورود (کوثر) سے مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' برتری عطا فرمائی''۔

اور (یہی) امام ابن عساکر قدس سرہٗ حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

1۔ مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل

لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ،قَرَّبَنِیْ رَبِّیْ حَتّٰی کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ کَقَابَ قَوْسَیْنِ،اَوْ اَدْنٰی، وَقَالَ لِیْ یَا مُحَمَّدُ هَلْ غَمُّکَ اَنْ جَعَلْتُکَ آخِرَ النَّبِیِّیْنَ قُلْتُ لَا، قَالَ فَهَلْ غَمُّ اُمَّتِکَ اَنْ جَعَلْتُهُمْ آخِرَ الْاُمَمِ قُلْتُ لَا،قَالَ اَخْبِرْ، اُمَّتَکَ اَنِّیْ جَعَلْتُهُمْ آخِرَ الْاُمَمِ،لِاُفْضِحَ الْاُمَمَ عِنْدَهُمْ وَلَا اَفْضَحَهُمْ عِنْدَ الْاُمَمِ ۔(ص۲۸۹)

''جب مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' راتوں رات سیر کرائی گئی تو اللہ عزوجل نے مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اتنا قریب کیا کہ میرے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور اس کے درمیان صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم،اور (اس مقامِ قرب میں) مجھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے فرمایا محبوب مکرم! کیا آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو یہ غم تو نہیں کہ میں نے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو آخری نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نے عرض کی، نہ خداوندا۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا، تو کیا آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو اپنی امت کا یہ غم ہے کہ میں نے اسے سب امتوں کے بعد بنایا۔ میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نے عرض کیا، پروردگار! نہیں تو۔ پھر اللہ عزاسمہٗ نے مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' فرمایا (حبیب لبیب! ''صلی اللہ علیہ وسلم'') آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اپنی امت کو آگاہ کر دیجئے کہ میں نے اسے سب سے آخر اس لئے بنایا تا کہ پہلی (ناہنجار) امتوں کو اس کے سامنے رسوا کروں۔ اور انہیں ان کے سامنے کسی قسم کی خفت محسوس نہ ہو''۔

☆ شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے وحی کی جملہ اقسام میں کلام فرما کر سرفراز فرمایا۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ رؤیائے صادقہ (یعنی قبل از بعثت سچے خواب)

۲۔ بلاواسطہ (مقامِ اَوْ اَدْنٰی میں) آپ ﷺ سے ہمکلامی۔

۳۔ اور بوساطتِ جبریل امین آپ ﷺ سے کلام فرمانا۔

وہ خصائص جو سیّد عالم ﷺ کے علاوہ کسی میں نہیں ہیں

☆ نبی اکرم ﷺ کے انہی خصائص میں سے آپ کا ایک مہینہ کی مسافت تک آگے، پیچھے رعب سے مدد و نصرت کا ملنا۔

☆ اور جامع کلمات کا عطا ہونا۔

☆ زمین کے تمام خزانوں کی چابیوں کا ملنا۔

☆ مغیباتِ خمسہ کے سوا ہر ایک شے کا عالم ہونا۔ مگر بعض آئمہ نے فرمایا کہ ان پانچوں علموں کے بھی آپ عالم ہیں۔

☆ اور دجال کے حالات جس قدر آپ ﷺ پر عیاں کیے گئے، آپ سے پہلے کسی بھی نبی پر اس قدر واضح نہ ہوئے تھے۔

☆ اور احمد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا اسمِ گرامی ہونا۔

اور بیک وقت نبوت وسلطنت دونوں کا یکجا ہونا۔

☆ بقول امام ابن سبع قدس سرہٗ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دینا ہے۔

حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، امام ابن ابی شیبہ، امام بیہقی قدس سرہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' جو کچھ دیا گیا مجھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو بھی نہ دیا گیا۔

☆ (مثلاً) میری امداد رعب سے فرمائی گئی۔

☆ مجھے تمام زمین کی چابیاں دی گئیں۔

☆ میرا نام احمد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' رکھا گیا۔

☆ اور مٹی میرے لیے پاک کردی گئی۔

☆ اور میری امت سب امتوں سے بہتر۔

امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ ''رضی اللہ عنہ'' سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے سب انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجہ سے برتری حاصل ہے:

☆ مجھے جامع کلمات دیے گئے۔

☆ رعب سے میری مدد کی گئی۔

☆ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں۔

☆ تمام زمین میرے لیے مسجد اور ذریعہ پاکیزگی بنادی گئی۔

☆ مجھے ساری کائنات کا رسول بنا کر بھیجا گیا۔

☆ اور محمد "صلی اللہ علیہ وسلم" پر بابِ نبوت ختم کر دیا گیا۔

امام بزار قدس سرہٗ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں، جو مجھ سے پیشتر کسی بھی نبی "علیہ السلام" کو میسر نہ ہوئیں:

☆ بذریعہ رعب میری مدد کی گئی۔

☆ مجھے جامع کلمات دیئے گئے۔

☆ اور اموالِ غنائم میرے لیے حلال کیے گئے۔

(قولِ راوی) نبی کریم ﷺ نے دو باتیں اور بھی ذکر فرمائی تھیں جو مجھے یاد نہ رہیں۔ (ہاں) امام ابونعیم قدس سرہٗ نے اپنی روایت میں وہ دو باتیں بھی ذکر کر دی ہیں۔ (وہ یہ کہ آپ نے فرمایا:)

☆ میں سیاہ، سفید، سرخ سبھی کا رسول ہوں۔

☆ اور تمام زمین میرے لیے مسجد و ذریعہ پاکیزگی بنا دی گئی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

نبی کریم ﷺ کی دو ماہ کی مسافت تک اپنے دشمنوں پر رعب و خوف سے مدد کی گئی ہے۔

(نیز) امام طبرانی قدس سرہٗ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام پر پانچ وجہ سے فوقیت دی گئی ہے:

☆ میں ساری کائنات کی طرف رسول بنایا گیا ہوں۔

☆ میری سفارش اپنی امت کے لیے محفوظ رکھی گئی ہے۔

☆ ایک ماہ کی مسافت تک آگے پیچھے سے بذریعہ رعب میری مدد کی گئی ہے۔

☆ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور ذریعہ پاکیزگی بنا دی گئی ہے۔

☆ اور مالِ غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہ تھا۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے، اور فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے خوشخبری سنائی، کہ:

☆ اللہ جل شانہٗ نے میری فرشتوں کے ذریعہ تائید فرمائی ہے۔

☆ اور رعب کے ساتھ میری نصرت فرمائی۔

☆ اور مجھے غلبہ و سلطنت عطا فرمائی۔

☆ میرے اور میری امت کے لیے غنائم کو حلال کیا جبکہ ہم سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

تبصرۂ غزالی قدس سرہٗ

احیاءُ العلوم میں امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ غلبہ و شوکت اور سلطنت و نبوت کے یکجا ہونے ہی کی وجہ سے ہمارے رسولِ مکرم ﷺ کو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری و فوقیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ آپ ہی کے سبب اللہ جل مجدہٗ نے امور ہائے دین و دنیا کو مکمل فرمایا، اور آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بیک وقت سلطنت و سطوتِ سیف نہ تھی۔

حضرت سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی قدس سرہٗ نے اللہ عزوجل کے اس ارشادِ گرامی:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ (بنی اسرائیل:80)

"اور یوں عرض کرو اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا، اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے"۔

کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ مَكَّةَ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاَدْخَلَهُ الْمَدِيْنَةَ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَعَلِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَاطَاقَةَ لَهُ بِهٰذَا الْاَمْرِ اِلَّا بِسُلْطَانٍ فَسَأَلَ سُلْطَانًا نَصِيْرًا لِكِتَابِ اللّٰهِ وَحُدُوْدِهٖ وَفَرَائِضِهٖ وَلِاِقَامَةِ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّ السُّلْطَانَ عِزَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ جَعَلَهَا بَيْنَ اَظْهُرِ عِبَادِهٖ لَوْ لَا ذَالِكَ لَاَغَارَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَاَكَلَ شَدِيْدُهُمْ ضَعِيْفَهُمْ۔ (ص ۲۹۰)

"اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کا مکہ مکرمہ سے خروج صدق کے ساتھ فرمایا اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کا داخلہ بھی صدق کے ساتھ فرمایا اور آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ کام (یعنی اشاعتِ دین، یا جہاں کہیں بھی آپ ہوں یا جو بھی منصب و کام آپ کو سونپا گیا ہے اس سے خروج و دخول بصدق) بلا سلطنت و غلبہ نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ ﷺ نے اللہ جل مجدہٗ سے قرآنِ کریم کے لیے (جو کہ تقویتِ دین کا سب سے عالی ذریعہ ہے) اور اس کے حدود و فرائض، اور اس کے احکام کے نفاذ کے لیے مددگار غلبہ (یعنی سلطنت و

سطوت) مانگا۔ اس لیے کہ صاحب سلطنت ہونا ہی وہ غلبہ و دبدبہ ہے جسے اللہ جل مجدہٗ نے اپنے بندوں کے درمیان مقرر فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی سلطنت نہ ہوتی تو پھر لوگ آپس میں ایک دوسرے پر غارت کرتے رہتے، اور توانا ناتواں کو کھا جاتے''۔

امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

☆ بذریعہ رعب میری مدد کی گئی۔

☆ مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں۔

☆ اور اس اثناء میں کہ میں استراحت کناں تھا، ناگاہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں، اور پھر میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو وہ خزانے استعمال نہ فرمائے، اور تشریف لے گئے۔ اور ان خزانوں کو اب تم نکال رہے ہو۔

جامع کلمات کا ایک مطلب

علامہ ابن شہاب قدس سرہٗ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ جامع کلمات یہ ہیں کہ اللہ جل مجدہٗ نے وہ تمام امور کثیرہ جو آپ ﷺ سے پہلے (آسمانی) کتابوں میں لکھے جاتے تھے، ایک یا دو یا ان کے علاوہ کلموں میں آپ ﷺ کے لیے اکٹھے فرما دیے ہیں۔ امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''سندِ حسن'' سے اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے (کتاب) ''الزہد'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

حضور سید عالم ﷺ اور حضرت جبریلِ امین ایک دن صفا پہاڑ پر تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل! آلِ محمد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے لیے مشت بھر آٹا اور ستو نہیں ہوئے۔ ابھی آپ ﷺ اپنی گفتگو شریف ختم نہ کر پائے تھے کہ یکا یک آسمانی چرچراہٹ سنائی دی۔ پھر ناگاہ اسرافیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے سن لیا ہے، تو اب مجھے زمین کے تمام خزانوں کی ہی چابیاں دے کر بھیجا ہے۔ اور مجھے آپ ﷺ کی یہ خدمت کرنے کا حکم فرمایا کہ میں ''تہامہ'' کے پہاڑ سونے، چاندی، زمرد، یاقوت کے طور پر آپ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ہمراہ لے کر چلتا رہوں۔ اب آپ ﷺ کو اختیار ہے، چاہیں تو نبوت کے ساتھ بادشاہت رکھیں یا چاہیں تو نبوت کے ساتھ عبدیت رکھیں۔

حضرت جبریلِ امین نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ عبدیت اختیار فرمائیں۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "میں تو نبی عبد ہی رہنا چاہتا ہوں"۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسولِ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے مجھ پر وہ آسمانی فرشتہ اترا ہے جو نہ ہی تو مجھ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام پر اترا اور نہ ہی میرے بعد کسی پر اترے گا۔ اور وہ فرشتہ اسرافیل ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا میں آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے پروردگار کا فرستادہ ہوں، مجھے حکم ملا ہے کہ میں آپ ﷺ کو یہ بتادوں کہ آپ ﷺ اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ بادشاہت رہے، اور اگر پسند فرمائیں تو نبوت کے ساتھ عبدیت رہے۔ (اس وقت) میں نے جبریل کی طرف نگاہ کی تو انہوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ آپ ﷺ عبدیت ہی رکھیں۔

فَلَوْ اَنِّیْ قُلْتُ نَبِیًّا مَلِكًا لَسَارَتْ مَعِیَ الْجِبَالُ ذَهَبًا۔ (ص۲۹۱)

"اگر میں کہہ دیتا کہ میں تو نبوت کے ہمراہ بادشاہی چاہتا ہوں تو پھر پہاڑ میرے ہمراہ سونا بن کر چلتے"۔

الامام الافخم احمد رضی اللہ عنہ اور امام ابن حبان قدس سرہٗ نے اپنی صحیح میں، اور امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیْتُ بِمَقَالِیْدِ الدُّنْیَا عَلٰی فَرَسٍ اَبْلَقَ جَآءَ نِیْ بِهٖ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ قَطِیْفَةُ سُنْدُسٍ۔ (ص۲۹۱)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں ایک چتکبرے گھوڑے پر میرے پاس لائی گئیں۔ اس گھوڑے پر ریشمی پالان تھا جسے جبریل امین میرے پاس لے کر آئے تھے"۔

علّامہ ابن سعد اور امام ابونعیم قدس سرہما نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ جل مجدہٗ نے مکہ مکرمہ کے پہاڑ سونا بنا دینے کی پیشکش فرمائی تھی، مگر میں نے عرض کی: پروردگار! میں یہ نہیں چاہتا، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں، پھر جس دن بھوکا رہوں تو تیری یاد میں تیری ہی طرف رجوع کروں۔ اور جس دن شکم سیر ہو جاؤں تو اس دن تیری حمد و سپاس بجالاؤں۔

علّامہ ابن سعد اور امام بیہقی قدس سرہما نے حضرت ام المومنین سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک دن میرے پاس ایک انصاری خاتون حاضر ہوئی۔ اور اس خاتون ''رضی اللہ عنہا'' نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا بچھونا صرف دوہرا کیا ہوا کمبل ہے، پھر اس انصاری خاتون ''رضی اللہ عنہا'' نے واپس جا کر میری طرف ایک ایسا گدا بھیجوادیا جس کے اندر اون بھری ہوئی تھی۔ بعدہٗ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے وہ بچھونا ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا: عائشہ! (رضی اللہ عنہا) یہ گدیلا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ''صلی اللہ علیہ وسلم''! فلاں انصاری خاتون میرے ہاں آئی تھیں انہوں نے آپ ﷺ کا بچھونا دیکھنے کے بعد اپنے گھر جا کر یہ گدیلا میرے ہاں بھیجوادیا ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے واپس بھیجوادو۔ مگر میں نے اسے واپس نہ کیا کیونکہ مجھے یہی پسند تھا کہ یہ میرے ہی گھر میں رہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا: عائشہ! (رضی اللہ عنہا) میں جو کہہ رہا ہوں اسے واپس بھیجوادو۔ عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تمہیں کیا معلوم ہے۔

وَاللّٰہِ لَوْ شِئْتُ لَاَجْرَی اللّٰہُ مَعِیَ جِبَالَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ۔ (ص ۲۹۱)

''اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ جل مجدہٗ میرے ہمراہ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دے''۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اپنی مُسند میں، اور امام ابو یعلی قدس سرہٗ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے تمام کلام (الٰہی) کے ابتدائی اور آخری وجامع حصے عطا کیے گئے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے بسندِ صحیح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علوم خمسہ جو

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (لقمان:34)

''بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم''۔

کی آیت میں مذکور ہیں، کے علاوہ مجھے ہر شے کے علم کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ اور امام ابو یعلی قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے نبی کریم ﷺ کو اشیاء خمسہ کے سوا ہر شے کے علم کی چابیاں دی گئی ہیں۔ اور وہ پانچ چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ

''بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم''۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے راوی، انہوں نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک نبی ''علیہ السلام'' نے اپنی اپنی امت کو (فتنہ) دجال سے ڈرایا۔ مگر ایک بات اس کے بارے میں جو مجھے بتائی گئی ہے، وہ کسی کو بھی نہ معلوم ہوئی وہ یہ کہ ''دجال یقیناً کانا ہے'' جبکہ تمہارا پروردگار یقیناً اس طرح نہیں۔

علوم خمسہ کے بارہ میں محاکمۂ سیوطی قدس سرہٗ

ذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُوْتِيَ عُلُوْمَ الْخَمْسِ اَيْضًا وَعِلْمَ وَقْتِ السَّاعَةِ وَالرُّوْحِ وَاِنَّهٗ اَمْرٌ بِكَتْمِ ذَالِكَ۔ (ص ۲۹۱)

''بعض آئمہ کرام نے یہ فرمایا کہ (وہ) علوم خمسہ (جو ان الله عنده علم الساعة الخ میں مذکور ہیں) بھی آپ ﷺ کو بتلائے گئے ہیں، (یعنی) قیامت کے وقت کا علم روح وغیرہ کا علم بھی آپ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ مگر (ان علوم کے نفی کی نسبت میں راز یہ ہے کہ) ان علوم کے مخفی رکھنے کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے''(1)۔

خلیل وحبیب وکلیم ﷺ

☆ امام ابن سبع قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ بن کھائے پیئے شب باشی فرماتے اور صبح کو شکم سیر ہو کر بیدار ہوتے تھے۔

☆ اور نیز یہ کہ زور وقوت میں آپ ﷺ پر کوئی بھی غلبہ نہ پاسکتا تھا۔

☆ اور یہ کہ جب بھی آپ ﷺ وضو فرمانے کا ارادہ فرماتے، اور اس وقت اگر پانی موجود نہ ہوتا تو اپنی انگشت ہائے مقدسہ کو پھیلا دیتے تو ان سے وضو مکمل کرنے تک پانی بہتا رہتا تھا۔

☆ وَاِنَّ اللّٰهَ جَمَعَ لَهٗ بَيْنَ الْمَحَبَّةِ وَالْخِلَّةِ وَالْكَلَامِ۔ (ص ۲۹۱)

''اور اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے لیے محبت، خلت اور تکلم کو جمع فرمادیا ہے''۔

(یعنی آپ ﷺ اللہ کے محبوب، اس کے خلیل اور اس کے کلیم ہیں جَلَّ مَجْدہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم)

☆ وَكَلَّمَهٗ بِمَوْضِعٍ لَمْ يَطَاْهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔ (ص ۲۹۱)

''اور اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو اپنے کلام سے وہاں سرفراز فرمایا جہاں کوئی مقرب

1۔ اس کے علاوہ اس آیت کی ایمان افروز تفسیر، اور علوم خمسہ کے بارے میں عمدہ دلائل و براہین صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ کی تفسیر ''خزائن العرفان بر کنز الایمان'' میں ملاحظہ کریں۔ (مترجم غفرلہٗ)

فرشتہ اور نبی مرسل دم نہیں مار سکتا۔"

☆ اور یہ کہ (قطعِ مسافت کے وقت) زمین آپ ﷺ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی۔

شرحِ صدر و رفعِ ذکر

☆ سیّدِ عالم ﷺ کے انہی خصائص سے (ہدایت، معرفت، نبوت، موعظت، علم و حکمت کے لئے) آپ ﷺ کے سینہ فیض گنجینہ کا کشادہ ہونا ہے۔

☆ اور (گناہ ہائے امت کے غم کا) بوجھ اترنا۔

☆ اور آپ ﷺ کے ذکر شریف کا بلند ہونا۔ (اور آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ) اللہ جل مجدہٗ کا آپ ﷺ کے اسم گرامی کو اپنے نام سے ملانا ہے۔

☆ اور آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں ہی آپ ﷺ کی امت کی بخشش کے وعدہ کا ہونا، آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔

وَبِأَنَّهٗ حَبِيْبُ الرَّحْمَانِ وَسَيِّدُ وُلْدَ آدَمَ۔ (ص ۲۹۱)

"اور اللہ جل شانہٗ کا محبوب ہونا، اور جمیع اولادِ آدم کا سردار ہونا ہے"۔

☆ اور آپ ﷺ ہی اللہ جل مجدہٗ کے ہاں سب سے بڑھ کر مکرم ہیں۔

☆ اور سب رسولانِ کرام علیہم السلام اور سب فرشتگان سے برتر آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

وَعُرِضَ عَلَيْهِ اُمَّةٌ بِاَسْرِهِمْ حَتّٰى رَاٰهُمْ وَعُرِضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْ اُمَّةٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ (ص ۲۹۱)

"اور آپ ﷺ کی سب کی سب امت آپ ﷺ کے سامنے کی گئی حتیٰ کہ سبھی کو آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اور قیامت تک آپ ﷺ کی امت میں جو بھی ہونے والا، سبھی آپ ﷺ کے علم میں لایا گیا"۔

☆ انہی خصائص سے یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کی آخری آیات، اور مفصل (لمبی) سورتیں، اور سبع طوال (سات لمبی سورتیں) آپ ﷺ کو عنایت کی گئیں۔

خصوصیتِ انشراحِ صدر پر دلیل

☆ سینہ اقدس کی کشادگی، بوجھ کے اترنے اور رفعِ ذکر شریف پر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی شاہد ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ (الم نشرح)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا، اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا''۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلوں، پچھلوں کے گناہوں کو بخشا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائے گئے الزامات کو مٹایا، جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

امام بزار قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
مجھے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجہ سے برتری حاصل ہے، جو پہلے کسی کو بھی عطا نہ ہوئیں:

☆ اللہ جل مجدہٗ نے میرے سبب تمام اولین و آخرین کے گناہوں، اور (نیز) مجھ پر لگائے گئے الزامات کو مٹایا۔

☆ غنیمتیں میرے لیے حلال کر دی گئیں۔

☆ میری امت تمام امتوں سے افضل بنائی گئی۔

☆ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور ذریعہ پاکیزگی بنادی گئی۔

☆ مجھے خیر کثیر دی گئی اور ہیبت سے میری مدد کی گئی۔

☆ اللہ کی قسم! قیامت کے دن تمہارے ہم نشین (صلی اللہ علیہ وسلم) لواء حمد (ہمہ تن خوبیوں کا حامل پرچم) کے مالک ہیں۔ جس کے بتلے آدم علیہ السلام، اور ان کے علاوہ سبھی ہوں گے۔ (تبصرہ) شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے فرمایا کہ یہ خصوصیت صرف سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہے اللہ جل مجدہٗ نے (دنیا میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آمرزش کی خبر دے دی ہے۔

جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے لیے بھی اس قسم کی خبر منقول نہیں ہے۔ بلکہ (فحوائے حدیث کا) ظاہر یہی بتارہا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے انہیں خبر ہی نہیں دی۔ اس کی تائید ان کی قیامت کی حالت سے بھی ہوتی ہے جبکہ محشر میں سبھی ''نفسی نفسی'' پکاریں گے۔

علامہ ابن کثیر قدس سرہما نے اپنی تفسیر میں سورۂ فتح کی (مذکورہ) آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھا کہ اس (مذکورہ) خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی انفرادیت کی حامل ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بھی ثانی (و مثیل) نہیں ہے۔

رفعِ ذکر و شروحِ صدر کی تائید میں مروی احادیث

☆ امام طبرانی قدس سرہٗ، امام بیہقی، امام ابونعیم قدس سرہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار جل شانہٗ سے (اولاً تو) ایک سوال کرلیا (مگر پھر مجھے خیال آیا کہ اگر) میں اس سوال کو نہ پوچھتا تو بہتر ہوتا، میں نے (یوں) عرض کیا: پروردگار! مجھ سے پہلے رسولوں علیہم السلام میں سے بعض تو وہ تھے جو مردے زندہ کردیا کرتے تھے، اور بعض وہ تھے جن کے تابع فرمان ہوا تھی تو (میرے اس سوال کے جواب میں) اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا (اے محبوب مکرم!) کیا میں نے تجھے عز و شرف میں یکتا و بے نظیر نہ پایا۔ پھر تمہیں مقامِ قرب میں جگہ دی(1)۔ کیا میں نے تجھے اپنی محبت میں خود رفتہ نہ پایا، تو تمہیں اپنی طرف راہ دی۔ کیا میں نے تمہیں حاجت مند نہ پایا پھر تمہیں غنی کردیا۔ کیا میں نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا، اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتارلیا کیا میں نے تمہارے ذکر کو بلند نہ کردیا۔ میں نے عرض کی: پروردگار! ہاں۔

علامہ ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم جس دن ''ضجنان'' میں تھے، تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ بھاگے جا رہے ہیں، اور کہتے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کچھ نازل ہوا ہے چنانچہ میں بھی لوگوں کے ہمراہ دوڑتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوگیا، پھر میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ (فتح)

''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی''۔

تلاوت فرمارہے تھے۔

جس وقت حضرت جبریل امین یہ سورۂ مبارکہ لے کر آئے تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، مبارک ہو۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارکباد دے رہے ہیں تو پھر سب مسلمانوں نے بھی آپ کو مبارکباد پیش کی۔

امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام ابویعلی، امام ابن حبان، امام ابونعیم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۗ (انشراح)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کردیا''۔

1۔ اس ترجمہ کے لیے ملاحظہ کریں تفسیر صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ زیر آیت اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞۔

کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا:

مجھ سے جبریل نے کہا: اللہ جل مجدہٗ فرماتا ہے، جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے نبی کریم ﷺ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے کہ ہر خطیب ہر تشہد (یعنی کلمہ شہادت) پڑھنے والا، اور ہر نمازی ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ساتھ ''وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' کہہ کر آپ ﷺ کو پکارتا ہے۔

اُمتِ خیر الانام ﷺ کے سینے انجیل ہیں

ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں اس امرِ سماوی سے فارغ ہوا جس کا اللہ جل شانہٗ نے مجھے حکم فرمایا تھا۔ تو میں نے عرض کی پروردگار! مجھ سے پہلے ہر نبی تیری کسی نہ کسی بزرگی وفضیلت سے سرفراز ہوا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو تو نے اپنی خلت سے نوازا، موسیٰ علیہ السلام کو تو نے اپنی ہمکلامی سے سرفراز کیا۔ داؤد علیہ السلام کے لیے تو نے پہاڑ مطیع بنائے، اور سلیمان علیہ السلام کے لیے تو نے ہوا اور جنات فرماں بردار بنائے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو نے احیاءِ اموات کے وصف سے ممتاز فرمایا۔

میرے لیے تو نے کون سی فضیلت رکھی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیبِ محترم (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا میں نے ان سب سے بڑھ کر تجھے نہیں دیا، (مثلاً) جب میرا ذکر کیا جائے گا میرے ساتھ تیرا ذکر بھی کیا جائے گا۔

اور میں نے تمہاری امت کے سینے انجیل بنا دیے ہیں کہ وہ قرآن کو رواں پڑھتے ہیں، جبکہ یہ وصف میں نے کسی بھی امت کو نہیں دیا، اور میں نے ایک کلمہ اپنے عرش کے خزانہ سے تجھ پر نازل کیا ہے، اور وہ کلمہ یہ ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اور (اسی طرح) اس سے قبل حدیثِ ''اسریٰ'' میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ جل مجدہٗ کی ثناء بیان کرتے ہوئے فرمایا:

- ☆ سب خوبیاں اس اللہ کو جس نے مجھے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔
- ☆ اور مجھے سارے لوگوں کا رسول بنایا۔
- ☆ اور مجھ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی وہ کتاب اتاری جس میں ہر شے کا بیان مع البرہان (یعنی

مکمل بیان) ہے۔

☆ اور میری امت کو بہترین امت بنایا جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئی (نیز) جس نے میری امت کو وسط بنایا، اور یہی اوّل و آخر ہے۔

☆ اور جس نے میرا سینہ کشادہ کیا۔

☆ اور جس نے مجھ سے میرے بوجھ کو اتار لیا۔

☆ اور جس نے میرا ذکر بلند کر دیا۔

☆ اور جس نے مجھے فاتح اور آخری رسول بنایا۔

(میری یہ صفات سننے کے بعد) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (اے گروہِ انبیاء علیہم السلام) یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تم سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔

اور اسی حدیث ''اسریٰ'' ہی میں ہے کہ پھر اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ سے فرمایا: اب کچھ مانگئے۔ اس پر آپ ﷺ عرض گزار ہوئے: بار الٰہ! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خُلت اور ایک بڑے ملک سے نوازا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو نے اپنے کلام سے سرفراز فرمایا: اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے تو نے لوہا پگھلایا، پہاڑ ان کے تابع فرمان کر دیئے، اور انہیں (بھی) ملک عظیم عنایت فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو نے تورات و انجیل سکھائی اور ان کو کوڑھوں و اندھوں کو صحت یاب کر دینے کا شرف عنایت فرمایا اور انہیں اور ان کی والدہ کو تو نے راندے ہوئے شیطان سے اپنی پناہ کی خصوصیت سے مشرف فرمایا، یہی وجہ تھی کہ ابلیس کو ان دونوں پہ داؤ چلانے کی کوئی تدبیر نہ تھی۔ پھر اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ سے فرمایا:

☆ حبیب لبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے تجھے اپنا محبوب بنایا، اور یہی تورات میں مرقوم ہے کہ تو ''حبیب الرحمان'' ہے۔

☆ اور میں نے تجھے سب لوگوں کا رسول بنایا اور تمہاری امت کو ہی اول و آخر بنایا۔

☆ اور میں نے تیری امت کے خطب میں یہ لازم کر دیا کہ وہ تمہارے بارے میں شہادت دیں کہ تو میرا عبد اور میرا رسول ہے۔

☆ اور میں نے تجھے تمام نبیوں سے پہلے بنایا اور ان سب سے بعد میں بھیجا۔

☆ اور میں نے تجھے ''سبع مثانی'' دیے جو تجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ مل سکے۔

☆ اور میں نے تجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات عنایت کیں جو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ

ہیں اور جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو بھی عنایت نہ ہوئیں۔

☆ اور میں نے تجھے فاتح اور آخری رسول بنایا۔

اور اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چھ وجوہ سے اللہ جل شانہ نے مجھے فوقیت عطا فرمائی ہے:

☆ ایک ماہ کی مسافت سے اللہ جل مجدہ نے میرا رعب و دبدبہ میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔

☆ اور میرے لیے غنائم حلال کی گئیں جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

☆ اور میرے لیے روئے زمین کو مسجد اور ذریعہ پاکیزگی بنا دیا گیا۔

☆ مجھے کلام کے ابتدائی اور جامع حصے عطا کیے گئے۔

☆ میری امت سب کی سب میرے سامنے لائی گئی، جس میں سے کوئی خادم و مخدوم مجھ سے اوجھل نہ رہا۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کل کی شب اس حجرہ کے پاس میری تمام اگلی پچھلی امت میرے سامنے لائی گئی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی وہ امت جو پیدا ہو چکی ہے وہ تو آپ ﷺ پر پیش کی گئی ہوگی مگر جو ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئی وہ کیسے پیش کی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ اس طرح پیش کی گئی کہ) ان کی صورتیں میرے روبرو مٹی میں بنا دی گئیں، اور اب میں ان کو اس طرح پہچانتا ہوں جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے ساتھی کو پہچانتا ہے۔

آخری آیات وغیرہ پر دلائل

امام دارقطنی قدس سرہٗ نے اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

☆ مجھ پر ایک ایسی آیتِ کریمہ اتری ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد میرے علاوہ کسی بھی پیغمبر پر نہیں اتری اور وہ آیت کریمہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' ہے۔

امام ابن مردویہ قدس سرہٗ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، کہ انہوں نے فرمایا: قرآن کریم میں ایک آیت (کی خصوصیت) سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ (اور وہ ایسی آیت کریمہ ہے) جو نبی کریم ﷺ اور حضرت سلیمان علیہ السلام بن حضرت داؤد علیہ السلام کے علاوہ کسی پیغمبر پر نازل نہ ہوئی، اور وہ آیت کریمہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' ہے۔

حضرت ابوعبید اور ابنِ ضُریس رضی اللہ عنہما نے ''فضائل القرآن'' میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

☆ تمہارے نبی محترم ﷺ کو '' آیہ کرسی'' عرش کے خزانہ سے دی گئی ہے، جبکہ تمہارے نبی اکرم ﷺ سے پہلے کسی بھی پیغمبر کو اس قسم کی آیت نہیں دی گئی۔ حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ انہوں نے فرمایا: حضور انور ﷺ کو چار آیات ایسی دی گئیں جو موسیٰ علیہ السلام کو نہ ملیں۔

اور وہ سورۂ بقرۃ کی آخری تین آیتیں جن کی ابتداء ''لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ '' (الآیہ) سے ہوتی ہے، اور ایک آیت الکرسی ہے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، امام طبرانی قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ ''شعب الایمان'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سورۂ بقرہ کی آخری آیات مجھے عرش کے خزانہ سے ملی ہیں، جو میرے علاوہ اس سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ ملیں۔

(نیز) حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث کی مثل ایک مرفوع حدیث روایت فرمائی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ انہوں نے فرمایا:

☆ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں سے جن کی ابتداء ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے ہے اُخروی سامان حاصل کیا کرو اس لیے کہ یہی وہ آیتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ممتاز فرمایا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے الامام الحاکم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

سورۂ بقرہ اور سورۂ فاتحہ کی آخری آیات مجھے عرش کے خزانہ سے دی گئی ہیں، جبکہ مفصّل سورتیں مجھے زائد (بطور انعام) عطا ہوئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام المحدثین مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا، کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مبارک و خوشخبری ہو۔ آپ ﷺ کو دو نور ایسے ملے جو کسی نبی کو نہ ملے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔

☆ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی قدس سرہٗ راوی، کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيْتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ الطِّوَالَ،وَمَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ، وَمَكَانَ الْإِنْجِيْلِ الْمَثَانِيَ،وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ۔

''مجھے توراۃ کی جگہ سات لمبی سورتیں، اور زبور کی جگہ تقریباً دوسو آیات والی سورتیں، اور انجیل کے متبادل سورۂ فاتحہ عنایت کی گئیں، جبکہ مفصل(1) سورتوں کے سبب مجھے برتری دی گئی ہے''۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ اور حضرت ابن مردویہ قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ (حجر)

''اور بیشک ہم نے تمہیں سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں''۔

کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''سبع مثانی ''(سات مکرر) یہی سبع طوال ہیں جو نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کو بھی نہ ملیں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان سے دو مل سکیں، حضرت حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو سات مکرر آیات اور سات لمبی سورتیں عطا ہوئیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ ملی ہیں۔ حضرت ابن مردویہ قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ جل شانہٗ کے اس ارشاد

سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ (حجر)

کی تفسیر میں فرمایا کہ سات مکرر آیات ہی ''سبع طوال'' (سات لمبی) ہیں، جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ ملیں، پھر جب انہوں نے تختیوں کو پھینک دیا تو ان سے دو جاتی رہیں اور بقایا چار رہ گئیں (نیز) ابن مردویہ قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ کی تفسیر میں فرمایا کہ ''سبع مثانی'' تمہارے رسول محتشم ﷺ کے فضائل کا ذخیرہ ہیں، جو آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی پیغمبر کے لیے (اس طرح کا) ذخیرہ نہیں۔

1۔ف: واضح رہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک مفصل سورتوں کی تین اقسام ہیں:

۱۔طوال ۲۔اوساط ۳۔قصار

سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کو طوال مفصل کہا جاتا ہے اور بروج سے سورہ بینہ تک کو اوساط مفصل کہتے ہیں اور بینہ سے آخر تک کو قصار مفصل کہتے ہیں۔(مترجم غفرلہ)

اللہ کے حبیب اور اکرم الخلق ﷺ

امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''شعب الایمان'' میں اور علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيْلًا، وَمُوْسٰى نَجِيًّا، وَاتَّخَذَنِىْ حَبِيْبًا۔ (ص ۲۹۴)

''اللہ جل مجدہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نجی، اور مجھے اپنا حبیب بنایا ہے''۔

پھر سید عالم ﷺ نے فرمایا (کہ مجھ سے اللہ جل شانہٗ نے یوں فرمایا):

وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ لَأُوْثِرت حَبِيْبِىْ عَلٰى خَلِيْلِىْ وَنَجِيِّىْ۔ (ص ۲۹۴)

''مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم، میں اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر ترجیح وفوقیت دیتا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن احمد قدس سرہما نے ''زوائد الزہد'' میں اور امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ثابت بنانی ''رضی اللہ عنہ'' سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ، وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) ہیں اور میں حبیب اللہ (اللہ کا محبوب) ہوں''۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے ''معرفت'' میں حضرت عبدالرحمان بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا (ایک دن) ہم مسجد میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک بادل نمودار ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ایک فرشتہ اترا ہے اور اس نے کہا کہ میں مسلسل اپنے پروردگار سے آپ کی ملاقات کی درخواست کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت اب آیا کہ مجھے آپ ﷺ سے باریابی کا شرف حاصل ہوا۔

إِنِّىْ اُبَشِّرُكَ أَنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنْكَ۔ (ص ۲۹۴)

''میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ کے ہاں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی مکرم نہیں''۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بڑھ کر معزز ہیں۔ (نیز) امام

بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ عَلَی اللّٰہِ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

''اللہ جل مجدہٗ کے نزدیک اس کے سب سے مکرم نائب حضرت رسالت مآب ابوالقاسم ﷺ ہی ہیں''۔

سید عالم ﷺ کی خطاب میں امتیازی حیثیت

☆ امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے بہ نسبت دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام، آپ ﷺ کو خطاب کرنے میں امتیازی حیثیت سے نوازا ہے۔(مثلاً) اللہ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح خطاب فرمایا ہے:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ۔(ص:26)

''اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی''۔

اور اپنے محبوب ﷺ کو اس طرح یاد فرمایا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ (النجم)

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے''۔

(ان دونوں آیتوں کے خطاب میں فرق یوں ہے کہ اوّل الذکر میں اللہ جل مجدہٗ نے ''برتقدیر وقوع'' نفسانی خواہش کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف فرمائی، جبکہ دوسری آیت میں اس سے پہلے کی آیت کے مفہوم کے مطابق) نبی اکرم ﷺ کی قسم فرمانے کے بعد آپ ﷺ سے نفسانی خواہش کی برأت و نفی فرمائی گئی ہے۔اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک حالت کی تعبیر اس طرح فرمائی:

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ (الشعراء:3)

''تو میں تمہارے یہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا''۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ایک واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (انفال:30)

''اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔الخ''

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے (مکہ مکرمہ سے) باہر تشریف لے جانے (وہاں سے) ہجرت فرمانے (کے واقعہ) کو نہایت ہی عمدہ عبارت سے کنایۃً فرمایا ہے (جبکہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خروج وہجرت کی حالت کے بیان میں یہ التزام نہیں رکھا) اور اسی طرح آپ ﷺ کے (سبب) اخراج کی نسبت آپ ﷺ کی طرف نہ فرمائی بلکہ آپ ﷺ کے دشمن کی طرف فرمائی۔ جیسا کہ فرمایا:

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (توبہ:40)

''جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لیجانا ہوا۔ الخ''

اور فرمایا:

مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ (محمد:13)

''جس نے تمہیں تمہارے شہر سے باہر کیا۔ الخ''

(مطلب یہ کہ) نبی کریم ﷺ کے اخراج وہجرت کا اظہار ''فرار'' سے نہ فرمایا، جس میں کہ ایک طرح کی کمزوری کا شائبہ ہے، (اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خروج وہجرت کو صراحۃً فرار سے تعبیر فرمایا ہے)

آپ سے گفتگو کرنے سے قبل خیرات کرنا فرض ہے

☆ سید عالم ﷺ کے انہیں خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ سے تنہائی میں آہستگی سے گفتگو کرنے والے پر اللہ جل مجدہٗ نے فرض فرما دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے سے قبل آپ ﷺ کے رُوبرو خیرات کرے، اور یہ خصوصیت آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی پیمبر کے لیے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ (مجادلہ:12)

''اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو''(1)۔

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: جب اغنیاء مسلمانوں نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا اور یہ سید عالم ﷺ پر گراں گزرنے لگا تو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب

کریم ﷺ کا بوجھ ہلکا فرمانے کا ارادہ فرمایا (تو مذکورہ حکم نازل فرمایا) پھر بہت سے افراد اس طرح (طویل) عرض ومعروض کرنے سے رک گئے۔

اس کے بعد یہ حکم نازل فرمایا کہ:

ءَاَشْفَقْتُمْ (مجادلہ:13)

''کیا تم اس سے ڈرے۔الخ''

مسلمانوں پر وسعت فرمائی اور (پہلا حکم منسوخ فرما کر) انہیں رخصت عنایت فرمادی۔

امام سعید بن منصور قدس سرہٗ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ جو شخص رسول کریم ﷺ سے آہستگی سے گفتگو کرنا چاہتا تو پہلے وہ ایک دینار صدقہ کیا کرتا تھا، سب سے پہلے اس حکم پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عمل فرمایا (اور ایک دینار تصدق فرما کر دس مسائل دریافت فرمائے) پھر اس کے بعد رخصت نازل ہوئی، جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (مجادلہ)

''پھر جب تم نے یہ نہ کیا، اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی''۔

سید عالم ﷺ کی اطاعت بلا حیل وحجت فرض ہے

قَالَ اَبُوْنَعِيْمٍ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ طَاعَتَهٗ عَلَى الْعَالَمِ فَرْضًا مُطْلَقًا لَا شَرْطَ فِيْهِ وَلَا اِسْتِثْنَاءَ۔ (ص ۲۹۴)

''امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سارے جہاں پر آپ ﷺ کی اتباع علی الاطلاق بلا حیل وحجت فرض فرمادی ہے۔ اور آپ ﷺ کی اطاعت میں کسی کو ممتاز نہیں فرمایا''۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (نساء:80)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔''

اور نیز فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (نساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔''

☆ اور نیز آپ ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سب لوگوں پر آپ ﷺ

کے قول وفعل میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو (بھی) علی الاطلاق و بلا امتیاز فرض فرمادیا ہے۔
جیسے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:21)

''بے شک تمہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی بہتر ہے''۔

جبکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے اُسوۂ مبارکہ میں ان کے اپنے قول (یعنی ان کی حدیث) کو مستثنیٰ فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (الممتحنہ:4)

''بے شک تمہارے لیے اچھی پیروی تھی ابراہیم (اور اس کے ساتھ والوں) میں''۔

یہاں تک کہ بعد میں استثناء ذکر فرماتے ہوئے فرمایا:

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ (الممتحنہ:4)

''مگر ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ سے کہنا''۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں جہاں اپنے عصیان و عرفان، فرائض و احکام، اور وعدہ و وعید کا ذکر فرمایا ہے، وہاں اپنے نام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر واضح کرنے کے لیے آپ کے اسمِ گرامی کو بھی ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ (مندرجہ ذیل آیات میں) فرمایا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ (الآیہ)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ الخ''

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال)

''اور اللہ اور رسول کا حکم مانو، اگر ایمان رکھتے ہو''۔

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (توبہ:17)

''اور اللہ و رسول کا حکم مانیں''۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (نور:62)

''ایمان والے تو وہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے''۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (توبہ:1)

''بے زاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے''۔

''جو اللہ و رسول نے ان کو دیا''۔

سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ رَسُوْلُہٗۤ (توبہ:56)

''اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول''۔

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (توبہ:74)

''اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا''۔

كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (توبہ:90)

''جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا''۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (احزاب:37)

''جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی''۔

قرآن کریم میں آپ کے ایک ایک عضو شریف کی توصیف

امام ابن سبع قدس سرہٗ نے فرمایا:

حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کے ایک ایک اندام مبارک کی توصیف و ستائش بیان فرمائی ہے۔

☆ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے روئے تاباں کا وصف اس طرح بیان فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ (بقرہ:144)

''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا''۔

☆ اور آپ ﷺ کی مقدس آنکھوں کی مدح یوں فرمائی:

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ (حجر:88)

''اور اپنی آنکھیں اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو''۔

☆ آپ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان کی توصیف اس طرح بیان فرمائی:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (الدخان:58)

''تو ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا''۔

☆ دستِ اقدس اور گردن مبارک کی ستائش اس طرح کی ہے:

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل:29)

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ''۔

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ (توبہ:3)

''اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے''۔

اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ (انفال:24)

''اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو''۔

وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (نساء:14)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے''۔

شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (انفال:13)

''اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی''۔

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (انفال:13)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے''۔

مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (توبہ:63)

''جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا''۔

وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ (توبہ:16)

''اور اللہ اور اس کے رسول (اور مسلمانوں) کے سوا''۔

یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (مائدہ:33)

''اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے (ہیں)''۔

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (توبہ:29)

''اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے''۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (انفال:1)

''تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں''۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ (انفال:41)

''تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول۔ الخ''

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (نساء:59)

''تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو''۔

مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (توبہ:59)

☆ اور آپ ﷺ کے سینہ (علم و حکمت کے گنجینہ) کا وصف اس طرح بیان فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (انشراح)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا''۔

☆ (غمِ امت کا بوجھ اٹھانے والی) کمرِ اقدس کے بارے میں یوں فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (انشراح)

''اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی''۔

☆ (کبھی بھی نہ سونے والے) قلب منور کی اس طرح تعریف فرمائی:

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (بقرہ:97)

''تو اس نے تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتارا''۔

☆ اور آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کی عظمت اس طرح بیان فرمائی:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (قلم:4)

''اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''۔

زمین و آسمان میں آپ ﷺ کے وزراء کرام

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے جسے امام بزار و امام طبرانی قدس سرہما نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَیَّدَنِیْ بِاَرْبَعَةِ وُزَرَآءَ اِثْنَیْنِ مِنْ اَهْلِ السَّمَآءِ جِبْرِیْلَ وَمِیْكَائِیْلَ وَاِثْنَیْنِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔(ص۲۹۶)

''سید عالم ﷺ نے فرمایا، اللہ جل مجدہٗ نے میری چار وزیروں سے مدد فرمائی ہے۔ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں، ایک جبریل امین علیہ السلام اور دوسرے میکائیل علیہ السلام، اور دو وزیر زمین میں ہیں، ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں''۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ اور حضرت امام ابنِ ماجہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: (یہی وجہ ہے کہ آسمانی رعیت کی رعایت فرماتے ہوئے)۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى، مَشٰى اَصْحَابُهٗ اَمَامَهٗ

وَتَرَكُوْا ظَهْرَهٗ لِلْمَلٰئِكَةِ۔

"نبی کریم ﷺ جب کہیں تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام آپ ﷺ کے آگے آگے چلا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی پشتِ اقدس فرشتوں کے لیے چھوڑ دیا کرتے تھے"۔

سیّد عالم ﷺ کے رفقاء کرام

الامام الحاکم قدس سرہٗ اور علاّمہ ابنِ عساکر قدس سرہٗ نے حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات رفیق (مخلص ساتھی) دیے گئے ہیں، جبکہ مجھے چودہ رفیق دیے گئے ہیں۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا، حضرت فرمایئے تو سہی وہ چودہ رفقاء کون کون سے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں سے ایک تو میں ہوں۔

۲۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

۳۔ میرے دونوں بیٹے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور

۴۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت سلمان (فارسی) رضی اللہ عنہ

۱۲۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ

شدائد و حوائج کے وقت کی دو دعائیں

امام دار قطنی قدس سرہٗ نے "موتلف" میں حضرت امام الائمہ جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت

کیا کہ انہوں نے فرمایا:

(سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ بھی ہے کہ):

مَا مَرَّ نَبِیٌّ اِلَّا وَخَلَفَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِهٖ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ وَقَدْ خَلَفَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْوَتَیْنِ مُجَابَتَیْنِ اَمَّا وَاحِدَةٌ فَلِشَدَائِدِنَا وَاَمَّا الْاُخْرٰی فَلِحَوَائِجِنَا۔(ص ۲۹۶)

''ہر ایک نبی نے اپنے پسماندگاں کے لیے ایک ایک مقبول دعا چھوڑی ہے، اور ہمارے لیے نبی کریم ﷺ نے دو مقبول دعائیں چھوڑی ہیں، ایک تو ہے ہماری تکالیف (رفع کرنے) کے لیے، اور دوسری ہماری حاجات (پوری) کرنے کے لیے''۔

مشکلات دور کرنے کی دعاءِ مقبول

فَاَمَّا الَّتِیْ لِشَدَائِدِنَا۔ وہ دعا جو ہماری مشکلات (رفع کرنے) کے لیے ہے، وہ یہ ہے:

یَا دَائِمًا لَمْ یَزَلْ، یَا اِلٰھِیْ وَاِلٰهَ اٰبَائِیْ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ۔

''اے وہ ذات! جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اے وہ ذات! جو میری اور میرے باپ داداؤں کی معبود ہے۔ اے ''آپ زندہ'' اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔''

وَاَمَّا الَّتِیْ لِحَوَائِجِنَا، اور وہ دعا جو ہماری حاجتیں پوری کرنے کے لیے ہے، وہ یہ ہے:

یَا مَنْ یَّکْفِیْ مِنْهُ شَیْءٌ ط یَا اَللّٰهُ ط یَا رَبَّ مُحَمَّدٍ ط اِقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ ط

(ص ۲۹۶)

''اے وہ ذات! جو ہر چیز کو کفایت کرنے والی ہے۔ اور جس سے کئی دوسری شے کفایت نہیں کرتی۔ اے اللہ! اے (اپنے حبیب کریم) حضرت محمد ﷺ کے پروردگار مجھ سے قرضہ اتار دے (آمین)''۔

نبی اکرم ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنا حرام ہے

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنا حرام ہے۔ اور یہ خصوصیت کسی اور پیغمبر ''علیہ السلام'' کے لیے ثابت نہیں ہے اور بعض آئمہ نے فرمایا: آپ ﷺ کے اسم گرامی پر نام رکھنا بھی حرام جیسا کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُجْمِعُوْا اِسْمِیْ وَکُنْیَتِیْ اَنَا اَبُو الْقَاسِمِ اَللّٰهُ یُعْطِیْ وَاَنَا اُقْسِمُ۔(ص ۲۹۶)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میرا نام اور میری کنیت اکٹھی مت کرو، میں ابوالقاسم ہوں، اللہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں(1)"۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمان بن ابی عمرۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے چچا "رضی اللہ عنہ" سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے نام اور میری کنیت کو اکٹھا مت کرو۔

نیز امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ بقیع شریف میں تشریف فرما تھے کہ ایک (یہودی) آدمی نے ارے "ابوالقاسم"! کہہ کر آواز لگائی۔ جب آپ ﷺ اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو اس (نابکار) نے کہا: (جی) میری مراد آپ نہیں ہیں۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام جیسا نام تو رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت جیسی کنیت مت رکھو۔

حضرت الامام حاکم قدس سرہٗ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، کہ انہوں نے فرمایا: ایک انصاری شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس لڑکے کا نام محمد رکھا یہ نام رکھنے پر (باقی) انصارِ کرام ناراض ہوئے اور سبھی کہنے لگے ہم جبھی راضی ہوں گے جبکہ تو یہ نام رکھنے کی نبی کریم ﷺ سے اجازت حاصل کر لے۔ پھر سب انصارِ کرام علیہم الرضوان نے یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچائی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انصار نے جو کچھ کہا ہے، عمدہ کہا ہے۔

پھر فرمایا: تم میرا نام رکھ لیا کرو، مگر میری کنیت مت رکھا کرو (اس لیے کہ) قاسم (نعم) تو میں ہی ہوں جو تم میں بانٹتا ہوں۔

آپ ﷺ کی کنیت رکھنے پر آئمہ کی آراء

☆ حضرت امام الائمہ شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی کا نام محمد ہو یا نہ ہو کسی کے لیے بھی ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں۔

☆ اور حضرت امام رافعی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ بعض ائمہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی اور آپ ﷺ کی کنیت اکٹھا کرنا مکروہ ہے۔ اور ہر ایک میں سے علیحدہ علیحدہ رکھنا جائز ہے۔

1۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا ۔۔۔ ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم ۔۔۔ رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

(اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ)

☆ اور امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی کنیت رکھنا جائز ہے۔اس کی ممانعت صرف آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ خاص تھی۔اس لیے کہ اب ممانعت کی علت باقی نہیں رہی۔وہ علت یہ تھی کہ آپ ﷺ خیال فرماتے کہ یہ آواز مجھے دی گئی ہے،جب آپ ﷺ التفات فرماتے،اور التفات کا جواب منفی سے ہوتا تو اس کیفیت سے آپ ﷺ کو دکھ پہنچتا تھا۔

☆ شیخ الاسلام سراج الدین بن مُلقن قدس سرہٗ نے خصائص میں ذکر فرمایا کہ بعض لوگوں کی رائے اس مسئلہ میں سب سے انوکھی ہے وہ یہ کہ انہوں نے مُطلقاً نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی پر نام رکھنے کی ممانعت کی ہے۔جب نام پر نام رکھنا ممنوع قرار پایا،تو آپ ﷺ کی کنیت پر کنیت رکھنا کیونکر جائز ہوگا۔جیسا کہ شیخ الاسلام زکی الدین منذری قدس سرہٗ نے اس رائے کی حکایت فرمائی ہے۔

آخری قول پر سیوطی قدس سرّہٗ کا فیصلہ

شیخ الاسلام امام سیوطی قدس سرّہٗ نے فرمایا: میں کہتا ہوں امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت امام ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان تمام بچوں کو اکٹھا فرمایا ''جن کا نام نبی کریم ﷺ کے نام پر تھا'' اور پھر انہیں ایک مکان میں بند کر دیا، تاکہ وہ اپنے اپنے نام بدلا دیں، پھر ان بچوں کے والد آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ ان بچوں میں سے اکثر وہ ہیں جن کے نام خود نبی کریم ﷺ نے تجویز فرمائے تھے۔ بعدہٗ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا فرما دیا۔حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے والد حضرت محمد بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی بچوں میں شامل تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے نام کی تعظیم لازم ہے

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے اسمِ گرامی پر اپنا نام رکھنا نہایت بابرکت و باعثِ فضیلت ہے،اور اس نام کی تعظیم و توقیر،اور احترام و اکرام (سب مسلمانوں پر) لازم و ضروری ہے۔

امام بزار،امام ابن عدی،امام ابو یعلی،امام حاکم قدست اسرارھم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تُسَمُّوْنَ اَوْلَادَكُمْ مُحَمَّدًا ثُمَّ تَلْعَنُوْنَهُمْ۔(ص ۲۹۷)

''تم اپنی اولاد کا نام ''محمد'' تو رکھ لیتے ہو (مگر اس نام کے ادب کا التزام نہیں رکھتے

ہو) پھر انہیں گالیاں دینا شروع کر دیتے ہو"۔

امام بزار قدس سرہٗ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

اِذَا سَمَّيْتُمْ مُحَمَّدًا فَلَا تَضْرِبُوْهُ وَلَا تُحَرِّمُوْهُ۔ (ص ۲۹۷)

"جب تم اپنے بچے کا نام "محمد" رکھ دو تو پھر نہ تو اس کی پٹائی کرو، اور نہ ہی اسے کسی شے سے محروم رکھو"۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهٗ ثَلَاثَةٌ فَلَمْ يُسَمِّ اَحَدَهُمْ مُحَمَّدًا فَقَدْ جَهِلَ۔ (ص ۲۹۷)

"جس شخص کے ہاں تین لڑکے ہوں اور ان میں سے کسی کا نام "محمد" نہ رکھے تو اس نے نادانی کی"۔

امام طبرانی قدس سرہ نے اسی حدیث کی مانند حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے ۔امام ابو عاصم قدس سرہ نے ابن ابی فدیک کے طریق سے جہم بن عثمان سے، انہوں نے ابن حبیب سے اور انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰى بِاِسْمِيْ يَرْجُوْ بَرَكَتِيْ غَدَتْ عَلَيْهِ الْبَرَكَةُ وَرَاحَتْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (ص ۲۹۷)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے نام کی برکت کی امید رکھتے ہوئے میرے نام پر اپنا نام رکھا تو قیامت تک صبح و شام اس کے لیے برکت رہے گی"۔

سیّد عالم ﷺ کی ذات گرامی اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہے

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا، اور اللہ پر آپ ﷺ کی ذات سے قسم کھانا جائز ہے۔

نمازِ حاجت

جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "تاریخ" میں اور امام بیہقی قدس سرہ نے "دلائل" میں اور امام "ابو نعیم" قدس سرہ نے "معرفۃ" میں (1)۔

1۔ مذکورہ ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام ترمذی، علامہ سمہودی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام طبرانی رضی اللہ عنہم نے بھی اس حدیث کو روایت فرمایا ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّ رَجُلاً ضَرِيْراً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ لِیْ اَنْ يُعَافِيَنِیْ قَالَ اِنْ شِئْتَ اَخَّرْتُ ذَالِکَ وَ هُوَ خَيْرٌ لَّکَ ،وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللّٰهَ ،قَالَ فَادْعُهُ،فَاَمَرَهُ اَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ ـ

"حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک نابینا شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوکرعرض کیا:حضور!(صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت بخشے۔آپ ﷺ نے فرمایا:اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعاء موخر کرتا ہوں،اور یہ تیرے لیے اچھا بھی ہے۔اور اگر تو چاہتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔اس آدمی نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ!دعا ہی فرما دیجئے۔پھر آپ ﷺ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے،اور دو رکعت پڑھنے،اور پھر یہ دعاء مانگنے کا حکم فرمایا"۔

دعائے حاجت

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ فَيَقْضِيَهَا لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔(ص۲۹۷)

"بارِ الٰہ!میں تجھ سے سوال کرتا ہوں،اور تیرے نبیِ رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں،یامحمد ﷺ!میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری فرمادے۔اللہ جل مجدہٗ!اپنے نبیِ رحمت ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما"

فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَقَامَ وَقَدْ اَبْصَرَ۔(ص۲۹۷)

"(راوی نے فرمایا)چنانچہ اس شخص نے وضو کیا،دو رکعت پڑھیں اور یہ دعا مانگی،پھر جب وہ کھڑا ہوا تو بینا ہوگیا"۔

امام بیہقی قدس سرہٗ اور امام ابونعیم قدس سرہٗ نے "معرفت" میں حضرت ابوامامہ بن سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص اپنی کسی غرض کے لیے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا،مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (امورِ سلطنت میں مشغولیت کی بناء

پر) اس کی طرف التفات نہ فرماتے، اور نہ ہی اس کی غرض پر غور فرمایا کرتے۔

وہ شخص ایک دن حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اُن سے (حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عدمِ توجہ کی) شکایت کی۔ حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

آفتابہ لے اور وضو کر، اور مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھ، اور پھر یوں دعاء کر:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَقْضِیْ لِیْ حَاجَتِیْ۔ (ص ۲۹۷)

''اللہ (جل جلالہٗ)! میں تجھ سے تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ یا محمد ﷺ! میں اپنے پروردگار کی طرف آپ ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، تاکہ وہ میری حاجت پوری فرمادے''۔

اور یہاں اپنی حاجت کا نام لینا، پھر حضرت امیر المومنین کے پاس چلے جانا، تمہاری غرض پوری ہو جائے گی۔

چنانچہ اس شخص نے ایسے ہی کیا۔ پھر وہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر حاضر ہوا، دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے برابر بچھونے پر بٹھایا اور حال دریافت کر کے اس کی حاجت پوری فرمادی۔

پھر وہ شخص وہاں سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے ''جزاک اللّٰہُ خیرا'' کہتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نہ تو میری طرف توجہ فرماتے تھے اور نہ میری حاجت پر غور کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے (مجھے) یہ عمدہ دعاء تعلیم فرمادی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: میں نے یہ دعاء (تجھے) اپنی طرف سے نہیں بتائی، بلکہ ایک دن میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک نابینا آیا اور اس نے اپنی بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی، آپ نے اس سے فرمایا (اگر چاہو میں دعا کر دیتا ہوں) کیا تم صبر نہیں کر سکتے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بڑی دشواری ہے، کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آفتابہ لے کر وضو کر لو، پھر دوگانہ ادا کر کے یہ دعا پڑھ لینا:

27B

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَجْلِیَ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ۔(ص۲۹۷)

''الٰہی! میں تجھ سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی محترم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، یا محمد ﷺ! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کیا ہے، تا کہ وہ میری آنکھیں بینا کر دے۔ یا اللہ جل مجدہٗ! تو میرے حق میں اپنے نبی رحمت ﷺ کی شفاعت قبول فرما، اور میری ذات کے لیے انہیں شفیع بنا دے''۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا، اور اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

تبصرہ

☆ شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما نے فرمایا کہ یہ خصوصیت (یعنی آپ ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا) صرف حضور سید عالم ﷺ ہی کی ہے۔

اس لیے کہ آپ ﷺ سید ولد آدم ہیں جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام اور فرشتگان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا(1)۔ اس لیے کہ وہ تمام حضور اقدس ﷺ کے مقام و مرتبہ پر نہیں ہیں۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ خصوصیت صرف اور صرف آپ ہی کی ہے تا کہ آپ ﷺ کے بلند درجہ و برتر مرتبہ پر آگاہی ہو۔ (انتہٰی)

آپ ﷺ سے خطاء کا وقوع ناممکن ہے

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ سے خطاً (برتقدیر تسلیم وقوع) جائز نہیں، جیسا کہ:

قَالَ الْمَاوَرْدِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ قَالَ ابْنُ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجُوْزُ عَلَیْهِ الْخَطَأُ وَیَجُوْزُ عَلٰی غَیْرِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ، لِاَنَّهٗ

1۔ شیخ عزالدین قدس سرہٗ کے مذکورہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حقیقۃً آپ ﷺ کی ذات گرامی وسیلہ عظمیٰ ہے اور دیگر انبیاء کرام و اولیاء عظام اگر وسیلہ ہیں تو ان تمام کا منتہیٰ و مرجع بھی آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔ لہٰذا شیخ کی رائے کو اگر حقیقت پر محمول نہ کیا جائے تو پھر ''توسل بالعباس'' اور توسل بغوث الثقلین، جس پر سلف سے خلف تک اجماع چلا آ رہا ہے، کا محمل غلط ہو جائے گا۔
(مترجم غفرلہٗ)

خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ فَلَيْسَ بَعْدَهٗ مِنْ يُّسْتَدْرِکُ خَطَآءَ هٗ بِخِلَافِهِمْ فَلِذَالِکَ عَصَمَهُ اللّٰهُ مِنْهُ۔(ص۲۹۸)

''الامام العلامہ''ماوردی''قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے خطاء کا وقوع ناممکن ہے بخلاف دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان سے خطاء کا وقوع ممکن ہے آپ ﷺ سے اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ آخری پیمبر ہیں۔اور آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی آ نہیں سکتا جو آپ ﷺ کی خطاء کا ازالہ کر سکے،جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں یہ بات نہیں۔ اسی لیے اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو خطاؑ سے معصوم رکھا''۔

قَالَ الْاِمَامُ،اَلْحَقُّ اَنَّهٗ لَا يُخْطِئُى اِجْتِهَادُهٗ۔(ص۲۹۸)

''امام ماوردی قدس سرہٗ نے فرمایا:حق تو یہی ہے کہ آپ ﷺ سے خطاء اجتہادی کا صدور ناممکن ہے''۔

سیّد عالم ﷺ کی بنات وازواج کا سارے جہاں سے برتر ہونا

☆ حضور سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیاں،اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات''رضی اللہ عنہن''باقی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔اور یہ کہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا(اعمالِ حسنہ پر)ثواب اور(تقرب الی اللہ کے منافی امور بر بناء وقوع)عذاب،باقی تمام عورتوں کے عذاب وثواب سے دوگنا ہے۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے(تضعیفِ عذاب وثواب کی وجہ بیان کرتے ہوئے)فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ(احزاب:32)

''اے نبی کی بیبیو!تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو''۔

نیز فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ(احزاب:30)

''اے نبی کی بیبیو!جو تم میں(صریح حیاؑ کے خلاف)کوئی جرأت کرے''۔

امام ترمذی قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ،وَخَيْرُ نِسَائِهَا فَاطِمَةُ۔(ص۲۹۷)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا:جہان کی تمام عورتوں سے برتر حضرت مریم وحضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہما ہیں''۔

حارث بن ابی اُسامہ قدس سرہٗ نے حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مریم وفاطمہ رضی اللہ عنہما سارے جہان کی عورتوں سے افضل ہیں۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت مریم بنت عمران علیہ السلام ورضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی خواتین کی سردار ہیں۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ إِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ لِغَضَبِكِ وَيَرْضٰى لِرَضَاكِ۔(ص۲۹۸)

''فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) تیری ناراضگی پر اللہ ناراض ہوتا ہے اور تیری خوشی پر اللہ خوش ہوتا ہے''۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فَاطِمَةَ حَصَّنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَهَا اللّٰهُ وَذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ۔(ص۲۹۸)

''فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عصمت کی نگہداشت کی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی اولاد پر آتشِ دوزخ حرام فرمادی ہے''۔

آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کے افضل ہونے کی دلیل

علامہ ابنِ حجر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کا آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے افضل و برتر ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جسے امام ابویعلی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

تُزَوِّجَ حَفْصَةُ خَيْرًا مِّنْ عُثْمَانَ وَتُزَوِّجَ عُثْمَانُ خَيْرًا مِّنْ حَفْصَةَ۔(ص۲۹۸)

''(امّ المومنین) حضرت حفصہ ''رضی اللہ عنہا'' کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر سے کردیا جائے گا (یعنی خود حضور اکرم ﷺ سے) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر سے کردیا جائے گا (یعنی حضرت سیّدہ امّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے)''۔

امام طبرانی قدس سرہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چار قسم کے لوگوں کو دُگنا ثواب دیا جائے گا۔ انہی میں سے ایک نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات ''رضی اللہ عنہن'' ہیں۔ (الحدیث)

(اب رہی یہ بات کہ دُگنا ثواب کہاں ملے گا) علماء کرام نے فرمایا: (مذکورہ حضرات کو) دُگنا ثواب آخرت میں ملے گا۔ اور بعض نے فرمایا: ایک ثواب دنیا میں، اور دوسرا آخرت میں ملے گا۔

اور گرفت کے دوگنا ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک عذاب دنیا میں ہوگا اور ایک آخرت میں۔

اور ازواج النبی ﷺ رضی اللہ عنہن کے علاوہ جن کو دنیا میں سزا دے دی گئی ہے انہیں آخرت میں سزا نہ ہوگی۔ اس لیے کہ (اجرائے) حدود(1) گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

امام مقاتل قدس سرہٗ نے فرمایا: دنیا میں (مذکورۃ الصدر حضرات پر) دو حدیں ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی طرح اس شخص کی دنیا میں دوگنی سزا ہے جس نے ازواج النبی ﷺ پر بہتان تراشا، لہٰذا ایسے شخص کو (اسی (۸۰) کی بجائے) ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والے کی سزا

حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ نے شفاء شریف میں بعض آئمہ سے روایت کیا کہ دوگنا سزا ''ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا'' کے علاوہ دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے مختص ہے۔ جبکہ حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والے کو قتل کیا جائے گا۔

(بلکہ) بعض ائمہ کرام نے تو یہاں تک فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک پر بھی انگشت نمائی کرنے والا قتل کیا جائے گا۔ صاحب ''تلخیص'' نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر:65)

''اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا''۔

اور آپ ﷺ کے علاوہ دوسروں کا عمل کفر کی حالت میں مرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔

صاحب ''تلخیص'' نے فرمایا: اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔ واضح رہے کہ اجرائے حدود عندالاحناف کفارات نہیں ہیں۔

لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ۔(الآیہ)

"(اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے) تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف (کچھ تھوڑا سا) جھکتے"۔

انبیاء کرام کے بعد تمام صحابہ سارے جہاں سے افضل ہیں

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام صحابہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ سارے جہاں سے برتر ہیں۔ جیسا کہ علاّمہ ابن جریر قدس سرہٗ نے کتاب السنۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اِخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ،سِوٰی،النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ مِنْ اَصْحَابِیْ اَرْبَعَةً اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا فَجَعَلَهُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِیْ اَصْحَابِیْ كُلِّهِمْ خَیْرٌ، وَاخْتَارَ اُمَّتِیْ عَلٰی سَآئِرِ الْاُمَمِ،وَاخْتَارَ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْبَعَةَ قُرُوْنِ اَلْقَرْنُ الْاَوَّلُ، وَالثَّانِیْ وَالثَّالِثُ تَتْرٰی،وَالْقَرْنُ الرَّابِعُ فَرْدًا۔(ص۲۹۸)

"بیشک اللہ جل مجدہٗ نے میرے تمام صحابہ کو انبیاء کرام و مرسلین عظام کے علاوہ سارے جہانوں سے برگزیدہ فرمایا ہے اور میرے تمام صحابہ سے پھر چار کو ممتاز فرمایا ہے، وہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور انہیں میرے سب صحابہ پر برتری عطا فرمائی اور میرے سبھی صحابہ افضل ہی ہیں اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل کیا، اور میری امت کے چار زمانوں کو منتخب کیا۔ پہلا (صحابہ کا)، دوسرا (تابعین کا) تیسرا (تبع تابعین کا) تو مسلسل یکے بعد دیگرے ہیں، جبکہ چوتھا (اتباع تبع کا) تنہا ہی رہے گا۔ جمہور ائمہ نے فرمایا کہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان افاضلِ ملّت ہیں۔ اور بعد والوں میں کوئی بھی ان کے مرتبہ و مقام کو نہیں پاسکتا۔ اگرچہ وہ بعد والا کمالاتِ علمی و عملی میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو"۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تمام شہروں سے افضل ہیں

☆ نبی اکرم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں شہر (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) تمام شہروں سے برتر ہیں۔ اور (آپ ﷺ کی وجہ سے ہی ان دو شہروں کی یہ خصوصیت ہے کہ) طاعون اور دجال ان میں داخل نہ ہوسکیں گے۔

☆ وَبِفَضْلِ مَسْجِدِهٖ عَلٰی سَآئِرِ الْمَسَاجِدِ۔(ص۲۹۹)

''اور یہ کہ آپ ﷺ کی مسجد شریف باقی تمام مساجد سے افضل ہے''۔

☆ وَبِأَنَّ الْبُقْعَةَ الَّتِیْ دُفِنَ فِیْهَا اَفْضَلُ مِنَ الْکَعْبَةِ وَمِنَ الْعَرْشِ۔(ص۲۹۹)

''اور یہ بھی آپ ﷺ کے خصائص سے ہے کہ جس حصہ زمین میں آپ ﷺ آرام فرما ہیں، وہ کعبہ اور عرشِ اعظم سے افضل ہے''۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْ غَیْرِهٖ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِ الْحَرَامِ الصَّلٰوۃِ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا بِمِأَةِ صَلٰوۃٍ۔(ص۲۹۹)

''میری اس مسجد شریف میں نماز پڑھنا، مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار نماز پڑھنے کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا، میری اس مسجد میں ایک سو نماز پڑھنے سے بڑھ کر ہے''۔

امام ترمذی قدس سرہٗ نے حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (بوقتِ ہجرت) سید عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا، (زمین بطحاء) اللہ کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جل مجدہٗ کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی سب سے پسندیدہ زمین ہے۔

الامام الحاکم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الٰہی تو نے مجھے میری پسندیدہ زمین سے باہر کیا ہے۔ اب مجھے رہنے کو وہ جگہ عطا فرما جو تجھے پسند ہو۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کو فرشتوں نے ڈھانپا ہوا ہے، اور ان کے ہر ایک دروازہ پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کی وجہ سے ان میں طاعون اور دجّال نہ داخل ہو سکیں گے۔

قبر انور کا حصہ زمین عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے

قَالَ الْعُلَمَآءُ مَحَلُّ الْخِلَافِ فِی التَّفْضِیْلِ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فِیْ غَیْرِ قَبْرِهٖ ﷺ. اَمَّا هُوَ فَاَفْضَلُ الْبِقَاعِ بِالْاِجْمَاعِ بَلْ وَاَفْضَلُ مِنَ الْکَعْبَةِ بَلْ ذَکَرَ بْنُ عَقِیْلِ الْحَنْبَلِیْ اَنَّهٗ اَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ۔(ص۲۹۹)

''علماء کرام علیہم الرحمۃ نے فرمایا: مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں سے ہر ایک کی فضیلت کے درمیان وجہ خلاف حضور انور ﷺ کی قبر انور کے علاوہ میں ہے۔ رہا یہ حصہ مبارکہ تو یہ بالاتفاق تمام روئے زمین سے افضل ہے۔ صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ کعبہ معلیٰ سے بھی افضل ہے اور امام ابن عقیل حنبلی قدس سرہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ یہ حصہ علیا عرش اعظم سے بھی افضل ہے''(1)۔

وہ خصائص جو امت محمدیہ ﷺ میں بھی پائے جاتے ہیں

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت میں غنیمتوں کو حلال کیا گیا ہے۔

☆ تمام زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے (کہ جہاں چاہیں نماز پڑھیں)

☆ مٹی کو پاک کرنے والا بنایا گیا ہے۔ مراد اس سے تیمّم ہے۔ (یعنی اگر پانی میسر نہ ہو یا اس پر قادر نہ ہو تو مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی جائے)

☆ اور ایک روایت میں ''طہور'' سے مراد وضو ہے۔ پہلی تین خصوصیات تو اس سے پہلے متعدد احادیث میں گزر چکی ہیں۔ اور آثار میں بھی ان کا بیان گزر چکا ہے جو نبی کریم ﷺ کے تورات و انجیل میں مذکورہ صفات کے باب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ امام طبرانی قدس سرہ نے حضرت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مجھے چار وجوہ سے فضیلت حاصل ہے''۔

☆ تمام زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔

☆ غنیمتیں میرے لیے حلال کردی گئی ہیں۔

طہارت میں اس امت کی خصوصیت

علامہ حلیمی قدس سرہٗ نے فرمایا:

☆ وضو اس امت کے خصائص سے ہے۔ اور اس پر انہوں نے صحیحین کی اس حدیث سے استدلال پیش کیا ہے۔ (جس میں حضور انور ﷺ نے فرمایا)

إِنَّ أُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا، مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ (ص۲۹۹)

''بیشک روز قیامت میری امت اس طرح بلائی جائے گی کہ ان کے اعضاء، وضو کے

1۔ حرمین مکرمین کے اس سے بھی بسط و تفصیل کے ساتھ فضائل، اور پھر اس کا فیصلہ، کہ دونوں میں سے کون افضل ہے؟ امام ابن الحاج مالکی قدس سرہٗ کے فرمودات گرامی میں پڑھیے۔ (مترجم غفرلہ)

نشانات سے روشن وتاباں ہوں گے''۔

(علامہ حلیمی قدس سرہ کے) اس استدلال کا اس طرح رد کیا گیا ہے کہ اس امت کی خصوصیت صرف وضو کرنے میں نہیں ہے بلکہ نورانیت وتابانی ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ:

هٰذَا وُضُوْئِي وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِيْ (۲۹۹)

''یہ میرا، اور مجھ سے پہلے نبیوں کا وضو ہے''۔

اس رد کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حجر قدس سرہ نے فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے۔

اور اگر اس کی صحت ثابت بھی ہو تو پھر بھی اس میں یہ احتمال باقی ہے کہ وضو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہو، اور ان کی امتوں کی خصوصیت نہ ہو، بلکہ یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہو۔

محاکمہ سیوطی قدس سرہٗ

امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں''۔

یہ احتمال ضرور موجود ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو اس سے پہلے توراۃ وانجیل میں آپ ﷺ کے ذکر شریف، اور آپ ﷺ کی امت کی صفت کے باب میں گزر چکی ہے۔

''کہ ان کے اعضاء آثارِ وضو سے روشن وتاباں ہوں گے۔''

اور اس حدیث کو امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً۔

اور امام دارمی قدس سرہٗ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے،

اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت وہب رضی اللہ عنہ سے، روایت کیا، (کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا)

اُفْتُرِضَتْ عَلَيْهِمْ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ كَمَا اُفْتُرِضَتْ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ۔ (ص۲۹۹)

''ان پر ہر نماز میں وضو کرنا فرض کر دیا گیا ہے جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام پر فرض کیا گیا تھا''۔

پھر میں نے امام طبرانی قدس سرہٗ کی ''اوسط'' میں دیکھا کہ اس میں انہوں نے (یہ حدیث) ابنِ لُہیعہ کی سند سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ وَاحِدَةً وَاحِدَةً، فَقَالَ هٰذَا الْوُضُوْءُ الَّذِيْ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الصَّلَاةَ اِلَّا بِهٖ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثِنْتَيْنِ ثِنْتَيْنِ، فَقَالَ

هٰذَا الْوُضُوْءُ لِاُمَمٍ قَبْلَكُمْ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا، ثَلَاثًا، فَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِیْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ۔ (ص۲۹۹)

"نبی کریم ﷺ نے پانی منگوا کر ایک، ایک دفعہ وضو فرمایا۔ پھر فرمایا: اس طرح کا وضو کیے بغیر اللہ جل مجدہٗ نماز قبول نہیں فرماتا۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرماتے ہوئے دو دو دفعہ اندام دھوئے، اور فرمایا: یہ تم سے پہلی امتوں کا وضو ہے۔ پھر آپ ﷺ نے تین تین بار اندام شریف دھو کر فرمایا: یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے"۔

اس حدیث شریف میں صاف تصریح موجود ہے کہ پہلی امتوں میں بھی وضو تھا۔ ہاں اس میں ہماری تخصیص صرف تین تین بار اعضاء دھونے میں ہے۔ جس طرح تین تین بار اعضاً دھونا پہلے انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت تھی۔

نمازِ عشاء آپ کی خصوصیت ہے

☆ سیّد عالم ﷺ کے منجملہ خصائص سے پانچ نمازیں بھی ہیں جبکہ پانچوں کا اجتماع آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے بھی نہ تھا۔

☆ اور آپ ﷺ ہی پہلے نبی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے نمازِ عشاء ادا فرمائی یہ نماز آپ ﷺ سے پیشتر کسی بھی نبی نے ادا نہیں فرمائی تھی۔

پانچ نمازیں مختلف انبیاء کی یادگار ہیں

حضرت امام طحاوی قدس سرہٗ نے حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا:

اِنَّ آدَمَ لَمَّا تِیْبَ عِنْدَ الْفَجْرِ، صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فَصَارَتِ الصُّبْحُ

"جب صبح کے وقت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ منظور ہوئی تو آپ نے (شکرانہ کے طور) دو رکعت نماز پڑھی۔ تب سے صبح کی نماز مقرر ہوگئی"۔

وَفُدِیَ اِسْحَاقُ عِنْدَ الظُّهْرِ فَصَلّٰی اِبْرَاهِیْمُ اَرْبَعًا، فَصَارَتِ الظُّهْرُ۔

"اور جب ظہر کے وقت حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ دیا گیا (یعنی آپ کا عقیقہ کیا گیا) تو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے (بطور شکرانہ) چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر (آپ کی) یہ (ادا، مستقل) نمازِ ظہر مقرر ہوگئی"۔

وَبُعِثَ عُزَیْرٌ فَقِیْلَ لَهٗ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ یَوْمًا فَرَاَی الشَّمْسَ فَقَالَ اَوْ

بَعْضَ یَوْمٍ فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ۔

''اور جب (بوقتِ عصر) حضرت عزیر علیہ السلام (صد سالہ نیند کے بعد) بیدار ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا: تو یہاں کتنا ٹھہرا؟ عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا۔ پھر جب آپ نے سورج ملاحظہ فرمایا تو عرض کی: یا کچھ کم۔ پھر آپ نے (دوبارہ زندگی ملنے کے شکرانہ میں) چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد یہ عصر کی (مستقل) نماز ہوگئی''۔

☆وَغُفِرَ لِدَاوٗدَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ فَقَامَ فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ فَجَهَدَ فَجَلَسَ فِی الثَّالِثَةِ،فَصَارَتِ الْمَغْرِبُ ثَلَاثًا۔

''اور جب حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لگایا گیا ایک الزام، بوقتِ مغرب دور ہوا تو آپ نے (اس شکرانہ میں) کھڑے ہوکر چار رکعت کی نیت باندھی۔ مگر درمیان میں آپ مشاہدۂ الٰہی میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ تیسری ہی رکعت میں بیٹھ گئے اور سلام پھیر دیا، تب سے مغرب کی تین رکعت مقرر ہوگئیں۔ (اور یہی نمازِ مغرب قرار پائی)''۔

وَاَوَّلُ مَنْ صَلّٰی الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔(ص ۳۰۰)

''اور سب سے پہلے نمازِ عشاء ادا فرمانے والے ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں''۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابوموسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ سیّد عالم ﷺ نے آدھی شب تک نمازِ عشاء مؤخر فرمائی، اور پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی، نماز پڑھ چکنے کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا:

تمہیں خوشخبری ہو کیونکہ اللہ جل مجدہٗ کی تم پر یہ عنایت ہے کہ اس وقت لوگوں میں سے کوئی بھی تمہارے بغیر نماز نہیں پڑھ رہا۔

یا آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا:

اس وقت تمہارے سوا کسی نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام نسائی قدس سرہٗ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ نے نمازِ عشاء موخر فرمائی، پھر جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں کو نماز کا منتظر پایا۔ اس پر آپ ﷺ ارشاد فرما ہوئے۔ ہاں ہاں سنتے ہو؟ اس وقت کسی بھی دین والا تمہارے علاوہ خدا کو یاد نہیں کر رہا۔

امام ابوداؤد قدس سرہٗ اور امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے (اپنی) ''مصنف'' میں، اور امام بیہقی

قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شب نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء اتنی موخر فرمائی، کہ حاضرین کو گمان گزرنے لگا کہ آپ ﷺ (شاید) نماز پڑھ چکے ہیں۔

پھر جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ نماز موخر کر کے ہی پڑھا کرو۔ اس لیے کہ اسی نماز کی بدولت تم دوسری امتوں سے برتر ہو۔ اور یہ کہ تم سے پہلے کسی بھی امت نے اس نماز کو نہیں پڑھا۔

جمعہ اور آمین وغیرہ صرف آپ کی خصوصیت ہے

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے جمعہ بھی ہے۔

☆ اور اسی طرح آمین کہنا۔

☆ اور بحالتِ نماز قبلہ رُخ ہونا۔

☆ اور فرشتوں کی صف کی مانند نماز میں صف باندھنا۔

☆ اور تحیہ سلام بھی آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔

امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم سے پہلوں کو اللہ جل مجدہٗ نے اختیارِ جمعہ کی راہ نہ دی۔ پھر یہود (کے علماً) نے (اپنے اجتہاد سے) ہفتہ کا دن چُن لیا۔ اور نصاریٰ (کے علماء) نے (اپنے فہم سے) اتوار کا دن اختیار کرلیا۔ (مگر) ہمیں اللہ جل مجدہٗ نے جمعہ کے دن کی راہنمائی فرمائی۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے (ہمارے لیے) جمعہ، (یہود کے لیے) سنیچر، اور (نصاریٰ کے لیے) اتوار مقرر فرمادیا۔ اور اسی طرح قیامت میں وہ ہمارے بعد ہیں۔ ہم دنیا والوں سے (اگرچہ) پچھلے ہیں۔ (مگر) قیامت میں سب سے اگلے ہیں کہ سب مخلوق سے پہلے قیامت میں ہمارا ہی فیصلہ ہوگا۔

علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حضور انور ﷺ کے اصحاب کرام علیہم الرضوان نے بتایا کہ انہوں نے بنو اسرائیل کے علماً سے یہ سنا تھا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام، پانچ ایسی باتیں دے کر بھیجے گئے تھے کہ جوان پر عمل پیرا ہو کر مرجائے تو قیامت کے دن اس پر حساب نہیں ہے، اور وہ پانچ باتیں یہ تھیں:

☆ کسی شے کو اللہ کا شریک ٹھہرائے بغیر اس کی عبادت کرنا۔

☆ نماز پڑھنا۔

☆ صدقہ (یعنی زکوٰۃ) ادا کرنا۔

☆ روزے رکھنا۔

☆ اور (ہمہ وقت) اللہ کی یاد میں ہی رہنا۔

(مگر) سرورِ عالم ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ نے یہ پانچ بھی، اور انکے علاوہ اور پانچ زائد بھی عطا فرمائیں:

☆ جمعہ

☆ حکمِ امیر کا سننا

☆ اطاعتِ امیر

☆ ہجرت

☆ (کافروں، مشرکوں، بدمعاشوں سے) جنگ کرنا۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا (یہود ونصاریٰ) ہم پر کسی چیز میں حسد نہیں کرتے جیسا کہ وہ جمعہ پر حسد کرتے ہیں، کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور انہیں راہ نہ دکھلائی۔ اور جیسا کہ وہ ہم پر قبلہ میں حسد کرتے ہیں۔ اس کی بھی اللہ نے ہمیں راہ دکھلائی اور انہیں بھٹکا دیا۔

اور امام کے پیچھے (ہماری) آمین کہنے پر بھی وہ جلتے ہیں۔

امام ابن ماجہ قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہود نے تم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہ کیا جتنا کہ آمین کہنے اور سلام کرنے میں حسد کیا ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''الاوسط'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہودیوں نے مسلمانوں پر تین چیزوں میں سخت حسد کیا ہے:

☆ سلام کا جواب دینے میں،

☆ صفوں کو سیدھا رکھنے میں،

☆ امام کے پیچھے (آہستگی سے) فرض نماز میں آمین کہنے میں، امام حارث بن ابی اُسامہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مسند'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے تین خوبیاں عطا فرمائی گئی ہیں:

☆ صف باندھ کر نماز پڑھنا،

☆ سلام کا جواب دینا، جو جنتیوں کا سلام ہے۔

☆ اور آمین کہنا، جو مجھ سے پہلے کسی کو بھی ماسوا حضرت ہارون علیہ السلام کے نہ دی گئی۔

یہ صرف ہارون علیہ السلام کو دی گئی تھی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعاء فرمایا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین فرمایا کرتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام بیہقی، امام ابونعیم قدست اسرارہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے سب لوگوں پر تین وجہ سے برتری عطا کی گئی ہے:

☆ ساری روئے زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔

اور زمین کی مٹی کو ہمارے لیے ذریعہ پاکیزگی بنادیا گیا ہے۔

☆ ہماری نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں۔

☆ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات مجھے عرش کے خزانوں سے دی گئی ہیں جو نہ تو مجھ سے قبل کسی کو دی گئیں اور نہ ہی مجھ سے بعد کسی کو ملیں۔

اذان واقامت بھی خصوصیت ہے

حضور نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے اذان واقامت بھی ہے۔

(جیسا کہ) امام سعید بن منصور قدس سرہٗ نے حضرت ابوعمیر بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے انصاری چچاؤں نے بتایا کہ حضور انور ﷺ نے نماز کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے بارے میں مشورہ فرمایا، کہ بیک وقت لوگوں کو کیسے اکٹھا کیا جاسکتا ہے؟

اس پر بعض نے آپ ﷺ کو نماز کے وقت جھنڈا گاڑ دینے کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نے اسے پسند نہ فرمایا۔

پھر بوقتِ نماز سنکھ بجانے کا آپ ﷺ کو مشورہ دیا گیا، مگر اسے بھی آپ ﷺ نے مسترد فرما دیا، اور فرمایا کہ یہ تو یہود کا شعار ہے۔

پھر آپ ﷺ سے طبل بجانے کے بارے میں عرض کیا گیا۔ اسے بھی آپ ﷺ نے ناپسندیدگی ظاہر فرماتے ہوئے ٹھکرادیا، اور فرمایا کہ یہ عیسائیوں کا شعار ہے۔

اتنے میں حضرت عبداللہ بن زید "جو کہ اوروں کی طرح نمازیوں کو اکٹھا کرنے کا طریق کار میں متفکر تھے" خواب میں (مرّوجہ) اذان کا طریقہ بتلادیئے گئے۔ (اور انہوں نے اپنی خواب سنائی جس

کی تصدیق معلّمِ عالم ﷺ نے بھی فرمادی۔)

رکوع ونماز باجماعت بھی آپ کی خصوصیت ہے

☆ سیّدِ عالم ﷺ کے انہی خصائص سے نماز میں رکوع کرنا۔

☆ اور نماز باجماعت پڑھنا بھی ہے۔

جیسا کہ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی پوری ایک جماعت نے اس آیتِ کریمہ:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ (بقرہ)

''اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ''۔

کی تفسیر میں فرمایا:

اِنَّ مَشْرُوْعِیَّةَ الرُّکُوْعِ،فِی الصَّلَاةِ خَاصٌّ بِهٰذِهِ الْمِلَّةِ،وَاِنَّهٗ لَارُکُوْعَ فِی صَلَاةِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ وَلِذَا اَمَرَهُمْ بِالرُّکُوْعِ مَعَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔(ص ۳۰۱)

''نماز میں رکوع کی مشروعیت صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔اور بنواسرائیل کی نماز میں رکوع نہ تھا۔اسی لیے اسرائیلیوں کو سیّدِ عالم ﷺ کی امت کے ہمراہ رکوع کرنے کا حکم فرمایا گیا''۔

امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں کہتا ہوں۔

مذکورہ خصوصیت کی (ایک اور) دلیل وہ حدیث شریف بھی ہے، جسے امام بزار قدس سرہٗ اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں، امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سب سے پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا، وہ نمازِ عصر تھی۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

وَجہِ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے پہلے نمازِ ظہر، اور پانچوں نمازوں کی فرضیت سے قبل، تہجد کی نماز، اور اس کے علاوہ سب نمازیں بلا رکوع ہی پڑھیں۔ تو پہلی نمازوں کا بلا رکوع پڑھنا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی امتوں کی نمازیں رکوع سے خالی تھیں۔

☆ اور ابن فرشتہ قدس سرہٗ نے ''شرح مجمع'' میں نبی کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی

مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَهُوَ مِنَّا۔ (ص۳۰۱)

''جس نے ہماری نماز جیسی نماز پڑھی، اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کیا وہ ہم سے ہے''۔

کی وضاحت کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ آپ ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا: ''صلاتنا'' (ہماری نماز)۔ اس سے نماز باجماعت مراد ہے۔

اس لیے کہ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا تو ہم سے پہلوں میں بھی تھی۔

رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا بھی خصوصیت ہے

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی سنن شریف میں حضرت ام المؤمنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ موصوفہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: یہود نے ہم پر تین چیزوں میں جتنا حسد کیا، اتنا کسی اور شے میں نہیں کیا:

☆ نماز کے آخر میں سلام کہنا،

☆ نماز میں آمین کہنا،

☆ اور نماز میں ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' ''ہمارے پروردگار! سبھی خوبیاں تجھی کو'' کہنا۔

نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھنا صرف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے جُوتوں سمیت نماز پڑھنا بھی ہے۔

(جیسا کہ) امام سعید بن منصور قدس سرہٗ نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے جوتوں سمیت نماز پڑھ لیا کرو، اور یہود سے مماثلت مت پیدا کرو''۔

اسی حدیث شریف کے مفہوم کو امام ابوداوٗد قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

خَالِفُوْا الْیَهُوْدَ فَاِنَّهُمْ لَا یُصَلُّوْنَ فِی خِفَافِهِمْ وَلَا فِیْ نِعَالِهِمْ۔ (ص۳۰۱)

''یہود کی مخالفت کیا کرو اس لیے کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے''۔

محراب کو نماز کے لیے مخصوص کر لینا ناپسندیدہ ہے

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے محراب میں نماز پڑھنے کی کراہت سے بھی ہے۔

جیسا کہ ہم سے قبل محراب میں ہی لوگ نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے اسی طرف اشارہ

فرمایا ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ (آل عمران:39)

''تو فرشتوں نے اسے آواز دی، اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا''۔

امام ابنِ ابی شیبہ قدس سرہٗ نے (اپنی) ''مصنف'' میں حضرت موسٰی جُہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَّا لَمْ یَتَّخِذُوْا فِیْ مَسَاجِدِھِمْ مَذَابِحَ کَمَذَابِحِ النَّصَارٰی۔ (ص ۳۰۲)

''میری اُمت اس وقت تک مسلسل بہتری میں ہی رہے گی جب تک کہ یہ اپنی مساجد میں عیسائیوں کے محرابوں کی مانند محراب نہیں بنائے گی''۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے حضرت عبید بن ابی الجعد قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کی منجملہ نشانیوں سے ایک یہ ہے کہ مساجد میں محراب بنائے جایا کریں گے۔ امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے حضرت سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا، کہ قیامت کی نشانیوں سے مسجدوں میں محراب بنانا بھی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ محراب میں نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے۔

(نیز) امام ابنِ ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اسی روایت کی مانند حضرت حسن (بصری)، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت سالم بن ابی الجعد، حضرت ابو خالد والبی رضی اللہ عنہم سے بھی ایک روایت ذکر فرمائی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت (عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

''ان محرابوں سے بچتے رہو''۔

اعمال میں خصوصیات

☆ سیّدِ عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے آپ ﷺ کو عرشِ الٰہی کے خزانوں سے اس کلمے: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کا ملنا۔

☆ اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا(1)۔

1۔ ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔

☆ اور نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کہنا بھی ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی حدیث، شرحِ صدر اور رفع ذکر کے باب میں گزر چکی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کو وہ چیز دی گئی ہے جو کسی بھی امت کو اس کی مانند نہیں دی گئی۔ اور وہ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○ کہنا ہے۔ امام عبدالرزاق قدس سرہٗ اور علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے اپنی اپنی تفسیروں میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○ کہنا اس امت کے علاوہ کسی کو بھی نہ ملا۔ کیا تمہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ ارشاد یاد نہیں رہا جبکہ انہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کی مصیبت کے وقت: یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ(1) (یوسف:84)) فرمایا تھا۔

امام عبدالرزاق قدس سرہٗ نے اپنی "مصنف" میں روایت کیا کہ ہمیں حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو عالیہ رضی اللہ عنہ سے (حدیث بیان کرتے ہوئے) خبر دی کہ انہوں نے فرمایا:

"تکبیر تحریمہ اس امت کے علاوہ کسی کو نہیں ملی۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے (اپنی) مصنف میں حضرت ابو عالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابو عالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نماز کس چیز سے شروع فرمایا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اور دوسرے کلماتِ توحید کے ساتھ۔

اس امت کے لیے ندامت بھی توبہ ہے

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے گناہوں کو استغفار سے مٹا دیا جاتا ہے۔

☆ اور یہ کہ ان کا اپنے گناہوں پر پشیمان ہونا ہی ان کی توبہ ہے۔

☆ اور یہ صدقات کھائیں گے تو اس پر انہیں ثواب ملے گا۔

☆ اور (عمدہ اعمال پر) آخرت میں ذخیرہ ہونے کے باوجود دنیا میں بھی ان کو ثواب ملتا رہے گا۔

☆ اور جو دعا مانگیں گے اللہ جل مجدہٗ اسے قبول فرمائے گا۔

امام فریابی قدس سرہٗ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا اس امت کو

1۔ ترجمہ: ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر۔

تین خوبیاں ایسی دی گئی ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی نہ مل سکیں (مثلاً) پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کو حکم دیا جاتا تھا:

☆ بَلِّغْ وَلَا حَرَجَ "تبلیغ فرمایئے، تم پر کوئی تنگی نہ آئے گی"۔

☆ اور فرمایا جاتا تھا: اَنْتَ شَهِيْدٌ عَلٰى قَوْمِكَ "تم اپنی قوم پر نگہبان ہو"۔

☆ اور یہ فرمایا جاتا "وَادْعُ اُجِبْكَ"۔ "تم دعا کرتے رہو، میں تمہاری دعاء قبول کروں گا"۔

اور اس امت سے (پہلے حکم کے متعلق) فرمایا:

☆ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج:78)

"اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی"۔

اور (دوسرے حکم کے بارے میں) فرمایا:

☆ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ:143)

"تم لوگوں پر گواہ رہو"۔

اور (تیسرے حکم سے متعلق) فرمایا:

☆ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن:60)

"مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا"۔

امام نسائی، حاکم اور امام بیہقی، امام ابونعیم قدست اسرارہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (قصص:46)

"اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی"۔

کی تفسیر میں روایت کیا کہ اللہ جل مجدہٗ نے اس امت سے فرمایا: اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم (مجھے) پکارو، میں تمہاری پکار سے پہلے تمہاری سُن لوں گا اور تمہارے مانگنے سے قبل تمہیں دے دوں گا۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیتِ کریمہ:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (قصص)

"اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا دی"۔

کی تفسیر پوچھتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ندا سے کیا مراد تھی، اور رحمت سے کیا مراد

تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر تقدیر لکھی، پھر اللہ جل مجدہٗ نے یہ ندا دی: اے امتِ محمد ﷺ میری ناراضگی پر میری رحمت سبقت لے گئی ہے۔ میں نے تمہیں تمہارے مانگنے سے پہلے دے دیا، اور تمہارے بخشش طلب کرنے سے پہلے میں نے تمہاری مغفرت فرمادی۔ جو تم میں سے میری الوہیت اور (میرے محبوب مکرم) محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی گواہی دیتے ہوئے مجھ سے ملا تو میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور الامام الحاکم قدس سرہٗ نے حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ گناہوں پر پشیمانی ہی توبہ ہے۔

اور بعض ائمہ کرام نے فرمایا: پشیمانی کا توبہ (کے قائم مقام) ہونا صرف اس امت کے خصائص سے ہے۔

ساعتِ اجابت اور لیلۃ القدر وغیرہ کی خصوصیت

☆ نبی کریم ﷺ کے انہی خصائص میں سے جمعہ کی وہ گھڑی ہے جس میں اللہ سے جو مانگا جائے، ملتا ہے۔

☆ اور انہی خصائص سے شبِ قدر ہے۔

☆ انہی خصائص سے ماہِ رمضان ہے، اور ماہِ رمضان کی وہ پانچ خوبیاں جو کفارہ سیئات ہیں۔

☆ اور انہی خصائص سے عید قربان کا ہونا، اور نحر کرنا ہے۔ جبکہ اہلِ کتاب کے لیے صرف ذبح کرنا ہی تھا۔

☆ اور انہی خصائص سے (میت کے لیے) لحد بنانا ہے جبکہ اہل کتاب کے لیے شق تھا۔

☆ اور انہی خصائص سے سحری کھانا اور افطار میں جلدی کرنا (مستحب کیا گیا) ہے۔

☆ اور رات میں صبح صادق تک کھانے، پینے اور جماع کرنے کو مباح قرار دیا جانا ہے۔

☆ اور انہی خصائص سے، جیسا کہ علامہ قونوی قدس سرہٗ نے "شرح التعرف" میں ذکر فرمایا کہ "(وقوف) یوم عرفہ بھی ہے"۔

☆ اور انہی خصائص سے نویں ذی الحج کو روزہ رکھنا بھی ہے جو کہ دو سالہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

"شرح مہذب" میں امام نووی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ شبِ قدر صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شرف میں زیادتی فرمائے (آمین)۔ جبکہ ہم سے پہلوں میں یہ نہ تھی۔ جیسا کہ امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ نے "موطا" شریف میں فرمایا کہ "مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کو پہلے لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں، یا سابقہ حالات سے جو بھی اللہ جل مجدہٗ نے چاہا آپ کو دکھایا گیا (مگر) اپنی امت کی کم عمریں ملاحظہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کے خاطر اقدس پہ گزرا کہ میری امت تو اس قدر عمل نہ کر سکے گی، جس قدر کہ دوسرے لوگ اپنی لمبی عمروں کے باعث عمل کرلیا کرتے تھے۔ تو اللہ جل مجدہٗ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکینِ خاطر کے لیے) آپ ﷺ کو شب قدر مرحمت فرمائی، جس کی عبادت ایک ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے۔'' اس حدیث کے اور بھی کافی شواہد موجود ہیں جنہیں میں (یعنی نووی صاحب) نے ''التفسیر المسند'' میں بیان کیا ہے۔

امام دیلمی قدس سرہٗ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ جل مجدہٗ نے میری امت کو لیلۃ القدر عطا فرمائی ہے جو اس سے پہلے کسی کو بھی نہ مل سکی''۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت امام عطاء رضی اللہ عنہ سے اس آیتِ کریمہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (بقرہ:84-183)

''تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔ گنتی کے دن ہیں''۔

کی تفسیر روایت کی کہ حضرت امام عطاء قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر ہر ماہ میں تین روزے فرض کیے گئے تھے۔ اور اس سے پہلے لوگوں کے یہی روزے ہوا کرتے تھے، پھر اللہ جل شانہٗ نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کر دیے۔

(نیز) علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت الامام سدی رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کریمہ ''كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'' کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت امام سدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

''اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا'' سے مراد نصاریٰ ہیں، جن پر ماہِ رمضان میں روزے فرض کیے گئے تھے، اور یہ بھی ان پر فرض تھا کہ ماہِ رمضان میں سونے کے بعد نہ تو وہ کھا پی سکتے ہیں اور نہ ہی (شب میں) عورتوں سے ہم بستری کر سکتے ہیں۔ (لیکن جب) اس طرح ماہِ رمضان کے روزے نصاریٰ پر گراں گزرنے لگے، تو پھر نصاریٰ نے باہم مشورہ کر کے سردیوں اور گرمیوں کے درمیان روزے تقسیم کر لیے۔

اور پھر کہنے لگے، ''اپنے اس فعل کے ارتکاب پر کفارہ کے طور پر ہم بیس دن کے زائد روزے رکھ لیا کریں گے''۔

(معلوم رہے کہ) شروع شروع میں مسلمانوں پر بھی نصاریٰ کی طرح سونے کے بعد کھانا، پینا اور شب کو عورتوں سے ہم بستری کی ممانعت تھی۔

اسی اثناء میں حضرت ابوقیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ رونما ہو گیا تو اللہ جل شانہٗ نے اس امت کے لیے صبح صادق تک کھانا، پینا اور جماع کرنا مباح فرما دیا۔

(حافظ ابونعیم) اصبہانی قدس سرہٗ نے "الترغیب" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کو رمضان شریف میں پانچ ایسی خوبیاں دی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی کو بھی نہ مل سکیں:

☆ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

☆ افطار تک فرشتگان ان کے لیے بخشش طلب کرتے رہتے ہیں۔

☆ سرکش شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں، پھر وہ رمضان میں اپنی شیطنت کا کام جاری نہیں رکھ سکتے۔

☆ اللہ جل مجدہٗ ہر روز جنت سنوارتا ہے، اور فرماتا ہے: عنقریب میرے صالح بندے مشقت سے چھوٹ کر تجھ میں آجائیں گے۔

☆ رمضان مقدس کی آخری شب میں ان کی مغفرت فرما دی جاتی ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم بولے: تو کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ آخری شب شبِ قدر ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا: نہ، بلکہ مزدور کو اجرت اس کے کام ختم کرنے پر ہی ملتی ہے۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق صرف سحری کا کھانا ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے اس حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت (عبداللہ) ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے عید قربان (کی نماز پڑھنے) کا حکم ملا ہے۔

اور عید قربان کو اللہ جل مجدہٗ نے اس امت کی خصوصیت بنایا ہے۔

امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دین ہمیشہ غالب رہے گا، جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہا کریں گے، اس لیے کہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ اور امام ابن المنذر قدس سرہٗ نے اپنی اپنی تفسیروں میں حضرت امام مجاہد

رضی اللہ عنہ اور حضرت امام عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ دونوں ائمہ نے فرمایا: بنو اسرائیل کے لیے صرف جانور کا ذبح کر دینا تھا، اس کے بعد انہوں نے یہ آیت کریمہ (بطور استشہاد تلاوت فرمائی):

فَذَبَحُوْهَا (بقرہ:71) "تو اسے ذبح کیا"۔

اور تمہارے لیے نحر ہے۔

پھر انہوں نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (کوثر)

"تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو، اور قربانی کرو"۔

آئمہ اربعہ، حضرات امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام داؤد رضی اللہ عنہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔ (ص ۳۰۴)

لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے دوسروں کے لیے ہے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلِیُّ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لحد تو ہمارے لیے ہے اور شق اہلِ کتاب کے لیے ہے"۔

امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ صَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ یُکَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ۔ (ص ۳۰۴)

"نبی اکرم ﷺ سے دسویں محرم کے روزہ کے متعلق عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: (ہاں) دسویں محرم کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے"۔

اور آپ ﷺ سے

وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَةَ فَقَالَ یُکَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ۔ (ص ۳۰۴)

"نویں ذی الحج کے روزہ کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے"۔

نویں ذی الحج کا روزہ دو سال کا کفارہ کیوں ہے؟

قَالَ الْعُلَمَآءُ اِنَّمَا کَانَ کَذٰلِکَ لِاَنَّ یَوْمَ عَرَفَةَ سُنَّةُ النَّبِیِّ ﷺ وَیَوْمُ عَاشُوْرَآءَ سُنَّةُ مُوْسٰی، فَجَعَلَ سُنَّةَ نَبِیِّنَا تَتَضَاعَفُ عَلٰی سُنَّةِ مُوْسٰی

فِی الْاَجْرِ۔(ص ۳۰۴)

''علماء کرام علیہم الرحمۃ نے فرمایا: نویں ذی الحج کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ صرف اس لیے ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ نبی کریم ﷺ کی سنت (سنیہ) ہے۔ جبکہ دسویں محرم کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔ (مگر) اللہ جل مجدہٗ نے اجر وثواب میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی سنت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت سے دوگنا فرمادیا ہے''۔

چنانچہ اسی مفہوم کے قریب قریب وہ حدیث شریف ہے، جسے حاکم قدس سرہٗ نے حضرت سلمان (فارسی) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے توراۃ شریف میں پڑھا ہے کہ کھانا کھانے سے قبل وضو کر لینے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (ہاں) کھانا کھانے سے پہلے اور بعد وضو کرنا کھانے میں برکت کا سبب ہے۔

حاکم (ابوعبداللہ) قدس سرہٗ نے ''تاریخ نیشاپور'' میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الطَّعَامِ حَسَنَةٌ وَبَعْدَهٗ حَسَنَتَانِ۔(ص ۳۰۴)

''کھانا کھانے سے پہلے وضو(1) کرنے میں ایک نیکی اور کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے میں دو نیکیاں ملتی ہیں۔''

روزہ میں گفتگو کا مباح ہونا

نبی اکرم ﷺ کی امت کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اس کے لیے نماز میں کسی قسم کی گفتگو حرام کر دی گئی ہے۔

اور روزہ کی حالت میں گفتگو مباح کر دی گئی۔ جبکہ ہم سے پہلوں کے لیے بحالتِ روزہ گفتگو اسی طرح ممنوع تھی جیسے کھانا پینا ممنوع ہوتا تھا۔ اور اسی طرح نماز میں ان کے لیے اپنی ضروریات کی باتیں مباح تھیں۔

امام سعید بن منصور قدس سرہٗ نے حضرت محمد بن کعب قُرظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: (جب) سیّد عالم ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو بحالتِ

1۔نوٹ: وضو سے مراد عرفی شرعی وضو نہیں ہے، بلکہ ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے

نماز اپنی ضروریات کی باتیں کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا: (جو آپ ﷺ کو پسند نہ آیا) تو یہ آیتِ کریمہ (اس کی ممانعت میں) اتری۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ (بقرہ:238)

''اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے''۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝

''اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے''۔

کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تمام دینوں والے اپنی نمازوں میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ (مگر) تم اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہ میں خاموشی سے مطیع ہو کر کھڑے رہو۔

امام ابن عربی قدس سرہٗ نے ''شرح ترمذی'' میں فرمایا:

ہم سے پہلے، امتوں میں روزہ میں جس طرح کھانا، پینا منع تھا۔ اسی طرح ان کے لیے ہر طرح سے گفتگو کرنا بھی منع تھا۔ جس کی وجہ سے وہ انتہائی دشواری سے وقت کاٹتے تھے۔ اور اس امت کو اللہ جل مجدہٗ نے (ان کی بہ نسبت) نصف وقت اور نصف روزے کی رخصت عطا فرمائی۔

نصف وقت تو یہ کہ رات کو ان کے لیے کھانا، پینا وغیرہ مباح کر دیا، اور نصف روزہ یہ کہ بحالتِ روزہ ان کے لیے کلام کرنا مباح فرما دیا۔

سیّدِ عالم ﷺ کی اُمت خیر الامم ہے

☆ نبی کریم ﷺ کی امت کے انہی خصائص سے اس کا خیر الامم ہونا ہے۔

☆ اور یہ بھی اسی کی خصوصیت ہے کہ یہ سب امتوں سے آخر ہے۔ اسی لیے تمام امتیں اس کے سامنے رسوا کی جائیں گی، اور اس کی ان کے سامنے رسوائی نہ ہوگی۔

☆ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے لیے قرآن کریم سینوں میں محفوظ رکھنے کے لیے آسان کر دیا۔

☆ انہی خصائص سے یہ بھی ہے، ان کے نام، مسلمان، مومن اللہ تعالیٰ کے ناموں سے نکالے گئے ہیں۔

☆ انہی خصائص سے یہ ہے کہ ان کے دین کا نام اسلام رکھا گیا، انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علاوہ اس

وصف سے دوسری امتوں میں سے کوئی بھی متصف نہ ہوا تھا۔

☆ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران)

''تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

☆ اور فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (قمر:17)

''اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے''۔

اور فرمایا:

هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ (حج:78)

''اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں''۔

اسی بارے میں امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام ترمذی و امام ابن ماجہ اور حاکم قدست اسرارہم نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے سیّد عالم ﷺ کو

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر ستر امتیں پوری ہو جائیں گی، ان سب سے تمہی برتر ہو، اور اللہ جل مجدہٗ کے ہاں باعزت بھی تمہی ہو۔

امام ترمذی قدس سرہٗ نے اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے حضرت سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اسلام میں اس امت سے زیادہ مقبول کوئی امت نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

''تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

امام اجل حضرت (اسحاق) ابن راہویہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مسند'' میں، اور امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت الامام مکحول (تابعی) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

كَانَ لِعُمَرَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ حَقٌّ، فَأَتَاهُ يَطْلُبُهُ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَلَى الْبَشَرِ لَا أُفَارِقُكَ

فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ مَا اصْطَفٰی مُحَمَّدًا(صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) عَلَی الْبَشَرِ،فَلَطَمَهٗ عُمَرُ فَاَتَی الْیَهُوْدِیُّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ اَمَّا اَنْتَ یَا عُمَرُ فَارْضِهٖ مَنْ لَطَمْتَهٗ،بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ آدَمُ صَفِیُّ اللّٰهِ وَاِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ وَمُوْسٰی نَجِیُّ اللّٰهِ وَعِیْسٰی رُوْحُ اللّٰهِ، وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ،بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ تُسْمِیْ اللّٰهَ بِاِسْمَیْنِ سَمّٰی اللّٰهُ بِهَا اُمَّتِیْ،هُوَ السَّلَامُ،وَسَمّٰی اُمَّتِیْ الْمُسْلِمِیْنَ،وَهُوَ الْمُؤْمِنُ،وَسَمّٰی اُمَّتِیْ الْمُؤْمِنِیْنَ،بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ ضَلَلْتُمْ یَوْمًا ذُخِرَلَنَا اَلْیَوْمُ وَلَکُمْ غَدٌ، وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارٰی بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ اَنْتُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ،بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ اِنَّ الْجَنَّةَ مُحَرَّمَةٌ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ حَتّٰی اَدْخُلَهَا وَهِیَ مُحَرَّمَةٌ عَلَی الْاُمَمِ حَتّٰی تَدْخُلَهَا اُمَّتِیْ۔

”حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے قرض لینا تھا،آپ رضی اللہ عنہ وہ قرض وصول فرمانے کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے (مگر وہ منکر ہوا تو) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ کیا، میں تجھے چھوڑوں گا نہیں (اور آج تجھ سے ضرور وصول کر کے رہوں گا) یہودی کہنے لگا (تم کہتے ہو کہ محمد ﷺ کو اللہ نے تمام انسانوں سے ممتاز کیا مگر میں کہتا ہوں) اللہ قسم! اللہ نے کسی بھی انسان سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو برگزیدہ نہیں فرمایا۔(اس پر) حضرت امیر المومنین عمر سلام اللہ علیہ نے اس یہودی کو ایک (شاندار) تھپڑ رسید فرمایا۔اس کے بعد یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوا اور سارے واقعہ کی آپ ﷺ کو اطلاع کی۔نبی کریم ﷺ نے (حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر) فرمایا:عمر ”رضی اللہ عنہ“!(انصاف کا تقاضا یہ ہے) تم نے جسے تھپڑ رسید کیا،اسے راضی کر لو،(پھر آپ ﷺ نے یہودی کے خیال باطل کی خبر لیتے ہوئے فرمایا) نہیں نہیں رے یہودی حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ،حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ،حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ہوں۔یہودی رے! تم اللہ جل مجدہٗ کے دو نام تو لیتے ہی ہو (مگر تمہیں اتنی بھی خبر نہیں

کہ) وہی دونوں نام میری امت کو (بھی) مرحمت فرمائے گئے ہیں (اب تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دونوں نام کون کون سے ہیں) ان میں ایک نام تو "السلام" ہے اور اسی نام پر میری امت کا نام مسلمان رکھا گیا ہے اور ان کا دوسرا نام "المومن" ہے اور اسی نام پر میری امت کا نام مومن رکھا گیا ہے۔ ارے یہودی! (تم کہاں کہاں ہمارا مقابلہ کرو گے، تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ) تم اس دن سے بہک گئے ہو جو آج کا دن ہمارے لیے ذخیرۂ (آخرۃ) کر دیا گیا ہے (یعنی جمعہ)۔ تمہارے لیے (ہمارے دن کے بعد) کل آنے والا (یعنی ہفتہ کا) دن ہے۔ اور پرسوں آنے والا دن (یعنی اتوار) نصاریٰ کے لیے ہے۔ ارے یہودی! تم اگرچہ ہم سے پہلے ہو اور ہم تمہارے بعد، مگر یوم قیامت میں حساب و دخول جنت (وغیرہ) میں ہم ہی پہلے ہوں گے۔ ارے یہودی! (تم لگے ہاتھوں یہ بات بھی سنتے ہی جاؤ) جنت سب انبیاء کرام پر اس وقت تک حرام ہے جب تک میں اس میں داخل نہ ہولوں گا۔ اور (اسی طرح) جب تک میری امت اس میں داخل نہ ہو لے گی اس وقت تک وہ تمام امتوں پر بھی حرام ہے"۔

عمامہ میں شملہ رکھنے کی خصوصیت

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے پگڑی کا شملہ رکھنا بھی ہے۔

☆ اور پنڈلیوں تک ازار باندھنا بھی خصائص سے ہے۔

اور یہ دونوں خصائص فرشتوں کی صفات ہیں۔

امام دیلمی قدس سرہٗ نے حضرت الامام عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے روایت کیا جبکہ انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے، اور انہوں نے اپنے والد مکرم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا، حضور انور ﷺ نے فرمایا:

اِئْتَزِرُوْا كَمَا رَأَيْتُ الْمَلَائِكَةَ تَأْتَزِرُ عِنْدَ رَبِّهَا اِلٰى اَنْصَافِ سُوْقِهَا۔

"چادریں اس طرح باندھو جیسے میں نے نصف پنڈلیوں تک اپنے رب کے حضور، فرشتوں کو چادریں باندھے ہوئے دیکھا ہے"۔ (ص ۳۰۵)

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْعَمَائِمِ وَارْخُوْهَا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ فَاِنَّهَا سِيْمَا الْمَلٰئِكَةِ۔

"تم پگڑیاں باندھا کرو، اور اس کا ایک لڑ اپنے پسِ پُشت لٹکا دیا کرو۔اس لیے کہ فرشتوں کی صفات سے یہی ہے"۔(ص ۳۰۵)

علّامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ موصوفہ نے فرمایا: حضور انور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو عمامہ باندھا، اور برگِ ارنڈ کی مانند اس کا شملہ چھوڑ دیا۔پھر فرمایا میں نے اکثر فرشتوں کو(اسی طرح) پگڑیاں باندھے ہوئے ملاحظہ فرمایا ہے۔

شملہ رکھنے کی وجہ

ابنِ تیمیہ نے کہا کہ شملہ کی اصل و بنیاد یہ ہے کہ جب سید عالم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنا دستِ بیمثال آپ ﷺ کے کندھوں کے وسط میں رکھا ہوا ہے۔تو پھر آپ ﷺ نے اس مقام کی عزت افزائی بذریعہ شملہ فرمائی۔

☆ لیکن علامہ عراقی نے کہا ہم اس روایت کی اصل کہیں بھی نہیں پاتے۔

خطاء ونسیان پر مواخذہ نہیں ہے

☆ نبی کریم ﷺ کی اُمت کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے اس امت سے وہ اِصر(یعنی سخت تکالیف کا حامل بوجھ) اٹھالیا ہے جو اُممِ سابقہ پر تھا۔

☆ اور یہ کہ اللہ جل مجدہٗ نے ان پر بہت سی چیزوں کو آسان فرمادیا جو اِن سے اگلوں پر بہت سخت تھیں۔

☆ نیز ان کے دین میں کوئی دشواری نہ رکھی۔

☆ اس اُمت کے انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے اسے خطاء ونسیان، خیال و وسوسہ اور ہر وہ عمل جو جبر واکراہ سے وقوع پذیر ہو، ان سب کے مواخذہ (پکڑ) سے بری فرمادیا۔

☆ نیز یہ کہ جس نے کسی بدی کا ارادہ کیا (تو صرف ارادہ پر) وہ بدی نہ لکھی جائے گی، بلکہ (اگر نہ کیا تو) ایک نیکی لکھی جائے گی۔

☆ اور اسی طرح جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا تو (فقط ارادہ پر) وہ اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی، اور اگر اس ارادہ پر عزم وتہیہ بھی کرلیا تو اس کی دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

☆ اس امت کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اس امت سے، توبہ میں اپنی جان گنوانا، موضع نجاست کو کاٹ ڈالنا، زکوٰۃ میں مال کا چوتھائی حصہ نکالنا، سب معاف فرمادیا ہے۔

☆ اور یہ کہ یہ جو دعا بھی کریں، وہ مقبول ہے۔

☆ اور اس کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ قتل اور خون بہا کے درمیان، دونوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کی انہیں اجازت دے دی گئی ہے۔

☆ اور چار نکاح تک کرنے کی بھی اس کو اجازت دی گئی ہے۔

☆ اور (نیز) دوسرے مذاہب و ادیان کی عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کرنے کی بھی اس امت کو رخصت دی گئی ہے۔

☆ اور یہ بھی اس کے خصائص سے ہے کہ عورت کے ایام ماہواری کے دوران ہم بستری کے علاوہ ان سے ہر قسم کے میل جول رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

☆ اور اسی طرح یہ بھی اس کے خصائص سے ہے کہ اپنی عورت کو جس کروٹ چاہیں ان سے ہم بستری کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

☆ اور یہ بھی اس امت کے خصائص سے ہے کہ ان کا اپنی شرمگاہوں کو ننگا کرنا، (اپنی یا کسی بھی جاندار شے کی) تصویر بنانا، بنوانا، اور نشہ دینے والی اشیاء کا استعمال کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (حج:78)

''اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی''۔

نیز فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز (بقرہ:185)

''اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے، اور تم پر دشواری نہیں چاہتا''۔

اور فرمایا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج (بقرہ:286)

''اے رب ہمارے! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ، جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا''۔

نیز فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (اعراف:157)

''اوران پر سے وہ بوجھ، اور گلے کے پھندے جوان پر تھے اتارے گا''۔

اور فرمایا:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

''اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں، پکارنے والے کی جب مجھے پکارے''۔ (بقرہ:186)

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے حضرت الامام ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ فرماتا ہے:

وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ (حج:78)

''اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی''۔

کیا اگر ہم زناء یا چوری کریں تو اس پر بھی ہمیں پکڑ و تنگی نہ ہوگی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیوں نہیں۔ (پکڑ تو ضرور ہے مگر) وہ سختی و شدت جو بنو اسرائیل پر تھی ہم سے اٹھالی گئی ہے۔

علامہ فریابی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں حضرت امام محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے جس بھی نبی و رسول علیہ السلام کو کتاب دے کر بھیجا تو اس کی کتاب میں اس آیت کریمہ کو ضرور نازل فرمایا:

وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ (بقرہ:284)

''اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا''۔

پھر تمام امتیں اپنے اپنے نبیوں و رسولوں کا اس بارے میں انکاری ہو کر کہتی تھیں، کیا ہمیں اپنے دلوں میں کھٹکنے والے ایسے خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا، جنہیں ابھی اعضاء نے عملی جامہ تک نہیں پہنایا۔ چنانچہ وہ امتیں انکاری ہو کر بہک جاتی تھیں۔

جب اس آیت مبارکہ کا نزول نبی اکرم ﷺ پر ہوا تو یہ بات مسلمانوں پر بھی ایسے ہی ناگوار گزری جیسے کہ سابقہ امم پر دشوار ہوتی تھی۔ مسلمان بولے: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں دل میں گزرنے والی باتوں پر بھی مواخذہ ہوگا جبکہ ان باتوں پر ہمارے اعضاء نے ابھی تک عمل بھی نہیں کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں، (ضرور مواخذہ ہوگا) اسے بغور سنو اور اس کی اطاعت بجالاؤ، اور اپنے رب سے (تخفیف کے) طالب رہو۔ (چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانوں کی التجاء منظور فرماتے ہوئے) اسی لیے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ (بقرہ:285)

''رسول ایمان لایا۔ الخ''

(جس میں یہ خوشخبری دی گئی) کہ اللہ جل شانہٗ نے اس امت سے خیال و وسوسہ پر گرفت اٹھالی ہے۔ (ہاں) اگر اعضاء اس پر عمل کرلیں تو اب عمل اگر اچھا ہوا تو پھر ان کے لیے بہتری ہے اور عمل اگر بد ہوا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔

حضرت امام مسلم اور امام ترمذی قدس سرہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب یہ آیت مبارکہ

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ

''اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا''۔

اتری تو سب مسلمانوں کے دلوں میں اس آیت کریمہ سے ایک خدشہ گزرنے لگا، جبکہ اس سے پہلے کبھی اس قسم کی بات ان کے دلوں میں نہ کھٹکی تھی، پھر سب نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی قلبی کیفیت عرض کی۔ اس پر سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: تم یوں عرض کرو: ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا'' ''کہ ہم نے سنا اور مانا اور ہم نے تیرے حکم کو تسلیم کیا''۔

اس کے بعد اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان راسخ فرمایا، اور پھر (تخفیف کی بشارت دیتے ہوئے) یہ آیت کریمہ

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ (بقرہ:285)

''رسول ایمان لایا۔ (الخ)''

آخر سورت تک نازل فرمائی۔

امام مسلم و ترمذی قدس سرہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِیْ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ اَوْ تَعْمَلْ بِهٖ۔ (ص ۳۰۶)

''اللہ جل مجدہٗ نے میری امت کے دل میں گزرنے والے خیالات سے درگزر فرمادیا ہے بشرطیکہ ان خیالات کو زبان پر نہ لائیں اور نہ ہی ان پر عمل کریں''۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، اور امام ابن حبان، امام حاکم، امام ابنِ ماجہ قدست اسرارہم نے حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا عَلَیْہِ۔(ص۳۰۶)

''بے شک اللہ جل شانہٗ نے میری امت سے بھول چوک، اور ہر وہ عمل جو جبر و اکراہ سے سرزد ہو، اٹھالیا ہے''۔

امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے میری امت سے خطاء و نسیان، اور مجبوراً کرائے گئے امور معاف فرمادیے ہیں۔

حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، اور امام ابوبکر شافعی قدس سرہٗ نے ''غیلانیات'' میں، اور علاّمہ ابن عساکر اور حافظ ابونعیم قدس سرہما نے حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ایک مرتبہ حضور انور ﷺ نے (ایک طویل) سجدہ فرمایا، اور آپ ﷺ نے (خلافِ معمول) اپنا سرِ اقدس سجدہ سے نہ اٹھایا۔ جس سے ہمیں گمان گزرنے لگا کہ شاید آپ ﷺ کی روح پرفتوح پرواز فرماگئی ہے۔ پھر (یک لخت) آپ ﷺ نے اپنا سرِ انور سجدہ سے اٹھایا۔ اور (ہماری متجسس نگاہوں کو بھانپتے ہوئے فوراً) ارشاد فرمایا: (شاید تمہیں ہمارا طویل سجدہ اچنبھا معلوم ہوا ہو مگر ہمارے طویل سجدہ کی حکمت یہ تھی کہ) اللہ جل مجدہٗ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں یہ مشورہ پوچھا تھا کہ تمہاری امت کے ساتھ (حساب و کتاب کا) برتاؤ کیسا رہنا چاہیے؟ تو میں نے عرض کیا: پروردگار! (میری امت) تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ جیسے تیری منشاء ہو۔

پھر دوبارہ اللہ جل مجدہٗ نے مجھ سے یہی مشورہ پوچھا، میں نے بھی دوبارہ وہی عرض دہرائی۔

پھر اللہ جل مجدہٗ نے تیسری بار مجھ سے مشورہ طلب فرمایا، میں نے پھر اسی طرح گزارش کی (جیسے پہلی و دوسری مرتبہ عرض کی تھی۔)

پھر اللہ جل شانہٗ نے مجھے فرمایا: (اے محبوب مکرم ﷺ!) میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کو ہرگز مایوس نہ کروں گا۔

29 اور پھر مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ سب سے پہلے میری امت میں سے میرے ہمراہ بلاحساب ستر ہزار افراد جنت میں جائیں گے جن میں سے ہر ہر ہزار کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے۔

پھر مجھے یہ پیام بھیجا، آپ دعا فرمایئے قبول ہوگی، مجھ سے مانگیے آپ کو ملے گا۔

وَاَعْطَانِیْ اَنْ غُفِرَ لِیْ(1) مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِیْ وَمَا تَاَخَّرَ وَاَنَا اَمْشِیْ حَیًّا صَحِیْحًا۔ (ص ۳۰۶)

''اور پھر مجھے یہ (خاص) انعام عطا فرمایا کہ جیتے جی اور چلتے پھرتے، میرے سبب سے میرے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیے گئے ہیں''۔

اور (اپنے حِکَم وانوار وتجلیات سے) میرا سینہ کھول دیا ہے۔

اور یہ انعام بھی مجھے عطا فرمایا کہ میری امت خوار ورسوا نہ کی جائے گی۔

اور نہ ہی (قہر وغلبہ) کسی سے مغلوب ہوگی۔

اور مجھے ایسے رعب و دبدبہ اور نصرت سے سرفراز فرمایا، جو ایک ماہ کی مسافت سے میرے بدخواہوں کو خوف زدہ کردے گا،

اور مجھے یہ بھی عطا فرمایا کہ جنت میں سب انبیاء کرام سے پہلے میں ہی داخل ہوں گا۔

اور میری امت کے لیے غنائم کو حلال فرمایا۔

اور بے شمار وہ اشیاء جو ہم سے پہلے دوسروں پر سخت دشوار تھیں، ہم پر آسان فرمادی گئیں۔

اور ہمارے دینی امور میں ہم پر کسی قسم کی تنگی نہ فرمائی۔ لہٰذا مجھے اس (طویل) سجدہ کے سوا (ان خصائص کے حصول کے) شکرانہ میں اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

کفاراتِ بنی اسرائیل

امام ابن منذر قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں، اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''شعب الایمان'' میں

1۔ اس عبارت کا یہ ترجمہ ایک خاص نوعیت وطرز کا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ترجمہ قرآن کریم اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ تحت آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴿۱﴾ (فتح)۔ اور ایک ترجمہ اس عبارت اور اسی قبیل کی دوسری عبارات کا اس طرح بھی کیا گیا ہے ''میرے جیتے جی میرے اگلے، پچھلے گناہ (بالفرض والتقدیر) معاف کیے گئے ہیں''۔ یعنی اگر آپ سے کسی گناہ مثلاً ''ترک اولیٰ جسے اگر آپ ﷺ کے منصب رفیع الشان وجلیل البرہان کے پیشِ نظر گناہ سے تعبیر کیا جائے، کا صدور ووقوع تصور کیا جائے'' تو اس کی معافی کی خوشخبری بھی اللہ جل شانہٗ نے دے دی ہے۔ جبکہ ایسا خیال وتصور میں آنا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ سے کوئی گناہ ''خواہ وہ ترک اولیٰ ہی کیوں نہ ہو'' واقع نہیں ہوا۔
اس قسم کی خصوصیت دوسرے پیغمبران کرام علیہم السلام میں مفقود ہے کیونکہ کسی دوسرے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے حیات دنیویہ میں ایسی مغفرت کی بشارت نہیں دی۔ (ماخوذ از مدارج للشیخ المحقق دہلوی قدس سرہٗ)۔ (مترجم غفرلہٗ ولوالدیہ)

حضرت (عبداللہ) بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم ﷺ کے سامنے بنو اسرائیل کا تذکرہ چھڑا، اور ان کی ان خوبیوں کا بھی ذکر چلا جن کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ نے انہیں برتری عطا فرمائی تھی۔ پھر سید عالم ﷺ ارشاد فرما ہوئے: (تم نے بنو اسرائیل کی خوبیوں کا تو ذکر کیا مگر شاید تمہیں ان تکالیف شاقہ اور شدائد کا پتہ نہ ہو، لو سن لو) جب کسی اسرائیلی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تھا تو صبح ہوتے ہی اس کے گناہ کا کفارہ اس کے دروازہ کی پیشانی پر لکھا ہوتا تھا۔

(مگر) تمہارے گناہوں کا کفارہ یہ قرار پایا کہ تم اگر زبانی طور پر "استغفر اللہ" ہی کہہ لو تو اللہ جل شانہٗ تمہاری مغفرت فرما دیتا ہے۔

اللہ کی قسم! اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں ایک آیت مبارکہ ایسی عطا فرمائی ہے جو مجھے دنیا وما فیہا سے زیادہ پیاری ہے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (آل عمران:135)

"اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی (یا اپنی جانوں پر ظلم) کریں۔ الخ"

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ان اسرائیلیوں کا قصہ روایت کیا ہے۔ جنہوں نے گئو سالہ کی پرستش کی تھی، حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان اسرائیلیوں نے جب (اس جرم کی) توبہ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اب ہماری توبہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (تمہارے اس جرم کی سزا صرف یہ ہے کہ) تم آپس میں ایک دوسرے کو مار ڈالو، (چنانچہ انہوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے) چھریاں لے کر آپس میں چلانا شروع کر دیں۔ بہر حال یہ تھا کہ کسی کی چھری کہیں تو اپنے والدین پر چل رہی ہے اور کہیں اپنے بھائی پر، اور چھری چلانے والے کو اس کا قطعاً پاس نہ تھا کہ وہ چھری کس پہ چلا رہا ہے۔

امام ابن ماجہ قدس سرہٗ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

كَانَ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ رَجُلٌ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ۔ (ص ۳۰۷)

"بنو اسرائیل میں سے جب کسی کو پیشاب لگ جاتا تھا تو موضع پیشاب کو وہ قینچی سے کاٹ

(بعد میں) اسے اس کی قبر میں عذاب دیا گیا"۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت ابو عالیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسرائیلیوں کے کفارہ کی طرح ہوگا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا: (نہیں بلکہ) تمہیں اللہ جل شانہٗ نے ان سے کہیں بہتر عطا فرمایا ہے (مثلاً) جب کوئی اسرائیلی کسی قسم کا کوئی گناہ کر لیتا تو وہ گناہ اور اس کا کفارہ (صبح کو) اپنے گھر کے دروازے پر لکھا ہوا پاتا تھا، اب اس گناہ کا کفارہ اگر ادا کر دیتا تھا تو اس کی دنیا میں خواری و رسوائی ہوتی تھی، اور اگر اس کا کفارہ ادا نہ کرتا تو پھر آخرت میں اس کی ذلّت ہوتی تھی، جبکہ تمہیں اللہ جل مجدہٗ نے اس سے (کہیں) بہتر عطا فرمایا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (نساء:110)

"اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے۔ (الخ)"

کہ (تمہارے لیے) ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے وقفہ میں، اور دن بھر کی پانچ نمازیں بھی گناہوں کا کفارہ ہیں۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے اس حدیث شریف کی تصحیح فرماتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جب کسی اسرائیلی کو کہیں پیشاب لگ جاتا تھا تو وہ اس حصہ کو قینچی سے کاٹ دیتا تھا۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اپنی "مصنف" میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ:

قَالَتْ دَخَلَتْ عَلٰى اِمْرَاَةٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَتْ اِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ، قُلْتُ كَذِبْتِ، قَالَتْ بَلٰى اِنَّهٗ لَيُقْرَضُ مِنْهُ الْجِلْدُ وَالثَّوْبُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَتْ۔ (ص ۳۰۷)

"آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (ایک بار) میرے ہاں ایک یہودی عورت آئی اور کہنے لگی: قبر میں پیشاب سے (پرہیز نہ کرنے میں) عذاب ہوتا ہے۔ میں نے کہا: تو نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ بولی: نہیں نہیں (میں نے جھوٹ نہیں بولا، بلکہ ہمارے دین میں تو یہ ہے کہ) جب پیشاب جسم یا کپڑے کو کہیں لگ جائے تو اس حصہ سے جسم اور کپڑا کاٹ دیا

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت مرۃ الہمدانی قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: یہود (بے بہود) سرین کی طرف سے عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔ (پھر) یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (بقرہ:223)

''تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں۔''

اور اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانوں کو رخصت عطا فرمائی کہ عورتوں کے مقام مخصوص میں آگے سے یا پیچھے سے یا جس طرف سے، جس کیفیت سے بھی چاہو، آ سکتے ہو۔

اسلام میں رہبانیت کیا ہے؟

حافظ ابونعیم قدس سرہٗ نے ''معرفت'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (کے جواب میں ان) سے فرمایا: ہم پر رہبانیت (محض درویشی) فرض نہیں ہے۔ مسجدوں میں (ذکر وفکر کے لیے) بیٹھنا اور نمازوں کا انتظار کرنا، اور حج وعمرہ کرنا، میری امت کی رہبانیت ہے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام ابویعلی قدس سرہٗ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ رَهْبَانِيَّةٌ وَرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (ص ۳۰۸)

''ہر ایک نبی کے رہبانیت ہے (یعنی ترک لذائذ وعلائق دنیویہ سے کلی کنارہ کشی) اور اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جنگ کرنا ہے''۔

اسلام میں سیاحت کیا ہے؟

امام ابوداؤد قدس سرہٗ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے حضور سید عالم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے جہاں نوردی وسیر کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ تو رسول کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: میری امت کی سیر وسیاحت جہاد فی سبیل اللہ (ہی) ہے۔

امام ابن المبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت عمارہ بن عربہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس سیاحت کا ذکر چلا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جنگ کرنا، اور ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہنا ہمیں اللہ جل مجدہٗ نے سیاحت کا بدل عطا فرمایا ہے۔

(اسی طرح) علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا

جاتا ہے۔(یہ خبر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس یہودیہ عورت نے سچ کہا ہے"۔

حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہود کے ہاں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تھی تو پھر یہود اسے اپنے کھانے (پینے) اور گھریلو میل جول سے الگ کر دیتے تھے۔(اس بارے میں) صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم ﷺ سے جب استفسار کیا تو اللہ جل مجدہٗ نے ان کے جواب میں اس آیت مبارکہ کو نازل فرمایا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ (بقرہ:222)

"اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم۔(الخ)"

پھر نبی کریم ﷺ نے (اس کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے) فرمایا: تم اپنی عورتوں سے ہم بستری کے سوا ہر طرح کا برتاؤ کر سکتے ہو۔(جب یہود کو خبر لگی تو کہنے لگے) نہ معلوم اس شخص (یعنی رسول کریم ﷺ) کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ہمارے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت ہی کرتا ہے۔

کُتبِ تفاسیر میں ہے کہ (یہود کے برعکس) عیسائی ایامِ حیض میں بھی عورتوں سے ہم بستری کر لیا کرتے تھے، اور حیض کے دنوں کی پروانہ کرتے تھے۔ جبکہ یہود ہر بات میں ان سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ اور ہمیں اللہ جل مجدہٗ نے دونوں کے درمیان والا حکم دیا (کہ نہ تو مکمل بائیکاٹ ہو، جو کہ افراط ہے، اور نہ کلیۃً رواداری، کہ بحالتِ حیض بھی ہم بستری جاری رہے، جو کہ تفریط ہے)

امام ابوداؤد و حاکم قدس سرہما نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اہلِ کتاب عورتوں سے صرف ایک ہی طرف سے ہم بستر ہوا کرتے تھے۔ اور یہ اس لیے کہ (وہ اپنے خیال میں) اسے عورت کے لیے انتہائی پردہ سمجھتے تھے۔

اور (اہلِ کتاب کے پڑوسی) انصار کے اس قبیلہ نے بھی ان سے یہی طریقہ لیا ہوا تھا۔ اس لیے کہ انصار کرام (قبل از اسلام) اہلِ کتاب کو انکے علم کی وجہ سے اپنے آپ پر فوقیت دیتے تھے۔(اور انہیں اپنے سے افضل جانتے تھے) پھر اللہ جل مجدہٗ نے اس آیتِ مبارکہ کو نازل فرمایا:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۠ (بقرہ:223)

"تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو (الخ)"۔

(یعنی) آگے سے آؤ یا پیچھے سے یا پہلو کے بل لٹا کر۔(ہر طرح سے مباح) ہے۔

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت مرۃ الہمدانی قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: یہود (بے بہبود) سرین کی طرف سے عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔ (پھر) یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (بقرہ:223)

''تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں۔''

اور اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانوں کو رخصت عطا فرمائی کہ عورتوں کے مقامِ مخصوص میں آگے سے یا پیچھے سے یا جس طرف سے، جس کیفیت سے بھی چاہو، آسکتے ہو۔

اسلام میں رہبانیت کیا ہے؟

حافظ ابونعیم قدس سرہٗ نے ''معرفت'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (کے جواب میں ان) سے فرمایا: ہم پر رہبانیت (محض درویشی) فرض نہیں ہے۔ مسجدوں میں (ذکر وفکر کے لیے) بیٹھنا اور نمازوں کا انتظار کرنا، اور حج وعمرہ کرنا، میری امت کی رہبانیت ہے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام ابویعلی قدس سرہٗ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ رَهْبَانِيَّةٌ وَرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (ص ۳۰۸)

''ہر ایک نبی کے رہبانیت ہے (یعنی ترکِ لذائذ وعلائقِ دنیویہ سے کلی کنارہ کشی) اور اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جنگ کرنا ہے''۔

اسلام میں سیاحت کیا ہے؟

امام ابوداؤد قدس سرہٗ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے حضور سید عالم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے جہاں نوردی وسیر کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ تو رسول کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: میری امت کی سیر وسیاحت جہاد فی سبیل اللہ (ہی) ہے۔

امام ابن المبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت عمارہ بن عربہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس سیاحت کا ذکر چلا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جنگ کرنا، اور ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہنا ہمیں اللہ جل مجدہٗ نے سیاحت کا بدل عطا فرمایا ہے۔

(اسی طرح) علامہ ابنِ جریر قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا

کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اس امت کی سیر وسیاحت روزے ہیں۔

قصاص میں خصوصیت

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بنواسرائیل میں قتل کا بدلہ قتل ہی تھا۔ اور ان میں قتل کے بدلہ میں دیت نہ تھی۔ جبکہ اس امت کے لیے (قصاص کے علاوہ عفو میں بھی وسعت فرمائی اور) فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (بقرہ:178)

''تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو'' (الخ)۔

(آیت کے اس حصہ میں قصاص کے وجوب کا بیان ہے)

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ (بقرہ)

''تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی'' (الخ)۔

(آیت کے اس حصہ میں عفو کا بیان ہوا ہے) اور ''عفو'' یہ ہے کہ قتلِ عمد میں (ولیِ مقتول قاتل سے) دیت قبول کرے (یعنی صلح بر مال کرے)۔

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (بقرہ)

''یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے، اور تم پر رحمت'' (الخ)۔

(یعنی) پہلی امتوں پر جو فرض تھا (اس میں تمہارے لیے تخفیف کی گئی ہے)

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنواسرائیل میں صرف قصاص ہی فرض تھا۔ (یعنی) کسی جان کے بدلے میں، یا کسی زخم کے بدلے میں دیت (صلح بر مال) نہ تھی جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (مائدہ:45)

''اور ہم نے توراۃ میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان'' (الخ)۔

اور اللہ جل مجدہٗ نے نبی اکرم ﷺ کی امت پر (یہ احسان فرمایا کہ ان) سے اس کی تخفیف فرما دی ہے کہ زخم و ہلاکت میں (انہیں اختیار ہے چاہیں تو) قصاص لے لیں، یا مال پر صلح کر لیں۔ اسے اس آیت کریمہ (کے اس حصہ) میں بیان فرمایا:

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (بقرہ)

''یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت''۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہلِ توراۃ (یہود) پر قتل کا بدلہ قتل، اور بلاعوض و مال صلح کر لینا تھا۔ ان میں صلح بر مال نہ تھی۔ اور اہلِ انجیل (نصاریٰ) قتل کے بدلے میں صرف عفو پر ہی مامور تھے۔ جبکہ اس امت کے لیے قتل، عفو، دیت (تینوں) مقرر فرمائے، اور ان کو اختیار دیا کہ تینوں میں سے جسے چاہیں اختیار کر لیں۔ اور یہ حکم ان سے پہلی امتوں میں نہ تھا۔

کتابیہ سے نکاح میں خصوصیت

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے ''مصنف'' میں فرمایا کہ ہمیں حضرت وکیع قدس سرہٗ نے حضرت امام سفیان ''رضی اللہ عنہ'' سے، انہوں نے حضرت الامام لیث رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت الامام مجاہد رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت کو جن جن اشیاء میں آسانی و وسعت دی گئی ہے ان میں سے ایک نصرانیہ اور لونڈی سے نکاح کر لینے کی اجازت بھی ہے۔

توراۃِ مقدس اور زبور شریف میں مذکورہ خصائص

☆ امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت وہب بن مُنَبِّہْ (تابعی) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل مجدہٗ نے خصوصی کلام سے نوازنے کے لیے اپنے قرب سے سرفراز فرمایا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! میں توراۃ میں ایک ایسی امت کے حالات پاتا ہوں جو سب سے برتر امت ہے، جو لوگوں میں ظاہری ہوئی۔ اس امت والے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو تو میری امت بنا دے۔ پھر اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: وہ تو (میرے حبیب) احمد ﷺ کی امت ہے۔

☆ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کناں ہوئے: پروردگار! میں توراۃ میں ایک ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے سینوں میں اپنی انجیلیں پڑھتے ہیں جبکہ ان سے پہلے لوگ اپنی کتابیں دیکھ کر پڑھا کرتے تھے اور انہیں حفظ نہ کر سکتے تھے۔

پروردگار! اس امت کو تو میری امت بنا دے۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: وہ امت (میرے محبوب) احمد ﷺ کی ہے۔

☆ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض گزار ہوئے: پروردگار! میں توراۃ میں ایک امت کی یہ صفت پاتا

ہوں کہ وہ پہلی اور آخری کتاب کی تصدیق کرے گی، بھٹکے ہوؤں کو مار ڈالے گی، حتیٰ کہ کانے دجال کو بھی یہی مارے گی۔اسے تو میری امت بنادے۔اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: یہ امت (صرف میرے محبوب) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہوگی۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: پروردگار! میں توراۃ میں ایک امت کی یہ خصوصیت دیکھتا ہوں کہ وہ صدقات کھائے گی جبکہ اس سے پہلی امتوں کی حالت یہ تھی کہ ان میں سے جب کوئی اپنا صدقہ نکالتا تھا (وہ صدقہ اگر مقبول ہوتا) تو اس کے صدقہ پر اللہ جل مجدہٗ (آسمان سے) ایک آگ بھیج دیتا تھا جو اسے کھالیتی تھی۔اور اگر اس کا صدقہ ناقابل قبول ہوتا تو آگ اسے چھوڑ جایا کرتی تھی۔ (خدایا!) وہ میری امت بنادے۔اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا، (موسیٰ!) وہ امت تو (میرے پیارے) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: پروردگار! میں توراۃ میں ایک امت کے یہ حالات پاتا ہوں کہ اس میں سے جب کسی نے برائی کا ارادہ کیا تو وہ برائی صرف اس کے ارادہ پر نہ لکھی جائے گی اور اگر وہ اس برائی کی مرتکب ہوگی تو اس کی صرف ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔اور ان میں سے جس کسی نے کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرلیا، مگر نہ کرنے کے باوجود اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی۔اور اگر اس ارادہ پر پختہ ہوکر اس نے وہ نیکی کرلی تو اس کی مانند دس سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی۔خداوندا! وہ میری امت بنادے۔اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: (اے کلیم من!) وہ تو (میرے محبوب) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: پروردگار! میں توراۃ میں ایک امت کی یہ خوبی دیکھتا ہوں کہ وہ دعا کریں گے تو ان کی دعا مقبول ہوگی۔تو انہیں میری امت بنادے۔اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: وہ تو (میرے حبیب) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں وہ بھی ذکر کیا جو اللہ جل مجدہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر ''زبور'' شریف میں فرمایا تھا۔ (''زبور'' شریف میں حضرت داؤد علیہ السلام پر جو وحی بھیجی گئی تھی اس میں آپ سے یہ بھی فرمایا گیا تھا)

يَا دَاوُدُ سَيَأْتِيْ مِنْ بَعْدِكَ نَبِيٌّ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ صَادِقٌ لَا اَغْضِبُ عَلَيْهِ اَبَدًا وَلَا يَعْصِيْنِيْ اَبَدًا وَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ قَبْلَ اَنْ يَعْصِيَنِيْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ وَاُمَّتُهٗ مَرْحُوْمَةٌ اَعْطَيْتُهُمْ مِنَ النَّوَافِلِ مِثْلَ مَا اَعْطَيْتُ

الْاَنْبِیَآءَ وَافْتَرَضْتُ عَلَیْهِمُ الْفَرَائِضَ الَّتِیْ افْتَرَضْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ وَالرُّسُلِ حَتّٰی یَاْتُوْنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَنُوْرُهُمْ مِثْلُ نُوْرِ الْاَنْبِیَآءِ۔(ص۳۰۹)

''اے داوَد'' علیہ السلام'' تمہارے بعد عنقریب ایک سچا نبی آئے گا۔ جس کا اسم گرامی ''احمد'' و ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا، جس پر میری ناراضگی کبھی بھی نہ ہوگی۔ اور نہ ہی وہ کبھی میری نافرمانی کرے گا اس سے پہلے کہ وہ میری نافرمانی کرے گا۔ میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ (بالفرض والتقدیر) معاف کردیے ہیں۔ اور اس سچے نبی کی امت تمام کی تمام مہربانیوں کی مورد ہے، میں نوافل پر انہیں اتنا ثواب دوں گا جتنا میں نے سب نبیوں کو دیا ہے۔ اور میں نے ان پر وہی فرائض عائد کیے ہیں جو میں نے نبیوں اور رسولوں پر کیے تھے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ان کی چمک ودمک انبیاء کی چمک دمک کے مانند ہوگی''۔

☆ اور یہ صرف اس لیے ہے کہ میں نے ان پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا اسی طرح فرض کردیا ہے، جس طرح ان سے پہلے انبیاء پر کیا تھا۔

☆ اور میں نے ان کو جنابت کے وقت غسل کرنے کا اسی طرح حکم دیا ہے، جس طرح ان سے پہلے انبیاء کو دیا تھا۔

☆ اور میں نے انہیں حج کرنے کا اسی طرح حکم دیا ہے، جس طرح ان سے پہلے انبیاء کو دیا تھا۔

☆ اور یونہی انہیں (میری راہ میں) لڑنے کا وہی حکم دیا گیا ہے جو ان سے پہلے رسولوں کو دیا گیا تھا۔

☆ اے داوَد علیہ السلام! میں نے (اپنے حبیب!) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور انکی امت کو تمام امتوں پر برتری دی ہے۔

☆ اور انہیں میں نے چھ ایسی خوبیاں دی ہیں جو ان کے علاوہ دوسری امتوں میں سے کسی کو بھی نہ دیں۔

☆ میں ان کی خطاء اور ان کے نسیان پر مواخذہ نہ کروں گا۔

☆ ہر وہ گناہ جو بھولے سے ان سے واقع ہوگا، اس کی بھی پکڑ نہ ہوگی، اور جب مجھ سے معافی مانگیں گے تو میں اس گناہ کو معاف کردوں گا۔

☆ خوشی خوشی اپنی آخرت کے لیے جو بھی آگے بھیجیں گے، اسے میں بڑھا کر دوگنا، چوگنا کردوں گا۔

☆ (اس کے علاوہ) ان کے لیے میرے ہاں (پھر) دوگنا، چوگنا بلکہ اس سے بھی زیادہ (ثواب)

ہے۔

☆ جب مصیبتوں میں تکالیف پر وہ صبر کریں گے، اور (اظہار ناشکیبی نہ کرتے ہوئے جب اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○ کہیں گے تو میں (اس کے صلہ میں) انہیں رحمت و مغفرت دوں گا۔ اور جنت نعیم کی راہ دکھلاؤں گا۔

ہر دعا قبول ہوتی ہے

☆ اور جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگیں گے، تو میں ان کی دعا قبول کروں گا، اور قبولیتِ دعا کا نتیجہ یا تو جلد ہی دنیا میں دیکھ لیں گے، یا اس دعا کی بدولت میں ان سے کوئی نہ کوئی مصیبت دور کر دوں گا، یا وہ دعا انکے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دوں گا۔

امتِ مسلمہ کا اتفاق گمراہی پر نہ ہو سکے گا

☆ نبی اکرم ﷺ کی امت کے خصائص سے یہ ہے کہ ان (کے اصحاب الرائے و اہل علم) کا اتفاق (لادینیت و) گمراہی پر نہ ہو سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ (عند الشرع) ان کا اتفاق و اجماع حجت (شرعیہ) ہے۔

☆ انہی خصائص سے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت (یک لخت) بھوک و سیلاب سے تباہ نہ ہو گی۔

☆ اور یہ بھی اسی امت کے خصائص سے ہے کہ انہیں سابقہ امم کی طرح (حسف، مسخ، قذف وغیرہ) عذاب نہ ہو گا۔

☆ اور یہ بھی اسی کے خصائص سے ہے کہ ان پر ان کے سوا کوئی دوسرا ان کا دشمن اس طرح مسلّط نہ ہو گا جو ان کی جمیعت کو پراگندہ اور ان کا استیصال کر دے۔

☆ اور یہ بھی اس کے خصائص سے ہے کہ ان کا آپس میں اختلاف رحمت ہے جبکہ ان سے پہلوں کا اختلاف عذاب تھا۔

امت مسلمہ کا استیصال نہ ہو سکے گا

حضرت امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ مُلْكَ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرِ وَالْاَبْيَضِ وَاِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ لَا يُهْلِكُهَا بِسَنَةٍ

عَامَةٍ وَلَا يُسَلِّطُ، عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ فَأَعْطَانِيْ۔ (ص ۳۰۹)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے میرے لیے زمین اس طرح سمیٹ دی کہ جس سے میں نے اس کا مشرق و مغرب دیکھ لیا، اور یقیناً میری امت کی مملکت وہاں تک پہنچ جائے گی، جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی ہے اور سرخ و سفید (یعنی سونا و چاندی) دوخزانے مجھے دیے گئے۔ پھر میں نے اللہ جل مجدہٗ سے اپنی امت کے لیے درخواست کی کہ ان کی قحط سالی سے بربادی نہ ہونے پائے۔ اور نہ ہی ان کے علاوہ ان کا دشمن ان پر غلبہ پاسکے جس سے ان کی جمعیت کا استیصال ہو جائے۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے میری اس درخواست کو شرف پذیرائی بخشا''۔

امت مسلمہ کی باہمی لڑائی کا انسداد نہیں ہوسکتا

امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ سَأَلْتُ رَبِّیْ اَنْ لَّا یُهْلِکَ اُمَّتِیْ بِسَنَةٍ عَامَةٍ فَاَعْطَانِیْهَا وَسَأَلْتُهٗ اَنْ لَّا یُهْلِکَ اُمَّتِیْ بِالْغَرْقِ فَاَعْطَانِیْهَا وَسَأَلْتُهٗ اَنْ لَّا یَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَیْنَهُمْ فَرُدَّتْ عَلَیَّ۔ (ص ۳۰۹)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے پروردگار سے یہ دعا کی کہ میری امت قحط سالی سے برباد نہ ہو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ میں نے پھر رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت سیلاب سے ہلاک نہ ہونے پائے۔ اللہ جل مجدہٗ نے میری یہ درخواست بھی قبول فرمائی۔ میں نے پھر درخواست پیش کی کہ ان کی آپس میں لڑائی نہ ہونے پائے، مگر اللہ جل مجدہٗ نے میری اس دعا پر توجہ نہ فرمائی''۔

علامہ ابن عساکر اور امام دارمی قدس سرہما نے حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اَدْرَکَ بِیَ الْاَجَلَ الْمَرْحُوْمَ وَاخْتَارَنِیْ اِخْتِیَارًا، فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (ص ۳۰۹)

''مجھے اللہ جل مجدہٗ نے اجلِ مرحوم کی بشارت دی ہے اور (ساتھ ہی) مجھے ہر طرح کا اختیار عطا فرمایا ہے ہم دنیا میں تو سب سے آخر ہیں مگر قیامت میں (دخول جنت و

حساب کے لحاظ سے) سب سے پہلے ہیں''۔

اب میں (تمہیں) ایک بات بتادوں۔ اس میں کسی قسم کا فخر نہیں ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے صفی، اور میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اللہ کا حبیب ہوں۔

اور میرے پاس قیامت میں لواء حمد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارہ میں تین چیزوں سے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے کہ:

☆ انہیں قحط سالی سے ہلاک نہیں کرے گا۔

☆ اوران کا دشمن ان کا صفایا نہیں کر سکے گا۔

☆ اور ضلالت و گمراہی پہ ان کا اجماع نہ ہو سکے گا۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابونضرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

☆ میں نے اللہ جل مجدہٗ سے اپنی امت کے گمراہی پر اتفاق نہ کرنے کی درخواست کی، تو اللہ جل مجدہٗ نے میری اس درخواست کو قبول فرمایا۔

☆ اور میں نے یہ دعا بھی کی کہ پہلی امتوں کی طرح خشک سالی سے ان کی بربادی نہ ہو۔ تو اللہ جل شانہٗ نے میری اس دعا کو بھی قبول فرمالیا۔

☆ پھر میں نے درخواست کی کہ ان پر ان کا دشمن غلبہ نہ پا سکے، اسے بھی اللہ جل مجدہٗ نے قبول فرما لیا۔

☆ میں نے یہ بھی درخواست کی کہ یہ مختلف فرقوں میں بٹنے نہ پائیں، اور نہ ہی یہ ایک دوسرے سے لڑائی و جھگڑا کریں۔ (مگر) اس سے مجھے منع کر دیا گیا۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کو اللہ جل مجدہٗ گمراہی پر کبھی بھی اکٹھا نہ کرے گا۔

(اور یہی حدیث) حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (بھی) روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُجْمِعُ اللّٰهُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ اَبَدًا۔ (ص ۳۱۰)

''اللہ جل مجدہٗ میری امت کو گمراہی پر کبھی متفق نہ فرمائے گا''۔

شیخ نصر مقدسی قدس سرہٗ نے کتاب الحجۃ میں فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ۔(ص ۳۱۰)

''میری امت کا اختلاف (مسائل) رحمت ہے''۔

اختلاف امت سے متعلق ایک دلچسپ روایت

امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ کے راویوں میں سے اسماعیل بن مجالد قدس سرہٗ سے، خطیب (بغدادی) قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ اسماعیل بن مجالد علیہ الرحمہ نے فرمایا:

(ایک مرتبہ امیر المومنین خلیفہ) ہارون الرشید (عباسی رحمۃ اللہ علیہ) نے امام الائمہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوعبداللہ! (رضی اللہ عنہ) (ہمیں چاہئے کہ) ہم ان (حدیث وفقہ کی) کتابوں کو لکھ کر ساری اسلامی مملکت میں پھیلا دیں، تاکہ ان پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو جائے۔ (خلیفہ قدس سرہٗ کی رائے پر) حضرت امام الائمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین! (رائے تو آپ کی عمدہ ہے مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ):

اِنَّ اخْتِلَافَ الْعُلَمَآءِ رَحْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلٌّ يَّتَّبِعُ مَا صَحَّ عِنْدَهٗ وَكُلٌّ عَلٰی هُدًی وَّكُلٌّ يُرِيْدُ اللّٰهَ۔(ص ۳۱۰)

''اس امت کے علماء اعلام کا اختلاف (مذہب) اس امت پر اللہ جل مجدہٗ کی رحمت ہے۔ (ان میں سے) ہر ایک اسی بات کی پیروی کرے گا، جو اس کے نزدیک صحیح ہوگی۔ اور ہر ایک (ان میں سے) سیدھی راہ پر ہی ہے۔ اور (اس اختلاف سے) ہر ایک اللہ جل شانہٗ کی رضا کا ہی جویاں ہے''۔

جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے

☆ (یہ بھی امت مسلمہ کے خصائص سے ہے جیسا کہ) امام ابویعلی قدس سرہٗ نے حضرت سیدتنا عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پہلی امتوں میں سے جب کسی آدمی کی اچھائی کے لیے سو آدمی گواہی دے دیتے تھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی تھی، اور میری امت کے پچاس افراد جب کسی کی بھلائی کی گواہی دے دیں گے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔

امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی رضی اللہ عنہم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم سلام اللہ علیہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدُوْا لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ فَقُلْنَا وَثَلَاثَةٌ قَالَ وَثَلَاثَةٌ، قُلْنَا وَاثْنَانِ، قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ

عَنِ الْوَاحِدِ۔(ص۳۱۰)

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان کی اچھائی و بھلائی کی چار مسلمان گواہی دے دیں تو اسے اللہ جل مجدہٗ جنت میں داخل فرمائے گا۔ ہم نے عرض کیا: اور اگر تین گواہی دیں تو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تین بھی۔ پھر ہم نے عرض کیا: اگر دو گواہی دیں تو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور دو بھی۔ (مطلب یہ کہ دو سے اوپر تک جتنے بھی گواہی دے دیں) پھر ہم نے ایک کی گواہی کی بابت آپ ﷺ سے استفسار نہ کیا"۔

اس امت کے لیے طاعون رحمت وشہادت ہے

☆ سیّد عالم ﷺ کی امت کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ طاعون اس امت کے لیے (باعث) رحمت وشہادت ہے۔ جبکہ ان سے پہلوں کے لیے عذاب تھا۔

حضرت امام بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما نے حضرت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ:

اَلطَّاعُوْنُ رِجْسٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔(ص۳۱۰)

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو اسرائیلیوں کی ایک جماعت پر اترا، اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے: طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلوں پر اترا"۔

حضرت امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین علیہا السلام نے فرمایا:

سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُوْنِ، فَاَخْبَرَنِىْٓ اَنَّهٗ عَذَابٌ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ، فَيَمْكُثُ فِىْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُهٗ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ۔(ص۳۱۰)

"میں نے طاعون کی بابت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ یہ ایک طرح کا عذاب ہے جسے اللہ جل مجدہٗ جس پر چاہے بھیج دیتا ہے (مگر) اسی عذاب کو اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ (لہٰذا) جس مسلمان کے شہر میں طاعون (وباء) پھیل جائے اور وہ وہاں ہی صبر کرتے ہوئے ثواب

کی نیت سے ٹھہرا رہے، اور یہ یقین رکھے کہ اسے تو وہی تکلیف پہنچے گی جو اس کی تقدیر میں لکھی ہوگی۔ (اس کے بعد اگر ایسا شخص طاعون کا شکار ہو گیا) تو اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے''۔

امت مسلمہ کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے گی

☆ مسلمانوں کی ایک جماعت کا ہمیشہ حق پہ ثابت قدم رہنا۔

☆ اور مسلمانوں میں ہی اقطاب، اوتاد، نجباء اور بُدلاء کے وجود کا ہونا۔

☆ اور انہی میں سے بعض کا حضرت عیسٰی علیہ السلام بن مریم رضی اللہ عنہا کی معیت میں نماز پڑھنا۔

☆ اور مسلمانوں میں سے ہی بعض کا بذریعہ ذکر الٰہی کھانے پینے سے بے نیاز ہو کر فرشتوں کا قائم مقام ہونا۔

☆ اور دجال سے جنگ کرنا اور اسے مار ڈالنا بھی سید عالم ﷺ کی امت کے خصائص سے ہے۔

حق پر ثابت قدمی کی دلیل

حضرت امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ عنہما نے حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ۔(ص ۳۱۰)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے گی(1)۔ حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔''

حافظ ابو نعیم قدس سرہٗ نے ''حلیہ'' میں حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی

1۔ جیسے اہل سنت و جماعت جو سلف سے خلف تک ہمیشہ حق پر پختگی سے ''بلا لومۃ لائم'' قائم و باقی ہے اسی جماعتِ علیہ کے افراد کی حق گوئی و بے باکی ہر دور میں ضرب المثل و بے عدیل رہی ہے۔ مثلاً اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، حضرت شاہ فضل حق فاروقی خیر آبادی اور ان کے رفقاء کرام حضرت شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حضرت شاہ نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی، اعلیٰحضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، محدث اعظم مولانا سردار احمد لائلپوری، سید بدار علی محدث الوری و شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی، مولانا عبد الحامد بدایونی رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ آخر میں اسی جماعت منیفہ کے ایک رُکنِ رکین و متنِ متین اور ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی ہند کے ایک بطلِ جلیل کی داستانِ حریت و بسالت کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت مولانا کفایت اللہ کافی شہید ''رضی اللہ عنہ'' کو جب انگریز ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں بھر پور حصہ لینے'' اور امام فضل حق خیر آبادی قدس سرہٗ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کریم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ قَرْنٍ مِّنْ أُمَّتِيْ سَابِقُوْنَ۔ (ص ۳۱۰)

''ہر زمانہ میں میری امت کے لوگ (امور ہائے خیر کی طرف) پیش رو ہوں گے''۔

وہ مردانِ خدا جن کی برکت سے بلائیں ٹلتی ہیں

(نیز) حافظ ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

☆ اللہ جل مجدہٗ کے تین صد بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ (یعنی مظہرِ صفاتِ آدم علیہ السلام)

☆ اور چالیس اللہ جل مجدہٗ کے وہ بندے ہیں کہ جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ (یعنی مظہر صفاتِ موسیٰ علیہ السلام)

☆ اور سات اللہ جل مجدہٗ کے ایسے بندے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ (یعنی موردِ کمالاتِ ابراہیم علیہ السلام)

☆ اور پانچ اللہ جل مجدہٗ کے ایسے بندے ہیں جن کے دل حضرت جبریل امین کے دل پر ہیں۔ (یعنی مظہر انوار جبریلی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فتوائے آزادیِ ہند کی مکمل تائید و حمایت کرنے'' کی پاداش میں تختہ دار پر چڑھانے لگے تو آپ کو چند ثانیے وصیت کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ اس وقت حضرت کافی شہید نے فی البدیہہ جو اشعار ارشاد فرمائے تھے، ان سے آپ اہلِ سنت کے اکابر کی حق پر ثابت قدمی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت کافی قدس سرہٗ نے تختہ دار کو سامنے رکھتے ہوئے جو اشعار کہے تھے، وہ جہاں استقامت و عشق رسالت کی منہ بولتی تصویر ہیں وہیں فنِ سخنوری میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ فرمایا: ؎

کوئی گل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا　　　پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

پھر آپ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ؎

ہم صفیرو کوئی دم کے چہچے ہیں باغ میں　　　بلبلیں اڑ جائیں گی سُونا چمن رہ جائے گا

بعدہٗ آپ نے فرنگی کو تہدید آمیز لہجہ میں اس طرح مخاطب فرمایا: ؎

(ارے فرنگی ناہنجار)

اطلس و کم خواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو　　　اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

ملاحظہ کیا آپ نے؟ یہ ہے ''لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ'' کا نمونہ، جس کا اہل سنت کے افراد ہر وقت میں مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ اس دور میں اہل سنت کی منظم جماعت ''جمیعۃ العلماء پاکستان'' جو نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی خاطر اسلام دشمن قوتوں سے برسر پیکار، اور جس کے قائدین کی حق گوئی سے ایوانِ آمریت میں زلزلہ برپا ہے، اس کی زندہ جاوید مثال ہے۔　(از مترجم)

☆ اور تین مردانِ خدا وہ ہیں جن کے قلوب قلبِ میکائیل علیہ السلام پر ہیں۔
(یعنی موردِ انوارِ میکائیلی)

☆ اور ایک مردِ اللہ وہ ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل پر ہے۔
(یعنی منبع انوار و تجلیاتِ اسرافیلی)

بِهِمْ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَيُمْطِرُ وَيُنْبِتُ، وَيَدْفَعُ الْبَلَاءُ۔ (ص ۳۱۰)

”یہی وہ مردانِ خدا ہیں جن کی برکت سے (دنیا کی) حیات و ممات، (نظامِ کائنات) بارش کا برسنا، انگوریوں کا اگنا، بلاؤں کا ٹلنا وابستہ ہے۔ (یعنی) دنیا کی یہ چیزیں اللہ جل مجدہٗ انہی کی بدولت عطا فرماتا ہے“۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے ”اوسط“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا مِثْلَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ فَبِهِمْ تُسْقَوْنَ، وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ مَا مَاتَ مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ آخَرَ۔ (ص ۳۱۰)

”رسول کریم ﷺ نے فرمایا: زمین ایسے چالیس اشخاص سے ہرگز خالی نہیں رہی جو حضرت (ابراہیم) خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی مانند ہیں۔ (یعنی صرف ایک وصف میں) انہی کی بدولت لوگوں کے لیے بارشیں ہوتی ہیں۔ اور انہی کی برکت سے تمہاری مدد ہوتی ہے۔ ان میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا اس کا بدل لے آتا ہے“۔

حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے اپنی ”مسند“ میں حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس امت میں حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی مانند تیس ابدال ہیں۔ ان میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ جل مجدہٗ کسی دوسرے آدمی کو بدل دیتا ہے۔ (ان کا نام ”ابدال“ اسی وجہ سے ہے)

امت مسلمہ میں چالیس ابدال کا وجود کیوں ہے

قَالَ اَبُو الزِّنَادِ لَمَّا ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَكَانُوْا اَوْتَادَ الْاَرْضِ اَخْلَفَ اللّٰهُ مَكَانَهُمْ اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ يُقَالُ لَهُمُ الْاَبْدَالُ لَا يَمُوْتُ الرَّجُلُ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ مَكَانَهُ اٰخَرَ يُخْلِفُهُ وَ هُمْ اَوْتَادُ

اَلْاَرْضِ۔(ص113)

"امام ابوالزناد قدس سرہ نے (مذکورہ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے) فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام زمین کے اوتاد تھے پھر جب نبوت کا وجود نہ رہا تو اللہ جل مجدہ نے نبی کریم ﷺ کی امت سے چالیس افراد کو انبیاء کرام علیہم السلام کا نائب و خلیفہ مقرر فرمایا۔ انہیں ابدال کہا جاتا ہے اور یہی حضرات زمین کے اوتاد ہیں۔ان میں سے جب کوئی وصال کر جاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ جل مجدہٗ اس کا دوسرا نائب و خلیفہ مقرر فرما دیتا ہے"۔

امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے اس موضوع پر مستقل تالیف میں مفصل کلام کیا ہے۔

امام ابویعلیٰ قدس سرہٗ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے گی۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن حضرت مریم رضی اللہ عنہما نزول فرمائیں گے اور مسلمانوں کا امام ان سے کہے گا (برائے امامت) آگے تشریف لائیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ اس کے تمہی سزاوار ہو (کیونکہ) تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں اور یہی وہ خوبی ہے جس کی بدولت اللہ جل مجدہٗ نے اس امت کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ (الحدیث)

امام مسلم قدس سرہٗ نے بھی اسی کی مانند ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ اس روایت میں اس طرح ہے: امت مسلمہ کا امیر فرمائے گا حضور آگے تشریف فرما ہو کر ہمیں نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے "نہ۔نہ" تم آپس میں ایک دوسرے پر امیر ہو۔ (اسی وجہ سے) اللہ جل مجدہٗ اس امت کا اکرام فرماتا ہے۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مسرت کا کیا عالم ہوگا جبکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تم میں نزول فرمائیں گے اور (اس وقت) تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا"۔ (ص311)

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے سند صحیح سے سیدنا ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (ایک مرتبہ) ان وقتوں کا ذکر فرمایا جو دجال کے ظہور کے وقت ہوں گے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان بولے اس دن سب سے اچھا مال کون سا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا وہ توانا و تندرست لڑکا جو اپنے کنبہ کو پانی لا کر پلائے گا رہا کھانا تو وہ اس دن نہ ہوگا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے

پھر عرض کیا (یارسول اللہ ﷺ تو پھر) اس دن مسلمانوں کا کھانا کیا ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا (اس دن ایمان والوں کا کھانا)

1۔ تسبیح (سبحان اللہ)

2۔ تکبیر (اللہ اکبر)

3۔ تہلیل (لا الہ الا اللہ) ہوگا

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث روایت فرمائی ہے اور اس روایت میں یوں ہے۔

انہیں اس دن وہی شئی کفایت کرے گی جو آسمان والوں کو تسبیح و تقدیس سے کفایت کرتی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہ نے بھی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مانند حدیث روایت کی ہے۔ اور اس میں اس طرح ہے۔

اس دن اللہ جل مجدہٗ مومنوں کو (بھوک سے) اس طرح بچائے گا جس طرح بذریعہ تسبیح فرشتوں کو بچاتا ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث روایت فرمائی ہے۔

ملت اسلامیہ کی خطاب میں خصوصیت

☆ سید عالم ﷺ کی امت کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت کو قرآن کریم میں "یَاۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے ندا کی گئی جبکہ دوسری امتوں کو ان کی کتابوں میں "یَاۤاَیُّهَاالْمَسَاکِیْنُ" سے ندا کی گئی ہے۔

☆ اس امت کی خصائص سے یہ بھی ہے کہ ان کی اذانیں اور ان کے تلبیے آسمانوں میں فرشتگان سنتے ہیں۔

☆ اس امت کے انہیں خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ہر حالت میں اللہ جل مجدہٗ کی توصیف و تحمید کرنے والے یہی ہیں۔

☆ (نیز) کسی کام کے ارادہ پر ان شاء اللہ کہنے والے بھی یہی ہیں۔

☆ اونچی جگہ چڑھتے ہوئے اللہ اکبر اور نیچے اترتے ہوئے سبحان اللہ یہی کہتے ہیں۔

☆ یہ بھی اسی امت کے خصائص میں سے ہے کہ غصہ میں آتے وقت لا الہ الا اللہ اور لڑتے وقت سبحان اللہ کہتے ہیں۔

☆ان کے سینوں میں قرآن کریم کا ہونا بھی اسی کے خصائص سے ہے۔
☆امت مسلمہ کے انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا سبقت لے جانے والا سبقت ہی لے گیا اور میانہ پن اختیار کرنے والا ناجی، اور ظالم مغفور ہے بلکہ ان کا ہر فرد مرحوم ہے۔
☆یہ بھی اسی کے خصائص سے ہے کہ یہ لباس پہننے میں جنتیوں کی موافقت کرتے ہیں۔
☆یہ بھی اسی امت کے خصائص میں سے ہے کہ یہ نماز کے لیے سورج (کے اتار چڑھاؤ) کا لحاظ رکھتے ہیں۔
☆متوسط امت ہونا بھی اسی کے خصائص سے ہے۔ اور اللہ کے تزکیہ کی بدولت یہی سب سے بڑھ کر عادل ہیں۔
☆یہ بھی اسی امت کے خصائص سے ہے کہ کافروں سے لڑتے وقت ان کی امداد کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔
☆ان پر فرائض کا انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرائض کے موافق ہونا بھی اسی کے خصائص سے ہے۔ (مثلاً) وضو کا ہونا، غسل جنابت، حج و جہاد کا ہونا (نیز) فرائض کے علاوہ انہیں ثواب بڑھانے والی وہی اشیاء دی گئی ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئی تھیں۔

حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ سے امام ابن ابی حاتم قدس سرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تمہارا خطاب وہ ہے جسے تم قرآن کریم میں پڑھتے ہو اور "یَا اَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا" ہے جبکہ توراۃ شریف میں (اہل توارۃ کو) "یَا اَیُّهَا الْمَسَاكِینُ" سے خطاب ہے۔

امت مسلمہ تمام الہامی کتابوں کی وارث ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ نے اس آیت کریمہ۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:32)

"پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو"۔

کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا (مذکورہ آیت کی صفات) حضور نبی کریم ﷺ کی امت کی ہیں جسے اللہ جل مجدہٗ نے تمام منزلہ کتب (کے علوم) کا وارث بنایا ہے۔
☆اس امت کا ظالم تو مغفور ہے۔
☆میانہ پن اپنانے والے کا حساب بہت آسان ہے۔
☆اور ان کا سبقت کرنے والا بلا حساب جنتی ہے۔

حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ سے امام سعید ابن منصور قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ (جو ابھی مذکور ہوئی) نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سنتے ہو! ہم میں سے (امورہائے خیر میں) سبقت لے جانے والا تو سبقت لے ہی گیا۔ اور ہم میں سے (ہر کام میں) میانہ روی اختیار کرنے والا نجات پانے والا ہے۔ اور ہم میں سے ظالم مغفور ہے۔ اور اسی حدیث شریف کو ابن لال قدس سرہٗ نے بھی حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امت مسلمہ کے اعمال کا ثواب

☆ شیخ الاسلام امام عزالدینؒ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کی امت کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی بہ نسبت ان کے اعمال تو کم (مگر) ان پر اجر وثواب بہت بڑھیا ہے۔ (جیسا کہ) حضرت امام بخاری اور امام مسلم قدس سرہما نے حضرت سیدنا ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا! سابقہ امتوں کی بہ نسبت تمہاری زندگی (کی مقدار) اتنی ہے جتنا کہ عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت ہے۔

اہل توارت کو (جب) توارۃ مقدس دی گئی تو انہوں نے اس پر (اتنا) عمل کیا (جتنا کہ صبح سے دوپہر ڈھلنے تک) پھر جب دوپہر ڈھل گئی تو وہ عمل کرنے سے تھک گئے۔ بعدہٗ انہیں ایک ایک درہم مزدوری دے دی گئی۔

☆ ان کے بعد جب انجیل والوں کو انجیل شریف دی گئی تو انہوں نے اس پر (اتنا) کام کیا (جتنا کہ وقت ظہر سے عصر تک) انہوں نے جب نماز عصر تک کام کرلیا تو پھر وہ بھی کام سے ماند پڑ گئے۔ انہیں بھی ایک ایک درہم مزدوری دے دی گئی۔

☆ پھر ہمیں قرآن کریم دیا گیا۔ اس پر ہم نے (اتنا) عمل کیا (جتنا کہ) نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک ہے ہمیں اس کام پر دو دو درہم دیے گئے۔ یہ (دیکھ کر)

☆ اہل توارۃ وانجیل بولے! پروردگار! انہیں تو تونے دو دو درہم دیے ہیں اور ہمیں تونے ایک ایک درہم دیا ہے جبکہ ہمارا کام ان سے کہیں زیادہ تھا۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا (یہ تو بتاؤ) کیا میں نے تمہاری مزدوری سے کچھ گھٹ کیا۔ بولے! نہ پھر اللہ جل شانہ نے کہا (اب جاؤ کام کرو) یہ تو میرا انعام واکرام ہے میں جسے چاہتا ہوں دے دیتا ہوں۔

امم کے ثواب میں کمی بیشی کی وجہ

☆ (مختلف امم کے مختلف ثواب کی وجہ جیسا کہ) امام المفسرین امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ نے فرمایا!

مَنْ كَانَ مُعْجِزَتُهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اَظْهَرُ يَكُوْنُ ثَوَابُ قَوْمِهِ اَقَلَّ (ص312)

"جن جن انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزے انتہائی واضح اور ظاہر تھے ان کی امت کا ثواب بھی انتہائی کم تھا"۔

☆ شیخ الاسلام امام سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا!

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جس معجزہ کے اسباب بہت ظاہر اور کھلے ہوں گے اس کی تصدیق بھی آسان ہوگی۔ اور اس میں فکر و تامل کی مشقت کا سامنا بھی بہت کم ہوتا ہے۔ تو گویا کہ تصدیق معجزہ کی نسبت سے ثواب میں کمی آجاتی ہے۔ مگر یہ صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات انتہائی واضح و ظاہر و غالب ہونے کے باوجود اس امت کا ثواب باقی امتوں سے بہت بڑھ کر ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کی امت کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے بارے میں فرمایا!

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (اعراف)

"اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا"۔

اور سید عالم ﷺ کی امت کے حق میں فرمایا!

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ (اعراف)

"اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتائیں اور اس پر انصاف کریں"۔

امت مسلمہ کے علماء کا مقام

☆ سید عالم ﷺ کی امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اسے علم اول و علم آخر دیا گیا ہے۔ اور اس پر علوم کے خزانے کھولے گئے ہیں۔

☆ اسناد حدیث، (معرفت) انساب (قوموں کے شجرے)، تصنیف و تالیف کتب اور (ضبط) اعراب کا عطا کیا جانا بھی اسی امت کے خصائص سے ہے۔

☆ اس کے (اکرم) خصائص سے یہ بھی ہے کہ اس امت کے علماء (منصب رشد و تبلیغ اور اس منصب کو

بروئے کار لانے کے سلسلہ میں اذیتوں کے سہنے میں) بنو اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام کی مانند (ماجور) ہیں۔

''توراۃ وانجیل میں اس امت کے احوال کا ہونا'' کے باب میں پہلے یہ حدیث گزرچکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!

اِنِّیْ اَجِدُ فِی الْاَلْوَاحِ اُمَّۃً یُؤْتُوْنَ الْعِلْمَ الْاَوَّلِ وَالْعِلْمَ الْاٰخِرِ

''میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں جسے علم اول اور علم آخر دیا گیا ہے''۔

☆امام ابوزرعہ قدس سرہٗ نے اپنی ''تاریخ'' میں شفی بن مانع اصحی قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا!

اس امت پر ہر شی کے دروازے کھل جائیں گے۔حتیٰ کہ علم حدیث کے خزانے بھی اس پر کھل جائیں گے۔

☆امام ابن حزم قدس سرہٗ نے فرمایا بااعتماد راویوں نے بااعتماد راویوں سے نقل کرتے کرتے اتصالاً حضور انور ﷺ تک یہ سلسلہ پہنچایا ہے کہ (علوم حدیث کا عطا کیا جانا) یہ وہ خصوصیت ہے جسے اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانوں سے خاص فرمایا ہے۔یہ خصوصیت دوسری امتوں میں نہیں ہے۔

☆امام نووی قدس سرہٗ نے ''تقریب'' میں بیان فرمایا کہ اسناد حدیث کا عطا کیا جانا صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔

☆ابوعلی جیانی قدس سرہٗ نے فرمایا اللہ جل مجدہٗ نے اس امت کو تین ایسی اشیاء سے مخصوص فرمایا ہے جو ان سے پہلے کسی کو بھی نہ مل سکیں اور وہ تین اشیاء اسناد حدیث (معرفت) انساب اور (ضبط) اعراب ہیں۔

☆ شیخ ابوبکر بن عربی قدس سرہٗ نے ''ترمذی شریف'' کی شرح میں فرمایا کہ تصنیف وتالیف کے میدان میں اس امت کے مرتبہ تک پہلی امتوں میں سے کوئی شخص بھی ہرگز نہ تھا۔اور نہ ہی (اصول سے) مسائل نکالنے اور ان کی چھان بین کرنے میں اس امت کے قدم بقدم کوئی چل سکا۔

سید عالم ﷺ کے اُخروی خصائص

☆حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی پہلے شخص ہوں گے، جن کے لیے زمین کھلے گی۔

☆اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی ہوش سنبھالیں گے۔

☆ یہ بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے کہ آپ ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں محشور ہوں گے۔

☆ میدان حشر میں براق پر سوار ہو کر آنا۔

☆ اور میدان حشر میں آپ ﷺ کے اسم گرامی کا چرچا ہونا۔

☆ اور میدان حشر میں ہی دو بڑی بڑی جنتی چادروں کا آپ ﷺ کو پہنایا جانا۔

عرش الٰہی کی داہنی جانب آپ ﷺ کا تشریف فرما ہونا بھی آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔

سب سے پہلے شفیع

امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ!

قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْ مَ الْقِیَامَۃِ، اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ، وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔(ص312)

ترجمہ۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

☆ میں قیامت کے دن اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں۔ ☆ اور میں ہی پہلا وہ ہوں جس سے زمین کھلے گی۔ ☆ اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں' اور میں ہی پہلا وہ ہوں کہ جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔

امام بخاری اور امام مسلم قدس سرہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا! (قیامت کے دن) سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے' اور میں ہی سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔

بارگاہ نبوی ﷺ میں ہر روز ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں

حضرت شیخ الاسلام امام ابن مبارک اور امام ابن ابی الدنیا قدس سرہٗ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب نے فرمایا!

مَامِنْ فَجْرٍ یَطْلُعُ اِلَّاھَبَطَ سَبْعُوْنَ اَلْفِ مَلِکٍ یَضْرِبُوْنَ قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ بِاَجْنِحَتِھِمْ وَیَحُفُّوْنَ بِہٖ، وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لَہٗ وَیُصَلُّوْ نَ عَلَیْہِ حَتّٰی یُمْسُوْا فَاِذَا اَمْسَوْا، عَرَجُوْا، وَھَبَطَ سَبْعُوْنَ اَلْفِ مَلِکٍ کَذٰلِکَ حَتّٰی یُصْبِحُوْا اِلٰی اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَۃُ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفِ مَلِکٍ۔ (ص313)

"ہر روز ستر ہزار فرشتہ آسمان سے اتر کر حضور انور ﷺ کی قبر انور کا طواف کرتا ہے، حتیٰ کہ اپنے بازوؤں سے تربت اطہر کو ڈھانپ لیتا ہے اور قبر انور کو اپنے جلو میں لے کر آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کے لیے ترقی کمالات کا طالب رہتا ہے۔ شام تک ان کا یہی شغل رہتا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کی یہ جماعت آسمان پر چلی جاتی ہے پھر اسی طرح دوسری فرشتوں کی جماعت اتر آتی ہے۔ جو صبح تک اسی طرح مشغول رہتی ہے (جیسے کہ پہلی تھی) قیامت تک اسی طرح ہوتا رہے گا پھر جب قیامت قائم ہوگی تو نبی اکرم ﷺ ستر ہزار فرشتگان کے جھرمٹ میں قبر انور سے تشریف لائیں گے"۔

محشر میں سواریٔ براق

امام طبرانی قدس سرہٗ وحاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ!

قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ يَحْشَرُ الْاَنْبِيَاءُ عَلَى الدَّوَابِّ وَاَبْعَثُ عَلَى الْبُرَّاقِ وَيَبْعُثُ بِلَالٌ عَلٰى نَاقَةٍ مِّنْ نُوَقِ الْجَنَّةِ فَيُنَادِىْ بِالْاَذَانِ مَحْضًا وَبِالشَّهَادَةِ حَقًّا، حَتّٰى اِذَا قَالَ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" شَهِدَ لَهُ الْمُوْمِنُوْنَ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَقُبِلَتْ مَنْ قُبِلَتْ وَرُدَّتْ عَلٰى مَنْ رُدَّتْ۔

"حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا! سب انبیاء کرام علیہم السلام چہار پایوں پر سوار ہو کر حشر میں تشریف لائیں گے۔ اور میں براق پر سوار ہو کر تشریف فرما ہوں گا۔ جبکہ بلال رضی اللہ عنہ جنتی ناقہ پر سوار ہو کر حشر میں آئیں گے پھر وہ خالص اذان اور یقینی شہادت کی ندا دیں گے۔ حضرت بلال جب "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہیں گے، تو آپ کی شہادت کی اگلے پچھلے تمام مومن تصدیق کریں گے۔ جن میں سے بعضوں کی شہادت مقبول اور بعضوں کی مسترد ہوگی۔

"فضائل الاعمال" میں امام ابن زنجویہ قدس سرہٗ نے حضرت کثیر بن مرۃ حضرمی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! حضرت صالح علیہ السلام کے لیے "ناقۂ ثمود" زندہ کی جائے گی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی تربت شریف کے پاس اس پر سوار ہو کر محشر میں تشریف لائیں گے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا تو کیا؟ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اپنی ناقہ "عضباء" پر سوار ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نہ 'نہ' اس پر" تو میری "بیٹی (فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سوار ہوں

گی۔ اور میں براق پر سوار ہوں گا اس دن دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے میرے علاوہ یہ خصوصیت کسی کی بھی نہیں ہوگی۔ اور حضرت بلال جنتی ناقہ پر سوار ہوں گے اور اسی کی پشت پر اذان دیں گے، پھر جب تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" سنیں گے تو سبھی پکار اٹھیں گے اس پر ہم گواہ ہیں۔

نیز امام ابن زنجویہ قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مجھے جنتی حُلّہ دیا جائے گا (اسے زیب تن کرنے کے بعد) پھر میں عرش کی دائیں طرف وہاں کھڑا ہوں گا جہاں میرے علاوہ کسی اور کے کھڑا ہونے کی سکت نہیں۔

حافظ ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ پھر انہیں عرش کے سامنے بٹھایا جائے گا۔ پھر میرا لباس لایا جائے گا، جسے میں پہن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دائیں طرف وہاں کھڑا ہوں گا۔ جہاں میرے علاوہ (دوسرا) کوئی بھی کھڑا نہیں ہوسکتا میرے اس مقام پر بھی اگلے پچھلے مجھ پر رشک کریں گے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے "اسماء وصفات میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حُلّہ پہنایا جائے گا پھر مجھے وہ جنتی حُلّہ لاکر پہنایا جائے گا جس کی قیمت کا اندازہ کوئی بھی انسان نہیں کرسکتا۔

حافظ ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ام کُرز سے روایت کیا انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جب مومن اٹھائے جائیں گے۔ تو میں سبھی کا سردار ہوں گا۔ اور محشر میں آنے والوں کا پیش رو بھی میں ہی ہوں گا۔ اس دن ناامیدوں کی امید میں ہی ہوں گا جب سجدہ ریز ہوں گے تو ان کا امام میں ہی ہوں گا پروردگار کے قریب تر میری ہی مجلس ہوگی۔ سب کے مجمع میں جب میں کھڑا ہو کر گفتگو کروں گا تو سب میری تصدیق کریں گے اور جب میں سفارش کروں گا تو میری سفارش ان کے حق میں مقبول ہوگی۔ میں اللہ جل مجدہٗ سے مانگوں گا وہ مجھے عطا فرمائے گا۔

امام دارمی، امام ترمذی، امام ابویعلی، امام بیہقی، امام ابونعیم قدست اسرارہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جب وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور جب وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا۔

اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہوں گا جبکہ وہ روک دیے جائیں گے۔ لواء کرم اور جنت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے نزدیک میں اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر مکرم ہوں۔ یہ کوئی فخر نہیں ہے (بلکہ تحدیث نعمت ہے) میرے اردگرد ہزار ایسے خادم حلقہ باندھے ہوں گے گویا مروارید ناسفتہ ہیں۔

امام، خطیب وقائدِ انبیاء ﷺ

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قیامت میں آپ ﷺ سبھی انبیاء کرام علیہم السلام کے امام وخطیب وقائد ہوں گے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قیامت میں حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے دست اقدس میں ہوگا اور آدم علیہ السلام سمیت سبھی آپ ﷺ کے پرچم تلے ہوں گے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں یہ ہے کہ آپ ﷺ سے تبلیغ رسالت پر گواہ نہیں مانگا جائے گا جبکہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے گواہوں کی طلبی ہوگی۔

☆ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہونا۔

☆ اور سب سے پہلے مقبول الشفاعت ہونا۔

☆ سب سے پہلے جمال خداوندی کے دیدار سے مشرف ہونا۔

☆ سب سے پہلے سجدہ ریز ہونے کی اجازت ملنا۔

☆ اور سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھانا۔

☆ قضاء کے بارے میں شفاعتِ عظمیٰ فرمانا۔

☆ ایک قوم کے بلا حساب جنت میں جانے کی شفاعت فرمانا۔

☆ وہ موحدین جو دوزخ کے مستحق ہوں گے، ان کے دوزخ میں نہ جانے کی شفاعت کرنا۔

☆ جنتیوں کے بلندی درجات کی سفارش فرمانا۔

☆ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے کافروں کے عذاب میں کمی کی سفارش فرمانا۔

☆ مشرکوں کے بچوں کو عذاب نہ ملنے کی سفارش فرمانا۔ یہ سبھی امور آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہیں۔

☆ مقام محمود پر جلوہ افروز ہونا آپ ﷺ کی اعظم واجل اُخروی خصوصیت ہے، جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا!

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

'' قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔

احادیث دالہ، مصرحہ بر شفاعت

امام الائمہ احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے تمام آدمیوں کا سردار ہوں۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سرداری کیسی ہے؟ تو (لو سن لو) اللہ تعالیٰ ایک میدان میں اگلوں پچھلوں کو جمع فرمائے گا۔ جہاں پکارنے والا سب کو سنائے گا۔ آنکھ سب کو دیکھے گی۔ آفتاب بھی کے قریب ہو گا پھر لوگوں کو ایسا غم الم اور سختی پہنچے گی۔ جس کو برداشت کرنے کی ان میں سکت نہ ہو گی۔ ناچار آپس میں کہیں گے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ تم کس قدر سختی و شدت میں مبتلا ہو۔ ایسے کو کیوں نہیں تلاش کرتے ہو جو تمہارے پروردگار کے پاس تمہاری سفارش کردے۔ پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آدم علیہ السلام تمہارے جدامجد ہیں ان سے مل لو۔

محشر والے دربارِ آدم علیہ السلام میں

پھر سبھی اکٹھے ہو کر آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے! اے آدم علیہ السلام! آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور اپنی طرف سے آپ میں روح ڈالی اور تمام فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، اب اپنے پروردگار کے پاس ہماری سفارش فرمایئے۔ کیا آپ ہماری سختی و مصیبت اور ہماری حالت ملاحظہ نہیں فرما رہے۔ (ہمیں اس سختی سے خلاصی دلایئے) اس پر حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے! بلاشبہ آج کے دن میرے پروردگار نے اس قدر غضب کا اظہار فرمایا ہے کہ اس جیسا نہ تو کبھی اس سے پہلے اظہار فرمایا تھا اور نہ ہی اس کے بعد فرمائے گا۔ (میں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا وجہ یہ ہے کہ) میرے پروردگار نے مجھے ایک درخت کے پاس جانے کی ممانعت فرمائی تھی مگر مجھ سے '' زَلت'' ہوئی۔'' آج تو '' نفسی، نفسی، نفسی مجھے اپنی ہی فکر ہے، مجھے اپنی ہی تشویش ہے، مجھے اپنا ہی اندیشہ ہے۔'' اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِیْ '' میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ (اور آپ بیتی سناؤ، میرا تمہیں مشورہ یہ ہے کہ) تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

محشر والے دربار نوح علیہ السلام میں

چنانچہ سبھی حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، اور عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام! آپ زمین پر اللہ جل مجدہٗ کے فرستادہ پہلے رسول ہیں اور اللہ جل مجدہٗ نے آپ کا اسم گرامی "عَبْدً

شَکُوْرًا"، "بہت شکر گذار بندہ" رکھا۔کیا آپ ملاحظہ نہیں فرمارہے کہ ہم کیسی سختی ومصیبت میں مبتلا ہیں۔(آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کیوں نہیں فرماتے)اس پر حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے!میرے پروردگار نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ تو پہلے کبھی فرمایا تھا اور نہ کبھی آئندہ فرمائے گا۔(تمہاری سفارش نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ)مجھے ایک دعا ملی تھی جو میں نے اپنی قوم کی غرقابی کے لیے مانگ لی تھی،نفسی،نفسی،نفسی(آج تو)مجھے اپنی ہی فکر ہے،مجھے اپنی ہی فکر ہے"اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ"میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ(میری رائے میں)تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

محشر والے دربار ابراہیم علیہ السلام میں

پھر سبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے!اے ابراہیم علیہ السلام! آپ زمین میں اللہ جلّ مجدہٗ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں(اللہ کے حضور ہماری سفارش فرمادیجیے)کیا آپ ہماری سختی وشدت ملاحظہ نہیں فرمارہے۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے!آج میرے پروردگار نے وہ ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ اس جیسا نہ پہلے فرمایا تھا اور نہ ہی آئندہ کبھی فرمائے گا۔(آج میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا بات یہ ہے کہ مجھ سے تین تعریضات سرزد ہوئیں تھیں)پھر آپ علیہ السلام اپنی ان تعریضات(1) کو یاد فرمائیں گے،اور کہیں گے نفسی، نفسی،نفسی(آج تو)مجھے اپنی ہی فکر ہے مجھے اپنی ہی فکر ہے"اِذْهَبُوا اِلٰی غَیْرِیْ"جاؤ میرے سوا اور کسی کی تلاش کرو۔(ہاں میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ)تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

محشر والے دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام میں

چنانچہ سبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے!اے موسیٰ علیہ السلام!آپ اللہ کے رسول ہیں،اللہ جلّ مجدہٗ نے آپ کو اپنی کلام سے سرفراز فرمایا اور تمام لوگوں پر آپ کو منتخب فرمایا ہے۔اپنے پروردگار کے حضور ہماری سفارش تو فرمادیجیے کیا آپ ہماری سختی اور مصیبت ملاحظہ نہیں فرمارہے۔اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے!آج میرے پروردگار نے وہ غضب فرمایا ہے، ایسا نہ تو پہلے کبھی فرمایا تھا اور نہ ہی بعد میں کبھی فرمائے گا(میں تمہاری سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،وجہ یہ ہے کہ)میں نے ایک ایسی جان ہلاک کی تھی جس کا مجھے حکم نہ دیا گیا تھا(اسے یاد فرما کر پھر

1۔ذومعنی کلام کو تعریض کہا جاتا ہے،جسے انجان اور جاہل آدمی متکلم کے ذہن کے برعکس،ظاہری شکل میں جھوٹ وکذب سمجھ لیتا ہے۔(مترجم غفرلہٗ)

آپ فرمائیں گے) نفسی، نفسی، نفسی (آج تو) مجھے اپنی ہی فکر ہے، مجھے اپنی ہی فکر ہے، مجھے اپنی ہی فکر ہے ''اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ'' جاؤ میرے علاوہ کسی اور کی تلاش کرو۔ (ہاں میں تمہیں مشورہ دیئے دیتا ہوں کہ) تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

محشر والے دربارِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں

چنانچہ سبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے! اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ رسول اللہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جسے اللہ جلّ مجدہٗ نے آپ کی والدہ حضرت مریم کی طرف القاء فرمایا اور آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے پنگوڑھے میں لوگوں سے گفتگو فرمائی۔ اپنے پروردگار کے حضور ہمارے لیے سفارش فرما دیجیے۔ جس سختی و مصیبت میں ہم مبتلا ہیں وہ تو آپ ملاحظہ فرما ہی رہے ہیں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے! آج میرے رب نے وہ ناراضگی فرمائی ہے کہ نہ تو ایسی اس سے پہلے کبھی فرمائی اور نہ ہی آئندہ کبھی فرمائے گا۔ پھر آپ نے اپنی کسی لغزش کا ذکر نہ کرتے ہوئے فرمایا ''اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ'' میرے علاوہ کسی اور کے ہاں چلے جاؤ۔ (میری سفارش تمہیں آج کام نہیں آ سکتی، البتہ میں تمہیں ایک جگہ کا راستہ بتائے دیتا ہوں کہ) تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں چلے جاؤ۔

محشر والے دربارِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

پھر سبھی حضور شفیع عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اللہ جلّ مجدہٗ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ مقدس ہستی ہیں جن کے سبب اللہ جلّ مجدہٗ نے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ مغفور فرما دیئے ہیں۔ اب اپنے رب کے حضور ہماری سفارش فرما دیجیے۔ ہماری حالت تو ملاحظہ فرمایئے ہم کیسی سختی اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کس حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ (اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے! ہاں، ہاں یہ میرا ہی کام ہے) پھر میں زیر عرش رب کریم کی بارگاہ میں حاضری دوں گا، اور اپنے پروردگار کے حضور سجدہ ریز رہوں گا۔ (اس وقت) اللہ جلّ مجدہٗ میری زبان پر ایسی نفیس حمد الہام فرمائے گا جو مجھ سے پہلے کسی نے کبھی بھی نہ کی ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا جائے گا!

یَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ سَلْ، تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا سر اقدس اٹھایئے، مانگئے (جو چاہیں گے) آپ کو دیا جائے گا۔ شفاعت فرمایئے، آپ کی شفاعت قبول ہوگی''۔

(راوی نے فرمایا) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے ''یارب امتی، امتی'' پروردگار میری امت

میری امت، پروردگار میری امت، میری امت، پروردگار میری امت، میری امت (یعنی میری امت کو معاف فرمایا جائے) پھر فرمایا جائے گا! اے محمد ﷺ اپنی امت کے ہر اس شخص کو جس پر کوئی حساب کتاب نہیں ہے جنت کے دائیں دروازے سے داخل کر دو، جبکہ اور جنتی دوسرے دروازوں سے داخل ہوں گے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے (اپنا بیان شریف جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! جنتی دروازوں کے دونوں کواڑوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی مکہ مکرمہ اور (وادئ) ہجر کے درمیان ہے، یا جتنی مکہ مکرمہ اور بصریٰ (شام) کے درمیان ہے)

امام بخاری و امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت والے دن سب ایمان والے اکٹھے ہوں گے اور اس دن کی (تکالیف کی) اہمیت مدنظر رکھتے ہوئے سبھی کہیں گے کاش! ہم اپنے پروردگار کے پاس کوئی سفارشی لے جاتے، تاکہ وہ ہمیں ان تکالیف سے جن میں ہم مبتلا ہیں نجات دلا دیتا۔ پھر سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم علیہ السلام! آپ سبھی انسانوں کے باپ ہیں، اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، آپ کو تمام فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو ہر شے کے اسماء تعلیم فرمائے بارگاہ رب العزت میں ہماری سفارش فرمایئے تاکہ ہمیں اس مشقت سے چھٹکارا ملے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اور آپ اپنی اس لغزش کو جو آپ سے سرزد ہوئی تھی اسے یاد فرمائیں گے اور اس کی وجہ سے اپنے پروردگار سے (سفارش کرتے ہوئے) شرمائیں گے (پھر آپ سب کو یہ رائے دیں گے) تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کیونکہ وہی پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ پھر سبھی حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اس پر آپ فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں۔ پھر آپ اپنی اس گفتگو کو یاد فرمائیں گے جو انہوں نے بیٹے کی نجات کے لیے نادانستگی کے عالم میں اللہ جل مجدہٗ سے کی تھی اس وجہ سے آپ اپنے پروردگار سے سفارش کرنے میں شرمائیں گے اور اہل محشر سے فرمائیں گے تم حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس حاضری دو۔ چنانچہ پھر سبھی بارگاہ خلیل الرحمٰن میں حاضر ہوں گے (اور عرض کرنے پر جواب ملے گا) میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ البتہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کیونکہ وہی ایک ایسے بندے ہیں جن سے اللہ جل مجدہٗ ہم کلام ہوا، اور انہیں توارۃ عطا فرمائی پھر سبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے۔ (عرض پر جواب ملے گا) میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔ پھر اہل محشر سے اس آدمی کا جسے آپ

نے ہلاک فرمایا تھا ذکر فرمائیں گے۔اور اس وجہ سے بارگاہ خداوندی میں (کسی کی سفارش کرنے سے) شرمائیں گے۔(پھر آپ فرمائیں گے) تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔کیونکہ وہ اللہ کے بندے، اللہ کے رسول، اللہ کا کلمہ اور اللہ کی روح ہیں۔پھر سبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضری دیں گے، اور آپ ان سے فرمائیں گے: میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔(البتہ میں تمہیں راہ دکھائے دیتا ہوں کہ) تم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں حاضری دو کیونکہ وہی ایک مبارک ہستی ہیں جو ہر طرح کے (بالفرض والتسلیم) زلات سے مغفور ہیں۔چنانچہ سبھی میرے پاس آئیں گے میں اٹھوں گا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اجازت لینے کے لیے مسلمانوں کی دورویہ قطاروں کے درمیان چل دوں گا۔پھر جب میں اپنے پروردگار کی زیارت کروں گا تو فوراً سجدہ میں گر جاؤں گا۔پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق میں سجدہ ریز ہی رہوں گا کہ بعدہٗ اللہ جل مجدہٗ (مجھ سے) فرمائے گا:

اِرْفَعْ يَامُحَمَّدْ، قُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ، تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ۔(ص315)

"پیارے! ذرا سر تو اٹھایئے، فرمایئے، شنوائی ہوگی۔سفارش فرمایئے مقبول ہے۔مانگئے، عطا کیا جائے گا"۔

پھر میں اپنا سر اٹھالوں گا اور اللہ جل مجدہٗ کی تعلیم فرمودہ اس کی توصیف وستائش کروں گا۔پھر میں سفارش کے لیے لب کشائی کروں گا جس کی وجہ سے میں ایک طے شدہ مقررہ تعداد جنت میں داخل کروں گا۔اس کے بعد میں دوبارہ بارگاہ خداوندی میں حاضری دوں گا اور اپنے پروردگار کی زیارت پر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔اور منشاء ایزدتعالیٰ کے تحت وہیں سجدہ میں پڑا رہوں گا کہ اللہ جل مجدہٗ فرمائے گا: اے محبوب مکرم! "ﷺ" اٹھیے تو سہی فرمایئے آج شنوائی ہوگی۔سفارش فرمایئے قبول ہے۔مانگئے عطا ہوگا۔پھر میں اپنے سر کو اٹھا کر ویسی ہی اللہ جل مجدہٗ کی توصیف وستائش بجالاؤں گا جیسے پہلی مرتبہ کی تھی۔اس کے بعد پھر میں سفارش کروں گا اب بھی مقررہ تعداد کو جنت میں بھیجوں گا۔پھر میں تیسری مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری دوں گا، اور اس کے دیدار پر اس کے سامنے اس وقت تک سجدہ میں پڑا رہوں گا جب تک وہ چاہے گا پھر اللہ جل شانہٗ فرمائے گا: حبیب مکرم "ﷺ" اٹھیے اور فرمایئے سنی جائے گی مانگئے ملے گا شفاعت فرمایئے آپ مقبول الشفاعت ہیں۔پھر میں سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی وہی توصیف وتحمید کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں سفارش کروں گا۔اس دفعہ بھی ایک مقررہ تعداد جنت میں داخل کروں گا۔پھر میں چوتھی بار (حسب سابق) حاضری دے کر عرض کروں گا: پروردگار! اب وہی باقی رہ گئے ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے (یعنی مخلد فی النار کی سزا پانے

31B

والے) (راوی نے فرمایا کہ) حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: نار سقر سے ہر اس شخص کی رہائی ہو جائے گی جس نے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا ہوگا اور اس کے دل میں دانۂ جو کے برابر ایمان ہوگا۔ پھر وہ لوگ جہنم سے چھوٹ جائیں گے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا اور ان کے دل میں دانۂ گیہوں کے مساوی ایمان تھا۔ پھر دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا اور ان کے دل میں ذرہ برابر ایمان تھا۔

☆امام الائمہ احمد نے صحیح سند سے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں اسی انتظار میں ہوں گا کہ پل صراط کب پار کیا جائے گا کہ ناگاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے پاس تشریف لاکر فرمائیں گے، یارسول اللہ ﷺ یہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے پاس تشریف لا رہے ہیں، تاکہ وہ سبھی آپ ﷺ کے ہمراہ اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہ میں درخواست والتماس کریں کہ اللہ جل مجدہٗ اپنی مشیت کے مطابق جہاں چاہے سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ فرمادے تاکہ جس مصیبت میں یہ مبتلا ہیں اس سے چھوٹ جائیں (اور اس وقت کی ہولنا کی کا یہ عالم ہوگا کہ) تمام مخلوق پسینہ میں منہ تک ڈوبی ہوگی۔ وہ پسینہ مومن کے لیے تو زکام کی طرح ہوگا، جبکہ کافر کے لیے وہ موت کا پردہ ہوگا۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہوں گا میرے لوٹنے تک یہیں ٹھہریئے۔ پھر میں زیر عرش جا کر کھڑا ہو جاؤں گا جہاں اللہ جل مجدہٗ "مجھ پر" ایسا القا فرمائے گا جو نہ تو کسی نبی مرسل پر اور نہ کسی برگزیدہ فرشتہ پر ہوا۔ ازاں بعد اللہ جل مجدہٗ جبریل امین کو حکم فرمائے گا کہ تم میرے محبوب محترم ﷺ کے حضور جا کر ان سے یہ کہو اپنا سر انور اٹھایئے مانگیے آپ کو ملے گا سفارش فرمایئے آپ کی سفارش قبول ہے۔ چنانچہ میری امت کے حق میں میری سفارش یوں قبول ہوگی کہ مجھے حکم ملے گا کہ میں ہر ننانوے میں سے ایک کو نکال لوں گا پھر میں مسلسل بارگاہ پروردگار میں حاضر ہوتا رہوں گا اور جہاں جہاں میں سفارش کروں گا وہیں وہیں مقبول ہوتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ جل مجدہٗ فرمائے گا: اے محبوب مکرم ﷺ تمہاری امت میں سے جس نے ایک دن بھی سچے دل سے (لا الٰہ الا اللہ) کہہ لیا تھا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا تو اسے جنت میں داخل کردو۔

☆امام الائمہ احمد اور امام ابویعلیٰ قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی علیہ السلام کو ایک مخصوص دعا ملتی تھی جسے انہوں نے دنیا ہی میں پورا کرلیا تھا۔ اور اسی قسم کی دعا میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کی ہوئی ہے۔

وَاَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ

ترجمہ۔اور میں بلافخر (یہ کہتا ہوں کہ میں) قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔اوراس میں بھی کوئی بڑائی کی بات نہیں کہ میں ہی پہلا وہ ہوں کہ جس سے زمین کھلے گی اور بلافخر لوائے حمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ سبھی ہوں گے۔جب قیامت کا دن لوگوں پرطول پکڑے گا تو وہ آپس میں کہیں گے ہمیں چاہیے کہ ہم سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلیں تا کہ وہ ہمارے فیصلہ کے لیے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری سفارش فرمائیں۔مگر حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے مجھے اس کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ میں تو اپنی ذلّة کے باعث جنت کا نکالا ہوا ہوں مجھے تو بس اپنی ہی جان کی فکر ہے۔البتہ تم سب نبیوں کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔پھر سبھی حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے ہمارے فیصلہ کے لیے اپنے پروردگار کے پاس ہماری سفارش فرما دیجیے۔حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے نہ،نہ مجھے اس کی صلاحیت نہیں ہے اس لیے کہ میری ایک دعا کے باعث زمین والے غرقاب ہو چکے ہیں آج کے دن تو مجھے اپنی ہی فکر ہے۔البتہ تم اللہ جل مجدہٗ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔چنانچہ سبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے حضور ہمارے فیصلہ کی سفارش تو فرما دیجیے حضرت ابراہیم فرمائیں گے نہ نہ مجھے اس کی ہمت نہیں ہے اس لیے کہ مجھ سے اسلام میں تین تعریضات وقوع میں آئی تھیں۔(مقولہ سید عالم ﷺ) اللہ کی قسم! حضرت ابراہیم علیہ السلام ان (اپنی قوم) سے صرف اپنے دین ہی کی خاطر مجادلہ فرماتے تھے۔ان میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' ''میں تو بیمار ہوں'' فرمایا تھا۔اور دوسری یہ کہ آپ نے بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا' بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا فرمایا تھا۔اور آپ کا وہ ارشاد جو (ظالم) بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے آپ نے اپنی زوجہ طاہرہ (حضرت سارہ) کے لیے ''هٰذِهٖ اُخْتِیْ '' یہ میری بہن ہے فرمایا تھا آج تو مجھے اپنی ہی فکر ہے۔البتہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے ممتاز فرمایا ہے۔پھر سبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض گزار ہوں گے موسیٰ علیہ السلام! آپ کو اللہ جل مجدہٗ نے اپنی رسالت وکلام سے برگزیدہ فرمایا ہے۔اپنے پروردگار کے ہاں ہماری سفارش تو فرما دیجیے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں وہاں جانے کی ہمت نہیں رکھتا کیونکہ میں نے بلا قصاص ایک جان ماردی تھی آج تو مجھے اپنی ہی جان کی فکر ہے۔البتہ تم حضرت عیسیٰ روح اللہ،کلمۃ اللہ کے پاس چلے جاؤ۔چنانچہ سبھی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے: اے عیسیٰ علیہ السلام! اپنے پروردگار کے

پاس ہماری سفارش تو کر دیں تا کہ اللہ جل مجدہٗ ہمارا فیصلہ فرما دے۔ آپ فرمائیں گے یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھے اللہ کے بغیر بعض لوگوں نے معبود بنالیا تھا۔ لہٰذا آج تو مجھے اپنی ہی جان کی فکر ہے البتہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں یہ تو بتاؤ اگر ایسے برتن میں باہم جھگڑا پیدا ہو جائے جس کا منہ مہر شدہ ہو تو کیا مہر توڑے بغیر اس کے اندر سے کوئی شی لے سکے گا؟ تو سب کہیں گے نہیں اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے تو آج حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم السلام کی مہر تم میں موجود ہیں اور وہی ایسی شخصیت ہیں جن کی طفیل ان کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر سبھی میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: یا محمد ﷺ ہمارے فیصلے کے لیے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری سفارش فرما دیجیے میں کہوں گا: ہاں، ہاں یہ میرا ہی کام ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جس کی سفارش کے لیے چاہے گا اجازت دے گا اور رضا مندی کا اظہار کرے گا۔ پھر جب اللہ جل مجدہٗ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک منادی آواز دے گا حضرت احمد ﷺ اور ان کی امت کہاں ہیں۔ تو ہم ہی سب سے پچھلے، سب سے اول ہیں اور ہمیں سب امتوں کے بعد مگر حساب میں سب سے پہلے ہیں۔ (جب ہم سوئے جنت چلیں گے تو) دوسری تمام امتیں ہمارے لیے راستہ چھوڑ دینگی اور چلتے وقت وضو کے نشانات سے ہمارے چہرے اور اعضاء وضو روشن وتاباں (پنج کلیان) ہوں گے۔ اس وقت سبھی امتیں پکار اٹھیں گی: قریب تھا کہ یہ امت سب کی سب نبی ہوتی۔ پھر جب ہم بہشت کے دروازے پر آئیں گے تو میں دروازۂ بہشت کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو کہا جائے گا کون؟ میں کہوں گا: محمد'' ﷺ'' اس کے بعد میں اپنے پروردگار عزوجل کے حضور کرسی کے قریب آ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور سجدہ میں اس کی ان محامد سے توصیف وستائش کروں گا جن کے ساتھ نہ تو مجھ سے پہلے کسی نے کی اور نہ ہی میرے بعد کوئی اور کر سکے گا۔ پھر (مجھ سے) فرمایا جائے گا حبیب مکرم ﷺ اپنا سر انور اٹھایئے مانگیے آپ کو دیا جائے گا فرمایئے شنوائی ہوگی شفاعت فرمایئے آپ مقبول الشفاعت ہیں تو میں سجدہ سے سر اٹھا کر عرض کروں گا اے رب امتی امتی پروردگار میری امت میری امت (یعنی میری امت بخش دے) پھر فرمایا جائے گا (اپنی امت میں سے) جس کے دل میں اتنے اتنے برابر ایمان ہے (یعنی دانۂ رائی کے برابر) اسے (دوزخ سے) نکال لیجیے۔ پھر میں (دوبارہ) حاضر ہو کر سجدہ میں گر جاؤں گا اور ویسی ہی توصیف وستائش کروں گا جیسے پہلے کی تھی۔ پھر فرمایا جائے گا: محبوب محترم!'' ﷺ'' اپنا سر اقدس اٹھایئے اور فرمایئے آپ کی شنوائی ہوگی اور مانگیے دیا جائے گا سفارش فرمایئے قبول ہوگی میں عرض کروں گا پروردگار میری امت میری

امت تو فرمایا جائے گا: (آپ کی امت میں سے) جس کے دل میں اتنی اتنی مقدار ایمان ہے (یعنی دانۂ رائی سے بھی کم) اسے "جہنم سے" نکال باہر کیجیے پھر میں تیسری بار حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور ویسی ہی حمد کروں گا جیسے پہلے کی تھی پھر فرمایا جائے گا اپنا سر اقدس اٹھائیے اور فرمائیے شنوائی ہوگی مانگیے دیا جائے گا سفارش فرمائیے آپ کی سفارش قبول ہوگی میں عرض کروں گا پروردگار میری امت میری امت پھر فرمایا جائے گا حبیب مکرم "ﷺ" (آپ کی امت میں سے) جس کے دل میں اتنا اتنا (یعنی دانۂ رائی سے بھی کم ذرہ برابر) ایمان ہے اسے (نار دوزخ سے) آزاد کرا لیجیے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے "اوسط" میں اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بیٹھنے کے لیے سونے کے منبر ہوں گے مگر میرا منبر خالی رہے گا اور میں اس پر نہ بیٹھوں گا اور اپنے پروردگار کے سامنے خاموش کھڑا رہوں گا یہ اندیشہ کرتے ہوئے کہ کہیں میں تو جنت میں بھیج دیا جاؤں اور میرے بعد میری امت اسی طرح باقی رہ جائے اس لیے میں عرض کروں گا: پروردگار میری امت میری امت! پھر اللہ عزوجل فرمائے گا محبوب مکرم "ﷺ" آپ اپنی امت کے بارے میں جو چاہتے ہیں میں وہی کروں گا میں عرض کروں گا پروردگار میری امت کا حساب جلدی چکا دے۔ میں مسلسل سفارش کرتا رہوں گا حتیٰ کہ مجھے میری امت کے ان لوگوں کی فہرست دی جائے گی جنہیں دوزخ بھیجا جا چکا ہے اسی لیے داروغۂ جہنم مالک کہیں گے:

مَاتَرَکْتَ لِغَضَبِ رَبِّکَ فِیْ اُمَّتِکَ مِنْ بَقِیَّۃٍ

"یارسول اللہ ﷺ آپ نے اپنی امت میں اپنے پروردگار کی ناراضگی کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیا"۔

☆امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور ہر ایک امت اپنے اپنے نبی کے ماتحت ہوگی اور کہے گی۔ حضرت! ہماری سفارش فرمائیے حضرت ہماری سفارش فرمائیے حتیٰ کہ یہ سلسلہ سفارش حضور سید عالم ﷺ پر منتہی ہوگا اور یہی وہ دن ہوگا جبکہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کو مقام محمود پر متمکن فرمائے گا۔

نیز امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بروز حشر آفتاب انتہائی قریب ہو جائے گا جس کی (تپش کی) وجہ سے (اہل محشر کا) پسینہ کانوں کی لو تک پہنچ جائے گا اسی اثناء میں تمام اہل محشر حضرت آدم علیہ

السلام سے فریاد کریں گے جس پر آدم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس قابل نہیں ہوں پھر اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی فریاد کریں گے آپ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح فرمادیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ پھر (جب) تمام اہل محشر حضور اکرم سید عالم ﷺ سے فریاد کریں گے (تو) آپ ﷺ (ایسی) سفارش فرمائیں گے جس کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے گا ازاں بعد آپ ﷺ قدم مبارک بھرتے ہوئے چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ لیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جبکہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جس کی سبھی محشر والے خوبی بیان کریں گے۔

امام بزار قدس سرہٗ اور (نیز) امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''بعث'' میں حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل (قیامت کے دن) تمام انسانوں کو ایک میدان میں اکٹھا فرمائے گا اس دن کسی جان میں بات کرنے کی سکت نہ ہوگی۔ (اسی اثناء میں) سب سے پہلے جنہیں بلاوا آئے گا وہ سید عالم ﷺ کی ذات بابرکت ہوگی۔ اس ندا پر آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے سفارش فرمائیں گے:

لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدِکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ وَالْمَھْدِیُّ مَنْ ھَدَیْتَ وَعَبْدُکَ بَیْنَ یَدَیْکَ وَبِکَ اِلَیْکَ، لَامُنْجِیْ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ سُبْحَانَکَ رَبَّ الْبَیْتِ۔ (ص 317)

''میں خدمت و بندگی میں حاضر ہوں۔ بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور شر تیری طرف سے نہیں ہے جسے تو راہ دکھلائے وہی ہدایت یافتہ ہے تیرا بندہ تیرے سامنے ہے اور تیری ہی مدد کا خواستگار اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہے۔ نجات دہندہ تیرے بغیر کوئی نہیں، پروردگار کعبہ! تو ہر عیب سے بری اور تو ہی برکت والا اور تو ہی برتر و بالا ہے''۔

سید عالم ﷺ کے اسی مرتبہ کی جانب اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

''اور قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔

☆ امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ اور امام ابن عاصم قدس سرہٗ ''السنۃ'' میں حضرت سلمان فارسی سے راوی کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن دس سالہ گرمی کے مساوی آفتاب کو گرمی ملے گی پھر آفتاب دو کمانوں کی قدر میں لوگوں کی کھوپڑیوں کے قریب کیا جائے گا جس کی وجہ سے لوگ اس قدر پسینہ آلود ہوں گے

کہ ان کا پسینہ زمین پر ٹپکنے لگے گا اور پھر بڑھتے بڑھتے سب کے منہ میں آنے لگے گا حضرت سلمان نے فرمایا کہ پسینہ لوگوں کے منہ میں آ جانے کی وجہ سے لوگ (غق ،غق) غر،غر کہنے لگیں گے جب سبھی اس منظر کو دیکھ لیں گے تو پھر آپس میں کہیں گے کیا تم یہ حالت دیکھتے نہیں ہو آؤ تا کہ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلیں تا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس تمہاری سفارش کریں ۔ چنانچہ سبھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے والد گرامی ! آپ وہی ہیں جن کو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی جان ڈالی اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا آپ ہماری تکلیف ملاحظہ تو فرما ہی رہے ہیں، اٹھیے اپنے پروردگار کے ہاں ہماری سفارش فرما دیجیے۔ آپ فرمائیں گے وہاں کی مجھ میں سکت نہیں ۔ پھر سبھی عرض کریں گے تو پھر آپ ہمیں کس کے ہاں جانے کا مشورہ دیتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے تم عبد شاکر (حضرت نوح علیہ السلام) کے ہاں جاؤ چنانچہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے : اے اللہ کے نبی آپ ہی وہ ذات گرامی ہیں جن کو اللہ جل مجدہٗ نے بہت ہی شکر گزار بندہ بنایا ہے آپ ہماری تکالیف تو ملاحظہ فرما رہے ہیں اب اپنے پروردگار کے پاس ہماری شفاعت فرما دیجیے۔ آپ فرمائیں گے نہ، نہ مجھے اس کی ہمت نہیں ہے سب عرض کریں گے تو پھر آپ ہمیں کس کے ہاں جانے کا مشورہ دیتے ہیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے تم حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ پھر سبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے : اے اللہ کے خلیل علیہ السلام آپ ہماری مصیبت کو ملاحظہ فرما ہی رہے ہیں اپنے پروردگار کے پاس ہماری سفارش تو فرما دیجیے آپ فرمائیں گے نہ، نہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ پھر حاضرین عرض کریں گے : تو پھر آپ ہمیں کہاں کا مشورہ دیتے ہیں ۔ آپ فرمائیں گے تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں انہیں اللہ عزوجل نے اپنی رسالت اور اپنی کلام سے سرفراز فرمایا ہے چنانچہ سبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے ہماری مصیبت تو آپ کے سامنے ہے اپنے پروردگار کے ہاں ہماری سفارش تو فرما دیجیے آپ فرمائیں گے یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا حاضرین عرض کریں گے تو پھر ہمیں آپ کہاں کا مشورہ دیتے ہیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے تم کلمۃ اللہ، روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں چلے جاؤ ۔ پھر سبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے : اے کلمۃ اللہ ! اے روح اللہ علیہ السلام آپ ہماری مصیبت تو دیکھ ہی رہے ہیں اب ذرا اپنے پروردگار کے ہاں ہماری سفارش تو فرما دیجیے آپ فرمائیں گے نہ، نہ وہاں جانے کی مجھے ہمت نہیں

ہے۔حاضرین کہیں گے تو پھر ہمیں آپ کہاں کی راہ دکھلاتے ہیں آپ فرمائیں گے تم اللہ کے عبد (خاص) حضرت محمد رسول اللہ کے ہاں چلے جاؤ کیونکہ انہیں کے ہاتھوں اللہ عزوجل نے (جنت کھولی ہے اور) دین کو کھلم کھلا فتح عطا فرمائی ہے اور وہی ہیں جن کی بدولت اللہ جل مجدہٗ نے ان کے اگلوں پچھلوں کے گناہ مٹا دیے ہیں اور آج کے دن وہی سلامتی میں ہیں (اور سلامتی لے کر آئیں گے)۔ چنانچہ پھر سبھی حضرت رسول کریم ﷺ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: یا نبی اللہ ﷺ آپ ہی کے طفیل اللہ جل مجدہٗ نے جنت کو کھولا ہے۔ اور آپ ہی کے سبب اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخشے ہیں اور آج کے دن سلامت بھی آپ ہی ہیں آج ہم جس حالت میں ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں اب ہمارے لیے اپنے پروردگار کے ہاں سفارش فرما دیجیے۔ اس پر آپ ﷺ فرمائیں گے: ہاں اس کا میں ہی اہل ہوں۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی تلاش میں نکل پڑیں گے حتیٰ کہ دروازۂ بہشت تک جا پہنچیں گے اور بہشت کے دروازہ کی طلائی زنجیر کو پکڑ کر دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اندر سے کہا جائے گا: کون؟ آپ ﷺ فرمائیں گے: محمد "ﷺ" پھر آپ ﷺ کے لیے دروازۂ جنت کھول دیا جائے گا (دروازۂ جنت کھلوانے کے بعد) پھر آپ ﷺ ذات الٰہ کے سامنے آ کر تشریف فرما ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ سجدہ کی اجازت مانگیں گے۔ سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی ازاں بعد آپ ﷺ سجدہ میں گر پڑیں گے کہ ندا آئے گی: اے محبوب مکرم ﷺ اپنا سر اقدس اٹھائیے، مانگئے دیا جائے گا سفارش فرمائیے مقبول ہے (اس وقت) اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ پر توصیف وستائش اور بزرگی کے وہ باب کھول دے گا جو مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی نہیں کھلے تھے۔ پھر آواز آئے گی: اے حبیب مکرم "ﷺ" اپنا سر انور اٹھائیے، مانگیے دیا جائے گا، شفاعت فرمائیے آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ دعا کیجیے قبول ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ سر انور اٹھا کر دو یا تین مرتبہ "امتی، امتی" فرمائیں گے یعنی میری امت کی مغفرت فرما دے۔ پھر آپ ﷺ ہر اس شخص کی جس کے دل میں گیہوں کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا یا دانہ جو کی مقدار ایمان ہوگا یا رائی بھر ایمان ہوگا سفارش فرمائیں گے اور یہی مقام محمود ہے۔

☆ امام طبرانی قدس سرہٗ نے "کبیر" میں اور امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ قدس سرہما نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: جس دن اللہ جل مجدہٗ اگلوں پچھلوں کو اکٹھا فرمائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ جب اللہ جل مجدہٗ اپنا فیصلہ پورا فرما لے گا تو ایمان دار آپس میں کہیں گے: اللہ عزوجل نے تو اپنا فیصلہ پورا کر لیا اور اس سے فارغ ہو گیا ہے۔

اب (بات یہ ہے کہ) پروردگار کے پاس ہمارا سفارشی کون بنے گا۔ پھر خود ہی بولیں گے آدم علیہ السلام اس لیے کہ ان کو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے دستِ بے مثال سے پیدا فرمایا ہے اور ان سے ہمکلام ہوا ہے ازاں بعد سبھی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے اللہ عز وجل فیصلہ فرما کر فارغ ہو گیا اب اٹھیے پروردگار کے پاس ہماری سفارش فرما دیجیے۔ اس وقت آپ فرمائیں گے تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ سبھی حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے آپ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے پھر جب سبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضری دیں گے تو آپ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے پھر سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے آپ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے پھر سبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے آپ فرمائیں گے: میں تمہاری حضرت نبی امی (رسول عربی) ﷺ کی طرف راہنمائی کرتا ہوں۔ (تم وہاں چلے جاؤ نبی کریم ﷺ نے فرمایا) پھر سبھی میرے پاس آئیں گے پھر اللہ عزّ اسمہ مجھے اپنے جلوۂ خاص میں جلوہ افروز ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ اس وقت میری مجلس ایسی خوشبودار ہوا سے مہک اٹھے گی جس کی خوشبو کسی نے کبھی بھی نہ پائی ہوگی پھر میں اپنے پروردگار کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کروں گا تو وہ میری سفارش قبول فرمائے گا۔

وَيَجْعَلُ لِيْ نُوْرًا مِنْ شَعْرِ رَأْسِيْ اِلٰى ظُفُرِ قَدَمِيْ (ص318)

"اور اللہ جل مجدہٗ مجھے از سر تا قدم نور ہی نور بنا دے گا"۔

☆ "السنۃ" میں امام ابن ابی عاصم قدس سرہٗ نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے پروردگار کے پاس میں مسلسل سفارش کرتا ہی رہوں گا اور اللہ عزّ اسمہ میری سفارش قبول فرماتا رہے گا حتیٰ کہ میں عرض کروں گا پروردگار ہر اس شخص کے لیے میری سفارش قبول فرما جس نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیا ہے۔ اللہ جل اسمہ فرمائے گا نہیں یہ کام آپ کا نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور کا ہے (بلکہ یہ کام میرا ہے میں خود اپنے سے شفاعت کروں گا) قسم ہے مجھے اپنی عزت کی اپنے جلال کی میں ہر اس شخص کو دوزخ سے رہا کر دوں گا جس نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہہ لیا۔

☆ امام الائمہ احمد اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بے شک اللہ عزّ وجل نے فرمایا: اے محبوب محترم! " ﷺ " میں نے ہر ایک نبی اور رسول کو ایک ایک (مخصوص) دعا دے کر مبعوث کیا اور جب کبھی اس نبی اور رسول نے اس دعا کے ذریعے مجھ سے مانگا تو میں نے (اس کا نتیجہ) انہیں وہاں ہی دے دیا۔ اے حبیب مکرم ﷺ اب

آپ بھی مانگیں آپ کو بھی عطا کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا (پروردگار) میری دعا تو قیامت کے دن اپنی امت کے لیے ہے۔ (اس پر) حضرت امیر المومنین ابو بکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ شفاعت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شفاعت یہ ہے کہ میں (قیامت کے دن پروردگار کے حضور) عرض کروں گا پروردگار میری وہ (دعاء) شفاعت جسے میں نے تیرے ہاں محفوظ رکھا ہوا ہے (اسے میری امت کے لیے قبول فرما) پروردگار عالم فرمائے گا: ہاں (مقبول ہے) چنانچہ اس دعا کی بدولت میری باقی ماندہ امت بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی۔

☆ حضرت امام الائمہ احمد، امام طبرانی و بزار قدس سرہما نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا کہ: دونوں صاحبان نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا "مجھے اللہ جل مجدہٗ نے امت کی سفارش کرنے یا آدھی امت کو جنت میں داخل کرنے کا اختیار دیا تو میں نے امت کے لیے سفارش اپنانے کو اختیار کیا۔ اس لیے کہ مجھے معلوم تھا کہ سفارش میں سبھی سما جائیں گے" (مگر) یہ سفارش ایمان پر خاتمہ ہونے والے کے لیے ہے۔ خاتمہ بالشرک والا اس سے محروم رہے گا۔

☆ امام طبرانی قدس سرہٗ نے "اوسط" میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں (جب ایک وقت میں) دوزخ کا دروازہ آ کر بجاؤں گا، تو وہ میرے لیے کھول دیا جائے گا پھر میں اس میں داخل(1) ہو کر اللہ جل مجدہٗ کی وہ خوبیاں بیان کروں گا جو نہ تو مجھ سے پہلے کسی نے بیان کیں اور نہ ہی میرے بعد کوئی اور کر سکے گا۔ پھر میں جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جس نے خلوص سے "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھا ہو گا۔

☆ امام ابو یعلیٰ قدس سرہٗ نے حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ہمیں چار ایسی خوبیاں دی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہ مل سکیں۔ علاوہ ازیں میں نے اللہ جل مجدہٗ سے پانچویں کی درخواست کی تو اس نے وہ بھی مجھے عطا فرما دی اور یہ پانچویں خوبی نہایت ہی اہم ہے۔ جو نبی جس بستی میں بھیجا جاتا تھا اس کی نبوت وہیں تک محدود رہتی تھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی جبکہ میں ساری کائنات کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک ماہ کی مسافت تک ہمارا دشمن ہم سے خائف رہتا ہے۔ اور زمین ہمارے لیے مسجد اور ذریعہ پاکیزگی بنا دی گئی ہے۔ اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ہمارے لیے حلال کر دیا گیا ہے جبکہ ہم سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ میں نے اللہ جل

1۔ آپ ﷺ کیسے داخل ہوں گے؟ اس بات کی کنہ تک رسائی عقل کے بس کا روگ نہیں یہ حدیث متشابہات سے ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

مجدۂ سے درخواست کر رکھی ہے کہ میری امت کے ہر موحد آدمی کو جنت میں داخل کر لیا جائے۔

حضرت امام الائمہ احمد اور امام ابن ابی شیبہ، امام طبرانی قدس سرہما نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی خوبیاں ملی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ مل سکیں۔

☆ میں سرخ وسیاہ تمام کا نبی ہوں۔

☆ ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب سے مدد فرمائی گئی ہے۔

☆ ساری روئے زمین میرے لیے مسجد وذریعۂ طہارت بنادی گئی ہے۔

☆ غنائم میرے لیے حلال کر دی گئیں جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

☆ اور مجھے شفاعت دی گئی ہر ایک نبی کو شفاعت دی گئی مگر انہوں نے اپنی اپنی شفاعت استعمال کر لی ہے جبکہ میں نے اپنی شفاعت محفوظ کر لی ہے اور میری امت کے ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جس کی موت شرک پر نہ ہوئی ہو۔

☆ امام ابو یعلیٰ، امام ابن ابی شیبہ، حافظ ابو نعیم، امام بیہقی قدست اسرار ہم نے حضرت ابو ذر سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی خوبیاں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ دی گئیں۔ پھر حضرت ابو ذر نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت کی مانند حدیث شریف ذکر فرمائی مگر حضرت ابو ذر نے پانچویں خوبی یہ ذکر فرمائی کہ: مجھے فرمایا گیا: مانگیے آپ کو دیا جائے گا تو میں نے اپنی دعاء شفاعت کو اپنی امت کے لیے قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ انشاء اللہ میری اس دعاء شفاعت سے ہر وہ شخص فائدہ اٹھائے گا جو بحالت شرک نہ مرا ہو۔

☆ حضرت امام الائمہ احمد اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' نیز الامام الحاکم امام بیہقی، حافظ ابو نعیم قدست اسرار ہم نے حضرت ام المومنین سیدتنا ام حبیبہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ چیز بتا دی گئی ہے جو میرے بعد میری امت کو لاحق ہوگی اور جو ان کی آپس میں خون ریزی اور جنگ ہوگی اور یہ پہلے سے من جانب اللہ ہی تقدیر میں آچکا ہے۔ اس وقت میں نے درخواست کر دی کہ خداوندا! قیامت کے دن ان کے حق میں میری سفارش قبول فرما تو اللہ جل وعلا نے اس درخواست کو قبول فرما لیا۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی امت کے حق میں فرمودہ اس ارشاد کو تلاوت فرمایا:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ (ابراہیم:36)

''تو جس نے میرا ساتھ دیا (یعنی میرے عقیدہ اور دین پر رہا) وہ تو میرا ہے اور جس نے کہا نہ مانا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے''۔

اور (ساتھ ہی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (مائدہ)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب، حکمت والا۔ پھر آپ نے اپنے دست اقدس (دعا کے لیے) اٹھائے اور گریہ فرماتے ہوئے ''امتی، امتی'' فرمایا تو اللہ عزوجل نے جبریل امین کو حکم فرمایا کہ جاؤ میرے حبیب حضرت محمد ﷺ سے کہو:

اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْؤُکَ (ص320)

''ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں عنقریب راضی کر دیں گے اور تمہیں مایوس نہیں کریں گے''۔

امام بزار قدس سرہٗ اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی یہاں تک سفارش کرتا رہوں گا کہ اللہ جل مجدہٗ مجھے ندا دے گا۔

اَرَضِیْتَ یَامُحَمَّدُ (ﷺ) فَاَقُوْلُ اَیْ رَبِّ رَضِیْتُ

''اے محبوب محترم ﷺ! کیا اب آپ راضی ہیں؟ تو میں عرض کروں گا پروردگار! میں راضی ہوں''۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں ''سند حسن'' سے حضرت ابوسعید سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی خوبیاں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی ''علیہ السلام'' کو نہ دی گئیں:

☆ میں سرخ و سیاہ سبھی (یعنی عرب و عجم) کی طرف بھیجا گیا ہوں جبکہ ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔

☆ ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔

☆ مجھے غنیمت کھلائی گئی اور مجھ سے پہلے کسی کو بھی نہیں کھلائی گئی۔

☆ ہمہ روئے زمین میرے لیے مسجد و ذریعہ طہارت بنا دی گئی ہے۔

☆ ہر ایک نبی کو اللہ جل مجدہٗ نے ایک مخصوص دعا عطا فرمائی تھی جسے اس نے جلد ہی مانگ لیا مگر میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے لیے موخر کر لیا ہے۔ اور میری اس دعا سے انشاء اللہ تعالیٰ ہر وہ شخص فائدہ اٹھائے گا جس کی موت شرک پر نہ ہوئی ہو۔

☆ امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ اور امام ابو یعلیٰ قدس سرہٗ نے ''بسند صحیح'' حضرت ابو سعید سے روایت فرمائی کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار عزوجل سے کھیل کود میں مشغول رہنے والی اولاد آدم علیہ السلام کو عذاب نہ دینے کی درخواست کی تھی تو اللہ عزوجل نے میری اس دعا کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا (اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے) علامہ ابن عبدالبر قدس سرہٗ نے کہا کہ اس سے وہ اولاد آدم علیہ السلام مراد ہے جو لڑکپن میں فوت ہو گئی ہو اس لیے کہ ان کے اچھے کام بھی کھیل کود ہی ہیں اور ان سے کوئی عزم وعقد مقصود نہیں ہوتا۔

☆ حضرت امام الائمہ احمد، امام ابن ابی شیبہ، امام ترمذی، حاکم، امام بیہقی قدست اسرارہم نے حضرت سیدنا ابی بن کعب سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبُ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ

''میں بلا فخر فرماتا ہوں کہ میں قیامت کے دن سب نبیوں کا امام وخطیب اور ان کا شفیع ہوں گا''۔

حضرت امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت سیدنا ابی بن کعب سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ جل مجدہٗ نے مجھے ایک لغت میں قرآن کریم پڑھنے کا پیغام بھیجا (تو) میں نے اس کے جواب میں عرض کیا پروردگار! میری امت پر آسانی فرما۔ پھر دوبارہ مجھے دو لغتوں میں پڑھنے کا پیغام آیا تو میں نے پھر عرض کیا: پروردگار! میری امت پر آسانی فرما۔ بعدہٗ تیسری مرتبہ مجھے سات لغتوں میں پڑھنے کا پیغام آیا اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی آئی کہ اے حبیب محترم ﷺ! مجھ سے جتنی بار آپ ﷺ نے اپنا جواب دہرایا ہے میں ہر بار کے بدلہ میں آپ ﷺ کا ہر وہ سوال جو مجھ سے کریں گے قبول کروں گا پھر میں دو بار تو یہی عرض کیا: یا اللہ! میری امت بخش دے، یا اللہ! میری امت بخش دے اور تیسرا سوال میں نے اس دن کے لیے موخر کر دیا ہے جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت سبھی مخلوق میری محتاج ہو گی۔

☆ الامام الحاکم قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''کتاب الرویہ'' میں حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَهُوَ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَنْتَظِرُ الْفَرَجَ (ص320)

''اس میں کوئی فخر نہیں کہ میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ اور اس دن ہر ایک میرے ہی پرچم تلے ہوگا اور راحت کا منتظر رہے گا۔ اور میں اس دن لوگوں کی معیت میں پرچم حمد اٹھا کر چلتا ہوا بہشت کے دروازے پر آکر اس کا دروازہ کھلواؤں گا۔ اس وقت اندر سے کہا جائے گا: کون؟ تو میں کہوں گا: اللہ کا حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ۔ پھر کہا جائے گا، مرحبا، اللہ کے حبیب ﷺ! تشریف لائیے۔ ازاں بعد جب میں اپنے پروردگار کی زیارت سے مشرف ہوں گا تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اس کے انعام کا منتظر رہوں گا۔

☆امام ابونعیم اور علامہ ابن عساکر قدس سرہما نے روایت کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے فرمایا: (ایک دن) صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم السلام تو اللہ کے خلیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ عزوجل نے بلاواسطہ کلام فرمایا۔ مگر آپ ﷺ کو کیا ملا اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

وُلْدُ آدَمَ کُلُّهُمْ تَحْتَ رَایَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُفْتَحُ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ (ص320)

''قیامت کے دن ساری اولاد آدم علیہ السلام میرے ہی پرچم تلے ہوگی۔ اور میں ہی وہ پہلا ہوں جس کے لیے بہشت کے دروازے کھلیں گے''۔

☆امام بخاری اپنی ''تاریخ'' میں، امام طبرانی قدس سرہٗ ''اوسط'' میں اور امام بیہقی وحافظ ابونعیم قدس سرہما نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ (ص320)

''اس میں کوئی بڑائی نہیں کہ میں ہی تمام رسولوں کا قائد ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی شیخی نہیں کہ میں ہی آخری نبی ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی فخر نہیں کہ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا، اور مقبول الشفاعت بھی میں ہی ہوں''۔

☆امام دارمی، امام ترمذی، حافظ ابونعیم قدست اسرارہم نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: (ایک دن) حضور سید عالم ﷺ کے صحابہ عظام علیہم الرضوان کے کچھ افراد بیٹھے ہوئے آپ

ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر تھے کہ اس دوران ان کا آپس میں مذاکرہ شروع ہو گیا۔ان میں سے بعض فرمانے لگے یہ کیا ہی تعجب خیز امر ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو اپنا خلیل منتخب فرمایا، جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ جل اسمہ کے خلیل ہیں۔دوسرے صاحب نے فرمایا: اس سے بھی بڑھ کر عجب یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔اور تیسرے صاحب نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کی جان اور اس کا کلمہ ہیں۔ایک اور صاحب نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اللہ جل مجدہٗ کے برگزیدہ بندے ہیں یہ مذاکرہ جاری تھا کہ اس اثناء میں حضور سید عالم ﷺ بھی تشریف لے آئے اور آتے ہی فرمایا: میں نے تمہاری تمام تر گفتگو سن لی ہے۔بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ عز اسمہ کے خلیل ہیں اور حقیقت بھی ایسے ہی ہے۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے بالمشافہ گفتگو فرمانے والے ہیں۔یہ بھی حقیقت یوں ہی ہے۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی جان اور اس کا کلمہ ہیں یہ امر بھی واقعی ہے اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ جل وعلا کے برگزیدہ بندے ہیں (مگر) سنتے ہو (میں کون ہوں؟)

''اَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَآءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَحْتَهٗ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ وَلَافَخْرَ (ص321)

''اس میں کوئی بڑائی نہیں کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں کہ قیامت کے دن حمد کا علمبردار میں ہی ہوں۔آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سبھی اس کے تلے ہوں گے''۔

اور اس میں بھی کوئی فخر نہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور مقبول الشفاعت بھی میں ہی ہوں اور اس میں بھی کوئی فخر یہ بات نہیں کہ سب سے پہلے جنت کی زنجیر بھی میں ہی ہلاؤں گا۔پھر اللہ جل مجدہٗ باب جنت کھول کر مجھے اس میں غریب ایمانداروں کی معیت میں داخل فرمائے گا۔اس میں بھی کوئی فخر نہیں۔

وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ (ص321)

''اور اس میں بھی کوئی شیخی نہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ جل مجدہٗ کے ہاں سب سے معزز میں ہی ہوں''۔

☆امام ابو نعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تمام انسانوں، تمام جنوں، ہر سیاہ و سرخ کا رسول ہوں، اور غنائم میرے لیے علاوہ دوسرے انبیاء کے حلال کی گئی ہیں، ساری روئے زمین میرے لیے مسجد و ذریعہ پاکیزگی بنادی گئی

ہے۔ اپنے سامنے سے ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ مجھے عرش کے خزانوں سے سورہ بقرہ کی آخری آیات دی گئی ہیں۔ ان میں صرف میری ہی خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء میں یہ نہیں ہے۔ توراۃ شریف کے قائم مقام مجھے (مثانی) دیے گئے ہیں اور انجیل شریف اور زبور شریف کی جگہ مجھے ''مئین'' اور ''حوامیم'' دی گئی ہیں۔ (علاوہ بریں) ''مفصل'' (سورتوں) سے مجھے فضلیت دی گئی ہے۔ اور اس میں کوئی بڑائی نہیں کہ میں دنیا و آخرت میں ساری اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی فخر نہیں کہ زمین سب سے پہلے میرے لیے اور میری امت کے لیے کھلے گی

وَبِیَدِیْ لِوَآءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَجَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ تَحْتَهٗ وَلَا فَخْرَ (ص321)

''اور اس میں بھی کوئی بڑائی نہیں کہ قیامت کے دن سبھی خوبیوں کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا اور سب انبیاء علیہم السلام اس کے تلے ہوں گے''۔

اور اس میں بھی کوئی بڑائی نہیں کہ قیامت میں بہشت کی کنجیاں مجھی کو ملیں گی اور اس میں بھی کوئی فخر نہیں کہ باب شفاعت میرے ہی طفیل کھلے گا۔ اور اس میں تو کوئی بڑائی ہے ہی نہیں کہ جنت میں جانے والا سب سے پہلا میں ہی ہوں گا۔ اور سب لوگوں کے آگے، آگے اور میرے پیچھے پیچھے میری امت ہوگی۔

سید عالم ﷺ کے سبب ونسب کی خصوصیت

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ قیامت کے میں آپ ﷺ کے نسب وحسب کے علاوہ ہر ایک کا سبب ونسب ختم ہوجائے گا۔

☆ الامام الحاکم، اور امام بیہقی قدس سرہما نے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق نے فرمایا: میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن میرے سبب اور نسب کے علاوہ ہر ایک کا سبب اور نسب منقطع ہوجائے گا اس حدیث کے معنی میں دو احتمال بیان کیے گئے ہیں:

1۔ قیامت کے دن آپ کی امت آپ ﷺ کی طرف منسوب ہوگی جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی امم ان کی طرف منسوب نہ ہوں گی۔

2۔ اس دن آپ ﷺ کی نسبت فائدہ مند ہوگی جبکہ دوسری تمام نسبتیں سودمند نہ ہوں گی۔

سید عالم ﷺ کا لوں لوں نور سے منور ہوگا

☆ سید عالم ﷺ کے سر انور کے لوں لوں اور چہرہ انور میں نور کا ہونا۔

☆ سب سے پل صراط عبور کرنا۔

☆ سب سے پہلے دروازہء بہشت کھٹکھٹانا۔

☆ سب سے پہلے آپ ﷺ کا جنت میں تشریف لے جانا۔

☆ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی صاحبزادی صاحبہ سلام اللہ علیہا کا جنت میں تشریف لے جانا۔

☆ اور آپ ﷺ کی صاحبزادی صاحبہ کے پل صراط عبور کرنے تک اہل محشر کو اپنی نظریں نیچی کر لینے کا حکم سنایا جانا۔

یہ تمام امور آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہیں۔

سب سے پہلے پل صراط آپ ہی عبور فرمائیں گے

☆ حضرت امام بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضْرَبُ جَسْرُ جَهَنَّمَ فَاَ كُوْ نَ اَوَّلَ مَنْ يُجِيْزُ (ص321)

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب جہنم پر پل باندھا جائے گا تو اسے سب سے پہلے میں ہی عبور کروں گا۔

خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی نرالی شان

☆ امام ابو نعیم قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اہل حشر سے کہا جائے گا کہ تم فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنی اپنی نگاہیں نیچی کرلو۔ چنانچہ جب سیدہ موصوفہ کا گزر ہوگا تو اس وقت آپ پر دوہرا سبز دوپٹہ ہوگا۔

☆ (نیز) حضرت الامام الحافظ ابو نعیم حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضرت بو ہریرہ نے فرمایا۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادٰى مُنَادٍمِنْ وَرَآءِ الْحُجُبِ يَااَيُّهَاالنَّاسُ غَضُّوْ ا اَبْصَارَكُمْ وَنَكِسُوْ ا ،فَاِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ تَجُوْزُ الصِّرَاطَ اِلَى الْجَنَّةِ۔(ص321)

"میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن پس پردہ ایک آواز دینے والا آواز دے گا: لوگو! اپنی نگاہیں بند کرلو اور اپنا سر جھکالو اس لیے کہ (اس وقت) حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ پل صراط پار کر کے جنت کو

32B

تشریف لے جارہی ہیں''۔

☆ (نیز) امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم نے فرمایا: اس میں کوئی فخر نہیں کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والا میں ہی ہوں۔ اور (پھر) جنت میں سب سے پہلے میرے پاس سیدتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں گی۔ (تمہیں یہ بھی معلوم رہے کہ) اس امت میں حضرت فاطمہ کا وہی مقام ہے جو بنواسرائیل میں حضرت مریم کا ہے۔

حضرت امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں ہی سب سے پہلے باب جنت کھٹکھٹاؤں گا۔ (نیز) امام مسلم قدس سرہٗ نے (ہی) حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن جب بہشت کے دروازہ پر آکر اسے کھلواؤں گا تو جنت کا نگران پوچھے گا: کون؟ میں کہوں گا: محمد ''رسول اللہ ﷺ'' پھر وہ باب جنت کھولتے ہوئے کہے گا: مجھے بھی یہی حکم ملا ہوا تھا کہ میں آپ ﷺ سے پہلے کسی اور کے لیے جنت نہ کھولوں۔

امام بیہقی وابونعیم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی فخر نہیں کہ قیامت کے دن لوگوں میں پہلا میں ہی ہوں کہ جس کے سر سے زمین ہٹے گی۔ اور اس میں بھی کوئی فخر نہیں کہ مجھے پرچم حمد عطا کیا جائے گا اور یہ بھی کوئی فخر نہیں کہ قیامت کے دن میں سب کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بھی کوئی بڑائی نہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں جانے والا بھی میں ہی ہوں۔ ''اوسط'' میں امام طبرانی قدس سرہٗ نے بسند حسن حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے داخل ہونے تک جنت سب نبیوں پر حرام ہے اور میری امت کے داخل ہونے سے پہلے دوسری سب امتوں پر بھی حرام ہے (نیز) امام طبرانی قدس سرہٗ نے اسی حدیث کی مانند حضرت سیدنا ابن عباس سے بھی روایت ذکر فرمائی ہے۔

آپ ﷺ کے منبر کے پائے جنت میں

حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے

☆ (حوض) کوثر و مقام وسیلہ کا عطا کیا جانا۔

☆ اور آپ ﷺ کے منبر منیف کے پایوں کا جنت میں گڑا ہوا ہونا۔

☆ اور منبر منیف کا جنت میں ہونا۔

☆ اور منبر منیف اور مرقد منور کے درمیانی حصہ کا جنت کے باغات میں سے ایک باغیچہ ہونا ہے۔

حوض کوثر کے برتن ستاروں کی مقدار ہیں

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١

''اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں''۔

☆ امام ابونعیم قدس سرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے چند خوبیاں ملی ہیں میں ان کا اظہار فخر سے نہیں کرتا۔

☆ میرے سبب اللہ عزوجل نے میرے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیے ہیں۔

☆ میری امت تمام امتوں سے بہتر قرار دی گئی ہے۔

☆ مجھے جامع کلمات ملے ہیں۔

☆ میری رعب سے مدد کی گئی ہے۔

☆ زمین میرے لیے مسجد و ذریعہ پاکیزگی بنادی گئی ہے۔

☆ مجھے وہ حوض کوثر ملا ہے جس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

امام مسلم قدس سرہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ ثُمَّ سَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ (ص ۲,۳)

''جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو تو تم بھی وہی کلمات کہو جیسے وہ کہہ رہا ہے۔ اذان کے بعد پھر تم مجھ پر درود پڑھو، پھر میرے لیے مقام وسیلہ مانگا کرو، کیونکہ یہ ایک جنتی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک کے لیے ہے، اور میں امید کرتا ہوں وہ میں ہی ہوں۔ لہٰذا جو بھی میرے لیے مقام وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی''۔

''کِتَابُ الرَّدِّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ'' میں امام عثمان بن سعید دارمی قدس سرہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے اللہ جل مجدہ نے جنت نعیم کے سب سے اونچے بالا خانے میں جگہ دی ہے جس کے اوپر صرف حاملان عرش ہیں۔

امام بیہقی قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین ام'' سلمہ سلام اللہ'' علیہا نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میرے منبر کے پائے جنت میں قائم ہیں۔ حاکم قدس سرہ نے بھی اس طرح کی حدیث حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے علامہ ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرا یہ منبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت ابو ہریرہ اضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ (ص ۳۲۲)

''میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی خصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے''۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت (اگرچہ) دنیا میں سب سے پچھلی ہے (مگر) قیامت کے دن سب مخلوق سے پہلے ان کا فیصلہ ہونے کا وجہ سے سب سے اگلی ہے۔

☆ میدان حشر میں آپ ﷺ کی امت کا ایک بلند ٹیلہ پر ہونا۔

☆ وضو کے نشانات سے آپ ﷺ کی امت کے اعضاء وضو کا روشن و تاباں ہونا۔

☆ اور دنیا اور قبر میں آپ ﷺ کی امت کا اس لیے مواخذہ ہونا تا کہ قیامت میں یہ گناہوں سے صاف ہو کر آئیں۔

☆ آپ ﷺ کی امت کا قبروں میں تو گناہ لے کر جانا اور ان کا، ان کے لیے مسلمانوں کے استغفار کرنے کے باعث، اپنی اپنی قبروں سے گناہوں کے بغیر نکلنا۔

☆ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کو داہنے ہاتھ میں اعمال ناموں کا دیا جانا۔

☆ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کے سامنے ان کی اولاد اور ان کی نورانیت کا سعی کرنا۔

☆ اور ان کی پیشانیوں میں سجدوں کے نشانات کا ہونا۔

☆ اور ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی طرح دو نوروں کا ہونا۔

☆ ان کی میزان کا سب سے بھاری ہونا۔

☆ اور آپ ﷺ کی امت کا (اعمال حسنہ کے لیے) کوشش کرتے رہنا، یا ان کے لیے (اعمال خیر کی) کوشش کیا جانا۔

☆ اور اس کا ان کے حق میں مفید و سود مند ہونا۔ بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے لیے اس کا نہ ہونا۔

یہ سب امور آپ ﷺ کے خصائص سے ہیں۔

امام ابن ماجہ قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دنیا والوں میں (تو) ہم سب سے پیچھے ہیں (مگر) قیامت میں حساب و فیصلہ ہونے کے اعتبار سے سب مخلوق سے پہلے ہیں۔

الامام الحاکم قدس سرہ نے تصحیح کرتے ہوئے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ جل مجدہ سب لوگوں کو اٹھائے گا، جس میں امتی الگ الگ اور نبی الگ الگ ہوں گے۔ یہاں تک حضور سید عالم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت وہاں ٹھہرنے کے لحاظ سے سب سے آخر ہوں گے۔ پھر دوزخ پر پل بچھایا جائے گا اور آواز دی جائے گی احمد مجتبیٰ ﷺ اور ان کی امت کہاں ہے؟ یہ آواز آتے ہی آپ ﷺ تشریف فرما ہو جائیں گے۔ جب کہ آپ ﷺ کی تمام نیک و بد امت آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو کر پل کو پار کرے گی اس وقت اللہ جل مجدہ نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کی آنکھیں اندھی کر دے گا۔ جس کی وجہ سے وہ پل کے دائیں بائیں دوزخ میں گرنا شروع ہو جائیں گے مگر نبی کریم ﷺ اور نیکو کار نجات پائیں گے۔ پھر آپ ﷺ کے ہمراہ مقامات جنت کی نشان دہی کے لیے فرشتگان ہوں گے اور کہیں گے تم اپنی دائیں طرف، اور تم اپنی بائیں طرف رہو۔ تم اپنے داہنے ہاتھ اور تم اپنے بائیں ہاتھ رہو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے جہاں آپ ﷺ قرب خداوندی میں کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔

ازاں بعد آواز دی جائے گی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کہاں ہے؟ (الحدیث)

علامہ ابن جریر و امام ابن مردویہ قدس سرہما نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں اور میری امت ایک بلند ٹیلہ پر تمام مخلوق کا نظارہ کریں گے۔ اس وقت ہر آدمی کی یہی خواہش ہوگی کہ (کاش) وہ ہم میں سے ہوتا۔ ہر ایک نبی علیہ السلام کو ان کی قوم نے جھٹلایا مگر ان کی تبلیغ رسالت کی ہم ہی گواہی دیں گے۔

(نیز) علامہ ابن جریر و امام ابن مردویہ قدس سرہما نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جب تمام لوگ اکٹھے ہوں گے تو میں اور میری

امت ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔

پھر اللہ جل مجدہ مجھے سبز حلہ پہنائے گا۔ پھر مجھے (سجدہ کی) اجازت ہوگی، تو میں مشیت الٰہی کے مطابق کہوں گا جو بھی کہوں گا اور یہی مقام محمود ہے۔

حضرت امام بخاری و امام مسلم قدس اللہ تعالیٰ سرہما نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

حَوْضِیْ اَبْعَدُ مِنْ اَیْلَةَ عَدْنٍ اِنِّیْ لَاَذُوْدُ عَنْهُ الرِّجَالَ کَمَا یَذُوْدُ الرَّجُلُ الْاِ بِلَ الْغَرِیْبَةَ عَنْ حَوْ ضِهٖ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ تَعْرِفُنَا، قَا لَ نَعَمْ تَرِدُوْنَ عَلَیَّ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ، لَکُمْ سِیْمَا لَیْسَتْ لِاَحَدٍ غَیْرِ کُمْ (ص ۳۲۳)

میرا حوض ایلہ عدن سے بھی زیادہ لمبا ہے میں اس سے (غیر متعلق) لوگوں کو اس طرح بھگاؤں گا، جیسے کوئی آدمی اپنے حوض سے پرائے اونٹوں کو بھگاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ تو کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں (کیسے نہ پہچانوں گا جب کہ) تم وضو کے نشانات سے روشن و تاباں اعضاء لے کر میرے پاس آؤ گے۔ یہ نشانی صرف تمہاری ہی ہے۔ تمہارے سوا اور کسی میں نہیں ہے۔

حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام بزار قدس سرہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت میں پہلا آدمی ہوں گا جسے سجدہ کی اجازت ملے گی، اور میں ہی پہلا ہوں گا جو سجدہ سے سر اٹھاؤں گا۔ پھر میں اپنی امت کو اپنے سامنے دیکھوں گا۔ میں اپنی امت کو تمام امم کے درمیان دائیں بائیں (آگے پیچھے) ہر طرف سے پہچان لوں گا۔

ایک اور صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں سے آپ ﷺ تک تو کئی امتیں ہو گزری ہیں ان سب میں سے آپ ﷺ اپنی امت کیسے پہچانیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ امت وضو کے آثار سے پنج کلیان ہوگی۔ اور یہ نشانی ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں ہے۔ اور میں اس سے بھی پہچان لوں گا کہ اس امت کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ اور اس سے بھی کہ اس امت کے افراد کی اولاد ان کے سامنے (فرحاں و شاداں) دوڑ رہی ہوگی۔

مردوں کو زندوں کا ثواب پہنچتا ہے

☆ امام طبرانی قدس سرہ نے ''اوسط'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اُمَّتِیْ اُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَ هَا بِذُنُوْبِهَا وَ تَخْرُجُ مِنْ قُبُوْرِهَا لَا ذُنُوْبَ عَلَيْهَا تَمُحَصُ عَنْهَا بِاسْتِغْفَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَهَا (ص ۳۲۳)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت مغفور ہے یہ اپنی قبروں میں تو گناہ گار داخل ہو گی مگر جب اپنی قبروں سے باہر آئے گی تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس لیے کہ ان کے لیے ایمان داروں کا دعائے مغفرت کرتے رہنے سے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں''۔

حضرت الامام الائمہ محمد رضی اللہ عنہ حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی کا حساب نہ ہوگا کہ اس کی بخشش کر دی جائے گی۔حتی کہ مسلمان اپنے اچھے عمل کی جزا اپنی قبر میں بھی دیکھ لے گا۔

قبر میں مواخذہ کی وجہ

حکیم ترمذی قدس سرہ نے فرمایا: قبر میں مومن کا حساب اس لیے لیا جاتا ہے تا کہ کل قیامت میں اس پر آسانی رہے۔یہی وجہ ہے کہ قبر میں اسے گناہوں سے صاف کر دیا جاتا ہے۔کہ جب یہ قبر سے باہر آئے تو اس کا بدلہ ہو چکا ہو۔

امام طبرانی قدس سرہ نے ''اوسط'' میں اور حاکم قدس نے اسی کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت کو عذاب دینے کا فیصلہ ان کو دنیا میں ہی دیا جا چکا ہے۔

امام ابو یعلی قدس سرہ اور امام طبرانی قدس سرہ نے ''اوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امت بخشی ہوئی ہے۔ان پر کسی قسم کا عذاب نہیں، انہیں صرف وہی عذاب ہے جو انہوں نے اپنی جانوں کو دے دیا۔

امام ابو یعلی اور امام طبرانی قدس سرہما نے ایک صحابی ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' سے روایت کیا کہ اس صحابی ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' نے فرمایا: حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: اس امت کی سزا بذریعہ تلوار ہے۔(یعنی جہاد کے لیے شمشیر زنی کی تکالیف میں پڑنا بھی ایک طرح کی سزا و آزمائش ہی ہے)۔

امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی قدس سرہ نے ''بعث'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ امت بخشی ہوئی ہے کہ ان کی سزا ان کے سامنے ہی ہو گی۔ وہ اس طرح کہ قیامت کے دن ایک ایک مشرک، ایک ایک مسلمان کے حوالے کرنے کے بعد اس

سے کہا جائیگا یہ دوزخ کی سزا کے بدلہ میں تیرا فدیہ ہے۔

''الترغیب'' میں (حافظ ابونعیم) اصبہانی قدس سرہ نے حضرت الامام لیث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ امام لیث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عیسٰی علیہ السلام بن مریم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کا امت کا میزان سب سے بھاری ہے۔ اس لیے کہ ان کی زبانوں پر ایک ایسا کلمہ جاری ہے جس کی وجہ سے ان کا میزان پہلی امم سے زیادہ ثقیل ہے اور وہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' ہے۔

امام ابن ابی حاتم قدس سرہ نے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ ترجمہ۔ اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش کی تفسیر میں اسی حدیث کو حضرت الامام عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عکرمہ حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی اور یہ کہ اس امت کے اتفاقیہ گناہ بخش دیے گئے ہیں اور یہ کہ بہ نسبت دوسری امتوں کے سب سے پہلے زمین سے باہر یہی امت آئے گی۔ جیسا کہ اس بارے میں اس سے پہلے احادیث شریفہ گزر بھی چکی ہیں۔

حساب آخرت میں امت مسلمہ کی خصوصیت

شیخ الاسلام امام عزالدین قدس سرہ نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے ستر ہزار امت بلا حساب جنت میں جائے گی۔ جبکہ یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے لیے بھی ثابت نہیں ہے۔ (جیسا کہ) حضرت امام بخاری و امام مسلم قدس سرہما نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دن حضور سرور ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا: مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئی ہیں۔ کسی نبی کیساتھ تو صرف ایک آدمی تھا، اور کوئی اس حال میں تھا کہ اس کے ہمراہ دو آدمی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نبی بالکل تنہا تھے۔ اور ایک نبی کے ہمراہ ایک جماعت کی تعداد تھی۔ پھر میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی تو میں نے خیال کیا کہ یہ میری امت ہوگی۔ مگر مجھے بتایا گیا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ ازاں بعد مجھے کہا گیا کہ آپ ملاحظہ تو فرمائیں۔ تو میں نے کیا دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت ہے جو سارے کناروں پر چھائی ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: آپ ﷺ ذرا گردو پیش پر نگاہ تو فرمائیں۔ پھر میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی۔ اس کے بعد مجھ سے کہا گیا یہی آپ ﷺ کی امت ہے۔ اور ان کے ہمراہ ستر ہزار وہ ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔

حضرت امام ترمذی قدس سرہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ

میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پروردگار جل مجدہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت کے ستر ہزار افراد بلا حساب و بلا پرسش جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور ہر ہر ہزار کے ہمراہ ستر ستر ہزار ہونگے۔ علاوہ ازیں میرے پروردگار عز اسمہٗ کے تین لپ میں جتنے بھی سما جائیں گے۔

امام ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ امام طبرانی قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''بعث'' میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے پروردگار جل اسمہٗ نے مجھ سے میری امت کے ستر ہزار افراد کا بلا حساب جنت میں داخل فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر میں نے اپنے پروردگار سے اس سے بھی زیادہ تعداد کی گزارش کی تو اللہ جل مجدہ نے ہر ہر ہزار کے ہمراہ ستر ستر ہزار مزید داخل فرمانے کا بھی مجھ سے وعدہ فرما لیا۔ میں نے پھر گزارش کی: پروردگار! کیا میری امت اتنی تعداد میں ہو جائے گی؟ تو اللہ جل شانہ نے فرمایا: میں آپ کے لیے بزریعہ اعراب یہ تعداد مکمل کر دوں گا۔

انبیاء کی رسالت کی گواہ یہی امت ہے

شیخ الاسلام امام عزیز الدین قدس سرہ نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ نے آپ ﷺ کی امت کو منصف حکمرانوں کے قائم مقام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت تمام رسل کرام علیہم السلام کی تبلیغ رسالت پر گواہی دے گی۔ یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے لیے بھی ثابت نہیں ہے جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (بقرہ:143)

''اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ''۔

حضرت امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی قدست اسرارہم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلا کر پوچھا جائے گا: کیا آپ نے تبلیغ کی تھی؟ تو آپ عرض کریں گے: ہاں، کیوں نہیں! پھر حضرت نوح علیہ السلام کی امت کو بلا کر پوچھا جائے گا: کیا تمہیں نوح علیہ السلام کی تبلیغ آئی تھی؟ تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس نہ ہی تو کوئی مبلغ آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا پہنچا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا: بتائیے

آپ کی تبلیغ پر کون گواہ ہے؟ آپ عرض کریں گے: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے اور اسی جانب اللہ جل مجدہ نے اشارہ فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

''اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل''۔

اس آیت میں ''وسط'' کا معنی ''عدل'' ہے۔

پھر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: چنانچہ تمہیں شہادت دینے کے لیے بلاوا آئے گا، اور تم تبلیغ رسالت کی گواہی دو گے، اور میں تم پر گواہ رہوں گا۔ حضرت امام الائمہ رضی اللہ عنہ اور امام نسائی و امام بیہقی قدس سرہما نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کسی نبی کے ساتھ تو ایک آدمی ہوگا اور کسی کے ساتھ صرف دو یا اس سے کچھ زیادہ ہوں گے پھر ان سے پوچھا جائے گا: کیا تمہیں تبلیغ پہنچی ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر ان کی امت کو بلا کو پوچھا جائے گا: کیا تم تک تبلیغ آئی ہے؟ وہ کہہ دے گی: نہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام سے پوچھا جائے گا: تمہاری تبلیغ پر کون گواہ ہے؟ سب نبی کہیں گے: حضرت محمد ﷺ کی امت گواہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی امت بلائی جائے گی اور یہ گواہی دے گی کہ ان سب انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ کر دی ہے۔ پھر اس امت سے پوچھا جائے گا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے تبلیغ کر دی تھی تو اس امت والے کہیں گے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ جو کتاب لے کر آئے تھے اس نے ہمیں بتایا کہ ان انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ فرما دی ہے اور ہم نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ چنانچہ اس امت سے کہا جائے گا: تم نے سچ کہا ہے۔

اسی لیے اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ:143)

''اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ''۔

''اوسط'' میں امام طبرانی قدس سرہ نے امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت پر جہنم کی گرمی بس اتنی ہوگی جتنی کہ حمام کی ہوتی ہے''۔

واجبات ومحرمات وغیرہ میں خصوصیات

اب ان خصائص کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا اس سے پہلے ذکر نہیں ہوا۔ اور جو آپ ﷺ کی امت کے علاوہ صرف آپ ﷺ ہی کے ساتھ مختص ہیں۔ اور وہ خصائص، واجبات ومحرمات، مباحات وکرامات پر مشتمل ہیں۔ خصائص کی اس قسم کو فقہائے کرام کی ایک جماعت نے الگ بیان کیا ہے۔ جبکہ ہمارے شافعی حضرت اپنی فقہ کی کتابوں میں یہ قسم باب النکاح میں ذکر کرتے ہیں مگر اس قسم سے متعلق بہت سی باتیں پورے طور ذکر نہیں کرتے اور میں یہاں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قسم ایسے کامل طور پر بیان کروں گا کہ کوئی بات تشنہ تکمیل نہ رہے گی۔

تمہیں یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ میں اس بارے میں ہر وہ بات ذکر کردوں گا جس کے متعلق کسی بھی اہل علم نے اتنا کہہ دیا ہو کہ یہ امر حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس پر ہمارے اصحاب کا مذہب ہو یا نہ ہو، اور اس کے صحت وعدم صحت کا لحاظ رکھا گیا ہو یا نہ۔ اس لیے کہ مکمل تحقیق کے متلاشی لوگوں کی عادت یہی ہوا کرتی ہے۔ کوتاہ ہمت جہلاء" جو اس قسم کی بات دیکھ کر فوراً انکار پر کمر بستہ ہو جایا کرتے ہیں" درخور اعتناء نہیں ہیں۔

خصائص کی وہ قسم جو واجبات سے متعلق ہے

واجبات کے ساتھ سرور عالم ﷺ کے اختصاص کی حکمت ووجہ بلندی درجات اور زیادتی قرب ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں اللہ جل مجدہ کا ارشاد مروی ہے:

لَنْ يَتَقَرَّبَ اِلَيَّ الْمُتَقَرِّبُوْنَ بِمِثْلِ اِذَا اَدَّوْا مَا اِفْتَرَضْتُ عَلَيْهِمْ (ص ۳۲۵)

میرا قرب حاصل کرنے والے لوگ کسی چیز کے ادا کرنے سے اس قدر میرا تقرب حاصل نہیں کر سکتے جس قدر کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث شریف میں یوں آیا ہے، فرض کا ثواب ستر مستحباب کے ثواب کے مساوی ہے۔

وہ عبادات جو آپ ﷺ پر واجب تھیں

☆ نماز تہجد کا واجب ہونا۔

☆ فجر کی سنتوں کا واجب ہونا۔

☆ نماز وتر کا واجب ہونا۔

☆ نماز چاشت کا واجب ہونا۔

☆ مسواک کا واجب ہونا۔

☆ قربانی کا واجب ہونا۔

یہ سب عبادات سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ (بنی اسرائیل:79)

''اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے''۔

حضرت ابوامامہ سے امام طبرانی قدس سرہٗ نے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت ابوامامہ نے فرمایا: نماز تہجد نبی اکرم ﷺ کے لیے تو زائد عبادت تھی اور تمہارے لیے یہ سنت ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر تو فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت ہیں:

☆ وتر

☆ مسواک

☆ نماز تہجد

حضرت امام الائمہ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''سنن'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل (یعنی سنت) ہیں۔

☆ قربانی کرنا

☆ وتر پڑھنا

☆ اور چاشت کی دو رکعت

امام دار قطنی اور حاکم قدس سرہما نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے زائد علی الفرض (یعنی سنت) ہیں۔

☆ قربانی کرنا

☆ وتر پڑھنا

☆ فجر کی دو رکعت

حضرت امام الائمہ احمد اور امام بزار قدس سرہٗ نے ایک دوسرے طریقہ سے حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے،

☆ فجر کی دو رکعت اور

☆ وتر

پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم تمہارے لیے (وجوبا) نہیں ہے۔

حضرت امام الائمہ احمد اور امام عبد بن حمید قدس سرۂ نے اپنی (مُسند) میں حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

☆ چاشت کی دو رکعت پڑھنے کا مجھے حکم ملا ہوا ہے جبکہ تمہیں ان کا حکم نہیں ہے۔

☆ اور مجھے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تم پر یہ فرض نہیں ہے۔

اور حضرت امام الائمہ احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

☆ قربانی مجھ پر فرض کی گئی ہے اور تم پر فرض نہیں ہے۔

امام الائمہ احمد اور امام طبرانی قدس سرہٗ رحمہم اللہ علیہ نے تیسرے طریقہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت ہیں:

☆ وتر

☆ فجر کی دو رکعت

☆ چاشت کی دو رکعت

امام ابو داؤد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم، امام بیہقی قدست اسرارہم نے اپنی ''سنن'' میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل فرشتگان سے روایت کیا کہ (اولاً) حضور سید عالم ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرنا فرض تھا۔ چاہے آپ ﷺ وضو سے ہوں یا نہ ہوں۔ مگر جب یہ التزام آپ ﷺ پر شاق گذرنے لگا تو پھر آپ ﷺ سے حدث کے سوا ہر نماز کے وقت کی فرضیت ساقط کر دی گئی۔ اور اس عوض ہر نماز کے وقت صرف مسواک ہی کر لینے کا حکم دیا گیا۔

فائدہ

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ وتر سواری پر بھی ادا فرمائے ہیں۔ اسی سے بعض ائمہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وتر کی نماز اگر آپ ﷺ پر واجب ہوتی تو پھر سواری پر ان کا ادا کرنا آپ ﷺ کے لیے جائز نہ ہوتا۔ (مگر ان کے اس خدشہ کا جواب دیتے ہوئے) امام نووی قدس سرۂ نے ''شرح مہذب'' میں فرمایا۔ یہی تو حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے کہ بحالت سواری اس مخصوص فعل واجب کی ادائیگی بھی آپ ﷺ کے لیے جائز تھی۔

فائدہ

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت سعید نے فرمایا:

☆ سید عالم ﷺ نے تو وتر پڑھے ہیں یہ تجھ پر فرض نہیں ہیں۔
☆ سید عالم ﷺ نے قربانی فرمائی جبکہ یہ تجھ پر فرض نہیں ہے۔
☆ سید عالم ﷺ نے چاشت کی نماز ادا فرمائی ہے اور یہ تجھ پر فرض نہیں ہے۔
☆ سید عالم ﷺ نے ظہر سے قبل نماز ادا فرمائی ہے مگر یہ تجھ پر فرض نہیں ہے۔

اسی سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کا زوال کے وقت نماز ادا فرمانا بھی انہی کے خصائص سے تھا جو آپ ﷺ پر واجب تھے۔ امام دیلمی قدس سرہٗ نے ''مُسند الفردوس '' اس سند سے کہ جس میں ''نوح ابن ابی مریم'' بھی ہیں جو حدیثیں اپنے پاس سے گھڑ لیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

☆ وتر مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل (واجب) ہیں۔
☆ قربانی کرنا مجھ پر فرض ہے اور تمہارے لیے نفل (واجب وسنت) ہے۔
☆ جمعہ کے دن میرے لیے غسل کرنا فرض ہے اور تمہارے لیے نفل (سنت) ہے۔

وجوب مشورہ

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ (دینی و دنیوی امور میں) آپ ﷺ کے لیے مشورہ لینا واجب تھا۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ (آل عمران:159)

''اور کاموں میں مشورہ لو''۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''شعب'' میں اور امام ابن عدی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا۔ جب یہ آیت کریمہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ'' اور کاموں ان سے مشورہ لو۔ نازل ہوئی تو:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَغَنِيَّانِ عَنْهَا وَلٰكِنْ جَعَلَهَا اللّٰهُ رَحْمَةً لِّاُمَّتِيْ (ص۳۲۶)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سنتے ہو! مشورہ لینے سے اللہ جل مجدہٗ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے نیاز ہیں، مگر اسے اللہ جل مجدہٗ نے میری امت کے لیے (ذریعہ) رحمت بنایا ہے"۔

حضرت عارف باللہ حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے راوی کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے مشورہ لینے کا اللہ جل مجدہٗ نے اسی طرح حکم دیا ہوا ہے جیسے فرائض قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر اپنے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے دوستوں سے اس قدر مشورہ لیتا ہو۔

حضرت حاکم قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُسْتَخْلِفًا اَحَدًا عَنْ غَيْرِ مَشُوْرَةٍ لَاَسْتَخْلَفْتُ اِبْنَ اُمِّ عَبْدٍ (ص ۳۲۶)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بلا مشورہ اگر کسی کو اپنا نائب بناتا تو ام عبد کے بیٹے (یعنی عبد اللہ بن مسعود) کو اپنا نائب بناتا"۔

حضرت امام الائمہ احمد، حضرت عبد الرحمٰن بن غنم سے روایت کرتے ہیں کہ:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ لَوْ اِجْتَمَعْتُمَا فِيْ مَشُوْرَةٍ مَاخَالَفْتُكُمَا (ص۳۲۶)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق سے فرمایا: جب تم دونوں کسی مشورہ میں اتفاق کر لو گے تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا"۔

حضرت حاکم قدس سرہٗ حضرت سیدنا حباب ابن المنذر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو باتوں میں مشورہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں میرے مشورے کو شرف پذیرائی بخشا:

☆ ایک تو یہ کہ میں جنگ بدر میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو ایک پانی کے پیچھے پوزیشن سنبھالنے کا حکم صادر فرمایا۔ مگر میں نے اس وقت عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ بحکم وحی صادر فرمایا ہے یا اپنی رائے مبارک سے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حباب! (رضی اللہ عنہ) یہ فیصلہ میں نے اپنی رائے سے کیا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا: رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ پانی سے آگے رہیں اور پانی کو اپنے پیچھے رکھیں تا کہ اگر کسی وقت پناہ لینے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ پانی پناہ گاہ ثابت ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے میری اس رائے کو قبول فرمالیا۔

☆ اور دوسرا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل امین نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! دو باتوں میں ایک پسند فرمالیں، یا تو دنیا میں اپنے اصحاب میں ہی رہیں اور یا جنت کی ان نعمتوں میں تشریف لے چلیں جن کا آپ ﷺ کے پروردگار نے وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا تو سب بولے: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں تو یہی پسند ہے کہ آپ ﷺ ہم میں ہی تشریف فرما رہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی ہمیں ہمارے دشمنوں کے پوشیدہ عزائم سے باخبر رکھتے ہیں۔ اور دشمنوں پر ہماری فتح مندی کے لیے اللہ جل مجدہ سے دعا فرماتے رہتے ہیں۔ اور ہمیں آسمانی خبروں سے آگاہ رکھتے ہیں۔

پھر سید عالم ﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: حباب! تمہیں کیا ہوا؟ بولتے نہیں! میں نے گزارش کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وہی پسند فرمائیں جسے اللہ جل مجدہ نے آپ ﷺ کے لیے پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ سید عالم ﷺ نے میرا یہ مشورہ قبول فرمالیا۔

☆ امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے جنگ بدر کے دن لوگوں سے مشورہ پوچھا تو حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: ہم جنگ آزما لوگ ہیں اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک پانی کے علاوہ یہاں جتنے بھی بقایا پانی ہیں سب عبور فرمالیں اور وہاں ہی دشمن سے جنگ ہونی چاہیے۔ حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، (اسی طرح) غزوہ ''بنی قریظہ'' و ''بنی نضیر'' کے دن سید عالم ﷺ نے لوگوں سے مشورہ پوچھا تو حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر گزارش کرنے لگے: میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کے قلعوں کے درمیان پڑاؤ ڈالیں۔ اس طرح سے ہر دو قبیلوں کا باہم رابطہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ سید عالم ﷺ نے حضرت حباب کے مشورہ کو قبولیت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت حاکم قدس سرہ نے امام عبدالحمید بن ابی عبس بن محمد بن ابی عبس قدست اسرارہم سے انہوں نے اپنے والد گرامی جد محترم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (ایک دن) سید عالم ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو (کعب) ابن اشرف کو ٹھکانے لگائے، کیونکہ اس نے اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائی ہے۔ اس پر حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ

ﷺ یہ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ اوّلاً تو آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا اور پھر فرمایا: حضرت سعد بن معاذ کہاں ہیں؟ چنانچہ (حضرت سعد بن معاذ آئے اور) ان سے مشورہ لیا۔ میں پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی سرگزشت کے متعلق پھر عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ جل مجدہ کی برکت سے چلے جاؤ۔ (چنانچہ محمد بن مسلمہ گئے اور ابن اشرف کے شر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے واپس آئے)

امام ماوردی قدس سرہ نے فرمایا: اس میں اختلاف ہے کہ سید عالم ﷺ کس چیز میں مشورہ لیا کرتے تھے:

☆ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ آپ ﷺ صرف جنگی معاملات اور دشمن کی خفیہ تدابیر کے بارے میں ہی مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

☆ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ دینی و دنیوی امور سب میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

☆ اور تیسری جماعت نے کہا ہے کہ وجوہ احکام اور طرق اجتہاد پر امت آگاہی کے لیے صرف دینی امور میں ہی مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

دشمن کے مقابل ثابت قدم رہنا

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ دشمن کی کثرت تعداد کے باوجود ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا آپ ﷺ پر واجب تھا۔

☆ اور انہی خصائص سے یہ بھی ہے برائی کا مٹا دینا آپ ﷺ پر واجب تھا۔

اور ان دو باتوں کے التزام میں آپ ﷺ کسی خطرہ کے پیش نظر سبکدوش نہ تھے۔ دونوں باتوں کے عدم سقوط کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ نے آپ ﷺ کی حفاظت و نگہبانی کا وعدہ خود اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (مائدہ:67)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

یعنی اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وہ کم تعداد میں ہوں یا زیادہ میں۔ وہ بدارادہ سے آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں جبکہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کے علاوہ امت میں سے کسی کے لیے بھی ثابت نہیں ہے۔

☆حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جو تنگدست مسلمان فوت ہو جائے تو اس کا قرض اتارنا آپ ﷺ پر واجب تھا۔ (جیسا کہ) امام ابن ماجہ قدس سرہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جس نے کوئی قرض چھوڑا یا صغیر السن اولاد چھوڑی تو اس کی ادائیگی و کفالت میرے سپرد ہے۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت ابو ہریرہ سے راوی کہ (جب) حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں کوئی مقروض فوت شدہ شخص لایا جاتا تو آپ ﷺ استفسار فرماتے کہ کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ چھوڑا بھی ہے؟ اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ ہاں اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے تو پھر آپ ﷺ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ورنہ مسلمانوں سے فرمادیتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ تمہی پڑھ لو۔ پھر جب اللہ جل مجدہ نے آپ ﷺ کو فتوحات کثیر عطا فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں مسلمانوں کے اس کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا اب جو بھی تنگدست قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس کا قرض اتارنا میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔

ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا وجوب

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اپنی ازواج مطہرات سلام اللہ علیہن کو اختیار دینا واجب تھا۔ اور اسی طرح یہ بھی آپ ﷺ کے خصائص سے تھا کہ آپ ﷺ کی جس بھی زوجہ طاہرہ نے آپ ﷺ کو اپنا لیا تو پھر اسے پاس رکھنا واجب اور اسے طلاق دینا حرام تھا۔

(جیسا کہ) حضرت امام الائمہ احمد اور امام مسلم و امام نسائی قدس سرہما حضرت جابر سے راوی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایک مرتبہ) حضرت امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن آپ ﷺ کے گرداگرد بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ درمیان میں خاموشی سے تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضرت امیر المؤمنین عمر نے خیال فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ سے ضرور بات چھیڑتا ہوں تاکہ آپ ﷺ مسکراہٹ فرمائیں۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین عمر بولے: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے زید کی بیٹی اور عمر کی بیوی کا حال ملاحظہ فرمایا، وہ ابھی ابھی مجھ سے خرچ کا مطالبہ کر رہی تھی تو میں نے اس کی گردن مروڑ کر آرہا ہوں اس پر نبی کریم ﷺ مسکرا دیے اور پھر فرمایا: (تم دیکھتے نہیں) یہ جو میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں

یہ بھی مجھ سے خرچ کا ہی مطالبہ کر رہی ہیں۔

اس کے بعد امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ام المومنین عائشہ کی تادیب کے لیے بڑھے۔ اور حضرت امیر المومنین عمر حضرت ام المومنین حفصہ کی سرزنش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دُونوں صاحبان فرماتے جاتے تھے: تم سید عالم ﷺ سے اس شے کا مطالبہ کر رہی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔

پھر جب اللہ جل مجدہ نے آیت تخییر نازل فرمائی تو سید عالم ﷺ نے اس کے بتانے کی ابتداء حضرت ام المومنین عائشہ سے فرماتے ہوئے فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتانے والا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں جلد بازی سے کام مت لو، بلکہ اپنے والدین سے بھی مشورہ لے لو۔

تو حضرت ام المومنین نے گزارش کی: وہ بات کیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا (احزاب)

"اے غیب بتانے والے (نبی) بیبیوں سے فرمادو اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی آرائش چاہتی ہو"۔

توام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ لوں؟ "نہیں، نہیں" میں تو اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو اختیار کرتی ہوں۔ امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت ابوجعفر سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے گلہ کیا کہ حضور ﷺ کی ازواج سے کم مہر والی عورت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ جل مجدہ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے غیرت کھائی اور حکم دے دیا کہ آپ ﷺ ان سے علیحدگی فرمالیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ان سب سے انتیس دن علیحدہ رہے۔ پھر اللہ جل مجدہ نے حکم فرمایا کہ اب آپ ﷺ انہیں اختیار دے دیں پھر آپ ﷺ نے سبھی کو اختیار عطا فرما دیا۔

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت عمرو بن شعیب قدس سرہما سے انہوں نے اپنے والد محترم قدس سرہٗ سے اور انہوں نے اپنے جدّ امجد (حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کیا کہ جب سید عالم ﷺ نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو اختیار عطا فرمایا تو آپ ﷺ نے اس کی ابتداء حضرت عائشہ سے فرمائی، تو قبیلہ بنو عامر کی ایک خاتون کے علاوہ سبھی نے آپ ﷺ کو اختیار فرمایا۔ جبکہ عامر یہ نے اپنی قوم کو اختیار کیا۔ مفارقت کے بعد وہ کہا کرتی تھی میں تو بد بخت ہوں اور اس کے

بعد اس حال کہ پہنچ گئی تھی کہ مینگنیاں چن چن کر انہیں فروخت کیا کرتی تھی۔ اور گاہے گاہے ازواج النبی ﷺ کے ہاں جا کر مانگا بھی کرتی تھی اور ساتھ ہی کہا کرتی تھی کہ میں تو بدنصیب ہوں۔

امام ابن سعد قدس سرہ حضرت ابن مناخ قدس سرہ سے راوی، کہ انہوں نے فرمایا: "عامریہ" کے سوا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن نے نبی کریم ﷺ کو ہی اختیار کیا اور اس نے اپنے قبیلہ کہ اختیار کیا۔ اس کے بعد وہ پاگل ہو کر فوت ہو گئی۔

عنداللہ ازواج مطہرات کا مرتبہ

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے جب ازواج مطہرات کو اختیار دیا اور انہوں نے اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ہی اختیار فرمایا تو (ان کے اعزاز میں) اللہ جل مجدہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ (احزاب:52)

"اس کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں"۔

حضرت عکرمہ نے فرمایا: (یعنی) ان نو ازواج رضی اللہ عنھن کے بعد کہ جنھوں نے آپ ﷺ کو اختیار کیا تو اللہ جل مجدہ نے آپ ﷺ پر ان کے علاوہ دوسری کسی خاتون سے نکاح حرام فرما دیا۔

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت امام ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام قدست اسرارہم اور حضرت امام حسن (بصری) اور حضرت امام مجاہد اور حضرت سیدنا ابوامامۃ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ ان سب حضرات نے اس آیت کریمہ: لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ ترجمہ۔ ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ازاں بعد کسی اور عورت سے عقد نہیں فرمایا اور انہی پر اکتفا فرمایا۔

امام ابن قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیھا نے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: سید عالم کے وصال سے پہلے ہی اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کی محارم کے علاوہ آپ ﷺ پر یہ حلال فرما دیا تھا کہ جس بھی عورت سے چاہیں عقد فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ (احزاب:51) ترجمہ۔ پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو۔ (نیز) اسی حدیث کی مانند امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت ابن عباس اور امام عطا ابن یسار اور امام محمد بن عمر ابن علی بن ابی طالب سے بھی روایت کی ہے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین نے

فرمایا: جب یہ آیت مبارکہ: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ترجمہ۔ پیچھے ہٹاؤان میں سے جسے چاہو۔ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ کی مراد جلد ہی پورا فرما دیتا ہے۔

نکتہ

سید عالم ﷺ کا اپنی ازواج کو اختیار دینے میں نکتہ کیا ہے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ کہ غیرت انسانی، سینہ میں ہیجان، دل میں نفرت اور اعتقاد میں اضمحلال پیدا کرتی ہے۔

امام رافعی قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ کہ جب اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو فقر و غناء میں سے ایک کے اپنانے کا اختیار دیا تو آپ ﷺ نے غناء پر فقر کو اختیار فرمایا، اور اپنے لیے فقر کی مشقتوں پر صبر آزمار ہنا پسند فرمایا۔ مگر آپ ﷺ کو اپنی ازواج کے بارے میں انہیں اختیار دینے کا حکم فرمایا تاکہ انہیں فقر و فاقہ پر مجبوری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اور بعض ائمہ کرام نے فرمایا: اس اختیار سے اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کی ازواج کا امتحان لیا ہے تاکہ اللہ جل مجدہٗ کے رسول مکرم ﷺ کی بیویاں بھی بہترین خواتین میں سے ہوں۔

امام نووی قدس سرہٗ نے ''روضہ'' وغیرہ میں فرمایا کہ جب سید عالم ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو اختیار دیا اور سبھی نے آپ ﷺ کو اپنایا تو اللہ جل مجدہٗ نے ان کے اس عمدہ اقدام کے صلہ میں جنت عطا فرمائی۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (احزاب)

''تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے''۔

اور ازواج مطہرات کے عمدہ عمل پر انہیں دوسرا انعام یہ عطا فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ پر ان کے علاوہ کسی اور خاتون سے ایک تو نکاح کرنا حرام فرما دیا اور دوسرا ان میں سے کسی کو طلاق دینا بھی حرام کر دیا۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ (احزاب:52)

''ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو''۔

مگر پھر اللہ جل مجدہٗ نے یہ حکم بدیں وجہ منسوخ فرما دیا تاکہ سید عالم ﷺ کا ان کے علاوہ کسی اور عورت سے عقد نہ فرمانے سے ازواج مطہرات پر بھی احسان رہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ (احزاب:50) ترجمہ۔ اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے

لیے حلال فرمائیں۔

حضرت امام الائمہ احمد، امام ترمذی، امام حاکم، امام ابن حبان قدست اسرارہم حضرت ام المومنین عائشہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم کی زندگی ہی میں آپ ﷺ پر جس بھی عورت سے چاہیں عقد کرنا حلال فرما دیا تھا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا علی الاطلاق سب عورتیں آپ ﷺ کے حلال ہوئی تھیں، یا صرف وہ خواتین جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

امام ماوردی قدس سرہٗ نے آیت کے ظاہر مفہوم سے دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔

وجہ ثانی پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی حضور سید عالم ﷺ کی خصوصیت ہی ہے کہ جن خواتین نے ہجرت نہیں کی ان سے عقد کرنا بعد از نسخ بھی بدستور حرام ہی تھا۔ اور اس وجہ کی موید وہ حدیث شریف ہے جسے امام ترمذی قدس سرہٗ نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میں نے چونکہ ہجرت نہیں کی اس لیے میں آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں ہوں۔

پہلی وجہ کو دو وجہ سے ترجیح دی گئی ہے:

☆ ایک تو یہ کہ بہ نسبت امت کے آپ ﷺ کے لیے علی الاطلاق نکاح میں وسعت ہے جبکہ تخصیص میں امت سے ایک نوع کی تنقیص پائی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

☆ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے اس کے بعد ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا ہے حالانکہ آپ ان خواتین میں سے نہیں ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

☆ پہلی وجہ کا جواب دیا گیا ہے کہ تخصیص آپ ﷺ کی برتری منصب شریف کی وسعت کے منافی نہیں ہے۔

☆ اس لیے کہ آپ ﷺ کتابیہ سے نکاح نہیں فرماتے تھے جبکہ کتابیہ سے نکاح امت کیلئے مباح ہے۔

☆ اور دوسری وجہ کا جواب یہ دیا گیا کہ مرجح اس جگہ یہ ہے حضرت صفیہ سے عقد، ناسخ آیت کریمہ کے نزول سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ سید عالم ﷺ نے ان سے عقد 7ھ میں خیبر میں فرمایا تھا۔ اور آیت نسخ 9ھ میں نازل ہوئی تھی۔

☆ ہمارے ائمہ نے کہ سید عالم ﷺ کا ازواج مطہرات میں سے کسی کا تبدیل فرما دینا، تھا تو مباح تھا مگر آپ ﷺ نے یہ طرز عمل اختیار نہیں فرمایا۔

☆ اس میں امام الائمہ ابوحنیفہ کا اختلاف ہے۔ آپ نے فرمایا: طلاق کی تحریم دائمی ہے۔ اور یہ منسوخ

نہیں ہے۔

☆اور ہمارے نزدیک یہ دو وجہوں میں سے ایک ہے اور یہی امام الائمہ شافعی کی اصول میں نص ہے اور یہی امام ماوردی قدس سرہ کے نزدیک قطعی ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جن، جن نے آپ ﷺ کو اپنا لیا تو اب انہیں طلاق دینا بھی اسی طرح حرام تھا۔ جس طرح آپ ﷺ سے اعراض کرنے والی خواتین کو اپنے نکاح میں رکھنا حرام تھا۔

☆وہ خواتین کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی مفارقت کو اختیار کیا، ان کے بارے میں ہمارے ائمہ نے دو وجہیں بیان کی ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایسی خواتین آپ ﷺ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں کیونکہ انہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کو اختیار کیا ہے، لہٰذا وہ آخرت میں آپ ﷺ کی ازواج میں سے نہ ہوں گی۔

اس وجہ پر یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے کیونکہ جب کوئی امتی اپنی بیوی کو اختیار دے دے اور وہ اپنے آپکو اختیار کر لے تو ہم اس کے اس اختیار کو طلاق پر محمول کریں گے، مگر وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہ ہوگی۔

☆امام رافعی قدس سرہ نے بیان فرمایا کہ یہ بھی سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ کسی عمدہ شے کے ملاحظہ فرمانے پر ''لَبَّيْكَ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ'' میں اطاعت و بندگی پر حاضر ہوں، بے شک زندگی تو اخروی زندگی ہے۔ کہنا آپ ﷺ پر واجب ہے۔

☆امام ماوردی قدس سرہ وغیرہ نے بیان فرمایا کہ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ فرض نماز کا ایسے کامل طریقے سے کرنا'' آپ ﷺ پر واجب تھا'' کہ جس میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔

☆جیسا کہ امام ابن القاص قدس سرہ نے ''تلخیص'' میں، اور امام قفال قدس سرہ، اور امام نووی قدس سرہٗ نے'' زوائد الروضہ'' میں حکایۃً'' اور امام ابن سبع قدس سرہ نے جزماً'' ذکر فرمایا کہ یہ بھی سید عالم ﷺ کے وجوبی خصائص میں ہے کہ بحالت وحی آپ ﷺ دنیا سے بے خبر نہ ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بحالت وحی نماز، روزہ اور دیگر احکام بدستور آپ ﷺ پر لاگو رہتے تھے۔

☆امام قدس سرہ نے'' زوائد الروضہ'' اور اس کے متن میں ذکر فرمایا کہ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جس بھی نفلی کام کو شروع کر فرمادیں تو پھر اس کا پورا کرنا واجب تھا

☆انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات گرامی اور گفتگو کے لحاظ سے لوگوں میں رہنے سہنے کے باوجود مشاہدہ حق میں رہنے پر مکلف ہونا بھی واجب تھا۔

☆ نیز جن احکام کے سب لوگ مکلّف تھے۔ آپ ﷺ تنہا ان سب کے مکلّف تھے۔

☆ احسن طریقہ سے جواب دینا بھی آپ ﷺ کے وجوبی خصائص سے ہے۔

☆ انہی خصائص سے یہ ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ کے قلب انور پہ حجاب انوار غالب ہو جاتے تھے اور (پھر اس سے اگلا بلند واعلیٰ مقام ملاحظہ فرمانے کے بعد سابقہ مقام کو منتہیٰ سمجھنے کی وجہ سے) ہر روز ستر مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں استغفار فرمایا کرتے تھے۔ ان (موخر الذکر چاروں) تمام خصائص کو ہمارے آئمہ کرام میں سے امام ابن القاص قدس سرہ نے ''تلخیص'' میں اور امام ''ابن سبع'' قدس سرہ نے بیان فرمایا۔ حضرت امام الائمہ شافعی سے علامہ جرجانی قدس سرہ نے سید عالم ﷺ کی امامت کے بارے میں ایک وجہ بیان کی ہے کہ آپ ﷺ کا امامت فرمانا آپ ﷺ کے اذان دینے سے افضل ہے جبکہ دوسروں میں یہ بات نہیں ہے اس لیے کہ آپ ﷺ سے غلطی کا وقوع غیر متحقق ہے۔ اسی وجہ کی بناء پر مناسب ہے کہ اسی پر یقین کر لیا جائے کہ امامت واذان کے درمیان افضلیت کا محل خلاف آپ ﷺ کے علاوہ دوسروں میں ہے۔

قسم المحرمات

اس قسم کے خصائص کا فائدہ یہ امور ہیں۔

☆ اس لیے کہ آپ ﷺ کی گھٹیا باتوں سے بری ہونے میں عزت افزائی ہے۔

☆ اور اس لیے بھی کہ آپ ﷺ کی جبلت مبارکہ عمدہ اخلاق پر رکھی گئی ہے۔

☆ اور اس لیے بھی کہ حرام کے عدم ارتکاب کا ثواب مکروہ کے ترک سے زیادہ ہے۔

زکوٰۃ وغیرہ کا آپ ﷺ پر حرام ہونا

☆ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ آپ ﷺ پر، اور آپ ﷺ کے غلاموں پر، اور آپ ﷺ کی اولاد کرام، اور آپ ﷺ کی اولاد امجاد کے غلاموں پر حرام ہے۔

امام مسلم قدس سرہ نے حضرت مطلب بن ربیعہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ صدقات لوگوں کی میل ہیں۔ اور محمد ﷺ اور ان کی اولاد کے لیے حلال نہیں ہیں۔

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ، عبداللہ بن بسر سے روایت کیا کہ حضور انور ﷺ ہدیہ تو قبول فرما لیا کرتے مگر صدقہ قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت امیر المومنین حسن سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہ نے مجھ پر اور میری اہل بیت پر صدقہ حرام فرما دیا ہے۔

حضرت امام الائمہ احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا آپ ﷺ کے رشتہ داروں کے علاوہ کوئی پیش کرتا تو آپ ﷺ اس کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔ اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو تناول فرمالیا کرتے تھے اور اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو پھر نہ کھاتے تھے۔

امام طبرانی قدس سرہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حضور دو عالم ﷺ نے زکوۃ کی وصولی کے لیے حضرت ارقم زہری کو حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو انہوں نے (اپنے معاون کے طور) سید عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کو بھی اپنے ہمراہ لینا چاہا مگر حضرت ابو رافع کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ابو رافع! بیشک صدقہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل پر حرام ہے۔ حضرت امام الائمہ احمد اور امام ابوداؤد قدس سرہ نے اس حدیث کو حضرت ابو رافع سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اور ہر قوم کا غلام اسی کا ایک فرد ہوا کرتا ہے۔

امام ابن سعد قدس سرہ اور حضرت حاکم قدس سرہ نے اس حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت امیر المومنین علی سے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا: میں نے حضرت عباس کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے لیے سید عالم ﷺ سے زکوۃ کی وصولی پر حاکم بنائے جانے کی درخواست کریں۔

چنانچہ حضرت عباس نے جب اس بارے میں درخواست پیش کی تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: (چچا جان!) یہ نہیں ہوسکتا کہ میں آپ لوگوں کے ہاتھوں کے دھوون پر حاکم بنادوں۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت عبد الملک بن مغیرہ نے فرمایا، حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: عبد المطلب کی اولاد! یہ صدقہ لوگوں کی میل ہے اسے نہ ہی تو کھاؤ اور نہ ہی اس کی وصولی پر حاکم بنو۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ اور امام ابن سعد قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت مطلب بن ربعیہ بن حارث نے فرمایا: میں اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں تا کہ آپ ﷺ ہمیں صدقات کی وصولی پر عامل متعین فرمادیں۔ ہماری گزارش پر نبی کریم ﷺ نے سکوت فرماتے ہوئے مکان کی چھت کی طرف دیکھنا شروع فرمادیا۔ حتیٰ کہ ہم نے دوبارہ آپ ﷺ سے ہم کلام ہونے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے پس پردہ ہماری طرف اس انداز سے اشارہ فرمایا کہ گویا

موصوفہ ہمیں آپ ﷺ سے اس قسم کی گفتگو کرنے سے منع فرما رہی ہیں پھر حضور ﷺ بھی ہماری طرف توجہ فرما ہوگئے اور فرمایا یہ صدقات لوگوں کی میل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لیے روا نہیں ہیں۔

صدقہ کیوں حرام ہے

آئمہ کرام نے فرمایا، صدقہ جب لوگوں کی میل ہے اسی لیے تو آپ ﷺ کے منصب عالی کو اس سے دور رکھا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ ہی کی وجہ سے یہ بزرگی و کرامت آپ ﷺ کی اولاد میں بھی پائی جاتی ہے۔

☆ نیز اس لیے بھی کہ صدقہ رحم کھا کر دیا جاتا ہے جو لینے والے کی ذلالت و پستی کا مشعر ہے۔ اس لیے سید عالم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کو اس کا نعم البدل غنیمت دی گئی جو نہ صرف لینے والے کی عزت و شرافت پر دلالت کرتی ہے بلکہ جس سے لی گئی ہے اس کی ذلت و پستی پر بھی نشان دہی کرتی ہے۔

تبصرہ

ائمہ متقدمین کا پھر اس میں اختلاف ہے کہ صدقہ نہ لینے کی خصوصیت صرف سید عالم ﷺ ہی میں ہے یا دوسرے انبیا علیہم السلام بھی اس خصوصیت میں مساوی ہیں۔

☆ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ صرف سید عالم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔

☆ اور شیخ الاسلام امام سفیان بن عیینہ قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ اس خصوصیت میں سبھی انبیاء کرام السلام برابر کے شریک ہیں۔ پھر اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ صدقہ نفلی ہو یا (صدقہ فرض) زکوٰۃ ہو آپ ﷺ کے لیے سب برابر ہے۔

☆ اور آپ ﷺ کی آل کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی شے حرام نہیں اور صحیح ترین یہی ہے کہ نفلی صدقہ ان کے لیے حلال ہے

☆ علاوہ ازیں ہمارے نزدیک ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نفلی صدقہ بھی آل پر حرام ہے اور مالکیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆ ایک تیسری وجہ سے یوں بھی کہا گیا ہے کہ آل پر خاص صدقہ تو حرام ہے مگر عام صدقہ حلال ہے جیسے مساجد اور کنووں کے پانی وغیرہ سے فائدہ اٹھانا۔

☆ ابوالفرج سرخسی قدس سرہ کے مسودہ سے امام ابن صلاح قدس سرہ نے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہاشمیوں پر کفارہ اور نذر کے خرچ کرنے میں دو قول ہیں (یعنی جواز کا اور عدم جواز کا)۔

☆ ہاشمیوں کا زکوٰۃ کی وصولی پر حاکم بننے کے جواز میں (بھی) دو قول ہیں۔ ان میں سے صحیح تر یہی ہے کہ ہاشمیوں کا زکوۃ وصولی پر حاکم بننا بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ گزشتہ احادیث اس کی تصریح میں گزر چکی ہیں۔

☆ حضرت امام الائمہ احمد نے حضرت عمران بن حصین الضبی سے روایت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمران کو بتایا کہ ایک قبیلہ کے دو معمر آدمیوں کا ایک لڑکا بھاگ کر نبی کریم ﷺ سے جاملا۔ ان بوڑھوں نے مجھے کہا کہ تم جاؤ اور نبی کریم ﷺ سے اس لڑکے کو لے آؤ۔ اور اگر آپ ﷺ فدیہ لے کر دینا چاہیں تو تم فدیہ بھی ادا کر دینا۔ چنانچہ جب میں نے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ لڑکا طلب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکا یہ ہے اسے اس کے باپ کے پاس لے جاؤ۔ پھر میں نے عرض کیا: یا نبی کریم ﷺ کیا کچھ فدیہ پیش کروں؟ تو میرے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے لیے اور ہماری اولاد کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کی قیمت کھائیں۔ (امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا) یہ حکم صرف اسی حدیث میں پایا جاتا ہے۔ اس پر تنبیہہ کرتے ہوئے میں نے کسی فقیہہ کو نہیں پایا۔

بدبودار چیزوں کا حرام ہونا

☆ دو وجہوں میں سے ایک وجہ پر حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ "بدبودار چیز کا کھانا آپ ﷺ کے لیے حرام ہے"۔ (جیسا کہ) امام الائمہ رضی اللہ عنہ اور حاکم قدس سرہ نے حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا کہ حضرت جابر نے فرمایا: سید عالم ﷺ جن دنوں حضرت ابوایوب کے مہمان تھے۔ اور اس دوران آپ ﷺ جب حضرت ابوایوب کا پیش کردہ کھانا تناول فرماتے تو پس انداز کھانا حضرت ایوب کے ہاں بھجوادیا کرتے تھے۔ جسے حضرت ایوب (برکت حاصل کرنے کی غرض سے) اُن جگہوں کو دیکھا کرتے تھے جہاں جہاں سید عالم ﷺ کے دست انور لگے ہوتے تھے۔ حضرت ابوایوب ایک دن حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آج میں کھانے کے اندر آپ ﷺ کے دست اقدس کے نشان نہیں پاتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ آج (تمہارے) کھانے میں تھوم پڑا ہوا تھا (اس لیے میں نے نہیں کھایا)۔ پھر حضرت ابوایوب نے عرض کیا تو کیا یہ حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حرام تو نہیں، مگر تم میری مثل کب ہو۔ میرے پاس تو فرشتے بھی آتے ہیں (جو اس کی بو پسند نہیں کرتے)۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے روایت کیا کہ حضرت جابر نے فرمایا: سید عالم ﷺ کی خدمت

میں سبزی کی ایک ہانڈی پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی بو سی محسوس فرمانے کے بعد اس کے متعلق استفسار فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اس میں سبزی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے وہ سبزی اپنے ساتھی کو دے دینے کا ارشاد فرمایا مگر انہوں نے بھی وہ سبزی کھانا پسند نہ کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کھا لو، میں نے تو اس لیے نہیں کھائی کہ میں جس سے سرگوشی کر سکتا ہوں، تم اس سے نہیں کر سکتے۔

شاہانہ طریقہ سے کھانے کی حرمت

☆ دو وجہوں میں سے ایک پر، سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے تکیہ لگا کر کھانا حرام ہے۔

امام بخاری قدس سرہ نے حضرت جحیفہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: رہا میں، تو میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔

امام ابن سعد و امام ابو لیلی قدس سرہما نے "بسند حسن" حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ سید عالم نے ان سے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ہمراہ چلیں۔ میرے پاس ایک ایسا فرشتہ آیا جس کی پشت کعبہ معظمہ کے مساوی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) آپ ﷺ کو پردوردگار سلام فرماتا ہے، اور فرماتا ہے آپ ﷺ چاہیں تو نبوت کے ہمراہ بادشاہت رکھیں یا نبوت کے ساتھ عبدیت رکھیں۔ پھر جبریل امین نے مجھے اشارہ کیا کہ آپ ﷺ تواضع اختیار فرمائیں۔ تو میں نے عرض کیا: میں نبوت کے ہمراہ عبدیت رکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت ام المومنین عائشہ نے فرمایا: ازاں بعد سید عالم ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ایسے ہی کھایا کروں گا جیسے ایک عبد کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھا کروں گا جیسے ایک عبد بیٹھتا ہے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ شیخ الاسلام زہری قدس سرہ نے فرمایا: ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ سید عالم ﷺ کے پاس ایک ایسا فرشتہ آیا جو اس سے پہلے نہ آیا تھا اور اس کے ہمراہ جبریل امین تھے۔ جبریل امین خاموش رہے اور اس فرشتہ نے کہا: (یا رسول اللہ ﷺ) اللہ جل مجدہ آپ ﷺ کو اس میں اختیار دیتا ہے کہ آپ ﷺ نبی بادشاہ بن کر رہیں یا نبی عبد بن کر۔ اس وقت آپ ﷺ نے حضرت جبریل امین کی طرف مشورہ لینے کے انداز سے دیکھا تو جبریل امین نے آپ ﷺ کو تواضع اختیار فرمانے کا اشارہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، نہیں، میں تو نبی عبد ہی رہنا چاہتا ہوں۔ رواۃ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ازاں بعد تا وقت رخصت

تکیہ لگا کر کبھی نہیں کھایا۔

امام طبرانی، حافظ ابونعیم، امام بیہقی قدست اسرارہم نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ جل مجدہ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جس کے ہمراہ جبریل امین بھی تھے، اپنے نبی محترم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اور اس نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ)! اللہ جل مجدہ آپ ﷺ کو نبی بادشاہ یا نبی عبد ہونے میں اختیار دیتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مشورہ لینے کے انداز میں جبریل امین کی طرف التفات فرمایا، جبریل امین نے اس شارہ فرمایا کہ آپ ﷺ عبدیت اختیار فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: نہیں نہیں، میں تو نبوت کے ہمراہ عبدیت ہی پسند کرتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ نے تالقاء پروردگار کبھی ٹیک لگا کر نوش نہیں فرمایا۔

امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت کیا کہ ایک دن سید عالم ﷺ مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں تکیہ لگائے ہوئے کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کھانے کی یہ ہیئت کذائی شاہانہ ہے۔ پھر سید عالم ﷺ بیٹھ کر نوش فرمانے لگے۔

امام ابن عدی و امام ابن عسا کر قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کو ایک مرتبہ سید عالم ﷺ تکیہ لگا کر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت جبریل امین آئے اور عرض کیا: تکیہ لگا کر کھانے میں بڑائی ہے تو آپ ﷺ تشریف فرما ہو گئے۔ اس کے بعد سید عالم ﷺ کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اور فرمایا: میں تو ایک بندہ ہوں لہٰذا ایسے ہی کھاؤں پیوں گا جیسے ایک بندہ کھاتا پیتا ہے۔

مذکورہ حدیث پر تبصرہ

☆ حضرت الاسلام علامہ خطابی قدس سرہ نے محققین کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا: کہ اس جگہ تکیہ لگا کر کھانے سے مراد یہ ہے کہ دوران طعام اپنے نیچے کسی بچھونے کا سہارا لیا جائے۔ امام بیہقی، امام ابن وحیہ اور شیخ الاسلام قاضی عیاض قدست اسرارہم نے بھی عالمہ خطابی مقدس سرہٗ کے اسی قول کی تائید کی ہے۔

☆ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکیہ لگا کر کھانے سے مراد یہ ہے کہ اپنے ایک پہلو پر جھک کر کھایا جائے۔

شعر و کتابت کا حرام ہونا

☆ حضور سرور عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ کتابت و شعر کہنا آپ ﷺ کے لیے

حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (اعراف:157)

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی''۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (عنکبوت)

''اور اس اللہ سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے''۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰسین:69)

''اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے''۔

☆ امام ابن ابی حاتم قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت امام مجاہد نے فرمایا: اہل کتاب اپنی کتابوں میں سید عالم ﷺ کی ایک صفت یہ بھی پاتے تھے کہ آپ ﷺ لکھیں پڑھیں گے نہیں۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ آپ ﷺ کی اسی صفت کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ (عنکبوت:48)

''اور اس اللہ سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے''۔

☆ امام رافعی قدس سرہ نے فرمایا: شعر و کتابت کی حرمت کا قول اس وقت نتیجہ خیز ہو سکتا ہے جبکہ ہم یہ کہیں کہ آپ ﷺ شعر و کتابت کو بخوبی جانتے ہیں۔

☆ اور امام نووی قدس سرہ نے ''روضہ'' میں اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ آپ ﷺ بخوبی جانتے ہی ہوں، مگر یہ دونوں حرام نہیں ہیں اور تحریم سے مراد یہ ہے کہ دونوں کو بتکلف جانا جائے

☆ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ شعر و کتابت کو باحسن طریقہ نہیں جانتے تھے۔ جبکہ بعض ائمہ کا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ (ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ شعر و کتابت جانتے تو تھے مگر ہر دو میں سے کسی کو اپنا معمول نہ بنایا ہوا تھا) یہ آئمہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے (قریش سے) صلح فرماتے ہوئے یوں تحریر فرمایا تھا۔

هٰذَا مَا صَالَحَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

''یہ تحریر وہ ہے جس پر'' حضرت محمد ﷺ '' بن'' حضرت'' عبد اللہ نے معاہدہ کیا ہے''۔

☆اس نظریہ کا جواب یہ ہے کہ لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم فرمانا ہے۔

☆امام طبرانی قدس سرہ نے حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا کہ حضرت عون قدس سرہ کے والد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے اپنی رخصت سے قبل لکھا اور پڑھا ہے۔

☆(امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا) اس حدیث کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اور امام طبرانی قدس سرہ نے فرمایا: یہ ''حدیث منکر(1) ہے۔

☆ شیخ الاسلام حافظ ابوالحسن ہیتمی قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے گمان میں مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی وفات شریف تک عبداللہ بن عتبہ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ یعنی عبداللہ بن عتبہ آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں سمجھ والے تھے۔

☆اور ابومسعود دمشقی قدس سرہ کے اوراق میں صلح نامہ والی حدیث میں واقع ہے کہ سید عالم ﷺ نے وہ معاہدہ اپنے دست اقدس میں لیا اور جہاں ''رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا وہاں ''محمد ﷺ'' تحریر فرما دیا باوجودیکہ آپ ﷺ اچھی طرح کتابت نہ جانتے تھے۔

☆عمر بن شیبہ قدس سرہ نے اپنے تالیف ''کتاب الکتاب'' میں روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے ''حدیبیہ'' کے دن اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا، جبکہ اس سے قبل آپ ﷺ لکھنا نہ جانتے تھے۔ اور یہ آپ ﷺ کے معجزات سے ہے کہ لکھنا نہ جاننے کے باوجود بروقت لکھنا جان لیا۔

☆عمر بن شیبہ قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی اس کتابت کے معجزہ ہونے پر محدثین کرام کی پوری ایک جماعت قائل ہے۔ انہی میں سے حضرات ابوذر ہروی، ابوالفتح نیشاپوری، قاضی ابوولید لخمی، قاضی ابوجعفر سمنانی اصولی رضی اللہ عنہم ہیں۔

☆ قاضی ابوولید قدس سرہ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کا جانے بغیر لکھ لینا آپ ﷺ کے اجل معجزات سے ہے۔

☆بعض محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ نے حدیبیہ کے دن کتابت نہ جاننے، اور حروف میں امتیاز نہ رکھنے کے باوجود تحریر فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس میں قلم لے کر امتیاز نہ رکھنے والے حروف پر خط کھینچ دیا جو کہ حسب مراد جلی کتابت نظر آنے لگی۔

☆ رہیں وہ روایات جو شعر کہنے کی حرمت پر دال ہیں وہ یہ ہیں۔ جیسا کہ امام ابوداؤد قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمرو نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے تریاق

1۔حدیث، مطعون بفسق بفرط غفلت وکثرت غلط را منکر گویند'' از مقدمہ ''الشیخ المحقق الدہلوی

پہنے، تعویذ لٹکانے یا اپنی طرف سے شعر کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

☆ امام ابن سعد قدس سرہ نے روایت کیا کہ شیخ الاسلام امام زہری قدس سرہ نے فرمایا: جب صحابہ کرام علیہم الرضوان مسجد تعمیر فرما رہے تھے تو حضور سرور ﷺ نے فرمایا:

هٰذَا الْحَمَّالُ لَا حَمَّالُ خَيْبَرَ هٰذَا اَبَرُّ رَبَّنَا وَ اَطْهَرُ

''پروردگار! یہ اینٹیں خیبر کے تمر وز بیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں''۔

☆ شیخ الاسلام امام زہری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے کوئی شعر نہیں فرمایا۔ یا پہلے شاعروں کے شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔

☆ امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت عبد الرحمان بن ابوزناد سے روایت کیا کہ حضور سرور ﷺ نے حضرت عباس بن مرداس سے فرمایا: (عباس) مجھے اپنا وہ شعر تو بتادو جس میں تم کہتے ہو۔

اَصْبَحَ نُهْبِیْ وَ نُهْبُ الْعَبِیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَ عُیَیْنَةَ

''میری اور عبید کی غنیمت اقرع اور عیینہ کے درمیان بٹ گئی''۔

اس وقت حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار جائیں۔ آپ ﷺ نہ تو شاعر، اور نہ ہی شعر کی روایت کے حامل، اور نہ ہی آپ ﷺ اسے مناسب سمجھتے ہیں اس نے تو یوں کہا ہے: ''بین عیینة و الاقرع''

☆ علماء کرام نے فرمایا: حضور ﷺ سے جو ''رجز'' (جنگی ترانے) وغیرہ مروی ہیں، جیسے آپ کا یہ ارشادگرامی ہے ''هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِیْتِ'' تو وہ عدم قصد و عدم تامل پر محمول ہیں، ایسے کلام کو شعر نہیں کہا جاتا اس لیے کہ شعر اسی کو کہا جاتا ہے جو قصد و تامل سے کہا جائے۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم میں بھی بہت سی موزوں و منظم آیات پائی جاتی ہیں (مگر انہیں شعر نہیں کہتے) کیونکہ ایسی آیات کریمہ کا نزول موزوں قصد سے نہیں ہوا ہے۔

☆ امام ماوردی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ پر جس طرح کتابت حرام تھی ایسے ہی کتاب کی قرأت بھی حرام تھی۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت:48)

''اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے''۔

(نیز) امام ماوردی قدس سرہ نے فرمایا: جس طرح آپ ﷺ پر شعر کہنا حرام تھا اسی طرح شعر کی روایت کرنا بھی حرام تھا۔

علامہ حربی قدس سرہ نے فرمایا: مجھے تو کوئی ایسی روایت نہیں ملی کہ جس میں یہ مروی ہو کہ سید عالم ﷺ نے قصداً کوئی مکمل شعر پڑھا ہو۔ ہاں کسی شاعر کے شعر پڑھنے کا ارادہ بھی فرمایا تو پھر یا صرف پہلا ہی مصرعہ پڑھ دیا، جیسے لبید رضی اللہ عنہ کے شعر کا یہ پہلا مصرعہ پڑھا ہے:

اَلَاکُلُ شَیۡیءٍ مَا خَلاَ اللّٰہ بَاطِلَ

یا پھر کسی شعر کا آخری مصرعہ، جیسے طرفہ (بکری) کے شعر کا یہ آخری مصرعہ بھی آپ ﷺ نے پڑھا ہے۔

وَیَاۡتِیۡکَ بِالۡاَخۡبَارِ مَنۡ لَمۡ یَتَزَوَّدٖ

اور اگر کسی مکمل شعر کے پڑھنے کا قصد بھی فرمایا تو پھر اسے اس کی نظمی روش سے تبدیل فرما کر پڑھا جیسے حضرت عباس بن مرداس کے (گزشتہ) شعر کو تبدیل فرمادیا تھا۔

ہتھیار بند ہونے کے بعد ان کے اتارنے کی حرمت

سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اسلحہ پہن لینے کے بعد جنگ کیے بغیر اسے اتارنا آپ ﷺ پر حرام تھا۔ (جیسا کہ) حضرت امام الائمہ احمد اور امام ابن سعد قدس سرہ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا کہ:

اِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوۡمَ اُحُدٍ رَأَیۡتُ کَاَنِّیۡ فِیۡ دِرۡعٍ حَصِیۡنَۃٍ وَرَأَیۡتُ بَقَرًا مُنۡحَرَۃً فَاَوَّلۡتُ اَنَّ الدِّرۡعَ اَلۡمَدِیۡنَۃُ ،وَ الۡبَقَرَ نَفَرٌ، فَاِنۡ شِئۡتُمۡ اَقَمۡنَا بِالۡمَدِیۡنَہِ، فَاِنۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡنَا، قَاتَلۡنَاھُمۡ فِیۡھَا، فَقَالُوۡا وَاللّٰہِ مَا دَخَلَتۡ عَلَیۡنَا فِیۡ الۡجَاھِلِیَّۃِ اَفَتَدۡخُلُ عَلَیۡنَا فِی الۡاِسۡلَامِ ،قَالَ فَشَاۡنُکُمۡ اِذَنۡ، فَذَھَبُوۡا، فَلَبِسَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لِاُمَّتِہٖ فَقَا لُوۡا مَا صَنَعۡنَا رَدَدۡنَا عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ رَأۡیَہٗ، فَجَاؤُا فَقَالُوۡا شَا نُکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ قَا لَ الۡاٰنَ اِنَّہٗ لَیۡسَ لِنَبِیٍّ اِذَا لَبِسَ لِاُ مَّتِہٖ اَنۡ یَضَعَھَا حَتّٰی یُقَاتِلَ (ص ۳۳۳)

"(سید عالم ﷺ نے جنگ احد کے دن فرمایا۔ میں نے حواب میں دیکھا کہ گویا میں مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور ایک گائے دیکھی ہے جو ذبح کی جارہی ہے میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی ہے کہ مضبوط زرہ مدینہ منورہ ہے اور گائے وہ لشکری ہیں جو شہید ہو جائیں گے۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو ہم مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس صورت میں اگر وہ ہم

پر حملہ کریں گے تو ہم یہیں ان کا مقابلہ کر لیں گے صحابہ کرام علیہم الرضوان عرض گزار ہوئے (یا رسول اللہ ﷺ) انہوں نے ہماری جاہلیت کے زمانے میں تو ہم پر حملہ کی جرأت کی نہیں تو کیا اب جبکہ ہم اسلام میں ہیں وہ ہم پر حملہ کر سکیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اب جیسے تمہاری مرضی ہو۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان تیاری کرنے چلے گئے۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ نے آلات حرب زیب تن فرما لیے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کہنے لگے ہمیں زیبا نہیں کہ آپ ﷺ کی رائے کا خلاف کریں چنانچہ سبھی حاضر ہو کر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! جیسے آپ ﷺ کی رائے مبارک ہو ہم بھی ویسے ہی کر لیتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: پیغمبر کو یہ شایاں نہیں کہ جب وہ ہتھیار بند ہو جائے تو جنگ کیے بغیر ہتھیار کھول دے''۔

عطیہ پر کثرت عوض کی حرمت

☆ حضور اکرم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کسی کو کوئی شے اس مقصد کے تحت عطا فرمانا تا کہ اس عطیہ کے بدلے میں اس سے زیادہ ملے تو یہ آپ ﷺ پر حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ ترجمہ:۔ (اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو) علامہ ابن جریر قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا کہ سید عالم ﷺ کو اس آیت کریمہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ایسا عطیہ مت عطا فرمائیں تا کہ اس کے عوض اس سے بڑھیا طلب فرمائیں۔

سب مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضور اکرم ﷺ ہی کی ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (روم:39) ترجمہ:۔ (اور تم جو چیز زیادہ لینے دو) الخ۔ کی تفسیر میں امام ابن حاتم قدس سرہ نے حضرت ضحاک قدس سرہ سے روایت کیا کہ حضرت ضحاک قدس سرہ نے فرمایا: اس آیت میں ''ربا'' سے مراد وہ ''ربا'' ہے جو حلال ہے وہ اس طرح کہ کسی کو کوئی تحفہ اس لیے بھیجا جائے تا کہ اس سے زیادہ ملے۔ اور یہ وطیرہ اپنانے سے لینے اور دینے والے کا کوئی نفع ونقصان نہ تھا (مگر) سید عالم ﷺ کو اس سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ منفعت عامہ کی اشیاء کی طرف توجہ فرمانا بھی آپ ﷺ پر حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (حجر:88)

''اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے کچھ جوڑوں کو برتنے کو دی''

یہ حکم امام رافعی قدس سرہ نے ''صاحب ایضاح'' سے نقل فرمایا ہے اور ''روضہ'' کے متن میں امام نووی قدس سرہ اور ''تلخیص'' میں علامہ ابن القاص قدس سرہ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا ہے۔

☆حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ مقروض متوفی کی نماز جنازہ پڑھنا آپ ﷺ پر حرام ہے۔

تبصرہ

ابتدائے اسلام میں تو یہ حکم تھا مگر جب اسلام کو وسعت حاصل ہو گئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ قسم واجبات میں اس سے متعلق حدیث گزر چکی ہے۔

☆سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جو عورت آپ ﷺ سے ناپسندیدگی کا اظہار کردے تو پھر ایسی عورت کو اپنے پاس رکھنا آپ ﷺ پر حرام تھا۔

امام بخاری قدس سرہ نے حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ جب جون کی لڑکی نکاح کر کے سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنے قرب سے سرفراز فرمانا چاہا تو وہ بول اٹھی ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْکَ'' ترجمہ:۔(میں آپ ﷺ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں) اس کے بعد سید عالم ﷺ نے اس سے فرمایا: چونکہ تو نے بہت بڑی ذات کی پناہ لی ہے اس لیے اب تو اپنے گھر والوں کے ہاں واپس چلی جا۔

تبصرہ

امام ابن ملقن قدس سرہ نے سید عالم ﷺ کے خصائص میں بیان فرمایا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ سید عالم ﷺ پر ہر اس عورت کا نکاح حرام ہے جو آپ ﷺ سے ناپسندیدگی کا اظہار کردے۔

ابن ملقن قدس سرہ نے فرمایا: ''وجوب تخییر میں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے'' اس کی شہادت موجود ہے۔ امام ابن سعد قدس سرہ نے روایت کیا کہ حضرت الامام مجاہد نے فرمایا: سید عالم ﷺ جب کسی خاتون کو نکاح کا پیام ارسال فرماتے اور اگر وہ پیام مسترد ہو جاتا تو پھر دوبارہ اس کا اعادہ نہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو عقد کا پیام دیا تو وہ کہنے لگی میں اپنے والد سے مشورہ لے لوں۔ پھر انہوں نے اپنے والد سے مشورہ لیا تو انہوں نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ صاحبہ سید عالم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور اپنا مدعا بیان کیا۔ مگر سید عالم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''قَدِالْتَحَفْنَا لِحَافَ غَيْرِكِ'' ترجمہ:۔(اب ہم نے تمہارے علاوہ دوسرا لحاف

اوڑھ لیا ہے)۔یعنی میں نے تمہارے بجائے اور نکاح کر لیا ہے۔

کتابیہ سے نکاح کی حرمت

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْۢ بَعْدُ (احزاب:52) ترجمہ:۔(ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں)الخ۔کی تفسیر میں امام مجاہد رضی اللہ عنہ سے امام داؤد قدس سرہ نے اپنی "ناسخ" میں روایت کیا کہ امام مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مذکورہ آیت میں "عورتوں" سے مراد اہل کتاب کی عورتیں ہیں یعنی اس کے بعد کتابی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ہے۔

امام سعید بن منصور قدس سرہ حضرت امام مجاہد رضی اللہ عنہ سے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْۢ بَعْدُ ترجمہ:۔(ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں)الخ۔کی تفسیر میں راوی، کہ امام مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہودی اور عیسائی عورتوں کا مومنوں کی مائیں بننا نا مناسب ہے۔اصحاب (شوافع) نے فرمایا: (اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی حرمت کی حسب ذیل وجوہ ہیں)

☆ کتابیہ عورتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں نہ بننے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں اور آخرت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رہیں گی۔اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے مقام میں ہوں گی۔

☆ اور اس لیے بھی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و منصب اس بات سے کہیں برتر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مادہ منیفہ کسی غیر مسلمہ کے رحم کو سونپ دیں۔اور اس لیے بھی کہ کافرہ عورت (طبعًا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم بستری کو ناپسند کرے گی۔

☆ اور اس لیے بھی کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عورتوں کی اباحت ہجرت کے ساتھ مشروط کی ہے۔جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ (احزاب:50)

"جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی" الخ۔

لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مسلمہ غیر مہاجرہ عورت حرام قرار پائی تو غیر مسلمہ بدرجہ اولیٰ حرام ٹھہرے گی۔

☆ ہمارے آئمہ میں سے امام ابو اسحاق قدس سرہ نے فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کتابیہ سے نکاح فرما لیتے تو وہ بوجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و کرامت کے ضرور مشرف باسلام ہو جاتی۔

☆ (مذکورۃ الصدر وجوہات پر ہی قیاس کرتے ہوئے) کچھ ائمہ کرام کا رجحان یہ ہے کہ کتابیہ لونڈی

سے بھی جماع کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہی ہے۔ مگر اس قیاس میں صحیح تر یہی ہے کہ کتابیہ لونڈی سے جماع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے۔ جیسا کہ امام ماوردی قدس سرہ نے "الحاوی" میں فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی "ریحانہ" رضی اللہ عنہا سے اس کے مسلمان ہونے سے پہلے جماع فرمایا ہے۔

☆ مگر اس صورت میں سوال یہ ہے کہ آیا ایسی لونڈی کہ اس کے مسلمان ہو جانے یا اس کے اپنے ہی دین پر قائم رہنے کا اختیار دینا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری تھا، تا کہ اسے اپنے پاس رکھیں یا اس سے مفارقت اختیار فرمالیں۔ اس میں دو صورتیں ہیں، ایک ان میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے شمار ہو۔ جبکہ دوسری صورت اس کے برعکس ہے کہ کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ریحانہ" رضی اللہ عنہا" پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے (اولاً) انکار کر دیا تھا، مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں ہی رہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مسلسل اپنے ہم بستری سے سرفراز فرماتے رہے۔

☆ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس مسلمان عورت نے ہجرت نہ کی ہوا سے بھی اپنے عقد میں لانا حرام تھا۔

امام ترمذی اور امام ابن حاتم قدس سرہما حضرت ابن عباس سے راوی کہ آپ نے فرمایا: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنہ، مہاجرہ عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (احزاب:52)

"ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو اگرچہ تمہیں ان کا حُسن بھائے، مگر کنیز تمہارے ہاتھ کا مال" الخ۔

پس اللہ جل مجدہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مومنہ لونڈیاں، اور وہ مومنہ عورت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا آپ ہبہ کر دے حلال فرمائی ہیں۔ اور یہ کہ اسلام کے علاوہ ہر دوسرے دین والی عورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام فرمادی ہے۔ چنانچہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ (احزاب:50)

اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں)۔

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

''یہ خاص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں) الخ''۔

''تک'' اور ان کے علاوہ تمام قسم کی عورتیں آپ ﷺ پر حرام فرمادی ہیں۔امام ترمذی قدس سرہ نے فرمایا، یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ مسلمان لونڈی سے آپ ﷺ کا نکاح کرنا حرام ہے۔صحیح ترین یہی ہے اس لیے کہ مسلمان لونڈی سے نکاح کا جواز زنا میں مبتلا ہونے کے خدشہ سے مشروط ہے۔جبکہ سید عالم ﷺ اس سے معصوم ہیں۔یا اس لیے کہ آزاد عورت سے عقد کرنے کی سکت نہ ہو۔اور یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے حق میں ناپید ہے کیونکہ آپ ﷺ کا نکاح مہر کا محتاج نہیں۔نیز یہ تصور بھی ناممکن ہے کہ جس مسلمہ لونڈی سے آپ ﷺ نکاح فرمائیں گے، اس سے ہونے والا بچہ غلام ہوگا۔جس طرح وہ شخص جو کسی لونڈی سے عقد کرتا ہے تو اس منکوحہ لونڈی سے ہونے والا بچہ اس کا غلام ہوتا ہے۔جبکہ جان عالم ﷺ کا منصب شریف اس سے کہیں بالاتر ہے۔

☆ امام رافعی قدس سرہ نے فرمایا: جو شخص مسلمہ لونڈی سے نکاح کے جواز کا قائل ہے اس کے نزدیک بھی زنا کا خدشہ لونڈی کے حق میں ہی شرط کیا گیا ہے۔اور اسی طرح نکاح کی طاقت کا نہ ہونا بھی آپ ﷺ کے علاوہ ساتھ مشروط ہے۔

☆ اسی بنا پر سید عالم ﷺ کے لیے ایک سے زائد لونڈیوں کا رکھنا جائز ہے، جبکہ امت کے لیے یہ جائز نہیں۔

☆ اگر جان عالم ﷺ کا نکاح کسی مسلمہ لونڈی سے فرض بھی کرلیا جائے اور اس سے آپ ﷺ کا بچہ بھی پیدا ہوجائے تو اولاً نہ تو وہ بچہ غلام ہوگا، اور نہ ہی اس لونڈی کے مالک کے لیے سید عالم ﷺ پر اس بچہ کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی، اس لیے کہ اس بچہ کی غلامی محال ہے۔صحیح مذہب یہی ہے۔

☆ امام رافعی قدس سرہ نے فرمایا: اگر جان عالم ﷺ کے حق میں ''نکاح غرور'' فرض کرلیا جائے تو اس تقدیر پر آپ ﷺ پر بچہ کی قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

☆ امام ابن رفعہ قدس سرہ نے ''مطلب'' میں ذکر فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے حق میں ''نکاح غرور'' اور پھر اس کے ذریعہ سے جماع کا تصور ناممکن ہے۔اس لیے کہ شبہ کے جماع میں اگرچہ گناہ نہیں مگر یہ حرام ضرور ہے۔اور سید عالم ﷺ کا مقدس دامن اس سے مبرّا ہے۔

☆ اور اس کے جواز کا قائل ہونا بھی جائز ہے۔اس لیے کہ یہ بالا جماع گناہ نہیں۔جیسے بھول سے کوئی غلط کام کرنے میں گناہ نہیں ہے۔

آنکھ سے اشارہ کرنے کی حرمت

☆سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے آنکھ سے اشارہ کرنا حرام ہے۔ امام ابو داؤد، امام نسائی، امام بیہقی قدس اسراہم اور امام حاکم قدس سرہ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن چار آدمیوں کے علاوہ سب لوگوں کو پناہ دے دی اور ان چار میں سے ایک عبداللہ بن ابی سرح بھی تھا جو امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان کے پاس پناہ گزیں رہا۔ پھر جب سید عالم ﷺ نے پناہ گزینوں کو بیعت کے لیے بلایا تو عبداللہ مذکور بھی حاضر خدمت ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ عبداللہ کو بھی بیعت فرما لیجیے۔

اس پر حضور ﷺ نے تین مرتبہ سر انور اٹھا کر اس کی طرف اس انداز سے دیکھا کہ گویا آپ ﷺ اسے بیعت کرنے سے انکار فرما رہے ہیں۔ پھر تیسری بار کے بعد آپ ﷺ نے اسے بیعت فرما لیا۔ ازاں بعد سید عالم ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا زیرک آدمی نہ تھا کہ جب وہ مجھے اس کے بیعت کرنے سے رکتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ تو اٹھ کر اس کا خاتمہ کر دیتا؟ صحابہ کرام بولے: یا رسول اللہ ﷺ ہمیں آپ ﷺ کا اندرونی بھید معلوم نہ ہو سکا تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اپنی آنکھ مبارک سے اشارہ ہی فرما دیا ہوتا، تاکہ ہم اسے ٹھکانے لگا دیتے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نبی کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ آنکھوں سے کسی امر کے تحقق کا اشارہ کرے۔ اسی طرح کی روایت امام ابن سعد قدس سرّہٗ نے بھی حضرت ابن المسیب سے مرسلاً روایت کی ہے جس کے آخر میں اس طرح ہے۔ ''اَلْإِيْمَاءُ خِيَانَةٌ لَيْسَ لِنَبِيٍّ اَنْ يُوْمِيَ'' (۳۴۵)

ترجمہ:۔ (اشارہ سے کام لینا ایک طرح کی خیانت ہے اور اشارہ کرنا نبی کی شان نہیں ہوا کرتی)۔

☆امام رافعی قدس سرہٗ نے فرمایا: آنکھوں کی خیانت کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر نفس الامر اور واقعہ کے خلاف کسی امر مباح کی طرف اشارہ کرنا، جیسے قتل اور پٹائی وغیرہ کا اشارہ کرنا۔

☆یہ خصوصیت صرف سید عالم ﷺ کی ہے، ممنوع شے کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ حرام نہیں ہے۔

☆اسی سے ''صاحب تلخیص'' نے اس پر استدلال کیا ہے کہ سید عالم ﷺ کے لیے جنگ میں فریق مخالف کہ دھوکہ دینا جائز نہیں۔

☆''صاحب تلخیص'' کے اس نظریہ کی ''معظم'' نے مخالفت کی ہے۔

☆امام رافعی قدس سرہ نے فرمایا: مخالفت کی وجہ جیسا کہ بروایت حضرت کعب بن مالک بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ یہ مشہور ہے ہی کہ سید عالم ﷺ جب کسی جنگ سفر کا قصد کرتے تھے تو جائے معہودہ

کے علاوہ دوسری جانب اشارہ فرمایا کرتے تھے۔

☆ (دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے۔ پہلی صورت ذو معنی کلام سے خالی ہوتی ہے، جبکہ ثانی صورت تعریضانہ کلام سے لبریز ہوتی ہے صرف)۔

☆ فرق یہ ہے کہ آنکھوں س اشارہ کرنا مشیر کے لیے معیوب ہوتا ہے۔ جبکہ بڑے بڑے اہم امور میں تعریض سے کام لینا معیوب نہیں ہوتا۔

تبصرہ سیوطی قدس سرہ

امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی قدس سرہ ''دلائل'' میں حضرت ابوہریرہ سے راوی، کہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ بَكْرٍ فِیْ مَدْخَلِهِ الْمَدِيْنَةِ آلِهِ النَّاسَ عَنِّیْ، فَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ اَنْ يَّكْذِبَ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا سُئِلَ، مَا اَنْتَ قَالَ بَا غِیْ فَاِذَا قِيْلَ مَنِ الَّذِیْ مَعَكَ ،قَالَ هَادٍ يَّهْدِيْنِیْ (ص ۳۳۵)

''حضور سید عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق سے فرمایا۔ (جب کوئی پوچھے تو) تم میرے بارے میں لوگوں کو مشغول رکھے رہو۔ اس لیے کہ نبی کے لیے غلط بیانی مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین صدیق رضی اللہ عنہ سے جب کوئی پوچھتا، تم کون ہو؟ تو آپ عنہ فرماتے، ''باغی'' (یعنی طالب خیر) ہوں۔ اور پھر جب آپ سے پوچھا جاتا کہ تمہارا ہمراہی کون ہے؟ تو آپ فرماتے، یہ میرا رہبر ہے جو مجھے راستہ دکھلاتا ہے) الحدیث۔

☆ یہ روایت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ خاص معاملات میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے توریہ (ذو معنی کلام) مناسب نہیں ہے۔ رہا امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کلام تو وہ کوئی واقع اور نفس الامر کے خلاف نہ تھا بلکہ توریہ تھا۔ ''هَادٍ يَّهْدِيْنِیْ'' کے کلام سے آپ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ''يَهْدِيْنِی سَبِيْلَ الْخَيْرِ'' (یعنی) میرا ہمراہی وہ ہے جو مجھے اسلام و آشتی کی راہ دکھلاتا ہے۔

☆ مگر آپ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو فقط ظاہر کے اعتبار سے کذب پر محمول کیا گیا ہے۔

☆ اور اسی روایت سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے جو کہ ''حدیث شفاعت'' میں آپ علیہ السلام کی سفارش کی بابت مروی ہے کہ آپ علیہ السلام

عذر فرماتے ہوئے فرمائیں گے۔ ''اِنِّیْ کَذِبْتُ ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ'' میں نے (بظاہر) تین مرتبہ خلاف واقعہ باتیں کی ہیں (اس لیے کہ) وہ تو صرف توریے تھے۔ (یعنی تعریضاً کلام تھا جس کا مقصد صرف مخاطب کی توجہ ہٹانا تھا)۔

☆ لہٰذا ظاہر یہی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علو مرتبہ کے پیش نظر ان کے لیے ایسا کلام بھی ممنوع ہونا اس کے خصائص سے ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کلام کو اپنے لیے کذب سمجھا۔

☆ ابن سبع قدس سرہ نے حضور سرور ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی گنا ہے کہ اذان کی آواز سن لینے کے بعد پھر اس بستی پر آپ ﷺ کے لیے حملہ کر دینا حرام تھا۔

☆ اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جان کائنات ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی قوم پر حملہ کا ارادہ فرماتے تو صبح ہونے تک انتظار فرمایا کرتے تھے، (اور دیکھتے تھے کہ یہاں اذان ہوتی ہے یا نہیں) اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو پھر اس پر حملہ فرمانے سے رک جایا کرتے تھے۔ اور اذان سنائی نہ دیتی تو پھر اس پر حملہ فرما دیا کرتے تھے۔

☆ جیسا کہ امام قضاعی قدس سرہ نے ذکر فرمایا، حضور سرور عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی امداد لینا آپ ﷺ پر حرام تھا۔

امام بخاری قدس سرہ نے اپنی ''تاریخ'' میں حبیب بن یساف سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ حضور جان عالم ﷺ ایک جنگ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو میں نے اور برادری کے ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) ہمیں یہ پسند نہیں کہ جنگ میں ہماری قوم تو شریک ہو اور ہم اس میں شرکت سے محروم رہیں۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تم مسلمان ہو؟ تو ہم نے عرض کیا، نہ۔ اس پر سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی امداد نہیں چاہتے''۔

☆ قاضی (عیاض) قدس سرہ نے فرمایا حضور سرور عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ظلم پر گواہ نہ بنتے تھے۔

امام بخاری و امام مسلم قدس سرہما نے حضرت نعمان بن بشیر سے بھی اسی طرح کی حدیث روایت فرمائی ہے۔

قسم المباحات

عصر کے بعد نفل پڑھنا

عصر کے بعد نماز پڑھنے کا مباح ہونا آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔(امام نووی قدس سرہ نے)''روضہ'' میں فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضور اکرم ﷺ کی ظہر کے بعد والی دو رکعت رہ گئیں تو انہیں عصر کے بعد ادا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ عصر کے بعد انہیں ہمیشہ ادا فرماتے رہے۔

☆ اس ہیشگی کی خصوصیت دو وجہ سے ہے۔ ان میں سے صحیح تر وجہ یہی ہے کہ یہ سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

امام مسلم اور امام بیہقی قدس سرہما اپنی ''سنن'' میں حضرت ابو سلمہ سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے ان دو رکعت کی بابت دریافت کیا جو سرور عالم ﷺ عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ تو حضرت ام المومنین نے فرمایا: وہ دو رکعت تو آپ ﷺ عصر سے پہلے ہی پڑھا کرتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ وہ آپ ﷺ سے رہ گئی تھیں تو پھر انہیں عصر کے بعد ادا فرمایا۔ ازاں بعد ان پر مواظبت فرماتے رہے۔ اور سید عالم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کبھی کوئی نماز شروع فرمادی تو پھر اسے ہمیشہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام الائمہ احمد، امام ابویعلی، امام ابن حبان قدس سرہما بسند صحیح حضرت ام المومنین ام سلمہ سلام اللہ علیہا سے راوی کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا، حضور انور ﷺ نماز عصر پڑھ کر میری رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ اور پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! (آج) آپ ﷺ نے وہ نماز ادا فرمائی ہے جو اس سے پہلے کبھی ادا نہ فرمائی تھی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: (حضرت) خالد (رضی اللہ عنہ) کی آمد نے مجھے ان دو رکعت کی ادائیگی سے روکے رکھا جنہیں میں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا۔ اس لیے وہ دو رکعت میں نے اب ادا کی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر ہم سے وہ رکعت رہ جائیں تو کیا ہم بھی انہیں ادا کرلیا کریں۔ ارشاد فرمایا: نہ۔

امام بیہقی قدس سرہ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ حضور انور ﷺ عصر کے بعد خود نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر دوسروں کو اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور خود صوم وصال رکھا کرتے تھے جبکہ دوسروں کو وصال سے روکا کرتے تھے۔

امام بخاری قدس سرہ حضرت ام المومنین عائشہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، حضور سید عالم ﷺ گھر یا باہر دو رکعت کبھی نہ چھوڑا کرتے تھے۔

☆ دو رکعت فجر کے فرضوں سے پہلے

☆ اور دو رکعت عصر کے بعد

☆ بعض نے ذکر کیا کہ نماز کی حالت میں بچہ اٹھا لینا، حضور سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم قدس سرہما نے حضرت ابو قتادہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب کو اٹھائے ہوئے نماز ادا فرمائی۔ جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو انہیں اتار دیا کرتے تھے۔ اور جب قیام فرما ہوتے تو انہیں پھر اٹھا لیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر قدس سرہ نے ''بخاری شریف'' کی شرح میں بعض آئمہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

غائبانہ جنازہ پڑھنے کی خصوصیت

☆ حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا حضور سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ کا حضرت نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنے کو حضرت امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے اسی قبیل سے شمار کیا ہے۔ نیز امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

☆ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ جیسا کہ ''صحیحین'' کی حدیث ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور دوسروں کو اس سے منع فرمایا۔

امام دار قطنی اور امام بیہقی قدس سرہما نے بطریق جابر جعفی اور امام شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے بعد بیٹھ کر کوئی بھی امامت نہ کرائے۔

☆ ''تبصرہ'' امام دار قطنی قدس سرہ نے فرمایا: اس حدیث کو جابر جعفی کے سوا اور کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔ اور جابر جعفی متروک الحدیث ہیں۔ اور یہ حدیث مرسل ہے۔ لہٰذا لائق حجت و استدلال نہیں ہو سکتی۔

☆ حضرت امام الائمہ شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس آدمی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے اس لیے کہ) اسے بھی بخوبی علم ہے کہ یہ حدیث مرسل

ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ ایک ایسے آدمی سے مروی ہے، جس کی روایت لیتے ہوئے لوگ روگردانی کرتے ہیں۔

بن کھائے پئے روزے رکھنا

☆صوم وصال کا مباح ہونا سرورِ عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت ابو ہریرہ سے راوی کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: بن کھائے پئے روزہ رکھنے سے اپنے آپکو بچائے رکھو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان بولے: یا رسول اللہ ﷺ! مگر آپ ﷺ تو اس قسم کے روزے رکھتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ، یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ'' (ص ۳۳۶) ترجمہ:۔ (میں تمہاری طرح نہیں ہوں میری شب باشی اس حال میں ہوتی ہے کہ میرا پروردگار جل مجدہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)۔ اس حدیث کے مطلب میں اختلاف ہے (کہ آیا آپ ﷺ کے پاس جنت سے کھانا پینا آتا تھا۔ اور جنتی کھانے سے روزہ افطار نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اسے مجاز پر محمول فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ میں بن کھائے پئے ایسے ہی قوت رکھی گئی تھی جیسے ایک کھانے پینے والے میں قوت ہوتی ہے۔

☆جمہور آئمہ کا رجحان یہ ہے کہ بغیر کھائے پئے پے در پے روزے رکھنا سید عالم ﷺ کے لیے مباح تھا۔ جبکہ حضرت امام الحرمین قدس سرہ کا مذہب یہ ہے کہ صوم وصال سید عالم ﷺ کے حق میں ایک طرح کے تقرب کو واضح کرتا ہے۔ اس مقام پر صاحب ''مطلب'' نے ایک لطیفہ کی نشان دہی کی ہے۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کے لیے صوم وصال کے مباح ہونے کی خصوصیت بمقابلہ تمام امت کے ہے چند افراد کی نسبت سے نہیں اس لیے کہ بہت سے اولیاء عظام کے لیے مشہور ہے کہ وہ بن کھائے پئے مسلسل روزے سے رہا کرتے تھے(1)۔

صاحب ''مطلب'' نے فرمایا: صوم وصال کی ممانعت سب کے اعتبار سے ہوگی۔

فائدہ جلیلہ

امام ابن حبان قدس سرہ نے اپنی ''صحیح'' میں اسی حدیث سے اس روایت کے بطلان پر استدلال کیا ہے، جس میں مروی ہے کہ سید عالم ﷺ گرسنگی کے باعث شکم اقدس پر پتھر باندھ دیا کرتے تھے۔

1۔ جیسے حضرت غوث الثقلین سیدنا السید عبد القادر گیلانی نے مدتوں بن کھائے پئے ایک ایک سال کا روزہ رکھا ہے۔ (سیرت غوث اعظم: علامہ توکلی مرحوم) اسی طرح حضرت سہل تستری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابوتراب نخشبی وغیرہم سے بھی اسی قسم کا روزہ منقول ہے۔ (رسالہ قشیریہ وغیرہ) مترجم غفرلہ

اس روایت کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ جب سید عالم ﷺ صوم وصال فرماتے تھے تو آپ ﷺ کو اللہ عزوجل کھلاتا پلاتا تھا۔ لہٰذا عدم وصال کی صورت میں آپ ﷺ اس طرح گرسنہ کیسے رکھے جاسکتے ہیں کہ جس سے آپ ﷺ کو شکم اقدس پر پتھر باندھنے کی ضرورت پڑ جائے۔

منشائے بطلان

امام ابن حبان قدس سرہ نے فرمایا: مذکورہ روایت میں لفظ حدیث ''الحجز'' ''زا'' کے ساتھ ہے جس کا معنیٰ چادر کا کنارہ ہے۔ پھر اس لفظ ''الحجز'' کی ''زا'' کو غلطی سے ''را'' لکھ دیا گیا۔ (یعنی رداء اقدس کے کنارے شکم اقدس پہ باندھ لیا کرتے تھے)۔

سرور عالم ﷺ کے انہی خصائص میں یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی کلام مبارک میں کسی کام کے ارادہ پر کافی بعد بھی انشاء اللہ فرما سکتے ہیں۔ (جیسا کہ) اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (کہف:24-23)

''اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے''۔

امام طبرانی اور امام ابن ابی حاتم قدس سرہما اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے راوی کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (مذکورہ آیت کریمہ میں گویا فرمایا جارہا ہے) اے حبیب مکرم ﷺ! جب آپ ﷺ انشاء اللہ کہنا فراموش فرمادیں تو پھر یادآوری پر انشاء اللہ فرمالیا کریں۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خصوصیت صرف سیّد عالم ﷺ ہی کی ہے۔ ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں۔ ہم میں سے (مثلاً) اگر کوئی شخص قسم کھائے (اور پھر اس قسم کے اِلغا کا ارادہ ہو) تو فوراً انشاً اللہ کہہ لے۔

☆ شیخ الاسلام امام عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہما اور دوسرے ائمہ کرام نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات گرامی اور اللہ جل مجدہ کو ایک ضمیر میں جمع فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

نیز فرمایا:

وَمَنْ يَّعْصِمْهُمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔

ضمیر واحد سے اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول مکرم کو اکٹھا کر کے بیان کرنا دوسروں کے لیے ممنوع ہے۔ جیسا کہ ایک خطیب سے سید عالم ﷺ نے فرمایا: جبکہ انہوں نے دوران خطبہ یوں کہا تھا:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى (ص ۷ ۳۴)

''اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول محتشم ﷺ کا مطیع کامیاب۔ اور ان کا نافرمان نامراد ہے)۔ تو اچھا خطیب نہیں ہے (اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ)۔

ائمہ کرام نے فرمایا: اللہ جل مجدہ اور رسول کریم ﷺ کا ایک ضمیر میں جمع کرنا سید عالم ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لیے اس لیے ممنوع ہے کہ دوسرا آدمی جب دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرے گا تو پھر دونوں میں برابری کا وہم پیدا ہو سکتا ہے جبکہ یہ بات سید عالم ﷺ سے متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ ﷺ کے عالی منصب سے یہ تصور نا ممکن ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ صوفیائے سلسلہ عالیہ شاذلیہ کے استاد شیخ تاج الدین بن عطا اللہ قدس سرہما نے اپنی کتاب ''التنویر'' میں فرمایا: انبیاء کرام السلام پر زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں ہوتی کہ ان کی اللہ جل مجدہ کے ساتھ کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ ہاں ان کے سینوں میں محفوظ اللہ جل مجدہ کی امانتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ جہاں خرچ کرنا ہوتا ہے خرچ کرتے ہیں اور جہاں روکنا ہوتا ہے روک دیتے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ زکوٰۃ میلے کچیلے کو پاک کیا کرتی ہے جبکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی معصومیت وعفت کے باعث میل وکچیل سے بری ہوتے ہیں۔

☆ مال فئی سے بیسواں حصہ اور مال غنیمت وفئی سے پچیسواں حصہ لے لینا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ اور غنیمت کی تقسیم سے قبل اپنے لیے لونڈی وغیرہ منتخب کر لینا بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (حشر: 7)

''جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے''۔

ورفرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (انفال: 41)

''اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو، تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ کے لیے ہے''۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ جل مجدہ نے رسول کریم ﷺ کو اس مالِ فئی میں (تصرف کی) وہ خصوصیت عطا فرمائی ہے جو آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو نہ مل سکی جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (حشر)

''اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان سے ،تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، ہاں اللہ اپنے رسولوں کے قابو میں دے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے''۔

چنانچہ یہ سید عالم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ (اس مال میں سے) اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا نفقہ پس انداز رکھنے کے بعد باقی کو اللہ جل مجدہ کے مال کا مصرف بنا دیتے تھے۔ سید عالم ﷺ زندگی بھر اسی معمول پر عمل پیرا رہے۔ پھر جب سید عالم ﷺ وصال فرما گئے تو حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق نے (خلیفہ منتخب ہونے پر) فرمایا:

اَنَا وَلِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَعَمِلَ فِيْهِ بِمَا عَمِلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوں۔ چنانچہ آپؓ بھی اس میں وہی عمل فرماتے رہے جو سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا''۔

امام ابوداؤد اور امام حاکم قدس سرہما حضرت عمرو بن عبسہ سے راوی کہ آپؓ نے فرمایا: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا: تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے خمس کے سوا کوئی شیء روا نہیں اور خمس بھی تم میں لوٹا دیا گیا ہے۔

امام ابن سعد اور حافظ ابن عساکر قدس سرہما نے حضرت عمر بن حکم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جب بنو قریظہ گرفتار ہوئے تو تمام قیدی سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیے گئے جن میں زید بن عمر کی بیٹی ''ریحانہ'' بھی تھیں۔ پھر سید عالم ﷺ کے حکم سے وہ علیحدہ کر دی گئیں۔ اور سید عالم ﷺ کو اختیار ہوتا تھا کہ اپنے لیے غنیمت سے کوئی شے منتخب فرمالیں۔

امام بیہقی قدس سرہ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت یزید بن شخیر سے اور انہوں نے ایک دیہاتی

''صحابی'' سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے انہیں چمڑے کے ایک ٹکڑا میں یوں تحریر فرمایا: ''محمد رسول اللہ'' ﷺ کی طرف بنی زہیر بن اقیش کی طرف! سن لو اگر تم نے اس کی گواہی دی کہ پرستش کے لائق اللہ ہے۔ اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور غنیمت کا خمس ادا کیا اور نبی کریم ﷺ کا حصہ اور منتخب حصہ ادا کیا تو تمہیں اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے پناہ ہے۔

☆ ابن عبدالبر نے کہا کہ سہم صفی (منتخب حصہ کا ثبوت) صحیح آثار میں مشہور علماء کے نزدیک معروف ہے۔

☆ اور اہل سیر کا اس میں اتفاق ہے کہ حضرت ام المومنین صفیہ بھی اسی حصہ سے تھیں۔ اور علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف سید عالم ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔

☆ امام رافعی قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کی تلوار ''ذوالفقار'' بھی سہم ''صفی'' سے تھی۔

☆ سرور عالم ﷺ کی انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے لیے جاگیر مقرر فرما سکتے ہیں۔ اور یہ بھی حضور سید عالم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ جس کو آپ ﷺ جاگیر عطا فرما دیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔

☆ امام بخاری قدس سرہٗ حضرت ابن عباس سے راوی کہ حضرت صعب بن جثامہ نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جاگیر مقرر کرنا اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسول مکرم کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں۔

☆ ائمہ (شافعیہ) نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے کہ آپ ﷺ بنجر زمین اپنے لیے آباد کروا سکتے ہیں۔ جبکہ دوسرے حکمرانوں کے لیے قطعاً جائز نہیں۔

☆ البتہ دوسرے مسلمانوں کی منفعت کی خاطر یہ بھی آباد کروا سکتے ہیں۔

☆ اور بعض نے فرمایا یہ بھی جائز نہیں۔

☆ اور بصورت جواز اس کا بعد والوں کے لیے منتقل کرنا بھی جائز ہے۔

☆ سید عالم ﷺ جس کسی کو کوئی جاگیر عطا فرما دیں تو اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی حالت بدل سکتی ہے۔

☆ اور سید عالم ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی جگہ کے مفتوح ہونے سے قبل ہی کچھ حصہ اراضی لوگوں کو عطا فرما دیا کرتے تھے۔ اور یہ اس لیے کہ آپ ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ نے زمینوں کا مالک بنا دیا ہے کہ آپ ﷺ ان میں حسب منشاء تصرف فرما سکتے ہیں۔

35A

☆ چنانچہ سید عالم ﷺ نے حضرت تمیم داری اور ان کی اولاد کو بیت المقدس کی فتح سے قبل ہی وہاں کے ایک قصبہ کی جاگیر عطا فرمادی تھی جو آج تک ان کی اولاد کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔

ایسی جاگیر کا چھیننا کفر ہے

پھر ایک حاکم نے ان کی اولاد سے وہ جاگیر چھیننا چاہی تو امام غزالی قدس سرہٗ نے اس حاکم کے اس اقدام پر اس کے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی حضور سید عالم ﷺ تو جنت کی زمین بطور جاگیر عطا فرمادیا کرتے تھے۔ تو دنیا کی زمین کی جاگیر تو بدرجہ اولیٰ عطا فرما سکتے ہیں۔

☆ مکہ مکرمہ میں جنگ کا مباح ہونا، اور حرم میں کسی کو قتل کر دینا، اور مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہونا اور کسی کو پناہ دینے کے بعد قتل کر دینا۔ یہ سب امور سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ (بلد) ترجمہ۔ مجھے اس شہر کی قسم۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ فتح مکہ کے سال جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سرانور پر خود تھا۔ جب اسے اتارا تو آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: ابن خطل تو کعبہ معظمہ کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: اسے (وہیں) قتل کر دو۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت ابوشریح عدوی سے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے فتح مکہ کے دن سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے مکہ مکرمہ کو اللہ جل مجدہٗ نے حرمت والا بنایا ہے۔ مگر لوگوں نے اس کی حرمت برقرار نہ رکھی۔ اللہ جل مجدہٗ پر ایمان رکھنے، اور قیامت کا یقین رکھنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے یا اس کے درخت کاٹے۔

ہاں اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے فتح مکہ کے دن جنگ کرنے سے رخصت ثابت کرے تو اسے کہہ دو کہ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ جل مجدہٗ نے اجازت عطا فرمائی ہے۔ اور تم میں سے کسی کے لیے اجازت نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے امام مسلم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ فتح مکہ کے دن سید عالم ﷺ مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہوئے۔ اور سید عالم ﷺ کے سرانور پر سیاہ عمامہ تھا۔

☆ ابن قاص قدس سرہٗ نے فرمایا: پناہ دینے کے بعد پھر اسے قتل کر دینا سید عالم ﷺ کے لیے مباح ہے۔

35B

☆ امام رافعی قدس سرہٗ نے فرمایا: ائمہ نے ابن قاص کی اس رائے کو غلط قرار دیا ہے۔ ائمہ نے فرمایا (اس لیے کہ) جب سید عالم ﷺ پر آنکھ سے اشارہ کرنا حرام ہے۔ تو پناہ دینے کے بعد اسے قتل کر دینا کیوں کر حلال ہو سکتا ہے۔

☆ اپنے علم شریف کے مطابق فیصلہ فرمانا اور اپنی ذات گرامی اور اپنی اولاد کرام کے لیے خود فیصلہ دے دینا، اور جو آدمی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اولاد گرامی کے لیے گواہی دے، اسے قبول فرما لینا، اور اپنی ذات اقدس اور اپنی اولاد امجاد کے لیے خود گواہی دینا، سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ ہدیہ قبول فرما لینا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے جبکہ دوسرے حکام کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے "قضا بالعلم" کے باب میں حضرت ابو سفیان کی بیوی حضرت ہند کی حدیث روایت نقل کی ہے کہ سید عالم ﷺ نے حضرت ہند سے فرمایا تھا: ابو سفیان کے مال سے تمہیں اور تمہاری اولاد کو جو کفایت کر سکے تم اتنا بلا اسراف خرچ کر سکتی ہو۔

اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے سید عالم ﷺ کا اپنی ذات گرامی کے لیے خود فیصلہ دینا اور جو شخص آپ ﷺ کے لیے گواہی دے اسے قبول کر لینا، کے بارے میں حضرت خزیمہ کی گواہی والی حدیث روایت کی جو آگے آ رہی ہے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا: جب یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ سید عالم ﷺ اپنی اولاد کے لیے خود ہی فیصلہ فرما دیں۔ جبکہ ہدیہ قبول کرنے کی حدیث پہلے گذر چکی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے لیے کوئی فتویٰ اور حکم لگا دینا مکروہ نہیں اسے لیے کہ غصہ کے وقت جس کا ہم سے خدشہ وقوع میں آ سکتا ہے وہ آپ ﷺ سے نہیں ہو سکتا۔

جیسا کہ مسلم شریف کی "شرح" میں امام نووی قدس سرہٗ نے حدیث لقطہ کے قریب ذکر فرمایا کہ سید عالم ﷺ نے (ایک مرتبہ) غصہ کی حالت میں فتویٰ صادر فرمایا جبکہ اس وقت آپ ﷺ اس قدر غضب ناک تھے کہ رخسار مبارک غصہ سے سرخ ہو رہے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہیں خصائص سے ہے کہ آپ ﷺ کے لیے قوی خواہش کے باوجود روزہ کی حالت میں بوسہ لینا جائز تھا۔ دوسروں کے لیے یہ حرام ہے۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت ام المومنین عائشہ سے راوی کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا:

سرور عالم بحالت روزہ بھی بوسہ لیتے تھے (لیکن) تم میں سے کون ہے جو سید عالم ﷺ کی طرح اپنی خواہش پر مکمل ضبط رکھتا ہو۔

امام مسلم اور امام ابن ماجہ قدس سرہما نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ مجھے سید عالم ﷺ روزہ کی حالت میں بھی اپنے ساتھ لپٹا لیا کرتے تھے اس لیے کہ آپ ﷺ اپنی خواہش پر مکمل ضبط رکھتے تھے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ انہیں روزہ کی حالت میں چوم لیتے تھے اور ان کی زبان چوستے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ احرام کے بعد مسلسل خوشبو میں بسا رہنا آپ ﷺ کے لیے جائز ہے۔ مالکیوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت ام المومنین عائشہ سے راوی کہ ام المومنین نے فرمایا: گویا میں احرام کی حالت میں سید عالم ﷺ کی مانگ شریف میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔

☆ مالکیہ نے فرمایا کہ احرام کے بعد خوشبو کی ہمیشگی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ عام لوگوں کو احرام کے بعد خوشبو کی ممانعت اس لیے ہے کہ یہ جماع کے دواعی سے ہے، جس سے احرام کے ٹوٹنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ مگر سید عالم ﷺ چونکہ اپنی خواہش پر مکمل قابو رکھتے تھے اس لیے آپ ﷺ ہمیشہ خوشبو میں بسے رہتے تھے۔

☆ اور اس لیے بھی خوشبو کہ سید عالم ﷺ کو محبوب تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ کو اس کے استعمال میں رخصت دی گئی ہے۔

☆ اور اس لیے بھی خوشبو کے استعمال میں رخصت ہے کہ وحی کے باعث آپ ﷺ کا میل جول فرشتوں سے رہتا تھا۔

☆ غسل ضروری کی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا، اور سید عالم ﷺ کے پشت اقدس کے بل سونے کے باوجود وضو کا نہ ٹوٹنا، سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ اور ایک روایت کے مطابق بیوی کو بوس کنار کرنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا بھی جان عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی قدس سرہما نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا بحالت غسل ضروری میرے اور تیرے سوا مسجد میں ٹھہرنا

کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام بزار قدس سرہٗ حضرت سعد سے راوی کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت امیر المومنین علیؓ سے فرمایا: میرے اور تیرے سوا اس مسجد میں بحالت جنابت کسی کے لیے ٹھہرنا روا نہیں۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی تین خوبیاں

حضرت امیر المومنین عمر فاروق بن خطاب سے امام ابو یعلیٰ قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا:

لَقَدْ اُعْطِیَ عَلِیٌّ ثَلَاثُ خِصَالٍ لَاَنْ یَّکُوْنَ لِیْ خَصْلَۃٌ مِّنْھَا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اُعْطیٰ حُمُرِ النُّعُمِ :تَزْوِیْجَۃُ فَاطِمَۃُ وَسُکْنَاہُ الْمَسْجِدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِیْ فِیْہِ مَایَحِلُّ لَہٗ وَالرَّایَۃُ یَوْمَ خَیْبَرِ (ص339)

"امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تین ایسی خوبیوں کے حامل ہیں کہ مجھے ان میں سے ایک ہی حاصل ہو جائے تو وہ مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے: ☆ایک ان کا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے عقد کا ہونا ☆اور ان کا سید عالم ﷺ کے ہمراہ مسجد میں سکونت پذیر ہونا جو انہیں کے لیے روا ہے جبکہ میرے لیے جائز نہیں ☆اور خیبر کے دن انہیں پرچم کا ملنا۔

امام بیہقی قدس سرہٗ حضرت ام المومنین ام سلمہ سے راوی کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اور علی، فاطمہ، حسن و حسین سلام اللہ علیہم کے علاوہ کسی بھی جنبی اور حائضہ کے لیے یہ مسجد رہنے کے لیے حلال نہیں۔

زبیر بن بکار قدس سرہٗ نے اخبار مدینہ میں حضرت ابو حازم اشجعی سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پاکیزہ مسجد بنانے کا حکم فرمایا، جس میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہی ٹھہر سکتے ہیں۔ اور اللہ جل مجدہٗ نے مجھے بھی ایک پاکیزہ مسجد بنانے کا ارشاد فرمایا ہے جس میں صرف میں اور علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے ٹھہر سکتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس مسجد میں جو شی میرے لیے جائز ہے وہ تمہارے لیے بھی جائز ہے۔

ازواج مطہرات ایام مخصوصہ میں مسجد میں ٹھہر سکتی ہیں

امام ابن عساکر قدس سرہٗ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہا سے روایت کیا کہ

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنِّیْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِجُنُبٍ وَلَا حَائِضٍ اِلَّا لِمُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِہٖ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ (ص339)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس مسجد کو محمد ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے سوا اور کسی جنبی اور حائضہ کے لیے جائز نہیں کرتا"۔

امام بیہقی قدس سرہ نے اپنی "سنن" میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنِّی لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ اِلَّا لِمُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

"میں اس مسجد کو محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے علاوہ اور کسی حائضہ اور اجنبی کے لیے جائز نہیں رکھتا"۔(ص ۳۴۰)

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے ایک شب وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی پھر آرام فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ سے لمبے لمبے سانس سنے۔ پھر آپ ﷺ کے پاس مؤذن آیا اور وضو کیے بغیر نماز کے لیے قیام فرما ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود نے امام بزار قدس سرہ راوی کہ سید عالم ﷺ بحالت سجدہ نیند فرمانے کے بعد پھر اسی طرح کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری فرمالیا کرتے۔

امام ابن ماجہ اور امام ابو یعلی قدس سرہما حضرت ابن مسعود سے راوی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سید عالم ﷺ پشت اقدس کے بل اتنا سوتے تھے کہ لمبے لمبے سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پھر آپ ﷺ وضو فرمائے بغیر اسی طرح قیام فرما ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے۔(اور سونے کی حالت میں) وضو نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے سید عالم ﷺ کی آنکھیں تو آرام فرما ہوتی تھیں (مگر) دل بیدار رہتا تھا۔

امام ابن ماجہ قدس سرہ حضرت ام المومنین عائشہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے اپنی ایک زوجہ طاہرہ کو چوما اور پھر نماز ادا فرمائی اور دوبارہ وضو نہ فرمایا۔ اور ایک روایت میں حضرت ام المومنین سے یہ لفظ منقول ہیں۔ سید عالم ﷺ وضو فرماتے تھے، پھر چومتے تھے اور نیا وضو فرمائے بغیر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ شیخ عبد الحق قدس سرہ نے فرمایا میں اس حدیث میں ایسی کوئی بھی علت نہیں جانتا کہ جس

سے ترک وضو لازم آجائے۔

امام نسائی قدس سرہ نے صحیح سند سے حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: سید عالم ﷺ اس حالت میں نماز پڑھا کرتے تھے کہ میں آپ ﷺ کے سامنے یوں پڑی ہوتی تھی جیسے جنازہ پڑا ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ جب سید عالم ﷺ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنے پاؤں مبارک سے چھوا کرتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے روا ہے کہ بلاسبب جس پر چاہیں، لعنت فرمائیں۔ اسے ابن القاص اور امام الحرمین قدس سرہ نے ذکر کیا ہے اور اس کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔

امام بخاری و امام مسلم قدس سرہما نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں تو اس کا مجھ سے خلاف نہیں کرے گا۔" میں بھی ایک انسان ہوں۔ اس لیے مسلمانوں میں سے جسے میں کوئی تکلیف دوں، یا گالی نکالوں، یا لعنت بھیجوں، یا اسے کوڑے لگاؤں، تو ان سب باتوں کو اس کے لیے کفارہ سیئات اور ذریعہ دعا بنادے، اور اس کی ایسی نجات کردے جس کی بدولت وہ قیامت میں تیرے قرب میں رہے۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے "بسند صحیح" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ام المومنین حفصہ کے پاس ایک شخص بھیجا اور فرمایا اس کی نگہبانی کرتی رہو (مگر) حضرت ام المومنین اس شخص سے بے خبر ہوگئیں اور وہ چلا گیا۔ پھر سید عالم ﷺ نے حضرت ام المومنین سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کاٹ دے۔ اس پر آپؓ گھبرا اٹھیں۔ پھر سید عالم ﷺ نے فرمایا: (گھبرانے کی کیا بات ہے) میں نے اللہ جل مجدہ سے درخواست کر رکھی ہے کہ اپنی امت میں سے جس آدمی کو بددعا دے دوں تو تو اس دعا کو ذریعہ مغفرت بنادے۔ امام طبرانی قدس سرہ حضرت معاویہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، اے اللہ! جاہلیت میں جس پر میں نے لعنت بھیجی ہے، پھر وہ مسلمان ہوگیا تو میری اس لعنت کو اس کے لیے اپنے ہاں قربت کا ذریعہ بنادے۔

☆ بلا اجازت کسی بھی آدمی کے کھانے پینے کی اشیاء میں تصرف کرنا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔ اور مالک پر ان اشیاء کا (بلا تامل) سید عالم ﷺ پر خرچ کرنا فرض ہے۔ اگرچہ وہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہو۔ اور اپنی جان سید عالم ﷺ پر نچھاور کردے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہ نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (احزاب:6)

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔

ائمہ کی ایک جماعت نے ذکر فرمایا کہ اگر کوئی ظالم سید عالم ﷺ کی جان کے درپے ہو جائے تو وہاں جو بھی شخص موجود ہو اس پر واجب ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کو بچاتے ہوئے اپنی جان نثار کر دے۔ جیسے حضرت طلحہ نے جنگ احد میں اپنی جان کی بازی لگا کر سید عالم ﷺ کو بچالیا تھا۔

☆ اگر سید عالم ﷺ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا پسند فرمالیں اور وہ عورت ہو بھی غیر شادی شدہ تو اس پر سید عالم ﷺ کی اظہار پسندیدگی پر لبیک کہنا فرض ہے۔ اس بعد کسی اور کے لیے ایسی خاتون کی خواستگاری کرنا حرام ہے اور اگر وہ شادی شدہ تو پھر اس کے شوہر پر فرض ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کے نکاح کی خاطر اسے طلاق دے دے۔ اس کی دلیل مذکورہ آیت کریمہ ہے نیز یہ آیت کریمہ بھی اس کی دلیل ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ (انفال:24)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو"۔

اسی آیت کریمہ سے امام ماوردی نے بھی یہی استدلال کیا ہے۔

☆ جبکہ امام غزالی قدس سرہٗ نے حضرت زید بن حارثہ کے قصہ سے وجوب طلاق پر استدلال کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ (نکتہ) بھی بیان فرمایا کہ اس میں شوہر کی جانب سے بھید یہ ہے کہ یہاں "اس کا اپنی بیوی سے علیحدگی کے صدمہ سے" اس کے ایمان کا امتحان ہے۔

فَاِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ص340)

"سید عالم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اسے اس کے اہل وعیال اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ بن جاؤں۔ اور اس میں سید عالم ﷺ کی طرف سے راز یہ ہے کہ آپ ﷺ کو انسانی مشقت سے آزمائش کرنا، اور آنکھوں کی خیانت اور پوشیدہ رکھنے والی چیزیں جو ظاہر کے خلاف ہوں سے رُکنا ہے۔

☆ یہ (امر) بالاتفاق (مسلمہ) ہے کہ چار سے زائد بیویاں رکھنا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی

الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ (احزاب:38)

''نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے مقرر فرمائی اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گذر چکے۔ کی تفسیر میں امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا یعنی آپ ﷺ جس عورت سے بھی چاہیں نکاح فرما سکتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے لیے حلال ہے۔

☆ اور اس لیے بھی کہ متعدد ازواج رکھنا پہلے انبیاء علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں جبکہ خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک صد بیویاں تھیں۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں'' از، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ترجمہ۔ اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں۔'' الخ'' تا، خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ الخ'' ترجمہ۔ یہ خاص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں کی تفسیر میں روایت کیا کہ اللہ جل مجدہٗ نے جس دن سید عالم ﷺ کی عم زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد، سید عالم ﷺ کے لیے حلال فرمائیں۔ اسی دن آپ ﷺ کی متعدد ازواج ہونے کے باوجود وہ خواتین بھی حلال فرمادیں جو شادی شدہ نہیں۔

متعدد ازواج رکھنے کی حکمت

☆ علماء نے فرمایا آزاد آدمی کو غلام پر فوقیت حاصل ہے اور آزاد کے لیے غلام سے زیادہ بیویاں رکھنا بھی مباح ہے۔ لہٰذا جب ایک آزاد آدمی کے لیے غلام پر فضیلت رکھنے کے سبب غلام سے زیادہ بیویاں رکھنا مباح ہے تو پھر ضروری ہوا کہ سید عالم ﷺ کے لیے بھی امت سے زیادہ بیویاں رکھنا مباح ہوں، اس لیے کہ آپ ﷺ تمام امت پر (جو) فوقیت وفضیلت رکھتے ہیں (وہ مخفی نہیں) چار سے زائد بیویاں کیوں روا رکھی گئیں۔

چار سے زائد بیویاں کیوں روا رکھی گئیں

وَحَکیٰ الْقُرْطَبِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِهٖ اَنَّهٗ اُحِلَّ لِنَبِیِّنَا ﷺ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اِمْرَاۃً وَذَکَرَ فِیْ ذَالِکَ فَوَائِدَ۔ مِنْهَا نَقْلُ مَحَاسِنِهٖ الْبَاطِنَةِ فَاِنَّهٗ ﷺ مُکَمِّلُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ''(ص341)

'' علامہ قرطبی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے ننانوے بیویاں

خلال تھیں۔ اس (تعداد میں) علامہ قرطبی قدس سرہٗ نے کئی فائدے بھی ذکر کیے ہیں۔ انہی فوائد میں سے ایک سید عالم ﷺ کے باطنی محاسن و کمالات کا نقل کرنا ہے۔ اس لیے سید عالم ﷺ ظاہر و باطن دونوں کی تکمیل فرمانے والے ہیں:

وَمِنْهَا نَقْلُ الشَّرِيْعَةِ الَّتِیْ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهَا الرِّجَالُ (ص 341)

''اور انہی میں سے ایک یہ کہ شریعت کے ان احکام کا نقل کرنا ہے جس پر مرد مطلع نہ ہو سکے تھے''۔

وَمِنْهَا تَشْرِيْفُ الْقَبَائِلِ بِمُصَاهَرَتِهٖ

''اور ایک ان میں سے یہ کہ سید عالم ﷺ کے سسرالی رشتہ کے باعث قبائل کا بابرکت ہونا ہے''۔

وَمِنْهَا شَرْحُ صَدْرِهٖ بِكَثْرَتِهِنَّ عَمَّا يُقَاسِيْهِ مِنْ اَعْدَائِهٖ

اور انہی میں یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی کثرت کے سبب سید عالم ﷺ کا سینہ اقدس آپ ﷺ کے دشمنوں کی تکالیف سے ہلکا ہو جاتا تھا۔

وَمِنْهَا زِيَادَةُ التَّكْلِيْفِ فِی الْقِيَامِ بِهِنَّ مَعَ تَحَمُّلِ اَعْبَاءِ الرِّسَالَةِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ اَعْظَمَ لِمَشَاقِّهٖ وَاَكْثَرَ لِاَجْرِهٖ

''اور نیز یہ کہ (کثرت ازواج زیادتی ثواب کا ذریعہ ہے اس لیے کہ) رسالت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود پھر بھی ان کے حقوق کی نگہداشت رکھنا اس میں مشقت و تکلیف کا زیادہ سامنا کرنا ہوتا ہے جو بکثرت ثواب کا موجب ہے''۔

وَمِنْهَا اَنَّ النِّكَاحَ فِیْ حَقِّهٖ عِبَادَةٌ'' (ص ۳۴۱)

''نیز یہ کہ سید عالم ﷺ کے لیے (زیادہ) نکاح فرمانا عبادت ہے''۔

(وہ اس طرح کہ) ائمہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے حضرت ام المومنین ام حبیبہ سے اس وقت عقد فرمایا جب کہ آپ کے والد ماجد (حضرت ابوسفیان) ہنوز سید عالم ﷺ کے دشمن تھے اور اسی طرح حضرت ام المومنین صفیہ سے بھی اس وقت عقد فرمایا جبکہ موصوفہ کے شوہر، چچا اور والد کو سید عالم ﷺ نے مروادیا تھا۔ لہٰذا سید عالم ﷺ کی ازواج اگر آپ ﷺ کے باطنی احوال سے باخبر نہ ہوتیں اور نیز اگر آپ ﷺ کے تمام مخلوق سے کامل تر ہونے پر مطلع نہ ہوتیں، تو بداہتہً ان کی انسانی طبیعت انہیں اپنے ہی رشتہ داروں اور باپ، داداؤں کی طرف راغب رکھتی۔ (اس فائدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دشمنوں کی بیٹیوں سے عقد فرما کر انہیں اسلام و تبلیغ کی دولت سے مالا مال کرنا عبادت ہے)۔

وَكَانَ فِیْ كَثْرَةِ النِّسَآءِ عِنْدَهٗ بَيَانٌ بِمُعْجِزَاتِهٖ وَكَمَالِهٖ بَاطِنًا كَمَا

عَرَفَهُ الرِّجَالُ مِنْهُ ظَاهِرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ (ص341)

"سید عالم ﷺ کے ہاں متعدد ازواج بدیں وجہ تھیں تا کہ (ان کے ذریعہ) آپ ﷺ کے باطنی کمالات و معجزات بھی اسی طرح ظاہر ہو جائیں جس طرح مردوں کے ذریعہ آپ ﷺ کے ظاہری کمالات آشکارا ہوئے تھے۔

☆ بلا گواہ اور بلا شہود ولی نکاح کر لینے کی اباحت بھی سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے ہے۔

امام بیہقی قدس سرہ اپنی "سنن" میں حضرت ابو سعید سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نکاح جبھی ہوسکتا ہے جبکہ گواہ اور ولی موجود ہوں۔ مگر سید عالم ﷺ کا نکاح ولی اور گواہوں کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔ نیز امام بیہقی قدس سرہ نے وہ روایت بھی ذکر فرمائی ہے جسے امام مسلم قدس سرہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے جب حضرت ام المومنین صفیہ سے زفاف فرمایا تو لوگ کہنے لگے: نامعلوم سید عالم ﷺ انھیں اپنی بیوی بناتے ہیں یا ام ولد، پھر خود ہی اپنی رائے سے کہنے لگے: اگر سید عالم ﷺ نے انہیں باپردہ رکھا تو پھر تو یہ بیوی ہیں۔ اور اگر بلا حجاب رکھا تو پھر ام ولد ہیں۔ بعدہٗ جب سید عالم ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو سوار ہوتے وقت انہیں باپردہ رکھا۔ پھر سب کو معلوم ہو گیا کہ سید عالم ﷺ نے انھیں اپنی زوجہ بنالیا ہے، اور نکاح پر دلالت کی وجہ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، ظاہر ہے۔

نکاح میں اذنِ ولی اور گواہی کا اعتبار کیوں ہے؟

قَالَ الْعُلَمَآءُ اِنَّمَا اُعْتُبِرَ الْوَلِیُّ فِیْ نِکَاحِ الْاَمَةِ لِلْمُحَافَظَةِ عَلَی الْکَفَائَةِ وَهُوَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَوْقَ الْاَکْفَاءِ وَاِنَّمَا اعْتُبِرَ الشُّهُوْدُ لِاَمْنِ الْجُحُوْدِ وَهُوَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَا یَجْحَدُ، وَلَوْ جَحَدَتْ هِیَ لَمْ یُرْجَعْ اِلٰی قَوْلِهَا عَلٰی خِلَافِ قَوْلِهٖ بَلْ قَالَ الْعِرَاقِیْ فِیْ شَرْحِ الْمُهَذَّبِ تَکُوْنُ کَافِرَةً بِتَکْذِیْبِهٖ (ص341)

"☆ علماء کرام نے فرمایا امت کے نکاح میں اذن ولی کا اعتبار اس لیے کیا گی ہے تا کہ کفو برقرار رہے جبکہ سید عالم ﷺ کا معاملہ کفو سے برتر ہے۔

☆ اور (فریقین) کے انکار سے بچنے کے لیے گواہوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور سید عالم ﷺ سے انکار کا تصور ممکن نہیں اور اگر بیوی نکاح کی منکر بن جائے تو سید عالم ﷺ کے مقابلہ میں بیوی کی

بات قابل غور نہ ہوگی۔ بلکہ علامہ عراقی قدس سرہ نے ''شرح مہذب'' میں یہاں تک فرمادیا ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کے جھٹلانے کی وجہ سے کافر ہو جائے گی۔ سید عالم ﷺ کے لیے کسی بھی عورت سے خود بخود عقد فرمالینا جائز تھا۔ اور عورت اور اس کے ولی کی اجازت کے بغیر دونوں طرف سے خود ولی بن جانا بھی جائز تھا۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔ (الخ)

ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا سے عقد فرمانے کی خصوصیت

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے حلال فرمادینے سے عورت آپ ﷺ کے لیے حلال ہو جایا کرتی تھی۔ اس لیے نکاح فرمائے بغیر آپ ﷺ اس کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

امام بیہقی قدس سرہ نے فرمایا: جب یہ جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ آپ ﷺ عورت کی رائے لیے بغیر اس سے عقد فرمالیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب:37)

''پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی، تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی''۔ (الخ)

امام بخاری قدس سرہٗ حضرت انس سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں: تمہارے نکاح تو تمہارے گھر والوں نے کیے جبکہ میرا نکاح اللہ جل مجدہٗ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔

امام مسلم قدس سرہٗ حضرت انس سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب حضرت ام المومنین زینب کی عدت طلاق پوری ہوئی تو سید عالم ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: تم حضرت ''زینب'' رضی اللہ عنہا کے ہاں جاؤ اور انہیں میرا پیغام نکاح پہنچا دو۔ چنانچہ (حسب الحکم) جب حضرت زید نے جا کر ام المومنین رضی اللہ عنہا کو سید عالم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ تو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس بارے میں اس وقت تک میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک کہ میں اپنے پروردگار جل اسمہٗ سے کوئی مشورہ نہ لے لوں۔ پھر آپ اپنی مسجد بیت میں (برائے استخارہ) تشریف لے گئیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا حکم بھی قرآن کریم میں نازل ہوگیا۔ پھر سید عالم ﷺ حضرت زینب سے اجازت حاصل کیے بغیر تشریف لے گئے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ حضرت امام علی بن حضرت امام حسین سے

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ (احزاب:37)

"اورتم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا"۔ کی تفسیر میں روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو بتا دیا تھا کہ زینب "رضی اللہ عنہا" عنقریب آپ ﷺ کی زوجیت میں آجائیں گی۔

امام ابن سعد وعلامہ ابن عساکر قدس سرہما حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اور انہوں نے ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ موصوفہ نے فرمایا: واللہ! میں سید عالم ﷺ کی دوسری بیویوں جیسی نہیں ہوں۔ کیونکہ ان کے نکاح ہوئے مہر کے بدلہ میں، اور نکاح کرنے والے تھے ان کے قرابت دار، جبکہ میرا نکاح اللہ جل اسمہٗ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے فرمایا اور میرے ہی نکاح کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا جسے مسلمان (قیامت تک) پڑھتے رہیں گے۔ اور جس میں کسی طرح کا بھی تغیر وتبدل نہیں آسکتا۔

امام ابن سعد اور امام ابن عساکر قدس سرہما نے حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ایسے مراتب بلند فرمائے کہ جن کے ذریعہ انہوں نے اس دنیا میں وہ کمال حاصل کیا ہے جس کے مساوی دوسرا کوئی شرف نہیں ہوسکتا۔

☆ (مثلاً) قرآن کریم کی گواہی کے مطابق اللہ جل مجدہٗ نے ان کا نکاح دنیا میں اپنے نبی محترم ﷺ سے کیا۔

☆ (ایک دن) ہم سب سید عالم ﷺ کے گرداگرد بیٹھی ہوئی تھیں کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں سے لمبا ہے وہ (بعد از وصال) سب سے پہلے میرے ساتھ ملاقات کرے گی۔ چنانچہ سید عالم ﷺ نے انھیں جلدی اپنے ساتھ ملنے کی بشارت سنائی۔

☆ اور آپ رضی اللہ عنہا جنت میں سید عالم ﷺ کی زوجہ ہیں۔

علامہ ابن جریر قدس سرہٗ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے راوی، کہ آپ نے فرمایا: حضرت ام المومنین زینب سید عالم ﷺ سے فرمایا کرتی تھیں، (یا رسول اللہ ﷺ) میں آپ ﷺ کو تین ایسی باتوں کی نشاندہی کرتی ہوں کہ جن پر آپ ﷺ کی کوئی دوسری بیوی نہ کر سکے گی:

☆ یہ کہ آپ ﷺ کے اور میرے جدّ امجد ایک ہی ہیں۔

☆ آپ ﷺ سے میرا نکاح اللہ جل مجدہٗ نے آسمان پر فرمایا۔

☆ اور یہ کہ درمیان میں پیغام رساں حضرت جبریل امین تھے۔

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے۔

☆ اور اسی طرح ابتدا و انتہا میں بلا مہر نکاح کر لینا جائز ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ (احزاب:50)

''اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کرے، اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے۔ یہ خاص تمہارے لیے ہے، امت کے لیے نہیں''۔ (الخ)

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت الامام عکرمہ سے روایت کیا کہ ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو ہبہ فرما دیا تھا۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے محمد بن ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نے اپنا آپ سید عالم ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ مگر سید عالم ﷺ نے ان کی پیشکش کو قبول نہ فرمایا۔ پھر حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نے اپنے وصال تک کسی سے بھی نکاح نہ فرمایا۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''سنن'' میں حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ سے

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ (احزاب:51)

''پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو''۔ (الخ)

کی تفسیر میں روایت کیا کہ سید عالم ﷺ کے لیے خواتین نے اپنا آپ ہبہ کیا تو ان میں سے کچھ کو تو سید عالم ﷺ نے قبول فرما لیا۔ اور کچھ کو قبول نہ فرمایا۔ ازاں بعد ان خواتین میں سے کسی نے بھی دوسری جگہ عقد نہ فرمایا۔ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا بھی ایسی ہی خواتین میں سے ہیں۔

امام سعید بن منصور قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت مسیّب سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے بعد بذریعہ ہبہ نکاح کر لینا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

☆ رہا یہ امر کہ جس طرح ہبہ ہونے والی عورت کے لیے لفظ ہبہ کافی ہوتا ہے۔ کیا اسی طرح سید عالم ﷺ کی طرف سے بھی ہبہ قبول کرنا'' کا لفظ کفایت کرے گا'' یا سید عالم ﷺ کی طرف سے لفظ

نکاح شرط ہے۔اس میں دو وجہیں ہیں جن میں سے صحیح تر دوسری وجہ ہے۔اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ کا ظاہر ارشاد ''یستنکحھا'' اسی کا متقضی ہے (یعنی ظاہر کا مقتضا،لفظِ نکاح ہے) لہٰذا منجانب سید عالم ﷺ لفظ نکاح ہی معتبر ہے۔

☆ دو وجہوں میں سے ایک پر سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مابین تقسیم (اوقات) کا لحاظ رکھنا مباح ہے۔مذہب مختار یہی ہے۔اور امام غزالی قدس سرہٗ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ (احزاب)

''پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو،اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو،اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا،اسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں''۔(الخ)

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: سرور عالم ﷺ کے لیے اپنی ازواج کے درمیان تقسیم اوقات میں وسعت تھی کہ جس طرح آپ ﷺ چاہیں ان میں تقسم فرمائیں۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ (احزاب:51)

''یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں''۔(الخ)

اس لیے کہ اس سے ازواج مطہرات معلوم کرلیں گی کہ یہ اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے ایسے ہی ہے۔

☆ بعض علما نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ پر اپنی ازواج کے درمیان تقسیم اوقات اگر واجب ہوتا تو پھر لوازمِ رسالت سے روگردانی کا خدشہ پیدا ہو سکتا تھا۔

☆ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ سید عالم ﷺ ایک ہی وقت میں اپنی سب ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور یہ فعل وجوب تقسیم کے منافی ہے۔

☆ اور امام ابن قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا: پہلے پہل سید عالم ﷺ پر تقسیم واجب تھی۔پھر مذکورہ آیت کریمہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

☆ سید عالم ﷺ پر اپنی ازواج کے وجوب نفقہ میں دو وجہیں ہیں۔امام نووی قدس سرہٗ نے وجوب کو صحیح کہا ہے۔مگر اس صورت میں وہ نفقہ متعدد نہ ہوگا۔جبکہ دوسرے لوگوں کے نفقہ میں یہ حالت

نہیں ہے۔

احرام کی حالت میں اباحت نکاح

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ بحالت احرام آپ ﷺ کے لیے نکاح کر لینا مباح ہے۔

امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے بحالت احرام ام المومنین حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا ہے۔

☆ ایک وجہ پر جسے امام رافعی قدس سرہٗ نے بیان کیا کہ دوسرے کسی شخص کی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ، سید عالم ﷺ کے لیے نکاح فرمالینا مباح ہے۔

☆ اور اسی طرح اپنی موجودہ بیوی کے ہمراہ، اس کی بہن، پھوپھی، خالہ اور بیٹی کا نکاح میں اکٹھا کر لینا بھی سید عالم ﷺ کے لیے مباح ہے۔

☆ (مگر) سب سے صحیح یہ ہے کہ ان کے اکٹھا رکھنے کی بھی ممانعت ہے۔ اس کی شاہد بخاری و مسلم کی وہ حدیث شریف ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے۔

☆ اور (نیز) ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنی ہمشیرہ کو بغرض نکاح سید عالم ﷺ کی خدمت میں پیش فرمایا تو ان سے آپ ﷺ کا یہ فرمانا:

اِنَّ ذٰلِکَ لَا یَحِلُّ لِی فَلَا تُعْرِضَنَّ عَلَیَّ بَنَاتِکُنَّ وَ لَا اَخَوَاتِکُنَّ

"کہ یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، مجھ پر اپنی بیٹیاں اور بہنیں نہ پیش کیا کرو"۔

☆ یہ بھی صحیح ہے کہ سید عالم ﷺ نے حضرت ام المومنین عائشہ سے ان کی چھ یا سات سال کی عمر میں عقد فرمایا۔ ابن حزم کی روایت کے مطابق ابن شبرمہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ سید عالم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہ باپ کے لیے (عند الشوافع) جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح نابالغی میں کر دے۔ اسے ابن ملقن نے خصائص میں ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی ابن ملقن نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایت "غرائب" سے ہے۔ میں اسے ابن حزم کے سوا کسی اور سے نہیں جانتا۔

☆ جبکہ جمہور کا نظریہ ہے کہ یہ ہر ایک کے لیے جائز ہے اس میں صرف سید عالم ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ابن منذر قدس سرہٗ نے عدم خصوصیت پر اجماع نقل کیا ہے۔

☆ حضور جان عالم ﷺ کا اپنی لونڈی کو آزاد فرما کر پھر اسے نکاح میں لانا، اور اس کی آزادی ہی

اس کا مہر قرار دینا، سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے ہے۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کہ حضور سید عالم ﷺ نے ام المومنین صفیہ کو آزاد فرما کران سے نکاح فرمالیا اوران کی آزادی ہی ان کا مہر مقرر فرمایا۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت انس سے روایت کیا کہ جان عالم ﷺ نے جب حضرت ام المومنین صفیہ کو آزاد فرما کرانہیں اپنی زوجیت سے سرفراز فرمایا۔ تو پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا، (یارسول اللہ ﷺ) ان کا مہر کیا مقرر فرمایا ہے۔ فرمایا: اس کی جان، ہی اس کا مہر ہے۔

☆ امام ابن حبان قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے تو یوں عمل فرمایا ہے مگر اس فعل کی سید عالم ﷺ کے ساتھ خصوصیت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ یہ امت کے لیے روا نہیں ہے۔ لہٰذا اس فعل میں سید عالم ﷺ کی کوئی تخصیص نہ ہونے کی وجہ سے ہی یہ امت کے لیے بھی مباح ہے۔ (امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا) میں کہتا ہوں امام ابن حبان قدس سرہٗ کا قول ہی میرا بھی مختار ہے۔ اور یہی مذہب امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ اور امام اسحاق قدس سرہٗ کا بھی ہے۔

نامحرم خواتین سے تنہائی کی اباحت

☆ اجنبی عورتوں کو دیکھنا، اوران سے تنہائی اختیار کرنے کی اباحت بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

امام بخاری قدس سرہٗ حضرت خالد بن ذکوان رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ انہوں نے فرمایا: حضرت معوذ بن عضرا کی صاحبزادی حضرت رُبیع نے فرمایا: جس دن میری رخصتی ہوئی تو اسی دن سید عالم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور میرے بچھونے پر میرے ساتھ اس طرح تشریف فرما ہو گئے جیسے کہ تو میرے سامنے بیٹھتا ہے۔

☆ علامہ کرمانی قدس سرہٗ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث آیت حجاب کے نزول سے قبل پر محمول ہے۔

☆ یا کسی ضرورت کے تحت نظر کرنا مباح ہے۔ (اور مذکورہ واقعہ میں بھی ضرورت تھی اور وہ یہ کہ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے انہیں ایسے موقعہ پر اپنے والد گرامی کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے پائے)

☆ یا اس لیے کہ یہاں کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا قطعاً خدشہ نہ تھا۔

امام ابن حجر قدس سرہٗ نے فرمایا: ہمیں قوی دلائل سے یہی پتہ چلا ہے کہ پرائی عورتوں کو دیکھنا اوران

سے خلوت اختیار کرنا سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ حضرت ام حرام بنت ملحان اور سید عالم ﷺ کے درمیان محرمیت وزوجیت کا تعلق نہ ہونے کے باوجود سید عالم ﷺ کا ان کے ہاں تشریف لے جانا اور ان کے ہاں آرام فرمانا، اور ان کا سید عالم ﷺ کے سر اقدس کو ٹٹولتے رہنا اس قصہ میں بھی صحیح جواب یہی ہے کہ یہ سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ ابن ملقن نے خصائص میں حضرت ام حرام کی حدیث ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ علم نسب پر نظر رکھنے والا آدمی بخوبی جانتا ہے کہ سید عالم ﷺ اور حضرت ام حرام کے مابین محرمیت ثابت نہیں ہے۔

☆ حافظ دمیاطی قدس سرہٗ نے بھی اسی طرح کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سید عالم ﷺ کا حضرت ام حرام کو دیکھنا، اور ان کے ساتھ خلوت اختیار کرنا۔ یہ ان کی اور ان کی ہمشیرہ حضرت ام سُلیم کی خصوصیت ہے۔

محاکمہ سیوطی قدس سرہٗ

حضرت ام سلیم کے اصلی نام میں آرا

(امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا) میں کہتا ہوں حضرت الامام قاضی عیاض قدس سرہٗ کی ''شفا'' شریف کے حاشیہ میں علامہ شمنی قدس سرہٗ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت انس بن مالک کی والدہ (محترمہ) حضرت ام سُلیم جن کا (اصل) اسم گرامی ''سہلہ'' ہے۔

(۲) اور بعض نے ''رُمیلہ''

(۳) بعض نے ''اُنیسہ''

(۴) بعض نے ''مُلیکہ''

(۵) بعض نے ''رُمیصا''

(۶) اور بعض نے ''غُمیصا'' بھی بتایا ہے۔ اور ان کی ہمشیرہ حضرت ام حرام سید عالم ﷺ کی رضاعی خالہ ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر سید عالم ﷺ کے ساتھ ان کی محرمیت واضح ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جس بھی عورت سے اس کے آباء واجداد کی مرضی لیے بغیر جس بھی آدمی کا نکاح چاہیں، فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (احزاب:36)

36B

''اور نہ کسی مسلمان مرد اور نہ کسی مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ (جل جلالہٗ) اور رسول (ﷺ) کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے''۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اسی باب میں اپنی ''سنن'' میں

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔کو بھی ذکر فرمایا ہے''۔

امام بخاری قدس سرہٗ حضرت ابو ہریرہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا میں دنیا اور آخرت میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت سہل بن سعد سے راوی کہ آپ نے فرمایا: ایک خاتون سید عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا آپ سید عالم ﷺ کی خدمت میں (بغرض عقد) پیش کیا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا (اب) مجھے عورتوں کی ضرورت نہیں ہے۔اتنے میں ایک صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس کا عقد مجھ سے فرمادیجیے۔تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: تیرے پاس قرآن کا جتنا حصہ محفوظ ہے (جا) اس کے عوض میں نے تیرا اس کے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔

امام ابن جریر قدس سرہٗ حضرت ابن عباس سے راوی کہ حضور سید عالم ﷺ نے اپنے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ کے لیے حضرت زینب بنت جحش کی خواستگاری فرمائی مگر حضرت زینب نے فرمایا میں اس سے نکاح نہ کروں گی۔سید عالم ﷺ اور ان کے مابین یہی گفتگو جاری تھی کہ اسی اثنا میں اللہ جل مجدہٗ نے اپنے رسول محتشم ﷺ پر یہ آیت مبارکہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ (احزاب:36)

''اور نہ کسی مسلمان مرد اور نہ کسی مسلمان عورت کو پہنچتا ہے''۔

نازل فرمادی تو حضرت زنیب نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے اس کے لیے اپنے آپ کو راضی کر لیا ہے۔تو سید عالم ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر حضرت زینب نے فرمایا میں اللہ جل مجدہٗ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی نہ کروں گی۔

علامہ ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ ذوالبجادین نے ایک عورت کی خواستگاری کی مگر انہوں نے آپ کی پیش کش ٹھکرادی اور آپ سے شادی نہ کی۔پھر حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق کی اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق نے بھی (حضرت عبداللہ کی سفارش فرماتے ہوئے) ان سے پوچھا۔مگر انہوں نے پھر بھی انکار ہی کیا۔ہوتے ہوتے یہ

خبر سید عالم ﷺ تک جا پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: عبداللہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم فلاں عورت کو چاہتے ہو؟ تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ ازاں بعد سید عالم ﷺ نے فرمایا: (جاؤ) وہ خاتون میں نے تمہارے عقد میں دے دی ہے۔ چنانچہ (حسب الحکم) وہ عورت حضرت عبداللہ کے ہاں بھیج دی گئی ہے۔

صغیر السن لڑکی کا عقد کر دینا

☆ یہ بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے کہ اپنی صاحبزادیوں کے علاوہ کسی بھی چھوٹی لڑکی کا نکاح جس سے بھی چاہیں فرمادیں۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی دختر حضرت عمارہ مکہ مکرمہ میں رہا کرتی تھیں۔ جب سید عالم ﷺ عمرہ قضا کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے تو انھیں بھی حضرت امیر المومنین حضرت علی مرتضی اپنے ہمراہ لے آئے اور سید عالم ﷺ سے گزارش کی: یارسول اللہ ﷺ! اس سے عقد فرمالیجئے۔ لیکن سید عالم ﷺ نے فرمایا: (اس سے میرا نکاح کیسے ہوسکتا ہے جبکہ) یہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ پھر سید عالم ﷺ نے ان کا حضرت ابوسلمہ کے صاحبزادے حضرت سلمہ سے عقد فرمادیا۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا: چھوٹی لڑکی کے نکاح وغیرہ میں جو خصوصیت سید عالم ﷺ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمارہ کے متولی نکاح سید عالم ﷺ ہی تھے۔ جبکہ حضرت عمارہ کے چچا حضرت عباس متولی نہ ہوئے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت سلمہ بن ابی سلمہ سے روایت کیا کہ جب حضور سید عالم ﷺ نے حضرت ام سلمہ کی خواستگاری فرمائی تو موصوفہ نے عرض کیا (میں عقد کیسے کرسکتی ہوں جبکہ) میرے اولیاء میں سے یہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: اپنے لڑکے سے کہہ دو کہ تمہارا نکاح کر دے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے نے آپ کا سید عالم ﷺ سے نکاح کر دیا۔ جبکہ آپکے صاحبزادے ابھی کم سن اور نابالغ تھے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے فرمایا: نکاح کے باب میں جتنی گنجائش سید عالم ﷺ کے لیے ہے کسی اور کے لیے اتنی نہیں ہے۔ ایک وجہ کے مطابق جس طرح سید عالم ﷺ کی ازواج کی تعداد میں انحصار نہیں ہے۔ یونہی سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی طلاق تین عدد پر موقوف نہیں ہے۔ اس بنا پر اگر فرض کیا جائے کہ سید عالم ﷺ اپنی کسی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتے

ہیں تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ بیوی بغیر حلالہ کے آپ ﷺ کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں دو وجہ (مروی) ہیں۔

☆ ایک وجہ یہ ہے کہ بلا تحلیل سید عالم ﷺ اس سے دوبارہ عقد فرما سکتے ہیں کیونکہ یہ سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے کہ بعد از مفارقت بھی آپ ﷺ کی بیوی دوسروں پر حرام ہی رہتی ہے۔

☆ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی بھی آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں رہتی۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیز حضرت "ماریہ" کو اپنے آپ پر حرام کر لیا تھا مگر وہ پھر بھی آپ ﷺ پر حرام نہ ہوئیں۔

امام مقاتل قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے اس فعل پر کسی قسم کا کفارہ لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ جرائم سے معصوم ہیں جبکہ کوئی امتی اگر اپنی لونڈی کو اپنے آپ پر حرام کرے تو اس پر کفارہ فرض ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے امت کی طرف سے قربانی فرمائی ہے۔ اور کسی کے لیے دوسرے کی طرف سے اس کی بلا اجازت قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ذَبَحَ كَبْشًا اَقْرَنَ بِالْمُصَلّٰى،
ثُمَّ قَالَ، اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّىْ وَعَنْ مَنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِىْ "(ص345)

"سید عالم ﷺ نے عید گاہ میں سینگوں والا ایک مینڈھا ذبح فرما کر پھر فرمایا: اے اللہ جل مجدہٗ یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت سے قربانی کی استطاعت نہ رکھنے والے کی طرف سے ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے قربانی کے لیے دو مینڈھے حاصل فرما کر ان میں سے ایک کو ذبح فرمانے کے بعد فرمایا: اے اللہ! یہ محمد ﷺ اور ان کی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید اور میری رسالت کی گواہی دی۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت امام علی بن حسین سے

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (حج: 67)

"ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کے قاعدے بنا دیے کہ وہ ان پر چلے۔ کی تفسیر میں روایت

کیا کہ ہرامت کے لیے قربانی ہے جسے انہوں نے ذبح کیا''۔

حضرت ابورافع نے مجھے بتایا کہ جب عید قربان آتی تو سید عالم ﷺ چتکبرے سینگوں والے دو موٹے تازے مینڈھے خریدتے تھے۔ پھر خطبہ اور نماز سے فراغت کے بعد ان میں سے ایک کو ذبح فرماتے اور فرمایا کرتے تھے اے اللہ! یہ میری امت کے ان تمام افراد کی طرف سے جنہوں نے توحید و رسالت کا اقرار کرلیا۔ ازاں بعد دوسرا مینڈھا جب حاضر کیا جاتا تو اسے ذبح فرمانے کے بعد فرماتے تھے: اے اللہ! یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ہے۔ پھر انہیں مساکین کو کھلا دیتے تھے نیز سید عالم ﷺ خود بھی اور آپ ﷺ کے قرابت دار بھی ان سے کھایا کرتے تھے۔ ہم مدتوں ٹھہرے رہے اور اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں تاوان و محنت سے نجات دلا دی۔ چنانچہ بنو ہاشم میں سے کوئی بھی قربانی نہ کرتا تھا۔

☆ ابن سبع نے سید عالم ﷺ کے خصائص سے یہ بھی گنوایا ہے کہ جس کسی نے سید عالم ﷺ کو گالیاں دیں یا آپ ﷺ کی بدگوئی کی تو اس کا قتل کرنا مباح ہے اور اس خصوصیت کا مآل اپنی ذات گرامی کے لیے خود فیصلہ دے دینا ہی ہے۔

قسم الکرامات

سید عالم ﷺ کا ترکہ صدقہ ہے

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی وارث نہیں بلکہ آپ ﷺ کا مال اپنے اسی مصرف پر ابھی تک باقی ہے۔

امام بخاری اور مسلم قدس سرہما نے حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق سے روایت کیا کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِيْ هٰذَا الْمَالِ، وَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْأً مِنْ صَدَقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَأَعْمَلَنَّ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ (ص345)

''سید عالم ﷺ نے فرمایا: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔ محمد ﷺ کی آل اس مال سے کھا سکتی ہے۔ مگر میں اللہ کی قسم! سید عالم ﷺ کے صدقہ کی اس حالت کو جیسے کہ وہ سید عالم ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھی۔ کسی قسم کی تبدیلی نہ کروں

گا۔ اور اس میں وہی عمل جاری رکھوں گا''۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُقْتَسَمُ وِرْثَتِیْ دِیْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِیْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِیْ، فَاِنَّهٗ صَدَقَةٌ (ص345)

''میری وراثت کا کوئی درہم و دینار تقسیم نہ ہوگا میری ازواج کے خرچہ اور میرے عمال کی تنخواہ کے بعد جو بچ رہے تو وہ صدقہ ہے''۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِعَلِیٍّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ وَمُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ وَلَا وِرْثَةَ (ص345)

''سید عالم ﷺ نے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تیرا مقام میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں تھا۔ لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ) نبوت و وراثت اب جاتی رہی''۔

فائدہ

قاضی عیاض قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت بیان کی کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ خصوصیت صرف ہمارے نبی مکرم ﷺ ہی کی ہے جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی، کیونکہ ان کا ورثہ چلتا رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے جانشین ہوئے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ:

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم:6)

''تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھا لے وہ میرا جانشین ہو، اور اولاد یعقوب کا وارث ہو''۔

محاکمہ سیوطی قدس سرہٗ

قاضی عیاض کی روایت کردہ حکایت کی تقدیر پر سید عالم ﷺ کی یہ خصوصیت پھر ان خصائص سے شمار ہوگی کہ جن کی بنا پر آپ ﷺ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے امتیازی حیثیت اور

انفرادیت کے حامل ہیں۔

☆ مگر صحیح وہی ہے جس پر تمام علماء کا اتفاق چلا آ رہا کہ اس خصوصیت میں سبھی انبیاء علیہم السلام برابر ہیں اس کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جسے امام نسائی قدس سرہٗ نے حضرت زبیر سے مرفوعاً روایت کیا کہ (سید عالم ﷺ نے فرمایا): "اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآءِ لَانُوْرِثُ" (ص ۳۴۶) ترجمہ۔ ہم نبیوں "علیهم السلام" کی جماعت ہیں ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ رہا مذکورہ دونوں آیتوں کا مطلب تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں ارث سے مراد ارث نبوت وعلم ہے۔

(دلیل ثانی) امام ابن ماجہ قدس سرہٗ نے حضرت ابو درداء سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِيْنَارًا وَّلَادِرْهَمًا اِنَّمَا وَرِثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ

"آپ ﷺ نے فرمایا علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں (ہاں) انبیاء کرام کے درہم ودینار کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ان کی وراثت اگر ہوتی ہے تو صرف علم میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جس نے علم حاصل کیا تو اس نے ان کی (وراثت کا) کثیر حصہ پالیا"۔

انبیاء علیہم السلام کے وارث نہ ہونے کی وجوہ

"الحکمۃ" میں مذکور ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارث نہ ہونے کی چند وجوہ ہیں:

☆ اَنَّهٗ لَايَتَمَنّٰى قَرِيْبُهُمْ مَوْتَهُمْ فَيَهْلِكُ بِذٰالِكَ (ص346)

☆ پہلی وجہ یہ ہے کہ تاکہ ان کا قرابت دار وارث کی خاطر ان کی وفات کی آرزو میں نہ لگا رہے جو خود اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔

☆ اَنْ لَّايُظَنَّ بِهِمُ الرَّغْبَةُ فِي الدُّنْيَا وَجَمْعُهَا لِوُرَاثِهِمْ (ص346)

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ ان کی رغبت دنیا میں ہے اور نہ ہی اس شبہ کی گنجائش باقی رہے کہ یہ اپنے ورثاء کے لیے مال اکٹھا کرتے ہیں۔

☆ اَنَّهُمْ اَحْيَا وَالْحَيُّ لَايُوْرِثُ" (ص346)

☆ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ زندہ ہوتے ہیں اور زندہ کی وراثت نہیں ہوتی۔

☆ وَلِهٰذَا ذَهَبَ اِمَامُ الْحَرَمَيْنِ اِلٰى اَنَّ مَالَهٗ ﷺ بَاقٍ عَلٰى مِلْكِهٖ يُنْفِقُ مِنْهُ عَلٰى اَهْلِهٖ

وَخَدَمِهٖ وَمَصْرَفُهٗ فِيْمَا يُصَرِّفُهٗ فِيْ حَيَاتِهٖ (ص346)

☆ اسی لیے امام الحرمین قدس سرہٗ کا رجحان یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کا مال بدستور آپ ﷺ کی ملکیت میں ہے۔ جو آپ ﷺ کے اہل وعیال اور خدام پر خرچ ہوتا رہے گا اور اس کا مصرف وہی ہے جو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھا۔

☆ امام نووی اور دوسرے ائمہ نے اس کو ترجیح دی ہے اب اس مال سے آپ ﷺ کی ملکیت ختم ہو چکی ہے اور وہ مال اب تمام مسلمانوں پر صدقہ ہے۔ صرف آپ ﷺ کے ورثاء کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

☆ بعض ائمہ نے یہاں ایک اور خصوصیت بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ سید عالم ﷺ کے لیے اپنی وفات شریف کے بعد اپنے تمام مال کا صدقہ (کی وصیت) کر دینا مباح جبکہ امت کے لیے یہ جائز نہیں۔ انہیں صرف ایک تہائی مال تصدق کرنے کی اجازت ہے۔

ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں

سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ (یعنی) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نکاح کے حرام ہونے اور ان کی فرماں برداری، اور ان کے وجوب احترام میں، مومنوں کی مائیں ہیں۔ صرف نظر وغیرہ میں حرمت نہیں ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب)

"یہ نبی مسلمانوں کا، ان کی جان سے زیادہ مالک ہے، اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں"۔

وَقُرِئَ! وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ اور ایک قرأت یوں ہے کہ" وہ نبی محترم ﷺ مومنوں کے باپ ہیں"۔

امام بغوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن صرف مومن مردوں کی ماں ہیں۔ مومنہ عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ماں ہونے کا مفاد صرف مردوں میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ عورتوں میں اس کا فقدان ہے" اور وہ فائدہ ان سے نکاح کرنا ہے" (جیسا کہ) امام ابن سعد قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ ایک خاتون نے آپ کو" یَا اُمُّ" کہہ کر پکارا تو آپ نے (فوراً) فرمایا: (نہ، نہ) میں تمہارے مردوں کی تو ماں ہوں مگر تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام المومنین نے فرمایا: میں تمہارے مردوں اور عورتوں سبھی کی ماں ہوں۔

وَبِهٖ قَالَ طَآئِفَةٌ اِنَّ فَائِدَةَ الْاِحْتِرَامِ وَالتَّعْظِيْمِ مَوْجُوْدَةٌ فِي النِّسَآءِ

ایضًا (ص346)

''اس روایت کے مطابق (ائمہ کی) ایک جماعت کا یہی مذہب ہے (کہ ازواج مطہرات مومنہ عورتوں کی بھی ماں ہیں) کیونکہ کہ احترام وتعظیم کا مفاد عورتوں میں بھی (اسی طرح) موجود ہے۔

☆ امام بغوی قدس سرہٗ نے فرمایا: حرمت اور تعظیم کے لحاظ سے سید عالم ﷺ سب عورتوں اور مردوں کے والد ہیں۔

روبرو ازواج مطہرات سے سوال کرنے کی حرمت

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے ڈھانچوں کو کپڑوں میں لپٹا ہوا ہونے کے باوجود دیکھنا حرام ہے۔

☆ اوران سے روبرو پوچھنا (یا کوئی شے مانگنا) حرام ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (احزاب:53)

''اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو''۔الخ

امام رافعی اور امام بغوی قدس سرہما کی پیروی کرتے ہوئے (امام نووی قدس سرہٗ نے) ''روضہ'' میں فرمایا کہ (مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ) ازواج مطہرات سے بلا پردہ سوال کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں جبکہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے بالمشافہ سوال کرنا جائز ہے۔

امام نووی اور قاضی عیاض قدس سرہما نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا کہ یہ بالاتفاق ازواج مطہرات کی خصوصیت ہے کہ ان کے لیے چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا بھی فرض ہے۔اس لیے ان کے لیے گواہی وغیرہ میں ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں۔اور نہ ہی ان کا اپنے کالبد کو واضح کرنا جائز ہے۔اگرچہ کپڑوں کے اندر لپٹی ہی کیوں نہ ہوں۔البتہ ضروری حاجت کے لیے ان کا خروج جائز ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگوں کو مسائل بتانے کے لیے پس پردہ تشریف فرما ہوا کرتی تھیں۔اور جب کہیں نکلنا ہوتا تھا تو اس طرح تشریف لے جاتی تھیں کہ پردہ میں ان کے کالبد چھپے ہوئے ہوتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب ام المومنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال شریف ہوا تو ان کے جسد اطہر پر صحابہ کرام نے قبہ بنادیا تھا تا کہ ان کا تشخص چھپا رہے۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر جا رہی تھیں اور ''موصوفہ ایک جسیم خاتون تھیں انہیں پہلے سے جاننے والا آدمی فوراً پہچان لیا کرتا تھا'' کہ

امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: سودہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) واللہ! آپ ہم سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتیں۔ دیکھیں تو سہی آپ باہر کیسے جا رہی ہیں۔ چنانچہ ام المومنین (شکر رنجی کے عالم میں) وہیں سے لوٹ کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں جبکہ سید عالم ﷺ اس وقت شام کا کھانا تناول فرماتے ہوئے اپنے دست اقدس میں لی ہوئی ہڈی سے گوشت تناول فرما رہے تھے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ میں اپنی کسی غرض سے باہر جا رہی تھی کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے یوں یوں کہا ہے۔ (یہ عرض ابھی جاری تھی کہ) اللہ جل مجدہٗ نے اسی حالت میں" جبکہ ہڈی والا گوشت ابھی سید عالم ﷺ کے دست اقدس میں ہی تھا" آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔ پھر فرمایا: اب تمہیں اپنی ضروری حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت ہے۔ اور امام ابن سعد قدس سرہٗ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے راوی کہ آپ نے فرمایا: جس سال امیر المومنین عمر فاروق کی وفات واقع ہوئی۔ تو اس سال حضرت امیر المومنین نے مجھے اور حضرت عثمان کو اس غرض سے روانہ فرمایا تا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو حج کروا لائیں۔ چنانچہ (حسب حکم ہم جب روانہ ہوئے تو) حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ازواج مطہرات کے آگے آگے چلتے تھے اور کسی کو ان کے قریب نہ آنے دیتے تھے۔ اور اگر دیکھنے کی ضرورت محسوس فرماتے تو صرف گوشہ چشم سے دیکھتے تھے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ اور حضرت عثمان کی طرح ہی تمام آداب بجالاتے تھے۔ جبکہ تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے کجاوہوں میں تشریف فرما تھیں اور دونوں صاحبان (جب کہیں ٹھہرنے کا ارادہ فرماتے تو) ازواج مطہرات کو گھاٹیوں میں اتارتے تھے اور کسی کو ان کے قریب پھٹکنے تک نہ دیتے تھے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت ام معبد بنت خالد بن خلیفہ نے فرمایا امیر المومنین عمر فاروق کی خلافت کے وقت میں نے حضرت امیر المومنین عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کو حج کرواتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے ان کے کجاوہوں پر سبز ریشمی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے ہیں اور سبھی ازواج مطہرات (قافلہ سے علیحدہ) اکیلے اکیلے چل رہی تھیں۔ جن کے آگے آگے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری چل رہی تھی۔ اور جب کوئی ان کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو حضرت عثمان بلند آواز سے فرماتے تھے: پرے ہٹ جاؤ پرے ہٹ جاؤ۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی ان کے پیچھے پیچھے اسی طرح فرماتے جاتے تھے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میں نے

حضرت امیر المومنین عثمان کو دیکھا کہ آپ ازواج النبی ﷺ کے آگے آگے چلتے ہوئے سامنے سے آنے والے لوگوں کو دور کر دیتے تھے۔حتیٰ کہ ازواج مطہرات کے گزرنے تک انہیں تاحد نظر دور فرما دیتے تھے۔

ازواج مطہرات کا اپنے گھروں میں رکے رہنا واجب ہے

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کا اپنے گھروں میں ہی رہنا واجب ہے۔

☆ اور بنا پر ایک روایت کہ سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات کا اپنے گھروں سے باہر آنا حرام ہے اگرچہ وہ حج وعمرہ کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے "حجۃ الوداع" میں فرمایا: یہ حج "اسلام" ہے جو گردن سے ساقط ہو گیا اس کے بعد تم بوریا کو غنیمت سمجھنا۔

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: (سید عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد) تمام ازواج مطہرات ماسوا حضرت سودہ اور حضرت زینب کے حج کو جایا کرتی تھیں اور وہ دونوں فرمایا کرتی تھیں۔سید عالم ﷺ (کی وصیت سننے) کے بعد ہم چوپایہ پر سوار نہ ہوں گی۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت ابن سیرین نے فرمایا ام المومنین حضرت سودہ نے فرمایا: میں نے حج وعمرہ کر لیا ہے۔اب میں جیسا کہ مجھے اللہ جل مجدہٗ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھر پر ہی رہوں گی۔ام المومنین سید عالم ﷺ کی اس وصیت پر عمل پیرا تھیں جو "حجۃ الوداع" کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمائی تھی کہ یہ حج اسلام ہے جو ساقط ہو گیا ہے۔ازاں بعد تم بوریا کو ہی غنیمت سمجھنا۔ اسی لیے حضرت ام المومنین نے تاوفات کوئی بھی حج نہ فرمایا۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت امام عطاء بن یسار سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: تم میں سے جس نے آخرت میں نقصان دہ امور سے اجتناب کیا اور کج خلقی اور میری اطاعت میں کوتاہی کو نہ اپنایا اور بوریا نشینی کو لازم کر لیا تو وہ آخرت میں میری بیوی ہے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن کے طریق سے حضرت ابوجعفر قدس سرہٗ سے روایت کیا کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق نے ازواج النبی ﷺ کے لیے حج اور عمرہ کی ممانعت فرما دی تھی۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے ام المومنین عائشہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: ہمیں امیر المومنین عمر

فاروق نے حج اور عمرہ سے منع فرمادیا تھا۔ مگر اپنے آخری سال میں انہوں نے ہمیں اجازت دے دی تھی۔ پھر انہوں نے ہمیں حج کروایا۔ ان کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان منتخب ہوئے تو ہم نے جب ان سے اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا۔ اپنے ارادہ کے مطابق آپ جو مناسب سمجھتی ہیں وہی فرما لیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے تمام ازواج کو سوائے حضرت سودہ اور حضرت زینب کے حج کروایا۔ جبکہ یہ دونوں سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد اپنے گھر سے باہر نہ آتی تھیں اور (حج کے موقعہ پر) ہم سبھی باپردہ تھیں۔

ازواج مطہرات کا گھروں میں ٹھہرے رہنے کا راز

قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ كَانَ نِسَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَعْنَى الْمُعْتَدَّاتِ وَلِلْمُعْتَدَّةِ السُّكْنٰى فَجَعَلَ لَهُنَّ سُكْنَى الْبُيُوْتِ مَاعِشْنَ وَلَا يَمْلِكْنَ رِقَابَهَا'' (ص347)

شیخ الاسلام امام سفیان بن عیینہ قدس سرہٗ نے فرمایا: (سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کا اپنے گھروں میں رہنا اس لیے تھا کہ) سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات معتدہ کے حکم میں ہیں۔ اور معتدہ کی ضروریات سے اس کے لیے رہنے کی جگہ بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے ازواج مطہرات کے لیے بھی تاحیات ٹھہرنے کے لیے مکانوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ البتہ وہ ان کی مالک نہ تھیں۔

سید عالم ﷺ کے بول و براز طاہر ہیں

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے آپ ﷺ کے بول و براز اور خون مبارک کا پاک ہونا بھی ہے۔

امام غطریف قدس سرہٗ نے اپنی ''جز'' میں اور امام طبرانی و امام ابونعیم قدس سرہما نے حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا کہ وہ (ایک مرتبہ) سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں پر حضرت امیر المومنین عبداللہ بن زبیر ایک طشتری میں سے کچھ نوش فرمارہے تھے۔ تو ان سے سید عالم ﷺ نے فرمایا: تجھے کیا ہوا۔ عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا خون میرے شکم میں رہے۔ پھر ان سے سید عالم ﷺ نے (عرب محاورہ کے مطابق یہ دعائیہ کلمہ) ارشاد فرمایا ''ارے تو مرجائے اب تو تجھے نار سقر کچھ بھی نہ کہے گی۔ ہاں قسم پوری کرنے کی مقدار''۔

امام ابن حبان قدس سرہٗ نے اپنی ''ضعفا'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک قریشی کے غلام نے سید عالم ﷺ کو سینگی لگائی۔ جب وہ سید عالم ﷺ کو سینگی لگا

کر فارغ ہوا تو اس نے آپ ﷺ کے خون مبارک کو لے جا کر نوش کر لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے چہرہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا: تو مرے! خون کا کیا کیا؟ وہ غلام عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ میرے پیٹ میں ہے (کیونکہ) مجھے شرم آئی کہ آپ ﷺ کے خون کو زمین پر گرا دوں۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: (اچھا!) جا! تو نے اپنی جان آگ سے محفوظ کر لی ہے۔ امام دار قطنی قدس سرہٗ اپنی ''سنن'' میں حضرت سیدتنا اسماء رضی اللہ عنہا بنت امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے سینگی لگوا کر اپنا خون میرے بیٹے کو عنایت فرما دیا جسے اس نے نوش جان کر لیا۔ اتنے میں جبریل امین آئے اور سید عالم ﷺ کو سارے ماجرا کی خبر کر دی۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: ارے! خون کا کیا کیا؟۔ میرے بیٹے نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ) آپ ﷺ کے خون مبارک کو گرا دینا مجھے پسند نہ آیا۔ اس پر سید عالم ﷺ نے اس کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: اوہو! تو مر جائے! (اب) تجھے آگ نہ چھو سکے گی۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''سنن'' میں، اور امام بزار، امام ابو یعلیٰ، امام ابن ابی خیثمہ، امام طبرانی قدست اسرارہم نے حضرت سفینہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے سینگی لگوا کر مجھ سے فرمایا: یہ خون کہیں چھپا دو۔ چنانچہ وہ خون میں نے نوش جان کر لیا۔ پھر جب حاضر خدمت عالیہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (سناؤ!) تم نے خون کا کیا بنایا؟ تو میں عرض گزار ہوا: میں نے اسے چھپا دیا ہے، پھر سید عالم ﷺ نے فرمایا (معلوم ہوتا ہے کہ) تو نے اسے پی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں (پی لیا ہے) اس پر آپ ﷺ تبسم فرمانے لگے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''سنن'' میں ''بسند حسن'' اور امام بزار، امام طبرانی، امام حاکم قدست اسرارہم، حضرت امیر المومنین عبد اللہ بن زبیر سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے سینگی لگوا کر اپنا خون مبارک مجھے عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: (جاؤ) اسے کہیں چھپا دو۔ چنانچہ میں نے باہر جا کر وہ خون مقدس نوش کر لیا پھر جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (بتاؤ) خون کا کیا بنایا ہے؟ میں نے عرض کیا: اسے تو میں نے چھپا بھی دیا ہے۔ اس پر سید عالم ﷺ نے (میرے احوال کی نزاکت بھانپتے ہوئے) ارشاد فرمایا: (محسوس ہوتا ہے کہ) شاید تم نے اسے پی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں میں نے اسے پی لیا ہے۔

• امام حاکم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا: غزوہ احد کے دن جب سید

عالم ﷺ زخمی ہوئے تو میرے والد گرامی نے سید عالم ﷺ کے چہرہ انور سے اپنے منہ کے ساتھ خون مبارک پونچھتے ہوئے اسے چوس لیا، تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: جسے ایسے آدمی کا دیکھنا خوش کرے کہ جس کے خون کی آمیزش میرے خون سے ہے تو اسے مالک بن سنان کو دیکھنا چاہیے۔

ابن سکن قدس سرہٗ اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے ''اوسط'' میں اس روایت کو بدیں لفظ ذکر کیا ہے: سید عالم ﷺ نے فرمایا: جس کے خون کی آمیزش میرے خون سے ہوگئی تو اسے آگ نہ چھوئے گی۔

حافظ ابویعلی، امام حاکم، امام دارقطنی، امام طبرانی، امام ابونعیم قدست اسرارہم نے روایت کیا کہ حضرت ام ایمن نے فرمایا: ایک شب سید عالم ﷺ نے اٹھ کر بول دان کی طرف تشریف لا کر اس میں پیشاب فرمایا۔ پھر شب کے کچھ حصہ میں میں اٹھی اور اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی، تو میں نے اس بول دان میں سے جو کچھ بھی تھا، پی لیا۔ پھر صبح کو میں نے اس کی بابت سید عالم ﷺ کو بتادیا۔ تو سید عالم ﷺ نے ہنستے ہوئے ارشاد فرمایا: اب تیرا شکم کبھی گرسنہ نہ ہوگا۔

اور امام ابویعلیٰ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: آج کے بعد تیرا پیٹ کبھی بھی نہ دکھے گا۔

امام طبرانی قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے ''بسند صحیح'' حضرت حکیمہ بنت امیمہ سے اور انھوں نے اپنی والدہ محترمہ سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سید عالم ﷺ ایک لکڑی کے پیالہ میں بول مبارک فرمایا کرتے تھے اور پھر اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ (اسی طرح ایک مرتبہ) سید عالم ﷺ شب کو (پیشاب کے لیے) تشریف فرما ہوئے تو وہ پیالہ نہ پایا۔ پھر اس کی بابت آپ ﷺ کے استفسار کرنے پر گھر والوں نے بتایا کہ اس پیالہ کو حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حبشی خادمہ پی گئی ہے۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: اس سے آگ کی دیوار روک دی گئی ہے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ ''اوسط'' میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی بیوی، حضرت سلمیٰ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے جب غسل فرمایا تو میں آپ ﷺ کے غسل کے پانی کو پی گئی۔ پھر میں نے اس کی بابت سید عالم ﷺ کو اطلاع دی تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: چلی جا! تیرے بدن پر اللہ جل مجدہٗ نے آگ حرام فرمادی ہے۔

☆ ہمارے آئمہ کرام نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے بال مبارک بغیر کسی اختلاف کے بالاتفاق طاہر ہیں۔

حضرت امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے قربانی

کے دن بال مبارک ترشوانے کے بعد انہیں لوگوں کے درمیان بانٹ دینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ انہی میں سے ایک حضرت ابوطلحہ بھی تھے جنہوں نے ان بالوں میں سے پورا ایک گچھا حاصل کیا تھا۔

☆امام الآئمہ ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَاَنْ یَّکُوْنَ عِنْدِیْ مِنْہُ شَعْرَۃٌ وَاحِدَۃٌ، اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا

(ص348)

"اگر میرے ہاں ان بالوں میں سے صرف ایک ہی بال ہوتو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے بڑھ کر عزیز ہے"۔

☆سرور عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا، کھڑے ہوکر پڑھنے کے برابر ہے۔

امام مسلم و امام ابوداؤد قدس سرہما حضرت ابن عمرو سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حُدِّثْتُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ صَلَاۃُ الرَّ جُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاۃِ، فَاَتَیْتُہٗ فَوَجَدْتُّہٗ یُصَلِّیْ جَا لِسًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حُدِّثْتُ اَنَّکَ قُلْتَ صَلَاۃُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوۃِ، وَاَنْتَ تُصَلِّیْ قَاعِدًا، قَالَ اَجَلْ وَلٰـکِنِّی لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ (ص349)

"مجھے بتایا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے"، پھر میں سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سن رکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرما یا ہے: "بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے"، (مگر اب) آپ ﷺ بیٹھ کر ادا فرما رہے ہیں۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: "ہاں! (بات تو ایسے ہی ہے جیسے تم نے سنی ہے) مگر میں تم میں سے کسی کے مثل نہیں ہوں"۔

☆سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ (فرائض پر) آپ ﷺ کے عمل زائد علی العبادت ہیں۔

امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ نے "بسند صحیح" حضرت ام المومنین عائشہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ام المومنین سے حضور سید عالم ﷺ کے روزوں کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم میں سکت ہے کہ سید عالم ﷺ کے اعمال جیسے عمل کرسکو؟ جبکہ سید عالم ﷺ کے

سبب آپ ﷺ کے اگلوں، پچھلوں کے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ سید عالم ﷺ کے معمولات زائد ہوا کرتے تھے۔

امام الائمہ احمد اور امام طبرانی قدس سرہٗ نے اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد ''نَافِلَةً لَّکَ'' کی تفسیر میں حضرت ابوامامہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: زائد (علی الفرض) صرف سید عالم ﷺ کی ہی خصوصیت ہے۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے حضرت الامام مجاہد سے ''نَافِلَةً لَّکَ'' کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت مجاہد نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے علاوہ اور کسی کی عبادت زائد نہیں ہے۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ (کا مقام تو یہ ہے کہ آپ ﷺ) کی وجہ سے آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف ہیں۔ سید عالم ﷺ فرض عبادت کے علاوہ جو بھی عبادت کریں وہ زائد اس لیے ہے کہ جان عالم ﷺ زائد عبادات اس لیے نہیں فرمایا کرتے تھے کہ وہ زائد عبادت آپ ﷺ کے گناہوں کو مٹا دے۔ جبکہ دوسرے لوگ فرض عبادت کے علاوہ زائد عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ لہٰذا عام لوگوں کے لیے زائد عبادت نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف سرور عالم ﷺ کے لیے ہے۔

☆ اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد ''نَافِلَةً لَّکَ'' کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا: (نَافِلَةً) کا مطلب یہ ہے کہ فرائض کے ثواب پر زائد ہے۔ سید عالم ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا تہجد (وغیرہ) پڑھنا اس لیے ہوتا ہے کہ فرض میں پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ جبکہ سید عالم ﷺ کے فرائض میں کسی خلل ونقصان کے پیدا ہو جانے کا تصور ہی ناممکن ہے۔ سید عالم ﷺ کی ذات گرامی اس سے بالاتر ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ نمازی بحالت نماز سید عالم ﷺ کو ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' سے پکارتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو نماز میں اس طرح نہیں پکار سکتا۔

☆ سید عالم ﷺ کے بلاوے پر نمازی کا آپ ﷺ کی خدمت میں فوری حاضری دینا فرض ہے۔ اور اس حاضری سے اس کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابوسعید بن معلیٰ انصاری سے روایت کیا کہ حضرت ابوسعید نماز پڑھ رہے تھے کہ سید عالم ﷺ نے آپ کو بلایا۔ مگر آپ نماز پڑھ کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے بلانے پر تم اتنی دیر کیوں رکے رہے اور فوراً کیوں نہ

آئے؟ عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ان کی عرض پر سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں''۔ الخ نہیں سنا ہوا تھا۔

پھر فرمایا: کیا میں تمہیں قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت نہ بتادوں؟ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا: (میں اس ارشاد گرامی سے یہ سمجھا کہ) گویا آپ ﷺ مجھے اس کی یاد دہانی کروا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا وہی جو آپ ﷺ نے (اس سے پہلے بھی) مجھے ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا: (ہاں اور وہ یہ ہے) (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وقت میں آپ ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے کے موقعہ پر جس نے کوئی بات کرلی تو اس کا جمعہ باطل ہو جائے گا۔

☆ نیز سید عالم ﷺ کی مجلس مبارک سے آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی کو باہر نکلنا جائز نہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (نور:62)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں''۔۔۔ الخ

امام ابن ابی حاتم قدس سرہٗ حضرت مقاتل بن حیانؒ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: جمعہ کے دن جس وقت سید عالم ﷺ خطبہ شروع فرمادیں تو اس وقت نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر مسجد سے باہر جانا کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں۔ چنانچہ جب کوئی آدمی باہر جانا چاہتا تھا تو بات کیے بغیر آپ ﷺ کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا کرتا تھا۔ تو پھر سید عالم ﷺ اسے باہر جانے کی اجازت دے دیتے تھے۔ (اور بغیر گفتگو کیے اجازت) اس لیے (طلب کی جاتی تھی) کہ سید عالم ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے کے دوران جب کوئی بات کرلیتا تھا تو اس کا جمعہ فاسد ہو جاتا تھا۔

37B

سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والا دوزخی ہے

☆ سید عالم ﷺ کی انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا دوسروں کی طرف منسوب کردینے کی طرح نہیں ہے۔

☆ اور جس نے ایک مرتبہ سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کردیا تو پھر اس کے بعد اس کی روایت نا قابل قبول ہے اگر چہ وہ اپنے اس فعل سے تائب ہی ہو جائے۔

☆ شیخ ابو محمد الجوینی قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے والا کافر ہو جائے گا۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ باندھنا اوروں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔لہٰذا جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کی نسبت کی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔

سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کی بابت آراء

☆ امام نووی قدس سرہٗ وغیرہ ائمہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

☆ اور بنا بر مذہب صحیح سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والا کافر نہ ہوگا۔

☆ جمہور کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆ اور شیخ جوینی قدس سرہٗ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا کفر ہے۔

☆ پھر اگر ایسا شخص توبہ کرلے تو اس کی بابت ایک جماعت ''جن میں حضرت امام الائمہ احمد اور امام صیرفی قدس سرہٗ اور دوسرے بہت سے لوگ ہیں'' کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی روایت ہمیشہ کے لیے نا قابل قبول ہوگی۔بعد میں اگر چہ اس کی حالت سدھر ہی کیوں نہ جائے۔

☆ ہاں سید عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے والا یا دوسرے معاصی کا مرتکب آدمی جب توبہ کرلے تو پھر اس کا یہ (مذکور) حکم نہیں ہے۔

☆ یہی وہ صورت ہے جس میں سید عالم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کا حکم آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنے کے خلاف ہے۔

☆ اور فن حدیث میں یہی مذہب (یعنی امام احمد وغیرہ کا جو مذہب ہے) قابل اعتماد ہے۔جیسا کہ میں نے ''شرح التقریب'' اور ''الفیۃ الحدیث'' کی شرح میں اس کی خوب تصریح کردی ہے۔

☆ اگرچہ امام نووی قدس سرہٗ نے اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے۔
☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ سے آگے بڑھنا۔
☆ اور آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز اونچی کرنا۔
☆ نیز سید عالم ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا۔
☆ اور آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارنا۔
☆ اور دور سے چیخ چیخ کر آپ ﷺ کو پکارنا حرام ہے۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١﴾ (الحجرات)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا، جانتا ہے"۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ (الحجرات)

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں خبر نہ ہو"۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ (الحجرات)

"بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے"۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ (الحجرات)

"بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں"۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥﴾ (الحجرات)

''اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (نور:63)

''رسول پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے!

تفسیر میں روایت کیا کہ لوگ چاہتے تھے سید عالم ﷺ کو دور سے یا ابا القاسم کہہ کر بلا لیا کریں۔ مگر سورۂ حجرات میں جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (الحجرات)

''بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس''۔

(وہ اس سے باز رہے)

قَالَ جَمَاعَةٌ وَ يُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ قَبْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ حُرْمَتَهٗ مَيْتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا (ص350)

''ائمہ کرام کی) ایک جماعت نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کی قبر انور کے پاس (بھی) آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ کا احترام و وقار بعد از وصال بھی اسی طرح باقی ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں تھا''۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ منصور کے مابین مناظرہ

امام ابن حمید قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ خلیفہ ابوجعفر منصور (عباسی) نے سید عالم ﷺ کی مسجد شریف میں حضرت امام الائمہ مالک رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا'' اور (خلیفہ اتنے بارعب طریقہ سے تھا کہ) اس دن اس کے سامنے پانچ سو تلواریں تھیں'' (یعنی پانچ صد مسلح محافظین کی معیت میں مناظرہ کر رہا تھا اور اثنائے مناظرہ میں اس نے بلند آواز کی) تو حضرت امام الائمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کر، کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ترجمہ:۔ اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ (الخ)

اور ایک قوم جو آداب بجالائی ان کی یوں تعریف کی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

''بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں''۔

اور ایک قوم کی یوں مذمت کی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ

''بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں''۔

سید عالم ﷺ کا احترام وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سن کر خلیفہ ابوجعفر دھیما پڑ گیا۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی توہین کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

☆ اور جس نے سید عالم ﷺ کو گالیاں دیں یا بدگوئی کی تو وہ قتل کیا جائے گا امام حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے، اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابو برزہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق اکبر کو گالی دی تو میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! کیا میں اس گالی دینے والے کا گردن نہ ماردوں۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا: نہ نہ، گالی کی سزا قتل، سید عالم ﷺ کے بعد کسی کے لیے بھی روا نہیں۔

امام ابن عدی اور امام بیہقی قدس سرہما حضرت ابوہریرہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کو گالی دی تو اب اسے اس گالی کے باعث قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں جس نے سید عالم ﷺ کو گالی دی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔

بیہقی قدس سرہٗ حضرت ابن عباس سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا کی ام ولد جان عالم ﷺ کو اکثر گالیاں دیتی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے اس نابینا نے اسے قتل کر دیا۔ بعدہٗ اس واقعہ کا سید عالم ﷺ سے ذکر کیا گیا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں گواہ ہوں کہ اس ام ولد کا خون اس نابینا کو معاف ہے۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی قدس سرہما نے حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی سے روایت کیا کہ ایک یہودی عورت سید عالم ﷺ کو بہت زیادہ گالیاں دیا کرتی تھی۔ تو ایک آدمی نے اس کا گلا دبا کر اسے مار دیا۔ اور (دعوی دائر ہونے پر) سید عالم ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔

سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت اور تمام صحابہ کرام، اور آپ ﷺ سے محبت رکھنا فرض ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ

"تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے سے، "فَتَرَ بَّصُوْا" تک۔

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَ لَدِهٖ وَالنَّا سِ اَجْمَعِیْنَ (ص351)

"کسی شخص کو جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد، اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں وہ مسلمان نہیں ہو سکتا"۔

خصائص "ابن ملقن" کی عبارت یوں ہے: "سید عالم ﷺ کی امت پر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ سے اعلیٰ درجہ کی محبت کرے"۔

ابن ماجہ اور امام حاکم قدس سرہما حضرت عباس بن عبد المطلب سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم جب قریش کی کسی جماعت کو گفتگو کرتے ہوئے پاتے تو ہم بھی وہاں چلے جایا کرتے تھے۔ مگر وہ ہمارے آنے پر اپنا سلسلہ کلام منقطع کر دیا کرتے تھے۔ ہم نے ان کا یہ رویہ رسول کریم ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب وہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو اپنی باتیں کرنا بند کر دیتے ہیں۔

وَاللّٰهِ لَا یَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِ یْمَا نُ حَتّٰی یُحِبَّهُمْ لِلّٰهِ وَ لِقَرَا بَتِهِمْ مِنِّیْ (ص351)

"خدا کی قسم! کسی بھی آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان جاگزیں نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کے لیے، اور میری رشتہ داری کی وجہ سے، میرے اہل بیت سے محبت نہ کرے گا"۔

محبت انصار، علامت ایمان

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

آیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَآیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ

"انصار کرام علیہم الرضوان کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اور انصار کرام علیہم الرضوان کی عداوت نفاق کی پہچان ہے"۔

امام ابن ماجہ قدس سرہٗ نے حضرت براء سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص انصار سے محبت کرے گا تو اللہ جل مجدہٗ اس سے محبت فرمائے گا۔ اور جو انصار کرام کو دشمن رکھے گا تو اللہ

جل مجدہٗ اسے دشمن رکھے گا۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کی اولاد کرام کفو اور قرابت میں آپ ﷺ ہی کی اولاد کہلاتی ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی بیٹیوں کی اولاد اس کی اولاد نہ کہلائے گی۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: ہر ایک بیٹے کا عصبہ اس کا باپ ہوتا ہے۔ مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں کا عصبہ میں ہی ہوں۔

امام ابویعلیٰ قدس سرہٗ نے بھی اسی حدیث کی مانند حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے روایت کی ہے۔

امیر المومنین امام حسن کے بارے میں سید عالم ﷺ کا یہ فرمانا کہ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ ''میرا یہ بیٹا سید ہے'' اسی قبیل سے ہے۔

نیز اسی باب میں امام بیہقی قدس سرہٗ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس وقت امیر المومنین حسنؓ پیدا ہوئے تو سید عالم ﷺ نے حضرت امیر المومنین علی سے فرمایا: ''مَاسَمَّیتَ اِبْنِیْ'' ترجمہ۔ (تم نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے)۔ (نیز) یہی استفسار حضرت امام حسین کی ولادت پر بھی فرمایا تھا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں پر سوکن نہیں لائی جا سکتی۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں پر سوکن لانا جائز نہیں ہے۔ امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت مسور بن مخرمہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: میں نے منبر پر سید عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بنو ہشام بن مغیرہ نے اپنی بیٹی علی بن ابی طالب سے بیاہ دینے کی مجھ سے اجازت مانگی تھی۔ (مگر) میں تو اجازت نہیں دیتا ہوں۔ میں پھر (متنبہ کرتا ہوں کہ) اجازت نہ دوں گا۔ ہاں اس صورت میں اجازت ہے کہ علی ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دے اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ میری بیٹی میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

☆ شیخ الاسلام امام ابن حجر قدس سرہٗ نے فرمایا: یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ سید عالم ﷺ کی صاحبزادیوں پر سوکن لانے کی ممانعت بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہو۔

امام حارث قدس سرہٗ نے حضرت ابوامامہ سے اور انہوں نے حضرت علی بن حسین سے روایت کیا کہ جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح فرمانا چاہا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتَزَوَّجَ اِبْنَةَ عَدُوِّ اللّٰهِ عَلٰی اِبْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص 351)

''کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ جل مجدہٗ کے رسول ﷺ پر اللہ کے دشمن کی بیٹی سوکن لائے''۔

امام حاکم قدس سرہٗ نے حضرت حنظلہ سے روایت کیا کہ جب حضرت امیر المومنین علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی کی خواستگاری فرمائی تو یہ خبر سید عالم ﷺ تک بھی جا پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ (سلام اللہ علیہا) میرا ٹکڑا ہے جو اسے تکلیف دے گا تو وہ (گویا) مجھے تکلیف دے گا'' یہ حدیث قوی، مرسل ہے۔

امام الائمہ احمد اور امام حاکم قدس سرہما نے حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے اور انہوں نے حضرت مسور سے روایت کیا کہ حضرت حسن (مثنیٰ رضی اللہ عنہ) بن امیر المومنین حسنؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ اپنی صاجزادی کا مجھ سے عقد فرما دیں۔ تو حضرت مسور نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ سے بڑھ کر اچھا مجھے کوئی نسب اور کوئی تعلق اور کوئی رشتہ دار نہیں ہو سکتا۔ مگر (وجہ یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا تو اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے اسے خوش کیا تو اس نے مجھے خوش کیا۔ اور اس وقت آپ کے عقد میں ان کی پوتی (حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہے۔

لہٰذا اب اگر میں اپنی بیٹی آپ کو بیاہ دوں تو وہ اس سے ناراض ہوں گی۔ (اس لیے آپ مجھے معذور رکھیں) پھر حضرت مسور یہ معذرت فرما کر تشریف لے گئے۔

☆ علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے امام حارث قدس سرہٗ کی ''سند'' سے حضرت امیر المومنین علی سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے ہاں بیاہا گیا، یا میں نے جس کے ہاں عقد کیا تو وہ جہنم میں نہ جائے گا۔

امام حارث بن ابی اسامہ قدس سرہٗ اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابن ابی اوفیٰ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں نے پروردگار عزوجل سے درخواست کر رکھی ہے کہ اپنی امت میں سے جس کو میں اپنی صاجزادی نکاح کر کے دے دوں یا میں خود کسی کے ہاں عقد کر لوں تو وہ جنت میں میرا ہمراہی رہے چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی ہے۔

امام حارث قدس سرہٗ نے اسی حدیث کی مانند حضرت ابن عمر سے بھی روایت کی ہے۔

امام ابن راہویہ اور امام بیہقی قدس سرہما اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم بن خطاب سے روایت کیا کہ:

اِنَّهٗ خَطَبَ اِلٰى عَلِيٍّ اُمَّ كُلْثُوْمٍ فَتَزَوَّجَهَا فَاَتٰى عُمَرُ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ اَلَا تُهَنِّئُوْنِيْ بِاُمِّ كُلْثُوْمٍ اِبْنَةِ فَاطِمَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَا كَانَ سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ فَاَحْبَبْتُ اَنْ يَّكُوْنَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَبَبٌ وَنَسَبٌ (ص352)

''انہوں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخوست کو پذیرائی عنایت فرماتے ہوئے حضرت ام کلثوم کا عقد فرما دیا۔ پھر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کرام کے پاس آ کر فرمانے لگے۔ (یارو) کیا تم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہ کی صاجبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ میرے نکاح ہو جانے کی مجھے مبارک باد نہیں دیتے ہو؟ اور (یہ عقد میں نے بایں خیال کیا کہ) میں نے حضور سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہوا ہے کہ قیامت کے دن میرے سبب ونسب کے بغیر ہر ایک کا سبب ونسب منقطع ہو جائے گا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ میرے اور سید عالم ﷺ کے مابین سبب ونسب کا یہ تعلق برقرار رہے''۔

حافظ ابو یعلیٰ قدس سرہٗ نے حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تمام تعلقات اور رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی مگر میرا تعلق اور رشتہ برقرار رہے گا (یعنی سودمند اور نافع ہوگا)

☆ حضور سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی انگشتری مبارک جیسا نقش اپنی انگشتری پہ بنوانا حرام ہے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ حضرت انس سے راوی کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے انگشتری بنوا کر اس پر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (ﷺ) کا نقش کندہ کروایا۔ اب (تم میں سے) کسی کا بھی نقش ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت طاؤس (تابعی) سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے انگشتری بنوا کر اس میں ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (ﷺ) کندہ کروایا اور فرمایا میری

انگوٹھی کے نقش جیسا کوئی دوسرا آدمی نقش نہ بنوائے۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے اپنی "تاریخ" میں حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مشرکوں کی آگ سے روشنی مت حاصل کرو اور نہ ہی اپنی انگشتریوں میں عربی نقش بنواؤ۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے "تاریخ" میں فرمایا کہ عربی نقش سے مراد "محمد رسول اللہ" (ﷺ) ہے۔ یعنی سید عالم ﷺ نے (گویا یوں) فرمایا ہے: نبی (ﷺ) کی انگشتری کی طرح (اپنی انگشتری پہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مت لکھواؤ۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے نماز خوف ہے۔

☆ ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ ان ہی میں سے ایک حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ کے تلمیذ رشید حضرت امام الائمہ ابو یوسف بھی ہیں۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (النساء:102)

"اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو"۔

اس نماز کو ان میں سید عالم ﷺ کی موجودگی کے ساتھ مقید کرنے کی من حیث المعنیٰ وجہ یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی نماز میں وہ خصوصیت وفضیلت ہے کہ جس کے ہم پلہ کوئی اور شے نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا اسی فضیلت کے باعث یہ احتمال باقی ہے کہ (ترک نماز سے کہیں) نظم صلوٰۃ متغیر ہو جائے اور اس سے آپ ﷺ کو جو انفرادی خصوصیت حاصل ہے وہ نہ رہے۔

☆ اور امام الائمہ ابو یوسف کے علاوہ دوسرے ائمہ کا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا جماعت میں اس کے ساتھ استبدال آسان ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں۔ چاہے وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ قصداً ہو یا بھولے سے۔

جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

"تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔

☆ امام سبکی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء علیہم

السلام تبلیغ سے متعلق ہر قسم کی لغزش سے معصوم ہوتے ہیں۔

☆ اور تمام کبیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔ اور اسی طرح وہ چھوٹے اور گھٹیا گناہ جو انہیں ان کے مقام و مرتبہ سے گرا دیں اس سے بھی معصوم ہیں۔

☆ اور یونہی صغائر پر مداومت و اصرار سے بھی بری ہوتے ہیں۔

ان چاروں اقسام (کے عدم صدور پر) ساری امت کا اتفاق ہے۔[1]

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیہ کی تفسیر بے نظیر

☆ اور وہ صغائر جو انھیں ان کے مرتبہ مقام سے نہ گرائیں اِن کے صدور پر اختلاف ہے۔ معتزلہ وغیرہ کثیر لوگ ان کے جواز کے قائل ہیں۔

☆ اور (مذہب) مختار یہ ہے کہ ایسے گناہ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام سے ناممکن ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں ان سے صادر ہونے والے ان کے ہر قول و فعل میں پیروی کا حکم دیا گیا ہے لہذا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان حضرات سے گھٹیا پن کا صدور بھی ممکن ہو اور پھر اس غیر مناسب گھٹیا شے کی ہمیں اقتدا کرنے کی بھی اجازت دے دی جائے۔

علامہ سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا: موخر الذکر گناہ کے مجوزنے فقط مذکورہ آیت کے (ظاہری) مفہوم کو سامنے رکھا ہے اور اس میں اس کے جواز پر کوئی نص و دلیل پیش نہیں کی۔

علامہ سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے جب اس آیت کریمہ کے سیاق و سباق میں غور کیا تو میں نے وہاں صرف ایک ہی احتمال پایا۔ اور وہ سید عالم ﷺ کی عظمت شان کا بیان ہے اور نہ ہی وہاں کوئی گناہ وغیرہ نظر آیا۔ (رہی یہ بات کہ آیت کریمہ کی مراد کیا ہے؟۔ تو) مذکورہ آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے چاہا کہ بندوں پر جتنے بھی اخروی انعامات ہوئے ہیں وہ تمام کے تمام ایک آیت میں جمع کر دیے جائیں۔ (جن کی تفصیل یوں ہے) تمام اخروی نعمتوں کی دو قسمیں ہیں:

1۔ سلبیۃ 2۔ ثبوتیہ

سلبیہ گناہوں کی مغفرت ہے۔ اور ثبوتیہ کی تعداد غیر متناہی ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے انہی ثبوتیہ نعمتوں کی طرف اپنے اس کلام میں اشارہ فرمایا ہے: ''وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ'' ترجمہ:۔ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے۔

اور تمام دنیوی نعمتیں بھی دو قسم کی ہیں۔

1۔ دینیہ 2۔ دنیویہ

دینیہ:۔ انہی کی طرف اللہ جل مجدہٗ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (فتح:2) ترجمہ:۔اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔

دنیویہ: جو اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشاد میں مذکور ہیں۔

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③

''اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے''۔

لہٰذا اس آیت کریمہ میں اللہ جل مجدہٗ نے ''تمام وہ نعمتیں جو دوسروں میں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں'' وہ سب کی سب سید عالم ﷺ میں مجتمع فرمادی ہیں۔ اسی لیے اسے فتح مبین کی انتہا قرار دیا۔ کیونکہ فَتْحًا مُّبِيْنًا تنوین تعظیم کی ہے جس سے فتح مبین کی عظمت و بڑائی ہویدا ہے۔ پھر اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی بھی بیان فرمادی۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے اپنے ارشاد ''لَکَ'' سے (جس میں لام تخصیص کا ہے) اس فتح مبین کو سید عالم ﷺ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔

☆ امام سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا: اسی قسم کا کلام ''ابن عطیہ'' نے بھی کیا ہے۔
چنانچہ ابن عطیہ نے کہا: اس حکم (یعنی غُفْرَانِ ذُنُوْبُ) کا مطلب صرف سید عالم ﷺ کی عظمت و شرافت بتلانا ہے۔ اس سے گناہ قطعاً مقصود نہیں ہیں۔

پھر ابن عطیہ نے فرمایا: برتقدیر تسلیم ذنوب اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ سید عالم ﷺ سے کوئی گناہ واقع ہوا ہی نہیں۔ پھر اس کے خلاف کیا خیال کیا جاسکتا ہے اللہ جل شانہٗ نے سید عالم ﷺ کے متعلق فرمایا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۚ ③ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ ④ (النجم)

رہا سید عالم ﷺ کا فعل مبارک، تو وہ فعل چاہے چھوٹا ہو یا بڑا تھوڑا ہو یا زیادہ اس فعل کی پیروی کرنے اور آپ ﷺ کے اس فعل کو اپنے لیے اُسوہ بنانے پر سب صحابہ کرام کا اتفاق ہے اور اس فعل کی اتباع میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں نہ تو کسی قسم کا توقف تھا اور نہ ہی اس میں کوئی بحث و تمحیص تھی یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام سید عالم ﷺ کے پوشیدہ اور اندرونی اعمال کے بھی معلوم کرنے اور ان کی اتباع کرنے اور انھیں بھی اُسوہ و مثال بنانے کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔

☆ سید عالم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے احوال مبارکہ میں جو آدمی غور و فکر کرے گا اسے پتہ لگے گا کہ سید عالم ﷺ کے قلب اطہر میں ان کے اعتقاد کے خلاف خیال لانے سے آپ ﷺ اللہ جل مجدہٗ سے شرماتے ہوں گے۔۔۔۔الخ (من التفسیر السبکی قدس سرہٗ)

امام حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے عمرو بن شعیب کے طریق سے اور انہوں نے اپنے والد محترم سے اور انہوں نے اپنے جد امجد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا جو کچھ میں آپ سے سنا کروں اسے لکھ لیا کروں تو سید عالم ﷺ نے فرمایا ہاں لکھ لیا کرو پھر میں نے عرض کیا: تو کیا یارسول اللہ ﷺ میں وہ بھی لکھ لیا کروں جو بحالت خوشی وناخوشی آپ ﷺ فرما دیتے ہیں۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا ہاں وہ بھی لکھ لیا کرو اس لیے کہ میں غصہ ہو یا خوشی ہر حالت میں سچی اور حق بات ہی کہتا ہوں۔ اور حق کے سوا کہنا میرے منصب سے کہیں دور ہے۔

علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا میں جو بھی کہوں سچ کہتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اس پر کچھ صحابہ کرام عرض کناں ہوئے: یارسول اللہ ﷺ اس میں یقیناً ہماری رعایت ہے۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا میں جو بھی کہوں سچ ہی کہتا ہوں۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر غیر پسندیدہ فعل سے بری ہیں۔

☆ امام السبکی قدس سرہما نے "جمع الجوامع" میں فرمایا عصمت کی وجہ سے سید عالم ﷺ کا کوئی بھی فعل حرام نہیں ہے۔

☆ اور سید عالم ﷺ کی پیشوائی وامامت کی وجہ سے آپ ﷺ کا کوئی بھی فعل مکروہ نہیں ہے۔

☆ اور سید عالم ﷺ کا ایسا فعل جو ہمارے لیے مکروہ ہے وہ فعل بھی سید عالم ﷺ نے بیان جواز کے لیے کیا ہے۔ اس لیے وہ فعل بھی سید عالم ﷺ کے حق میں واجب التبلیغ ہے۔ یا وہ کام آپ ﷺ کے حق میں مستحبات سے ہے۔ لہٰذا اس قسم کے فعل پر بھی سید عالم ﷺ کو واجب یا مستحب کا ثواب ہے۔

سید عالم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ ان پر جنون کا طاری ہونا ناممکن ہے۔ ہاں (قلیل) بے ہوشی طاری ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ جنون (یعنی سلب عقل، عیب ہے) جبکہ غشی ایک قسم کی بیماری ہے۔

☆ شیخ ابو حامد قدس سرہٗ نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام پر طویل بے ہوشی کی نسبت بھی غیر ممکن ہے۔

☆ شیخ بلقینی قدس سرہٗ نے "روضہ" کے حواشی میں اسی پر اتفاق فرمایا ہے۔

☆ امام سبکی قدس سرہٗ نے مذکور مذہب کی تائید کرتے ہوئے ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ حضرات

انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ہوشی اور غشی دوسرے لوگوں جیسی نہیں ہوتی۔ان حضرات کے اعصاب مبارکہ پر فقط تھکان کا اثر ہوتا ہے وہ بھی دل پر نہیں بلکہ صرف حواس ظاہری پر ہوتا ہے۔

سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا: (اس کی تائید اس) حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں تو نیند کرتی ہیں مگر دل بدستور بیدار رہتے ہیں۔جب انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب منورہ نیند سے محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں تو غشی سے بھی بدرجہ اولیٰ محفوظ رہ سکتے ہیں۔اس لیے کہ نیند بھی ایک بے ہوشی ہوتی ہے جو کہ (عرفی) اغماء سے کہیں نچلے درجے کی ہوتی ہے۔

امام سبکی قدس سرہٗ کی یہ توجیہ نہایت ہی عمدہ ہے"انتہی" (کلام السبکی قدس سرہٗ)

☆ مشہور تر یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوتا۔امام نووی قدس سرہٗ نے"روضہ"میں یہی قول نقل کیا ہے۔احتلام نہ ہونے کی دلیل کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔

کوئی پیغمبر نابینا نہیں ہوتا

☆ علامہ سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر نابینائی وارد نہیں ہوئی اس لیے کہ یہ نقص ہے اور کوئی بھی پیغمبر نابینا نہیں ہوا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا ہے کہ وہ نابینا تھے سو وہ ثابت نہیں (1)۔رہے حضرت یعقوب علیہ السلام تو ان کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا پھر وہ دور ہو گیا تھا۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کا رؤیا وحی ہے۔

اور سید عالم ﷺ اس میں جو بھی ملاحظہ فرمائیں وہ حق ہے۔امام طبرانی قدس سرہٗ حضرت معاذ بن جبل سے راوی کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ نے اپنی نیند یا بیداری میں جو بھی ملاحظہ فرمایا وہ حق ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس سے

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا (یوسف:4)

"اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے (سورج اور چاند) دیکھے"۔

کی تفسیر میں روایت کیا کہ سب انبیاء علیہم السلام کا رؤیا وحی ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کی بحالت خواب زیارت کرنا برحق ہے۔امام بخاری مسلم قدس سرہما نے حضرت

1۔اور بر تقدیر ثبوت، وہ نابینائی منصب نبوت کے منافی بھی نہیں۔اس لیے کہ وہ تحقق نبوت کے بعد طاری ہوئی ہے۔اور اسی طرح پیغمبران علیہم السلام میں سے کوئی بھی پیغمبر بہرہ نہ تھا اور اسی طرح کوئی بھی پیغمبر کسی ایسی مرض میں مبتلا نہیں ہوا کہ جس سے عامۃ الناس نفرت کرنے لگیں۔

ابوہریرہ سے روایت کیا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ حَقًّا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ (ص354)

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت کی طرح نہیں بن سکتا''۔

مطلب حدیث میں ائمہ کے اقوال

☆ قاضی ابوبکر قدس سرہٗ نے فرمایا اس کا مقصد یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو خواب میں دیکھنا بالکل درست ہے۔ پریشان خیالی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ اور دوسرے علماء نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے سید عالم ﷺ کو دیکھا اس نے حقیقۃ آپ ﷺ ہی کو دیکھا۔

☆ اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سید عالم ﷺ سے مخصوص ہے کہ نیند میں سید عالم ﷺ کو دیکھنا درست ہے۔ اور شیطان کو سید عالم ﷺ کی صورت اپنانے سے روک دیا گیا ہے تا کہ نیند میں آپ ﷺ کی زبان پر جھوٹ نہ ملا سکے جس طرح سید عالم ﷺ کی عزت وعظمت کی خاطر بیداری میں آپ ﷺ کی صورت اپنانے سے روک دیا گیا ہے۔

اگر خواب میں کوئی حکم ملے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسلم کی ''شرح'' میں امام نووی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی دیکھے کہ سید عالم ﷺ اسے کسی مستحب عمل کا حکم فرما رہے ہیں یا کسی ممنوع شے سے روک رہے ہیں یا کسی اچھے کام کی راہنمائی فرما رہے ہیں۔ تو جس کام کا سید عالم ﷺ نے حکم فرما دیا تو ایسے آدمی کو اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔

☆ ''فتاویٰ حناطی'' میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی خواب میں سید عالم ﷺ کو اُسی صفت وصورت میں دیکھے جو آپ ﷺ کی بابت مروی ومقبول ہے۔ اور (اسی وقت) وہ سید عالم ﷺ سے کوئی حکم دریافت کرے اور سید عالم ﷺ اس کے مذہب کے برعکس فتویٰ صادر فرما دیں اور وہ فتویٰ کتاب وسنت اور اجماع امت کے بھی معارض نہ ہو تو اس میں دو وجہ ہیں۔

ان میں صحیح ترین یہی ہے کہ ایسا آدمی سید عالم ﷺ کے ارشاد پر ہی عمل کرے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی قیاس پر فوقیت رکھتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عمل نہ کرے کیونکہ قیاس دلیل (یقینی) ہے۔ جبکہ خواب پر (کامل) اعتماد نہیں ہوتا۔ لہٰذا خواب کی بناء پر دلیل (یقینی) کو نہ چھوڑا جائے گا۔

☆ استاذ ابو اسحاق اسفرائنی قدس سرہٗ کی "کتاب الجدل" میں ہے کہ اگر کوئی آدمی خواب میں سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو اور پھر سید عالم ﷺ اسے کوئی حکم ارشاد فرمائیں تو کیا بیداری کے بعد اس پر اس حکم کا اپنانا واجب ہے؟ (یا نہیں) اس میں دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ میں اس حکم کا اپنانا ممنوع ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ سید عالم ﷺ کی رؤیت میں شک ہے۔ ہاں اس وجہ سے کہ دیکھنے والے میں اس حکم کا (کامل) ضبط نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خبر، ضابط، مکلف کی قابل قبول ہوتی ہے۔ اور سوئے ہوئے آدمی میں یہ دونوں باتیں ناپید ہیں۔

☆ اور قاضی حسین قدس سرہٗ کے "فتاویٰ" میں بھی اسی طرح ہے کہ (مثلاً) اگر کوئی آدمی انتیس شعبان کو سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو اور اسے سید عالم ﷺ بتائیں کہ کل کو رمضان (شروع ہو رہا) ہے تو کیا ایسے آدمی کے لیے دوسرے دن روزہ رکھنا فرض ہے؟ (یا نہیں۔ اس میں دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ پر ہے اور ایک پر نہیں)

☆ اور قاضی شریح رضی اللہ عنہ کی "روضۃ الحکام" میں ہے کہ اگر سید عالم ﷺ کی زیارت کی جائے اور آپ ﷺ فرمائیں کہ فلاں آدمی پر فلاں کا اتنا قرض ہے۔ تو کیا دیکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس خبر کی وجہ سے قرض خواہ کے حق میں گواہی دے، اس میں بھی (مذکورۃ الصدور) دو (ہی) وجہ ہیں۔

فضائل درود شریف

☆ سید عالم ﷺ کا درود شریف پڑھے جانے کی فضیلت سے مشرف ہونا بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞ (احزاب:56)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

☆ امام مسلم قدس سرہٗ حضرت ابو ہریرہ سے راوی کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (ص355)

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا تو اللہ جل مجدہٗ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔

☆ امام لائمہ احمد رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا ابن عمر سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے سید عالم ﷺ پر (ایک مرتبہ) درود شریف پڑھا تو اللہ جل مجدہٗ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ

رحمتیں بھیجتے ہیں۔اب آگے آدمی چاہے تو اس تعداد میں کمی کرے یا زیادتی کرے۔

☆ حاکم قدس سرہٗ نے تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے ہاں فرشتے نے آکر مجھ سے کہا کہ آپ ﷺ کا پروردگار فرماتا ہے کیا آپ ﷺ اس سے خوش نہیں کہ آپ ﷺ کا کوئی امتی جب ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو میں اس کو دس مرتبہ سلامتی عطا کروں گا۔

☆ امیر المؤمنین عمر فاروق ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے جبریل امین آکر کہنے لگے: جو شخص ایک بار آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ جل مجدہٗ دس بار اس پر رحمت نازل فرماتا ہے۔اور اس کے دس درجے بلند فرما دیتا ہے۔

☆ حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ راوی کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اس کے بدلے اللہ جل مجدہٗ اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

☆ قاضی اسماعیل قدس سرہٗ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے سید عالم پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

☆ الترغیب میں اصبہانی قدس سرہٗ نے حضرت سعد بن عمر سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا کہ مجھے سید عالم ﷺ نے فرمایا: جس نے سچے دل سے مجھ پر درود شریف بھیجا تو اس کے عوض اللہ جل مجدہٗ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس مرتبے بلند فرمائے گا اور دس نیکیاں لکھے گا۔

☆ امام الائمہ احمد اور امام ابن ماجہ قدس سرہٗ حضرت عامر بن ربیعہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: میں نے سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا تو جب تک وہ درود شریف میں مشغول رہے گا فرشتے اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے رہیں گے۔اس میں چاہے وہ کمی کرے یا زیادتی۔

☆ امام ترمذی اور امام ابن حبان قدس سرہما حضرت ابن مسعود سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ آدمی ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھے گا۔

☆ امام الائمہ احمد اور امام ترمذی قدس سرہما حضرت الامام الحسین بن علی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

38B

اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ (ص255)

''جس کے پاس میرا ذکر ہو رہا ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ بھیجے تو وہ بخیل ہے''۔

☆ امام ابن ماجہ قدس سرہٗ حضرت ابن عباس سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کی راہ سے بہک جائے گا۔

☆ امام ترمذی قدس سرہٗ حضرت ابو ہریرہ سے راوی، کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو لوگ کسی جگہ جمع ہوں اور وہاں نہ ہی تو اللہ جل مجدہٗ کی حمد وثنا کریں اور نہ ہی مجھ پر درود شریف بھیجیں تو ایسے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔ اللہ جل مجدہٗ چاہے تو انہیں عذاب دے یا معاف فرما دے۔

☆ امام ترمذی اور امام حاکم قدس سرہما حضرت اُبی ابن کعب سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھتا رہوں۔ (آپ ﷺ فرما دیں کہ) میں کتنا درود شریف پڑھتا رہوں؟

سید عالم ﷺ نے فرمایا: جتنا تمہاری منشاء ہو۔

میں نے عرض کیا: چوتھائی حصہ کافی ہے؟

تو فرمایا: جو تمہاری مرضی ہو۔ اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو بہتر ہے۔

میں نے عرض کیا: کیا نصف پڑھا کروں؟

فرمایا: جو تم چاہو۔ اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے۔

میں نے عرض کیا: کیا دو تہائی ہو؟

فرمایا: جیسے تم چاہو۔ اگر زیادہ ہو تو بہت اچھا ہے۔

پھر میں نے عرض کیا: میں اپنا سارے کا سارا درود شریف آپ ﷺ کو بھیجتا رہوں گا۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِذًا تَکْفِیْ ھَمَّکَ وَ یُغْفَرُ لَکَ ذَنْبُکَ (ص355)

''اب یہ تیرے تمام مقاصد کے لیے کافی ہے اور تیرے تمام گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے''۔

☆ قاضی اسماعیل قدس سرہٗ نے درود شریف کی فضیلت میں حضرت یعقوب بن یزید بن طلحہ تیمی سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا: جو آدمی آپ ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہے تو اللہ جل مجدہٗ اس کے عوض دس مرتبہ رحمت بھیجتا

ہے۔ (یہ سن کر) ایک صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں اپنا نصف درود شریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختص نہ کر لوں؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جیسے چاہتے ہو۔

عرض کیا: کیا میں اپنا تہائی درود شریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف نہ کر لوں؟ فرمایا: جیسے تم چاہتے ہو۔

عرض کیا: کیا میں اپنی دعا کی جگہ تمام تر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں صرف نہ کر دوں؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تو اللہ جل مجدہٗ تیرے تمام دنیوی واخروی مقاصد پورے فرمادے گا۔

☆ انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے، اور کہنے لگے: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ شخص برباد ہو جائے جس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لیا جائے اور پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے۔

☆ قاضی اسمٰعیل قدس سرہٗ نے امیر المومنین امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بڑھیا قسم کا بخل یہ ہے کہ کوئی قوم میرا نام تو لے مگر مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔

☆ نیز قاضی اسمٰعیل قدس سرہٗ نے حضرت امام الائمہ جعفر ابن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور پھر وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے تو ایسا آدمی جنت کی راہ بھول جائے گا۔

☆ قاضی اسمٰعیل قدس سرہٗ اور اصبہانی قدس سرہٗ نے "الترغیب" میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلاَ تَکُمْ عَلَیَّ زَکَا ۃٌ لَّکُمْ" (ص356)

"مجھ پر درود شریف پڑھتے رہا کرو کیونکہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا، تمہارے گناہوں کی طہارت ہے"۔

☆ اصبہانی قدس سرہٗ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر درود شریف پڑھتے رہا کرو، کیونکہ مجھ پر تمہارا درود شریف پڑھنا تمہارے لیے کفارہ ہے۔

☆ اصبہانی قدس سرہٗ حضرت خالد بن طہمان سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلاَ ۃً وَّا حِدَۃً قُضِیَتْ لَہٗ مِاْۃُ حَا جَۃٍ (ص356)

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجا تو اس کی سو حاجتیں پوری ہوں گی"۔

☆ قاضی اسمٰعیل قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے "شعب الایمان" میں حضرت ابو سعید سے روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ (ذکر و فکر کی) مجلس برپا کرنے کے بعد برخاست کر

دیں، اور سید عالم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھیں تو انھیں قیامت کے دن سخت ندامت ہوگی۔ اور اگر جنت میں بھی چلے گئے تو وہاں اچھا صلہ نہ پا سکیں گے۔

☆ امام اصبہانی قدس سرہٗ نے ''الترغیب'' میں حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کی ہولنا کیوں اور وہاں کی وحشت ناک جگہوں سے تم میں سے وہ ہی ناجی ہوگیا جو دنیا میں مجھ پر درود شریف کی کثرت کرتا رہے گا۔ (تمہیں یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ) مجھ پر اللہ جل مجدہٗ اور اس کے فرشتوں کا درود شریف بھیجتے رہنا ہی بہت ہے۔ مگر ایمان والوں کو کثرت درود شریف پر ابھارنے کی وجہ یہ ہے تاکہ انہیں اس پر ثواب ملتا رہے۔

☆ امام اصبہانی قدس سرہٗ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ سے راوی، کہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا: سید عالم ﷺ پر درود شریف پڑھتے رہنا کئی غلاموں کی آزادی سے افضل ہے۔ اور سید عالم ﷺ کی محبت پیدا کرنا ریاضت و نفس کشی سے برتر ہے۔ یا حضرت امیر المومنین نے مؤخر الذکر جملہ کی جگہ یہ کلمات ارشاد فرمائے: ''اللہ جل مجدہٗ کی راہ میں لڑنے سے بالاتر ہے''۔

☆ امام اصبہانی اور امام بزار قدس سرہما حضرت جابر بن عبداللہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے سوار کے پیالہ کی طرح مت بنالو کہ سوار اپنا پیالہ بھر کر رکھ چھوڑتا ہے۔ اگر پینے کی ضرورت پڑ جائے تو پی لیتا ہے اور وضو کر لیتا ہے ورنہ گرا دیتا ہے لیکن مجھ پر دعا کے اول و آخر اور وسط میں درود شریف پڑھنا لازم کرلو۔

☆ امام اصبہانی قدس سرہٗ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ سے راوی کہ آپؓ نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا: دعا مانگنے والا جب سید عالم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود شریف پڑھ لیتا ہے تو پھر آسمان کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور دعا آسمان پر روانہ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ درود شریف نہیں پڑھتا تو دعا واپس آجاتی ہے۔

☆ امام ترمذی قدس سرہٗ حضرت امیر المومنین عمر فاروق سے راوی کہ آپ نے فرمایا:

اَلدُّعَآءُ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ (ص356)

''دعا زمین اور آسمان کے درمیان لٹکتی رہتی ہے اور اس سے اس وقت تک کوئی شی اوپر نہیں چڑھتی جب تک تم اپنے نبی محترم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھ لو''۔

☆ قاضی اسماعیل قدس سرہٗ حضرت سعید بن مسیتب سے راوی کہ آپ نے فرمایا:

مَامِنْ دَعْوَةٍ لَا يُصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَهَا اِلَّا كَانَتْ مُعَلَّقَةً بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (ص356)

''جس دعا سے پہلے سید عالم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا جائے تو اس وقت تک وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے''۔

☆ امام طبرانی قدس سرہٗ عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو درداء سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ صبح اور دس مرتبہ شام مجھ پر درود شریف پڑھا تو اسے قیامت میں میری شفاعت حاصل ہوگی۔

☆ امام بیہقی قدس سرہٗ ''شعب الایمان'' میں حضرت انس سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا جمعرات اور جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو (کیونکہ) جس نے مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا تو میں قیامت کے دن اس کا سفارشی و گواہ ہوں گا۔

☆ امام طبرانی قدس سرہٗ نے حدیث رویاء میں حضرت عبدالرحمان بن سمرہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں نے پل صراط پر ایک امتی شاخ لرزاں کی طرح کانپتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب مجھ پر اس درود شریف کا پڑھنا اس کے پاس آیا تو اس کی کپکپاہٹ جاتی رہی۔

☆ دیلمی قدس سرہٗ نے مرفوعاً حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر درود شریف کی کثرت کرے گا وہ عرش کے سایہ میں رہے گا۔

☆ ''بسند حسن'' امام بیہقی قدس سرہٗ حضرت ابوامامہ سے راوی کہ رسول کریم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ ہر جمعہ کو میری امت کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جس کے درود شریف کی مجھ پر کثرت ہوگی اس کا مرتبہ بھی مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔

☆ درود شریف کی فضیلت میں ابوعبداللہ نمیری قدس سرہٗ حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی کہ آپ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ آدم علیہ السلام کو ٹھہرنے کے لیے عرش کے ایک وسیع میدان میں جگہ عطا فرمائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام پر (اس وقت) دو سبز کپڑے ہوں گے اور وہ یوں معلوم ہوں گے گویا ہری بھری کھجور کے تنے ہیں۔

اور آدم علیہ السلام یہ منظر ملاحظہ فرما رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کسے جنت کی طرف لیے جایا جاتا ہے اور کسے جہنم کی راہ دکھلائی جاتی ہے۔ اسی اثناء میں حضرت آدم علیہ السلام ملاحظہ

فرمائیں گے کہ سید عالم ﷺ کے ایک امتی کو جہنم کی طرف لے جایا جارہا ہے تو اس وقت حضرت آدم علیہ السلام "یا احمد"" ﷺ" "یا احمد"" ﷺ" کہہ کر سید عالم ﷺ کو پکاریں گے پھر سید عالم ﷺ "یَا اَنَا البَشَرِ" فرماتے ہوئے تشریف لائیں گے۔

آدم علیہ السلام فرمائیں گے: آپ ﷺ کا یہ امتی دوزخ کو لے جایا جارہا ہے (سید عالم ﷺ نے فرمایا) پھر میں چادر کس کر فرشتوں کے پیچھے دوڑوں گا اور فرماؤں گا اے میرے پروردگار جل وعلا کے فرستادگاں ذرا ٹھہرو تو سہی وہ عرض کریں گے ہم (امتثال امر میں) نہایت سخت ہیں۔ ہم تو وہی کرتے ہیں جس کا ہم کو حکم ملتا ہے اور جس کا ہمیں حکم مل جاتا ہے ہم اس کی نافرمانی نہیں کرسکتے۔ جب سید عالم ﷺ اس شخص کی بازیابی سے مایوس ہوجائیں گے تو پھر اپنے دست اقدس سے اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے عرش اعظم کی جانب متوجہ ہوں گے اور عرض کریں گے پروردگار جل مجدہٗ! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ تو مجھے امت کے بارے میں رسوا نہیں فرمائے گا۔ پھر من جانب عرش ندا آئے گی: اے فرستگادن: (میرے حبیب محترم) حضرت محمد ﷺ کی اطاعت بجالاؤ اور اس آدمی کو میزان کے پاس لے آؤ (چنانچہ حسب حکم وہ آدمی جب میزان کے پاس آجائے گا) تو میں اپنی کمر بند سے چیونٹی کی مانند ایک سفید چیز نکالوں گا اور "بسم اللہ" پڑھتے ہوئے اسے ترازو کے دائیں پلڑے میں ڈال دوں گا۔ پھر کیا ہوگا کہ اچھائیاں برائیوں پر غلبہ پالیں گی۔ پھر آواز آئے گی یہ کامیاب ہے اور اس کا بخت عمدہ ہے اس کا میزان بھاری ہے لہٰذا اسے جنت میں لے جاؤ۔ پھر وہ آدمی کہے گا اے میرے پروردگار کے فرستادگان! ذرا ٹھہر جاؤ تو سہی میں پروردگار جل مجدہٗ کے ہاں بلند وبالا مرتبے کے مالک اس کریم انسان کے بارے میں معلوم کرلوں۔ پھر وہ شخص عرض کرے گا میرے والدین آپ ﷺ پر نثار آپ ﷺ کا روئے تاباں کس قدر حسین ہے اور آپ ﷺ کا اخلاق کس قدر پیارا ہے (ذرا یہ تو فرمایئے) کہ آپ ﷺ کون سی ذات گرامی ہیں کہ جنہوں نے میری لغزش کا مدوا فرمایا اور میرے آنسوؤں پر ترس کھایا۔ سید عالم ﷺ فرمائیں گے میں تو تیرا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ شی جس نے تجھے تیرے احتیاج سے رہائی دلائی تیرا وہ درود شریف جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا۔

☆ امام اصبہانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا کہ (سید عالم ﷺ نے فرمایا) جس نے وضو کرلینے کے بعد "اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" پھر مجھ پر درود شریف پڑھا تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

☆ اصبہانی قدس سرہٗ حضرت ابو ہریرہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ کِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِکَۃُ تَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَادَامَ اِسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ (ص357)

''جس نے کوئی کتاب لکھتے ہوئے میرا اسم گرامی آنے پر مجھ پر درود پڑھا (یعنی لکھا) تو جب تک اس کتاب میں میرا اسم گرامی برقرار رہے گا فرشتے اس کے لیے دعا مغفرت کرتے رہیں گے''۔

☆ نیز اصبہانی قدس سرہٗ نے یہی روایت حضرت ابن عباس سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے ''لَمْ تَزَلِ الصَّلَاۃُ جَارِیَۃً لَہٗ'' کہ (کتاب میں درود شریف لکھنے والے کے لیے) اس کا یہ درود شریف مسلسل جاری رہے گا۔

☆ نیز امام اصبہانی قدس سرہٗ حضرت کعب احبار سے راوی کہ آپ نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی فرمائی: اے موسیٰ! (علیہ السلام) کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کو قیامت کے دن پیاس محسوس نہ ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بارالٰہ! کیوں نہیں؟ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: (تو پھر میرے حبیب محترم حضرت جناب) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بکثرت درود شریف پڑھتے رہا کرو۔

☆ امام ابن الحسن میمونی قدس سرہٗ نے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

رَاَیْتُ اَبَا عَلِیٍّ نِالْحَسَنِ بْنِ عُیَیْنَۃَ فِی الْمَنَامِ بَعْدَ مَوْتِہٖ وَکَانَ عَلٰی اَصَابِعِ یَدَیْہِ شَیْءٌ مَکْتُوْبًا بِلَوْنِ الذَّھَبِ فَسَاَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ یَابُنَیَّ ھٰذَا لِکَتَبَتِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (ص357)

''میں نے حضرت ابوعلی حسن بن عیینہ کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا تو میں نے ان کے ہاتھوں کی انگلیوں پر سنہری رنگت کی ایک شی لکھی ہوئی دیکھی پھر میں نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: بیٹے! یہ میرا سید عالم ﷺ کی حدیث میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنے (کی برکت) کا ثمرہ ہے''۔

☆ سید عالم ﷺ کا منصب عالی اس سے کہیں برتر ہے کہ آپ ﷺ کے لیے دعائے رحمت کی جائے۔ یہ بھی سید عالم ﷺ کے خصائص سے ہے۔

☆ حافظ ابن عبد البر قدس سرہٗ نے فرمایا: جب سید عالم ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے تو کسی کے لیے

''رحمۃ اللہ'' کہنا جائز نہیں۔اس لیے کہ سید عالم ﷺ نے ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ '' (جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا) فرمایا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ (مَنْ تَرَحَّمَ عَلَیَّ وَمَنْ دَعَا لِیْ) ترجمہ۔جس نے میرے لیے رحمہ اللہ کہا یا میرے لیے دعا کی۔

اگرچہ ''صلاۃ'' دعا کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔مگر لفظ ''صلاۃ'' کے ساتھ آپ ﷺ کی علو شان کی خاطر درود شریف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا لفظ ''صلاۃ'' سے کسی اور لفظ کی طرف عدول جائز نہیں۔اسی کا موید اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ (نور:63)

''رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتا ہے''۔

اِنْتَھٰی (کَلَامُ بْنِ عَبْدِالْبَرِّ قُدِّسَ سِرُّہٗ)

☆ علامہ ابن حجر قدس سرہٗ نے بخاری شریف کی شرح میں ذکر فرمایا کہ (ابن عبدالبر قدس سرہٗ کی) یہ بحث عمدہ ہے۔

☆ اسی بحث کی مانند قاضی ابو بکر بن عربی مالکی قدس سرہٗ اور امام صیدلانی شافعی قدس سرہٗ نے بھی بحث فرمائی ہے۔

☆ ''الارشاد'' کے شارح امام ابو القاسم انصاری قدس سرہٗ نے فرمایا: لفظ ''صلاۃ'' کا اطلاق (بمعنی رحمت علاوہ نبی کریم ﷺ کے) نسبت کے ساتھ تو جائز ہے مگر اکیلے جائز نہیں۔

☆ اور احناف کی کتاب ''ذخیرہ'' میں حضرت امام الائمہ محمد سے مروی ہے کہ (کسی اور کے لیے بھی صلاۃ بمعنی رحمت) یہ بھی مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں نقص کا شائبہ رہتا ہے۔کیونکہ اغلبًا رحمت کا استعمال قابل ملامت فعل پر ہوتا ہے۔

☆ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے روا ہے کہ لفظ ''صلاۃ'' سے جس پر چاہیں دعاء رحمت فرمائیں۔آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور پر صلاۃ بھیجے۔

☆ امام بخاری و مسلم قدس سرہما حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے پاس جب کوئی جماعت صدقات کی وصولی کے بعد آتی تو آپ ﷺ اس کے لیے دعائے رحمت فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح ایک (مرتبہ) میرے والد گرامی بھی صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی ''ص358 ترجمہ۔اے اللہ جل مجدہٗ ابو اوفی کی آل پر

رحمت نازل فرما۔

امام ابن سعد اور قاضی اسماعیل قدس سرہما اور امام بیہقی قدس سرہٗ اپنی ''سنن'' میں حضرت جابر بن عبداللہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ سید عالم ﷺ نے ہمیں اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تو میری بیوی نے گذارش کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے اور میرے شوہر کے لیے دعا مغفرت فرمایئے چنانچہ سید عالم ﷺ نے (درخواست منظور فرماتے ہوئے) فرمایا: ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ'' ص358 ترجمہ۔ تجھ پر اور تیرے شوہر پر اللہ جل شانہ رحمت کاملہ نازل فرمائے۔

قاضی اسماعیل قدس سرہٗ اور امام بیہقی اپنی ''سنن'' میں حضرت ابن عباس سے راوی کہ آپ نے فرمایا: سید عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے صلاۃ کا استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ مسلمان مرد وزن کے لیے دعائے استغفار کی جائے۔

انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لیے صلاۃ وسلام کی نوعیت

قَالَ اَصْحَابُنَا تَكْرَهُ الصَّلَاةُ عَلٰى غَيْرِ الْاَنْبِيَآءِ اِبْتِدَآءً ہمارے ائمہ نے فرمایا: ابتداء (یعنی مستقل طور پر) انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے صلاۃ کا استعمال مکروہ ہے۔ ''وَقِيْلَ تُحْرَمُ'' ترجمہ:۔ اور بعض نے فرمایا: حرام ہے۔

قَالَ الْجُوَيْنِي وَالسَّلَامُ فِيْ مَعْنٰى الصَّلَاةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَرَنَ بَيْنَهُمَا فَلَا يَفْرِدُبِهٖ غَائِبٌ غَيْرَ الْاَنْبِيَآءِ، وَلَا بَاْسَ بِهٖ عَلٰى سَبِيْلِ الْمُخَاطَبَةِ لِلْاَحْيَاءِ وَ الْاَمْوَا تِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

علامہ جوینی قدس سرہ نے فرمایا: (''صلاۃ'' کی طرح ''اسلام'' بھی مستقلاً ممنوع ہے کیونکہ) سلام بھی صلاۃ کے معنی میں ہی ہے۔ اس لیے کہ اللہ جل مجدہ نے صلاۃ وسلام دونوں کو یکجا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں پر بالاستقلال بصیغہ غائب ''سلام'' نہ پڑھا جائے گا۔ البتہ زندہ یا مردہ مسلمانوں کے لیے مخاطب کے صیغہ سے سلام کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوسروں کو کسی بھی حکم کے ساتھ مخصوص فرمادینا

سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جس شخص کے لیے جس بھی حکم کی تخصیص چاہیں، فرماسکتے ہیں۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

امام ابوداؤد قدس سرہٗ اور امام نسائی قدس سرہٗ نے عمارہ بن خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی ''سند'' سے، اور انہوں نے اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے ایک دیہاتی سے ایک گھوڑا خرید فرمایا: پھر اسے اپنے ساتھ بایں غرض لے لیا تا کہ اسے گھوڑے کی قیمت ادا فرمائیں۔ چلنے میں سید عالم ﷺ کی رفتار تیز تھی جبکہ دیہاتی آہستہ چل رہا تھا۔ اتنے میں اس دیہاتی سے کچھ لوگوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اور اس سے گھوڑے کا بھاؤ کرنا شروع کر دیا۔ اور لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس گھوڑے کو سید عالم ﷺ خرید فرما چکے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے سید عالم ﷺ کی قیمت خرید سے بھی بھاری قیمت پر خریدنے کا ارادہ کر لیا۔ جب دیہاتی نے نرخ بڑھتا ہوا دیکھا تو اس نے سید عالم ﷺ کو آواز دیتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اس گھوڑے کے خریدار بنتے ہیں یا میں اسے بیچ ڈالوں۔ روستائی کی آواز پر سید عالم ﷺ رک گئے۔ اور اس کے پاس آنے پر اس سے فرمایا: ارے! کیا میں نے تم سے یہ گھوڑا خریدا نہیں ہے؟ پھر لوگ سید عالم ﷺ اور اس دیہاتی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جبکہ حضور انور ﷺ اور روستائی برابر اپنی اپنی بات دہرا رہے تھے۔ دیہاتی نے کہنا شروع کر دیا (اچھا) آپ ﷺ میرے فروخت کر دینے اور اپنے خریدنے پر کوئی گواہ پیش فرمائیے۔ اس اثناء میں جو جو صحابی آتے تو وہ روستائی کے قابل ملامت رویہ پر افسوس کرتے ہوئے کہتے: ارے! (یہ کیا کہتے ہو) سید عالم ﷺ نے تو کبھی غلط بیانی سے کام لیا ہی نہیں۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اور سید عالم ﷺ اور بدوی کی باتوں کو سنا جبکہ بدوی برابر کہے جا رہا تھا: میرے بیچ دینے پر آپ ﷺ گواہ پیش فرمائیں۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے: ارے! میں گواہ ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا سید عالم ﷺ کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ سید عالم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرماتے ہوئے فرمایا: تم کس بناء پر گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی تصدیق کرنے کی بنا پر۔ (اسی وجہ سے) سید عالم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی (تنہا) شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے مساوی فرما دیا۔

امام ابن ابی اسامہ قدس سرہٗ نے اپنی ''مسند'' میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ایک بادیہ نشین سے گھوڑا خرید فرمایا۔ پھر وہ اس کی فروختگی کا منکر ہو

1۔ اس دیہاتی کا نام سواء بن حارث تھا۔ (مترجم غفرلہٗ)

بیٹھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے۔ ارے روستائی! میں گواہ ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو فروخت کر دیا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خزیمہ! (رضی اللہ عنہ) ہم نے تو تمہیں وہاں دیکھا تک نہیں۔ تو تم گواہی کیسے دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ) میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی آسمانی باتوں پر تو یقین رکھتا ہوں۔ کیا اس روستائی پر آپ ﷺ کی تصدیق نہ کروں گا۔

اسی لیے سید عالم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی (اکیلی) گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دی۔

(قول راوی) چنانچہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسلام میں دوسری کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ جس کی (تنہا) گواہی دو آدمیوں کی گواہیوں کے برابر ہو۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے اپنی ''تاریخ'' میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا: جس چیز پر یا جس شخص کے لیے خزیمہ (رضی اللہ عنہ) گواہی دے دیں تو ان کی تنہا گواہی کافی ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے روایت کیا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عید قربان کے دن سید عالم ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا، وَنَسَکَ نُسُکَنَافَقَدْ اَصَا بَ النُّسُکَ وَ مَنْ نَسَکَ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فَتِلْکَ شَا ۃُ لَحْمٍ (ص۲۵۹)

''جس نے ہمارے ہمراہ نماز ادا کی اور ہمارے ساتھ قربانی کی تو اس نے وجوب ادا کر لیا۔ اور جس نے نماز سے قبل قربانی دے دی تو وہ صرف گوشت کھانے کی بکری ہوئی''۔

اتنے میں حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس خیال پر کہ آج تو کھانے پینے کا دن ہے۔ اس لیے میں نے جلدی میں نماز کی ادائیگی سے پہلے ہی قربانی کر ڈالی جسے میں نے خود بھی کھایا، اہل و عیال اور پڑوسیوں کو بھی کھلایا۔ (کیا میری یہ قربانی ہو گئی)

سید عالم ﷺ نے فرمایا: (نہ، نہ) یہ تو گوشت خوری کے لیے ذبح ہوا ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ!) میرے پاس چھ ماہ کا ایک ایسا

بُزغالہ ہے جس کا گوشت دو بکریوں کے گوشت کے لگ بھگ ہوگا، کیا وہ میری طرف سے قربانی کے لیے کفایت کر جائے گا؟

سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: ہاں (کر جائے گا)۔ مگر تمہارے بعد اور کسی کے لیے ہرگز جائز نہیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت

امام مسلم قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت سیّدتنا ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب یہ آیت مبارکہ

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا ......وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنۃ:12)

''اس پر بیعت کرنے کو اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی، اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی''۔ الخ

نازل ہوئی، تو ان ممنوعہ اشیاء میں سے ایک نیاحت (1) بھی تھی۔ اس وقت میں عرض گزار ہوئی: یارسول اللہ ﷺ! اس حکم سے فلاں قبیلہ کو مستثنیٰ فرما دیں۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے میری نیاحت میں مدد کی تھی۔ اس لیے نوحہ گری میں میرے لیے ان کی امداد کرنا ضروری ہے چنانچہ سیّد عالم ﷺ نے (آپ رضی اللہ عنہا کو نیاحت میں رخصت دیتے ہوئے) فرمایا: ہاں فلاں قبیلہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

امام نووی قدس سرہٗ نے فرمایا:

هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلَى التَّرْخِيْصِ لِاُمِّ عَطِيَّةَ فِيْ آلِ فُلَانٍ خَاصَّةً وَلِلشَّارِعِ اَنْ يَخُصَّ مِنَ الْعُمُوْمِ مَا شَآءَ۔ (ص۳۵۹)

''آل فلاں میں یہ حکم خصوصی طور پر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے لیے رخصت پر محمول ہے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عام حکم سے جو بھی چاہیں (کسی کے لیے) مخصوص کرنا جائز ہے''۔

حضرت سہلہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہما کی خصوصیت

امام ابن سعد اور امام حاکم قدس سرہما نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان رضی اللہ عنہا سے، اور انہوں نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضرت

1۔ ریاکاری کا رونا، بتکلیف رونے کی کوشش کرنا، اور زور زور سے رونے کی آوازیں نکالنا اگرچہ آنسو نہ بھی آئیں۔ (مترجم غفرلہٗ)

سہلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام (اور ان کے پروردہ) حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا (بلوغت کے بعد) ان کے ہاں آنے جانے (اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہا کے بُرا منانے) کی سید عالم ﷺ سے شکایت کی۔ تو سیّد عالم ﷺ نے حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو انہیں اپنا دودھ پلانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا دودھ پلا دیا۔ جبکہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس وقت پورے جوان آدمی تھے اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

سیّد عالم ﷺ کی ازواج مطہرات نے ایسی رضاعت کے ثبوت کی بناء پر کسی کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دینے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ ازواج النبی ﷺ فرمایا کرتی تھیں یہ تو صرف سالم رضی اللہ عنہ کو سیّد عالم ﷺ نے رخصت عطا فرمائی تھی۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں:

''یہ صرف حضرت سہلہ بنتِ سہیل رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے''۔

امام حاکم قدس سرہٗ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہ سالم رضی اللہ عنہ کے لیے رخصت تھی۔

حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کی خصوصیت

ابنِ سعد قدس سرہٗ حضرت سیدتنا اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سید عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تین دن تک تو سوگواری میں رہو پھر جو چاہو کرتی رہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

ابنِ سعد قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی زکوٰۃ پر جو حولانِ حول سے قبل ہی جلد ادا کرنے کی سیّد عالم ﷺ سے درخواست گزاری، تو آپ ﷺ نے انہیں اس میں رخصت عطا فرما دی۔ ابنِ سعد قدس سرہٗ نے حضرت حکم بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہا سے ان کی دوسالہ زکوٰۃ پہلے ہی وصول فرمالی۔

ایک فقیر کی خصوصیت

امام سعید بن منصور قدس سرہٗ نے حضرت ابونعمان ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے ایک فقیر سے ایک عورت کا نکاح فرمادیا اور اس کا مہر یہ مقرر فرمایا کہ جتنا قرآن یاد تھا وہ اس عورت کو پڑھادے۔ اور فرمایا: تمہارے بعد کسی اور کے لیے ایسا مہر مقرر کرنا جائز نہیں۔

یہ حدیث مرسل ہے، اور اس میں کچھ راوی غیر معروف ہیں۔

امام ابوداؤد قدس سرّہٗ، امام مکحول رضی اللہ عنہ سے راوی کہ آپ نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے بعد اور کسی کے لیے بھی اس طرح سے نکاح کر دینا جائز نہیں۔

ابوعوافہ نے امام لیث بن سعد قدس سرّہٗ سے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خصوصیت

امام ابن سعد قدس سرہٗ نے حضرت امام الآئمہ جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے، اور انہوں نے اپنے والدِ گرامی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جب کبھی سیّد عالم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتی تھیں تو ''سَلَامٌ عَلَیْکُمْ'' کہہ کر آداب بجا لایا کرتی تھیں۔ تو سیّد عالم ﷺ نے انہیں صرف ''السلام'' ہی کہہ دینے میں رخصت عطا فرمادی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زبان تتلاتی تھی۔

امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

علاّمہ ابن سعد قدس سرّہٗ حضرت مُنذر ثوری قدس سرّہٗ سے راوی کہ آپ نے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مناظرہ چل پڑا، اور دورانِ مناظرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تو رسول اللہ ﷺ پر تمہاری طرح جرأت نہیں کر سکتے کہ تم نے اپنے صاحبزادے کا نام سید عالم ﷺ کے اسمِ گرامی پر اور اس کی کنیت سیّد عالم ﷺ کی کنیت پر رکھ لی ہے، جبکہ سیّد عالم ﷺ کے بعد کسی بھی اُمّتی کے لیے بنا بر حکم امتناعی کے ان دونوں کا یکجا کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کی ایک جماعت کو بُلوا بھیجا (ان کے آنے کے بعد جب صورتِ حال اُن کے سامنے رکھی گئی)

فَقَالُوْا نَشْهَدُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّهٗ سَيُوْلَدُ لَكَ بَعْدِیْ غُلَامٌ، فَقَدْ نَحَلْتُهٗ اِسْمِیْ وَكُنْيَتِیْ، وَلَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ بَعْدَهٗ۔ (ص365)

''تو وہ بولے، ہم گواہ ہیں کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا تھا (علی رضی اللہ عنہ!) میرے بعد

عنقریب تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جسے میں نے اپنا نام اور اپنی کنیت عطا فرمادی ہے۔ البتہ میرے بعد کسی اور امتی کے لیے یہ جائز نہیں ہے"۔

بروایت منذر ثوری قدس سرہٗ امام ابن سعد قدس سرّہٗ نے روایت کیا کہ حضرت منذر ثوری قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے امام الآئمہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میرے نام و کنیت میں میرے والدِ گرامی) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے لیے رخصت تھی۔ (اس لیے کہ) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے سید عالم ﷺ سے گزارش کی تھی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کے بعد میرے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو کیا میں اس کا نام و کنیت آپ ﷺ کے نام و کنیت پر رکھ لوں۔ تو سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا: ہاں رکھ لینا۔

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ مختار ہیں کہ جن میں چاہیں، توارث پر مبنی اخوت قائم فرمادیں۔

☆ اور کسی کے لیے اس قسم کی اخوت قائم کرنا جائز نہیں۔

علاّمہ ابن جریر قدس سرّہٗ علی بن زید رضی اللہ عنہما سے

وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ (نساء:33)

"اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا"۔

کی تفسیر میں راوی، کہ آپ نے فرمایا:

فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ (نساء:33)

"انہیں ان کا حصہ دو"۔

کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے درمیان سیّد عالم ﷺ نے اخوت قائم فرمائی تھی تو پھر ان کا توارث چلے گا بشرطیکہ ان کے مابین کوئی ذو محرم حائل نہ ہو۔ حضرت علی بن زید قدس سرّہٗ نے فرمایا: اور یہ آج کل کے لوگ اس زمانہ میں ان کی مثل نہیں ہیں۔ وہ تو صرف چند افراد پر مشتمل ایک جماعت تھی جس کے مابین سیّد عالم ﷺ نے مواخات قائم فرمادی تھی جو کہ اب منسوخ ہے۔ اور ایسی مواخات قائم کرنا سیّد عالم ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

سید عالم ﷺ نے مہاجرین کرام اور انصارِ عظام رضی اللہ عنہم کے درمیان اخوت پیدا فرمادی تھی۔ اور آج کے زمانہ میں (توارث پر مبنی) ایسی مواخاۃ کسی کے مابین قائم کر دینا کسی اور کے لیے روا نہیں ہے۔

ہمارے آئمہ نے فرمایا: سیّد عالم ﷺ کے شہر خوشتر میں جو آدمی نماز ادا کرے تو اس وقت سیّد عالم ﷺ کا محراب شریف اس کے لیے کعبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسے کسی صورت میں بھی اس محراب سے اِدھر اُدھر ہونا جائز نہیں ہے۔

اور اسی طرح زمین کے وہ حصے جن میں سید عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہو ان میں بھی کسی اجتہاد وتحرّی سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں (1)۔ جبکہ مدینہ منوّرہ کے علاوہ دوسرے شہروں کی خصوصیت نہیں بلکہ ان میں بناء بر صحیح وجہ کے اجتہاد و تحرّی سے دائیں بائیں ہونا جائز ہے۔

سیّد عالم ﷺ کی وجہ سے اہل بیت وغیرہ کی فضیلت

☆ سیّد عالم ﷺ کی وجہ سے آپ ﷺ کی اولاد و ازواج، اور اہلِ بیت و صحابۂ کرام اور آپ ﷺ کے قبیلہ میں شرافت و بزرگی کا حاصل ہونا بھی آپ ﷺ کے خصائص سے ہے۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ (احزاب:33)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو، کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے، اور تمہیں پاک کر کے خُوب سُتھرا کر دے"۔

اور فرمایا:

وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ (احزاب:31)

"اور جو تم میں فرماں بردار رہے اللہ اور رسول کا اور اچھا کام کرے، ہم اسے اوروں سے دُونا ثواب دیں گے"۔

حاکم قدس سرّہٗ حضرت اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آیہ کریمہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ (احزاب:33)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو، کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے"۔

1۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے اور اصرار کرے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں اسی طرح تھی تو وہ کافر ہو گیا۔ (شیخ محقق وعلامہ توکلی قدس سرہما) (مترجم غفرلہٗ)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے"۔
میرے گھر پر نازل ہوئی تو سیّد عالم ﷺ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں صاحبزادوں (رضی اللہ عنہما) کو (بُلا بھیجنے کا) پیغام ارسال فرمایا۔ تو (ان کے آنے پر) فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔

حاکم قدس سرہٗ نے مرفوعاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ آیا اور اُس نے مجھ پر سلام عرض کرنے کی اللہ جل مجدہٗ سے اجازت مانگی۔ چنانچہ اُس نے مجھے خوشخبری سُنائی کہ فاطمہ "رضی اللہ عنہا" جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

حاکم قدس سرہٗ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سید عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن پس پردہ ایک آواز دینے والا آواز دے گا: محشر والو! فاطمہ "رضی اللہ عنہا" کے گزرنے تک تم اپنی اپنی نگاہیں نیچی کرلو۔ چنانچہ ان کے گزرتے وقت ان پر دو سبز دوپٹے ہوں گے۔

حاکم قدس سرہٗ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: فاطمہ! "رضی اللہ عنہا" تمہاری ناراضگی کی وجہ سے اللہ جل مجدہٗ ناراض ہوتا ہے۔ اور تمہاری خوشی سے اللہ جل شانہٗ خوش ہوتا ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: مریم "رضی اللہ عنہا" بنت عمران علیہ السلام کے علاوہ فاطمہ "رضی اللہ عنہا" تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

حاکم قدس سرہٗ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے اپنے مرضِ وصال میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: فاطمہ! "رضی اللہ عنہا" کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ سارے جہان کی عورتوں، ساری مسلمان عورتوں اور اس اُمت کی ساری عورتوں سے تمہی برتر و سردار ہو۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے فضائل

امام ابنِ سعد قدس سرہٗ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے راوی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیّد عالم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر نمازِ جنازہ پڑھی اور فرمایا: جنت میں اس کے لیے ایک دایہ مقرر ہے اور یہ جنت میں ہی اپنی مدّت رضاعت پوری کرے گا۔ اور

یہ صدیق ہے۔

ابن سعد قدس سرّہٗ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

ابراہیم ''رضی اللہ عنہ'' کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی دایہ ہے، اور یہ جنت میں ہی اپنی مدتِ رضاعت مکمل کرے گا اور (مرتبہ میں) یہ صدیق وشہید ہے۔

امام ابن ماجہ قدس سرہٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب سید عالم ﷺ نے ان پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور پھر فرمایا: اس کے لیے جنت میں دُودھ پلانے والی مقرر ہے۔ اور اگر یہ بقیدِ حیات رہتا تو (درجہ میں) نبی وصدیق ہوتا۔ اور (اسی مرتبہ کے طفیل) اس کے سبھی قبطی ماموں آزاد ہو جاتے اور اس کے بعد کوئی بھی قبطی غلام نہ بنایا جاتا۔

امام ابن سعد قدس سرّہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتے تو نبی وصدیق ہوتے۔

☆ حاکم قدس سرّہٗ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ امیر المومنین الامام الحسن رضی اللہ عنہ اور الامام الحسین رضی اللہ عنہ تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

حاکم قدس سرہٗ نے اسی روایت کی مثل حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

حاکم قدس سرّہٗ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام آ کر کہنے لگے: امیر المومنین امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

امام حارث بن ابی اسامہ قدس سرہٗ حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ اور امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ سیّد عالم ﷺ کے سامنے باہم کشتی لڑنے لگے۔ تو سید عالم ﷺ (امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی طرف داری کرتے ہوئے) فرماتے جا رہے تھے: حسن! (رضی اللہ عنہ) حسن! (رضی اللہ عنہ) حسین (رضی اللہ عنہ) کو اس طرح، اس طرح پکڑلو۔ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن ''رضی اللہ عنہ'' کی امداد فرما رہے ہیں؟ شاید وہ آپ ﷺ کو حسین ''رضی اللہ عنہ'' سے زیادہ عزیز ہے۔ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا (فاطمہ! ''رضی اللہ عنہا'' وجہ یہ ہے کہ)

اِنَّ جِبْرِیْلَ یُعِیْنُ الْحُسَیْنَ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُعِیْنَ الْحَسَنَ۔ (ص 361)

''حسین'' رضی اللہ عنہ'' کی جبریل مدد کر رہے ہیں اس لیے مجھے یہی پسند ہے کہ میں حسن ''رضی اللہ عنہ'' کی امداد کروں''۔

یہ حدیث شریف ''مرسل'' ہے۔

امام ابن عساکر قدس سرہٗ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ آپ نے فرمایا:

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے پاس دو تعویذ تھے، جن میں جبریلی پروں کے بال تھے۔

☆ امام الائمہ احمد رضی اللہ عنہ، اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جنتی خواتین میں سب سے برتر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا،

☆ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

☆ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا بنتِ حضرت عمران علیہ السلام،

☆ اور حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا ہیں۔

حاکم قدس سرہٗ نے تصحیح کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

(اگر تو سارے جہاں کی عورتوں سے برتر عورتیں معلوم کرنا چاہے تو) تجھے چار عورتوں کی افضلیت کافی ہے:

☆ حضرت مریم رضی اللہ عنہا،

☆ اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا،

☆ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا،

☆ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

حاکم قدس سرہٗ نے تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

بنو عبد المطلب! میں نے اللہ جل مجدہٗ سے التجا کی ہے کہ وہ تمہارے خطیب کو ثابت قدم رکھے، تمہارے گمراہ کو ہدایت دے، تمہارے نادان کو سمجھ دے، اور تمہیں سب سے بڑھ کر سخی اور باہم صلہ رحمی کرنے والا بنا دے۔

پس اگر کوئی آدمی حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے مابین نمازیں پڑھتا رہے، روزہ رکھتا

رہے مگر وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت سے دشمنی مول لے لے اور پھر مر جائے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

حاکم قدس سرہٗ نے تصحیح کرتے ہوئے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اے میری اہل بیت! ہم سے جو بھی دشمنی مول لے گا تو اسے اللہ جلّ مجدہٗ دوزخ میں جگہ دے گا۔

حافظ ابویعلیٰ، امام بزار، امام حاکم قدست اسرارہم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے سیّد عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

اَلَا اِنَّ مِثْلَ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا،وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔(ص٣٦١)

"سنتے ہو! بے شک تم میں میری اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے، جو اس میں سوار ہوا تو وہ نجات پا گیا، اور جو سوار ہونے سے رہ گیا تو وہ برباد ہو گیا۔"

امام ترمذی اور امام حاکم قدس سرہما حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:

☆ایک کتابُ اللہ

☆اور دوسری میری اہل بیت

امام ترمذی قدس سرّہٗ نے فرمایا:

یہ حدیث "حسن" ہے۔

اور امام حاکم قدس سرّہٗ نے فرمایا:

یہ حدیث "صحیح" ہے۔

امام حاکم قدس سرّہٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

(جس طرح) ستارے زمین والوں کو اُن کی غرقابی سے بچنے کے لیے پناہ گاہ ہیں۔

(اسی طرح) میری اہلِ بیت میری اُمت کے اختلاف کے لیے جائے پناہ ہے۔

پس جب کوئی قبیلہ میری اہلِ بیت کی مخالفت کرے گا تو اُن میں باہمی پھوٹ پڑ جائے گی اور

یوں وہ شیطانی گروہ سے ہو جائے گا۔

اسی روایت کو حافظ ابو یعلیٰ، اور امام ابن ابی شیبہ قدس سرہما نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام حاکم قدس سرہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

میری اہل بیت کے بارے میں میرے پروردگار جل مجدہٗ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جن جن نے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا ہے تو وہ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔

حاکم قدس سرہٗ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

حمزہ "رضی اللہ عنہ" شہیدوں کے سردار ہیں۔

حاکم قدس سرّہٗ حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

میرا چچیرا بھائی ابو سفیان بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ جنتی جوان مردوں کا سردار ہے۔

امام طبرانی قدس سرّہٗ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

اپنی مجلس سے اپنے برادر کی تعظیم کے لیے دُوسرا کوئی آدمی کھڑا ہو سکتا ہے مگر بنو ہاشم کسی کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہو سکتے۔

ابن عساکر قدس سرّہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور اُن کی اولاد کے علاوہ کوئی آدمی کسی کی تعظیم کے لیے اپنی مجلس سے نہ اُٹھا کرے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے فضائل

☆ امام ابن ماجہ قدس سرّہٗ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا، مَا اَدْرَکَ مُدَّ اَحَدِھِمْ، وَلَا نَصِیْفَہٗ۔ (ص362)

"میرے صحابہ کو بُرا مت کہو، اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے نہ صرف ایک سیر بلکہ ایک پاؤ کے خرچ کے برابر بھی ثواب نہ پا سکے گا"۔

امام طیالسی قدس سرّہٗ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اگر کوئی آدمی اس خاطر بیواؤں، مساکین و یتامیٰ پر اُحد پہاڑ جتنا سونا خرچ کر دے کہ وہ میرے کسی صحابی کی ایک ساعت کی برابر فضیلت کو پالے تو وہ اسے کبھی بھی نہ پا سکے گا۔

ابن ابی عمر قدس سرّہٗ نے ''مسند'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

میری اُمت میں میرے صحابہ کی مثال رہبر ستاروں کی سی ہے (کہ ان کے موجود رہنے میں لوگ رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں) اور جب وہ ڈوب جاتے ہیں تو ششدر رہ جاتے ہیں۔ امام عبد بن حمید قدس سرّہٗ اپنی ''مُسند'' میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

میرے صحابہ رہنما ستاروں کی طرح ہیں۔

پس ان میں سے تم جس کی بھی بات پر عمل کرتے رہے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

حافظ ابو یعلےٰ، امام بزار قدس سرہما، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی طرح ہے، کہ نمک کے بغیر کھانا مزے دار نہیں ہوتا۔

ابنِ منیع اور امام طبرانی قدس سرہما نے ''اوسط'' میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

(اگر) میرے بعد میرے (کچھ) صحابہ سے لغزش ہو جائے گی (تو) اللہ جل مجدہٗ ان کی لغزش میری معیت کی برکت سے دور فرما دے گا۔ اور (اگر) میرے بعد کسی اور جماعت نے لغزش کھائی تو اللہ جل مجدہٗ اسے اس کی پاداش میں اوندھے منہ داخل دوزخ کرے گا۔

ابنِ منیع قدس سرّہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

میرے صحابہ اور میری سُسرال کے بارے میں مت سوچو۔ کیونکہ جس نے ان کے بارے میں میرا خیال رکھا تو اللہ جل مجدہٗ اس کا نگہبان ہوگا۔ اور جس نے ان کے بارے میں میرا خیال تک نہ کیا تو اللہ جل مجدہٗ اسے اکیلا چھوڑ دے گا۔ اور جسے اللہ جل مجدہٗ نے چھوڑ دیا تو قریب ہے کہ اسے پکڑ لے۔

صحابۂ کرام انبیاء کی نظیر ہیں

علاّمہ ابن عساکر قدس سرّہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا لَهٗ نَظِيْرٌ فِيْ اُمَّتِيْ، اَبُوْبَكْرٍ نَظِيْرُ اِبْرَاهِيْمَ، وَعُمَرُ نَظِيْرُ مُوْسٰى، وَعُثْمَانُ نَظِيْرُ هَارُوْنَ، وَعَلِيٌّ نَظِيْرِيْ، وَمَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى عِيْسٰى بْنِ مَرْيَمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ۔ (ص362)

''میری امت میں ہر ایک نبی کی نظیر موجود ہے۔ (چنانچہ) ''امیر المومنین حضرت'' ابوبکر ''صدیق رضی اللہ عنہ'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر ہیں۔ اور امیر المومنین عمر فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظیر ہیں۔ اور امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نظیر ہیں۔ اور امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود میری "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" نظیر ہیں۔ اور جسے یہ بھاتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم رضی اللہ عنہ کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر (غفاری) "رضی اللہ عنہ" کو دیکھ لے"۔

علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ مِنْ اَصْحَابِیْ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ قَائِدُهُمْ وَاِمَامُهُمْ وَنُوْرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ص ۳۶۲)

"جس شہر میں میرا کوئی صحابی فوت ہوگا، تو وہ میرا صحابی قیامت میں ان شہریوں کے لیے قائد، امام اور نور ہوگا"۔

نیز علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ذکر کی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شہر میں میرا کوئی بھی صحابی فوت ہوگا، تو وہ قیامت میں ان کے لیے (مینارہ) نور، اور ان کا سردار ہوگا۔

امام دارقطنی قدس سرہٗ اپنی "سُنن" میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے راوی، حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ بدری (متوفّٰی) پر جنازہ کی چھ تکبیریں، اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے اصحابِ کرام پر پانچ تکبیریں، اور عام لوگوں پر چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ ابوزاہریہ کی سند سے، حسن بن سفیان قدس سرہٗ نے حضرت حابس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سیدعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (فضائل و محامد میں) جو کچھ قریش کو ملا ہے وہ دوسرے لوگوں کو نہیں مل سکا۔

سب صحابۂ کرام عادل ہیں

☆ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ اس پر مُستند ائمہ کا اجماع ہے۔ لہٰذا (شہادت و روایت میں) ان میں سے کسی سے بحث نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ دُوسرے راویوں (اور گواہوں) میں کی جاتی ہے۔ (اس لیے کہ صحابۂ کرام کی تعدیل، کتاب و سنّت کے ظواہر سے ثابت ہے) اس پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی حجت ہے۔

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ۔ (ص363)

"سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں"۔

شرطِ صحابیت

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس شخص نے (بحالتِ ایمان) ایک لمحہ سیّد عالم ﷺ کو دیکھ لیا اسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ (طویل صحبت شرط نہیں) ہاں تابعی ہونے کے لیے "اصولیوں کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح" یہ شرط ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں دیر تک رہا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ (اوّل الذکر میں) منصب نبوت کی عظمت اور اس کی نورانیت کارفرما ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی اگر کٹر جاہل دیہاتی پر بھی نگاہ پڑ جاتی تو وہ دانائی کی باتیں کرنے لگ جاتا تھا"۔

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث شریف کے حاملین کے چہرے تروتازہ رہتے ہیں۔ (اسی لیے) بعض ائمہ نے فرمایا کہ ہر محدث کا چہرہ پُر رونق ہوتا ہے(1)۔ اس لیے کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا، فَاَدَّاهَا اِلٰى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا۔

(ص363)

"اس آدمی کا چہرہ اللہ جل مجدہٗ تروتازہ رکھے، جس نے میرا کلام سن کر یاد کیا اور پھر اسے ان لوگوں تک پہنچایا، جنہوں نے اسے نہ سُنا تھا"۔

☆ سیّد عالم ﷺ کے انہی خصائص سے یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی حدیث شریف کے حاملین، حافظ اور امیر المومنین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔

☆ خطیب (بغدادی) قدس سرّہٗ نے فرمایا:

حافظ وہ مخصوص لقب ہے جو باقی تمام علماء کے درمیان، صرف محدثین کرام سے مختص ہے۔" الی آخرہٖ"۔ (من کلام السیوطی قدس سرّہٗ)

1۔ جیسے اہل سنت و جماعت کے تمام محدثین کرام، مثال کے طور پر محدّث پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرّہٗ کو لیجئے، آپ قدس سرّہٗ کی شخصیت سیّد عالم ﷺ کی مذکورہ خصوصیت کی مکمل آئینہ دار تھی۔ (مترجم غفرلہٗ)

الامام العلامہ تقی الدین سُبکی

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

امام سبکی قدس سرہٗ متوفی ۷۵۶ھ نے اپنی کتاب ''اَلتَّعْظِیْمُ وَالمِنَّۃِ'' کے (باب) خصائص میں اللہ جل مجدہٗ کے اس ارشادِ گرامی

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ (آل عمران:81)

''تم تو ضرور، ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور، ضرور اس کی مدد کرنا''۔ الخ

کی تفسیر میں فرمایا: مخفی نہ رہے کہ اس آیت کریمہ میں سیّد عالم ﷺ کی وہ قدر و منزلت اور عظمت ثابت ہے، جس کا اندازہ ناممکن ہے۔ اس کے باوجود اس آیتِ کریمہ میں یہ امر بھی عیاں ہے کہ بالفرض اگر سیّد عالم ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانہ میں تشریف لاتے تو آپ ﷺ ان سبھی کے رسول ہوتے۔

☆ لہٰذا از آدم علیہ السلام تا روزِ قیامت سید عالم ﷺ کی نبوت و رسالت تمام مخلوق کو شامل ہے۔ اور تمام پہلی اُمتیں اور پہلے انبیاء علیہم السلام سیّد عالم ﷺ کے اُمتی ہی ہیں۔

☆ اور سیّد عالم ﷺ کے اس ارشاد ''بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً'' (میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں) میں صرف آپ ﷺ سے تا یوم قیامت کے لوگوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ اس میں ان سے پہلے تمام لوگ بھی شامل ہیں۔

☆ اور اسی سے سید عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

''میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ہنوز جسم و روح کے مابین تھے''۔

☆ اور جس نے اس ارشاد کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ جل مجدہٗ کے علم میں تھا کہ سیّد عالم ﷺ عنقریب پیغمبر ہوں گے تو وہ اس ارشاد کے مقصد کو نہ پہنچ سکا۔ اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ کا علم تو تمام اشیاء کو محیط ہے۔ اور اس وقت میں جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر میں تھے اسی وقت سے اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کو وصفِ نبوت سے متصف فرما دیا تھا۔ لہٰذا اس ارشاد کا یہ مطلب لینا ہی بہتر ہے کہ سیّد عالم ﷺ کے لیے اس وقت نبوت ثابت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے (بعد از تخلیق) سید عالم ﷺ کا اسم گرامی ''محمد رسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لہٰذا بداہۃً ثابت ہوا کہ اُسی وقت سے سید عالم ﷺ کی نبوت ثابت تھی۔

☆اور اگر اس سے مراد صرف یہی ہو کہ جب آدم علیہ السلام جسم و روح کے مابین تھے تو اس وقت اللہ جل مجدہٗ کے علم میں صرف یہ تھا کہ سید عالم ﷺ مستقبل میں نبی ہوں گے تو پھر یہ سیّد عالم ﷺ کی خصوصیت کہاں ہوئی۔ کیونکہ جب آدم علیہ السلام جسم و رُوح کے درمیان تھے اس وقت نبی ہونا سیّد عالم ﷺ کی خصوصیت ہے۔

☆اس لیے کہ اس وقت تو اللہ جل مجدہٗ کو تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا بھی تو علم تھا۔ (کہ یہ سب مستقبل میں نبی ہوں گے) بلکہ اس وقت سے پہلے بھی یہ علم تھا۔ لہٰذا اس وقت سے ہی آپ ﷺ کے نبی ہونے کی خصوصیت کا ماننا ضروری ہے۔

سیّد عالم ﷺ نے اسی خصوصیت کی بناء پر اپنے اس وصف سے اپنی اُمت کو آگاہ کرتے ہوئے بتا دیا تھا تا کہ اللہ جل مجدہٗ کے ہاں آپ ﷺ کی قدر و منزلت کا عرفان حاصل ہونے کے بعد آپ ﷺ سے خیر و صلاح کی دولت حاصل ہوتی رہے۔

ایک سوال

''امام، سبکی ''قدس سرّہٗ'' نے فرمایا: اگر تو کہے کہ میں اس قدر زائد کو ذرا سمجھنا چاہتا ہوں۔ وہ اس طرح کہ نبوت ایک وصف ہے۔ اور وصف کے لیے موصوف کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے۔ اور (جبکہ مذکورۃ الصدر مسئلہ میں اس کا برعکس ہے کیونکہ) وصفِ نبوت (اکثر) چالیس برس گزرنے کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی اپنے وجود، وارسال سے پہلے ہی وصفِ نبوت سے کیسے موصوف ہو جائے گا۔ اور اگر اتصاف نبوت قبل از ارسال و وجود---- سیّد عالم ﷺ میں متحقق ہو سکتا ہے تو یہ دوسروں میں بھی (لامحالہ) پایا جا سکتا ہے۔

جوابِ سوال

میں کہتا ہوں یہ امر تو پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے ارواح، اجسام سے پہلے پیدا فرمائے ہیں۔ اور (واضح رہے کہ ایک ہے روح محمدی ﷺ، اور ایک ہے حقیقتِ محمدی ﷺ) اب سید عالم ﷺ کے ارشاد گرامی ''کُنتُ نَبِیًّا'' (الخ) ''میں نبی تھا'' میں یا تو سیّد عالم ﷺ کی روحِ انور کی طرف اور یا آپ ﷺ کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

(رہی یہ بات کہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ کیا ہے؟) اور حقائق کے عرفان سے ہماری عقلیں کوتاہ ہیں۔ حقائق کو تو صرف اللہ جل مجدہٗ ہی جانتا ہے۔ یا وہ آدمی جان سکتا ہے جس کی نورِ الٰہی نے تائید کی ہو۔ پھر اللہ جل مجدہٗ ان حقائق سے ہر ایک حقیقت کو جو بھی چاہے، جب بھی چاہے عطا فرما دیتا ہے۔

اور (یہ امر تو مسلم ہے کہ) سیّد عالم ﷺ کی حقیقت حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کی تھی جہاں اللہ جل مجدہٗ نے نہ صرف یہ کہ سید عالم ﷺ کو وصفِ نبوت سے سرفراز رکھا بلکہ آپ ﷺ کی حقیقت کو اس وصف کے قابل ولائق پیدا فرمایا۔ اور پھر اسی وقت سے حقیقتِ محمدیہ ﷺ پر فیضان فرما دیا۔ لہٰذا سید عالم ﷺ اسی وقت سے نبی تھے۔ (اور صرف اسی پر بس نہیں کیا) بلکہ آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کو عرش پر لکھ کر پھر اس اسم گرامی کی رسالت کی اطلاع دے کر فرشتوں اور دوسری مخلوق کو آپ ﷺ کی بزرگی بھی بتادی۔

(خلاصۂ جواب) سیّد عالم ﷺ کی حقیقت تو اسی وقت (پہلے سے) موجود تھی۔ ہاں سیّد عالم ﷺ کا جسم مبارک جو وصفِ نبوت سے موصوف ہے، وہ متاخر ہے۔

یا یہ کہ سید عالم ﷺ کی حقیقت تو اسی وقت (پہلے سے) موجود تھی۔ ہاں سیّد عالم ﷺ کی حقیقت کا ان اوصافِ شریفہ سے موصوف ہونا کہ جن پر اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے فیضان ہوا۔ متقدّم ہے۔ اور متاخر صرف بعثت وتبلیغ ہے۔

☆ اور ہر وہ شے جو سید عالم ﷺ کے لیے اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے ہے۔ یا سیّد عالم ﷺ کی ذات گرامی اور اس کی حقیقت کی اہلیت کے لیے ہے۔ وہ تو فوری ہی ہے، اس میں کسی قسم کا تاخر نہیں ہے۔ اسی طرح سیّد عالم ﷺ کا نبی ہونا۔ اور آپ ﷺ کو کتاب وحکمت اور نبوت عطا ہونا بھی فوری ہے۔ متاخر نہیں ہے۔ متاخر تو صرف آپ ﷺ کا وجود گرامی ہے۔ اور اس وجود گرامی کا آپ ﷺ کے ظہور تک منتقل ہونا ہے۔

☆ جبکہ دوسرے اہل کرامت کا معاملہ برعکس ہوتا ہے (یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر نبی ازل سے ہی وصفِ نبوت سے سرشار ہو جائے، منشاء سوال یہی تھا) بلکہ دُوسرے اہلِ کرامت پر اللہ جل مجدہٗ کا فیضانِ کرامت ان کے وجود میں آجانے کے کچھ دیر بعد ''جتنا اللہ جل مجدہٗ چاہتا ہے'' ہوتا ہے۔

☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی ہر شے ازل سے ہی اللہ جل مجدہٗ کے علم میں ہوتی ہے اور ہمیں اس کا یہ علم شرعی دلائل سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جبکہ عامۃ الناس ان میں سے اتنا ہی جانتے ہیں جو انہیں اس کے ظہور تک پہنچا ہو۔ جیسے لوگوں کا سیّد عالم ﷺ کی نبوت کو اس وقت جاننا جس وقت سید عالم ﷺ پر جبریل امین قرآنِ کریم لے کر آئے۔ اور وہ اللہ جل مجدہٗ کی منجملہ معلومات اور اس کی قدرت کے آثار، اور اس کے ارادہ واختیار سے، اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے جو ایک مخصوص محل میں ان سے متصف ہے۔

☆پس یہ دو مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ بُرہان سے معلوم ہے، اور دوسرا مرتبہ عیاناً ظاہر ہے۔ اور دونوں مرتبوں کے درمیان اللہ جل مجدہٗ کے افعال سے وسائط ہیں۔ جو اس کے حسبِ اختیار ظاہر ہوتے ہیں۔

☆بعض ان وسائط میں سے اہلِ کرامت کے لیے ان کے وجود کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

☆اور بعض وہ جن کے باعث اس محل کو کمال ملتا ہے۔ اگرچہ مخلوق میں سے کسی کیلئے بھی ظاہر نہ ہو۔

پھر یہ فعل دو طرف منقسم ہوتا ہے۔ ایک تو اس کمال کی طرف جو اس محل کو اس کی تخلیق کے وقت مقارن ہوتا ہے۔ اور دوسرا اس کمال کی طرف جو اس فعل کو اس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور ہمیں اس کا علم خبر صادق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

وَالنَّبِیُّ ﷺ خَیْرُ الْخَلْقِ فَلَا کَمَالَ لِمَخْلُوْقٍ اَعْظَمُ مِنْ کَمَالِہٖ وَلَا مَحَلَّ اَشْرَفُ مِنْ مَحَلِّہٖ۔ (ص ۳۶۴)

"اور سیّد عالم ﷺ تمام مخلوق سے برتر ہیں۔ لہٰذا اب نہ تو کسی مخلوق کا کمال سیّد عالم ﷺ کے کمال سے بڑھ کر ہے، اور نہ ہی کوئی محل سید عالم ﷺ کے محل سے بزرگ تر ہے"۔

☆اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے اس کمال کا ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہونا، ہمیں خبر صحیح سے معلوم ہوا ہے۔ اور اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کو اُسی وقت نبوت عطا فرما کر پھر آپ ﷺ کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ ہستی ان سے پہلے کی ہے۔ اور نیز یہ کہ ان کے نبی و رسول ہیں "صلی اللہ علیہ وسلم" اور ان سے عہد لینے کا مطلب ان سے قسم لینا ہے۔ اسی لیے "لَتُؤْمِنُنَّ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ" میں لام قسم داخل ہے۔

(فائدہ) خلفاء کی بیعت کرتے وقت جو قسم لی جاتی ہے اس کا ماخذ شاید یہی آیت ہے۔

قیامت میں سب نبی سید عالم ﷺ کے پرچم تلے کیوں ہوں گے، اس کی حکمت

اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے سید عالم ﷺ کی یہ عظیم الشان تعظیم قابلِ غور ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سیّد عالم ﷺ ہی نبی الانبیاء ہیں۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے سیّد عالم ﷺ کی یہ تعظیم دنیا و آخرت دونوں جگہ میں ظاہر فرما دی۔ آخرت میں تو اس طرح کہ اس دن سب انبیاء کرام علیہم السلام سیّد عالم ﷺ ہی کے پرچم تلے ہوں گے۔ اور دنیا میں اس طرح کہ لیلۃ الاسراء میں سب کی امامت آپ ﷺ نے ہی فرمائی تھی۔

وَلَوْ اتَّفَقَ مَجِيْئُہٗ فِیْ زَمَنِ آدَمَ وَنُوْحٍ وَاِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَجَبَ عَلَیْهِمْ وَعَلٰی اُمَمِهِمُ الْاِیْمَانُ بِهٖ وَنُصْرَتُهٗ وَبِذَالِکَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِیْثَاقَ عَلَیْهِمْ۔(ص364)

''بالفرض حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں سیّد عالم ﷺ کی تشریف آوری کا اتفاق ہو جاتا تو ان سب پر، اور ان کی تمام امتوں پر سید عالم ﷺ کی تائید و امداد اور آپ ﷺ پر ایمان لانا واجب ہو جاتا۔ اور اسی پر اللہ جل مجدہٗ نے ان سے عہد و پیمان لیا تھا''۔

لہٰذا سیّد عالم ﷺ کا سب انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا رسول و نبی ہونا سید عالم ﷺ کے لیے حقیقۃً ثابت ہے۔ ہاں نبوت کا حکم سید عالم ﷺ کے ہمراہ ان کے اجتماع پر موقوف ہے۔ اور یہ ایک ایسے امر کی وجہ سے متاخر ہے جو ان کے وجود کی طرف راجع ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اس کے مقتضا سے ہی موصوف ہیں۔

☆ قبولِ محل پر فعل کا موقوف ہونا، اور فعل کا فاعل کی اہلیت پر موقوف ہونا۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ اور ما نحن فیه میں نہ توجہتِ فاعل سے توقف ہے اور نہ ہی سیّد عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کی جہت سے توقف ہے۔ توقف تو صرف اس زمانہ کے اعتبار سے ہے جس پر وجودِ (عنصری) مشتمل ہے۔

☆ پس بالفرض اگر سیّد عالم ﷺ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں موجود ہوتے تو بلا ریب ان سب پر سیّد عالم ﷺ کی اتباع فرض تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت پر ہوتے ہوئے بھی سیّد عالم ﷺ ہی کی شریعت کے متبع ہو کر تشریف لائیں گے۔

ایسا (قطعاً) نہیں جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اس امت کا ہی ایک فرد ہوں گے (اور نبوت نہ ہو گی) ہاں وہ ہوں گے تو اِس امت کا فرد ہی مگر جیسے ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ سید عالم ﷺ کی شریعت کے پیرو ہو کر رہیں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مطابق قرآن و سنت اور ان کے اوامر و نواہی سے فیصلہ فرمائیں گے۔ اور شریعتِ محمدیہ ﷺ کے احکام اُن پر بھی ایسے ہی لاگو ہوں گے جیسے باقی (عام) اُمت پر لاگو ہیں۔ مگر ہوں گے آپ بدستور نبی و رسول، اور کمالِ نبوت میں کسی قسم کی کمی نہ ہو گی۔

☆ اور اسی طرح اگر سیّد عالم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں، یا حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانوں میں ہوتے تو ان سب

حضرات کی اپنی اپنی رسالت و نبوت برقرار رہتی، اور یہ سب اپنی اپنی امتوں کے نبی ہوتے، اور حضور سرورِ عالم ﷺ ان سب کے (بشمول ان کی اُمم کے) نبی و رسول ہوتے۔

ثابت ہوا کہ سیّدِ عالم ﷺ کی نبوت و رسالت اعم، اشمل و اعظم ہے۔

☆ (یہ بھی واضح رہے کہ) سیدِ عالم ﷺ کی شریعت کے اصول، اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کے اصول یکساں ہیں۔ اس لیے کہ اصول مختلف نہیں ہوا کرتے۔

اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ کی شریعت کا ان کی شرائع کے فروغ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، وہ یا تو

☆ تخصیص کی بنا پر ہے

☆ یا نسخ کے طور پر۔

☆ اور یا نہ تو نسخ کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی تخصیص کے طریق پر، بلکہ ان اوقات میں سیّدِ عالم ﷺ کی شریعت ان امتوں کے لیے وہی تھی جو ان کے اپنے اپنے پیغمبر لے کر آئے تھے۔

اور اِس وقت میں اس امت کے لیے یہی (موجودہ دین) شریعت ہے۔

وَالْاَحْکَامُ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَشْخَاصِ وَالْاَوْقَاتِ۔ (ص365)

"اور احکام (فروعیہ) لوگوں، اور وقتوں کے اختلاف سے بدلتے رہتے ہیں"۔

☆ اس بیان سے ہمیں ان دو حدیثوں کا مفہوم بھی واضح ہو گیا جو ہم سے اوجھل تھا۔ ایک حدیث شریف تو یہ ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً۔

"میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں"۔

ہم اس سے یہی خیال کرتے تھے کہ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک سب کے لیے مبعوث ہیں۔ مگر اب آشکارا ہوا کہ (اپنے زمانہ سے ہی نہیں بلکہ) تمام اوّلین و آخرین کی جانب مبعوث ہیں۔

اور دوسری حدیث شریف یہ ہے جو سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

"میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ہنوز جسم و روح میں تھے"۔

ہم اس سے یہی سمجھتے رہے کہ سیدِ عالم ﷺ علمِ الٰہی میں پیغمبر تھے۔ اب ہویدا ہوا کہ (علمِ الٰہی میں ہی نہیں بلکہ) اس سے زائد، حقیقت میں پیغمبر تھے۔ جیسا کہ ہم اس کی ابھی تشریح کر چکے ہیں۔

☆اور اختلافِ حال تو صرف سید عالم ﷺ کے وجودِ گرامی کے ظہور کے اور سیّد عالم ﷺ کے چالیس برس کو پہنچنے اور اس سے پہلے وقت میں ہوتا ہے۔

☆اور احکام کا شروط پر معلق ہونا، کبھی تو محلِ قابل کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور کبھی فاعلِ متصرف کے اعتبار سے۔ اور یہاں تعلیق صرف محلِ قابل کی جہت سے ہے۔ اور اس جگہ محلِ قابل ایک تو وہ لوگ ہیں جن کی جانب آپ ﷺ مبعوث ہیں۔ اور دوسرا ان کا سماعِ خطاب کو قبول کرنا۔ اور تیسرا سیّد عالم ﷺ کا وہ جسمِ اقدس ہے جو اپنی زبانِ اقدس سے یہ خطاب فرما رہا ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے کسی آدمی کو وکیل بناتا ہے کہ (تو) جب کفو پائے تو عقد کر دے، اور وہ آدمی اگر وکالت کے اہل ہے تو یہ وکیل صحیح ہے اور وکالت ثابت ہے۔

اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وکالت کا تصرف وجودِ کفو پر موقوف رہتا ہے۔ اور پھر وہ کچھ مدت کے بعد پایا جاتا ہے تو اب یہ توقف وکیل کی اہلیت اور وکالت کی صحت میں نقصان دہ نہیں ہے۔

"اِنْتَهٰى كَلَامُ السُّبْكِيْ" امام سبکی قدس سرّہٗ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔ سبکی قدس سرّہٗ کا ذکر بھولے سے پیچھے رہ گیا ہے ورنہ حق تو یہ تھا کہ ان کا ذکر پہلے ہوتا۔

شیخ الاسلام، الامام العلامہ کمال بن ہمّام حنفی

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

امام کمال بن ہمّام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ رضی اللہ عنہ کے فرمودہ جواہر سے اپنے عقیدہ کے متعلق ان کا وہ ارشادِ گرامی ہے، جس کے متعلق امام غزالی قدس سرّہٗ نے ''رسالہ قدسیہ'' میں بحث فرمائی ہے۔

☆ ہم گواہ ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل مجدہٗ کے رسول، خاتم النبیین اور پہلی شریعتوں کے ناسخ ہیں۔ ادعائے نبوت اور اظہارِ معجزہ اس کی دلیل ہیں۔

☆ دعویٰ نبوت تو قطعی الثبوت ہے جو کسی تشکک کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

☆ رہا اظہارِ معجزہ، تو وہ یوں ہے کہ سیّد عالم ﷺ، وہ امور لائے جو ایک تو خلافِ عادت تھے اور دوسرا دعویٰ نبوت سے مقرون تھے۔ یعنی وہ امور جن کے سید عالم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے دعویدار تھے۔ انہیں اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی صداقت پر دلیل و بیان بنایا ہے۔ ہمارا مقصد معجزہ سے بس یہی ہے۔

☆ اور جب معجزہ اس قبیل سے ہوا کہ جس سے مخلوق عاجز ہوتی ہے تو یہی معجزہ کی دلالت پر علّت بھی ہے۔ تو اس صورت میں یہ صرف اللہ جل مجدہٗ کا فعل ہی ہوگا۔

☆ پھر جب اللہ جل مجدہٗ نے ان امور کو ''جنہیں نبی کریم ﷺ نے اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے پیش کیا ہے'' نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلیل بنایا ہے۔ تو چیلنج کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے، لہٰذا (مدمقابل کا چیلنج قبول نہ کرنے کی صورت میں) یہ اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے تصدیق ہو جائے گی۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی آدمی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر کسی قوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان کی طرف بادشاہ کا سفیر ہے۔ پھر جب وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہے گا کہ اگر میں تیری طرف سے اس بات کے نقل کرنے میں صادق ہوں تو پھر تُو اپنے تخت پر خلافِ عادت کھڑا ہو جا۔ چنانچہ بادشاہ اگر ایسے ہی کر دے تو پھر حاضرین کو یقینی علم ہو جائے گا کہ بادشاہ نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ بادشاہ کا کھڑا ہونا اس مرتبہ میں ہے کہ گویا اس نے کہہ دیا ہے کہ میں تیری تصدیق کرتا ہوں۔

☆ پھر سیّد عالم ﷺ کی صداقت کے لیے جن امور کو اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے وہ تین امور ہیں:

۱۔ ان میں سے سب سے بڑھ کر قرآنِ کریم ہے۔

۲۔ اور دوسرا سیّد عالم ﷺ کی پوری زندگی شریف کہ نہ تو کسی معلم سے تعلیم پائی، اور نہ ہی کسی حکیم سے تہذیب اخلاق حاصل کی (اس کے باوجود بدیع و رفیع اسلوب کا کلام، زبانِ اقدس پہ جاری

ہونا عین اعجاز ہے)

۳۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ اقدس پہ خلاف عادت امور کا سرزد ہونا، جیسے چاند کا پھٹنا، پتھروں کا سلام کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف درخت کا دوڑتے ہوئے آنا۔

☆ وہ تنا جس کی ٹیک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر کی طرف منتقل ہو جانے پر، اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فراق میں گریہ کرنا۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگشتانِ مقدس سے پانی کا پھوٹنا، جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔

☆ چودہ سو صحابۂ کرام اور بے شمار اُونٹوں کا اس تھوڑے سے پانی سے سیراب ہو جانا جس میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کلی فرمائی تھی، جبکہ حدیبیہ کے کنویں کا پانی ختم ہو چکا تھا۔

☆ جیسا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک ہزار کے لگ بھگ ایک بھاری جماعت صرف ایک آدمی کے کھانے سے شکم سیر ہو گئی۔

☆ بھُنی ہوئی بکری کا بتا دینا کہ وہ زہریلی ہے۔

☆ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کھانے کی تسبیح کو سُنا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اور اتنے معجزات ہیں کہ جن کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔

☆ سُہیلی قدس سرّہٗ نے مذکورۃ الصدر کچھ معجزات کی بابت کہا ہے کہ یہ علاماتِ نبوت سے ہیں، معجزہ نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا دعوائے نبوت کے ساتھ اقتران نہیں ہے۔

سہیلی قدس سرّہٗ کا یہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ دعوائے نبوت کی چادر ابتدائے نبوت سے تا وصال شریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر چھائی ہوئی تھی۔

گویا ہر لحہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعوئے نبوت کی تجدید فرماتے رہتے تھے، لہٰذا اس دوران جو امر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وقوع میں آیا وہ معجزہ ہی تھا۔ (یہ بالکل اسی طرح سمجھ لیا جائے کہ) گویا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر گھڑی (اگرچہ زبان سے نہ ہی سہی) یہ فرماتے تھے:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَھٰذَا دَلِیْلُ صِدْقِیْ۔

"بلاشبہ میں اللہ جل مجدہٗ کا رسول" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "ہوں اور یہ میری صداقت کی دلیل ہے"۔

☆ رہا قرآنِ عزیز تو یہ وہ معجزہ عقلیہ ہے جو طویل عرصہ گزرنے کے باوجود باقی ہے، اور جس کی فصاحت و بلاغت اور بدیع اسلوب نے ہر زمانہ کے ہر ایک بلیغ کو (معارضہ سے) بے بس کر دیا۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں جیسا کہ قاضی قدس سرّہٗ نے کہا ہے کہ اس کا معارضہ صرف پہلے لوگ ہی

نہ کر سکے تھے (بلکہ قیامت تک کوئی بھی بلیغ نہ کر سکے گا) اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کا معارضہ کرتے وقت اس کے مقابل آنے والے کی توجہ پھیر دیتا ہے۔ یا اس کے معارضہ کا قصد کرتے وقت ان کی قوتِ معارضہ سلب کر دیتا ہے۔ "اس میں مرتضٰی وغیرہ کا اختلاف ہے"۔ ورنہ اولیٰ تر یہی تھا کہ اس کی بلاغت کو ترک کر دیا جاتا۔ اس لیے کہ اگر قرآنِ کریم ابلغ نہ ہوتا اور پھر بلغاء اس کے معارضہ سے بے بس ہو جاتے تو پھر اس کا خارقِ عادت ہونا ظاہر تر تھا۔

☆ رہا معاملہ سید عالم ﷺ کی زندگی مبارک کا، تو وہ یوں معجزہ ہے کہ جن جن آدابِ کریمہ اور اخلاقِ عالیہ پر آپ ﷺ قائم رہے ان کے حصول میں اگر تہذیبِ نفس کی خاطر ساری عمر صرف کر دی جائے تو اس قسم کے اخلاق و آداب حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً

☆ جیسے آپ ﷺ کی بردباری، اور آپ ﷺ کے بلند مقام کے باوجود آپ ﷺ کا ناتوانوں کے لیے انتہائی تواضع اختیار کرنا، نیز مخلوق کا مخدوم و مُطاع ہونے کے وصف کے باوجود کسی قسم کے ترفع کا نہ پیدا ہونا۔

☆ مصائب و بلایا کے شدائد پر صبر کرنا۔

☆ آپ ﷺ کے ساتھ برائی کرنے والے سے انتقام پر قادر ہونے کے باوجود معاف فرما دینا۔

☆ برائی کا بدلہ جود و کرم، اور اچھائی سے دینا۔

☆ دنیا کی بے رغبتی۔

☆ اللہ جل مجدہٗ کا خوف، حتّٰی کہ بادِ صرصر وغیرہ کے چلتے وقت اس کا شدید غلبہ ہونا۔

☆ دائم الفکر رہنا۔

توبہ کرنے کی حکمت

☆ سیّد عالم ﷺ جب کبھی اللہ جل مجدہٗ کے جلال و کبریائی سے ایک مقام اجل و اعلیٰ پر ترقی فرماتے، اور گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس موجودہ مقام کے ایک نوع تقصیر تصوّر فرماتے تو اپنے رب کے حضور (اپنے خیال سابق سے) شکر و اطاعت کی خاطر، اور ثواب کی غرض سے ایک دن میں ستّر مرتبہ توبہ بجالاتے۔

☆ اور خواہش نفس اور اس کے لذائذ سے کنارہ کش رہنا۔ کیونکہ نفسانی خواہشات اور اس کے مرغوبات اسی سے وقوع میں آسکتے ہیں کہ جس پر معرفتِ الٰہی کا غلبہ نہ ہو۔

☆ یہی وجہ ہے کہ اپنی ذاتِ گرامی کی خاطر سیّد عالم ﷺ کبھی غضب ناک نہیں ہوئے۔ ہاں

اگر اللہ جل مجدہٗ کی حدود کا تجاوز ہونا ملاحظہ فرماتے تو پھر غضب ناک ہوا کرتے تھے۔

☆ سیّد عالم ﷺ کو جب دو چیزوں میں سے ایک کے اپنانے کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ان میں سے سب سے آسان کو اپنایا کرتے تھے۔

☆ مجھے اپنی عُمر کی قسم! جو سیّد عالم ﷺ کو طالبِ حق ہو کر ایک مرتبہ دیکھ لیتا تھا تو پھر وہ آپ ﷺ کے چہرۂ کریم کے دیکھتے وقت کہیں اور طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا کیونکہ سیّد عالم ﷺ کی صفائی قلب اور شیریں بیانی کے باعث سید عالم ﷺ کے رخسارِ تاباں ہی اس کے لیے کافی ہوتے تھے جیسا کہ (اس سے پہلے) ایک طالب حق فرما چکے ہیں۔

اور تو کچھ نہ تھا مگر یہ کہ میں نے سید عالم ﷺ کے رُوئے تاباں کو دیکھا تو یقین آ گیا کہ "یہ دروغ گو کا چہرہ نہیں ہوسکتا"۔

"امام کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا":

(اسی بارے میں) میں نے سید عالم ﷺ کی مدح وستائش کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا ہے: ؎

اِذَا لَحِظْتَ لِحَاظَکَ مِنْهُ وَجْهًا　　وَنَازَلْتَ الْهَوٰی بَعْضَ النِّزَالِ
شَهِدْتَّ الصِّدْقَ وَالْاِخْلَاصَ طَرًّا　　وَمَجْمُوْعَ الْفَضَائِلِ فِی مِثَالِ

"جب تو سید عالم ﷺ کے چہرۂ اقدس کو یکسوئی سے دیکھے گا، اور کچھ نفسانی خواہش کو اتار دے گا تو تجھے صدق و اخلاص کا مجسمہ، اور فضائل کا مجموعہ، ایک پیکرِ بے مثال میں نظر آئے گا"۔

نیز میں نے ایک دوسرے قصیدے میں یوں کہا: ؎

اِذَا لَحِظْتَ لِحَاظَکَ مِنْهُ وَجْهًا　　شَهِدْتَّ الْحَقَّ يَسْطَعُ مِنْهُ فَجْرًا
خَلِيًّا عَنْ حُظُوْظِ النَّفْسِ مَا اِنْ　　اَرِقْتُ مِنْهُ يَوْمًا قَطُّ ظُفْرًا

"جب تو کامل طور پر سیّد عالم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھے گا تو تُو اس سے حق پھوٹ کر بلند ہوتا ہوا دیکھے گا۔ اور نفسانی لذت سے خالی پائے گا اور نہ ہی کسی دن ایک ناخن کی مقدار اس چہرۂ انور سے چھلکتی ہے"۔

سیّد عالم ﷺ کی عاداتِ کریمہ کے احاطہ کے لیے تو کئی جلدیں درکار ہیں (مگر) ان (مذکورہ) باتوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ سید عالم ﷺ کی نشو و نما ایک ایسی قوم کے اندر ہوئی جو علم و ادب سے یکسر بے بہرہ تھی۔ فخر و مباہات اور اس پر کٹ مرنا، اور غرور و خود پسندی

میں مبالغہ آرائی کرنا، جن کا شیوہ تھا، اور ان کی خواہشات ہی ان کی عقیدت کا محور تھیں، سیّد عالم ﷺ سے یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ آپ ﷺ ان سے علیحدہ ہو کر کسی اہل کتاب کے عالم کے پاس بغرضِ تعلیم آ گئے ہوں۔ اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دانشور کی طرف رجوع فرمایا ہو، بلکہ مسلسل اُنہی میں رہے۔ حتّٰی کہ آپ ﷺ نے اُمّی ہونے کے باوجود نہ تو کسی سے پڑھا اور نہ ہی لکھنا سیکھا۔ علمِ وسیع اور حکمت بالغہ کے ساتھ (علٰی رؤس الاشھاد) ظہور فرمایا۔ اور گزشتہ زمانہ سے متعلق غیب کی باتیں اور ان گزری ہوئی اُمتوں کی بابت اطلاع دی جن پر صرف پڑھا لکھا آدمی ہی مطلع ہو سکتا ہے۔ یا وہ شخص جس کا ایسے پڑھے لکھے لوگوں کے ہاں آنا جانا رہا ہو اور ایسے افراد بھی معدودے چند تھے۔ اس لیے کہ ان لوگوں میں جو اہل کتاب تھے (ان سے بھی کماحقہٗ استفادہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ) ایک تو ان میں علمی وسعت بہت ہی کم ہوتی تھی۔ دُوسرا جس کے پاس کچھ تھوڑا بہت علم ہوتا بھی تھا تو وہ اس میں بخل سے کام لیتا تھا۔

(نیز) سیّد عالم ﷺ نے آنے والے زمانہ سے متعلق ہونے والے واقعات کی خبر دی۔ جیسے اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشادِ گرامی

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ (روم:3)

''اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے''۔

وَاِذَا ثَبَتَتْ نُبُوَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَبَتَتْ نُبُوَّةُ سَآئِرِ الْاَنْبِيَآءِ لِثُبُوْتِ مَا اَخْبَرَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۳۶۷)

''اور جب سیّد عالم ﷺ کی نبوت ثابت ہو گئی تو پھر جس کی سید عالم ﷺ نے خبر دے دی۔ اس کے ثبوت کی وجہ سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت بھی ثابت ہو گئی''۔

الامام العلامہ مُلّا علی قاری حنفی

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

جامع کمالاتِ انبیاء

علامہ مُلّا علی قاری حنفی قدس سرّہٗ متوفی ۱۰۱۶ھ کے فرمودہ جواہر سے ان کا ''شرح شفا'' کے دوسرے باب کے شروع شروع میں کہنا ہے کہ علامہ تلمسانی قدس سرّہٗ نے فرمایا:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَازَ خِصَالَ الْاَنْبِیَآءِ کُلِّھَا وَاجْتَمَعَتْ فِیْہِ اِذْ ھُوَ عُنْصُرُھَا وَمَنْبَعُھَا۔

''سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات کے جامع تھے اور ان کی وہ سبھی خوبیاں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مجتمع تھیں، کیونکہ اُن سب کی اصل اور منبع آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں''۔

چنانچہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کا خُلق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خُلّت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان (یعنی فصاحت و بلاغت)، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی اطاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ترکِ دنیا دیا گیا۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کمالاتِ انبیاء کے جامع اس لیے تھے تاکہ وہ سبھی اپنا اپنا کمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی حاصل کریں۔

امام بوصیری قدس سرّہٗ نے ان کمالات کو اس طرح بیان فرمایا ہے: ؎

وَکُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا   فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِمْ

''تمام وہ معجزات جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام لائے، وہ ان کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے نور سے حاصل ہوئے ہیں''(1)۔

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرّہٗ نے اسی مفہوم کو اس طرح ادا فرمایا ہے: ؎

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی   چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

مولانا سیّد محمد علی صاحب اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں: ؎   (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

☆ نیز ملا علی قاری رحمہ الباری کے فرمودہ جواہر سے "شرح شمائل" میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں سیّد عالم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کی شرح میں ذکر فرمایا:

عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَآءُ فَاِذَا مُوْسٰى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْاَةٍ وَرَاَيْتُ عِيْسٰى فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شِبْهًا عُرْوَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شِبْهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ جِبْرِيْلَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شِبْهًا دَحْيَةُ۔ (ص ۳۶۷)

"☆ مجھ پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام پیش کیے گئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کی ایک جماعت میں تھے ایسے لگتا تھا جیسے آپ قبیلہ "شنوأۃ" کے لوگوں میں سے ہیں"۔

☆ پھر میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملاحظہ کیا تو وہ شکل وصورت میں عُروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے لگ بھگ معلوم ہوتے تھے۔

☆ جب میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ مشابہت میں تمہارے صاحب کے بہت قریب تھے۔ "صاحب سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے"۔

☆ اور میں نے جبریل امین کو دیکھا تو شکل وشباہت میں دحیہ (رضی اللہ عنہ) کے قریب قریب معلوم ہوتے تھے"۔

☆ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس حدیث میں سیّد عالم ﷺ کی افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ میں انبیاء پر پیش ہوا ہوں۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام سید عالم ﷺ کے خادموں کی مانند ہیں۔ (آپ ﷺ بادشاہ ہیں) اور بادشاہ کے سامنے لشکر پیش کیا جاتا ہے نہ کہ بادشاہ لشکر کے سامنے۔

☆ اسی لیے بعض عرفاء نے فرمایا کہ (دینی) لشکر میں سید عالم ﷺ کی مثال "قلب" (1) جیسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

این ہمہ اعجاز کز پیغمبراں ظاہر شدہ   بودہ است از لمعہ نور محمد یک شرار
معجزے جو انبیائے پاک سے ظاہر ہوئے   شعلۂ نور محمد کی ہیں سب چنگاریاں

1۔ جدید ٹیکنیکل جنگ سے پہلے، جنگی لشکر کے عموماً حصے اس طرح ہوا کرتے تھے: (۱) مقدمۃ الجیش (۲) قلب (۳) میمنہ (۴) میسرہ (۵) ساقہ یعنی امدادی فوج۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اس جدید سائنسی دور میں بھی جنگ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے، اور سب انبیاء علیہم السلام کی مثال ''مقدمۃ الجیش'' جیسی ہے۔

جبکہ اولیاء کرام اس لشکر (رحمانی) کے پیادہ ہیں اور امداد و تعاون کے لحاظ سے فرشتگان اس لشکر کے میمنہ ومیسرہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (تحریم:4)

''اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں''۔

☆ اور انبیاء سے مراد عام ہے جو تمام رسولوں کو بھی شامل ہے۔

☆ اور (ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کا پیش ہونا، کہاں ہوا تو) جیسے دوسری روایات میں آتا ہے کہ ان سب کا پیش ہونا شبِ اسرٰی میں تھا۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابو عالیہ کی یہی روایت، اور (اسی طرح) حضرت امیر المومنین علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ابن مُسیّب رضی اللہ عنہما کی یہ روایت، کہ

كُوْشِفَ لَهٗ صُوَرُ اَبْدَانِهِمْ كَمَا كَانَتْ۔

''سیّد عالم ﷺ کے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کی اصلی حالتیں ظاہر کی گئیں''۔

☆ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں پیش کی گئی تھیں۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو متعدد طرق سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''اس اثناء میں کہ میں سو رہا تھا اور اپنے آپ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا''۔ اور پھر سیّد عالم ﷺ نے اگلا تمام واقعہ بیان فرمایا۔

☆ دوسری روایت کی بناء پر کہا گیا ہے کہ اس روایت میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ اپنی اپنی صورتوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی رُوحیں سیّد عالم ﷺ کے لیے متمثل کی گئی تھیں۔

☆ اور پہلی روایت کی بناء پر یہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان کی اپنی اصلی دنیوی زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

طریقے اور حصے قدرے تغیر کے ساتھ تقریباً تقریباً وہی ہیں جو اس سے پہلے تھے۔ مثلاً آج کل کے دور میں ایم۔ پی وانجینئرنگ کو ''مقدمۃ الجیش'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جنگ چھڑنے سے پہلے یہی دو کورز جائے معہودہ پر نگاہ رکھتی ہیں۔ اور اسی طرح انفنٹری ''قلب'' کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ اصل کمان اسی حصہ کے ماتحت ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام کورز، مثلاً آرٹلری، اور ہر دو رسالہ جات۔ (۱) آرمرڈ (۲) مچھر، فضائیہ، بحریہ، میڈیکل، کلیریکل، سگنلز، ایم۔ ٹی، آرڈی نینس، سیکورٹی وغیرہا، میمنہ و میسرہ کی مانند سمجھ لی جائیں۔ اور یونہی ریزرو فوج کو ''ساقہ'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ (مترجم غفرلہٗ)

میں سیّد عالم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ہوں۔

اسی لیے مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: ''گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سیّد عالم ﷺ کا یہ ملاحظہ فرمانا از روئے معجزہ کے ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقی صورتیں آسمانوں میں آپ ﷺ پر پیش ہوئی ہوں۔

☆ اور بعض نے فرمایا: اس تردید کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بلکہ درست یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو خواب میں دیکھا یا بیداری میں، اگر خواب میں انبیاء کرام علیہم السلام کا دیکھنا برحق ہے تو پھر سیّد عالم ﷺ کے سامنے ان کی وہ صورتیں پیش ہوئیں جو ان کی دنیوی زندگی کی تھیں۔ اور اگر ان کو بیداری میں ملاحظہ فرمایا تو پھر انہیں ان کی حقیقی دنیوی صورت میں ملاحظہ فرمایا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔

☆ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیّد عالم ﷺ کو ان کے احوال، اور جو بھی ان سے صادر ہوا اس کی، بذریعہ وحی اطلاع کی گئی تھی۔ اسی لیے رُؤیت پر حرفِ تشبیہ داخل ہے اور جہاں اس کا مطلق ذکر ہے وہاں وہ اسی پر محمول ہے۔

☆ اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے: ایک تو یہ کہ جیسا عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے تاکہ عظیم المرتبت حضرات کی صورتیں ان لوگوں تک پہنچائی جائیں جو انہیں دیکھنے سے کسی طرح معذور رہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی جس طرح ملاقات میں برکت ہے اسی طرح ان کی صورتیں متصور کرنے میں بھی برکت ہے۔

اور دوسرا یہ کہ اس میں سید عالم ﷺ کے کامل الخلق ہونے میں مخاطب کو برانگیختہ کرنا ہے۔

اِنْتَهٰی کَلَامُ مُلَّا عَلِیُ قَارِیُ قدس سرّہٗ

شیخ الاسلام امام صدر الدین قونوی

رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی انبیاء کرام سے تین طرح کی ملاقات

''تتمہ'' امام صدر الدین قونوی قدس سرہٗ کے فرمودہ جواب سے ان کا وہ نفیس کلام ہے جسے میں نے ان کی ''شرح اربعین'' سے (اپنی کتاب) ''سعادت دارین'' میں نقل کیا ہے چنانچہ امام صدر الدین قدس سرّہٗ کا فرمانا ہے:

وہ آدمی کہ اس کے درمیان، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اور اولیاء کاملین کی ارواح کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائے تو وہ ان کے ساتھ نیند یا بیداری کی حالت میں جب بھی چاہے اکٹھا ہو سکتا ہے۔

امام صدر الدین قونوی قدس سرّہٗ نے فرمایا: میں نے اپنے شیخ حضرت سیّدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ انبیاء کرام علیہم السلام، اور اولیائے عظام، اور گزرے ہوئے تمام لوگوں میں سے جس جس کی روح سے ملنا چاہتے تھے، مل لیا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ ملاقات تین طرح کی تھی۔

☆ اگر چاہتے تو اپنی روحانیت کو عالمِ روحانیت میں اُتار لیتے تھے۔ اور جسے دیکھنا ہوتا تو پھر اسے اس کی مجسم صورتِ مثالیہ میں دیکھ لیا کرتے تھے، جو اس کی حِسی، عنصری، دُنیوی صورت کے مشابہ ہوتی تھی۔

اس کے باوجود شیخ رضی اللہ عنہ کی صورت سے کوئی شے الگ نہ ہوتی تھی۔

☆ اور اگر چاہتے تو اپنے جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ اور جس روح سے ملاقات کرنے کا ارادہ ہوتا تو اس کے ساتھ عالمِ عُلوی میں جہاں بھی اس کا مقام متعین ہوتا وہیں اس سے ملاقات کر لیتے تھے۔

☆ اور اگر چاہتے تو اس کو اپنی نیند میں حاضر کر لیتے تھے۔

☆ یہ حالت ارثِ نبوی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صحیح علامت ہے۔ اسی کی طرف اللہ جل مجدہٗ نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے:

وَاسْئَلْ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا۔ الآیہ

''اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ الخ''

سیّد عالم ﷺ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اکٹھا ہونے کی قدرت نہ رکھتے ہوتے تو پھر اس خطاب کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

امام صدرالدین قدس سرّہٗ کا مختصر کلام ختم ہوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
محرم ۱۳۲۵ھ کو جواہر البحار کی پہلی جز مکمل ہوئی۔ اس کے بعد دوسری جز آرہی ہے جس میں پہلے پہل امام قسطلانی قدس سرّہٗ کا کلام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

التجائے مترجم غفرلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ الْمُعَظَّمِيْنَ، خَصُوْصًا عَلٰى خُلَفَائِهِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَلَا سِيَّمَا عَلٰى مُرْشِدِىْ "غُلَامْ مُحِيُّ الدِّيْنِ" بَرَّدَ اللّٰهُ مَضْجَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

"امابعد: خاکسار اپنی علمی بے بضاعتی اور کثرتِ مشاغل کے باوجود آج مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کو "جواہر البحار فی فضائل النبی المختار" (صلی اللہ علیہ وسلم) کی "جز اوّل" کی "جلد ثانی" کے ترجمہ سے بفضلہٖ تعالیٰ وبکرم حبیبہٖ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ اپنے حبیبِ محترم نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل خاکسار کی اس سعیِ ناتمام کو حضرت مؤلف قدس سرّہٗ کی لائق صد ستائش اور قابلِ فخر سعی کی مانند مفید عام اور مقبول انام بنائے۔ اور اسے میرے لیے اُخروی و دُنیوی انعامات کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم"۔

اہلِ علم سے اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کا اُمیدوار،
کمترینِ روزگار، اضعف عبادِ پروردگار،
محمد صادق علوی نقشبندی غفرلہٗ ولوالدیہ
المتوطن: (جاوڑہ) پُونچھ، آزاد کشمیر
۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ

دوم

فضائل النبی ﷺ

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

1

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد دوم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ مولانا احمد دین توگیروی چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
	ترجمہ جواہر البحار فضائل النبی المختار (جلد دوم)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ مولانا احمد دین توگیروی چشتی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3300 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امام قسطلانی قدس سرہٗ کا کیف آگیں خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْلَعَ فِیْ سَمَآءِ الْاَزَلِ شَمْسَ اَنْوَارِ مَعَارِفِ النَّبُوَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَاَشْرَقَ مِنْ اُفُقِ اَسْرَارِ الرِّسَالَۃِ مَظَاھِرَ تَجَلِّی الصِّفَاتِ الْاَحْمَدِیَّۃِ اَحْمَدُہٗ وَعلیٰ انْ وُضِعَ اَسَاسَ نَبُوَّتِہٖ عَلٰی سَوَابِقِ اَزْ لِیَّتِہٖ وَرَفَعَ دَعَائِمَ رِسَالَتِہٖ عَلٰی لَوَاحِقِ اَبْدِیَّتِہٖ وَاَشْھَدُ اَنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَلْفَرْدُ الْمُنْفَرَدُ فِیْ فَرَدِ اَنِیَّتِہٖ بِالْعَظْمَۃِ وَالْجَلَالِ الْوَاحِدِ اَلْمُتَوَحِّدِ فِیْ وَحْدَ انِیَّتِہٖ بِاِسْتِحْقَاقِ الْکَمَالِ،وَاَشْھَدُ اَنَّ سِیِّدَنَا وَحَبِیْبَنَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَشْرَفُ نَوْعِ الْاِنْسَانِ،وَاِنْسَانُ عُیُوْنِ الْاَعْیَانِ اَلْمُسْتَخْلَصُ مِنْ خَالِصِ خَلَاصَۃِ وُلْدِ عَدْنَانَ اَلْمَمْنُوْحُ بِبَدَائِعِ الْآیَاتِ، اَلْمَخْصُوْصُ بِعُمُوْمِ الرِّسَالَۃِ وَغَرَائِبِ الْمُعْجِزَاتِ،اَلسِرُّالْجَامِعُ الْفُرْقَانِیُّ،الْمُخَصَّصُ بِمَوَاھِبِ الْقُرْبِ مِنْ نَوْعِ الْاِنْسَانِیِّ،مَوْرِدُالْحَقَائِقِ الْاَزْلِیَّۃِ وَمَصْدَرُھَا وَجَامِعُ جَوَامِعِ مُفْرَدَاتِھَا ومِنبَرُھَا وَخَطِیْبُھَا اِذَا حَضَرَ حَظَائِرَ قُدْسِھَا وَمَحْضَرَھَا،بَیْتُ الْمَعْمُوْرِ الَّذِیْ اِتَّخَذَہٗ لِنَفْسِہٖ، وَجَعَلَہٗ نَاظِماً لِحَقَائِقِ قُدْسِہٖ،مُدَّۃُ مَدَادِنُقْطَۃِ الْاَکْوَانِ،وَمَنْبَعُ یَنَابِیْعِ الْحِکَمِ وَالْعِرْفَانِ، اَلْمُفِیْضُ مِنْ بَحْرِ مِدَادِ الْوَفَا،عَلَی الْقَائِلِ مِنْ اَھْلِ الْمَعَارِفِ وَالْاِصْطِفَآ،ھُوَ سَیِّدِیْ مُحَمَّدٌ وَفَا،حَیْثُ خَاطَبَ ذَاتَہٗ الْاَقْدِسِیَّتَہ، بِالْمِنَحِ الاَ نُفْسِیَّۃِ فَقَالَ (اَشْعَارٌ) فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَعْظَمُ کَائِنٍ وَاَنْتَ لِکُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلٌ عَلَیْکَ مَدَارُ الْخَلْقِ اِذْ اَنْتَ قُطْبُہٗ وَاَنْتَ مَنَارُ الْحَقِّ تَعْلُوْ وَتَعْدِلُ فُوَادُکَ بَیْتُ اللّٰہِ دَارُ عُلُوْ مِہٖ وَبَابٌ عَلَیْہِ مِنْہُ لِلْحَقِّ یَدْخُلُ یَنَابِیْعُ عِلْمِ اللّٰہِ مِنْہُ تَفَجَّرَتْ فَفِیْ کُلِّ حَیٍّ مِنْہُ لِلّٰہِ مَنْھَلٌ مَنَحْتَ بِفَیْضِ الْفَضْلِ کُلَّ مُفَضَّلٍ فَکُلٌّ لَہٗ فَضْلٌ بِہٖ مِنْکَ یَفْضِلُ نَظَمْتَ نَثَارَ الْاَنْبِیَاءِ نَتَاجُھُمْ لَدَیْکَ

بِاَنْوَاعِ الْكَمَالِ مُكِلٌّ فُيَامُدَّةَ الْاَمْدَادِ نُقْطَةُ خَطِّهٖ وَيَاذَرْوَةَ الْاَطْلَاقِ اِذْيَتَسَلْسَلُ مَحَالٌ يُحَوِّلُ الْقَلْبُ عَنْكَ اِنِّىْ وَحَقِّكَ لَا اَسْلُوْ وَلَا اَتَحَوَّلُ عَلَيْكَ صَلٰوةُ اللّٰهِ مِنْهُ تَوَاصَلَتْ صَلٰوةُ اِتِّصَالٍ عَنْكَ لَا تَنْفَصِلُ شَخَصَتْ اَبْصَارُ بَصَائِرِ مَكَانِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى لِجَلَالِ جَمَالِهٖ وَحَنَتْ اَرْوَاحُ رُوْسآءِ الْاَنْبِيَاءِ اِلىٰ مُشَاهَدَةِ كَمَالِهٖ وَتَلَتَّفَتْ نُقَاتُ اَنْفُسِ الْمَلَاْالْاَعْلٰى اِلىٰ نَفَائِسِ نَفَحَاتِهٖ،وَتَطَاوَلَتْ اَعْنَاقُ الْعُقُوْلِ اِلىٰ اَعْيُنِ لَمُحَاتِهٖ وَلَحُظَاتِهٖ فَعَرَجَ بِهٖ اِلىٰ الْمُسْتَوِى الْاَقْدَسِ، وَاطَّلَعَهُ عَلٰى السِّرِّ الْاَنْفُسِ فِىْ اِحَاطَتِهٖ الْجَامِعَةِ وَحَضَرَاتِ حَظِيْرَةِ قُدُسِهٖ الْوَاسِعَةِ،فَوَقَفَتْ اَشْخَاصُ الْاَنْبِيَاءِ فِىْ حَرَمِ الْحُرْمَةِ عَلىٰ اَقْدَامِ الْخِدْمَةِ وَقَامَتْ اَشْبَاحُ الْمَلَائِكَةِ فِىْ مَعَارِجِ الْجَلَالِ علىٰ لرجل الْاِجلَالِ،وَهَامَتْ اَرْوَاحُ الْعُشَّاقِ فِىْ مَقَامَاتِ الْاَشْوَاقِ،اِشْتَاقَ الْقَمَرُ لِمُشَاهَدَتِهٖ فَانْشَقَّ،فَشَقَّ مَرَائِرَ الْاَشْقِيَاءِ الْمُشَاقِقِيْنَ،وَحَنَّ لِمُفَارَقَتِهٖ الْجِذْعُ فَتَصَدَّعَ فَانْصَدَّعَتْ قُلُوْبُ الْاَغْبِيَاءِ الْمُنَافِقِيْنَ،وَبَرِقَتْ مِنْ مِشْكوٰاةِ بِعْثَتِهٖ بَوَارِقُ طَلَائِعِ الْحَقَائِقِ وَانْقَادَتْ لِدَعْوَتِهٖ العَامَةِ خَاصَةُ خُلَاصَةِ الْخَلَائِقِ،وَلَمْ يَزَلْ يُجَاهِدُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِصَادِقِ عَزَمَاتِهٖ،وَيُنَظِّمُ شَتَاتَ الْاِسْلَامِ بَعْدَ اِفْتِرَاقِ جِهَاتِهٖ حَتىٰ كَمُلَتْ كَمَالَاتُ دِيْنِهٖ وَحُجَجِهٖ الْبَالِغَة تَمَّتْ عَلىٰ سَائِرِاُمَّتِهٖ الْاُمِّيَّةِ نِعْمَتُهُ السَّابِغَةُ، وَخُيِّرِ فَاخْتَارَالرَّفِيْقَ الْاَعْلىٰ، وَآثَرَالْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلىٰ، فَنَقَلَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ قَائِماًعَلٰى قَدَمِ السَّلَامَةِ، اِلىٰ دَارِ الْكَمَالِ وَفِرْدَوْسِ الْكَرَامَةِ، وَبَوَّاَهُ اَسْنٰى مَرَاقِيَالْتَكْرِيْمِ فِىْ دَارِالْمَقَامَةِ،وَمَنَحَهُ عَلٰى مَوَاهِبِ الشَّرْفِ فِى الْيَوْمِ الْمَشْهُوْدِ ،فَهُوَ الشَّاهِدُ الْمَشْهُوْدُ، الْمَحْمُوْدُ، بِالْمَحَامِدِ الَّتِىْ يُلْهِمُهَا لِلْحَامِدِ الْمَحْمُوْدِ، ذُوالْمَنْزِلَةِ الْعُلْيَةِ، وَالدَّرَجَةِ السَّنِيَّةِ، فِىْ حَظَائِرِ الْقُدُسِ الْاَقْدَسِيَّةِ، وَالْمَشَاهِدِ الْاَنْفَسِيَّةِ، وَاصَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَوَاضِلَ الصَّلٰوتِ وَشَرَائِفَ التَّسْلِيْمِ وَنَوَامِىْ الْبَرَكَاتِ،وَعَلٰى آلِهٖ الْاَطْهَارِ،

وَاَصْحَابِهِ الْاَبْرَارِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا لَايَنْقَطِعُ عَنْهُمَا اَمَدَالْاَمَدِ، وَلَا يَحْصُرُهُمَا الْعَدَدُ اَبَدًا لِاَبَدٍ۔

''سبھی خوبیاں اس اللہ جل مجدہٗ کو ہیں جس نے انوارِ علوم نبوتِ محمدیہ ﷺ کے آفتاب کو آسمانِ ازل (قدم) پر ظاہر فرمایا اور جس نے رازہائے رسالت کے افق سے تجلی صفات احمدیہ ﷺ کے مظاہر کو منور فرمایا۔ میں اس کی حمد اس طور پر کرتا ہوں کہ اس نے محمد ﷺ کی اس نبوت اپنے ازلی سوابق پر رکھی ہے اور یہ کہ اس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے ستونوں (یعنی معجزات و دلائل نبوت) کو اپنے ابدی لواحق پر اٹھایا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا معبود برحق کوئی نہیں جو (اپنی ذات وصفات میں) یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں جو اپنی فردانیت میں بوجہ اپنی عظمت وکبریائی کے فرد منفرد ہے اور جو اپنے کمال استحقاق کی بنا پر اپنی وحدانیت میں ہر ترکیب سے مستغنی اور تمام موجودات سے مخالف ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور ہمارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو اللہ جل مجدہٗ کے عبد، اور اس کے رسول ہیں نوع انسانی میں سب سے برتر ہیں اور جو چشمہائے اعیان کی پتلی ہیں اور جو بنوعدنان کے چنے ہوئے افراد سے منتخب ہوئے ہیں جنہیں نادر آیات مرحمت فرمائی گئیں اور جو عموم رسالت، اور غرائب معجزات سے مخصوص ہیں جو سرِ فرقانی کے جامع ہیں اور جو نوعِ انسانی میں قرب (الٰہی) کی بخششوں سے مختص ہیں جو ازلی حقیقتوں کا مورد و مصدر ہیں جن کا منصب عالی یہ ہے کہ جب وہ حقائق کے حظائر قدس اور اس کے محل میں فروکش ہوتے ہیں تو وہاں کل حقائق ان کی ذات میں مجتمع ہوتے ہیں جو ان حقائق کا منبر ہیں۔ اور جو ان حقائق کا خطیب ہیں۔ جو اللہ عزوجل کا وہ بیت المعمور ہیں جسے اللہ جل مجدہٗ نے اپنے آپ کے لیے پسند فرمایا ہے، اور جن کو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حقائق قدس کا ناظم مقرر فرمایا ہے جو نقطۂ اکوان کی روشنائی (سیاہی) کی اصل ہے۔ جو چشمہائے حکم وعرفان کا منبع ہیں جو اپنی عطایا سے مددِ وفا کے دریا سے اس شاعر کی مدد فرمانے والے ہیں جو اہل علوم وگروہ اصفیاء سے ہے، (وہ شاعر سیدی محمد وفا قدس سرہٗ ہیں ''مبہانی قدس سرہٗ'') جب اس شاعر نے ان کی ذات اقدس کو بخششِ نفسیہ سے مخاطب کرتے ہوئے یوں عرض کیا ہے۔ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہونے والی ہر شے سے ہر لحاظ سے برتر

ہیں اور آپ ﷺ کی دعوتِ رسالت مطابق بالواقع تمام مخلوق کے لیے ہے یارسول اللہ ﷺ ساری مخلوق کا مرجع آپ ﷺ ہیں کیونکہ تمام مخلوق کا محور آپ ﷺ ہی ہیں۔ اور آپ ﷺ حق کا وہ مینارۂ نور ہیں کہ جس کی وجہ سے سب پر آپ ﷺ کی فوقیت ہے اور معاملاتِ مخلوق میں آپ ﷺ ہی منصفی فرماتے ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کا قلب منور اللہ جل مجدہٗ کے علوم کا گھر ہے اور آپ ﷺ اس گھر کا دروازہ اسی گھر سے اللہ جل مجدہٗ کے لیے یوں ہیں کہ حق جل مجدہٗ اسی دروازہ سے نزولِ اجلال فرماتا ہے اللہ جلِ مجدہٗ کے چشمہائے علم آپ ﷺ کے قلب اطہر سے جاری ہیں اسی لیے ہر قبیلہ میں آپ ﷺ کے قلب اقدس سے اللہ جل مجدہٗ کے علم کا ایک چشمہ جاری ہے۔ ہر صاحب فضیلت آپ ﷺ کے ہی فیضِ فضل کا بخشش یافتہ ہے پس ہر فضیلت یافتہ شخص آپ ﷺ سے ہی فضیلت پاتا ہے۔ یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے ہی انبیاء علیہم السلام کی جواہر پراگندہ کی مانند شرائع کو منظم فرمایا ہے اور ان کی شریعتوں کا تاج آپ ﷺ کے پاس ہی انواعِ کمال سے مرصع ہوا ہے اے وہ برتر ذاتِ گرامی، مدتوں کی انتہا جن کے خط کا ایک نقطہ ہے، اور اے وہ برگزیدہ ذات اقدس جو متسلسل مرابِ اطلاق کی چوٹی ہے یارسول اللہ ﷺ میرا دل آپ ﷺ سے منہ پھیر لے، یہ محال ہے جب کہ میں ایسی حالت میں آپ ﷺ کے حق کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے نہ ہی تو آپ ﷺ کے بغیر قرار ہوگا اور نہ ہی میں آپ ﷺ سے روگردانی کروں گا، یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ پر اللہ جل مجدہٗ کی رحمت کاملہ متواصلہ ہوتی رہے، اور وہ رحمت کاملہ ایسی متصل ہو جو کہ آپ ﷺ سے کبھی بھی علیحدہ نہ ہو، سید عالم ﷺ کے جمال کی کبریائی سے سدرۃ المنتہی کے باسیوں کی چشمہائے بصیرت کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اکابر انبیاء علیہم السلام کے تشخصات آپ کے مشاہدۂ کمال کے مشتاق ہوئے، اور ذوات مقربین، آپ ﷺ کی روائح نفیسہ کی جانب متوجہ ہوئیں۔ اور عقل والوں کی گردنیں آپ ﷺ کی چشمہائے لامحۂ، اور آپ ﷺ کے گوشہ ہائے چشم مقدس کی طرف دراز ہوتیں۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو مستویٰ اقدس میں ٹھہرادیا، اور اپنے احاطۂ جامعہ، اور اپنے قدس کے خطیرۂ واسعہ میں اپنے روبرو آپ ﷺ کو سرِ نفس (یعنی عالم ارواح) پر مطلع فرمایا۔ پس انبیاء علیہم السلام کے اجسام،

حرم تعظیم میں خدمت کے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔ اور جلال کے معارج میں فرشتوں کے اشخاص، اجلال کے قدموں پر استادہ ہو گئے اور عشاق کی روحیں، شوق کے مقامات میں بے اختیار نکل پڑیں۔ (جب) ماہتاب آپ ﷺ کے مشاہدہ کا مشتاق ہوا۔ تو شق ہو گیا، اور دشمنی کرنے والے بدبختوں کے پتے (بھی) اس نے چیر ڈالے، اور آپ ﷺ کی مفارقت میں درخت کے تانے جب نالہ و گریہ کیا تو (انتہائی حزن و ملال کی وجہ سے) پارہ، پارہ ہو گیا، اور پھر اس کے ٹکڑے ہونے سے جاہل منافقوں کے دل بھی پھٹ گئے، اور حقائق کے لشکروں کی تلواریں، آپ ﷺ کی بعثت کی قندیل سے چمکنے لگیں اور آپ ﷺ کی دعوتِ عامہ سے مخلوق کے سر برآوردہ لوگوں میں سے خاص خاص مطیع بن گئے اور آپ ﷺ اللہ جل مجدہٗ کے راستہ میں سچے عزائم کے ساتھ مسلسل کوشاں رہے۔ اور آپ ﷺ اسلام کے افتراقات کو اس کے پراگندہ جہات کے بعد منظم فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دین کے کمالات، اور آپ ﷺ کے روشن دلائل مکمل ہو گئے، اور آپ ﷺ کی متکاثرہ نعمتیں آپ ﷺ کی تمام ناخواندہ امت پر پوری ہو گئیں۔ اور جب آپ ﷺ کو موت وحیات کے مابین (ایک کے اپنا نے کا) اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار فرمایا، اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، اور پھر اس حال میں کہ آپ ﷺ (ظاہراً و باطناً) قدمِ سلامت پر قائم تھے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو دارالکمال اور فردوسِ کرامت کی طرف منتقل فرما دیا اور تکریم کے دارالاقامت میں (تعظیم کے) بلند پایہ زینوں پر آپ ﷺ کو ٹھہرایا۔ اور قیامت کے دن شرف کی اعلیٰ بخششیں آپ ﷺ کو عطا فرمائیں اور آپ ﷺ ہی شاہد و مشہود ہیں، اور آپ ﷺ ایسے محمود ہیں کہ آپ ﷺ ان محامد سے اللہ جل مجدہٗ کی حمد فرمائیں گے۔ جو وہ آپ ﷺ کو الہام فرمائے گا اور آپ ﷺ ہی حظائرِ قدسِ اقدسیہ (جنت) اور عالم ارواح میں بلند مرتبہ، اور اعلیٰ درجے والے ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ پر، اور آپ ﷺ کی آلِ اطہار، اور آپ ﷺ کے اصحابِ اخیار پر، فواضل، صلوٰت، شرائف تسلیمات اور زوائد برکات پہنچائے، اور وہ صلوٰۃ وسلام ایسے ہوں جن سے زمانہ انتہا منقطع نہ ہو اور ان کی کثرت کے باعث ابدالآباد تک اعداد و شمار ان کا احاطہ نہ کر سکیں''۔

امام قسطلانی قدس سرہ کی کتاب "المواھب اللدنیہ" کا خطبہ منیفہ یہاں، ختم ہو گیا۔ پھر (اس کے بعد) امام قسطلانی قدس سرہ نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور یہ ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو دس مقاصد پر مرتب فرمایا ہے۔

حقیقت محمدیہ ﷺ جمیع اجناس کی جنس عالی ہے

امام قسطلانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۲۲ھ) کے فرمودہ جواہر سے پہلے مقصد میں ان کا یہ فرمان ہے۔

"جان لے! اے عقل سلیم کے مالک، اور اوصافِ کمال و انتہا کے حامل، اللہ جل مجدہٗ مجھے اور تجھے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

جب اللہ جل اسمہٗ کا ارادہ اپنی مخلوق کی ایجاد سے متعلق ہوا، اور اپنی مخلوق کے رزق کا اندازہ فرمایا تو حضرتِ احدیت میں انوارِ صمدیت سے حقیقت محمدیہ ﷺ کو ظاہر فرمایا۔ پھر اللہ جل مجدہٗ نے اپنے خطابِ ازلی میں...." جیسا کہ اس کے علم و ارادہ میں پہلے سے موجود تھا...... حقیقت محمدیہ ﷺ سے تمام عوالم علوی اور سفلی کو پیدا فرمایا۔ ازاں بعد اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو آپ ﷺ کی نبوت کی اطلاع فرمائی۔ اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی رسالت کا اس وقت مژدہ سنایا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جیسا کہ خود آپ ﷺ نے فرمایا: ہنوز جسم و روح کے مابین تھے پھر آپ ﷺ سے ارواح کے چشمے پھوٹ پڑے۔

پھر آپ ﷺ نے مقربین میں اس وقت ظہور فرمایا جب کہ آپ ﷺ مکمل ظہور کے منظر میں تھے گویا آپ ﷺ ان تمام مقربین کے لیے شیریں چشمہ تھے۔

اسی لیے سید عالم ﷺ (پیدائش کے تقدم کی وجہ سے) تمام موجودات کی جمیع اجناس کی جنس عالی (جوہر) ہیں۔ اور تمام انسانوں اور تمام کائنات کے لیے والدِ اکبر ہیں۔

جب کہ وہ زمانہ جو سید عالم ﷺ کے حق میں اسم باطن کے سبب (عالم ملکوت میں تھا اور) اس نہایت کو پہنچ گیا، جہاں سید عالم ﷺ کا جسم اقدس عالم وجود میں آیا۔ اور اس وجود سے روحِ اقدس مرتبط ہوئی تو اس زمانہ کا حکم اسم ظاہر کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس سید عالم ﷺ نے جسم و روح کی مجموعی حالت میں ظہور فرمایا۔

سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی خلقت اگر چہ متاخر ہے لیکن آپ ﷺ کی قدر و قیمت معروف تھی۔

اسی لیے سید عالم ﷺ سرِ الٰہی کا خزانہ ہیں۔ اور ہر امرِ الٰہی کا نفاذ صرف آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور ہر خیر آپ ﷺ سے ہی منتقل ہوتی ہے۔ سید عالم ﷺ کی مدح میں یہ اشعار کہنے والے کی بھلائی ہو (یہ اشعار کہنے والے سیدی محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ''مبہانی'')

اَلاَ بِاَبِی مَنْ کَانَ مَلِکاً وَسَیِّداً　　وَآدَمُ بَیْنَ الْمآءِ وَالطِّیْنِ وَا قِفُ

ہاں، ہاں سنتے ہو! میرا باپ اس شخص پر فدا ہو جو اس وقت بھی بادشاہی اور سروری میں تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک جسم بے روح تھے۔

فَذَاکَ الرَّسُوْلُ الاَبْطَحِیُّ مُحَمَّدٌ　　لَهُ فِیْ الْعُلٰی مَجْدٌ تَلِیْدٌ وَطَارِفُ

اَتٰی بِزَمَانِ السَعْدِ فِیْ آخِرِ الْمَدیٰ　　وَکَانَ لَهُ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ مَرَاقِفُ

اَتٰی لِاِ نْکِسَارِ الدَّھْرِ یَجْبُرُ صَدْعَهُ　　فَاَثْنَتْ عَلَیْهِ اَلْسِنٌ وَّعَوَارِفُ

اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا یَکُوْنُ خِلاَفُهُ　　وَلَیْسَ لِذَاکَ الْاَمْرِ فِی الْکَوْنِ صَارِفُ

اور وہ رسولِ بطحاء محمد مصطفیٰ ہیں ان کو رفعت شان میں قدیم و جدید بزرگی حاصل ہے وہ رسولِ بطحاء ﷺ آخیر زمانہ بوقت ہمایوں تشریف لائے جبکہ ہر دور میں ان کے بہت سے احوال تھے۔ وہ رسولِ ابطحی ﷺ اس لیے تشریف لائے تاکہ دین الٰہی میں زمانہ کی شکست و ریخت کا نقصان پورا فرمائیں جس پر مخلوق کی زبانوں نے، اور شرائع انبیاء علیہم السلام کی بھلائیوں نے آپ ﷺ کی ثناء خوانی کی۔ اور اس رسولِ بطحاء ﷺ نے جس وقت کسی امر کا ارادہ فرمالیا تو اس کا خلاف نہیں ہوا اس لیے کہ عالم وجود میں آپ ﷺ کے امر کا مانع کوئی نہیں ہے۔

سید عالم ﷺ کے اسمائے گرامی

نیز امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمودہ جواہر سے (مواہب لدنیہ کے) مقصد ثانی میں سید عالم ﷺ کے اسمائے شریفہ کی شان بیان کی ہے۔

علمائے کرام کی ایک جماعت نے سید عالم ﷺ کے اسمائے گرامی کی تعداد شمار کی ہے اور انہیں مخصوص عدد تک پہنچایا ہے۔

ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے حدیث شریف میں مروی اللہ جل مجدہٗ کے اسمائے حسنیٰ کی موافقت سے ننانوے تک تعداد پہنچائی ہے۔

قاضی عیاض قدس سرہٗ نے فرمایا اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو یہ خصوصیت عنایت فرمائی ہے

کہ آپ ﷺ کو اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے تقریباً تیس اسما سے موسوم فرمایا ہے۔

ابن دحیہ قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''المتوفی'' میں ذکر فرمایا کہ اگر کتب متقدمہ، اور قرآن کریم وحدیث شریف کا تتبع کیا جائے تو سید عالم ﷺ کے اسمائے مبارکہ تین سو کی تعداد کو پہنچ جائیں گے۔

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی قدس سرہٗ کی کتاب ''احکام القرآن'' میں دیکھا ہے کہ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا: اللہ جل مجدہٗ کے ایک ہزار نام ہیں اور اسی طرح سید عالم ﷺ کے بھی ایک ہزار نام ہیں ان سے مراد اوصاف ہیں۔ پس تمام وہ اسماء جو روایت میں آ گئے وہ (سب کے سب) اوصاف مدح ہیں۔

جب معاملہ یوں ہے تو پھر سید عالم ﷺ کا ہر وصف ایک اسم ہی ہے پھر ان اوصاف کریمہ سے کچھ تو وہ ہیں جو سید عالم ﷺ سے مخصوص ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اسم پر غالب ہیں اور کچھ وہ ہیں جو مشترک ہیں اور یہ تمام مشاہدہ سے واضح ہیں جس میں خفا نہیں۔

اور جب ہم سید عالم کے اوصاف سے ہر ایک وصف کو ایک اسم ٹھہرائیں گے تو پھر آپ ﷺ کے اوصاف (اسماء) نہ صرف یہ کہ ابن دحیہ قدس سرہٗ کی ذکر کردہ تعداد کو پہنچ جائیں گے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد کو پہنچ جائیں گے۔

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا: وہ اسمائے گرامی جو میں نے اپنے شیخ مکرم حافظ (عبدالرحمٰن) سخاوی قدس سرہٗ کے کلام ''القول البدیع'' میں اور قاضی عیاض قدس سرہ کی شفا شریف میں اور امام ابن عربی قدس سرہ کی ''القبس والاحکام'' میں اور امام ابن سید الناس قدس سرہٗ وغیرہ آئمہ (سیر) کی تصانیف میں دیکھے ہیں وہ تعداد میں چار صد سے بھی زیادہ بنتے ہیں۔ پھر میں نے ان کو حروف معجمہ پر مرتب فرمایا ہے، (تبصرہ امام نبہانی قدس سرہٗ) ان اسمائے شریفہ کی اکثریت کو امام قسطلانی قدس سرہٗ کے استاذ محترم حافظ سخاوی قدس سرہٗ نے ''القول البدیع'' میں جمع فرمایا ہے اور امام قسطلانی قدس سرہٗ نے دوسروں سے جو زیادتی نقل کی ہے وہ بہت کم ہے۔ پھر اس مذکورہ تعداد پر حافظ سیوطی قدس سرہٗ کے تلمیذ حافظ شامی قدس سرہٗ نے اپنے اندازہ میں دوگنی تعداد بڑھائی ہے۔ امام زرقانی قدس سرہٗ نے ''مواہب لدنیہ'' کی شرح میں انہی سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

چنانچہ میں نے ان تمام اسماء کو یکجا کر دیا ہے اور میں نے ان ائمہ کی تعداد سے بھی زیادہ تک تعداد بڑھائی ہے۔ جو کہ آٹھ سو تیس سے کچھ اوپر تک پہنچی ہے اور پھر میں نے ان اسمائے مبارکہ کو ''احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل'' ﷺ'' نام کے ایک منظوم رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ ازاں بعد میں نے

حروف تہجی کی ترتیب پر ان اسماء کو علیحدہ ایک مستقل کتاب میں بیان کیا ہے جن کا میں نے 'الاسمیٰ فیما لسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاسماء' نام رکھا ہے۔ پھر ان اسماء میں سے جن کی شرح ضروری تھی وہ بھی کر دی ہے۔ علاوہ ازیں میں نے ان اسماء شریفہ سے متعلق اہم فوائد بھی ذکر کر دیئے ہیں۔

شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نیز امام قسطلانی قدس سرہٗ کے فرمودہ جواہر سے ''مواہب لدنیہ'' کے تیسرے مقصد میں ان کا یہ قول ہے۔ معلوم رہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل ایمان رکھنے میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ ایک مومن کے لیے اس پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی اللہ جل مجدہٗ نے کسی مخلوق کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل پیدا نہیں فرمایا (اور نہ پیدا فرمائے گا) سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہری بدن مبارک جو مشاہدہ میں آتا ہے اس کی عظیم خلقت پر بے شمار دلائل ہیں۔

اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مقدس میں جس سر کا حق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے اس کا اظہار...... یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس کریمہ کے عظیم اخلاق پر دلیل ہے۔

اللہ جل مجدہٗ کی بھلائی امام بوصیری قدس سرہٗ کے لیے ہے جب کہ انھوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں فرمایا:

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتَهُ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْباً بَارِئُ النَّسَمِ

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُالْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ہیں جن کا ظاہر و باطن مکمل ہے اور جن کو خالق ارواح نے اپنی محبوبیت کے لیے منتخب کیا۔ سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خوبیوں میں کسی نظیر سے بالاتر ہیں(1) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوہر حسن تقسیم ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں ملا۔

یعنی حسن کامل کی حقیقت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے۔ اس لیے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسرا کوئی بھی ظاہری کمالات، اور باطنی ترقیوں میں مکمل نہیں ہے۔ باطنی کمالات کی جامع صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شخصیت ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کی حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسروں کے

1۔ درمحاسن ذات والائش میرا از نظیر بار قسمت بر نتابد نقد حسن آں نگار
وہ شرکت سے بری ہے جوہر حسن نبی آپ کی خوبی سے حصہ لے یہ جس میں ہے تواں
(مولانا سید محمود علی صاحب)

(۲) یعنی حقیقت حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصص واجزاء نہیں کیے گئے بلکہ مادۂ حسن، عدم انقسام میں مثل جزلا یتجزیٰ کے ہے جو عندالمتکلمین جوہر فرد سے معتبر ہے۔ (مترجم غفرلہ، ولوالدیہ)

درمیان تقسیم شدہ نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ کا حسن کامل نہ ہوتا، کیونکہ جب وہ تقسیم ہو گیا تو پھر آپ ﷺ کو اس سے کچھ حصہ ملے گا، تو اس صورت میں وہ کامل نہ ہوا۔ اور آثار صحابہ کرام میں سے ایک اثر میں مروی ہے کہ

اِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ خَرَجَ فِيْ سَرِيَّةٍ مِنَ السَّرَايَا،فَنَزَلَ بِبَعْضِ الْاَحْيَاءِ فَقَالَ لَهٗ سَيِّدُ ذَالِكَ الْحَيِّ،صِفْ لَنَا مُحَمَّداً ﷺ،فَقَالَ اَمَّا اِنِّي اُفَصِّلُ فَلَا،فَقَالَ الرَّجُلُ اَجْمِلْ، فَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَلرَّسُوْلُ عَلٰى قَدْرِ الْمُرْسِلِ

جب (ایک مرتبہ) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک فوجی دستہ کے ہمراہ تشریف لے گئے تو آپ (اور دوسرے لشکری) ایک قبیلہ کے مہمان بنے، تو آپ رضی اللہ عنہ سے اس قبیلہ کے سردار نے عرض کیا، آپ ہمیں سید عالم ﷺ کا کوئی وصف سنائیں۔ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک سید عالم ﷺ کے مفصل اوصاف کا تعلق ہے تو میں بیان نہیں کر سکتا، چنانچہ قبیلہ کے سردار نے عرض کیا، تفصیلاً نہ سہی تو اجمالاً ہی بیان فرما دیجیے تو اس پر حضرت خالد رضی اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اچھا! تو پھر اتنا سمجھ لو کہ) رسول، مرسل کے مرتبہ کے موافق ہی ہوتا ہے۔

امام قرطبی قدس سرہٗ (المتوفی ۶۷۱ھ) نے "کتاب الصلوٰۃ" میں بعض آئمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لَمْ يُظْهَرْ تَمَامُ حُسْنِهٖ ﷺ،لِاَنَّهٗ لَوْ ظُهِرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا اَطَاقَتْ اَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ (ص ۵)

ہمارے لیے سید عالم ﷺ کا حسن کامل ظاہر نہیں ہوا کیونکہ اگر وہ ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

سید عالم ﷺ کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوتی ہیں وہ صرف بر سبیل تقریب و تمثیل (یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لیے حسب عرف و عادت شعراء و طبقاء وغیرہ استعمال ہوئی) ہیں ورنہ سید عالم ﷺ کی ذات گرامی کہیں برتر، اور آپ ﷺ کا مجد و شرف گراں بہا ہے، کیونکہ حقیقت میں موجودات میں سے کوئی شے آپ ﷺ کی صفات خلقیہ و خلقیہ کے معادل نہیں ہے۔

سراپا مقدس

سید عالم ﷺ کا قد مبارک نہ تو بہت دراز، اور نہ ہی بہت مختصر، بلکہ درمیانہ تھا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خو تھے

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سب لوگوں سے بڑھ کر خوبرو تھا۔

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ (رضی اللّٰه عنه)مَارَاَيْتُ شَيْئًااَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ ۔ (ص ۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبرو کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ روئے اقدس اس قدر تاباں تھا کہ گویا آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے اقدس میں گردش کر رہا ہے۔

بخاری شریف میں مروی (حدیث شریف) ہے کہ کسی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور تلوار کی طرح چمکتا تھا؟ تو حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہ، نہ بلکہ مہتاب کی مانند چمکتا تھا۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ آپ سے ایک آدمی نے پوچھا کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہ، بلکہ چمک ونورانیت، اور گولائی میں آفتاب و ماہتاب کی مانند تھا۔

اور بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح توصیف فرمائی ہے۔

بِاَنَّ وَجْهَهُ الشَّرِيْفَ مِثْلُ الْقَمَرِ اَوْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ۔وَيَتَلَا لَأُ وَجْهُهٗ تَلَالُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدَرِ وَكَاَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ (ص ۵)

کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے تاباں چاند کی طرح تھا یا چاند سے بھی بڑھ کر زیادہ حسین تھا۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے انور چودھویں شب کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور چہرۂ اقدس گویا مہتاب کا ایک ٹکڑا تھا۔

اور بے انتہا صفائی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے منور گویا آئینہ تھا

اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور آفتاب تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے جہاں تاب میں گردش کر رہا ہے۔

اور جب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے ایمان افزا پر نگاہ ڈالے گا تو تجھے یوں محسوس ہوگا گویا کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔

علاوہ ازیں اور بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی طرح کا اظہار خیال فرماتے رہتے تھے۔

اس بارے میں امام قسطلانی قدس سرہٗ امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ عنہما وغیرہ سے تمام صحیح روایات ذکر فرمائی ہیں اور سید عالم ﷺ کے شمائل شریفہ پر لمبی چوڑی گفتگو فرمائی ہے۔

پھر امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے جو شخص سید عالم ﷺ کی اس عمدہ تدبیر پر غور کرے گا" جو آپ ﷺ نے ان بھٹکے ہوئے وحشی صفت اجنبی اور نفرت انگیز طبیعت کے مالک، عربوں کے لیے فرمائی تھی کہ آپ ﷺ نے ان کی سختیوں کو جھیلا، اور ان کی اذیت ناکیوں پر صبر کیا اور پھر ان سے ایسی حکمت عملی اختیار فرمائی کہ ازاں بعد وہ سبھی کے سبھی آپ ﷺ کے مطیع ہو گئے اور پھر نہ صرف یہ کہ وہ آپ ﷺ کے حلقہ بگوش ہی بن گئے بلکہ انہوں نے آپ ﷺ کی حمایت میں اپنے اہل وعیال اور اپنے آباء واجداد سے پوری طرح لڑائی بھی مول لے لی، اور انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے آپ پر ترجیح دی اور آپ ﷺ کی محبت ورضا میں اپنے ملک ووطن، اور اپنے احباب تک کو خیر باد کہہ دیا۔ (واضح رہے کہ سید عالم ﷺ سے ایسی با صلاحیت تدابیر کا وقوع پذیر ہونا سراسر اعجاز ہے کیونکہ) حکومت و سیاست کا نہ تو آپ ﷺ کو کوئی سابقہ تجربہ تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے گذشتہ لوگوں کی سیرت کا کبھی کسی کتاب میں مطالعہ فرمایا تھا"۔ تو اس سے معلوم ومحقق ہو جائے گا کہ سب جہاں والوں سے بڑھ کر عقلمند، ذات گرامی سید عالم ﷺ ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ سید عالم ﷺ کی عقل شریف تمام عقلوں سے وسیع تر ہے تو پھر یہ امر بھی لامحالہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ بھی اتنے ہی وسیع ہیں کہ جس میں کسی قسم کی تنگی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سید عالم ﷺ کے خلق عظیم کی وسعت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود حلم وبردباری سے کام لیتے اور ایذا پہنچنے پر صبر وتحمل کو اختیار کرتے۔

سید عالم ﷺ کے حلم وعقل، اور قوت برداشت کا تیرے لیے یہی ایک سبق کافی ہے کہ سید عالم ﷺ سے لڑنے جھگڑنے والے کافروں نے آپ ﷺ کو زبردست تکالیف پہنچائیں کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ اور غزوۂ احد میں آپ ﷺ کا روئے تاباں اتنا مجروح کر دیا کہ خون مبارک چہرہ انور سے ٹپکنے لگا۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو یہ بات سخت ناگوار گذری، اور سبھی بیک زبان بولے، یا رسول اللہ ﷺ کاش ان پر دعائے بد ہی فرما دیتے۔ مگر

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّاناً وَلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ دَاعِیاً وَرَحْمَةً، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ وَاھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

میری بعثت کا مقصد کوئی لعنت کرنا یا بد دعا دینا نہیں ہے بلکہ میں تو (سراپا رحمت اور داعی الی اللہ) بن کر مبعوث ہوا ہوں (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) الٰہی میری قوم کو ہدایت دے اور میری قوم سے درگذر فرما کیونکہ یہ جاہل ہیں۔

صحت رسالت پر دلائل و براہین

نیز امام قسطلانی قدس سرہٗ کے فرمودہ جواہر سے (مواہب کے) چوتھے مقصد میں ان کا یہ فرمان ہے۔

معلوم رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلائل کثیرہ (شاہد) ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے ظہور پر اخبار مشہورہ موجود ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے کچھ دلائل وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف اور (اسی طرح) عرب شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بابت، تورات شریف وانجیل مقدس اور دوسری کتب سماویہ میں پائے جاتے ہیں۔

اور (یونہی) یوم ولادت اور یوم بعثت کے وقت امور عجیبہ وغریبہ (جو سبھی کے سبھی خارق عادت تھے) کا ظاہر ہونا۔ مثلاً آثارِ کفر کا مٹنا، عربوں کے شیون، اور چہ میگوئیاں، وغیرہ کا واضح ہونا اور اصحابِ فیل، اوران کا ذلیل وخوار ہونا۔

اور (اسی طرح) آتش کدہ فارس کا بجھ جانا، ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گر پڑنا، دریائے ساوہ کے پانی کا خشک ہونا اور موبذان (1) کا خواب دیکھنا (دلائل نبوت سے ہے۔)

اور اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات کی بابت غائبانہ طور پر نداؤں کا سنا جانا اور پوجے جانے والے بتوں کا سرنگوں ہونا اوران کا اپنی اپنی جگہ سے بغیر کسی کی مداخلت کے اوندھے منہ گر پڑنا۔

علاوہ ازیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (حقانیت) نبوت کی بابت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام ولادت، اور دوران پرورش، اوراس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت پر فائز ہونے تک جو جو خوارق عادات امور عجیبہ ظہور پذیر ہوئے، وہ سبھی کے سبھی احادیث مشہورہ میں منقول ومروی ہیں۔

1۔ وَرَاَی الْمُوْبَذَانُ اِبِلًا صِعَاباً تَقُوْدُ خَیْلًا عُرَاباً قَدْ قَطَعَتْ دِجْلَةَ وَانْتَشَرَتْ فِیْ بِلَادِھَا

موبذان (قوم مجوس کے ایک بڑے عالم) نے خواب دیکھا کہ شتر بے مہار عربی گھوڑوں کو دھکیل رہے ہیں یہاں تک کہ دریائے دجلہ تک پہنچ گئے، اور پھر کئی شہروں میں پھیل گئے (الوفا باحوال المصطفیٰ لمحدث ابن جوزی قدس سرہٗ) (مترجم غفرلہٗ)

حالانکہ سید عالم ﷺ کے پاس مال و دولت (وغیرہ) کا کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ جس کی طمع میں لوگوں کے دل ادھر کو کھنچے چلے جاتے۔ اور نہ ہی کوئی ایسی قوت تھی کہ جس کی بدولت لوگوں کو مطیع و منقاد بنایا جا سکتا۔

اور جس دین کو آپ ﷺ نے ظاہر فرمایا، اور جس کی طرف آپ ﷺ نے ان کو دعوت دی، اس کو غالب کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس نہ (ہی تو کوئی) لاؤ لشکر تھا اور (نہ ہی مال و زر)

بعثت کے وقت عربوں کی حالت

جب کہ (عربوں کی اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ) وہ لوگ سب کے سب تعظیم ازلام (یعنی زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات) اور تعبد اصنام (بت پرستی) پر متفق تھے۔ اور جاہلی عصبیت و حمیت طبیعت میں راسخ تھی، اور باہمی عداوت و سرکشی، اور خون ریزی وڈاکہ میں منہمک تھے، اور امر خیر میں اتفاق ناپید تھا اور اپنے ان گھٹیا افعال میں عاقبت کی طرف نظر ڈالتے ہی نہ تھے۔ نہ تو انہیں کسی عذاب و سزا کا خوف تھا اور نہ ہی کسی ملامت و پشیمانی کا ڈر۔

ایسے حالات میں لوگوں کے احوال وافعال کی مصلح کائنات ﷺ نے اصلاح فرمائی (اور) ان کے دلوں میں باہمی محبت و الفت کی لہر دوڑا کر انہیں ایک کلمہ پر اکٹھا فرما دیا یہاں تک کہ ان کی آراء متفق اور ان کے قلوب مجتمع ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہی مختلف لوگ آپ ﷺ کی نصرت میں ایک دل ہو کر آپ ﷺ کے مطیع وحلقہ بگوش بن گئے آپ ﷺ کے جمال جاں افزاء کی ایک جھلک کے شیدا بن گئے آپ ﷺ کی محبت میں اپنے شہروں اور اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا اپنی قوم اور قبیلہ سے منہ موڑ لیا آپ ﷺ کی حمایت میں اپنے دل و جان اور اپنے مال و منال تک کو قربان کر دیا اور آپ ﷺ کے کلمہ کے اعزا میں اپنے آپ کو تلواروں کے مقابل لا کھڑا کیا۔

اور اس پر طرفہ یہ کہ وہ بے سروسامان تھے (اولاً) نہ ہی تو ان پر مال لٹایا گیا، اور (ثانیاً) نہ ہی کوئی مال و منال تھا کہ جس کے حصول کے طمع میں انہیں جلد ڈال دیا جاتا اور نہ ہی دنیا میں ایسی کوئی مملکت تھی جس کی بادشاہی و سروری کا انہیں مالک و متصرف بنایا جاتا، (بلکہ سید عالم ﷺ ان میں خود تصرف فرماتے کہ) غنی کو فقیر بنا دیتے اور شریف کو برابر و متواضع فرما دیتے۔

کیا ایسی جملہ باتیں، (اور) ایسے تمام (احوال) کسی ایسے شخص میں جمع ہو سکتے ہیں اور اسے ان کا اتفاق پڑ سکتا ہے جو اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے ان سب کو انجام دے سکے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا آپ ﷺ نے ان جملہ امور کو مسخر و گرویدہ بنا لیا یہ جملہ

باتیں وہ ہیں جن میں کوئی عقل مند شک نہیں کرسکتا۔ (اور بیقین کامل یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ) یہ امر الٰہی، وحی غالب، اور فیض سماوی ہے قوت بشری کے ساتھ اتنی رسائی پانا از روئے عادت محال ہے پروردگار تبارک وتعالیٰ کی عطا کے بغیر کوئی انسان اس پر قادر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام قسطلانی قدس سرہٗ نے سید عالم ﷺ کے بہت سے معجزات اور آپ ﷺ کے دلائل نبوت کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی ابتدا قرآن کریم سے کرتے ہوئے فرمایا، ان معجزات میں سے (ایک) قرآن کریم ہے جس کے اعجاز پر سید عالم ﷺ نے تحدی فرمائی ہے اور انہیں اس کے معارضہ کی دعوت دی اور اس کے ہم مثل مقابلہ میں صرف ایک سورت ہی لانے کا چیلنج فرمایا چنانچہ وہ لوگ اس کے معارضہ ومقابلہ میں کچھ پیش کرنے سے عاجز ہو گئے۔

قرآن کریم مردوں کے زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر معجزہ ہے

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِنَّ الَّذِی اَوْرَدَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْعَرَبِ مِنَ الْكَلَامِ الَّذِی اَعْجَزَ هُمْ عَنِ الْاِتْيَانِ بِمِثْلِهٖ، اَعْجَبُ فِی الْآيَةِ وَاَوْضَحُ فِی الدَّلَالَةِ مِنْ اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَاِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ، لِاَنَّهٗ ﷺ اَتٰى اَهْلَ الْبَلَاغَةِ، وَاَرْبَابَ الْفَصَاحَةِ، وَرُؤُسَاءِ الْبَيَانِ، وَالْمُتَقَدِّمِيْنَ فِی اللُّسْنِ بِكَلَامٍ مَفْهُوْمِ الْمَعْنٰى عِنْدَهُمْ، فَكَانَ عِجْزُهُمْ عَنْهُ اَعْجَبُ مِنْ عِجْزِ مَنْ شَاهَدَ الْمَسِيْحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى لِاَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَطْمَعُوْنَ فِيْهِ وَلَا فِی اِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَلَا يَتَعَاطُوْنَ عِلْمَهُمْ، وَقُرَيْشٌ كَانَتْ تَتَعَاطَى الْكَلَامَ الْفَصِيْحَ، وَالْبَلَاغَةَ وَالْخِطَابَةَ، فَدَلَّ عَلٰى اَنَّ الْعِجْزَ عَنْهُ اِنَّمَا كَانَ لِيَصِيْرَ عِلْمًا عَلٰى رِسَالَتِهٖ وَصِحَّةِ نُبُوَّتِهٖ، وَهٰذِهٖ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ، وَبُرْهَانٌ وَاضِحٌ۔

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ نے اہل عرب پر جو کلام پیش فرمایا اور جس کی مثل وہ لانے سے عاجز رہے وہ کلام دلالت وعلامت میں مردوں کے زندہ کرنے، اور مادر زاد اندھوں، اور کوڑھیوں کے تندرست کردینے سے بھی بڑھ کر عجیب اور واضح تر ہے۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ نے اہل بلاغت، ارباب فصاحت، اور اقلیم سخن کے مالک، میدان فصاحت وبلاغت کے شہسواروں پر جو کلام پیش فرمایا وہ مطلب ومفہوم اور لفظ ومعنی کے لحاظ سے ان کا جانا پہچانا تھا (اس کے باوجود وہ اس کی مثل لانے سے مجبور رہے۔) لہٰذا ان کا یہ عجز اس سے کہیں اچنبھا ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو

مردے زندہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کیونکہ وہ ان باتوں کے خواہشمند نہ تھے (اور نہ دیکھنے والوں کے لیے اس میں کوئی چیلنج تھا۔) اور نہ ہی اس تک پہنچنے کا انہیں کوئی علم تھا جب کہ کلام فصیح، اور خطابت و بلاغت قریش کا اپنا فن تھا۔ اور اس میں وہ غلبہ و مقابلہ کے خواہاں تھے (اور اس ہنر میں وہ ''لمن الملک الیوم'' کا نقارہ بجا رہے تھے) پس اس میں ان کا عاجز رہ جانا اس لیے تھا تا کہ ان کا یہ عجز سید عالم ﷺ کی صحت رسالت و نبوت پر ایک علامت بن جائے (اور ان کا مقابلہ میں نہ آنا) یہ سید عالم ﷺ کی صحت رسالت پر قاطع حجت اور واضح برہان ہے۔

سید عالم ﷺ علی الاطلاق ساری مخلوق سے زیادہ دانا ہیں

قَالَ اَبُوْسُلَیْمَانَ الْخَطَابِیُ قَدْ کَانَ ﷺ مِنْ عُقَلَاءِ الرِّجَالِ عِنْدَ اَهْلِ زَمَانِهٖ بَلْ هُوَ اَعْقَلُ خَلْقِ اللّٰهِ عَلَی الْاِطْلَاقِ۔ (ص ۷)

علامہ امام ابوسلیمان خطابی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ دانا تھے یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ (قطعی طور پر) علی الاطلاق اللہ جل مجدہٗ کی ساری مخلوق سے زیادہ عقل مند تھے۔

وہ لوگ اس کی مثل لا ہی نہ سکتے تھے کیونکہ سید عالم ﷺ نے اپنے پروردگار جل مجدہٗ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے حتمی اور قطعی تحدی فرماتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ:24)

''پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں ہرگز نہ لاسکو گے''۔

فَلَو لَا عِلْمُهٗ ﷺ بِاَنَّ ذَالِکَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ عَلَّامِ الْغُیُوبِ وَاَنَّهٗ لَا یَقَعُ فِیْمَا اَخْبَرَ عَنْهُ خُلْفٌ

لہٰذا اگر سید عالم ﷺ کا علم ایسا نہ ہوتا بایں طور کہ یہ اللہ جل مجدہٗ دانائے غیوب کی طرف سے ہے، تب بھی آپ ﷺ کے اس خبر دینے میں یہ خلاف واقعہ نہ ہوتا (بلکہ یہ خبر دینا واقعی اور نفس الامری ہوتا) ورنہ سید عالم ﷺ کی عقل شریف، کسی نہ ہونے والی شئی میں، قطعی طور پر اس کے ہو جانے کی (خبر و) اجازت نہ دیتی۔

اس کے بعد امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا اس میدان میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے یہ (نہ صرف) اکمل و احسن ہے، (بلکہ) نہایت عجیب تر و واضح ترین ہے کیونکہ سید عالم ﷺ نے ان کے معارضہ میں سامنے آنے سے پہلے ہی ان کے عجز کا اعلان فرما دیا اور (ساتھ ہی ساتھ) بلاغت میں (بھی) ان

کے قاصر رہنے کا حتمی اور آخری چیلنج برقرار رکھا حتی کہ انہیں علی رؤس الاشھاد للکارا مگر ان میں سے ایسا کوئی بھی نہ تھا جو باوجود، وافر دواعی اور باہمی کوشش کے معارضہ کے میدان میں اترا چنانچہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر نے ان کے عجز کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

''تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے''۔

چنانچہ (حقانیت قرآن کریم کا اعتراف کرنے کی بجائے) ان کی عمدہ ہمتوں اور اچھی وخوددار طبیعتوں نے خون ریزیوں، اور عزتوں کی پائمالی کو پسند کیا۔

پھر امام قسطلانی قدس سرہٗ نے اعجاز القرآن کے وجوہ کے متعلق بہت سے فوائد نقل فرمائے ہیں اور اس کے آخر میں فرمایا کہ قرآن کریم کی نظم وتالیف، اور اس کے شیریں اسلوب، اور اس کے صحت معانی، اور اس میں مذکورۃ وہ امثال وعلامات واشیاء جو کہ یوم آخرت پر دال ہیں اور اس کی ما کان وما یکون سے متعلق خبریں دینا، اور اس میں ذکر کردہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق احکام، اس میں مذکورہ خون ریزیوں سے متعلق امتناعی حکم، اور رشتہ داریاں قائم رکھنے پر توجہ دلانا وغیرہا، (بے شمار امور) کی مثل لانے پر نہ ہی تو کوئی شخص سید عالم ﷺ کے زمانہء اقدس میں قادر ہوسکا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کوئی قادر ہوسکتا ہے۔ اس کی مثل لانے پر کوئی قادر بھی کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس کی مثل لانے سے عرب کے فصحاء وبلغاء (جو کہ فصاحت وبلاغت کی تمام صنعتوں کے حاذق و ماہر تھے) اور قریش کے خطباء وشعراء وفہماء وغیرہ (جو کہ اہل بیان، ماہرین زبان، آئمہ بلاغت اور شہسوار خطابت تھے۔) عاجز و بے بس رہے۔

حالانکہ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ سید عالم ﷺ نے ادائے رسالت ونبوت سے قبل چالیس برس تک نہ ہی تو لکھنا، پڑھنا سیکھا اور نہ ہی حساب دانی کے جھمیلاں میں پڑے اور نہ ہی شعر پڑھنے، اور سحر سیکھنے کا مشغلہ اپنایا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی خبر کو محفوظ رکھتے تھے اور نہ ہی کوئی اثر روایت فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کو وحی منزل اور کتاب مفصل سے سرفراز فرمایا پھر آپ ﷺ نے انہیں اس کی طرف دعوت دی اور اس کے ذریعہ ان پر حجت قائم فرمائی۔

اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ٘ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (یونس:16)

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر گذار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

اور سید عالم ﷺ کے لیے اپنی کتاب میں اس کی شہادت دی۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (عنکبوت)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

(سطور بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ سید عالم ﷺ کے معجزات میں سے اعظم و اجل معجزہ قرآن کریم ہے) رہے قرآن کریم کے علاوہ سید عالم ﷺ کے معجزات'' جیسے آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، اور آپ ﷺ کی برکت سے (تھوڑے) کھانے کا زیادہ ہو جانا، چاند کا شق ہونا، جمادات کا بولنا (وغیرہ)'' تو ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو تحدی سے ظہور پذیر ہوئے یعنی سید عالم ﷺ سے معارضہ طلب کرنے پر واقعہ میں آئے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ ﷺ کی صداقت پر بلا تحدی دال تھے۔ مگر (ثانی الذکر) معجزات کی یہ تمام قسمیں بھی (اسی طرح) مفید قطعیت ہیں۔ اس لیے کہ سید عالم ﷺ کے دست اقدس پر خوارق عادات کئی باتوں کا ظہور ہوا ہے (اور وہ اسی طرح) مشہور و معروف (یقینی ہیں) جس طرح کہ شجاعت علی کرم اللہ وجہ الکریم اور سخاوت حاتم (طائی) مشہور و قطعی امر ہے۔

پھر امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا جب تو سید عالم ﷺ کے معجزات ساطعہ، اور آپ ﷺ کے دلائل قاہرہ اور کرامات ظاہرہ میں غور و خوض کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سید عالم ﷺ کے معجزات (کائنات کی ہر ایک شئی پر حاوی ہیں چنانچہ) علوی ہو یا سفلی، صامت ہو یا ناطق، متحرک ہو یا ساکن، مائع ہو یا جامد، سابق ہو یا لاحق، موجود ہو یا غیر موجود، ظاہر ہو یا باطن، جلد ہو یا بدیر سب کو شامل ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے معجزات اگر حساب کئے جائیں تو ریت کے ذروں سے بھی بڑھ جائیں۔

اور (اسی طرح) آسمانی باتوں کے چرانے سے شیاطین کا رک جانا۔

پتھر و درخت کا آپ ﷺ کو سلام کرنا، نیز شجر و حجر کا آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا، اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی سیادت کے ساتھ مخاطب کرنا۔

تنے کا گریہ کرنا، آفتاب، پیالے اور چھاگل میں آپ ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے پانی کا پھوٹ پڑنا۔

چاند کا شق ہونا، نابینائی کے بعد بینائی کا بحال کر دینا شتر ناشاد کا فریادی ہونا، گرگ و شتر مادہ کا بولنا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے والد ماجد (حضرت عبداللہ) کی پیشانی تک مسلسل و متوارث آپ ﷺ کے نورانور چمکتے رہنا۔

اور ان کے علاوہ وہ معجزات جن سے کتب متداولہ پر ہیں اور جو ناقلین کی روایت میں آچکے اگر ہم انہیں گننے لگیں تو ان کی گنتی میں عمریں بیت سکتی ہیں اور اگر سب اگلے پچھلے لوگ آپ ﷺ کے مناقب اکٹھے کرنے شروع کر دیں تو بھی آپ ﷺ کے ان کمالات کے شمار سے عاجز رہ جائیں جو اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے لیے منتخب فرمائے ہیں حتی کہ آپ ﷺ کے بحر اوصاف و کمالات کے ساحل تک پہنچ جانے والا بھی چند مفاخر کا ہی احاطہ کر سکے گا۔

سید عالم ﷺ کے ایک محب کا یہ کہنا بہت درست ہے:

وعلٰی تَفَنُّنِ وَاصِفِیْهِ بِوَصْفِهٖ　　یَفْنِیْ الزَّمَانُ وَفِیْهِ مَالَمْ یُوْصَفُ

اور حضور پرنور ﷺ کے وصف کے متعدد و مختلف فنون اور بے شمار خوبیاں بیان کرنے والے پر زمانہ ختم ہو جائے گا لیکن حضور پرنور ﷺ میں ایسی صفات ہیں کہ جو ابھی تک بیان کرنا باقی ہیں۔

اور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں یوں کہنا بالکل بجا ہے

فَمَا بَلَغَتْ کَفُّ امْرِیٴٍ مِنَّا وَلَا　　مِنَ الْمَجْدِ اِلَّا وَالَّذِیْ نَالَ اَطْوَلُ
وَلَا بَلَغَ الْمُهْدُوْنَ فِی الْقَوْلِ مِدْحَةً　　وَلَوْ حَذَّ قُوْا اِلَّا الَّذِیْ فِیْهِ اَفْضَلُ

حضور پرنور کی مجد و عظمت کو کسی شخص نے نہیں پایا اگر کسی نے اس کی جھلک بھی پائی ہے تو یہ اس سے بڑھ کر اور عظیم ترین ہے اور نہ ہی ہدایت یافتہ لوگ حضور پرنور کی کما حقہ مدح کر سکے اگر انہوں نے انتہائی حذق و ذہانت سے بھی کام لیا تو حضور کے فضائل و مناقب اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

امام العارفین سیدی محمد وفا قدس سرہٗ کے اس ارشاد گرامی پر ان کے لیے خیر کثیر ہے:

مَاشِئْتَ قُلْ فِیْهِ فَاَنْتَ مُصَدَّقٌ　　فَالْحُبُّ یَقْتَضِیْ وَالْمَحَاسِنُ تَشْهَدُ

تم جو چاہو حضور پرنور کی صفت و نعت میں کہو کیونکہ تم اس طرح سچ کہو گے کیونکہ یہ محبت کا تقاضا اور محاسن اس کے شاہد ہیں

اور امام ادیب شرف الدین بوصیری قدس سرہٗ نے تو نہایت ہی بدیع اور عمدہ تخیل پیش فرمایا

ہے۔ جب کہ امام موصوف نے فرمایا:

دَعْ مَاادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِىْ نَبِيِّهِمْ   وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِيْهِ وَاحْتَكِمْ
وَانْسُبْ إِلىٰ ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ   وَانْسَبْ إِلىٰ قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمِ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

وہ بات چھوڑ دو جو عیسائی اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعویدار ہیں (یعنی سید عالم ﷺ میں شان الوہیت ماننا) اور اس کے سوا آپ ﷺ کی بابت جو چاہو فیصلہ کرو اور جو چاہو حکم لگاؤ۔ سید عالم ﷺ کی ذات گرامی کی طرف اور آپ ﷺ کی قدر عالی کی جانب جو شرف و عظمت چاہو منسوب کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بزرگی کی ایسی کوئی حد ہے ہی نہیں کہ جس کو کوئی فصیح البیان (شخص) ظاہر کر سکے۔

(مطالب اشعار کا خلاصہ) مقصد یہ کہ سید عالم ﷺ کی غایت درجہ تعریف کرنے والے جس قدر بھی چاہیں تعریف کریں مگر آپ ﷺ کے غیر محدود فضل و شرف تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ عمر بن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا جناب! آپ نے سید عالم ﷺ کی (بطریق نظم) تعریف وتوصیف کیوں نہ فرمائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَرىٰ كُلَّ مَدْحٍ فِىْ النَّبِىِّ مُقَصِّرًا   وَاِنْ بَالَغَ الْمُثْنِىْ عَلَيْهِ وَاَكْثَرَ
اِذَااللّٰهُ اَثْنىٰ بِالَّذِىْ هُوَ اَهْلُهٗ   عَلَيْهِ فَمَا مِقْدَارُ بِالْمَدْحِ الْوَرىٰ

میرے نزدیک حضور پرنور ﷺ کی مدح وتوصیف جس قدر بھی کی جائے وہ کم اور معمولی ہے خواہ واصف اور مدح کرنے والے انتہائی مبالغہ اور بکثرت مدح کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور ﷺ کی اس طرح مدح فرمائی جس کے آپ اہل تھے تو کائنات اور مخلوق کی کیا طاقت اور قدر کہ وہ حضور پرنور ﷺ کی مدح وتوصیف کریں۔

شیخ الاسلام بدرالدین زرکشی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے شعراء متقدمین، جیسے ابوتمام و بحتری اور ابن رومی وغیرہا میں سے کسی نے بھی سید عالم ﷺ کی مدح وتوصیف میں خیال آفرینی کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے کہ ان شعراء کے نزدیک سید عالم ﷺ کی توصیف وتحمید ان کے مقصود سے کہیں زیادہ پیچیدہ ومشکل ہے۔ کیونکہ (مدح پر محمول ہونے والے) معانی آپ ﷺ کے مرتبہ علیا سے کہیں فروتر ہیں اور (جملہ) اوصاف (جہاں تک تصور میں آسکتے ہیں)

آپ ﷺ کے وصف سے کمتر ہیں۔اور سید عالم ﷺ کی شان میں تمام مبالغے کم ہی ہیں اسی لیے ایک بلیغ شخص پر میدان نظم تنگ ہو جاتا ہے۔

اور یہ امر پایہ تحقیق تک پہنچا ہوا ہے کہ اگر کسی شخصیت کے بارے میں تمام مبالغہ آمیز تعریفیں اختیار کر لی جائیں تو پھر بھی وہ سب کی سب سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں صادق ہی آئیں گی حتی کہ سبھی شعراء سید عالم ﷺ کی صفات پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔اور آپ ﷺ کی امداح کو ہی اپنے مقصود کا موضوع بناتے ہیں۔اس کے بعد امام قسطلانی قدس سرہٗ نے سید عالم ﷺ کے بہت سے معجزات پر کلام فرمایا ہے۔

سید عالم ﷺ کے خصائص

نیز امام قسطلانی قدس سرہٗ کے فرمودہ جواہر سے کتاب کے اسی چوتھے مقصد میں ان کا یہ فرمان ہے۔

معلوم رہے کہ اللہ جل مجدہٗ میرے اور تیرے قلب وجگر کو مقدس ومنور فرمائے، اللہ تعالیٰ وتقدس نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو چند ایسی اشیاء سے مخصوص فرمایا ہے جو آپ ﷺ سے قبل کسی بھی نبی علیہ السلام کو نہ مل سکیں اور جو کوئی شئی کسی نبی محترم کی خصوصیت قرار پائی تو (اس کا ظہور سید عالم ﷺ سے اور طریقہ سے ہوا یعنی) اس شئی کی مانند سید عالم ﷺ کو بھی دی گئی (جیسے احیاء موتی وتسخیر کائنات وغیرہ)۔

(انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ) سید عالم ﷺ کو جامع کلمات دیئے گئے اور (انہیں خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ) سید عالم ﷺ اس وقت بھی پیغمبر تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز جسم وروح کے مابین تھے۔

جب کہ آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت فقط ان کے زمانہ رسالت ونبوت تک ہی محدود رہی۔اور جب سید عالم ﷺ کو یہ مرتبہ ومقام عطا کیا گیا تو اسی سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کامل،اور ہر انسان آپ ﷺ ہی سے فیض یافتہ ہے۔

اللہ جل مجدہٗ امام ادیب شرف الدین بوصیری قدس سرہٗ کے درجات بلند فرمائے انہوں نے کیا ہی عمدہ فرمایا ہے:

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا ۔۔۔ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا ۔۔۔ يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

تمام معجزے جو الوالعزم پیغمبر لائے وہ ان کو سید عالم ﷺ ہی کے نور سے حاصل ہوئے کیونکہ سید

عالم ﷺ بزرگی کے خورشید(1) تاباں ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام اس آفتاب جہاں تاب سے نور لینے والے سیارے ہیں جو لوگوں کو اپنی تابانیاں تاریکی میں دکھاتے ہیں۔

انبیاءِ سابقین کے روپوش ہونے کی وجہ

(تشریح) علامہ ابن مرزوق قدس سرہٗ نے فرمایا: کہ (مذکورۃ الصدر اشعار کا) مطلب یہ ہے کہ پیغمبران کرام علیہم السلام میں سے جس کو بھی کوئی معجزہ ملا تو وہ انہیں سید عالمیان محمد رسول اللہ ﷺ کے نور سے ہی حاصل ہوا، امام ادیب بوصیری قدس سرہٗ کا یہ مصرعہ کتنا ہی عمدہ ہے۔ "فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمٖ" (جس کا مطلب یہ ہے) کہ جب سے سید عالم ﷺ پر نور ازلی کا فیضان ہوا تو وہ اس وقت سے مسلسل آپ ﷺ کے ساتھ بلا کم وکاست ساتھ رہا اور اس سے کوئی شئے گھٹی نہیں، یہی وجہ ہے کہ سب پیغمبروں کے معجزات آپ ﷺ کے ہی نور کا پرتو تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ فضل وشرف کا آفتاب ہیں اور سب انبیاء کرام علیھم السلام اس آفتاب نبوت کے جگمگاتے ستارے ہیں۔ یعنی ظلمتوں میں لوگوں کو اپنی تابانیاں دکھانے والے یہ درخشندہ ستارے اسی آفتاب کے انوار کا مظہر ہیں۔

اور یہ امر بھی واضح ہے کہ بالذات ستارے روشن نہیں ہوتے بلکہ روشنی دینے میں یہ آفتاب کے محتاج ہوتے ہیں اور آفتاب کے چھپنے کے بعد اسی کے نور کے مظہر ہوتے ہیں۔

پس اسی طرح سید عالم ﷺ کے وجود گرامی کے ظہور سے پیشتر سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی سید عالم ﷺ کے فضل وشرف کے ہی مظہر تھے۔ یعنی سب انبیاء کرام علیہم السلام ستارہائے درخشاں کی مانند سید عالم ﷺ کے نور انور سے منور ہو کر عالم ظہور میں جگمگاتے رہے۔ اور ان حضرات سے جتنے بھی انوار و (برکات) ظہور پذیر ہوتے رہے تو وہ سب سید عالم ﷺ کے ہی نور کا فیضان اور آپ ﷺ کی وسیع مدد کا ثمرہ تھے (اسی لیے جب آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب نے طلوع اجلال فرمایا تو وہ حضرات روپوش ومخفی ہو گئے، اور علماء و اولیاء جو اس آفتاب نبوت کے ذرے ہیں چمک اٹھے کیونکہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اور ذرے چمک اٹھتے ہیں) اور اس پر طرفہ یہ کہ اس فیضان کے دینے میں کسی شئی کی کمی بھی واقع نہیں ہوئی۔

سید عالم ﷺ کے اس فیضان کا ظہور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام میں اس وقت ہوا جب کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ جل مجدہٗ نے اپنا خلیفہ منتخب فرمایا اور آپ علیہ السلام کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور آپ علیہ السلام کا یہ وصف سید عالم ﷺ کے وصف "جامع کلمات" کا مظہر ہے۔ یہی

1۔ آفتاب فضل وعظمت آپ، سیارے وہ سب — نور سیاروں کا تاریکی میں ہوتا ہے عیاں

وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے وہ تمام اسماء ان فرشتوں پر ظاہر فرما دیئے جو یہ کہتے تھے۔

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (بقرہ:30)

''یا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا''۔

پھر مسلسل زمین میں خلفاء آتے رہے یہاں تک کہ سلسلہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے جسم شریف کی صورت میں موجود ہوا تاکہ آپ ﷺ کی منزلت کا اظہار ہو پھر جب سید عالم ﷺ کا آفتاب کی طرح ظہور ہوا تو ہر ایک کا نور آپ ﷺ کے نور میں چھپ گیا اور آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات آپ ﷺ کے معجزات کے تحت گم ہوگئے اور سب کی رسالتیں آپ ﷺ کی صلبِ نبوت میں شامل ہوگئیں اور سبھی کی نبوتوں کے پرچم آپ کی رسالت کے پرچم کے تحت ہیں۔

فلم یُعۡطَ اَحدٌ مِنۡهُمۡ کَرَامَةً اَوۡ فَضِیۡلَةً اِلّاوَقَدۡ اُعۡطِیَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ مِثۡلَهَا۔(ص ۱۰)

''انبیاء علیہم السلام میں سے جس کسی کو بھی کوئی فضیلت یا کرامت دی گئی تو اس کی مثل (بلکہ اس سے دگنی) سید عالم ﷺ کو بھی عطا فرمائی گئی''۔

فضائلِ مشترکہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ کرامت دی گئی کہ اللہ جل مجدہٗ نے انہیں اپنے دستِ مبارک سے پیدا فرمایا۔

لیکن ہمارے حضور اکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو یہ کمال عطا کیا گیا کہ آپ ﷺ کا شرح صدور فرمایا اور اللہ جل مجدہٗ خود آپ ﷺ کے شرح صدور کا متولی بنا، اور صدر انور میں ایمان وحکمت کو پیدا فرمایا اور یہی خلق نبوی ہے۔

اور اس طرح اللہ جل مجدہٗ حضرت آدم علیہ السلام کے خلق وجودی کا، اور ہمارے رسول محتشم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق نبوی کا متولی ہوا۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ہمارے نبی کریم ﷺ کا جوہر نورانی تھا، اور اسی مقصود کی تخلیق کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سے سرفراز فرمایا گیا۔

تو حضور اکرم سیدنا محمد ﷺ (گویا) مقصود (تخلیق) ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ

(تخلیق) اور (یہ بات واضح ہے کہ مقصود وسیلہ سے پہلے ہوتا ہے۔)

امام فخرالدین رازی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں روایت فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مسجود ملائک ہونا اس وجہ سے تھا کہ نور محمدی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تاباں تھا۔

خیر کثیر ہے یہ فرمانے والے کے لیے۔

تَجَلَّیْتَ جَلَّ اللّٰهُ فِیْ وَجْهِ آدَمٍ   فَصَلّٰی لَهُ الْاَمْلَاکُ حِیْنَ تَوَسَّلُوْا

للّٰہ بزرگ و برتر ہے آپ نے آدم کے چہرۂ انور میں تجلی فرمائی اور جب فرشتوں نے وسیلہ پکڑا تو آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔

امام فاکہانی قدس سرہٗ سے حکایت کرتے ہوئے ابوعثمان الواعظ قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام سہل بن محمد قدس سرہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اس عظمت وشرافت سے سرفراز فرمایا ہے" اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الآیة"

میں مذکور ہے وہ اس عظمت سے کہیں بڑھ کر جامع وتام ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے میں ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے میں فرشتوں کے ساتھ شامل نہ تھا) یہ جائز نہیں کہ اللہ جل مجدہٗ بھی سجدہ کرنے میں فرشتوں کے ساتھ شامل ہو۔لیکن سید عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ہمراہ ہے۔لہٰذا ایسی شرافت وعظمت جو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور مسلمانوں کے اشتراک سے صادر ہو وہ اس شرافت سے کہیں بڑھ کر بلیغ ہے، جس کے ساتھ صرف فرشتگاں مختص ہیں(1)۔

اس کے بعد امام قسطلانی قدس سرہٗ نے کچھ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات وفضائل ذکر فرمائے ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کے مقابل، نبی اکرم ﷺ کے وہ معجزات وفضائل ذکر فرمائے ہیں جو یا تو ان کے مماثل ہیں یا ان سے بڑھ کر ہیں۔لیکن میں نے وہ فضائل اس کتاب میں اس سے پہلے حافظ ابونعیم قدس سرہٗ کے فرمودات میں ذکر کر دیئے ہیں (جو کہ "جواہر البحار" حصہ اول میں ہیں) اس لیے اب اس جگہ میں نے ان کا ذکر کرنا "مواہب" سے ضروری نہیں سمجھا۔

1۔لازماً یہ عظمت وفضیلت اور رفعت وکمال اتم، اجمع، اکمل واعلیٰ واشرف ہے۔ (مترجم)

فضائل وکرامات

امام قسطلانی قدس سرہٗ کے فرمودہ جواہر سے "مواہب لدنیہ" کے چوتھے مقصد میں ان کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے سید عالم ﷺ کے مخصوص فضائل وکرامات کا ذکر فرمایا ہے۔ (چنانچہ امام قسطلانی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا) کہ سید عالم ﷺ کے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی تخلیق کے لحاظ سے اولین پیغمبر ہیں۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام ہنوز مابین روح وجسد تھے۔ اسے امام ترمذی قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی وہ اول ہیں کہ جنہوں نے "روز الست" عہد و پیمان باندھا اور اس روز آپ ﷺ ہی نے سب سے پہلے "الست بربکم" کے جواب میں "بلٰی" (ہاں) فرمایا (یعنی اس روز آپ ﷺ ہی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار فرمانے والے ہیں۔) اسے امام ابو سہل القطان قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور جمیع عالم کی آفرینش کا مقصود اصلی آپ ﷺ ہی کا وجود اقدس ہے۔ اسے امام بیہقی قدس سرہٗ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جیسا کہ علامہ ابن عساکر قدس سرہٗ نے حضرت کعب احبار سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا اسم گرامی اللہ جل مجدہٗ نے عرش معلیٰ اور ہر ایک آسمان پر ہر ایک جنت اور ہر ایک جنتی شے پر مکتوب فرمایا ہے۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مابعد تک تمام پیغمبروں سے آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی نصرت کرنے کا عہد لیا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ (آل عمران:81)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا"۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ

السلام سے لے کر بعد تک جتنے بھی پیغمبر مبعوث فرمائے تو ان میں سے ہر ایک سے سید عالم ﷺ کی بابت یہ عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان کی نصرت و اعانت کے ساتھ ساتھ ان پر ایمان بھی لائیں۔ پھر ہر ایک رسول (اپنے اپنے وقت میں) اپنی قوم سے بھی یہ عہد لیتا تھا (کہ جب بھی نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید کریں)۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ گذشتہ تمام (آسمانی) کتابوں میں آپ ﷺ کی نسبت بشارتیں واقع ہیں۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نسب شریف میں (از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) تا حضرت آدم علیہ السلام کبھی بھی کوئی خلاف حیا شئے واقع نہیں ہوئی۔ اسے امام بیہقی قدس سرہٗ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت تمام بت سرنگوں ہو گئے (1) اسے امام خرائطی نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ، ناف بریدہ، اور غیر آلودہ، پاک و صاف تولد ہوئے، اسے امام طبرانی، امام ابن سعد قدس سرہما نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اس طرح کہ انگشتِ شہادت اٹھی ہوئی تھی اور نظر مبارک بسوئے آسمان بلند تھی اسے امام ابو نعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ بوقت ولادت آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسا نور ملاحظہ فرمایا جس سے شام کے تمام محلات روشن ہو گئے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی ماؤں نے بھی اسی طرح کے انوار ملاحظہ فرمائے۔ اسے امام الأئمہ احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔

ابن سبع قدس سرہٗ نے خصائص میں ذکر کیا کہ آپ ﷺ کے گہوارے کو فرشتے جھولایا کرتے تھے۔

ابن طغرل بیگ نے "نطق المفہوم" وغیرہ میں روایت کیا کہ مہد میں چاند آپ ﷺ سے باتیں کیا کرتا تھا اور آپ ﷺ جدھر اشارہ فرماتے چاند ادھر ہی جھک جاتا تھا (1)۔

1۔ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

ابن سبع اور علامہ واقدی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے گہوارے میں کلام فرمایا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے دھوپ میں بادل سایہ فگن رہا کرتے تھے۔ اسے امام ابو نعیم اور امام بیہقی قدس سرہما نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ کسی درخت کے نیچے قیام فرماتے تو اس کا سایہ آپ ﷺ کی طرف جھک جاتا تھا اسے امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

امام مسلم قدس سرہٗ وغیرہ (محدثین) نے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے آپ ﷺ کے صدر شریف کا شق ہونا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے ہر ہر عضو مبارک کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ کے قلب اطہر کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ (النجم:10)

"دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا"۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں بھی قلب منور کا ذکر ہے

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء:193)

"اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر"۔

اور آپ ﷺ کی زبان مبارک کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ (النجم)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے"۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (الدخان:58)

"تو ہم نے اسی قرآن کو تمہاری زبان پر آسان کیا"۔

چشم اقدس کا بیان اس ارشاد میں ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ (النجم)

"آنکھ کسی طرف نہ پھری اور نہ حد سے بڑھی"۔

---

(۱) مجدد مائتین اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے اس روایت کی کیا ہی نفیس ترجمانی فرمائی ہے

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں ، کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

چہرۂ انور کا ذکر اس آیت میں ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ (بقرہ:144)

''ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا''۔

دست اقدس اور گردن مبارک کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل:29)

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ''۔

پشت اقدس اور صدر منور کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ (انشراح)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا، اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی''۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم ''محمود'' سے آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد'' ﷺ مشتق فرمایا۔ جیسا کہ امام بخاری قدس سرہٗ نے اپنی تاریخ ''صغیر'' میں علی ابن یزید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ''ابوطالب'' (اکثر) یوں کہا کرتے تھے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عزت افزائی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم گرامی اپنے نام نامی سے نکالا ہے۔ عرش والا تو ''محمود'' ہے اور آپ ﷺ ''محمد'' ہیں ﷺ۔

نوٹ: مشہور یہ ہے کہ یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے۔

سید عالم ﷺ کا اسم گرامی ''احمد'' ﷺ بھی خصائص سے اور اس نام کے ساتھ آپ ﷺ سے قبل کوئی بھی موسوم نہ تھا۔

انہی خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ شب باشی تو بن کھائے پیئے فرماتے مگر صبح کو سیر ہوتے ہوئے تشریف فرماتے۔ (وجہ یہ ہے کہ) اللہ جل مجدہٗ آپ ﷺ کو جنتی کھانا، پینا، کھلاتا، پلاتا تھا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پسِ پشت بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کی تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جیسا

کہ دن کی روشنی میں۔ اسے امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کا لعاب مبارک کھاری پانی کو شیریں بناتا اور شیر خوار بچے کو دودھ سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ اسے امام ابونعیم قدس سرہٗ اور امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

• انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کسی پتھر پر چلتے تو آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک (کے نشان) پتھر میں نقش ہو جاتے تھے۔

انہی خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کی آواز مبارک اتنی دور تک سنائی دیتی تھی جہاں تک آپ ﷺ کے سوا کسی اور کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں تو سوتی تھیں مگر قلب اطہر بیدار رہتا تھا۔ اسے امام بخاری قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی جمائی نہیں لی (اور نہ ہی کبھی انگڑائی لی) اسے امام ابن ابی شیبہ قدس سرہٗ اور دوسروں نے روایت کیا ہے واضح رہے کہ یہ خصوصیت سب انبیاء کرام علیہم السلام میں مشترک ہے۔

بروایت امام طبرانی قدس سرہٗ سید عالم ﷺ کو کبھی بھی احتلام نہ ہوا اور نہ ہی کسی اور پیغمبر علیہ السلام کو۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ کا پسینہ مبارک مشک (وعنبر) سے زیادہ خوشبودار تھا۔

امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ جب دراز قامت لوگوں کے درمیان چلتے (یا بیٹھتے) تو ان سب سے دراز تر معلوم ہوتے تھے۔

وَلَمْ يَقَعْ لَهُ ظِلٌّ عَلَى الْاَرْضِ وَلَا رُوْئِيَ لَهُ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَلَا فِيْ قَمَرٍ۔ (ص ۱۲)

انہی خصائص سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور نہ ہی کبھی دھوپ اور چاندنی میں آپ ﷺ کا سایہ دیکھا گیا۔

امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ نے نقل فرمایا کہ آپ ﷺ کے کپڑوں پر کبھی بھی مکھی نہ بیٹھتی(1)۔

1۔ مکھی جب کپڑوں پر نہیں بیٹھ سکتی تھی تو لامحالہ جسم اقدس پر بھی نہ بیٹھتی ہوگی۔ (مترجم غفرلہٗ)

حجازی، ابن سبع، وسبتی، وغیرہ قدست اسرارہم نے نقل کیا کہ سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ مچھر آپ ﷺ کا خون مبارک نہ چوس سکتا تھا۔ اور نہ ہی جوں (کھٹمل، پسو وغیرہ) آپ ﷺ کو کوئی گزند پہنچاتے تھے۔

برکات ولادت وبعثت

سید عالم ﷺ کی بعثت کے وقت کہانت کا منقطع ہونا، اور شیاطین کا (چوری چھپے) خبریں سننے سے (باز رہنا اور) آسمانوں کا محفوظ ہو جانا اور شیاطین کا شہاب ثاقب سے مرحوم ہونا، بھی انہی خصائص میں سے ہے (جیسا کہ) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ شیاطین آسمانوں سے محجوب نہ تھے (یعنی ان کی آمدورفت جاری رہتی تھی) اور وہ آسمانوں میں گھس جاتے تھے۔ اور وہاں سے خبریں لے آکر کاہنوں کو بتادیا کرتے تھے۔ (اور پھر کاہن ان میں اپنی طرف سے جھوٹ وافتراء ملا کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے) پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو (آپ کی ولادت کی برکت سے) شیاطین کو تین آسمانوں سے روک دیا گیا۔ لیکن سید عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کی برکت سے انہیں سبھی آسمانوں سے روک دیا گیا جب بھی کوئی شیطان آسمانی باتیں چرانے کی کوشش کرتا ہے تو شہاب سے اسے مارا جاتا ہے۔ یعنی آگ کی چنگاریوں سے، اور وہ شہاب کبھی ضائع نہیں جاتا۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے لیے شب اسریٰ میں زین ولگام سے (مرصع) براق لا گیا۔ جب کہ دیگر انبیاء علیہم السلام براق کی برہنہ پشت پر ہی سوار ہوئے ہیں۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ راتوں رات آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور وہاں سے مقام اعلیٰ تک عروج دیا گیا اور (وہاں پر) اللہ جل مجدہٗ کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائی گئیں، اور معراج میں چشم اقدس کو ماسوا سے محفوظ رکھا گیا حتی کہ آنکھ مبارک نہ جھپکی اور نہ بے راہ ہوئی، اور آپ ﷺ کے لیے سب انبیاء کرام علیہم السلام کو حاضر کیا گیا پھر آپ ﷺ نے ان کی اور فرشتگان کی امامت فرمائی، اور آپ ﷺ کو جنت ودوزخ کا معائنہ کرایا گیا یہ تمام روایات امام بیہقی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہیں۔

کلام ورؤیت کی خصوصیت

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے بچشم سر اللہ جل مجدہٗ کا دیدار کیا اور اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کے لیے کلام ورؤیت دونوں کو جمع فرمایا اور ہمکلامی بھی مقام رفیع واعلیٰ میں ہوئی جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف ایک پہاڑ (یعنی طور) پر حاصل ہوا۔

معیت ملائکہ کی خصوصیت

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس جگہ سید عالم ﷺ سیر فرماتے تو فرشتے آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ نیز (یہ خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ہے کہ) فرشتوں نے آپ ﷺ کی معیت میں غزوۂ بدر و حنین میں قتال بھی کیا ہے۔

وجوب صلوٰۃ وسلام کی خصوصیت

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ ہم پر سید عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب ہے جیسا کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الخ اس کی شاہد ہے جب کہ یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ پہلی امتوں پر بھی یہ لازم تھا کہ وہ اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو کتاب عزیز دی گئی حالانکہ (یہ امر مسلم ہے کہ) آپ ﷺ امی تھے نہ تو آپ ﷺ نے کسی سے کچھ پڑھا لکھا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی مدرسہ میں گئے۔

آپ ﷺ کی کتاب کی خصوصیات

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کتاب کو تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ حالانکہ بے شمار زندیقوں، ملحدوں اور معطلہ خاص کر قرامطیوں نے اس میں تبدیلی و تغیر کی (سرتوڑ) کوشش کی مگر اس کتاب کے نور میں سے کسی شئے کے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کے احکام میں سے کسی کلمہ میں تغیر پیدا کر سکے۔ اور نہ ہی اس کے حرف میں سے کسی حروف کے بارے میں مسلمانوں کے اندر اشتباہ پیدا کر سکے جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حم سجدہ:42)

"باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے"۔

(نیز) سید عالم ﷺ کی کتاب (عزیز) ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے جن پر تمام آسمانی کتابیں تھیں، اور یہ گزرے ہوئے زمانوں کی خبروں، گذشتہ مٹی ہوئی امتوں کی حالتوں، اور ان احکام و شرائع کی جامع ہے جن کا آج کل نام و نشان تک نہیں اور اہل کتاب کے علماء میں سے صرف چند ایک ہی ایسے ہیں جنہوں نے پڑھنے پڑھانے میں ساری عمریں ختم کر کے ان کا تھوڑا بہت حال معلوم کیا ہو۔ (ورنہ اہل کتاب کی اکثریت، علوم الٰہیہ، اور شرائع سابقہ سے نابلد تھی) اور اللہ تعالیٰ نے اس کے سمجھنے والے کے لیے بھی اس کو قریب الفہم بنا دیا ہے۔ (بشرطیکہ عربی سمجھنے کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھتا ہو) جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (قمر:32)

''اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے''۔

یعنی قرآن کریم حفظ کے لحاظ سے آسان کیا گیا ہے) جب کہ دوسری امتوں میں سے کوئی ایک بھی اپنی کتاب کو حفظ نہ کرسکا چہ جائے کہ ایک جم غفیر یاد کرے، برسہا برس گذرنے کے باوجود آج بھی قرآن کریم بچوں (جوانوں، بوڑھوں) تک کو اس قدر آسان ہے کہ تھوڑی(1) سی مدت میں حفظ کر لیتے ہیں۔

نیز ہماری آسانی اور سہولت کے لیے اور ہماری شرافت وشفقت کی خاطر اور ہماری عزت افزائی کے لیے اسے ''سات حروف'' پر نازل کیا گیا۔

قرآن کریم (کی ہی خصوصیت ہے کہ یہ) ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے اور یہ تا ابد رہے گا۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی کتاب کی حفاظت ونگہداشت کی ذمہ داری خود اللہ جل مجدہٗ نے اپنے ذمہ لی ہے جیسا کہ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (حجر:9)

''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

مطلب یہ کہ تحریف یا کمی بیشی سے اس کی محافظت فرمائی گئی ہے۔

قرآن کریم کی صفت میں اس کی نظیر اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم سجدہ:42)

باطل کو اس طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، (یعنی کسی طرح اور کسی جہت سے بھی باطل اس تک راہ نہیں پا سکتا، اور تغیر وتبدل وکمی وزیادتی سے محفوظ ہے، شیطان اس میں تصرف کی قدرت نہیں رکھتا)۔

اور اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد گرامی:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (نساء:82)

''اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے''۔

1۔ فقیر مترجم غفرلہٗ نے حضرت عارف باللہ سیدی ابو البرکات سید احمد قادری قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن ہشام نامی ایک بزرگ ''شام'' میں ہو گزرے ہیں جنھوں نے صرف ''تین دن'' کے اندر قرآن کریم حفظ کیا۔ نیز مجدد ملت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رضی اللہ عنہ نے صرف ''ایک ماہ'' کے اندر قرآن کریم حفظ فرمایا ہے۔ نیز فقیر مترجم غفرلہٗ نے بتائید ایزدی صرف ''چھ ماہ ستائیس'' دن میں قرآن عزیز حفظ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

محافظت قرآن کی کیفیت

قرآن کریم کی محافظت کی کیفیت میں محققین کا اختلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ قرآن کریم کی محافظت کے لیے اسے انسان کے کلام سے بالکل مباین ومعجز بیان کیا گیا ہے تا کہ لوگ اس میں کمی بیشی سے عاجز رہیں۔یہاں تک کہ اگر کوئی ذرہ برابر بھی اس میں زیادتی یا کمی کرتا ہے تو قرآن کریم کا نظم (واسلوب فوراً) بدل جاتا ہے جس سے ہر ایک سمجھ دار پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کلمہ قرآن کریم کا نہیں ہے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ لوگ قرآن کریم سے کسی قسم کا فتور پیدا کرنے،اور اس کے ابطال سے عاجز ہیں بلکہ اختتام دنیا تک لوگوں میں ایک جماعت ہمیشہ اس کی تدریس وحفاظت پر کمر بستہ رہے گی(1)۔

اور بعض فرماتے ہیں (اس کا حفظ کرنا بھی اسباب حفاظت میں سے ہے) کہ اگر کوئی اس کے کسی حرف اور نقطہ میں بھی تبدیلی کرتا ہے تو اہل دنیا فوراً پکار اٹھتے ہیں کہ غلط ہے۔حتیٰ کہ اگر کوئی بارعب بزرگ بھی ایک حرف یا ایک نقطہ تک میں تبدیلی وکمی بیشی کر دے تو بچے تک اس کی غلطی کو پکڑ لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں اے شیخ تو نے غلط کہا ہے اور صحیح اس طرح ہے (اسی لیے) اس کی مثل دوسری کتابوں میں ایسی کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔بلکہ ایسی سابقہ کوئی کتاب ہے ہی نہیں کہ جس میں تصحیف وتحریف و تغیر موجود نہ ہو (تو غلطی کا پکڑنا کجا) جب کہ قرآن عزیز کو اللہ تعالیٰ نے ان آفات سے محفوظ فرما دیا ہے۔باوجودیکہ یہودیوں،عیسائیوں،اور دیگر بے دینوں نے اس کے ابطال وفتور میں کوششِ بیسار و سعی بلیغ کی ہے۔اور اب جب کہ ۸۹۸ھ سال گذر چکے ہیں یعنی ''مؤلف مواہب'' امام قسطلانی قدس سرہٗ کے وقت تک اور اب جب کہ ۱۳۲۵ھ سال گذر چکے ہیں(2)۔مگر قرآن کریم الحمدللہ حفظ و حفاظت میں (دن بدن) ترقی وزیادتی پر ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو آیت الکرسی،سورۂ فاتحہ،سبع طوال،اور مفصل سورتوں کے ساتھ مخصوص فرمایا۔جیسا کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ روایت موجود ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں جو عرش کے خزانوں میں سے (ایک خزانہ) ہیں۔ان کے ساتھ میں ہی مخصوص ہوں کسی اور پیغمبر کو اس کی

1۔جیسے علماء ومشائخ اہل سنت کی جماعتِ کثیرہ

2۔یعنی مولف ''جواہر البحار'' امام نبہانی قدس سرہٗ کے وقت تک،اور اب ۱۴۲۰ھ سال ہورہے ہیں مگر قرآن کریم کی آن وشان میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔(مترجم غفرلہٗ)

مثل نہیں دی گئیں اور مجھے ''تورات'' کے قائم مقام ''سبع مثانی'' اور ''انجیل'' کے قائم مقام دوسو آیتوں والی سورتیں، اور ''حوامیم'' ''زبور'' کے قائم مقام دی گئیں۔ اور مفصل سورتوں کے ساتھ مجھے برتری دی گئی۔ اسے امام ابونعیم قدس سرہٗ نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔

اور ''ام القرآن'' یعنی سورۂ فاتحہ یہی ''سبع مثانی'' ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام بخاری قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو (تمام) خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں۔ بعض (آئمہ) نے فرمایا کہ خزائن سے مراد اجناس عالم ہیں۔ (کہ تمام رزق آپ ﷺ کے دست اقتدار کے سپرد فرمایا اور ظاہر و باطن کی تربیت وقوت آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی۔) جس طرح غیب کی کنجیاں علم الٰہی کے دستِ قدرت میں ہیں کہ ذاتی علم غیب اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی طرح ان کے رزق وقسمت کے خزانے حضور سید عالم ﷺ کے دستِ مبارک میں عطا فرمائے۔ اس لیے کہ اللہ جل مجدہٗ نے قانون یہ بنا دیا ہے۔ کہ جسے جو بھی ملے گا وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی ملے گا جن کے دست اقدس میں اجناس عالم کے خزائن ہیں۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو جامع کلمات دیئے گئے۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اسی لیے آپ ﷺ کی شریعت سب لوگوں کو شامل ہے پس جو بھی آپ ﷺ کے بارے میں سنے گا تو اس کے لیے آپ ﷺ پر ایمان لانا واجب ہوگا یہی وجہ ہے کہ جب جنات نے قرآن کریم کی تلاوت ہوتے ہوئے سنا تو فوراً بول اٹھے:

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف:31)

''اے ہماری قوم اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ''۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی شریعت جن وانس سب کے لیے عام ہے (یعنی آپ ﷺ رسول ثقلین ہیں) اور اسی طرح آپ ﷺ کی وہ رحمت ''کہ جس کے ساتھ آپ ﷺ سارے عالم کی طرف بھیجے گئے ہیں'' بھی عام ہے۔ اس لیے جو آپ ﷺ کی رحمت سے کوئی حصہ نہ پائے تو وہ اس کا اپنا قصور ہوگا اور یہ قابل کی جہتِ قابلیت پر محمول ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی، کہ ان کی کرنیں زمین پر ہی پڑتی ہیں۔ (مگر) اب جو آدمی آفتاب کی روشنی سے کسی کنویں یا کسی سایۂ دیوار میں چھپ جائے تو (یہ امر اسی پر محمول کیا جائے گا) کہ اس شخص نے اپنے خورشید جہانتاب کی کرنوں کو قبول نہیں کیا اور اس

کے نور سے اعراض کیا ہے لہٰذا اس کے اس طرزِ عمل سے آفتاب پر کوئی اعتراض لازم نہیں آئے گا۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو ایک ماہ کی مسافت میں، رعب (ودبدبہ و خوف و ہیبت) سے مدد فرمائی گئی۔ اور (یہ بھی واضح رہے کہ) مہینہ نام ہے حرکت قمر کی اس مقدار کا جو فلکِ محیط کے درجات کو شامل ہو۔ جب کہ سید عالم ﷺ اپنے دشمنوں کے دلوں میں "اپنے عموم رعب کی وجہ سے" قطعِ مسافت کے اعتبار سے قطع منازلِ قمر سے بڑھ کر کہیں تیز رفتار ہیں۔

إِنَّمَا جُعِلَتِ الْغَايَةُ شَهْراً اِلاَّ نَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ بَلَدِهٖ عَلَيْهِ اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ وَبَيْنَ اَحَدٍ مِنْ اَعْدَائِهٖ اَكْثَرَ مِنْ شَهْرٍ۔ (ص ۱۴)

ایک ماہ کی مسافت تک مدد کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے شہر مقدس اور آپ ﷺ کے اعداء کے شہروں کی مسافت ایک ماہ سے زیادہ نہ تھی۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے غنائم کو حلال فرمایا گیا حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے بھی غنائم حلال نہ تھیں۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور ذریعہ طہارت (اس سے تیمم مراد ہے) بنادی گئی، یعنی ہر جگہ نماز ادا کرنا درست ہے اور کسی خاص جگہ کو سجدہ کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔

اور حضرت عمرو بن شعیب قدس سرہٗ کی روایت کے یہ الفاظ زائد ہیں۔

وَكَانَ مِنْ قَبْلِي إِنَّمَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْ كَنَائِسِهِمْ۔

"اور مجھ سے پہلے لوگ اپنے اپنے کلیساؤں میں نماز پڑھا کرتے تھے"۔

دائمی معجزہ

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے جو قیامت تک رہے گا جب کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزے وقتی تھے۔ (جو ان کی حیات دنیوی تک رہے) اور پھر ختم ہو گئے اب ان کے معجزات صرف روایات میں باقی رہ گئے ہیں (وہ بھی اگر قران کریم تصدیق نہ کرتا تو اخبار و سیر میں بھی ان کا وجود ناپید ہوتا) جب کہ قرآن کریم ایک ایسا (سراپا) معجزہ ہے کہ جس کی حجت قاہرہ اور معارضۂ ممتنعہ ہمیشہ تک ہے۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے معجزات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے بڑھ کر تھے۔ قاضی عیاض مالکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید عالم ﷺ کے معجزات کا اکثر

ہونا (اظہر واشہر ہے اور اس پر دلیل) یہ قرآن کریم ہے جو سراسر معجزہ ہے اور اس میں کم از کم جو اعجاز ہے وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۂ کوثر اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① ہے یا اس کی مقدار کوئی اور آیت اب جائے غور ہے کہ قرآن کریم میں ستتر ہزار سے کچھ اوپر کلمے ہیں پس اگر سورۂ کوثر کی مقدار کلمات قرآن کریم کے اجزا بنائے جائیں تو قریبا سات ہزار ہوں گے جن میں سے ہر ایک جزئی نفسہ معجزہ ہوگا پھر اگر اس کی بلاغت اور اس کا اسلوب و اخبار غیب وغیرہا، وجوہ اعجاز پر غور کیا جائے تو سات ہزار کی تصعیف ہو جائے گی تو پھر حساب کر لیا جائے کہ ایک قرآن کریم میں کتنے معجزے ہوں گے لہٰذا براہین واعداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر حاوی نہیں ہو سکتے (اور نہ ہی ان کے افراد کا احاطہ انسانی طاقت سے ہو سکتا ہے)۔

انہی خصائص میں سے، چاند کا پھٹنا، پتھروں کا سلام کرنا، اور ستنے کا فراق میں گریہ کرنا ہے۔ جیسا کہ ابن عبد السلام قدس سرہٗ وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹنا بھی خصائص سے ہے اور اس کی مثل اور انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے لیے بھی ثبوت نہیں ہے۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں و رسولوں علیہم السلام کے خاتم ہیں (یعنی آخری ہیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت دائمی ہے جو قیامت تک رہے گی اور دوسرے سارے نبیوں کی شرائع کی ناسخ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں سے زیادہ ہے۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان سب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واجب ہوتی۔

جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرسل ہونا بالاتفاق خصائص سے ہے۔

دو قولوں میں سے ایک کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتوں کے بھی رسول ہیں اور امام سبکی قدس سرہٗ نے اسی کی ترجیح دی ہے۔ (اور وجہ ترجیح میں یہ آیت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ① (فرقان:1)

''بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا''۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں ''عبد'' سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی

ہے، اور ماسویٰ اللہ عالم ہے جو تمام مکلفین کو شامل ہے لہٰذا اس میں جن وانس اور فرشتے سبھی داخل ہیں۔(اس لیے آپ ﷺ رسول الثقلین کے علاوہ رسول الملائکہ بھی ہیں۔)

اور انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے(مثلاً) یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا داؤد، یا زکریا، یا یحییٰ، یا عیسیٰ (علیہم السلام وغیرہم) مگر سید عالم ﷺ کو (کنایہ سے خطاب فرمایا) اس طرح خطاب نہ فرمایا (بلکہ یوں خطاب فرمایا ہے) یا ایہا الرسول، یَآاَیُّهَا النَّبِیُّ، یَآاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یَآاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﷺ۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ امت پر آپ ﷺ کا اسم گرامی لے کر پکارنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (نور:63)

''مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو''۔

یعنی سید عالم ﷺ کو اس طرح نام لے کر (مثلاً یا محمد ﷺ) مت بلاؤ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو مکانوں کے پیچھے سے بلند آواز سے پکارتے ہو۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، یَا نَبِیَّ اللّٰهِ، مَعَ التَّوْقِیْرِ وَالتَّوَاضُعِ وَخَفْضِ الصَّوْتِ۔(ص ۱۵)

بلکہ (آپ ﷺ کو کسی صفتی نام سے پکارو اور یوں) کہو ''یارسول اللہ'' یا نبی اللہ'' (یا حبیب اللہ'' وغیرہ) صلے اللہ علیہ وسلم، (نہایت) ادب وانکساری اور نیچی آواز سے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ سے بلند آواز سے گفتگو کرنا حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ (حجرات:2)

''اے اہل ایمان! اپنی آواز پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو''۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ جب اللہ جل مجدہٗ کا ارشاد لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

نازل ہوا تو حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس قدر آہستہ کلام فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کوئی اپنے محرم راز سے سرگوشی کر رہا ہو۔

اور مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ کلام عرض کیا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنا پڑتا تھا اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو حجرۂ مبارکہ کے باہر سے آواز دینا بھی حرام تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔(الحجرات)

کیونکہ عقلاً حسن ادب اور مراعات حشمت کا مقتضیٰ یہی ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کے حبیب ہیں اور محبت و خلت (کلام ورویت) کے جامع ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید عالم ﷺ کی زندگانی و رسالت اور آپ ﷺ کے زمانے اور شہر کی قسم فرمائی ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ سے وحی کی تمام اقسام کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

هبوط اسرافیل علیہ السلام

اورنہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام سید عالم ﷺ کے حضور نیچے آئے حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی بھی پیغمبر کے پاس نہ آئے تھے۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس آسمان سے وہ فرشتہ آیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے پاس نہ آیا تھا اور نہ میرے بعد آئندہ کسی کے پاس آئے گا۔'' اور وہ فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں'' پھر انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کے پروردگار کا آپ ﷺ کی طرف فرستادہ ہوں، اس نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ (میں آپ ﷺ کو اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے یہ بتادوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں آپ ﷺ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نبوت کے ساتھ عبدیت اپنائیں یا نبوت کے ساتھ بادشاہت پسند کریں پھر میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف (بطور مشورہ لینے کے) دیکھا تو انہوں نے مجھے متواضع رہنے کا اشارہ کیا پس اگر میں کہہ دیتا کہ

میں نبی و بادشاہ بن کر رہنا چاہتا ہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ہمراہ چلا کرتے(1)۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ قیامت کے دن تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں۔(جیسا کہ) امام مسلم قدس سرہٗ نے بروایت حضرت ابو ہریرہ "اَنَاسَیِّدُوُلْدِآدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام ترمذی قدس سرہ نے بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کیا کہ فرمایا:

اَنَاسَیِّدُوُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخرَ،وَبِیَدِیْ لِوَآُالْحَمْدِ وَلَا فَخرَ۔

"میں قیامت کے روز اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا، اور یہ فخر نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں حمد کا پرچم ہوگا، اور یہ فخر نہیں"۔

اور یہ اس لیے فرمایا تاکہ سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو سیادت وفضیلت کرامۃً حاصل ہے اللہ تعالیٰ اس نعمت کو بیان فرمادے،(نیز اس میں) امت کے لیے بھی اطلاع ہے کہ وہ آپ ﷺ کے حسب و مرتبہ پر ایمان رکھے۔اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا "ولا فخر" یعنی میری یہ خصلت اپنی حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ یہ فضل و کرامت اللہ جل مجدہٗ کی جانب سے ہے میں اسے از خود نہ پاؤں گا، اور نہ ہی ایسی قوت از خود مجھے حاصل ہوگی کہ جس پر میں فخر کرسکوں۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے طفیل تمام اولین و آخرین کے ذنوب کو بخشا۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ سید عالم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ اللہ جل مجدہٗ نے (دنیا میں) آپ ﷺ کو آمرزش کی خبر دے دی جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی اور کے لیے اس قسم کی بشارت منقول نہیں ہے۔اس پر دلیل، ان حضرات کا محشر میں نفسی نفسی کہنا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے "سورۂ فتح" کی اس آیت مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ کی تفسیر میں فرمایا اس وصف میں سید عالم ﷺ کے ساتھ اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہے (یعنی اس وصف میں آپ ﷺ کی ذات گرامی منفرد ہے)۔

امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام بیہقی قدست اسرارہم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ

1۔ یہاں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اتنا اور تحریر فرمایا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ایک یا دو بار ہی نہیں آئے بلکہ وہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس مبارک کے ہمیشہ حاضر باشیوں میں سے تھے (مدارج شریف) (مترجم غفرلہٗ)

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

بے شک اللہ جل مجدہٗ نے سید عالم ﷺ کو تمام آسمان والوں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری عطا فرمائی ہے۔ (حاضرین جن سے آپ رضی اللہ عنہ ہمکلام تھے) بولے! آسمان والوں پر آپ ﷺ کی برتری کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (وہ یوں کہ) آسمان والوں کے لیے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ (انبیاء:29)

''ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا سنادیں گے''۔

جبکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:1)

''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

جس میں آپ ﷺ کے لیے برأت کا اعلان فرمادیا۔

(حاضرین پھر) بولے! انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ ﷺ کی فوقیت کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم:4)

''اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا''۔

(یعنی ان کی رسالت عالمگیر نہ تھی، بلکہ مخصوص قوم اور مخصوص بستی کی طرف ہوا کرتی تھی۔)

اور سید عالم ﷺ کی نسبت فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے (جس میں واضح فرمادیا کہ آپ ﷺ کی رسالت و بعثت عالمگیر ہے۔)

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اللہ جل مجدہٗ کے نزدیک اکرم الخلق (علی الاطلاق) ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں اور مقرب فرشتوں (اور کل ملائک) سے افضل ہیں۔

امام مسلم قدس سرہٗ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے قرین (یعنی ہمزاد) کا اسلام لے آنا بھی انہیں خصائص میں سے ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے (بر تقدیر تسلیم وقوع) خطا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اسے ابن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما اور ''ماوردی'' قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا کہ (امور اجتہادی میں) نسیان بھی جائز نہیں ''شرح مسلم'' میں امام نووی قدس سرہٗ نے اسے بیان کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قبر میں میت سے حضور اکرم ﷺ کی نسبت سوال ہوتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رہا فتنۂ قبر! تو وہ میری ہی بابت آزمائش و پرسش ہوگی۔ پس جب مرد صالح کو اس کی قبر میں بٹھایا جائے گا تو پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوئے کون ہیں؟ تو وہ کہے گا یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

''الحدیث'' اسے امام الآئمہ احمد و امام بیہقی قدس سرہما نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب:6)

''اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

یعنی حرمت میں وہ ماؤں کی طرح ہیں امت پر آپ ﷺ کے بعد ان سے نکاح حرام قرار دیا گیا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی تکریم و خصوصیت کے سبب سے ہے اور اس لیے بھی کہ ازواج مطہرات آخرت میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ازواج مطہرات کی حرمت کا سبب، آپ ﷺ کا قبر شریف میں زندہ ہونا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے وہ بھی ہے جسے ابن عبد السلام قدس سرہما نے شمار کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم حضور ﷺ کے ساتھ کھائی جائے جب کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں۔ ابن عبد السلام قدس سرہما نے فرمایا، لازم ہے کہ یہ جواز صرف حضور اکرم ﷺ سے ہی مخصوص، اور آپ ﷺ سے ہی مقصود ہو کیونکہ آپ ﷺ جمیع اولاد آدم علیہ السلام کے سردار

ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی قسم دوسرے انبیاء کرام، اور فرشتگاں، اور اولیاء عظام کے ساتھ کھانا روا نہیں۔
کیونکہ ان میں سے اور کوئی بھی آپ ﷺ کے درجے میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جواز آپ ﷺ کے علو مرتبہ و درجہ کی وجہ سے آپ ﷺ سے ہی مخصوص ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی صاحب زادیوں کی اولاد کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے۔

حضرت امام حسن کے بارے میں سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے "اِنَّ اِبْنِی هٰذَا سَیِّدٌ" بے شک میرا یہ فرزند سید ہے"۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک کا سبب و نسب غیر مفید ہوگا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِيْ۔

"میرے سبب و نسب کے سوا قیامت کے دن ہر ایک کا سبب و نسب ختم ہو جائے گا"۔

(واضح رہے کہ) نسب سے اولاد مراد ہے اور سبب سے سسرالی رشتہ مراد ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس محراب کی طرف حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھی اس میں اجتہاد سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس نے سید عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے یقیناً بلا شک وشبہ آپ ﷺ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان آپ ﷺ کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ۔

جس نے مجھے بحالت خواب میں دیکھا ہے: عنقریب مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا۔

اس کے بعد امام قسطلانی قدس سرہٗ نے "مواہب" میں سید عالم ﷺ کی بحالت بیداری و خواب کی رویئت پر لمبا چوڑا کلام کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے اسم گرامی پر نام رکھنا، مبارک اور دنیا و آخرت میں سودمند ہے۔

(جیسا کہ) ہم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) دو بندے بارگاہ ایزدی تعالیٰ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جب اللہ جل مجدہٗ انہیں جنت میں داخل فرمانے کا حکم فرمائے گا، تو وہ دونوں عرض کریں گے اے پروردگار! ہمیں جنت کا مستحق کس چیز نے بنایا؟ جبکہ استحقاق جنت کے لیے ہم نے کوئی عمل خیر نہیں کیا۔ اس پر اللہ جل شانہ، فرمائے گا تم داخل جنت ہو جاؤ اس لیے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہوئی ہے کہ جس شخص کا نام "احمد" اور "محمد" (ﷺ) ہوگا اسے دوزخ میں داخل نہیں کروں گا۔

سید عالم ﷺ کی کنیت ابوالقاسم "ﷺ" پر کنیت رکھنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں اس کا نام محمد ہو یا کوئی اور۔

اور بعض آئمہ کرام نے اسم مبارک اور آپ ﷺ کی کنیت دونوں کو اکٹھا کر کے نام رکھنے کو مکروہ خیال کیا ہے اور ایک ایک کر کے رکھنے کو جائز کہا ہے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں کئی مذہب ہیں۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے مطلقاً ممنوع فرمایا ہے۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے مطلقاً جائز فرمایا ہے۔

اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم نام رکھنا اس شخص کے لیے جائز ہے جس کا نام محمد نہیں۔

اور جو حضرات مطلقا جائز کہتے ہیں وہ ممانعت کو (حیات طیبہ کی حالت کے ساتھ) مخصوص مانتے ہیں۔

حدیث رسول اللہ ﷺ، پڑھنے پڑھانے اور سننے کے آداب

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ پڑھتے وقت (غسل کرنا) خوشبو استعمال میں لانا مستحب ہے۔ نیز حدیث رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے وقت آواز کو بلند نہ کیا جائے بلکہ پست رکھا جائے جس طرح کہ حیات طیبہ میں جب گفتگو ہوتی تو آواز پست رکھی جاتی تھی۔ اور حدیث رسول اکرم ﷺ کے آداب قرات میں سے یہ ہے کہ اونچی جگہ پر پڑھی جائے۔

قرأت حدیث کے لیے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

ہم نے حضرت مطرت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے روایت فرمایا جب لوگ حضرت امام مالک کے پاس آتے تو آپ رضی اللہ عنہ پہلے نوکرانی کو باہر بھیج کر دریافت کرواتے کہ شیخ سے کیا (پوچھنا) چاہتے ہو؟ آیا حدیث شریف یا مسائل (شرعیہ)؟ اگر آنے والے مسائل کہتے تو فوراً

باہر تشریف لے آتے (اور انہیں مسائل تعلیم فرمادیتے) اور اگر لوگ حدیث شریف سننے کی استدعا کرتے تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ غسل خانے میں جا کر غسل فرماتے، نیا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے، سر پر عمامہ باندھتے، چادر اوڑھتے، کرسی بچھائی جاتی، پھر آپ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے اور کرسی پر جلوس فرماتے، اور خشوع و وقار کے ساتھ حدیث مبارک پڑھتے، اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے فراغت تک مسلسل ''عود'' کی دھونی لگتی رہتی۔ (اور آپ کے ادب کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ) حدیث شریف پڑھانے کے سوا آپ کرسی پر نہ بیٹھا کرتے تھے۔

ابن ابی اویس قدس سرہٗ نے فرمایا اس بارے میں جب آپ سے کہا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مجھے بہت پسند ہے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی عظمت برقرار رہے۔ اسی لیے میں باوضو اور باوقار طریقہ سے حدیث بیان کرتا ہوں۔

کہا گیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ادب کا یہ طریقہ حضرت سعید بن مسیّب سے اخذ فرمایا ہے۔

حضرت قتادہ، اور حضرت مالک اور بزرگوں کی ایک اور جماعت بے وضو قرأت حدیث کو مکروہ جانا کرتے تھے۔

اور حضرت امام اعمش کی تو یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ بے وضو ہو جاتے تو تیمم کر لیتے تھے۔

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضور سید عالم ﷺ کے ذکر پاک، حدیث پاک، اسم گرامی، اور آپ ﷺ کی سیرت پاک کے سننے کے وقت ویسا ہی احترام، تعظیم اور توقیر لازم ہے جیسی کہ آپ ﷺ کی مجلس مبارک کی حاضری میں تھی۔

قرأت حدیث شریف کے وقت کسی کے لیے (بطور تعظیم) کھڑا ہونا، مکروہ ہے۔

امام ابن الحاج قدس سرہٗ نے ''المدخل'' میں فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ اس میں حضور انور ﷺ کے آداب و احترام پر دوسرے کو ترجیح ملتی ہے اور یہ کہ غیر کی طرف توجہ کرنے سے آپ ﷺ کی حدیث شریف میں رکاوٹ لازم آتی ہے جو کہ قلت ادب و احترام کی مشعر ہے۔ خاص کر بدعتی (اور فاسق و فاجر) کے لیے قیام (سخت ہی) سوئے ادبی ہے جبکہ سلف صالحین کی یہ عادت تھی کہ احترام حدیث نبوی ﷺ کی خاطر نہ تو حدیث شریف چھوڑتے، اور نہ ہی کسی قسم کی حرکت کیا کرتے تھے حتی کہ اگر ان کے جسم پر کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو وہ اس تکلیف رسی پر مکمل تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے۔

بے مثل ادب کی ایک نادر مثال

اور تیرے لیے امام الآئمہ مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی کافی ہے جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم

شریف پر (قرأت حدیث کے دوران) سترہ مرتبہ بچھو نے ڈنگ مارا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے جنبش تک نہ فرمائی اور حدیثِ رسول کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی خاطر بچھو کے کاٹنے کی تکلیف کو برداشت فرماتے رہے۔ حالانکہ (شرعاً) آپ معذور تھے، اگر دوران قرأت جنبش فرما بھی لیتے تو کوئی حرج نہ تھی، مگر توقیر حدیث نبوی ﷺ کی خاطر آپ (برابر) صبر وتحمل فرماتے رہے۔

آپ سے (اسی سے یہ بھی واضح ہوا کہ ان حضرت سے) یہ کیسے متصور ہوسکتا تھا کہ بلاضرورت یا کسی مبتدع کے لیے قیام فرماتے، یا کسی مبتدع کے لیے قطع حدیث کرتے ہوئے کوئی حرکت کرتے خصوصاً جب کہ غیر معتاد اور غیر مناسب کلام کی صورت حال پیش نظر ہوتی۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس شخص نے ایک لمحہ کے لئے بھی سید عالم ﷺ سے ملاقات کی (یا آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھ گیا) تو اس کے لیے (شرف) صحابیت ثابت ہے(1) بخلاف تابعی کے کہ اس کی تابعیت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک کہ وہ عرصہ دراز تک مصاحبت اختیار نہ کرے، اہل اصول کے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ اور یہ فرق اس لیے ہے تاکہ منصب نبوت کی عظمت ونورانیت کا امتیاز برقرار رہے یہی وجہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی صرف ایک نگاہ پاک اگر اجڈ اعرابی پر پڑ جائے تو (اس کی تاثیر یہ ہے کہ) وہ حکمت ودانائی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

محدثین کی خصوصیت

سید عالم ﷺ کے انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حدیث شریف پڑھانے والوں کے چہرے ہمیشہ چمکتے دمکتے رہیں گے(2)۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصیت

سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ (جیسا کہ) کتاب وسنت کی ظاہر نصوص ان کے عدل پر شاہد (عادل) ہیں اسی لیے ان کی عدالت میں کسی اور کے بارے میں بھی کسی طرح کی بھی بحث وتمحیص نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث شریف کے دیگر رواۃ کی بابت ہر ایک کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ جس طرح اللہ جل مجدہٗ نے

1۔ جب کہ عرف وعادت میں عرصہ دراز تک ہم نشینی اختیار کرنے کو مصاحبت کہتے ہیں مگر یہاں ایک نظر بھی میسر آجائے تو صحابیت حاصل ہوجاتی ہے۔ مترجم غفرلہ

2۔ جیسے حضرت جیلانی میاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ اور حضرت محدث اعظم سیدی سردار احمد صاحب قدس سرہٗ اس خصوصیت کی زندہ مثال تھے۔ یہی حال اہل سنت کے دیگر محدثین کا بھی ہے۔ (مترجم غفرلہ)

اس وقت کے موجودین سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (بقرہ:143)

اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں سے افضل (اس آیت میں) "وسطاً" بمعنی "عدولاً" (یعنی عادل) ہے۔

نیز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُ کُمْ، مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نِصْفَهٗ۔

میرے صحابہ کو برا مت کہو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد (جو) بلکہ نصف مد کی بھی (ثواب میں) برابری نہ کر سکے گا۔

نیز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔ پھر وہ جو ان سے متصل ہیں" (1)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عدالت پر بہت سی آیات (قرآنیہ) اور کثیر احادیث (نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دال ہیں اسی لیے (اہل سنت و جماعت کا) تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے پر اجماع (اتفاق) ہے اگرچہ ان میں سے بعض پر فتنوں وغیرہ میں ابتدا کی نسبت ہے مگر پھر بھی ان کے بارہ میں حسن ظن رکھنا واجب ہے کیونکہ شورشیں اور فتنے، ان کے اجتہاد و تاویل میں خطا واقع ہونے کی بنا پر ہوئے ہوں گے (2)۔

کیونکہ ان حضرات کا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر (ونواہی) کو غایت درجہ بجالانے، ممالک کے فتح کرنے، اور (وہاں کے) باشندوں میں کتاب و سنت (کی روشنی) پھیلانے، اور لوگوں کو احکام پہنچانے، اور ہدایت کرنے، اور نماز و روزہ و زکوٰۃ اور دیگر عبادات وغیرہ میں ہمیشہ مشغول رہنے میں کوئی اشتباہ نہیں پایا جاتا۔

نیز حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں جرأت و شجاعت، جود و کرم، اور ستودہ اخلاق کے ایسے عمدہ

1۔ یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام، و تبع تابعین علام رضی اللہ عنہم کے زمانے (مترجم)

2۔ اور مجتہد، غلطی بھی لائق ثواب ہوتا ہے۔ ورنہ ان کے فضائل و برکات اور کرامات و کمالات میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم غفرلہ)

صفات تھے جو گذشتہ امتوں میں سے کسی بھی امتی کو حاصل نہ تھے۔ (جب پہلے والے نہ تھے) تو ان کے بعد والوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے (مذکورہ صفات میں) کسی مرتبہ و مقام تک نہیں پہنچ سکتا(1)۔

اور یہ سب خوبیاں صرف اور صرف سید عالم ﷺ کی ایک نظر مبارک کی بدولت تھیں۔

انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ نمازی (تشہد میں) حضور انور ﷺ سے یوں خطاب کرتا ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" جب کہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور (بحالت نماز) اس طرح خطاب نہیں کر سکتا (اگر کرے گا تو نماز جاتی رہے گی)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس شخص کو حضور اکرم ﷺ پکاریں تو اس پر آپ ﷺ کو جواب دینا واجب ہے خواہ وہ نماز میں ہی ہو۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنا (یعنی غلط اور من گھڑت روایت آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا) ایسا نہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے غیر پر ہے۔ بلکہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا عظیم ترین بدی، اور گناہ کبیرہ ہے۔

بعضوں کے نزدیک سید عالم ﷺ پر (عمداً) جھوٹ باندھنا کفر ہے، اور اس کی توبہ غیر مقبول ہے (البتہ) نووی قدس سرہٗ نے اس کی قبولیت توبہ کو صحیح مانا ہے (اور آپ کے نزدیک) ایسا شخص اس وقت تک کافر نہیں ہوتا، جب تک کہ اسے حلال نہ جانے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ پر دیوانگی اور طویل بے ہوشی کی نسبت جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ (منجملہ) نقائص ہیں۔

اور اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی یہ جائز نہیں (جیسا کہ) حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ ان کی آنکھیں تو محو خواب ہوتی ہیں نہ کہ ان کے دل۔ جب ان کے دلوں کو نیند سے" جو کہ بے ہوشی سے بہت ہی خفیف تر ہے" محفوظ و معصوم رکھا گیا ہے تو بے ہوشی سے بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے۔

علامہ سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نابینائی کی نسبت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا ہونا بھی عیب ہے اور کوئی بھی پیغمبر کبھی بھی نابینا نہیں ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا کہ وہ نابینا تھے سو وہ ثابت نہیں ہے(2)۔

رہے حضرت یعقوب علیہ السلام تو ان کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا (جس نے روشنی کو ڈھانپ لیا

1۔ اسی لیے جمہور آئمہ کا مسلک یہ ہے، جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خیار امت، اور افاضل ملت ہیں لہٰذا بعد والے ان کے کمالات علمی و عملی میں کسی طرح بھی ان پر فوقیت و برتری نہیں لے سکتے۔ (مترجم غفرلہٗ)

2۔ اور برتقدیر ثبوت، وہ نابینائی منصب نبوۃ کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ وہ تحقق نبوت کے بعد طاری ہوئی ہوگی۔ (مترجم)

تھا) اور پھر وہ پردہ دور ہوگیا تھا۔

سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنے والا واجب القتل ہے

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جو بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام دے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (کسی بھی وجہ سے، صراحۃً یا کنایۃً) توہین کرے تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا (اور اس کا قتل بالاتفاق واجب ہے) اور (ہاں) اس میں اختلاف ہے کہ اس کا قتل فی الفور لازم ہے یا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اس سے توبہ کا مطالبہ ضروری بھی ہے یا نہیں۔؟

اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ قتل کرنا بطریق حد ہے (کہ بالفعل مار ڈالنا چاہیے) یا بطریق ردت ہے (کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔)

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص بطریق حد قتل کیا جائے گا نہ کہ بطریق ردت اور نہ ہی اس کی توبہ قابل قبول ہوگی۔ اور نہ ہی کسی قسم کا عذر قبول کیا جائے گا اگر چہ اس کا یہ ادعا سہواً ہو یا خطاً۔

مالکیوں کے شیخ علامہ خلیل قدس سرہٗ کی ''اپنی مختصر'' عبارت میں یوں ہے۔

''اگر کسی پیغمبر یا فرشتے کو گالی دی گئی یا ان پر تعریض (چوٹ) کی گئی یا ان پر لعنت کی گئی، یا انہیں کسی عیب سے متصف کیا، یا ان پر بہتان باندھا، یا ان کے حق کو ہلکا جانا یا انہیں کسی غیر صفت سے موصوف کیا، یا ان میں کوئی نقص نکالے، وہ نقص چاہے ان کے دین میں ہو یا ان کی سیرت میں، یا ان کے مرتبہ میں، اور ان کے وفور علم وزہد سے اغماض برتے (یعنی ان کے مراتب رفیعہ کو گھٹیا تصور کرے) یا ان کی طرف وہ شے منسوب کی جائے جس کی نسبت ان کی طرف کرنا جائز نہ ہو، یا بصورت مذمت اس چیز کو ان کی طرف منسوب کرنا، جو ان کے منصب کے لائق نہ ہو، یا اس سے (جب) یوں کہا جائے کہ ''بحق رسول اللہ'' (یہ کام کر یا نہ کر) تو وہ گالی گلوچ پر اتر آئے، یا (کسی پیغمبر و فرشتہ کا ذکر کر کے) کہے میری مراد تو بچھو ہے، تو ان سب صورتوں میں ایسا شخص قتل کر دیا جائے گا۔ اور بطریق حد اس سے توبہ کا مطالبہ نہ ہوگا اگر چہ یہ واضح ہی کیوں نہ ہو جائے کہ جہالت، سکر یا غلبہ غضب کی وجہ سے، ایسے شخص کی (مذکورہ گفتگو سے) مراد مذمت کرنا نہ تھی (یعنی یہ تینوں عذر نا قابل قبول ہوں گے) ہاں نو مسلم سے (زمانہ کفر کی گستاخیوں کا) مطالبہ تو یہ نہ ہوگا یہ فیصلہ قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ''شفا'' وغیرہ میں ذکر فرمایا ہے اور اس پر جو انہوں نے کتاب وسنت اور اجماع امت سے استدلال کیا ہے۔

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے ''مالکیہ'' کے دلائل ذکر کرنے اور ''شافعیہ'' کا مسلک بیان کرنے بعد

فرمایا کہ یہ ارتداد ہے جو مسلمان کو کافر بنا دیتا ہے لہٰذا ہمارے جمہور آئمہ کے نزدیک اس میں کوئی نزاع (وخلاف) ہے ہی نہیں کہ ایسا شخص قطعی کافر و مرتد ہے اور (یہ امر مسلم ہے کہ) مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے اگر توبہ کر لے فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا تو اس مسئلہ کے استدلال میں امام قسطلانی قدس سرہٗ نے لمبا چوڑا کلام کیا ہے۔

اور سید عالم ﷺ کے انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی ظالم آپ ﷺ کے قتل کا قصد کرے تو جو مسلمان (اس وقت) موجود ہو اس پر واجب ہے کہ آپ ﷺ کی حفاظت میں اپنی جان دینے سے گریز نہ کرے۔

اسے امام نووی قدس سرہٗ نے ''زیادۃ الروضہ'' میں اپنی جماعت کے چند اصحاب سے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ جس شخص کے لیے جس حکم کی تخصیص چاہیں فرما دیں وہ اس کے ساتھ مختص ہو جائے گا۔

اس کی مثالیں   چنانچہ حضرت خزیمہ کے لیے یہ تخصیص فرمائی کہ ان کی شہادت دو شہادتوں کا درجہ رکھتی ہے۔ (جس کا واقعہ یہ ہے جیسا کہ) امام ابو داؤد قدس سرہٗ نے حضرت عمار بن خزیمہ بن ثابت سے اور انہوں نے اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے ''جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں'' روایت کیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے ایک روستائی سے ایک گھوڑا خرید فرمایا پھر اسے اپنے ساتھ بایں غرض لے لیا تا کہ اسے قیمت ادا فرما دیں چلنے میں سید عالم ﷺ کی رفتار مبارک تیز تھی جب کہ روستائی آہستہ چل رہا تھا اسی اثنا میں اس بدوی سے کچھ آدمیوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور اس سے گھوڑے کا بھاؤ کرنا شروع کر دیا مگر لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ اس گھوڑے کو سید عالم ﷺ خرید فرما چکے ہیں حتیٰ کہ بعض خریداروں نے سید عالم ﷺ کی قیمت خرید سے بھی بھاری قیمت پر خریدنے کا ارادہ کر لیا (الحدیث) ازاں بعد امام قسطلانی قدس سرہ نے حدیث پوری کرتے ہوئے پھر بقیہ حدیث کا حصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا'' اعرابی نے کہنا شروع کر دیا آپ ﷺ میرے فروخت کر دینے اور اپنے خریدنے پر کوئی گواہ پیش فرمایئے اس دوران جو بھی مسلمان آتا وہ بدوی سے کہتا (ارے یہ کیا کہتے ہو؟) تجھ پر افسوس ہے سید عالم ﷺ نے تو کبھی غلط بیانی سے کام لیا ہی نہیں اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت آ گئے اور انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے فروخت کیا ہے۔'' الحدیث''

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو

گواہوں کے برابر قرار دیا ہے۔

پھر امام قسطلانی قدس سرہٗ نے بروایت حضرت نعمان بن بشیر ایک اور حدیث شریف ذکر فرمائی جس میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے خزیمہ! تم گواہی کیسے دیتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں گواہ بنایا ہی نہیں۔

قَالَ اَنَا اُصَدِّقُکَ عَلٰی خَبَرِ السَّمَاءِ اَلَا اُصَدِّقُکَ عَلٰی خَبَرِ ذَا الْاَعْرَابِیْ۔

(اس پر) انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کی آسمانی باتوں کی تو تصدیق کرتا ہوں تو کیا میں اس بدوی پر آپ ﷺ کی تصدیق نہ کروں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کوئی شخصیت ایسی نہیں کہ جس کی گواہی، دو گواہوں کے مساوی ہو۔ (اس خصوصیت میں حضرت خزیمہ منفرد ہیں۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو (جو فضلائے صحابیات سے ہیں مبایعتِ نساء والی آیت کے نزول کے بعد) نیاحت (نوحہ گری) میں رخصت دی۔

اور اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو (یہ موصوفہ بھی اہل علم و کمال و فضلائے صحابیات، و بے مثل اسلامی و تاریخی شخصیت ہیں۔) رخصت دی کہ وہ اپنے شوہر حضرت جعفر کی شہادت پر صرف تین دن تک (بطور سوگواری) غم کرے (ازاں بعد جو چاہے کرے یعنی متوفی عنہا زوجہا کی طرح چار ماہ دس دن تک انتظار کی ضرورت نہیں)۔

اور اسی طرح حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو رخصت دی کہ تمہارے لیے قربانی میں ایک سال سے کم کا بُز غالہ کافی ہے اسے امام بخاری و مسلم قدس سرہما نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے، اس چیز کے مقابلہ میں جو وہ قرآن سے رکھتا تھا کر دیا (یعنی تعلیم قرآن اس عورت کا مہر قرار پایا۔)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کو دو آدمیوں کے برابر بخار چڑھتا تھا تا کہ ثواب دو چند ملے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ مرض وصال میں آپ ﷺ کی عیادت اور پرسش حال شریف کے لیے جبریل امین تین دن تک حاضر خدمت ہوتے رہے اسے امام بیہقی قدس سرہٗ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی نماز جنازہ مسلمانوں نے گروہ در گروہ الگ الگ بغیر امامت، اور بغیر دعائے جنازہ معروف کے پڑھی (یعنی محض صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا) اسے امام بیہقی وغیرہ قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

یہ کہ وفات کے تین دن بعد دفن کیا گیا۔ اور آپ ﷺ کی لحد شریف میں مخملی چادر بچھائی گئی جبکہ یہ دونوں باتیں ہمارے حق میں ناروا ہیں یہ بھی خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد زمین تاریک ہوگئی۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسم مقدس کو زمین نہیں کھا سکتی یہی حال تمام پیغمبروں کا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ قدس سرہما نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کی وراثت نہیں ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ترکہ آپ ﷺ ہی کی ملکیت ہے اور بعض فرماتے ہیں آپ ﷺ کا ترکہ صدقہ ہے۔ یہی حکم سب انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ان کی میراث نہیں ہوتی جیسا کہ امام نسائی قدس سرہٗ نے حضرت زبیر سے مرفوعاً روایت کیا ہے (کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا) ''ہم جماعتِ انبیاء علیہم السلام کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے''۔

رہا یہ امر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت مروی ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث بنے تو اس وراثت سے نبوت وعلم کی وراثت مراد ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے مرقد منور میں (بحیات حقیقہ) زندہ ہیں۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی ہے۔ (جیسا کہ) ابن بخار قدس سرہٗ وغیرہ نے بیان کیا کہ ایام حرہ کے موقع پر مسجد نبوی شریف میں تین دن تک اذان نہ ہوئی اور لوگ مدینہ طیبہ چھوڑ کر باہر چلے گئے اس وقت حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنھما مسجد نبوی شریف میں ہی رہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ظہر کا وقت آیا تو میں پریشان و خوفزدہ ہو کر قبر شریف کے قریب چلا گیا اور قبر انور سے اذان کی آواز سن کر میں نے نمازِ ظہر ادا کی اس کے بعد میں ہر نماز کے وقت قبر شریف سے اذان و اقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ تین راتیں گزر گئیں۔ بعدہٗ جب دوسرے لوگوں کے ہمراہ موذن بھی لوٹ آئے تو میں نے ان سے وہی اذان سنی جو میں قبر اطہر سے سنتا رہا تھا۔

اور یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ انبیاء علیہم السلام حج فرماتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق دار الآخرۃ سے ہے اور وہ جگہ دار العمل نہیں ہے تو نمازیں، حج اور تلبیے کس لیے کرتے ہیں۔

جواب: انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں بلکہ شہداء سے بھی کہیں افضل ہیں۔ اور شہداء (کی شان یہ ہے کہ وہ) پروردگار جل مجدہٗ کے ہاں مرزوق زندگی رکھتے ہیں۔

(اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ) بسا اوقات مکلف ہوئے بغیر علی سبیل تلذذ وشوق اعمال رونما ہوتے رہتے ہیں وہاں بھی یہی ہے۔

لہٰذا انہی کے بارے میں وارد ہوا کہ وہ تسبیح کرتے ہیں اور قرآن کریم تلاوت فرماتے ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے مرقد منور پر فرشتے مقرر ہیں جو آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف آپ ﷺ کو پہنچاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام الآئمہ احمد ونسائی وحاکم قدست اسرارہم نے روایت کیا ہے اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس حدیث کو ان لفظوں کے ساتھ صحیح بتایا ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ، يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ

"کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے (کچھ) فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گشت لگاتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں"۔

اصبہانی قدس سرہٗ کے نزدیک بروایت حضرت عمارہ الفاظِ حدیث یہ ہیں۔ "بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کی قوت وسماعت عطا فرمائی ہے جو کوئی بھی (جہاں بھی) مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور پھر آپ ﷺ ان کے لیے طلب آمرزش فرماتے ہیں۔

ابن مبارک قدس سرہٗ نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَلَعُرِضَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اَعْمَالَ اُمَّتِهٖ غَدْوَةً وَ عَشِيًّا، فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهِمْ وَاَعْمَالِهِمْ۔

کوئی دن ایسا نہیں مگر یہ کہ صبح وشام امت کے اعمال نبی کریم ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں پس آپ ﷺ انہیں ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کا منبر منصب آپ ﷺ کے حوض کے اوپر

ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔اور ایک روایت میں یوں آیا ہے:

مِنۡبَرِیۡ عَلٰی تُرۡعَةٍ مِنۡ تُرَعِ الۡجَنَّةِ

''کہ میرا منبر جنت کے ''ترعہ'' میں سے ایک ''ترعہ'' ہے''۔

اور ترعہ کی تفسیر باغ کے بلند جگہ پر ہونے سے، کی گئی ہے۔خصوصاً جب کہ وہ ہموار جگہ میں ہو۔ اور (لغۃً) یہی ''روضہ'' کہلاتا ہے۔

تبصرہ

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے فرمایا۔علماء کرام میں سے کسی نے بھی اس ارشاد گرامی کو اپنے ظاہر (مفہوم پر محمول کرنے میں اختلاف نہیں کیا اور یہی حق ہے کہ وہ محسوس وموجود ہی مراد ہے کیونکہ قدرت یہ صلاحیت رکھتی ہے جس میں کوئی استحالہ نہیں۔)

نیز تمام وہ امور غیب جن کی مخبر صادق ﷺ نے خبریں دی ہیں اُن پر ایمان رکھنا واجب ہے اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے منبر منیف اور قبر انور کے درمیان جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے۔اسے امام بخاری قدس سرہٗ نے ''مَابَیۡنَ بَیۡتِیۡ وَمِنۡبَرِیۡ'' کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور (مذکورۃ الصدر خصوصیت کی طرح) یہ بھی حقیقت ومجاز دونوں کی متحمل ہے۔

حقیقتاً اس طرح کہ آپ ﷺ کا کلام شریف حقیقت اور اپنے ظاہر پر محمول ہے کہ یہ جگہ حقیقتاً جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔(جسے وہاں سے دنیا کے اس مقام پر اتارا گیا ہے) جیسا کہ حجر اسود (اور مقام ابراہیم علیہ السلام) جنت سے ہے اور اسی طرح دریائے نیل وفرات جنت کی نہروں میں سے ہیں۔اور جس طرح ہندوستان کے وہ (خوشبودار) پھل (اور درخت) جو جنت کے ان پتوں سے ہیں جنہیں حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔لہٰذا اس دنیا میں جنت کے پانیوں کا اور وہاں کی مٹی کا اور پتھر وپھلوں کا ہونا باقتضائے حکمت الٰہیہ ہے(1)۔

اور مجازی احتمال یہ ہے کہ یہاں مسبب کا اطلاق سبب پر کیا گیا ہے۔بایں طور کہ اس جگہ مجالست وملازمت نماز وعبادت کے لیے جنت حاصل کرنے کا سبب ہے (لہٰذا فیصلہ یہی ہے کہ) وہ بقعہ حقیقتاً جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہی منتقل ہوا ہے۔

ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ نے فرمایا، واضح تر یہی ہے کہ معاً دونوں وجہوں میں (تطبیق و) جمع جائز ہے۔

---

(1) بنا بریں وہ بقعہ مبارکہ فی نفسہٖ جنت کے باغوں میں سے ہی ایک باغ ہے جو بعد از قیامت اپنے اصلی مقام میں لے جایا جائے گا۔(از شیخ محقق قدس سرہٗ) (مترجم غفرلہٗ)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کے لیے سب سے پہلے قبر انور شق ہوگی۔
مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "وہ شخص میں ہوں جس کے لیے زمین سب سے پہلے کھلے گی" اور یہ کہ زلزلہ قیامت کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ ہی ہوش سنبھالیں گے۔ (جیسا کہ) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ نفخہ (اولیٰ) کے بعد سب سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھائے گا وہ میں ہی ہوں (پھر) ناگاہ (میں کیا دیکھوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے تھامے ہوئے ہوں گے اب میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا (آپ علیہ السلام بھی بے ہوش ہونے والوں میں سے تھے یا) آپ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا بے ہوشی طور آپ کی مکافات بن گئی۔ (اور اللہ جل مجدہٗ نے آپ کو مستثنیٰ فرمادیا تھا) اسے امام بخاری قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

تبصرہ سبہانی قدس سرہ

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے "مواہب" میں فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ارشاد گرامی (یعنی سب سے پہلے محشور ہونے اور سب سے اول افاقہ میں آنے کا) آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا ہو جب کہ آپ ﷺ کو ابھی تک اس کا علم نہ تھا(1)۔ حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتادیا کہ پھر آپ ﷺ نے اپنی ذات گرامی کی جانب سے فرمادیا کہ "سب سے پہلے جس کے لیے قبر کھلے گی وہ میں ہی ہوں" ﷺ۔

امام بخاری قدس سرہٗ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے کہ سید عالم ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو پل صراط سے گزریں گے۔
انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں محشور ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت کعب احبار سے مروی ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے، سید عالم ﷺ کی قبر انور کو گھیر لیتے ہیں، اور اپنے بازوؤں کو ہلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام کو وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے تو ستر ہزار فرشتے آپ ﷺ کی توقیر بجالاتے ہوئے ہمراہ ہوں گے" الحدیث" اسے امام بخاری قدس سرہٗ نے "تاریخ مدینہ" میں روایت کیا ہے۔
انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ براق پر محشور ہوں گے اسے "حافظ سلفی" نے امام

1۔ مگر بعد میں قبل از وصال، جو کچھ دنیا میں ہوا یا ہوگا، یعنی از زمانہ حضرت آدم علیہ السلام، تا قیام قیامت، سب آپ ﷺ پر منکشف کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ اگلوں، پچھلوں کے تمام احوال اور تمام علوم الٰہیہ بتادیئے گئے تھے اور ہر قسم کے علوم سے بہرہ ور فرمادیا گیا تھا۔ (مترجم غفرلہٗ)

طبری کی طرح روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو موقف میں جنت کے حلوں کی سب سے بڑی خلعت عطا ہو گی۔

اسے امام بیہقی قدس سرہٗ نے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مجھے جنت کا ایسا (نفیس واعلیٰ) حلہ پہنایا جائے گا جو اور کسی انسان کے لائق نہ ہو گا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ان لفظوں کے ساتھ ہے قیامت کے دن لوگ محشور ہوں گے اس وقت میں اور میری امت ایک بلند مقام پر ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے سبز حلہ پہنائے گا۔ اسے امام طبری قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔ نیز امام طبرانی قدس سرہٗ نے حضرت ابن عمر کی حدیث ان لفظوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ پھر محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت لوگوں سے اوپر ایک بلند ٹیلے پر چڑھیں گے''۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جو حضرت ابن مسعود نے سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ سید عالم ﷺ عرش کی داہنی طرف وہاں کھڑے ہوں گے جہاں آپ ﷺ کے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں کھڑا ہو گا۔ (اس وقت) آپ ﷺ پر تمام اگلے پچھلے رشک وغبطہ کریں گے

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو (قیامت کے دن) ''مقام محمود'' عطا ہو گا۔

حضرت امام مجاہد (جو کہ آئمہ تفسیر سے ہیں) نے فرمایا اس سے مراد آپ ﷺ کا ''عرش'' پر جلوہ افروز ہونا ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام کے نزدیک اس سے مراد آپ ﷺ کا کرسی پر جلوس فرمانا ہے ان دونوں روایتوں کو امام بغوی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس مسئلہ پر مزید گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ان فضائل کے ضمن میں آئے گی جو مقام ''محمود'' کی فضیلت سے متعلق ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ کو ''اہل موقف'' کے درمیان فصل قضا کے لیے شفاعت عظمیٰ دی جائے گی جس وقت کہ وہ تمام انبیاء کے پاس حاضری دینے کے بعد گھبرائے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آئیں گے اور پھر کسی جماعت کو بلا حساب جنت میں داخل کروائیں گے، اور کسی کے درجات بڑھانے کی سفارش فرمائیں گے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قیامت کے دن سید عالم ﷺ ''لواء حمد'' کے مالک ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے ماسوا سبھی اسی کے تلے ہوں گے اسے امام بزار قدس سرہٗ

نے روایت کیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ (جیسا کہ) امام مسلم قدس سرہٗ نے مختار بن فلفل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق حضرت انس سے روایت کیا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا "میں قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہوں گا اور باب جنت سب سے پہلے میں ہی کھٹکھٹاؤں گا"۔

نیز امام مسلم قدس سرہٗ نے انہی حضرت انس سے (ایک اور) روایت بیان کی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا پھر خازنِ جنت کہے گا۔

بِکَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحَ لِاَ حَدٍ قَبْلَکَ۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس کی قسم! مجھے آپ ﷺ ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے بھی باب جنت نہ کھولوں۔

امام طبرانی قدس سرہٗ نے اسی حدیث کو زیادتی کے ساتھ یوں روایت فرمایا کہ فرمایا سید عالم ﷺ نے (کہ جب آپ ﷺ جنت کا دروازہ کھلوانے تشریف لے جائیں گے) تو تعظیم کے لیے خازن جنت کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے باب جنت کھولیں گے اور کہیں گے میں آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے نہ کھولتا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے کھڑا ہوں گا۔

تبصرہ

سید عالم ﷺ کے لیے یہ ایک علیحدہ دوسری خصوصیت ہے کہ خازن جنت آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے کھڑے نہیں ہوں گے اس میں حضور ﷺ کے مرتبہ وفضیلت کی زیادتی کا اظہار ہے ورنہ نگہبانانِ جنت سب کے سب سید عالم ﷺ کے خدام ہیں اور آپ ﷺ ان کے لیے بمنزلہ بادشاہ کے ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سید عالم ﷺ ہی سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میں ہی جنت کی زنجیر ہلاؤں گا پھر وہ میرے لیے کھول دی جائے گی پس میں اس میں فقراء مومنین کے ہمراہ داخل ہوں گا اور یہ فخریہ نہیں ہے اسے امام ترمذی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کو حوض کوثر عطا ہوگا موتی اور یاقوت پر رواں

جنتی نہر آپ ﷺ کے حوض میں آکر بہے گی جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو وسیلہ عطا ہوگا جو جنت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

امتِ مصطفیٰ ﷺ کے خصائص

معلوم رہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے غایت اتقان پر کامل عالم کو پیدا فرمایا اور موجودات عیانیہ کے لیے ہمارے نبی کریم ﷺ کے جسد منور کو ظاہر فرمایا تو اس خصوصیت و قابلیت کے لحاظ سے جو انسان میں ہے عنایت ربانی اپنی رافت کے ساتھ ظاہر ہوئی اور آپ ﷺ نے انسانوں میں ظہور فرمایا۔ اگر چہ تمام انسانوں و جنات سبھی آپ ﷺ کی امت ہی ہیں مگر انسان خصوصی وصف کی بدولت سب سے ممتاز ہے۔

اسی لیے انسانوں میں سے آپ ﷺ کی امت کو سب سے بہترین بنایا جیسا کہ فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

"تم بہترین ہوان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں"۔

اور اس کو احکام میں اجتہادی قوت عطا فرمائی یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے اجتہادی احکام کے مطابق بھی عمل کرتی ہے۔

پیغمبروں میں سے جو بھی اس امت کے نبی کریم ﷺ کے بعد ان کا زمانہ پائے گا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام' یا انہی کے زمانہ میں موجود ہو جیسے حضرت خضر علیہ السلام تو وہ شرعی حکم وہی نافذ فرمائیں گے جو اس امت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کوئی شرعی حکم دے دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی شریعت کے پابند نہ تھے

اسی لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ ہمارے ہی نبی کی شریعت (نافذ) فرمائیں گے (رہی بات کہ آپ ﷺ کو شریعت اسلامیہ پر واقفیت کیسے حاصل ہوگی تو یہ واقفیت یا تو) بذریعہ الہام ہوگی یا روح محمدی ﷺ پر اطلاع پانے کی بدولت، یا جیسے بھی اللہ جل مجدہٗ چاہے۔

چنانچہ آپ علیہ السلام، سید عالم ﷺ سے وہی شئی اخذ فرمائیں گے جس کا حکم آپ ﷺ اپنی امت میں فرمایا کرتے تھے، حرام وحلال کے بارے میں اسی شئی کا حکم فرمائیں گے جس کا حکم ہمارے نبی کریم ﷺ نے دے دیا اور وہ شریعت آپ کے وقت رسالت و دولت میں تھی اس کا حکم نافذ نہیں فرمائیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام ہمارے نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں۔

مذکورۃ الصدر مسئلہ پر حضرت حکیم ترمذی نے ''کتاب ختم الاولیاء'' میں نشاندہی فرمائی ہے اور انہی سے (نقل کرتے ہوئے) ''عنقاء مغرب'' کے مصنف نے بھی وضاحت کی ہے۔

اور اسی طرح شیخ سعد الدین تفتازانی قدس سرہٗ نے شرح عقائد نسفی میں تصریح فرمائی ہے (بایں ہمہ) آپ سب لوگوں کے امام ہوں گے اور تمام افراد کی امامت فرماتے ہوئے امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی آپ ہی کی اقتداء فرمائیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام (پیغمبر ہونے کی وجہ سے) امام مہدی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام کا امام بننا زیادہ سزاوار ہے۔

ازالۂ شبہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امتِ محمدیہ ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کے نائب و خلیفہ ہیں لیکن آپ اپنی نبوت و رسالت کے لحاظ سے بدستور نبی کریم اور رسول معظم ہی ہوں گے یوں نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام بھی اس امت کا (ایک عامی کی طرح عام) فرد ہوں گے ہاں آپ اس امت کا ایک فرد ہی ہوں گے (مگر نبی و رسول کی حیثیت سے) جیسا کہ (ابھی ابھی) ذکر کیا گیا کہ آپ علیہ السلام پر ہمارے نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ ہی کی شریعت کے مطابق آپ کا حکم چلانا واجب ہے (مطلب یہ کہ خلافت و نیابت کی بناء پر آپ منصب نبوت و رسالت سے معزول نہیں ہوں گے۔)

اسی طرح جو علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی نبی ہیں اور اب تک بحیات ہیں تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ آنجناب اسی ملت کے احکام کے پابند ہیں اور یہی حکم حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں بھی ہے جیسا کہ امام ابو عبد اللہ قرطبی نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ بھی ابھی تک زندہ ہیں۔

(خلاصہ سخن) ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ رسل کرام میں ایسا کوئی بھی رسول نہیں کہ جن کے پیروکاروں میں ایسا کوئی رسول محتشم بھی ہو کہ جس کی مستقل (شریعت و) کتاب ہو لہٰذا اس امت محمدیہ ﷺ کے لیے یہی ایک شرف کافی ہے اللہ تعالیٰ اس کا شرف اور فزوں کرے (آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

تو سبھی خوبیاں اس اللہ جل مجدہٗ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس رحمت سے مخصوص فرمایا اور اس نعمت سے ہمارے دامن پر فرمائے اور ہمیں فضائل کثیرہ کی عمومیت سے مورد احسان ٹھہرایا۔ اور اپنی کتاب عزیز میں ہمیں اپنے اس ارشاد کے ساتھ خطاب فرمایا: ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ الخ'' اللہ تعالیٰ کے

اس ارشاد میں کلمہ ''کنتم'' قابل غور ہے یعنی لوح محفوظ میں یا علم اللہ میں (تم خیر امت تھے)۔

نصیحت

لہٰذا جو بھی امت محمدیہ ﷺ سے ہے اس کے شایان شان یہی ہے کہ وہ پاکیزہ اخلاق اپنائے تا کہ ان اوصاف پسندیدہ کا'' جو اس امت کے لیے مخصوص ہیں'' یہ شخص بھی مستحق ٹھہر سکے اور خیر وفلاح کا اہل ہو سکے۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ '' کا مصداق کوئی شخص اسی وقت ہوگا جب کہ وہ مذکورہ شرائط کا حامل بھی ہو یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عامل ہو۔

امت محمدیہ ﷺ کے خیر امم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے اس امت میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان میں بالکل واضح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (مذکورۃ الصدر آیت میں) یہ خطاب براہ راست سید عالم ﷺ کے اصحاب سے ہے جیسا کہ خود سید عالم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ،ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اَوَّلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَيْرٌ مِمَّنْ بَعْدَهُمْ

لوگوں میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ جو ان سے متصل ہے پھر وہ جو ان سے قریب ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس امت کے اولین اپنے بعد والوں سے برتر ہیں۔

اور بڑے بڑے علما کا رجحان اسی طرف ہے کہ جس شخص کو نبی کریم ﷺ کی مصاحبت میسر آ گئی اور اس نے اگر چہ آپ ﷺ کو لحظہ بھر بھی دیکھا ہو اور اپنی عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ دیکھا ہو اسے اپنے بعد کے آنے والوں پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ مصاحبت ورویت کی فضیلت کی اور کوئی فضیلت ہمسری نہیں کر سکتی۔

مذہب جمہور یہی ہے

اور علامہ ابو عمر بن عبد البر کا مذہب یہ ہے کہ بعض دفعہ صحابہ کرام کے بعد والے بعض صحابہ سے (عمل میں) افضل ہوتے ہیں کیونکہ سید عالم ﷺ کا ارشاد ''خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ '' اپنے عموم پر نہیں ہے اس قرن میں فاضل ومفضول کا اجتماع اس کی دلیل ہے۔ نیز سید عالم ﷺ کے زمانہ میں ایسے منافقوں کی بھی ایک جماعت پائی جاتی تھی جو بظاہر ایمان کا اظہار کرتی تھی اور ایسے مرتکب کبیرہ بھی پائے جاتے تھے جن پر حدود جاری کی گئیں۔

دلائل

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لیے سات دفعہ خوشخبری ہے جو مجھ پر بن دیکھے ایمان لایا۔

امام ابوداؤد طیاسی قدس سرہٗ کی مسند میں حضرت محمد بن ابی حمید سے روایت ہے انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے، اور انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کیا جانتے ہو؟ ایمان کے لحاظ سے سب سے بالاتر کون سی مخلوق ہے۔ ہم نے عرض کیا فرشتے! (یارسول اللہ ﷺ) تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم ان کیلئے تو حق (فضیلت) ثابت ہے ہی میری مراد ان کے علاوہ میں ہے۔ ہم نے عرض کیا! انبیاء کرام علیہم السلام! آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم ان کے لیے بھی حق (برتری) ثابت ہے میری مراد ان کے علاوہ میں ہے۔ (ہمارے سکوت پر) پھر آپ ﷺ نے فرمایا ایمان کے لحاظ سے افضل مخلوق وہ لوگ ہوں گے جو ابھی تک لوگوں کی پشتوں میں ہیں وہ (پیدا ہوکر) مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے اس لیے مخلوق میں افضل مومن وہی ہوں گے۔

اور اسی طرح مروی ہے کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کو جب خلافت سونپی گئی تو انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ میرے لیے حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مبارکہ لکھ کر بھیج دیں تاکہ میں (امور خلافت میں) اس کے مطابق عمل کرسکوں تو (جواباً) حضرت سالم نے ان کی طرف (بدیں مضمون خط) لکھا۔

اگر آپ نے حضرت عمر کی سیرت طیبہ کے مطابق عمل کیا تو پھر آپ حضرت عمر سے افضل ہیں کیونکہ آپ کا زمانہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ جیسا نہیں اور نہ ہی آپ کے مشیر عمر رضی اللہ عنہ کے مشیروں جیسے ہیں (کیونکہ ان کے مشیروں میں بقیہ عشرہ مبشرہ اور سابق فی الاسلام صحابہ کرام کی مقدس و بے لوث و مخلص جماعت شامل تھی۔

راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس وقت کے تمام فقہائے کرام کی طرف بھی (اسی طرح) لکھ بھیجا تو سبھی نے حضرت سالم کی مانند ہی جواب دیا۔

تبصرہ

ابوعمر نے فرمایا یہ تمام احادیث ومرویات اپنے طرق کے تواتر وحسن کے بموجب، فضیلت عمل میں اس امت کے اول وآخر کے درمیان مساوات کی مقتضیٰ ہیں۔ ہاں (اولیں میں) اہل بدروحدیبیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس باب میں جو شخص تدبر کرے گا تو اس کے لیے بہتری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے انتہیٰ (کلام علامہ ابوعمر)

''جرح صاحب مواہب'' حدیث امام ابوداؤد طیالسی قدس سرہٗ کی سند عمر رضی اللہ عنہ سے ضعیف ہے لہٰذا لائق حجت نہیں ہے۔

البتہ امام الائمہ احمد، اور امام دارمی، امام طبرانی رضی اللہ عنہم نے حضرت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا ایمانی لحاظ سے ہم سے بھی افضل کوئی ہوسکتا ہے؟ جب کہ ہم نے آپ ﷺ کی ہمراہی میں اسلام قبول کیا، اور آپ ﷺ کی معیت میں جہاد کئے۔ تو (جواباً) سید عالم ﷺ نے فرمایا (ہاں) وہ لوگ جو تمہارے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہیں میری زیارت حاصل نہ ہوگی۔

اس حدیث شریف کی سند ''حسن'' ہے اور امام حاکم قدس سرہٗ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

فیصلہ صاحب مواہب

اور جس مسلک پر جمہور ہیں حق وہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی وجہ سے شرف صحابیت کا مماثل، عدیل اور کوئی عمل نہیں ہے۔

دوسروں پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی افضلیت کے کثیر اور مضبوط دلائل پائے جاتے ہیں طوالت کی بنا پر ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

(علاوہ ازیں) اس امت مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار ایسے خصائص سے مخصوص فرمایا ہے جو اس سے پیشتر کسی بھی امت کو حاصل نہ تھے جن کی وجہ سے ان پر اس کی برتری بالکل ظاہر ہے (کتنے ہی) اخبار وآثار اس پر ناطق ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتی ہونے کی تمنا کرنا

امام ابونعیم قدس سرہٗ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اسے پڑھتے ہوئے جب اس

امت کا ذکر پایا تو عرض کیا اے پروردگار! میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو آخر بھی ہے اور سابق بھی ہے(1)۔ پروردگار! اس امت کو میری امت بنادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! اس امت کو تمہاری امت کیسے بنادوں (جبکہ) وہ امت تو نبی آخر الزماں احمد مجتبےٰ ﷺ کی ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے سینوں میں اپنی انجیل پڑھتے ہیں (یعنی اس کے سینے کلام الٰہی کا گنجینہ ہیں) پروردگا! اسے میری امت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت (میرے حبیب مکرم) احمد ﷺ کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے (پھر) عرض کیا، پروردگار! میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے پیٹوں میں صدقہ کھائے گی اور اس پر اسے ثواب عطا کیا جائے گا (یعنی صدقات اس پر حلال کئے گئے ہیں جب کہ پہلوں کے لیے یہ گنجائش نہ تھی) پروردگار! اسے میری امت بنادے۔ تو اللہ جل مجدہ نے فرمایا وہ امت تو احمد ﷺ کی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (پھر) عرض کیا پروردگار! میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں (جس کی خصوصیت یہ ہے) کہ ان میں سے جس کسی نے کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرلیا تو نہ کرنے کے باوجود اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی پروردگار! اسے میری امت بنادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تو میرے (حبیب کریم) احمد ﷺ کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (پھر) عرض کیا پروردگار! میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں کہ (جس کی صفت یہ ہے) ان میں جب کسی نے برائی کا ارادہ کیا تو وہ برائی صرف اس کے ارادہ پر نہ لکھی جائے گی اور اگر بدی کا ارتکاب کرلیا تو صرف ایک بدی لکھی جائے گی۔ پروردگار! اسے میری امت بنادے تو اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا وہ تو احمد ﷺ کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا پروردگار! میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں کہ جسے علم اول و آخر دیا جائے گا اور مسیح دجال کو قتل کرے گی پروردگار! اسے میری امت بنادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تو (میرے محبوب مکرم) احمد ﷺ کی امت ہے۔

قَالَ فَاجْعَلْنِي مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ فَاُعْطِيَ عِنْدَ ذٰلِكَ خَصْلَتَيْنِ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (اعراف:144)

"(ازاں بعد) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! تو مجھے ہی امت احمد

1۔ یعنی وجود زمانہ کے لحاظ سے تو وہ آخری امت ہوگی اور فضل و شرف کے لحاظ سے سابق و فائق ہوگی۔ (مترجم)

ﷺ میں بنادے اس پر اللہ جل مجدہٗ نے انہیں اپنے اس ارشاد میں دو خوبیاں مرحمت فرمائیں " فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا، اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے، تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر کرنے والوں میں ہو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا! میں اس پر راضی ہو گیا ہوں۔(واضح رہے کہ آیت مبارکہ میں)"الناس" سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے وقت میں موجود تھے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (ورنہ یہ مطلب نہیں کہ آپ علیہ السلام کا انتخاب سارے ہی جہاں کے لوگوں پر ہے)۔

امام ابونعیم قدس سرہٗ کی "حلیہ" میں بروایت حضرت انس مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ جل مجدہٗ نے بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ جو شخص مجھ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ احمد ﷺ کا منکر ہوگا تو میں اس کو آگ میں جھونک دوں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! (یہ) احمد ﷺ کون ہیں؟ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا احمد ﷺ کی ہستی وہ ہے کہ میں نے اپنے نزدیک ان سے زیادہ گرامی تر کسی کو پیدا نہ فرمایا اور میرے زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پہلے ان کا نام نامی اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا بے شک جنت اس وقت تک میری تمام مخلوق(1) پر حرام ہے جب تک وہ اور اس کی امت اس میں پہلے داخل نہیں ہو جائیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اور ان کی امت کون ہے؟ (یعنی اس کی صفات کیا ہیں؟) تو اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا اس کی صفات یہ ہیں جو ہر حالت میں اور ہر بلندی وپستی پر میری تعریف کرے گی (اور اس کے افراد کی تہذیبی شائستگی یہ ہوگی کہ وہ) ٹخنے سے اوپر ازار بند رکھیں گے اور اپنے اعضاء کے اطراف (یعنی ہاتھ، پاؤں، چہرے) کا وضو کریں گے۔ رات میں عبادت گذار، اور دن میں روزہ دار ہوں گے میں ان کی ہلکی سی نیکی بھی قبول کرلوں گا۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خداوند! مجھے اس امت کا نبی بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس امت کا نبی ان کی قوم سے ہی ہوگا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی! مجھے اس امت کا نبی بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا آپ کو پہلے بھیجا گیا ہے جب کہ انہیں میں بعد میں مبعوث کروں گا ہاں میں تمہیں اور ان کو دارالجلال میں اکٹھا کر دوں گا۔

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیاءؑ نبی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں (ایک ایسے) نبی امی ﷺ کو بھیجوں گا جو کہ بہرے کانوں، اور پردہ غفلت میں

1۔ مخلوق سے مراد غیر انبیاء علیہم السلام ہیں۔

لپٹے دلوں، اور اندھی آنکھوں کو کھولے گا جن کی جائے ولادت مکہ مکرمہ، اور مقام ہجرت (ومسکن) مدینہ طیبہ ہوگا اور ان کا ملک شام ہے وہ میرا ایسا بندۂ خاص ہے جو اپنے تمام کام میرے ہی بھروسہ پر کرنے والا ہے۔ وہ میرا بندۂ محبوب ہے وہ میرا مختار ہے وہ میرا محبّ ہے وہ مصطفےٰ ہے وہ رفعتِ شان والا ہے جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ عفو و درگذر اور پردہ پوشی سے کام لینے والا ہوگا مومنوں پر شفیق ہوگا وہ بوجھل جانور اور رانڈ کی گود میں (بے سہارا) یتیم پر آنسو بہائے گا وہ درشت خو اور سخت دل نہ ہوگا وہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا نہ ہوگا اور فحش کلامی نہ کرے گا اور جو وہ کہہ دے گا وہ غلط نہ ہوگا اور (ان کے وقار کا یہ عالم ہوگا کہ) اگر وہ جلتے چراغ کے پاس سے گزرے گا تو ان کے وقار و سکون کی بدولت چراغ بجھے گا نہیں اور اگر وہ چرچراہٹ والے بانس پر بھی گزرے گا تو اس کے قدموں کی چاپ سنائی نہ دے گی میں اسے مژدہ سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا میں ان کی امت کو تمام امتوں میں بہترین بناؤں گا جو نیکی کا حکم کرے گی اور برائی سے روکے گی میری وحدانیت مانے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی مجھ سے اخلاص برتے گی اور میں نے جو کچھ انبیاء پر نازل کیا وہ سب کی تصدیق کرے گی آفتاب(1) و ماہ تاب کی رعایت رکھے گی۔

وہ دل، چہرے اور روحیں خوش بخت ہیں جو مجھ سے اخلاق برتتے ہیں میں تسبیح و تکبیر، وتحمید و توحید کو ان کی مجلسوں میں ان کی خواب گاہوں میں، اور ان کی سجدہ گاہوں میں اور ان کے سفر و حضر میں الہام کروں گا اپنی مساجد میں وہ صفیں اس طرح باندھیں گے جس طرح عرش کے گرداگرد فرشتوں کی صفیں ہیں وہ میرے دوست و مددگار ہوں گے میں ان کے ذریعے اپنے بت پرست دشمنوں سے انتقام لوں گا وہ میرے لیے کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، اور رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کریں گے وہ میری خوشنودی کی خاطر اپنے گھر بار اور مالوں کو چھوڑ دیں گے اور میری راہ میں سینہ سپر ہوکر جہاد کریں گے میں ان کی کتاب سے دوسری کتابوں کو اور ان کی شریعت سے دوسری شریعتوں کو اور ان کے دین سے دوسرے دینوں کو ختم کروں گا پس جو کوئی ان کا زمانہ پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور ان کے دین و شریعت پر نہ چلے تو وہ میرا نہیں ہے اور میں اس سے بے زار ہوں میں نے انہیں ساری امتوں سے برتر اور امت وسط بنا دیا ہے جو تمام لوگوں کے گواہ ہیں (انہی کی خوبی و خصلت یہ ہوگی) جب وہ غضب ناک ہوں گے تو میری تہلیل کہیں گے اور جب باہم جھگڑیں گے تو میری تسبیح پڑھیں گے اور اپنے اعضاء اور اپنے چہروں کو صاف ستھرا رکھیں گے اور ازار ٹخنوں سے اوپر رکھیں گے اور اترتے چڑھتے ہوئے اللہ

1۔ یعنی عبادت کے اوقات کے تعین کے لیے ان کے مطالع کی تلاش میں رہے گی۔

اکبر کہیں گے اور خون بہا کر قربانی دیں گے ان کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہوں گی شب کو عبادت گذار اور دن میں (بوقت قتال) شیر (کی مانند) ہوں گے وہ خوش نصیب ہے جو ان کے ساتھ ہے ان کے دین و شریعت اور ان کی مذہبی راہ و رسم ہے یہ میرا فضل و کرم ہے میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں میں خداوندِ فضل عظیم ہوں اسے امام ابونعیم قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس پیغمبر کے معجزے مشہور و معروف ہوں تو اس کی امت کے ثوابِ اعمال میں کمی ہوتی ہے۔

امام سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ امت اس (کلیہ) سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس امت کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر مشہور معروف ہیں مگر ثواب میں یہ امت تمام امتوں سے بڑھ کر ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے غنائم کا حلال ہونا ہے جب کہ اس سے پہلے کسی بھی امت کے لیے حلال نہ تھیں۔

یہ بھی اس امت کے خصائص سے ہے کہ روئے زمین اس کے لیے مسجد بنا دی گئی جب کہ پہلی امتیں صرف اپنے کلیساؤں میں اور اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں ہی نماز پڑھ سکتی تھیں۔

اور یہ کہ زمین کی مٹی کو وجہ طہارت بنا دیا گیا ہے اور وہ تیمم ہے (یعنی اگر پانی مہیا نہ ہو تو پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔)

اس امت کے خصائص میں سے وضو کرنا بھی ہے کیونکہ وضو انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ ان کی امتوں کے لیے نہ تھا اسے علامہ حلیمی نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے امام بخاری قدس سرہٗ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ۔

بیشک قیامت کے دن میری امت اس حال میں مدعو ہوگی کہ آثار وضو سے اس کے اعضاء روشن و تاباں ہوں گے۔

تبصرہ امام قسطلانی قدس سرہٗ

مگر ظاہر یہ ہے کہ اس امت کے ساتھ جو شئے مخصوص ہے وہ غرہ وتحجیل (یعنی نورانیت و تابانی) ہے مثل وضو نہیں (1)۔ کیونکہ بعض گذشتہ امتوں میں بھی وضو تھا (2)۔

1۔ امام قسطلانی قدس سرہٗ کی رائے کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس امت کے خصائص میں سے پانچ نمازیں بھی ہیں اس کے علاوہ دوسروں کے لیے اس طرح پانچ نمازیں نہ تھیں۔

اذان، اقامت، اور آمین کہنا اور رکوع کرنا بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے اس امت کے خصائص میں سے تحیہء سلام بھی ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے (قیام) جمعہ بھی ہے (جو دوسری امتوں میں نہیں ہے)

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ہم سب سے پچھلے قیامت میں سب سے آگے ہوں گے ہاں یہ ظاہر ہے کہ انہیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی پھر یہ ان کا وہ دن ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض فرمایا تو وہ اس میں مختلف ہو گئے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ دکھائی دوسرے لوگ اس میں ہمارے بعد ہیں یہود کے لیے جمعہ کے بعد (یعنی ہفتہ) اور نصاریٰ کے لیے اس کے بعد (یعنی اتوار) ہے۔'' اسے امام بخاری قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے جمعہ کی ساعت اجابت بھی ہے (یعنی جمعہ کی وہ گھڑی جس میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے وہ ملتا ہے) اس ساعت کے تعین میں کئی اقوال ہیں۔

امام زرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس ساعت کے تعین کے بارے میں صاحب ''فتح الباری'' قدس سرہٗ نے بیالیس اقوال لکھے ہیں اور ہر ایک قول علیحدہ، علیحدہ ذکر کیا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جب رمضان شریف کی پہلی شب ہوتی ہے تو اللہ جل مجدہٗ ان کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر فرماتا ہے تو (پھر) اسے کبھی بھی عذاب نہ دے گا۔

پھر امام قسطلانی قدس سرہٗ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دیگر خصائص بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ اس امت کی شریعت گذشتہ تمام امتوں کی شرائع سے زیادہ کامل ہے اور یہ امر اپنی وضاحت کی بناء پر محتاج بیان نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا ''پیشانی کی یہ تابانی تمہارے سوا کسی (اور) میں نہیں ہے''۔ الحدیث

2۔ جیسا کہ حضرت سارہ کے قصہ سے عیاں ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہا کو ایک جابر و کافر حکمران گرفتار کرنا چاہتا تھا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہا نے وضو کر کے نماز شروع کر دی تھی۔

نیز جریج گوشہ نشین عابد کے قصہ میں بھی اسی طرح سے مذکور ہے کہ بوقت جوابدہی تہمت اس نے وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر بچے سے کلام۔ تفصیل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (مترجم غفرلہ ولوالدہ)

جائے گا کہ آپ علیہ السلام کی شریعت سراپا جلال وقہر (کی مظہر) تھی (مثلاً) ان کی امت پر قتل نفوس کا لازم ہونا اوران پر طیبات کا حرام ہونا (جیسے) ان پر چربیلے اور ناخن دار جانوروں کا حرام ہونا وغیرہ اور اسی طرح غنیموں کا حرام ہونا اور یونہی تعجیل عقوبات اور نا قابل برداشت بوجھ کا اٹھانا اور نا قابل معافی گرفت میں آنا وغیرہ جوان کے علاوہ اوروں پر نہ تھا (یہی وجہ ہے کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہیبت و وقار اور غضب و مواخذہ میں اور اللہ تعالیٰ کے اعداء کی گرفت کرنے میں، مخلوق خدا میں سب سے بڑھ کر اعظم واشد تھے۔ اسی لیے آپ علیہ السلام کی طرف کسی کو نظر بھر کر دیکھنے کی سکت نہ تھی۔

اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام مظہر جمال (الٰہی) تھے جبکہ آپ علیہ السلام کی شریعت (نرمی وآسانی میں) سراپا فضل واحسان تھی یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی شریعت میں مقاتلہ ومحاربہ نہ تھا اور آپ علیہ السلام کی شریعت میں جنگ نام کی شئے تھی ہی نہیں اسی لیے دینِ عیسائیت میں جنگ حرام ہے اگر عیسائی جنگ کریں گے تو مجرم و گنہگار ہوں گے کیونکہ انجیل شریف میں ہے۔

اِنَّ مَنْ لَطَمَکَ عَلٰی خَدِّکَ الْاَیْمَنِ فَاَدِرْلَہٗ خَدَّکَ الْاَیْسَرَ، وَمَنْ نَازَعَکَ ثَوْبَکَ فَاَعْطِہٖ رِدَائَکَ، وَمَنْ سَخَّرَکَ مِیْلاً فَامْشِ مَعَہٗ مِیْلَیْنِ وَنَحْوَھٰذَا۔

کہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ رسید کرے تو اس کے آگے اپنا بایاں رخسار بھی کر دو اور جو کوئی تمہارے کپڑے اتارنا چاہے تو ان کے ساتھ اپنی چادر بھی دے دو اور جو کوئی تمہیں (جبراً) ایک میل تک لے جانا چاہے تو اس کے ساتھ دو میل تک جاؤ اور اس کی مثیل اور احکام بھی ہیں۔

اسی لیے ان کی شریعت میں مشقت امر اغلال نہ تھے (یعنی احکام شدیدہ اور آوامر غلیظہ نہ تھے) ہاں وہ رہبانیت (یعنی ترک دنیا اور اپنے آپ کو لذائذ دنیوی سے دور رکھنا) جو نصاریٰ نے اختیار کی ہوئی ہے ان کی اپنی ایجاد ہے جسے انہوں نے از خود اختراع کیا ہوا ہے ورنہ انجیل مقدس نے ان پر یہ لازم نہیں کیا ہے۔

لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ جامع کمال کے مظہر تھے (اور جلال و جمال کے مابین تھے) قوت وعدل، اور شدت فی اللہ نرمی ومہربانی اور رحمت وکرم کے مابین تھے اسی لیے آپ ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں میں کامل ترین اور آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے اکمل ترین ہے اور اس کے احوال ومقامات اکمل احوال ومقامات ہیں اسی لیے آپ ﷺ کی شریعت میں عدل کے لحاظ سے تو کہیں فرض وایجاب ہے اور فضل کے طور پر کہیں ندب واستحباب ہے، اور سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ

نرمی ہے کہیں شمشیر زنی ہے تو کہیں جودونوال ہے (کہیں عدل وانصاف ہے تو کہیں فضل وکرم ہے) چنانچہ اسلام عدل وانصاف واجب کرتا ہے اور ظلم کو حرام قرار دیتا ہے چنانچہ ایک آیت میں اس طرح آیا ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِهَا (یونس:27)

''تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور یہ عدل وانصاف ہے''۔

اور ایک وقت میں۔

فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:40)

''تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے''۔

فرمایا جارہا ہے۔

اور یہ فضل وکرم کا اظہار ہے.........اور کہیں

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (الشوریٰ)

''اور بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) ظالموں کو پسند نہیں فرماتا''۔

فرما کر ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:126)

''اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تکلیف تمہیں پہنچائی تھی''۔

میں عدل وانصاف کو واجب اور ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔

اور اس ارشاد گرامی

وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (النحل)

''اگر تم صبر کرو تو بیشک صبر والوں کو سب سے اچھا ہے''۔

میں فضل وکرم پر تنبیہ ہے

اور اسی طرح کسی چیز کو حرام قرار دینا، اس امت کی شریعت میں رحمت وحفاظت ہے (یہی وجہ ہے کہ) اس امت پر ہر ناپسندیدہ اور نقصان دہ اشیاء کو حرام قرار دیا گیا اور ہر پاکیزہ اور سود مند امر کو مباح فرمایا لہٰذا حرام قرار دینا ان پر رحمت ہے ورنہ ان سے پہلوں پر ان محرمات کے ارتکاب پر سزا ملتی تھی۔

اورانہیں اس چیز کی راہ دکھائی جس سے پہلی امتیں بھٹک گئی تھیں جیسے یوم جمعہ (پر دلالت اس امت کے خصائص سے ہے) اور انہیں اپنا علم وحلم عطا فرمایا اور ان کو بہترین امت بنایا جو لوگوں میں ظاہر ہوئی اور اس کے لیے وہ تمام محاسن مکمل فرمادیے جو پہلی امتوں میں علیحدہ علیحدہ تھے۔ جس طرح ان کے پیغمبر ﷺ کے لیے وہ تمام محاسن وفضائل، جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ مکمل ومجتمع فرمادیئے۔ اور اسی طرح وہ محاسن جو پہلی کتابوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ سب کے سب ان کی کتاب میں مکمل طور پر جمع فرمادیئے۔

اور یہی حال سید عالم ﷺ کی شریعت مبارکہ کا بھی ہے۔

امت مجتبیٰ یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے فرمایا:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:78)

''اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی''۔

اور ان لوگوں پر شاہد بنایا اور (اس خصوصیت کی وجہ سے) انہیں رسولوں کے مقام پر کھڑا کیا کیونکہ وہ حضرات اپنی اپنی امتوں پر گواہ ہیں۔

اس امت کے خصائص سے یہ ہے کہ یہ گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اسے امام الآئمہ احمد رضی اللہ عنہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ (سید عالم ﷺ) نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوتو اللہ تعالیٰ نے میری التجا کو شرف پذیرائی عطا فرمایا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ ان کے اجماع کو حجت قرار دیا ہے۔ اور ان کا اختلاف رحمت ہے جب کہ پہلی امتوں کا اختلاف عذاب تھا۔ اسے امام بیہقی قدس سرہٗ نے روایت کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ طاعون ان کے لیے رحمت وشہادت ہے جبکہ پہلی امتوں پر یہ عذاب تھا۔ اسے امام الآئمہ احمد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں سے جب کسی شخص کی بھلائی کی دو مسلمان (متقی، صالح) گواہی دے دیں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے جبکہ پہلی امتوں میں جب سو آدمی کسی کی بھلائی کی شہادت دیتے تھے تو تب وجوب جنت کا لزوم ثابت ہوتا تھا۔

امت مسلمہ کے خصائص سے یہ بھی ہے کہ گذشتہ امتوں کی بہ نسبت ان کی عمریں اور ان کے اعمال اقل ہیں مگر ان کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے اور انہی کو علم اولین وآخرین عطا کیا گیا ہے۔

اور یہ کہ آخری امت ہونے کی وجہ سے دوسری امتیں تو ان کے سامنے رسوا ہوں گی مگر ان کی رسوائی کسی کے سامنے نہ ہوگی۔

اس امت کے خصائص میں سے اسناد حدیث کا عطا کیا جانا بھی ہے یہ اس امت کے خصائص فاضلہ میں سے مخصوص فضیلت ہے اور مخصوص سنتوں میں سے سنت سنیہ ہے۔

امام قسطلانی قدس سرہٗ نے ''مواہب'' میں یوں فرمایا۔

اسنادِ احادیث امت مصطفوی کی بے مثل خصوصیت ہے

ہم نے ابو العباس دغولی کے واسطے سے محمد بن حاتم بن مظفر سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہ کے خصائل و فضائل میں سے فضیلت اسناد ہے پہلی امتوں میں اسناد نہیں ہے۔

وہ لوگ اپنے نبی کے بارے میں جو کچھ جہاں کہیں سے ملتا اپنی کتب میں درج کر لیتے تھے فرق نہیں کرتے تھے کہ یہ چیز تورات وانجیل وغیرہا کتب سماویہ سے لی گئی یا غیر کتب سماویہ سے اور نہ ثقہ وغیر ثقہ راویوں میں امتیاز کرتے اس امت (امتِ محمدیہ) کو یہ شرف و بزرگی عطا کی ہے کہ یہ اپنے زمانے کے اس شخص سے حدیث کی روایت کرتے ہیں جو صدق و امانت و عدالت میں مشہور ہو پھر ان میں جو زیادہ حافظے والا زیادہ ضبط رکھنے والا اور اپنے شیخ کی مجلس میں زیادہ بیٹھنے والے کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اسی وجہ سے ایک حدیث کو بیس بیس طرق سے روایت کر دیتے ہیں پھر ان میں سے موضوع ضعیف اور صحیح وغیرہا کی تحقیق کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کا اس فضل عظیم پر شکر ادا کرتے ہیں۔

ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ اس امت کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کسی امت نے بھی اپنے نبی اور رسول کے آثار و احادیث کو محفوظ نہیں کیا۔

اس امت کے خواص میں سے علم انساب و اعراب (نسب کے متعلق تاریخی معلومات) ہے۔

تصنیف کتب: اس امت کے خواص میں سے کتب کی تصنیف بھی ہے ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) ظاہر ہو۔

معراجِ نبوی ﷺ

امام قسطلانی نے مقصد خامس میں حضور اقدس ﷺ کے معراج و اسرا کے خصائص اور بارگاہ ایزدی میں مقام قرب کے لطائف عمومیہ کا ذکر کیا ہے مثلاً اس سے ہمکلام ہونا اور ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ و دیدار کرنا۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ معراج آپ کے تمام معجزات پر حاوی اور تمام دلائل و براہین میں زیادہ

مضبوط اور قوی تر معجزہ ہے ایک بار آپ کو جسمانی معراج ہوئی اسی طرف جمہور محدثین فقہا اور متکلمین علماء گئے ہیں اس پر کثرت سے احادیث شاہد ہیں جن سے انکار اور عدول نہیں کیا جاسکتا معراج جسمانی انبیاء علیہم السلام میں سے صرف آپ ہی کو ہوئی شب معراج آپ کو دس معراج ہوئے سات آسمانوں تک آٹھواں سدرۃ المنتہیٰ، نواں مستوی تک جہاں آپ نے تقدیر لکھنے والی قلموں کی آواز سنی، دسواں عرش رفرف دیدار خداوندی بالمشافہ گفتگو و کشف حقیقی حاصل ہوا معراج کی حدیث بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے مواہب میں چھبیس کا ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام حدیث اسراء پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ طویل حدیث کو بمع مختلف روایات اور عجیب وغریب نکات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کو میں نے اپنی کتاب انوار محمدیہ مختصر المواہب الدنیہ میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کی ضرورت نہیں تھی اس کو حذف کر دیا اور خاص خاص نکات کو بیان کر دیا تا کہ پڑھنے والے کو مزید حسن اور ذوق محسوس ہو، نیز پڑھنے میں آسانی ہو۔

اور امام قسطلانی نے مقصد سادس میں اس آیت کا ذکر کیا ہے جس میں عظمت و رفعت ذکر مصطفےٰ ﷺ کا بالخصوص بیان ہے۔

رفعت ذکر مصطفےٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ:253)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے مفسرین سیدنا موسیٰ علیہ السلام مراد لیتے ہیں اور حتمی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ سے کلام فرمائی اور وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ سے مراد سرکار دوعالم ﷺ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین طرح سے رفعت عطا فرمائی۔

نمبر ۱: ذات کے اعتبار سے اور یہ شب معراج عطا کی۔

نمبر ۲: سیادت کے اعتبار سے اور یہ تمام مخلوق کی سرداری عطا فرما کر رفعت دی۔

نمبر ۳: معجزات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معجزات عطا کئے جو پہلے کسی پیغمبر کو نہیں ملے۔

زمخشری کہتے ہیں کہ درجات کو مبہم رکھنے میں (کہ کون کون سے دیئے گئے) تفخیم شان اور بلندی قدر و عزت مقصود ہے جو مخفی و پوشیدہ نہیں کہ آیت اس بات کی شاہد ہے کہ آپ کو وہ علم عطا ہوا جس میں اشتباہ و شک کا شبہ تک نہیں اور وہ امتیاز حاصل ہے جس میں کبھی بھی التباس و اشتباہ نہیں ہو سکتا اور اس چیز کو دوسری آیت میں بھی بیان کیا۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:55)

''بیشک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی''۔

بے شک انبیاء و رسلان عظام کے مراتب متفاوت و مختلف ہیں بعض اہل علم کہتے ہیں جس طرح قاضی عیاض نے اس کو نقل کیا ہے کہ فضیلت انبیاء دنیا میں تین طرح سے ہے۔

نمبر ۱: آیات و معجزات سب سے زیادہ ظاہر اور مشہور ہوں۔

نمبر ۲: یا اس نبی کی امت پاکیزہ ترین اور سب سے زیادہ ہو۔

نمبر ۳: یا ذات نبی سب سے افضل و اظہر ہو۔

یہ تین حال ہمارے نبی ﷺ میں بدرجہء اتم موجود ہیں۔

اللہ نے آپ کی ذات میں ہمکلامی، خلت اور رؤیتِ ذات باری اور اس کے علاوہ وہ کمالات رکھے ہیں جو دیگر انبیاء کو نہیں ملے آپ کے معجزات سب انبیاء سے زیادہ قوی اور مضبوط ترین اور باقی رہنے والے ہیں اور آپ کی ذات سب سے افضل اور سب سے زیادہ طاہر و مطہر ہے لہٰذا آپ کا رتبہ تمام انبیاء سے بالا ہے۔

آپ تمام انبیاء کی صفات کے جامع ہیں

امام فخر الدین رازی معالم میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کے اوصاف حمیدہ بیان کئے پھر حضور ﷺ سے کہا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام:90)

''وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی ہدایت کی اقتدا کیجیے''۔

تو آپ نے تمام اوصاف حمیدہ کو اپنا یا جو ان میں متفرق طور پر تھے۔ لہٰذا ان سب سے افضل ہوئے اور آپ کی دعوت و تبلیغ دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک اور علاقوں میں پہنچی، جہاں پہلے انبیاء کی دعوت نہیں پہنچ سکی تو آپ کی دعوت سے مخلوق خدا نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل کیا آپ کی دعوت نفع و فائدہ کے اعتبار سے کامل ترین ہوئی۔ لہٰذا آپ سب سے افضل ٹھہرے۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّهٗ قَالَ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

''نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے روز تمام لوگوں کا سردار ہوں گا''۔

یہ فرمان تحدیثِ نعمت کے طور پر ہے کہ امت کو آپ کی عظمت و رفعت شان کا علم ہو جائے کہ ہم اس نبی کی امت ہیں جو تمام مخلوق کا سردار ہے خواہ آدم علیہ السلام ہوں یا اور کوئی نبی و رسول۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح) ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کے لیے بلند کر دیا۔

ابن خزیمہ اور اس کے علاوہ دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اَنَّهٗ ﷺ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ رَبِّیْ وَرَبَّکَ یَقُوْلُ اَتَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ، قُلْتُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ۔

آپ نے فرمایا، حضرت جبریل امین میرے پاس آئے اور کہا تحقیق میرا اور تیرا رب کہتا ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا میں نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو فرمایا جب میرا ذکر ہوگا ساتھ تمہارا ذکر و چرچا بھی ہوگا۔

قاضی بیضاوی اس کا معنی بیان کرتے ہیں، اس جیسی بلندی اور کیا ہو سکتی ہے کہ دونوں کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ اپنے نام کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے نام کو متصل کر دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:80)

''س نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

ایسے ہی اور بہت آیات ہیں جو اس پر شاہد ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

''بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مقام مصطفیٰ سے مطلع کیا ہے جو کہ اس کے اور ملأ اعلیٰ (فرشتوں) کے ہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے پاس آپ کی مدح و تعریف کرنا اور فرشتے آپ پر

صلوٰۃ (نزول رحمت) بھیجتے ہیں پھر عالمِ سفلی یعنی انسان کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا تو آپ کے پاس اللہ اور اس کے پیغمبر اور اکثر اہل جہاں (دنیوی و آخروی) اہل جہاں علوی ہوں یا سفلی سب کی ثنا آپ کے پاس جمع ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

طٰهٰ ۚ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ ﴿٢﴾ (طٰہٰ)

''اے محبوب! ہم نے یہ قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو''۔

ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ اپنے نفس کو عبادت میں تنگی اور مشقت دیں۔

وَمَا بُعِثْتُ اِلَّا بِالْحَنُفِيَّةِ السَّمْحَةِ۔ آپ کو آسان دین حنیفیت دیا گیا۔

سرور دو عالم ﷺ رات کو اتنا طویل قیام فرماتے ہیں کہ آپ کے قدموں میں سوزش پڑ جاتی، تو جبریل آمین علیہ السلام نے عرض کیا! اپنے نفس کو آرام بھی دیجیے کہ اس کا بھی آپ پر حق ہے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ ۔ اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

ہم نے آپ کو مناقب کثیرہ عطا کیے جو ہر ایک منقبت دنیا کے فرشتے اپنے پروں سمیت سے بڑی ہے۔ کوثر کا مشہور معنی جنت کی نہر ہے اور یہی معنی علماء سلف و خلف کے ہاں مشہور ہے۔ یہ معنی حدیث شریف میں موجود ہے۔ پھر اور بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جن سے کچھ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور کچھ کا ذکر آگے آئے گا۔ پھر قسطلانی نے کہا خلاصہ کلام کہ قرآن کریم میں آپ کے جلالتِ رتبہ، عظمتِ مرتبہ اور علو و رفعت ذکر کی تصریح پر متضمن ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ آپ عزت و تکریم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

رحمت عالم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

ابو بکر بن ظاہر کہتے ہیں اللہ نے آپ کو رحمت کی زینت سے مزین کیا ہے آپ کی رحمت اور جملہ خصائل و صفات مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔ پس جسے آپ کی رحمت سے کچھ مل گیا وہ دونوں جہان میں کامیاب ہے اور مصائب سے محفوظ ہو گیا آپ کی رحمت کا ہر حصہ محبوب اور نیک انسان کو پہنچنے والا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ہر نیک و فاجر کے لیے رحمت ہیں اس لیے جس کسی نے بھی اپنے نبی کی تکذیب کی اس کو اللہ نے ہلاک کر دیا لیکن حضور اقدس ﷺ کی تکذیب

کرنے والے کی ہلاکت کو موت یا قیامت تک کے لیے مؤخر کیا اور جس نے تصدیق کی اس کے لیے دنیا و آخرت میں رحمت ہیں۔

سمرقندی نے رحمۃ اللعالمین کا معنی کیا کہ جن وانس کے لیے رحمت ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لیے رحمت ہیں مومن کے لیے ہدایت کے ساتھ رحمت، منافق کے لیے قتل سے امان اور کافر کے لیے تاخیر عذاب میں رحمت ہیں پس آپ کی ذات اقدس مومن و کافر سب کے لیے رحمت ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا۔

اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ

''میں ہدایت دینے والی یا ہدایت یافتہ رحمت ہوں''۔

بعض عرفاً نے لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کی تخلیق رحمت سے ہوئی اور ہمارے رسول معظم ﷺ عین رحمت ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب:40)

''محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم (پچھلے) ہیں''۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں میں تمام مخلوق کی طرف رسول بن کر آیا ہوں اور مجھ پر سلسلہ ء نبوت ختم کر دیا گیا ہے اس حدیث کو امام مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ (اعراف:157)

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس تورات وانجیل میں''۔

یہ آیت آپ کے کمال صداقت پر دلالت کرتی ہے اس لیے آپ کا ذکر تورات وانجیل وغیرہ میں ہوا تو یہ یہود و نصاریٰ کے لیے سب سے بڑی وجہ انکار ہوتی۔ کیونکہ جھوٹ اور بہتان پر اصرار بہت بڑے منکرات سے ہے کوئی عقلمند ایسی کوشش نہیں کرتا جس سے اس کا وقار مجروح ہو اور لوگ اس کی

بات سے نفرت کریں اور حضور اقدس ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند ہیں تو آپ نے جب یہ اعلان کیا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے اوصاف حمیدہ تورات وانجیل میں مذکور ہیں اور یہ آپ کی نبوت ورسالت کی بہت بڑی دلیل ہے کتب سماویہ تحریف شدہ ہونے کے باوجود ان میں آپ کا ذکر اور نبوت ورسالت کا تذکرہ موجود ہے۔ بہت سی عبارات جن میں نبوت ورسالت کا بیان ہے۔ قسطلانی نے نقل کی ہیں اور بہت سی عبارات میں نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں ذکر کی ہیں جسے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اتباع رسول ومحبت رسول ﷺ

امام قسطلانی نے ساتویں مقصد میں محبت واتباع رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت فرض اور آپ کے ارشادات پر عمل لازم ہے۔

محبت رسول ﷺ یہ وہ مقام ہے جس میں سانس لینے والے سانس لیتے ہیں عاملین اس کی طرف مائل ہوتے ہیں محبین اس میں گم ہو جاتے ہیں عبادت گذار اس کی نسیم روح سے راحت حاصل کرتے ہیں پس یہ دلوں کی غذا، ارواح کی قوت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یہ وہ زندگی وحیات ہے جو اس سے محروم ہے وہ مردوں سے ہے اور وہ نور اور روشنی ہے جس کے پاس یہ نہیں وہ تاریکیوں کے دریاؤں میں غوطہ زن ہے پس محبت رسول ﷺ ایمان، اعمال، روح اور مقامات علیا کی روح ہے جب انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے جو اسے دنیا میں ایک یا دو بار فنا اور ختم ہونے والا فائدہ پہنچائے یا کسی ضرر و ہلاکت سے بچاتا ہے تو رسول کریم ﷺ سے محبت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جن سے باقی اور ہمیشہ رہنے والا فائدہ پہنچتا ہے اور ہمیشہ رہنے والے عذاب جہنم سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

جب انسان دوسرے سے اس کی حسن صورت اور سیرت جمیلہ کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو ہمارے رسول کریم ﷺ سے محبت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جو اخلاق حسنہ کے جامع اور مکارم اخلاق اور فضل عمیم کے پورا کرنے والے ہیں آپ ﷺ کے بسبب اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کی نعمتیں عطا کیں۔ ہم پر ظاہری وباطنی نعمتوں کا القاء فرمایا آپ جان مال، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت کے مستحق ہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسم کے ایک ایک بال کے تحت آپ کی محبت ڈال دے پھر بھی کما حقہ آپ کی محبت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ

اَجْمَعِیْنَ۔

''تم میں کوئی ایک بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ عزیز تر نہ ہو جاؤں''۔

امام بخاری نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَنْ یُؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ

''جب تک میں جان سے پیارا نہ ہو جاؤں تم سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوسکتا''۔

تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن کریم ﷺ اتارا۔

وَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ فَقَالَ لَہٗ نَبِیٌّ ﷺ الْاٰنَ یَا عُمَرُ تَمَّ اِیْمَانُکَ

''ضرور آپ مجھے اپنے دل سے بھی زیادہ پیارے ہیں تو آپ نے فرمایا اے عمر اب آپ کا ایمان کامل و اکمل ہوا''۔

اور سیدنا علی مرتضی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَوْلَادِنَا وَاَبْنَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ عَلَی الظَّمَأِ۔

''ہمیں رسول اللہ ﷺ ہمارے اموال، اولاد، لڑکے، مائیں اور پیاسے کے لیے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز تھے''۔

ابن اسحاق نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ ایک انصاری عورت جس کا باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سنی تو دوڑتی ہوئی احد کی طرف جا رہی تھی۔ جب اسے اپنے باپ، بھائی اور شوہر کے قتل ہونے کی خبر ملی تو کہنے لگی:

مَافُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہُ ﷺ؟ رسول اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟

صحابہ کرام نے جواب دیا۔ آپ الحمدللہ باخیریت ہیں تیری منشا کے مطابق۔ اس نے کہا مجھے زیارت کراؤ۔ تاکہ مجھے یقین ہو جائے آپ کی خیریت و صحت کو دیکھ کر کہنے لگی:

کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جُلَلٌ اَیْ صَغِیْرَۃٌ

"آپ کے بعد بڑی سے بڑی مصیبت بھی معمولی ہے"۔

جب مشرکین مکہ حضرت زید بن دثنہ کو حرم سے قتل کرنے کے لیے باہر لائے تو ابوسفیان جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے زید سے کہنے لگے میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں اے زید! کیا تو اس بات کو پسند کرے گا کہ تیری جگہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔؟ تو حضرت زید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں تو اس چیز کو بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ کے قدموں کو کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے اہل وعیال میں ہوں۔ تو ابوسفیان کہنے لگا اصحاب محمد (ﷺ) جتنی اپنے رسول ومحمد سے عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اتنی کوئی کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ آپ کے ساتھ محبت کرنا فرض ہے۔ اس پر بہت حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

محبت کی علامت

محبت کی بہت سی علامات ہیں۔

1۔ اقتدا

محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کی اقتدا اور آپ کے طریقوں وسنتوں پر عمل اور آپ کی ہدایت سے ہدایت حاصل کی جائے۔ نیز آپ کی شریعت مطہرہ کی حتی الامکان معلومات اور واقفیت حاصل کی جائے اور جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 31)

"اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ تو اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

اس آیت میں اتباع رسول ﷺ کو بندے کی اللہ سے محبت کی علامت قرار دیا۔ اور حسن اتباع رسول اللہ ﷺ کے صلہ میں خود اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت قرار دی، اس کمال اتباع سے محبت و محبوبیت دونوں اکٹھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ اب یہ نہیں کہ بندہ تو اللہ سے محبت کرے اور خود ذات باری تعالیٰ بندے سے محبت نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے۔

یہ اسی صورت میں ہوگا جب تو ظاہری و باطنی طور پر حبیب خدا مصطفیٰ ﷺ کی کامل اتباع کرے آپ کی خبر کی تصدیق، امر پر عمل، دعوت پر برضا ورغبت لبیک کہے۔ آپ کے حکم کی وجہ سے غیر کے حکم پر عمل نہ کرے اور آپ کی محبت میں مخلوق کی محبت کو بھول جائے۔ آپ کی اطاعت سے غیر کی اطاعت کو بھلا دے۔ اگر اسی طرح نہیں کر سکا تو یقین کر تجھے ابھی نہیں ملا فاتبعونی کے الفاظ میں غور کرنے سے

ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے اسی صورت میں محبت کرتا ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اتباع کی جائے۔

ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

مَنْ اَحْيَاسُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ

''جس نے میری سنت کو زندہ (سنت پر عمل) کیا تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا''۔

ابن عطاء کہتے ہیں جو آداب سنت کا التزام (لازم) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیتا ہے۔ اوامر، نواہی، افعال اور اخلاق میں آپ کی اتباع و پیروی سے بڑھ کر کوئی کام نہیں۔

2۔ شریعت پر رضا مند ہونا

علامات محبت سے ایک علامت آپ کی شریعت مطہرہ پر رضا مندی ہے اور آپ کے ہر فیصلے کو برضا وخوشی قبول کیا جائے اور دل میں تنگی تک محسوس نہ کرے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ (النساء)

''تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں''۔

جو شخص آپ کے فیصلے پر دل میں تنگی محسوس کرے گا اس کے دل سے ایمان سلب کر لیا جائے گا۔

تاج الدین عطا اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دال ہے کہ حقیقی ایمان اس وقت حاصل ہوگا جب اپنے نفس پر اللہ اور اس کے رسول کے احکام قولاً فعلاً اخذ و ترک اور حب و بغض کے ہر لحاظ سے نافذ کرے پھر احکم الحاکمین نے اس شخص سے جو آپ کے فیصلے کو قبول نہیں کرتا اور دل میں تنگی محسوس کرتا ہے ایمان کی صرف نفی نہیں کی بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصی عنایت و رافت فرماتے ہوئے اپنی ربوبیت کو آپ کی طرف منسوب کر کے قسم اٹھائی اور فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ تیرے رب کی قسم، قسم میں اس طرف اشارہ ہے۔ جو آپ کے فیصلوں کو بخوشی قبول کرتے ہیں خواہ وہ فیصلہ ان کے ہی خلاف ہو ان پر محبت کا غلبہ اور نصرت الٰہی ان کے شامل حال ہے۔

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا اظہار ہو رہا ہے کہ آپ کے

حکم فیصلے کو اپنا حکم اور فیصلہ قرار دیا۔ بندوں پر لازم کر دیا کہ آپ کے احکامات پر عمل کریں جو آپ کے احکام پر عمل نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم)

''اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

پس آپ کا حکم اللہ کا حکم آپ کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے جیسے دوسری آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (فتح:10)

''بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں بیشک وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں''۔

ایک اور آیت میں اس کی تاکید فرمائی:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (فتح:10)

''ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص جمیع احوال میں اپنے نفس کو سرکار دوعالم ﷺ کا ملک نہیں سمجھتا اس نے حلاوتِ سنت کو نہیں چکھا۔

3۔ قول و فعل سے دین مصطفیٰ ﷺ کی حمایت

علامات محبت سے آپ کے دین و مذہب کی نصرت ہے کہ محبّ اپنے فعل و قول سے حمایت و نصرت کرے اور آپ کے اخلاقِ عالیہ سے متخلق ہو مثلاً سخاوت وجود، ایثار و قربانی حلم و صبر، تواضع وغیرہا جو آپ کے اخلاق سے متخلق ہو گیا اس نے حلاوتِ ایمان پالی جو حلاوت ایمان سے شناسا ہو جائے اسے عبادات و طاعات میں ذوق حاصل ہو جاتا ہے مصائب و مشقات کو برداشت کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے دنیا کے مال و اسباب پر ان کو ترجیح دے گا۔

4۔ ذکر مصطفیٰ ﷺ کے وقت تعظیم اور تواضع انکساری کا اظہار

علامت محبت سے ہے کہ جب آپ کا ذکر کیا جائے یا آپ کا اسم گرامی لیا سنا جائے تو ادب و تعظیم سے لیا جائے تواضع، عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے۔ کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کا ذکر ادب و احترام اور تواضع سے کرتا ہے جیسا کہ کثیر صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کا ذکر نہایت خشوع و خضوع سے کرتے یہاں تک کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا یونہی اکثر تابعین کی حالت تھی تابعین کے بعد والے مشائخ و علماء و عظام اور عشاق نہایت محبت شوق بصد ادب و احترام سے ذکر کرتے علامہ قسطلانی نے بعض صحابہ اور سلف صالحین کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

5۔ کثرت شوق دیدار مصطفےٰ ﷺ

علامات محبت مصطفےٰ ﷺ میں سے آپ کے دیدار کا ہر وقت مشتاق رہنا ہے۔

6۔ محبت قرآن

جناب رسالتِ مآب ﷺ کی محبت کی علامات میں سے قرآن کریم ﷺ سے محبت ہے اگر تو نے معلوم کرنا ہو کہ تجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کتنی محبت ہے تو قرآن کریم کی محبت سے اندازہ لگالے کہ قرآن کریم سے کتنی محبت ہے۔

7۔ سنت سے محبت اور احادیث مبارکہ کا پڑھنا

رسول خدا ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سنن سے محبت اور احادیثِ مبارکہ کو پڑھا جائے۔

8۔ آپ کے ذکر کرنے اور نام سننے سے لطف اندوز ہونا

علامت محبت میں سے ہے کہ محبّ آپ کے ذکر پاک کرنے یا اسم گرامی سننے کے وقت لذت اندوز ہو

9۔ اہل بیت وصحابہ کرام اور مدینہ منورہ سے محبت

آپ ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ بھی ہے آپ کے دین، آل، اصحاب، شہر اور ہر اس چیز سے محبت کی جائے جو آپ کی طرف منسوب ہو جب بندے پر آقا علیہ السلام کی محبت کی شدت کا غلبہ ہوگا تو ماسوا کے خیالات محو ہو جائیں گے دل وجان اور آنکھ کان اس کی محبت میں مستغرق ہو جائیں گے تو اکثر آپ کی زیارت سے عالم خواب میں مشرف ہوتا رہے گا بعض اوقات چشم ظاہر سے حالت بیداری میں مشرف ہو جائے گا جیسا کہ اکابر اولیاء اور خیرۃ الاصفیاء عالم یقظہ میں دیدار سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

آپ کا غیب کی خبریں دینا

امام قسطلانی نے آٹھویں مقصد کے آخر میں آپ کا مغیبات کی بہت خبروں کا تذکرہ کیا ہے۔

یاد رکھئے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رسول کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان یا کسی اور سے صدور ہوا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ وحی یا الہام کے ذریعہ حدیث شریف میں ہے۔

وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اِلَّامَاعَلَّمَ رَبِّیْ

"بخدا میں وہی جانتا ہوں جو مجھے حق تعالیٰ نے سکھایا ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مغیبات پر مطلع ہونا اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ بعض نے اپنے دوستوں سے آپ کے متعلق بات کرنے سے منع کرتے ہوئے کہہ دیا کہ خاموش ہو جا اگر آپ کے پاس کوئی خبر دینے والا ہو تو بطحا کے پتھر آپ کو حالات سے آگاہ کریں گے اور اس کی شہادت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار میں ہوتی ہے۔

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَهٗ　　اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعٗ

اَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمِیٰ فَقُلُوْبُنَا　　بِهٖ مُوْقِنَاتٌ اَنْ مَاقَالَ وَاقِعٌ

اور ہم میں اللہ کے رسول ہیں جو اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں جب صبح درخشاں ہوتی ہے۔ ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت دکھائی پس ہمارے دل آپ کے فرمان کے مطابق امور کے وقوع پذیر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

اور حضرت حسان بن ثابت کے اشعار ہیں:

نَبِیٌّ يَرٰى مَالَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهٗ　　وَ يَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ فِیْ كُلِّ مَشْهَدٖ

فَاِنْ قَالَ فِیْ يَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ　　فَتَصْدِيْقُهَا فِیْ ضَحْوَةِ الْيَوْمِ اَوْ غَدٖ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ملاحظہ فرماتے ہیں جو لوگ اپنے اردگرد بھی نہیں دیکھ سکتے اور ہر مشہد میں (شہادت کی جگہ) کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ اگر آپ نے غائب کے متعلق کوئی بات فرمائی تو اس کی آج تصدیق ہوگی یا کل۔

علامہ قسطلانی نے بہت سی احادیث ذکر کی ہیں جو مخصوص واقعات سے متعلق ہیں جن کے متعلق آپ نے خبر دی ویسے ہی وہ واقعہ رونما ہوا۔ انواع معجزات میں سے مغیبات کی اطلاع دینا سب سے زیادہ ہے۔

کیا اسلام سے قبل آپ کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت گذار تھے یا نہیں؟

امام قسطلانی نے مقصد تاسع میں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت سے قبل کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے یا نہیں تو جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ کسی بھی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت گذار نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل:123)

"پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا۔ تو اس کا جواب

یہ ہے کہ اس میں صرف توحید میں اتباع مراد ہے۔

شیخ الاسلام بلقینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے قبل از اعلان نبوت کی عبادت کی کیفیت معلوم ہو۔

ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ سال میں ایک پورا مہینہ غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے اور واپسی پر گھر میں داخل ہونے سے قبل بیت اللہ شریف کا طواف کرتے بعض نے تعبد و عبادت کو غور و خوض، تفکر و تدبر پر محمول کیا ہے۔

احادیث مبارکہ جن میں آپ کی انواع عبادت کا ذکر ہے کثیر ہیں۔ امام قسطلانی نے آخر میں کچھ ادعیہ اذکار اور قرأت کا ذکر کیا ہے اور بہت سی ادعیہ مستجابہ (مقبول دعاؤں) کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ کی ادعیہ مستجابات

وہ دعائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائی ان میں ایک حضرت انس بن مالک کے حق میں فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَاَطِلْ عُمُرَہٗ وَ اغْفِرْلَہٗ

''اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما اس کی عمر طویل کر اور اس کی مغفرت فرما''۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میری پشت سے ایک سو دو بچے دفن ہوئے میرا باغ سال میں دو بار پھل دیتا میری عمر اتنی طویل ہوئی کہ اپنی زندگی سے اکتا گیا اور رابعہ (موت) کی امید کرنے لگا (اس کو ابن سعد نے روایت کیا ہے)

حضرت مالک بن ربیعہ سلولی کی اولاد میں برکت کے لیے دعا فرمائی تو ان کے اتنے لڑکے (لڑکے پوتے، پیدا ہوئے رواہ ابن عساکر)

جب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خیبر فتح کرنے کے لیے بھیجا تو ان کی آنکھیں دکھتی تھیں تو ان کی آنکھوں میں لعاب ڈالا اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ۔

''اے اللہ اس سے گرمی اور سردی کو دور فرما''۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس دن سے مجھے گرمی محسوس ہوئی نہ سردی اور نہ پھر کبھی آنکھیں خراب ہوئیں اور بہت دعاؤں کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ایسی کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ آپ نے دعا فرمائی ہو اور اللہ تعالیٰ نے قبول نہ کی ہو۔

انبیاء علیہم السلام اپنی موت میں بااختیار ہیں

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کے مقصد عاشر جو کتاب کا آخری حصہ ہے میں لکھا ہے موت چونکہ طبعی طور پر ایک ناپسندیدہ چیز ہے اس لیے ہر نبی کو اپنی موت کے بارے میں اختیار دیا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ دنیا و مافیہا یا جو اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے۔ جس کو چاہے پسند کر لے تو اس کے بندے نے عنداللہ (جو اللہ کے پاس ہے) کو پسند کیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق یہ کلمات سن کر رونے لگے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں روای کہتے ہیں ہم نے ابوبکر صدیق کے گریہ پر تعجب کیا لوگ کہنے لگے اس شیخ کی طرف دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کہ اللہ نے بندے کو دنیا و آخرت میں اختیار دیا ہے کے جواب میں فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا کہہ رہے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مخیّر ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ علم والے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر عمر میں موت کی آمد کے منتظر رہتے تھے اس پر چند احادیث ذکر کی ہیں۔

واحدی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال شریف سے ایک ماہ قبل بیان کیا جب فراق کا وقت قریب آیا تو ہم ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ تمہیں سلام کے ساتھ زندہ رکھے اللہ تم پر رحمت فرمائے تمہیں قوت وطاقت دے تمہاری مدد کرے تمہیں بلند و بالا فرمائے اللہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے میں تمہیں خوف الٰہی کی وصیت کرتا ہوں تمہیں ذات الٰہی سے ڈراتا ہوں کہ بیشک میں تمہارے لیے واضح اور ڈرانے والا ہوں اس کے شہروں اور بندوں کے بارے میں اللہ کی مخالفت نہ کرنا بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں یہ فرمایا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ (قصص:83)

"یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے تیار کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے"۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾ (زمر:60)

"کیا مغرور کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں"۔

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مَتٰی اَجَلُکَ آپ کو موت کب آئے گی؟ فرمایا فراق کی گھڑی بالکل قریب ہے رب العالمین اور جنت الماوی کی طرف رجوع اور لوٹنا ہے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کو کفن کون دیں؟ فرمایا میری اہل بیت کے مرد الاقرب فالاقرب (قرب کے لحاظ سے) درجہ بدرجہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کو کفن کس میں دیں؟ تو فرمایا ان کپڑوں میں اور اگر تمہارا خیال ہو تو سفید مصری کپڑوں یا حلہ یمانیہ (یعنی چادر) ہم نے عرض کیا آپ کی نماز جنازہ کون پڑھے گا؟ تو فرمایا جب میرے غسل اور کفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے چارپائی پر رکھ کر قبر کے پاس رکھ کر کچھ وقت کے لیے جدا و علیحدہ ہو جانا کہ سب سے پہلے مجھ پر جبریل امین درود پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل اور اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت، پھر تم جماعت جماعت بن کر جانا مجھ پر درود و سلام پڑھتے جانا سب سے قبل میرے اہل بیت مرد پھر عورتیں پھر تم مجھ پر سلام پڑھنا اور میرا سلام دینا اس کو جو میرے صحابہ میں سے غائب ہے اور جس نے میرے دین کی اتباع کی آج سے قیامت تک کے لیے ہم نے عرض کیا آپ کو قبر شریف میں کون اتارے؟ فرمایا میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حالت صحت میں ارشاد فرمایا:

لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يَرَى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ

"نبی فوت ہونے سے قبل جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے"۔

جب نبی اکرم ﷺ کو تکلیف ہوئی اور موت کا عین وقت آ گیا تو اس وقت آپ کا سر اقدس میری ران پر تھا آپ پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا اور آپ نے آنکھ کھول کر چھت کی طرف دیکھا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔ اے اللہ! رفیق اعلیٰ کی صحبت میں۔ میں نے کہا اس وقت ہمیں پسند نہیں کریں گے مجھے معلوم ہو گئی وہ حدیث جو آپ نے حالت صحت میں بیان فرمائی تھی پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور تکلیف شدت اختیار کر گئی تو سیدہ فاطمہ زہریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا: وا کرب ابتاہ۔ اے اباجی کی تکلیف تو آپ نے فرمایا آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی کرب و تکلیف نہیں اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ آپ کو کرب و تکلیف رفعت منزلت و مقام اور مزید ترقی درجات کے لیے تھی

طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ملک الموت نبی اکرم ﷺ کے پاس ایام مرض میں آئے اس وقت آپ کا سر اقدس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملک الموت نے اجازت طلب کی اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو حضرت علی نے فرمایا واپس چلے جائیے ہم مصروف ہیں تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا یہ ملک الموت عزرائیل ہے رشد و ہدایت کے ساتھ داخل ہو جا۔ جب داخل ہوا تو عرض کیا آپ کا رب آپ کو سلام دیتا ہے پس مجھے معلوم ہو گیا کہ ملک الموت نے اس سے قبل اہل بیت کو سلام کیا ہے نہ بعد میں کرے گا۔

جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی موت سے تین دن قبل جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد! ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ کے احترام کے واسطے آپ سے وہ ذات دریافت فرما رہی ہے جو آپ سے زیادہ آپ کو جانتی ہے کہ آپ اپنے کو کیسے پاتے اور محسوس کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل! میں اپنے کو مغموم پاتا ہوں دوسرے دن پھر جبریل حاضر ہوئے پہلے دن کی طرح سوال کیا اور آپ نے بھی پہلے دن کی مانند جواب دیا۔ تیسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئے اور اسی طرح کیا پھر آپ کے پاس ملک الموت حاضر ہوئے اجازت طلب کی جبریل نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ ملک الموت آپ سے اجازت چاہتا ہے جس نے آپ سے پہلے کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ اجازت طلب کرے گا فرمایا اجازت دے دیجئے تو ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کی ہر بات کی تعمیل کروں اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی روح قبض کرتا ہوں اور اگر ترک کرنے کا حکم دیں تو میں چھوڑ دیتا ہوں جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَآئِکَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ملک الموت جس کا تجھے حکم ہوا ہے وہ پورا کر جبریل علیہ السلام نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ زمین میرا آخری ٹھکانہ تھا جس کی مجھے دنیا میں تمنا تھی ملک الموت نے روح قبض کی جب آپ کی روح مبارک قبض ہو گئی تو مکان کے ایک کونہ سے آواز سنائی دی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّ فِی اللّٰہِ عَزَاءً مِنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ وَخَلَفاً مِنْ کُلِّ ھَالِکٍ وَدَرَکاً مِنْ کُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰہِ فَثِقُوْا وَ

اِیَّاہُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حَرُمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

''اے اہل بیت تم پر سلام، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے تحقیق تمہیں قیامت کے روز پورا پورا اجر دیا جائے گا بیشک اللہ کی ذات ہر مصیبت سے نجات، ہر ہلاک ہونے والے کا خلف اور ہر فوت ہونے والے کا پانا ہے۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی پر امید رکھو مصیبت زدہ تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا اور تم پر سلام ہو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں''۔

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ خضر علیہ السلام ہیں (اس کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے)

حاکم نے حدیث انس روایت کی ہے اس میں آخری کلام جو آقا علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ ہے۔

جَلَالُ رَبِّیَ الرَّفِیْعِ۔ میرے بلند و بالا رب کا جلال۔

سالم بن عبداللہ اشجعی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو سب سے زیادہ غمگین حضرت سیدنا عمر فاروق ہوئے آپ تلوار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا جس نے کہا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا لوگوں نے کہا اے سالم صاحب رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلاؤ میں مسجد کی طرف گیا تو وہاں ابوبکر موجود تھے جب میں نے آپ کو دیکھا تو رونے والا ہو گیا آپ نے فرمایا کیا رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ جو آپ کو کہے گا کہ فوت ہو گئے ہیں تو میں اس تلوار کے ساتھ اس کو قتل کر دوں گا حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اس وقت آپ کو چادر سے لپیٹا ہوا تھا آپ نے چہرۂ انور سے چادر اٹھائی اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھا اور خوشبو سونگھی پھر لپیٹ دیا اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ (آل عمران:144)

''اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے ہیں''۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ (زمر) ''بیشک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے''۔

اے لوگو! جو محمد مصطفٰی ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ تعالٰی کی عبادت

کرتا ہے تو وہ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ حضرت عمر نے کہا قسم بخدا میں نے اس سے پہلے یہ آیات گویا کہ کبھی تلاوت ہی نہیں کی اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہوا تو عقل و ہوش اڑ گئے بعض مخبوط الحواس ہو گئے بعض میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی بعض گونگے ہو گئے کہ کلام سن نہیں سکتے تھے اور بعض کمزور اور ناکارہ ہو گئے مخبوط الحواس ہونے والوں میں حضرت عمر فاروق تھے۔ گونگے ہونے والوں میں حضرت عثمان غنی تھے کبھی جاتے کبھی آتے بول نہیں سکتے تھے بیٹھ جانے والوں میں حضرت علی مرتضٰی تھے کہ حرکت نہیں کرتے تھے ناکارہ ہونے والوں میں حضرت عبداللہ بن انیس تھے جو اسی حالت میں فوت ہوئے ثابت قدم رہنے والوں میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے آپ اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کی آنکھیں خشک سانس متردد اور پھولا ہوا تھا۔ حضور اقدس ﷺ پر داخل ہوئے جھک کر چہرہ اقدس سے کپڑا ہٹایا اور عرض کی آپ کی زندگی اور موت پاکیزہ ہے آپ کے وصال سے وہ چیزیں منقطع ہو گئیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے وصال پر منقطع نہیں ہوئیں۔ صفت عظیم ہوئی اور گریہ و بکا ہوا اگر آپ کی موت اختیاری ہوتی تو ہم آپ کی موت پر اپنی جانیں قربان کر دیتے اپنے رب کے پاس ہمارا ذکر فرمایئے ہم آپ کے بال (ذکر) سے ہیں۔

ایک روایت جوام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسند امام احمد میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق آقا علیہ السلام کے پاس سر کی جانب سے آئے۔

جب آقا علیہ السلام کا وصال ہوا تو سیدہ فاطمہ زہرٰی رضی اللہ عنہا نے کہا یا ابتاہ ! اپنے رب کے بلانے پر لبیک کہا۔ یا ابتاہ! آپ کا مقام جنت الفردوس ہے۔ یا ابتاہ! جبریل امین کو موت کی خبر دیتے ہیں اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

ابو نعیم نے حضرت علی مرتضٰی سے بیان کیا جب حبیب خدا ﷺ نے وصال فرمایا ملک الموت گریہ کناں کے ساتھ آسمان کی طرف گئے قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے آسمان سے ندا سنی اے محمد ﷺ اس مصیبت سے تمام مصیبتیں ہلکی اور آسان ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ نے مرض موت میں فرمایا اے لوگو! اگر کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے تو میری مصیبت کی طرف نسبت کرے میرے کسی امتی کو مجھ سے بڑھ کر تکلیف نہیں پہنچی۔

پیر کے دن وصال شریف

اس پر اجماع ہے کہ وصال شریف پیر کے دن ہوا۔ بدھ کے دن دفن ہوئے اس میں علماء کا

اختلاف ہے اور محل دفن میں ابن عسا کر نے ابوذؤیب ہذلی سے بیان کیا ہے انہوں نے فرمایا ہمیں یہ خبر پہنچی کہ آپ بیمار ہیں گھر والوں نے موت کا خطرہ محسوس کیا تو رات کو بیدار رہے اور صبح طلوع ہونے کے قریب سو گئے۔

تو ہاتف غیبی نے ندادی۔اشعار:

خَطُبَ اَجَلُ اَنَا خَ بَالِاِسْلَامِ بَیْنَ النَّخِیْلِ وَمَقْعَدَ الْاَطَامِ

قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ فَعُیُوْنُنَا تَبْدَی الدُّمُوْعَ بِا لتَّسْجَامِ

''موت آ گئی جب آپ نے کھجوروں (مدینہ منورہ) اور قلعہ میں بیٹھنے کی جگہ (جگہ شام) میں اسلام کو پھیلایا۔ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو ہماری آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں''۔

میں گھبرا اٹھا آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ یقیناً فوت ہو چکے ہیں تو اہل مدینہ چیختے پکارتے ہوئے آئے جیسے حاجی لوگ احرام باندھتے وقت تلبیہ بلند آواز سے پکارتے ہیں پس میں نے کہا مہہ (ٹھہر جا) تو کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔

حضرت حسان نے بہت اچھا مرثیہ کہا ہے:

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِی فَعَمِیْ عَلَیْکَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَ کَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

''تو دیکھنے والوں کی آنکھ کی سیاہی ہے آنکھ تجھ پر مشتبہ ہو گئی (معلوم نہیں کر سکی) جو تیرے بعد مرنا چاہے مر جائے پس لازم ہے تجھ پر کہ محتاط رہوں میں''۔

ابوداؤد اور حاکم نے ابوداؤد کی اس روایت کو صحیح کہا ہے نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ میں نے آپ کو غسل دیا پس میں نے دیکھنا چاہا جو مُردوں سے نکلتا ہے تو کچھ نظر نہیں آیا صرف یہی کہ زندگی پاک صاف اور موت بھی پاک اور صاف تھی۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ سے ایسی خوشبو مہک رہی تھی جیسی کبھی نہیں مہکی۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ کے غسل شریف سے منگل کے روز فارغ ہوئے تو چٹائی پر لٹا کر گھر میں رکھا گیا لوگ جماعت در جماعت داخل ہو کر صلوٰۃ پڑھتے رہے مردوں کے فارغ ہونے کے بعد عورتیں گروہ در گروہ داخل ہو کر صلوٰۃ پڑھتی رہیں پھر اسی طرح بچے داخل ہوئے کسی نے امامت نہیں کرائی ایک روایت ہے کہ سب سے قبل ملائکہ نے گروہ در گروہ آ کر صلوٰۃ پڑھی پھر اہل بیت، پھر عام لوگ، پھر آخر میں عورتیں۔ جب رسول کریم ﷺ

حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ انور میں بستر ے والی جگہ میں دفن ہوئے تو حضرت سیدہ فاطمہ کبریٰ تشریف لائیں اور فرمایا تمہارے نفوس کیسے پاک ہوں گے تم رسول اللہ ﷺ پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال رہے ہو پھر قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھی اور یہ اشعار پڑھے:

مَا ذَا عَلیٰ مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٖ اَنْ لَا یَشُمَّ مُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

''احمد مختار کی تربت سونگھنے والے پر لازم ہے اس کے بعد رہتے وقت تک کوئی چیز نہ سونگھے۔ مجھ پر اتنے مصائب نازل ہوئے اگر وہ دنوں پر نازل ہوں تو وہ رات میں بدل جائیں''۔

دارمی میں حضرت انس سے مروی ہے وہ دن جس میں رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہمارے پاس تشریف لائے اس دن سے زیادہ حسین اور روشن ترین دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن آقا علیہ السلام کا وصال ہوا اس سے زیادہ تاریک اور قبیح نہیں دیکھا۔

ترمذی میں بھی حضرت انس سے مروی ہے جس دن رسول کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس دن نے ہر چیز کو روشن کر دیا جس دن میں آپ کا انتقال ہوا اس نے بھی ہر شے کو تاریک کر دیا جب ہم آپ کو دفن کر رہے تھے تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو نہیں جھاڑا حتی کہ ہمارے دلوں نے انکار کیا۔

آخرت میں فضیلت و شان مصطفیٰ

جیسا کہ ہمارے رسول کریم ﷺ ابتداء خلق میں فضیلت رکھتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے اول آپ کی تخلیق ہوئی عالم ارواح میں الست بربکم کا سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے بلیٰ کہا۔ ایسے ہی آخرت میں بھی سب سے بزرگ تر ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی سب سے پہلے سفارش کرنے والے اور جن کی سفارش پہلے قبول ہوگی وہ آپ کی ذات اقدس ہے۔ سب سے پہلے آپ کو سجدہ کی اجازت ہوگی سب سے پہلے خالق کائنات کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ کی امت کا حساب ہوگا سب سے قبل آپ کی امت کو پل صراط سے گزرنے اور جنت میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی جو تحائف اور انعامات ملیں گے ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے سوار ہو کر اٹھیں گے اور مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ لواءُ الحمد کے تحت حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء ہوں گے۔

آپ کی خصوصیات میں سے عرش کے سامنے اللہ رب العزت کو سجدہ کرنا ہے۔ سجدہ کی حالت میں

اللہ تعالیٰ کی وہ حمد وثنا کریں گے جو پہلے نہ کسی نے کی ہے اور نہ بعد میں کوئی کر سکے گا۔

آپ کو رب العالمین کا خصوصی قرب حاصل ہوگا اور خالق کائنات فرمائے گا:

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَکَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

''اے محمد ﷺ سجدہ سے سر اٹھایئے کہیے آپ کی بات سنی جائے گی مانگیے دیا جائے گا سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول ہوگی''۔

دیدار خداوندی سے بڑھ کر کوئی منزلت نہیں اسی لیے آپ بار بار سفارش کریں گے اور دوبارہ سہ بارہ سجدہ کریں گے اور اس میں نئی سے نئی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں گے۔ جو نہ کسی نے کی ہے اور نہ کرے گا اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد ﷺ سجدہ سے سر اٹھائیں آپ کی بات سنی جائے گی مانگیے دیا جائے گا سفارش کیجیے آپ کی سفارش قبول ہوگی۔

آپ عرش کے داہنی طرف کھڑے ہونگے

اسی لیے آپ عرش کی داہنی جانب کھڑے ہوں گے جہاں کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا اور اس میں اگلے پچھلے غبطہ کریں گے۔

انبیا علیہم السلام اور ان کی امتوں کے مابین شہادت دیں گے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو توحید و رسالت کی تبلیغ کی ہے اسی سے ثابت ہے کہ آپ عرش کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے جہاں کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکے گا اور تمام اولین و آخرین اس پر غبطہ کریں گے۔

آپ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے اختلاف میں شہادت دیں گے کہ ہر نبی نے اپنی امت کو تبلیغ کی ہے۔

انبیاء علیہم السلام آپ سے شفاعت و سفارش کریں گے تا کہ غم اور عرصہ دراز تک ٹھہرنے سے نجات حاصل ہو اور آپ ایسی قوم کی سفارش فرمائیں گے جنہیں جہنم کا حکم دیا جا چکا ہوگا۔

حوض

امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے حوض کی مسافت ایک ماہ ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا اور اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے جو ایک بار پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

قرطبی نے مفہم میں بیان کیا ہے کہ جس پر کہ ہر مکلف انسان کو عمل کرنا اور اس کی تصدیق لازم ہے

وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک ﷺ کو جس حوض کے ساتھ مخصوص کیا ہے اس کے نام، صفات اور پینے کی تصریح احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے جن سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے اس کو حضور اقدس ﷺ سے تیس سے چند زائد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جن میں بیس سے کچھ زائد صحابہ سے صحیحین میں روایت موجود ہے اسی تعداد میں صحابہ سے تابعین نے روایت کیا ہے۔

تابعین سے کئی گنا زائد تبع تابعین نے روایت کیا اسی طرح بعد والوں نے اور اس کے ثبوت پر اہل سنت کے سلف و خلف کا اجماع ہے۔

احادیث حوض میں سے مسلم کی روایت ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا حوض پر میری امت میرے پاس آئے گی میں لوگوں کو اس سے روکتا رہوں گا جیسے آدمی اپنے اونٹ سے روکتا ہے(1) اور اس کے چارے کا انتظام کرتا ہے ہم نے عرض کیا آپ ہم کو پہچان لیں گے آپ نے کہا ہاں تم میں علامات موجود ہوں گی جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہوں گی تم میرے پاس حوض پر ایسی حالت میں آؤ گے کہ آثار وضو (یعنی اعضاء وضو) چمکتے ہوں گے۔

کوثر کے بارے میں مسلم وغیرہا نے انس سے روایت کیا ہے کہ ایک روز مسجد میں آقا علیہ السلام ہم میں موجود تھے اچانک آپ پر اونگھ طاری ہوئی پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کس چیز نے آپ کی ہنسایا۔ تو آپ نے فرمایا ابھی ابھی مجھ پر سورت نازل ہوئی ہے اور سورت کی تلاوت فرمائی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَؕ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْؕ ② اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③

"اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے"۔

پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا تحقیق وہ ایک نہر ہے جس کے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے (الی آخر الحدیث)

بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے رسالت مآب ﷺ نے فرمایا شب معراج

1۔ اہل علم روکنے کی حکمت میں کہتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے کہ امت کے لیے نبی کا حوض ہے۔ تو حضور علیہ السلام کا یہ روکنا از روئے انصاف اور اپنے بھائیوں یعنی نبیوں کے حق میں ہوگا نہ کہ جھڑکنے اور بخل سے روکنے کی وجہ سے اور بجائے خود وہ جگہ امن کی ہے اور حضور خود داعی الناس اور رحمۃ اللعالمین ہیں اور یہ بھی امکان ہے کہ آپ انہیں روکیں گے جو اس کے پینے کے مستحق نہ ہوں گے (مدارج النبوت مترجم جلد اول صفحہ نمبر ۴۸۴)

میرا آسمان پر ایک نہر سے گزر ہوا جس کے کنارے جوف دار لؤلؤ کے قبے یعنی موتیوں کے قبے ہیں تو میں نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے تو اس نے جواباً عرض کیا یہ کوثر ہے۔ امام قسطلانی نے کوثر سے متعلق بہت سی احادیث کا ذکر کیا ہے آخر میں فرمایا کہ حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کثیر آئمہ حدیث کے نزدیک حدیث کوثر متواتر احادیث سے ہے جو علم یقین کا فائدہ دیتی ہے اسی طرح حدیث حوض بھی مفید علم یقین اور متواتر حدیث ہے۔

تمام مومنین آپ کی شفاعت سے ہی جنت میں داخل ہو سکیں گے

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی شفاعت لوگوں کی بلندی درجات کے لیے بھی ہوگی۔ آپ صاحبِ وسیلہ ہیں وسیلہ جنت کا اعلیٰ مقام ہے جس پر آپ کے سوا کوئی فائز نہیں ہو سکے گا جس سے اللہ تعالیٰ اہل محشر اور اولین و آخرین اور ملائکہ کے روبرو آپ کی تعظیم و تکریم اور جلالتِ شان کا اظہار فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

علامہ قسطلانی نے بہت سی روایات اور احادیث کا ذکر کیا ہے کہ

اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ۔ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

وَاِنَّهٗ سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَاِنَّهٗ حَامِلُ لَوَاءِ الْحَمْدِ تَحْتَهٗ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ۔

''آپ تمام اولاد آدم کے سردار اور آپ ہی لواءِ حمد کے اٹھانے والے ہوں گے جس کے نیچے حضرت آدم اور دیگر تمام لوگ ہوں گے''۔

دارمی، ترمذی اور بیہقی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجاً اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا قَادُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا شَفِيْعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا يَئِسُوا اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي وَاَنَا اَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلٰى رَبِّي يَطُوْفُ عَلَىَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ۔

''لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں جب وہ قبروں سے نکالے جائیں گے اور میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور میں شفیع ہوں گا جب وہ رد کر دیئے جائیں گے اور میں ان کو بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ عزت و تکریم سے مایوس و ناامید ہوں گے اس دن چابیاں میرے

ہاتھ میں ہوں گی اور لوا الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے زیادہ محترم و مکرم ہوں میرے گرد ہزار خادم ایسے حلقہ باندھے ہوں گے گویا وہ مروارید ناسفتہ یا بکھرے موتی ہیں"۔

ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جس کی قبر سب سے پہلے کھلے گی تو جنتی حلہ پہنایا جاؤں گا پھر عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں میرے علاوہ کوئی کھڑا نہیں ہوگا۔

ترمذی نے انس کی روایت ذکر کر کے اسے حسن کہا ہے کہ حضرت انس نے کہا میں نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ آپ میرے لیے روز محشر شفاعت کریں آپ نے فرمایا میں انشاء اللہ کروں گا تو عرض کیا آپ کو کہاں تلاش کروں تو فرمایا پہلے مجھے پل صراط کے پاس تلاش کرنا عرض کیا اگر وہاں نہ پاؤں تو فرمایا میزان کے پاس میں عرض گذار ہوا اگر وہاں بھی نہ پاسکوں تو فرمایا حوض کے پاس ہوں گا ان تین مقامات کے علاوہ کہیں نہیں جاؤں گا۔

فضیلت شفاعت اور مقام محمود

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت اور مقام محمود کی فضیلت سے نوازا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۷۹) (بنی اسرائیل)

"عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا"۔

مفسرین اس پر متفق ہیں عسیٰ کا کلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمعنی وجوب کے ہے مقام محمود کی تفسیر میں راجح قول امام رازی نے کہا تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ مقام شفاعت ہے اس معنی کی تائید میں اخبار صحیحہ وارد و موجود ہیں جیسا کہ امام بخاری نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا آپ سے مقام محمود کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ شفاعت ہے۔

سب سے قبل آپ گفتگو کریں گے

حضرت حذیفہ نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا سب سے پہلے حضور اقدس ﷺ کو بلائے گا اور آپ پڑھیں گے۔

لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِی یَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ وَالْمُهْتَدٰی مَنْ هَدَیْتَ وَعَبْدُکَ بَیْنَ یَدَیْکَ وَبِکَ وَاِلَیْکَ وَلَا مَلْجَاً مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ سُبْحَانَکَ رَبَّ الْبَیْتِ۔

''(اے رب) میں تیرے پاس بار بار حاضر ہوں تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں شر کو تیری طرف راہ نہیں ہدایت یافتہ وہی ہے جسے تو نے ہدایت دی تیرا بندہ تیرے حضور حاضر ہے اور تیرے ساتھ اور تیری طرف تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں تو برکت والا اور بلند ہے ہر عیب ونقص سے پاک ہے اے بیت کے رب (بیت اللہ)''۔

شفاعت سے متعلق بہت سی احادیث اور مقام محمود کے متعلق اقوال ذکر کیے ہیں ان میں سے بخاری و مسلم کی طویل حدیث جو شفاعتِ عظمٰی کے متعلق بہت مشہور ہے حضرت انس سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں گا روز قیامت تم جانتے ہو کہ یہ سرداری کیسی ہے (الحدیث) پھر لوگوں کے غم والم شدت وسختی اور اللہ تعالیٰ کے شدتِ عذاب اور اہل محشر کا اولوالعزم پیغمبروں کے پاس باری باری جانے کا ذکر فرمایا اور ہر پیغمبر اپنی خطا وذنب کا ذکر کر کے فرمائے گا کسی دوسرے کے پاس جاؤ اور اپنے بعد والے کی طرف اشارہ کرے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یونہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اتنا غضب ناک ہے کہ پہلے ہوا اور نہ کبھی ہوگا اور وہ ذنب کا ذکر نہیں کریں گے اور کہیں گے نفسی نفسی کسی اور کے پاس جاؤ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ تمام مخلوق آپ کے پاس آ کر کہے گی:

یَا مُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَقَدْ غَفَرَاللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ اَلَا تَرٰی مَانَحْنُ فِیْہِ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّکَ

''اے محمد! ﷺ آپ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ نے آپ کے سبب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے آپ ملاحظہ نہیں فرماتے ہم کس حالت میں ہیں ہمارے لیے اپنے رب سے سفارش کیجئے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں زیر عرش آؤں گا اور رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوں گا اس وقت اللہ تعالیٰ میری زبان پر ایسی حمد وثناء جاری فرمائے گا جو مجھ سے پہلے کبھی کسی نے نہ کی ہوگی اس کے بعد فرمایا جائے گا:

یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَکَ سَلْ تُعْطٰی وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

''اے محمد! ﷺ اپنا سر مبارک اٹھایئے مانگیے جو چاہیں گے دیا جائے گا شفاعت فرمایئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی''۔

اس کے بعد میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا:

اُمَّتِي يَارَبِّ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ۔اے میرے رب میری امت اے میرے رب میری امت۔

اس کے بعد فرمائے گا:

يَا مُحَمَّدُ اَدْخِلُ مِنْ اُمَّتِکَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْاَيْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ(1)۔

اپنی امت کے ہر اس شخص کو جس پر حساب کتاب نہیں جنت کے داہنے دروازے سے داخل کردو۔

اور جنت کے دیگر دروازوں سے اور لوگ بھی داخل ہونے میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

مسند بزاز کی روایت میں ہے میں پروردگار عالم سے عرض کروں گا اے میرے رب مخلوق سے حساب لینے میں جلدی فرما۔

انبیاء علیہم السلام کے ذنوب

آقا علیہ السلام کا فرمان انبیاء علیہم السلام عذر میں اپنے اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے وہ صورت ذنوب یعنی بظاہر گناہ ہیں حقیقت میں گناہ نہیں (انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں)۔

اور بہت سی احادیثِ شفاعت کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں سمجھتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور اقدس ﷺ کے انتظار میں بیٹھی تھی پھر حضور اقدس ﷺ کا شانہء اقدس سے باہر تشریف لائے جب ان کے قریب ہوئے تو ان کو طرح طرح کی باتیں کرتے ہوئے سنا وہ تعجب سے کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے خلیل چنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کر کے کلیم بنایا اور ان سے کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بنایا۔ چوتھے نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کہا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان کو سلام کہا اور فرمایا میں نے تم سب کی باتیں سنی ہیں تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اسی طرح حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اسی طرح حضرت آدم کو صفی اللہ بنایا صلوات اللہ علیہم یہ درست ہے تو تم جان لو اور باخبر ہو جاؤ کہ مجھے حبیب اللہ بنایا اور اس پر فخر نہیں میں روز قیامت لواء الحمد اٹھاؤں گا۔ یہ فخر نہیں میں اول شافع اور اول مشفع ہوں اور یہ فخر نہیں سب سے

1۔شفاعت کی بہت سی اقسام ہیں۔ اول تمام اہل محشر کی شفاعت کثیر وقت رکے رہنے حساب و کتاب کی شدت انتظار سے نجات دلانے کے لیے۔ دوم بلا حساب جنت میں داخل ہونے والوں کے لیے۔ تیسری قسم۔ مستحقین عذاب کو عذاب سے نجات دلانے کے واسطے۔ چہارم۔ جہنم میں داخل ہونے والوں کو وہاں سے نکالنے کے لیے۔ پنجم۔ بلندی درجات کے لیے جو جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔ چھٹی قسم۔ مدینہ والوں کے لیے۔ ساتویں۔ زائرین گنبد خضریٰ کے لیے اس کے علاوہ بھی علماء نے اقسام بیان کی ہیں۔ (مدارج النبوت جلد اول نمبر ۴۹۰) (مترجم)

پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور میں فقرائے مؤمنین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گا اور یہ فخر نہیں اور میں اولین و آخرین میں زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم و مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔ (رواہ الترمذی)

ذکر مقام وسیلہ، درجہ رفیعہ فضیلہ

اب رہا جنت میں حضور علیہ السلام کا مقام وسیلہ فضیلہ اور درجہ رفیعہ تو مسلم کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو تم وہی کہو جو وہ کہتا ہے پھر تم مجھ پر درود شریف بھیجو جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے رب العزت اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کو مانگو کیونکہ جنت میں یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی کوئی کسی کو زیب دیتا ہے خدا کے بندوں سے بجز ایک بندے کے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ لہٰذا جو کوئی میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگتا ہے تو اس کے لیے شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔

وسیلہ جنت کا اعلیٰ مقام ہے

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ منزلت کا نام ہے اور وہ منزلت رسول اللہ ﷺ کیلئے ہے اور یہی مقام جنت میں نصور کی سکونت کا ہے جنت کا یہ مقام عرش کے بہت قریب ہے۔

جب رسول کریم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ عبادت گذار، زیادہ علم والے، سب سے زیادہ خشوع وخضوع اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں لہٰذا آپ کو وہ مقام حاصل ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہو اور وہ یہی مقام ہے۔

اور امت کو وسیلہ کی دعا مانگنے کا حکم فرمانا اس لیے ہے کہ اس دعا وسوال کے کرنے والے ثواب جزیل اور زیادتی ایمان حاصل کریں نیز حق تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے لیے منزلت اسباب کے ساتھ مقدر فرمائی ہے امت کا حضور علیہ السلام کے لیے وسیلہ کی دعا مانگنا دیگر اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کیونکہ آپ کے دست مبارک پر جو ہدایت و ایمان حاصل ہوا ہے یہ اس کے مقابلہ میں ایک شے ہے۔

مقام فضیلت

لیکن طلب مقام فضیلت تو یہ تمام مخلوق پر زائد مرتبہ ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایک منزلت علیحدہ ہو۔

طوبیٰ لهم وحسن مآب کی تفسیر

طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جس کو خالق کائنات نے اپنے دست قدرت سے لگایا ہے

جنت کا ہر پھل اس سے میسر ہے اور اس کی ٹہنیاں جنت کی دیواروں کی دوسری طرف سے بھی نظر آتی ہیں اس کا تنا نبی اکرم ﷺ کے گھر میں ہوگا۔ ہر مومن کے گھر میں اس کی شاخ ہوگی تاکہ ہر ایک کو جو نعمت بھی حاصل ہو وہ حضور اقدس ﷺ کے توسل سے حاصل ہو کیونکہ جنت حضور اکرم ﷺ کی اتباع سے ملتی ہے اس طرح انعام واکرام کا آپ ہی ذریعہ میسر ہوں گے یونہی ابلیس جہنم کا سردار ہے لہٰذا جس کسی کو بھی عذاب ہوگا تو وہ اس میں برابر کا شریک ہوگا۔

ابوحیان کی ''بحر'' میں اللہ تعالیٰ کے ایک اس قول کی تفسیر میں

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ (الدھر)

''ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اپنے محلوں میں سے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے''۔

کہا گیا ہے کہ وہ عین چشمہ رسالت مآب ﷺ کے گھر میں ہے اس سے انبیاء ورسل عظام علیہم السلام اور مومنین کے گھروں میں جائے گا۔

مواہب میں ہے جب تجھے اس بات علم ہوگیا ہے تو یقین کر جنت کی سب سے اعلیٰ اور اکمل نعمت اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس کا قرب ومعیت بمعہ رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی ہے جو کہ بجائے خود بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی ہے جس کو قرب ومعیت اور رضوان حاصل ہوگیا تو کون سی نعمت، کون سی لذت اور کون سی فلاح ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ بخدا اس سے بڑھ کر کوئی کامل، حسین، شیریں بلند اور گراں قیمت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر حجاب واحد کے پیچھے اپنے اسم الجلیل الطیف کے ساتھ تجلی فرمائے گا اپنے نور کا پرتو ڈالے گا جو ان کی ذوات میں سرایت کر جائے گا تو وہ اسی جمال سے مبہوت اور بے خود ہو جائیں گے اور ان کی ذوات ذات اقدس کے جمال سے حضور اقدس کے حضور روشن ہو جائیں گے پھر اس حجاب کو بھی اٹھائے گا اور بلا حجاب تجلی فرمائے گا تو سب سجدہ میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے سروں کو اوپر اٹھالو میرے بندو یہ سجدے کی جگہ نہیں ہے میں نے تو صرف اپنا جمال دکھانے کے لیے بلایا ہے میں تم پر راضی ہوں کبھی ناراض نہیں ہونگا اس سے زیادہ شیریں کلمہ اور اس بشارت سے زیادہ لطف اندوز کون سا کلمہ ہے تو اس وقت مومنین عرض کریں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ وَاَدْخَلَنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

وَقَالُوا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّءُ مِنَ الْجَنّٰتِ
حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُالْعَالِمِيْنَ دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ
تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہم سے غم دور کیا اور جنت میں اپنے فضل سے داخل کیا جس میں تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس نہ ہوگی بیشک ہمارا رب بخشش فرمانے والا شکر کی جزا دینے والا ہے اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا جنت میں جہاں چاہیں ٹھہریں گے عمل کرنے والے کا اجر کتنا اچھا ہے اس میں ان کا یہی دعویٰ ہوگا کہ پاکیزگی اے اللہ تیرے لیے ہے اور اس میں ان کا تحفہ سلام ہے اور ان کا آخری دعویٰ یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔

امام عارف باللہ سیدی الشیخ عبدالوہاب شعرانی
المتوفی ۹۷۲ھ رضی اللہ عنہ

کے

فرمودات گرامی

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر کے مبحث تینتیس میں رسول کرم ﷺ کی رسالت کا ثبوت اور آپ کی تمام مخلوق سے علی الاطلاق افضلیت کا ذکر کیا ہے اس پر بہت سی نقول کا ذکر کیا ہے زیادہ تر فتوحاتِ مکیہ سے نقل کیا ہے ان میں سے عظیم ترین کا میں نے شیخ اکبر کے کلام میں ذکر کر دیا ہے اس لیے شیخ اکبر سے نقل کردہ کلام کو میں نے ترک کر دیا ہے۔ دوسرے فوائد جو امام نے اپنی طرف سے یا دوسروں سے بیان کیے ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں اگر چہ کچھ کا تکرار ہو جائے گا کہ ان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں۔

رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا ﷺ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے

جان لو! حضور اقدس ﷺ کی رسالت کتاب (قرآن کریم) سنت اور امت کے اجماع سے ثابت ہے ایسے ہی امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ نے مکمل طور پر رسالت کی تبلیغ فرما دی ہے۔ یونہی تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو رسالت کی تبلیغ کر دی ہے اس کی بھی ہم شہادت دیتے ہیں سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع پر خطبہ ارشاد فرمایا لوگوں کو جہنم سے ڈرایا جنت کی خوشخبری دی اور کسی کو مخصوص نہیں کیا اس کے بعد فرمایا:

اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا بَلَّغْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

"کیا میں نے تمہیں تبلیغ کر دی ہے سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ نے تبلیغ کر دی"۔

آپ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ۔ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔

امام شعرانی نے کہا:

سوال: مخلوقات میں عدم سے وجود میں آنے میں سب سے پہلے کون ہے؟

جواب: سب سے پہلے موجود ہونے والے حضور اقدس ﷺ ہیں جیسا کہ امام شیخ تقی الدین بن ابومنصور نے کہا اسی لیے اولیات کے بھی سبب ٹھہرے پس آپ ابوالروحانیات ہیں جیسا کہ حضرت آدم ابوالجسمانیات ہیں۔

سوال: حدیث پاک كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں نبی تھا جب آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے) کا کیا معنی ومطلب ہے جب کہ نبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خبر دینے والے کو آپ کے مخلوق ہونے اور مخلوقات کے موجود ہونے سے پہلے کس کو اور کس طرح خبر دیتے ہیں۔؟

جواب: شیخ اکبر نے فتوحات کے تین سو پانچویں باب میں اس کا مطلب بیان کیا ہے اس کا معنی

یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کو اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے بغیر ظہور کے میثاق سے پہلے جانتے تھے یہ وہ حال ہے کہ جس میں اپنی نبوت کو پہچانتے تھے یہ تخلیق آدم سے قبل کی بات ہے جیسا کہ حدیث میں اشارہ ہے آپ کے لیے یہ تعریف اس حال میں تھی اسی لیے نشاۃ انسانیہ عناصر اور اس کے مراتب میں پھیلی ہوئی تھی لیکن بعض انسانوں کو اس مقام میں اپنی ذات اور مرتبے کا مشاہدہ عطا کیا گیا مکمل طور پر یا اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا جو اس مرتبہ کا ہو جو دنیا میں اسے عطا ہونا ہے کا عین ہوتا کہ اس کے ذریعے اپنے پر حکم کر سکے اسی بنا پر آقا نامدار ﷺ نے اپنی نبوت کا مشاہدہ فرمایا ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آپ کو اپنے جمیع احوال کی صورتوں کا مشاہدہ ہے یا نہیں۔

وَاَوْحیٰ فِی سَمَاءٍ اَمْرَھَا۔ اور آسمان میں اپنے امر کی وحی کی۔

نو آسمانوں میں سے کوئی آسمان ایسا نہیں جس میں انسان کی صورت نہ ہو اور اس صورت کو اس کے وقت کے پہنچنے تک اس نے محفوظ کر رکھا ہے پس صورت واحدہ کی مختلف مرائی میں مختلف اشکال ہیں۔ طول، عرض، استقامت، کجی، گولائی، مربع، مثلث چھوٹے اور بڑے ہونے کے اعتبار سے پس ان اشکال کی صورتیں تجلی ڈالنے والے کے اختلاف سے مختلف ہیں حالانکہ حقیقت اور عین ایک ہے اسی لیے ہم نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ اس کی ذات کو اس کی ذات سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر تجلی ڈالنے والے کو پہچانتے تھے اور اس مقام پر مراتب اس میں اثر پذیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے اس منزلتِ رفیعہ پر فائز ہونے کے عالم میں فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں اور یہ فخر یہ نہیں۔

اس میں مرتبے کا حکم نہیں لگایا جاتا دوسرے وقت میں یعنی رسالت وخلافت کے مرتبہ میں فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ۔ تحقیق میں تمہاری مانند ایک بشر ہوں۔

یہ مرتبہ ومقام نشاۃ کی معرفت کے لیے حجاب نہیں بن سکتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے لطیفہ کو مرکب عنصری کے اعتبار سے دیکھا ہے کہ وہ اس میں ظاہر ہو رہا ہے اس کی ذات عنصریہ کا مشاہدہ فرمایا تو معلوم ہوا افلاک علیا کی قوت کے ماتحت ہے اس میں دوسری مخلوق انسان، حیوان، نباتات اور معدنیات کو مشارک دیکھا تو نشاۃ عنصریہ کے لحاظ سے کسی سے برتری اپنے لیے نہ دیکھی بلکہ ان کو اپنی مثال خیال کیا اور فرمایا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ۔ اور بھوک میں پناہ مانگتے اور صرف وحی کے لحاظ سے فرق کیا اس سے تجھے کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ کا معنی معلوم ہو گیا۔ یہ فرمان اس صورت کی زبان کے ساتھ ہے جو ان مراتب کی صورتوں میں شمار ہوتی ہے

تو اس مکان میں اس صورت کا ترجمہ کیا۔

سوال: کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کو تخلیق آدم سے قبل نبوت عطا فرمائی ہے؟

جواب: کوئی ایسی روایت ہم تک نہیں پہنچی کہ آپ کے علاوہ بھی کسی کو نبوت عطا ہوئی ہے سب انبیاء علیہم السلام اس عالم ظاہر میں نبی تھے۔

سوال: آپ نے کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے) فرما کر نبوت کا ذکر کیا ہے کُنْتُ اِنْسَانًا اَوْمَوْجُوْدًا کہ میں انسان تھا یا موجود تھا کہہ کر انسانیت یا وجود کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: نبوت کا اس لیے ذکر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ شریعت کی معرفت کا نام ہے (گویا آپ نے نبوت کے ساتھ صاحب شریعت اور عارف باللہ ہونے کا ذکر کیا۔)

سوال: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ۔ تمام مخلوق سے پہلے اللہ نے مجھے پیدا کیا اس خلق سے مراد خلق خاص ہے یا مطلق خلق؟

تشریح: شیخ نے چھٹے باب میں ذکر کیا ہے کہ خلق مخصوص مراد ہے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ ھبا (غبار) ہے سب سے پہلے جس کا اس میں ظہور ہوا وہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

تشریح: اس کی وضاحت یوں ہے جب پروردگار عالم جل وعلا نے اپنے علم کے مطابق کائنات کو ظاہر کرنا چاہا تو تنزیہہ کی تجلیات میں سے کچھ حقیقت کلیہ پر ڈالی تو ھبا ظاہر ہوا یہ تعمیر مکان کے لیے گارے کی مانند ہے تاکہ اس میں اشکال اور مختلف صورتیں ظاہر ہوں یہ کائنات میں پہلا موجود ہے پھر اپنے نور کی تجلی اس ھبا میں القا فرمائی جس میں تمام جہاں بالقوہ موجود تھا تو اس میں موجود ہر شے نے حسب قرب مراتب نور الٰہی قبول کیا جس طرح چراغ سے مکان کے در و دیوار حسب قرب چراغ روشنی قبول کرتے ہیں سب سے زیادہ نور الٰہی کے قریب صرف حقیقت محمدیہ ہے تو اس ھبا میں روشن ترین بھی حقیقت محمدیہ ہوئی۔ لہٰذا آپ کائنات کے ظہور کے لیے مبدا اول مخلوق ٹھہرے۔

پھر کہا جس کو شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں بیان کیا ہے کہ جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد چاہنے والے تھے لہٰذا قطب الاقطاب ہوئے کہ اول وآخر سب لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں ہر نبی اول کے لیے اس کے ظہور سے قبل عالم غیب میں اور ظہور کے بعد عالم شہادت میں حسب مراتب و حال ممد و معاون ہیں ایسے عالم برزخ (قبر) وآخرت میں بھی ممد و معاون ہیں کیونکہ آپ کی رسالت کے انوار متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کے لیے منقطع نہیں ہوتے بلکہ ہمہ

وقت جاری وساری ہیں۔

سوال:ایک حدیث میں فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔اوردوسری حدیث میں فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ۔سب سے اول اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے ہوگی۔

جواب: دونوں کا معنی ایک ہے کہ حقیقت محمدیہ کو کبھی عقل سے تعبیر کیا اور کبھی نور سے۔

سوال: کیا قرآن مجید اس پر ثبوت ہے کہ آپ ﷺ انبیاء سابقین کے عالم شہادت میں ممدو معاون ہیں۔؟

جواب: ہاں اس پر شواہد و دلائل موجود ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ان کی ہدایت تیری ہی ہدایت ہے جو کہ تجھ سے ان کی طرف باطن میں منتقل ہوئی ہے۔پس فَبِهُدَاهم سے مراد آپ کی ہدایت سے ان کی ہدایت واہتدا ہے اس لیے کہ باطن اولیت میں ظاہر میں آخریت آپ کے لیے ہیں اگر اس کے علاوہ کوئی اور معنی لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا فَبِهِمُ اقْتَدِهْ نیز آپ نے خود فرمایا کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔لہٰذا ہر نبی جو آپ کے ظہور سے قبل گذر چکا ہے وہ اپنی شریعت کے لیے آپ کا نائب ہے نیز اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے آپ نے فرمایا: وَضَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَدَهٗ بَیْنَ تَدَیَّ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ۔اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے سینے پر رکھا تو اولین وآخرین کا مجھے علم حاصل ہو گیا۔

اولین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو آپ کے ظہور سے قبل گذر چکے ہیں۔

آپ کو علم دو مرتبہ دیا گیا

اور اس کی وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ آپ کو دو بار علم عطا کیا گیا ایک بار تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل، دوسری بار اعلان نبوت کے بعد۔

قرآن کریم کا آپ پر نزول دو بار ہوا

جس طرح کہ آپ پر قرآن کریم دو مرتبہ نازل کیا گیا ایک بار بلا واسطہ جبریل امین دوبارہ بواسطہ جبریل امین جس کی تائید قرآن کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْکَ وَحْیُهٗ۔اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلامذہ اپنے اساتذہ کے ساتھ اس حکم میں موافقت کریں کہ ان سے سننے کے

بعد پڑھا کریں۔ شیخ محی الدین اکبر نے فتوحات کے بارہویں باب میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام شعرانی نے شیخ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ شیخ کے اس قول کے مطابق قرآن دو مرتبہ نازل ہوا میں نظر ہے کہ اس پر مجھے کوئی حدیث اور روایت نہیں ملی۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کل عالم خیر کی روح ہے وہی اس میں نفس ناطقہ ہے؟

جواب: ہاں بات تو یونہی ہے جیسا کہ شیخ نے تین سو چھیالیسویں باب میں ذکر کیا ہے کہ عالم مذکور کی حالت اس کے ظہور سے پہلے جسم مکمل کی مانند ہے اور آپ کے وصال کے بعد نیند والے کی مانند روز محشر جب مخلوقات کو اٹھایا جائے تو نیند سے بیدار ہونے والے کی مانند ہوگی اور آج پورا جہان آپ کے وصال سے لے کر قیامت تک نائم (نیند والے) کی مانند ہے افضلیت سے متعلق فوائد ذکر کرنے کے بعد جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جملہ انبیاء علیہم السلام حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے افضل و برتر ہیں۔

سوال: فرمایا حدیث میں ہے:

لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ۔ مجھے یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔

یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ کلمات تواضعاً فرمائے ہیں۔؟

جواب: یہ تواضعاً اور انکساری کے طور پر فرمایا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ آپ تمام مخلوق سے افضل ہیں اور علم اس لیے بھی ضروری ہے کہ پورے طور پر شکر ادا کرسکیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے انعامات کا شکر ادا کیا ہے۔ حدیث کا معنی یہ ہوا کہ اپنے نفوس کی طرف سے مجھے حضرت یونس پر ترجیح نہ دو کہ تم حقیقت امر سے ناواقف ہو یہ مراد نہیں کہ مطلقاً مجھے فضیلت نہ دو یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عمیم ہے۔

سوال: کیا عارف کے لیے جائز ہے کہ آپ کو فضیلت دے ایسی چیز سے جس کے الفاظ احتمال رکھتے ہوں۔؟

جواب: ہاں یہ جائز ہے لیکن عارف کامل الفاظ محتملہ کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات پر اعتماد کرتا ہے۔

سوال: کیا آپ کے جمیع مقامات آپ کی اتباع کرنے سے انبیاؑ و اولیاؑ کو مل سکتے ہیں۔ یا نہیں؟

جواب: جیسا کہ شیخ نے تین سو سینتیسویں باب میں ایسے مقامات کا ذکر کیا ہے جو کسی اور کو نہیں مل

سکتے اوران کو امام شعرانی نے نقل کیا ہے چونکہ میں نے ان کو شیخ محی الدین شیخ اکبر کے کلام میں ذکر کر دیا ہے لہٰذا دوبارہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ پھر لوائُ الحمد، وسیلہ اور قیامت کے روز آپ کے منزلت ومقام پر کلام کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

معراج شریف

امام شعرانی کے جواہر میں سے جو کہ ان کی کتاب مذکور کے چونتیسویں باب میں مذکور ہے صحت اسراٗ اور اس کے توابع کا بیان ہے جان لو کہ قصہ اسراٗ ومعراج کی اصل یہ آیت ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (بنی اسرائیل)

''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا اور دیکھتا ہے''۔

شیخ نے فرمایا اِنَّهٗ میں ھو ضمیر کا مرجع صرف رسول کریم ﷺ ہیں اس کا مرجع اللہ تعالیٰ نہیں بن سکتا اور پھر طویل گفتگو کی ہے۔ شب معراج ایک جگہ سے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جگہ کی مخصوص آیات وعجائبات جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دال ہیں وصف مخصوص کے ساتھ اس آیت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے معلوم ہو سکتی ہے یہ سب دکھانے کے بعد منتقل کیا پس گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کو آیات مخصوصہ دکھانے کے لیے معراج کرائی نہ کہ اپنی طرف اس لیے کہ کوئی جگہ مجھے سما نہیں سکتی تمام مکانات کی میری طرف نسبت ایک نسبت ہے پس وہ کیسے میری طرف اسراٗ کر سکتے ہیں میں تو ان کے ساتھ ہوں جہاں بھی ہوں۔

سوال: پھر تو فرشتے کو اس کے ملک عظیم میں اور اس کے لشکر اعلیٰ تعظیم میں اس کے دیکھنے سے ہیبت کا طاری ہونا یہ ایک امر منکر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کو کوئی مکان محیط نہیں ہو سکتا کہ مکان معقول وہ سقف عرش سے زمینوں کی تہہ تک یہ تمام مافوق العرش کی نسبت ایک ذرہ ہے اگر عرش پر ابدالا باد تک چڑھتا رہے تو اس کے بعد چھت نہیں پائے گا یا عرش سے ابدالا باد تک اترتا رہے اس کے لیے زمین نہیں پائے گا جس نے دیکھا تو اس وجود کو دیکھا اللہ تعالیٰ کی جسمیت کا قول اور اعتقاد کرنا بعید از عقل اور نہ قرین قیاس ہے پھر امام

شعرانی نے پورا واقعہ معراج ذکر کیا جس کو میں نے شیخ کے کلام میں نقل کر دیا ہے۔

سوال: اس معراج جسمانی یا روحانی میں آیات الٰہیہ کی رؤیت کے علاوہ کوئی اور فائدہ ہے یا نہیں۔؟

جواب: ہاں اس کے علاوہ بھی فائدہ ہے کہ جب آپ اسماء الٰہیہ کے حضرات سے گزرے تو ان اسما سے متصف ہوتے گئے جب اسم رحیم سے گزر ہوا رحیم ہوئے غفور سے گزرے تو غفور بنے صفت کریم سے گزرے تو کریم بن گئے حلیم سے گزرے تو حلیم بن گئے شکور سے گزرے تو شکور بنے جواد سے گزرے تو جواد بن گئے اسی طرح جس اسم سے بھی گزرے تو اس صفت سے متصف ہو گئے الغرض جب واپس تشریف لائے تو انتہائی درجہ کمال پر فائز تھے۔

فائدہ نمبر ۱: ایک جسم آن واحد میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ نے خود کو پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نیک لوگوں کی معیت میں دیکھا۔

فائدہ نمبر ۲: اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے حق میں سُبْحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ کہہ کر عبد مطلق فرمایا ہر قسم کے دعویٰ ربوبیت سے پاک کر دیا یہاں تک کہ اسراٗ کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اسی لیے سُبْحَانَ الَّذِی دَعَا عَبْدَہٗ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گئے آیات کو دیکھنے کے لیے سیر فرمائی بلکہ کسی ایک فعل کی نسبت بھی آپ کی طرف نہیں کی۔

فائدہ نمبر ۳: اسراٗ میں حضور اقدس ﷺ کے رفعت مقام کی طرف اشارہ ہے اس میں آپ کی عظیم مدح ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے عرش کی طرف اپنے استواٗ کی نسبت فرما کر اپنی تعریف فرمائی کہ عرش تمام مخلوق سے بڑا ہے تمام موجودات کو محیط وشامل ہے کہ اس کے اوپر کوئی چھت نہیں اور نہ اس کے نیچے زمین ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اس لیے نسبت کی کہ مسلمانوں کی نگاہوں کا انتہائی مقام ہے لیکن عارفین، کاملین خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء کے نزدیک عرش اعظم فضا میں اڑنے والے ایک ذرہ کی مانند ہے کہ جس پر کوئی چھت نہیں اور نہ اس کے اوپر نیچے چڑھ سکے اور نہ ہی نیچے زمین کہ جس کی طرف اتر سکے اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حمد وثناء و پاکی ہے جس کے سوا اس کی عظمت کو کوئی نہیں جانتا۔

فائدہ نمبر ۴: شیخ محی الدین نے تین سو سولہویں باب میں ذکر کیا ہے کہ عرش پر استواٗ اللہ تعالیٰ کے لیے مدح وتعریف ہے یونہی یہ نبی کریم ﷺ کے لیے بھی مدح وستائش ہے کہ اعلیٰ وعظیم ترین اور بلند ترین مقام پر رسلان عظام میں صرف آپ ہی تشریف لے گئے۔

جسمانی معراج پر دلائل

نمبر 1: اس سے معلوم ہوتا ہے آپ کو معراج جسمانی ہوا ہے اگر معراج واسرا روحانی وخوابی ہوتو یہ مدح نہیں اور نہ کوئی عربی انکار کرتا کیونکہ عالم رؤیا میں تو انسان اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکتا ہے اس کے باوجود کسی کو رؤیت الٰہی نہیں ہوئی نیز ہر انسان بلکہ ہر حیوان میں قوت رویا (خواب) ہے۔

نمبر 2: آپ نے بطور اپنی مدح کے فرمایا جب میرے لیے مستوی ظاہر ہوا تو میں نے اقلام (قلم کی جمع) کی آواز سنی اس میں لفظ حتیٰ ذکر کیا جو انتہائے غایت کے لیے آتا ہے یعنی آخری مقام جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے قدم محسوس کی انتہا عرش اعظم ہے واللہ اعلم بالصواب۔

خاتم المرسلین

امام عارف شعرانی نے پینتیسویں مبحث میں ذکر کیا اس پر اجماع امت ہے کہ آپ خاتم المرسلین اور خاتم الانبیا ہیں اگر چہ آیت میں خاتم النبیّین سے مراد خاتم المرسلین ہیں فتوحات کے چار سو باسٹھویں باب میں شیخ کی عبارت یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ سے تمام شریعتوں کو منسوخ اور ختم کر دیا پس آپ کے بعد کوئی رسول صاحب شریعت اور نہ ہی کوئی نبی آئے گا جو اپنی شریعت کے مطابق عمل کرے گا بلکہ سب لوگ قیامت تک شریعت محمدیہ کے مطابق عمل کریں گے۔

فتوحات کے اکیسویں باب میں شیخ نے کہا جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا مجھے حکم دیا ہے تو اس کی یہ بات سراسر باطل ہے بلکہ یہ دھوکہ ہے کہ امر کلام کی ایک قسم اور صفت ہے اور کلام کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حضرت الٰہیہ میں کوئی امر تکلیفی موجود نہیں جو مشروع نہ ہو چکا ہو پس اولیا وغیرہ کے لیے صرف امر کا سماع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مناجات ہے اور یہ امر نہیں بلکہ حدیث اور سمر ہے۔

جو ولی کہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے حرکات وسکنات میں مامور ہے تو شرع محمدی تکلیفی کے مخالف ہے اس پر امر مشتبہ ہو گیا ہے اگر چہ وہ اس میں صادق ہے کہا اس نے سنا ہے یہ سماعت اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ شیطان مردود کی طرف سے ہے وہ اللہ کی طرف سے سمجھ بیٹھا کیونکہ شیطان کو احکم الحاکمین کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ عرش وکرسی اور آسمان کی صورت اختیار کر سکتا ہے اور لوگوں کو مخاطب بھی کر سکتا ہے اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اوامر ونواہی بند ہو چکے ہیں اب اگر کوئی مدعی نبوت ہو کہ اس کی طرف وحی آئی ہے جو شرع محمدی کے مطابق ہو یا مخالف اگر وہ مکلف ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے ورنہ اس کی کسی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اس سے روگردانی

کریں گے۔

سوال: کیا بعثت محمدیہ ﷺ سے قبل دعویٰ نبوت جائز ہے یا ممنوع؟

جواب: آپ سے قبل ممانعت نہیں اسی لیے عبد صالح خضر علیہ السلام نے فرمایا:

مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ (کہف:82)

''یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا''۔

وہ اپنے زمانے میں نبوت سے سرفراز تھے اور شریعت کے اپنے رب سے مامور تھے اللہ تعالیٰ نے ملک الہام کی زبان پر وحی فرمائی اور بعض نے کہا بلا واسطہ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس فرمائی اور ہمارے پاس بھی۔ لیکن آج کل حضرت خضر اور الیاس بھی موسیٰ علیہم السلام کی شریعت محمدیہ پر ہیں۔ بحکم وفاق ہیں یا بحکم اتباع بہر صورت نبوت بطور توصیف نہ بحیثیت نبوت۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی بن کر اتریں گے

ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائیں گے تو شریعتِ محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے اس وقت آپ کی پہچان بھی بحیثیت ایک مبلغ ہو گی اگرچہ آپ نبی ہیں۔

امر الٰہی کا حکم عموم ہے

اللہ تعالیٰ کے حکم کا حکم ہے مگر کوئی دلیل خصوص ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (نساء:59)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا''۔

یہ حکم اطاعت بھی عام ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ شرعِ محمدی کی مخالفت کرے بلکہ سب پر اتباع لازم ہے۔

حضور اکرم ﷺ آمر و ناہی ہیں

اور حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امر و نہی کا اختیار دیا ہے اور جو چاہیں حکم دیں اور جس سے چاہیں منع کر دیں آپ مختار ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول:

وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (نساء:59)

''اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں''۔

اس سے مراد ہے ہم ان کی اطاعت مباحات میں کریں یا اس سے منع کریں نہ یہ کہ ہمارے لئے نئی شریعت مشروع کریں جو شریعت محمدی کے مخالف ہو جب ہم ان کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ماجور ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کے واجبات ومنہیات کی اطاعت میں ماجور ہوتے ہیں یہ اس کا فضل عمیم ہے جس کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور استہزا کرتے ہیں۔

سوال: ائمہ مجتہدین کی شریعات کا کیا حکم ہے۔؟

جواب: ائمہ مجتہدین اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں کرتے بلکہ صرف احکام میں غور کر کے ان سے ایسے مسائل اخذ کرتے ہیں جن کی اصل موجود ہوتی ہے ان کو نبی اکرم ﷺ نے ثابت کر رکھا ہے اور وہ احکام شرع میں سے ایک حکم ہے اور اگر ایک حکم کا حکم دے جس کی اصل اور مادہ قرآن وحدیث میں موجود نہیں تو وہ حکم مردود ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ کے افضل الرسل ہونے پر دلیل

اس کے بعد امام شعرانی نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کے افضل ہونے پر خاتم النبیین ہونا دلیل ہے کہ سب انبیاء کے خاتم ہیں اور سب انبیاء آپ سے امداد چاہتے ہیں جیسا کہ شیخ نے چار سو بانویں باب میں ذکر کیا ہے کہ دنیا وآخرت میں جس کو جو علم بھی حاصل ہوتا ہے وہ باطنیت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حاصل ہوتا ہے انبیاء وعلما متقدمین ہوں یا متاخرین حضور اقدس ﷺ نے خود فرمایا:

اِنِّی اُعْطِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالآخِرِیْنَ۔

"مجھے اولین وآخرین سب کا علم دیا گیا ہے"۔

اور ہم آخرین میں ہیں اور انبیاء متقدمین میں اس علم الاولین والآخرین میں حکم عام ہے معقول منقول، مفہوم اور موہوب سب کو شامل ہے اے پیارے کوشش کر تجھے حضور اکرم ﷺ کے علم سے معرفت الٰہی حاصل ہو کیونکہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عارف باللہ ہیں اور علمائے امت میں سے کسی عالم کی بلا دلیل مخالفت سے بچنا تم پر لازم ہے یہ ایک راز دسر ہے جس پر میں نے مطلع کیا ہے اس کو یاد رکھنا۔

سوال: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو خاص علم جو بندے اور اللہ کے مابین ہوتا ہے اپنے واسطہ کے بغیر عطا فرماتا ہے جیسے حضرت خضر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واقعہ سے واضح ہے جو کہ اپنے زمانے کے رسول ہیں۔؟

جواب: ہم نے مطلق علم کا نہیں کہا بلکہ معرفت الٰہی کا علم صرف باطنیتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء سے حاصل ہوتا ہے اس بات کا تمہیں شعور ہو یا نہ اس کو امام ابوالقاسم بن قسی نے اپنی کتاب خلع النعلین میں ذکر کیا ہے اور ہمیں یہ روایت ان کے بیٹے سے تیونس میں ۵۹۰ھ میں پہنچی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ ﷺ جن وانس کے رسول ہیں

امام شعرانی نے چھتیسویں مبحث میں صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث۔

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً۔ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

کی تفسیر میں فرمایا خلق سے مراد جن وانس ہیں جیسے مفسرین کرام نے مَنْ بَلَغَ کی تفسیر جن وانس کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول میں:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ﴿۱﴾ (فرقان:1)

''بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہے''۔

یعنی جس کو قرآن پہنچے ایسے عالمین کی تفسیر بھی جن وانس کی ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (انعام:19)

''اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے''۔

اس کی تفسیر امام جلال الدین محلی نے جن وانس سے کی ہے۔ حاصل کلام اصولیوں کا کلام دو قول کی طرف راجع ہے اول آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ ثانی آپ ملائکہ کے رسول نہیں۔ صحیح قول جس کی تصحیح امام سبکی وغیرہ نے کی ہے وہ یہ کہ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔

آپ حیوانات ونباتات وجمادات وحجر وشجر کے رسول ہیں

بلاذری نے مزید اضافہ کیا ہے کہ حیوانات نباتات، جمادات، حجر وشجر کل اشیاء کے رسول ہیں۔ اس کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ذکر کیا ہے۔ امام سبکی سے بھی یہ نقل کیا ہے کہ آپ نبی الانبیا ہیں سلطان اعظم کی مانند ہیں اور جملہ انبیاء عساکر کے امراء کی مانند ہیں اگر جملہ انبیاء آپ کا زمانہ بعثت پالیتے تو آپ کی اتباع لازم ہوتی۔ اس لئے آپ حضرت آدم سے تا قیام قیامت تمام مخلوق کے نبی اور رسول ہیں آپ کی جسمانی غیبت میں انبیاء آپ کے نائب ہیں۔ اور آپ کی شریعت میں سے کچھ حصہ سے ہر نبی مبعوث ہوا جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتا۔

آپ عالم ارواح واجسام دونوں میں رسول ہیں

سید علی خواص علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ عالم ارواح اور عالم اجسام حضرت آدم سے تا قیام قیامت تمام مخلوق کے رسول ہیں میں نے آپ سے سنا ہے کہ فرشتوں کی تین اقسام ہیں۔

ایک قسم

جن کی طرف آپ رسول ہیں امر ونہی دونوں کے یہ ملائکہ زمین پر اور زمین وآسمان کے مابین رہتے ہیں۔

دوسری قسم

جن کی طرف آپ ﷺ صرف امر کے ساتھ مبعوث ہیں یہ آسمانوں کے ملائکہ ہیں جنہیں نہی کی خبر ہی نہیں وہ صرف امر میں ہیں۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ (تحریم:6)

''جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں''۔

تیسری قسم

وہ جو امر ونہی کسی لحاظ سے آپ ان کی طرف مرسل نہیں یہ ملائکہ عالی ہیں۔ جن کی طرف ابلیس کے قصہ میں اشارہ موجود ہے۔

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۞ (ص)

''کیا تجھے غرور آ گیا یا تو تھا ہی مغروروں میں''۔

یہ ملائکہ عابدین بالذات ہیں عبادت کی جبلت پر پیدا ہوئے ہیں انہیں کسی رسول کی ضرورت نہیں بلکہ وہ جلال الٰہی میں مستغرق ہیں انہیں تخلیق آدم علیہ السلام کی خبر تک نہیں۔

اس کے بعد امام شعرانی فرماتے ہیں پہلی قسم میں غور کر ان کے کلام میں غرابت پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اپنے شیخ حضرت سید علی خواص اور عارف قاشانی سے نقل کیا ہے کہ زمین کے ملائکہ معصوم نہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ ان کی طرف امر ونہی کے ساتھ مرسل ہیں۔

عبارت قاشانی کے بعد ذکر کیا کہ بعض نے کہا شائد اس سے مراد زمین وآسمان کے مابین کے ملائکہ ہوں جو جنات کی قسم ہوں اور اصطلاحاً ان کو ملائکہ کہہ دیا گیا ہو۔

حضور علیہ السلام کے احکامات پر اعتراض جائز نہیں

امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے سینتیسویں مبحث میں بیان کیا ہے جو کچھ بھی احکامات میں سے آقا علیہ السلام لائے ہیں ان پر یقین اور اطاعت لازم ہے اور ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسے برضا ورغبت قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ (نساء)

''اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں''۔

شیخ محی الدین نے فتوحات کے حج کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ وہ امور جن کو شارح علیہ السلام نے مباح قرار دیا ہے ان کے بارے میں تیرے دل میں کراہت نہ آئے اور نہ ہی ان کے بارے میں تیرے دل میں تنگی آئے اور کہے اگر مجھے اباحت و کراہت کا اختیار دیا جاتا تو اس کو میں مکروہ قرار دیتا اور لوگوں کو اس سے روک دیتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیری نظر اور عقل اشیاء کو پرکھنے اور شارع علیہ السلام بڑا ہے اور جاہلین کے طریقے پر چلنے لگا ہے ایسی باتیں بعض لوگوں سے کثیر مرتبہ ہوتی رہتی ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے ادب کا خیال نہیں رکھتے اور جب لوگ ان مباحات کو کرتے ہیں تو عاجز یہ کہتے ہیں میں کیا کروں اس کو تو شارع نے مباح کیا ہے اب یہاں کسے بولنے کی ہمت ہے پس صبر کرتا ہے اور دل میں بہت تنگی محسوس کرتا ہے یہ سب سے بڑا سوءِ ادب ہے اور ہر وہ شخص مردود درگاہ خداوندی ہے ایسی گفتگو قرن اول کے بعض الناس سے ہونے لگی تھی اب تو اکثر لوگ یہ کہنے لگے ہیں۔

یہ کہنا حرام ہے کہ اگر حضور کے وقت یہ کام ہوتا تو آپ منع کر دیتے

کہ اگر رسول کریم ﷺ اس کو دیکھ لیتے تو ضرور منع کر دیتے حالانکہ ہم جانتے ہیں شارع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اگر ایک قوم کے لیے مباح اور دوسری کے لیے حرام ہوتا تو رسول کریم ﷺ کی زبان پر ضرور بیان فرما دیتا کیونکہ حضور علیہ السلام احکامات الٰہی کے مبلغ ہیں اپنی مرضی سے کبھی گفتگو نہیں فرماتے اور نہ ہی اوامر خداوندی سے کچھ بھولتے ہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾ (النجم)

''وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ (۳) اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔

تمام مباحات میں امت کے لیے مصلحت اور فائدہ ہے

پس جن کو مباحات قرار دیا گیا تو اس میں جہان کے لیے مصلحت اور فائدہ ہے اور اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور نہ ایسے ہوا کہ جس میں مصلحت اور فائدہ ہو حضور اقدس ﷺ نے وہ کام نہ کیا ہو جس

سے احکامات الٰہی میں اختلال واقع ہوا ہو۔

آپ ﷺ شافعِ یوم النشور ہیں

علامہ شعرانی نے سترویں مبحث میں بیان کیا ہے کہ ہمارے رسول کریم ﷺ روز محشر سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور پہلے آپ ہی کی شفاعت قبول ہوگی۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ(زادنی روایۃ) وَلَا فَخْرَ۔

"میں روز محشر اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا ہی وہ شخص جس کی پہلے شفاعت مقبول ہوگی اور اس میں فخر نہیں"۔

علماء فرماتے ہیں کہ آپ نے سیادت کو قیامت کے ساتھ مخصوص اس لیے کیا کہ وہ ہر ایک پر ظاہر ہونے کا دن ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ (مومن:16)

"آج ملک کس کے لیے ہے"۔

اور آقا علیہ السلام کی شرف و بزرگی تو دنیا و آخرت دونوں جہاں میں کوئی وقت اس سے خالی نہیں۔

ہمارے سکون و آرام کے لیے حدیث شفاعت بیان فرمائی

شیخ محی الدین نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے شفاعت کی حدیث اس لیے سنائی کہ ہم روز محشر ہر نبی کے پاس جانے سے جو مشقت اور تکلیف ہوگی اس سے نجات حاصل کریں کہ جب لوگ انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے تو ہم صبر کریں اور رسول کریم ﷺ کی باری کا انتظار کریں اور آپ ہی فرمائیں گے:

اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا۔ میں اس کام کے لیے ہوں میں اس کام کے لیے ہوں۔

امت محمد یہ میں سے وہی دیگر انبیاء کے پاس جائے گا جس کو یہ حدیث نہیں پہنچی یا اسے بھول گئی اور جسے یہ حدیث معلوم اور یاد ہوگی وہ آپ کے ساتھ رہے گا سبحان اللہ آقا علیہ السلام کو اپنی امت پر کتنی عظیم شفقت و محبت ہے۔

وَلَا فَخْرَ کا مطلب

یہ حدیث جو بیان کی ہے کہ میں بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا اس پر فخر نہیں کرتا بلکہ اس سے میرا مقصد قیامت کے دن تمہیں تکالیف و مشقات سے نجات دینا ہے کہ جب میں نے ہی سب سے پہلے

شفاعت کرنی ہے اور سب سے قبل میری شفاعت ہی قبول ہوگی یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ سے وعدہ ہے پھر تمہیں کسی نبی کے پاس جا کر تکلیف اٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے جیسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی عظمت اور برتری ایک مقصد صحیح کے لیے بیان کی ایسے آپ کی امت اولیا کاملین بلکہ جمیع امت کے لیے ضروری ہے بغیر کسی مقصد صحیح کے مخلوق میں سے کسی پر بھی اپنی برتری اور فوقیت کا اظہار نہ کریں۔

شفاعت مصطفےٰ علیہ السلام کی آٹھ اقسام

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا قیامت کے روز حضور اقدس ﷺ کی شفاعت آٹھ قسم کی ہوگی۔

نمبر ۱: شفاعتِ عظمیٰ جو تمام مخلوق کو شامل ہے اور جس سے حساب جلدی شروع ہو جائے موقف محشر سے نجات ہوگی یہ شفاعت آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نمبر ۲: بلا حساب و کتاب ایک قوم کو جنت میں داخل کروانا امام نووی نے کہا یہ بھی آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نمبر ۳: جو دوزخ کے مستحق بن چکے ہیں ان کو جنت میں داخل کروانا، امام نووی کو اس کے حضور علیہ السلام کے خاصہ ہونے پر تردد ہے۔

نمبر ۴: جو مجرم نار دوزخ میں داخل ہو جائیں گے وہاں سے نکلوانا اور جنت میں داخل کروانا اس شفاعت میں دیگر انبیا، ملائکہ اور مومنین بھی شامل ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تفصیل ذکر کی ہے کہ وہ مجرم جن کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا ان کی شفاعت تو آپ کا خاصہ ہے ان کے علاوہ مجرموں کو دوزخ سے نکلوانے کی شفاعت میں انبیاء ملائکہ مومنین بھی شامل ہیں۔

نمبر ۵: اہل جنت کے ترقی درجات اور افزائش مراتب کے لیے شفاعت کرنا۔ امام نووی نے اس کو بھی آپ کا خاصہ کہا ہے۔

نمبر ۶: جن کی نیکیاں اور بدیاں حسنات وسیأت برابر ہوں گی انہیں جنت میں لے جانا جیسا کہ امام قزوینی نے عروۃ الوثقیٰ میں ذکر کیا ہے۔

نمبر ۷: جو دائمی اور ابدی عذاب کے مستحق ہیں ان کے عذاب میں تخفیف کرانا، اس کو اور آیت کو تطبیق دیتے ہوئے:

لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ (زخرف:75)

"وہ کبھی ان سے ہلکا نہ پڑے گا"۔

جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ یہ ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی اور ابن دحیہ نے ذکر کیا ہے یہ ابولہب کے حق میں نازل ہوئی۔

میلاد کی خوشی کا کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے

کہ رسول ﷺ کی ولادت کی خوشی میں جب کہ اس نے اپنی کنیز ثوبیہ کو آزاد کیا تو اس کے صلے پر ہر پیر کے روز اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ آپ کی شفاعت بعض کفار کے لیے عذابِ قبر کی تخفیف میں ہے اس لیے کہ یہ شفاعت مومنین اور برزخ کے بارے میں ہے اور ہمارا کلام قیامت کے روز عام شفاعت کے بارے میں ہے موحدین ہوں یا غیر موحدین (تخفیفِ عذاب میں)۔

نمبر ۸: کفار کے نابالغ بچوں کی شفاعت کرنا کہ ان کو عذاب نہ ہو۔

تین اقسام اور ہیں جن کو بعض حضرات نے ذکر کیا ہے۔

نمبر 1: مدینہ منورہ میں دفن ہونے والوں کی شفاعت کرنا کہ ان کو عذاب نہ ہو روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔

شیخ محی الدین نے تین سو اکہترویں باب میں ذکر کیا ہے حضور اقدس ﷺ کی پہلی شفاعت لوگوں کے لیے شفاعت کا دروازہ کھولنے کے لیے ہوگی تو اس کے بعد ہر شفاعت کرنے والا شفاعت کرے گا جب شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت سے جو چاہے گا اللہ تعالیٰ قبول کرے جو چاہے رد کردے گا اور اس دن شافعین کے دل میں رحمت کی وسعت کردے گا تو ان کی شفاعت اس لیے رد نہیں کرے گا کہ اس میں نقص ہے یا مشفوع پر رحمت کرنا مقصود نہیں بلکہ بعض بندوں پر اللہ تعالیٰ کا اپنے احسان کا اظہار کرنا مقصود ہوگا۔ ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرکے اپنے اسم ارحم الراحمین کی شفاعت کا اظہار فرمائے گا جب کہ نار دوزخ میں داخل کرنا اپنے اسم منتقم اور جبار کا اظہار ہے کہ خالق کائنات کی شفاعت اپنے اسماءِ الٰہیہ کے مراتب کے مطابق ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

"میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی"۔

ملائکہ انبیاء اور مومنین شفاعت کریں گے تو خود ارحم الراحمین کی ذات باقی رہ جائے گی تو یہ مفہوم اس پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت نہیں کرے گا بلکہ بذات خود موحدین مجرمین کو آتش دوزخ سے نکالے گا جہنم کو اپنے غضب وعقاب سے پر کرے گا جیسے جنت کو اپنی رضا ورحمت سے۔

ارحم الراحمین، انبیاء، مومنین اور ملائکہ کی شفاعت الگ الگ مخصوص جماعت کے لیے ہوگی

شیخ محی الدین نے تین سو چھہترویں باب میں لکھا ہے کہ ارحم الراحمین انبیاءً، ملائکہ اور مومنین کی شفاعت الگ الگ جماعت کے لیے ہوگی پس خالق تعالیٰ کی شفاعت ان کے لیے ہوگی جن کے پاس توحید کے علاوہ کوئی نیکی نہ ہوگی فرمایا یہ وہ لوگ ہیں اللہ کی شہادت کے ساتھ اور ملائکہ کی شہادت کے ساتھ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ملائکہ کی شفاعت ان نافرمان لوگوں کے لیے ہے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور فرمایا کہ شفاعت ملائکہ بالترتیب ہوگی آخر میں جہنم کے انیس فرشتوں کی شفاعت ہوگی۔

شفاعت انبیاء مومنین کے لیے مخصوص ہے مومنین دو قسم کے ہیں۔

اول: وہ مومن جو دلیل ونظر سے ایمان لایا ان کی شفاعت کرنے والے حضرات انبیاء ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امم کی طرف خبر لائے اور خبر متعلق ایمان ہے۔

دوم قسم: دوسری قسم تقلیدی مومن کی ہے جو اسے اس کے والدین اور قرابت داروں نے دیا۔ ان کی سفارش کرنے والے اعلیٰ درجے کے مومن ہیں جو خود کامیاب ہو گئے بذات خود یا رسول پاک ﷺ کی سفارش سے کامیاب ہوگئے یہ تمام سفارشی عصاۃ موحدین کی مدت مؤاخذہ کے اختتام کے بعد سفارش کریں گے۔

تین سو سینتالیسویں باب میں رسول پاک ﷺ کے فرمان سُحُقًا سُحُقاً (اللہ کی رحمت سے دوری) اس قوم کے حق میں فرمایا جو آپ کے بعد مرتد ہوگئی یہ اس لیے ارشاد ہے ان پر غضب میں اللہ تعالیٰ کی موافقت ہو جائے کہ عالم امر مقتضائے وقت کے خلاف حکم دیتا اسی لیے ان پر شفقت ورحمت فرماتے ہوئے کہا۔

پھر اس حالت کے زوال کے بعد کچھ نرمی وملائمت ہوگی تو اس کی سفارش ہوگی جو فروض اسلام سے مرتد ہوا نہ کہ اصل دین سے۔

تہترویں باب میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت میں

صاحب مقام محمود ہیں کہ آپ کو جوامع کلم دیئے گئے اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے مخلوق کے تمام مقامات اس مقام مصطفےٰ ﷺ پر اختتام پذیر ہو جاتے ہیں۔

جیسے آپ کی بعثت رسالت عام اور شریعت جامع ہے اسی طرح شفاعت عام ہے جیسے کوئی عمل صحیح آپ کی شریعت سے خارج نہیں یونہی کوئی فرد آپ کی شفاعت سے خارج نہیں اور یہاں طویل گفتگو کی۔

پھر اٹھترویں باب میں رقم طراز ہیں کہ رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سجدہ کریں گے اور طویل سجدہ کریں گے اس لیے کہ اس دن سجود عین جسم محمد ﷺ مامور ہوگا کیونکہ یہ باب شفاعت کے کھلنے کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور آپ کے بغیر نہ کھول سکے گا چنانچہ آپ رب کائنات کے پاس حاضر ہو کر طویل سجدہ کریں گے جب کہ آپ کو ابھی سجدہ کی اجازت بھی مرحمت نہ ہوگی تو خالق کائنات فرمائے گا پیارے اپنا سر سجدے سے اٹھایئے مانگیے عطا ہوگا سفارش کیجیے آپ کی سفارش مقبول ہوگی۔

امام شعرانی نے اپنی درر الخواص میں اپنے شیخ سیدی علی الخواص کے منصوص علیہ فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے ۹۴۱ھ میں آپ سے سوال کیا کہ کیا میں لوگوں کے حوادث سے محفوظ رہوں گا۔؟

جواب: مجھے امید ہے تو محفوظ رہے گا کیونکہ اکثر لوگ بلا تکلیف اور خسف و مسخ کے مستحق ہوں گے اور ان تمام سے محفوظ رہے گا پھر میں عرض گذار ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (بقرہ:251)

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو بعض کو بعض سے رفع نہ کرتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی۔ تو فرمایا صحیح ہے لیکن جس چیز میں قدرت ہوگی"۔

پھر فرمایا تمام اولیاءٔ کاملین زندہ ہیں یا اپنی قبور میں سب کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں صرف رسول اللہ ﷺ کا دروازہ کھلا ہے پس جو کمال بھی تمہیں حاصل ہو رہا ہے اور جس چیز کی وجہ سے مخلوق تیری طرف متوجہ ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے درِ دولت سے ہی مل رہی ہے کہ آپ تمام کے شیخ اور سب لوگ آپ کے غلام ہیں جس میں اختلاف کرتے ہیں تو آپ ہی فیصلہ فرماتے ہیں اور فرمائیں گے(1)۔

آپ افضل الخلق ہیں

امام عارف شعرانی اپنی المنن الکبریٰ کے چودھویں باب میں لکھتے ہیں خالق کائنات نے اپنے فضل و کرم سے جو باتیں میرے قلب میں القاء فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اقدس

1۔ لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی (اعلیٰ حضرت)

ﷺ علی الاطلاق تمام مخلوق سے بزرگ و برتر ہیں زمین و آسمان میں سے کوئی فرد آپ کا ہم مرتبہ نہیں اس کا انکار وہی کرے گا جو بصیرت سے کورا ہو۔ اور اس کی نگاہیں چمگادڑ کی مانند ہیں بدیں وجہ شریعت مصطفوی کا نور دوپہر کے وقت سورج کی روشنی سے زیادہ واضح ہے۔

دلیل نمبر 1: آپ کے فضل و کمال پر یہ دلیل ہی کافی ہے ہر دور اور ہر زمانے کے لوگوں کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ آپ افضل الخلق ہیں اور یہ بات بدیہی ہے جس پر کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں آقا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ

"میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی"۔

ایک شخص کا اس سے انکار

۱۴۱ھ میں ایک شخص نے اعلان کیا سیدنا ابراہیم رسول اکرم ﷺ سے افضل ہیں اس پر یہ استشہاد پیش کیا کہ جب صحابہ کرام نے درود شریف پڑھنے کی کیفیت اور طریقہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ۔ تو اس میں رسول اکرم ﷺ مُشَبَّہ اور ابراہیم مُشَبَّہٌ بِہٖ ہیں مشبہ بہ مُشَبَّہ سے افضل ہوتا ہے۔

اس کا رد: اس شخص کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ صحابہ کرام کے کیفیت صلوٰۃ کے دریافت کرنے پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس پر غور کیا جائے کہ کسی ولی غوث ابدال نبی سے مثلاً پوچھا جائے کہ آپ مجھے ایسی چیز بتایئے جس سے میں تمہاری تعظیم اور احترام کروں اور لوگوں پر فضیلت و ترجیح دوں تو اس کے جواب میں وہ محترم خاموش رہیں گے یا وہ بیان کریں گے جس میں تواضع و انکساری کا اظہار ہو یہی وجہ ہے کعب بن عجرہ کی روایت میں ہے کہ جب ہم نے آپ سے کیفیت صلوٰۃ دریافت کی تو آپ خاموش ہو گئے اور آپ کا رخ انور غصے سے سرخ ہو گیا یہاں تک، کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش سوال ہی نہ کرتے۔

آقا علیہ السلام کا یہ فرمان ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ۔ وَاَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا پہلے میری ہی قبر کھلے گی سب سے اول میں شفاعت کروں گا پہلے میری ہی سفارش مقبول ہوگی۔

اس حدیث سے تمام مخلوق پر فضیلت عیاں ہو رہی ہے یہاں تک کہ آدم علیہ السلام پر بھی فضیلت رکھتے ہیں اگرچہ آپ کا نام احتراماً نہیں لیا کیونکہ اولاد کے لیے مناسب نہیں کہ کہے مجھے اپنے باپ پر فضیلت

حاصل ہے یہ حدیث فضیلت خود نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ارشاد فرمائی اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم)

''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے''۔

البتہ اذن الٰہی ہو تو اولاد کہہ بھی سکتی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے:

آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ

''حضرت آدم اور دوسرے میرے جھنڈے تلے ہوں گے''۔

افضلیت مصطفیٰ پر کثیر تصنیف ہوئی

اس شخص کی تردید اور افضلیت مصطفیٰ ﷺ پر علمائے مصر نے بہت کتب تحریر فرمائیں مثلاً سیدی محمد البکری، سیدی محمد الرملی، شیخ ناصر الدین طبلاوی اور شیخ نور الدین طنندائی وغیرہم ان کتب میں آپ کی فضیلت پر بے شمار دلائل ہیں۔

ایک اور منکر افضلیت مصطفیٰ کا ذکر: ایسے ہی علامہ شعرانی طبقاتِ کبریٰ نے سیدی ابوالمواہب الشاذلی کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ شیخ ابوالمواہب الشاذلی فرماتے ہیں کہ میرا ایک شخص سے الجامع الازہر میں امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ شریف کے اس شعر پر مناظرہ ہوا:

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ (1)

کمال علم کی انتہا یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ کی تمام مخلوق سے برتر ہیں۔

تو اس کے خلاف اس کی کوئی دلیل نہ بن پائی تو میں نے کہا اس پر امت کا اجماع ہے تو پھر بھی باز نہ آیا تو میں کیا دیکھتا ہوں۔

آقا علیہ السلام کا تشریف لانا

حضور اقدس ﷺ جامع الازہر کے منبر کے پاس جلوہ افروز ہیں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی موجود ہیں آپ اپنے اصحاب سے فرما رہے ہیں کہ آج کیا واقعہ رونما ہوا ہے اصحاب کرام عرض کرتے ہیں اللہ ورسولہ اعلم۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ فلاں تعیس و مایوس شخص کا عقیدہ ہے کہ میں ملائکہ سے افضل نہیں ہوں اصحاب کرام بیک آواز عرض کرتے ہیں آپ سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نہیں تو آپ نے ان سے فرمایا اس رحمت خداوندی سے محروم شخص کا کیا حال ہو جو زندہ ہی نہیں رہے گا اگر زندہ رہا بھی تو ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرے گا جس کا عقیدہ ہے کہ

1۔ لایمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

میری افضلیت پر اجماع امت نہیں میں نے اس واقعہ خواب کو ابو المواہب کی کتاب المرائی النبویہ میں بالتفصیل پڑھا ہے۔

خصائص مصطفیٰ علیہ السلام

امام شعرانی نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں خصائص مصطفیٰ علیہ السلام کا ذکر امام حافظ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے کیا ہے جیسا کہ انہوں نے خود آخر میں فرمایا ہے خصائص کبری کی تلخیص الموذح اللبیب فی خصائص الحبیب سے اخذ کیا ہے ان سب کا تذکرہ میں نے حافظ سیوطی کی کتاب ''صاحب جواہر البحار'' میں متعدد بار کیا ہے مثلاً شروع کتاب میں امام نووی کے کلام ان کی کتاب تہذیب الاسماءَ واللغات سے نقل کیا ہے ایسے امام مقری یمنی کے کلام نیز تفصیل کے ساتھ روایات واحادیثِ فضیلت کو خصائص کبریٰ سے ماخوذ کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی سے نقل کیا ہے۔

امام شعرانی نے اختصار سے صحیح اور حسن روایات کا ذکر کیا ہے لہٰذا ان کے ذکر کو بیان کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں جملہ خصائص محامد اور فضائل جو ابتدائے آفرینش سے تا قیامت اصالۃً ہمارے آقا علیہ السلام کو ملے اوران کی اتباع اور میراث کے طور پر دوسروں کو میسر ہوئے۔

تعظیم رسول پر کوئی دلیل طلب کرنا اور بحث کرنا ناجائز ہے۔

ہر وہ چیز جو رسول پاک ﷺ کی تعظیم پر دال ہو اس پر دلیل طلب کرنا اور بحث مباحثہ کرنا غلط اور ناجائز ہے کیونکہ یہ سوءادب ہے حضور علیہ السلام کی شان اور تعریف میں جو چاہتا ہے کہے اس میں کچھ حرج نہیں (1)۔

خصائص کا ذکر علما نے اس لیے کیا ہے کہ اس سے عظمت مصطفیٰ علیہ السلام کا بیان وذکر ہے اور تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ حضور کی یہ فضیلت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق کو کسی نے حضرت عمر کے بارے میں کہا کہ ان کی گردن اڑادی جائے تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا حضور اقدس ﷺ کے بعد کسی کو اس کی اجازت نہیں۔

خصائص کی اقسام

علما نے خصائص کو آٹھ اقسام میں منقسم کیا ہے جن کا نہایت اختصار سے ہم ذکر کر رہے ہیں۔

القسم الاول: آقا علیہ السلام خلقت ونبوت کے لحاظ سے تمام انبیاءَ سے اول ہیں جیسا کہ اس

1۔ اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور — تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

حدیث: کُنْتُ نَبِیّاً وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔

سے ظاہر ہورہا ہے نیز آپ کے متعلق انبیاءؑ سے پہلے میثاق لینا بھی عیاں ہوتا ہے۔

سب سے پہلے بلیٰ آپ نے کہا

اور سب سے پہلے الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے آپ نے ہی بلیٰ کہا۔

تمام مخلوق آپ کی وجہ سے پیدا ہوئی

جناب آدم علیہ السلام اور دیگر تمام مخلوق کو آپ کی وجہ سے پیدا فرمایا اور آپ کا اسم گرامی عرش تمام آسمان و جنات اور مافیہا اور جو کچھ ملکوت میں ہے پر درج ہے۔

ملائکہ ہر وقت آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور عہد آدم علیہ السلام میں آذان اور ملکوت اعلیٰ میں آپ کے اسم گرامی کا ذکر ہوتا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے آپ کی نبوت و نصرت کا اقرار لیا گیا۔

کتب سماویہ میں آپ کا اور آپ کی امت کا ذکر موجود ہے

کتب سماویہ میں آپ کے اوصاف آپ کی امت اصحاب وخلفا کے خصائص وفضائل کا ذکر موجود ہے۔

آپ کی ولادت کے وقت سے شیاطین کا آسمان پر جانا موقوف، شق صدر، دل کے محاذی، پشت پر مہر نبوت کے نشان کا ذکر موجود ہے۔

آپ کے دل اور دیگر انبیاء کے دل میں شیطان وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔

انگشتری آپ کے داہنے ہاتھ میں ہوگی آپ کے ایک ہزار نام ہوں گے۔

آپ کا نام اللہ کے نام سے مشتق ہوگا(1)۔

ستر کے قریب آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہی نام ہیں۔

آپ کا نام احمد اور محمد رکھا گیا جو پہلے کسی کا نام نہیں ہے۔

سفر میں ملائکہ کا آپ پر سایہ کرنا آپ کی عقل کامل مکمل ہے۔

آپ تمام مخلوق سے حسین ترین ہیں

آپ کو مکمل حسن عطا کیا گیا جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک حصہ ملا ابتداوحی میں

1۔ شَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

آپ کی عظمت کے لیے اللہ نے آپ کا نام اپنے نام سے تجویز فرمایا ہے کہ صاحب عرش محمود اور آپ محمد ﷺ ہیں

تین دن تک خاموش رہنا، جبریل امین کو اصل حالت میں دیکھنا آپ کی بعثت پر علم کہانت کا اختتام، آسمان سے شیاطین کے گفتگو کرنے کی آواز سننے سے موقوف ہونا، شہاب کا گرنا آپ کے والدین کا موت کے بعد زندہ ہو کر کلمہ پڑھنا لوگوں سے عصمت کا وعدہ، معراج اور اس میں خوارق عادات کا ظاہر ہونا اور مقام قاب وقوسین تک رسائی حاصل کرنا نیز اس مقام پر فائز ہونا جہاں کسی رسول نے رسائی پائی نہ کسی مقرب فرشتے کی پہنچ ہوئی آپ کے لیے انبیأ علیہم السلام کو زندہ کرنا اور ان کی اور فرشتوں کی امامت کرنا جنت و دوزخ پر مطلع ہونا، آیات کبریٰ کا مشاہدہ فرمانا شب معراج دیدار خداوندی میں محو ہوتے ہوئے آنکھ کا کجی سے محفوظ رہنا۔ دو بار خالق کائنات کا دیدار کرنا، ملائکہ کا جہاد میں شریک ہونا اور سفر میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنا باوجود امی ہونے کے ام الکتاب کا ملنا جو ہر تغیر و تبدل سے آج تک محفوظ ہے اور جمیع کتب کے علوم واحکام پر حاوی ہونے کے علاوہ مزید علوم پر مشتمل ہے اور جس کا نجماً نجماً سات حروف اور سات ابواب پر نزول ہوا جس کے پڑھنے سے ایک ایک حرف کے عوض دس دس نیکیاں عطا ہوں۔

قرآن کریم باقی کتب سے تیس خصائص کے لحاظ سے افضل ہے

قرآن کریم دیگر کتب سماویہ تیس اوصاف کی وجہ سے افضل ہے جن میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

وصف اول: یہ کتاب بیک وقت دعوت بھی ہے اور حجت بھی جب کہ دیگر انبیأ کی پہلے دعوت ہوتی پھر اس کے علاوہ حجت کچھ ہوتی تھی لیکن قرآن عظیم معانی کے لحاظ سے دعوت اور الفاظ کے لحاظ سے حجت ہے دعوت کے لیے یہ شرف کافی ہے حجت اس کے ساتھ ہو اور حجت کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ دعوت اس سے علیحدہ نہ ہو۔

وصف ثانی: آپ کو عرش کے نیچے سے وہ خزانہ دیا گیا جو پہلے کسی نبی کو نہیں ملا۔

وصف ثالث: تسمیہ صرف آپ کو دی گئی۔

وصف رابع: صورۂ فاتحہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وصف خامس: آیۃ الکرسی بھی آپ کے خواص میں سے ہے۔

وصف سادس: سورۂ بقرہ کی آخری دس آیات بھی آپ کے خواص سے ہیں۔

وصف سابع: سات طوال مفصل بھی آپ کی خصوصیات سے ہیں۔

قرآن والا معجزہ تا قیامت باقی رہے گا جب کہ دوسرے انبیأ کے معجزات ختم ہو چکے ہیں اور آپ کے معجزات تمام انبیأ کے معجزات سے زیادہ ہیں۔

دیگر انبیاء کے کمالات وفضائل ومحامد کے جامع ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار حاصل ہوئے مثلاً شق قمر، پتھروں کا سلام کرنا، تنے کا رونا آپ کی انگلیوں سے چشموں کا جاری ہونا، درختوں کا بولنا اور آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی دینا آپ کے بلانے پر ان کا حاضر خدمت ہونا۔

آپ خاتم النبیین ہیں آپ کی دعوت تمام لوگوں کے لیے عام ہے بالا تفاق آپ جنات کے بھی رسول ہیں اللہ نے آپ کی حیات اور نبوت ورسالت کی قسم اٹھائی دشمنوں کو آپ سے دور کیا اپنی کلام مجید میں اپنے نام سے آپ کا نام ملایا اور تمام کائنات پر آپ کی اطاعت فرض کی اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں کیا۔

آپ کے اعضا کے قرآن کریم میں اوصاف

اور آپ کے ایک ایک عضو کی قرآن حکیم میں تعریف فرمائی

اللہ نے آپ کو نام سے نہیں پکارا

اللہ نے پورے قرآن میں کہیں بھی آپ کو نام لے کر نہیں پکارا بلکہ مختلف اوصاف سے پکارا یَاَ اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ۔ اور امت پر نام لے کر پکارنا حرام کیا ان الطاف سے بھی نوازا جن کے ساتھ سابقہ انبیاءؑ کو نوازا تھا۔

آپ کی حیات ظاہرہ میں آپ کی امت سے ایسی کوئی حرکت ظاہر نہیں ہونے دی جو آپ کو ناگوار ہو بخلاف دیگر انبیاءؑ کے آپ حبیب الرحمٰن ہیں آپ میں محبت وخلت روئت وکلام دونوں کو جمع کر دیا۔

آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہمکلامی سے نوازا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی سیناء میں آپ صاحب قبلتین اور صاحب ہجرتین ہیں۔ ظاہر و باطن دونوں کے حکم کو جمع کر دیا ایک ماہ قبل اور ایک ماہ بعد کے سفر کے ذریعہ رعب سے مدد کی جوامع کلم آپ کو عطا ہوئے زمین کے خزانوں کی چابیاں سندس کے کپڑے میں لپیٹ کر ابلق گھوڑے پر دی گئیں۔

جملہ اقسام وحی سے آپ پر وحی کا نزول ہوا

اسرافیل کا اترنا:

آپ کے پاس اسرافیل آئے جبکہ پہلے کسی نبی کے پاس نہیں آئے۔

آپ میں نبوت وسلطنت یکجا کر دیئے:

آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت سے بھی نوازا۔

آپ امور خمسہ کے عالم ہیں

آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا یہاں تک کہ روح اور پانچ امور کا بھی جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان:34)

''بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا ذاتی علم''۔

دجال کے حالات سے بھی واقف ہیں جب کہ اس کا پہلے کسی نبی کو بھی علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے حیات ظاہرہ ہی میں مغفرت کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب اور وسیلے سے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق میں سے حضرت سرور عالم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی حقیقی ایمان نہیں لایا آذان، خطبہ اور تشہد کوئی بھی ایسا مقام نہیں جہاں اللہ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ نہ ملایا ہو(1)۔

تمام امت کو آپ پر پیش کیا بلکہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب سے آگاہ کر دیا نیز سابقہ امتوں کے حالات سے بھی مطلع کر دیا جیسے آدم علیہ السلام کل اشیأ کے اسمأ تعلیم دیئے گئے آپ تمام کائنات کے سردار اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محترم ومکرم، تمام مرسلین اور ملائکہ مقربین سے افضل ہیں آپ کائنات کے رہبر ہیں۔

آپ کو چار وزیر دیئے گئے دو آسمان پر جبریل ومکائیل اور دو زمین پر حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اصحاب سے چودہ نجیب عطا ہوئے دیگر انبیأ کو سات سات ملے آپ کا ساتھی (شیطان) مسلمان ہو گیا آپ کی ازواج وبنات آپ کی مددگار اور تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

ازواج مطہرات کے نیک اعمال پر دوگنا ثواب اور گناہ پر دوگناہ عقاب ہے۔

آپ کے اصحاب انبیأ کے سوا تمام مخلوق سے برتر ہیں جن کی تعداد انبیأ کے تقریبا برابر ہے اور تمام کے تمام عادل، مجتہد اور مصیب ہیں اسی لیے فرمایا ہے:

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے''۔

1۔ اذانوں میں خطبوں میں شادی وغم میں　　غرض ذکر ہوتا ہے ہر جا تمہارا

ایک دن کے لیے آپ پر مکہ شہر حلال ہوا مدینہ شہر کی حرمت فرمائی اور اس کو عذاب سے امن دینے والا اور اس کی گرد و غبار مرض جذام (کوڑھ) سے شفا والی قرار دیا آپ کے بارے میں قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے۔

ملک الموت آپ کے پاس اجازت لے کر آیا

ملک الموت آپ سے اجازت لے کر آیا حالانکہ پہلے کسی نبی کے پاس اجازت لیکر نہیں آیا ازواج مطہرات سے نکاح آپ کے بعد امت پر حرام قرار دیا ہے اور ایسی ہی کنیزات بھی جن سے آپ نے مباشرت کی ہو۔

قبر انور کعبہ سے افضل ہے: زمین کا وہ حصہ جس میں آپ دفن ہیں وہ کعبہ اور عرش سے افضل ہے۔

آپ کی قسم اٹھانا جائز ہے:

اللہ پر آپ کی قسم اٹھانا بھی جائز ہے اور کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں آپ کی شرمگاہ پر کسی کی نظر نہیں پڑی اگر پڑ جاتی تو بینائی سلب ہو جاتی۔

آپ کی امت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس امت کے علمائے ربانی انبیاءؑ کے قائم مقام ہیں اور ان کی مثل کام کرتے ہیں۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلَ

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیا کی مانند ہیں"۔

نیز ارشاد فرمایا:

اِلَّا الْعَالِمَ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِیْ۔

"بیشک عالم اپنی قوم میں اپنی امت میں نبی جیسا ہے"۔

آپ کا نام عبداللہ رکھا اور اس کا اطلاق کسی اور پر نہیں کیا۔ صرف یہ فرمایا:

عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)۔ شکر گذار بندہ۔

اور فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ (صٓ:44) اچھا بندہ۔

قرآن اور دیگر کتب میں آپ کے علاوہ کسی پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ کے اسما توقیفی ہیں: آپ کے تمام اسمائے گرامی اسمائے الٰہیہ کی طرح توقیفی ہیں۔

القسم الثانی

دنیا میں شریعت اور امت کے بارے میں خصوصیات

آپ کی خصوصیات میں سے مالِ غنیمت کا حلال ہونا روئے زمین کو مسجد بنانا دیگر امتوں کے لیے بیع کنیسہ کے باہر نماز جائز نہ تھی۔ زمین کو طہارت بنایا گیا یعنی پانی نہ ہو تو تیمّم کیا جا سکتا ہے یہ بھی پہلی امتوں کے لیے جائز نہ تھا موزوں پر مسح پانی سے نجاست کا دور ہونا بہت سا پانی یعنی کثیر پانی میں نجاست کا مؤثر نہ ہونا، ڈھیلا وغیرہ سے استنجاہ کرنا، پانی اور ڈھیلوں دونوں کو استعمال کرنا، پانچ نمازوں کا مجموعی طور اور درمیانی وقفہ کے گناہوں کے لیے کفارہ ہونا عشا کی نماز پڑھنا جو کسی نے نہیں پڑھی آذان، اقامت، تکبیر سے نماز شروع کرنا آمین کہنا اللھم ربنا لک الحمد کہنا نماز میں گفتگو کا حرام ہونا نماز میں استقبال کعبہ، نماز میں ملائکہ کی طرح صف بندی، فرشتوں اور اہل جنت کی طرح ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا، روز جمعہ کو عید بنانا جمعہ کے روز اجابت کی گھڑی، عید الضحیٰ، نماز جمعہ، نماز با جماعت، قیام اللیل، نماز عیدین صلاۃ کسوف (سورج گرہن) صلوٰۃ خسوف (چاند گرہن) صلوٰۃ استسقاء، نماز وتر، حالتِ سفر میں نماز قصر سفر بارش اور بیماری کی وجہ سے دو نمازوں کا جمع کرنا، صلوٰۃ خوف یہ تمام اس امت کی خصوصیات سے ہیں یہ پہلوں کے لیے نہ تھیں۔

ماہ رمضان المبارک کا اس خصوصیت کے ساتھ اس میں شیاطین کا قید ہونا جنت کا اس میں مزین ہونا روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری سے زیادہ پسندیدہ ہونا افطاری کے وقت ملائکہ کا روزہ دار کے لیے دعائے مغفرت کرنا، شب بیداروں کی مغفرت سحری کھانا افطار میں تعجیل، شب رمضان میں اکل وشراب اور جماع کا حلال ہونا جو پہلی امتوں پر نیند کے ساتھ منع ہو جاتی تھیں۔ یوم وصال کا منع ہونا حالت روزہ میں کلام کرنا جو کہ سابقہ امتوں پر جائز نہ تھی نماز میں گفتگو کی ممانعت جو کہ پہلوں کے لیے جائز تھی۔ لیلۃ القدر، یوم عرفہ، یوم عرفہ کے روز سے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہونا کہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے یوم عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہونا کہ وہ سنت موسوی ہے تناول کھانے کے بعد ہاتھ دھونا دو نیکیاں ہیں کیونکہ یہ اس شریعت اور سابقہ شرائع میں سنت ہے جنابت کا غسل کہ اس سے نقصانات بدنی روحانی دور ہوتے ہیں۔ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہنا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہنا قبر کھودتے وقت لحد بنانا، شق (نیچے کو سیدھا گڑھا کھودنا) اہل کتاب کے لیے ہیں۔

نحر کرنا(1) اہل کتاب کے لیے ذبح تھا سر کے بالوں کی مانگ کرنا ان کے لیے سدل ہے بال سیدھے کرنا بغیر مانگ کے۔ بالوں کا رنگنا(2) اہل کتاب بڑھاپے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاڑھی بڑھانا (بقدر مشت) لبوں کا کٹوانا جب کہ اہل کتاب ڈاڑھی چھوٹی اور لبیں لمبی رکھتے تھے۔ اور وہ صرف لڑکوں کا عقیقہ کرتے اور دین اسلام میں لڑکے لڑکی دونوں کا عقیقہ کیا جاتا ہے۔ جنازہ(3) کے لیے قیام کا ترک، نماز فجر و مغرب(4) میں جلدی کرنا، سخت زمین پتھریلی کے استعمال کرنے کی کراہت صرف جمعہ کے روز کی کراہت، یہودی صرف اپنی عید عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے اور ہم یکم محرم تا عاشورا (محرم کے پہلے دس دن) رکھتے ہیں نیز پیشانی سے سجدہ کرنا اہل کتاب چہرے کی ایک طرف سجدہ کرتے، نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کی کراہت جب کہ اہل کتاب ادھر ادھر پھر جاتے نماز میں آنکھیں بند کرنے کی کراہت، نماز کا اختصار سے پڑھنا بعد میں دعا کے لیے کھڑا ہونا نماز(5) میں قرآن سے دیکھ کر پڑھنا، عید فطر کے دن کچھ کھا کر نماز عید کے لیے جانا، اور اہل کتاب نماز عید سے قبل نہیں کھاتے تھے۔ موزوں(6) اور پاک جوتوں سمیت نماز کا ہو جانا یہ تمام خصوصیات امت محمدیہ سے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جب کتاب پڑھی جاتی تو اس کا ساتھ ساتھ جواب دیتے اور ہمارے لیے شریعت ممنوع ہے۔

اِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

"اور جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو"۔

رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو ہاتھ پر سہارا لے کر نماز میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو منع کر دیا اور فرمایا یہ یہود کی نماز ہے اسلام (٦) میں عورتوں کو مسجد میں نماز کے لیے آنے کی اجازت ہے جب کہ

1۔ نحر اونٹوں کے ساتھ مخصوص ہے اس کی گردن کو تین جگہ سے کاٹنا

2۔ خضاب کرنا حرام ہے اس کے علاوہ مہندی وغیرہ لگانا جائز ہے

3۔ فقہ حنفی میں جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مستحبات سے ہے خواہ غیر مسلم ہی کا کیوں نہ ہو

4۔ احناف کے نزدیک فجر میں تاخیر مستحب ہے اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔ صبح کی نماز خوب سفید کر کے پڑھو اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے

5۔ نماز میں قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے

6۔ آج کل جوتوں کے چمڑے بہت سخت ہوتے ہیں سجدہ میں جائیں جوتے کی نوک زمین پر لگتی اور پاؤں بالکل زمین سے اٹھ جاتے ہیں ایسے جوتوں میں نماز نہیں ہوتی۔

(٦) ہدایہ جلد اول میں یکرہ لھن حضور الجماعات۔ عورتوں (جوان) کے لیے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور بوڑھی عورتوں کے لیے ظہر عصر کی نماز میں شرکت مکروہ ہے حاشیہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بنی اسرائیل کی عورتوں کو اجازت نہ تھی۔

اہل کتاب کی شریعت میں حکم وفیصلہ کا فسخ جائز تھا جب دوسرے حاکم کے پاس لے جائے جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہو تو عمامہ میں شملہ رکھنا یہ ملائکہ کی علامت ہے وسط میں تہبند باندھنا، سدل کی کراہت، سبز دستار باندھنا، ایک ہی قمیض پر پٹی باندھنا، قمری مہینے کا اجرأ، وقف، موت کے وقت تہائی حصہ تک مال کی وصیت، جنازہ اٹھا کر تیز تیز چلنا، آپ کی امت تمام امتوں سے افضل و برتر، اور سب کے آخر میں آئی ہے ان کے ہاں پہلی امتوں کی رسوائی و ذلت کا ذکر ہوتا ہے لیکن اس امت کی ذلت ورسوائی کا ذکر کسی کے پاس نہیں ہوا ان کے لیے دو نام مومن، مسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیے ان کے دین کا نام اسلام رکھا جب کہ پہلی امتوں کے لیے تجویز نہیں کیا صرف انبیأ علیہم السلام کے لیے تھا اصر (گناہوں کا بوجھ) کو ان سے اٹھایا۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد خزانہ جمع کرنا جائز ہے دین اسلام میں حرج روا نہیں رکھا۔ اونٹ، شتر مرغ، نیل گائے، بطخ، تمام مچھلیاں، چربی اور دم غیر مسفوح مثلاً جگر، تلی اور رگوں کا کھانا جائز ہے۔ خطأ ونسیان پر مواخذہ نہیں اسی طرح جبر اور دلی وسواس پر بھی مواخذہ نہیں جو گناہ کا ارادہ کرے جب تک عمل نہ کرے گناہ لکھا نہیں جاتا۔ اگر گناہ کرے گا تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور نیکی کے ارادے پر ایک نیکی اور ادا کرنے پر دس نیکیوں کا ثواب ہے بلکہ سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے توبہ کے لیے خود کو قتل کرنا ناجائز چیز کے دیکھنے پر آنکھ کا نکالنا اور زکوٰۃ چوتھائی حصہ مال دینا معاف کر دیا گیا ہے اولاد کا آزاد کرنا دنیاوی امور سے رکنا، رہبانیت وسیاحت منع ہے۔

لَیْسَ فِیْ دِیْنِیْ تَرْکُ النِّسَاءِ وَلَا اللَّحْمِ وَلَا اِتِّخَاذِ الصَّوَامِعِ۔ میرے دین میں عورتوں اور گوشت کو بالکل ترک کر دینے مساجد میں ہی بیٹھے رہنے کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہود میں اگر کوئی ہفتے کے دن کام کرتا تو اسے سولی پر چڑھا دیا جاتا دین اسلام میں جمعہ کے روز کام کرنے پر کوئی ممانعت نہیں (ماسوا اوقاتِ جمعہ کی نماز) اہل کتاب نماز کی طرح وضو کیے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے تھے اگر کوئی چوری کرتا غلام بن جاتا جس نے خودکشی کی اس پر جنت حرام ہو جاتی اگر کوئی شہنشاہ ان پر غلبہ حاصل کر لیتا تو انہیں غلام بنا لیتا ان کے مال سے جتنا چاہے لے جاتا۔

اسلام میں چار عورتوں سے بیک وقت نکاح جائز ہے تین طلاق دے سکتا ہے۔ اہل کتاب اور کنیزات سے نکاح جائز ہے حیض کی حالت میں مجامعت کے علاوہ نفع حاصل کرنا جائز ہے عورت کے قبل میں جس طرح چاہے استمتاع کر سکتا ہے قصاص ودیت میں اختیار ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) الفتویٰ الیوم علی کراھتہ حضور ھن فی الصلوۃ کلھا۔ اس دور میں اس پر فتویٰ ہے کہ مطلق عورتوں کے لیے سب نمازوں میں شریک ہونا مکروہ تحریمہ ہے (صفحہ نمبر ۱۲۶)

حملہ آور کا دفاع جائز ہے

حملہ آور کا دفاع کر سکتا ہے جب کہ اہل کتاب پر کوئی حملہ آور ہوتا تو اس کا دفاع نہیں کر سکتا تھا خواہ قتل کر دے یا اپنی مرضی سے چھوڑ دے۔ شرمگاہ کا ننگا کرنا جائز نہیں۔ تصویر، نشہ آور چیز کا پینا، لہو ولہب کے آلات (ڈھول باجے وغیرہ) بہن سے نکاح، سونے چاندی کے برتن، ریشم اور سونا مردوں کے لیے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے پہلے سجدہ کرنا تحیہ تھا اسلام میں اس کے عوض سلام ہے مساجد کے محراب بنانا ہمارے لیے جائز اور پہلوں کے لیے مکروہ تھا امتِ محمدیہ کا ضلالت و گمراہی پر اجماع نہیں ہو سکتا اور اہل باطن اہل حق پر غالب آ سکتے ہیں۔

نبی کی بدعا سے اس امت کو محفوظ رکھا ہے ان کا اجماع حجت ہے اور اختلاف رحمت ہے حالانکہ پہلوں کا اختلاف باعث عذاب تھا طاعون کی موت شہادت اور رحمت ہے جب بھی دعا کریں قبول ہوتی ہے۔ سابقہ کتب اور قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں بیت اللہ کا حج کرتے ہیں کبھی اس سے جدا نہیں ہوتے نیکی پر آخرت کے لیے ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی صلہ مل جاتا ہے پہاڑ اور درخت ان کی تسبیح وتہلیل کے لیے ان کی گذرگاہ پر اُمڈ پڑتے ہیں ان کے اعمال اور ارواح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں ان کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی نزول رحمت

اللہ تعالیٰ ان پر نزول رحمت کرتا اور فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے جیسے انبیاء پر صلوٰت بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (احزاب:43)

''وہی ہے جو تم پر درود اور رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے''۔

یہ اپنے بستر پر فوت ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ شہید ہوتے ہیں ان کے سامنے مائدہ رکھا جاتا ہے ان کے اٹھانے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے جب کپڑے پہنتے ہیں تو کپڑا جھاڑنے سے پہلے ان کی نجات ہو جاتی ہے۔

اس امت کے صدیق تمام صدیقین سے افضل ہیں یہ علما و حکما ہیں، فقاہت و حکمت کی وجہ سے انبیاء کے مقام کو پہنچ گئے حق گوئی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے مومنین پر مہربان اور کفار پر سخت ہیں۔

ان کا قرب نماز اور ان کی قربانی ان کا خون ہے جو اس امت کا عمل مقبول نہیں اس پر ستر ڈال دیا

جاتا ہے حالانکہ پہلے لوگ رسوا ہو جاتے جب ان کی قربانی کو قدرتی آگ نہ جلاتی، استغفار سے اس امت کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ندامت ان کے لیے توبہ ہے۔

امتِ محمدی کی چار کرامتیں

روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو چار کرامتوں سے نوازا ہے جو کسی اور کو حاصل نہ ہوسکیں۔

پہلی کرامت: میری توبہ مکہ میں ہوئی اور اس کا کوئی فرد جہاں چاہے توبہ کرلے۔

دوسری کرامت: جب مجھ سے خطا سرزد ہوئی تو بدن سے کپڑے اتر گئے لیکن ان کے کپڑے نہیں اترتے۔

تیسری کرامت: مجھے اپنی بیوی سے جدا کیا گیا۔

چوتھی کرامت: مجھے جنت سے نکالا گیا۔

بنی اسرائیل سے جب کوئی گناہ کرتا تو اس پر طیب طعام حرام ہو جاتا اور اس کے دروازے پر اس کی خطا لکھی ہوئی پائی جاتی۔

اس امت سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے بھوک سے نہ کلی طور پر دشمن سے، نہ غرق سے ہلاک کرے گا اور نہ ہی ایسا عذاب آئے گا جس سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔

اگر دو آدمی کسی کی بھلائی و خیر کی شہادت دیں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے حالانکہ پہلی امتوں کے لیے ایسا نہ تھا البتہ اگر سو آدمی شہادت دیتے یہ امت کے قلیل عمل پر کثیر اجر اور بھی ان سے کم رکھتی ہے۔

پہلی امتوں کے آدمی کی تیس گنا عبادت ہے اس کی عبادت تیس گنا سے کئی درجے بلند و برتر ہے مصیبت کے وقت نماز رحمت اور ہدایت عطا کی، علم اول علم آخر دیا ہر شے کے خزائن کی چابیاں، یہاں تک کہ علم انساب، اسناد، اعراب کا علم دیا تصنیف کتب کی توفیق دی۔

نبی اکرم ﷺ کی سنت کو ہر دور میں محفوظ رکھا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا۔

امت مصطفےٰ سے اقطاب و ابدال ہیں

آپ کی امت سے اقطاب، اوتار نجباء، ابدال ہوتے ہیں۔

آپ کا امتی عیسیٰ کی امامت کرے گا

وہ آپ کا ہی امتی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کرے گا۔

آپ کی امت سے وہ لوگ ہوں گے جو تسبیح وتہلیل کے ساتھ فرشتوں کی طرح طعام سے مستغنیٰ ہو جائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے ملائکہ ان کی آذان اور تلبیہ کو آسمان پر سنتے ہیں جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے اور پستی و بلندی پر جاتے وقت اس کی تکبیر کہتے ہیں جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو انشاء اللہ، ناراضگی کے وقت تہلیل اور منازعت واختلاف کے وقت تسبیح پڑھتے ہیں کام سے پہلے استخارہ اور سواری پر سوار ہوتے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں قرآن کریم ان کے سینوں میں ان میں سے سبقت لے جانے والا جنت میں بلا حساب داخل ہوگا ان کا میانہ رونجات پانے والا جسکا حساب آسان ہوگا اور ان کا ظالم مغفور، امت کا ہر فرد مرحوم جنت کا رنگین لباس پہنے گا نماز کے لیے اوقات نماز کا خاص خیال رکھتے ہیں یہ وسط عادل امت جس کا اللہ تعالیٰ نے تزکیہء نفس فرمادیا ہے۔

جہاد میں فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں ان پر وہی اشیاءَ فرض ہیں جو انبیاءَ ورسل پر لازم ہیں جیسے وضو اور غسل جنابت حج اور جہاد وغیرہ، نوافل سے جو انبیاءَ علیہم السلام کو عطا کیا وہی ان کو ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے پکارا

اللہ تعالیٰ کی اس امت پر خاص نوازش ہے کہ اس کو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے وصف ایمان سے پکارا جب کہ پہلوں کو یاایھا المساکین سے۔

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (بقرہ:152) تو تم میرا ذکر کرو میں اپنی رحمت سے تمہارا پرچار کروں گا، سے بلاواسطہ خطاب کیا اور بنی اسرائیل کو۔

اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ (بقرہ:40)

''میرا وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا''۔

چونکہ وہ صرف اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں ذات خداوندی نہیں۔ اللہ کی نعمتیں خدا کی پہچان کا ذریعہ تھیں اس لیے فرمایا اللہ کی ان نعمتوں کو یادرکھو جو اس نے تم پر کیں ان میں زیادہ تر غلام تھے۔

جب یہ آیت:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (توبہ:100)

''اور سب سے پہلے ایمان والے مہاجر اور انصار وہ لوگ جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے''۔

نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ میری تمام امت کے بارے میں نازل ہوئی۔ رضا

مندی کے بعد ناراضگی نہیں ہوتی۔

ان کا نام اہل القبلہ رکھا اور ان کی شہادت دوسروں کے لیے جائز ہے دوسری امتیں غیر ملت کے لیے شہادت نہیں دے سکتیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس امت میں تجرید مدّ غل اور صفد جائز نہیں۔

تشریح: حد جاری کرتے وقت ننگا اور کھینچا نہیں جائے گا بلکہ بیٹھے ہوئے کپڑوں سمیت حد نافذ کی جائے گی۔

تشدید و تسہیل کے مابین احکام

علماء فرماتے ہیں ابتداء شرائع میں سہولت تھی کہ حضرت نوح حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ادیان میں سختی نہ تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے دین میں سختی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اس شریعت میں موسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرح سختی اور نہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرح نرمی بلکہ اس کے بین بین ہے لہٰذا یہ دین نہایت ہی معتدل ہے۔

القسم الثالث

وہ خصوصیات جو نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ دار آخرت میں مخصوص ہیں

سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کھلے گی صور کے صعقہ سے پہلے آپ ہی کو افاقہ ہوگا ستر ہزار فرشتوں کی معیت میں براق پر محشر میں تشریف لائیں گے میدانِ محشر میں آپ کے نام کا اعلان ہوگا آپ کو روز محشر جنت کا سب سے خوبصورت لباس پہنایا جائے گا عرش کی داہنی جانب اور مقام محمود پر کھڑے ہوں گے آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا جناب آدم اور دیگر سب مخلوق آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے آپ امام النبیین قائد اور ان کے خطیب ہوں گے۔

سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی سب سے قبل ہی سجدہ سے سر اٹھائیں گے سب سے قبل اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا سب سے اول ہی سفارش کرنے والے اور پہلے ہی سفارش مقبول ہوگی دوسروں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے اور دوسرے اپنے بارے میں سوال کریں گے آپ ہی شفاعتِ عظمیٰ کے مالک ہوں گے۔

آپ کی شفاعت سے ایک جماعت بلا حساب، ایک جماعت جو مستحق عذاب ہوگی جنت میں جائے گی اور ایک جماعت کے جنت میں درجات بلند ہوں گے جہنم میں داخل ہونے والے امتیوں کو آپ کی شفاعت سے نکالا جائے گا یہاں تک کہ کوئی بھی آپ کا امتی جہنم میں باقی نہ رہے گا صالحین کی

جماعت جن سے اطاعت وعبادت میں تقصیر ہو چکی ہو گی کی معافی ہو گی آپ کی شفاعت سے حساب میں تخفیف ہو مخلّد فی النار کفار کے عذاب میں بھی تخفیف ۔ کفار کے بچے عذاب سے محفوظ۔

اہل بیت جنتی ہیں

آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جائے تو آپ کا سوال پورا ہوگا سب سے پہلے پل سے اس حال میں گزریں گے کہ آپ کے سر اقدس کے بالوں اور چہرے سے نور چمک رہا ہوگا جب کہ دیگر انبیاءؑ کے دو نور ہوں گے۔

سیدہ فاطمہ کی عظمتِ شان

جب سیدہ فاطمہ بنتِ رسول ﷺ کا گذر ہوگا ندا آئے گی اہل محشر اپنی نگاہیں بند کرلو تا کہ بنتِ رسول گزر جائیں۔

سب سے پہلے آپ ہی باب جنت کھٹکھٹائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے آپ کے بعد آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا حوضِ کوثر جو کہ سب سے بڑا ہے آپ ہی کے لیے مخصوص ہے دوسرے انبیاءؑ جن کے لیے چھوٹے چھوٹے حوض ہوں گے۔

آپ صاحبِ وسیلہ ہیں

آپ کے لیے مخصوص ہے جو ایک جنت کا درجہ ہے آپ کے منبر کی ٹانگیں جنت میں مضبوط گڑھی ہوئی ہیں اور منبر جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض پر رکھا ہوا ہے۔

جنت کا ٹکڑا: آپ کے منبر اور محراب کا درمیانہ حصہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ سب انبیاءؑ کی تبلیغ پر گواہ طلب ہوگا لیکن آپ سے کوئی گواہ طلب نہیں کیا جائے گا بلکہ دیگر انبیاءؑ کی تبلیغ پر گواہ ہوں گے۔

قیامت کے روز آپ کے سوا تمام حسب ونسب ختم ہو جائیں گے

حضور اقدس ﷺ کے علاوہ تمام کے حسب ونسب ختم ہو جائیں گے۔

جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت آپ کے نام سے ابو محمد ہو گی۔

اہل فترہ سے آپ کے متعلق امتحان لیا جائے گا

احادیث میں مروی ہے کہ اہل فترہ سے آپ کے بارے امتحان لیا جائے گا جس نے اطاعت کی وہ جنت میں اور جس نے نافرمانی کی وہ دوزخ میں جائے گا۔

آپ کے اجداد اطاعت کریں گے: آپ کے اجداد سب کے سب اطاعت کریں گے تا کہ آپ

کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

درجات جنت بحساب آیات قرآن ہیں

مروی ہے کہ درجات جنت آیات قرآنیہ کے حساب کے مطابق ہیں قاریٔ قرآن سے کہا جائے گا تلاوت کی آخری آیت کا اختتام تیرا مقام ہے اور دوسری کتب سماویہ کے متعلق ایسا نہیں ہوگا۔

جنت میں صرف قرآن کی تلاوت ہوگی

اہل جنت صرف قرآن کریم کی تلاوت کریں گے اور فقط عربی زبان ہی بولیں گے۔

رسول پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو خازن کھڑا ہو کر کہے گا تو کون ہے؟ میں جواب دوں گا۔ انا محمد۔ میں محمد ہوں۔ تو جواب میں کہے گا میں آپ کے لیے کھڑا ہوں دروازہ کھولتا ہوں آپ سے پہلے کھڑا ہوا ہوں نہ آپ کے بعد کھڑا ہوں گا۔ واللہ اعلم

القسم الرابع

جو آخرت میں آپ کی امت کے لیے مخصوص ہیں

لوگوں میں سے سب سے پہلے آپ کی امت قبروں سے اس حالت میں نکلے گی کہ ان کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے محشر میں بلند مقام پر ہوں گے ان کے لیے انبیاءؑ کی مانند دو نور بھی ہوں گے دوسری امتوں کے لیے ایک نور ہوگا ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار نمایاں ہوں گے ان کی ذریت ان کے سامنے ہوگی۔

نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا

اس امت کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پل پر سے بجلی کی مانند گزر جائیں گے ان کے نیک لوگ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے وہ مقبول بھی ہوگی ان کے گناہوں کی سزا دنیا اور برزخ میں مل جائے گی تا کہ روز قیامت پاک وصاف ہوں۔ گناہ لے کر قبر میں داخل ہوں گے بغیر گناہوں کے قبر سے نکلیں گے یہ مومنین کے ان کے حق میں استغفار کی وجہ سے ہوگا اس امت میں جس نے نیکی کی اور اس کے لیے جس نے نیکی کی دونوں کا اجر اسے ملے گا۔

سب سے قبل ان کا حساب ہوگا اور لغزشیں معاف کی جائیں گی سب مخلوق سے ان کی نیکیاں وزنی

1

امت محمدیہ کو حاکم عادل کا مقام حاصل ہوگا

ان کو عادل حاکم سا مقام حاصل ہوگا یہ لوگوں بلکہ انبیاءٔ کی تبلیغ کی بھی شہادت دیں گے۔

ہر امتی کے عوض ایک ایک یہودی یا عیسائی جہنم میں بھیجا جائے گا۔

سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور ہوں گے ان کی اولاد ان کے ساتھ ہوگی۔

اہل جنت کی صفوف

اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں چالیس دوسری امتوں اور اسی اس امت کی ہوں گی جب اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا تو وہ سجدہ میں گر جائیں گے۔

حضور کی پوری امت جنت میں داخل ہوگی: حدیث شریف میں ہے پہلی امتوں کے کچھ لوگ جنتی اور کچھ لوگ دوزخی ہوں گے لیکن یہ میری امت سب کی سب جنت میں ہوگی۔

القسم الخامس

وہ واجبات جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض میں تو دیگر انبیاءٔ بھی شریک ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چاشت کی نماز، وتر، تہجد، مسواک، قربانی، مشاورت، فجر کی دو رکعت، غسلِ جمعہ، زوال سے قبل چار رکعت اور نماز کے لیے یا جب بھی حدث لاحق ہو وضو کا واجب ہونا مخصوص ہیں بعد میں مسواک کا وجوب منسوخ ہوگیا۔

ایسے استعاذہ، دشمن کے مقابلے میں صبر کرنا، خواہ کتنا ہی کثیر تعداد میں دشمن ہو، جب کوئی مقابلے میں آیا تو قتل ہونے سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔

منکرات کی تغییر کا اظہار، خوف وخطر کا ساقط ہونا، ایفائے عہد، اگر تنگدست مسلمان مرا تو اس کے قرض کا ادا کرنا، فراق میں ازواج کو اختیار دینا ان کے آپ کو پسند کرنے کے بعد آپ کا اختیار کر کے اپنے پاس رکھنا۔

ان پر کسی اور سے نکاح نہ کرنا، ان کی مکافات کے لیے تبدل کرنا، بعد میں آپ کو خوش رکھنے کے لیے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ بغیر خلل کے کامل و مکمل نماز ادا کرنا احسن طریقہ سے سوالات اور تنقید کا جواب دینا۔

جتنے بھی لوگ علم سیاست کے مکلف ہیں اتنے آپ اکیلے ہی مکلف ہیں۔

مخلوق کے ساتھ میل جول کے ساتھ ساتھ مشاہدہ حق کے بھی مکلف ہیں۔

جس عمل کے لوگ پابند ہیں اس عمل کے آپ بھی پابند ہیں حالتِ وحی میں دنیا سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کو نماز، روزہ معاف نہیں۔

حضور اقدس ﷺ سے نماز، روزہ اور دیگر احکام ساقط نہیں۔

روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتے۔

آپ ﷺ یومیہ ستر مرتبہ استغفار کے مکلّف تھے۔

آپ کے نوافل زیادتی اجر کے لیے ہیں

فرائض کے تابع نوافل صرف زیادتی اجر کے لیے ہیں فرائض کی تکمیل کے لیے نہیں کیونکہ آپ فرائض کما حقہ ادا کرتے شب معراج کے حکم کے موافق آپ کے لیے ایک شب و روز پچاس نمازیں مخصوص ہیں۔

آپ فرائض کے علاوہ سو رکعت ادا کرتے۔ بعض نے روایت کیا ہے کہ آپ صلوٰۃ خمسہ کے علاوہ روزانہ سو رکعت ادا فرماتے نماز کے وقت سونے والے کو جگانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ (النحل:125) اے نبی! لوگوں کو اچھی تدبیر اور عمدہ نصیحت کے ذریعے اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے۔

عقیقہ کا وجوب، ہدیہ پر کچھ عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل واجب اور ذخیرہ کرنا حرام ہے، تنگ دست والے کے عیال کی کفالت اور تنگ دست کی جنایات اور کفارات ادا کرتے۔ مکروہات پر صبر اور تنگ دست جو صبح و شام رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کی معیت پر صبر کرنا آپ پر واجب ہے اور لوگوں سے کلام ان کے عقل و فراست کے مطابق کرنا بھی آپ پر لازم ہے۔ وصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

القسم السادس

آپ کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے جو اشیا آپ پر حرام ہیں

مال زکوٰۃ، صدقہ، کفارات آپ پر اور آپ کی آل پر اور موالیہ پر اگر ان کے لیے کھانے کو کچھ ہے اور ازواج مطہرات پر بھی بالا جماع حرام ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آپ پر صدقات معینہ حرام تھے اور عامہ جیسے مساجد اور کنوؤں کا پانی حرام نہ تھا آپ کی آل کو عامل بنانا اور ان کو نذر و کفارات

اوران کا فروخت کرنا حرام ہے کتابت، شعر گوئی اور کتاب کو دیکھ کر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

جب ہتھیار پہن لیں تو جب تک جنگ نہ ہو آپ کے اور دشمن کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ نہ کر دے تو اوزار اتارنا جائز نہیں یونہی دیگر انبیاءً علیہم السلام کے لیے بھی نا جائز ہے۔

مَن یعنی احسان کا ذکر کرنا تا کہ زیادہ زیادہ سے ثواب مل سکے آنکھ کی خیانت، کتابیہ سے نکاح حرام ہے اس کو دیکھنا حرام ہے تکبیر سن کر پیچھے رہنا بھی حرام ہے۔

شراب قبل از بعثت بھی آپ پر حرام تھی

اعلان نبوت سے بیس سال قبل آپ پر شراب حرام ہوئی۔

حضور اقدس علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی شراب نہیں پی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حضرت ابو بکر صدیق نے کبھی بھی شراب نہیں پی جاہلیت میں نہ اسلام کے بعد ننگے ہونے اور شرمگاہ کے کھولنے کی ممانعت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔

القسم السابع

مباحات جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جنابت کی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا، وتر سواری پر پڑھنا یا باوجود واجب ہونے کے بیٹھ کر پڑھنا، وتر میں جہر سے قرأت اس کے علاوہ سری قرأت جائز ہے ایک رکعت کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ حصہ کھڑے ہو کر جائز ہے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، نفس پر مکمل اعتماد و کنٹرول کی وجہ سے اور صوم وصال جائز ہیں۔

کھانے پینے اور لباس کی ضرورت کے باوجود آپ روک سکتے ہیں اور مالک پر ان کا خرچ کرنا لازم ہے اگر ہلاک ہو جائے تو اس کا فدیہ دے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند ہے۔

رسول اکرم علیہ السلام اجنبیات کو دیکھ سکتے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر محرم عورتوں کے دیکھ سکتے ہیں اور خلوت میں ان کے پاس بیٹھ بھی سکتے ہیں سواری پر اپنے پیچھے بٹھانا بھی جائز ہے۔

چار سے زائد عورتوں سے آپ نکاح کر سکتے ہیں

آپ کے لیے جائز ہے کہ چار سے زیادہ عورتوں سے بھی نکاح کر لیں ایسے پہلے انبیاءً پر جائز تھا بغیر مہر ابتداً وانتہاً نکاح جائز ہے کہ چار گواہوں اور عورت کی مرضی کے بغیر بھی آپ نکاح کر سکتے ہیں۔

جب آپ کا کسی عورت سے نکاح کا ارادہ ہو جائے تو صرف رغبت ہی سے کوئی دوسرا آدمی اس عورت کو پیغام نکاح نہیں دے سکتا۔ اگر شادی شدہ عورت کے بارے میں دل میں رغبت ہو جائے تو اس کے شوہر کے لیے لازم ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے تا کہ آپ اس سے نکاح کر سکیں (اگرچہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔)

اگر کسی شخص نے عورت کو پیغامِ نکاح دیا تو اس کے بعد آپ اسے بھی پیغام عقد کا حق رکھتے ہیں عورت اور مرد کے ولی کی اجازت کے بغیر بھی جس مرد سے چاہیں نکاح کر دیں خود اپنے سے بھی کر سکتے ہیں نیز طرفین کے ولی عورت اور اس کے ولی کی اجازت کے بغیر بھی بن سکتے ہیں۔

حضرت امیر حمزہ کی دختر کا نکاح حضرت عباس جو اس کے چچا اور اقرب تھے کی موجودگی میں کر دیا حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو کہو کہ تیرا نکاح کر دے تو اس نے جو کہ وہ نابالغ ہی تھا نکاح کر دیا حضرت زینب کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آپ سے کر دیا تو خود عقد کے بغیر ان کے پاس گئے۔

اپنے کلام سے وقفے کے بعد منفصلا استثنا کر سکتے ہیں۔

مال غنیمت سے تقسیم سے قبل بھی اپنے لیے جو چاہیں رکھ لیں۔

اپنی شہادت خود بھی دے سکتے ہیں

حضور اقدس ﷺ کو خود اپنی اور اپنی اولاد کی شہادت دینا جائز ہے اور یہ شہادت قابل قبول بھی ہے۔

نیز ہدیہ قبول کر سکتے ہیں دیگر حکام کے لیے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

بلا شہادت حد زنا جاری کر سکتے ہیں

تہمت زنا پر شہادتوں کے بغیر بھی حد جاری کر سکتے ہیں اور دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں۔

لفظ صلوٰۃ سے آپ جس کو چاہیں دعا دیں لیکن ہمارے لیے نبی کے علاوہ جائز نہیں آپ نے اپنی امت کی قربانی دی لیکن دوسرے لوگ اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتے آپ کے لیے جائز ہے خود اور اللہ تعالیٰ کو ضمیر میں جمع کر لیں۔ دوسروں کے لیے ناروا ہے جو آپ کو گالی دے یا ہجو کرے آپ اس کو قتل کر دیں تو جائز ہے۔

فتح سے قبل اراضی پر قبضہ کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کا آپ کو مالک بنا دیا ہے اور ارض جنت کو قطع کر سکتے ہیں۔

القسم الثامن

فضائل وکرامات جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں

منصب صلاۃ سے مخصوص ہیں اور آپ اور جملہ انبیاء کی میراث کا تقسیم ہونا بلکہ صدقہ کی وصیت کرنا لازم ہے جب نبی جہاد کے لیے تیار ہو کر نکلے تو ہر ایک کے لیے لازم ہے اس کی رفاقت میں تیار ہو کر نکلے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوا عَنْ رَّسُولِ اللهِ (توبہ:120)

''مدینہ میں رہنے والوں اور دیہاتیوں کو مناسب نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں''۔

یہ حکم بعد میں کسی خلیفہ راشد کے لیے نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج اور بنات کا کسی کو بھی دیکھنا جائز نہیں اور نہ ہی شہادت وغیرہا اپنا چہرہ اور بازو وغیرہ ننگے کر سکتی ہیں نہ مشافہۃً سوال کر سکتی ہیں۔

ازواج مطہرات اور بنات رسول کو نماز مکان کی چھت پر پڑھنا منع ہے

حضور اقدس ﷺ کی ازواج اور بنات کا مکان کی چھت پر نماز پڑھنا ممنوع ہے وہ مومنین کی مائیں ہیں۔

ازواج مطہرات حضور علیہ السلام کے بعد نکاح نہیں کر سکتیں

ازواج مطہرات کے لیے لازم ہے کہ آپ کے بعد آپ کے گھر میں رہیں دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتیں۔

ازواج مطہرات و آل رسول کے لیے جنابت وحیض وغیرہا کی حالت میں بھی مسجد میں بیٹھنا جائز ہے۔

آپ اگر بلا ناغہ بیٹھ کر نوافل ادا کریں اس کا ثواب بھی قیام والے نوافل کے برابر ہے۔

نمازی کو نماز کی حالت میں بھی جواب دینا واجب ہے

نمازی نماز پڑھ رہا ہے تو حضور اقدس ﷺ اسے بلائیں تو حالت نماز(1) میں بھی جواب دینا

1۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول تمہیں بلائے تو فوراً جواب دو

لازم ہے یہی حکم دیگر انبیاء کے لیے بھی ہے۔

رسول ﷺ کے پیچھے ضحک سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نماز میں ضحک (بلا آواز ہنسنا) سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے ہے۔

حضور علیہ السلام کو گھر سے بلانا حرام ہے

حضور اقدس ﷺ اگر گھر میں جلوہ افروز ہوں تو دروازے سے آواز نہیں دے سکتے اور نہ ہی دور سے آپ کو آواز دینا جائز ہے۔

آپ کے فضلات طیب ہیں

آپ کا پیشاب، براز، خون و دیگر فضلات طیب و طاہر ہیں بلکہ آپ کے پیشاب کا پینا شفاً ہے جو آپ کو سبّ و شتم کرے اسے قتل کیا جائے گا آپ کی اہانت کفر، آپ کی آل اور اصحاب سے محبت امت پر فرض ہے کسی نبی کی زوجہ فاحشہ نہیں۔

آپ کی بنات کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیاً قَطُّ اِلَّا جَعَلَ ذُرِّیَتَہٗ فِیْ صُلْبِہٖ غَیْرِیْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَعَلَ ذُرِیَّتِیْ مِنْ صُلُبِ عَلِیٍّ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کی صلب سے پیدا فرمائی لیکن میری اولاد علی المرتضیٰ کی صلب سے پیدا فرمائی۔

آپ کی بنات پر دوسری عورت سے نکاح منع ہے

آپ کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی جائز نہیں۔ بعض علما نے قیامت تک کی اولاد کے لیے یہی حکم بیان کیا ہے۔

رشتہ صہر ذریعۂ نجات ہے

جانبین میں سے جس طرح بھی رشتہ صہر آپ سے قائم ہو گیا وہ دوزخ میں نہ جائے گا

محرابِ رسول میں نماز کے لیے کھڑا نہ ہو

محراب رسول میں کھڑا ہو کر صلوٰۃ نہیں پڑھ سکتا ایسے ہی داہنی جانب نہ بائیں جانب لفظ رحمت سے آپ کے لیے دعا مانگے نہ کہ لفظ دعا کے ساتھ۔

انگشتری پر محمد رسول نقش نہیں کرا سکتا

کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ اپنی انگشتری پر محمد رسول اللہ کا لفظ کندہ کروائے۔

غضب ورضا کی حالت میں آپ سے حق کلمہ ہی نکلتا ہے

ناراض ہوں یا راضی کسی حالت میں بھی آپ کی زبان حق ترجمان سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا(1)

خواب(2) میں آپ کی زیارت حق ہے ایسے ہی جملہ انبیاء۔

انبیاء کو اغما و جنون نہیں ہو سکتا

انبیاء علیہم السلام بے ہوشی اور جنون وغیرہا کی بیماریوں سے محفوظ ہیں اور نہ ہی عام لوگوں کی طرح ان کی نیند ہوتی ہے۔

انبیاء عیوب و نقائص سے پاک ہیں

حاصل کلام ہر وہ عیب اور نقص جس سے لوگ متنفر ہوں انبیاءؑ اس سے پاک ہوتے ہیں۔

احکام کو کسی کے لیے مخصوص کرنے کا آپ کو حق ہے

حضور اقدس ﷺ کی یہ شان ہے کہ جس حکم کو جس کے لیے چاہیں مخصوص کر سکتے ہیں جیسے خزیمہ کی شہادت دو مردوں کے برابر قرار دینا، خولہ بنت حکیم کو نوحہ کی اجازت دینا، اسماءؓ بنت عمیس کے لیے سوگ کی رخصت دینا، ایک شخص کا دو نماز پڑھنے کی شرط مسلمان ہونے کی لگانا اور آپ کا اسے قبول فرمانا، مہاجرین کی عورتوں کو ان کے مکانات کا وارث قرار دینا کیونکہ وہ مہاجرات ہیں ان کے پاس مکان نہیں جیسا کہ کتاب الفرائض میں اس کا ذکر آچکا ہے اور حضرت انس بجائے طلوع فجر کے سورج کے طلوع ہونے سے روزہ رکھتے، نیز اپنے اہل بیت کے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے ظاہر ہے یہ ان کی خصوصیت ہے۔

آپ ﷺ ہر طرف اور روز و شب میں یکساں دیکھتے

حضور اقدس ﷺ جس طرح اپنے سامنے دیکھتے ایسے دائیں بائیں اور پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے۔ نیز دن کے اجالے کی طرح رات کی تاریکی میں بھی دیکھتے۔ آپ کے لعابِ دہن سے کڑوا پانی شہد کی طرح شیریں ہو جاتا۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مسند امام احمد میں حدیث مذکور ہے

2۔ آپ نے فرمایا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ ۔جس نے مجھے دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا کہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا۔

آپ کی آواز اتنی دور سنائی دیتی جہاں کسی کی بلند آواز سے بلند آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

آپ کا قلب صمیم ہر وقت بیدار رہتا

آپ کی آنکھیں سو جاتیں لیکن دل کبھی نہ سویا نہ آپ نے جمائی لی اور نہ احتلام ہوا یہ تینوں نبی کی خصوصیت ہیں آپ کے پسینے سے کستوری سے بڑھ کر خوشبو آتی۔

چلتے ہوئے ہر ایک سے بلند نظر آتے

جب آپ کسی طویل قامت شخص کے ساتھ چلتے تو اس سے بھی طویل نظر آتے اور مجلس میں بیٹھتے تو مجمع سے آپ کے کندھے بلند ہوتے۔

آپ کا سایہ نہیں تھا

آپ کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا چاند اور سورج کی روشنی میں آپ کا سایہ تک نظر نہ آیا(1) کیونکہ آپ نور تھے آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور نہ آپ کو جوں یا کھٹمل نے ایذا دی۔ جس سواری پر آپ سوار ہوتے تو وہ بول و براز نہ کرتا۔ آپ کا پاؤں مبارک مکمل طور پر زمین پر لگتا۔ پاؤں کی خنصر انگلی بھی پورا کام کرتی عام لوگوں کی طرح اس میں کمزوری نہ تھی جب زمین پر چلتے تو زمین آپ کے لیے سمٹ جاتی۔

آپ میں قوتِ جماع

آپ میں چالیس آدمیوں کے برابر قوت جماع تھی اور سو بہادروں کے برابر قوت شجاعت، غذا میں سب سے زیادہ قناعت کرنے والے۔

آپ کے براز کو زمین نگل جاتی

جو کچھ آپ سے خارج ہوتا فوراً زمین نگل جاتی اور کستوری کی طرح اس سے خوشبو آتی دیگر انبیاء کی بھی یہی شان ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد میں کوئی سفاح نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک کوئی بھی بدکار نہ تھا آپ پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے چلے آئے آپ کے والدین بھی طیب و طاہر اور ساجدین میں سے تھے۔

1۔ تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ہے ٹکڑا نور کا   سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا   (اعلیٰ حضرت)

آپ کی ولادت کے وقت بت گر گئے

جب آپ پیدا ہوئے تو بت گر گئے(1) آپ ختنہ شدہ ناف بریدہ طیب و طاہر زمین پر سجدہ کی حالت میں تشریف لائے ایک شیر خوار رونے والے بچے کی مانند ایک انگلی اوپر اٹھائی ہوئے تھے۔

آپ کی والدہ کو بوقت ولادت شام کے محلات نظر آئے

آپ کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور چمکا جس سے آپ کی والدہ نے شام کے محلات دیکھ لیے یونہی ہر نبی کی والدہ دیکھتی رہی۔

آپ کی تمام رضاعی مائیں مسلمان ہیں

جس عورت نے بھی آپ کو دودھ پلایا وہ مسلمان ہوگئی۔

آپ کا جھولا فرشتے جھولتے

جب آپ جھولے میں ہوتے تو فرشتے جھولا جھولتے۔

چاند آپ کا کھلونا تھا

بچپن میں آپ جدھر انگلی کا اشارہ کرتے چاند ادھر پھر جاتا(2)۔

پہلی گفتگو

جب آپ میں قوت گویائی پیدا ہوئی تو پہلی گفتگو آپ کی یہ تھی:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً۔

”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں“۔

روح قبض ہونے کے بعد دوبارہ واپس کی گئی

آپ کے جسد اقدس سے روح قبض ہونے کے بعد دوبارہ واپس کی گئی دنیا میں رہنے اور اللہ کی طرف جانے کا اختیار دیا گیا تو آپ کی روح نے رجوع الی اللہ کو ترجیح دی یونہی ہر نبی کے لیے۔ مرض وصال میں جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تین بار بھیجا تا کہ آپ کا حال دریافت کیا جائے۔

اسماعیل فرشتہ

جب ملک الموت آیا تو اس کے ساتھ اسماعیل نامی فرشتہ بھی تھا۔

1۔ تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

2۔ چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

اسماعیل فرشتہ رونے لگا

جب اس نے ملک الموت کی آواز سنی تو وامحمداہ، وامحمداہ کہتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔

آپ کی نماز جنازہ

آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ اور فرشتوں نے صلوٰۃ پڑھی اور لوگ بغیر امام کے دعائیں مانگ رہے تھے اور یہ کہتے آپ ہی موت وحیات میں یکساں ہمارے امام ہیں اور معروف دعا جنازہ نہیں پڑھی۔

دفن

جہاں آپ کا وصال ہوا اسی جگہ دفن کیا گیا کیونکہ انبیاءؑ اپنی وصال والی جگہ پر ہی دفن ہوتے ہیں باقی لوگوں کے لیے قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے آپ کے وصال کے وقت زمین پر تاریکی چھا گئی۔

حیات نبی علیہ السلام

آپ اپنی قبر انور میں زندہ جاوید ہیں اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں ایسے ہی دیگر انبیاءؑ علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں حیات ہیں۔

احادیث کا پڑھنا عبادت ہے

احادیث مبارکہ کی تلاوت باعث ثواب ہے قرآن کریم کی طرح اس پر بھی اجر ملتا ہے حدیث شریف کی تلاوت کے لیے غسل اور خوشبو مستحب ہے۔

فضیلتِ حدیث: حدیث شریف پڑھتے ہوئے کسی کے استقبال کے لیے اٹھنا مکروہ ہے حاملین حدیث کا چہرہ ہمیشہ تروتازہ اور ہشاش بشاش رہے گا۔

آپ کے صحابہ کرام عادل تھے

آپ کے سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔

مزار انور کا احترام

روضہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آواز بلند کرنا منع ہے جس طرح حیات ظاہری میں منع تھی۔

امام ایک ہوگا

آپ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ کے بعد ہر دور میں امام ایک رہے گا دیگر انبیاء کے بعد امتوں

کے بیک وقت کئی امام تھے۔

آل رسول کا مخلوق میں کوئی کفو نہیں

رسول اکرم ﷺ نکاح کے لئے مخلوق میں کفو اور ہمسر نہیں آل رسول کو اشرف کہا جاتا ہے۔

آل رسول کون ہیں

آل رسول علی، عقیل، جعفر اور عباس رضی اللہ عنہم کی اولاد ہیں سلف صالحین کی یہی اصطلاح ہے صرف حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شرافت کی خصوصیت مصر میں خلفاً فاطمین کے دور میں رواج پذیر ہوئی۔

شان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

جناب سیدہ فاطمہ زہرئی کو کبھی حیض نہیں آیا اور بچے کی پیدائش کے وقت خون نفاس جس سے آپ کی کوئی نماز رہ گئی ہو اسی لیے آپ کا لقب زہرئی ہے۔

سیدہ کی بھوک ختم ہوگئی

ایک دن جناب سیدہ کو بہت سخت بھوک لگی رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس کے بعد کبھی آپ کو بھوک کا احساس نہ ہوا۔

سیدہ کی موت کے وقت خود غسل دیا

جب سیدہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اٹھ کر غسل کیا اور وصیت کی کہ مجھے ننگا نہ کرے چنانچہ علی المرتضیٰ نے آپ کو اسی غسل میں کفن دیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے کسی گنجے کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کے سر پر بال اگ آئے کسی کھجور کے درخت کو بویا تو اس نے اسی سال پھل دیا۔

آپ کے تبسم سے روشنی ہو جاتی

جب آپ اندھیری رات میں تبسم فرماتے تو تاریک مکان روشن ہو جاتا(1)۔

کان کی قوتِ سماع

جب جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر اپنے پروں کو ہلائیں تو زمین پر اس کی آواز سن لیتے نزول آیت سے قبل ہی آپ کو آیت کی خوشبو آنی شروع ہو جاتی اور قرآن کریم بالمعنی تلاوت کرتے۔

---

(1) سوزن گمشدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

(اعلیٰ حضرت)

عظمتِ صحابہ

بعض صحابہ کی موت پر عرش عظیم ان کی روح سے ملاقات پر فرط محبت سے جھولنے لگتا۔

حضور علیہ السلام جس راہ چلتے خوشبو آتی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی راہ پر چلتے بعد میں آنے والے کو اگر معلوم نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس سمت تشریف لے گئے ہیں تو راستہ میں آپ کی خوشبو سونگھ کر پیچھے پہنچ جاتا۔

حاصل کلام

آپ کے اوصافِ حمیدہ، خصائص مبارکہ ان گنت اور بے شمار ہیں بقدر اختصار اتنے ہی کافی ہیں۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تمام خصائص خاتم الحفاظ الشیخ امام جلال الدین کے کلام سے اخذ کئے ہیں۔

اس کے بعد عارف شعرانی لکھتے ہیں میں نے ان خصائص مذکورہ کو تیس سال کی مدت میں تحقیق و تجسس کر کے جمع کیا ہے یہ میں نہیں جانتا کہ ان کی حد کہاں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

امام الشیخ الشہاب احمد بن حجر الہیتمی ۹۷۳ھ
کے
فرمودات گرامی

ابن حجر ہیتمی نے اپنی شرح ہمزیہ میں امام بوصیری کے مطلع ہمزیہ کے شعر:

كَيْفَ تَرْقَىٰ رُقِيَّكَ الْاَنْبِيَاءُ   يَاسَمَاءُ مَا طَا وَلَتْهَا سَمَاءُ

کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسی بلندی

تَرْقَىٰ بلند ہوگا رُقِیَّکَ آپ کی حسی بلندی۔ شب معراج جسم اقدس کے ساتھ ہجرت کے ساتھ آسمان کی طرف پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مستوی جہاں تقدیر لکھنے والی اقلام کی آواز سنائی دیتی ہے پھر عرش، رفرف، رؤیت و دیدار اللہ کا خطاب بالمشافہ سننا اور حقیقی کشف وغیرہا جہاں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی رسائی نہیں۔

معنوی بلندی

معنوی طور پر بلندی کہ ایک صفتِ کمال وخلقِ عظیم سے دوسری صفت خلق کی طرف جو پہلے سے اکمل ہے اسی طرح غیر متناہی سلسلہ تک۔

علامہ بوصیری نے رقی کے دونوں معنوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے اختصاص کا ذکر کیا ہے کہ آپ رفعت وشرف کے غایت درجہ کے ساتھ منفرد ہیں۔

معنیٰ اول: حضور اقدس ﷺ اس انداز سے لامکان تک شب معراج جانے میں منفرد ہیں یہ بات تو بالکل واضح ہے۔

دوسرا معنیٰ: کمالات کے ساتھ منفرد ہونا تو یہ بات قرآن میں غور وفکر کرنے سے عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں صراحۃً اور کنایۃً دونوں طرح سے ثابت ہوتا ہے کہ کمالات کی ان بلندیوں پر پہنچے، جہاں کوئی پہنچ سکا اور نہ ہی مرتبہ میں اللہ کے ہاں مساوی ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ:253)

''اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں میں بلند کیا''۔

کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

زمخشری کا قول: زمخشری نے کہا کہ نام نہ لے کہ ابہام سے ذکر کرنے سے آپ کی عظمت وشان واعلیٰ منزلت کی طرف اشارہ ہے اس کی شہادت ایسے علم سے ہے جس میں شبہ نہیں اور ایسی تمیز ہے جس میں التباس نہیں۔

درجات سے مراد: آیت مذکور درجات سے مراد آیات و معجزات کثیرہ ہیں کیونکہ آپ تمام انبیاء کے معجزات وکمالات کے جامع ہیں اس کے علاوہ جو معجزات وکمالات عطا ہوئے وہ کسی کو عطا نہیں ہوئے۔

قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے: تیرے لیے آپ کی کتاب قرآن ہی کافی ہے کیونکہ اس کے معجزات غیر متناہی اور آیات ان گنت ہیں آپ کی امت سب سے کثیر اور پاکیزہ اور بہتر ہے جیسا کہ قرآن کریم

میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

"تم ان امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں میں ہوئیں"۔

امت کا افضل ہونا نبی کے افضل ہونے کی دلیل ہے آپ کی صفات اعلیٰ و اجل اور ذات افضل و اکمل ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط (انعام:90)

"تو آپ انہی کی راہ پر چلیے"۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاً علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ بیان فرمانے کے بعد ان سب اوصاف میں اقتداء کا آپ کو حکم دیا ہے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ میں وہ متفرق اوصاف یکجا پائے جائیں۔

حدیث شفاعت سے معلوم ہوا ہے کہ سب کے پاس جانے اور ان کے اس حقیقت کے کہ ہم اس کے اہل نہیں کا اعتراف کرنے کے بعد آپ فرمائیں گے۔

اَنَا لَهَا۔ میں اس کے لائق ہوں۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔

اور روایت میں ہے۔

اَنَا اَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ میں تمام انبیاً سے اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ مکرم و معزز ہوں۔

ترمذی کی حدیث میں ہے۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِىٍّ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ۔

"میں اولادِ آدم کا روز محشر سردار ہوں مجھے اس میں فخر نہیں لواُلحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اس

میں فخر نہیں تمام انبیاءٔ علیہم السلام آدم اور دیگر سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے''۔
اس سے ثابت ہورہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی اس میں شامل ہیں۔
جس طرح بخاری وغیرہ کی حدیث۔

اَنَاسَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

''میں قیامت کے روز تمام لوگوں کا سردار ہوں گا''۔
اور حدیث۔

اَنَاَ سَیِّدُالْعَالَمِیْنَ۔ میں سب مخلوق کا سردار ہوں۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ملائکہ پر بھی فضیلت رکھتے ہیں آیت کی نص سے ثابت ہے کہ حضرت آدم فرشتوں سے بزرگ تر ہیں اس کی تائید آئندہ حدیث سے بھی ہوتی ہے کوئی فرشتہ آپ کے ہمسر نہیں۔
حدیث ترمذی حسن ہے جیسا کہ بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں ترمذی پر رد کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ

''میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ محترم ہوں''۔
اس میں انبیاءٔ وملائکہ سب کے شمول کی واضح تصریح ہے۔
حدیث شریف۔ آدم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا۔

قَالَ آدَمُ یَارَبِّ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ فِیْہِ اِنَّہٗ قَالَ یَاآدَمُ کَیْفَ عَرَفْتَہٗ وَلَمْ اَخْلُقْہُ قَالَ یَارَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ بِیَدِکَ اَیْ بِقُدْرَتِکَ الْقَاھِرَۃِ وَنَفَخْتَ فِیَّ مِنْ رُوْحِکَ اَیْ سِرِّکَ الْعَجِیْبِ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتَہٗ اَحَدٌ غَیْرُکَ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَرَأَیْتُ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَکْتُوْباً لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَعَلِمْتُ اَنَّکَ لَمْ تُضِفْ اِلٰی اِسْمِکَ اِلَّااَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَیْکَ قَالَ اللّٰہُ صَدَقْتَ یَا آدَمُ اِنَّہٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ وَاِذْسَاَلْتَنِیْ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ فَقَدْ غَفَرْتُکَ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُکَ (صححہٗ الحاکم)

اے اللہ! محمد ﷺ کے صدقہ میں میری خطا معاف فرما۔ اللہ نے فرمایا اے آدم! تو نے

اسے کیسے پہچانا جب کہ میں نے ابھی اسے پیدا نہیں کیا۔ عرض کیا اے پروردگار جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا یعنی اپنی قدرتِ کاملہ سے اور مجھ میں اپنی روح ڈالی یعنی عجیب سر جس کی حقیقت تیرے سوا کوئی نہیں جانتا میں نے اپنا سر اٹھایا تو قوائم عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ تو نے صرف سب سے زیادہ پیارے کا نام ہی اپنے نام سے ملایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے صحیح کہا وہ مجھے تمام مخلوق میں محبوب ترین ہے جب تو نے محمد ﷺ کے توسل سے معافی چاہی تو میں نے معاف کر دیا اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا"۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور اعتراض کیا لیکن ابن عباس سے جو مروی ہے وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَسَكَنَ۔

"اگر محمد کو پیدا نہ کرتا تو آدم کو پیدا نہ کرتا اگر میں محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو جنت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ متذبذب ہوا تو میں نے یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس پر لکھ دیا جس سے وہ سکون پذیر ہوا"۔

دوسری روایات میں ہے۔

لَوْلَاهُ مَاخَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ سَمَاً اَوَّلَا اَرْضاً وَلَاالطُّوْلَ وَلَا الْعَرْضَ وَلَاوَضَعَ ثَوَابٍ وَلَاعِقَابٍ وَلَاخَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَانَاراً وَلَاشَمْسَ وَلَا قَمَراً۔

"اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمان و زمین کو پیدا نہ کرتا نہ طول و عرض کو اور نہ ثواب و سزا ہوتی اور نہ جنت و دوزخ اور شمس و قمر کو پیدا کرتا"۔

یہ بھی صحیح روایت ہے کہ:

اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضَ فَاَلْبَسُ الْحُلَّةَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَقُوْمُ ذَالِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ۔

سب سے قبل میری قبر کھلے گی میں جنتی لباس پہن کر عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں

میرے سوا کوئی فرشتہ کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

ایک اور روایت سراج بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں نقل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا میں نے تجھ پر سات چیزوں سے احسان کیا ہے۔

حضور معزز ترین مخلوق ہیں

میں نے مخلوق میں تم سے زیادہ معزز کوئی پیدا نہیں کیا۔

دوسری روایت میں ہے جس کو بلقینی نے روایت کیا ہے۔

جبریل آمین نے آپ کو بشارت دی کہ آپ خیر الخلق اور بزرگ تر مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ جتنی آپ سے محبت کرتا ہے اور کسی سے نہیں کرتا خواہ ملک مقرب ہو یا نبی مرسل (1)۔

بحیرا راہب سے روایت

بحیرا راہب علماءٔ اہل کتاب سے ہے جو حق بات کہتے ہیں اس سے روایت ہے۔

هَذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ۔ یہ تمام مخلوق کے سردار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام جلیل القدر صحابی اور اہل کتاب کے امام تھے حضور اقدس ﷺ سے متعلق ایک روز جمعہ کے دن مختلف امور پر گفتگو فرمائی ان میں سے ایک یہ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَ خَلِيْفَةِ اللّٰهِ عَلَى اللّٰهِ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ۔

"بیشک اللہ تعالیٰ کے مکرم ترین خلیفہ ابو القاسم ﷺ ہیں"۔

تو آپ سے دریافت کیا گیا ملائکہ سے بھی تو آپ ہنسے اور سائل سے فرمایا:

يَا ابْنَ اَخِيْ هَلْ تَدْرِيْ مَا الْمَلَائِكَةُ اِنَّمَا الْمَلَائِكَةُ خَلْقٌ كَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ وَالْجِبَالِ وَسَائِرِ الْخَلْقِ الَّتِيْ لَا تَعْصِي اللّٰهَ شَيْئاً وَاَنَّ اَكْرَمَ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ اَبُو الْقَاسِمِ۔

"اے بھتیجے کیا تو جانتا ہے کہ ملائکہ کیا ہیں؟ فرشتے بھی ایک مخلوق ہیں جیسے آسمان، زمین، ہوا، بادل، پہاڑ اور دوسری مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کرتی اس کے پاس معزز ترین ابو القاسم (محمد ﷺ) ہیں"۔

سراج بلقینی نے بیان کیا ہے کہ یہ مرفوع کا حکم رکھتی ہے اس لیے کہ جلیل القدر صحابی وہی روایت کرتا ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو یا تورات کی صحیح روایت ہو۔

1۔ خلق سے اولیاءٔ اولیاءٔ سے رسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی (اعلیٰ حضرت)

باقلانی اور حلیمی نے افضلیت ملائکہ کی یوں توضیح کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کے لیے ہو اسی پر ان کے بعض اجلاً تلامذہ نے جزم کیا ہے جیسے بدرزرکشی ایک نوع خاص ہیں ملائکہ افضل ہوتو مفضول کا کسی خاص چیز میں افضل سے فضیلت حاصل کرنا افضل کی افضلیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فضیلت انبیاً پر آئمہ مسلمین کا اتفاق ہے

آئمہ مسلمین میں سے کسی نے انبیاً ومرسلین کی افضلیت میں کوئی توقف نہیں کیا اگر کسی شخص نے اختلاف کیا تو اس کا رد کیا گیا جس نے یہ خیال کیا کہ ہم افضلیت انبیاً ورسل کی معرفت کے مکلف نہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ گمان ووہم باطل ہے یہ اصولِ دین واجبہ سے ہے جس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس پر دلائل ذکر کرنے بھی لازم ہیں اور جس کے ذہن میں اگر کسی قسم کا خلل و خدشہ ہوتو اس کی توضیح بھی ضروری ہے۔

مشہور حدیث ہے۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔

''تین خصلتیں جس میں موجود ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا اللہ اور رسول اس کا کل ماسوا سے زیادہ محبوب ہو''۔

کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف اور صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کل کائنات سے مکرم ومحتشم ہیں۔

انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا جائز ہے

علامہ بلقینی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاً علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا جائز ہے یہ عام علماً کا قول ہے۔ جس طرح سابقہ دلائل صریحہ سے واضح ہے۔

سوال: اللہ کا فرمان ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (بقرہ:136)

''ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے''۔

جواب: تو یہ باعتبار ایمان کے ہے۔

سوال: اور یہ احادیث صحیحہ

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ. لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ. لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ

انبیاؑ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ مجھے انبیاؑ پر فضیلت نہ دو۔ انبیاؑ میں سے کسی کو ترجیح نہ دو۔
اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر 1: یہ اپنے افضل ہونے کے علم سے پہلے ارشاد فرمایا۔

جواب نمبر 2: تواضع وانکساری کے لحاظ سے فرمایا۔

جواب نمبر 3: ایسی فضیلت نہ بیان کرو جس سے کسی نبی کی شان میں تنقیص لازم آئے یا اس کے مقام وشان سے چشم پوشی ہو۔

جواب نمبر 4: ذاتِ نبوت و رسالت کے لحاظ سے فضیلت بیان نہ کرو ایک کی نبوت ذاتی دوسرے کی عرضی ہو نفس نبوت میں سب یکساں فضائل وکرامات ومعجزات کے اعتبار سے فرق ہے۔

جواب نمبر 5: اپنی عقل اور رائے سے فضیلت نہ دو بالاتفاق قیاس سے کسی کو ترجیح دینا منع ہے۔

سوال: دو احادیث صحیح جن میں ہے:

مَا يَنۡبَغِيۡ لِاَحَدٍ اَنۡ يَقُوۡلَ اَنَا خَيۡرٌ مِنۡ يُوۡنُسَ بۡنِ مَتّٰى مَنۡ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِنۡ يُوۡنُسَ بۡنِ مَتّٰى فَقَدۡ كَذَبَ۔

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں جو یہ کہے گا میں یونس بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹا ہے''۔

جواب: حکمت ان دو میں حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ محل ظاہری کے اختلاف سے کوئی یہ خیال نہ کرے شائد مرتبہ وقرب حق میں بھی یہی فرق ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سمندر کی گہرائی میں اور رسول اکرم ﷺ قاب قوسین کی بلندیوں پر فائز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سب کی نسبت ایک جیسی ہے اس لیے کہ وہ مکان اور جہت سے پاک ہے اسی میں سے آپ کا قول الانبیاؑ ہے جو سب انبیاؑ پر مشتمل ہے خواہ ان کے نام معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ (مومن:78)

ان میں سے کسی کا حال مفصل ہم نے آپ کو سنا دیا اور کسی کا مفصل حال نہ فرمایا:

انبیاء کی تعداد

جن کا تذکرہ معلوم ہے ان کی تعداد میں علماؑ کا اختلاف ہے مشہور حدیث ابن مردویہ نے ابوذر سے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ انبیاؑ کی

تعداد کتنی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے رسل عظام کی تعداد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر میں نے پوچھا پہلا نبی کون ہے؟ تو فرمایا پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں پھر فرمایا:

سریانی انبیاءؑ کی تعداد

سریانی نبی چار ہیں۔ آدم، شیث، نوح، خنوخ یعنی ادریس یہ وہ جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔

عرب کے نبی

چار نبی عرب میں ہوئے۔ ہود، صالح، شعیب اور ابوذر، تیرا نبی رسول اکرم ﷺ ہیں۔

بنی اسرائیل کے پہلے نبی

بنی اسرائیل اولاد اسرائیل سے پہلے نبی حضرت یعقوب ہیں اور درمیانے سیدنا موسیٰ اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام اول النبیین حضرت آدم اور آخر الانبیاءؑ تیرے نبی ﷺ ہیں۔

اس حدیث شریف کو طوالت کے ساتھ حافظ ابو حاتم ابن حبان نے اپنی کتاب الانواع التقاسیم میں ذکر کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے لیکن ابن جوزی نے اس کی مخالفت کی ہے اپنی موضوعات میں روایت کیا۔

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن ہشام مہتم ہے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس حدیث کی وجہ سے بہت سے آئمہ جرح و تعدیل نے اُس پر کلام کیا ہے۔

شیخ ابن حجر نے شرح المنہاج فی خطبہ میں بیان کیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ والی حدیث صحیح ہے اور حدیث کہ تین سو تیرہ رسول ہیں صحیح ہے۔

شیخ ابن حجر نے امام بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کے اس شعر:

لَمْ تَزَلْ فِیْ ضَمَائِرِ الْکَوْنِ تَخْتَا　　اُلْکَ　　الْاُمَّھَاتُ　　وَالْآبَاءُ

مخفی وجود میں ہمیشہ کے لیے آباؤ اجداد پاکیزہ رہے۔ کی شرح میں فرمایا:

آپ کے آباؤ اجداد طیب و طاہر ہیں

جس طرح آپ کی ذات اعلیٰ کمال حاصل ہونے کی وجہ سے طیب و طاہر ہے ایسے آپ کا نسب بھی طیب و طاہر ہے۔ یعنی حضرت حوا سے سیدہ آمنہ تک اور سیدنا آدم سے سیدنا عبداللہ تک سب اعلیٰ و برتر پاکیزہ و طیب تھے جس پر بخاری شریف حدیث نمبر ایک شاہد ہے:

بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ

الَّذِیْ کُنْتُ مِنْہُ۔

''میں بہتر زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا زمانہ درزمانہ یہاں تک کہ وہ زمانہ جس میں اب ہوں''۔

مسلم شریف کی حدیث ہے

(2)اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کَنَانَۃَمِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشاًمِنْ کَنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو پسند کیا کنانہ سے قریش۔قریش سے بنی ہاشم اوران سے مجھے پسند کیا''۔

ترمذی کی حدیث حسن ہے

(3)اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ قَرْنِھِمْ ثُمَّ تَخَیَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ قَبِیْلَۃٍ ثُمَّ تَخَیَّرَ الْبُیُوْتَ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِ بُیُوْتِھِمْ فَاَنَاخَیْرُھُمْ نَفْساً اَیْ رُوْحاً وَذَاتاً وَخَیْرُھُمْ بَیْتاً اَیْ اَصْلاً۔

''تحقیق اللہ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہتر میں بنایا پھر قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا پھر گھر پسند کیے تو مجھے بہترین گھر میں رکھا تو میں سب سے بہتر ہوں روح اور ذات کے لحاظ سے اور افضل ہوں گھر کے اعتبار سے بھی''۔

عبرانی کی حدیث میں ہے۔

(4) اِنَّ اللّٰہَ اِخْتَارَا لْخَلْقَ فَاخْتَارَمِنْھُمْ بَنِیْ آدَمَ ثُمَّ اخْتَارَمِنْ بَنِیْ آدَمَ فَاخْتَارَمِنْھُمُ الْعَرَبَ ثُمَّ اخْتَارَنِیْ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ اَزَلْ خِیَاراً مِنْ خِیَارِ اَلاَمَنْ اَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَ الْعَرَبَ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ۔

''اللہ نے مخلوق کو پسند کیا تو ان سے بنی آدم کو پسند کیا پھر بنی آدم سے عرب کو اور عرب سے مجھے پسند کیا میں ہمیشہ بہتر سے بہتر میں رہا خبردار جو عرب سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے جو ان سے بغض وعداوت رکھے وہ میرے ساتھ بغض وعداوت کی وجہ سے''۔

حضرت حوا کے بطن سے اولاد

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت حوا کے بطن سے چالیس جڑواں بچے پیدا ہوئے لیکن حضرت شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے یہ عظمت مصطفٰی کی وجہ سے۔

آدم علیہ السلام کی وصیت

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ نور مصطفیٰ کو مطہرات میں ودیعت کرنا پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے وصی کو یہی وصیت کی قرناً فقرناً یہاں تک کہ یہ نور حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکا اور آپ حضرت عبداللہ کے ہاں متولد ہوئے۔

اللہ نے آپ کے نسب کو سفاح سے محفوظ رکھا

حضرت حق تعالیٰ نے اس نسب شریف کو سفاح جاہلیت سے محفوظ و مامون رکھا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے مثلاً سنن بیہقی میں ہے:

حدیث نمبر 1:

مَاوَلَدَ نِیْ مِنْ سِفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْئٌ مَاوَلَدَ نِیْ اِلَّا نِكَاحُ الْاِسْلَامِ۔

"میں سفاح جاہلیت سے پیدا نہیں ہوا میں نکاح اسلام سے پیدا ہوا"۔

سفاح سین کے کسرہ کے ساتھ بمعنی زنا کے ہیں۔ چنانچہ جاہلیت میں رواج تھا پہلے عورت سے زنا کرتے رہتے پھر اس سے نکاح کر لیتے۔

حضور علیہ السلام کے نسب میں یکصد مائیں ہیں جو سب پاک تھیں

ابن سعد و ابن عساکر نے محمد سائب بن کلبی سے اس نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے:

(۲) قَالَ كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مِأَةَ اُمٍّ فَمَا وَجَدْتُ فِیْ سِفَاحٍ وَلَا شَيْئاً مِمَّا كَانَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی سو مائیں لکھی ہیں جو سفاح اور امر جاہلیت سے پاک وصاف تھیں"۔

طبرانی، ابن عساکر اور ابو نعیم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(۳) قَالَ خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ اَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ آدَمَ اِلٰی اَنْ وَلَدَنِیْ اَبِیْ وَاُمِّیْ وَلَمْ يُصِبْنِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْئٌ۔

"آپ نے فرمایا میں نکاح سے پیدا ہوا سفاح سے نہیں آدم علیہ السلام سے میرے ماں باپ تک مجھے امر جاہلیت سے کسی چیز کے شیبہ تک کا تعلق نہیں ہوا"۔

ابو نعیم نے حضور علیہ السلام کا قول نقل کیا میرے نسب میں کوئی ماں باپ سفاح پر جمع نہیں ہوا۔

(۴) لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ تَعَالٰی يَنْقُلُنِیْ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ مُصَفًّی مُهَذَّباً لَا تَنْشَعِبُ شَعْبَتَانِ اِلَّا كُنْتُ فِیْ خَيْرِ هِمَا۔

''ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل فرماتا رہا جو مہذب و مصفی تھے جہاں دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں بہتر میں رکھا''۔

ابن مردویہ نے یہ روایت کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت یوں پڑھی:

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ۔(۱)

''اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول تشریف لائے''۔

(5) وَقَالَ اَنَا اَنْفُسُكُمْ نَسْباً وَصِهْراً وَحَسْباً وَلَيْسَ فِیْ اٰبَائِیْ مِنْ لَدُنْ آدَمَ سِفَاحٌ كُلُّنَا نِكَاحٌ۔

''میں تم سب سے حسب و نسب اور مہر کے اعتبار سے اشرف ہوں جناب آدم سے لے کر ہم سب نکاح سے ہیں کوئی سفاح سے نہیں''۔

شیخ ابن حجر نے اس کے بعد ذکر کیا۔

ابن حجر کا حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے متعلق نظریہ

تجھے علامہ بوصیری کے کلام سے واضح ہو رہا ہے جو مجھے احادیثِ مبارکہ کے الفاظ سے اکثر اور معنوی طور پر تمام سے تصریح ملی ہے۔

کہ حضور اقدس ﷺ کے شجرۂ نسب میں کوئی مرد یا عورت کافر نہیں تھا بلکہ تمام مسلمان اور موحد تھے کیونکہ کافر مختار کریم اور طاہر نہیں بلکہ نجس ہوتا ہے جیسا کہ آیت میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ:28)

''حقیقت یہ ہے کہ مشرک نرے نجس ہیں''۔

احادیثِ مذکورہ سے صاف عیاں ہے کہ وہ مختار و اشرف اور آبا کرام کریم اور امہات طاہرات سے ہے۔

اہل فترۃ مومنین کے حکم میں ہیں

حضرت عبداللہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اہل فترۃ ہیں ایسے ہی دو رسولوں کے درمیان کا زمانہ بھی فترۃ ہے اہل فترۃ آیت درج ذیل سے مسلمانوں کے حکم میں ہیں۔

نیز قرآن کریم میں ہے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (شعراء)

"اور نمازیوں میں تمہارے دورے"۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ آپ کا نور ساجد سے ساجدہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

آپ کے والدین مسلمان اور جنتی ہیں

اس سے بھی تصریح ہو رہی ہے کہ آپ کے والدین حضرت عبداللہ وسیدہ آمنہ اہل جنت سے ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کے قریبی مختارین سے ہیں یہی حق ہے بلکہ کثیر حفاظ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اعتراض وطعن کرنے والے کی طرف دھیان نہیں کیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اَحْيَاهُمَا لَهٗ فَآمَنَا بِهٖ خُصُوْصِيَّةً وَّ كَرَامَةً لَهٗ ﷺ۔

"بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا وہ دونوں آپ پر ایمان لائے یہ آپ کی خصوصیت اور معجزہ ہے"۔

جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ کی دعا سے غروب شدہ سورج لوٹا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا کی یہاں بھی ایسا ہی ہے اس حدیث کی صحت پر بعض کا اعتراض کرنا ان کے لیے سودمند نہیں۔

سوال: روایت ہے کہ اللہ نے والدہ کے استغفار کی اجازت نہیں دی۔

جواب 1: عدم اذن کے احیا اور ان کے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ ہے۔

جواب 2: یا کسی مصلحت کے تحت اس وقت اجازت نہ دی اور بعد میں مل گئی۔

سوال: جب آپ کا قول ہے کہ آپ کے والدین اہل فترۃ سے ہیں اہل فترت کو عذاب نہ ہوگا تو پھر ان کے احیاء میں کیا مصلحت وفائدہ ہے۔

جواب 1: اس فائدہ کا حصول ہے جو اہل فترت کو میسر نہیں۔

جواب 2: ثواب علیا کے مراتب کے حصول کے لیے جس کے اہل فترت مستحق نہیں اس کے مزید جواب بھی ہیں جو میں نے اپنے فتوئی میں ذکر کیے۔

سوال: آپ کے آباؤ اجداد بتامہ سب مسلمان تھے کیسے ہوسکتا ہے۔ آذر کا کفر قرآن سے ثابت ہے نیز اس میں ابوہ آذر ابراہیم کا باپ آذر کے الفاظ موجود ہیں۔

جواب: اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کا حقیقی باپ نہیں تھا بلکہ چچا ہے۔ عربی میں چچا پر اَبٌ کا لفظ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ (بقرہ:133)

حضرت اسماعیل علیہ السلام جو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں پر ابٌ کا لفظ استعمال ہو رہا ہے اگر اس پر اجماع نہ ہوتو احادیث مذکورہ متعارضہ میں تطبیق ضروری ہے۔

علامہ بیضاوی وغیرہ نے جو احادیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے یہ ان سے تساہل ہوا ہے اور مسلم کی حدیث کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ میرا باپ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا تیرا باپ جہنم میں ہے جب واپس لوٹا تو آپ نے اسے آواز دے کر فرمایا تیرا اور میرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں۔اس کی تاویل بھی ضروری ہے احسن تاویل یہ ہے

کہ آپ نے اس کی تالیف قلب کے لیے فرمایا ابٌ سے مراد چچا ابو طالب لیا جس نے حضرت عبدالمطلب کی کفالت کی کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے اس مجاز کا قرینہ درج ذیل آیت ہے یا اس کی تاویل یوں ہوسکتی ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل ارشاد فرمایا آیت یہ ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل:15)

''ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں''۔

ایسے ہی اطفالِ مشرکین کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے آبا کے ساتھ جہنم میں ہوں گے پھر فرمایا وہ جنت میں ہوں گے۔

اس حدیث مسلم کی توجیح امام نووی نے یوں کی ،اہل فترت میں سے عرب کے رسم و رواج کے مطابق جو بت پرست ہے وہ جہنمی ہے تبلیغ سے قبل مواخذہ والا اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ انہیں دعوت ابراہیم پہنچی ہے یہ توجیح بعید از قیاس ہے کیونکہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کے بعد عرب میں کوئی نبی و رسول مبعوث نہیں ہوا جو کہ ان کے وصال پر ختم ہوگئی بدیں وجہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نبی کی بھی نبوت عامہ نہیں کہ وصال کے بعد بھی نبوت جاری رہے۔

بعض نے تاویل یوں کی ہے کہ جن کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہیں وہ بت پرست تھے۔

امام نووی کی تاویل سے فخر الدین رازی کے کلام کی تردید ہوتی ہے پھر میں نے اپنے والد کی شرح مسلم دیکھی تو انہوں نے نووی کی بہت سخت تردید کی ہے اس طرح اہل فترت کے لیے متعارض حکم ہے کہ وہ اہل فترت ہیں اور انہیں دعوت پہنچی ہے بایں وجہ اہل فترت کہتے ہیں دو رسولوں کے درمیانے زمانے کے لوگ جنہیں پہلے نبی کی دعوت پہنچی اور نہ دوسرے نبی کی یہ اصول قطعیہ سے ہے کہ جب تک دعوت نہ پہنچے عذاب نہیں ہوتا تو اس کے مطابق وہ اہل تعذیب نہیں۔(انتہیٰ کلام)

یہ میری تاویل ذکر کردہ کے موافق ہے۔

بعض علماً نے کتنی اچھی بات کی کہ حضور اکرم ﷺ کے والدین کا کسی نقص وعیب سے بالکل ذکر نہ کرنا کہ اس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

طبرانی کی حدیث میں ہے۔

لَا تُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ۔ متوفین کے ذریعہ احیا کو تکلیف مت دو۔

اہل فترت میں جن کے بارے میں صحت سے ثابت ہے کہ ان کو عذاب ہوگا اس سے اشاعرہ اہل کلام اہل اصول اور فقہائے شافعیہ کے قول کے مطابق اہل فترت کو عذاب نہ ہوگا۔

یہ جواب اس جواب سے بہتر ہے کہ یہ احادیثِ عذاب خبر آحاد جو کہ عدم عذاب کے قطعیت کے متضاد نہیں۔

یا یہ کہ احادیث عذاب ان کے لیے جنہوں نے تغیر وتبدل کیا جیسا کہ بت پرستی وغیرہ ہے یہ ان کے نزدیک ہے جو عقل سے توحید کے وجوب کے قائل نہیں لیکن اکثر اہل سنت کے نزدیک ارسال رسل کے بعد تعذیب ہوتی ہے اور یہ حتمی وقطعی بات ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرب کی طرف کوئی نبی ورسول نہیں آیا اور اس کی رسالت ان کے وصال سے ختم ہوگئی لہٰذا صرف اہل فترت سے انہیں کو عذاب ہوگا جن کے بارے میں احادیث میں تصریح ہے۔

ابوحیان کا قول رافضی حضور اقدس ﷺ کے آباؤ اجداد کے مسلمان ہونے کے قائل اس آیت سے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (شعراء:219)

''اور نمازیوں میں آپ کے دور سے استدلال کرتے ہیں''۔

ابوحیان کا قول علم نحو میں صرف مستند ہے۔

لیکن مسائل اصولیہ میں ان کا قول معتبر نہیں صرف روافض کی طرف منسوب کرنا درست نہیں حالانکہ اشاعرہ اہل سنت وغیرہ بھی مومن ہونے کے قائل ہیں اور ان سے تساہل سرزد ہوا ہے۔

ابن حجر شرح قصیدہ ہمزیہ کے شعر۔

مَامَضَتْ فَتْرَةٌ مِنَ الرُّسُلِ اِلَّا   بَشَّرَتْ قَوْمَهَا بِكَ الْاَنْبِيَاءُ

''کسی نبی کا زمانہ نہیں گزرا مگر اس میں انبیاً نے اپنی اپنی قوم کو آپ کی بشارت دی''۔

'' میں لکھتے ہیں:

آپ کے کمال شرف اور انبیاً کی زبان پر رفعت وعظمت شان پر واضح استدلال ہے اور آپ نبی

الانبیاء اوران کے اوران کے متبعین کے مقتدا ہیں اس کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے۔

وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (صف:6)

''اور ایک عظیم الشان رسول جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہے خوشخبری دیتا ہوں''۔

اسی لیے آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ آیَةِ

میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں جو آیت میں مذکور ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وَبَشَارَةُ عِیْسیٰ۔

''اے ہمارے رب اوران میں سے ایک رسول انہیں میں سے بھیج اور عیسیٰ کی بشارت ہوں''۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (اَیْ وَ اُمَمِهِمْ) (آل عمران:80)

''اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا (اور ان کی امتوں سے)''۔

ان کا ذکر بایں وجہ نہیں کیا تابع کا ذکر متبوع کے ضمن میں آجاتا ہے۔

لَمَا مفتوحہ قسم کی تمہید ہے جس کا اخذ میثاق میں ذکر ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ جواب کے قائم مقام، ما شرطیہ کا جواب یعنی اس وجہ سے۔

لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران:80)

''جب میں تم کو کتاب اور حکمت عطا فرماؤں جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کے لیے ایک رسول تشریف لائے تو تم اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا''۔

مفسرین کا اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور اس کی اتباع میں حسن، قتادہ اور طاؤس نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی سے عہد لیا کہ تم میں سے جو بھی نبی کریم ﷺ کا زمانہ پائے وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے عہد و پیمان لیا کہ جو حضور اقدس ﷺ کا زمانہ

پائے وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد و نصرت کرے۔
میثاق انبیاء اس کے متضاد نہیں کہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ آپ کا زمانہ نہیں پائیں گے اور اسی طرح نہ میثاق امم متضاد ہے اس لیے کہ ان کے بعد وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو کر اس سے منحرف ہو جائیں گے بایں وجہ تعلیق شی وقوع کو مستلزم نہیں۔
کیا اس آیت کو نہ دیکھا۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر:65)
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ (حاقہ)
اور اگر یہ نبی ہم پر ایک بات بھی (اپنی طرف سے) بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے زبردست قوت سے بدلہ لیتے۔
مقصد اس سے یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ نبی آپ کے زمانہ میں زندہ ہے جیسا کہ ان دو آیتوں میں فرض و تقدیر مفروضہ ہے۔
اسی لیے امام تاج الدین سبکی نے کہا کہ یہ اس پر دال ہے کہ اگر آپ کے زمانہ بعثت میں کوئی نبی زندہ ہو تو آپ اس کے مرسل ہوں گے جس سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت تمام مخلوق کو شامل ہے یہ حکم تا قیام قیامت ہے۔

انبیاء سے میثاق لینے میں حکمت

انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے میں حکمت یہ ہے کہ سب پر واضح ہو جائے کہ نبی الانبیاء دنیا میں میں شب معراج اور روز محشر و نشر آپ کے لواءالحمد کے سائے تلے جمع ہونے سے بلکہ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے اس کا ظہور اور وقوع ہو گیا۔
شرح ہمزیہ سے جواہر امام ابن حجر شعر ہذا کی شرح میں۔

تَتَبَاهَىٰ بِكَ الْعُصُوْرُ وَتَسْمُوْ بِكَ عُلْيَاءُ مَابَعْدَ هَا عُلْيَاءُ

"زمانوں نے آپ کے ذریعے فخر کیا بعد میں آنے والے زمانے آپ کے قرب کے ذریعے برتری حاصل کرتے ہیں"۔

طویل زمانے آپ کے وجود کے ذریعے آدم علیہ السلام سے تا قیامت اور مابعد فخر کرتے رہیں گے تو ہر زمانہ اپنے سے پہلے جو آپ کے وجود سے قبل ہیں فخر کرتے ہیں کہ وہ اعلیٰ واشرف ہیں اگرچہ آپ کے آباؤ اجداد کا زمانہ ہے آپ ان سے اصلاب میں موجود ہونے کے کی بنا پر لیکن سب سے اشرف و برتر وہ زمانہ ہے جس میں آپ دنیا میں جلوہ گر ہوئے پھر آپ کے نشو و نما کا زمانہ پھر بعثت کا

زمانہ پھر مخلوق کو دعوت دینے کا زمانہ پھر ہجرت اور جہاد اور اسلام کے غلبہ کا زمانہ آپ کے صحابہ پھر تابعین پھر تبع تابعین کا زمانہ اسی طرح روز محشر تک جیسا کہ حدیث مشہور لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ۔ اس پر دال ہے تو ہر زمانہ میں حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ سے شرافت و بزرگی ہے اسی طرح آپ کی امت کا زمانہ دوسرے زمانوں پر برتری رکھتا ہے اور ان کے اعمال بھی پہلوں کے اعمال سے کئی گنا زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔

بایں وجہ نیکی پر راہنمائی کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے مساوی ثواب ملتا ہے آپ سے جتنا زمانہ بعید ہوتا چلا جائے گا اتنے ہی راہنمائی کرنے والے بڑھتے جائیں گے نیز عاملین میں بھی اضافہ ہوگا تو لامحالہ ان کے ثواب میں بھی اضافہ ہوگا جب حضور اقدس ﷺ کی تعلیم کے مطابق تبلیغ اور عمل ہوا لہٰذا تمام امت کی نیکیوں کے برابر آپ کو بھی ثواب حاصل ہوگا اور اضافہ ایسا ہوگا جس کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی۔

روز محشر میں مقام محمود اور شفاعتِ عظمیٰ کا زمانہ پھر بقیہ شفاعت کا وقت پھر حوض کا وقت و زمانہ پھر آپ کی فضیلت و وسیلہ کا زمانہ جو اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں عطا کرے گا اسی طرح غیر متناہی زمانہ تک۔ الغرض تمام زمانے جہاں وہ وقوع پذیر ہیں اپنے اندر کمال کے وقوع کی وجہ سے دوسرے زمانے پر فوقیت و برتری حاصل کرتا رہے گا کیونکہ ہر زمان و مکان کو اپنے اندر وقوع پذیر ہونے والے کے شرف سے شرافت و بزرگی ملتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علماءنے فرمایا شبِ ولادت رسول پاک ﷺ شب قدر سے افضل ہے اور یہی حق اور صحیح ہے۔

مزید برآں شب قدر آپ کی خصوصیات سے ہے اور اسے آپ کی وجہ سے شرافت ملی ہے۔

وَتَسْمُوْبِکَ عُلْيًا بَعْدَ هَا عُلْيًا۔ یعنی زمانے میں ازمنہ سے آپ کے ذریعے ماقبل سے بلندی مراتب حاصل کرتا ہے اور مابعد قبل سے اشرف ہے ہٰکذا غیر متناہی زمانہ تک۔

یہ آپ کے تفاوتِ مراتب پر دلیل ہے (کمافی القرآن)

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طہ:)

"اور یوں دعا کریں اے میرے رب میرا علم اور زیادہ فرما"۔

بلا شک وشبہ آپ کے علوم و معارف غیر متناہی زمانہ تک متزائد ہوتے رہیں گے حدیث پاک۔

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

''بیشک وہ میرے دل پر غلبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں''۔

عارف قطب الاقطاب ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غین انور ہے نہ غین اغیار یعنی رسول پاک ﷺ دائمی طور پر ترقی پذیر ہیں جب ہی علوم و معارف کا قلب اقدس پر غلبہ ہوتا ہے تو اس اعلیٰ درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں تو پہلے درجہ کو جس پر فائز تھے۔شانِ اقدس سے کم پاتے تو استغفار کرتے تا کہ مزید ترقی کمال حاصل ہو۔ناظم (علامہ بوصیری) کے قول تَسْمُوْ الخ بلند ہوتے ہیں وہ مدائح جن کا وقوع عظیم ہے یعنی بلند مراتب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بلند ہوتے ہیں۔

کیونکہ آپ کو عالم امر میں ان بلند ترین درجات و کمالات کے ساتھ پیدا کیا جو کسی اور کو نہیں دیئے پھر انہیں مراتب و کمالات کے ساتھ عالم خلق میں ظاہر کیا تا کہ ان کمالات و درجات کو آپ کے ذریعے شرافت و بزرگی حاصل ہو نہ اس لیے آپ کو ان مدارج کے ذریعہ بزرگی حاصل ہو اس لیے آپ ان کمالات کے وجود سے بھی کامل و اکمل ہیں۔

شرح ہمزیہ میں اس شعر کے تحت ابن حجر کا کلام

لَیْلَۃُ الْمَوْلِدِ الَّذِیْ کَانَ لِلدّ ... یْنِ سُرُوْرٌ بِیَوْمِہٖ وَازْدِھَاءٌ

میلاد کی رات جس کے دن سے دین کو سرور اور روشنی حاصل ہوئی۔

روز شب میلاد کی عظمت

یہ درخشاں شب جس کے دن میں آپ مولد ہوئے جس کی وجہ سے دین اہل دین کو تمام ادیان اور ایام پر فوقیت ملی۔

نکتہ۔ناظم و شاعر (بوصیری) نے میلاد کی روز اور شب دونوں کی طرف نسبت کی ہے کیونکہ بعض نے کہا کہ آپ کی ولادت رات کو ہوئی۔ابن السکن کی عثمان بن عاص عن امہ کی حدیث سے استشہاد کیا آپ فرماتی ہیں کہ شب ولادت میں موجود تھی۔

قَالَتْ فَمَا شَیْئٌ اَنْظُرُ اِلَیْہِ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا نُوْرٌ وَاِنِّی لَا نْظُرُ اِلَی النُّجُوْمِ تَدْنُوْ حَتّٰی اِنِّی لَا قُوْلُ یَقَعْنَ عَلَیَّ۔

''فرماتی ہیں میں گھر کی ہر چیز روشن دیکھتی ہوں اور ستاروں کو دیکھتی ہوں کہ وہ اتنے قریب ہو گئے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں مجھ پر گر نہ جائیں''۔

بیہقی نے اس کو روایت کیا اِلَّا النُّوْرُ وَتَدْلِیُ النُّجُوْمُ۔کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی تصریح یوں ہی ہے جیسا کہ حاکم نے روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے وقت ولادت دن قرار دیا ہے جیسا کہ بوصیری کے اگلے مصرع یوم نالت بوضعہ ابنۃ وھب۔ میں تصریح موجود ہے۔

(ابن حجر فرماتے ہیں) یہ زیادہ صحیح ہے جیسا کہ حدیث مسلم وغیرہ میں تصریح ہے لیکن بعید الفجر اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل ومناقب میں بالاتفاق حجت ہے۔

دونوں روایات میں ابن حجر کی تطبیق

جنہوں نے رات بیان کی تو اس شب سے مراد طلوع شمس ہے یا مجاز با مجاورت ہے ایک روایت میں ستاروں کے قریب آنے کا ذکر نہیں اور دوسری روایت میں ذکر ہے کہ طلوع فجر کے بعد بھی ستاروں کا نزدیک آنا ممکن ہے بلکہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد بھی خرق عادت ممکن ہے۔

شب میلاد کی روایت کے مطابق بعض نے فرمایا:

شب میلاد شب قدر سے افضل ہے

کہ شب ولادت لیلۃ القدر سے افضل ہے ان پر کثیر دلائل قائم کیے جن کو عالم وفاضل جانتا ہے لہٰذا ذکر کی ضرورت نہیں دن کو ولادت ہوئی کے قول کے مطابق کون سا دن تھا تو اس پر جمیع کا اتفاق ہے کہ وہ پیر کا دن ہے جس کی صحت حدیث مسلم سے ہو رہی ہے۔

کون سے ماہ میں پیدا ہوئے

مہینے میں علما کا اختلاف ہے کون سا ماہ ہے بعض نے کہا غیر معین ہے اور بعض نے معین کہا پھر معین ماہ کے بارے میں کہا کہ وہ صفر یا ربیع الاول یا ربیع الآخر یا رجب یا رمضان یا یوم عاشورہ مختلف اقوال ہیں اصح قول کے مطابق شہر ربیع الاول ہیں اس کی دو تاریخ تھی بعض نے آٹھ ربیع الاول لکھی اس کو اکثر محدثین وغیرہ نے اختیار کیا ہے بلکہ مؤرخین نے اس پر اتفاق کیا ہے بعض نے دس اور بعض نے بارہ بیان کی اور یہی مشہور ہے اور اس پر عمل ہے بعض نے سترہ اور بعض نے بائیس لکھی۔

زمانے کو آپ سے شرافت ملی

بابرکت دن مثلاً جمعہ اور بابرکت مہینے محرم، رمضان میں ولادت نہیں ہوئی تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرلے کہ آپ کو زمانے اور وقت سے شرف ملا بلکہ وقت اور زمانے کو آپ سے فضیلت ملی جیسا کہ برکات وانوار والے مشہور مکہ میں دفن نہ ہوئے تا کہ غیر شرف والے کو آپ کے ذریعے شرافت وبزرگی ملے۔

نیز لوگ آپ کے روضہ اقدس اور مسجد نبوی کا مستقل طور پر قصد کر کے سفر کریں کہ اس میں مزید

1 فضل وکرامت کا اظہار ہے۔

سن ولادت میں بھی اختلاف ہے کہ اکثر کا قول عام الفیل ہے بلکہ اتفاق بھی روایت ہے اور مشہور ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اڑھائی سال دس پندرہ سال بعد ہوئی واقعہ فیل کے بعد ہونے میں تائید ملتی ہے یہ واقعہ ارہاس نبوت اور ظہور نبوت کے لیے مقدمہ ہے۔

مکان ولادت

آپ کی ولادت باسعادت مکہ میں شعب (ابی طالب) روم اور مشہور مسجد کے پاس ہے جو کہ اب مولد کے نام سے مشہور ہے بعض عفان کا گمان ہے یہ شاذ ہے جس کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا۔

بعض نے تصریح کی کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو بتائیں کہ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی مکہ میں پیدائش اور مدینہ منورہ میں وصال ہوا بعض نے کہا اس کا انکار کفر ہے کہ اس سے وجود رسول اکرم ﷺ کا انکار لازم آتا ہے۔

شرح ہمزیہ میں اس شعر

يَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهٖ اِبْنَةُ وهْبٍ مِنْ فَخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَاءُ

''آپ کی ولادت کے دن بنت وہب (حضرت آمنہ) کو یہ شرف ملا جو دوسری عورتوں کو نصیب نہ ہوسکا''۔

کی تشریح کرتے ہیں۔

عظمت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

ان کمالات میں سے جو حضرت آمنہ کو ملے ایک وہ جو ابو نعیم خرائطی ابن عساکر نے روایت کیا حضرت عبدالمطلب نے اپنے خواب کی وجہ سے جو آپ نے دیکھا تھا حضرت عبداللہ کی شادی کا ارادہ کیا انہیں ایام میں ایک کاہنہ جو کتب سماویہ کی عالمہ تھی نے آپ کی پیشانی سے نور محمدی چمکتا ہوا دیکھا نیز آپ تمام عرب سے زیادہ حسین وجمیل بھی تھے تو فریفتہ ہو کر پیغام وصل دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ یک صد اونٹ بھی دوں گی تو آپ نے فرمایا حرام کاری سے تو موت بہتر ہے۔

حضرت عبدالمطلب کا رابطہ حضرت وہب سے ہوا تو ان کی بیٹی حضرت آمنہ سے آپ کی شادی کر دی کیونکہ جناب آمنہ حسب ونسب اور طہارت کے اعتبار سے قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں۔

دونوں کی جمرہ کے پاس ایام حج میں پیر کی رات ملاقات ہوئی تو وہ نور محمدی جناب عبداللہ کی

پیشانی سے شکمِ مادر میں منتقل ہو گیا کچھ دنوں بعد اسی عورت سے آپ کا گذر ہوا تو اس نے آپ کی طرف کوئی التفات نہ کیا آپ نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگے میں تو نورِ محمدی پر فریفتہ تھی جس سے آپ کی جبین اقدس دمک رہی تھی جو آج نظر نہیں آ رہا۔

نورِ محمدی کے شکمِ مادر میں منتقل ہونے کی برکات

جس رات استقرار نطفہ زکیہ مصطفوی صدف رحم آمنہ میں منتقل ہوا اس صبح تمام دنیا میں بت سرنگوں زمین سرسبز و شاداب اور درخت پھل آور ہو گئے قریش جو شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے کو مسرت و خوشی حاصل ہوئی کہ انہوں نے اس سال کا نام سنۃ الفرح والابتہاج رکھا۔ سارے عالم میں ندأ کی گئی کہ آج وہ نورِ مکنون بصد عقل باہر اور فضل ظاہر کے ساتھ صدفِ رحم آمنہ میں منتقل ہوا کہ انہیں حبیب خدا ﷺ کی والدہ ہونے کی خصوصیت سے نوازا گیا ہے کیونکہ اپنی قوم سے حسباً افضل اصل و فرع کے اعتبار سے پاکیزہ ہیں۔

ابن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ جب آپ سید المرسلین ﷺ سے حاملہ ہوئیں تو آپ کی ندا آئی اے آمنہ تو اس امت کے سردار سے حاملہ ہے۔

آپ فرماتی ہیں عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی، بار، درد، بدمزگی محسوس نہ کی لیکن بعض روایات میں ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے دونوں روایتوں کی جمع اور تطبیق یوں ہے کہ ابتدائے علوق میں ثقل محسوس ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے نداُدی اے آمنہ! کیا تجھے معلوم ہے کہ تو سید الناس سے حاملہ ہے اس کے بعد جب ولادت کا وقت نزدیک ہوا تو پھر خواب میں کسی نے کہا یہ کہہ۔

أُعِيذُهُ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ ثُمَّ سُمِّيهِ مُحَمَّداً

"اس نومولود کے لیے ایک کے ساتھ ہر حاسد کی شر سے پناہ اور اس کا نام محمد رکھ"۔

اس بیت (شعر) کے بعد اور بھی ابیات مشہور ہیں جن کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ شیخ زین عراقی نے بیان کیا۔

ابونعیم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدہ آمنہ کے رسول اللہ ﷺ سے حاملہ ہونے کے فضائل میں ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی آج رات اللہ تعالیٰ کا رسول حمل میں تشریف لایا جو ساری دنیا کا امام اور تمام علماً کا آفتاب ہے

دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے مشرق کے جانوروں نے مغرب والوں کو اور مغرب کے جانوروں نے مشرق والوں کو بشارت دی دریائی اور سمندری جانوروں نے ایک دوسرے کو بشارت دی اسی طرح حمل کے ہر مہینے زمین وآسمان سے ندا آتی کہ تمہیں مبارک ہو وہ قریب آ گیا ہے کہ ابوالقاسم ﷺ دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو صاحب خیر و برکت ہوں گے۔

ابونعیم سے مروی ہے سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ حمل کے چھ ماہ بعد کسی نے ندا کی کہ اے آمنہ! تو تمام مخلوق سے افضل سے حاملہ ہوئی جب یہ بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد (ﷺ) رکھنا اور اس کی شان کو مخفی رکھنا۔

ولادت مبارک

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو عام طور پر عورتوں پر وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی تو میں نے دیکھا ایک سفید مرغ اپنا بازو میرے سینے پر مل رہا ہے تو میرا خوف و وحشت جاتا رہا پھر میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالا لایا گیا میں نے اسے پیا تو سکون وقرار حاصل ہوا پھر میں نے ایک بلند نور دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبد مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی مانند ہے میں نے تعجب کیا کہ یہ کہاں سے آ گئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا میں آسیہ زوجہ فرعون ہوں اور دوسری نے کہا میں مریم والدہ عیسیٰ بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حورعین ہیں پھر میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین وآسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین وآسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا ان کی چونچیں زمرد اور بازو یاقوت کے تھے حق تعالیٰ نے آنکھوں سے پردہ اٹھایا تو میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا اور میں نے دیکھا کہ تین علم ہیں ایک مشرق میں ایک مغرب میں ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے پھر مجھے دردزہ ہوا اور محمد ﷺ متولد ہوئے اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسبحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں اس کے بعد میں نے ایک سفید ابر دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے اوجھل کر دیا اور میں نے کسی کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا انہیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور اس کے شہروں کی گشت کراؤ تا کہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت وصورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے جو شرک کے آثار محو وفنا کر دیں گے پھر فوراً ابر زائل ہو گیا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک ابر عظیم نورانی دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت ایک منادی کو میں نے ندا کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا حضور اقدس ﷺ کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن وانس کی روحوں پر گشت کراؤ فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا تو میں نے دیکھا سبز ریشمی کپڑے میں حضور خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ ماشاء اللہ حضور کو دنیا میں کس شان سے بھیجا گیا دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو سب ہی کو آپ کے قبضہ قدرت میں دے دیا گیا میں نے تین شخص کھڑے ہوئے دیکھے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ اور دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک جاتی تھیں پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشت سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا اور حریر لپیٹ کر اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لے کر میرے سپرد کر دیا۔

ابن حجر نے امام بوصیری کے اس شعر کی تشریح کی

فَاسْتَبَانَتْ خَدِيْجَةُ اِنَّهُ الْكَنْز الَّذِیْ حَاوَلَتْهُ وَالْكِيْمِيَاءُ

''حضرت خدیجہ کو واضح ہو گیا کہ آپ پوشیدہ خزانہ اور کیمیا ہیں''۔

یہ اس حالت کے ذکر کی طرف اشارہ ہے جو حضرت خدیجہ الکبریٰ کو آپ کی ابتداء بعثت میں ظہور پذیر ہوا۔ حاصل واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی بعض نے چالیس برس سے کچھ اوپر بیان کی ہے۔ دوشنبہ کے روز اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا۔ مسلم کی روایت کے مطابق رمضان کی سترہ کی تاریخ تھی ایک قول آٹھ ربیع الاول اور ایک قول رجب کا ماہ تھا یہ دونوں قول شاذ و نادر ہیں۔

آپ کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ظہور نبوت کی ابتدا رویا صادقہ سے ہوئی جو صبح صادق کی طرح یقینی اور روشن تھے مکہ شہر سے باہر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت الٰہی کرتے پھر جناب سیدہ خدیجہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان سے چند دنوں کی قوت و غذا لے جاتے اور زیادہ وقت خلوت نشینی میں بسر کرتے اس لیے کہ اگر اچانک فرشتہ آتا تو قوائے بشریہ اس کی متحمل نہ ہوتی۔

جب حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل وحی لے کر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ پڑھیے آپ نے فرمایا۔

مَااَنَابِقَارِیءٍ اَیْ لَسْتُ بِقَارِیءٍ۔ میں پڑھنے والا نہیں یعنی میں ناخواندہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ میں امی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا۔

جبریل نے آغوش میں لے کر اپنی پوری قوت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی پھر جبریل نے حضور ﷺ کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھیے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں جبریل نے پھر آغوش میں لیا اور بھینچا پھر کہا پڑھیے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں پھر جبریل نے تیسری مرتبہ آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ (العلق)

"پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا پڑھیے اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدم کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانا یہ ایک قسم کا حضور اکرم ﷺ کے وجود گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا تاکہ آپ وحی کے قبول کرنے پر آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی اور بے التفات ہو جائیں۔

جب آپ نے مکہ مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک لرز رہا تھا تو حضور ﷺ حضرت سیدہ خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ جب خوف دور ہوا تو آپ نے سیدہ خدیجہ سے سارا حال بیان کیا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں اس خطرے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ بار رسالت کو اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتا یا مجھے میری قوم نہیں چھوڑے گی قتل کے درپے ہوگی سیدہ خدیجہ نے عرض کیا کہ آپ غم نہ کھائیے اور خوش رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ آپ کو کسی کے آگے ذلیل و رسوا کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں نادار کا بوجھ اٹھاتے، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور یتیموں کی دستگیری کرتے، غریبوں اور محتاجوں کی بھلائی کرتے ہیں۔

اس کے بعد سیدہ خدیجہ اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور اکرم ﷺ کو اپنے چچازاد

بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے جو عرب کے طور و طریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی کے موحد بن گئے تھے ان کو انجیل کا علم تھا ان سے سیدہ خدیجہ نے کہا اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سن وہ کیا فرماتے ہیں ورقہ بن نوفل نے حضور سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے سارا حال دریافت فرمایا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد ﷺ آپ کو مبارک اور خوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اے کاش میں اس دن تک زندہ اور جوان وقوی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو اس جگہ سے نکالے گی حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے ورقہ بن نوفل نے کہا ہاں آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے اس کی مانند کوئی ایک لے کر کبھی نہیں آیا اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں اگر میں آپ کا وہ دن پاؤں تو میں اس دن آپ کی پوری پوری مدد و نصرت کروں گا پھر کچھ عرصہ بعد ورقہ بن نوفل نے وفات پائی۔ پھر وحی کا نزول رک گیا جس سے آپ سخت غمگین ہو گئے اس وجہ سے کئی دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے جاتے کہ نیچے چھلانگ لگا کر خود کو ہلاک کر ڈالوں تو اچانک جبریل امین ظاہر ہو کر عرض کرتے اے محمد ﷺ آپ اللہ کے پکے سچے رسول ہیں لہٰذا آپ اطمینان رکھیے۔

بخاری و مسلم وغیرہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشین رہے یہ خلوت نشینی صرف ذکر وفکر کے لیے تھی نہ کہ طلب نبوت کے لیے کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔

''اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنے رسالت رکھے''۔

جب توشہ ختم ہوا تو میں نیچے اترا تو آواز سنائی دی کوئی کہنے والا نظر نہ آیا میں نے سر اوپر اٹھایا تو جبریل کو زمین وآسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھے دیکھا تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا میں نے خدیجہ کے پاس آکر کہا دثرونی دثرونی۔ مجھے چادر اڑھاؤ مجھے چادر اڑھاؤ۔

مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ (مدثر)

''اے بالا پوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ''۔

یہ آیت کا اقرء اور فترت وحی کے بعد نزول ہوا اصح قول بلکہ صواب یہی ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ

باسمِ ایک آیت کا نزول ہوا۔

اور شعبی نے کہا چالیس سال کی عمر میں اظہار نبوت کیا اور تین سال اسرافیل آپ کے مصاحب رہے آپ کو کلمہ کی تعلیم دیتے لیکن اس کی زبان پر قرآن کا نزول نہیں ہوا۔ نزول قرآن فقط جبریل کی زبان پر ہوا نزول قرآن پاک کا زمانہ بیس سال ہے (تین سال فترت کے ہیں) فترت وحی کی وجہ یہ تھی کہ نزول سے جو آپ کے دل میں خوف وحواس پیدا ہو گیا تھا وہ دور ہوا اور دوبارہ نزول کے لیے اشتیاق میں اضافہ ہوا۔

اصحاب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدہ خدیجہ سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے عرض کیا جب وہ دوبارہ تمہارے پاس آئے تو مجھے اطلاع دینا آپ نے فرمایا ضرور، جب جبریل امین آئے تو آپ نے سیدہ کو بتادیا کہ وہ آگیا ہے تو انہوں نے عرض کیا میری بائیں ران پر بیٹھیے آپ نے یونہی کیا انہوں نے دریافت کیا وہ نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں پھر عرض کیا اب میری دائیں ران پر بیٹھ جائیے آپ نے ایسے ہی کیا تو جناب سیدہ خدیجہ نے پوچھا اب بھی نظر آتے ہیں تو فرمایا ہاں تو پھر عرض کیا جناب اب میری آغوش میں بیٹھ کو دیکھیے تو فرمایا اب بھی بدستور نظر آرہا ہے انہوں نے آپ پر اپنا دوپٹہ ڈال دیا اور کہا اس کو دیکھتے ہیں فرمایا نہیں تو عرض کرنے لگیں ثابت قدم رہیے خوش و شاد رہیے بخدا فرشتہ ہے شیطان نہیں۔

ابن حجر کے جواہر میں سے بوصیری کے اس شعر کی تشریح

كُلُّ وَصْفٍ لَهٗ ابْتَدَأْتُ بِهٖ اِسْتَوْ عَبَ اِخْبَارَ الْفَضْلِ مِنْهُ ابْتِدَاءٌ

''جب بھی آپ کے وصف کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور جس پر صراحۃً مشتمل ہے غور کرتا ہوں تو اس وصف کو فضل وکمال کے جمیع اقسام کا جامع پاتا ہوں۔

یہ کوئی بعید از عقل اور قرین قیاس سے دور نہیں اس لیے آپ کے اوصاف میں سے ہر وصف بقیہ اوصاف سے کامل ہوگا مثلاً حلم یہ اسی وقت کامل ہوگا جب بقیہ اوصاف مثلاً علم، کرم، شجاعت، خلق حسن وغیرہا بھی کامل ہوں لہٰذا آپ کی ہر صفت اپنے معنی پر حقیقۃً اور صراحۃً دلالت کرتی ہے اور بقیہ اوصاف اشارۃً اور التزاماً دلالت کرتے ہیں جیسا کہ عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں۔

یہ بات ایمانیات سے ہے اس پر یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حسین جمیل ترین صورت پر پیدا کیا جو اس پر کسی کو پیدا کیا اور نہ پیدا کرے گا۔

حسنِ ظاہری حسنِ باطنی کی دلیل ہے

حضور اقدس ﷺ کا حسن ذات عمدہ اخلاق اور روشن صفات کی دلیل ہے کیونکہ آپ اوصاف و کمالات کی انتہاء پر پہنچے جہاں کسی نبی کی بھی رسائی نہیں اس لیے قصیدہ بردہ میں علامہ بوصیری نے کہا:

هُوَالَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

''وہ ذات جس کا ظاہر و باطن مکمل ہے لہٰذا آپ کا حسن ناقابل تقسیم ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسن کامل کی حقیقت آپ ہی ہیں جو اور کسی میں تقسیم نہیں ہوتا اور اگر اس کو تقسیم کر دیا جائے تو وہ کامل و مکمل نہیں رہتا بعض کا یہ قول کتنا اچھا ہے:

لَمْ یَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ وَالا لَمَا اَطَاقَتْ اَعْیُنُنَا النَّظْرَ اِلَیْهِ۔

''اگر حضور علیہ السلام کا پورا حسن ظاہر و نمایاں ہوتا تو ہماری آنکھیں اسے دیکھ نہ سکتیں''۔

تنبیہ۔ تَمَّ مَعْنَاهُ کی تشریح اوپر ہو چکی ہے کہ باطناً حسن اخلاق و اوصاف میں آپ کامل و اکمل ہیں اور حسنِ ذات کی تشریح نہیں کی اس کی طرف برویۃ وجہ الخ اور ضِحْكُهُ اَلتَّبَسُّمُ الخ اور بِتَقْبِیْلِ رَاحَةٍ کے ساتھ صرف اشارہ ہی کیا لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی بساط کے مطابق اس کی وضاحت کریں۔

آپ کا چہرہ انور

حضرت براُ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے:

كَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَاَحْسَنَهُمْ خُلُقًا

''آپ تمام لوگوں سے حسین چہرہ اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے''۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

مَارَأَیْتُ شَیْئاً اَحْسَنَ مِنْهُ ﷺ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ۔

''میں نے آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گویا کہ سورج آپ کے رخ انور میں چمک رہا تھا''۔

حضرت براُ سے روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا رخ انور تلوار کی مانند چمکتا تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ فجر صادق کی مانند یعنی تلوار میں طول اور چمک کم ہوتی ہے بلکہ چاند کی مانند گول اور روشن تھا۔ حضرت جابر بن سمرۃ فرماتے ہیں کہ رخ انور تلوار کی طرح نہیں بلکہ شمس و قمر کی مانند مستدیر تھا تو اس تشبیہ میں حسنِ اشراق، ملاحت و استدارت (گولائی) کو جمع کر دیا گیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ بِالْمُکَلْثَمِ یَعْنِیْ شَدِیْدَاِسْتِدَارَۃِ الْوَجْہِ

"آپ کا رخ انور مکلثم یعنی انتہائی گول نہ تھا"۔

بلکہ گولائی مائل تھا اور ایسا چہرہ عرب کے نزدیک بہت خوب صورت لگتا ہے اور یہی ابو ہریرہ کے قول کا معنی ہے کہ:

کَانَ اَسِیْلَ الْخَدَّیْنِ۔ آپ کے رخساروں میں طول تھا۔

اور بہت زیادہ اٹھاؤ تھا نہ اندر کو داخل بہت سے اصحاب نے چاند کے ایک طرف کے ساتھ تشبیہ دی اور بعض نے چاند میں سیاہی کی وجہ سے تشبیہ دینے سے احتراز کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے چاند کے ہالہ سے تشبیہ سے منع کیا ہے۔

حاصلِ کلام

یہ ہے آپ کا رخ انور خوشنما آئینہ کی مانند جس میں دیواروں وغیرہا کی تصاویر دکھائی دیتی ہیں۔

ایک روایت میں ہے۔

یَتَلَأْ لَؤُ وَجْھُہٗ تَلَأْ لُؤَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ

"آپ کا رخ انور چودھویں کے چاند کی مانند تاباں و درخشاں تھا"۔

اکثر حضرات نے قمر سے تشبیہ دی ہے اور کیونکہ قمر کو مکمل طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور مانوس ہوتا اور ایذا نہیں دیتا بخلاف شمس اسی لیے آپ کے اسماءً گرامی میں سے ایک ہے یہی وجہ ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر اہل مدینہ نے آپ کا استقبال کرتے ہوئے کہا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِیْ

"ہم پر بدر (چودھویں کا چاند) ثنیات الوداع پہاڑی سے طلوع ہوا ہم پر شکر لازم ہے جو جب تک اللہ کی طرف بلانے والے ہیں"۔

یہ تمام تشبیہات عرب کے رسم و رواج کے مطابق دی گئیں ورنہ کوئی چیز آپ کے صفاتِ خلقیہ و خلقیہ میں سے کسی کے عشر عشیر کے برابر کبھی نہیں ہو سکتی۔

چشم مبارک

آپ کی بصارت و بینائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان کافی ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم)

''نبی کریم ﷺ کی آنکھ نہ اِدھر اُدھر پھسلی اور نہ حد سے بڑھی''۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرَى بِاللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرَى بِالنَّهَارِ فِي الضَّوْءِ۔

''حضور اقدس ﷺ رات کی تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے جیسا دن کی روشنی میں''۔

آپ نماز میں آگے اور پیچھے یکساں دیکھتے تھے یعنی آنکھ سے کیفیت صلوٰۃ کا ادراک کرنا یہ آپ کے معجزات میں سے ہے ورنہ بصارت کے لیے روشنی ومجازات کا ہونا ضروری ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان سوئی کے ناکہ کی مانند دو آنکھیں تھیں جن سے آپ پسِ پشت بھی دیکھ لیا کرتے تھے آپ انہیں کپڑوں سے نہیں ڈھانپتے تھے۔

یا یہ کہ قبلہ کی دیوار پر مثل آئینہ مقتدیوں کی صورتیں منعکس ہوتی تھیں اور آپ ان کے افعال کا مشاہدہ فرمالیا کرتے تھے ان دونوں کی کوئی اصل ثابت نہیں یا یہ رویت قلبی ہو یا وحی والہام سے علم ہو جاتا ہو۔

اور یہ حدیث کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا علم نہیں اس کی بھی کوئی سند معلوم نہیں ابن جوزی نے اپنی بعض کتب میں بغیر سند کے روایت کیا اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس سے اس علم غیب کی نفی ہو رہی ہے جو بغیر وحی والہام ہو ایسے ہی وہ حدیث جو اونٹنی کی گمشدگی کے سلسلے میں منقول ہے چنانچہ منافقوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ آسمان کی خبر تو دیتے ہیں مگر (معاذ اللہ) اتنا نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب منافقوں کی یہ بدگوئی حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ میں (ازخود) نہیں جانتا اور نہ (ازخود) پاتا ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے مجھے علم دیا اور عنایت فرمایا اور آپ برابر یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کے پاس الجھی ہوئی ہے چنانچہ لوگ وہاں پہنچے تو اونٹنی کو اسی مذکورہ حالت میں پایا اگر بالفرض تعارض مان لیا جائے تو تطبیق یوں ہوگی یہ نماز کے ساتھ مخصوص ہو اور عدم رویت والی خارج صلوٰۃ پر محمول ہو۔

جب آپ کسی طرف التفات فرماتے تو مکمل طور پر گھوم جاتے دائیں بائیں پہلو بدلنے یا محض گردن گھما لینے اور دزدیدہ نظری سے آپ گریز کرتے کہ یہ سہل نگاروں کا شیوہ ہے۔

خلقت کے لحاظ سے چشم مبارک

یہاں تک تو بینائی و بصارت کا ذکر تھا اب دوسری وجہ خانہ چشم اور اس کی شکل کے وصف میں ہے کہ آپ کی چشم مبارک بڑی اور بھنویں دراز تھیں۔ مسلم کی روایت میں اَشْکَلُ الْعَیْنَیْنِ ہے۔ آپ کی چشم مبارک سفیدی میں سرخی لیے ہوئے تھیں (آنکھوں کی باریک رگیں تھیں) اور روایت اَشْهَلُ الْعَیْنَیْنِ اَشْهَلُهٗ حُمْرَةٌ فِیْ سَوَادٍ۔ حضور کی دو چشم مبارک شہل شہلہ سیاہی میں سرخی کو کہتے ہیں اور روایت میں ہے گہری سیاہ آنکھوں والے۔ اَذْکَجُ الْعَیْنَیْنِ لمبی بھنویں۔

گوشہائے مبارک

حضور اکرم ﷺ کی سماعت شریفہ کے متعلق ترمذی کی یہ روایت ہی کافی ہے:

اِنِّی اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقٌّ لَهَااَنْ تَئِطَّ لَیْسَ مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعِ اِلَّامَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِداً لِلّٰهِ تَعَالٰی۔ وَفِیْ رَوَایَةٍ اَوْ قَائِماً۔

آپ نے فرمایا میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں ان آوازوں کو سن (1) سکتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے آسمان اطط (خاص قسم کی آواز) کو سن رہا ہوں آسمان کو لائق ہے کہ آواز نکالے کیونکہ آسمان میں چار انگلی کی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کسی فرشتے نے سجدہ نہ کیا ہو ایک روایت میں ہے جہاں کوئی فرشتہ کھڑا ہو۔

موئے مبارک

آپ کے بال مبارک نرم تھے اور جلد ٹوٹنے والے نہ تھے۔

لَا سَبْطَ وَلَا جَعْدَ قَطِطَ۔ بہت زیادہ نرم بہت دراز اور بہت زیادہ گھونگریالے نہ تھے۔

سبط بفتح سین وسکون باو کسر ہا نرم و لٹکے ہوئے۔ قطط فتح قاف کسر طا ایسے بال جو سخت اور پیچیدہ ہوں (اردو میں انہیں گھونگریالے بال کہا جاتا ہے۔ مترجم)

آپ کے بالوں کی لمبائی کانوں اور شانوں کے درمیان کبھی کانوں کی لو تک کبھی لوؤں سے کچھ زیادہ اور شانوں تک تھی ان سب میں باہمی مطابقت اس طرح ہے کہ آپ کنگھی فرماتے تو دراز ہو جاتے ورنہ اس کے برعکس رہتے یا بال ترشوانے سے پہلے دراز بعد میں اختصار ہوتا رہتا تھا۔ سر کے بالوں کو چھوڑتے پھر مانگ نکالتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں مانگ نکالنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

1۔ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان   کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

آپ کے سر اقدس اور ریش مبارک میں بیس سے کم بال سفید تھے اور اس سے کبھی زیادہ سفید نہ ہوئے کیونکہ یہ نور اور وقار ہے۔ سب بالوں کے سفید ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا کہ اکثر عورتیں اس کو ناپسند کرتی ہیں جو آپ کی کسی چیز کو ناپسند اور مکروہ سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

بالوں کا رنگنا

کبھی کبھی آپ بالوں کو مہندی وغیرہ سے رنگ کرتے اور اکثر اپنے حال پر چھوڑتے یہی ہمارے لیے سنت ہے۔

لحیہ شریف

حضور اکرم ﷺ کی ریش مبارک اس کثرت سے تھی کہ سینہ مبارک بھر گیا تھا ایک روایت میں ہے:

كَانَ يَأْخُذُ مِنْ عَرْضِ لِحْيَتِهٖ وَطُوْلِهَا غَرِيْبَةٌ۔

اپنی ریش کے طول و عریض میں سے بال تراشتے (1)۔

اور اس کے خلاف ایک روایت۔ وَاعْفُوا اللُّحٰی۔ ڈاڑھی بڑھاؤ کے باوجود ہمارے آئمہ مٹھی سے زائد بال کٹواتے ہیں۔

بالوں کی نگہداشت

حضور اکرم ﷺ سر اقدس پر اکثر اوقات تیل لگاتے اور ریش مبارک میں کنگھی کرتے۔ نیز آتا ہے کہ آئینہ دیکھتے اور کنگھی کرتے۔

1۔ ان دونوں میں باہمی مطابقت یوں ہے کہ یکمشت سے زائد تراشے اور قدر مشت تک بڑھاؤ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے سفر السعادت میں ہے لبیں تراشو ریش بڑھاؤ اور مجوسی کی مخالفت کرو یعنی ان کی عادت تھی لبیں بڑی ریش چھوٹی رکھتے تو آپ نے اس کی مخالفت میں یہ فرمایا: کتاب الآثار میں امام محمد امام اعظم کی سند سے ابن عمر کی حدیث نقل کرتے ہیں كَانَ يَقْبِضُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَيَأْخُذُ مَا فَضُلَ عَنِ الْقَبْضَةِ۔ اور انہیں الفاظ میں ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے کہ ڈاڑھی کو مشت میں پکڑ کر جو زائد بال ہوتے انہیں تراشتے۔ وَالْاَصْلُ اَنَّ الْقَدْرَ الْمَسْنُوْنَ فِی اللِّحْيَةِ هُوَ الْقَبْضَةُ۔ قدر مسنون ڈاڑھی میں ایک مشت ہے۔ اَمَّا تَقْصِيْرُ اللِّحْيَةِ بِحَيْثُ مِنَ الْقَبْضَةِ فَغَيْرُ جَائِزٍ فِی الْمَذْهَبِ الْاَرْبَعَةِ۔ مشت سے چھوٹی کرنا آئمہ اربعہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ حاشیہ ترمذی باب اللحیۃ جلد ثانی، لمعات شرح مشکوٰۃ میں عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ وَالظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِهِمْ حُرْمَةُ حَلْقِ اللِّحْيَةِ وَنُقْصَانِهَا مِنَ الْقَدْرِ الْمَسْنُوْنِ۔ فقہا و محدثین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے ریش کا منڈھانا اور قدر مسنون سے کمی کرنا حرام ہے اور مدارج النبوت میں لکھتے ہیں مذہب حنفی جس ڈاڑھی کی مقدار چار انگلیوں کے برابر ہے جس سے مراد ہے اس سے کم نہ ہو لیکن ایک روایت یہ ہے کہ اس سے زائد بالوں کا کاٹنا واجب ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں اگر علما و مشائخ اس سے زائد بڑھائیں تو بھی درست ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں کتاب اللباس کے آخر میں یہ مذکور ہے سیدنا ابن عمر اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیکر اس سے زائد بال کٹوا دیا کرتے تھے۔ (مترجم)

سر کے بال حج عمرہ کے علاوہ کبھی نہ منڈواتے

حضور اقدس ﷺ کے متعلق کسی روایت میں ذکر نہیں کہ آپ حج وعمرہ کے سوا کبھی سر کے بال منڈواتے ہوں۔

سرمہ سنتِ رسول ہے

آپ روزانہ آرام فرمانے سے پہلے اثمد کا سرمہ ہر آنکھ میں تین تین سلائی ڈالتے۔

پیشانی مبارک

آپ مقرون الحاجبین تھے (بھنویں ملی ہوئی تھیں) یعنی ان کے بال آپس میں ملے ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ملے ہوئے نہ تھے اس کو ابن اثیر نے ترجیح دی ہے ان کو باہمی مطابقت یوں دی جاتی ہے کہ بھنوؤں کے بال کثیر تھے بظاہر یہ اتصال بہت گہرا نہ تھا کہ جس سے دونوں ابرو آپس میں پیوست ہو گئے ہوں اور نہ اتنی جگہ خالی تھی کہ جس سے فاصلہ نظر آئے بلکہ چند خفیف بالوں کا اتصال تھا اور عدم اتصال کا اطلاق بادی النظر والخیال میں صحیح ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بینی شریف

حضور اکرم ﷺ کی بینی مبارک کے بارے میں اَقْنَی الْاَنْفِ وَاَقْنَی الْعَرَ نَیْنِ وَدَقِیْقِ الْعَرَنِیْنِ وارد ہے۔ اَقْنٰی کی تفسیر سَائِلُ الْحَاجِبَیْنِ مرتفع الوسط سے کی گئی ہے۔ سائل سیلان سے مشتق ہے جس کے معنی ناک کی لمبائی اور باریکی میں ایک گونہ ہموار کے بھی منقول ہیں دقیق دقت سے مشتق ہے جو سیلان کے ہم معنی ہے جس کا مطلب ناک کے موٹاپے کی نفی کرتا ہے۔

دہن شریف

آپ کے دہن شریف کے بارے میں صحیح روایت میں یَفْتَحُ الْکَلَا مَ وَیَخْتَمُہٗ۔ وارد ہے یعنی حضور اکرم کلام کو کشادگی دہن سے آغاز فرماتے اور شدق سے ختم فرماتے۔ شدق کے معنی فراخی دہن کو کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دہن مبارک سے کلام تام کامل اور بھرا ہوا نکلتا تھا جو اہل عرب کے نزدیک باعث تعریف اور اس کی ضد باعث ذلت ہے۔ آپ اَشْنَبُ مُفْلِجُ الثَّنَایَا تھے سامنے کے دانت روشن تر، آبدار اور کشادہ تھے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسا لگتا گویا کہ سامنے دندانہائے مبارک کی کشادگی کے درمیان سے نور نکل رہا ہے(1)۔

---

1. كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُا لْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفِ مِنْ مَعْدِنِهٖ مَنْطِقٍ وَمُبْتَسَمِ (بوصیری)

ترجمہ: گویا کہ دندانہائے مبارک صدف میں چھپے ہوئے موتی ہیں جو اپنے معدن سے بولتے ہیں اور تبسم فرماتے ہیں۔ (بقیہ آگے)

اور ایک روایت میں مُفَلِجُ الْاَسْنَانِ ہے کہ سامنے کے دانت کشادہ تھے۔

لعابِ دہن مبارک

آپ کا لعابِ دہن شریف بیماروں کے لیے شفائے کامل تھا چنانچہ وہ حدیث جس میں روزِ خیبر حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہٗ کی آنکھوں کے آشوب میں لعابِ دہن لگانا اور اسی وقت تندرست و صحیح ہو جانا مذکور ہے صحیح اور مشہور ہے کہ اس دن آپ کو عَلَم عطا فرمایا تو آپ کے دست پر قلعہ فتح ہوا۔

آپ کے حضور ایک ڈول پانی کا لایا گیا تو آپ نے پانی کا گھونٹ لے کر اس میں کلی کر دی پھر جب اس ڈول کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو اس کنویں سے کستوری کی مانند خوشبو آنے لگی اسی طرح ایک اور کنویں میں جب آپ نے لعابِ دہن ڈالا تو مدینہ طیبہ میں اس سے بڑھ کر کوئی اور کنواں شیریں نہ تھا۔

ایک مرتبہ عاشورہ کے دن آپ کی خدمت میں شیر خوار بچے لائے گئے تو آپ نے ان کے منہ میں لعابِ دہن ڈال دیا پھر تو وہ ایسے سیراب ہوئے کہ اس دن انہوں نے دودھ ہی نہ پیا۔

ایک دن امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سخت تشنگی میں تھے آپ نے اپنی زبان اقدس ان کے منہ میں دی وہ چوستے رہے پھر وہ سارا دن سیراب رہے۔

ایک مرتبہ آپ نے گوشت کا ٹکڑا منہ میں چبا کر پانچ عورتوں کو کھانے کے لیے دیا تو اس گوشت کے کھانے کے بعد کبھی ان عورتوں کے منہ سے بو نہ آئی جب کہ پہلے ان کے مونہوں سے ہمیشہ بو آیا کرتی تھی۔

بیان وفصاحت شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک کی فصاحت، جوامع کلم، انوکھا اظہار اور عجیب و غریب حکم و فیصلے اتنے زیادہ ہیں کہ شائد ہی کوئی فکر و اندیشہ کا محاسب اس کے حصر و احاطہ کے گرد پھر سکے۔ آپ کے اوصاف کا بیان اور ان کے بیان کا زبان کے ساتھ اظہار ممکن ہی نہیں یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا کہ آپ کا کلام قرآن کریم کی مانند معجز ہے۔

آواز مبارک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک غایت درجہ پیاری تھی آپ سے بڑھ کر کوئی خوش آواز اور

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ایک روایت میں ہے عَظِیْمُ الْاَسْنَانِ۔ دندانہائے مبارک عظیم تھے۔ طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبہائے مبارک اور دہن مبارک کا مہرا تمام لوگوں سے زیادہ حسین و لطیف تھا ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دہن شریف حسن و جمال کے مطابق درست و صحیح تھا (مدارج النبوت جلد اول) احمد الدین توکیروی۔

شیریں کلام نہ تھا ابن عساکر نے روایت کیا ہے:

مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِياً اِلَّابَعَثَهُ حَسَنَ الْوَجْهِ وَحَسَنَ الصَّوْتِ حَتّٰى بَعَثَ نَبِيَّكُمْ ﷺ فَبَعَثَهُ حَسَنَ الْوَجْهِ وَحَسَنَ الصَّوْتِ(1)۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ بھیجا مگر خوش آواز اور خوش رو حتیٰ کہ تمہارے نبی ﷺ کو ان سب سے بڑھ کر خوش الحان اور خوبرو بنا کر بھیجا۔

بیہقی میں ہے جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آواز سب کو سنائی دیتی جہاں تک کہ دوسروں کی آواز نہ پہنچ سکتی تھی وہاں تک آپ کی آواز بے تکلف پہنچ جاتی تھی چنانچہ پردوں میں بیٹھی ہوئی مستورات بھی آپ کی آواز کو باآسانی سن لیتی تھیں۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: اِجْلِسُوْا۔ بیٹھ جاؤ

فَسَمِعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَفِىْ بَنِىْ تَمِيْمٍ فَجَلَسَ فِىْ مَكَانِهٖ۔

''تو عبداللہ بن رواحہ نے قبیلہ بنی تمیم کے مقامات پر اس آواز کو سنا تو فوراً وہیں بیٹھ گئے''۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایام حج میں منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا جس نے تمام لوگوں کے کان کھول دیئے تھے ہر ایک نے اس خطبہ کو اپنی اپنی منزلوں میں (منیٰ میں دور ونزدیک جہاں بھی تھا ہر ایک نے سنا)

تبسم مبارک

آپ ﷺ اولین وآخرین کے چونکہ سردار ہیں جیسا کہ پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے کبھی ضحک اور تبسم فرماتے تھے ضحک کہتے ہیں دانتوں کے ساتھ ڈاڑھیں بھی نظر آئیں اور تبسم میں صرف سامنے کے دانت ہی نظر آتے ہیں اور دونوں میں آواز سنائی نہیں دیتی (اگر آواز سنائی دے تو اسے قہقہہ کہتے ہیں جو شایانِ شانِ انبیاء نہیں ہے)

لہٰذا جو ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب ہنستے تو آپ کے اطراف والے دانت (اضراس) بھی ظاہر اور نظر آجاتے۔ اور دوسری حدیث میں ہے جب آپ ہنستے تو صرف سامنے کے دانت نمایاں ہوتے ان دونوں احادیث میں تضاد نہیں۔

1۔ دردل ہر امتی گرحق مزہ است   روئے وآواز پیغمبر معجزہ است   (نامعلوم)

زیادہ ہنسا مکروہ ہے

زیادہ ہنسا مکروہ ہے خواہ قہقہہ کی صورت میں ہو یا ضحک کی۔

امام بخاری نے ادب المفرد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے زیادہ ہنسنے سے منع کیا ہے کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

گریہ مبارک

آپ کثرت سے گریہ کناں ہوتے تھے لیکن اس میں شہیق (اُوں اُوں کی آواز) ہوتی اور نہ آواز بلند ہوتی صرف آنسو برستے تھے اور سینہ مبارک سے ازیز (دیگ کے کھولنے کی مانند آواز) کی آواز آتی تھی گریہ میت پر شفقت، امت پر خوف و شفقت، خشیتِ الٰہی کے لیے ہوتا اور سماع قرآن کے وقت بھی اکثر و بیشتر نماز تہجد میں۔

آپ نے جماہی نہ لی

حضور اقدس ﷺ نے کبھی جماہی نہ لی بلکہ کسی نبی نے بھی نہ لی۔

دستِ مبارک

کثیر روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ۔ کف (ہتھیلی) بہت سخت تھیں۔

بازو موئے فراخ ہتھیلی تھے (مطلب ہتھیلی بھرپور اور مکمل تھی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے ہاتھ ریشم سے زیادہ نرم تھے اور دونوں میں منافات نہیں کہ دستِ مبارک کی نرمی و سختی وقت و حالات پر موقوف تھی۔ چنانچہ جب آپ گھر میں دستِ مبارک یا جہاد میں آلات اسلحہ استعمال کرتے یا کاروبار کرتے تو ہتھیلیاں سخت ہو جاتیں جب چھوڑ دیتے تو وہ اپنی اصلی و جبلی حالت نرمی اور ملائمت کی حالت میں آجاتیں۔

اصمعی نے کہا سختی کے ساتھ تفسیر کرنا درست نہیں کہ نرمی اور سختی یکجا نہیں ہو سکتی بلکہ نرمی اور فربہی جمع ہو سکتی ہیں لہٰذا سختی کے ساتھ فربہی کے ساتھ تفسیر کرنی چاہیے۔

ابو عبید نے تفسیر کی کہ آپ کی انگلیاں فربہ اور چھوٹی تھیں درست نہیں بلکہ دوسری روایت میں ہے۔

كَانَ سَائِلَ الْاَطْرَافِ۔ اعضا کی گرہیں دراز تھیں۔

تحقیق یہ ہے ششن کا معنی پست اور سختی کے علاوہ کے ہیں (لہٰذا فربہ کے معنی میں ہوا)

معجزات دستِ مبارک

آپ کے دست مبارک کے صفات و معجزات اتنے زائد ہیں کہ ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔

ایک روایت میں ایک صحابی (جابر بن سمرہ) کے رخساروں پر دستِ اقدس پھیرا تو آپ کے دست اقدس سے ایسی ٹھنڈک محسوس ہوئی جیسے ابھی آپ نے عطار کی ڈبیہ سے اپنا ہاتھ نکالا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ابی زید انصاری کے سر اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ۔ اے اللہ! اسے اچھا رکھ۔

ابوزید کی ایک سو سے زائد عمر ہوئی لیکن ان کے سر اور ریش کے بالوں میں کوئی بال سفید نہ ہوا اور نہ ان کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار وارد ہوئے۔

امام احمد وغیرہ نے روایت کیا کہ آپ نے عتبہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تجھ میں نور ہے اس کے بعد رسول پاک ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے اگر وہ اس جگہ کو کسی متورم جگہ پھیر دیتے تو وہ ورم دور ہو جاتا۔

بغل مبارک

کثیر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ آپ کی بغل شریف سارے بدن کی مانند سفید تھی۔ یہ دوسری حدیث صحیح کے خلاف ہے جس میں ہے کُنْتُ اَنْظُرُ عَفَرَ اِبْطَیْہِ، عفرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو واضح نہ ہو اب دونوں میں تطبیق یوں ہوگی کہ پہلی حدیث میں سفیدی کو ایسی سفیدی پر محمول کیا جائے گا جو واضح نہ ہو بعض روایات میں ہے کہ آپ کی بغل میں بال نہ تھے لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے آپ کی بغل میں خوشبو مہکتی تھی۔

سینہ کے موئے مبارک

حضور اکرم ﷺ کے سینہ کے بالوں کے بارے میں آتا ہے۔

کَانَتْ لَہٗ مَسْرَبَۃٌ۔ آپ کے بال مسربہ تھے۔ مسربہ کہتے ہیں جو سینہ کے اوپر سے ناف تک ہوں یہ باریک تھے لہٰذا اسے خیط (ڈور یا شاخ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ گردن کی ہڈی سے لے کر ناف تک ڈور کی مانند بال تھے اور اس کے علاوہ کہیں نہیں تھے۔

بطن اطہر و پشت شریف

روایت میں آتا ہے کہ آپ کا شکم اطہر سینہ کے برابر تھا اور بعض میں جس کا معنی ہے کشادہ شکم جو کہ عریض الصدر کو لازم ہے۔

اور بعض (حضرت ابن ام ہانی) نے آپ کے بطن شریف کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ گویا کاغذ تھا جنہیں لپیٹ کرتہ کر کے ایک دوسرے پر رکھ دیا گیا ہے۔

قلبِ انور

آپ کے قلبِ اطہر نے اسرارِ الٰہیہ معارفِ ربانیہ کی امانات کو سب سے پہلے قبول کیا ہے لہٰذا یہ سب سے پہلے مخلوق ہوا جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے اور صورت سب انبیاءؑ علیہم السلام سے آخر میں بنی۔ لہٰذا آپ بیک وقت اول بھی ہیں اور آخر بھی اور کمالاتِ خلقیہ وخُلقیہ کے جامع ترین بھی۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے جو بارِ امانت آپ کے قلبِ اطہر نے اٹھایا وہ کوئی نہیں اٹھا سکا متعدد بار شقِ قلب ہوا اور نور وحکمت سے پر کیا گیا خون کا وہ لوتھڑا جو شیطان کا حصہ ہے اسے نکالا گیا چنانچہ اس کی تفصیل رضاعت کے مبحث میں گزر چکی ہے محاسن ظاہر یہ جو کہ اخلاق باطنہ کی علامت ہوتے ہیں مخلوق میں سے کوئی ان میں آپ کے مساوی نہ ہوسکا تو کوئی قلب آپ کے قلبِ اطہر کے بھی مساوی نہیں ہوسکتا۔

ازدواجی زندگی مبارک

حضور اکرم ﷺ کا اپنی بیوی سے مباشرت فرمانا اور آپ میں قوتِ جماع اس کے متعلق حضرت انس سے صحیح روایت سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تیس مردوں کی طاقت عطا فرمائی ہے امام اسماعیل بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی۔ ترمذی کی روایت کے مطابق جنتی آدمی کی طاقت سو مردوں کے برابر ہے۔ اور اسے غریب کہا اگر چالیس کو سو سے ضرب دیں تو چار ہزار بنتا ہے (تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی) اس کے باوجود آپ نہایت قلیل غذا تناول فرماتے یہ دونوں چیزیں خرقِ عادت آپ میں جمع تھیں۔

آپ احتلام سے محفوظ تھے

حضور اکرم ﷺ اور جملہ انبیاءؑ علیہم السلام کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ یہ شیطان کا فعل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رمضان المبارک میں فجر کے وقت حضور اکرم ﷺ بغیر احتلام کے جنبی ہوتے تھے (بیوی سے شب باشی کرنے کے بعد وجوب غسل کا نام جنبی ہے) پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ اس عبارت میں ''بغیر احتلام'' کی قید سے مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ آپ پر احتلام کی نسبت جائز ہے ورنہ استثناء کرنے کا کیا فائدہ؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ استثناً کی بنیاد عدم جواز پر ہے۔ اور یہ قید اتفاقی ہے) اس حدیث میں احتلام کا مطلب یہ ہے کہ خواب میں بغیر کچھ دیکھے انزال ہو جائے اور جو خواب میں دکھائی دیتا ہے وہ شیطان ہے۔

قدم مبارک

حضور اکرم ﷺ کے قدم کی توصیف میں کثیر روایت میں شَثِنُ الْقَدِمَیْنِ وارد ہے۔ (دونوں قدم مبارک نرم اور فربہ تھے) ای غلظ اصابع فربہ و نرم پاؤں کی انگلیاں۔

آپ کے پائے اقدس کی انگشت سبابہ پاؤں کی تمام انگلیوں سے بڑی تھی جو آپ کے دست مبارک کی انگشتِ شہادت بہ نسبت بیچ کی انگلی کے دراز تھی جس کسی نے یہ کہا وہ غلط ہے:

کَانَا لَا اَخْمَصَ لَھُمَا۔ آپ کے پاؤں زمین سے بلند نہ تھے (یعنی دونوں قدم مبارک ہموار تھے)۔

ایک روایت میں مَسِیْحَ الْقَدَمَیْنِ۔ (ہموار قدم) آتا ہے یعنی آپ کے قدم مبارک نرم اور پورے زمین پر لگتے تھے۔

قامت مبارک

حضور اکرم ﷺ کا قامتِ زیبا لطیف، درست اور چست تھا نہ کوتاہ نہ بہت دراز لیکن مائل بہ درازی تھا جب آپ کسی قوم میں تشریف لاتے تو انہیں چھپا لیتے اور ان کے پست و کوتاہ قد لوگ آپ کے قریب چھپ جاتے اگر دو آدمی دائیں بائیں ہوتے تو آپ دونوں سے بلند نظر آتے اور جب ان کے درمیان سے جدا ہو جاتے تو پھر منسوب بہ متوسط اقامت ہوتے۔

رفتار مبارک

حضور اکرم ﷺ کی رفتار مبارک کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی حدیث ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَامَشٰی تَکَفَّأَ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صُلُبٍ۔ رسول اللہ ﷺ کی رفتار جب چلتے تو جھک جھک کر چلتے گویا کہ اوپر سے اتر رہے ہیں۔

آپ چلتے تو زمین سے پورا قدم اٹھاتے اور کشادہ رکھتے اور آسان و سبک اور تیز بغیر حرکت کے چلتے۔ ناظم علامہ بوصیری نے و المشیُ رفتار الھُوینا سکون واطمینان کی رفتار کہا ہے ایسی رفتار والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا (فرقان:63)

''رحمٰن کے خاص بندے تو وہی ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں''۔

ترمذی میں ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو راہ میں حضور اکرم ﷺ سے زیادہ تیز تر چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا کہ زمین آپ کے قدموں کے نیچے سے لپٹی جاتی تھی اور ہم آپ کی ہمراہی میں تکان اور محنت محسوس کرتے تھے آپ کے ساتھ رہنے کے لیے ہمیں دوڑنا پڑتا تھا جس سے

ہمارے سانس پھول جاتے تھے لیکن آپ کو کچھ محسوس نہ ہوتا تھا اور آپ معمول کے مطابق بے تکلف چلتے تھے اور اصلاً اضطراب نہ فرماتے تھے یہ چلنا اولوالعزم، اہل ہمت اور شجاعت کا آئینہ دار ہے یہ چلنا اقسام رفتار میں قوی و اعتدال پر ہے اس سے اعضا کو راحت و آرام ملتا ہے۔

کثیر لوگ تعادت افتاد یعنی افسردہ اور مریل مانند خشک لکڑی کے مٹھی چال ہے یا ازعاج یعنی طیش وخفت، سبک سیری اور پریشانی کی چال چلتے ہیں جو کہ مذموم و قبیح اقسام رفتار میں سے ہیں۔

اور جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تو صحابہ کو اپنے آگے آگے چلاتے اور خود ان کے پیچھے رہتے آپ ﷺ فرماتے: خَلُّوْا ظَهْرِىْ لِلْمَلَائِكَةِ۔ میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دو۔

بے سایہ وسائبانِ عالم

حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا نہ آفتاب کی روشنی میں نہ ماہتاب کی ضیاء میں ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ نُوْرًا۔ کا سبب ہو(1)۔ اے اللہ مجھے نور فرما۔

رنگ مبارک

نبی اکرم ﷺ کا رنگ مبارک روشن و تاباں تھا جمہور صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ کا رنگ مبارک مائل بہ سفیدی تھا۔ سفیدی کے ساتھ ہی آپ کی توصیف کی ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا بعض نے کہا کہ جو شخص کہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا وہ کافر ہو جائے گا ایک قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ سیاہی سے توہین ہوتی ہے۔

پسینہ وفضلات کی خوشبو

سرکار دو عالم ﷺ کی عجیب صفات میں سے ایک پاکیزہ وطیب خوشبو ہے یہ آپ کی ذاتی تھی کسی قسم کی خوشبو استعمال کیے بغیر ہی دنیا کی کوئی خوشبو آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے ہمسری نہ کر سکتی تھی۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے ایک شخص کو اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر بھیجنے کے لیے خوشبو کی ضرورت تھی بہت جستجو کی مگر نہ مل سکی تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا کہ حضور کوئی خوشبو عطا فرمائیں مگر کوئی خوشبو موجود نہ تھی تو حضور نے شیشی طلب فرمائی تا کہ اس میں خوشبو ڈال دی جائے پھر آپ نے اپنے جسم اقدس سے پسینہ لے کر اس شیشی میں ڈال دیا اور فرمایا جا کر اسے اپنی بیٹی کے جسم پر مل دو جب اسے ملا گیا تو سارا مدینہ خوشبو سے مہک گیا اور اس گھر کا نام ہی "بیت المطیبین" خوشبو والا گھر رکھ دیا۔

1۔ ای دو دقیقہ دان عالم بے سایہ وسائبان عالم (ابوالفضل فیضی)

حضرت انس سے منقول ہے کہ جب کوئی صحابی بقصدِ حضوری آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور آپ کو کاشانۂ اقدس میں نہ پاتا تو وہ راستہ میں آپ کی اس خوشبو کو سونگھتے جو آپ کی گزرگاہ ہونے کے سبب راہ میں پھیلی ہوئی تھی مدینہ کے جس کوچہ میں وہ خوشبو محسوس کرتے چلتے جاتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ اس راہ سے گزرے ہیں۔

بوقت قضائے حاجت زمین کا شق ہو جانا

غریب روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین میں شگاف پڑ جاتا اور زمین آپ کا بول و براز اپنے اندر سمو لیتی اور اس جگہ خوشبو پھیل جاتی تھی اس براز کو کسی نے نہ دیکھا حافظ عبدالغنی نے اس کی تائید کی ہے۔

پیشاب مبارک

اب رہی پیشاب کی کیفیت تو اس کا کثرت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے اور صحابہ کرام اس سے شفا حاصل کرتے اور ایسے ہی خون مبارک بھی بطور شفا نوش کیا گیا۔

آپ کے فضلات طیب وطاہر ہیں

اسی لیے ہمارے آئمہ کرام نے کہا کہ آپ کے فضلات (خون، بول براز وغیرہا طیب وطاہر ہیں)

نیند مبارک

حضوا اکرم ﷺ پر خفیف نیند آتی تھی اور نیند کا غلبہ نہ ہوتا تھا کہ وہ غفلت قلب جو بکثرت اکل طعام سے ہوتا ہے دیگر انبیاءؑ علیہم السلام پر بھی نیند کا غلبہ نہ ہوتا تھا کہ جس سے دل میں غفلت پیدا ہو آپ کی چشمانِ مبارک سوتیں اور قلب اطہر ہمیشہ بیدار رہتا اسی لیے تو نیند سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا جس کی وجہ سے آپ کا قلب اطہر دائمی بیدار مشاہدہ حق تعالیٰ میں محو رہتا اسی لیے آپ کو بیدار نہ کیا جاتا کہ شائد اس حالت میں وحی کا نزول ہو رہا ہو۔

یہ اس حدیث کے منافی نہیں جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے رات گئے تک سفر جاری رکھا آخر شب میں آرام کیا تو نماز ادا کرنے سے قبل سورج طلوع ہو گیا کیونکہ سورج کے طلوع ہونے کا احساس وغیرہ ظاہری چشم کے ساتھ ہے ہو سکتا ہے کہ دل مشاہدہ حق میں مستغرق اور چشمانِ مبارک محوِ خواب جس کی وجہ سے وقت معلوم نہ ہو سکا تا کہ احکامِ شریعت کی تشریح ہو سکے نماز میں سہو کا واقع ہونا بھی اسی پر محمول ہے۔

بعض نے تاویل کی کہ خواب ایسا تھا اس میں دل بھی غافل ہو گیا لیکن یہ تاویل سر درد ہے کہ

غفلتِ قلب کا ثبوت نہیں ملتا یونہی لاینام کی بلا دلیل ظاہر سے عدول کر کے تاویل مردود ہے۔

یہاں محاسن ذات کا ذکر ختم ہوا اب ہم محاسن اخلاق وصفات کا ذکر کرتے ہیں۔

خلقِ عظیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتنے اعلیٰ، اشرف، اور پاکیزہ اخلاق تھے کہ کوئی آپ کا ہمسر نہیں ہو سکتا آپ کے کمالات وصفات جلال و جمال کا احاطہ اور حیطہء تحریر میں نہیں لائے جا سکتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔(۱)

''اور بیشک تمہاری خوبُو بڑی شان کی ہے''۔

خلق کی صفت عظیم کے ساتھ بیان کی اور علیٰ جو استعلاً کے لیے آتا ہے جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں جہاں دوسرے کی رسائی تک نہیں ہے اور کریم کے ساتھ وصف بیان نہیں کی کیونکہ اس سے مراد سخاوت وایثار ہے اور اس کا انحصار نہیں جس طرح مومنین پر رحمت کی انتہا اور کفار پر غلظت کی انتہا لہٰذا انعام وانتقام مساوی ہوئے لہٰذا اکرم کی ہمت اللہ کے سوا کسی کو نہیں بایں وجہ عظیم صفت ذکر کی جس کا تعلق قلب سے ہے۔

مروی ہے:

بَعَثَنِیْ بِتَمَامِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کی تمام اور محاسنِ افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے''۔

اور موطا کی روایت میں ہے:

بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں''۔

چنانچہ آپ ہر عمدہ خلق کے جامع ہیں اس لیے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔

کَانَ خُلُقُهٗ الْقُرْآنَ۔آپ کا خلق قرآن تھا۔

شیخ شہاب الدین عوارف المعارف میں اِس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ آپ صفاتِ الٰہیہ سے متخلق تھے بحالتِ جلال اور لطیف مقال کی حیا فرماتے ہوئے قرآن کہہ دیا اس میں کمال ادب ہے بعض عارفین نے کہا آپ کا خلق اعظم اس لیے ہے کیونکہ آپ نے جمیع مخلوق کی طرف مبعوث ہونا تھا۔

ام المومنین کے کلام سے معلوم ہوا کہ جو کچھ قرآن کریم میں اخلاق وصفات محمودہ مذکور ہیں آپ ان سب سے متصف تھے جس طرح قرآن کریم کے معانی لامتناہی ہیں اور جزئیات کا انحصار نہیں ہو سکتا نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمہ سب کے سب فطری جبلی اور پیدائشی ہیں نہ کہ ملکی اور اعمال سے حاصل کردہ ہیں بلکہ اول خلقت اور اصل فطرت میں بغیر اکتساب وریاضت کی محنت اٹھائے سے حاصل ہیں اور سب وجود الٰہی کے اجتباً اور اس کے لامتناہی فضل کے فیض سے ہیں۔

کمال خلق کمال عقل سے مسترشح ہوتا ہے کہ فضائل کو حاصل کرتی ہے اور نقائص سے اجتناب کرتی ہے عقل روح کی لسان ترجمان ہے لہٰذا آپ جوہر انسان اور جوہر بصیرت ہیں مشہور حدیث:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ۔ موضوع ہے ہمارے نبی اکرم ﷺ کا عقل کمال کی انتہا پر فائز ہونا جہاں کسی کے عقل کی رسائی نہیں۔

آپ کا بے مثل عقلِ مبارک

اسی لیے ابونعیم اور ابن عساکر وہب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اکانویں کتب کا مطالعہ کیا ہے جن میں درج ہے ابتدائے آفرینش سے تا اختتام دنیا تمام لوگوں کے عقول کو جمع کیا جائے تو آپ کے عقل مبارک کے سامنے ایسا ہے گویا کہ ریگستان کے مقابلے میں ریت کا ایک ذرہ ہو۔

چنانچہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عرب کے وحشی درندوں جیسے لوگ جو ایک دوسرے کے قتل کے درپے اور باہمی منافرت رکھتے تھے اور سابقہ امم کے حالات سے نابلد تھے کو کمال عقل عطا کر کے دنیا کا راہنما بنادیا۔

ابن حجر کے جواہرات میں سے امام بوصیری کے اس شعر کے تشریح:

كُلُّ فَضْلٍ فِي الْعَالَمِيْنَ فَمِنْ   فَضْلِ النَّبِيِ اِسْتَعَارَهُ الْفُضَلَاءُ

ہر فضل جو کائنات میں موجود ہے وہ فضیلت والوں نے نبی کریم ﷺ کے فضل سے مستعار لیا ہے۔

شرافت وبزرگی میں تمام انسان آپ کے گداگر ہیں

تمام کمالات ومحامد، اوصاف حمیدہ آپ اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں اور آپ کے توسط سے جملہ انسانوں کو ملتے ہیں پس جس کامل کو بھی کوئی کمال حاصل ہوا تو وہ آپ کے کمال کا حصہ ہے تمام آیات ومعجزاتِ انبیاء آپ کے نور سے مستفاد ہیں۔

آپ فضل وکمالات کے آفتاب اور انبیاً علیہم السلام ستارے ہیں جس طرح ستاروں کا ذاتی نور

نہیں ہوتا بلکہ ان کی روشنی آفتاب سے مستنیز ہوتی ہے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستاروں کی روشنی مدہم اور غائب ہو جاتی ہے ایسے ہی حضرات انبیاءٔ کرام آپ کی بعثت سے قبل اپنے انوار وتجلیات سے دنیا کو روشن کر رہے تھے وہ انوار وتجلیات آپ کے نور سے مستفیض تھے۔

چنانچہ خلافتِ آدم علیہ السلام کا ظہور اور ان کا کل اسماءٔ کے علم کا احاطہ کرنا حضور اکرم ﷺ کے جوامع الکلم سے مستفاد ہے یونہی ہر نبی کا کمال و معجزہ آپ کے کمالات سے مستفاد ہے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا وجود آپ کے وجود سے مستعار ہے جب آفتاب کمالات وصفات محمودہ کا طلوع اور تاباں ہوا تو اس کے نور میں تمام انوار گم ہو گئے۔ لہٰذا جو کمال بھی کسی نبی ورسل کو عطا ہوا وہ ان سے بڑھ کر آپ کو عطا ہوا جیسا کہ اصحابِ سیر نے اس کی تصریح کی ہے۔

اگر جناب آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں تو آپ ابوالانبیاء ہیں

ان کمالات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا شقِ صدر اور نور وحکمت سے پر کرنا عطا فرمایا اگر جناب صفی اللہ علیہ السلام سے بشریت وجسمیت کی ابتدا ہوئی تو سرور کائنات ﷺ سے نبوت ورسالت کی ابتدا ہوئی چنانچہ آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا کہ آپ کی جبین مبارک میں نور مصطفےٰ ﷺ جلوہ گر تھا جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے تصریح کی ہے۔

جامع کمالات انبیاء

اور حضرت ادریس علیہ السلام کو مکانِ علیا سے نوازا تو رسول اکرم ﷺ کو شب معراج ان سے بھی مقامِ علیا عطا کیا جناب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کو طوفان سے نجات دی تو امتِ محمدیہ کو عذابِ عام سے محفوظ رکھا۔

نیز تفسیرِ کبیر میں رازی نے روایت نقل کی ہے کہ سفینہ نوح کے عوض اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو یہ اعجاز عطا فرمایا کہ آپ کے پکارنے سے پتھر پانی پر تیرتے ہوئے آپ کے حضور حاضر ہوا اور آپ کی نبوت ورسالت کی شہادت دی۔

کلیم وحبیب میں فرق

جناب خلیل علیہ السلام کے لیے نار نمرود گلزار کی تو آپ پر نار حرب وقتال کو ٹھنڈا کیا جس کی شہادت قرآن کریم دیتا ہے:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (مائدہ:64)

جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا ہے۔

نسائی میں ہے کہ ایک بچہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا جو آگ میں جھلس گیا تھا تو آپ نے دستِ اقدس پھیرا تو وہ تندرست و شفایاب ہو گیا۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ خلت سے شرف یاب کیا تو ہمارے نبی پاک ﷺ کو مقامِ محبت ومودت اور شانِ محبوبی سے مشرف کیا جو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے اسی سبب سے جب ابراہیم علیہ السلام نے شفاعت عظمیٰ کا سوال کیا تو پردۂ غیب سے انہیں اس سوال سے باز رکھا۔

○ خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تو حضور اقدس ﷺ نے حجر اسود کو اپنے مقام پر نصب کیا جب قریش کو اس کے بارے سخت نزاع تھا۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اعجاز عطا کیا کہ ان کا عصا اژدھا بن گیا تو ہمارے نبی اکرم کے ہجر میں استن گریہ و نالہ کناں ہوا جو اس سے بھی عجیب تر ہے۔

○ امام رازی وغیرہ نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آپ پر پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان سے دو سانپ نمودار ہوئے تو وہ مرعوب ہو کر واپس مڑ گیا۔

○ جناب کلیم اللہ علیہ السلام کو ید بیضا عطا کیا جس سے آنکھ کی روشنی چنکھلا گئی تو رسول پاک ﷺ نے ایک رات عباد بن بشر اور اسید بن حضیر کے لیے ایک چھڑی پر ہاتھ پھیرا تو روشن ہو گئی اس کی روشنی میں وہ گھر جا رہے تھے جب ان کے راستے جدا ہوئے تو دوسرے نے اپنے عصا کو اس سے مس کیا تو وہ بھی روشن ہو گیا اس کو حاکم نے صحیح کہا۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ، بیہقی اور ابونعیم نے حمزہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک تاریک رات میں حضور اقدس کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے تو آپ نے میری انگلیوں کو پکڑا تو وہ روشن ہو گئیں میں نے ہاتھ اوپر اٹھایا سب لوگ اس روشنی پر جمع ہو گئے۔

○ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو فلق بحر (دریا میں راستہ بنانا) دیا تو آپ کو شق قمر دیا۔ جو اس سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں تسخیر علویات ہے مزید برآں زمین و آسمان کے مابین ایک سمندر جس کو مکفوف کہتے ہیں اس زمینی سمندر کی نسبت اس کے مقابلے میں ایک قطرہ ہے جن کا انفلاق شب معراج ہوا۔

نیز آپ کے انگشتہائے دستِ مبارک سے پانی جاری ہونا پتھر سے پانی نکلنے سے عجیب تر ہے کیونکہ پتھر زمین کی جنس ہے جس سے پانی نکلتا رہتا ہے۔

○ موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی سے مشرف کیا تو آپ کو مقام قاب قوسین پر بلا کر ہمکلامی اور چشم

ظاہری سے دیدار عطا کیا۔ کلیم اللہ کو جبل طور پر ندا آئی تو آپ کو مافوق العرش پر ندا آئی۔

○ حضرت ہارون علیہ السلام کو فصاحت دی تو رسول اکرم کو اس سے بڑھ کر فصاحت و بلاغت عطا کی ان کی زبان عبرانی تھی اس سے عربی زبان زیادہ فصیح ہے اس لیے ان کی فصاحت معجزہ نہ تھی جب کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کی فصاحت معجزہ بلکہ اعجز تھی یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے اس وجہ سے بھی آپ کا کلام معجزہ ہے کہ یہ مغیبات پر مشتمل ہے جو صرف رسول اکرم ﷺ کو عطا ہوا۔ اس بنا پر بعض صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا کیوں نہ ہوتا جب کہ عربی زبان میں فصیح و بلیغ قرآن حکیم میری زبان میں نازل ہوا ہے۔

○ سیدنا یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک حصہ و جزء عطا ہوا اور آپ کو کل حسن عطا کیا گیا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ان کو تاویل رویا کا کمال ملا تو آپ کو بھی تعبیر رویأ میں کمال عطا کیا گیا جیسا کہ قرآن حکیم سورت یوسف میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی تین اشخاص تعبیر رویأ اور حضور اقدس ﷺ کو بے شمار اشخاص کی تعبیر رویأ بیان کی جس طرح تعبیر بیان کی اسی طرح وقوع ہوا۔

داؤد علیہ السلام اور آپ کے معجزات میں تقابل

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جاتا ہے تو آپ کے دستِ حق میں خشک لکڑی سرسبز و شاداب ہو جاتی اور امِ معبد کی بکری کے خشک تھنوں میں آپ کے دستِ رحمت کی برکت سے دودھ اتر آیا اور نہ ہی اس نے کوئی بچہ جنا تھا۔

کمالات سلیمان علیہ السلام اور آپ میں تقابل

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی زبان کی پہچان عطا فرمائی تو آقا علیہ السلام سے پتھر نے کلمہ پڑھا۔ آپ کی مٹھی میں کنکروں نے تسبیح پڑھی زہر آلود طعام نے کلام کی۔ ہرن اور اونٹ نے شکایت کی۔

سلیمان علیہ السلام ہوا پر صبح و شام ایک ماہ کا سفر طے کرتے تو آپ براق پر جو ہوا سے بھی تیز تر ہے سوار ہو کر ایک لحظہ میں فرش سے عرش پر پہنچے جس کی مسافت کم از کم سات ہزار برس ہے اور اس سے مستوی اور رفرف تک جس کی مسافت بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا آپ تشریف لے گئے۔

ہوا سلیمان علیہ السلام کو اطراف زمین پر لے جاتی اور حضور اقدس ﷺ کے لیے زمین سمیٹ دی گئی تو آپ نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا زمین کے اطراف کے دیکھنے اور زمین آپ کے لیے سمٹنے میں کتنا فرق ہے۔

جناب سلیمان علیہ السلام کو تسخیر جنات عطا ہوئی تو آپ نے وہ جن جو نماز میں مخل ہونا چاہتا تھا کو پکڑ کر مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا اور جنات کی طرف مبعوث ہوئے اور جنات آپ پر ایمان لائے جب کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے صرف عمل کی تسخیر تھی۔

سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندے آپ کے مسخر تھے تو آپ کے لیے غارِ ثور کے دھانے پر کبوتر نے انڈے دیئے اور عنکبوت نے جال بُنا۔ یہ معجزہ اس سے عجیب تر ہے کہ قلیل شئی کے ساتھ کثیر دشمن سے آپ کو محفوظ رکھا۔

کمالاتِ عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہما السلام میں فرق

عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائشی اندھوں، برص والوں کو شفا دی اور مُردوں کو زندہ کیا تو ہمارے رسولِ معظم ﷺ نے آنکھ سے باہر نکلے ہوئے ڈھیلے کو اصل مقام پر رکھ کر بصارت عنایت کی۔

امام فخر الدین رازی نے روایت کیا کہ آپ نے برص والوں کو شفا دی۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ آپ میری مردہ بیٹی کو زندہ کر دیجیے تو آپ اس کی قبر پر تشریف لا کر مخاطب کیا تو اس نے جواب دیا۔ کنکروں کا کلمہ پڑھنا اور استن حنانہ مُردوں کے کلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ کلام کرنے والوں کی جنس سے ہیں۔

حاصلِ کلام۔ الغرض جتنے کمالات و معجزات و محامد جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کو ملے وہ سب آپ کی ذات میں مجتمع ہیں اس کے علاوہ بھی لامحدود کمالات وصفات محمودہ عطا کئے جو حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔

خلقت رسول اللہ ﷺ

امام ابن حجر کے وہ جوہرات جو امام ترمذی کے شمائل میں باب ان احادیث میں جو رسول پاک ﷺ کی خلقت کے متعلق آئی ہیں کی شرح میں بیان کیے ہیں آدمی کا ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب یہ اعتقاد رکھے کہ جتنے بھی محاسن ظاہرہ انسان میں جمع ہو سکتے ہیں وہ بأحسن وجوہ حضور اکرم ﷺ میں موجود ہیں جس کی وجہ یہ ہے محاسن ظاہرہ دلیل ہیں محاسن باطنہ اور اخلاق ذکیہ کی جب اخلاق ذکیہ و محاسن باطنہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں تو ان کی دلیل یعنی محاسن ظاہرہ میں بھی آپ کا ہمسر نہیں۔

آپ کا حسن مستور ہے

قرطبی نے بعض کے حوالے سے نقل کیا کہ آپ کا حسن مکمل ظاہر نہیں ہوا اور نہ کسی کو دیکھنے کی طاقت ہوئی آپ کی تخلیق پر کلام کا تقاضا ہے پہلے آپ کی ابتدائے وجود کے متعلق گفتگو کی جائے اگرچہ

اس کے متعلق مصنف نے کچھ بیان نہیں کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تقدیر کو پیدا کیا اس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا جو ام الکتاب میں لکھا گیا ان میں سے ایک یہ ہے حدیث صحیح میں ہے:

اِنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اِنِّی عِنْدَاللّٰهِ فِیْ اُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ۔

"بیشک رسول پاک ﷺ خاتم الانبیاءً ہیں تحقیق میں اللہ تعالیٰ کے حضور ام الکتاب میں خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام مٹی میں تھے"۔

یعنی روح ڈالے جانے سے قبل آپ کا جسم گرمی وتپش میں رکھا ہوا تھا صحیح حدیث میں ہے کہ:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی كُنْتَ نَبِيًّا فَقَالَ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

"یارسول اللہ ﷺ آپ کب سے نبی ہیں، فرمایا جب ابھی آدم علیہ السلام روح وجسم کے مابین تھے۔"

ایک روایت میں مِتٰی كَتَبَتْ کتابت سے ہے آپ کب سے نبی مقرر ہوئے یہ حدیث کی كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ میں نبی تھا جبکہ آدم آب وگل میں تھے۔۔

بعض حفاظ ان الفاظ سے کسی حدیث پر مطلع نہ ہوئے اور مصنف کی روایت حسن ہے۔

مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

یارسول اللہ آپ کو نبوت کب ملی تو فرمایا ابھی آدم علیہ السلام روح وجسم میں تھے۔

وجوب وکتابت نبوت کا مطلب

نبوت کے وجوب اور کتابت کا مطلب اس کا خارج میں ظہور ہے جیسے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں ظہور اور تقرر مراد ہے یہاں حدیث میں مراد ہوگا کہ آپ کا ملائکہ پر ظہور اور عالم ارواح میں آپ کی روح کا ظہور تا کہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر برتری شرف اور بزرگی کا اظہار ہو۔

اس اظہار تخلیق کے ساتھ مخصوص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تخلیق آدم ارواح کا عالم اجساد میں داخل ہونے کا وقت ہے۔اس وقت امتیاز اتم واکمل ہوگا جب مبدأ ظہور بشریت پر شرف و بزرگی حاصل ہے تو دوسروں پر بطریق اکمل شرافت حاصل ہوگی۔

امام غزالی نے یہ حکمت بیان کی اس حدیث میں اپنے وجود سے قبل نبوت کے ساتھ اتصاف

فرماتا اور اسی طرح حدیث شریف کہ:

اَنَا اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ خَلْقاً وَآخِرُهُمْ بَعْثًا

میں تخلیق کے اعتبار سے پہلا اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہوں۔

تو یہاں تخلیق سے تقدیر مراد ہے اگر چہ بشریت کی ابتداً سے قبل لوگ موجود نہ تھے مگر کمالات و غایات تقدیر میں ضرور موجود تھے جس بنا پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس کی توضیح یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک کاریگر مکان تعمیر کرنے سے بیشتر ان کا نقشہ ذہن میں تیار کرتا ہے پھر اس کے مطابق مکان تعمیر کرتا ہے۔ بلا تمثیل خالقِ کائنات نے پہلے تقدیر لکھی، پھر اس کے موافق مخلوق پیدا کی۔ یہ امام غزالی کے کلام کا ملخص ہے۔

امام سبکی نے اس کی احسن وابین توجیح کی کہ اجساد سے بیشتر ارواح کو تخلیق کیا تو آپ نے اس فرمان سے اپنی روح شریفہ یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا جن کو اس نے ان پر مطلع کیا پھر حق تعالیٰ نے ہر حقیقت کو جو چاہا اور جس وقت ارادہ عطا کیا تو حقیقت محمد یہ علیٰ صاحبہا التسلیم کو بوقت تخلیق آدم وصفِ رسالت وختم ونبوت سے متصف کیا یعنی حقیقت محمد یہ علیٰ صاحبہا التسلیم کی تخلیق کے ساتھ ہی وصف نبوت ورسالت کو موصوف کردیا تو تخلیق آدم سے پہلے ہی آپ نبی تھے۔ اور ان کی تخلیق سے بیشتر ہی عرش پر آپ کا اسم گرامی لکھا تاکہ فرشتوں پر آپ کی بزرگی وعظمت ظاہر ہو جائے تو حقیقت محمد یہ اس وقت موجود تھی اگر چہ وجود عنصری متاخر ہے تو آپ کے تمام کمالات واوصاف محمودہ، حکمت نبوت ورسالت پہلے ہی سے آپ میں موجود تھے اور ان کا اظہار بعد میں ہوا۔

چنانچہ یہی حقیقت ہی اصلاب مقدسہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتی رہی تا آنکہ سیدہ آمنہ سے ظہور قدسی ہوا۔

ایک غلط تفسیر

بعض علماء نے غلط تفسیر کی کہ یہ علمِ الٰہی میں نبی تھا علم الٰہی میں نبی ہونے کی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ جملہ انبیاً علیہم السلام اپنی تخلیق سے قبل علمِ الٰہی میں نبی تھے۔

ابن سعد نے شعبی سے نقل کیا:

مَتٰی اِسْتَنْبَئْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ حِیْنَ اَخَذَ مِنِّی الْمِیْثَاقَ۔

یارسول اللہ ﷺ آپ کب نبی بنے تو فرمایا جب آدم علیہ السلام روح اور جسد کے مابین تھے

جب مجھ سے عہد لیا۔

یہ اس پر دال ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی صلب سے نکال کر دیوار پر مٹی کی صورت میں دکھائی گئی تو اس وقت آپ کو نبوت عطا کی گئی اور آپ سے میثاق لیا گیا۔ پھر صلب میں واپس لوٹے اپنے وقت پر ظہور ہوا لہٰذا آپ خلقت کے اعتبار سے اول انبیأ ہیں آدم علیہ السلام کو بنایا تو پہلے ان کے جسد میں روح نہ تھی بعد میں القا کی گئی حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی زندہ تھے اور نبی تھے اور آپ سے میثاق لیا گیا۔

یہ اس روایت کے منافی نہیں جس میں کہ آدم علیہ السلام کے جسد میں روح ڈالنے کے بعد ان کی صلب سے ان کی ذریت نکالی گئی کہ یہ استخراج اول صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہو دوسری ذریت کا استخراج بعد میں ہوا۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت علی اور ابن عباس اس آیت:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (آل عمران:81)

''اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیأ سے عہد لیا''۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی اور زمانہ نبوت و رسالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور پذیر ہوں تو ان پر ایمان لا کر ان کی مدد کرنا اور ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے عہد لیا۔

تاج الدین سبکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی زندگی میں آپ تشریف لائیں تو ان کی طرف مرسل ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت و رسالت تمام مخلوق کو آدم علیہ السلام تا قیامت کے لیے عام ہے انبیأ و رسل اور دیگر تمام مخلوق آپ کی امت ہیں جس کا اظہار شب معراج نماز پڑھنے اور بروز حشر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے ہو رہا ہے اور اسی کی طرف ان احادیث میں اشارہ ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہوں اس سے کُنْتُ نَبِیاً وَّآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کا مطلب بھی ظاہر ہو گیا۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ مِنْ نُوْرِہٖ فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ (الحدیث بطولہ)

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے بیشتر نور محمد کو اپنے نور سے پیدا کیا پس وہ نور اس کی قدرت سے جہاں اللہ نے چاہا گھومتا رہا اور اس وقت لوح وقلم کچھ نہ تھا''۔

اس میں اختلاف تھا کہ نور محمدی کے بعد کس چیز کو پیدا کیا کچھ علما نے کہا عرش، چونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے پچاس ہزار برس بیشتر مخلوق کی تقادیر کو پیدا کیا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا دوسرا قول ہے کہ پہلے قلم کو پیدا کیا جیسا کہ حدیث میں ہے:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ قَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ رَبِّ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ

''سب سے قبل اللہ تعالیٰ نے قلم کی تخلیق کی قلم سے کہا لکھ اس نے کہا کہ میرے رب کیا لکھوں تو فرمایا ہر شی کی تقدیر لکھ''۔

لیکن مرفوع حدیث میں ہے کہ پانی کو عرش سے پہلے بنایا۔ ان روایات میں باہمی مطابقت کہ حقیقتاً سب سے پہلے نور محمدی کی تخلیق ہوئی۔

پھر پانی پر عرش پھر قلم یہ سب اشیا قلم کی تخلیق سے قبل موجود تھیں تو ایک روایت کے مطابق فرمایا مَاکَانَ جو کچھ ہو چکا ہے پانی، عرش، قلم میں اولیۃ اضافیہ یعنی بعد کی اشیا کی نسبت سے اول کہا گیا۔

مروی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی نور محمدی ان کی صلب میں رکھا جس سے ان کی جبین مبارک تاباں و درخشاں ہوگئی بوقت وصال اپنے فرزند جلیل اور وصی کو اس نور کی حفاظت کی وصیت کی اور جناب شیث علیہ السلام نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اپنے فرزند کو اس نور محمدی اصلاب وارحام طاہرات میں رکھنے اور منتقل کرنے کی وصیت کی چنانچہ یہ وصیت بالترتیب سلسلہ وار حضرت سیدنا عبداللہ تک پہنچی اور نور پاک سفاح جاہلیت سے محفوظ رہا جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے بالتفصیل اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

پھر جناب عبدالمطلب نے اپنے لخت جگر سیدنا عبداللہ کا سیدہ آمنہ جو کہ تمام مستورات قریش سے افضل تھیں عقد کیا ان کی شب باشی سے وہ نور مقدس صدف رحم سیدہ میں منتقل ہوا استقرار حمل و وقت ولادت خوارق عادت کا ظہور ہوا جن سے آپ کی نبوت ورسالت کی شہادت ملتی ہے۔

اگر لوگ جو استقرار حمل، ولادت اور رضاعت سے متعلق روایات ذکر کرتے ہیں ان میں زیادہ تر ضعیف اور موضوع ہے اور صحیح روایات قلیل ہیں جیسا کہ حدیث صحیح ہے کہ رسول پاک ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بوقت ولادت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے اور یہ سیدہ آمنہ کی

خصوصیت ہے کیونکہ زمین پر تمام عورتوں سے افضل تھیں ایسے ہی یہ بھی حدیث صحیح ہے کہ آپ کی جائے ولادت حرمین کے بعد افضل ترین جگہ ہے اور یہ پہلا مقام ہے جہاں آپ کا ملک کا ظہور ہوا۔

یہ روایت کہ آپ کا مختون (ختنہ شدہ) پیدا ہونا کہ بیشک ضیا مختارہ اور اشرف میں ہے کو صحیح کہا اور حاکم نے کہا اس پر متواتر احادیث ہیں لیکن ذہبی نے اس پر تعاقب کیا کہا متواتر کے کجا میں تو اس کی صحت کو ہی نہیں جانتا زین عراقی کے اقرار سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مختون والی احادیث ضعیفہ ہیں۔

سنِ ولادت

رسول پاک ﷺ کے سن ولادت میں اختلاف ہے اکثر نے عام الفیل بتایا اور بعض نے کہا کہ اس پر اتفاق ہے۔ اور مشہور ہے کہ واقعہ فیل کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی بعض نے چالیس اور بعض نے بیس برس بعد بتائی ہے۔

ماہِ ولادت

جمہو علما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی دو تاریخ تھی بعض نے آٹھ کہا کثیر نے اس کو اختیار کیا ہے اکثر محدثین کا بھی یہی قول ہے بعض نے دس اور بارہ جو کہ مشہور ترین ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

آپ ماہ ربیع الاول اور پیر کے دن کیوں تشریف لائے

خالقِ کائنات جل مجدہٗ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو رمضان، محرم کے بجائے ربیع الاول میں جمعہ کی جگہ پیر کے دن پیدا کر کے یہ بتا دیا کہ زماں و مکان خوبیاں و بزرگیاں آپ سے وابستہ ہیں نہ یہ کہ کسی جگہ یا کسی وقت کی خوبی سے آپ کو عظمت ملی بلکہ جس وقت اور جس مکان میں تشریف لائے وہ سب زمان سے بڑھ کر بابرکت ہو گیا۔

اصح بلکہ صواب یہ ہے کہ پیر کے دن جلوہ افروز ہوئے چنانچہ مسلم کی حدیث ہے کہ رسول پاک ﷺ دوشنبہ کو پیدا ہوئے یہ حدیث اس پر تصریح ہے کہ دن کو ہی دنیا میں تشریف لائے یعنی فجر کے بعد جیسا کہ ضعیف حدیث میں مذکور ہے۔ اسی لیے علامہ بدرزرکشی نے کہا صحیح یہ ہے کہ آپ دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ ابن دحیہ کا یہ کہنا کہ آپ کی ولادت کے وقت ستاروں کا گرنا والی احادیث ضعیف ہیں درست نہیں کیونکہ سقوط نجوم خارق عادت ہے تو جس طرح ستارے خرق عادت رات کو گر سکتے ہیں اسی طرح دن کو بھی خرق عادت گر سکتے ہیں تو اس روز شب میں کوئی فرق نہیں۔

1

مدت استقرار حمل

رسول کریم ﷺ کے استقرار حمل کی مدت نو ماہ یا دس یا آٹھ یا سات یا چھ ماہ مختلف اقوال کے مطابق ہے آپ کی ولادت صحیح بلکہ صواب یہ ہے کہ مکہ شہر میں ہوئی اور مشہور تر بھی یہی قول ہے عسفان روم اور شعب کے بھی قول ہیں اور حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

آپ کے والد ماجد کا انتقال

مشہور ہے کہ آپ کی ولادت سے بیشتر ہی آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور مدینہ منورہ میں اپنے ننھیال بنی نجار میں مدفون ہوئے بعض نے کہا کہ ان کا انتقال آپ کی شیر خوارگی کی حالت میں ہوا۔

والدۂ ماجدہ کا مدفن

آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال بھی مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں ہوا اور مقام ابواء میں مدفون ہوئیں بعض نے حجون لکھا ہے اس پر ان کے احیا والی حدیث دلالت کرتی ہے اگرچہ ضعیف ہے لیکن موضوع نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے جب کہ بعض متاخرین حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا۔

والدہ محترمہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف

جب رسول اللہ ﷺ کی مادرِ محترمہ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر چار برس پانچ، چھ، سات، نو، بارہ ماہ یا دس دن تھی مختلف اقوال ہیں۔

آپ کی کفالت

حضرت عبدالمطلب نے آٹھ، نو، دس یا چھ سال تک کفالت و پرورش کی پھر ان کا انتقال ہو گیا آپ کے شفیق عم محترم جناب ابو طالب نے پرورش کا ذمہ لیا آپ بارہ برس کے تھے جب آپ نے باصرار خود اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بغرض تجارت شام کا سفر کیا بصریٰ میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کے دست اقدس کو پکڑ کر کہا:

هَذَا سَيِّدُالْعَالَمِيْنَ هَذَا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

''یہ سید العالمین ہیں ان کو اللہ تعالیٰ رحمت اللعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا''۔

یہ اس نے اس طرح استدلال کیا کہ جب قافلہ بلند مقام پر چڑھا تو:

لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِداً وَلَا تَسْجُدُ اِلَّا لِلنَّبِيِّ

''جس درخت اور پتھر سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا شجر و حجر صرف نبی ہی کو سجدہ کرتے ہیں''۔

اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر ختم نبوت دیکھ کر ابو طالب سے کہنے لگا ان کو واپس لے

جایئے مجھے خطرہ ہے کہ یہود اسے کوئی گزند پہنچائیں اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ایک اور روایت میں ہے کہ ابر آپ پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

سیدہ خدیجہ کے مال سے تجارت

حضور اکرم ﷺ جب پچیس برس کے ہوئے تو آپ کی دیانت وامانت داری کو دیکھ کر حضرت خدیجہ جو کہ مکہ کی مالدار خاتون تھیں نے اپنے غلام میسرہ کے ساتھ مال دے کر شام روانہ کیا اس بار تجارت میں بہت زیادہ نفع ہوا واپس آ کر حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ نے آپ کی دیانت داری کی بہت توصیف کی تو تین ماہ بعد حضرت خدیجہ نے آپ کو پیغام نکاح دیا اور اس طرح چالیس برس کی خاتون حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی ہوئی۔

تعمیر کعبہ کا واقعہ

آپ کی عمر پینتیس برس کی ہوگی جب سیلاب کی وجہ سے کعبہ کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں تو کعبہ شریف شہید کر کے قریش نے تعمیر کیا جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو قریش میں شدید اختلاف ہو گیا ہر قبیلے کا سردار کہتا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے نصب کروں گا قریب تھا قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا تو آپ کے انتہائی دانش مندانہ فیصلے سے سب خوش ہو گئے ہر قبیلے کے سردار سے مل کر حجر اسود کو نصب کیا۔

بعثت

جب رسالت مآب ﷺ کی عمر شریف چالیس برس ہوئی چالیس دن یا دو ماہ سے زائد ہوئی تو بروز دوشنبہ ماہ رمضان المبارک میں آپ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا۔ بعض نے ربیع الاول کا مہینہ لکھا ہے بعثت کے بعد تیئیس برس مکہ اور دس برس مدینہ منورہ میں قیام فرمایا (ابن حجر کا کلام ختم ہوا) اس کلام میں کچھ حصہ ابن حجر کے شرح ہمزیہ میں مذکور ہو چکا ہے لیکن اتمام فائدہ کے لیے اختصار کے ساتھ اسی طرح دوبارہ نقل کیا ہے اسی طرح درج ذیل کلام بھی دوبارہ منقول ہو رہا ہے۔

شمائل ترمذی بَابُ مَاجَاءَ فِيْ تَعَطُّرِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ کی شرح میں ابن حجر کے جواہرات۔

آپ کے پسینہ مبارک اور جسم مقدس سے خوشبو

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی خوشبو ایسی تھی کہ کسی قسم کی خوشبو استعمال کیے بغیر ہی دنیا کی کوئی خوشبو مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک خوشبو خواہ مشک ہو یا عنبر سونگھی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی خوشبوئے اطہر سے زیادہ کوئی نہ تھی اس کو امام بخاری نے لفظ مِسْكَةً

وَلَا عَنْبَرَةً (کستوری اور نہ عنبر) سے روایت کی۔ نیز امام احمد نے بھی روایت کیا مصنف نے باب الخلق میں یہ الفاظ منقول کیے ہیں۔

مِسْکًا وَلَا عِطْرًا کَانَ اَطْیَبَ مِنْ عَرْقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔

''مشک اور عطر رسول اللہ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو نہ سونگھی''۔

طبرانی نے روایت کیا ہے کہ عتبہ کی زوجیت میں چار عورتیں تھیں ان میں سے ہر ایک کوشش کرتی کہ خوب سے خوب تر خوشبو استعمال کرے لیکن کسی کی خوشبو عتبہ کی خوشبو تک نہ پہنچتی تھی جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانے میں ان کے جسم پر پت کے دانے نکل آئے تھے جن کی وجہ سارے جسم پر آگ کی چنگاریاں سی لگی رہتیں تو آپ نے ان کے پشت اور شکم پر دستِ رحمت پھیرا اس وقت سے یہ خوشبو پیدا ہو گئی تھی۔

طبرانی اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی اس کے شوہر کے ہاں بھیجنے کے لیے خوشبو کی جستجو کی تھی مگر نہ مل سکی تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزاشت کی لیکن خوشبو نہ تھی تو آپ نے ایک شیشی طلب فرمائی اور اپنے جسم اقدس سے پسینہ لے کر اس شیشی میں بھر دیا اور فرمایا جا کر اسے اپنی بیٹی کے جسم پر مل دو جب اسے ملا گیا تو سارا مدینہ اس کی خوشبو سے مہک گیا تھا اور اس گھر کا نام ''بیت المطیبین'' رکھ دیا۔

درامی، بیہقی اور ابو نعیم سے روایت ہے کہ اگر کوئی صحابی دارِ اقدس پر حاضر ہوتا اور آپ کو کاشانہء اقدس میں نہ پاتا تو وہ راہ میں آپ کی اس خوشبو کو سونگھتے جو آپ کی گزرگاہ ہونے کے سبب راہ میں پھیل جاتی تھی اور صحابہ اس خوشبو سے معلوم کر لیتے کہ حضور علیہ السلام اس راہ سے گزرے ہیں اور جس حجر سے آپ کا گزر ہوتا وہ آپ کو سجدہ کرتا۔

ابو یعلیٰ اور بزاز نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ آپ کا جس راستہ سے بھی گزر ہوتا صحابہ کرام محسوس کر لیتے کہ آپ کا یہاں سے گزر ہوا ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ ام انس (انس کی والدہ) کے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا چونکہ حضور کو خواب میں بہت پسینہ آیا کرتا تھا تو حضرت انس کی والدہ نے شیشی لے کر آپ کا پسینہ مبارک اس میں جمع کرنا شروع کیا تو آنحضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی فرمایا اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ آپ کا پسینہ مبارک جمع کر رہی ہوں تا کہ بطور خوشبو اسے استعمال کروں کیونکہ یہ سب سے زیادہ خوشبودار ہے۔

اس کے بعد ابن حجر نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جو آپ کے فضلات کی طہارت پر دلالت کرتی ہے اور ان کے آخر میں ذکر کیا کہ اس سے ہمارے آئمہ شافعیہ وغیرہ کی جماعت نے طہارتِ فضلات پر استدلال کیا ہے اور یہی مختار مذہب ہے ان کی موافقت میں آئمہ متاخرین نے ادلہ کثیرہ ذکر کیے اور کہا کہ یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے اور بعض نے کہا کہ آپ کے شکم اطہر کو شق کر کے غسل دیا گیا تھا جس کی وجہ سے فضلات طاہر ہیں۔

ابن ہالہ کی حدیث کی تشریح میں ابن حجر کے جواہرات:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ كَلَامُهُ فَصْلٌ وَلَا فَضُوْلَ وَلَا تَقْصِيْرَ۔

حضور اقدس ﷺ جوامع الکلم کے ساتھ گفتگو فرماتے آپ کا کلام جدا جدا اور منفصل ہوتا نہ الفاظ زائد ہوتے اور نہ اتنے مختصر کہ کلام میں ابہام واشتباہ پیدا ہو جائے۔

یعنی آپ کا کلام حق و باطل کو بیان کرنے والا ہوتا جس میں ضرورت سے زائد اور نہ مقصود سے کم کوئی لفظ ہوتا بلکہ مقتضائے حال کے عین مطابق ہوتا طناب اور مساوات میں جو کہ ایک فصیح و بلیغ کی شان اور فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا۔

علماء نے اپنی وسعت و طاقت کے اعتبار سے بعض ایسے کلمات جمع فرمائے ہیں جو آپ سے بیشتر کسی نے جمع نہیں کئے چنانچہ چند ایک درج بطور نمونہ کلمات پیش کیے جاتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔

اَسْلِمْ تُسْلِمْ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ

"اسلام لا سلامتی میں رہے گا اور لوگوں کو سلامتی میں رکھ اللہ تعالیٰ دو گنا اجر دے گا"۔

اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ۔ نیک اور خوش بخت وہ جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (رواہ احمد)۔ سننا دیکھنے کے مساوی نہیں ہے۔

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ (رواہ العقیل)۔ محافل کی باتیں امانت ہوتی ہیں۔

اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ (رواہ جماعۃ)۔ گفتگو سے مصائب پیدا ہوتے ہیں۔

ابن جوزی نے اسے موضوع نہیں کہا۔

اَیُّ دَاءٍ اَدْوَیٰ مِنَ الْبُخْلِ (رواہ البخاری)۔ بخل سے بڑی کوئی بیماری نہیں۔

لَا يَنْتَطِحُ فِيْهَا عَنْزَانِ اَیْ لَا يَقَعُ فِيْهَا نِزَاعٌ۔ اس میں جھگڑا نہیں ہوتا۔

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ۔ حیا کامل بھلائی ہے۔

اَلْخَیْلُ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ۔ گھوڑا اس کی پیشانی بھلائی ہے۔

اَلْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ اَلْحَجَرُ

''بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے''۔

اَلْحَرْبُ خَدْعَۃٌ۔ جنگ دھوکا ہی ہے۔

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (متفق علیہ)

''جوان وہ نہیں جو پچھاڑ دے طاقت ور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے پر کنٹرول کرے''۔

یَاخَیْلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ۔ (رواہ جماعۃ) اے اللہ کے گھوڑو (شاہسوار) سوار ہو۔

کُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَاءِ وَھُوَ مُرْسَلٌ جَیِّدٌ الفراء فا کے فتح سے بمعنی نیل گائے۔ ہر شکار نیل گائے کے پیٹ میں ہے اور وہ کھلا چھوڑا ہے۔

اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ الْمَرْءَۃَ الْحَسْنَاءَ فِی الْمَنْبَتِ السُّوْءِ۔ (رواہ الجماعۃ) حسین عورتوں کے شر سے بچو۔

لَا یَجْنِیْ جَانٍ اِلَّا جَنٰی عَلٰی نَفْسِہٖ۔ زیادتی کرنے والا اپنے ہی نفس پر زیادتی کرتا ہے۔

اِسْتَعِیْنُوْا عَلَی الْحَاجَاتِ بِالْکِتْمَانِ فَاِنَّ کُلَّ ذِیْ نِعْمَۃٍ مَحْسُوْدٌ۔ (اپنی ضروریات کو مخفی رکھو کیونکہ ہر صاحب نعمت پر حسد کیا جاتا ہے)۔

اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ۔ جس نے مشورہ طلب کیا وہ امانت دار ہے (رواہ الطبرانی)

اَلنَّدَامُ تَوْبَۃٌ۔ گناہوں پر افسوس توبہ ہے۔

اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ۔ (عسکری) نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔

حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ۔ شی کی محبت تجھے بہرہ اور اندھا بنا دیتی ہے۔

لَا تَرْفَعْ عَصَاکَ عَنْ اَھْلِکَ اَدَبًا۔ (ابوداؤد) ادب کے لیے لاٹھی اپنی اہل سے نہ اٹھاؤ۔

مَنْ اَبْطَأَ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ۔ (مسلم) عمل کی کمی نسب وحسب سے پوری نہ ہوگی۔

زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ (طبرانی) زیارت کر ناغہ کے ساتھ محبت میں اضافہ کر۔

اِنَّکُمْ لَنْ تَسَعُوْا النَّاسَ بِاَمْوَالِکُمْ فَاسْعَوْھُمْ بِاَخْلَاقِکُمْ (رواہ ابویعلیٰ والبزار)

"بیشک اپنا مال لوگوں پر خرچ نہیں کر سکتے تو اپنے حسن اخلاق سے ان سے معاملہ کرو"۔

مَنْ شَادَ هٰذَا الدِّيْنَ غَلَبَهٗ۔ جو اس دین سے محبت کرتا ہے اس پر غالب آ جائے گا۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ

"مالدار وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو اور قبر اور حشر کے لیے اعمال کیے۔ تنگ دست وہ ہے جس کی خواہشات اس کے نفس پر غالب ہوئیں اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے"۔

حاکم نے اسے صحیح کہا اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں انتہائی کمزوری ہے۔

اَلشِّتَاءُ رَبِيْعُ الْمُؤْمِنِ قَصُرَ نَهَارُهٗ فَصَامَهٗ وَطَالَ لَيْلُهٗ فَقَامَ۔ (بیہقی)

موسم سرما مومن کی بہار ہے کہ اس کے دن چھوٹے ہیں کہ وہ روزے رکھتا ہے اور راتیں طویل ہیں تو وہ ان میں قیام کرتا ہے۔

اَلْقَنَاعَةُ مَالٌ لَا يَنْفَدُ وَكَنْزٌ لَا يَفْنِيْ۔ (طبرانی)

قناعت نہ ختم ہونے والا مال اور فنا نہ ہونے والا خزانہ ہے۔

اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ لِلنَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ (رواہ کثیرون)

اخراجات میں میانہ روی نصف معیشت ہے لوگوں سے محبت نصف عقل اور عمدہ سوال نصف علم ہے۔

بیہقی نے اسے ضعیف کہا لیکن اس کے شواہد ہیں:

اَلْاِقْتِصَادُ نِصْفُ الْعَيْشِ وَالتَّوَدُّدُ لِلنَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ نِصْفُ الدِّيْنِ۔ (طبرانی)

میانہ روی نصف زندگی لوگوں سے محبت نصف عقل اور اچھا اخلاق نصف دین ہے۔

اَلسُّؤَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَالرِّفْقُ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَمَاعَالَ امْرُءٌ اِقْتِصَادٍ۔ (عسکری)

سوال نصف علم، نرمی نصف معیشت، جس نے میانہ روی سے تجاوز کیا وہ تنگدست ہوا۔

لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ۔

(ابن حبان)

تدبیر جیسی عقل نہیں روکنے جیسی پرہیزگاری اور حسن اخلاق جیسا حسب و نسب نہیں۔

اَلتَّدْبِيْرُ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ نِصْفُ الْعَقْلِ وَالْهَمُّ نِصْفُ الْهَرَمِ وَقِلَّةُ الْعِيَالِ اَحَدُ الْيَسَارَيْنِ۔

تدبیر نصف معیشت محبت و دوستی نصف دانائی، غم نصف بڑھاپہ اور اولاد کی قلت دو خوشحالیوں میں سے ایک ہے۔

اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ۔

جس نے تیرے پاس امانت رکھی وہ امانت اسی طرح واپس کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔

یہ حسن حدیث ہے اگر چہ اس میں ایک جماعت نے اختلاف و نزاع کیا بلکہ امام احمد نے اسے باطل کہا۔

اَلنِّسَاءَ حِبَائِلُ الشَّیَاطِیْنِ۔ (دیلمی) عورتیں شیاطین کی رسیاں ہیں۔

حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (حاکم)

حسنِ عہد ایمان کا حصہ ہے۔ (حاکم نے اسے صحیح کہا)

جَمَالُ الْمَرْءِ فَصَاحَةُ لِسَانِهٖ۔ (رواہ جماعت)

آدمی کی زینت اس کی زبان کی فصاحت ہے۔

مَنْهُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنْیَا

(دوسرے طرق کے ساتھ حسن ہے) دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک علم کا طالب اور دوسرا دنیا کا طالب۔

لَا فَقْرَ اَشَدُّ مِنَ الْجَهْلِ وَلَا مَالَ اَعَزُّ مِنَ الْعَقْلِ وَلَا وَحْشَةَ اَشَدُّ مِنَ الْعُجَبِ

غربت جہالت سے بری نہیں اور نہ مال دانائی سے زیادہ عزیز اور نہ وحشت فخر و غرور سے بری ہے۔

اَلذَّنْبُ لَا یُنْسٰی وَالْبِرُّ لَا یُبْلٰی وَالدَّیَّانُ لَا یَمُوْتُ فَکُنْ کَیْفَ شِئْتَ۔ (دیلمی)

گناہ بھلایا نہیں جائے گا اور نیکی ختم نہیں ہوگی اور رب تعالیٰ پر فنا نہیں جیسے تیری مرضی ہے زندگی بسر کر۔

مَا جُمِعَ شَیْئٌ اِلٰی شَیْئٍ اَحْسَنُ مِنْ حِلْمٍ اِلٰی عِلْمٍ۔ (عسکری)

علم کے ساتھ حلم سے بڑھ کر دو چیزوں کی اجتماعی حالت حسین نہیں۔

اَفْضَلُ الْاِیْمَانِ اَلتَّحَبُّبُ اِلٰی النَّاسِ۔ افضل ایمان لوگوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔

ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ یَکُنْ فِیْهِ فَلَیْسَ مِنِّی وَلَا مِنَ اللّٰهِ حِلْمٌ یُرَدُّ بِهٖ جَهْلُ الْجَاهِلِ وَحُسْنُ خُلُقٍ یَعِیْشُ بِهٖ فِیْ النَّاسِ وَوَرَعٌ یُحْجِزُ عَنْ مَعَاصِیْ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (عسکری)

"جس شخص میں تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں اس کا میرے اور اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک حلم (بردباری) جس سے جاہل کی جہالت دور کی جا سکے۔ دوسرا حسن خلق جس سے لوگوں سے اچھی زندگی بسر کر سکے۔ تیسرا تقویٰ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے"۔

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرِیْ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ (بیہقی)

دنیا میں مثل مسافر یا راہ چلنے والے کی مانند رہو۔ اور خود کو صاحب قبر شمار کر۔

صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ تَقِیْ مَصَارِعَ السُّوْءِ وَصَدَقَةُ السِّرِ تُطْفِیْ غَضَبَ الرَّبِّ وَصِلَةُ الرَّحِمِ تَزِیْدُ فِیْ الْعُمْرِ۔ (سندہ حسن)

"نیکیوں کے کام برائی کے راستوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور خفیہ صدقہ دینا غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍاِلَّا عُزّاًوَ مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (مسلم)

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور نہ غلام (ملازم) کو معاف کرنے سے فرق پڑتا ہے مگر دونوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے لیے انکساری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔

اِنَّ الدُّنْیَاعَرَضٌ حَاضِرٌ یَاْکُلُ مِنْهُ الْبِرُّ وَالْفَاجِرُ وَاِنَّ الْآخِرَةِ وَعْدٌ صَادِقٌ یَحْکُمُ فِیْهَامَلِکٌ عَادِلٌ قَادِرٌ یُحِقُّ فِیْهَا اَلْحَقَّ وَیُبْطِلُ الْبَاطِلَ فَکُوْنُوْا اَبْنَاءَ الْآخِرَةِ وَلَا تَکُوْنُوْا اَبْنَاءَ الدُّنْیَا فَاِنَّ کُلَّ اُمٍّ یَتْبَعُهَا وَلَدُهَا۔ (ابو نعیم)

تحقیق دنیا ایک حاضر سامان ہے جس سے نیک و فاسق دونوں کھاتے ہیں اور آخرت ایک سچا وعدہ ہے جس میں منصف قدرت والا بادشاہ فیصلے کرے گا۔ احقاق حق اور ابطال باطل کرے گا تم آخرت

والے بنو اور دنیا دار نہ بنو۔ بیشک ہر بچہ اپنی ماں کی اتباع کرتا ہے۔

اَلْیَمِیْنُ حَنِثٌ اَوْ نَدِمَ۔ (ابویعلیٰ)

قسم (ٹوٹنے پر) حانث ہوتا یا (نہ توڑنے پر) ندامت ہوتی ہے۔

لَا تَظْهَرُ الشَّمَاتَةَ بِاَخِیْکَ فَیُعَافِیْهِ اللّٰهُ وَیُبْتَلِیْکَ۔ (ترمذی)

اپنے بھائی کو شرمسار نہ کر اسے معاف کر دے گا اور تیری گرفت فرمائے گا۔

مَنْ یَضْمَنُ لِیْ مَابَیْنَ لِحْیَیْهِ وَبَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (بخاری)

جو مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے گا میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

آپ کے جوامع الکلم میں سے چار احادیث ایسی ہیں جن میں شریعت کے مختلف احکام کو جمع کر دیا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ تحقیق اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ۔

شہادت مدعی کے ذمہ اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

لَا یَکْمُلُ اِیْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری و مسلم)

آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ۔ (مسلم)

حلال (اشیاء) بیان شدہ ہیں اور حرام (اشیاء) بھی واضح ہیں۔ شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش رسول اللہ کی شرح سے ابن حجر کے جواہرات۔

ایسے کلمہ کا آپ پر اطلاق جائز نہیں جو لوگوں میں اوصاف ضعف میں شمار ہوتا ہو

حلیمی سے شعب الایمان میں مذکور ہے کہ آپ کی تعظیم میں سے ہے کہ ایسے کسی اوصاف سے آپ کو متصف نہ کیا جائے جو لوگوں میں اوصاف ضعف و کمزوری میں شمار ہوتی ہو۔ لہٰذا آپ کو فقیر کہنا جائز نہیں چنانچہ بعض نے کہا آپ پر زہد کا اطلاق جائز نہیں۔

محمد بن واسع سے کہا گیا کہ فلاں زاہد ہے تو اس نے کہا دنیا تنگ نہیں ہوتی جب تک اسے نہ چھوڑے۔

سبکی نے شفا سے نقل کیا کہ فقہا اندلس نے فتویٰ دیا کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کے حق میں ادنیٰ سی خفت کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا ان کا یتیم نامی شخص سے مناظرہ ہوا اور وہ کہتا تھا کہ آپ کا فقر

قصداً نہیں تھا اگر آپ کے پاس طیبات ہوتیں تو ضرور تناول کرتے تو علمائے اندلس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

علامہ بدر زرکشی نے بعض علمائے متاخرین سے نقل کیا ہے کہ آپ نہ مال کی وجہ سے فقیر تھے اور حالت فقر میں کوئی حالت فقیرانہ تھی بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ غنی باللہ تھے۔ دنیا سے اتنا ہی لیتے جو اپنے اعیال کی کفالت کرسکتا تھا اور دعا فرماتے: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً۔ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھنا۔

تو اس سے استکانت قلب مراد ہے مسکنت شرعی جو اس کے خلاف نظریہ رکھتا تھا اس کا بہت سخت انکار کرتے۔

شرح ترمذی بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ کی شرح سے ابن حجر کے جواہرات۔

آپ کی تواضع

انسان تواضع جو تذلل وخشوع کا نام ہے کی حقیقت کو نہیں پاسکتا جب تک کہ اس کا قلب مشاہدہ کے نور سے منور نہ ہو جس کی وجہ نفس کو تہذیب سکھانا ہے۔ تکبر وغرور کے کھوٹ سے محفوظ رہتا ہے اور حق وخلق کے لیے مطمئن ہو جاتا ہے ان کے آثار کے محو ہونے ان کے بھڑکنے کا سکون حقوق کے نسیان اور قدر ومرتبہ کے لحاظ سے صرف نظر کے ساتھ جب ان کا وافر حصہ حضور اکرم میں موجود ہے تو سب لوگوں سے زیادہ متواضع ہیں اس پر یہی شہادت ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہنشاہ نبی اور عبد نبی ہونے کا اختیار دیا تو آپ نے نبی عبد ہونے کو پسند کیا۔

چنانچہ زندگی بھر آپ نے تکیہ لگا کر کبھی کوئی چیز نہ کھائی اور نہ آپ نے کسی خادم کو ناموافق کام کرنے پر اف کہا اور نہ غلام یا کسی کنیز کو مارا یہ ایسی چیز ہے جو طاقت بشری سے مافوق ہے البتہ اگر تائید الٰہی حاصل ہو۔

مسلم شریف میں ہے:

مَارَأَیْتُ اَحَداً اَرْحَمَ بِالْعِبَادِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

مخلوق پر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مہربان میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا گھر میں آپ کیسے تھے تو آپ نے فرمایا سب لوگوں سے زیادہ نرم فرخندہ رو تھے آپ نے اپنے اصحاب کی طرف پاؤں دراز نہ کیے۔

ام المومنین سے ہی مروی ہے کہ آپ کے اخلاق حسنہ کا کوئی شخص ہمسر نہیں جب بھی کسی صحابی نے آپ کو پکارا تو آپ نے لبیک ہی فرمایا۔ دراز گوش سوار ہوتے تو اپنا ردیف بنا لیتے۔

ابوداؤد میں ہے حضرت قیس بن سعد آپ کا ہمسفر ہوتے تھے اور دراز گوش ان کے والد کا تھا حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تو انہوں نے اعراض کیا تو فرمایا سوار ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا آگے سوار ہو جا کیونکہ مالک سواری کے آگے بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

محب طبری کی مختصر سیرت میں ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے حضور اقدس ﷺ نے ابو ہریرہ کے ساتھ قبا تک تشریف لے جانا تھا تو آپ دراز گوش کی ننگی پشت پر سوار ہوئے اور ابو ہریرہ سے فرمایا آپ بھی سوار ہوں گے انہوں نے عرض کی حضور جیسے آپ کی مرضی تو آپ نے فرمایا پیچھے بیٹھ جایئے تو وہ بیٹھنے کے لیے اچھلے لیکن بیٹھ نہ سکے تو حضور اقدس ﷺ نے ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچا تو دونوں گر گئے دوبارہ آپ سوار ہوئے اور ابو ہریرہ کو سوار کرانا چاہا تو پھر دونوں گر گئے تیسری بار آپ سوار ہوئے اور فرمایا سوار ہونے کی کوشش کرو تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ نبی کو تیسری بار نہیں گراؤں گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر میں تھے تو اصحاب سے بکری ذبح کر کے گوشت پکانے کے متعلق مشورہ کیا اور اپنا اپنا کام کرنے کو کہا کہ کون کیا کرے گا تو ایک صحابی نے کہا میں بکری ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں کھال اتاروں گا۔ تیسرے نے کہا میں پکاؤں گا تو آپ نے فرمایا میں لکڑیاں جمع کر کے لاؤں گا تو اصحاب نے عرض کی ہم سب کام کر لیں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کام کر لیں گے لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم میں ایک ممتاز حیثیت رکھوں بیشک اللہ تعالیٰ اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو اپنے دوست و احباب میں امتیازی حیثیت رکھے۔ ابن عساکر نے اس کو مختصر روایات کیا۔

سیرت طبری میں یہ بھی لکھا ہے ایک دفعہ حضور علیہ السلام کا دوران طواف تسمہ ٹوٹ گیا ایک صحابی نے عرض کیا مجھے دیجیے میں درست کر دوں تو آپ نے فرمایا یہ خود پسندی اور خود غرضی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا۔ اثرۃ فاء کے فتح سے جس کا معنی خود غرضی ہے۔ شفا شریف میں ہے جب نجاشی کا وفد حضور اقدس ﷺ کے حضور حاضر ہوا تو آپ نے خود ان کی مہمان نوازی اور خاطر تواضع کی۔ اصحاب نے عرض کی کہ ہم ان کی خدمت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ ہمارے لئے محترم ہیں تو میں ہی ان کی مکافات کروں گا۔

ابن حجر کا ایک فتویٰ جوان کی کتاب فتاویٰ حدیثیہ میں مذکور ہے

سوال: آپ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے کہا کہ فاتحہ سے نبی اکرم ﷺ کے فضل وشرف میں زیادتی ہوتی ہے تو ایک اہل علم نے کہا ایسی بات رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب نہ کر کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ حل طلب بات ہے کہ کیا ایسا انکار جائز ہے اور تکفیر جائز ہے؟ اگر نہیں تو منکر کے لیے کیا حکم ہے؟۔

جواب: امام ابن حجر (مَتَّعَ اللّٰهُ بِحَيَاتِهٖ) نے جواب دیا کہ یہ انکار جائز نہیں یہ منکر کی کم علمی، سوء حافظہ اور دین اسلام میں رائے دہی کی دلیل ہے۔ ایسا کلام جس میں کفریہ اور غیر کفریہ دونوں شقیں موجود ہوں تو کفر کی تاویل تحکم وسینہ زوری ہے العیاذ باللہ بلا وجہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ آئمہ کرام نے اس اصول کی تصریح کی ہے لہٰذا اس انکار کی حرمت یا کفر دو ہی صورتیں حرام یقینی اور کفر مشکوک ہے کہ شرط کفر متحقق نہیں۔ بایں وجہ منکر تعزیز کا مستحق ہے کہ حاکم شریعت مطہرہ کو چاہیے کہ دین اسلام میں اس نے چونکہ جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی تعزیر میں مبالغہ کرے تا کہ آئندہ کسی شخص کو ایسی جرأت نہ ہو بلکہ آئمہ کرام نے اس کے خلاف تصریح کی ہے بلکہ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ آپ کے کمالات و مدارج میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور زیادتی مطلوب بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ کہہ دے اے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

مسلم شریف میں ہے ایسے دعا میں ذکر کیا کرتے تھے نیز دعا مانگتے کہ:

وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَيْرٍ۔

اے پروردگار ہر بھلائی کو میری زندگی میں اضافہ فرما۔

لہٰذا فاتحہ وغیرہا سے شرف وفضل میں زیادتی کی طلب حقیقت میں عمل اور کمالات علیا میں ترقی کا سبب ہے اگر چہ مدارج وکمالات مقام نہایت کو پہنچ چکے ہیں جہاں کسی اور کے کمالات کی رسائی نہیں تو آیت وحدیث سے جو کمالات و مدارج میں زیادتی وترقی ثابت ہو رہی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے علم، ثواب اور تمام مراتب و مدارج میں ترقی ہوتی ہے نیز مدارج وکمالات کی کوئی انتہا نہیں بلکہ ہمیشہ ترقی پزیر رہتے ہیں اور ان کی حقیقت کو خدائے برتر کے علاوہ کوئی جانتا ہی نہیں۔

نیز آپ کے کمالات ترقی کے محتاج نہیں بلکہ اس کے فضل وکرم اور جود ذاتی سے بلا احتیاج اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کا مقصد یہ بھی نہیں کہ اس سے بیشتر ان میں نقص تھا اس لیے آپ کا علم تمام

کے علوم سے اکمل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں طلبِ زیادتی کا حکم بھی دیا ہے۔

ہمیں یہ حکم استجابی ہے کعبہ شریف کو دیکھتے وقت دعا کریں اس دعا میں یہ بھی ہے کہ اے اللہ اس کو زیادتی عطا کر جس نے اس کی تعظیم وتشریف کی یا حج یا عمرہ کیا الخ حضور اقدس ﷺ نے دیگر انبیاء کی مانند حج بیت اللہ کیا تو اس میں تمام انبیاء شامل ہیں صرف ایک قلیل فرقہ اس کے خلاف ہے انبیاء علیہم السلام کا اس دعا میں شمول دلالۃ ظنیہ یا قطعیہ سے ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے دعا مانگیں اور یہ امر مستحسن ہے واجب نہیں اور اس کی تائید طبرانی کی حدیث جو حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کردہ ہے سے ہوتی ہے لیکن اس کی سند میں نظر واعتراض ہے آپ علی المرتضیٰ لوگوں کو حضور اقدس ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا طریقہ وکیفیت کی تعلیم دیتے اور اس میں آپ کے لیے مضاعفات خیر اور عطائے جزیل میں طلب زیادت کی تصریح موجود ہے۔

یہ دلائل میں نے ذکر کیے ہیں اگرچہ میں نے پہلے کسی کے نہیں دیکھے اس سے شیخ الاسلام صالح بلقینی کا رد ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل ضروری ہے کہ ان سے یہ کہنا چاہیے کہ قرآن وسنت سے اعلیٰ کون سی دلیل ہے میں نے جو ذکر کیا ہے قرآن وحدیث زیادہ شرف کی طلبِ دعا پر دلالت کر رہی ہیں شرف کا معنی لغت میں علو مرتبت ومکان ہے ان میں علو علم، خیر اور دیگر مراتب و مدارج کی زیادتی سے ہوتا ہے علم وخیر کی زیادتی کی دعا پچھلے کلام سے ثابت ہو چکی ہے تو ہم طلبِ زیادتِ شرف کے ماجور ہیں اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی تردید ہوگئی کہ وہ کہتے ہیں یہ دعا اس زمانے کی اختراع ہے اگر نووی کے کلام کو دیکھا یاد ہوتا تو یہ نہ کہتے بلکہ نووی سے قبل اس مسئلہ میں ابو عبداللہ حلیمی جو ہمارے اکابرین سے ہیں اور ان کے صاحب امام بیہقی ہیں سبقت لے گئے اس کا قول لا اصل له فی السنة کہ سنت میں اس کی اصل نہیں ان سے بھی یہی گزارش ہے کہ اس کی اصل قرآن وسنت میں موجود ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے شائد ان کا یہ قول پہلے کا ہو جب اس پر مطلع نہیں ہوئے تھے تحقیق ان دونوں اماموں کا نزاع جواز میں نہیں بلکہ اس میں ہے کہ کیا ایسی دلیل ہے جو اس کی طلب پر دلالت کرے جو یہ کیا جائے ورنہ رکنا چاہیئے اور تمہیں اس کی اصل معلوم ہو چکی ہے جو طلب زیادتی شرف پر دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ امام نووی جو عاملِ سنت تھے اور اتنے پابند سنت تھے کہ بعد میں اتنا کوئی متبع سنت نہیں ہوا جیسا کہ بعض حفاظ نے اس کی تصریح کی ہے انہوں نے اپنی دو کتابوں منہاج اور روضۃ کے خطبوں میں کہا ہے وَزَادَہٗ فَضْلاً وَشَرَفاً لَدَیْہِ۔ اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کے فضل وشرف میں اضافہ کرے

یہ دونوں کتب علماء کے ہاتھوں تقریباً عرصہ تین سو سال سے متداول ہیں اور کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔
شائد دونوں امام اس سے غفلت میں رہے ہوں دوسرے کی اس قول کی بنا پر کہ یہ دعا اس زمانے کی اختراع ہے اس لیے کہ اگر ان کو امام نووی کا کلام یاد ہوتا ہے تو یہ بات کبھی نہ کہتے اور ان سے قبل امام مجتہد ابو عبداللہ حلیمی اور مصاحب بیہقی نے یہی کہا دونوں کی عبارت کو اقتاء میں سبط سے ذکر کیا ہے۔
اول (حلیمی) کی تصریح میں سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو اجر و ثواب دینا اور اولین و آخرین پر مقام محمود سے فضیلت دینا اور تمام مقربین پر برتری دینا اگرچہ خالق کائنات نے پہلے ہی سے آپ کے لیے مخصوص کر دی ہیں لیکن ہر ایک چیز کے مدارج ہوتے ہیں جب آپ پر کوئی امتی صلوٰۃ بھیجتا ہے اس کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ کا درجہ مراتب بڑھ جاتا ہے (یہاں تک اس کا کلام ختم ہوا)
تو اس کلام میں تصریح ہے کہ آپ کے شرف میں طلبِ زیادہ کرنا صلوٰۃ (درود شریف) میں داخل ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے جیسا کہ امام نے تصریح کر دی۔
حلیمی کی تصریحات میں سے ایک یہ بھی ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا معنی سَلَّمَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُذَامِّ وَالنَّقَائِصِ۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مذمومات اور نقائص سے محفوظ رکھے اور اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا مطلب ہے کہ اے اللہ ان کی دعوت اور امت میں ہر نقص سے سلامتی لکھ دے اور مرور ایام کے ساتھ آپ کی دعوت کو بلند کر اور امت کو زیادہ اور ذکر کو علو کر۔ (انتہیٰ کلام) مِنَ الْمُذَامِّ وَالنَّقَائِصِ۔ اور مِنْ کُلِّ نَقْصٍ کے قول پر غور و خوض کر کہ اس میں تصریح ہے کہ آپ کے لیے زیادت شرف کی طلب کا ہمیں حکم ہے اور جاہل منکر کے دعویٰ پر اس کے پاس کوئی چیز نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے طلبِ زیادت کمال مطلق کی نفی پر دال ہے اس میں کوئی قباحت نہیں کہ کمال مطلق صرف اور صرف رب تعالیٰ کے لیے ہے اور نبی اکرم ﷺ اگرچہ مخلوق میں سے اکمل ہیں لیکن مطلق کمال نہیں پس زیادتی ہو سکتی ہے تو مراتبِ زیادت کو اپنے مافوق کی نسبت سے عدمِ کمال کہہ سکتے ہیں۔
حافظ سخاوی نے شیخ ابن حجر سے انہوں نے اپنے حضرت ابی سے روایت کیا اس کے آخری الفاظ ہیں۔
اِجْعَلُ لَکَ صَلَوَاتِیْ کُلَّھَا اَیْ دُعَائِیْ کُلَّہٗ۔ میں اپنی پوری دعا آپ کے لیے کرتا ہوں۔
جس طرح روایت میں ہے کہ تیرے تمام غم دور اور گناہ معاف ہو جائیں جب دعا کے بعد کہے گا:
اِجْعَلْ ثَوَابَ ذَالِکَ لِسَیِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔
''اے اللہ اس تمام کا ثواب سیدنا رسول اللہ ﷺ کو پہنچا''۔

گویا اس کلام سے الحافظ شیخ ابن حجر نے اپنے شیخ الاسلام سراج البلقینی کا رد کیا ہے۔
اس کا قول کہ اس پر کوئی دلیل ضروری ہے اس کے بیٹے علم الدین نے اخذ کیا جس کی تردید ہو چکی ہے۔

امام سخاوی نے اپنے استاد ابن حجر سے یہ بھی نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ثواب سے آپ کے شرف میں زیادتی ہوتی ہے اس علم کے باوجود کہ آپ اعلیٰ کمالات پر فائز ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قراءت کو قبول کر کے ثواب عطا فرمائے جب اسے ثواب ملا تو اس کے معلم (ثواب بتانے والا) کو بھی ثواب عطا ہوگا۔

تو سب کے معلم اول حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ اقدس کو تمام تلامذہ کا اور تمام امت کی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی عطا ہوگا یہی معنیٰ ہے کہ آپ کے شرف و فضل میں زیادتی فرما۔ اگرچہ مستقل طور پر پہلے ہی آپ کو میسر ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ اس عمل کو قبول کرتا کہ اس کا ثواب حضور اقدس ﷺ کو بھی پہنچے نیز اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کے متبعین میں کثرت فرما خصوصاً علما و مشائخ میں تا کہ جس سے آپ کے مدارج و مراتب علیا مزید بلند ہوں یہ جس طرح حلیمی سے گزر چکا ہے۔

شیخ الاسلام ابو عبداللہ قایانی نے علم الدین اور اس کے باپ سے مذکور ہو چکا ہے تو روضہ میں فرمایا:
قاریٔ قرآن تلاوت کر کے اسے میت کو بخشتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے اس کا ثواب میت کو پہنچے تا کہ وہ اس سے مستفیض ہو(1)۔

اذکار میں ہے مختار مذہب یہ ہے اجعل کا مطلب ہوتا کہ اس کلام وغیرہا کا ثواب فلاں میت کو پہنچا جب کوئی چیز قدرتِ الٰہیہ سے متعلق ہوتی ہے تو وہ ختم نہیں ہوتی پس خیر الٰہی ختم نہیں ہوتی اور کمالات ابد الآباد تک ترقی پذیر رہتے ہیں۔

شیخ الاسلام شرف مناوی نے ان کی موافقت کی اور اس دعا کے مستحسن ہونے پر فتویٰ دیا ان کے ہمعصر امام الحنفیہ کمال ابن ہمام (صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ) نے بھی استحسان کا فتویٰ دیا بلکہ اس دعا کی عظمت شان میں مبالغہ کیا فرمایا کہ درود شریف میں جتنی کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ سب ایک ہی کیفیت میں موجود ہیں ان دعاؤں میں سے ایک یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ اَبَدًا اَفْضَلَ صَلٰوتِکَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ وَآلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا وَزِدْ تَشْرِیْفًا وَتَکْرِیْمًا

1۔ شیخ ابن حجر کے پورے فتویٰ سے ایصال ثواب کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے جن دلائل سے طلب زیادت شرف کا ثبوت ملتا ہے حقیقت میں وہ تمام ایصال ثواب کے دلائل ہیں۔

وَاَنْزِلْهُ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

''اے اللہ! ہمیشہ ہمیشہ افضل صلوٰت بھیج ہمارے سردار محمد پر جو تیرے بندے نبی اور رسول ہیں اوران کی آل پر اور خوب سلام پہنچا ان کی تشریف وتکریم میں اضافہ کر روز حشر تیرے پاس اعلیٰ مقام ہے وہ ان کو عطا کر''۔

امام ابن ہمام نے طلب زیادت شرف وفضل کو ان اسباب سے بنایا جو اس کیفیت کی مقتضی ہیں اور جو کیفیات آپ سے وارد ہونے والی ہیں ان کے معانی پر مشتمل ہے۔

ابو یحییٰ زکریا انصاری کا فتویٰ

اسی طرح ان کے ہمعصر شیخ الاسلام خاتمۃ المحققین ابو یحییٰ ذکریا انصاری کا فتویٰ ہے کہ ایک واعظ نے کہا کہ بالاتفاق کسی کے لیے جائز نہیں کہے کہ اے اللہ! اس قرآن وحدیث کا ثواب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحائف میں ہدیہ کر۔ یہی متقدمین ومتاخرین کا فتویٰ ہے۔

تو اس کے جواب میں فرمایا کہ واعظ صاحب کا قول مسائل کی (عدم جواز) عدم معرفت پر مبنی ہے اجماع پر افتراء کی وجہ سے تعزیر کا مستحق ہے بڑا تعجب خیز امر ہے یہ کہہ دینا کہ اس پر اجماع امت ہے حالانکہ اس کا جواز اعصار وامصار میں شائع وذائع ہے۔

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زیادتی شرف کی طلب ممتنع ہے کیونکہ اس کی طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ میں اس کی ضد پہلے موجود ہے یہ محال ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ارفع واعلیٰ کمالات موجود ہیں آپ اکمل المخلوقات ہیں لیکن ہر کمال کے درجات ومراتب ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں اوران کی حقیقت کو سوا باری تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ کمالات کے درجات ومراتب کی ترقی کی طلب کرتے ہیں کہ کمال کے جس اعلیٰ درجہ پر آپ فائز ہیں اس سے بھی اعلیٰ وارفع درجہ پر فائز ہوں۔

زیادتِ شرف کی طلب کے فوائد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادت شرف کے طلب سے بہت سے ہمیں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۱: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف وعظمت قدر اور رفعتِ شان عظمت توقیر کا اظہار ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر ۲: آپ کے امت پر احسانات عظیمہ کے تشکر کا اظہار

فائدہ نمبر ۳: اس پر ہمیں ثواب ملتا ہے۔

ہمارے مذکورہ بالا قول کی تائید اس حدیث سے بھی ملتی ہے کہ:

كَانَ اَجْوَدَالنَّاسِ۔رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔
اس حدیث پاک کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس میں تخصیص در تخصیص بر سبیل ترقی شرف وفضل کے دلائل موجود ہیں اول سب لوگوں سے زیادہ جود سخا کا موجود ہونا۔دوم جود کے اوقات میں سے رمضان المبارک میں جود کا زیادہ ہونا۔سوم پھر رمضان المبارک میں سے بوقت ملاقات جبریل علیہ السلام جود کے زیادہ شرف وفضل کا ہونا تو اس میں باعتبار نفس زیادتی اور فضل بر سبیل ترقی موجود ہے اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے ہمارے مدعیٰ کی نظیر یہ دعا بھی ہے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَاالْبَیْتَ تَشْرِیْفاً۔اے اللہ اس گھر بیت اللہ کی شرافت میں زیادتی فرما۔
زیادت شرف کے ساتھ دعا کرنا مامور بہ ہے کسی نے نہیں کہا کہ یہ ممنوع ہے۔ان دلائل سے آپ پر عیاں ہو گیا کہ منکر کا انکار خبطہ وزلتِ قدم سے ہے شائد اس کا دین بھی محفوظ رہا یا نہیں کیونکہ مباح بلکہ حسن و ترقی کا انکار ہے جس کو کفر کی طرف منسوب کرنا خطا عظیم و جرم کبیر ہے وہ دنیا وآخرت میں سزا وعقوبت کا مستحق ہے۔
علاوہ ازیں منکر نے اس دعائیہ کلمہ اَلْفَاتِحَۃُ زِیَادَۃٌ فِیْ شَرْفِہٖ علیہ السلام کی ترکیب پر بھی غور نہیں کیا۔کیا مبتدا وخبر سے جملہ اسمیہ بنتا ہے یا فعل مقدر۔اِقْرَوُوْا کا مفعول یا اِجْعَلُوْا کا مفعول ثانی ہے۔ان تین صورتوں میں الگ الگ معنی بنتا ہے منکر کو انکار سے پیشتر یہ تفصیل دریافت کرنی چاہیے تھی ہر صورت پر الگ الگ حکم لگاتا لیکن ظاہر ہے کہ منکر ان صورتوں میں معانی کے مختلف ہونے کو نہیں سمجھتا تو حکم الگ کیسے بیان کرتا۔
اس کے بعد ابن حجر نے سوال وجواب طویل ذکر کیے جن کے نقل کرنے کو میں مناسب نہیں سمجھتا جو تفصیل دیکھنا چاہے تو وہ فتاویٰ حدیثیہ کا مطالعہ کر لے۔

ابن حجر کا افضلیت وولایت مصطفیٰ وغیرہا پر آٹھ سوالات کے متعلق فتویٰ

فتاویٰ حدیثیہ سے ابن حجر کا ایک اور فتویٰ کہ رسول اکرم ﷺ کی رسولانِ عظام پر افضلیت عامہ ہے یا خاصہ یا نہیں؟(۲) ولایت مخصوصہ مرتبہ نبوت میں ہے یا نہیں؟ کیا نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے یا نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے یا دونوں مساوی ہیں۔(۳) کیا آپ نے بعثت سے قبل یا بعد کسی نبی کی شریعت کے موافق عبادت کی یا نہیں۔
(۴) کیا آپ ملائکہ سمیت تمام مخلوق کے لیے مبعوث ہوئے یا ثقلین (جن وانس) کی طرف؟
(۵) کیا خلفا اربعہ راشدین کے مابین فضیلت قطعیہ ہے یا ظنیہ کیونکہ عقل کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں

جس سے بعض آئمہ کی بعض پر افضلیت ثابت ہو۔ ان کے فضائل میں احادیث متعارضہ ہیں۔(۶) کیا وہ شخص جو بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے جنتی ہے یا نہیں؟ (۷) جو شخص کہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے وہ مشرک ہے یا نہیں (۸) اور عقل کافر کو ثواب دینے اور مومن کو عقوبت دینے کو جائز سمجھتی ہے یا نہیں؟۔

اول سوال کا جواب کہ آپ افضل الخلق ہیں

جس شخص کو کتاب وسنت سے ادنیٰ سا شغف ومطالعہ ہے اس کے لیے اظہر من الشمس کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع انبیاء ومرسلین پر خصوصاً وعموماً دونوں طرح فضیلت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ:253) اَیْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام کیا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور کوئی وہ ہے جس کو سب پر درجوں میں بلند کیا یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برتری تین طرح سے حاصل ہے اول بذات معراج کے ذریعہ۔ دوم جمیع مخلوق پر سیادت سے۔ سوم غیر متناہی اور غیر فانی معجزات کے ساتھ بالخصوص قرآن کریم جو قرب قیامت تک ہمیشہ محفوظ رہے گا اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار معجزات وفضائل موجود ہیں۔

علامہ جار اللہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دَفَعَ کے مفعول ظاہر نہ کرنے میں آپ کی عظمت وفضیلت بلندیءقدر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہاں التباس واختلاط کا کوئی شبہ نہیں بلکہ بلا شبہ آپ کی طرف اشارہ ہے۔

فضیلت کی دوسری آیت

آپ کی فضیلت میں آیت یہ ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:55)

''اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی''۔

علماء نے معتزلہ کے اس قول کی بڑی شدت سے تردید کی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ کوئی نبی دوسرے نبی سے افضل نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے مابین فضیلت دینے سے احادیث میں ممانعت ہے۔

تو ان کا جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث ان فضیلت پر محمول ہیں جس سے دوسرے کی توہین و تنقیص ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ آدم علیہ السلام سب سے افضل ہیں کہ وہ ابوالبشر ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت نفس ابوت کے اعتبار سے ہے تو مسلم ہے اگر معجزات وفضائل ونبوت کے اعتبار سے ہے تو غیر مسلم اور بلا دلیل قول ہے۔

بلکہ افضلیت مصطفیٰ ﷺ میں احادیث کثیرہ ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَامِنْ نَبِيٍّ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اس میں کوئی فخر نہیں میرے ہاتھ میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا اس میں کوئی فخر نہیں تمام بنی آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ روز محشر میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

تو ''آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ'' سے آپ کا افضل واکمل ہونا اظہر من الشمس ہے وَلَدَ آدَمَ مَقَامِ اُبُوَّتْ کا ادب کرتے ہوئے فرمایا لَا فَخْرَ کا مطلب ہے کہ بطور فخر و بڑائی کے نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے لیے بیان کررہا ہوں۔ یوم القیامۃ روز محشر سے تخصیص اس لیے کہ اس دن تمام انبیاء پر فضیلت ظاہر ہوگی خصوصاً مقام محمود عطا کیا جائے گا جو کہ شفاعتِ عظمٰی ہے جب مخلوق اولوالعزم پیغمبر موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم، نوح علیہم السلام سے مایوس ہوکر آپ کے پاس آئے گی کہ انبیاء نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے اور آپ اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا فرمائیں گے۔ بخاری شریف میں ابوہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے:

اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ میں روز محشر سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔

اس میں آدم علیہ السلام اوران کی جمیع اولاد انبیاء ومرسلین پر فضیلت ثابت ہورہی ہے بیہقی شریف کی حدیث میں ہے:

اَنَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ۔ میں تمام کائنات کا سردار ہوں۔

وہ جن وانس اور فرشتے ہیں تو یہ بھی تمام مخلوق پر افضل ہونے کی دلیل ہے۔ مسلم شریف کی حدیث بھی اس کی مؤید ہے:

وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً۔ میں تمام مخلوق کا رسول ہوں۔

رسول کی شان جن کا رسول ہوان سے اعلیٰ وارفع وافضل ہوتی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت:

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔

یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہ دکھائی تو آپ انہی کی راہ پر چلئے۔

سے حضور اقدس ﷺ کے افضل البشر وافضل الانبیاء ہونے پر استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو

اوصاف حمیدہ سے موصوف کیا پھر نبی پاک ﷺ کو حکم دیا کہ ان سب کی اقتداء کریں تو یقیناً ان سب کی اقتداء کی یعنی ان سب کے کمالات کو جمع کر لیا ورنہ مقتضائے امر کا ترک لازم آئے گا جو شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ جب آپ تمام انبیاء کے متفرق کمالات کے جامع ہوئے تو سب سے افضل ٹھہرے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی نے آپ کی افضلیت کا اس آیت سے استدلال کیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110)

''تم ان سب امتوں میں بہتر امت ہو''۔

یقیناً امت کی برتری ان کے دین میں کمال حاصل کرنے کی وجہ ہوتی ہے اور یہ کمال نبی کے تابع ہے جس کی وہ اتباع کر رہی ہے جب یہ امت افضل الامم ہوئی تو ان کا نبی افضل الانبیاء ہوا کیونکہ ان کے درمیان ظاہر واضح ہے۔

دوسرے سوال کا جواب کہ ولایت مخصوصہ نبوت میں ہے یا نہیں؟

سائل کا یہ سوال کہ ولایت مخصوصہ مرتبہ نبوت میں ہے یہ کلام مجمل محتاج بیان ہے کہ ولایت سے کیا مراد ہے ولایت افضلیت سے ولایات اولیاً ہے جو انبیاء کے علاوہ ہے۔

تو حق یہی ہے کہ ولی کسی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جو ولی کی ولایت کو نبی سے افضل خیال کرے وہ کافر واجب القتل ہے مگر یہ کہ توبہ کرے اور اگر وہ سبب مراد لیا ہے جو افضلیت مصطفیٰ ﷺ کا متقاضی ہے وہ نبوت سے افضل ہے تو یہ سابقہ سوال کے جواب کے بعد محتاجِ بیان نہیں رہتا کہ پہلے محقق ہو چکا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ہر وصف میں افضل الانبیاء ہیں اسی بنا پر آپ کو نام لے کر نہیں پکارا جب کہ دیگر انبیاء کو ناموں سے پکارا بلکہ ان القابات سے نوازا کہ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ، يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ تمہاری موجودگی میں وہ نبی تشریف لائیں تو ان کی اتباع اطاعت ونصرت لازم ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران: 81)

''اے نبی اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت عطا فرماؤں پھر جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کے لیے ایک رسول تشریف لائے تو تم اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا''۔

ابن عبد السلام سے یہاں جو لغزش ہوئی اس سے اجتناب کر۔ اور اگر ولایت النبی سے مراد ابن

عبدالسلام کا مشہور مسئلہ ہے کہ نبوت رسالت سے افضل ہے کیونکہ نبوت میں تعلق اللہ کی طرف اور رسالت میں تعلق مخلوق کی طرف ہوتا۔ تعلق باللہ مخلوق کے تعلق سے افضل ہے یہ انتہائی سقیم استدلال ہے اسی لیے کثیر متاخرین نے اس کی تضعیف کی ہے اس کی وجہ ضعف یہ ہے کہ رسالت میں صرف مخلوق کی طرف ہی تعلق نہیں ہوتا بلکہ تعلق الی اللہ بھی ہوتا ہے کیونکہ رسول احکام الٰہی کو مخلوق تک پہنچا تا ہے احکام کا اللہ تعالیٰ کی جناب سے حاصل کرنا تعلق الی اللہ ہوا اور مخلوق کو اس کی تبلیغ کرنا تعلق الی الخلق ہوا تو رسول خلیفۃ اللہ ہوا لہٰذا وہ مجرد نبی سے افضل ہوگا کہ وہ اس درجہ عالیہ پر فائز نہیں ہمارا مبحث رسول کی نبوت ورسالت میں کون افضل ہے بہر کیف رسول نبی سے بالاتفاق اشرف ہے۔

بعض علماء کا قول کہ انبیاء ورسل میں ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دینی چاہیے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ نفس نبوت ورسالت میں سب انبیاء یکساں ہیں اس میں تفضل نہیں برتری و بزرگی صرف مدارج و مراتب میں ہے۔

تیسرے سوال کہ نبی اکرم ﷺ نے بعثت سے قبل یا بعد کسی نبی کے دین کی پیروی کی؟ کا جواب

یہ سوال کہ رسول اکرم ﷺ نے بعثت سے بیشتر یا بعد کسی رسول و نبی کے دین کی اتباع کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ کسی کے دین کی اتباع نہیں کی اس پر استدلال یہ کیا کہ آپ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی تو اس بات سے یقین ہو گیا کہ کسی نبی کی اتباع نہیں کی۔

ایک جماعت نے اس پر عقلی دلیل پیش کی اگر اتباع کرتے تو آپ تابع اور وہ نبی متبوع ہوتا حالانکہ آپ تمام مخلوق کے متبوع ہیں اور اس کی شریعت کے متبعین بھی اس پر فخر کرتے۔

ایک جماعت نے اس بارے میں توقف کیا اور قطعی حکم سے احتراز کیا اسی طرف امام الحرمین گئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا پہلی شریعت کے متبوع تھے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس نبی کے دین کے تابع تھے۔ تو ایک جماعت نے تعین میں توقف کیا اور بعض نے جسارت کر کے کچھ نے نوح بعض نے حضرت ابراہیم بعض نے حضرت موسیٰ بعض نے حضرت عیسیٰ اور بعض نے حضرت آدم علیہم السلام کے متبع کہا یہ تمام مذاہب اس مسئلہ میں ہیں۔ پہلا جمہور کا مذہب اظہر ہے اور تعین والوں کا مذہب بعید از عقل ہے اس لیے اگر کچھ ہوتا تو اسے ضرور نقل کیا جاتا۔

بعض کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں تو ظاہر ہے بعد میں آنے والا انہی کی

اتباع کرے گا یہ دلیل مضبوط ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عموم دعوت ثابت نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نبی کی دعوت عامہ نہیں اسی لیے آپ کے علاوہ کوئی نبی جنات کی طرف نہ آیا سورت احقاف کے آخر میں جو جنات کا تورات پر ایمان لانے کا ذکر ہے وہ ایمان تبرع ہے فرضی نہیں جیسا کہ بعض عرب وغیرہ کا انجیل پر ایمان نفلی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بنی اسرائیل اور قبطہ کے علاوہ ثابت نہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بنی اسرائیل کے علاوہ ثابت ہے۔

بعض کا خیالِ باطل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ شریعت ابراہیم علیہ السلام کے متبع تھے کوئی الگ شریعت نہ تھی بلکہ شریعت ابراہیمی کے احیائ کے لیے تشریف لائے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (النحل:123)

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے دین کی پیروی کیجیے جو ہر باطل سے جدا رہے''۔

یہ گمان سراسر باطل وخرافات پر مبنی ہے اور قرآن وسنت پر دسترس نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں توحید خاص جو مقام خلت جو کہ ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے کے مطابق ہو اس کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے اس طرف اشارا ہے:

حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ﴿۷۹﴾ (انعام:79)

''اس ذات کی طرف منہ پھیر لیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے''۔

اس توحید خاص کا سبب یہ ہے کہ جب آپ کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو اعانت کے لیے جبریل امین حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ مجھے تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ فرما کر استعانت سے انکار کر دیا تسلیم کے اس درجہ پر فائز ہوئے جس پر آپ سے قبل یا بعد کوئی نبی نہ پہنچ سکا مگر رسول اکرم ﷺ اس سے بلند ترین مرتبہ پر پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس درجہ تک پہنچے جس کو خالق و مالک کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی بنا پر روز حشر مخلوق خدا جب مختلف انبیاء سے ہوتی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگی تو یوں گویا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقام خلت سے نوزا ہے بیشک آپ خلیل ہیں تو ابراہیم علیہ السلام اگر چہ خلیل اللہ ہیں لیکن ہمارے نبی پاک ﷺ کا مقام ومرتبہ اس سے بھی وراٗ الوراٗ ہے جس کی نظیر سابقہ آیت:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (انعام:90)

''یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہ دکھائی تو آپ انہیں کی راہ پر چلئے''۔

اس امر اقتدا توحید اور مقام علیا جو اصول کی طرف راجع ہیں نہ فروع اس لیے کہ بعض نبی مثلاً یوسف علیہ السلام ایک قول کے مطابق بالکل رسول نہ تھے شرائع میں فروعات تو مختلف ہیں تو ان فروع میں اقتداء محال ہے۔

سوال: توحید تو دلائل قطعیہ سے ہے تو اس میں اقتداء کیسے ہو سکتی ہے؟۔

جواب: ہم نے اس تردید کی طرف مقامات علیا سے جو لائق ہیں اشارہ کر دیا ہے ان میں ایک کیفیت دعوت توحید ہے نرمی آسانی کے ساتھ حق کی دعوت اور دلائل واضحہ ظاہرہ بار بار مختلف انداز سے بیان کرنا تا کہ قلب میں راسخ ہو جائے۔

آپ کی قبل از بعثت کیفیت عبادت معلوم نہیں

شیخ الاسلام سراج بلقینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ احادیث میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے آپ کی بعثت سے قبل کی کیفیت عبادت معلوم ہو لیکن ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سال میں ایک ماہ غار حرا میں عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے دور جاہلیت کی عبادت یہ تھی کہ جو مسکین بھی آئے اسے کھانا کھلانا جب گھر واپس تشریف لاتے تو گھر میں داخل ہونے سے قبل بیت اللہ کا طواف کرتے۔

بعض علماء کہتے ہیں آپ کی عبادت تفکر و تدبر تھی۔

اور کہا انہوں نے کہ میرے نزدیک (شیخ الاسلام سراج بلقینی) عبادت مختلف اقسام پر مشتمل تھی ایک خلوت و یکسوئی جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے تنہائی اختیار کی، دوم توجہ الی اللہ کیونکہ یہ بھی عبادت ہے جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، سوم تفکر و تدبر اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ غار حرا میں آپ کی عبادت تفکر تھی۔

چوتھا سوال کیا آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں کا جواب

یہ سوال کہ کیا حضور اکرم ﷺ تمام مخلوق کے رسول ہیں یہ اکثر لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے اور اس کا جواب مبسوط اور مختصر طور پر پہلے گزر چکا ہے معتمد قول کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کے بھی ہیں اس میں دو قول ہیں ایک قول جس کو شیخ الاسلام تقی سبکی وغیرہ متاخر محققین نے ترجیح دی۔ امام رازی نے جو تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے اس کی تردید کی اسی طرح حلیمی اور بیہقی کی بھی تردید کی انہوں نے کہا کہ آپ فرشتوں کے رسول ہیں اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (فرقان:1)

''تا کہ وہ سارے جہان کوڈرسنانے ولا ہو''۔

وہ جن وانس اور فرشتے مراد ہیں۔

بعض نے کہا کہ بعض فرشتوں کے رسول ہیں یہ قول بلا دلیل ہے جس طرح یہ قول کہ آپ کسی فرشتے کے رسول نہیں بلا دلیل ہے ان کے لیے آپ کا نذیر ہونا ان کے معصوم ہونے کے منافی نہیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ان کی طرف رسول ہونے کا مقصد ان کو آپ پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف کرنا آپ کی سیادت ورفعت کا اقرار آپ کے حضور ان کا عاجزی وانکساری کرنا آپ کے متبعین میں اضافہ کرنا تا کہ آپ کے شرف میں زیادتی ہو۔

پھر یہ انداز شبِ معراج سب فرشتوں پر ظاہر ہوا یا بعض کے لیے شب معراج اور بعض کے لیے دوسرے کسی مقام پر مخصوص چیز میں اخراج سے تمام شریعت کا اخراج مستلزم نہیں۔

ایک شاذ قول ہے فرشتے جنات سے ہیں اور جنات سماویہ مسلمان ہیں اگر اس قول کو تحقیقی قول کے ساتھ ملایا جائے تو اس سے ثابت ہوگا کہ آپ تمام ملائکہ کے رسول ہیں اور محتاج بیان نہیں اور یہی ظاہر آیت سے ثابت ہے اور مسلم شریف کی یہ حدیث جس کی صحت میں کوئی نزاع نہیں کہ:

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً۔ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

خلق اور کافۃ کا لفظ بتا رہے ہیں کہ آپ سب کے رسول ہیں یہی شیخ جمال بارزی نے کہا کہ آپ تمام مخلوق کے رسول ہیں یہاں تک کہ جمادات کے بھی رسول ہیں کہ ان میں فہم وعقل مخصوص عطا کی گئی کہ انہوں نے آپ کو پہچانا آپ پر ایمان لائے اور کمالات وفضائل کا اعتراف کیا۔

جس کی شہادت حدیث مؤذن سے ملتی ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک جاتی ہے روز حشر اس کے حق میں ہر شجر وحجر وغیرہا ہر چیز شہادت دے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر:21)

''اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور آپ اس کو اللہ کے خوف سے جھکا ہوا پاش پاش دیکھتے''۔

اور وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل:44)

"ایسی کوئی چیز بھی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو"۔

جب ان جمادات کو یہ ادراکات حاصل ہیں تو بارزی کے قول کا انکار نہیں کیا جا سکتا بالخصوص جب حدیث مسلم سے بھی تائید ہو رہی ہے۔

سوال: جمہور مفسرین نے عالمین کی تفسیر جن وانس سے کی ہے اور آپ اس میں ملائکہ کو بھی شامل کر رہے ہیں؟۔

جواب: اس سے فرشتوں کی طرف مطلق ارسال کی نفی ہوتی نہیں کیونکہ جن وانس شریعت کے مکلف ہیں تو ان کی طرف رسالت تکلیفی ہے دوسروں کی طرف تکلیفی نہیں تو مفسرین نے مکلف بالشریعت ہونے کی وجہ سے جن وانس کے ساتھ تفسیر کی۔

حاصلِ کلام۔ فریقین دونوں کے پاس دلائل ہیں ان میں کوئی بھی امر یقینی نہیں۔

پانچواں سوال کہ خلفاء اربعہ کے مابین افضلیت قطعی ہے یا نہیں کا جواب

یہ سوال کہ خلفائے راشدین میں افضلیت قطعی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلفاء ثلاثہ پر افضلیت قطعی اور یقینی ہے پھر حضرت عمر بن خطاب دونوں سے افضل ہیں لیکن حضرت عثمان کی حضرت علی سے افضلیت تو ظنی ہے اس لیے بعض اکابر اہل سنت مثلاً سفیان ثوری وغیرہا حضرت علی کو حضرت عثمان پر ترجیح دیتے ہیں تو جس میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف ہوا تو وہ امر ظنی ہے۔

اس مسئلہ پر احادیث متعارض ہیں جتنی کثیر احادیث حضرت علی المرتضی کے فضائل میں مروی ہیں اتنی دیگر اصحاب ثلاثہ کے فضائل میں نہیں۔

اس کا بعض آئمہ نے یہ جواب دیا کہ ان کے دور خلافت میں کثرت سے فتنے بپا ہوئے اور آپ کے اعداء بکثرت ہو گئے جو آپ کی شان میں تحقیر اور تنقید کرتے تھے تو ان فساق و فجور کو جواب دینے کے لیے آپ کی شان میں بکثرت احادیث روایت کیں اور اصحاب ثلاثہ کے دور میں ان کے مخالف کثیر تعداد میں نہ تھے۔ اس لیے ان کے فضائل روایت کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

چھٹا سوال کہ اہل فترت کو توحید پر ایمان لانا فرض تھا یا نہیں

اصح مذہب ان کے لیے توحید پر ایمان لانا لازم تھا بلکہ اصح مذہب میں اہل فترت جن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا وہ جنت میں جائیں گے جیسے آیت کریمہ ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل:44)

''اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج لیں''۔

یہ آیت قبل از بعثت لوگوں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ پہلے رسول آدم ہیں یا نوح علیہما السلام۔

بعض حضرات نے کہا جو شخص آدم علیہ السلام یا نوح علیہ السلام کی بعثت کے بعد ایمان نہیں لاتا وہ دوزخی ہے یہ قول ظاہر آیت کے مخالف ہے لہٰذا یہ قول معتبر نہیں۔

ساتواں سوال کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے یا نہیں کا جواب

حقیقی تخلیق (کسی چیز کا عدم سے وجود میں لانا) غیر اللہ کے لیے کسی چیز میں ثابت کرنا صریح کفر ہے وہ شخص واجب القتل ہے لیکن اپنے افعال کا خالق ہونا کے نظریہ سے معتزلہ کے نظریہ کی مانند بدعت، ضلالت اور فسق ہے اصح قول کے مطابق وہ مسلمان ہے۔

آٹھواں سوال کہ کافر کو ثواب اور مومن کو عذاب دینے کو عقل جائز سمجھتی ہے کا جواب

مومن کو عذاب دینا اس کو عقل جائز سمجھتی ہے بلکہ اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے انبیاء و رسل اور دیگر بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (مائدہ:17)

''آپ ان سے فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور زمین کے سب رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے مقابلے میں کوئی کیا کر سکتا ہے''۔

مطیع کو ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دیتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے لیکن وہ مقتضائے وعدہ عذاب نہ دے گا اور کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔

عاصی اور گناہوں کے مرتکب کو محض اپنے عدل سے سزا دے گا اور معاف کر کے ثواب بھی دے سکتا ہے کیونکہ وعید کے خلاف کر سکتا ہے خلف وعدہ نہیں کہ وہ جھوٹ بن جاتا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہے اور منصوص ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔ وعدہ صرف خیر میں ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وعید کا بھی خلاف نہ کرے کیونکہ خلف وعدہ اور خلف وعید میں نسبت تقابل ہے۔

مذکورہ بالا کلام مومن کے بارے میں تھا کافر کو ثواب نہیں دے سکتا کہ اس نے خبر دی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء:116)

''بیشک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے لیے

اور گناہوں میں سے جو کچھ چاہے معاف فرما دیتا ہے"۔

لہٰذا کافر کو ثواب دینے کو جائز نہیں رکھتا اس وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کافر کو ثواب دینے کو جائز رکھے وہ کافر ہے۔

ابن حجر کے فتاویٰ حدیثیہ سے ایک فتویٰ

درود شریف سے متعلق۔ ایک جماعت جامع از ہر مکہ اور بعض دیگر مقامات پر شب دوشنبہ اور جمعرات کو درود شریف پڑھتے ہیں الفاظ اور درود شریف میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ اَفْضَلَ صَلَاةٍ عَلٰی اَفْضَلَ مَخْلُوْقَاتِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ الخ

"اے اللہ افضل صلاۃ تیری مخلوق میں سے افضل شخصیت سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرما"۔

اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا یہ درود شریف نہیں پڑھنا چاہیے کیا یہ مانعین حق پر ہیں یا نہیں؟۔

مانعین سخت خطا پر ہیں بلا دلیل اور بلا وجہ مادحین پر اعتراض کیا ہے اسی طرح بعض لوگ مادحین کے اس قول اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی ملک ہوتا نہ فرشتہ پر اعتراض ہے کہ یہ بغیر دلیل کے ہے یہ نہیں کہنا چاہیے نیز اسی طرح ہے اس قول کہ آپ ﷺ اشرف الخلوق میں سے کوئی ایک ہمسر نہیں پر بھی اعتراض بلا دلیل ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی افضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔

کیا صالحین فرشتوں سے افضل ہیں

رہا یہ مسئلہ کہ صالحین بشر ملائکہ سے افضل ہیں؟ تو اس کا جواب امام الائمہ (سراج الامہ) امام ابوحنیفہ نے دیا لَا اَدْرِیْ میں نہیں جانتا (ابن حجر فرماتے ہیں) یہی صحیح جواب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠ ۞ (بنی اسرائیل)

"اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ رزق دیا اور ہم نے ان کو بہت سی مخلوق پر بزرگی اور فضیلت عطا کی"۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر نہیں فرمایا بنی آدم میں رسول اللہ ﷺ بھی ہیں اس قسم کی معلومات کے ہم

مکلف نہیں اس پر بحث اور کلام کرنا فضول ہے اور سکوت جواب ہے (معترض کا کلام ختم ہوا) اس نے بھی اس معترض کی تقلید کی ہے دونوں خطاء پر ہیں علماء مصیب رائے والوں پر تنقید اور شیطن کے خرافات کی تائید کی ہے۔

دونوں معترضین کے بطلان کے لیے ہے اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ کے الفاظ اظہر من الشمس ہیں جس کو حاکم نے صحیح کہا اور روایت کیا۔

قَالَ قَالَ آدَمُ یَارَبِّ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا آدَمُ وَکَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ یَارَبِّ لَمَّاخَلَقْتَنِیْ بِیَدِکَ وَنَفَخْتَ فِیَّ مِنْ رُّوْحِکَ رَفَعْتُ رَاسِیْ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ وَجَدْتُ مَکْتُوْبًا لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَعَلِمْتُ اَنَّکَ لَمْ تَضِفْ اِلٰی اِسْمِکَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَیْکَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا آدَمُ اِنَّهُ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ وَاِذْسَأَلْتَنِیْ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُکَ۔

''فرمایا آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! محمد ﷺ کے توسل سے میری خطا معاف فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا جب کہ ابھی وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تو وہ عرض گویا ہوئے اے میرے پروردگار جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ پر روح کا القا کیا تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ساقِ عرش پر لکھا ہوا پایا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں) تو مجھے یقین ہو گیا تو اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے اسی کا نام ملاتا ہے جو تجھے سب سے زیادہ عزیز ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے آدم! وہ واقعی سب سے زیادہ عزیز ہیں جب تو نے (حضرت) محمد ﷺ کے وسیلہ سے استغفار چاہی تو میں نے تجھے معاف کر دیا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا''۔

اس کی سند میں سقم ہے ابن عدی نے کہا اس حدیث کو بیان کرتے ہیں اس کے غیر کا اس حدیث کی تضعیف کرنا قلیل ہے ان احادیث سے جن کو حاکم نے صحیح کہا ایک حدیث یہ بھی ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَاعِیْسٰی آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَمُرْ مَنْ اَدْرَکَهُ مِنْ اُمَّتِکَ اَنْ

يُؤْمِنُوْا بِهٖ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَسَكَنَ۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اے عیسیٰ محمد (ﷺ) پر ایمان لا اور اس امت کو حکم دے کہ ان میں سے جو اس کو پالے وہ آپ پر ایمان لائے اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اگر محمد کو پیدا نہ کرتا تو جنت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا میں نے عرش کو پانی پر بنایا تو وہ مضطرب ہوا تو میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا تو اس کو سکون ملا''۔

اس قسم کا ذکر انسان اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا اور ابن عباس سے جب صحت کی روایت ہو تو یہ مرفوع کے حکم میں ہو گی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سن کر بیان کی ہے جیسا کہ آئمہ اصول وحدیث وفقہ نے بیان کیا۔

اگر پہلی حدیث کو سقیم تسلیم کر لیا جائے تو اس کی کمزوری اس حدیث سے پوری ہو جاتی ہے کیونکہ یہ تنہا ہی حجت کے کافی ہے تو اگر اس کے ساتھ پہلی کو ملا لیا جائے تو مزید قوت پیدا ہو گی۔

صاحب شفا الصدور وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے:

قَالَ اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَا لِيْ لَوْلَاكَ مَاخَلَقْتُ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلَا رَفَعْتُ هٰذِهِ الْخَضْرَآءَ وَلَا بَسَطْتُ هٰذِهِ الْغَبْرَآءَ۔

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان نہ بناتا اور نہ سبزیات کو بلند کرتا اور نہ اس کے گرد فرش بناتا''۔

ایک روایت میں ہے:

مِنْ اَجَلِكَ اَسْطَحُ الْبَطْحَآءَ وَاَمُوْجُ الْمَاءَ وَاَرْفَعُ السَّمَاءَ وَاَجْعَلُ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔

''تیری وجہ سے وادی کو پھیلاتا ہوں پانی کا تموج، آسمان کو رفعت ثواب وعقاب اور جنت و دوزخ کو بناتا ہوں''۔

قاضی عیاض شفا میں ذکر کرتے ہیں۔

فَقَالَ آدَمُ لَمَّاخَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ رَفَعْتُ رَاْسِيْ اِلَى الْعَرْشِ فَاِذَا هُوَ فِيْهِ

مَکْتُوْبٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ اَعْظَمُ قَدْرًا عِنْدَکَ مِمَّنْ جَعَلْتَ اِسْمَهٗ مَعَ اِسْمِکَ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَيْهِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ اِنَّهٗ لَاٰخِرُ النَّبِيِّيْنَ مِنْ ذُرِّيَّتِکَ وَلَوْ لَاهُ لَمَا خَلَقْتُکَ۔

"آدم علیہ السلام نے عرض کیا جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا میں نے عرش کو دیکھا تو اس پر یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو مجھے یقین ہو گیا کہ تیرے ہاں ان سے زیادہ کوئی معزز نہیں اسی لیے تو نے ان کے نام کو اپنے نام سے ملایا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اے آدم! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم وہ تیری اولاد سے آخری رسول ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا"۔

ان تمام احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پہلے معترض کا اعتراض باطل ہے اور دوسرے معترض کا اعتراض کہ آدم حضور اقدس ﷺ سے افضل ہیں تو اس کا بطلان بھی اسی روایت کردہ حدیث سے ہو جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا میں روز حشر اولاد آدم کا سردار ہوں گا اس میں فخر نہیں اور ہر نبی آدم ہوں یا کوئی اور میرے جھنڈے تلے ہو گا۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کی آدم علیہ السلام پر فضیلت ثابت ہو رہی ہے آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر تو یہ قرآن سے صراحتہً ثابت ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (بقرہ:34)

"اے نبی ﷺ یاد کیجیے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کریں"۔

اور آیت:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران)

"بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کو تمام عالم پر برگزیدہ کیا"۔

فرشتے بھی بالاتفاق کائنات میں شامل ہیں۔

جب ادلہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء سے افضل ہیں جیسا کہ چند سطور بالا سے بیشتر مذکور ہوا کہ ہر نبی روز محشر حضور کے جھنڈے تلے ہو گا اور مندرجہ بالا

دوآیات سے ثابت ہوا آدم، نوح، آل ابراہیم و آل عمران فرشتوں سے افضل ہیں (مذکورہ حدیث اورآیات کو جوڑ کر صغریٰ کبریٰ ملانے سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے) کہ حضور اقدس ﷺ آلِ ابراہیم و آلِ عمران اور جملہ انبیاء اور تمام فرشتوں سے افضل تر ہیں۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی حدیث ہے:

اَنَا سَیِّدُالنَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ روزِ حشر میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔

تمام مخلوق پر افضلیت اس آیت سے بھی ثابت ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ (انشراح) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔

قاضی (بیضاوی) نے کہا اس سے رفع عظیم مراد ہے اسی لیے مفسرین نے ذکر کیا۔ اس سے مراد ہے کہ جب بھی میرا ذکر ہوگا ساتھ تیرا ذکر بھی ہوگا اس رفع عظیم سے تمام مخلوق پر آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جن پر رفعت و بلندی دی ان کا ذکر نہیں کیا اور اصل اس میں عدم تخصیص ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تمام مخلوق پر رفعتِ شان پر یہ آیت دلالت کر رہی ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

"قریب ہے کہ آپ کو آپ کا رب ایسے مقام میں کھڑا کرے کہ جہاں سب لوگ آپ کی تعریف کریں"۔

اس کی تفسیر حضور اقدس ﷺ نے حدیثِ حسن میں شفاعتِ عظمٰی کے ساتھ بایں وجہ کہ اس وقت اولین و آخرین اس کی حمد و ثناء کریں گے لیکن آپ حمد و ثناء میں سب پر برتری حاصل کریں گے۔

آپ کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حدیث میں سے ایک جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّنْ سِوَاهُمَا۔ الخ۔

"تین خصلتیں جس میں ہوگی وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس پائے گا۔ ایک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہر چیز سے اس پیارے ہوں"۔ الخ۔

اس میں تفکر کر تجھے اس سے افضلیت ثابت ہو جائے گی اسی طرح صحیح حدیث کہ:

"سب سے پہلے میری قبر کھلے گی میں جنتی لباس پہن کر عرش کی داہنی طرف کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا کوئی فرشتہ بھی کھڑا نہ ہو سکے گا"۔

اس نے الحدیث الحسن کہا اور ترمذی نے اسے غریب جیسا کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی نے بیان کیا:

اَنَاحَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَاحَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَوَاَنَااَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْ مَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلْقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنَااَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ۔

''میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اس پر فخر نہیں میں روز محشر حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اس میں فخر نہیں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت قبول ہوگی اس میں کوئی فخر نہیں سب سے بیشتر باب جنت کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لیے کھولے گا میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے میں اولین وآخرین کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں''۔

ان احادیث کے الفاظ پر غور کیجیے۔''لَیْسَ اَحَدٌ غَیْرِیْ مِنَ الْمَلَآئِکَةِ اَنَا اَکْرَمُ اَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ'' یہ تمام ملائکہ انبیاء ومرسلین کو شامل ہیں آپ کی افضلیت تمام مخلوق پر دلالت کر رہی ہے قصہ آدم علیہ السلام اَنَّهٗ لَاحَبُّ الْخَلْقِ بھی آپ کی افضلیت پر صریح دال ہے۔

اس کے موافق ہے کہ جو امام بلقینی نے بعض محدثین سے روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند کا ذکر نہ کرنا نقصان دہ نہیں کیونکہ آئمہ محدثین نے بکثرت احادیث ایسی روایت کی ہیں جو اس کے موافق اور شواہد ہیں ان میں ایک حدیث جبریل ہے جس کو اسی محدث نے روایت کیا:

قَالَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ جِبْرَئِيْلَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ ﷺ وَقَدْ مَنَنْتُ عَلَيْكَ بِسَبْعَةِ اَشْيَاءَ اَوَّلُهَا اِنِّيْ لَمْ اَخْلُقْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ۔

''نبی کریم ﷺ نے بواسطہ جبرئیل اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا میں نے تجھ پر سات اشیا سے احسان کیا ایک ان میں سے یہ ہے کہ تجھ سے زیادہ معزز میں نے زمین وآسمان میں کسی کو پیدا نہیں کیا''۔

دوسری حدیث:

عَنْهُ ﷺ قَالَ قَالَ لِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَبْشِرْ فَاِنَّكَ خَيْرُ خَلْقِهٖ وَصَفْوَتِهٖ مِنَ الْبَشَرِ حَبَّاكَ اللّٰهُ بِمَالَمْ يُحِبَّ اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِهٖ لَامَلَكًا مُقَرَّبًا وَلَا نَبِيًّا مُرْسَلًا وَلَقَدْ قَرَّبَكَ الرَّحْمٰنُ اِلَيْهِ مِنْ قُرْبِ عَرْشِهٖ مَكَانًا لَمْ يَصِلْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَلَامِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ

فَهَنَّاکَ اللّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ وَمَاحَبَّاکَ بِہٖ۔

''رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل نے کہا آپ کو مبارک ہو کہ آپ اللہ کی مخلوق سے بہتر و برتر ہیں اسے جتنی آپ سے محبت ہے مخلوق میں سے کسی سے نہیں نہ مقرب فرشتہ سے اور نہ نبی مرسل سے۔ رحمٰن نے عرش کے قریب مقام عطا کیا جہاں زمین و آسمان والوں میں سے کوئی نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے تکریم سے تہنیت فرمائی اور مرحبا کہا''۔

اور کہا معلوم و مشہور حدیث ہے تحقیق نبی کریم ﷺ آگے گزر گئے اور جبرئیل اپنے مقام پر ٹھہر گئے اور ایک فرشتہ ملا اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آگے ہوں میں نے کہا تو آگے ہو اس نے جواب دیا آپ کا حق ہے کہ آپ مجھ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و مکرم ہیں۔

حدیث سواد مشہور میں ہے یا خیر مرسل۔ اے مرسلین سے اشرف یہ فرشتوں کو شامل ہے کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسل (پیامبر) ہیں۔

مشہور بحیرا کی حدیث صحیح میں ہے:

ھٰذَا سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ۔ یہ رسولوں کے سردار ہیں۔

حاکم کے نزدیک مندرجہ ذیل حدیث صحیح کہ بشر بن سعاف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضرت عبداللہ بن سلام کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا دنیا کے تمام ایام سے جمعہ کا روز افضل ہے کہ اس میں آدم کی تخلیق ہوئی اور اسی میں قیامت برپا ہوگی اور تحقیق اللہ تعالیٰ کے پاس خلفاء میں سے خلیفہ ابوالقاسم (محمد مصطفیٰ) ﷺ سب سے زیادہ مکرم و محتشم ہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا فرشتے کہاں گئے تو آپ نے میری طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا اے بھائی کے بیٹے کیا جانتا ہے فرشتے کہاں ہیں؟ بیشک فرشتے زمین و آسمان کے مانند ایک مخلوق ہیں، ہوا، بادل، پہاڑ کی مخلوق اور دیگر مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے پاس معزز و مکرم نہیں بلکہ تمام مخلوق سے بزرگ تر ابو القاسم ﷺ ہیں۔

اس قسم کی روایت بالعقل نہیں ہو سکتی تو عبداللہ بن سلام جیسی شخصیت جو کہ اکابر صحابہ سے ہیں کا بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے یقیناً انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا (تو مرفوع کے حکم میں ہوئی) یہ احتمال کہ انہوں نے تورات سے بیان کیا ہو کہ آپ احبار یہود سے تھے اگر تورات سے نقل کردہ بھی تسلیم کر لیں تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آپ صحابہ اور اہل کتاب میں سے مومن ہیں تو

منشا حدیث کو سمجھتے ہیں جیسا کہ حدیث رجم زانیہ ان سے مروی ہے اور تورات سے روایت کردہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس تصدیق کی فرمائی۔

بلقینی کہتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی تمام مخلوق پر افضلیت یہ کثیر صحابہ سے مروی ہے کسی صحابی یا تابعی نے اس کی مخالفت نہیں کی بشر بن سعاف کا اَیْنَ الْمَلَائِکَۃُ کہنا امر واقع اور عموم کا اظہار مطلوب تھا اور نہ ہی کسی امام سے اس کی مخالفت ہوئی۔

معتزلہ اور باقلانی اور حلیمی سے جو مخالفت مذکور ہے وہ ممکن ہے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کے لیے کہا ہو جیسا کہ متاخرین نے بعض اکابر متقدمین سے نقل کر کے اس پر اعتماد کیا۔

زمخشری کے نزدیک جبریل افضل ہیں اور اس کی تردید

سورت تکویر کی تفسیر زمخشری نے جبرئیل امین کی افضلیت کی صریح کی ہے جس کی تردید بھی ہماری سابقہ گفتگو سے ہوگئی۔

باقلانی اور حلیمی کے قول کی ترجیح

ممکن ہے کہ حلیمی اور باقلانی نے ملائکہ کی افضلیت ایک نوع مخصوص میں مراد لی ہو مثلا ان کا ہمیشہ تسبیح وتہلیل میں مصروف رہنا وغیرہ اور مطلق افضلیت جمیع عبادت میں تو انبیاء کو فرشتوں پر حاصل ہے افضلیت مخصوصہ کی امثلہ بہت ہیں اَقْرَءُ کُمْ اُبِیٌّ۔ تم سے بڑے قاری ابی ہیں اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبُوْ عَبَیْدَۃَ۔ اس امت کے امین ابوعبیدہ (بن جراح) ہیں۔

مَااَقَلَّتُ الْغَبْرَاءُ وَلَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ اَصْدَقُ لَھْجَۃٍ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ۔

زمین کے اوپر آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔

ان میں فضیلتِ مخصوصہ ہے لہٰذا خلفاء راشدین کی افضلیت کے منافی نہیں دیگر اوصاف میں ان حضرات اور باقی اصحاب پر فضیلت رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے قول لا ادری کی توجیح

صالحین بشر کی فرشتوں پر فضیلت کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا فرمان لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کا ایک قول ہے۔ دوسرا قول ہے انبیاء فرشتوں سے افضل ہے۔

احناف کا معتمد علیہ قول

لیکن علماء احناف کا معتمد علیہ قول ہے کہ خاص بشر یعنی مرسلین تمام فرشتوں سے افضل ہیں خواص

فرشتے انبیاء غیر ملائکہ سے افضل ہیں خواص فرشتے غیر مرسلین انبیاء سے افضل ہیں۔
اس کے مطابق بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ ہمارے لیے رسول جمیع ملائکہ سے اشرف ہیں۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

امام ابو حنیفہ اور دوسرے کسی امام کے بارے میں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شائد وہ رسول اکرم ﷺ کی فرشتوں پر فضیلت میں توقف کرتے ہیں۔

امام شافعی کا مسلک

امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الرسالۃ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ جو وحی کے ساتھ بالخصوص منتخب ہوئے جمیع مخلوق پر بزرگی رکھتے ہیں رحمت اور ختم نبوت کے اعتبار اور آپ کی نبوت و رسالت اولین و آخرین سب کے لیے یکساں ہیں آپ کا ذکر بلند ہے اس طرح کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے محشر کے روز سب سے قبل شفاعت کرنے والے تمام سے ذات کے اعتبار سے طیب اور نسب و مکان کے اعتبار مختار۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں آپ کا شرف و کرم اور وجود مسعود دین و دنیا میں نعمۃ خاصہ و عامہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:128)

"بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول تشریف لائے جن کو تمہارا تکلیف میں پڑنا سخت ناگوار ہے وہ تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے والے ہیں مسلمانوں پر تو نہایت ہی شفیق اور مہربان ہیں"۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا تصریح کردہ قول کہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے افضل ہیں یہی عام علماء کا قول ہے۔

اور معترضین کا قول کہ لَا اَدْرِیْ سے جواب دینا صحیح ہے بالکل غلط ہے صحیح جواب جس پر علماء کا اتفاق ہے رسول پاک ﷺ کی تمام فرشتوں سمیت کل مخلوق پر فضیلت ہے انبیاء علیہم السلام کی فرشتوں پر برتری ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:70) بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی۔
انبیاء علیہم السلام کی ملائکہ پر فضیلت اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہے مگر جو دلیل سے خارج ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

''اوران کواپنی بہت مخلوق سے افضل کیا''۔

اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ فضیلت غلبہ کے اعتبار سے ہے اور بعض نے کہا کہ روز محشر میں ثواب وجزا کے لحاظ سے ہے۔

اس پر انسان وفرشتوں کے مابین فضیلت میں اختلاف کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انسان فرشتہ سے افضل ہے اگر یہ قول ان سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ انبیاء کے علاوہ مخلوق پر محمول ہے بالخصوص ہمارے سید وآقا محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی افضیلت تمام مخلوق پر براہین قاطعہ سے مبرہن ہو چکا ہے۔

معترض کا قول ہم اس کی معرفت کے دین میں مکلف نہیں یہ بھی غلط ہے یہ اصول دین سے ہے اور ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہم آپ کی عزت وتکریم کریں اور دلائل سے شانِ مرتبہ اور اللہ کے پاس معترض کا قول'' اس میں بحث فضول ہے'' بھی غلط ہے بلکہ اس میں اجر عظیم ہے اس میں صحابہ کرام، علمائے عظام نے گفتگو کی ہے اس میں بحث وگفتگو مطلوب ہے (بلقینی کا کلام تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ ختم ہوا)

اس تقریر کے بعد نمازی حضرات کا مساجد میں درود شریف کا اعلان کرنا اور بلند آواز کرنا واضح حق ہے اس پر کسی طرح سے اعتراض نہیں ہوسکتا جو اعتراض کرے تو اسے شیطانی وسوسہ ہوا ہے جن سے اجتناب کرنا چاہئے اور توبہ کرنا چاہیے۔اختلاج قلب سے دور ہے کہ یہ فساد کبیر تک پہنچا دے گا۔العیاذ باللہ تعالٰی۔واللہ الموافق للصواب۔

امام العلامہ الشیخ علی نور الدین حلبی
صاحب السیرت متوفی سنہ ۱۰۴۴
کے
فرمودات گرامی

شیخ نورالدین حلبی کے جواہرات جو کہ اس کے رسالے تعریف ''اہل الاسلام والایمان'' کہ کوئی جگہ وزمان حضور اقدس ﷺ سے خالی نہیں سے لیے گئے ہیں یہ آپ کی تالیف ہے جیسا کہ سرورق مکتوب ہے میں نے علامہ ابن علان کے ترجمہ ''خلاصہ الاثر'' میں دیکھا ہے کہ یہ آپ کی تصنیف ہے۔

رسالہ تعریف اہل الاسلام والایمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفات اللہ کے لیے جس کے قبضہ سے کوئی چیز خالی نہیں بلکہ تمام اشیاء اسی کے قصد سے وجود میں آئیں جو منکرین کے خرافات سے بلند و بالا ہے۔

صلوٰۃ وسلام اس ذات اکمل جو ہر نبی مقرب سے افضل اللہ کے عبد سیدنا محمد ﷺ نبی رحمت وشفاعت جن کے بعد کوئی نبی نہیں اللہ کی رحمتیں اور سلام آپ پر جمیع انبیاء ومرسلین زمین وآسمان کے جمیع ملائکہ اور جمیع اہل بیت وقرابت دار اور صحابہ کرام وتابعین پر۔ امابعد۔

اس تصنیف کے موضوع بالمعنی پر کئی بار لکھا جا چکا ہے اور اس سے متعلق متعدد سوالات کا بھی جواب دے چکا ہوں اب اس تالیف سے مقصود ایک سوال کا جواب دینا ہے۔ بسم اللہ شریف کے بعد:

سوال: صورت سوال یہ ہے کہ تم اپنی کتب ومجالس میں تصریح وتلمیح سے کہتے ہو کہ محمد (ﷺ) خیر البریہ اور عالم علیا وسفلیہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں آپ کی ذات جلوہ گر نہیں تو حل طلب یہ ہے کہ پھر آپ قبر انور میں جلوہ افروز ہیں یا نہیں اگر قبر انور میں موجود ہیں تو ہر جگہ جلوہ گر ہونے کا مطلب کیا ہوا اور ہر جگہ موجود ہونے کی کیا صورت ہوگی؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْهَمَنَا اِلْهَاماً وَهِدَايَةً لِاِصَابَةِ الصَّوَابِ۔ اے اخی صادق اور اے مرید صادق اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے ہم وغم کی بیماری سے شفا اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا علم وافر عطا فرمائے اس جواب سے قبل ایک:

تمہیدی مقدمہ

تمہیدی مقدمہ ہے عوام مختلف اور اکوان متابین ہیں ایک کون وعالم بطن مادر شکم مادر اس دار فانی دنیا کی مانند نہیں ہے انسان جب شکم مادر میں تھا تو اسے بہت وسیع خیال کرتا تھا لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اسے نہایت تنگ وتاریک محسوس کرتا ہے کہ اب وہاں ایک لمحہ کے لیے رہنا پسند نہیں کرتا اس دنیا سے عالم تفکر کشادہ ہے کیونکہ جب آنکھیں بند کرتا ہے اور اپنے نفس میں فکر کرتا ہے تو اس پر حال کشادہ

ہو جاتا ہے عالم نوم عالم تفکر سے وسیع ہے کہ نیند کے عالم میں روح انسان ہر جگہ فرش تا عرش جا سکتی ہے عالم برزخ نوم سے وسیع تر ہے کہ روح بدن سے مجرد ہو جاتی ہے اور اس کی قوت فرشتہ کی قوت کی مانند ہوتی ہے تو اسے اس دنیا کی وسعت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس تمہیدی مقدمہ سے جواب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

الجواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو قوت ملکیہ حاصل ہے جب جنات کو یہ قوت حاصل ہے اس کو ایک شخص بلاتا ہے وہ اگر چہ مشرق میں ہو ایک لحظہ میں اس کے پاس آ جاتا ہے۔ دوسرا شخص اگر مغرب میں بیٹھ کر اسے حاضر کرنا چاہے تو ایک لحظہ میں اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کو ان سے کئی گناہ زیادہ قوت حاصل ہے اس لیے کہ انبیاء و اولیاء کی موت و حیات تشریفی ہے اس لیے کہ انہوں نے ایسی گفتگو کی جو انسان کے مقدور سے ماوراء اور ایسے کام کیے اور برداشت کیے جو مقدور سے باہر ہے تو ان میں ثقلین کے فضائل جمع ہوئے بخلاف جنات کے کہ ان کے فضائل صرف طبعی ہیں نیز جن اگر ایک رومال میں متمثل ہو سکتا ہے تو وہ خیال محض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرماتا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ (اعراف:27)

''بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ اور بعض اولیاء میں یہ صفت بحیثیت خصوصیت ہے تو اس کا معنی یوں ہوگا انبیاء و اولیاء کی یہ صفت شرف و بزرگی میں انتہائی قوت کے قبیلہ سے ہے جب کہ جن میں خوبی طبعی طور پر ہے۔

عالم حشر و نشر۔ عالمِ برزخ وسیع اور عالم جنت و دوزخ ان تمام سے وسیع تر ہے تو فضل و رحمتِ الٰہی کی وسعت اس کی وسعت علم ان تمام عوالم سے کئی گناہ زیادہ ہے بایں وجہ یہ عوالم اور جن پر یہ مشتمل ہیں اس کے فضلات سے ایک حصہ اور اس کی معلومات میں سے ایک دقیقہ ہیں جیسے جنت اس کے ثواب و منایات کا ایک حصہ اور جہنم اس کا عتاب کا بعض و جز ہے۔

دوسرا مقدمہ

دنیا برزخ اور بعثت کی زندگی روح کے اعتبار سے متحد اور قوت کے لحاظ سے مختلف ہے ادنیٰ مقام بطش ادراک، تشکل و تصرف اور حیاتِ دنیا کا احاطہ ہے درمیانہ حیات برزخ ہے میت مرنے کے بعد زندگی بسر کرتی ہے اعلیٰ مقام حیاتِ اخرویہ ہے۔

جواب۔ اس تمہید کے بعد جواب یہ ہے کہ علماء محققین مثلاً قرطبی وغیرہ فرماتے ہیں کہ موت عدم

محض کا نام نہیں بلکہ عالم (ملک دنیا) سے عالم ملکوت کی طرف منتقل کا طریقہ اوراہل دنیا واہل برزخ کے مابین حجاب کا نام ہے تو میت اس حالت پر نہیں کہ جس طرح کہ دنیا میں اس کو احساس ہوتا تھا یہ مردوں کے متعلق کلام ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ روح امر لطیف ہے اجسام کی طرح ثقیا وکثیف نہیں وہ جہاں چاہیے مشیت ایزدی سے جاسکتی ہے وہ ماذون ہے مقید نہیں اس صورت میں تمام امم متساوی ہیں۔

اور امتِ محمد یہ کو ان کی ارواح کے لیے تصرفات مزید حاصل ہیں جو دیگر امم کے ارواح کو میسر نہیں امتِ محمد یہ سے علماء عاملین اور اولیاء عارفین کو مزید تصرفات حاصل ہیں پھر ان کے آئمہ جیسے امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور زیادہ خصوصیت ان سے تابعین ان کے اوپر صحابہ کرام کے لیے شرف وبزرگی اور کمالِ علم ثابت ہے۔

ان خصوصیات کا اختتام نبی الرحمۃ شفیع امت ﷺ پر ہوتا ہے جیسا کہ ان کی ابتدا بھی آپ سے ہی ہوئی اور آپ کے لیے وہ خصوصیات ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین کے لیے بھی نہیں۔

کیا تجھے معلوم ہے کہ منصبِ شفاعت آپ ہی کیلئے ہے دوسرے کے لیے شفاعت کا منصب آپ کی اجازت سے حاصل ہوگا اور آپ کو منصبِ شفاعت باذن اللہ ملے گا یہ بعض حضرات کا قول ہے۔

انبیاء و اولیاء سے توسل جائز ہے

صحیح و تحقیق یہ ہے کہ جمیع انبیاء کرام و اولیاء کرام سے توسل جائز ہے کیا تو نہیں جانتا کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے اور بعض دوسرے انبیاء کو آسمانوں پر دیکھا آپ کا یہ دیکھنا اس معنی کے ساتھ جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اور حق سبحانہٗ نے آپ کے لیے اس کتاب کی وضع کا ارادہ کیا اس گفتگو سے حضور اکرم ﷺ کے تمام تصرف کی معرفت ہوگئی۔

آپ کے وجود کی سیر کا مقصد عون و مدد کائنات ہے اور جسم شریف ہماری مدد بطرق اولیٰ کرتا ہے۔

یہ سوال، کیا آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں؟

کیا آپ روضہ اطہر میں مقیم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام سیوطی نے اپنی کتاب ''تنویر الحلک بامکان رؤیۃ النبی ﷺ والملک'' میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں نہیں چھوڑے جاتے اس میں یہ بھی ہے کہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس نے فرمایا:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یُتْرَکُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً

وَلٰكِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ حَتّٰى يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ۔

"بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چالیس رات قبور میں نہیں چھوڑے جاتے بلکہ وہ صور پھونکے جانے تک اللہ تعالیٰ کے حضور نماز میں مشغول رہیں گے"۔

اس میں یہ روایت بھی ہے کہ امام سفیان ثوری نے کہا کہ ہمارے شیخ نے حضرت سعید بن مسیتب سے نقل کیا آپ نے فرمایا کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس رات سے زیادہ نہیں چھوڑا جاتا یہاں تک کہ اسے اٹھالیا جاتا ہے بیہقی نے کہا اس میں تمام انبیاء یکساں ہیں (اس کا کلام ختم ہوا)

میں (نورالدین حلبی) کہتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کے لیے رفعت مکان و زمان میں مزید خصوصیت ہے کتاب مذکور میں یہ بھی ہے امام عبدالرزاق اپنی مسند میں ثوری سے اس نے ابی مقدام انہوں نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔

نیز اس میں ہے کہ امام الحرمین نے اپنی تاریخ، طبرانی نے کبیر اور ابراہیم نے حلیہ میں جو حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی نبی کا وصال نہیں ہوتا کہ قبر میں مقیم رہے مگر چالیس دن تک۔

اسی میں ہے کہ امام الحرمین نے نہایہ اور امام رافعی نے اس کی شرح میں دونوں نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کے پاس سب سے زیادہ مکرم و محتشم ہوں وہ مجھے قبر میں تین دن سے زیادہ نہیں رکھتا امام الحرمین نے اضافہ کیا کہ دو دن سے زیادہ۔ اسی میں ہے کہ ابوالحسن بن زعفرانی حنبلی نے اپنی کتب میں اس حدیث کو ذکر کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی نبی کو نصف دن سے زیادہ قبر میں رکھتا۔

میں (نورالدین حلبی) کہتا ہوں کہ یہ تمام احادیث مشکل ہیں بالخصوص اس دور کے منکرین کے نزدیک جنہوں نے یہ سوال کیا جو وجہ تالیف ہے اس سوال کو جو کتاب مذکور میں موجود ہے کہ واضح کرتی ہے اسے کتاب "مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِي الْمُسْتَغَشِّيْنِ بِسَيِّدِالْاَنَامِ فِي الْيَقْظَةِ وَالنَّوْمِ" جو حافظ ابن نعمان مغربی کی ہے میں روایت کیا کہ۔

روضہ رسول سے بشارت

ایک عربی روضۂ رسول پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ آپ نے فرمایا تو ہم نے اسے یاد کر لیا (یہاں تک کہ یہ الفاظ کہے) کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (النساء)

''اور کاش وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے اور پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول اللہ بھی سفارش فرماتے تو ضرور اللہ تعالٰی کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے''۔

میں نے اپنی جان پر ظلم کیا استغفار کرتے ہوئے پس حاضر ہوا اور آپ کے استغفار کی آرزو رکھتا ہوں کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں کہ قبر انور سے ندا آئی کہ تحقیق تیری مغفرت ہوگئی حدیث صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ آپ قبر انور میں موجود ہیں۔

سلام کا جواب پانا

یہ اشکال کتاب سیوطی سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سید نورالدین ایجی روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوا پھر سلام عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

''اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں''۔

تو قبر انور سے ندا آئی جس کو سب حاضرین نے سنا کہ آپ ﷺ نے جواب دیا:

وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ۔ میرے بیٹے تجھ پر بھی سلام ہو۔

شیخ ابو بکر دیار بکری نے مواجہ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا ان کو بھی قبر انور سے جواب ملا۔ ایک ہاشمی عورت مدینہ منورہ میں خاکروبی کرتی تھی بعض خدام اسے ایذاء دیتے اس نے روضۂ انور پر شکائیت کی تو اسے جواب ملا کہ جس طرح میں نے مصائب میں صبر کیا تو بھی صبر کر یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

سید احمد رفاعی کا واقعہ

استاد شیخ احمد الرفاعی علیہ الرحمۃ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد درِ رسول پر حاضر ہوئے اور مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی:

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اَرْسَلُهَا تُقَبِّلُ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ وَحَضَرْتُ فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

دوری میں میری روح حاضر ہوتی اور سلام کے ایجاب کا عرض کرتی جبکہ وہ میری نائب تھی۔ یہ حالت شباح تھی (میں خود موجود ہوں) میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اپنا داہنا ہاتھ نکالیے

تا کہ میرے لب اس سے برکت حاصل کریں۔

تو رسول اکرم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک نکالا تو سید احمد رفاعی نے بوسہ لیا۔

اس کے علاوہ بھی کتاب مذکور میں واقعات موجود ہیں جن سے اشکال کی توضیح ہوتی ہے اس سے یہ بھی توضیح ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا شب معراج میں کثیبِ احمر کے مقام پر قبر موسیٰ سے گزرا تو وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کھود کر انہیں اپنے ساتھ کشتی میں سوار کیا تا کہ طوفان سے محفوظ رہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں قرافہ کے مقام پر اور یوسف علیہ السلام فیوم میں مدفون تھے دونوں کو نکال کر شہر خلیل اللہ علیہ السلام بیت المقدس جوار ابراہیم علیہ السلام میں دفن کیا۔

خلاصہ کلام کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انبیاءٔ اپنی قبور میں ہی ہوتے ہیں اور کہیں اور مقام پر نہیں تو یہ حدیث غایہ اشکال میں ہے۔ اور حقوق انبیاءٔ علیہم السلام پر تنقیص لازم آتی ہے جب اولیاءٔ و اصفیا اپنی قبور سے نکل کر ان کی اشباح ان کی قبور سے دور دراز علاقوں میں دیکھی جا سکتی ہیں تو انبیاءٔ کیوں نہیں آ جا سکتے اور لوگوں میں یہ خبر تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ قطب عالم عارف و کامل سید احمد بدوی جلاد کفار میں قطاف کے نام مشہور ہیں کہ وہ اپنی موت کے بعد افرنگی علاقہ سے قیدیوں میں اپنے وطن مصر لائے گئے۔

مقام و عظمتِ رسول ﷺ

یہ چیز بالکل عیاں ہے کہ رسول اکرم ﷺ بوقت وصال از کی رضوان اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام اور درجہ وسیلہ کے مقام پر فائز ہوئے تو روضہ اطہر میں پہنچے پھر اللہ کے پاس جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے وہاں پہنچائے گئے وہ مقام وسیلہ جن پر اولین و آخرین غبطہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حتمی اذن دیا زمین و آسمان بحر و بر سہل و سخت جہاں چاہیں سیر کریں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کو قوت و ہیبہ ایسی عطا کی کہ درجہ وسیلہ میں موجود ہوتے ہوئے اگر کوئی نبی مرسل یا ملک مقرب پکارے تو آپ اس کو جواب دیتے ہیں یہ کیفیت مالا نہایہ بعد از قیامت بھی رہے گی یونہی درجہ وسیلہ میں ہوتے ہوئے طالب پکارنے والا اللہ کے حضور اور قبر پر پکارنے والا قبر میں غرض جہاں بھی پکارے گا وہیں آپ کو موجود پائے گا یہاں تک کہ مراقبہ کرنے والا اپنے مراقبہ اور عارف اپنے میں آقا علیہ السلام کو موجود پائے گا یونہی انبیاءٔ علیہم السلام قدس اعلیٰ میں پہنچنے کے بعد ماذون ہیں کہ ان کی شیخ تالیف قلوب اہل ارض کے لیے قبر میں موجود ہو اور اشباح سے مجرد ہو کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں ان کے لیے کوئی ممانعت

نہیں قبر میں شیخ کے مقام ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب طالب اس کو طلب کرے گا تو وہاں پا لے گا جب ان کے حضور زیارت کے قصد سے آئے گا تو ان کی شبیہ دیکھ لے گا جس کی توضیح موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں آئے گی۔

نبی اکرم ﷺ بجسدہ وروحہ زندہ ہیں

حافظ امام سیوطی نے اپنی مذکور کتاب میں احادیث واکثر اقوال علماء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اقوال علماء اور وہ احادیث جو خواب اور بیداری میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار کے ممکن ہونے پر دال ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جسم وروح سمیت زندہ ہیں اطراف زمین اور ملکوت میں تصرف فرماتے ہیں اسی حالت وہیئت پر ہیں جو آپ کی قبل از وصال تھی اس میں ذرہ برابر فرق نہیں صرف یہ ہے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل جیسے فرشتے نظر نہیں آتے حالانکہ فرشتے اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں۔

خوش بخت لوگوں کو زیارت بھی ہوتی ہے

جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہو جائے تو اس کے لیے حجاب اٹھ جاتے ہیں تو وہ آقا علیہ السلام کا اس دنیوی زندگی کی کیفیت میں دیدار کر لیتا ہے اور شبیہ ومثال کی ضرورت ہی نہیں۔(سیوطی کا کلام ختم ہوا)

میں (نورالدین حلبی) کہتا ہوں ہمارا کلام اسی طرح ہے جس طرح امام سیوطی نے بیان کیا اور اس سے بھی اخص ہے۔

آپ ہر جگہ موجود ہیں

کہ میں آپ کے جسد اقدس کو دیکھتا ہوں کہ آپ زمان، محل، مکان، عرش، کرسی، لوح، قلم، بحر بر، نرم، سخت، برزخ اور قبر ہر جگہ جلوہ افروز ہیں اور کوئی جگہ آپ سے خالی نہیں۔ عالم علیا بھی عالم سفلی کی طرح خالی نہیں یعنی درجہ وسیلہ میں موجود ہوتے ہوئے قبر میں بھی موجود بیت اللہ کا طواف اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی موجود، جس ساعت مشرق والے زیارت سے مشرف ہو رہے بعینہ اسی وقت مغرب والے کو بھی شرف دیدار سے نواز رہے ہیں مراقبے والے کے مراقبہ سر والے کے سر میں موجود عالم رویا میں دیدار کرانے کے وقت عالم یقظہ (بیداری) میں دیدار کرا رہے ہیں دونوں صفات جلال وجمال کے ساتھ موصوف غایت درجہ کمال پر فائز ہیں کسی نے کیا خوب کہا:

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكِرٍ ۔۔۔ اَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِىْ وَاحِدٍ

''اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی بڑی چیز نہیں کہ تمام کائنات کو ایک میں جمع کردے''۔

سوال: کیا سماء فضل کے افق پر اس سے قبل نور طلوع ہوا ہے یا تم اپنی ذاتی رائے سے یہ بات کر رہے ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جسم واحد بیک وقت تمام جگہ موجود ہو جائے۔

جواب: جو شخص رسول اللہ ﷺ پر افترا باندھے وہ مستحق نار ہے جو آپ کے متعلق کوئی اپنی طرف سے کوئی نئی بات نکالے تو وہ مردود ہے ہم نے جو اپنے مدعیٰ میں ذکر کیا ہے بفیضان الٰہی ہے اس میں کوئی اہل علم وافہام تردد و توقف نہیں کرتا مگر چند ایک وہم وابہام پرست:

وَلَیْسَ یَصِحُّ فِیْ الْاَذْهَانِ شَیْئٌ   اِذَا اِحْتَاجَ النَّهَارُ اِلَی دَلِیْلٍ

اذہان میں کوئی چیز صحیح نہیں رہے گی جب دن دلیل کا محتاج ہو۔

وَاِذَالَمْ تَرَالْهِلَالَ فَسَلَامٌ   لِاَنَاسٍ رَاَوْهُ بِالْاَبْصَارِ

جب چاند نظر نہ آئے تو ان لوگوں کے لیے سلامتی ہے جو آپ کو چشم ظاہر سے دیکھتے ہیں۔

جس نے جانا وہ اس پر حجت ہے جس نے نہیں جانا جس نے سمجھا وہ اس شخص پر حجت ہے جس نے نہیں سمجھا جس نے یاد رکھا وہ اس پر حجت جس نے یاد نہیں رکھا۔

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ صرف جمیل سے فراق ہوتا ہے اور دلیل کے بغیر کوئی قول معتبر نہیں تو ہمارے پاس اس مسئلہ پر صحیح دلائل نقلیہ و براہین قطعیہ ہیں۔

آقا علیہ السلام کے ہر جگہ موجود ہونے پر دلائل

ان دلائل نقلیہ میں سے جو ہم نے اپنے عوالی صحیحہ میں روایت کیا جس کی اسانید ثابتہ رجیحہ ہیں جمیع حفاظ حدیث اور جمیع اہل معانی والفاظ کے نزدیک ثابت محقق ہے۔

کہ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں آپ کا استقبال کرتے ہوئے پھر انبیاء کے ساتھ آپ کے پیچھے نماز پڑھی پھر بیت المقدس کو چھوڑ کر آسمانوں پر جلوہ گر ہوئے تو چوتھے یا چھٹے آسمان میں موجود پایا اس روایت کی بنا پر جس میں ہے کہ پہلے آسمان پر آدم اور دوسرے پر عیسیٰ، تیسرے پر یوسف ادریس سے چوتھے پر ہارون سے پانچویں پر ابراہیم سے ساتویں پر ملاقات کی۔

دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے دونوں جگہ ملاقات ہوئی اگر موسیٰ علیہ السلام بیک وقت اپنی قبر میں بیت المقدس چوتھے یا چھٹے آسمان پر موجود ہو سکتے ہیں تو ہمارے رسول کریم ﷺ جو نبی الانبیاء اور سب سے بلند درجہ پر ہیں عالم سفلی و علوی میں کیوں موجود

نہیں ہو سکتے جب کہ شب معراج اس مقام تک پہنچے جہاں آج تک کوئی ملک مقرب یا نبی مرسل نہیں پہنچ سکا اسی لیے رئیس ملائکہ جبریل آمین علیہ السلام سدرۃ المنتہٰی پر رک گئے اور یہ دلیل پیش کی:

مَامِنَّآ وَلَهٗ مَقَامٌ مَعْلُوْمٌ۔ ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے یعنی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

دوم دلیل

دلائل نقلیہ جو اس پر صریح دال ہیں جس کی اسانید عالیہ صحیحہ اور ثابتہ رجیحہ ہیں ان میں سے دوسری دلیل جو امام الائمہ امام بخاری وغیرہ کے نزدیک صحیح ثابت ہے کہ ہر میت جب قبر میں پہنچتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے تین سوال کرتے ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ:

مَاتَقُوْلُ فِیْ هٰذَاالرَّجُلِ؟۔ اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

اس میں ہذا اسم اشارہ ہے جو محسوس مبصر قریب کے لیے آتا ہے یہ معنی حقیقی ہے بعض علماء نے تاویل کی کہ حاضر وقریب ذہنی مراد ہو سکتا ہے لیکن یہ معنی مجازی ہے مجازی اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب حقیقی معنی ممکن نہ ہو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر قبر میں بجسدہ تشریف لاتے ہیں۔

حکایت

بعض منقولات میں ہے کہ ایک مالکی شخص کا انتقال ہوا قبر میں جب اس سے سوالات ہونے لگے تو وہ جوابات دینے سے مرعوب ہو گیا اس کے سامنے والے صاحب قبر نے کہا دیکھ تیرے سر کے مقابل حضرت امام مالک بن انس تیری طرف سے جواب دے رہے ہیں مصنف نے کہا کہ میں کہتا ہوں اس بنا پر ہمارے امام اعظم شافعی علیہ الرحمۃ اس سے بھی زیادہ حق دار ہیں اس لیے ہم نے اپنی نظم بدیع میں کہا:

اِذْ سَأَلَا نِیْ مُنْكِرٌ وَنَكِيْرٌ عَنْ   صَحِيْحِ اِعْتِقَادِیْ مَنْ جَعَلْتُ اِمَامِیْ

اَقُوْلُ لَهُمْ دِيْنَ النَّبِیِّ مُحَمَّد   اَدِيْنُ بِهٖ وَالشَّافِعِیُّ اِمَامِیْ

"جب منکر ونکیر مجھ سے میرے صحیح عقیدے کے متعلق سوال کریں گے جس کو میں نے اپنایا ہے میں انہیں کہوں گا میرا دین، دین محمد اور میرے امام شافعیؒ ہیں"۔

اور ہم نے کہا:

لَعَمْرِیْ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ مَنْ انْتَهٰی   لَهٗ لَا يَرَیٰ لَوْثًا فَاَسْتَاذُهٗ لَيْثٌ

"میری جان کی قسم حضرت امام شافعی ایسا شخص جو آپ سے نسبت رکھتا ہے اگر ہمت نہیں رکھتا تو اس کے استاذ تو شیر ہیں"۔

وَلَايَخْتَشِیْ ضَيْمًا وَلَا يَشْتَكِیْ ضَنًی   فَاِنَّ لَهٗ غَوْثًا مَكَارِمُهٗ غَيْثٌ

''اور نہ ظلم سے ڈرے اور نہ لاغری و بدحالی کی شکائیت کرے کہ اس کا وہ غوث ہے جس کے مکارم (اخلاق) بادل (کی مانند) ہیں''۔

نیز ہم نے کہا:

اِنِّیْ اتَّخَذْتُ طَرِیْقَةً وَعَقِیْدَةً عِلْمَ ابْنِ اِدْرِیْسَ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ

''بیشک میں نے طریقہ وعقیدہ وہ اختیار کیا ہے جو ابن ادریس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم سے حاصل کیا گیا ہے''۔

وَجَعَلْتُ مَذْهَبَهُ الشَّرِیْفَ وَسِیْلَةً لِیْ فِیْ غَدٍ عِنْدَ النَّبِیِّ الشَّافِعِ

''میں نے آپ کے مذہب شریف کو اپنے لیے قیامت میں شفاعت کرنے والے رسول کے پاس وسیلہ بنایا''۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں امام الائمہ کی مدح میں کلام طویل ہوتے ہوتے قبضۂ اختیار سے باہر نہ ہو جائے یہ دو نقلی دلیلیں جو بیان کی گئی ہیں اس کو ہر سلیم الفطرت انسان قبول کرتا ہے۔

اب ہم دلائل عقلیہ ذکر کرتے ہیں جن کے بعد جس میں انسانیت ہے وہ ضرور اس مسئلہ کو تسلیم کرے گا۔

آپ کے ہر جگہ موجود ہونے پر دلائل عقلیہ دلیل اول

اس میں کوئی شخص بھی مخالفت نہ کرے گا کہ حضور اکرم ﷺ روح الوجود ہیں جس طرح بدنِ انسان کے ہر حصہ میں روح موجود ہوتی ہے بدن انسان کا کوئی حصہ روح سے خالی نہیں ایسے ہی آپ ﷺ کائنات علویہ وسفلیہ کی روح ہیں تو کائنات ارض وسماو مافیہا کا کوئی حصہ آپ کے جسد اقدس سے خالی نہیں ہوگا۔

دوئم دلیل

اولیائے کاملین کی ایک جماعت اس مقام پر فائز ہے اور اس کا مشاہدہ کیا ہے ان میں سے ایک کا امام سیوطی نے اپنی کتاب مذکور میں واقعہ نقل کیا ہے کہ عارف ابو العباس طنجی نے کہا میں شیخ استاذ احمد رفاعی کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کیا رسول اللہ ﷺ کو پہچانتا ہے اپنے شیخ عبدالرحیم قناوی کے پاس حاضر ہوتا کہ تجھے رسول اللہ ﷺ کی معرفت کرائیں اور تیرا سلوک مکمل ہو جب میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے حکم دیا بیت المقدس پہنچ جا تا کہ مقصود حاصل ہو حسب حکم جب بیت

المقدس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے تو میں نے رسول پاک ﷺ کی اس حالت میں زیارت کی آسمان، زمین، عرش کرسی کائنات کا گوشہ گوشہ آپ سے پر ہے۔

سوم دلیل

اکثر عارفین واولیاء سیدالمرسلین ﷺ کے حضور عالم رویاء اور عالم یقظہ (بیداری) اکثر حاضر رہتے ان عارفین میں سے ایک عارف باللہ خلیفہ بن موسیٰ ہیں جو اکثر آپ کے پاس حاضری دیتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک ہی شب میں سترہ مرتبہ حاضری دی تو آقا علیہ السلام نے فرمایا اے خلیفہ ہم سے اکتانہ جانا بہت سے اولیاء ہمارے دیدار کی حسرت و یاس میں فوت ہو گئے۔

میں کہتا ہوں حاصل کلام کہ حجاب ہماری طرف سے ہے وہ بھی بموجب ہمارے گناہوں کے آپ کی طرف سے کسی قسم کا حجاب نہیں اسی لیے بندہ جب نفس سے جدا ہوتا ہے خواہ عالم نوم میں ہی اور اپنی آنکھیں بند کرتا ہے تو آپ کا دیدار کرتا ہے جب اللہ کی منشا ہو جائے اور جب اپنے نفس پر غالب آجاتا ہے یا اسے معنوی طور پر قتل کر دیتا ہے تو پھر ہمیشہ کے لیے حجاب اٹھ جاتا ہے پھر نیند ہو یا حالت بیداری بہر صورت دیدار سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے شیخ نورالدین الشونی زندگی از ہر میں آقا علیہ السلام کے پاس بیداری میں حاضر ہونے کی علامت تھے آپ کھڑے ہو جاتے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے کبھی آخر شب، کبھی نصف شب اور کبھی عشا کے وقت جب تلاوت شروع کرتے تو فجر تک مسلسل کھڑے رہتے۔

اکثر باب زہومیۃ کے محلہ سیوفہ میں خلوت میں حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں دن رات حاضر رہتے۔

کاملین حضور علیہ السلام سے ایک لحظہ کے لیے بھی غائب نہیں ہوتے

حضرت سید ابوالعباس مرسی فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں حضور علیہ السلام کے دیدار سے ایک لحظہ کے لیے محجوب ہو جاؤں تو میں اس لحظہ میں خود کو مسلمان نہیں سمجھتا اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں جن کا استقصاء ممکن نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی وغیرہ کی کتاب مذکور میں بعض اشیا اس قسم کی اور بھی ہیں لہٰذا اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے میں نے ان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ میرا مقصود اس سوال مذکور کا جواب دینا ہے۔

چہارم دلیل

اس امت کے ابدال کہ ایک کو بدل کہتے ہیں کیونکہ جب سفر کرتا ہے اور اپنی جگہ کسی اور کو چھوڑ

جاتا ہے۔

قضیب البان کا واقعہ

حضرت قضیب البان کے متعلق اتفاق ہے کہ ان کے خلاف قاضی کے پاس دعویٰ کیا گیا کہ نماز نہیں پڑھتے تو قاضی نے ان کو بلا کر دریافت کیا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو یکایک آپ کی سات شکلیں بن گئیں اور فرمایا کہ بتاؤ ان میں سے کون سی شکل نماز نہیں پڑھتی۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کی امت کے ابدال کی یہ کیفیت ہے تو رسول اللہ ﷺ کی ایک لاکھ مثالیں کیوں نہیں بن سکتیں۔

شیخ تاج الدین کا کمال

صحیح منقول ہے سیدی تاج الدین بن عطا اللہ سکندری رضی اللہ عنہ وصاحب کتاب ''الحکم'' کتاب ''التنویر'' وغیرہا کا ایک مرید ایک سال حج کے لیے گیا جن موقف اور جس مشہد پر بھی حاضر ہوا تو وہاں سیدی شیخ تاج الدین کو دیکھتا جب وہ آپ کے پاس گفتگو کے لیے آتا تو وہاں آپ کو نہ پاتا جب وہ مصر میں آیا تو اپنے شیخ کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ تندرست ہیں جب مکاشفہ میں اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا تو نہوں نے فرمایا کیا فلاں فلاں مقام پر مجھے دیکھا۔

پنجم دلیل

عقل اس چیز کو تسلیم کرتی ہے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے مکان میں قائم کیا جہاں ساری کائنات دیکھتی رہے جیسے چاند ہے کہ مشرق ومغرب والے دونوں یکساں طور پر دیکھتے ہیں اس کی روشنی ہر جگہ موجود ہے ایسے ہی سورج زہری ستارے کہ انسان زمین کے جس خطے پر بھی ہو ان کو یکساں طور پر دیکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی جگہ دی ہے جس سے ہر ایک کو نظر آتے ہیں یونہی روضہ رسول ﷺ کو ایسا مقام عطا کیا ہو کہ ہر جگہ نظر آتا ہو مگر جس کی بصیرت سلب ہو وہ نہیں دیکھ سکتا جس طرح ان سیاروں کو نابینا شخص نہیں دیکھ سکتا حالانکہ یہ سیارے بالکل واضح ہیں اس لیے ہم نے اپنی بدیع نظم میں لکھا:

مِثَالُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى فِيْ وَجُوْدِهٖ ۔۔۔ بِسَائِرِ اَرْضِ اللّٰهِ وَالْعَجَمِ وَالْعَرَبِ

عَلٰى اَنَّهٗ فِيْ قَبْرِهٖ طَابَ تُرْبَةً ۔۔۔ بِطِيْبٍ دَامَتْ مِنْهُ فِيْ صِلَةِ الْقُرْبِ

كَبَدْرِ السَّمَاءِ فِي الْاُفُقِ بَادٍ وَضَوْءُهٗ ۔۔۔ يَعُمُّ جَمِيْعَ الْكَوْنِ فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ

اُنْظُرْ اِلَی الْمُخْتَارِ کَیْفَ وَجُوْدُهٗ مَلَأَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَالْاَکْوَانَا
فَتَرَاهُ مِثْلَ الْبَدْرِ فِیْ کَبَدِ السَّمَاءِ وَضِیَاءُهٗ مَلَأَ الْوُجُوْدَ عَیَانَا

وجود نبی مصطفیٰ ﷺ کی مثال تمام روئے زمین عرب وعجم میں ہے۔اس کے باوجود کہ آپ اپنی قبر انور میں موجود ہیں جس کی خاک پاکیزہ اس کی پاکیزگی یا خوشبو سے قرب کا صلہ حاصل ہوتا ہے۔آسمان کے چاند کی مانند جو افق پر ظاہر ہے اور اس کی روشنی تمام عالم کو شرق وغرب میں عام ہے۔(نیز ہم نے لکھا) نبی مختار کو دیکھ آپ کے جسدِ اقدس نے آسمان زمین اور تمام عالم کو پر کردیا۔آپ کو چاند کی مانند دیکھے گا جو آسمان کے دل میں ہے اور اس کی روشنی نے پورے وجود کو ظاہر منور کردیا۔

ششم دلیل

کائنات علویہ وسفلیہ کا تعلق یوں قائم کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبی اکرم ﷺ کے سامنے یوں بنادیا ہو جیسے عزرائیل کے لیے بنادیا ہے کروڑہا مخلوق کی آن واحد میں روح قبض کرلیتا ہے ایسے ایک اقصائے مشرق اور دوسرا اقصائے مغرب میں ہو تو وہ دونوں کی ایک لحظہ میں روح قبض کرسکتا ہے۔جب اس کے متعلق عزرائیل سے دریافت کیا گیا تو شرق وغرب والے دونوں اشخاص کو بیک وقت کیسے فوت کرسکتا ہے تو حضرت عزرائیل نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے لیے لپیٹ دیا ہے تو یہ میرے سامنے ایک کھانے والے شخص کے سامنے پیالے کی مانند ہے تو میں جس طرح چاہوں پکڑ سکتا ہوں۔

ہفتم دلیل

دلائل عقلیہ میں سے امر برزخ ہے کہ دو فرشتے منکر ونکیر ہر اہل سے سوال کرتے ہیں باوجود اتنے بڑے حجم ہونے کے ایک تنگ قبر میں کیسے آجاتے ہیں اور پھر چلے بھی جاتے ہیں نیز بیک وقت لکھوکھا کروڑہا انسان مرتے اور دفن ہوتے ہیں کوئی مشرق میں دفن ہوتا ہے اور کوئی مغرب میں تو ان سے ایک وقت میں کیسے سوال کرتے ہیں مزید براں سوالات وجوابات کے بعد انگلی سے قبر میں سوراخ کرکے جنتی کے لیے جنت کی اور دوزخی کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دیتے ہیں۔جب کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور جہنم سمندر کے تحت ہے اگر منکر ونکیر فرشتوں میں ایسی قوت پائی جاسکتی ہے تو قادرِ مطلق جو اعلیٰ وعظیم ہے وہ اپنے حبیب مصطفیٰ مجتبیٰ ﷺ جو فرشتوں کے بھی نبی اور ان سے بلند تر ہیں کو یہ قوت عطا کردی ہے کہ وہ ہر قبر میں موجود ہوں اور کائنات کے ہر فرد کو نظر آسکتے ہیں۔

اس بیان کے بعد انکار کرنا گمراہی ہے۔ جس طرح فلسفی گمراہ ہوئے کہ ایک میت کے ساتھ انہوں نے زیبق (ٹیپ ریکارڈ کی طرح کا آلہ) رکھ دیا تا کہ جب میت سے سوال ہوگا تو اس میں ریکارڈ ہو جائے گا اس کے بعد کھود کر انہوں نے اسے نکالا تو وہ چلا ہی نہیں (1)۔ اس لیے ہم نے اپنی نظم بدیع میں لکھا:

إِذَا رُمْتُ فَرْداً جَامِعاً فِيْهِ جُمِعَتْ　　عَوَالِمُ خَلْقِ اللّٰهِ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ

لِقَدْرِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى اُنْظُرْ وَسَلْ وَقُلْ　　تَجِدْهُ مَلًا اَبْصَارٍ وَسُمْعٍ و اَفْوَاهٖ

''یہ فرد ان تمام کا جامع ہے جو تمام مخلوق نے جمع کیے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ عظمت رسول جو مصطفیٰ ہیں کے لیے دیکھ اور کہہ آپ کو پائے گا آنکھیں کان اور منہ آپ کے ذکر سے پر ہیں''۔

اور کہا:

مَا اَبْصَرَتْ قَطُّ عَيْنٌ اَوْوَعَتْ اُذُنٌ　　اَوْفَاهُ نَطَقَ بِمَدْحٍ اَوْاُشِيْعَ نَدَاً

كَيَاالْمُصْطَفٰى مَنْظَراً اَوْ ذِكْرُهُ خَيْراً　　اَوْ قَدْرُهُ مَنْصَباً اَوْ رَاحَتَيْهِ نَدَاً

کسی نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ زبان نے کسی کی تعریف میں نطق کیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منظر، ذکر خیر یا آپ کے منصب سے اور آپ کے ہاتھوں کی سخاوت جیسا۔

اور کہا:

إِذَا قَدَرُوْا الْاَشْيَاَ تَقْدِيْرَاَرْبَعٍ　　وَعِشْرِيْنَ جُزْءً فَاالنَّبِيِّ وَآلُهٗ

مُحَمَّدٌ مِنْهُ جُزْءُ اَلْفِ مُقَوَّمٍ　　بِسَائِرِ خَلْقِ اللّٰهِ جَلَّ جَلَا لَهٗ

تَقَاصَرَ فَوْقَ الْفَوْقِ وَالْاَوْجِ وَالْعُلَا　　وَلَمْ يَبْلُغُوْا الْمِعْشَارَ مِنْ قَدْرِ آدَمَا

فَكَيْفَ بِمَنْ فَاقَ النَّبِيِّيْنَ رِفْعَةً　　وَاَضْحٰى سَمَاءً لَا تُطَاوِلُهٗ سَمَاً

تَقَاصَرَ مَدْحُ النَّاسِ عَنْ مَدْحٍ مِنْ عُلَا　　عَلَى الْمَدْحِ عَبْدِاللّٰهِ وَهُوَ حَبِيْبُهٗ

مُحَمَّدٌ الْمُخْتَارُ حَتّٰى كَاَنَّمَا　　مَدْحُ جَمِيْعِ الْعَالَمِيْنَ يُعِيْبُهٗ

جب اشیا کی تقدیر کو چوبیں حصوں میں تقسیم کیا تو رسول کریم اور آل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی مخلوق کے مقابلے میں ہزار حصے کے مالک ہیں۔ فوق الفوق، اوج اور بلندی سے قاصر ہیں اور قدر آدم کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔ پس اس کی بلندی تک کیسے پہنچ سکتے ہیں جو انبیاء سے رفعت و منزلت میں فائق اور کوئی

1۔ اسی طرح کا ایک واقعہ 1971ء میں پیش آیا اس وقت جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد دورہ حدیث کا طالب علم تھا کہ میت کے دو دوستوں نے مل کر ٹیپ ریکارڈ لگا کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دی کہ معلوم ہو سکے کہ قبر میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ دوسرے دن نکال کر جب سننے کے لیے گھر میں چلائی تو اس سے ایک ایسی دھما کہ دار آواز سنائی دی جس سے کمرہ کی چھت گر گئی۔ (مترجم)

آسمان آپ کی رفعتِ آسمان سے بلند نہیں۔ تمام لوگوں کی تعریف بلندی پر اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے جو اس کے حبیب ہیں کی تعریف سے کم ہے۔ محمد مختار ﷺ گویا تمام مخلوق کی تعریف آپ کی تعریف کے سامنے عیب لگانے کے مترادف ہے۔

مزید کہا:

لَوْلَمْ يَكُنْ مِنْ جِنْسِنَا مَنْ قَدْرَ قَىٰ فَوْقَ الْمَلَكِ
مُحَمَّدٌ مَا فُضِّلُوْا جِنْسُ الْبَشَرِ عَلَى الْمَلَكِ
تَفَكَّرْ فَدَيْتُكَ فِيْ عِزِّ مَنْ رَقٰى فَوْقَ مَا وَصَفَهٗ بِذِكْرِ
وَلَمَّا اَتٰى سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى تَدَلّٰى لَهٗ الرَّفْرَفُ الْاَخْضَرُ

اگر آپ ہماری جنس (نسل انسانی) سے نہ ہوتے جو کہ فرشتوں سے برتری لے گئے۔ تو جنسِ بشر کو فرشتوں پر فضیلت نہ ملتی۔ غور کریں تجھ پر فدا اس ذات کی عزت میں جو مذکور وصف سے بھی ترقی کر گئے۔ اور جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ کے لیے سبز رنگ کا رفرف قریب ہوا۔

سوال: رفرف اخضر کی تعریف کیا ہے؟ اور کیا آپ نے تنہا رفرف کو پر کیا؟

جواب: یہ قرب اُفق اعلیٰ کے اوپر تھا اس جگہ فاضل مصنف نے سوالات اور ان کے جوابات اس پر تحریر کیے ہیں آپ کے جسم شریف سے کوئی زمان و مکان خالی نہیں ہمیں عارف و ولی کامل سیدی عبدالعزیز دیرینی کے متعلق باوثوق روایت پہنچی کہ بدیرین کی مشیخیت ان کی طرف منسوب ہوئی تو اس میں اشراف کی ایک جماعت نے منازعت کی تو شہر والوں نے یہ مشہورہ کیا کہ نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر منازعت کرنے والے اشراف باری باری رسول اللہ ﷺ کو پکاریں اور سیدی عبدالعزیز بھی پکاریں جن کا جواب رسول پاک ﷺ دیں وہ مشیخت کا حق دار ہوگا وقت مقررہ پر کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے سیدی عبدالعزیز نے اشراف سے فرمایا کہ پہلے تم سے ہر ایک باری باری ندا کرے چنانچہ ایک ایک شریف آگے بڑھا اور یَاجَدِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہہ کر پکارا تو آپ نے جواب نہ دیا سب کے آخر میں سیدی عبدالعزیز نے آگے آکر پکارا یَاسَیِّدِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ تو اگلی صف والوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا لَبَّیْکَ یَاعَبْدَالْعَزِیْزِ دوبارہ پکارا تو آپ نے جواب دیا پھر سہ بارہ پکارا تو پورے مجمع نے سنا اس میں تدبر کر۔ کہ سیدی عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کا رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کتنا مقام ہے کہ وہ بدیرین میں آواز دے رہے ہیں اور آپ مدینہ طیبہ مقام امین پر موجود ہوتے ہوئے جواب سے مشرف فرما رہے ہیں اس واقعہ سے یقیناً ثابت ہو گیا کہ ہر جگہ جلوہ افروز ہیں۔

سب سے آخر جن سے ملاقات ہوئی وہ شیخ کامل صاحب تسلیک شیخ نورالدین شونی ہیں جو صاحب حال ہیں جن کی عادت تھی شب وروز رسول پاک ﷺ پر درود شریف پڑھتے اور یہ ان کی ایک علامت بن چکی تھی کثیر اوقات خواب و بیداری میں آپ کی بارگاہ میں شرفِ حاضری سے باریاب ہوتے اس قسم کے واقعات وامثلہ عوالی صحیحہ اور مسانید رجیحہ کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں جو امام بخاری ومسلم کے نزدیک مسلم ہیں۔

ابوداؤد میں ابوہریرہ سے روایت ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ رَأٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو عنقریب وہ بیداری میں بھی مجھے دیکھ لے گا اور شیطان میری صورت نہیں اپنا سکتا''۔

طبرانی نے اس کی مثل مالک بن عبداللہ خشعمی اور ابی بکرہ سے حدیث روایت کی ہیں۔اور دارمی نے اس جیسی حدیث ابوقتادہ انصاری سے روایت کی ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو بشارت دی جارہی ہے جس کو خواب میں دیدار مصطفوی کی سعادت حاصل ہوئی کہ اسے خواہ موت سے کچھ وقت پہلے چشم ظاہر سے آپ کا دیدار نصیب ہوگا اس وقت آپ کو سلام عرض کرے گا اور اپنی حاجت بیان کرے گا۔

اکثر اولیا عظام اور علمائے امت نے بیداری کے عالم میں آپ کے پاس اپنی حاجات بیان کیں اور اشیا کی حکمتیں آغاز وانجام دریافت کیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے کچھ امور کے کرنے کا حکم دیا اور کچھ سے منع کیا جس طرح ان کو حضور نبوی سے بشارت ہوئی اسی طرح ہی ہوا اس قسم کی امثلہ کو امام سیوطی نے اپنی کتاب مذکور میں بعینہٖ ذکر کیا ہے اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

ارواحِ مومنین جہاں چاہیں جاسکتی ہیں

یہ بات ثابت ہے کہ ارواح مومنین باذن اللہ جنت، آسمان جہاں چاہیں جاسکتی ہیں اور اپنی قبور کی فنا میں آتی ہیں تاکہ اپنے اجساد کو دیکھیں اپنی قبور کے عین اوپر آسمانِ دنیا کے قریب ہوتی ہیں قبر میں جانے کے بعد مسلمان اپنی زیارت کے لیے آنے والوں کو پہچانتے ہیں اور باذنِ الٰہی سلام کا جواب بھی دیتے ہیں اور اس میں مشغول نہیں ہوتے اور یہ معرفت خمیس کی رات بڑھ جاتی ہے اور یہ روز شنبہ کی صبح تک بدستور قائم رہتی ہے۔

عام مومنین سے اولیاء کی معرفت زیادہ ہوتی ہے

اولیائے کرام اور اصفیاء عظام کی معرفت عام مسلمانوں سے زائد ہوتی ہے ان میں سے علمائے عاملین، صحابہ کرام، شہداء، آلِ رسول و اصحاب قرابت کی معرفت کہیں زیادہ قوی اور مخصص ہوتی ہے۔

انبیاء حج و عمرہ کرتے ہیں

انبیاء علیہم السلام اپنے اشباح و ارواح کے ساتھ کائنات میں سیر کرتے ہیں دنیوی زندگی کی طرح باذنِ الٰہی حج و عمرہ کرتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے عالم علوی و سفلی کو پڑھ کر دیا کہ وہ تمام مخلوق سے افضل ترین دنیا و مافیہا بفضلِ ایزدی آپ کے مسطورات میں سے ہے۔

سوال: آپ نے جواب تو بہت خوب دیا لیکن ابھی ایک سوال باقی ہے جس کے جواب سے کتاب کا فائدہ مکمل ہوگا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ کی روضہ رسول پر ڈیوٹی ہے کہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے والوں کے درود و سلام کو آپ کی جناب میں عرض کرے اور خمیس کی رات اور جمعہ کے دن درود و سلام کو بذات خود سنتے ہیں سوال یہ ہے کہ اگر آپ زمان و مکاں میں ہر وقت موجود ہیں یا قبر انور سے اٹھا لیے گئے ہیں تو پھر فرشتے کو مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟

جواب: تمہیں اس کتاب سے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ کی قبر انور جو مدینہ طیبہ میں ہے آپ کے وجود مسعود سے خالی نہیں۔ دوسرے مکانات کی طرح اس میں بھی موجود ہیں بلکہ دفن ہونے کی بنا پر اس سے زیادہ تعلق و خصوصیت ہے یہ شان دوسری شان سے زیادہ اور قوی ہیبت ہے۔ جس طرح ہر شہنشاہ کے لیے قلعہ محل اور کرسی اس کی مملکت ہوتی ہے اسی طرح آپ کا محل مدینہ منورہ اور روضہ مطہرہ ہے جب محل خدمت روضۂ انور ہے تو خدام اس کی ظاہری حالت میں خدمت کرتے ہیں اور ملائکہ کرام ظاہراً و باطناً آپ کی خدمت کرتے ہیں تو فرشتے کی ڈیوٹی لگانا حق تبلیغ کے ادا کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے تاکہ احترام و توقیر کا واضح اظہار ہو۔

جس کا خیال ہو کہ ہمارے درود و سلام اور آپ کی سماعت کے مابین حجاب (پردہ) ہے تو پھر قبر انور کے درو دیوار و غیرہا اشیاء حسیہ رسول اللہ ﷺ کی سماعت سے مانع ہوں گے جس کا کوئی بھی قائل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ فرشتہ کا تقرر محض خدمت ادا کرنے اور اظہار تعظیم و توقیر کے لیے اور جمعہ کو خود سننے میں ایک تو جمعرات و جمعہ کی فضیلت بیان کرنا، دوسرے نبی اکرم ﷺ کے لیے زیادتی اور اک مقصود ہے تاکہ آپ کی شان میں اضافہ ہو۔

خدام اور فرشتوں کا ہمہ وقت آپ کی خدمت میں موجود رہنا اس لیے کہ آپ کے جسد اقدس کی

زیارت کا وعدہ معطل نہ ہو اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ سے جفا کی۔

اس میں اس کی تصریح ہے ہر زمان و مکان میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس کا اجتماع ہوسکتا ہے جس پر خصوصی فضلِ الٰہی ہو اور اعلیٰ مراتب پر فائز ہو چکا ہو جیسے ہمارے شیخ نورالدین شونی کو حاصل تھا صبح شام، دن رات اور اطراف روز وشب میں بکثرت درود وسلام کے سبب انہوں نے اس کو اپنی حرز جاں بنالیا تھا ہر تلقین اور ہر وظیفہ کے ساتھ بھی صلوٰۃ وسلام ہوتا تھا۔

ملائکہ ہر روز اعمال امت آپ پر پیش کرتے ہیں

اسی طرح فرشتے جو امت کے اعمال نبی رحمت شفیع امت ﷺ پر ہر روز صبح وشام پیش کرتے ہیں تو یہ ادائے حق خدمت کے لیے ہے نہ یہ کہ آپ اعمال امت سے بے خبر ہیں اور ان اعمال پر ملائکہ کی شہادت سے عدل کا اظہار بھی مقصود ہے ورنہ تنہا آقا علیہ السلام کی شہادت ہی کافی یا اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

کبھی تو نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ باوجود کل کائنات کے علیم وخبیر ہونے کراماً کاتبین اور براہ حافظین تحریر کے لیے مقرر کیے ہیں۔

حاضر وناظر ہونے پر ایک اور دلیل

دلائل عقلیہ ونقلیہ سے جس طرح کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں ان سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے اعمال خیر وبد پر شاہد بنایا ہے قرآن پاک میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا (احزاب:45)

"اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے آپ کو حاضر وناظر گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا"۔

شاہد کے لیے ضروری ہے کہ مشہود علیہ کے پاس موجود اور مشہود علیہ کو دیکھتا ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے کل کائنات کو پر کیا اور ہر زمان ومکان میں موجود ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ (النساء:41)

"پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے"۔

نیز فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (بقرہ:143)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو"۔

سوال: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہادت میں نبی اکرم ﷺ اور امتِ محمدیہ مساوی ہیں نیز انبیاء علیہم السلام اور آپ ﷺ کی شہادت میں مساوات ہے۔

الجواب: انشاء اللہ تعالیٰ ان میں مساوات نہیں کہ پہلی آیت میں فرمایا:

وَلَوْ جِئْنَابِکَ عَلٰی هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔(۱)

"اور اے نبی آپ کو ان سب پر نگہبان اور گواہ بنا کر لائیں گے"۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (بقرہ:143)

"اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہوں"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ جمیع امم پر اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ پر شہادت دے گی اور رسول اکرم ﷺ اس کا تزکیہ فرمائیں گے لہٰذا مساوات نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی آپ کے مقام کو پہنچ سکتا ہے۔

شہادت انبیاء میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ اپنی امت میں بقید حیات اجسام موجود ہیں لہٰذا حسی ومعنوی دونوں لحاظ سے شاہد اور حاضر ہیں۔

اس امت کی شہادت تو یہ شاہد پر شہادت ہے کہ قرآن کریم نے بزبان رسول معظم ﷺ بیان کیا ہے جس سے اس شہادت کا ثبوت ہو رہا ہے اور جب کوئی رسول دنیا سے تشریف لے جاتا تو اس کی شریعت منسوخ ہو جاتی تھی اور اس کی جگہ کوئی اور رسول تشریف لاتا اور ہمارے آقا و مولا ﷺ کی کیفیت اس طرح نہیں بلکہ آپ کی شریعت دائمی اور دعوت تا قیامت باقی وقائم ہے بلکہ قیامت اور بعد از قیامت بھی جاری رہے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو آپ کی شہادت مستمر اور دائمی ہے جمیع عوالم میں موجود ہونے کی وجہ سے تو اس کی مثال جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا آسمان پر چاند موجود ہے اور ہم سب نیچے روشنی میں موجود ہیں جب ہم سے کوئی مشرق میں ہو دوسرا مغرب میں اور تیسرا سمندر کی لہروں میں کشتی پر سوار ہو یا کوئی پہاڑ کی چوٹی پر اور کوئی زمین کے گڑھے میں جہاں بھی ہو جب بھی اوپر دیکھے گا تو چاند کو اوپر سر پر ہی پائے گا اسی طرح رسول اکرم ﷺ چاند کی مانند ہر جگہ موجود

ہیں تو بعض عارفین مقربین مثلاً مصر میں آپ کی محفل میں حاضری زیادہ قوی ہے اس شخص کی بنسبت جو گنبد خضریٰ پر آپ کے حضور موجود ہے اس لیے کہ بعض موجود ہوتے ہوئے غیوبت میں ہیں اور کچھ دور ہوتے ہوئے بھی حاضر ہیں کیا آپ کو عارف کامل واکمل حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے متعلق معلوم نہیں جب انہوں نے تین بار منسک حج ادا کیا تو مزید قرب میں نہ رہے یہاں تک کہ وہ دوسری مرتبہ وہ غائب ہو گیا اور بالکل فنا ہو گیا اسی لیے فرماتے ہیں کہ میں نے تین حج ادا کیے پہلی بار بیت اللہ دیکھا اور دوسری بار گھر کا مالک دیکھا اور تیسری مرتبہ نہ گھر اور گھر والا دیکھا۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ باعتبار حال کے فرمایا کہ پہلا حج عمومی اور عوام کے ساتھ کیا اور دوسرا فنا کے ابتدائی مقامات سے تھا تو ہر محسوس کی رؤیت سے فنا ہوا تو ہر ایک میں خدا کی ذات نظر آئی یہی معنی ہے رأَیْتُ رَبَّ الْبَیْتِ (میں نے بیت اللہ کے مالک کو دیکھا) ورنہ دنیا میں کوئی آنکھ رب کائنات کو نہیں دیکھ سکتی۔ تیسرے حج میں مقام بقاء وعین میں تھے یعنی خدا کے ساتھ موجود تھے اور اسی کے ساتھ دیکھتے تھے اپنی ذات بھی فنا تھی کوئی مرآت (شیشہ) نہ تھا جس کے توسط سے دیکھتے تو قرب حق کے معنی سے بھی کلی طور پر فنا ہو گیا جس کی طرف یہ شعر مشیر ہے:

فَیَفْنِیْ ثُمَّ یَفْنِیْ ثُمَّ یَفْنِی فَکَانَ فَنَاْهُ عَیْنَ الْبَقَاءِ

فناً پھر فناً پھر فناً ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی فناً عین بقا بن گئی۔

تو اس غیبت میں کمالِ حضور ہوتا ہے۔

سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں:

اے مسکین وہ تھا اور تو نہ تھا وہ ہوگا اور تو نہ ہوگا پس اب جب ہے تو کہہ کہ اب اس طرح ہو جیسے پہلے نہ تھا وہ پہلے کی طرح اب بھی ہے (جس طرح تو فنا میں تھا اب بھی فنا میں ہوا اور فناء میں اتنا فناء ہو کہ یہ فناء عین بقاء و دوام بن جائے کہ رب پہلے کی طرح اب بھی موجود ہے تو تو بھی اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے موجود ہو جا)

ان ادلہ میں سے کہ انبیاً علیہم السلام کائنات میں سیر کرتے ہیں کتاب ''الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام'' امام سیوطی کی اس سے روایت کردہ ہے کہ:

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ہوا میں سے کسی نے سلام کیا تو آپ نے جواب دیا جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا میرے بھائی عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے طواف بیت اللہ کرتے دیکھا تو انہوں نے مجھے سلام کیا تو میں نے اس کا جواب دیا۔

تو اس سے امام ذہبی کے قول کے مطابق ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی، رسول، صحابی اور

افضل صحابہ سے ہیں ان کے بعد ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر بن الخطاب پھر حضرت عثمان بن عفان، ان کے بعد مشکل کشا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ترتیب مشہور کے مطابق ہیں۔

انبیاء کائنات میں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے سیر کرتے ہیں

حضرات انبیاء اس کائنات میں لوگوں کو نفع دینے کے لیے سیر کرتے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہر جگہ و مکان میں موجود ہیں۔

جان لو کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کا قول نبی اکرم ﷺ کون و مکان میں سیر کرتے ہیں الخ حروف منطوق اور اس کے حروف دلالت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ ہر جگہ جلوہ افروز ہیں کہ اس طرح نہ ہو تو لازم آئے گا کہ جب کہیں تشریف لے جائیں تو قبر انور خالی ہو جائے اس وقت آپ کے روضہ کی زیارت کرنے والا صرف اینٹوں کی زیارت کر رہا ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

نیز آپ کا فرمان ہے:

مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو وہ عنقریب بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔

بڑی صریح، قوی دلیل، قوی برہان اور اثبت حجت ہے کہ یہ فرمان مشرق و مغرب جہاں کہیں بھی خواب میں زیارت کرنے والے ہیں سب کو شامل ہے اور جس طرح کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اس کی آخرت میں دیدار کرنے کے ساتھ تاویل درست نہیں کہ وہاں تمام امم آپ کا دیدار کریں گی تو پھر اس میں سب برابر ہو گئے جس نے آپ کو دنیا میں دیکھا یا نہ دیکھا۔

خلاصہ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ حسی، معنوی، جسم و روح، سر اور برہان کے اعتبار سے ہم میں موجود ہیں۔

سوال: امام سیوطی کے قول لَیَسِیْرُ فِی الْکَوْنِ۔ کائنات میں سیر کرتے ہیں کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شبح مجرد سیر کرتا ہے جسم شریف روضہ انور میں موجود رہے جیسا کہ تمہارے کلام سے مستنبط ہوا۔

جواب: یہ معنی اگرچہ فی نفسہ صحیح ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا لیکن یہ معنی لینا مناسب نہیں کیونکہ یہاں نبی اکرم ﷺ کا دیگر انبیائے علیہم السلام سے امتیاز بیان کرنا مقصود ہے اور مقصد ہماری تفسیر کردہ معنی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور یہی حق ہے ورنہ جمیع انبیائے علیہم السلام تشکل، مثال، تطور، اشباح کے تعدد بلکہ ابدال میں مساوی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی اور موت میں کرتے ہیں

خاص مومنین بلکہ عام مومنین جن سے گناہ کبیرہ وغیرہا سرزد نہ ہوئے کیا ابن قیم وغیرہا کے قول پر توجہ نہیں کی جو انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت صالح مروزی جمعہ کے روز حاضر نہ ہو سکے جب تلافی مافات کے لیے آئے تو بعض ارواح کو دیکھا کہ قبور پر ظاہری حالت میں بیٹھی ہیں تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ جمعہ سے دیر کیوں کی تو آپ نے ان سے پوچھا تم روز جمعہ کو پہچانتے ہو تو وہ کہنے لگے ہاں ہم ضرور پہچانتے ہیں اور جو فضا میں پرندہ بولتا ہے وہ بھی جانتے ہیں صالح مروزی نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتا ہے تو وہ کہنے لگے وہ یوم صالح، سعید دن کہتا ہے۔

اس باب میں کثیر اور غیر متناہی واقعات ہیں کہ اموات قبل از وقوع عالم ملک میں واقعات کو جانتے ہیں اسی طرح روح کا جسم کے ساتھ جو تعلق ہے اسے جانتے ہیں۔

حکایت

بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ عباس متوکل علی اللہ کو جب اس کے غلاموں نے اس کے لڑکے کے فریب کی وجہ سے قتل کیا تو لڑکے نے خواب میں دیکھا کہ اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ خلافت کے حصول کی وجہ سے کیا تو مجھے قتل کرتا ہے بخدا نہ تو دنیا میں رہے گا اور نہ تیری خلافت رہے گی اور آخرت میں مستحق عذاب ہوگا تو وہ لڑکا خوفزدہ ہو کر بیدار ہوا، اور اپنا خواب احباب سے بیان کیا تو اس کے بعد تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہا پھر مر گیا۔

اس کے ہم معنی اور بھی حکایات بیان کیں ''کتاب الروح'' میں اس بارے جم غفیر سے نقل کیا۔

حافظ سیوطی کے کلام کا ملخص کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ اور ہر زماں میں موجود ہیں سے مراد ہے یہ اللہ کی عطا یعنی وہبی اور اس قابلیت واہلیت کی بنا پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی اور اسے آپ کے جسدِ اقدس میں ودیعت کیا۔ قوت ملکیہ آپ کو حاصل تھی چنانچہ فرشتے مثلاً جبریل واسرافیل آپ کو مخاطب فرماتے جو کہ رئیس الملائکہ ہیں اس لیے کہ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا کہ حضرت جبریل امین سے قبل اسرافیل تین سال تک آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اس سے حافظ امام سیوطی کے کلام کا معنی اچھی طرح واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ ہم کو تمام مسلمانوں اور جمیع موحدین کو نبی اکرم حبیب خلیل مصطفیٰ نبی رحمت وشفاعت کے ساتھ ہم سب کو جمع کرے اور جنت میں آپ کے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

آل بیت اطہار وصحابہ کبار بالخصوص خلفاء اربعہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ، کے ساتھ ہمارا حشر ونشر کرے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

امام علامہ شیخ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ

کے

فرموداتِ گرامی

جو کہ ان کی کتاب "کبیر" شرح جامع صغیر کے فوائد

سے اخذ کیے گئے ہیں

شیخ عبدالرؤف مناوی کے جواہرات میں سے:۔

آتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ فَاسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِکَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَکَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ اَنَسٍ۔

''میں جنت کے دروازے پر آؤں گا تو دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، خازن جنت پوچھے گا تو کون ہے؟ تو میں کہوں گا محمد (ﷺ) وہ کہے گا تمہارے لیے مجھے حکم ہوا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں (اس کو احمد اور مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا)''۔

اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

''آتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ'' کہ محشر میں حساب سے فارغ ہونے کے بعد جو سب سے بڑا ذریعہ ہے جنت کی طرف آنے کا تو دار الثواب کی طرف آؤں گا وہ باب رحمت ہے یا باب توبہ جیسا کہ نوادر میں ہے

سوال: آنے کے لیے عربی میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایتان اور مجیئی ان دونوں میں سے ایتان کا لفظ یہاں استعمال کرنے میں کیا حکمت و نکتہ ہے۔؟

جواب: دونوں لفظوں میں فرق ہے مجیئی عام ہے سکون و وقار اور اطمینان سے آنے اور تیز تیز اور تھکاوٹ کے ساتھ آنے کو ایتان کے بارے میں جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے۔ مَجِیْئٌ بِسَهُوْلَةٍ۔ آرام کے ساتھ آنا، تو اس لفظ کے لانے میں حکمت یہ ہے کہ آپ بڑے اطمینان، سکون اور آرام کے ساتھ آپ خلعتِ جنت سے ملبوس ہو کر جنت کی طرف تشریف لائیں گے۔

تفسیر کشاف میں زمخشری لکھتے ہیں کہ اہل جنت سوار ہو کر جنت میں جائیں گے جب یہ عام مومنین کی کیفیت ہوگی تو جو ختم المرسلین سید الاولین والآخرین ہیں ان کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔

فَاسْتَفْتِحُ۔ میں سین برائے طلب اس سے تعبیر کرنے کا مقصد اس کے مدخول کے یقینی اور قطعی ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے یعنی میں دروازے کے کھلنے کا مطالبہ کروں گا وہ آواز دے کر نہیں بلکہ دستک دے کر جیسا کہ امام احمد کی روایت میں ہے کہ میں باب جنت کے کنڈے کو پکڑ کر دستک دوں گا۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میں سب سے بیشتر باب جنت پہ دستک دوں گا تو خازن (محافظ) جو رضوان جنت کے نام سے مشہور ہے اور خازن جنت متعدد

ہیں مگر رضوان ان سب کا سردار ہے تو سید الرسل کے لیے خازنین کے سردار کو ہی استقبال کرنا چاہیے۔ مَنْ اَنْتَ استفہام کا جواب دیا اور اس پر کاف خطاب سے آپ کو مناجات کرنے سے تلذذ حاصل کیا ورنہ ابواب جنت شفاف ہیں اور آپ کی ذات وہ ہے جو مشتبہ نہیں بلکہ متمیز ہے جس میں التباس نہیں اس سے قبل خازن نے آپ کو دیکھا ہوا ہے اور پہچانتا بھی ہے اسی لیے آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر خاموشی اختیار کی اگرچہ اس نام کے لوگ کثیر ہیں پھر خازن کہے گا کہ تمہارے لیے مجھے حکم ہوا کہ آپ سے قبل کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ:

لَا اَقُوْمُ بَعْدَ ذَالِکَ لِاَحَدٍ۔ آپ کے بعد کسی کے لیے کھڑا نہ ہوں گا۔

بایں سبب کہ اس خازن کا صرف آپ کے لیے قیام کرنے میں آپ کی عظمتِ شان اور اظہار مرتبت ہے کہ وہ آپ کے سوا کسی کے لیے کھڑا نہ ہوگا بلکہ آپ کے لیے تو تمام خازنین جنت قیام کریں گے تو آپ ان کے لیے شہنشاہ کی مانند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کی خدمت کے لیے کھڑا کر دیا یہاں تک کہ اس کی طرف تشریف لائیں اور جنت میں قدم رنجہ فرمائیں وہ آپ کی خوشنودی کے لیے باب جنت کھولے۔

اس میں اشکال ہے کہ آپ سے پہلے کوئی جنت میں داخل ہوا یا نہیں کہ حضرت دریس علیہ السلام وصال کے بعد جنت میں داخل ہوئے اور مسند امام احمد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال سے فرمایا کہ اے بلال کس عمل کے ذریعہ تو مجھ سے سبقت لے گیا کہ جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تیرے قدموں کی جوتیوں کی آواز سنی۔

اسی طرح ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے میں بابْ جنت کھلواؤں گا تو ایک عورت مجھ پر سبقت لے جائے گی میں پوچھوں گا تو کون عورت ہے؟ تو وہ جواب دے گی کہ میں وہ عورت ہوں جو یتیم بچوں کی تربیت کی وجہ سے دوبارہ نکاح نہ کر سکی۔

بیہقی کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے جو باب جنت پر دستک دے گا وہ غلام جس نے حق اللہ اور حق مولیٰ دونوں ادا کیے ہوں گے۔

جواب: اس کے کثیر جواب دیئے گئے ہیں لیکن احسن جواب کہ آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے یہ ہے کہ آپ کا دخول جنت متعدد مرتبہ ہوگا ایک دخول وہ ہوگا جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکے گا اور نہ ہی آپ سے قبل جنت میں داخل ہوگا اور اس کے دیگر دخول کے مابین کسی دوسرے کا دخول جنت ہوگا۔

محشر حافظ ابن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے مرفوع روایت کیا کہ میں پہلا شخص ہوں گا کہ جس کی قبر عرصات محشر میں سب سے پہلے کھلے گی اور اس پر فخر نہیں۔ روز حشر میں سب لوگوں کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس پر فخر نہیں تو میں باب جنت کو کھٹکھٹاؤں گا تو محافظین دریافت کریں گے کہ کون؟ تو میں کہوں گا کہ میں محمد ﷺ ہوں تو وہ میرے لیے باب جنت کھولیں گے تو جبار کو اپنے سامنے پاؤں گا تو اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا تو وہ فرمائے گا:

اِرْفَعْ رَاسَکَ وَقُلْ تُسْمَعُ لَکَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

''اپنا سر سجدہ سے اٹھا لیجیے کہیے آپ کی بات مانی جائے گا سفارش کیجیے آپ کی سفارش قبول ہوگی''۔

تو میں سجدہ سے اٹھ کر کہوں گا اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔ میری امت، میری امت تو خالق کائنات ارشاد فرمائے گا اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیے جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو اس کو جنت میں داخل کر لیجیے تو میں ایسے ہی کروں گا کہ جس کے دل میں بھی جو کی مقدار برابر ایمان ہوگا اسے جنت میں داخل کروں گا پھر رب تعالیٰ کے حضور سجدہ کروں گا۔ الحدیث۔ آپ کے چار بار جنت میں داخل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ بخاری شریف میں اس کی مثل حدیث شریف ہے جس سے تمام اشکال دور ہو گئے اور تکلفات میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔

ابو داؤد شریف میں ہے حضرت ابو بکر صدیق اس امت میں سے سب سے پہلے شخص جنت میں داخل ہوں گے شاید اس سے مراد ہو کہ مردوں میں سب سے پہلے ورنہ حافظ امام سیوطی نے جزم وتیقن کے ساتھ لکھا ہے کہ:

حضور علیہ السلام کے بعد خاتون جنت جنت میں داخل ہوں گی

کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے پہلے آپ کی بیٹی سیدۃ فاطمۃ الزہریٰ سلام اللہ علیہا جنت میں داخل ہوں گی۔

ابو نعیم کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت میں جاؤں گا اور میرے بعد میری لخت جگر فاطمہ داخل ہوگی۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح ہے:

اَکُلُ کَمَا یَاکُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ۔ رَوَاہُ اِبْنُ سَعْدٍ وَاَبُوْ یَعْلٰی وَاِبْنُ حَبَّانِ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا۔

''میں تناول کرتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور غلام کی طرح ہی بیٹھتا ہوں (اس کو ابن سعد، ابویعلیٰ اور ابن حبان نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کیا)''۔

اس کی شرح میں فرمایا:۔

بیٹھنے اور کھانا تناول کرنے کی کیفیت اور جو کھانا موجود ہو وہی خوش ہو کر تناول فرمالینا خشوع و تواضع کے طور پر ہے یعنی مودب ہو کر طعام تناول کرنے کے لیے بیٹھتا ہوں۔ متکبرین کی طرح تکیہ لگا کر نہیں بیٹھتا اور نہ ہی چوڑا ہو کر تو العبد سے خشوع و خضوع والا انسان مراد ہے۔ اَجْلِسُ میں متواضع انسان کی طرح بیٹھتا ہوں ایک شہنشاہ کی طرح نہیں متخلق باخلاق اللہ ہونا اوصاف بشریہ میں سے اعلیٰ وصف ہے اس وصف میں آپ کے ساتھ بعض دیگر انبیاء بھی شریک ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی تخصیص اس لیے کی کہ آپ عبد مطلق ہیں اور دیگر انبیاء اپنے اسماً کے ساتھ عبد مقید ہیں جیسے فرمایا:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ (ص:17)

''اور ہمارے بندے داوٗد نعمتوں والے کو یاد کرو''۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ (ص:41) ''اور یاد کرو ہمارے بندہ ایوب کو''۔

پس کمال عبدئیت کائنات ارض و سماً میں آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں ماسوا اللہ سے کمال حریت بھی آپ کو ہی حاصل ہے۔

اس حدیث سے مقصود رفق و نرم مزاجی کا حصول اور تشدد و سخت مزاجی سے دوری ہے۔ تو یہ اختصاص کی ابتداء اصطفاً کی بنیاد عبودیت کا تحقق، ماقبل کا ثمر اور مابعد کی بنیاد و اساس ہے۔ آقا علیہ السلام نے اسے تعلیم امت کے لیے ارشاد فرمایا کہ چونکہ آپ مربی ہیں اور تربیت کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے کہ اپنی ذات میں موجود صفات کی خبر دے کر تربیت دینا حالانکہ انسان کی ذات عبادت و عادت میں مختلف ہوتی ہے۔

آپ کی عبادت

تو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتے گویا کہ اسے دیکھ رہے ہیں اور اس کے کلام کو سن رہے ہیں آپ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ مراقبہ کے طریق پر چلتے تو جو دوسروں کو حاصل ہوتا ہے وہ آپ کو عادت میں حاصل ہوتا انسان کا یہ مقام مقامِ احسان ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا تناول کرنا مکروہ ہے

اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ تکیہ لگا کر کھانا وغیرہ تناول کرنا مکروہ ہے۔

ام المومنین عائشہ جو اس حدیث کی راوی ہیں۔ امام مناوی نے اس حدیث کی راوی حضرت عائشہ کا ذکر کیا اور یہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق ہیں جو ہر عیب سے پاک فقیہ، عالمہ عاملہ، مصطفیٰ ﷺ کی محبوبہ تھیں آپ فرماتی ہیں کہ ایک دن سرور کائنات ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

یَاعَائِشَۃَ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ

''اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے''۔

میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا حجم و جسم بقدر کعبہ شریف تھا عرض گزار ہوا کہ:

اِنَّ رَبَّکَ یَقْرَءُ کَ اَلسَّلاَ مَ۔ بیشک آپ کا رب آپ کو سلام بھیجتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

اِنْ شِئْتَ کُنْتَ نَبِیاً مَلِکاً وَاِنْ شِئْتَ عَبْداً۔ آپ بادشاہ نبی بننا چاہتے ہیں یا عبد نبی۔

تو جبرئیل نے میری طرف اشارہ کیا کہ اپنے نفس کو متواضع رکھیے تو میں نے کہا عبد نبی بننا چاہتا ہوں تو اس کے بعد کبھی تکیہ لگا کر کوئی چیز تناول نہیں فرمائی اور فرمایا کہ میں عبد کی طرح کھاتا ہوں اور عبد کی طرح بیٹھتا ہوں۔

اس حدیث کو بیہقی نے یحییٰ بن کثیر سے مرسل روایت کیا اور اس میں یہ زیادہ روایت کیا کہ اِنَّمَا اَنَاعَبْدٌ۔ بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں۔

ہناد نے عمرو بن مرہ سے روایت کیا اس میں ان الفاظ کی زیادہ روایت کی:۔

لَوْکَانَتِ الدُّنْیا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَاسَقَی کَافِراً مِنْھَا کَأْساً۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کی مکھی یا مچھر کے برابر بھی قدر و قیمت ہوتی تو اس سے کسی کافر کو ایک پیالہ پانی کا نہ پلاتا۔

سیدّ الرسّل ﷺ کا رفعتِ ذکر

امام مناوی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:۔

اَتَانِیْ جَبْرِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبِّیْ وَرَبُّکَ یَقُوْلُ لَکَ تَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ قُلْتُ اَللّٰہُ اَعْلَمُ قَالَ لَا اُذْکَرُ اِلَّا ذُکِرْتَ مَعِیْ (رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَابْنُ حَبَّانٍ وَالضِیَاُ فِیْ الْمُخْتَارِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ)

''میرے پاس جبریل آمین آئے تو کہا بیشک میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کس طرح میں نے تیرا ذکر بلند کیا ہے میں نے کہا اللہ بہتر جانتا ہے اللہ نے کہا جب بھی میرا ذکر ہوگا تو ساتھ تیرا ذکر بھی ہوگا۔ (ابو یعلیٰ، ابن حبان اور ضیاٗ نے مختارہ

میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)"۔

آتیٰ کا لفظ کمال عنایت پر تنبیہ اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو آپ کی عظمت و رفعت ہے اس کے اظہار کے لیے زیادہ کیا ہے۔

لَا اُذْکَرُ اِلَّا ذُکِرْتَ مَعِیْ سے مقصود رفعتِ ذکر کی کثرت مواطنِ معروفہ میں بیان کیا ہے مثلاً خطبات، تشہد اور اذان وغیرہا کی جہاں توحید کی شہادت بیان ہو گی وہاں شہادتِ رسالت بھی ضرور مذکور ہو گی(1)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبیب اللہ ہیں

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح ہے:۔

اِتَّخَذَاللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا وَمُوْسٰی نَجِیاً وَاتَّخَذَنِیْ حَبِیْباً ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَاُوْثِرَنَّ حَبِیْبِیْ عَلٰی خَلِیْلِیْ وَنَجِیِّ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُ وَالْحَاکِمُ وَالدَّیْلَمِیُ وَابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ)۔

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل اور موسیٰ کو نجی اور مجھے حبیب بنایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ میں اپنے حبیب کو خلیل و نجی پر فضیلت دوں گا (اس کو بیہقی، حاکم، ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)"۔

مناوی نے کہا کہ امام راغب خلت کے متعلق رقم طراز ہے کہ یہ بندہ کی طرف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں۔ لہٰذا ابراہیم کو خلیل اللہ کہا جاتا ہے لیکن اللہ کو خلیل نہیں کہہ سکتے۔

اس میں صرف صداقت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج بھی ہے اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے مگر اس وصف سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس لیے مخصوص کیا کہ انہوں نے تمام اعراض دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے ذاتِ باری تعالیٰ پر اعتماد کیا یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا(2) جبریل آمین مدد کو آئے تو آپ نے فرمایا:

اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ مجھے تیری کسی قسم کی مدد و اعانت کی ضرورت نہیں۔

خالق و مالک کی رضا کے لیے اپنے لختِ جگر جناب اسماعیل علیہ السلام کے حلقوم پر چھری چلائی۔

مُوْسیٰ نَجِیّ۔ نجیّ کا معنی مناجات کرنے والا، سرِ طور پر مخاطب ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان:۔

1۔ اذاں ہی نہیں ہر جگہ دیکھ لو تم — پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا

2۔ جانتا ہے وہ میرا رب جلیل — کہ آگ میں پڑ رہا ہے اس کا خلیل

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ (مریم:52)

"اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے ندا دی اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا"۔

وَاتَّخَذَ نَبِیْ حَبِیْبًا۔ حبیب بروزن فعیل صفت مشبہ بمعنی اسمِ مفعول ہے جتنے بھی اوصاف انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے ان تمام سے یہ اعلیٰ درجہ وصف ہے۔ لَاُثِرَنَّ اَیْ لَاُفَضِّلَنَّ میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل ابراہیم اور اپنے نجی موسیٰ پر فضیلت دوں گا تو آپ افضل الرسل، کمال اور جامع جمیع صفات ہیں پس آپ حبیب، خلیل نجی متکلم و مشرف ہیں۔

بعض نے کہا کہ حبیب کو خلیل پر قیاس کرنا بعید ہے کہ حبیب جہت قلب سے ہے محاورہ ہے حَبَبْتُهٗ اَیْ اَصَبْتُ حُبَّةَ قَلْبِهٖ۔ کہ میں نے اس کی محبت قلبی کو پالیا خلیل خلعت سے اس کا معنی حاجت ہے تو نظر کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب پر فضیلت دی جیسا کہ طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خلت ابراہیم کو، کلام موسیٰ کو اور نظر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی۔

رسولِ خدا آگے پیچھے یکساں دیکھتے ہیں

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس فرمانِ رسول کی توضیح ہے:۔

اَتِمُّوْا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَرَاءِظُهُرِیْ اِذَارَکَعْتُمْ وَاِذَا سَجَدْتُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالشَّیْخَانِ وَالنَّسَائِیْ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔)

رکوع اور سجود کو پورا کرو قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بیشک میں تم کو پسِ پشت بھی دیکھتا ہوں جب تم رکوع اور سجود کرتے ہو (اس کو امام احمد، شیخین اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔) اس کی توضیح میں مناوی رقمطراز ہے اس روایت سے رؤیت ادراک مراد ہے تو یہ توجیہ مردود ہے کہ الفاظ میں عموم ہے اور یہ رؤیت فرق عادت ہے اور اس سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ جو آنکھ کو قوتِ بینائی عطا کرسکتا ہے وہ جسم کے کسی حصہ میں بھی قوتِ بینائی رکھ سکتا ہے۔

بعض علماء نے توجیہ کی کہ یہ رؤیت قلبی بذریعہ وحی مراد ہے یہ توجیہ مردود ہے کہ الفاظ میں عموم ہے بلا وجہ تخصیص کی ضرورت نہیں لہٰذا یہ ظاہر پر محمول ہے اور یہ ابصار رؤیت حقیقی ہی مراد ہے جو خرق عادت آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت نماز کے مخصوص ہے اور عموم کا بھی احتمال ہے متقدمین کی ایک جماعت نے عموم کے ساتھ تصریح کی ہے مطامح کے قول کو نہیں دیکھا

کہ حضور اقدس ﷺ اپنے پیچھے دیکھتے کیونکہ آپ ہر جانب سے دیکھتے تھے کہ آپ نور ہیں۔ یہ آپ کا عظیم معجزہ ہے اسی لیے آپ کا سایہ نہ تھا کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اور ایک دیوار میں آپ کے لیے جنت دوزخ متجلّی ہوئی۔ مطامح قاضی عیاض کی ایک کتاب ہے۔

آپ کو خزائن ارض کی چابیاں دی گئیں

امام مناوی نے اس حدیث پاک کی تشریح کی:۔

اُتِیْتُ بِمَقَالِیْدِ الدُّنْیَا عَلٰی فَرَسٍ اَبْلَقَ جَاءَ نِیْ بِهٖ جَبْرِیْلُ عَلَیْهِ قَطِیْفَةٌ مِنْ سُنْدُسٍ۔ (رواہ امام احمد)

"مجھے ابلق گھوڑے پر رکھ کر زمین کی چابیاں دی گئیں جن کو جبریل امین لائے ان پر سندس کا کپڑا تھا"۔

مقالید دنیا سے زمین کے خزانوں کی چابیاں مراد ہیں جس طرح بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس سے اس کی تفسیر ہو رہی ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے۔ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ خزائن سے زمرد، یاقوت، ہیرا، چاندی کی معدنیات مراد ہیں۔ یا ممالک جو زمین پر ہیں یا وہ ممالک جو مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئے۔ جَآءَ نِیْ جِبْرِیْلُ۔ ایک روایت میں اسرافیل ہے دونوں میں تعارض نہیں کہ اگر آنے والے متعدد ہوں تو یہ بالکل واضح ہے کہ آنے والے جبریل اور آپ کی صحبت میں اسرافیل پہلے سے بیٹھے ہوں اور نبی عبد یا نبی ملک ہونے کی بشارت دی ہو تو آپ نے پہلے تو اختیار فرمایا اور خزائن ارض کے تصرف کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض غروب کے بعد ردِ شمس، قمر، رجم نجوم، اختراق، آسمان، بارش کا روکنا اور اس کا ارسال ہوا کا چلانا اور روکنا اور سایہ کرنا وغیرہا معجزات عطا کئے۔ قَطِیْفَةٌ۔ کا لغت میں معنی ہے مخملی چادر۔ السُّنْدُسُ۔ باریک ریشمی، گھوڑے پر سوار ہونے میں حکمت یہ ہے حضور اقدس ﷺ تمام ممالک سرخ، سیاہ اور سفید کے مالک ہو جائیں گے۔

حدیث شریف اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ کی تشریح

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔ (رواہ ابن السمعانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

میرے رب نے مجھے ادب کی تعلیم دی تو خوب دی۔

امام مناوی نے اس کی تفسیر یوں کی کہ میرے رب نے مجھے ریاضت نفس اور محاسن اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی تعلیم دی۔ ادب کہتے ہیں نفس کو جو اخلاق حسنہ اور علوم مکتسبہ سے حاصل ہو۔ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔ علوم وہبیہ عطا فرمائے جو کسی بشر کو عطا نہ ہوئے بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو مبعوث

کرنے کا ارادہ کیا تو اداب عبودیت سکھائے اور مکارم اخلاق ربوبیت سے مہذب کیا تا کہ ظاہر عبودیت کائنات کے لئے نمونہ عمل ہو جیسا کہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:۔

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

آپ کا حال باطن صادقین اور صدیقین کے لیے متابعت میں آئینہ ہو جیسا کہ فرمایا:

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)

''میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا''۔

قرطبی رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے آپ کو محفوظ رکھا اور خود تادیب کی تعلیم دی کسی ایک چیز میں غیر کا محتاج نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے احوال جاہلیت سے آپ نے نفرت کی اور ان سے دور رہے یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر کمال لطف ہے کہ جمیع محاسن آپ میں جمع کر دیئے یہ تعلیم شانِ ادب سے ہے مَالَا یَخْفِیْ۔

بعض نے اس کی تشریح کی کہ اللہ تعالیٰ نے روح نبی کو ادب کی تعلیم دی اور محل قرب میں روح کے جسم کے ساتھ اتصال سے قبل لطف و ہیبت کے ساتھ تربیت کی تا کہ لطف کے ساتھ انس اور ہیبت کے ادب کامل ہو جائے۔ روح کے بدن کے ساتھ اتصال کے بعد اور کمالات کا قوت سے فعل کی طرف اخراج ہو اور روح و بدن دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کمالات حاصل کریں اہل کمال کے لیے معیار ہو۔

ادب، قول و فعل میں سے مستحسن کا استعمال کرنا ہے۔

بعض نے کہا مکارم اخلاق کے اخذ کرنے کا نام ادب ہے۔

بعض نے کہا مستحسنات پر مطلع ہونے کو ادب کہتے ہیں۔

بعض نے کہا اپنے مافوق کی تعظیم ماتحت سے شفقت اور بعض نے اس کے علاوہ معانی بیان کیے۔

اس کے بعد سمعانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ اَدَّبَنِیْ فَاَحْسَنَ اَدَبِیْ ثُمَّ اَمَرَنِیْ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ

''بیشک اللہ نے مجھے ادب کی تعلیم دی تو بہت احسن دی پھر مجھے مکارم اخلاق کا حکم دیا''۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف)

''اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو''۔

یہ سمعانی کی روایت کا سیاق مجروفہ ہے اس میں مؤلف یعنی امام سیوطی نے کچھ تصرف کیا ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو رہا ہے۔

زرکشی نے کہا حدیث اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔ اس کا معنی صحیح ہے لیکن طریق صحیح سے روایت نہیں ہوئی سبط ابن جوزی نے اسے مرآۃ الزمان میں حضرت علی سے روایت کیا اور اس میں کہا:

فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاکَ تُکَلِّمُ الْوُفُوْدَ بِکَلَامٍ اَوْلِسَانٍ لَا نَفْھَمُ اَکْثَرَہٗ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَدَّبَنِیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ۔

''عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کو دیکھتا ہوں مختلف وفود آپ کے پاس آتے ایسی زبان یا کلام میں گفتگو کرتے ہیں جس کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھتے تو آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے ادب کی تعلیم دی اور خوب دی اور بنی سعد قبیلہ میں نشو ونما پائی''۔

تو حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم سب عرب ہیں لیکن آپ سب سے زیادہ فصیح ہیں تو فرمایا جبریل میرے پاس لغت اسماعیل وغیرہا لائے تا کہ وہ مجھے سکھائیں۔ ابوالفضل بن ناصر نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

مؤلف یعنی امام سیوطی نے کہا اور عسکری نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ بنو نہد بن زید قبیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگا ہم آپ کے پاس تہامہ سے آئے ہیں اور ان کے خطوں اور جو آقا علیہ السلام نے ان کو جواب دیئے ان کا ذکر کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایک باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی شہر ہے تو آپ عربی ایسی زبان میں تکلم کرتے ہیں کہ ہم اسے اکثر نہیں سمجھتے۔ رسول پاک نے فرمایا: اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ الخ۔

ابن عساکر نے روایت کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! میں نے عرب میں سیر کی فصحاء کے کلام سنے لیکن آپ سے زیادہ فصیح اللسان نہیں پایا آپ کو کسی نے تعلیم دی؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ادب کی تعلیم دی اور بنی سعد میں نشو ونما پائی۔

اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو۔

امام مناوی نے اس حدیث:

اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَحُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَآءَۃِ الْقُرْآنِ فَاِنَّ حَمَلَۃَ الْقُرْآنِ فِیْ ظِلِّ اللّٰہِ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ مَعَ اَنْبِیَائِہٖ وَاَصْفِیَائِہٖ۔

اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو اپنے نبی اور اہل بیت رسول کی محبت اور قرآن کی تلاوت اس لیے کہ حاملین قرآن اس دن اللہ کے سایہ میں ہوں گے جس روز کسی کا سایہ نہ ہوگا اپنے انبیاء واصفیاء کے ساتھ۔(رواہ ابو نصر الشیرازی فی فوائدہ والدیلمی وابن النجار عن علی کرم اللہ وجہہ)

کی تشریح میں کہ اس محبت سے محبت ایمانیہ مراد ہے کہ محبت طبعی غیر اختیاری ہے اور یہ واجب ہے کیونکہ آپ کی محبت احکام شرعیہ پر مجبور کرتی ہے۔

سمعانی نے کہا والدین پر اپنی اولاد کو اس بات کی تعلیم دینا واجب ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے ثقلین کی طرف مبعوث ہوئے مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے اور آپ کی اطاعت ومحبت فرض ہے۔

ابن قیم نے کہا سب سے قبل جو بچے کے کان میں آواز پہنچے تو معرفت توحید الٰہی کی آواز ہو بنی اسرائیل بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

نبی پاک کے پسندیدہ اسماء

رسول اکرم ﷺ کو وہ اسماء بہت پسند تھے جو اللہ کی طرف منسوب ہوں مثلاً عبداللہ، عبدالرحمٰن کہ جب کچھ سمجھ دار اور عقلمند ہو تو اسے معلوم ہو کہ وہ عبداللہ (اللہ کا بندہ) ہے پھر نبی اکرم ﷺ کی معرفت ومحبت لازم ہے۔

فائدہ

اس حدیث سے ثابت ہوا ہے تعلیم دینا واجب اور حق لازم ہے جس طرح والدین کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے حقوق والدین پر لازم ہیں بلکہ پہلے تنزیل میں آباء کے لیے اولاد کو تعلیم دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا۔

جو شخص اولاد کو اس کی زندگی وآخرت میں نفع مند وضرر دہ اشیاء کی تعلیم میں کوتاہی کرتا ہے وہ گنہگار اور مجرم ہے اولاد کے نافرمان ہونے کا ایک سبب نفع ونقصان کی اشیا کی تعلیم دینا ہے۔اسی لیے بعض بچے والدین سے کہہ دیتے ہیں آپ نے مجھے بچپن میں ضائع کر دیا اور میں آپ کو بڑھاپے میں ضائع کروں گا یعنی آپ نے بچپن میں میرا خیال نہیں کیا تو میں تمہارا تمہارے بڑھاپے میں کچھ خیال نہ کروں گا۔

اذان سن کر دعائے وسیلہ مانگنے والا مستحق شفاعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہرات میں سے درج ذیل حدیث کی تشریح ہے:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى

عَلیَّ صَلاَ ةً صَلّٰی اللّٰہ علیہ عَشَراً ثُمَّ صَلُّوْا اللّٰہَ لِیْ اَلْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَامَنْزِلَۃٌ فِیْ الْجَنَّۃِ لاَ یَنْبَغِیْ اِلاَّ لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْاَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَفَمَنْ سَاَلَ لِیْ اَلْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ (رَوَاہُ الاِمَامُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَالتِّرْمَذِیْ وَالنَّسَائِیْ وَاَبُوْدَاوٗدَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ)۔

''جب تم مؤذن سے آذان سنوتو تم وہی کلمات کہو جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر صلاۃ پڑھو کہ جو مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو کہ وہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے جو اپنے مخصوص بندوں میں سے ایک کو عطا کرے گا مجھے امید ہے کہ وہ میں خود ہو گا جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی تو وہ مستحق شفاعت ہو گیا''۔ (اس کو امام احمد، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا)

اس میں آقا علیہ السلام اَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ ۔ترجی کے کلمات ادب وتشریح کی بنا پر ارشاد فرمائے ہیں ورنہ آپ افضل کائنات ہیں اور آپ کو یقین محکم ہے وہ مقام آپ کے لیے مخصوص ہے۔

جس شخص کا نام محمد ہو اس کی توہین ممنوع ہے

امام مناوی نے اس کلام رسول اللہ ﷺ کی تشریح کی:

اِذَا سَمَّیْتُمْ مُحَمَّداً فَلاَ تَضْرِبُوْہُ وَلاَ تُحْرِمُوْہُ۔(رواہ البزار عن ابی رافع)

''جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اسے نہ مارو اور نہ محروم رکھو''۔

یعنی بغیر تادیب کے نہ مارو، نہ احسان، بھلائی سے محروم کرو۔ رسول اکرم ﷺ کے ہمنام ہونے کے احترام کی وجہ سے۔

حدیث پاک کہ جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اسے جگہ دو اس کے چہرہ کو قبیح نہ کہو اس کو خطیب نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا اس کے تحت مناوی رقمطراز ہے یعنی اسے یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو قبیح و برا کرے۔

ابن عدی نے حضرت جابر سے مرفوع روایت کیا میں دستر خوان پر کھانا نہیں کھاتا اور نہ کوئی قوم اس پر بیٹھتی مگر ان میں میرا ہمنام ہو تو روزانہ انہیں دو بار مقدس ومطہر کیا جاتا ہے۔

طبرانی اور ابن جوزی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا جب کوئی قوم مشاورت کے لیے

بیٹھے اوران میں میرا کوئی ہمنام ہوتوان کی مشاورت میں برکت ہوتی ہے۔

نبی علیہ السلام بروزحشر خطیب الانبیاء ہوگے

حضورﷺفرماتے ہیں:

اِذَاکَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَیْرَ فَخَرٍ (رواه احمد والترمذی والحاکم وابن ماجه عن ابی کعب رضی الله عنه)

"روزحشر میں انبیاء کا امام، خطیب اورصاحب شفاعت ہوں گا اور میں کوئی فخرنہیں"۔

علامہ مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں روزحشر کا ذکراس لیے کیا وہ آپ کی سیادت کے ظہور کا دن ہوگا۔

جب آپ افضل الاوّلین والآخرین ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے امام ہوں گے اور وہ آپ کے مقتدی اور آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور آپ ان کے خطیب کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی محامد کا خطبہ پڑھیں گے جوکوئی اورحمد نہ کرسکے گا اس وقت کلام فرمائیں گے جب تمام لوگ اپنے عذر بیان کرنے سے ساکت ہوں گے تو آپ ان کے اعتذار رب تعالیٰ کے حضور بیان فرمائیں گے تو آپ خالق کائنات کی حمدوثناء جواس کی شان کے لائق ہے بیان کریں گے۔مِنْ غَیْرِ فَخْرٍ یہ بات فخر یہ طور پر نہیں کہتا بلکہ بطورتحدیث نعمت یعنی جوشان مخفی ہے اس کا اظہار مقصود ہے جیسے یوسف نے فرمایا تھا:

اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ (یوسف:55)

"مجھے زمین کے خزانوں پر کردے"۔

جوامع الکلم کا مطلب

آقا علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے نہایت اختصار کے ساتھ کلام پر قدرت دی۔اس کوابویعلیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اس کی شرح میں مناوی فرماتے ہیں جامع کا معنی ہے جوکمالات انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے وہ سب آپ میں جمع ہیں اور آپ ان کے جامع ہیں اوراس کے علاوہ غیر متناہی کمالات بھی آپ میں موجود ہیں جوامع میں سے آپ کی فصاحت وبلاغت ہے۔

اُعْطِیْتُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ مِنَ الذِّکْرِ الْاَوَّلِ کی تشریح

سرور کائناتﷺفرماتے ہیں مجھے ذکراول سے سورت بقرہ اورطٰہٰ،طواسین،حوامیم الواح

موسیٰ سے فاتحہ الکتاب اور خواتیم سورت بقرہ تحت العرش سے اور مفصل زائد عطا کی گئیں اسے حاکم نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کی شرح میں علامہ مناوی رقمطراز ہیں کہ الذکر الاول یعنی ذکر اول کے عوض کلاباز ی نے اپنی بحر میں کہا وہ صحائف عشرہ اور تین کتابیں سورت بقرہ، صحائف اور کتب سماویہ کے علوم و معارف کو متضمن ہے الواح موسیٰ یعنی ان کے عوض ان احکام و مواعظ جو الواح موسیٰ میں درج ہیں کو متضمن ہے ابن حجر فرماتے ہیں کتاب موسیٰ کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ کتاب انجیل سے بہت وسیع ہے۔ نافلۃ۔ یعنی زیادہ یہ فاتحہ، خواتیم اور مفصل کی طرف راجع ہے یعنی ان میں جو احکام و اسرار وغیرہ مذکور ہیں جو سابقہ کتب سماویہ سے زائد ہیں ان کی مثال کسی نبی پر نزول نہیں ہوا۔ نافلہ صرف مفصل کی طرف راجع نہیں اس کے ذکر سے مقصد اس کی تصریح ہے کہ فاتحہ و خواتیم حضور علیہ السلام کے خصائص سے ہے کثیر علماء نے اس پر جزم کیا آئندہ حدیث میں فُضِّلْتُ بِالْمُفَصِّلُ (مجھے مفصل سے ترجیح دی گئی) یہ دوسری سورت کے ساتھ فضیلت کے منافی نہیں۔

فائدہ

اس میں اشارہ ہے قرآن کریم کا کچھ حصہ کی مثل پہلی کتاب میں موجود ہے بعض آثار میں ہے تورات کا اول اَنْعَامْ اور اس کا آخر ھُوْدْ۔ اور بعض قرآن بعض سے افضل ہے بعض علماء نے کہا کہ قرآن علم الاولین والآخرین کا جامع ہے تو امم ماضیہ کا علم خاص اور اس امت کا علم عام ہے اہل کتاب کا علم قلیل ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا''۔

اور ابن عباس سے اسے مَا اُوْتُوْا (نہیں دیئے گئے) اور اس امت کا قلیل ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ (بقرہ:269)

''جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی''۔

فضیلت آیت الکرسی

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مجھے آیت الکرسی عرش کے تحت سے دی گئی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ اور ابن ضریس نے حسن بصری سے مرسل روایت کیا۔

مناوی نے اس کے تحت کہا عرش کے نیچے خزانے سے جس طرح ایک روایت میں اس کی تصریح موجود ہے بقیہ حدیث ''مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئی''۔

اسی لیے فاضل مصنف یعنی امام سیوطی نے کہا کہ آپ کی خصوصیات سے ہے کہ عرش کے خزانے

سے دیئے گئے جو پہلے کسی کو عطا نہ ہوئے ان میں سے بسم اللہ، فاتحہ، آیت الکرسی، خواتیم سورت بقرہ اور طوالِ سبع اور مفصل ہیں۔

پھر مناوی نے کہا اس کو دیلمی نے مسلسل ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ ہر راوی نے کہا جب سے میں نے اسے سنا کبھی ترک نہیں کیا حدیث ابی امامہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی سے سنا آپ فرماتے ہیں میں کسی عقل مند کو نہیں دیکھتا جو سونے سے پہلے یہ آیت نہ پڑھتا ہو۔ وہ یہ آیت ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ (بقرہ:254) الخ

"اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اوران کا قائم رکھنے والا ہے"۔

اگر تمہیں اس کی اہمیت کا علم ہوتا یا جو کچھ اس میں ہے تو تم کسی حالت میں بھی اسے ترک نہ کرتے۔ اور پھر حدیث مذکورہ بالا بیان کی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں نے یہ آیت الکرسی نہ پڑھی ہو۔ ابوامامہ نے بھی اسی طرح کہا کہ میں نے کبھی اسے ترک نہیں کیا اسی طرح دوسرے روات نے بھی یہی کہا۔

پانچ خصوصیات کا ذکر

حدیث شریف میں ہے کہ مفخر موجودات ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ کچھ عطا ہوا جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔ میری رعب سے مدد کی گئی۔ مجھے زمین کے خزانے عطا ہوئے۔ احمد نام رکھا گیا۔ میرے لیے مٹی کو پاکیزہ کیا گیا۔ اور میری امت کو خیر امم بنایا گیا۔ اس کو امام احمد نے جناب علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔

خَزَائِنُ الْاَرْض یہ استعارہ ہے اس وعدہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ممالک کے فتوح کا آپ سے کیا۔ خزائن خزانہ کی جمع ہے خزانہ کہتے ہیں جس میں کوئی چیز چھپائی جائے یا اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں تاکہ آپ مستحقین کے لیے بقدر استحقاق خزانوں کو نکالیں۔ پس جو کچھ کائنات میں جس کسی کو مل رہا ہے وہ اسی سے مل رہا ہے جس کے دستِ اقدس میں چابیاں ہیں باذن خالق و مالک۔ پس جس طرح علم غیب کل کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں اسی طرح موہوبات کے خزائن کی چابیاں اس کے پیارے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا جس کسی کو جو مل رہا ہے وہ آپ کے دستِ رحمت سے مل رہا ہے۔ سُمِّیْتُ اَحْمَدَ۔ یہ نام آپ سے قبل کسی کا نام نہ تھا۔ اس لیے کہ کسی ضعیف قلب وشکی کے دل میں یہ احساس پیدا نہ ہوا کہ کتب سماویہ میں جس احمد کی تعریفات ہیں وہ کوئی اور ہو۔ جُعِلَ التُّرَابُ۔ شرعی یا

حسی طور پر پانی موجود نہ ہونے کے وقت مٹی کو پاک بنا دیا۔ جُعِلَتْ اُمَّتِیْ خَیْرَ الْاُمَمِ۔ یہ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہوان سب امتوں سے جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

آپ کی امت کا شرف آپ کا شرف ہے۔

خصائص کا ان پانچ میں حصر نہیں کہ مسلم شریف میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر چھ اشیاء سے فضیلت دی گئی۔ ایک روایت میں سات اور دیگر روایات میں اس سے بھی زائد کا ذکر ہے ان میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آپ پہلے بعض پر مطلع ہوئے، پھر کچھ اور پر یا کچھ مخاطب کو معلوم تھیں اس لیے ان کا ذکر نہ کیا۔

تنبیہ۔ حکیم ترمذی نے کہا کہ زمین کا اس امت کیلئے ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میلا دالنبی ﷺ کے موقع پر خوش ہوئی، تروتازہ، لمبی اور وسیع ہوئی اور آسمان اور دیگر مخلوق پر فخر کیا کہ رسول اکرم ﷺ مجھ سے پیدا ہوئے میری پیٹھ پر جلوہ افروز ہوئے۔ میرے حصہ پر جبین سجدہ کے لیے رکھیں گے اور مجھ میں ہی مدفون ہوں گے جب اس کا افتخار بڑھا تو اللہ نے اسے امت کے لیے طاہر قرار دیا۔

اس امت کے لیے تیمم ایک عطیہ الٰہی ہے تاکہ ان کے لیے طہارت ہمیشہ رہے۔

اُعْطِیْتُ فَوَاتِحَ الْکَلِمِ وَجَوَامِعَ کی تشریح

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے فواتح الکلم، جوامع اور اس کے خواتم عطا ہوئے اسے ابن ابی شیبہ ابو یعلیٰ اور طبرانی نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فواتح الکلم، فصاحت و بلاغت غامضہ معانی، بدائع حکم اور محاسن عبارات جو دوسروں کی سمجھ میں نہ آئے ایک روایت میں مفاتح الکلم کرمانی نے کہا قلیل لفظ جو کثیر معانی کا فائدہ دیں یہ بلاغت کا معنی ہے جوامع جو اللہ نے آپ میں جمع کر دیئے تو آپ کا کلام قرآن پاک کی مانند تھا کہ آپ اللہ کے خلیفہ ہیں۔

سبع طوال کا ذکر

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے تورات کے عوض سبع طوال، زبور کے عوض مئین اور انجیل کی جگہ مثانی اور مفصل سے فضیلت دی گئی۔ طبرانی اور بیہقی نے واثلہ سے روایت کیا مکان التورات کا معنی ہے تورات میں جو کچھ ہے اس کے بدلے اسی طرح مابعد کے متعلق فرمایا

سبع طوال کی ابتدا سورت بقرہ سے ہے اور آخری سورت براءت ہے سورت انفال اور براءت

کو ایک بنانے سے زبور کے عوض مئین ۔ مئین کی پہلی سورت جو کہف سے ملتی ہے اور اس کی آیات ایک سو سے زائد ہیں۔

مثانی، وہ سورتیں جن کی آیات سو یا سو سے کم ہیں انہیں مثانی اس لیے کہتے ہیں یہ مئین سے چھوٹی اور مفصل سے بڑی ہیں۔ مفصل۔ان کی آخری سورت تو بالاتفاق الناس ہے اور پہلی حجرات، جاثیہ، قاف، صافات، صف مختلف اقوال ہیں امام نووی نے پہلی کو ترجیح دی ہے۔(کتب فقہ میں بھی سورت حجرات ہی پہلی سورت مفصل ہے)۔

أُعْطِيتُ هٰذِهِ الآيَاتِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ کی تشریح

افضل الرسل ﷺ نے فرمایا مجھے سورت بقرہ کی آخری یہ آیات عرش کے نیچے خزانے سے عطا ہوئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں اس کو امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے حذیفہ اور امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا امام مناوی رقمطراز ہیں ان آیات کی ابتدا آمَنَ الرَّسُوْلُ ہے۔

حافظ عراقی نے اس حدیث کا معنی بیان کیا یہ آپ کے لیے ذخیرہ اور خزانہ رکھا اور دوسرے کسی کو عطا نہیں کیے گئے۔اور بہت سی آیات قرآنیہ کتب سابقہ میں لفظاً یا معنیً نازل ہوئی ہیں اور یہ آیات پہلے نازل نہیں ہوئیں۔

اس میں اس امت کی خصوصیت ہے وہ بوجھ اور وزن (اصر) جو پہلوں پر رکھا گیا ان سے اٹھا لیا گیا اسی لیے فرمایا کہ پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں مطالح میں ہے کہ کنز کیا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ کنز الیقین ہو جو عرش کے نیچے چھپا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے آٹھ مثقال نور یقین کے نکالے جن سے چار مثقال رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے اور باقی رسالت کی خصوصیت کے لیے چنانچہ ایمان رسول کو تمام انسانوں کے ایمان سے ترازو کیا گیا تو آپ کا ایمان وزنی تھا۔مناوی کی عبارت ختم ہوئی قاضی عیاض کی ایک کتاب کا نام ''مطالح الافہام فی شرح الاحکام'' ہے۔

حدیث أُعْطِيتُ ثَلَاثَ خِصَالٍ کی توضیح

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ مجھے تین خصلتیں دی گئیں۔صفوف اور قطار میں نماز، سلام جو اہل جنت کا تحیہ وسلام ہے۔(السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ) اور مجھے آمین دی گئی جو تم سے پہلے کسی کو نہیں ملی مگر ہارون کو۔جب موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ سے دعا مانگتے تو حضرت ہارون آمین کہتے۔ حارث اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کیا۔

مناوی نے کہا اس میں تین کا ذکر دوسری روایات میں پانچ یا چھ کے منافی نہیں ہوسکتا ہے پہلے اول

عطا ہوئے تو ان کو بیان فرما دیا پھر ان میں جیسے اضافہ ہوتا گیا ایسے ہی آگاہ فرماتے رہے یا یوں کہ اکثر عطا ہوئے بعض دفعہ کچھ بیان کر دیئے دوسرے اوقات دوسرے حسب حال بیان فرما دیئے شہرت کی بنا پر ذکر عدد حصر پر دلالت نہیں کرتا۔

اُعْطِیْتُ صَلَاۃً فِیُ الصُّفُوْفِ۔ یعنی جس طرح فرشتے صفوف میں رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں یونہی ہمیں حکم ہوا جب کہ امم سابقہ تنہا تنہا نماز پڑھتے اور ان کا منہ ایک دوسرے کی طرف ہوتا۔ اُعْطِیْتُ السَّلَامَ ۔ جس طرح اہل جنت یکے بعد دیگر سلام کہتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ (یونس:10)

"اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے"۔

سابقہ امتوں میں جب ایک شخص دوسرے سے ملتا تو اس کے سامنے جھک جاتا یہ ان کا سلام تھا اس میں مؤنت و تکلیف ہے اور ہمیں اہل جنت کا سلام عطا کیا جس میں احسان ہے۔

پانچ خصائل کا ذکر

سید الانبیاء علیہم السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں جو پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ رعب کے ساتھ ایک ماہ کی مسافت سے مدد کی گئی۔ میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا پس میرے امتی کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لے۔ میرے لیے غنائم حلال ہوئے جو مجھ سے قبل حلال نہ تھے۔ مجھے شفاعت دی گئی پہلے نبی کسی ایک مخصوص قوم کے لیے نبی تھے لیکن مجھے نبوت عامہ عطا کی گئی۔ بخاری، مسلم، نسائی نے اسے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام مناوی رقمطراز ہیں کہ یہ آپ کے خصائص سے ہے لیکن خصائص پانچ میں منحصر نہیں بلکہ آئمہ نے بیان کیا کہ یہ تین سو سے بھی زائد ہیں عدد کی تخصیص زیادتی کے منافی نہیں۔

وَمَسِيْرَةَ شَهْرٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری نصرت یوں کی ایسے دشمن جن کے اور میرے مابین ایک ماہ کی مسافت ہے مدینہ کے جوار و قرب میں تو ان کے دلوں میں خوف و رعب القا کر دیا۔ ایک ماہ کی تخصیص میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی دشمن بھی ایک ماہ کی مسافت سے دور نہیں۔ لہٰذا یہ اس کے منافی نہیں کہ آپ کی امت دور دراز علاقوں کو فتح کرے گی یہ بھی آپ کی خصوصیات سے ہے۔ اگرچہ بغیر ہتھیار کے فوج کشی کے خوف جن کے ساتھ سوال نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت سلیمان کے لیے جنات مسخر تھے۔ کیونکہ تسخیر سے ذاتی قوت و شجاعت نصرت و اعانت کا پہلے ذکر کیا جو کہ دشمنوں پر

کامیابی کو کہتے ہیں کہ قیام دین میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے زمین کو مسجود و طہور کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نماز اپنی شرائط سمیت دین کے اہم ارکان میں سے ہے۔ غنائم کے حلال ہونے کا فائدہ ہے کہ آپ ان کو حسب منشا تصرف میں لائیں جیسے ارشاد ربانی ہے:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (انفال: 1)

"تم فرما دو وہ غنیمتوں کے مالک اللہ و رسول ہیں"۔

یا اس کی تخصیص آپ اور آپ کی امت کے ساتھ ہے پہلے انبیاء کے لیے نہ تھی بعض انبیاء کو جہاد کی اجازت نہ تھی تو ان کے لیے کوئی غنیمت نہ تھی اور بعض کو اجازت تھی لیکن اس کا استعمال ممنوع تھا بلکہ آگ ان کو جلا کر خاکستر کر دیتی مگر انسان بچ جاتے تھے۔ یہ دوسری توجیہ لَمْ تُحَلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ۔ کی طرف راجع ہے اور من قبلی کی تخصیص سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ آپ کا خاصہ اور خصوصیات ہے اور آپ ان سے افضل ہیں شفاعت خاصہ و عامہ دونوں ہی آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

شفاعت کی پانچ اقسام

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی شفاعت کی پانچ اقسام ہیں۔

پہلی قسم: فیصلہ کے لیے شفاعتِ عظمیٰ۔

دوسری قسم: آپ کی شفاعت سے ایک جماعت بغیر حساب کے جنت میں جائے گی۔

تیسری قسم: ایسے لوگ جو مستحق نار ہیں آپ کی شفاعت سے جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔

چوتھی قسم: ایسے لوگ کے حق میں جو بد اعمالیوں کی بناء پر داخل ہوں گے پھر آپ کی شفاعت سے نکالے جائیں گے۔

پانچویں قسم: ایسے لوگ جن کے درجات شفاعت سے بلند ہوں گے۔

آپ کے ساتھ پہلی اور دوسری قسم مخصوص ہے تیسری اور پانچویں کا اختصاص بھی جائز ہے۔ پہلے انبیاء ایک ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوئے ایک وقت میں کئی انبیاء تشریف آئے اور ایک ہی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے اور اس میں عام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں۔ مسلم کی روایت میں عامہ کی جگہ کافۃ (تمام لوگوں) کا ذکر ہے۔

کرمانی نے کہا اَیْ جَمِیْعًا یعنی آپ کے زمانہ سے تا قیامت آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہیں اور جنات کا ذکر نہیں کیا کہ انسان اصل ہے یا مقصود بالذات ہے بلکہ دوسری روایت اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ۔ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فرشتوں کی طرف مبعوث ہیں

20 جیسا کہ امام سبکی نے بیان کیا خصائص میں اپنے کلام کو بعثت عام پر ختم کیا تاکہ آپ کی امت کے لیے دارین کی خیر و بھلائی متحقق ہو۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ افضل الرسل ہیں جس طرح کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے پہلے نبی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں بایں وجہ رسل عظام حق کی ارشاد خلق اور ان کو تاریکیوں سے اجالے میں لانے اور بت پرستی سے عبادتِ الٰہی کی طرف مائل کرنے کے لیے تشریف لائے تو جس میں جتنی زیادہ تاثیر ہوگی وہ اتنا ہی افضل و اشرف ہوگا۔

اس اعتبار سے آپ افضل ہیں کیونکہ آپ کی بعثت ایک قوم یا ایک زمانے سے مخصوص نہیں بلکہ آپ کا دین تو مشرق و مغرب اور ہر مکان میں پھیلا ہوا ہے اور ہر زمان اور ہر مکان میں پھیلا رہے گا تو اس سے آپ کا فضل و شرف بڑھتا رہے گا اور سباق و سیاق سے افضل الرسل ٹھہرے۔

امت محمدیہ سے ستّر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے

حضور انور ﷺ نے فرمایا مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میری امت سے ستر ہزار اشخاص بلا حساب جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح دمکتے ہوں گے جو ایک شخص کے دل کے ہوں گے میں نے اپنے رب سے ان میں اضافہ چاہا تو اس نے میرے لیے ان میں زیادتی فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اشخاص ہوں گے۔ اسے امام احمد نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ مظہری نے کہا اس سے خصوصِ عدد مراد ہو سکتا ہے اور کثرت بھی مراد لی جاسکتی ہے اور بعض نے اس کو ترجیح دی۔ ابن عبد السلام فرماتے ہیں یہ خصائص مصطفیٰ ﷺ ہے دوسرے کسی نبی کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔

آپ ﷺ زمین و آسمان میں امین ہیں

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا خبردار بخدا میں زمین و آسمان میں امین ہوں۔ طبرانی نے اسے ابی رافع سے روایت کیا۔ مناوی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں شروع کلام میں اَمَا حرف تنبیہ جو طلائع قسم سے ہے اور اس کے ساتھ حرف قسم ملایا تاکہ مابعد کلام میں پختگی اور ذہن سامع میں یقین پیدا ہو اور اپنے کفر میں معاند پر رد ہو اس کے بعد واضح ہے کہ مصطفیٰ علیہ السلام دور جاہلیت میں امین کے لقب سے ملقب تھے اور امین کا اطلاق صرف آپ کی ذات کے لیے کرتے۔

حضرت ابوبکر خلیل رسول ہیں

رسول پاک ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور میرے خلیل ابوبکر صدیق ہیں۔ طبرانی نے اسے ابوامامہ سے نقل کیا۔

اس کی شرح میں امام مناوی رقمطراز ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو رسول پاک ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کے احوال کو ظاہراً و باطناً اور صفاتِ حمیدہ پائے جن کی وجہ سے دونوں حضرات کو وصفِ خلت سے نوازا۔

حضور اکرم ﷺ سب سے اشرف نسب ہیں

فخر موجودات ﷺ فرماتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے بنی کنانہ کو منتخب کیا کنانہ سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا مسلم اور ترمذی نے اسے واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مؤلف نے کہا کہ امام شیخ ابن حجر فرماتے ہیں یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے جن کو ہمارے شیخ عراقی نے اپنی کتاب "محجة القرب فی محجة العرب" میں جمع کیا۔ علامہ مناوی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ اصطفاء و خیریت دیانت کے اعتبار نہیں۔ بلکہ خصائص حمیدہ کے لحاظ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا غیر قریش عرب قریش کے کفو نہیں۔ بنی ہاشم کے غیر بنی ہاشم کفو نہیں۔ یہ مذہب شافعیہ ہے۔ قرطبی نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے کسی اختیار کرنے کا معنی ہے اس نوع کے کمالاتِ صفات کی تخصیص کرنا اور اس نوع کے لیے اسے اصل بنانا اور اس نوع میں معزز گردانا اور اس کا حکم واجب العمل کرنا۔

جیسے قرآن کریم ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ (قصص:68)

"اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے"۔

خالق کائنات نے جنس حیوان سے انسان منتخب کیا اس کے لیے یہی کافی ہے کہ تمام مخلوق اس کے لیے بنائی گئی جیسے فرمایا:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (جاثیہ:13)

"تمہارے کام میں لگائے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"۔

پھر انسان سے معدن نبوت و رسالت کو منتخب کیا جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے پھر ان

کے نطفہ سے نطفہ کریمہ کو ہمیشہ اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل کیا جس سے آفتاب عالم ﷺ کا ظہور قدسی ہوا جیسے کہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ (آل عمران:33)

"بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کو اور ان کی آل کو"۔

اولاد ابراہیم سے اسماعیل واسحاق کو مختار کیا پھر اولاد سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے بنی کنانہ کو اور ان سے ان کے خاتم و مشرف آقا و مولیٰ محمد رسول ﷺ جو آخر الانبیاء مگر مراتب و مدارج کے اعتبار سے سب سے اول ہیں۔

ابن تیمیہ رقمطراز ہے کہ عجم سے عرب ان سے قریش ان سے بنی ہاشم افضل اور رسول اکرم ﷺ بنی ہاشم سے افضل ہیں تو آپ افضل الناس ہیں حسب ونسب کے لحاظ سے پس عرب، قریش اور بنی ہاشم کو برتری و فضیلت صرف آپ کی وجہ سے حاصل ہے۔

بنی ہاشم تمام عرب و عجم سے افضل ہیں

حدیث شریف۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے سیدنا اسماعیل اور اولاد سیدنا اسماعیل سے بنی کنانہ اور ان سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور ان سے مجھے فضیلت دی اور انہیں چن لیا۔ ترمذی نے اسے واثلہ سے روایت کیا اور کہا یہ صحیح حدیث ہے اس کی شرح میں امام مناوی تحریر کرتے ہیں ان سے مجھے چن لیا۔ یعنی وہ نور جبین آدم علیہ السلام میں ودیعت تھا اسے جبین عبدالمطلب میں امانت رکھا۔ پھر ان کے بیٹے عبداللہ جو رسول اعظم ﷺ کے پدر بزرگوار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس نسب کو سفاحِ جاہلیت سے محفوظ اور طاہر رکھا۔ بنی اسماعیل کی برتری اخلاق کریمہ کی وجہ سے ہے ورنہ عربی زبان میں سب یکساں ہیں۔ بنی ہاشم اخلاق کے اعتبار سے پاکیزہ اور نفوس کے لحاظ سے طاہر وطیب ہیں جس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا دلالت کر رہی ہے۔

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ (بقرہ:128)

"اور ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا کر"۔ پھر فرمایا:

وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ۔ (بقرہ:128) ہماری اولاد میں سے۔

یہ اولاد اسماعیل کے لیے مخصوص دعا ہے اس کے بعد فرمایا:

وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

"اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے"۔

ابن تیمیہ رقمطراز ہیں اس حدیث سے مستفاد ہے سیدنا اسماعیل اور آپ کی اولاد ابراہیم سے افضل
ہے۔ اولاد اسحاق جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور افضل العجم ہیں کہ ان میں کتاب و رسالت رہی ہے
اسماعیل کی اولاد افضل ہے۔ تو دوسروں پر ان کی فضیلت بطریق اولیٰ و احسن ثابت ہے۔
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فضیلتِ قرآن

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کے عوض سبع انجیل کے عوض براءت سے طواسین تک اور زبور کے
عوض طواسین و حوامیم مابین عطا کیا حوامیم اور مفصل زائد عنایت فرمائے جو مجھ سے قبل کسی کو نہیں ملیں محمد
بن نصر نے اسے حضرت انس سے روایت کیا۔
مناوی نے کہا حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھ سے قبل کسی کو نہیں ملیں یعنی مجھ سے پہلے کسی نبی پر
نازل نہیں ہوئیں۔ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

حضور علیہ السلام کے چار وزیر ہیں

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری چار وزیروں سے اعانت فرمائی جن میں
دو آسمان میں اور دو زمین میں ہیں۔ آسمان والے جبریل و میکائیل علیہما السلام زمین والے ابو بکر و عمر
رضی اللہ عنہما ہیں اسے طبرانی اور ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔
شارح فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر جبریل کی نرم مزاجی میں اور عمر فاروق شدت و صلابت میں
اسرافیل علیہ السلام کے مشابہ ہیں امور دین اوامر و نواہی میں تو اس میں شیخین کی فضیلت اور روافض کی
تردید ہے۔

حضور علیہ السلام عبد کریم ہیں

سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِیْ عَبْدًا کَرِیْمًا وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا۔
"بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے عبد کریم بنایا اور سخت نہیں بنایا"۔
(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ عن عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ)
شارح کہتے ہیں کہ حدیث کے راوی عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بہت بڑا
پیالہ تھا جسے غراء کہا جاتا تھا جسے چار شخص اٹھاتے تھے صبح نماز چاشت کے بعد لایا گیا اور اس میں ثرید بنایا
اور لوگ جمع ہوئے تو آقا علیہ السلام تشریف لائے ایک اعرابی آیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کیسے جمع ہوئے

ہیں۔اسے حدیث بیان کی گئی پھر آپ نے فرمایا اس کے اطراف سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں برکت فرمائے گا یہ متن کا بقیہ حصہ ہے جس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ کے مخرجین نے بیان کیا۔

آپ لحان نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے لحن کرنے والا نہیں بنایا میرے لیے خیر کلام اپنی کتاب قرآن کریم کو منتخب کیا شیرازی نے القاب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مناوی نے کہا کہ اللحان اسم مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی کثرت سے لحن کرنے والا ہے اور یہ صیغہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی ہے کہ مطلق لحن کی نفی ہے بلکہ آپ بالکل قلیل بھی لحن نہیں کرتے تھے۔

جس کی کتاب قرآن کریم جیسی مقدس ہو، جس کی آیات نہ ختم ہونے والی ہوں اور جس کے معجزات کئی زمانے گزرنے کے باوجود ختم نہ ہوں تو وہ لحن کیسے کرسکتے ہیں جن کے سامنے فصاء و بلغاء عاجز ہو گئے اور جس کی زبان میں کلام نازل ہوا اس سے لحن متصور بھی نہیں ہوسکتا۔

حضور علیہ السلام سب سے زیادہ متقی ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْمَلُکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا۔(رواہ البخاری عن عائشہ)

''بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور عمل کرنے ولا ہوں''۔

شارح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ میں علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین بمعہ خشیتِ قلبیہ اور استحضارِ عظمتِ الٰہیہ اس طور پر جمع ہیں جو غیر میں جمع نہیں جتنی معرفت الٰہی بڑھے گی خوف و خشیت الٰہی اور تقویٰ اور عمل بھی بڑھے گا معرفت الٰہی میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں اسے قاضی نے بیان کیا۔

قرطبی اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ آپ میں اصل خلقت سے ہی کمالِ فطنت، سدادِ نظر، سرعت ادراک پائے جاتے ہیں اور ادراک سے موانع اور قواطع نظر مرفوع ہیں جب یہ تمام امور ابتداء خلقت

ہیں تیرے تصرف میں، یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ بادل، یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آج آئینہ ایام میں تو اپنی ادا دیکھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیری نظر میں

سے آپ میں موجود ہیں تو زہد و ریاضت وتقویٰ نہایت ہی آسان ہیں گویا آپ کے لیے عمل وتقویٰ بد یہیات سے ہے۔

پھر خالق کائنات نے آپ کو اپنی ذات وصفات، احکام اور احوال کائنات کا وہ علم دیا جو کسی کو نصیب نہ ہو سکا جب آپ علم اور زیادہ علم والے ہیں تو خشیت بھی زیادہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28)

''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''۔

کرمانی نے کہا اَتۡقَاکُمۡ کمال قوت علمیہ کی طرف اور اَعۡمَلُکُمۡ کمال قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے۔

تقویٰ کی تین اقسام۔

پہلی قسم: نفس کا کفر سے بچنا یہ تقویٰ عوام کے لیے ہے۔

دوسری قسم: معاصی سے بچنا یہ خواص کا تقویٰ ہے۔

تیسری قسم: ماسوا سے خیال ہٹا کر ذات الٰہی میں گم ہو جانا۔ خاص الخواص کے لیے ہے۔

علم باللہ کی اقسام: علم باللہ اللہ اور اس کی صفات کو شامل ہے یہ اصول دین کہلاتا ہے۔

فروع دین: اس کے احکام کا علم فروع دین ہے۔

علم القرآن: اس کے کلام اور اس کے متعلقات کا علم علم القرآن کہلاتا ہے۔

معرفت: اس کے افعال کا علم معرفت حقائق اشیاء کہلاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ میں تقویٰ اور علم کے جمیع اقسام موجود ہیں اور ان کے ذکر نہ کرنے سے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کو کسی کام کا حکم دیتے جو مشکل ہوتا لیکن نا قابل برداشت نہ ہوتا تو صحابہ کہتے کہ ہم آپ کی طرح نہیں آپ تو اللہ تعالیٰ سے مغفور ہیں تو آپ ناراض ہوتے یہاں تک کہ ناراضگی آپ کے چہرہ انور سے نمایاں ہوتی۔ پھر یہ ارشاد فرماتے:

آپ کے اسمائے گرامی

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں بیشک میرے اسماء ہیں میں محمد، احمد اور حاشر ہوں میرے قدموں پر لوگ جمع ہوں گے اور ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو ختم کرے گا اور میں عاقب ہوں اس کو

امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا۔

شارح فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں پانچ اسماً ہیں یعنی کتب سماویہ میں موجود اور امم ماضیہ میں مشہور ہیں یا اسے اہل کتاب جانتے ہیں یا وہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں کہ اس سے پہلے کسی کے نام نہ تھے یا یہ معظم ہیں یا عام رکھا کہ دوسرے اسماء ان کی طرف راجع ہیں ان میں حصر نہیں حصر کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے اور بھی بہت اسماء ہیں بعض نے جیسا کہ امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات اور مجموع میں ایک ہزار بتائے ہیں اور صفات کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ہیں۔

ابن قیم نے کہا یہ تعداد اعتباری ہے ان کا مسمیٰ ایک ذات ہے پس یہ مترادف ہیں اور اعتباری طور پر متباین ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ یہ تمام اسماء سے اشرف ہے کہ یہ باب تفعیل مبالغہ سے مشتق ہے جو آپ سے پہلے کسی کا نام نہ تھا جب آپ کے مولد کا وقت قریب آیا تو پندرہ آدمیوں کے نام رکھے گئے کہ شاید وہ محمد حقیقی ہی ہوں۔

انا احمد، انبیاء علیہم السلام اللہ کی حمد کرنے والے ہیں۔ اور میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا ہوں یہ نام بھی آپ کی خصوصیات سے ہے۔ اَنَا الْحَاشِرُ۔ کہ لوگوں کا میرے قدموں پر حشر ہوگا۔ قدمی مفرد یایاً پر تشدید اور تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی میرے اثر نبوت پر کہ آپ کے بعد کوئی نہ آئے گا۔ اَنَا اَلْمَاحِیُ۔ جزیرہ عرب سے کفر ختم ہو جائے گا یا اکثر بلاد سے یا عمومی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ عام طور پر کفر ختم ہو جائے گا حجت کا ظہور اور غلبہ ایسا ہوگا یہ دین تمام ادیان پر غالب آ جائے گا۔ ترمذی میں ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں کہ آپ سب کے آخر میں تشریف لائے اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زائد نام رکھنے جائز ہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ اس کا ترک اولیٰ ہے کہ نام رکھنے سے مقصود تعریف وشناخت ہے جو کہ ایک نام سے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن رسول مصطفیٰ ﷺ کے اسمائے گرامی ایسے ہیں کہ یہ اسماء آپ کی صفات ونعوت ہیں جو کمال مدح اور تکثیر اسماً جلالت مسمیٰ پر دال ہیں۔

مؤلف یعنی امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے آپ کے خصائص میں سے کہ آپ کے ایک ہزار نام ہیں اور اسی طرح آپ کے نام جو اسم الٰہی سے مشتق ہیں اور ستر کے قریب اللہ(1) کے نام پر رکھے ہیں اور آپ کا نام احمد پہلے کسی کا نام نہ تھا۔

1۔ مَحْمُوْدٌ۔ اَلنُّوْرُ۔ رَشِیْدٌ۔ اَلصَّبُوْرُ۔ عَزِیْزٌ۔ رَؤُوْفٌ۔ رَحِیْمٌ۔ اَلظَّاهِرُ۔ اَلْبَاطِنُ۔ اَلْاَوَّلُ۔ اَلْآخِرُ۔ شَکُوْرٌ۔ آمِرٌ۔ نَاهٍ۔ اَلْوَالِیْ اَلْکَرِیْمُ۔ حَافِظٌ۔ اَلْمُؤْمِنُ حَکِیْمٌ۔ فَتَّاحٌ۔ جَوَادٌ۔ قَرِیْبٌ۔ مُنِیْبٌ۔ غَنِیٌّ۔ نُوْرٌ۔ نَاصِرٌ۔ فَاتِحٌ۔ قَائِمٌ شَهِیْدٌ۔ اَلْهَادِیْ۔ اَلْمَوْلٰی۔ سَمِیْعٌ۔ اَلْبَصِیْرُ۔ مُحَلِّلٌ۔ مُحَرِّمٌ۔ شَافٍ۔ عَادِلٌ۔ (احمد الدین توگیروی)

آپ فاتح وخاتم ہیں

سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بیشک میں فاتح وخاتم بن کر مبعوث ہوا اور مجھے جوامع اور فواتح دیئے گئے اور میرے لیے کلام میں اختصار دیا پس بات میں ششدر رہنے والے ہلاکت میں نہ ڈالیں اس کو بیہقی نے ابی قلابہ سے مرسل روایت کیا۔

شارح نے فرمایا آپ نبوت ورسالت یا انبیاء کے فاتح وخواتم ہیں۔

ابن عطاء نے کہا کہ فلک نبوت محوِ گردش رہا تا کہ جہاں سے چلا تھا وہیں آجائے کمالِ اصطفاء پر اس کا اختتام فرمایا پس آپ فاتح، خاتم نورالانوار، سرالاسرار، دنیاوآخرت میں بزرگ ترین شخصیت اعلیٰ الخلوق مینار کے لحاظ سے، اورافتخار کے اعتبار سے سب سے اتم ہیں۔ جو بن دیکھے کسی امر میں واقع ہوں۔ حرالی، نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ قرآن کے ساتھ مبعوث ہوئے جو انتہاء خلق اور کمالِ امر کے پاس منزل ہے لہٰذا آپ کا قرآن کے ساتھ تخلق ہر خلق کی انتہاء اور ہر امر کے کمال کا جامع ہے پس آپ فاتح، عالم، جامع، کامل اور آپ کی کتاب خاتم ہے ان تینوں جوامع جن کی اولین میں ابتدا اور آپ پر اختتام ہوا۔ پر مشتمل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بمنزلہ باپ کے ہیں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ تحقیق میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں تمہیں ہر قسم کے احکام کی تعلیم دیتا ہوں پس جب تم میں کوئی بیت الخلا جائے تو قبلہ کو نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اسے ابوہریرہ سے روایت کیا۔

شارح علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ابوالافادہ (فائدہ دینے والا) ابوالولادت (حقیقی والد) سے افضل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر نورایمان عطا کیا۔ اسے مقصود سے پہلے اس لیے بیان کیا کہ امر دین کی تعلیم دینا واجب ہے جیسے باپ اور مخاطبین کو مانوس کرنا ہے ایسے امور کے دریافت کرنے سے جن سے عام آدمی سوال کرنے میں حیا کرتا ہے پھر ان کی تصریح کی کہ جب تم میں کوئی (غائط) بیت الخلا جائے تو پیشاب وبراز کرتے ہوئے قبلہ کو نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ یہ صحرا میں وجوبی حکم ہے اور بند جگہ میں مستحب (1) وَلَا يَسْتَطِبْ پانی سے استنجا یا ڈھیلے سے داہنے ہاتھ سے نہ کرے یہ مکروہ تنزیہی ہے بعض نے مکروہ تحریمی کہا۔

فائدہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ جمیع امت کے لیے باپ کی مانند ہیں اسی طرح آپ کی

1۔ لیکن فقہ حنفی میں مکان ہو یا صحراء بہر صورت یہ حکم واجب ہے۔ جیسا کہ متداول کتب حنفیہ میں موجود ہے۔ (مترجم)

ازواجِ مطہرات مائیں بایں وجہ کہ آپ اور آپ کی ازواج سے مردوں اور عورتوں کو احکام اور معالم دین معلوم ہوتے ہیں جو خیر و بھلائی پہنچی وہ انہیں دو ذریعوں سے پہنچی لہٰذا ان میں سے کسی کی نافرمانی کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔

تنبیہ۔ ابن الحاج نے کہا امتِ محمدیہ حقیقت میں آپ کی اولاد ہے حیات سرمدی اور دارِ نعیم میں خلود کا انعام کا آپ ہی سبب ہیں لہٰذا آپ کا حق والدین کے حقوق سے عظیم ترین ہے۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا پہلے اپنے نفس سے شروع کرو۔ تو آپ نے اپنے نفس کو دوسروں سے مقدم کیا۔ اور خالق کائنات نے آپ کو ہر مومن کے نفس سے مقدم کیا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب دو حق متعارض ہوں تو مؤکد حق مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا حق نبی ﷺ سب سے مقدم ہے تو آپ نے اپنے حق کو مقدم کیا۔ جب تو اس میں غور کرے تو تجھے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ نفع مصطفیٰ ﷺ امہات اور تمام مخلوق کے نفع سے اعظم ہے کہ آپ نے تجھے اور تیرے والدین، آباؤ و اجداد کو جہنم سے نجات دلائی۔ حقوق والدین سب سے بڑا سبب ہے کہ وہ تیرے عدم سے وجود اور دار التکلیف والمحن میں آنے کا سبب ہیں اور آپ دار المحن سے دار النعم میں جانے کا سبب ہیں لہٰذا آپ کا حق عظیم تر ہے۔

حضور علیہ السلام رحمت مہداۃ ہیں

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ۔ بیشک میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں (رواہ ابن سعد والحکیم عن ابی صالح مرسلًا والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ)

شارح مناوی نے کہا بیشک میں رحمت والا ہوں یا رحمت میں مبالغہ کرنے والا گویا کہ آپ رحمت کی کان ہیں۔ بریں بنا کہ رحمت پر نفع مترتب ہوتا ہے اور آپ کی ذات ایسی ہی ہے جب ذات رحمت ہے تو صفات ذات کے تابع ہوتی ہیں تو وہ بھی رحمت۔ مَعْنٰی مُهْدَاةٍ اَیْ مَا اَنَا اِلَّا رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ۔ یعنی میں کائنات کے لیے رحمت ہوں جس سے مخلوق کی راہنمائی کر رہا ہوں پس جس نے ہدایت قبول کی وہ کامیاب ہوا اور نجات پائی اور جس نے انکار کیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ آپ ہر فیض کے لیے واسطہ ہیں تو جس نے مخالفت کی وہ خود مستحق عذاب ہوا۔

آپ تکمیل مکارمِ اخلاق کے لیے تشریف لائے

سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ۔ رَوَاهُ اِبْنُ سَعْدٍ وَالْبُخَارِیُّ فِیْ

الْاَدَبِ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

''بیشک میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا۔ ابن سعد اور بخاری نے ادب میں حاکم اور بیہقی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا''۔

شارح علامہ مناوی نے کہا اِنَّمَا بُعِثْتُ کا معنی اُرْسِلْتُ مجھے بھیجا گیا ہے لِاُ تَمِّمَ تا کہ اچھے اخلاق کو مکمل کروں ایک روایت میں مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ہے۔ ناقص ہونے کے بعد مکمل اور مختلف و متفرق کو جمع کروں۔

حکیم ترمدی نے کہا اس سے ہمیں خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے گئے تو اس وقت اخلاق مکمل نہ تھے ان کی تکمیل کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔

بعض نے کہا کہ رسول خدا ﷺ نے اشارہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام مکارم اخلاق کے ساتھ بھیجے گئے اور کچھ باقی رہ گئے تو آقا علیہ السلام ان اخلاق اور بقیہ کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

حسن نے کہا صالح اخلاق دین و دنیا و آخرت کی اصلاح یہ تمام نبی اکرم ﷺ میں جمع تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے اے اللہ میرے لیے میرے دین کی اصلاح کر جو میرے امر کی مصلحت ہو اور میرے لیے میری دنیا کی اصلاح کو جس میں میری معاش ہے اور میرے لیے آخرت کو سنوار جو میرا معاد ہے۔

شیخ عارف ابن عربی نے اس کا معنی بیان کیا کہ اخلاق کو مکارم اور سفساف دو قسموں میں منقسم کیا گیا تو مکارم اخلاق جو سابقہ شرائع میں موجود تھے اور جن کو انبیاء لے کر تشریف لائے ان کو ظاہر کیا اور سفساف (برے اور رذائل) کو مکارم سے جدا کیا کائنات میں جتنے اخلاق اللہ ہیں وہ سب مکارم ہیں اور جتنے مآثم و عصیان ہیں وہ سفساف ہیں۔ پس آپ کلمہ جامعہ کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے اور جوامع کلم دیئے گئے جب کہ پہلے ہر نبی ایک خاص شریعت پر تھا۔ یہاں آپ نے خبر دی کہ آپ صالح اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ تو تمام مکارم اخلاق جو جدا جدا تھے، اس شریعت میں جمع ہو گئے۔ کائنات میں تمام سفساف (رذائل) اخلاق کو اکٹھا کر دیا مقصد شرع کو جاننے والے کے لیے مکارم الاخلاق کے مصارف بیان کر دیئے اور سفساف جو کہ طمع، حرص، حسد، بغض اور بخل وغیرہ اور مذموم وصف کا مصارف واضح کر دیا۔ ہمیں اللہ سے توقع ہے کہ وہ مکارم اخلاق کا ہم کو حامل بنائے گا اور مذمومہ سے اجتناب کرنے کی توفیق دے گا ہم سے بعض ایسے ہیں جو مصارف کو جانتے اور کچھ نہیں جانتے۔

آپ رحمت بن کر تشریف لائے نہ زحمت بن کر

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَابُعِثْتُ رَحْمَةً وَلَمْ اُبْعَثْ عَذَاباً۔(رَوَاهُ الْبُخَارِیُ فِی التَّارِیْخِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ)

''بیشک مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا نہ عذاب بنا کر''۔

شارح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رافت و رحمت میں ایسے منہمک و مستغرق ہوئے کہ نور الٰہی سے آپ کا قلب انور روشن ہو گیا۔تو دنیا آپ کی نگاہِ حق نما میں حقیر ہو گئی۔تو آپ نے نفس کو خدا کی جانب کیا تو آپ رحمت دامان تھے۔اور عذاب آپ کے مقصد رسالت سے نہیں۔

اِنَّمَا بَعَثَنِیْ مُبَلِّغاً کی تشریح

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی شرح ہے:

اِنَّمَا بَعَثَنِیْ مُبَلِّغاً وَلَمْ یَبْعَثْنِیْ مُتَعَنِّتاً۔(رواه الترمذی عن عائشه رضی الله عنها)

''مجھے مبلغ بنا کر بھیجا اور نہ سخت و مشدد''۔

اس کی شرح میں مناوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے احکام کی تبلیغ کرنے والے اس کی معرفت کرانے اور اس کی طرف بلانے والا اور اس کی جنت کی طرف راغب کرنے والا اس کی رضا کے حصول کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر بھیجا اس کی خوشنودی و رضا کے مواقع اور سخط و ناراضگی کے مواقع اور ان سے منع کرنے والا انبیاء اور ان کی امم کی خبریں دینے والا مبدأ و معاد، شقاوتِ قلب اور اس کی سعادت کی کیفیت اور اس کے اسباب بیان کرنے والا بنایا۔

وَلَمْ یَبْعَثْنِیْ مُتَعَنِّتاً

مجھے سخت بنا کر نہیں بھیجا یہ حضرت عائشہ ام المومنین سے فرمایا جب اپنی ازواج کو تخییر طلاق کا حکم دیا اور ابتدا حضرت عائشہ سے کی تو حضرت عائشہ نے آپ کو اختیار کیا اور عرض کیا کہ کسی اور زوجہ کو نہ بتانا کہ عائشہ نے مجھے پسند کیا ہے تو اس وقت آپ نے ان سے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد شاگرد کو سوء اخلاق سے نرمی اور ملائمت کے ساتھ روکے اور ان کے برے اخلاق کی تصریح نہ کرے۔نہایت شفقت سے بغیر زجر و توبیخ کے۔کیونکہ تصریح سے ہیبت اٹھ جاتی ہے پھر بداخلاقی پر جرأت کرے گا کہ انسان کو جس چیز سے روکا جائے اس کے کرنے کا حریص ہے جیسا کہ امام غزالی نے ذکر کیا۔

اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ کی تشریح

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں بیشک میرے قلب پر حجاب آتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے ایک روز میں سو بار استغفار کرتا ہوں اسے امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور نسائی حضرت الاعز زنی سے روایت کیا۔

علامہ مناوی رقمطراز ہیں کہ لَیُغَانُ غَیْنٌ سے مشتق ہے جس کا معنی غطاء وستر ہے بیشک میں اللہ تعالیٰ سے دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔

عارف شاذلی نے کہا یہ غین انوار ہے نہ عینِ غیار کیونکہ آپ ہمیشہ ترقی پذیر ہیں جب معارف کے انوار دل پر نازل ہوتے ہیں تو اس سے بلند درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اور پہلا درجہ ذم معلوم ہوتا ہے الی آخرہ یہ غین حجاب ہے اور نہ غین وہم، آپ انوار تجلیات میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو اس سے حضور غائب ہو جاتا ہے تو اس ستر حال سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں اس لیے کہ خواص کو اگر ہمیشہ حضوری رہے تو سلطانِ حقیقت کے جلوے ناقابل برداشت ہو جائیں لہٰذا ان کے لیے ستر رحمت اور عوام کے لیے حجاب اور نعمت ہے۔

کلام سہروردی میں ہے کہ ہمارے لیے یہ اعتقاد رکھنا جائز نہیں کہ حالِ مصطفیٰ علیہ السلام میں غین نقص ہے بلکہ کمال اور تتمہ کمال ہے یہ دقیق سِرّ مثال کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

مثال یہ ہے کہ پلکیں جو حدقہ ءبصر پر لٹک رہی ہیں اگر چہ اس کی صورت صورت نقصان ہے کہ جس سے ابصار کا حصول ہوتا ہے اسے یہ ڈھانپ لیتی ہیں کہ آنکھ کی تخلیق سے مقصد ادراک حسیات ہیں ادراک ہوگا جب حسی شعاعیں آنکھ کے اندر داخل ہوں بعض کے نزدیک شعاؤں کا مرئیات کے نزدیک اتصال کا نام ادراک ہے بعض نزدیک مدرکات کی صور کرہ جلیہ میں منطبق ہونے کو ادراک کہتے ہیں جو معنی بھی لیا جائے مقصود انکشاف بصر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور پلکیں انکشاف کے مانع ہیں لیکن جب ہوا جو کہ ابدانِ حیوانیہ کو محیط ہے۔ گرد و غبار سے خالی نہیں۔ ہوا کی حرکت سے وہ گرد و غبار آنکھوں میں پڑتی ہے اگر آنکھ ہمیشہ کھلی رہے تو اسے تکلیف و ایذا پہنچے تو اس سے بچنے کے لیے آنکھ کا بند ہونا ضروری ہے جو کہ پلکوں سے ہی بند ہو سکے گی لہٰذا بھنویں بظاہر نقص ہیں اور حقیقت میں کمال ہیں۔

اسی طرح اگر بصیرت مصطفیٰ ﷺ کھلی رہے تو انفاس اغیار سے اسے تکلیف ہو اس تکلیف و ایذا سے بچنے کے لیے چشم کا بند ہونا ضروری ہے لہٰذا جفنِ غین کا حدقہٗ بصر مصطفیٰ ﷺ پر ارسال ہے تا کہ رؤیت اغیار اور انکے انفاس کی گرد و غبار سے ستر و وقایت کے لیے ضروری ہے پس بظاہر غین نقص ہے لیکن حقیقت میں کمال ہے سو بار استغفار سے مراد کثرت سے استغفار ہے۔ لہٰذا اس اور دوسری ستر کی

روایت میں تعارض نہیں۔

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لُعَّاناً کی تشریح

نبی اکرم ﷺ کی حدیث شریف بیشک میں لعنت بھیجنے والا بنا کر مبعوث نہیں ہوا اور میں رحمت بن کر آیا ہوں امام بخاری نے ادب میں اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

شارح علیہ الرحمۃ نے کہا، میں اس شخص کے لیے رحمت بن کر آیا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے ایمان کی طرف لانے کا ارادہ کیا یا لوگوں کو خدا تعالیٰ کے قریب لانے یا اس کی رحمت کے قریب لانے کے لیے نہ کہ اس سے دور کرنے کے لیے پس لعنت میرے حال کے منافی ہے پس میں کیسے لعنت کرسکتا ہوں۔ لعان مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن اصل فعل کی نفی مراد ہے جیسے کہ:

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ (حم السجدہ:46)

''اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

ابن قانع کی روایت میں ہے فرمایا میں عادل ہوں۔ عدل کے سوا شہادت نہیں دیتا۔

شارح امام مناوی فرماتے ہیں اس کا سبب یہ ہے جو کچھ بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کے لیے مخصوص کیا اس پر شہادت لینی چاہی، تو اس پر آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس سے امام احمد نے استدلال کیا۔ ہبہ میں بعض اولاد کو ترجیح دینا حرام ہے۔ والجمہور مکروہ کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر کسی اور کو شاہد بنانا اگر چہ حرام ہوتا، تو آپ دوسرے کو شہادت کے لیے نہ کہتے۔ جَوْرٌ۔ سے مراد حق سے میلان ہے اگر پورا اعراض کیا تو حرام ہے یا مکروہ تحریمی۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اہل فضل کے لیے مکروہ چیز میں شہادت دینا مکروہ ہے اگر چہ شہادت جائز ہے۔

اِنِّیْ لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ کی تشریح

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی:

اِنِّیْ لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرْدَ۔ (رواہ الامام احمد و ابو داؤد وابن حبان والحاکم عن ابی رافع رضی اللہ عنہ)

''بیشک میں نہ عہد کو توڑتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکتا ہوں''۔

شارح علیہ السلام فرماتے ہیں لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ کا معنی ہے کہ میں نہ عہد توڑتا ہوں اور نہ فاسد کرتا ہوں۔ وَلَا اَحْبِسُ بِالْبُرْدِ کا معنی ہے کہ جو قاصد مجھے ملنے آتے ہیں انہیں نہیں روکتا۔ زمخشری

نے کہا ہے برد کی جمع برید ہے وہ قاصد اور پیغامبر ہیں۔

طیبی نے کہا عہد سے مراد یہاں وہ عادت ہے جو لوگوں میں متعارف ومشہور ہے کہ قاصدوں کو ایذا نہیں دی جاتی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے میں مصلحت ہے یا یہ کہ اگر ان کو روکا جائے یا ایذا دی جائے تو یہ دو قوموں کے درمیان افتراق کا سبب بن سکتا ہے اور اس سے فتنہ وفساد برپا ہو سکتا ہے جو کہ عقلمند کے لیے مخفی نہیں۔

اس حدیث کے راوی ابورافع رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ قاصد بن کر آپ کے پاس آئے آپ سے عرض کیا گیا کہ بنی عامر کے حق میں بددعا کیجیے تو آپ نے جواب میں یہ حدیث بیان کی۔

آپ روز حشر زمین کی تمام اشیا سے زیادہ شفاعت کریں گے

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی کہ میں روز محشر زمین کے شجر وحجر، ٹیلہ الغرض جملہ اشیاء سے زیادہ شفاعت کروں گا امام احمد نے اسے بریدہ سے روایت کیا۔ شارح کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ میں بہت کثیر مخلوق کی سفارش کروں گا جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے پس اس سے مراد تکثیر ہے۔ شفاعت جائز بلکہ واقع ہوگی یہ مذہب اہل سنت ہے جب کبیرہ کی معافی ہو سکتی ہے تو شفاعت بطریق جائز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد:19)

"اللہ تعالیٰ سے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"۔

اسی طرح:

لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ:48)

"اور نہ کافر کے لیے سفارش مانی جائے گی"۔

عموم احوال وزمان کو تسلیم کرنے کے بعد کہ یہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ ادلہ میں تطبیق یونہی ہو سکتی ہے۔

اِنِّیْ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جُوْرٍ کی تشریح

حدیث پاک: اِنِّی لَا اَشْهَدُ عَلٰی جُوْرٍ "میں ظلم پر شہادت نہیں دیتا"۔ (رواہ البخاری عن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)۔

تو آپ کو دیکھتے ہی آپ کی محبت ان کے دل میں جاں گزیں ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ

سے عرض کیا کہ میں واپس نہیں جاؤں گا تو آپ نے فرمایا واپس جا جو کچھ تیرے دل میں ہے اگر حقیقت ہے تو پھر واپس آ جانا۔ ابورافع کہتے ہیں کہ میں واپس چلا گیا اور دوبارہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

آپ کے آباؤ اجداد کا ذکر

سرورِ کائنات مفخر موجودات ﷺ فرماتے ہیں کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہوں جب بھی اللہ نے دو گروہ کیے تو مجھے ان میں سے بہتر میں رکھا یہاں تک کہ میں اپنے والدین کے ہاں پیدا ہوا تو آدم علیہ السلام سے اپنے ماں باپ تک سفاح سے نہیں بلکہ نکاح سے پیدا ہوا۔ لہٰذا تم سے میں نسب کے لحاظ سے بہتر اور باپ کے لحاظ سے اشرف ہوں اس کو بیہقی نے دلائل میں حضرت انس سے روایت کیا۔

شارح مناوی رقمطراز ہیں کہ محمد آپ کا نامِ گرامی ہے منقول ہے کہ یہ نام الہام کے ساتھ رکھا گیا آپ کے جدامجد نے خواب دیکھا جس کو قیروانی عابر نے کتاب البستان میں نقل کیا۔

عبدالمطلب کا خواب

انہوں نے خواب میں چاندی کا سلسلہ دیکھا کہ اس کی ایک طرف مشرق ایک مغرب ایک شمال اور جنوب کی طرف نکل گئی پھر وہ واپس ہوئی اور ایک درخت کی مانند ہو گئی جس کے ہر پتہ و برگ پر نور چمک رہا ہے اور اہل مشرق اس کے ساتھ چمٹ گئے۔ ہیں اس کی تعبیر یہ بیان کی گئی کہ ایک مولود ہو گا جس کی اہل مشرق و مغرب اتباع اور اہل سماء جس سے محبت کریں گے۔

عبداللہ۔ عبداللہ اسم منقول مرکب اضافی ہے۔ مناوی نے ان کے مناقب ذکر کیے اور وہ مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے آپ قریش میں سے خوبرو وحسین تر تھے۔ اولاد عبدالمطلب میں سے انہیں محبوب تر تھے جب ان کا وصال ہوا تو عمر بیس سال سے زائد نہ تھی۔

عبدالمطلب۔ عبدالمطلب کا اصل نام شیبہ الحمد تھا کنیت ابوالحارث۔ قریش کی جائے پناہ معزز امور میں ان کے ملجاء اور مصائب میں جائے مدد۔ سب سے بیشتر انہوں نے بال سیاہ کیے ان کے دسترخوان سے پرندوں کو بھی حصہ مل جاتا تھا اسی لیے انہیں کہا جاتا آپ آسمان کے پرندوں کی جائے طعام، شیخ جلیل، ابابیل پرندوں والے ہیں۔ باب کعبہ سونے کا بنایا ایام حج میں حجاج کے ساقی، صاحب کعبہ، صاحب ندوہ اور صاحب زیارت تھے۔ انہوں نے اپنے آپ پر دورِ جاہلیت میں شراب حرام کی۔

ہاشم۔آپ کا نام عمر، ہاشم لقب ہے کہ سب سے قبل جدب میں اپنے مہمانوں کو ثرید تیار کر کے پیش کیا۔نیشا پوری نے کہا ان کا رخ ماہتاب کی طرح چمکتا جس شے کے قریب سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتی۔جس نے بھی آپ کو دیکھا وہ آپ کی طرف متوجہ ہوا۔چنانچہ جب قیصر نے انجیل میں آپ کے بیٹے کے اوصاف پڑھے تو آپ سے تمنا کی کہ میری بیٹی سے نکاح کر لیں۔

عبد مناف۔اصل نام مغیرہ کنیت ابو عبدالشمس آپ کو جمالِ بطحاء کہا جاتا یہ طویل القامت کی وجہ سے لقب رکھا گیا قریش کے سردار تھے۔

قصی: قصیٰ کی تصغیر ہے جس کا معنی بعید ہے کیونکہ اپنے والدہ سمیت بلاد قضاعہ میں علیحدہ ہو گئے آپ کا نام مُجَمَّعٌ یا زید ہے قوم کے معاہدے اور نکاح آپ کے مکان پر ہوتے تھے۔قوم آپ پر غالب آ گئی تھی چنانچہ بنی کعب سے سب سے پہلے مملوک ہیں۔

کلاب: بکسر کاف و تخفیف لام مصدر سے منقول ہے بمعنی مکالبت آپ کا نام حکیم، حکیمہ یا عروہ اور کنیت ابو زہرہ ہے سب سے بیشتر آپ نے تلوار کو سونے سے مرصع کیا۔

مرہ: مرۃ بضم میم کنیت ابو یقظہ۔

کعب: کعب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اَمَّا بَعْدُ کہا اور سب سے قبل جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کیا تو آپ قریش کو جمع کر کے ان کو خطبہ دیتے۔بعثت نبی علیہ السلام کا ذکر کرتے اور فرماتے کہ وہ میری اولاد سے ہوں گے۔

لُوئیّ: لوی بضم لام و ہمزہ اور تسہیل سے بھی پڑھا گیا یعنی ہمزہ کو ماقبل کی حرکت کے موافق حرف علت کی آواز میں پڑھنا۔

غالب۔غالب کنیت ابو تیم۔

فہر: فہر بکسر و سکون نام قریش اور قریش انہیں کی طرف منسوب ہیں ان سے اوپر والے کنانی کہلاتے ہیں۔

مالک: مالک ملک الملک سے اسم فاعل تھے۔ابوالحارث کنیت ہے۔ النضر بفتح نون و سکون ضاد۔نام قیس، لقب نضر ان کے چہرہ کے حسن و جمال کی وجہ سے یہ لقب پڑ گیا کنیت ابو مخلد۔آپ نے خواب میں ایک سبز درخت دیکھا جو آپ کی پشت سے نکلا اس کی شاخیں نور کی تھیں جو آسمان کی طرف پھیل رہی تھیں جس کی تعبیر عزت و سرداری سے کی گئی۔

کنانہ: کنانہ لقب ہے کہ آپ قوم سے ستر میں رہتے جیسے تیروں کا تھیلا اور پردہ ہوتا ہے۔آپ

عظیم القدر تھے کہ آپ کے علم وفضل کی وجہ سے عرب آپ کے پاس آتے۔

حکیم ترمذی نے کہا کہ وہ بہت جواد تھے کہ تنہا کھانا تناول نہ کرتے جب کوئی اور نہ ہوتا تو اکیلے کھانے سے شرم کی وجہ سے پتھر کے سامنے بیٹھ جاتے اور ساتھ ساتھ ایک ایک لقمہ اس پر رکھتے جاتے۔

خزیمہ: خزیمہ نام۔ کنیت ابو اسد صاحب مکارم وشرف وفضل کثیر۔

مدرکہ: مدرکہ بضم میم، سکون دال، نام عمرو، اشاطی نے اس پر اجماع حکایت کیا ہے۔ کنیت ابو ہذیل وجہ لقب یہ ہے کہ آپ نے ایک ایسے خرگوش کو پکڑ لیا جس کے پکڑنے سے رفقاء، عاجز آ گئے تھے۔

الیاس: بکسر ہمزہ یا فتح لام تعریف اور ہمزہ وصل کا ہے اکثر علماء کے نزدیک کنیت ابو عمرو یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت اللہ کے لیے بدنہ ہدی کیا (ہدی بدنہ کہتے ہیں کہ اونٹ کو نشان لگا کر کعبہ پہنچانا تاکہ منیٰ میں قربان کیا جاسکے)۔

بعض نے کہا کہ مناسکِ حج میں آپ اپنی صلب سے نبی اکرم ﷺ کی تلبیہ کی آواز سنتے تھے جب آپ فوت ہوئے تو آپ کی زوجہ کو بہت افسوس ہوا اور حلف اٹھایا کہ جس شہر میں ان کا انتقال ہوا اس میں قیام پذیر نہ رہوں گی اور نہ چھت سے سایہ حاصل کریں گی۔ نہ کنگھی اور خوشبو استعمال کروں گی اسی حالت میں رہی کہ فوت ہوگئی اور یہ ایک ضرب المثل بن گئی۔

مضر: مضر بضم وفتحہ نام عمرو ہے ان کے کلام سے ہے جو شر بوئے گا اسی کو کاٹے گا سب سے بہتر بھلائی ونیکی میں عجلت کرنا، اچھائی وبھلائی کے حصول کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالو۔ ہوائے نفس سے بچو کہ تمہیں کسی فساد میں نہ مبتلا کر دے آپ انتہائی صاحب فراست وفطانت تھے۔

نزار: بکسر نون اور تخفیف کے ساتھ نزر سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ قلیل ہے۔ بایں وجہ آپ پیدا ہوئے ان کے والد نے دو آنکھوں کے مابین نور نبوت مشاہدہ فرمایا جسے دیکھ کر خوش ہوئے اور کثرت سے کھانا کھلایا اور کہا کہ اس مولود کے حق میں نزار ہے۔ کنیت ابو ایاد ہے۔

معد نہ عدنان: یہاں تک نسب نامہ صحت کے ساتھ ثابت اور متفق علیہ ہے ابن دحیہ نے کہا اجماع ہے کہ عدنان سے آگے تجاوز نہ کیا جائے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عدنان اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام میں تیس واسطے ہیں جو معروف ومعلوم نہیں۔

اسی لیے امام مالک نے آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرنے کا انکار کیا اور کہا کہ جو یہ بیان کرے یعنی جیسا مؤرخین نے بیان کیا ہے وہ ثقہ نہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ عدنان اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ عدنان اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور یہ بیس وجوہات سے باطل ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ اہل کتاب نے عدنان کو حضرت اسحاق کی طرف منسوب کیا ہے جو ان کی کتب کی نص سے باطل ہے۔

مناوی نے حدیث، جب اللہ نے دو گروہ کیے تو مجھے بہتر میں رکھا کی شرح میں لکھا کہ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباؤ اجداد عظمت وفضائل والے ہیں کیونکہ نبوت ملک وسیاست عامہ ہے ملک حسب وخطر والوں میں ہوتے جتنے خصائل فضائل زیادہ ہوں گے اتنے ہی زیادہ لوگ مطیع وفرمانبردار ہوں گے اور شہنشاہوں میں جتنا نقص ہوگا اتنے ہی متبعین میں کمی ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر گروہ اور بہتر جگہوں میں رکھا۔ حَتّٰی اِنْتَهَيْتُ اِلٰی اَبِیْ وَاُمِّیْ۔ وہ آمنہ بنت وہب بنت عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تو کلاب پر والدہ اور والد دونوں طرف آ کر مل جاتے ہیں۔

اس حدیث کے راوی حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب خبر پہنچی کہ کندہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے خاندان سے ہیں۔ پس فرمایا یہ عباس اور ابوسفیان جب تمہارے پاس آئیں تو ان سے اپنا نسب بیان کرنا پھر فرمایا آپ کے نسب کی نفی نہیں کرتے ہم نضر بن کنانہ سے جا کر ملتے ہیں پھر خطبہ ارشاد فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (آخرہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبَ کی تشریح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

''میں ہی نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں میں ابن عبدالمطلب ہوں''۔ (رواہ الامام احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن البراء)۔

شارح علیہ الرحمۃ نے فرمایا اَنَا النَّبِیُّ کہ نبوت کے ساتھ لام حصر کا استعمال کیا کہ میں کفار سے کیسے راہِ فرار اختیار کر سکتا ہوں۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفت نبوت کے ساتھ کذب محال ہے گویا کہ فرمایا میں نبی ہوں اور نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ لہٰذا میں اپنے کلام میں کاذب نہیں کہ بزدل ہو کر بھاگ جاؤں بلکہ میرے رب نے میرے سے نصرت واعانت کا وعدہ فرمایا تو کیسے فرار ہو سکتا ہوں۔

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اپنی نسبت جد امجد کی طرف شہرت کی بناء پر کی اور آپ کی ولادت سے قبل

کاہنوں کی خبروں کا یاد کرانا مقصود تھا جو کہتے تھے ہاں ہاں عبدالمطلب سے نبی پیدا ہوگا تو ان کو یاد دلایا کہ میں وہی نبی ہوں جن کی تمہیں بشارت دی گئی بطور فخر ارشاد نہیں فرمایا کیونکہ فخر کو آپ مکروہ خیال کرتے اور اس سے دوسروں کو منع کرتے۔

سوال: یہ شعر ہے شعر کہنے کو آپ نے حرام کہا؟۔

جواب: شعر نہیں بلکہ انداز شعر پر کلام ہے جو بلا ارادہ و بغیر تکلیف کے فرمایا اسی طرح اور بھی ایسے کلام ہیں جو شعر معلوم ہوتے ہیں اسی طرح قرآن کریم میں بھی اوزان اور بحور شعر پائے جاتے ہیں۔

بعض شراح الشفا نے کہا یہ ہر نبی کے بارے میں عام ہے کیونکہ شعر میں غلو ہوتا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ علماء کے شایان شان نہیں حضرات انبیاء کے مناسب شان کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ نبوت ہر چیز سے افضل و برتر ہے۔ امام مناوی نے حدیث شریف کی شرح میں فرمایا:

اَنَاالنَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب اَنَا اَعْرَبُ الْعَرَبِ وَلَدَتْنِیْ قُرَیْشٌ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَاَنّٰی یَأْتِیْنِیْ اَللَّحْنُ۔

(رواه الطبرانی عن ابی سعید رضی الله عنه)

''میں ہی نبی ہوں جھوٹ نہیں ابن عبدالمطلب ہوں عرب سے زیادہ عربی دان ہوں قریش میں میری ولادت ہوئی بنی سعد میں نشو و نما پائی تو میرے قریب لحن کیسے آ سکتا ہے''۔

شارح نے کہا کہ مجھ پر لحن کیسے وارد ہو سکتا ہے میں عرب سے زیادہ عربی دان اسی واسطے فصحاء عرب آپ کے سامنے عاجز آ گئے جو اپنے کلام ورجز اور خطبوں میں سحر بھر دیتے تھے اور اپنی کلام میں کنایہ، تعریض، استعارہ، تمثیل بدیع کے اصناف مجاز کے اقسام و اشباع ایجاز کو استعمال کرتے تھے آپ کے دشمن دست بدنداں رہ گئے۔

تنبیہ۔ روض میں کہا کہ اشراف عرب اپنی اولاد شہر سے باہر قبائل میں تربیت و پرورش کے لیے بھیجتے تا کہ فصیح اللسان اور مضبوط اور طاقت ور بنیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث سے طاقت ور اور سخت بنیں تو یہ حدیث اسی پر محمول ہوگی۔

اَنَا اِبْنُ الْعَوَاتِکِ مِنْ سُلَیْمٍ کی تشریح

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سلیم عواتک کا بیٹا ہوں اسے سعید بن ابی منصور اور طبرانی نے سیابہ بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

شارح مناوی فرماتے ہیں کہ صحاح میں ہے العواتک آپ کی جدات میں سے نو ہیں۔ دوسروں

نے کہا کہ تین ہیں سلیم سے ہر کل کا نام عاتکہ ہے وہ عاتکہ بنت ہلال بن فالج بن ذکوان عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال، ہاشم کی والدہ عاتکہ بنت اوقص بن مرہ بن ہلال، سیدہ آمنہ کی والدہ وہب کی والدہ (یعنی سیدہ آمنہ کی دادی) باقی نو غیر بنی سلیم سے ہیں۔

حلیمی نے کہا یہ حدیث حضور علیہ السلام نے فخر یہ نہیں فرمائی بلکہ مذکورات کے مقام کا تعارف کرایا جیسے کہا جاتا ہے کہ میرا باپ فقیہ تھا تو اس سے مقصود تعریف بیان کرنا ہے جو آپ اور آپ کے آبا و امہات اور بنی سلیم پر انعامات ہیں ان کی تحدیث کے لیے فرمایا اور ان میں ولادت پر فخر فرمایا۔

ابن عساکر کی روایت میں ہے میں فواطم کا بیٹا ہوں یہ حنین کے مقام پر فرمایا۔

روض میں ہے عاتکہ کا معنی زعفران اور خوشبو لگانے والی قاموس میں ہے کہ عاتک کا معنی کریم ہے ابن سعد نے کہا عاتکہ لغت میں طاہرہ کو کہتے ہیں۔

آقا علیہ السلام کی عظمت شان کا بیان

حدیث شریف میں نبی امی صادق زکی ہوں جس نے میری تکذیب کی مجھ سے اعراض کیا اور میرے ساتھ مقاتلہ کیا اس کے لیے ہلاکت ہے اور جس نے مجھے جگہ دی میری مدد کی مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق اور میری معیت میں جہاد کیا اس کے لیے خیر و بھلائی ہے ابن سعد نے عبد عمرو بن جبلہ کلبی رضی اللہ سے روایت کیا۔

شارح علامہ مناوی نے کہا اَنَا النَّبِيُّ یہ اس کا ماقبل و مابعد جملہ خبریہ کے قبیل سے ہے۔ لیکن مقصود خبر نہیں بلکہ اظہار شرف اور عند اللہ اپنے مقام و منزلت کا بیان ہے کہ وہ نبی امی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا نبی بنایا جس نے نہ کسی سے کتابت سیکھی اور نہ پڑھا تا کہ حجت اثبت اور شبہ سے پاک ہو۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (اعراف:157)

"اور جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس تورات اور انجیل میں"۔

یہ کتنا بلند مقام ہے کہ امی ہو کر تمام علوم و احکام اور قرون ماضیہ کی خبریں دے جس نے نہ لکھا اور نہ کتاب سے استفادہ کیا ہو۔

ابن ظفر نے سفیان مجاشعی کے حوالے سے بیان کیا کہ بنی تمیم کے کچھ لوگ اپنی کاہنہ کے پاس گئے تو وہ کہہ رہی تھی عزت والا ہے جس نے اس سے محبت کی اور ذلیل ہے وہ جس نے اس سے عداوت کی

اور کامیاب ہے جس نے اسے مولیٰ بنایا۔ سفیان نے کہا کہ کس کا تذکرہ کر رہی ہو وہ کہنے لگی وہ صاحب حل وحرم، ہدایت وعلم، بطش وحلم اور حرب ہیں۔ سفیان نے کہا وہ کون ہے کاہنہ نے کہا وہ نبی ہیں احمر واسود (عرب وعجم) کی طرف مبعوث ہوں گے ساتھ ایسی کتاب لائیں گے جو فنا نہ ہوگی ان کا اسم گرامی احمد ہوگا اس نوعیت کے کثیر واقعات میں نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین'' میں ذکر کیے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ قاسم خیرات ہیں

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَنَا اَبُوْ الْقَاسِمِ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ وَاَنَاقَاسِمٌ۔(راوه الحاكم عن ابى هريره رضى الله عنه)

''میں ابو قاسم ہوں اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ حاکم نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا''۔

شارح مناوی فرماتے ہیں یہ آپ کی مشہور کنیت ہے۔ نیز ابو ابراہیم اور ابو المومنین بھی کنیت ہے ابن دحیہ نے ابو الارامل بھی لکھی ہے۔

وَاللّٰهُ يُعْطِىْ۔ اللہ تعالیٰ مال عطا کرتا ہے۔ غنیمت، فئی وغیرہ اور میں اسے تقسیم کرتا ہوں جس طرح اس نے مجھے حکم دیا انصاف وعدل کیساتھ۔ یہ مسلمانوں کی تالیف قلوب کے لیے فرمایا اور مطلب یہ ہے مال اللہ کا ہے اور انسان اللہ کے بندے ہیں اور میں اللہ کے مال کو اللہ کے بندوں میں اس کے حکم کے مطابق تقسیم کرتا ہوں لہٰذا اگر کسی کو کم یا زیادہ مال ملے تو وہ اللہ کے حکم سے ہوگا یہ امور دینیہ اور علوم شریفہ کو بھی شامل ہے علوم ومعارف مومنین میں تقسیم کرتے ہیں پس ہر مومن کو اتنا ہی دیتے ہیں جتنی اس میں بساط وطاقت ہو۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح ہے:

تمام امم سے امت محمدیہ کی روز محشر تعداد زیادہ ہوگی

رسول پاک صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَكْثَرُ الْاَ نْبِيَاءِ تَبْعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ (رواه مسلم عن انس رضى الله عنه)

''میں روز محشر تمام انبیاؑ سے اتباع میں زیادہ ہوں گا اور سب سے پیشتر باب جنت پر دستک دوں گا''۔ (مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)۔

مناوی نے کہا روز محشر کی قید اس لیے لگائی کہ وہ روز ظہور کا دن ہوگا اور توضیح مسلم کی روایت سے ہوتی ہے کہ بعض انبیاءؑ علیہم السلام ایسے بھی ہوں گے کہ حشر کے روز ان کے ساتھ ایک ایک شخص ہوگا۔

یہاں جزم کے ساتھ فرمایا کہ میرے ساتھ سب انبیاءؑ سے زیادہ متبعین ہوں گے اور ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ مجھے امید ہے آگے یہی حدیث ارشاد فرمائی تو جزم ورجاءؑ میں منافات اسی طرح نہیں کہ ابتداءً رجاءً سے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت واضح کردی تو جزم کے ساتھ فرمادیا۔ جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا اس کا معنی ہے کہ میں سب سے قبل جنت میں داخل ہوں گا۔

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ حدیث کی توضیح

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگ اٹھیں گے تو میں سب سے پہلے نکلوں گا جب اللہ کے پاس آئیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا جب مایوس ہونگے تو انہیں بشارت دینے والا ہوں گا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا میں اپنے رب کے پاس سب اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں گا اور اس میں فخر نہیں۔ ترمذی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

شارح مناوی لکھتے ہیں کہ رافعی نے کہا کہ یہ حدیث کہ میں سب سے قبل قبر سے نکلوں گا اور مابعد والی تمام حدیث اپنے رب کی طرف کمال عنایات و بے پایاں انعامات کا ذکر کیا۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت میں سب سے اول ہیں۔

مَعْنٰی اِذَاوَفَدُوْا۔ جب اپنے رب کے پاس آئیں گے۔

بعض شراح ترمذی نے کہا یہ خطبہ شفاعت ہوگا بعض نے کہا یہ اس سے قبل ہوگا آپ نے امام کے بجائے خطیب فرمایا بریں بنا کہ کلام آخرت میں ہے جو دار التکلیف نہیں۔

فائدہ۔ اس حدیث سے مستفاد ہے کہ آپ محشر میں افضل الخلق ہیں۔

مُبَشِّرُهُمْ: کہ میری شفاعت قبول ہوگی تاکہ جب مایوس ہو چکے ہوں گے تو انہیں راحت نصیب ہو۔ ایک روایت اَبْلَسُو جو ابلاس سے مشتق ہے جس کا معنی انکسار و حزن ہے اس لیے کہ آپ بشیر ہیں۔

لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِیْ۔ قیامت کے روز جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا عرب کی عادت کے موافق کہ علم اس کے پاس ہوتا ہے جس کے ساتھ کثیر خلق ہوتا کہ اس کا مقام و مرتبہ معلوم ہو کہ اس کا مقصد رئیس کے مکان کا معلوم کرنا ہے۔

مؤلف امام سیوطی سے سوال ہوا کہ یہ علم حقیقی ہوگا یا معنوی انہوں نے جواب دیا کہ معنوی وہ حمد ہے اس لیے کہ حقیقی علم وہ جھنڈا ہوگا جو امیر لشکر کے پاس ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حمد کے

ساتھ مشہور ہوں گے دو قولوں میں ایک قول ہے طیبی نے نقل کیا۔ دوسرے نے کہا اس سے مراد ہے کہ محشر کے روز آپ حمد کے ساتھ منفرد ہوں گے یا لواء الحمد کا معنی حقیقی ہے۔ جس کا معنی لواء الحمد ہے۔ دوسری طرف پشتی کا کلام ہے انہوں نے کہا صالحین کے مقامات میں سے حمد سے ارفع کوئی مقام نہیں۔ جب مصطفیٰ ﷺ نے دارین میں سب سے زیادہ حمد کی تو آپ کو لواء الحمد عطا ہوگا جس سے طرف اولین وآخرین پناہ حاصل کریں گے۔ لواءً کی اضافت حمد کی طرف جو کہ اللہ کی شان کے لائق ثنا کرنے کو کہتے ہیں یہ آپ کا منصبِ رفیع ہے اور یہی مقامِ محمود ہے۔ اَنَا اَکْرَمُ وَلِدِ آدَمَ۔ اس میں آپ کی سیادت واکرام کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کے مزید فضل واکرام کی اطلاع ہے۔

فائدہ: آپ کے خصائص وکرامات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کی قسم یاد کی اور جب آپ نے عبادت شاقہ شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے شفقت فرماتے ہوئے تقلیل کا کہا، جب کہ دوسرے لوگوں کو زیادتی کا کہا قسماً کہا کہ آپ مرسلین سے ہیں آپ مجنون نہیں آپ خلق عظیم پر ہیں اور آپ کے رب نے چھوڑا ہے نہ ناراض ہوا۔

آپ مختون پیدا ہوئے تا کہ کوئی آپ کی شرمگاہ کو نہ دیکھے وصال کے وقت ملک الموت آپ سے اجازت لے کر آئے جب کہ آپ کے سوا کسی سے اجازت لے کر نہیں آئے جب یہ اعتقادی اصول ہے جس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اس قول کے ساتھ بیان فرمایا اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ لَا فَخْرَ اس فخر نے ہمارا ازالہ کر دیا (ترکیب میں) یہ حال موکدہ واقع ہو رہا ہے (عبارت یوں ہوگی) اَقُوْلُ ذَالِکَ غَیْرَ مُفْتَخِرٍ بِہٖ فَخْرَ تَکَبُّرٍ۔ گفتگو فخر وتکبر سے نہیں کہہ رہا۔

قرطبی نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ یہ ان امور سے ہے جن کی تبلیغ کا آپ کو حکم ہے جس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے اور یہ آپ کے حق میں ہے تا کہ لوگ دین میں دخول کی رغبت کریں جو دین میں داخل ہو وہ اس سے تمسک کرے آپ کی محبت کی عظمت متبعین کے دل میں پیدا ہو تا کہ اعمال میں کثرت اور احوال میں پاکیزگی میسر ہو پس دنیا وآخرت میں شرف وبزرگی حاصل ہو متبوع کے شرف سے تابع کا شرف بڑھتا ہے۔

سوال: اگر یہ ان اعتقادات سے ہے جن پر اعتقاد واجب ہے تو وہ متواتر سے حاصل ہوتا تا کہ قطعی علم کا فائدہ دے جب کہ یہ احادیث آحاد ہیں۔

جواب: جس صحابی نے یہ امور رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہ سنے تو اسے یقین حاصل ہو گیا اور جس نے بالمشافہ نہیں سنا اسے تواتر معنوی سے یقین حاصل ہو گیا۔

آپ محشر میں جنتی لباس پہنے ہوں گے

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میری قبر کھلے گی میں جنت کا لباس پہن کر عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں مخلوق میں سے کوئی کھڑا نہ ہوگا اسے ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

شارح مناوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں روز حشر سب سے قبل میرے جسم میں روح لوٹائی جائے گی اور میرا جسم طاہر ہے پس جنتی لباس زیب تن کروں گا اس میں ابراہیم علیہ السلام بھی شریک ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی شرافت وکرامت پر دلالت ہے۔

آپ کی کرامت سے ہے جب تمام مخلوق عریاں ہوگی تو آپ اعلیٰ لباس میں ملبوس ہوں گے جیسے بادشاہ کا طریقہ ہے پس آپ کے لیے مخصوص مقام ہوگا جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے جس کی طرف ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ سے اشارہ کیا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ صرف آپ ہی کو عطا کرے گا خلائق ثقلین اور ملائکہ کو شامل ہے اور یہ فضل مطلق ہے یہ بخاری ومسلم کی روایت کے منافی نہیں جس میں ہے نفخہ کے بعد سب سے قبل میں سر اٹھاؤں گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کے ساتھ متعلق ہوں گے ہوسکتا ہے کہ بعثت صعقہ ہو جس سے ساری مخلوق گھبرا جائے گی اور موسیٰ علیہ السلام ساقط نہ ہوں کہ صعقہ طور پر اکتفا کرتے ہوئے پس جب آپ اس صعقہ سے سر اٹھائیں گے تو آپ موسیٰ علیہ السلام کو جانب عرش کو پکڑے ہوئے ملاحظہ فرمائیں گے تو نفخہ سے یہی صعقہ مراد ہے۔

آپ اولاد آدم کے سردار ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا سب سے قبل میری قبر کھلے گی میں پہلا شافع اور مُشفَّع (جس کی سفارش قبول ہوگی) ہوں اس کو مسلم، ابوداؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

شارح نے فرمایا کہ روز حشر کی تخصیص کی وہاں سب لوگ جمع ہوں گے ہر ایک کے سامنے آپ کی سیادت عیاں ہوگی۔

آپ نے اپنا وصفِ سیادت مطلق کے ساتھ فرمایا علم بیان وبدیع کے مطابق عموم کا فائدہ دے اور تمام انسانوں پر برتری ثابت ہو یہاں تک کہ اولوالعزم کی رسلانِ عظام پر برتری ثابت ہے اور تمام مخلوق آپ کی محتاج ہے۔ کیسے محتاج نہ ہو جب کہ یہ فیض کا واسطہ ہیں اولاد آدم کی تخصیص وقید احترازی نہیں (بلکہ اتفاقی ہے) آپ کی بزرگی عوام وخواص تمام فرشتوں پر بھی حاصل ہے جس طرح امام نے اس پر اجماع نقل کیا اور اس اجماع سے مراد اجماع اہل سنت ہے یہ حدیث قرآن کریم پر عمل کرتے

ہوئے ارشاد فرمائی:

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ)

''اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو''۔

پس یہ جس کی تبلیغ واجب ہے کا بیان ہے۔

آپ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور تمام لوگوں کے شفیع

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اس میں فخر نہیں ہر نبی حضرت آدم ہو یا کوئی اور نبی میرے جھنڈے تلے ہوگا میں ہی پہلا شافع مشفع ہوں اس میں فخر نہیں۔ اسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری سے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شارح مناوی نے کہا حضور کا فرمان لَا فَخْرَ میں یہ بات بطور شکر کہہ رہا ہوں نہ کہ فخر سے جیسے سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل:16)

''ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا''۔

میں تکبر و تعظیم سے نہیں کہہ رہا ہوں بعض نے کہا کہ میں دنیا میں اس پر تکبر نہیں کرتا ورنہ اس میں دارین کا فخر ہے بعض نے کہا مجھے اس پر فخر نہیں بلکہ جو مجھے یہ مرتبہ و کمال حاصل ہوا ہے اس پر فخر ہے فخر بڑائی کا دعویٰ کرنے کو کہتے ہیں آپ نے تحدیث نعمت اور تعلیم امت کے لیے فرمایا تا کہ وہ اعتقاد رکھیں کہ آپ جمیع انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں یہ حدیث کہ انبیاءؑ کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دو تو اس کا معنی ہے کسی کی فضیلت پر فخر نہ کرو۔ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ میں لواء کسر اور مد کے ساتھ ہے۔

عرصاتِ محشر میں کئی مقام پر جھنڈے ہوں گے جو اہل خیر و شر کے لیے ہیں ہر مقام پر ایک متبوع ہوگا جس کے لیے جھنڈا نصب کیا جائے گا جس سے اس کی قدر معلوم ہوگی ان مقامات میں سے اعلیٰ مقام حمد ہے تمام جھنڈوں سے اعلیٰ لواء الحمد ہے جس کے پاس تمام اولین و آخرین آئیں گے پس یہاں حقیقی معنی لیا جا سکتا ہے تو بعض اصحاب کا حقیقت سے مجاز کی طرف جانے اور لواء الجمال والکمال مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وَلَا فَخْرَ مجھے عطا پر فخر نہیں بلکہ معطی پر ہے اس معنی کے ثبوت کے لیے رسول پاک ﷺ اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا اور آپ کا نام بھی حمد سے مشتق ہے جسے مقام محمود کے قائم مقام کیا گیا اور آپ پر حمد و ثناء ایسی کھلے گی جو آپ سے پہلے اور بعد میں کسی پر نہ کھلی۔ لیکن رسول

اللہ ﷺ کا اپنے آپ کو یَا خَیْرِ الْبَرِیۃ سے منع کرنا اور فرمانا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ تواضع پر محمول ہے یا تفصیل ظاہر ہونے سے قبل پر محمول ہوگی۔

سوال: معصوم شخصیت سے ایسی خبر جو خلاف حقیقت ہو کیسے صحیح ہو سکتی ہے اور امر وجودی سے خبر کیسے ہو سکتی کہ اخبار وجودیہ میں نسخ نہیں ہوتا۔

جواب: یہ کسی چیز سے خبر ہی نہیں چہ جائیکہ خلاف واقعہ ہو آپ نے اس لفظ کے اطلاق کو خود پر منع کیا اور باپ کا احترام کرتے ہوئے فرمایا مجھے خیر البریہ نہ کہو بلکہ یہ جناب ابراہیم کو کہو پس یہ حکم شرعی سے خبر ہے نہ معنی وجودی سے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امر وجودی سے خبر ہے تو پھر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ امر وجودی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی بلکہ بعض میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور بعض میں نہیں تو اس سے تناقض محال یا نسخ لازم نہیں آتا جیسے امور وضعیہ کی اخبار میں اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ انسان کا مکرم اور مفضل ہونے کا معنی جس چیز کے ساتھ تکریم و تفضیل ہو اور جس پر فضیلت و تکریم دی جارہی ہے اس کے لحاظ سے ہے کبھی تکریم کی جاتی ہے ایسی چیز کے ساتھ جس میں کوئی اور بھی آ سکے مساوی ہو اور کبھی غیر پر ترجیح دی جاتی ہے اور کسی چیز کے ساتھ فضیلت و تکریم کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسری کی تکریم نہیں کی جاتی۔ تو پہلی صورت میں مکرم دوسری میں مفضل مقید اور تیسری صورت میں مطلق مفضل کے مرتبہ میں ہوگا اور اسے تناقض و نسخ لازم نہیں آتا اس کو قرطبی نے بیان کیا اور کہا اس پر کفایت کر اور اپنے ہاتھ روک لے۔

بعض صوفیہ یعنی شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ آپ نے اپنی سیادت کی خبر تعلیم امت کیلئے دی۔ اول شافع کہ وہ پہلے شافع تاکہ اس دن لوگ تعب و مشکل سے راحت حاصل کریں اور یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم اسلام کے پاس جانے سے رکے رہیں کہ وہ شفاعت کریں یا آپ ہدایت دے رہے ہیں کہ وہ اپنی جگہ رکے رہیں حتیٰ کہ آپ کی باری آجائے (کیونکہ ان کے پاس جانے کا فائدہ نہیں کہ پہلا شافع تو میں ہوں) تو آپ فرمائیں گے میں اس کام کا اہل ہوں پس آپ کا وہ امتی انبیاء کے پاس جائے جو بھول گیا یا اسے خبر ہی نہیں پہنچی۔

یہ حدیث سے مستفاد ہے لہٰذا شیخ عربی کا یہ قول کہ یہ کلام محقق مجھ سے ہے جسے دوسروں میں نہ پائے گا کی ضرورت نہیں یا قصد اعتناً اور اس کے ساتھ عدم تعاون کی بناً۔

شفاعت کی اقسام

خصائص کبریٰ میں امام سیوطی نے آپ کے خصائص میں سے اقسام شفاعت کا ذکر کیا۔

پہلی قسم: حساب شروع کروانے کے لیے شفاعتِ عظمیٰ۔
دوسری قسم: آپ کی شفاعت سے ایک جماعت بغیر حساب کے جنت میں جائے گی۔
تیسری قسم: وہ لوگ جو مستحق نار ہوں گے آپ کی شفاعت سے آتش دوزخ سے نجات پائیں گے۔
چوتھی قسم: آپ کی شفاعت سے کچھ اہل جنت کے درجات بلند ہوں گے۔
نووی نے انہیں اور ماقبل اقسام کو آپ کے خصائص میں تسلیم کیا ہے اور ماقبل کے متعلق احادیث میں آچکا ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ نے کچھ اور اقسام کی تصریح بھی کی ہے۔
پانچویں قسم: آپ کی شفاعت سے اہل نار دوزخ سے نکالے جائیں گے یہاں تک کہ کوئی مومن دوزخ میں نہ رہے گا اس کو سبکی نے ذکر کیا ہے۔
چھٹی قسم: آپ کی شفاعت سے صالحین جن کی نیکوں میں تقصیر ہوئی ان کی تقاصیر کی معافی ہوگی۔
ساتویں قسم: آپ کی شفاعت سے موقف میں تخفیف ہوگی۔
آٹھویں قسم: آپ کی شفاعت سے کفار اہل نار کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔
نویں قسم۔ اطفال مشرکین کے حق میں کہ انہیں عذاب نہ ہو۔
دسویں قسم: آپ کی شفاعت سے کوئی اہل بیت نار میں نہ جائے گا۔

آپ نے صبر و شکر کا حق ادا کر دیا

سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ میں مرسلین کا قائد ہوں اس میں فخر نہیں میں خاتم النبیین ہوں اس میں فخر نہیں اول شافع و مشفع ہوں اور اس میں فخر نہیں۔ اسے دارمی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مناوی فرماتے ہیں کہ اولیت کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر وہ مصائب و آلام برداشت کئے جو کوئی دوسرا نہ کر سکا تو صبر و شکر کا حق ادا کر دیا کہ صبر کے اس درجہ تک پہنچے جہاں کوئی صابر نہ پہنچ سکا اور درجات شکر میں شاکرین سے سبقت لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقام و مرتبہ سے نوازا۔

عارف ابن عربی رقمطراز ہیں کہ دنیا میں آپ کے لیے ہر لحاظ سے سیادت ثابت ہوگئی اور روز حشر بھی ثابت ہو جائے گی کہ آپ کے ذریعے باب شفاعت کھلے گا اور پہلے سب کے حق میں شفاعت کریں گے اس شفاعت میں انبیاء و رسل اور ملائکہ بھی شامل ہوں گے پھر آپ کے بعد شفاعت اتنی عام ہو جائے گی انبیاء و مرسلین تو کجا ایک مومن بھی شفاعت کرے گا لہٰذا پہلے شافع رحمت اللعالمین اور آخری ارحم الراحمین ہیں دائرہ کا آخر اول کے ساتھ متصل ہوتا ہے تو شرف رسول اعظم ﷺ سے بڑھ کر کس کا شرف متصور ہو سکتا ہے کہ ابتدائے دائرہ کمال آخر کے ساتھ متصل ہوا یعنی جہاں سے اللہ تعالیٰ نے

کمال کی ابتدا کی وہیں اختتام کر دیا۔

حضور علیہ السلام سب سے زیادہ عربی اور اطہر النسب ہیں

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے زیادہ عربی ہوں میں قریش سے ہوں میری زبان بنی سعد بن بکر کی لسان ہے ابن سعد نے یحییٰ بن یزید سعدی سے اسے مرسل روایت کیا۔

شارح مناوی نے کہا، اَعْرَبُ کا معنی ہے اَدْخَلُكُمْ فِی الْعَرَبِ یعنی میں تم سے زیادہ عرب میں داخل ہوں۔ نسب کے اعتبار سے اوسط قبیلہ کے لحاظ سے انسب کہ اولاد اسماعیل سے عدنان افضل نزار بن معد بن عدنان کی اولاد سے مضر افضل، مضر کی اولاد سے خزرف اس سے مدرکہ، مدرکہ سے قریش، قریش سے محمد کریم ﷺ افضل ہیں۔

لِسَانِی لِسَانُ بَنِی سَعْدِبْنِ بَکْرٍ، بنی سعد بن بکر میں نشو ونما پائی کہ عرب دیہاتی عورتوں کے پاس اپنے بچے تربیت اور دودھ پلانے کے لیے بھیجتے تھے۔

زمخشری نے کہا یہ عربی زبان اللہ تعالیٰ کی قدرت محصنہ سے اس کی فصاحت و بلاغت اور عمدگی آپ کی زبان پر جاری ہوئی عرب کا بڑے سے بڑا خطیب آپ کے سامنے ساکت ہوا۔ اور کوئی قافیہ و ردیف بندی کرنے کے لیے آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔

حرالی نے کہا آپ کے کمال احوال سے ہے کہ آپ مختلف لغات کے علم سے بخوبی واقف اور ان تمام پر محیط تھے۔

حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ ابو بکر صدیق سے ایسی لغت میں گفتگو فرماتے ایسے معلوم ہوتا کہ یہ ایک نئی زبان ہے مجھے اس گفتگو سے کچھ سمجھ نہ آتی۔

اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ کی تشریح

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تم سے قبل حوض پر ہوں گا امام بخاری، احمد اور مسلم نے جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

شارح کہتے ہیں اَنَا فَرَطُكُمْ بِالتَّحْرِيْكِ تم سے پہلے حوض پر ہوں گا تاکہ تمہارے لیے اصلاح کروں اور آنے والے کے لیے جو مناسب ہو اس کو تیار کروں اور تمہاری نجات کا راستہ ڈھونڈوں جیسے مقولہ ہے فرس فرط گھوڑے پر آنے والا اسے زمخشری نے ذکر کیا۔

فائدہ نمبر ۱: اس میں عمل صالح کے کرنے کی ترغیب ہے تاکہ دارین میں آپ کی مصاحبت میسر ہو سکے۔

فائدہ نمبر ۲: اس میں آپ کے وقت وصال کے قرب کی طرف اشارہ ہے اور اپنے اصحاب سے پہلے وصال ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

اس کا سبب ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبرستان میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

اَلسَّلَا مُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّااِنْشَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْنَا اَنَّ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا۔

اے مومن قوم کے گھروں تم کو سلام ہو اگر اللہ نے چاہا تو ہم آپ کو ملنے والے ہیں یہی خواہش رکھتے ہیں کہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کریں۔

اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم آپ کے بھائی نہیں تو ارشاد فرمایا تم میرے اصحاب ہو، بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے تو انہوں نے عرض کیا جو مسلمان ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو آپ کیسے پہچانیں گے تو آپ نے فرمایا کیا سفید ماتھے والے گھوڑے کو غیر سفید ماتھے والے گھوڑوں میں اس کا مالک پہچان لیتا ہے؟ اصحاب نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمایا اسی طرح وہ بھی میرے پاس آئیں گے ان کے مواضع سجود چمکتے ہوں گے اور میں حوض پر تمہارا انتظار کروں گا کچھ لوگ میرے حوض سے واپس لوٹا دیے جائیں گے جیسے سرکش اونٹ لوٹایا جاتا ہے میں پکاروں گا انہیں آنے دو آنے دو تو مجھے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں تغیر کیا تھا تو میں کہوں گا کہ انہیں دور کرو دور کرو۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ اسمائے گرامی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں محمد، احمد، مقفی، حاشر، نبی التوبہ اور نبی الرحمت ہوں اسے امام احمد اور مسلم نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور الطبرانی نے نبی الملحمۃ کا اضافہ کیا۔

شارح مناوی رقمطراز ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ مجھ سے بڑھ کر کون اللہ کی حمد و ثناء کر سکتا ہے اور مجھ سے زیادہ کس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اس لیے ان دو اسماء کے آپ ہی مستحق ہیں۔ مقفی بتشدید الفاً و کسراً (باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ) بعد میں آنے والے کو کیونکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائے یا اپنے سے سابق (انبیاء ورسل) کے آثار کی اتباع کرنے والے۔ الحاشر۔ سب لوگوں سے پہلے حشر میں آنے والے۔ نبی التوبہ۔ نیت وقول سے قبول توبہ کے لیے جو مبعوث ہوئے جب کہ آپ سے قبل توبہ ہونے کا طریقہ خود کو قتل کرنا تھا یا جن کی توبہ دوسروں سے کہیں زیادہ ہو یا یہ کہ

آپ کی امت تمام امم سے زیادہ ہے تو ان کی توبہ بھی زیادہ ہوگی۔ یا آپ کی امت کی توبہ زیادہ بلیغ ہے کہ تائب توبہ کے بعد ایسے ہو جاتا ہے گویا کہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہوا ہی نہیں۔ اور اس پر دنیا و آخرت دونوں میں مواخذہ نہیں ہوتا جبکہ کہ پہلوں کے لیے دنیا میں مواخذہ ہوتا۔

قرطبی نے کہا ہے ان توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کی توبہ کے لیے تشریف لایا پس اسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ نبی التوبہ ہے تو ہمارے نبی ﷺ کے لیے اس میں اضافہ ہے نبی الرحمۃ۔ رحمت کا ترفق مومنین پر نرمی مسلمان بندوں پر شفقت، رحمت اور اس کی مثل کا معنی محتاجوں پر انعامات کا اضافہ اور شفقت کرنا ہمارے رسول پاک ﷺ اور آپ کو وہ کچھ عطا ہوا جو دوسروں کو عطا نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء:107)

"ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے"۔

نبی الملحمة۔ نبی حرب یہ نام اس بناء پر رکھا گیا کہ آپ جہاد کے حریص ہیں۔ نبی رحمت و حرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کی طرف راہنمائی کے لیے مبعوث کیا اور معجزات کثیرہ سے تائید کی جس نے انکار کیا اس سے قتال کیا تو آپ نبی الرحمۃ بھی ہوئے کہ آپ کی رحمت عامہ ہے۔ امام احمد نے حضرت حذیفہ سے وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ بھی روایت کیا۔ زین عراقی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

آپ کی آمد کی انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی

فخر موجودات ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اَنَادَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَكَانَ آخِرُ مَنْ بَشَّرَنِيْ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ (رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرُ عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)۔

"میں ابرہیم علیہ السلام کی دعا ہوں سب سے آخری رسول جس نے میری بشارت دی وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ابن عساکر نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا"۔

مناوی نے کہا اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ، طیالسی اور دیلمی نے ان الفاظ سے روایت کیا میں اپنے باپ ابرہیم کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ کی نوید ہوں جب میں پیدا ہوا تو میری والدہ سے ایک نور چمکا جس سے مشرق و مغرب کا مابین روشن ہو گیا۔ دعوت ابراہیم کا معنی ہے صاحب دعوت ابراہیم جو انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت کی۔

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

''اور بھیج ان میں ایک رسول''۔

اس کا فائدہ آپ کے شرف وفضل کا اظہار اور مطلوب مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کتاب کی تلاوت کرنے والے اور مخلوق کو شرک سے پاک کرنے والے اولین وآخرین میں معروف ہیں کَانَ آخِرُمَنْ بَشَّرَ نِبِیٌ سب سے آخر میں جناب عیسیٰ علیہ السلام نے نوید سنائی تا کہ جب تشریف لائیں تو لوگ مسلمان ہو جائیں یا آپ کے ظہور کے وقت جناب مسیح علیہ السلام کا معجزہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔

وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصّف:6)

''اس رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے''۔

اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کی تشریح

سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی:

اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَالْاَنْبِیَاءُ اَوْلَادُ عِلَّاتٌ اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ۔(رواہ الامام احمد، والبخاری ومسلم وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔)

''میں عیسیٰ بن مریم کے دنیا وآخرت میں قریب ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ انبیاء اولاد علات ہیں ان کی مائیں جدا جدا ہیں اور ان کا دین اور مذہب ایک ہے۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے ابوہریرہ سے نقل کیا''۔

شارح فرماتے ہیں آپ نے دنیا وآخرت میں فرمایا اس لیے کہ انہوں نے بشارت دی کہ میرے بعد نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے اپنے دین کے قواعد کو مضبوط کیا اور مخلوق کو آپ کی تصدیق کی طرف بلایا تو ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اولوا العزم نبی نہیں۔ لہٰذا حضرت خالد بن سنان سے اعتراض نہ ہوگا اگر ان کو دونوں کے درمیان نبی تسلیم کر بھی لیں تو کوئی تعرض نہیں ورنہ کہا گیا ہے اس حدیث کی سند میں مقال ہے اس پر جملہ استثنائیہ اولیت پر دال ہے۔(لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ) دونوں شرائع کے درمیان فصل نہیں دونوں دعوات کے درمیان اتصال اور دونوں زمانوں کے مابین قرب ہے ان کو ایک نسب کے ساتھ تشبیہ دی کہ اقرب الاسباب ہے۔ اَلْاَنْبِیَاءُ اَوْلَادُ عَلَّاتٍ۔ علات جمع علت بمعنی باپ کی طرف سے حقیقی اولاد علات دو سوکن عورتوں کی ایک مرد سے اولاد۔ اَلْعَلَّۃُ بمعنی

ضَرَّةٌ سوکن ۔ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی مُخْتَلِفَةٌ وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ۔ اصل دین جو کہ توحید ہے واحد ہے فروع ادیان مختلف ہیں تو بعثت انبیاء کے مقصود جو کہ مخلوق کو ایک خدا کی طرف بلانا ہے کو باپ کے ساتھ تشبیہ دی اور شرائع مختلفہ کو امہات سے۔

قاضی نے کہا جمیع انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد توحید ہے کہ مخلوق کو خالق کی طرف بلانا اور ایسی اشیاء کی طرف راہنمائی کرنا جن سے ان کے معاد و معاش کا صحیح انتظام ہو سکے پس تمام اس اصل پر متفق ہیں اگر چہ احکام شرع میں مختلف ہیں تو اصل مشترک کو باپ سے تعبیر کیا اور اس کی طرف نسبت کی اور اعراض میں متقارب کی بنا پر مختلف شرائع اور مختلف احکام کو امہات سے تعبیر کیا اگر چہ ان کے زمانے متبائن و متباعد ہیں اور سب احکام کا اظہار ایک زمانے میں وہ دین حق ہے جس کی فطرت پر لوگ پیدا ہوئے جس کے قبول کرنے کے مستعبد اور اس پر مطلع ہونے پر قادر ہیں اس بنا پر امہات سے مراد زمانہ بھی لیا جا سکتا ہے جس پر وہ مشتمل ہیں۔

اس کی تشریح ایک اور وجہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ ارواحِ انبیاء تشابہ اور اتصال کی وجہ سے شی واحد کی مانند سبائن بالنوع تمام ارواح میں پس وہ نفس کے ساتھ متحد جو بمنزلہ صورت باپ کے ساتھ مشبہ ہیں ابدان میں مختلف ہیں جو بمنزلہ مرآت (شیشہ) امہات کے ساتھ مشبہ میں ہیں۔

حضور علیہ السلام مومنین کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں

آقا علیہ السلام نے فرمایا میں مومنین کی جان سے زیادہ قریب ہوں پس مومن مقروض فوت ہو تو اس کا قرض میرے ذمہ اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے ورثا کے لیے ہے اس کو امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

شارح نے کہا میں مومنین کی جان سے نزدیک تر ہوں تو یہ قرآن عظیم سے بھی ثابت ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6)

"نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔

بعض صوفیہ نے کہا کہ آپ کا مسلمانوں کی جان سے قریب ہونے کا مطلب ہے کہ انسان کا نفس ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور آپ ان کو نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی اطاعت پر شہوات نفس کو قربان کرنا واجب ہے اگر چہ یہ نفس پر گراں ہی کیوں نہ ہو اور آپ سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرنا فرض ہے بلکہ اپنی جان سے زیادہ محبت ہو اس حکم میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی امر دارین سے ہر چیز میں ان کی جانوں سے زیادہ اقرب

ہوں۔ کیونکہ میں خلیفہ اکبر ہر موجودہ کا مدد و معاون ہوں۔ لہٰذا ان پر واجب ہے کہ میں ان کے نفوس سے زیادہ معزز ہوں اور میرا حکم ان کے نفوس کے حکم سے نافذ ہو جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

یہ آپ کے اخلاق سنیہ ہے کہ آپ نے اپنے حقوق ذکر نہ کیے بلکہ فرمایا مقروض مسلمان مرے تو اس کا قرض میں ادا کروں گا الخ۔

نووی نے کہا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں تمہارے دین و دنیا کے مصالح کو قائم کرتا ہوں کہ میں تمہارا دونوں جہان میں ولی ہوں اگر کوئی مسلمان قرض چھوڑے اور ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو وہ قرض میرے ذمہ واجب ہے اگر مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کا حق ہے اگر عیال محتاج چھوڑے تو اس کی کفالت بھی آپ کے ذمہ ہے یہ آپ کی رافت و شفقت امت پر ہے۔

آپ کا زمانہ خیر القرون ہے

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں قرونِ بنی آدم میں سے بہتر قرن میں مبعوث ہوا قرن بہ قرن یہاں تک کہ وہ قرن کہ جس میں میں موجود ہوں۔ اسے امام بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

شارح نے کہا بُعِثْتُ خَيْرَ قُرُوْنِ۔ کا معنی ہے خیر طبقات کہ قرن اہل زمان کے اقتران سے بنتا ہے اس لیے ان کے اعمال و احوال ایک زمانے میں ملتے ہیں اس سے آپ کی مراد اصلاب کریمہ میں منتقل ہونے کا زمانہ ہے حتیٰ کہ وہ زمانہ جس میں آپ موجود ہیں اس میں فا ترتیب کے لیے ہے۔

جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کی تشریح

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث ہوا رعب کے ساتھ میری اعانت کی گئی میں سویا ہوا تھا کہ مجھے خزائن کی چابیاں دی گئیں جو میرے ہاتھ پر رکھی گئیں۔ اسے بخاری، مسلم اور نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مناوی نے کہا کہ بُعِثْتُ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ کہ مجھے قرآن دیا گیا اسے جوامع الکلم اس لیے کہا گیا کہ یہ نہایت مختصر تھوڑے الفاظ کثیر معانی پر دال جو کچھ تمام کتب سماویہ میں ہے اس پر مشتمل ہے اور تمام علوم و معارف کا جامع ہے۔

وصف بیان کرنے والے کا کمال اس کے حسن میں، کہ زمانہ ختم ہو جائے گا اور اس میں وہ کچھ ہے جو بیان نہ ہو سکا۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ۔ قلوب اعداء میں گھبراہٹ ڈال دی گئی۔

ابن حجر نے کہا حصول رعب کے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ اعداء پر کامرانی مراد و مقصود ہے۔

زمخشری نے کہا خزائن ارض سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر خزائن کسریٰ و قیصر کے دروازے کھول دیئے اور ان پر امت کی فتح یابی ہے۔

مناوی نے کہا بَیْنَمَا اَنَانَائِمٌ۔ حدیث کا مرجع ہے کہ دنیا کی کلیدیں دی گئیں جب کہ آپ سوئے ہوئے تھے۔

پانچ انبیاً سب سے برتر ہیں

مناوی کے جواہرات میں سے یہ حدیث ہے:

خِیَارُ وُلْدِآدَمَ خَمْسَةٌ نُوحٌ وَاِبْرَاهِیْمُ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَخَیْرُهُمْ مُحَمَّدٌ۔(رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَرَوَاهُ الْبَزَازُ)۔

"اولادِ آدم سے پانچ افضل ہیں۔ نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ علیہم السلام اور ان سے بہتر محمد ﷺ ہیں (ابن عساکر نے اسے ابو ہریرہ سے روایت کی اور بزاز نے بھی)"۔

شارح نے کہا کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابراہیم علیہ السلام ہیں بعض نے اس پر اجماع کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خیر البریہ ہیں۔

فخر الدین رازی نے نوح پر موسیٰ وعیسیٰ کی تقدیم پر اجماع حکایت کیا۔

اسرار التنزیل میں ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ افضل الانبیاء والرسل چار پیغمبر ہیں۔ محمد، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

قرن رسول ﷺ کے بعد قرن صحابہ افضل ہے

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح ہے کہ آپ نے فرمایا افضل الناس میرا قرن ہے پھر ان کا جوان کو ملتے ہیں پھر ان کو جو ملتے ہیں پھر کچھ ایسی قومیں آئیں گی ان کی شہادت سے ان کی قسم اور قسم سے ان کی شہادت سبقت لے جائے گی۔ امام بخاری و مسلم و ترمذی نے ابن مسعود سے روایت کیا۔

مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ لوگوں سے بہتر وہ قرن ہیں جس میں میں موجود ہوں پھر دوسرا پھر تیسرا پھر وہ قوم آئے گی جن میں خیر نہ ہوگی۔

طبرانی اور حاکم نے جعدہ بن ہبیرہ سے روایت کیا کہ بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں موجود

ہیں پھر جوان سے ملیں گے پھر جوان سے ملیں گے پھر بعد میں رذیل ہوں گے۔

حاکم اور ترمذی نے عمران بن حصین سے نقل کیا آپ نے فرمایا بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جوان سے ملیں گے پھر جوان سے ملیں گے پھر ایسے لوگ آئیں گے جو فربہ وموٹے ہوں گے اور گھی (سمن) کو پسند کریں گے۔ شہادت طلب کرنے سے قبل شہادت دیں گے۔ مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ میری بہتر امت وہ ہے جو اس زمانہ میں ہے جس میں میں مبعوث ہوا پھر وہ لوگ جوان سے ملیں گے پھر وہ لوگ جوان سے ملیں گے پھر وہ لوگ جوان سے ملیں گے پھر وہ موٹاپے اور فربہ ہونے کو پسند کریں گے اور شہادت طلب کرنے سے قبل شہادت دیں گے۔

شیخان (بخاری ومسلم) ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے عمران بن حصین سے روایت کیا کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کا جوان سے ملیں گے پھر ان کا جوان سے ملیں گے پھر وہ لوگ ہوں جو خیانت کریں گے اور امانت کو دیانت سے واپس نہ کریں گے۔ اور شہادت طلب نہ کیے جائیں گے نذر مانیں گے اور پوری نہ کریں گے اور ان میں موٹاپہ ظاہر ہوگا۔

شارح علیہ الرحمۃ نے کہا، قرنی نے میرے اہل عصر یعنی میرے اصحاب یَا مَنْ رَآنِیْ جس نے مجھے دیکھا یا جو میرے عہد میں زندہ ہیں ان کی مدت بعثت سے ایک سو بیس سال تک جوان سے ملیں گے یعنی ان کے قریب ہوں گے وہ تابعین ہیں وہ ایک سو سے ایک سو نوے تک کا زمانہ پھر تبع تابعین کا زمانہ اس کی مدت دو سو بیس برس ہجری تک ہے پھر بدعات شروع ہوگئیں۔ معتزلہ نے اپنی زبانیں کھولیں۔ فلاسفہ نے سر اٹھائے۔ اہل علم کا خلق قرآن کے مسئلہ میں امتحان لیا گیا۔ اسلامی دور اب تک تنزل سے تنزل تر ہوتا گیا ہے۔

حضور علیہ السلام کے قرن کے بہتر ہونے کی وجہ

آپ کا زمانہ بہتر ہے کہ لوگ ایمان لائے جب کہ وہ پہلے کافر تھے جب لوگ تکذیب کرر ہے تھے تو انہوں نے تصدیق کی جب لوگ آپ کی رسوائی کے درپے تھے تو اصحاب نے آپ کی اعانت کی جگہ دی اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔

بعض شرائع نے کہا اس کا قضیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین سے افضل ،تابعین تبع تابعین سے افضل اسی طرح آخر تک کیا یہ افضلیت مجموعہ کے اعتبار سے یا افراد کے لحاظ سے دو قول ہیں۔ ابن عبد البر ایک قول اور جمہور دوسرے قول کی طرف۔

ابن حجر نے کہا کہ وہ جو ظاہر ہوتا ہے جس نے آپ کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کیا اور آپ کے

زمانے میں یا آپ کے حکم سے اور اس وجہ سے اس نے اپنا مال خرچ کیا بعد میں آنے والا کوئی شخص بھی اس کی فضیلت نہیں پا سکتا۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ محل بحث ہے جو اہل قرن اول کی سیرت سے واقف ہے انہیں معلوم ہے کہ کوئی ان کے فضل کو نہیں پہنچ سکتا۔

حسن بصری تابعی کبیر جن کی جلالت و امامت پر اتفاق ہے نے فرمایا ہم ایسی اقوام کو ملے یعنی صحابہ کرام کو جو اہل قرن اول ہیں تو ان کے سامنے جور محسوس ہوتے ہیں نیز فرمایا ہم ایسی قوم سے ملے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بیس سال تک ایک چٹائی پر اس حالت میں سوتے رہے کہ ان کے آنسوؤں سے بستر تر ہو جاتا بیویوں کو معلوم تک نہ ہوتا۔

فرمایا معارف چلے گئے اور مناکیر باقی رہ گئے اور اکثر پڑھا کرتے تھے وہ نہیں ہے جو مرا پس اس نے میت سے راحت حاصل کی ہو۔ بیشک مرنے والا زندوں کی میت ہے۔

ربیع بن خثیم نے کہا اگر ہم اصحابِ رسول ﷺ کو دیکھ لیتے تو ضرور کہتے کہ یہ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتے۔

ابن حجر نے کہا کہ اس احادیث سے مستفاد ہے کہ قرون ثلاثہ کے لوگ اصحابِ عدل ہیں اگر چہ فضل و شرف میں مختلف ہیں یہ غالب و اکثر پر محمول ہے۔ صحابہ کے بعد دو قرن والوں میں صفات مذمومہ پائی گئیں مگر بہت تھوڑی اور قرونِ ثلاثہ کے بعد تو بکثرت مذمومہ صفات پائی گئیں۔

بوقت ولادت آپ کی والدہ نے بصریٰ کے محلات دیکھے

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ میری والدہ نے میری ولادت کے وقت ایک نور مشاہدہ کیا جس سے بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے اسے ابن سعد نے ابی عجفاء تابعی سے روایت کیا اور ابن سعد نے ابو امامہ سے بھی روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ابن حبان نے روایت کیا کہ میری ماں نے دیکھا گویا ایک نور ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

شارح نے کہا یہ حدیث رؤیت عین ہے اور وہ رؤیا جو مابعد والی حدیث میں ہے وہ رؤیا ای (خواب) ہے جس پر مصنف یعنی امام سیوطی بصریٰ بائے موحدہ مغمومہ و دمشق کے علاقے میں ایک شہر کا نام ہے اس نور کی تخصیص کی کہ سب سے پہلے وہ فتح ہوگا اور اسی طرح ہی ہوا۔

الروض الانف میں ہے کہ خالد بن سعید بن عاص نے بعثت سے پہلے دیکھا کہ زمزم سے ایک نور نکلا جس سے یثرب (مدینہ منورہ) کی کھجوریں ظاہر ہو گئیں۔ اسے بھائی سے بیان کیا تو اس نے کہا یہ عبد المطلب کا پوتا ہے اور نور ان سے ہے اور آپ کے علاوہ آپ کے والدین سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

تنبیہ: اصح قول یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو عام الفیل میں نماز فجر سے کچھ وقت قبل پیر کے روز مکہ شہر میں شعب کے مقام پر پیدا ہوئے بروز جمعہ اور شہر حرام میں پیدا نہ ہوئے تا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ آپ کو شرف و بزرگی جمعہ کے دن اور حرام کے ماہ سے حاصل ہوئی مفضول دن اور ماہ میں پیدا ہوئے تا کہ وقت کو بھی آپ سے شرف حاصل ہو اسی طرح آپ کا مدفن مکہ کی بجائے مدینہ منورہ ہے تا کہ آپ کے روضہ اقدس پر لوگ قصداً اور ارادۃً جائیں۔

حدیث ثانی کہ اس سے شام کے محلات روشن ہوئے ایسے مولود سے تعبیر کیا گیا جس کا وہاں ظہور ہوگا اور نور کے چمکنے سے مشرق و مغرب میں آپ کی نبوت کا اظہار ہے۔ اور کفر و شرک کے مضمحل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

لطائف میں کہا کہ یہ نور اشارہ اس طرف ہے جو کچھ آپ لائیں گے وہ ایسا نور ہے جس سے اہل زمین ہدایت پائیں گے۔ کفر و شرک کی تاریکی مٹ جائے گی۔ شام کا ذکر اس لئے کیا۔ یہ آپ کا دار السلطنت اور آپ کا ملک تھا اور کتب سماویہ میں یہ وصف درج ہے کہ محمد ﷺ کا مولد مکہ ہجرت گاہ یثرب (مدینہ منورہ) اور ملک شام ہوگا۔

مستوی کی تشریح

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح ہے۔ مجھے معراج کرائی گئی اور مستوی ظاہر ہوا۔ اور اقلام کی آواز میں سن رہا تھا۔'' اسے بخاری اور طبرانی نے سیدنا ابن عباس اور ابوحبہ بدری سے روایت کیا۔

شارح نے کہا عُرِجَ بِیْ جِبْرِیْلُ امین مجھے ساتویں آسمان سے اوپر لے گئے صَرِیْفُ الْاَقْلَام فرشتوں کی اقلام کی آوازیں جن سے وہ امور الٰہیہ تحریر کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا مستوی استواء (باب افتعال) سے اسم مفعول ہے۔ معنی ہوگا کہ اتنے بلند مقام تک ارتقاء (پہنچا) کہ مبادی کائنات سے اتصال ہو گیا۔ جہاں تقادیر لکھی جا رہی تھیں۔ اور تصریف احوال پر مطلع ہوا یہی وجہ ہے کہ آنے والے حوادث اور مغیبات کی خبر دی جس طرح فرمایا اسی طرح ان کا وقوع ہوا۔

آپ کو بطحاء مکہ کے سونا بنانے کا اختیار دینا اور آپ کا اسے قبول نہ کرنا

فخر موجودات سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے بطحاء مکہ کو سونا بنا دیا جائے تو میں نے عرض کیا نہیں اے میرے رب لیکن میں چاہتا ہوں

کہ ایک دن سیر ہو کر کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا رہوں تو تیرے حضور تضرع و عاجزی کروں اور تیرا ذکر کرتا رہوں اور جب سیر ہو کر کھاؤں تو تیری ثناء اور شکر کروں۔ اسے احمد اور ترمذی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

شارح فرماتے ہیں اس میں صبر و شکر دونوں کو جمع کیا کہ یہ دونوں کامل و مخلص مومن کی صفات سے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ (الشوریٰ:33)

''بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صابر و شاکر کو''۔

فائدہ۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آپ کے پاس قلتِ مال و دولت اختیاری ہے۔ اضطراری نہیں اگر آپ ارادہ کریں تو بہت زیادہ وسیع ہو سکتا ہے۔

عُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفاً کی تشریح

فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جنت و دوزخ اس دیوار کی چوڑائی میں ابھی ابھی دیکھائی گئی ہیں آج کی طرح میں نے خیر و شر نہیں دیکھے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو بہت کم ہنسو۔ اور زیادہ وقت گریہ کرو مسلم نے اسے حضرت انس سے روایت کیا اور ایک روایت میں مزید لکھا اور میں نماز پڑھتا ہوں۔

شارح نے کہا جنت و دوزخ دیوار میں ایسے نظر آئے جیسے آئینہ میں اشیا نظر آتی ہیں۔ آنفا۔ ہمارے موجود وقت کے قریب آپ کے لیے پوری کائنات روشن ہوئی روئے زمین سمیٹ دی گئی آپ نے اس کے مشارق و مغارب کو ملاحظہ فرمایا۔

فائدہ۔ اس سے مستفاد ہے کہ جنت و دوزخ مخلوق ہیں اب بھی موجود ہیں تو رسول کریم ﷺ نے اپنی نفع مند اور نقصان دہ اشیاء کی تعلیم دی نفع اور اشیاء کی ترغیب اور نقصان دینے والی اشیا پر وعید سنائی۔

خصائص میں مختلف عدد والی احادیث میں تطبیق

رسول پاک ﷺ نے فرمایا مجھے اشیاء سے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی جوامع الکلم عطا کیے گئے رعب سے اعانت، غنیمتیں حلال، زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا، تمام مخلوق کی طرف رسول اور انبیاء کا خاتم بنایا گیا۔ اسے مسلم، ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

طبرانی نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے انبیاء علیہم السلام پر پانچ صفات سے فضیلت دی گئی۔ تمام مخلوق کی طرف رسول، میری شفاعت، میری امت کے لیے ذخیرہ

ایک ماہ کی مسافت اپنے آگے پیچھے کی طرف رعب سے نصرت کی گئی، زمین کو مسجد اور پاک اور غنیمتیں میرے لیے حلال کی گئیں اور مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

بیہقی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا مجھے چار اشیاء سے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی۔ زمین کو مسجد اور پاک بنایا گیا، پس میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے تو اگر مسجد اور پانی نہ ملے تو ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، تمام مخلوق کی طرف مبعوث، اپنے سے دو ماہ کی مسافت تک رعب سے مدد کی گئی اور غنائم کو حلال کیا گیا۔

امام احمد، نسائی اور مسلم نے حضرت حذیفہ نے فرمایا مجھے لوگوں پر تین طرح سے ترجیح دی گئی۔ ہماری صفوف فرشتوں کی صفوف کی طرح بنائی گئیں، تمام زمین کو مسجد یا اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کیا گیا، جب پانی نہ ملے تو تیمم جائز قرار دیا گیا سورت بقرہ کی یہ آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملیں۔

شارح نے کہا کہ تورپشتی یوں رقمطراز ہیں کہ یہ اختلاف تضاد و منافات والا نہیں بلکہ اختلاف زمانی ہے کہ قلیل عدد والی حدیث متقدم ہے پھر زیادتی ہوئی اس سے زیادہ والی بیان کی پھر اضافہ ہوا تو اس سے زیادہ والی ارشاد فرمائی۔

قرطبی نے کہا کہ چھ، پانچ اور چار میں منافات نہیں کہ جس طرح علم ہوتا گیا بیان فرماتے گئے۔

آپ کو گیارہ خصلتیں عطا کی گئیں

زین عراقی رقمطراز ہیں کہ مختلف احادیث میں خصائص کا مجموعہ تقریباً گیارہ ہے

خصوصیت اول: آپ کو جوامع الکلم عطا ہوئے۔

خصوصیت دوم: رعب سے نصرت فرمائی گئی۔

خصوصیت سوم: مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔

خصوصیت چہارم: روئے زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا۔

خصوصیت پنجم: آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے۔

خصوصیت ششم: آپ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا۔

خصوصیت ہفتم: آپ کی امت کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں۔

خصوصیت ہشتم: آپ کو شفاعت عطا کی گئی۔

خصوصیت نہم: آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا۔

خصوصیت دہم: آپ کی امت خیر الامم ہے۔

خصوصیت یازدہم: سورت بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے خزانے سے دی گئیں۔

جوامع الکلم قلیل الفاظ میں معانی کثیرہ کو جمع کردینے کو کہتے ہیں۔ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً۔ مجھے رسالتِ عامہ جو مخلوق کو محیط ہے کے لیے بھیجا گیا ہے جب رسالت سب پر مشتمل ہے تو اب ظاہر ہے کہ کوئی فرد یا چیز آپ کی رسالت سے خارج نہیں۔

سوال: طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام بھی سب کی طرف رسول تھے کیونکہ طوفان سے وہی بچے تھے جو آپ کے ساتھ سفینہ میں سوار تھے۔

جواب: حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ نہ تھی بلکہ مخلوق قلیل تھی جب کہ سید الانبیاء علیہ السلام کی رسالت اصل بعثت میں عام ہے۔

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ باب وحی بند کردیا گیا اور طریق رسالت ختم کردیا گیا کیونکہ اتمام حجت اور تکمیل دین کے بعد لوگوں کو رسلانِ عظام کی ضرورت ہی نہ رہی۔

باب الہام بند نہیں کیونکہ یہ نفوس کاملہ کے ذریعہ دین کی مدد کی ہے تو ہمیشگی ضرورت کی بناء پر یہ ختم نہیں ہوسکتی اس کی ضرورت تاکید، تجدید اور تذکیر کے لیے ہے۔ جب باب نبوت ورسالت بند ہوا تو تنبیہ وتذکیر کی احتیاج ہے۔ کیونکہ وساوس میں استغراق شہوات نفسانیہ میں انہماک لوگوں میں عام ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے باب نبوت کے بند کرنے کے بعد الہام کا دروازہ کھول دیا۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول تقریر دین اسلام کے لیے ہوگا۔

زین عراقی رقمطراز ہیں کہ اس بناء پر حضرت خضر اور الیاس بھی اب نبی نہیں ہیں اور آج بھی موجود ہیں لہٰذا احکام شرع محمدی کے تابع ہیں۔

آقا علیہ السلام کے بینظیر ہونے پر جبریل کی شہادت

فخر موجودات سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں:

قَالَ لِیْ جِبْرَئِیْلُ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَجِدْ رَجُلاً اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَقَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَجِدْ بَنِیْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ۔(رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِی الْكُنٰی وَابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا)

”مجھے جبریل نے بتایا کہ میں زمین کے مشرق ومغرب میں پھرا تو کسی شخص کو محمد کریم

ﷺ سے افضل نہ پایا اور میں زمین کے مشارق ومغارب میں گھوما اور کسی باپ کی اولاد بنی ہاشم کی اولاد سے افضل نہ پائی۔(حاکم نے کنئی ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا)''۔

شارح مناوی نے کہا حافظ ابن حجر نے اپنے امالی میں کہا لوائح صحت اس متن کے صفحات پر ظاہر ہیں۔

حکیم ترمذی نے کہا جبریل ان نفوس کی تلاش کے لیے نکلے جو حسن اخلاق سے طیب وطاہر ہوں تو اعمال میں وہ اخلاق نظر نہ آئے کیونکہ وہ اہل جاہلیت تھے اور بنی ہاشم کے اخلاق دیکھے تو ان میں خیر و بھلائی پائی نفوس کے جواہر میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔

تنبیہ۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے لکھا کہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جن کا کام مہمان نوازی، اونٹ ذبح کرنے، جنگ وجدال اور خونریزی تھا۔اس پر فخر ومباہات اور اپنی بڑائی بیان کرتے اس میں خفا نہیں ان میں عرب عجم پر فضیلت رکھتے تھے اگرچہ بعض عرب سخی اور بزدل تھے جیسے بعض عجمی سخی اور بہادر اور اکثر بزدل اور بخیل تھے جس کا کوئی بھی منکر نہیں۔

حضور علیہ السلام کا نسب وصہر روز محشر بھی قائم رہے گا

سرورکائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَسَبٍ وَصِهْرٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا نَسَبِىْ وَصِهْرِىْ۔(رواه ابن عساكر عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه)(ص نمبر ۱۶۰)۔

''تمام نسب وصہر قیامت کے روز مٹ جائیں گے مگر میرا نسب وصہر قائم رہے گا اس کو ابن عساکر نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا''۔

مناوی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے ان کی بیٹی سیدہ ام کلثوم کا عقد (نکاح) طلب کیا اور کہا اس شخص سے بہتر کوئی شخص نہ ہوگا جس کا عقد علی المرتضیٰ کی بیٹی (آل بیت رسول) سے ہو جائے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تو حضرت عمر مہاجرین کی مجلس میں آئے اور کہا کہ میرے زفاف کا انتظام کرو اور پھر یہ حدیث بیان کی۔

امام سیوطی مصنف نے اس کا معنی بیان کیا کہ آپ کی امت روز حشر آپ کی طرف منسوب ہوگی جب کہ دیگر امم اپنے انبیاء کی طرف منسوب نہ ہوں گی۔

بعض نے کہا اس دن لوگ آپ کی نسبت سے فائدہ حاصل کریں گے اور دیگر انساب کا کوئی فائدہ

نہ ہوگا سب حدیث اس معنی کا مرجع ہے۔

طیبی نے کہا نسب کہتے ہیں آباؤ اجداد کی طرف سے قریبی تعلق و رشتہ ولادت اور صہر و نسبتِ قریبہ جو رشتہ تزوج سے حاصل ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی طرف نسبت اور نسب نفع مند ہوگا دوسری روایت جس میں آپ نے نفع نسب کی اہل بیت کی نفی کی ہے یہ اس کے معارض نہیں(1) کیونکہ اس میں اہل بیت تقویٰ، خشیت الٰہی اور اطاعت کی ترغیب یا یہ کہ میں ذاتی طور پر نفع نہ دے سکوں گا (کیونکہ ذاتی طور پر اللہ کے سوا کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں) ماسوا اس کے اللہ تعالیٰ میری شفاعت و مغفرت وغیرہا سے عزت افزائی فرمائے گا۔ لہٰذا مقام تخفیف کی رعایت کرتے ہوئے اہل بیت سے خطاب کیا۔

آپ کے اول خلق اور آخری نبی ہونے کی تشریح

كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ خَلْقاً وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ (ص161)

"میں تخلیق میں سب لوگوں سے افضل اور بعثت میں سب سے آخری ہوں"۔

اسے ابن سعد نے قتادہ سے مرسل کیا، ابونعیم نے حلیہ میں میسرہ الفجر، اور ابن سعد نے ابن ابی جدعاء اور ابن حبان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

كُنْتُ نَبِياً وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (161)

"میں نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح و جسد کے درمیان تھے"۔ کے الفاظ روایت کئے یہ صحیح حدیث ہے۔

شارح مناوی رقمطراز ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حقیقت بنائی جس کے ادراک سے ہماری عقل و فہم قاصر ہیں اور حقیقت محمدیہ کی تخلیق کے ساتھ ہی وصفت نبوت کے ساتھ متصف کر دیا جب اسم باطن کا زمانہ ختم ہوا روح کے جسم کے اتصال اور اسم ظاہر کے ظہور کا وقت آ گیا تو وہ حکم جسم و روح میں منتقل ہوا۔

یہ تاویل کہ حق سے مراد تقدیر ہے ایجاد نہیں کہ قبل از ولادت موجود نہ تھے تو اس کا تعاقب امام سبکی نے کیا کہ اگر اس طرح ہو تو پھر نبی علیہ السلام کے تخصیص نہیں کیونکہ تقدیر میں ہر چیز تھی۔

كُنْتُ نَبِيًّا فرمایا اور كُنْتُ اِنْسَانًا یا كُنْتُ مَوْجُوْدًا نہیں کہا کہ اس سے اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت عالم غیب میں تخلیق اول وقت زمان میں موجود تھی نہ عالمِ شہادت میں جب اسم باطن کا زمانہ وجود جسم و روح کے جسم کے ارتباط کی طرف منتقل ہوا تو جریان میں اسم ظاہر کی طرف حکم زمان منتقل ہوا تو

1۔ اس کی تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے نفی کی حدیث ہو اور بعد میں نفع مند والی۔ (مترجم)

بذاتِ جسم وروح میں نبوت ظاہر ہوئی۔ پس انبیاء ورسل کے ادوار میں آپ کی نبوت کے باطن کا زمانہ تھا تو ہر وہ شریعت جو اسم باطن کے زمانہ میں تھی اسے ظاہر نے اسے منسوخ کر دیا دونوں اسم کے حکم میں اختلاف ہے۔

اور مشرع (شریعت دینے والا) واحد ہے وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کا مرتبہ ومقام جو عالم ارواح قبل از اجساد انسانیہ ہے کو ظاہر کیا اس کو شیخ محی الدین ابن عربی نے ذکر کیا اسی سے یہ آیت ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ (الاعراف:172)

"اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں؟"۔

تو سب سے اول بَلٰی کہنے والی رسول اکرم ﷺ کی ذات تھی۔ لہٰذا آپ تخلیق میں انبیاء سے متقدم اور ظہور وبعثت میں آخر ہیں۔

شمائل رسول ﷺ کی احادیث کے تحت امام مناوی کے اہم فوائد میں سے کچھ کا تذکرہ

نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ شمائل کے تحت امام مناوی نے جن فوائد کا ذکر کیا ہے ان میں کچھ کا یہاں انتخاب کیا گیا ہے۔

آپ سفید ملیح تھے

مسلم اور ترمذی نے شمائل میں ابو طفیل سے روایت کیا:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا۔ (ص نمبر ۱۶۱)

"رسول پاک ﷺ ملیح وسفید اور میانہ قد تھے"۔

مُقَصَّدْ کا معنی ہے جسیم نہ دبلے پتلے نہ دراز قد نہ پست قد تھے۔

ترمذی کی شمائل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سفید تھے گویا کہ بالوں کی سفیدی چاندی سے بنائی گئی ہے آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی تعریف میں کہا کہ:

اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　　ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

"آپ کے چہرہ انور کی سفیدی سے برسنے والا سفید بادل بارش کی بھیک مانگتا ہے اور آپ یتیموں، بیواؤں کی پرورش فرمانے والے ہیں"۔

امام احمد کی روایت میں ہے گویا آپ پگھلائی ہوئی چاندی ہیں۔

بزاز کی دوسری روایت جو کہ سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ آپ نہایت سفید تھے۔طبرانی کی ابو طفیل سے روایت کہ میں آپ کے روخ انور کی سفیدی بالوں کی سیاہی کے ساتھ نہیں بھول سکتا۔رجل الشعر بکسر جیم بال علیحدہ اسی طرح فتح میں ہے جس میں معمولی کنڈل ہوں کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔

مواہب میں روایت بیان کی گئی ہے کہ دو بالوں کے درمیان بال یعنی نہ بالکل سیدھے نہ بالکل گھنگھریالے اس قلت شی میں مبالغہ کرنا مقصود ہے۔

بیہقی نے دلائل میں جناب علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا آپ کا رنگ سفید مشربی کہ جس میں سفیدی سرخی ساتھ تھی اور سیاہ آنکھوں والے، لمبی اور گھنی پلکوں والے تھے۔

بیہقی نے کہا کہ مشرب سرخی گندمی رنگ کی طرف مائل تھا یہ دھوپ اور سردی کی وجہ سے ہو گیا اور کپڑوں کے نیچے والا جسد مبارک بالکل سفید تھا۔مشربا تشدید کے ساتھ (اسم مفعول باب تفعیل) بھی مروی ہے۔حَدَقَةُ الْعَيْنِ کہتے ہیں آنکھ کی سیاہی کو اَ لَاَهْدَبُ لمبی پلکوں والے،اشغار کہتے پلکوں کے کنارے جہاں پلکوں کے بال اگتے ہیں۔

سرِ اقدس

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمْ اَبْيَضَ مَشْرُوْبًا بِحُمْرَةٍ ضَخْمَ الْهَامَةِ اَغَرَّ اَبْلَجَ اَهْدَبَ الْاَشْفَارِ۔(رواه البیہقی عن علی رضی اللہ عنہ)(ص 161)

"رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سفید رنگ جو سرخی مائل تھا۔سر مبارک عظیم صبح روشن پلکیں لمبی تھیں۔اسے حضرت علی سے بیہقی نے روایت کیا"۔

الھامۃ سر کی بزرگی وفور عقل،جودت فکر اور کمالات کے پانے کی بناء پر محبوب و پسندیدہ ہے اَلْاَغَرُّ صَبِيْحٌ اَلْاَبْلَجُ روشن چمکدار بعض نے کہا دونوں ابرو کے بالوں کے آپس میں عدمِ اتصال کی دلیل ہے کہ عرب دونوں کی علیحدگی اور فرق کو پسند اور اتصال کو مکروہ خیال کرتے تھے۔

جسدِ مبارک

كَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَاَحْسَنَهُمْ خَلْقًا لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ۔(ص 162)

"آپ حسین رُخ جمیل خلقت تھے کہ قد بالکل دراز تھا،نہ کوتاہ۔بخاری

براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا"۔

قرطبی نے خلقاً خاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا حسنِ جسم شریف مراد ہے کیونکہ اس میں بالطویل کے الفاظ اسی پر دال ہیں یعنی لمبا قد یا مفرط طویل جو حد اعتدال سے بڑھ گیا ہو۔ بلکہ طویل کے قریب تھا۔

قدم مبارک

كَانَ عَلَیْهِ السَّلَام اَحْسَنَ النَّاسِ قَدَمًا۔(162)

"رسول پاک ﷺ کا پاؤں مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا"۔

ابن سعد نے عبداللہ ابن بریدہ سے مرسل روایت کیا۔

ابن صاعد نے سراقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا، اور وہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے تو میں نے آپ کی پنڈلی کو دیکھا گویا کہ وہ آگ کا انگارہ ہے یعنی بہت سفید تھی۔

حسین خُلق مبارک

مسلم اور ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

كَانَ عَلَیْهِ السَّلَام اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا۔

"رسول پاک ﷺ سب لوگوں سے زیادہ صاحب اخلاق تھے"۔

جمیع محاسن و مکارم کے جامع ہونے اور ان میں کمال حاصل کرنے کی وجہ ہے جب آپ میں غیر متناہی کامل خصائل، صفات جمال و جلال ہیں جن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ آپ کی مدح میں فرماتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (قلم)

"بے شک تمہارے خو اخلاق بڑے شان کے ہیں"۔

خلق کو عظیم کے ساتھ موصوف اور صلہ علیٰ کا استعمال کیا جو استعلا کے لیے آتا ہے تاکہ آپ کے محاسن اخلاق کے استعلا پر دلالت کریں اور وہاں مخلوق میں سے کسی کا خلق نہ پہنچ سکے کمال خلق کمال فضل سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ اس سے فضائل حاصل کرتا ہے۔ رذائل سے اجتناب کرتا ہے۔

مسلم کے نزدیک تمام حدیث کہ کبھی نماز کا وقت ہوتا اور آپ گھر میں رونق افروز ہوتے۔ تو جس چٹائی پر تشریف فرما ہوتے اس پر جھاڑو پھیرا جاتا اور صاف کیا جاتا پھر آپ اس پر نماز کی امامت

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا — کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شاہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

(اعلیٰ حضرت)

فرماتے اور ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھتے اس وقت چٹائیاں کھجور کی شاخوں کی ہوتیں۔

اس حدیث کی تمام روایتوں سے بعض روایات میں یہ بھی ہے انس نے کہا کہ میرا ایک بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا ہے میرا خیال ہے وہ بالکل چھوٹے تھے پس جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اسے دیکھا تو فرمایا اے عمیر! نغیر کا کیا ہوا۔ نغیر ایک پرندہ کا نام ہے جس سے وہ کھیلتے تھے اسی طرح مسلم میں بھی ہے۔

نیز اس میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ صاحب اخلاق تھے پس ایک دن مجھے ایک کام کے لیے بھیجا میں نے کہا بخدا میں ضرور جاؤں گا میں نکلا تو ایک جگہ بچے کھیل رہے تھے میں انہیں دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے میری گردن کو پکڑا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا انیس جہاں میں نے حکم دیا تھا وہاں تو گیا تھا عرض کیا حضور ابھی جاتا ہوں اور حضرت انس ابھی بچے تھے۔

آپ حسین، فیاض اور بہادر تھے

امام بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کیا:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وَسَلَّمُ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ

"رسول پاک ﷺ سب سے زیادہ حسین، فیاض اور بہادر تھے"۔

یعنی آپ تمام لوگوں سے صورت وسیرت میں حسین تھے اجود الناس سب سے زیادہ سخی جو لوگوں کو بے حد فائدہ دے۔ کیونکہ آپ شرف میں کامل اور قلب کے لحاظ سے سب سے زیادہ بیدار طبعاً سب سے زیادہ لطیف مزاج کے اعتبار سے سب سے زیادہ عادل ہیں نفس کے لحاظ سے سخی اور ہاتھ کے اعتبار سے فیاض ہیں اور فانیات سے باقیات صالحات کے ساتھ مستغنی اور اس لیے منبع جود اور عمدہ صفات کے ساتھ متصف ہیں۔

وَاَشْجَعَ النَّاس ۔سب سے زیادہ مضبوط دل اور مایوسی کی حالت میں سب سے زیادہ جری ہیں بہادری جو کہ اللہ تعالیٰ کی جناب کریم سے ملی ہے اسی وجہ سے کبھی آپ میدان جنگ سے فرار نہ ہوئے اور نہ ہی کوئی (ضعیف سے ضعیف) اس قسم کی روایت ملتی ہے آپ کی بہادری تواتر نقلی سے ثابت ہے بلکہ قرآن کریم کی نص سے ظاہر ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (تحریم:9)

"اے غیب کی خبریں بتانے والے کافروں اور منافقوں پر جہاد کرو"۔

تنہا شخصیت کو تمام کے ساتھ جہاد کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی کو حکم نہیں دیتا آپ اور آپ کے ساتھی مراد ہونے میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس کا جمع کے ساتھ مقابلہ ہے اسی سے مقصود حاصل ہے پس آپ میں تین قوی صفات عقلیہ، غضبیہ اور شہویہ جمع ہیں۔ حسن اعتدال مزاج کے تابع ہے جو کہ عفت نفس جس کے ساتھ جودت قریحہ عقل پر دال ہے سے حاصل ہوتی ہے فضائل کا حصول اور رذائل سے اجتناب کمالِ قوتِ شہویہ ہے اور شجاعت قوت غضبیہ کا کمال ہے یہ تینوں اخلاق فاضلہ کا فضل ہے اسی لیئے ان پر اقتصار کیا۔

اس حدیث کا کچھ بقیہ جو بخاری شریف میں ہے ایک دفعہ رات کو مدینہ منورہ میں شور برپا ہوا کہ حملہ کے لیے دشمن کی فوج آ گئی ہے جب چند لوگ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے نکلے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابو طلحہ کے گھوڑے جو آپ نے ان سے مستعار لیا تھا کی ننگی پشت پر سوار واپس تشریف لا رہے ہیں اور فرمایا کہ میں نے مدینہ کے اردگرد چکر لگا لیا ہے خطرہ کی کوئی بات نہیں اور راوی نے کہا ہم نے اس گھوڑے کو دریا پایا اسی طرح باب الشجاعۃ فی الحرب میں حدیث کو روایت کیا۔

مسلم باب صفۃ النبی ﷺ میں اس کے بعد کہ لوگ گھبرا کر نکلے۔ مزید روایت کیا کہ جب لوگ شور والی طرف نکلے تو رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے اور گلے میں تلوار تھی۔ وہ گھوڑا تھا جو ابو طلحہ سے مستعار لیا تھا اور فرمایا واپس لوٹ جاؤ کسی کا کوئی خطرہ نہیں۔

جسدِ اقدس کا اعتدال اور خوبصورتی

بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت کیا کہ آپ احسن صفت میانہ قد لمبائی کی طرف مائل دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ گول رخسار سخت سیاہ بال سرمگیں آنکھیں پلکیں لمبی جب چلتے تو پورا قدم مبارک زمین پر لگتا کوئی حصہ اونچا نہ رہتا اور جب کندھوں سے چادر اتارتے تو معلوم ہوتا کہ چاندی سے بنے ہیں اور تبسم فرماتے تو (دانت) چمکتے۔

ترمذی میں سیل الخذین ہے کہ آپ کے رخسار میں نہ گہرائی نہ اونچائی (ابھار) تھا اور ضحک فرماتے تو چمکتا اور روشن ہوتا حسن کی ان صفات میں کوئی خفا نہیں۔

تکمیل ایمان سے ہے کہ یہ ایمان رکھنا کہ جسد اقدس ﷺ کو اس صورت پر تخلیق کیا جو نہ پہلے تھا اور نہ بعد اثر میں ہے خالد بن ولید ایک سریہ میں نکلے اور ایک قبیلہ پر اترے سربراہ قبیلہ نے کہا محمد ﷺ کی تعریف کیجیے تو آپ نے فرمایا تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا اس نے کہا اجمال سے بیان

کریں پس رسول (پیغامبر) بھیجنے والے کی شان پر ہوتا ہے اسی طرح ابن منیر کی اسرار الاسرار میں درج ہے۔

مسلم نے ابو ہریرہ سے اور بخاری نے اس کے معنی میں روایت کیا رسول اکرم ﷺ کا حسین رنگ تھا گویا کہ آپ کے سینہ سے موتی جھڑتے اور جب چلتے تو تھوڑا سا جھک کر چلتے۔

اَزْهَرُ اللَّوْنِ۔ روشن یا حسین اور صحاح میں ہے ازھر کا معنی سفید روشن یا ابیض منیر کے ساتھ تفسیر کی۔ عام محدثین نے اکمل پر محمول کیا۔

بعض نے تفسیر کی مُمَزَّجٌ بِحُمْرَةٍ۔ سفید جو سرخی مائل ہو شائد اس نے یہ معنی واقع اور حقیقت کو دیکھ کر بیان کیا ہو۔ اظہر مذہب یہ ہے کہ سفیدی آپ کے رنگ پر غالب تھی بالخصوص کپڑوں کے نیچے لیکن کچ کی طرح نہ تھا بلکہ روشن سرخی مائل تھا۔ کَأَنَّهُ عُرْفَةُ اللُّؤْلُوءِ صفائی اور سفیدی میں۔

بیہقی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ جوتا گانٹھتے اور میں کاتتی۔ اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کی جبین اقدس پر پسینہ ہے اور اس سے نور چمکتا ہے۔ تَکَفَّأُ دائیں بائیں مائل ہونا (راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے ایک طرف چلتے)۔

حیاء

امام بخاری و مسلم اور ابن ماجہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اَشَدَّ حَيَاءٍ مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا

رسول پاک ﷺ اپنی ستر پوشی میں کنواری لڑکیوں سے زیادہ باحیاء تھے۔ (ص نمبر ۱۶۴)

یعنی ستر میں جو گھر کے اطراف میں بنائے جاتے ہیں کنواری لڑکیاں خلوت میں زیادہ باحیا ہوتی ہیں بنسبت جلوت و خارج کے اور آپ کا محل حیاء حدود کے علاوہ تھا اسی واسطے جس شخص نے اعتراف زنا کیا تھا اس سے فرمایا کہ اس سے نکاح کیا ہے؟ کنایہ سے بات نہ کر جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا۔

لوگوں کے گناہوں پر آپ بہت صابر تھے

ابن سعد نے اسماعیل بن عیاض سے مرسل روایت کیا کہ آپ لوگوں کی بداعمالیوں پر سب سے زیادہ صابر تھے۔

اَقْذَارُ النَّاسِ لوگوں کے برے اعمال اور اقوال کیونکہ آپ کے قلب اقدس میں اتنا انشراح تھا جو کسی میں نہ تھا لہٰذا لوگوں کے بداعمال، برے اقوال اور سوء سیرت یہ تمام آپ کے وسعتِ قلب کے سامنے قطرہ کی سمندر سے نسبت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دندان مبارک

طبرانی اور بیہقی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُءِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ بَيْنَ ثَنَايَاهُ

''آپ کے دندان مبارک کھلے تھے جب کلام فرماتے تو دندان مبارک سے نور چمکتا نظر آتا''۔

(ص نمبر ۱۶۴)

افلج۔ فلج دو دانتوں کے درمیان فراخی کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے اوپر والے دندان مبارک میں زیادہ فراخی تھی جو کہ ایک صفت جمیلہ ہے لیکن فراخی قلیل ہو کیونکہ فصاحت میں اتم ہے۔ ثنایا سامنے والے چار دانت دو اوپر والے اور دو نیچے والے ہیں۔

آپ نور ہیں

آپ کی ذات شریفہ ظاہر و باطن میں نور تھی بلکہ جس کو چاہتے نور عطا فرما دیتے جب ابوطفیل بن عمر ودوسی نے اپنی قوم کے لیے آیت معجزہ طلب کیا تو آپ نے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ لَهٗ۔ ترجمہ۔ اے اللہ اسے نور عطا فرما۔ تو اس کی جبین سے نور چمکنے لگا تو اس نے عرض کیا کہ مجھے خطرہ ہے کہ یہ مثلہ نہ ہو جائے تو اس کے عصا کی ایک طرف پھیر دیا تو وہ رات کی تاریکی میں چمکتا تھا اور اسے ذوالنور کہا جاتا۔

قتادہ بن نعمان کی چھڑی نور بن گئی۔ ایک دفعہ برسات کی تاریک رات میں حضرت قتادہ بن نعمان نے عشا کی نماز آپ کے پیچھے باجماعت ادا کی بعد میں آپ نے اس کو ایک چھڑی عطا کی اور فرمایا ''جا'' یہ تیرے آگے اور پیچھے دس دس گز روشنی کرے گی اور جب گھر میں جائے گا تو ایک سیاہ چیز دیکھے گا تاکہ وہ گھر سے نکل جائے کہ وہ شیطان ہے آپ کے فرمان کے مطابق بالکل سچ ثابت ہوا۔ قتادہ بن ملحان کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو آئینہ کی مانند اس سے اشیاء نظر آتی تھیں۔

لحیہ مبارک

طبرانی نے عداء بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ كَانَ ﷺ اَحْسَنَ السَّبَلَةِ۔ آپ کی ریش کے بال لمبے تھے السبلۃ لحیہ کے وہ سامنے بال جو سینہ پر لٹکے ہوتے ہیں، یعنی نچلی ٹھوڑی والے بال یا لبیں۔ شرح ریش کی شرح مقامات میں ہے۔ السبلۃ سامنے والی ڈاڑھی کو کہتے ہیں۔

خاتم نبوت۔ ترمذی میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ کی خاتم نبوت پشت پر اٹھا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کی خاتم نبوت کبوتر کے انڈے کے مانند ابھرا ہوا

گوشت تھا۔ بضعۃ بفتح باء گوشت کا ٹکڑا۔ نا شِرَۃٌ۔ ابھرا ہوا اٹھا ہوا۔ اَلْغُدَّۃ وہ گوشت جو چمڑے اور گوشت کے درمیان ہو۔ (گلٹی) اور حرکت دینے سے حرکت کرے۔ جیسا کہ مصباح میں ہے۔

قرطبی نے کہا احادیث متفق ہیں۔ کہ خاتم ایک ظاہر سرخ چیز جو بائیں شانہ کے قریب تھی۔ جب چھوٹی ہو تو کبوتر کے انڈے کی مانند اور جب پُر ہو تو مٹھی برابر۔

امام و حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ خاتم نبوت پشت پر دل کے بالکل مقابل تھی جہاں سے شیطان داخل ہوتا ہے، اور یہ آپ کے خصائص سے ہے۔

قد مبارک

بخاری و مسلم اور ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

كَانَ ﷺ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ لَيْسَ بِالْاَبْيَضِ لَاَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ بِالسَّبْطِ

''آپ قوم سے میانہ قد تھے طویل محض اور نہ کوتاہ قد، سفید گندمی رنگ نہ بالکل سفید اور نہ بالکل گندمی نہ موٹے اور نہ لٹکے ہوئے''۔

ربعۃ بفتح راء بکسر راء یعنی رسول ﷺ مربوع (میانہ قد والے) تھے نہ بہت لمبے جو لوگوں سے الگ معلوم ہوں۔

حسن اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ آپ میانہ قد طویل کے قریب تھے۔ اَزْھَرُ اللَّوْنِ۔ روشن رنگ۔

ابن حجر نے کہا کہ آپ سفید تھے جو کہ سرخی کی طرف مائل ہو دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے جسے ترمذی نے اور حاکم نے روایت کیا۔

امام مناوی نے اَمْھَقُ کی تفسیر نہیں کی۔ غریری نے بیان کیا کہ الْاُبیض الامھق ای الکریہ الابیض۔

ناپسندیدہ سفید چونہ کی مانند۔ الآدم۔ بہت تیز گندمی رنگ۔ آپ کی سفیدی سرخی سے مخلوط تھی لیکن وہ سرخی صفا کے ساتھ ہوا سے ازہر کہا جاتا جیسے قرطبی نے ذکر کیا۔ عرب لوگ اس قسم کے رنگ والے کو اسمر بھی کہتے ہیں۔ سمرۃ سے مراد بھی وہ سفیدی جو سرخی کے ساتھ مخلوط ہو چنانچہ حضرت انس سے امام احمد اور بزاز نے روایت کیا۔ ابن حجر نے کہا ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا کہ آپ اسمر (گندمی رنگ والے) تھے۔

بیہقی کی دلائل میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ سفید تھے کہ جس میں سفیدی سمرہ کے ساتھ

مخلوط ہو۔

سند حسن کے ساتھ روایت احمد کے الفاظ ہیں اَسْمَرُ اِلَی الْبَیَاضِ۔ گندم گوں سفیدی کی طرف مائل ہو۔

اَلْجَعْدُ اَلْقَطَطُ۔ سخت سیدھے اور موٹے اَلسَّبْطُ اِلَی الْمُسْتَرْسِلُ۔ لٹکے ہوئے۔

بازو مبارک

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَحَ الذِّرَاعَيْنِ بَعِيْدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكَبَيْنِ اَهْدَبَ اشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ۔ (ص نمبر ۱۶۵)۔

''آپ لمبی اور چوڑی کلائیوں والے کھلے شانوں والے، لمبی پلکوں والے تھے''۔

شَبَحَ الذِّرَاعَيْنِ۔ کلائی لمبی اور چوڑی۔ بَعِيْدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكَبَيْنِ۔ پشت کا اعلیٰ حصہ چوڑا۔ المنکب۔ بازو سرا اور کندھے کا مجموعہ ان کا بعید ہونا سینے کی کشادگی پر دال ہے۔ اور یہ علامت نجابت ہے۔

بال شریف

ترمذی اور ابن ماجہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا:

وَشَعْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُوْنَ الْجُمَّةِ وَفَوْقَ الْوَفْرَةِ۔ (ص ۱۶۶)

''آپ کے بال کانوں کی لو اور شانوں کے مابین تھے''۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

اَلْجُمَّةِ۔ سر کے بال جو کانوں کی لو سے تجاوز کر جائیں شانوں تک پہنچیں یا نہ اسی طرح صحاح میں ہے۔ نہایہ میں ہے جو کندھوں سے نیچے تھے۔ الوفرۃ جو کانوں تک پہنچیں، یا لو سے تجاوز کر جائیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔

ابو شامہ نے کہا کہ صحیح احادیث اس پر دال ہیں کہ بیشک آپ کے بال نصف کان تک تھے ایک روایت میں کانوں کی لو تک۔ دوسری روایت لو اور کندھوں کے درمیان تک ایک اور روایت شانوں کے قریب تک تھے۔ اور ایک روایت میں شانوں تک تھے لیکن اس سے زیادہ کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ یہ اختلاف روایات اختلاف احوال کی بنا پر ہے پس یہ متعدد روایات حج وعمرہ کی ادائیگی کے بعد ہیں۔

یہ روایت کہ شانوں سے زیادہ لمبے کی کوئی روایت نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آپ کے بال

رک گئے جس طرح کہ ہر انسان کے بال ایک حد پر آ کر رک جاتے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس حد پر پہنچے ہوں تو آپ نصف یا لو تک کٹوا دیتے ہوں لیکن حج وعمرہ کے علاوہ بال کٹوانے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔

شائد یہ بھی ممکن ہے کہ سن چھ ہجری عمرہ حدیبیہ کے بعد یہ صفات ہوں کہ ایک عرصہ بال چھوڑے ہی نہیں جو کندھوں سے تجاوز کر جاتے کیونکہ سات ہجری میں عمرہ کی قضا دی اور آٹھ میں جعرانہ عمرہ کیا اور دس میں حج کے مناسک ادا کئے۔

امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَالْيَدَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ۔ (ص166)

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر ہاتھ اور پاؤں عظیم تھے"۔

مسلم اور ترمذی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ کا منہ عظیم آنکھوں کی سفیدی میں سرخی اور ایڑیوں میں کم گوشت تھا۔

حضرت علی سے بیہقی نے روایت کیا۔ آپ کا سر مبارک عظیم اور ریش بڑی تھی۔

ضخم۔ کا معنی عظیم اور روایت میں ضَخْمُ الْهَامَةِ۔ بڑی کھوپڑی۔ الیدین۔ کلائیاں جس طرح دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ضَلِيْعُ الْفَمِ اَىِ عَظِيْمُهٗ۔ بڑا منہ یا کشادہ عرب اس کے ساتھ مدح کرتے۔ اَشْكَلُ الْعَيْنَيْنِ۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخی یہ محمود صفت ہے۔ مَنْهُوْسَ الْعَقْبِ۔ ایڑی کا قلیل گوشت۔ ضَخْمُ الْهَامَةِ۔ بڑی کھوپڑی سر کا بڑا ہونا عظمت پختگی اور وفور عقل پر دال ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلیل القدر تھے کہ چہرہ انور ایسے چمکتا کہ محسوس ہوتا کہ چودھویں رات کا چاند آپ کے رخ انور پر چمک رہا ہے بہت زیادہ طویل قد اور نہ بالکل پست و کوتاہ قد تھے۔ سر کی کھوپڑی عظیم بالوں میں کنگھی کرتے اگر آسانی سے مانگ نکل آتی تو نکال لیتے ورنہ ویسے ہی چھوڑ دیتے۔ سر کے بال کانوں کی لو سے تجاوز نہ کرتے روشن رنگ کشادہ پیشانی باریک اور غیر متصل ابرو غضب کی حالت میں جبیں کی رگ ابھر آتی۔ ناک لمبی اور اس کا سرا باریک ناک کی ہڈی اٹھی ہوئی بھاری ریش اور عظیم منہ تھا۔ دانت روشن باریک اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ تھا۔ سینہ کے وسط میں بال ڈوری کی مانند تھے۔ صورت صفائی میں چاند کی مانند تھے حسین شکل سینہ اور شکم مساوی تھے۔ سینہ چوڑا دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ موٹی اور مضبوط ہڈیوں والے، روشن بدن والے، سینہ اور ناف بالوں سے

ملے ہوئے گویا کہ ایک خط ہے کلائیوں پر بال نہ تھے جبکہ کندھوں پر بال تھے سینہ بلند آپ کے ہاتھوں کے گھٹے طویل تھے۔ فیاض وسخی پر میخ متوسط ہڈیوں والے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں موٹی اور طویل تھیں آپ کا پورا پاؤں زمین پر لگتا اور قدم نرم اور برابر تھے گویا کہ ان سے چشمہ ابل رہا ہے جب چلتے تو اس طرح پورا قدم اٹھاتے کہ کہ اس میں دائیں بائیں جھکاؤ نہ ہوتا اور چلتے ہوئے قدموں کا جھکاؤ آگے کو ہوتا اور سبک رفتار لمبے لمبے قدم رکھتے دائیں بائیں دیکھتے تو پورا رخ اس طرف پھیر لیتے آنکھ کے کونے سے نہ دیکھتے چلتے ہوئے نگاہ زمین پر رکھتے اور آپ کی نگاہ بہت دور تک جاتی اور آسمان کو بہت دور تک دیکھ لیتے۔ اپنے اصحاب کو اپنے آگے چلنے کا حکم دیتے جو بھی آپ کو ملتا سلام میں آپ پہل کرتے۔

ترمذی نے شمائل اور طبرانی اور بیہقی نے اسے هند بن ابی هالة سے روایت کیا اس کی شرح میں امام مناوی رقمطراز ہیں۔

فَخْمًا۔ سرداروں اور بلند پایہ لوگوں سے عظیم تر کہ کسی میں یہ ہمت نہیں کہ آپ کی تعظیم نہ کرے اگرچہ پہلے عدم تعظیم کا مصمم ارادہ کر چکا ہو۔ لہٰذا یہ فخامت جسمانی نہیں ہے۔

بعض نے کہا فَخماً کا معنی اپنے اصحاب کے نزدیک عظیم القدر اور جس نے آپ کو نہیں دیکھا اس کے نزدیک مُفَخَّماً یعنی عظیم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب کرام آپ کی مجلس میں یوں بیٹھتے کہ ان کا کوئی بال اور کوئی جوڑ تک حرکت نہ کرتا چنانچہ کہا جاتا ہے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھتے ہیں تاریکی کا ڈر اور نہ اجلال کا خوف۔

يَتَلَأْ لَؤُ۔ کا معنی ہے روشن و درخشاں۔ اَلْمُشَذَّبُ۔ دراز اور طویل قد۔ اَلْهَامَه۔ سر ہے۔ رَجُلُ الشَّعْرِ۔ گویا کنگھی کی۔ عقيقة شعر۔ یعنی سر کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے۔ نصف داہنی جانب اور نصف بائیں جانب ان کا عقیقہ نام رکھ کر نومولود بچہ کے بالوں سے تشبیہ دی اگر آسانی سے بال متفرق ہو جاتے تو کر لیتے ورنہ اسی طرح پیچھے کی جانب کر دیتے۔ اَزْهَرُ اللَّوْنِ۔ کا معنی سفید بال اور روشن رنگ کہ یہ تمام رنگوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اَزَجُّ الْحَوَاجِبِ ابرو جداء جدا اور گھرے بال۔ سَوَابِغٌ۔ کامل۔ فِي غَيْرِ قَرْنٍ۔ مجتمع نہ ہونا یعنی ابرو طویل تھے کہ عجلت نظر میں دونوں طرف سے ملے ہوئے معلوم ہوتے۔ بلند بانسہ نتھنوں والی ناک تھی۔ اَشَمُ شَمٌّ۔ سے مشتق ہے ناک کے بانسہ کا بلند ہونا اور نتھنوں کا باریک ہونا۔ كَثَةُ الْلِحْيَةِ۔ ریش مبارک طویل تھی نہ چھوٹی اور ہلکی بلکہ کثیر بالوں والی یعنی ڈاڑھی گھنی تھی۔ ضَلِيْعُ الْفَمْ۔ یعنی منہ مبارک عظیم تھا۔ الْأَشْنَبُ۔ دندان مبارک سفید روشن تھے اور ثنایا کے مابین کچھ فاصلہ بھی تھا۔ اَلْمُرْسَبَةُ۔ سینہ سے ناف تک ڈوری کی

مانند تھے۔ الامیہ الصورت البادن۔ جسم مبارک فربہ۔ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ۔ دونوں برابر تھے کوئی باہر نکلا ہوا نہ تھا۔ الکرادیس۔ ہڈیوں کے سرے۔ اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ۔ روشن جسد والے۔ اَللُّبَةِ۔ گردن کی ذبح کرنے کی جگہ وہ سینہ سے اوپر حلق سے نیچے والی جگہ ہے۔ الزند۔ ہاتھ کا گھٹا۔ رَحْبُ الرَّاحَةِ۔ کشادہ ہاتھ والے اور زمخشری نے کہا کہ ہاتھ کی کشادگی سخاوت اور تنگی بخل کی علامت ہے۔ سَبْطُ الْقَصَبِ۔ آپ کی ساخت موزوں تھی کہ ہاتھ پیروں اور رانوں کی نل گدے والی تھیں کہ ان میں اونچ نیچ نہ تھی بلکہ بالکل موزوں گول اور چربی سے بھری ہوئی تھیں۔ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ۔ انگشت ہائے ہاتھ پاؤں موٹی اور لمبی تھیں نہ قصیر۔ یہ محمود صفت ہے جو کہ قوت پر دال ہے اور یہ بخاری شریف کی روایت معارض نہیں جس میں حضرت انس سے مروی ہے کہ میں آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم حریر و دیباج کو بھی نہ پایا اس لیے کہ نزاکت چمڑے اور غلظت ہڈیوں میں ہوتی ہے لہٰذا ملائمت جسم اور قوت جمع ہو سکتی ہیں۔

اسی لیے ابن ابطال نے کہا کہ آپ کے ہاتھ گوشت سے پر تھے باوجود ضخامت کے نہایت ملائم تھے۔ سَائِلُ الْاَطْرَافِ۔ انگشت ہائے طویل تھیں جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ بیہقی وغیرہ نے کہا آپ کی انگلیاں طویل بغیر عقد اور غلظت کے تھیں اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے گویا کہ آپ کی انگلیاں چاند کی ڈلیاں ہیں۔ خَمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ۔ یہ خمص سے مشتق ہے اس کا معنی ہے دور ہونا اخمص کا معنی ہے تلوے کا وہ حصہ جو چلتے ہوئے زمین کے ساتھ نہ لگے۔ (یعنی آپ کا قدم مبارک پورا زمین کے ساتھ لگتا تھا)۔ مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ۔ قدم مبارک مساوی و برابر تھے ان میں تکسر و تشقق (پھٹا ہوا ہونا) نہ تھا۔ يَنْبُوْ الْمَاءُ۔ یعنی پانی بہتا۔ اِذْ زَالَ زَالَ تَقَلُّعاً۔ یعنی جب چلتے تو دونوں قدم باری باری مکمل اٹھاتے جیسا قوت والے انسانوں کی عادت ہوتی ہے۔ چلتے ہوئے دائیں بائیں میلان نہ ہوتا یا آگے کی طرف جیسا کہ اگلے کلمات سے عیاں ہے کہ آپ اس انداز مشی فرماتے گویا کہ کسی بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ۔ فراخ قدموں کے ساتھ تیز تیز چلنا۔ اِلْتَفَتَ جَمِيْعاً۔ اگر دائیں بائیں جانب دیکھنا ہوتا تو مکمل اس جانب پھر جاتے آنکھ کے کونے یا گردن پھیر کر نہ دیکھتے۔ ولجی نے کہا کہ یہ اس وقت تھا کہ جب آپ نے پیچھے کی جانب دیکھنے ہوتا۔ داہنی یا بائیں طرف دیکھنے کے لیے صرف گردن بھی پھیر لیتے۔ اطرف۔ معنی بصر آنکھ ہے اور چلتے ہوئے زمین پر نظر رکھتے بہت کم آسمان کی جانب نگاہ اٹھاتے کیونکہ آپ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے اور مسلسل فکر میں مشغول رہتے۔ کیونکہ اوپر دیکھنے سے مراقبہ و فکر میں خلل واقع ہونے کا خطرہ رہتا ہے یہ اس وقت ہے

کہ جب آپ خاموش ہوتے اور گفتگو کے دوران اوپر بھی دیکھتے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جب گفتگو فرماتے تو اکثر آسمان کی جانب نگاہ اٹھتی۔ لیکن حالتِ نماز میں کبھی ادھر ادھر یا اوپر نہ دیکھتے جب یہ آیت نازل ہوئی:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (مومنون:2)

"اور جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں"۔

امام مناوی نے کہا میں نے حافظ مغلطائی کے خط کو دیکھا ابن ظفر نے ذکر کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک راہب کتاب لایا جو اسے اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی تھی اور اسے اصحابِ مسیح علیہ السلام نے لکھا اس میں لکھا تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَضٰی فِیْمَا قَضٰی وَسَطَرَ فِیْمَا سَطَرَ اَنَّهٗ بَاعِثٌ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا لَا قَطٌّ وَلَا غَلِیْظٌ وَلَا صَخَّابٌ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ اَلسَّیِّئَةَ بِا لسَّیِّئَةِ وَلٰكِنْ یَغْفِرُ وَیَصْفَحُ اُمَّتَهٗ اَلْحَمَّادُوْنَ نَظْرُهٗ اِلَی الْاَرْضِ اَحْوَلُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَی السَّمَاءِ۔(ص168)

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے فیصلہ کیا جس میں فیصلہ اور لکھا جس میں لکھا بیشک وہ اَن پڑھوں میں ایسا رسول بھیجنے والا جو متفرق کرنے والے نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں گھومنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف اور درگزر کرتے ہیں آپ کی امت بہت حمد کرنے والی ہے آپ کی نگاہ زمین کی طرف زیادہ رہتی بنسبت آسمان کے"۔

آپ چلتی نظر سے دیکھتے اور اپنے اصحاب کو اپنے آگے چلاتے اور خود ان کے پیچھے چلتے یہ بطور تواضع اور تعلیم امت کے لیے تھا کہ راہنما کو پیچھے چلنا چاہئے یا کہ ان کے حالات کی معاش میں ملاحظہ کرے اور اپنے بھائیوں کا مشاہدہ اور جو تربیت کا مستحق ہو اس کی تربیت کرے جو محتاج تکمیل ہو اس کی تکمیل جو مستحق عتاب ہو اس پر عتاب اور جو لائق ادب ہو اس کا ادب کرے یہ شان سربراہ کی اپنی رعیت کے ساتھ ہے یا اس لیے حضور اقدس ﷺ سب سے پیچھے چلتے کہ فرشتے وغیرہ آپ کے پسِ پشت چلتے۔

وَكَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰی لَمْ یَلْتَفِتْ

"رسول پاک ﷺ جب چلتے تو نہ رکتے یا دائیں بائیں متوجہ نہ ہوتے"۔

اسے حاکم نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

امام مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ لَمْ یَلْتَفِتْ اس لیے آپ مسلسل سفر کرتے۔ سستی و کاہلی اور توقف ترک کرتے اور جو دائیں بائیں متوجہ ہوتا تو اس کی رفتار میں کاہلی لازمی آجاتی ہے تاکہ آپ کا دل اپنے سے پیچھے والوں کی طرف مائل نہ ہو اور تاکہ اپنے اصحاب اور ان کے احوال سے مطلع نہ ہوں یہ رسول پاک ﷺ کی عظمت شان ہے۔

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى اَسْرَعَ حَتّٰى يُهَرْوِلُ الرَّجُلُ وَرَاْهُ فَلَا يُدْرِكُهُ (رَوَاهُ اِبْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدِ بْنِ مُرْثَدٍ مُرْسَلًا)۔

''سرور کائنات ﷺ جب چلتے تو تیز رفتاری سے چلتے یہاں تک کہ آپ کے پیچھے چلنے والے شخص تکلف سے تیز چلنے کے باوجود آپ کو چھو نہیں سکتا تھا''۔

امام مناوی نے کہا زمخشری نے کہا یعنی سست رفتار سے ذرا تیز قرآن حکیم کے حکم کے مطابق:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (لقمان:19)

''اور میانہ چال چل''۔

دو رفتاروں (کاہلی و سستی اور بہت زیادہ تیز رفتاری) کے درمیان یعنی سست رفتار والوں کی طرح آہستہ آہستہ اور نہ اچھل اچھل کر چلنے والوں کی طرح تیز رفتار چلتے۔

شمائل ترمذی میں ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ سبک رفتار کسی کو نہ دیکھا گویا کہ آپ کے لئے زمین لپیٹ دی گئی ہے ہم بڑی کوشش سے آپ کو پہنچتے جب کہ آپ بڑے اطمینان و وقار کے ساتھ چلتے تھے جتنا سفر دوسرے لوگ بیسار و کوشش سے طے کرتے ہیں اتنا آپ بغیر کوشش کے با آسانی طے کر لیتے۔

ابن عساکر نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ ایسی رفتار سے چلتے کہ اس میں عجلت ہوتی نہ کاہلی۔

امام مناوی رقمطراز ہیں کہ سبک رفتاری تھی اس کے باوجود آپ نہایت اطمینان سے چلتے اور تیز چلنے کی کوشش نہ کرتے۔

آپ کے کلام میں ترتیل تھی

ابوداؤد میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ کے مقدس کلام میں ترتیل یا ترسیل تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے کلام میں ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر اس طرح کلام فرماتے ہیں کہ اس کے حروف وسکنات واضح سمجھ میں آتے اس طرح کہ سامعین کلام کے حروف کو شمار کر سکتے تھے۔ یا ترسیل بعطف تفسیری ہے یا راوی کو شک لاحق ہوا کہ ترتیل فرمایا یا ترسیل۔

مسئلہ

اس سے ایک جماعت نے یہ اخذ کیا کہ ترتیل سے تھوڑی تلاوت زیادہ تلاوت سے فضیلت رکھتی ہے کیونکہ تلاوت سے مقصد فہم وتدبر ہے اور بعض علماء نے کہا زیادہ تلاوت کرنا اگرچہ اس میں ترتیل نہ ہو افضل ہے اس کا اخبار کثیرہ سے استدلال کیا۔

ابن قیم نے کہا کہ صواب یہ ہے کہ ترتیل سے قرات اور تدبر ارفع الشان ہے اور کثیرۃ قرات کا ثواب سب سے زیادہ ہے پہلے کی مثال اس نے ایک جوہر عظیم صدقہ کیا اور دوسرے کی مثال جیسا کہ اس نے دنانیر صدقہ کر دیا۔

آپ کو پسینہ بہت آتا

حضرت انس سے امام مسلم نے روایت کیا کہ رسول ﷺ بہت پسینہ والے تھے۔(العرق) کا معنی ہے انسان کی جلد سے جو گرم ہونے پر قطرات ٹپکتے ہیں۔

حضرت ام سلیم آپ کے پسینہ کو جمع کرتیں اور بطور خوشبو استعمال کرتی کہ اس سے بہت مہک آتی تھی۔

آپ کا کلام صاف اور واضح ہوتا

ام المؤمنین حضرت عائشہ سے ابو داؤد نے روایت کیا کہ آپ کا کلام واضح اور فاصل ہوتا کہ ہر ایک سامع اسے سمجھ لیتا۔

فصلا کا معنی ہے کہ حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنے والا کہ کسی پر التباس نہ رہے بلکہ ہر سامع اسے سمجھ لے یہ کمال فصاحت اور ایضاحِ کلام پر قدرت کی دلیل ہے۔

اسی لیے حضرت عمر نے بطور استعجاب کہا کہ آپ ہم میں رہے کہیں باہر نہیں گئے۔ اس کے باوجود آپ ہم سب سے کہیں زیادہ فصیح وبلیغ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ لغتِ اسماعیل علیہ السلام مٹ چکی تھی جبریل امین اسے میرے پاس لائے تو میں نے اسے محفوظ کر لیا۔

روایت میں آتا ہے کہ آپ اہل فارس کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرماتے۔

زمخشری نے کہا مغالطہ ڈالنے والوں کو آپ نے لاجواب کر دیا کہ وہ مبہوت ومقہور ہو گئے اور تعجب

کرنے لگے۔

خالق کائنات نے عربی لسان کو سب سے زیادہ قوت عطا کی اور اس کا زبدہ رسولِ پاک ﷺ کو عطا کر دیا لہٰذا عرب وعجم میں سے کوئی خطیب آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ مسجع عبارت پیش کرنے والا آپ کے سامنے خاموش ہو گیا آپ کا کلام لوگوں کے کلام میں وہی حیثیت رکھتا جو گھوڑے کے رنگ میں اس کی پیشانی پر سفید بالوں کی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ آپ فصیح الخلق شیریں کلام اس کی ادائیگی میں سریع گویائی میں صاحب حلاوت تھے کہ آپ کا کلام دلوں کو گرفتار روحوں کو قیدی بنا لیتا جس کی شہادت اعداء نے بھی دی آپ کے موجزو معجز کلام پر کثیر تصانیف تالیف کی گئیں۔

آپ کا رخ انور مستدیر اور روشن تھا

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ کا رخ انور آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن اور مستدیر تھا۔

روشنی میں آفتاب حسن و ملاحت میں ماہتاب کی مانند تھا کیونکہ سورج کو پوری طرح دیکھا نہیں جا سکتا۔

آپ کذب کو بہت قبیح خیال کرتے

بیہقی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آپ اخلاق میں سے کذب و جھوٹ کو سب سے برا سمجھتے۔

سب سے قبیح خلق جھوٹ اس لیے ہے کہ اس میں کثرتِ ضرر اور اس پر مفاسد و فتن بکثرت مترتب ہوتے ہیں اور آپ رضا و ناراضگی میں حق کے سوا کچھ نہ فرماتے اسی لیے آپ اپنے اصحاب اور اہل بیت کو جھوٹ پر بہت زجر فرماتے کیونکہ اس پر ایسے امور مرتب ہوتے ہیں جس سے لوگوں کو نقصان و ضرور ہوتا ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں کہ جب سفیر نے جھوٹ بولا تو اس کی تدبیر ختم ہو گئی۔

جب مال آتا تو آپ اسے فوراً تقسیم کر دیتے

بیہقی اور خطیب نے حسن بن محمد بن علی سے مرسلاً روایت کیا کہ رسول پاک ﷺ کے پاس جب مال آتا تو رات اور قیلولہ سے قبل تقسیم کر دیتے۔

اگر مال دن کے آخری حصہ میں آتا تو رات سے قبل تقسیم کر دیتے اور اگر صبح کے وقت آتا تو دوپہر سے قبل مستحقین میں تقسیم کر دیتے رات یا دوپہر تک نہ روکے رکھتے بریں بناء کہ احسان صدقہ میں جلدی

کرنے سے شرحِ صدر، پاکیزگیٔ نفسی اور منعمِ قلب ہوتا کیونکہ صدقہ اور انفاق کو شرح صدر میں تاثیر عجیب ہے۔

جب کوئی خوش کن بات سنتے تو سجدۂ شکر ادا کرتے

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی مسرت کی بات سنتے تو سجدہ شکر ادا کرتے۔

سجدۂ شکر مستحب ہے

اسی لیے مستحب ہے کہ جب کسی نعمت کا حصول یا کسی مصیبت کا دفاع ہو تو بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرے کہ بندہ کے لیے انتہائی تواضع سجدہ ہے کہ اپنے مکارم رخ کو زمین پر رکھتا ہے اور اپنے جوارح کو جھکا دیتا ہے بندہ کے لائق و مناسب ہے کہ جتنا اسے قربِ الٰہی نصیب ہوگا اتنی ہی تذلل میں لذت وراحت بڑھے گی اس میں جلب وربط نعمت ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ۔(۱)

''اور یاد کرو اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا''۔

رسول پاک ﷺ مخلوق میں سب سے زیادہ انعاماتِ الٰہیہ کے شاکر ہیں کہ آپ کا یقین محکم ہے لہٰذا آپ سب سے زیادہ سجدہ ریز ہوتے۔

اس میں امام شافعی کے لیے حجت ہے کہ حصول سرور یا دفع ضرر پر سجدۂ شکر مستحب ہے۔

آپ کی آواز دوران خطبہ بلند ہو جاتی

ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب رسول اکرم ﷺ خطبہ دیتے تو آپ کی چشمان سرخ اور آواز بلند اور غضب سخت ہو جاتا گویا کہ آپ لشکر کو ڈرانے والے ہیں۔

امام نووی نے کہا کہ سخت غضب کی وجہ آپ کا کسی امر عظیم سے ڈرانا تھا (آخرہ)۔

یہ ابن ماجہ وغیرہا کی حدیث کا ایک قطعہ وحصہ ہے آپ نے فرمایا میں اور قیامت اس طرح ہیں جیسی یہ دو انگشت ہیں اور انگشت سبابہ اور وسطی کو ملایا پھر فرماتے امابعد! بے شک بہتر امور اللہ کی کتاب اور بہتر ہدی محمد کریم ﷺ کی ہدایت ہے سب سے برے اُمور محدثات ہیں اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ مسلم کی روایت میں خیر الحدیث کتاب اللہ۔ (بہتر حدیث اللہ کی کتاب ہے)۔

ابن قیم نے کہا رسول اکرم ﷺ زمین، منبر اور اونٹ پر خطبہ ارشاد فرماتے اور ہر خطبہ اللہ کی حمد و ثناء سے شروع کرتے قول کثیر میں ہے کہ خطبۂ استسقاء استغفار سے شروع کرتے اور اکثر و بیشتر

قرآن کریم سے خطبہ ارشاد فرماتے اور ہر وقت حسب موقعہ وضرورت خطبہ دیتے اور جب آپ گھر سے نکلتے تو آپ کے ہاتھ میں عصا نہ ہوتا۔ ایمرا یجنسی خطبہ، خطبہ راتبہ سے طویل ہوتا۔

آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ میانہ روی سے پیش آتے

ابن سعد اور ابن عسا کر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جب آپ اپنی ازواج کے پاس تشریف لاتے تو سب سے زیادہ نرم مزاج اور سب سے زیادہ متبسم اور خوش ہوتے۔

یہاں تک کہ ایک بار حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑے تو حضرت عائشہ سبقت لے گئیں جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا۔

ابن قیم نے کہا کہ آپ کی ان کے ساتھ عنایات اور شفقتوں میں سے ہے کہ جب رات کو ان کے پاس تشریف لے جاتے تو اس انداز سے سلام کہتے کہ بیدار شخص سن لے اور سویا ہوا بیدار نہ ہو اس کو مسلم نے روایت کیا۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ کی سہیلیوں کا خیال فرماتے

امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ جب آپ بکری ذبح کرتے تو فرماتے کہ اس سے خدیجہ کی سہیلیوں کو پہنچاؤ۔

اس حدیث سے عہد کا لحاظ، حسنِ محبت اور دوست واقرباء اگرچہ فوت شدہ ہوں ان کا احترام ثابت ہوتا ہے۔

بوقت تبسم آپ کا چہرہ چاند کی مانند چمکتا

امام بخاری و مسلم نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سرور کائنات ﷺ مسرور ہوتے تو آپ کا رخ انور چاند کی مانند چمک اٹھتا۔

امام مناوی اس کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ یہ تمثیل شعراء کی عادت کے مطابق ہے ورنہ کوئی چیز آپ کے حسن کے مساوی نہیں ہوسکتی۔

طبرانی میں جبیر بن معطم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ میری طرف ایسے رُخ انور کے ساتھ متوجہ ہوئے جو چاند کا ٹکڑا تھا یہ متوجہ ہوتے وقت کی صفت پر محمول ہے۔

بزار کی روایت میں ہے گویا کہ چاند کا حلقہ ہے۔

مدینہ منورہ کے بچے نماز فجر کے بعد حصول تبرک کے لیے پانی لاتے

امام احمد و مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز فجر سے فارغ ہوتے

تو آپ کے پاس مدینہ منورہ کے بچے پانی کا برتن اٹھائے ہوئے آتے تو آپ ان برتنوں میں اپنا ہاتھ ڈال دیتے۔ نماز غد سے مراد فجر ہے اور پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنا برکت کے لیے ہے اس میں لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان ہے۔ اور آپ کا لوگوں کے ساتھ قرب ہے تا کہ ہر حق والے کو اس کا حق ملے اور جاہل کو علم ہو جائے اور تا کہ آپ کے افعال کی اقتداء کرے۔ اسی طرح آپ کے بعد ائمہ کرام کو کرنا چاہئے۔

ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نماز فجر پڑھانے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کیا تم میں کوئی مریض ہے کہ اس کی میں عیادت کروں اگر صحابہ کرام کہتے نہیں تو فرماتے کوئی جنازہ ہو تو اس کے ساتھ چلیں اگر اصحاب کہتے نہیں تو فرماتے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو وہ بیان کرے۔

مناوی رقمطراز ہیں یَقُصُّهَا ہم سے ذکر کرے تا ہم اس کی تعبیر بیان کریں۔

حکیم ترمذی نے کہا احلام ورویا (خواب) حضور اکرم ﷺ کے نزدیک عظیم الشان ہے اسی لیے روزانہ اصحاب سے دریافت فرماتے کہ یہ غیب سے ملکوت کی اخبار ہیں اور اس میں لوگوں کے لیے بشارت، انذار اور اعتاب وغیرہ سے امر دین میں نفع ہے۔

قرطبی نے کہا آپ ﷺ اصلاح وصدق کے لیے دریافت فرماتے اور معلوم ہو جائے کہ ان کے رویا صحیح ہیں ان سے کثیر مغیبات کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اصحاب کے لیے رویا کے ساتھ اعتناً اور ان کے فوائد کے لیے شوق بڑھانا مسنون ہے نیز کیفیت تعبیر کی تعلیم دیتے۔

ابن حجر نے کہا کہ صبح نماز فجر کے بعد رویا بیان کرنا مسنون ہے جیسا کہ اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے۔

طبرانی اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو ارشاد فرماتے کہ آپ میں سے کسی نے کوئی خوب دیکھا ہے جب کوئی شخص کہہ دیتا کہ میں نے دیکھا ہے تو فرماتے کہ تو بھلائی پائے اور شر سے محفوظ رہے۔ بھلائی ہمارے لیے اور شر اعداء کے لیے اور سب تعریفیں اللہ کے واسطے، اپنا خواب بیان کر۔ (الحدیث)

اگر کوئی شخص تین دن تک نظر نہ آتا تو اس کے متعلق دریافت فرماتے

ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سرور کائنات ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ اگر کوئی شخص تین دن تک غائب رہتا تو اس کے متعلق دریافت فرماتے کہ وہ کہاں ہے اور کیوں نہیں آیا اگر غائب ہوتا تو اس کے لیے دعا کرتے اگر موجود ہوتا تو اس سے ملتے، اگر مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔

امام مناوی اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ اپنی رعیت کا خیال رکھے ان کی شان کی اصلاح اور ان کے امور کی تدبیر کرے۔ اسی سے ماخوذ ہے کہ استاد کے لیے مناسب ہے کہ بعض طلباء عادت اور چھٹی سے زیادہ غائب رہیں تو ان کے متعلق دریافت کرے اگر ان کے احوال معلوم نہ ہوسکیں تو کسی کو بھیج کر یا بذات خود اس کے گھر جائے یہ افضل ہے اگر مریض ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر کسی غم میں مبتلا ہے تو اس کو خفیف کرے یا کسی ایسے امر میں مبتلا ہے جس میں مدد کی ضرورت ہے تو اس کی اعانت کرے۔ یا مسافر ہے اپنے اہل خانہ سے دور ہے تو اس کے اہل کی ضروریات معلوم کر کے حسب استطاعت پورا کرنے کی کوشش کرے ورنہ ان سے محبت کرے اور ان کے حق میں دعا کرے۔

جندب بن کلیث سے امام بغوی نے روایت کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی وفد آتا تو آپ اچھا لباس پہنتے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے۔

امام مناوی اس کی شرح میں رقمطراز ہیں۔ الوفد وفد کی جمع ہے جب کوئی شہنشاہ کی طرف نکلتا تو کہا جاتا ہے وَفَدَ اچھا لباس پہننے کی وجہ سے دشمنِ اسلام کے سامنے عظمت کا اظہار ہے اور اسے سرنگوں کرنا مقصود ہے یہ اعلاء کلمۃ اللہ، نصرتِ دین اور غیظ اعداء کو متضمن ہے۔ یہ حدیث دوسری جزء "اَلْبَذَادَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ" (سادگی ایمان سے ہے) کے متناقض نہیں کہ فخر یہ تجمل ممنوع ہے اور یہ اس قبیل سے نہیں۔

سفر سے واپسی پر اہل بیت کے بچوں سے پہلے ملتے

مسند امام احمد و مسلم اور ابوداؤد میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سرور کائنات ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے اہل بیت کے بچوں سے ملاقات فرماتے۔

پوری حدیث جو امام احمد اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ ایک بار فخر موجودات ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو میں سب سے پہلے آپ کے آگے ہوا تو آپ نے اپنے ہاتھوں پر مجھے اٹھا لیا پھر امام حسین و حسن ابنانِ فاطمۃ الزہرٰی لائے گئے تو ان کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا اس طرح ہم تین میل سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

طبرانی کی روایت جس کے ثقہ راوی ہیں کہ آپ سفر سے واپسی پر فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ملتے۔

حضرت انس سے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا کہ رسول کرم ﷺ جب کوئی چیز ناپسند فرماتے تو اس کا اظہار آپ کے رخ انور سے ہوتا۔

اس لیے کہ آپ کا رخ انور آفتاب و مہتاب کی مانند تھا جب کسی چیز کو ناپسند کرتے تو کساوت کا سایہ ہو جاتا جیسے آفتاب و مہتاب پر بادل آجائیں یہ آپ نہایت حیاء کی بنا پر صراحت نہ کرتے اور چہرہ اقدس سے اظہار کرتے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ ایک کنواری باحیاء لڑکی سے بھی زیادہ باحیاء تھے جب کسی شے سے کراہت فرماتے تو اسے ہم آپ کے چہرہ مقدس سے معلوم کر لیتے۔

حضرت انس سے ابن سعد نے روایت کیا کہ جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی آپ سے ملتا اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیتا تو آپ اس سے اپنا دست نہ چھڑاتے یہاں تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ اگر کوئی کان پکڑتا اسے بھی نہ چھوڑاتے جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے۔

ابوداوٗد نے اس کا بعض حصہ ذکر کیا ابن مبارک نے حضرت انس سے ایک روایت میں کچھ اضافہ ذکر کیا کہ آپ رخ انور کو نہ پھیرتے جب تک وہ نہ پھیرتا۔

مناوی رقمطراز ہیں کان پکڑنے سے متبادر معنی یہ ہے کہ اگر کوئی خفیہ بات کرنے کے لیے منہ آپ کے کان کے قریب کرنا چاہتا تو آپ اپنا کان اس کے قریب کر دیتے اور اپنا کان اس کے منہ سے دور نہ کرتے جب تک کہ وہ اپنا منہ دور نہ کرتا۔ یہ حسن اخلاق اور کمال اخلاق پر دال ہے کہ کیوں نہ ایسے ہوتے کہ آپ متواضعین کے سردار ہیں۔ لہٰذا مخلوق کو آپ کے حسن اخلاق پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

آپ آنے والے صحابی سے مصافحہ کرتے

نسائی میں حضرت خذیفہ سے مروی ہے کہ جب کوئی صحابی آپ کے پاس آتا کو اس سے مسح کرتے اور اس کے لیے دعا فرماتے۔

امام مناوی اس کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ مسح سے مراد ہاتھ سے ہاتھ ملانا یعنی مصافحہ کرنا ہے۔

امام مالک کے نزدیک معانقہ مکروہ ہے

اس سے امام مالک نے استدلال کیا ہے کہ آنے والے سے معانقہ کرنا اور تقبیل ید (ہاتھ چومنے) مکروہ ہیں جب اس کے خلاف استدلال پیش کیا گیا کہ جب جعفر طیار رضی اللہ عنہ حبشہ سے تشریف لائے تو آپ نے ان سے معانقہ کیا اس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا یہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

سفیان نے جواب دیا کہ کوئی وجہ تخصیص معلوم نہیں۔ اسی طرح قاضی عیاض کی تالیف کتاب مطامح الافہام میں مذکور ہے۔

آپ بچوں اوراپنی عیال کے ساتھ نہایت رحیم تھے

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ بچوں اوراپنی عیال کے ساتھ نہایت درجہ رحیم وشفیق تھے۔

امام نووی نے کہا کہ العیال کا لفظ مشہور ہے عباد (بندوں) کا لفظ بھی مروی ہے دونوں صحیح اور واقع ہیں عیال سے مراد اہل بیت اور جس کی معونت انسان کے ذمہ ہے۔

زین عراقی نے کہا ہم نے فوائد ابی وحداح میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ بندوں پر بہت مہربان تھے اور عیال پر رحیم تھے۔

طیالسی نے اسے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام سیوطی نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا یعنی آپ رقیق القلب، فضل واحسان کرنے والے اور مہربان تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ رحیم ورفیق تھے یہ لفظ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ثقیف بن عقیل کے حلیف تھے۔ ثقیف نے صحابہ سے دو شخص قید کر لیے اصحاب نے بنی عقیل کا ایک شخص قیدی بنالیا اسے رسول کریم ﷺ کی اونٹنی پر باندھ کر حضور اقدس کی خدمت میں لائے تو اس نے کہا اے محمد (ﷺ) آپ نے مجھے کس وجہ سے گرفتار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم کے عوض، جب آپ واپس ہوئے تو کہنے لگا یا محمداہ (ﷺ) رسول اللہ ﷺ رحیم ورفیق تھے آپ نے مڑ کر فرمایا تیرا کیسا حال ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں آپ نے فرمایا اگر تو یہ کہہ دیتا کہ آپ اپنے امر کے مالک ہیں تو یقیناً مکمل فلاح پالیتا۔

صحیحین میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول خدا ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو بیس رات تک آپ کے پاس مقیم رہے اور آپ بہت رحیم وشفیق تھے جب آپ نے محسوس فرمایا کہ ہم اپنی اہل وعیال کے مشتاق ہیں۔ تو فرمایا اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ تم سے ایک اذان دے اور تم سے بڑا امامت کرائے۔

آپ ایفائے عہد کرتے۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ رحیم تھے اگر آپ کسی سے عہد لیتے تو اسے پورا کرتے۔

یعنی آپ اعداء تک رحیم تھے جب فتح مکہ کے موقعہ پر قریش آپ کے پاس لائے گئے وہ اس وقت مسجد حرام میں بیٹھے تھے اور آپ کے اصحاب آپ کے حکم کے منتظر تھے کہ کس کس کو قتل کیا جائے۔ تو آپ نے قریش سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے والا

ہوں؟ تو انہوں نے جواب دیا، خیر و بھلائی کا گمان رکھتے ہیں۔ کہ آپ کریم بھائی اور کریم باپ کے بیٹے ہیں تو آپ نے فرمایا آج میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ (یوسف:92)

"آج تم پر کچھ ملامت نہیں"۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فلکِ سیدنا محمد ﷺ سے کوئی فلک وسیع نہیں کہ آپ کے حسنِ اخلاق و معارف، محبت و مودت اور افق کا احاطہ کر سکے۔

وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ (احزاب)

"آپ مومنوں پر مہربان تھے"۔

اور امور الٰہیہ کے متعلق آپ سے بڑھ کر کوئی سخت بھی نہ تھا قرآن مجید میں ہے:

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ (تحریم:9)

"کافروں اور منافقوں پر جہاد کرو"۔

قَوْلُهٗ وَعْدُهٗ اَلْجَزْلَ۔ یعنی اگر آپ کے پاس ہوتا ورنہ قرض لینے کا حکم دیتے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا اور کچھ عطا کرنے کا سوال کیا تو فرمایا میرے پاس اب تو کچھ نہیں البتہ کچھ دیر انتظار کرو اگر کچھ آ گیا تو تجھے دے دیا جائے گا۔ تو حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو تکلیف و پریشانی تو نہیں دی تو آپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ ایک انصاری نے عرض کیا آپ خرچ کرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے افلاس کا خوف نہ رکھیے۔ آپ نے خوشی سے تبسم فرمایا اور چہرۂ انور سے خوشی کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا مجھے یہی حکم ہوا ہے۔

حضرت انس سے حاکم نے روایت کیا کہ جب بھی آپ سے کچھ مانگا گیا تو آپ نے عطا کیا ورنہ خاموش رہے۔

یعنی اگر پاس ہوتا تو عطا کر دیتے ورنہ خاموش رہتے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص سے کچھ مانگا جائے اگر اس کے پاس ہو تو دے ورنہ خاموش رہے۔ یہ مسنون طریقہ ہے تا کہ انکار سے سائل شرمندہ نہ ہو البتہ اگر کسی کو خاموشی سے سمجھ نہ آئے تو پھر تصریح کر دینا چاہیے۔

طبرانی میں حضرت طلحہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب بھی سوال کیا تو آپ نے اسے ضرور پورا فرمایا۔

مناوی اس کی تشریح میں رقمطراز ہیں آپ سے کسی قسم کا سوال کیا گیا خواہ متاعِ دنیا کا ہی کیوں نہ ہو تو

IB

آپ نے جودتِ سخاوت کی بنا پر ضرور دیا اگر آپ کے پاس وہ نہیں تھا تو آپ نے وعدہ دیا یا خاموشی اختیار کی اس کے ہم معنیٰ صحیحین میں حدیث ہے کہ آپ نے کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) فرمایا۔

آپ نے کبھی لا نہیں کہا

ابن سعد نے محمد بن علی سے مرسلاً روایت کیا آپ نے کبھی ''نہیں'' نہیں کہا۔ اگر پاس ہوتا تو دے دیتے ورنہ خاموش یا وعدہ فرمالیتے۔

امام احمد نے ابی اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے کبھی سائل کو منع نہیں کیا۔ یعنی آپ کی عطا ایسی تھی کہ کبھی آپ نے فقر سے خوف نہ کیا۔

ابن قیم نے کہا کہ عطا کرنے سے آپ سائل سے زیادہ خوش ہوتے۔

کئی رات تک آپ رات کو کچھ نہ کھاتے

امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلسل کئی رات تک آپ اور آپ کے اہل خانہ بھوکے رہتے کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا اور اکثر آپ جو کی روٹی تناول فرماتے تھے۔

طاویا کا معنی خالی پیٹ بھوکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عادت دنیا سے قلیل اشیاء استعمال کرنے اور بھوک پر صبر کرنے کی تھی۔

ترمذی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آلِ محمد ﷺ نے مسلسل دو رات خمیر کی روٹی سیر ہو کر نہ کھائی یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت میرے پاس چند سیر جو کے سوا آپ کے کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔

آپ کا دروازہ بالکل آہستہ کھٹکھٹایا جاتا

حاکم نے کنی میں حضرت انس سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ کا دروازہ آہستہ سے دستک دیا جاتا یعنی انگلیوں کے پوروں سے دستک دی جاتی تا کہ آواز زیادہ بلند نہ ہو اور احترامِ رسول ﷺ میں فرق نہ آئے۔

زمخشری نے کہا کہ اس حدیث سے عقلا کے لیے ثمرات اور محاسنِ اداب ہیں یہ تقریر مناسب اور لائق ہے۔

سہیل کا قول ناخنوں سے دروازے کو دستک دینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے دروازے کا حلقہ نہ تھا۔

ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے کہ تعظیم وتوقیر مصطفیٰ علیہ السلام کے سبب یوں کرتے تھے۔
ابن عربی نے کہا کہ بخاری شریف میں حضرت جابر کے قصہ میں دروازے کو دستک دینے کی مشروعیت موجود ہے۔
لیکن بعض صوفیا نے کہا فقیر کے دروازے کو زور سے دستک دینے سے احتراز کرو یہ تلوار سے اسے مارنے کے مترادف ہے کہ ان کے دل جناب الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔
بعض نے کہا فقیر کے دروازے نہ کھٹکھٹا کہ بسا اوقات وہ حالتِ قہر میں ہوتا ہے تو اس وقت لوگوں کی ملاقات سے مطلقاً منع کرتا ہے۔

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ۔

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی اور دل بیدار رہتا تھا اسے حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا''۔
یعنی آپ کا قلبِ اطہر بیدار رہتا تا کہ حالت نوم میں جو وحی ہو اسے محفوظ کر لے کیونکہ انبیاء علیہ السلام کے رویاء وحی ہیں۔
سوال: وادی میں آپ پر نیند غالب ہوئی اور نمازِ فجر قضا ہوگئی۔؟
جواب: قلب ان محسوسات کا ادراک کرتا ہے جس کا اس کے ساتھ تعلق ہے مثلاً حدث اور تکلیف وغیرہ نہ جن کا تعلق آنکھ سے ہو نیز آپ کا قلبِ اطہر اس وقت وحی میں مستغرق تھا۔

آپ کا خلق قرآن تھا

امام احمد، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ الخلق خاٗ کی ضمہ کے ساتھ امام راغب نے فتحہ کے ساتھ دونوں کا معنی ایک ہے لیکن مفتوح الٰہیات اور صور مبصرات کے ساتھ مخصوص اور مضموم سجایا اور ان قویٰ کے ساتھ مخصوص ہے جو بصیرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ القرآن یعنی اوامر، نواہی، وعد اور وعیدات جن پر قرآن کریم مشتمل ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ماحصل قرآن کا مجموعہ یعنی جس کو قرآن کریم نے مستحسن کہا اس کی تعریف اور جس کی طرف بلایا اس کو آپنایا جس کو مکروہ قبیح اور ممنوع کہا اسے ترک کر دیا تو قرآن کریم آپ کے خلق کا بیان ہے۔ (الی آخرہ)۔
دیباج میں کہا اس کا معنی ہے کہ اس پر عمل کرنا اس کی حدود پر مطلع ہونا۔ اس کے آداب سے

متادب ہونا امثال، قصص، عبرت حاصل کرنا اور حسن تلاوت۔

امام سہروردی نے عوارف میں کہا کہ اس میں باریک رمز اور خفی اشارہ اخلاق ربانیہ کی طرف۔ تو راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت الٰہیہ کا احترام کرتے متخلق باخلاق اللہ نہیں کہا اور حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کے سجات کا احترام کرتے ہوئے آپ کے اخلاق کو قرآن کہہ دیا اس سے راویہ کا وفور عقل اور کمالِ ادب بھی معلوم ہو رہا ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے خلق کے کمالات غیر متناہی ہیں اور ان جزئیات کا انحصار بشر کی طاقت سے ماورئی ہے۔

پھر آپ کو تمام کمالاتِ اخلاق اکتساب و ریاضت سے حاصل نہیں ہوئے انعام الٰہی اور مدد ربانی سے اصل خلقت میں رکھے گئے جس کے انوار آپ کے قلب اطہر میں روشن ہوئے یہاں تک نہائت وغایت درجہ پر پہنچ گئے۔

آپ سخت گیر تھے

ابن سعد نے محمد بن علی سے مرسلاً روایت کیا کہ:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَدِيْدَ الْبُطْشِ۔ (ص176)

''رسول اللہ ﷺ سخت گرفت والے تھے''۔

یعنی رسول پاک ﷺ میں گرفت و جماع کے اعتبار سے چالیس مردوں کی قوت تھی جیسا کہ طبرانی میں ابن عمرو اور مسلم شریف میں حضرت براء سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بخدا میدان جہاد میں جب دشمن کا ہم پر ہجوم اور بظاہر غلبہ ہوتا تو ہم آپ کے توسل سے بچتے اور جو آپ کے ساتھ ثابت قدم رہتا وہ ہم سے سب سے زیادہ شجاع ہوتا۔

ابو شیخ کی روایت میں عمران سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جس دشمن سے بھی سامنا ہوا تو پہلے آپ کی طرف وار ہوتا۔

ابو الشیخ نے حضرت علی مشکل کشا سے روایت کیا کہ رسولِ کائنات ﷺ اگرچہ سب سے زیادہ سخت گیر تھے اس کے باوجود سخت گیری آپ کی رحمت سے خالی نہ ہوتی کیونکہ آپ متخلق باخلاق تھے۔

خالق کائنات کی کوئی وعید ایسی نہیں کہ جس میں رحمت و شفقت نہ ہو اسی لیے حضرت بایزید بسطامی نے سنا کہ ایک شخص یہ آیت پڑھ رہا ہے:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ (بروج:12)

''بیشک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے''۔

تو فرمایا میری گرفت اس سے سخت ہے کیونکہ مخلوق کی گرفت میں رحمت ونرمی نہیں ہوتی جس کی وجہ ہے کہ مخلوق تنگ مزاج ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جل وعلا کی گرفت اگر چہ سخت سے سخت تر ہے لیکن پھر بھی اس میں رحمت وشفقت ضرور ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ چونکہ تمام مخلوق سے کہیں زیادہ رحیم وکریم ہیں لہٰذا آپ کی سخت گیری بھی کبھی رحمت سے خالی نہیں ہوتی۔

آپ بہت کم تبسم فرماتے

امام احمد نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ قَلِيْلَ الضَّحْکِ۔

'' آپ ﷺ زیادہ خاموش اور بہت کم تبسم فرماتے''۔

کیونکہ کثرتِ سکوت اعلیٰ اسباب توقیر سے ہے اور یہ حکمت ودانائی سے اور لغزش سے محفوظ رہنے کا بہترین سبب ہے یہ مشہور مقولہ ہے کہ '' جو کم گفتگو کرتا ہے'' اس سے لغزشیں بھی کم ہوتی ہیں اور یہ غور وفکر کو جمع کرنے والا ہے۔

آپ کا بستر اون کے سخت کپڑے کا تھا

شمائل ترمذی میں حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کا بستر ٹاٹ کا ہوتا۔

الشیخ میم کے کسرہ کے ساتھ اون کا ٹاٹ یا اون کا سخت کھردرا کپڑا جس کے اوپر اوڑھنے والی چادر منسوب ہوتی ہے یا سیاہ کپڑے جنہیں راہب وزاہد لوگ پہنتے ہیں بقیہ حدیث یہ ہے کہ ہم دوتہہ والی چادر نیچے بچھاتے ایک رات میں نے خیال کیا کہ اگر چار تہہ بنادوں تو بستر نرم ہوجائے گا چنانچہ چار تہہ بنادیں تو صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات بستر کس چیز کا بچھایا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کا بستر تو وہی ہے جو سابقہ راتوں کو بچھایا جاتا ہے مگر آج رات اس کی چار تہہ کردی تھیں تا کہ کچھ نرم ہوجائے تو آپ نے فرمایا بستر کو پہلے کی طرح کیا جائے اس نرم بستر نے تو مجھے آج رات نوافل سے محروم رکھا۔

آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا

امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سے ابن عسا کر نے روایت کیا کہ آپ کا تکیہ جس کو آپ سوتے وقت استعمال کرتے تھے چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

اُدَم دونوں کے فتحہ کے ساتھ ادمتہ یا ادیم کی جمع ہے۔ سرخ یا سیاہ رنگ کے چمڑے کو کہتے ہیں۔

اللیف کھجور کے پتوں کو کہتے ہیں۔

اس حدیث سے آپ کا دنیا سے کمال زہد اور اس کے متاع و انعامات سے اعراض کی طرف اشارہ ہے۔

خطیب اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ میں قلیل دعابہ (بہت کم خوش طبعی کرنے والے) تھے۔

زمخشری نے کہا دعب یدعب مزح یمزح کے ہم معنی و ہم وزن ہے (یعنی بابِ سمع یسمع سے ہے) یعنی آپ بہت کم مزاح فرماتے۔

دعابۃ

ایسی چیز جس سے ملاحت حاصل کی جاتی ہے اسے دعابۃ کہتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی رقمطراز ہیں آپ کے مزاح کا سبب یہ ہے کہ آپ شدید غیرت والے تھے اس لیے آپ سعادت سے زیادہ غیرت سے اپنی خوبی بیان کی کہ مبالغے کا صیغہ غیور بیان کیا غیرت محبت کے وصف سے ہے اور لوگ اسے ظاہر نہیں کرتے۔ پس حضور اقدس ﷺ کی محبت چھپایا اور جو مزاج میں وجد اور چھوٹے کے ساتھ پیار ہے اور ازواج، ابنا اور اصحاب سے جو محبت ہے اس کا اظہار کرنا اور آپ نے فرمایا بیشک میں بشر ہوں اور خود کو محبین سے نہیں کہا اور لوگ آپ کے مزاج سے ناواقف رہے اور حضرت عائشہ نے خیال کیا کہ آپ ان کے ساتھ ہیں جب دیکھا کہ آپ اس کی محبت میں چل رہے ہیں اور اسے یہ معلوم نہ ہوسکا یہ سب کچھ امرِ محبوب سے ہو رہا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت عائشہ حسنین کریمین سے محبت کرتے ہیں اور جمعہ کے روز جب مسجد میں حسنین گھسٹتے ہوئے آئے تو آپ نے خطبہ ترک کر کے منبر سے اتر کر انہیں ہاتھوں پر اٹھالیا یہ تمام باب غیرت سے ہے اور یہ حضور اقدس ﷺ کے مناسب و موزوں ہے۔

رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوش طبع اور پاکیزہ نفس تھے۔ طبرانی نے ابو امامہ سے اسے روایت کیا۔

امام مناوی رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث دوسری روایت کہ آپ صرف تبسم فرماتے کیونکہ اکثر و بیشتر تبسم ہی فرماتے تو جس نے اس کی روایت کی تو اس نے اکثر احوال سے روایت کی جس نے ضحک روایت کی تو اس نے بعض اوقات سے کی آپ بعض اوقات ضحک فرماتے کہ آپ کے نواجذ (سامنے والے دانتوں کے دائیں بائیں دو دو داڑھوں کو نواجذ کہتے ہیں) نظر آتے تو یہ اختلاف روایت اختلاف زمان

ومکان کے اعتبار سے ہے کبھی ابتداء امر میں ضحک فرماتے کہ نواجذ ظاہر ہو جاتے اور پھر بعد میں تبسم ہی فرماتے (صرف سامنے والے دانت ہی نظر آتے) اس کے باوجود دنیا کی طرف کسی قسم کا میلان نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی شغل باری تعالیٰ سے مشغول کر سکا بلکہ محبت الٰہیہ میں مستغرق رہتے بسا اوقات یہ خطرہ لاحق ہو جاتا کہ محبت باری تعالیٰ سے قلب اقدس جل نہ جائے اور جسد اقدس منہدم نہ ہو جائے۔ اسی لیے بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ رکھ کر فرماتے کہ ہم سے کوئی بات کرو تا کہ اس سے وہ امر عظیم جس کی جسم میں برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں اس میں کچھ افاقہ ہوا اور آپ کی طبع شریف اللہ سے مانوس تھی اور مخلوق سے عارضی تھی اپنے جسد پر رفقت ہوئے۔ اسے امام غزالی نے بیان کیا۔

آپ صرف تبسم فرماتے

امام احمد نے ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ گفتگو کرتے وقت صرف تبسم فرماتے۔ تبسم کہتے ہیں بغیر آواز کے قلیل ضحک کو مصباح میں ہے کہ بغیر آواز کے ضحک کو تبسم کہتے ہیں۔

کشاف میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ضحک ایسے ہی تھا۔

طبرانی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ضحک کبھی کبھار ہوتا۔ لَا يَنْبَعِثُ الا لَا يَسْتَرْسِلُ۔ یعنی ضحک دراز اور طویل وقت تک نہ ہوتا بلکہ کبھی کبھی ہوتا وہ سبیل الوقار اور اطمینان کیونکہ اکثر و بیشتر آپ غموں میں متفکر رہتے اور کبھی آپ سے غم جدا نہ ہوتا اسی لیے بخاری شریف میں ہے آپ کو زیادہ ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا۔

رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ خوش مزاج تھے حضرت انس سے ابن عسا کر نے روایت کیا۔

یعنی جب اپنی ازواج مطہرات اور عیال کے پاس بیٹھتے۔ النکاھۃ۔ کا معنی مزاح ہے۔

حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے انہوں نے حضرت سودہ کا چہرہ رنگ دیا اور جناب سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ کا اور رسول اکرم ﷺ انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے اسے زبیر بن بکار نے کتاب اعفا کہۃ اور ابو یعلیٰ نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ حافظ عراقی نے بیان کیا۔

آپ تہمت قبول نہ فرماتے

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی تہمت کو قبول نہ کرتے اور نہ کسی پر کسی کے قول کا اعتبار کرتے۔ اَلْقَرْفُ۔ بروزن فَعْلٌ کا معنی تہمت ہے اور کسی پر کسی کے قول کا قبول نہ کرنا عدل وانصاف کے ساتھ مطلع ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو اس پر مرتب ہوتا ہے وہ معتبر ذرائع

کے ساتھ ثبوت پر موقوف ہے۔

رسول خدا تکیہ لگا کر کچھ تناول نہ فرماتے

امام احمد نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ آپ تکیہ لگا کر کچھ تناول نہ فرماتے اور نہ ہی آپ کے پیچھے دو شخص چلتے۔

یعنی کسی پہلو کی طرف مائل ہو کر کسی چیز کو مسند بنا کر اس کی کراہت کی حکمت یہ ہے کہ یہ متکبرین کا اشعار ہے اور آپ کے پیچھے دو یا زیادہ اشخاص چلتے جیسا کہ بادشاہوں کا وطیرہ ہے کہ خدام کی مانند لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

زین عراقی رقمطراز ہیں کہ ابن ضحاک نے شمائل میں حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانا تناول فرمانے کے لیے بیٹھتے تو بائیں گھٹنے کو بچھاتے اور داہنے گھٹنے کو کھڑا کرتے جیسا کہ غلاموں کا طریقہ ہے۔ ابو شیخ نے جید سند کے ساتھ ابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ دو زانوں بیٹھتے اور تکیہ نہ لگاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدفال نہ نکالتے

حکیم ترمذی اور بغوی نے حضرت بریدہ اسلمی سے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدفال نہ نکالتے لیکن اچھی نکالتے۔

لَا یَطَّیَّرُ۔ بمعنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی نہ کرتے اور اس کی قضاً وقدر سے نہ بھاگتے اور نہ عرب کی رسم ورواج کے مطابق حصول مکروہ میں اسباب کی تاثیرات کا خیال فرماتے لیکن جب کوئی اچھا کلام سنتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتے اس سے برکت حاصل کرتے۔

مصباح میں ہے الفال بروزن فَعْلٌ کا معنی ہے کہ کوئی اچھا کلام سن کر اس سے برکت حاصل کرنا اگر گفتگو اور کلام قبیح ہو تو اسے طِیَرَۃٌ کہتے ہیں۔ ابو زید نے فال دونوں کلاموں کے سماع میں تعبیر کیا ہے۔ قرطبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فال سے خوش ہوتے کہ اس سے انشراحِ نفس اور حسن ظن باللہ ہوتا ہے اور طیرہ سے کراہت فرماتے کہ وہ مشرکین کا عمل اور سوء ظن باللہ کا مظہر ہے

آپ کوئی چیز ذخیرہ نہ فرماتے

ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہ رکھتے یعنی ذخیرہ نہ کرتے سخاوتِ نفس، دستِ اقدس کی فیاضی، اور اپنے خدا پر کامل یقین کی بنا پر یہ روایت اس کے منافی نہیں کہ آپ اپنی عیال کے لیے ایک سال تک کا ذخیرہ کرتے کیونکہ آپ خازن وقاسم

ہیں جب آپ کے پاس مال آیا تو تقسیم کرتے ہوئے دوسروں کی طرح اپنی عیال کو بھی دیا بایں وجہ کہ مالِ فیٔ میں ان کا بھی حق ہے اوران کے نفوس مال کے جمع کرنے سے مطمئن ہوتے ہیں پس وہ فوق طاقت کے مکلف نہیں اگر چہ آپ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے جمع کیا اس لیے کہ ان کی خواہشات ختم ہو چکی ہیں اور ان کے نفوس مطمئنہ ہیں ذخیرہ اندوزی وہ ممنوع ہے جو اپنی ذات کے لیے ہو کہ اس میں اپنی جیب پر تکیہ اور فیض کے لیے علوم تعرض کی طرف مشیر ہے اور یہ چیز انبیاء علیہم السلام میں منتفی ہے کہ ان کے قلوب توحدانیت سے منور ہیں اور ان کے خیال اس کی محبت میں مشغول ہیں اور ان کے افکار شان ارزاق سے مرتفع ان کے قلوب اپنے خالق کے ساتھ معلق ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اپنے سے دور نہ کرتے

طبرانی نے حضرت انس سے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اپنے سے دور نہ فرماتے اور نہ ہی مارتے۔

یہ کمال درجہ کی تواضع اور بڑائی و کبر و تکبر سے برأت پر دال ہے جو کہ شہنشاہوں اور ان کے متبعین کا شیوہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹنی پر سوار دیکھا کہ آپ نے اسے نہ مارا اور نہ تنہا چھوڑا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے طہور (وضو) میں کسی سے استعانت نہ لیتے اور نہ صدقہ دینے میں۔ ابن عباس سے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طَھُوْرًا۔ طأ کے فتح کے ساتھ کا معنی پانی ہے جس سے طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اس میں دوسرے پر بھروسہ نہ کرتے کیونکہ دوسرا شخص کبھی سستی اور کاہلی میں کر سکتا ہے کہ غیر طہور پانی بھی لا سکتا ہے اس طرح بعض اشراح نے تقریر کی ہے۔

لیکن غسلِ اعضاء میں بلا عذر استعانت مکروہ ہے اعضاء پر پانی انڈیلنے میں خلاف اولیٰ پانی لانے میں کراہت نہیں باقی صدقہ میں بھروسہ اعتماد تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ کم دینے یا غیر مستحق کو دینے کا احتمال ہے دوسری وجہ خود اپنے ہاتھ سے دینا کمال تواضع اور محاسنِ اخلاق سے ہے۔

آپ سب لوگوں سے زیادہ نمازی اور ذاکر ہیں

ابو نعیم نے حلیہ، خطیب اور ابن عساکر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ سب سے زیادہ نماز پڑھنے والے اور ذاکرین میں سے سب سے زیادہ ذکر کرنے والے تھے ایسے کیوں نہ تھے جب کہ آپ سب سے زیادہ عالم باللہ تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ

قدمین شریفین میں سوزش ہوگئی اورآپ سے عرض کیا گیا کہ آپ تو مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا وعدہ کیا ہے تو پھر آپ اتنا طویل قیام کیوں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں خدا کا شکر گزار بندہ ہوں۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ ایک رات میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ (فرض کے علاوہ یعنی نفلی) نماز پڑھی آپ نے اتنا لمبا قیام کیا کہ میرے دل میں برا خیال آنے لگا آپ سے پوچھا گیا وہ کیا خیال تھا تو ابن مسعود نے کہا وہ یہ تھا کہ آپ کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوَاجِهُ اَحَداً فِيْ وَجْهِهٖ بِشَيْءٍ لِكَرُهِهٖ۔ (رواہ البخاری فی الادب)

"رسول اکرم ﷺ کسی شخص سے ایسی صورت میں متوجہ نہ ہوتے جب اس سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے"۔

اسے امام بخاری نے ادب میں ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس سے روایت کیا یعنی آپ کسی شخص میں کوئی مکروہ چیز دیکھتے تو اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے کہ آپ کی مواجہت سے بسا اوقات کفر واقع نہ ہو جائے بایں وجہ جو آپ کو پسند نہیں اس سے منع کریں تو وہ اس پر عمل کا عناداً انکار کر دے گا جس سے کفر لازم آئے گا اس سے عذاب اور آفت سماویہ کے نزول عام کا خدشہ ہے تو مواجہت کے ترک کرنے میں مصلحت ہوئی اور آپ بڑے وسیع القلب اور بہت زیادہ باحیا تھے۔

نکتہ۔ اس حدیث سے بعض اکابرین سلف نے یہ مسئلہ استخراج کیا ہے کہ جب اپنے کسی مسلمان بھائی کو نصیحت کرنی ہو تو وہ لکھ کر اسے پکڑا دے جیسا کہ شعب الایمان میں ہے۔

احیاء (احیاء العلوم) امام غزالی کی کتاب میں ہے کہ آقا علیہ السلام کے حیاً سے ہے کہ آپ اپنی نظر کسی کے چہرہ پر نہ جماتے تھے کہ یہ حیاً کے نامناسب ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی دوست سے ایسی کوئی چیز ملاحظہ کرے جو اسے پسند نہیں تو وہ اپنے دوسرے احباب اور گھر کے افراد کو بیان نہ کرے اور نہ کسی دوسرے کے بارے میں غیر پسندیدہ چیز سننا گوارا کرے اگر وہ اس کے کتنے گہرے دوست کیوں نہ ہوں بالفرض اس کے اظہار میں مصلحت بھی ہو پھر بھی اظہار نہ کرے اس میں فسادات بپا ہوں گے فساد و فتنہ سے بچنا مصلحت سے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث کا شانِ نزول

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس کے ہاتھ رنگے ہوئے جب وہ چلا گیا تو آپ نے

فرمایا اسے کہہ دینا کہ اسے دھولے۔

آپ کمزور اور غریب مسلمانوں کی عیادت فرماتے

طبرانی نے حضرت سہل بن حنیف سے روایت کیا کہ آپ غریب مسلمانوں کے پاس تشریف لاتے ان کے بیماروں کی عیادت کرتے اور ان کے جنازوں میں شرکت فرماتے۔

یعنی ان کے تالیف قلوب اور تسکین کے لیے آپ غریب بیمار مسلمانوں کی تیمارداری کرتے تو مریض کے بالکل قریب ہو کر سرہانے کے پاس بیٹھتے اور اس کی کیفیت دریافت فرماتے ان کے جنازوں میں شریک ہوتے اور نماز جنازہ پڑھاتے اور امت کو تاکید فرماتے کہ ہر مسلمان کے جنازہ میں شریک ہونا چاہیے امیر ہو یا غریب جو قوم نماز جنازہ سے جدا رہتی ہے وہ بہت سی بھلائیوں سے محروم رہتی ہے اگرچہ انہیں کوئی ایک آدھ بھلائی جنازہ کی شرکت سے مانع ہو۔

كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ وَيَدْعُوْلَهُمْ

"آپ ﷺ کے پاس بچے لائے جاتے تو آپ ان کے لیے دعائے برکت فرماتے اور تحنیک (گڑھتی) دیتے"۔

اسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد نے ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ يُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ کا معنی يَدْعُوْلَهُمْ بِالْبَرَكَةِ۔ ان کے حق میں دعائے برکت کرنا۔ یہ معنی قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ آپ یہ دعا کرتے بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اور مدینہ منورہ کی کھجوریں جن کی برکت اور فضیلت کی آپ نے شہادت دی ہے ان سے گڑھتی دیتے اور نیک شریف ہونے کی دعا کرتے۔

آپ ﷺ سر اقدس اور ریش مبارک پر کستوری لگاتے

ابویعلیٰ نے سلمہ بن رکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الْمِسْكَ فَيَمْسَحُ بِهٖ رَأْسَهٗ وَلِحْيَتَهٗ۔

"رسول اکرم ﷺ اپنے سر اقدس اور ریش مبارک کو کستوری لگاتے"۔

حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور دوسری حدیث کہ "آپ اپنے ریش مبارک کے طول وعرض سے بال درست کرتے" سے یہ گمان نہ کرے کہ آپ ﷺ دوسروں کی مانند لوگوں کے لیے بطور زینت استعمال کرتے تھے بلکہ دوسروں کے طور پر اور فرشتوں سے مشابہت کی بنا پر استعمال کرتے کیونکہ آپ تبلیغ پر مامور تھے اور تبلیغ کے اصول سے ہے یہ طریقہ اور خود کو اس طرح رکھے

کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور تبلیغ باحسن وجوہ سن سکیں بلکہ یہ روش ہر مبلغ اسلام کے لیے لازم ہے کہ خود کو اس طرح رکھے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں تا کہ تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

آپ ﷺ ہدیہ تناول فرماتے اور صدقہ قبول نہ کرتے

امام احمد اور طبرانی نے سلمان سے ابن سعد نے حضرت عائشہ سے اور ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الْهِدَيَّةَ وَلَا يَا كُلُ الصَّدَقَةَ

"رسول اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور صدقہ نہ کھاتے"۔

بریں بنا کہ ہدیہ لینے والے کی عزت وتکریم اور صدقہ میں دینے والے کی توقیر ہوتی ہے۔اس لیے آپ کی خصوصیات میں سے ہے آپ پر مطلقاً صدقہ حرام ہے۔

امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر صلہ عطا کرتے البتہ کبھی عذر شرعی کی وجہ سے واپس کر دیتے جیسا کہ صعب بن جثامہ نے نیل گائے پیش کی تو آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ ہم حالت احرام میں ہیں حالت احرام میں ہونے کی تصریح اس لیے کہ دینے والے کی دل شکنی نہ ہو۔

يَثِيْبُ عَلَيْهَا کا معنی ہے کہ ہدیہ کے عوض میں کچھ دینے والے کو کچھ عطا فرماتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوست ہدیہ دے تو مستحب ہے اس کے عوض کچھ دیا جائے مگر جب مہدی یہ گمان کرے کہ میرے ہدیہ کا معاوضہ حیاً کی وجہ سے دیا ہے یا اس کے مد مقابل تو پھر قبول کرنا جائز نہیں بعض مالکیوں نے ظاہر حدیث کو دیکھتے ہوئے کہا کہ ہدیہ کے عوض کچھ دینا واجب ہے جب کہ اس کا صلہ دیا جا سکتا ہے۔

آقا علیہ السلام صرف ہدیہ قبول فرماتے کہ اس سے مراد دنیا کا صلہ ثواب ہے اور اس کا معاوضہ میں دینا کہ احسان ختم ہو جائے گا اور صدقہ میں آخرت کا ثواب مراد ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی میل ہوتی ہے اس لیے آپ نے قبول نہ کیا۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مومن وکافر دونوں کا ہدیہ قبول کر لیتے جیسا کہ سیرت کی کتب میں درج ہے کہ آپ نے مقوقس وغیرہ شہنشاہ کا صدقہ قبول کیا۔

آپ کمزوروں کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے

ابوداؤد اور حاکم نے جابر سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ سفر میں کمزور شخص کو سواری پر اپنے

پیچھے سوار کرتے اور ان کے لیے دعا فرماتے یعنی اپنی سواری کے جانور پر پیچھے بٹھاتے اور اس کی اعانت فرماتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر لشکر کے لیے مستحب ہے کہ وہ سفر میں نرمی اختیار کرے تاکہ کمزور اور ضعیف بھی قدرت رکھیں ان کی سواریاں اور سامان کم ہونے سے محفوظ رہیں نیز ان کے احوال کا لحاظ کرے ان میں سے عاجز کی مدد کرے مال، سامان اور ہر طرح سے ان کی مدد کرے۔

حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا آقا علیہ السلام اپنے پیچھے کسی کو بٹھاتے زمین پر کھانا تناول فرماتے، غلام کی دعوت قبول کرتے اور گدھے پر سواری کرتے یعنی آپ اپنے پیچھے اپنے اہل بیت یا اصحاب میں سے کسی کو ردیف بٹھاتے یہ تواضع اور انکساری کے اظہار کے لیے تھا کبھی کبھی خود پیچھے بیٹھ جاتے اور دوسرے کو آگے سوار کرتے چنانچہ ایک بار تین اشخاص کو ایک اونٹ پر اپنے آگے سوار کیا اور ازواج مطہرات میں سے کسی کو ردیف کر لیتے حضرت اسامہ کو عرفہ سے مزدلفہ تک اور مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل بن عباس کو سوار کیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

مسئلہ۔ اس سے دو آدمیوں کا ایک سواری پر بیٹھنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے بشرطیکہ جانور میں دو آدمیوں کے اٹھانے کی صلاحیت ہو کھانا زمین پر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے بادشاہوں کی طرح کوئی خاص دسترخوان کا اہتمام نہ کیا جاتا۔

مملوک کی دعوت قبول کرنے کا معنی ہے غلام کی دعوت اس کے آقا کی اجازت سے قبول کرتے جیسے دعوت ولیمہ وغیرہ یا آزاد شدہ غلام مراد ہے اس میں امت کی ہدایت مقصود ہے کہ غریب سے غریب تر کی بھی دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ گدھے پر سواری سے مقصد ہے اس سے منصب وجاہ و مرتبہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔

کبھی جانور کی ننگی پشت پر سواری فرماتے

ابن سعد نے حضرت حمزہ بن عبداللہ بن عتبہ بروایت مرسل ذکر کیا حضور اکرم ﷺ گدھے کی ننگی پشت پر سواری کرتے اس پر کچھ نہ ہوتا یعنی جل وغیرہ کچھ نہ ہوتی تو اضع وانکساری اور تعلیم امت کے لئے تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ آپ ﷺ اکثر گھوڑے اور اونٹ پر سواری کرتے تھے۔

اپنا جوڑا خود گانٹھتے اور قمیص کو پیوند لگاتے

ابن عساکر نے حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُخَصِّفُ النَّعْلَ وَيُرَقِّعُ الْقَمِيْصَ وَيَلْبَسُ الصُّوْفَ وَيَقُوْلُ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

"آپ گدھے پر سواری کرتے اپنا جوڑا گانٹھتے اور قمیص پر پیوند لگالیتے اُون کا کپڑا پہنتے اور فرماتے جو میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں"۔

فَلَيْسَ مِنِّيْ کا معنی ہے کہ میرے طریقہ پر عمل پیرا نہیں یہ آپ سے پہلے انبیاءً علیہم السلام کی بھی سنت ہے۔

حاکم اور بیہقی نے اپنی کتاب شعب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انبیاءً علیہم السلام اون پہننے، بکریوں کا دودھ دوہنے اور گدھے پر سواری کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم اس کی جو میں تمہیں بیان کرتا ہوں جو شخص جنت الفردوس کا طلب گار ہے اسے جو کی روٹی کھانا چاہیے اور جو کے ساتھ کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں پر سونا چاہیے۔

نکتہ۔ اس سے اپنے نفس کی خدمت کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھتے زمین پر کھاتے، بکری کا دودھ دوہتے، اور غلام کی جَو کی روٹی کی دعوت قبول فرماتے۔

یعنی آپ زمین پر کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کر بیٹھ جاتے اور بغیر دستر خوان وخوانچہ کے زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو ظاہری سہولیات کی بجائے امورِ باطنیہ وطہارتِ قلوب کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اس پر اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم نے عمل کیا کہ وہ مساجد میں زمین پر نماز پڑھتے راستوں میں ننگے پاؤں چلتے اور زمین پر سو لیتے تھے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آج حالت اس کے برعکس ہے صوفیاء کا ایک گروہ صفائی کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اسے دین کی اساس قرار دیتے ہیں اور زیادہ وقت صفائی اور نظافت ظاہریہ میں ضائع کر دیتے ہیں مثلاً بالوں میں کنگھا (کرنے میں بہت سا وقت برباد کر دیتے ہیں) حالانکہ ان کا باطن خراب ہے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے اگر کوئی ننگے پاؤں زمین پر چلے یا بغیر مصلّٰی نماز پڑھے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور اسے قذر (گندا) کہا جاتا ہے اور اسے اپنے حلقے سے نکال دیتے ہیں تو امر منکر محبوب اور پسندیدہ امر معیوب بن گیا ہے۔ يَعْقِلُ کا معنی ہے بکری کے پاؤں میں اپنا پاؤں دے کر اس کا دودھ دوہنا یہ تواضع اور ترک کبر کی علامت ہے "غلام کی جو کی روٹی پر دعوت قبول فرماتے" اور ایک نسخہ میں "وَالإِ هَالَةُ السَّنْخَةُ" ایسا گھی جس کا ذائقہ تبدیل ہو چکا ہو ایسی اشیاء پر بھی انکار نہ

فرماتے یہ آپ کی کمال درجے کی تواضع اور انکساری ہے۔

آپ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے

امام بخاری و مسلم، ابوداؤد نے ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی آپ کے حروف کو شمار کرنا چاہے تو گن سکتا تھا یعنی کلام کے الفاظ اور حروف کو بڑی آسانی سے شمار کر سکتا تھا۔

نکتہ۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ مدرس اور استاد کے لیے بہتر ہے کہ دوران تدریس آہستہ آہستہ آرام سے بولے تا کہ خود اور سامعین اس میں تفکر و تدبر کر سکیں جب ایک مسئلہ سے فارغ ہو جائے تو کچھ دیر رک کر دوسرا مسئلہ شروع کرے۔

حضور اکرم ﷺ گھریلو کام کاج بھی کرتے تھے

امام احمد قدس سرہ نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے خود سی لیتے، جوتے گانٹھ لیتے اور جو کام لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں وہ آپ بھی کام کرتے تھے۔ باوجودیکہ آپ اشرف المخلوقات امام الانبیاء ہیں گھر کا کام کاج خود کرتے تھے یہ تواضع و انکساری کی ایک اکمل مثال ہے۔

حاکم وقت کے لیے یہ نمونہ ہے کہ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرے نیز سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے۔

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت کیا کہ آپ ﷺ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے۔

شارح فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی یوں تاویل کریں گے کہ بعض اوقات اس طرح کرتے تھے کیونکہ بالتحقیق ثابت ہے کہ آپ کے غلام تھے اور ان سے کام بھی کرواتے تھے لیکن کبھی کبھی خود بھی کر لیا کرتے تھے اور کبھی خدام کے ساتھ مل کر کام کرتے۔

نکتہ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگرچہ کتنا جلیل القدر کیوں نہ ہو اسے اپنا کام خود کرنا چاہیے۔

آپ بچوں کو سلام کہتے تھے

حضرت انس سے امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ انصار سے ملتے ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر دستِ شفقت رکھتے۔ اس میں حسن کی تردید ہے کہ وہ بچوں کو

سلام کہنے سے منع کرتے ہیں وَيَمْسَحُ صِبْيَانُهُمْ (ان کے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے) انصار کے بچوں کا ذکر ان کی عظمت اور پیار کی وجہ سے ہے ورنہ ہر کسی کے بچوں کو نہ صرف سلام کہتے بلکہ ان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا بھی لیتے تھے اسی طرح اپنے اصحاب سے وعدہ کرتے اور ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے تھے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ کام آپ نے بارہا کیا یعنی بچوں کو سلام کہنے کی مشروعیت بہتر ہے اس سے کہ بچے کو سلام کہنا امر واقعہ ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ بچوں کو سلام کہنے میں ان کی تدریب اور مشق عمل ہے تا کہ وہ آداب دینیہ سے متعارف ہو کر عمل پیرا ہو سکیں۔

نیز اس سے بڑوں سے کبر و نخوت نکلتا ہے نرم گفتگو اور تواضع کا درس ملتا ہے البتہ بلوغ کے قریب عمر کے لحاظ سے بچہ کو پہلے سلام عموماً نہ کہا جائے خصوصا مراہق بچہ کو تا کہ انہیں سلام میں پہل کرنے کی عادت پڑے۔

امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا کہ:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِالصِّبْيَانَ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ۔

"آپ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے"۔

حضور علیہ السلام عورتوں کو سلام کہتے

مسند امام احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِنِسَاءٍ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ۔

"آپ ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے"۔

فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ۔ انہیں سلام کہتے تھے خواہ نوجوان اور حسینہ و جمیلہ عورتیں ہوں کیونکہ یہ محرم کی طرح ہیں (نبی امت کے لیے باپ کی مانند ہوتا ہے نیز نبی معصوم ہوتا ہے) لیکن غیر معصوم اجنبی کے لیے عورتوں کو ابتداءً سلام کہنا یا سلام کا جواب دینا مکروہ ہے یہ امن و سلامتی کی صورت میں ہے بصورت دیگر حرام ہے۔

آپ بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیتے تھے

اوسط میں طبرانی اور حلیہ میں ابونعیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْغِيْ لِلْهِرَّةِ الْاِنَاءَ فَتَشْرَبُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ

بِفَضْلِهَا۔

"آپ ﷺ بلی کے لیے برتن جھکا دیتے کہ وہ اس سے پانی پی لے پھر اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرما لیتے"۔

بلی کو پانی پینے کی سہولت کے لیے برتن کو جھکا دیتے۔

مسئلہ نمبر ۱: اس سے بلی اور اس کے جوٹھے کا پاک ہونا ثابت ہو رہا ہے یہ عام علماء کا قول ہے لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک بلی کے جھوٹے پانی سے وضو مکروہ ہے اور آپ کے اصحاب نے آپ سے اختلاف کیا ہے اسی طرح بلی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے عالم دین کے لیے مناسب ہے امر مباح کا تقرر کرے جب کہ بعض کے نزدیک مکروہ ہوتا کہ اس کا جواز ظاہر ہو جائے۔

مسئلہ نمبر ۲: حیوانات پر احسان اور رحم کرتے ہوئے ان کو پانی پلانا مستحسن ہے۔

حسنین کریمین حالت نماز میں آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے تھے

حلیہ میں ابونعیم نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَلْعَبَانِ وَيَقْعُدَانِ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔

"رسول اکرم ﷺ نماز پڑھتے تو امام حسن اور امام حسین کھیلتے کھیلتے آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے"۔

آپ کا ذریت سے کمال درجہ کی شفقت و رافت ہے۔

سوال: بعض نے کہا کہ نماز محل اخلاص اور خشوع ہے اور رسول اکرم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ نماز کی محافظت فرمانے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ (احزاب:4)

"اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے"۔

اور حسنین کا پشت پر سوار ہونا شغل ہے۔

جواب: آپ نے یہ صرف تشریع اور بیان جواز کے لیے کیا۔

آپ جس راستہ سے گزرتے اس سے خوشبو آتی

ابن سعد ابراہیم نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جدھر سے گزر ہوتا اس راہ سے

خوشبو آتی اور معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔ آپ کی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ آپ سے خوشبو آتی رہتی اگرچہ خوشبو نہ لگائی ہو اور جس راہ سے گزر ہوتا وہ معطر ہو جاتا

آپ قوم کے شریر کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرتے

طبرانی نے عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ قوم کے بد بخت شرارتی سے نرمی سے گفتگو کرتے اور اس کی طرف متوجہ بھی ہوتے یہ فعل اس کی تالیف کے لیے تھا۔

یُوَانِسُہٗ بعض نسخوں میں یُوَانِسُھُمْ جمع کا صیغہ ہے ان کو اپنی طرف مانوس کرنے کے لیے تھا تا کہ اسلام کی طرف ان کی رغبت پیدا ہو۔

بعض احادیث میں ہے جو ان کے پاس بیٹھے وہ بھی انہیں کی طرح ہے یہ اس وقت ہے کہ جب کوئی ضرورت نہ ہو اور مذکورہ بالا میں اقبال بوجہ ضرورت ہے۔

آپ راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں مبارک پھٹ جاتے

بخاری و مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ الَّيْلِ حَتّٰى تَنْفَطِرَ قَدَمَاهُ

"رسول اکرم ﷺ رات کو اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں مبارک پھٹ جاتے"۔

ایک روایت:

حَتّٰى تَتَوَرَّمَ قَدَمَاهُ۔ کہ آپ کے پاؤں مبارک پر سوزش آجاتی۔

ترمذی نے مزید لکھا ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اتنا طویل قیام کیوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مغفرت کا وعدہ نہیں کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ کا عبد شاکر (شکر کرنے والا بندہ) نہ بنوں یعنی میں کیوں نہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے دارین کی نعمتوں سے نوازا ہے۔

نسائی اور حاکم نے ابن ابی اوفی سے اور حاکم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ذکر الٰہی بکثرت کرتے اور دل لگی کی مزاحیہ باتیں بہت کم، نماز طویل کرتے اور خطبہ مختصر دیتے صرف انگلیوں پر بوجھ ڈال کر نہ چلتے اور مسکین اور غلاموں کے ساتھ جا کر ان کی حاجات پوری کرتے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ اگر کوئی کنیز آپ کا بازو پکڑ کر کہتی کہ میرے ساتھ چلئے کہ آپ اس کے ساتھ چلتے جہاں تک کہ وہ چاہتی اور اس کی ضروریات پوری کر دیتے۔

ترمذی و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آ کر کہنے لگی

کہ مجھے آپ کے ساتھ ایک کام ہے تو آپ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کی جس گلی میں تو چاہے میں تیری بات سننے اور تیری حاجت پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔

نکتہ۔ آپ کی ذات اقدس ایسی تھی ہر شخص بلا جھجک بات کر سکتا اور اپنی حاجت پوری کروالیتا تھا اور آپ اپنے اقوال وافعال اور سخت تکالیف پر صبر سے لوگوں کی راہنمائی فرماتے۔

بچیوں سے کھیل کی باتیں کرتے

الضیاءؔ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ام المومنین ام سلمہ کی بیٹی زینب سے لعب فرماتے ہوئے کہتے یا زینب یا زوینب۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے شق صدر کے ذریعے آپ کے قلب اطہر کو ہر قسم کی ناپسندیدہ خصلت مثلاً تکبر، فحش وغیرہا اور ہر اس جبلت سے پاک کر دیا جس پر عام انسان کی خلقت ہوئی ہے۔ اور انوار وحکمت اور علوم کثیرہ سے پر کر دیا۔

آپ کا آخری کلام

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیا کہ آپ کا آخری کلام تھا نماز نماز اور اپنے مملوکوں کے بارے اللہ سے ڈرتے رہنا۔

الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ نماز نماز کا مطلب ہے کہ اس کی محافظت کرو اس کے ضائع کرنے سے بچو اور ضائع کرنے پر جو عذاب مرتب ہوگا اس سے ڈرتے رہو اور مملوکوں کے بارے وصیت کو نماز کے ساتھ متصل لانے میں اشارہ ہے کہ آقا پر غلام کے حقوق کی رعایت بھی واجب ہے جس طرح نماز واجب ہے علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے کہ اس میں نماز کی وصیت کا ذکر ہے جو کہ ہر عاقل وبالغ مسلمان پر فرض ہے کہ انسان کو برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھتی ہے اور مملوک کے حقوق کا ذکر ہے۔

بیہقی نے حضرت عبیدہ بن جراح سے روایت کیا آپ کا آخری کلام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اس لیے برباد کیا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنالیا عرب کی سرزمین پر دو دین باقی نہیں رہیں گے۔

یہ کلام اپنے اہل اصحاب اور والیانِ امور کے حق میں آخری تھا ورنہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ کا آخری کلام یہ تھا۔

جَلَالُ رَبِّیْ الرَّفِیْعُ ۔ میرے بلند رب کی جلالتِ شان۔

اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاۤءِھِمْ مَسَاجِدَ۔ علامہ بیضاوی کہتے ہیں اس لیے کہ انبیاء کی قبور کو تعظیماً

سجدہ کرتے تھے اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے امت کو اس سے منع کر دیا۔

ولی کے قرب میں مسجد بنانا جائز ہے

اگر کوئی شخص کسی مرد صالح کی قبر کے نزدیک مسجد بناتا ہے یا اس کے مقبرہ میں اس کی روح سے استفادہ اور وصول فیض کے لیے نماز پڑھتا ہے نہ کہ تعظیم کے لیے تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر انور حطیم کعبہ میں ہے اور اس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے اور مقبرہ میں نماز کی ممانعت وہ ایسے کہ مقبرہ کے ساتھ مخصوص جو کہ قبریں گرا گرا کر بنایا گیا ہو آپ کا قول بِاَرْضِ الْحَرْبِ اور ایک روایت میں ہے بَجَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ۔ تو اس روایت سے واضح ہو گیا کہ زمین سے مراد پورا عرب کا علاقہ ہے کہ اس علاقہ میں دو مذہب قائم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں تخالف اور تضاد ہے۔

آئمہ کرام نے اس حدیث سے اخذ کیا اور کہا کہ جزیرۃ العرب سے ہمارے دین اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے البتہ غیر مسلم بطور مسافر آ سکتا ہے یہ قول امام شافعی اور امام مالک کا ہے لیکن امام شافعی حجاز کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں وہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ اور یمامۃ سوائے یمن کے ہے۔

حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا کہ جب آپ کا وصال شریف ہوا تو اس وقت آپ کی زبان اقدس پر:

جَلاَ لُ رَبِّیَ الرَّفِیْعُ۔ میرے رب کا بلند و بالا جلال۔

یہ سابق حدیث کے منافی نہیں کہ وہ آخری قضایا اور احکامات بیان کرنے کے لحاظ سے ہے اور یہ آخری نطق ہے جس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

سہیلی نے کہا کہ اس کلمہ کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ توحید اور ذکر قلبی کو متضمن ہے اور ذکر لسانی شرط نہیں بالفرض اگر زبان سے کوئی اور کلمہ بھی جاری ہو تو وہ ذکر قلبی کے منافی نہیں۔

اس حدیث کا اصل صحیحین میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے حالت صحت میں فرمایا تھا کہ کسی نبی کا وصال نہیں ہوتا مگر وہ اس سے قبل جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے پھر جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو اس وقت آپ کا سر اقدس میری گود میں تھا آپ پر غشی ہوئی پھر آفاقہ ہوا تو نگاہ کو مکان کی چھت کی طرف پھیرا اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔ اے اللہ میں نے افضل دوست کو پسند کیا۔

تو مجھے یقین ہو گیا اب آپ ہمیں کبھی پسند نہیں کریں گے اور مجھے وہ حدیث یاد آئی جو آپ نے پہلے بیان فرمائی تھی اور اس حدیث میں محبوب کی طرف رغبت ومیلان کا اشارہ ہے وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ رفیق اعلیٰ کو پسند کرتے ہوئے اس دنیا فانی سے رحلت فرمائیں جو کہ محبوب کی ملاقات کے منافی ہے۔

سہیل نے واقدی سے ذکر کیا کہ آپ نے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے وقت سب سے پہلا کلمہ یہ پڑھا تھا۔

جَلاَلُ رَبِّیَ الرَّفِیْعُ ۔میرے پروردگار کا بلند وبالا جلال۔

لیکن عائذ نے روایت کیا کہ جب رسول اکرم ﷺ اپنی والدہ کے شکم اطہر سے اس دنیا میں ظہور پذیر ہوئے تو آپ کی زبان اقدس پر یہ کلمات جاری تھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلاً

''اللہ سب سے بہت بڑا ہے اور تمام تعریفیں کثرت سے اور اللہ کی پاکیزگی صبح وشام''۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی شرح جو امام بخاری نے ادب میں اور بیہقی نے حضرت انس سے، اور طبرانی نے معاویہ سے اور حاکم نے بھی حضرت انس سے روایت کیا:

لَسْتُ مِنْ دَدٍ لَا الدَّدُ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا الْبَاطِلُ مِنِّیْ

''کھیل اور کود سے میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کھیل کود میرے شایان شان ہے''۔

دَدٌ کا معنی کھیل اور باطل سے مراد لعب ہے اور یہ دوسری حدیث کہ آپ مزاح بھی فرماتے تھے کے منافی نہیں کیونکہ آپ کا مزاح بھی حق اور سچ تھا۔

قرطبی وغیرہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ غناً حرام ہے کہ آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور جس سے برأت کا اظہار فرمائیں وہ حرام ہوتی ہے یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ ہر لہو ولعب حرام نہیں ہوتا جس کی دلیل اہل حبشہ کا حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں مسجد نبوی میں کھیل وکود (لہوولعب) ہے (جس سے انہوں نے اپنی فن کاری اور سپہ گری کا اظہار کیا تھا)۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے حدیث جسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا مجھے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اتنی تکالیف دی گئیں جتنی کسی کو بھی نہیں ملی۔ تیس دن اور تیس راتیں میرے پاس گزریں مگر میرے اور بلال کے لیے صرف اتنا ہی ہے جو بلال کی بغل چھپ جائے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں ذکر کیا۔

مَا اُوْتِیَ اَحَدٌ مَا اُذِیْتُ فِی اللّٰہِ۔ اللہ کی راہ میں جتنی مجھے تکالیف دی گئیں اتنی کسی کو نہیں ملیں۔

ابن قیم نے کہا کہ فِی اللّٰہِ کے الفاظ کثیر احادیث میں موجود ہیں جس کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔

نمبر ا: اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی اور اطاعت تو یہ اختیاری اعمال میں ہوگا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی اطاعت کے لیے میں نے بہت زیادہ تکالیف شاقہ برداشت کیں اور ارادہ اختیار سے تھیں۔

نمبر ۲: دوسرا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے مجھے تکالیف پہنچیں تو یہ غیر اختیاری میں ہوگا۔

آپ نے بہت زیادہ مصائب برداشت کیے

رسول اکرم ﷺ کو جو مصائب و آلام برداشت کرنے پڑے ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک بار آپ ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی محیط نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچا اور سخت گلا دبایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی طرف روتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (مومن:28)

''کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے''۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ عقبہ نے نماز پڑھتے ہوئے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنے زور سے کھینچا کہ آپ گھٹنوں کے بل گر گئے تو لوگوں نے شور مچا دیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عقبہ کو پیچھے دھکا دے کر آپ کو بازوؤں سے پکڑا۔

مسند ابو یعلیٰ اور بزاز میں صحیح سند کے ساتھ حدیث ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ کو اتنا سخت پیٹا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی تو ابو بکر صدیق یہ پکارتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوئے:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (مومن)

''میرا رب اللہ ہے کہنے والے شخص کو تم قتل کرنا چاہتے ہو''۔

بزاز میں ہے ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا سب لوگوں سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا! اے امیر المومنین آپ ہیں تو فرمایا میں نے جس کافر سے مقابلہ کیا اس کے دو ٹکڑے کئے لیکن ابو بکر مجھ سے بھی بہادر ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ کفارِ قریش آپ کو پکڑ کر کھینچ رہے اور کہتے تھے تو نے تمام خداؤں کو ایک بنا دیا بخدا مسلمانوں میں سے ابو بکر کے سوا آگے ہونے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

اسی طرح ایک بار انہوں نے نماز کے دوران آپ پر اونٹ کی اوجڑی رکھ دی آپ کے مصائب وآلام کا ذکر بہت طویل ہے جو مزید دیکھنا چاہے وہ سیرت کی کتب کا مطالعہ کر لے۔

لَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلاَ ثُوْنَ کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مال ومتاع دنیا کی وسعت وکشادگی کا اختیار دیا گیا جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے آپ نے فرمایا مجھ پر بطحاء مکہ کو سونا بنا کر پیش کیا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔

امام مناوی فرماتے ہیں "جتنی مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکالیف پہنچیں کسی کو نہ پہنچیں" میں فی اللہ یعنی اللہ کی رضا یا اللہ کی وجہ سے کہ میں نے لوگوں کو اس کی عبادت کے اقرار کی دعوت دی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے منع کیا یہ کمال درجہ کا لطف ہے جس سے آپ کے مقامات میں روز افزوں ترقی ہوتی جائے گی۔

ابن عطاء کہتے ہیں کہ اصفیا پر تکالیف وبلائیں اس لیے نازل ہوتی ہیں تاکہ کسی چیز کی طرف ان کا قلبی میلان نہ ہو اور کوئی شے اللہ سے انہیں مشغول نہ رکھے۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر دوسری روایت سے اشکال ہوتا ہے جس میں آتا ہے صحابہ کرام کو بہت زیادہ مصائب اور تکالیف پہنچیں اگر ثابت ہے تو وہ محمول ہے حدیث انس کے معنی پر۔

لَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ مَايُوْذَىٰ اَحَدٌ

"مجھے اللہ کی راہ میں ضرور تکالیف پہنچیں جو کسی کو دی جا سکتی ہیں"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن اسحاق نے روایت کیا بخدا ان سے اگر کسی کو پیٹتے اور پیاسا رکھتے یہاں تک کہ شدت تکلیف سے کھڑا نہ ہو سکتا تو اسے کہتے کہ کہہ لات عزیٰ تیرے سچے معبود ہیں تو وہ جواب دیتا کہ احد احد (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے)۔

ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا سب سے قبل سات اشخاص نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر، عمار ان کی ماں سمیہ، صہیب رومی، بلال حبشی، اور مقداد، لیکن حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ محفوظ رکھا ابوبکر صدیق اپنی قوم کی وجہ سے محفوظ رہے باقی حضرات کو مشرکین نے بہت ستایا ان کو لوہے کی وزنی وزنی زرہیں پہناتے گرم دھوپ میں اور تپتی ریت پر لٹاتے۔ الخ۔

اس کا جواب یہ ہے حضور اکرم ﷺ کو بھی اس سے تکلیف ہوئی تھی کہ ان کو آپ کی وجہ سے مبتلائے عذاب کیا جاتا تھا۔

اشکال: ایک اور اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تکالیف میں سے قتل ہے جیسا کہ حضرت ذکریا اوران کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا گیا۔

جواب: اس سے مراد جسم سے روح جدا کرنے کے علاوہ دیگر تکالیف ہیں۔

بعض نے جواب دیا کہ بلاً کثرتِ اتباع کے تابع ہے کیونکہ آپ انبیاء سے کہیں زیادہ کثیر الاتباع ہیں جن کو مبتلائے عذاب رکھا گیا آپ انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مبتلائے عذاب ہوئے جب آپ کا دین مکمل ہوا تو عذاب اور مصائب و تکالیف کی بھی تکمیل ہوگئی تو مَااُوْذِیَ الخ کا معنی ہوگا کہ آپ کی دعوت عامہ ہے تو جمیع امت کی ابتلاً اور آزمائش کو محیط اور مشتمل ہے تو جس طرح آپ کا دین مکمل ہے تو ہر وہ بلاء ومصیبت جو مختلف امتوں میں متفرق تھی وہ آپ میں جمع ہوگئی اور آپ ان کے ساتھ مبتلا ہوئے۔

حضرت علی الخواص فرماتے ہیں کہ رسول خدا مصطفیٰ ﷺ جب کسی نبی علیہ السلام کے بارے میں کوئی تکلیف سنتے تو وہ خود میں موجود پاتے تھے۔

مَااُوْذِیَ اَحَدٌ مَااُوْذِیْتُ فَقَدْ اَذَا قَوْمُہٗ اَذ یً لَا یَحْتَمِلُ وَلَا یُطَاقُ حَتّٰی رَمَوْہُ بِالْحِجَارَةِ اِلٰی اَنْ اِدَّ مُوْارِجْلَیْہِ فَسَالَ مِنْھُمَا اَلدَّمُ حَتّٰی بَلَّ نَعْلَیْہِ وَنَسَبُوْہُ اِلَی السِّحْرِ وَالْکُھَانَةِ۔

"کسی کو تکلیف نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی اس کی قوم نے وہ تکلیف دی جو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے یہاں تک کہ انہیں پتھر مارے گئے کہ ان کے پاؤں رنگین ہو گئے اور خون سے ان کے جوتے پر ہو گئے انہیں سحر اور کہانت سے منسوب کیا گیا"۔

ان سے بہت مشہور ہیں اور آپ کے لیے مصائب سے اتنا کافی ہے جو طائف میں آپ کو مصائب تکالیف پہنچیں وہی کافی ہے۔

اس سے صوفیا کرام نے استنباط کیا کہ تکالیف انسانوں اور جنات وغیرہ سے ضروری ہے وہ کہتے ہیں صاحب حال میں سے جو کمزور ہیں جب انہیں کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خود پر ملامت کرتے ہیں لیکن کامل اور قوی حضرات برداشت کر لیتے ہیں اور لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں کیونکہ لوگوں میں یہی مشہور ہے کہ کامل اور ولی درویش وہ ہوتا ہے جو صاحب کرامت ہو مثلاً جو اس کے مال کی چوری کرے وہ جل جائے وغیرہ لیکن قوی شارع علیہ السلام کے حال سے استدلال کرتے ہوئے خود پر ملامت نہیں کرتا۔

جو تکالیف برداشت کرتا ہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور تکلیف دینے والے سے مقابلہ نہیں کرتا

پس صوفیا کے نزدیک کامل وہ شخص ہے جو تکلیف برداشت کرے اسے مارا پیٹا جائے اس کی خوب تذلیل کی جائے تو وہ اس سے متاثر نہ ہو۔

ہمارے شیخ شعراوی نے کہا کہ ہمارے ایک دوست شیخ احمد کعکی کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ ان کے پڑوسیوں نے اسے بہت زیادہ ستایا تو ان کے گھر کیڑوں سے بھر گئے روٹی اور پانی میں بھی کیڑے ہی نظر آتے تو وہ مجبور ہو کر مکان چھوڑ گئے ہیں نے ان سے کہا فقیر لوگ تو مصائب اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف نہیں دیتے تو انہوں نے جواب دیا یہ تمہارے ابدالوں کا خاصہ ہے اور ہماری قوت اس کی متحمل نہیں تا کہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی تشریح

لَوْ نَزَلَ مُوْسیٰ فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ اَنَا حَظُّكُمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَاَنْتُمْ حَظِّیْ مِنَ الْاُمَمِ۔

"اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس تشریف لائیں تو مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے انبیاء سے میں تمہارا حصہ اور امتوں سے تم میرا حصہ ہو"۔

اسے بیہقی نے حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت کیا۔ لَضَلَلْتُمْ کا معنی ہے تم راہ حق سے پھر جاؤ گے کیونکہ شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی ناسخ ہے۔

اس حدیث کا سبب یہ ہے جس طرح اس کے راوی حضرت عبداللہ بن حارث نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا کچھ حصہ لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اسے میں اہل کتاب کے ایک شخص سے لایا ہوں تو آپ نے فرمایا مجھ پر پیش کر حضرت عمر پڑھنے لگے تو آپ کا رخ انور متغیر ہو گیا اور یہ حدیث بیان کی۔

امام مناوی کے جوہرات میں سے وہ حدیث جسے بخاری و مسلم، امام احمد اور نسائی نے عبداللہ بن زید مازنی سے اور ترمذی نے حضرت علی اور ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

مَا بَيْنَ بَيْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔

"میرے گھر اور منبر کے درمیانی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے"۔

بَيْتِیْ سے مراد قبر انور ہے کیونکہ روضہ انور آپ کے گھر میں ہے۔ رَوْضَةٌ جنت کے باغات کی طرح ہے نزول رحمت کی وجہ سے اور اس جگہ عبادت کرنے سے جنت میں پہنچنے کی وجہ سے یا حقیقت میں یہ حصہ جنت سے لایا گیا ہے جیسے حجر اسود جنت سے لایا گیا یا یہ کہ جنت سے لایا جائے گا۔ جیسے

استن حنانہ اس میں بلیغ تشبیہ مجاز پر محمول کیا جائے خواہ حقیقت پر۔ روضۃ کہتے ہیں ایسی جگہ کو جہاں پر پانی درخت اور پھول بکثرت ہوں بعض نے کہا اعلیٰ ترین اور نفیس ترین باغ کو کہتے ہیں اس وقت روضہ انور اور منبر کی درمیانی جگہ تقریبا تریپن گز ہے۔

نکتہ فضیلت مدینہ

اس سے مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ سے فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اس کا ایک حصہ جنت کا ٹکڑا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جنت تمہارے گمان کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے یقیناً دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

جواب: صرف اس جگہ کا شرف ثابت ہے جب کہ دعویٰ پورے مدینہ کی برتری کا ہے اس طرح تو جھہ بھی مدینہ سے افضل ہو جائے جب کہ وہ مکہ سے افضل نہیں تو پھر مدینہ منورہ بھی مکہ سے افضل نہیں۔

حدیث کا تتمہ مصنف نے ذکر نہیں کیا آپ کا فرمان ہے۔ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہوگا۔

جس طرح کہ مسلم وغیرہ کی روایت سے یہ الفاظ ثابت ہیں۔

امام سیوطی نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ اس سے مراد بعینہ دنیا والا منبر حوض پر ہوگا بعض نے کہا وہ وہاں کا منبر ہوگا بعض نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے کہ اگر وہاں پہنچنا چاہے اور وہاں سے شراب پینا چاہے تو اسے نیک عمل کرنا چاہیے۔

امام مناوی کے جواہرات میں سے وہ حدیث جسے امام بخاری اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا:

مَامِنْ نَبِیٍّ مِنَ الْاَ نْبِیَاْاِلَّاوَقَدْ اُعْطِیَ مِنَ الْآیَاتِ مَامِثْلُہٗ آمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیاً اَوْ حَیٰ اللّٰہُ اِلَیَّ فَارْجُوْ اَنْ اَ کُوْنَ اَکْثَرَ تَابِعاً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

ہر نبی کو معجزات عطا ہوئے ان کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور میری طرف خصوصیت سے وحی ہوئی (جو سب کو جامع ہے) مجھے امید ہے کہ روز قیامت سب سے زیادہ صاحب اتباع ہوں گا۔

یعنی ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزات عطا ہوئے جن کے مشاہدہ سے مشاہدہ کرنے والا ایمان لانے پر مجبور ہو گیا جو زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ معجزات ختم ہو گئے اور آپ کے اعظم معجزات سے وحی الٰہی یعنی قرآن کریم ہے ورنہ آپ کے معجزات غیر متناہی ہیں لیکن قرآن کریم ایسا مہتم بالشان معجزہ ہے جو بکثرت مرور زمانہ سے ختم ہونے والا نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے جو ہمیشہ کے لیے نفع بخش

ہے دوسری کتب سے اس طرح بھی ممتاز ہے کہ اس کا اعجاز صرف نظم اور بلاغت پر ہی مشتمل نہیں جوزمانہ کے گزرنے سے ختم ہو جائے بلکہ یہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہے معاندین کو مقابلہ کا چیلنج ہو جس کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا مزید برآں یہ ایسا معجزہ ہے جو بذات خود بے شمار معجزات پر مشتمل ہے اس کی ایک مثال یہ آیت ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال:2)

''ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں''۔

المؤمنون سے کامل ایمان والے مراد ہیں اس طرح بہت مثالیں ہیں۔

سرورکائنات ﷺ ہر سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں

امام مناوی کے جواہرات میں سے اس حدیث کی شرح جسے ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا:

مَامِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

''جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو واپس بھیج دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ۔کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بولنے کی اجازت مرحمت فرماتا ہے کیونکہ سرور عالم ﷺ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس جسد اطہر سے کبھی جدا نہ ہوئی اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حیات النبی ﷺ

قَوْلُهُ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔یہ حیات النبی ﷺ میں ظاہر واضح ہے بریں بناً کوئی لحہ اور گھڑی ایسی نہیں جب کوئی سلام نہ بھیجتا ہو جو شخص رد کو زیارت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے (آپ اس شخص کا جواب دیتے ہیں جو روضۂ انور پر حاضری دیتے ہوئے سلام عرض کرتا ہے) تو اس کے لیے بیان یعنی تخصیص لازم ہے۔

ابن ملقن وغیرہ نے کہا کہ روح سے مراد مجازاً نطق ہے اور علاقہ مجاز یہ ہے کہ روح کے لوازمات سے نطق کا بالفعل یا بالقوۃ پایا جانا ہے اور آپ ﷺ عالم برزخ میں احوال ملکوت میں مشغول اور اس کے مشاہدات میں مستغرق ہیں جس وجہ سے نطق کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

اس لیے ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضور فکر کے ساتھ روح کی تاویل کرنا احسن ہے جس طرح لَيُغَانُ

عَلٰی قَلْبِیْ کی تاویل کی گئی۔

گنبد خضریٰ کی زیارت سے آپ کی شفاعت لازم ہو جاتی ہے

امام مناوی کے جوہرات میں سے یہ حدیث جو ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

''جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی''۔

بیہقی نے حضرت انس سے ان لفاظ سے روایت کیا:

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ مُحْتَسِباً کُنْتُ لَهٗ شَهِیْداً وَشَفِیْعاً یَوْمَ الْقِیَامَةِ

''جس نے مدینہ میں میری زیارت حصولِ ثواب کے لیے کی تو میں اس کے لیے روز محشر گواہ اور شفیع ہوں گا''۔

وَجَبَتْ لَهٗ۔ یعنی ثابت اور لازم ہوگئی اور میر االلہ تعالیٰ سے سوال ہو گا کہ وہ اس کی خطائیں معاف فرمادے۔ سبکی نے کہا کہ احتمال ہے کہ اس سے مراد زائرین کے ساتھ خصوصیت ہو جو دوسروں کو عموماً یا خصوصاً حاصل نہ ہو یا اس سے مراد جو دوسروں کے لیے حاصل ہے اس سے جدا ہوں گے ان کا یہ افراد و تنہا ہونا تشریف و بزرگی کے لیے ہوگا یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو دوسروں کے لیے شفاعت ہو سکتی ہے وہ ان کے لیے واجب ہو زیارت کی برکت کی وجہ سے اور اس میں ان کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ دنیا سے باایمان جائیں گے۔

حاصل مرام زیارت کا فائدہ کہ ان کی موت مطلقاً ایمان پر ہوگی یا ان کے لیے شفاعت مخصوص ہوگی جیسا کہ شفاعتی میں آپ نے اپنی طرف سے اضافت کی اس لیے ملائکہ اور خواص انسان بھی شفاعت کریں گے لیکن زائرین کے لیے حضور علیہ السلام کی بھی سفارش ہوگی۔

لفظ زیارت سے امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ زُرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ کہنا مکروہ ہے دوسری حدیث مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ جس نے مدینہ میں میری زیارت کی میری زندگی یا وصال کے بعد محتسبا زیارت سے اللہ کی رضا اور ثواب مقصود ہو کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدا میں اس مطیع کے لیے گواہ اور گنہگار کے لیے سفارشی ہوں گا یہ شہادت عام امت پر گواہی سے علیحدہ اور مخصوص ہوگی۔

صوفیا کے نزدیک زیارت روضۃ النبی فرض ہے

علماء فرماتے ہیں کہ گنبد خضریٰ کی زیارت سے حج کامل ہوتا ہے بلکہ صوفیاً کے نزدیک تو فرض ہے۔

علامہ حکیم ترمذی نے لکھتے ہیں کہ آپ کے روضہ کی زیارت کے لیئے جانا ہجرت ہے جس سے زائرین خائب وخاسر نہیں رہتے بلکہ آقا علیہ السلام کی شفاعت لازم ہو جاتی ہے۔

علام نبہانی کہتے ہیں میں نے یہ تمام احادیث الجامع الصغیر اور امام مناوی کی اس پر شرح سے یہ کلام منتخب کیا ہے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے ثواب پر مزید تفصیل دیکھنا چاہے وہ میری کتاب ''شَوَاهِدُ الْحَقِّ فِي الْإِسْتِغَاثَةِ بِسَيِّدِ الْخَلْقِ'' کا مطالعہ کرے۔

اس میں فضائل آپ سے استغاثہ پر دلائل اور متبدعین کے سوالات کے جوابات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

جواہرات

الامام الربانی مجدد الف الثانی الشیخ احمد الفاروقی السرہندی النقشبندی المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے جواہرات میں سے مکتوبات میں سے چوالیسواں مکتوب ہے جو سرور کائنات خیر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ہے جسے آپ نے السید النقیب شیخ فرید بخاری کی طرف ارسال کیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ آپ کی تصدیق کرنے والے خیر امم سے ہیں اور تکذیب کرنے والے اولادِ آدم سے بدترین ہیں اور آپ سنت سنیہ کی اتباع کی ترغیب میں آپ کا مکتوب شریف بہت اچھے وقت ملا اور اس کو پڑھ کر مسرت ہوئی میراثِ فقیر محمدی علیہ وآلہ والصلوت والتسلیمات سے جو آپ کو حصہ ملا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور فقراُ کی محبت اور ان کی صحبت اسی فقر کا ثمرہ ہے اس کے جواب میں کیا لکھوں سوائے اس کے کہ ایک عربی عبارت نقل کردوں جو کہ آپ کے جد امجد سیدنا الانبیاً والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں ہے اور اس مکتوب کو نجاتِ اخروی کا وسیلہ بنالے اس سے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کررہا بلکہ اس سے تو میرے کلام کی تعریف ہوگی یہ آقا علیہ السلام کی ثناٗ میں لکھا گیا ہے۔

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ وَلٰکِنْ مَدَحْتُ . مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

''میں نے اپنے کلام سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کی لیکن میں نے تو آپ کے ذریعے اپنے کلام کی مدح کی ہے''۔

فضیلتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کی عصمت وتوفیق کے ساتھ کہتا ہوں یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد آدم کے سردار اور بروز حشر تمام اولین وآخرین سے زیادہ مکرم ہیں سب سے قبل آپ کی قبر انور شق ہوگی آپ ہی پہلے سفارش کرنے والے ہیں جن کی سفارش قبول ہوگی آپ ہی سب سے قبل جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو آپ کے لیے بابِ جنت کھلے گا آپ کے دستِ اقدس میں حمد کا جھنڈا ہوگا جس کے نیچے حضرت آدم اور دیگر تمام نوع انسان ہوں گے آپ نے ہی فرمایا ہے کہ ہم بروز حشر آخر اور سابقین ہوں گے اور میں ایسی بات کہہ رہا ہوں جو فخریہ طور پر نہیں۔

اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَاَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْن وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ

میں اللہ کا حبیب، مرسلین کا قائد ہوں اور انبیاء کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر

خلق میں بنایا پھر انکے گروہ بنائے تو مجھے بہتر گروہ میں رکھا پھر قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے افضل قبیلہ میں رکھا تمہارے خاندان بنائے تو مجھے بہترین خاندان میں پیدا کیا تو میں ان سے خاندان اور ذات کے اعتبار سے افضل ہوں جب مخلوق دوبارہ اٹھائی جائے گی تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا جب چلیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا جب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب جب محبوس ہوں گے تو ان کا سفارشی اور جب مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو نوید سنانے والا ہوں گا کرم کا علم اور خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء الحمد بھی میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔

میں اپنے رب کے پاس تمام اولادِ آدم سے زیادہ محترم ہوں گا میرے اردگرد ایک ہزار خادم ہوں گے گویا کہ وہ مخفی انڈے ہیں اور قیامت کے روز میں نبیوں کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

حضور علیہ السلام باعثِ ایجادِ کون ومکان ہیں۔ اگر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا۔

آپ تخلیقِ آدم علیہ السلام سے پہلے نبی تھے

حضور علیہ السلام اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام بھی آب وگل میں تھے۔

فضیلت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التسلیم ۔

جن کا امام مقتدیٰ ایسا معصوم اور بے مثل اور تمام نبیوں کا پیشوا ہو کہ یقیناً اس کی امت تمام امتوں سے بہتر و برتر ہوگی

اللہ کا فرمان:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہو ان تمام امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

اس کی تائید اور وصف بیان کر رہا ہے اور آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کے پیغامات کا برملا انکار اور تردید کرنے والا بدترین انسان ہوگا جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا (توبہ:97)

''گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں''۔

ان کی حالت بیان کر رہا ہے۔

وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جسے آپ کی سنت سنیہ کی اتباع میسر ہوگی اس دور حاضرہ میں دین

268 اسلام پر ایمان ویقین رکھتے ہوئے اگر تھوڑا عمل بھی کیا جائے تو وہ عمل کثیر کی جگہ مقبول ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اصحاب کہف کی ایک نیکی یعنی معاندین دین کی استیلاً کے وقت یقین کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے ہجرت کرنا تمام نیکیوں پر حاوی ہوگئی اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اعداد کے غلبہ کے وقت لشکر اسلام کی نقل وحرکت اور مقابلہ کرنا دیگر تمام حسنات پر غالب ہو جاتا ہے جو کہ حالتِ امن واطمینان میں کی گئی ہوں۔

جب آپ محبوب رب العالمین ہیں تو آپ کی متابعت کی بناً پر آپ کے تابعین بھی مقامِ محبوبیت پر فائز ہوں گے کیونکہ محب جب اپنے محبوب کی ادا وخصلت کسی شخص میں دیکھتا ہے تو ان خصائل وعادات کی وجہ سے اس شخص سے بھی محبت ہو جاتی ہے اسی پر مخالفین کا قیاس کر لے۔

رَئِیْسُ جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَأْسِ اَعْدَاءٍ حَصاً وَتُرَابٌ

''تمام جہانوں کے سردار محمد کریم ﷺ ہیں (آپکے) دشمنوں کے سروں پر گرد وغبار ہو''۔

شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے مکتوبات میں جو احادیث بیان کی ہیں شیخ محمد مراد منزلاوی نے اس کے حاشیئے پر ان کی تخریج کی ہے جو دیکھنا چاہے اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔ یہ مکہ مکرمہ سے طبع ہوئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک سو اکیسواں مکتوب جسے مولانا حسن دہلوی کی طرف ارسال کیا تھا۔

حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا التسلیمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے اور سلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر۔

یقین رکھ حقیقت محمدیہ پہلا ظہور اور تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے یعنی تمام حقائق خواہ وہ انبیاً کے حقائق ہوں یا ملائکہ کے یہ سب سایہ کی مانند ہیں اور حقیقت محمدیہ ان سب کی اصل ہے جیسا کہ آپ کی حدیث میں ہے کہ:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ سب سے قبل اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو تخلیق کیا۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ

''میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا اور مؤمنین میرے نور سے''۔

اس سے بدیہی طور پر واضح ہو گیا آپ کی حقیقت اللہ اور مخلوق کے حقائق کے مابین واسطہ ہیں تو ظاہر ہے واسطہ کے بغیر خالق کائنات تک پہنچنا محال ہے تو لامحالہ آپ نبی الانبیاً والمرسلین ہوئے اور

آپ کا مبعوث ہونا تمام کائنات کے لیے رحمت ہے اسی وجہ سے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام حقیقتاً رسول اور نبی ہونے کے باوجود آپ کے امتی ہونے کی تمنا کی جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔

سوال: انبیاء علیہم السلام کا دولت نبوت سے سرفراز ہونے کی وجہ آپ کے امتی ہونے میں کمال درجہ کا ربط نہیں ہوسکتا۔

جواب: وہ کمال کیا ہے حقیقت الحقائق کے ساتھ وصول اور اس کے ساتھ متحد ہونا ہے اور یہ دونوں ہی تبعیت اور وراثت پر موقوف ہیں بلکہ کمالِ فضل پر موقوف ہیں کیونکہ یہ آپ کی امت میں سے اخص الخواص کا حصہ ہے اور جو آپ کی امت سے نہیں وہ اس دولت عظمیٰ کو حاصل نہیں کرسکتا اور اس کے حق میں حجاب اٹھ سکتا ہے کیونکہ وہ اس اتحاد سے آسان ہو جاتا ہے شائد اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (آل عمران:110) ''تم بہتر امت ہو''۔

پس آقا علیہ السلام جس طرح انبیاءً وملائکہ کے ہر فرد سے افضل ہیں اسی طرح كُلٌّ مِنْ حَيْثُ الْكُلّ سے بھی افضل ہیں کیونکہ اصل کو سایہ پر برتری حاصل ہوتی ہے خواہ وہ سایہ آگے ہزاروں سایوں پر مشتمل اور متضمن ہو لہٰذا مبدء فیاض یعنی اللہ تعالیٰ سے ظل کی طرف فیضان اصل کے توسط اور وسیلہ سے ہوتا ہے اس فقیر (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی) نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے کہ نقطہ فوقانیہ کو نیچے والے تمام نقطوں پر فضیلت ہوتی ہے۔ اور وہ تمام نقطے نقطہ فوقانیہ کی نسبت ظل اور سایہ کی مانند ہیں اور عارف (اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا ولی کامل جسے عارف باللہ کہا جاتا ہے) اس نقطہ فوقانیہ جو کہ اصل ہے اور تحتانی نقطوں جو کہ ظل وسایہ کی مانند ہیں سے زیادہ ہے۔

سوال: اس بیان سے تو خواصِ امتِ محمدیہ کی انبیاءً علیہم السلام پر برتری لازم آتی ہے۔

جواب: برتری بالکل لازم نہیں آتی ہے بلکہ اس فضل وکمال میں انبیاءً کے مشارکت ہوتی ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کو نبوت ورسالت کی وجہ سے اور بھی کثیر کمالات ودرجات صرف حاصل ہیں جو کہ صرف اور صرف انبیاءً کے ساتھ مخصوص ہیں اس امت کے اخص الخواص انتہاً درجہ کی ترقی بھی کر لیں تو پھر بھی انبیاءً کے ادنیٰ قدم کے سرے تک نہیں پہنچ سکتے مساوات یا فوقیت کیسے ہوسکتی ہے اس کے بعد (مجدد نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ (الصافات:171)

''بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے''۔

سوال: پھر فرمایا کہ یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا التسلیم جو حقیقت

الحقائق ہے اور اس کے اوپر کوئی حقیقت نہیں تو اس حقیقت محمد یہ سے ترقی کرنا ممکن ہے یا نہیں۔

جواب: اس سے ترقی کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ اس کے اوپر مرتبہ لاتعین (1) اور اتباع کرنے والوں کا وہاں تک وصول اور طوق ناممکن ہے جس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمد یہ سے ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ عقلاً اور شرعاً جائز ہے۔

سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترقی کا تو حقیقت محمد یہ کے لیے بھی وقوع نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ ہاں رسول اکرم ﷺ باوجود علوِ شان اور رفعت وعظمتِ مدارج ومراتب کے حدِ امکان سے نہیں نکل سکتے اور حدِ وجوب میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ وجوب صرف الوہیت کا خاصہ ہے کسی دوسرے کے لیے تحقیق اور جواز ماننے سے شرک لازم آتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے۔

اشعار (امام بوصیری کے)

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ   وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا وَّاحْتَکِمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

''نصاریٰ نے اپنے نبی کی طرف جو نسبت اور دعویٰ کیا اسے چھوڑ دے (اس کے سوا) جو چاہتا ہے تعریف کر اور حکم لگا۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کے فضائل کی کوئی حد نہیں جس کو کوئی بولنے والا عبور کر سکے یا وہاں تک پہنچ سکے''۔

1۔ مرتبہ لاتعین صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے جس کا استعمال ذات خداوندی پر کرتے ہیں کہ وہ حد تعین میں نہیں کیونکہ تعین کہتے ہیں جس پر جہات ستہ فوق تحت یمین یسار امام، خلف کا اطلاق ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں اس کا آگے پیچھے دایاں، بایاں، اوپر، نیچے کچھ معلوم نہیں۔ (مترجم)

جواہرات الامام العلامۃ الشیخ محمد المہدی الفاسی

شارح دلائل الخیرات

حضرتِ علامہ شیخ محمد مہدی کے جواہرات میں سے جو کہ شرح دلائل الخیرات سے ماخوذ ہیں حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی خاتم الانبیاء کی شرح ہے۔

خاتم الانبیاء

خاتم الانبیاء کا معنی جو انبیاء کو ختم کرے یعنی سب سے آخری پیغمبر یا جس سے انبیاء ختم ہوں۔ جیسے خاتم وطابع کی مانند ہیں۔(خَاتَمُ مَایُخْتَمُ بِهٖ یَا الَّذِی یَخْتِمُهُمْ اور طابع بمعنی مطبوع کے ہیں) پس آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے اور نہ ہی آپ کے ساتھ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط (احزاب:40) ''اور سب نبیوں سے پیچھے''۔

اسی طرح حضور ﷺ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمانا۔

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَا رُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّااِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

''تیری میرے سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کی موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

اسے شیخین بخاری و مسلم نے روایت کیا مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقادیر کو زمین آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل پیدا کیا۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ ان تقادیر میں سے جنہیں کتاب میں ذکر کیا کتاب سے مراد ام الکتاب ہے ایک یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

آپ کا دین دائمی ہے

آپ کی وجود مدح میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی شریعتِ مطہرہ دائمی ہے۔ کہ آپ کی رسالت و نبوت دائمی ہے اور اس میں آپ کی غایت درجہ تعظیم پائی جاتی ہے

حضرت عیسیٰ کا زمین پر نزول اس کے منافی نہیں کیونکہ آپ شریعت محمدیہ پر ہوں گے باوجود اس کے انہوں نے سب سے آخر آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی۔

بعض نے کہا کہ اہل بصائر فرماتے کہ شرع و دین کا مقصد مخلوق کو حق کی دعوت، جائز اور بہتر معاش اور معاد کی رہنمائی کرنا اور ان امور کی اطلاع دینا جس سے ان کے عقول عاجز ہیں۔ اور دلائل قاطعہ کی تقریر ہے ان تمام امور کو متضمن ہے جن پر شریعت مطہرہ مشتمل ہے۔ ان امور کو ایسے احسن طریقے سے

بیان کیا کہ جس سے مزید وضاحت کی گنجائش ہی نہیں رہی قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا''۔

لہٰذا آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی ضرورت ہی نہیں رہتی لہٰذا آپ پر نبوت ختم ہوئی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور ان کا آپ کی ملتِ بیضاء کا متبع ہونا بھی آپ کی نبوت کی تاکید و تائید کرتا ہے۔

خاتم کی تشریح

شیخ عبدالجلیل قصری کی شعب الایمان میں اس اسم پاک (خاتم الانبیاء) کی تشریح میں درج ہے کہ خَتَمَ یَخْتِمُ خَتْمًا کا معنیٰ ہے طبع مہر لگانا ختم کا معنیٰ طبع ہے ہر شے کا خاتم سب سے آخری ہوتا ہے۔ خَاتَمَ بالفتح وہ چیز جو خاتم پر رکھی جاتی ہے مثلاً وہ مٹی جس کے ساتھ خاتم بنائی جاتی ہے اسی طرح محاورہ ہے خَتَمَ زَرْعَه' یہ اس پر مستعمل ہوتا ہے جو پہلے ڈول سے پانی کاشت اور فصل کو دیا جائے گویا کہ اس نے اوّل میں ایسا پانی دیا جو آخر تک کافی رہا یہ تمام اوصاف مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں اور تمام مخلوق پر فضیلت و برتری حاصل ہے جب تو ختم بمعنیٰ طبع کہے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر مہر لگا دی اور ان اوصاف کے ساتھ جو آپ ﷺ کو عطا ہوئے۔ وہ دیگر کسی فرد کو مل سکتے ہی نہیں اور جب خَتَمَ بِمَعْنٰی خَتَمَ زَرْعَه' اے سَقَاہ' اَوَّلَ سُقْیَۃٍ کے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اکرم کی ﷺ نبوت و رسالت میں تمام سابق درجات موجود ہیں اور مخصوص فضائل کے مقادیر مخفی ہیں جس سے تمام اولین و آخرین پر فوقیت رکھتے ہیں یعنی نبوت کا جو حصہ پہلے کسی نبی کو حاصل ہے وہ آپ کی ہی نبوت کا حصہ ہے اور جب خاتم بفتح تاء ہو یعنی مَا یُوْضَعُ عَلَی الْخَاتَمِ اَیْ اَلطِّیْنُ الَّذِیْ یُخْتَمُ بِہٖ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ رسول ﷺ وہ برتن اور ظرف ہیں جس میں تمام اجزائے نبوت رکھے گئے ہیں۔ اور اس سے دوسروں کو اجزاء دیئے گئے جتنے کے وہ متحمل تھے اور جمیع میں سے ہمارے محبوب ﷺ کے بغیر کوئی متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب تمام اجزائے نبوت کے آپ جامع ہیں تو خاتمیت بھی کمال درجہ کی ہوگی جیسا کہ خط وغیرہ لکھنے اور اسے لپیٹنے کے بعد اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ جو کچھ اس میں ہو اسے چھپا دیا جاتا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو خاتم نہیں بنایا گیا کہ وہ درجہ غایتِ کمال تک ترقی نہ کر سکا۔

خاتم الانبیاء کا دوسرا معنی

پھر فرمایا ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی کہ خاتم بکسر تاء (بروزن فاعل صیغہ اسم فاعل کا ہو۔) تو معنٰی ہوگا آخر اور روح معنٰی اس میں یہ ہے کہ وہ شے کا اتمام اور اسکا کمال ہے اگر وہ نہ ہو تو شے میں نقص ظاہر اور واضح ہو جائے لہٰذا ہمارے پیارے نبی ﷺ تکمیل اور تمام کرنے والے ہیں کہ روحِ معنی کو وہ درجہ و کمال حاصل کیا کہ اس سے زیادہ اب تکمیل و تتمیم ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے انبیاء کے فضائل کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ مجھ پر نبوت ختم ہوگئی اور میں خاتم النبیین ہوں۔ اور یہ آپ نے مدح و تعریف کے طور پر کلمات ارشاد فرمائے۔

تیسری وجہ

ختم نبوت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء ایک ایک وقت میں کئی کئی تشریف لاتے رہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے اس کے باوجود تمام لوگوں کو تبلیغ نہ پہنچی اور بہت کم لوگ ایمان لائے لیکن محبوب ﷺ تنہا تشریف لائے کوئی دوسرا نبی مدد کے لئے نہیں آیا آپ تنہا ہی تبلیغ حق کے لئے کمر بستہ ہوئے دنیا کے کونے کونے تک تبلیغ کی آواز پہنچ اور اتنی کثرت میں لوگ ایمان لائے پہلے جمیع انبیاء کے امتی ملا کر بھی اتنے نہیں بنتے یہ ایسا فضل و کمال ہے جس کے قریب بھی کوئی دوسرا کمال نہیں پہنچ سکتا تو یقیناً آپ خاتم الانبیاء ہوئے خاص عام کو مستلزم ہوتا ہے بغیر عکس کے۔

اسم گرامی الداعی کی شرح

امام فاسی کے جواہرات سے اسم الداعی کی توضیح ہے۔ اسکے معنی میں دو احتمال ہیں۔

نمبر ا۔ جسے اللہ تعالیٰ بلائے تو وہ جواب دے اور اس کی طرف مائل ہو یا اس کی عبادت میں مصروف ہو جائے جس کی طرف یہ یہ آیت مشیر ہے۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ؁ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ (جن:20)

"اور یہ کہ اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جن اسیر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں تم فرمادو میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں"۔

دوسرا معنی ہے کہ مخلوق کو خالق کی طرف بلانا تا کہ وہ اس کے احکامات پر عمل کریں جس کی طرف اس آیت سے اشارہ ملتا ہے۔

وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔

"اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے"۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ (احقاف:31)

"اور اللہ کے منادی کی بات سنو"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ (یوسف:108)

"تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔

نیز فرمایا:

وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ (الحدید:8)

"حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے اللہ پر ایمان لاؤ"۔

ایضاً فرمایا:

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ (قصص:87)

"اور اپنے رب کی طرف بلاؤ"۔

مزید فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ (النحل:125)

"اور اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ"۔

حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقادیر کو پیدا کرنا چاہا تو زمین و آسمان سے قبل مخلوق کو حباب کی مانند صورتوں میں تخلیق کیا اور اپنی ملکوت اور جبروت کی توحید میں منفرد تھا تو اس کے نور سے ایک نور جدا ہوا اور اس کا ایک حصہ خوب چمکا اور بلند ہوا پھر ان صُوَر خفیہ کے وسط میں جمع ہو گیا تو وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے مطابق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْتَ الْمُخْتَارُ الْمُنْتَخَبُ۔ "تو مختار منتخب نبی ہے"۔

تیرے پاس میرا نور اور میری ہدایت کا خزانہ امانت ہے تیری وجہ سے میں وادیوں کو ہموار کروں گا پانی رواں کروں گا آسمان کو بلند کروں گا۔ ثواب، عقاب، جنت، اور دوزخ بناؤں گا۔ پھر اللہ نے اسے اپنے غیب میں مخفی کر دیا اور غیب اس کے علم میں مستور ہے پھر جہاں بنائے زمانے کو دراز کیا پانی رواں کیا جھاگ کو جوش دلایا اور ہوا چلائی تو اسکا عرش پانی پر تھا پھر پانی پر زمین کی سطح بنائی تو اسے اپنی

اطاعت کی طرف بلایا تھا اس ایقان نے لبیک کہا۔ پھر فرشتوں کو اپنے نور سے بنایا اور اپنی توحید کو نبوت محمد ﷺ سے مقرون کیا۔ تو آپ کی نبوت زمین پر بعثت سے قبل آسمانوں پر مشہور تھی۔ تو جب آدم کو پیدا کر کے ان کو ملائکہ پر برتری بخشی اور حضرت آدم کو وہ علم اسماء اشیاء جو اللہ تعالیٰ نے بالخصوص دیا تھا وہ ملائکہ کو بتایا تو اللہ تعالیٰ نے آدم کو محراب، کعبہ، دروازہ اور قبلہ بنا دیا جس کی طرف ابرار صاحب روحانیت اور انوار نے سجدہ کیا پھر جناب آدم کو مسجود اور امام ملائکہ بنانے کے بعد اس امانت پر متنبہ کیا اور امانت کے خطرہ سے آگاہ کیا پس حضرت آدم حالت نبوت و امانت میں خیر سے محفوظ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس نور کو میزان کے تحت ہمیشہ مخفی رکھا یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے لوگوں کو ظاہراً و باطناً ہر طرح سے دعوت دی اعلانیہ اور خفیہ طور پر انہیں سمجھایا ظہور دنیا سے قبل والے عہد و وفا کو نہ بھولے پس جس نے اس نورِ متقدم سے قبل حصہ لے لیا تھا جسے اس راز کی ہدایت نصیب ہوگئی اور اس کا انجام واضح اور روشن ہے اور جو غفلت میں رہا وہ ناراضگی کا مستحق ٹھہرا شیخ ابو محمد عبدالجلیل قصری نے اپنی شعب میں تجھے بتا دیا کہ ہمارے پیارے محبوب کو ہر چیز کی تخلیق سے قبل نبوت عطا ہو چکی تھی تو آپ کی روح نے مخلوق کو خلقت ارواح اور انوار کے ابداع و خلق کے وقت اللہ کی طرف بلایا جس طرح آخر میں آپ کے جسد اقدس نے مخلوق کو حق کی طرف دعوت دی اسی لیے فرمایا

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ الآیہ (آل عمران: 81)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ تو کل مسلمان ہو گئے۔ لہٰذا آدم الارواح اور ان کے سردار بنے جس طرح حضرت آدم ابوالبشر ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھ۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ۝۱

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو"۔ (فرقان: 1)

عَالَمُوْنَ سے مراد تمام مخلوق ہے تو آپ نے تمام مخلوق کو ڈرایا تو وہ اولیت و آخریت میں تمام آپ پر ایمان لائی اور نور مبارک جمیع عالم میں صلب طاہر سے دوسری پاک پشت کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

شیخ تاج الدین سبکی نے اس معنی میں بہت طویل کلام کیا ہے پھر فرمایا اس پر ہمارے پاس احادیث ہیں۔

پہلی حدیث

بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً۔

''میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں''۔

جس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ کا زمانہ قیامت تک ہے۔ الناس میں اولین و آخرین سب لوگ شامل ہیں۔

دوسری حدیث

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

''میں نبی تھا جب کہ آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے''۔

اس سے ہمیں یقیناً معلوم ہو گیا نبوت وصف ہے جو کہ ذات سے زائد ہوتی ہے۔(انتھٰی)

شیخ ابوعثمان فرغانی فرماتے ہیں کہ ابتداء سے انتہاء تک حقیقت میں کوئی داعی نہیں مگر حقیقت محمدیہ جو کہ جمیع انبیاء کی اصل ہے اور وہ اجزائے حقیقت کے اور تفاصل کی مانند ہیں تو انکی دعوت من حیث الجزیۃ اور نائب ہونے کی حیثیت سے ہے اور آپ کی دعوت کل کی اجزاء یا کل کی جزئیات کے لئے ہے اور اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے''۔

تمام انبیاء و رسل ان کی تمام امتیں اور تمام اولین آخرین کَافَّۃً لِّلنَّاسِ میں داخل ہیں اور رسول اکرم ﷺ اصل اور حقیقت میں داعی ہیں اور جمیع انبیاؑ و مرسلین آپ کی اتباع اور نیابت میں مخلوق کو حق کی طرف دعوت دیتے رہے۔(انتھٰی)

قصیدہ بردہ میں ہے۔

کُلُّ آیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِہٖ بِھِمٖ

''تمام معجزات جو انبیاء لے کر آئے وہ آپ کے نور سے انہیں ملے''۔

فَاِنَّہٗ شَمْسَ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

''تحقیق آپ فضل و کرم کے سورج ہیں اور انبیاء ستارے ہیں جو لوگوں کو تاریکیوں میں روشنی عطا فرماتے ہیں''۔

شیخ محمد فاسی کے جواہرات میں آپ ﷺ کا نام مَدْعُوٌّ ہے۔

آپ کا اسم گرامی مدعو پہلا معنی

رسول اکرم ﷺ کا ایک نام نامی مَدْعُوٌّ ہے۔ یعنی بلایا ہوا۔ جتنے بھی پکارے گئے ان میں سے سب سے اعلیٰ واشرف طریقے سے آپ کو خطاب کیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں کہیں بھی آپ اصل نام سے مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ وغیرہ جیسے افضل ناموں سے خطاب کیا گیا اور آپ کی امت کو بھی تشریفی خطابات سے مخاطب کیا گیا مثلاً یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور پہلی امتوں کو یَاَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ کے الفاظ سے، اور ان دونوں خطابات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسرا معنی

یا اس سے آپ کو آسمان کی طرف بلانا مراد ہے کہ جبریل امین آپ کو آسمان کی طرف لے گئے۔

تیسرا معنی

یا اس سے مراد معراج میں بلانا ہے نور میں چلے تو ستر ہزار حجاب اٹھ گئے جس کا ایک حجاب دوسرے حجاب سے مختلف ہے۔ کسی ملک یا انس کی حس وہاں تک نہیں پہنچ سکتی جیسا کہ ابن سبع نے اپنی شفاء میں حدیث ابن عباس سے روایت کیا۔ انتہائی بلندی سے نداء آئی کہ۔

اُدْنُ یَا خَیْرُ الْبَرِیَّةِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ۔

''اے مخلوق سے افضل قریب آیئے احمد قریب آیئے محمد قریب آیئے''۔

چوتھا معنی

یا اللہ تعالیٰ سے بقاء مراد ہے جیسا کہ حضرت جعفر صادق سے بیہقی نے روایت کیا کہ جبریل امین کا قول ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اِشْتَاقَ اِلٰی لِقَائِکَ۔

''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے''۔

یہ ملک الموت نے آپ کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیتے وقت کہا تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اے عزرائیل جس کا تجھے حکم ہوا ہے اس پر عمل کیجئے۔

بیہقی نے کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَائِکَ کا معنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لقاء کا ارادہ کیا ہے آپ دنیا سے معاد کی طرف پلٹ آئیں اس میں آپ کی کرامت وشرافت بدرجہ اتم ہے۔

پانچواں معنی

یا اس کا معنی ہے آپ کو مخلوق کی شفاعت کی طرف بلانا کہ مخلوق آپ سے شفاعت کی طلب گار ہو

گی اور خالق سے اس کے اذن واجازت سے ان کی طرف بلانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ:255)

''وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم سے''۔

چھٹا معنی

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اس وقت آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کرنا مقصود ہے۔

اِرْفَعْ رَئْسَکَ یَا مُحَمَّدُ وَاشْفَعْ۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ سے سر اٹھایئے اور سفارش کیجئے''۔

دوسری حدیث جسے طبرانی نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا۔ ابن مندہ نے کہا اس کی صحت پر اتفاق ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ علیہ السلام اَوَّلَ مَدْعُوٍّ یَوْمَ یَجْمَعُ النَّاسُ فِی صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَیَحْمَدُ اللّٰہَ وَیُثْنِیْ عَلَیْہِ۔

''بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے قبل پکارے جائیں گے۔ جب تمام مخلوق ایک جگہ جمع ہوگی تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں گے''۔

ساتواں معنی

یا اس سے مراد جنت کی طرف بلانا ہے کہ آپ سب سے قبل جنت کی طرف بلائے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

شیخ محمد فاسی کے جواہرات میں سے آقا کا اسم پاک مفضل ہے۔

اسم رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام مفضل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک مفضل کی شرح میں لکھتے ہیں یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے جس کو دیگر پر فضیلت دی جائے اور اسے فاضل بنایا جائے اس میں کوئی خفاء نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ کہ آپ تمام مخلوق سے بہتر خصوصاً انبیاء ورسل اور ملائکہ سے مختار ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں۔

ملائکہ اور انبیاء ورُسلان عظام سے افضل ہونے کی دلیل

شیخ ابوعبداللہ بکی فرماتے ہیں کہ ملائکہ سے افضل ہونے پر دلیل نقل صحیح پر اجماع ہے۔ لیکن انبیاء و رسلان عظام علیہم السلام سے افضل ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی دلیل

قرآن کریم میں ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہوان سب امتوں میں جولوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

یہ آیت آپ کی امت کے تمام امتوں سے افضل ہونے پر نص ہے۔اور امت کی افضلیت نبی کی افضلیت اور برتری سے ہوتی ہے لہٰذا آپ ﷺ کا خیر الانبیاء ہونا ثابت ہوگیا

دوسری دلیل

سرور عالم ﷺ کی حدیث شریف ہے کہ:

اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

''میں اولاد آدم سے افضل ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں''۔

سوال ۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اولاد آدم پر برتری ہے اور خود آدم اس میں شامل نہیں۔

جواب نمبر ا۔حضرت آدم بھی اس میں شامل ہیں اور ادباً آپ نے ذکر نہیں فرمایا

نمبر ۲۔وَلَدِ آدم سے تعمیم مراد ہے تمام جنس انسانی مراد ہے۔

نمبر ۳۔اس حدیث سے حضرت موسیٰ، عیسیٰ، اور ابراہیم پر سیادت ثابت ہے۔

تیسری دلیل

کامل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ذات میں کامل اور غیر کو مکمل کرنے والی نہ ہو دوسری غیر کو بھی تکمیل دینے والی اور دوسرا افضل ہے پھر جس کے ساتھ دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے وہ علم ہے یا عمل۔

تمام مراتب علم سے اللہ کے متعلق علم، جسے علم باللہ کہتے ہیں، افضل ہے تمام اعمال سے افضل عمل طاعت الٰہی ہے جس کی ان دونوں کے لحاظ سے تکمیل ہوگی۔وہ سب سے افضل ہوگا۔اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں آپ ﷺ ان دونوں میں کامل و مکمل ہیں کیونکہ آپ جامع کلمہ والے اور محیط رسالت کے مالک ہیں جس طرح کہ آپ کی امت میں ظاہر ہوا اور علم باللہ اور اعمال کو ان میں نشر کیا جیسا کہ نماز، زکوٰۃ اور حج سے عیاں ہوا جو کہ دوسروں سے ممکن نہ تھا حاصل کلام یہ ہوا کہ آپ اعلیٰ کمال اور تکمیل کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو بھی اعلیٰ کمال اور تکمیل کے ساتھ مخصوص ہو وہ افضل ہوتا ہے لہٰذا آپ تمام

مخلوق اور انبیاء سے افضل و برتر ہوئے یہ برہان(1) جلی اور بدیہی ہے کہ اس کا واسطہ علم اور وجود میں علت ہے اس کے مقدمات ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔

محدث کے دلائل احادیث ہوتی ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک افضلیت پر دلیل

صوفی سابقہ دلائل ذکر کرتا ہے۔ اور مزید بھی بیان کرتا ہے جو ہر لحاظ سے مفید اور فائدہ پہنچانے والا ہو وہ فائدہ حاصل کرنے والے سے اعلیٰ ہوتا ہے اور آپ ﷺ ہر لحاظ سے فائدہ دینے والے ہیں کہ آپ کے نور سے تمام انوار نکلے جس طرح کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔

"سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو تخلیق کیا اور میرے نور سے سب مخلوق کو پیدا کیا"۔

انوار کی دو اقسام ہیں طَبِیْعَۃً اور رُوْحَانِیَۃً روحانیہ کی دو اقسام ہیں علوم اور اخلاق بلاشک و شبہ آپ کے علوم اور اخلاق سے مخلوق نے علوم و اخلاق کا استفادہ کیا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (قلم)

"بے شک تمہاری خو بڑی شان کی ہے"۔

اور فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانبیاء:107)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے"۔

اسی لئے آپ نے فرمایا:

اَنَا یَعْسُوْبُ الْاَرْوَاحِ اَیْ اَصْلُهَا۔

"میں ارواح کی اصل ہوں"۔

اور فرمایا:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ص197)

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے"۔

خلاصہ مرام یہ ہے کہ آپ صاحب وسیلہ، درجہ رفیعہ، اور صاحب مقام محمود ہیں۔ ان سب کی بناء

1۔ برہان کہتے ہیں جس کے تمام مقدمات یقینی ہوں اس کی دو اقسام ہیں۔ برہان انی۔ برہان لمی۔ انی وہ ہے جس میں معلول سے علت کی طرف استدلال ہو۔ اور لمی۔ علت سے معلول کی طرف استدلال ہو۔ برہان کے مقدمات اگر نظری ہوں تو یہ بھی نظری ہوتا ہے مقدمات اگر بدیہی ہوں تو برہان بھی بدیہی ہوتا ہے۔ (مترجم)

اسی پر ہے کہ تمام کی ابتداء کا آپ سر ہیں اور آپ کی وہ خاصیت ہے جس کی حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

يَا اَبَابَكْرٍ وَالَّذِیْ بِنَفْسِیْ بِالْمَنِّ لَمْ يَعْلَمْنِیْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّیْ ۔

''اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

اسی فضیلت وشرافت کی وجہ سے اولوالعزم پیغمبروں نے آپ کے امتی ہونے کی التجاء کی۔ جیسے ابراہیم اور موسیٰ جو حدیث شریف میں انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت دینے کی ممانعت آئی ہے۔ محققین کے نزدیک وہ خصائص اور قیاس کے ساتھ تفضیل پر محمول ہے کہ یہ تفضیل کے متقاضی نہیں بلکہ وہ محض اللہ کے فضل اور اس کے اختصاص کے ساتھ جو اس کی مشیت ابدی ازلی کے حکم پائی گئی۔ کسی علت سے نقص وکمی یا کوئی سبب فاضل پایا گیا اور مفضول میں موجود نہ ہو۔ ایسی کوئی بھی وجہ نہیں کیونکہ ہر نبی نے اللہ کے احکام کی کماحقہ تعمیل کی اور اس میں ذرہ برابر تقصیر نہیں کی لہذا اشرف وفضیلت دلائل سمعیہ سے ہوگی جو کہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:55)

''اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی''۔

دیگر مقام پر فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (وَهُوَ مُوْسٰى) وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ:253)(وَهُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔

آپ کی افضلیت مسلّمہ اور متفق علیہ ہے

تو آپ کی فضیلت مسلّمہ ہے کسی امام نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ آپ کی افضلیت پر اتفاق کے بعد اس میں سلسلہ گفتگو دراز کیا ہے کسی کا بالخصوص نام ذکر کر کے فضیلت بیان کرنی چاہئے یا نہیں؟ ادب کے تقاضا اور اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اس طرح بیان نہیں کرنی چاہیے آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو، کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔ یہی مختار قول ہے اور دونوں دلیلوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد فاسی کے جواہرات میں سے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی صَاحِبِ الْمَکَانِ وَالْمَشْھُوْدِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی صَاحِبِ الْمَکَانِ وَالْمَشْھُوْدِ اے اللہ: مکان مشہود کے صاحب پر درود بھیج۔ مشہود شَہِدْ تَ الشُّھُوْ دُ اے حَضَرْتُہ: سے مشتق ہے جس کا معنی حاضر ہے حاضر ہونا شہود کا معنی حاضر شدہ۔

صلاۃ سیدنا زین العابدین بن حسین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ میں ہے کہ صاحب محضر مشہود کی وجہ تسمیہ میں یہ احتمال ہے کہ یہ اس مکان کی طرف اشارہ ہو جہاں شب معراج عرش کے نیچے ٹھہرے اور اقلام کی آواز سماعت فرمائی وہ ایسا مکان ہے جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں حاضر ہوا۔

یا اس سے مراد وہ مقام ہے جس میں اوّلین و آخرین آپکی ثناء کریں گے تو وہ اس مقام کا مشاہدہ کریں گے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ (ہود) "وہ دن حاضری کا ہے"۔

یعنی اس میں حساب کے لئے اوّلین و آخرین سبھی یکجا وجمع ہوں گے۔

یا اس سے مراد عرش و کرسی پر آپ کا بیٹھنا ہے یا عرش کی داہنی جانب آپ کا کھڑا ہونا مراد ہے۔

یا اس سے مراد براق پر سوار ہو کر ستر ہزار ملائکہ کی جلو میں حشر میں تشریف لانا اور آپ پر جنت اعلیٰ کا بہترین لباس ہوگا۔ آپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ آپ کے دست اقدس میں لواء الحمد ہوگا۔ اس دن آپ انبیاء کے امام، خطیب اور قائد ہوں گے۔

یا اس سے مراد آپ جبریل امین اور خالق تعالیٰ کے درمیان ہوں گے جسے دیکھ کر تمام اہل محشر غبطہ کریں گے یا اس سے مخلوق اور خالق کے درمیان آپ کا وسیلہ و واسطہ ہونا مراد ہے۔ کہ جنت میں آپ کے واسطہ کے بغیر کوئی نہیں جا سکے گا۔ آپ ایک جگہ کھڑے ہو کر تمام اہل محشر کو مشاہدہ فرما رہے ہوں گے اور تمام آپ کو دیکھ رہے ہوں گے۔

یا آپ کے اسم پاک صاحب المحشر کی طرح ہو جب ہم مکان کا نام ہونے پر محمول کریں۔ تو مکان مشہود محشر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ (ہود) "وہ دن حاضری کا ہے"۔

لیکن آپ کو اس میں صاحب محشر لیں گے تو اس سے مراد حاشر (بمعنی اسم فاعل کے ہوگا) یہ سب آخرت میں ہوگا۔

اس سے آپ کا اس ظاہری دنیا کا مکان مراد ہو کہ وہاں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جس طرح ابن

مبارک اپنی فائق اور ابونعیم نے حلیہ مبارک میں کعب احبار سے روایت کیا کہ وہ حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کا ذکر ہوا تو حضرت کعب نے کہا کہ فجر کے وقت ستر ہزار ملائکہ اترتے ہیں اپنے پروں سے روضہ پاک کو ڈھانپ لیتے ہیں اور شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اسی طرح شام کو اور ستر ہزار فرشتے آجاتے ہیں جو صبح تک اسی طرح صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جب قبر سے نکلیں گے تو ستر ہزار فرشتے آپ کی تعظیم وتکریم کے لئے موجود ہوں گے۔

اس سے آپ کی قبرانور بھی مراد لی جاسکتی ہے کہ وہاں لوگوں کی حاضری اور فرشتوں کی حاضری ہوتی رہتی ہے یہ صرف آپ کی قبرانور کے ساتھ مخصوص ہے دیگر انبیاء میں سے کسی کی قبر کی تعین صحیح نہیں۔

یہ احتمال بھی ہے جس کی طرف حسن بصری نے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کے ساتھ مختار کیا آپ پر کتاب اتاری تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا پھر دنیا میں وہ جگہ عطا کی جسے اہل دنیا دیکھے اور قوت عطا فرمائی۔ پھر فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:21)

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے"۔

یا اس سے مراد وہ مقام ہے جو دنیا و آخرت میں آپ کا ہے یہ سب آپ کو شامل ہے یہ تمام احتمالات درست ہیں کچھ لفظ کے قریب ہیں اور کچھ بعید۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ محمد فاسی کے جواہرات میں سے اس درود شریف کی تشریح ہے۔ درود شریف۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدَنِ اَسْرَارِكَ وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعُرُوْسِ مَمْلِكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ مُلْكِكَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِيْقِ شَرِيْعَتِكَ اَلْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِيْدِكَ اِنْسَانِ عَيْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبِ فِيْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ عَيْنِ اَعْيَانِ خَلْقِكَ اَلْمُتَقَدِّمِ مَنْ نُوْرِ ضِيَائِكَ صَلَاةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰى بِبَقَائِكَ لَا مُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلَاةً تُرْضِيْكَ وَتُرْضِيْهِ وَتَرْضٰى بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

"اے اللہ! درود بھیج ہمارے سردار محمد ﷺ پر، جو تیرے انوار کے سمندر، تیرے اسرار کی کان، تیری حجت کی زبان، تیرے ملک کی دلہن، (دولہا) تیری بارگاہ کے امام،

تیرے ملک کے طراز، (کپڑا) (عربی)، رحمت کے خزانے، تیری شریعت کی راہ، تیری توحید سے لطف اندوز ہونے والے وجود کی آنکھ کے پوٹے، ہر موجود کا سبب، تیری مخلوق کے سرداروں کے سردار، تیرے نور کے پہلے ضیاء حاصل کرنے والے ہیں۔ ان پر ایسا درود ہو جو تیرے دوام کے ساتھ دائمی رہے تیری بقاء کے ساتھ باقی رہے تیرے علم کے سوا اس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔ ایسا درود بھیج جو تجھے اور انہیں پسند ہو، اور بہت پسندیدہ درود ہماری طرف سے بھیج اے ساری کائنات کے پالنے والے۔

الطراز علم الثواب (کپڑا) ملک کو کپڑے سے اس کے بننے اس کی تحسین وتزئین کی وجہ سے تشبیہ دی لازم کے اثبات سے جو کہ طراز ہے۔ کی دلیل سے اور نبی اکرم ﷺ کے لئے مستعار ہے کہ آپ جامع زینت ہیں کپڑے کے طراز اور زینت کی طرف آنکھیں مشتاق ہوتی ہیں اور رسول اکرم ﷺ وجود عالم کے لئے اللہ کی زینت ہیں کائنات کی روح، سر بھجت، نور اور اس کی زاوت ہیں۔ صلاۃ مفردہ میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَیْنِ الْعِنَایَةِ وَطِرَازِ الْحُلَّةِ وَعُرُوْسِ الْمَمْلَکَةِ وَلِسَانِ حُجَّةِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ عَدَدَ مَاذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

"اے اللہ درود شریف بھیج عین عنایت پوشاک کی زینت مملکت کی دلہن حجت کی زبان ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر ذکر کرنے والے کے ذکر اور غفلت کرنے والے کی غفلت کے مطابق"۔

سیدی علی بن وفا کی صلاۃ میں عَیْنِ الرَّحْمَةِ الرَّبَّانِیَةِ۔ وَبَهْجَةِ الْاِخْتِرَاعَاتِ الْاَکْوَانِیَةِ کے الفاظ ہیں۔ وَخَزَائِنُ رَحْمَتِکَ خزانہ کی جمع خزائن، کے کسرہ کے ساتھ جس میں سامان، مال اور اوراق جمع کئے جائیں اور رسول اکرم ﷺ اللہ کی رحمت کے خزانہ ہیں جو کہ کائنات میں تقسیم ہو رہی ہے لہٰذا رحمت الٰہی جس کسی کو بھی جو کچھ مل رہا ہے وہ آپ کے دست حق پرست سے مل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیخ محمد بکری پر رحم وکرم فرمائے اپنی عنائت سے مزید نوازے وہ کہتے ہیں۔

مَا اَرْسَلَ الرَّحْمٰنُ اَوْ یُرْسِلُ ۔۔۔ مِنْ رَحْمَةٍ تَصْعَدُ اَوْ تَنْزِلُ

جو کچھ رحمٰن نے بھیجا یا بھیج رہا ہے ۔۔۔ اپنی رحمت سے جو بلند ہو یا اترے

فِیْ مَلَکُوْتِ اللّٰهِ اَوْ مُلْکِهٖ ۔۔۔ مِنْ کُلِّ مَا یَخْتَصُّ اَوْ یُشْمِلُ

اللہ کے ملکوت ملک میں ۔۔۔ ہر اس سے جو مخصوص ہو یا عام ہو

اِلَّا وَطَهٰ الْمُصْطَفٰے عَبْدُهٗ نَبِیُّهٗ مُخْتَارُهٗ الْمُرْسَلُ

مگر چودہویں کا چاند مصطفےٰ اسکا عبد خاص اس کا نبی مرسلین سے مختار

وَاسِطَۃٌ فِیْهَا وَاصِلٌ لَّهَا یَعْلَمُ هٰذَا کُلُّ مَنْ یَّعْقِلُ

اس میں واسطہ اور پہنچانے والے وسیلہ میں جسے ہر ذی شعور جانتا ہے

تمام خزانے تابع ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ (بنی اسرائیل:100)

''تم فرماؤ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاؤ''۔

آگے فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ (صٓ:9)

''ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں''۔

دنوں آیات میں مختلف اقسام وانواع اور کثرت سے مال ومتاع ارزاق حسیہ اور معنویہ جمع ہو گئیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں والخزائن رحمت کے لیے استعارہ ہے گویا کہ آپ ایسی جگہ ہیں جہاں وہ تمام ذخائر موجود ہیں جن کا بشر محتاج ہے جو رحمت میں خطاب کیا گیا مختلف لحاظ سے۔

وَطَرِیْقِ شَرِیْعَتِکَ۔ وہ راہ جو شریعت کی طرف پہنچانے والی ہے آپ سے احکام اوامر ونواہی حاصل ہوتے ہیں۔ کہ آپ نبی ورسول تیرے مترجم اور تیرے احکام مخلوق تک پہچانے کیلئے وسیلہ ہیں۔

اَلْمُتَلَذِّذُ۔ لذت اس کا معنی معلوم ہے۔ بِتَوْحِیْدِکَ۔ اس چیز کے ساتھ جو تیری توحید پر دال ہے۔ قول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وغیر ھا۔ سے اس کا معنیٰ ہو گا کہ آپ توحید الٰہی پر شیفتہ ہیں۔ اس سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور یہ آپ کی عادت کریمہ تھی۔ یہ لوگوں کے اسلوب بیان کے مطابق ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کے ذکر سے لذت اندوز ہوتا ہے اور ایک ان میں سے اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ یقیناً میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ تیرے ذکر سے لطف حاصل کرتا ہوں۔ تیرے کلام سے خوش ہوتا ہے۔ اگر توحید کو ایمان باللہ کے امر بالحق کا ذات صفات اور افعال کے ساتھ افراد جدا کرنے پر محمول کیا جائے تو یہ صحیح نہیں اس مراد آپ کے وصف اس کے مطلق وجدان لذت کا ادراک ہو گا۔ کہ اگرچہ بعض اقویا امت کو یہ لذت حاصل ہے مگر وہ آپ کے حق میں قلیل اور آپ کے مقام سے تنزل کے مترادف ہے تو آپ ایسی صفت سے کیسے موصوف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے امر خاص اس سے زائد پس یا تو باب تفعیل برائے کثرت ہو گا اور کثرت بھی آپ کی شان کے مناسب یا اس میں خاصۂ صیرورت ہو گا جس طرح تحجّر کا معنی ہے کہ وہ پتھر بن گیا تو

پھر اس کا معنی ہوگا۔ آپ ﷺ عین لذت ہو گئے اس میں اشارہ ہے کہ آپ توحید میں ایسے رنگے گئے۔ کہ غیر کا شعور تک نہ رہا یہ وجہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے مخلوق میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق نصیب ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اِنْسَانُ عَیْنِ الْوُجُوْدِ۔ جس پر انسان کی مدار ہے اور اسی کے ساتھ ہی دیکھ سکتا ہے۔ انسان العین وہ مثال کہ اس کی سیاہی میں سے دیکھتا ہے اور اسی کے ذریعے نظر آنکھ کے وسط عدسہ کی مقدار ہے۔ اسے ذباب العین کہا جاتا ہے۔ جس طرح انسان یعنی آنکھ کی سیاہی آنکھ کا سر اور اس کی زینت ہے اس کے ذریعہ جسم اپنے منافع تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اپنی جائے رشد تک رسائی حاصل کرتا ہے اگر یہ نہ ہوتو آنکھ میں نہ نور ہو اور نہ ہی دیکھ سکے جسم ایک شبح بغیر روح کے اور صورت بغیر معنی کے ہو اس لیے نابینا مردہ ہے اگرچہ قبر میں داخل نہیں ہوا۔ اسی طرح سرور عالم ﷺ روح کائنات اس کی حیات اور اس کے موجود ہونے کا راز اور سر ہیں اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات میں نور ہوتا اور نہ دلالت ہدایت بلکہ وہ ہمیشہ متلاشی ہی رہتا اور اسے وجود نصیب نہ ہوتا جس طرح سیدی عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر چیز اس کے ساتھ معلق ہے اگر واسطہ نہ ہوتا تو وہ ختم ہو جاتے جس طرح الموسط (واسطہ بنایا ہوا) کہا گیا ہے۔

سید علی بن وفا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رُوْحُ الْوُجُوْدِ حَیَاۃُ مَنْ ھُوَ وَاجِدٌ	لَوْلَاہُ مَاتَمَّ الْوُجُوْدُ لِمَنْ وَجَدَ
وجود کا روح صاحب وجود کے لیے زندگی ہے	اگر یہ نہ ہوتا صاحب الوجود کا وجود مکمل نہ ہوتا

اپنی صلاۃ میں کہا:

نُوْرُ کُلِّ شَیْئٍی وَھُدَاہُ وَسِرُّ کُلِّ سِرٍّ وَسَنَاہُ۔

''ہر شے کا نور اور اس کی ہدایت ہر راز کا راز اور اس کی اصل''۔

پھر فرمایا کہ انسان مظاہر الٰہیہ کا عین ہے اور لطیفہ بارگاہ قدسیہ سے جو ہمیں حاصل ہوا امداد کی مدد اور وجود کا بھی وجود احاد کا واحد اور وجود کا سرّ تیرا سرّ اور راز جو کہ منزہ ہے عالم کی تمام جزئیات وکلیات علویات سفلیات جو ہر وعرض اور وسائط میں سرایت کیے ہوئے ہے پھر فرمایا کہ میں اس کے کثیر سرّ و راز معلوم کرتا ہوں ایک سر اس عالم بود میں ہے اور اس کا معنی حسین پیشانیوں میں روشن ہے۔

شیخ شمس الدین عبدوسی نے صلاۃ میں کہا جو دکلی و جزئی کے سر کے مظہر وجود علوی و سفلی کی آنکھ کی تپلی کونین کے جسم کی روح اور حیاتِ دارین کی آنکھ۔ اور بعض نے فرمایا:

کُلُّ الْمَکَارِمِ تَحْتَ طَیِّ بُرُوْدِہٖ	لَقَدْ اَضَاءَ الْکَوْنَ عِنْدَ وُرُوْدِہٖ

"تمام اچھے اخلاق آپ کے ظہور سے ظاہر ہونے لگے یقیناً آپ نے ظہور کے وقت عالم کو روشن کردیا"۔

وَلْبَحْرُ یَقْصُرُ عَنْ مَوَارِ دِجُوْدِہٖ اَنْسَانُ عَیْنِ الْکَوْنِ سِرُّ وُجُوْدِہٖ

"سمندر آپ کی سخاوت کے مواقع سے قاصر ہے جہاں کی آنکھ کی پتلی اس کے موجود ہونے کا راز ہیں"۔

وجود اصل میں مصدر ہے بمعنی اسم مفعول یعنی موجودیت اور اس پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی وجود الکون عالم کا موجود ہونا اور اس سے مراد خود عین ذات ہے حادث میں وجود عین موجود ہے تمام متکلمین اہل سنت اور شیخ اشعری کے قول قدیم کے مطابق۔

والسبب فی کل موجو د۔ اس کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے جو مسند امام عبدالرزاق میں مروی ہے کہ تمام مخلوق آپ کے نور سے تخلیق ہوئی ہے اسی طرح حدیث ابی مردان طیبی جیسے اپنے فوائد میں حضرت ابن عباس ابن عمر اور سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔ حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جو بیہقی نے اپنی دلائل میں روایت کی۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُکَ۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

دوسری حدیث میں یوں روایت ہے کہ:

لَوْلَاہُ مَاخَلَقْتُکَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا

"اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو"۔

ابن عساکر نے حضرت سلیمان سے روایت کیا:

قَالَ هَبَطَ جَبْرِیْلُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ لَکَ اِنْ کُنْتُ اتَّخَذْتُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا فَقَدْ اتَّخَذْتُکَ حَبِیْبًا وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْکَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْیَا وَاَهْلَهَا لِاُعَرِّفَهُمْ کَرَامَتَکَ وَمَنْزِلَتَکَ عِنْدِیْ وَلَوْ لَاکَ مَاخَلَقْتُ الدُّنْیَا۔

"راوی نے کہا کہ حضرت جبریل امین نے رسول پاک ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو تجھے حبیب بنایا اور تجھ سے اپنے نزدیک زیادہ محترم کسی کو نہیں بنایا میں نے دنیا و مافیہا کو اس لیے پیدا کیا کہ انہیں تیرے مرتبہ

ومقام کا تعارف کراؤں جو کہ تیرا میرے ہاں ہے اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو دنیا کو پیدا نہ کرتا''۔

امام بوصیری نے کہا:

لَوْ لَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

''اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی''۔

عَيْنِ اَعْيَانِ خَلْقِكَ۔ عین کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی آنکھ ہے اس کی جمع اَعْيَانٌ (بروزن افعال) اَعْيُنٌ (بروزن افعل) عُيُوْن (بروزن فعول) آتی ہیں۔ دوسرا معنی افضل شئی اور قوم کا بڑا۔ اَعْيَانِ خَلْق سے مراد انبیاء، مرسلین، مقربین فرشتے اور تمام صالحین بندے ہیں۔

تو جس طرح مذکورہ بالا تمام مخلوق سے افضل، بہتر اور ان کے سردار ہیں نیز ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں ان کے وجود کا راز ہیں اسی طرح رسول پاک ﷺ ان سے افضل، بہتر، ان کے سردار اور ان کی آنکھ ہیں جن سے یہ حضرات دیکھتے ہیں۔ اور ان کے وجود کا راز ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ مضاف (عین) بمعنی معانی مذکورہ (آنکھ افضل القوم) اور مضاف الیہ (اعیان) بمعنی افضل اور کبیر القوم کے معنی میں ہو اور بہتر یہ ہے دونوں (یعنی عین اور عیان) بمعنی آنکھ کے لیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

سیدی علی بن وفا فرماتے ہیں:

عِيْسٰى وَآدَمُ وَالصَّدُوْرُ جَمِيْعُهُمْ هُمْ اَعْيُنٌ هُوَ نُوْرُهَا لِمَا وَرَدَ

''حضرت عیسیٰ اور آدم اور تمام سردار یعنی انبیاءؑ علیہم السلام سب آنکھیں ہیں اور آپ ان آنکھوں کا نور ہیں اس لیے کہ یہ ثابت ہے''۔

شیخ ابو محمد عبد الحق بن سبعین جو صاحب الفرج والاخلاص ہیں رقمطراز ہیں کہ آپ اعیان کی آنکھ تعینات (مخلوق) کا بِرّ، اسرار کا کنز و خزانہ اور تجلیات الٰہی کا آئینہ ہیں۔

علامہ شیخ فاسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے اور اولیاء اللہ کا کلام اس پر متفق ہے کہ آپ ﷺ کی خصوصیت تمام مخلوق پر ہے اور اللہ کا راز ارواح مخلوق میں پھیلا ہوا ہے۔ اپنی خوشبو وعنبرین سمیت جو کہ مخلوق کی حیات اور زندگی ہے۔

سیدی عبد النور یعنی شریف عمرانی قدس سرہٗ نے اپنے شیخ ابو العباس صحامی کی معرفت ان کے شیخ ابو عبد اللہ بن سلطان علیہ الرحمہ سے نقل کیا۔

ابو عبد اللہ بن سلطان کا خواب میں سرور عالم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونا

وہ فرماتے ہیں کہ میں خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے عرض کیا

میرے آقا اے اللہ کے رسول آپ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ کی مدد ہیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا میں ملائکہ، انبیاء ومرسلین اور تمام مخلوق کی مدد ہوں اور میں اصل موجوداتِ ومبدأ اور ان کا منتہیٰ ہوں مجھ تک ہی ان کی انتہاء ہے کوئی مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

دوسرا خواب

میں ایک اور بار آقا علیہ السلام کے شرفِ دیدار سے مشرف ہوا تو میری زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ میں آپ کو یوں سلام عرض کروں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَاعَيْنِ الْعُيُوْنِ يَا مَعْدَنَ السِّرِّ الْمَصُوْنِ۔ ''سرداروں کے سردار مخفی راز کی کان آپ پر سلام ہو''۔ اَلْمُتَقَدَّمِ مِنْ نُوْرِ ضِيَائِکَ ''نور اور ضیاً مضاف مضاف الیہ ہیں دونوں ہم معنی اور مترادف ہیں (یہ اضافت بیانیہ ہے) بعض تقویت اور مبالغہ کے لیے یہی معنی قرین قیاس کے زیادہ قریب ہے''۔

یہ احتمال بھی رکھتا ہے کہ اصل کی فرع کی طرف اضافت ہو تو معنی ہوگا نور یعنی ذاتِ نور ضیاً اس کی شعاعیں جو منتشر اور پھیل رہی ہیں۔

امام اشعری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے جو انوار کی طرح نہیں روح نبویہ قدسیہ اللہ کے نور ایک شعاع اور لمعہ ہے اور ملائکہ ان انوار کے چنگارے اور شرارے ہیں۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا سب سے قبل اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اور میرے نور سے تمام مخلوق کو تخلیق کیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس کے ہم معنی ہیں جس واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلی تخلیق بلاواسطہ آپ کی ہوئی۔ یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اسے الٹ دیا جائے یعنی ضیأ نور ک یعنی آپ کے نور کی روشنی۔ واللہ اعلم۔

نسخہ سہیلہ وغیرہا میں واقع ہے۔ اَلْمُتَقَدِّمُ۔ میم کے ساتھ۔ تَقَدَّمَ سے ہے جو کہ تاخر کی ضد ہے اور بعض نسخوں میں اَلْمُتَقَدِّحُ حاء کے ساتھ عبارت موجود ہے یہ صلاۃ مفرد میں واقع ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے جس کا معنی ہے چقماق سے آگ نکالنے والا یا اس کا معنی ہے چلو بھرنے والا اساس (لغت کی کتاب کا نام ہے) قَدَحَ النَّارَ مِنَ الزَّنَدِ وَاِقْتَدَحَهَا۔ اس نے چقماق سے آگ نکالی۔ قَدَحَ الْمَرَقَةَ وَاِقْتَدَحَهَا اِغْتَرَفَهَا بِالْمَقْدَحِ وَالْمَقْدَحَةِ اس نے چمچ سے شوربا نکالا۔ قَدَحَ الْمَآ مِنْ اَسْفَلِ الْبِئْرِ۔ اس نے کنوئیں کی گہرائی سے پانی نکالا۔

انتھیٰ

سوم

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید زین العابدین شاہ جی

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد سوم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائلِ النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ مولانا احمد دین توگیروی چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
	ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد سوم)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ مولانا احمد دین تو گیروی چشتی
تاریخ اشاعت	نومبر 2008ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3000 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر پارے
المتوفی ۵۰۵ھ

جوہر نمبر ۱: احیاء العلوم کی ''کتاب قواعد العقائد'' میں امام موصوف ''اصل عاشر'' کے تحت رقمطراز ہیں۔

اللہ رب العزت نے حضور رسالتمآب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیائے کرام کے آخر میں اس کائنات میں بھیجا۔ آپ کو جہاں یہود ونصاریٰ کو دی جانے والی شریعت کو منسوخ کرنے والا بنا کر ارسال فرمایا وہیں ستاروں کی پوجا کرنے والوں کے مذہب کا بھی ناسخ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالکل واضح اور ظاہر معجزات سے تائید فرمائی، روشن نشانیوں سے آپ کو مضبوط فرمایا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، کنکریوں کا تسبیح کہنا، بے زبانوں کا گفتگو کرنا اور مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹنا انہی معجزات کا حصہ ہیں۔ آپ کے عظیم معجزات میں سے ایک ''قرآن کریم'' بھی ہے، جس نے تمام عرب دنیا (بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں) کو چیلنج کیا کہ مجھ جیسا کلام لاؤ۔ لیکن یہ لوگ تمام تر فصاحت وبلاغت کے ہوتے ہوئے چیلنج کا جواب دینے کی بجائے اس طرف متوجہ ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی قید وبند میں ڈال دیں، آپ کا مال واسباب لوٹیں اور آپ کو شہید کر کے اپنا راستہ صاف کریں۔ یا پھر آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں کی قرآن کریم میں خبر دی ہے۔ قرآن کریم جیسا فصیح وبلیغ کلام کہاں سے اور کیسے لاتے؟ کیونکہ قرآن کریم کے انداز بیان اور موتیوں کی طرح پروئے گئے الفاظ کی مثل لانا انسانی طاقت سے کہیں باہر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب اس میں مذکور پہلی امتوں کے واقعات و حالات پر نظر پڑتی ہے تو اس کی مثل لانا اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ جن پر یہ کتاب نازل کی گئی انہوں نے زندگی بھر کسی انسان سے ایک سطر بھی نہ پڑھی تھی۔ کتابوں کے ساتھ لگاؤ قطعاً نہ تھا۔ ایسے ''اُمّی'' کو دی گئی کتاب کی یہ شان بھی ہے کہ اس میں مستقبل میں ہونے والے واقعات وحقائق من وعن اسی طرح رونما ہوئے جیسے اس کتاب نے بیان کئے۔ مستقبل میں رونما ہونے والے ''امور غیب'' میں سے دو بطور استشہاد یہ ہیں۔

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ مُحَلِّقِيۡنَ

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ (الفتح:27)

''تم لازماً مسجد حرام میں انشاء اللہ بے خوف ہو کر داخل ہو گے۔ تم میں سے بعض نے سر کے بال منڈوائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے چھوٹے کر رکھے ہوں گے''۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾ (روم)

''الٓمّٓ۔ روم مغلوب ہو گیا یعنی اسے شکست ہو گئی۔ قریب زمین میں۔ اور رومی شکست کھانے کے بعد بہت جلد غالب آ کر مخالف کو شکست دیں گے صرف چند سال میں یہ بات ہو جائے گی''۔

ہر رسول سے صادر ہونے والا معجزہ اس کے سچا ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ ''معجزہ'' دلیل صداقت یوں بنتا ہے کہ ہر معجزہ ایسا ہوتا ہے جو انسانی قدرت سے باہر ہوتا ہے اس جیسا کام عام انسان کرنے سے عاجز ہے اور جس کے انجام دینے سے انسان عاجز ہو وہ کام لازماً اللہ رب العزت کا ہوتا ہے۔ جب ایسا ہی کوئی کام کسی پیغمبر سے مقابلۃً سرزد ہوتا ہے۔ تو اس کا سرزد ہونا دراصل اس بات کے قائم مقام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سچے ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں سمجھئے۔ کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو۔ لوگ بھی کافی تعداد میں موجود ہوں اور وہ بادشاہ کی موجودگی میں اعلان کرے۔ لوگو! میں بادشاہ کی طرف سے تمہاری طرف ایلچی بنایا گیا ہوں۔ اب وہ شخص بادشاہ سے عرض کرتا ہے۔ ''بادشاہ سلامت! اگر میں اپنے اعلان میں سچا ہوں۔ تو آپ مہربانی فرما کر اپنے تخت پر کھڑے ہو جائیں۔ تین مرتبہ ایسا کریں۔ اور پھر اپنی عادت کے خلاف تخت پر تشریف فرما ہوں'' بادشاہ نے اس کی بات مان لی۔ اور جو اس نے عرض کیا کر دکھایا۔ تو بادشاہ کے اس طرح کرنے سے وہاں موجود تمام لوگ لازماً یہی سمجھیں گے کہ بادشاہ نے اس اعلان کرنے والے ایلچی کی بات کی تصدیق کر دی۔

جوہر نمبر ۲: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ''صلوٰۃ وسلام'' عرض کرنے کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے مومنو

تم بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو سلام بھیجنا"۔

مروی ہے۔ کہ ایک دن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ کا چہرہ مقدسہ خوشیوں کے پھول بکھیر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بات یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور مجھ سے کہنے لگے۔ اے اللہ کے محبوب! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے۔ اور میں اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجوں؟ اور آپ کا کوئی امتی آپ کو ایک دفعہ سلام عرض کرے اور میں اس پر دس مرتبہ سلام کہوں؟

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ "جس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجی اس پر اسی قدر فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اب صلوٰۃ بھیجنے والے پر ہے کہ وہ تھوڑی تعداد میں بھیجے یا زیادہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ میرے نزدیک سب سے بہتر یا سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ ہوگا۔ جو مجھ پر بکثرت درود شریف بھیجنے والا ہوگا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کے کنجوس ہونے کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ جب اس کے پاس میرا ذکر کیا جائے۔ تو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حامیٔ بیکساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو۔

رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جس نے بھی مجھ پر درود بھیجا۔ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اور دس برائیاں اس سے مٹا دی جاتی ہیں۔

شفیع امت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اذان اور اقامت سنتا ہے اور اس وقت یہ پڑھتا ہے اس کیلئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ وَ اَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَالشَّفَاعَۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

"اے اللہ! اے اس دعوت کاملہ اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! اپنے رسول اور بندۂ خاص جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیج۔ اور انہیں مقام وسیلہ عطا فرما۔ اور فضیلت، بلند درجہ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ ور فرما"۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا۔ اس کیلئے فرشتے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔ جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے"۔

نبی الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ''زمین پر کچھ فرشتے صرف اس کام کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ انہیں کہیں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام بھیجتا ملے پھر وہ اس کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں''۔

اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ اسی وقت میری روح اللہ تعالیٰ میری طرف لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلَی ابْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

مروی ہے۔ کہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد دیکھا۔ کہ آپ رو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ ''یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا! مسجد نبوی میں ایک کھجور کے پرانے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ نے وعظ شریف سنانے کیلئے منبر بنوالیا۔ اس پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ کی جدائی میں اس کھجور کے درخت نے رونا شروع کر دیا۔ وہ اس قدر دردناک آواز سے رویا کہ آپ نے تسلی کی خاطر اپنا دست اقدس اس پر رکھ دیا۔ ہاتھ رکھتے ہی اسے سکون مل گیا۔ یارسول اللہ! آپ کی امت تو اس کھجور کے درخت سے آپ کو کہیں زیادہ عزیز ہے۔ اور جب آپ کی امت کو جدائی نے مغموم کر دیا۔ تو اللہ اس کے سکون کا بھی بندوبست فرمائیے۔ اِس کا اُس سے زیادہ حق ہے''۔

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی فضیلت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقام کہ اس نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جس نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔ (النساء:80)۔

''یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ صدقے! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں آپ کی فضیلت کا یہ مقام کہ اس نے آپ کو اپنی مغفرت کی خبر پہلے دی۔ اور اس کے بعد آپ کے خلاف اولیٰ کام سرزد

ہونے کا ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اللہ نے آپ سے درگزر کیا۔ آپ نے انہیں کیوں اجازت بخشی"۔ (توبہ:43)

"یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر نثار! آپ کی فضیلت کا اللہ رب العزت کے ہاں یہ عالم کہ اس نے آپ کو تمام انبیاء کرام کے آخر میں مبعوث فرمایا۔ لیکن آپ کا ذکر پاک اولین میں کیا۔ اللہ عزو جل فرماتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ الایۃ ۔ اور یاد کرو جب ہم نے تمام انبیاء سے ان کا عہد لیا۔ اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم سے بھی۔" (احزاب:7)

"یارسول اللہ! اللہ رب العزت کے ہاں آپ کی فضیلت اس قدر بلند کہ جہنمی جب گردنوں میں طوق پہنے ہوئے ہوں گے۔ اور عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس قدر سخت مصیبت میں ہوتے ہوئے بھی یہ خواہش کریں گے۔ کہ کاش ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی"۔ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ ہائے افسوس کہ ہم نے بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی بات مانی ہوتی"۔ (احزاب:66)

"یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر جان فدا! اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم کو ایسا پتھر عطا فرمایا تھا جس سے چشمے پھوٹے تھے۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ معجزہ ہے جس میں آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا تھا"۔

"یارسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو ایسی ہوا عطا فرمائی تھی۔ کہ وہ صبح وشام ایک ایک ماہ کی مسافت انہیں طے کرا دیتی تھی۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ براق ہے جس پر آپ سوار ہو کر ساتویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ پھر اسی رات کی صبح کی نماز آپ نے "ابطح" میں ادا فرمائی تھی"۔

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اگر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مردے زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا تھا۔ تو اس سے زیادہ عجیب آپ کا وہ معجزہ ہے۔ جس میں بکری کا بھنا ہوا گوشت آپ سے عرض گزار ہوا۔ کہ مجھے نہ کھائیے۔ میں زہر آلود ہوں"۔

"یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے یہ دعا فرمائی۔ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اے مالک! روئے زمین پر کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ۔ (نوح)۔ اگر آپ نے بھی ہمارے بارے میں اسی قسم کی دعا کی ہوتی۔ تو ہم سب ہلاک ہو گئے ہوتے۔ حالانکہ آپ کی پشت انور کو روندا گیا، آپ کے چہرہ انور کو لہولہان کیا گیا، آپ کے دندان

مبارک توڑے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے صرف اور صرف بہتری کی ہی دعا فرمائی۔

آپ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے۔ وہ واقعی لاعلم ہیں''۔

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ قربان! حضرت نوح علیہ السلام کی طویل عمری اور عرصہ دراز تک تبلیغ سے گنتی کے چند آدمی مسلمان ہوئے۔ لیکن آپ کی عمر شریف بہت کم اور تبلیغی عرصہ قلیل ہونے کے باوجود بکثرت لوگ مشرف باسلام ہوئے''۔

''یارسول اللہ! اگر آپ صرف اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں ہی بیٹھتے۔ تو ہمارے پاس تشریف فرما نہ ہوتے۔ اور اگر آپ اپنی برادری میں شادی بیاہ کرتے تو ہمارے ساتھ ایسا رشتہ آپ نہ کرتے۔ اور اگر صرف اپنے عزیز و اقارب کے پاس خورد و نوش فرماتے۔ تو ہمارے ساتھ ایسا نہ کرتے۔ لیکن آپ نے خدا کی قسم! ہمارے ساتھ نشست و برخاست فرمائی، شادی بیاہ کئے، اون کا لباس زیب تن فرمایا، گدھے پر سواری کی، اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا، زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے کے بعد تواضع کرتے ہوئے اپنی انگلیاں چاٹیں۔ صلی اللہ علیک وسلم۔

کسی کا قول ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ لکھا کرتا تھا۔ اور اس میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک آتا۔ تو میں صرف آپ کی ذات مقدسہ پر ''صلوٰۃ'' لکھا کرتا تھا۔ سلام کے الفاظ نہیں لکھتا تھا۔ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تو کتابت میں مجھ پر ''صلوٰۃ''، مکمل نہیں لکھے گا! اس کے بعد میں جب بھی آپ کا ذکر لکھتا۔ تو ''صلوٰۃ وسلام'' ضرور لکھتا۔

حضرت ابوالحسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ دوران زیارت عرض کیا۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کی بارگاہ عالیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کیا انعام ملا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی تصنیف ''الرسالۃ'' میں آپ کی بارگاہ میں ان الفاظ سے ہدیہ صلوٰۃ وسلام لکھا ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ۔ جب کبھی ذکر کرنے والے اس کا ذکر کرتے ہیں اور غافل اس کے ذکر سے غافل ہیں۔ تب ہی اللہ رب العزت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری طرف سے انہیں یہ انعام دیا گیا ہے کہ کل قیامت کو حساب دہی کیلئے انہیں کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی ان کا حساب لئے بغیر جنت روانہ کر دیا

جائے گا)۔

جوہر نمبر ۳: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''احیاء العلوم'' میں ''الکتاب العاشر'' کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق جلیلہ اور آداب معاشرت کے تحت رقمطراز ہیں۔

''یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم کے ذریعے کتنا عمدہ خلق اور ادب سکھایا''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت گریہ وزاری فرمانے والی شخصیت تھے۔ اور اللہ کریم سے ہر وقت اس بات کا سوال فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! مجھے اچھے آداب اور بہترین اخلاق عطا فرما۔ آپ کی دعا ان کلمات پر مشتمل ہوتی تھی۔ اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خَلْقِيُ وَ خُلُقِيُ۔ اے اللہ! میرا خلق اور میری شخصیت کو خوب سے خوب تر بنا دے۔ آپ ان الفاظ سے بھی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِيُ مُنْکِرَاتِ الْاَخْلَاقِ۔ اے اللہ! برے اخلاق سے مجھے دور رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا کیونکہ اس نے اپنے کرم سے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اُدْعُوْنِيُ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مذکورہ دعاء نبوی کی قبولیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم عطا فرمایا۔ جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ادب'' کی تعلیم دی گئی۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم آپ کا خلق ہے۔

حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوا۔ اور میں نے ان سے حضور ﷺ کے ''اخلاق'' کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ کیسے ہیں؟ فرمانے لگیں۔ کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا۔ پڑھتا ہوں۔ فرمانے لگیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''خلق'' قرآن کریم ہی ہے۔

قرآن کریم نے جو آداب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائے۔ ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف)

''معاف کر دینا اپنی عادت بنا لیجئے اور ہر اچھے کام کا حکم دیا کریں اور جاہلوں سے دور رہیں''۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ۚ (النحل:90)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا قریبی رشتہ داروں کو دینے کا، بے حیائی اور برے

کاموں سے روکنے کا اور سرکشی سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے"۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ (لقمان)

"آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر کیجئے۔ یہ بات بہت اونچے درجہ کا کام ہے"۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ (رعد)

"انہیں معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کو دوست رکھتا ہے"۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ (النور)

"انہیں معاف کر دینا اور درگزر کرنا چاہئے کیا وہ اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے"۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ (حم السجدہ)

"بہترین انداز سے اپنا دفاع کیجئے۔ پھر تم اور تمہارے دشمن باہم شیر و شکر اور مددگار ہو جائیں گے"۔

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ (آل عمران)

"غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ (الحجرات:12)

"ظن و گمان پر مبنی باتوں سے زیادہ تر دور رہا کرو۔ بیشک بعض ظن و گمان "گناہ" ہوتے ہیں۔ اور نہ کسی کے خفیہ عیب تلاش کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی چغلی کھاؤ"۔

غزوہ احد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کئے گئے سر انور زخمی کیا گیا۔ جس سے آپ کے چہرہ انور سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ آپ اسے صاف کرتے ہیں اور زبان سے ارشاد فرماتے ہیں۔" وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ حالانکہ پیغمبر ان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے" اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ یہ معاملہ آپ کے ذمہ نہیں۔ (آل عمران:128)۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی ادب آموزی فرمائی۔ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔ جو ادب واخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

قرآن کریم میں جن آیات میں جو جو آداب مذکور ہیں۔ ان کا اولین مخاطب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تادیب وتہذیب کا منبع ومرکز قرار پائیں۔ پھر آپ کی ذات مقدسہ سے اس کی روشنی تمام مخلوقات کیلئے ہادی وراہنما بنے۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آداب واخلاق براہ راست قرآن کریم سے سیکھے۔ اور باقی سب نے آپ سے ان کی بھیک مانگی۔ اسی حقیقت کو خود خلق عظیم کے پیکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں اس لئے بھیجا گیا تا کہ جس قدر بھی اچھے اخلاق ہیں۔ ان کی تکمیل کروں۔ آپ جب نمونہ اخلاق ہوئے۔ تو مخلوق خدا آپ کے اخلاق حسنہ کی طرف راغب ہوئی۔ تا کہ اس سے جس قدر ہو حصہ لیا جائے۔ ہم نے اس بحث کو ''ریاضۃ النفس وتہذیب الاخلاق'' کے تحت تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق مبارکہ کو کامل ومکمل فرما دیا۔ تو خود ہی اس پر آپ کی تعریف فرما دی۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۞ ۔ یقیناً آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ (القلم)۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ رب کریم کیسی عظمت شان کا مالک ہے اور اس کے احسانات کس قدر مکمل واکمل ہیں۔ اس کے لطف عام اور فضل عظیم کو دیکھو کہ کیسے خود خلق عظیم عطا فرمایا اور پھر خود ہی اس کی تعریف بھی کی۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ذات پاک ہے۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق کریم سے مزین فرمایا۔ اور پھر اس خلق عظیم کی اضافت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دی۔ چنانچہ فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۞ ۔ پھر حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ''اچھے اخلاق'' کو بہت پسند کرتا ہے۔ اور برے اخلاق سے ناراض ہوتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ اس مسلمان پر تعجب اور افسوس ہے کہ جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان بھائی کسی حاجت کے سلسلہ میں آیا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اس کی حاجت پوری کرنے کا اہل نہیں پاتا۔ پھر اس کے ہوتے ہوئے اگر وہ ثواب کا امیدوار نہ بھی اور سزا سے خوف نہ بھی رکھتا ہو تو بھی اسے چاہئے تھا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا۔ کیونکہ خوش خلقی نجات کے راستہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ نے یہ بات کہی۔ تو آپ سے کسی نے پوچھا۔ کیا آپ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے سنی ہے؟ فرمایا۔ ہاں یہ بھی

اور اس سے بھی زیادہ بہتر بات میں نے سن رکھی ہے۔ وہ یہ ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ''قبیلہ طی'' کے قیدی حاضر کئے گئے تو ان میں سے ایک نوجوان عورت کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سمجھتی اور خیال عرض کرتی ہوں کہ آپ مجھے رہا فرما دیں۔ اور میری گرفتاری کی وجہ سے عرب قبائل میں اپنی ساکھ خراب نہ فرمائیں۔ میں اپنی قوم کے سردار کی دختر ہوں۔ میرے ابا جان غریب لوگوں کے حامی تھے، غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنا ان کا شیوہ تھا، بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلانا ان کی عادت تھی، کھانے کی عام دعوت اور ہر ایک کو سلام دینے کا معمول تھا۔ کبھی کسی ضرورتمند کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا۔ اے لڑکی! تو نے اپنے باپ کے بارے میں جو بیان کیا۔ وہ تو مومن کی صفات ہیں۔ اگر تمہارا والد مسلمان ہوتا تو ہم اس کیلئے ضرور دعائے رحمت کرتے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس لڑکی کو آزاد کر دو۔ کیونکہ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو اچھے اخلاق کو دوست رکھتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ اس پر حضرت ابو بردۃ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا واقعی اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے۔ جنت میں اگر داخلہ ہوگا تو صرف اچھے اخلاق کی بناء پر ہی ہوگا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی اسلام کو اچھے اخلاق میں چھپا رکھا ہے۔ اور اچھے اعمال کی اس پر چادر تان دی ہے۔ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ میں سے چند یہ ہیں۔ لوگوں سے اچھا سلوک، کرم و سخاوت کی عادت، نرم دل ہونا، اچھائی برتنا، کھانا کھلانا، سلام بکثرت کرنا، بیمار کی عیادت خواہ وہ نیک ہو یا برا، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنا، اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک کرنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، کھانے کی دعوت قبول کرنا، کھاتے وقت کھانے پر اللہ کو یاد کرنا، لوگوں کی غلطیاں معاف کرنا، لوگوں کے درمیان ناچاقی مٹانے کی کوشش کرنا، جود وسخاوت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا، سلام کرنے میں پہل کرنا، غصہ پی جانا، درگزر کرنا، اسلام نے جن اشیاء کو لہو ولعب کہا ان سے اجتناب کرنا، ہر قسم کے حرام ساز اور باجے وغیرہ سے بچنا، ہر ظالم اور عیبی سے دور رہنا، غیبت، جھوٹ، بخل، طمع، لالچ، مکر، دھوکہ اور چغلی کھانے سے اجتناب کرنا، انسانوں کے مابین دشمنی کی حوصلہ افزائی اور قطع رحمی سے بچنا، بد خلقی، تکبر، فخر، حیلہ گری، بے حیائی، حسد، بغض، بدشگونی، بغاوت، زیادتی نہ کرنا اور

کسی پر ظلم نہ کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہر اچھی نصیحت کی طرف ہمیں بلایا۔ اس کے اپنانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور ہر قسم کے دھوکہ، فریب اور عیب سے ہمیں ڈرایا۔ اور اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ اس موضوع پر اگر یہی آیت ہوتی تو بھی کافی تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الایۃ (النحل:16) (پہلے مع ترجمہ مذکور ہو چکی ہے)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اے معاذ! میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، سچی بات کہنے، وعدہ کو نبھانے، امانت کو واپس لوٹانے، خیانت کو چھوڑنے، پڑوسی کی حفاظت کرنے، یتیم پر رحم کرنے، کلام میں نرمی اختیار کرنے، سلام پھیلانے، عمل اچھے کرنے، امیدوں کو مختصر کرنے، ایمان پر پختہ رہنے، قرآن کریم میں خوب سوچ و بچار کر کے سمجھنے، آخرت کی محبت، حساب سے ڈرنے اور اپنے اندر نرمی پیدا کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں یہ بھی تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی صاحب حکمت کو برا بھلا کہنے، سچے کو جھٹلانے، نافرمان کی اطاعت کرنے، عادل امام کی نافرمانی کرنے، زمین میں فساد پھیلانے سے ہر ممکن طریقہ سے بچنا۔ میں تجھے اس امر کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ کہ ہر درخت، پتھر اور مٹی کے ڈھیلہ کے قریب ہوتے ہوئے تمہارے اندر خوف خدا ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی کہ جیسا گناہ ہو ویسی توبہ کرو۔ اگر گناہ لوگوں سے چھپ کر ہوا تو توبہ بھی پوشیدہ اور اگر اعلانیہ ہوا تو توبہ بھی اعلانیہ کرو۔ یہ تھا ایک نمونہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کیسے آداب سکھائے۔ اور بہترین اخلاق کی طرف انہیں دعوت دی۔

صاحب خلق عظیم ﷺ کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک

فرمایا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں میں سے سب سے زیادہ صاحب حلم، بہادر، عادل اور معاف کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لونڈی، اپنی منکوحہ (بیوی) اور محرم عورت کے علاوہ کسی دوسری عورت کو کبھی بھی اپنے دست اقدس سے چھوا نہیں۔ آپ تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے۔ دینار و درہم کو کبھی آپ کے در دولت میں رات بسر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر ان میں سے دو چار دن بھر خیرات کرنے سے بچ جاتے۔ اور کوئی صاحب حاجت نہ پاتے۔ اور رات آجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک انہیں ان کے محتاجوں میں بانٹ نہ دیتے، اپنے بستر پر آرام کرنے کیلئے اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے سے

صرف اسی قدر اپنے پاس رکھتے جو سال بھر کی ضرورت پوری کرتا ہو۔لیکن اس کیلئے بھی آپ ایسی اشیاء رکھتے جو بآسانی دستیاب ہو جاتیں۔مثلاً کھجوریں، جو وغیرہ۔باقی سب فی سبیل اللہ خرچ فرمادیتے۔ آپ کی عادت کریمہ تھی۔کہ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتے تھے۔اسے کچھ نہ کچھ دربار نبوی سے عطا ہو ہی جاتا تھا۔اگر ضرورت مندوں کی خاطر رکھے گئے مال وطعام میں سے کچھ باقی نہ بچتا اور کوئی محتاج بارگاہ اقدس میں سوال کرتا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خرچہ کیلئے رکھے گئے طعام میں سے عطا فرمادیتے۔اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا۔کہ سال ابھی مکمل نہ ہوتا۔کہ آپ کے دردولت میں اپنے لئے رکھا ہوا مال وطعام ختم ہو جاتا۔حالانکہ آپ کے اہل خانہ کو بھی ضرورت ہوتی۔آپ کے ایثار کی یہ ایک ادنیٰ جھلک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست اقدس سے اپنے نعلین کو گانٹھ لیا کرتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیا کرتے تھے اور اپنے گھر کے کام کاج میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ گوشت کاٹنے میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔شرم وحیا میں بے مثل تھے۔کسی کے چہرہ پر نظریں جما کر نہیں دیکھتے تھے۔آزاد ہو یا غلام ہر ایک کی دعوت قبول فرماتے اگر چہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہوتی۔پھر ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ بدلہ میں ضرور عطا فرماتے۔ہدیہ تناول فرمالیتے لیکن صدقہ کا مال کھانے سے اجتناب فرماتے۔کسی لونڈی یا مسکین کے بلاوے سے از روئے تکبر منہ نہ موڑتے۔اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ صرف رب کی خاطر کسی پر غصہ کھاتے۔حق وصداقت کا علم بلند رکھتے خواہ اس کی پاداش میں خود آپ کو یا آپ کے صحابہ کو تکلیف اٹھانا پڑتی۔

آپ سے ایک مرتبہ بعض مشرکین نے بعض کے خلاف مدد طلب کی۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اشد ضرورت تھی۔کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔حتیٰ کہ ایک آدمی کا بھی مشرف باسلام ہو جانا بہت مفید تھا۔لیکن اس کے باوجود آپ نے انکار فرمادیا۔اور فرمایا۔ مجھے کسی مشرک کی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحب فضل اور بہترین صحابہ کے درمیان ایک یہودی مرا ہوا دیکھا۔آپ نے اُن یہودیوں سے کوئی ناانصافی نہ فرمائی۔اور نہ ہی حق سے بال برابر تجاوز کیا۔بلکہ آپ نے سو اونٹنیاں بطور دیت ادا کر دیں۔حالانکہ اس وقت آپ کے صحابہ کو ایک ایک اونٹ کی اشد ضرورت تھی۔تاکہ اس کے ذریعہ اپنا تحفظ کرتے۔

سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک کی حالت میں اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ لیتے، کھانے

میں جوملتا تناول فرما لیتے۔کبھی کھانے کی اشیاء کو واپس نہیں کیا۔حلال کھانا کھانے سے کبھی منہ نہ موڑا۔ اگر روٹی کے بغیر کھجوریں مل جاتیں۔تو بھی تناول فرما لیتے اور اگر گندم یا جو کی روٹی ہوتی تو اس کے کھانے سے انکار نہ فرماتے۔شہد اور سرکہ جوملتا کھا لیتے۔اگر روٹی کے بغیر دودھ ملتا تو اسے نوش فرما لیتے۔اگر خربوزہ یا کھجور ملتی تو بھی کھا لیتے۔ٹیک لگا کر نہ کھاتے۔دستر خوان پر کھانا چن کر کھانے کا تکلف نہ فرماتے۔ہاتھ صاف کرنے کیلئے ہتھیلی سے کام لیتے۔گندم کی روٹی تین دن متواتر سیر ہو کر تناول نہ فرمائی۔حتیٰ کہ اسی حالت پر آپ کا وصال ہو گیا۔لیکن آپ کا ایسا کرنا فقر و بخل کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ ہمیشہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے۔ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے۔بیماروں کی عیادت فرماتے، جنازوں میں حاضر ہوتے اپنے دشمنوں کے درمیان کسی محافظ کے بغیر تنہا چلے جاتے۔تواضع میں سب سے زیادہ پرسکون شخصیت کے مالک تھے۔تکبر کی بو تک نہ تھی۔کلام بالکل مختصر اور بلاغت سے بھرپور ہوتا۔خوبصورتی میں بے مثل تھے۔دنیوی کوئی کام آپ کو خوف زدہ نہ کر سکتا۔جوملتا زیب تن فرما لیتے۔کبھی عام چادر، کبھی یمنی چادر اور کبھی اون کا جبہ زیب تن کیا ہوتا۔جو مباح لباس پاتے پہن لیتے۔ آپ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں ڈالتے۔کبھی بائیں ہاتھ کی اسی انگلی میں پہنتے۔سواری پر اپنے پیچھے غلام وغیرہ کو بٹھا لیتے۔جو سواری ملتی اسی پر سوار ہو جاتے۔کبھی گھوڑا، کبھی اونٹ، کبھی شہباء نامی خچر اور کبھی گدھا بطور سواری ہوتا۔کبھی ننگے پاؤں چلتے کہ نہ چادر تن اقدس پر ہوتی اور نہ ہی پگڑی اور ٹوپی سر پر ہوتی۔شہر کے اگرچہ دوسرے کنارے پر کوئی بیمار ہوتا تو اس کے ہاں تشریف لے جا کر بیمار پرسی کرتے۔خوشبو بہت پسند تھی۔ردی اور تعفن والی بو سے کراہت فرماتے۔فقیروں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھتے۔مسکینوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔اہل فضل حضرات کے اخلاق کی عزت کرتے۔اور شریف لوگوں کے ساتھ نیکی کر کے اظہار الفت فرماتے۔اپنے ذی رحم حضرات سے تعلق قائم رکھتے۔لیکن یہ نہ ہوتا کہ ان کو دوسرے صاحب فضل لوگوں پر ہر اعتبار سے ترجیح دیتے۔کسی پر کبھی جفا نہ کی۔جو معذرت کرتا اس کا عذر قبول فرما لیتے۔کبھی کبھار مزاح فرماتے۔لیکن مزاح میں کبھی حق کا دامن نہ چھوڑتے۔ ہنستے ضرور لیکن قہقہہ نہ لگاتے۔اگر مباح کھیل دیکھتے تو اس کے دیکھنے سے نہ روکتے۔اپنی ازواج سے بعض دفعہ دوڑنے میں مقابلہ کرتے۔اگر آپ پر کوئی آوازہ کستا تو صبر کرتے۔

آپ کے پاس دودھ کیلئے اونٹنی اور بکریاں ہوتیں۔ان کے دودھ سے اپنی اور اہل خانہ کی روزی کا انتظام فرماتے۔آپ کے غلام اور لونڈیاں بھی تھیں۔لیکن کھانے پینے اور لباس میں ان میں اور اپنے میں کوئی فرق نہ کرتے۔آپ کا ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر نہ گزرتا۔خواہ اپنی ضروریات

میں صرف کرتے۔ اپنے صحابہ کے باغات کی طرف تشریف لے جاتے۔ کسی غریب و مسکین کی طرف بوجہ اس کی غربت کے حقارت سے نہ دیکھتے۔ کسی کی مملوکہ چیز کو اپنی ملک میں (بلا وجہ شرعی) لانے کا ارادہ نہ فرماتے۔ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ اس دعوت میں امتیاز نہ برتتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ میں سیرت فاضلہ اور سیاست تامہ کو جمع فرما دیا۔ آپ امی تھے۔ نہ کسی سے پڑھے اور نہ ہی لکھے۔ جہالت کے دور میں تشریف لائے۔ جہلاء کے شہر اور صحراء میں پرورش پائی۔ کوئی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ نہ تھا۔ بچپن میں بکریاں چرائیں۔ دنیا میں تشریف لانے سے قبل ہی والد گرامی کا وصال ہونے کی وجہ سے یتیم ہو گئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا بھی وصال ہو گیا۔ ایسی بظاہر کسمپرسی اور غربت و فقر کی زندگی بسر کرنے والے دریتیم کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر اچھے اخلاق ہو سکتے تھے، سبھی سے مزین فرمایا۔ اور جتنے بھی قابل تعریف کام ہو سکتے ان سے متصف فرمایا اور اولین و آخرین کی خبروں کا عالم بنایا۔ اور ہر وہ بات عطا فرمائی جو اُخروی نجات و کامیابی کی ضامن ہے۔ اور دنیوی طور پر قابل رشک اور خلوص سے بھرپور ہے۔ ضروری اور واجب اعمال کا آپ کو پابند بنا دیا۔ اور فضول باتوں اور کاموں سے آپ کو دور رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا مطیع بنائے۔ اور آپ کے افعال مبارکہ کو اپنے افعال کی بنیاد بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آپ ﷺ کے آداب و اخلاق کا ایک گلدستہ

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مومن کو معمولی سے تکلیف دہ الفاظ کہے۔ تو لازماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بدلہ چکایا۔ اس کیلئے دعائے رحمت فرمائی۔ کبھی بھی آپ نے اپنی ازواج یا کسی دوسری عورت پر لعن طعن نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی خادم سے ایسا برتاؤ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے دوران درخواست کی گئی۔ یارسول اللہ! آپ ان کفار پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ میں تو مجسمہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لعنت کرنے والا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب کبھی آپ سے درخواست کی جاتی کہ کسی مسلمان یا کافر، خواہ وہ عام ہو یا خاص، کے لئے بددعا کریں۔ تو آپ اس درخواست کے جواب میں اس کیلئے بددعا کی جگہ دعا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اگر کسی کو مارا بھی تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر۔ اور آپ سے اگر کسی نے کیسا ہی برا سلوک کیوں نہ کیا ہو، اس سے آپ نے کبھی انتقام نہ لیا۔ ہاں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عزت سے کھیلا تو اس سے انتقام لیتے۔ اور آپ کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کے کرنے

کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے وہ کام کرتے جو زیادہ آسان ہوتا۔ ہاں اگر اس کے کرنے سے گناہ ہوتا یا قطع رحمی ہوتی تو آپ اس کے کرنے سے عام لوگوں کی بہ نسبت کوسوں دور رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار عالیہ میں کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی آتے۔ تو آپ بنفس نفیس اس کے ساتھ کام میں شریک ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے اس رب ذوالجلال کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ نے مجھے ایسے گھر کے کام میں جسے آپ پسند نہ کرتے ہوں۔ کبھی یہ نہیں فرمایا: تو نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے مجھے کبھی ایسے کام پر ڈانٹ پلائی۔ ہاں اگر کچھ ارشاد فرماتے تو یہی کہ اسے چھوڑ دو۔ ایسا ہونا تقدیر میں لکھا تھا۔ سو ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیٹنے کیلئے کبھی عیب نہ نکالا۔ اگر آپ کے آرام کیلئے کچھ بچھا دیا جاتا تو اس پر ورنہ زمین پر ہی آرام فرما لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف سطر اول میں بیان فرمائے۔ حالانکہ ابھی آپ کی بعثت مبارکہ بہت بعد میں ہونی تھی۔ ارشاد فرمایا جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول اللہ ہیں۔ میرے صاحب اختیار خاص بندے ہیں۔ وہ نہ تو جھگڑالو طبیعت والے اور نہ ہی سخت گیر ہیں۔ بازار میں شور مچانے والے نہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے نہیں۔ بلکہ معاف کرنے والے ہیں۔ درگزر کرنے والے ہیں۔ ان کی ولادت باسعادت مکہ میں ہوگی اور مقام ہجرت مدینہ طیبہ ہوگا۔ ان کا ملک ''شام'' ہوگا۔ آپ اور آپ کے اصحاب تہبند کمر پر باندھیں گے۔ قرآن اور علم رعایت کرنے والے ہیں۔ اور اطراف (دونوں ہاتھ، منہ، پاؤں) کا وضو کرنے والے ہیں۔ اسی کی مانند اللہ تعالیٰ نے آپ کی نعت انجیل میں بھی ذکر کی۔

آپ کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہوتی تو سلام کہنے میں آپ ابتداء فرماتے۔ اور جو شخص آپ کو اپنی کسی ضرورت کی خاطر روکتا۔ تو اس وقت تک نہ جاتے جب تک روکنے والا خود نہ جاتا۔ اس قیام کو صبر سے برداشت فرماتے۔ کسی نے اگر آپ کا ہاتھ (مصافحہ کرتے ہوئے) پکڑا۔ تو اس وقت تک نہ چھوڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔ صحابہ کرام سے بوقت ملاقات مصافحہ کرنے میں ابتداء فرماتے۔ پھر مصافحہ کی حالت انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر ذرا دباتے۔ اور قبضہ مضبوط کر لیتے۔ آپ کھڑے ہوتے یا بیٹھتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ورد زبان ہوتا۔ اگر کوئی شخص آپ سے ملاقات کی خاطر آتا۔ اور آپ اس وقت نماز ادا کرنے میں مصروف ہوتے تو نماز کو مختصر کر کے ادا

فرماتے۔ اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ پوچھتے کیا کسی ضرورت کیلئے آئے ہو؟ اگر ضرورت و حاجت کا اظہار کرتا تو پہلے اسے پورا فرماتے۔ پھر بقیہ نماز ادا فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹھنا اکثر ایسے ہوتا کہ دونوں زانوں کھڑے رکھتے۔ اور دونوں ہاتھ رانوں کے ارد گرد گھیرا بنا لیتے۔ آپ کا بیٹھنا جب صحابہ کرام میں ہوتا۔ تو بیٹھنے میں کوئی امتیازی حالت نہ ہوتی۔ کیونکہ آپ وہاں تشریف فرما ہوا کرتے جہاں مجلس کا اختتام ہوتا۔ صحابہ کرام کے درمیان بیٹھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی پاؤں پسار کر نہ بیٹھتے جس سے قریب کے دو صحابہ کو دشواری پیش آجاتی۔ ہاں اگر جگہ بہت کشادہ ہوتی اور کسی کی تنگی کا معاملہ نہ ہوتا تو بعض دفعہ پاؤں پسار لیتے۔ آپ کی اکثر بیٹھک قبلہ رو ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پہ جو بھی آتا۔ اس کی خاطر خواہ تواضع کرتے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آنے والے کی آپ سے کوئی رشتہ داری اور رضاعت نہ ہوتی۔ اس کے باوجود اس کی تواضع کی خاطر اپنی چادر بچھا دیتے۔ اسے اس پر بٹھاتے۔ آپ آنے والے کو اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے۔ اگر وہ اس کے لینے سے انکار کرتا۔ تو آپ اس کے لینے پر اصرار فرماتے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لیکر ٹیک لگا لیتا۔ مجلس میں حاضر ہونے والا ہر شخص یہی گمان کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ آپ کا طریقہ تھا کہ حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف متوجہ ہوتے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی مجلس، آپ کا کچھ ارشاد فرمانا، حاضرین کا سننا اور توجہ مکمل یکسوئی کے ساتھ سرانجام ہوتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کی مجلس تواضع، حیاء اور امانت کی تصویر ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کی برکت سے آپ ان کیلئے نرم دل ہیں۔ اور اگر آپ جھگڑالو اور سخت دل ہوتے تو آپ کے آس پاس سے یہ لوگ بھاگ جاتے (آل عمران: 159)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو ان کی کنیتوں سے از روئے اکرام بلاتے۔ اس طریقے سے ان کے دل آپ کی طرف مائل ہوتے اور جن کی کنیت نہ ہوتی۔ ان کی کنیت ارشاد فرماتے پھر جو کنیت آپ نے عطا فرمائی ہوتی اسی سے آواز دیتے۔ آپ عورتوں کی بھی کنیت رکھا کرتے خواہ وہ اولاد والی ہوتیں یا اولاد کے بغیر۔ انہیں بھی کنیت سے ہی بلاتے۔ حتیٰ کہ بچوں کی کنیت رکھتے۔ جس سے ان کے دل تسلی پاتے۔ غضب کے اعتبار سے آپ عام انسانوں سے کوسوں دور تھے اور رضا میں آپ سے زیادہ جلد باز کوئی نہ تھا۔ لوگوں پر مہربان ہونے میں آپ کا ثانی نہ تھا۔ اور بہترین انسان ہونے میں

بے مثل تھے۔ آپ سے بڑھ کر انسان و انسانیت کو نفع دینے والا اور کوئی نہ ہوا نہ ہوگا۔ آپ کی مجلس مبارک میں آوازوں کی بلندی کا نام تک نہ ہوتا۔ اختتام مجلس پر جب آپ کھڑے ہوتے تو یہ الفاظ پڑھتے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ پھر فرماتے۔ یہ کلمات مجھے جبرئیل علیہ السلام نے بتائے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اور ہنسی کا تذکرہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از روئے گفتگو تمام انسانوں سے زیادہ فصیح اور کلام میں سب سے زیادہ میٹھا کلام فرمانے والے ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔ ''میں عرب میں سے فصیح ترین ہوں''، جنتی جنت میں جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان بولیں گے۔

آپ کا کلام نہایت موزوں ہوتا۔ گفتگو بڑی دھیمی ہوتی۔ جب بولتے تو قطعاً فضول اور غلط بات نہ کہتے۔ یوں سمجھئے کہ آپ کی باتیں موتیوں کی مالا تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ عام لوگوں کی طرح آپ کا کلام بے ڈھنگا نہ ہوتا۔ بلکہ جامع مانع ہوتا۔ تم لوگ تو گفتگو کرتے وقت ادھر ادھر کی ہانک لیتے ہو۔ علماء فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی گفتگو نہایت مختصر ہوتی۔ یہی پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل علیہ السلام نے دیا تھا۔ باوجود اختصار کے آپ جو کچھ اظہار خیال فرماتے۔ وہ ہر اعتبار سے مکمل ہوتا۔ ''جوامع الکلم'' آپ کے کلام کی صفت ہے۔ نہ فضول اور نہ ہی مطلب ادا کرنے سے قاصر، یوں معلوم ہوتا کہ ایک لفظ دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ بات کرتے تو درمیان میں وقفہ کر لیتے جس کی وجہ سے سننے والا اچھی طرح سن لیتا اور اسے ذہن نشین کر لیتا۔

آپ کی آواز بلند تھی۔ تمام لوگوں سے سریلی تھی۔ عام طور پر خاموش رہتے۔ بلاضرورت کلام نہ فرماتے۔ اور نازیبا بات چیت سے اجتناب فرماتے۔ خوشی اور غصہ کی حالت میں بھی زبان پر کلمہ حق ہی جاری ہوتا۔ جو شخص بھدا کلام کرتا اس سے باحسن طریقہ کنارہ کش ہو جاتے۔ اور ناپسندیدہ الفاظ اگر بوجہ مجبوری ادا کرنا پڑتے تو اشارے کنائے سے کہہ دیتے۔ آپ جب گفتگو کر کے فارغ ہو جاتے۔ تو قریب بیٹھنے والے سے اس وقت اپنی گفتگو شروع کرتے۔ آپ کی بارگاہ میں بات چیت میں جھگڑا نہ ہوتا۔ بڑی جانفشانی سے وعظ و نصیحت فرماتے۔ فرمایا کرتے۔ ''قرآن کے بعض کو بعض پر مت مارو'' (یعنی اس کی قراءۃ میں ایک دوسرے کو غلط نہ کہو) کیونکہ یہ مختلف وجوہ قراءۃ پر نازل کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مقدسہ حضرات صحابہ کرام کے سامنے ہر وقت کھلا رہتا۔ تبسم کی حالت ہر وقت ہوتی۔ اور کبھی آواز سے بھی ہنس دیتے۔ صحابہ کرام کوئی عجیب خبر یا واقعہ عرض کرتے تو

آپ مسکرا دیتے۔ جس سے ان کے دل آپ کو اپنا ہم نوا و خیر خواہ سمجھتے۔ بعض دفعہ تو اتنا ہنستے کہ شروع کی داڑھیں نظر آ جاتیں۔ صحابہ کرام بھی آپ کی اقتداء کرتے ہوئے آپ کی موجودگی میں مسکراتے رہتے۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر سمجھتے۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک اعرابی ایک دن بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پاک کسی امر کی وجہ سے متغیر تھا (یعنی ناراض تھے) حضرات صحابہ کرام اس حالت میں آپ سے گفتگو کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے اعرابی نے آپ سے کوئی بات دریافت کرنا چاہی۔ صحابہ کرام نے اسے اس سے روکا۔ اور کہا۔ اے اعرابی۔ ہم آپ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر دیکھ رہے ہیں۔ اس حالت میں گفتگو نہ کرو۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں۔ کہہ کر دم لونگا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دیکر نبی بنا کر بھیجا۔ میں اس وقت تک آپ سے گفتگو کرتا رہوں گا جب تک آپ مسکراتے نہیں۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! ہمیں یہ خبر ملی ہے۔ کہ دجال جب آئے گا۔ تو اس کے پاس شوربے میں ڈوبی ہوئی روٹی ہوگی۔ لوگ بھوک کی شدت سے مر رہے ہوں گے۔ آپ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان! کہ میں اس کی روٹی کھانے سے بچوں۔ اور اپنی پاکدامنی قائم رکھوں۔ حتیٰ کہ بھوکا رہ کر مر جاؤں۔ یا اس کی روٹی پر ٹوٹ پڑوں۔ اور اس قدر کھاؤں۔ کہ میری پسلیاں باہر نکل آئیں۔ اور جب خوب سیر ہو چکوں۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہونے کا اعلان کر دوں۔ اور اس کو ماننے سے انکار کر دوں؟ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ اعرابی کی یہ بات سن کر حضور ﷺ اس قدر ہنسے کہ آپ کی ابتدائی ڈاڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ پھر آپ نے اعرابی کو کہا۔ نہ کھانا۔ تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ایسی چیز سے بے پروا کر دے گا۔ جس سے وہ دوسرے مسلمانوں کو بے پروا کرے گا۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین اوقات کے علاوہ ہر وقت مسکراتے رہتے۔ ایک اس وقت جب قرآن کریم نازل ہو رہا ہوتا۔ دوسرا جبکہ آپ قیامت کا تذکرہ فرماتے اور تیسرا جب وعظ و نصیحت کیلئے خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش اور راضی ہوتے۔ تو آپ کی خوشی اور رضا مندی تمام انسانوں سے زیادہ حسین ہوتی۔ اگر وعظ و نصیحت فرماتے تو خوب کوشش سے فرماتے۔ آپ کا غصہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا اور یہ غصہ ایسا ہوتا۔ کہ کوئی چیز اسے ٹھنڈا نہ کر سکتی۔ آپ کی عادت کریمہ ہر کام میں ایسی ہی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی پریشانی اور تکلیف سے دوچار ہوتے۔ تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھ کر برأت کا اظہار فرماتے۔ اللہ تعالیٰ سے ترقیٔ ہدایت کی دعا یوں فرماتے۔ اے اللہ! مجھے حق کو حق کی صورت میں دکھا تاکہ میں اس کی اتباع کروں، قابل نفرت کام کو اس کی اصلی حالت میں دکھا اور اس سے بچنے کی ہمت عطا فرما۔ اس بات سے مجھے پناہ میں رکھ کہ کسی بات کے بارے میں میں شبہ میں رہ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑوں۔ یہ تیری ہدایت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میری خواہشات کو تو اپنی اطاعت کے تحت کردے۔ اور عافیت میں میری خوشی کی بجائے اپنی خوشنودی عطا فرما۔ ایسی رہنمائی فرما کہ جس سے حق کی طرف سے کسی دوسری طرف توجہ نہ رہے۔ یہ تیرے ہی اذن سے ہوگا۔ بیشک تو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔

کھانے میں اخلاق وآداب نبوی کا ایک گوشہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ملتا تناول فرما لیتے۔ آپ کو سب سے زیادہ پسند وہ کھانا ہوتا جسے بہت سے لوگ مل کر کھاتے۔ جب دسترخوان چنا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَشْكُوْرَةً تَصِلُ بِهَا نِعْمَةُ الْجَنَّةِ۔ اے اللہ! اس کھانے کو نعمت مشکورہ بنا جس سے جنت کی نعمت ملے۔ کھاتے وقت آپ اکثر التحیات کی طرح بیٹھتے۔ لیکن فرق یہ ہوتا کہ اس حالت میں بیٹھتے وقت آپ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر اور ایک گھٹنے کو دوسرے گھٹنے پر رکھتے۔ اور فرماتے۔ میں اللہ تعالیٰ کا عبد ہوں جیسے عبد کھاتے ہیں ویسے ہی میں بھی کھاتا ہوں اور جیسے وہ بیٹھتے ہیں میں بھی بیٹھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرم گرم کھانا نہ تناول فرماتے۔ اور اس بارے میں فرماتے کہ گرم کھانا میں برکت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ کھانے کو نہیں دی۔ تم کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ اپنے سامنے سے کھاتے اور تین انگلیوں سے کھاتے۔ بعض دفعہ چوتھی انگلی سے بھی مدد لے لیتے۔ لیکن دو انگلیوں سے تناول نہ فرماتے۔ اور فرماتے کہ یہ شیطان کا کھانا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فالودہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور پوچھا اے ابو عبداللہ! یہ کیا ہے؟ حضرت عثمان نے عرض کیا۔ ہم گھی اور شہد کو پتھر کی ہنڈیا میں ڈال کر اسے آگ پر رکھتے ہیں۔ جب اسے جوش آجاتا ہے تو اس میں پسی ہوئی گندم ڈالتے ہیں۔ پھر اس مرکب کو خوب ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پک کر تیار ہو جائے۔ پھر وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کھانا بہت ستھرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چھنے جو کی روٹی کھاتے۔ کبھی کھجوروں کے ساتھ ککڑی کھاتے۔ اور کبھی ککڑی نمک لگا کر استعمال

فرماتے۔ تر پھلوں میں سے ککڑی اور انگور آپ کے پسندیدہ پھل تھے۔ ککڑی کو روٹی اور شکر کے ساتھ بھی کھاتے۔ کھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو استعمال فرماتے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور ان سے نکلی گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں محفوظ کرتے جاتے تھے۔ آپ کا گزر ایک بکری کے قریب سے ہوا تو آپ نے اسے گٹھلیاں دکھائیں۔ وہ آگے بڑھی اور انہیں آپ کے بائیں ہاتھ سے کھانے لگی۔ آپ دائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ جب ختم کر چکے۔ تو بکری بھی لوٹ گئی۔ کبھی کبھار انگور گچھے میں لگے کھاتے جس سے نکلا ہوا رس بعض دفعہ آپ کی داڑھی شریف پر گر جاتا اور یوں لگتا کہ موتی لٹک رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر خوراک پانی اور کھجور ہوتی۔ دودھ اور کھجوریں ملا کر تناول فرماتے۔ اور ان دونوں کو ''الطیبین'' کہتے۔ پسندیدہ طعام، گوشت تھا۔ فرماتے کہ گوشت قوت سماعت بڑھاتا ہے۔ اور یہ (گوشت) دنیا و آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھانے کو عطا فرمائے۔ تو وہ میری دعا قبول فرماتا۔ آپ گوشت اور کدو کے سالن میں روٹی بھگو کر تناول فرماتے۔ آپ کو کدو بہت پسند تھا۔ فرمایا کرتے۔ کہ کدو میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کی بیل ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ میں جب ہنڈیا پکاتی تو ارشاد فرماتے۔ اے عائشہ! اس میں کدو زیادہ ڈال لیا کرو۔ کیونکہ یہ مغموم دل کا غم دور کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکار کئے گئے جانور کا گوشت بھی تناول فرما لیتے۔ خود نہ شکار کے پیچھے بھاگتے اور نہ شکار کرتے۔ بلکہ یہ پسند فرماتے کہ کوئی دوسرا آپ کی خاطر شکار کرے اور آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ اس طریقہ سے لائے گئے شکار کا گوشت آپ کھا لیا کرتے۔ گوشت کھاتے وقت اپنا سر انور گوشت کی طرف نہ جھکاتے۔ بلکہ اسے اٹھا کر منہ کے قریب لا کر دانتوں سے نوچ کر تناول فرماتے۔ روٹی اور گھی بھی کھا لیتے۔ بکری کے گوشت میں سے ''پائے'' سبزی میں سے ''کدو'' سالن میں سے ''سرکہ'' اور کھجوروں میں سے ''عجوہ'' محبوب تھے۔ عجوہ کھجور کیلئے آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ یہ جنت کی چیز ہے۔ زہر اور جادو کیلئے شفا ہے۔ سبزیوں میں آپ کو کاسنی، بینگن اور خرفہ کا ساگ پسند تھا۔ گردے سے کراہت تھی کیونکہ پیشاب کا ان سے تعلق ہوتا ہے۔ بکرے میں سے سات اشیاء نہیں کھایا کرتے تھے۔ ذکر (پیشاب کی نالی) کپورے، مثانہ، پتا، انتڑیاں، خون اور غدود۔ انہیں ناپسند فرماتے۔

لہسن، پیاز اور گندنا (لہسن یا پیاز کے مشابہ بدبودار چیز ہے) نہ کھاتے۔ کبھی کسی کھانے کی مذمت

نہیں کی۔ اگر پسند کا ہوا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ اگر کسی کھانے سے روگردانی فرماتے تو دوسرے کے کھانے پر ناراضگی نہ فرماتے۔ گوہ اور تلی سے دور رہتے۔ لیکن انہیں حرام نہ کہتے۔ اپنی انگلیوں سے پیالی کو صاف کرتے۔ اور فرماتے۔ کہ کھانے کے آخری حصہ میں برکت بکثرت ہوتی ہے۔ کھانے سے فراغت پر اپنی انگلیوں کو اس قدر چاٹتے کہ سرخ ہو جاتیں۔ ایک ایک انگلی چاٹتے، چاٹنے سے قبل رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف نہ فرماتے۔ ارشاد فرمایا۔ کیا خبر کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو۔ جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ فَاَشْبَعْتُ وَ سَقَیْتَ فَاَرْوَیْتُ لَکَ الْحَمْدُ غَیْرَ مَکْفُوْرٍ وَلَا مُوْدَعٍ وَلَا مُسْتَغْنیً عَنْہُ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں۔ اے اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے۔ تو نے مجھے کھلایا کہ میں سیر ہو گیا۔ تو نے مجھے پلایا کہ میری پیاس بجھ گئی۔ تیرے لئے ہی تعریف، ناشکری نہیں، نہ ہی تعریف و شکر کو الوداع کہا اور نہ ہی اس سے بے پرواہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص کر جب گوشت روٹی تناول فرماتے تو اختتام پر اچھی طرح ہاتھ دھوتے پھر گیلے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیتے۔ پانی تین سانس لے کر پیتے۔ ہر مرتبہ بسم اللہ پڑھتے۔ اور آخری مرتبہ فراغت پر "الحمدُلِلّٰہ" تین مرتبہ کہتے۔ پانی چوس کر پیتے۔ غٹا غٹ نہ چڑھاتے۔ پی کر بچ جانے والا پانی اس کو عطا فرماتے۔ جو آپ کی دائیں جانب ہوتا۔ اگر حاضرین میں بلند مرتبہ شخص بائیں جانب ہوتا۔ تو دائیں جانب والے سے شروع فرماتے۔ طریقہ یہی ہے کہ تجھے دیا گیا۔ اب اگر تو چاہے تو اپنے اوپر ان کو ترجیح دے سکتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سانس سے پی لیا کرتے تھے۔ پانی میں سانس نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ منہ ہٹا کر سانس لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کو دودھ اور شہد ملا کر برتن میں ڈال کر پیش کیا گیا۔ تو آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ دو مختلف پینے کی اشیاء ایک بنا دی گئی۔ اور دو قسم کے سالن ایک برتن میں ڈال دیئے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اسے پینا حرام نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھے فخر بالکل پسند نہیں۔ اور کل قیامت میں دنیوی فضولیات کا حساب دینا اچھا نہیں جانتا۔ مجھے تو تواضع محبوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تواضع کی اللہ اسے بلندی عطا کر دیتا ہے۔ آپ جب گھر میں ہوتے تو کھانا وغیرہ مانگنے سے حتی الوسع اجتناب فرماتے۔ اہل خانہ کو کھانے کی خواہش تک نہ بتاتے۔ اگر وہ کھانا دے دیتے تو کھا لیتے اور جو دیتے قبول فرما لیتے۔ جو پلاتے پی لیتے۔ بعض دفعہ خود بنفس نفیس اٹھ کر کھانے پینے کی اشیاء لیکر کھا پی لیتے۔

لباس کے متعلق آداب واخلاق نبوی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہننے کیلئے جو موجود ہوتا وہی زیب تن فرما لیتے۔ چادر، قمیص، تہبند اور جبہ وغیرہ جو ملتا وہی پہن لیتے۔ سبز کپڑوں پر بڑا تعجب فرماتے۔ آپ کا اکثر لباس سفید ہوتا۔ فرماتے۔ سفید لباس اپنے زندہ ساتھیوں کو پہنایا کرو۔ اور فوت شدہ حضرات کو کفن سفید رنگ کا دیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استر والی قباء جنگ اور غیر جنگ دونوں حالتوں میں زیب تن فرماتے۔ آپ کی ایک قباء سندس کی تھی۔ جب اسے زیب تن فرماتے تو اس کی سبز رنگت آپ کی سفید رنگت پر بڑی خوبصورت دکھائی دیتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر ہوتے۔ تہبند ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک ہوتا۔ آپ کی قمیص کمر کی جگہ سے پیٹی لگی ہوتی تھی۔ بعض دفعہ نماز وغیرہ میں پیٹی کھول لیتے۔ اوپر اوڑھنے والی بڑی چادر زعفران میں رنگی ہوئی تھی۔ بعض دفعہ اسی اکیلی چادر میں لوگوں کو نماز پڑھا دیتے۔ اور کبھی اکیلے کمبل کو ہی زیب تن فرماتے۔ اس پر اور کوئی کپڑا نہ ہوتا۔ آپ کا کمبل تہ دار ہوتا۔ جب پہنتے تو فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور غلاموں کا سا لباس پہنتا ہوں۔ جمعہ کیلئے دو کپڑے مخصوص تھے۔ جو صرف جمعہ کو استعمال فرماتے۔ بعض دفعہ صرف تہبند باندھا ہوتا۔ جس پر کوئی اور کپڑا تنِ اقدس پر نہ ہوتا۔ تہبند کے دونوں کنارے اپنے کندھوں کے ساتھ باندھ لیتے۔ بعض دفعہ اس کو پہن کر نماز جنازہ پڑھاتے۔ گھر میں بھی بعض دفعہ صرف تہبند میں نماز ادا کرنے لگتے۔ لیکن اس طرح کہ اس کو اپنے ارد گرد لپیٹ لیتے۔ اسی تہبند کو پہن کر ازواج مطہرات کے پاس جاتے۔ بعض دفعہ ایسے بھی ہوتا۔ کہ رات کو جب اسی تہبند میں نماز ادا کرنے لگتے۔ تو اس کا ایک حصہ اپنی کسی اہلیہ پر ڈال دیتے۔ اور بقیہ میں نماز ادا فرماتے۔ آپ کے پاس ایک سیاہ رنگ کا کمبل تھا۔ کسی کو ہبہ فرما دیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔ حضور! آپ نے وہ سیاہ کمبل کہاں کیا۔ ارشاد فرمایا۔ کسی کو پہنا دیا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ آپ کی سفید رنگت پر اس سیاہ رنگ کے کمبل کے اوڑھنے سے جو خوبصورتی آتی۔ ایسی میں نے کبھی نہ دیکھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارہا دیکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی اور آپ کا شملہ مبارک دونوں کناروں سے گانٹھا ہوا ہوتا تھا۔ آپ انگوٹھی بھی پہنتے۔ بعض دفعہ در دولت سے باہر تشریف لاتے تو آپ کی انگوٹھی میں ایک دھاگہ بندھا ہوتا جو آپ کو کسی کام کی یاد دلاتا۔ انگوٹھی سے آپ رقعہ جات پر مہر بھی ثبت فرماتے۔ اور فرماتے۔ رقعہ پر مہر لگا دینا، تہمت سے بہتر ہے۔ دستار مبارک کے نیچے ٹوپی ہوتی کبھی صرف ٹوپی ہی پہنتے۔ بعض دفعہ سر انور سے ٹوپی اتار کر سترہ کی طرح سامنے رکھ کر نماز ادا فرماتے۔ کبھی پگڑی نہ ہوتی تو سر انور پر کوئی اور کپڑا

لپیٹ لیتے جو پیشانی پر بھی ہوتا۔آپ کی ایک پگڑی ''السحاب'' نامی تھی۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کو ہبہ کر دی۔ پھر جب حضرت علی وہ پہن کر باہر آتے تو حضور ﷺ فرماتے۔تمہارے پاس بادل میں علی آیا ہے۔(سحاب کا معنی بادل ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کپڑا پہنتے تو دائیں طرف سے پہننا شروع کرتے۔اور پڑھتے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِی النَّاسِ۔ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے مجھے پہننے کولباس دیا۔ایسا لباس جس سے میں اپنا ستر قائم رکھتا ہوں اورلوگوں میں خوبصورتی کا ذریعہ بنتا ہے۔جب کپڑا اتارتے تو پہلے بائیں طرف سے اتارتے۔جب آپ نیا کپڑا زیب تن فرماتے۔تو پرانا استعمال شدہ کپڑا کسی مسکین کو عطا فرمادیتے۔پھر فرماتے۔ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کپڑا پہناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت وحفاظت میں ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے زندگی اور بعد ازموت بہترین پوشاک عطا فرماتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال ڈالی ہوئی تھی۔اس کی لمبائی تقریباً تین فٹ اور چوڑائی تقریباً سوا دوفٹ تھی۔آپ کا ایک چوغہ تھا۔جہاں تشریف لے جاتے دوہرا کرکے بچھادیا جاتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخت پر آرام فرماتے۔تخت کے علاوہ جسم اقدس کے نیچے اور کچھ نہ ہوتا۔

آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی۔کہ جانوروں،ہتھیاروں اور سامان کے نام رکھ دیتے۔آپ کے جھنڈے کا نام ''عقاب'' تھا تلوار کا نام جس کو جنگوں میں ساتھ رکھتے ''ذوالفقار'' ایک اور تلوار کا نام ''مخذم'' تھا۔اسی طرح ایک اور تلوار ''رسوب'' تھی۔''قضیب'' نامی تلوار بھی تھی۔تلوار کا قبضہ چاندی سے مزین کیا گیا تھا۔آپ کا ایک کمر بند تھا۔جو چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔آپ کی کمان کا نام ''الکتوم'' تھا۔ترکش کا نام ''کافور'' تھا۔آپ کی اونٹنی کا نام ''قصویٰ'' تھا۔اسی کو ''عضباء'' بھی کہا جاتا تھا آپ کے خچر کا نام ''دلدل'' دراز گوش کا نام ''یعفور'' بکری کا نام جس کا دودھ نوش فرماتے۔''عینہ'' تھا۔آپ کا ایک لوٹا پکی ہوئی مٹی کا تھا اس سے وضو بھی کرتے اور پانی بھی پیتے۔لوگ اپنے بچوں کو جو سمجھدار ہوچکے ہوتے آپ کے پاس بھیجتے۔وہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو واپس جانے کا نام نہ لیتے۔پھر جب انہیں آپ کے لوٹے میں سے کچھ پانی ملتا۔اسے پیتے،اپنے چہروں اور جسم پر ملتے۔اور اس سے برکت حاصل کرتے۔

بدلہ لینے کی طاقت ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا معاف کردینا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر بردبار تھے۔ اور قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دینے میں سب سے زیادہ بڑھ کر تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس سونے چاندی کے ہار لائے گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کے درمیان انہیں تقسیم فرمایا۔ دور دراز دیہات کا رہنے والا ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔ آپ نے اسے کہا۔ تجھ پر افسوس! میرے بعد تجھ سے کون زیادہ عدل کریگا۔ پھر جب وہ واپس جانے کیلئے باہر نکل پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فوراً اسے میرے پاس واپس بلا لاؤ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کے کپڑے میں رکھی گئی چاندی کی مٹھیاں بھر کر لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے اسے کہا۔ افسوس! اگر میں عدل نہیں کر رہا تو اور کون کرے گا؟ اگر واقعی میں عدل نہیں کر رہا تو میں سراسر خسارے اور نقصان میں ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ یہ منافق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ۔ اس کے قتل کرنے پر لوگ باتیں کریں گے۔ کہ میں نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ میں شریک تھے۔ مسلمانوں سے ناتجربہ کاری دیکھنے میں آئی۔ ایک شخص آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور پر کھڑا ہو گیا۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ کہنے لگا۔ مجھ سے آپ کو کون بچائے گا! آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ۔ اس آدمی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر پوچھا۔ اب مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ وہ کہنے لگا۔ آپ بہتر فیصلہ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہو۔ کہنے لگا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اتنا ضرور وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ آپ سے نہیں لڑوں گا۔ اور یہ بھی کہ آپ کے ساتھ بھی نہیں رہوں گا۔ اور نہ ہی ایسی قوم کا ساتھ دوں گا۔ جو آپ سے لڑنے والی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنے دوستوں میں آیا تو کہنے لگا۔ میں ایک بہترین شخصیت کے پاس سے چھوٹ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بکری کا زہر آلود گوشت لیکر آئی۔ تاکہ آپ اسے کھائیں۔ پھر اسے آپ کے سامنے جب پیش

کیا گیا۔ تو آپ نے اس سے اس بارے میں دریافت کیا۔ کہنے لگی۔ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ زہر آلود گوشت کھلا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کی قدرت نہیں دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کیا ہم اس کا سر نہ اڑا دیں؟ فرمایا۔ کوئی ضرورت نہیں۔

ایک یہودی مرد نے آپ پر جادو کیا۔ اس کی خبر آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے دی۔ حتیٰ کہ اس جادو کی اشیاء کو نکالا گیا۔ اور اس پر لگی گانٹھیں کھولی گئیں۔ اس سے آپ ناراض تو ہوئے۔ لیکن اس یہودی سے اس کا ذکر نہ کیا۔ اور آئندہ تا عمر اس کو نہیں جتایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو" خاخ" نامی باغ کی طرف بھیجا۔ فرمایا۔ جب تم اس باغ میں پہنچو گے۔ وہاں تمہیں ایک بڑھیا ملے گی۔ جس کے پاس ایک رقعہ ہے۔ وہ رقعہ اس سے لے آؤ۔ ہم تینوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ ہم" خاخ" نامی باغ میں آ گئے۔ بڑھیا سے کہا۔ تمہارے پاس رقعہ ہے وہ نکال کر ہمیں دیدو۔ کہنے لگی۔ میرے پاس تو کوئی رقعہ نہیں۔ ہم نے کہا۔ تو خود بخود رقعہ دیدے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے۔ اس نے اپنے سر کے بالوں میں سے رقعہ نکال کر ہمیں دیا۔ ہم لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ جب اسے کھولا گیا۔ تو لکھا تھا۔ کہ یہ رقعہ" حاطب بن ابی بلتعہ" کی طرف سے مکہ کے لوگوں کی طرف ہے۔ اس میں جناب حاطب نے مکہ کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگرام کے بارے میں اطلاع پہنچانا چاہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ اے حاطب! یہ کیا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیے۔ بات یہ ہے۔ کہ میں اپنی قوم میں ایک مقبول آدمی تھا۔ میرے ساتھ جو مہاجرین یہاں مدینہ منورہ میں آئے ان کے مکہ شریف میں رشتہ دار ہیں۔ جن کی وہ حمایت کرتے ہیں۔ میں نے یہ بات پسند کی۔ کہ کسی طرح ان رشتہ داروں کی حفاظت ہو سکے۔ اور میرے رشتہ دار محفوظ رہیں۔ میں نے یہ رقعہ اس لئے نہیں بھیجا تھا۔ کہ میں نے اسلام چھوڑ دیا ہے، نہ ہی میں نے کفر سے راضی ہو کر لکھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا نہیں کر سکتا۔ اپنے دین کو چھوڑ کر مرتد ہونا یہ بھی گوارا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا۔ اِس نے تم سے سچ کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ حضور! مجھے چھوڑ دیں، اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خصوصی رحمت نازل فرمائی۔ اس نے کہا ہے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مال تقسیم فرمایا۔ ایک شخص بولا۔ یہ ایسی تقسیم ہوئی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ (مطلب یہ کہ خدا اس سے خوش نہیں ہوا) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہی گئی۔ تو آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی۔ یہ کہہ کر آپ نے صبر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے۔ صحابہ! دیکھو تم میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کی میرے سامنے ایسی بات نہ کہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی خبر پہنچائے جس سے میرے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف جب باہر نکلوں۔ تو میرا سینہ بالکل صحیح وسالم ہو۔

حضور ﷺ کا ناپسندیدہ امور سے چشم پوشی فرمانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت رقت بھرا چہرہ رکھتے تھے۔ ظاہر و باطن میں لطافت ہی لطافت تھی۔ آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر آپ کے غصہ ہونے یا خوش ہونے کا پتہ چل جاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی معاملہ سے بہت متاثر ہوتے تو آپ اپنی داڑھی مبارک پر بکثرت ہاتھ پھیرتے۔ جس بات کو ناپسند فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کسی کے سامنے نہ آنے دیتے۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ جس نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ناپسند تو فرمایا لیکن اسے جب تک بیٹھا رہا کچھ نہ کہا۔ حتیٰ کہ جب وہ باہر نکل گیا۔ تو آپ نے ایک شخص کو کہا۔ کاش کہ تم اسے کہہ دیتے کہ پیلا رنگ نہ پہنا کرے۔

ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ آپ اس وقت مسجد میں ہی موجود تھے۔ صحابہ کرام نے اسے برا بھلا کہنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو پیشاب ادھورا چھوڑنے پر مجبور نہ کرو۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو ارشاد فرمایا۔ دیکھو یہ مسجدیں ہیں۔ ان میں بول و براز کرنا اچھی بات نہیں۔ اور نہ ہی گندگی ڈالنے کی یہ جگہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ لوگوں کو اپنے قریب لانے کی کوشش کیا کرو۔ نفرت نہ دلایا کرو۔

ایک دن کوئی اعرابی آپ کی بارگاہ میں کوئی سوال لیکر آیا۔ آپ نے اسے عطا فرما دیا۔ پھر آپ نے اسے کہا۔ میں نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ کوئی نہیں کیا۔ آپ نے یہ کوئی اچھا کام بھی نہیں کیا۔ اعرابی کی اس بات پر مسلمانوں کو غصہ آ گیا۔ اسے مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رک جاؤ۔ پھر آپ وہاں سے اٹھے اور در دولت پر تشریف لے آئے۔ گھر سے کچھ اشیاء اس اعرابی کی طرف ارسال فرمائیں۔ جو پہلے سے زیادہ تھیں۔ پھر اس سے کہا۔ میں نے تجھ

پر احسان کیا ہے؟ اب اس نے کہا۔ ہاں آپ نے احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء عطا فرمائے۔ اور اہل وعیال کو خیریت سے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا۔ تو نے جو سمجھا وہ کہا۔ لیکن تیری گفتگو سے صحابہ کرام کے دل میں کچھ غصہ ہے۔ اگر تو پسند کرے۔ تو ان کے سامنے وہی الفاظ دہرا دے جو تو نے میرے سامنے ابھی کہے ہیں۔ تاکہ ان کے سینے تیرے بارے میں صاف ہو جائیں۔ کہنے لگا۔ ٹھیک ہے۔ جب دوسرے دن کی صبح یا پچھلا پہر ہوا۔ تو وہ دوبارہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس اعرابی نے کل پہلی مرتبہ جو کہا تھا وہ آپ لوگوں نے سن لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے پہلے سے زیادہ اشیاء اندر سے بھیجیں۔ خیال تھا کہ اب وہ لیکر راضی ہو جائے گا۔ کیا ایسا ہی ہوا؟ اعرابی نے کہا۔ جی حضور! اللہ تعالیٰ آپ کو مع اہل وعیال اپنی خیریت میں رکھے۔ جَزَاکَ اللّٰہُ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری اور اس اعرابی کی مثال اس آدمی کی سی ہے۔ جس کی ایک اونٹنی تھی۔ جو بھاگ گئی۔ لوگ اسے پکڑنے کیلئے دوڑے۔ لیکن اسے ان کے دوڑنے کی وجہ سے نفرت اور غصہ زیادہ ہو گیا۔ اونٹنی کے مالک نے لوگوں کو آواز دی۔ کہ میری اونٹنی کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جانوں اور اونٹنی جانے۔ میں اس کے بارے میں بہت نرم ہوں۔ اور اس کو خوب جانتا ہوں۔ یہ کہہ کر اونٹنی کا مالک اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا۔ زمین پر سے گھاس پھوس اس کیلئے ہاتھ میں لی۔ اسے پکڑ کر آہستہ آہستہ ڈال کر اونٹنی کو کھلا کر واپس لے آیا۔ اور اسے بٹھا دیا۔ پھر اس کے اوپر ہودج رکھ دیا۔ اور خود بھی بیٹھ گیا۔ اگر میں اس وقت تمہیں منع نہ کرتا۔ اور جو تم کرنا چاہتے تھے کر پاتے۔ جب اس اعرابی نے کچھ کہا تھا۔ تو تم اسے قتل کر دیتے۔ وہ جہنم میں جاتا۔

حضور ﷺ کی جود وسخاوت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر سخی تھے۔ رمضان شریف میں تو آپ کی سخاوت چلتی ہوا کی طرح ہو جاتی۔ کوئی چیز بچا کر نہ رکھتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت بیان کرتے تو کہتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینے والے ہاتھ کے اعتبار سے لاثانی انسان تھے۔ سینہ کی وسعت (کھلا دل ہونا) سب سے زیادہ تھی۔ لہجہ میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ ذمہ داری نبھانے میں سب سے زیادہ ذمہ دار تھے۔ سنگت میں نہایت نرم دل اور برتاؤ میں انتہائی کریم تھے۔ جو آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا۔ اور جو آپ کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا۔ وہ گرویدہ ہو جاتا آپ کی تعریف کرنے والا یہی کہتا کہ میں نے نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد آپ کی کوئی مثل دیکھی۔

اسلام کے نام پر یا اسلام قبول کرنے کیلئے اگر کسی نے کچھ مانگا۔ تو آپ نے ہرگز اس کا انکار نہ فرمایا۔ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ سوال کیا۔ آپ نے اسے اتنی بکریاں عطا فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ ان سے بھر گئی۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس واپس آیا۔ اور قوم سے کہنے لگا۔ اسلام لے آؤ۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر عظیم عطا کرتے ہیں۔ کہ پھر بھوک اور فاقہ کا خطرہ نہیں رہتا۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ کہ سائل کو آپ نے "نہ" کیا ہو۔ ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں نوے ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے وہ ایک تخت پر رکھے۔ پھر کھڑے ہو کر انہیں تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ جو بھی آتا اسے عطا فرماتے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ اسی طرح سب درہم بانٹ دیئے۔ ایک مرتبہ ایک سوالی نے مانگا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کیلئے کچھ نہ تھا۔ فرمایا۔ میرے پاس اس وقت تمہیں دینے کو کچھ نہیں لیکن یوں کرو کہ میرے نام پر کسی سے قرض کے طور پر لے جاؤ۔ جب ہمارے پاس کہیں سے رقم آ گئی۔ تو ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کے دینے کا مکلف نہیں کیا۔ جس کے دینے کی آپ کو قدرت نہیں (آپ اس سائل کو جواب دے دیں اللہ ناراض نہ ہوگا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! خرچ کریں۔ عرش کے مالک سے اس بات کا خوف نہ رکھیں۔ کہ وہ کمی کر دے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے۔ خوشی کے اثرات آپ کے رخ انور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ جب آپ غزوۂ حنین سے واپس پلٹے۔ تو بدو لوگ آپ کے پاس حاضر ہو کر مانگنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت تک آنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی چادر مبارک اچک لی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میری چادر واپس کر دو۔ اگر میرے پاس اس کانٹے دار درخت (کے پتوں) کے برابر نعمتیں ہوتیں۔ تو میں وہ سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے پھر بخیل نہ پاتے، نہ جھوٹ کہنے والا اور نہ ہی ڈرپوک پاتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت

تمام انسانوں سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہادر تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، غزوۂ بدر میں ہم نے دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ لینے پر ہم مجبور ہو گئے تھے۔ حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ اس دن آپ کی ہمت دیدنی تھی۔ لڑنے میں آپ کا ثانی نہ تھا۔ نیز فرمایا۔ میری حالت یہ ہوا کرتی تھی کہ جب

لڑائی میں میدان خون سے لت پت ہو جاتا۔ اور دونوں طرف کی فوجیں گتھم گتھا ہو جاتیں۔ تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے اپنا بچاؤ طلب کرتے تھے۔ ایسے حالات میں دشمن کے نزدیک صرف آپ ہی کھڑے ہوتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختصر اور کم گفتگو والے تھے۔ جب آپ لوگوں کو لڑنے کا حکم دیتے۔ تو مکمل تیاری فرماتے۔ اور لڑنے میں کسی کو فوقیت نہ لینے دیتے۔ میدان جنگ میں بہادر اسی کو سمجھا جاتا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب دشمن کے سامنے کھڑا ہوتا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب بھی کسی فوجی ٹولے کا سامنا ہوتا۔ تو سب سے پہلے وار کرنے والے آپ ہی ہوتے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں۔ آپ کی پکڑ بڑی سخت تھی۔ جب مشرکین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ تو آپ اپنے خچر سے اترے۔ اور یہ رجزیہ الفاظ پڑھنے شروع کر دیئے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ — اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ میں نبی ہوں، کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اس دن آپ جیسا بہادر اور مضبوط کوئی بھی دیکھنے میں نہ آیا۔

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بلند مرتبہ کے مطابق تمام انسانوں سے زیادہ انکساری فرمانے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "شہباء" نامی اونٹنی پر جمرہ کو کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ نہ اونٹنی کو مارتے نہ ادھر ادھر ہانکتے اور نہ ہی کسی کو ادھر ادھر ہٹاتے۔ گدھے پر سواری فرماتے تو چمڑے کا پالان اس کی پشت پر ڈال لیتے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ کسی دوسرے کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے۔

بیماروں کی تیمارداری کرتے، جنازوں کے ساتھ چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، جوتیوں کو خود گانٹھ لیتے، کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے، گھر میں اہل خانہ کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ حضرات صحابہ کرام کو جب معلوم ہوا کہ آپ اپنی آمد پر کھڑے ہو کر استقبال کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔ تو انہوں نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ بچوں کے قریب سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص لایا گیا۔ تو اس نے آپ کی ہیبت کی وجہ سے کانپنا شروع کر دیا۔ اس پر آپ نے اسے فرمایا۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں۔ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو عام خوراک کھاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو یوں دکھائی دیتے کہ ان میں سے ہی کوئی ایک ہیں۔ اگر کوئی مسافر اور انجان آجاتا تو پہچان نہ سکتا۔ کہ ان میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں۔ حتیٰ کہ اس کو پوچھنا پڑتا۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ حضور! آپ اس طرح بیٹھا کریں۔ کہ پردیسی اور انجان کو پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ لہٰذا صحابہ کرام نے آپ کیلئے گوندھی ہوئی مٹی کا ایک چبوترہ بنایا۔ جس پر آپ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر مجھے قربان کرے! کھانا ٹیک لگا کر تناول فرمائیے۔ کیونکہ اس طرح سے کھانا آپ کیلئے زیادہ آرام دہ ہے۔ فرمایا۔ میں اپنا سر جھکا لیتا ہوں۔ پھر اس قدر جھکایا کہ آپ کی پیشانی مبارک زمین کے بالکل قریب ہو گئی۔ پھر فرمایا۔ بلکہ میں تو اس طرح کھاؤں گا جس طرح غلام کھاتے ہیں۔ اور اس طرح بیٹھوں گا جس طرح غلام بیٹھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان پر کھانے سجا کر تناول نہ فرماتے اور جب تک حیات رہے پیالی میں ڈال کر تناول نہ فرمایا۔ صحابہ کرام میں سے یا کوئی اور آپ کو دعوت دیتا تو آپ اس کے قبول کرنے سے انکار نہ فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عوام میں تشریف فرما ہوتے تو اگر موجود لوگ آخرت کے موضوع پر گفتگو کرتے تو آپ بھی ان کے ساتھ موافقت کرتے، اور اگر کھانے پینے کی باتیں ہوتیں۔ تو آپ بھی ان سے اس موضوع پر گفتگو فرماتے۔ اگر کوئی دنیوی مسئلہ زیر بحث ہوتا تو بھی ان کی دل جوئی اور تواضع کی خاطر ان کا ساتھ دیتے۔ حاضرین آپ کی موجودگی میں بعض دفعہ اشعار پڑھتے۔ اور جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ کرتے اور اس پر خوب ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرا دیتے۔ صرف حرام پر ڈانٹ پلاتے۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل پاک اور خلقت مبارکہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی یہ صفت تھی کہ آپ نہ تو بہت لمبے قد والے اور نہ ہی ٹھگنے تھے۔ بلکہ درمیانہ قد تھا جب اکیلے چلتے تو عام آدمی کے برابر قد شریف ہوتا۔ جب اور لوگ بھی ساتھ ہوتے تو ان میں اگر کوئی کتنا ہی قد آور ہوتا تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں وہ پست دکھائی دیتا۔ بعض دفعہ دائیں بائیں دراز قد دو آدمی ہوتے آپ ان کے درمیان ان سے اونچے دکھائی دیتے۔ جب وہ الگ ہو جاتے۔ تو لوگ انہیں دراز قد کہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میانہ قد والا کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ درمیانہ قد میں ہر قسم کی خیر و برکت رکھی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت مبارکہ پھولوں کی مانند تھی نہ تو بالکل سانولی اور نہ ہی انتہائی

سفید۔ ایسی رنگت جس کی مشابہت نہ زرد رنگ، نہ سرخ رنگ، نہ کوئی اور رنگ کر سکتا ہو۔ یعنی بے مثل رنگت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت آپ کے چچا ابو طالب نے یوں بیان کی ہے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　ثِمَالُ الْيَتَامىٰ عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

''حضور ﷺ ایسی عمدہ سفید رنگت والے کہ بادل بھی آپ کے چہرہ مقدسہ سے پانی کے سوالی ہیں۔ یتیموں کے فریادرس اور مسکین ورنڈوے کی پناہ ہیں''۔

آپ کی خوبصورتی بیان کرنے والے بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی رنگت سفید لیکن سرخی کی طرف مائل تھی۔ علماء نے اس بارے میں کہا ہے۔ کہ آپ کی سرخی مائل سفید رنگت ان اعضاء کی تھی جن پر دھوپ پڑتی۔ اور براہ راست ان سے ہوا ٹکراتی۔ جیسا کہ چہرہ مقدسہ، گردن مبارک وغیرہ اور جو سرخی مائل نہ تھی وہ جسم مقدس کے اس حصہ کی تھی جس پر کپڑے پہنے ہوئے ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر نظر آنے والے پسینہ کے قطرات موتیوں کی مانند تھے۔ جن کی خوشبو مشک وعنبر کو مات کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر انور کے بال مبارک نہ زیادہ گھنگھریالے اور نہ ہی بالکل سیدھے بلکہ دونوں کے درمیان نہایت حسین تھے۔ جب کنگھی استعمال فرماتے۔ تو یوں دکھائی دیتے۔ کہ ریت کے اندر کسی نے راستہ بنایا ہو۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سر انور کے بال مبارک آپ کے کندھوں کو چھوتے تھے۔ اکثر روایات کے مطابق آپ کے بال شریف کانوں کی لو تک تھے۔ بعض دفعہ ان کی چار مینڈھیاں کر کے یوں لٹکاتے کہ دو مینڈھیوں کے درمیان میں سے کان مبارک دکھائی دیتا۔ بعض دفعہ آپ اپنے بالوں کو کانوں پر ڈال لیتے۔ جن سے کانوں کے نزدیک گردن کا حصہ یوں چمکتا دکھائی دیتا۔ کہ موتی چمک رہا ہے۔ آپ کے سر انور اور داڑھی شریف میں صرف سترہ بال سفید تھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ آپ کے چہرہ انور کی مثل کسی کا چہرہ نہیں اور اس کی نورانیت بے مثل تھی۔ اس کی صفت و تعریف اگر کسی نے کی بھی تو یہی کہا کہ چودھویں رات کا چاند خوبصورتی میں کچھ آپ سے ملتا جلتا ہے۔ غصہ اور خوشی آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر معلوم کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ چہرہ انور اس قدر صاف اور ستھرا تھا کہ یہ کیفیات اس میں صاف جھلکتی نظر آجاتی تھیں۔ صحابہ کرام آپ کے اوصاف میں اسی طرح کے اقوال کہا کرتے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق یار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درج ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔

اَمِيْنٌ مُصْطَفٰى لِلْخَيْرِ يَدْعُوْ　　كَضَوْءِ الْبَدْرِ زَايَلَه الظَّلَامُ

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین ہیں، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ ہر اچھائی کی دعوت

دیتے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند کی چاندنی کی مانند حسین وجمیل ہیں جس سے اندھیرے چھٹ گئے"۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک چوڑی تھی۔ اور ابروئے پاک لمبی، باریک اور کشادہ تھیں۔ دونوں ابروؤں کے درمیان خالی جگہ تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان خالص چاندی کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں بڑی بڑی، خوبصورت اور سیاہ تھیں۔ آنکھ میں سرخ رنگ کے ڈورے تھے۔ لمبی، باریک اور گھنی پلکیں تھیں۔ گھنی ہونے کی وجہ سے باہم ملی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ناک بالکل سیدھی تھی۔ دانتوں کے درمیان خلا تھا۔ جب ہنسی فرماتے تو یوں لگتا کہ بجلی کوندی ہے۔ جس کی چمک دکھائی دی ہے۔ لب مبارک خوبصورت ترین تھے۔ اور دونوں لبوں کا آخری حصہ جہاں لب ختم ہو جاتے ہیں۔ باریک تھا۔ دونوں جبڑے بہت نرم تھے۔ چہرہ نہ زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے بلکہ بالکل موافق ومناسب تھے۔ داڑھی شریف گھنی تھی۔ (قبضہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ مونچھوں کے بال کاٹا کرتے تھے۔ آپ کی گردن ایک خوبصورت ترین انسان کی گردن تھی۔ جو نہ لمبی اور نہ چھوٹی تھی۔ گردن کا جو حصہ کپڑے سے باہر رہتا۔ جس پر دھوپ یا ہوا چلتی۔ وہ یوں لگتا کہ چاندی کی صراحی ہے جو سونے کی معمولی سی رنگت لئے ہوئے ہے۔ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی کا اجتماع تھا۔ اس اجتماعی رنگ میں چمکتی تھی۔ سینۂ پاک چوڑا تھا۔ جسم پاک کا گوشت ایک دوسرے پر چڑھا ہوا نہ تھا۔ شیشے کی طرح صاف اور چاندی کی طرح سفید تھا۔ ناف مبارک سے گلے کے زیریں حصہ تک بالوں کی سیدھی لکیر تھی۔ اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر بال نہ تھے۔ شکم اطہر پر تین سلوٹ تھے۔ ایک تہبند میں چھپ جاتا تھا۔ اور دو باہر رہتے تھے۔ کندھے موٹے موٹے تھے۔ دونوں کندھوں کی بالائی ہڈی، دونوں کہنیاں اور سرین کی ہڈی سب موٹی تھیں۔ پشت انور چوڑی تھی۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ دائیں کندھے کے زیادہ قریب تھی۔ اس میں سیاہ رنگ کا سرخی مائل بڑا تل تھا۔ جس کے اردگرد مکمل بال تھے۔ بازو اور کلائیاں موٹی موٹی تھیں۔ گٹ لمبے تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی اور گہری تھیں۔ انگلیاں یوں کہ چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ ریشم سے زیادہ ہاتھ نرم تھے۔ گویا عطار کا ہاتھ ہے۔ جس میں خوشبو رچی بسی تھی۔ خواہ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔ کسی سے مصافحہ فرماتے تو سارا دن اس کے ہاتھ سے خوشبو نہ جاتی۔ جس بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے وہ دوسرے بچوں سے خوشبو آنے کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا۔ دونوں رانوں اور پنڈلی کے درمیان میں سلوٹ تھی۔ جسم اقدس درمیانہ تھا یعنی نہ بہت موٹا اور نہ ہی سوکھا ہوا۔ آخری عمر میں کچھ موٹاپا آ گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جسم اقدس

کا گوشت ڈھلکا ہوا نہ تھا۔ بلکہ ابتدائی عمر کی طرح گندھا ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال (چلنے کی کیفیت) اس طرح تھی۔ کہ کسی چٹان سے یا اونچی جگہ سے نیچے اتر رہے ہیں۔ قدم چھوٹے چھوٹے اٹھاتے۔ تھوڑا سا آگے کی طرف جھکاؤ رہتا۔ قطعاً تکبر نہ تھا۔ نہ ہی اکڑ اکڑ کر چلتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں آدم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ کہ اتنی کسی دوسرے آدمی کو نہیں۔ اور میرے باپ جناب ابراہیم علیہ السلام اخلاق اور خلقت میں مجھ سے تمام انسانوں کی بہ نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے دس نام ہیں۔ میں محمد، احمد اور ماحی ہوں۔ کیونکہ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو محو (مٹا) کیا۔ میں "عاقب" ہوں۔ کیونکہ میرے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔ میں "حَاشِرٌ" ہوں۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ میرے قدم پر قبروں سے اٹھائے گا۔ میں رسول الرحمۃ، رسول التوبہ اور رسول الملاحم ہوں۔ میں "اَلْمُقَفّٰی" ہوں سب سے بعد آنے والا ہوں۔ میں "قُثَمٌ" ہوں۔ ابوالبختری نے کہا۔ کہ قثم کا معنی "اَلْجَامِعُ، اَلْمَانِعُ" ہے۔ واللہ علم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند معجزات جو آپ کی صداقت کی دلیل ہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال شریفہ کا مشاہدہ کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ روایات بغور سنتا ہے جو آپ کے اخلاق عالیہ، افعال شریفہ، حالات مقدسہ، عادات وخصائل طیبہ، مختلف لوگوں سے سیاسی برتاؤ، ان کی تنظیم وضبط کیلئے دی گئی ہدایات، ہر قسم کے انسانوں سے پیار ومحبت کی باتیں، ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دینا۔ علاوہ ازیں انتہائی پیچیدہ اور مشکل سوالات کے تعجب خیز جوابات عنایت فرمانا، مخلوق کی مصلحت کے متعلق نئی تدابیر، شریعت مطہرہ کے احکام ظاہری کی تشریح وتفسیر میں بہترین اشارات کہ جن کے ابتدائی دقائق جلیل القدر فقہاء اور عظیم المرتبت عقلاء کی رسائی سے باہر تھے باوجود یہ کہ انہوں نے ایک طویل عرصہ تعلیم وتعلم میں صرف کیا ہوتا، ان تمام باتوں کو بنظر عمیق دیکھنے والا بلاشک وشبہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ تمام باتیں انسانی حیلہ جات اور بشری طاقت سے حاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف اور صرف یہی تصور آتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ آسمانی تائید اور قوت الٰہیہ کی مدد سے ہوا۔ اور یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ ایسی تمام باتیں کسی جھوٹے اور مکار سے متصور نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و عادات اس بات کے قطعی شاہد اور گواہ ہیں۔ کہ آپ بالکل سچے ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی خالص عرب آپ کو جب دیکھتا تو دیکھتے ہی پکار اٹھتا۔ وَاللّٰهِ مَا هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں

ہوسکتا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محض عادات کریمہ دیکھ کر آپ کے سچا ہونے کی گواہی دے دیتا۔ تو وہ شخص جس کو آپ کے اخلاق عالیہ اور ہر میدان و موقع کے حالات عظمیٰ کا مشاہدہ ہو وہ کیسے نہ آپ کے سچا ہونے کی گواہی دے گا۔

ہم نے چند اخلاق کریمہ اسلئے ذکر کئے۔ تاکہ ان کی روشنی میں آپ کے اخلاق حسنہ کی معرفت حاصل ہو۔ اور تاکہ ان کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، منصب عالیہ اور عظمت مقام و مرتبہ معلوم ہو سکے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسی جلیل القدر شخصیت ہیں۔ جس نے آپ کو یہ سب کمالات و مراتب عطا فرمائے۔ حالانکہ اگر آپ کی زندگی مبارک کو دیکھا جائے۔ تو آپ ایک ایسے بندۂ خدا نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے کسی آدمی سے کوئی تعلیم نہ لی۔ علم و مطالعہ کتب کا کوئی تجربہ بلکہ تعلق نہ تھا۔ طلب علم میں کبھی کسی جگہ نہ گئے ساری زندگی پہاڑوں اور ان کی وادیوں میں عربوں کے درمیان گزار دی۔ پیدا ہوتے ہی یتیم تھے۔ ضعیف تھے اور مالی حالت بھی کمزور تھی۔ ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے کہاں سے آپ کو اخلاق حسنہ، آداب عالیہ اور دین و شریعت کے مصالح کی سمجھ بوجھ آ گئی؟ پھر یہ کہ اس معاشرہ میں صرف آپ کو ہی یہ خوبیاں ملیں۔ کسی دوسرے کے نصیب میں کیوں نہ ہوئیں؟ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے فرشتوں اور کتب وغیرہ کی معرفت پہلی بات سے بھی کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو خواص نبوت میں سے ہے۔ یہ کہاں سے صرف آپ کو ہی حاصل ہوئی! اگر صریح وحی کے ذریعہ یہ سب کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تو اس کے حصول کیلئے کیسے مستقل طور پر محض انسانی طاقت سبب بن سکتی ہے؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اور کچھ نہ ہوتا صرف یہی ظاہری امور ہوتے تو بھی آپ کی صداقت کیلئے یہ کافی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سے ایسی نشانیاں، معجزات اور امور غریبہ دیکھنے میں آئے۔ جن میں شک وشبہ کا قطعاً دخل نہیں ہوسکتا۔ ہم ان تمام میں سے چند ایسے واقعات ذکر کرتے ہیں۔ جن کے بارے میں احادیث و اخبار بکثرت ہیں۔ کتب صحیحہ میں وہ موجود ہیں۔ ہم صرف ان معجزات کو بطور اختصار پیش کریں گے۔ تفصیل کتب میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بارہا آپ کی ذات مقدسہ سے خرق عادت امور ظاہر فرمائے۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے۔ جب قریش نے آپ سے آپ کی نبوت کی نشانی اور دلیل طلب کی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آدمیوں کی بہت بڑی جماعت کو بطور اعجاز کھانا کھلایا۔ ایسا ہی معجزہ حضرت ابوطلحہ کے گھر اور غزوۂ خندق کے دن بھی وقوع پذیر ہوا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے چار مد (ایک پیمانہ ہے جس میں تھوڑا سا غلہ آتا ہے) اور بکری کے ایک بچے کے سالن سے اسی لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ ایک اور مرتبہ آپ نے جو کی روٹی کے ایک ٹکڑے سے جو حضرت انس نے اپنے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ اسی آدمیوں کی بھوک مٹا دی۔ ایک مرتبہ ایک کھجور سے جو "ساقتہ بنت بشر" ہاتھ میں لئے جا رہی تھی۔ اس سے پوری فوج کو سیر کر دیا۔ سب کے پیٹ بھر جانے کے بعد پھر بھی وہ بچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے۔ جس سے لشکر اسلام نے اپنی پیاس بجھائی۔ ایک پیالہ کے پانی سے جو بہت چھوٹا تھا اتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بھی اس میں پوری طرح داخل نہ ہو سکا۔ ان حضرات نے خوب سیر ہو کر پیا اور وضوء بھی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک کے ایک چشمہ میں جو خشک ہو گیا تھا اپنا وضو کا پانی ڈالا۔ تو اس میں پانی جاری ہو گیا۔ ایک اور مرتبہ حدیبیہ کے کنوئیں میں بھی ایسا ہی کیا۔ جس سے پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا۔ تبوک کے چشمہ سے تمام فوج نے پانی سیر ہو کر پیا۔ جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا۔ کہ چار سو سواروں کو صرف ایک کھجور سے پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ انہوں نے سب کو اس کھجور سے کھلایا۔ سیر ہو جانے کے باوجود کھجور کا کچھ حصہ باقی بچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کی بھری مٹھی دشمن فوج کی طرف پھینکی تو ان سب کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اس پر قرآن کی آیت اتری۔ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (انفال:17) جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہ پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ کاہنوں کی دوکانداری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ٹھپ ہو گئی۔ حالانکہ اس کا بڑا زور شور تھا، کھجور کے خشک درخت نے رو کر فریاد کی۔ جس سے آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ اب آپ کیلئے منبر شریف بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون یا درخت کے رونے کی آواز مسجد میں موجود تمام صحابہ کرام نے سنی۔ جو اونٹ کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سینہ سے لگایا۔ تو اسے سکون مل گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا۔ تم موت کی تمنا کرو۔ ساتھ ہی آپ نے انہیں یہ بھی بتا دیا۔ کہ تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔ پھر ایسے ہی ہوا کہ ان کی تمنا اور زبان سے بولنے کی طاقت کے درمیان اچانک کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ جس سے وہ گفتگو کرنے کی طاقت سے بھی محروم ہو گئے۔ اور وقتی طور پر عاجز ہو گئے۔ یہ بات قرآن کریم میں سورۃ الجمعہ میں مذکور ہے۔ جسے امت مسلمہ مشرق و مغرب میں ہر جامع مسجد میں جمعہ کے دن بعد پڑھتے ہیں۔ اور وہ بھی بلند آواز سے تاکہ اس واقعہ کی

عظمت کی یاد تازہ ہو جو اس کا شان نزول تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی غیب کی خبریں دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا۔ کہ تمہاری قسمت میں بلوئی لکھا ہے۔ جس کے بعد تم شہید ہو کر جنت میں جاؤ گے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ تمہیں ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا۔ کہ تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا جو اس وقت فی سبیل اللہ جنگ میں مصروف تھا۔ کہ یہ دوزخی ہے۔ پھر ایسے ہی ہوا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔ یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ان واقعات کی معرفت اور صحیح نشاندہی کسی اور ذریعہ سے ناممکن ہے۔ خواہ وہ علم نجوم ہو یا کشف یا رمل وزائچہ کی مدد لی جائے۔ کوئی بھی صحیح معرفت نہیں دے گا۔ اس لئے یہی ماننا پڑے گا کہ ایسے غیبی واقعات اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم ہوئے۔ اور اس کی طرف سے وحی کے ذریعہ ان کا علم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کی طرف رواں تھے۔ تو سراقہ بن مالک نے آپ کا پیچھا کیا۔ قریب پہنچا۔ تو گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں گڑ گئیں۔ پیچھے سے دھواں آتا دکھائی دیا۔ مجبوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ گھوڑے کی ٹانگوں کو زمین نے چھوڑ دیا۔ پھر آپ نے سراقہ کو خوشخبری دی۔ کہ تمہاری کلائی پر کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''اسود عنسی کذاب'' کے قتل کی خبر دی۔ قاتل بھی بتا دیا۔ حالانکہ وہ اس وقت ''صنعاء یمن'' میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سو قریشی نوجوانوں کے درمیان میں سے بخیر و عافیت نکل گئے۔ جو آپ کے باہر نکلنے کی تاک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی لیکن انہیں آپ بالکل دکھائی نہ دیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اونٹ فریادی ہوا۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ وہ نہایت تواضع کر رہا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کو فرمایا۔ تم میں سے ایک دوزخی ہے۔ اس کی داڑھیں احد پہاڑ جیسی ہوں گی۔ یہ تمام صحابہ ایمان و استقامت پر فوت ہوئے۔ صرف ایک ان میں سے ایسا نکلا جو مرتد ہو گیا جسے ارتداد کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ ایک اور گروہ کو آپ نے فرمایا۔ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا۔ وہ آگ میں گر کر مرے گا۔ تو ایسا ہی ہوا۔ کہ ان میں سے آخری آدمی کی موت آگ لگنے سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درختوں کو بلایا۔ دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ اکھٹے مل کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دوبارہ حکم دیا۔ تو وہ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالانکہ میانہ قد تھے لیکن جب لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے آپ لمبے نظر آتے۔ آپ نے یہودیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور انہیں بتا دیا کہ اگر واقعی مباہلہ پر تم اترے۔ تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ آپ کی یہ بات سن کر کسی کو مباہلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ کی صداقت سے باخبر تھے۔ عرب کے دو مشہور گھڑ سوار عامر بن طفیل اور اربد بن قیس آپ کے قتل کا عزم لئے آگے بڑھے۔ تو ان دونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان قدرت سے ایک پردہ قائم ہو گیا۔ آپ نے ان دونوں کیلئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو ''غدہ'' میں اور اربد کو آسمانی بجلی کی کوند نے ہلاک کر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابی بن خلف کے بارے میں فرمایا کہ یہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں اسے زخم آیا جس کی وجہ سے یہ مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر آلود کھانا دیا گیا۔ جن حضرات نے آپ کے ساتھ وہ کھانا کھایا۔ ان کا تو زہر کے اثر سے فوری انتقال ہو گیا۔ لیکن آپ اس کے بعد چار سال تک تشریف فرما رہے۔ بکری کے زہر آلود پائے نے آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے غزوۂ بدر میں بڑے بڑے کفار کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی فرمائی۔ کسی ایک کا بھی لاشہ نشاندہی والی جگہ سے ادھر ادھر نہ گرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش خبری دی۔ کہ میری امت کے کچھ گروہ سمندری لڑائی لڑیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تمام زمین سکیڑ دی گئی۔ پھر آپ نے اس کے تمام مشرقی اور مغربی علاقہ جات دیکھے اور ارشاد فرمایا۔ کہ جہاں تک میرے لئے زمین سکیڑی گئی وہاں تک میری امت کی حکومت ہو گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مشرق اقصیٰ سے انتہائے مغرب تک مسلمانوں کی حکومت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے انتقال کریں گی۔ پھر یونہی ہوا۔ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو بتایا۔ کہ میرے انتقال کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس کا انتقال ہو گا۔ جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا سب سے پہلے انتقال ہوا۔ کیونکہ صدقہ و خیرات کرنے میں ان کا ہاتھ دیگر ازواج مطہرات سے زیادہ لمبا تھا۔ (یعنی زیادہ سخیہ تھیں) آپ نے ایک خشک تھنوں والی بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ تو اسی وقت وہ دودھ سے بھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا یہی واقعہ سبب بنا۔ یہی معجزہ آپ سے ایک اور موقعہ پر ظاہر ہوا۔ یہ ام معبد خزاعیہ کا خیمہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا۔ آپ نے اسے اپنے دست اقدس سے اپنی جگہ رکھا۔ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور تیز نگاہ والی بن گئی۔ حضرت علی المرتضی کی دکھتی آنکھ میں لعاب دہن لگایا اسی وقت ٹھیک ہوگئی۔ اور انہیں جھنڈا دیکر روانہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا کھانا تسبیح کہتا۔ جسے موجود صحابہ کرام اپنے کانوں سے سنتے۔ آپ کے ایک صحابی کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ تو آپ نے اس پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ فوراً تندرست ہو گیا۔ ایک مرتبہ آپ کے لشکر کی خوراک کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جو کچھ موجود ہے اسے اکٹھا کر کے میرے پاس لاؤ۔ جب جمع کیا گیا تو بالکل معمولی مقدار تھی۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب کھاؤ۔ چنانچہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حتیٰ کہ لشکر کے پاس جو برتن تھے وہ بھی سب پر ہو گئے۔

حکم بن عاص نے ایک دفعہ مذاق اڑاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال شریف کی نقل اتاری۔ آپ نے فرمایا۔ ''ایسے ہی ہو جاؤ'' وہ تا عمر رعشہ میں گرفتار رہا۔ پھر مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجا۔ اس کے باپ نے آپ سے کہا۔ کہ میری بیٹی کو ''برص'' کا مرض ہے۔ یہ اس نے صرف بہانہ بنایا تھا۔ تا کہ آپ اس کے نکاح کا خیال ترک فرما دیں۔ حالانکہ وہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کہا۔ چلو جیسا کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہ ''برص'' میں مبتلا ہوگئی۔ اس عورت کا نام ''ام شبیب بنت ابرصاء الشاعر'' تھا۔ یہ چند معجزات وخارق عادت واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہیں۔ لیکن ہم نے صرف ان پر اکتفا کیا۔ جو بکثرت کتب سیرت واحادیث میں وارد ہیں۔

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارق عادت واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں کسی قسم کے شبہ میں مبتلا ہے۔ اور اپنے طور پر یہ گمان رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک واقعہ خبر متواتر کے طور پر منقول نہیں ہے۔ اگر متواتر منقول ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے۔ ایسا شکی شخص یونہی ہے۔ جو حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت میں بھی شک کرتا ہو۔ کیونکہ یہ بھی تواتر سے ثابت نہیں ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ اگر چہ ایک ایک واقعہ خبر واحد کے ذریعہ منقول ہوا۔ لیکن تمام واقعات بحیثیت مجموعی لازماً علم ضروری کا فائدہ دیتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کے تواتر میں تو کسی کو کوئی شبہ نہیں۔ یہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو اس وقت سے جب اس کی تکمیل ہوئی آج تک مخلوق کے پاس موجود ہے۔ کسی اور پیغمبر کا ایک معجزہ بھی اس وقت موجود نہیں۔ صرف قرآن کریم موجود ہے۔ یہ وہی معجزہ ہے جس کی مثل لانے کی عام دعوت دی گئی۔ دنیا کے تمام فصیح و بلیغ لوگوں خواہ ان کا تعلق عرب

یا جزیرہ عرب سے ہو سب کو اعلان کیا گیا۔ حالانکہ نزول قرآن کے وقت ان لوگوں میں بڑے بڑے صاحب فصاحت و بلاغت موجود تھے۔ فصاحت و بلاغت جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسی کو قابل فخر سمجھتے تھے۔ ان سب کو قرآن نے کہا اگر مکمل نہیں تو دس سورتیں ورنہ ایک سورت ہی اس کی مثل بنا لاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان سنایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

''اعلان کر دیجئے۔ اگر تمام جن وانس اس بات پر اکھٹے ہو جائیں کہ وہ مل کر اس قرآن کی مثل لائیں گے۔ تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے کتنے ہی مددگار کیوں نہ بنیں''۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عاجز بتانے کیلئے اعلان کرایا۔ چنانچہ وہ سب عاجز آ گئے۔ اور اس کی ہمت نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو قتل کیلئے پیش کر دیا۔ اپنی اولاد اور بیویوں کو قیدی بنانے کیلئے دیدیا۔ لیکن قرآن کی مثل لانے کی قطعاً طاقت نہ پائی۔ اور نہ ہی قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی بلندی پر کوئی نقطہ چینی کر سکے۔ پھر قرآن کریم دنیا کے ہر کونہ ہر گوشہ میں پھیل گیا۔ مشرق و مغرب میں کوئی جگہ ایسی نہ رہی۔ جہاں اس کی تشریف آوری نہ ہوئی ہو۔ زمانہ گزرتا گیا۔ اور آج پانچ سو سال کے قریب ہونے کو ہیں۔ (یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کی بات کر رہے ہیں) کسی کو اس کے معارضے اور مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی۔ لہٰذا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات پھر آپ کے ارشادات و افعال پر نظر دوڑاتا ہے۔ آپ کے اخلاق پر نگاہ ڈالتا ہے۔ آپ کے معجزات کو دیکھتا ہے۔ اور آج تک آپ کی شریعت مطہرہ کی روز بروز کامیابی اور کائنات میں پھیلاؤ کو دیکھتا ہے۔ بادشاہوں کے دل اس کو قبول کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی دور سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان تمام باتوں کے دیکھنے کے باوجود وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا ہونے میں شک کرتا ہو۔ اس سے بڑھ کر بیوقوف اور کند ذہن کون ہو سکتا ہے؟ جو شخص آپ کی ذات مقدسہ پر ایمان لایا۔ آپ کو سچا جانا مانا۔ اور آپ کے تمام ارشادات و افعال کی متابعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے عظیم توفیق پائی۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے سوالی ہیں۔ کہ وہ اپنے خاص احسان اور جود و کرم سے ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و افعال، احوال و اقوال میں اطاعت کرنے کی توفیق بخشے۔

اٰمین بِجَاهِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمُ

امام عارف باللہ سیدی شیخ ''الصاوی'' رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر پارے

المتوفی ۱۲۴۱ھ

جوہر نمبر ا: امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جلالین پر حاشیہ لکھا۔ سورۂ آل عمران کی آیت مذکورہ کے تحت امام موصوف رقمطراز ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ الآیۃ

اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے پختہ وعدہ لیا کہ میں تمہیں جب کتاب وحکمت دے چکوں پھر تمہارے ہاں ایک ایسے عظیم رسول تشریف لائیں جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کرو گے؟ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس بات پر میرے ساتھ پختہ وعدہ کرتے ہو۔ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ تم گواہ ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران: 81)

''میثاق'' اس عہد کو کہتے ہیں جس کو قسم کے ساتھ مضبوط کیا جائے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ عہد کب ہوا؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے تشریف لانے والے پیغمبروں سے عالم ارواح میں لیا گیا۔ اس مفہوم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا قول'' جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے چکوں'' سے مراد جب حضرات انبیاء کرام اپنے اپنے اوقات میں تشریف لائیں گے۔ اس وقت دینا مراد ہوگا۔ لہٰذا عہد اس چیز پر ہوا۔ جو ابھی انہیں دی نہیں گئی تھی۔

دوسرا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عہد ہر پیغمبر سے ان کی بعثت کے زمانہ میں لیا گیا۔ اور یہ ان پر اتاری گئی کتابوں میں تحریر ہوا۔ اس مفہوم کے پیش نظر یہ عہد'' رہن'' رکھی گئی چیز کی طرح ہوا۔ جب کسی پیغمبر کا وقت بعثت ہوا اس سے لیا گیا۔

دوسرا اختلاف اس بارے میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس رسول کے متعلق یہ عہد لیا گیا۔ تمام انبیاء کرام میں سے وہ کون ہیں؟ حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت، تابعین کا ایک گروہ جن میں حضرت سعید بن جبیر اور طاؤس بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر آنے والے پیغمبر سے یہ عہد لیا گیا۔ کہ تمہارے بعد جو پیغمبر آئیں گے۔ ان کے بارے میں عہد کرو۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ عہد لیا گیا۔ اگر

تمہارے ہوتے ہوئے ایک ایسے رسول تشریف لے آئیں جو تمہارے پاس موجود احکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم ان پر ایمان لاؤ گے اور انکی مدد کرو گے۔ یونہی حضرت شیث علیہ السلام سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک اور بقیہ انبیائے بنی اسرائیل سے، عیسیٰ علیہ السلام تک پھر عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عہد ہر پیغمبر سے لئے گئے عہد میں شامل ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان سے خصوصی طور پر عہد لیا گیا۔ اسی خصوصی عہد کی حکمت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ۔ میں تمہیں اس عظیم الشان رسول کی آمد کی خوشخبری دے رہا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی ''احمد'' ہے۔ (صف:6)

صحابہ کرام کی دوسری جماعت اور دیگر تابعین حضرات مثلاً حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس، السدی، قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ موقف ہے کہ جس رسول کے بارے میں عہد لیا گیا اس سے مراد ''رسول کریم ختمی مرتبت'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے الگ الگ یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری ظاہری زندگی میں میرے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب واحکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تو تم ان پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ان کی لازماً مدد کرو گے۔

اس مفہوم کے پیش نظر اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نبی کے زمانہ میں جلوہ فرما ہو جاتے۔ تو اس نبی کی شریعت منسوخ ہو جاتی۔ اور وہ پیغمبر خود اور اس کے تمام متبعین، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آخری قول پر جلالین میں اقتصار فرمایا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آیت مذکورہ کی آخری تفسیر سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نَبِيُّ الْاَنْبِيَاءِ'' ہیں اور تمام انبیاء کرام آپ کے نائب ہیں۔ اس عہد میں حکمت یہ تھی کہ سب سے پہلے پیغمبر کو سب سے آخر میں آنے والے پیغمبر کے ساتھ منسلک ومربوط کر دیا جائے۔ اور یہ واضح کر دیا جائے کہ کسی پیغمبر میں ''حسد'' کی بیماری قطعاً نہیں ہے۔

جوہر نمبر ۲: سورۂ آل عمران کی آیت درج ذیل کے تحت علامہ صاوی تحریر فرماتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (آل عمران:159) اگر آپ سخت طبیعت اور جھگڑالو ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے بھاگ گئے ہوتے یعنی ان میں سے کچھ لوگ کافروں کی طرف چلے جاتے۔ اور پھر آہستہ آہستہ کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

پہلے تشریف لانے والے حضرات انبیاء کرام نے اپنی قوم سے سخت رویہ روا رکھا۔ اور جلالی کیفیت سے رہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اے اللہ! زمین پر کافروں کی کوئی بستی نہ چھوڑ۔ (آیت ۲٦/سورۃ ۷۱)۔ اسی طرح حضرت ہود اور صالح علیہما السلام نے بھی اپنی قوم کیلئے سخت رویہ اپنایا۔ لیکن ہمارے رحیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عالمین کیلئے رحمت" بن کر تشریف لائے۔ اگر آپ کی رحمت ہمارے شامل حال نہ ہوتی۔ تو ہم میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لئے ہر اس بلاء عام اور مصیبت سے شفیع ہیں۔ جنہیں دیگر انبیاء کرام نے اپنی قوم کیلئے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

"اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایمان والوں پر احسان عظیم فرمایا۔ جب ان میں انہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا۔ ایسا رسول جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و ستھرا کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ بیشک لوگ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل کھلی واضح گمراہی میں تھے"۔

سورۂ آل عمران کی اس آیت پر علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کو مزید ترقی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال غنیمت میں خیانت سے پاک وصاف ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود ان لوگوں کے درمیان "عظیم نعمت" ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کیلئے حتیٰ کہ کافروں کیلئے بھی نعمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آپ کا نعمت ہونا صرف مومنین کیلئے اس لئے ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس نعمت سے نفع پانے والے اور دائمی اپنے میں نعمت کو موجود پانے والے صرف مومن ہی ہیں۔ رہے کفار تو اگر چہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے زمین میں دھنس جانے اور شکلیں تبدیل ہو جانے سے محفوظ ہو گئے۔ اور ہر عام بلا سے امن میں ہو گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت رزق پاتے ہیں۔ لیکن ان کا انجام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے۔ کل قیامت میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے اظہار بیزاری فرمائیں گے۔ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔جس کی وجہ سے عذاب سے انہیں نجات نہیں ملے گی۔

بُشْریٰ لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٖ

''اے مسلمانو! ہم سب کیلئے یہ بات انتہائی خوش کن ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت سے ایک ایسا مضبوط ستون ملا جو کبھی گر نہیں سکتا''۔

جوہر نمبر ۳: سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (مائدہ:67)

''اے رسول مکرم! آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر اتارا گیا۔اسے دوسروں تک پہنچا دیجئے۔اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا''۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔اس کی تین قسمیں ہیں۔ایک قسم وہ کہ جس کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔وہ قرآن کریم اور لوگوں کے متعلق عمومی احکام ہیں۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان امور کی کما حقہٗ تبلیغ فرمادی۔قرآن کریم میں ایک حرف بھی اپنی طرف سے زیادہ نہ کیا۔اور نہ کوئی حرف چھپا کر رکھا۔بالفرض اگر کسی آیت کو چھپاتے۔تو ایسی آیات کو چھپاتے۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عدم توجہ پر نازل ہوئیں۔مثلاً آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝...... مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى سورہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ اور لفظ قل جو سورۂ الکافرون، اخلاص، فلق اور الناس میں آتا ہے۔لیکن یہ سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔خود اللہ رب العزت گواہی دیتا ہے کہ آپ نے تبلیغ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ:5)۔آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے روح قبض کرتے وقت عزرائیل علیہ السلام کو کہا۔اِقْبِضْ فَقَدْ بَلَّغْتُ۔روح قبض کرلو۔میں نے جو کچھ امت کو دینا تھا وہ دے دیا ہے۔

دوسری قسم وہ وحی ہے، جس کے چھپانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپائے رکھا۔اس کا ایک حرف بھی تبلیغ نہیں فرمایا۔یہ وہ تمام اسرار ہیں جو امت کے لائق نہیں۔

تیسری قسم ان باتوں کی ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ آپ نے بعض کی ان میں سے تبلیغ فرمائی۔ اور بعض کو بیان نہ فرمایا۔ یہ وہ اسرار ہیں جو امت کے لائق ہیں۔ اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کے دو توڑے عطا فرمائے۔ اگر ان میں ایک کا منہ کھول دوں۔ تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

پھر لکھا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتدائی عرصہ میں سے ایک رات آپ جاگ رہے تھے۔ ارشاد فرمایا۔ کاش کوئی مرد صالح ایسا ہوتا جو آج رات میری رکھوالی کرتا۔ فرماتی ہیں۔ اسی دوران ہم نے ہتھیاروں کے ہلنے کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ کون ہے؟ عرض کی۔ سعد بن ابی وقاص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا۔ اس وقت کیسے آنا ہوا؟ عرض کرنے لگے۔ میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا۔ (کہ کوئی دشمن تنگ نہ کرے) تو اس خطرہ کے آتے ہی آپ کی نگرانی کیلئے حاضر ہو گیا ہوں۔ اس پر ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص دعا فرمائی۔ پھر آپ سو گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنے والے دو آدمی۔ ایک حضرت سعد اور دوسرے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔ دونوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ کی حفاظت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آپ نے چمڑے کے قبہ سے سرانور باہر نکالا۔ اوران سے فرمایا۔ لوگو! چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔

کتابوں میں وارد ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے پر مامور تھے۔ رات دن جاگتے سوتے کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوتے۔

جوہر نمبر ۴: سورۃ الاعراف میں ارشاد باری ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۶ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ

الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؁ (اعراف)

''میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے۔ میں بہت جلد اسے ان لوگوں کیلئے مقرر کر دوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو غیب کی خبریں دینے والا بے پڑھا ہے وہ پیغمبر کو جن کی صفات یہ لوگ اپنے ہاں موجود انجیل و تورات میں لکھی پاتے ہیں۔ وہ رسول جو انہیں ہر اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے اور طیب چیزیں ان کیلئے حلال قرار دیتا ہے اور خبیث اشیاء ان پر حرام کر دیتا ہے اور ان سے بوجھ اور بھاری طوق جو ان پر پڑے ہوئے تھے وہ اتار دیتا ہے۔ سو وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی عزت و تعظیم کی، اور اس نور کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا۔ وہی لوگ کامیاب ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ اپنی کتاب تورات وانجیل میں لکھا ہوا انہیں نظر آتا ہے کہ آپ کی علامات اور صفات کیا ہیں۔ جیسا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' ہوگا۔ مکہ مکرمہ میں آپ پیدا ہوں گے۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمائیں گے۔ ہدیہ قبول کر لیا کریں گے، لیکن صدقہ اور زکوٰۃ واپس کر دیا کریں گے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر اخلاق حسنہ اور اوصاف جلیلہ مذکور تھے۔

صاحب تاریخ الخمیس رقمطراز ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تورات میں سریانی زبان میں ''اَلْمُنْحَمِنَا'' لکھا ہوا ہے۔ جس کا معنی ''محمد'' ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کعب بن احبار سے جناب حسن روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنتیوں کے ہاں اسم گرامی ''عبدالکریم'' دوزخیوں کے ہاں ''عبدالجبار'' عرش والوں کیلئے ''عبدالمجید'' تمام فرشتوں کے ہاں ''عبدالحمید'' انبیاء کرام کے ہاں ''عبدالوہاب'' شیاطین کے ہاں ''عبدالقاھر'' جنات کے ہاں ''عبدالرحیم'' پہاڑوں کے نزدیک ''عبدالخالق'' خشکی میں ''عبدالقادر'' سمندروں دریاؤں میں ''عبدالمہیمن'' کیڑے مکوڑوں کے نزدیک ''عبدالغیاث'' وحشی جانداروں کے نزدیک ''عبدالرزاق'' تورات میں ''موذ موذ'' انجیل میں ''طاب طاب'' صحیفوں میں ''عاقب'' زبور میں ''فاروق'' اور اللہ

تعالیٰ کے ہاں طٰہٰ اور محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر نمبر ۵: سورۃ التوبہ کی ان آیات کے تحت علامہ صاوی رقمطراز ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (توبہ)

''وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار مار کر) بجھا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر دے اگرچہ کافروں کو یہ بات پسند نہ آئے۔ وہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام دینوں پر اس کا غلبہ کر دے۔ اگرچہ مشرک اسے برا منائیں''۔

کافر جو اللہ تعالیٰ کے نور، اس کی شریعت اور ان دلائل کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ تین چیزیں ہیں۔ ایک واضح اور ظاہر معجزات دوسرے قرآن کریم اور تیسرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کہ جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے یعنی دین اسلام۔ یہ ایسا دین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کے امر و نہی کو مان کر ان پر عمل کرنا اور اس کے سوا ہر معبود سے بیزاری کا اظہار موجود ہے۔ یہ ایسی واضح اور روشن باتیں ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان امور کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی کوشش اسے ذلیل کر دے گی۔ ادھر اس کا نور مکمل ہو کر رہے گا۔ یعنی اسے بلندی اور کامیابی نصیب ہو گی۔ اور اس کی شان ارفع و اعلیٰ ہو گی۔ آیت مذکورہ میں ''هُدٰى'' سے مراد قرآن کریم اور ''دین حق'' سے مراد دین اسلام ہے۔

جوہر نمبر ۶: عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ التوبہ کی آیت مندرجہ ذیل کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے۔ جنہیں ہر وہ چیز ناگوار گزرتی ہے جو تمہیں تکلیف پہنچاتی ہے۔ تمہارے بہت ہی خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے بہت مہربان اور رحمدل ہیں''۔

''مِنْ اَنْفُسِكُمْ'' میں ''كُمْ'' ضمیر کے مخاطب ''عرب'' ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح ان کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاملتا ہے۔

لفظ ''اَنْفُسِکُمْ'' کے حرف فاء کے ضمہ پر قراءِ سبعہ کا اتفاق ہے۔ اور اس پر فتحہ بھی پڑھی گئی ہے۔ اس قرأت کے اعتبار سے اس لفظ کا معنیٰ ''نفیس لوگ'' ہوگا۔ گویا یہ کہا جارہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے ان لوگوں میں آئے۔ جو نہایت شریف اور اعلیٰ قدر والے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو چنا۔ اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا۔ قریش میں سے بنی ہاشم اور بنو ہاشم میں سے مجھے چنا۔ لہٰذا میں ہر دور کے بہتر انسانوں سے بہترین میں سے آیا ہوں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر نمبر ۷: سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کے حاشیہ پر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

''پاک ہے وہ ذات جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے بندۂ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی۔ تاکہ انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ''اپنا بندہ'' کا لفظ ذکر فرمایا۔ اپنا رسول یا اپنا نبی نہ کہا۔ ایسا نہ کرنے سے اس طرف اشارہ فرمایا۔ کہ عبودیت کا وصف وہ ہے جو تمام اوصاف سے اشرف و خاص ہے۔ کیونکہ جب کسی بندے کی نسبت عبودیت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو۔ اس طرح کہ وہ بندہ اس کی عبادت میں کسی اور کو اس کا شریک نہ بناتا ہو۔ تو پھر وہ بندہ کامیاب اور سعید ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف کے ان مقامات میں ذکر فرمایا۔ جو اشرف و اعلیٰ ہیں۔ جیسا کہ یہاں۔ مقام وحی میں ارشاد ہے۔ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ۝ اس نے اپنے بندۂ خاص کی طرف وحی کی جو کی۔ (النجم:10)۔ مقام دعا میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ یَدْعُوْهُ۔ جب اللہ کا بندہ اسے پکارتا کھڑا ہوتا ہے۔ اسی لئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ مِمَّا زَادَنِیْ شَرْفاً و تِیہاً ۔۔۔ وَکِدْتُ بِاَخْمَصِیْ اَطَأُ الثُّرَیَّا
دُخُوْلِیْ تَحْتَ قَوْلِکَ یَا عِبَادِیْ ۔۔۔ وَاَنْ صَیَّرْتَ اَحْمَدَ لِیْ نَبِیًّا

''جس بات سے میرا شرف اور وقار بڑھ گیا اور قریب تھا کہ میں دبلا پتلا ہوتے ہوئے ثریا کو لتاڑ دیتا وہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیرے ارشاد ''یا عبادی'' نے مجھے اپنے اندر لے لیا۔
اور دوسری بات یہ کہ تو نے مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بنایا''۔

لفظ ''عبدہ'' میں ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ معراج شریف کا معجزہ کہیں آپ کی امت کے بھٹک جانے کا سبب نہ بن جائے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت انہیں ''اللہ کا بیٹا'' کہہ کر گمراہ ہو گئی۔

لفظ ''عبد'' روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ صحیح یہی ہے۔ اس کے بعد لفظ ''سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ'' کے بارے میں لکھا۔ کہ اس سے پہلے ''ضمیر ھو'' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ باتوں کو سننے والا اور احوال و افعال کو دیکھنے والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مذکورہ ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس قول پر ان دو ناموں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء بیان ہوئی۔ وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشاہدہ کرایا آپ نے کیا، اور جو سنایا وہ سنا نہ تو آپ کی نگاہ پاک خیرہ ہوئی اور نہ ہی قوت سماعت دہشت زدہ ہوئی۔ اس مفہوم کی مثال یہ آیت ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم) ''نہ تو آپ کی نظر انور بھٹکی اور نہ ہی ادھر ادھر ہوئی''۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ارفع و اعلیٰ شان اور بلند و بالا مرتبہ و مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔

جوہر نمبر ۸: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ ''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا''۔ (انبیاء) اس کے حاشیہ پر امام موصوف لکھتے ہیں۔ لفظ ''رحمۃ'' چونکہ مفعول لہ بن رہا ہے۔ اس لئے ''لِرحمۃٍ'' ہوگا۔ مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے رہنے والوں پر رحم کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ اور لفظ ''رحمۃً'' کو حال بنانا بھی درست ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمہ رحمت بن کر تشریف لائے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے۔ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ خُلِقُوْا مِنَ الرَّحْمَةِ وَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَيْنُ الرَّحْمَةِ۔ تمام انبیاء کرام رحمت سے پیدا کئے گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عین رحمت'' ہیں۔ یا لفظ ''رحمۃ'' کے پہلے مضاف محذوف مانیں گے۔ یعنی ذَارَحْمَةٍ یا رَاحِماً۔ رحمت والا۔

جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مَهْدَاةٌ۔ میں ہدایت یافتہ رحمت والا ہوں۔
علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہاں تک تھی۔ اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بات واضح یہ ہے کہ علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ''اِنَّما اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ'' جو حذف مضاف کی تائید میں پیش فرمائی۔ یہ قول ثانی (مجسمہ رحمت) کی تائید کرتی ہے۔ شائد امام موصوف نے اسے تینوں اقوال کے درمیان اس لئے ذکر کیا ہو۔ کہ ان کے نزدیک زیادہ ترجیح اسی مفہوم کو ہو جیسا کہ یہی معنی ہمارے اکابر صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔

اس کے بعد علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں لفظ ''عالمین'' سے مراد تمام انسان اور جن ہیں۔ یعنی خواہ وہ نیک ہوں یا فاجر، مومن ہوں یا کافر، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ وسبب سے کافر بھی زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور نسل کے منقطع ہونے سے بچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعتبار سے بھی رحمت ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی شریعت لیکر آئے، جو انسانوں کو عظیم سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ اس کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا وآخرت میں رحمت ہی رحمت ہیں۔ اور جس نے کفر کیا تو اس کیلئے صرف دنیا میں رحمت ہیں۔ آخرت میں نہیں۔

جوہر نمبر ۹: جلالین کے حاشیہ پر عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت جو سورۂ احزاب کی ہے لکھتے ہیں۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6)

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور عزیز ہیں''۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہر مومن کے نزدیک اپنی جان کے حق سے زیادہ ہے۔ خواہ وہ مومن آپ کے زمانے کا ہو یا بعد میں آنے والے زمانہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لہٰذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہر چیز میں نفس کی اطاعت سے مقدم ہے۔ خواہ ان امور کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو۔ کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہوئے۔ تو ان کے احوال، اولاد اور بیویوں سے آپ کا زیادہ عزیز ہونا واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مومن پر حق اس سے کہیں زیادہ ہے جو ایک آقا کو اپنے غلام پر ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی عظیم دلیل ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس نعمت کا عظیم واسطہ ہیں جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ مومنوں کی جانوں سے زیادہ عزیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس

لئے بنایا کہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی کام کرتے ہی نہیں۔ بلکہ ہر کام وحی کے مطابق ہوتا ہے۔
لہٰذا آپ کے تمام اقوال وافعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۰: سورۂ احزاب کی اس آیت کی تفسیر پر حاشیہ لکھتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ (احزاب)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے غیب دان نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔اے مومنو! تم بھی ان پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے''۔

یہ آیت مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرکز رحمت اور افضل الخلق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یہ مرکزیت اور افضلیت علی الاطلاق ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' وہ رحمت ہے جو تعظیم کی حامل ہو۔ غیر نبی پر اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' مطلق رحمت ہوتی ہے۔ (جس کے ساتھ تعظیم نہیں ہوتی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (النور:43)

''وہ اللہ وہ ہے جو تم پر (اے مومنو!) اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور اس کے فرشتے بھی۔ تا کہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے''۔

ان دونوں قسم کی ''صلوٰۃ'' کا فرق سمجھنا چاہئے۔ اور دونوں مقامات میں جو فضل باری تعالیٰ کا فرق ہے۔ وہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

جب اللہ رب العزت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' ایسی رحمت ہے جو تعظیم کیساتھ ملی ہوئی ہو۔ تو یہ ''صلوٰۃ'' یا نزول رحمت ان تمام رحمتوں کیلئے مقتداء ہوگی۔ جو دیگر مخلوق پر نازل ہوتی ہیں۔ تو اس وسعت رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رحمتوں کا مرکز اور تجلیات کا منبع ہوں گے۔

مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا کہ ''صلوا علیہ'' اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایسی دعا کرو جو ان کے شایان شان ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرشتوں اور مومنین کی ''صلوٰۃ'' میں یہ حکمت ہے کہ ان کو ''صلوٰۃ'' میں اللہ تعالیٰ نے شریک فرما کر عزت وشرافت عطا فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے مطلق صلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ کی اقتداء کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے اظہار میں

اللہ تعالیٰ کی اقتداء کی۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض حقوق کا بدلہ بھی آجاتا ہے۔ جو خلق خدا پر آپ کے ہیں۔ کیونکہ آپ ہر اس نعمت کا واسطہ عظمٰی ہیں جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اور جس شخص کو کوئی نعمت ملے۔ اس کا حق بنتا ہے۔ کہ نعمت کے واسطہ کا حق ادا کرے۔ لہٰذا تمام مخلوق کی ''صلوٰۃ'' دراصل آپ ﷺ کے بعض حقوق کا بدلہ ادا کرنا ہے۔ جو آپ کی طرف سے ان پر واجب ہیں۔

اگر تم سوال کرو۔ کہ مومنین اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ اس درخواست کا کیا فائدہ وہ تو درخواست کے بغیر بھی ''صلوٰۃ'' بھیجتا ہے۔ لہٰذا درخواست کا کیا فائدہ؟

جواب: جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا بدلہ چکانے سے عاجز و قاصر ہیں۔ تو وہ اللہ رب العزت سے بدلہ چکانے کی درخواست کرتے ہیں۔ جو قادر و مالک ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ''صلوٰۃ'' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پہنچتی ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا جب بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی صلوٰۃ کا طالب ہوتا ہے تو اس کی طرف سے ''صلوٰۃ'' میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ دائمی ہے۔ وہاں اس کی طرف سے ''صلوٰۃ'' بھی دائمی ہوگی۔

سوال: سلام بھیجنا صرف مومنوں کیلئے خاص حکم ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے سلام بھیجنے کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: جب آیت صلوٰۃ و سلام کو ہم دیکھتے ہیں تو اس سے پہلے جس بات کا ذکر ہوا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت اور تکلیف دینے والی باتیں ہیں۔ اذیت چونکہ انسانوں کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اللہ اور فرشتوں سے یہ ممکن نہیں۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ سلام کی تخصیص بھی انسانوں کے ساتھ کی جائے۔ کیونکہ سلام میں آفات سے سلامتی کا مفہوم ہے۔ اور سلام کی ''تسلیما'' کے ذریعہ تاکید کی گئی۔ لفظ ''صلوٰۃ'' کی تاکید مذکور نہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف کی گئی ہے تو یہ نسبت ہی کافی ہے۔ تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تمام علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام واجب (فرض) ہے۔ پھر ان حضرات کا اس بارے اختلاف ہے کہ یہ فرضیت کب ہے؟ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر فرض نماز کی

آخری تشہد میں فرض ہے۔ ان دونوں حضرات کے سوا باقی علماء کرام فرماتے ہیں۔ ہر مجلس میں ایک مرتبہ صلوۃ وسلام فرض ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو اس وقت فرض ہے۔ بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ بکثرت صلوٰۃ وسلام فرض ہے یہ حضرات کسی وقت کی قید نہیں لگاتے۔ بالجملۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا عظیم کام ہے۔ اس کی بڑی عظمت ہے۔ اس کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ تمام اطاعات میں سے اور تمام اعمال تقرب میں سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام ایسی بابرکت چیز ہے کہ شیخ و مرشد کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے کہ شیخ اور اس کی سند خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ یہ آپ ہی کی بارگاہ عالیہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود اس شخص کو جواباً ''صلوٰۃ وسلام'' کہتے ہیں۔ جو آپ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اس ذکر پاک کے علاوہ دیگر اذکار میں یہ بات نہیں۔ لہٰذا دیگر اذکار کیلئے شیخ عارف کی رہنمائی اور واسطہ ضروری ہے۔ ورنہ ان میں شیطان کا دخل ہو جائیگا اور ذکر کرنے والے کو اس کا فائدہ اور نفع نہ مل سکے گا۔

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''صلوٰۃ وسلام'' کے الفاظ بہت سے ہیں۔ جن کی گنتی مشکل ہے۔ افضل وہ درود شریف ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اور اصحاب کا ذکر بھی ہو۔ جس آدمی نے جن الفاظ سے بھی صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ اسے خیر عظیم لازماً حاصل ہو جائے گی۔ عارف صاوی کی تحریر یہاں مکمل ہو گئی۔

اس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے۔ کہ میں نے امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر مطلع ہونے سے بہت پہلے اسی سلسلہ میں ایک ورقہ پر کچھ باتیں تحریر کیں۔ امام صاوی کی لفظ سلام کے بعد ''تسلیماً'' سے تاکید اور لفظ صلوٰۃ کی تاکید نہ فرمانا کے بارے میں جو تحقیق پیش فرمائی۔ اس سے ملتی جلتی میری تحریر بھی تھی۔ میں نے اسے ایک ورق پر لکھ دیا تھا۔ تاکہ وقت ملنے پر اس کے مناسب مزید باتیں اس ورق پر لکھوں۔ اب میں اپنی اس تحریر کو من وعن پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

فائدہ: میرے دل میں ایک نہایت خوبصورت مضمون آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت درود وسلام میں لفظ سلام کی تاکید مصدر ذکر کرکے فرمائی اور لفظ صلوٰۃ کی تاکید نہ ذکر فرمائی۔ اور یہ بھی کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے بارے میں صرف ''صلوٰۃ'' بھیجنے کا ذکر فرمایا۔ لیکن مومنین کو جب حکم دیا گیا۔ تو صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا بھی اور وہ بھی تاکید کے ساتھ حکم دیا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ سلام کی مشروعیت صلوٰۃ کی مشروعیت سے پہلے ہو چکی تھی۔ یعنی آیت صلوٰۃ وسلام کے نزول سے پہلے حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجنے کا طریقہ تعلیم ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے۔ جس میں درود کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اس حدیث پاک کے آخری الفاظ یوں ہیں "رہا سلام بھیجنے کا طریقہ تو وہ تم جان چکے ہو" اسی لئے آیت درود شریف میں ابتداءً صرف "صلوٰۃ" کا ذکر ہے۔ سلام کا نہیں۔ پھر اس لئے کہ کہیں یہ وہم نہ پیدا ہو جائے۔ کہ سلام کی اہمیت ہی نہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کیلئے سلام کا حکم تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ جیسا کہ سلام بھیجنے کی مشروعیت بھی سابقہ مشروعیت کی تاکید کے طور پر کی گئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول "سلام کا طریقہ پہلے جان چکے ہو" سے مفہوم ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام کے بارے میں عرض نہ کیا۔ کہ وہ کیسے بھیجیں۔ اس کی ہمیں تعلیم مرحمت فرمائیں؟ کیونکہ انہیں پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سلام کس طرح بھیجنا ہے۔ لیکن "صلوٰۃ" کا معاملہ الگ ہے۔ دیکھئے جب آیت مذکورہ میں ابتداء صلوٰۃ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ذکر سے موکد کیا گیا۔ اور آیت کی ابتداء بھی اسی طریقہ سے ہوئی۔ لہٰذا اب صلوٰۃ کی تاکید کی دوبارہ ضرورت نہ رہی۔ لیکن سلام کی تاکید ضروری تھی۔ ہاں یہ بات آیت سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ صلوٰۃ کا اہتمام سلام کی بہ نسبت زیادہ ہوا ہے۔ اگرچہ سلام بھی بوجہ تاکید کے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جب دونوں کے تاکید کے طریقہ کو دیکھتے ہیں تو صلوٰۃ کی تاکید زیادہ اہمیت والی نظر آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا یہ طریقہ جو "صلوٰۃ" کی تاکید کیلئے ہے۔ لفظ سلام کی مصدر کے ساتھ تاکید سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس مضمون پر بہت سی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر "صلوٰۃ" بھیجنے کی فضیلت مذکور ہے۔ ایسی احادیث فضیلت سلام سے بہت زیادہ ہیں۔ اور صلوٰۃ کے بہت سے صیغے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہیں پھر آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام اور ان کے بعد میں آنے والے حضرات سے بھی مختلف الفاظ صلوٰۃ منقول ہیں۔ ان میں لفظ سلام کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں یہ بھی علماء نے لکھا ہے کہ جو الفاظ صلوٰۃ و سلام کے بارے میں احادیث میں وارد ہیں۔ خواہ وہ صرف صلوٰۃ کے ہوں یا صرف سلام کے یا دونوں ہوں۔ انہیں اسی طرح ادا کرنا چاہئے۔ لیکن ان کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور لفظ سے درود شریف پڑھنا چاہے تو اسے ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ احادیث میں صرف "صلوٰۃ" جہاں آیا۔ ان میں ایک درود ابراہیمی بھی ہے۔ یہاں صرف سلام آیا۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے وقت صرف سلام کہنا آیا ہے۔ ان میں صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ نہیں۔ علاوہ ازیں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سلام کے بغیر صرف صلوٰۃ پر اکتفا کرنا

مکروہ اس وقت ہے جب سلام بالکل ترک کر دے اور اگر اسی مجلس یا کسی دوسری مجلس میں سلام کے الفاظ ادا کر لئے تو کراہت اٹھ جائے گی۔ واللہ اعلم (میری عبارت یہاں ختم ہوگئی)۔

جوہر نمبر ۱۱: سورۃ السبأ کی آیت 28 کے تحت علامہ صاوی لکھتے ہیں

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (سبا:28)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا''۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ سب کیلئے بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ رہا یہ کہ آپ انسانوں کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی رسول بن کر آئے تو یہ بات دوسری آیات سے مفہوم ہوتی ہے۔ (سورۃ الانبیاء) ان میں سے ایک آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰۷ بھی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسانوں اور جنات کی طرف تشریف لانا اس لئے ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں۔ لہٰذا یہ ارسال تکلیفی ہے۔ اور فرشتوں کیلئے آپ کا ارسال بعض نے کہا یہ بھی تکلیفی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں، تمام حیوانات اور جمادات کی طرف ارسال تشریفی ہے۔ (یعنی ان کو کوئی شرعی حکم دینے کیلئے آپ نہیں بھیجے گئے)۔

جوہر نمبر ۱۲: سورۃ الفتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝۸ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝۱۰ (الفتح)

''بیشک ہم نے آپ کو حاضر ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور اس کی صبح و شام پاکی بیان کرو بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کی ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ سو جس نے عہد توڑا اس کا نقصان اسی پر ہوگا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ پورا کیا تو اسے اللہ تعالیٰ بہت جلد اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔

آیت مذکورہ میں لفظ ''اَرۡسَلۡنَاکَ'' فرمانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

احسان عظیم کی خبر دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ کو اس نے شرف رسالت سے مشرف فرمایا۔ اور تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ اپنی امت کے اعمال پر شاہد بنایا۔ کہ کون ان میں سے اطاعت گزار اور کون نافرمان ہے۔ دنیا میں انہیں جنت کی خوشخبری دینے والا بنایا۔ اور جو لوگ بدعمل و بدعقیدہ ہیں انہیں جہنم کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔ تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ یہ معنیٰ (تاکہ وہ ایمان لائیں) اس قرأۃ پر ہوگا کہ ''لِتُؤْمِنُوا'' کو ''لِيُؤْمِنُوا'' پڑھیں۔ اگلے تین الفاظ اور یہ لفظ حاضر اور غائب دونوں طرح قرأۃ سبعہ میں پڑھے گئے ہیں۔

لفظ ''تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ'' میں ضمیر (مفعول بہ) کا مرجع اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو بنانا درست ہے۔ (الفتح:9)

اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر اقتصار کرتا ہے۔ یا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پر اقتصار کرتا ہے۔ وہ مومن نہیں۔ بلکہ مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کی تعظیم کو جمع کرتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر ایک کی تعظیم اس کے حساب سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ اسے ایسی تمام صفات سے پاک سمجھا جائے (اور پاک کہا جائے) جو حوادث کی صفات ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ اسے ہر صفت کمالیہ کا موصوف مانا جائے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی رسالت ''حق'' ہے۔ اور تمام مخلوق کیلئے ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔ یہ اور ان کے علاوہ وہ تمام اعلیٰ اوصاف اور پسندیدہ اخلاق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ آپ میں ان کا موجود ہونا تسلیم کرتا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ (فتح:10) کا تعلق پچھلی آیت سے یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمانا ذکر کر دیا۔ تو اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اللہ تعالیٰ کی ہی متابعت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے یہ بات بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت اور رفعت اللہ رب العزت کے ہاں کتنی عظیم ہے۔

''بیعت'' دراصل ایک عقد اور اپنے دل سے ایک وعدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ وعدہ یہ کہ بیعت کرنے والا اپنے امام کی اطاعت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔ اور اس وعدے کو حتی الامکان نبھانے کی کوشش کرے گا۔ آیت کریمہ میں جس بیعت کا ذکر ہے اسے ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ جو مقام

حدیبیہ پر لی گئی تھی۔ یہ ایک درمیانی آبادی کا گاؤں ہے۔ مکہ شریف اور اس کے درمیان ایک پڑاؤ سے بھی کم کا فاصلہ ہے۔ اس قصبہ کا نام اس میں موجود ایک کنوئیں پر رکھا گیا ہے۔ (حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے) اس قصبہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حدود حرم میں داخل ہے یا نہیں۔ بعض اسے مکمل حرم کی حدود میں شامل کہتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے حضرات اس کے کچھ حصہ کو شامل حرم کہتے ہیں۔ اسے تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح:10) کا مفہوم کچھ اسی طرح ہے جس طرح "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ" (النساء:80) کا ہے۔ یعنی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اور بیعت رضوان بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا تھا۔ کیونکہ ظاہری معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ وغیرہ ثابت کرنا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اعضائے جسمانی سے بالکل منزہ ہے۔ اس لئے "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ" اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ اس بیعت کا اصل مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اور "ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیعت کرنے پر مطلع ہے۔ وہ اس کا انہیں ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔ اور اس آیت کے آخری لفظ "اَجْرٌ عَظِيْمٌ" سے مراد جنت ہے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ بیعت رضوان تھی۔ مگر لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے ہر امام کی بیعت مراد ہوگی۔ جو کسی نے اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان پر کی ہوگی۔ اور اس بیعت میں کسی شیخ اور مرشد سے بیعت کرنا بھی مراد ہوگا۔ جس سے بیعت کرتے وقت بیعت کرنے والے نے عہد و پیمان کیا ہوتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنے دل میں سب سے زیادہ رکھوں گا۔ اور شیخ کی طرف سے جو شرائط وآداب بتائے گئے ان کی حتی الوسع پابندی کروں گا۔ اسی عموم لفظ کے اعتبار کے پیش نظر حضرات مشائخ صوفیاء کرام اس آیت کو اس وقت پڑھتے ہیں جب وہ کسی مرید سے عہد لیتے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۳: سورۃ الصف میں آیت مبارکہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (الصف)

"یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا۔ اے اولاد یعقوب! بیشک میں تم

سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میرے سامنے موجود کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا اور ایک عظیم الشان رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں۔ وہ عظیم رسول میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا اسم گرامی ''احمد'' ہے''۔

لفظ ''احمد'' میں یہ احتمال بھی ہے کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور فاعل کے معنی میں ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حمد کرنے والا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مفعول کے معنی میں ہو۔ یعنی دوسروں کی بہ نسبت جس کی زیادہ حمد کی گئی ہو۔ مطلب یہ کہ مخلوق خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر حمد کرتی ہے کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کی اتنی نہیں کرتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' کی بجائے ''احمد'' ذکر فرمایا۔ حالانکہ ''محمد'' آپ کے اسماء گرامی میں اشرف اسم ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

اول وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انجیل میں اسی نام سے تذکرہ تھا۔

دوم۔ آسمانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی یہی ''احمد'' ہے۔

سوم۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا پہلے ہے اور لوگوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنا اس کے بعد ہے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہی تقدیم و تاخیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت امت سے پہلے حمد باری تعالیٰ کہیں گے۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کی حمد کریں گے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار ہزار اسمائے گرامی ہیں۔ ان میں سے ستر ایسے ہیں جو اسماء باری تعالیٰ سے ہیں۔

جوہر نمبر ۱۴: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)۔ آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ سورۂ نون کی اس آیت کریمہ کے تحت علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' کا معنی ''دین عظیم'' ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے اگر کوئی دین، سب سے زیادہ محبوب ہے اور جس پر عمل کرنے والے سے میں سب سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ وہ دین ''اسلام'' ہے۔

جناب حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' سے مراد ''آداب القرآن'' ہے۔ اس کی دلیل ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ جب ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''خلق'' کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ۔ اسی لئے حضرت قتادہ رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں کہ" خُلُقٍ عَظِيْمٍ " سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جنہیں کرنے کا اس نے حضور کو حکم دیا اور وہ احکام بھی ہیں جن کے نہ کرنے کا حکم دیا۔ معنیٰ یہ ہوگا۔ بیشک اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس خلق پر ہیں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم میں حکم دیا۔ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم مدح بیان کرتی ہے۔ اسی لئے عارف بوصیری کہتے ہیں۔

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

آپ کی شخصیت وہ ہے جو حقیقت وصورت میں کامل و مکمل ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات نے آپ کو سب میں سے چن لیا۔

جوہر نمبر ۱۵: عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ عارف باللہ سیدی احمد دردیر رضی اللہ عنہ کی ترتیب دادہ کتاب صلوات میں مذکور الفاظ کی شرح کرتے ہوئے لکھا۔ شیخ موصوف نے ان الفاظ کی نسبت حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔ الفاظ اور ان کی شرح درج ذیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوٰتِكَ اَبَدًا وَ اَنْمٰى بَرَكَاتِكَ سَرْمَدًا

وَاَزْكٰى تَحِيَّاتِكَ فَضْلًا وَ عَدَدًا عَلٰى اَشْرَفِ الْخَلَائِقِ الْاِنْسَانِيَّهِ

اے اللہ! تو اپنی افضل صلوات، روز افزوں برکات، نہایت پاکیزہ تحیات لاتعداد ان گنت ہمیشہ ہمیشہ اس ذات بابرکات پر نازل فرما۔ جو تمام انسانوں میں افضل و برتر ہیں۔ یعنی تمام انسانوں اور غیر انسانوں سے افضل ہیں۔ صرف انسانوں کا ذکر اس لئے کیا گیا۔ کہ یہ مخلوق کی مختلف انواع واقسام میں سے افضل مخلوق ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات میں سے جو افضل مخلوق ہے اس سے بھی افضل ہوئے تو علی الاطلاق سب سے افضل ہوئے۔

وَمَجْمَعِ الْحَقَائِقِ الْاِيْمَانِيَّةِ۔ ایمانی حقیقتوں کے مرکز۔" حقائق" حقیقۃ کی جمع ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ہی ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ خواہ وہ حقیقت ایمان مرتبہ علم الیقین کی ہو یا عین الیقین یا حق الیقین کی ہو۔

وَطُوْرِ التَّجَلِّيَاتِ الْاِحْسَانِيَّةِ۔ یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتوں کے اترنے کا مرکز اور مہبط ہیں۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کرانے کا سوال کیا۔ تو طور پہاڑ اس وقت تجلی جلال کا مہبط و مرکز بنا۔ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ پر اپنے جلال کی تجلی ڈالی۔ تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے تجلی احسانات ڈالی۔ جس کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم وحلم میں کائنات سے بھی وسیع ہوگئے۔ لہٰذا جس قدر

احسان کے مقام ہیں۔ وہ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ خواہ ان کا حصول مراقبہ کے ذریعہ ہو یا مشاہدہ سے یہ دولت ملے۔

وَمَهْبِطِ الْاَسْرَارِ الرَّحْمَانِيَّه۔ ''اسرار'' سِرّ کی جمع ہے۔ جس کو چھپایا جائے اسے ''سِر'' کہتے ہیں۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت سے پیدا ہونے والے تمام اسرار کا موضع اور مرکز ہیں۔ کوئی بھی ''رحمانی راز'' آپ کے بغیر کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

وَعُرُوْسِ الْمَمْلِكَةِ الرَّبَّانِيَّةِ۔ اللہ تعالیٰ کی مملکت کے دولہا۔ یہ فقرہ شیخ موصوف کی کتاب کے بعض نسخہ جات میں موجود ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس قدر بھی ملک وملکوت کے جہان ہیں ان تمام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر وانبساط اور روشن ہونے میں ممتاز ہیں۔ جیسے ''عروس (دولہا)'' تمام پر ممتاز ہوتا ہے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علی الاطلاق خلیفہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ملک وملکوت میں تصرف کامل کا منصب بخشا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اسماء اور اپنی صفات کے اسرار کی خلعت مبارکہ پہنائی۔ اور آپ کو ہر بسیط و مرکب چیز میں تصرف کرنے کی قدرت بخشی۔ اس اعتبار سے آپ ''عروس'' قرار پائے۔ کیونکہ ''عروس'' کا حکم چلتا ہے۔ اور تمام باراتی اس کے کارندے اور خادم ہوتے ہیں۔

وَوَاسِطَةِ عِقْدِ النَّبِيِّيْنَ۔ حضرات انبیاء کرام کی موتیوں بھری تسبیح کے واسطہ۔ یعنی حضرات انبیاء کرام ایک تسبیح کے بیش بہا موتی ہیں۔ ان موتیوں کا باہم رابطہ ایک ایسے موتی کے ذریعہ ہے۔ جو ان سب کے درمیان ہے۔ درمیانہ موتی بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور ہر چیز کا درمیان اس کا بہتر حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جملہ کا معنی یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے بہتر ہیں۔

وَمُقَدَّمِ جَيْشِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معنی اور حس دونوں کے اعتبار سے مرسلین کرام کے مقدم ہیں۔ یعنی ان کے مراتب کو بلند فرمانے والے اور ان کے ممد ومعاون آپ ہیں۔

وَقَائِدِ رَكْبِ الْاَنْبِيَاۤءِ الْمُكَرَّمِيْنَ۔ مکرم پیغمبروں کی سواریوں کے قائد۔ ''انبیاء'' نبی کی جمع ہے۔ مروی ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ دو لاکھ پچیس ہزار ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے، بارہ لاکھ پچیس ہزار۔ ان میں سے تین سو تیرہ یا تین سو چودہ رسول ہیں۔ قرآن کریم میں پچیس کا ذکر ہے۔ اٹھارہ کے نام سورۃ انعام کی آیات وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ الی آخر (83 تا 86) میں ہیں۔ باقی رسولوں کے نام یہ ہیں۔ محمد، آدم، صالح، شعیب، ھود، ادریس، ذوالکفل۔ ان میں سے پانچ اولوالعزم ہیں۔ کسی شاعر نے شعر میں ان کو جمع کیا ہے۔

مُحَمَّدٌ اِبْرَاهِیْمُ مُوْسیٰ کَلِیْمُہٗ فَعِیْسیٰ فَنُوْحٌ ھُمْ اُوْلُوْالْعَزْمِ فَاعْلَمِ

ان حضرات کی افضلیت اسی ترتیب سے ہے۔اورحق یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام ورسولان مکرم کی تعداد(حتمی)اللہ ہی جانتا ہے۔

وَاَفْضَلِ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ۔تمام مخلوق سے افضل۔اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے۔اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں۔کوئی فخر نہیں۔ مخلوقات میں سے آدمی ایسی مخلوق ہے۔جو بقیہ تمام اقسام مخلوق سے افضل ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بھی افضل ہیں۔تو پھر علی الاطلاق آپ تمام مخلوق سے افضل ہوئے۔ترمذی شریف میں روایت ہے۔اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین وآخرین سب سے زیادہ معزز ہوں۔اور کوئی فخر نہیں۔

حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰی۔اعلیٰ واشرف عزت کا جھنڈا اٹھانے والے۔''اللواء''مد کے ساتھ جھنڈے کو کہتے ہیں۔اور''العز''ذلت کی ضد ہے۔''الاعلیٰ''بمعنی اشرف وارفع ہے،معنی یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں دارین کی عزت ہے یہ اس کو نصیب ہوگی۔جو آپ کا ہو جائیگا۔

وَمَالِکِ اَزِمَّۃِ الْمَجْدِ الْاَسْنٰی۔شرافت علیا کی باگیں آپ کی مملکت میں ہیں۔اس جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔کہ آپ ہر اس شخص کیلئے دارین کی عزت بخشنے والے ہیں جو آپ کی اتباع کرتا ہے۔

شَاھِدِ اَسْرَارِ الْاَزَلِ۔قدیم وازلی اسرارومعانی کے گواہ ہیں۔

وَمُشَاھِدِ اَنْوَارِ السَّوَابِقِ الْاُوَلِ۔پہلے انبیاء کرام کے انوار کا مشاہدہ فرمانے والے۔''السوابق''سابق کی جمع ہے۔جس کا معنی اول ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ جسم اقدس کے وجود کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام کے آخر میں تشریف لائے۔لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام بلکہ جمیع مخلوقات سے متقدم واول ہیں۔لہٰذا انبیاء اولین کے انوار آپ ہی سے آشکارا ہوئے۔اور آپ کی ذات مقدسہ سے مستنیر ومستفیض ہوئے۔اس مضمون کی گواہی سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت مشہورہ دیتی ہے۔(جو اس کتاب کے آخر میں آئے گی۔جس میں حضور ﷺ کے نور پاک کو اول خلق ذکر کیا گیا ہے)۔

وَتَرْجُمَانِ لِسَانِ الْقِدَمِ۔قدیم ذات کے کلام کے ترجمان ہیں۔''الترجمان''اصل میں اس

شخص کو کہتے ہیں جو کلمات کے معانی کی تلقین کرنے والا ہو۔ یہاں اس لفظ سے مراد تمام علوم غیبیہ کی تعلیم دینے والا مراد ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے علوم غیبیہ کے ترجمان ہیں۔

وَ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِلْمِ وَ الْحِكَمِ۔ علم و حکمت و بردباری کے منبع ہیں۔ یعنی اولین وآخرین کے علوم کے پھوٹنے کی جگہ ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے۔ تَعَلَّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ۔ مجھے آخرین واولین کے علوم عطا کئے گئے۔ اس بارے میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہمارے لئے کافی ہے۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔ آپ کے علوم کا ایک حصہ لوح وقلم کا علم ہے۔ آپ ہی اولین وآخرین کیلئے حلم کا مرکز ہیں۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی صفت میں لکھتے ہیں۔

وَسِعَ الْعَالَمِيْنَ عِلْمًا وحِلْمًا فَهُوَ بَحْرٌ لَمْ تَعِيْهِ الْاَعْبَاءُ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کائنات سے علم وحلم میں وسیع ہیں۔ ایسا سمندر ناپیدا کنار ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں۔

''الحکم'' حکمت کی جمع ہے۔ علم وعمل میں پختگی اور یقین ''حکمت'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم وحکمت میں بھی بے مثل ہیں۔ آپ کی وسعت علمی کا احاطہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

مَظْهَرِ سِرِّ الْجُوْدِ الْجُزِئِي وَالْكُلِّيِّ۔ جزئی اور کلی سخاوت کے راز کے مظہر ہیں۔ یعنی آپ ﷺ وہ بے مثل شخصیت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا مظہر ہیں۔ خواہ وہ جود وکرم تھوڑا ہو یا بکثرت۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ دنیا وآخرت کی برکات آپ سے ہی ظاہر ہوتی ہیں۔

وَاِنْسَانِ عَيْنِ وُجُوْدِ الْعَلَوِيِّ وَالسَّفَلِيِّ۔ تمام اونچی وپست موجودات کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات سے بہتر اور ان کا نور ہیں۔ جس طرح آنکھ کا نور آنکھ کی پتلی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ اس لئے تمام موجودات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر معدوم ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَ لَا اَرْضًا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمین وآسمان کچھ نہ پیدا کرتا۔

رُوْحِ جَسَدِ الْكَوْنَيْنِ۔ کونین کے جسم کی روح ہیں۔ ''کونین'' سے مراد دو جہان ہیں۔ ایک عالم ملک جو ظاہر اشیاء پر بولا جاتا ہے دوسرا عالم ملکوت جو ہم سے مخفی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کا سرّ کونین میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس طرح جسم میں روح سرایت کئے ہوتی ہے۔

وَعَيْنِ حَيَاةِ الدَّارَيْنِ۔ دنیا وآخرت دونوں کی زندگی کا چشمہ ہیں۔ یعنی ان کی زندگی کی حقیقت آپ ہیں۔ یا یہ معنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کیلئے وہ چشمہ ہیں جس کے پینے سے پینے

والے پر موت نہیں آتی۔

اَلْمُتَحَقِقِ بِاَعْلٰی رُتَبِ الْعُبُوْدِیَةِ۔ بندگی کے اعلیٰ رتبہ پر متحقق ہیں۔ ''عبادت'' انتہائی عاجزی اور خشوع وخضوع کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی عاجزی اور تواضع اور انکساری اپنے رب کے سامنے ہے۔ اس میں آپ کا کوئی ہم سر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صفت عبودیت بقول راجح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام صفات واوصاف سے افضل ہے۔

اَلْمُتَخَلِقِ بِاَخْلَاقِ الْمُقَامَاتِ الْاِصْطِفَائِیَّہ۔ مصطفائی مقامات کے اخلاق سے مزین ہیں۔ ''اصطفائیہ'' بمعنی مختارہ ہے۔ لہٰذا اصطفاء کا معنی اختیار ہوگا۔ اس سے لفظ مصطفیٰ ہے جس کا معنی مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ ۔ خلق عظیم میں جس عظمت کا ذکر کیا گیا۔ اس کی حقیقت خود رب ذوالجلال ہی جانتا ہے۔

اَرٰى كُلَّ مَدْحٍ فِى النَّبِيِّ مُقصِرًا ۔۔۔ وَاِنْ بَالَغَ الْمُثْنِىْ عَلَيْهِ وَاَكْثَرَا
اِذَا اللّٰهُ اَثْنٰى بِالَّذِىْ هُوَاَهْلُهٗ ۔۔۔ عَلَيْهِ فَمَا مِقْدَارُ مَاتَمْدَحُ الْوَرٰى

میں تو یہی جانتا ہوں کہ کوئی تعریف کرنے والا کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے وہ آپ کے مقام حمد سے قاصر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی شایان شان ثناء کرتا ہے۔ تو پھر مخلوق کی تعریف کی کیا مقدار!

الخَلِيْلِ الْاَعْظَمِ وَالْحَبِيْبِ الْاَكْرَمِ۔ عظیم خلیل اور اکرم دوست۔ یعنی ہر بڑے سے بڑے اور ہر کریم سے اکرم۔

تنبیہ۔ حبیب اور خلیل میں فرق جیسا صاحب تفسیر نیشاپوری نے بیان کیا۔ یہ ہے کہ خلیل وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا۔ پھر اسے محبوب بنایا اور حبیب وہ جسے اللہ تعالیٰ نے ابتداءً بزرگی سے نوازتے ہوئے دوست ومحبوب بنالیا۔

یا خلیل وہ جو اپنی ہر مملوکہ شی کو اپنے دوست پر قربان کردے۔ اور حبیب وہ جس پر مولیٰ اپنی مملکت قربان کردے۔

اس فرق کے پیش نظر وصف حبیب، وصف خلیل سے افضل ہوگا۔ اسی لئے حضور ﷺ وصف ''حبیب'' سے مشہور ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وصف ''خلیل'' سے شہرت پائی۔ ورنہ ہر حبیب، خلیل بھی ہوتا ہے۔ البرعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

اِذَا ذَكَرَ الْخَلِيْلُ فَذَا حَبِيْبٌ ۔۔۔ عَلَيْهِ اللّٰهُ فِى التَّوْرَاةِ اَثْنٰى

جب خلیل ذکر کیا جائے تو وہ حبیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی اسی انداز میں تعریف کی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

اَعْلَی الْمَرَاتِبِ عِنْدَاللّٰہِ رُتْبَتُہٗ فَافْھَمْ فَمَا مَوْضِعُ الْمَحْبُوْبِ مَجْھُوْلُ

تمام مراتب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ ہے۔ تم اس بات کو سمجھ جاؤ۔ کیونکہ ''محبوب'' کا مقام و مرتبہ ہر ایک کو معلوم ہوتا ہے۔

سَیِّدُنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَ عَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِھِمْ وَ صَحْبِھِمْ اَجْمَعِیْنَ کُلَّمَا ذَکَرَکَ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِ ھِمُ الْغَافِلُوْنَ۔

یہ ''صلوٰۃ'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب عیدروس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کا نام ''شمس الکنز الاعظم'' رکھا ہے جو اسے پڑھے گا۔ شیطان کے وسوسوں سے پردوں میں کر دیا جائیگا۔ بعض حضرات نے کہا۔ کہ یہ الفاظ صلوٰۃ قطب ربانی سیدی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز عشاء کے بعد سورۂ اخلاص۔ اور معوذتین (الفلق - الناس) تین تین مرتبہ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان الفاظ سے صلوٰۃ پڑھے گا۔ وہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ انتہیٰ کلام صاوی۔ ''قطب عیدروس'' اصل میں ''عبدوسی'' ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنی کتاب ''سعادۃ دارین'' وغیرہ میں لکھی ہے۔ (امام نبہانی)

جوہر نمبر ۱۶: علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی مذکورہ کتاب میں سے قطب الاقطاب سید احمد بدوی رضی اللہ عنہ کے منقول صلوٰۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ شَجَرَۃِ الْاَصْلِ النُّوْرَانِیَّہ۔

''اے اللہ! صلوٰۃ و سلام اور برکت ہمارے سردار اور مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ جو اصل نورانی درخت ہیں''۔

''اَلشَّجَرَۃُ الْاَصْلُ'' سے مراد ''اصل درخت'' ہے۔ اور اصل درخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جو تمام کائنات کے علی الاطلاق اصل ہیں۔ اور بالاتفاق اس کی بنیاد ہیں۔ ''النورانیہ'' میں نور کی طرف نسبت ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسم ''نور'' بھی کتاب و سنت میں آیا ہے۔ ''نور'' کی حقیقت اور تعریف یہ ہے۔ اَلظَّاھِرُ بِنَفْسِہٖ الْمُظْھِرُ لِغَیْرِہٖ۔ خود روشن اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نسبت اس لئے کی گئی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مادہ کے واسطہ کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ نے بنائے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نور سے مراد وہ نور ہو جو اندھیرے کی ضد ہے۔ جس کی جمع انوار آتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نور تھی۔ حتیٰ کہ سورج کی روشنی میں آپ کا سایہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ سحری کے وقت ایک مرتبہ میں کپڑا سی رہی تھی۔ کہ سوئی زمین پر گر گئی۔ اور چراغ بجھ گیا۔ اچانک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے اندر تشریف لاتے ہی آپ کے چہرہ اقدس کی روشنی سے مجھے کھوئی ہوئی سوئی مل گئی۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کا چہرۂ انور کس قدر روشن ہے اور آپ کا رخ انور کتنا منور ہے۔ فرمایا۔ اے عائشہ! تباہی اور مکمل بربادی اس کیلئے کہ جس نے مجھے کل قیامت میں نہ دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ وہ کون ہے جو قیامت میں آپ کی زیارت سے محروم رہے گا۔ فرمایا۔ وہ بخیل جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے۔ اگر "النورانیہ" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ تو پھر یہ ترکیب مبالغہ کیلئے ہوگی۔ لفظ "النورانیہ" پر آخر میں الف نون کی زیادتی، شرف کیلئے ہے۔ بہرحال ان الفاظ کا مفہوم حدیث جابر کا معنیٰ ہے۔ جو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ فرمایا۔ وہ تیرے نبی کا نور ہے۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام خیر بنائی۔ اس کے بعد تمام شر بنائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "نور" کو بنایا۔ تو اسے اپنے سامنے مقام قرب میں کھڑا کر دیا۔ بارہ ہزار سال تک وہ کھڑا رہا۔ پھر اس کی چار اقسام (حصے) بنائیں۔ ایک سے عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے عرش کو اٹھانے والے اور کرسی کے خازن فرشتے بنائے۔ اور چوتھی قسم (حصے) کو بارہ ہزار سال تک مقام حب میں کھڑا رکھا۔ پھر اس چوتھی قسم کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے جنت بنائی۔ پھر چوتھے حصے کو مقام خوف میں بارہ ہزار سال کھڑا رکھا۔ پھر اس کے چار اجزاء بنائے۔ ایک جزء سے فرشتے، دوسرے سے سورج، تیسرے سے چاند اور ستارے بنائے۔ چوتھے جزء کو مقام رجاء میں بارہ ہزار سال رکھا۔ پھر اس کے چار اجزاء بنائے۔ ایک جزء سے عقل، دوسرے سے علم و حلم اور تیسرے سے عصمت و توفیق بنائے۔ چوتھے جزء کو بارہ ہزار سال کیلئے مقام حیاء میں کھڑا رکھا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ تو اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے۔ ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نبی و رسول کی روح پیدا

فرمائی۔ پھر انبیاء کرام کی ارواح نے پھونک ماری۔ جس سے اولیاء، سعداء، شہدا، اطاعت گزار مومنین کی ارواح پیدا کیں۔ جو قیامت تک پیدا ہونے تھے۔ لہٰذا عرش وکرسی میرے نور سے ہے۔ کروبیین (بزرگ فرشتے) اور فرشتوں میں روحانی فرشتے میرے نور سے ہیں۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں۔ جنت اور اس میں موجود تمام نعمتیں میرے نور سے ہیں۔ سورج، چاند اور تمام ستارے میرے نور سے ہیں۔ عقل وعلم اور توفیق میرے نور سے ہیں۔ انبیاء کرام اور رسولوں کی ارواح میرے نور سے ہیں۔ شہدا، سعداء اور صالحین میرے نور کے نتائج ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ حجاب پیدا فرمائے۔ پھر نور جو چوتھا جزء تھا، کو ہر حجاب میں ایک ہزار سال مقیم رکھا۔ وہ حجابات، عبودیت کے مقامات ہیں۔ کرامت کے حجاب ہیں۔ سعادت کے حجاب ہیں۔ رؤیہ، رحمۃ، رأفتہ، حلم، علم، وقار، سکینہ، صبر، صدق، یقین کے حجاب ہیں۔ پھر اس نور نے ہر حجاب میں ایک ہزار سال عبادت کی۔ جب وہ نور حجاب سے باہر آیا۔ اسے زمین پر سوار کیا۔ جس سے مشرق ومغرب کے درمیان کی ہر چیز اس طرح چمکنے لگی جیسے اندھیری رات میں چراغ چمکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین سے آدم کو بنایا۔ اور وہ نور اس کی جبین میں رکھ دیا۔ پھر ان سے حضرت شیث کی طرف منتقل کیا۔ جو ان کے بیٹے تھے۔ پھر وہ نور ایک پاکیزہ شخصیت سے طیب شخص کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک آیا۔ پھر ان سے میری والدہ آمنہ کے چہرہ میں رونق افروز ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ظاہر کیا۔ مجھے سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین اور قائد غرالمحجلین بنایا۔ اے جابر! تیرے نبی کی پیدائش کی ابتداء یوں تھی۔

اس کے بعد علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس کو ہمارے شیخ الشیخ جمل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح کے ابتداء میں ذکر کیا۔ جوانہوں نے علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی شمائل نبوی کی تشریح کے ضمن میں قصیدہ بردہ کی شرح کرتے رقم کیا تھا۔ یہ روایت علامہ تفتازانی نے درج ذیل کے تحت لکھی ہے۔

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا   فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهِ بِهِم

تمام آیات ومعجزات جو رسولان عظام نے ظاہر فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک سے ان کا اتصال ان سے ہوا۔

وَلُمْعَةِ الْقُبْضَةِ الرَّحْمَانِيَّه۔ حقیقت محمدیہ کے اعتبار سے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا وصف ہے۔

وَاَفْضَلِ الْخَلِيْقَةِ الْاِنْسَانِيَّةِ ۔ عالم اجساد کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیسرا وصف بیان کیا ہے۔

وَاَشْرَفِ الصُّوْرَةِ الْجِسْمَانِيَّه ۔ یہ بھی عالم اجساد کے اعتبار سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف ہے۔ جو چوتھے نمبر پر ذکر کیا گیا۔

لفظ ''القُبضه'' اصل میں مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسا نور جو ازل میں مقبوض تھا۔ لفظ قبضہ سے مجاز مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی قدرت کا اس نور کو ظاہر کرنے کا ارادہ۔ کیونکہ ''قبض'' درحقیقت کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ محال ہے۔ کیونکہ اس کا ہاتھ ہی نہیں۔ پھر اس کی نسبت ''رحمان'' کی طرف کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ کم اور کیف کے اعتبار سے جلیل القدر ہے۔ کیونکہ ''رحمٰن'' وہ ہوتا ہے جو بڑی بڑی نعمتیں کم اور کیف کے اعتبار سے عطا کرتا ہو۔ اور قبضہ کے ''لمعة'' کا معنی اس کی تخلیق ہے۔ جو تمام جہانوں کا مادہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ کا شرف اس حسن زیبا اور کمال خلقت کی وجہ سے ہے۔ جو آپ کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں۔ اور اعتدال قامت (میانہ قد) بھی اس میں شامل ہے۔ شیخ مولف یعنی قطب دردیر رضی اللہ عنہ حدیث کُنْتُ كَنزاً مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ فَبِيْ عَرَفُوْنِيْ ۔ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ازل میں نہ جانا گیا اس کی معرفت کسی کو نہ ہو سکی۔ کیونکہ ازل میں کسی کا وجود ہی نہ تھا جو اسے پہچانتا۔ پھر اس نے اپنی معرفت چاہی کہ کوئی مجھے پہچانے۔ تو اس نے اپنے نور سے ایک مٹھی نور لیا۔ یعنی اپنے ذاتی نور سے۔ کیونکہ ''من نورہ'' میں صرف من حرف باء کے معنی میں ہے۔ اور یہ مٹھی بھر نور ہی وہ نور ہے جس کو نور محمدی، روح الارواح، سرّ محمدی، عرش اللہ اکبر، آدم اول، اب الاکبر اور انسان کامل کے نام دیئے گئے۔ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کا قول (شعر) بھی یہی کہہ رہا ہے۔

وَاِنِّیْ وَاِنْ كُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً   فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدًا بِاُبُوَّتِيْ

اور میں بیشک اگرچہ صورۃً حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن میرے لئے خود آدم علیہ السلام میں ایسی شہادت (دلیل) موجود ہے جو مجھے باپ کا درجہ دیتی ہے اسی نور محمدی کو سِرُّ الْاَسْرَارِ، اِنْسَانُ عَيْنِ الْوُجُوْدِ اور شَجَرَةُ الْاَصْلِ وغیرہ نام بھی دیئے گئے۔ جو عارف حضرات میں مشہور و متداول ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت محمدیہ کو اپنی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان نعمتوں کی عطا کیلئے

اللہ تعالیٰ کا وصف ''رحمٰن'' ذکر کیا گیا۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے دقائق عطا فرمائے۔ وہ صفت ''رحیم'' کا خاصہ ہے۔ پھر اس نور محمدی سے تمام کائنات بنائی گئی۔ جیسا کہ اس مضمون کی شہادت حدیث سابق دیتی ہے۔ وَمَعْدَنِ الْاَسْرَارِ الرَّبَّانِیَّہ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ان اسرار کا محل و مرکز ہیں۔ جن پر اس نے آپ کو مطلع فرمایا۔ اور نا اہل سے چھپانے کا حکم دیا۔ یا کسی کو بھی اطلاع دینے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے علوم عطا فرمائے جن کی کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اطلاع نہ کی۔ ''الربانیہ'' کی نسبت ''رب'' کی طرف ہے۔ الف نون مبالغہ کیلئے زیادہ لایا گیا۔ جو اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم کسی استاد کے بغیر عطا ہوئے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً ۔۔۔ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِي الْيُتُمِ

اگر تو معجزہ طلب کرتا ہے تو تیرے لئے یہ معجزہ کافی ہے۔ کہ ایک امی شخصیت نے بھی دور جاہلیت میں کس قدر علوم پائے اور یتیم ہوتے ہوئے ادب واخلاق کے کس عالی منصب پر فائز ہوئے۔

وَخَزَائِنِ الْعُلُوْمِ الْاِصْطِفَائِيَّه۔ اصطفائیہ بمعنی مختارہ ہے۔ اور علوم کا اسرار پر عطف، عام کا خاص پر عطف ہے۔

صَاحِبِ الْقُبْضَةِ الْاَصْلِيَّة۔ اس کی پہلے تشریح ہو چکی ہے۔

وَالْبَهْجَةِ السَّنِيَّة۔ یعنی آپ کا چہرہ شریفہ رفیع اور روشن۔

وَالرُّتْبَةِ الْعُلْيَه۔ یعنی حسا و معنی بلند منزلت و مرتبہ۔

مَنْ اِنْدَرَجَتِ النَّبِيُّوْنَ تَحْتَ لِوَائِهٖ۔ حدیث میں آیا ہے۔ بِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِىْ۔ میرے ہاتھ میں ''لواء الحمد'' ہوگا۔ پس آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ ''لواء الحمد'' وہ جھنڈا ہے جو قیامت کے دن گاڑا جائے گا۔ اس کی لمبائی ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کے تین پھریرے ہوں گے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا درمیان میں ہوگا۔ فَهُمْ مِنْهُ وَ اِلَيْه۔ یعنی تمام انبیاء کرام آپ سے ہی حسا و معنا مدد کے طلبگار ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرنے والے اور انتساب کرنے والے وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ عَدَدَ مَا خَلَقْتَ وَ رَزَقْتَ وَ اَمَتَّ وَ اَحْيَيْتَ اِلٰى يَوْمِ تَبْعَثُ مَنْ اَفْنَيْتَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اے اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور برکت نازل فرما۔ آپ کی آل واصحاب پر بھی۔ اتنی تعداد میں جتنی تو

نے مخلوق بنائی، جس قدر رزق دیا، جتنے فوت کئے، جتنے زندہ رکھے۔ اور یہ صلوٰۃ وسلام و برکت اس دن تک لگاتار نازل فرما جس دن تو ہر اس شخص کو قبر سے اٹھائے گا جس کو تو نے فنا کیا اور آپ پر بکثرت سلام نازل فرما۔ اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔

درود شریف کا اختتام حمد پر کیا۔ تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس کی فضیلت عظیم ہے۔ بعض حضرات نے ذکر کیا کہ اس درود شریف کو ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی شخص ۳۳ مرتبہ سو سو کر کے پڑھتا ہے تو اسے ہر چیز کی دلالت میسر آئے گی۔

جوہر نمبر ۱۷: امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الحقائق و العلوم سیدی عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ کے ''صلوٰۃ'' کی شرح کرتے ہوئے لکھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ مِنْهُ انْشَقَّتِ الْاَسْرَارُ۔ اس ذات پر صلوٰۃ بھیج جس سے اسرار پھوٹتے ہیں۔ ''اُس ذات'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ واضح طور پر آپ کا اسم گرامی اس لئے ذکر نہ کیا کہ بغیر وضاحت بھی ذہن آپ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور اس انداز تحریر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بھی زیادہ آجاتی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ابہام میں تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ ''انشقاقِ اسرار'' سے مراد اسرار کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر مخفی چیز روشن و واضح ہو چکی ہے۔

وَانْفَلَقَتِ الْاَنْوَارُ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی حسی اور معنوی انوار کا دروازہ کھولا۔ لفظ اسرار اور انوار پر الف لام استغراق کا ہے اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سابق سے ثابت ہے۔ لہٰذا تمام اشیاء اپنے وجود سے قبل کمرے میں بند تھیں۔ یعنی معدوم تھیں۔ پھر آپ نے اس کمرے کا دروازہ کھولا۔ یعنی عدم سے وجود میں آئے۔ یا ''مِنْ'' تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر معنی یوں ہوگا۔ کہ تمام اسرار و انوار آپ کے وجود کی وجہ سے موجود ہوئے۔

وَفِيْهِ ارْتَقَتِ الْحَقَائِقُ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اشیاء کی حقیقتیں ظاہر ہوئیں۔ لہٰذا آپ بمنزلہ آسمان اور حقائق بمنزلہ ستارے ہوئے۔

وَتَنَزَّلَتْ عُلُوْمُ اٰدَمَ فَاَعْجَزَ الْخَلَائِقَ۔ یعنی آپ کی ذات مبارکہ میں آدم علیہ السلام کے علوم نازل ہوئے۔ علوم آدم سے مراد تمام اسماء کا علم ہے۔

ان علوم اسماء کے حصول کی وجہ سے (آدم) جس چیز کو بھی دیکھتے فوراً پہچان جاتے۔ اسی بات نے فرشتوں کو عاجز کر دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا تھا۔ ''مجھے ان اشیاء کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو''

پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا۔" اے آدم! تم ان فرشتوں کو ان اشیاء کے نام بتاؤ" لہٰذا وہ تمام علوم جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی نازل ہوئے۔ اور ان علوم کے علاوہ مسمیات کی حقیقتیں بھی آپ کو بتا دیں گئیں۔ اب اس قدر وسیع علم کے سامنے کیا فرشتے اور کیا باقی تمام مخلوق سبھی عاجز ہیں۔ حتیٰ کہ خود آدم علیہ السلام بھی۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کے علم کے سامنے صرف فرشتے عاجز آئے تھے۔ اور حضور ﷺ کے علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے سامنے تمام اولین وآخرین عاجز ہیں۔

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم دیا گیا تو اس سے لازماً مسمیات کا علم بھی آ گیا۔ لہٰذا آدم علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں کوئی فرق نہ ہوگا؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کا علم مسمیات اجمالی تھا۔ اور ہمارے آقا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم مسمیات تفصیلی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت منقول ہے۔ فرمایا۔ رُفِعَتْ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذَا۔ میرے لئے دنیا کو اونچا کر دیا گیا۔ میں اس کی طرف یوں دیکھتا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتا ہوں۔

وَلَهٗ تَضَاءَ لَتِ الْفُهُوْمُ فَلَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَّلَا لَاحِقٌ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کا ادراک مخلوق کی فہم وادراک سے کہیں دور ہے۔ تمام مخلوق کے فہم اس قدر چھوٹے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ان میں سما ہی نہیں سکتی۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ لَا يَعْلَمُنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ۔ میرے رب کے سوا کوئی بھی مجھے از روئے حقیقت نہیں جانتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا یہی مفہوم ہے۔

اَعْيَ الْوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى ۔۔۔ لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ

ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔ دور و نزدیک والے خاموشی کے سوا کچھ چارہ نہیں پاتے۔

یہی وجہ ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت یوں بیان کی ہے۔ لَمْ يُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَّلَا لَاحِقٌ۔ یعنی تمام مخلوقات ابتدائے آفرینش سے آخر تک کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت پر اس دنیا میں مطلع نہ ہو سکا۔ رہا کل قیامت میں تو وہاں مخلوق سے حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے آپ کی حقیقت کا ادراک ہوگا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِكَ لِلنَّاسِ ...... كَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَاءُ

علماء نے آپ ﷺ کی صفات کی مثال یوں دی جیسا کہ ستارے پانی میں۔

قصیدہ بردہ میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهٗ   قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوسکتی ہے جو سوئے ہوئے اور خوابوں میں مگن ہیں۔

فَرِيَاضُ الْمَلَكُوْتِ بِزَهْرِ جَمَالِهٖ مُوْنِقَةٌ۔ ''الریاض'' روضۃ کی جمع بمعنی باغات اور ملکوت سے مراد وہ اشیاء جو ہم سے پردہ میں ہیں۔ مثلاً جنت، عرش، کرسی وغیرہ۔ ''زہر'' روشنی، چمک کو کہتے ہیں۔ ''مونقۃ'' بمعنی مزین ہے۔ مؤلف صلوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملکوت کو مزین فرمانا۔ اس کی تشبیہ باغات کی تروتازگی اور خوبصورتی سے دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح باغات، پھولوں کی تروتازگی اور خوشبو سے مزین ہوتے ہیں۔ اسی طرح ملکوت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال سے مزین ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہوگا کہ عالم چار ہیں۔ ایک عالم ملک اور یہ وہ ہے جو دیکھا جاتا ہے۔ دوسرا عالم ملکوت ہے یہ محسوسات سے باہر کی دنیا ہے۔ جسے ہم سے غیب میں رکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ جنت، دوزخ، عرش وکرسی وغیرہ۔ تیسرا عالم جبروت ہے۔ یہ اسرار وعلوم اور معارف کی کائنات ہے۔ چوتھا عالم عزت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے علم ذاتی اور صفاتی سے مخصوص ہے۔

وَحِيَاضُ الْجَبَرُوْتِ بِفَيْضِ اَنْوَارِهٖ مُتَدَفِّقَةٌ۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عالم جبروت وہ کائنات ہے جو اسرار وعلوم اور معارف کی دنیا ہے اور ''التدفق'' کا معنی بھرا ہوا ہونا ہے۔ اس جملہ میں عارفین کے دلوں کو حوض کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کو دریا وسمندر سے تشبیہ دی گئی۔ پس وہ حوض یعنی عارفین کے دل اس سمندر سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم شریف کا نام ہے۔ معنی یہ ہوا۔ کہ اولین وآخرین نے تمام علوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی حاصل کیے ہیں۔

وَلَا شَيْءَ اِلَّا وَ هُوَبِهٖ مَنُوْطٌ۔ ''منوط'' بمعنی لٹکا ہوا۔ یعنی تمام موجودات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے ہی وجود پایا۔ کیونکہ آپ تمام اشیاء کی اصل ہیں۔

اِذْ لَوْلَا الْوَاسِطَةُ لَذَهَبَ كَمَا قِيْلَ الْمَوْسُوْطُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کے وجود کیلئے سب سے عظیم واسطہ ہیں۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ لفظ ''قیل'' کمزور بات کے بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد قول کی محض نسبت ہے۔ یعنی عارفین حضرات نے

بہت مضبوط بات کہی یہ جو قابل اعتماد ہے انہی عارفین میں سے ایک بزرگ شخصیت سیدی محمد البکری الکبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَیُّ اِمْرِئٍ اَتَاهُ مِنْ غَیْرِکَ لَا یَدْخُلُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی معرفت اور اس کے قرب کے حصول کا واحد دروازہ ہیں۔ کوئی شخص آپ کے دروازہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے اللہ کا قرب چاہے گا تو اسے داخلہ ہی نہیں ملے گا۔

صَلٰوۃٌ تَلِیْقُ مِنْکَ اِلَیْهِ کَمَا هُوَا هْلُهٗ۔ معنی یہ ہے کہ جو صلوٰۃ و سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب کے شایان شان ہے اور آپ کے احسانات کا بدل ہوسکتا ہے۔ وہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے آپ پر بھیجا جاتا ہے۔ اس لئے کہ آپ کی قدر و منزلت وہی جانتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ سِرُّکَ الْجَامِعُ الدَّالُ عَلَیْکَ۔ ''جامع'' سے مراد یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کمالات، علوم، معارف، برکات اور معجزات کے جامع ہیں۔ جو مختلف حضرات میں الگ الگ پائے جاتے ہیں۔ ان کمالات وغیرہ کو ہر دور کے لوگ دلیل بنا کر آپ تک رسائی اور آپ سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے آپ کے کمالات سن کر آپ کی عظمت کی دلیل بنائے۔ جیسا کہ پہلی امتیں گزریں۔ ان کو ان کے پیغمبروں نے یہ سب کچھ بتایا۔ اور ہر دور کے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہوئے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کسی پیغمبر کے واسطہ کے بغیر آپ کے کمالات دیکھے۔ یہ وہ حضرات ہیں۔ جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کا زمانہ پایا۔ اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قیامت تک آئیں گے۔

وَحِجَابُکَ الْاَعْظَمُ الْقَائِمُ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ۔ ''حِجَابِ اَعْظَمُ'' یعنی بہت بڑی روکاٹ۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان ایک بھاری حجاب ہیں۔ جس کی وجہ سے کسی کیلئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر اللہ کا وصول ناممکن ہے۔ یا ''حجاب اعظم'' سے مراد دنیوی اور اخروی نقصانات کو روکنے والا ہوگا۔ اس اعتبار کے پیش نظر مفہوم یہ ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے دنیوی اور اخروی نقصانات اور تکالیف کیلئے ایک عظیم رکاوٹ ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام اگرچہ اپنی اپنی امت کیلئے رکاوٹ اور قلعہ کی مانند تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ان سب سے مضبوط اور عظیم قلعہ ہیں۔ اسی لئے آپ کو ''حجاب اعظم'' کہا گیا ہے۔ یونہی ہر شیخ اپنے شاگرد اور مرید کیلئے قلعہ اور رکاوٹ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک مخصوص رکاوٹ یا قلعہ ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حجاب کلی'' ہیں اسی حجاب اعظم اور حجاب کلی کو

''برزخ کلی'' بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ مخلوق اور رب کائنات کے درمیان حجاب بھی ہیں اور برزخ بھی ہیں۔

''القَائِمُ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور آپ کا دعوت دینا اس طرح ہے کہ آپ کے اور اللہ کے مابین کوئی واسطہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے معنوی قرب میں کھڑے اور اس کی اطاعت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جب مولف صلوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اوصاف سے عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قلب ونظر میں حاضر پایا۔ جو ایسے اوصاف ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے میں پائے جانے ناممکن ہیں تو اس استحضار عظمت کے بعد اپنے رب سے عاجزی اور تضرع کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِنَسَبِہٖ۔ اے اللہ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں شامل فرمادے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہر پرہیز گار اور صاف ستھرے عقیدہ والا میری آل ہے۔

وَحَقِّقْنِیْ بِحَسَبِہٖ۔ حسب سے مراد یہاں تقویٰ ہے۔ یعنی اے اللہ! مجھے اپنا تقوی عطا فرما۔ جو تیری اطاعت اور تیرے محبوب کی اطاعت سے حاصل ہو۔ جس کے حصول پر میں بھی حقیقی متقی ہو جاؤں۔ ''حسب'' وہ ہوتا ہے۔ جو اعلیٰ اخلاق کا حامل اور قابل فخر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ (الحجرات:13)۔ تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک باعزت وہ ہے جو بہت زیادہ متقی ہو۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ آل بیت نبی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سُدْتُمُ النَّاسَ بِالتُّقیٰ وَ سِوَا کُمْ سَوَّدَتْہُ الْبَیْضَاءُ وَالصَّفْرَاءُ

تم حضرات لوگوں کے آقا وسردار تقویٰ کی بدولت بنے۔ اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو سفید و پیلے پن نے سردار بنایا۔

وَعَرِّفْنِیْ اِیَّاہُ مَعْرِفَۃً اَسْلَمُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الْجَھْلِ وَاَکْرَعُ بِھَا مِنْ مَوَارِدِ الْفَضْلِ وَاحْمِلْنِیْ عَلٰی سَبِیْلِہٖ اِلٰی حَضْرَتِکَ حَمْلاً مَّحْفُوْظاً بِنُصْرَتِکَ وَ اقْذِفْ بِیْ عَلَی الْبَاطِلِ فَاَدْمَغُہٗ وَ زِجَّ بِیْ فِیْ بِحَارِ الْاَحَدِیَّۃِ وَانْشِلْنِیْ مِنْ اَوْحَالِ التَّوْحِیْدِ وَ اَغْرِقْنِیْ فِیْ عَیْنِ بَحْرِ الْوَحْدَۃِ حَتّٰی لَا اَریٰ وَلَا اَسْمَعَ وَلَا اَجِدَ وَلَا اُحِسَّ اِلَّابِھَا

مجھے ان کی ایسی معرفت عطا فرما کہ اس کی بدولت میں جہالت کے مقامات سے محفوظ و سالم رہوں۔ اور فضل و کرم کے گھاٹ سے مجھے گھونٹ ملیں اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر ایسے چلا کر اپنا قرب عطا فرما۔ کہ تیری مدد سے میں چلنے کے دوران محفوظ رہوں اور مجھے باطل کے مقابل ایسی قوت عطا فرما کہ میں اس کا بھیجہ نکال دوں۔ اور مجھے احدیت کے سمندر میں ڈبو دے۔ اور توحید کے کیچڑوں سے مجھے جلد باہر نکال اور وحدت کے سمندر میں غرق کر دے۔ حتیٰ کہ میں اگر دیکھوں، یا سنوں، یا محسوس کروں یا کچھ پاؤں تو وحدت سے ہی ہو۔

پھر جبکہ عبودیت کا کمال اور توحید و معرفت کا کمال کسی شخص کیلئے اسی وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے اس کے گھونٹ بھر بھر کر نہ پیئے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولف صلوٰۃ ذکر فرماتے ہیں:۔

وَاجْعَلِ الْحِجَابَ الْاَعْظَمَ حَيَاةَ رُوْحِيْ وَ رُوْحَهٗ سِرَّ حَقِيْقَتِيْ وَ حَقِيْقَتَهٗ جَامِعَ عَوَالِيْ۔

حجاب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری روح کی زندگی بنادے اور ان کی تازگی کو میری حقیقت کا راز اور ان کی حقیقت کو میرے جہانوں کا جامع بنادے۔

''حِجَابِ اَعْظَمْ'' سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے، معنی یہ ہوگا میری روح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیراب کر جس طرح سبز ٹہنی پانی سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ پھر جس طرح پانی اجسام و نباتات کی زندگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ارواح کی زندگی ہیں۔ اور ان کی تر و تازگی ہیں۔ لہٰذا وہ ارواح جو آپ کا مشاہدہ نہیں کرتی اور آپ کی سیرابی کا سوال نہیں کرتیں وہ گویا مردہ ہیں۔ ایسی ارواح کفار و نافرمانوں کی ہیں۔

اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کو میری حقیقت کا راز بنادے۔ یعنی آپ کی روح پاک میری انسانیت کو یاد رکھے اور ملأ اعلیٰ میں مجھے فراموش نہ کر دے۔ میری طرف ہر وقت متوجہ رہے اور ہر چیز کو میرے لئے پسند فرمائے۔ کیونکہ جب وہ میری طرف سے توجہ ہٹالے گی، تو میں خسارے میں پڑ جاؤں گا اور ندامت میرا مقدر بن جائے گی۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو میرے جہانوں کی جامع بنادے۔ یعنی میرے تمام اجزاء ظاہری اور باطنی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشغول فرمادے۔ ایسا کہ میں کسی اور سے تعلق نہ رکھوں۔ بلکہ میں آپ ہی کا ہر حکم میں تابع رہوں جیسا کہ حضرت ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لَوْ غَابَ عَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَاعَدَدْتُ نَفْسِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اگر میں لحہ بھر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سے غائب پاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں شمار کرتا۔

بِتَحْقِيْقِ الْحَقِّ الْاَوَّلِ۔ حق اول سے مراد پہلا عہد ہے۔ جو ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' سے لیا گیا۔ یعنی حجاب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری روح کی زندگی بنا دے اور اس طرح بنا دے کہ توحید اول کی مصاحبت ہو جائے۔

يَا اَوَّلُ يَا آخِرُ يَا ظَاهِرُ يَا بَاطِنُ اِسْمَعْ نِدَائِى بِمَا سَمِعْتَ بِهٖ نِدَاءَ عَبْدِكَ زَكَرِيَّا وَ انْصُرْنِىْ بِكَ لَكَ وَاَيِّدْنِىْ بِكَ لَكَ وَاجْمَعْ بَيْنِىْ وَ بَيْنَكَ وَ حَلِّ بَيْنِىْ وَ بَيْنَ غَيْرِكَ اللّٰهُ اللّٰهُ اللّٰهُ اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ - رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ (الکہف)- اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

''اے اول! اے آخر! اے ظاہر! اے باطن! میری دعا اس طرح قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول کی۔ اور تو میری محض اپنی ذات کیلئے مدد فرما۔ اور میری تائید صرف اپنے لئے کر۔ میرے اور اپنے درمیان یکسوئی پیدا فرما۔ میرے اور میرے اغیار کے درمیان پردہ بن جا۔ اللہ اللہ اللہ، بیشک وہ ذات جس نے تم پر قرآن لازم کیا۔ یقیناً آپ کو معاد کی طرف لوٹائے گا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمیں ہمارے کاموں میں رشد و ہدایت مہیا فرما بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے''۔

اس ''صلوٰۃ'' کے بہت فضائل ہیں۔ میں نے انہیں اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں جیسا کہ ''افضل الصلوات''۔

جوہر نمبر ۱۸: قطب حقیقی سیدی ابراہیم دسوقی رضی اللہ عنہ کے ترتیب دادہ ''صلوٰۃ'' کی شرح کرتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الذَّاتِ الْمُحَمَّدِيَه۔ اے اللہ ذات محمدیہ پر صلوٰۃ بھیج۔ ''ذات محمدیہ'' اس لئے نام ذکر کیا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام مخلوق سے زیادہ صفت حامدیہ اور محمودیہ

پائی جاتی ہے۔

اَللَّطِيْفَةُ الْاَحَدِيَّةُ۔ ''لطیف، کثیف کی ضد ہے۔ اور آپ کو اس وصف سے اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ آپ ''نورانی'' ہیں۔ اور صفت ''احدیۃ'' کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی مثل، نظیر اور شبیہ معدوم ہے۔ یعنی نہ آپ کی ذات میں کوئی شریک اور نہ ہی صفات میں کوئی مثل ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ　　فَجَوْ هَرُالْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اوصاف و کمالات میں ثانی نہیں۔ آپ میں جو ہر حسن ایسا ہے جو تقسیم نہیں قبول کرتا۔

شَمْسِ سَمَاءِ الْاَسْرَارِ۔ اسرار کے آسمان کا سورج ہیں۔ یعنی اس کے نور اور اسرار کے کھولنے والے ہیں۔ جیسا کہ سورج کی روشنی سے اندھیرے میں چھپی اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ''اسرار'' کو آسمان سے اس لئے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ یہ ادراک سے بہت دور ہیں۔

مَظْهَرِ الْاَنْوَارِ۔ یعنی انوار حسیّہ اور معنویہ کے ظاہر ہونے کی جگہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ گزری چکی ہے۔

وَمَرْكَزِ مَدَارِ الْجَلَالِ۔ جلال کے مدار کا مرکز ہیں۔ اس سے مراد عظمت و کبریائی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تجلّیِ جلال کو فلک سے تشبیہ دی۔ جو اپنے مرکز کے ارد گرد چکر لگاتا ہے۔

وَقُطْبِ فَلَكِ الْجَمَالِ۔ اس سے مراد رحمت، لطف اور احسان سے حق کی تجلی ہے۔ یہاں معنی یہ ہوگا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تجلیات جلالیہ اور جمالیہ کے اترنے کی جگہ بنایا۔ لہٰذا مخلوق میں جس قدر جلال ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال سے واصل ہے اور جس قدر مخلوق میں جمال ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال سے ملا ہوا ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِسِرِّهٖ لَدَيْكَ وَ بِسَيْرِهٖ اِلَيْكَ اٰمِنْ خَوْفِيْ وَاَقِلْ عِثْرَتِيْ وَ
اذْهَبْ حُزْنِيْ وَ حِرْصِيْ وَكُنْ لِيْ وَخُذْنِيْ اِلَيْكَ مِنِّيْ وَارْزُقْنِيْ
الْغِنَاءَ عَنِّيْ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَفْتُوْنًا بِنَفْسِيْ مَحْجُوْبًا بِحِسِّيْ وَ اكْشِفْ
لِيْ عَنْ كُلِّ سِرٍّ مَّكْتُوْمٍ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

''اے اللہ! تیرے ہاں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر ہے اور تیری طرف جو ان کی سیر ہے اس کی بدولت مجھے میرے خوف سے امن عطا فرما۔ اور میری لغزشوں کو کم کر دے۔ میرے غم اور حرص کو دور فرما۔ تو میرا ہو جا اور مجھ سے مجھے چھوڑا کر اپنا بنا لے۔ مجھے مجھ سے

بے پرواکر دے اور مجھے اپنے نفس کے فتنوں میں مبتلا نہ کرنا، نہ ہی مجھے میری حس کو میرے لئے پردہ بنانا۔ میرے لئے ہر پوشیدہ راز کو کھول دے۔ اے زندگی دینے والے اور قائم"۔

جوہر نمبر ۱۹: بعض عارفین کے الفاظ صلوٰۃ کی امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ تشریح فرماتے ہیں۔ یہ الفاظ صلوٰۃ ایک پتھر پر کندہ خط قدرت سے ملے تھے۔ اس صلوٰۃ کا نام "صَلٰوۃُ نُوْرِ الْقِیَامَۃُ" ہے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے پڑھنے والے کو جس دن وہ پڑھے، انوار کی بارش عطا ہوتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِکَ۔ اے اللہ! ہمارے آقا جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما۔ جو تیرے انوار کا سمندر ہیں۔ "بحر انوارک" میں مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف ہے۔ یعنی تیرے انوار جو سمندر کی مانند ہیں۔ لہٰذا تمام مخلوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار مقدسہ سے ہی بقدر ہمت نور حاصل کرتی ہے۔ اور اسی سمندر و دریا میں سے چلو بھرتی ہے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْ ...... دُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْئِکَ الْاَضْوَاءِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فضل وفضیلت کے چراغ ہیں۔ لہٰذا جو روشنیاں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف آپ کی روشنی سے ہی روشن ہیں۔

وَمَعْدِنِ اَسْرَارِکَ وَ لِسَانِ حُجَّتِکَ وَ عُرُوْسِ مَمْلِکَتِکَ۔ تیرے اسرار کا خزانہ، تیری دلیل و حجت کی زبان اور تیری مملکت کے دولہا ہیں۔ یعنی ترے ملک دنیا اور آخرت کو زینت بخشنے والے ہیں۔

وَاِمَامِ حَضْرَتِکَ۔ یعنی تیرے ہاں جو حاضر ہیں۔ خواہ وہ فرشتے ہوں یا نبی وولی۔ آپ ان سب کے امام ومقتداء ہین۔

وَطِرَازِ مُلْکِکَ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ملک کو زینت عطا کرنے والے ہیں جس طرح دھوبی کپڑے کو خوبصورت کر دیتا ہے۔

وَخَزَائِنِ رَحْمَتِکَ۔ ترے انعامات یعنی دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ ان خزانوں کی کنجیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ہیں۔

وَ طَرِیْقِ شَرِیْعَتِکَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِیْدِکَ۔ تیری شریعت کا راستہ ہیں۔ تیری توحید سے لذت حاصل کرنے والے ہیں۔ یعنی آپ کی لذت صرف تیرے ذکر و شکر میں اور تیرے شہود میں

ہے۔ اسی مقام کو حضور ﷺ نے خود یوں بیان فرمایا۔ جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِیْ الصَّلٰوۃِ وَلِیْ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ غَیْرُ رَبِّیْ۔ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے اور اللہ کے حضور میرا ایسا وقت ہے جس میں میرے رب کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اِنْسَانِ عِیْنِ الْوُجُوْدِ۔ وجود کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود نہ ہوتا تو تمام موجودات اندھی ہوتیں۔ یعنی معدوم ہوتیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا وَلَا جِنًّا وَلَا مَلَکًا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ آسمان، نہ زمین، نہ جن اور فرشتے پیدا کرتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وَ کَیْفَ تَدْعُوْ اِلَی الدُّنْیَا ضَرُوْرَۃُ مَنْ لَوْ لَاہُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْیَا مِنَ الْعَدَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ضرورت دنیا کی طرف کیسے متوجہ کرتی جبکہ آپ کی شان یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود ہی وجود میں نہ آتی۔ اسی لئے اگلے الفاظ یوں آئے۔ وَالسَّبَبِ فِیْ کُلِّ مَوْجُوْدٍ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کا مادہ ہیں۔ کیونکہ تمام موجودات آپ ہی کے نور سے پیدا کی گئی۔ جیسا کہ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر ہو چکی ہے۔

عَیْنِ اَعْیَانِ خَلْقِکَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جو بہتر مخلوق ہے۔ آپ ان تمام سے بہترین ہیں۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک سے ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کَنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِیْلَ وَ اصْطَفٰی قُرَیْشًا مِّنْ کَنَانَۃَ وَاصْطَفٰی بَنِیْ هَاشِمٍ مِنْ قُرَیْشٍ وَ اصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ فَاَنَا خِیَارٌ مِنْ خِیَارٍ مِنْ خِیَارٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے "کنانہ" کو چنا۔ کنانہ سے قریش، قریش سے بنو ہاشم، بنو ہاشم سے مجھے چنا۔ لہٰذا میں بہتر سے بہترین اور بہترین سے بدرجہا بہتر ہوں۔

اَلْمُتَقَدِّمِ مِنْ نُوْرِ ضِیَآئِکَ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے اس نور سے ہیں۔ جسے تو نے بلاواسطہ پیدا کیا۔ نور اور ضیاء ہم معنی لفظ ہیں۔ لہٰذا اضافت بیانیہ ہے۔ صَلٰوۃً تَدُوْمُ بِدَوَامِکَ وَ تَبْقٰی بِبَقَائِکَ لَا مُنْتَھٰی لَھَا دُوْنَ عِلْمِکَ صَلٰوۃً تُرْضِیْکَ وَ تُرْضِیْہِ وَ تَرْضٰی بِھَا عَنَّا یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی صلوٰۃ بھیج جو تیرے دوام کے ساتھ دائمی ہو۔ تیری بقاء کے ساتھ باقی ہو، تیرے علم کے بغیر اس کی کوئی انتہا نہ ہو، ایسی صلوٰۃ جس سے تو بھی راضی تیرا محبوب بھی راضی اور جس کی برکت سے تو ہم سے بھی راضی ہو۔ اے دنیا والوں کے پروردگار!

جوہر نمبر ۲۰: سیدی محمد البکری الکبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ صلوٰۃ کی تشریح جیسے "صلوٰۃ الفاتح"

کہتے ہیں۔اس صلوٰۃ کے نہایت عظیم فوائد وفضائل ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ۔اے اللہ! صلوٰۃ و سلام اور برکتیں ہمارے۔سردار جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ جو ہر بند دروازے کے کھولنے والے ہیں۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریعتوں کے وہ دروازے کھولے جو بند تھے۔ کیونکہ آپ جس دور میں رسول بن کر تشریف لائے۔وہ زمانہ فترت اور جاہلیت کا دور تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے بندوں پر مختلف اقسام کی خیرات اور دنیوی و آخروی سعادتوں کے دروازے کھولے۔پس تمام کی روزی آپ کے دست اقدس میں دے دی گئی۔حدیث پاک میں ہے۔ اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔مجھے آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ یہ وہ کنجیاں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ۔(آیت ۱۲/سورۃ ۲۴)۔یعنی آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کی ملک ہیں۔اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیں۔ایک اور حدیث میں آیا ہے۔اَللّٰهُ مُعْطٍ وَاَنَا قَاسِمٌ۔اللہ دینے والا میں بانٹنے والا ہوں۔یا الفاظ مذکورہ کا معنی یہ ہوگا۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وجود کا دروازہ کھولا۔سو آپ سب سے پہلا اللہ تعالیٰ سے وجود پانے والے ہیں۔اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی چیز بھی پیدا نہ کی جاتی۔بہر حال عام مفہوم مراد لینا اولیٰ ہے۔

وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ۔سابقہ نبوتوں کے خاتم ہیں۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ورسول ہیں۔آپ کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ کوئی رسول ہے۔جو اپنی شریعت کی تجدید کرنے آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر کاربند ہوں گے۔اور آپ کے امتی بن کر آئیں گے۔جیسا کہ حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق عبادات بجالاتے ہیں۔اور آپ کے ہی امتی ہیں۔

وَالنَّاصِرِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے مددگار ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہے۔جس دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:85) جس نے بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی خواہش کی۔وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگی۔مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے دین کے حامی و ناصر ہیں۔ہر وقت حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔اور حق ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔دلائل اور حجتوں کے ساتھ دین حق

کو مضبوط فرمانے والے ہیں۔ اور جہاد حقہ کے ساتھ اس کو بلندی پر لے جانے والے ہیں۔ ان تمام باتوں کا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا۔ یا الفاظ مذکورہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ لفظ حق جو دوسرا ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ "حق" اس کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ایسا دین جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤید ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ۔

وَالْهَادِیْ اِلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ مِقْدَارِهِ الْعَظِیْمِ۔ اور ان پر صلوٰۃ و سلام ہو جو اللہ کے سیدھے راستہ کے راہنما ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل و اصحاب پر آپ کی قدر و منزلت کی عظمت جیسا صلوٰۃ و سلام بھیجے۔

جوہر نمبر ۲۱: قطب شہید سیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کے تالیف کردہ "صلوٰۃ" کی امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل شرح فرمائی۔ اس صلوۃ کا نام "صلوٰۃ النور الذاتی" ہے۔ اس کا ایک مرتبہ پڑھنا ہزار صلوٰۃ کے برابر ہے اور کسی بھی پریشانی کو دور کرنے کیلئے پانچ سو مرتبہ اس کو پڑھا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النُّوْرِ الذَّاتِیِّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایسا نور جسے اس نے مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کے وجود کی کنجی اور مادہ ہیں۔

وَالسِّرِّ السَّارِیْ فِیْ سَائِرِ الْاَسْمَاءِ وَ الصِّفَاتِ۔ یعنی تمام مخلوقات کے ناموں میں آپ کا راز ہے۔ ناموں سے مراد نام والی اشیاء ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ تمام خلائق کی ذوات اور صفات کیلئے آپ ممد و معاون ہیں اور یہ بھی ان الفاظ میں احتمال ہو سکتا ہے کہ اسماء سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ہوں۔ اس اعتبار کے پیش نظر معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلیات کا مرکز ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور کسی صفت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر استمداد ممکن نہیں۔ دونوں معانی صحیح ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ معنی کو عام رکھا جائے۔ بہر حال جو بھی معنی لیا جائے۔ مطلب یہی نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر استمداد ممکن نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کی ذات و صفات کیلئے دنیا و آخرت میں ممد و معاون ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تجلیات کا مرکز ہیں۔

جوہر نمبر ۲۲: ایک اور الفاظ صلوٰۃ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِهٖ صَلٰوةً تَلِیْقُ بِجَمَالِهٖ وَ جَلَالِهٖ وَ کَمَالِهٖ

''اے اللہ! تو صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہمارے آقا جناب محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ اور آپ کی آل پر بھی۔ ایسی صلوٰۃ جو ان کے جمال وکمال اور جلال کے شایان شان ہو''۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اس قدر صفات جمالیہ ظاہر اور مخفی ہیں۔ جن کی گنتی ناممکن ہے۔ یونہی صفات جلالیہ بھی ان گنت ہیں۔ اس موضوع پر قدیم وجدید عارفوں نے طبع آزمائی کی۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب احبار رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں سے، امام بوصیری اور برعی رضی اللہ عنہما بعد آنے والے حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات جمالیہ اور جلالیہ کی حد تک نہ پہنچ سکے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آپ کے جمال وجلال کے بارے میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے بطور نمونہ یہ دو ارشادات کافی ہیں۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ (القلم) — وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (انبیاء)۔ اس کی تفصیل قوت ادراکیہ کے بس کی بات نہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

علم وفراست کی دوڑ یہاں تک ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکل بشری رکھتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے آپ بہتر ہیں۔ ''کمال'' سے مراد کنایۃً آپ کے تمام ظاہری اور باطنی اخلاق ہیں۔ خواہ وہ جلیل ہوں یا جمیل ہوں۔ اسی لئے یہاں اس کا عطف، عطف العام علی الخاص ہوگا۔

جوہر نمبر ۲۳: درج ذیل ایک ''صلوٰۃ'' کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَاَذِقْنَا بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ لَذَّةَ وِصَالِهٖ۔ اے اللہ! صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر نازل فرما۔ اور ہمیں آپ پر صلوٰۃ عرض کرنے کی برکت سے آپ کے وصال کی لذت عطا فرما۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے درمیان جو پردے ہیں انہیں دور فرما کر ہمیں آپ کا قرب عطا فرما۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سب سے بڑی کامیابی اور سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اور اہل اللہ کی یہی عظیم تمنا ہوتی ہے۔ اسی لئے امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لمحہ کیلئے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ تو اس لمحے میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَيْتَهٗ خَصَّنِيْ بِرُؤْيَةِ وَجْهٍ زَالَ عَنْ كُلِّ مَنْ يَّرَاهُ الشِّقَاءُ

کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے دیدار سے نوازتے۔ آپ کی شان یہ ہے کہ جس نے بھی آپ کی زیارت کی اس کی ہر خرابی دور ہو گئی۔

جناب ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شَرِبْنَا عَلٰی ذِکْرِ الْحَبِیْبِ مُدَامَةً   سَکِرْنَا بِهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ یَخْلُقَ الْکَرَمُ

ہم نے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر شریف کی لذت کی شراب پی۔ ہم اس شراب سے نشہ میں ہو گئے۔ قبل اس کے کہ ابھی انگور پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابن الرفاعی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا   تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ فَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ   فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تُحْظِیَ بِهَا شَفَتِیْ

جب میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور تھا تو میں اپنی روح کو سرکار کی بارگاہ میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نائب بن کر میری طرف سے آپ کی قدم بوسی کرتی تھی۔ اور اب یہ سہانی گھڑی آن پہنچی کہ حضور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ تشریف فرما ہے۔ لہٰذا اب آپ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیں۔ تا کہ میرے ہونٹ اپنا نصیب پالیں۔ (یعنی میں آگے بڑھ کر اپنے ہونٹوں کو آپ کا بوسہ لینے کا اعزاز بخشوں)۔

جناب ابن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دو اشعار اس وقت عرض کئے۔ جب وہ لوگوں کی بھیڑ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہہ مقدسہ کے سامنے کھڑے تھے۔ ان اشعار کے پڑھتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس قبر انور سے ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے اسے چوم لیا۔

صاحب دلائل الخیرات نے روایت کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا۔ آپ پر ایمان لانے میں سب سے مضبوط کون ہے؟ ارشاد فرمایا وہ جو مجھ پر ایمان لایا۔ اور مجھے نہ دیکھا۔ وہ مجھ پر ایمان اپنے شوق کی وجہ سے رکھتا ہے جو اسے مجھ سے ہے۔ وہ میری محبت میں سچا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی ہر چیز قربان کر کے میری زیارت کی تمنا رکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر اسے زمین بھر کر سونا خرچ کرنا پڑے تب بھی وہ میرے دیدار کیلئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ وہ مجھ پر ایمان لانے میں سب سے عمدہ ہے۔ اور میری محبت میں وہ مخلص و صادق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو آپ پر صلوٰۃ وسلام

پڑھتے ہیں۔لیکن آپ سے دور ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے بعد دنیا میں آئیں گے۔ان کا آپ کی بارگاہ میں کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا، میں ان لوگوں کا سلام خود سنتا ہوں جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں اور میں انہیں پہچانتا بھی ہوں۔ان کے علاوہ دیگر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا صلوٰۃ وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔عارف باللہ سیدی علی وفا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَدْ كُنْتُ اَحْسِبُ اَنَّ وَصْلَكَ يُشْتَرىٰ بِكَرَائِمِ الْاَمْوَالِ وَالْاَشْبَاحِ

وَظَنَنْتُ جَهْلًا اَنَّ حُبَّكَ هَيِّنٌ تَغْنِیْ عَلَيْهِ نَفَائِسُ الْاَرْوَاحِ

حَتّٰى رَاَيْتُكَ تَجْتَبِیْ وَ تَخُصُّ مَنْ اَحْبَبْتَهٗ بِلَطَائِفِ الْاَمْنَاحِ

فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَاتُنَالُ بِحِيْلَةٍ وَلَوَيْتُ رَأْسِیْ تَحْتَ طَیِّ جَنَاحِیْ

وَجَعَلْتُ فِیْ عُشِّ الْغَرَامِ اِقَامَتِیْ فِيْهِ غُدُوِّیْ دَائِمًا وَ رَوَاحِیْ

میں خیال کیا کرتا تھا کہ آپ کا وصل بہت زیادہ قیمتی مال خرچ کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور میں از روئے جہالت یہ بھی گمان کیا کرتا تھا کہ آپ کی محبت معمولی اور بہت آسان ہے۔اس پر قیمتی سانس اور قیمتی جانیں ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔حتیٰ کہ میری جہالت کی جب آنکھ کھلی اور علم کی نظر سے میں نے دیکھا۔کہ آپ جسے پسند فرماتے ہیں اور جسے منتخب فرماتے ہیں اسے عظیم احسانات و انعامات سے نوازتے ہیں۔تو مجھے یقین آ گیا کہ آپ کسی حیلہ اور بہانہ سے نہیں پائے جاسکتے اور پھر میں نے اپنا سر اپنے بازوؤں میں چھپا دیا۔یعنی مراقبہ میں چلا گیا پھر میں نے عشق و محبت کے گھونسلے میں اپنی مستقل رہائش بنالی۔اسی پر میری صبح اور میری شام لگاتار گزرتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جسے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مل گیا۔اسے اللہ رب کائنات کا وصال مل گیا۔اس لئے کہ یہ ایک ہی بارگاہ ہے اور جو وسیلہ تک پہنچ گیا وہ مقصد تک پہنچ گیا اور جس نے ان دونوں کے وصال میں فرق کیا۔اسے معرفت کی بو بھی نہیں آسکتی۔عارف تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے محبوب کی محبت میں ہی دم بھرتے ہیں۔کسی عارف نے اس وصال کیلئے نعت شریف سے وسیلہ تک رسائی حاصل کی۔جیسا کہ برعی اور بوصیری رحمۃ اللہ علیہما اور کسی نے نعت شریف کو مقصد کے وصال کا ذریعہ بنایا۔جیسا کہ ابن الفارض اور ان کے ہم مشرب حضرات ہوئے۔اور کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے حصول وسیلہ و مقصد دونوں کیلئے نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لیا۔جیسا کہ سیدی علی الوفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔دونوں کے جمع کا مقصد ایک ہی ہے۔جب وصل کے اسباب میں سے عظیم سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے تعلق ہے اور آپ کی ذات پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہے۔اس

میں آدمی اتنا مگن ہو جائے کہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال شریف پیش نظر رہے۔ خواہ آدمی کہیں بھی ہو۔ صاحب دلائل الخیرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ اقدس کی تصویر بنا رکھی تھی۔ تاکہ جب روضہ اقدس سے واقعۃً دور ہوں۔ تو اس کو درود و سلام عرض کرتے وقت نظروں کے سامنے رکھ کر عرض کریں یہ اس لئے تاکہ تصویر کو دیکھ کر ذہن اس ذات کی طرف منتقل ہو جائے۔ جو اس روضہ مبارکہ میں جلوہ فرما ہے۔ پھر جب یہ عمل انہوں نے بار بار کیا اور ساتھ ہی صلوٰۃ و سلام کی کثرت بھی کی۔ تو ایک وقت آیا کہ یہی خیال حقیقت بن کر آنکھوں سے دکھائی دینے لگا۔ اور مقصود اصلی بھی یہی تھا۔ اسی طرف کسی شاعر نے اشارہ کیا ہے۔

فَوَّضْتُکَ الْحَسْنَاءَ مُنَایَ وَ بَغْیَتِیْ   وَ فِیْهَا شِفَاءُ قَلْبِیْ وَ رُوْحِیْ وَ رَاحَتِیْ
فَاِنْ بَعُدَتْ عَنِّیْ وَشَطَّ مَزَارُهَا   فَتِمْثَا لُهَا عِنْدِیْ بِاَحْسَنِ صُوْرَةٍ
وَهَا اَنَا یَا خَیْرَ النَّبِیِّیْنَ کُلِّهِمْ   اُقَبِّلُهَا شَوْقًا لِاُطْفِیْ غِلَّتِیْ

میں نے اپنی تمام تر خوبصورت امیدیں اور تمنائیں آپ کے حوالہ کیں۔ اسی میں میرے دل اور میری روح کی شفاء ہے اور اس میں میرا آرام پوشیدہ ہے۔ پس اگر آپ کا مزار اقدس اور آپ خود مجھ سے دور ہیں۔ تو میں اس دوری کا علاج آپ کے مزار شریف کی تصویر کے ذریعہ کرتا ہوں۔ میں نے اسی لئے اس کی خوبصورت ترین تصویر بنا کر سامنے رکھ لی ہے۔ اور ہاں اے تمام انبیاء کرام میں سے افضل و بہتر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اس کی طرف محبت اور شوق سے متوجہ ہوتا ہوں۔ تاکہ اس سے میں محبت کی پیاس بجھاؤں۔

ایک اور شاعر نے اس مضمون پر یوں اشعار کہے۔

اِذَا مَا الشَّوْقُ اَقْلَقَنِیْ اِلَیْهَا   وَلَمْ اَظْفَرْ بِمَطْلُوْبِیْ لَدَیْهَا
نَقَشْتُ مِثَالَهَا فِی الْکَفِّ نَقْشًا   وَقُلْتُ لِنَاظِرِیْ قَصْرًا عَلَیْهَا

جب محبت اور شوق نے مجھے محبوب کی قدم بوسی کیلئے جانے پر مجبور کر دیا۔ جب وہاں پہنچا تو مجھے اپنے مطلوب و محبوب سے وصل کی کامیابی نہ ہو سکی۔ تو میں نے اس کی تصویر اپنی ہتھیلی پر بنا لی۔ اور اپنی آنکھوں سے کہا کہ اب اسی پر جم جاؤ۔

عارفین حضرات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں درود و سلام کا بکثرت ہدیہ بھیجتے ہیں اس کثرت درود سے ان کا مقصد اپنے لئے ثواب یا اور کوئی نفع حاصل کرنا نہیں ہوتا اگرچہ یہ مقصد بہر حال مل ہی جاتا ہے یا یہ کہ کثرت صلوٰۃ و سلام سے شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فائدہ پہنچتا

ہو۔ ان حضرات کے پیش نظر یہ مقاصد نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنی محبت اور شوق بھرے دل کی تسکین اور وصل محبوب مقصود ہوتا ہے۔ عارف باللہ جناب دمرداشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَیْسَ قَصْدِیْ مِنَ الْجِنَانِ نَعِیْمًا غَیْرَ اَنِّیْ اُرِیْدُھَا لِاَرَاکَا

جنت میں جانے کا میرا مقصد یہ نہیں کہ وہاں مختلف نعمتیں ملیں گی۔ میرا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ وہاں جا کر تمہاری زیارت ہو سکے گی۔

سیدی عمر بن الفارض نفعنا اللہ بہ نے درج ذیل شعر اس وقت کہا۔ جب آپ نے کشف کے ذریعہ جنت دیکھی۔ اور اس میں جو کچھ ان کیلئے تیار کیا گیا وہ دیکھا۔

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَکُمْ مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

لوگو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری منزل اور مقام، محبت میں وہی ہے جو میں دیکھ چکا ہوں۔ تو پھر میں سمجھتا ہوں، کہ میں نے اپنی عمر یقیناً گنوا دی۔ (محبت کا صلہ نہ پایا)۔

درج ذیل الفاظ ''صلوٰۃ'' کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَ دَوَائِھَا وَ عَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا۔

''اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما، جو دلوں کے طبیب اور دوا ہیں۔ اور تمام بدنوں کی عافیت اور شفاء ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل کے حسی اور معنوی امراض کے طبیب ہیں۔ معنوی امراض مثلاً تکبر، خود پسندی، حسد، کینہ، شک اور شرک وغیرہ۔ یونہی بدن کی عافیت بھی امراض حسیہ اور معنویہ سے آپ کی نظر توجہ سے ہو جاتی ہے۔ جسم کے امراض معنوی ہر وہ گناہ جس کا تعلق ظاہر جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کے ان تمام امراض کو عافیت سے تبدیل کرنے والے ہیں۔

وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَ ضِیَائِھَا وَ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔ آپ آنکھوں کے نور یعنی آنکھوں کو منور کرنے والے اور ان کے حسی و معنوی پردوں کو دور فرمانے والے ہیں۔ ان تمام الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ظاہری و باطنی تکالیف، دینی اور دنیوی تکالیف کا دور کر دینا رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ ہر قسم کے منافع بھی آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہی معنی اس کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دنیا و آخرت کو زیر تصرف کر دیا ہے۔ آپ جو چاہتے ہیں ان میں تصرف فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق

میں ارشاد فرمایا۔ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ (مائدہ:110)۔ لہٰذا جو تصرفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ثابت ہیں۔ وہ اور ان سے اور زیادہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ثابت ہیں۔

جوہر نمبر ۲۴: ایک اور ''صلوٰۃ'' کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے امام صاوی لکھتے ہیں۔ یہ ''صلوٰۃ'' وہ اعلیٰ قدر و منزلت رکھتی ہے کہ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق لکھا۔ جو شخص ہر جمعہ کی رات اسے وظیفہ میں رکھے گا۔ خواہ وہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ پڑھتا ہو۔ جب اسے لحد میں اتاریں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ الْعَالِی الْقَدْرِ الْعَظِیْمِ الْجَاهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

لفظ ''اُمّی'' ام کی طرف منسوب ہے۔ ''اُمّی'' وہ ہے جس نے کسی سے پڑھا نہ ہو اور نہ وہ لکھنا جانتا ہو۔ یہ وصف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ و کامل وصف ہے۔ لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے اس کا ہونا اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''امی'' اس لئے بنایا تا کہ کافروں کے اس اعتراض کا خاتمہ ہو جائے جو یہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی آدمی پڑھا سکھا جاتا ہے۔ (جس سے پڑھ سیکھ کر آپ ہمیں آکر بتاتے ہیں۔ کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے) علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کَفَاکَ بِالْعِلْمِ فِیْ الْاُمِّیِّ مُعْجِزَةً   فِیْ الْجَاهِلِیَّةِ وَالتَّادِیْبِ فِیْ الْیُتُمِ

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف اسی معجزہ کو دیکھ لے تو تیرے لئے آپ کے سچا نبی ہونے کی یہ کافی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امی'' ہوتے ہوئے دور جہالت میں علم کے ناپیدا کنار سمندر ہیں۔ اور پیدا ہوتے ہی یتیم ہوتے کے باوجود آداب و اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

لفظ ''امی'' کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی ''ام القریٰ'' کی طرف نسبت ہے جو مکہ کا ایک نام ہے۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نشو ونما پائی۔ شعب ابی طالب میں پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری عام الفیل کے پچاس دن بعد ہوئی تھی۔ بعض نے اور بھی قول کئے پھر جب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی تو آپ بحیثیت رسول مبعوث ہوئے۔ مکہ شریف میں اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال آپ تشریف فرما رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اور دس سال وہاں اقامت فرمائی۔ جب آپ نے وصال فرمایا۔ تو آپ کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی۔ فتح مکہ اور عظیم کامیابیوں کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ اور سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ آپ کا وصال مبارک بروز پیر ہوا۔ اور ربیع الاول میں ہی انتقال کے دو دن بعد بروز بدھ دفن کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی بہت ہیں۔ بعض حضرات نے ایک ہزار تک شمار کئے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ تَوَسَّلُوْا بِجَاهِيْ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میری قدر و منزلت اور عزت کا وسیلہ پیش کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری قدر و منزلت نہایت عظیم ہے۔

جوہر نمبر ۲۵: ایک صلوٰۃ مبارکہ لفظ میں مذکور "الطَّاهِرُ الْمُطَهِّرُ" کے تحت امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ تشریح فرماتے ہیں۔ یہ "صلوٰۃ" ایسی بابرکت ہے کہ جو اس کی پڑھائی اپنے لئے لازم کر لیتا ہے اسے اس کے صلہ میں "طہارت" عطا کر دی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

"الطاہر" کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کے میل اور نجاست سے منزہ و پاک تھے۔ حضرات علماء کرام نے اس پر نص فرمائی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نطفہ سے پیدا کئے گئے۔ وہ پاک تھا۔ اور علماء کا اگرچہ آپ کی منی کی طہارت میں اختلاف ہے۔ لیکن اول الذکر میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر انتقال کے بعد بھی بالاجماع طاہر ہے۔ جیسا تمام انبیاء کرام کے اجسام پاک طاہر ہوتے ہیں۔ علماء میں جو یہ اختلاف ہے کہ عام آدمی کا جسم مرنے کے بعد پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف سے حضرات انبیاء کرام کے اجسام عالیہ مستثنیٰ ہیں۔ (یعنی بالاتفاق والاجماع یہ پاک ہیں) علماء نے یہ بھی بطور نص فرمایا ہے کہ تمام انبیاء کرام کے جسم سے خارج ہونے والے فضلات بھی طاہر ہیں۔ خواہ وہ زندگی میں خارج ہونے والے ہوں یا بعد از وصال۔

لفظ "الْمُطَهِّرُ" اگر اسم مفعول کا صیغہ ہے تو اس کا معنی بھی پاکیزہ اور طاہر ہی ہے۔ اور اگر اسے اسم فاعل پڑھا جائے۔ تو پاک کرنے والا مراد ہوگا۔ پھر "طاہر" اور "مطہر" دو الگ معنی رکھنے والے الفاظ ہوں گے۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو پاک کرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "مطلق پانی" کی طرح ہوں گے۔ جو خود بھی پاک ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیوی و اخروی ہر گندگی اور میل سے پاک کرنے والے ہیں۔

جوہر نمبر ۲۶: ''ذَاتُ الْمَنَاقِبِ الْفَاخِرَۃ'' کے الفاظ ایک درود شریف میں مذکور ہیں۔ ان الفاظ کی تشریح میں امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ذِی الْمُعْجِزَاتِ الْبَاھِرَۃِ۔ آپ معجزات باھرۃ بمعنی ظاہر معجزات والے یا مخالفین کے دلائل کو کاٹ کر رکھ دینے والے ہیں۔'' صاحب الجوھرہ'' رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے معجزات ہیں۔ جو روز روشن کی طرح ظاہر تھے۔ ان میں ایک قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس نے تمام انسانوں کو اپنی مثل ایک آیت لانے سے عاجز کر دیا۔ ان میں سے دوسرا معجزہ آپ کیلئے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ہے۔ وہ بھی اسی طرح کہ دونوں ٹکڑے آسمان پر ہی الگ الگ ہو گئے۔ اور ایک دوسرے سے دوری پر ہوتے ہوئے ایک ایک پہاڑ پر آ کر رک گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ (القمر) تیسرا معجزہ کنکریوں کا آپ کے دست اقدس میں تسبیح کہنا ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری۔ انہوں نے تسبیح کہنا شروع کر دی۔ حتیٰ کہ ان سے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی طرح آواز سنائی دی۔ پھر ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح کی آواز آتی رہی۔ پھر حضرت عثمان نے لیں۔ تو بھی تسبیح کہہ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے زمین پر رکھ دیں۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ اس واقعہ میں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور دوسری طرف صحابہ کرام کی کرامت بھی ہے۔

چوتھا معجزہ حیوانات کا گفتگو کرنا ہے۔ جن میں گوہ، ہرنی اور اونٹ کے واقعات نمایاں ہیں۔ امام احمد اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے۔

اَنَّہٗ دَخَلَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَائِطاً لِاَنْصَارِیِّ وَ فِیْہِ جَمَلٌ اِسْتَصْعَبَ عَلٰی اَھْلِہٖ وَ مَنَعَھُمْ ظَھْرٌ فَمَشٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَحْوَہٗ فَقَالَ الْاَنْصَارِیُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْصَارَ مِثْلَ الْکَلْبِ وَ اَنَا اَخَافُ عَلَیْکَ صَوْلَتَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَیَّ مِنْہُ بَأْسٌ فَلَمَّا نَظَرَ الْجَمَلُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَّ سَاجِدًا بَیْنَ یَدَیْہِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بِنَا صِیَتِہٖ وَاَدْخَلَہٗ فِی الْعَمَلِ فَقَالَ لَہٗ اَصْحَابُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ بَھِیْمَۃٌ لَا تَعْقِلُ وَ نَحْنُ نَعْقِلُ فَنَحْنُ اَحَقُّ

بِالسُّجُوْدِ لَکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا یَصْلُحُ لِبَشَرٍ اَنْ یَسْجُدَ لِبَشَرٍ (الحدیث)۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔اس میں ایک اونٹ دیکھا جس نے اپنے مالکوں کو ہراساں کیا ہوا تھا۔کسی کے قابو میں نہ آتا تھا۔اور نہ ہی کسی کو اپنی پشت پر سوار ہونے دیتا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف تشریف لے جانے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔یارسول اللہ! یہ اونٹ ہلکے کتے کی طرح باؤلا ہو گیا ہے۔ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کردے۔یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔جب اونٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا۔تو آپ کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑا اور اسے کام میں لگادیا۔یہ دیکھ کر حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔یارسول اللہ! یہ بے زبان کچھ عقل نہیں رکھتا۔اور ہم صاحب عقل ہیں۔اس لئے اس سے زیادہ ہمیں حق ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کیلئے کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرنا قطعاً درست نہیں''۔

امام بیہقی اور شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے ذکر کیا ہے۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔وہاں اچانک بنو سلیم قبیلہ کا ایک اعرابی آیا جس نے گوہ کا شکار کرکے اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا۔تاکہ اسے اپنے کجاوہ کے پاس لے جائے۔اسے بھون کر کھائے جب اس نے یہ جماعت دیکھی تو پوچھنے لگا یہ کون ہیں؟ حاضرین نے جواب دیا یہ اللہ کے رسول ہیں۔اس نے اپنی آستین سے گوہ نکالی اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم! میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہیں لاتی۔یہ کہہ کر اس نے گوہ آپ کے سامنے ڈال دی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آواز دی۔گوہ آپ کی آواز پر بولی۔اس کا جواب حاضرین محفل نے بھی سنا۔کہنے لگی۔ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ یَا زَیْنَ مَنْ وَافَی الْقِیَامَۃَ۔آپ نے اس سے پوچھا۔تو کس کی بندگی بجالاتی ہے؟ کہنے لگی۔اس کی جس کا آسمانوں میں عرش ہے،زمین میں اس کی سلطنت ہے۔دریاؤں سمندروں میں اس کا راستہ ہے۔جنت میں اس کی رحمت،دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔آپ نے پوچھا۔میں کون ہوں؟ کہنے لگی۔اللہ رب العالمین کے رسول ہیں۔عالمین کیلئے رحمت ہیں۔تمام پیغمبروں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔جس

نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ ذلیل ورسوا ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی اسلام لے آیا۔

حافظ عبدالعظیم منذری نے اپنی کتاب ''الترغیب والترھیب'' میں روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحراء میں تھے۔ کہ کسی ان دیکھے نے تین مرتبہ آواز دی۔ یارسول اللہ! آپ نے جدھر سے آواز آئی مڑ کر دیکھا۔ تو ایک ہرنی دکھائی دی۔ جو رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور ایک اعرابی بالکل اس کے قریب سویا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرنی سے پوچھا۔ تمہاری کیا حاجت ہے؟ کہنے لگی۔ اس اعرابی نے مجھے شکار کر کے پکڑ لیا ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ جو اس نزدیک والے پہاڑ میں ہیں۔ آپ مجھے کھول دیں۔ تاکہ میں جا کر ان کو دودھ پلا آؤں۔ اور میں واپس آ جاؤں گی۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تو واپس آ جائے گی؟ کہنے لگی اگر میں واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے ظالم کا سا عذاب دے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی رسیاں کھول دیں۔ پھر وہ بچوں کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ اور آپ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ پڑا۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہے؟ فرمایا۔ ہاں وہ یہ کہ اس ہرنی کو چھوڑ دے۔ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ چھلانگیں لگاتی صحرا میں بھاگ گئی۔ اور زمین پر کھر مارنے لگی۔ اور کہہ رہی تھی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اس قدر ہیں کہ کئی کتابیں لکھی جائیں تو بھی ناکافی رہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِکَ الْعِجْزُ عَنْ وَصْفِکَ اِذْلَا یَحُدُّهُ اَلْاِحْصَاءُ

کَیْفَ یَسْتَوْعِبُ الْکَلَامُ سَجَایَاکَ وَهَلْ تَنْزِحُ الْبِحَارَ الدِّلَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی صفت وثناء کرنے سے ہر شخص عاجز ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی گنتی اور حد ہے ہی نہیں۔ آپ کے اوصاف وکمالات کا کلام کس طرح احاطہ کر سکے! اور کیا سمندروں کا پانی ڈول سے کھینچ کر ختم کیا جا سکتا ہے؟

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ذِی الْمَنَاقِبِ الْفَاخِرَةِ۔ مناقب کا معنی کمالات ہے۔ اس کی ضد مثالب آتی ہے۔ اور ''الفاخرۃ'' کا معنی ایسی باتیں جو دنیا و آخرت میں قابل فخر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ)۔ اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ (الکوثر)۔ ہم نے آپ کو کثرت عطا کی۔ نیز فرمایا۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (الضحیٰ) آپ کا رب بہت جلد آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا

کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔کوئی فخر نہیں۔یعنی اس سے بڑا اور کوئی فخر نہیں۔یا یہ معنیٰ ہے کہ میں یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلوں۔بلکہ اس کی نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں۔جیسا کہ اس نے مجھے تذکرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔یہ تمام کمالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت اور معنیٰ کے کمال کی طرف لوٹتے ہیں۔آپ ایسی انتہاء ہیں جس تک رسائی ناممکن ہے۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَیْسَ مِنْ غَایَۃٍ لِوَصْفِکَ اَبْغِیْ ...... ھَا وَلِلْقَوْلِ غَایَۃٌ وَ اِنْتِھَاءُ

آپ کے اوصاف مبارکہ کی کوئی انتہا نہیں کہ میں اسے تلاش کرتا پھروں۔میری باتوں کی انتہاء بھی ہے اور غایت بھی ہے۔

اِنَّمَا فَضْلُکَ الزَّمَانُ وَ آیَاتُکَ فِیْمَا نَعُدُّہُ الْآنَاءُ

آپ کے فضائل زمانے کی طرح لامحدود ہیں۔اور آپ کے معجزات ناپیدا کنار سمندر ہیں۔اور ہم جو کچھ گن سکتے ہیں وہ اس وسیع زمانے کے سیکنڈ ہیں۔وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ خلِّقنا بِاَخْلَاقِہِ الطَّاھِرَۃِ۔آگے ذکر ہونے والے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ۔یعنی ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے آپ خیانت سے معصوم ہیں۔نبوت سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی۔اسی لئے ان دونوں ناموں سے آپ کو بعثت مبارکہ سے پہلے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ جَآءَ بِالْحَقِّ الْمُبِیْنِ۔یعنی ظاہر اور واضح حق لیکر تشریف لائے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (بقرہ:146)۔ یہودی عیسائی آپ کو یوں پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے "میں تمہیں روشن و واضح دلائل پر چھوڑے جا رہا ہوں۔اس کی رات اس کے دن کی مانند ہے۔اور اس کا دن اس کی رات جیسا ہے۔اس سے گمراہ وہی ہوگا جو ہلاک ہونے والا ہے۔حدیث پاک میں یہ بھی وارد ہے کہ حلال و حرام بالکل واضح ہے۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ اَرْسَلْتَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ۔سب کیلئے حتیٰ کہ کفار کیلئے بھی آپ رحمت ہیں۔وہ اس طرح کہ عذاب ان سے مؤخر ہو گیا۔اور منافقین کیلئے رحمت اس

طرح کہ انہیں امان مل گئی۔حدیث پاک میں وارد ہے۔"میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)۔ساری دنیا زمین میں دھنس جانے اور شکلیں تبدیل ہو جانے سے اور ہر عام عذاب سے اس لئے امن میں ہو گئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں قیامت تک جلوہ فرما ہیں۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهِمْ وَ صَحْبِهِمْ اَجْمَعِيْنَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِمُ الْغَافِلُوْنَ۔

جوہر نمبر ۲۷: "مسبعات عشر" میں صلوٰۃ ابراہیمی پر گفتگو کرتے امام موصوف نے لکھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

"اَللّٰهُمَّ" کا معنی اے اللہ ہے جو جمیع اسماء وصفات الٰہیہ کا جامع ہے۔

"صَلِّ" یعنی اے اللہ! تو اپنی ایسی رحمت جو تعظیم، تکریم اور بزرگی سے ملی ہوئی ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما اور اہل دنیا و آخرت میں علی الدوام نازل فرما۔ عالم علوی اور عالم سفلی میں تو اپنی بلندیوں سے انہیں لگا تار رحمتوں سے نواز۔

جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو تو بندوں کو تو خود اپنی ذات کیلئے حصول نفع کی قدرت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی دوسرے کو نفع پہنچائیں۔اب صلوٰۃ وسلام کے حکم پر عمل کرنے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے کہ اے اللہ! تو ہی ان پر رحمتیں نازل فرما۔اس لئے ایک "صلوٰۃ" اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے ہے وہ "اعطائے انعامات" ہوگی۔اور دوسری جو بندوں کی طرف سے بھیجنے کی درخواست کی گئی وہ اللہ تعالیٰ سے "طلب" ہوگی۔مومن اس سے دنیا و آخرت میں مشرف ہوں گے۔اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔اور بندوں پر اس کی نعمت ہے۔

"مُحَمَّدٌ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "ذاتی علم" ہے۔آپ کے تمام اسماء عالیہ سے اسے اس لئے منتخب کیا گیا کیونکہ یہ تمام دیگر اسماء سے اشرف واعظم ہے۔اسی لئے کلمہ توحید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کیساتھ یہی نام متصل فرمایا۔لفظ "محمد" باب تفعیل سے اسم مفعول بنتا ہے۔ح،م،د سے جس

قدر الفاظ مشتق ہیں۔ ان تمام میں سے یہ زیادہ بلیغ اور مبالغہ کا حامل ہے۔ کیونکہ لغت میں لفظ ''محمد'' وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی ہر وقت حمد کی جائے۔ کیونکہ یہ صیغہ تکرار کو چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ اسم آپ کی ذات کے مطابق ہے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ آپ کی ذات مبارکہ تمام جہانوں کے رہنے والوں کی محمود ہے۔ اور تمام دنیا آپ کی ہر طریقہ سے حمد کرتی ہے۔ حقیقۃً، اوصافاً، اخلاقاً، اعمالاً، اموالاً، علوماً اور احکاماً وغیرہ۔ لہٰذا آپ کی ہی بار بار حمد اور لگاتار حمد آسمانوں، زمینوں اور دنیا و آخرت میں کی گئی اور ہو رہی ہے۔ آپ ہر محمود سے بہتر اور افضل ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کل قیامت میں ''لِوَاءِ الْحَمد'' آپ کے دست اقدس میں ہوگا۔ آپ ہی ''مقام محمود'' کے مکین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نام سے اس وقت موسوم فرمایا۔ جب مخلوق کے خلق ہونے میں ابھی دو ہزار سال تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے یہ نام ایک خواب کے دیکھنے پر رکھا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سونے کی زنجیر دیکھی جوان (عبدالمطلب) کی پشت سے نکلی۔ اس کا ایک کنارہ آسمان دوسرا زمین تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک مشرق اور ایک مغرب میں تھا۔ پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کر گئی۔ جس کے ہر پتہ پر نور تھا۔ پھر تمام مشرق و مغرب کے رہنے والے گویا اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ عبدالمطلب نے یہ خواب بیان کیا تو انہیں تعبیر یہ بتائی گئی۔ کہ تمہاری پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے اہل مشرق و مغرب گرویدہ ہوں گے اور آسمان و زمین والے سبھی اس کی حمد کہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے کسی کہنے والے کی آواز سنی۔ کہ تمہارے شکم میں اس امت کے سردار ہیں۔ جب یہ دنیا میں تشریف لائیں تو ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔

آلِہٖ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''آل'' وہ حضرات ہیں جن پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دی گئی ہے۔

سوال: قانون یہ ہے کہ جن دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دی جائے ان میں سے جس کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ اس چیز سے ادنیٰ ہوتی ہے۔ جس سے اس کو تشبیہ دی گئی ہو یا پھر زیادہ سے زیادہ برابر ہوتی ہے اعلیٰ نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر ''صلوٰۃ'' افضل ہے۔ حالانکہ آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دی گئی۔ لہٰذا آپ زیادہ سے زیادہ مساوی ہوسکتے ہیں اعلیٰ نہیں۔ حالانکہ آپ اعلیٰ ہیں؟

جواب: اس کے بہت سے جوابات دیئے گئے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ مذکورہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اغلبیہ ہے۔ یعنی اکثر اور غالباً ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشبہ بہ افضل و اعلیٰ ہوتا ہے لیکن ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض جگہ مشبہ افضل ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الآیہ (النور:35)۔ اس میں اللہ کا نور مشبہ اور مشکوٰۃ مشبہ بہ ہے اور

افضلیت، بہر حال اللہ تعالیٰ کے نور کو ہی ہے۔

۲- چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ پہلے تھا۔ اور ان پر ان کے دور میں صلوۃ نازل ہوئی۔ اس تقدیم کے پیش نظر انہیں مشبہ بہ بنایا گیا۔ معنی یوں ہوگا۔ اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ بھیج جس طرح تیری طرف سے حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ پہلے نازل ہو چکی ہے۔ بس تو اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطریقہ اولیٰ صلوۃ نازل فرما۔ تشبیہ یہاں اصل صلوٰۃ میں ہوگی۔ قدر صلوۃ میں تشبیہ نہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ آلایہ (النساء:163) ...... كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرہ:183)...... وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ (القصص:77)

۳- امت کیلئے تواضع اور جواز کے پیش نظر ایسا کہا گیا۔ تاکہ وہ اس سے فضل وثواب حاصل کرے۔ اور بھی جوابات ہیں۔ جن کو دلائل الخیرات کے شارحین نے لکھا ہے'' آل ابراہیم'' سے مراد آپ کے متبعین اور وہ اولاد جو مومن تھی۔ ان میں انبیاء بھی شامل ہیں اور غیر انبیاء بھی۔ لہٰذا آپ کی صلبی اولاد اور بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر شامل ہیں۔ یہی معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ہے۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ہود:73)۔

''بَارِکْ'' کا معنی ہے کہ اے اللہ! تو دارین کی خیرات آپ کو عطا فرما۔ اور تو نے آپ کو جو بزرگی اور کرامت عطا فرمائی اسے دوام عطا فرما۔ اور آپ کی شریعت اور آپ کا ذکر لگاتار جاری رکھ۔ کیونکہ ''برکت'' کسی چیز میں خیر کے اضافہ کو کہتے ہیں۔

''فِی الْعَالَمِیْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو صلوۃ کو تمام کائنات میں پھیلا دے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوۃ کو تو نے پھیلایا۔

لفظ ''حَمِیْدٌ'' بروزن فعیل ہے اور اسم مفعول یعنی محمود کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح محمود ہے کہ اس کے بندے اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ یا بمعنی فاعل یعنی حامد ہوگا۔ کیونکہ وہ خود اپنا حامد ہے اور اپنے اطاعت گزار بندوں کا بھی حامد ہے۔

لفظ ''مَجِیْدٌ'' مجد سے مشتق ہے۔ جس کا معنی شرف، رفعت، کرم ذات وصفات ہے۔ دونوں الفاظ کو ملانے سے معنی یہ ہوگا۔ اے اللہ! تو ہی حمد کا مستحق ہے۔ تو ہی فعل جمیل اور افضال کا مالک ہے۔ ہمیں ہمارے سوال عطا فرما۔ صلوٰۃ کے درج شدہ صیغہ جات کو امام مالک نے موطا میں اور مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جناب بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ تو ہم کیسے آپ پر صلوٰۃ بھیجیں؟ ابومسعود کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی۔ کہ کاش وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات نہ پوچھتے۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ ''صلوٰۃ'' ارشاد فرمائی۔ یہ درود ابراہیمی مختلف طریقہ جات اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ جیسا کہ صاحب دلائل الخیرات نے ذکر کیا ہے۔ اس کا نام درود ابراہیمی رکھا گیا ہے۔ اس میں لفظ ''سید'' موجود نہیں۔ لہٰذا جو شخص احادیث میں وارد الفاظ پر اکتفا کرنا چاہے وہ لفظ ''سید'' نہ کہے۔ یہی اولیٰ ہے اور امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہی موقف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے مذکور درود شریف پڑھا۔ یہ درود شریف کل قیامت میں اس کے حق میں لازماً گواہی دے گا۔ اور پڑھنے والے کی شفاعت بھی کرے گا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے راویان حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ درود شریف ایک ہزار مرتبہ پڑھنے والے کو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو گی۔ امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

کتاب ہذا کے جامع ومؤلف علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لفظ ''سید'' کے بارے میں اپنی تحقیق لکھتے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''سید'' کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس کا ترک اولیٰ ہے۔ یہ مسئلہ (لفظ سید کا ترک یا اندراج) ایک اہم مسئلہ ہے میں نے اس کے متعلق اپنی کتاب ''سعادۃ دارین'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں اسے یہاں نقل کرتا ہوں۔ اس سے آپ حضرات کو معلوم ہو جائے گا کہ چاروں مذاہب کے علماء خاص کر شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔ کہ لفظ ''السیادۃ'' ہر حال میں زائد کرنا مستحسن ہے۔ میری عبارت درج ذیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے وقت لفظ ''سیدنا'' کے اضافہ پر گفتگو

''القول البدیع'' میں مذکور ہے کہ المجد اللغوی نے جو لکھا اس کا ماحاصل یہ ہے کہ بہت سے عشاق یوں پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا الخ اس میں محبت ہے۔ درود شریف میں بظاہر یہ درست نظر آتا ہے کہ الفاظ ماثورہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ لفظ نہ کہا جائے اور خبر صحیح کے الفاظ پر ہی اکتفا

کیا جائے۔ درود شریف کے علاوہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ اس کا اضافہ کرنا۔ اس کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لفظ کو پسند نہ فرمایا۔ جب کہ آپ کو اس سے مخاطب کیا گیا تھا۔ جیسا کہ حدیث مشہور میں آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس لفظ کے استعمال کو ناپسند فرمانا ہوسکتا ہے کہ از روئے انکساری ہو۔ یا اس لئے ہو کہ کسی کی سامنے اور منہ پر تعریف کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ یا کوئی اور وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ ورنہ خود روایات صحیحہ میں آتا ہے۔ فرمایا "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ" اور امام حسن کو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ۔ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد پر فرمانا قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ اپنے سید کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور حضرت سہل بن حنیف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "یَا سَیِّدِیْ" کہہ کر پکارا۔ اس روایت کو امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ ان تمام روایات سے اس امر کی واضح دلیل ملتی ہے۔ اور روشن براہین ملتی ہیں۔ کہ لفظ "سید" کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر جائز ہے۔ اور جو حضرات اس کو منع کرتے ہیں ان کو شروع میں ذکر کی گئی دلیل کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ دلیل اتنی وزنی نہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں کراہت اور ناپسندیدگی کے بہت سے احتمالات ہیں، جن میں چند مذکور ہوئے۔

علامہ الاسنوی رحمۃ اللہ علیہ "المہمات" میں فرماتے ہیں مجھے بہت عرصہ سے یہ بات یاد ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام وہ شخص ہیں جنہوں نے تشہد میں لفظ محمد سے قبل "سیدنا" کا اضافہ یا عدم اضافہ کے بارے میں بنیاد یہ باندھی کہ افضل کیا ہے۔ کیا ادب کے طریقہ پر چلنا اور اس لفظ کو از راہ ادب زیادہ کرنا بہتر ہے؟ یا حکم نبوی پر عمل کرتے ہوئے من وعن انہی الفاظ پر اکتفا کرنا بہتر ہے؟ اگر پہلی بات کا خیال رکھا جائے تو زیادتی مستحب ہے۔ لیکن دوسری بات کو مدنظر رکھیں تو نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" ہیں۔ پھر امام حافظ السخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ پڑھنے والے حضرات کا یوں پڑھنا "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ" یہ اس حکم کی تعمیل ہے جس کا مومنین کو حکم دیا گیا۔ اور تعمیل حکم کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "سیدنا" کہنا ایک حقیقت کی نشاندہی اور خبر ہے۔ اور یہ بات ادب و احترام کی حامل ہے۔ لہٰذا لفظ "سیدنا" کا زیادہ کرنا بہ نسبت اس کے ترک کرنے کے افضل ہے اور یہ بات گزشتہ حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے۔ وہ یہ کہ

''اَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ'' اپنے نبی پر اچھے لفظوں کے ساتھ صلوٰۃ بھیجو۔ امام الشمس الرملی اور شہاب ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما دونوں حضرات نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے وقت لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ مستحب ہے۔ خواہ تشہد کا درود شریف ہو یا کوئی دوسرا۔ دلائل الخیرات کی شرح میں شیخ محمد الفاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ لفظ ''سید'' اور ''مولیٰ'' کا اضافہ جائز ہے۔ بلکہ اس طرح کے دیگر الفاظ کا اضافہ بھی جائز ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کی بزرگی، تعظیم اور توقیر پر دلالت کرتے ہوں۔ ان کے ترک کی بہ نسبت ذکر کرنا اولیٰ ہے۔ صلوۃ پڑھنا ہو یا کسی اور مقام میں ہر وقت ان کا اضافہ جائز ہے۔ ہاں جہاں کسی مخصوص عبادت کا ذکر ہو۔ تو وہاں انہی الفاظ پر اکتفاء کرنا بہتر ہوگا۔ جو روایات میں آتے ہیں۔ علامہ البرزلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور تشریف پر مبنی ہو۔ اس کو استعمال کرنا درست ہے۔ یہاں تک کہ امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے الفاظ ایک سو سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ صاحب ''مفتاح الفلاح'' کہتے ہیں۔ لفظ ''سید'' کے ترک کرنے سے بچ۔ کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں وہ راز ہے جو اسی کو ملتا ہے جو اس کا ورد کرتا ہو علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کہ اس حدیث کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں ''لَا تَسَیِّدُوْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ'' صلوۃ میں مجھے سید نہ کہا کرو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ایسے الفاظ وارد نہیں ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''صلوٰۃ'' کے الفاظ تعلیم فرمائے تھے تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ ''سید'' اس لئے ذکر نہ فرمایا۔ کہ آپ فخر کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ رہا معاملہ ہم امتیوں کا تو ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع فرما دیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیکر آپ کو آواز دیں۔ فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط (النور:63)

شیخ الحطاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو بات مجھ پر عیاں ہوئی۔ اور میں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ خواہ صلوۃ کا وقت ہو یا غیر صلوۃ کا۔ میں تو لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ کرتا ہوں۔ فرمایا۔ امت کے ہاں جو بات جاری وساری ہے وہ یہ کہ ایسے ''الفاظ صلوۃ'' جو روایات میں وارد نہیں۔ ان میں لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ درست ہے اور جو روایات میں وارد ہیں۔ ان کے الفاظ کی اتباع کرتے ہوئے اور زیادتی سے دور رہتے ہوئے اس لفظ کا اضافہ نہیں کرتے۔ کیونکہ روایات میں مذکور الفاظ تعلیم کیلئے اور امتیوں کو ان کی حدود بتانے کیلئے ہوتے ہیں۔ یونہی سیدی احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ پھر امام

الحطاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صاحب دلائل الخیرات نے الفاظ صلوۃ جو مختلف روایات میں وارد ہیں۔ انہیں من وعن نقل کیا ہے۔ لفظ سیدنا کا ان میں اضافہ نہیں کیا اور جو وارد نہیں ان میں "سیدنا" کا لفظ زیادہ کیا ہے۔ لیکن یہ بھی اس لئے تا کہ لکھنے میں جو موجود ہے وہی لکھا جائے۔ لیکن لکھتے وقت زبان سے وہاں بھی "سیدنا" کہہ لینا بہتر ہے۔ انتہیٰ۔ یہ چند باتیں "کنوز الاسرار للہاروشی" اور "کتاب الرماح لعمر الفوتی" سے بطور اختصار ذکر کی گئیں۔

صاحب کنوز الاسرار نے امام الحطاب سے مذکورہ گفتگو لکھنے کے بعد لکھا۔ ہمارے شیخ العیاشی حفظہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ "صلوٰۃ" میں لفظ "سیدنا" کا اضافہ کیسا ہے؟ فرمایا۔ "اَلسِّیَادَۃُ عِبَادَۃٌ" کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بات واضح ہے کیونکہ صلوۃ بھیجنے والا جب صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اس کا ارادہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہی تو ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے حال میں لفظ "سید" کا ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے جو عین تعظیم ہے؟

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "الدر المنضود" میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی "محمد" سے قبل لفظ "سیدنا" زیادہ کرنے میں اختلاف ہے۔ "صلوٰۃ" بھیجتے وقت مجد اللغوی کہتے ہیں کہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ واردہ پر اکتفا کیا جائے اور یہ زیادتی نہ کی جائے۔ امام الاسنوی کہتے ہیں کہ میری یادداشت میں ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر ادب کو ملحوظ رکھا جائے تو اضافہ بہتر ہے اور اگر الفاظ واردہ پر اختصار کیا جائے تو ترک بہتر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہی میرا نظریہ ہے۔ جو میں نے "شرح الارشاد" میں ذکر کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کو امام بن کر نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ نماز سے فراغت کے بعد پوچھا کہ ایسا کیوں نہ کیا؟ کہنے لگے کہ میں نے یہ ازروئے ادب واحترام کیا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ "مَا کَانَ یَنْبَغِیْ لِا بْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ اَنْ یَّتَقَدَّمَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ" ابن ابی قحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے کھڑا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پر تائید فرمائی۔ اس واقعہ و روایت میں ایک عظیم دلیل ہے۔ کون سی دلیل؟ وہ یہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کی پاسداری آپ کے اس ارشاد سے اولیٰ ہے۔ جو ارشاد ایسا ہو کہ جس کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پابند نہ کیا ہو۔ پھر میں نے ابن تیمیہ کی تحریر دیکھی۔ کہ اس نے لفظ "سیدنا" کے ترک کا فتویٰ جڑا ہے۔

اوراس میں ادھر ادھر کی ہانکیں۔ بعض شافعیہ اور حنفیہ نے اس کی خبر لی۔ اور خوب خوب اس کے لئے لئے یہ شخص مستحق بھی اسی کا ہی تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً وارد ہے۔ جو بہت درست ہے۔ ''حَسِّنُوْا الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ'' اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوبصورت اور ادب و احترام میں ڈوبے الفاظ سے صلوۃ بھیجا کرو۔ انہوں نے اس کا طریقہ بھی بیان کیا اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول عام ہے۔ خواہ صلوٰۃ میں یا غیر صلوٰۃ میں ہر جگہ ادب و احترام کے الفاظ جائز ہیں۔ علامہ المحقق الجلال المحلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے ساتھ شرعاً یہ بات مطلوب ہے۔ کہ لفظ ''سید'' ذکر کیا جائے۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔ یعنی تم اپنے سید جناب سعد بن معاذ کیلئے تعظیماً کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیادت علم اور دین کے اعتبار سے تھی۔ اور درود شریف پڑھنے والا جب یہ الفاظ پڑھتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ تو ان الفاظ کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک امر واقعی کی خبر بھی دی جا رہی ہوتی ہے۔ جو سراسر ادب ہے۔ لہٰذا اس لفظ کا زیادہ کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے۔ یہی بات حدیث سابق سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

میں (علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ لفظ ''سیدنا'' کے اضافہ کے جواز پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام بھی بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے کتاب مذکور کے آخر میں لکھا ہے۔ جہاں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام اور کنیت سے آواز دینے کی حرمت کی گفتگو کرتے ہیں۔ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اَمَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یُّھَابَ نَبِیُّہٗ وَاَنْ یُّبَجَّلَ وَیُعَظَّمَ وَاَنْ یُّسَوَّدَ۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے پیغمبر کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ اس کی بزرگی اور عظمت کے گن گائے جائیں اور اس کی سیادت و امامت کا اعلان کیا جائے۔

وَالْحَقُّ اَنَّ تَسْیِیْدَہٗ حَسَنٌ فِیْ کُلِّ حَالٍ۔ سچی بات یہ ہے کہ لفظ ''سیدنا'' کہنا ہر حال میں اچھا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

العارف باللہ القطب الکبیر الشہیر

سیدی احمد بن ادریس رضی اللہ عنہ

جوہر قطب کبیر۔ ''العقد النفیس'' کتاب شیخ قطب موصوف کے ہی کسی صاحب نے تحریر کی ہے۔ جس کی من وعن عبارت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی۔ اس عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

سیدی احمد بن ادریس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مفہوم ہے؟ ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾'' اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین آ جائے۔ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ (الحجر:99)

اول: یقین سے مراد موت ہے اور یہ معنی ظاہر ہے۔ اس تفسیر کے اعتبار سے لفظ ''حتیٰ'' غایت اور انتہاء کیلئے ہوگا۔

دوم: ''یقین'' کسی چیز کو عیاناً دیکھنا۔ یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ کوئی شخص جب تمہارے سامنے کسی چیز کی تعریف اور اس کے اوصاف بیان کرتا ہے تو تو اگرچہ اس کی بات پر بالکل یقین کرلے۔ اور ایسے اعتقاد صحیح کا معتقد ہو جائے کہ کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ تیرے دل میں نہ کھٹکے۔ اور جو اس نے وصف بیان کیا تو اسے سو فیصد سچا جانے۔ لیکن تو نے وہ چیز دیکھی نہ ہو جس کی صفت کی گئی۔ تو تو اس کے تخیل میں ہر وقت ڈوبا رہے گا اور تصوراتی دنیا میں گھومتا رہے گا۔ اور یہ بھی قطعی حقیقت ہے کہ جس چیز کو تو نے دیکھا نہیں۔ اس کا تصور اور تخیل جو تو نے جما رکھا ہے وہ اس کی اصلی حقیقت کے مطابق نہ ہوگا جیسا کہ کوئی شخص تم سے مکہ مکرمہ کے اوصاف بیان کرے۔ اور تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔ نہ اس کی تجھے معرفت ہو۔ پھر تو اس کی ایک تصویر ذہن میں بٹھا لے۔ جو وقت آنے پر جب تو آنکھوں سے مکہ شریف دیکھے، اس کے مطابق نہ نکلے۔ لہٰذا جب انسان اس چیز کی حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ تو اس کا اسے مشاہدہ کی حالت میں یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ایمان بالمشاہدہ کہلاتا ہے۔ اور جب تک کسی کے اوصاف بیان کرنے سے ایمان ہوتا ہے اسے ایمان بالغیب کہتے ہیں۔

مومن جب اپنی بساط وہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور جب صاحب عرفان بن جاتا ہے تو اس کے سوا کسی اور کا مشاہدہ نہیں

کوتا۔ پھر ایسا ہو جاتا ہے کہ بندے اور بندے کے دل کے درمیان وہ آ موجود ہوتا ہے۔ یعنی جب عارف بصیرت کی آنکھ سے اپنے دل کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے اور اپنے قلب کے درمیان حائل پاتا ہے۔ اس معرفت وعرفان کے ذریعہ اسے ایسے معارف الٰہیہ حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، جب کبھی صوفی اور عارف یہ صفائی حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کا دل بھی صاف ہو جاتا ہے تو پھر معارف کی شکلیں ان کے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی اگر مثال دیکھنا چاہو۔ تو شیشہ کو دیکھو۔ کہ اس کی اصل سخت پتھر ہے۔ پھر جب اس میں صفائی آئی اور ہر قسم کی کدورات ختم ہو گئیں۔ تو اس نے دور کھڑے لوگوں کو نزدیک کر دیا۔ دوربین ایک شیشہ ہے جس کے ذریعہ بعید کی چیز قریب دکھائی دیتی ہے حتی کہ جس قدر اس کی صفائی بڑھتی جاتی ہے۔ تو زیادہ صفائی والے شیشے سے بہت دور کی تحریر بھی پڑھی جا سکتی ہے اسی طرح آتشیں شیشہ چار ہزار سال کی مسافت پر واقع سورج کو چیز کے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ جس پر اس کی روشنی پڑ جاتی ہے اسے جلا دیتی ہے اور یہ بات آصف بن برخیا کی کرامت سے بڑی دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بلقیس کا عرش تین مہینے کی مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے دربار سلیمان میں لا رکھا تھا۔ اور یہ آتشیں شیشہ چار ہزار سال کی مسافت سے سورج کو پلک جھپکنے سے پہلے لے آیا۔ جب تو اس کو کسی چیز پر ڈالے گا تو وہ اس پر پڑتے ہی اسے جلا ڈالے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عین الوجود اور عقد کا واسطہ ہیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے انوار سے اپنی صفائی کی مقدار حصہ حاصل کیا۔ لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے نورانیت حاصل کرتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہی حاصل کرتا ہے۔ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَلِرَسُوْلِهٖ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوت وطاقت میں اس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جس نے شیشہ کے واسطہ سے سورج کی ضیاء حاصل کی۔ یہ اس امت کی تشریف اور اس کی اعلیٰ قسمت ہے۔ کیوں نہ بلند قسمت امت ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے اخذ نور کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ انوار حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی چیز کسی واسطہ کے بغیر سورج سے روشنی حاصل کرتی ہو۔ یہ بات اس لئے ہم کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے مٹھی لیکر بنایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ (مائدہ)

اس نور سے مراد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اس لئے کہ اگر آیت میں مذکور لفظ نور سے مراد ''کتاب'' ہوتی۔ تو پھر لفظی تکرار لازم آتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سمع، بصر وغیرہ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل اور کل نور ہیں۔ اس کے باوجود آپ بشریت اور عبودیت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور حق

تبارک وتعالیٰ اپنی کبریائی اور اپنی ملکوت میں مطلق ہے۔ اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ حالانکہ وہ اسی عرش پر بھی استواء فرماتا ہے اور اسی لمحہ وہ قلب مومن میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے اور عبد مومن کی قوت سماعت و بصارت میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو جہات ہیں۔ ایک جہت، اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف ہے۔ اسی مقام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (توبہ:62)۔ ''اللہ اور اس کے رسول کا حق زیادہ ہے کہ تم اسے راضی کرو''۔ یہاں ذکر دو (۲) (اللہ اور رسول) کا ہوا۔ لیکن ''یُرْضُوْهُ'' میں آ کر ضمیر مفرد ذکر کی گئی۔ (گویا رسول کریم کی رضا عین رضائے الٰہی ہوئی) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۹﴾ (فتح)

''اے غیب کی خبریں دینے والے! ہم نے آپ کو حاضر و ناظر، خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم لوگ اللہ پر ایمان لاؤ اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی عزت و توقیر کرو اور اسکی صبح و شام تسبیح کہو''۔

اس میں پھر آخر میں جا کر ضمیر مفرد ذکر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا۔ مَنْ رَأٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ لِیْ وَقْتًا لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ اِلَّا رَبِّیْ۔ میرا ایک خاص وقت ہے جس میں میرے رب کے بغیر کوئی جلوہ نما نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

''اور جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک بڑا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ بڑا پردہ کیا ہے؟''۔

یہی کہ وہ لوگ آپ ﷺ میں صرف بشریت اور عبودیت ہی دیکھتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ سچے ہوتے۔ تو انہیں بھی وہی کچھ دکھائی دیتا۔ جن کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ۔ ''جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کی'' (الفتح:10)۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس قدر نزدیک ہیں کہ عرش معلیٰ بھی اس قرب سے کوسوں دور ہے۔ وہ عرش معلیٰ جو ستر پردوں میں بند ہے۔ جن میں سے ہر ایک

پردہ سے دوسرے پردے تک ستر ہزار سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ پھر ہر ایک پردہ ستر ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوتا ہے۔ عرش کے اوپر فضا ہے جس کی مسافت کی مقدار خدا ہی جانتا ہے۔ یہ وہ کائنات ہے جسے ''عالم الرقآ'' کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا مظاہر ہے۔ یہ عرش وکرسی سے وراء ہے۔ اس سے آگے حضور سید الکونین والثقلین، الرسول، الخاتم، خاتم الانبیاء والمرسلین، سید ولد آدم اجمعین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہی نور ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کے سوال میں ارشاد فرمایا۔ جس نے پوچھا تھا۔ اَیْنَ کَانَ اللّٰہُ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ الْخَلْقَ۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کہاں تھا؟ ارشاد فرمایا۔ ''کَانَ فِیْ عماء'' وہ عماء میں تھا۔ لفظ ''عماء'' الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ اعرابی آپ کا جواب سن کر حیران ہوگیا۔ وہ اس لئے کہ لفظ ''عماء'' کو اگر الف ممدودہ سے پڑھا جائے۔ تو اس کا معنی بادل بنتا ہے جو بہت پتلا ہوتا ہے۔ لہٰذا ارشاد نبوی کا معنی یہ ہوگا۔ یَوْمَ یَاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (بقرہ:210)۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادلوں کے سایوں میں آئے گا اور اگر الف مقصودہ ہو تو اس کا معنی '' دل یا آنکھ پر پردہ'' ہے۔ سوال کرنے والے اعرابی نے یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے حاصل کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم میں زیادتی اور اضافہ آجاتا ہے تو بقدر زیادتی حیرت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس معنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام سے فرمایا۔ لوعَرَفْتُمُ اَللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ لَمَشَیْتُمْ عَلَی الْبِحَارِ وَلَزَالَتْ بِدُعَآئِکُمُ الْجِبَالُ وَلَوْ خِفْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ مَخَافَتِهٖ لَعَلِمْتُمُ الْعِلْمَ الَّذِیْ لَیْسَ مَعَهٗ جَهْلٌ وَلٰکِنْ مَّا بَلَغَ ذَالِکَ اَحَد'' قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ وَلَا اَنَا قَالُوْا مَاکُنَّا نَظُنُّ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ تَقْصُرُ عَنْ ذَالِکَ۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کما حقہ معرفت ہو جائے تو تم سمندروں پر چلنے لگو۔ اور تمہاری دعا سے پہاڑ ادھر ادھر ہو جائیں۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ سے کما حقہ خوف رکھو۔ تو تمہیں وہ علم نصیب ہو جائے جس کے قریب جہالت پر نہیں مار سکتی۔ لیکن اس تک کوئی بھی نہیں پہنچا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں پہنچے؟ فرمایا۔ میں بھی نہیں۔ کہنے لگے ہمارا تو یہی خیال تھا کہ حضرات انبیاء کرام اس پر پہنچے ہوں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس سے عظیم اور وراء ہے کہ کوئی اس کو تمام امور کے اعتبار سے پالے۔ پھر اس سے آگے وہ ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس رفعت وعظمت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حیرت'' میں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ رَبِّ زِدْنِیْ فِیْکَ تَحَیُّرًا۔ اے اللہ! میری حیرانی کو جو تیرے متعلق ہے اور بڑھا دے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس کے کہ آپ مقام امن اور قرب خاص میں ہیں پھر بھی تمام مخلوق سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے ہیں۔ مقام خوف میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا تھا۔ لَيْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا۔ کاش کہ رب محمد، محمد کو پیدا نہ کرتا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی تمنا کی۔ کہ کاش اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مٹھی کیلئے بشریت کو جامہ نہ بناتا۔ بلکہ اسے مطلق اپنی اصل پر ہی رہنے دیتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا۔ لَيْتَ اَبَابَكْرٍ كَانَ شَجَرَةً فَعَضَدَهَا جَمَلٌ فِي فِيْهِ فَكَانَ بَعِيْرًا وَلَمْ يَكُنْ بَشَرًا۔ اے کاش! ابوبکر درخت ہوتا۔ اسے کوئی اونٹ منہ میں لیکر چبا جاتا۔ پھر وہ اونٹ ہی ہو جاتا اور بشر نہ ہوتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حیثیت اور جہت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (الحجرات:49)۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الفتح)۔ اللہ تعالیٰ نے ''لتؤمنوا'' فرمایا۔ اور یوں آپ کو مرسل بھی اور مرسل الیہ بھی کہہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد مجھے ہوتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت کائنات ہیں۔ جیسا کہ ایک درخت ہوتا ہے اس کے پتے، ٹہنیاں، شاخیں اور پھول وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کی حقیقت درخت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفرد صیغہ سے دعا کرنے سے مراد آپ کی امت ہوتی ہے۔ آپ کی اپنے لئے دعا بعینہ امت کیلئے بھی دعا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جس امتی کا قلب صفائی حاصل کر لیتا ہے اور وہ اس دل صافی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توجہ الی اللہ کا واسطہ بناتا ہے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور اس کا دل علم الٰہی کے انوار حاصل کرنے لگتا ہے۔ پھر اس میں واسطہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلیت کے سبب قوت آ جاتی ہے۔ جو شخص اس کیفیت والا ہو جاتا ہے۔ وہی وارث انبیاء ہے۔ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔ علماء وارثان انبیاء ہیں۔

امام الکبیر العارف الشہیر القطب سیدی السید الشریف ابوالعباس التجانی الفاسی صاحب الطریقۃ العلیۃ التجانیۃ ۱۲۳۰ھ

جوہر نمبرا: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر خلیفہ سیدی علامہ شیخ علی حرازم بن العربی برادہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب "جواہر المعانی" تالیف فرمائی۔ جس میں انہوں نے اپنے شیخ موصوف کے مناقب ذکر فرمائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کتاب "الابریز" لکھی گئی۔ کتاب مذکور مصر میں چھپی۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۳ جزء اول میں خلیفہ موصوف رقمطراز ہیں کہ میں نے ایک دفعہ شیخ موصوف سے "صَلٰوۃُ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ" کے معنی کے بارے میں سوال کیا۔ جو سیدی محمد البکری کبیر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ میرے سوال کے جواب میں شیخ موصوف نے جو کچھ فرمایا۔ اسے "صَلٰوۃُ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ" کے الفاظ کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ اَلْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتَمِ لِمَا سَبَقَ نَاصِرِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ وَالْهَادِىْ اِلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ مِقْدَارِهِ الْعَظِيْمِ۔

اے اللہ! رحمت کاملہ ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما جو ہر بند چیز کو کھولنے والے، گزرے انبیاء کے (سب سے) بعد آنے والے، حق کے ساتھ حق کی مدد فرمانے والے اور تیرے سیدھے راستہ کے ہادی ہیں۔ اور آپ کی آل پر بھی آپ کی قدر و مقدار عظیم کے اعتبار سے رحمت نازل فرما۔

"اَلْفَاتِحُ لِمَا اُغْلِقَ" کا ایک معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی ہر چیز کی صورت کو کھولنے والے ہیں۔ کیونکہ تمام اشیاء صورت عدم اور بطن حجاب میں بند تھی۔ ان تمام کے مقفل دروازے آپ کے وجود اقدس کے سبب کھولے گئے۔ تب یہ اشیاء صورت عدم سے صورت وجود میں آئیں۔ اور حجابات کے بطن سے عالم ظہور میں موجود ہوئیں۔ اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نہ ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ کسی موجود کو نہ تو پیدا کرتا اور نہ ہی اسے عدم سے وجود کی طرف لاتا۔ یہ الفاظ مذکورہ کا ایک معنی ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہیہ کے ان دروازوں کو کھولا جن پر تالے پڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ کے سبب سے تمام مخلوق پر کھلے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے آقا سیدنا محمد صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو مخلوق پر رحم نہ فرماتا۔ پس تمام مخلوق خدا پر خدا کی رحمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہے۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ "دل" شرک کے دروازوں میں بند پڑے تھے۔ شرک ان میں رچا بسا تھا۔ ایمان کو داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ ملتا تھا۔ اور حکمت کا داخلہ بھی بند تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعوت کے سبب ان بند دروازوں کو کھول دیا۔ حتیٰ کہ ان میں ایمان داخل ہوگیا اور شرک سے ملوث شدہ دلوں کی طہارت فرمائی۔ اور ایمان وحکمت ان میں داخل کر کے بھر دیا۔

"اَلْخَاتِمُ لِمَا سَبَقَ" یعنی آپ سے قبل جن حضرات کو نبوت ورسالت عطا ہوئی۔ آپ نے آکر اس کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور ان دونوں کا دروازہ بند کر دیا۔ اب کسی دوسرے کیلئے قطعاً امید باقی نہیں رہی۔ یونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجلیات الٰہیہ کی صورتوں کے بھی خاتم ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجلیات عالم ظہور میں ظاہر فرمائیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے موجود ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں حجابات بطون سے نکال کر وجود عطا کیا۔ پھر عالم کی صورتیں لگاتار ان کے بعد اپنی اجناس میں پھیلتی رہیں۔ اور ان کے پھیلنے کی ترتیب مشیت ربانیہ کے تحت تھی۔ ایک جنس کے بعد دوسری اس کے بعد تیسری یونہی سلسلہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ عالم ظہور میں سب سے آخری تجلی "صورت آدمیۃ" کے روپ میں ظاہر ہوئی۔ اور یہ صورت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ ہے اور صورت آدمیۃ کی اصل مراد بھی یہی ہے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب وجود کا ظہور فرمایا۔ یونہی آپ کے سبب موجودات کی صورتوں کا دروازہ بند بھی کر دیا۔

ایک دوسرے انداز سے شیخ موصوف نے اس کی یوں تقریر فرمائی۔ کہ سب سے پہلا موجود جسے اللہ تعالیٰ نے دربار غیب سے وجود بخشا۔ وہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک سے تمام نورانی جسم اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے۔ جیسا کہ ملائکہ کرام وجن ہیں۔ اور دیگر اجسام جو کثیف ہیں۔ ظلماتی ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری نسبت سے پیدا ہوئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی دو نسبتیں ہیں۔ جنہیں تمام موجودات پر نچھاور کیا۔ پہلی نسبت نور محض کی ہے اور اس سے تمام ارواح اور وہ تمام نورانی اجسام پیدا کئے جن میں ظلمت کا نام ونشان نہیں اور دوسری نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کی اندھیروں سے نسبت ہے۔ اس نسبت سے اجسام ظلماتیہ پیدا کئے گئے۔ جیسا کہ شیاطین اور تمام کثیف جسم اور دوزخ اور اس کے طبقات وغیرہ۔ جیسا کہ جنت اور اس کے تمام درجات نسبت نورانیہ سے پیدا کئے

گئے۔ تو یوں تمام کائنات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے قبل کوئی چیز موجود نہ تھی۔ لیکن اس حقیقت کی معرفت کسی چیز سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ بعض علماء نے اس حقیقت میں بحث کرنے کی خواہ مخواہ تکلیف اٹھائی۔ اور کہا کہ یہ حقیقت ایسی ہے کہ اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی۔ اب یہ حقیقت دو باتوں میں سے ایک ہوگی۔ جوہر یا عرض۔ اگر وہ جوہر ہے تو وہ کسی مکان کی محتاج ہوگی جس میں وہ حلول کر سکے۔ لہٰذا وہ مستقل فی الوجود نہ رہی۔ کیونکہ اسے مکان کی ضرورت ہوگی۔ پھر اگر حقیقت اور اس کا مکان دونوں بیک وقت وجود میں آئے۔ تو حقیقت محمدیہ کو اولیت نہ رہی۔ کیونکہ اب اول الوجود دو چیزیں ہوں گی۔ اور اگر حقیقت محمدیہ عرض ہے۔ جوہر نہیں۔ تو عرض کے بارے میں کسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عرض کا وجود بمشکل آنکھ جھپکنے تک رہتا ہے۔ پھر ختم ہو جاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے اولیت کہاں ہوگی۔ جو تم کہتے ہو؟

اس پیچیدگی کا جواب یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ عرض نہیں بلکہ جوہر ہے اور اس جوہر کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک نورانی دوسری ظلماتی۔ جوہر کی تعریف میں یہ کہنا کہ ہر جوہر مکان کا محتاج ہوتا ہے، صحیح نہیں۔ کیونکہ جوہر کی یہ تعریف وحد اس شخص کے نزدیک قابل اعتبار ہے جس کی عقل مقام اجسام میں الجھی ہوئی ہو۔ لیکن اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس قسم کی مخلوق کو اس طرح پیدا کرے۔ کہ وہ مکان میں حلول کی محتاج نہ ہو۔ اور عقل یہ فرض کرتی رہے کہ کسی جسم کا وجود بغیر محل کے ممکن نہیں تو اسے کون روکتا ہے۔ یہ ایک عادت الٰہیہ ہے۔ جسے دیکھ کر عقل یہ قول کر لیتی ہے لیکن عقل حقائق کی فضاء میں کب آزادی سے پھر سکتی ہے۔ اگر حقائق کی فضاء میں اسے کھلا چھوڑ دیا جاتا تو اسے بھی علم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک کائنات ایسی پیدا کر دے۔ جو محل و مکان کی محتاج نہ ہو۔ جب معاملہ یہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ "حقیقت محمدیہ" کو اللہ تعالیٰ نے ایسا جوہر پیدا کیا جو کسی محل و مکان کا محتاج نہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ جسے حقیقت الٰہیہ منکشف ہوتی ہے وہ یقینی قطعی جان لیتا ہے کہ کائنات کی ایجاد غیر محل میں امکان صحیح سے ممکن ہے۔

"حقیقت محمدیہ کا اس مرتبہ میں نہ تو ادراک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی معرفت ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی کسی کو امید ہو سکتی ہے کہ میں اس حقیقت کو پالوں گا۔ یہ میدان ان تمام باتوں سے دور ہے۔ پھر یہ حقیقت لباس نور زیب تن کرتی ہے جو انوار الٰہیہ میں سے ہوتا ہے اور وجود سے پردے میں رہتی ہے۔ اب جس میدان میں حقیقت داخل ہوگئی۔ اسے "روح" کہتے ہیں (یعنی انوار الٰہیہ کے لباس پہن لینے کے بعد) حضرات انبیاء کرام کی انتہائی ادراکی حالت اسی میدان تک پہنچتی ہے۔ مرسلین و اقطاب

امت کے ادراک کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے۔ وہ اس محل و مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر دوسری قسم کے انوار الٰہیہ اسے پہنائے جاتے ہیں۔ اب اس کا نام "عقل" ہے۔ پھر تیسری قسم کے انوار الٰہیہ پہنائے جاتے ہیں۔ ان کے سبب اس حقیقت کا نام "قلب" ہوتا ہے۔ پھر ایک اور کھیپ انوار الٰہیہ کی پہنائی جاتی ہے۔ ان کے سبب سے اس کا نام "نفس" ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد شریف ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اولیاء کرام ان مراتب کے ادراک میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کا انتہائی ادراک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "نفس مبارک" تک ہوتا ہے۔ اس میں علوم و اسرار اور معارف ہوتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ان اولیاء کرام کا ہے جو ان سے بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ "قلب محمد یہ" کے مدرک ہوتے ہیں۔ اس میں بھی مختلف علوم و اسرار و معارف ہوتے ہیں۔ اس کے اور آگے ایک طبقہ کا ادراک رسائی پاتا ہے۔ اس طبقہ کو "عقل رسول" کا ادراک نصیب ہوتا ہے۔ یہاں بھی عجیب و غریب قسم کے اسرار و معارف ہوتے ہیں۔ سب سے بلند مرتبہ صاحب ادراک وہ اولیاء کرام ہیں۔ جن کا ادراک "روح محمد" کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ادراک کی آخری منزل ہے۔ حقیقت محمد یہ کے ادراک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی اس کی ماہیت کا ادراک کسی کا مطمع نظر ہو سکتا ہے۔ اسی مقام کے متعلق ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ میں نے معارف کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ تاکہ عین حقیقت نبویہ کو پاسکوں۔ تو اچانک میرے اور اس حقیقت کے مابین نور کے ایک ہزار پردے آگئے۔ اگر میں ان میں سے سب سے پہلے پردہ کے قریب جاتا تو وہ مجھے جلا کر راکھ کر دیتا۔ جس طرح آگ ایک بال کو جلا ڈالتی ہے۔ یونہی مولانا شیخ عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنی صلوٰۃ میں کہا ہے۔ حقیقت محمد یہ کے پانے میں عقل وفہم ناکام ہے اس کو ہم میں سے نہ کوئی پہلا پاسکا اور نہ کسی پچھلے کے بس کی بات ہے۔ اسی کے متعلق حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر اور علی المرتضی رضی اللہ عنہما کو فرمایا۔ تم دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف سایہ دیکھا۔ دونوں نے پوچھا۔ کیا ابن ابی قحافہ نے بھی نہیں دیکھا؟ کہا۔ ہاں ابن ابی قحافہ نے بھی اصل نہیں دیکھا۔ پس ہو سکتا ہے کہ آپ معارف کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔ تاکہ عین حقیقت محمد یہ پر مطلع ہو سکیں۔ تو انہیں کہا گیا یہ ایک ایسا مشکل کام ہے جس سے اکابر رسول و پیغمبر بھی عاجز آ گئے۔ اور حقیقت محمد یہ کا ادراک نہ پاسکے۔ جب ان حضرات کا یہ عالم ہے تو دوسروں کو اس مقام کے ادراک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ والسلام۔ شیخ موصوف نے جو باتیں ہمیں سکھائیں۔ ان کی انتہاء ہوتی ہے۔

جوہر نمبر ۲: قرآن کریم میں بعض آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں ارشاد

8B باری تعالیٰ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک قول کی تشریح کرتے ہوئے شیخ موصوف نے جو فرمایا۔ وہ ہم آیات وحدیث کے بعد ذکر کرتے ہیں۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:52)۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ (زخرف:9)۔ میں کیا جانوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مَنْ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَدْ كَفَرَ۔ جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا وہ کافر ہوا۔ اس قسم کی آیات واحادیث کا کیا معنی ہے؟ حالانکہ اولین وآخرین کا علم آپ کی ذات مقدسہ کو حاصل تھا۔ اور آپ سے ہی تمام مخلوقات کو اس کے حصہ کے مطابق پہنچتا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین وآخرین کے علوم اطلاقاً وشمولاً جانتے تھے۔ ان علوم میں سے کچھ وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں کا ہے۔ اس سے بڑھ کر صرف قرآن کریم اکیلے کا علم بھی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی ابتداء و انتہاء کا مطالبہ بھی جانتے تھے۔ ماہیت ایمان اور ایمان کو مفسد کرنے والی اور مضبوط کرنے والی تمام باتیں جانتے تھے۔ یہ سب باتیں حقیقت محمدیہ میں ثابت ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

رہا قرآن کریم کی اس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:52) کا مطلب تو وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبل نبوت کی حالت بیان فرمائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ تو حقیقت ایمان اور نہ ہی کیفیت ایمان کا علم عطا فرمایا تھا۔ اور نہ ہی آسمانی کتابوں کے اترنے کی کیفیت، ماہیت رسالت اور اس کے تفصیلی مطالب کا علم عطا فرمایا تھا۔ یہ تمام علوم اللہ تعالیٰ نے نبوت سے قبل آپ سے پردے میں رکھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ''حقیقت محمدیہ'' میں خزانہ کی طرح موجود تھے۔ لیکن ان کا شعور وعلم نہ تھا۔ حتیٰ کہ جب نبوت کا زمانہ آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے پردوں کو اٹھالیا اور جو کچھ حقیقت محمدیہ میں تھا وہ سب کچھ آپ کو دکھا دیا۔ اس تقریر کی گواہی آپ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ ''رَاَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍّ'' میں نے اپنے رب کو نوجوان صورت میں دیکھا۔ یہاں تک آپ نے فرمایا۔ وَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُّ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدَيَّ فَعَلَّمَنِيْ عُلُوْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان

رکھا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔ پھر اس نے مجھے اولین و آخرین کا علم عطا کر دیا۔ یہ نبوت کے زمانہ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تمام پردے ہٹا دیئے۔ اور وہ سب کچھ دکھا دیا۔ جو آپ کی حقیقت محمد یہ میں درج تھا۔ خواہ وہ معارف وعلوم کے خزانے تھے یا ایسے اسرار و رموز کہ جن کے ساحل کا احاطہ ناممکن ہو۔ یا ان کی غائت تک رسائی محال ہو وہ سب کچھ بتا دیا۔ اور خبردار! کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ حقیقت محمد یہ نبوت سے قبل ان علوم سے خالی تھی۔ یہ گمان بالکل صحیح نہیں بلکہ بات صحیح یہ ہے کہ حقیقت محمد یہ ہمیشہ سے ان علوم و معارف اور اسرار سے بھری ہوئی رہی۔ جب سے اسے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ وہ پہلا موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کے وجود سے پہلے بنایا۔ اور ان علوم و معارف و اسرار اس کی فطرت میں رکھے۔ اور لگاتار ہر دور میں وہ ان علوم سے بھری رہی۔ حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے موجود ہونے کا زمانہ آیا۔ تو پھر اس حقیقت محمد یہ کے علوم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کے متعلق علم کے درمیان حجاب ڈال دیئے گئے۔ پھر جب زمانہ نبوت آیا۔ تو وہ پردے اٹھا دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام علوم پر مطلع فرما دیا۔ جو حقیقت محمد یہ میں بطور امانت رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو یہ خطاب فرمایا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ (الشوریٰ:52) یہ اس وقت کی خبر دی جارہی ہے۔ جب آپ پر ابتداءً پردے کی حالت تھی۔ کہ آپ کو اس وقت حقیقت محمد یہ کے علوم کا علم نہ تھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے قبل جب آپ اپنی والدہ کے شکم سے باہر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ہر لمحہ اکابر عارفین میں سے تھے۔ اور بشریت کا پردہ قطعاً اس سے رکاوٹ نہ بنا۔ کہ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ صمدیت کے مطالعہ سے بے خبر ہو جائیں۔ آپ یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی ذات اور عام عارفین اور صدیقین کے درمیان نسبت کچھ یوں تھی۔ جس طرح ایک عارف باللہ کی نسبت عام آدمیوں سے ہوتی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ آپ اس مرتبہ میں بالتحقیق ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ علوم حاصل کرتے تھے۔ اور بارگاہ الٰہی کے احوال سے ایک چیز سے بھی آپ بے خبر نہ تھے۔ اور نہ ہی اس دور میں آپ کے سورج علم پر کبھی غروب ہونے کا امکان وارد ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم جو افراد عارفین کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اس مرتبہ میں لازماً ثابت تھا۔ اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے جو بات آپ سے پردہ میں رکھی۔ وہ رسالت کی ماہیت اس کے مطالب اور اس کے فوائد و محصولات اور مرادات تھیں۔ اسی طرح اس دور میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے نزول کتب کی کیفیت ان کی مرادات اور محصولات مخفی رکھیں۔ اور نزول کتب میں جن امور کی طلب ہوتی ہے وہ اخفاء میں رکھیں۔ حتیٰ کہ جب آپ مرتبہ نبوت میں پہنچے تو پھر

آپ کے علم اور حقیقت محمدیہ میں جو کچھ ودیعت تھا اس کے علوم و معارف اسرار کے درمیان پڑا پردہ اٹھا دیا گیا۔ ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے۔ اس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ جب آپ اس وقت بھی نبی تھے۔ تو رسالت و نبوت، کتاب و تمام مطالبات سے آپ کا جاہل ہونا محالات میں سے ہے۔ اور ان تمام باتوں سے جو ان اشیاء کی طرف لوٹتی ہیں اور ان سب کی جو مراد ہے ان سے آپ کا غافل ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور اس پر شاہد ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسد کریم کے وجود سے قبل تمام انبیاء کرام جو زمین پر مبعوث ہوئے اور تمام رسولان عظام جو تشریف لائے ان کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب سے مدد و معاون رہے۔ وہ اس طرح کہ ہر پیغمبر و رسول کو اللہ تعالیٰ سے علوم و معارف، اسرار و فیوض، تجلیات، مواہب، منح، انوار و احوال میں سے تھوڑا یا زیادہ ملا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہی ملا۔ آپ ان تمام کے عالم الغیب میں مدد فرمانے والے ہیں۔ تو ان کی مدد آپ کیسے کر سکتے تھے اگر یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہوتے۔ اور آپ معاذ اللہ جاہل ہوتے۔ آپ ہمیشہ سے اس میدان میں دوڑتے رہے کوئی روح آپ کی مماثلت نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس مقام اعظم کی کسی کو بو آنی ممکن ہوتی جس میں آپ جلوہ فرما رہے۔ آپ اپنے وجود اقدس سے قبل بھی اپنی علمی حالت میں ایسے ہی تھے جیسے رسالت کے بعد تھے۔ فیض اور تمام ارواح کی مدد کرنے میں ان دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ علوم پردے میں رکھے یعنی آپ کے وجود جسد اطہر کے بعد اور نبوت سے پہلے کے عرصہ میں ان علوم کو پردے میں رکھنے کی حکمت تھی۔ حالانکہ حقیقت محمدیہ میں یہ تمام علوم جمع تھے۔ اور وہ حکمت ایک خدائی راز ہے۔ پس پردہ میں رکھا اس پر کوئی دوسرا مطلع نہ تھا۔ اور راز اس میں یہ تھا کہ پردہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈال دیا جائے۔ اس لئے کہ اگر نبوت سے قبل اللہ تعالیٰ اس پردہ کو اٹھا دیتا۔ تو حقیقت محمدیہ میں وہ درج نہ ہوتا۔ اور اگر زمانہ رسالت اور بعثت سے قبل آپ ان علوم کے متعلق گفتگو فرماتے تو پھر ان لوگوں کے دل میں شک آ جاتا جنہیں آپ اپنے رسول ہونے کا یقین دلانا چاہتے تھے۔ وہ پھر کہتے پھرتے کہ آپ تو شروع سے ہی معجزانہ کلام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ نے یہ کلام کسی دوسرے سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا آپ رسول نہیں ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو پردے میں رکھا۔ تاکہ آپ ان کے بارے میں کوئی کلام نہ کریں۔ پھر جب نبوت کا زمانہ آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ حجابات اٹھا دیئے۔ نبوت سے قبل اللہ تعالیٰ نے جو باتیں آپ کی

ذات کے متعلق لوگوں کو دکھائیں۔ وہ یہ کہ آپ امی ہیں کچھ بھی نہیں جانتے، اور نہ کسی چیز کی درایت ہے۔ اور نہ ہی کسی اہل کتاب سے آپ کا میل جول رہا۔ یا اس کے قریب گئے یہ باتیں اس لئے دکھائیں تاکہ جب آپ لوگوں سے کلام کریں اور وہ بھی ایسا کلام جو احوال رسالت ونبوت کا حامل ہو۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ حق کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک امی کی زبان سے ایک دم ایسی باتیں نکلنا اس کے حق ہونے کی دلیل بن جاتی ہیں۔ نبوت سے قبل کے عرصہ میں علوم ومعارف پر پردہ ڈالنے میں یہ راز تھا۔ اس بات کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (العنکبوت)

''اس سے قبل آپ کسی قسم کی کتاب نہ پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے تاکہ باطل پرست اس سے شک میں پڑیں''۔

وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ (احقاف:9) آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ آپ مملکت الٰہیہ کے دولہا ہیں۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا عزت والا نہیں۔ نہ ہی کوئی دوسرا زیادہ محبوب ہے۔ نہ ہی کسی دوسرے کی آپ کے برابر عزت ہے اور نہ ہی کسی کا اللہ کے ہاں زیادہ قرب ہے۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ آخرت میں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ و مامون ہیں۔ نہ کوئی تکلیف آپ کو چھو سکتی ہے۔ اور نہ عذاب سے کوئی واسطہ ہوگا۔ اور اس بات کا بھی علم تھا کہ کل قیامت میں آپ دائمی نعمتوں میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سرمدی رضا پائیں گے۔ ان تمام باتوں میں سے کسی ایک میں بھی آپ کو شک وشبہ نہ تھا۔ آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قول موجود ہے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں اور جن عطیات سے نوازنا تھا اور جو احسانات آپ پر کئے جانے تھے ان تمام کی تفصیل آپ سے مخفی ہو۔ اگرچہ آپ ان تمام کو اجمالی طور پر جانتے تھے لیکن علی الدوام ان کی تفاصیل پر مطلع نہ ہوں (یعنی جنت میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو وہ وسعت ہے جس کا عقل ادراک نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہم اس مقام پر یہ کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام باتوں کے تفصیلی علم کو جاننے والے ہیں اس کے باوجود اس آیت کریمہ کے مضمون کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں یہ خیال آئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ ایسی نعمتیں، عطیات اور احسانات ہیں جن کا مجھے علم نہیں اور اس وقت علم ہوگا، جب جنت

میں جاؤں گا تو اس میں کیا خرابی ہے۔

آیت مذکورہ میں دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا احاطہ لیا ہو۔ کیونکہ اس موضوع پر اللہ تعالیٰ کا علم (بلکہ ہر موضوع پر) ایسا ہے جس کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احاطہ میں آسکتا ہے اور نہ کسی اور کے۔ اسی احتمال کی گواہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ وَلَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ۔ میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا۔ اور یہ قول باری تعالیٰ بھی اس کی دلیل بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی حکایت کرتے قرآن کریم میں ذکر فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام:50) ”آپ کہہ دیں کہ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں از خود غیب جانتا ہوں“۔ لہٰذا آیت مذکورہ میں احتمال ہے کہ آپ نے عدم درایت کا اظہار فرما کر حقیقت علم ازلی کی طرف کا راستہ مراد لیا ہو۔ یعنی حقیقت علم ازلی مجھ میں نہیں۔ کیونکہ اس کا احاطہ ناممکن ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام باتوں کا علم تھا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اگر اس آیت سے کسی کو یہ وہم گزرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کل قیامت میں آپ پر رحم کرے گا یا عذاب دے گا۔ آپ کو اپنا قرب عطا فرمائے یا دور رہنے دے گا۔ تو اس وہم کو حقیقت حال قطعاً قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کل قیامت میں جو سلوک ہوگا۔ اس کی حقیقت اس آیت میں بیان کر دی گئی۔ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ (الضحیٰ) بہت جلد آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور یہ بات محال ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ ایسا وعدہ فرمائے اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اپنے اوپر عذاب کئے جانے سے ڈرتے تھے۔ یا ایک طرف اللہ تعالیٰ آپ کی خوشنودی پر اعطاء کو موقوف فرمائے اور دوسری طرف عذاب سے ڈراتا بھی رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔

اب چند باتیں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے بارے میں بھی سن لو۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور اس قسم کی تمام روایات بھی درست تسلیم کر لی جائیں تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب اس قسم کی بات آپ سے سنی ہوگی۔ تو لازماً اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی راز کو ان سے پوشیدہ رکھنے کیلئے یہ کہا ہوگا جو راز اس وقت ظاہر ہوا ہوگا۔ اور آپ اس سے سیدہ ام المومنین رضی اللہ

عنہا کو مطلع نہ کرنا چاہتے ہوں گے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنے سر کی آنکھوں سے دیدار ذات باری تعالیٰ کو چھپایا تھا۔ حالانکہ بالا جماع آپ کو دیدار الٰہی ہوا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی راز کو راز میں رکھنے کی خاطر ان سے رویت باری تعالیٰ کو مخفی رکھا۔ لاتعداد اخبار و آثار اور بہت سی احادیث، کتب احادیث میں وارد ہیں۔ جن میں آپ نے ایسے غیوب کی اطلاع دی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کے تھوڑی دیر بعد یا زیادہ عرصہ بعد بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوئے۔ جیسا آپ نے خبر دی۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام نے یہ فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک اپنی امت پر آنے والے واقعات و حالات بتا دیئے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ اَکُنْ اُرِیْتُهٗ اِلَّا رَأَیْتُهٗ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتّٰی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔ کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی بتائی گئی وہ مجھے اس مقام میں دکھا دی اور بتا دی گئی حتیٰ کہ جنت اور جہنم کی۔ اس موضوع پر احادیث و آثار اس قدر تواتر سے موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان میں شک و شبہ نہیں لا سکتا۔ والسلام۔

اگر کوئی ہماری گزشتہ تحریر پر اعتراض کرے۔ اور کہے کہ تمہاری ذکر کردہ بات جب صحیح ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان نبوت سے قبل کے زمانہ میں آپ کے مذکورہ قول کے مطابق ایک راز کی وجہ سے آپ کو حقیقت محمدیہ میں موجود کمالات کو پردہ میں رکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع سے ہی نبی و رسول (یعنی پیدائش مبارک کیساتھ) کیوں نہ بنا دیا گیا۔ تاکہ آپ کو حقیقت محمدیہ میں موجود کمالات سے باخبر کر دیا جاتا۔ جس طرح آپ کی تشریف آوری سے قبل کے دور میں آپ ان کمالات سے باخبر تھے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک نبوت و رسالت کو روکے رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت و رسالت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تجلی سے ملتی ہے۔ اگر اس تجلی باری تعالیٰ کا ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ پورہ کرہ ارض پر بلکہ پوری کائنات ارضی و سماوی پر رکھ دیا جائے تو اس کے بوجھ اور سطوت سلطانی سے پگھل جائے۔ لہٰذا حضرات انبیاء کرام اس تجلی کے برداشت کرنے اور سطوت سلطانی کے بوجھ کو اٹھانے کی ہمت و طاقت چالیس سال کی عمر سے پہلے نہیں رکھتے۔ پھر جب چالیس سال کی عمر ہو جاتی ہے تو اس کے متحمل ہو جاتے ہیں۔ چالیس سال سے قبل ناطاقتی اس بناء پر ہوتی ہے کہ انہیں بھی بشریت کے قالب میں بھیجا جاتا ہے۔ جو بہت کمزور ہوتی ہے۔ پھر جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی

یا رسول بنایا جانا ہوتا ہے تو اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی قوت نازل کی جاتی ہے جو اس پوشاک کو پہننے اور تجلی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس راز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی نبی اور رسول کو چالیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد اس کا حامل بناتا ہے۔ یہی وہ رکاوٹ ہے جو نبوت سے قبل اور پیدائش کے بعد کے عرصہ میں ''حقیقت محمدیہ'' کے کمالات جاننے میں بنتی ہے۔ یہ تمام انبیاء کرام کیلئے ہے۔

اگر ہماری اس بات پر یہ اعتراض کیا جائے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد نبوت والا مسئلہ درست نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر سے بہت پہلے نبوت کا اعلان کر دیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محض بشری نہ تھے۔ بلکہ نصف بشری اور نصف روحانی تھے۔ کیونکہ آپ حضرت جبرئیل امین کی پھونک سے پیدا ہوئے تھے۔ جو انہوں نے آپ کی والدہ میں پھونکی تھی۔ تو اس کی وجہ سے آپ کی بشریت کمزور تھی۔ اس (کمزور بشریت مضبوط روحانیت) کی وجہ سے ہی آپ کو دیگر انبیاء کرام کی بہ نسبت زیادہ طاقت ملی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ نے چالیس سال کی عمر سے قبل ہی اعلان نبوت کر دیا تھا۔ اور یہ قوت روح الامین کی اس پھونک کی وجہ سے تھی جو انہوں نے ان کی والدہ میں پھونکی تھی۔

جوہر نمبر ۳۳: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ امام اکبر، قطب اشہر ابو حامد الغزالی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے۔ لَيْسَ فِي الْإِمْكَانِ اَبْدَعَ مِمَّا كَانَ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اس کائنات میں کوئی دوسرا اعلیٰ و اشرف نہیں۔ شیخ موصوف نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس ممکنات کی دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اشرف، اعلیٰ اور اجمل کوئی دوسرا ممکن ہی نہیں۔ اور اس کائنات کی کل صورت صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اس کائنات میں تم جس قدر صورتیں اور شکلیں دیکھتے ہو۔ ان میں اگرچہ باہم بہت سا اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن فی الواقعہ اور درحقیقت یہ ایک جسم میں متحد اور متفق ہیں اور وہ جسم اقدس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم ہے۔ کیونکہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پوشیدہ راز سے پیدا کئے گئے ہیں۔

اس پر دلیل نقلی یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ آپ نے ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

اَلْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ اِخْتَارَ مِنْهُمْ قِسْمَ بَنِیْ آدَمَ۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب مخلوق بنائی۔ جب تخلیق سے فارغ ہوا تو ان میں سے بنی آدم کو پسند کیا۔ یہ تو دلائل نقلیہ ہیں۔ ''بساط الحقائق'' میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تعلق مخلوق کے بنانے سے ہوا اور یہ تعلق محبت خاص کے جوش کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ کُنْتُ کَنْزاً لَمْ اُعْرَفْ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ خَلْقاً فَتَعَرَّفْتُ اِلَیْهِمْ فَبِیْ عَرَفُوْنِیْ۔ میں چھپا خزانہ تھا۔ جسے کوئی نہ جانتا پہچانتا تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں۔ پس میں نے ایک مخلوق کو بنایا۔ جس نے میری معرفت پائی۔ لہٰذا تم نے میری معرفت میرے ہی ذریعہ میں پائی۔ یہ محبت باری تعالیٰ جو مخلوق کی تخلیق میں اصل بنی۔ اس محبت کا سب سے پہلا شاہکار ہمارے آقا سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تھی۔ کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کلیۃ واقع ہوئی ہے۔ اسی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی وجود کائنات عدم سے ظہور میں آیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل اور ساری کائنات آپ کی فرع ہے۔ اور اس بات میں بالکل شک وشبہ نہیں ہوتا کہ اصل اپنی فرع کے مقابل اشرف واعلیٰ ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آپ اول خلق ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے ضمن میں وہ تمام اشیاء آجائیں گی جن کے ظہور کا اس نے ارادہ فرمایا۔ خواہ وہ جوہر ہوں، اعراض، احسانات، عطیات، جمیع آثار کرم، جمیع آثار سطوت وقہر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ میں تمام مذکورہ اشیاء اجمالاً اور تفصیلاً جمع کر دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا منبع اور عنصر بنایا تھا اور جس چیز کو جو کچھ ملنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خزانہ سے ہی ملا۔ اور یہ بات مشیت الٰہی کیلئے محال ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ اس نے جوہر یا عرض خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی جس کو وجود دینا چاہا۔ وہ حقیقت محمدیہ سے خارج تھی۔ جب تم میری اس بات کو پہچان چکے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ اس مرتبہ (حقیقت محمدیہ) کا کیا شرف ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس ازلی راز کی کیا کیا تجلیات اس میں پوشیدہ تھیں۔ اور یہ بھی جان جاؤ گے کہ جن عطیات، احسانات، تحائف ظاہری اور باطنی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا گیا۔ ان میں سے اقل القلیل بھی کسی اور کے پاس آنا مشکل ہے۔ اور یہ بات اس قدر واضح اور روشن ہے کہ اس قدر روشن سورج کی روشنی بھی نہیں۔ جب تمہیں ان باتوں کا عرفان حاصل ہو گیا تو یہ خود بخود جان لو گے۔ کہ اس عالم امکان میں اس صورت معلومۃ کونیہ سے کوئی دوسری صورت ہرگز اعلیٰ، اشرف، اکمل اور اجمل نہیں اور وہی اکمل صورت ''حقیقت محمدیہ'' ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر نمبر ۴: مختلف الفاظ صلوٰۃ جو شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

بحالت بیداری حاصل ہوئے۔ ان میں سے ایک صلوٰۃ کا نام "یاقوتۃ الحقائق" ہے۔ اس میں بعض الفاظ بڑے دقیق ہیں، جن کے معانی صرف اہل عرفان ہی جان سکتے ہیں۔ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے ان کی شرح فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔

وَانْشَأْتَ مِنْ نُوْرِکَ الْکَامِلِ نَشْأَۃَ الْحَقِّ وَالطتھا وَجَعَلْتَھَا صُوْرَۃً کَامِلَۃً تَامَّۃً۔

"نشأۃ الحق" کا یہاں معنی حقیقت محمدیہ ہے۔ عَلَیْھَا مِنَ اللّٰہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَ اَزْکَی السَّلَامِ۔ اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔ کیونکہ "حقیقت محمدیہ" حق فی حق بحق عن حق لحق ہے۔ اس لئے باطل کسی طریقہ سے بھی اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔ پس وہ انتہاء درجہ کی صاف، طاہر اور بلند ہے۔ وجود جوہر میں اس سے بڑھ کر کوئی اشرف و اعلیٰ نہیں۔ اور نہ ہی اس سے بڑھ کر صاف، طاہر اور کامل ہے۔ پھر اس کا حقیقی ادراک احاطۂ عقل سے باہر ہے۔ وانطتھا۔ یعنی اے اللہ! تو نے تمام موجودات کو اس حقیقت سے وابستہ کر دیا۔ تمام موجودات ازل سے ابد تک، اول سے آخر تک جس قدر بھی ہیں۔ ان کا وجود اس حقیقت کے بغیر نہیں ہوا۔ تمام وجود صرف اسی کی خاطر موجود کئے گئے۔ کسی وجود کا لذاتہ وجود نہ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ ہی تمام موجودات کی مطلوب ذاتی ہے۔ اس کی علت اس کی ذات ہے۔ بس وہ اپنی ذات مقدسہ کیلئے بلاواسطہ موجود ہے اس لئے حقیقت اور ذات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ اور تمام وجود اس سے وابستہ ہیں۔ پس وہ حقیقت تمام موجودات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو وجود کا نام ونشان تک نہ ہوتا اور پلک جھپکنے تک اس کے بغیر اس کا رہنا ناممکن ہے۔ پس تمام وجود اس حقیقت کے سایہ تلے قائم ہے۔

مولانا الشیخ عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے الفاظ صلوۃ میں کہا ہے۔ وَلَا شَیْئٌ اِلَّا وَھُوَ بِہٖ مَنُوْطٌ اِذْلَوْلَا الْوَاسِطَۃُ لَذَھَبَ کَمَا قِیْلَ الْمَوْسُوْطُ۔ ہر چیز آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے کہ اگر واسطہ نہ ہوتو موسوط مٹ جائے اور ختم ہو جائے۔

وجعلتَھا صُوْرَۃً۔ صورت سے مراد یہاں وہ سب سے پہلا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار بنا اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔

کَامِلَۃً تَامَّۃً۔ معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ کامل اور تمام اہل عرب کے ہاں الفاظ مترادفہ کے طور پر مشہور ہیں۔ جو کامل ہے وہ تام بھی ہے اور جو تام ہے وہ کامل بھی ہے یہاں یہ دونوں مقام تعریف میں اس لئے اکٹھے لائے گئے کہ ایسا کرنے سے انوکھا پن آ جائے۔ سمجھنے کیلئے اس مقام پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "کامل" وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو کمال عطا کرے۔ اور "تام" وہ جو خود اپنی ذات تک محدود ہو۔

اس کا کمال دوسروں تک نہ پہنچتا ہو۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات میں ''تام'' ہیں۔ کسی طرح سے کسی طرح کا نقص آپ کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل بھی ہیں۔ تمام موجودات کو علوم و معارف اسرار و انوار، اعمال و احوال، فیوضات، تجلیات، عطایا، انعامات اور بخشش کے تمام طریقے آپ ہی سے عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی وجود کو مطلق، مقید، کثیر، قلیل، مشہور، غیر مشہور جو کچھ جتنا عطا فرمایا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کا فیضان ہے۔ لہٰذا جسے یہ گمان ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر براہ راست کچھ ملا یا وہ براہ راست حاصل کرتا ہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے امر سے جاہل ہے۔ اگر اس نے اپنے اس خیال سے توبہ نہ کی تو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔ اس قسم کے عقیدہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے محبوب اور دیگر انبیاء و رسل کے وسیلہ سے سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل ایسے عقیدہ سے بچائے۔ آمین۔

پھر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تمام موجودات کا وجود حقیقت محمدیہ کے ساتھ منسلک ہے۔ لیکن وہ کسی چیز سے منسلک نہیں۔ اس لئے کہ حقیقت محمدیہ اور ذات مقدسہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ (جس سے اس کا تعلق ہو) جیسا کہ خبر (حدیث) میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ خَلَقْتُ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَجْلِكَ وَ خَلَقْتُكَ اَنْتَ مِنْ اَجَلِيْ۔ میں نے ہر چیز تمہاری خاطر پیدا کی اور تمہیں اپنے لئے پیدا کیا۔ اس خبر سے یہ دلیل حاصل ہوتی ہے کہ تمام موجودات کا وجود بالذات مراد و مقصود نہ تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ حقیقت محمدیہ کیلئے بنایا گیا اور حقیقت محمدیہ کسی ایسی چیز سے منسلک کیسے ہو سکتی ہے جسے خود اس (حقیقت محمدیہ) کیلئے وجود دیا گیا ہو۔ حقیقت محمدیہ کا تعلق صرف ذات مقدسہ سے ''مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ'' ہے۔ اسی مضمون کی طرف ''صلوۃ بکریہ'' میں اشارہ کیا گیا۔ جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدی محمد بکری کبیر رضی اللہ عنہ نے سنا اور املاء کیا۔ وہ قول یہ ہے۔ عَبْدُكَ مِنْ حَيْثُ اَنْتَ كَمَا هُوَ عَبْدُكَ مِنْ حَيْثُ كَافَةَ اَسْمَآئِكَ وَ صِفَاتِكَ۔ ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجود مطلق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی اکیلے ہی عبادت کی۔ ''وجود مطلق'' سے مراد آپ کی محض اور خالص ذات مقدسہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ابھی کسی چیز کیلئے اسے وجود میں لانے کی علت نہ بنائی گئی۔ اگر آپ کی ذات مقدسہ اسی مقام و مرتبہ میں رہتی تو غیوب ذات میں سے ایک غیب ہوتی۔ اور کسی بھی ایسے وجود کا اس سے اتصال و تعلق نہ ہو سکتا۔ جسے اپنا وجود اس ذات کے ساتھ تعلق کی بناء پر ملا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو وہ

اعلیٰ کمال سے متصف کیا جائے جس پر فائز ہو کر تمام موجودات اپنے وجود کی بھیک آپ سے مانگتی اور آپ کا وجود مسعود سب کے وجود کیلئے سبب بنتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مقدسہ کو دوسرا مرتبہ عطا فرمایا۔ یہ مرتبہ وہی ہے کہ جس کے ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفات و اسماء کے ساتھ متصف اور متحقق ہو کر ان کے حقوق کیلئے تیار ہوئے۔ اسی مرتبہ سے تمام موجودات کے وجود نے زندگی بھی پائی اور قیام بھی اسی کے صدقہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرتبہ پر تشریف فرما ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے اسماء وصفات کی بندگی بجا لائے۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بندگی ذات مطلقہ کی حیثیت سے بھی کی اور صفات و اسماء کے اعتبار سے بھی کی۔ اسی مرتبہ و مقام کی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے تاج خلافت پایا۔ جس کی حکمرانی کا دائرہ تمام مملکت الٰہیہ ہے۔ اس میں کسی کو انکار نہیں۔

وَجَعَلْتَ الْكُلَّ قَبْضَةً مِنْ نُوْرِ عَظَمَتِكَ۔ ان الفاظ کے بارے میں شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''نور عظمت'' سے یہاں مراد نور کامل سے پیدا کی گئی سب سے پہلی صورت ہے۔ اور وہ ہی ''حقیقت محمدیہ'' ہے اور موجودات جس قدر بھی عدم سے وجود میں آئیں ان سب کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اول باپ'' کی مانند ہیں۔ اسی حقیقت محمدیہ سے وہ تمام موجودات وجود میں آئیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے قوام، اور اس سے ہی ان کا نظام اور اسی سے ان کی مدد وابستہ ہے کیونکہ اس حقیقت محمدیہ سے تمام موجودات کے وجود نے مدد طلب کی۔

پھر شیخ موصوف نے ارشاد فرمایا، روح کی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص۔ روح عام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کائنات کی ایک ایک جزء میں سرایت کئے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ایک چیز بھی اس سے باہر نہیں ہے۔ آپ کے سرایت کرنے سے ان تمام کا قیام ہے اور اس سے ہی ان تمام کے نظام کا وجود ہے لہٰذا کوئی چیز بھی جو وجود میں آئی۔ وہ اس وقت تک صراحۃً وجود نہ پا سکی۔ جب تک آپ کی سرایت کی حامل نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کائنات میں سرایت فرمانا اور یہ سرایت ''روح عام'' ہے۔ یعنی تمام عوالم کی روح خواہ وہ کلی ہوں یا جزی ہوں حتیٰ کہ کفار اور مشرکین کیلئے بھی ہے۔ کیونکہ ان کا قیام و وجود بھی اسی سرایت کے طفیل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کی روح ہیں جو ان میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ درختوں میں پانی سرایت کئے ہوتا ہے۔ زمین کے تمام درخت پانی سے مدد پاتے ہیں۔ اگر ان کو پانی نہ ملے تو سب ہلاک ہو جائیں اور خشک ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کائنات کی روح ہونا اس کا یہی مفہوم ہے۔

دوسری روح جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص روح ہے اس سے مراد وہ روح ہے جو ''حق''

کیلئے ہے اور اس کیلئے خصوصیت، عنایت، صاف وشفاف رتبہ اور بلند ولایت کا حکم ہے۔ اس خاص حکم کی وجہ سے وہ خاص روح اولاد آدم میں سے مخصوص مقامات کے حضرات کیلئے ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام، رسولان عظام، تمام قطب، صدیقین بلکہ عام صالح مومنین کیلئے ہے۔ اور تمام فرشتوں کیلئے بھی یہی روح خاص ہے۔ ہر ایک کا اس سے تعلق بقدر مرتبہ ہے۔ اور عالم ارواح میں چیونٹیوں کے مانند مخلوق اور اسی جیسی دیگر مخلوقات کیلئے ہے۔ یہ اشیاء اور گروہ انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہلیت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کیلئے خصوصی اہلیت کے احکام ہیں وہ یہ کہ ان کی تعظیم، بزرگی، تخصیص، عنایت اور صفائی رتبہ کے مستحق دار ہیں۔ یہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معظم ہیں، اور دائمی سرمدی انہیں عظمت حاصل ہے۔ ان میں سے کسی ایک کیلئے اس مقام و مطلع سے ڈھل جانا یا غروب ہو جانا ناممکن ہے۔ ان کے سورج ہمیشہ سے ہمیشہ کیلئے وصف کے اس آسمان میں روشن رہتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو اپنے احکام کا مطیع بنایا ہے۔ اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے قرب کے باغات میں بستے ہیں۔ اس میدان سے باہر نہیں آتے۔ اس حیثیت کے اعتبار سے ان میں ''حق'' کی اہلیت آئی۔ لہٰذا یہ حضرات ''حق'' کے اہل ہیں اور اہلیت کی وجہ ان کا یہی وصف ہے اور اللہ تعالیٰ ان کیلئے ''حق'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور یہ لوگ صاف وشفاف مرتبہ کی وجہ سے قابل عظمت وتوقیر ہیں۔ اور بلند و بالا مراتب پر فائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کیلئے اس وصف میں ''روح'' ہیں۔ انہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلیت ملتی ہے اور جس وجہ سے یہ مراتب عالی کے مستحق ہوئے ہیں اسی خاص روح کی وجہ سے ہے یہ خاص روح کفار اور مشرکین کو حاصل نہیں اور جس کے ایمان میں ملاوٹ ہو وہ بھی اس سے کوسوں دور ہے۔

اس کے بعد شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صلوۃ میں لفظ ''اَللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ'' کے متعلق ارشاد فرمایا، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں لفظ ''لوح محفوظ'' سے مراد ہمارے پیغمبر و آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن میں تمام اشیاء کی حقیقت جمع ہے تو جس طرح لوح محفوظ میں ابتدائے آفرینش سے صور پھونکے جانے تک کے تمام کائنات کے علوم درج ہیں۔ لوح محفوظ میں ان کی تفصیل مرقوم ہے۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی، جوہر ہو یا عرض سبھی کی تفصیل موجود ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت محمدیہ میں تمام علوم الٰہیہ موجود ہیں۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو لوح محفوظ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ متکلمین کے نزدیک یہ تسامح پر مبنی ہے۔ (یعنی غیر محتاط تشبیہ ہے) ورنہ اگر حقیقت حال دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت علمی لوح محفوظ سے کئی

گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں جو علوم ہیں اور جو کچھ اس میں مرقوم ہے وہ ابتدائے آفرینش سے نفخ صور تک ہے۔ ایک ایک چیز کا ذکر اس میں موجود ہے لیکن اس ابتداء وانتہا سے باہر کے حالات و علوم اس میں نہیں ہیں۔ مثلاً قیامت کے دن کے احوال، جنت و دوزخ کے احوال اور ان میں متواتر یکے بعد دیگرے آنے والے واقعات، امور، اعتبارات، لوازمات، مقتضیات وغیرہ لوح محفوظ ان سے خالی ہے۔ اگر ان میں سے کچھ ہے بھی تو وہ بہت تھوڑا مذکور ہے۔ مثلاً فلاں آدمی فلاں کام کرے گا۔ اس کے ان کاموں کی اس کو یہ جزا ملے گی۔ وہ ہمیشہ کیلئے جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا۔ اگر جنت میں گیا تو جنت الماٗ ذی میں جائے گا یا کسی اور درجہ میں پھر جس درجہ میں بھی جائے گا اسے فلاں فلاں چیز وہاں ملے گی۔ پھر اس لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوگا کہ فلاں یہ یہ برا کام کرے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم کی کونسی وادی ہے۔ دوسری یا تیسری میں اسی طرح اور باتیں بھی مسطور ہیں۔ لیکن یہ باتیں جنتیوں اور دوزخیوں کے تمام احوال اور قیامت کے دن کے تمام حالات کے مقابلہ میں بہت قلیل ہیں۔ لیکن اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت محمدیہ میں وہ تمام علوم ہیں جن کا علم الٰہی نے احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ ازل سے ابد تک تمام مخلوقات کے تمام حالات، ان کی مقتضیات ولوازمات سبھی کو حاوی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے علوم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام علوم کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

''النور الساری الممد ود'' کے متعلق شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وجود تمام کا تمام ظلمت تھا۔ کیونکہ وہ عدم محض تھا۔ اس میں کوئی نوریت نہ تھی۔ ہر موجود کے وجود نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے امداد طلب کی۔ آپ سے ہی اسے وجود ملا اور آپ سے ہی متصور ہوا اور آپ کے سبب سے ہی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوریت کو اس کے بارے میں ''نور مطلق'' بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ آپ کی نوریت نے اللہ تعالیٰ کے نور سے طلب مدد کی۔ کیونکہ وجود مطلق وہی ہے۔ اور ''طلب مدد'' کا معنی یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق صرف ذات مقدسہ کیلئے ہوئی۔ کسی اور چیز کیلئے نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ آپ کو ''حق'' کیلئے پیدا کیا گیا۔ کسی اور کیلئے نہیں۔ اور وجود علی العموم اور علی الاطلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا معلل ہے۔ آپ کی ہی خاطر کائنات کا وجود ہوا۔ لہٰذا پوری کائنات آپ کے سامنے ایک خادم کی سی مثال رکھتی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ موجود نہ کرتا۔

ہماری اس بات میں بعض لوگوں کو خواہ مخواہ یہ شک پڑ جاتا ہے۔ جو علم سے نا آشنا ہیں۔ یہاں تک وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس تقریر سے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ اس سے کائنات کی تخلیق صرف وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہوئی۔ اور اس نے کائنات بنانے میں آپ کے وجود سے مدد لی۔ اور اپنے آپ کو عاجزی کے الزام سے بچانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا سہارا لیا۔

ہم ان لوگوں کے جواب میں کہتے ہیں۔ ہماری مراد مذکورہ عبارت سے تم نہ سمجھ سکے اور جو تم سمجھے وہ ہماری مراد نہیں۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم و حکمت میں یہ بات تھی کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہیں کرے گا تو کسی بھی مخلوق کو پیدا نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے ارادہ ازلی میں یہ تھا کہ سب سے پہلے میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کو بناؤں گا۔ پھر ان کے واسطہ سے تمام کائنات بناؤں گا۔ لہٰذا ساری کائنات کی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موقوف ہونے سے ہماری مراد یہ ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات میں انسان کی آنکھ میں پتلی کی مانند ہیں۔ اللہ رب العزت کی نظر صرف آپ کی طرف تھی۔ اور اسی پر دارومدار تھا۔ اور اسی وجود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ تمام اعتبارات تھے۔ جن پر وجود قائم ہے۔ جیسا کہ آنکھ کی پتلی اگر زائل ہو جائے تو آنکھ بے کار اور لاشئ ہو جاتی ہے۔ یہی نور "سید الوجود" ہے۔ اور یہی "شہود کا علم" ہے۔ حضرت ابوسعید سے مروی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول شریف کا یہی مفہوم ہے۔ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا اَدْرَکَهٗ بَصَرٌ مِنْ خَلْقِهٖ۔ اس کا حجاب "نور" ہے۔ اگر اسے ظاہر اور بے حجاب کر دیتا تو اس کی ذات کے پردے جل جاتے۔ اس کا ادراک مخلوق کی کسی آنکھ نے نہ کیا۔ یہ "نور" ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ ہی یکتا رونق افروز ہیں۔ اور تمام موجودات کا وجود آپ کے سایہ کے تحت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے پردہ میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس نور سے پردے اٹھا دیتا اور وجود اس کا براہ راست نظارہ کرتا۔ یعنی بواسطہ نور نہ دیکھتا۔ تو مخلوقات کی ہر چیز جل جاتی۔ اور عدم محض ہو جاتی۔ اور یہ بات آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت میں ہو جاتی۔ پس اس نور کے وجود کے سبب وجود نے وجود سے نفع پایا۔ اور مختلف مصادر اور اطوار میں جلوہ گر ہوا۔

"اَلسَّارِیْ" اس کا معنی یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات میں یوں سرایت کئے ہوئے ہیں جس طرح درختوں میں پانی نے سرایت کی ہوتی ہے۔ پانی کے بغیر درختوں کا

قیام نہیں ہوتا۔ اور موجودات میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت ہے۔ عقل اس کے ادراک کا متحمل نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اس کے قریب پھٹک سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی اس تک رسائی نہ ہوسکی۔ نہ اس کی کیفیت کا عرفان، نہ صورت کا ادراک ہوسکا۔ اور تمام وجود اس کے ادراک سے پردہ میں ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو تمام مخلوقات میں سرایت ہے اس کے ادراک سے ہر ایک پردہ میں ہے۔ نہ تو اس کا ادراک بلند درجہ والے فرشتے کرسکے اور نہ ہی اکابر انبیاء ومرسلین اسے پہچان سکے۔ ان سب نے اس کی بو تک نہیں پائی۔ جب ان اکابر کا یہ حال ہے۔ تو ان سے ادنیٰ مخلوق اس کے عدم ادراک کی زیادہ مستحق ہوئی۔ ان میں سے کسی کو اس کے ادراک کا ذائقہ تک نصیب نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرایت کی غایت یہ کہ اگر موجودات میں سے کسی ایک کے وجود سے اس کی سرایت منقطع ہوجائے تو وہ اس لمحہ عدم محض ہوجائے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء) ''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

''اَلْمَمْدُوْدُ'' کا معنی یہ کہ جس کی انتہا نہ ہو۔ اور وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت تمام مخلوقات میں ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام عوالم پر منطبق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر مشتمل ہے۔ اور اس امتداد میں اور اضافہ ہوا۔ حتیٰ کہ ان تمام معلومات میں سرایت کر گئی۔ جن کو علم الٰہی نے گھیر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس طرح نافذ ہوئی کہ عدم سے وجود کی طرف اصلاً نہ نکلے اور اس معدوم میں سرایت کی کیفیت بھی عقل وخرد کے تصور سے اور قبول سے باہر ہے۔ بلکہ یہ صرف علم الٰہی کے احاطہ میں ہے۔ اس لئے اس کی کیفیت اور صورت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

الَّذِیْ لَا یُدْرِکُهُ دَارِکٌ وَلَا یَلْحَقُهُ لَاحِقٌ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء بیان کی گئی کہ موجودات میں کسی کو بھی آپ کا اصلاً علم نہیں۔ اگر ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی مقام کے متعلق بعض عارفین نے کہا۔ مَا عَرفَ قَدْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہ جانی۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (فاتحہ) معلوم ہونا چاہئے کہ ''صراط مستقیم'' خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ ہیں۔ کسی کو ذات باری تعالیٰ کی بارگاہ کا وصول، اس کے اسرار کا ذوق اور اس کے انوار سے چمک اس وقت تک نہیں مل سکتی۔ جب تک وہ صراط مستقیم پر گامزن نہ ہوگا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اس کیلئے عظیم دروازہ ہیں۔ لہٰذا جس سالک نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جلال ومقدس میں داخل ہونے کیلئے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑ کر داخل ہونے کی کوشش کی۔ وہ دور پھینک دیا گیا اور ملعون قرار پایا۔ اور اس پر دروازہ بھی بند اور راستے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ادب کے ڈنڈے سے حیوانوں کے اصطبل میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی اَشْرَفِ الْخَلَآئِقِ الْاِنْسَانِیَّۃِ وَالْجَانِیَّۃِ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانی اور جناتی مخلوق کے اصل اور یاقوت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِہٖ اِخْتَارَ مِنْھُمْ بَنِیْ آدَمَ اِلٰی قَوْلِہٖ – وَاخْتَارَ نِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی جب اسے پیدا فرما چکا تو ان میں سے اولاد آدم کو پسند فرمایا...... اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا۔ حدیث پاک اس بات پر دلالت بلکہ صراحت کرتی ہے کہ تمام مخلوقات میں سے ''آدمی'' اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہے۔ یہی مخلوق رحمت الٰہیہ کے اترنے کا محل ہے۔ اور تمام موجودات میں سے یہی مخلوق اللہ تعالیٰ کا محل نظر ہے۔ پس جنس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا کیا۔ اور باقی تمام کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا۔ مخلوقات میں سے انسان کی تخصیص کی یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا خلیفہ اسی سے منتخب فرمایا۔ اور وہ خلیفہ وہ جامع شخصیت ہے۔ جس نے تمام عالم کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کے حکم کے تابع ہے۔ اور اس کے زیر تصرف ہے۔ جو چاہتا ہے اس میں کسی مخالف اور جھگڑے کے بغیر تصرف کرتا ہے۔ مختصر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں اور جس جگہ کیلئے اللہ تعالیٰ رب ہے وہاں اور اس اس کیلئے وہ اس کا خلیفہ ہے۔ تو جس طرح کائنات میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے باہر نہیں اسی طرح کوئی چیز اس فرد مطلق اور جامع شخصیت کی سلطنت سے باہر نہیں وہ اپنے خلیفہ بنانے والے کے امر سے اس کی مملکت میں تصرف کرتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانی مخلوق سے افضل واشرف ہوئے تو لازماً تمام کائنات سے افضل واشرف ٹھہرے۔ کیونکہ انسان بموجب خبر (حدیث) اس کی تمام مخلوقات میں سے منتخب اور پسندیدہ مخلوق ہے۔ لہٰذا لازماً غیر انسان افضلیت کے حکم میں داخل ہوں گے۔ یعنی جب انسانوں سے افضل ہوئے تو غیر انسانوں سے لازماً افضل ہوئے ''الجانیۃ'' جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہو اسے ''الجان'' کہتے ہیں۔ اس میں جن، فرشتے اور تمام وہ مخلوق شامل ہے جو انسانی آنکھ کے دیکھنے سے باہر ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام سے افضل ہوئے۔

''صَاحِبِ الْاَنْوَارِ الْفَاخِرَۃِ'' کی تشریح میں شیخ موصوف نے فرمایا۔ ''انوار'' وہ امور ہیں جو

حضرت غیب سے بطریقہ فیض حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ صفات و اسماء کے حاضرات ہیں۔ جو علوم واسرار اور معارف وانوار اور احوال عالیہ کو لاتے ہیں۔ جن کے فیوض ومواہب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی سب سے اکبر مخلوق ہیں۔ اور اس انوار سے حصہ پانے میں سب سے بڑے ہیں۔ اور دائرہ میں سب سے زیادہ وسیع اور عظیم حصہ کے حامل ہیں۔ اگر آپ ان انوار سے جو آپ کو عطا کئے گئے ان میں سے ایک نور کے ہزارویں حصہ کو تمام کائنات پر ڈال دیں تو ساری کائنات عدم محض ہو جائے۔ اور اسے معدوم ہونے میں آنکھ جھپکنے کا بھی وقت نہ لگے۔

''اَللّٰهُمَّ وَاجْعَلْهُ لَنَا رُوْحًا وَ لِعِبَادَ تِنَا سِرًّا'' کے تحت شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نمازی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو میرے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح بنادے۔ ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس الامر میں کائنات کی ہر چیز کی روح ہیں۔ حتیٰ کہ کافر تک کا وجود بھی آپ کے بغیر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کا یہ اولین مرتبہ ہے۔ اور اس کے سبب ہر چیز کے وجود کو زندگی میسر ہوئی۔ دوسرا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام وخاص تمام موجودات کیلئے روح ہونا ہے اور یہ روح جو دوسرے مرتبہ میں ہے مکمل طور پر عارفین، صدیقین، اقطاب، عمین، مرسلین اور مقربین میں سرایت شدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مرتبہ کہ جس سے مذکورہ مخصوص حضرات کو روحانیت ملی۔ اسی کی بدولت یہ حضرات حقیقی توفیق سے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں اور اسی کی بدولت انہیں اللہ کا مکمل وکامل ادب حاصل ہے۔ جمعیت کے چشمہ میں ڈوبنا، توحید کے سمندر میں غرق ہونا اسی کی بدولت انہیں ملا۔ یہ حضرات اس میدان میں اللہ کیلئے، اللہ کے ساتھ، اللہ میں، اللہ سے اور اللہ پر ہیں۔ (لِلّٰهِ بِاللّٰهِ فِي اللّٰهِ عَنِ اللّٰهِ عَلَى اللّٰهِ) ان کے تمام حواس، اوھام، تخیلات آرام گاہیں اور ملاحظہ جات صرف اور صرف اللہ وحدہ کیلئے ہیں۔ غیر اللہ کا انہیں خیال تک نہیں آتا۔ ان حضرات کا عنداللہ یہ قیام اسی روحانیت کے سرایت کرنے کی وجہ سے ہوا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ روحانیت ان میں سرایت نہ کرتی۔ تو ان میں اس قیام کی طاقت نہ ہوتی۔ یہی وہ روح ہے جس کی نمازی دعاء کرتا ہے۔ اس روح سے مراد وہ پہلی روح نہیں جو تمام کائنات میں موجود ہے۔

''وَلِعِبَادَ تِنَاسِرًا'' سر سے مراد اس مقام پر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کا باطن بن جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بنا پر ان اعمال کو قبول فرمالے۔ اور عبادت واعمال میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرایت ہے وہ یہ کہ تمام اعمال وعبادات بندے سے اس طرح صادر ہوں۔ کہ ان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت کا لحاظ ہو۔ اور آدمی یہ سمجھے کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف شیخ عبدالسلام بن مشیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا۔ وَحِجَابِکَ الْاَعْظَمِ الْقَائِمِ لَکَ بَیْنَ یَدَیْکَ۔ تیرا سب سے بڑا پردہ جو تیرے لئے تیرے سامنے موجود ہے۔ لہٰذا جس شخص کو عبادت و اعمال میں اس حجابیت کا لحاظ نہ ہوگا اس کے اعمال ناقص ہوں گے۔ اور حجابیت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے بندہ کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسیلہ ہیں۔ آپ کے توسل وتوسط سے ہی ہر آدمی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یہ ہے وہ سر عبادت جو اس کی قبولیت کا دارومدار ہے۔

جوہر نمبر ۵: شیخ موصوف رضی اللہ عنہ اپنے الفاظ صلوۃ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ جس کا نام ''جَوْهَرَةُ الْكَمَالِ'' ہے۔ یہ آپ کی تین صَلَوَات میں سے ایک ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَيْنَ الرَّحْمَةِ الرَّبَّانِيَّةِ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے نور الٰہی سے ایک انتہائی صاف اور جوہر نور الگ کیا۔ پھر اس الگ شدہ نور میں اللہ تعالیٰ نے جو چاہا تقسیم کرنے کیلئے رکھ دیا۔ وہ اس کی مخلوق پر تقسیم ہونا تھا۔ علم صفات و اسماء باری تعالیٰ، کمالات الوہیت، احوال کائنات، اسرار عالم، نفع ونقصان کائنات، احکام الٰہیہ وادامر ونواہی وغیرہ اس نور سے مخلوق کو بقدر حصہ ملنے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قطعہ نور کو اپنے علم سابق سے اپنی تمام مخلوق کو ملنے والے انوار کا مرکز بنایا۔ یہ اس کی محض رحمت تھی پھر اس نے مہربانی فرماتے ہوئے اپنی مخلوق کو ان کے تقدیر میں طے شدہ حصہ جات عطا فرمائے جو حقیقت محمدیہ میں جمع تھے۔ خواہ وہ حصہ جات علم کے ہوں یا رحمت کے۔ اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عین الرحمت'' قرار پائے۔ اور وہ الگ ہونے والا نور ''حقیقت محمدیہ'' ہے اور وہ رحمت جو آپ کی ذات میں جمع کردی گئی۔ اسی کو آپ کی ذات کریمہ سے بطور فیض کائنات کو عطا کیا گیا۔ لہٰذا کسی وجود کو کسی قسم کی جو رحمت ملی وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ملی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ پانی کے مرکز کی مانند ہے۔ اور بہت بڑے تالاب یا ڈیم کی مانند ہے جس سے چھوٹی چھوٹی نہریں مختلف زمین کے حصہ جات کو سیراب کرنے کیلئے پانی وصول کرتی ہیں اور اس سے نفع اٹھاتی ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِيْ۔ میں تقسیم کرنے والا اور اللہ دینے والا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم ازلی میں جو کچھ موجود ہے اسے دیکھ کر اس کے مطابق جس کو جس قدر حصہ ملنا ہوتا ہے۔ عطا فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ''عین الرحمت'' یعنی رحمت کا چشمہ کہا گیا ہے۔

اس کی ایک اور توجیہہ بھی ہوسکتی ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جامع نمونہ ہیں۔ کہ تمام موجودات کو وجود آپ کی ذات کے طفیل ملا۔ اس لئے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک نہ ہوتا تو کسی موجود کا وجود اصلاً نہ ہوتا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی موجود ہوتی۔ اس لئے کہ تمام موجودات کا وجود، وجودات کی ذات سے ہے۔ اور تمام وجود میں آنے والی ذاتیں متاخر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اقدس مقدم ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ہی نہ ہوتا۔ تو کائنات کی کسی چیز کا وجود اور اس کی تخلیق نہ ہوتی۔ اور نہ ہی کسی پر کوئی رحمت ہوتی۔ خواہ وجود عطا کرنے کی رحمت یا رحمت کا فیض عطا کرنے کی بات کسی کو کچھ بھی نہ ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا کل ہیں اور وجود میں اس کی غایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات بنائی ہی صرف آپ کیلئے ہے اور وجود پر جس قدر بھی افاضہ رُحمت ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبعیت میں ہوا۔ لہٰذا تمام کائنات کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے وابستہ ہے۔ یہ وابستگی وجود کے اعتبار سے بھی اور افاضہ کے اعتبار سے بھی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ مقدسہ کی خاطر تمام مخلوق بنائی گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "حق" کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں بنایا گیا۔ تا کہ وہ اور چیز آپ کے وجود کی علت قرار پائے۔ اور آپ کا وجود اس کے وجود پر موقوف ہو۔ مطلب یہ کہ وہ تیسری چیز اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان وسیلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی رابطہ نہیں۔ کیونکہ آپ حق تعالیٰ کی "مراد" ہیں۔ اور ساری کائنات آپ کی "مراد" ہے۔ وجود کائنات کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علت ہیں لہٰذا تمام کائنات کو افاضۂ وجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ سے بطور فیض ملا۔ اور تمام کائنات پر افاضۂ رحمت بھی آپ کی ذات مقدسہ سے ہو۔ فیض محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کو جو ملا اس کی دو قسمیں ہیں۔ (وہ دو قسم کی رحمتیں ہیں)۔

رحمت اولیٰ: تمام موجودات کو ان کے وجود کا فیض دینا۔ حتیٰ کہ وہ عدم سے وجود کی طرف نکلے۔

رحمت ثانیہ: اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا فیض تمام مخلوق کو تقسیم کرنا۔ تمام کے رزق، منافع، عطیات، بخششیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں وجود میں آنے کے بعد موجود کو عطا کی جاتی ہیں۔ جن سے وہ نفع اٹھاتا ہے۔

جب تم اس بات کو جان چکے ہو تو تمہیں لازماً علم آ جائیگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عین رحمت پروردگار" ہیں۔ کیونکہ اللہ نے تمام موجودات کو جو وجود عطا کیا۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود پاک کی وجہ سے کیا اور آپ کے وجود کا ہی فیض ہے۔ کہ اللہ نے تمام موجودات پر رحم فرمایا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "عین رحمت ربانیہ" کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی

مراد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اعراف:156) میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل ''رحمت'' ہے۔ اور یہ الزام یا اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ کہ عذاب، وعید، اور غضب وغیرہ تو رحمت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں (عذاب، وعید، غضب وغیرہ) کمالات الٰہیہ کے تقاضے ہیں۔ ''کریم'' اگر چہ اس کا کرم کتنا عظیم ہو۔ اگر اس کی گرفت، غضب اور عذاب نہ ہوتا۔ تو اس کا خوف بالکل نہ رہتا۔ اور اگر اس کی ان باتوں سے امن ہوتا تو اس کی عظمت میں فرق آجاتا۔ اور حقیر ہو جاتا۔ لہٰذا صفت کرم ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں کریم کی حقارت اور بے قدری یا بے خوفی ہو۔ نہ ہی کرم کیلئے ایسی صفات لائق ہوتی ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ صفت کمال میں سے ہی غضب، گرفت اور عذاب ہے۔ یہ کوئی اس کی ضد نہیں۔ یہ اس لئے کرم کے ساتھ ضروری ہے تا کہ کریم کی جانب ''معظم'' بھی رہے اور اس کا خوف اور ہیبت بھی رہے جیسا کہ اس کی ذات سے معافی کی امید بھی ہوتی ہے۔ اور رحمت کی طلب بھی ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى عَيْنِ الْحَقِّ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ''حق'' کے دو اطلاق (معانی) ہیں۔ اول ''حق'' کا اطلاق مِن حَيْثُ الذَّات اور دوسرا اطلاق صفتُ الذَّات ہے۔

''حق'' کا من حیث الذات اطلاق وہ اس طرح کہ اس (حق) کا مقابل ''باطل من کل الوجہ'' ہے۔ لہٰذا ''حق محض'' وہ ذات عالیہ مقدسہ ہوگی۔ اور اس کے سوا سب باطل ہوگا۔ اسی کی طرف شاعر لبید نے اشارہ کیا ہے۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و تحقیق کی شہادت دی۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ اس اطلاق کے اعتبار سے لفظ حق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں بولا جاسکتا۔ کیونکہ یہ اطلاق ''عین ذات مقدسہ'' ہے۔ کسی غیر پر اصلاً اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دوسرا اطلاق دراصل ''عدم'' کا مترادف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو علم ازلی کی صورت میں اس کے ساتھ قائم ہے۔ مشیت الٰہیہ، قدرت ربانیہ، حکم الٰہی ازلی جو ہر شئی میں نافذ ہے اس کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ عدل مذکور اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء اور صفات الٰہی کے آثار میں جاری وساری ہے۔ اس عدل کا کل یا بعض مجموعہ وہ حقیقت محمدیہ ﷺ ہے۔ اس اعتبار کے پیش نظر ''عین حق'' کا اطلاق آپ پر کیا گیا۔ پس تمام ''حقیقت محمدیہ'' عدل الٰہی کے میزان سے قطعاً انحراف نہیں کرتی۔ جو حقیقت محمدیہ ''عین الحق'' اطلاق ثانی کے اعتبار سے ہے۔

عَيْنِ الْمَعَارِفِ۔ یعنی جبکہ معارف الٰہی بطور فیض مخصوص حضرات کو عطا ہوئے۔ یعنی انبیاء کرام،

مرسلین، اقطاب، صدیقین اور اولیاء ان تمام کو فیوض و برکات ''حقیقت محمدیہ'' سے حاصل ہوئے۔ معارف جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان شخصیات مخصوصہ کو ملے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ''حقیقت محمدیہ'' سے خارج نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہر فیض و معارف میں ''حقیقت محمدیہ'' پوشیدہ ہے۔ اس میں موجود ہے لیکن نظر نہیں آتی اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فیوض و معارف کے خزانہ ہیں اور سبھی کے فیوض و معارف آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''عین الحق'' یا ''عین المعارف'' کہا گیا ہے۔

صِرَاطِکَ التَّامِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجازاً ''صراط'' کہا گیا ہے۔ کیونکہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تک کے جانے کا واحد راستہ ہیں۔ اس راستہ کے عبور کئے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ جو اس راستہ سے دور ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو گیا اور دور جا پڑا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ''پل صراط'' کی مانند ہوئے۔ جس پر سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا۔ اور جنت میں وہی جائے گا جو اس پل صراط سے گزر گیا۔ قیامت میں کسی انسان کیلئے اس بات کی قطعاً گنجائش نہیں۔ کہ وہ جنت میں اس راستہ کو عبور کرنے کے بغیر پہنچ جائے۔ لہٰذا جو شخص جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ لیکن وہ ''پل صراط'' کے علاوہ کسی اور راستہ سے جا کر یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ جنت سے دور اور منقطع ہو جائے گا یونہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچنے کا واحد راستہ ہیں۔ اس راستہ پر چل کر اور اس کو عبور کر کے ہی بارگاہ ایزدی میں رسائی ہوگی۔ کسی نے اگر کسی اور راستہ سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے کٹ جائے گا۔ دور ہو جائے گا۔ ملعون قرار پائے گا۔ اور دھتکارا جائے گا۔

اَلْکَنْزِ الْاَعْظَمِ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اسرار، علوم، معارف، فتوحات، فیوض، تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ واسمائیہ وفعلیہ اور صوریہ کے جامع ہیں۔ جب یہ تمام خوبیاں اور مطالب آپ کی ذات مقدسہ میں کامل و مکمل موجود ہیں تو آپ لازماً ''کنز اعظم'' ہوئے۔ کیونکہ آپ ہی کی بارگاہ عالیہ سے تمام مطالب، احسانات، دینی و دنیوی فیوض و برکات، اُخروی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ آپ ان سب کے مرکز اور خزانہ ہیں۔ علوم و معارف، اسرار و انوار، اعمال و احوال، مشاہدات، توحید، یقین و ایمان یہ آپ ہی کے در دولت سے ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے آداب بھی یہیں سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب کے فیض رساں ہیں۔ تمام موجودات کو تفصیلی، اجمالی اور ایک ایک کو جو کچھ ملا۔ آپ ہی کے آستانہ عالیہ سے ملا۔ کوئی بھی اس سے محروم نہ رہا۔ محروم

کیوں رہتا۔ جبکہ آپ "کنزاعظم" ہیں اور "کنزاعظم" سے ہی سب کو سب کچھ ملتا ہے۔

اِفَاضَتُکَ مِنْکَ اِلَیْکَ۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ ہوا تو اس نے "حقیقت محمدیہ" کو ظاہر فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے سماء الاوصاف سے خود اپنی ذات کیلئے تجلی فرمائی۔ اور اپنی ذات سے اپنی ذات کیلئے موارد الطاف کا سوال کیا تو اس سوال نے اس سے قبولیت پائی تو اس نے "حقیقت محمدیہ" کو اپنے علم ذاتی سے وجود عطا کیا۔ تو وہ حقیقت محمدیہ چشمے اور نہریں بن گئی۔ پھر سارا عالم اس سے نکالا۔ اور صورت آدمیت انسانیت تفصیلاً اس سے الگ کی۔ بیشک وہ صورت اس حقیقت محمدیہ پر کپڑوں کی طرح تھی۔ جو پانی اور ہوا کی طرح رقت اور صفائی میں تھی۔ اس کپڑے نے صورت انسانیہ کی شکل اختیار کی۔ پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع الکل، برھان الصفات اور مبدأ اعلیٰ ہوئے۔ اور آدم علیہ السلام اس کے مکمل نسخہ تھے۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کا نسخہ حضرت آدم علیہ السلام سے تھا۔ اور تمام عالم علوی و سفلی حضرت آدم علیہ السلام کا نسخہ ہوا۔ پس یہ نسخہ جات سعادت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ علاوہ اس کے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام دونوں کی کتاب سے کامل طور پر ہوئے۔ اور عارفین و وارثین آدم علیہ السلام کے نسخہ اور ہمارے آقا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر سے ہوئے۔ اہل شمال صرف حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے بنائے گئے۔ رہا حضرت آدم علیہ السلام کی نسل کا معاملہ تو وہ پیدا ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو مخصوص حالات میں ظاہر فرمایا۔ جس طرح آپ کی حقیقت الگ تھی اس طرح آپ کا وجود اور جسم بھی الگ بنایا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ابتداء بھی آپ سے اور انتہاء بھی آپ پر کی۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کو نشاۃ اولیٰ حاصل تھی۔ لہٰذا وجود کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ اور جود و سخا میں آپ کا مقام کون پا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول الموجودات اور اصل الموجودات ہیں۔ آپ کی برکت سے موجودات کو وجود ملا اور اس سے سب کچھ پایا۔

اِحَاطَۃُ النُّوْرِ الْمُطَلْسَمِ۔ یعنی طلسماتی نور پوشیدہ الوہیت کا راز ہے۔ اس راز کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشیت ربانیہ سے اس کی دو قسمیں بنائیں ایک قسم اپنے علم کیلئے مخصوص رکھی۔ کسی دوسرے کو اس کی اطلاع نہ کی۔ اور دوسری قسم کے بارے میں یہ پسند کیا۔ کہ اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے مخصوص لوگ اس پر مطلع ہوں۔ وہ ان حضرات کے درمیان مشیت ازلیہ کے مطابق تقسیم کی گئی ہر ایک کو

اپنی تقدیر میں لکھا حصہ ملا۔اس تمام قسم کا علم ورزق کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احاطہ کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ کی حقیقت محمدیہ میں سب جمع ہوئی۔اور پھر تمام مخلوقات میں تقسیم ہوئی ایک اور عبارت کے ذریعہ اس مضمون کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ" طلسماتی نور" وہ کمالات الٰہیہ ہیں جو اس کے علم سابق میں سب سے اول تھے اور جن کے بارے میں اس کا ارادہ تھا کہ وہ مخلوقات پر منکشف ہوں گے اور ان کی تفصیلاً یا اجمالاً اطلاع دی جائے گی ہر موجود فرد کو جو اس کے مقام کے مناسب ہے وہ ملے گا اور جو اس کیلئے مخصوص ہے وہ پائے گا اس میں کائنات کے ظہور سے لیکر ابد تک کی تمام مخلوقات شامل ہے۔اور وہ مذکورہ نور غیب کے پردوں میں پوشیدہ تھا۔یعنی اس پر بڑے بڑے پردے ڈال دیئے گئے تھے۔کسی کو ان کی اطلاع یا ان کی رسائی ناممکن تھی۔پھر اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مطلع فرما دیا۔اور آپ کی" حقیقت محمدیہ" میں ان تمام کو جمع کر دیا۔لہٰذا مذکورہ احاطہ اور نور وہ کلمات الٰہیہ کے ظہور کے مقام ہیں اور طلسمی پردے ان پر جو ڈالے گئے وہ ایسے پردے ہیں کہ جو ان علوم کے حقائق کی معرفت تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ۔تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ بھیجتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک وصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔قیام کا معنی یہاں وہی جو اس کی عظمت وجلال کے لائق ہے۔وہ ایسا معاملہ ہے جو ادراک وعقل کے احاطہ سے باہر ہے۔کیونکہ جو وصف ہر موجود کے بارے میں مذکور ہے۔اگرچہ وہ لفظ اور اسم میں وصف باری تعالیٰ کے ساتھ اشتراک رکھتا ہے۔لیکن دونوں اوصاف کی حقیقت الگ الگ ہے۔اس لئے مخلوق کا صلوۃ بھیجنا،اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ سے متباین ہے۔ہم انسانوں (مسلمانوں) کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنا وہ الفاظ ہیں۔جو ہماری زبانوں سے دعا اور تضرع کے ساتھ نکلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جاتی ہے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم شامل ہوتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا" صلوٰۃ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا نہیں،نہ اس کی صلوٰۃ کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے لہٰذا وہ عقل وادراک سے باہر ہے اس کی کسی طرح تفسیر ناممکن ہے بلکہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔لیکن وہ ہر کیفیت سے پاک ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق سجدہ کرتی ہے لیکن جو سجدہ جس کیفیت سے مومن اللہ تعالیٰ کو کرتا ہے وہ جمادات وحیوانات کے سجدہ سے بالکل مختلف ہے اور درختوں کے سجدہ کی مثل بھی نہیں۔ہر درخت،حیوان اور جماد کا سجدہ ایسا ہے جو ان کے حال کے لائق ہے۔لیکن

لفظ سجدہ تمام کیلئے مشترک ہے اور اطلاق میں بھی یہ سب پر مساوی بولا جاتا ہے لیکن حقیقت ہر ایک کے سجدہ کی الگ الگ ہے۔ ایک کا سجدہ اور ہے دوسرے کا کسی اور طریقہ سے ہے۔ اسی طرح لفظ ''صلوٰۃ'' میں انسانوں اور باری تعالیٰ کا اشتراک ہے۔ لیکن دونوں کی حقیقت بالکل مختلف ہے۔ رہا فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا تو اس کی سمجھ خود فرشتوں کو ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنا کیا ہے۔ جس طرح ہم انسانوں کو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی طرف سے صلوٰۃ بھیجنے کا علم ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ کسے کہتے ہیں۔

صَلٰوۃٌ تَعْرِفُنَا بِهَا اِیَّاہُ۔ یعنی صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطنی مراتب کی معرفت اسے عطا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باطنی مراتب کی معرفت یا تو آپ کی روح پاک تک رسائی ہے۔ یا حقیقت عقل محمدی تک، یا قلب انور تک یا نفس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے مقام کی حقیقت تک صرف اکابر حضرات یعنی انبیاء کرام مرسلین عظام اور اقطاب یا ان کے برابر کے حضرات کی رسائی ہے کچھ عارفین ایسے ہیں جو آپ کے مقام عقل تک رسائی پالیتے ہیں پھر جو جس مقام تک رسائی رکھتا ہے۔ اس کے معارف وعلوم اس مقام کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقام عقل اور اس کے علوم مقام روح کے علوم ومعارف کے مساوی نہیں۔ کچھ عارفین ایسے ہیں جو آپ کے مقام قلب تک رسائی رکھتے ہیں تو ان کے علوم و معارف اس مقام کے مطابق ہوتے ہیں اور مقام قلب، مقام عقل سے جدا ہے۔ اس کے علوم و معارف بھی جدا ہیں۔ پھر کچھ عارفین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام نفس تک رسائی رکھتے ہیں تو ان حضرات کے علوم و معارف اس مقام کے مناسب ہوتے ہیں اور یہ مقام، مقام قلب سے الگ ہے۔ رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سر تو اس تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مقام سر، مقام روح، مقام عقل، مقام قلب اور مقام نفس میں فرق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سر ہی درحقیقت ''حقیقت محمدیہ'' ہے۔ جو محض ''نور الٰہی'' ہے۔ جس سے تمام انسانوں کے عقول وادراک عاجز ہیں۔ خواہ وہ خاص ہوں یا عام۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کا یہ معنی ہے۔

پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' کو انوار الٰہیہ کا لباس پہنایا گیا۔ اور وجود سے اس کو پردے میں کر دیا گیا۔ اس درجہ میں اس کا نام ''روح'' رکھا گیا۔ پھر ایک اور لباس میں ملبوس کی گئی۔ انوار الٰہیہ کے اس دوسرے لباس کے پہننے کے بعد اس کا نام ''عقل'' رکھا گیا۔ پھر ایک اور لباس پہنایا گیا۔ اس انوار

الٰہیہ کے اس لباس کے پہننے کے بعد اس کا نام ''نفس'' رکھا گیا۔

تنبیہ شریف۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ کو پیدا فرمایا۔ تو اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وہ تمام علمی فیوض، معارف واسرار تجلیات، انوار اور حقائق مع ان کے تمام احکام و مقتضیات ولوازمات کے جو تمام مخلوق میں تقسیم کیے جانے تھے۔ اس میں ودیعت فرمادیئے۔ پھر حضور ﷺ اب تک کمالات الٰہیہ کے شہود میں برابر ترقی فرمارہے ہیں۔ جس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی مذکورہ کمالات ابدالاباد تک ختم ہوسکتے ہیں۔ جب وہ ختم نہیں ہوسکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کی انتہاء کیسے ہوسکتی ہے؟

جوہر نمبر ٦: ''صَلٰوۃُ الْغَیْبِیَہ فِی الْحَقِیْقَۃِ الْاَحْمَدِیَّہ'' کی شرح کرتے ہوئے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ''صلوٰۃ غیبیہ'' کا معنی یہ ہے کہ یہ صلوۃ غیب سے ظاہر ہوئی۔ کسی انسان نے اس کی انشاء نہیں کی۔ رہی ''حقیقت احمدیہ'' تو اس سے مراد وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب پر سبقت فرمائی۔ وجود میں کوئی حامد آپ سے پہلے حمد باری تعالیٰ نہ کرسکا۔ لہٰذا وجود میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد نہ کہی جیسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کی۔ پھر ''حقیقت محمدیہ'' فی نفسہا اللہ تعالیٰ کے غیوب میں سے ایک عظیم غیب ہے۔ اس میں جو معارف، علوم، اسرار، فیوضات، تجلیات، احسانات، عطایا جات، احوال عالیہ اور اخلاق حسنہ ہیں۔ کوئی بھی ان پر مطلع نہیں۔ نہ ہی کسی نے ان میں سے کسی تک رسائی پائی۔ تمام انبیاء کرام اور مرسلین عظام بھی اس تک رسائی نہ پاسکے۔ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا اس کے مقام سے مختص ہیں۔ تمام انبیاء کرام، مرسلین عظام، تمام فرشتے، مقربین، تمام قطب وصدیق اور تمام اولیاء عارفین کے تمام ادراک ومقامات اور جو کچھ ان سب حضرات نے اجمالاً وتفصیلاً پایا وہ سب کا سب ''حقیقت محمدیہ'' کا فیض ہے۔ لیکن ''حقیقت احمدیہ'' تک رسائی اور اس کے علوم ومعارف وغیرہ کسی کیلئے ان تک رسائی ممکن نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مقام ہیں۔ ایک ''حقیقت احمدیہ'' کا مقام۔ یہ مقام اعلیٰ ہے۔ دوسرا ''حقیقت محمدیہ'' کا مقام جو اس سے ادنیٰ ہے۔ لیکن خود ادنیٰ نہیں۔ تمام موجودات نے جس قدر بھی علوم ومعارف، فیوضات، تجلیات، ترقیات، احوال ومقامات اور اخلاق پائے وہ سب کا سب ''حقیقت محمدیہ'' کا فیض ہے اور جو کچھ ''حقیقت احمدیہ'' میں ہے اس میں ایک چیز بھی کسی کو نہ ملی۔ وہ سب کا سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص

ہے اس کی وجہ آپ کی کمال عزت اور انتہائی بلندی ہے جس تک کسی کی رسائی ناممکن ہے۔ یہ ہے ''حقیقت احمدیہ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اَلْمُفِیْضُ عَلٰی کَافَّةِ مَنْ اَوْجَدْتَهٗ بِقَیُّوْمِیَّةِ سِرِّکَ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف اور تعریف ہے۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے فیض رساں ہیں۔ اور آپ کا فیض رساں ہونا علی الاطلاق اور علی العموم ہے۔ مخلوقات میں سے جس نے جو کچھ پایا۔ خواہ دنیوی منافع ہوں یا دینی یا اخروی خواہ کوئی ضرر والی بات ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کو ہر طرح کا فیض پہنچانے والے ہیں۔ پھر تمام موجودات کا وصف بیان کیا۔ کَافَّةُ مَنْ اَوْجَدْتَهُ الْاٰخَرَ۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا اور یہ سر الٰہی کی قیومیت کی وجہ سے ہوا۔

اَلْمَدَدُ السَّارِیْ فِیْ کُلِّیَّةِ اَجْزَاءِ مَوْهِبَةِ فَضْلِکَ۔ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کے فیض رساں ہیں۔ اور جو چیز ان تمام موجودات کو فیض پہنچا رہی ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ہے جس نے تمام کائنات میں سرائیت کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیض الٰہی ازل سے ابد تک جو تمام موجودات کو ملتا ہے وہ کامل اور مکمل طور پر ''حقیقت محمدیہ'' میں جمع ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریقہ سرایت تمام کائنات میں تقسیم ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِم'' واللّٰهُ مُعْطِیَ۔ اس ارشاد کے ذریعہ معلوم ہوا کہ عطائے اول جو سب سے اول اللہ تعالیٰ نے کسی کو دی وہ تقسیم میں مفصل تھی۔ اور اس کی تفصیلی تقسیم مشیت الٰہیہ کے تحت تھی۔ یہ ابتدائی عطاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام کائنات کیلئے تھی اور اس کی تقسیم کسی فرشتہ یا خود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ یا اس کی دین سے اس شخصیت کیلئے ثابت ہوئی۔ جس کو عطاء کرنے کا حکم الٰہی تھا اور وہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نائب قرار پائی۔ لہٰذا وہ شخصیت اس کارندے کی مانند ہوئی۔ جسے بادشاہ حکم دیتا ہو کہ تم فلاں فلاں انعام وعطیہ جات فلاں فلاں شخص کو پہنچا دو۔ پھر وہ اسی مقدار کے موافق اس شخص کو دے دیتا ہے جسے بادشاہ نے دینے کا حکم دیا ہوتا ہے۔ حدیث ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِم'' واللّٰهُ مُعْطِیَ'' کا یہ معنی ہے اور جس طرح کہ شیخ اکبر نے اپنی صلوٰۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف میں کہا ہے۔ اَلْقَلَمُ النُّوْرَ اِلٰی الْجَارِیْ بِمِدَادِ الْحُرُوْفِ الْعَالِیَاتِ وَ النَّفْسُ الرَّحْمَانِیُّ السَّارِیْ بِمَوَادِ الْکَلِمَاتِ التَّامَّاتِ۔ پس یہ سرایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اور تمام موجودات کیلئے ہے اور اس کے موافق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے نفاذ چاہا۔ یہ فیوض و برکات اس کے مستحقین تک صرف اور صرف حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت سے ہی پہنچتے ہیں اور یہ بات علی العموم ہے۔ کوئی شخصیت اس قانون سے مستثنیٰ نہیں اور نہ ہی کسی کو تخصیص حاصل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ چار اقسام کے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرنے میں ان کی چار اقسام ہیں۔

قسم اول: علماء کرام ہیں۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے ''اقوال'' کی پیروی کی۔

قسم دوم: عبادت گزار ہیں۔ جنہوں نے آقائے دو عالم ﷺ کے ''افعال'' کی پیروی کی۔

قسم سوم: صوفیاء کرام ہیں۔ جنہوں نے ''اخلاق نبوی'' ﷺ کو اپنا مقتداء بنایا۔

قسم چہارم: محقق عارف لوگ ہیں جنہوں نے سرور کائنات کی آپ کے ''احوال'' میں اقتداء کی۔

پھر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اس صلوۃ کی شرح کا اختتام ایک عظیم فائدہ پر کیا۔ یہ عظیم فائدہ مسئلہ ایصال ثواب یا اھدائے ثواب ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں کسی امتی کو اپنے ثواب کا ہدیہ عرض کرنا کیسا ہے؟ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خلیفہ کے سوال کا جواب عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے جملۃً وتفصیلاً اور فرداً فرداً مستغنی ہیں۔ اور مخلوق کی صلوۃ اور اپنے اعمال کے ثواب کا ہدیہ آپ کی بارگاہ میں پیش کرنا اس سے بھی آپ مستغنی ہیں۔ آپ کو اپنا رب ہی کافی ہے۔ اولاً تو اس نے آپ کو غنی کر دیا اور ثانیاً اس نے آپ کو اپنا فضل وکرم اس قدر عطا فرمایا۔ اور اسے اس قدر طویل کیا کہ اس کی وجہ سے آپ کو کسی اور کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے ہاں کمالات کی اس انتہا پر ہیں جہاں کسی اور کا پہنچنا ناممکن ہے۔ اور اس انتہا پر ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے سے اس میں زیادتی ہونا یا آپ کو فائدہ پہنچنا ہرگز مطلوب نہیں۔ اس حقیقت کی گواہ یہ آیت کریمہ ہے۔ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ (الضحیٰ) اور یہ عطاء بخشش اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انسان صفت اور قریب الاخذ طریقہ سے وارد ہوئی ہے لیکن اس کی غایت وانتہاء کا یہ عالم ہے کہ اس عطاء میں سے چھوٹی سی عطاء کا بھی عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ اس عطاء کا احاطہ جو بہت بڑی ہے اس کا عقل ادراک کرے؟ بیشک اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فضل وکرم سے اس قدر عطا فرماتا ہے۔ جس قدر اس کی ربوبیت کی وسعت ہے اور آپ کو اس قدر عطا فرماتا ہے جس قدر آپ کا مرتبہ ہے۔ جس قدر آپ کا مقام ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ عطاء کس قدر ہوگی جو ایسی شخصیت کو دی جا رہی ہے۔ جس کا

مرتبہ ومقام کہیں ختم نہیں ہوتا اور اس عطاء کی عظمت اور بڑا ہونا اسی مرتبہ کے مطابق ہے پھر دینے والا اور عطاء کرنے والا اس کے مرتبہ کو کس نے پایا۔ تا کہ اس کی مقدار پہچانی جا سکے؟ اور پھر اس کی عظمت اس کے مرتبہ کی وسعت کے مطابق ہے۔ تو ان باتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کا اندازہ کیونکر ممکن؟ اور انسانی عقل اس کے ادراک کو کیسے برداشت کر سکے؟ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغناء کا ادنیٰ مرتبہ اور کم از کم مقام اگر دیکھنا ہو تو وہ یہ ہے کہ جب سے آپ کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ اس سے تا قیام قیامت ہر نیکی کرنے والا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیکی کرتا ہے اور جس کے گلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اور آپ کی غلامی کا پٹہ ہے۔ ان تمام عمل صالح کرنے والوں کے تمام ثواب مع آپ کے اپنے ثواب، سبھی آپ کی ذات میں جمع ہیں۔ خدا جانے ان کی تعداد ومقدار کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر صرف یہی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوتا تو بھی آپ زیادہ ثواب کے محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں کمال استغناء ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں یہ مرتبہ آپ کے غناء کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس پر قیاس کر کے ذرا اس طرف خیال کریں کہ اس کے علاوہ جو فیض اکبر اور فضل اعظم آپ کو عطا کیا گیا۔ کہ جس کے اٹھانے سے اقطاب کے عقل بھی عاجز ہیں۔ چہ جائیکہ ان سے کم درجہ کا انہیں سمجھ سکے اور اٹھا سکے۔

جب ہماری یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے صلوٰۃ وسلام کی محتاجی نہیں۔ اور نہ ہی مومنین پر صلوٰۃ وسلام اس لئے بھیجنے کا حکم دیا کہ اس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفع حاصل ہوگا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ثوابات کی حاجت وضرورت ہے۔ جو ثواب بھیجنے والے ہدیۃً اپنا اپنا ثواب آپ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔ اور ہم ثواب بھیجنے والوں کے اس عمل کی اس شخص کو ایک مثال بتاتے ہیں۔ جس کا وہم ہو کہ صلوٰۃ وسلام اور دیگر اعمال کے ثواب کے ہدیہ جات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور آپ کو نفع پہنچتا ہے۔ مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے قلم پر لگی سیاہی کا ایک قطرہ ایک ایسے سمندر میں ڈالتا ہے جس کی لمبائی ایک لاکھ سال مسافت کے برابر اور اتنی ہی اس کی چوڑائی اور گہرائی ہو۔ اب اس ایک قطرے کے اس میں پڑنے سے وہم کرنے والا یہ گمان کرے کہ سمندر کے پانی میں اضافہ ہو گیا اور اس کی لمبائی چوڑائی زیادہ ہو گئی ہے تو کون اس کی سنے گا؟ اس عظیم سمندر کو اس ادنیٰ قطرہ کی کیا حاجت ہے؟ اور وہ حقیر سا قطرہ اس میں کیا اضافہ کرے گا؟

جب تمہیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغناء کا رتبہ اور اس کا عنداللہ مقام معلوم ہو گیا تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا حکم دیا ہے وہ اس لئے تاکہ بندے آپ کے اعلیٰ مقام اور قدر و منزلت کو جان سکیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کتنے جلیل القدر ہیں۔ اور تمام مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو آپ کس قدر پسند ہیں کتنے برگزیدہ ہیں۔ دوسرا اس لئے یہ حکم دیا تاکہ بندوں کو یہ بتایا جائے کہ کسی بندے کا کوئی عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر عنداللہ مقبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہو اور اس کی طرف توجہ کرنا چاہتا ہو لیکن وہ اس کیلئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وسیلہ نہ لے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور جا پڑے گا۔ اور اس کے خطاب تشریع سے شکست خوردہ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب، ناراضگی اور غضب کا حق دار ہو جائے گا۔ اسے ملعون، مردود اور دور پھینکا ہوا قرار دیا جائے گا۔ اس کی کوشش بے کار اور اس کا عمل نقصان دہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھی ایک وسیلہ ہے۔ آپ کی شریعت کی پیروی بھی ایک وسیلہ ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ صلوۃ و سلام پڑھنے سے سراسر ہم امتیوں کا فائدہ ہے۔ ہماری پہچان اور تعریف ہے ہماری قدر و منزلت اللہ کے حضور ہوئی اور اس میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ تمام توجہات میں تمام مطالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توسل حاصل کریں۔ یہ نہیں کہ ہمارے صلوۃ وسلام سے یہ وہم کیا جائے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفع ہوا۔ کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ غنیٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ ثواب عرض کرنا اسے سمجھنے کیلئے ایک تو آپ کے کامل استغنی کو سامنے رکھا جائے۔ دوسرا ہم اسے سمجھانے کیلئے ایک اور مثال دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک عظیم ملک کا عظیم رعب و دبدبہ والا بادشاہ ہو۔ اسے اس کی مملکت میں ہر طرح کے خزائن اور مال و اسباب عطا کئے گئے ہوں جن کی گنتی نہ ہو سکتی ہو ان میں سے ہر ایک خزانہ ایسا ہو کہ اس کا طول و عرض آسمانوں اور زمینوں جیسا ہو۔ ہر خزانہ اتنا ہی بھرا ہوا ہو۔ اس میں یاقوت، زمرد، سونا، چاندی، زرعی پیداوار وغیرہ سبھی موجود ہوں۔ دنیا کا ہر خزانہ اس کے پاس موجود ہو۔ پھر ایک فقیر فرض کرو کہ جس کے پاس دو روٹیوں کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔ وہ بادشاہ سے بہت محبت کرتا ہو اور اپنی محبت کی وجہ سے اس کی تعظیم کے پیش نظر اسے ایک روٹی سخاوت کے طور پر عطا کرے۔ اور بادشاہ بھی وسیع الکرم ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ فقیر کی ایک روٹی سے اس کے دل میں اپنے خزانے میں اضافہ کا خیال ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی بے حد غنی ہے۔ اس لئے ایک روٹی کا ہونا نہ ہونا اس کیلئے یکساں ہے۔ پھر بادشاہ

چونکہ وسیع الکرم ہے۔ وہ فقیر کی غربت اور محتاجی کو بھی جانتا ہے۔ اور اس کی انتہائی محنت و مشقت کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ اسے اس سے سچی محبت ہے اور وہ دل سے اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ اس نے روٹی انہی مقاصد کے تحت اسے دی ہے اگر اس فقیر کو اس سے زیادہ دینے کی طاقت و ہمت ہوتی تو کبھی بخل نہ کرتا۔ اس ایک روٹی کے ملنے پر بادشاہ خوشی اور سرور کا اظہار کرتا ہے اور فقیر سے ہنستے چہرہ سے ملاقات کرتا ہے اور بادشاہ صرف اس لئے خوش ہوتا ہے کہ اس نے اس کی تعظیم کی۔ دل میں اس کی محبت بسائی۔ اس لئے نہیں کہ اس نے ایک روٹی اسے ہدیہ میں دی۔ جس سے بادشاہ کو نفع ہوا۔ پھر بادشاہ اس فقیر کو اس کے بدلہ میں وہ کچھ عطا کرتا ہے۔ جو فقیر کے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ یہ انعام و اکرام اس کی سچی محبت اور تعظیم کے پیش نظر دیتا ہے۔ نہ کہ ایک روٹی سے نفع اٹھانے کی وجہ سے۔ اس مثال کو دیکھتے ہوئے اور پیش نظر رکھتے ہوئے تم اس ہدیہ کی حقیقت سمجھو جو ایک امتی ثواب کے رنگ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غنی ہونا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جب ہم نے ایک عظیم سمندر اور قطرے کی مثال دی تھی۔ اور اس غنا کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اثبات کیا تو وہ اس تازہ مثال سے تمہارے سامنے ذکر کر دیا گیا ہے جس میں ایک فقیر ایک بڑے بادشاہ اور ہر قسم کے لاتعداد خزانوں کے مالک کو اپنی طرف سے ایک روٹی ہدیۃً پیش کرتا ہے۔ والسلام۔

امام علامہ شرف الدین ابوالعباس احمد بن الحسن بن عبداللہ بن محمد ابن قدامۃ المقدسی الحنبلی رضی اللہ عنہ

جوہر نمبر ۱: موصوف رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب بنام ''تحقیق البرھان فی رسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الجان'' میں انہوں نے جنات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور ان کا مکلف بالایمان ہونا بیان کیا۔ جو دراصل ایک سوال کا جواب اور فتویٰ ہے۔ جو موصوف سے دریافت کیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اسی اللہ تعالیٰ پر میرا اعتماد ہے۔ فقہاء کرام ائمہ دین رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ بعض محقق علماء کرام کا یہ موقف ہے کہ جنات پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جنات کی طرف بھی مبعوث فرمائے گئے۔ ان حضرات علماء کرام کی اپنے موقف پر کیا دلیل ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرنا جائز نہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا ثبوت بغیر دلیل۔ اس پر جھوٹ باندھنا اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے اور باری تعالیٰ پر افتراء حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (اعراف) اور آیت کریمہ اَجِيْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف) میں امر مذکور کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس بات پر اجماع ہے۔ کہ تمام انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کتابوں پر ایمان لانا تمام مکلفین کیلئے لازم ہے۔ جیسا کہ ہم پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانا واجب ہے حالانکہ یہ دونوں ہماری طرف رسول بن کر تشریف نہیں لائے تھے اور سورۂ جن میں جہاں جنات کے عقائد بیان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی شرک سے تنزیہ مذکور ہے۔ اس میں بھی ان کا مکلف ہونا مذکور نہیں اور نہ ہی اس آیت میں ان کے مکلف ہونے پر دلیل ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ''بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' میں سیاہ و سرخ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں بھی اس بات کی صراحت نہیں اور احتمال مرجوح سے (جس پر دلیل موجود نہ ہو) رسالت کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور نہ امر مذکور کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ''اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَتْبَعَهٗ لَيْلَةَ الْجِنِّ'' کیونکہ اس روایت میں ضعف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں (ابن مسعود) جنات سے حضور کی ملاقات جس رات ہوئی۔ آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے پوچھا کیا تم اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے؟ کہنے لگے۔ نہیں۔

علاوہ ازیں بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ''لَمْ یَرَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ الْجِنَّ وَلَا تَلَا عَلَیْھِمُ الْقُرْآنَ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جنات کو دیکھا اور نہ ہی انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ لہٰذا اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کی طرف نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو پھر اس پر ایمان لانا واجب ہو جائیگا۔ اور اشکال زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس بات کا جاننا اور اس کی معرفت کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دعویٰ کیا ہو اگر ایسا نہیں تو کیا ان علماء کرام کے قول کی تقلید جائز ہے جنہوں نے اس کے اثبات کا قول کیا ہے۔ اور مقلد پر عنداللہ اتباع نہیں جب اس سے سوال کرے۔ اور اس قسم کی باتوں میں تقلید کی جو حیثیت ہے وہ بھی مخفی نہیں کیا یہ کافی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا جائے اور جو احکام آپ اللہ کی طرف سے لائے ان تمام پر ایمان لایا جائے۔ اگر چہ ہمارے علم میں نہ ہو۔ جیسا کہ ان انبیاء کرام پر ایمان ہے جن کے حالات وواقعات بلکہ اسماء تک ہمیں نہیں بتائے گئے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہوگا۔ کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً۔ پہلے انبیاء کرام ایک خاص قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے رہے اور میں عام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں۔ اس میں تخصیص اس اعتبار سے ہے۔ کہ ہر پیغمبر کو جو شریعت دی گئی وہ ایک امت کے ساتھ مخصوص تھی۔ دوسری امت کیلئے وہ شریعت نہ تھی۔ اس لئے کہ تمام انبیاء کرام کا اصول دین پر اتفاق تھا۔ صرف شریعت ہر ایک کی مخصوص تھی۔ یا تخصیص دونوں باتوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اصول دین اور فروعات دونوں ہر پیغمبر کے ایک خاص امت کیلئے تھے۔ حتیٰ کہ ہر پیغمبر اور رسول کو اصول و فروع میں صرف ایک قوم کیلئے نذیر و بشیر تسلیم کیا جائے۔ جس کی طرف وہ مبعوث ہوا۔ اس کی تائید اس قول باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ ۚ (اعراف) ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا۔ پھر وہ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں کے سامنے جھکی بیٹھی تھی۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان لوگوں کی گمراہی تو بتائی۔ لیکن قرآن کریم نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ حضرت موسیٰ نے اس قوم کو ایسا کرنے سے منع کیا اور انہیں دعوت دی۔ مذکورہ مسئلہ کے بارے میں ہمیں فتویٰ سے نوازا جائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

اس مسئلہ کا جواب شیخ الاسلام شرف الدین ابوالعباس احمد بن الحسن بن عبداللہ بن قدامہ الحنبلی متع اللہ بطول بقائہ نے جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے۔

اَمَّا بَعْدَ حَمْدِ اللّٰهِ ذِی الْقُدْرَةِ الظَّاهِرَةِ وَ السُّلْطَانِ - وَالرَّافَةِ الْبَاهِرَةِ وَالْاِحْسَانِ - وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالْمُنْبَعِثِ اِلَى الْاِنْسِ وَالْجَانِّ - بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ - وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ مَا اخْتَلَفَ الْعَصْرَانِ - وَتَعَاقَبَ الْجَدِيْدَانِ - فَهٰذَا جَوَابٌ عَنِ السُّؤَالِ الْمَذْكُوْرِ فِیْ طَلَبِ الدَّلَائِلِ عَلٰى تَنَاوُلِ رِسَالَةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْجِنَّ وَ تَحْقِيْقُ ذٰلِكَ بِبَرَاهِيْنِهٖ وَأَنَّ رِسَالَتَهُ الشَّرِيْفَةِ اِشْتَمَلَتْ عَلٰى دُعَائِهٖ الثَّقَلَيْنِ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْدِئْتِمَارِ بِالْاَ وَ امِرِ الشَّرَاعِيَةِ وَالتَّكَالِيْفِ الْخَفِيَّهِ وَيُعْرَفُ ذَالِكَ بِمَسَا لِكَ۔

مسلک ۱- اللہ تعالیٰ نے کہا۔ وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ۔ اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت بھیجی۔ جو قرآن سنیں گے پھر جب اس کے پاس آ گئے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرسنانے والے بن کر واپس لوٹ گئے۔ کہنے لگے۔ اے ہماری قوم! ہم نے ایک ایسی کتاب کی تلاوت سنی۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی جو اس کے وقت موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ حق کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور سیدھا راستہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی دعوت دینے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور دردناک عذاب سے بچالے گا اور جس نے اللہ کے داعی کی بات نہ مانی۔ وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں۔ (احقاف)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ کہ اس نے جنات کی ایک جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجی۔ تا کہ وہ قرآن کریم سنیں۔ پھر وہ جماعت اپنی قوم کے پاس ڈرسنانے والی بن کر واپس ہوئی۔ اور انہیں اس بات کا حکم دینے والی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے داعی یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہو۔ ان پر ایمان لاؤ اور یہ بھی کہا کہ جو ان پر ایمان نہیں لائے گا وہ زمین

میں عاجز کرنے والا نہیں ہوسکتا۔

آیت کریمہ کے لفظ ''حَضَرُوْهُ'' کا معنیٰ جب وہ قرآن کریم کے پاس حاضر ہوئے اور ''لَمَّا قُضِيَ'' کا معنیٰ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت مکمل فرمالی۔ اور ''مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی'' کی تفسیر میں جناب عطاء کہتے ہیں۔ کہ ان جنات کا دین یہودیت تھا۔ اسی لئے انہوں نے ''مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی'' کہا۔ اور جنات کا یہ قصہ ثابت اور مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جنات سات تھے قوم نصیب سے تعلق رکھتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف انہیں اپنا پیغام پہنچانے والا اور ایلچی یا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ نو تھے۔ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ قرآن سننے والے جنات کی تعداد چار بتاتے ہیں۔ رہا سائل کا یہ سوال کہ آیت ''اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف:31)۔ میں امر مذکور کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء کرام پر ان کی کتابوں پر تمام مکلفین کیلئے ایمان لانا لازم ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگرچہ وہ ہماری طرف رسول بن کر نہیں بھیجے گئے تھے؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ''دَاعِيَ اللّٰهِ'' کی دعوت ماننے اور اس پر ایمان لانے کا جوذکر ہے۔ یہ داعی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جس کا تقاضا یہ کہ آپ کی شریعت میں داخل ہوا جائے اور آپ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب اور احکام سے تلبس اور تکالیف شرعیہ پر اس طریقہ سے عمل کیا جائے جس طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپ کے احکام میں آپ کی اطاعت کی جائے اور جو باتیں آپ اللہ کی طرف سے لائے ان کی تصدیق کی جائے۔ اس کا مطلب محض مان لینا نہیں۔ رہا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب سماوی پر ایمان لانا تو یہ حق ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ بن کر آئی۔ ان کے احکامات کو اٹھا دینے والی بن کر آئی اور نئے احکام اور کچھ پہلے احکام کو ثابت کرنے اور پختہ کرنے آئی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کے ارشادات پر عمل کرنے کا معاملہ یوں ہے کہ جو بات آپ کی شریعت نے کہی اسے تسلیم کیا جائے۔ یعنی شریعت محمدیہ نے پہلی شریعتوں کے نسخ کا کہا انہیں منسوخ تسلیم کیا جائے۔ شرائع سابقہ کے بعض احکام کو جوں کا توں لکھا۔ انہیں اس شریعت کے برقرار رکھنے کی وجہ سے برقرار تسلیم کیا جائے۔ اور جو اس نے نئے احکام دیئے ان کو بھی تسلیم کر کے ان سب باتوں پر عمل کیا جائے۔ ان تمام باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی شریعت میں داخل ہوا جائے۔ اور اعتقاد وفعل سے اس کے ساتھ وابستگی رکھی جائے۔ لہٰذا

یہ بات سائل کی مذکورہ بات کی مماثلت نہیں رکھتی اوران دلائل میں سے جو ہمارے ذکر کردہ حکم کومضبوط کرتے ہیں۔ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایمان لانے کا آپ کی اجابت پر عطف ڈالا ہے۔ اگر چہ اجابت میں ایمان داخل تھا لیکن پھر اس کو الگ ذکر کیا۔اور اس کی تخصیص کی۔لہٰذا اس ترکیب کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْكٰىلَ (بقرہ:98)۔حالانکہ ملائکہ میں جبرائیل و میکائیل شامل تھے۔ان دونوں کو الگ بطور نص ذکر کیا گیا۔تاکہ ان کی عظمت واضح ہو جائے اور تاکید بھی ہو جائے۔اسی طرح اجابت میں اگر ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل تھا لیکن اسے پھر واؤ عاطفہ کے بعد مستقل ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت،عظمت اور تاکید ہو جائے۔

مسلک ۲- صحیح مسلم میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جب جنات سے ایک رات آپ کی ملاقات ہوئی؟ فرمانے لگے۔ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور رات میں تھے۔تو اچانک ہم نے اپنے میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گم پایا۔ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہمیں خیال آیا کہ شائد آپ کو کوئی جلدی سے اٹھا کر لے گیا یا کہیں ادھر ادھر کر دیئے گئے ہیں۔ہم نے وہ رات انتہائی بری حالت میں گزاری۔جب صبح ہوئی۔تو ہم نے دیکھا کہ آپ اچانک غار حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔جب ہمارے پاس تشریف لا چکے تو ہم نے عرض کیا۔یارسول اللہ! ہم نے آپ کو گم پایا بہت تلاش کیا۔لیکن آپ نہ مل سکے۔رات ہم نے انتہائی پریشانی میں بسر کی۔(آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلایا کہ میرے پاس جنات کا نمائندہ آیا میں اس کے ساتھ چلا گیا۔میں نے انہیں قرآن کریم سنایا۔حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اسی جگہ لے گئے ہم نے وہاں ان کی آگ کے اثرات دیکھے۔جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔آپ نے فرمایا۔تمہاری خوراک ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو۔وہ تمہیں مل جائے تو تمہارے لئے یہ گوشت کے قائم مقام ہوگی۔اور ہر مینگنی (اور گوبر وغیرہ) تمہارے چار پایوں کی خوراک ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو۔کیونکہ یہ دونوں اشیاء تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جنات ''جزیرہ'' کے تھے۔

یہ روایت اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انہیں قرآن کریم کی کچھ آیات سنائیں۔ ان کیلئے ایک کھانا مباح فرمایا۔ اور ان پر کچھ ممنوع بھی کیا۔ لہٰذا یہ اس بات کی تحقیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ ان جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت بھی کی۔ ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ایسے ہی اس روایت کی تخریج قاضی ابو یعلی وغیرہ نے اپنی اسانید سے کی۔ لیکن یہ تمام روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں۔ اور وہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور نہ ہی میرے سوا کوئی دوسرا صحابی آپ کے ساتھ تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت جس میں کھجوروں سے نچوڑی ہوئی شراب کے ساتھ وضو کرنے کا ذکر ہے۔ اسے کئی طرق سے روایت کیا گیا ہے۔ اسے امام احمد اور دار قطنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ابوزید اور ابوفزارۃ عبسی کی روایت چند اسناد سے مروی ہے۔ جس میں محدثین کرام نے کلام (اعتراض) کیا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابن مسعود کی روایت کے ایک راوی ابوفزارۃ کے بارے میں کہا یہ مجہول شخص ہے۔ امام ترمذی نے ابوزید راوی کو مجہول کہا۔ دوسرا طریقہ عبداللہ بن لھیعہ اور علی بن زید اور حسن عجلی کا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بہت سے طرق ہیں۔ اور ائمہ کی کثیر تعداد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ جیسا کہ لالکائی اور بیہقی نے اور ابوجعفر طحاوی نے بھی اسے ضعیف کہا۔ کبھی تو اسناد کی وجہ سے ضعیف کہا اور کبھی اس وجہ سے کہ خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رات ساتھ نہ تھے۔ اور روایت مذکورہ کا دارومدار انہی پر ہے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس روایت کے چونکہ طریقہ روایت کئی ہیں۔ اس لئے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابن مسعود کے اس کہنے میں کوئی منافات نہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ تھا کیونکہ ان کا یہ کہنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے واپسی کے وقت پانی طلب کیا ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان حال صحابہ میں تشریف لے آئے جیسا کہ ہم حدیث صحیح سے ذکر کر چکے ہیں کہ چلتے وقت صحابہ کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور رات گزرنے کے بعد پھر آپ ان سے آ ملے۔ لہٰذا دونوں روایتوں کے درمیان جمع ممکن ہے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''جنات کی رات'' میں ساتھ ہونے کی نفی ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ان سے الگ ہو کر جنات کی طرف تشریف لے گئے۔

''نبیذ تمر'' کی حدیث اگر صحیح ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے پانی سے وضو کرنا جائز ہے جو کسی پاک چیز کے ملنے سے متغیر ہو گیا ہو۔ نہ کہ ایسا پانی کہ جس میں پاک چیز پڑنے سے اس کا نام ''پانی'' باقی نہ رہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ۔ اور ایسے الفاظ اسی وقت کہے جاتے ہیں۔ جب متغیر شدہ مرکب میں پانی اپنی صفات سمیت قائم ہو۔ اس لئے جب کسی مرکب سے ''پانی'' کا لفظ ہی اٹھ جائے جیسا کہ ''سرکہ'' کو ''عِنَبَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ'' نہیں کہتے۔ کیونکہ سرکہ میں پانی اپنی صفات سمیت قائم نہیں رہا۔ ہمارا مقصود مذکورہ حدیث سے یہاں یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے اس میں کوئی اعتراض وطعن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے آپ سے اپنی خوراک کا سوال کیا۔ آپ نے ان کیلئے مشروط اشیاء حلال ومباح فرمائیں اور یہ باتیں دلیل صریح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے۔

اعتراض۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں موجود ہے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو قرآن کریم نہیں سنایا۔ اور نہ ہی ان کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ عکاظ نامی بازار جانے کا ارادہ فرمایا۔ ادھر آسمان سے آنے والی خبروں اور شیاطین کے درمیان رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور جو شیطان اوپر خبر سننے جاتا۔ شہاب ثاقب اس پر پھینکا جاتا۔ شیاطین یہ نئی بات دیکھ کر اپنی قوم کے پاس آئے۔ قوم نے پوچھا۔ تمہیں کیا ہوا کوئی خبر نہیں لائے؟ کہنے لگے۔ ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی ہو گئی ہے اور ہم پر شہاب ثاقب داغے جاتے ہیں۔ سب نے کہا کہ یہ کسی نئی رونما ہونے والی بات کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کی تلاش میں زمین کے مشرق ومغرب میں دوڑے۔ تو شیاطین کے اس گروہ نے جو تہامہ (مدینہ منورہ) کی طرف روانہ ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ نامی بازار جانے کیلئے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز فجر پڑھائی۔ جب شیاطین نے آپ کی تلاوت سنی تو بہت غور سے اسے سنا۔ اور کہنے لگے۔ یہی وہ نئی چیز ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان ہمارے لئے رکاوٹ بنی۔ پھر وہ شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور آ کر کہنے لگے۔ ہم نے قرآن کریم سنا۔ بڑا عجیب کلام ہے۔ بھلائی کی راہ دکھاتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم ہمیشہ کیلئے اپنے رب کے ساتھ کسی کو

شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 1)۔ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی آئی ہے کہ قرآن کریم کو جنات کی ایک جماعت نے سنا۔ ایک روایت میں یہ زیادہ آیا ہے کہ میری طرف جنات کی باتیں بذریعہ وحی بھیجی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جنات سے نہ ملاقات ہوئی نہ ان کو دیکھا۔ اور نہ انہیں قرآن سنایا۔ لہٰذا یہ کیسے ثابت ہے کہ آپ نے ان کو احکام الٰہیہ پہنچائے؟

جواب: اس اعتراض کا جواب مختلف وجوہات سے دیا گیا ہے۔

وجہ اول — حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ واقعہ جنات کے مثبت ہیں۔ یعنی آپ اس کے ہونے کا بیان دیتے ہیں اور اعتراض میں مذکور روایت اس کی نفی کرتی ہے۔ اور اصل و قانون یہ ہے کہ ''مثبت'' روایت نفی کرنے والی روایت سے مقدم ہوتی ہے۔ اس کی مثال علماء کرام یہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کعبہ شریف کے اندر نماز ادا فرمانا بعض روایات میں اس کا اثبات ہے اور ایک روایت اس کی نفی کرتی ہے تو علماء نے یہاں مثبت کو نافی پر مقدم کیا۔ اور یہ بات شک وشبہ سے باہر ہے کہ ثابت کرنے والے کے پاس بہ نسبت نفی کرنے والے کے ''علم خفی'' ہوتا ہے۔

وجہ دوم — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نفی اس قراءۃ اور تلاوت کی ہے۔ جو جنات نے نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی۔ ان کا نفی سے یہ ارادہ نہیں کہ عام حالات میں جنات نے نہ تلاوت سنی اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا۔ بلکہ ایک خاص وقت کے بارے میں نفی ہے۔ اس کی تحقیق خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول کرتا ہے۔ آیت کریمہ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (احقاف: 29) الآیۃ کے تحت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصیبین کے سات جن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنات کے کلام الٰہی سننے کی جو نفی کی ہے۔ وہ اس وقت کی ہے جب آپ نے نماز فجر میں قرآن پڑھا۔ اور صحابہ کرام آپ کے مقتدی تھے۔ ان کا نفی کرنے سے یہ مراد نہیں کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں جنات نے قرآن نہیں سنا۔ اگرچہ ان کے کلام میں نفی علی العموم ہے لیکن وہ مذکورہ خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ (الجن: 72) کے متعلق فرمایا۔ یعنی جن قریب تھا کہ ایک دوسرے پر چڑھ جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیڑ لگ جاتی۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک قرآن کریم سننے کیلئے بے تاب تھا۔

وجہ سوم - یوں کہا جائے گا کہ دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت کا اثبات کیا اور جنات سے ملاقات کی رات کا مسئلہ تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تلاوت کا اس مخصوص رات اثبات نہیں کیا۔ کہ اس رات جنات نے قرآن سنا۔ اور نہ ہی یہ ثابت کیا کہ وہ جنات جنہوں نے صبح کی نماز میں تلاوت قرآن سنی وہ وہی تھے جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تھے اور انہیں تلاوت سنائی بلکہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور تھے اور وہ دوسرے تھے۔ جیسا کہ قصہ کا ظاہر بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دراصل دو واقعات ہیں۔ دو مختلف حالات ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول '' آپ نے انہیں تلاوت نہیں سنائی'' کا مطلب یہ کہ آپ نے ان کو سنانے کا قصد نہیں فرمایا۔ اگر یہ معنی نہ کیا جائے تو پھر خود ابن عباس رضی اللہ عنہ جو فرما رہے ہیں کہ جنات نے غور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت سنی۔ اس کا کیا معنی ہوگا؟

قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی معنی کیا ہے کہ جنات کا قصد یہ نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت سنیں گے۔ بلکہ وہ تو اپنی قوم سے زمین پر اس لئے پھیلے تھے تا کہ وہ واقعہ تلاش کریں جس کی وجہ سے ان کے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے اسی تلاش میں ان کو تلاوت قرآن سننے کا اتفاق ہوگیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ اس احتمال پر یہ کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے قرآن سننے کا پتہ نہ چلا اور نہ ہی آپ نے ان سے گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ کی خبر قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ الایۃ کے ذریعہ عطا فرمائی۔ رہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ قصہ بھی دوسرا ہے اور جنات بھی دوسرے تھے۔ کتاب وسنت سے جو علم قطعی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جن اور شیاطین موجود ہیں۔ شرعی احکام بطور عبادت ان پر لاگو ہیں۔ لیکن ان کے ادا کرنے کا طریقہ ان کیلئے ویسا ہی ہوگا جو ان کی تخلیق کے مناسب ہے اور جو ان کے حال سے مطابقت رکھتا ہے اور یہ بھی قطعی ثابت ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انس و جن کی طرف مبعوث ہیں۔ لہٰذا جو آپ کے دین میں داخل ہوگیا وہ مومنین میں سے ہوگیا اور دنیا و آخرت میں اور جنت میں مومنوں کے ساتھ ہوگا اور جس نے تکذیب کی وہ شیطان ہے'' مومنوں سے دنیا اور آخرت میں دور ہوگا اور جہنم کی آگ اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور حدیث ابن عباس یہ تقاضا کرتی ہے کہ ستاروں کے ذریعہ شیاطین کو مارنا بعثت نبوی سے پہلے نہ تھا۔ لیکن کچھ حضرات کا مذہب ہے کہ بعثت سے قبل بھی یہ بات تھی۔ اور کچھ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ پہلے تھی لیکن بعثت نبوی کے بعد اس میں اضافہ ہوگیا اور یہ قول (آخری) دونوں قسم کی روایات میں

تعارض کو ختم کر دیتا ہے۔ انتھٰی کلامُ القرطبی۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق نماز فجر میں تلاوت کے سننے کی بجائے دوسرے واقعہ سے ہے۔ لیکن قرطبی کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوا کہ جنات سن رہے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس کے اس قول کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجا اور اس قول کا بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں ان کی قوم کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجنا اس واقعہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسلک ۳۔ جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ اگر جنات آپ کے احکام کے پابند نہ بھی تھے اور آپ کے ارشادات پر عمل کرنا عبادت نہ سمجھتے تو بھی اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اپنی شریعت کے مطابق اپنے اختیارات و تصرفات کے موافق تھے۔ پھر جب انہوں نے آپ سے دریافت کر لیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کی طرف رسول بنائے جانے سے پہلے بھی وہ کھانا کھاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کھانے سے اس لئے رکے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراسم سے واقفیت ہوئی۔ اور آپ کی اباحت کو بطور عبادت بجالانا ان کے پیش نظر تھا۔

مسلک ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "لَکُم کُلُّ عَظمٍ ذُکِرَ اسمُ اللّٰہِ عَلَیہِ" میں لفظ لکم کا لام "اباحت" کا ہے۔ لہٰذا آپ کے اس ارشاد سے یہ دلیل حاصل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے ہر ایسی ہڈی کے کھانے کو مباح و شریعت ٹھہرایا اور ان کو اجازت دی۔ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو حدیث پاک کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنات کیلئے ایسی ہڈی مباح ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور اس سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس ہڈی پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ ان پر حرام ہے۔ اور یہ بات ہم پر بطریقہ اولیٰ اس کے حرام ہونے پر دلیل بنتی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چوپایوں کیلئے مینگنی اور گوبر وغیرہ مباح قرار دیئے۔ پھر ان دونوں چیزوں سے استنجاء کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے بھائیوں کی خوراک ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ہمارے اور جنات کے درمیان "اخوت" نسبی نہیں۔ لہٰذا یہ اخوت دینی و ایمانی ہوگی۔ یعنی جس طرح ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و اطاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح جنات بھی اس کے پابند ہیں۔ حدیث مذکور کا تقاضا ہے کہ استنجاء کی نہی عام خوردنی اشیاء سے متعلق ہے۔

مسلک ۵- جنات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی اس قول باری تعالیٰ سے بھی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝۲ الی قوله وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝۱۵ (الجن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ "جنات" نے جب قرآن کریم سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔ اور قرآن پر ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا جائے۔ اور جو شریعت آپ لیکر آئے اس پر بھی ایمان لایا جائے اور آپ کے خاتم النبیین ہونے پر بھی ایمان لایا جائے۔ لہٰذا یہ باتیں اور یہ آیت اس پر نص ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

رہا سائل کا یہ کہنا کہ ان آیات میں امر مذکور کی دلیل و حجت نہیں۔ کیونکہ ان میں جنات کے عقائد کا بیان نہیں تو اس بات کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں ان آیات میں یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئے تو پھر یہ آیت کسی طرح حجت قاطعہ نہیں بن سکتی اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کی طرف رُسالت کے ثبوت پر یہ دلیل قوی نہیں ہو سکتی؟ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم پر ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن نے جن باتوں کی خبر دی ان کی تصدیق کی جائے۔ اور جو احکام دیئے ان کی اطاعت کی جائے۔ اور سائل کا یہ قول کہ ان آیات میں حجت نہیں کہ ان کے عقائد کیا تھے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ان کے عقائد "اٰمَنُوْا بِهٖ" کہہ کر دوٹوک طریقہ سے بیان کئے گئے۔ جن کا معنی صریح یہ ہے کہ وہ ایماندار ہو گئے۔ تو یہ آیات ان کے ایمان دار ہونے پر کیوں کر حجت نہیں بن سکتیں۔ لہٰذا سائل نے جو بات ذکر کی کہ ان آیات میں کوئی حجت نہیں۔ اس کا تعلق "اٰمَنُوْا بِهٖ" کے ساتھ محال ہے۔

مسلک ۶- آیت کریمہ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝۱ (الفرقان) سے بھی جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رسول بنایا جانا دلیل سے ثابت ہے۔ آیت مذکورہ میں لفظ "عبد" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ اور

اس پر اجماع امت ہے۔ اور ''لیکون'' میں ضمیر کا مرجع جمہور علماء کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ آیت میں مذکور لفظ ''نذیر'' سے مراد قرآن کریم ہے۔ اگر یہی مراد لی جائے تو بھی حجت قائم ہے۔ لیکن قول اول راجح ہے۔ کیونکہ نذیر ہونا حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ ڈرانا آپ کے قول کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے اپنے بندے پر ایسی کتاب اتاری جو فرقان ہے۔ اس لئے اتاری کہ وہ بندہ تمام جہان والوں کیلئے نذیر ہو جائے تو عالمین میں جنات بھی داخل ہیں۔ جس طرح اس میں انسان داخل ہیں اور یہ بات یقینی ہے اس تقریر پر لفظ عالمین کی تفسیر ذوی العقول سے کرنا راجح ہوگا۔ جو ''علم'' سے ماخوذ ہونے کی صورت میں ہوگی۔ محض علامت سے عالمین کو نہیں جوڑا جائے گا۔ اس لئے کہ ڈرانا ذوی العقول کے ساتھ ہی مختص ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے مذکورہ امر پر حجت بالکل ظاہر ہے۔ ایک قراءۃ شاذہ یہ بھی ہے کہ ''نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عِبَادِہٖ'' یعنی عبد کی جگہ عباد پڑھا گیا۔ اس روایت کے مطابق ڈرانے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو جائے گا۔

مسلک ۷ - مذکورہ مسئلہ پر اس آیت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (انعام:19) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل کیا تاکہ تمام جہان والوں کو ڈرائیں اور یہ بات تحقیقاً ثابت ہے کہ آپ نے جنات کو بھی اسی طرح ڈرایا جس طرح انسانوں کو ڈرایا۔ اور قرآن ان تک بھی پہنچایا۔ اور اس آیت کریمہ میں ''وَمَنْ بِهٖ بَلَغَ'' سے مراد جنہیں قرآن پہنچا وہ ہیں اور یہاں ''بلوغ'' کا معنی بالغ ہونا نہیں۔ کیونکہ ''انذر کم'' میں ضمیر جمع کے مخاطب وہی انسان ہیں جو مکلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معطوف میں ''بالغ ہونے'' کی شرط لگانا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ پہلے میں یہ شرط نہ ہو۔ حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے علماء سلف رضوان اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس کو قرآن پہنچا بیشک وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ڈرانے سے ڈرا۔

رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس آیت میں مذکورہ مسئلہ پر کوئی حجت نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں اس پر حجت ہے۔ ''بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' میں سیاہ و سرخ سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حجت اس لئے نہیں کہ ان دونوں میں مذکورہ مسئلہ پر کوئی نص صریح نہیں ہے۔ لہٰذا جب صراحت نہیں تو ایک مرجوح احتمال سے جو بالکل ہی ساقط ہو اس سے ''رسالت'' کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ سائل کی یہ بات قابل التفات نہیں کیونکہ جب آیت و حدیث میں ''عموم'' موجود

ہے۔تو ظاہراً اس تعمیم میں جنات کی طرف رسالت بھی موجود ہے پھر جب اس عموم کے ساتھ ہماری مذکورہ گفتگو کو بلایا جائے تو یہ قطعی ثبوت ہو جائیگا۔لہٰذا یہ کیسے مرجوح ہوا اور کیا کسی نے یہ قول کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کے عموم کو تسلیم کر لیتا ہے۔اس میں استعمال کردہ صیغہ کو عام مان لیتا ہے تو اس تسلیم کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ عام اپنے بعض افراد کو شامل ہے اور اس شمول کو ''مرجوح'' کہے۔اس ''مرجوح'' کا قائل کون ہے؟ یا کوئی یہ کہتا ہو کہ اگر نص صریح نہ ہو تو وہ الفاظ حجت نہیں بن سکتے؟ اگر کوئی اس قسم کا قول کرتا ہے تو اس شخص نے تمام عموم کے صیغہ جات سے حجت ہونیکی طاقت سلب کرلی اور خود اس کے بعض افراد کو مرجوح قرار دیا اور عموم کا ان کو شامل ہونا مرجوح مانا۔یہ اس کی اپنی رائے ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل اس قائل کے پاس نہیں۔ایسی بات کوئی عالم ہرگز نہیں کہہ سکتا۔

فصل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ''بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ'' صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے۔علماء اور اصحاب لغت نے احمر اور اسود کی مراد میں اختلاف کیا ہے۔بعض نے کہا کہ اس سے مراد عجم اور عرب ہیں۔کیونکہ عجمیوں پر غالب رنگ یا عجمیوں کی اکثریت کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے اور سپیدی تھوڑی ہوتی ہے اور عرب لوگوں کے رنگ پر مٹی کا رنگ اور سیاہی کا غلبہ ہوتا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جن اور انسان ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''احمر'' بول کر مراد مطلقاً سفید رنگ ہے کیونکہ عرب کے لوگ محاورہ میں کہتے رہتے ہیں۔''اِمْرَأَۃٌ حَمْرَاءُ'' یعنی سفید رنگت والی عورت۔''ثعلب'' سے پوچھا گیا کہ حدیث مذکور میں ابیض کی بجائے احمر کیوں مخصوص کیا گیا؟ کہا۔اس لئے کہ عرب لوگ سفید رنگت والے انسان کو ''رَجُلٌ اَبْیَضُ'' نہیں کہتے۔ان کے ہاں ''ابیض'' کا معنی طاہر ہوتا ہے۔یعنی ایسا شخص جو عیوب سے پاک ہو۔جب وہ سفید رنگ والے کی رنگت بیان کرتے ہیں تو اس وقت ''احمر'' بولتے ہیں۔ابن الاثیر کہتے ہیں کہ ثعلب کے اس قول پر اعتراض ہو سکتا ہے۔وہ یوں کہ عرب لوگ انسانی وغیر انسانی سفید رنگ کو ''ابیض'' سے بیان کرتے ہیں۔اسی استعمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ مجھے سرخ وسفید خزانے دیئے گئے۔یہ دونوں اقسام وہ تھیں جو اللہ تعالیٰ نے مختلف بادشاہوں کے خزانوں کو ان کے علاقہ جات فتح ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو عطا کئے گئے۔اس میں احمر سے مراد سونا اور ابیض سے چاندی ہے۔رومیوں کے خزانے میں زیادہ چاندی تھی۔کیونکہ ان کی نقدی میں غلبہ چاندی کا تھا۔میں کہتا ہوں۔کہ احمر و ابیض کی تفسیر جن وانسان سے کرنا راجح ہے۔اس لئے کہ ایک حدیث حضرت ابو ہریرۃ

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے آپ مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔ یعنی "بُعِثْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً" جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ یہ حدیث اس احتمال کو ترجیح دیتی ہے۔ کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جنات ہیں۔ (تبھی تمام مخلوق کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثابت ہوگی۔ اور اگر جنات نکال دیئے جائیں۔ "خَلْقِ كَآفَّةً" میں تاویل کرنا پڑے گی)۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ لفظ "اسود" کا اطلاق جنات پر یوں صحیح ہے کہ ان کی ارواح کیساتھ مشابہت ہے۔ اور ارواح کو "اسودۃ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ معراج شریف کے بارے میں حدیث صحیح میں آتا ہے۔ "اَنَّهٗ رَاٰى اٰدَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ سَمَاءِ الدُّنْيَا وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَ عَنْ يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ" حضور ﷺ نے حضرت آدم کو آسمان دنیا (پہلے آسمان) پر دیکھا۔ ان کے دائیں اور بائیں "اسود" یعنی ان کی اولاد مومنہ کی روحیں تھیں۔

مسلک ۸: امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَ طُهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے انبیاء کرام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی۔ مجھے "جَوَامِعُ الْكَلِمُ" عطا کیا گیا۔ رعب سے میری نصرت فرمائی گئی۔ غنیمتیں میرے لئے حلال کردی گئیں۔ تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کردی گئی۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ "جوامع الکلم" کے متعلق ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہ امور کثیر جمع کر دیئے۔ جو آپ سے پہلے مختلف کتب سماویہ میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کا تعلق کسی ایک امر کے ساتھ یا دو کے ساتھ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا "اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً" کا معنی یہ ہے کہ آپ تمام مخلوقات کی طرف رسول بن کر تشریف لائے۔ یہ حدیث پاک اس بات پر حجت ظاہرہ ہے کہ آپ کی شریعت و رسالت جنات اور انسانوں سب کو شامل تھی۔

مسلک ۹: امام ترمذی اور دیگر حفاظ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ انہیں سورۃ رحمٰن اول سے آخر سنائی۔ تمام صحابہ خاموش ہو کر سنتے رہے۔ جب مکمل تلاوت فرما چکے۔ تو فرمایا میں نے یہی سورت جنات کو سنائی جس رات میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے اسے سن کر تم سے اچھا جواب دیا۔

میں جب بھی "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾" (الرحمٰن)۔ پڑھتا تو وہ کہتے اے اللہ! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ تیرے لئے ہی حمد و شکر ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنات" تم سے جواب دینے اور خدا کی تعریف کرنے میں اچھے تھے۔ یہ حدیث پاک اس کی شاہد ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث درست ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنات کے پاس جانا اور انہیں قرآن کریم سنانا روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مذکورہ مسئلہ پر حجت اس طرح بنے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو سورۃ الرحمٰن سنائی۔ اس سورت میں بعض باتیں جنات کے متعلق بھی ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾۔ کی تلاوت فرماتے تو جنات ہر دفعہ یہ کہتے۔ اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ "آلآء" "نعمت کو کہتے ہیں۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

اَبْیَضُ لَایَرْهَبُ الْهَزَالَ وَلَا ۔۔۔ یَقْطَعُ رِحْمًا وَلَمْ یَخُنْ آلَاءً

"ابیض" نہ تو کسی کمزور کو ڈراتا ہے اور نہ قرابت و رشتہ توڑتا ہے۔ اور نہ ہی نعمتوں کی خیانت کرتا ہے۔ یہ شعر "الازہری" نے پڑھا اور ذکر کیا کہ "اَلًا" واحد ہے اور "آلاءً" اس کی جمع ہے جس کا معنی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت جو اس نے اپنے بندوں پر کی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول بنا کر بندوں کی طرف بھیجنا ہے۔ آپ ایمان کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کے بارے میں خبر دی کہ وہ کسی نعمت کی تکذیب نہ کرنے کا بار بار اقرار کرتے تھے۔ تو اس بات نے اس پر دلالت کی کہ ان کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کی رسالت کے تسلیم کرنے کے مکلف تھے۔ اور سورۂ الرحمٰن میں جنات کے متعلق کافی امور ذکر ہوئے ہیں۔ مثلاً "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ (الرحمٰن)" اور دوسری آیت "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ (الرحمٰن) - لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ (الرحمٰن)" یہ دو جگہ الفاظ آئے ہیں۔

مسئلک ۱۰: لفظ "الناس" میں از روئے لغت جنات بھی داخل ہیں۔ وہ اس طرح کہ لفظ "اَلنَّاس" نَاسَ یَنُوْسُ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی حرکت کرنا آتا ہے۔ یہ اصل میں اجوف واوی ہے۔ واوٗ کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اس کی تصغیر "نُوَیْسٌ" آتی ہے۔ امام راغب کہتے ہیں۔ "الناس" ذی روح صاحب فکر و رائے مخلوق کی جماعت کو کہتے ہیں اور جنات بھی صاحب فکر و رائے مخلوق ہے

اور یہ بھی اپنے مقاصد و مراد کے حصول کیلئے ادھر ادھر حرکت کرتے ہیں۔ اسی لئے "الناس" کے عموم میں یہ بھی داخل ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ "(الناس) اور اس آیت میں بھی الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾۔ یہاں جنات "الناس" میں اس بناء پر داخل ہیں کہ جنات بھی وسوسے ڈالنے والے ہیں۔ علماء نے فرمایا۔ جس طرح جنات کو "رجال" کا نام دیا گیا اسی طرح "الناس" کا نام بھی ان پر بولا جاتا ہے۔ "رجال" کے لفظ کی شاہد یہ آیت ہے۔ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (الجن:6) جب یہ بات واضح ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﴿ۨ﴾ (اعراف:158) اور قول باری تعالیٰ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28) اور قول رب کریم یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (بقرہ:21) اور ان جیسی دیگر آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ كَآفَّةً" میں انسانوں کے ساتھ جنات بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان کی طرف بھی ہے اور یہ بھی آپ کی شریعت میں داخل ہیں۔

مسلک 11: اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات تمام کو قرآن کریم کے ذریعہ ہدایت دی ہے۔ خاص کر جب قرآن کریم کی معجزانہ شان کا تذکرہ کیا گیا۔ اور ساری مخلوق اس جیسا کلام لانے سے عاجز آئی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

اور اس کے بعد خود ہی خبر دی۔ کہ یہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے۔ فرمایا۔ (بقرہ) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ:24)۔ تو معلوم ہوا کہ یہ امور جنات کو بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی "الناس" میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شروع آیت میں فرمایا۔ "یَا اَیُّهَا النَّاسُ" پھر قرآن کریم کی مثل لانے کی بات میں جنات کو انسانوں کے ساتھ ذکر کیا۔ اس انداز سے ان کا ذکر کیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان کیلئے بھی ہے۔ اور جنات بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اوامر و نواہی کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے انسانوں کا پھر جنات کا ذکر کیا۔ یہ اس لئے کہ انسانوں کی جنات پر افضلیت بیان کردی جائے۔ لیکن اس کے برعکس وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات) میں جنات کا ذکر پہلے کیا گیا۔ یہاں اس لئے ایسا

کیا گیا کیونکہ جنات کی تخلیق انسانوں سے قبل ہوئی۔ لہٰذا یہاں ابتداء ان کے وجود میں پہلے آنے کی وجہ سے ہے اور وہاں (قرآن کریم کی مثل لانے میں) انہیں اس لئے مؤخر ذکر کیا گیا۔ تاکہ فضیلت اور فصاحت میں امتیاز بیان ہو جائے۔ یعنی جو پہلے ذکر ہوگا۔ وہ تمیز و عقل اور فصاحت میں مؤخر الذکر سے مقدم ہے۔

مسلک ۱۲: قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے جنات کے وجود کا قطعی طور پر علم ہوتا ہے۔ ان کے وجود کا انکار صرف جاہل لوگ ہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ، دہریہ اور بعض قدریہ کا مسلک ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان پر احکام شرعیہ کی تکلیف ہے۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے باہر ہوں۔ اس لئے کہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے اور ان کے احکام کو اٹھا دینے والی اور تا قیامت باقی رہنے والی شریعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عَاقِبٌ'' ہیں۔ جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور آپ ہی حاشر ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں وارد ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِيُ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِيْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد اور احمد ہوں۔ اور میں ہی ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو محو کرے گا۔ اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدم پر اٹھائے جائیں گے۔ اور میں عاقب ہوں۔ ایک صحیح روایت میں ہے۔ ''وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ'' عاقب ایسا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور ایک روایت صحیحہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رؤف و رحیم کے نام دیئے ہیں۔ اسی طرح ابوعبید کہتے ہیں کہ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے یزید بن ہارون نے ''عاقب'' کا معنی پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا۔ تمام انبیاء کے آخر میں آنے والا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت ''خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ'' ذکر فرمائی ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس سے پہلے کوئی چیز ہو اس بعد والی کو عاقب کہتے ہیں۔ کیونکہ بعد میں آتی ہے۔ ابن فارس نے بھی کہا کہ ہر وہ چیز جو کسی چیز کے بعد آئے ''عاقب'' کہلاتی ہے۔ ''تَعَاقَبَ الرَّجُلَانِ النَّاقَةَ'' اس وقت بولتے ہیں۔ جب ایک کے بعد دوسرا اونٹنی پر سوار ہو۔ شاعر نے کہا۔

اَنْخِهَا فَاَرْدَفْهُ فَاِنْ حَمَلَتْكُمَا ۔۔۔ وَاِلَّا فَاِنْ كَانَ الْعِقَابُ فَعَاقِبُ

اونٹنی کو بٹھانے کے بعد جب دوسرا آدمی پہلے آدمی کے پیچھے بیٹھنے لگا تو اس نے کہا اگر اونٹنی نے

دونوں کو بیٹھنے دیا تو بہتر ورنہ ایک کے بعد دوسرا سوار ہوتا رہے گا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے دمشق کے مشرقی سفید منارے پر اترنے کی خبر دی ہے، جب وہ آئیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے۔ جس کا قتل ''باب لا'' پر واقع ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت منسوخ نہ ہو گی۔ بلکہ وہ باقی قیامت تک رہنے والی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو وہ بھی آپ کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی اتباع کرنے والے اور اس کے مطابق حکومت کرنے والے ہیں تو یہ کیونکر ممکن کہ ان کا ماننے والا اتباع کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی اتباع نہ کرے۔ بلکہ وہ تو بطریقہ اولیٰ اس کی اتباع کرے گا۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کا تابع ہے۔ یونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی۔ کہ اگر وہ لوگ اس وقت اپنے جسم اقدس کے ساتھ ظاہراً زندہ ہوتے پھر وہ میری اتباع نہ کرتے بلکہ حضرت موسیٰ کی اتباع کرتے تو یقیناً وہ لوگ گمراہ ہوتے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا تو فرمایا۔ اے ابن خطاب! کیا تم لوگ اپنے دین میں شک کرنے والے ہو؟ میں تمہارے پاس ستھری اور روشن شریعت لیکر آیا ہوں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو یقیناً تم گمراہ ہو جاتے۔ امام احمد وغیرہ نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔ تو ان کی اتباع کرنے والوں کے کیونکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع نہ ہوں گے۔ سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جنات (جن سے حضور نے گفتگو فرمائی) جزیرہ کے رہنے والی یہودی مذہب کے پابند تھے۔ اسی لئے انہوں نے آپس میں جا کر کہا۔ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک کتاب سنی۔ لہٰذا اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے تو ان کی اتباع کرنے والے انسان کیسے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے اور جنات کیونکر اتباع سے انکار کرتے۔

مسلک ۱۳: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت صحیحہ ہے جس میں آپ آیت أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ (بنی اسرائیل:57) کے تحت فرماتے ہیں کہ انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت سے پناہ مانگا کرتی تھی۔ پھر جنات کی مذکورہ جماعت

اسلام لے آئی۔ دوسرے جنات ان کی اتباع میں عبادت گزار ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جنات کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بھی شرعی خطاب کے تحت داخل ہیں اور ان میں سے جو اسلام لے آتا ہے اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگانا صحیح ہے اس کی تائید اگلے مضمون سے بھی ہوتی ہے یعنی (مسلک چہاردہم سے)۔

مسلک ۱۴: امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کو ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ سپرد کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر اعانت بخشی پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ مجھے صرف بھلائی کا کام ہی کہتا ہے۔

مسلک ۱۵: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اور اپنے احکام کی بجا آوری اور اپنی نواہی سے بچے رہنے کیلئے تخلیق کیا۔ اس میں انسان اور جن دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات) اور جیسا کہ حدیث مشہور میں وارد ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ وہ یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ''لِیَعْبُدُوْن'' میں حرف لام آیت وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ (ہود) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ ط وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ ط (ہود) میں موجود لام کے معارض نہیں۔ وہ اس طرح کہ یہ لام (لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختلاف کیلئے پیدا کیا۔ یا رحمت یا دونوں کیلئے اور ''لِیَعْبُدُوْن'' کا لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اور مومنوں کے علاوہ دیگر انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں واقع ہے۔ بخلاف مومنین کے کہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ رحمت حاصل ہے۔ اسلئے کہ ''لِاَجْلِهٖ'' کا مفعول کبھی تو ''مطلوب'' ہوتا ہے۔ یعنی وہ آخری مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی ''واقع'' ہوتا ہے۔ لہٰذا ''لیعبدون'' میں حرف لام ''لام غایت'' ہے۔ جو مطلوب ہے۔ اس لئے کہ عبادت بعض سے واقع ہوتی ہے اور کفار اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے اور ''لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ'' میں لام ''لام غایت'' ہے لیکن مطلوب نہیں بلکہ واقع ہے کیونکہ اختلاف واقعۃً موجود ہے۔ لہٰذا وہ سب سے مطلوب ہے لیکن واقعہ بعض سے ہے (یعنی عبادت)۔

جب یہ بات واضح ہو گئی۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے جیسا کہ

اس نے خود قرآن کریم میں خبر دی ہے۔ اور انہیں اوامر و نواہی کا پابند بنایا۔ ان پر بہت سی باتیں فرض کی گئیں۔ پھر بعض باتیں ان پر سے منسوخ کر دی گئیں۔ حتیٰ کہ شریعت محمدیہ کے ذریعہ احکام کو دوام اور استقرار بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت امت محمدیہ پر مکمل فرمائی۔ خود فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ:3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں ہدایت یافتہ رحمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت کو اکمل شریعت اور آپ کی امت کو خیر امت بنایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ:143) اور وسط یعنی درمیان ہوتا ہے جو بہتر ہوتا ہے اور اسی لئے بہتر نماز کو ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اسی پر شاہد ہے۔ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ (القلم)۔ ایک شاعر نے بھی کہا ہے۔

هُمْ وَسَطٌ يَّرْضَى الْاَنَامُ بِحُكْمِهِمْ اِذَا نَزَلَتْ اِحْدَى اللَّيَالِيْ بِمُعْظَمٖ

وہ بہتر اور اچھے ہیں۔ لوگ ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ جب کوئی ایک رات ''معظم'' میں اترتی ہے۔

امام راغب نے کہا۔ ''وسط'' اصل میں ایسے مکان اور جگہ کا نام ہے کہ اگر وہ گول ہو تو اس کی چاروں سمت سے لمبائی چوڑائی برابر ہو۔ اور اگر لمبا ہو تو ایک طرف سے برابر ہو جیسا کہ ''نقطہ'' دائرہ میں ہوتا ہے اور ترازو کے دونوں پلڑے اس کے عمود (پکڑنے کی جگہ) کیلئے ہوتے ہیں۔ ''وسط'' کو عدل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یونہی برابر اور نصف کو بھی۔ اور اس کے ساتھ ہر اس بات کو تشبیہ دی جاتی ہے جو کمی بیشی کے درمیان ہو۔ جیسا کہ کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان سخاوت اور ڈرپوک ہونے اور خواہ مخواہ الجھنے کے درمیان شجاعت ہے۔ پھر ''وسط'' سے مراد ہر چیز کا مختار لیا گیا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے۔ فلاں نسبت کے اعتبار سے ''وسط'' ہے اور جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے وسط بنایا یعنی اسے سب سے اچھا کیا۔ اس کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) پھر امام راغب کہتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو کس اعتبار سے وسط بنایا۔ خَلق میں یا خُلق میں انہیں مخصوص کیا ہے یا ان میں مرکوز علم کے اعتبار سے یا ان کو دی گئی شریعت کے اعتبار سے؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ تمام باتوں کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ لیکن بظاہر تخصیص کی وجہ ''شریعت'' ہے۔ ایسی شریعت جب

بقیہ تمام شریعتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے۔ تو یہ عدل پر مبنی نظر آتی ہے۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے جب نافرمانی کی جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ حکایت کی۔ تو ان پر بعض سختیاں نافذ کر دی گئیں۔ جو ان کیلئے گلے میں طوق اور پاؤں کی زنجیریں بن گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِالْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ (انعام:146)۔ گائے اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر ان کی چربی حرام کر دی مگر وہ جو ان کے پشت میں یا انتڑیوں میں یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں دعا کرنے کی ترغیب دی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ پھر ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان اقدس سے کچھ مسائل میں تخفیف کی گئی۔ جس کی قرآن کریم نے یوں حکایت کی ہے۔ ''تاکہ میں تمہارے لئے بعض وہ اشیاء حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں'' پھر اس تخفیف کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے کی گئی۔ ارشاد ہے ''وہ لوگ جو اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی امی ہے جن کی وہ اپنے ہاں موجود کتاب تورات وانجیل میں منقبت و تعریف پاتے ہیں وہ رسول انہیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور پاکیزہ وستھری اشیاء ان پر حلال کرتا ہے اور خبیث اشیاء حرام کرتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اللہ نہیں چاہتا کہ دین میں تمہارے لئے تنگی رکھے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' میں درگزر کرنے والا اور سیدھا دین دیکر بھیجا گیا ہوں'' ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت افراط و تفریط کے وسط میں ہے۔ افراط یہ کہ گلے کے طوق اور پاؤں کی زنجیریں اس سے اٹھالی گئیں اور تفریط یہ کہ اسے بالکل بیکار اور ضائع چھوڑ دیا جاتا۔ یہ بھی نہیں کہا گیا اسی وسط کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کر رہا ہے۔ ''تم لوگوں میں سے بنائی گئی بہترین امت ہو'' چونکہ یہ امت ''امت وسط'' ہے۔ اس لئے اس کے مقتضی کو جمیع عقلاء کا اتفاق ''عدل'' کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ''برابر'' ہے۔'' انتہیٰ کلام راغب۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی شریعت میں وہ تمام خوبیاں جمع فرما دیں۔ جو پہلی امتوں میں متفرق اور بٹی ہوئی تھیں۔ اور آپ کی امت سے طوق وزنجیریں اٹھالی گئیں جو پہلی امتوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ ہم سے پہلی کسی امت پر پابندی کا یہ طوق پڑا ہوا تھا۔ کہ جب اس کا کوئی فرد گناہ کرتا تو اس کی مغفرت صرف اسی طریقہ سے ملتی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا۔ اے میری قوم! بیشک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے۔ کیونکہ تم نے

بچھڑے کومعبود بنالیا۔لہٰذا تم اپنے رب کے حضور توبہ کرو۔اور اپنے آپ کو قتل کرو' اللہ تعالیٰ نے یہ سخت حکم اس امت سے اٹھالیا اور اس کی جگہ ''توبہ'' جائز فرمادی۔اور آدمی کو اپنے آپ کو قتل کرنے سے منع کردیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ اگر وہی پہلی قسم کی توبہ تم پر فرض رہتی تو تم میں بہت تھوڑے ایسی توبہ کرتے۔فرمایا۔'' اور اگر ہم ان پر اپنی جانوں کو قتل کرنا یا اپنے گھروں سے نکل جانا فرض کردیتے تو ان میں سے یہ کام بہت تھوڑے بجالاتے'' واقعی اس پر عملدرآمد کرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہوتی۔ اور نافرمانی کرنے والے عقوبت کے مستحق ہوتے۔پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ان پر یہ باتیں فرض نہ کی گئیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل کی سزا قاتل کو قتل کردینا ہی تھی۔اس کے سوا ''دیت یا معافی'' کا حکم نہ تھا۔اور حضرت عیسیٰ کی شریعت میں قتل کی سزا صرف'' دیت'' تھی۔قتل نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کو امت محمدیہ کی شریعت میں جمع فرمادیا۔اب اگر مقتول کا ولی قصاص لینا چاہے تو بھی اختیار ہے۔اگر دیت لے یا معاف کردے تب بھی اسے اختیار ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے۔اس طرح نجاسات کو دور کرنے میں بعض امتیں اتنے کپڑے کو کاٹ دینے کی پابند تھیں۔اور بعض کو مکمل چھٹی تھی۔وہ نجس کپڑا پہنتے رہتے جب شریعت محمدیہ آئی تو اس کو صرف دھونے کا حکم دیا۔اتنا کپڑا کاٹنے کا حکم معاف ہو گیا اور نجس کپڑے کو پہنے رکھنے پر بھی پابندی لگادی گئی۔اسی طرح یہودیوں پر بعض اشیاء کی سختی کی گئی۔اور نصاریٰ کو انہیں رخصت دی گئی اور اس شریعت نے اس بارے میں بھی وسط اور عدل کا حکم دیا۔

جب تحقیق مذکورہ تم نے ملاحظہ کرلی۔تو یہ معلوم ہوگا کہ جنات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ''عبادت'' کیلئے پیدا کیا۔تاکہ ان میں مطیع کو ثواب دیا جائے اور نافرمان کو عتاب میں گرفتار کیا جائے۔لہٰذا یہ بالکل واضح ہے کہ ان پر بھی شریعت محمدیہ کے مطابق عبادات بجالانا اور اس شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت میں ہر قسم کی خوبی اور بھلائی جمع کردی اور ہر قسم کی برائی دور کردی اور اسے فضائل کا مرکب بنایا۔

امام راغب نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔یہ بات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور برہان سے حاصل ہوئی ہے۔برہان یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین عقلی اعتبار سے ''وسط'' ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔'' ہم نے تمہیں ''امت وسط'' بنایا ہے۔'' اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا دین افراط وتفریط سے محفوظ ہے۔اور

''وسط'' ایسا جس کی صفت یہ ہو وہی حق ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ، حق کے بعد صرف گمراہی ہی ہے (یونس:32)۔ مزید لکھا کہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کا مقام اور ہے۔

فصل: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام:130) اے جنات و انسانوں کی جماعت! کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے۔ اس آیت کریمہ کی شرح میں شیخ موصوف نے فرمایا۔ حضرات علماء کرام نے فرمایا ''معشر'' ایسی جماعت کو کہتے ہیں۔ جن کا مقصد ایک ہی ہو۔ اس کی جمع ''معاشر'' آتی ہے۔ پھر اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا جنات میں سے بھی رسول ہوئے یا نہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رسول نہیں ہوا۔ رسول ہمیشہ انسانوں میں سے آئے۔ جمہور نے آیت مذکورہ کے لفظ ''رُسُلٌ مِّنكُمْ'' کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا معنیٰ ''رُسُلٌ مِنْ اَحَدِكُمْ'' ہے۔ یعنی تم میں سے کسی ایک سے رسول آئے۔ اور وہ ایک ''انسان'' ہے۔ لہٰذا اس آیت کے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہیں۔ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ (الرحمٰن) ان دونوں میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ موتی اور مرجان دونوں اقسام کے پانیوں (نمکین اور میٹھا) سے نہیں بنتے۔ بلکہ صرف نمکین پانی سے نکلتے ہیں۔ یہ ترکیب اس طرح درست ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں پانیوں کا ذکر اس آیت میں آچکا تھا۔ ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ'' (تو جس طرح ذکر دونوں کا لیکن موتی صرف ایک سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ آیت میں ذکر دونوں (جنات اور انسان) کا ہے۔ لیکن رسول کا آنا صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے) یہ قانون ہر اس جگہ جائز ہے جہاں دو اشیاء کسی اصل میں متفق ہوں۔ اسی لئے جب جنات کا ذکر انسان کے ساتھ ہوا۔ تو اب ان دونوں میں سے کسی ایک فریق کی طرف مخصوص بات کا خطاب کرنے کیلئے دونوں کو مخاطب بنانا جائز ہوا۔ یہ فراء اور زجاج کا قول ہے اور علماء کی جماعت کا بھی یہی مذہب ہے'' الواحدی'' نے یہ کہا ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام بھی دلالت کرتا ہے۔ آپ نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ یہ فرمایا ہے کہ ''اَلَا اَنْبِيَاءُ مِنْ جِنْسِكُمْ''۔ انبیاء کرام کی جنس سے جنات نہیں ہیں۔ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے بھی رسول بنائے ہیں۔ جیسا کہ انسانوں میں سے بنائے۔ ضحاک کا قول ہے۔ جنات میں بھی انسانوں کی طرح رسول ہیں۔ اس مذہب والے حضرات اپنی تائید میں یہی مذکورہ آیت (اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ) بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام:130) یہ آیت کریمہ اس امر کا تقاضا

کرتی ہے کہ مذکورہ مجموعہ (جنات اور انسان) میں سے بعض اشخاص منصب رسالت پائیں گے۔ لہٰذا اگر صرف انسانوں میں سے ہی رسول آئے اور جنات میں سے نہ ہوں۔ تو بھی آیت کا مفہوم درست ہے۔ (کیونکہ دونوں کے مجموعہ میں سے بعض کو رسول بنا دیا گیا ہے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام رسولان عظام انسانوں میں سے ہی ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جنات کے ایک گروہ کے دل میں یہ بات ڈال دی حتیٰ کہ انہوں نے انسانوں میں سے آئے ہوئے رسول کا کلام سنا۔ پھر وہ اپنی جنات کی قوم کی طرف آئے۔ اور انہیں جو کچھ سنا اس کی خبر دی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پہنچایا...... وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر پلٹ گئے۔

مسلک ۱۶: سوال میں ذکر کئے گئے الفاظ کے بارے میں کچھ معروضات۔

سائل نے ''کَافَّةُ الْجِنِّ'' لکھا۔ اس جگہ یوں کہنا درست تھا۔ اَلْجِنُّ کَآفَّةً۔ کیونکہ لفظ ''کَآفَّةً'' بعد میں آتا ہے اور الف لام کے بغیر ہوتے ہوئے منصوب ہوتا ہے۔ یہ بات کئی ایک حضرات نے ذکر کی ہے۔ جیسا کہ کرمانی وغیرہ۔

سائل کا کہنا مَا دَلِیْلُهٗ عَلٰی ذَالِکَ۔ اس کی اس پر کیا دلیل ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ پر ایک نہیں کئی دلائل ذکر کئے ہیں اور امام قرطبی کا قول بھی ذکر کیا کہ کتاب وسنت سے جو قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جنات مکلف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں۔

سائل کا یہ قول ''لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّسْنِدَ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ مَالَا دَلِیْلَ عَلَیْهِ'' انبیاء کرام کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا درست نہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ کسی عالم نے آپ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی فاضل نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اگر اس مسئلہ میں غور کیا جائے تو اس کی دلیل سورج کی طرح روشن ہے۔

وَكَيْفَ يَصِحُّ فِي الْاَذْهَانِ شَيْءٌ ۔۔۔ اِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ اِلَى دَلِيْلِ

جب دن ہی دلیل کا محتاج ہو۔ تو پھر ذہنوں میں کوئی چیز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

سائل کا کہنا کہ قول باری تعالیٰ: اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ (احقاف:31) میں مذکورہ مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ یہ آیت کریمہ اس بارے میں نص صریح ہے کہ جنات کو دعوت دینا ثابت اور ان کی طرف پیغمبروں کا بھیجا جانا ایک حقیقت ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ایمان لانے والا آپ کی شریعت میں داخل ہوئے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔

سائل کا کہنا کہ سورۂ جن میں بھی مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور اگر سائل یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ سورۂ جن میں ان کے عقائد کا ذکر ہے۔ مسئلہ مذکورہ کی کوئی دلیل نہیں تو ہم کہتے ہیں۔ سورۂ جن کی یہ آیت بھی پڑھو۔ ''اِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ط'' بیشک ہم نے جب ہدیٰ (قرآن) سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔ (الجن:13)۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صریح دلیل ہوگی۔

سائل نے کہا کہ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ط (انعام:19)۔ میں بھی کوئی دلیل نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں بھی گفتگو ہو چکی ہے ہم بیان کر آئے ہیں کہ جو کچھ سائل کہہ رہا ہے ایسی بات کوئی شخص بھی کرنے کیلئے تیار نہیں۔ جو عموم کے صیغہ جات کی معرفت رکھتا ہو۔ کیونکہ جب صیغہ موجود ہو تو تمام افراد کو بشمول بالکل ظاہر ہوتا ہے اور مرجوح ہونا ممنوع ہوتا ہے۔

سائل کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق کہنا کہ اس میں بھی کوئی حجت نہیں، ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں نبیذ تمر (کھجوروں کی شراب) کا ذکر ہے۔ اس بارے میں حضرات ائمہ کرام کی گفتگو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ رہی حدیث جناب علقمہ کی جو انہوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے تو یہ اس بات پر نص صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں قرآن کریم سنایا اس سے بڑھ کر اور کون سی حجت چاہئے! گویا سائل نے مکمل حدیث میں غور ہی نہیں کیا۔ سائل نے بخاری و مسلم کی روایت کہ ابن عباس کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ جن دیکھے نہ قرآن سنایا۔ اس کے جواب میں ہم تفصیل سے بات چیت کر چکے ہیں۔ اس کے جوابات کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ نفی اس واقعہ کو شامل نہیں۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملاقات کرنا اور ان کو قرآن سنانا مذکور ہے۔ اس سے مراد ایک خاص حالت اور ایک خاص وقت ہے۔

سائل کا یہ کہنا کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے تو پھر اس پر ایمان لانا واجب ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ہم کتاب و سنت سے اس پر دلائل ذکر کر آئے ہیں اور اعتبار عقلی اور علماء کا اتفاق بھی مذکور ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی امام کو نہیں جانتے جس نے اس بات کی نفی کی ہو۔ حضرات صحابہ کرام اور ائمہ حضرات کے اقوال اس بارے میں مشہور و معلوم ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کا ہم تذکرہ کر آئے ہیں۔

سائل کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا

رہااور میں عام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ کیا اس میں تخصیص ان شریعتوں کے اعتبار سے ہے جو انبیائے سابقین اپنی اپنی امت کی طرف لاتے رہے، جبکہ ان سب کا اصول دین پر اتفاق تھا۔ یا شریعت اور اصولِ دین دونوں میں! آخر الاعتراض۔

اس بارے میں کہا جائے گا۔ کہ شیخ امام علامہ تقی الدین شارح الاحکام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''اُعْطِیْتُ خَمْسًا'' کے تحت لکھا ہے۔ اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان پانچ اشیاء میں سے ہر ایک چیز انبیائے سابقین میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔ اور لکھا کہ اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر تشریف لائے تو آپ تمام زمین والوں کیلئے نبی تھے۔ کیونکہ آپ کے اس وقت میں صرف وہی لوگ بچے تھے جو مومن تھے۔ آپ ان کی طرف رسول بن کر تشریف لائے تھے۔ مزید لکھا کہ یہ ''عموم رسالت'' اصل بعثت میں نہ تھا۔ صرف واقعاتی طور پر ہو گیا۔ وہ یوں کہ انسان صرف بچے ہی وہ تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ پہلے بھی آپ ان کیلئے نبی بن کر آئے اور اب بھی انہی کے نبی تھے۔ برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی ''عموم رسالت'' اتفاقی نہیں بلکہ اصل بعثت میں تھی اور یہ بھی کہ آپ کی رسالت عامہ اصول وفروع دونوں کی قبولیت کیلئے عام ہے۔ رہا صرف توحید باری تعالیٰ یا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت تو جائز ہے کہ یہ دونوں باتیں بعض انبیاء کیلئے عام ہوں اگر چہ ان کی شریعت کی فروعات کا التزام عام نہیں تھا۔ کیونکہ بہت سے انبیائے سابقین نے دوسری قوم سے جہاد اس بات پر کیا کہ وہ قوم شرک میں مبتلا تھی۔ اور غیر اللہ کی عبادت پر جہاد ہوا۔ اگر ان کی شریعت میں ''توحید'' لازم نہ ہوتی یا کسی دوسرے کیلئے لازم ہوتی تو نہ وہ خود جہاد کرتے نہ اس کے خلاف دوسرے لڑتے۔ پھر ان حضرات کا جہاد صرف معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہی درست ہو سکتا تھا۔ جن کا یہ نظریہ ہے کہ ہر چیز میں حسن وقبح عقلی ہے۔ یہاں جواب اختتام پذیر ہوتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ عِتْرَتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا دَائِمًا اَبَدًا اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ کلام الامام ابی العباس ابن قدامہ۔

(جو نسخہ ابن قدامہ سے منقول تھا اس پر درج تحریر رجب ۱۰۹۴ھ تھی)

الشیخ الجلیل نورالدین علی بن زین الدین ابی المواہب سلیم الشہیر بابن الجزار

شاگرد رشید

الشہاب الرملی رحمۃ اللہ علیہ

جناب ابن جزار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اَلْقَوْلُ الْحَقُّ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْخَلْقِ'' کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَهُوَ حَسْبِی وَ نِعْمَ الْوَكِیْل

تمام راستوں میں سے ازروئے اتباع سب سے زیادہ حقدار راستہ اور بدعات کی تردید میں لکھے گئے کلمات میں سے سب سے بدیع کلمہ یہ ہے کہ ہر ذہن جسے پختگی کی منزل مل گئی، جسے ایقان کا جزم حاصل ہو گیا، جو دلائل و براہان کا سہارا لئے کھڑا ہے۔ وہ ذہن حق کی ادائیگی اور اس کی نصرت کیلئے غور و فکر کرے۔ اور ابلیس کے حکم پر چلنے والوں اور بدعتیوں کی رسوائی پر کمر بستہ رہے۔ اور تمام مذاہب و مشارب کے ماننے والوں پر ہر دور میں یہ حق لازم و واجب رہا۔ خصوصاً اسلامی فرقوں پر اور ان میں سے بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے امت اجابت پر یہ حق واجب ہے۔ یہ حق دراصل اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عملدرآمد کرنا ہے۔ جو اس نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی عمل کرنا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: 81)۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دے چکوں۔ پھر تمہارے پاس عظیم رسول تشریف لے آئیں جو تمہارے پاس موجود احکام الٰہی کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ تو تم ضرور بالضرور، ان پر ایمان لانا اور ان کی لازماً مدد کرنا۔ لہٰذا اس پیغمبر اکرم کی نصرت جو ہر اعلیٰ خلق کے جامع اور مرکز ہیں، تمام ادیان میں واجب ہے۔ جو نص قرآن سے ثابت ہے۔ پس اے وہ ذات! جس نے اپنے بندوں اور عبادت گزاروں کو رشد و ہدایت دی، اپنے برگزیدہ اور حامیوں کو توفیق بخشی، جس نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برگزیدہ شخصیات میں سے بزرگ تر بنایا، مقدس کرامات کی بارگاہ کا قرب عطا کیا، جن کی عظیم مدد فرمائی ایسی کہ تمام

مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہو گئے، جنہیں ایسے اوصاف مخصوصہ عطا فرمائے جن میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں، جنہیں رسول، نبی، بشیر اور نذیر تمام انسانوں اور جنات کیلئے بنایا، ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں نعمت اسلام بخشی اور جس نے اپنی نعمت پر شکر بجالانے پر مزید اعطائے نعمت کا وعدہ فرمایا۔ اور ہم اے اللہ! تیرا ان احسانات پر شکرادا کرتے ہیں کہ تو نے ایک نکمے ہاتھ کو چند سطور لکھنے کی ہمت دی۔ اے سلام! ہم تجھ سے ایسا صلوٰۃ وسلام اس کمالات کی مالک ذات کے حضور عرض کرتے ہیں جو صلوٰۃ وسلام تیرے حضور ہماری شفاعت کرے اور تو اس کی شفاعت قبول فرمائے۔ ایسی ذات بابرکات پر جو زمین وآسمان کے راز و اسرار کی جامع ہے۔ لوح وجود کا سر ہے۔ عین شہود کی مالک ہے۔ ہر موجود انسان کی آنکھ ہے۔ محیط کے دائرہ کا قطب ہے۔ مفرد، مرکب اور بسیط ہے، توحید کے دوارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یکتا موتیوں کی مالا کی گرہ والا موتی ہے انبیاء کرام کے قاضی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام رسولوں کی طرف رسول اس کے تمام برگزیدہ حضرات میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ، پریشانیوں کے معاون، تمام امتوں کی سردار امت کے سید، اشراف کی شرافت کے جامع، جنہیں سیادت وکرم کا منصب حاصل، عرب وعجم پر فضیلت حاصل، تمام مخلوقات واولا د آدم سے اللہ کے مصطفیٰ، موجودات کو وجود عطا کرنے سے پہلے جن کی تخلیق ہوئی، اولا د عدنان کے سردار، ہر زمانہ میں دائرہ فلک کے مرکزی نقطہ خاتم النبیین، مقدم جیش المرسلین، علی الاطلاق تمام مخلوق سے اولی برب العالمین، وہ کہ جن کی ذات سے مہمات میں مدد طلب کی جاتی ہے اور وہ کہ جن کے ہاں مقاصد عرض کر کے حل پایا جاتا ہے یعنی سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ سَیِّدُ عِبَادِکَ وَ عُبَّادِکَ۔ صَلٰوۃً وَ سَلَامًا دَائِمَیْنَ بِدَوَامِکَ۔ امابعد

روشن راستے پر کھڑے اور منور آسمان عقیدت پر موجود برادران اسلام! اللہ تعالیٰ کے عظیم محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کرنے والوں میں شمولیت کی میں کوشش کر رہا ہوں۔ اور اس سخی و داتا نبی کے خوان کرم سے چند ریزے چننے کی جسارت کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں آپ کی بارگاہ عالیہ کا بہت زیادہ محتاج ہوں اور بلند و بالا عزت والے کا بھکاری ہوں۔ اس قدر احتیاجی عائل کو بھی معمول سے نہیں ہوتی۔ میرے اس کار خیر کی طرف آنے کا سبب یہ بنا، اور اس مضمون پر کچھ عرض کرنے کا ارادہ اس لئے ہوا۔ اور مجھے اس بابرکت راستہ پر چلنے کیلئے ایک خبر نے برانگیختہ کیا۔ خبر ایک بدعتی، ہلاکت سے ہم کنار، مہلکات میں پڑے، شہرت اور بڑائی کے طالب کی تھی۔ وہ ایسا شخص جو جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے گن گائے جائیں گے لیکن اسے یہ خواہش نار جہنم میں لے گئی۔ ایسا آدمی

جس نے کہا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل نہیں۔ شیطان نے اسے خوب دبوچا۔ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کا موقع نہ ملا۔ تو افسوس صد افسوس! اگر اس نے توبہ نہ کی، اگر اس گندے عقیدے سے رجوع نہ کیا تو ہلاکت در ہلاکت اگرچہ رجوع کی توفیق اسے نہ ملی تو اس کا ٹھکانہ جہنم اور آگ اس کا انجام۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو ان چند باتوں پر مطلع ہوا سے ان سے نفع عطا فرمائے۔ اور ہر ایک قاری سے میری گزارش ہے کہ میری اس تحریر کو درگزری آنکھ اور معافی دینے کے خیال سے پڑھے۔ اگر کوئی عیب دیکھائی دے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔ اگر گناہ دیکھے تو اس سے اعراض کرے۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع بخش بنائے۔ زیادتی معاف کرے، گناہوں کو بخش دے۔ آمین۔

فَمَنْ ذَا الَّذِیْ تَرْضٰی سَجَایَاہُ کُلُّھَا   کَفٰی الْمَرْءُ فَخْرًا اَنْ تُعَدَّ مَعَایِبُہٗ

وَاِنَّمَا ھِیَ اَقْوَالُ بِرَمِّنُھَا   خُذْمَا صَفٰی وَاحْتَمِلْ بِالْعَفْوِ مَا کَدَرَا

ایسا کون ہے جس کی تمام عادات و خصلتیں تجھے پسند آئیں۔ آدمی کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ تو اس کے عیب بتادے۔ یہ باتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ جو اچھی لگیں لے لینا اور گندی اور گدلی باتوں سے درگزر کرنا اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی آل کی محبت ارزانی فرمائے اور ہمیں آپ کا خادم بنائے۔ اپنے محبوب بندوں میں سے بنادے۔ سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت عطا کرے۔ آپ کی شفاعت کے ان مستحقین میں سے کر دے جن کی آپ سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ بڑا جواد، کریم، عظیم اور جلیل ہے۔ وہی حق کہتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ میں نے اس تالیف کا نام "اَلْقَوْلُ الْحَقُّ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ اَفْضَلُ الْخَلْقِ" رکھا ہے۔ اس میں جو باتیں ذکر ہوں گی۔ ایک عالم کیلئے صرف یاددہانی ہوسکتی ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی ذات والاصفات کے بارے میں کوئی کیا کہے گا۔ جن کی فضیلت وجود آدم سے بھی پہلے معلوم تھی۔ کسی شاعر نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔

وَلَیْسَ یَصِحُّ فِیْ الْاَذْھَانِ شَیْءٌ   اِذَا احْتَاجَ النَّھَارُ اِلٰی دَلِیْلٍ

لوگوں کے دل ودماغ میں کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ جب دن بھی محتاج دلیل ہو۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی دکھتی آنکھ سورج کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے اور بیماری کی وجہ سے زبان پانی وغیرہ کے ذائقہ کا انکار کر دیتی ہے۔ میرا قلم ان چند کلمات کا حقیر ہدیہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں صورت حال کچھ ایسی ہے جیسا

کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی کی دی ہوئی کوئی چیز پیش کرتا ہے۔ یا کوئی شخص کسی نوجوان سیاہ بالوں والے کو خضاب بطور ہدیہ دیتا ہے۔ بہر حال میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی میرا معاون و مددگار ہے۔ اور کائنات کے معاون سے توفیق و مدد کا طالب ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زیر نظر مسئلہ کے بارے میں اور اس پر معروضات پیش کرنے میں میں دو موضوع بناؤں گا۔ دو طریقے ہوں گے اور دو مسئلے ہوں گے۔ پہلا مسئلہ اس موضوع پر ہوگا کہ بشر کی تفضیل فرشتے پر کیسی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیائے کرام پر تفضیل کا ہوگا۔

معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ "فرشتہ" انسان سے افضل ہے۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ کا تمسک ایسے دلائل سے کیا ہے جن کا ہم انشاء اللہ جواب ذکر کریں گے۔ اس عقیدہ میں بعض اشاعرۃ اور تمام فلاسفہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

دلیل اول: حضرات انبیائے کرام اور رسولان عظام ان کلامات سے مزین تب ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطہ سے ان کو تعلیم دی۔ فرشتوں کے معلم الانبیاء ہونے کی دلیل یہ ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ (النجم)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت قوت والے نے سکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء:193)۔ اس کلام کو روح الامین لیکر آیا۔ جب فرشتے معلم الانبیاء ہوئے تو استاد کو شاگرد پر فضیلت ہوتی ہے ان حضرات کی یہ ایک ان دلائل میں سے دلیل ہے۔ جسے وہ اپنے مذہب کی مدد کیلئے ظاہر کرتے ہیں۔

دلیل دوم: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ (النساء:172) حضرت عیسیٰ اس بات سے ناراض نہیں ہوتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبد ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ (اس بات سے ناراض ہوتے ہیں) عربی دان سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں فرشتوں کی افضلیت (حضرت عیسیٰ پر) مذکور ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مثال ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتی ہے۔ یوں کہا جاتا ہے۔ لَايَسْتَنْكِفُ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ الْوَزِيْرُ لَا السُّلْطَانُ وَلَا يُقَالُ السُّلْطَانُ وَلَا الْوَزِيْرُ۔ اس کام سے وزیر تو کیا بادشاہ بھی ناراض نہیں ہوتا۔ اس محاورہ کو یوں نہیں کہتے۔ اس کام سے بادشاہ تو کیا وزیر بھی ناراض نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل: کتاب وسنت کے بکثرت اصول میں فرشتوں کا ذکر انسانوں سے پہلے کیا گیا جوان کے افضل ہونے کی وجہ سے ہے۔

چوتھی دلیل: فرشتے مجرد ارواح ہیں۔ بالفعل کامل ہیں۔ شرور و آفات کی مبادی یعنی شہوت، غضب

وغیرہ سے پاک ہیں اور ہیولیٰ وصورت کی ظلمتوں سے دور ہیں۔ عجیب افعال پر قدرت رکھتے ہیں۔ ماضی اور مستقبل کے حالات سے بغیر غلطی کھائے مطلع ہیں۔ ان چند دلائل کے علاوہ بھی معتزلہ نے اپنے مسلک کی تائید پر دلیلیں پیش کی ہیں۔ ہم سر دست ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

دلیل اول کا جواب: استاد کا شاگرد سے افضل ہونا ہمیں تسلیم ہے لیکن یہاں معاملہ ایسے نہیں جیسا کہ تم نے سمجھا۔ یعنی حضرات انبیاء کرام نے اپنے فرشتوں سے تعلیم پائی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کا معلم اور مرسل اللہ تعالیٰ ہے۔ فرشتے اس تعلیم میں واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبروں کو تعلیم دی اس کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنا صرف اس حیثیت سے درست ہو سکتا ہے کہ انہیں واسطہ سمجھ کر مجازاً ان کی طرف نسبت کر دی جائے بعض علماء نے اس مقام پر کتنا خوبصورت قول فرمایا۔ فرماتے ہیں۔ اس شخص کی مثال جو کسی فعل کو کسی کے ہاتھوں رونما ہوتے دیکھ کر حقیقت حال جانے بغیر اس فعل کی نسبت اس کی طرف کر دیتا ہے۔ ایک چارپایہ کی سی ہے۔ جسے اس کا مالک سدھار رہا ہوتا ہے۔ اور وہ مالک کو پھینک رہا ہوتا ہے یا کتے کی مثال کہ جس کی طرف پتھر پھینکا جاتا ہے۔ اور وہ پتھر کو منہ میں پکڑ لیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ اسے مارنے والا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ معتزلہ کا بھی اس مثال میں فی الجملہ کچھ حصہ ہے۔ کیونکہ وہ بھی انبیاء کرام کی تعلیم کی نسبت فرشتوں کی طرف کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلیل دوم کا جواب: ''لَنْ يَّسْتَنْكِفَ'' (النساء:172) کے تحت جو تم نے قانون پیش کیا ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایسی مثالوں میں ترقی ہوتی ہے ہم اسے کلیہ طور پر تسلیم نہیں کرتے اگر ہر جگہ یہی قانون لاگو ہوتا ہو تو بہت بڑا اعتراض آئے گا۔ ہماری اس پر دلیل یہ ہے۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ الاٰية۔ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی پہلے پھر فرشتوں کی گواہی کا ذکر ہے۔ کیا یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے؟ دوسری آیت فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ الاٰية۔ اللہ کا مولیٰ ہونا کیا جبریل کے مولیٰ ہونے سے ادنیٰ ہے؟ بلکہ مذکورہ قاعدہ مقام کی مناسبت سے لیا جائیگا اور اگر بتقدیر تسلیم یہ کہیں کہ آیت مذکورہ (لَنْ يَّسْتَنْكِفَ) میں ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔ اس سے کوئی چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔ لیکن ہم کہتے ہیں جب کہ عیسائی گمراہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہائی غلو سے کام لیا۔ اور ان اوصاف میں جن سے ہمیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے مجھے یوں نہ بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ کو بڑھایا۔ انہوں نے یہ جرأت اس لئے کی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے اور ان میں کامل قدرت کے اوصاف موجود ہیں۔ آپ مردے زندہ کرتے ہیں۔ اندھے کو بینا کر دیتے ہیں۔

برص کے مریض کوتندرست کردیتے ہیں۔ وغیرہ ذالک۔ تو ان باتوں کی بنا پر انہوں نے گمان کرلیا کہ ہو نہ ہو حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے جھوٹ بکا۔ بہتان تراشا، گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور گمراہی میں بہت دور تک چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جیسی وہ اس کی صفت کرتے ہیں اور جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو ان اوصاف کی بناء پر اس قدر عظیم بنا دیا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہنے پر ہرگز راضی نہ تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے کہا۔ عیسیٰ بن مریم اللہ کا بندہ ہونے سے ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ناراض ہوتے ہیں جو ان سے اس معنیٰ میں زیادہ ہیں۔ وہ فرشتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا والدہ تھی۔ فرشتوں کا نہ باپ نہ والدہ کوئی بھی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بڑے بڑے کام سرانجام دیتے ہیں اور اندھے کو بینا کرنے یا برص کے مریض کو تندرست کرنے یا مردے کو زندے کرنے سے زیادہ عجیب کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں آیت میں ترقی ہے۔ لیکن وہ مجرد ہونے میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ اظہار آثار قوت میں یہ ترقی ہے۔ مطلق شرف وکمال میں ترقی نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں فرشتوں کی افضلیت کی کوئی دلیل نہیں۔ جس سے ان کی افضلیت ثابت کی جائے۔

دلیل سوم کا جواب: کتاب اللہ اور سنت میں فرشتوں کا جو ذکر پیغمبروں سے پہلے آیا۔ اس کی وجہ افضلیت نہیں بلکہ تقدیم فی الوجود ہے۔ یعنی فرشتوں کا وجود مقدم ہوا۔ ان کی تخلیق پہلے ہوئی۔

دلیل چہارم کا جواب: فرشتوں کا ماضی و مستقبل کے ہوئے اور ہونے والے واقعات کا جاننا یہ بات درست نہیں۔ بلکہ باطل ہے اور صرف فلسفی اصول کے تحت اس کو صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسلامی قواعد واحوال اس کا انکار کرتے ہیں۔

جب تم معتزلہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کا مسلک ملاحظہ کر چکے۔ اب ہم اپنے مذہب کی تقریر کی طرف آتے ہیں۔ ہم بطور اختصار مذہب اہل سنت و جماعت پر دلائل ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ سنئے۔

اہل سنت و جماعت مکمل طور پر اس پر متفق ہیں کہ انسانوں میں سے رسول فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں۔ صرف چند لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے جن کے قول کا کوئی وزن نہیں۔ دوسرا اتفاق اہل سنت کا اس پر ہے کہ فرشتوں کے رسول، عام انسانوں سے افضل ہیں، تیسرا یہ کہ عام مومنین، عام فرشتوں سے افضل ہیں، چوتھا یہ کہ جنس (نوع) بشری، فرشتوں کی جنس سے افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:70)۔ ہم نے آدمیوں کو عزت

بخشی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خواص بشر، خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔ ہاں اگر خواص بشر سے مراد انبیاء کرام ہوں تو یہ قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

جب ہم اہل سنت کا اس بارے میں موقف ونظریہ سامنے آ گیا تو اب ہم اس موقف کے چند دلائل پیش کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ عام انسانوں سے فرشتوں کے رسولوں کا افضل ہونا یہ تو بالا جماع ثابت ہے۔ بلکہ بالضرورت و بالبداہت ثابت ہے۔ رہی تفضیل انسانی رسولوں کی فرشتوں کے رسولوں پر اور عام انسانوں کی عام فرشتوں پر تو اس کی چند وجوہ (دلائل) ہیں۔

دلیل اول: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ انہوں نے "سجود تحیت" کیا جو جھک کر بجالایا گیا۔ اصح یہی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ تحیت کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا سجدہ جھک کر نہیں بلکہ ماتھے سے کیا گیا تھا۔ دوران سجدہ انہوں نے حضرت آدم کو قبلہ بنا کر سجدہ اللہ تعالیٰ کو کیا تھا۔ جیسا کہ ہم نماز کے دوران سجدہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔ لیکن سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں۔ (اس تاویل پر فرشتوں کا سجدہ "سجدۂ عبادت" ہوگا) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سجدہ حقیقۃً آدم علیہ السلام کو تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے تھا۔ اگر ایسا سجدہ تھا تو اسلام نے اس قسم کا سجدہ منسوخ کر دیا ہے۔ ان تین اقوال میں سے پہلا قول "اصح" ہے مختصر یہ کہ یہ سجدہ آدم اس لئے کرایا گیا کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ تو اس نور کی تعظیم وتکریم کی خاطر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران:33) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر برگزیدگی عطا فرمائی۔ اور فرشتے بھی "عالمین" میں شامل ہیں۔ اس عمومی انسانی افضلیت سے عام انسانوں کو بالا جماع مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یعنی عام انسان، فرشتوں کے رسولوں سے افضل نہیں۔ لہٰذا عام انسانوں کے سوا مخصوص انسانوں (حضرات انبیاء کرام) کا تمام فرشتوں سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کے ظنی ہونے میں کوئی خفا نہیں۔ لہٰذا اس کیلئے دلائل ظنیہ کافی ہوں گے انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفضیل کے معاملہ میں عقل بھی نقل سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہم عنقریب اس کی پختگی "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" (انعام:90) میں بیان کریں گے۔ لہٰذا دلائل ظنیہ نہیں بلکہ قطعیہ ہیں۔ اور یہ مسئلہ قطعی دلائل سے ثابت ہے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سجدہ کرنے والے فرشتے صرف زمینی فرشتے تھے۔ آسمانی فرشتوں

نے سجدہ نہیں کیا۔ لہٰذا زمینی فرشتوں پر افضلیت تو ہوگی لیکن آسمانی فرشتوں سے افضلیت محل نظر ہے؟ یہ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سجدہ کرنے کا ذکر کیا۔ وہاں "كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" کے الفاظ ہیں۔ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید اسلئے فرمائی۔ تاکہ کوئی ایک فرشتہ بھی باہر نہ رہے۔ لہٰذا آسمانی فرشتوں کو دلیل شرعی کے بغیر حکم سجدہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ان میں سے ایک نے سجدہ نہ کیا۔ وہ ابلیس ہے۔ جو جن تھا اور یہ بھی فرشتوں کی ایک قسم ہے۔ جس کا یہ مخصوص نام ہے۔ انہی میں سے ابلیس ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَ جَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصافات:158) یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ انہوں نے اللہ اور جنات (فرشتوں) کے درمیان نسب بنالیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارا نفس مسئلہ یعنی بشر کی فرشتہ پر تفضیل ثابت ہے۔ اس کی موافقت دلائل عقلیہ بھی کرتے ہیں۔ ایک دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان، فضائل، کمالات علمیہ عملیہ وغیرہ حاصل کرتا ہے۔ حالانکہ بہت سی رکاوٹیں، موانع اور شہوانی خیالات، غضب، ضروری حاجات ان کمالات کے حصول میں پیش آتی ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ایسی عبادت اور کسب کمال جو شدید رکاوٹوں اور پریشانیوں سے مقابلہ کر کے حاصل ہو۔ وہ بہت مشکل ہوتی ہے اور اس میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی عبادت افضل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جنس آدمی میں کمالات مطلقہ اس قدر جمع فرما دیئے کہ کسی دوسری مخلوق میں ان کا جمع ہونا مشکل ہے۔ ہماری عبادت نماز کو دیکھئے۔ اس کی ایک رکعت فرشتوں کی تمام اقسام عبادت کی جامع ہے۔ ان میں سے کچھ حالت قیام میں قیامت تک بندگی میں مصروف ہیں کوئی رکوع اور کوئی سجدہ میں پڑا ہے۔ یہ تمام حالتیں نماز کی ایک رکعت میں موجود ہیں جو ہم مسلمان پڑھتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے شواہد عقلیہ ہیں۔ ایک عارف نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے۔

وَ تَزْعُمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ   وَ فِیْکَ انْطَوٰی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

تو اپنے بارے میں گمان کر بیٹھا ہے کہ تو معمولی سا ذرہ ہے۔ حالانکہ عالم اکبر (پوری کائنات) تجھ میں سمو دیا ہے۔

ہمارے مسلک کے دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی ایک جماعت کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (انعام) ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی ہے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فرشتے بھی "عالمین" میں شامل ہیں۔

ہمارے مذہب کی تائید و تقریر میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلیل ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا

128

الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ۝ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ (بینہ)۔ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغات ہیں۔ آیات کریمہ میں بقول اہل التحقیق مراد باری تعالیٰ ''بنی آدم'' ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے جزا و سزا کے معاملہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ تو جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ جناب عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے کہا ''خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ۝'' یعنی بہترین مخلوق۔ فرشتے بھی من جملہ مخلوق ہیں۔ لہٰذا اس لفظ سے بھی انسانوں کی فرشتوں پر بہتری (افضلیت) ثابت ہوتی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اس آیت میں ایمان لانے والوں اور صالح عمل کرنے والوں میں فرشتے بھی شامل ہیں۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والے ''عرف شرع'' میں صرف انسان مراد ہیں۔ اس میں فرشتے داخل نہیں کیے جاتے۔ یہ عرفی استعمال ہے۔ ایک اور دلیل ہماری یہ بھی ہے کہ کل قیامت کو موقف میں لوگ مخصوص حضرات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا شفیع بنائیں گے۔ ان سے شفاعت طلب کریں گے۔ یہ خاص حضرات جو شفاعت فرمانے والے ہیں صرف انبیاء کرام ہیں۔ فرشتے نہیں۔ جناب عزالدین بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد بیان کرتے ہوئے ایک جگہ تفضیل کی تفصیل پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا۔ اگر ہم روحوں کی طرف دیکھیں تو حضرات انبیاء کرام کی روحیں افضل ہیں اور اگر جسموں کی طرف دیکھیں تو فرشتوں کی شکلیں نورانی ہیں۔ بلندیوں میں رہتے ہیں۔ مختلف شکلیں اختیار کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ گوشت اور خون کی کثافت سے پاک ہیں۔ لہٰذا وہ افضل ہیں۔ ایک اور مقام پر موصوف رقمطراز ہیں۔ انسانی جسم کیلئے جہاد، غزوات، مصیبتوں پر صبر اور مشقتیں آنا ثابت ہیں۔ ان مراحل سے انسانی جسم کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ان میں فرشتوں کیلئے (یعنی ان کے اجسام کیلئے) کوئی بھی بات ثابت نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان باتوں پر اخلاص نیت والوں سے بہت سے وعدے بھی فرمائے۔ اور ہمیں اپنی رضامندی کی بشارت بھی سنائی۔ اب اس اعتبار کو دیکھیں تو بشر افضل ہے (انتہیٰ)۔

کچھ تھکے ماندے لوگ ایک اور نظریہ رکھتے ہیں۔ جو اس سے کچھ زائد یا فالتو ہے کہتے ہیں ہم اس بارے میں توقف کے قائل ہیں اور خاموشی بہتر سمجھتے ہیں ایسے لوگ کہتے ہیں کہ افضل وہ جسے اللہ تعالیٰ نے تفضیل بخشی ہو۔ پھر کہتے ہیں جس کو دوسرے پر تفضیل دی جائے یا برابر قرار دیا جائے۔ اس کیلئے شرط ہے کہ ان اوصاف کی معرفت ضروری ہو جن کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوئی یا دونوں میں مساوات دکھائی دی۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں ان لوگوں نے عجیب بات کہی ہے۔ بلکہ ان کا یہ نظریہ مکمل طور پر عجوبہ ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا "افضل وہ جسے اللہ تفضیل بخشے" یہ تو تحصیل حاصل سے ملتی جلتی بات ہے۔ اور دوسرا قول "کہ فضائل کی معرفت ضروری ہے" بات باعتبار اپنی ذات کے صحیح ہے۔ علاوہ اس کے وہ یہ سمجھے کہ جو لوگ ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس نظریئے کو ثابت کرنے کیلئے دلائل و براہین دیئے۔ حقیقت حال کی معرفت انہیں حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ دلائل کا قلعہ کھڑا کر کے ان علماء نے فضیلت کو کسی مخصوص شخص میں بند کر دیا۔ یعنی صاحب فضیلت کو فضیلت صرف دلائل کی وجہ سے دی گئی۔ ورنہ وہ فضیلت کا اہل نہ تھا۔ ان کی اس بات کا وزن کتنا ہے تم خود دیکھ سکتے ہو۔ اس کی طوالت کے پیش نظر ہم اُس میں الجھنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں طویل کلام کرنے کے بعد لکھا۔ "اس اختلاف کا کوئی نتیجہ نہیں ہاں اس قدر ضرور ہے کہ کسی چیز کی معرفت علی ما ہو حاصل ہو جاتی ہے"۔

میں کہتا ہوں۔ امام بیہقی کے کلام پر تعجب ہے کسی چیز کی "علی ما ہو بہ" معرفت (جیسے کہ انہوں نے کہا ہے) اگر ان کے بقول درست تسلیم کر لی جائے۔ تو یہ معرفت بھی ایک عظیم انسانی معارف میں سے ہے۔ اور یہ بھی ایک چیز کا بہر حال علم ہے۔ اس کی جہالت تو نہیں اگر بحث صرف اس بات کی ہوتی کہ کسی میں موجود معارف کا اتقان و یقین حاصل ہو جائے تو بھی اس سے لازم آتا ہے کہ حضور نبی الانبیاء سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام موجودات پر شرف، کرم، عظمت و بزرگی ثابت ہے۔ اور یہ نظریہ کل قیامت میں ثواب جزیل کا باعث ہے۔ تو اسی قدر کافی ہوتا لیکن مجھے بعض علماء سے یہ بات پہنچی ہے کہ معتزلہ جو فرشتوں کی انسانوں پر افضلیت کے قائل ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اور میں نے یہ بھی سنا بعض ہمارے مشائخ اور دوست حضرات فرماتے ہیں جو ابھی موجود ہیں کہ یہ بات (استثنیٰ والی) ان کی کتابوں سے منقول ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ایسی نقل مل جائے۔ تو اس کی نسبت ناقل کی طرف کر دی جائے۔ (یعنی کس نے کہاں سے ان کی مذکورہ بات نقل کی)۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ بعض مشائخ مسئلہ مذکورہ کی تقریر یوں کرتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں ایک اور بھی قول ہے وہ یہ کہ آسمانی اور زمینی فرشتوں میں تفضیل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آسمانی فرشتے تو بشر سے افضل ہیں لیکن زمینی فرشتے افضل نہیں۔ واللہ اعلم۔

جب تم معلوم کر چکے کہ انسانوں میں سے مخصوص یعنی حضرات انبیاء کرام (جو اس مقام میں خاص ہیں) وہ خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔ پھر تمہیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ تمام انبیاء کرام صلوات اللہ و سلامہ علیہم وعلی نبینا افضل الصلوۃ والسلام ایسے اجسام و اجساد کی طرح ہیں جو قبائے نبوت و رسالت

زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے نبی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اجساد واجسام کیلئے بمنزلہ روح ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب کے سردار وسند ہیں۔ ان کا کنز، ذخیرہ، حامی، کافی، ان کے دائرہ کے قطب، ان کے فلک کے نقطہ، ان کی انگوٹھی کے نگینہ، ان کی آنکھوں کی پتلی، ان کی شخصیات کی آنکھ، ان کے قصیدہ کے بیت، ان کے قلادوں کے موتی، ان کی سریت کے راز اور ان کی ذات کی روح ہیں۔

آپ علی الاطلاق افضل الخلق ہیں۔ اور تمام مخلوق کیلئے رسول ہیں۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی آپ کی رسالت کے تحت ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت، تعلیم اور حکمت دیکر بھیجا اس پر دلیل "لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" "(فرقان) ہے۔ اور فرشتے بہر حال عالمین میں شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام کائنات سے افضل ہونے کے دلائل تین اشیاء سے موجود ہیں۔ کتاب، سنت اور اجماع امت۔ قرآن کریم میں جو دلائل آپ کی تعظیم، افضل اور بزرگی واحترام پر ہیں۔ اس پر بہت سی آیات اور بولتے دلائل وحجج اس قدر ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔ اس قدر مشہور وعظیم ہیں کچھ ان میں سے بالتصریح اور کچھ باللزوم ہیں۔

صریح دلائل میں سے ایک دلیل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیاء کرام سے افضل ثابت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں پر آپ کی اتباع واجب قرار دی ہے۔ آپ پر ایمان اور آپ کی نصرت کرنا ان پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الآیۃ۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے چکوں۔ پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول تشریف لائیں جو تمہارے پاس موجود تمام احکام الٰہیہ کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ تو تمہیں لازماً ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی ضرور بالضرور مدد کرنا ہوگی۔ انبیاء کرام نے اس عہد کے جواب میں عرض کیا۔ ہم نے اقرار کیا اور اپنی جانوں پر گواہی دی۔ اللہ نے بھی ان پر گواہی دی اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ (آل عمران: 81)۔ تمام محققین کا اجماع واتفاق ہے کہ آیت مذکورہ میں "رسول" سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسئلہ مذکورہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253) رسولوں میں بعض سے بعض کو ہم نے فضیلت دی۔ جلیل القدر مفسرین کرام جیسا کہ تفاسیر میں موجود ہے۔ نے فرمایا کہ اس آیت میں "الرسل" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تو دیگر انبیاء کرام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا دیگر انبیاء کرام کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (نحل:123)۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ آپ ملت ابراہیمی کی اتباع کریں۔ تو اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت ثابت نہ رہی؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس اتباع کا حکم دیا وہ یہ ہے کہ آپ ان احکام پر ایمان رکھیں۔ جو آپ کی طرف نازل کئے گئے۔ اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت وملت کے موافق ہیں۔ یہ نہیں حکم دیا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کی اتباع کریں۔ یعنی ایسی کہ آپ ان کے امتی بن جائیں۔ اور ان کی دعوت کے تحت داخل ہو جائیں۔ جس سے لازم آجائے کہ ہم سب حضرات ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند ہو جائیں۔ اور ہماری شریعت جو تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اس کا فائدہ ہی باقی نہ رہے۔ مقصد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو احکام دیئے گئے وہ ملت ابراہیمی ہے۔ آپ ان کی اتباع کریں نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کریں۔ لہٰذا اس آیت سے افضلیت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی سے قبل اور اعلان نبوت سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت بجالاتے تھے؟ بعض نے کہا کہ شریعت ابراہیمی کے موافق آپ کی عبادت تھی۔ بعض نے اس کے علاوہ بھی کہا ہے۔ اس بارے میں مختلف نظریات ومذاہب میں سے ارجح، اصح اور اولیٰ ان حضرات کا موقف ہے جو توقف کرتے ہیں اور سکوت فرماتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی حق پر ہوئے خیر آپ کے خمیر میں اور اخلاق کریمہ آپ کی فطرت میں تھے اور یہ سب کچھ اسی کے مطابق تھا جو آپ کو شریعت عطا فرمائی جانی تھی۔ آپ کی ہر بات اور عبادت کا ہر طریقہ الہامی تھا۔ بچپن سے ہی ہر فعل، عبادت اللہ تعالیٰ کی منظور تھی۔ میرے ایک قصیدہ کا شعر بردہ کا ہم وزن ہے ملاحظہ ہو۔

وَمَنْ تُرُبِّیَ صَغِیْراً بِالَّا مَانَةِ لَا ۔۔۔ یَأْتِیْ حَرَامًا وَّلَا یُعْدِدُ عَلٰی حَرَمٖ

جس ذات کی بچپن کی زندگی امانت وصداقت و دیانت سے پر ہو وہ نہ تو کبھی حرام اور ناجائز کر سکتا ہے نہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔

مذکورہ کلام میں ایک اور مسئلہ سامنے آیا ہے وہ یہ کہ کیا ہم سے پہلی شریعتیں ہماری شریعت ہیں؟ اس بارے میں کہا گیا ہے کہ ہاں وہ ہماری شریعت ہیں لیکن اس شرط پر کہ ہماری شریعت میں وہ مسئلہ وارد ہو اور ہماری شریعت اسے مقرر اور جائز رکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ہماری شریعت نہیں اور یہی حق اور مفتی بہ قول ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ "ملت" اور چیز ہے اور شریعت دوسری چیز ہے۔ "ملت" اصل

دین ہوتی ہے اور شریعت اس کے قواعد ہوتے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ وہ آیت کریمہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ الآیۃ (آل عمران: 81) جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا پابند کیا۔ وہ اور یہ آیت ان کا ایک جیسا طریقہ اور سبب نزول نہیں۔ بلکہ بعض حضرات نے بطور نص فرمایا کہ وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ (صافات) اس کے گروہ میں سے البتہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس آیت میں ضمیر (شیعتہٖ) کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم نے جو بات کہی۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی کرتا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط (مائدہ: 90)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس چیز کی اتباع کا حکم دیا جس کی انہوں نے ہدایت پائی۔ بلکہ بعض علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء کرام پر تفضیل اسی آیت سے ثابت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب کسی ایک آدمی کو پوری جماعت کے کام کی اتباع کرنے کو کہا جائے اور ان تمام کے اوصاف سے متصف ہونے کا امر ہو اور پھر اسے عملی طور پر وہ ایک آدمی بجالائے تو وہ ان سب سے افضل ہوگا۔ یہ عقلی دلیل ہے۔

مسئلہ مذکورہ پر ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں سے بنائی گئی۔ دلیل یوں ہے کہ کسی کی اتباع کرنے والا اگر قابل قدر ہوتا ہے تو یہ دراصل جس کی اتباع کی گئی اس کی قدر و منزلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو ''بہترین امت'' قرار دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

ایک اور آیت اس مسئلہ کی دلیل ہے وہ یہ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط (الحجرات: 13) تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ اَنَا۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا اور تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار میں ہوں۔ اسی کی طرف میں نے اپنے ایک بیت میں اشارہ کیا ہے۔ ''اَتْقَى التُّقَاةِ وَاَوْلَاهُمْ بِرَبِّهِمْ'' سب سے بڑھ کر پرہیزگار اور اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب آپ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کو بقیہ انبیاء پر ثابت کرنے والی ایک آیت یہ بھی ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) وہ منظر دیدنی ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ محتاج شہادت نہیں۔ وہ

تو سب کچھ جانتا اور جو چاہے کرنے پر مختار مطلق ہے۔ اس نے یہ گواہی کا معاملہ کل قیامت میں اس لئے رکھا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر و شرف اور انبیاء پر فضیلت کا اعلان ہو جائے۔

اب ہم مذکورہ مسئلہ کے دلائل کے سلسلہ میں احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بکثرت احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور روایات صحیحہ ثابتہ مشہورہ اس پر شاہد ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث پاک یہ ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ اس حدیث پاک کے الفاظ کو دیکھ کر اگر کوئی یہ کہے۔ کہ تمہارا استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ آدم علیہ السلام کو شامل نہیں۔ بلکہ اولاد آدم سے افضلیت ثابت ہوتی ہے؟ اس کا جواب ہم یہ دیں گے۔ یقیناً حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایسے پیغمبر بھی تشریف لائے جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اب جبکہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہوئے۔ تو حضرت ابراہیم بھی اولاد آدم ہیں۔ ان سے بھی افضل ہوئے۔ اور ابراہیم علیہ السلام، آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام (آدم اور اولاد آدم) سے افضل ہوئے۔

اس کا ایک اور جواب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ''ولد آدم'' سے مراد ''جنس آدمی'' ہو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمیت کی جنس سے افضل ہیں۔ اس اعتبار سے اس جنس کے اولیں فرد خود حضرت آدم علیہ السلام ہوں گے۔ اسی عظمت کو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''ہمزیہ'' میں کس خوبصورتی سے بیان کیا۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَیْــــــــبِ وَ مِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْمَآءَ

آپ کو اللہ عالم الغیب نے علوم کی ذات عطا فرمادی اور آدم علیہ السلام کو ان کے صرف نام سکھائے۔

علاوہ ازیں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ اس میں حضرت آدم بھی اور دوسرے تمام پیغمبر بھی داخل ہیں۔ اس روایت میں قیامت کا مخصوص ذکر اس لئے فرمایا کہ اس دن نزاع بالکل ختم ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ (المومن:16)۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟

اگر ان احادیث کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''سیادت'' ثابت ہوتی ہے۔ اور ''سیادت'' تفضیل کو نہیں جاتی؟ ہم اس بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں یہ بات کہنا ممنوع ہے۔ بلکہ یہاں سیادت افضلیت کا تقاضا کرتی ہے۔ جس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی

ہے۔ اَنَا اَکْرَمُ الْخَلْقِ عَلَی اللّٰہِ۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ باعزت ہوں۔ اس لئے اگر تفضیل مراد نہ ہوتی تو اسم تفضیل کا صیغہ (اکرم) لانے کی کیا ضرورت تھی۔ جو اکرمیت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ روایت صحیحہ میں لفظ ''سیادت'' لانے کی شائد یہ وجہ ہو۔ کہ ''سید'' کا اس شخص پر حکم چلتا ہے جس کا وہ سید ہوتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ تمام مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پابند ہے۔ امر آپ کا نہی آپ کی ماننے والی تمام کائنات۔ اسی کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ کیا۔ جو آیت کے معنی کے بھی موافق ہے۔ ''لَوْ اَدْرَکَنِیْ اَخِیْ مُوْسٰی مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ'' اگر میرے بھائی موسیٰ مجھے پاتے تو میری اتباع کے بغیر انہیں کوئی راستہ نہ ملتا۔ اس مضمون پر میرا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

وَلَوْ اَتَی الرُّوْحُ عِیْسٰی حِیْنَ بَعَثْتَہٗ لَکَانَ مِنْ جُمْلَۃِ الْاِتِّبَاعِ وَ الْخَدَمِ

جب تو نے اے اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اگر عیسیٰ روح اللہ بھی آتے تو وہ بھی ان کے اتباع کرنے والے اور خادم ہوتے۔

میں نے شعر میں لفظ ''عیسیٰ'' کہا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ''موسیٰ'' ہے۔ یہ اس لئے کہ حدیث پاک میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ ایک مثال کے طور پر بیان ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ وغیرہ تمام انبیاء کرام کا یہی معاملہ ہے۔ رہا یہ کہ حضرت موسیٰ کو خاص کر کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم یہود کفر و نفاق اور دشمنی سے سب سے آگے تھی۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں موسیٰ کے ساتھ لفظ عیسیٰ بھی مروی ہے۔ جب ایسی امت جو سرکش، انتہائی دشمن ہے اس کی طرف آنے والا پیغمبر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتا تو پھر اس امت اور دوسروں کا اتباع کرنا بطریقہ اولیٰ ثابت ہوا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بھی اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ حتیٰ کہ ابوالبشر حضرت آدم کے بھی نبی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ میں نبی تھا اور آدم پانی اور مٹی میں تھے۔ مراد بالفعل نبی تھا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح کی طرف نظر فرمائی۔ جو چیونٹیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی شکل میں تھیں۔ اور ان سے پوچھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' (اعراف:172) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو ان میں سے سب سے پہلے جس نے ''بَلٰی'' کہا۔ وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عطیات و مواہب شریفہ عطا فرمائے۔ جو آپ کی شایان شان تھے اور آپ کی روح مقدس کو حضرات انبیاء کرام کی ارواح کی طرف بھیجا۔ وہ سب اس پر ایمان لائیں۔ اس معنی کو ہم نے اس لئے ترجیح

دی۔(یعنی بالفعل نبی ہونے کو) کیونکہ اگر اس کی بجائے یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔ جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو پھر آپ کا اپنے بارے میں تخصیص و تخصیص فرمانا کسی فائدہ کا حامل نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو تمام انبیاء کرام ''نبی'' تھے۔ لہٰذا جو ہم نے ذکر کیا وہی معنی متعین ہوگا۔

اکابر صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے قلوب کی طرف نظر فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو تمام قلوب میں سے زیادہ نرم اور ٹوٹا ہوا دیکھا۔ شائداس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق وقدیم میں یہ بات تھی کہ آپ کی تربیت بحالت یتیمی ہوگی۔ اور دنیوی ساز وسامان کی قلت میں آپ بچپن گزاریں گے۔ اوراس وجہ سے بھی کہ آپ غنی کے مقابل فقر کو پسند فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فیصلہ فرما دیا ہوگا۔ کہ آپ ﷺ کی اس حالت اور تواضع کی جگہ دوسری خوبیاں عطا فرمادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے آپ کے قلب انور کو وہ کچھ عطا فرمایا۔ جس کا احاطہ کائنات میں سے کوئی نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی کسی فرد کو اس قدر کمالات وعنایات عطا ہوئیں۔

حدیث شفاعت میں اگر تم غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں ایسی راہ نظر آئے گی۔ کہ تم خود بخود سمجھ جاؤ گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیاء کرام پر فضل واضح ہے۔ کیونکہ تمام پیغمبر آپ کے محتاج ہوں گے۔ اور سبھی آپ کی طرف رجوع کریں گے۔ اوراس وقت آپ کی دعا سے نفع اٹھائیں گے۔ اور آپ کی سواری کے رکاب تھامے آپ کے جھنڈے کے نیچے آپ کے ساتھ روانہ ہوں گے۔

حوض کوثر پر بھی عجیب نظارہ ہوگا۔ وہاں کے حالات ومناظر بھی تمہیں یہی بتائیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی افضل الانبیاء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جو خصوصیات عطا ہوئیں۔ ایسی کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ چہ جائیکہ آپ کے برابر یا زیادہ کسی کو عطا ہوں۔ پھر یہ کہ جس نبی کو جو خصوصیت عطا ہوئی۔ وہی خصوصیت یا اس سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی۔ جب حضرات انبیاء کرام خصوصیات میں آپ کی مثل نہیں تو دوسروں کا کیا مقام؟ یہ سب باتیں تمہیں اس طرح کھینچ لائیں گی کہ تمہیں عقیدہ رکھنا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل اور ان سے اشرف واعلیٰ ہیں۔

حدیث معراج میں آتا ہے کہ جب ہر نبی اپنے رب کی تعریف کر چکا اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم حمد الٰہی کیلئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کچھ اس انداز میں کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اس وقت کھڑے ہو گئے۔ اور تمام انبیاء و مرسلین کو کہا اسی وجہ سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو تمہیں مسئلہ زیر غور میں سیدھی راہ دکھائے گا۔ آپ سب سے افضل کیوں نہ ہوں۔ جب آپ کی افضلیت ابراہیم خلیل اللہ کا مذہب ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان مارے لیکن مجھے آپ سے افضل کہیں کوئی نہ ملا۔ میں نے مشرق و مغرب کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن مجھے بنو ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہ ملا۔ جو شخص ان احادیث کے طریقوں، ان کے مخرج وغیرہ کی تحقیق کرنا چاہے اور ان کے علاوہ اسی موضوع پر دیگر احادیث کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کیلئے تجویز ہے کہ وہ سیدنا مولانا و ولینا و اولانا الشیخ الامام الرحلہ الہمام الشیخ شمس الدین محمد بن شیخنا شہاب الدین الرملی سقاہ اللہ تعالیٰ زلال کرمہ و افاض علیہ سجال نعمہ کی تصنیف کا مطالعہ کرے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔

جب مذکورہ بات تمہارے علم میں آ گئی تو اب اس فضل کا اثر بھی دیکھو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے درمیان تفاوت ملاحظہ ہو۔ قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی یوں حکایت کی ہے۔ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۲۵﴾ ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے''۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکایت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی۔ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ (انشراح)۔ کیا ہم نے آپ کیلئے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟۔ چونکہ یہ استفہام انکاری ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا ہم نے واقعی آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔ دونوں میں فرق اور تفاوت بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ اگر تم کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''شرح صدر'' اس سوال سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ (طہ) ''اے موسیٰ! تحقیق تمہارا سوال تمہیں پورا کر دیا گیا ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''قَدْ أُوتِيتَ'' فعل ماضی ذکر کیا ہے تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ''شرح صدر'' پہلے مل چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ''انشراح صدر'' پہلے ہو چکا تھا۔ لہٰذا دونوں میں فرق اور تفاوت نہ رہا؟ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ ''کریم'' کی یہ عادت نہیں ہوتی۔ کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ اس کے جواب میں کہے کہ تمہارا سوال تو پہلے پورا کر چکا ہوں۔ اور ایسا کہہ کر وہ احسان بھی جتلائے۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر شرح صدر پہلے عطا ہو

چکا تھا اور آپ نے پھر سوال کر دیا تو ایک یہ بات کہی جائے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پاس موجود چیز کا سوال کیا ہے۔ یہ بھی درست نہیں اور اس کے جواب میں ''کریم'' کا نہ کر دینا اس کے کرم کے بھی خلاف ہے۔

اگر بطریقہ تنزل یعنی اعتراض کرنے والے کی بات کو ہم اپنے موقف سے اتر کر تسلیم کر لیں اور اپنے دلائل کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو انہیں اپنے شرح صدر کا علم تھا یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ آپ کو شرح صدر مل جانے کے بعد اس کے حصول و وصول کا علم نہ تھا تو ایک بدیہی اور ضروری علم کا انکار لازم آئے گا۔ کیونکہ انشراح صدر ان امور میں سے ہے جو ضروری ہیں اور اس کا علم جب یہ حاصل ہو جائے لازماً ہوتا ہے اب جبکہ آپ اپنے انشراح صدر کو جانتے تھے تو پھر اسی بارے میں سوال کرنا دو اعتبارات سے خالی نہیں۔ یا کوئی خاص انشراح صدر مانگا جا رہا ہے یا نہیں اگر انشراح خاص کا سوال کیا گیا تو یہ پہلے حاصل نہ تھا۔ اس کیلئے صیغہ ماضی کا استعمال بے محل ہوگا۔ اور اگر خاص انشراح صدر نہیں بلکہ وہی پہلے والا عام تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا عبث قرار پائے گا۔ اور انبیائے کرام کے بارے میں ایسی باتیں جائز نہیں ہوتیں۔ لہٰذا متعین یہ ہوا کہ آپ کے سوال کو اس پر محمول کیا جائے کہ چونکہ انشراح صدر کی اعطاء اللہ تعالیٰ کے حکم میں نافذ اور قوی تھی۔ اور یقینی تھی اس لئے عرب محاورہ کے مطابق مستقبل میں یقینی واقع ہونے والی بات کو ماضی کے صیغہ سے بیان کر دیا گیا۔ عرب لوگوں سے جب مثلاً کوئی سوال کرے تو وہ قوت اعطاء کے پیش نظر یہ کہہ دیتے ہیں۔ تمہاری طلب پوری ہو گئی۔ تو یہ طریقہ بظاہر زمانہ ماضی میں کسی واقع کی خبر کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں انشاء ہے جیسا کہ بیع شراء اور نکاح طلاق میں بوقت انشاء صیغہ ماضی استعمال کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت جاننے کیلئے ذرا اس آیت پر نظر کیجئے۔ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح)۔ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ یعنی میرا ذکر نہیں کیا جائے گا مگر اس کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہوگا۔

اسی افضلیت کا اس انداز خطاب الٰہی سے بھی اندازہ کریں۔ تمام انبیاء کرام و رسولان عظام کو خطاب ان کے اسماء گرامی کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ وغیرہ سے کیا۔ ان میں جو مراتب کا فرق ہے۔ وہ تمہارے سامنے ہے اور اگر تم غور کرو کہ جب مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے فرزند ابراہیم کے انتقال کے بعد

''اَبْتَر'' کہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کہنے والوں کے بارے میں کس زوردار انداز میں رد نازل فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ یقیناً آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے ہی ''ابتر'' ہیں۔ یہ انداز جواب بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کتنی ہے۔ غایت عظمت جلال اور نہایت غایت کمال اسی کو کہتے ہیں۔ ذرا اس طرف بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب انور کی تسلی اور حوصلہ افزائی کی خاطر ابتدا معافی نامہ سے کی۔ پھر اس کے بعد خلاف اولیٰ کام یاد دلایا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ:43) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے انہیں اجازت کیوں دی تھی؟ اور اس طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''شمال'' کی جگہ ''غرب'' بوقت خطاب ارشاد فرمایا۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ الایۃ (القصص:44) یہ طریقہ گفتگو اہل بدیع کے ہاں ''احتراس'' کہلاتا ہے۔ اس کی طرف میں نے اپنے قصیدہ ''میمیہ نبویہ'' میں کہا ہے۔

بَدَاهُ بِالْعَفْوِ قَبْلَ الْعَتْبِ تَسْلِيَةً ‎ ‎ لِقَلْبِهٖ فِي ''عَفَا اللّٰهُ'' وَلِلْعِظَمِ

كَذَاکَ بِالْجَانِبِ الْغَرْبِي لَمْ يَقُلِ ‎ ‎ الشِّمَالَ اِذْ خَصَّهٗ بِالْفَضْلِ وَ الْكَرَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور قلب انور کی تسلی کی خاطر ''عَفَا اللّٰهُ عَنکَ'' میں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے سے پہل کی پھر خلاف اولیٰ بیان کیا اسی طرح شمال کی بجائے جانب غربی کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص فضل وکرم کی وجہ سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفضیل پر عظیم دلائل میں سے ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:79)۔ بہت جلد آپ کو آپ کا رب اس مقام پر مبعوث فرمائے گا۔ جہاں آپ کی حمد کی جائے گی۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اولین وآخرین انبیاء کرام رشک کرتے ہیں۔ میرا کلام ملاحظہ ہو۔

وَالْاَرْضُ اَوَّلُ مَنْ تُنْشَقُّ عَنْهُ وَ ‎ ‎ جِبْرَائِيْلُ قُدَّامُهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْحَشَمِ

وَالرُّسُلُ تَحْتَ لِوَآءِ الْهَاشِمِيِّ غَدًا ‎ ‎ اَلْكُلُّ يَرْجُوْنَ مِنْهُ فَائِضَ الْكَرَمِ

هٰذَا الْمَقَامُ الَّذِیْ مَا نَالَهٗ اَحَدٌ ‎ ‎ سِوٰی مُحَمَّدِ الْمَبْعُوْثِ بِالْحِكَمِ

نَاهِيْکَ مِنْ شَرَفٍ نَاهِيْکَ مِنْ عِظَمٍ ‎ ‎ نَاهِيْکَ مِنْ شَرَفٍ نَاهِيْکَ مِنْ عِظَمٍ

وَمَنْ تَقَدَّمَ صَلّٰى بِالْمَلَآئِکِ بَلْ ‎ ‎ وَالْاَنْبِيَآءِ يَقْظَةً لَمْ يَجْرِ فِي الْحُكُمِ

وَظَلَّ يَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ ‎ ‎ حَتّٰى تَقَدَّمَ عَنْهُمْ حَضْرَةَ الْكَرَمِ

وَنِلْتَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ مَنْزِلَةً مَا نَالَهَا اَحَدٌ فِی الْاَعْصُرِ الْقِدَمِ

سب سے پہلے قبر انور سے آپ باہر تشریف لائیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام آپ کے آگے آگے ایک لشکری بن کر چلیں گے۔ تمام رسولان عظام کل قیامت میں ہاشمی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ تمام آپ سے فیض و کرم کے طالب ہوں گے۔ یہ وہ مقام ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور نے نہ پایا۔ جنہیں محکم کتاب دیکر بھیجا گیا تمہارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شرافت سمجھنے کیلئے اس قدر گفتگو کافی ہے۔

وہ ذات جس نے آگے بڑھ کر فرشتوں بلکہ انبیاء کرام کو حالت بیداری میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ خواب کا واقعہ نہیں۔ پھر آپ ان کی معیت میں ساتوں آسمانوں سے آگے گزر گئے۔ حتیٰ کہ اکیلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اے خیر خلق! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے وہ مقام و مرتبہ پایا۔ جو قدیم زمانوں سے (آج تک اور قیامت تک) کسی کو نصیب نہ ہوا۔

امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کے قصیدہ کے اس شعر کی تشریح میں کسی شارح نے لکھا۔

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَایَةِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمِ

مسلمانو! ہمیں بشارت ہے کہ ہمارے لئے عنایت کا ایسا مضبوط ستون ہے جو کبھی منہدم نہیں ہو سکتا۔

یہ خوشخبری کیا ہے یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ اس کے قریب چلیں پھر جبرائیل نے عرض کیا آپ جب اس مقام پر تشریف فرما ہو جائیں جہاں کوئی بھی نہیں گیا۔ تو میرے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ وہ مجھے اپنی خفیہ تدبیر سے امن میں رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس بارے میں جبرائیل کی درخواست پیش فرمائی۔ اس نے آپ کو جواب عنایت فرمایا۔ آپ جب واپس آئے تو جبرائیل کو جواب پروردگار بتایا۔ جبرائیل علیہ السلام معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پیچھے اپنے مقام میں رہ گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل آگے تشریف لے گئے۔ کہ درمیان کے تمام پردوں کو عبور کر گئے۔ اور مشاہدہ عظیمہ منکشف ہوا اور وہاں کے انوار کا مشاہدہ فرمایا۔ اور ان اسرار سے آپ کا سر متصل ہوا آپ کی مبارک آنکھوں کو ایسی قوت قدسیہ عطا ہوئی کہ آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے پروردگار عالم کو دیکھا۔ آپ کا قلب انور اس شرافت سے موصوف ہوا جو آپ کے رب کے جلال کے لائق ہے۔ بارگاہ ایزدی میں شرف یابی ہوئی۔ جہاں کسی

آمر یا مامور کی رسائی نہیں۔ جب آپ نے جبرئیل کو اس کے سوال کا جواب بتایا۔ اور اپنی بارگاہ ایزدی میں حاضری بتائی تو جبرئیل بہت خوش ہوا اور کھل اٹھا کہنے لگا میں پل صراط پر آپ کی امت کیلئے کھڑا ہوں گا اور اپنے پر پھیلا دوں گا۔ تا کہ کوئی آپ کا امتی گرنے نہ پائے۔ میں نے اس پر کہا ہے۔

لَاغَرْوَ يَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا بِهٖ مِنَ الْفَضْلِ اَوْفٰى اَوْفَرُ النِّعَمِ

مسلمانوں کی جماعت! مایوس نہ ہونا کیونکہ ہمارے لئے مکمل فضل اور کامل نعمتیں ہیں۔

اس کے شروع میں میں نے کہا۔

هُوَالشَّفِيْعُ لِمَنْ زَلَّتْ بِهٖ قَدَمٌ وَكُلُّنَا خَائِفٌ مِّنْ زَلَّةِ الْقَدَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اس امتی کی شفاعت فرمانے والے ہیں جس کے قدم پل صراط پر پھسلتے پائیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو قدم پھسلنے کا خطرہ ہے۔ یعنی ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا سہارا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی حضور کی برکات میں سے ایک برکت ہیں۔ اور آپ کے تابع فرمان ہیں۔

اگر تو اعتراض کرے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک مرتبہ قیامت کے متعلق سوال کیا تو اس کو جواب میں آپ نے فرمایا۔ "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" سوال کرنے والے سے زیادہ وہ نہیں جانتا جس سے سوال کیا گیا ہے۔

اسی حدیث کے آخر میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبرئیل تھے تمہارے پاس آئے تھے تا کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں تو ان الفاظ میں اس بات کا اقرار ہے کہ جبرئیل علیہ السلام معلم ہیں اور یہ بھی کہ وہ قیامت کے علم کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بلاشک معلم ہیں لیکن حضرات صحابہ کرام کے معلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معلم نہیں بلکہ خبر دینے والے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو معلم اس لئے کہا گیا کیونکہ یہ ان باتوں کے سبب بنے تھے جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ورنہ الفاظ حدیث دیکھئے۔ جبرئیل کہتے ہیں "اَخْبِرْنِیْ" حضور مجھے خبر دیجئے۔ ان کے طلب اخبار کے جواب میں خبر دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں گویا جبرئیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فائدہ حاصل ہوا اور علم ملا۔ رہا سوال کا دوسرا حصہ جس میں جبرئیل علیہ السلام کا زیادہ عالم ہونا بیان کیا گیا جبکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا۔ تو اس کا معنی

یہ ہے کہ قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ان علوم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا۔ میرے پاس اس علم سے زیادہ نہیں جو تیرے پاس ہے اور جو تو قیامت کے بارے میں اور جس قدر جانتا ہے میرے پاس بھی اتنا ہی ہے اور وہ قیامت پر مطلع ہونا ہے۔ اسی لئے جبرئیل نے جب وقوف علی القیامت سے ہٹ کر قیامت کی نشانیاں پوچھیں تو آپ نے اسے بتادیں اگر یہ معنی نہ کیا جائے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت کی نشانیاں بیان کرنا اس کا کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا۔ جب ہم یہ کہیں کہ آپ اس کی حقیقت جانتے ہیں اور آپ کے پاس اس علم سے زائد علم ہے جو اس کی حقیقت واقعی ہے۔ تبھی بات درست ہوگی۔

حق یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکنونات وغیوبات کا علم تھا اور اس قدر کہ جبرئیل امین علیہ السلام اور کوئی دوسرا اس تک رسائی نہ پا سکا اس بات پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہی تو وہ علم آپ تک پہنچا تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ جبرئیل کو ان باتوں کا علم نہ ہو؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حضرت جبرئیل ان علوم مکنونات ومغیبات کے اصول کو جملۃً پہنچانے والے ہیں۔ ان اصول کلیہ اور مجموعہ علم کی فرداً فرداً جزئیات کا کشف انہیں حاصل نہ تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں۔ کہ ایک قاصد کسی بادشاہ کے احکام کا مجموعہ، کپڑے یا تھیلہ میں لپیٹ کر کسی دوسرے شخص کو دینے جاتا ہے۔ بادشاہ اسے صرف پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ تو جس طرح یہ قاصد نہیں جانتا کہ اس کے تھیلے میں بند احکام کا مجموعہ کیا کیا ہے۔ اسی طرح جبرئیل بھی صرف اسی قدر جانتے تھے کہ یہ احکام مجھے حضور تک پہنچانے ہیں۔ ان کی حقیقت جزئیات سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج جبرئیل کو راستہ میں چھوڑ کر آگے روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں جلوہ گر ہوئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی واسطہ اور ترجمان کے بغیر بہت کچھ عطا فرمایا وہ اس قدر تھا کہ کسی دوسرے میں اس کے اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کو ایسے علوم سکھائے اور انہیں ہدایت فرمائی کہ ان کو پوشیدہ رکھنا ہے حتیٰ کہ ایک صحابی (ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں۔ اگر میں تمہیں وہ علوم بتا دوں تو تم میرا گلہ کاٹ دو یا تم میرے سر پر آری رکھ کر چیر دو۔ وغیرہ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضہ اطہر سے قیامت میں سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے۔ اس وقت برآمد ہونے کے بعد آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہو گی۔ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے اور ابراہیم علیہ السلام قیامت میں دو حلے زیب

تن کئے ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت ان کو حاصل ہے؟

ہم کہتے ہیں ان دونوں امور کے علماء نے کئی جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دونوں باتیں ایک جزئی معاملہ ہیں جو کلی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلی فضیلت پر گفتگو کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خصوصیت ہو سکتا ہے کہ اس لئے ملی ہو کہ دنیا میں آپ کو نمرود کے حکم سے جلائی گئی آگ میں پھینکا گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ہارون علیہ اسلام داڑھی کے بغیر ہوں گے کیونکہ دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی داڑھی پکڑی تھی۔ وہ داڑھی ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ لہٰذا یہ ایک جزئی خصوصیت ان بے شمار خصوصیات کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہیں۔ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ صاحب فضیلت میں ایک آدھ بات نہیں پائی جاتی جو اس سے کم درجہ میں دیکھی جاتی ہو۔ علاوہ ازیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے تو آپ نے کپڑے زیب تن کئے ہوں گے اور سواری پر ہوں گے۔ کامل مکمل علی اکمل الاحوال ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات جس سے حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر شرف، رتبہ اور وجود میں آپ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ (موسیٰ علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ جیسا کہ احادیث مشہورہ میں بھی وارد ہے۔ اے اللہ! میں تورات میں ایک شخصیت کی فلاں فلاں صفات لکھی دیکھتا ہوں۔ مجھے بھی ان کا امتی بنا دے۔ فرمایا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ الی آخر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی کئے جانے کی درخواست کر رہے ہیں۔ حدیث معراج میں آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ انہیں وہ وسعت عطا کی گئی جو مجھے عطا نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے بلند آواز سے اور رو رو کر کہنا شروع کر دیا۔ ایک نوجوان جو میرے بعد رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تو نے اے اللہ! اس کو یہ یہ عطا کیا ہے۔ اسی طرح حدیث مشہور کا مضمون ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اپنی امت پر شفقت کی بنا سے تھا کیونکہ ان کے امتی باوجود سخت تکالیف اور احکام شاقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام از روئے حسد نہیں روئے تھے کیونکہ حضرات انبیاء کرام حسد وغیرہ اخلاقی بیماریوں سے بالکل محفوظ و معصوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کا صلہ اور اس کا معاوضہ انہیں یہ عطا کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کا موقعہ ملا اور نمازوں کے معاملہ میں بار بار آپ سے ملاقات اور بالآخر پانچ پر آ

کررک جانا یہ گفتگو اور ملاقات وزیارت اسی بات کے صلہ میں عطا ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوح محفوظ میں دوسری امتوں کے بارے میں یوں مرقوم ہے جس نے اطاعت کی اس کے لئے جنت اور جس نے نافرمانی کی اس کیلئے جہنم ہے۔ وہاں اس امت کیلئے یہ تحریر ہے۔ اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ۔ گنہگار امت اور بخشنے والا رب۔ یہ اس لئے کہ اس امت کے تمام لوگوں کی حالت دو قسم پر ہے یا مومن یا کافر۔ اور کافر اجماعاً دوزخی ہے۔ پھر مومن کی دو قسمیں ہیں۔ فرمانبردار اور نافرمان۔ فرمانبردار بھی اجماعاً جنتی ہے۔ نافرمان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ توبہ کر لینے والا اور بن توبہ مرجانے والا۔ توبہ کر لینے والا بھی اجماعاً جنتی ہے اور وہ گنہگار و نافرمان جو توبہ کئے بغیر مر گیا۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے گا تو عذاب دیگا اور اگر چاہے گا تو بخش دے گا۔ کسی عقلمند کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اس امت پر تکلیف میں کمی کی گئی ہے اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کی وجہ سے ہے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی۔ ''اے اللہ! ہم پر بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلی امتوں پر ڈالا'' آپ کی درخواست منظور ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ملا کہ ہم آپ کی امت کو آسمانی عذاب اور زمین میں دھنس جانے کا عذاب نہیں دیں گے۔ نہ ہی آپ کی امت کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔

ان آسانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کے دیئے گئے صدقات وزکوٰۃ اپنے پیٹ میں ڈالتے ہیں۔ قبولیت کا یہی طریقہ ہمیں بتایا گیا۔ لیکن پہلی امتوں کے باہم صدقات کھانے کی بجائے آگ نکل کر کھایا کرتی تھی۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے ہمارے گناہ دوسروں پر ظاہر فرما کر رسوا نہیں کیا حالانکہ پہلی امتوں کے گناہ دوسروں پر ظاہر کر دیئے جاتے تھے اور نہ ہی نجاست والی جگہ اور کپڑے کو کاٹ کر پھینک دینے کا حکم اس امت کیلئے باقی رکھا گیا جیسا کہ پہلی امتوں پر تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے ''میں سیدھی سادی اور اعلیٰ ملت دے کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھے دیا گیا۔'' دین'' آسان ہے اور کوئی شخص جب دین پر سختی کرتا ہے تو وہ سختی اس پر لوٹتی ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے مختلف طریقوں سے لوگوں کے ساتھ پیش آتے کبھی تو تکلیف میں کمی کر دی جاتی کبھی سونا چاندی دیکر اسلام کی محبت پیدا کی جاتی۔ ''ثقیف'' سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بیعت لی۔ تو یہ شرط تھی کہ ان پر زکوٰۃ اور جہاد کا حکم نہیں ہوگا۔ اور فرمایا خود زکوٰۃ بھی دیا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ ایمان کی شان یہی ہے۔ جب وہ دل میں گھر کر لیتا ہے تو اس کے احکام خوش دلی سے آدمی بجا لاتا ہے۔ بلکہ صدقات کے مستحقین میں خود اللہ تعالیٰ نے تالیف قلب کیلئے ایک طبقہ کو مستحق قرار دیا۔ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور کریم النفس ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ان اوصاف کو جامع انداز میں یوں بیان فرمایا: وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (القلم) ایسے کیوں نہ ہوتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کی فضیلت، محاسن اخلاق اور تمام انبیاء کرام رسولان عظام کی صفات آپ کی ذات مقدسہ میں جمع فرمادیں۔

جناب عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی قول میں یہ انوکھی بات لکھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب ایک ایک پیغمبر کے اوصاف سے موازنہ کیا جائے خواہ وہ کوئی پیغمبر ہو۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے افضل ہیں۔ لیکن تمام سے افضل ہونے کا قول نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے خلاف خود انہی (عز بن عبدالسلام) کے بعض اقوال ایسے ہیں جن میں انفرادی اور اجتماعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ یعنی اجتماعی طور پر فضیلت کا انکار قابل ردو تردید ہے۔ کیونکہ جس عقیدہ پر علماء اور خود امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں۔ موصوف کی مذکورہ بات کی تردید حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰت والسلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ "بِھٰذَا فُضِّلَکُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ" بیت المقدس میں شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطاب کے موقعہ پر حضرت خلیل اللہ نے کہا تھا۔" اسی بنا پر تم سب پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت دی گئی ہے"۔

جو شخص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال، اقوال، احوال و کمالات و معجزات کا احاطہ کرنا چاہے اور تمام سمندروں دریاؤں کے پانی کو سیاہی اور تمام درختوں کے قلم بنالے اور اسے اتنی عمر اللہ تعالیٰ دیدے کہ لکھتے لکھتے سیاہی ختم ہو جائے اور تمام قلم گھس جائیں پھر بھی ان کی حد تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس قدر وسیع ہے، اس کے مواہب و انعامات اس قدر لاتعداد ہیں کہ ان کو تحریر میں لانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عطیہ جات اور انعامات اس قدر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے اور ایسے عطا فرمائے کہ کسی آنکھ نے نہ انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علماء کے جم غفیر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث شریفہ کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ باوجود اس کے انہیں ہر طرح کی قدرت حاصل تھی اور ہر طرح کے اسباب مہیا تھے۔ حالات بھی موافق تھے۔ علم و عمل میں وسعت بھی رکھتے تھے، کتب احادیث پر خوب اطلاع بھی تھی۔ مال، جاہ، کتب اور عمر کسی میں کمی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ایسا نہ

کر سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بلکہ وہ آپ کے فضل کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔ اگر انہیں دوبارہ اتنی عمر دیدی جاتی۔ بلکہ صدیوں زندہ رہتے اور یہی کام کرتے رہتے تو بھی کنارہ نہ پاتے۔ امام حافظ السیوطی رضی اللہ عنہ نے ان علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے "جامع الکبیر" تصنیف فرمائی۔ ان کا انتقال ہو گیا لیکن کام ادھورا رہ گیا۔ مذکورہ "جامع الکبیر" آج تک مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلائل عقلیہ ونقلیہ تفصیل سے وافر مقدار میں مل جائیں تو اس کیلئے کتاب وسنت کے علاوہ الشفاء اور مواہب لدنیہ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہم نے جو کچھ لکھا۔ محبت والوں کیلئے بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض ہے اور امید ہے کہ وہ ہمیں کل قیامت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معیت عطا فرمائے گا اور فضل وکرم سے بہرہ ور فرمائے گا۔ لیکن امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول (شعر) کتنا حسین ہے۔ اسی طرح اس کے دوسرے اشعار بھی نہایت خوبصورت ہیں۔

كَيْفَ تَرْقَى رُقِيَّكَ الْاَنْبِيَآءُ   يَا سَمَاءُ مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ

آپ کی بلندی ورفعت مقام حضرات انبیاء کرام کیسے پاسکتے ہیں۔ آپ بلندیوں کا وہ آسمان ہیں کہ یہ آسمان بھی ان کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا۔ کون ابن عباس؟ وہ جنہیں قرآن کریم کے اسرار کی معرفت عطا کی گئی۔ کیونکہ آپ "ترجمان القرآن" ہیں وہی ابن عباس جن کیلئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" اے اللہ! ابن عباس کو دین کی خوب سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔ ایک روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ" اے اللہ! اسے قرآن کریم کی تعلیم عطا فرما۔ یہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا عَلَى اَهْلِ السَّمَآءِ وَ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ الْاُخَرِ" اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام آسمان والوں اور تمام پیغمبروں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب کی طرح ہے۔ جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ذرا ان اوصاف پر بھی نگاہ ڈالو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر فرمائے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (احزاب)

اس کے ساتھ اس برأت پر بھی نظر کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے قرآن کریم میں ذکر فرما دی۔ آپ کے سوا کسی اور پیغمبر کیلئے ایسی بات کا اتفاق نہ ہوا۔ اگر چہ تمام پیغمبر صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے عمداً سہواً قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ جیسا ہمارا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح)

''بیشک ہم نے آپ کیلئے فتح مبین کھول دی۔ تا کہ آپ کی خاطر آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دے۔ اور اپنی نعمت آپ پر مکمل کرے اور صراط مستقیم پر آپ کو قائم رکھے اور آپ کی غالب مدد کرے''۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ ''امت ستر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جو تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے ایک گروہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دینے والا ہوگا۔ اور دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام پر فضیلت کا قائل ہوگا۔ تیسرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پر افضل سمجھتا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے موقف ونظریہ کی دلیل بھی ہے۔ لہٰذا فضیلت کسی ایک کیلئے بالاتفاق ثابت نہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے ان میں سے ہر ایک طبقہ کے پاس دلیل ہے۔ لیکن ایسی دلیل جو صواب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہے وہ انشاء اللہ تیسرے فرقہ کی دلیل ہے۔ اکثریت بھی ان کی ہے۔ ان کیساتھ ان لوگوں کا قول ضعیف قرار پائے گا۔ حتیٰ کہ اس اکثریتی عقیدہ کی مخالفت کرنے والے برائے نام ہو جائیں گے اور اسی پر اجماع منعقد ہے جب تم نے ہماری تقریر سن لی۔ تو تم پر لازم ہے۔ کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے چلے (فوت ہو جائے) تو تیرا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اگر ایک پلڑا میں رکھی جائے اور دوسرے پلڑے میں بشمول تمام انبیاء کرام وملائکہ تمام مخلوق کی فضیلت ڈالی جائے اور ان کا شرف ان کی کرامت و بزرگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت و بزرگی سے مقابل کی جائے تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پلڑا وزنی ہوگا۔ اگر چہ ان تمام حضرات کی ایک نہیں کئی گنا فضیلت جمع کر لی جائے تب بھی رجحان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وشرافت وکرامت کا ہی ہوگا اور یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ تم جانتے ہو کہ

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكِرٍ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی نرالی اور مشکل بات نہیں کہ ایک فرد میں تمام کائنات جمع فرمادے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ "فرد کامل" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اس آیت سے واضح ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو بطور حکایت بیان فرمائی۔ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف:6) میں ایک عظیم رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا اسم گرامی "احمد" ہے۔ تمام عقل منداسے تسلیم کرتے ہیں کہ جب کوئی خوشخبری دینے والا آنے والے بادشاہ کی بشارت دیتا ہے تو ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ دونوں کے مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ہمیں جناب عزبن عبدالسلام رضی اللہ عنہ سے بذریعہ نقل یہ بات پہنچی۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے ایک عیسائی کے مقابلہ میں مناظرہ کے وقت احتجاج (دلیل پیش کرنا) کیا۔ اس عیسائی کا خیال تھا کہ "زندہ" مرنے والے سے بہتر ہوتا ہے۔ اس نے ارادہ یہ کیا تھا۔ کہ "زندہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور فوت شدہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور عیسائی نے امام موصوف سے ان کی دلیل سننے کے بعد کہا۔ مجھے میرا تھوک نگلواؤ۔ موصوف نے کہا تم تھوک کہتے ہو میں تمہیں دجلہ نگلواؤں گا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ شیخ عزبن عبدالسلام رضی اللہ عنہ ارباب احوال میں سے تھے آپ کے مذکورہ الفاظ کہتے ہی اس عیسائی کا دل پھٹ گیا، اس کا پیٹ جاری ہو گیا اور اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہر زندہ ہر میت سے من کل الوجہ افضل نہیں۔ مذکورہ بات مطلقاً کہنا جہالت ہے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ جب شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں تو پھر حضرات انبیاء کرام کی انتقال کے بعد زندگی کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں نے بھائی موسیٰ کو ان کی قبر میں کھڑے نماز ادا کرتے دیکھا۔ علاوہ ازیں حق یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبر انور میں زندہ ہیں۔ نماز ادا فرماتے ہیں، روزہ رکھتے اور دیگر عبادات بجالاتے ہیں۔ اپنی امت پر پھیرا رکھتے ہیں۔ امت کے اقوال و اعمال و احوال آپ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ملکیت کو باقی رکھا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی ملکیت ختم کر کے ورثاء میں تقسیم نہیں فرمائی (مثلاً باغ فدک وغیرہ) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے آپ کے اہل وعیال پر

خرچ کرتے رہے۔

اگر تم کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میرے دل پر بھی خیالات کا حملہ ہوتا ہے۔ میں رات دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ استغفار گناہوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم ہونے کے یہ حدیث خلاف ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہ ہوں کیونکہ استغفر اللہ اور ایسے ہی دیگر الفاظ عبادت کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان کی ادائیگی پر ثواب ملتا ہے۔ (تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول ثواب کی خاطر الفاظ مذکورہ کہے نہ کہ گناہوں کی معافی کیلئے) حضرات علماء کرام نے اس (اور اس قسم کے دوسرے اقوال) کے بہت سے جوابات دیئے ہیں اور اس موضوع پر ان کی مشہور تقاریر و مقالات ہیں۔ ان سے زیادہ وزنی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دن ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ بلکہ ہر لحہ ترقی کی منزلیں طے فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تکمیل کے مطابق ان مقامات تک تشریف لے جا رہے ہیں۔ جن کی طرف کسی دوسرے کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے حضرات ترقی و کمال میں باہم متفاوت ہیں۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترقی کر کے بالائی مقام سے نچلے مرتبہ کی طرف نظر فرماتے تو اسے غیر کامل جان کر استغفار فرماتے۔ یہ بات ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ'' کے قبیلہ میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام سے استغفار فرماتے اور اس سے اعلیٰ مقام اور زیادتی مراتب کے طالب ہوتے یہ اس اللہ کی وسعت فضل کا مظاہرہ ہے۔ جس کا ادراک ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آپ سے کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکر باری تعالیٰ ادا کرتے ہوئے زیادتی انعامات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براءۃ (عصمت و عفت) کا مژدہ پہلے سنا دیا گیا۔ آپ اس کے شکر میں اس قدر کوشش فرماتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس بارے میں کچھ عرض کیا۔ تو فرمایا ''اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا'' کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! یہ فائدے تمہارے حفظ کرنے کے لائق ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ذرا اس طرف دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام اور توقیر و تعریف کس قدر اپنی مخلوق پر لازم فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الآیۃ (الحجرات:2) ''اے مومنو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرنا اور نہ ہی ان سے زوردار آواز سے گفتگو کرنا جیسا تم آپس میں کرتے ہو۔ کہیں تمہاری

ساری نیکیاں برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو"۔ علماء اہل السنتہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ جو مدون ہیں وہ یوں سمجھا جائے کہ یہ آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی نظر رہے۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (احزاب:33) "تمہارے لئے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی شادی کرو"۔ نیز قول باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب) "بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی مکرم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ مسلمانو! تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی۔ "لَعَمْرُكَ" اسی کی طرف میں نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے۔

فِي الْحِجْرِ قَدْ اَقْسَمَ اللّٰهُ الْعَظِيْمَ بِهٖ   لَعَمْرُهٗ اِنَّ هٰذَا اَشْرَفُ الْقَسَمِ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر مبارک کی قسم اٹھائی۔ بخدا! یہ اشرف قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی صفت محبوب کا مرقع ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب:6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب وعزیز ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ عالیہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی جس انداز سے بیان فرمائی۔ وہ بھی قابل مطالعہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو جو تعلیم وارشاد سکھایا جس کی بدولت وہ صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔ اس کا نمونہ "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا سلام جو فرشتہ کے ذریعہ آپ کی زوجہ مقدسہ سیدہ خدیجہ تک پہنچایا گیا اور جنت میں ان کی رہائش کی خوش خبری سنائی گئی۔ جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی تکلیف کا نام تک نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت وثناء بیان کی۔ یہ تمام آیات ودلائل اس کے شاہد ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی توقیر وتعظیم بے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رضا اور دل جوئی فرماتا ہے۔ آپ کے تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے پر دلائل قطعیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ "خاتم النبیین" ہیں۔ کسی چیز پر مہر اس وقت لگائی جاتی ہے جب وہ مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:40)۔ اور حدیث پاک ہے۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ میرے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں۔ یہ بالاجماع ہے اس مسئلہ میں آپ کی امت

میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

اگر تم کہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو کون سے مذہب کے مطابق حکومت کریں گے کیونکہ امت میں بہت سے مذاہب ہیں؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام وقدر ومنزل اور فہم وفراست اس قدر ارفع واعلیٰ ہے کہ انہیں ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ یا ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی کے وہ محتاج نہیں۔ بلکہ وہ خود احادیث مقدسہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ پڑھیں گے اور اگر کسی مسئلہ میں الجھاؤ محسوس ہوا تو سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر تشریف لائیں گے آپ سے اس کے بارے میں عرض کریں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے ''وَاِنْ جَاءَ قَبْرِیْ عِیْسٰی وَسَأَلَنِیْ عَنْ شَیْءٍ لَّاُجِیْبَنَّهٗ'' اگر حضرت عیسیٰ میری قبر پر آئے اور مجھ سے کسی چیز کا سوال کیا تو میں یقیناً انہیں جواب دونگا۔ یہ روایت ''کتاب الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام'' میں ہے۔ جو امام علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس سے مزید استفادہ کرنا چاہئے۔

جب تم میری گزارشات پڑھ چکے تو آخر میں ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ دشمن (جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کا انکار کیا) جو گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے۔ اپنے غلط عقیدہ سے واپس آ گیا تو بہتر اور بہت خوب کیونکہ واپس آ جانا قابل تعریف ہے۔ اور اگر اسی غلط نظریہ پر قائم رہا تو یقیناً اس کے عقائد فرقہ سوفسطائیہ سے ملتے ہیں جو حقائق اشیاء کے منکر ہیں۔ ان کے ساتھ مناظرہ کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ پھر اگر آگ کے جلانے کی حقیقت تسلیم کر لیں تو باہر نکال لیا جائے ورنہ جل کر خاک ہو جائیں۔ لہٰذا اگر یہ مخالف اپنی گمراہی اور جہالت پر بضد قائم رہتا ہے تو حاکم شرعی پر اور مسلمانوں کے حکمران پر واجب مؤکد ہے کہ اسے جب اس کی خبر ملے تو اسے بزور اس عقیدہ سے باز رکھے اسے سخت ترین تنبیہ کرے، ڈانٹ پلائے، سخت تعزیر لگائے، خوب مارے پیٹے، قید میں رکھے، جوتیوں سے مرمت کرے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بہتر سمجھے اس کے ساتھ ویسے ہی کرے۔ یہاں تک کہ مختلف قسم کی تعزیرات انتہائی طور پر اس پر نافذ کر دے۔ جیسا جاہلوں، بے دینوں، اسلام مخالف اور اسلام دشمنوں کیلئے ہوتی ہیں۔ کیونکہ شریعت کے قانون ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اسے توبہ کی توفیق بخشے۔ اسے، مجھے اور تمام مسلمانوں کو بہترین حالات کی طرف لوٹائے۔ اور یہ کہ ہم سب کو اَفْضَلُ الْخَلْقِ عَلَی الْاَطْلَاقِ حَالاً و مآلاً جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت بخشے۔ اور ہمیں آپ کے ساتھ کل قیامت میں جمع فرمائے۔ بفضلہٖ و

کرمہ سبحانہ وتعالیٰ۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ سُبْحَانَ رَبِّنَا رَبِّ الْعِزَّۃِ وَالْکِبْرِیَآءِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

تنبیہ: اس کتاب کا مصنف فقیر یوسف نبہانی عرض کرتا ہے کہ رسالہ مذکورہ کے مولف جناب نورالدین بن جزار نے رسالہ میں یہ ذکر کیا کہ امام شمس الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے شیخ امام شہاب الدین رملی کے فرزند ہیں۔ انہوں نے بھی اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا سبب تالیف جو انہوں نے اس رسالہ کے شروع میں لکھا۔ وہ یہ بنا کہ ایک بدعتی، مرجانا یہ بکتا ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''افضل الخلق'' نہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ خبیث آدمی وہی ہے جس کا واقعہ امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے ''الطبقات'' میں نقل کیا ہے۔ میں نے علامہ شعرانی کا کلام ان کے تذکرہ میں اسی کتاب جواہر البحار ص ۴۲۱ میں نقل کر دیا ہے۔ وہ یوں تھا۔ ۱۹۵ھ میں ایک واقعہ رونما ہوا کہ ایک شخص زعم رکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں...... آگے چل کر لکھا۔ مصر کے علماء نے اس کی خبر لی اور اس کے رد میں بہت سی تصانیف لکھیں۔ کیونکہ اس سے اس نظریئے کا ثبوت سمجھ لیا گیا تھا۔ ان علماء میں سے سیدی محمد البکری، سیدی محمد الرملی، شیخ ناصرالدین طبلاوی اور شیخ نورالدین الطنتدائی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان تصنیفات کو جانے پہچانے لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ سننے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فَافْهَمْ ذَالِکَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اھ

تم دوبارہ امام شعرانی کی ان کے تذکرہ میں عبارت پڑھو گے تو تمہیں جواب کی تصریح ملے گی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَمِنْہُ الصَّوَابُ۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کے مولف ابن جزار رضی اللہ عنہ امام شعرانی رضی اللہ عنہ کے ہم عصر ہوئے ہیں اور ان مصنفین میں سے ایک یہ بھی ہیں جنہوں نے اس عظیم الشان موضوع پر قلم اٹھایا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

الامام الادیب بدرالدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی
صاحب کتاب "نسیم الصبا"
المتوفی ۷۷۹ھ

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کی کتاب "النجم الثاقب فی اشرف المناقب" ہے۔ جس کو انہوں نے تیس فصلوں پر مرتب کیا۔ اس کا انداز تحریر ان کی کتاب "نسیم الصبا" کا سا ہے۔ سجع بندی، بدیع ہوتے ہوئے معانی، بیان اور علم بدیع کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کا موضوع آقائے دوعالم سیدنا محمد الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مبارکہ ہیں۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حرف بحرف اس کتاب کو نقل فرمایا۔ ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَلِيِّ الْحَمِيْدِ – الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدِ – الْفَتَّاحِ الْعَلِيْمِ – رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ – اَلَّذِىْ يَخُصُّ مَنْ يَّشَآءُ بِمُنَا جَاتِهٖ – وَيَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ – وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ – عَلٰى رَافِعِ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ – الْمُرْسِلِ بِالرَّاْفَةِ وَالرَّحْمَةِ – والْمَبْعُوْثِ لِكَشْفِ الظُّلْمِ وَالظُّلْمَةِ الَّذِىْ عَلَّمَ بِفَضْلِهِ الْمُقْتَرِبَ وَالْمُغْتَرِبَ – مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ – وَعَلٰٓى اٰلِهِ الْاَبْرَارِ – وَاَصْحَابِهِ الاخيَارِ – مَاجَرَتْ الْاَنْهَارُ وَتَعَاقَبَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ – وَبعدُ – فَهٰذِهٖ اَوْرَاقٌ – اَيْنَعَ ثَمَرُ اَغْصَانِهَا وَرَاقَ – تَشْتَمِلُ عَلٰى ثَلَاثِيْنَ فَصْلًا – مُحْرِزَةٍ فِىْ مَيْدَانِ الْاِيْمَانِ لِلسَّبْقِ خَصْلًا – حامِلةً اَلْوِيَةَ الشَّرَفِ – رَافِلةً فِى مَطَارِفِ الطُّرَفِ – مُفْصِحَةً بِتَعْرِيفِ اَحْوَالِ الْمُصْطَفٰى – مُنْجِحَةً قَصْدَ مَنْ اِتَّبَعَ آثَارَهٗ وَ اِقْتَفٰى – نَحَوْتُ بِهَا نَحْوَالْقَاضِىْ عَيَاضٍ فِى شِفَآئِهٖ – مُهْتَدِ يًا بِالنَّا شِطَاتِ السَّابِحَاتِ فِى فَلَكِ سَمَآئِهٖ – وَسَمَّيْتُهَا النَّجْمَ الثَّاقِبَ فِى اَشْرِفِ الْمَنَاقِبِ – وَ عَلَى اللّٰهِ اَتَوَكَّلُ فِى الْحَرَكَةِ وَالسُّكُوْنِ وَ بِرَسُوْلِهٖ اَتَشَفَّعُ يَوْمَ لَايَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَابَنُوْنَ–

يَا خَيْرَ مَبْعُوْثٍ لَهٗ طَلْعَةٌ   نُوْرُ الْهُدٰى مِنْهَا اَقَرَّالْعُيُوْنِ
جِئْتُ اِلٰى نَادِيْكَ اَرْجُوالنَّدٰى   مِنْ غَيْثِ كَفَّيْكَ الْمُغِيْثِ الْهَتُوْنِ
كُنْ لِىْ شَفِيْعاً فَارْتِكَابُ الْهَوٰى   اَوْقَعَنِىْ بَيْنَ الشَّجٰى وَالشُّجُوْنِ

صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَاھَزَّتِ الرِّیْحُ قُدُوْدَ الْغُصُوْنِ

تمام انبیاء کرام میں سے بہترین آپ کا چہرہ پاک ہدایت کا نور ہے جس سے آنکھیں ٹھنڈک وقرار پاتی ہیں میں آپ کے درِ دولت اور مجلس مبارک میں حاضر ہوا ہوں آپکی فیوض و برکات کی سخاوت کا طالب ہوں، آپ کے ان ہاتھوں سے لینا چاہتا ہوں جو پانی سے بھرے بادل کی طرح ہیں۔ حضور! آپ مجھ گنہگار کے شفاعت فرمانے والے ہو جائیں۔ کیونکہ خواہشات میں پڑ کر میں تکالیف اور پریشانیوں میں گھر چکا ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ وسلام اس وقت تک بھیجتا رہے جب تک درختوں کی ٹہنیوں کو ہوا ہلاتی رہے۔

نوٹ: درج بالا اشعار سے پہلے عربی خطبہ کو جوں کا توں لکھ دیا گیا ہے۔ تا کہ اس سے مصنف کی فصاحت و بلاغت کا پتہ چل سکے اسی انداز میں پوری کتاب لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خطیب حضرات کیلئے بہترین الفاظ میں مذکورہ الفاظ خطبہ میں کام دے سکتے ہیں۔

پہلی فصل

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کی قدر عظیم اور فضل جلیل کا کچھ تذکرہ

اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں توفیق سے بہرہ ور فرمائے اور ہدایت وسلام کا تحفہ عنایت فرمائے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق تمام انسانوں سے افضل ہیں اور اولاد آدم پر آپ کی سیادت پر ظاہر و باہر دلائل شریفہ موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجہ اور قرب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور غیب و شہادت کے جاننے والے کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر کریم و اکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیشمار مناقب سے مخصوص فرمایا۔ فضائل عظیمہ سے متصف فرمایا اور بکثرت محامد سے نوازا۔ اعلیٰ ترین کرامتوں کا حامل بنایا۔ دنیا و آخرت میں آپ کے ارشادات و مقامات کو علو عطا فرمایا۔ آپ کے مبارک ہاتھوں پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائیں۔ آپ کی شہرت کے جھنڈے گاڑے۔ تمام محاسن کا آپ کو جامع بنایا۔ عنایت کے چشمہ سے ایسا پانی آپ پر برسایا جس میں ٹھہراؤ اور رکاوٹ نہیں۔ اپنے خاص اور پیارے بندوں پر آپ کو فضیلت بخشی۔ اپنی کتاب قرآن کریم میں جابجا آپ کی صفت و ثناء کہی۔ مہینہ بھر کی مسافت کا رعب دیکر نصرت فرمائی۔ تاقیامت آپ کے معجزات کو دوام بخشا۔ تمام روئے زمین کو جن کیلئے مسجد اور طہور بنایا اور جس نے آپ کے چہرہ کریم کی طرف ایک نظر کی اسے تر و تازگی اور خوشی سے بھر دیا آپ کے لئے غنائم حلال فرمادیں۔ آپ کے وسیلہ سے مشکلات دور کیں۔ پوری انسانیت کیلئے رسول بنا کر مبعوث کیا۔ ہر وقت آپ کے چاروں طرف حفاظتی فرشتے مقرر کئے۔ منصب شفاعت کبریٰ تفویض فرمایا۔ قیامت تک کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ ہر قسم کی تکلیف آپ سے دور فرما کر آپ پر احسان و سکینہ اتارا۔ عرش معلیٰ پر آپ کا اسم گرامی لکھا۔ جنت کی ہر اہم جگہ آپ کا نام مبارک تحریر کیا۔ آپ کے اوصاف کھل کر بیان فرمائے اور آپ کو اس بات سے نوازا کہ آپ کی امت نہ پیاسی ہوگی اور نہ مغلوب۔ آپ کی براعت اور خوش بیانی سے تائید کی اور ہر عمدہ خلق آپ کی ذات میں جمع فرمادیا۔

تَبَارَکَ مَنْ حَمَاهُ وَ مَنْ حَبَّاهُ ۔۔۔ بِحُسْنِ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ الْعَظِيْمِ
وَاَغْنٰى اَهْلَ مِلَّتِهِ بِدُرِّ ۔۔۔ اَتٰى مِنْ بَحْرِ مَنْطَقُهُ نَظِيْمِ

وَصَيَّرَهُ لِمَنْ يَرْجُوْهُ كَهْفاً وَعَزَّلَهُ بِاَصْحَابِ الرَّقِيْمِ
وَسَدَّدَ قَوْلَهُ وَ بِهِ هَدَانَا جَمِيْعاً لِلصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ

تمام برکات اس ذات لاشریک کیلئے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت فرمائی اور اپنا محبوب بنایا اور بہترین صورت مبارکہ اور عظیم اخلاق سے مزین فرمایا اور آپ کی ملت کے افراد کو ایسے موتی دیکر غنی کر دیا جو بے مثل سمندر سے لائے گئے اور آپ کو ہر امیدوار کی کہف و پناہ بنایا اور اصحاب کہف و اصحاب رقیم سے تعریف کی۔ آپ کی ہر بات کو درست اور سچا کیا۔ اور آپ کے ذریعہ ہم سب کو اللہ نے صراط مستقیم کی ہدایت دی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''جوامع الکلم'' اور ''خواتم الکلم'' عطا فرمایا۔ اگلے پچھلے تمام کے فضائل کا جامع بنایا۔ جلال و جمال کی خلعت عطا فرمائی۔ شرف و کمال کی بلندی پر بٹھایا۔ آپ کی رہنمائی اور اقتدار پر دنیا کو برانگیختہ کیا۔ آپ کے اوامر و نہی کی پابندی کا حکم دیا۔ آپ کی طاعت میں داخلہ لازم کر دیا۔ آپ کی سنت اور آپ کی جماعت کی اتباع پر ابھارا اور اپنی جناب میں آپ کی اعلیٰ شان کی آگاہی دی۔ آپ پر ایمان لانا اور صلوۃ وسلام بھیجنا فرض کیا۔ فرشتوں سے آپ کی تائید فرمائی آپ کے مبارک ہاتھ سے صدقات وخیرات کی نہریں جاری فرمائیں۔ آپ کو اپنا قرب اور دنو عطا فرمایا۔ آپ کی طرف قرب خاص میں وحی اتاری اور سرگوشی فرمائی۔ آپ کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ دنیا و آخرت میں آپ کے کرم کے ڈنکے بجائے۔ شرف کے اعلیٰ مقام پر آپ کا منصب بنایا اور آپ کا مرتبہ انتہائی بلندی تک بلند کیا۔ طاعت کے ذریعہ آپ کو معزز کیا۔ قناعت سے آپ کو غنی بخشی۔ آپ کیلئے اعیان میں انقلاب و تبدیلی کی۔ آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا۔ تمام معارف پر مطلع فرمایا۔ قبولیت کے بہترین بادل آپ پر برسائے بہت سی خصوصیات کا والی بنایا۔ عیوب و نقائص سے محفوظ رکھا۔ آپ کو ایسا بہترین جسم عطا فرمایا کہ اس سے بڑھ کر تعدیل نہ ہو سکتی تھی۔ ایسا ادب سکھایا کہ خوب صاحب ادب کر دیا۔ اور جو کچھ نہ جانتے وہ سب کچھ بتا دیا۔ ہر مشکل و پیچیدگی کا حل آپ کے ہاتھ میں دیا اپنا خلیل و حبیب بنایا۔ دار سعادت میں جلیل مقام عطا کیا۔ محبت میں غایت مطلوب بنایا۔ ماضی اور مستقبل میں امکانی گناہ معاف کر دیئے۔ کیونکہ محبوب سے غلطیوں کا مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔

هُوَالْحَبِيْبُ الَّذِیْ اَنْوَارُ طَلْعَتِهِ تَخْفَى إِذَا عَايَنْتَهَا الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
هُوَالإِمَامُ الَّذِیْ مُذْ آنَ طَالِعُهُ سُرَّ الزَّمَانُ بِهِ وَاسْتَبْشَرَ الْبَشَرُ
قَدْ خُصَّ بِالْخُلَّةِ الْمَأْنُوْسُ مَعْهَدُهَا وَبِالْمَحَبَّةِ مِمَّنْ اَمْرُهُ قَدَرُ

لَاغَرْوَ اِنْ عَادَ بِالْغُفْرَانِ مُغْتَبِطاً   اِنَّ الذُّنُوْبَ مِنَ الْمَحْبُوْبِ تُغْتَفَرُ

وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حبیب ہیں کہ جب آپ کے رخ انور کو سورج چاند نے دیکھا تو اپنا منہ چھپا لیا۔ وہ ایسے امام زمانہ ہیں کہ جب سے تشریف لائے زمانہ نے خوشی منائی اور انسان ہشاش بشاش ہو گیا آپ کو خلت کے ساتھ مخصوص کیا گیا اور آپ کی محبت کا قادر و قیوم نے حکم دیا یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں کہ آپ کے امکانی گناہ معاف کر دیئے اس لئے کہ محبوب کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی توقیر اور آپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا واضح حکم دیا اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنا اور آپ کی قدر و منزلت پہچاننا بذریعہ حکم لازم کر دیا، ہر قسم کی پاکدامنی اور حفاظت آپ کی جبلت و فطرت میں کر دی گئی۔ عدل و انصاف کا ترازو آپ کو دیا گیا۔ موجودات کے وجود کو آپ سے زینت بخشی۔ ان کے گلے میں وعدوں کے ہار ڈالے گئے۔ اپنے مخصوص اور محفوظ راز کا آپ کو امین بنایا۔ لوح محفوظ میں قرآن کریم کے ذریعہ مضبوط کیا۔ آپ کو اپنے اسماء سے موسوم کیا۔ اپنے پیغمبروں کی خوشبو کا خاتم بنایا۔ رفعت مکان اور عظمت شرافت سے بلندی بخشی۔ افق سے کہیں اوپر منزل عطا فرمائی۔ بلندیوں کی چوٹی پر فائز کیا۔ پہلوئے مبارک کو ساتھیوں کیلئے نرم کر دیا اور آپ کی ذات کریمہ کو مجسمہ لطف بنا دیا۔ آپ کے صدقے اور وسیلہ سے اندھوں کی آنکھیں وا کیں۔ بہروں کو قوت گویائی عطا کی۔ دلوں کے غلاف اتارے۔ آپ کے واسطہ سے آپ کی امت کو اعلیٰ درجات عطا ہوئے۔ نہ امتیوں پر اور نہ ہی آپ پر آپ کے دین میں کوئی تنگی و حرج رکھی۔ بندوں کیلئے جو چیزیں باعث زینت ہوتی ہیں ان سے آپ کی پہچان کرائی۔ آپ کی نبوت اس وقت بھی تھی جب آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے مابین تھے۔ جو بھی نبی تشریف لائے آپ کے مسلک اور آپ کی لغت کا ذکر کرتے آئے۔ تمام انبیاء سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا پختہ عہد لیا۔ جب آپ ان میں سے کسی کے دور میں تشریف لائیں۔ آپ کو جو فضیلت بخشی گئی کسی پیغمبر کو وہ عطا نہ ہوئی۔ اور دیگر پیغمبروں کو جو فرداً فرداً فضائل ملے۔ وہ سب اور ان سے زیادہ فضائل آپ کو عطا ہوئے۔ فضل و کرم کی ایسی بارش آپ پر برسائی کہ بادل اس کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور یخ بستہ ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی پکار اٹھے کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان مارے لیکن مثل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی آدمی نہ دیکھا۔

يَا رَاغِبًا فِي حَصْرِ فَضْلِ مُحَمَّدٍ   خَفِّضْ عَلَيْكَ فَفَضْلُهُ لَايُحْصَرُ

اِنْ قُلْتَ مِثْلُ الرَّمْلِ اَوْمِثْلُ الْحَصَا   اَوْمِثْلُ قَطْرِ الْغَيْثِ قُلْنَا اَكْثَرُ

اَكْرِمْ بِهٖ مَوْلٰى عَلِيًّا قَدْرُهٗ   مُتَقَدِّمًا كُلٌّ لَهٗ يَتَاَخَّرُ

ذَا رُتْبَةٍ عِنْدَ الْإِلٰهِ عَظِيْمَةٍ مَعْرُوْفُهَا بَيْنَ الْوَرٰى لَا يُنْكَرُ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا هَبَّ الصَّبَا مِنْ نَحْوِ رَوْضَتِهِ الْخَطِيْرَةِ يَخْطُرُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کے شمار کرنے میں رغبت رکھنے والے ذرا اپنے حال پر رحم کر۔ کیونکہ آپ کے فضائل ان گنت ہیں۔ (تو قطعاً گن نہیں سکے گا) اگر تو کہے کہ آپ کے فضائل ریت کے دانوں، کنکریوں کی تعداد یا بارش کے قطروں کی مثل ہیں تو ہم کہیں گے ان سے کہیں زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا صاحب کرم وفضل بنایا ہے کہ جو حضرات عالی قدر ہیں وہ آپ کے پیچھے ہی ہیں۔ اللہ رب العزت کے ہاں آپ ایسے عظیم رتبہ کے مالک ہیں جسے سب دنیا جانتی ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا رہے جب تک آپ کے بلند و بالا اور مقدس روضہ کی جانب سے ہوا آتی رہے۔

دوسری فصل

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے
جو آپ کی ثناء بیان فرمائی اس کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں "عرب" کو خبر دی کہ میں نے تمہاری طرف تم میں سے ہی ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث کیا ہے، جو تم میں عالی قدر ہے اور تم سب ان کے مقام و مرتبہ کو جانتے ہو۔ ان کی صداقت و امانت کے قائل ہو۔ جو بات تمہیں مشقت میں ڈالتی ہو وہ ان پر گراں گزرتی ہے۔ وہ غیر مسلموں کے ایمان کے دار امن میں داخل ہونے کے بہت مشتاق ہیں۔ ان میں شرف نسب کے اعتبار سے مسلم شخصیت ہیں۔ مومنوں پر نہایت مہربان ہیں۔ کرامت و بزرگی میں جہاں تک کسی کو مل سکتی تھی وہ عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی (النساء:80)۔ جسے آپ کی رحمت مل گئی وہ کامیاب ہو گیا۔ وہ نجات کے کعبہ تک پہنچ گیا چاہے وہ غیر حجاز کا باشندہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی سورتوں میں آپ کے فضائل کا ایسا قلعہ بنایا۔ جس کی ہر دیوار نا قابل شکست ہے۔ اسی کتاب میں اللہ نے آپ کو "نور" کا نام دیا۔ ارشاد ہے۔ قَدۡ جَآءَ کُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ۔ "یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا (المائدہ:15)۔ اللہ نے آپ کو حاضر و ناظر، مبشر اور نذیر بنایا۔ اللہ کے حکم سے اللہ ہی کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ رسالت سے آپ کا سینہ کھولا۔ اور آپ سے ایسے بوجھ اتار پھینکے جن سے آپ کی پشت انور ٹوٹی جا رہی تھی۔ شہادتین میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو رفعت بخشی۔ آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیا۔ آپ کا کام عظیم بنایا۔ مشرکین کو آپ نے دُور جہنم میں گرا دیا۔ کتاب مبین میں آپ کی صفت "صراط مستقیم" کی گئی۔ سات آیات والی سورۃ (الفاتحہ) آپ پر نازل فرمائی اور آپ کی تعظیم و کرامت کی بنیادیں نہایت مستحکم فرمائیں۔

آتَاهُ سَبۡعًا شَمۡسَ آيَاتِهَا — اَضۡحَتۡ بِآفَاقِ الۡهُدٰى وَاضِحَةً

فِيۡهَا مَعَانٍ سِرُّهَا غَامِضٌ — يَعۡرِفُهَا ذُوالصَّفۡقَةِ وَالرَّابِحَةِ

سُوَرُ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَلَّهٗ — اَعۡظَمُ مِنۡهَا سُوۡرَةٌ صَالِحَةٌ

تَخْتِمُ بِالْخَيْرِ لِقُرَّائِهَا وَهِيَ لِأَبْوَابِ الرِّضَا فَاتِحَةٌ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات آیات والی سورت عطا فرمائی کہ اس کی آیات سے ہدایت کے آفاق واضح کر دیئے۔اس میں ایسے معانی ہیں۔جن کے اسرار نہایت گہرے ہیں۔ان کی معرفت بلند قسمت انسانوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔یہ ایسی سورت ہے جس میں قرآن کی تمام سورتوں کے مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔اس کے پڑھنے والوں کا خاتمہ بالخیر ہو۔یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے دروازے کھولنے والی سورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو امی لوگوں کی پناہ بنا کر بھیجا۔اور آپ کی بدولت نیک لوگوں کا اعمال نامہ ''علیین'' میں رکھا۔آپ کو بلند و بالا مقام تک رفعت بخشی۔اتنا قرب عطا فرمایا کہ'' قوسین'' کے ملنے سے بھی تھوڑا فاصلہ رہ گیا۔آپ کی زبان کو خواہشات کے تحت گفتگو کرنے سے پاک پیدا فرمایا۔آپ کے قلب انور کو اس سے منزہ کیا کہ وہ اپنی ہر دیکھی چیز کو بیان کرنے میں جھوٹ کا سہارا لے۔آپ کی نظر انور کو ادھر ادھر دیکھنے اور بھٹکنے سے پاک پیدا فرمایا۔تمام خوبصورتیوں سے مزین فرمایا۔تمام آفات سے عصمت میں رکھا۔قسم اٹھائی کہ نہ تو آپ کو اس نے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا۔اپنی کتاب میں ''لعمرک'' کے الفاظ سے کسی اور کی قسم نہ اٹھائی۔خیرات کی زمین طول و عرض میں آپ کیلئے سکیڑ دی گئی۔جبکہ آپ پر یہ آیات نازل فرمائی۔وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (الضحیٰ)۔واضح معجزات اور ظاہر دلائل سے آپ کی تائید فرمائی۔'' رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ '' سے آپ کا ارادہ فرمایا۔اہل مکہ سے اس وجہ سے عذاب دور کیا کہ آپ بنفس نفیس ان میں جلوہ فرما ہیں۔فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (انفال:33)۔ایمان کے زیورات سے مزین حضرات کی زینت آپ کی بدولت ہوئی اور انہیں یہ حکم دیکر اور خوبصورتی بخشی۔اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (احزاب)۔کوثر آپ کو عطا فرمائی آپ کے بدخواہوں کی یوں تردید فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ ۔ہر قسم کی گندگی نجاست سے آپ کو صاف و پاکیزہ بنایا۔اپنے اس قول میں آپ کی عصمت بیان فرمائی۔وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:67)۔

وَحَمَاهُ مِمَّا كَانَ يَقْصِدُ ضَرَّهُ بِيَدٍ لَهُ مَغْلُوْلَةٌ وَلِسَانِ
وَرَعَاهُ مِنْ نَظَرِ الْعُيُوْنِ بِعَيْنِهٖ وَكَفَاهُ شَرَّ طَوَارِقِ الْحَدَثَانِ
اَمَدَّهُ بِحَرَاسَتِهٖ وَعِنَايَةٍ مَحْفُوْفَةٍ بِاللُّطْفِ وَالْاِحْسَانِ
وَهُوَ الْجَدِيْرُ بِاَنْ يُعْظِمَ قَدْرَهُ عِنْدَ الْقَدِيْرِ مُدِيْرِ الْاَكْوَانِ

جو شخص بھی آپ کے درپے ایذا ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کے خلاف حمایت کی۔ اس کے ہاتھ کو جکڑ دیا اور زبان کو تالا لگا دیا۔ اور نظر بد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخصوص مہربانی سے بچائے رکھا اور لگاتار آنے والے حادثات سے آپ کی کفایت فرمائی۔ اپنی حفاظت اور مہربانی سے محفوظ رکھا اور لطف واحسان میں گھرا ہوا رکھا، آپ ﷺ اس کے حق دار ہیں کہ آپ کی قدر و منزلت اللہ قدیر کے حضور عظیم ہو جو تمام کائنات کو چلانے والا ہے۔

سورۂ نون میں کس خوب انداز سے آپ کو مخاطب کیا اور اس میں آپ سے ایسے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا جو نہ روکا گیا اور نہ ہی منقطع ہوا۔ آپ کی ایسی ثناء کی کہ بادنسیم کا پیامبر اس کے اٹھانے کی ہمت نہیں پاتا۔ اور آپ کی بزرگی اور اخلاق عالیہ کی تاکید میں ارشاد فرمایا۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ (القلم) سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو متواتر صلوات و بخششوں کے تحفہ جات عطا فرمائے۔ وہ یہ کہ آپ کا ظہور ہوگا، آپ کا غلبہ ہوگا، آپ کی شریعت بلندی پائے گی، آپ کا بول بالا ہوگا۔ اور آپ کے جس دشمن نے سر اونچا کیا یا تکبر کیا تو اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور آپ کے اگلے پچھلے امکانی گناہ معاف کر دیئے۔ نعمت آپ پر مکمل کر دی، ہدایت آپ کی طرف بھیجی، نصرت عزیز سے مدد فرمائی اور آپ کے اردگرد رہنے والے صحابہ کو تمیز وافر عطا فرمائی۔ اور آپ کی اتباع کرنے والوں پر سکینہ نازل فرمائی۔ اور بیعت رضوان جو ایک درخت کے نیچے ہوئی۔ اس میں تمام بیعت کرنے والوں کو اپنی رضامندی سے نوازا ان کے علاوہ اور بہت سے آپ کے فضائل مبارکہ جو مختلف قرآنی سورتوں میں مذکور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف معارف اور ماثور مآثر اس قدر بکثرت ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے۔

شَهِدَ الْكِتَابُ بِاَنَّ اَحْمَدَ مُرْسَلٌ ۔۔۔ مِنْ صَاحِبِ الْمَلَكُوْتِ جَلَّ جَلَالُهٗ
كَمْ اٰيَةٍ فِيْهَا اسْمُهٗ يُتْلٰى وَ كَمْ ۔۔۔ اُخْرٰى بِهَا اَوْصَافُهٗ وَ خِلَالُهٗ
وَاللّٰهُ اَقْسَمَ صَادِقًا بِحَيَاتِهٖ ۔۔۔ فِيْ مُحْكَمٍ شَرْحِ الصُّدُوْرِ مَقَالُهٗ
سُبْحَانَ مَنْ اَوْلَاهُ اَنْوَاعَ الْوِلَا ۔۔۔ وَاَنَا لَهٗ مَا لَا يُرَامُ مِثَالُهٗ
اَزْكَى الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعُلَا ۔۔۔ اَبَدًا وَخَصَّصَ بِالتَّحِيَّةِ آلَهٗ

قرآن کریم گواہ ہے کہ حضور احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں۔ جو تمام کائنات کا مالک ہے۔ بہت سی آیات میں آپ کے اسم گرامی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور بہت سی دوسری آیات ایسی ہیں جن میں آپ کے اوصاف اور عادات مبارکہ ہیں اور اللہ نے آپ کی زندگی کی

قرآن کریم میں قسم اٹھائی۔ پاکی اس اللہ کیلئے جس نے مختلف اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں اور وہ کچھ دیا جس کا قصد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلند و بالا رب کائنات کی طرف سے آپ کی ذات مقدسہ پر پاکیزہ صلوٰت وسلام ہمیشہ ہمیشہ ہوں اور آپ کی آل و اصحاب پر بھی خاص کر اللہ کی سلامتی نازل ہو۔

تیسری فصل

حضور ﷺ کے میلاد مبارک اور شرافت نسبی کا تذکرہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ المکرمہ میں پیدا ہوئے جو تمام شہروں سے اشرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک نہایت باعزت ہے اس مکہ کے سمندر سے دریتیم نکلا۔ آسمانوں کی بلندیوں پر ان کی جبین منور کا سورج چمکا۔ اے مقدس شہر! تیری برکتیں روز افزوں ہیں۔ تیرے فضائل کے چشمے جاری ہیں۔ تیری عمارت کے ستون امن کا گہوارہ ہیں۔ لطائف کی دعائیں تیرے کعبہ میں مقبول ہیں۔ تیرے مقام کو پہچاننے والے کا حصہ کافی ووافی ہے۔ اور صفاومروۃ کے درمیان سعی کرنے والے کے لمحات پاکیزہ ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ انسان اور قابل مبارک باد ہے وہ کہ جو اس کی حطیم اور حجر اسود کی طرف چلا اور ان کا بوسہ لیا۔ منیٰ میں جس کو اپنی خواہشات کی تکمیل میسر ہوئی۔ اور جس نے عرفات کو پہچانا اس نے اپنا مقصد پالیا۔ آپ دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ خاندان قریش کی برگزیدہ اور بہترین شخصیت ہیں۔ بنو ہاشم کے مقیم اور سواروں میں چیدہ شخصیت ہیں۔ تمام عرب سے اشرف ہیں خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی۔ گھر آپ کا افضل، جماعت آپ کی معزز، اپنے والد کی طرف سے ستھرے نسب والے اور ان کی تروتازگی کی روشنی آپ ہیں۔ آپ والدہ کی طرف سے بہترین حسب والے کہ جس کے زہرا ستارے کی چمک بےمثال ہے۔

إِذَا افْتَخَرَتْ قُرَيْشٌ بِالْمَعَالِيْ وَبِالشَّرَفِ الرَّفِيْعِ لَدَى الْكِرَامِ
فَهَا شِمُهَا خُلَاصَتُهَا وَ مَعْنًى عِبَارَةِ مَجْدِهَا بَيْنَ الْأَنَامِ
وَسِرُّ صَمِيْمِهَا مَنْ لَا يُسَامٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ مِصْبَاحُ الظَّلَامِ

جب قریش اعلیٰ اوصاف اور شرافت عالیہ کی وجہ سے باعزت لوگوں پر فخر کرتے ہیں تو تمام قریش خاندان کا خلاصہ اور اس کی بزرگی کا مرکز ان کی شاخ بنو ہاشم ہے۔ جسے سب لوگ جانتے ہیں اور ہاشم کی بزرگی اس ذات میں پوشیدہ ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اندھیروں میں روشنیوں کا چراغ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین زمانہ اور بہترین قبیلہ دیا۔ اور قبیلہ کے اعلیٰ گھروں اور منزلوں میں

سے آپ کو منتخب فرمایا کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے برگزیدہ پیغمبر ہیں وہ ابراہیم خلیل اللہ جنہوں نے کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے اسماعیل بھی تھے پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام سے بنو کنانہ، بنو کنانہ سے قریش کو چنا۔ جو شرف و منزلت میں معروف و مشہور تھے۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے سردار سرداراں جناب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برگزیدہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پشت سے منتقل ہوتے ہوئے آئے وہ ہر ایک پشت صلاحیت کی اہلیت سے متصف تھی۔ حتیٰ کہ آپ اپنے والدین کے ذریعہ تشریف لائے جنہوں نے بے حیائی و بدکاری کو کبھی نزدیک نہ آنے دیا۔

تَنَقَّلْتَ فِيْ اَصْلَابِ اَرْبَابِ سُؤْدُدٍ — كَذَا الشَّمْسُ فِيْ اَبْرَاجِهَا تَتَنَقَّلُ
وَسِرْتَ سَرِيًّا فِي بُطُوْنٍ تَشَرَّفَتْ — بِحَمْلٍ عَلَيْهِ فِي الْاُمُوْرِ الْمُعَوَّلُ
هَنِيْئًا لِقَوْمٍ اَنْتَ مِنْهُمْ وَ فِيْهِمْ — بَدَا بِكَ بَدْرٌ بِالْجَلَالِ مُسَرْبِلُ
وَلِلّٰهِ وَقْتٌ جِئْتَ فِيْهِ وَ طَالِعٌ — سَعِيْدٌ عَلَى اَهْلِ الْوُجُوْدِ وَ مُقْبِلُ

آپ ایسے مردوں کی پشت در پشت میں منتقل ہوتے رہے جو ہر اعتبار سے صاحب شرافت تھے۔ جس طرح سورج ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہوتا ہے۔ اور آپ ایسی ماؤں کے پیٹ میں جلوہ فرما ہوئے جنہیں آپ کی موجودگی سے بلند و بالا امور تک رسائی ہوئی۔ وہ قوم قابل صد مبارک ہے کہ جس میں آپ جلوہ فرما ہوئے۔ اور وہ بھی کہ جن سے آپ کا نسبی تعلق ہے۔ انہیں میں آپ کی وجہ سے رعب و داب آیا۔ بخدا! وہ وقت کیسا سہانا تھا جس میں آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ اور وہ ساعت کیسی مبارک تھی کہ جس کی سعادتوں سے اس وقت میں موجود اور بعد میں آنے والے بہرہ ور ہوئے۔

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت جو واقعات رونما ہوئے اور زمین بھر میں پھیلے۔ وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں اور آپ کی آمد پر جو روشنی ظاہر ہوئی ستاروں نے جھک کر سلام کیا۔ ایران کے بادشاہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا۔ اس کے کنگرے گر گئے جو بلندی میں ستاروں کو چھو رہے تھے، ہزاروں سالوں سے ان کی جلی آگ بجھ گئی، بحیرہ طبریہ کا پانی سوکھ گیا، آسمانوں کو ستاروں کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا، مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی ان تمام باتوں کے رونما ہونے کے باوجود آپ کی ولادت مبارکہ اور تشریف آوری کا حق ادا نہ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ چہرہ پر مسکراہٹ تھی۔ نبوت کا لباس زیب تن کئے شان محبوبیت و علیت سے رونق افروز ہوئے۔ بنو سعد بن بکر میں مدت رضاعت بسر فرمائی۔ مکر و فریب

کی باتوں سے بہت دور رہے، آپ کا صاف ستھرا اور زندہ قلب شق کیا گیا۔ باوجود صاف وستھرا ہونے کے اسے پھر ارادہ کی برف سے دھویا گیا۔ اور نور کی ایسی مہر اس پر لگائی گئی کہ سورج اور چاند منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ اس میں ایمان وحکمت بھر دیا، رحمت ورأفت سے لبریز کر دیا گیا، امت کے ہزاروں قلوب سے آپ کا ایک قلب زیادہ وزنی بلکہ تمام کائنات کے قلوب ایک طرف اور آپ کا قلب انور ان سب پر بھاری ہے۔

نَبِیٌّ طَمَا بَحْرُ تَشْرِیْفِهٖ وَ مِیْزَانُ تَعْظِیْمِهٖ قَدْ رَجَحَ
بِمَقْدَمِهٖ زَالَ عَنَّا الْعَنَاءُ وَآبَ الْهُدٰی وَالْهَنَاْ وَالْفَرَحَ
لَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ مِنْ قَدْرِهٖ كَثِیْرًا وَلِلصَّدْرِ مِنْهُ شَرَحَ
وَ اَوْرَثَهٗ حِكْمَةً حَكَمَهَا بِهِ الْحَقَّ بَعْدَ الْخِفَاءِ اِتَّضَحَ
اَلَآ اِنَّ مَنْ یَّقْتَفِیْ نَهْجَهٗ اَصَابَ وَ مَقْصَدُهٗ قَدْ نَجَحَ

ایسے پیغمبر ہیں کہ جن کی بزرگی کا سمندر لبریز ہے اور ان کی تعظیم کا ترازو بہت وزنی ہے۔ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہمارے غم اور پریشانیاں ختم ہو گئیں اور ہدایت، برکت اور خوشی کو تازگی ملی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدر و منزل بہت زیادہ بلند فرمادی اور آپ کا سینہ اقدس کا انشراح فرمایا۔ آپ کو ایسی حکمت کا وارث بنایا جس کی وجہ سے آپ نے ہمیشہ حق کا فیصلہ فرمایا۔ جو پوشیدہ تھا لیکن اس حکمت سے روشن ہو گیا۔ سنتے ہو کہ جس نے بھی آپ کے راستہ اور آپ کی شریعت کی پابندی کی وہ راہ راست پر ہو گیا اور اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہوا۔

آپ کی برکت سے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا سے ہر طرح کی پریشانی اٹھ گئی، ان کی قوم اور خود انہیں آپ سے مختلف برکات حاصل ہوئیں۔ فطرتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتوں سے بغض رکھنے والے تھے۔ اسلام سے پہلے دور جاہلیت کے تمام برے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک وصاف رکھا۔ آپ کی آمد کی لگا تار خبریں ہر دور میں موجود تھیں۔ یہ خبریں مختلف ملتوں کے علماء اور یہود و نصاریٰ بیان کرتے تھے۔ پادری (بشپ) آپ کو خوب پہچانتے تھے۔

ہاتف سے آپ کی آمد کی خبروں سے کان بجتے تھے۔ کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی آمد سے خبردار کیا۔ یہود و نصاریٰ کے علماء سے آپ کی تشریف آوری کی خبریں اور آپ کی صفات نقل ہوئیں اور آپ کی علامات کا تذکرہ ہوا، آپ کی نبوت اور ملت کی باتیں ہوئیں، آپ کی بعثت اور آپ کی امت کی خوبیاں بیان کی گئیں۔ توحید کے ماننے والوں نے آپ کی شان میں قصیدے کہے، اور انہوں نے

اپنے پہلے بزرگوں کی باتیں نقل کیں۔ آپ کے بارے میں تورات وانجیل میں جو کچھ کہا گیا ان کو بیان کیا گیا۔ اور یہاں تک بتا دیا گیا کہ اہل کتاب میں سے کون کون آپ کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اور آپ کی آمد کی باتیں بتوں نے بھی کیں، بتوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور بولے، پوجی جانے والی تصویروں میں سے آوازیں آئیں۔ پتھروں پر قدیم خط سے لکھی تحریریں دیکھی گئیں، جن میں آپ کا نام گرامی اور آپ کی رسالت کی گواہی اور تعظیم کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مراتب سے مخصوص فرمایا۔ عرب وعجم پر آپ کو فضیلت بخشی، اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے قلوب میں سے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاکیزگی در پاکیزگی بخشی۔ تمام مخلوق کے احوال کا اپنے قرب کیلئے امتحان لیا لیکن ان میں سے اپنے مخصوص قرب کیلئے صرف آپ کے احوال کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کی دو قسمیں کیں۔ ان میں سے بہتر قسم میں آپ کو رکھا۔ آپ کو از روئے والد اور والدہ تمام انسانوں سے پاکیزہ بنایا۔ اور اصل وفرع اور روح وجسم کے اعتبار سے آپ کو پاک وصاف بنایا۔

لِمَوْلِدِ خَيْرِ الرُّسُلِ اَحْمَدَ اَصْبَحَتْ وُجُوْهُ الْهُدٰى وَضَّاحَةٌ مُتَبَلِّجَهْ
وَاَشْرَقَتِ الدُّنْيَا بِاَنْوَارِ بَدْرِهٖ وَ عَادَتْ بِهٖ اَرْجَآؤُهَا مُتَأَرِّجَهْ
وَاَيْوَانُ كِسْرٰى اَسْقَطَتْ شُرُفَاتِهٖ وَحلت عُرَى اَبْرَاجِهِ الْمُتَبَرِّجَهْ
وَنِيْرَانُ بَيْتِ الْفُرْسِ بَاخَ لَهِيْبُهَا وَكَانَتْ لَدَيْهِمْ اَلْفَ عَامٍ مُؤَجَّجَهْ
وَكَمْ آيَةٍ جَآءَ تْ قَرِيْبَ قُدُوْمِهٖ تُنِيْرُ مِنَ الْحَقِّ الْمُطَهَّرِ مَنْهَجَهْ
عَلَيْهِ مِنَ الرَّحْمٰنِ اَزْكٰى تَحِيَّةٌ بِاَفْضَلَ تِيْجَانِ الصَّلَاةِ مُتَوَّجَهْ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے ہدایت کے تمام راستے واضح اور روشن ہو گئے، اور پوری دنیا آپ کے چاند کے نور سے چمک اٹھی اور اس کی رونق وترو تازگی لوٹ آئی۔ کسریٰ کے محل کے کنگرے گر گئے۔ آپ کی تشریف آوری سے بے سہاروں اور کپڑوں سے عاری لوگوں کو بہترین پوشاک میسر آ گئی۔ ایران کے ہزاروں سال سے جلتے آتش کدہ کی آگ کے شعلے ماند پڑ گئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں آپ کی ولادت باسعادت کے قریب رونما ہوئیں۔ آپ کی شریعت آپ کا دین اللہ تعالیٰ نے روشن سے روشن تر فرما دیا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی نہایت پاکیزہ تحیات نازل ہوں اور افضل صلوٰۃ وسلام کے تاج آپ کو عطا ہوں۔

چوتھی فصل

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اوصاف عالیہ

اور نعت مبارکہ کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر انور قدرے عظیم تھا، قد اقدس میانہ تھا، رنگ گلابی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں، پلکیں گھنی اور ابرو مبارک الگ الگ تھے، یعنی دونوں کے درمیان بالوں سے خالی جگہ تھی۔ داڑھی مبارک بھی گھنی تھی اور پیشانی مبارک واضح تھی دانتوں کے درمیان معمولی فاصلہ تھا، ناک کا سخت حصہ اونچا تھا، بدن پاک گتھا ہوا، ابروئے پاک لمبے باریک اور الگ الگ تھے، رخسار پاک نرم، گٹ لمبے، بازو موٹے اور دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ ہاتھ مبارک کشادہ، دونوں قدم مضبوط، منہ مبارک مضبوط جبڑوں والا خوشبودار تھا، قد مبارک نہ بہت لمبا اور نہ ہی ٹھگنا بلکہ میانہ تھا اور موٹا پا نہ تھا، ٹھوڑی مبارک بالکل چھوٹی نہ تھی، چہرہ اور رخسار مبارک گوشت سے پُر تھے، بال مبارک کچھ گھنگھریالے تھے، گردن مبارک گول قدرے لمبی تھی، قریب کیلئے بہت میٹھے اور دور سے دیکھنے والے کیلئے انتہائی خوبصورت تھے، سینہ پاک کے درمیان میں ناف تک کے بال ایک لکیر کی شکل میں تھے، اور سینہ مبارک چوڑا تھا، چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا، دونوں آنکھوں کی سفیدی میں سرخی بھی تھی، آپ کی زلف عنبریں کانوں کی لو تک تھیں، جب چلتے تو یوں لگتا جیسا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، جب گفتگو فرماتے تو عجیب وغریب جامع کلمات ادا فرماتے۔

جَمِيْلُ الصِّفَاتِ جَزِيْلُ الصِّلَاتِ   غَزِيْرُ الْهِبَاتِ كَثِيْرُ الْاٰدَابِ
بَدِيْعُ الْجَمَالِ رَفِيْعُ الْمَنَالِ   عَدِيْمُ الْمِثَالِ عَظِيْمُ الْحَسَبِ
مَلِيْحُ الشَّمَائِلِ بَادِيُ السَّنَا   بَسِيْطُ الْاَنَامِلِ عَالِيُ الرُّتَبِ
بِهٖ اَرْشَدَ اللّٰهُ اَهْلَ النُّهٰى   بِهٖ شَرَّفَ اللّٰهُ جِيْلَ الْعَرَبِ

آپ کی صفات تمام تر جمیل ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی بہت رحمتیں ہر وقت اترتی ہیں۔ بہت بخشش فرمانے والے اور بکثرت ادب والے ہیں۔ خوبصورتی میں بے مثل، سخاوت میں ارفع واعلیٰ، اپنی مثل آپ اور حسب ونسب میں عظیم ہیں۔ تمام عادات واخلاق نہایت عمدہ، ظاہری چمک دمک والے، بہت سخی اور بلند رتبہ والے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طفیل عقلمندوں کو رشد وہدایت بخشی اور آپ کی برکت سے

عربوں کوشرف بخشا۔

آپ کا اسم مبارک بھی طیب اور خوشبو بھی پاکیزہ، بدن پاک اور جسم اطہر نہایت ستھرا، عنبر سے زیادہ خوشبودار، مشک واذفر سے زیادہ جانے پہچانے ستھرے، خوشبوؤں کے جھونکے اٹھتے، معطر فضاؤں کی ڈالیاں لہلہاتیں، عطر فروش کی دکانداری آپ کے چلنے سے ٹھپ ہو جاتی، ہر گلی وکوچہ آپ کی خوشبو سے مہک اٹھتا۔ اگر کوئی مصافحہ کر لیتا تو دن بھر اس کے ہاتھ سے خوشبو بکھرتی، کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو دوسرے بچوں کے درمیان بوجہ خوشبو وہ ممتاز ہو جاتا۔ آپ جس راستہ تشریف لے جاتے تو اس راستہ سے گزرنے والا آپ کی خوشبو سے جان جاتا کہ آپ ہی ادھر سے تشریف لے گئے ہیں جن کی سخاوت کی مثل نہیں۔

وَجهُ الْوُجُوْدِ بِنُوْرِ اَحْمَدَ مُشْرِقٌ   وَ بِعُرْفِهٖ اَرُجَاوُهٗ تَتَأَرَّجُ
اَلطِّيْبُ يُطْوٰى عِنْدَ فَائِعِ نَشْرِهٖ   وَالرَّوْضُ يُخْفِيْ زَهْرَهُ الْمُتَبَرِّجُ

موجودات کا چہرہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے چمک پانے والا ہے اور آپ کی معرفت سے اس کے چہرے پر رونق آئی۔ جب آپ کے جسم اقدس سے پھیلنے والی خوشبو پھیلی تو خوشبو نے اپنا بستر گول کر لیا اور آپ کی تروتازگی کے سامنے باغات نے مارے شرم کے منہ چھپا لیا۔

آپ از روئے اخلاق نرم تھے۔ بہت مددگار اور نرم دل تھے۔ نگاہیں جھکی جھکی اور ہاتھ سخاوت سے لبریز تھے، خوبیاں عظیم اور اوصاف جمیل تھے، مضبوط بنیاد اور طاقت ور حواس رکھتے تھے، شیاطین و فرشتوں کو دیکھا کرتے، اور جس طرح روشنی میں دیکھتے اندھیرے میں بھی ویسے ہی دیکھتے تھے اور جس طرح سامنے دیکھتے ویسے ہی پیچھے پڑی اور موجود ہر چیز آپ کو دکھائی دیتی، اور ثریا کے گچھے میں دیکھتے تو گیارہ کے گیارہ ستارے سلام بجالاتے اور آپ کا ہنسنا تبسم ہوتا، آپ کی عادت کرم واحسان کرنا تھی، جب مسکراتے تو سفید دانت یوں دکھائی دیتے کہ برف کے اولے ہیں ملاقات کے وقت سلام کی ابتداء فرماتے، سامنے کے دانتوں سے نور پھوٹتا، بادنسیم آپ کی خوبصورت اور بہترین عادات پر غیرت کھاتی، زیادہ تر آپ کا دیکھنا غور وفکر میں ڈوبا ہوتا اور لوگوں کو نصیحت فرمانا آپکا انتہائی مقصود تھا، چلتے تو خراماں انداز میں نہ کہ جلدی، اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھتے تو مکمل مڑ کر دیکھتے۔

اَكْرِمْ بِهٖ ذَا وَقَارٍ   يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
عِنْدَالْمُهِمَّاتِ ذُخْرًا   وَ فِي الظُّلُمَاتِ عَوْنًا
سَادَ النَّبِيِّيْنَ طُرًّا   عِلْمًا وَ فَضْلًا وَ صَوْنًا

لَانَ بَیْنَ عَلَاھُمْ وَ بَیْنَ عُلْیَاہُ بَوْنًا

کتنے کریم ہیں، صاحب وقار ہیں، زمین پر بہت آہستہ اور وقار سے چلتے ہیں، پریشانیوں اور تکالیف میں پناہ گاہ ہیں، اور اندھیروں میں مددگار ہیں، تمام انبیاء کرام کے علم و فضل اور عصمت و حفاظت میں سردار ہیں، ان حضرات میں سب سے بڑھ کر زم ہیں، اور فضل میں سب سے بلند و بالا ہیں۔

زیادہ تر خاموش رہتے، ہر وقت دعا میں مصروف رہتے، فکر علی الدوام تھا، نصیحت کرنے کو لازم کرلیا تھا، لگاتار پریشانیاں جھیلنا معمول تھا، عدل و احسان زیور تھا، کسی قسم کے مال سے محبت نہ تھی، اپنی ذات کیلئے نہ غصہ فرماتے اور نہ نفس کی مانتے، نعمت کو عظیم گردانتے اگرچہ تھوڑی ہوتی، محنت و مشقت پر صبر فرماتے اگرچہ کتنی ہی مشکل ہوتی، جو اتفاقاً اور ابتداءً دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو بار بار دیکھتا اور جان پہچان ہوتی تو وہ آپ سے اس قدر محبت کرتا کہ آپ کے در کا غلام بن جاتا۔ آپ سے بڑھ کر خوبصورت منظر کسی نے کبھی نہ دیکھا، اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر پاکیزہ خبر اور پاک خبر دینے والا دیکھا، جو بھی آپ کے فضل کا متلاشی ہوتا آپ اس کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتے۔ آپ کی تعریف وثناء کرنے والا یہی کہتا کہ آپ سا نہ آپ سے پہلے کائنات نے دیکھا اور نہ قیامت تک آئیگا۔

مِن اَیْنَ یُوْجَدُ قَبْلَهٗ اَوْ بَعْدَهٗ مِثْلٌ لَّهٗ وَهُوَ الْحَبِیْبُ الْمُصْطَفٰی

اَللّٰهُ فَضَّلَهٗ وَ حَسَّنَ خَلْقَهٗ مَعَ خُلْقِهٖ وَ بِهِ الْاَذٰی عَنَّا نَفٰی

طُوْبٰی لِمَنْ بِجَمِیْلِ سِیْرَتِهٖ اِقْتَدٰی وَطَرِیْقِ سُنَّتِهِ الْمُعَظَّمَةِ اِقْتَفٰی

صَلّٰی عَلَیْهِ مُنِیْرُ بَدْرِ صِفَاتِهٖ مَالَاحَ فِی الْاٰفَاقِ نَجْمٌ وَ اخْتَفٰی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کہاں موجود ہوگی؟ آپ ہی تو حبیب خدا اور اس کے منتخب کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب پر فضیلت بخشی اور آپ کے اخلاق اور خلقت کو حسین و جمیل بنایا۔ آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے ہماری تکالیف دور ہوئیں وہ کتنا اور کس قدر مبارک ہے جس نے آپ کی سیرت مقدسہ کی پیروی کی۔ آپ کی سنت معظمہ کے راستہ پر چلا۔ اے اللہ! تو ان پر صلوٰۃ وسلام بھیج جو آپ کی چاند جیسی صفات کو روشن کرنے والا ہے۔ اور اس وقت تک بھیجتا رہ جب تک آفاق میں ستارے طلوع ہوتے اور غروب ہوتے رہیں۔

پانچویں فصل

حضور ﷺ کی فصاحت ادب اور حلم کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عربی جانتے تھے اور ہر اس شخص کی لغت بھی جانتے تھے جو ان کے قریب یا نزدیک کا رہنے والا تھا۔ آپ ہر جماعت کو ان کی زبان سے مخاطب فرماتے تھے اور ہر گروہ کے ساتھ بیان کے میدان میں چل پڑتے تھے۔ ''فصاحت'' آپ کی فصاحت پر ختم تھی۔ آپ کی بلاغت نے عقلمندوں کے قلوب کو ششدر کر دیا۔ آپ کی احادیث ''جوامع الکلم'' کی عمدہ نمونہ ہیں۔ آپ کی حکمت بھری بدیع باتیں کائنات میں مشہور ہیں۔ آپ کے معانی کے چشمہ جات لبریز ہیں۔ آپ کے الفاظ کے موتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ کلام کے مابین رکنا ایسا کہ کانوں کو بہت حسین لگتا ہے۔ آپ کے بہترین انداز گفتگو میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ آپ کے قول مبارک کی بلندی صفت سے باہر ہے۔ اور آپ کے کلام کی چاشنی وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اہل معرفت ہیں۔ قرآن کریم آپ کی زبان میں نازل کیا گیا۔ تاکہ آپ کی زبان کی تعظیم اور اس کی شان قائم ہو۔ آپ کے الفاظ کس قدر میٹھے اور آپ کا وعظ کس قدر واضح تھا۔ اس کے فوائد کتنے عظیم تھے۔ اس سے جھڑتے موتی کتنے خوبصورت تھے۔ آپ کا خطاب وخطبہ کتنا بلیغ تھا۔ آپ کے خطوط اور رسائل کس قدر بدیع تھے۔ تربیت بنی سعد میں پائی اور رتبہ کے اعتبار سے قریش سے اعلیٰ تھے۔ آپ نے اپنے کلام میں شہری انداز گفتگو کی رونق اور دیہاتی تروتازگی جمع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براعت کا مخصوص حصہ وافر مقدار میں عطا کیا گیا۔ اس لئے کہ آپ کی مددوحی کے ذریعہ کی گئی جس کا کوئی بشر ادراک نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ان کے علم میں سے کسی حصہ کا تمام لوگ احاطہ کر سکتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ اَبْلَغُ الْعُرْبِ الَّذِيْنَ مَضَوْا نَعَمْ وَاَفْصَحُ مَنْ بِالضَّادِ قَدْ نَطَقَا

جَوَامِعُ الْكَلِمِ الْمَأْثُوْرِ طَيِّبُهَا آتَاهُ مَنْ اَوْجَدَ الْاِصْبَاحَ وَالْغَسَقَا

لِلّٰهِ اَلْفَاظُهُ اللَّاتِىْ لَنَا نَشَرَتْ جَوَاهِرُ الْعِلْمِ مِنْ تِبْيَانِهَا نَسَقَه

مَنْ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ كُفُوٌ مِّنَ النَّاسِ فِى الدَّارَيْنِ قَدْ صَدَقَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی تمام گزرے عرب سے زیادہ بلیغ ہیں۔ اور ''حرف ضاد'' بولنے والوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہیں۔ آپ ایسی گفتگو پر قدرت رکھتے تھے جو تھوڑے الفاظ میں بہت زیادہ مفہوم ادا کرتی تھی۔ احادیث مقدسہ اس کا بہترین نمونہ ہیں یہ خوبی آپ کو اس ذات نے عطا

فرمائی جو صبح وشام کی خالق ہے۔ بخدا! آپ کے الفاظ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے لئے علم کے موتی بکھیرے جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا و آخرت میں کوئی ہمسر نہیں وہ یقیناً سچ کہتا ہے۔

آپ ایسے آداب سے متصف تھے جو اعلیٰ شرافت پر دلالت کرتے ہیں اور ایسے معارف کے حامل تھے جو بے مثل تھے۔ نظر و فکر خوب گہری اور رائے درستگی میں بے مثل تھی۔ ظن و خیالات کے صادق، حدس و سیاست میں کامل اور بہادری میں صاحب کمال تھے۔ آپ کو فضائل وہ عطا کئے گئے کہ جن کی دنیا متمنی اور اخلاق ایسے کہ ہر ایک تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کا دین ''اسلام'' خلق قرآن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر خوش اور اس کی ناراضگی سے ناراض، جو کچھ اللہ فرماتا اس سے ایک بال برابر ادھر ادھر نہ ہوتے۔ اس کی ہدایت سے ہدایت یافتہ اور ہدایت دہندہ تھے۔ آپ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا۔ زمین سے نفاق اور دوغلی پالیسی کا خاتمہ آپ کا کام تھا۔ سابقہ شریعتوں کی پختگی اور تقریر و تاکید فرماتے تھے۔ امانتوں کے نگہبان تھے۔ مصلحتوں میں انتہائی محنت و کوشش فرمانے والے، سرکشوں کو سدھانے والے، مہمات میں کود جانے والے گرے پڑے لوگوں کے بوجھ اٹھانے والے تھے۔

آدَابُ خَیْرِ الرُّسُلِ قَدْ قَارَنَتْ اَخلَاقَهٗ الْحُسْنٰی وَتَهْذِیْبَهٗ
لَایَحْصُرُ الْخَاطِرُ اَوْصَافَهَا وَلَوْ آثَارُ الْفِکْرِ تُلْهِیْبَهٗ
وَکَیْفَ لَا وَاللّٰهُ ذُوالْعَرْشِ اِذْ اَدَّبَهٗ اَحْسَنَ تَاْدِیْبَهٗ

حضور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب اللہ تعالیٰ کی عادات کریمہ اور صفات حسنہ کے بالکل قریب ہیں، کوئی صاحب فکر و نظر ان کو شمار نہیں کر سکتا اگرچہ وہ فکر کو کتنا ہی مصروف کر لے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب و اخلاق کا شمار کیونکر ممکن ہو جبکہ اللہ عرش کے مالک نے آپ کو تعلیم آداب دی اور بہترین آداب سکھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصائب و تکالیف برداشت کرنے میں بہت بردبار تھے۔ خصائل و افضال بکثرت تھے۔ جو آپ سے قطع تعلق کرتا آپ اس سے تعلق بحال کرتے، جو منع کرتا اسے عطا کرتے، جو آپ کو محروم کرتا آپ اس پر خرچ کرتے، جو زیادتی کرتا اسے معاف کر دیتے، گندی باتوں سے صرف نظر فرماتے، اذیت دینے سے اپنے آپ کو روکتے، قدرت کے باوجود انتقام نہ لیتے، مکروہ اور شاق گزرنے والے کام پر صبر فرماتے، جاہل اگر تکلیف کے درپے ہوتا اور زیادتی کرتا تو آپ کی

طرف سے اس کے جواب میں صبر وحلم پاتا۔ آپ کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں آسان اور نرم کام انتخاب فرمایا۔ بشرطیکہ وہ گناہ کے ضمن میں نہ آتا ہو۔ جن لوگوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا اور زخمی کیا ان سے بدلہ نہ لیا اور جن لوگوں نے آپ کے جان پہچان والوں کو اذیت دینے اور نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی آپ نے ان کیلئے بھی دعائیہ کلمات کہے۔ اور ان کی جہالت کی وجہ سے انہیں معذور سمجھا۔ انہیں معاف کر دیا۔ ایسے کتنے لوگوں کو آپ نے معافی دی اور منافقین نے آپ کے حق میں جو زیادتیاں کیں خواہ وہ قولی تھیں یا فعلی، آپ نے ان سے درگزر فرمایا۔ جس نے آپ کو برا کہا اور جس نے آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ان میں سے کسی کے ساتھ آپ نے اس کے کرتوت کے برابر سلوک نہ کیا، بلکہ مہربانی اور فضل وکرم سے اس کا جواب دیا، جاہل اور دشمن سے آپ نے ہر مرتبہ اعراض کیا۔ جہاد کے علاوہ کسی کو کبھی اپنے دست اقدس سے نہ مارا۔ جاہلیت کے دور کی سختیوں پر صبر فرمایا اس دور کے جن لوگوں نے آپ کو تکالیف اور پریشانیوں سے دوچار کیا ان کا بدلہ نہ لیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان پر حاکم بنا دیا اور آپ کو ان پر مظفر کر دیا۔

كَانَ النَّبِيُّ وَقَدْ رَاقَتْ شَمَائِلَهٗ ‏ بِالْحِلْمِ مُؤْتَزِرًا وَالصَّبْرُ مُشْتَمِلًا
يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ فَضْلًا بَعْدَ مَقْدَرَةٍ ‏ وَ يَحْبِسُ النَّفْسَ عِنْدَالشَّرِّ مُحْتَمَلًا
وَمَا يُقَابِلُ مَنْ يَّأْتِيْ بِمَظْلَمَةٍ ‏ فِيْ حَقِّهٖ مُعْرِضًا عَنْ قَوْلِ مَنْ جَهِلَا
وَكَمْ غَدَا آمِرًا بِالْعُرْفِ مُجْتَهِدًا ‏ وَكَمْ اَنَالَ وَ كَمْ اَعْطٰى وَ كَمْ بَذَلَا
تَفْصِيْلُ تَفْضِيْلِهٖ لَا يَنْتَهِيْ اَبَدًا ‏ يَا ذَا الْوَلَآءِ فَخُذْ اَوْصَافَهٗ جُمَلَا
مِنِّيْ عَلَيْهِ سَلَامٌ نَشْرُهٗ عِطْرٌ ‏ مَاسَارَ بَدْرُالدُّجٰى فِي الْاُفُقِ مُنْتَقِلَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ ایسی تھیں کہ حلم وصبر کے لباس میں ملبوس تھیں۔ آپ درگزر فرماتے اور اپنے فضل وکرم سے قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دیتے اور شرارت وزیادتی کے جواب میں اپنے آپ کو صبر وشکر پر لاتے اور جس نے بھی آپ کے ساتھ کوئی زیادتی یا ظلم کیا۔ تو اس جہالت کا جواب دینے سے اعراض فرمایا۔ آپ نے امر بالمعروف میں بہت محنت فرمائی۔ لوگوں کو بکثرت عطا بھی کیا اور وافر مقدار میں خرچ بھی کیا۔ آپ کی فضیلت کی انتہاء کبھی بھی نہ معلوم ہو سکے گی۔ عقلمند وہی ہے جو آپ کے اوصاف جمیلہ کو اپنا لیتا ہے۔ میری طرف سے خوشبوئیں بکھیرتے آپ پر سلام ہوں جب تک چاند آسمانوں میں گردش کرتا رہے اور اندھیرے اس سے چھٹتے رہیں۔

چھٹی فصل

حضور ﷺ کے جودوکرم اور سخاوت کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی ہمت اور فضل وکرم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ بہت سخی، فیاض اور کھلے ہاتھ، لمبے بازو اور طویل انگلیوں والے تھے، آپ کے اوصاف سبھی کریمانہ تھے۔ شفقت سے بھرپور اور بڑے بڑے عطیہ جات دینے والے تھے۔ شرم وحیاء کے پیکر اور سخاوت کی لگی مہر والے تھے۔ خرچ کرنے میں بہت نرم دل اور نرمی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ لوگوں کے روزینہ اور ضروریات کا شدید اہتمام فرمانے والے کہ مینہ برساتا بادل اور سیراب کرنے والے دریا بھی آپ کا مقابلہ نہ کرسکتے۔ غریبوں کی مدد کیلئے ہر ممکن وسیلہ اپناتے۔ کسی امیدوار کی آمد کو ناکام نہ کرتے۔ نہایت قیمتی اشیاء عطا کردیا کرتے۔ مشکلات میں گھرے انسانوں کی مدد فرماتے۔ گرے ہوئے کو اٹھاتے اور خالی ہاتھ کو اپنے کسب سے عطا فرماتے۔ سائل اور محروم پر اسباب کا ریلا بہا دیتے۔ بخشش کی طنابیں اور سائبان باندھ دیتے اور عطاء کے وقت اپنے فاقہ کی ہرگز پروا نہ کرتے۔ اور جو شخص آپ کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دیتا تو آپ اس کے صلہ میں وہ چیز عطا فرماتے جو اس کے وہم وگمان میں نہ ہوتی۔ آپ کل آنے والے دن کیلئے آج کچھ ذخیرہ نہ کرتے۔ بارش سے لبریز بادلوں سے زیادہ سخی، تیز ہوا سے زیادہ بھلائی جاری کرنے والے تھے۔ آپ کے عطیات کا سایہ بہت لمبا تھا۔ اور آپ کے اعلیٰ اخلاق ہر وقت مزین اور بہترین لباس میں ملبوس ہوتے۔ آپ کی سخاوت کے بھرے سمندروں سے بادل پانی لیتے۔ تیز رو اور بہترین گھوڑوں پر سوار آپ کی سخاوت کا ڈھنڈورا دینے والے کی طرف لپکتے۔ آپ نے کبھی بھی سوالی کو "نہیں" نہیں فرمایا۔ کسی نے تھوڑا مانگا یا زیادہ طلب کیا آپ نے کبھی اس سے منہ نہ موڑا۔ ایک منگتے کو دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھر کر بکریاں عطا فرمادیں۔ جنات اور انسانوں میں آپ کی سخاوت کے چرچے ہیں۔ ایک ہی مجلس میں نوے ہزار درہم خیرات کردیئے۔ کتنے سخی اور کنجوس آپ کی سخاوت سے بہرہ ور ہوئے۔ بہت سے عرب باشندوں کو آپ نے سو سو اونٹ بخشے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس قدر سونا عطا فرمایا کہ وہ اٹھانے سے قاصر ہوگئے۔ قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی واپس کر دیئے اور آپ نے جو احسان وسخاوت صفوان وغیرہ سے کی وہ حدیث کے راویوں سے ڈھکی چھپی نہیں۔

لَقَدْ کَانَ الْمُقَفّٰی سَیْلَ سَیْبٍ   وَبَحْرُ تَکَرُّمٍ وَ سَحَابُ وَ بِلٍّ

طَوِیْلُ الْبَاعِ مُنْشَرِحُ الْعَطَایَا   بَسِیْطُ الْکَفِّ ذَا جُوْدٍ وَ فَضْلٍ

شَرِیْفُ الْمُنْتَھٰی جَزْلُ الْاَیَادِیْ حَلِیْفُ تَقِیٍّ وَ اِحْسَانٍ وَ عَدْلٍ
یَجُوْدُ عَلَی الْعُفَاۃِ بِلَا سُؤَالٍ وَیُنْجِزُ وَعْدَہٗ مِنْ غَیْرِ مَطْلٍ
لَہٗ شِیَمٌ وَ اَوْصَافٌ حِسَانٌ یَفُوْحُ عَبِیْرُھَا فِیْ کُلِّ حَفْلٍ
یَجُلُّ مِنَ الْبَرِیَّۃِ عَنْ نَظِیْرٍ وَعَنْ کُفْوٍ یُقَاسُ بِہٖ وَ مَثْلٍ

آپ ایسے بہادر اور معزز شخصیت تھے کہ سخاوت کے پانی کا سیلاب ہوں، کرم کا سمندر اور لگا تار برسنے والا بادل ہوں۔ بڑے فیاض اور عطیہ جات بانٹنے والے، کھلے ہاتھوں کے مالک اور فضل و سخاوت کے مالک، انتہائی مقام شرافت پر فائز اور انعام عطا فرمانے والے، پرہیزگاری کے ساتھی اور احسان وعدل کے ہم نوا، منگتوں کو سوال کئے بغیر عطا کرنے والے، وعدہ کو کسی تاخیر کے بغیر پورا کرنے والے، آپ کے تمام اوصاف وعادات نہایت حسین وجمیل ہیں، جن کی خوشبو ہر محفل میں بکھری ہوئی ہے۔ مخلوقات میں آپ کی نظیر، مثل اور آپ جیسا ناممکن ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑے بہادر اور سخی تھے۔ بڑی ہمت کے مالک تھے۔ رعب، داب اور پکڑ شدید تھی۔ میدان جنگ میں پاؤں میں لغزش تک نہ آتی۔ بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھڑا دیتے۔ مخالفین اور دشمنوں کے منصوبے راکھ میں ملا ڈالتے۔ بڑے بڑے سورما منہ کی کھاتے۔ پہلوانوں کے داؤ اور حیلہ جات کام نہ آتے۔ ہاتھی جیسے جسے جنگجوؤں کو تتر بتر کر دیتے۔ نیزہ یا تیر چلاتے تو اس قوت سے کہ دشمن کے آر پار ہو جاتا۔ آپ کی سچی اور بہترین رائے ناکامی کا منہ نہ دیکھتی۔ شک کو حق الیقین کی قوت سے بھگا دیتے۔ دشمنوں کو اپنی تلوار سے مرہوب ومرعوب کر دیتے۔ ان کے خواب بکھر جاتے۔ ان کے جھنڈے سرنگوں ہو جاتے۔ ان کے افعال واقوال دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ ان کی زمینیں، اموال اور شہر مباح فرما دیتے۔ دشمن آپ کی تدابیر کا سامنا نہ کر سکتے۔ آپ نے دین اسلام کو اپنے صحابہ کے ذریعہ پھیلایا، وہ صحابہ جو کفار پر انتہائی سخت تھے۔ آپ کے غزوات گنے چنے ہیں۔ اور جن جنگوں میں آپ بنفس نفیس شریک ہوئے وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ آپ کے غزوات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ان غزوات میں آپ جہاں جہاں قیام پذیر ہوئے وہ تذکرہ کے بغیر بھی معروف ومشہور ہیں۔ آپ ایسے واقعات میں شریک ہوئے جن میں لوگوں کی تعداد بکثرت ہوتی اور بڑے بڑے بہادر ان میں شرکت سے گھبراتے۔ گھمسان کی لڑائی میں جانے سے ہرگز نہ خوف کھاتے۔ بڑے بڑے نامور جنگجو آپ کو دیکھ کر پیٹھ پھیر لیتے حالانکہ آپ ایک ہی جگہ کھڑے رہتے اور ایسا بارہا ہوا۔ غزوۂ حنین کے دن مسلمان آپ کے اردگرد سے چلے گئے۔ لیکن آپ وہیں اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ ادھر ادھر نہیں ہوئے جب آگے بڑھتے تو پیچھے ہٹنا ناممکن ہو جاتا اور نہ ہی آپ کو روکنا ممکن ہوتا۔

آپ آگے بڑھتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ – اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب۔ جب میدان جنگ میں دونوں طرف کی جماعتیں حملہ آور ہوتیں تو آپ کے قریب جو بھی آتا آپ اسے عظیم بہادر اور ماہر جنگ ہونے کے سبب ڈراتے۔ اگر کوئی مخالف سامنے آ کر وار کرنا چاہتا تو اس سے پہلے اس پر وار کر دیتے اگر دشمن کی طرف سے مقابلہ کی دعوت دی جاتی تو آپ انتہائی چستی اور دلیری سے آگے بڑھتے۔ جہاد میں اپنے مقام پر ڈٹنے میں آپ جیسا باہمت کوئی نہیں اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت آپ سے بڑھ کر ان کے قریب اور کوئی نہ ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر بہادر، سخی اور جود و کرم والا نہیں دیکھا۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب ہم سخت لڑائی میں گھر جاتے تو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آ جاتے اور جب چاروں طرف خون ہی خون نظر آتا تو ہماری ڈھارس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے۔ اس حدیث پاک میں وہ مضمون ہے جسے خوشی بھی اچھا جانتی ہے اور اسے ہر شخص حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بَأْسٌ وَ شِدَّةُ نَجْدَةٍ وَ حِمَاسَةٌ ... رَكِبْنَ فِيْمَنْ وَجْهُهُ يَجْلُوْ الْغَسَقْ
ذَاكَ النَّبِيُّ الْمُصْطَفٰى الْهَادِىُ الَّذِىْ ... سَبَقَ النَّبِيِّيْنَ الْكِرَامَ بِمَا سَبَقْ
كَمْ شَتَّ شَمْلُ الْمُشْرِكِيْنَ بِسَيْفِهٖ ... وَاَحَلَّهُمْ سِجْنَ الْحَفِيْظَةِ وَالْحَنَقْ
كَمْ اَلَّبُوْا وَ تَجَمَّعُوْا لِلِقَائِهٖ ... فَتَفَرَّقُوْا لِمَا رَأَوْهُ مِنَ الْفَرَقْ
مَنْ قَالَ اِنَّ مُحَمَّدًا اَوْفَى الْوَرٰى ... يَوْمَ الْوَغٰى عَزْمًا وَ اِقْدَامًا صَدَقْ
صَلّٰى عَلَيْهِ الْمَالِكُ الْقُدُّوْسُ مَا ... هَتَفَ الْحَمَامُ الْوُرْقُ مَا بَيْنَ الْوَرَقْ

اس شخصیت میں بہادری، سخت جنگ کرنا اور ہمت جمع ہوئیں جس کے چہرہ منور سے اندھیرے چھٹ گئے اور روشنی ہو گئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو ہادی ہیں اور تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں آپ کی تلوار سے بہت سے مشرکین کے گروہ تتر بتر ہو گئے اور انہیں غصہ اور نگہبانی کی قید میں ڈال دیا بہت مرتبہ مشرکین نے آپ سے لڑنے کا ارادہ کیا اور آپ کے خلاف جنگ کیلئے جمع ہوئے لیکن جونہی ان کی نظر آپ پر پڑی تو مارے خوف کے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ تمام لوگوں سے بوقت لڑائی زیادہ پختہ اور آگے بڑھنے والے ہیں وہ سچ کہتا ہے اللہ تعالیٰ جو مالک اور قدوس ہے آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے جب تک کبوتری پتوں کے درمیان کوکو کرتی رہے۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ کی حیا، محبت، لطف اور شفقت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر صاحب حیاء تھے اور پردے کے اعضاء کا پردہ کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔ کشادہ سینہ اور چاند سے مکھڑے والے تھے۔ باعتبار وصف سب سے زیادہ خوبصورت، باعتبار لطف کے سب سے بڑھ کر مہربان، رحمدل اور عادات و خصائل میں سب سے زیادہ لطیف تھے، نہایت نرم طبیعت اور خاندان کیلئے بہت کریم تھے۔ ادب میں سب سے زیادہ حسین اور رونق میں سب سے بڑھ کر تھے۔ محبت اور ہنس مکھ ہونے میں سب سے نمایاں، خلق میں سب سے اعلیٰ اور شخصیت کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ تھے، کنواری عورتیں چادروں میں جس طرح باپردہ ہوتی ہیں آپ ان سے بڑھ کر شرم و حیاء کے پیکر تھے۔ بادنسیم اور ہوائے سحری جب چلتی ہے آپ اس کی چلت اور گزرنے سے زیادہ لطیف تھے، نہ تو آپ سخت دل تھے اور نہ ہی جھگڑالو طبیعت پائی تھی اور نہ ہی ترش روئی کا آپ میں نام تھا۔ فحش گوئی، خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنا یا عیب جوئی کی قطعاً عادت نہ تھی۔ لوگوں سے میل جول اور ان کے ساتھ حسن سلوک و احسان سے پیش آنا عادت کریمہ تھی۔ ہر قوم کے کریم کے نزدیک باعزت تھے اور ان کے باعزت شخص کو باعزت سمجھتے۔ بوقت ضرورت ان کا اسے ہی والی بنا دیتے۔ کسی انسان سے خندہ پیشانی کے سوا نہ ملتے اور کسی سے نازیبا گفتگو نہ فرماتے۔ حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی کے چہرہ پر نظر جما کر نہ دیکھتے۔ ساتھیوں اور ہم مجلسوں کے درمیان کبھی پاؤں پسار کر نہ بیٹھتے۔ اپنے صحابہ کی خبر گیری فرماتے کسی وفد پر اپنے دروازے بند نہ فرماتے۔ کسی کی بات کو نہ کاٹتے اور کسی ضرورتمند سے اپنی سخاوت کا بادل نہ روکتے اور اگر کوئی شخص آپ کے پاس کسی حاجت اور ضرورت کی خاطر بیٹھ جاتا تو اس سے منہ نہ موڑتے اور نہ ہی اسے یونہی چھوڑ کر چلے جاتے اور اس وقت تک نہ جاتے جب تک وہ نہ چلا جاتا اور اگر کسی نے سرگوشی کیلئے آپ سے رابطہ کیا تو جب تک وہ خود بات چیت ختم نہ کرتا آپ اس کے منہ سے کان نہ ہٹاتے۔ اور آپ جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کو مجلس کا ہر ایک آدمی ہی جانتا کہ آپ صرف اسی پر سب سے زیادہ مہربان اور محبت کرنے والے ہیں یہ آپ کے عظیم احسان کی بدولت تھا۔

لَهُ سِيْرَةٌ مَأْثُوْرَةٌ سَارَ ذِكْرُهَا   وَبِشْرٌ لِمَنْ يَلْقَاهُ لَاحَتْ بَشَائِرُهُ
وَاُنْسٌ يَرَى الْاِنْسَانُ مِنْهُ مَسَرَّةً   وَفِيْهِ حَيَاءٌ طَارَ فِي الْحَيِّ طَائِرُهُ

وَبَسْطَةُ نَفْسٍ لِلنَّزِيْلِ نَفِيْسَةٌ وَغَيْثٌ يُجِيْبُ الْغَوْثَ عَمَّتْ مَوَاطِرُهُ
اَيَامَنْ يَرُوْمُ الْحَصْرَ مِنْ نَعْتِ اَحْمَدَ اُفُقٌ فَهُوَ بَحْرٌ لَاتُعَدُّ جَوَاهِرُهُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارک وہ ہے جس کے ذکر کرنے سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور آپ کی شخصیت وہ ہے کہ جو آپ سے ملاقات کرتا ہے وہ مارے خوشی کے کھل اٹھتا ہے۔ ایسے محبوب ہیں کہ ہر انسان کو آپ سے مسرت ملتی ہے اور ان کے شرم وحیاء کے چرچے ہر قبیلہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مہمان کیلئے بہترین مہمان نوازی کرنے والے اور ایسے سخی کہ بادل بھی آپ سے بارش کا سوالی ہوتا ہے۔ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کا کنارہ تلاش کرلے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ آپ کی نعت وہ سمندر ہے جس کے موتی شمار میں نہیں آسکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اسکے بدلہ میں ہدیہ دینے والے کو ضرور عطا فرماتے، کسی کی مدد کرنے میں ہر وقت تیار رہتے اور اس میں تاخیر نہ فرماتے۔ مسکین مرد وعورت کی دعوت قبول فرماتے۔ مدینہ منورہ کے آخری حصہ میں بھی اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ ضرورت مند کی ضرورت کی وجہ سے نماز میں تخفیف فرماتے۔ غفلت میں پڑے اور راہ راست کے طالب کی طرف بکثرت آمد ورفت ہوتی۔ عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرماتے۔ آپ ملاقات کی خاطر آنے والے کو ایسے اکرام سے نوازتے کہ وہ عمر بھر یاد رکھتا۔ اور مہمان یا ملاقاتی کو اپنا تکیہ عطا کر دیتے تاکہ اسکو پیچھے رکھ کر بیٹھ جائے اپنی کسی عادت میں بھی "مکارم اخلاق" سے دور نہ ہوتے۔ صحابہ کرام کو ان کی کنیتوں اور پسندیدہ ناموں سے بلاتے۔ ان کے ساتھ گفتگو اور ان کی اولاد سے خوش خلقی سے پیش آتے۔ آپ کو جب بھی کوئی اہل خانہ یا دوسرا فرد بلاتا۔ تو لبیک سے جواب دیتے۔ اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے برابر کا پیار وسلوک فرماتے جو بھی آپ سے بخشش وسخاوت کا طالب ہوتا اس پر بخشش کے دریا بہا دیتے۔ ضرورت مند اور محتاج کو ضرورت پوری کئے بغیر واپس نہ لوٹاتے یا پھر اس سے انتہائی نرم اور دل موہ لینے والی گفتگو فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے اس عرصہ میں مجھے میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا ہے اور اگر کسی کام کو ترک کیا۔ تو نہیں پوچھا کہ ترک کیوں کیا ہے۔

رَسُوْلٌ حِلْمٌ وَ رَحْمَةٌ وَ رَضِيٌّ مُقَدَّسٌ الْخَبَرِ طَيِّبُ الْخَبَرِ
اَنِيْسٌ وَحِيْدٌ وَ غَيْثٌ مُنْتَجِعٌ كَهْفٌ طَرِيْدٌ وَعَوْنٌ مُفْتَقِرٍ
مَاذَا يَقُوْلُ الْبَلِيْغُ مُجْتَهِدًا فِيْ حَقِّهٖ وَهُوَ سَيِّدُ الْبَشَرِ

يُكْرِمُ اَصْحَابَهٗ وَ زُمْرَتِهٖ وَ يَلْتَقِيْهِمْ بِأَحْسَنِ الصُّوَرِ

آپ مجسمہ صاحب حلم ورحمت ورضا ہیں۔ اور پاکیزہ عقل کے مالک اور ستھری باتوں کے متکلم ہیں۔ تنہائی میں رہنے والے کے غمگسار، پیاسوں کیلئے بادل، بے سہارا کے سہارا اور غریب و مسکین کے مددگار ہیں۔ کوئی بلیغ اور مجتہد آپ کی شان میں کیا کہے گا جبکہ آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں۔ آپ اپنے اصحاب اور اپنی جماعت کی تکریم کرتے اور ان سے ہشاش بشاش چہرہ سے ملاقات فرماتے۔

شفقت تامہ اور رأفت ورحمت عامہ والے تھے۔ آپ کا رحمت بھرا بادل ہر پر برستا تھا۔ نرمی کو پسند فرماتے اور کبھی بھی اس سے کنارہ کش نہ ہوتے دوران نماز اگر بچے کی رونے کی آواز سنتے تو نماز کو جلد مکمل فرماتے۔ نیکی کا حکم دیتے اور نیک لوگوں کو قریب بٹھاتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے۔ بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے۔ گنہگار اور برے سے بھی درگزر فرماتے اور چشم پوشی فرماتے۔ بہترین طریقہ سے جواب دیتے ہر ممکن نیکی بجالاتے صلہ رحمی کرتے، مہمان نوازی فرماتے، خوف و ہراس کے اسباب ختم کرتے، مسلمانوں کا دارالسلام میں داخل ہونا اس کا لالچ کرتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کبھی وعظ فرماتے تاکہ روزانہ کے وعظ سے ہم اکتا نہ جائیں۔ اپنی امت کیلئے تخفیف اور سہولت روا رکھی اور جو کام امت کو مشقت اور تھکاوٹ میں ڈالنے والا ہو اس میں توقف فرماتے۔ امت کے ساتھ احسان کرنے میں بہت مبالغہ فرماتے۔ بہت سی اشیاء کو اس لئے ترک کیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں اور ایسی شفقت سے پیش آتے جو کبھی نہ بھولتی۔ آپ نے امت کو نیکی کے راستے بالخصوص اس قدر عطا فرمائے جن کا شمار مشکل ہے۔

يَا اُمَّةَ الْمُخْتَارِ بُشْرًا لَّكُمْ ۔۔۔ بِالْفَوْزِ مِنْ قُرْبِ الْحَبِيْبِ النَّسِيْبِ
اَلْمُحْسِنُ الْهَادِيْ اَلْبَشِيْرُ الَّذِيْ ۔۔۔ خَفَّفَ عَنْكُمْ كُلَّ اَمْرٍ عَصِيْبِ
وَ كَثَّرَ الْخَيْرَ عَلَيْكُمْ وَ مِنْ ۔۔۔ بَحْرِ الْقُرٰى جَآءَ كُمْ بِالْعَجِيْبِ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا غَرَّدَتْ ۔۔۔ حَمَامَةٌ مِنْ فَوْقِ غُصْنٍ رَطِيْبِ

اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت! تمہیں مبارک ہو کہ تم کامیاب ہو گئے۔ کامیابی بھی یہ کہ تمہیں اعلیٰ نسب حبیب خدا کا قرب مل گیا۔ وہ جو احسان کرنے والے، ہدایت کرنے والے اور خوشخبری سنانے والے ہیں۔ جنہوں نے تم پر سے ہر مشکل حکم کو آسان کر دیا۔ اور اس میں تخفیف کر دی۔ اور خیر کثیر تمہیں عطا کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے عجیب و غریب نعمتیں تمہارے لئے لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک سرسبز ٹہنیوں پر بیٹھی کبوتری کوکو کرتی رہے۔

آٹھویں فصل

حضور ﷺ کی وفاء، تواضع اور عدل و وقار کے بیان میں

ازروئے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت کرنے والی شخصیت تھے۔ وعدہ اور اس کی ایفاء میں سب سے زیادہ پابند تھے۔ فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ منصف، ستارے میں سب سے زیادہ سعید، روشنی اور سخاوت میں سب سے اعلیٰ، وقار اور سکینہ میں سب سے زیادہ مضبوط، حقوق کی یادداشت میں سب سے زیادہ محتاط، تواضع میں سب سے آگے، تکبر سے بالکل خالی اور ہنس مکھ ہونے میں سب سے ظاہر تھے۔ گدھے پر سوار ہوتے تو کسی نہ کسی کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوتا۔ فقیر و مسکین پر مہربانی کرنے میں پہل کرتے، خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، مہمان اور ہر آنے والے کی خدمت کرنے میں جلدی کرتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے، اپنے نعلین کو خود گانٹھ لیتے، گھر والوں کی امور خانہ داری میں مدد فرماتے، ان کے ساز و سامان میں ہاتھ بٹاتے، بکری دوہ لیتے، اونٹ باندھ لیتے، دعوت قبول کر لیتے اگرچہ جو کی روٹی کی ہوتی، عصا پر ٹیک لگاتے، ریت اور پتھریلی زمین پر لیٹ جاتے، بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے، اپنے ذمہ کے حقوق کی نگہداشت کرتے، فرمایا کرتے کہ "حسن عہد" ایمان کامل کی علامت ہے۔ آپ ہر اس شخص کی عزت کرتے جو آپ کے صحابہ سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ قرض میں پھنسے اور غریب کے حالات پر نظر رکھتے۔ مجلس میں آخری جگہ تشریف رکھتے۔ جب آپ تشریف لاتے تو اپنی آمد پر استقبالیہ کھڑے ہونے کو پسند نہ فرماتے۔ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاتے۔ آپ کی بلندی ہوا کا غبار، تکبر اور غرور کی ہوا سے خالی تھا، لونڈی کے ساتھ وہاں تک جاتے جہاں اسے کوئی کام ہوتا پھر وہاں پہنچ کر اس کا کام مکمل فرماتے، جب حج فرمایا تو جسم اقدس اور کپڑوں پر غبار کے اثرات تھے اور آپ اسی حالت میں اونٹ پر سوار تھے۔ اس حج مبرور میں آپ نے ایک سو اونٹ قربان کئے۔ سعادت کی بلندیوں میں اپنے اصحاب کے ستاروں سے چمکتا ایک آسمان بنایا اور اپنے لئے عبد اور نبی ہونا پسند فرمایا نہ کہ بادشاہ نبی ہونا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشک و ریب سید البشر ہیں اور عالم شہادت و غائب میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم شخصیت آپ ہیں۔

كَانَ الرَّسُوْلُ الْمُصْطَفٰى اَوْ فِي الْاَنَامِ بِعَهْدِهٖ
وَاَجَلُّهُمْ قَدْرًا وَاَكْــــــرَمُهُمْ بِخَالِصِ وُدِّهٖ
وَاَسَرُّهُمْ بِشْرًا وَاَنْــــجَزُهُمْ لِصَادِقِ وَعْدِهٖ
مُتَلَطِّفًا مُتَعَطِّفًا مُتَوَاضِعًا فِيْ مَجْدِهٖ
يَسْعٰى لِخِدْمَةِ ضَيْفِهٖ وَيُرٰى السِّمَاحُ بِرِفْدِهٖ
وَالْحَقَّ يَتَّبِعُ دَآئِمًا فِيْ حَلِّهٖ اَوْ عُقْدِهٖ

حضور ﷺ تمام انسانوں سے بڑھ کر وعدہ ایفاء کرنے والے ہیں، قدر و منزلت میں جلیل القدر اور محبت خالص میں سب سے بڑھ کر کریم ہیں۔ خوش طبعی اور خوش خلقی میں سب سے بڑھ کر اور وعدہ میں سب سے بڑھ کر سچے اور پورا کرنے والے ہیں۔ نہایت نرم دل نرم مزاج، تواضع وانکساری کرنے والے اور وہ بھی اتنی عظیم بزرگی کے باوجود، مہمان کی خدمت میں نہایت کوشاں اور درگزر فرمانے کے عادی ہیں۔ ہر فیصلہ میں حق کی ہی ہمیشہ اتباع کی۔

لوگوں کی بکثرت امانتیں آپ کے پاس رہتیں۔ اور آپ کی امان کا کوئی مقابلہ نہیں، عفت و صیانت میں سب سے آگے، چہرے کی ترو تازگی میں سب سے تازہ، لہجہ میں سب سے زیادہ سچے، ظاہر باہر اور پوشیدہ اور اعلانیہ سب سے زیادہ جمیل، عدل واحسان میں سب سے زیادہ گہرائی تک جانے والے کلام میں صادق، احکام میں حق پر سختی کرنے والے، آسمان اور زمین میں امین، اللہ تعالیٰ کے ہاں مکین، آپ کا وعدہ ایفاء کے ساتھ ملا ہوا ہوتا، آپ کے الفاظ اختصار پر مشتمل ہوتے، کسی کے ظلم کے بدلہ دوسرے کو نہ پکڑتے، جو سرکش اور دشمنی کی طرف مائل ہوتا۔ اس سے کنارہ کش رہتے۔ عدل سے فیصلہ فرماتے، فضل سے بھری گفتگو فرماتے، فرضی نماز کو نفلی نماز سے جمع فرماتے، یعنی فرض کے ساتھ نفل بھی ادا فرماتے، امانتیں ان کے مستحقین تک پہنچاتے، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں بھی آپ کے فضل کو سب جانتے تھے، چھوٹے بڑے مقدمات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے، اپنے بیگانے آپ کے علم اور عدل کی گواہی دیتے ہیں اور فضیلت وفضل وہ کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔

نَعَمْ يَعْرِفُوْنَ الْفَضْلَ مِنْهُ وَ كَيْفَ لَا وَقَدْ عَايَنُوْا مِنْهُ الْاَمَانَةَ وَالْعَدْلَا
وَيَكْفِيْهِ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ فَضْلَهٗ وَ فِيْ مُحْكَمِ الْقُرْاٰنِ اَوْ صَافُهٗ تُتْلٰى

ہاں ہاں اپنے بیگانے سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل سے واقف تھے، وہ کیوں نہ واقف ہوتے حالانکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امین وعادل ہونا آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور آپ

کے فضل کی دلیل یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل بنایا اور قرآن کریم میں واضح طور پر آپ کی صفات پر مشتمل آیات کی تلاوت ہوتی ہے۔

آپ وافر مقدار میں مروت کے حامل تھے، نیکی اور سیدھی راہ کے چہرہ سے آپ نے پردے دور کر دیئے، خاموشی اور وقار بے انتہا تھا، اخلاق جمیلہ اور ایثار بے مثل کے مالک تھے، پرانی سے پرانی صحبت کی بھی رعایت فرماتے، بڑی اور بیش بہا نعمتیں سخاوت کر دیتے، جسے رحمت کی ضرورت ہوتی، اسے اپنی خصوصی رحمت اور دعاؤں سے نوازتے، چھوٹے چھوٹے بچوں سے پیار فرماتے حتیٰ کہ نماز کے دوران بھی آپ کے لطف سے وہ بہرہ ور ہوتے، فطرتی خوبیوں کے استعمال کا حکم دیتے، خاموشی فرماتے تو بڑے حلم سے، احتیاط سے اور فکر و اندازہ کے مطابق فرماتے، کلام بقدر ضرورت اور مختصر فرماتے، اور جو نازیبا یا بری بات کرتا اس سے منہ پھیر لیتے، آپ کی مجلس ہدایت و علم کی مجلس ہوتی، خیر، حیا اور حلم کی محفل ہوتی، جس میں آوازیں بلند نہ کی جاتیں اور نہ ہی اس میں لوگوں کی پردہ دری کی باتیں ہوتیں۔ آپ کی موجودگی میں کسی کا نازیبا مذاق نہ اڑایا جاتا اور نہ کسی کی بے جا مذمت کا دفتر کھولا جاتا۔

آپ جب گفتگو فرماتے تو حاضرین کا سر جھک جاتا اور اگر خاموش ہوتے تو آپ کے وقار اور رونق میں اضافہ ہوتا۔ آپ کی مجلس سے کسی کونہ سے کوئی اٹھ کر نہ جاتا، اور نہ ہی کسی کو دوران گفتگو کچھ کہنے کی ہمت پڑتی۔ آپ کے ادب، انصاف کا خلاف نہ ہوتا۔

يَا حَبَّذَا اَوْصَافُ عَدْلٍ مُنْصِفٍ ۔۔۔ قَدْ حَارَتِ الْاَفْكَارُ فِيْ اَوْصَافِهٖ
وَلَاجَ اَبْوَابُ الْمُرُوْأَةِ وَالْحَيَا ۔۔۔ فَرَاجَ ضِيْقَ الْمُعْتَفِيْ كَشَافِهٖ
ذِيْ مَجْلِسٍ لَا يَحْتَوِيْ الْاَعْلٰى ۔۔۔ قَرْمَ يُسْرٍ بِمُلْتَقٰى اَضْيَافِهٖ
اَلْعِلْمُ فِيْ اَقْطَارِهٖ وَ الْحِلْمُ فِيْ ۔۔۔ اَرْجَآئِهٖ وَ السِّلْمُ فِيْ اَكْنَافِهٖ
صَلّٰى عَلَيْهِ اِلٰهُهٗ وَمُحِبُّهٗ ۔۔۔ مَا لَاحَ بَرْدُ الرَّوْضِ فِيْ اَفْوَافِهٖ

واہ کیا خوبصورت ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف بھرے اوصاف کہ عقل ان کی تعریف و توصیف کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔ مروت اور حیاء کے دروازے کھول دیئے اور بہتری کے سائل کو اس قدر دیا کہ اس کا دامن تنگ ہو گیا۔ ایسی مجلس والے کہ جس میں ہر بیٹھنے والے اور مہمان کیلئے دستر خوان کرم بچھا ہوتا۔ علم ان کی دسترس میں، حلم ان کی امیدوں میں اور سلامتی ان کے پہلوؤں میں ہے۔ ان پر ان کے معبود اور محب کے صلوٰۃ و سلام ہوں جب تک باغات میں چلنے والی ٹھنڈی ہوا مختلف سمت چلتی رہے،

نویں فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد قناعت اور آپ کی عبادت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں زاہد تھے، جن حضرات نے دنیا کو ترک کیا ان میں سے سب سے بلند درجہ پر آپ فائز تھے۔ دنیا سے کنارہ کش رہے، قلیل پر گزارہ کیا، اس کی تر و تازگی سے منہ پھیرے رہے، اس کی ہریالی کی طرف ایک نظر نہ اٹھائی۔ اطاعت سے مزین تھے، صبر و قناعت کی چادریں زیب تن کئے ہوئے تھے۔ آپ کے احوال و امور تمام کے تمام پاکدامنی اور کفایت سے مزین تھے۔ نان و نفقہ اور پوشاک کے معاملہ میں اس قدر پر اقتصار تھا کہ جس سے ضرورت پوری ہو جاتی۔ موٹا کپڑا پہنتے۔ کمبل اوڑھتے اور پگڑی شملہ والی ہوتی۔ قیمتی اور ریشمی کپڑے اپنے اصحاب میں ایک ایک کر کے بانٹ دیتے۔ آپ کی زندگی بڑی کٹھن اور خوراک نہ ہونے کے برابر تھی۔ چولہا سرد رہتا تھا۔ چمڑے کا بستر جس میں پتے ڈال کر سیا ہوتا، نیند قلیل، کھانا کم، رات کھائے بغیر پیٹ لپیٹ کر سو جاتے۔ صبح خالی معدہ روزہ رکھا ہوتا۔ گھر والوں سے کھانے کو نہ مانگتے، نہ ہی ان سے بھوک کی شکایت کرتے بلکہ اگر دے دیتے تو تناول فرما لیتے اور پینے کو دیتے تو ایک ہی مرتبہ پینے پر اکتفا فرماتے۔

زُهْدٌ عَظِيْمٌ وَ اقْتِصَارٌ زَائِدٌ فِيْ مَأْكَلٍ وَ مَشْرَبٍ وَ مَلْبَسٍ
وَعِفَّةٌ يَتْبَعُهَا صَبْرٌ عَلٰى صَوْمِ نَهَارٍ وَ قِيَامِ حَنْدُسٍ
وَ فَرْطُ اِعْرَاضٍ عَنِ الدُّنْيَا وَ مَا تُلْهِيْ بِهٖ مِنْ وَ شَيْهَا الْمَدَاسِ
يَا سَيِّدَ الرُّسُلِ وَ يَا اَعْلٰى الْوَرٰى مَنْزِلَةً تُفْدِيْكَ كُلُّ الْاَنْفُسِ

کھانے، پینے اور لباس میں عظیم زہد اور کم سے کم پر گزارہ، پھر پاکدامنی اور اس کے ساتھ ساتھ دن کے روزہ پر صبر اور رات بھر کا قیام، دنیوی اغراض و خواہشات سے کنارہ کشی اور اس کی تر و تازگی سے اعراض، اے تمام انبیاء کرام کے سردار! اے تمام مخلوق سے قدر و منزلت میں اعلیٰ! آپ پر تمام انسانیت قربان۔

دستر خوان پر کبھی نہ کھایا۔ نہ ہی میدہ کی بنی روٹی کبھی تناول فرمائی، جو کی روٹی پیٹ بھر کر متواتر دو دن نہ کھائی، نہ ہی گندم کی بنی روٹی تین دن متواتر کھائی۔ اسی طرح انتقال ہو گیا۔ بال صاف کر کے بکری کا بھونا ہوا بچہ بھی نہ کھایا، بعض دفعہ ریت کے بنے فرش پر آرام کر لیا، وصال کے بعد درہم و دینار اور کوئی نفقہ نہ چھوڑا، صرف جنگی ہتھیار اور خچر چھوڑا اور زمین کو صدقہ کر دیا۔ ادھر یہ حال اور ادھر تمام

زمین کے خزانے اوران کی کنجیاں آپ کو دے دی گئیں۔ سونے کے چھپے خزانے آپ کو بتا دیئے گئے۔ آپ پر غنیموں کے بادل سایہ کئے رہے۔ بڑے بڑے تاجروں اور پگڑی والوں کے ہدیہ جات آتے رہے، جزیہ اور صدقات آپ کی بارگاہ میں لائے جاتے۔ مال ونفقات کے آپ کے سامنے ڈھیر لگا دیئے جاتے۔ دنیا اپنے پاؤں پر چل کر آپ کے پاس حاضر ہوئی، ایک ایک کر کے فتوحات آپ کو حاصل ہوئیں، لیکن ان سب میں ملنے والا مال و دولت آپ نے تقسیم کر دیا اپنے لئے ایک درہم یا دینار بھی نہ رکھا، بلکہ بھلائی پر سب کچھ خرچ کر دیا۔ دوسروں کا فاقہ اس سے مٹایا۔ مسلمانوں کی مصلحتوں اور بہتری کے کاموں پر صرف کیا، مشرکین کے ہاتھ اس سے دور رکھے اور جس نے بھی آپ سے عطیہ اور مدد چاہی اس پر خرچ کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کا جب وصال ہوتا ہے تو آپ کی زرع اپنے گھر کے خرچہ کے عوض رہن میں تھی۔

نَبِیٌّ وَ اَفَتِ الدُّنْیَا اِلَیْهِ وَجَآءَ تْهُ مَفَاتِیْحُ الْکُنُوْزِ
وَمَا لَتْ نَحْوَهٗ فَاَبٰی عَلَیْهَا وَ قَابَلَهَا بِاِفْرَاطِ النُّشُوْزِ
تَجَنَّبَهَا وَ اَعْرَضَ عَنْ جَنَاهَا وَلَاذَ بِجَانِبِ الْمَلِکِ الْعَزِیْزِ
دَعَاهُ اللّٰهُ مُخْتَارًا هَدَانَا اِلَی الْمِنْهَاجِ بِاللَّفْظِ الْوَجِیْزِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نبی ہیں کہ دنیا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، خزانوں کی کنجیاں آپ کے پاس آئیں، اور انہوں نے آپ کی طرف میلان کیا، لیکن آپ نے انہیں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور سخت مخالفت کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ ان سے پہلوتہی کی اور ان کی طرف جھکاؤ کی بجائے اللہ غالب بادشاہ کو اپنی پناہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختار بنایا اور آپ کے ذریعہ ہمیں مختصراً الفاظ سے سیدھا راستہ دکھایا۔

آپ اللہ تعالیٰ کے شدید خوف والے اور بہت عبادت گزار تھے۔ بندگی بے حساب وکتاب کی، اللہ کی اطاعت اس کی محبت کی نظیر ہے اور اس کا خوف اسی قدر کسی کو ہوتا ہے جتنی کسی کو اس کی معرفت ہوتی ہے۔ آپ کا ہر کام علی الدوام تھا، آپ کا طریقہ مستقیم تھا، دیر تک نماز ادا کرتے۔ رات کا اکثر حصہ جاگ کر اور عبادت کر کے گزارتے، دائیں کروٹ آرام فرماتے، کوئی خوبصورت چارپائی نہ تھی، نیند بالکل مختصر تھی۔ اللہ رب العزت کے حضور مراقب رہتے، ایک دن میں سو مرتبہ استغفار فرماتے، اس قدر کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا، سخت گرمیوں میں بھی اپنے مولیٰ کی اطاعت وعبادت کی خاطر کھانا نہ کھاتے، محبت آپ کی اساس، صبر آپ کا لباس، زہد آپ کا پیشہ، صدق آپ کی عادت، یقین

آپ کی قوت، رضاءِ الٰہی آپ کی سواری، معرفت آپ کا راٗس المال، طاعت آپ کی امیدوں کا منتہیٰ، شوق آپ کی سواری، فکر آپ کا ساتھی، تقویٰ آپ کا خزانہ، حزن آپ کا ہم نوا، فقر آپ کا فخر، عقل آپ کا چراغ، جہاد آپ کا خلق، علم آپ کا ہتھیار اور نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور آپ کے دل کا پھل ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ'' تھا۔

اَلْخَوْفُ مَاْلَفُہٗ وَالصَّبْرُ مَطْرَفُہٗ ۔۔۔ وَالْعِلْمُ مَرْھَفُہٗ وَالشَّوْقُ مَرْکَبُہٗ
عِبَادَۃُ الْخَالِقِ الْجَبَّارِ ھِمَّتُہٗ ۔۔۔ وَطَاعَۃُ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ مَطْلَبُہٗ
وَدِیْمَۃُ الْعَمَلِ الْمَبْرُوْرِ شِرْعَتُہٗ ۔۔۔ وَمَذْھَبُ الْحَقِّ وَالْاِیْمَانِ مَذْھَبُہٗ
اَزْکٰی التَّحِیَّاتِ مِنِّیْ لَاتُفَارِقُہٗ ۔۔۔ مَاطَابَ مِنْ سِلْسَلِ الْاَمْطَارِ مَشْرَبُہٗ

خوف الٰہی آپ کی پسند، صبر آپ کا مطمعِ نظر، علم آپ کا ہتھیار (تلوار) اور شوق آپ کی سواری ہے۔ اللہ خالق وجبار کی عبادت آپ کی ہمت اور واحد القہار کی اطاعت آپ کا مقصد ہے۔ اچھا کام لگاتار کرنا آپ کی عادت اور حق وایمان کا مذہب آپ کا مذہب ہے۔ میری طرف سے نہایت پاکیزہ درود وسلام لگاتار آپ پر نازل ہوتا رہے جب تک آپ کے مشرب کی موسلا دھار بارش برستی رہے۔

دسویں فصل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسراء اور آسمانوں کے معراج کا بیان

ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے خاص بندے کو راتوں رات لے گیا اور بلندیوں کی چادران پر تانی، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف منتقل کیا، ظاہری اور باطنی اس قدر نعمتیں عطا کیں کہ ان کا حد وشمار نہیں۔ آپ کیلئے براق لایا گیا، اس پر آپ سوار ہوئے تا کہ ساتوں آسمان اس پر عبور کر جائیں، براق ایک سفید رنگ کا چار پایہ ہے، بہت طویل ہے جہاں نظر جا کر ختم ہوتی ہے وہاں تک اس کا ایک قدم ہوتا ہے، جب آپ بیت المقدس تشریف فرما ہوئے، وہاں مسجد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے نماز ادا فرمائی، دودھ کو پسند فرما کر اور شراب کو چھوڑ کر اپنے اختیار سے فطرت کی ترجمانی کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں آسمانوں کی طرف چڑھ گئے۔ عالم علوی میں اعلیٰ مقامات مرحمت ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر دیکھا، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو دیکھا، تیسرے پر حضرت یوسف اور چوتھے پر حضرت ادریس علیہما السلام کو دیکھا، جو بالتحقیق اسرار الٰہیہ کے حقدار ہیں، حضرت ہارون سے پانچویں آسمان پر ملاقات ہوئی اور ان کے بھائی حضرت موسیٰ سے چھٹے آسمان پر اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، جو حضوری کے فضل سے مشہور ہیں۔ دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں یہ وہ عظیم الشان گھر ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں ان میں سے دوبارہ وہی آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ دوبارہ آنے کی اجازت دے۔ والدین، بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں سے مانوس ہوئے، ہر ایک نے آپ کی صلاح کی طرف اشارہ کیا۔ مرحبا کہا، اور دعا کی ہر آسمان کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام دروازہ کھولنے کو کہتے تو دروازہ کا دربان دروازہ کھول دیتا وہ پوچھتا تمہارے ساتھ یہ دوسرے کون ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام اس کو جواب دیتے۔

رَکِبَ الْبُرَّاقَ مُحَمَّدٌ لَیْلًا وَلَمْ ۔۔۔ یَرْکَبْهُ اَفْضَلُ مِنْهُ عِنْدَالْخَالِقِ

وَرَقِیَ لِیَحْظٰی بِالنَّعِیْمِ مِنَ اللِّقَا ۔۔۔ وَالْقُرْبِ مُخْتَرِعًا لِسَبْعِ طَرَائِقِ

وَرَاٰی النَّبِیِّیْنَ الْکِرَامَ وَ رَحَّبُوْا ۔۔۔ بِقُدُوْمِهٖ تَرْحِیْبَ خِلٍّ صَادِقٖ

وَسَمَا اِلٰی رُتَبٍ مُنَاکِبٍ یَحَارُ فِیْ ۔۔۔ اَوْ صَافِهَا فِکْرُ الْبَلِیْغِ الْحَاذِقِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت براق پر سوار ہوئے اس پر آپ سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک اور کوئی افضل سوار نہیں ہوا۔ پھر اس قدر بلند ہو گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس

سے ملاقات کی عظیم نعمت پائیں، یہ سفر آپ نے ساتوں آسمان طے کر کے کیا۔ آپ نے حضرات انبیاء کرام کو دیکھا اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور مخلص دوستوں کی طرح مرحبا کہا۔ وہاں آپ اس قدر بلند مراتب پر فائز ہوئے کہ جن کے اوصاف بڑے سے بڑا ماہر اور عالم بھی بیان نہیں کر سکتا۔

پھر حضرت جبرئیل آپ کو سدرۃ المنتہیٰ لے گئے۔ یہ ایک درخت ہے جس پر بے شمار پتے اور پھل ہیں اس کی جڑوں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں، گھڑ سوار اس کے سایہ میں ستر سال تک چل سکتا ہے۔ زمین سے جو بھی اوپر جاتا ہے اس کی آخری منزل یہی ہے اور جو اوپر سے اترتا ہے وہ اس تک آ کر رک جاتا ہے اور اس سے ہی نکلتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے ڈھانپ لیا جو بھی ڈھانپا تو اس میں تغیر ہوا اس کے بعد اس کے حسن و جمال کی تعریف کسی کے بس میں نہیں اگر آنکھیں اسے دیکھ لیں تو حیرت زدہ رہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی اور آپ پر نماز فرض کی، پھر اپنی رحمت سے صدقہ کیا اور اس میں کمی کر دی، لیکن تعداد کم ہونے کے باوجود ثواب و اجر مکمل رہا۔ یہ تخفیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپ سے درخواست پر ہوئی جو عالی ہمت ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کیلئے نمازوں کی تعداد میں کمی کا سوال کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس قدر بلندی پر لے گیا کہ آپ برابر قلم کے چلنے کی آواز سنتے تھے اور ملاءِ اعلیٰ میں آپ کو اپنی گفتگو سے نوازا۔

وَ اَنْزَلَهٗ فِیْ رَوْضَةِ الْقُرْبِ وَالرِّضٰی   وَاَكْرَمَهٗ بِالْمَنْزِلِ الْاَفْضَلِ الْاَسْنٰی
دَنَا فَتَدَلّٰی وَهُوَ خَيْرُ مُقَرَّبٍ   فَكَانَ اِقْتِرَابًا قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب خاص کے باغ اور رضامندی کے گلستان میں لے گیا اور نہایت بلند و بالا منزل پر آپ کو باعزت بٹھایا۔ آپ بہت قریب ہوئے اور آپ ہیں بھی بہترین مقرب، آپ کی قربت دو کمان کے ملنے یا اس سے بھی زیادہ قریب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کے فرشتوں کی امامت کی عظمت سے نوازا۔ حضرات انبیاء اور ملائکہ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام سے خوش آمدید کہا۔ اپنے مشاہدہ کیلئے حاضر کیا، اپنی قدرت اور غیب کے پردے آپ کیلئے اٹھا دیئے، نور اعظم کے معاینہ میں آپ کی مدد کی اور اپنے مقربین کو بتایا کہ تمام مخلوق سے عظیم اور افضل آپ ہیں، پردوں کے پیچھے فرشتے سے اذان کی آواز سنوائی۔ اپنی قدرت کے سمندر سے اپنے دیدار کیلئے عجیب و غریب فیصلے نکالے آپ کا بہترین باعزت ٹھکانہ بنایا۔ جنت الماویٰ میں داخل کیا۔ راستے آپ پر واضح کیے، حقائق آپ پر ظاہر فرمائے، اسرار مکنونہ آپ کے پاس بطور امانت

رکھے۔غریب خزانہ جات پر آپ کو مطلع کیا، اپنی بادشاہی اور ملکوت کے عجائبات دکھائے، اپنی کبریائی اور جبروت کی عظمت پر تنہا نظر پڑنے دی۔ بیش بہا عنایات اور خفی الطاف عنایت فرمائے۔ اس قدر قرب عطا کیا کہ کیفیت کا معاملہ منقطع ہو گیا۔ پھر آپ کیلئے تلطف اور انس کے بستر ے بچھائے مقربین میں سے جو تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں۔ ان پر بلندی عطا فرمائی، اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں اوران مقرب فرشتوں میں آپ کا چرچا کیا۔ بیشک اسی میں سمجھنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔

نَبِیٌّ قَدْسَرىٰ لَيْلًا فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی

نَبِیٌّ قَدْ رَاٰهُ اللّٰهُ مِنْ آيَاتِهِ الْكُبْرٰی

نَبِیٌّ خَصَّ بِالْعُلْيَا وَ رُتْبَتُهٗ بِهَا اُخْرٰی

نَبِیٌّ جَاءَ بِالْاِيْمَا نِ وَالْاِحْسَانِ وَالْبُشْرٰی

نَبِیٌّ شَامِخُ الْمِقْدَا رِ فِی الدُّنْيَا وَ فِی الْاٰخْرٰی

سَلَامُ اللّٰهِ مَوْصُوْلٌ بِهٖ مَا دَامَتِ الشِّعْرٰی

وہ نبی جو رات کو معراج کیلئے تشریف لے گئے، پس پاکی ہے اس کیلئے جو راتوں رات آپ کو لے گیا۔ وہ ایسے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ وہ ایسے پیغمبر ہیں کہ جنہیں بلندیوں سے مختص کیا۔ آپ کا رتبہ اسی کا مستحق ہے وہ ایسے رسول ہیں جو ایمان، احسان اور خوش خبری لیکر آئے، وہ ایسے نبی ہیں جو دنیا و آخرت میں بلند مقدار ہیں، اللہ تعالیٰ کا لگاتار سلام آپ پر نازل ہو جب تک شعری (ستارہ) ہے۔

گیارہویں فصل

قیامت کے دن آپ کی تعظیم اور تکریم کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے اول اپنی قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے اور حشر میں سب کے قائد ہوں گے، جب لوگ نا امید ہو جائیں گے تو انہیں بشارت دینے والے آپ ہی ہوں گے، جب انہیں روکا جائیگا تو ان کے شفیع بھی آپ ہی ہوں گے، جب سب خاموش ہوں گے تو آپ ہی سب کے خطیب ہوں گے، اس دن جب سبھی مبہوت ہو جائیں گے اور بے خبر ہو جائیں گے تو آپ ہی ان کو ہوش میں لانے والے ہوں گے۔ ''حمد'' کا جھنڈا آپ کے دست اقدس میں ہوگا۔ کیا آدم کیا دوسرے سبھی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، سب سے پہلے زمین آپ سے شق کی جائے گی اور سب سے پہلے قیامت کے دن آپ اور آپ کے ساتھی جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ افضل السابقین ہیں، اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں میں سے افضل ہیں۔ اصحاب الیمین میں سے سب سے بہتر آپ ہیں۔ روح الامین جن حضرات کے پاس تشریف لائے آپ ان سب سے جلیل القدر ہیں۔ آپ ہی حوض کوثر کے مالک ہیں وہ حوض جس کی خوشبو مشک و عنبر سے کہیں زیادہ ہے، اس کے چاروں طرف موتیوں کے بنے آب خورے موجود ہیں، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور چاندی سے زیادہ سفید ہے اس کی لمبائی اس قدر ہے جس قدر ''ایلہ'' اور ''عمان'' کے درمیان فاصلہ ہے۔ جنت سے اس میں دو پرنالے گرتے ہیں، ایک خالص چاندی کا اور دوسرا خالص سونے کا بنا ہوا ہے، اس کے کٹورے ایسے جیسا کہ آسمانی ستارے چمکتے ہوں ان کی تعداد بھی ستاروں کے برابر ہے جس نے اس سے ایک گھونٹ پی لیا ہمیشہ کیلئے پیاس ختم ہوگئی۔

حَوْضٌ بَعِيْدُ الْمَدٰى اَرْوَاحٌ مَوْرِدُهٗ　　تَفُوْحُ بِالطِّيْبِ يَا طُوْبٰى لِمَنْ وَرَدَهٗ
يَاْتِيْهِ مَاءٌ مِنَ الْفِرْدَوْسِ مُطَّرِدٌ　　اَحْلٰى مِنَ الشَّهْدِ يَحْيٰ نَفْسُ مَنْ شَهِدَهٗ
كِيْزَانُهٗ كَالنُّجُوْمِ الزُّهْرِ طَالِعَةٌ　　اَوْصَافُهٗ بِمَزَايَا الْحُسْنِ مُنْفَرِدَهٗ
مَنْ امه دَاخِلًا فِيْ ظِلِّ صَاحِبِهٖ　　قَدْ هَيَّاءَ اللّٰهُ فِي الْاُخْرٰى لَهٗ رُشْدَهٗ

حوض کوثر بہت لمبا چوڑا ہے جس سے خوشبو کے ملے نکلتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس سے پانی پئے گا۔ اس کا پانی جنت الفردوس سے لگا تار آتا ہے۔ جو شہد سے زیادہ میٹھا ہے، جو اس سے پی لیتا ہے اسے زندگی مل جاتی ہے اس کے آبخورے ستاروں کی طرح روشن چمکتے ہیں، اس کی خوبصورتی سب

سے منفرد ہے جو شخص اس حوض کے مالک یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں رشد و ہدایت اور اس حوض کی طرف راستہ دے دے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہیں اور آپ کی شفاعت ہی سب سے پہلے مقبول ہوگی۔ آپ ہی سب سے پہلے کلام کریں گے اور باقی تمام موجودین آپ کا کلام خاموشی اور توجہ سے سنیں گے۔ آپ تمام انبیاء کرام سے ازروئے اجر "اعظم" ہیں۔ ازروئے ذکر بلند ہیں اور معجزات کے اعتبار سے سب سے زیادہ روشن معجزات والے ہیں۔ آپ کے مقام تک کوئی نہ پہنچ سکا اور بات کی وضاحت کرنے میں آپ سے بڑھ کر بلیغ کوئی نہیں۔ دلیل میں آپ سب سے زیادہ مضبوط، مقدار میں سب سے زیادہ جلیل ہیں۔ مدد میں آپ ہی عزیز ہیں، حمد و شکر میں آپ بہت بڑے حصہ کے مالک ہیں۔ توکل و صبر میں سب سے مکمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے سب سے بڑے عالم ہیں، اللہ کی عظمت، جلال اور کبریائی میں آپ کا دل سب سے اکمل ہے، اللہ کی شریعت و احکام کی معرفت میں سب سے بڑے عارف ہیں، اس کی وحی اور کلام کے معانی کے سمجھنے میں سب سے زیادہ فہم کے مالک ہیں۔ مدارک عقلیہ کا احاطہ کرنے میں سب سے آگے ہیں، حضرت قدسیہ میں باعتبار مجلس کے سب سے آگے ہیں اپنی علامات و نشانیوں میں سب سے نمایاں ہیں، کل قیامت میں آپ کے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے اس دن آپ کو مقام وسیلہ عطا کیا جائے گا جو مختلف اقسام شکر سے محجوب ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وسیلہ" جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ قیامت کا دن وہ کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہزار محلات عنایت ہوں گے جن کی مٹی گندھی ہوئی مشک ہوگی۔ ان میں آپ کی شان کے لائق خادم اور بیویاں ہوں گی۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ اَفْوَاجًا اِلٰى بَارِئِهِمْ ذِى الْعِزِّ وَ التَّنْزِيْهِ
يَوْمَ الْمَآبِ وَالْحِسَابِ وَالْلِّقَا يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ

اس دن لوگ اپنے خالق کے حضور جماعت در جماعت کھڑے ہوں گے جو عزت کا مالک اور ہر عیب سے پاک صاف ہے وہ ایسا دن ہے کہ جہاں سب نے جانا ہے، سب کا حساب ہونا ہے اللہ سے ملنا ہے وہ دن ایسا ہے کہ بھائی بھائی سے بھاگے گا۔

جس دن لوگ حیران ہوں گے نشے والے کی طرح نظر آئیں گے لیکن نشہ نہ کیا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہے کہ تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی التجا کریں گے۔ کیونکہ دوسرے انبیاء کرام نے اس سے انکار کر دیا ہوگا۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش رحمٰن کی دائیں جانب قیام فرمائیں

گے۔ سبز رنگ کا جوڑا زیب تن ہوگا، جس پر ایسے نشانات ہوں گے جو آپ کی تمناؤں کے بر آنے کی دلیل ہوں گے۔ آپ کو اذنِ شفاعت عطا ہوگا پھر آپ وہ کہیں گے جو اللہ نے چاہا۔ آپ پر حمد و ثناء کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جیسا کہ کتب میں منقول ہے کتنا وہ عظیم مقام ہے۔ جس تک مقربین کی بھی رسائی نہ ہوگی۔ وہ مقام محمود جس پر اگلے پچھلے رشک کریں گے۔ آپ اس قدر لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے کہ زمین پر اتنے درخت نہیں اور زمین پر پڑے پتھروں اور کنکریوں کی تعداد سے کہیں زیادہ لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ آپ ان لوگوں کیلئے جلدی جانے کی شفاعت کریں گے جنہیں بلا حساب و کتاب جنت میں جانا ہے اور ان لوگوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے جن پر عذاب لازم ہو چکا ہوگا اور آگ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے اور ہر اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جس نے کلمہ شہادت پڑھا ہوگا۔ یہ مرتبہ و مقام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوگا۔ آپ میں اور کتنے ایسے فضائل ہیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں لیکن اس کے باوجود آپ ان میں سے کسی پر فخر نہیں فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے عظیم احسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف سے ایسی عظیم جزا عطا فرمائے جو کسی پیغمبر کو اس کی امت کی طرف سے ملی۔

رَسُوْلٌ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْزِلٌ   عَلَى الَّذِی اَعْلَامُهُ الزُّهْرُ تَلْمَعُ

وَمَوْقِفُ قُرْبٍ لَا يُدَانِيْهِ غَيْرُهٗ   يَقُوْلُ الَّذِیْ فِيْهِ يَقُوْلُ فَيَسْمَعُ

وَيَسْأَلُ وَالْبَارِیُ يُجِيْبُ سُؤَالَهٗ   وَيَشْفَعُ فِيْمَنْ جَآءَ ہ فَيُشْفَعُ

نَبِیٌّ اَبِیْ كَانَ يَنْهٰى عَنِ الْاَذٰى   وَيَأْمُرُ بِالْحُسْنٰى وَ بِالْحَقِّ يَصْدَعُ

عَلَيْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَالَاحَ بَارِقٌ   وَمَا انْهَلَّ مِنْ جَفْنِ السَّحَابَةِ مَدْمَعُ

آپ وہ عظیم الشان رسول ہیں کہ کل قیامت میں آپ کا مقام نہایت بلند و بالا ہوگا اور آپ کی روشن علامات چمکتی ہوں گی اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں ہوں گے کہ کوئی دوسرا وہاں نہ پہنچ سکے گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ ارشاد فرمائے گا آپ ہی اسے سنیں گے آپ اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے وہی آپ کے سوال کو منظور کرے گا۔ آپ اپنے ہر چاہنے والے کی شفاعت فرمائیں گے جو قبول کر لی جائے گی۔ آپ ایسے پیغمبر ہیں کہ جنہوں نے ہر قسم کے رذائل کو اپنے سے دور رکھا۔ آپ تکلیف دہ باتوں سے روکتے تھے اور اچھی باتوں کا حکم کیا کرتے تھے اور حق کی طرف آپ کا میلان ہوا کرتا تھا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کے سلام اس وقت تک اترتے رہیں جب تک بجلی چمکتی رہے اور جب تک بادلوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہیں۔

بارہویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء کنیت اور القاب مبارکہ کا بیان

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی اور القاب مبارکہ بکثرت ہیں۔ آپ کے اوصاف ایسی عظیم مچھلی کی مانند ہیں جس کے پیٹ میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا موتی ہو آپ کے اسماء گرامیہ میں سے محمد اور احمد ہیں۔ یہ دونوں نام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشریف آوری سے قبل کسی کا نام ان دونوں ناموں پر نہ ہونے دیا۔ تا کہ لوگوں کو آپ کے بارے میں شک اور التباس واقع نہ ہو جائے۔ آپ تمام تعریف کرنے والوں کے ''احمد'' ہیں اور تمام محمودین میں سے زیادہ ''محمد'' ہیں۔ اور از روئے حمد آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ ہی کل قیامت میں ''لواء الحمد'' اٹھائے ہوں گے جس دن تمام متقی اپنے پروردگار کے ہاں جمع ہوں گے۔ آپ کے ناموں میں سے ماحی، حاشر، مقدس اور طاہر بھی ہیں۔ ''ماحی'' وہ جو کفر کو مٹا دینے والا ہو۔ آپ نے اپنی گفتگو سے کفر کو مٹا دیا۔ ''حاشر'' وہ کہ جس کے قدموں پر لوگ قیامت میں جمع ہوں۔ آپ کے ناموں میں سے النجم الثاقب، المصلح اور العاقب بھی ہیں۔ ''عاقب'' وہ کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے اور آپ کے بعد کوئی بھی نیا نبی نہیں آئے گا۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ، سراج منیر، مقفی، قثم اور قثوم بھی آپ کے نام ہیں۔ آخری دو نام (قثم، قثوم) آپ کی آل بیت میں معلوم و معروف ہیں۔

يَا سَيِّدًا اَسْمَآءُ هٗ قَدْ سَمَتْ وَ فِيْ مَعَانِيْهِ تَحَارُ الْحُلُوْمُ

وَمَنْ حَوَتْ اَزْهَارُ اَلْقَابِهٖ نَشْرَ شَذِيِّ تَطْوٰى عَلَيْهِ الرُّقُوْمُ

اَنْتَ الَّذِىْ اَنْوَارُ اَعْلَامِهٖ تَهْدِىْ اِلَى الْحِكْمَةِ اَهْلَ الْعُلُوْمِ

وَمَنْ لَهٗ فَضْلُ اَيَادِيْهِ لَا تُحْصٰى وَهَلْ تُحْصٰى دَرَارِئُ النُّجُوْمِ

اے آقا! آپ کے اسماء گرامی یقیناً بلند و بالا ہیں۔ اور ان کے معانی سمجھنے میں عقلیں حیران ہیں، آپ وہ ہیں کہ جن کے پھولوں جیسے القاب سے خوشبو و مشک پھیلتی ہے اور منقش چادریں انہیں چھپا لیتی ہیں، آپ وہ ہیں کہ جن کی روشن علامتیں اہل علم کو حکمت کا راستہ بتاتی ہیں اور وہ ہیں کہ جن کے احسانات کی فضیلت ان گنت ہے اور کیا ستاروں کے راستے بھی کبھی گننے میں آتے ہیں۔

آپ کے اسماء میں سے مدثر، مزمل، مختار، متوکل، رؤف، رحیم، صراط مستقیم، حق مبین اور صادق الامین بھی ہیں۔ ''حق'' اس لئے کہ آپ کا سچ اور آپ کا امر ثابت شدہ ہے۔ اور ''مبین'' اس لئے کہ

آپ نے اللہ تعالیٰ کے ان تمام احکام کو بیان کر دیا جو آپ کو عطا کئے گئے تھے۔ طٰہٰ، یٰس، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، امام المتقین، قائد غر المحجلین، نعمۃ اللہ علی الخلائق، عبداللہ کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے بتائے۔ نبی الرحمۃ، نبی الراحۃ، رسول التوبۃ، رسول الملحمہ بھی آپ کے نام پاک ہیں۔ ''ملحمہ'' سے مراد یہ ہے کہ آپ کو جہاد کرنے اور مشرکین وغیرہ کو ڈرانے دھمکانے والا بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ خلیل الرحمٰن، حبیب الملک، الدیان، مقیم السنۃ، روح الحق، الشفیع، المشفع، صاحب الوسیلہ، صاحب الدرجۃ الرفیعہ، صاحب الفضیلۃ، صاحب حوض المورود، صاحب مقام المحمود، صاحب البراق، صاحب المعراج، صاحب الہراوۃ، صاحب التاج بھی آپ کے نام ہائے مبارکہ ہیں۔ ''تاج'' سے مراد بادشاہوں کا سونے میں جڑا ہوا تاج نہیں، بلکہ عمامہ شریف ہے۔ اس لئے کہ ''عمامہ'' عرب لوگوں کا تاج ہے۔ (جواب نہیں رہا)

بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا عَلَمَ الْھُدٰی تَتَشَرَّفُ الْاَلْقَابُ وَ الْاَسْمَآءُ
وَبِیُمْنِ طَالِعِکَ السَّعِیْدِ قُدُوْمِہٖ ذَھَبَ الظَّلَامُ وَ آبَتِ الْاَضْوَآءُ
وَبِنَصْرِ نَصْلِکَ سَرَّ کُلُّ مُوَحِّدٍ وَبِعِزِّ عَزْمِکَ ذَلَّتِ الْاَعْدَآءِ
سَقْیًا لِاُمَّتِکَ الَّتِیْ طَابَتْ لَھُمْ بِنَبِیِّھِمْ بَیْنَ الْوَرٰی الْاَشْیَآءُ

اے اللہ کے رسول! اے ہدایت کے جھنڈے! آپ کی برکت سے القاب واسماء مشرف ہو گئے۔ آپ جس مبارک ساعت میں تشریف لائے۔ اس کی برکت سے اندھیرے چھٹ گئے اور روشنیاں چمک اٹھیں۔ آپ کے نیزہ کی مدد سے ہر موحد خوش ہو گیا اور آپ کے عزم کی وجہ سے دشمنوں کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو سیراب کرے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر کے سبب بہت سی اشیاء طیب وحلال فرما دیں۔ جو دوسروں پر حلال وطیب نہ تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب حجت اور صاحب سلطان تھے۔ صاحب علامت و برہان تھے۔ جھنڈے کے مالک اور تلوار کے دھنی تھے۔ اونٹنی کے سوار اور صفائی کے راکب تھے، اولاد آدم کے سردار تھے۔ آپ کے اسماء گرامی مہیمن، فاتح، خاتم، مصطفٰی، مجتبٰی، کریم، ابوالقاسم، ابوابراہیم، نبی امی، ہادی، النور، عروۃ الوثقٰی بھی ہیں۔ عروۃ الوثقٰی جس نے تھاما اور جس نے اس سے تمسک کیا۔ وہ رشک آور سرور پا گیا۔ بارقلیط (فارقلیط) بھی آپ کا نام ہے جس کا معنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ ''حمطایا'' بھی آپ کا اسم گرامی ہے جس کا معنی حمایت کرنے والا ہے۔ آپ نے تیز دھاری دار پتلی تلواروں اور نیزوں سے حرم کی حمایت فرمائی۔ مجھے عمر کی قسم! یہ اسماء گرامی اس بات پر دلالت

کرتے ہیں کہ ان کا مسمیٰ جلیل ہے اور یہ القاب قدر ومنزلت کی بڑائی پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے بعض کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے کچھ قرآن کریم میں باللفظ اور صراحت سے مذکور ہیں اور چند تورات وانجیل میں وارد ہوئے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان کتب سماویہ میں ملتے ہیں جو بہت پہلے اتاری گئیں ان میں سے بعض نام وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنٰی پر رکھے۔ اس طریقہ میں جو اس میں تعریف اور بلندیٔ شرافت ہے وہ بالکل واضح ہے۔

اَسْمَآئُهٗ وَ سِمَاتُهٗ مَعْلُوْمَةٌ — عِنْدَ الرُّوَاةِ وَ عُرْفُهٗ مَعْرُوْفٌ

وَخِلَالُهٗ مَأْثُوْرَةٌ وَ خِصَالُهٗ — مَسْطُوْرَةٌ وَ جَلَالُهٗ مَوْصُوْفٌ

اَكْرِمْ بِهٖ سَمْحًا عِطَافُ نَوَالِهٖ — اَبَدًا عَلٰى قُصَّادِهٖ مَعْطُوْفٌ

بَرًّا اَمِيْنًا صَادِقًا صَدَقَاتُهٗ — اَلْمَنَّ عَنْهَا وَ الْاَذٰى مَصْرُوْفٌ

مِنِّىْ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ مَكِّيَّةٌ — بِفِنَآءِ طَيْبَةَ طِيْبُهَا مَعْكُوْفٌ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی اور علامات احادیث کی روایت کرنے والوں کو معلوم ہیں۔ اور آپ کی جان پہچان سبھی کو معلوم ہے۔ آپ کی عادات وصفات کتب احادیث میں بکثرت ہیں۔ اور آپ صاحب جلال ہیں، آپ کی سخاوت آپ کا کرم اور عطا کس قدر عظیم ہے اور آپ ہر وقت مانگنے والے پر مہربان تھے۔ نیک، امین اور احسانات کرنے والے تھے، تکالیف اور اذیت دور کر دی گئی تھی۔ میری طرف سے مکی تحیت مدینہ منورہ کی زمین پر ہو، جس کی خوشبو کا ہر ایک متلاشی ہے۔

تیرھویں فصل

آپ کے معجزہ یعنی قرآن کریم کا بیان

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات وہ ہیں جن کے دلائل قطعی ہیں اور آپ کی کرامت عجیب وغریب اقسام پر مشتمل ہیں اور آپ کی روشن اور دور تک پھیلی باتیں صادق ہیں۔ بہت سی ایسی علامات ہیں، جو عادت کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے معجزہ کہلائیں۔ ان علامات کو مسلمانوں کی محفلوں میں جم غفیر نے دیکھا اور بکثرت راویان حدیث نے ان کی روایت کی۔ اس قدر طویل زمانہ گزرنے کے باوجود ان کے ظہور میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا اور ان کا چراغ بے دینوں کی بجھانے کی کوششوں کے باوجود زیادہ روشن ہوا۔ آپ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ قرآن کریم ہے جو حمید وحکیم ذات نے آپ پر نازل فرمایا۔ ایسا کلام کہ عقل جس کی تالیف کے حسن کو جاننے سے عاجز ہے اور ہر بات اس کے الفاظ کے مقابلہ میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ عرب کے فصحاء اس کے ایجاز کے سامنے گونگے ہیں اور ان کے بلیغ لوگوں کو قرآن کے اعجاز نے گہرے گڑھے میں پھینک دیا۔ اس کی بلاغت بھری زبان نے ان کے گھمنڈ توڑ دیئے اور انہیں اس کی فصاحت نے گہری کھائی میں گرا دیا اس کے باوجود کہ وہ کلام کے شاہسوار کہلاتے تھے۔ نثر ونظم میں بلند بانگ دعویٰ رکھتے تھے۔ انہیں قطعاً اس پر شک نہ تھا کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی قدرت تامہ رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ ان کے ملک سعد اور شعار میں حکمت کا دور دورہ تھا۔

كَانُوْا ذَوِيْ فَصَاحَةٍ وَ مَقُوْلٍ   مُسْتَلْمِحِ الْاَوْصَافِ وَالنُّعُوْتِ

لٰكِنْ اَتَاهُمْ بِالصَّوَابِ نَاطِقٌ   اَلْقَاهُمْ فِيْ عِلَّةِ السُّكُوْتِ

عرب اگرچہ فصاحت کے مالک اور گفتگو کے دھنی تھے۔ اوصاف اور صفات میں بہت نمایاں اور روشن تھے لیکن جب ان کے پاس "ناطق بالصواب" یعنی قرآن کریم آیا تو اس کی آمد نے انہیں گونگا کر دیا۔

قرآن کریم وہ عظیم المرتبت کلام کہ جس کی آیات محکم ہیں۔ اس کے کلمات مفصل ہیں، اس کے مطالع روشن اور اس کے مقاطع تر وتازہ ہیں۔ اس کے کلمات جامعہ ہر کلام پر غالب اور اس کا بدیع ہونا ہر اعتبار سے ظاہر ہے۔ اس کی براعت کا شیشہ نور پھیلا رہا ہے۔ اس کی عبارت کا دیباچہ روشنی بکھیر رہا ہے۔ اس کے ایجاز واعجاز بھرے قواعد مضبوط ہیں۔ اس کی حقیقت اور مجاز کی مضبوطی بڑی بلند ہے۔

اس کی نظم کا حسن معتدل، اس کی حکمت اور احکام کی لڑی مضبوط ہے۔ اس کے دھاگے میں پروئے گئے موتی باہم جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے فوائد کی نہریں بھری پڑی ہیں۔ اس کی خوبصورتی اور جڑاؤ انتہائی حسن پر ہے۔ بیان اور بدیع سے خاص کردہ مولف ہے۔ الفاظ کی فصاحت اور وضاحت کی قوت دونوں کا جامع ہے اور اس کی بلاغت کا مقابلہ کرنے والوں کیلئے دوٹوک اعلان ہے کہ وہ ایسے کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کی تروتازگی اور چمک دمک نے آنکھیں چندھیا دیں اور اس نے اپنی مٹھاس کا وصف بیان کرنے کیلئے زبانوں کو متحرک کر دیا۔ غور وفکر کو اسے دیکھ کر عجیب حیرانی ہوئی اور اس کے انوکھے اسلوب نے عقل وخرد سلب کر لئے۔

وَاَنَارَ مِشْكَاةَ الْوُجُوْدِ وَ قَدْ غَشٰى ۔۔۔ دَيْجُوْرَهَا بِالضَّوْءِ مِنْ آيَاتِهٖ
وَاَرَاحَ اَرْوَاحَ السُّعَاةِ لِرَوْضِهٖ ۔۔۔ بِلَذِيْذِ عُرْفِ الزَّهْرِ مِنْ زَهَرَاتِهٖ
وَاَمَدَّ طَالِبٌ وَقَاصِدُ بَحْرِهٖ ۔۔۔ بِاللُّؤْلُؤْ الْمَكْنُوْنِ مِنْ كَلِمَاتِهٖ
وَاَثَابَ حَامِلُهٗ وَسَامِعُهٗ وَمَنْ ۔۔۔ يَّتْلُوْهُ مَا يَجْنِيْهِ مِنْ حِبَاتِهٖ

قرآن نے وجود کے چراغ کو روشن کر دیا جبکہ اس کی آمد سے پہلے وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے روشنی اس کی علامات ومعجزات کی ضیاء سے ملی۔ مصلین (زکوۃ وصدقات وصول کرنے والے) کی روحیں اس کی تروتازگی سے تازہ ہوئیں اور پھولوں نے اس سے سجاوٹ پائی، ہر طالب وقاصد نے اس کے دریائے سخاوت اور اس کے کلمات عالیہ سے چھپے قیمتی موتی پائے، اسے اٹھانے والے، سننے والے اور تلاوت کرنے والے نے ثواب ہی ثواب کمایا اور اس کے موتیوں سے فوائد حاصل کئے۔

قرآن کریم مختلف علوم ومعارف کا خزینہ ہے۔ اس نے قدیم شریعتوں اور صدیوں پہلے کی خبریں ذکر کیں۔ ان امتوں کے واقعات بھی ذکر کئے جن کا وجود اب نہیں رہا۔ زمانہ ماضی کے قصہ جات بتائے۔ دار آخرت کے احوال ذکر کئے۔ گزشتہ کتب سماوی کے مضامین نشر کئے۔ ابتدائے آفرینش سے دوبارہ زندہ ہونے تک کے واقعات ذکر کئے۔ لوگوں کی بدبختی اور نیک بختی کے اسباب بتائے۔ عقلی حجتوں اور دلائل کے راستوں کی آگاہی بخشی۔ مختلف باطل فرقوں کی یقینی براہین اور قطعی دلائل سے تردید کی۔ منافقین اور اہل کتاب کے اسرار واضح کر دیئے۔ ان کو جھوٹ بولنے اور حق سے عدول کرنے پر ڈانٹ پلائی۔ اس کے علاوہ بہت سے اوامر ونواہی ذکر کئے۔ بہت سے مواعظ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقے ذکر کئے۔ سیرت وامثال بیان کیں۔ قتال وجہاد پر ابھارا۔ مواعظ وحکم کی تلقین کی۔ اچھے آداب اور قابل نفرت اخلاق بتائے۔ وعد اور وعید، تنزیہ وتوحید، تقریر وترتیب، ترغیب وترھیب پر

مشتمل احکام دیئے۔ایسے دردناک لہجے میں ڈرایا کہ ان آیات کی ساعت کے وقت دل کانپ اٹھتے ہیں اور قوت سماع پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

كِتَابٌ يَخُصُّ الْمُؤْمِنِيْنَ بِوَعْدِهٖ وَيُحْيِىْ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ بِوَعْظِهٖ

وَيَهْدِىْ سَنَاهُدًى لِنَا لِىْ حُرُوْفُهٗ وَرَا مِقُهَا بَيْنَ الرُّقُوْمِ بِلَحْظِهٖ

لَقَدْ حَارَتِ الْاَفْكَارِ مِنْ حُسْنِ نَظْمَا وَسِرِّ مَعَانِيْهِ وَجَوْهَرِ لَفْظِهٖ

فَسُقْيًا لِمَنْ يَقْفُو مَنَاهِجَ حَقِّهٖ وَرَعْيًا لِعَبْدٍ عَدَّ مِنْ اَهْلِ حِفْظِهٖ

قرآن کریم وہ کتاب ہے جس نے مومنوں کو خاص کر وعدہ جات سنائے اور عارفین کے دل اس کے وعظ سے زندگی پاتے ہیں۔اپنے حروف کو پڑھنے والے کو راہ راست دکھاتی ہے۔اس پر جو نظریں جماتا ہے۔اسے ہر لحظہ عجیب سے عجیب تر بات دکھائی دیتی ہے۔اس کی خوبصورت نظم، معانی کے راز اور لفظوں کے جوہر نے عقلوں کو حیران کر دیا۔جو لوگ اس کے سچے راستوں پر کھڑے ہو گئے اور جنہوں نے اسے حفظ کیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو شاداب و سرسبز فرمائے۔

قرآن کریم مختلف وجوہ اعجاز پر مشتمل ہے۔جن تک عرب لوگوں کی رسائی نہ ہو سکی اور اس کی ایک آیت کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے۔وہ کیسے لاتے جبکہ یہ بات ان کی قدرت سے باہر تھی۔قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ان کے کلام اور ان کی زبان سے الگ چیز تھی۔ان میں سے ہر ایک نے سرتوڑ کوشش کی اور اپنا پورا زور لگایا۔ارادہ یہ کیا کہ اس کی روشنی کو بجھا دے اور کوشش کی کہ اس کے ظہور کو چھپا سکے۔لیکن ان کے ہونٹوں سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا اور ان کے فصاحت و بلاغت کے چشمہ جات سے ایک قطرہ نہ باہر آیا۔باوجود اس کے کہ زمانہ دراز گزر گیا اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔حتیٰ کہ باپ نے بیٹے سے مدد چاہی، بلکہ جوش دلایا، لیکن کچھ نہ بن پایا۔آخر ناامید اور ذلیل ہو کر بیٹھ گئے۔پھر "معطلہ" (ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بیکار تسلیم کرتا ہے) نے ان گنت کوششیں کیں۔تاکہ قرآن کو بیکار ثابت کر دیں اور اس کی محکم آیات کی تبدیلی اور تغیر میں بے دینوں نے سرتوڑ کوشش کی۔ان سب نے اپنے داؤ پیچ جمع کیے اور اپنی حتیٰ المقدور قوت استعمال کی، لیکن اس کے ایک کلمہ کو بھی اس کی جگہ سے نہ پھیر سکے اور نہ کسی مسلمان کو کسی حرف میں شک ڈال سکے۔وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کا کفیل ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت اس نے اپنے ذمہ لی ہے۔مختصر یہ کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے اور اس کے بعد اس کی نظیر موجود نہیں۔نہ کسی کو اس کی مثل لانے کی ہمت ہے۔خواہ وہ مختصر آیت ہو یا طویل۔بلکہ عقل انسانی اس میں حیران اور ذہن انسانی اس میں پریشان

ہے۔لوگوں کے رجسٹر اس کے معارضہ سے خشک ہیں اور قلم چھوٹ گئے ہیں۔قرآن کریم ان خوارق میں سے ہے جس کی مثل لانا شہری اور بدوی دونوں سے ممتنع ہے۔ بلکہ اس کی مثل کسی انسان یا غیر انسان کی قدرت کے تحت داخل ہی نہیں۔یہ سب باتیں اس کے علوم کے انوکھے انداز سے اسے معلوم ہوتی ہیں جو اس میدان کا شناسا ہو اور زبان دانی اور کلمات کی ترکیب جس کا مشغلہ ہو۔

تَبًّا لِآرَاءِ ذِیْ عَنَادٍ لَا یَهْتَدِیْ خَاسِرُ التِّجَارَةْ
یُرِیْدُ اِطْفَآءَ نُوْرِ ذِکْرِ اللّٰهِ رَبُّ الْعُلَا اَنَارَهْ
قَدْ خَابَ مَنْ رَامَ اَنْ یَغْشٰی حَلَاوَةَ الْحَقِّ بِالْمَرَارَةْ
یَا وَیْلَهٗ مِنْ لَهِیْبِ نَارٍ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةْ

دشمن کی آرا تباہ و برباد، تجارت میں نقصان اٹھانے والا راستہ نہیں پا سکتا۔اللہ تعالیٰ نے جس کو روشن کیا اس کے ذکر کو پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے۔وہ شخص یقیناً ذلیل ہوا جس نے حق کی مٹھاس کو کڑواہٹ سے ڈھانپنا چاہا ایسے کیلئے دوزخ کے شعلے مارتی آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

قرآن کریم، ذکر حکیم، فوز مبین، حبل اللہ متین اس کے نام ہیں۔دلوں کی بہار، گناہوں کو مٹانے والی، نافع، شافی، کافل اور کافی بھی اس کے نام ہیں۔اتباع کرنے والے کیلئے نجات دہندہ اور پڑھنے اور سننے والے کیلئے ہدایت دہندہ ہے۔اس سے نفرت وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دل شرک نے موہ لئے لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔قرآن اپنے پڑھنے والے کو فراخی اور تروتازگی دیتا ہے۔چین اور خوشی بہم پہنچاتا ہے اس کا قاری کبھی ملول نہیں ہوتا اور نہ ہی سننے والا اکتاتا ہے، زبانیں اس کے مجموعی فضل کو شمار میں نہیں لاسکتیں۔اس کی حجت ''قاھرہ'' اس کا درجہ ''بلند'' اس کی واضح آیات ''باقیہ'' جب تک دنیا باقی ہے ہمیشہ تروتازہ اور سدابہار، شہد سے بڑھ کر میٹھا، جوں جوں اس کی تلاوت کریں مٹھاس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے اس کا بار بار پڑھنا وافر مقدار میں محبت پیدا کرتا ہے۔تنہائیوں میں انیس ہے، نمازوں میں اس کی ترتیل لذت بخش ہے۔اس کے عجائب کبھی فنا نہ ہوں گے۔اس کے غرائب کبھی لپیٹے نہ جائیں گے۔اس کے عبرت بھرے مضامین کبھی ختم نہ ہوں گے۔اس کے موتی کبھی پرانے نہ ہوں گے۔بار بار دہرانے سے اس کے اوصاف پرانے نہ ہوں گے۔باطل نہ اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے کامیاب ہوسکتا ہے جس نے قرآن کا قول کیا اس نے سچ بولا، جس نے اسے پھینک دیا وہ خود ریزہ ریزہ ہو گیا، جس نے اس سے حکومت کی وہ عادل ٹھہرا، جس نے اس کی قسم اٹھائی وہ ملامت سے بچ گیا، جس نے اس کی تعلیمات پر

عمل کیااس نے اجر عظیم پایااور جس نے اس کو مضبوطی سے تھاماوہ صراط مستقیم پا گیا۔

تَمَسَّکَ بِحَبْلِ اللّٰهِ اَعْنِیْ کِتَابَهٗ وَقِفْ عِنْدَهٗ فَهُوَ الْمَجِیْدُ الْمُعَظَّمٖ

یُبَشِّرُ اَهْلَ الصَّالِحَاتِ بِنِعْمَةٍ وَفَضْلٍ وَیَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

وَیُنْذِرُ اَقْوَامًا عَنِ الْحَقِّ اَعْرَضُوْا وَبِالْعَدْلِ وَالْاِنْصَافِ یَقْضِیْ وَیَحْکُمُ

بِهٖ نَزَلَ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ مُنَجَّمًا عَلٰی خَیْرِ مَبْعُوْثٍ یَرِقُّ وَ یَرْحَمُ

مُحَمَّدٌ نِ الْهَادِیْ الَّذِیْ بِجَنَا بِهٖ یَلُوْذُ فَصِیْحٌ فِی الْمَعَادِ وَ اَعْجَمُ۔

عَلَیْهِ صَلَاةٌ مِنْ سَلَامٍ مُهَیْمِنٍ مَدَی الدَّهْرِ لَاتَفْنِیْ وَلَاتَنْصَرِمُ

اللہ تعالیٰ کی رسی یعنی قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اسی پر جم جا کہ یہ بہت بزرگ اور صاحب عظمت ہے۔ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کی خوشخبری دیتا ہے اور بالکل سیدھے راستہ کی راہنمائی کرتا ہے اور جن لوگوں نے حق سے منہ موڑا انہیں قرآن ڈراتا ہے اور عدل و انصاف سے فیصلہ اور حکومت کرتا ہے۔ اسے جناب جبرئیل امین تھوڑا تھوڑا لیکر اس شخصیت پر اترتے رہے جو تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور جو نہایت نرم دل اور مہربان ہیں، جناب محمد ﷺ وہ راہنما ہیں کہ جن کی بارگاہ میں کل قیامت کو عربی عجمی سب پناہ لیں گے۔ ان پر اللہ پاک کے بیشمار ایسے سلام ہوں جو کبھی ختم نہ ہونے پائیں۔ جب تک زمانہ موجود ہے۔

چودھویں فصل

چاند دوٹکڑے کرنا، سورج کو روکنا اور پانی کا آپ کیلئے بکثرت ہو جانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے کوئی نشانی اور نبی ہونے کی دلیل مانگی۔ کیونکہ انہیں آپ پر یقین نہ تھا اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں چاند دوٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے دو روشن ٹکڑوں کے درمیان حراء کو دیکھا۔ آپ نے انہیں فرمایا تم اس معجزہ پر گواہ بن جاؤ۔ جبکہ یہ لوگ منٰی میں تھے۔ آپ نے اس معجزہ کے ذریعہ دشمنوں کو پریشان کر دیا اور دوستوں کی دلی مراد بر آئی۔ ابوجہل نے اپنی حماقت سے اس معجزہ کو جادو سے تعبیر کیا اس نے ادھر ادھر قبائل میں اپنے کارندے بھیجے، لیکن وہ جہاں بھی گئے سب نے اس معجزہ کی تصدیق کی، کیونکہ انہوں نے اس رات چاند کو دوٹکڑے ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ایک اور معجزہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کیلئے سورج کو واپس لوٹایا۔ آپ نے اس کیلئے دعا ہی مانگی تھی کہ سورج الٹے پاؤں پلٹ آیا۔ یہ دونوں معجزے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کے دو پھول اور آسمان کے دو ستارے ہیں۔ غروب ہونے کے بعد سورج طلوع ہوا اور اس کی سونے جیسی روشنی چھپ جانے کے بعد پھر لوٹ آئی۔ آپ نے جو حکم دیا اس پر عمل کرتے ہوئے زمین سے کچھ اوپر مقررہ جگہ پر ٹھہر گیا یہ معجزہ غزوۂ خیبر میں مقام ''صہباء'' پر واقع ہوا۔ سورج کچھ وقت کیلئے آپ کی دعاء کی برکت سے ٹھہر گیا۔ قریش دیکھ رہے تھے اور ان کیلئے ایک مرتبہ پھر دن لوٹ آیا جب کہ اس کی پلکوں نے اندھیرا کا سرمہ لگا لیا تھا یہ کرامت اور معجزہ ایسا ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ تیسرا معجزہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ فگن رہتا آپ جدھر بھی تشریف لے جاتے بادل ساتھ ساتھ جاتا اور سورج کے سامنے آنے کی وجہ سے اس کا سایہ آپ کے ساتھ ساتھ پھرتا۔ جدھر آپ مڑتے ادھر وہ بھی مڑ جاتا۔

سُبْحَانَ مَنْ اَیَّدَ خَیْرَ الْوَرٰی بِمُعْجِزَاتٍ خَارِقَاتٍ غَزَارٍ
وَاَمْسَکَ الشَّمْسَ لَهٗ سَاعَةً وَرَدَّهَا طَوْعًا وَزَادَ النَّهَارُ
وَشَقَّ بَیْنَ النَّاسِ بَدْرَ الدُّجٰی شَقًّا اُولُوالْاَلْبَابِ فِیْهِ تَحَارُ

هٰذَا عَطَاءُ مِمَّنْ اِخْتَارَهُ   مِنْ هَاشِمٍ مِّنْ مُضَرَ مِنْ نِزَارِ

پاکی اس ذات کیلئے جس نے کائنات میں سے بہترین شخصیت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بکثرت معجزات سے تائید فرمائی۔ ان کیلئے کچھ دیر تک سورج کو روکے رکھا اور سورج بخوشی آپ کا حکم مان کر واپس پلٹا اور دن میں زیادتی ہوئی لوگوں کے سامنے چمکتے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے۔ جسے دیکھ کر عقلمند حیران رہ گئے۔ یہ اس اللہ کی مہربانی اور عطا ہے جس نے آپ کو بنونزار سے پھر بنو مضر سے اور پھر بنی ہاشم میں سے پسند فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گئے لیکن ناکام لوٹے۔ آپ نے ان سے بچا ہوا پانی طلب فرمایا اور اسے ایک برتن میں ڈال دیا۔ اسے آپ نے اپنے سامنے رکھ کر اس میں اپنے دونوں ہاتھ مبارک ڈال دیئے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے بہنے لگے۔ لوگوں نے ایک ایک کر کے اس سے وضو کیا اور ایک ہزار دو سو پانچ آدمیوں نے اسی طرح وضو کیا۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی پھر بھی ختم نہ ہوتا یہ ایک دست اقدس کی برکت تھی۔

غزوۂ تبوک میں کچھ لوگ ایک چشمہ کی طرف گئے۔ دیکھا تو اس میں تھوڑا سا پانی چمک رہا تھا۔ جو مٹکے کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ مبارک دھویا اور ہاتھ بھی دھوئے۔ پھر حکم دیا کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ چشمہ میں ڈال دیا جائے۔ جب ایسا کیا گیا تو اس چشمہ سے اس قدر زیادہ پانی بہہ نکلا جس سے پورا لشکر سیراب ہو گیا آپ کی برکت سے سب کی پیاس بجھ گئی اور لشکر خوش وخرم ہو گیا۔

کچھ لوگ حدیبیہ میں ایک کنوئیں پر گئے۔ اس وقت اس کا پانی چودہ ہاتھ تھا۔ لوگوں نے اس کا ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ تھوڑا بہت جس قدر بھی تھا سب ختم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور خود بھی دعا کی اور موجود لوگوں سے بھی دعا کرائی۔ دعا کے ساتھ ہی وہ کنواں ایک دریا کی طرح یا ایک موسلا دھار بادل کی طرح پانی سے جوش مارنے لگا۔ سب سیر ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔

مِنْ كَفِّ مُخْتَارِ الْكِفَافِ مُحَمَّدٍ   خَيْرِ الْوَرَىٰ نَبَعَ الزُّلَالُ الطَّاهِرُ
رُوِيَ مِنَ الْمَاءِ الْقَلِيْلِ جُيُوْشُهُ   حَيْثُ الْاَوَامُ لَهُ دَلِيْلٌ ظَاهِرُ
وَمِنَ الْعُيُوْنِ النَّاضِبَاتِ أَسَالَ مَا   هُوَ لِلْعُيُوْنِ مِنَ الْعَسَاكِرِ بَاهِرُ

لَاغِرْوَ وَاَنْ یَجْرِیَ لَدَیْہِ مُعِیْنُہٗ   وَ مُعِیْنُہٗ الْمَلِکُ الْعَزِیْزُ الْقَاھِرُ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست سخا سے صاف و پاک پانی چشمے کی طرح پھوٹ نکلا جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے بہتر بنایا۔ تھوڑے سے پانی سے پورا لشکر سیر ہو گیا۔ جبکہ وہ سخت پیاسا تھا۔ یہ آپ کے نبی برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔ خشک چشموں سے اس قدر پانی بہایا کہ لشکر کے لشکر نے پیا۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے سامنے چشمے بہہ نکلے۔ کیونکہ آپ کا مددگار وہ اللہ ہے جو بادشاہ، عزیز اور قاھر ہے۔

ایک سفر میں لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے وضو والا برتن منگوایا۔ اسے اپنے پہلو میں رکھا پھر آپ نے اس سے منہ لگایا تو اس میں برکت اور سعادت موجزن ہو گئی۔ لوگوں نے خوب پیا اپنے برتن بھر لئے۔ یہ حضرات ستر یا اس سے زیادہ تھے۔ ایک حدیث اسی قسم کے معجزہ کی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس میں اونٹ اور عورت وغیرہ کا واقعہ بھی ہے۔ ان دو توشہ دانوں سے لوگوں نے سفر میں پانی پیا۔ اس حدیث کو ثقہ لوگ جانتے ہیں۔ اہل علم و اہل سنت اس سے واقف ہیں۔

اسی طرح ''جیش العسرۃ'' میں لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ حتیٰ کہ ایک شخص اونٹ ذبح کرتا ہے اس کی لید کو نچوڑ کر پیاس بجھائی جاتی ہے، گرمی شدت کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے ابھی دعا مانگ کر ختم کر کے منہ پر ہاتھ نہ پھیرے تھے کہ آسمان پر بادل آ گئے۔ پھر اس قدر بارش برسی کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ لشکر نے خوب پیا اور خالی برتن پانی سے بھر لئے لیکن لشکر سے باہر کی زمین بالکل خشک رہی۔ ابو طالب ''ذی المجاز'' میں پیاس سے نڈھال ہو گئے۔ ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نیچے اترے اور زمین پر اپنے پاؤں مارے۔ آپ کی برکت سے پانی زمین سے ابلنے لگا۔

قِفْ سَآئِلًا اَرْضَ الْمَجَازِ وَمَاجَرٰی   مِنْھَا وَسَالَ بِجَانِبِ الْمِنْھَاجِ
وَسَلِ الْحُدَیْبِیَّۃَ النَّزُوْحَۃَ بِئْرَھَا   وَتَبُوْکَ عِنْدَ تَلَاطُمِ الْاَمْوَاجِ
وَبِقَاعِ جَیْشِ الْعُسْرَۃِ اللَّاتِیْ ھَمَتْ   بَرَکَاتُ مَآءِ سَمَآئِھَا الثَّجَاجِ
تُخْبِرُکَ عَنْ آیَاتِ اَشْرَفِ مُرْسَلٍ   رَکِبَ الْبُرَاقَ وَ سَارَ لِلْمِعْرَاجِ
صَلّٰی عَلَیْہِ اللہُ مَا ذَھَبَ الدُّجَا   وَاَتَی الصُّبْحُ بِسِرَاجِہِ الْوَھَّاجِ

ذرا رک کر" ذی المجاز" کی زمین سے پوچھ اور اس پر رونما ہونے والا واقعہ دریافت کر اور اس پانی کا معاملہ دریافت کر جو بہہ کر ایک راستہ کی طرف نکل گیا تھا۔ مقام حدیبیہ کے خشک کنوؤں سے پوچھ اور تبوک سے سوال کر جب اس کا پانی ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا اور جیش العسرۃ کی زمین سے دریافت کر جس میں پانی کی آسمانوں سے برکات موج در موج تھیں۔ یہ سب تجھے ان معجزات کی خبر دیں گے جو تمام انبیاء کرام کے سردار سے وقوع پذیر ہوئے جو براق پر سوار ہو کر معراج کرنے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے جب تک رات گزرتی رہے اور صبح سورج نکلتا رہے۔

پندرھویں فصل

آپ کی برکت سے کھانے میں زیادتی ہونے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو کی روٹی کے چند ٹکڑے ستر آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی بغل میں یہ ٹکڑے لائے تھے۔ آپ کی اس وقت مالی حالت کچھ بہتر نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قبول فرمالیا اور پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے ان پر پڑھا۔ غزوۂ خندق میں باتفاق علماء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کے ایک صاع اور بکری کے ایک بچے سے ایک ہزار آدمیوں کی خوراک مہیا فرمادی۔ جبکہ آپ نے گوندھے ہوئے آٹے اور پکی ہوئی ہنڈیا میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا قصہ سبھی جانتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ ان دونوں حضرات کیلئے کھانا تیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انصار کو بھی دعوت پر بلاؤ۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب نے بموجب ارشاد انصار کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ فرماتے ہیں اس دن میرے گھر ایک سو اسی آدمیوں نے کھانا کھایا۔ گوشت سے بھرا ایک پیالہ تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے کھانے والے حضرات کو دیتے یہ سلسلہ صبح کے کھانے سے رات کے کھانے تک چلتا رہا۔ ایک آتا دوسرا چلا جاتا۔ میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اس کی کلیجی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھونی آپ کے ساتھ اس وقت ایک سو تیس آدمی تھے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے خدا کی قسم! ان میں سے ہر ایک کو اس کلیجی میں سے حصہ ملا۔

يَا مُطْعِمَ الْمَسْكِيْنِ وَالْاَسِيْرِ　　وَجَابِرَ الْيَتِيْمِ وَالْكَسِيْرِ
وَيَا جَوَادًا زَادَ زَادَ صَحْبَهٗ　　وَمِنْ قَلِيْلٍ جَآءَ بِالْكَثِيْرِ
مَنْ ذَا الَّذِیْ يُنْكِرُ مَا تَاتِیْ بِهٖ　　يَا رَحْمَةَ الْمُهَيْمِنِ الْقَدِيْرِ
كَمْ آيَةٍ جِئْتَ بِهَا بَيِّنَةً　　لَيْسَ لَهَا فِی الْخَلْقِ مِنْ نَظِيْرٍ

اے مسکین و قیدی کو کھانا کھلانے والے! اور اے یتیم اور گرے پڑے کا نقصان پورا کرنے والے! اے سخی! آپ نے اپنے غلاموں کی کسر نکال دی اور قلیل چیز کو کثیر بنادیا۔ اے اللہ ذوالجلال کی رحمت! آپ نے جو معجزات دکھائے ان کا کون انکار کرسکتا ہے؟ آپ نے بہت سی ایسی واضح نشانیاں دکھائیں جن کی مخلوق میں مثل نہیں۔

بعض غزوات میں لوگوں کو بھوک نے ستایا۔ لوگوں کے پاس جو معمولی مقدار میں زاد تھا۔ اسے

اکٹھا کیا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے خالی برتن لے کر آ جاؤ۔ لشکر کے ہر آدمی نے اپنا برتن خوراک سے بھر لیا۔ اس کے باوجود بچ گیا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام اصحاب صفہ کو دعوت پر بلاؤ۔ چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے آئے اور جب اکٹھے ہو گئے تو ان کے سامنے ایک تھال رکھا۔ کیسا تھال؟ کہ جس کے کناروں کی چمک سے سورج بھی شرما جائے۔ ان حضرات نے حسب خواہش کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوئے تو وہ اتنی مقدار میں موجود تھا جتنا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ دودھ ان تمام کو پلایا۔ حتیٰ کہ ان کے پیٹ بھر گئے۔ آپ نے بنی عبدالمطلب کو جمع کیا۔ چالیس آدمی تھے ان کیلئے کھانے کا ایک ''مُدّ'' (دورطل) تیار کیا۔ چنانچہ ان سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ایک پیالہ منگوایا اس سے سب نے پیا۔ اس کے باوجود کھانا اور پانی بچ گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے ایک لقمہ بھی اس سے نہیں لیا اور ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چار سو گھڑ سواروں کیلئے کھانے کا بندوبست کریں۔ ان کیلئے چند کلو (سیر) کھجوریں تیار کیں۔ آپ نے اس میں سے ہر ایک کو اس قدر عطا فرمائیں کہ وہ خوش ہو گیا اور اپنے قبضہ میں لیکر چلتا بنا۔

آفَادَ صَحَابَهٗ خَیْرًا وَ مَیْرًا ۔۔۔ وَقَدْ جَآؤْا بِاَوْعِیَةٍ خَلِیَّةٍ
وَاَطْعَمَهُمْ کَثِیْرًا مِّنْ قَلِیْلٍ ۔۔۔ وَاَرْشَدَ هُمْ اِلَی الطَّرِیْقِ الْجَلِیَّةِ
وَاَتْحَفَ مِنْ دَفِیَ مِنْهُ وَوَافٰی ۔۔۔ اِلَیْهِ مِنَ الْهِدَایَةِ بِالْهَدِیَّةِ
وَکَمْ لِلْمُصْطَفٰی مِنْ مُکْرَمَاتٍ ۔۔۔ تُفِیْدُ وَمِنْ کِرَامَاتٍ عَلَیْهِ

آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھلائی اور بکثرت خوراک سے مستفید فرمایا۔ حالانکہ وہ خالی برتن لیکر حاضر ہوئے تھے۔ تھوڑے سے کھانے سے بہت سے لوگوں کو کھلا دیا اور لوگوں کو آپ نے واضح راستہ کی رہنمائی بھی فرمائی، آپ نے آپ کے ساتھ وفا کرنے والے کو بیش بہا تحفہ جات عطا کئے اور تحفہ دینے والوں کو اس کے بدلہ میں ہدایت جیسی قیمتی چیز عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیشمار معجزات اور بلند مرتبہ کرامات ہیں جن سے لوگوں نے فائدہ پایا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے کھانے کے متعلق روایت مشہور ہے اور اس میں حضور ﷺ کے دست مبارک سے جو برکت ہوئی اسے سبھی جانتے ہیں اس سے لشکر اور اپنے صحابہ کو آپ نے کھانا کھلایا۔ کافی مقدار میں کھجوریں عطا فرمائیں اور فی سبیل اللہ بہت کچھ پلایا۔ لوگوں نے کافی عرصہ اس سے فائدہ اٹھایا اور یہ فائدہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا

قصہ جوان کے والد کے قرض خواہوں کے ساتھ پیش آیا بہت معروف ہے۔آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کی کھجوروں میں اضافہ روایات میں موجود ہے۔سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ہنڈیا کا قصہ اور اس میں حضور ﷺ کا فیض ائمہ اور محدثین پر مخفی نہیں۔یونہی ان کے ولیمہ کی دعوت اور اس میں اشیائے خورد ونوش کی بہتات کسی پر مخفی نہیں۔جب آپ ﷺ اپنی زوجہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو گھر لائے۔لوگوں کو دعوت عام دی۔جب لوگ بیٹھ گئے تو انہیں کھجوروں کا ایک ''مد'' پیش فرمایا۔انہوں نے کھانی شروع کیں۔ان کی گٹھلیاں نکالتے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ ستر سے زیادہ تھے۔بلکہ ایک دوسری روایت کے مطابق تین سو کے لگ بھگ تھے۔یہ کام آپ ﷺ کیلئے کوئی مشکل نہ تھا اگر وہ اس سے بھی زیادہ ہوتے تو بھی محروم نہ رہتے۔

اَنَسٌ وَنَجلُ عَتِیقُ الْعَدْلُ الرِّضَا ۔۔۔ وَاَبُوْهُرَيْرَةَ وَ اِبْنُ خَطَّابِ عُمَرُ
وَکَذَا اَبُوْ اَیُّوبَ یَتْبَعُ جَابِرًا ۔۔۔ کُلٌّ رُوِیَ مَا قَدْ رَوَاهُ مِنَ الْخَبَرِ
ذَکَرُوْا الطَّعَامَ وَمَاتَزَا یَدَفِیْهِ مِنْ ۔۔۔ بَرَکَاتِ مَنْ بِدُعَائِهٖ نَزَلَ الْمَطَرُ
هُوَ اَحْمَدُ رَبُّ الْقِرَاْةِ وَاَقْرِیْ ۔۔۔ صَلّٰی عَلَیْهِ اللّٰهُ مَا طَلَعَ الْقَمَرُ

حضرت انس، ابوبکر صدیق، ابو ہریرۃ، عمر بن خطاب، ابوایوب اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام نے ایسی احادیث روایت فرمائیں جن میں حضور ﷺ کی برکت سے کھانے میں اضافہ ہوا۔آپ ﷺ کی دعا سے بارش برسی۔آپ ہی ﷺ مہمان نواز ہیں۔اللہ تعالیٰ کے آپ پر صلوۃ و سلام اس وقت تک نازل ہوں جب تک چاند طلوع ہوتا رہے۔

سولہویں فصل

درختوں اور پتھروں کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کا حکم تسلیم کرنا

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ کی مسجد یعنی مسجد نبوی کی چھت کھجور کے خشک درختوں پر کھڑی تھی۔ آپ جب خطاب فرماتے تو ان میں سے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ جو سب کا جانا پہچانا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے لکڑی کا منبر تیار کیا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دینا شروع کیا تو سامعین محفل نے اس کھجور کے تنے سے اونٹ کی آواز کے مشابہ آواز سنی۔ حتیٰ کہ پوری مسجد اس کے رونے اور فریاد کرنے سے لرز اٹھی۔ اس کی انکساری اور آہ و بکا سے لوگ بھی رونے لگے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ اگر اسے تسلی نہ دیتے تو وہ قیامت تک اسی کیفیت سے رہتا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے بلایا تو وہ زمین چیرتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے گلے لگایا، پھر حکم دیا کہ واپس اپنی جگہ چلے جاؤ اور وہ چلا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں واپس ان درختوں میں سے کر دیا جائے جو تیرے ساتھی باغ میں پھل دیتے ہیں۔ تیری جڑیں اور تنے شاخیں سبھی اُگ آئیں گی۔ تیرے ساتھ دوسرے درختوں کی طرح کھجوروں کے گچھے لگیں گے اور اگر اس کی بجائے تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں جنت میں گاڑ دوں؟ اس نے عرض کیا کہ آپ کی مہربانی ہوگی اگر مجھے جنتی درخت بنا دیں۔ اس نے آپ کی ابدی قدم بوسی کو ترجیح دی اور دار فنا کے مقابلہ میں دار بقا پسند کیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اسے میرے منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔ تاکہ وہ منبر سے متصل رہے جب مسجد نبوی کی جدید تعمیر کی گئی تو اس درخت کو حضرت ابی ابن کعب اپنے ہاں لے گئے۔

اَلْجِذْعُ حَنَّ اِلَی الرَّسُوْلِ الْمُصطَفٰی بِاللّٰهِ اَقْسَمَ اَنَّهٗ مَعْذُوْرٌ
قَدْ كَانَ حَالَ الْقُرْبِ مِنْ اَنْوَارِهٖ فِیْ نِعْمَةٍ اِقْبَالُهَا مَاْثُوْرٌ
فَغَدَا لِفُرْقَةِ بَدْرِهٖ مُتَصَدِّعًا يُبْدِیْ الْاَنِيْنَ وَ قَلْبُهٗ مَكْسُوْرٌ
مَنْ ذَا الَّذِیْ يَقْوٰی عَلٰی هِجْرَانِ مِنْ بَيْنِ الْبَرِيَّةِ فَضْلُهٗ مَشْهُوْرٌ

کھجور کے خشک درخت نے حضور سید دوعالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور رو کر

فریاد کی۔ خدا کی قسم! وہ اپنے اس فعل میں معذور تھا۔ یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار و تجلیات کے قریب تھا۔ اس کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ جب نور مجسم عرب وعجم کے چاند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے الگ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ اپنے چاند کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا۔ آہ وزاری ظاہر کی اور اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ کون ہے وہ جو خیر البریہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی برداشت کر سکے۔ جن کی فضیلت چاردانگ عالم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن مکہ شریف کے باہر قریبی آبادیوں میں تشریف لے گئے۔ آپ جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے وہی آپ کو سلام نیاز عرض کرتا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی رسالت کے اعلان کا پیام لیکر حاضر ہوئے تو وہ بھی جس راہ سے گزرتے۔ درخت اور پتھر انہیں مبارکبادی دیتے۔ سلام عرض کرتے۔ ان کی دعا پر مکانات اوران کے دروازوں تک نے آمین کہی۔ آپ جب بھی کسی درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے تو وہ آپ کیلئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض دیہاتیوں کو اسلام پیش فرمایا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ آپ کے سچا رسول ہونے کی کون گواہی دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی کے کنارے ایک ببول کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ زمین چیرتا ہوا سب کے سامنے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ آپ کے سامنے آ کر رک گیا اور آپ کے رسول برحق ہونے کی گواہی دی۔ پھر وہ واپس اپنی پہلی جگہ چلا گیا۔ ایک اور اعرابی نے آپ سے نشانی طلب کی۔ تا کہ اس کیلئے سبب ہدایت بن جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک درخت کے پاس جانے اور اسے جا کر آپ کی طرف سے پیغام پہنچانے کا حکم دیا وہ گیا اور درخت کو جا کر آپ کا پیغام دیا۔ درخت فرمان رسالت مانتے ہوئے زمین پھاڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔ پھر واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی خاطر ایک نہیں بیسیوں معجزات آپ نے دکھائے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے وہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو پردہ بنا کر اس کی اوٹ میں قضائے حاجت فرماتے۔ تو الگ الگ دو درخت باہم قریب ہو کر مل کر کھڑے ہو گئے اور دونوں نے آپ کی ذات مقدسہ کیلئے پردہ بنا دیا۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے اور اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔

اِذَا جَآءَ الْجِمَادُ اِلَيْهِ طَوْعًا وَخَاطَبَهٗ فَلَاتَعَجُّبَ لِذَاكَا

اتی بیغی التدانی من نبی عَلَامِقْدَارُهٗ فَسَمَا السَّمَاكَا

رَسُوْلُ اللّٰہِ اَفْلَحَ مَنْ تَرَامٰی   عَلَیْکَ وَ فَازَ مَنْ وَافٰی حِمَاکَا
وَ فِیْ نَادِیْکَ مَنْ حُلَت حِبَاہُ   تَلْفَعُ بِالْمَلَا بِسِ مَنْ حَبَاکَا

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ہنسی خوشی جمادات حاضر ہو گئے اور آپ سے انہوں نے گفتگو کی تو تمہیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے ہر پیغمبر کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق معجزات عطا ہوئے۔ بلندی بہر حال آسمان کو ہی نصیب ہے۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے آپ کو اپنا مقصود بنالیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کی حمایت میں کوشش کی وہ بھی کامیاب ہو گیا جس کی پکار و فریاد میں آپ کی محبت موجزن ہو وہی آپ کی محبت کے کپڑے زیب تن کرتا ہے۔

کسی غزوہ میں آپ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ کھجوروں کے درختوں اور پتھروں کو میری طرف سے پیغام دو کہ وہ میرے لئے پردہ اور حفاظت بنیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا کلام سنتے ہی درختوں نے اپنی اپنی جگہ سے چلنا شروع کر دیا اور پتھر بھی سرکنے لگے حتیٰ کہ وہ جڑ کر دیوار کی مانند ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو یہ سب آپ کے اشارہ پر اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

ببول یا بیری کا درخت سلام کیلئے حاضر ہوا آپ کا طواف کیا اور واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کی گواہی کون دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ فلاں درخت آپ کی بارگاہ میں وہ درخت جڑوں سمیت زمین چیرتا ہوا حاضر ہوا اور اس کے چلنے سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ طائف کے غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت تشریف لے گئے۔ رات کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا۔ آپ کے راستہ میں بیری کا درخت آ گیا، تو جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ خود بخود دو ٹکڑے ہو گیا۔ آپ کا راستہ صاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وادی میں ایک درخت کی ٹہنی کو آواز دی۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوئی زمین چیرتی حاضر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جو دینے والا اور روکنے والا ہے وہ آپ کے پاس رکی رہی۔ پھر آپ نے اسے واپسی کا حکم دیا تو وہ چلی گئی۔ ایک اعرابی نے ہدایت پانے کی خاطر آپ سے کوئی دلیل طلب کی تو آپ نے اس کی موجودگی میں کھجور کے درخت کو حکم دیا۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا پھر آپ کے حکم سے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

نَبِیٌّ لَہُ الْاَشْجَارُ جَآءَ ت مَطِیْعَۃً   نَبِیٌّ عَلَیْہِ سَلَّمَ الْحَجَرُ الصَّلَدُ

نَبِیٌّ هُدًی حَتّٰی الْجِمَادُ یُجِیْبُهٗ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ مَالِدَعْوَتِهٖ رَدُّ
لَهُ الْفَضْلُ وَالْاَفْضَالُ وَالْبِرُّ وَالتُّقٰی لَهُ الْعَدْلُ وَالْاِحْسَانُ وَالْجُوْدُ وَالْمَجْدُ
عَلَیْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَاذَرَّ شَارِقٌ وَمَا مَالَ فِیْ کُثْبَانِهٖ الْبَانُ وَالرَّنْدُ

آپ وہ عظیم الشان نبی ہیں کہ درخت آپکا حکم بجالاتے ہوئے حاضر ہوگئے۔ سخت پتھروں نے آپ کو سلام کیا۔ ایسے ہادی پیغمبر کہ جمادات تک نے آپ کی بات مانی۔ آپ کی بات کو کوئی رد نہیں کرتا۔ آپ کیلئے فضل، افضال، نیکی اور تقویٰ مسلم ہے اور آپ کیلئے ہی عدل و احسان اور سخاوت و بزرگی ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کے صلوۃ و سلام ہوں۔ جب تک سورج طلوع ہوتا اور چمکتا رہے اور جب تک ریت کے ٹیلوں میں خوشبودار اور دوسرے درخت اگتے رہیں۔

سترہویں فصل

حیوانات اور جمادات کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کا حکم ماننا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ گوہ نے حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں آپ سے کلام کیا۔ کہا۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ اے وہ شخصیت! کل قیامت میں آپ کا خطاب کامل ومکمل ہوگا۔ گوہ نے اولین وآخرین کے معبود کی گواہی دی۔ اور یہ بھی گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ ایک بھیڑیے نے بکریاں چرانے والے کو بتایا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ بڑے عظمت والے ہیں۔ اس وقت وہ مشرکین کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں۔ اللہ کے دین کو بلند کرنیکی خاطر کوشاں ہیں۔ چرواہے نے بھیڑیا کو ہی اپنی بکریوں پر محافظ کیا اور خود اس کی بات کی تصدیق وتحقیق کرنے چلا گیا۔ جب پہنچا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اس کے بتانے کے مطابق جہاد میں مصروف ہیں۔ مسلمان ہوگیا جب واپس آیا تو اپنے ریوڑ کو بالکل محفوظ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھانے نے تسبیح فصیح لغت میں کہی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ آپ نے کنکریوں کی مٹھی بھری۔ انہوں نے آپ کے دست اقدس میں تسبیح کہی۔ یہ حدیث بہت سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے۔ اس کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوگئے۔ جبرئیل علیہ السلام ایک تھال لے کر حاضر ہوئے اس میں انگور اور انار تھے۔ جب آپ نے انہیں کھایا تو انہوں نے اللہ کی تسبیح کہی۔

يَا مُرْسَلًا خَاطَبَهُ ضَبُّ الْفَلَا   وَاَخْبَرَ الذِّئْبُ بِهِ رَاعِيَ الْغَنَمِ
وَسَبَّحَتْ فِيْ كَفِّهِ صُمُّ الْحَصٰى   وَاَظْهَرَ الْاَنْوَارَ مِنْ بَعْدِ الظُّلَمِ
لَوْلَاكَ مَاغَابَ الْعِدٰى لَوْلَاكَ مَا   آبَ الْهُدٰى كُلًّا وَلَا اَمَّ الْاُمَمُ
اُقْسِمُ يَا رَبَّ الْمَقَامِ الْمُجْتَلٰى   اِنَّكَ خَيْرُالنَّاسِ عَرَبٌ وَ عَجَمُ

اے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان ایسے رسول! جس سے جنگلی گوہ نے کلام کیا اور بھیڑیے نے چرواہے کو آپ کی نبوت کی خبر دی۔ جن کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح کہی اور جس نے اندھیروں کے بعد روشنیاں بکھیریں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ظلم وزیادتی ختم نہ ہوتی نہ ہی ہدایت کی تر وتازگی دیکھنے میں

آتی اور نہ ہی یہ امت ہوتی۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اے بلند و بالا مقام کے مالک! آپ یقیناً عرب و عجم کے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت ہیں۔

بیت اللہ شریف کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے پاؤں پتھروں میں گچ چونا کے ساتھ گاڑے گئے تھے۔ بہت مضبوط تھے۔ جب فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنے دست اقدس میں پکڑی چھڑی سے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا تو اسی وقت وہ بت منہ اور پشت کے بل زمین پر گر گئے۔ اس کے علاوہ اور کتنی بکثرت نشانیاں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ عباس بن مرداس کے چھپے بت کا آپ سے گفتگو کرنا، اس کا مذکورہ شعر پڑھ کر سنانا ایسا واقعہ ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چھپائے گئے پرندے کا کلام کرنا اور اس کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا یہ روایت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک انصاری کے باغ میں بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا اور اونٹ کا آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنے ذبح کئے جانے سے بچنے کی درخواست کرنا یہ سب معجزات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

اَشَارَ اِلَی الْاَ صْنَامِ فِیْ فَتْحِ مَکَّۃَ ۔۔۔ فَخَرَّتْ وَ عَادَ الْبَیْتُ مِنْھَا مُطَھَّرَا

وَاَخْبَرَ عَنْ اِرْسَالِہٖ الطَّائِرُ الَّذِیْ ۔۔۔ أَفَادَ ضِمَارًا مَا اَسَرَّ وَ اَضْمَرَا

کَرَامَاتُ مَعْرُوْفُ الْمَکَارِمِ عَارِفٌ ۔۔۔ یَفُوْقُ الْوَرٰی فَضْلًا وَ خَبْرًا وَ مُخْبِرَا

فتح مکہ کے دن آپ نے بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ حکم بجالاتے ہوئے گر پڑے۔ اور بیت اللہ شریف دوبارہ ان کی نجاست سے پاک ہوگیا۔ آپ کے رسول اللہ ہونے کی خبر اس پرندے نے دی، جسے پکڑ کر چھپا دیا گیا تھا۔ یہ کرامات اس ذات کی ہیں جس کے اعلیٰ اخلاق سبھی جانتے ہیں اور وہی شخصیت فضل، خبر اور خبر دینے والے کے اعتبار سے تمام کائنات پر فوقیت رکھتی ہے۔

آپ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی کا آپ سے کلام کرنا مشہور و معروف ہے۔ اس کی طرف سبز گھاس کا خود بخود آنا اور وحشی جانوروں کا اس سے دور رہنا کتب سیرت میں لکھا ہر شخص جانتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خوراک ترک کر دینا اور کھانا پینا چھوڑ دینا اور یہ کیفیت اس کے مرنے تک بھی مذکور ہے۔ فتح مکہ کے دن مکہ کے کبوتروں کا آپ پر بادل کی طرح سایہ کرنا، عید کے دن قربانی کے ایک جانور کا اپنے آپ کو قربان ہونے کیلئے پیش کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی رات غار پر درخت اگ آنا، مکڑی کا غار پر جالا تننا، کبوتری کا گھونسلہ بنا کر انڈے دینا تاکہ کافروں سے آپ کی حفاظت ہو جائے، رسی میں بندھی ہرنی کا آپ سے فریاد کرنا، اس کا حرف یا

سے آپ کو جنگل میں پکارنا، اس کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا، اپنی رسی کھولنے اور رہا کرنے کی درخواست کرنا تاکہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے، پھر اس کا واپس آ جانا، اور وعدے کا ایفا کرنا، واپس آنے پر آپ کا اسے شکاری کیلئے باندھ دینا، پھر اس شکاری کی اجازت سے اسے بالکل چھوڑ دینا جبکہ شکاری نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

حَامَ الْحِمَامُ عَلَيْهِ اِجْلَالاً لَهُ　　وَبِهٖ اسْتِجَارَتْ ظَبْيَةُ الْقَنَاصِ
شَهِدَتْ بِمَبْعَثِهٖ وَ اَبْدَتْ شَجْوَهَا　　بِلِسَانٍ لَاهَذَرَ وَلَاخِرَاصِ
آيَاتُ حَقٍّ حَارَ كُلُّ مُؤَرِّخٍ　　فِيْ حَصْرِهَا وَ مُحَدِّثٍ قِصَاصِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور احترام کی خاطر کبوتر آپ پر جمع ہو گئے، رسی میں بندھی ہرنی نے آپ سے ہی پناہ طلب کی۔ اس نے آپ کی نبوت کی گواہی دی اور اپنا دکھڑا اس طرح بیان کیا کہ نہ جھوٹ بولا اور نہ ہی کوئی فالتو بات کی۔ یہ چند سچے معجزات ہیں۔ ان کے علاوہ کس قدر معجزات و آیات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیں؟ اسے مؤرخ، محدث اور قصہ خواں گن نہ سکا۔

آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا راستہ شیر نے چھوڑ دیا، جب اسے علم ہوا کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ غزوۂ خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک گدھے کا اپنا دکھڑا بیان کرنا، اس کا کہنا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ یہ واقعہ بھی جانا پہنچانا ہے۔ ایک اونٹنی نے آپ کے ہاں مدعی کے خلاف بہتان کی گواہی دی۔ اور اقرار کیا کہ اس کے مالک نے اسے چوری نہیں کیا۔ بلکہ وہ پہلے سے ہی اس کی ملکیت میں ہے۔ آپ کے فاتح لشکر کے پاس ایک بکری یا ہرنی کا آنا جبکہ اس لشکر کے پاس ضرورت کیلئے پانی نہ تھا۔ یہ تقریباً تیس سو آدمی تھے۔ پیاس سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ آپ نے اس ہرنی یا بکری کو دوھیا، سب کو دودھ پلایا اور وہ پھر واپس چلی گئی۔ انہیں اس کا علم تک نہ ہوا۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو حکم دیا کہ ادھر ادھر حرکت نہیں کرنی۔ آپ نے نماز ادا فرمائی اور وہ بدستور ساکن کھڑا رہا۔ آپ کے گھر کا پالتو کبوتر (یا کوئی اور جانور) جب آپ گھر تشریف لاتے تو وہ آرام سے ایک جگہ بیٹھ جاتا اور جب باہر تشریف لے جاتے تو ادھر ادھر گھومتا۔

نَبِيٌّ وَ بَلْ مَرْكَزُهٗ غَزِيْرٌ　　فَدَعْ طَلَّ السَّحَائِبِ وَالرَّذَاذَا
نَبِيٌّ اَمْرُ مُعْجِزِهٖ كَبِيْرٌ　　بِهٖ حَتّٰى جِمَادُ الْاَرْضِ لَاذَا
وَاَقْبَلَ نَحْوَهُ الْحَيَوَانُ طَوْعًا　　يَرُوْمُ بِكَهْفِهِ الْعَالِيْ عَيَاذَا

غَدَتْ دَعَوَاتُهُ تَحْكِيْ سِهَامًا اِذَا مَا اُرْسِلَتْ نَفَذَتْ نِفَاذَا

آپ وہ نبی ہیں جن کے مرکز کی بارش موسلا دھار ہے۔اس کے مقابلہ میں بادلوں کی معمولی سی بارش اور پھوار کی کیا قدر ہے۔آپ وہ پیغمبر ہیں جن کے معجزات کا معاملہ بہت بڑا ہے۔ جمادات تک نے آپ سے پناہ لی۔حیوانات آپ کی طرف خوشی بخوشی آئے اور آپ کی بلند و بالا امن گاہ سے پناہ طلب کی اور پناہ پائی۔آپ کی دعائیں تیروں اور نیزوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔جس طرح تیروں کو جب نشانہ پر مارا جاتا ہے وہ اس میں اتر جاتے ہیں اسی طرح آپ کی دعائیں جس مقصد کیلئے کی جاتی ہیں وہ مقصد لازماً پورا ہو جاتا ہے۔

اٹھارہویں فصل

مردوں اور بچوں کا آپ سے کلام کرنا اور دردمندوں کا تندرست کر دینا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے آپ کو بکری کا گوشت بھون کر پیش کیا۔ جب آپ تناول فرمانے لگے تو گوشت بول پڑا۔ حضور! مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔ میرا کھانا اچھا نہیں۔ اس کے کھانے سے حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کی ران یا پایا آپ سے ہم کلام ہوا تھا۔ پھر یہودی عورت نے اپنے کرتوت کا اعتراف کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔

آپ کی بارگاہ میں ایک نومولود بچہ لایا گیا۔ اس نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ اس کے بعد وہ بچہ جوان ہونے تک خاموش رہا۔ بچے کا کلام کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں جب کہ ہرنی اور گوہ کا کلام کرنا اس سے کہیں زیادہ تعجب والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے شخص کے ساتھ تشریف لے گئے جس نے اپنی بچی ایک وادی میں پھینک دی تھی۔ آپ نے اس کا نام لیکر اسے آواز دی۔ وہ باہر نکلی۔ اس کی زبان پر "لبیک" تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ اگر تو چاہتی ہے کہ تجھے تیرے والدین کے سپرد کر دوں تو ٹھیک کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں کہنے لگی مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اللہ کو انسے کہیں زیادہ بہتر پایا ہے۔ ایک انصاری نوجوان کے مر جانے کے بعد زندہ ہونا اور اس کی بوڑھی نابینا ماں کا اس کیلئے دعائیں کرنا، اور اس کا اللہ رسول کی خاطر ہجرت کرنا اس کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ان لوگوں نے نقل کیا جن پر شبہ نہیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا آپ سے کلام کرنا جبکہ انہیں فوت ہونے کے بعد قبر میں داخل کیا گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی اور آپ کا اسم گرامی لیا۔ انہیں یمامہ میں شہید کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ اسی طرح حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی۔ انہوں نے بھی آپ کا اسم گرامی لیا۔ رسالت کا ذکر کیا کچھ اور صفات بیان کیں اور فصیح زبان سے آپ کو سلام عرض کیا، پھر مردوں کی طرح خاموش ہو گئے۔

تَکَلَّمَتِ الْمَوْتٰی بِحَضْرَةِ اَحْمَدَ وَخَاطَبَهٗ فِیْ یَوْمِ مَوْلِدِهٖ الطِّفْلُ

وَمَا ذَاکَ بِدْعًا بَعْدَ تَکْلِیْمِ بَعْضِهِمْ　　لِعِیْسٰی کَمَا وَا فِی اِلَیْنَا بِهٖ النَّقْلُ
وَقَدْ اَخْبَرَ الرَّحْمٰنُ اَنَّ مُحَمَّدًا　　عَلٰی سَآئِرِ الرُّسُلِ الْکِرَامِ لَهُ الْفَضْلُ
هُوَالْمُصْطَفٰی الْمُخْتَارُ وَالشَّاهِدُ الرِّضٰی　　هُوَ الْمُنْعِمُ الْوَهَّابُ وَالْحَکَمُ وَالْعَدَلُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں مردوں نے باتیں کیں اور نومولود بچوں نے اپنے یوم ولادت کے وقت آپ سے خطاب کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بعض نے گفتگو کی ہے۔ (بلکہ حضرت عیسیٰ نے بچپن میں خود گفتگو فرمائی) یہ بات ہم تک مکمل نقل کے ذریعہ پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے بیشک یہ فرمایا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل واعلیٰ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصطفیٰ، مختار، شاہد اور رضائے رحمٰن ہیں اور اللہ تعالیٰ، منعم، وہاب، حکم اور عدل وانصاف فرمانے والا ہے۔

سیدنا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں آنکھ اپنے خانہ سے باہر نکل کر رخسار پر لٹکنے لگی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس اس کی جگہ رکھا۔ اس کے بعد یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور تیز نظر والی ہوگئی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو ایک زخم آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس پر لگایا۔ اس کے بعد وہاں زخم کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اور نہ ہی درد کا احساس رہا۔ ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ اسی وقت ان کی بینائی واپس آ گئی، جس پر تمام لوگ گواہ تھے۔ ایک کو مرض استسقاء نے نہایت لاغر کر دیا۔ اس کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور بینائی ختم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آنکھوں پر پھونک ماری، فوراً نظر واپس آ گئی اور اتنی تیز ہوگئی کہ سوئی میں دھاگہ ڈال لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اسی 80 حج وعمرہ کرائے۔ جناب کلثوم بن حصین کے سینہ میں غزوۂ احد کے دن تیر لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ تھوک شریف لگایا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست ہو گئے۔ جناب عبداللہ بن انیس کا زخم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن لگانے سے ختم ہو گیا۔ غزوۂ خیبر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھ پر لعاب دہن لگایا، جس سے ان کی تکلیف کافور ہوگئی۔

کَفُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ کَمْ اَبْرَأَتْ　　عَیْنًا وَاَجْرَتْ فِی الْفَلَا مِنْ عُیُوْنٖ
وَ کَمْ سَقِیْمٍ مُدْنِفٍ صَیَّرَتْ　　تَحْرِیْکَ مَا اُسْقِمَهٗ فِی سُکُوْنٖ
وَاسْأَلْ فَدِیْکًا اِنْ تَشَآءُ اَوْ فَسَلْ　　قَتَادَةَ تَظْفَرُ بِسِرٍّ مَصُوْنٖ
وَاعْلَمْ بِاَنَّ الصَّادِقَ الْمُجْتَبٰی　　اَصْعَبُ مِنْ هٰذَا عَلَیْهِ یَهُوْنٖ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست شفا بخش سے کتنے نابینا، بینا ہو گئے اور کس قدر آپ نے بیابانوں میں چشمے جاری فرما دیئے۔ بہت سے ایسے بیمار جو قبر کے کنارے پہنچ چکے تھے آپ نے اس کی بیماری کو دور فرما دیا۔ فدیک سے یا پھر حضرت قتادہ سے پوچھ تجھے اس مخفی راز کا علم ہو جائیگا۔ ہاں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ان سے زیادہ مشکل کام، نہایت آسان ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر لگا زخم پھونک مار کر درست فرما دیا۔ جو انہیں "یوم الرضع" میں آیا تھا۔ حضرت ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو تلوار کا زخم آیا۔ وہ بھی آپ کے پھونک مارنے سے درست ہو گیا اور زخم مندمل ہو گیا۔ جناب ابن حکم کی غزوہَ خندق میں پنڈلی ٹوٹ گئی۔ اس پر جب آپ نے پھونک ماری تو پہلے کی طرح جڑ گئی اور درد کافور ہو گیا۔ حضرت علی نے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا کی پھر اپنے پاؤں کی ٹھوکر لگائی۔ اس کے بعد انہیں مرنے تک یہ تکلیف نہ ہوئی۔ ابوجہل نے حضرت معوذ بن عفراء کا ہاتھ کاٹ دیا، یہ غزوہَ بدر کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کی جگہ رکھ کر لعاب دہن لگایا تو اللہ رب العزت کی عطا سے وہ بالکل صحیح ہو گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے شانہ پر چوٹ آئی جس سے وہ ایک طرف ڈھلک گیا آپ نے اسے سیدھا کیا پھونک ماری اور دوبارہ لڑنے کیلئے فوج میں بھیج دیا۔ ایک خثعمیہ کا بچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل شریف کے پانی سے تندرست ہو گیا اور اس کی برکت سے بہت زیادہ عقلمند ہو گیا۔ ایک مرتبہ ابن حاطب کے بازو پر گرم گرم ہنڈیا گر گئی۔ یہ ابھی بچے تھے۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تندرست ہو گیا۔ شراحیل کے ہاتھوں میں خرابی تھی جس کی وجہ سے وہ تلوار کا قبضہ ہاتھ میں نہ پکڑ سکتا تھا۔ اس سے بہت پریشان ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ خرابی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد وہ تاعمر تلوار چلاتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہیں سینکڑوں مصیبت زدہ اور پریشان حالوں کی مدد فرمائی۔

آپ کے در دولت پر جسے بھی لایا گیا خواہ وہ کیسے ہی مرض میں مبتلا ہوتا۔ شفایاب ہو کر جاتا۔

يَا مَنْ لَهٗ رُتَبُ الْعَلِيَّةِ وَالْحَسَبِ ۔۔۔ يَا مَنْ حَوٰى شَرَفَ الْمَغَارِسِ وَ النَّسَبِ

دَعَوَاتُكَ اللَّاتِىْ نَمَتْ بَرَكَاتُهَا ۔۔۔ كَمْ اَذْهَبَتْ مَا كَانَ يُفْضِىْ لِلْعَطَبِ

مِنْ ضَرْبَةٍ عِنْدَ النِّزَالِ وَ طَعْنَةٍ ۔۔۔ تَاْتِىْ وَمَنْ مَسَّ يُصِيْبُ وَمِنْ وَصَبِ

اَنْتَ الَّذِىْ بَلَغَ الْمُنٰى مَنْ عَدَّ مِنْ ۔۔۔ خُدَّامِ سُنَّتِكَ الشَّرِيْفَةِ وَالْاَدَبِ

صَلّٰى عَلَيْكَ مَدَدَ الْاَكْوَانِ مَا ۔۔۔ ظَهَرَ الضِّيَاۤءُ مِنَ الْغَزَالَةِ وَاحْتَجَبِ

اے وہ عالی مرتبت محبوب خدا! آپ کے مراتب نہایت عالی، آپ کا حسب بہت اونچا اور اصل و نسب کی شرافت کے آپ جامع ہیں۔ آپ کی دعاؤں کی برکات اس قدر پھیلی ہیں کہ بہت سے ایسے امراض دور ہو گئے جو بیمار کو ہلاک کر دینے والے تھے۔ جنگ اور نیزہ و تلوار کے ٹکراؤ سے زخمی ہونے والے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے دست اقدس سے ان کے زخم اور درد دور فرما دیئے۔ آپ ہی کی ذات گرامی وہ ہے جس نے آپ کی سنت مطہرہ اور آداب پر چلنے والے کی تمام خواہشات پوری کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل ہوتا رہے جب تک اس کائنات میں سورج کے نکلنے سے روشنی اور غروب ہونے سے اندھیرا ابنتا رہے۔

انیسویں فصل

آپ کی مستجاب دعاؤں کا بیان

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ جب کسی شخص کیلئے دعا کرتے تو اسکی برکت اسے، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک جاتی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے آپ نے مال اور اولاد کی کثرت کی دعا فرمائی۔ آپ کی اس دعا کی برکت سے انہیں جو بکثرت اولاد اور وافر مقدار میں مال و دولت ملا۔ اسے عام آدمی کیا جانے۔ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر وقت مال کی فراوانی رہتی تھی۔ آپ نے اپنے ہاتھوں ایک سو بیٹے جوان کی پشت سے تھے، دفن کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے کثرت مال کی آپ نے دعا فرمائی۔ مال و دولت آپ کے گھر پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے اونٹوں کا جب صدقہ نکالا۔ تو سات سو اونٹ صدقہ میں دیئے۔ آپ نے ایک ہی دن ایک مرتبہ تیس غلام آزاد کئے جب ان کا انتقال ہوا تو وراثت میں بہت زیادہ سونا وغیرہ چھوڑا۔ آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اسی ہزار درہم ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے علاقہ اور شہروں میں قدرت پانے کی دعا فرمائی۔ آپ کو خلافت ملی۔ تو آپ نے نئے پرانے مالداروں میں حکومت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کیلئے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا فرمائی، اس کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جس کیلئے دعا مانگتے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اے اللہ! عمر کو اسلام کے غلبہ کیلئے مسلمان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام نصیب فرما دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر مسلمان ہوئے ہم مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بڑھ گیا۔

نَعَمْ اَعَزَّ دِيْنَنَا اِسْلَامَ ذِی الْعِزِّ عُمَرُ
الزَّاهِدُ الْعَدْلُ الرِّضٰی رَبُّ الْفُتُوْحِ وَ الظَّفَرِ
مَا ذَاکَ اِلَّا بِدُعَا ءِ الْمُصْطَفٰی خَيْرِ الْبَشَرِ
كَمَا دَعَا لِاَنَسٍ فَنَالَ بِالْيُمْنِ الْوَطَرِ
وَلَا بْنِ عَوْفٍ الْجَوَا دِ فَاجْتَلٰی بَدْرُ الْبَدَرِ
طُوْبٰی لِقَوْمٍ اَدْرَكُوْا اَيَّامَهُ الْبِيْضَ الْغُرَرِ

ہاں واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین اور اسلام قبول کرنے سے ہمارے دین کی عزت و وقار میں اضافہ ہو گیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو بہت معزز، زاہد، عادل، راضی برضاء الٰہی، صاحب فتوحات کثیرہ اور کامیاب ہیں یہ جو کچھ ہوا صرف اور صرف خیر البشر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت تھا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے مال واولاد کی کثرت کی دعا فرمائی۔ تو انہیں مال کثیر اور بہت سی اولاد دیکھنا نصیب ہوئی۔ اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے کثرت مال کی دعا فرمائی، تو وہ بھی قبول ہوئی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ دیکھنا نصیب ہوا جو نہایت روشن اور واضح تھا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "نابغہ" کیلئے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کے دانت نہ ٹوٹنے پائیں۔ یعنی اس کی گفتگو کو کمال نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے آسمانوں جیسی بلندی عطا فرمائی اور عمر جو خوبصورت دانتوں کے مالک تھے ان کیلئے بھی دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا جب بھی کوئی دانت گرتا اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا اگا دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) کی دعا فرمائی اور قرآن کریم کی تاویل وتفسیر کیلئے دعا سے نوازا۔ یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اس دعا کی برکت سے "حبر الامۃ" اور "ترجمان القرآن" کہلائے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کیلئے دعا فرمائی کہ انہیں کاروبار میں نفع ہو، پھر جو چیز خریدتے خواہ اپنے لئے یا کسی نائب وامین کیلئے تو اس میں نفع ہی نفع اٹھاتے۔ حضرت مقداد کیلئے بھی برکت کی دعا فرمائی۔ مال و دولت ان کی طرف لپک کر آتے۔ حضرت عروۃ بن جعد کیلئے بھی ایسی ہی دعا فرمائی۔ ان کے منافع کے ستارے سعادت کے آسمان کو چھونے لگے۔ گرمی سردی کا حضرت علی پر آپ کی دعا کی وجہ سے کوئی اثر نہ ہوتا۔ آپ گرمیوں میں سردیوں والے کپڑے اور سردیوں میں گرمیوں والے کپڑے زیب تن فرماتے۔ کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ جناب طفیل بن عمر کو آپ کی دعا کی برکت سے ایک نشانی مل گئی وہ یہ کہ آپ کے پاس ایک کوڑا تھا، جس کی ایک طرف سیاہ رات میں روشن ہو جاتی تھی۔

هٰذَا ابْنُ عَبَّاسٍ بِهٖ قَدْ غَدَا فِي الْفِقْهِ وَالتَّاوِيْلِ نِعْمَ الْإِمَامُ

وَعَرْوَةَ بْنِ الْجُعْدِ مِنْ رِبْحِهٖ فِي الْمَالِ قَدْ فَازَ بِاَعْلَى السِّهَامِ

وَالْحَرُّ وَالْقَرُّ عَلِيٌّ رَأَى حَرْبَهُمَا سِلْمًا عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَاَيُّ خَيْرٍ لَمْ يَكُنْ اَصْلُهٗ مِنْ اَحْمَدَ بَيْتِ قَصِيْدِ الْكِرَامِ

ان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے فقہ

اور تفسیر کے بہت اعلیٰ امام بن گئے۔ حضرت عروہ بن جعد نے آپ کی دعا کی برکت سے مال میں اس قدر نفع پایا کہ بہت بڑے مال دار ہو گئے۔ اور حضرت علی کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا نے یہ اثر دکھایا کہ انہیں گرمی سردی کی پراہ نہ رہی۔ ان کے علاوہ کوئی بھی دوسری بھلائی ایسی نہیں جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوں۔ آپ کا گھرانہ ہی سخیوں کی آماجگاہ ہے۔

قبیلہ مضر کیلئے آپ کی درخواست پر قحط آن پڑا۔ جس سے زندگی دوبھر ہو گئی پھر انہوں نے قریش سے معافی کی درخواست کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی تو قحط جاتا رہا اور بارش برس پڑی۔ کسریٰ کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس کا ملک ختم ہو گیا اس کی اولاد کا اتفاق تتر بتر ہو گیا۔ ایک مرتبہ چند بچوں نے دوران نماز آپ کو ستایا۔ آپ نے دعا کی تو وہ وہیں جکڑے گئے حتیٰ کہ آپ نے ان کی معافی قبول کر لی اور وہ تندرست ہو گئے۔ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ کہنے لگا میرا دایاں ہاتھ کام نہیں کرتا حالانکہ اس کا ہاتھ تندرست تھا۔ چنانچہ آپ کے فرمانے سے اس کا ہاتھ دوبارہ منہ تک نہ جا سکا۔ عتبہ بن ابی لہب کو شیر نے پھاڑ دیا۔ جب اس کیلئے آپ نے دعا کی تھی کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ قریش کی ایک جماعت نے آپ کے سامنے آ کر آپ سے توہین آمیز سلوک کیا تو آپ کی دعا کی وجہ سے وہ سب بدترین حالت میں ہو گئے اور قتل کر دیئے گئے۔ حکم بن عاص آپ کو آنکھوں سے نازیبا اشارے کرتا اور منہ چڑھایا کرتا تھا جبکہ وہ ابھی بالغ نہ ہوا تھا۔ آپ نے دعاء کی کہ تو اسی حالت پر ہی رہ جا۔ چنانچہ وہ تاعمر ٹیڑھے منہ والا ہو گیا ابن جثامہ آپ کی دعاء کے بعد ساتویں دن واصل جہنم ہو گیا جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے باہر پھینک دیا۔ دوبارہ سہ بارہ ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی مرتبہ دعاء استسقاء کے بارے میں مقبول ہوئی اور اس کے علاوہ اور بہت سے مواقع پر کام آئی اس کا شمار نہیں ایسی کرامات اور ایسے بیشمار معجزات اور بھی ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کی عظمت کی دلیل ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْ یَدْعُوْ لَهٗ مَنْ لَا یُرَدُّ ۔۔۔ دُعَآؤُهٗ لِمُوَفَّقٍ وَ سَعِیْدٍ

وَالْوَیْلُ لِلْعَاصِیْ الَّذِیْ یَدْعُوْ عَلَیْـــــــــهِ وَاِنَّهٗ لَمُشَرَّدٌ وَ طَرِیْدٌ

یَا سَیِّدَ الْکَوْنَیْنِ یَا مَنْ ظِلُّهٗ ۔۔۔ کَنَوَالِهٖ لِلْوَافِدِیْنَ مَدِیْدٌ

کَمْ آیَةٍ وَ کَرَامَةٍ لَکَ ذِکْرُهَا ۔۔۔ اَبَدًا عَلٰی مَرِّ الزَّمَانِ جَدِیْدٌ

مِنِّیْ اِلَیْکَ سَلَامُ عَبْدٍ مَا لَهٗ ۔۔۔ اِلَّا الصَّلٰوةُ عَلَیْکَ وَ التَّوْحِیْدُ

یقیناً وہ شخص جس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے ہیں جن کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی وہ بہت توفیق والا اور سعادت والا ہے۔ اور تباہی و بربادی اس کا مقدر کہ جس کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں یقیناً وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور اور دھتکارا ہوا ہے۔ اے کونین کے آقا! اے وہ ذات کہ ان کا سایہ ان کی سخاوت کی مانند ہے۔ وہ محتاجوں اور ضرورتمندوں کیلئے پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی کرامات (معجزات) اور آپ کی نبوت کی علامات اس قدر ہیں کہ قیامت تک ان کا ذکر ہوتا رہے گا۔ اور جوں جوں وقت گزرے گا توں توں وہ تازہ ہوں گی۔ میری طرف سے آپ پر سلام ہو میں آپ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں میرے پاس آپ پر صلوۃ وسلام عرض کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے سوا کوئی پونجی نہیں۔

بیسویں فصل

انقلاب اعیان (ایک چیز کو دوسری میں تبدیل کر دینا)

اور آپ کی برکت کی تاثیر کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جو بہت لاغر تھا اور سب سے پیچھے رہتا تھا۔ آپ کی سواری فرمانے کی برکت یہ ہوئی کہ اب وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ بڑے بڑے تیز رفتار گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ بہت کمزور تھا۔ آپ کی برکت سے وہ اس قدر چست اور توانا ہو گیا کہ مہار پکڑنی مشکل ہو گئی تھی۔ ایک تند خو اونٹ کیلئے دعا فرمائی تو وہ فرمانبردار ہو گیا۔ پھر اس کی قیمت بارہ ہزار درہم پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک گدھے پر سوار کیا جو بہت آہستہ چلتا تھا اسے ایسا کر دیا کہ وہ مالک کے بغیر چر پھر کر واپس آ جاتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ بال تھے۔ آپ نے جس جنگ میں بھی شرکت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے انہیں فتح و نصرت بخشی۔ بیمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے اترے کپڑوں سے شفا حاصل کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جس برتن میں کوئی پینے کی چیز رکھی گئی۔ اس میں پانی ڈال کر آرام و عافیت پاتے۔ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی ایک کنوئیں میں ڈالا گیا تو اس کے بعد اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنوئیں میں آپ نے اپنا لعاب دہن ڈالا جس کی وجہ سے وہ تمام کنوؤں کے پانی سے زیادہ میٹھا ہو گیا۔ آپ نے ایک مرتبہ نمکین پانی کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے "طیب" کہا تو وہ اسی وقت میٹھا ہو گیا۔ زمزم کے کنوئیں میں آپ نے کلی کا پانی ڈالا۔ اس سے خوشبو مہکنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ پیتے بچوں کے منہ میں لعاب دہن ڈالتے تو ان کو رات تک بھوک پیاس نہ لگتی۔

رَسُوْلٌ كَمْ حَدِيْثٍ عَنْهُ يُرْوٰى جَوَاهِرُهٗ شُنُوْفٌ لِلْمَسَامِعِ
نَمَتْ بَرَكَاتُهٗ وَ سَمَا سَنَاهَا يُشِيْرُ بِلَامِحٍ فِي الْكَوْنِ لَامِعٍ
بِهَا الْحَيَوَانُ اَضْحٰى ذَا نِشَاطٍ وَ زَالَتْ عَنْ ذَوِي السَّقَمِ الْمَوَانِعِ
بِهَا عَذُبَتْ مِيَاهٌ كُنَّ مِلْحًا وَصَارَلَهَا شَذِيٌّ كَالْمِسْكِ ضَائِعِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ جن کے موتی کانوں کی

بالیاں ہیں۔ آپ کی برکات بہت بڑھیں اور ان کی روشنی خوب چمکی۔ کائنات میں آپ کی دعاؤں کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی برکتوں سے چوپائے ہشاش بشاش ہو گئے اور کمزوروں بیماروں اور دکھ درد کے ماروں کی تکالیف ختم ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے نمکین پانی میٹھے ہو گئے اور ان کی خوشبو مہکنے والی مشک کی طرح ہو گئی۔

جناب مالک کی والدہ کے گھی کے ڈبے کا واقعہ آپ کا اسے حکم دینا کہ اس کو نہ نچوڑے اور اس کا اس میں سے اس وقت تک گھی حاصل کرتے رہنا جب تک اس نے اسے نہ کھولا۔ اس کا کوئی منکر نہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بدل کتابت میں تین سو کھجوروں کے پودے لگانا پھر اسی سال آپ کے دست اقدس کی برکت سے ان کا پھل لانا، انہیں سونا عطا کرنا جو ان کے مالکوں نے وصول کرنا تھا اور چالیس اوقیہ مقرر تھا۔ وہ صرف مرغی کے ایک انڈے کے برابر تھا۔ وہی آپ کی برکت سے چالیس اوقیہ سے زیادہ وزنی ہو گیا۔ آپ ﷺ کے پانی پی کر بچے ہوئے پانی کا ایک شخص کا پینا، جس کی برکت سے اسے کبھی پیاس نہ لگی اور ہر وقت سیر رہتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اندھیری رات میں ایک لکڑی عطا فرمانا جو ان کے پاس روشنی دیتی رہی حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں تلوار ٹوٹ جانا اور آپ کا انہیں ایک ٹہنی عطا فرمانا، پھر اسی کو اپنے ساتھ ہر جنگ میں رکھنا، اس کی وجہ سے آپ کا مختلف قبائل میں "فاتح" مشہور ہونا، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ختم ہو جانے پر انہیں کھجور کی ٹہنی عطا فرمانا یہ بھی غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیتی تھی۔ حاملہ بکریوں میں آپ کی برکات، ان کے دودھ میں فراوانی کتب حدیث میں اس کے متعلق روایات موجود ہیں جیسا کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں، ام معبد خزاعیہ کی بکری، معاویہ بن ثور کی بکریاں، حضرت انس کی دونوں بکریاں حضرت مقداد اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی بکریوں کے واقعات۔ علاوہ ازیں ان گنت واقعات محدثین کرام نے نقل فرمائے۔

لِلّٰهِ دَرُّ نَبِيٍّ دُرُّ مَنْطِقِهٖ ... الْبَابَ اَهْلِ الْحُجٰى وَالْعِلْمِ يَسْتَلِبِ
وَالنَّشْرُ مِنْ وَصْفِهٖ لَايَنْطَوِیْ اَبَدًا ... كُلًّا وَّلَا يَنْقَضِیْ مِنْ بَحْرِهِ الْعَجَبِ
بِهٖ وُجُوْهُ ذَوِی الْاِقْبَالِ نَاضِرَةٌ ... آضَتْ وَ عَادَتْ لَهُ الْاَعْيَانُ تَنْقَلِبِ
وَاَبْرَأَتْ كَفُّهُ الْعَاهَاتِ مُسْرِعَةً ... وَ كَمْ لَهُ آيَةٍ تُمْلٰى وَ تُكْتَبِ
صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِیْ اَعْلٰى مَرَاتِبَهُ ... مَاهَبَّتِ الرِّيْحُ فَاهْتَزَّتْ لَهَا الْقُضُبِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیاں اللہ کیلئے ہی ہیں۔ آپ کی گفتگو کے موتی ایسے ہیں جنہوں

نے بڑے بڑے دلائل اور صاحبان علم کے دل سلب کر لئے۔آپ کے اوصاف ہرگز ہرگز بیان نہیں ہو سکتے اور نہ ہی آپ کے عجائب کے سمندر کے موتی گنے جا سکتے ہیں۔آپ کی برکات سے بلند قسمت والوں کے چہرے تروتازہ ہیں۔آپ ہی کیلئے اعیان کا انقلاب مقدر تھا۔آپ کے دست اقدس سے بہت سے آفت زدہ منٹوں میں تندرست اور خوش حال ہو گئے۔آپ کی بہت سی آیات کتب میں لکھی اور نقل کی گئی ہیں۔عالی مرتبت محبوب خدا پر اللہ تعالیٰ کے اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل ہوں جب تک ہوائیں چلتی رہیں اور ٹہنیوں کو وہ ہلاتی رہیں۔

اکیسویں فصل

آئندہ پیش آنیوالے واقعات اور غیب کی خبر دینے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیوب پر مطلع فرما دیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گزشتہ اور آئندہ ہونے والے واقعات کی معرفت عطا فرمائی۔ جس واقعہ کے متعلق آپ نے ہونے کی خبر دی وہ ہو کر رہا اور جس کے متعلق عنقریب ہونے کا ارشاد فرمایا تو اس کی صبح کی روشنی اور چمک یقیناً رونما ہوئی۔ ان واقعات میں سے کچھ وہ ہیں جن کا تعلق آپ کے دشمنوں پر کامیابی حاصل ہونے کے ساتھ ہے، آپ کے معاونین و انصار کے جھنڈوں کی بلندی کے ساتھ ہے۔ سفر و حضر میں موجود امن و امان کیساتھ ہے۔ فتح مکہ خیبر، یمن، عراق اور شام کے متعلق ارشادات ہیں۔ آپ کی امت کا دنیا اور اس کی ہریالی پانے کے متعلق ہے پھر اس کی تر و تازگی اور ہریالی میں کھو جانے کا تذکرہ ہے۔ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی تقسیم کی اطلاع ہے۔ ان کے خزانوں کو پیمانوں میں بھر بھر کر ملنے کی خبر ہے۔ پھر امت کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کی اطلاع ہے۔ جن میں نجات پانے والا صرف ایک گروہ ہے جس کے اور حق کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہوگا اور یہ کہ کوئی ان میں سے قیمتی لباس میں صبح کرے گا اور دوسرا دوپہر گزارے گا۔ ان کے صحیفے (قیامت میں) ان کے ہاتھوں میں تھمائے جائیں گے۔ یہ بات ان کیلئے باعث فخر اور نعمت خداوندی ہوگی۔ ان کیلئے جنت میں بیش بہا بڑھیا لباس اور تاحد نگاہ کشادہ زمین ہوگی۔ ان کے گھروں پر کعبہ کی طرح پردے ہوں گے اور آپ کے امتیوں کی حکومت وہاں تک ہوگی جہاں تک آپ کو مشرق و مغرب سکیڑ کر دکھائی گئی اور یہ کہ ان میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر ڈٹا رہے گا۔

نَبِی اَمَانَۃٍ وَ رَسُوْلُ صِدْقٍ ۔۔۔ جَدِیْرٌ بِالنُّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَۃْ
اِذَا مَا قَالَ قَوْلًا فَانْتَظِرْہُ ۔۔۔ فَسَوْفَ یَکُوْنُ حَتْمًا لَا مَحَالَۃْ
اِلٰـہُ الْعَرْشِ بِالْاَنْوَارِ مِنْہُ ۔۔۔ ھَدٰی مَنْ شَآءَ مِنْ ظُلَمِ الضَّلَالَۃْ
وَعَلِمَ اُمَّۃٌ مِنْ بَعْدِ جَھْلٍ ۔۔۔ بِہٖ وَعَلٰی الْوَرٰی اَعْلٰی مَقَالَۃْ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب امانت پیغمبر اور صدق و حق لیکر آنے والے نبی ہیں۔ آپ منصب نبوت اور رسالت کے حقدار ہیں۔ آپ نے جب بھی آئندہ رونما ہونے والے واقعہ کے

بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔ تو تم اس کے ہونے کا انتظار کرو وہ یقیناً اور جلد ہو کر رہے گا۔ اللہ عرش کے معبود نے آپ کے انوار سے جسے چاہا گمراہی سے ہدایت نصیب فرما دی۔ آپ کی امت اگرچہ شروع میں آپ کے مقام و مرتبہ سے بے خبر تھی لیکن پھر اسے اس کا علم ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کیلئے آپ کا کلام اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت اور نصائح پر مشتمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں میں یہ واقعات بھی شامل ہیں۔ خزر اور ترکوں کی لڑائی، ملک فارس اور روس کا زوال، علم کا قبض کر لیا جانا، فتنہ و فساد کا ظہور، ایک ایک کر کے اچھے انسانوں کا اٹھ جانا، وقت کا جلد گزر جانا، بنو امیہ کی حکومت ان کا مال کو دولت بنانا، بنو عباس کا خروج، ایک سال بھی ان کو حکومت نہ ملنا، شہادت عثمان، شہادت علی المرتضیٰ، آخری زمانہ میں امام مہدی کا تشریف لانا، آپ کی آل بیت پر آنے والے مصائب، قتل اور دیگر پریشانیوں کا ان کا سامنا کرنا، حضرت زبیر کا حضرت علی سے لڑنا، جب تک عمر زندہ ہیں فتنوں کا چھپا رہنا، آپ کی بعض ازواج پر ہلکے کتوں کا بھونکنا، وہاں بکثرت لوگوں کا قتل ہونا اور ان کا بمشکل بچنا، حضرت عمار کو باغی جماعت کا قتل کرنا، قریش کے ہاتھ میں حکومت کا اس وقت تک رہنا جب تک یہ دین کے جھنڈے کو بلند رکھیں گے، ثقیف میں ایک جھوٹا نبی آنا اور مسیلمہ کذاب کو اللہ تعالیٰ کا واصل جہنم کر دینا۔

بَعْضُ الَّذِیْ قَالَهٗ خَیْرُ الْاَنَامِ جَرٰی　　وَالْبَعْضُ یَاْتِیْ كَمَا قَدْ نَصَّ فِی الْخَبَرِ
اَمَّا الصَّحَابُ وَاَهْلُ الْبَیْتِ مِنْهُ وَمَا　　قَدْ نَالَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ غَیْرُ مُسْتَتِرِ

بعض وہ باتیں اور واقعات جو سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے وہ ہو چکے اور کچھ ہو کر رہیں گے جیسا کہ ان کے بارے میں احادیث میں وارد ہے۔ آپ کے صحابہ اور آپ کی آل بیت رضوان اللہ علیہم کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ سب پر واضح ہے۔

وَسَوْفَ تَظْهَرُ تَصْدِیْقًا لَهٗ فِتَنٌ　　كَقِطْعِ لَیْلٍ خَلَا مِنْ غُرَّةِ الْقَمَرِ

اور بہت جلد آپ کے ارشادات کی تصدیق کرتے ہوئے عظیم فتنے رونما ہوں گے۔ ان کا آنا یوں یقینی ہے جس طرح چاند کے بغیر رات ہوا کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیب کی خبر دینا درج ذیل واقعات میں بھی واضح ہے۔

لبید بن اعصم کا آپ پر جادو کرنا جو کھجور کے ایک خشک گودے پر کر کے ذروان کے کنواں میں ڈالا گیا تھا۔ قریش کے لکھے کاغذ کو زمین کا کھا جانا، جس میں صرف اللہ تعالیٰ کا نام مقدس باقی بچا تھا، آپ کا فرمانا کہ عرب بہت جلد مرتد ہو جائیں گے، خلافت آپ کے بعد تیس سال ہوگی، معاملہ نبوت سے

شروع ہوا پھر خلافت آئے گی پھر بادشاہت ہوگی۔ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے۔ پھر امت میں نافرمانی اور فساد برپا ہوگا۔ آپ کی امت میں کثرت عجمیوں کی ہو جائے گی ان میں قتل وخون خرابہ ہوگا، تیس جھوٹے مدعیان نبوت آئیں گے، جن میں سب سے آخری دجال ہوگا۔ امیروں کی حالت بیان فرمائی۔ نماز میں تاخیر کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ ایک شخص قحطان سے نکلے گا اور لوگوں کو اپنے عصا سے ہانکے گا۔ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی حالت اور ان کے متعلق باتوں کا تذکرہ، ہر زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ برے سے زیادہ برا ہوگا، اس امت کے آخری لوگ اس کے اول کے سبب گناہوں میں پڑیں گے۔ انصار بہت تھوڑے ہوں گے جیسا کہ آٹے میں نمک، خوارج اسلامی حکومت کے خلاف خروج کریں گے۔ ان کی نشانی حلقہ بنا کر بیٹھنا یا سر منڈوانا ہوگی۔ قدریہ اور رافضیہ پیدا ہوں گے، اور حق سے دور ہوں گے۔

تَبًّا لِقَوْمٍ رَفَضُوْا عُصْبَةً مُحَمَّدٍ شَانِئُهُمْ يُرْفَضُ
عُصْبَةَ خَيْرٍ صَحِبُوا الْمُصْطَفٰى وَاللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اَقْرَضُوْا
وَجْهُ الَّذِىْ يَكْرِهُهُمْ اَسْوَدُ وَوَجْهُ كُلٍّ مِّنْهُمْ اَبْيَضُ
طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ حَلِيْفًا لَهُمْ وَوَيْلٌ مُطْرُوْدٌ لَهُمْ يُبْغِضُ

جس قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کو چھوڑا۔ اس کیلئے ہلاکت و بربادی ہے ان کا مذہب ہی رفض ہے جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی وہ بہترین لوگ ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیا، جو شخص انہیں اچھا نہ جانے اس کا منہ کالا ہو۔ اور ان سب حضرات کے چہرے منور ہیں، جو شخص ان کا حلیف اور ساتھی ہے وہ مبارک ہے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھتا ہو اس کیلئے جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رکھا گیا ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرمانا کہ تم سب سے پہلے میرے پاس آجاؤ گی۔ (یعنی جب آپ کا وصال ہوگیا تو آپ نے وصال سے قبل سیدہ کو فرمایا تھا۔ تم جلدی میرے پاس آجاؤ گی) چنانچہ آپ کے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے یہی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوئیں اور آپ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کربلا میں شہید کئے جانے کی خبر دینا، امام حسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اعلان، بکریاں چرانے والے لوگوں کے سربراہ بنیں گے اور ان کے سروں پر شاہی تاج ہوں گے۔ پاؤں سے ننگے برہنہ جسم بڑی بڑی بلند عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر بڑائی کا اظہار کریں گے، لونڈیاں اپنی مالکہ کو جنم دیں گی، نجاشی جس دن فوت ہوا اسی دن اس کے

انتقال کی خبر دینا، حاطب کا رقعہ، عمیر کا صفوان کے ساتھ قصہ، فتح بیت المقدس کے بعد دو اموات کا تذکرہ، جماعت کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ یہود کی پناہ لینے والے کا ان کے کجاوہ میں مل جانا، اہل موتہ کی شہادت، اہل بدر کی جنگ اور ان کا مقابلہ، بغداد اور دجلہ کے درمیان شہر آباد ہونا، بصرہ کے باشندوں کے متعلق آپ کا ارشاد وغیرہ حوادثات کی اطلاع دینا، قیامت کی علامات، بعث ونشر کا تذکرہ، موقف و حشر کی نشانیاں، نیک اور بدلوگوں کے حالات، قیامت کی ہولناکیاں، جنت و دوزخ کے اوصاف، اور ایسی باتیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں یہ سب آپ کے علم غیب کی ترجمان ہیں۔قلم آپ کی فضیلت و تفصیل کو لکھنے سے قاصر ہے۔

نَبِیٌّ عَظِیْمُ الْقَدْرِ نَوَّر قَلْبَہٗ   وَعَلَّمَہٗ مَنْ یَّعْلَمُ السِّرَّ وَ النَّجْویٰ

وَعَرَّفَہٗ بِالْکَائِنَاتِ وَ غَیْبِھَا   فَاَصْبَحَ مَنْشُوْرًا لَہٗ کُلُّ مَایُطْویٰ

اَیَاحَبَّذَا مِنْہُ اِمَامٌ وَ قُدْوَۃٌ   شَرَائِعُ دِیْنِ اللّٰہِ مِنْ لَفْظِہٖ تُرْویٰ

لَہٗ رَوْضَۃٌ تَھْتَزُّ بَالنَّدِّ وَ النَّدٰی   سَحَائِبُھَا تَنْھَلُّ بِالْجُوْدِ وَالْجَدْویٰ

تَحُفُّ ضَرِیْحًا ضَمَّ ھَدْیًا وَ رَحْمَۃً   وَحَازَ الْعُلَا وَالْعِلْمَ وَ الْبِرَّ وَ التَّقْویٰ

عَلَیْہِ سَلَامٌ لَمْ یَزَلْ غُصْنُ دَوْحِہٖ   رَطِیْبًا سَرِیْعُ الْمَیْلِ یُنْھٰی وَلَا یُذْویٰ

عظیم القدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور اس ذات باری تعالیٰ نے منور فرمایا جو پوشیدہ اور راز و نیاز کو جانتی ہے اور اسی نے آپ کو تعلیم دی۔ کائنات اور اس کے غیوب کی معرفت بخشی، جس کی وجہ سے ہر لپٹی چیز آپ کیلئے کھلی ہوئی ہوگئی۔خوش قسمتی کہ آپ ایسا امام اور قائد ہمیں ملا اللہ تعالیٰ کے دین کی شریعتیں آپ کے الفاظ مبارکہ سے سیراب ہوتی ہیں۔آپ کا باغ سخاوت اور بخشش سے لہراتا ہے اور اس کے بادل جود و سخاوت کی بارش برساتے ہیں۔

جس مرقد منور میں آپ تشریف فرما ہیں، وہ مجسمہ ہدایت و رحمت ہے۔اس نے ہر قسم کی بلندی، علم، نیکی اور تقویٰ جمع کر لیا ہے آپ پر اللہ تعالیٰ کے صلوۃ وسلام اس وقت تک نازل ہوتے رہیں جب تک باغات کی شاخیں سبز و تر ہیں جو تھوڑی سی ہوا چلنے سے جھک جاتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں۔

بائیسویں فصل

لوگوں سے آپ کی حفاظت وعصمت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک منزل پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی نے آپ پر تلوار سونت لی۔ تاکہ آپ کو قتل کر دے اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور تلوار ہاتھوں سے نیچے گر پڑی۔ اس نے اپنا سر درخت سے ٹکرا دیا کیونکہ وہ شیطان کے بہکانے کے باوجود کامیاب نہ ہوسکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور اس کی شیطانی کے باوجود اسے کھڑا کر دیا وہ اٹھا اور اپنی قوم کے پاس واپس آ کر کہتا ہے، میں تمہارے پاس ایک بہترین انسان سے مل کر آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر میں قضائے حاجت کیلئے صحابہ کرام سے دور چلے گئے۔ منافقین میں سے ایک نے نیام سے تلوار نکالی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر وشر سے آپ کو محفوظ رکھا، اس کا مکر سینہ میں ہی رہ گیا۔ دعثور بن الحارث نے آپ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے ہاتھ میں تیز تلوار تھی۔ یہ غزوۂ غطفان کا واقعہ ہے۔ وہ پشت کے بل گر پڑا پھر اسے ایمان کی دولت نصیب ہوگئی تھی۔ ''حمالۃ الحطب'' یعنی ابولہب کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں انگارے ڈال دیا کرتی تھی۔ آپ کو وہ یوں محسوس ہوتے جیسے ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ مشرکین نے بارہا آپ کو دھمکایا ڈرایا اور اس بارے میں ہر حیلہ اور مکر چلایا لیکن ہوا یہ کہ ان میں سے بعض بھاگ نکلے، بعض کی زندگی دوبھر ہوگئی، بعض بیہوش ہو کر گر پڑے، بعض کی اللہ تعالیٰ نے بینائی لے لی اور بعض پر کپکپی طاری ہوگئی اور آپ کے سامنے زمین پر گر پڑے کچھ اور تھے جن کو فرشتوں نے روکے رکھا اور وہ آپ تک پہنچ ہی نہ سکے۔

رَامُوْهُ بِالسُّوْءِ وَالْجَبَّارُ يَحْفَظُهٗ ‏ مِنْ كُلِّ ذِیْ حَسَدٍ لِلشَّرِ مُنْتَصِبِ
وَاَقْبَلُوْا نَحْوَهٗ لِلْكَيْدِ فَانْقَلَبُوْا ‏ بِجَهْلِهِمْ وَ عَمَّاهُمْ اَیَّ مُنْقَلِبِ
لَمَّا مَشَوْا فِیْ ظَلَامِ الظُّلْمِ اَوْرَثَهُمْ ‏ خَبَطًا وَ خَلَطًا بِهِمْ اَدّٰی اِلَى الْعَطَبِ
تَبًّا يُلَا قِيْهِمْ لُقْيَا اَبِیْ لَهَبٍ ‏ وَبِئْسَ مَا صَنَعَتْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ

مخالفین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستانے اور قتل کرنے کے برے ارادے کئے لیکن اللہ جبار وقہار آپ کی حفاظت فرماتا رہا۔ اس کی حفاظت ہر اس شخص سے تھی جو حاسد اور شرارت کے درپے رہا۔ دشمنوں نے مکر وفریب اور آپ کو داؤ لگانے کیلئے آپ کی طرف پیش قدمی کی لیکن اپنی جہالت اور

اندھے پن کی وجہ سے بری مار کھائی اور ناکام لوٹ گئے۔ جب بدخواہوں نے آپ پر ظلم کرنے کیلئے ظلم کے اندھیروں میں آپ کی طرف بڑھے تو مخبوط الحواس ہو گئے اور انہیں کچھ نہ سوجھا، جس کی بنا پر وہ خود ہلاک ہو گئے۔ ابولہب کی طرح ان کے مقدر میں بربادی ہوئی اور ابولہب کی بیوی نے جو کچھ کیا بہت برا کیا۔

قریش نے پروگرام بنایا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ رات کے وقت آپ کے گھر کا انہوں نے محاصرہ کر لیا آپ اپنے در دولت سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی۔ وہ انتظار میں رہے کہ آپ باہر نکلیں لیکن آپ باہر نکل کر کہیں اور تشریف لے جا بھی چکے تھے۔ اندھے، بہرے اور گونگے کہ انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ہجرت کے موقعہ پر سراقہ نے آپ کا پیچھا کیا جیسا قاتل کسی کا پیچھا کرتا ہے۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ جب سراقہ ان دونوں کے قریب پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا اس کے گھوڑے کے پاؤں دو مرتبہ زمین میں دھنس گئے۔ اس نے فریاد کی۔ الامان۔ الامان۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے امان دیدی اور احسان سے پیش آئے۔ بعض چرواہوں کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت حال معلوم ہوئی۔ وہ جلدی سے بھاگتا ہوا قریش کے پاس پہنچا تا کہ ان دونوں کی خبر ان کو بتائے جب وہ مکہ شریف پہنچا تو اس کے دل پر مہر لگادی گئی اور جس مقصد کیلئے وہ آیا تھا سب بھول گیا اپنا سا منہ لیکر واپس آ گیا۔ ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر آیا تا کہ آپ پر پھینک دے آپ اس وقت حالت سجدہ میں تھے اور قریش اس کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن خدا کی کرنی کہ اس کے ہاتھ گردن پر رک گئے اور کسی بت نے اس کی مدد نہ کی پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کے ہاتھ چھڑوا دیئے جائیں۔ آپ نے دعا فرمائی اور ہاتھ پھر سے کام کرنے لگے ایک اور بار ابوجہل آیا آپ اس وقت نماز ادا فرما رہے تھے جب آپ کے قریب آیا تو ناامیدانہ ہی پاؤں پر واپس آ گیا اس نے آگ کی ایک خندق دیکھی جس میں وہ گرا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں بہت زیادہ دہشت زدہ ہو گیا اور کف دست ملتا رہ گیا۔

تَدَانَتْ مِنْهُ وَاجْتَمَعَتْ قُرَيْشٌ عَلَيْهِ وَ بَيَّتُوْهُ لِلْعَكُوْسِ
فَلَمْ يَحْصُلْ لَهُمْ مِمَّا اَرَادُوْا سِوٰى ذَرِّ التُّرَابِ عَلَى الرُّؤُسِ
وَاَسَرُّ سُرَاقَةُ اِذْخَرَّ مُلْقٰى وَ رَاعِيْ الشَّاءِ دُوْنَ فِي الطُّرُوْسِ
وَ يُبْسُ يَدَىْ اَبِىْ جَهْلٍ شَهِيْرٌ وَكَمْ آيٍ لِاَحْمَدَ كَالشُّمُوْسِ

قریش نے مل کر پروگرام بنایا کہ آپ کو جھکا دیا جائے لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ اگر ملی تو سر پر مٹی ہی ملی۔ سراقہ جب انعام کے لالچ میں آپ کو پکڑنے آگے بڑھا تو زمین پر (گھوڑے سے) گر پڑا۔ بکریوں کو چرانے والا بھی اپنی یادداشت کھو بیٹھا۔ نامی گرامی ابوجہل کے ہاتھ خشک ہو گئے۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی نشانیاں ہیں جو سورج کی طرح روشن ہیں۔

بنو مغیرہ کا ایک شخص آپ صلی اللہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے بینائی چھین لی وہ دل کا بھی اندھا تھا۔ غزوۂ حنین میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ قتل کرنے کے ارادہ سے اس نے تلوار بلند کی، جب قریب آیا تو آگ کے ایک شعلے نے اسے آلیا۔ پیچھے ہٹا، پھر آگے بڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر خوب داد شجاعت پائی۔ عامر بن طفیل کے ارادۂ قتل کا واقعہ مشہور ہے۔ اور وہ واقعہ بھی جانا پہچانا ہے جب اربد بن قیس نے آپ کے خلاف مکر و فریب سے داؤ کھیلنا چاہا، بہت سے یہودی اور کاہنوں نے آپ کو ڈراوے دیئے اور اپنے باطل معبودوں سے آپ کے خلاف مدد چاہی، بتوں کے پجاریوں کو آپ کے نبی ہونے کی اطلاع کی اور انہیں بھی آپ کے قتل کرنے پر ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد و نصرت سے آپ کو محفوظ و معصوم رکھا اور نہ سونے والی آنکھ سے آپ کی حفاظت کی۔ سفر و اقامت میں اپنی نوازشات سے نوازا۔ مخالفین کی گردنوں پر طوق ڈال دیئے۔ انہیں شکست و ذلت کی شلواریں پہنائیں اور ان کے ہاتھوں کو روک دیا جب انہوں نے زیادتی کرنا چاہی ان کے برے ارادوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت کو چار چاند لگائے اور رکاوٹوں کو دور فرما دیا ان دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی اللہ ہی آپ کیلئے کافی ہے۔ خود فرماتا ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (زمر: 36)۔

سُبْحَانَ مَنْ عَصَمَ الرَّسُوْلَ مِنَ الْاَذٰى ۔۔۔ وَلَهٗ اَذَلَّ عِصَابَةَ الْاَوْثَانِ
وَحَمٰى حِمَاهُ وَ عَنْهُ كَفَّ اَكُفَّهُمْ ۔۔۔ وَرَمَا هُمْ فِىْ هُوَّةِ الْخُسْرَانِ
وَاَعَزَّهٗ وَ كَفَاهُ مَا يَخْشَاهُ مِنْ ۔۔۔ شَرِّ الْيَهُوْدِ الْبُهْتِ وَالْكُهَّانِ
وَاَقَامَ دَوْلَتَهٗ وَ اَعْلٰى دِيْنَهٗ ۔۔۔ فَضْلًا وَ اِحْسَانًا عَلَى الْاَدْيَانِ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ مَا ۔۔۔ عَطَفَ النَّسِيْمُ مَعَاطِفَ الْاَغْصَانِ

پاکیزگی اس اللہ وحدہ لاشریک کیلئے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر اذیت سے بچائے رکھا۔ اور ان کیلئے بتوں کے پجاریوں کو ذلیل کر دیا۔ اپنی حمایت ان کے شامل حال رکھی،

دشمنوں کے ہاتھوں کو آپ تک پہنچنے سے روکے رکھا اور انہیں ذلت کی پستی میں پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت وغلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں اور کاہنوں کی شرارت کے خوف سے اپنی کفایت میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو قائم ودائم کیا آپ کے دین کو بلندی عطا فرمائی۔ اور تمام دینوں پر فضل واحسان میں اعلیٰ مرتبہ بنایا۔ اللہ رب العرش آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک باد نسیم ٹہنیوں کو ادھر ادھر جھکاتی رہے۔

تیئسویں فصل

آپ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات میں علوم ومعارف کے جمع ہونے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ میں اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں معارف جمع فرمادیئے جو ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور ایسے علوم سے نوازا جو ہدایت کے چہرہ سے سفر کرنے والے ہیں۔ عین الیقین بالخصوص عطا ہوا۔ دین ودنیا کے تمام مصالح پر اطلاع دی۔ اپنی شریعت کے قوانین کی معرفت بخشی، اپنی امانت کے اسرار کی حفاظت سپرد فرمائی، اپنے بندوں کی سیاست کا علم عطا کیا، دنیا کے باشندوں کی رعایت کرنا سکھائی، حضرات انبیاء کرام، رسولان عظام اور جابر بادشاہوں کے قصہ جات پر مطلع کیا۔ آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلی امتوں کے واقعات بتائے، گزرے زمانے اور غیر آباد بستیوں کی حکایت کا علم دیا، ان کی شریعتوں کا اظہار، ان کی سیرت کی حفاظت اور ان کی تمام اخبار واضح کیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جو عذاب اتارے جو گرفت کی۔ اس پر بھی مطلع فرمایا۔ ان کا اختلاف رائے بھی بتایا۔

ان کی عمروں اور امداد کی معرفت دی، ان کے حکماء کے حکم اور احبار کی خبریں بھی دیں۔ کافر امتوں میں سے ہر ایک کی حجت بازی، تورات وانجیل کے ماننے والوں کے ساتھ ان کی کتابوں سے معارضہ، انہیں ان کی کتابوں کے مخفی احکامات بتانا، ان کے رازوں سے پردہ اٹھانا، جو انہوں نے چھپایا، ظاہر کرنا۔ جو انہوں نے تبدیل کیا اسے بتانا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت فرمایا۔ لغت عرب اور ان کے ہاں استعمال ہونے والے الفاظ غریبہ، فصاحت کی اقسام، ان کے خطباء کی بلاغت اور ان کے واعظوں کی قدرت کلام سب کچھ عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں "جوامع الکلم" سے مخصوص فرمایا۔ عربوں کی تاریخ، امثال اور فیصلہ جات، ان کے اشعار کے معانی، ان کی نظم ونثر کی مشکلات کا بھی وافر علم عطا فرمایا۔

وَ بِنَاءُ اَرْکَانِ الْعُلُوْمِ وَ رَفْعُ ذِکْرِ مَنَا رِهَا
وَ شِفَاءُ صَدْرِ مُرِيْدُ هَا الظَّامِئ اِلٰى اَنْهَا رِهَا
وَ بُلُوْغُ مَا يُدْنِيْ اِلٰى اسْتِخْرَاجِ دُرِّ بِحَا رِهَا
وَ سُلُوْکُ اَوْضَحِ طُرُقِهَا فِي النُّوْرِ مِنْ اَقْمَا رِهَا

ارکان علوم کی بنیاد اوران کے ذکر کے میناروں کی بلندی، ان کا ارادہ کرنے والے کے سینہ کی شفاء، ان کی نہروں سے پیاس بجھانے والے، ان کے سمندروں سے موتی نکالنے کے قریب پہنچانے والے، اس کے واضح راستوں پر چلنا اور انکے چاندوں کی روشنی میں، ان تمام باتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا۔

ان باریک باتوں کی تفہیم جو ظاہر نہیں، شریعت مطہرہ کے قواعد کی تمہید وہ شریعت جو اخلاق حسنہ کی خوبیوں پر مشتمل ہے، بہترین موتی، قابل تعریف آداب، صواب کے عجیب وغریب راستے، بیکار اور عبث حرکت والے کی تسکین، طیبات کا حلال کر دینا، خبائث کا حرام کر دینا، عزت اور مال کی حدود سے حفاظت، انسانی جانوں کی وعید سے حمایت، علم ما کان و ما یکون کی تعلیم، تمام فنون جیسا کہ فرائض، حساب، تعبیر، انساب، طب جو حقیقۃً شفا بخش ہو، مجرب دوا کے ذریعہ علاج کی بھی تعلیم دی، جیسا کہ ایک معروف حدیث ہے۔ فرمایا۔ وراثت میں فرضی حصہ، حصہ داروں میں تقسیم کرو اور جو باقی بچ جائے وہ مردوں (عصبات) کو دیدو۔ ایک اور قول مبارک ہے۔ زمانہ اسی طرح چکر لگاتا ہے جس طرح یہ اپنی پیدائش کے وقت چکر لگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ سچا خواب اللہ کی طرف سے اور احلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے۔ ''سبا'' ایک مرد تھا جس کے دس بچے تھے، جن میں سے چھ نیک اور چار برے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''حبہ سودا'' میں موت کے علاوہ ہر ایک مرض کی شفاء ہے۔

لِلّٰہِ مَا اَفْضَلُہٗ مُرْسَلًا حَازَ عُلُوْمًا حَصْرُھَا لَایُنَالُ
بَحْرُ شِرَاعِ الشَّرْعِ اَضْحٰی بِہٖ مُرْتَفِعًا یَعْلُو رُؤُسَ الْجِبَالِ
لَوْلَاہُ مَاوَا فِی مُحْیَا الْھُدٰی مُبْتَسِمَ الثَّغْرِ وَ زَالَ الضَّلَالُ
طَابَ حَصْرُ الْوَصْفِ مِنْہُ اِنْتَھٰی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُحْصِیُ الحَصٰی وَالرِّمَالِ

بخدا! کس قدر عظیم الشان اور افضل رسول ہیں، جنہوں نے اس قدر علوم اپنی ذات میں جمع فرما لئے جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ شریعت کے راستوں کا سمندر آپ کی برکت سے اتنا بلند ہو گیا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہدایت کی زندگی نہ ملتی اور نہ ہی اس کی مسکراہٹ سے اس کے دانت دکھائی دیتے اور نہ ہی گمراہی ختم ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کہیں ختم نہیں ہوتے۔ ان گنت ہیں ایسا کون ہے جو کنکریوں اور ریت کے ذرّات کو شمار کرے۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف امتوں اور قوموں کی لغت بھی جانتے تھے۔ قلم سے

لکھے حروف کی تصویر وشکل بھی آپ پر عیاں تھی۔ اور ایسے علوم بھی آپ جانتے تھے جن میں سے بعض کا بھی جاننا اور ان میں کمی بیشی کسی کو معلوم نہ تھی۔ ہاں وہ آدمی کچھ جان لیتا جو پڑھنے پڑھانے میں عمر گزارتا، اور اس کے راستوں پر لگاتار چلتا، کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے جھکا رہتا اور علماء کی خدمات بجا لاتا۔ اس قسم کی معرفت رکھنے والوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اپنا پیشوا بنایا۔ اور اپنے علوم کی اس کو اصل قرار دیا۔ تاکہ اس پر تفریعات بٹھا سکیں۔ اور اس کے قدم بقدم چلیں۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امی'' تھے، نہ کسی سے پڑھا اور نہ کسی سے لکھنا سیکھا اور نہ ہی کسی کاتب کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی کسی حساب دان کی محفل اختیار کی۔ نہ ہی اس قوم میں نشو ونما پائی جن میں پڑھنے پڑھانے کا دستور ہوتا۔ ان امور میں سے کوئی امر بھی نہ پڑھا۔ نہ اس کا تجربہ تھا۔ نہ ہی کسی یہودی اور عیسائی عالم کے ہاں آنا جانا ہوا، نہ کسی نجومی کے پاس بیٹھے، نہ کاہن اور تاریخ دان سے ملے۔ عرب باشندوں کا انتہائی علم، شعر اور بیان تھا یا پھر پہلے سے گزرے لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے واقعات اور قصہ کہانیاں تھیں، لیکن عربوں کا یہ سب علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمندر علم میں سے ایک نقطہ ہے اور آپ کی حکمت کے بادلوں میں سے ایک ادنیٰ قطرہ ہے۔ مختصر یہ کہ عرب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے علوم میں جہاں مجبور ہو جاتے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی راہنمائی حاصل کرتے اور اپنے اختلاف کا حل آپ سے ہی حاصل کرتے۔

اِنَّ الْمَعَارِفَ عَرَّفَهَا مِنْ زَهْرِهٖ ‏ ‏ ‏ وَنَمَوَ اَفْنَانُ الْفُنُوْنِ بِقَطْرِهٖ
وَ مَعَالِمُ الْعِلْمِ الشَّرِيْفِ بِهٖ سَمَتْ ‏ ‏ ‏ وَ طَرِيْقُهَا وَ ضَحَّتْ بِطَالِعِ فَجْرِهٖ
كَمْ حِكْمَةٍ ظَهَرَتْ مَعَانِيُ حِكَمِهَا ‏ ‏ ‏ بَيْنَ الْبَرَايَا دُرُّهَا مِنْ بَحْرِهٖ
صَلّٰى عَلَيْهِ وَ زَادَهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ‏ ‏ ‏ مَنْ خَصَّهٗ شَرَفًا بِغَامِضِ سِرِّهٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھول سے معارف نے عرفان پایا اور آپ کے قطرہ سے فنون نے مختلف اسلوب پائے۔ علم شریف کے مینارے آپ کے وسیلہ سے بلند ہوئے اور آپ کی طلوع فجر سے ان کے راستے واضح ہوئے جس قدر بھی حکمت بھری باتیں لوگوں پر ظاہر ہوئیں وہ آپ کے سمندر کا موتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل ہو اور آپ کو اپنے فضل وکرم سے اپنے انتہائی پوشیدہ راز اور زیادہ عطا فرمائے۔

چوبیسویں فصل

جنات اور فرشتوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائی۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے جنات کا ایک گروہ آپ کی اطاعت میں داخل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپکی طرف قرآن کریم سننے کیلئے بھیجا۔ آپ کے بہت سے صحابہ کرام نے کافی مرتبہ انہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرشتوں سے عالم علوی میں گفتگو فرمانا روایات میں موجود ہے اور شب معراج آپ نے ان کی کثرت اور ان کی عظیم صورتیں دیکھیں۔ اس کا ذکر بھی کتب حدیث میں مشہور ہے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر ہیں۔ آپ نے اسرافیل وغیرہ فرشتوں سے اس مقام پر گفتگو کی جہاں روحیں چڑھ کر جاتی ہیں۔ آپ کے صحابہ کرام نے کئی جگہ آپ کی موجودگی میں فرشتوں کو دیکھا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ نے جبرئیل کو دحیہ کلبی کی شکل وصورت میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل پاک اور مجلس عالی میں جبرئیل امین بھی دیکھے گئے۔ وہ ایک مرد کی شکل اختیار کر کے آئے تھے اور اسلام وایمان کے بارے میں سوالات کئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب جبرئیل امین اور بائیں طرف میکائیل کو دو خوبصورت مردوں کی شکل میں حضرت سعد وغیرہ صحابہ کرام نے دیکھا۔ اس وقت ان دونوں فرشتوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔

مَلَآئِکَۃُ الرَّحْمٰنِ تَطْرُقُ بَابَہٗ ۔۔۔ وَ نَحْوَ حِمَاہُ لَمْ تَزَلْ تَرَدَّدُ
لِتَاْیِیْدِ جَیْشٍ اَوْ اَدَآءِ رِسَالَۃٍ ۔۔۔ وَ کَمْ قَدْ اَتَتْ مَعْنٰی الزِّیَارَۃِ تَقْصُدُ
وَاَمْرُ سِمَاعِ الْجِنِّ لِلذِّکْرِ عِنْدَہٗ ۔۔۔ وَاِیْمَانُھُمْ طَوْعًا بِہٖ لَیْسَ یُجْحِدُ
کَرَامَاتُ ذِیْ فَضْلٍ عَلَیَّ مَحَلُّہٗ ۔۔۔ لَہٗ کَرَمٌ کَا لْغَیْثِ لَا یَتَعَدَّدُ

اللہ تعالیٰ کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور ہر وقت آپ کی حمایت میں آتے جاتے ہیں۔ کبھی آپ کے لشکر کی مدد کیلئے یا اللہ تعالیٰ کے پیغام کو آپ تک پہنچانے کیلئے آتے ہیں اور بارہا صرف آپ کی زیارت کرنے حاضر ہوتے رہے۔ جنات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سننا اور خوشی سے ایمان قبول کرنا اس کا کوئی بھی منکر نہیں۔ صاحب فضل کی کرامات مجھ پر اترتی ہیں اس کا کرم بادل کی طرح ان گنت ہے۔

غزوۂ بدر میں شریک بعض حضرات نے بتایا کہ انہوں نے گھوڑوں پر سوار فرشتوں کی آوازیں سنیں وہ گھوڑوں کو حملہ کرنے پر ابھار رہے تھے اور پھر دیکھا کہ کافروں کے سر قلم کئے جا رہے ہیں لیکن ان

کے سر قلم کون کر رہا تھا اور کس آلہ سے کر رہا تھا؟ یہ نظر نہ آتا۔ بعض حضرات نے سفید کپڑوں میں ملبوس مرد دیکھے۔ جو سفید اور سیاہ رنگوں والے گھوڑوں پر سوار تھے اور وہ زمین و آسمان کے درمیان لوگوں کے سروں پر پھرتے نظر آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں دیکھا تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ابن حصین رضی اللہ عنہ سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت تھی۔ غزوۂ احد میں جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ایک فرشتہ نے آپ کی شکل وصورت میں آکر جھنڈا اٹھا لیا۔ تاکہ مسلمانوں کی ہمت کمزور نہ ہونے پائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لیلۃ الجن کو ان جنات میں سے بعض کو دیکھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم سننے کیلئے حاضر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ایک ''شیخ'' نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا جس نے ہاتھ میں لاٹھی اٹھا رکھی تھی۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر آپ نے اس کی شیطان لعین سے نسبت بیان فرمائی۔ اور اس کا نام بھی بتایا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے اور ان کے بعد والے حضرات انبیاء کرام کو بھی دیکھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسے قرآن کی چند سورتوں کی تعلیم بھی دی۔ آپ نے ایک شیطان کو اس وقت پکڑ لیا جب وہ آپ کی نماز تہجد میں دخل اندازی کرنے لگا۔ ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر اسے چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل ورسوا کر کے واپس کیا۔

رَسُوْلٌ حَازَ آیَاتِ وَغَایَاتِ مِنَ السَّبَقِ
اَمِیْنٌ جَآءَ بِالْاِیْمَانِ وَالْاِحْسَانِ وَالصِّدْقِ
جَمِیْلُ الْخَلْقِ وَالْاَخْلَا قِ جَمُّ الرِّفْدِ وَالرِّفْقِ
اَفَادَ الْجَانَّ وَالْاِنْسَانَ عَلَمًا بِاِسْمِ الْبَرَقِ
بِهٖ اَضْحَتْ مُنِیْرَاتٌ نَوَاحِی الْغَرْبِ وَالشَّرْقِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم المرتبت پیغمبر ہیں جنہوں نے معجزات وآیات اور سبقت کی غایات اپنے اندر جمع فرمالیں۔ ایسے امین جو ایمان واحسان اور صدق لیکر کائنات والوں کے پاس تشریف لائے۔ خلقت اور اخلاق دونوں میں ''جمیل'' ہیں۔ نرمی اور مہربانی کے جامع ہیں۔ جنات اور انسانوں کو اعلیٰ چمک دمک والا علم عطا فرمایا۔ آپ کی شخصیت کے سبب مشرق ومغرب کے اطراف نے روشنی پائی۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ''عزیٰ'' کا مکان اور اس کی دیواریں گرائیں۔ تو ایک سیاہ رنگ اور کالے بالوں والی عورت نظر آئی۔ آپ نے اسے زور سے کھینچا اور جو آپ کا پروگرام تھا اس سے پیچھے نہ ہٹے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی کرامت دراصل آپ کے معجزات ہی ہیں۔ یہ چند واضح معجزات ہیں اور آپ کی روشن آیات میں سے چند نشانیاں ہیں۔ نبوت کی چند علامات ہیں آپ کی بلند و بالا کرامات کا مختصر سا حصہ ہیں۔ ہم نے لاتعداد معجزات میں سے چند پر اکتفا کیا اور طویل کرامات میں سے چند پر اختصار کیا۔ اگر سب کو بیان کرنا شروع کر دیا جاتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی۔ بلکہ کئی مجلّات بن جاتیں۔ مختصر یہ کہ آپ کے فضل و کمال کے دلائل ان گنت و لاتعداد ہیں۔ اہل شرف اور اہل قدر حضرات کیلئے اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔

نَعَمْ نِعَمَ الْمُقَفّٰی لَیْسَ تُحْصٰی   وَ تَلْخِیْصُ الْمَقَالَۃِ فِیْہِ اَجْدَرُ
لِاَنَّ الْاُفُقَ مَھْمَا قُلْتَ فِیْہِ   مِنَ الزَّھْرِ الدُّرَارِیِّ فَھِیَ اَکْثَرُ
وَفَضْلُ الْبَحْرِ لَمْ یُدْرِکْہُ وَصْفٌ   وَعَدُّ الْمَوْجِ مِنْہُ لَیس یُحْصَرُ
اَیَا لِلّٰہِ مِنْ ذِیْ مُعْجِزَاتٍ   لَھَا نُوْرٌ لِعَیْنِ الشَّمسِ یُبْھِرُ
عَظِیْمُ الْخُلْقِ مَعْرُوْفُ السَّجَایَا   اِلٰہُ الْعَرْشِ قَدَّسَہٗ وَ طَھَّرَ
سَلَامُ اللّٰہِ لَایَنْفَکُّ یَھْفُوْ   لَہٗ مَا ھَلَّلَ الدَّاعِیُ وَ کَبَّرَ

ہاں یہ بات یقینی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتیں اور انعامات ان گنت ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں بات کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر افق کے بارے میں تو ستاروں کا جھرمٹ ہونا بیان کرے گا تو اس کی اکثریت تیرا منہ چڑائے گی۔ سمندر کی تعریف بیان سے باہر ہے اور اس کی امواج کی گنتی نہیں ہو سکتی۔ عذر لگتی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے صاحب معجزات عظیم ہیں جن کی روشنی سے سورج کی آنکھ بھی شرماتی اور حیران ہو جاتی ہے۔ خلق عظیم کے مالک اور معروف عادات کے حامل کہ جنہیں عرش اعلیٰ کے مالک نے پاک و طاہر پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر صلوٰۃ و سلام ہو اس وقت تک جب تک داعی تکبیر و تہلیل کرتا رہے۔

پچیسویں فصل

آپ پر ایمان لانے کے وجوب

آپ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا ایسا شہاب ثاقب ہے جو آسمان ہدایت پر چمکتا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ ہر وہ ایمان جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے خالی ہو وہ ایمان نہیں۔ آپ پر ایمان لانا یہ کہ آپ کی رسالت کی گواہی دی جائے اور آپ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔ اور جو آپ نے فرمایا اس کی تصدیق کی جائے جو آپ پر ایمان لے آیا۔ اس نے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا اور اپنی عاقبت اور انجام کو سنوارنے کیلئے جو ضروری تھا وہ جمع کر لیا اور ایمان میں قلبی پختگی اور یقین ضروری ہے جس طرح اسلام کیلئے زبان سے اقرار لازم ہے جب تصدیق قلبی اور اقرار زبانی جمع ہو جائیں تو ایمان مکمل ہو گیا اور ایسا شخص نیک بختی اور سعادت حاصل کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی اور جس نے اس کے افق کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ توفیق پا گیا جس نے آپ کے ارشادات کو عملی طور پر کر دکھایا۔ اس نے بیش بہا ثواب جمع کر لیا اور جو مخالف ہوا وہ عذاب وعقاب کی طرف چلا۔ آپ کی اطاعت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی سنت کا التزام کیا جائے اور آپ کے تمام احکام کو تسلیم کیا جائے اور آپ کا ذکر خیر کیا جائے لوگو! تم سب آپ کی اطاعت و اتباع کرو۔ اور آپ کی باتوں کی نشر و اشاعت کرو اور جب آپ کسی بات سے روکیں تو اسے چھوڑ دیا کرو اور جو اللہ تعالیٰ کے رسول تمہیں عطا کریں اسے لے لیا کرو اور قبول کر لیا کرو۔

خُذُوْا مَا اٰتَاکُمْ بِهِ الْمُصْطَفٰى وَ اَقْوَالُهٗ صَدِّقُوْا تَغْتَنِمُوْا
وَمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعُلَا اِلَيْكُمْ بِهٖ سَلِّمُوْا تَسْلَمُوا
وَ وَالُوْهُ وَا مْتَثِلُوْا اَمْرَهٗ وَطُرُقَ هُدَاهُ اَلْزِمُوْا تُكْرَمُوْا
وَ سُنَّتَهٗ تَا بِعُوْا وَ اسْمَحُوْا بِبَذْلِ النَّدٰى وَ ارْحَمُوْا تَرْحَمُوْا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تمہیں عطا فرمایا اسے قبول کر لو اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے اور پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف جو احکام لیکر آئے انہیں آن لو تو عذاب

سے بچ جاؤ گے۔ آپ سے محبت کرو اور آپ کے احکام پر عمل کرو۔ آپ کی طرف سے بتائے گئے ہدایت کے راستوں پر چلو، عزت پاؤ گے۔ آپ کی سنتوں کی اتباع کرو۔ خوب سخاوت اور بخشش کرو، رحم کرو، تا کہ تم پر بھی رحم ہو۔

حق کے راستوں اور اس کے طریقوں سے تمہیں روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا چاہیئے اور عقیدہ کی پختگی اور حضور قلب میں پوری کوشش کرنا چاہیئے۔ تصدیق قلبی اور شہادت لسانی دونوں کو جمع کرنا چاہیئے اس لئے محض زبان سے شہادت دینا اور دل میں تصدیق نہ ہونا ''نفاق'' ہے اور جس کی زبان پر تو شہادت ہو لیکن اس کے مطابق اعتقاد نہ ہو اس کی آخرت تباہ و برباد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم ہو، اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ جب کہ تم جانتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور آپ کی سنت عالیہ کی پیروی واجب ہے۔ آپ کے طریقہ ہدایت، آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و افعال میں آپ کی پیروی لازم ہے تمام افعال میں آپ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرنا لازم ہے۔ جنگ ہو یا امن دونوں حالات میں آپ کے طریقہ کی اقتداء ضروری ہے۔ آپ کے اقوال پر عمل پیرا ہونا اور آپ کے فیصلہ پر اظہار رضامندی بھی ضروری ہے۔ بہترین ہدایت آپ کی ہدایت ہے جس نے آپ کی اتباع کی اللہ نے اسے محبوب بنالیا۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو زندہ رکھو اور زندہ کرو۔ تا کہ امت کے بہترین افراد شمار ہو سکو۔ جس نے سنتوں کو مضبوطی سے تھاما وہ نجات پا گیا اور کامیابی نے اس کے قدم چوم لئے جس نے سنتوں سے وابستگی رکھی جس نے ان کی معاونت کی وہ منصور ہے اور جس نے ان کی اقتداء کی وہ تمام امور میں توفیق یافتہ ہے۔

وَمَنْ اِلَيْهَا جَآءَ يَرْجُوْ الْهُدٰى　　اُلْقِتْ اِلَيْهِ حَبْرَاتُ الْحُبُوْرِ
وَمَنْ اَتٰى يَطْوِىْ الْفَلَا نَحْوَهَا　　فَازَ بِنَشْرِ الْخُلْدِ يَوْمِ النُّشُوْرِ

جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف ہدایت کی امید سے آیا۔ اس پر امانت و سیادت کی چادریں ڈال دی گئیں اور جو شخص جنگلات و غیر آباد مقامات کو طے کرتا ہوا سنت کے ہاں پہنچا وہ کل قیامت میں جنت کے دروازے کھلے پانے میں کامیاب ہو گیا۔

جس نے ان سے اعتصام کیا وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ جس نے ان کی خوبی کی حفاظت کی وہ نیک لوگوں کے ساتھ قیامت میں اٹھے گا جو صاحب سنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر راضی ہوا۔ وہ قرآن سے راضی ہوا جس نے امت میں فساد بپا ہونے کے وقت سنتوں کو تھامے رکھا۔ اس کیلئے سو شہید کا

ثواب ہے اور جس نے ان سے منہ موڑا وہ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام نہیں، جس نے ان کو اپنے نفس پر ترجیح دی۔ اس نے انتہائی مقصد اور کامیابی حاصل کی اور جس نے ان کی مخالفت کی اور مومنوں کے راستہ کے خلاف چلا۔ اللہ اسے ادھر ہی پھیر دے گا جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ اس کا اصل کافروں کا ٹھکانہ ہے۔ لہٰذا تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس سے نکلی ہر بات کو قبول کرو اور اگر تم کسی معاملہ میں الجھ پڑو تو اس کے حل کیلئے اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ آپ کے طریقہ کو لازم اور آپ کی سنت کی اتباع لازماً کرو۔ یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بات تمہیں دھوکہ وفریب میں نہ ڈالے۔ اور دیکھو! اپنے آپ کو ایسے نئے کاموں سے دور رکھو جو بدعت ہیں۔ کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ اپنے دلوں کو اس بات سے بیدار رکھو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور دور جاہلیت کے طریقوں سے باخبر رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہرگز ہرگز نہ کرو اور نہ ہی آپ کے طریقہ مستقیم پر اعتراض کرو ان لوگوں کو ڈراؤ جو امر شریعت میں مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں انہیں فتنہ یا عذاب الیم نہ پکڑ لے۔

لَا يَكْمُلُ الْاِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ امْرِئٍ ۔۔۔ اِلَّا بِتَصْدِيْقِ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ
ذَاكَ الَّذِيْ فِي الْخَلْقِ طَاعَةُ اَمْرِهٖ ۔۔۔ وَجَبَتْ بِاِخْبَارِ الْكِتَابِ الْمُنْزَلِ
يَا فَوْزَ نَاجٍ اَمَرَ سُنَّتَهٗ اِقْتَفٰى ۔۔۔ وَ بِهٖ اهْتَدٰى فِيْ كُلِّ اَمْرٍ مُشْكِلٍ
صَلَّى عَلَيْهِ اللّٰهُ مَا اَحْيَا الْحَيَا ۔۔۔ مَيْتَ النَّبَاتِ بِعَارِضٍ مُتَهَلِّلٍ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے بغیر کسی شخص کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں تمام مخلوق میں جن کے حکم کی اطاعت قرآن کریم کے ارشادات سے واجب ہے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اقتداء کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مشکل میں ہدایت طلب کی وہ کامیاب وکامران ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ و سلام نازل ہوں جب تک بارش برس کر مردہ پودوں اور نباتات کو زندگی دیتی رہے۔

چھبیسویں فصل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت لازم ہونے کے بیان میں

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس کے فرض ہونے پر دلالت کرنے والی اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے والی آیت واضح اور صریح ہے اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی ذات سے، اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام انسانوں سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب نہیں بنالیتا۔ پھر جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا محبوب بنالیا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ اور آپ کی جماعت میں داخل ہو گیا اور ان لوگوں کی رفاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا، جن پر خدائے برتر کا انعام ہے اور کل قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت پائے گا۔ کیونکہ قیامت میں ہر آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت رکھتے تھے اور آپ سے ملاقات اور آپ کا قرب ان کی پسند تھی۔ آپ کی انتہائی تعظیم ان کا شیوہ تھا۔ بکثرت آپ پر صلوۃ وسلام ان کی عادت تھی۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ سے محبت کرنا سب پر آشکارا ہے اور اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرنا کسی پر مخفی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلفیہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنی جان و روح سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا۔ خدا کی قسم! ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اموال و اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ باپ دادوں، والدہ، نانی، دادی وغیرہ اور سخت پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی محبت سے زیادہ آپ ہمیں محبوب ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر میرا اور کوئی محبوب نہیں۔ جناب خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کو اس بات کا ازحد اشتیاق تھا کہ وہ آپ سے ملاقات کریں اور آپ کی گفتگو سے محظوظ ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا گیا جو شخصیت تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا نام لو۔ تو وہ "یا محمدا" پکار اٹھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا جب وقت آیا تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات اور آپ کا دیدار یاد آیا۔ تو پکار اٹھے۔ "واطرباہ" بعض صحابہ کرام وہ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دوستی کی خاطر اپنے گھربار، مال و اولاد اور وطن تک چھوڑ دیا۔ کچھ وہ تھے، جنہوں نے آپ کی محبت کی وجہ سے اپنے دوستوں کو قتل کر دیا، کسی نے اپنے باپ اور کسی نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اس کا واحد مقصد آپ کی رضامندی کا حصول تھا،

كَيْفَ لَا يَفْعَلُ الصَّحَابُ الْكِرَامُ ۔ ذَاكَ مَعْ خَيْرِ مَنْ اَظَلَّ الْغَمَامُ

كَيْفَ لَا يَمْنَحُوْنَهُ الْوُدَّ صِرْفًا ۔ وَهُوَ بَدْرٌ بِهِ اِسْتَنَارَ الظَّلَامُ
صَانَهُمْ زَانَهُمْ هَدَاهُمْ حَمَاهُمْ ۔ وَ بِهٖ نَحْوَ هُمْ تَدَانَى الْمَرَامُ
حَبَّذَا مُرْسَلٌ عَطُوْفٌ رَؤُفٌ ۔ كَاشِفُ كُرْبَةِ الْهُمُوْمِ هَمَامُ
لِمُحِبِّيْهِ فِي الْوُجُوْدِ مَقَالٌ ۔ وَلَهُمْ فِي جِنَانِ عَدْنٍ مَقَامُ
اِنَّ مَنْ فِي وِلَائِهٖ يَتَغَالٰى ۔ لِسَعِيْدٍ مُوَفَّقٌ وَالسَّلَامُ

حضرات صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر شدید محبت کیونکر نہ کرتے آپ کی ذات وہ ہے کہ بادل نے آپ سے بہتر کسی پر سایہ کیا ہی نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام خالص محبت آپ پر نچھاور کرتے جب کہ آپ کے وسیلہ اور سبب سے انھوں نے کفر وشرک کے اندھیرے دور کئے تھے۔ آپ نے انہیں محفوظ کر دیا، زینت بخشی، ہدایت عطا کی اور ان کی حمایت کی اور ان کے تمام مقاصد اور مرادیں آپ ہی پوری فرماتے تھے۔ آپ ہی وہ بہترین رسول ہیں جو نہایت مہربان اور غموں پریشانیوں کو دور فرمانے والے ہیں، آپ کے شیدائیوں کا اس دنیا میں بھی بول بالا ہے اور کل قیامت کو جنت عدن مقام ہوگا۔ وہ شخص جس نے آپ کی محبت میں وارفتگی تک رسائی پائی۔ وہ یقیناً نیک بخت اور توفیق دادہ ہے۔ مختصر یہی بات ہے والسلام۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی توقیر و تعظیم بجالائی جائے اور جب آپ کا ذکر خیر ہو تو خضوع وخشوع کے ساتھ سنے، آپ کی امت پر شفقت کرے، نیک امتیوں کو دوست رکھے، ان کی خیر خواہی میں کوشاں رہے اور ان کی بہتری میں حتی المقدور کوشش کرتا رہے۔ صد مبارک اس کیلئے جو آپ کے شیدائیوں میں شمار ہوتا ہے جو آپ کے ارشادات پر عمل کرتا ہے آپ کے روکے سے رکتا ہے آپ کے دین کی مدد ونصرت کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ خوشی اور غمی میں آپ کے آداب واخلاق پر عمل کرنا اپنا شعار بناتا ہے، آپ کی شریعت کو ہوائے نفس کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ بندوں پر محض رضائے خدا اور رضائے رسول کی خاطر غصہ کھاتا ہے۔ آپ کی سنت پر کاربند رہتا ہے، جس کام کا آپ نے حکم دیا خواہ وہ اپنی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اسے ترک نہیں کرتا۔ آپ کے دین اور شریعت میں تفقہ حاصل کرتا ہے اپنے اخلاق کو آپ کے خلق میں ڈھالتا ہے اپنی طبیعت کو آپ کی طبیعت کے تحت کرتا ہے، آپ کے محبوب سے محبت کرتا ہے، آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ کی تعظیم کرتا ہے۔ مخالف شرع ہر کام سے اجتناب کرتا ہے، ہر بدعتی اور دین میں بے اصل کام شروع کرنے والے سے اعراض کرتا ہے۔ آپ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کا مقابلہ

کرتا ہے، آپ کے بدخواہ اور حاسد سے تعلق منقطع کر لیتا ہے۔ آپ کی خاطر اپنی جان اپنا مال سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ آپ سے محبت کرنے والوں اور جن سے آپ محبت کرتے ہیں ان کی سنگت اپناتا ہے۔

پس کون سا کرم آپ کے کرم سے بڑھ کر ہے؟ کونسی نعمت آپ کی نعمتوں سے زیادہ کامل ہے؟ کونسا افضال آپ کے افضال سے عام ہے؟ کونسی سخاوت آپ کی سخاوت سے بڑھ کر تمام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رأفتہ و رحمت لیکر آئے۔ علم کتاب وحکمت لیکر آئے، بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے، تنگی سے روکا اور آسانی کا حکم دیا، نصیحت میں خوب کوشش کی، صحیح راستہ اختیار فرمایا۔ ہدایت میں بھرپور کوشش فرمائی، اندھے پن سے باہر نکالا۔ کامیابی کی طرف بلایا۔ کامیابی کا راستہ واضح کیا۔ بقاء دائمی اور سرمدی نعمتوں کو واجب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر لگا تار غیر منقطع صلوات نازل ہوں اور ان گنت سلام۔

يَا صَاحِبَ الْعِزِّ وَالْقُبُوْلِ وَ مَنْ ‏ خَيَّرَ اَهْلَ الْعُقُوْلَ مُعْجِزُهُ
يَا مَنْ لَهُ مَجْلِسٌ حَوٰى شَرَفًا ‏ بِالْقَطْرِ مِنْ سَحْبِهٖ يَطْرُزُهُ
وَيَظْهَرُ الْعِلْمُ فِيْ جَوَانِبِهٖ ‏ وَالدُّرُّ مِنْ فِيْهِ فِيْهِ يَبْرُزُهُ
حُبُّكَ يَا اَشْرَفَ الْخَلَائِقِ فِيْ ‏ قُلُوْبِ اَهْلِ الرَّشَادِ مَرْكَزُهُ
اَنْتَ الَّذِیْ تَبْطُلُ الْوَعِيْدَ كَمَا ‏ وَعَدَ الْمُرْجِيْ نَدَاكَ تُنْجِزُهُ
صَلّٰى عَلَيْكَ الْاِلٰهُ مَا خَطَرَتْ ‏ رِيْحٌ بِغُصْنِ النَّقَا تَهُزُّهُ

اے عزت وقبولیت کے مالک! اے وہ ذات کہ جس کے معجزات نے عقلمندوں کو محو حیرت کر دیا ہے اے وہ ذات بابرکات! جس کی مجلس پاک شرافت پر مشتمل ہے۔ آپ کے بادل شرافت سے اسے قطرے حاصل ہوتے ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے چاروں طرف علم ہی علم ہے اور جن کے دہن اقدس سے نکلنے والی ہر بات بیش بہا موتی ہے۔ اے اشرف الخلق! آپ کی محبت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے دل مرکز ہیں آپ وہ ہیں جو جھڑک کو باطل کر دیتے ہیں اور جس نے آپ کو آواز دی اس کی امید بر لانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام نازل فرماتا رہے جب تک ہوا درختوں کی ٹہنیوں کو ہلاتی رہے۔

ستائیسویں فصل

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے بیان میں

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر وتعظیم فرض کی ہے۔ اور آپ کی امانت ونصرت اور اجلال وتعزیر بھی لازم قرار دی ہے، مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے گفتگو کرنے میں آپ سے تقدم کو منع فرمایا۔ آپ سے کلام میں سبقت اور بے ادبی سے بھی روکا ہے اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے جو کلمہ صادر ہو اسے غور سے سنیں اور کسی معاملہ میں آپ کے فیصلہ فرمانے سے قبل جلد بازی نہ کریں اور آپ کی مخالفت سے منع فرمایا خواہ وہ کسی قلیل بات میں ہو یا کثیر میں اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آپ کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے اور حکم دیا کہ آپ کی تعظیم واحترام آپ کی زندگی میں اور آپ کے انتقال کے بعد دونوں حالتوں میں بجالایا جائے اور آپ کو اس طرح نہ بلایا جائے جس طرح ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی پاسداری نہیں کرتا اس سے قطع تعلق کیا جائے اور اس سے بغض رکھا جائے اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے محبوب ناموں سے پکارا جائے اور اس بات کا بھی حکم دیا کہ آپ کو بلاتے وقت آواز بلند نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیا اللہ تعالیٰ لازماً اپنا وعدہ (ان سے کیا) پورا فرمائے گا۔

عَظِّمْ نَبِيًّا عَالِمًا عَامِلًا   رَبُّ الْعُلَا اَوْجَبَ تَعْظِيْمَهٗ
وَالْزِمْ هَدَيْتَ الرُّشْدَ تَوْقِيْرَهٗ   مَادُمْتَ فِي الدُّنْيَا وَ تَكْرِيْمَهٗ
وَاحْذَرْ خِلَافَ اَمْرِهٖ وَ اتَّبِعْ   تَحْلِيْلَهٗ طَوْعًا وَ تَحْرِيْمَهٗ
وَاصْبِرْ لِكَلِمِ الضِّدِّ فِيْهِ عَسٰى   فِي الْحَشْرِ اَنْ تَسْمَعَ تَكْلِيْمَهٗ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم جانتے ہوئے عملی طور پر پوری کر۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کو فرض کر دیا ہے آپ کی توقیر کو اپنا شیوہ بنالے اور جب تک زندہ ہے آپ کی تکریم کو اپنے اوپر لازم کر لے، تو رشد وہدایت پائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی سے اجتناب کر اور حلال وحرام میں آپ کی بخوشی اتباع کر اور آپ کے خلاف بات کرنے سے رک جا، قریب ہے کہ تو حشر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سے بہرہ ور ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ کے اجلال وتوقیر کی وجہ سے آپ کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکتے، جب آپ باہر (گھر سے) تشریف لاتے، تو تیز نگاہ سے صحابہ

کرام نہ دیکھتے۔ صرف ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نظر اٹھا کر آپ کو دیکھنے کی ہمت کیا کرتے تھے۔ آپ کے اردگرد یوں بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ کی خاطر اپنے مال اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اس کو حاصل کرنے اور اس سے برکت پانے میں اس قدر حریص تھے کہ قریب تھا وہ لڑ پڑتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھوک مبارک کے حصول میں کوشاں رہتے۔ مل جاتا تو اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر ملتے، جب کبھی آپ کے سرانور کا کوئی بال گر پڑتا تو اس کے اٹھانے میں ایک دوسرے کی مزاحمت کرتے۔ آپ کے احکام پر عمل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اپنے پوروں سے آپ کے دروازہ پر دستک دیتے، آپ کے رعب اور حیاء کی وجہ سے کسی چیز کے سوال کے بارے میں تاخیر کرتے جب آپ گفتگو فرماتے تو سب خاموش ہوتے اور جب انہیں قرآن سناتے تو بے حس و حرکت ہو جاتے۔

وَاِذَا اَرَادَهُمْ لِاَمْرٍ بَادَرُوْا لِجَوَابِ ذَاکَ الْاَمْرِ لَمْ یَتَثَبَّتُوْا

وَاِذَا اَنْهَاهُمْ اَعْرَضُوْا عَمَّا نَهٰی وَ لِغَیْرِ مَا یَخْتَارُ لَمْ یَلْتَفِتُوْا

وَاِذَا اَشَارَ بِصَمْتِهِمْ لَمْ یَنْطِقُوْا وَاِذَا دَعَا اَقْوَالَهُمْ لَمْ یَسْکُتُوْا

اَکْرِمْ بِهِمْ قَوْمًا اَقَامُوْا دِیْنَهٗ وَبِعَزْ مِهِمْ شَمْلَ الْاَعَادِیْ شَتَّتُوْا

فَعَلَیْهِمْ رِضْوَانُ رَبِّ صَانَهُمْ اَنْ یَعْبُدُوْا مَنْ دُوْنِهٖ اَوْ یَقْنَتُوْا

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرام کو کوئی حکم دیتے تو اس کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اور اس کا جواب دینے میں تاخیر نہ کرتے اور جب آپ انہیں کسی کام سے روکتے تو فوراً رک جاتے اور آپ کی پسند کو چھوڑ کر دوسرے کام کی طرف دھیان تک نہ کرتے۔ جب آپ انہیں خاموش ہونے کا اشارہ فرماتے تو گفتگو نہ کرتے اور جب گفتگو کرنے کا حکم دیتے تو سکوت نہ کرتے، جس قوم نے آپ کے دین کو قائم کیا اور اپنے آہنی ارادوں سے دشمنوں کے منصوبے ناکام بنا دیئے وہ قوم کس قدر قابل اکرام ہے۔ ان پر ان کے رب کی رضامندی ہو جس نے انہیں غیر کی پوجا نہ کرنے دی نہ کسی غیر کا ڈر رہنے دیا۔

واجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی آپ کا احترام و تعظیم اسی طرح بجالایا جائے جس طرح زندگی میں تھا۔ یہ تعظیم یوں ہوگی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے آپ کی حدیث و سنت بیان کی جائے، آپ کا اسم گرامی کان میں پڑے، آپ کی سیرت کا

بیان ہو رہا ہو تو بڑے احترام و اکرام سے یہ باتیں سنے۔ سلف صالحین رضی اللہ عنہم آپ کی احادیث مبارکہ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کی سنت شریفہ جس مبارک سینہ سے نکلتی، جس بابرکت زبان سے بیان ہوتی۔ اسے فوراً اپنے دل میں جگہ دیتے۔ آپ کے اقوال جہاں بیان کئے جا رہے ہوتے بالکل خاموش ہو کر سماع فرماتے۔ آپ کے اوصاف و افعال کی باتیں بڑے ادب سے بیان کرتے اور ان کے ذکر کے وقت باادب ہو جاتے۔ بعض تو حرکت تک نہ کرتے، بعض گردن تک نہ اٹھاتے۔ کچھ خضوع و خشوع کی چادر اوڑھ لیتے۔ بعض وہ کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے پرنالے بہہ نکلتے کچھ وہ کہ بے خبر اور حیران ہو جاتے، بعض کے رنگ پیلے پڑ جاتے اور بعض کے متغیر ہو جاتے۔ بعض وہ تھے جو بغیر طہارت آپ کی احادیث کی کتابت نہ کرتے، بعض وہ کہ جو لیٹ کر، کھڑے ہو کر یا چلتے پھرتے آپ کی احادیث بیان کرنے کو مکروہ جانتے اور کچھ ایسے بھی تھے جن سے اگر کسی نے حدیث پاک سننے کی سفارش کی۔ تو وہ غسل کر کے خوشبو لگا کر اور نئے کپڑے پہن کر ان کی فرمائش پوری کرتے۔ لہٰذا تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کی باتوں کو قبول کرنے کیلئے کم از کم اس قدر ضرور مودّب ہو جاؤ، جس طرح تم اس وقت مودّب ہوتے جب تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوتی اور آپ کی صحبت میسر ہوتی۔ آپ کی بزرگی، تعظیم، اجلال و تکریم بڑھ چڑھ کر بجا لاؤ۔ آپ کی قدر و منزلت پہچانو۔ آپ کے ذکر کے وقت مجسمہ ادب بن جاؤ، اپنے گناہوں کی مغفرت کیلئے، اپنے عیوب کی پردہ پوشی کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت و وسیلہ کا سہارا لو اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دامن امید وابستہ کر لو۔ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۝ (النساء) ”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں آپ کے در دولت پہ حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور ان کیلئے اللہ کے رسول بھی مغفرت طلب کریں تو لازماً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے“۔

بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ غُفْرَانِ مَا ... اَسْلَفْتُ فِیْ زَمَنِ الصِّبَا اَتَشَفَّعُ

کَمْ مِنْ ذُنُوْبٍ قَدْ تَحَمَّلَ کَاهِلِیْ ... شُمَّ الْجِبَالَ لِوَقْعِهَا تَتَصَدَّعُ

مَا لِیْ سِوَاکَ اَحُوْمُ حَوْلَهٗ حُمَایَةً ... یَامَنْ اِلَیْهِ ذُو الْمَسَاوِیْ یَهْرَعُ

اَنْتَ الَّذِیْ ظُلَمُ الشَّدَآئِدِ تَنْجَلِیْ ... بِسِرَاجِهٖ وَبِهٖ الْعَظَائِمُ تَدْفَعُ

صَلّٰی عَلَیْکَ مَنِ اصْطَفَاکَ مِنَ الْوَرَیٰ ... مَا لَاحَ فِی الْآفَاقِ نُوْرٌ یَّلْمَعُ

یا رسول اللہ! میں اپنے بچپن (نوجوانی) میں کئے گئے گناہوں کی مغفرت کیلئے آپ کی ذات

مقدسہ کو شفیع بناتا ہوں۔ اس قدر گناہوں کے بوجھ میرے کندھوں پر پڑے ہوئے ہیں اگر پہاڑوں کی چوٹیوں پر ڈال دیئے جائیں تو وہ بھی کانپنے لگیں اور پھٹ جائیں میرے لئے آپ کے سوا کون حمایتی ہے کہ جس کی حمایت وحفاظت میں رہوں اور جس کی چراگاہ کے اردگرد پھروں۔ اے وہ دادرس! جس کی بارگاہ میں گنہگار دوڑے آتے ہیں۔ آپ وہی ہیں جن کی بدولت مصیبتوں اور تکلیفوں کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور آپ کے چراغ سے ان اندھیروں کی جگہ روشنی ہوتی ہے اور آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ہی بڑے بڑے اور مشکل کام ٹل جاتے ہیں۔ آپ پر اس ذات کے صلوٰۃ وسلام ہوں جس نے تمام مخلوق سے آپ کو چنا اور اس وقت تک ہوں جب تک کائنات میں نور چمکتا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل واصحاب کی محبت کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ کی آل اطہار، عترت ابرار، ذریت اخیار کی تعظیم کی جائے۔ تمام مہاجرین وانصار کی تعظیم کی جائے۔ امہات المومنین ازواج مطہرات کی تکریم کی جائے۔ ان حضرات کے راستہ پر گامزن ہوا جائے آپ کے تمام صحابہ کرام کی توقیر، آپ کے سفر وحضر کے ساتھیوں کی تعظیم، ان کے حقوق واجبہ کی معرفت، ان کی چمکتی بجلیوں کی روشنی سے اقتباس، ان کے اعمال صالحہ کی اقتداء، ان کے معارف کی نورانیت کی چمک، یہ سب باتیں دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ہی ایک حصہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی اس طرح تعظیم بجالا ؤ جیسا کہ علماء کرام نے عام لوگوں سے بڑھ کر کی۔ آپ کے اہل بیت میں آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس سب شامل ہیں اور ان کے خیر خواہ اور دوستوں سے تو بھی دوستی رکھ۔ ان کے بدخواہوں اور ان سے بغض وعناد رکھنے والوں سے تو بھی عداوت رکھ۔ ان کی محبت کی رسی کو مضبوطی سے تھام کہ یہ دلیل ایمان ہے۔ اور قریش کی تقدیم میں کوشش کر اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کر۔ آپ کی آل پاک کے مکان ومرتبہ کی معرفت جہنم سے برأت کا پروانہ ہے۔ اور ان سے دوستی ہلاکت سے امن میں رہنا ہے۔ ان کی محبت کی بدولت پل صراط سے گزرنا آسان ہو جائے گا اور جنت میں ایسا مقام عطا ہوگا جس پر جنتی رشک کریں گے۔ جس نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھی، ان کی والدہ سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت ومحبت رکھی، ان کے والد گرامی حیدر کرار شیر خدا رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی وہ قیامت کے دن حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات کے قریب ہوگا۔

لَا، تُعَدِّ عَنْ سُنَنِ الرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ وَالْزَمْ مُحَبَّةَ آلِهِ الْاَطْهَارِ
وَقِرْ وَعَظِّمْ قَدْرَ عِتْرَتِهِ وَمَنْ ۔۔۔ يُنْمِيْ اِلَى الذُّرِّيَّةِ الْاَخْيَارِ
وَاسْلُكْ سَبِيْلَ كَرَامَةِ الزَّوْجَاتِ وَالْاَ ۔۔۔ وْلَادِ وَالْاَعْوَانِ وَالْاَنْصَارِ
وَارْفَعْ لِاَهْلِ الْبَيْتِ رَايَاتِ الْوِلَا ۔۔۔ تَجِدِ الْوِقَايَةَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور طریقوں سے تجاوز نہ کر۔ اور آپ کی آل اطہار کی محبت لازم وفرض سمجھ۔ آپ کی عزت اور ہر اس شخص کی جو آپ کی اولاد امجاد سے نسبی تعلق رکھتا ہے اس کی تعظیم وتوقیر کر آپ کی اور ازواج مطہرات کی تکریم کے راستہ پر چل، آپ کی اولاد، مددگار اور

انصار کی عزت کی راہ اختیار کر اور اہل بیت کی محبت و دوستی کے جھنڈے بلند رکھ۔ اس کے صلہ میں تو جہنم کی آگ سے خلاصی پا لے گا۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام و آل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت پر خود ابھارا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی رفعت شان پر تنبیہ فرمائی۔ صاحب فضیلت اور مستجاب الدعوات شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جب تک کوئی شخص اہل بیت و اصحاب رسول سے محض اللہ اور اس کے رسول کی خاطر محبت نہیں کرتا ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عظمت یوں بیان فرمائی کہ ''کتاب اللہ'' کے ساتھ ساتھ ان کی حیثیت رکھی۔ فرمایا میں تم میں بہت اہم دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان کا دامن پختگی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری عترت۔ حضرت علی المرتضی کے بارے میں فرمایا جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ ہے۔'' اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا'' جس نے میرے چچا کو اذیت دی اس نے مجھے دکھایا۔'' اور فرمایا'' میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں قسم دلاتا ہوں'' مجھے اپنی عمر کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا معنی نہایت لطیف ہے۔ ان کے بارے میں اللہ رب العزت کا یہ قول ہی کافی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب)'' بیشک اللہ تعالیٰ تم سے اہل بیت ہر قسم کی ناپاکی دور کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور تمہیں خوب پاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے''۔

اَهْلُ الْكِسَاءِ الطَّاهِرُوْنَ ذَوُ وْالنُّقٰى سُفُنُ النَّجَاةِ وَ رَاحَةُ الْاَرْوَاحِ
فَبِهِمْ تَوَسَّلْ حِيْنَ يَعْتَكِرُ الدُّجٰى تَلْقٰى الرِّضٰى مِنْ فَالِقِ الْاَصْبَاحِ

چادر تطہیر والے حضرات پاک و صاف ستھرے لوگ ہیں۔ نجات کی کشتی اور روحوں کا چین ہیں۔ جب رات سخت ہو جائے تو ان کا ہی وسیلہ تلاش کر تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو صبح نمودار کرنے والا ہے ان کے وسیلہ سے خوشی مل جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کیلئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ان کی بلندئ درجات کی دعاء کر اور ان کے مابین جو اختلاف اور قول و عمل میں جو ٹکراؤ نظر آئے اس سے بچنے کی کوشش کر۔ ان کی سیرت حمیدہ و محمودہ بیان کر ان کے مختلف فضائل کا چرچا کر ان کے ہدایت کے بلند جھنڈوں سے راستہ تلاش کر۔ گمراہی شیعہ اور بدعتی لوگوں سے تعلق منقطع کر جو ان حضرات سے عداوت رکھتے ہیں۔ اللہ

خالق کائنات کے اس قول کو غور سے پڑھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح:29) جناب محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کے تمام صحابہ کفار پر انتہائی سخت اور باہم انتہائی نرم دل ہیں۔ اس کے علاوہ رب ذوالجلال کا یہ ارشاد بھی سامنے رکھ۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18) ''یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام مومنین سے راضی ہے جنہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی''۔ اور قادر مطلق کے اس کلام پر بھی تیری نظر رہے۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ (احزاب:22)۔ وہ ایسے مردان کامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ سچا کر دکھایا۔ حضور سید البشر، اشرف الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا'' نیز آپ نے فرمایا'' ان کی مثال ایسی جیسا کھانے میں نمک ہو'' ایک اور موقعہ پر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات فرمائی۔ ''تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا فی سبیل اللہ خرچ کر دے تو ان صحابہ کرام کے ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہوسکتا''

تَمَسَّکْ بِالْاَوَامِرِ مِنْ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ نَاشِرٍ فَضْلِ الصَّحَابَةِ
وَلَازِمْ حُبَّهُمْ وَاسْتَوْصِ خَیْرًا بِکُلٍّ مِّنْهُمْ وَارْفَعْ جَنَابَهٗ
وَاَکْثِرْ مِنْ ثَنَآئِکَ کُلَّ وَقْتٍ عَلَیْهِمْ حَائِزًا اَجْرَ الْاِصَابَةِ

رسول کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ کو مضبوطی سے پکڑ۔ جنہوں نے صحابہ کرام کے فضائل خود بیان فرمائے۔ حضرات صحابہ کرام کی محبت کو لازم سمجھ اور ان میں سے ہر ایک کیلئے بھلائی اور بہتری کا حکم دے اور ان کی شان بیان کر ہر وقت ان کی کثرت سے تعریف کر، تجھے بیشمار ثواب حاصل ہوگا۔

جس نے حضرات صحابہ کرام کی خوبیاں بیان کیں، وہ نفاق سے بچا رہا، جس نے ان سے محبت رکھی وہ ایمانداروں میں سبقت لے گیا، جس نے ان کی اتباع کی اس نے اپنا مقصد پا لیا، جس نے انہیں پیشوا بنایا وہ ہدایت پا گیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' جس نے ان کی عزت کی اس نے جنت میں لباس فاخرہ حاصل کیا، جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی ان میں حفاظت کی اس کی دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا۔ ان حضرات کا فضل صرف اس بناء پر ہے کہ انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی۔ تمام انبیاء ومرسلین کرام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو پسند فرمایا۔ ان کے درجات بلند رکھے۔ ان تمام صحابہ کرام میں سے بالخصوص وہ دس حضرات جنہیں دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

اَصْحَابُ هَادِیْ الْوَرٰی قَوْمٌ لَھُمْ شَرَفٌ — بِالْقُرْبِ مِنْھُمْ خُصُوْصًا اَوَّلُ الْعَشَرَۃِ

جَآؤُہٗ وَاسْتَمَعُوْا مَاقَالَ وَاتَّبَعُوْا — وَبَایَعُوْا تَحْتَ اَغْصَانٍ مِّنَ الشَّجَرَۃِ

یَکْفِیْھِمْ اَنَّ خَیْرَالرُّسُلِ اَکْرَمَھُمْ — وَاِنَّھُمْ اَفْضَلُ الْاَخْیَارِ وَالْبَرَرَۃِ

مِنِّیْ عَلَیْھِمْ سَلَامٌ طَیِّبٌ أَرِجٌ — مَا اظْھَرَ الْبَحْرُ مِنْ قَامُوْسِہٖ دُرَرَہٗ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب وہ حضرات ہیں جو شرف وعزت والے ہیں۔ کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب ملا۔ ان میں سے خصوصاً پہلے دس صحابہ کرام جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ کے ارشادات سنے اور آپ کی اتباع کی اور ایک درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔ ان کے فضائل میں یہی کافی ہے کہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اکرام بخشا۔ بیشک یہ حضرات نیک اور بہتر لوگوں میں سے بہترین ہیں، میری طرف سے ان کی بارگاہ میں نہایت پاکیزہ متواتر سلام۔ اس وقت تک جب تک سمندر اپنی گہرائیوں سے موتی ظاہر کرتا رہے۔

انتیسویں فصل

حضور علیہ وآلہ وسلم ﷺ کی قبر انور کی زیارت

اور آپ کے مقامات ومواطن کی تعظیم کا بیان

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت بہت خوبصورت سنت ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق واجماع ہے۔ اس کی فضیلت کی وجہ سے تمام حضرات نے اس کی رغبت دلائی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی قبر انور کی زیارت کی اس نے گویا آپ کی، آپ کی زندگی میں زیارت کی اور جس نے آپ کی قبر انور کی زیارت کی وہ آپ کے قرب میں جا پہنچا۔ آپ اس کی اس دن شفاعت فرمائیں گے جس دن نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کسی کی سفارش چلے گی، جسے آپ کے شہر مدینہ طیبہ میں رہائش نصیب ہوئی اسے اس کی پاکیزہ مٹی سے ضرور حصہ ملے گا، جسے اس شہر مبارک میں موت نصیب ہوگئی، اسے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد شریف کی زیارت کا قصد کر اور شد رحال کر۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ کی بارگاہ اور آپ کے دونوں ساتھی (ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سلام عرض کر۔ مسجد نبوی میں آواز بلند نہ کرنا، ان لوگوں کی روش اختیار کرنا جو حسن ادب اپنا مقصود رکھتے ہیں۔ آپ کی تعظیم میں سلف صالحین کے راستہ پر چلنا اور تو بھی وہاں پہنچ کر اسی طرح آپ کے اجلال وتکریم میں مبالغہ کر جس طرح سلف صالحین نے کیا۔ آپ کے روضہ انور، منبر شریف اور قدم مبارک لگنے کی جگہوں سے برکت حاصل کر اور اپنی نظر کو اس مقام پر ڈال کر شرافت بخش، جہاں جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر اترتے تھے۔

زُرْ قَبْرَ مِنْ شَمْسِ الضُّحٰی عَدْلِهٗ ۔۔۔ لَمَّا بَدَتْ وَ لّٰی ظِلَامُ الشَّطَطِ

وَکَیْمَا تَرٰی نَفْسَکَ فِیْ رَوْضَةٍ ۔۔۔ فِیْ اَرْضِهَا زَهْرُ الْقُرٰی یَلْتَقِطُ

وَاهْرَعْ اِلٰی طَیْبَةِ تِلْکَ الَّتِیْ ۔۔۔ جُوْدُ اَبِی الطَّیِّبِ فِیْهَا انْبَسَطُ

وَ انْزِلْ بِهَا فِیْ مَسْجِدٍ مُنْجِدٍ ۔۔۔ جِبْرِیْلُ فِیْ اَرْجَآئِهٖ کَمْ هَبَطَ

اس عظیم الشان ہستی کی قبر انور کی زیارت کر جس کے عدل وانصاف کے سورج نے طلوع ہوتے ہی ظلم وعدوان کے اندھیرے بھگا دیئے۔ زیارت کرتا کہ تو اپنے آپ کو ایسے باغ میں پائے جس کی زمین میں بستیوں کی رونق دکھائی دیتی ہے۔ اضطراب اور پریشانی کے عالم میں اس پاکیزہ جگہ کی طرف

چل جہاں ابوالطیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا دستر خوان بچھا ہوا ہے کچھ دیر کیلئے اس مقام پر بھی بیٹھ جو مسجد نبوی میں ہے جہاں بیسیوں مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آپ کی ملاقات کی امید لئے حاضر ہوتے رہے۔

اے خوش قسمت مسجد! جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، جس نے اس کے مضبوط سبب سے تمسک کیا وہ کامیاب ہوگیا اس میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بھی ہے اس سے کتاب وسنت کے احکام پھیلے۔ جس میں ایک ایسا حصہ زمین ہے جو تمام زمینی مقامات سے افضل ہے وہ کیوں افضل نہ ہو جب کہ اس خطہ زمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضور شفیع مجرمان اور قیامت کے دن مقبول الشفاعت ہستی کے جسم اطہر سے ملنے کا اسے شرف حاصل ہے۔ تمہیں اس کے نواحی میں صلوۃ وسلام کی کثرت کرنی چاہیئے تا کہ نعیم اور انعام وافر پائے اس مسجد میں کہیں بھی نماز ادا کرنے کو سعادت جانئے۔ کیونکہ مسجد حرام کو چھوڑ کر اس میں ادا کی گئی ایک نماز ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ مسجد حرام وہ ہے جس کے فضائل بکثرت اور برکات وافر مقدار میں ہیں۔ مناسک حج کا اس سے تعلق ہے۔ نعمت الٰہی کی تعیم، حرمت میں عظمت اسے حاصل ہے۔ اس کی ہر جگہ شرافت کی مظہر ہے۔ کوئی طواف کرے یا اعتکاف بیٹھے ہر ایک کو پاک کرنے والی ہے، جس کے قواعد بلند اور جس کی بنیاد مضبوط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کیلئے امن اور مثابۃ بنایا۔ اس کی برکات نامی اور اس کی تعظیم مکمل ہے اس میں آیات بینات مقام ابراہیم ہے اس میں جو آگیا وہ امن میں ہوگیا۔ یہ نص قرآن ہے جس نے تین مرتبہ اس کا حج (طواف) کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کردی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن مقامات پر تشریف لے گئے۔ ان کی تقدیس کا خیال رکھ جن مقامات پر آپ نے نماز ادا فرمائی ان جگہوں کا احترام کر آپ کے معالم ومعاہد پر آنا جانا رکھ۔ آپ کے مواقف ومعابد کی تطہیر میں کوشاں رہ، آپ کے اماکن کی عزت کر اور مکہ ومدینہ میں آپ کے مواطن کی بزرگی کا خیال رکھ۔

حُثَّ الْمَسِيْرَ اِلٰى نَحْوِ الْحِجَازِ وَلَا تَقِفْ وَسَلِّمْ عَلٰى عَرَبٍ بِذِىْ سَلَمِ
وَانْزِلْ بِمَكَّةَ خَيْرِ الْاَرْضِ مُقْتَفِيًا آثَارُ اَقْدَامِ سِرًّا لُكَوْنِ فِى الْقَدَمِ
وَاجْنَحْ لِكَعْبَتِهَا وَالْمَرْوَتَيْنِ بِهَا وَالْعَرْفَ مِنْ عَرَفَاتِ مَوْقِفِ الْاُمَمِ
وَالْحَجْرَوَ الْحَجَرَ الشَّامِى وَ خَيْفَ مِنًى وَ كُلَّ مَوْضِعِ نُسُكٍ حَلَّ فِى الْحَرَمِ

اپنی سواری کو سرزمین حجاز کی طرف جانے کیلئے تیار کر اور کہیں نہ رکنا اور سرزمین عرب کو مقام ذی

مسلم سے سلام کہنا، پھر مکہ شریف میں ٹھہرنا جو تمام زمین سے بہتر جگہ ہے۔ وہاں تیرے ٹھہرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ سرالکون ﷺ کے مبارک پاؤں اس زمین پر لگتے رہے تو ان کے نشانات کے پیچھے پیچھے چلنا۔ مکہ میں موجود کعبہ شریف میں تواضع وانکساری کا اظہار کرنا، صفا اور مروہ کی زیارت کرنا اور مسلمانوں کے موقف عرفات بھی جانا، حجر اسود اور حطیم، مسجد خیف، منیٰ اور ان تمام مقامات کی زیارت کرنا جن کا تعلق افعال حج کے ساتھ ہے۔

مکہ مکرمہ میں ان مقامات کی تکریم کرنا جن پر موجود ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ ان کی جبرئیل ومیکائیل کی آمد ورفت سے تر وتازگی بڑھی۔ فرشتوں کے آنے جانے سے ان کو بلندی نصیب ہوئی، جن کے آسمانوں کے برج بے مثل چاند کے سبب ارفع ہوئے، جس کی سحری کی باد نسیم تلاوت قرآن سے خوشبوناک ہوئی، جن کے درختوں کے شگوفے ذکر الٰہی سے کھل اٹھے، جن کی بلندیاں تکبیر وتہلیل سے چمک اٹھیں۔ تسبیح وتقدیس سے جن کی وادی گونج اٹھی، جن کی مقدس مٹی سے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر متصل ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول کا دین جن سے مشہور ہوا۔ خوشا! وہ جگہیں جہاں آیات قرآنیہ کی درس وتدریس ہوتی رہی، جہاں اسلامی جھنڈے گاڑے جاتے رہے، جہاں نمازوں کے دوران سجدے کئے جاتے رہے، جہاں وافر برکات کا نزول ہوتا رہا، جہاں باہر معجزات کا ظہور ہوا، جہاں سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشوونما پائی، جو بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار ہجرت بنا، جو رسالت کے بادلوں کا مرکز بنا، واضح دلالات کا وطن قرار پایا، جو مخبر نبوت کا مطلع بنا، جو فتویٰ اور جوانمردی کا معدن بنا، جو حجاج کرام اور عمرہ ادا کرنے والوں کی عبادت گاہ قرار پایا۔ آقاؤں اور غلاموں کا ٹھکانہ بنا، ان خوبیوں کی بنا پر وہ شہر اس کا مستحق ہے کہ اس کی دیواروں کا احترام کیا جائے، اس کے ستونوں کو چوما جائے، ان کے مقام کو رفعت دی جائے، ان کے احکام واعلام کو پھیلایا جائے۔ اس کی چاردیواری کا تحفظ کیا جائے۔ اس کے پانی اور چراگاہوں کی بھی رعایت کی جائے۔ اس کے باغات سے آنکھوں کو تروتازہ کیا جائے، اس کی مٹی کی کیاریوں میں رخساروں کو رگڑا جائے۔

طُوْبٰی لِمَنْ یَّأْتِیْ لِمَکَّۃَ آئِبًا ... بِمَشَاعِرٍ جَلَّتْ عَنِ الْاَوْصَافِ

وَیُعَظِّمُ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ مُجَدِّدًا ... فِیْہِ بُرُوْدَ السَّعْیِ وَالطَّوَافِ

وَیَسِیْرُ کَیْ یَحْظٰی بِسَاکِنِ طَیْبَۃٍ ... وَیَبُوْ اصِلُ الْاَعْنَاقِ بِالْاِیْجَافِ

وَیُقَبِّلُ الْاَحْجَارَ مِنْ حَجَرٍ اِتِّہَا ... حُبًّا لِمَنْ یَّرْتَاحُ لِلْاَضْیَافِ

اَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَشَّافَ الْعَنَا ... ذَا الْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَالْاِنْصَافِ

صَلّٰی عَلَیْہِ اللّٰہُ مَا سَقَتِ الثَّرٰی عَیْنَ الْغَمَامِ مَدَّ مَعَھَا الْوُکَافِ

خوش بخت اور قابل ستائش ہے وہ شخص جو مکہ شریف میں حج ادا کرنے کے مقامات کی پناہ لینے آیا جن کے اوصاف بہت عظیم ہیں اور وہ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتا ہے اس حال میں کہ سعی اور طواف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے چین کو تازگی بخشتا ہے اور اس لئے سفر کرتا ہے تاکہ طیبہ (مدینہ منورہ) کے ساکن سے فیض پائے اور اپنی گردن کو گھوڑوں سے بلند کرے۔ مدینہ منورہ کے مقامات کے پتھروں کو اس ذات کی محبت میں چومے جو مہمانوں کو راحت پہنچاتی ہے۔ میری مراد جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو مصائب کو دور فرمانے والے صاحب عدل واحسان اور صاحب انصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ وسلام آپ پر اس وقت تک نازل ہوتے رہیں جب تک بادلوں کی آنکھ اپنے لگاتار آنسوؤں سے زمین کو سیراب کرتی رہے۔

تیسویں فصل

صلوٰۃ وسلام اوراس کی فضیلت کے بیان میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام فی الجملہ واجب ہے ہر وہ شخص جو آپ پر ایمان رکھتا ہے اوراپنی ہدایت کا آپ کو قبلہ سمجھتا ہے اسے یہ واجب ادا کرنا چاہئے۔ اپنے اوقات کا اکثر حصہ صلوۃ و سلام میں صرف کرنا چاہئے اس کی ہیشگی اختیار کی جائے، اور غفلت نہ برتی جائے۔ خصوصاً ہفتہ میں جمعۃ المبارک کے دن بکثرت صلوۃ وسلام پڑھے۔ حدیث مرفوع جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں اس بارے میں جو حکم موجود ہے بعض علماء کرام نے نماز میں صلوۃ کو واجب کہا ہے۔ بعض نے اپنی رائے کے مطابق اس کے استحباب کا قول کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ حمد وثناء کے بعد اس ذات پر صلوۃ وسلام بھیجے جس نے ساکن کو حرکت اور خاموش کو اپنے سامنے قوت گویائی سے نوازا۔ ایسا طریقہ سوال کے قبول ہونے میں تیر بہدف ہے وہ دعا جس کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھا جائے رد نہیں کی جاتی اور ضرور شرف قبولیت پاتی ہے ہر دعا آسمان کے نیچے روک لی جاتی ہے جب درود شریف اس کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ اوپر جاتی اور مقبول ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے مقامات میں ایک یہ کہ جب آپ کا ذکر پاک کیا جائے اس وقت پڑھا جائے علاوہ ازیں جب آپ کا نام پاک سنا جائے آپ کی مبارک حدیث کی سماعت ہو، کتاب اور تحریر کے ابتدا و انتہاء میں لکھا جائے۔ اذان کے قریب، مسجد میں داخل ہوتے وقت رسائل میں نمازوں کی تشہد میں، نماز جنازہ میں پڑھا جائے۔ درود شریف کی کثرت کا عادی کامیابی کی بلندی پر ہے۔ اور جس شخص کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لیا گیا اور اس نے سن کر آپ پر درود نہ پڑھا وہ ہلاک ہو۔ درود شریف پڑھنے والے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

صَلُّوْا عَلٰى خَيْرِالْوَرٰى تُفْلِحُوْا   فِيْ هٰذَا الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ
وَاسْتَكْثِرُوْا مِنْهَا تَنَالُوْا الْبَقَا   فِيْ جَنَّةٍ رَوْضَا تِهَا نَاضِرَةً
رَبُّ الْعُلَا صَلّٰى عَلَيْهِ كَمَا   قَدْ جَآءَ فِيْ آيَاتِهِ الْبَاهِرَةِ
وَالْاَمْرُ مَعْرُوْفٌ بِهَا ظَاهِرٌ   وَالْعُرْفُ مِنْهَا رِيْحُهٗ عَاطِرَةٌ

خیرالوریٰ ﷺ پر درود بھیجو۔ اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ بکثرت صلوۃ وسلام

کی برکت سے جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ گے۔ جس کے باغات ہر وقت تر وتازہ اور سرسبز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوۃ بھیجی جیسا کہ واضح طور پر آیات قرآنیہ میں آیا ہے۔ درود شریف کا حکم مشہور معروف ہے اور صلوۃ وسلام کی فضا معطر ہونی بالکل واضح ہے۔

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے۔ اس کے دس گناہ مٹاتا ہے۔ اس پر فرشتے صلوۃ بھیجتے ہیں۔ اور آپ سلام بھیجنے والے کو جواباً سلام سے نوازتے ہیں، جس نے آپ پر بکثرت صلوۃ وسلام پڑھا۔ اس کی کفایت ہوگئی اور اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ قیامت کی سختیوں اور پریشانیوں سے نجات پا گیا اور اس کی مصیبت دور کردی گئی جس نے کسی تحریر میں آپ پر صلوۃ وسلام لکھا۔ اسے ثواب عظیم حاصل ہوا۔ فرشتے اس کیلئے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ لکھا باقی رہتا ہے۔ جس نے آپ پر دس مرتبہ سلام بھیجا۔ اس نے گویا ایک غلام آزاد کیا۔ آپ پر درود بھیجنا گزشتہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ صلوۃ وسلام کی کثرت کرنے والا کل قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب ہوگا۔ جب بھی کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کی روح پاک کو واپس لوٹاتا ہے اور آپ اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ آپ کے روضہ انور کے قریب صلوۃ وسلام آپ خود سنتے ہیں، آپ پر پڑھا گیا صلوۃ وسلام ہر جمعہ کی رات آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور جو امتی آپ پر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے اس کا سلام آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ جمعہ کا دن جمعہ کی رات دونوں میں پڑھا گیا صلوۃ وسلام آپ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہیں آپ پر بکثرت صلوۃ وسلام پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ فرض ہے جہاں کہیں بھی ہو صلوۃ وسلام ضرور پڑھو۔ کیونکہ تمہارا صلوۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے اور وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر صلوۃ وسلام نہ پڑھے۔

اِذَا اَنْتَ اَكْثَرْتَ الصَّلَاةَ عَلَى الَّذِىْ ‏ هَدَاكَ اِلَى الْاِسْلَامِ فُزْتَ بِقُرْبِهٖ
وَكُنْتَ بِهٖ اَوْلٰى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ ‏ وَنِلْتَ ثَوَابًا وَافِرًا عِنْدَ رَبِّهٖ
فَصَلِّ عَلَيْهِ ثُمَّ ثَنِّ بِآلِهٖ ‏ اَوْلِى الْفَضْلِ وَالتَّقْوٰى وَثَلِّثْ بِصَحْبِهٖ
وَسَلِّمْ عَلَيْهِمْ فَالسَّلَامُ مِنَ الْفَتٰى ‏ يُؤَدِّىْ اِلَى غُفْرَانِ سَائِرِ ذَنْبِهٖ

جب تو اس ذات پر بکثرت صلوۃ وسلام بھیجے گا جس نے تجھے اسلام کا راستہ دکھایا تو یقیناً تجھے ان کا قرب ملے گا اور تو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے بڑھ کر قریب ہوگا اور ان کے رب سے بہت زیادہ

ثواب پائے گا۔ لہٰذا پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر صلوۃ وسلام بھیج پھر آپ کی آل کی تعریف کر۔ صاحبان فضل اور صاحبان تقوی اور تیسرے آپ کے صحابہ کرام ان سب پر سلام بھیج کسی شخص کا سلام بھیجنا اس کے گناہوں کی مغفرت کا ایک ذریعہ ہے۔

اے اللہ! تو اپنی افضل صلوات، اکمل تحیات و برکات اپنے امین و مأمون جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما۔ جو تیرے علم مخزون کے محافظ ہیں۔ یوم محشر میں تیرے شہید ہیں، کالے اور سرخ کی طرف تیرے رسول ہیں، اپنی ہر بات میں سچے ہیں، انبیائے سابقین کے خاتم ہیں۔ گمراہوں میں ھادی ہیں، باطل کے سر کا بھیجہ نکال دینے والے ہیں، تیرے معاہدات کے حافظ ہیں، تیری حدود کے قریب کھڑے ہیں۔ تیری وحی کے احکام کے ساتھ فیصلہ فرمانے والے ہیں، تیرے امر و نہی کو نافذ کرنے والے ہیں، ظلم کے شعلوں کو بجھانے والے ہیں، اندھیروں کے نشانات مٹانے والے ہیں، احکام کو واضح کرنے والے ہیں، اسلام کے قواعد کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔

اے اللہ! تو انہیں وسیلہ و فضیلت عطا فرما، درجۂ عالیہ جلیلہ بخش، مقام محمود پر فائز فرما، قیامت میں ان سے کیا گیا وعدہ پورا فرما، آپ کا مقام و مرتبہ باعزت بنا، اپنے فضل عظیم سے ان کا مقصد پورا کر، اپنے عدن کے معادن میں انہیں سیر کرا، اپنے فضل و احسان سے ان کا ثواب کئی گنا فرما، ان کی شفاعت کبریٰ قبول فرما، اپنی نظر رحمت کو ان کو انتہائی بشارت بخش، اپنی مہربانیوں کے چشمے ان پر بہا دے، ان کو اپنی طرف سے قوت و نصرت عطا کر۔

اے اللہ! ہمارے آقا جناب محمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام نازل فرما، آپ کی اہل بیت اطہار، آپ کی اولاد امجاد، آپ کے اصحاب و ازواج مطہرات اور آپ کے خاص اور احباب و انصار، اعوان و تابعین سب پر صلوۃ وسلام نازل فرما، اور فضیلت جو تکریم و تشریف اور تعظیم و تبجیل پر مشتمل ہو یوم الدین تک ان پر نازل فرما۔ آمین۔

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ وَ يَامَنْ لَهُ ظِلٌّ عَلٰى مَنْ يَرْتَجِيْهِ ظَلِيْلُ
يَا مَعْدَنَ الْجُوْدِ وَ بَحْرَ النَّدٰى يَا صَاحِبَ الْقَدْرِ النَّبِيْهِ النَّبِيْلِ
يَا مَنْ اِذَا مَا اَمَّهُ قَاصِدٌ يَلْقَاهُ بِالْوَجْهِ الْجَلِيِّ الْجَلِيْلِ
كُنْ لِيْ شَفِيْعًا فِيْ ذُنُوْبِيْ فَقَدْ اُلْقِيْتُ مِنْهَا تَحْتَ حَمْلٍ ثَقِيْلِ
وَانْظُرْ لِحَالِيْ وَ اسْقِنِيْ شَرْبَةً مِنْ حَوْضِكَ الْحَالِيْ تُرْوِى الْغَلِيْلِ
اِنِّيْ تَطَفَّلْتُ هُنَا مَادِحًا وَصْفَ مَعَالِيْكَ الْاَثِيْرِ الْاَثِيْلِ

اِذْقُلْتُ فِی مَدْحِکَ مَا قُلْتُهُ وَھُوَ قَلِیْلٌ مِنْ کَثِیْرٍ جَزِیْلٌ
فَاَقْبِلْهُ مِنِّیْ وَأَنِلْنِیْ بِهٖ جَائِزَةً حَائِزَةً لِلْجَمِیْلِ
فَضْلُکَ لَایَحْصُرُهٗ وَاصِفٌ اِنَّ الدَّرَارِی حَصْرُھَا مُسْتَحِیْلٌ
صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعُلَا وَالْعَرْشُ مَاھَبَّ النَسِیْمُ الْعَلِیْلُ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی فَضْلِهٖ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل

اے خاتم الرسل! اے وہ ذات کہ جو آپ سے امید رکھنے والے کیلئے گھنا اور لمبا سایہ ہیں۔ اے سخاوت کے معدن! اے بخشش کے سمندر! اے عظیم قدر و منزلت کے مالک! اے وہ ذات کہ جب بھی کسی نے آپ سے اپنے مقصد کے حصول کا ارادہ کیا تو آپ اسے پرتپاک طریقہ اور جلال و جمال سے بھرپور چہرہ سے ملے۔ میرے گناہوں میں آپ میرے شفیع بن جایئے۔ میں ان کے وزنی بوجھ کے تلے دب چکا ہوں۔ میرے حال پر نظر رحمت فرمایئے، مجھے اپنے بھرے ہوئے حوض سے سیراب کیجئے جو پیاسوں کی پیاس بجھا دیتا ہے، میں یہاں آپ کی بلند و بالا خوبیوں کا طفیلی تعریف خواں ہوں، جب میں نے آپ کی شان اور مدح میں جو کچھ کہا وہ مدح کثیر سے ایک تھوڑی سی تعریف ہے۔ آپ مجھ غریب سے اسی قدر تعریف منظور و قبول فرمالیجئے اور مجھے اس کے صلہ میں عظیم القدر انعام عطا فرمایئے۔ آپ کا فضل ان گنت ہے کہ کوئی تعریف کرنے والا اس کو شمار نہیں کرسکتا۔ ستاروں کا شمار واقعی محال ہوتا ہے۔ آپ پر آپ کا رب اعلیٰ اور رب العرش اس وقت تک صلوۃ وسلام نازل فرمائے جب تک بادنسیم چلتی رہے۔ اللہ کے فضل پر اس کی تعریف و حمد ہے، ہمارے لئے اللہ ہی کافی اور وہی بہترین کارساز ہے۔

امام علامۃ الشہاب احمد المقری صاحب کتاب ''نفح الطیب'' رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۴۱ھ

موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے موتیوں میں سے ایک موتی آپ کی تصنیف ''فَتْحُ الْمُتَعَال فِي مَدْحِ النِّعَال'' الشریفۃ النبویہ ہے۔ میں (علامہ نبہانی) نے اس کا اختصار کیا جس میں میں نے ان کے بہت سے فوائد جمع کر دیئے اور زائد باتیں حذف کر دیں۔ ''مختصر'' یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امابعد! فقیر یوسف بن اسماعیل نبہانی عرض گزار ہے کہ مجھے کتاب ''فتح المتعال فی مدح النعال النبویہ'' کے چند نسخہ جات دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب امام علامہ شیخ احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جن کی ایک اور مشہور تصنیف ''نفح الطیب'' ہے۔ ان کا سن وفات ۱۰۴۱ھ ہجری ہے۔ میں نے جب غور کیا تو مجھے ہر نسخہ میں بعض باتیں زیادہ لکھی نظر آئیں جو دوسروں میں نہ تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو جب کسی بات اور مسئلہ میں مزید معلومات ملتیں۔ تو آپ انہیں پہلے سے لکھے نسخہ کے حاشیہ پر تحریر کر دیتے۔ میں نے بھی ان زیادات کو اپنے ہاں موجود دو نسخہ جات کے حاشیہ پر لکھ رکھا تھا۔ نیت یہ تھی کہ میں ان کو شائع کروں گا اور ان کا نفع عام کروں گا لیکن مجھے اس کی فرصت نہ ملی اس لئے میں نے ان کو اختصار سے ایک مختصر میں جمع کر دیا۔ جس کا نام ''بُلُوْغُ الآمَالِ مِنْ فَتْحِ الْمُتَعَال'' رکھا۔

میں نے اس مختصر میں ضروری ضروری باتیں درج کر دیں، جن کے بغیر گزارہ نہ تھا۔ یہ ایک ایسی مختصر کتاب بن گئی جو بہت نفع بخش ہے اور موصوف کی کتاب کے مقاصد و مقصود کی جامع ہے اور اس کی معلومات کی حامل ہے۔ حالانکہ حجم کے اعتبار سے میری مختصر اصل کتاب کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔

کیونکہ میں نے اس کتاب میں سے وہ تمام فوائد حذف کر دیئے جو استطرادی تھے۔ یعنی اصل مسئلہ کے ساتھ مناسبت یا عدم مناسبت سب کچھ ان میں تھا۔ لیکن ان کا مقصود سے بالکل تعلق نہ تھا ایسے فوائد بہ نسبت مقصود کے زیادہ تھے۔ یعنی تالیف کتاب کا جو اصل مقصود تھا۔ اس سے زیادہ اوراق ان

زائد باتوں سے بھرے ہوئے تھے اسی طرح میں نے اصل کتاب میں سے اشعار کا کافی حصہ تحریر نہیں کیا جو "مثال شریف" کی تعریف میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے درج کئے تھے میں نے ان میں سے صرف وہی اشعار درج کئے جو میں نے اعلیٰ اور فائق سمجھے۔ میں نے انہیں اپنے مسودہ کی زینت بنایا۔ میں نے کئی سال ہوئے کہ نعلین شریفین کی جو چھ مثالیں (نمونہ) مصنف نے اصل کتاب میں ذکر کئے تھے۔ ان میں سے پہلی صورت کو میں نے الگ رکھ لیا تھا۔ کیونکہ اس کو صحیح، معتمد کہا گیا تھا۔ یہ ایک مخصوص ورقہ پر تھی۔ جس کے اردگرد میں نے اس کے متعلق نفع بخش فوائد ذکر کئے تھے۔ اسی کی چالیس ہزار کاپیاں چھپوا کر میں نے اسلامی ممالک میں بھیجیں۔ جسے ضرورت ہو وہ طلب کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی مختصر کی ترتیب چھ فصلوں پر رکھی ہے۔

پہلی فصل

"نعل" کے معانی اور اس کے مناسب کچھ باتیں۔

زمین سے جس کے ذریعہ قدم کو بچایا جائے اسے "نعل" کہتے ہیں۔ اس کی جمع "نعال" ہے۔ (قاموس)

مصباح وغیرہ میں ہے۔ "نعل" مونث ہے اور "تاسومۃ" پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور "قبال" وہ تسمہ ہے جس کے ذریعہ درمیانی انگلی اور اس سے ملی ہوئی انگلی کے درمیان جوتی کے حصہ کو باندھتے ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ "قبال" وہ تسمہ ہے جو دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے۔ "قبال النعل" وہ ڈوری ہے جو درمیانی انگلی اور اس سے متصل انگلی کے درمیان ہوتی ہے اور "الشسع" جیسا کہ حافظ ابوالیمن بن عساکر کا قول ہے جوتی کے تسمہ کو کہتے ہیں، جسے جوتی پہننے والا اپنی انگلیوں کے درمیان رکھتا ہے اور اس کا دوسرا سرا اس سوراخ میں داخل ہوتا ہے جو جوتی کے اگلے حصہ میں ڈوری سے باندھا ہوا ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ اسے "قبال" کہتے ہیں اور "شراک" وہ پتلا اور باریک تسمہ ہے جو جوتی میں قدم کی پشت پر ہوتا ہے۔

ابن عساکر نے اپنی سند سے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ عن ابیہ سے روایت کیا کہ میں دوران طواف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے دیجئے میں اسے ٹھیک کر دیتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ یہ "اَثَرَۃ" ہے اور میں "اَثَرَۃ" پسند نہیں کرتا اور "اثرۃ" کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کو دوسروں کے ساتھ مل کر کرنے کی بجائے اکیلے کرنا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ ایک شخص اکیلا ہی آپ کی نعلین کو درست کرے۔

اور وہ ایک خادم کی حیثیت اختیار کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں رفعت ہو جیسا کہ مخدوم کو خادم پر ہوتی ہے آپ نے از روئے تواضع اسے ناپسند فرمایا۔ اور اس لئے بھی تاکہ اپنے ساتھی سے اپنے آپ کو بلند و بالا نہ سمجھا جائے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس کا امتحان ایک کام کے ذریعہ لینا چاہا۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کام کیلئے ہم کافی ہیں (آپ خود نہ کریں ہمیں حکم دیں) یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ تم میرے بغیر یہ کام کر سکتے ہو لیکن میں اسے ناپسند رکھتا ہوں کہ اپنے آپ کو تم پر امتیاز دوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت اپنے بندے سے یہ پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز بنے۔ ابن عساکر نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ارادہ تھا۔ اور آپ نے کس لئے فرمایا کہ یہ ''اَثَرَۃ'' ہے۔ یہی ارادہ تھا جو میں نے بیان کیا یا کچھ اور تھا بہر حال میں نے تقاضائے لغت کے تحت اس کی مذکورہ تشریح کی ہے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں نعل شریف میں دو دو تسمے تھے اس لئے کہ ایک ایک تسمہ کا رواج امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا تھا۔

دوسرا فائدہ: بعض حافظ اور امام نے یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ڈوریوں میں سے ایک ڈوری۔ اپنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان رکھتے تھے اور دوسری ڈوری درمیانی انگلی اور اس سے متصل کے درمیان رکھتے تھے۔ یہ دونوں ڈوریاں ایک تسمہ میں اکٹھی باندھ دی جاتی تھیں۔ جو آپ کے قدم انور کی پشت پر ہوتا تھا اسی کو ''شراک'' کہتے ہیں جو نعل شریف کے بالائی حصہ پر تھا۔ وہ دوہرا تھا۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔

تیسرا فائدہ: بعض حضرات کیلئے ''قبال'' کی مذکورہ تفسیر نے مشکل پیدا کر دی اور کہہ دیا کہ اس میں ایک دوسرے کی مخالفت ہے۔ اس کا جواب مولانا عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ وہ یہ کہ ''قبال'' نعل کی زمام کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ درمیانی انگلی اور اس سے متصل ہو خواہ دوسری دو انگلیوں کے درمیان ہو۔

چوتھا فائدہ: امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''نعل'' حضرات انبیاء کرام کا لباس ہے۔ لوگوں نے نعل کے بغیر دوسری اقسام کی جوتیاں اس لئے بنائیں کیونکہ ان کی زمین میں مٹی (کیچڑ) تھی۔ یا کہا۔ ان کی زمین پر بارش برستی تھی۔

دوسری فصل

امام مقری نے اصل میں اپنی سند کے ساتھ خادم رسول کریم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سے روایت ذکر کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کے دو تسمے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک تک سند کو بیان کرنے کے بعد کہا۔ یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کی دوڈوریاں تھیں، جن کا تسمہ دوہرا تھا۔ زین عراقی نے کہا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ سے کتاب اللباس میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں نعلین مبارک دکھائیں جو ''خبر داوین'' تھیں۔ ان دونوں میں دوڈوریاں تھیں۔ پھر اس کے بعد ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے مجھے روایت سنائی۔ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تھی کہ مذکورہ نعلین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک تھیں۔ ''خبر داوین'' سے مراد بقول نہایۃ بالوں کے بغیر تھیں۔ یعنی ان پر کوئی بال نہ تھا اور شرح السنہ میں اس کا معنی بوسیدہ لکھا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبید بن جریج رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر فرمائی۔ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے ابوعبدالرحمٰن! میں تمہیں چار کام کرتے دیکھتا ہوں۔ جو آپ کے ساتھی نہیں کرتے۔ پوچھا۔ وہ کون سے کام ہیں اے ابن جریج! کہنے لگے میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کے ارکان میں سے صرف دوارکان کو آپ چھوتے ہیں، جو جانب یمن میں ہیں۔ دوسرا کام یہ کہ میں آپ کو ''سبتیہ'' نعلین پہنے دیکھتا ہوں، تیسرا یہ کہ آپ نے پیلے رنگ میں رنگے کپڑے پہن رکھے ہیں، چوتھا کام یہ کہ جب آپ مکہ شریف میں ہوتے ہیں تو لوگ اس وقت نیا چاند دیکھتے ہیں آواز بلند کرتے ہیں یعنی تلبیہ کہتے ہیں لیکن آپ یوم الترویہ (آٹھ ذوالحجہ) سے قبل تلبیہ نہیں کہتے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا پہلا کام سو اس بارے میں یہ بات ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف ''ارکان الیمانیین'' کو چھوتے دیکھا ہے، دوسرا کام نعلین سبتیہ، تو میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی نعلین پہنے دیکھا، جن میں بال نہ تھے اور انہیں میں وضو فرمالیا کرتے، یعنی پاؤں دھو کر تر حالت میں ان کے اندر ڈال لیا کرتے تھے، لہٰذا مجھے بھی یہی محبوب ہے کہ میں بھی ویسی ہی نعلین پہنوں۔ تیسرا کام پیلا رنگ تو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رنگ سے رنگے کپڑے پہنے دیکھا۔ لہٰذا میں بھی اسی رنگ میں رنگے کپڑے پہننا محبوب جانتا ہوں۔ چوتھا کام تلبیہ کہنا میں نے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلبیہ کہتے نہ سنا۔ آپ اس وقت تلبیہ شروع فرماتے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لیکر اٹھتی۔ ''السِبتِیّہ'' سبت کی طرف

نسبت ہے جس کا معنی گائے کی مدبوغ کھال ہے۔ یمن سے درآمد ہوتی تھی۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے، "سبتیہ" ان نعلین کو کہتے ہیں جن پر بال نہ ہوں۔ ان سے یہ نام اس لئے دیا گیا کہ ان کے بال ان پر سے دور کردیئے گئے ہوتے ہیں۔ سبت کا اصل معنی قطع یعنی کاٹ دینا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو ابن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعلین پہنے نماز پڑھتے دیکھا۔ جو "مخصوفہ" تھیں۔ مخصوفہ کا معنی گل ہوئی یعنی اوپر نیچے دو ٹکڑے رکھ کر جسے سی دیا گیا ہو۔ "خصف" ایک چیز کو دوسری سے ملا دینے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ خصف النعل خرزھا۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کے دو طاق تھے اور دونوں کو جوڑ کر دھاگے سے سیا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے نعلین سمیت نماز ادا فرمائی کیونکہ آپ کی نعلین مبارک پاک تھیں۔

یہ حدیث بھی صحیح اور ثابت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر کے اندر ہوتے تو کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا۔ آپ بھی ایک انسان تھے، اپنے کپڑوں میں سے جوئیں نکالتے (اس کی تحقیق آ رہی ہے) اپنی بکری کا دودھ نکالتے اپنے کام کاج کرتے۔ امام احمد اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے، اور اپنی نعلین کی مرمت یا ایک طاق پر دوسرا طاق رکھ کر کیا کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کپڑوں کو پیوند لگا یا کرتے تھے، اور مردوں والے گھر کے دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے۔ گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے، کپڑے کو پیوند لگانا بکثرت کیا کرتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ میں تواضع کی ترغیب اور تکبر کو ترک کرنے کا سبق ہے اور یہ بھی کہ آدمی کو اپنے کام خود کرنے چاہئیں اور یہ کہ گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظومہ "الفیہ السیرۃ" میں اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

يَخْصِفُ نَعْلَهُ يَخِيْطُ ثَوْبَهُ يَحْلِبُ شَاتَهُ وَلَنْ يَعِيْبَهُ
يَخْدُمُ فِي مَهْنَةِ اَهْلِهِ كَمَا يَقْطَعُ بِالسِّكِّيْنِ لَحْمًا قَدِمًا

اپنی نعلین پر ایک اور چمڑا چڑھا لیا کرتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگایا کرتے تھے، بکری خود دوہ لیا کرتے تھے۔ ان باتوں کو ہرگز عیب نہ سمجھتے۔ اپنے گھر والوں کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹاتے جیسا

کہ چھری سے گوشت کاٹ کر دینا، یہ کام آپ خود کیا کرتے تھے۔

پھر اس حدیث کے ظاہری الفاظ ''ام احرام'' کی حدیث کی طرح ہیں جس میں ہے کہ ''ام حرام'' رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرانور کے بالوں سے جوئیں نکالا کرتی تھیں۔ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے لیکن ابن سبعہ اوران کی اتباع کرتے ہوئے بعض شارحین شفاء نے ذکر کیا ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں جوئیں نہ تھیں کیونکہ آپ نور تھے اوراس لئے بھی کہ جوئیں دراصل بدبو سے پیدا ہوتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں بدبو نہ تھی اوراس لئے بھی کہ یہ اکثر بدبودار پسینہ سے بنتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ بلاشک وشبہ خوشبوناک اور طیب تھا۔

بعض ائمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ کے جسم اقدس سے ''طیب'' کے علاوہ کوئی چیز نہ نکلتی تھی کہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں میل نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی جسم شریف میں جوئیں پڑتی تھیں۔ ایک جماعت نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی، نہ ہی مچھر نے کبھی آپ کا خون چوسا۔ بعض نے نقل فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر بھی مکھی نہ بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوئیں آپ کے جسم اقدس کو اذیت دیتیں یہ آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر تھا۔

ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین شریف پہننے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے عرض کیا۔ حضور! مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں آپ کو نعلین پہناؤں۔ آپ نے اسے اجازت دے دی جب وہ فارغ ہوا تو فرمایا۔ اے اللہ! اس نے مجھے راضی کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے راضی ہو جا۔

علامہ شہاب احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ نے اصل کتاب میں چند احادیث ذکر کیں۔ جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک نعل پہن کر چلنا منہی عنہ ہے۔ پھر لکھا کہ صاحب سبل الھدیٰ والرشاد (شیخ محمد بن یوسف دمشقی صالحی ان کی مذکورہ کتاب جیسا کہ کشف الظنون میں ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں خوبصورت ترین اور سیرت نبویہ کے موضوع پر بہت طویل وبسیط کتاب ہے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ یہ کتاب تین سو کتابوں سے زیادہ کتب سے منتخب کی گئی۔ اس میں عجیب وغریب فوائد ہیں۔ اس کے ابواب سات سو سے بھی زیادہ ہیں) نے بطور نص ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نعل میں چلنا کتب میں وارد ہے اوراس کے ساتھ ایک جوتی میں چلنے سے نہی بھی وارد ہے۔ ابن عبدالبر

نے تمہید میں لکھا۔ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ایک ہی نعل پہنے اس وقت تک چلتے جب تک وہ درست نہ ہو جاتا۔

طبرانی نے روایت کیا جس کی اسناد کو حافظ الہیثمی نے حسن کہا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل شریف کا جب تسمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ایک ہی نعل پہنے چلتے۔ دوسری آپ کے ہاتھ میں پکڑی ہوتی۔ پھر جب تسمہ مل جاتا تو وہ بھی پہن لیتے۔ واللہ اعلم۔

امام ترمذی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت لکھی۔ بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طہارت فرماتے تو اس میں ''تیمن'' کو پسند فرماتے اور جب بالوں میں کنگھی کرتے تو بھی ''تیمن'' کو پسند فرماتے اور جب نعلین پہنتے تب بھی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ روایت کے الفاظ تقریباً ملتے جلتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعلین پہننے، بالوں میں کنگھی کرنے، طہارت کرنے اور ہر کام میں ''تیمن'' محبوب تھا۔

لفظ ''تیمن'' چند معانی میں مشترک ہے۔ دائیں طرف سے شروع کرنا، دائیں ہاتھ سے کسی چیز کا پکڑنا پکڑانا، تبرک، دائیں طرف کا قصد کرنا۔ ان معانی میں سے قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث مذکور میں اس سے مراد پہلا معنی ہے۔

امام ترمذی نے جو روایت ذکر کی۔ اس میں ''ما استطاع'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یونہی امام بخاری نے ''باب الصلوۃ'' میں جو روایت ذکر فرمائی۔ اس میں مذکورہ زائد لفظ ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ جب تک آپ کی ہمت ساتھ دیتی اور قدرت باقی ہوتی تو آپ دائیں طرف سے شروع کرتے۔ ہاں جب بائیں طرف کے بغیر شروع کرنا مشکل ہوتا۔ اس وقت جب دائیں طرف سے ابتداء میں کوئی رکاوٹ آ جاتی تو ایسی صورت میں بائیں طرف سے ابتداء کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ اگرچہ جس کام میں ایسا کیا جائے وہ ''باب تکریم'' سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق ہے۔ فتح الباری میں ان سے قبل حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرما چکے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى ذَالِکَ مَالَمْ یَمْنَعْ مَانِع''۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اچھے کام کی ابتداء دائیں طرف سے فرماتے جب تک کوئی رکاوٹ نہ آتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ''کَانَ یُعْجِبُهُ التَّیَمُّنُ ''یعنی امور شریفہ میں آپ دائیں طرف سے ابتداء کو محبوب سمجھتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائیں طرف سے ابتداء فرمانا اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ نیک فال کو پسند فرماتے تھے۔

کیونکہ ''اصحاب الیمین'' جنتی لوگ ہیں۔اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ''فی تنعلہ'' کا معنی یہ ہے کہ آپ جب نعلین شریف پاؤں میں ڈالنا چاہتے تو پہلے دائیں پاؤں میں ڈالتے۔اسی طرح ''ترجلہ'' یعنی بالوں میں کنگھی کرنے اور ان میں تیل لگاتے وقت دائیں طرف سے ابتداء فرماتے۔

''نہایۃ ابن اثیر'' میں ہے کہ ترجل اور ترجیل کا معنی بالوں میں کنگھی کرنا، ان کو صاف کرنا اور انہیں خوبصورت کرنا ہے۔علامہ عینی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ترجیل سے مراد کنگھی کرنا ہے۔ لیکن یہ عام ہے خواہ سر کے بالوں میں کی جائے یا داڑھی میں کی جائے۔مزید کہا کہ یہ لفظ (ترجیل) تیل لگانے پر دلالت نہیں کرتا۔(جیسا کہ صاحب فتح الباری نے یہ معنی کیا ہے)۔

امام ترمذی نے حمید بن عبدالرحمٰن کی سند سے ایک مرد صحابی سے روایت کیا ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنگھی گاہے بگاہے کیا کرتے تھے''یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ فرماتے۔ بلکہ ایک دن کرتے اور دوسرے دن ناغہ فرماتے۔اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث معلل ہے کیونکہ اس کی اسناد میں جہالت ہے ہم اسکے جواب میں کہیں گے کہ علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جس راوی کا نام نہیں لیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف صحابی ہونا بیان کیا گیا۔تو یہی کافی ہے کیونکہ آپ کے تمام صحابی عادل ہیں۔(یہ بھی لازماً عادل ہیں)۔

حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی شریف میں کنگھی کرنے کیلئے کسی سے مدد نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ بنفس نفیس یہ کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ بخلاف سر انور کے بالوں میں کنگھی کرنا، کیونکہ داڑھی کی بہ نسبت اس کے بالوں میں کنگھی کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے خاص کر سر کے پچھلے حصہ کے بالوں میں۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے ان میں کنگھی کرنے کے لئے مدد لے لیا کرتے تھے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر انور میں تیل بکثرت لگایا کرتے تھے اور داڑھی شریف میں کنگھی بھی بکثرت کیا کرتے تھے''ایک روایت سنن بیہقی میں ہے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلّی، مسواک اور کنگھی کو ہر وقت ساتھ رکھتے تھے،آپ اپنی داڑھی شریف میں بکثرت کنگھی کیا کرتے تھے'' اس کی اسناد ضعیف ہیں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بکثرت مذکورہ کام کرنا ایک وقت میں ہوتا تھا۔ دوسرے وقت میں نہیں۔ایک دور میں ایسا کرتے تھے، دوسرے دور میں نہیں۔کیونکہ اس پر دلیل آپ کا

وہ ارشاد ہے جس کے معنی یہ ہیں: ''جیل بھی کھاراگا یا جائے'' یہ روایت متعدد احادیث میں وارد ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول ''فی شانہ کلہ'' (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف کو اولیت دیتے) میں کپڑے زیب تن فرمانا، شلوار پہننا، موزے پہننا، مسجد میں داخل ہوتے وقت، امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا، مسجد کی دائیں جانب نماز ادا کرنا، کھانا، پینا، سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، مونچھیں پست کرنا، بغلیں اکھیڑنا یا مونڈنا، سر منڈوانا یا مونڈنا، بیت الخلاء سے نکلنا اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں آپ دائیں طرف کو اولیت دیتے تھے۔ ہاں جو کام کسی دلیل سے مخصوص ہوں۔ وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، ناک صاف کرنا، استنجاء کرنا، کپڑے اتارنا، شلوار اتارنا وغیرہ۔ ان کاموں میں دائیں طرف کی بجائے بائیں طرف سے ابتداء میں استحباب اس لئے ہے کہ یہ ''باب ازالۃ'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو اپنے سے دور کرنے سے ان کا تعلق ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کام تکریم اور خوبصورتی سے تعلق رکھتا ہو، وہ دائیں طرف سے اور جو ایسا نہ ہو وہ بائیں طرف سے ہوگا۔ یہ اعتراض اس قاعدہ پر نہیں ہوسکتا کہ سر منڈانا ''باب ازالۃ'' سے ہے۔ (یعنی تکریم میں شامل نہیں) لہٰذا اس کی ابتداء بائیں جانب سے ہونی چاہیے تھی؟ کیونکہ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سر منڈانا ''باب العبادۃ'' اور خوبصورتی سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے متعلق دائیں طرف سے ابتداء احادیث سے بھی ثابت ہے۔

فوائد

پہلا فائدہ: بعض حفاظ کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریفین پیلے رنگ کی تھیں۔

دوسرا فائدہ: ابوالشیخ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین گائے (یا بیل) کے چمڑے سے بنائی گئی تھی۔ ابوذر کے الفاظ یہ ہیں۔ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ مِنْ جُلُوْدِ الْبَقَرِ۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیاہ سفید رنگ والی گائے کے چمڑے سے بنی نعلین پہنے دیکھا۔ اور جناب حارث بن ابی اسامۃ رضی اللہ عنہ نے حمید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے ایک اعرابی کو یہ کہتے سنا۔ ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ نَعْلَانِ مِنْ بَقَرٍ'' میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گائے کے چمڑے سے بنی نعلین پہنے دیکھا۔

تیسرا فائدہ: حافظ عراقی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین ''مُخصّرۃ'' ''مُلَسَّنَۃ'' تھیں۔ ابوالشیخ نے اپنی اسناد کے ساتھ جناب یزید بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ میں نے حضور صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم کی نعلین مُلَسّنہ مُخصّرہ دیکھیں۔ ابن سعد نے طبقات میں جناب ہشام بن عروۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین دیکھیں۔ جو مخصرہ معقبہ ملسنہ تھیں۔ ان کے دو تسمے تھے۔ ''مُخَصَّرہ'' جو درمیان سے پتلی ہو یا جس کے دونوں اطراف اور پہلو کاٹ دیئے جائیں اور وہ پتلی ہو جائے۔ ''نہایۃ'' میں یہی معنی لکھا ہے۔ ''ملسّنہ'' ایسی جوتی جو لمبی اور نرم ہو جس طرح زبان ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحاح وغیرہ میں یہ معنی مذکور ہے۔ ''نہایۃ'' میں ہے کہ یہ اس جوتی کو کہا جاتا ہے جس کی زبان بنائی گئی ہو اور جوتی کی زبان اس کے اگلے حصہ میں زبان کی طرح شکل کو کہتے ہیں۔ ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں کہ جناب محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین دکھائیں۔ انہوں نے مجھے اس کی ایڑی دکھائی جو ''حضرمی'' شکل کی تھی۔ اس میں دو تسمے تھے۔ ہشام نے اسے ثابت رکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین معقبہ تھیں۔ یعنی اس کی ایڑی کے ساتھ دو تسمے تھے جن سے پاؤں کو باندھا جاتا تھا، جیسا کہ اکثر نعلین میں ہوتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کی نعلین کی ایڑیاں باہر نکلی ہوئی نہ تھیں۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات نعلین پہنتے اور بعض دفعہ ننگے پاؤں بھی چلتے۔ خاص کر عبادات کیلئے جاتے وقت نعلین کے بغیر ہوتے۔ اور ایسا کرنا از روئے تواضع تھا اور ثواب و اجر کی زیادتی کے حصول کی خاطر تھا۔ جیسا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''الفیہ السیرۃ'' میں کہا ہے۔

يَمْشِيْ مَعَ الْمِسْكِيْنِ وَالْاَ رْمِلَةِ   فِي حَاجَةٍ مِنْ غَيْرِ مَا أَنَفَةٍ
يُرْدِفُ خَلْفَهٗ عَلَى الْحِمَارِ   عَلَى أَكَافٍ غَيْرِ ذِي اسْتِكْبَارِ
يَمْشِي بِلَا نَعْلٍ وَلَا خُفٍّ اِلٰى   عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ حَوْلَهُ الْمَلَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مسکین اور بیوہ کی ضرورت پوری کرنے کیلئے کسی لیت ولعل کے بغیر ان کے ساتھ تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ اپنی سواری کے پیچھے کسی کو بٹھانے میں عار اور تکبر نہ فرماتے۔ اور نعلین اور جوتی کے بغیر مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔ لوگوں کا ان کے اردگرد جمگھٹا ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر بعض دفعہ زین کے بغیر سوار ہو جایا کرتے تھے۔ خچر اور اونٹ

اور گدھا جو سواری کیلئے میسر آتا اس پر سوار ہو جایا کرتے تھے ان کی پشت پر کوئی کپڑا ہوتا یا نہ ہوتا کبھی پیدل ہوتے، کبھی جوتی پہنی ہوتی اور کبھی ننگے پاؤں ہوتے، کبھی چادر، عمامہ اور ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے اور بعض دفعہ ان کے بغیر ہوتے۔

پانچواں فائدہ: ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین، تکیہ، مسواک اور طہارت کیلئے پانی والے برتن کے ذمہ دار تھے۔ ان کو یہ ذمہ داری خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپرد فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اٹھتے تو ابن مسعود آپ کو نعلین پہناتے اور جب بیٹھ جاتے تو اس وقت آپ کی نعلین کو اپنے بازوؤں میں ڈال لیتے اور آپ کے کھڑے ہونے تک اسی طرح رکھتے۔ محمد بن یحییٰ نے جناب قاسم سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تو کھڑے رہتے۔ آپ کی نعلین آپ کے پاؤں سے اتارتے اور انہیں اپنے بازوؤں میں ڈال لیتے۔ پھر جب آپ اٹھتے تو آپ کو پہنا دیتے۔ پھر عصا لئے آپ کے آگے آگے ہو جاتے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارکہ میں داخل ہو جاتے۔ ایک جماعت نے جن میں ابن سعد بھی ہیں، ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین اور وضو کے برتن کے اٹھانے کے خادم تھے۔

چھٹا فائدہ: امام احمد نے زہد میں اور ابوالقاسم بن عساکر نے زیاد بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ نعلین کا کوئی حصہ پاؤں سے زیادہ اٹھا ہوا ہو۔

ساتواں فائدہ: ایک ضعیف خبر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے نعلین اور انگوٹھی کا حکم دیا گیا ہے۔

آٹھواں فائدہ: ''وفا'' میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مذکور ہے۔ فرماتی ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی صبح کا کھانا رات کیلئے اور رات کا کھانا صبح کیلئے اٹھا نہیں رکھتے تھے، نہ ہی آپ کے پاس کسی چیز کا جوڑا تھا۔ نہ ہی دو قمیص، دو چادریں اور دو تہبند تھے، نہ ہی نعلین کا جوڑا تھا'' بعض ائمہ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور بعض حفاظ نے اس پر جزم کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک ایک طاق اور زیادہ طاق والی ہوتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موزوں کے چند جوڑے تھے بہت سے حضرات نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمعۃ المبارک کیلئے مخصوص دو کپڑے تھے، جمعۃ

المبارک ادا فرما لینے کے بعد انہیں دوسرے جمعہ تک کیلئے لپیٹ دیا کرتے تھے۔

نواں فائدہ: حضرت ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں روایت ہے۔ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نعلین تھی۔ جسے ''مُخصَّرۃ'' کہا جاتا تھا۔

دسواں فائدہ: طبرانی نے ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے نعل اپنے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اٹھائی ہوئی تھی۔

گیارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ''صاحب النعلین'' بھی ایک اسم ہے۔ انجیل میں آپ کی اسی وصف کے ساتھ تعریف کی گئی ہے۔ اس میں یہ نام بھی ہیں۔ صاحب المذرعۃ، صاحب العمامۃ، صاحب الہراوۃ، عمامہ کو تاج بھی کہتے ہیں۔ اور ہراوۃ کا معنی عصا ہے۔

بارہواں فائدہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابن سعد نے ایک روایت لکھی ہے۔ فرماتی ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے اور بیٹھ کر (دونوں حالتوں میں) نعلین پہنا کرتے تھے''۔ شائد آپ کا یہ عمل بیان جواز کیلئے ہو۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد میں روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر نعلین پہننے سے منع فرمایا''۔

موزہ شریف: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں آیا ہے اور اسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔ امام ترمذی نے جناب شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں۔ دحیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے موزے ہدیہ کے طور پر بھیجے آپ نے وہ پہن لئے۔ طبرانی نے روایت کیا کہ دحیہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اون کا بنا ہوا جبہ اور موزے بطور ہدیہ بھیجے۔ آپ نے وہ موزے پہن لئے اور پھٹنے تک پہنے رہے۔ آپ نے ان کے بارے میں یہ نہ پوچھا کہ جس کھال کے یہ بنائے گئے وہ ذبح کئے گئے جانور کی تھی یا نہیں؟

ایک جماعت نے روایت کیا جن میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ابو داؤد اور ترمذی بھی ہیں امام ترمذی نے اس روایت کو ''حسن'' کہا۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ بن الخصیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سیاہ رنگ کے موزے بطور ہدیہ بھیجے۔ جو ''سادج'' تھے۔ آپ نے وہ پہن لئے اور ان پر مسح فرمایا۔ ''سادج'' کے معنی میں عصام اور ابن حجر نے تین وجہیں بیان کیں۔ پہلا معنی یہ کہ ان پر کوئی نقش ونگار نہ تھا۔ دوسرا معنی یہ کہ وہ بالوں سے بالکل خالی تھے۔ تیسرا یہ کہ ان کا رنگ کسی دوسرے رنگ میں ملا ہوا نہ تھا۔ حافظ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ ان کا

سیاہ رنگ کسی دوسرے رنگ سے مخلوط نہ تھا۔ موزوں پر مسح کرنے کی روایت ایک قول کے مطابق اسی صحابہ کرام نے کی ہے۔ اوراس کی احادیث تمام کے نزدیک متواتر ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احناف نے کہا ہے۔ (علامہ کرخی رحمۃ اللہ علیہ) کہ اس کا انکار کرنا مجھے خطرہ ہے کہ کفر نہ ہو۔ یعنی موزوں پر مسح کا منکر خطرہ ہے کہ کافر نہ ہو جائے۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیزیں جو مجہول الاصل ہوں، وہ پاک ہیں اگر چہ وہ بال ہی کیوں نہ ہوں، جن کے بارے میں شک ہو کہ ان کا اصل ذبح کیا گیا یا نہیں۔ ہمارے مذہب شافعیہ کا اسی پر اعتماد ہے۔

طبرانی نے کبیر میں روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزے منگوائے تا کہ انہیں پہن لیں۔ آپ نے ابھی ایک موزہ ہی پہنا تھا کہ کوا آیا اور دوسرا موزہ اس نے اٹھالیا اسے جب پھینکا تو اس میں سے سانپ نکلا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو جھاڑے بغیر نہ پہنا کرے'' یہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے ہے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو بہت دور نکل جاتے آپ ایک دن قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے پھر فراغت کے بعد وضو فرمانے لگے پاؤں میں آپ نے ابھی ایک موزہ پہنا تھا کہ اتنے میں ایک سبز رنگ کا پرندہ آیا اور اس نے دوسرا موزہ اٹھالیا اوپر لے گیا پھر اسے نیچے گرایا تو اس سے ایک سیاہ رنگ کا زہریلا سانپ نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اکرم بنایا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو پیٹ کے بل زمین پر چلتی ہیں اور ان کے شر سے جو دو ٹانگوں سے زمین پر چلتی ہیں اور ان سے بھی جو چار ٹانگوں سے چلتی ہیں۔

فائدہ: بعض اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند موزے تھے ان میں سے چار جوڑے وہ تھے جو خیبر سے آپ کے ہاتھ لگے تھے۔ کتاب ''النور الزاھر الساطع فی سیرۃ ذی البرہان القاطع'' جو ابن فہد مکی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ میں دوٹوک لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نعلین اور آٹھ جوڑے موزے تھے۔

تیسری فصل

امام مقریؒ نے اصل میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے بھی سیدھے راستہ کی رشد و ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں اولیں گروہ کے ساتھ سلسبیل و رحیق سے سیراب فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ

مغربی ائمہ کرام کی بہت بڑی جماعت جو قابل اقتداء ہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کی مثال کے ضبط کرنے میں انتہائی کوششیں فرمائیں۔اور پھر ان سے عوام وخواص کی آنکھوں کو سکون وقرار بخشا۔ان حضرات میں سے امام ابوبکر بن عربی، حافظ ابوالربیع بن سالم کلاعی، کاتب وحافظ ابوعبداللہ بن الاَبار والرحالۃ ابوعبداللہ بن رشید فہری، راویہ ابوعبداللہ محمد بن جابر وادیاشی، خطیب الخطباء ابوعبداللہ بن مرزوق، مفتی امام ابوعبداللہ محمد رصاع تیونسی، ولی صالح شہیر ابواسحاق ابراہیم بن الحاج سلمی اندلسی مربی ہیں۔موخرالذکر سے ابن عساکر نے مثال نعلین شریفین حاصل کی۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامی گرامی حضرات ہیں۔جن کی تعداد بہت طویل ہے۔ابوالحکم مالک بن مرحل، ابن ابی خصال وغیرہ پیشوایان امت اور آقایان ملت بھی ہیں۔ان کے نقش قدم پر چلنے والے کثیر تعداد میں مشرقی علماء بھی ہیں جن میں حافظ ابن عساکر، ان کے شاگرد بدر فارقی، حافظ عراقی ان کے صاحبزادے ولی عراقی اور شیخ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا۔

امام مقری کہتے ہیں کہ مجھے ایک جاہل اور گدھے کی مانند بیوقوف کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریفین کی دونوں مثالوں پر اعتراض کرتا ہے کہتا یہ ہے کہ تم لوگ تصاویر سے کیسے روکتے ہو جب خود تصاویر بناتے ہو؟ میں نے اس شخص کو کہا جس نے مجھے اس کی یہ خبر پہنچائی، جاؤ جا کر اس بیوقوف سے کہو کہ تم لوگ ان باتوں کے بارے میں خواہ مخواہ کیوں گفتگو کرتے ہو جن سے تم جاہل ہو۔یہ مثال نعلین ان تصاویر میں شامل نہیں جن کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ پھر فرمایا۔ہمیں اپنے ارادے اور پروگرام کی تشریح کرنی چاہئے میں اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں مدد کا طالب ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں، جو عقول عطا کرنے والا ہے میں یہاں اس کتاب میں نعلین پاک کی ان دو مثالوں کو ذکر کروں گا جن کی صحت پر اعتماد کیا گیا پھر ان کے بعد چار عدد اور مثالیں ذکر کروں گا جن سے ان دو مثالوں کی تقویت مقصود نہیں، بلکہ محض تحقیق کی نشاندہی ہوگی میں اپنی بات کو شروع کرتے وقت درج ذیل شعر پڑھتا ہوں تا کہ وہ شخص جو مختلف مثالوں اور ان کی نوعیت کا انکار کرتا ہے اس کا دماغ بھی درست ہو جائے۔

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ   هُوَالْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَهٗ یَتَضَوَّعُ

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر ہمارے سامنے بار بار دھرا کیونکہ وہ ایسی خوشبو ہے جسے جتنا زیادہ کیا جائے اتنا ہی اس کی خوشبو بھڑکتی ہے۔ایک اور شاعر کے قول سے میں ہر عقلمند کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔جس کا شعر یہ ہے۔

اَيَا سَاكِنِي اَكْنَافِ طَيْبَةِ كُلُّكُمْ　　اِلَى الْقَلْبِ مِنْ اَجَلِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبُ

اے مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے باشندو! تم سب دل سے میرے محبوب ہو کیونکہ میرے محبوب حقیقی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں تشریف فرما ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نعلین کی مثال وصورت اس کے پہننے والے کی وجہ سے معزز ومکرم ہوتی ہے۔ اس کی شان وشوکت اور قدر ومنزلت بھی اس کے مالک کی بہ نسبت ہوتی ہے۔ رسول معظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں سے اس کی نسبت ہے۔

يَا مَنْ يَذْكُرُنِي حَدِيْثُ اَحِبَّةٍ　　طَابَ الزَّمَانُ بِذِكْرِهِمْ وَ يَطِيْبُ

اَعِدَّ الْحَدِيْثَ عَلَى مِنْ جَنْبَانِهٖ　　اِنَّ الْحَدِيْثَ عَنِ الْحَبِيْبِ حَبِيْبُ

اے وہ شخص! جو مجھ سے دوستوں کی باتیں کیا کرتا ہے اور محبوبوں کے ذکر سے وقت بہت اچھا گزرتا ہے اور بہت مزا آتا ہے۔ دوستوں سے بچھڑے ہوئے کیلئے ذرا پھر سے ان کی باتیں دہرا۔ کیونکہ دوستوں اور محبوبوں کی باتیں بھی محبوب ہی ہوتی ہیں۔

اور نعلین شریفین کی تصویر کیا ہے یہی نا کہ وہ پاؤں کیلئے وسیلہ ہے۔ کون سے پاؤں؟ وہ کہ جن کے وہ پاؤں ہیں جو اکمل الاوصاف سے مختص ہیں۔

وَمَا حُبُّ النِّعَالِ شَغَفْنَ قَلْبِي　　وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ لَبِسَ النِّعَالَا

نعلین کی محبت نے میرے دل کو نہیں پھاڑا لیکن اس کی محبت نے پھاڑا جس نے نعلین پہنیں

لہٰذا وہ نعلین کس قدر قابل تعظیم واکرام ہیں، جنہوں نے مختار و مالک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں سے وابستہ ہو کر شرف پایا۔ اور ایسے فضائل پائے جن کا بیان کرنا مشکل ہے اور ان نعلین کی مثال اور صورت جو حقیقی نعلین کی حکایت کرتی ہیں وہ بھی کس قدر رفیع الشان ہے۔ زبان حال سے اس مثال نے عرض کیا۔

حَاكَاكَ بَدْرَالدُّجٰى لَمْ يَدْرِ مَنْ حَاكِي　　شَتَّانَ مَابَيْنَ مُحْكٰى وَ مَنْ حَاكِي

تیری حکایت اے روشن چاند کسی نے بیان کی۔ لیکن حکایت کرنے والا نہ جان سکا کہ جس کی حکایت کی جا رہی ہے اور جو حکایت ہے ان میں کس قدر زیادہ فرق ہے۔

بالفرض اگر نعلین مبارک کی شکل اور تصویر کو کسی قسم کا شرف نہ ہوتا صرف یہی ہوتا کہ اس کی صورت اس نعلین سے ملتی ہے جسے اس ذات ستودہ صفات نے پہنا تھا جس کی بزرگی کی کوئی حد اور کوئی کنارہ نہیں جو اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اگلے پچھلے سب سے عمدہ اور اعلیٰ ہیں، اشرف ومکرم ہیں، تو اسی قدر

فضیلت اس کیلئے کافی تھی۔ اور مقصود کیلئے مکمل تھی۔ علاوہ ازیں وہ امراض کیلئے شافی اور بیماریوں کو دور کردینے والی ہے۔ اس کے خواص ظاہر اور اس کے منافع واضح ہیں اس کا فضل بین اور سینوں پر اس کا رکھا جانا متعین ہے۔ شیخ علامہ ناصح، صالح شیخ ابوحفص عمر نا کہانی، سکندری مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مثال نعلین کو دیکھا۔ جس نے سینوں پر اپنا دامن پھیلا رکھتا تھا۔ تو مجنوں و لیلیٰ کے قول کی مثال دیتے ہوئے کہا۔

وَلَوْ قِيْلَ لِلْمَجْنُوْنِ لَيْلٰى وَ وَصْلَهَا   تُرِيْدُ اَمِ الدُّنْيَا وَ مَا فِي زَوَايَاهَا
لَقَالَ غُبَارٌ مِنْ تُرَابِ نِعَالِهَا   اَحَبُّ اِلَى نَفْسِي وَ اَشْفَى لِبَلْوَاهَا

اگر مجنون سے پوچھا جائے، کہ کیا تو لیلیٰ اور اس کے وصل کو چاہتا ہے یا دنیا اور اس کے کونوں میں موجود سب کچھ چاہتا ہے تو وہ یقیناً کہے گا کہ لیلیٰ کی جوتیوں کی دھول مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور دل کی پریشانیوں کیلئے عمدہ شافی ہے۔

المثال الاوّل

یہ مثال جناب ابن عربی، ابن عساکر، ابن مرزوق، الفارقی، السیوطی، السخاوی اور تنائی وغیرہ شیوخ عظام کی معتمد ہے۔ اس کی روایت شیخ ابوالفضل بن البراء التونسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ ابن النخبہ انہوں نے فقیہ ابوزید عبدالرحمٰن بن عربی انہوں نے اپنے والد جناب حافظ الشہیر قاضی ابوبکر بن عربی اشبیلی اندلسی معاضری رحمۃ اللہ علیہ سے کی جو قاضی عیاض وغیرہ کے شیخ ہیں اور فاس محروسہ میں مدفون ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اس کی روایت شیخ فقیہ حافظ ابوالقاسم مکی بن عبدالسلام بن الحسن بن الرمیلی نے لفظاً سنائی۔ کہا کہ ہمیں جناب شیخ ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق بخاری الحافظ نے مصر میں لفظاً سنائی۔ فرمایا کہ مجھے محمد بن الحسین فارسی نے بتایا کہ میں نے اس نعل شریف کو اس نعل شریف کے نمونہ پر کاٹا اور تیار کیا جو محمد بن جعفر تمیمی کے پاس تھی اور ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے پاس موجود نعل شریف کو ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ کے پاس موجود نعل شریف کے نمونہ پر مکہ شریف میں تیار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جناب ابومحمد ابراہیم بن سہل الشیبی نے روایت سنائی کہ ہمیں ابویحییٰ بن ابی مسرۃ نے سنایا کہا کہ ہمیں ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ عن ابیہ عبداللہ بن عبداللہ بن ادریس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی نے بتایا۔ فرمایا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ جس کی مثال اور نمونہ میں نے کاٹا اور بنایا۔ جناب اسماعیل بن ابی اویس کہتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے حکم دیا کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کی مثال کا نمونہ تیار کرو۔ اس کے دو نقطوں کے مقام پر دو تسمے تھے جناب اسماعیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کا جناب اسماعیل بن ابراہیم کے پاس ہونے کی یہ وجہ بنی جو ہمیں قابل وثوق حضرات نے بتائی۔ وہ یہ کہ آپ کی نعلین مبارک ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ پھر ان کی ہمشیرہ ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا کے پاس آگئی۔ جناب ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں تھیں۔ جب جنگ جمل میں شہید ہو گئے تو انہوں نے سیدہ ام کلثوم کیلئے اپنے پیچھے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کو چھوڑا۔ یہ جناب اسماعیل بن ابراہیم کے دادا بزرگوار ہیں، جن کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین شریف آئی اور اس کے آنے کا یہ طریقہ بنا۔

امام حافظ ابن عساکر نے اپنی تالیف میں اس سے متصل ایک سند ذکر کی جو امام صالح ابو اسحاق ابراہیم بن الحاج المربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ وہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المربی نے حرم پاک میں اپنے الفاظ سے یہ بیان کیا کہ مجھے ابوالقاسم القاسم بن محمد نے بارہا از روئے قرأۃ یہ بتایا اور میں نے نعلین کا یہ نمونہ اس نعلین کی مقدار پر اپنے ہاتھ سے کاٹا۔ جو ان کے پاس تھی۔ انہوں نے مجھے وہ عطا فرمائی اور کہا کہ ہمیں جناب ابو جعفر احمد بن علی الادریسی نے بارہا مجھے از روئے قرأۃ بتایا۔ میں نے نعلین کا یہ نمونہ ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق کاٹا اور بنا دیا۔ جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوالقاسم خلف بن بشکوال نے قرأۃ بتایا۔ میں نے نعلین کا یہ نمونہ ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق بنایا۔ جو انہوں نے مجھے عطا کی تھی۔ ہمیں حافظ ابوالقاسم مکی ابن عبدالسلام بن الحسن الرمیلی نے لفظاً بتایا اور میں نے ان کے پاس موجود نعلین کے مطابق نعلین بنائی۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ہمیں شیخ ابو زکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق البخاری نے مصر میں بتایا۔ میں نے ان کے پاس موجود کی نقل بنائی۔ کہنے لگے کہ مجھے محمد بن الحسین الفارسی نے بتایا کہ میں نے یہ نعلین اس نعلین کے نمونہ پر بنائی ہے جو محمد بن جعفر التمیمی کے پاس تھی۔ انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے یہ نمونہ اس نعلین سے تیار کیا جو ابو سعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ کے پاس تھی اور مکہ میں یہ نمونہ تیار کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمیں ابو محمد ابراہیم بن سہل نے بتایا کہ ہمیں ابو یحییٰ بن ابی مسرۃ نے انہیں ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ نے انہوں نے اپنے والد ابو اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی نے بتایا۔ کہ میں نے نعلین کا یہ نمونہ اس نعلین کے مطابق بنایا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک اسماعیل بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ اسماعیل

بن ابی اویس کہتے ہیں مجھے میرے والد ابو اویس نے حکم دیا کہ نعلین کے مطابق نعلین بناؤ۔ تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ پر نمونہ بنایا۔ جس کے دو نقطوں کی جگہ پر دو تسمے تھے۔ اس کے بعد ابن عسا کر نے وہی حکایت بیان کی جو ہم پہلے جناب اسماعیل کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کیسے پہنچی'' الخ۔

ابن عسا کر نے ابو اسحاق بن الحاج اندلسی (جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم السلمی مرحوم نے اپنی زبانی بتایا کہ میں نے اسے اصل سے نقل کیا تھا۔ یا اس کی فرع سے جسے اصل کے ساتھ ملایا گیا اور اس کے خطوط و مثال ہو بہو بنائے گئے تھے۔ کہتے ہیں۔ مجھے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ السبتی وغیرہ نے میرے پڑھ کر سنانے پر بتایا کہ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن التجیبی نے کہا میں نے اسے اصل سے نقل کیا اور اس کا نمونہ بنایا جو تجیبی کے پاس تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ اسکندریہ میں ہمیں حافظ ابو طاہر احمد بن محمد بن احمد نے ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ دمشق میں مجھے شیخ امین ابو محمد ھبۃ اللہ ابن احمد بن محمد الاکفانی نے ایک نمونۂ نعلین دکھایا۔ اور کہا کہ مجھے ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی نے ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ مجھے ایک نمونہ ابو طالب عبداللہ بن الحسن بن احمد العنبری نے دکھایا۔ اور ذکر کیا کہ ابو بکر محمد بن عدی بن علی المنقری نے انہیں ایک نمونہ دکھایا۔ اور کہا کہ ابو عثمان سعید بن الحسن التستری نے انہیں ایک نمونہ دکھایا۔ پھر بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کا نمونہ ہے۔ اور یہ کہ احمد بن محمد فزاری نے اصفہان میں ایک نمونہ دکھایا اور اس کی روایت بیان کی۔ جناب محمد بن عدی المنقری نے کہا ہمیں سعید بن الحسن التستری نے ''تستر'' میں بتایا۔ کہ احمد بن محمد فرازی نے کہا کہ ابو اسحاق ابراہیم بن الحسین نے بتایا کہ جناب ابو عبداللہ اسماعیل بن ابی اویس جن کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن عامر الاصحی القریشی التیمی ہے۔ اور جو جناب امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کہ جس کا میں نے نمونہ اور تمثال بنائی وہ جناب اسماعیل کے پاس تھی۔ یعنی ابن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ربیعہ المخزومی کے پاس تھی۔ جناب اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد جناب ابو اویس نے حکم دیا کہ تم جوتی بناؤ تو میں نے اس نعل کی طرح کی نعل ان کی موجودگی میں بنائی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کی مانند تھی۔ دونوں بالکل ایک جیسی تھیں اس میں دو تسمے تھے۔ امام مالک بن انس کے بھانجے سے مراد اسماعیل بن ابی اویس ہے۔ اور ان کی نسبت قریشی اور تیمی جو بیان ہوئی وہ باعتبار ''ولاء'' کے ہے جس کی گئی

حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔

ابن البراء نے اپنی سند کے ساتھ ابن عربی کے حوالہ سے لکھا کہ ابن عربی کہتے ہیں کہ ہمیں قاضی ابوالمطہر نے بتایا۔ انہوں نے کہا ہمیں حافظ ابونعیم نے انہیں ابن ابی الخلدۃ نے انہیں حارث بن ابی اسامۃ نے انہیں سہل نے انہیں ابن عون نے بتایا کہا کہ مدینہ منورہ میں ایک موچی کے پاس میں گیا اسے میں نے کہا۔ مجھے نعل تیار کردو۔ کہنے لگا اگر تم چاہتے ہو کہ فلاں نعل کی طرح بنادوں تو ویسی بنادیتا ہوں اور اگر چاہتے ہو کہ ویسی بناؤں جیسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک تھی تو ویسی بھی بناسکتا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل دیکھی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تم نے کہاں دیکھی؟ کہنے لگا میں نے فاطمہ بن عبداللہ بن العباس کے گھر دیکھی ہے۔ میں نے اسے کہا۔ ٹھیک اسی جیسی بنادو جیسی تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک دیکھی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس نے میرے لئے نعل بنائی جس کے دو تسمے تھے۔ میں جب لینے گیا تو اسے محمد بن سیرین نے لے لیا۔

ابن البراء ہی کہتے ہیں کہ جناب ابن عربی بیان کرتے ہیں۔ ہمیں ابوالقاسم مکی ابن عبدالسلام نے مسجد اقصیٰ میں بتایا کہ ہمیں ابوزکریا بخاری نے محمد بن حسین فارسی سے انہوں نے محمد بن جعفر تمیمی سے انہوں نے ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ سے انہوں نے ابومحمد ابراہیم بن سہل شیبی سے انہوں نے ابویحییٰ بن ابی مسرۃ سے انہوں نے ابن ابی اویس اسماعیل بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے اسماعیل بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ المخزومی سے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مقدار اتنی تھی اس کی صفت یہ تھی۔ ان کے پاس آپ کی نعل پاک ان کے دادا عبدالرحمٰن کے ذریعہ پہنچی تھی۔ اور جناب عبدالرحمٰن کو سیدہ عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ ام کلثوم سے ملی تھی۔ جن کے خاوند جناب طلحہ بن عبیداللہ کے انتقال کے بعد ان کے ہاتھ آئی تھی۔ بعض نے کہا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے پاس آئی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ روایت حدیث مالک سے غریب ہے میں نے اسے اسی طریقہ سے روایت کیا ہے۔

امام مقری کہتے ہیں کہ ان ائمہ کرام کا چونکہ اس نمونہ نعل پر اعتماد تھا اس لئے میں نے اسے دوسرے نمونوں پر مقدم رکھا۔ ان حضرات نے نعل مبارک کی طول وعرض میں حد بندی نہیں کی۔ یعنی یہ بیان نہیں کیا کہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کتنی تھی۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اس لئے کہ سب نے اس کا مشاہدہ کیا اور ہاتھوں ہاتھ ایک دوسرے کو عطا کرتے رہے۔ کیونکہ ہر ایک نے جب نمونہ بنایا تو

نمونہ بناتے وقت لمبائی چوڑائی برابر رکھی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ثقہ لوگوں کے نزدیک باوجود مختلف نمونوں کے ان میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی تبدیلی ہوئی کیونکہ ایک امین سے دوسرے امین تک پھر تیسرے اور چوتھے تک منتقل ہوتی رہی۔ ان تمام نمونہ جات کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ایک عادل نے دوسرے عادل سے کی۔ جس کی بناء پر قابل اعتماد وثوق ہے۔

اگر تم اعتراض کرو کہ جب نعل مبارک کا نمونہ ''مشاہدہ'' سے حاصل نہیں کیا گیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کو دیکھ کر اس کے برابر لمبی چوڑی اور کیفیت والی ''مثل'' بنائی نہیں گئی تو اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کا طول وعرض پیش نظر نہیں تھا۔ لہٰذا نمونہ بنانے والوں کو کیسے یقین ہو گیا۔ کہ جو ہم نے نمونہ تیار کیا ہے وہ اس کے موافق ہے جس کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے اور اس میں کونسی رکاوٹ ہے کہ ناقل نے اسے تبدیل کر دیا ہو جبکہ ناقل غیر مأمون ہو لہٰذا جب یہ احتمال موجود ہے تو استدلال ساقط ہو جائیگا؟

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہمارا اعتماد اس بارے میں ثقہ اور مضبوط لوگوں پر ہے۔ اس لئے کہ ہم نے اسے ان لوگوں کے خط سے نقل کیا ہے جو باوثوق علماء ہیں جن کے ساتھ ہمارا سلسلہ اسناد ملتا ہے۔ اور ان کی تحریری اجازت ہمارے پاس موجود ہے اور اس بارے میں تمام شرائط کی پابندی کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کے اس نمونہ پر نمونہ بنایا۔ جو ان کی تحریرات معروضہ کے ذریعہ ثابت ہوا اور انہوں نے اس شخص کو اس کی اجازت دی جس نے انہیں پڑھ کر سنایا۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر احتمال کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

اور یہ بھی بات قابل اطمینان ہے کہ یہ نمونہ ہم تک دیگر نامور شیوخ کے ذریعہ بھی پہنچا۔ ان میں سے ایک شخصیت حافظ دیمیی اور دوسری علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے۔ ہم نے ان دونوں حضرات کی تحریر اور خط ابن عساکر کے نمونہ پر ایک معتمد نسخہ میں لکھی دیکھی۔ جسے اکابر کی ایک جماعت نے پڑھا۔ اور میں نے انہیں پڑھ کر سنایا۔ ہم اس خط کو اپنے مقصد کی تکمیل اور منکر کی تردید کیلئے لکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ میں نے امام سخاوی کا خط اور ان کی تحریر ابن عساکر کی مثل کے ایک حصہ پر جو لکھی دیکھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (النمل:30)۔ يَقُوْلُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّخَاوِى اَخْبَرَنِىْ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ اَبُوالعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ الشَّرْفِ الْاَزْهَرِى بِقِرَاَتِىْ قَالَ اَنْبَاَنَا

الجَمَالُ اَبُو الْمُعَالِي عَبْدُاللّٰهِ بنُ عُمَرَ بنِ عَلِيِّ الْحَلَاوِيِ الْاَزْهَرِی۔اھ

اس کے آخر میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل کا تب کے خط سے شیخ حلاوی کی روایت لکھی۔ جو بدر فارقی عن ابی الیمن بن عساکر الی آخرا لجمیع تک ہے۔

امام موصوف کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ میری سند کا فارقی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہونے کا معاملہ وہ باب اول میں بطریقہ خطیب بن مرزوق گزر چکا ہے جب انہوں نے روایت کی۔ جیسا کہ ان کے سفر نامہ میں ہے۔ یہ نعل مبارک کا نمونہ فاروقی سے اس کے مؤلف ابن عساکر کو ملا۔

رہے امام سخاوی تو مجھے میرے چچا جناب شیخ سعید المقری نے مفتی ابوالحسن علی بن ہارون سے انہوں نے امام ابن غازی سے انہوں نے حافظ سخاوی سے اجازۃً یہ بات پہنچائی۔

اس تالیف کے آخر میں ثابت ہے جس پر امام سخاوی کا خط ہے اور حافظ دیمی کی بھی تحریر ہے۔ یہ خط اور تحریر اس تالیف کے کاتب کے ہاتھ سے لکھے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

تَمَّ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ وَ حُسْنِ تَوْفِيْقِهِ عَلَى يَدِ كَاتِبِهِ لِنَفْسِهِ وَلِمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ بَعْدِهِ الْعَبْدِ الضَّعِيْفُ فَتْحُ اللّٰهِ بن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بنِ اَبِی بَكْرِ بْنِ اَحْمَدِ حَسَنِ الْمَنْفَلُوْطِی الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْفَرْجُوْطِیْ الْحَنَفِی عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهِ الْخَفِیْ غَفَرَ ذُنُوْبَهُ وَ سَتَرَعُيُوْبَهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة وَ وَالِدَيْهِ وَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسْلِمًا وَ مَحْسَبِلًا وَ مُحَوْقِلًا بِتَارِيْخِ يَوْمِ الْخَمِيْسِ آخِرِ النَّهَارِ رَابِعُ شَهْرِ اللّٰهِ الْاَصم الْاَصب رَجب مِنْ شُهُوْرِ سَنَةَ اِحْدٰی وَ تِسْعِيْنَ وَ ثَمَا نِمِائَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلَی صَاحِبِهَا اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ وَالتَّحِيَّةِ وَالْاِكْرَامِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ وَ تَابِعِيْهِمِ بِاُحْسَانِ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ۔اھ

اس کے بعد امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا خط ان الفاظ سے ثبت کیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ قَرَأَ عَلَیَّ صَاحِبُه وَ كَاتِبُهُ الشَّيْخُ الفَاضِلُ الْمُجِدُّ الْمُحَصِّلُ الْمُفِيْدُ زَيْنُ الدِيْنِ اَبُو الْفَتْحِ فَتَحَ اللّٰهُ الْمَذْكُوْرَ اَعْلَاهُ نَفَعَهُ اللّٰهُ وَ نَفَعَ بِهٖ بِسَنَدِی فِيْهِ اَوَّلَهُ فَسَمِعَهُ الشَّيْخُ الْفَاضِلُ الْبَارِعُ الْاَوْحَدُ مُفِيْدُ الطَّالِبِيْنَ بَرَكَتُ الْمُسْتَفِيْدِيْنَ صَلَاحُ الدِّيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ سَيِّدِنَا وَ حَبِيْبِنَا العَالِمِ شَيْخِ الْمُحَدِّثِيْنَ مُفْتِی الْمُسْلِمِيْنَ بَرَكَةِ الطَّالِبِيْنَ الْفَخْرِی اَبِی عَمْرِو عُثْمَانَ الدَيْمِیَ الشَّافِعِیُّ وَالشَّيْخُ الْمُتَنِنُ النَّاظِمُ النَّاثِرُ مُحیُ الدِّيْنِ عَبْدُالْقَادِرِ الْقُرْشِیْ وَ ذَالِکَ فِیْ يَوْمِ الْسَبْتِ سَادِسُ شَهْرِ رَجَبِ الْمُذْكُوْرِ بِمَنْزِلِیْ وَ

اَجَزْتُ لَهُمْ رِوَايَتَهٗ وَ سَائِرَ مَرْوِيَاتِيْ وَ مُؤَلَّفَاتِيْ قَالَهٗ وَ كَتَبَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّخَاوِى خَتَمَ اللّٰهُ لَهٗ بِخَيْرٍ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔اھ

اس کے بعد اصل کے کاتب اور مجاز کی تحریر ان الفاظ سے درج ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَأَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ فَتْحُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ بَكْرِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ حَسَنِ الْمَنْفَلُوْطِىَ الْمَعْرُوْفُ بِابْنِ الْفَرْجُوْطِى الْحَنَفِى عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهِ الْخَفِيِّ وَ غَفَرَ ذُنُوْبَهٗ وَ سَتَرَ عُيُوْبَهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ آمِيْن عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا الشَّيْخِ الْإِمَامِ الْعَالِمِ الْعَامِلِ الْعَلَّامَةِ الْبَحْرِ الْحِبْرِ الْفَهَّامَةِ حَافِظِ الْعَصْرِ اَبِىْ عَمْرٍو عُثْمَانَ الدِّيْمِى الشَّافِعِىْ عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهٖ وَالْمُسْلِمِيْنَ آمِيْن جَمِيْعَ تِمْثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ الْإِمَامَ الْاَصِيْلُ الْمُسْنِدُ الْمُفِيْدُ اَمِيْنُ الدِّيْنِ اَبِى الْيَمَنِ عَبْدُالصَّمَدِ بْنِ اَبِى الْحَسَنِ عَبْدِالْوَهَّابِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَسَاكِرَ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَوْدًا عَلٰى بَدْءٍ۔

میں (امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) کتاب فتح المتعال فی وصف النعال اور امام مقریؒ مذکور کی بقیہ تمام تالیفات اسی سند اور اس کے علاوہ دوسری اسناد سے روایت کرتا ہوں۔ دوسری اسناد کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں اور میں ہر اس شخص کو اجازت دیتا ہوں جو میری اس کتاب ''جواہر البحار'' پر مطلع ہو اور اجازت قبول کرتا ہو کہ وہ میری طرف سے اس کی روایت کرسکتا ہے اور اس کے علاوہ میری تمام تالیفات وتصنیفات اور مرویات کی روایت کی بھی اجازت ہے، جن میں امام مقریؒ کی تمام مؤلفات بھی شامل ہیں اور ان میں سے ہی ایک کتاب فتح المتعال المذکور بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی جو مثالیں اور نمونہ جات اس کتاب میں مذکور ہیں۔ ان کی بھی اجازت ہے۔

ہم واپس امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ تم نے گزشتہ اوراق میں بہت سے مشائخ کرام جیسا کہ ابن عربی ہیں اور ان سے پہلے کے مشائخ ہیں ان کا تذکرہ کیا۔ لیکن ان کے تذکرہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انہوں نے کاغذ پر نعل مبارک کا نمونہ بنایا۔ جیسا کہ تم نے کیا ہے۔ ان حضرات نے تو نعل مبارک کا نمونہ نعل کی شکل میں بنایا۔ لیکن تمہارا مدعیٰ یہ نہیں؟

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جب نعل پر رکھ کر نعل کاٹی گئی۔ پھر مثال نعل کو کاغذ پر بنایا گیا جو لمبائی چوڑائی میں ہو بہو تھی۔ یہی ہمارا مدعٰی ہے۔ جیسا کہ اس پر امام عراقی کا کلام دلالت کرتا ہے اور یہ بھی بات پیش نظر ہے کہ نعل مبارک کا نمونہ خواہ چمڑے کا بنا ہوا ہو یا کاغذ پر ان میں فرق تو کوئی نہیں ہوتا ہم نے کاغذ پر نعل مبارک کے کئی نمونہ جات دیکھے ہیں۔ جو چمڑے کی نعل پر لگا کر کاٹا جاتا ہے۔ جس طرح چمڑے کی بنی نعل کاغذ پر رکھ کر کاغذ پر نمونہ بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جس پر ان ائمہ اور علماء کی اکثریت کا اعتماد ہے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں اور خبر بھلا آنکھوں دیکھے واقعہ کے کب برابر ہو سکتی ہے۔

اگر ہم اعتراض کو تھوڑی دیر کیلئے تسلیم بھی کر لیں تو ہم اپنے موقف کی دلیل میں ابن عساکر، ابن مرزوق، سخاوی، سیوطی اور دیمی وغیرہم حضرات جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے انہیں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات نے ابن عساکر کی مثال کی روایت کی۔ علاوہ ازیں جب ابن عساکر نے ابن عربی کی اسناد کا تذکرہ کیا تو ان کے بعد نمونہ کا نمونہ لکھا۔ یہ بات ہمارے مذکورہ موقف پر دلالت کرتی ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تم نے ابن عساکر کی کیوں مخالفت کی۔ ان حضرات نے صرف ایک مثال اور نمونہ پر اقتصار کیا اور تم نے ایک نہیں بلکہ چند (چھ) نمونہ جات ذکر کر دیئے۔ حالانکہ ان حضرات کی اتباع مطلوب ہے؟

میں جواب میں کہوں گا کہ ہم نے جب حافظ الاسلام زین الملۃ والدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ کہ انہوں نے اپنے منظوم ''الفیہ'' میں ایک مثال پر اعتماد کیا۔ لیکن اس کے اور اس کے درمیان کچھ مخالفت نظر آئی۔ ہم نے ان کی اقتداء میں یہ مثال ذکر کی ہے۔ کیونکہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ وہ امام ہیں جن کی فن حدیث میں امامت تسلیم کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ آپ آٹھویں صدی کے مجدد ہیں، جیسا کہ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا۔

اگر کوئی اعتراض کرے۔ کہ چلو ہم نے تسلیم کر لیا کہ ان دونوں نمونہ جات کا تعلق مشہور علماء کرام سے ہے، جن کی کسی طور مخالفت اچھی نہیں لیکن ان دونوں پر ہی اکتفا کیا جاتا تم نے ان کے علاوہ چار اور نمونہ جات بھی درج کئے کیوں؟

میں کہوں گا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ آخری چار نمونہ جات جو ہم نے دو نمونہ جات کے بعد درج کئے وہ ان دو کی قوت میں اضافہ نہیں کرتے اگرچہ ان میں سے بعض کے ناقل وقت کے امام ہوئے ہیں۔ اور ہم نے اشارہ کر دیا تھا کہ یہ کام ہم نے احتیاط برتتے ہوئے کیا ہے اور احتیاطاً ایسا کرنا

کوئی نقصان دہ نہیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ آئندہ ذکر ہونے والے منافع اور خواص کیا صرف پہلی دو مثالوں سے تعلق رکھتے ہیں یا عام ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ ہم نے تمام نمونہ جات کے بالمشاہدہ منافع دیکھے ہیں۔ ثقہ حضرات نے ہمیں ان کی خبریں بھی دیں۔ یہ سب کچھ صاحب نعل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے۔ کیونکہ مقصود بالذات آپ کی ذات مقدسہ ہے۔ علاوہ ازیں ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نعل مبارک کے جس نمونہ کی حکایت بکثرت ہے اسے عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے وہ نمونہ جات ذکر کر دیئے جن کی صحت ہم تک پہنچی۔ اور ان کا علم ہم تک آیا۔ ہم نے ان میں سے کوئی نمونہ خود نہیں گھڑا۔ ہم نے ان میں ائمہ دین کی اقتداء کی ہے اللہ ہماری نیات پر مطلع ہے۔ ہمارا صرف یہ مقصد ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار شریفہ سے برکت حاصل کی جائے۔ اور دوسرا مقصد یہ کہ نعل مبارک کے تمام نمونہ جات یکجا جمع ہو جائیں۔ کیونکہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہ دیکھا جس نے ایک جگہ انہیں جمع کیا ہو۔ تمام تعریفیں اور احسانات اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہیں۔ ہم نے اپنی انتہائی کوشش کر ڈالی۔ اس موضوع پر بہت سی تصانیف و تالیفات ہیں۔ ہم کو جو مل سکا اسے ہم نے نقل کر دیا اور جس تک ہماری رسائی نہ ہو سکی اس کے ذکر نہ کرنے سے معذور ہیں۔ ہمارے پیش نظر علامہ السبتی اور ابن عساکر کی تالیفات تھیں۔ یہ دونوں بہت چھوٹی ضخامت کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے قصد جمیل سے نفع بخشے۔ ہمیں اور ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجاہ ہماری امیدوں تک پہنچا دے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ (آل عمران)۔

اس گفتگو کے بعد امام مقری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ چھ نمونہ جات میں سے یہ پہلا نمونہ ہے جنہیں مصور نے کاغذ پر بنایا تھا اس کے بعد مثال ثانی کے عنوان کو شروع کیا۔

المثال الثانی

یہ نمونہ اور مثال حافظ الاسلام، خادم سنت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صاحب معارف کاملہ اور احوال، ایک قول کے مطابق مجدد دین، الشیخ، الامام زین الدین عبدالرحیم العراقی الشافعی صاحب تالیفات کثیرہ ومناھج السدیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی معتمد ہے۔ آپ کی سند ہم تک بہت سے طریقوں سے متصل ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو موصوف کے پوتے ابن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ہے۔ مثال نعلین کی مذکورہ صفات جو موصوف کے ہاں معتبر ہیں۔ وہ ان کی تالیف ''الفیہ'' میں موجود

ہیں۔ جو نظم میں سیرت نبویہ پر تحریر کیا گیا اور اس کے قابل اعتماد نسخہ میں ہیں۔ اس منظوم تالیف میں موصوف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض احوال معظمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے موصوف نے نعل مبارک کے بارے میں بھی کچھ تعریفی اشعار کہے ہیں۔ جن میں نعلین مبارک کا طول وعرض زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پاؤں مبارک میں پہن کر انہیں اعزاز بخشنا مذکور ہے۔

مُحَمَّدُنِ الْمُصْطَفٰی الْهَادِی اِلَی السُّبُلِ ذُوالْمُعْجِزَاتِ اِمَامُ الْخَلْقِ وَالرُّسُلِ

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مِنْ بَدْوٍ وَ مِنْ حَضَرٍ وَاَكْرِمِ النَّاسِ مِنْ حَافٍ وَّ مُنْتَعِلٍ

جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے راستوں کی راہنمائی فرمانے والے، صاحب معجزات، تمام کائنات کے امام اور رسولوں کے پیشوا ہیں۔ دیہاتی اور شہری تمام لوگوں سے بہتر اور ننگے پاؤں اور جوتیاں پہننے والے تمام انسانوں سے بڑھ کر مکرم ومعزز ہیں۔

موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے نعل مبارک کا جو طول وعرض بیان کیا۔ اسے شیخ امام حافظ علقمی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر پر اپنے لکھے گئے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے لکھا۔ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگلیاں تھی اور ایڑی سے متصل حصہ کا عرض سات انگلیوں کے برابر، قدم کے درمیان سے پانچ انگلیاں اور اس سے اوپر کا حصہ چھ انگلیاں چوڑا تھا اور نعل پاک کا سر محدد تھا اور دونوں تسموں کے درمیان دو انگل برابر چوڑائی تھی۔ اھ

یہی بعینہ طول وعرض صاحب الفیہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ اور یہ انہوں نے بطور نص بیان کیا ہے۔ اسے مسلم رکھا اور تمہارے لئے اس قدر کافی ہے اگرچہ بعض حفاظ نے کہا "کہ میں نے اس طول وعرض پر کسی اور کو نہ پایا۔ یہ صرف علامہ عراقی نے بیان کیا ہے" تمہارے لئے یہ حجت ہے۔ کیونکہ علامہ عراقی کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ مصر وشام کا اعلیٰ حافظ انہی کو کہا گیا ہے۔

اِذَا قَالَتْ حَذَامِ فَصَدِّقُوْهَا فَاِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامِ

جب حذام (ایک عورت کا نام ہے جو بہت تیز نظر تھی) کوئی بات کہتی ہو تو اسے سچا سمجھو۔ کیونکہ بات وہی ہے جو حذام نے کہی ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صاحب "سبل الہدیٰ والرشاد" نے بھی مذکورہ طول وعرض ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ذکر کے ساتھ کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ اسے مسلم رکھا اور تمہارے لئے صاحب سبیل الہدیٰ کی وافر اطلاع اور علامہ عراقی کا الفیہ میں درج ذیل اشعار کہنا بطور دلیل کافی ہے۔

وَنَعْلُهُ الْكَرِيْمَةُ الْمَصُوْنَةُ طُوْبٰى لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِيْنَهٗ
لَهَا قَبَا لَانِ بَسِيْرٍ وَ هُمَا سَبْتِيَتَانِ سَبْتُوْا شَعْرٍ هِمَا
وَ طُوْلُهَا شِبْرٌ وَ اَصْبَعَانِ . وَ عَرْضُهَا مِمَّا يَلِى الْكَعْبَانِ
سَبْعُ اَصَابِعَ وَ بَطْنُ الْقَدَمِ خَمْسٌ وَفَوْقَ ذَا فَسِتٌّ فَاعْلَمِ
وَرَأْسُهَا مُحَدَّدٌ وَ عَرْضُ مَا بَيْنَ الْقَبَالَيْنِ اَصْبَعَانِ اِضْبِطْهُمَا
وَهٰذِهٖ تِمْثَالُ تِلْكَ النَّعْلِ وَ دُوْرُهَا اَكْرَمْ بِهَا مِنْ نَعْلٍ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت نعل مبارک کو جس نے اپنے ماتھے سے لگایا وہ بڑا خوش بخت ہے آپ کی نعل پاک کے دو تسمے تھے اور دونوں نعل مبارک بالوں سے خالی تھیں۔ لمبائی ایک بالشت اور دو انگلیوں برابر تھی۔ اور ٹخنوں سے متصل نعل پاک کی چوڑائی سات انگلیاں تھیں۔ اور قدم کے درمیان سے پانچ انگلیاں اور اس سے اوپر چھ انگلیاں چوڑائی تھی۔ اس کا سر محدد تھا۔ اور دونوں تسموں کے درمیان دو انگلیوں کی چوڑائی تھی یہ نمونہ اور تمثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل کی طرح قابل احترام واکرام ہے۔

اس کے بعد علامہ مقری نے فرمایا کہ یہ صفت اس نمونہ نعل کی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے اس کے قابل اعتبار ہونے کی دلیل یہی ''الفیہ'' ہے جس کے قابل وثوق نسخہ میں جہاں یہ الفاظ کہے گئے۔ ''وھذہ تمثال تلک النعل'' ان کے بعد فتح المتعال میں امام مقری نے اس نمونہ کی نقل ایک ورق پر نقش کی۔ اس کے بعد تحریر فرمایا ''ھذان المثالان ھما المعتمدان'' یہ دونوں نمونہ جات قابل اعتماد ہیں۔ اور لکھا کہ ان دونوں پر اقتصار ہر عقلمند کیلئے کافی شافی ہے۔ لیکن ان دو کے علاوہ میں نے چار اور نمونہ جات بھی دیکھے۔ جن کی تعظیم اور جن کا فائدہ بہر حال ہے میں نے احتیاطاً ان کو بھی درج کر دیا اور تبرک واغتباط کی خاطر ان کا تذکرہ بھی کر دیا۔

المثال الثالث

میں نے یہ نمونہ متقدمین میں سے بعض اکابر علماء کی تحریر سے لیا ہے جو مغرب کے رہنے والے تھے۔ اور قابل اعتماد تھے انہوں نے اس نمونہ کے درمیان یہ الفاظ لکھے تھے۔ ''ھذہ صورۃ نعل نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' یعنی یہ نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ہے۔ اس کے نیچے لکھا کہ مجھے شیخ فقیہ ابو عبداللہ بن سلمۃ نے شعر سنائے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ شعر جناب کلاعی رحمۃ اللہ علیہ نے سنائے تھے۔ شعر یہ ہیں۔

يَا نَاظِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهِ قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَكَبِّرًا
وَاعْكِفْ بِهِ فَطَالَمَا عَكِفَتْ بِهِ قَدَمُ النَّبِيِّ مُرَوَّحًا وَ مُبَكِّرًا

اے دیکھنے والے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کو چوم لے۔ متکبر نہ بن۔ اس پر از روئے ادب جھک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم صبح وشام ان کو پہن کر انہیں سرفراز فرماتے رہے۔

اس کے علاوہ دیگر اشعار بھی اس بارے میں موجود ہیں۔ ان کا ناظم (یعنی یہ شعر) ابن سعد خیر کے ہیں۔ علامہ کلاعی کے اپنے کہے اور بنائے گئے نہیں۔

المثال الرابع

امام مقری کہتے ہیں میں نے مغرب (افریقی ممالک) میں یہ نمونہ دیکھا۔ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ سب کے نزدیک یہ نمونہ مقبول تھا اور اس کے منافع کا میں نے مشاہدہ بھی کیا۔ دعاء کی قبولیت (اس کے وسیلہ سے) مجرب تھی۔ ان شہروں کے باشندوں کے نزدیک نہایت معظم تھا۔ ان کی امیدیں اور تمنائیں اس کے وسیلہ سے برآتیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنی تالیف اس سے خالی نہ رکھوں۔ اگرچہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس امام سے نقل کیا گیا ہے۔

المثال الخامس

یہ نمونہ بھی میں نے مغرب سے نقل کیا۔ مجھے مغربی ممالک کے حکمرانوں کے خزانے سے دستیاب ہوا۔ یہ ان کے نفیس ترین خزانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف انہیں مدد بخشی۔ اللہ تعالیٰ جنگوں میں ان کی حمایت کرے، اور دین ودنیا کی صلاح میں ان کی اعانت فرمائے۔ انہیں ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلائے۔ میں نے اس نمونہ کی برکات کا خود مشاہدہ کیا جب ہم سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ قریب تھا کہ سمندری موجیں ہمیں غرق کر دیتیں لیکن اس نمونہ نعل کی برکت سے ہم محفوظ رہے۔

المثال السادس

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ نمونہ ایسے شخص سے نقل کیا جو باوثوق اور صاحب درایت شخص تھا۔ اس کی روایت پر اعتماد تھا۔ صاحب صلاح وخیر تھا۔ ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ پر گامزن تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ میں نے یہ نمونہ ایک صالح شخص کی تحریر سے حاصل کیا ہے۔ جو لوگوں کا پیشوا تھا۔ لوگ اس سے ادب سیکھتے تھے۔ اور اس کے آداب میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ شخص مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کو مزید شرف وکرامت، عظمت وعزت عطا

فرمائے۔ ذکر کیا گیا کہ یہ مثال ان کے ہاں متداول تھی۔ لوگوں میں اس کا چرچا تھا۔ وہ اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اسے سبھی جانتے تھے۔

یہ اور بات ہے کہ اس نمونہ اور سابقہ نمونہ جات کے درمیان معمولی سا فرق ہے۔ شائد یہ ایک ہی ہوں گے لیکن کسی غیر محتاط ناقل کے نقل کرتے وقت معمولی سی تبدیلی ہوگئی ہوگی۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے کہ نمونہ ہو بہو نہیں بلکہ بہت حد تک ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ اس قول کے مطابق معمولی سا فرق کوئی عیب نہیں شمار کیا جاتا۔ تجربہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نعل مبارک کے نمونہ کے جو خواص آگے ہم ذکر کریں گے۔ وہ ان تمام نمونہ جات میں مکمل یا اکثر پائے جاتے ہیں۔ ہم نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اور ''خبر'' دیکھی بھالی بات کے برابر نہیں ہوتی۔ پھر علامہ مقری لکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم نے اپنی طاقت و بساط کے مطابق کوشش کی۔ اور ہم ایسا مضمون لکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس میں ایسا اختلاف نہیں جو دور نہ کیا جا سکتا ہو اس کے بعد علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ کے چھ نمونہ جات درج فرمائے۔ اور ہر ایک نمونہ ایک الگ ورق پر بنایا۔ لیکن میں (علامہ بہانی) نے ان میں سے صرف پہلے نمونہ پر اقتصار واختصار کیا۔ یہی معتمد ہے اور حفاظ حدیث سے یہی مروی ہے۔ اس کی اسانید بھی متصل ہیں۔ میں نے اسے مستقل ورق پر طبع کرایا اور اس کتاب کے ساتھ ملحق کر دیا ہے۔

چوتھی فصل

مصنف علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فتح المتعال'' کے تیسرے باب میں بہت سے قطعہ جات نقل فرمائے۔ کثیر تعداد میں قصیدہ جات ذکر کئے، جو نعل شریف کی تعریف وتوصیف میں مختلف شعراء نے کہے تھے۔ انہیں حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ان کی تعداد بہت ہے، لیکن میں (بہانی) نے ان میں سے اپنی پسند کے مطابق بہت کم ذکر کئے۔ موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ باب اول میں جو میں نے اپنی سند ذکر کی ہے۔ جو ابن عساکر تک پہنچتی ہے۔ فرمایا کہ ہمیں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اندلسی نے اپنے الفاظ سے روایت کی کہ مجھے محمد بن عبداللہ قرطبی نے ''سبتۃ'' میں اور ابو زکریا یحیٰی بن ابی بکر عبدری نے ''تلمسان'' میں بتایا کہ ہمیں ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی نے انہیں ابو محمد عبداللہ بن محمد بن خلف بن سعادۃ دانی مقری نے اسکندریہ میں اپنی زبانی سنایا کہ مجھے ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سعد الخیر البلانسی نے اپنی زبان سے یہ شعر سنائے۔

يَا مُبْصِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهِ   قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَكَبِّرًا

وَاعْكِفْ بِهِ فَطَا لَمَا عَكِفَتْ بِهِ   قَدَمُ النَّبِيِّ مُرَوِّحًا وَ مُبَكِّرًا

B

اَوَ مَا تَرٰی اِنَّ الْمُحِبَّ مُقْبِلٌ طَلَلًا وَاِنْ لَمْ یَلْفَّ فِیْهِ مُخْبِرًا

اے صاحب نظر! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کو چوم لے۔ متکبر نہ بن۔ اور اس پر جھک جا کیونکہ عرصہ دراز تک ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک صبح وشام رونق افروز رہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ دوست بلند جگہ سے آ رہا ہے اگر چہ اس میں خبر دینے والا چھپا ہوا نہیں ہے۔

ابن عساکر نے کہا کہ مجھے ابواسحاق اندلسی نے ہی بتایا کہ میں نے شیخ ادیب، رونق محفل ابوامیہ اسماعیل بن سعد السعود بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ابوالحسن بن سعد الخیر مذکور کے اشعار مذکورہ کی تذییل کہی جائے (یعنی ان کے وزن اور قافیہ پر مزید شعر کہو) تو انہوں نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے مقام اشبیلیہ میں ۶۳۴ھ میں درج ذیل اشعار مجھے سنائے۔

وَلَرُبَّمَا ذَكَرَ الْمُحِبُّ حَبِیْبَهٗ بِشَبِیْهِهٖ فَغَدَا لَهٗ مُتَصَوِّرًا
اَوَ مَا رَأَیْتَ الصُّحُفَ یَنْقُلُ حُكْمُهَا فَیُوَافِقُ الْمُتَقَدِّمُ الْمُتَاَخِّرَا
وَالْمَرْءُ یَهْوِیْ بِالسِّمَاعِ وَلَمْ یَكُنْ یَحْكِی الَّذِیْ قَدْهَامَ فِیْهِ مُبْصِرًا
وَیَظُنُّ حِیْنَ یَرٰی اِسْمَهٗ فِیْ رُقْعَةٍ اِنَّ قَدْ رَاٰیٰ فِیْهَا الْحَبِیْبَ مُصَوَّرًا
لَا سَیِّمَا فِیْ حَقِّ نَعْلٍ لَمْ تَزَلْ صَوْنًا لاخمص خَیْرُ مَنْ وَطِیَٔ الثَّرٰی
فَعَسَاكَ تَلْثَمُ فِیْ غَدٍ مِنْ لَثْمِهَا كَاْسَ النَّبِیِّ اِذَا وَرَدْتَ الْكَوْثَرَا

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبّ اپنے محبوب کی تصویر کا ذکر کرتا ہے اور تصور میں وہ اپنے محبوب کو پاتا ہے۔ کیا تم نے قرآن کریم کی نقول نہیں دیکھیں بعد میں کی جانے والی نقل پہلے سے موجود کے بالکل موافق ہوتی ہے۔ آدمی اپنے محبوب کے ذکر سننے سے محبت کرتا ہے اور جسے دل دے بیٹھا ہوتا ہے اسے کبھی دیکھا تک نہیں ہوتا۔ محبّ جب اپنے محبوب کا کسی رقعہ میں نام لکھا دیکھتا ہے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ اس میں مجھے اپنے محبوب کی صورت دکھائی دے رہی ہے۔ خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے بارے میں جو ہمیشہ سے ان ذات کے تلووں کی محافظ رہی جن کا کائنات میں ثانی نہیں۔ تم اسے چوم لو، ممکن ہے کل قیامت کے دن جب تمہارا کوثر پر جانا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے دیئے گئے پیالے کو منہ سے لگا کر پی سکو۔

ابن عساکر کا کلام یہاں ختم ہوا۔ ابن سعد السعود کے درج بالا اشعار کی ایک مصری عالم وادیب فاضل شرف الدین عیسیٰ بن سلیمان الطنوبی المصری نے تذییل کہی۔ ''اِذَا وَرَدْتَ الْكَوْثَرَا'' کے

تحت اس نے اشعار کہے۔

وَ عَلٰی الصِّرَاطِ غِدا تَسِیْرُ بِیُمْنِهَا ۔۔۔ کَالطَّیْرِ اَوْ کَالْبَرْقِ فِی لَیْلِ السُّرٰی
اَعْظِمْ بِهَا نَعْلًا مَشَتْ فَوْقَ الثَّرٰی ۔۔۔ وَبِهَا تَشَرَّفَتِ الْجِبَاهُ مِنَ الْوَرٰی
اِذْ جَاوَرَتْ قَدَمًا لِاَشْرَفِ مُرْسَلٍ ۔۔۔ قَدَمًا اَتَانَا مُنْذِرًا وَ مُبَشِّرًا
فَبِهَا تَمَلَّ مُقْبِلًا لِقِبَا لِهَا ۔۔۔ وَ شَرَاکِهَا لِلْوَجْنَتَیْنِ مُعَفِّرًا
فَعَسٰی بِجِسْمِکَ اَنْ تَکُوْنَ مُحَرَّمًا ۔۔۔ اَبَدًا عَلٰی لَهَبٍ غَدَاً مُتَسَعِّرًا
وَافْرِضْ بَمَا عَایَنْتَ مِنْ تِمْثَا لِهَا ۔۔۔ اِنْ قَدْ نَظَرْتَ اِلٰی حَبِیْبِکَ مُسَفِّرًا
فَالْصَبُّ یَقْلِقُ اِنْ تَبَاعَدَ حُبَّهٗ ۔۔۔ وَتَرَاهُ یَسْکُنُ اِذْ یَرَاهُ فِی الْکَرٰی

کل پل صراط پر سے تو نعل پاک کی برکت سے یوں گزر جائے گا جس طرح پرندہ گزر جاتا ہے یا اندھیری رات میں بجلی کوندتی ہے۔ اس نعل پاک کی تعظیم بجالا۔ جو زمین پر چلتی رہی اور مخلوق کی پیشانیاں اس کی وجہ سے معزز و مشرف ہوئیں۔ وہ وقت یاد کر جب انہیں حضور اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کی مجاوری نصیب ہوئی۔ ان کے قدم جو ہمارے پاس بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے۔ لہٰذا تو ان کے تسموں کو چومنے کیلئے آگے بڑھ اور اپنے رخساروں کا ان کے ساتھ لگنے والی خاک کو غازہ بنا۔ ہوسکتا ہے کہ تیرا جسم ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ پر حرام کر دیا جائے۔ اور جب تو نعل پاک کے نمونہ کو دیکھے تو یوں گمان کر کہ تو وہ خوش بخت ہے جسے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دے رہے ہیں۔ دل ان کی محبت میں پریشان ہو جاتا ہے جب یہ آنکھوں سے دور ہو جاتے ہیں اور جونہی دکھائی دیتے ہیں۔ اسے سکون مل جاتا ہے۔

اسی بحر اور اس قافیہ میں فقیہ محدث، حافظ، کاتب، بارع، صاحب تصانیف کثیرہ، یکتائے زمانہ، شیخ ابوعبداللہ محمد بن الابار القضاعی الاندلسی البلنسی نزیل تیونس رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے۔

لِمِثَالِ نَعْلِ الْمُصْطَفٰی اَصْفَی الْهَوٰی ۔۔۔ وَاَرٰی السَّلْوَ خَطِیْئَةً لَنْ تُغْفَرَا
وَاِذَا اُصَافِحُهٗ وَامْسَحُ لَا ثِمًا ۔۔۔ اَرْکَانَهٗ فَمُعَزَّزًا وَ مُوَقَّرًا
تَرْکُ اِعْتَزَازِیْ فِی جِهَارِ تَذَلُّلِی ۔۔۔ لِجَلَا لِهٖ اَثَرًا بِقَلْبِی اَثَرًا
اِنْ شَافَنِیْ ذَاکَ الْمِثَالُ فَطَا لَمَا ۔۔۔ شَاقَ الْمُحِبُّ الْطَیْفُ یَطْرُقُ فِی الْکَرٰی
لِیْ اُسْوَةٌ فِی الْعَاشِقِیْنَ وَ قَصْدُهُمْ ۔۔۔ لَثْمَ الْطُلُوْلِ لِاَهْلِهِنَّ تَذَکُّرًا
وَ بُکَاؤُ هُمْ تِلْکَ الْمَعَاهَدَ ضِلَّةً ۔۔۔ تَحْتَ الظِّلَالِ عَلٰی الْغَرَامِ تَوَخُّرًا

افلا اَمرِغُ فِيهِ شَيْبِي رَاشِدًا وَارِيقُ دَمْعِي وَسْطَهُ مُسْتَبْصِرًا
ثِقَةً بِأَثْرَائِي مِنَ الْخَيْرَاتِ فِي شَغْفِي بِنَعْلِيَ خَيْرِ مَنْ وَطِئَ الثَّرى

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تصویر اور نمونہ سے میری محبت شدید درجہ کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس محبت سے روگردانی اور دل کو تسلی دینا نا قابل معافی گناہ ہے۔ میں جب اسے چومتا ہوں اور ہاتھوں میں لیتا ہوں تو اس وقت میں معزز و مکرم شمار ہوتا ہوں۔ اس کے جلال کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں اور ظاہری طور پر اس کے احتراز کا ترک بوجہ اس کی جلالت کے اس کا میرے دل میں گہرا اثر ہوتا ہے۔ اگر اس کے دیکھنے سے مجھے شفا ہوتی ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سچی محبت کرنے والا خوابوں میں بہت کچھ دیکھتا ہے۔ عاشقوں کا سا میں بھی مذہب رکھتا ہوں۔ ان کا مقصود ٹیلوں کو چومنے سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے باشندوں کی یاد میں ایسا کرتے ہیں۔ ان مقامات پر ان کی آہ و بکا از روئے عشق ہوتی ہے۔ سا یہ میں ان کا رونا محبت کو اور بھڑکاتا ہے کیا میں نعل پاک کی تصویر کے سامنے اپنا بڑھاپا راہنمائی حاصل کرنے کیلئے لوٹا نہ دوں۔ اور میں اس کے درمیان اپنے آنسو بہا کر انکھیارا نہ بن جاؤں۔ نیکیوں کے اثرات مجھ میں مضبوط ہیں۔ کیونکہ میرے دل میں اس نعل کی محبت ہے جسے خیر المرسلین نے پہنا تھا۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے نعل پاک کی بعض مثالوں پر درج ذیل شعر لکھے دیکھے۔ لیکن ان کا قائل کون تھا؟ مجھے معلوم نہ ہوسکا۔

يَا عَيْنُ اِنْ بَعُدَ الْحَبِيْبُ وَ دَارُهُ وَنَأَتْ مَوَاطِنُهُ وَشَطَّ مَزَارُهُ
فَلَقَدْ ظَفِرْتَ مِنَ الزَّمَانِ بَطَائِلَ اِنْ لَمْ تَرِيْهِ فَهٰذِهٖ آثَارُهُ

اے آنکھ! اگر چہ محبوب اور اس کا گھر بہت دور ہے۔ اس کا وطن بھی بہت دور ہے اور اس کی زیارت بھی دور کی بات ہے۔ تو تجھے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ تجھے ایسا وقت مل گیا جس میں تیرا نصیبا جاگ اٹھا۔ وہ اس طرح کہ اگر چہ تو محبوب کو نہ دیکھ سکی۔ لیکن اس کے آثار و نشانات و علامات تیرے سامنے ہیں۔

اس کے بعد امام مقری لکھتے ہیں کہ کافی مدت گزرنے کے بعد میں نے ایک تحریر دیکھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان دونوں اشعار کے قائل نے جب یہ اشعار کہے تو اس وقت نعل شریف کا نمونہ اس کے پیش نظر تھا۔ یہ اس طرح معلوم ہوا کہ مجھے خطوط کا ایک مجموعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو مصر کے ایک بہت بڑے عالم کے پاس تھا۔ اس میں یہ تحریر تھا۔

مجھے مرحوم شیخ برہان الدین ابراہیم بن مرحوم شیخ صالح شمس الدین محمد بن قدیدار رحمہما اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شیخ ابوالفضل بن الامام المغربی التلمسانی اور شیخ علامہ علاؤ الدین بن سلام اور علماء کی ایک جماعت سیدہ زینب بنت امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا کے مزار پر جمع تھے۔ یہ ۸۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ ان میں سے شیخ علاؤالدین بن سلام نے شیخ جلال الدین بن خطیب داریا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب مذکورہ دونوں شعر سنائے۔ تو شیخ ابوالفضل بولے کہ یہ شعر لسان الدین بن خطیب کے اشعار سے ملتے جلتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

اِنْ بَانَ مَنْزِلُهٗ وَ شَطَّ مَزَارُهٗ قَامَتْ مَقامَ عَيَا نِهٖ اَخْبَارُهٗ

قَسِّمْ زَمَانَکَ عَبْرَةً اَوْ عِبْرَةً هٰذِی ثَرَاهُ وَهٰذِهٖ آثَارُهٗ

اگر چہ محبوب کی منزل اور اس کا مزار بہت دور ہیں۔ لیکن اس کی باتیں اور خبریں تو اس کے قائم مقام ہیں۔ اپنے اوقات کو تقسیم کر لے۔ ایک وقت مقرر کر کہ تو آنسو بہائے اور دوسرے وقت کو عبرت کیلئے رکھ چھوڑ۔ کیونکہ یہ اس کی زمین ہے اور یہ اس کے نشانات ہیں۔

امام مقری کہتے ہیں کہ کافی مدت بعد میں نے کتاب ''بَدَائِعُ الزُّهُوْرِ فِی وَقَائِعِ الدُّهُوْرِ'' میں دیکھا۔ کہ شیخ ابن خطیب داریا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں اشعار'' آلا ثارالنبویہ'' میں کہے تھے۔ جو مصر میں تھے جسے جراکستہ کے آخری بادشاہ سلطان قانصوغوری نے قاھرہ کی سرزمین کی طرف منتقل کر دیا۔ جہاں اس سلطان نے بچپن گزارا تھا۔ اسی مضمون پر ایک اور شاعر نے کس خوبصورتی سے کلام کہا۔

يَا عَيْنُ بِالْآثَارِ مِنْ خَيْرِ الْوَرٰی فَتَمَتَّعِي اِنْ شَطَّ عَنکِ مَزَارُهٗ

وَلَئِنْ حُرِمْتِ زَمَانَهٗ لَا تَجْزَعِي اِنْ لَمْ تَرِيْهِ فَهٰذِهٖ آثَارُهٗ

اے آنکھ! خیر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ سے جی بھر کر نفع اٹھا۔ اگر چہ ان کا مزار تجھ سے بہت دور ہے۔ اور اگر چہ تجھے وہ زمانہ نصیب نہ ہوا، جس پر تجھے رونا دھونا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اگر تو انہیں نہ دیکھ سکی تو یہ ان کے ہی آثار و نشانات ہیں۔

فاس میں مدفون ادیب، علامہ، کاتب، مجید ابوالحکم بن مرحل السبتی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اَدَمْعُکَ اَمْ سَمْطٌ وَقَلْبُکَ اَمْ قُرْطٌ وَشَوْقُکَ اَمْ سَقْطٌ وَ جِسْمُکَ اَمْ خَطٌّ

اَخَا مَرَحٍ بَعْدَ النُّزُوْعِ عَنِ الصِّبَا وَلِلشَّيْبِ شُهْبٌ فِی عَذَارِکَ اَوْ وَخَطٌ

اَجَلْ لَا وَلٰكِنَّ نَفْحَةً قُدْسِيَّةً اَشَمُّ لَهَا تُرْبُ الْجِنَانِ فَانْحَطُّ

رَأَيْتُ مِثَالَ النَعْلِ نَعْلَ مُحَمَّدٍ فَلُمْتُ وَمَا لِی غَیْرَ ذَالِکَ أُسْفَنْطُ
رَمَقَتْ حِجَابُ السَبْعِ مِنْ حُسْنِ وَجْهِهٖ فَاَبْصَرَتْهُ فِیْ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی یَخُطَّ
رَأَيْتُ مِثَالًا لَوْ رَأَتْهَ كَرَؤْيَتِی نُجُوْمُ الدُّجٰی وَاللَّيْلُ اَسْوَدُ مُشَمَّطٌ
لَسَرَّ الثُرِيَّا اَنَّهَا قَدَمٌ وَلَمْ يَسُرَّ الثُرِيَّا اَنَّهَا اَبَدًا قُرْطٌ
اَلَا بِاَبِی ذَاکَ الْمَثَالُ فَاِنَّهٗ خِيَالُ حَبِيْبٍ وَالْخِيَالُ لَهٗ قِسْطٌ
فَاِنْ لَا يَكُنْهَا اَوْ تَكُنْهُ فَاِنَّهٗ اَخُوْهَا اِعْتِدَالًا مِثْلُمَا اِعْتَدَلَ الْمَشُطُ
اَرٰی لَثْمَهٗ مِثْلَ التَّيَمُّمِ مَجْزِيًّا فَأَلْثِمُهٗ حَتّٰی اَقُوْلُ سَيَنْعَطُ
وَمَا هِیَ اِلَّا لَوْعَةٌ وَ صَبَا بَةٌ بِقَلْبِیْ لَهَا سَقْطٌ وَ فِی مَعْیٍ سَمْطُ
قَذَفْتُ الْكَرٰی بِالدَمْعَ وَالصَبْرُ بِالْاَسٰی فَاَغْرَقَ ذَا نُقْطٍ وَاَحْرِقَ ذَا نَفْطٍ
فَلَا تَقْلِعَی يَا عَيْنُ اَوْ يَطْفَأُ الْاَسٰی وَ هَيْهَاتَ اِنْ يَطْفَأُ وَ مَرْقَدُهٗ الشحطُ
سَيَطْفَأُ يَوْمَ الْحَشْرِ عِنْدَ لِقَائِهٖ عَلَی الْحَوْضِ بِالْكَأْسِ الرَوِيَّةِ اِذَا عَطَّ
تَبَسُطُ عَبْدٌ مُذْنِبٌ غَيْرَ اَنَّهٗ بِحُبِّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَبَّحَ لَهٗ الْبَسْطُ
عَلَيْهِ سَلَامُ اللّٰهِ مَا عَنْ عَارِضٍ وَلَاحَ لَهٗ بَرْقٌ وَ سَعَ لَهٗ نُقْطٌ

کیا تیرے آنسو یا موتیوں کی لڑی اور تیرا دل یا کانوں کی بالیاں، اور تیری محبت یا رسوائی اور تیرا جسم یا خط، محبت کے بعد خوشی نے بچپن سے اخوت قائم کر لی ہے۔ اور بڑھاپے کیلئے تیری گال انگارا ہیں یا تیز تیر ہیں۔ ہاں، ایسا نہیں۔ لیکن ایک قدوسی خوشبو کا جھونکا ہے جس نے جنت کی مٹی کو خوشبوناک کیا اور پھر نیچے اتر آیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال دیکھی۔ تو مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی خوشبودار انگوری شراب نہ تھی۔ آپ کے حسین وجمیل چہرہ کو ساتوں آسمان دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر دیکھا کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے آپ کی نعل پاک کی جو مثال دیکھی اگر میرے دیکھنے کی طرح اسے راتوں کے ستارے دیکھتے اور سیاہ رات دیکھتی تو ثریا خوش ہو جاتی کہ یہ قدم رسالتمآب ہیں۔

خبردار! مجھے اپنے باپ کی قسم! وہ تو مثال ہی ہے۔ اور وہ بیشک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال ہے اور آپ کے خیال کا بھی حصہ ہے۔ اگر جو خیال ہے وہ واقعی وہی ہے یا وہی نہیں دونوں صورتوں میں یہ مثال اس نعل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی جلتی بلکہ طول وعرض میں اور کیفیت میں برابر ہے۔ ایسے ہی جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں۔ میں اس کا بوسہ لینا تیمم کی طرح جزاء کا حامل سمجھتا

ہوں۔ میں اس کو چومتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ابھی نصف ہوا ہے۔ یہ سراسر عشق سے دل جلنا ہے اور محبت خالص ہے۔ میرے دل کو اس سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اور میرے آنسوؤں کو موتی کر دیا ہے۔ نیند اور اونگھ کو میں نے آنسوؤں میں بہا دیا ہے۔ اور صبر کو غم کے سپرد کر دیا ہے۔ نقطہ والا ڈوب گیا اور تیل والا جل گیا۔ اے آنکھ۔ ان سے روگردانی مت کرنا، امیدیں نہ بجھا دینا، اگر بجھ گیا تو افسوس ہوگا اور اس کا جلنا ہی ذبح ہونا ہے۔ بہت جلد میدان حشر میں آپ سے ملاقات کے وقت آپ کی تپش ختم ہو جائے گی۔ جب حوض کوثر پر پانی کا بھرا پیالہ آپ عطا فرمائیں گے۔ گنہگار بندہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی اسے ہاتھ بڑھانے دیتی ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام نازل ہو۔ جب آپ کا چہرہ انور دکھائی دے اور اس کی روشنی پھیلے اور آپ کی تعریف ہو۔

حافظ امام اندلسی ابو الربیع سلیمان بن سالم الکلاعی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے۔

خَوَاطِرُ ذِیْ الْبَلْوٰی عَوَامِرُ بِالْجَوٰی فَفِیْ کُلِّ یَوْمٍ یَعْتَرِیْهِ خَبَالُ
مَتٰی یَدْعُ دَاعٍ بِاِسْمِ مَحْبُوْبِهٖ هَفًا فَیَهْتَاجُ بَلْبَالٌ وَیَکْسِفُ بَالُ
وَاِنْ یَرَ مِنْ آثَارِهٖ اَثْرًا هَمَّتْ لَهٗ مِنْ غُرُوْبِ الْمَقْلَقَیْنِ سَجَالُ
حَالِیْ وَقَدْ اَبْصَرْتُ نَعْلًا مِثَالُهَا لِنَعْلِ الرَّسُوْلِ الْهَاشِمِیْ مِثَالُ
عَرَانِیْ مَایَعْرُوْ الْمُحِبَّ اِذَا بَدَا لِعَیْنَیْهِ مِنْ مَغْنٰی الْاَحِبَّةِ آلُ
فَقَبِلْتُ فِیْ ذَاکَ الْمِثَالِ مُعَاوِدًا اَرٰی اَنْ ذِلِّیْ فِیْ هَوَاهُ حَلَالُ
وَمِثْلَتُهٗ نَعْلَ الرَّسُوْلِ حَقِیْقَةً وَاِنِّیْ لَا دُرِیْ اِنَّ ذَاکَ مُحَالُ
وَمِنْ سُنَّةِ الْعُشَاقِ اَنْ یَبْعَثَ الْهَوٰی مِثَالٌ وَیَقْتَادُ الْغَرَامَ خِیَالُ
فَلَا فَرْقَ اِلَّا اَنْ حُبَّ مُحَمَّدٍ هُدًی وَالْهَوٰی فِیْمَنْ عَدَاهُ ضَلَالُ

دل پریشان، گھر کے تمام افراد سوزش عشق میں مبتلا۔ انہیں روزانہ جنون لاحق ہوتا ہے جب کوئی بلانے والا بلاتا ہے اور اپنے محبوب کا نام لیتا ہے۔ تو دل پھڑ پھڑاتا ہے۔ شدت غم ابھر آتی ہے۔ دل کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے اگر محبوب کے نشانات میں سے کوئی نشان دیکھ لیتا ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں سے آنسوؤں کے ڈول باہر گرتے ہیں۔ میرا حال تو یہ ہے اور میں نے رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کی ایک مثال دیکھی۔ تو میری وہی کیفیت ہوگئی جو کسی محب کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی آنکھوں سے محبوب کو دیکھتا ہے پھر میں نے بڑھ کر اس نعل پاک کے نمونہ کو بار بار چوما۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی محبت میں میری ذلت حلال ہے میں نے اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محال ہے۔ عاشقوں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ مثال کو بھی دل دے دیتے ہیں۔ اور خیال محبوب بھی ان میں عشق کی آگ روشن کر دیتا ہے کوئی فرق نہیں مگر اتنی بات ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہدایت ہے اور آپ کے علاوہ کی خواہش و محبت گمراہی ہے۔

حافظ، کاتب، محدث ابوعبداللہ محمد بن الابار القضاعی الاندلسی مقیم تیونس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ ابوالربیع رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار سابقہ پر تعریض لکھی۔ جو درج ذیل ہے۔

سَجَامٌ لَعَمْرِی اَدْمُعُ وَ سَجَالُ لَئِنْ عَنَّ مِنْ نَعْلِ الرَّسُوْلِ مِثَالُ
وَهَلْ يَمْلِكُ الْعَيْنَيْنِ فِي مِثْلِهَا سِوٰى خَلٰى عَرَاهُ عَنْ هُدَاهُ ضَلَالُ
مِثَالٌ اِلٰى نَعْلِ الْمُطَهَّرِ يَعْتَزِى فَاِعْزَازُهٗ لِلْمُحْسِنِيْنَ مَنَالُ
اُقَبِّلُهٗ شَوْقًا تَمَلَّكَنِىْ لَمَّا حَكٰى وَ شَهِيْدِىْ لَوْ يَفُزْهُ قَبَالُ
وَ آبٰى اِشْتِرَاكًا فِي الْتِزَامِ شِرَاكِهٖ وَ حَسْبِىْ مِنْهُ عِصْمَةٌ وَّ ثِمَالُ
وَ مَعْقَدُهٗ مِمَّا عَقَدَتْ بِهِ الْهَوٰى فَلَا صَحَّ عَزْمِىْ اِنْ صَحَّ لِىْ بَالُ
فَرَاغِىْ مِنْ تَمْرِيْغِ شَيْبِىْ عَلَيْهِ اَنْ تُسِحُّ مِنَ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ سَجَالُ
وَمِنْ وَضْعِهٖ فِيْ حَرِّ وَجْهِىْ وَ رَفْعِهٖ لُقْمَةُ رَاْسِىْ اَنْ يَعُزَّ مَنَالُ
فَاَحْظِىْ بِحَظِّىْ مِنْ جَوَارِ مُحَمَّدٍ وَهَلْ بَعْدَ تَنْزِيْلِ الْجَوَارِ نِوَالُ

میرے آنسو لگا تار اور آنکھیں بھر بھر کر گرتے ہیں۔ جب میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا نمونہ آتا ہے اور کیا آنکھیں مثال نعل مبارک کو دیکھ کر نہ رونے کی قدرت رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ نری گمراہی ہے۔ یہ نمونہ اس مقدس و مطہر نعل مبارک کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا اس کا اعزاز مسلمانوں کیلئے کامیابی ہے۔ میں اسے چوم لیتا ہوں اور یہ بوجہ شوق ہوتا ہے، جب اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ اس بات کی گواہی اس کے تسمے دیتے ہیں۔ اس کے تسمے لاثانی ہیں، وہ میرے دکھ درد اور پریشانیوں میں کافی ہے۔ ان کے باندھنے کی جگہ میں میرا دل بندھا ہوا ہے۔ میرا عشق تندرست نہیں اگر چہ میرا دل ٹھیک ہے۔ میں اپنے بڑھاپے کو اس پر قربان کرتا ہوں۔ اور آنسوؤں کی لڑی پیش کرتا ہوں۔ اس کو چہرہ پر رکھنے اور سر پر رکھنے میں میری کامیابی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی سنگت اور ہمسائیگی سے نفع پایا۔ اور ہمسائے کے اترنے کے بعد داد و دہش ہوتی ہے۔

الشیخہ ام السعد بنت عصام بن احمد بن محمد ابراہیم بن یحییٰ الحمیری الاندلسی القرطبی جو ''سعدونۃ'' کے

نام سے معروف ہیں۔ جب انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے بارے میں بعض غرناطہ کے ادباء کے اشعار پہنچے جن کا آخری شعر یہ تھا۔

سَاَلْتُمُ الْتِمْثَالَ اِذْ لَمْ اَجِدْ لِلَثْمِ نَعْلِ الْمُصْطَفٰی مِنْ سَبِیْلِ

تم مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثل اور نمونہ کا سوال کرتے ہو جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کو چومنے سے کوئی راستہ نہ پایا۔

لَعَلِّی اَحْظِی بِتَقْبِیْلِهٖ فِی جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ اَسْنٰی مَقِیْلَ
فِی ظِلِّ طُوْبٰی سَاكِنًا اٰمِنًا اَسْقِی بِاَكْوَابٍ مِنَ السَّلْسَبِیْلُ
وَاَمْسَحُ الْقَلْبَ بِهٖ عِلَّةٗ يَسْكُنُ مَاجَاشَ بِهٖ مِنْ غَلِيْلِ
فَطَا لَمَا اِسْتَشْفٰی بِاَطْلَالِ مِنْ يَهْوَاهُ اَهْلُ الْحُبِّ مِنْ كُلِّ جِيْلِ

شائد میں بھی اس کے چومنے میں کچھ کامیابی حاصل کرلوں وہ یہ کہ جنت الفردوس میں بلند و بالا گفتگو کرنے کا موقعہ پاسکوں۔طوبیٰ کے سایہ میں امن وامان سے رہوں۔اور سلسبیل کا پانی پیالے بھر بھر کر پیئوں۔اور اسے دل پر پھیروں شائد اس کا عشقیہ جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ ہر گروہ میں سے محبت کرنے والے اپنے محبوب کے ویران مکانات کے نشانات دل کی تسلی اور شفا حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔

امام قاضی، کاتب، ادیب ابوالحکم مالک بن المرحل السبتی مدفون باب الحبیسہ فاس کے اشعار جن میں سے بعض صاحب مواھب لدنیہ نے اپنی کتاب میں درج فرمائے ہیں۔

بِوَصْفِ حَبِیْبِیْ طَرَّزَ الشِّعْرُ نَاظِمُهٗ وَنَمْنَمَ خَدَّ الطِّرْسِ بِالنَّقْشِ رَاقِمُهٗ
نَبِیٌّ لَهٗ فَضْلٌ عَلَی النَّاسِ كُلِّهِمْ مُفَاخِرُهٗ مَشْهُوْرَةٌ وَ مَكَارِمُهٗ
رَؤُفٌ عَطُوْفٌ اَوْسَعُ النَّاسِ رَحْمَةً وَجَادَتْ عَلَيْهِمْ بِالنَّوَالِ غَمَائِمُهٗ
حَفِیٌّ وَ فِیٌّ لَا تَمِيْنُ عُهُوْدُهٗ حَمْتِیٌ اَبِیٌّ لَا تَلِيْنُ شَكَائِمُهٗ
وَكَمْ نَازَعَتْهُ الْاَمْرُ ثُمَّ اَعِزَّةٌ فَمَا اَسْلَمَتْهُ بِيْضُهٗ وَ لَهَا ذِمُّهٗ
غَدَا الْعَالِمُ الْاَعْلٰی يُقَاتِلُ دُوْنَهٗ فَنُقَدِّمُهٗ قَبْلَ اللِّقَاءِ هَزَائِمُهٗ
اَمَا نَصَرَالْاِسْلَامَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا فَلَمْ يُنْجِ اِلَّا مُسْلِمٌ اَوْ مَسَالِمُهٗ
اَمَا حَسَمَ الْكُفْرَ الصَّرِيْحَ حِسَامُهٗ اَمَا صَرَمَ الشِّرْكَ الْقَبِيْحَ صَوَارِمُهٗ
نَبِیٌّ لَهٗ فِی حَضْرَةِ الْحَقِّ رُتْبَةٌ تَرَقّٰی بِهَا فِی عَالِمِ الْعُلُوِّ عَالِمُهٗ
لَهُ الْحُسْنُ وَالْاِحْسَانُ فِی كُلِّ مَذْهَبٍ فَآثَارُهٗ مَحْبُوْبَةٌ وَ مَعَالِمُهٗ

بِهٖ خَتَمَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ كُلَّهُمْ ۔۔۔ وَ كُلُّ فَعَالٍ صَالِحٍ فَهُوَ خَاتِمُهٗ
اُحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ حُبًّا لَوْاَنَّهٗ ۔۔۔ تَقَسَّمَهٗ قَوْمِى كُنْتُهُمْ قَائِمُهٗ
كَاَنَّ فُؤَادِى كُلَّمَا مَرَّ ذِكْرُهٗ ۔۔۔ مِنَ الْوَرْقِ خَفَّاقٌ اُصِيْبَتْ قَوَادِمُهٗ
اَهِيْمُ اِذَا هَبَّتْ نَوَاسِمُ اَرْضِهٖ ۔۔۔ وَمَنْ لِفُؤَادِى اَنْ تَهُبَّ نَوَاسِمُهٗ
فَانْشَقَّ مِسْكًا طَيِّبًا وَ كَاَنَّمَا ۔۔۔ نَوَافِجُهٗ جَادَتْ بِهٖ وَلَطَائِمُهٗ
وَمِمَّا دَعَا نِى وَ الدَّوَاعِى كَثِيْرَةٌ ۔۔۔ اِلٰى الشَّوْقِ اِنَّ الشَّوْقَ مِمَّا اُكَاتِمُهٗ
مِثَالٌ لِنَعْلِىْ مَنْ اُحِبُّ حَوَيْتُهٗ ۔۔۔ فَهَا اَنَا فِى يَوْمِى وَ لَيْلِى لَاَثِمُهٗ
اَجُرُّ عَلٰى رَاْسِى وَوَجْهِى اَدِيْمَهٗ ۔۔۔ وَاَلْثِمُهٗ طَوْرًا وَ طَوْرًا اُلَازِمُهٗ
صَبَا بَةً مُشْتَاقٍ وَّ لَوْعَةُ هَائِمٍ ۔۔۔ نَعَمْ اَنَا مُشْتَاقُ الْفُؤَادِ وَ هَائِمُهٗ
كَاَنَّ مِثَالَ النَّعْلِ مِحْرَابُ مَسْجِدٍ ۔۔۔ فَوَجْهِىْ فِيْهِ شَاخِصُ الطَّرْفِ دَائِمُهٗ
اَمْثِلُهٗ فِىْ رَجُلٍ اَكْرَمُ مَنْ مَشٰى ۔۔۔ فَتُبْصِرُهٗ عَيْنِىْ وَمَا اَنَا حَالِمُهٗ
اَحْلِى بِهٖ خَدِّىَّ وَاَحْسِبُ وَقْعَهٗ ۔۔۔ عَلٰى وَجْنَتِى خُطُوًا هُنَاكَ بَدَاوِمُهٗ
وَمَنْ لِىْ بِوَقْعِ النَّعْلِ فِىْ حَرِّ وَ جَنَّتِى ۔۔۔ لِمَاشٍ عَلَتْ فَوْقَ النُّجُوْمِ بَرَاجِمُهٗ
تَفِيْضُ دُمُوْعِى كُلَّمَا لَاحَ نُوْرُهٗ ۔۔۔ بُكَاؤُكَ لِلْبَرْقِ الَّذِىْ اَنْتَ شَائِمُهٗ
فَيَادَمْعَ عَيْنِى اَنْتَ تَمْنَعُ نَاظِرِى ۔۔۔ نَعِيْمًا بِهٖ فَارْفِقْ فَاِنَّكَ ظَالِمُهٗ
وَيَا حَرَّ قَلْبِى اَنْتَ تَحْرُمُ بَاطِنِى ۔۔۔ لَصُوْقًا بِهٖ فَاسْكُنْ لَعَلَّكَ رَاحِمُهٗ
سَاَ جْعَلُهٗ فَوْقَ التَّرَائِبِ عَوْذَةً ۔۔۔ لِقَلْبِى لَعَلَّ الْقَلْبَ يَبْرُدُ جَاحِمُهٗ
وَاَرْبُطُهٗ فَوْقَ الشُّؤُوْنِ تَمِيْمَةً ۔۔۔ لِجَفْنِىْ لَعَلَّ الْجَفْنَ يَرْقَأُ سَاجِمُهٗ
اَلَا بَاَبِى تِمْثَالُ نَعْلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ لَقَدْ طَابَ حَاذِيْهِ وَ قُدِّسَ خَادِمُهٗ
يَوُدُّ هِلَالَ الْاُفُقِ لَوْاَنَّهٗ هَوٰى ۔۔۔ يُزَاحِمُنَا فِىْ لَثْمِهٖ وَ نُزَاحِمُهٗ
وَمَا ذَاكَ اِلَّا اَنَّ حُبَّ نَبِيِّنَا ۔۔۔ يَقُوْمُ بِاَجْسَامِ الْخَلَائِقِ لَازِمُهٗ
سَلَامٌ عَلَيْهِ كُلَّمَا هَبَّتِ الصَّبَا ۔۔۔ وَغَنَّتْ بِاَغْصَانِ الْاَرَاكِ حَمَائِمُهٗ
سَلَامٌ عَلَيْهِ مَا تَفَاوَحَتِ الرُّبٰى ۔۔۔ بِزَهْرٍ كَاَنَّ الْمِسْكَ تَحْوِى كَمَائِمُهٗ

ناظم شعر نے اپنے اشعار کو حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف سے مزین کیا اور کاغذ کے گال کو اس پہ لکھنے والے نے خوبصورت بنا دیا۔ وہ ایسے پیغمبر ہیں جو تمام کائنات سے افضل ہیں۔ جن

کے مفاخراور اعلیٰ اخلاق معروف و مشہور ہیں۔ بہت مہربان، نرم دل اور تمام سے بڑھ کر رحمت والے ہیں۔لوگوں پر آپ کی سخاوت و بخشش کے بادل غالب آگئے۔ ہر چیز کا بہت زیادہ علم رکھنے والے، وعدہ کے انتہائی پابند، ان کے وعدہ جات کبھی جھوٹے نہ ہوئے، حمایت کرنے والے، کسی سے بدلہ نہ لینے والے، بہت مرتبہ لوگوں نے مقابلہ کیا لیکن کسی کے بھی تیر و نیزے اور تلواریں آپ سے بچ نہ سکیں۔ عالم اعلیٰ (فرشتے) آپ کی طرف سے لڑنے والے تھے۔دشمنوں کی شکست لڑنے سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی تھی۔کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی بے پناہ مدد نہیں فرمائی اور آپ سے اگر کوئی بچا تو وہ مسلمان تھا یا صلح کرنے والا تھا۔کیا آپ کی تیز تلوار نے کفر صریح کو بالکل صاف نہ کر دیا۔کیا آپ کی تلوار نے شرک قبیح کی جڑ نہ کاٹ ڈالی؟ آپ وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔جن کا بارگاہ ایزدی میں وہ رتبہ ہے جس کی دھومیں عالم بالا میں مچی ہوئی ہیں۔ ہر مذہب میں حسن و احسان آپ کا ہی ہے۔آپ کے آثار و نشانات سب کو محبوب ہیں۔آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کا سلسلہ مکمل فرما دیا۔ ہر اچھے کام کا اختتام آپ پر ہی ہوتا ہے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اگر اسے میری قوم آپس میں بانٹے تو ان سب کیلئے کافی ہو جائے جب بھی کسی ورق پر آپ کا تذکرہ گزرتا ہے تو میرا دل پھڑ کنے لگتا ہے۔ جب آپ کے سرزمین سے بادنسیم کے جھونکے آتے ہیں تو میں عشق میں بیقرار ہو جاتا ہوں۔میرے دل کا کون رازداں ہے جب اس سے محبت کی خوشبوئیں نکلتی ہیں۔ پھر وہ مشک وخوشبو سے پھٹ پڑا۔ گویا وہ خوشبوؤں کی دکان بلکہ منڈی ہے......جس چیز نے مجھے شوق کی طرف بلایا، حالانکہ بلاوا دینے والی باتیں بہت سی ہیں اور شوق ان باتوں میں سے ہے جو چھپائی جاتی ہیں۔ بلاوا دینے والی بات اس شخصیت کی نعل پاک کی مثال ہے، جس کی سرخی مائل رنگت نے مجھے دیوانہ کر رکھا ہے۔ہاں دیکھو میں صبح و شام اس کو چومتا ہوں۔ میں کبھی اپنے چہرہ اور کبھی اپنے سر پر اس کا چہرا پھیرتا ہوں۔کبھی اسے چومتا ہوں اور کبھی اسے سینہ سے لگا لیتا ہوں۔ایک مشتاق کی محبت اور ایک عاشق کی وارفتگی۔ ہاں میں دل سے شیدائی اور وسوسہ میں مبتلا عاشق ہوں۔نعل پاک کا نمونہ گویا مسجد کا محراب ہے میرا چہرہ ہر وقت اس کی طرف اٹھا رہتا ہے۔ یہ مثال اس شخصیت کے پاؤں مبارک کی نعل کی ہے جو تمام مخلوق سے بڑھ کر کریم ہے۔میری آنکھیں یہی دیکھتی ہیں لیکن یہ کوئی خواب نہیں۔ میں اپنے رخسار کی اسے زینت بناتا ہوں اور جب اس کا تعلق میرے رخسار سے ہوتا ہے تو اس کے اثرات دائمی ثبت ہو جاتے ہیں۔ میرے رخسار کی گرمی پر پڑنے والی مثال نعل اس ذات کی ہے جس کے پاؤں کی انگلیاں ستاروں سے کہیں اوپر لگی تھیں۔ جب بھی اس کی چمک نظر پڑتی ہے میرے آنسو بہہ

نکلتے ہیں۔ تیرا رونا اس چمک کیلئے ہے جس کو تو دیکھتا ہے۔ اے میری آنکھ کے آنسوؤ! تم مجھے اس کے دیدار کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہو تم ظالم ہو اور اے دل کی تپش! تو میرے باطن کو ان کے وصال سے محروم کرتی ہے۔ ذرا تھم جا شائد تجھے رحم آ جائے۔ میں بہت جلد اپنے سینہ پر اسے تعویذ بنا کر رکھوں گا۔ جو میرے دل کیلئے کام دیگا۔ شائد دل اس کی تپش سے ٹھنڈا ہو جائے۔ میں اسے سر کی ہڈیاں جہاں باہم ملتی ہیں۔ وہاں تعویذ بنا کر رکھوں گا۔ یہ تعویذ میری پلکوں کیلئے ہوگا۔ شاید پلکوں کے آنسو تھم جائیں۔ میرے ماں باپ قربان! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا نمونہ وہ ہے جس کا بنانے والا اور اس کا خادم دونوں طیب و مقدس شخصیت ہیں۔ افق کا چاند چاہتا ہے کہ محبت کے جوش کی وجہ سے اس تمثال کو چومنے کیلئے ہمارا راستہ روکے اور ہم اس کا راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہ ایت ... ساتھ لازم ہے۔ آپ پر اس وقت تک سلام ہو جب تک ہوا میں روانی رہے۔ اور درختوں ن ... تے رہیں۔ آپ پر سلام اس وقت جب تک پھول خوشبو بکھیرتے رہیں۔ گویا کہ مشک ... ں سے گر رہی ہے۔

علامہ ابن رشید مغربی نے اپنے سفرنامے میں بہت سے اشعار لکھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تعریف و توصیف میں ہیں کہتے ہیں کہ میں نے انہیں اپنے دوست ادیب مورخ قاضی ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں پڑھا۔ انہوں نے نعل پاک کی مثال کا تذکرہ کیا اور لکھا کہ مجھے ہمارے شیخ علی ابوالحسن الرعینی رحمۃ اللہ علیہ نے خود درج ذیل اشعار کہے اور میں نے ان کی تحریر سے نقل کئے۔

مِثَالُ لِنَعْلِ الْمُصْطَفٰی سَیِّدِ الْوَرٰی   نَبِیِّ الْهُدٰی الْمُخْتَارِ مِنْ آلِ هَاشِمِ
حَذَاهُ لَنَا اَشْیَا خُنَا عَنْ شُیُوْخِهِمْ   بِاَسْنَادِهِمْ عَنْ عَالِمٍ بَعْدَ عَالَمَ
تَلَقَّتْهُ مِنَّا اَوْجَهٌ بِخُدُوْدِهَا   وَالْقَتْهُ اَیْدِیْنَا مَكَانَ الْعَمَائِمِ
وَعَفَرَتْ الْوَجْنَاتُ فِیْهِ مَحَبَّةٌ   وَالْصَقُ تَقْبِیْلًا لَهُ بِالْمَنَاسِمِ
تَقَدَّسَتِ النَّعْلِ الَّتِي قَدْ غَدَتْ لَهَا   خَوَاضِعُ تِیْجَانِ الْمُلُوْكِ الْاَعَاظِمِ
اِذَا لَمْ تُعَایِنْهَا فَهٰذَا مِثَالُهَا   مُثِیْرُ شَدِیْدِ الشَّوْقِ مِنْ كُلِّ هَائِمِ
فَلَیْتَ جَبِیْنِیْ كَانَ مَوْطِنَهَا فَلا   یَخَافُ غَدًا لِلنَّارِ لَفْحَةَ جَاحِمِ
فَیَا فَضْلَهَا لَمَّا حَوَتْ رِجْلَ سَیِّدِ   تَقِرُّ لَهُ بِالْفَضْلِ كُلُّ الْعَوَالِمِ
حَبِیْبِی رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ رُسْلِهِ   وَصَفْوَتُهُ الْمُعْطِی جَمِیْعَ الْمَكَارِمِ

حَنِيْنِي اِلٰى تُرْبٍ لَهُ كَانَ وَاطِئًا تَقَدَّسَ مِنْ تُرْبٍ حَنِيْنِ الرَّوَائِمِ
فَهَلْ لِيْ سَبِيْلٌ وَالْمَنِي قَدْ تَتَاحُ لِي اِلٰى وُقْفَةٍ مَا بَيْنَ تِلْكَ الْعَالِمِ
فَاشْفِي غَلِيْلِي بِالتَّشَامِي تُرَابَهَا وَاَسْقِيْهِ مِنْ دَمْعِي بَاَوْكَفِ سَاجِمِ
عَلٰى خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ اَزْكٰى تَحِيَّةً تَخِبُّ بِهَا اَيْدِي الْمُطِيِّ الرَّوَاسِمِ
فَتَحْمِلُ طَيِّبًا نَحْوَ طَيْبَةٍ زَارِيًا عَلٰى نَفَحَاتِ الْمِسْكِ طَيُّ اللَّطَائِمِ
وَتَهْدِيْهِ لِلْقَبْرِ الْكَرِيْمِ وَقَدْ سَرَتْ عَلَى الرَّوْضِ هِبَاتُ الرِّيَاحِ النَّوَاسِمِ

حضور سید کائنات، نبی ہدایت، مصطفیٰ اور آل ہاشم میں سے منتخب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال وہ ہے جسے ہمارے مشائخ کرام نے اپنے مشائخ سے تیار کیا جن کی اسناد میں ہر شخص بہترین عالم ہے۔ ہمارے چہروں نے اپنے رخساروں سے اس کا استقبال کیا اور ہمارے ہاتھوں نے پگڑیوں کی جگہ اسے ڈالا۔ ہمارے رخساروں نے اس کی خاک کو اپنا غازہ بنایا۔ اور ہونٹوں نے اس کے کناروں کو اپنی بوسہ گاہ بنایا۔ نعل پاک اس قدر مقدس ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے سلطانوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اگر تو نعل پاک کو نہیں دیکھ سکا تو اس کی مثال یہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ جو ہر عاشق کے دل میں شوق کو برانگیختہ کرتی ہے۔ کاش کہ میری جبین اس کی رہ گزر بنتی تا کہ کل قیامت میں جہنم کی آگ کے شعلوں سے خوف نہ رہتا۔ کتنی فضیلت اسے حاصل ہے کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پاؤں کو اپنے اندر جگہ دی، جن کی فضیلت وفضل کا کل جہان اقراری ہے۔ میرے محبوب، اللہ کے رسول، تمام رسولوں کے آخر میں تشریف لانے والے اور اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ اخلاق سے نوازا۔ نعل کے تلووں سے جو مٹی لگی وہ میری محبت کا مرکز ہے۔ اور خوشبوناک مٹی سے کہیں بہتر ہے۔ کیا میرے لئے کوئی راستہ ہے جبکہ میری خواہشات اس وقفہ کیلئے تیار ہیں جو اس کے نشانات کے درمیان ہے۔ میں اس کے نیچے روندی جانے والی مٹی سے اپنی پیاس بجھاتا ہوں۔ اور میں اپنے آنسوؤں کے پیالے بھر بھر کر اس میں انڈیلتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پاکیزہ تحیات جن پر رشک کیا جائے۔ اور نرم زمین کو اونٹ اور گھوڑے طے کر کے خوشبوؤں کو لاد کر مدینہ طیبہ پہنچیں۔ اور مشک وعنبر کی لہریں اور تحفہ جات قبر انور پر نچھاور کریں۔ اور آپ کے روضہ مقدسہ پر بادہائے نسیم چلتی رہے۔

امام مقری کہتے ہیں کہ میں نے ایک مثال شریف پر درج ذیل اشعار لکھے دیکھے۔ لیکن ان کے قائل کا علم نہ ہوسکا۔

يَا مُبْصِرِيْنَ مِثَالَ نَعْلِ مُحَمَّدٍ   صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
قُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ قِيَامَ تَجَلُّدٍ   ثُمَّ الْثِمُوْهُ وَ كَرِّمُوْا تَكْرِيْمًا
فَسَبِيْلُ اَهْلِ الْحُبِّ رَعْىِ مَعَاهِدٍ   عَهِدُوْا الْحَبِيْبَ بِرَبْعِهِنَّ مُقِيْمًا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال دیکھنے والو! آپ کی ذات اقدس پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔ اس کے دیکھتے ہی صبر واستقلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اس کو چوم لو اور اس کی تعظیم وتکریم بجالاؤ۔ کیونکہ اہل محبت کا طریقہ یہ ہے کہ محبوب جن مقامات وآبادیوں میں قیام پذیر ہو رہا ہو ان سے بھی پیار ومحبت کے پیمان باندھتے ہیں۔

امام مقری نے کہا کہ ہمارے دوست فقیہ، سیاح جناب ابوالحسن علی بن احمد الخزرجی الفاسی الشہیر بالشامی نے درج ذیل اشعار کہے۔

وَقَفْتُ عَلٰی تِمْثَالِ نَعْلٍ كَرِيْمَةٍ   اَحْيَيْتُ لِرَسْمِ الشَّوْقِ مِنِّی مَا اَقْوٰی
وَأَيْقَنْتُ اَنِّی اِنْ ظَفَرْتُ بِلَثْمِهَا   تَمَسَّكْتُ فِی أُخْرٰی بِالسَّبَبِ الْاَقْوٰی
وَنَادَيْتُهَا يَا نَعْلَ عُذْرًا فَاِنَّنِیْ   عَلٰی مَدْحِ بَعْضٍ مِنْ مَعَا لِيْكَ لَا اَقْوٰی
وَطَأْتَ رَبُوْعًا لِلْهُدٰی وَ مُغَانِيًا   عَلَاهَا عَلَی الرِضْوَانِ اُسِّسَ وَالتَّقْوٰی
وَلَا مَسَّتَ رَجُلًا لَوْ يُطَاوِعُ تُرْبَهَا   ثُرِيًّا السَّمَاءِ شَدَّتْ لِتَقْبِيْلِهٖ حُقْوًا

جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل کریم کی مثال کے قریب کھڑا ہوا۔ تو میں نے اپنی قوت کے مطابق رسم شوق ومحبت سے اس کی تعظیم کی اور سلام کیا۔ اور مجھے یقین تھا کہ اگر میں اس کے چومنے میں کامیاب ہو گیا تو میں نے اپنی آخرت کیلئے ایک مضبوط سبب کو تھام لیا ہے۔ میں نے آواز دی۔ اے نعل! مجھے معذور سمجھنا۔ کیونکہ میں تمہارے کچھ حصوں کی بھی تعریف نہیں کر سکتا۔ تجھے وہ شرف حاصل ہے کہ تو نے رہنمائی کیلئے زمین کو زینت بخشی اور جس کی بنیاد رضوان الٰہی اور تقویٰ پر رکھی گئی۔ وہاں تو چلتی رہی۔ اور تو نے اس مقدس پاؤں کے بوسے لئے اگر اس کی مٹی کو آسمانی ثریا چوم لیتی تو اس کی فریاد بھی بڑھ جاتی۔

مولانا شیخ امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

يَا طَالِبًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ   هَا قَدْ وَجَدْتَ اِلَی الْلِقَاءِ سَبِيْلًا
فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّاْسِ وَ اخْضَعْ وَاعْتَقِدْ   وَتَغَالِ فِيْهِ وَاَدَّلَهٗ التَّقْبِيْلًا
مَنْ يَدَّعِیَ الْحُبَّ الْصَحِيْحَ فَاِنَّهٗ   يَبْدِیْ عَلٰی مَا يَدَّعِيْهِ دَلِيْلًا

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کے طالب! ادھر آ کر تجھے ملاقات کا ایک راستہ اور طریقہ میسر آ گیا ہے۔ وہ یہ کہ تو اس نمونہ نعل کو اپنے سر پر رکھ لے۔ جھک جا اور اظہار عقیدت کر اور حد سے بڑھ کر کر۔ اور اس کو چوم لے۔ جو بھی خالص محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے اپنے دعویٰ پر دلیل ضرور پیش کرنی چاہیے۔

پانچویں فصل

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح المتعال'' کے چوتھے باب میں نعل مبارک کی مثال کے خواص، مجربات اور منافع ذکر کئے ہیں جو ان حضرات سے نقل کئے گئے جن کی باتوں اور خبروں میں حق و صداقت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے قابل اعتماد حضرات ہیں جن کے روشن سورج سے لوگوں نے روشنی پائی۔ اور جن کے چمکتے آفتاب سے ضیاء حاصل کی۔ اس بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی امیدیں برلائے۔ تمہاری بات اور عمل کو ستھرا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس مثال مبارک ومقدس کے منافع محتاج بیان نہیں کیونکہ بیان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی بات آنکھوں سے دیکھی نہ ہو۔ مثال مقدس کے منافع و برکات آنکھوں دیکھی حقیقت ہیں۔ جنہیں ان دیکھنے والوں نے بیان کیا۔ جو خود بھی ایسے امام وعلماء ہیں، جو مشہور ومعروف ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- امام رحلہ شیخ صالح ابو اسحاق بن الحاج یعنی ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المری الاندلسی السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان سے ابوالیمن بن عساکر وغیرہ نے نقل کیا۔ فرماتے ہیں مجھے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مجھے ابوجعفر احمد بن عبدالمجید نے بتایا۔ موصوف بہت بڑے شیخ اور صالح بزرگ تھے۔ فرماتے ہیں میں نے اس مثال شریف کا ایک نمونہ ایک طالبعلم کیلئے تیار کیا وہی طالعلم چند دن بعد مجھے ملنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے گزشتہ رات اس نعل پاک کے نمونہ کی عجیب برکت دیکھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کیا دیکھا ذرا بیان تو کرو۔ وہ بولا۔ میری بیوی کو سخت درد نے آلیا۔ اتنا شدید درد کہ معلوم ہوتا تھا وہ گھڑی پل کی مہمان ہے۔ میں نے نعل شریف کا نمونہ اس کی درد والی جگہ پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے اللہ! مجھے اس نعل پاک کے نمونہ کی برکت دکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت میری بیوی کو شفا دیدی۔

۲- یہ واقعہ بھی ابو اسحاق بن الحاج مذکور نے ہی بیان کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جناب ابوالقاسم قاسم بن محمد نے مجھے بتایا۔ میں نے اس نعل پاک کے نمونہ کی برکات کا تجربہ کیا ہے۔ جو شخص اسے اپنے

پاس حصول برکت کیلئے رکھتا ہے۔ وہ باغیوں کی بغاوت سے امن وامان میں ہوجاتا ہے۔ دشمنوں پر اسے غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر شیطان مردود کی شرارت سے پناہ میں رہتا ہے۔ اور ہر حاسد کی آنکھ سے بچا رہتا ہے۔ اگر اس نموء کو حاملہ عورت اپنی دائیں جانب باندھ لے۔ باوجودیکہ اس کو دردزہ انتہائی درجہ کا ہو رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کا یہ مرحلہ آسان کر دیتا ہے۔ انتہیٰ۔ جناب علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے بھی اس بات کا تجربہ کیا اسے بالکل صحیح پایا۔

۳۔ مثال شریف ہر نظر بد اور جادو سے امان کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ جناب شرف الدین طنوبی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔

اَکْرِمْ بِتِمْثَالٍ تُزَایِدُ یُمْنَةً رَوَتْ الثِّقَاتُ لَهُ جَمِیْلَ فَعَالَ
اِنْ اَمْسَكَتْهُ حَامِلٌ بِیُمِیْنِهَا رَأَتْ الْخَلَاصَ بِهَا وَحُسْنَ فَصَالٍ
اَوْ مَنْ بِهٖ دَاءٌ لَاَصْبَحَ فَاقِهَا مِنْ ضَرٍّ اَوْجَاعٍ وَمِنْ اَوْجَالٍ
اَوْ كَانَ فِی جَیْشٍ لَاَصْبَحَ ظَافِرًا اَوْ مِنْزَلٍ لَنَجَا مِنَ الْاَشْعَالِ
وَبِهِ الْاَمَانُ مِنَ الْعُدُوِّ بِنَظْرَةٍ وَالسِّحْرِ وَالشَّیْطَانِ ذِی الْاَضْلَالِ
وَالْاَمْنُ مِنْ غَرْقٍ وَ مِنْ بَاغٍ وَمِنْ كَیْدِ الْحُسُوْدِ وَ سَارِقٍ خِتَالٍ
فَبِهٖ تَمَسَّكْ بِالْحَبِیْبِ الْمُصْطَفٰی فَعَسٰی بِهٖ تَنْجُوْ مِنَ الْاَهْوَالِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کی بہت عزت کر۔ اس سے بڑی برکت ملے گی۔ باوثوق حضرات نے اس کے ذریعہ اور برکت سے بڑے بڑے کام بیان کئے ہیں۔ اگر حاملہ عورت اسے اپنی دائیں جانب باندھ لیتی ہے تو اس کی برکت سے جننے کی تکلیف کی فلاحی پالے گی۔ اور آسان اور اچھے طریقے سے بچہ پیدا ہوگا۔ یا اگر کسی شخص کو کوئی بیماری ہے تو اس کی برکت سے اسے ہر درد اور تکلیف سے فاقہ ہو جائے گا۔ یا اگر کوئی میدان جنگ میں لڑنے والی جماعت میں ہے تو اس کی برکت سے کامیاب ہو جائے گا اور اگر یہ نمونہ گھر میں رکھا جائے تو وہ گھر آگ سے محفوظ رہے گا۔ اس کی برکت سے آدمی نظر بد سے، جادو اور گمراہ کرنے والے شیطان سے امن وامان میں رہے گا۔ ڈوبنے سے بچاؤ، باغی سے بے خوفی، حاسدوں کے حسد سے حفاظت اور چور کی چوری سے امن اس کی برکات میں شامل ہے۔ لہٰذا تو اس کو وسیلہ بنا اور اس سے اپنا تعلق استوار کر کیونکہ اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کی پریشانیوں اور سختیوں سے نجات عطا فرما دے۔

۴۔ بعض ائمہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی برکات میں سے ایک مجرب چیز یہ ہے کہ جس نے ہر

وقت اسے اپنے پاس رکھا وہ عوام میں قبولیت تام پائے گا۔ اور ضرور بالضرور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ یا پھر وہ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

۵- بہت سے ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نعل پاک کی مثال جس لشکر میں موجود ہو اسے شکست نہیں ہوتی۔ جس قافلہ میں ہو وہ لوٹا نہیں جاتا، جس کشتی میں ہو وہ غرق نہیں ہوتی، جس گھر میں ہو اسے آگ نہیں جلاتی، جس سامان میں ہو اس کی چوری نہیں ہوتی۔ اور جو بھی اس کے صاحب یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی حاجت وضرورت میں وسیلہ بناتا ہے وہ لازماً پوری ہو جاتی ہے۔ اور ہر تنگی دور ہو جاتی ہے۔ علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے اس مضمون سے ملتا جلتا مضمون امام ابن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھا۔ جو انہوں نے نعل پاک کی مثال پر لکھا ہوا تھا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ جَرَّبَ هٰذَا الْمِثَالَ الشَّرِيْفَ اِنْ كَانَ فِيْ دَارٍ لَاتَحْرِقُ اَوْ مَالٍ لَا يُسْرَقُ اَوْ مَرْكَبٍ لَا تَغْرِقُ اَوْ قَافِلَةٍ لَا تُنْهَبُ بِبَرْكَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وسلم وَ شرف و اكرم۔ اھ۔ اس مثال شریف کا تجربہ کرلو۔ اگر یہ گھر میں ہوگی تو گھر نہیں جلے گا، اگر مال میں ہوگی تو اسے چرایا نہیں جا سکے گا۔ اگر کشتی (یا جہاز) میں ہوگی وہ ڈوبے گی نہیں۔ قافلہ میں ہوگی وہ لٹے گا نہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت شرافت وکرامت کی وجہ سے ہے۔

۶- علامہ مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعل پاک کی مثال کی برکت کا ایک عظیم واقعہ ہے جس کا تعلق ہمارے شیخ امام محدث شہر فاس کے مفتی شیخ سیدی محمد القصار القیسی الغرناطی الاصل رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ افریقی ممالک میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ میں نے اگر چہ یہ واقعہ موصوف سے خود اپنے کانوں سے نہیں سنا۔ لیکن مجھے جن لوگوں نے بتایا وہ سبھی باوثوق تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیدی محمد القصار رحمۃ اللہ علیہ ابھی بچے تھے۔ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایک بہت بڑے مکان کی نچلی منزل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مکان کی بڑی بڑی بنیادیں، اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ جیسا کہ فاس شہر کے مکانات کی ہوتی ہیں۔ خاص کر فاس شہر کے کھاتے پیتے گھرانے کے جیسے مکان ہوتے ہیں۔ اس طرح کا یہ مکان تھا۔ اس مکان میں مثال شریف ایک دیوار کے ساتھ تھی۔ جو انسانی قد سے ذرا اونچی جگہ پر لٹکائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت مکان کی بالائی منزل نچلی منزل پر گر پڑی۔ اور مکان منہدم ہو گیا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ اس کے اندر جو لوگ تھے وہ سب مر گئے ہیں۔ انہوں نے سارا دن اس کا ملبہ ادھر ادھر کرنے میں گزارا۔ تا کہ اندر سے ان کی لاشیں نکال کر دفن کی جائیں۔ جب ملبہ ہٹاتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ سب زندہ موجود ہیں۔ اور نعل پاک کی مثال کی برکت سے

انہیں کوئی چوٹ نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر نہایت مہربانی ہوئی۔ اور اس نے محیر العقول کام کر دکھایا۔ جو وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔ وہ یوں ہوا کہ ایک شہتیر جس پر چھت کھڑی تھی جب وہ گرا تو ان لوگوں پر خیمہ کی طرح چھا گیا۔ اس کا بلندی والا حصہ دیوار کے اس حصہ پر آ کر ٹک گیا جہاں مثال شریف تھی اور دوسرا حصہ زمین پر آ کر لگ گیا۔ اور اس میں گڑ گیا پھر اوپر سے جو ملبہ گرتا اس پر آ کر گرتا۔ یہ لوگ اس شہتیر کے نیچے تھے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے مثال شریف کی برکت سے انہیں کس طرح محفوظ رکھا۔

۷- علامہ مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے مشاہدہ کیا اس نے کہیں سے سن رکھا تھا کہ جو شخص مثال نعل شریف ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے اس کی ہر امید پوری ہو جاتی ہے اس نے اس کے بعد مثال شریف کو اپنی پگڑی میں باندھ لیا اور بہت سے امور کے بارے میں امید باندھ لی۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے ساتھیوں پر مجھے سبقت حاصل ہو جائے لیکن علم میں وہ اس کا حقدار نہ تھا۔ اسے اس کی برکت سے اپنا مطلوب ومقصود مل گیا اور امامت پر فائز ہو گیا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جو اس سے زیادہ امامت کے حقدار تھے۔ اسے تقدم حاصل ہو گیا اور اس قدر بھاری بھر کم منصب اسے صدق نیت اور عدم شک کی وجہ سے حاصل ہو گیا اگر چہ اس نے جو مقصد اس مثال شریف کے ذریعہ اور برکت سے حاصل کیا ایسا مقصد اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ افراد پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخیار میں سے بنائے اور اغیار سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۸- جناب شیخ عبدالحق بن حسب النبی ایک ثقہ عالم ہیں۔ انہوں نے مجھے واقعہ سنایا۔ انہوں نے اس کتاب کا ایک چھوٹا نسخہ بھی لکھا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سال نصف رمضان گزرنے پر مجھے جسم کے نچلے حصہ میں ایک بیماری ظاہر ہوگئی جس کا مجھے علم نہ تھا کہ یہ کیا بیماری ہے؟ بہت شدت کا درد شروع ہو گیا۔ اچانک مجھے اس نعل شریف کی مثال اور اس کے منافع یاد آ گئے۔ تو میں نے مثال شریف کو درد والی جگہ پر رکھا۔ اور یہ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰی بِالنَّعْلِ اَنْ تُعَافِیَنِیْ مِنْ ھٰذَا الْمَرَضِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق کے طفیل سوال کرتا ہوں جو اس نعل کے ذریعہ چلتے رہے یہ کہ تو مجھے اس مرض سے آرام دے دے۔ اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! درد اسی وقت تھم گیا۔ اور اسی دن مکمل شفایاب ہو گیا۔ گویا مجھے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے ان موصوف کی صاحبزادی نے بتایا کہ اس کی آنکھوں میں بیماری آ پڑی۔ جس کے علاج ودوا سے میں عاجز ہو گئی۔ اس نے اپنے والد سے گزارش کی۔ ابا جان! میں کبھی کبھار آپ سے سنا کرتی تھی کہ آپ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثل کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ مہربانی فرما کر مجھے عطا فرمایئے۔ چنانچہ وہ لائے اور اسے دی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر لگائی۔ تو اسی وقت تندرست ہوگئی۔

۹- امام مقری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ کیا میرے ساتھ اور میرے سامنے یہ واقعات ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے ''تطاوین'' کی سرحد سے جزائر کی طرف ذی قعدہ ۷ ۱۰۲ھ میں بذریعہ کشتی سفر کیا۔ اس وقت سخت سردی تھی۔ دریا ان دنوں انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ چلتے چلتے دریا ہمارے لئے ہولناک بن گیا۔ حتیٰ کہ چپو بھی ٹوٹ گئے۔ ہم بالکل ہلاکت کے منہ میں پہنچ چکے تھے۔ تجربہ کار اور دریائی ماہر نجات سے ناامید ہو چکے تھے۔ سب نے موت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں نے اس وقت نعل شریف کی مثال کشتی کے رئیس کو بھیجی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے وسیلہ سے دعا کی کہ اس کی برکت سے ہمیں نجات مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے ایک عظیم مہربانی یہ ہوئی کہ انجام کار ہم سلامتی سے بہرہ ور ہوئے۔ اسے دریائی تجربہ کاروں نے ''کرامت'' شمار کیا۔

اسی سفر میں ہمیں ہوا کے شدید جھونکوں نے سفر سے روک دیا۔ اس وقت ہم ایک کافر دشمن کے ساحل پر تھے۔ اللہ انہیں برباد کرے۔ وہاں ہمارا پڑاؤ طویل ہوگیا۔ اس قدر کہ عام عادت کے مطابق اتنے عرصہ میں وہ دشمن حملہ کر دیتے تھے۔ لیکن بحمد اللہ ہم نے صرف ان کے بارے میں خبر ہی سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ہمارے دیکھنے سے اندھا کر دیا تھا۔ جب ہم تیونس پہنچے تو ہم نے وہاں سے ''سوسہ'' سرحد کی طرف ایک بڑے بحری جہاز میں سفر کیا۔ دوران سفر سمندر بپھر گیا۔ اس قدر طغیانی اور مدوجذر کی ہم نے ایسی حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہمیں زندگی سے ناامیدی ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال کی برکت سے صحیح وسالم پار لگا دیا۔

۱۰- ایک مرتبہ میں نے مصر سے ''سویس'' بندرگاہ کی طرف سفر کیا ایک چھوٹے ہندی بحری جہاز میں ہم سوار ہوگئے۔ دوران سفر سمندر میں ہولناک طوفان آیا۔ ایسا ہم نے پہلے نہ دیکھا تھا اور ہمارے ساتھ جو عمر رسیدہ لوگ تھے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم نے بھی ایسا شدید طوفان پہلے نہیں دیکھا۔ اس طوفان شدید کی وجہ سے بہت سی سلطانی (شاہی) کشتیاں غرق ہوگئیں۔ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی اپنی کشتیوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ سات کشتیاں ان میں سے ہم نے ڈوبتے دیکھیں۔ ہم بھی کئی مرتبہ اس طوفان میں ہلاکت کے قریب پہنچے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نعل شریف کی مثال کی برکت سے ہمیں نجات عطا فرمائی۔

۱۱- مجھے ایک ایسی جماعت نے بتایا جن کی خبر باوثوق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ان پر سمندر ہولناک ہو

گیا۔لوگوں نے مثال شریف کا وسیلہ پکڑا۔اسے اپنا سفارشی بنایا اور اس کے وسیلہ وسفارش سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل اور مکمل حفاظت عطا فرما دی۔

۱۲- ہم نے ایک دن آگ دیکھی۔ جیسا کہ وہ سمندر سے اٹھ رہی ہے۔ ہمارے اور اس آگ کے درمیان تقریباً بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔اور ہماری کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ملاح اور بحریہ کے آدمی بھاگ گئے اور ہمیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی۔ جبکہ وہ صرف ہم سے دو گز کے فاصلہ پر تھی۔اور قریب تھا کہ اس کے شعلے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتے۔ پھر اس کے بعد ہوا ہمارے موافق نہ رہی۔ہم پریشان تھے اس دوران اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں مثال شریف کی طرف اشارہ کروں میں نے فی البدیہہ اس وقت (اشارہ کرتے ہوئے) یہ اشعار کہے۔

سَأَلْتُ رَبِّیْ بِطٰہٰ صَاحِبِ النَّعْلِیْنِ   وَمَنْ سَمَا قَدْرُہٗ فِی الْاَصْفِیَا الْاَعْلِیْنَ

فِی اَنْ یَمُنَّ عَلَیْنَا بِالنَّسِیْمِ اللَّیِّنَ   یَسْرَعُ بِنَا لِنَحْوِ الطِّیْبِ الْاَصْلَیْنِ

میں اپنے رب سے طٰہٰ صاحب نعلین شریفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور اس ذات کا وسیلہ پیش کرتا ہوں جن کی قدر و منزل اس نے اعلیٰ درجہ کے اصفیاء سے بھی اعلیٰ بنائی۔ کہ وہ ہم پر ہمارے موافق ہوا چلا کر احسان فرمائے۔تا کہ ہم جلدی سے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پہنچ جائیں۔۔

میں ابھی اس استغاثہ اور دعاء سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ نہایت نرم اور موافق ہوا چل پڑی۔حتیٰ کہ ہم "ینبوع" آگئے۔وہاں سے اتر کر ہم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۱۳-راستہ میں ایک "خارجی" رہتا تھا جس نے راستہ کو پرخطر بنایا ہوا تھا۔لوگوں کا مال واسباب لوٹ لیا کرتا تھا۔جب ہم وہاں پہنچے تو اس نے اپنے ساتھیوں سمیت ہم پر حملہ بول دیا وہ سب مسلح تھے۔اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ وہ ہمیں دیکھ نہ سکے۔حتیٰ کہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔والحمد للہ۔

۱۴-ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھی جس کشتی پر سوار تھے وہ دریا میں ایک ایسی جگہ پھنس گئی۔ جہاں چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔دائیں بائیں آگے پیچھے مجھے پتھر ہی پتھر نظر آ رہے تھے۔ہم صبح کے وقت وہاں پہنچے تھے۔ادھر دریا بھی جوش میں تھا۔عادت یہ تھی کہ ان پتھروں میں سے کسی ایک پتھر پر کشتی کھڑی کر دی جاتی۔اور اسے توڑ کر راستہ بنایا جاتا تھا۔لیکن ہم نے مثال شریف سے توسل پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلامتی سے گزار دیا۔

۱۵-امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ واقعات درج فرمانے کے بعد لکھا۔کہ مجھے ایک ثقہ آدمی نے بتایا کہ وہ ایک مرتبہ شدید بیمار پڑ گیا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ

مجھے موت کا کچھ وقت مل جائے گا اگر نعل شریف کا نمونہ بنائے۔ اور اس سے توسل کرے تو میں نے اس الہام کے مطابق مثال شریف بنائی۔ اس سے توسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی۔

۱۶- ایک دوست نے مجھے بتایا، جس کی بات قابل اعتراض نہیں ہوتی تھی کہ اس نے ایک مرتبہ خطرناک علاقے میں سفر کیا ایسا علاقہ جس میں جانے والا چوروں اور ڈاکوؤں سے شائد ہی بچ پائے۔ اس کے ساتھ مثال شریف بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بحفاظت وہاں سے گزار دیا۔ چوروں نے اس کو لوٹنے کا ارادہ بھی کیا اور گھات لگا کر بیٹھے بھی رہے۔ لیکن کئی مرتبہ کوشش کرنے کے باوجود ناکام رہے۔

۱۷- امام مقری فرماتے ہیں کہ میں نے مثال شریف کی ان دنوں قاھرہ میں عجیب وغریب برکت دیکھی وہ یہ کہ میں نے اپنی یہ کتاب (فتح المتعال) جس میں نعل پاک کی مثال موجود ہے۔ ایک صندوق میں دوسری کتابوں کے ساتھ رکھ دی۔ میں نے ایک دفعہ صندوق کھولا تا کہ اس میں ایک کتاب نکالوں کھولتے ہی مجھے ایک بچھو نظر آیا جو اوراق پر تھا اور مر کر خشک ہو گیا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اسے مرے مدت گزر چکی ہے میں نے جب یہ واقعہ دیکھا تو مجھے یقین تھا کہ یہ مثال شریف کی برکت ہے۔

مختصر یہ کہ مثال شریف کے منافع مشہور اور اس کے خواص سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہیں اور اس سلسلہ میں حق بات صاحبان مراتب کثیرہ سے بکثرت وارد ہیں۔ اور اس سے طلب شفاء ایسے ائمہ وقت کرتے رہے جن کی امامت واقتداء مسلم ہے۔ ان میں پرانے اور نئے ہر زمانہ کے حضرات موجود ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس موضوع پر بہت سے قصائد اور نعتیہ اشعار مختلف شخصیات نے کہے ہیں۔ لہٰذا ہر مثال شریف کے دیکھنے والے اور اس کی زیارت کرنے والے پر ازروئے ادب و برکت اس کا چومنا لازم ہے۔ میں نے اپنے آقا اور چچا محترم کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے۔ کہ وہ اپنا چہرہ اس پر رگڑتے تھے اور اپنی داڑھی کے سفید بال اس پر پھیرتے تھے۔ میں نے بارہا انہیں ایسے کرتے دیکھا۔ اسی طرح ہمارے دیگر شیوخ کرام کا بھی یہی معمول رہا ہے ان سب حضرات کا مثال شریف سے برکت حاصل کرنا صرف اس وجہ سے تھا۔ کہ اس کی نسبت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ وہ اس سے طالب شفا ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات وآثار مبارکہ سے طلب شفاء کوئی منکرات میں شامل نہیں اور نہ ہی انہونا کام ہے۔ درج ذیل اشعار کا مضمون کس قدر معزز ہے۔ ملاحظہ ہو۔

خَلِيْلَيَّ هٰذَا رُبْعُ عِزَّةٍ فَاعْقِلَا   قُلُوْصَيْكُمَا ثُمَّ انْزِلَا حَيْثُ حَلَّتْ

وَمَسَّا تُرَابًا طَالَمَا مَسَّ جِلْدَهَا   وَظَلًّا وَبَيْتًا حَيْثُ بَاتَتْ وَ ظَلَّتْ

وَلَاتَيَا سَاۤاِنْ يَمْحُوْ اللّٰهُ عَنْكُمَا ذُنُوْبًا اِذَا صَلَّيْتُمَا حَيْثُ صَلّٰتْ

میرے دونوں دوستو! یہ گھر اور جگہ بڑی عزت والی ہے۔ اپنی اونٹنیاں بٹھاؤ اور نیچے اترو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک زمین پر پڑتی رہی تم بھی وہاں لوٹ جاؤ۔ اس مٹی کو چومو جس نے عرصہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کی۔ اور دن رات وہاں بسر کرو جہاں آپ کی نعل مبارک نے دن رات گزارا۔ اس بات سے ناامید نہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ جب تم نے وہاں نماز ادا کی جہاں انہوں نے خدمت کی۔

ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب صاحب مصر و شام، یمن و حجاز اور فاتح ممالک کثیرہ اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کا نجات دہندہ جو اسلام کا عظیم حکمران ہو گزرا ہے۔ اسے ایک دفعہ پنکھا بطور ہدیہ بھیجا گیا، جس کی ایک طرف یہ لکھا ہوا تھا۔ ''یہ ہدیہ ایسا ہے کہ ایسا ہدیہ اس سے پہلے آپ کو کسی نے نہ بھیجا ہوگا۔ اور نہ ہی آپ کے والد کو بلکہ کسی حکمران اور بادشاہ کو بھی نہیں بھیجا گیا ہوگا'' ہدیہ بھیجنے والا مدینہ منورہ کا شریف تھا۔ (یعنی مدینہ منورہ کا حکمران) یہ تحریر پڑھ کر سلطان موصوف غصہ میں آ گیا۔ غصہ کی حالت میں اس نے پنکھا کی دوسری طرف الٹا کر دیکھا۔ اس پر درج ذیل دو بیت لکھے ہوئے تھے یہ بھی بیان کیا گیا کہ جو ایلچی یہ پنکھا لیکر گیا تھا اس نے عرض کیا بادشاہ سلامت! غصہ نہ فرمائیں۔ اس کی دوسری طرف کو بھی دیکھ لیں۔ اشعار یہ ہیں۔

اَنَا مِنْ نَخْلَةٍ تُجَاوِرُ قَبْرًا سَادَ مَنْ فِيْهِ سَائِرَ الْخَلْقِ طُرًّا
شَمَلَتْنِى سَعَادَةُ الْقَبْرِ حَتّٰى صِرْتُ فِى رَاحَةِ ابْنِ اَيُّوْبَ اُقِرًّا

میں اس کھجور کے پتوں سے بنایا گیا ہوں جنہیں اس شخصیت کی قبر انور کی ہمسائیگی نصیب رہی جو تمام کائنات کے سردار ہیں۔ مجھ میں قبر انور کی سعادت شامل رہی یہاں تک کہ میں اب صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں میں ہوں۔

یہ اشعار دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ خدا کی قسم! سچ ہے، بہت خوش ہوا اور اس پنکھے کو سینے سے لگا لیا اور لانے والے ایلچی کو خوب انعام و اکرام سے نوازا۔

ہمارے ایسے ائمہ کرام جو اپنے دور کے مقتداء اور پیشوا ہوئے ان کی بہت بڑی جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا چومنا ''صحیح'' کہا ہے۔ یعنی جس ورق پر یا جس چیز پر لکھا ہو اس کو چومنا درست قرار دیا ہے۔ چومنے کے علاوہ اس کی تکریم، تبجیل اس کو تبرک سمجھنا اور اسے سر اور آنکھوں پر رکھنے کو بھی جائز و صحیح کہا ہے۔

شیخ امام ابو عبداللہ محمد التوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ آپ ''القصیدہ الشقراطیسیہ فی مدح خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے مرتب ہیں۔ اس قصیدے کی انہوں نے ایسی جامع اور طویل شرح کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ کئی مجلدات میں ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں ''توز'' نامی شہر میں رجب ۶۷۴ھ میں بکری نے ایک بچہ دیا جو سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کا ماتھا سفید تھا۔ اس سفید رنگ میں سیاہ رنگ سے لفظ ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔ اتنا واضح تھا کہ ہر ایک اسے پڑھ سکتا تھا۔ میں نے اس پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''اَلْغُرَّةُ اللَّائِحَةُ وَالْمَسْكَةُ الْفَائِحَةُ فِي الْخُطُوْطِ الصَّمَدِيَةِ وَالْمُفَاخِرَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ'' رکھا۔ اس میں میں نے ایک نظم کے انداز میں لکھا۔

جَدْیٌ غَدَا كَالْجَدْیِ اَشْرَقَ نُوْرُهٗ ... فَمَحَلُّهٗ فَوْقَ السَّمَاکِ الْاَعْزَلِ
رَقَمَتْ يَدُ الْاَقْدَارِ صَفْحَةَ وَجْهِهٖ ... رَقْمًا بَدِيْعًا بِاسْمِ اَكْرَمِ مُرْسَلِ
فَتَلَأْلَأَتْ اَنْوَارُهٗ فَشُعَاعُهَا ... كَالشَّمْسِ قَدْ حَلَّتْ بِاَشْرَفِ مَنْزَلِ
مَا اَبْصَرَ الْاِسْمَ الشَّرِيْفَ مُوَحِّدٌ ... اِلَّا وَقَبَّلَ مِنْهُ خَيْرَ مُقَبَّلِ
رُوِيَتْ بِهٖ اَلْبَابُنَا فَكَاَنَّمَا ... وَرَدَتْ بِهِ الْاَفْوَاهُ اَعْذَبَ مَنْهَلِ
فِي غُرَّةِ الشَّهْرِ الْمُبَارِکِ اَشْرَقَتْ ... فَالنَّاسُ بَيْنَ مُكَبِّرٍ وَ مُهَلِّلِ
عَجَبٌ اَتٰى رَجَبٌ بِهٖ فَتَاَكَّدَتْ ... بَرَكَاتُهٗ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤَمِّلِ
فَكَاَنَّ مَنْ قَدْ قَالَ عِشْ رَجَبًا تَرٰى ... عَجَبًا عَنَاهُ بِالزَّمَانِ الْمُجْمَلِ
يَاغُرَّةً كَالصُّبْحِ تَمَّمَ حُسْنُهَا ... خَطٌّ مِنَ اللَّيْلِ الْبَهِيْمِ الْاَلْيَلِ
اَشْهٰى وَاَحْلٰى فِي النُّفُوْسِ مِنَ الْكَرٰى ... وَاَلَذُّ مِنْ عَذْبِ الزُّلَالِ السَّلْسَلِ
هِيَ خَطُّ اِنْعَامٍ عَلٰى لَوْحِ الْهُدٰى ... لِمُؤَمِّلٍ نَعْمَاهُ اَوْ مُتَاَمِّلِ
هِيَ تَاجُ اِحْسَانٍ عَلٰى رَاْسِ الْعُلَا ... اَحْسَنُ بِتَاجٍ بِالسَّنَاءِ مُكَلَّلِ
سَبَجٌ بَدَا فِي لُؤْلُؤٍ مُتَلَالِيٍّ ... طُرِزٌ عَلٰى ثَوْبِ الْجَمَالِ الْاَكْمَلِ
طَرَزَ بِهٖ اَرْدَانُ الزَّمَانِ بِاَسْرِهٖ ... فِي الْحَالِ وَالْمَاضِيْ وَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ
يَا تَوْزَرَ الْغَرَاءِ فُزْتَ بِغُرَّةٍ ... غَرَاءَ فِي زَمَنٍ اَغَرَّ مُحَجَّلِ
جَرٰى ذُيُوْلُ الزَّهْوِ مِنْ فَرَحٍ بِهَا ... جَرَّالْفَتَاةِ ذُيُوْلَ بُرْدٍ مُسْبَلِ
اُعْطِيْتَ مَا لَمْ يُعْطَ غَيْرُکَ مِثْلَهٗ ... شُكْرًا لِمَوْلَاکَ الْعُلٰى الْمُفَضَّلِ
شَرَفٌ خُصِّصْتَ بِهٖ وَفَضْلٌ بَاهِرٌ ... يَبْقٰى عَلٰى مَرِّالزَّمَانِ الْاَطْوَلِ

هٰذَا طِرَازُ الْحُسْنِ لَا مَاقَالَهُ حَسَّانٌ فِي حُسْنِ الطِّرَازِ الْاَوَّلِ

ایک بکری کا بچہ صبح پیدا ہوا جو روشنی میں ''جدی'' ستارے کی مانند ہے۔ لہٰذا اس کا محل و مقام ''اعزل'' ستارے کے آسمان سے بھی اوپر ہے۔ دست قدرت نے اس کے چہرہ کے صفحہ پر عجیب و غریب انداز سے اکرم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہے۔ اس کے انوار چمک اٹھے۔ اس کی شعاعیں سورج کی مانند ایک اعلیٰ مکان میں پڑیں، جس کسی مسلمان نے اس اسم شریف کو دیکھا۔ وہی اسے خوش آمدید اور مبارک دینے لگا۔ اس نے ہمارے دلوں کو ترو تازہ اور شاداب کر دیا۔ یوں لگا جیسے کہ میٹھے پانی سے بھرے مشکیزے انڈیل دیئے گئے۔ بکری کا یہ بچہ رجب شریف کے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں پیدا ہوا۔ جب لوگ تکبیر و تہلیل کی تیاریوں میں تھے۔ اس بار رجب عجیب کیفیت سے آیا کہ ہر مومن کے دل میں اس کی برکات اور مضبوط ہو گئیں۔ جو یہ محاورہ بولا جاتا ہے ''عش رجبا تری عجبا'' رجب میں زندہ رہو عجیب و غریب حالات دیکھو گے۔ اس کے کہنے والے نے یہی بابرکت زمانہ مراد لیا ہوگا۔ اے بچے کے ماتھے! تو صبح کی مانند حسن و جمال میں مکمل ہے اور تو سیاہ اندھیری رات کی ایک لکیر ہے۔ تو نیند سے زیادہ میٹھا اور چاہت ہے اور میٹھے سلسبیل کے پانی سے زیادہ لذت والا ہے۔ یہ ہدایت کی تختی پر ایک خط انعام ہے اور ہر اس شخص کیلئے جو نعمتوں کا امیدوار ہو یا ابھی سوچ میں پڑا ہو۔ یہ بلندیوں کے سر پر احسان کا تاج ہے کس قدر چمکتا اور خوبصورت تاج ہے۔ ایک سیاہ موتی چمکتے موتیوں میں ظاہر ہوا جیسا کہ خوبصورت کپڑے پر کڑھائی کی گئی ہو۔ ایسی کڑھائی جس نے زمانے کے تمام پہلوؤں کو خوبصورت کر دیا۔ یعنی ماضی حال اور مستقبل سب مزین ہو گئے۔ اے مبارک شخص! تجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا نادر و کمیاب بکری کا سفید چہرے والا بچہ عطا کیا، جو اس روشن دور میں ممتاز ہے۔ تو اس کی خوشی میں خوشی کے دامن اس طرح گھسیٹا چل جس طرح نوجوان عورت لٹکی ہوئی چادر کا دامن گھسیٹی چلتی ہے۔ تجھے وہ چیز عطا کی گئی جو تیرے سوا کسی اور کو نہیں ملی۔ تو اپنے مولیٰ، بلند و بالا اور فضل والے کا شکر یہ بجا لا۔ یہ ایسا شرف ہے جو تجھے بالخصوص عطا کیا گیا۔ اور ایسا واضح فضل ہے جو تیرے لئے خاص کیا گیا۔ یہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ یہ ایک خوبصورت قصیدہ ہے لیکن ایسا نہیں جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال میں کہا۔

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء'' میں اور ابن مرزوق نے ''شرح بردہ المدیح'' میں بہت سی ایسی حکایات نقل کی ہیں۔ جن میں دست قدرت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی کا لکھا جانا مذکور ہے۔ بعض واقعات پتھروں کے متعلق ہیں۔ بعض کسی اور

چیز پر لکھے گئے اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے شہر فاس میں ۱۰۲۶ھ میں ہتھیلی برابر ایک سیاہ پتھر دیکھا۔ جس پر قدرۃً ایک کونہ میں "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرے میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا۔ کتاب سیاہ رنگ کی تھی۔ بعض لوگوں نے امتحان کی خاطر لوہے کے ایک آلہ سے اس تحریر میں سے ایک حرف کو کھرچا۔ کھرچتے کھرچتے پتھر کی دوسری طرف آ گئی لیکن وہ حرف مٹنے کی بجائے اور زیادہ واضح ہوتا گیا۔ جو اس بات کی صحت کی دلیل تھی کہ یہ تحریر کسی انسانی ہاتھ سے نہیں لکھی گئی۔ بلکہ قدرتی ہے۔ یہ پتھر ایک عورت کی ملکیت تھا۔ جو "فاس" کی رہنے والی تھی اسے اس پتھر کے برابر میں نے دوگنا سونا پیش کیا۔ تاکہ اس کے عوض وہ پتھر فروخت کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا میں نے ہر ممکن طریقہ سے اسے اس پتھر کی فروخت کی رغبت دلائی۔ اس کے باوجود وہ تیار نہ ہوئی۔ میرے پاس وہ پتھر چند دن رہا۔ پھر میں نے اسے واپس کر دیا۔ فاس میں اسے ہر شخص جانتا ہے۔ حاملہ عورتیں اسے لے جاتی ہیں۔ تاکہ اس کی برکت سے ولادت کا مرحلہ ان پر آسان ہو جائے۔ اس کی مالکہ نے مجھے بتایا کہ یہ پتھر مجھے بحر محیط کے ساحل سے ملا تھا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنے محبوب ﷺ کی شان عجیب انداز سے ظاہر فرمائی۔

فائدہ: نعل شریف کی مثال کو چومنے کا ذکر

نعل شریف کی مثال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہر چیز کا ادب واحترام۔ امام مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے مشائخ کرام جو قابل اعتماد شخصیات ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ان کی تعظیم وتوقیر کرتے، علاوہ ازیں معظمین دینی کے آثار سے برکت حاصل کرنا بھی معلوم ہے۔ یہ بات مشہور اور جانی پہچانی ہے میں نے ارادہ کیا کہ قابل تعظیم اشیاء کے چومنے کے بارے میں کچھ اقوال ذکر کروں۔ لہٰذا میں کہتا ہوں۔

بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے خاص کر علماء مالکیہ کا مشرب یہ ہے کہ جن اشیاء کے بوسہ دینے کے بارے میں شریعت میں کچھ وارد نہیں۔ ان کو چومنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ حجر اسود کے بارے میں روایات موجود ہیں۔ اس کو چومنا درست ہے۔ بعض ائمہ کرام نے حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت کہا۔ جو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہی ہے جو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں نے رسول کریم ﷺ کو تمہیں بوسہ دیتے نہ دیکھتا۔ میں تجھے نہ چومتا" اس قول کے پیش نظر ان بعض ائمہ نے کہا ہے کہ جن پتھروں وغیرہ کے بارے میں شریعت چومنے کے متعلق خاموش ہے۔ ان کا

چومنا مکروہ ہے۔ انتہیٰ۔

حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے تحت فرماتے ہیں۔ قول یہ ہے ''جب بھی کسی نے بیت اللہ شریف کا بوسہ لیا اس نے اچھا کیا'' اس سے مراد امام موصوف کی یہ نہ تھی کہ ایسا کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسا کرنا مباح ہے اور مباح بھی اچھے کاموں میں سے ایک اچھا کام ہے۔ جیسا کہ علماء اصول نے ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔

بعض علماء نے کہا کہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں '' نظر'' ہے۔ جو مخفی نہیں۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی کہا۔ متبرک مقامات کا بطور تبرک چومنا اور بزرگوں کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دینا یہ کام نیت اور قصد کے اعتبار سے حسن ومحمود ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ وہ اپنے جسم کے اس حصہ پر سے کپڑا سرکائیں۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوما تھا۔ یہ جگہ ان کی ناف تھی۔ (جب امام موصوف نے اپنی ناف سے کپڑا اٹھایا) تو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ سے حصول برکت کی خاطر اور آپ کی اولاد کے تبرک کے پیش نظر اسے چوم لیا۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چومے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے یہ ہاتھ وہ بابرکت ہاتھ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس نے چھوا ہے۔ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا کہ مجھے حافظ ابوسعید بن العلاء نے خبر دی کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے کلام میں ایک قدیم جزء میں دیکھا۔ جس پر ابن ناصر وغیرہ حفاظ حدیث کی تحریر تھی۔ کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور اور منبر شریف کا چومنا کیسا ہے؟ فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ تحریر شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھائی۔ وہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اور تعجب کرنے لگا۔ اور کہنے لگا'' امام احمد عجیب آدمی ہیں۔ میرے نزدیک وہ جلیل القدر شخصیت ہیں۔ لیکن وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں'' یہ معنی ابن تیمیہ کے جواب کا ہے۔ موصوف نے کہا کہ اس قول امام احمد میں تعجب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی قمیص دھوئی اور جس پانی سے اسے دھویا اسے آپ نے پی لیا۔ جب امام احمد بن حنبل کے ہاں اہل علم کی تعظیم کا یہ عالم ہے۔ تو حضرات صحابہ کرام کی تعظیم اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ کی تعظیم کا کیا مقام ہوگا؟ لیلیٰ کے مجنوں نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے۔

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى ۔۔۔ اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِی ۔۔۔ وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

میں لیلیٰ کے شہر سے گزرتا ہوں۔ کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس کو۔ شہر کی محبت نے میرا دل نہیں پھاڑا۔ بلکہ اس نے پھاڑا جو اس شہر میں سکونت پذیر ہے۔ انتہیٰ۔

محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حجر اسود اور ارکان کعبہ کے چومنے سے یہ استنباط کرنا ممکن ہے۔ کہ ہر اس چیز کو چومنا جائز ہے جس کے چومنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہو۔ کیونکہ ان اشیاء کے بارے میں اگرچہ ثواب کی کوئی روایت نہیں ہے تاہم کراھت کی بھی کوئی روایت نہیں۔

امام مقریؔ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے جد امجد جناب محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تالیفات میں امام ابوعبداللہ بن ابی الصیف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا دیکھا کہ بعض حضرات کو میں نے دیکھا۔ کہ جب وہ قرآن کریم کو دیکھتے اسے چوم لیتے، جب حدیث پاک کی کتاب دیکھتے اسے بوسہ دیتے اور جب کسی صالح کی قبر دیکھتے تو اسے بھی چوم لیتے۔ فرمایا یہ کوئی انوکھی اور بعید از فہم بات نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ واللہ اعلم۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس معاملہ میں مالکی مذہب والے حضرات کراہت کا قول کرتے ہیں۔ ابن الحاج نے ''مدخل'' میں لکھا ہے بعض لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کا طواف کرتے ہیں، یونہی جب وہ روضہ مطہرہ کی دیواروں کو ہاتھوں سے چھوتے ہیں، اور قبر انور پر شمعیں اور غلاف وغیرہ ڈالتے ہیں یا اس قسم کی دوسری بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، اس سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ تبرک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دور جاہلیت میں بتوں کی پرستش اسی قبیلہ سے تھی۔

اسی لئے ہمارے علماء نے کعبہ کی دیواروں کو چھونا، یا مسجد (نبوی) کی دیواروں، قرآن کریم کی چھونے سے تعظیم کرنا مکروہ کہا ہے۔ قرآن کریم کی تعظیم یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے، نہ کہ اسے چوما جائے اور اس کیلئے قیام کیا جائے جیسا کہ اس زمانہ میں بعض لوگ کرتے ہیں۔ مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ اس میں نماز ادا کی جائے، اور اس کا احترام کیا جائے، یہ نہیں کہ اس کی دیواروں کو چھوا جائے۔ یونہی وہ ورق کہ جس پر اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی لکھے ہوئے ہوں اور وہ زمین پر پڑا ہوا مل جائے۔ اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کو گندی جگہ سے ہٹا دیا جائے یہ نہیں کہ اسے چومنا شروع کر دیں۔ یونہی ولی اللہ کی تعظیم اس کی اتباع کرنا ہے نہ کہ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا۔ انتہیٰ بقدر

ضرورت۔

اگر تم اعتراض کرو کہ ابھی یہ چند سطور جو ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کی گئیں ان میں جو مذکورہ امور کی کراہت بیان کی گئی یہ تمہاری پچھلی گفتگو کے خلاف ہے جس میں تم نے مالکی مذہب کے کئی ایک علماء سے نقل کیا کہ وہ مثال شریف کو چومتے تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں مثال نعل پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چومنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ان حضرات کے قصائد اور قطعہ جات بھی مذکور ہوئے، جن میں یہ باتیں موجود ہیں کیا صواب ان کے ساتھ ہے یا ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ؟ حالانکہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ بڑے زاہد اور متقی علماء میں سے ہوئے ہیں۔ قابل اعتماد و مقتدیٰ ہوئے ہیں؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ جن علماء کرام نے اسے جائز قرار دیا اور خود کیا تھے؟ یہ لوگ اپنے دور کے پیشوا تھے۔ ان حضرات نے اس مسئلہ میں ان علماء کی تقلید کی ہو جو امت محمدیہ میں سے اس کے جواز کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ان حضرات نے چومنے اور بوسہ لینے کا حکم نہ دیا ہوتا (صرف خود چوما ہوتا) تو ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ غلبہ شوق کے تحت ان حضرات نے ایسا کیا اور بے اختیار ان سے یہ کام ہو گیا۔ جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے۔

فَقُلْتُ وَمَنْ يَمْلِكُ شَفَا هَا مَشُوْقَةٌ   اِذَا ظَفِر يَوْمًا بِبغْيَتِهَا الْقَصْوٰى

میں نے (معترض) کو کہا کہ جب شوق اور محبت کا غلبہ ہو اور اپنی انتہائی امید بر آئے۔ (یعنی محبوب کا ہجر ختم ہو اور محبوب تنہائی میں مل جائے) تو وہ کون ہے جو اپنے ہونٹوں کو قابو میں رکھ سکے۔

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام (فائدہ کے ضمن میں) یہاں تک تھا۔

میں (علامہ نبہانی) نے صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے اور ان کو چومنے کے بارے میں بھرپور تبصرہ کیا ہے اور اکابر علماء کرام کے اقوال اس سلسلہ میں اپنی کتاب "شواھد الحق فی الاستغاثہ لسید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے باب اول کے آخر میں ایک مستقل فصل میں نقل کیے ہیں۔ میں نے وہاں ذکر کیا کہ زیارت کرنے والے کیلئے کون سے کام نہ کرنے کے لائق ہیں۔ جن علماء کرام کے اقوال میں نے نقل کیے۔ ان میں شیخ الشافعیہ الشمس الرملی رحمۃ اللہ علیہ کا شرح المنہاج میں سے یہ قول بھی ہے۔ وَيُكْرَهُ اَنْ يُجْعَلَ عَلَى الْقَبْرِ مِظَلَّةٌ وَاَنْ يُقَبَّلَ التَّابُوتَ الَّذِىْ فَوقَ الْقَبْرِ وَاسْتِلَامُهٗ وَ تَقْبِيْلُ الْاَعْتَابِ عِنْدَ الدُّخُوْلِ لِزِيَارَةِ الْاَوْلِيَاءِ نَعَمْ اِنْ قَصَدَ بِتَقْبِيْلِهِ التَّبَرُّكَ لَا يُكْرَهُ كَمَا اَفْتَى بِهِ الْوَالِدُ اھ۔ قبر پر سائبان بنانا، اس کے اوپر والا تعویذ چومنا، اسے ہاتھ لگانا اور اولیاء کرام کے (مزارات) کی زیارت کیلئے داخل ہوتے وقت دہلیز کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر

چومنے سے ارادہ یہ ہے کہ برکت حاصل ہوتو پھر مکروہ نہیں، جیسا کہ میرے والد گرامی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

الفصل السادس: امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب مذکور ''فتح المتعال'' میں مثال نعل شریف کے وصف اور اس کے منافع نظم ونثر میں ذکر کرنے کے بعد'' خاتمۃ الکتاب'' میں لکھا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ میں اس خاتمہ میں چند اہم مسائل تحریر کروں۔ اگر چہ ان میں سے بعض اس کے حقدار تھے کہ انہیں کتاب کے شروع میں لکھا جاتا۔

مسئلہ 1: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک انسانی قدموں میں سے خوبصورت ترین قدم تھے۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک موٹے موٹے تھے۔ اسے بخاری، مسلم اور بیہقی نے روایت کیا۔ ھند بن ابی ہالہ کہتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک موٹے اور سخت تھے۔ انگلیاں سیدھی تھیں۔ پاؤں کے تلوؤں کا درمیانہ حصہ چلتے وقت زمین پر نہ لگتا تھا۔ دونوں قدم مبارک ایسے تھے کہ ان میں کوئی بل اور شگاف نہ تھا۔ پانی پڑتا تو جلد بہہ جاتا تھا۔ (رواہ الترمذی)۔

ترمذی شریف کی مذکورہ روایت میں پاؤں کیلئے ''شَثْنُ الْكَفَّيْنِ، خَمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ، مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْ عَنْهُمَا الْمَاءُ'' الفاظ آئے ہیں۔ ان کے بارے میں علامہ مقریٰ رحمہ اللہ علیہ نے لغوی بحث کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا کہ کئی ایک حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کیلئے'' شثن '' کا لفظ ذکر فرمایا۔ اس کا معنی انگلیوں کا گوشت سے بھرا ہوا ہونا یعنی موٹی تھیں۔ پھر کہا کہ دونوں پاؤں'' ذَاخَمْصٍ '' تھے۔ یعنی دونوں پاؤں کے تلوے ایسے نہ تھے کہ چلتے وقت تمام کے تمام زمین پر لگتے ہوں۔ اور'' مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ ''جس روایت میں آیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قدمہائے مبارکہ میں نرمی اور صفائی تھی۔ شگاف اور بل نہ تھے۔ اھ۔'' خَمْصَانِ '' کا تلفظ خاء مضمومۃ کے ساتھ ایک جماعت نے ضبط کیا ہے۔ نہایۃ ابن اثیر اور جوھری کی صحاح کے قلمی صحیح نسخہ میں ایسے ہی مذکور ہے۔ لیکن الشفاء کے بعض قابل اعتماد نسخہ جات میں خاء مفتوحہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔ النہایۃ میں ہے کہ'' اَخْمَصُ '' قدم میں وہ جگہ ہے جو چلتے وقت زمین پر نہیں لگتی۔ اور'' اَلْخَمْصَانِ '' اس معنی کا مبالغہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے قدم مبارک کا وہ حصہ جو چلتے وقت زمین پر نہ لگتا تھا وہ زمین سے لازماً اٹھا ہوا رہتا۔ ابن اعرابی سے اس لفظ کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا کہ جب پاؤں کے وصف میں '' خَمْصُ الْاَخْمَصِ '' کہا جائے اور قدم کا زمین سے ہٹا ہوا

رہنا زیادہ نہ ہواور قدم کا نچلا حصہ برابر نہ ہو۔تو یہ حالت ''احسن الخمص'' ہے۔بخلاف اول کہ وہ زیادہ اچھی نہیں کہلاتی۔اور لفظ ''مَسِیْحُ'' میم مفتوحہ اور سین مکسورہ کے ساتھ پھر یاء ساکنہ اور آخر میں حاء اس کا معنی نرم اور وہ بھی ایسا جس میں کوئی بل اور شگاف نہ ہو۔ جب ایسے پاؤں پر پانی ڈالا جائے تو بہت جلد پانی ان سے زمین پر گر جائے۔ کیونکہ وہ ملائم ہوتے ہیں۔کہا جاتا ہے نَبَاءَ الشَیْءُ یَنْبُوْ۔جب کوئی چیز دور ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے عبدالرزاق اور بزاز نے ایک روایت کی ہے۔''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَطَأُ بِقَدَمِہٖ جَمِیْعًا''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے پاؤں سے زمین پر چلتے تھے۔یعنی درمیان کا حصہ زمین سے اٹھا ہوا نہ ہوتا۔یہ روایت پہلی روایت کے خلاف ہے۔اسکا بعض شیوخ نے یہ جواب دیا ہے۔کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاؤں پر زور دیکر چلنے کے وقت تھا۔جس سے پورا تلوا زمین پر لگتا تھا۔اور پہلی روایت اس وقت ہے جب آپ آرام سے چلتے۔یعنی آرام اور نرم رفتار سے چلتے وقت تلوے کا درمیان زمین سے اٹھا رہتا اور جلدی اور تیز رفتاری کے وقت پورا تلوا زمین پر لگتا۔اس فرق کے پیش نظر دونوں روایات میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

ہمزیہ کی شرح میں ہے۔''اَخْمَص'' قدم میں وہ مقام ہے جو چلتے وقت زمین سے نہیں لگتا۔ ''اُلْخَمْصَانِ'' اس کیفیت میں مبالغہ ثابت کرتا ہے۔اس پر امام بیہقی کی اس روایت سے اعتراض نہ کیا جائے۔جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بایں مضمون مروی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زمین پر چلتے تو پورا پاؤں زمین پر لگاتے اس کے درمیان کا حصہ زمین سے اٹھا ہوا نہ ہوتا'' اسی طرح ابن عساکر نے حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوے مبارک درمیان سے اونچے نہ تھے۔ بلکہ جب چلتے تو پورا تلوا زمین پر لگتا تھا'' اعتراض اس لئے نہ کیا جائے کہ آپ کے پاؤں کے نچلے حصہ کا درمیان زیادہ اٹھا ہوا نہ تھا۔یعنی نہ تو بالکل ایڑی اور انگلیوں والے حصہ کے برابر تھا۔ بلکہ ان سے تھوڑا سا اوپر رہتا تھا اور نہ ہی بہت زیادہ اوپر رہتا تھا۔ پاؤں کے تلوے کی یہ کیفیت اس کی خوبصورتی پر دلالت کرتی ہے۔ہاں اگر تلوا بالکل برابر ہو یا درمیان سے بہت ابھرا ہوا ہو تو قابل مذمت ہوگا۔شرح ہمزیہ کی یہ عبارت اسی تطبیق کو بیان کرتی ہے جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ 2: امام السنۃ حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ میمونہ بنت کردم (بروزن جعفر) رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کی سبابہ انگلی (انگوٹھے

سے متصل انگلی) دیکھی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری پاؤں کی انگلیوں سے لمبی تھی۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کی چھنگلیا ابھری ہوئی تھی۔ اس روایت کی سند میں سلمہ بن حفص السعدی ہے۔ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ شخص احادیث گھڑا کرتا تھا۔ لہٰذا اس کی روایت سے احتجاج (دلیل پکڑنا) درست نہیں۔ اور نہ ہی اس سے روایت کرنا چاہیئے۔ اس کی مذکورہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''معتدل الخلق'' تھے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے انگوٹھے سے متصل انگلی بقیہ پاؤں کی انگلیوں سے لمبی تھی۔ جس نے اس انگلی کا لمبا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی انگلیوں میں کہا۔ اس نے غلط کہا۔ جیسا کہ کئی ایک ناقدین نے کہا ہے اور آپ کے پاؤں کی چھنگلیا ظاہر تھی۔

مسئلہ 3: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کثیر مدح گو حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی پتھر یا چٹان پر چلتے تو آپ کے قدم مبارک اس میں ثبت ہو جاتے۔ یعنی چٹان پر پاؤں لگنے کا نشان بن جاتا۔ اور آپ جب ریت پر چلتے تو اس میں پاؤں مبارک کا نشان نہ پڑتا۔ حتیٰ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ بعض پتھر ایسے ہیں جن پر حضور ﷺ کے مبارک پاؤں کے نشانات ہیں تو لوگ ان پتھروں کی زیارت کرنے جاتے تاکہ ان سے تبرک حاصل کیا جائے خاص کر ان پتھروں سے برکت حاصل کرنا جو مخصوص مقامات پر رکھے ہی اس لئے گئے تھے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مصر میں سلطان مرحوم ابوالنصر قایتبائی المحمودی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر ایک پتھر دیکھا جو صحراء میں تھی۔ اس پتھر پر نشانات تھے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نشانات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے ہیں لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس کی برکات لوگوں نے دیکھیں۔ خنکار مرحوم سلطان الروم خادم الحرمین الشریفین مولانا سلطان احمد بن مولانا السید محمد بن مولانا سلطان مراد بن عثمان رحمۃ اللہ علیہم نے یہ پتھر اس مقام سے اپنے دربار شاہی قسطنطنیہ منتقل کرایا تھا پھر حکم دیا کہ اسے وہیں پہلی جگہ ہی واپس رکھ دیا جائے۔ اس بادشاہ نے اس پتھر پر شاہی طریقہ سے سونا چڑھایا۔ جس پر درج ذیل اشعار مکتوب تھے۔

تَشُوْقُ حَضْرَۃُ السُّلْطَانُ اَحْمَدُ زِیَارَتَہٗ اِلٰی الْقَدَمِ الْمُکَرَّمِ
فَحَرَّکَہٗ بِجَاذِبَۃِ اِشْتِیَاقٍ عَلٰی اِقْدَامِ اَقْدَامِ فَقَدَمِ

وَصَيَّرَهٗ اِلٰی قُسْطُنْطُنِيَۃَ فَقَالَ لَهٗ تَقَدَّمْ خَيْرَ مَقْدَمٖ
وَاَدْخَلَ دَارَهٗ بِالْيُمْنِ حُبًّا وَ تَعْظِيْمًا لِصَاحِبِهِ الْمُعَظَّمْ
حَبِيْبُ اللّٰهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ رَبُّنَا صَلّٰی وَسَلَّمَ
وَاَرْجَعَهٗ بِاِعْزَازٍ عَظِيْمٍ اِلٰی تِلْقَاءِ مَوْضِعِهِ الْمُقَدَّمِ
اِلٰهِیْ عَمِّرُ السُّلْطَانَ اَحْمَدَ وَقَدِّمْهُ عَلٰی مَنْ قَدْ تَقَدَّمَ
بِحُرْمَۃِ صَاحِبِ الْقَدَمِ الْمُعَلّٰی اِلَی الدَّرَجَاتِ فِی الْاَفْلَاکِ سَلَّمْ

سلطان احمد کا شوق ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے نشان کی زیارت کرے۔ تو سچے شوق نے اسے اس قدم مبارک کو اپنے ہاں لانے کا ارادہ کیا۔ پھر جب وہ قسطنطنیہ لایا گیا تو اس کا خوب استقبال کیا اور تعظیم ومحبت کے جذبات سے اسے اپنے گھر داخل کیا۔ کیونکہ اس نشان والے قابل تعظیم ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حبیب ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ جن پر ہمارے رب نے صلوۃ وسلام بھیجے۔ پھر اس نشان والے پتھر کو پورے احترام وتعظیم کے ساتھ اس کی پہلی جگہ واپس کر دیا۔ اے اللہ! سلطان احمد کو عمر دراز عطا فرما اور اپنے سے پہلے گزرے بادشاہوں سے مقدم کر۔ اے اللہ! صاحب قدم معلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحرمت اس سلطان کو آسمانوں میں بلند درجات عطا فرما۔

بادشاہ موصوف اس نشان قدم کی زیارت سے ۱۰۲۴ھ میں مشرف ہوا۔ (انتہیٰ ما الفیتہ بحروفہ)

امام مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ مشرفہ میں بھی زمزم شریف کے گنبد کے پیچھے والے گنبد میں ایک پتھر پر نشان قدم دیکھا۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ یہ نشان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک کا ہے۔

مجھے کچھ لوگوں نے بتایا کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مقدسہ میں بھی ایسا ایک پتھر ہے۔ میں جب حجرہ شریفہ میں داخل ہوا تاکہ اس میں جلنے والی چراغ روشن کر کے برکت حاصل کروں۔ اس وقت مجھے ایسا کوئی پتھر نظر نہ آیا۔ پھر میں نے اس کے متعلق باوثوق اور جان پہچان والے حضرات سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ حجرہ مقدسہ میں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ہاں مدینہ منورہ کے کسی مکان میں ایسا پتھر ہے۔ میں پوچھتے پوچھتے اس مکان تک پہنچ گیا۔ میں نے اس پتھر کی جگہ تلاش کر لی اور ایسے وقت میں اسے پایا کہ جس وقت میں گیا تھا۔ اس وقت اس مکان میں داخلہ ناممکن تھا۔ اس کے بعد مجھے کئی مرتبہ حجرہ مقدسہ میں داخل ہونے کا اتفاق ہوا۔ لیکن وہاں مجھے اس قسم کا پتھر بالیقین نظر نہ آیا۔ جس پر مجھے یقین ہو گیا کہ جس نے مجھے بتایا تھا اسے وہم تھا۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے نشان قدم والا پتھر بیت المقدس میں صخرہ شریفہ کے گنبد میں دیکھا۔ لوگ اس کی تعظیم بجالاتے تھے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اس قسم کی چیز کا ثبوت و وجود کتب و احادیث میں کسی طرح بھی نہیں ملتا۔ اس کے منکرین میں سے امام برہان الدین ناجی دمشقی بھی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر جزم کیا کہ ایسی کوئی روایت وارد نہیں۔ یونہی امام حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوٰی میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اس بارے میں کسی اصل پر مطلع نہیں۔ نہ ہی مجھے کوئی سند ملی اور کتب احادیث میں اس بارے میں کسی تخریج کو میں نے دیکھا۔ ان کے شاگرد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''سیرت'' میں تسلیم کیا لیکن کہا کہ تمہارے لئے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اطلاع ہی کافی نہیں ہے۔ میں نے ان کی نشان دادہ کتب کی طرف رجوع کیا۔ جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہے۔ لیکن مجھے یہ چیز ان میں نہیں مل سکی۔ لہٰذا وہ چیز جس کا ثبوت و وجود نہ کتب تاریخ میں ہو اور نہ کتب احادیث میں ہو اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں سوال و جواب کے رنگ میں یہ بات لکھی ہے۔

مسئلہ 4: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء کے ضمن میں عوام کی زبان پر چند مسائل چڑھے ہوئے ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ پتھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نرم ہو جاتا تھا اور آپ کے قدموں کے نشان اس پر بن جاتے تھے۔

۲۔ آپ جب ریت پر چلتے تھے تو اس میں آپ کے قدموں کے نشان نہیں پڑتے تھے۔

کیا ان دونوں باتوں کی کتب حدیث میں اصل ہے یا نہیں؟ اگر ان کے بارے میں کچھ وارد ہے تو کس نے اس کی تخریج کی؟ وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے؟۔

۳۔ حافظ شمس الدین بن ناصر دمشقی نے اپنے ''معراجیہ'' میں جو مسجع لکھا۔ اس نے اس میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کے صخرہ کی طرف متوجہ ہوئے پھر اس کے اوپر چڑھے۔ اس کی مشرقی طرف سے اوپر چڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نیچے اس نے ہلنا شروع کر دیا اور آپ کیلئے وہ صخرہ نرم ہو گیا۔ فرشتوں نے اسے حرکت کرنے سے روکا۔

کیا اس واقعہ کی بھی کتب حدیث میں اصل ہے خواہ ضعیف ہو یا صحیح؟ اور کیا آج بھی اس پتھر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشان موجود ہیں یا نہیں؟

۴- کتب حدیث میں وارد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کے قدم مبارک اس پتھر میں اتر گئے تھے۔ اور آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی دیواروں کی تعمیر کی تھی۔ اور وہ پتھر اب بھی مسجد حرام میں اس جگہ موجود ہے جسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔

کیا یہ بھی صحیح ہے یا ضعیف ہے؟ یا اس کا بھی کوئی اصل نہیں؟

۵- بعض علماء کہتے ہیں کہ انبیائے سابقین کو جس قدر معجزات عطا ہوئے وہ سب کے سب ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کئے گئے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کرام کو جو کرامات دی گئیں وہ سب آپ کو بھی عطا کی گئیں۔

کیا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ قول کس کا ہے؟

٦- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمۃ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تو باہر کھڑے آپ ان کے آنے کا انتظار فرما رہے تھے۔ دوران انتظار آپ کا کندھا اور کہنی ایک دیوار کے ساتھ لگے تو پتھر کی بنی دیوار میں آپ کی کہنی کے نشانات پڑ گئے۔ اسی لئے اس گلی کا نام ''زقاق المرفق'' پڑ گیا۔

کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اس کی کوئی اصل ہے؟

۷- امام ثعلبی اور طرطوسی نے اپنی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خندق کھودی تو کھودتے ہوئے ایک چٹان آ گئی۔ صحابہ کرام اس کے توڑنے سے عاجز آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق میں اترے۔ آپ نے اس پر تین ضربیں لگائیں وہ چٹان آپ کیلئے نرم ہو گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

کیا یہ صحیح ہے یا ضعیف؟ کیا اس کی کوئی قابل اعتماد اصل ہے؟

۸- جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پتھر نرم ہو جاتا تھا اور آپ کے قدم مبارک کے نشان اس میں پڑ جاتے تھے تو کیا یہ آپ کا معجزہ ہو گا یا نہیں؟

الجواب: خندق کھودتے وقت چٹان کا ظاہر ہونا، صحابہ کرام کا اس کے توڑنے سے عاجز آ جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے تین ضربات لگانا اور اس کا ٹوٹ جانا یہ صحیح ہے۔ یہ واقعہ مختلف طریقہ ہائے اسناد سے الفاظ متعددہ کے ساتھ وارد ہے۔ امام بیہقی اور ابو نعیم دونوں نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرۃ بن عوف المزنی کی حدیث لکھی ہے۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔ اس کی اصل صحیح میں ہے جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّا یَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ تَعَرَّضَتْ کَدْیَۃٌ شَدِیْدَۃٌ فَجَاؤُا اِلَی النَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالُوا ھٰذِہٖ کَدْیَۃٌ عَرَضَتْ فِیْ الْخَنْدَقِ فَاَخَذَالمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَتْ کَثِیْبًا اَھْیَلاً۔ ہم غزوۂ خندق کے دن خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان سامنے آ گئی صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یہ ایک سخت چٹان خندق میں آڑے آ گئی ہے۔ آپ نے کدال اٹھایا اس پر مارا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا اور اس پتھر پر آپ کے مبارک قدموں کے نشانات پڑ جانا۔ یہ واقعہ کتب میں وارد ہے۔ ازرقی نے تاریخ مکہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ جس کو ابو سعید خدری عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ان پر موقوف ہے اس کی سند صحیح ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج کی ہے۔ انہوں نے ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ ان دو کے علاوہ بقیہ سوالات کے بارے میں کسی اصل پر واقف نہیں ہوا۔ نہ کوئی سند دیکھنے میں آئی اور نہ ہی مجھے کوئی ایسا شخص معلوم ہوا جس نے ان کی کسی کتاب میں تخریج کی ہو۔ جو حدیث کے موضوع پر لکھی گئی ہو۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں۔ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خصائص'' میں لکھا ہے۔

صاحب الصحاح رزین رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ آپ جب کسی پتھر پر پاؤں رکھتے تو اس میں آپ کے پاؤں کے نشانات پڑ جاتے تھے۔ حافظ ترمذی نے جو ابن قیم کا شاگرد ہے اس نے بھی یہ بات اپنی تصنیف ''خصائص'' میں لکھی ہے۔ لکھنے کے بعد کہا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہے کا موم ہو جانا، یہ تو معروف ہے کہ آگ میں ڈالنے سے لوہا موم ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پتھروں کو موم کر دیا ہے۔ پتھروں کا آگ میں ڈالے جانے سے موم ہونا غیر معروف ہے۔ بلکہ کسی اور طریقہ سے بھی پتھر موم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ معجزہ زیادہ بلیغ ہے۔ پھر لکھا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی چٹان پر چلتے تو وہ آپ کے قدموں تلے موم ہو جاتی۔ اور جب آپ ریت پر چلتے تو اس میں پاؤں کے نشانات نہ پڑتے۔ یہ عادت جاریہ کے بالکل خلاف بات ہے۔ کتاب کے شروع میں اس نے کہا۔ ہم ہر پیغمبر کے معجزات ذکر کریں گے۔ اور یہ بھی کہ وہ سب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کیلئے ثابت تھے۔اس کے علاوہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص، فضائل اور آپ کے فواضل بھی ذکر کریں گے۔ بیشک یہ بات وارد ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک اس پتھر پر ثبت ہوگئے جو مقام ابراہیم میں موجود ہے۔

امام مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مقام ابراہیم میں بار ہا داخل ہوا۔پہلی مرتبہ ۱۰۲۹ھ میں جانے کا اتفاق ہوا میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات دیکھے، جو مقام ابراہیم میں ہیں، میں نے ان سے برکت حاصل کی، گلاب کے پانی سے میں نے انہیں دھویا اور پھر اسے پی لیا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمَنَّةُ فَهُوَ الْمَسْئُوْلُ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَجْعَلَنَا مِنَ الْآمِنِيْنَ۔آمین۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ ہمزیہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں لکھا ہے۔

اَوْ بِلَثْمِ التُّرَابِ مِنْ قَدَمٍ لَا نَتْ حَيَاءً مِنْ مَشْيِهَا الصَّفْوَاءُ

یا اس ذات کے قدم ہائے مبارکہ سے لگنے والی مٹی کو بوسہ دینا جن کیلئے شرم وحیاء کی وجہ سے سخت پتھر موم ہوگئے۔

اے عاقل! تجھے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے۔کہ تجھے بھی ہر اس بات کی مخالفت کرنے سے شرم وحیاء آنی چاہئے۔جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تیرے پاس آئی۔کیونکہ تو جانتا ہے کہ پتھر جو دیکھتا سنتا نہیں وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیاء کرتے ہوئے اپنی سختی پر قائم نہ رہے۔جب آپ اس پر چلتے تھے تاکہ اس سختی سے کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔لہٰذا وہ موم ہو جاتا۔حتیٰ کہ آپ اس پر سے آرام سے گزر جاتے اور تو پتھر سے کہیں زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف عمل پر ڈٹا رہے۔جبکہ تجھے آپ کے جلیل اوصاف اور بلند اخلاق کا اچھی طرح علم بھی ہے اس کے بعد علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بات لکھی ہے۔یہ اور لوگوں نے بھی لکھی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص پر گفتگو کی۔لیکن اس کی سند ذکر نہیں کی پھر ابن حجر نے علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت لکھی۔جو انہوں نے ''خصائص'' میں لکھی ہے۔جس کا ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

سوال: شیخ حافظ محدث سیدی شیخ محمد بن احمد المتبولی المصری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا کوئی روایت ملتی ہے کہ مکھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھتی تھی؟ اور دھوپ میں

آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا؟ یا کوئی روایت نہیں۔ اور کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریت پر چلتے تھے تو آپ کے قدموں کے نشانات ریت پر نہیں بنتے تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک جب سخت پتھر پر پڑتے تو اس میں نشان پڑ جاتا تھا؟

جواب: ہاں! ابن سبع اور نیشاپوری وغیرھما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی دھوپ میں آپ کا سایہ دکھائی دیتا تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مکھی کا جسم پر بیٹھنا اور وہ بھی بڑے آدمیوں کے جسم پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جابر لوگوں کی ذلت کا ایک طریقہ ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبر وظلم سے کوسوں دور تھے۔ دوسرا مسئلہ کہ آپ کا دھوپ میں سایہ نہ پڑتا اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ ''نور'' ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا سخت پتھر پر قدم مبارک کے نشانات پڑنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر شریف باقی رکھا جاے ٫ اور اس طرح اشارہ کرنا مقصود تھا۔ کہ پتھر بھی آپ کیلئے نرم ہو جاتا تھا۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ کا منکر ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آپ کی اتباع نہیں کرتا وہ پتھر سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ دونوں احادیث کی سند ضعیف ہے۔ مگر فضائل وغیرہ کے موضوع پر ایسی روایات میں چشم پوشی کی جاتی ہے اور مقبول ہوتی ہیں۔ ہاں عقائد اور احکام میں ایسی روایات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (حافظ متبولی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مکمل ہوا)۔

''الشفاء'' میں ہے۔ یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا دھوپ میں سایہ نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی چاند کی چاندنی میں سایہ پڑتا۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نور'' تھے اور یہ بھی مذکور ہے کہ مکھی آپ کے جسم اقدس اور آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پہلی بات کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ اس کے بارے میں تم جان چکے ہو کہ اسے ابن سبع اور نیشاپوری نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابھی شیخ کے جواب میں گزرا ہے۔ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں روایت لکھی ہے جس کے راوی عبدالرحمٰن بن قیس ہیں۔ لیکن یہ راوی روایات گھڑنے والا اور جھوٹا ہے۔ یہ (عبدالرحمٰن بن قیس) عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ مجہول ہیں اور یہ (عبدالملک) ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر مکھی کا نہ بیٹھنا اس بارے میں بھی تم جان چکے ہو کہ اسے بھی ابن سبع اور نیشاپوری نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ شیخ دلجی شائد اس

روایت سے واقف نہ ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ ''میں نہیں جانتا کہ اس کی روایت کس نے کی ہے؟'' حالانکہ الشفاء کے حاشیہ پر یہ روایت موجود ہے جسے علامہ ابن اقبرص نے لکھا ہے۔ صاحب الشفاء نے جب لکھا۔ '' یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہیں تھا۔ یہ قول واضح طور پر ابن سبع کی طرف منسوب ہے۔ اور انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نور'' تھے۔ اس عبارت میں بحث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے جیسا کہ قرآن کریم اس پر ناطق ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ۔ اس عبارت کے صحیح قرار دینے کا طریقہ یہ ہوگا کہ موصوف (ابن سبع) کی مراد ''نور'' سے یہ ہے کہ آپ کے پاس ایسی نورانیت تھی جو سورج اور چاند کی روشنی پر غالب آ جاتی تھی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ دکھائی نہ دیتا۔ کیونکہ دونوں نور مختلف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ایسی ہے جو نور لئے ہوئے ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ کیا یہ صفت صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی یا دیگر انبیاء کرام بھی اس سے متصف تھے؟ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی تھا کہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے نور عطا فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔ اھ۔

صاحب الشفاء کے قول ''مکھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس اور کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھی'' کے بارے میں شارح موصوف نے لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قول بھی ابن سبع کا ہی ہے اور اس کی تعلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامل طہارت سے سرفراز فرمایا ہے اور مکھی بعض دفعہ جسم یا کپڑے پر بیٹھ کر گندگی خارج کر دیتی ہے۔ اس قول میں تم غور کرو۔ اور اس عبارت میں بھی آخر تک بحث ہے کیا یہ عبارت اعتراض سے محفوظ ہے یا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

علامہ مقریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے قاضی القضاۃ محمد بن ابراہیم الفتائی المالکی المصری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ ''میں نے بعض مجموعہ جات میں لکھا دیکھا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے درج ذیل دس معجزات لکھ کر اپنے گھر میں رکھے گا۔ اس کا گھر آگ سے محفوظ رہے گا۔ اور جس نے یہ لکھ کر آگ پر ڈالے۔ آگ بجھ جائے گی۔

۱۔ زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کبھی بھی سایہ نہ پڑا۔

۲۔ آپ کا پیشاب بھی کبھی زمین پر ظاہر نہ رہا۔

۳۔ مکھی کبھی بھی آپ کے جسم اقدس پر نہیں بیٹھی۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔

۵- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جماہی نہ لی۔

۶- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

۷- کبھی کوئی چار پایہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بھاگا نہیں۔

۸- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن قلب انور نہیں سوتا تھا۔

۹- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح سامنے دیکھتے ویسے ہی اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

۱۰- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو تمام سے آپ کے کندھے بلند دکھائی دیتے۔ واللہ اعلم۔ اھ۔

محدثین کرام کی ان دس میں سے بعض کے متعلق کلام ہے۔ اور ان دس کے علماء نے بہت سے منافع وفوائد بھی لکھے ہیں۔

مسئلہ5 : دمشق میں اشرفیہ مدرسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ ابن رشید نے اپنے سفرنامے میں جس کا نام ''ملٔ العیبة'' ہے۔ مدرسہ اشرفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔ مدارس میں سے یہ بھی ایک مدرسہ ہے جہاں طلبہ بکثرت ہیں۔ اس کی چھتیں کافی اونچی اور اس کی دیواریں بہت مضبوط ہیں۔ دروازے نہایت پختہ ہیں۔ اس مدرسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نعل شریف بھی ہے۔ میں نے اس کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس سے برکت حاصل کرسکوں اور شفایاب ہوں۔ کیونکہ مجھے ایک مرض نے گھیر رکھا تھا۔ میں نے اس کی برکت پائی۔ میں بیماری کی حالت میں اس کی زیارت کرنے گیا اس وقت شیخ زین الدین عبداللہ فاروقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے جو اس مدرسہ کے شیخ تھے۔ اس مدرسہ کی جانب قبلہ میں دو کمرے تھے۔ ایک محراب کی دائیں طرف تھا۔ جس میں قرآن کریم کے نسخہ جات رکھے ہوئے تھے۔ دوسرا کمرہ محراب کی بائیں جانب تھا۔ جس میں صرف نعل مبارک تھی۔ اس کمرے کے دروازے کی چوڑائی پر تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لگائے گئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسا سونا جڑا گیا ہے۔ اس پر ریشمی پردے لٹکا دیئے گئے تھے۔ ایک سرخ، ایک سبز اور ایک زرد تھا۔ نعل پاک آبنوس کی بنی ایک کرسی پر رکھی گئی تھی۔ پھر نعل پاک پر ایک آبنوس کی تختی رکھی تھی۔ اس تختی کو درمیان سے اتنا چیرا گیا تھا کہ اس سے نعل پاک دکھائی دیتی تھی۔ جو تختی سے نیچے تھی اور یقیناً اس تختی کے دائیں بائیں اتنی جگہ باقی تھی جس پر تختی کھڑی تھی۔ پھر اس میں بنائے گئے خلاء کے ارد گرد چاندی چڑھائی گئی تھی۔ اس کے ظاہری حصہ پر مختلف اقسام کی خوشبویات رکھی گئی تھیں۔ حتیٰ کہ جو شخص اس کو

چومتا اس کا منہ خوشبو سے لتھڑ جاتا۔ جب کوئی شخص یہ چاہتا کہ اس کی مثال تیار کرے۔ تو وہ کاغذ یا ورق اس جگہ پر رکھتا جو تختی کو کاٹ کر نعل پاک کی شکل اور لمبائی چوڑائی پر بنایا گیا تھا پھر اپنے ناخنوں سے اس پر نشان لگاتا۔ تو نعل شریف کی مقدار برابر ایک نمونہ تیار ہو جاتا۔ وہاں ایک شخص کو محافظ مقرر کیا گیا تھا جو اس کی نگرانی و حفاظت کرتا تھا۔ اسے اس بات کی چالیس ناصری درہم تنخواہ ملتی تھی۔ وہ سوموار اور جمعرات کو دروازہ کھولتا۔ لوگ اسے چوم کر برکت حاصل کرتے۔ اتفاق کی بات کہ میں شیخ زین الدین فاروقی جو اس مدرسہ کے شیخ التدریس تھے کے ہاں ان دونوں دنوں کے علاوہ گیا۔ میں نے جب ان سے ملاقات کی تو میں انتہائی سخت بیمار تھا اور بستر سے چپکا ہوا تھا۔ انہوں نے مہربانی فرمائی اور خادم کو حکم دیا کہ میرے لئے دروازہ کھول دے۔ اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ میں نے نعل مبارک کو چوما۔ اس سے برکت حاصل کی اور یہ مثال اس پر کاغذ رکھ کر بنائی۔ جسے تم ایک ورق پر دیکھ رہے ہو۔ یہ نعل شریف کی مثال اس کی ہے جو میں نے خود تیار کی تھی۔ کیونکہ جو میں نے بنفسہ تیار کی تھی۔ وہ میرے ایک مخلص دوست نے بطور ہبہ مجھ سے لے لی تھی۔ جس سے میں واپس نہ لے سکتا تھا۔ میں نے اصل مثال اسے دیدی اور یہ اس کا کامل نمونہ تیار کیا۔ اس کے اور اس کے جو میں نے مدرسہ اشرفیہ میں موجود نعل شریف کی مثال بنائی۔ بالکل فرق نہ تھا۔ علاوہ ازیں ہمارے شیخ فقیہ محدث ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو نمونہ تیار کیا۔ اس میں نعل پاک کے اطراف میں چوڑائی اور تنگی میں کچھ مخالفت ہے اور جانب ایڑی میں زیادتی ہے۔ یہ اسی طرح تھی جس طرح ایک مثال ہمارے دوست المقریٔ المجود ابو عبداللہ محمد بن علی بن عبدالحق انصاری المعروف ابن القصار نے بہت پہلے فاس شہر میں تیار کی تھی اور ان کی یہ مثال شیخ ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود مثال کے مطابق و موافق بنائی گئی تھی۔ مجھے انہوں نے ہمارے شیخ ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ خبر دی تھی۔ دونوں مثالوں میں جو معمولی سا اختلاف ہمیں نظر آتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ اشرفیہ میں موجود نعل پاک کی مثال اس وقت اتاری تھی جب وہ آبنوس کی کرسی پر رکھی گئی تھی۔ اور اس پر بالکل ظاہر تھی اور ابھی اس پر تختی نہیں لگائی گئی تھی۔ پھر تختی لگا کر تختی میں اس کے برابر اسی ہیئت کا سوراخ کیا گیا۔ لہٰذا یقینی بات ہے کہ نعل پاک کا جو حصہ تختی کی کروٹوں کے نیچے تھا اور جو حصہ چاندی چڑھانے میں نیچے رہ گیا تھا وہ مثال میں کم ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

ابن رشید مذکور بیان کرتا ہے کہ اس نعل پاک کا واقعہ جیسا کہ مجھ سے ہمارے دوست مقریٔ ابو عبداللہ محمد بن علی بن القصار نے ۷۷۷ھ میں اکیس شعبان المکرم کو بتایا۔ اسی تاریخ کو میں نے وہ

مثال تیار کی تھی۔ جو ان کے پاس موجود مثال کے مطابق تیار کی تھی۔ جو انہوں نے شیخ ابو یعقوب الحسانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مثال کا نمونہ بنایا تھا۔ یہ کہ جس نعل پاک پر اندازہ لگایا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متروکہ اشیاء میں سے ایک تھی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سیدہ میمونہ بنت الحارث کے پاس تھی۔ پھر ان کے بعد ان کے ورثاء کو منتقل ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ ''بنوالحدید'' کے پاس آ گئی۔ پھر ان کے پاس اس وقت تک رہی جب ان کا آخری فرد انتقال کر گیا۔ اس آخری فرد نے تیس ہزار درہم اور مذکورہ قدم مبارک ترکہ چھوڑا۔ اور دو بیٹے بھی چھوڑے۔ دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا۔ تم یا پورا مال لے لو یا قدم مبارک؟ دونوں کی صلح اس پر ہوئی۔ کہ ایک مال لے گا اور دوسرا قدم۔ جس کے حصہ میں قدم مبارک آیا وہ اسے لیکر عجم کی طرف چلا گیا۔ بادشاہوں کے پاس وہ لے جاتا وہ اس سے تبرک حاصل کرتے۔ حتیٰ کہ واپس ''اخلاط'' کے علاقہ میں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے یہ قدم بادشاہ اشرف بن عادل کو بھیجا۔ تا کہ وہ اس سے برکت حاصل کرے۔ اس کے بعد مذکورہ بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر مجھے دیدو۔ تا کہ میں اس سے برکت حاصل کیا کروں۔ پھر بادشاہ موصوف نے خود ہی اس مطالبہ کو واپس لے لیا۔ پھر کہا کہ تم اس کے عوض میں مجھ سے ایک گاؤں لے لو۔ اور مجھے دیدو۔ تم بہت بوڑھے ہو چکے ہو اسے کیا کرو گے؟ چنانچہ اس نے یہ قدم بادشاہ کو دیدیا۔ پھر بادشاہ اشرف جو شام کا حکمران تھا۔ اس نے دمشق کو اپنا مسکن بنالیا۔ وہاں اس نے دارالحدیث تعمیر کیا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کی درس و تدریس ہوگی۔ اس کیلئے بہت سے اوقاف مقرر کئے۔ اس مدرسہ کے قبلہ کی طرف ایک مسجد نماز کیلئے تعمیر کرائی۔ مسجد کے محراب کی مشرقی جانب ایک مکان بنوایا۔ جس میں مذکورہ نعل شریف رکھی گئی۔ آبنوس سے بنے صندوق پر اسے رکھا گیا۔ جس کو چاندی کی میخیں لگائی گئیں تھیں۔ اس کا تالا بھی چاندی کا بنوایا۔ اس کے دروازوں پر سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تین ریشمی پردے لٹکائے۔ ہر ایک پردے کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ ایک بہت بڑا دروازہ بنوایا۔ جس پر تانبے کے ٹکڑے لگائے گئے تھے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ سونے کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔ اس پر ایک محافظ مقرر کیا جو اس کی دیکھ بھال کرتا اس کی چالیس درہم ناصری تنخواہ مقرر کی گئی۔ جو ہمارے دراہم کے حساب سے اسی درہم ماہانہ بنتے ہیں۔ وہ اس کے دروازے سوموار اور جمعرات کو کھولتا تھا۔ لوگ ان دو دنوں میں اس نعل پاک سے برکت حاصل کرتے تھے۔ پھر ابن رشید نے کہا کہ محمد بن علی بن عبدالحق انصاری نے کہا۔ ہم نے یہ نمونہ اس مثال شریف سے تیار کیا ہے جو ہمارے شیخ ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک سے بنایا تھا۔ ہم سے

حصول برکت کیلئے بنایا۔ اور اس کی بلندیٔ شان کو دیکھ کر بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت یافتہ امتی بنائے۔ جنہوں نے آپ کی سنت مبارکہ کے انوار سے ہدایت پائی اور آپ کی سنت مبارکہ کے آثار پر چلنے والوں میں سے ہمیں بھی کر دے۔ آمین۔

محمد بن رشید نے کہا میں نے مثال شریف اس مثال مبارک کے موافق بنائی جو ہمارے دوست ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بنائی تھی۔ موصوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب قدم شریف سے یہ مثال تیار کی تو میں نے اس کی تعریف میں یہ اشعار کہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع بخشے۔ (هَنِيئًا لِعَيْنِي اِذْ رَأَتْ نَعْلَ اَحْمَدَ) پھر مکمل اشعار ذکر فرمائے۔ میں نے حرف الدال میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ (انتہیٰ کلام المقریٰ)

اس مختصر کو قلمبند کرنے والا یوسف نبہانی عرض گزار ہے کہ میں نے باب ثالث میں حرف الدال کی طرف رجوع کیا۔ جو فتح المتعال میں ہے۔ تو مجھے یہ عبارت لکھی نظر آئی۔

امام حافظ مشہور سیاح ابو عبداللہ محمد بن رشید الفہری المغربی المالکی السبتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفرنامے مسمیٰ ''ملٔ العیبہ'' میں لکھا۔ جس میں انہوں نے مکہ و مدینہ شریفین کے طویل سفر کی روئداد قلمبند کی کہ جب میں دارالحدیث الاشرفیہ میں داخل ہوا تا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی زیارت کروں داخل ہو کر میں نے اسے چوما اور درج اشعار فوراً میرے ذہن میں آ گئے۔

هَنِيئًا لِعَيْنِي اِذْ رَأَتْ نَعْلَ اَحْمَدَ فَيَا سَعْدَ جَدِّي قَدْ ظَفِرْتَ بِمَقْصَدِي
وَ قَبَّلْتُهَا اَشْفِي الْغَلِيْلَ فَزَادَنِي فَيَا عَجَبًا زَادَ الظَّمَأُ عِنْدَ مَوْرِدِي
فَالِمَهُ ذَاكَ اللَّثْمُ فَهُوَ اَلَذُّمِنْ لَمِّي شِفَةٌ لَمْيًا وَخَدٌّ مُوَرَّدِ
وَلِلّٰهِ ذَاكَ الْيَوْمُ عَيْدًا وَ مُعَلِّمًا بِتَارِيْخِهِ اَرِخْتُ مَوْلَدَ اَسْعَدِي
عَلَيْهِ صَلَاةٌ نَشْرَهَا طِيْبٌ كَمَا يُحِبُّ وَ يَرْضٰى رَبُّنَا لِمُحَمَّدِ

میری آنکھوں کیلئے انتہائی خوشی جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک دیکھی۔ اے میری قسمت کے ستارے! تو میری مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں نے اس نعل پاک کو چوم لیا تا کہ میں اپنے غم محبت کو شفا دوں لیکن چومنے نے تو اس میں اضافہ کر دیا۔ اے تعجب! کہ گھاٹ کے قریب پیاس اور بڑھ گئی۔ اس کا بوسہ لینا میرے لئے ہونٹ و رخسار چومنے سے کہیں زیادہ لذت والا ہے۔ خدا کی قسم! وہ دن عید تھا اور میری پیدائش کا مبارک ترین دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی خوشبوئیں پھیلتی رہیں۔ جس طرح ہمارا رب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پسند فرماتا ہے۔

امام مقریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں اور بھی بہت سی گفتگو لکھی ہے۔ جس کا تعلق ان اشعار کے ساتھ ہے میں اس کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی طرف پھر متوجہ ہوتا ہوں۔ جو انہوں نے ''خاتمہ'' کے عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ موصوف (امام مقریؒ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن رشید نے جس طرف اشارہ کیا۔ یعنی اسے مدرسہ اشرفیہ میں جو نعل پاک دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ جو ''بنوابی الحدید'' کے پاس تھی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو شیخ محدث ابوعبداللہ البرزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے اسماء گرامی لکھے جن سے انہوں نے اجازت لی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وَلِاَحْمَدَ بْنِ اَبِیْ الْحَدِیْدِ صَاحِبِ نَعْلِ سَیِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَ ذَالِکَ فِی سَنَۃِ تِسْعٍ وَّ سِتُّمِأتَہ۔ انتہٰی۔

امام مقریؒ کہتے ہیں کہ ہم باب ثانی میں ذکر کر آئے ہیں کہ ''بنوابی الحدید'' کا ایک آدمی آخر میں ایسا تھا جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک تھی۔ یہ ابن رشید کی تحقیق کے موافق ہے۔ لہٰذا اس کا بطور وراثت اس آخری آدمی تک پہنچنا درست ہے۔

''عبدری'' نے اپنی تاریخ میں ملک اشرف کی تعریف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ملک موصوف بہادر، کریم، سخی، اہل علم سے محبت کرنے والا، علم دوست خاص کر حدیث پاک کے علماء اور حفاظ صالحین سے عقیدت رکھنے والا تھا۔ اس نے حدیث پاک کے علماء کیلئے ایک دارالحدیث تعمیر کرایا۔ جو دمشق میں تھا۔ پھر لکھا کہ اس بادشاہ نے اس دارالحدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک رکھی تھی۔ جس کو حاصل کرنے کا وہ حریص تھا۔ جو اس وقت ''نظام بن ابی الحدید'' تاجر کے پاس تھی۔ (انتہیٰ المقصو دمنہ)

دمشق کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نعل پاک سے طلب شفاء کرتے تھے جب انؓ پر کوئی آفت، مصیبت اور پریشانی آپڑتی۔ پھر اس نعل پاک کی برکتیں انہیں دکھائی دیتیں۔ ایک دفعہ اہل دمشق پر ایک عظیم واقعہ اور بڑی مصیبت آپڑی۔ یہ بات اس دور کی ہے جب وہاں کی باگ ڈور ناصر محمد بن قلاون کے ہاتھ تھی۔ مصیبت یوں ہوئی کہ موصوف (ناصر محمد) کا ایک نائب جو دمشق میں ہی تھا۔ جس کا نام ''سیف الدین کرامی'' تھا۔ ہوا یوں کہ اس نائب نے اہل دمشق پر رات کے وقت ڈیڑھ ہزار گھوڑے سوار مقرر کر دیئے۔ حالانکہ عام عادت یہ تھی کہ صرف دوسو گھوڑے سوار مقرر ہوتے۔ اس قدر زیادہ مقدار سے اہل دمشق عاجز آگئے اور شہر بند ہو گیا۔ کیونکہ اس نائب نے بازاروں

پر زیادتی اور ظلم ڈھایا۔ شہر کے خواص، شہر کی املاک اور دیگر اشیاء جو دکانوں میں پڑی تھیں ۔ سب کو پابند کر دیا اور اس نائب نے حکم جاری کر دیا کہ تمام دکانوں، بازاروں اور املاک کی فہرست بنائی جائے۔ تاکہ ان پر ٹیکس لگایا جائے۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ شہر کے قاضیوں، خطیبوں اور اماموں سے انہوں نے شکایت کی۔ سب نے باہم وعدہ کیا کہ صبح سویرے ایک جگہ جمع ہوں گے اور پھر اجتماعی طور پر اس نائب یعنی سیف الدین کے پاس چلیں گے۔ ۱۷۱۱ھ ۱۴ جمادی الاولیٰ بروز سوموار خطیب جلال الدین قزوینی صاحب تلخیص المفتاح والایضاح نے قرآن کریم (مصحف مکرم عثمانی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک ہاتھوں میں لئے۔ جو دارالحدیث اشرفیہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اور جامع کے جھنڈے خطیب حضرات نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ ''باب الفرج'' سے باہر نکلے آپ کے ساتھ علماء، فقہاء، قراء، مؤذنین، ائمہ کرام عوام کی بھاری تعداد تھی۔ جب یہ سب نائب کے پاس پہنچے اور اپنی پریشانی بتائی اور اس سے فریاد کی تو اس نے انہیں مار پیٹ کا حکم دیدیا۔ امام قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اسے سلام کہا تو اس نے کہا ''لا سلم اللّٰہ علیک'' اللہ تعالیٰ کی تم پر سلامتی نہیں۔ اس نائب کے نقیبوں نے لوگوں کو مارنا شروع کر دیا اور مار دھاڑ کے دوران انہوں نے مصحف شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک اور جھنڈے زمین پر پھینک دیئے۔ اب لوگوں نے ان کو پتھر مارنے شروع کر دیئے اور امام قزوینی کو چھڑا کر محل کی طرف لے گئے۔ عوام نے نائب کے کارندوں سے قرآن کریم اور نعل نبوی کو قبضہ میں لیا۔ اور شہر میں داخل ہو گئے۔ ابھی اس واقعہ کو دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نائب سیف الدین کرای مذکور کو اپنی گرفت میں لے لیا اسے ناصر محمد بن قلاون کے حکم سے قید کیا گیا اور ایسی بے عزتی کی جسے ہر ایک جانتا ہے۔ یہ سب کچھ اس نائب کے ساتھ اس لئے ہوا کہ اس نے مصحف شریف اور نعل پاک کی توہین کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل دمشق کی پریشانی دور فرمادی اور ان لوگوں نے اس نائب سے اللہ تعالیٰ نے جو انتقام لیا۔ اس پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔

امام مقریؒ کہتے ہیں میں نے اپنے دور میں اس نعل پاک کے بارے میں بہت تفتیش کی لیکن کسی سے کوئی خبر نہ ملی۔ میرا خیال ہے کہ تیمور لنگ کے فتنہ کی نذر ہو گئی ہو گی۔ جب اس نے دمشق پر حملہ کیا تھا اور ۸۰۳ھ میں اسے آگ لگا دی تھی جیسا کہ مشہور ہے۔

''مقریزی'' نے اپنی تاریخ ''السلوک'' میں لکھا ہے کہ سلطان سیف الدین جقمق جب قاضی زین الدین عبدالباسط پر غالب آ گیا اور اسے قلعہ بند کرنے کا حکم دیا تو اس کے پاس قاہرہ کا والی آیا اور

حکم دیا کہ پہنے ہوئے تمام کپڑے اتار دو کیونکہ سلطان کو یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے پاس ''اسم اعظم'' ہے۔اسی لئے اس نے جب بھی اسے پکڑنا چاہا تو یہ بچ نکلتا۔تو اس نے اس کے جسم پر سے تمام کپڑے اتروا دیئے۔پگڑی بھی اتروائی اوران کپڑوں کولیکر والی قاھرہ کے پاس گیااوراس کے ہاتھوں میں پہنی انگوٹھیاں بھی اتروا کرساتھ لے گیا۔توانہوں نے جب اس کے کپڑوں کی تلاشی لی تو اس کے عمامہ میں انہیں چمڑے کا ایک ٹکڑا ملا۔مذکور ہے کہ جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو بتایا گیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کا ایک ٹکڑا ہے۔انتہیٰ۔

ہوسکتا ہے کہ قاضی زین الدین مذکور نے یہ ٹکڑا دارالحدیث اشرفیہ سے لیا ہو۔جو شام میں واقع ہے کیونکہ اس کی وہاں اچھی خاصی شہرت تھی اور اسلامی مملکت میں اچھا خاصا تصرف تھا جو مصراور شام پر تھی۔واللہ اعلم۔(امام مقریؒ کا کلام مکمل ہوا)۔

امام مقریؒ نے چنداور فوائد ذکر کرنے کے بعد لکھا۔کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ مکمل ہو چکا ہے اور نعل پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہم نے جو گفتگو کرنی تھی وہ مکمل ہوگئی۔اور بعض باتیں جو نعل پاک کی مثال شریف کے بارے میں تھیں۔خواہ وہ نظم میں تھیں یا نثر میں ہم نے وہ بفضل اللہ لکھ دیں۔اس کے بعد علامہ موصوف نے ایک مغربی (افریقی) عالم کا تصنیف شدہ ''قصیدہ رائیہ'' درج کیا۔جو تین سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل تھا۔جس کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح تھی۔ان کا نثر میں بھی کلام ذکر کیا ان کے علاوہ دوسرے علما کا بھی کلام جید واعلیٰ قصائد درج کیے،پھر امام مقری نے کہا کہ میں نے جب یہ کتاب ''فتح المتعال فی وصف النعال'' شروع کی تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی میں نے نہ کیا تھا۔اس مضمون پر لکھنے کا میرے سوا کسی کو علم نہ تھا۔حتیٰ کہ ایک صالح اور باوثوق شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ایک بڑی سواری کھڑی تھی جس کو بہترین زیورات سے خوب سجایا گیا تھا۔اس کو لوگ دیکھ دیکھ کر تعجب کررہے ہیں۔اچانک ایک شخص نے بلند آواز سے کہا۔یہ ہدیہ فلاں شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں بھیجا ہے۔یعنی کتاب فتح المتعال کا مصنف۔جب اس شخص نے مجھے یہ خبر دی تو میں نے اس کی تاویل یہ نکالی کہ میں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی تعریف میں کتاب لکھی ہے۔کیونکہ نعل پاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری تھی۔اوراس کا زیور اس کی تعریف اس کا وصف بیان کرنا ہے۔باقی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ ہی کے ایک اور شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی متعدد مرتبہ مدح بیان کی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس محفل عظیم میں میں نے تجھے (امام مقریؒ) بھی حاضر دیکھا۔ تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک یا اس کی مثال میں کلام عرض کر رہا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

امام مقریؒ فرماتے ہیں کہ میں جب مدینہ منورہ کی طرف جا رہا تھا تو مقام ''روحاء'' میں اتوار کے دن ۱۰۳۱ھ چھ شوال کو دیکھا۔ کہ میرا ایک باغ ہے جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے جہاں دوسرے باغات بھی ہیں۔ جو مختلف لوگوں کے ہیں ان تمام کی طرف دریائے نیل نہ پہنچتا تھا۔ مجھے اس کے ان باغات میں داخل نہ ہونے سے تعجب ہوا۔ حالانکہ دریا بالکل قریب تھا میں نے حیلہ کیا کہ کسی طرح نیل کا پانی اپنے باغ میں لا سکوں اور مجھے زیادہ تکلیف بھی نہ برداشت کرنا پڑے۔ پھر میرا باغ سیراب ہو گیا لیکن دوسرے باغ بدستور خشک تھے۔ جن کے قریب سے نیل گزرتا تھا مجھے اپنا باغ سیراب دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی میں نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ میں اس باغ میں سیرابی کے بعد کچھ پودے لگاتا۔ میں ابھی اس سوچ میں ہی تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آدمی آیا۔ جس کے ہاتھوں میں نعل شریف کے دو نمونے تھے اور کہنے لگا میں نے تیرے باغ میں یہ دونوں گاڑ دیئے ہیں میں اس کو دیکھ کر اور خوش ہوا میرے دل میں آیا کہ یہ دونوں مثالیں مذکورہ چھ مثالوں میں سے پہلی دو ہیں۔ اس خواب کی تعبیر میں نے یہ کتاب نکالی اور دریائے نیل سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو محض اپنی ذات کیلئے مجھ سے قبول کر لے۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس ذات کا وسیلہ پیش کیا ہے جو قدم میں انبیاء کرام کے نبی تھے۔ انبیاء کرام کے تاج تھے جو صاحب القدم ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت پیش وسیلہ میری زبان پر کسی شاعر کے درج ذیل اشعار ہیں۔

يَا رَبِّ بِالْقَدَمِ الَّتِي اَوْطَأْتَهَا   مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ الْمَحَلَّ الْاَكْرَمَا

ثَبِّتْ عَلٰى مَتْنِ الصِّرَاطِ تَكَرُّمًا   قَدَمِيَ وَ كُنْ لِيْ مُنْقِذًا اَوْ مُسْلِمًا

اے اللہ! اس قدم پاک کے وسیلہ سے میرے پاؤں پل صراط پر ثابت رکھنا، جن پاک قدموں نے قاب قوسین ایسا اکرم و معظم مقام طے کیا۔ اے اللہ! تو مجھے پل صراط سے پار کر دے اور مجھے سلامتی عطا فرما دے۔

پھر امام مقریؒ نے لکھا کہ کتاب مذکور کی تحریر سے میں ۱۰۳۰ھ شوال المکرم کے مہینہ میں فارغ ہوا۔ اور قاہرہ میں اس کو تحریر کیا۔ صرف چند صفحات اس تاریخ کے بعد لکھے اور کچھ مزید باتیں بعد میں

شامل کیں۔قَالَ هٰذَا وَ كَتَبَهُ مُؤَلِّفُهُ الْفَقِيْرُ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمُقرِى۔انتھٰی۔

خاتمه: اس کتاب (فتح المتعال) کومختصر کرنے والا الفقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے۔دس سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ میں نے کتاب ''فتح المتعال'' کے تین نسخہ جات جمع کئے ان میں سے ہر ایک کے اندر کچھ ایسی باتیں زائد تھیں۔ جو دوسری میں موجود نہ تھیں۔ان میں سے ایک جو میری ملکیت میں ہے۔وہ میں نے ایک حلبی سے خریدی تھی جو حلب سے میرے لئے لایا تھا۔اس کے آخر میں لکھا ہوا تھا۔''انها كبت فيها'' شائد یہ مولف کے زمانہ میں یا اس سے قریب ترین زمانہ میں ہوا ہو۔دوسرا نسخہ شام میں میں نے نقل کرنے کیلئے ادھار لیا تھا۔اس وقت میرا قیام بیروت میں تھا۔بیروت سے میں نے اس کے مالک سیدی علامہ سید شریف سید ابوالخیر عابدین کو خط لکھا تو موصوف نے مجھے ارسال کردیا۔اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاءِ خیر عطا فرمائے۔علاوہ ازیں انہوں نے اور بھی کئی مفید کتابیں ارسال فرمائیں جو نادر الوجود تھیں اور قلمی تھیں۔کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کتابوں سے مجھے میرے مقصد میں مددگار کچھ عبارات مل سکتی تھیں۔میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو واپس کردوں گا میں نے اپنا مقصد مکمل ہوجانے پر مذکورہ کتابیں واپس کردیں۔ان تمام کتابوں میں ایک ''فتح المتعال'' بھی تھی۔جو خوبصورت مغربی رسم الخط میں تحریر تھی اور اس کا حاشیہ سونے کے پانی کیساتھ بنایا گیا تھا۔اور نعل شریف کی مثال مبارک جو اس کتاب میں بنائی گئی تھی اسے سونے کی پالش کی گئی تھی اور مختلف رنگ بنائے گئے تھے ایسا میں نے اس کے علاوہ کسی اور مثال شریف میں نہ دیکھا۔مختصر یہ کہ یہ نسخہ بادشاہی نسخہ تھا۔اپنی مثال آپ تھا۔میں نے ایسا نقشہ کبھی نہ دیکھا۔تیسرا نسخہ صحیحہ جناب فاضل شیخ احمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔انہیں یہ نسخہ اپنے والد عالم علامہ شیخ یوسف مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے ترکہ میں سے ملا تھا موصوف (یوسف مغربی) وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مدرسہ دار الحدیث کافروں کے قبضہ سے حاصل کیا تھا۔کفار نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی مسجد کو شراب بیچنے کی دکان بنالیا تھا۔موصوف اس مدرسہ کے حصول کیلئے قسطنطنیہ گئے۔وہاں رہ کر اسے واگزار کرانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے آسانی کردی۔وہ یوں کہ سید شریف علامہ عارف باللہ سیدی امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ واسطہ بنے۔انہوں نے اس کی قیمت اپنے مال میں سے ادا کی۔اور یوں اسے خریدکر ان کا قبضہ ختم کرکے اپنے تصرف میں لائے اسے دوبارہ مسجد میں تبدیل کردیا۔خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کام کا ثواب ان دونوں حضرات کو اس نے کس قدر عطا فرمایا ہوگا۔اس بات کو چالیس سال سے اوپر ہونے کو ہیں۔اب تک وہ باقاعدہ مسجد ہی چلی آرہی ہے۔اس کے اردگرد حجرہ جات ہیں۔جن میں طلباء اور

مدرسین رہائش رکھتے ہیں۔ مجھے شیخ احمد مذکور نے ''فتح المتعال'' کا نسخہ بھیجا۔ میں نے اسے انتہائی خوبصورت پایا۔ کتابت بہت عمدہ تھی۔ اور اس پر یہ عبارت لکھی تھی۔''هٰذَا صُوْرَةُ مَا وُجِدَ فِي النُّسْخَةِ الْمَكْتُوْبِ مِنْهَا'' اس کتاب پر مؤلف کے ہاتھ سے لکھے الحاقات بھی تھے۔ اور مولف کے علاوہ دیگر حضرات کی الحاقی عبارات بھی تھیں۔ ایک دو یا تین اوراق پر مولف کا خط تھا۔ (ہاتھ کی لکھائی تھی) اور ہر کاغذ کا اصل کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ اس کتاب پر ان کی ہاتھ سے لکھی تحریر تھی۔ کہ یہ صحیح ہے۔قَالَ لَهٗ جَامِعُهُ الْفَقِيرُ اِلَى اللّٰهِ اَحْمَدُ الْمُقِرِّي الْمَالِكِي اَخَذَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ۔اھ۔

میں نے تمام زیادہ باتیں جو ان دونوں نسخہ جات میں تھیں اور وہ زائد باتیں جو میری ملکیت میں موجود نسخہ میں تھیں۔ ان میں سے بعض تو میں نے اس کے حاشیہ پر اور بعض کو مستقل اوراق پر قلمبند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس نسخے کے طبع کرانے کی ہمت عطا فرمائی۔ تا کہ اس کا فائدہ عام ہو۔ لہٰذا میں نے اس میں وہ باتیں جمع کر دیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں مل سکتیں۔ اس کے آخر میں اس دور کے بکثرت علماء کرام کی تقاریظ تھیں۔ میں اس سے قبل ۱۲۹۸ھ میں قسطنطنیہ میں تھا۔ وہاں رہنے کے دوران میں نے بازار سے ''فتح المتعال'' کا ایک نسخہ خریدا یہ نسخہ مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس پر تاریخ بھی درج تھی، یہ سب کچھ اس کے آخر میں لکھا ہوا تھا۔ مجھ سے ایک بزرگ نے یہ نسخہ لے لیا۔ جب اسے اس کے متعلق پتہ چلا۔ کہ میرے پاس ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے جو کچھ کتاب فتح المتعال مذکور سے نقل کیا ہے۔ وہ دوسرے نسخہ جات میں جو باتیں زائد تھیں ان کو جمع کرنے کے بعد لکھا تھا۔ خواہ وہ چھوٹی باتیں تھیں یا بڑی بہرحال ان کا ذکر کرنا مناسب تھا۔ میں نے کوئی اہم فائدہ چھوڑا نہیں۔ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی طرح سے بھی ہے۔ ہاں اگر کوئی قصیدہ تھا یا قطعہ تھا جو نعل شریف کی تعریف وتوصیف میں کہا گیا تھا ان میں سے میں نے وہی نقل کئے جو معیاری تھے اس کے علاوہ دیگر ابحاث جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور نہ ہی آپ کی نعل پاک سے متعلق تھیں۔ جو بہت تھیں۔ میں نے ان کو نقل نہیں کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اضطراری طور پر انہیں لکھا تھا۔ ان طویل ابحاث کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی تھی۔ میں نے اس کا اختصار کیا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تا کہ آسانی سے اس کے مضامین پر مطلع ہوا جائے۔ اور مختصر وقت میں مکمل کتاب پڑھی جا سکے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

پہلا فائدہ: میں یہاں اپنی کتاب ''سعادت دارین'' کی عبارت نقل کرتا ہوں جو اس کتاب کے نویں

باب کے آخر میں ہے۔ اس عبارت کی کچھ باتیں اگر چہ پہلے ذکر ہو چکی ہیں میں نے لکھا۔ چالیسواں فائدہ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کرنا۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پاس آپ ﷺ کی نعل پاک کی مثال شریف رکھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ خواب میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ جیسا کہ صاحب فتح المتعال جناب الشہاب احمد مقری نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔

مثال شریف کے خواص میں سے ایک خاصیت یہ ہے جسے بعض ائمہ نے ذکر فرمایا اور اس کی برکت کو مجرب پایا۔ وہ یہ کہ جس نے ہر وقت مثال شریف اپنے پاس رکھی۔ اسے مخلوق میں مکمل مقبولیت حاصل ہوگی اور لازماً وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرے گا۔ یا پھر خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے مذکورہ کتاب سے نعل پاک کی مثال شریف نکال کر طبع کرائی۔ اور اس کے تمام فوائد، خواص کا خلاصہ کیا۔ اور اس مثال شریف کے ارد گرد ان کو لکھ کر طبع کرایا۔ اس کاغذ کا طول تقریباً ایک فٹ اور عرض چھ انچ تھا۔ انتہائی نفیس بنا۔ لوگوں کے پاس جب یہ مثال شریف پہنچی تو انہوں نے اپنے گھروں کے اعلیٰ کمروں میں اسے لٹکایا۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں یہاں بھی ان فوائد کو ذکر کر دوں۔ جیسا کہ وہ ہیں۔ تاکہ اس کتاب میں بھی وہ محفوظ ہو جائیں۔ مثال شریف کے اوپر کاغذ پر جو تحریر میں نے لکھی۔ وہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – قَدْ صَحَّ اِنَّ نَعْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَتْ مَخْصُوْفَةً اَىْ طَاقًا عَلٰى طَاقٍ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَلَهَا قِبَالَانِ وَالْقِبَالُ زِمَامُ النَّعِلِ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَضَعُ اَحَدَ الزِّمَامَيْنِ بَيْنَ اِبْهَامِ رِجْلِهٖ وَالَّتِىْ تَلِيْهَا وَالْآخِرِيْنِ الْوُسْطٰى وَالَّتِىْ تَلِيْهَا وَ يَجْمَعُهُمَا اِلَى السَّيْرِ الَّذِىْ يَظْهَرُ قَدَمَهٗ وَهُوَالشِّرَاكُ وَكَانَ مُثْنٰى مِنْ سَيْرِيْنِ وَكَانَت مِنْ جُلُوْدِالْبَقَرِ مُخَصَّرَه اَىْ لَهَا خَصْرٌ مُلَسَّنَةٌ اَىْ عَلٰى هَيْئَةِ اللِّسَانِ مُعَقَّبَةُ اَىْ لَهَا عَقَبٌ مِنْ سُيُوْرِتُضَمُّ بِهِ الرَّجُلُ وَقَالَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ كَانَتْ صَفْرَاءَ وَ لَبِسَ الْخُفَّيْنِ وَ مَسَحَ عَلَيْهِمَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔

اور مثال شریف کی دائیں جانب کاغذ پر یہ تحریر تھی۔

تنبیہ: مِنْ اَسْمَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِى الْكُتُبِ الْقَدِيْمَةِ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ لِاَنَّ لُبْسَ النِّعَالِ عَادَةُ الْعَرَبِ وَكَانَ لَهٗ نَعْلَانِ وَ ثَمَانِيَةُ خُفَافٍ وَّ مَشٰى مُتَنَعِّلًا وَ حَافِيًا وَلَا

سَيِّمَا اِلَى الْعِبَادَاتِ تَوَاضِعًا وَ صَلَّى بِنَعْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ وَ حَمَلَهُمَا بِسَبَابَةِ يَسَارِهٖ اَحْيَانًا وَ خَادَمَهُمَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَضَعُهُمَا عِنْدَ خَلْعِهِمَا فِي ذِرَاعَيْهِ وَيُقَدِّمُهُمَا لَهٗ عِنْدَ اللُّبْسِ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْيُمْنٰى بِاللُّبْسِ وَ بِالْيُسْرٰى بِالْخَلْعِ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِى مَنْ وَاظَبَ عَلَى الْبَدَاءَ ةِ بِالْيُمْنٰى اَمِنَ وَجعَ الطِّحَالِ وَقَالَ غَيْرُهٗ اِذَا كُتِبَتْ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَه وَ شَرِبَ الْمَطْحُوْلُ مَاءَ هَا بَرِئَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

مسئله: تَصْوِيْرُ الْاَشْجَارِ وَ نَحْوِهَا كَهٰذَا الْمِثَالِ جَائِزٌ وَ اَمَّا تَصْوِيْرُ الْاِنْسَانِ وَالْحَيْوَانِ وَاتِّخَاذِ صُوَرِهَا بِصِفَةٍ غَيْرِ مُمْتَهِنَةٍ فَحَرَامٌ۔

مثال شریف کی بائیں طرف کاغذ پر یہ تحریر تھی۔

نَقَلَ الْقَسْطَلَانِىُّ فِي الْمَوَاهِبِ اللَّدُنِّيَهِ وَالْمُقِرِّى فِي فَتْحِ الْمُتَعَالِ عَنِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ مِمَّا جُرِبَ مِنْ بَرَكَةِ هٰذَا الْمِثَالِ الشَّرِيْفِ اِنَّهٗ مَنْ اَمْسَكَهٗ عِنْدَهٗ تَبَرُّكًا بِهٖ كَانَ لَهٗ اَمَانًا مِنْ بَغْيِ الْبُغَاةِ وَغَلْبَةِ الْعُدَاةِ وَ حِرزًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ وَ عَيْنِ كُلِّ حَاسِدٍ وَاِنْ اَمْسَكَتْهُ الْمَرْأَةُ الْحَامِلُ بَيْمِيْنِهَا وَقَدْ اِشْتَدَّ عَلَيْهَا الطَّلَقُ تَيَسَّرَ اَمْرِهَا بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهٖ وَاَنَّهٗ اَمَانٌ مِنَ النَّظْرَةِ وَالسِّحْرِ وَمَنْ لَازَمَ حَمْلَهٗ كَانَ لَهُ الْقُبُوْلُ التَّامُ مِنَ الْخَلْقِ وَلَابُدَّ اَنْ يَزُوْرِ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَيَرَاهُ فِي مَنَامِهٖ وَلَمْ يَكُنْ فِي جَيْشٍ فَهُزِمَ وَلَا فِي قَافِلَةٍ فَنُهِبَتْ وَلَا فِي سَفِيْنَةٍ فَغُرِقَتْ وَلَا فِي بَيْتٍ فَاَحْرِقَ وَلَا فِي مَتَاعٍ فَسُرِقَ وَمَا تَوَسَّلَ بِصَاحِبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وَآلِهٖ وَسَلَّم فِي حَاجَةٍ الْاَقْضِيَتْ وَلَا فِي ضِيْقٍ الَّافُرِجَ وَلَا فِي مَرَضٍ اِلَّاشُفِيَ بِشَرْطِ قُوَّةِ الْاِيْمَانِ۔

اور مثال شریف کے نچلے حصہ کے کاغذ پر یہ تحریر تھی۔

قَالَ مُرَتِّبُهٗ هٰذَا اَصَحُّ مِثَالٍ لِنَعْلِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَدْرَسَّمَ بالفوتو غراف حَتّٰى جَاءَ طَبُقُ اَصْلِهِ الصَّحِيْحِ الَّذِیْ اِسْتَخْرَجْتَهٗ مِنْ كِتَابِ فَتْحِ الْمُتْعَالِ فِي مَدْحِ النِّعَالِ لِلْعَلَامَةِ اَحْمَدَ الْمُقِرِّىُّ وَ هُوَ مُجَلَّدٌ كَبِيْرٌ وَ قَدْيَسَّرَ اللّٰهُ لِي مِنْهُ مَعَ نُدْرَةٍ وَّجَوْدَةٍ ثَلَاث نُسَخُ مُعْتَبَرَاتٍ اِحْدَاهَا مَنْقُوْلَةٌ مِنْ نُسْخَةٍ عَلَيْهَا خَطُّ الْمُؤَلِّفِ وَقَدْ رَأَيْتُ فِي جَمِيْعِهَا هٰذَا الْمِثَالَ مُتَقَارِبًا وَهُوَالْمِثَالُ الْاَوَّلُ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ مِنْ سِتَّةِ اَمْثِلَةٍ ذَكَرَهَا قَالَ وَهُوَ مُعْتَمَدُ ابْنِ الْعَرَبِىُّ وَابْنُ عَسَاكِرَ وَ ابْنِ مَرْزُوْقٍ وَالْفَارِقِي وَالسَّيُّوْطِي وَالسَّخَاوِیَ وَالتَّتَائِي وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الشُّيُوْخِ وَ ذَكَرَ اَسَانِيْدَهُمْ

وَاَسَانِيْدُهُ فِي اَنَّ نَعْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ السَّيِّدَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تَنْتَقِلُ وَ تَحَدِّىْ عَلَيْهَا نِعَالٌ وَ عَلٰى مَا حَذٰى عَلَيْهَا مِنَ النِّعَالِ نِعَالٌ اُخْرٰى ثُمَّ وَ ثُمَّ اِلٰى اَنْ رَسَّمَ مِثَالَهَا الشُّيُوْخُ عَلَى الْوَرَقِ وَنَقَلُوْ بِالْاَسَانِيْدِ حَتّٰى اَلَّفَ فِيْهِ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ اَبُوالْيَمَنِ بْنُ عَسَاكِرَ وَ رَسَّمَهُ فِي كِتَابِهٖ ثُمَّ رُوِيَ كِتَابَهُ بِالْاَسَانِيْدِ وَ قُرِئَ بِالضَّبْطِ حَتّٰى وَصِلَ اِلَى الْمُقِرِّئِ فَرَسَّمَهُ فِي فَتْحِ الْمُتَعَالِ مِنْ نُسْخَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ الْمُعْتَمِدَةِ الَّتِي عَلَيْهَا خُطُوْطُ الْعُلَمَاءِ وَ الْحُفَّاظِ كَالسَّيُوْطِي وَالسَّخَاوِى وَالدَّيْمِي رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَ نَقَلْتُهُ اَنَا مَعَ جَمِيْعِ الْفَوَائِدِ الَّتِيْ حَوْلَهُ مِنْ فَتْحِ الْمُتَعَالِ۔

علامہ مناوی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما نے شمائل ترمذی کی شرح میں کہا ہے جناب ابن العربی کہتے ہیں کہ ''نعل'' حضرات انبیاء کرام کا پہناوا تھا۔ لوگوں نے نعل کے علاوہ جو جوتیاں وغیرہ تیار کیں یہ اس لئے کہ ان کی زمین پر مٹی بہت تھی۔ اور میں نے اپنی تحریر کو اپنے اس قول پر ختم کیا۔

اِنِّيْ خَدِمْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰى لَاْ عِيْشَ فِي الدَّارِيْنِ تَحْتَ ظِلَالِهَا
سَعَدَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِخَدْمَةِ نَعْلِهٖ وَاَنَا السَعِيْدُ بِخِدْمَتِي لِمِثَا لِهَا

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کی مثال شریف کی خدمت کی تا کہ میں دنیا و آخرت میں اس کے سایہ میں رہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس نعل پاک کی خدمت سے سعادت ابدی پا گئے۔ اور میں بھی سعید ہوں۔ لیکن اس کی مثال شریف کی خدمت کرنے کی بناء پر۔

مثال شریف کے بارے میں میرے ہی درج ذیل اشعار ہیں۔ میرا مقصد اور ارادہ تھا کہ ان اشعار اور ان کے بعد ہونے والے اشعار کو مثال شریف والے کاغذ کی خالی جگہوں میں لکھوں گا لیکن پھر ترجیح اسی کو دی کہ اس جگہ کو خالی سفید چھوڑ دیا جائے۔

مِثَالٌ حَكٰى نَعْلًا لِاَ فْضَلِ مُرْسِلٍ تَمَنَّتْ مَقَامَ التُّرْبِ مِنْهُ الْفَرَاقِدُ
ضَرَائِرُهَا السَّبْعُ السَّمٰوَاتُ كُلُّهَا غَيَارِيُّ وَ تِيْجَانُ الْمُلُوْكِ حَوَاسِدُ

یہ مثال شریف وہ ہے جو افضل المرسلین ﷺ کی نعل پاک کی یاد دلاتی ہے جس خاک پر آپ کی نعل پاک پڑتی رہی۔ روشن ستارے اس کی جگہ ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ ساتوں کے ساتوں آسمان اس پر غیرت کھانے والے ہیں اور شہنشاہوں کے تاج حسد سے مر رہے ہیں۔

میرے ہی چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

عَلٰى رَأْسِ هٰذَا الْكَوْنِ نَعْلُ مُحَمَّدٍ عَلَتْ فَجَمِيْعُ الْخَلْقِ تَحْتَ ظِلَالِهٖ

لَدَی الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اخْلَعْ وَ اَحْمَدُ عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِہٖ

اس کائنات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک سایہ فگن ہے تمام مخلوق اس کے سایہ میں پناہ لئے ہوتا ہے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی کہ اپنی نعلین اتار کر آیئے لیکن عرش کے اوپر بھی حضور ﷺ کو اپنی نعلین پاک اتارنے کا حکم نہ دیا گیا۔

مِثَالُ نَعْلِ الْمُصْطَفٰی مَا لَہٗ مَثَلٌ لِرُوْحِی بِہٖ رَاحَ لِعَیْنِی بِہٖ کُحَلٌ
فَاَکْرِمْ بِہٖ تِمْثَالُ نَعْلٍ کَرِیْمَۃٍ لَھَا کُلُّ رَأْسٍ وَ دَلْوَانَّہٗ رَجَلٌ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے نمونہ کی مثل نہیں۔ میری روح اس سے چین وقرار پاتی ہے اور میری آنکھوں کا (اس کی خاک) سرمہ ہے۔ نعل پاک کی مثال کس قدر قابل احترام ہے جس کیلئے ہر سر یہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش وہ اس کے نیچے ہوتا۔

وَلَمَّا رَاَیْتُ الدَّھْرَ قَدْ حَارَبَ الْوَرٰی جَعَلْتُ لِنَفْسِی نَعْلَ سَیِّدِہٖ حَصْنًا
تَحَصَّنْتُ مِنْہُ فِیْ بَدِیْعِ مِثَالِھَا بِسُوْرٍ مَنِیْعٍ نِلْتُ فِی ظِلِّہِ الْاَمْنَا

میں نے جب دیکھا کہ زمانہ کے حالات لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کو اپنی جان کی حفاظت کیلئے قلعہ بنالیا۔ میں اس نعل پاک کی انوکھی مثال کی پناہ سے محفوظ ہو گیا جس کی دیواریں بہت بڑی رکاوٹ ہیں کسی کو ان سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں میں نے ان کے سایہ میں امن پالیا ہے۔

''سعادت دارین'' کے دسویں باب سے کچھ پہلے کی عبارت یہاں اختتام کو پہنچی۔

میں نے اس مضمون سے قبل ''مبشرات شیخ اکبر'' کے رسالہ کے چند ایسے واقعات تحریر کئے جن کا خواب سے تعلق ہے۔ ''نویں خواب'' کے تحت میں نے لکھا کہ جب میں نے مثال شریف کی تحریر طبع کرائی۔ تو ۱۵ ۱۳۱۱ھ شعبان المعظم کی گیارہویں تاریخ منگل کی فجر کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ میں خشکی کے راستہ حج کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے ایک مزار دیکھا جو پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر ایک پتھر پر جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے نشانات ہیں۔ اسے یوں اس لئے رکھا گیا تا کہ لوگ اس کی زیارت کریں اور اس سے برکت حاصل کریں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے یہ مزار تعمیر کیا تھا۔ میں اس مزار کی جانب بڑھا اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِصَاحِبِ ھٰذَا الْاَثَرِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْزُقَنِی حَجًّا مَقْبُوْلًا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس نشان قدم والی شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کر

کے عرض کرتا ہوں کہ تو مجھے حج مقبول سے سرفراز فرما۔ میں خواب سے بیدار ہو گیا میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی۔ کہ مثال مذکورہ صحیح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل پاک کے مطابق ہے۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)۔اھ

میں نے چند سطور پہلے ایک شعر کا مصرعہ کہا تھا۔

ع وَاَحْمَدُ عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش معلیٰ پر نعلین اتارنے کا حکم نہ دیا۔ میں نے یہ بات بعض مدح خوانان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کہی ہے اور قصہ خوانوں کی اتباع کی ہے۔ علامہ زرقانی نے مواہب کی شرح میں اور دیگر علماء نے اس بارے میں کہا ہے کہ یہ "طریق صحیح" سے وارد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ دوم: میرا کلام جو پہلے لکھا جا چکا ہے اس کی کتابت کے بعد میں نے بیروت سے دمشق الشام کی طرف سفر کیا۔ یہ سفر ۱۳۲۵ھ رجب المرجب میں کیا تھا۔ مجھے وہاں بکثرت علماء سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ جن میں سے ایک عالم عامل فاضل تقی نقی سید شریف سیدی شیخ محمد مبارک مغربی جزائری بھی تھے۔ جو دمشق میں مقیم تھے۔ یہ بزرگ اپنے بھائی مرحوم ولی کبیر عارف باللہ سیدی شیخ محمد طیب مدفون دمشق کے انتقال کے بعد سلسلہ عالیہ شاذلیہ فاسیہ کے شیخ الطریقت تھے۔ دونوں حضرات نے یہ سلسلہ شیخ سیدی محمد فاسی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔ جو ایک مرشد کامل اور اس دور کے امام عارف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں بھی مستفیض فرمائے۔ جب میری ملاقات شیخ محمد مبارک مذکور سے ہوئی تو بوقت ملاقات اس مرتبہ انہوں نے کرم نوازی فرمائی کہ مجھے انہوں نے اپنے گھر میں موجود بہت سی نفیس کتابوں کی زیارت بھی کرائی۔ جو قلمی نسخے تھے۔ ان میں سے ایک قلمی نسخہ کتاب فتح المتعال کا بھی تھا ان کا یہ نسخہ اب تک میرے دیکھے گئے اس کتاب کے نسخہ جات میں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بلکہ یہ نسخہ سیدی ابوالخیر آفندی عابدین مذکور کے نسخہ سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ کیونکہ یہ کم از کم انداز تحریر اور خوبصورت کتابت میں اس کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر تھا۔ اس کا سونے سے جڑاؤ کیا گیا تھا۔ خوبصورت رنگوں سے مزین کیا گیا تھا۔ اور قابل بڑائی یہ بات تھی۔ کہ اسے مشرقی خط میں بڑی خوبصورتی سے لکھا گیا تھا اور آفندی مذکور کے ہاں کا نسخہ خط مغربی میں تھا۔ اگرچہ وہ بھی خوبصورت تھا۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں نسخہ جات ایسے تھے جن کی مثال نہ تھی۔ کم از کم میں انہیں بے مثل سمجھتا تھا۔ کیونکہ میں نے ان جیسا خوبصورت نسخہ کہیں نہ دیکھا تھا۔ میں نے جو مثال شریف ابوالخیر آفندی کے نسخہ سے تیار کی

تھی۔ جس کی چالیس ہزار کاپیاں میں نے چھپوائی تھیں۔ اسے بڑی گہری نظر اور دقت فکر سے دیکھا اور اس کا موازنہ جناب شیخ مبارک کے ہاں موجود نسخہ کے ساتھ کیا۔ تو دونوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ میں اس مماثلت پر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ اس نسخہ میں مذکور مثال شریف میرے پہلے نسخہ کی مثال سے ذرا مختلف تھی۔ اختلاف ایڑی کی جانب میں تھا۔ لیکن وہ بھی بالکل معمولی تھا۔ میں نے اب بھی اسے شائع کیا ہے اور اسی پہلی رسم کے مطابق شائع کیا ہے لیکن کوئی فائدہ اس کے ارد گرد نہیں لکھا۔ اور میں نے اسے اس مختصر کے ساتھ بھی نتھی کر دیا ہے میں نے صہ۔ میں اس کتاب کے اندر اسے لگا دیا ہے۔

فائدہ سوم: میں جب شام سے واپس بیروت آیا تو مجھے سیدی شیخ محمد مبارک مذکور نے ایک خط لکھا اس میں انہوں نے مجھے لکھا۔ اِنَّ الْاَخَ الْمَرْحُوْمَ السَّيِّدَ مُحَمَّدُ الطَّيِّبُ طَيَّبَ اللّٰهُ ثَرَاهُ حَرَّرَ قَبْلَ وَ فَاتِهٖ كِتَابًا اَمْلَاهُ عَلٰى بَعْضِ اَخَوَانِنَا وَ اَمَرَ اَنْ تُرْسَلَ مِنْهُ نُسَخٌ لِجُمْلَةٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَ الْفَضْلِ عَيَّنَهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ مِنْ اَجَلِهِمْ حَضْرَتُكُمْ وَ فِي اِثْنَا ذَالِكَ تَدَارَكَتْهُ الْمَنِيَّةُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَبَقِيَ ذَالِكَ الْكِتَابُ عِنْدَ اَخِيْنَا الشَّيْخِ حَسَنِ افِنْدِي الْاُسْطُوَانِيِّ وَقَدْ وَ اَفَانِيَ بِهٖ وَ ذَكَرَ لِيَ اَنَّهُ وَ عَدَ بِاِرْسَالِ نُسْخَةٍ مِنْهُ اِلٰى حَضْرَتِكُمْ وَهَا هُوَطَيٌّ هٰذَا الْكِتَابُ وَهٰذِهٖ صُوْرَتُهٗ بِحُرُوْفِهٖ۔ میرے مرحوم بھائی شیخ محمد طیب رحمہ اللہ نے انتقال سے قبل ایک کتاب لکھی۔ جسے ہمارے چند دوستوں نے تحریر کیا اور حکم دیا کہ اس کے نسخہ جات تیار کر کے تمام اہل علم و فضل کو ارسال کیے جائیں۔ جن کے موصوف نے نام بھی بتا دیئے تھے۔ ان میں سے ایک شخصیت آپ کی بھی تھی۔ لیکن اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد مذکورہ کتاب ہمارے ایک بھائی شیخ حسن افندی اسطوانی کے پاس رہی۔ اس نے وہ کتاب مجھے عنایت کر دی اور مجھ سے ذکر کیا کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ایک نسخہ جناب کو بھی ارسال کیا جائے۔ یہ لپٹی ہوئی چیز وہی کتاب ہے اور یہ بعینہ اس کے ہی الفاظ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ السَّابِقُ لِلْخَلْقِ نُوْرُهٗ وَ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ظُهُوْرِهٖ اِلٰى آخِرِ...............۔

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکتیں ہمارے آقا و سردار جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کا نور مخلوق کیلئے پہلے بنایا گیا۔ اور تمام عالمین کیلئے آپ کا ظہور رحمت ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے آپ ''اول'' اور صورت کے اعتبار سے '' آخر'' ہیں۔ اپنی دعوت اور شریعت کے اعتبار سے '' ظاہر'' اور اپنے تعین میں تمام مخلوقات میں از آدم تا آخر'' باطن'' ہیں۔ تمام مخلوق کی تخلیق ان

کی استعداد اور طلب مدد کے حساب سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے ملنے سے پہلے (یعنی وصال شریف سے قبل) اولین وآخرین کے علوم عطا کر دیئے گئے۔ آپ کی آل پر بھی صلوٰۃ ہو۔ جو آپ کے اسرار کے حامل ہیں۔ آپ کے تمام صحابہ کرام پر بھی درود وسلام ہو اور ان تمام پر بھی جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے تعلق ہے۔

امابعد! اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اس کی حمد بجالاتا ہوں اور اسکے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے خاص امتیوں میں سے بنالیں جو آپ کے دربار عالیہ اور فیوض وبرکات کے وافر حصہ سے بہرہ ور ہیں۔

برادرم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس کے اعضاء متفرق ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک عضو دکھی ہوتا ہے تو تمام جسم اس کی موافقت کرتا ہے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ ’’آگاہ رہو! جس میں محبت نہیں اس کا ایمان نہیں‘‘ اور میں تم سے ’’فی اللہ‘‘ محبت خالص رکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں نے دیکھا کہ آپ لوگ نصیحت کرنے اور تمام امت کیلئے طلب ہدایت کرنے میں پوری طرح آگے بڑھ کر کام کر رہے ہیں اور خاص کر ایسے وقت میں جب کہ وقت کے اندھیروں نے ہدایت کے انوار پر غلبہ پالیا ہے اور محقق لوگوں نے اپنے اوپر اس کو چھپانے کیلئے چادریں ڈال لی ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارے اندر قابلیت کی کمی ہے اور استعداد کمزور ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود ہمیں زیب نہیں دیتا کہ دعوت الی اللہ کو ترک کر دیں۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ فرما دیجئے۔ یہ میرا طریقہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جس نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں (یوسف:108)۔ ’’بصیرۃ‘‘ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محققین علماء کی بصیرت ہے۔ جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کی بدولت ملی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے تمسک کرتے ہیں۔ دوسری بصیرت کا تعلق ’’خاص لوگوں‘‘ سے ہے جن کو مذکورہ پہلی قسم کی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں لوگوں کی قابلیت کا تحقق اور تبصر حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر ایک مرید کو اس کے لئے جو مناسب ہوتا ہے شریعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکم دیتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ اپنے ہر ایک صحابی کو اس کے مناسب شریعت مطہرہ کا حکم دیتے تھے۔ علماء ظاہر کو ایسے احکام سے وہم ہوتا ہے کہ یہ مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف کہا گیا ہے۔ پھر وہ اس اختلاف کو ختم کرنے کیلئے تکلف کر کے جمع کا طریقہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس

کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک صحابی کو اس کے مناسب حکم دیا ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تمہیں لازماً امت کی نصیحت کیلئے پوری محنت کرنی چاہئے۔ اور اللہ کی طرف دعوت تمہیں اس طریقہ کے مطابق کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے۔ اس میں وقت اور حال کی مناسبت پیش نظر رہنی چاہئے۔ بیشک جسے مکمل اور تمام نہیں ملتا وہ تھوڑے کو چھوڑ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی نیت اور قصد کے مطابق نفع عطا فرماتا ہے یہ بات ذہن نشین رکھیئے۔

میں آپ کو نصیحت کرنے میں پوری محنت اور دعوت الی اللہ ہر وقت بحسب حال و وقت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ جیسا کہ مجھے اس کی اجازت میرے مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے اجازت دی تھی۔ یہ اجازت مطلق اور عام ہے۔ اللہ تمہاری اعانت کرے اور تمہیں قوت بخشے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی کے کسی شبہ کو دور کر دینا، اور سنت ماثورہ سے بدعت کو تبدیل کر دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ مبارکہ سے غلط طریقوں کو مٹانا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ ''اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور قوی اور مضبوط مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے'' اور جب ہم اہل قرب کے حقائق سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانیں گے اور اہل جذب کے راستہ پر چلیں گے تو پھر ہم ہر اس چیز کو غریب مریدین پر خرچ کر دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فیض و کرم سے عطا فرمایا۔ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ۔ ہر صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا اسے اس میں خرچ کرنا چاہئے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا (الطلاق 7:)۔ تم پر بار بار اور لگاتار اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو۔ اس کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ یہ تحریر جمادی الثانی کی نو تاریخ ۱۳۰۳ھ کو لکھی گئی۔ خادم الفقراء محمد الطیب ابن محمد المبارک المغربی الحسینی نے لکھوائی۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِاِخْوَانِهٖ وَالْمُسْلِمِيْنَ۔ آمین۔

فائدہ چہارم: میں شام کے اس سفر میں شام کے ہی ایک عمر رسیدہ بہت بڑے عالم سے ملا۔ ان کا اسم گرامی سیدی امام علامہ محقق محدث شیخ عبداللہ السکری الحنفی ہے۔ نوے سال سے کچھ اوپر عمر ہے۔ وہ دمشق میں اپنے گھر ہی رہتے ہیں۔ میں ان کے شاگرد بعض فاضل علماء کے ساتھ ان کی ملاقات کو گیا۔ مجھے ان کی دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے میں نے اجازت اور دعا کی درخواست کی تو انہوں نے میری درخواست قبول فرمالی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ خاص کر ''حدیث رحمت المسلسل بالاولیۃ'' اور

"حدیث المسلسل بالمصافحہ" کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بیروت کی طرف میرے سفر کے بعد انہوں نے میری طرف اپنے خاص شاگرد سیدی عالم عامل فاضل کامل سید شریف شیخ عبدالکریم افندی الحمز اوی نفعنی اللہ ببرکاتہ و برکات اسلافہ الطیبین الطاہرین کے ہاتھ آگے ذکر ہونے والی اجازت ارسال فرمائی۔ شیخ موصوف نے یہ اجازت لکھوا کر بھیجی تھی۔ کیونکہ اس وقت ان کی بینائی جواب دے چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات میں اضافہ فرمائے۔ اور مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کی برکات سے نفع بخشے۔ آمین۔ دونوں حدیثوں کی اجازت درج ذیل الفاظ کے ساتھ دی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ تَتَوَالٰى – اَمَّا بَعْدُ فَيَقُوْلُ رَاجِى عَفْوَرَبِّهِ الْعَلِيِّ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ السَّيِّدِ دُرْوَيْش الرَّكَابِى الشَّهِيْرِ بِالسُّكَرِى مِنْ ذُرِيَّةِ الْقُطْبِ الْكَبِيْرِ وَالْعَارِفِ الشَّهِيْرِ سَيِّدِى اَحْمَدَ الرِّفَاعِى حَضَرَ عِنْدِى الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ وَالْعُمْدَةُ الْفَهَّامَةُ مَنْ هُوَ لِلْمَحَاسِنِ حَاوِى الشَّيْخُ يُوْسُفُ اِفَنْدِى النَّبْهَانِى فَحَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثِ الرَّحْمَةِ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ وَاَسْمَعْتُهُ اِيَّاهُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعَهُ مِنِّى فَاِنِّى اَرْوِيْهِ بِالسَّمَاعِ مِنَ الْعَالِمِ الْعَلَّامَةِ الْعُمْدَةِ الْفَهَّامَةِ سَيِّدِىْ الشَّيْخِ عَبْدِاللَّطِيْفِ اَفَنْدِى فَتْحُ اللّٰهِ الْمُلَقَّبِ بِمُفْتِى بَيْرُوْت وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَهُوَيَرْ وِيهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنْ الشَّيْخِ الْعَلَامَه الْمَنْجِى التَّرَابَلُسِى وَ هُوَ يَرْوِيْهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنْ مُحَدِّثِ الْبِلَادِ الشَّامِيَّةِ شَارِحُ صَحِيْحِ الْاِمَامِ الْبُخَارِى الشَّيْخِ اِسْمَاعِيْلَ الْعَجْلُوْنِى الْجَرَاحِىُ قَالَ فِى ثَبْتِهٖ حَدَّثَنَا شَيْخُنَا الْوَلِيْدِى الْمَكِّى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ حِيْنَ اِجْتِمَاعِى بِهٖ فِى مَكَّةَ الْمُشَرَّفَةِ فِى دَارِالْخَيْزُ رَانِ فِى سَنَةِ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ وَ مِائَةٌ وَاَلْفٍ حِيْنَ حَجَّجْتُ قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ شَيْخِنَا اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْبَنَّا الدُّمْيَاطِى قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْمُتَوَفِّى الْمُعَمَّرِ قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ اَبِى الْخَيْرِ بْنِ عَمُّوْشِ الرَّشِيْدِى قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ شَيْخِ الْاِسْلَامِ زَكَرِيَّا قَالَ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنَ الْحَافِظِ ابْنِ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِىُ قَالَ حَدَّثَنَا الصَّلَاحُ مُحَمَّدُ الْحَكَرِى الصُّوْفِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْنُ الدِّيْنِ الْعِرَاقِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَرَجِ عَبْدُاللَّطِيْفِ ابْنِ عَبْدِالْمُنْعِمِ الْحَرَانِى وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَرَجِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ الْجَوْزِى

وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ اِسْمَاعِيْلُ النِّيْسَابُوْرِیْ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا وَالِدِی اَبُو صَالِحٍ الْمُؤَذِّنُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ طَاهِرٍ مُحَمَّدٌ الزِيَادِی وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَزَّازِ وَ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ بَشْرِ النِّيْسَابُوْرِی وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِی قَامُوْسٍ مَوْلٰی عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الرَاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ – وَيَرْحَمُكُمْ قَالَ فِي الْاَسْعَافِ بِالْرَفْعِ فِي الرِوَايَةِ كَمَا قَالَهُ الْبُرْهَانُ الْعِمَادِی فَالْجُمْلَةُ دُعَائِيَّةٌ مُسْتَأْنِفَةٌ وَنُقِلَ مِثْلُهُ عَنِ النَجْمِ الغَزِی وَلَا يُمْتَنَعُ الْجَزْمُ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ عَظِيْمٌ مَرْوِیٌّ عَنْ اَئِمَّةٍ حُفَّاظٍ وَ فِيْهِ تَحْرِيْکٌ لِسِلْسِلَةِ الرَّحْمَةِ مِنْ اَوَّلٍ وَ هِلَةٍ وَ قَالَ شَيْخُ مَشَائِخِنَا اِبْرَاهِيْمُ الْكَوْرَانِی فِي كِتَابِهٖ مَسَالِکِ الْاَبْرَارِ اِلٰی اَحَادِيْثِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ اِنَّ الْحَافِظَ الْعِرَاقِی قَالَ فِي رِوَايَتِهٖ بَلَفْظِ الرَاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ اَبِی بَكْرِ بْنِ اَبِی شَيْبَه اِلٰی آخِرِمَا نَقَلَهٗ وَقَدْ نَظَّمَهٗ كَثِيْرُوْنَ مِنْهُمُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِیْ قَالَ۔

اِنَّ مَنْ يَرْحَمُ اَهْلَ الْاَرْضِ قَدْ ‏ ‏ آنَ أَنَّ يَرْحَمُهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ
فَارْحَمِ الْخُلْقَ جَمِيْعًا اِنَّمَا ‏ ‏ يَرْحَمُ الرَّحْمٰنُ مِنَّا الرَحْمَا

وَكَذَالِکَ اَرْوِيْهِ بِطَرِيْقِ الْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الشَيْخِ الْتَمِيْمِی عَبَّاسٍ بَاشَا خَدَيْوِی مِصْرَ وَهُوَيَرْوِيْهِ بِالْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الْعَلَامَةِ الْشَهِيْرِ الْشَيْخِ مُحَمَّدِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ وَ اَخْبَرَنِی اَنَّهُ عَادَهٗ وَ كَانَ مَفْلُوْجًا وَ طُلِبَ مِنْهُ سِمَاعُ الْحَدِيْثِ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ فَاسْمَعَهُ اِيَّاهُ وَ اَجَازَهُ بِهٖ وَسَنَدُهٗ مَذْكُوْرٌ فِي ثَبْتِهٖ وَكَذَالِکَ اَرْوِيْهِ بطَرِيْقِ الْاَوَّلِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ عَنِ الْعَالِمِ الْفَاضِلِ الشَيْخِ مُحَمَّدِ القَاوِقْجِی بِسَنَدِهِ الْمُذْكُوْرِ فِی ثَبْتِهٖ ثُمَّ اِنِّیْ اَذِنْتُ لِلْمُجَازِ بِاَنْ يُجِيْزَ بِهٖ مَنْ هُوَ اَهْلٌ لِذَالِکَ۔

وَكَذَالِکَ صَافَحْتُهُ بِكَفِّی هٰذِهٖ لِلَّتِی صَافَحْتُ بِهَا كُلًّامِنْ شَيْخِنَا فَقِيْهِ النَّفْسِ مَنْ يُكَنّٰی بِاَبِی حَنِيْفَةَ الصَغِيْرِ سَيِّدِی الشَّيْخِ سَعِيْدِ الْحَلَبِی وَ شَيْخِنَا الْمُحَدِّثِ الْكَبِيْرِ وَ

الْعَلَامَةِ النَحْرِيْرِ سَيِّدِى الشَّيْخِ عَبْدِالرَّحمٰنِ الْكُزْبَرِى وَ هُمَا يَرْوِيَا نِهِ عَنْ وَالِدِ الثَّانِى الْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ الْكُزْبَرِى وَهُوَ يَرْوِيْهِ عَنْ وَالِدِهِ الْعَلَّامَةِ الشَّيْخِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْكُزْبَرِى وَهُو يَرْوِيْهِ عَنِ الْمُسْنِدِ الْمُحَدِّثِ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ عَقِيْلَة المَكِّى قَالَ فِى مُسَلْسَلَاتِهِ وَقَدْ صَافَحَنِى شَيْخُنَا وَ مَوْلَانَا وَ بَرَكَتُنَا الشَّيْخُ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ النَخْلِى وَقَالَ صَافَحَنَا الْعَارِفُ بِاللّٰهِ الْكَبِيْرُ مَوْلَانَا الشَّيْخُ تَاجُ الدِّيْنِ النَقْشَبَنْدِى قَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ الشَّهِيْر بَحَاجِى رَمْزِى وَقَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخُ الْحَافِظُ عَلِىُّ الْاَوْبَهِى قَالَ صَافَحَنِى الشَّيْخَانِ الْمُسْنِدَانِ اَلشَّيْخ مَحْمُوْدُ الْاَسْفِزَارِى وَالسَّيِّدِ اَمِيْرٌ عَلِى الْهَمْدَانِى قَالَاصَافَحَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْحَبْشِى الصَحَابِىِ الْمُعَمَّرُقَالَ صَافَحَنِى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ الْمُسْنِدُ الْمُحَدِّثُ الشَّيْخُ مُحَمَّدِ بْنُ اَحْمَدْ عَقِيْلَة الْمَكِّى فِىْ مَسَلْسَلَاتِهِ هٰذَا الْسَنَدَ كُلُّهُ مُشْتَمِلٌ عَلٰى الثِقَاتِ الْاَجِلَّاءِ الْعُلَمَاءِ الْعُرَفَاءِ وَ عَلٰى هٰذَا السَنَدِ رَوْنَقُ الْقُبُوْلِ فَتَكُوْنُ يَدُ الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ سَابِعُ يَدٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اھ فَحِيْنَئِذٍ تَكُوْنُ يَدُ الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ عَبْدِاللّٰهِ الرِكَابِى الشَّهِيْرِ بِالسَكْرِى حَادِى عَشَرَيَدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔اھ

وَاَرْوِيْهِ بِسَنَدٍ آخَرَ مُتّصلٌ بِالْمُعَمَّرِ اَبِى الْعَبَّاسِ الْمُلْثِم قَالَ كَذَالِكَ صَافَحَنِى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَنْ صَافَحَنِى اَوْ صَافَحَ مَنْ صَافَحَنِى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ اَجَزْتُهُ بِهَا وَاَذِنتُ لَهُ اَنْ يُصَافِحَ وَ يُجِيْزُ اَهْلَ الْاِصْلَاحِ اَمْرًا بِكِتَابَةِ ذَالِكَ الْعَالِمِ الْعَلَّامَةِ مُحِبِّ الْعُلَمَاءِ الْعَامِلِيْنَ وَ مَحْسُوْبِ السَادَةِ الْفُقَرَاءِ الْكَامِلِيْنَ السَيِّدِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ السَيِّد دُرْوَيْشِ الرِكَابِى الشَهِيْرِ بِالسَّكْرِى الْقَادِرِى الْحَنفِى عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ بِجَاهِ النَّبِىِّ اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرَّحِمِيْنَ۔

سیدی شیخ عبداللہ السکری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کا متن مکمل ہوا۔اس سند اجازت میں الشیخ امیر کی بیاض کا حوالہ دیا گیا ہے۔جو" حدیث الرحمۃ المسلسل " کی سند میں تھا۔ذیل میں شیخ امیر کی سند اس کے حروف سے نقل کر دیتا ہوں۔تاکہ فائدہ مند ہو۔

قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِى اَوَاخِرِهِ مَانِصَّهُ عَادَتُهُمْ يُقَدِّمُوْنَ الْمُسَلْسَلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ وَهُوَ حَدِيْثُ الرَّحْمَةِ قَالَ فِى الْمَنْعِ لِاَنَّهُ وَرَدَ اَوَّلُ شَىْءٍ خَطَّهُ اللّٰهُ فِى الْكِتَابِ الْاَوَّلِ اَنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا سَبَقَتْ رَحْمَتِىْ غَضَبِىْ فَمَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

وَ رَسُوْلَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاَيْضًا فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَنُوْرُهٗ اَوَّلُ مَخْلُوْقٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ اَشْيَاخٍ كَثِيْرَةٍ مِنْهُمُ الشَّيْخُ شِهَابُ الدِّيْنِ اَحْمَدُ الْجَوْهَرِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِنْهُ عَنْ شَيْخِهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَالِمِ الْبَصْرِي اَلْمَكِّي قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمَغْرِبِي وَ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ سَعِيْدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْجَزَائِرِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا مُفْتِي تِلِمْسَانَ اَبُوْ عُثْمَانَ الْمُقْرِئُ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ الْقَارِي اَوَّلُ مَا حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَتْحِ الْمَرَاغِي اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحِيْمِ الْعِرَاقِي الْاَثَرِي اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْفَتْحِ مُحَمَّدِ الْبَدْرَمِي اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّطِيْفِ بْنِ عَبْدِالْمُنْعِمِ الْحَرَانِيُّ وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ اَبُوالْفَتْحِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَلِيِّ اَوَّلُ تَحْدِيْثِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ النِّيْسَا بُوْرِي اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ الزِيَادِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدِ بْنِ بِلَالِ الْبَزَّارِ وَ هُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ بِشْرِ بْنِ الْحَكَمِ الْعَبْدِي وَهُوَ اَوَّلُ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَا بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَاِلَيْهِ يَنْتَهِي التَّسَلْسُلُ بِالْاَوَّلِيَّةِ عَنِ الْاَصْلَحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْ قَابُوْسٍ مَوْلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَ وَقَعَ فِي بَعْضِ طُرُقِ هٰذَا الْحَدِيْثِ ابْنُ الْجُوْزِي فَجَعَلَهٗ صَاحِبُ الْمِنَحِ هُوَالْوَاعِظُ الْمَشْهُوْرُ وَ نَقَلَ شَيْخُنَا الْجَوْهَرِي عَنِ الْبَصْرِي عَنْ شَيْخِ الْاِسْلَامِ زَكَرِيَّا اِنَّ هٰذَا بِضَمِّ الْجِيْمِ وَ لَيْسَ هُوَالْوَاعِظُ الْمَشْهُوْرُ قَالَ وَيَرْحَمُكُمْ بِالرَّفْعِ جُمْلَةٌ دُعَائِيَّةٌ لَابِالْجَزْمِ جَوَابُ الْاَمْرِ قَالَ فِي الْمِنَحِ وَهُوَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِي فِي الْكُنٰى وَالْاَدَبِ الْمُفْرَدِ وَالْحُمَيْدِي فِي مُسْنَدِهٖ وَ اَبُوْ عَلِيِّ الزَّعْفَرَانِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ فِي سُنَنِهٖ وَالتِّرْمَذِي فِي جَامِعِهٖ اِنَّهُمْ جَمِيْعًا لَمْ يُسَلْسِلُوْهُ وَاَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْبَكْرِ بْنِ اَبِي شَيْبَه وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ التِّرْمَذِي بِاِعْتِبَارِ مَالِهٖ مِنَ الْمُتَابِعَاتِ وَالشَّوَاهِدِ۔اه

فائدہ پنجم: میں نے جو اپنی اجازت گزشتہ سطور میں ذکر کی۔ اس کی مناسبت سے ایک اور جلیل القدر اجازت ذکر کرنا چاہتا ہوں ایک چیز کی جب کسی دوسری چیز سے مناسبت ہوتی ہے تو ایک کے ذکر کرنے

الْمُتَحَلّٰى بِالْفَوَاضِلِ الْمُتَهَنِّكِ فِى مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ يُوْسُفَ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ النَّبْهَانِى اَجْزَلَ اللّٰهُ عَطَاهُ وَ كَشَفَ عَنْ قَلْبِهٖ غِطَاءَهٗ وَ بَلَّغَهٗ مَا يَتَمَنَّا فِى دُنْيَاهُ وَ اُخْرَاهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ عَلٰى مَنْ وَالَاكُمْ فِى اللّٰهِ ـ صُدُوْرُ الْمُحَرِّرِ مِنْ حَوْطَةِ الْحَبِيْبِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعِطَاسِ حَرْبَضَةَ وَ بَاعِثُهٗ طَلَبُ الدُّعَاءِ وَالسُّؤَالِ عَنْكُمْ اَرْجُوْكُمْ وَمَنْ لَدَيْكُمْ فِى عَافِيَةٍ كَمَا اَنَا وَمَنْ لَّدَيْنَا مِنَ الْاَخْوَانِ وَالْمَعَارِفِ كَذَالِكَ وَقَدْ اَرْسَلْنَا لَكُمْ قَبْلَهٗ كِتَابًا جَوَابًا لِكُتُبِكُمُ السَابِقَةِ مِنْ طَرِيْقِ عَدَنَ وَ اَخْبَرْنَا كُمْ فِيْهِ اَنَّ الصَّنْدُوْقَ الَّذِىْ اَرْسَلْتُمُوْهُ اِلَيْنَا فِى اِثْنَاءِ الطَّرِيْقِ وَفِى بَاطِنْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَصَلَ اِلٰى طَرَفِنَا رِيَاضَ الْجَنَّةِ وَوَجَدْنَاهُ كَمَا ذَكَرْتُمْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ يَشْكُرُ سَعْيَكُمْ وَ يَتَقَبَّلُ مِنْكُمْ وَ فَرَّقْنَاهُ عَلَى اَهْلِ الْجِهَةِ كُلِّهَا حَسْبَ الْاِمْكَانِ عَلَى السَادَةِ وَ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَ مَنْ لَهٗ رَغْبَةٌ فِى الْخَيْرِ اَرْسَلْنَا اِلٰى تَرِيْمِ نَحْوَسِتِّيْنَ وَاِلٰى سَيُوْنَ نَحْوَ خَمْسِيْنَ وَاِلَى الْبُلْدَانِ الْاُخْرٰى مَاتَيَسَّرَ مِنْ ذَالِكَ وَاَجْتَمَعْنَا بِغَالِبِ السَادَةِ الْعُلْوِيِّيْنَ وَ غَيْرِهِمْ مِنْ اَهَلِ تِلْكَ الدِيَّارِ وَالْجَمِيْعُ يَشْكُرُوْنَكُمْ وَيَمُدُّوْنَكُمْ بِصَالِحِ الدُّعَاءِ وَ غَالب مؤلفاتكم موجودة وَالْقِرَاءَةُ مُسْتَمِرَّةٌ فِيْهَا وَ عَرَفْتُمْ قَصْدَ كُمُ الْاِجَازَةَ وَ نَشْرَحُ لَكُمْ بَعْضَ الْحَالِ لَايَخْفِى عَلٰى جَنَابِكُمُ الْكَرِيْمِ اِنَّا فُقَرَاءُ وَضُعَفَاءُ وَمَا لَدَيْنَا شَىْءٍ مِمَّا ظَنَنْتُمْ اِلَّااِنَّانُحِبُّكُمْ فُى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اِنْ كَانَ شَىْءٍ مِنَ الْاَرْتِبَاطِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ السَلْفِ فِى الصُّوْرَةِ وَ فِى الْمَعْنَى عَسٰى اَنْ يَكُوْنَ مَا ظَنَّنَاهُ مُحَقِّقًا وَنَقُوْلُ اِغْنِنَا مَالِصَالِحِ دُعَائِكُمْ وَاِمْتِشَالًا لِاَمْرِكُمْ اَجَزْتُ الشَّيْخَ الْفَاضِلَ الْعَالِمَ الْعَامِلَ يُوْسُفَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ النَبْهَانِىَّ فِى جَمِيْعِ الْعُلُوْمِ الشَرْعِيَّةِ مِنْ تَفْسِيْرٍ وَّ حَدِيْثٍ وَّ فِقْهٍ وَّ تَصَوُّفٍ وَآلَاتِ ذَالِكَ وَ فِى جَمِيْعِ الْاَذْكَارِ وَالْاَحْزَابِ وَالْاَوْرَادِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَى السَلْفِ الصَالِحِ وَ فِى جَمِيْعِ عُلُوْمِ الرِوَايَةِ وَالدِرَايَةِ اجزتُهٗ اِجَازَةً مُطْلَقَةً وَاَجَزْتُهٗ اَيْضًا فِى الطَّرَائِقِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلٰى اَهْلِهَا كَالْعُلْوِيَّةِ وَالشَاذِلِيَّةِ والْقَادِرِيَّة وَ غَيْرِهَا مِنَ الطَّرَائِقِ كَمَا هِىَ مَبْسُوْطَةٌ وَ مَذْكُوْرَةٌ فِى مُؤَلَّفَاتِهَا لَاسِيَمَا كِتَابُ السَّيِدِ مُحَمَّدِ مُرْتَضٰى اَبْوَابُ السَعَادَةِ وَ سَلَاسِلُ السِّيَادَةِ وَهُوَ كِتَابٌ عَظِيْمٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰى غَالِبِ الطُرُقِ بِاَسَانِيْدِهَا وَاَنَا اَرْوِيْهِ بِالْاَجَازَةِ الْعَامَّةِ وَالْخَاصَّةِ عَنِ السَيِّدِ الْشَرِيْفِ عِيْدُ رُوْسِ بْنِ عُمَرَ الْحَبْشِى وَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالسَادَةِ وَ مِنْ اَجَلِهِمْ وَ اَفْضَلِهِمْ وَ اَعْلَمِهِمُ السَيِّدُ

الشَّرِيْفُ صَالِحُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعَطَّاسِ بِحَقِّ اَخْذِهِمَا عَنِ السَّيِّد الشَّرِيْفِ الْعَالِمِ الْعَامِلِ الْكَامِلِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْاَهْدَلْ بِحَقِّ اِتِّصَالِهٖ بِالسَّيِّدِ مُحَمَّدٍ مُرْتَضٰى بِحَقِّ اَخْذِهٖ لِذَالِکَ عَنِ السَّيِّدِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مُصْطَفٰى الْعِيْد رُوْسِ كَمَا شَرَحَ ذَالِکَ بَيْنَهٗ فِي النَّفْسِ الْيَمَانِيْ فِي اِجَازَةِ بَنِي الشَّوْكَانِي لَهٗ وَهُوَ كِتَابٌ جَلِيْلٌ حَفِيْلٌ ذَكَرَ فِيْهِ مَشَائِخَهٗ وَ مَشَائِخَ وَالِدِهٖ وَ مَشَائِخَ جَدِّهٖ يَحْيٰى وَالْكِتَابُ الْمَذْكُوْرُ عِنْدِي وَاَجَزْتُكُمْ بِهٖ وَبِمَا احْتَوٰى عَلَيْهِ وَقَدِ اتَّصَلْتُ بِهٖ مِنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِثَبْتِ السَّيِّدِ الشَّرِيْفِ عِيْدِ رُوْسِ بْنِ عُمَرَ الْحَبشي وَ مَا احْتَوٰى عَلَيْهِ مِنَ الطَّرَائِقِ الْعُلْوِيَّةِ وَ غَيْرِهَا كَمَا اَجَازَنِي بِذَالِکَ وَاَذِنَّ لِي بِمَا هُنَالِکَ نُطْقًا وَ كِتَابَةً وَ هُوَ مَوْجُوْدٌ عِنْدِي وَطُبِعَ فِي مِصْرَ وَهُوَ كِتَابٌ عَامٌّ وَسَمِعْنَا الْكَثِيْرَ مِنْهُ عَلٰى مُؤَلِّفِهٖ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِثَبْتِ الشَّيْخِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ كَمَا اَرْوِيْهِ بِالْاِجَازَةِ عَنْ سَيِّدِنَا وَ شَيْخِنَا السَّيِّد اَحْمَدَ زَيْنِي دُحْلَانَ وَهُوَيَرْوِيْهِ عَنِ الشَّيْخِ عُثْمَانَ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّمْيَاطِيْ عَنْ الشَّيْخِ الْاَمِيْرِ الْكَبِيْرِ وَاَجَزْتُكُمْ اَيْضًا بِجَمِيْعِ مَا صَحَّتِ الْاِجَازَةُ مِنْ جَمِيْعِ الطُّرُقِ الْخَاصَّةِ وَالْعَامَّةِ كَمَا اَخَذْتُ ذَالِکَ مِنْ مَشَائِخَ كَثِيْرِيْنَ يَقِظَةٍ وَ مَنَامًا بِالْحَرَمَيْنِ وَالْيَمَنِ وَمِصْرَ وَ حَضَرَ مَوْتَ وَاتَّصَلَتْ بِكَثِيْرٍ مِنَ الْمَشَائِخِ الْاَجِلَّةِ وَاَخَذْتُ عَنْهُمْ بِلَاوَاسِطَةٍ كَالشَّيْخِ عَبْدِالْقَادِرِ الْجَيْلِيْ وَالْفَقِيْهِ الْمُقَدَّمُ مُحَمَّدِ بْنُ عَلِي الْحَسُيْنِيْ وَالشَّيْخِ الغزالى وَالشَّيْخِ اَحْمَدُ بْنِ حَجْرٍ وَالشَّيْخِ ابْنِ الْعَرَبِيْ وَ كَثِيْرٍ مِمَّنْ يَطُوْلُ ذِكْرُهُمْ وَ تَعْدَادُ هُمْ وَاِنْ قَدَّرَاللّٰه وَ سَمَحَ الزمَانُ بَيْنَا لَكُمْ بَعْضًا مِنْ ذَالِکَ وَلَا تَنْسُوْنَا مِنْ صَالِحِ دَعْوَاتِكُمْ وَمَا اعْتَذَرْتُمْ بِهٖ مِنْ بَذَّةِ الْحَالِ وَالْبَالِ كُلٌّ مَعَهٗ مَايَكْفِيْهِ وَ حَالَ اِمْلَاءِ الْكِتَابِ وَالْمَكَانَ مَلْآنٌ وَاللّٰهُ يَجْعَلُ الْعَاقِبَةَ لِلْجَمِيْعِ خَيْرًا وَقَدْ رَفَعْنَا حَاجَتَكُمْ اِلٰى كَثِيْرٍ مِنْ اَهْلِ التَوَجُّهَاتِ وَ طَلَبْنَا مِنْهُمُ الدُّعَاءَ لَكُمْ وَلِحُفْرَةِ الْمُحِبِّ عَبْدِالْغَنِي بَاشَابِيُوْضُوْنَ الْبِيْرَوْنِيْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى اَوْلَادِكُمْ وَمَنْ شِئْتُمْ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنَّا وَمِنْ اَوْلَادِنَاوَ مِمَّنْ لَدَيْنَا۔

حَرَّرَ مُنْتَصَفَ رَجَبٍ سَنَةَ ۱۳۲۱ھ مِنَ الْمُسْتَمَدِءِ لِلدُّعَاءِ مِنْكُمْ وَالدَاعِي لَكُمْ الفَقِيْرُ اِلٰى عَفْوِ مَوْلَاهٗ اَحْمَدُ بْنُ حَسَنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِي الْعَطَّاسِ الْعُلْوِي۔

امام علامہ شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیہ الحنبلی

المتوفی ۷۲۸ھ

میں نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں ابن تیمیہ کی ضرر رساں بدعات کا خوب رد کیا۔ اور اس کتاب ''جواہر البحار'' میں اس کی موتیوں بھری باتیں ذکر کر رہا ہوں۔ اس حقیقت سے باخبر شخص کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ابن تیمیہ ایک جلیل امام ہے۔ لہٰذا اس کی بکثرت اچھی باتوں سے نفع اٹھانے کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر چہ اس کی معدود باتیں نہایت نازیبا اور بری ہیں اور جس شخص کو اس کی کتاب ''الصَارِمُ الْمَسْلُوْلُ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا جس سے میں یہاں کچھ باتیں نقل کر رہا ہوں۔ وہ انتہائی تعجب کرے گا۔ کہ یہ وہی ابن تیمیہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ اور آپ کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے کو حرام کہتا ہے۔ بہر حال جو بھی ہے تقدیر سے بچنا ناممکن اور جب قضا آ جاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہے۔ بیشک ابن تیمیہ نے فوت کر دیا جو فوت کر دیا اور نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

موصوف کے موتیوں میں سے ایک موتی اس کی تصنیف ''اَلصَارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلَى شَاتِمِ الرَّسُوْلِ'' ہے۔ میں نے اس سے مختصر مضامین لئے۔ غالبًا اسی کی عبارات کو میں نے برقرار رکھا۔ جہاں میں نے اسے کافی سمجھا۔ اسی مضمون پر اس نے قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثار مرویہ، کلام ائمہ پیش کئے۔ پھر موصوف نے کچھ اپنا کلام بھی لکھا۔ مذکورہ کتاب ضخامت کے اعتبار سے کافی بڑی ہے۔ علمی باتوں سے بھر پور ہے۔ میں اس کا جو اختصار پیش کر رہا ہوں۔ یہ اصل کتاب کا تقریباً پانچواں حصہ بنتا ہے۔ میں نے اس اختصار میں موصوف کی ذکر کردہ تمام آیات، احادیث، آثار اور ائمہ کے عظیم کلام کو جو اس موضوع پر ہیں۔ مکمل درج کیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلِيِّ الْاِحْسَانِ۔

تمام تعریفیں اللہ ہادی کیلئے جو نصیر ہے اور خوب نصیر و ہادی ہے وہ جو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور اس کیلئے رشد و ہدایت کا راستہ واضح کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے مومنین کو اس حق کی ہدایت دی جس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اس نے ان کیلئے ہدایت اور درستگی کو جمع کر دیا اور وہ اللہ جس نے اپنے پیغمبروں اور ایمانداروں کی دنیوی زندگی اور قیامت میں مدد فرمائی۔ جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا۔ وہ ایسا سچا ہے جس نے کبھی بھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسی گواہی جو گواہی

دینے والے کو دین حنیف کیلئے قائم کرے اور الحاد سے بیزار کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ جو تمام رسولوں سے افضل اور تمام بندوں سے بڑھ کر کریم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا۔ تا کہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ اگر چہ مشرک اور دشمن اسے پسند نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ساتھ ہی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ اذان، تشہد اور جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں دونوں ذکر متصل ہیں۔ آپ کے دشمنوں کو سرنگوں کیا۔ آپ کے نافرمانوں کو ہلاک کر دیا اور مذاق اڑانے والے حاسدین سے آپ کی کفایت فرمائی۔ آپ کے بدخواہ کی جڑ کاٹ دی۔ آپ کو ایذا دینے والے پر دنیا و آخرت میں لعنت کی۔ اور اس کے ہر ارادے کو بیکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء کرام کے مقابلہ میں اس قدر خصوصیات سے مختص فرمایا، جن کی گنتی نہیں ہوسکتی سو آپ کیلئے ہی وسیلہ، فضیلۃ، مقام محمود اور ایسی لواء الحمد ہے جس کے نیچے ہر حمد کرنے والا ہوگا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَفْضَلَ الصَّلٰوَاتِ وَ اَعْلَاھَا وَ اَکْمَلَھَا وَ اَنْمَا ھَا کَمَا یُحِبُّ سُبْحَانَہٗ اَنْ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَ کَمَا اَمَرًا وَ کَمَا یَنْبَغِی اَنْ یُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَفْضَلُ تَحِیَّۃٍ وَ اَحْسَنُھَا وَ اَوْلَاھَا وَ اَبْرَکُھَا وَ اَطْیَبُھَا وَاَزْکَاھَا صَلٰوۃً وَّ سَلَامًا دَائِمِیْنِ اِلٰی یَوْمِ التَّنَادِ بَاقِیَیْنِ بَعْدَ ذَالِکَ اَبَدًا رِزْقًا مِنَ اللّٰہِ مَا لَہٗ مِنْ نَفَادٍ۔ اما بعد۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب ہمیں ہدایت دی اور ان کی وجہ سے ہمیں اندھیروں میں روشنی کی طرف نکالا۔ آپ کی رسالت کی برکت سے اور آپ کے پیغام رساں بنائے جانے کے احسان سے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کی۔ آپ کی اپنے رب کے ہاں اس قدر بلند و بالا منزلت ہے کہ تمام عقول اس کی معرفت اور زبانیں اس کی تعریف سے عاجز ہیں۔ علم اور بیان کی چونکہ ایک حد ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کیلئے خاموشی اور عاجزی ہی بہتر طریقہ ہے۔ ایک حادثہ اور ایک واقعہ رونما ہوا۔ کم از کم ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حق ہے بلکہ وہ تو ایسا حق ہے کہ اللہ رب العزت نے ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم توقیر واجب کر دی ہے۔ اور اس کیلئے ہر طریقہ اپنانے کا حکم دیا۔ نفس کے ایثار کا حکم دیا۔ مال قربان کرنے کا کہا اور ہر وقت ہر جگہ ایسا کرنے کو کہا آپ کی حفاظت، آپ کی حمایت ہر قسم کی ایذاء دینے والے سے لازم قرار دی۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کی مدد سے مستغنی فرما دیا

B

ہے لیکن بعض کو بعض کے ذریعہ آزمانا منظور ہے اور اس لئے تا کہ لوگوں کے سامنے وہ لوگ آجائیں جو غائبانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ تا کہ اعمال پر جزاء کا تحقق ہو جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس حادثہ نے تقاضا کیا کہ میں وہ عقوبت ذکر کروں جو شرع محمدی نے ہر اس شخص کیلئے مقرر کی ہے جو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر یا ان کے متبعین ہوں۔ اور ذکر بھی اس طرح کروں کہ جس میں حکم اور دلیل دونوں موجود ہوں۔ میں اس بارے میں جو میرے ذہن میں اقوال حاضر تھے وہ نقل کروں گا۔ اور ہر قول کے ساتھ اس کی علت بھی ذکر کروں گا۔ اور یہ بھی بیان کروں گا کہ کس موقف کو تسلیم کیا گیا ہے۔ باقی جو اللہ تعالیٰ نے ایسے کیلئے سزائیں مقرر کر رکھی ہیں تو ان کی تفصیل قلمبند ہونا مشکل ہے۔ یہاں مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلہ میں ایسا حکم شرعی بیان کر دیا جائے جس پر مفتی فتویٰ دے سکتا ہو اور قاضی فیصلہ کر سکتا ہو۔ اور ہر امام اور امت کے ہر فرد پر جس پر ڈٹ جانا بقدرے امکان ہو۔ وَاللّٰهُ هَوَ الْهَادِیُ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ۔

جو ہر ا: ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول میں ''المسئلۃ الاولیٰ'' کے تحت لکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ یہ عام اہل علم کا مذہب ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ عام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دینا چاہئے۔ اس قول کے قائل امام مالک، لیث، احمد، اسحاق بھی ہیں۔ اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ اگر ذمی ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک شرک سے یہ بات بڑی نہیں ہے۔ ابو بکر فارسی نے اصحاب شافعی سے ذکر کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس شخص کی حد قتل ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دی۔ جیسا کہ آپ کے سوا کسی اور کو گالی دینے والے کیلئے کوڑے ہیں۔ یہ اجماع جو ابو بکر فارسی نے ذکر کیا ہے۔ صدر اول یعنی صحابہ کرام اور تابعین حضرات کے اجماع پر محمول ہے یا موصوف نے یہ مراد لیا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ اگر مسلمان ہو کر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس کی سزا بالا جماع قتل ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض نے بھی یہی شرط لگائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا آپ کی تنقیص کرتا ہے وہ واجب القتل ہے۔ یونہی اور بھی بہت سے حضرات نے ایسے شخص کے واجب القتل اور اس کی تکفیر پر اجماع کا قول کیا ہے۔

امام اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں جو ایک مشہور امام ہیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص

اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اس میں سے کسی کا انکار کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی کو قتل کرتا ہے وہ اس فعل سے کافر ہو جاتا ہے اگرچہ تمام ما انزل اللہ کا اقرار کرتا ہو۔ خطابی کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی مسلمان کا میں اختلاف نہیں پاتا۔ جناب محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے۔ اور ایسے کا حکم تمام امت کے نزدیک یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے اور جو ایسے کے کفر میں شک لائے اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں ''واجب القتل'' ہونے کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ گالی دینے والا اگر مسلمان ہے تو وہ بغیر اختلاف واجب القتل ہے اور کافر ہے۔ یہ ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ کن حضرات نے اس اجماع کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ اور اگر گالی دینے والا ذمی ہے تو اسے بھی امام مالک، اہل مدینہ اور امام احمد کے مذہب میں قتل کیا جائے گا۔ اور فقہاء الحدیث بھی اسے واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد نے کئی مقامات پر یہ بات بطور نص ذکر فرمائی ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں۔ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہر وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی یا تنقیص شان کی وہ مسلمان ہو یا کافر۔ وہ واجب القتل ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ امام حنبل ہی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہر وہ شخص جو عہد توڑ دے اور اسلام میں کوئی نیا شوشہ نکالے۔ جیسا کہ یہ (گالی دینا) ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی سزا قتل ہے۔ اس بات کے ہوتے ہوئے اسے عہد اور ذمہ نہیں دیں گے۔ اسی طرح ابوالصقر نے بھی کہا کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ اگر کوئی ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اس کی سزا کیا ہے؟ فرمایا جب اس پر بینہ قائم ہو جائیں (گالی دینا ثابت ہو جائے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ یہ دونوں روایات ''خلال'' نے ذکر کیں۔ انہوں نے عبداللہ اور ابو طالب کی روایت میں کہا ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جواب دیا۔ اسے قتل کر دیا جائے۔ ان سے پوچھا گیا کیا اس بارے میں احادیث ہیں؟ جواب دیا۔ ہاں۔ احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ''حدیث الاعمیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں مروی ہے کہ ایک نابینا نے ایک عورت کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے بارے میں اُس نے سنا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتی

ہے۔ اور حدیث حسین بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی ایسے کے قتل کا کہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور کوئی مسلمان، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ عبداللہ نے کچھ الفاظ زیادہ ذکر کیے کہ میں نے ان سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے کیا اس کی توبہ قبول کی جائے گی؟ فرمایا۔ یقیناً اس پر قتل کیا جانا واجب ہو چکا ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دی تھی۔ اس کی توبہ قبول نہ کی تھی۔ یہ روایت ابوبکر نے ''الشافی'' میں ذکر کی ہے۔ ابوطالب کی روایت میں ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ ولم کو گالی دینے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا۔ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ دونوں روایات بھی ''خلال'' نے ذکر کی ہیں۔ اس حکم پر ان جوابات کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات پر امام احمد نے بطور نص کہا ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔ آپ کے تمام اقوال اس کے واجب القتل ہونے اور ناقض عہد ہونے پر صاف صاف دلالت کرتے ہیں۔ آپ سے اس بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں۔ یونہی امام موصوف کے اصحاب متقدمین ومتاخرین تمام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

پھر ابن تیمیہ نے لکھا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں مسلک خود ان سے بطور نص یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا عہد اس حرکت کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ اسے قتل کیا جائے گا۔ یونہی ان سے ابن منذر نے حکایت کی ہے۔ امام خطابی وغیر بھی یہی نقل کرتے ہیں۔ ''کتاب الام'' میں امام موصوف نے فرمایا۔ جزیہ پر ایک صلح نامہ تحریر کیا جائے، جس میں شروط تحریر ہوں...... فرمایا۔ کہ ایک شرط یہ بھی منوائی جائے کہ ذمی کہیں اگر ہم میں سے کسی ایک نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب اللہ، دین اسلام کا ذکر ایسے انداز اور طریقہ سے کیا جو نامناسب ہو۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور پھر امیر المومنین کا ذمہ اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ختم ہو جائے گا اور اس کو جو امان دی گئی وہ اس سے ٹوٹ جائے گی۔ اور امیر المومنین کیلئے اس کا مال اس کا خون حلال ہو جائیں گے جس طرح حربیوں کا مال وخون حلال ہے۔ اس کے بعد ابن تیمیہ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بقیہ کلام ذکر کیا اور ان کے عراقی اور خراسانی اصحاب کا کلام بھی ذکر کیا۔ اور ان میں یہ اختلاف بھی ذکر کیا۔ کہ کیا کیا باتیں ذمیوں کے عہد کو توڑ دیتی ہیں اور کون کون سی نہیں توڑتیں۔ پھر لکھا۔ کہ ان تمام حضرات

نے اختلافی کتب میں یہ بات صراحۃً اور دوٹوک انداز میں ذکر کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہے جیسا کہ ہم نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ذاتی نظریہ اس بارے میں ذکر کیا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے عہد نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی اس بات پر ذمی کو قتل کیا جائے گا لیکن اس کے اظہار پر اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ جیسا کہ انہیں ان منکرات کے اظہار پر تعزیر لگائی جاتی ہے، جن کے کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔ مثلاً ان کی اپنی کتابوں کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔ یہ نظریہ امام طحاوی نے جناب ثوری سے ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ احناف کی اکثریت یہ فتوی دیتی ہے کہ ذمیوں میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اسے قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ پکڑے جانے کے بعد مسلمان ہو جائے۔ قتل کا قول ان کے نزدیک ''سیاسۃً'' ہے۔ جو احناف کے نظریہ کے اصول کی طرف لوٹتا ہے۔

جوہر ۲: ''ذمی'' کا عہد ٹوٹ جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کے دین یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے۔ اور وہ واجب القتل ہو جاتا ہے اور مسلمان بھی اگر یہ فعل کرے تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ ان پر دلیل کتاب اللہ، سنت، اجماع الصحابۃ والتابعین اور قیاس میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں امور مذکورہ پر دلائل کئی آیات سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

آیت ۱: قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ان لوگوں کو قتل کر دو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی قیامت کے دن پر، اور نہ وہ حرام سمجھتے ہیں ان اشیاء کو جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا اور نہ وہ دین حق کو بطور دین قبول کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے جنہیں کوئی کتاب دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذلیل ہوتے ہوئے جزیہ نہ ادا کریں (توبہ)۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص ہمارے سامنے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے، اور لوگوں کی موجودگی میں ہمارے پروردگار کو برا بھلا کہے اور اپنی محفلوں میں ہمارے دین پر لعن طعن کرے وہ ''ذلیل'' نہیں۔ کیونکہ ذلیل وہ ہوتا ہے جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ اور یہ فعل قابل عزت اور داد کے لائق ہے؟ بلکہ یہ تو ہمارے لئے انتہائی ذلت اور اہانت کا سبب ہے۔

آیت ۲: كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ۔ مشرکین کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اسکے رسول کے ہاں کیونکر عہد ہو سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے قریب عہد کیا۔ سو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔ (توبہ:7)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ مشرکین میں سے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہے ان کے علاوہ کسی مشرک کا کوئی عہد نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کیلئے اسی وقت تک عہد معتبر ہوگا جب تک وہ مستقیم رہیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو مشرک ہمیں گالی گلوچ سرعام دیتا ہے، ہمارے رب کے بارے میں نازیبا الفاظ کہتا ہے، ہماری کتاب کی توہین کرتا ہے، ہمارے دین کا مذاق اڑاتا ہے، ایسا کرنا اس کا "استقامت" کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ آیت اگرچہ ان مشرکین کے بارے میں جو صلح کے بعد اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ نازل ہوئی لیکن بطریقہ اولیٰ یہ معنی ان ذمیوں کیلئے بھی ثابت ہے جو ہم مسلمانوں کے علاقہ میں مقیم ہیں۔

آیت ۳: وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ۔ اور اگر وہ (غیر مسلم) عہد و پیمان کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے سرکردہ لیڈروں کو قتل کرو۔ یقیناً ان کیلئے کوئی قسم (عہد و پیمان نہیں) (توبہ:12)۔

یہ آیت کریمہ چند وجوہ سے مقصود پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اول: محض قسم اور عہد و پیمان توڑ دینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ "طعن فی الدین" الگ مستقل طور پر ذکر کیا اور اسے مخصوص طور پر بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرکت اور فعل "قتال" کے لازم ہونے کیلئے بہت مضبوط سبب ہے۔ اسی لئے اس شخص کو سخت ترین عقوبت و سزا دی جائے گی۔ جو دین اسلام پر طعن کا مرتکب ہوگا۔ ایسی شدید سزا دوسرے "نقض عہد" کرنے والوں کو نہیں دی جائیگی۔

وجہ دوم: ذمی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ کو دشنام دیتا ہے، یا اسلام میں عیب نکالتا ہے۔ اور ایسا وہ علی الاعلان کرتا ہے تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور ہمارے دین پر طعن بھی کیا۔ لہٰذا اس کا قتل کیا جانا اس آیت سے بطور نص ثابت ہوا اور یہ دلالت بہت مضبوط اور اعلیٰ ہے۔

وجہ سوم: اللہ تعالیٰ نے انہیں "دین پر طعن" کرنے کی وجہ سے "کفر کے امام" کہا ہے۔ جب کوئی ذمی دین پر طعن کرتا ہے تو وہ بھی کفر میں امام ہے۔ لہٰذا "فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ" (توبہ:12) کے تحت اس

کے ساتھ قتال کرنا لازم ہوا اور اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ کیونکہ اس نے ہم مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے دین کا عیب علی الاعلان نہ نکالوں گا۔ لیکن اس نے اس کی مخالفت کی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو بھی ہمارے دین پر ہم سے عہد کرنے کے بعد طعن کرتا ہے۔ جبکہ اس کا عہد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تو وہ کفر میں امام ہے۔ اس کا عہد ختم ہو گیا۔ اس کا قتل کیا جانا آیت مذکورہ سے بطور نص ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ایسا کرنے والا اور عہد توڑنے والا جو امام نہ ہو دونوں کے درمیان فرق ہے۔ عہد توڑنے والا وہ ہوتا ہے جو کسی ایسی شرط کے خلاف کرے جن پر صلح کی گئی تھی۔ لیکن دین پر طعن نہ کرے۔

وجہ چہارم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ تم ان لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسمیں اور عہد و پیمان توڑ ڈالے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تمہارے ساتھ پہل کی۔ (توبہ:13) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکالے جانے کا ارادہ کرنے والوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس ارادہ میں یہی بات ہے کہ وہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک طرف یہ ارادہ اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا اول الذکر سے دوسری بات زیادہ اذیت دینے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ان لوگوں کو تو معاف کر دیا تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن آپ نے گالی دینے والوں کو معاف نہ کیا۔

وجہ پنجم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۴﴾ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ۔ ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے گا۔ اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے دلوں کو شفاء بخشے گا۔ اور ان کے دلوں کا غصہ ختم کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا رجوع کرے گا اور اللہ علیم حکیم ہے (توبہ:14)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے۔ جو وعدہ توڑنے والے اور دین پر طعن کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں ضمانت دی کہ اگر ہم ان کے خلاف لڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا۔ انہیں ذلیل کرے گا اور ان کے خلاف ہماری مدد کرے گا اور جن مسلمانوں کو ان کے عہد توڑنے سے اور دین پر طعن کرنے سے کچھ ان کی طرف سے ناگفتہ حالات

کا سامنا کرنا پڑے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں کا غصہ ختم کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا عہد و پیمان توڑنے والا اور دین پر طعن کرنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قتل کا مستحق ہے۔

وجہ ششم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں کو ٹھنڈا کر دے گا (توبہ:14)۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عہد و پیمان کو توڑنے اور طعن فی الدین سے جو مسلمانوں کے دلوں کو تکلیف پہنچی۔ اس سے سینوں کو شفا بخشنا اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔ اور اس کا حصول اس کا مطلوب ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے سینوں میں جو اس سے غصہ آیا اس کا ختم کرنا بھی مقصود و مطلوب ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ جو ذمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اور برا کہتا ہے یہ ایسا کام ہے جو مومنوں کو غضبناک کرتا ہے۔ اور انہیں تکلیف دیتا ہے۔ اس کی تکلیف اور اس کا غصہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانا اور ایک دوسرے کا مال و اسباب لوٹ لینا اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام دینے سے مسلمان کا غصہ محض اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ اور رسول کی حمایت کیلئے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مطلوب و مقصود ہے کہ مومنوں کے سینوں کو شفا بخشے اور ان کے دل کے غضب کو ٹھنڈا کر دے اور یہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب گالی بکنے والے کو قتل کیا جائے۔

آیت ۴: دلائل قرآنیہ میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ ۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی اور مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اس کیلئے جہنم کی آگ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہے گا (توبہ:67)۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرنا اور مخالفت کرنا ہے۔ کیونکہ یہ آیت پچھلی آیت کے بعد مذکور ہے۔ پچھلی آیت یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ انتہائی ذلیل ہیں۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے۔ (مجادلہ)

''اذل'' میں بہ نسبت ذلیل کے زیادہ مبالغہ ہے۔ اور ''اذل'' اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک

اسے اپنی جان اور اپنے مال کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ یہ خوف اسے اعلانیہ مخالفت کرنے کی وجہ سے ہو۔ اس لئے کہ جس آدمی کا خون اور مال معصوم ومحفوظ ہے۔ اس کا خون گرانا اور مال چھیننا جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ''اذل'' بھی نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور دشمنی کرتا ہے اس کیلئے ایسا عہد نہیں ہوسکتا جو اس کی جان و مال کی حفاظت کرتا ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے والا آپ کا مخالف اور دشمن ہے۔ لہٰذا اس کیلئے ایسا کوئی عہد نہیں جو اس کے خون کو معصوم کر دے۔ ہمارا بھی یہی مقصود ہے۔

اور یوں بھی ہمارا مقصود ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کو خوب ذلیل و رسوا کیا جائے۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا گیا (مجادلہ:5)۔ لفظ ''کبت'' کا معنی ذلیل کرنا رسوا کرنا اور خوب پچھاڑنا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ''کُبِتُوْا'' کا معنی انہیں ہلاک کیا جائے، ذلیل و رسوا کیا جائے اور ڈرایا دھمکایا جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو اللہ و رسول کا ''محاد'' ہے یعنی مخالف اور دشمن ہے۔ وہ ذلیل کیا گیا، رسوا کیا گیا، غیظ وخوف سے بھرا گیا اور تباہ و برباد کیا گیا ہے۔ اور یہ باتیں اس وقت مکمل ہوں گی جب اس کو خوف ہو کہ میں نے اگر اللہ و رسول کی مخالفت اور دشمنی کو ظاہر کیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا اور اگر اسے اپنے قتل کئے جانے کا خوف نہ ہوگا۔ تو ہر وہ شخص جسے اللہ و رسول کی مخالفت و دشمنی کرنے کی قدرت ہے۔ اور اسے علی الاعلان کرنا بھی چاہتا ہے لیکن وہ اپنی جان کو محفوظ سمجھتا ہے اور اپنے مال کو بھی معصوم جانتا ہے تو وہ ذلیل و رسوا نہ ہوا۔ بلکہ وہ تو خوش اور باعزت بنا پھرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (مجادلہ:21)۔ یہ اس قول کے بعد ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ (مجادلہ)۔ یہ قول (کتب اللہ) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ایک طرف اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا غلبہ ہے۔ گویا ''مخالفت'' غلبہ اور دشمنی کے مقابل ہے۔ حتیٰ کہ دو مخالف ہوں تو ایک غالب اور ایک مغلوب ہوگا (اور آیت کریمہ میں غالب کا صراحۃً ذکر کر دیا گیا) اور یہ دو لڑنے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ نہ کہ امن و امان سے رہنے والوں کے درمیان۔ لہٰذا معلوم ہوا اللہ اور رسول کا مخالف، امن و صلح میں نہیں ہے۔

اور اس طرح بھی دلیل بن جائے گی۔ کہ ''محادۃ'' (اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنا)

"مشاقہ" (اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنا) کی ایک صورت ہے۔ جب اس میں بھی "مشاقہ" کا معنی پایا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ ان کی گردن پر مارو اور ان کے ہر جوڑ پر مارو۔ یہ سزا انہیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف چلتا ہے بیشک اس کیلئے سخت سزا ہے...... (آیت ۴/سورۃ ۵۹) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس لئے قتل کرنے کا حکم دیا کہ یہ لوگ "مشاقہ اور محادۃ" کی صفت سے متصف ہیں۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو "حاد اور شاق" ہو اس کے ساتھ ایسا کرنا (قتل کرنا) واجب ہے۔ کیونکہ اس کی علت موجود ہے۔

آیت ۵: قول باری تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ (احزاب:57)

یہ آیت کریمہ اس شخص کے قتل کو واجب کرتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچانے والا ہو۔ اور اس کا کیا ہوا عہد و پیمان اسے معصوم نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں نے ان سے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائیں۔ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک کرتا ہے۔ "مَنْ لِكَعْبِ بْنِ اَشْرَفَ فَاِنَّهٗ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔ یہ سنتے ہی مسلمان اس یہودی کی طرف لپک پڑے۔ جو معاہد تھا۔ وجہ یہی تھی کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔

فصل: ایسی آیات جو گالی دینے والے کے کفر اور قتل پر دلالت کرتی ہیں جبکہ وہ معاہد نہ ہو۔ خواہ وہ اسلام کو ظاہر کرنے والا ہی کیوں نہ ہو بکثرت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اجماعی عقیدہ بھی ہے۔

دلیل ا: وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ان کے کان ہیں آپ کہہ دیجئے۔ کان تمہارے لئے بہتر ہیں۔ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اور اعتبار کرتا ہے مومنین کا اور تم میں سے مومنوں کیلئے رحمت ہے اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

تکلیف دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (توبہ:61)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ الایۃ۔ تمہیں ایسے لوگ نہیں ملیں گے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں پھر وہ ایسے شخص سے محبت بھی کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں۔ خواہ ان کے وہ باپ دادا ہوں، بیٹے بھائی وغیرہ ہوں۔ (مجادلہ:22)

جب اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخالفت رکھنے والے سے محبت کرنے والا مومن نہیں ہے تو خود مخالفت کرنے والا کیسا ہوگا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کا مخالف اور دشمن کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔

دلیل ۲: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ۔ منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کے دلوں میں چھپی بات بتادے۔ فرمادیجئے۔ مذاق پر اڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو نکالنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو لازماً کہیں گے کہ ہم تو غور و خوض کرتے اور کھیل کھیلتے رہے۔ فرمادیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ تم مذاق کیا کرتے تھے۔ مت عذر پیش کرو۔ تم ایمان لانے کے بعد پکے کافر ہو گئے ہو۔ (توبہ:66)

یہ آیت کریمہ اس بارے میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کفر ہے۔ لہٰذا گالی جب ارادۃً ہوتی ہے تو وہ بطریقہ اولیٰ کفر ہوگی۔

دلیل ۳: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ (توبہ:58) اور ان میں سے بعض آپ کو صدقات کی تقسیم میں طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ ''اللمز'' عیب اور طعن کو کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ الایۃ (توبہ:61)۔ یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی کی اور آپ کو اذیت پہنچائی۔ وہ ان یعنی منافقین میں سے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی اور آپ کو تکلیف پہنچانا ایسا شخص ہرگز نہیں کرسکتا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول برحق مانتا ہو، اور آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز وقریب جانتا ہو، اور جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آپ صرف اور صرف حق کہتے ہیں اور آپ کا ہر فیصلہ

عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ اور بیشک آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور تمام مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر واجب ہے۔

دلیل ۴: قول باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الآیۃ (النساء:65) آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے اختلافات میں آپ کو "حکم" نہ تسلیم کرلیں۔ پھر جو آپ ان میں فیصلہ فرمائیں اس سے متعلق کسی قسم کی دل میں تنگی نہ پائیں اور اس فیصلہ کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قسم اٹھا کر بیان فرمایا۔ کہ جب تک آپ کو اپنے خصومات میں لوگ "حکم" تسلیم نہیں کر لیتے پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ ہو بلکہ ظاہر و باطن سے آپ کے فیصلہ کو تسلیم کریں۔ وہ ایماندار نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو گمان کرتے ہیں کہ وہ یقیناً اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی۔ وہ چاہتے ہیں کہ شیطانی قوتوں کی طرف اپنے فیصلہ جات لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ آپ سے دور بھاگتے ہیں۔ (النساء)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جس شخص کو کتاب اللہ اور اس کے رسول کی طرف مقدمات لے جانے کو کہا جائے اور انہیں "حاکم" تسلیم کرنے کو کہا جائے تو اگر وہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑتا ہے وہ منافق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ایک گروہ ان میں اس کے بعد پلٹ جاتا ہے اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں اور جب انہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے اسی وقت ایک گروہ ان میں سے منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے اور اگر حق ان کی طرف ہوتا ہو تو دوڑتے ہوئے ان کی طرف آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں کوئی مرض ہے یا وہ شک میں ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول زیادتی کریں گے؟ بلکہ وہ ہیں ہی ظالم بیشک مومنین کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو ان کا جواب اور کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، کامیاب بھی یہی لوگ ہیں۔ (النور)

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑا۔ اور ان کا حکم ماننے سے انکار کیا وہ بھی ایک منافق ہے مومن نہیں ہے اور مومن وہ ہے جو ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ'' کہتا ہو۔ جب نفاق ثابت ہو گیا اور ایمان رخصت ہو گیا اور وہ بھی اس وجہ سے کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے منہ موڑا اور کسی دوسرے کے پاس اپنا فیصلہ لے گیا یہ اگرچہ شرک محض ہے لیکن بعض دفعہ اس کا سبب قوت شہوت بھی ہوتا ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان اور آپ کو گالی دیتا ہو یا اس قسم کی اور اذیت پہنچاتا ہو وہ کیونکر مسلمان رہ جائے گا؟ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن دحیم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔'' ہمیں شعیب بن شعیب نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں ہمیں ابو المغیرہ نے انہیں عتبہ بن ضمرہ نے وہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے بتایا کہ دو مردوں نے اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں فیصلہ کیلئے پیش کیا۔ آپ نے حق والے کیلئے اور باطل والے کے خلاف فیصلہ فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ گیا وہ کہنے لگا میں اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ اس کے ساتھی نے اسے کہا پھر تیرا کیا ارادہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ابو بکر صدیق کے پاس چلو۔ ہم دونوں ابو بکر صدیق کے پاس آ گئے۔ ان کے پاس جا کر وہ شخص بولا جس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا۔ ہم دونوں اپنا مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے تھے۔ آپ نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے (لیکن اس نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا)۔ حضرت ابو بکر صدیق نے کہا تم دونوں کا فیصلہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے کر دیا ہے۔ اس پر بھی اس کا ساتھی راضی نہ ہوا پھر عمر بن خطاب کے پاس دونوں آئے۔ یہاں بھی اس شخص نے جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا کہا کہ ہم دونوں نے اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا۔ لیکن یہ راضی نہ ہوا۔ پھر ہم دونوں ابوبکر صدیق کے پاس گئے انہوں نے فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ اس کی ناراضگی پھر بھی ختم نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ جو کچھ تمہارے ساتھی نے کہا وہ درست ہے؟ کہنے لگا درست ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر داخل ہوئے جب واپس باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ آپ نے فیصلہ پر ناراض ہونے والے کا سر قلم کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الایۃ (النساء:65)۔ اس حدیث مرسل کی اور بھی احادیث شاہد ہیں۔ جو ایسی وجہ اور سند کے ساتھ مروی ہیں، جن پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ ابن دحیم کہتے ہیں۔ حَدَّثَنَا الْجَوْزَ جَانِيّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَسْوَدِ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَه عَنِ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ اِخْتَصَمَ الْحَدِيْث۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے۔ آپ نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ فرمایا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا ہمیں حضرت عمر کے پاس جانے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک ہے چلے جاؤ۔ دونوں آپ کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت عمر کے ہاں پہنچے تو اس شخص نے کہا جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا۔ اے ابن خطاب! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے اور اس میرے ساتھی نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت عمر نے اس شخص سے پوچھا جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا کیا ایسے ہی ہوا ہے؟ اس نے کہا۔ جی۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ تو میرے باہر آنے تک یہیں ٹھہرنا۔ پھر میں باہر آ کر تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں گا۔ حضرت عمر گھر سے تلوار لئے باہر تشریف لائے پھر آپ نے اس شخص کی گردن اڑا دی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا تھا ہمیں حضرت عمر کے پاس جانے دیں۔ دوسرا شخص واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! عمر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اگر میں انہیں عاجز نہ کرتا تو مجھے بھی وہ قتل کر دیتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ عمر کسی مومن کے قتل کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الایۃ (النساء:65) اللہ

تعالیٰ نے حضرت عمر کو قتل سے بری کر دیا۔ مذکورہ قصہ ان دو طریقوں کے علاوہ اور طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

دلیل ۵: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ کی دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ اور اللہ نے ان کیلئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو بغیر کچھ ان کے کئے اذیت پہنچاتے ہیں۔ وہ یقیناً بہتان باندھتے ہیں اور واضح گناہ اٹھاتے ہیں (احزاب)۔

اس آیت کی ہمارے مقصود پر دلالت چند وجوہ سے ہے۔

وجہ اول: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کو اپنی اذیت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ جس طرح (دوسرے مقام پر) اپنی اطاعت کو حضور کی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے۔ پس جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نص مذکور ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ کافر ہے۔ اس کا خون حلال ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے محبوب کی محبت، اپنی رضامندی اور اپنے محبوب کی رضامندی اور اپنی اطاعت اور حضور کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ فرما دیجئے۔ اگر تمہارے باپ دادے، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور تمہارے کمائے ہوئے مال کہ جس کے نقصان سے ڈرتے ہو اور تمہارے مکانات جو تمہیں بڑے اچھے لگتے ہیں یہ سب اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہیں۔ (توبہ:24)

نیز فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔ یہ قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح:48)۔ بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (انفال:1) لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے

میں پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے۔ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی اور حضور کی نافرمانی، اپنی مخالفت اور حضور کی مخالفت، اپنی اذیت اور حضور کی اذیت، اپنی حکم عدولی اور حضور کی حکم عدولی ان سب کو بھی ایک ہی چیز کہا ہے۔

ارشاد فرمایا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (انفال:13)
یہ اس کا بدلہ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی۔

ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (مجادلہ:20)۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (توبہ:63)۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھی۔

ارشاد فرمایا۔ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (النساء:14) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔

ان آیات میں اور ان کے علاوہ دیگر ایسی آیات میں اللہ اور اس کے رسول کے دونوں حق لازم ملزوم قرار دیئے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جہت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جہت ایک ہی ہے۔ لہٰذا جس نے رسول کریم کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآل وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت کو اپنے رب کی طرف سے جو کچھ وصول ہوتا ہے۔ وہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے وصول ہوتا ہے۔ کسی ایک کیلئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور سبب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی امر، نہی، اخبار، بیان وغیرہ میں اپنے قائم مقام کیا ہے۔ لہٰذا یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ان امور میں سے کسی ایک امر میں تفریق کی جائے۔

وجہ دوم: آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ کی اذیت کو مومن مردوں اور عورتوں کی اذیت الگ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو اذیت پہنچانا ''بہتان اور اثم مبین'' قرار دیا ہے اور اس کیلئے دنیا و آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور اس کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مومن مرد یا عورت کی اذیت کبھی گناہ کبیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس میں کوڑوں کی سزا ہے اس سے زیادہ بڑی سزا اگر ہو سکتی ہے تو وہ کفر اور قتل ہی ہے۔

وجہ سوم: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا۔ کہ اس نے مومنوں کو اذیت دینے والے پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ اور رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لعنت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ اور جسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور رکھے۔ وہ صرف کافر ہی ہوسکتا ہے۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کرتا ہے۔ لُعِنَ الْمُؤْمِنُ كَقَتْلِهٖ۔ مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کی مانند ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورت کو اذیت پہنچانے والے پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے۔ تو وہ اس کے قتل کئے جانے کی مانند ہوئی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کا قتل مباح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ذکر فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ بیشک وہ لوگ جو پاکدامن اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت زنا لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے (النور:23)۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے۔ کہ یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں خصوصاً ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ آیت بھی ایک حجت ہے اور اس آیت کے موافق ہے۔ اس لئے کہ جب امہات المومنین کو بدکاری کی تہمت بھی ایسی بات ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے۔ تو اس الزام لگانے والے پر بھی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس آیت میں توبہ کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے کی توبہ مقبول نہیں۔ حتیٰ کہ وہ نئے سرے سے اسلام لائے۔ اس تفسیر کے مطابق ازواج مطہرات پر تہمت لگانا نفاق ہے جو خون گرانے کو مباح کر دیتا ہے۔ جب اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا قصد کیا جائے۔ یا ازواج مطہرات کو اذیت پہنچائی جائے۔ جبکہ ان کے بارے میں معلوم ہو چکا ہو کہ آخرت میں آپ کی یہ ازواج ہوں گی۔ اس لئے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بغاوت (بدکاری) نہیں کی۔

دلیل ۶: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات)۔ اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا مت کرو۔ اور نہ ہی آپ سے ایسی بلند آواز میں گفتگو کرو جیسے آپس میں تم بلند آوازی سے گفتگو کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اس آیت میں ہمارے مقصد پر دلالت اس طرح سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حضور صلی اللہ

B

علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور آپ سے ایسی بلند آوازی سے گفتگو کرنا جیسا کہ ہم باہم کرتے ہیں اس سے بھی منع فرمایا۔اس لئے کہ یہ اونچی آواز اور بلند آوازی اعمال صالحہ کو ضائع ہونے تک پہنچا دیتی ہے اور ایسا کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا اور جو کام نیک اعمال کے ضائع کرنے کا سبب بنتا ہو۔اسے لازماً اور واجباً ترک کیا جانا چاہیے۔اور عمل کے ضائع ہونے کا سبب ''کفر'' ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (البقرہ:217) اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جائیں گے پھر وہ کافرانہ عقیدے پر مر جائیں گے تو ان لوگوں کے تمام (نیک) اعمال ضائع ہو گئے۔وَغَیْرَ ذَالِکَ مِنَ الْآیَاتِ۔

پس جب ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچی آواز کرنا اور بلند آواز سے آپ کو پکارنا اس سے ایسا کرنے والے کے کافر ہو جانے کا خطرہ ہے جبکہ اسے خود علم نہ ہوا اور اس سے اس کے تمام اعمال ختم کر دیئے جائیں گے اس کا شدید خطرہ ہے اور اس کا سبب یہی مذکور دو باتیں ہیں۔اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر، تشریف و اکرام اور اجلال جیسا آپ کے شایان شان ہے۔ایسا کرنا اسکے خلاف ہے اور اس لئے بھی کہ کبھی بلند آوازی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت پر مشتمل ہوتی ہے اور آپ کا اس میں استخفاف ہوتا ہے۔اگرچہ بلند آواز کرنے والا اس کی نیت نہ بھی کرے۔لہٰذا جب بلند آواز کرنا ایسا عمل ہے (جس سے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔اس سے آپ کو اذیت ہوئی اور استخفاف کیا گیا) تو اذیت پہنچانا اور استخفاف کرنا جبکہ بالقصد اور جان بوجھ کر ہوں بطریقہ اولیٰ کفر ہوں گے۔

دلیل ۷: اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور)۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکارنے کو تم لوگ آپس میں یوں برابر نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔یقیناً اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو چپکے سے پناہ لینے کیلئے کھسک جاتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہیں انہیں فتنہ یا عذاب الیم نہ آن پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ فتنہ سے خوف کھائیں۔اور فتنہ' مرتد ہونا اور کفر' ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ:193) ان سے جہاد کرو تاوقتیکہ فتنہ باقی مٹ جائے۔ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں ''ارتداد اور کفر'' کو فتنہ کہا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ امام موصوف کا یہ قول فضل بن زیاد کی روایت میں ہے۔ ''میں نے قرآن کریم میں غور وفکر کیا۔ تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی بات تینتیس آیات میں ملی۔ پھر امام موصوف نے یہ پڑھنا شروع کر دیا''۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور) اسے بار بار دھراتے رہے۔ اور فرماتے ''فتنہ'' شرک ہے شائد جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی رد کر دیتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں کچھ ٹیڑھا پن داخل ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔ اور یہ آیت پڑھنا شروع کر دی۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:65)

یہ باب اور موضوع بڑا وسیع ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ مجمع علیہ (اجماعی عقیدہ) بھی ہے۔ لیکن جب دلائل متعدد ہوں اور ایک دوسرے کی اس بات پر مضبوطی کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا انتہائی غلیظ وشدید کافر ہے۔ اس کے عقوبت کے سخت ہونے میں ایک دوسرے کی تقویت کریں۔ اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ کا احترام نہ کرنا اور آپ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آنا اس کی وجہ سے ایسے کفر کا شدید خطرہ ہے جو اعمال کو ضائع کر دینے والا ہے تو ہمارا مقصد اس سے انتہائی مضبوطی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دلیل ۸: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾۔ اور تمہارے لئے روا نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ۔ اور نہ یہ کہ تم آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کے بعد شادی رچاؤ۔ بیشک تمہارا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عظیم ہوگا۔ (الاحزاب)

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے شادی کرنا امت کیلئے حرام کر دیا۔ کیونکہ اس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور اس کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں ''بہت بڑا کام'' قرار دیا ہے۔ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ مذکور ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی۔ جب کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال کر جائیں۔ تو میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلوں۔

پھر مسئلہ یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی باندیوں سے

شادی کی۔ اس کی سزا قتل ہے اور یہ سزا اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ جب ایسے کو قتل کرنے کا حکم ہے تو آپ کو گالی دینے والے کا قتل کیا جانا بطریقہ اولیٰ ہے۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت حماد بن ثابت عن انس سے روایت کیا۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ام ولدہ کے ساتھ تہمت زدہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی کو فرمایا۔ جاؤ اور جا کر اس کی گردن اڑا دو۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے۔ دیکھا تو وہ ایک پانی والے کنویں میں گرمی دور کر رہا تھا۔ آپ نے آواز دی باہر آؤ۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکالا۔ دیکھا تو وہ مجبوب تھا۔ اس کا آلہ تناسل ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے سے رک گئے۔ پھر حضرت علی المرتضٰی واپس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! وہ تو مجبوب ہے۔ اس کا تو آلہ تناسل ہی نہیں۔

اس شخص کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے آپ کی حرمت اور تعظیم میں خلل اندازی کی تھی۔ (آپ کو بدنام کرنا چاہا تھا) آپ نے اس کے بارے میں یہ حکم نہ دیا کہ اس پر حد زنا قائم کی جائے۔ اس لئے کہ "حد زنا" گردن اڑانا نہیں ہے۔ بلکہ اگر زانی محصن ہو تو اس کی سزا رجم اور اگر غیر محصن ہو تو کوڑے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی قانون ہے کہ زانی پر حد اس وقت قائم کی جاتی ہے جب اس کے خلاف چار آدمی گواہی دیں۔ یا وہ خود اقرار کر لے۔ جو قابل اعتبار ہوں۔ اس صورت میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گردن اڑانے کا حکم صادر فرمایا اور کوئی تفصیل ذکر نہ کی۔ کہ وہ محصن ہے یا غیر محصن؟ تو معلوم ہوا کہ اس کا قتل کیا جانا صرف اس بنا پر تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ (یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحقیق کئے بغیر یہ حکم صادر کیوں فرمایا؟ اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو گواہوں نے گواہی دی ہو۔ کہ ہم دونوں نے اس شخص کو اس عورت کے ساتھ مباشرت کی حالت میں دیکھا۔ یا اسی قسم کی اور گواہی دی ہو۔ تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ پھر جب معلوم ہوا کہ وہ تو مجبوب ہے تو پتہ چلا کہ جس شرارت اور فساد کا خطرہ تھا۔ وہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضی کو اس کے پاس بھیجا تا کہ واقعہ کی تحقیق کرائیں۔ اگر بات وہی ہے جو آپ تک پہنچائی گئی تو اسے قتل کر دیں۔ اسی لئے آپ نے اس

قصہ یا کسی اور واقعہ میں کہا۔ ''اَکُوْنُ کَالسِّکَّۃِ الْمُحْمَاۃِ'' فرمایا۔ ''بَلِ الشَّاھِدُ یَرٰی مَالَا یَرٰی الْغَائِبُ'' اس پر دلالت ایک اور واقعہ بھی کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''قبلہ بنت قیس بن معد یکرب'' کے ساتھ نکاح کیا۔ جو ''اشعث'' کی بہن ہے اور اس کے ساتھ ہم بستری کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اور شادی کے بعد یہ عورت اپنے سسرال میں ہی تھی آپ کے ہاں بالکل نہیں آئی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا تھا کہ تو اب پردے میں اور حجاب میں رہنا پسند کرے گی اور مومنین کیلئے اب تو حرام ہو جائے گی۔ یہ دونوں باتیں تسلیم کرلے یا پھر میں تجھے طلاق دیدیتا ہوں پھر تیری مرضی جس سے تو چاہے شادی کر سکتی ہے۔ تو اس نے کہا کہ مجھے نکاح پسند ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اسی عورت سے عکرمہ بن ابی جہل نے نکاح کر لیا۔ یہ شادی ''حضر موت'' میں ہوئی تھی۔ جب اس نکاح کی خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ ان دونوں کے گھر میں موجود ہوتے ہوئے اس گھر کو ان سمیت آگ لگا دوں۔ پھر کسی نے کہا۔ یہ عورت امہات المومنین میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ہم بستری کی ہے۔ اور نہ ہی پردہ کے احکام اس نے قبول کئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ مرتدہ ہو گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق کو دلیل پیش کی کہ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مرتدہ ہے۔

اس واقعہ میں دلیل بننے کی وجہ اس طرح ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا۔ کہ اس عورت اور اس سے شادی کرنے والا دونوں کو آگ میں جلا دیں گے۔ یہ آپ کا ارادہ اس لئے تھا کہ آپ نے جب دیکھا کہ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی تھی۔ حتیٰ کہ عمر نے آپ سے بحث کی۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سے نہیں ہے۔ تو اس بحث کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔ وہ قتل کیا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ارادہ یا حکم (جلانے کا) زنا کی حد تھی۔ اسی لئے کہ وہ عورت عکرمہ پر حرام تھی۔ اور جو محرم عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے زنا کی حد لگائی جاتی ہے۔ یعنی رجم کیا جائیگا۔ یا قتل کیا جائے گا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ''حد زنا'' رجم ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ کسی پر حد قائم کرنے کیلئے ثبوت زنا ضروری ہے۔ جو یا تو چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے یا زانی کے خود اقرار کرنے سے۔ لہٰذا جب حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر کو جلانے کا ارادہ کیا۔ حالانکہ احتمال موجود ہے کہ عکرمہ نے ابھی اس عورت سے وطی بھی نہ کی ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا (گھر جلانے کی) صرف اس وجہ سے تھی۔ کہ اس سے حضور ﷺ کی حرمت کو پامال کیا گیا اور عزت سے کھیلنے کی کوشش کی۔

جوہر نمبر ۲: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کیلئے قتل کئے جانے کی سزا واجبی پر "سنت" سے دلائل گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر یا ذمی۔ اور ذمی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے "معاہدہ" ختم ہو جانا یا کتاب اللہ، اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کو برا کہنے سے ذمہ ختم ہو جانا اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حدیث اول: امام شعبی نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیا کرتی تھی۔ اور آپ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون باطل کر دیا۔ (یعنی قاتل کو کوئی سزا نہ دی) یونہی ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور ابن بطہ نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث من جملہ ان دلائل میں سے ایک ہے جس سے امام احمد بن حنبل نے اپنے موقف پر دلیل پیش کی۔ اور یہ بات ان کے صاحبزادے عبداللہ سے روایت ہے۔ اور کہا۔ اَنْبَأَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَۃَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ الْحَدِیْثَ۔ یعنی جناب شعبی بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان نابینا مرد ایک یہودی عورت کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ وہ اسے کھاتی پلاتی اور حسن سلوک بھی کرتی۔ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہتی اور آپ کو تکلیف دینے کی حرکات کرتی۔ ایک رات اس نابینا نے اس کا گلا دبا دیا اور وہ مر گئی۔ جب صبح ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا قصہ بتایا گیا۔ اس عورت کے بارے میں لوگوں میں خبر پھیل گئی۔ ایک نابینا کھڑا ہوا اور اس نے اس عورت کی ساری بات سنائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کا خون باطل قرار دیدیا۔ یہ حدیث جید ہے۔ کیونکہ جناب شعبی نے حضرت علی المرتضی کو دیکھا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ یہ واقعہ اس بارے میں نص ہے کہ اس عورت کا قتل صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی وجہ سے تھا۔ اور یہ قصہ اس کی دلیل ہے کہ ذمی خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت جب ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس کا قتل بطریقۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ عورت اپنے شہر میں رہائش پذیر تھی۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو آپ نے تمام یہودیوں کو جو مدینہ میں تھے۔ انہیں مطلقاً ان کے گھروں پر رہنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے

ان پر کوئی جزیہ مقرر نہ فرمایا تھا۔ اور یہ بات اہل علم کے ہاں مشہور ہے۔ گویا متواتر ہے۔ اگر اس عورت کا قتل جائز نہ ہوتا تو لازماً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرد کے اس فعل کی قباحت اور برائی بیان فرماتے۔ کیونکہ آپ ہی کا ارشاد ہے۔ "مَنْ قَتَلَ نَفْساً مُعَاهَدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَالَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ" جس نے کسی معاہد کو بغیر حق قتل کر دیا۔ وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا، تو جب آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا تو معلوم ہوا کہ اس کا خون گرایا جانا مباح تھا۔

حدیث دوم: وہ روایت ہے جسے اسماعیل بن جعفر نے عن اسرائیل عن عثمان الشحام عن عکرمہ عن ابی عباس سے روایت کیا ہے وہ یہ کہ ایک نابینا شخص کی ام ولدہ تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیا کرتی تھی۔ اور آپ کو برے الفاظ سے یاد کرتی تھی۔ اس نابینا نے اسے منع کیا۔ لیکن وہ نہ رکی۔ اس نے ڈانٹا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک رات جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازیبا گفتگو شروع کی۔ اور گالی دینا شروع کیا تو اس نابینا نے کدال پکڑا اور اس کے پیٹ پر دے مارا وہ پیٹ میں گھس گیا اس کو تکیہ بنا کر بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ جس شخص نے یہ قتل کیا وہ کھڑا ہو جائے مجھے اس پر حق ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ نابینا کھڑا ہوا۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے لگا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں اس کا مالک ہوں۔ وہ آپ کے بارے میں بکواسات کرتی تھی اور گالی بکتی تھی میں نے روکا لیکن نہ رکی۔ میں نے ڈرایا، دھمکایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ میرے اس کے بطن سے دو بیٹے ہیں۔ ایسے جیسا کہ موتی ہوں اور وہ میرے حق میں بڑی نرم دل تھی۔ جب گزشتہ رات ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دینا شروع کیں۔ اور نازیبا الفاظ بکنے شروع کر دیئے میں نے کدال پکڑا اور اس کے پیٹ میں گھسیڑ دیا۔ اس پر میں نے ٹیک لگالی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے مار کر چھوڑا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ۔ اس عورت کا خون ضائع ہے۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا یہ قصہ ممکن ہے پہلا ہی (جو ذکر کیا جا چکا ہے) قصہ ہو۔ اسی پر امام احمد بن حنبل کا کلام دلالت کرتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے علاوہ الگ واقعہ ہو۔

حدیث سوم: یہ وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا اگرچہ ذمی ہو وہ واجب القتل ہے۔ اور اس سے ذمہ اٹھ جاتا ہے۔ یہ حدیث "کعب بن اشرف یہودی" کا قصہ ہے۔ خطابی کہتے ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ذمی

کو بھی قتل کیا جائے گا اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے اور اس سے ذمہ اٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے اس موقف پر "کعب بن اشرف" کے واقعہ سے دلیل پکڑی ہے۔ اس کا قصہ مستفیضہ مشہورہ ہے۔ اسے عمرو بن دینار نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ کون ہے جو کعب بن اشرف کی خبر لے؟ اس نے بیشک اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے۔ یہ سن کر جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! میں تیار ہوں کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں۔

جناب محمد بن مسلمہ نے عرض کیا۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کروں؟ فرمایا۔ اجازت ہے۔ اجازت ملنے کے بعد جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس گئے۔ باہمی معاملات وتعلقات پر گفتگو کی۔ دوران گفتگو کہنے لگے۔ کہ یہ شخص (جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے دن ہم سے صدقات طلب کرتا ہے۔ انہیں پناہ دیکر ہم نے تمام عرب دشمن بنا لئے۔ کعب نے کہا۔ خدا کی قسم! ایک دن تم لازماً اس سے اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ بولے۔ اب تو ہم ان کی اتباع کر چکے ہیں۔ اسے چھوڑنا اچھا نہیں۔ حالات دیکھ رہے ہیں کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ پھر جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تمہارے پاس کچھ رکھ کر قرض لینا چاہتا ہوں؟ کہنے لگا۔ اپنی بیویاں میرے پاس رہن رکھ دو۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تم نہایت خوبصورت شخص ہو۔ اس لئے اگر ہم نے اپنی بیویاں تمہارے پاس گروی رکھیں تو شاید وہ ہمارے پاس واپس آنے کو تیار نہ ہوں۔ کعب نے کہا۔ پھر اپنے بیٹے رہن رکھ دو۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کہ ایسا کرنے سے لوگ ہمارے بیٹوں کو کہا کریں گے۔ کہ تم وہی ہو نا جنہیں تمہارے باپ چند کوڑیوں کے عوض گروی رکھ آئے تھے۔ یہ بہت بڑی بدنامی ہو گی۔ ہاں اپنے ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا۔ منظور ہے۔ دونوں میں یہ طے پایا۔ کہ حارث، ابوعبس بن جبیر اور عباد بن بشر بھی موجود ہوں گے۔ چنانچہ یہ جمع ہو گئے۔ اور کعب بن اشرف کو انہوں نے دوستانہ طریقہ سے رات کے وقت اپنے ہاں بلایا۔ اور وہ آ گیا۔ جناب سفیان بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے علاوہ دیگر راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کی بیوی نے کہا۔ مجھے آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسا خون کی آواز ہو۔ کعب کہنے لگا میں جن کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ محمد اور اس کے رضاعی بھائی ابونائلہ کا گھر ہے۔ جب کسی معزز کو دعوت دی جاتی ہے تو اسے لازماً جانا چاہئے۔ جناب محمد بن مسلمہ نے ساتھیوں سے کہا۔ جب کعب آئے تو میں اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا۔ جب اسے اچھی

طرح قابو کر لوں تو تم اپنا کام کر دکھانا، کعب حسب وعدہ آ گیا۔ اس پر دحشت کے آثار تھے۔ حاضرین نے کہا۔ تم سے بڑی عمدہ خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ کہنے لگا۔ کیوں نہ آئے۔ میرے نکاح میں وہ عورت ہے جو تمام عرب عورتوں سے زیادہ بہتر خوشبو استعمال کرتی ہے۔ جناب محمد بن مسلمہ نے کہا۔ تم مجھے خوشبو سونگھنے کی اجازت دیتے ہو؟ کہنے لگا۔ سونگھ لو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے سر کے بالوں کو سونگھا۔ دوبارہ کہا کہ میں پھر سونگھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے اب کے خوشبو سونگھنے کے بہانے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے اور ساتھیوں سے کہا۔ اٹھو اور اپنا کام کر دکھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر ڈالا۔

اور ابن ابی اویس نے ابراہیم بن جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمۃ عن ابیہ عن جابر بن عبداللہ روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ نہ آپ سے لڑے گا، اور مکہ چلا گیا۔ پھر واپس مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلانیہ دشمنی کرنی شروع کر دی۔ اشعار کے ذریعہ آپ کی ہجو کہنی شروع کر دی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت دی۔

واقدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرمایا۔ کہ یہودی اور ان کے ساتھی مشرکین پر خوف طاری ہو گیا۔ تو مل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں صبح سویرے حاضر ہوئے۔ کہنے لگے۔ آج رات ہمارے ایک سردار پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اور بلا جرم اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اور کسی حادثہ کے بغیر اسے مار دیا گیا۔ بہر حال ہمیں اس کے جرم کا کوئی علم نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر وہ دوسروں کی طرح آرام سے رہتا جو اس کے ہم خیال ہیں، تو اسے دھوکہ سے قتل نہ کیا جاتا۔ لیکن اس نے ہمیں اذیت پہنچائی اور اشعار میں ہماری ہجو کہی۔ تم میں سے اگر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اس کا علاج صرف تلوار ہو گی۔ پھر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی دعوت دی کہ آپس میں ایک تحریر لکھو۔ پھر اس میں جن باتوں سے تمہیں روکا جائے۔ اس پر رکو۔ انہوں نے اپنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین ایک معاہدہ تحریر کیا جو رملہ بنت حارث کے گھر میں ایک پھلدار کھجور کے درخت کے نیچے لکھا گیا۔ یہودی سراسیمہ اور خوفزدہ ہو گئے۔ اور جس دن کعب ابن اشرف کو قتل کیا گیا اس دن سے ذلیل ہو گئے۔

موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ قصہ میں وہ کہتے ہیں۔ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات ذکر کی گئی کہ آپ نے یہ کلمات کہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ ابْنَ الْاَشْرَفِ

بِمَا شِئْتَ ''اے اللہ! میری ابن اشرف سے کفایت فرما جیسے تو چاہے۔ یہ سن کر جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا۔ پھر زہری نے قتل کئے جانے سے بقیہ قصہ بیان کیا۔ پھر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ابن اشرف کو اپنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت کرنے کی وجہ سے قتل کیا۔ اور آپ کی ہجو کرنے اور قریش کو آپ کے خلاف اکسانے کی بنا پر اس کی گردن ماری گئی۔ اس نے یہ سب اعلانیہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

حدیث ۴: حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔'' جس نے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے۔ اور جس نے نبی کے اصحاب کو گالی دی۔ اسے کوڑے لگائے جائیں۔ اسے ابو محمد خلال اور ابوالقاسم ازجی نے روایت کیا ہے۔ اور ابوذر ہروی نے بھی روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''مَنْ سَبَّ نَبِیّاً فَاقْتُلُوْہُ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَاجْلِدُوْہُ '' جو پیغمبر کو گالی دے اسے قتل کردو۔ اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔ اس حدیث پاک کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول کئے بغیر قتل کر دیا جائے اور قتل اس کی حد ہے۔

حدیث ۵: جناب عبداللہ بن قدامہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا کہا۔ میں نے کہا۔ میں اسے قتل کر دوں؟ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے ڈانٹ پلائی۔ اور فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یا آپ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینے کی سزا قتل نہیں ہے۔ اسے امام نسائی نے جناب شعبہ کی حدیث سے اسے روایت کیا ہے۔

جناب ابوبکر بن عبدالعزیز بن جعفر عن ابی برزۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو گالی دی۔ میں (ابوبرزہ) نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے خلیفہ! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو گالی دینے کی سزا یہ نہیں ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ جناب عبداللہ بن مطرف حضرت ابوبرزہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپ ایک شخص پر ناراض ہوئے تو اس نے آپ کو برا کہا۔ میں نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے خلیفہ! مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیں۔ کہتے ہیں کہ میری اس بات نے آپ کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ آپ اٹھے اور اندر چلے گئے۔ پھر میری طرف کسی کو بھیجا اور پوچھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو نے کیا کہا تھا؟ میں نے

کہا۔ مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیں۔ پوچھا۔ اگر میں تجھے اجازت دے دیتا تو کیا تو ایسے کر دکھاتا؟ میں نے عرض کیا۔ جی ضرور۔ فرمایا۔ خدا کی قسم! ایسا نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی انسان کیلئے اس کی اجازت نہیں۔

اس حدیث پاک سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ استدلال علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے جن میں ابوداؤد، اسماعیل بن اسحاق قاضی، ابوبکر بن عبدالعزیز اور قاضی ابویعلی وغیرہ ہیں۔ حدیث یہ فائدہ دیتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا فی الجملہ قتل کو مباح کر دیتا ہے اور اس کے عموم کے پیش نظر کافر اور مسلمان دونوں کے قتل پر استدلال کیا گیا ہے۔

حدیث ۶: عصماء بنت مروان کا قصہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ قبیلہ "خطمۃ" کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری خاطر کون اس کا کام تمام کرے گا؟ اس کی قوم کے ہی ایک آدمی نے عرض کیا۔ میں اس کا کام تمام کروں گا یارسول اللہ! وہ اٹھا اور جا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ "اس کے بارے میں دو مینڈھے سینگوں سے نہیں لڑیں گے" اصحاب مغازی نے اس عورت کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

واقدی نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن حارث بن فضیل نے اپنے والد سے بتایا۔ کہ عصماء بنت مروان کی شادی یزید بن زید خطمی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتی تھی۔ اسلام پر عیب لگاتی اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ اس پر اس نے کئی شعر بھی کہے تھے۔ جب اس کی باتیں عمیر بن عدی نے سنیں اور اس کے اکسانے کا علم ہوا۔ جو ان الفاظ میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ نَذْراً لَئِنْ رَدَدْتَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَاَ قْتُلَنَّہٗ۔ اے اللہ! تیرے لئے مجھ پر نذر لازم ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ واپس لوٹائے تو میں ضرور بالضرور انہیں مدینہ میں قتل کرواؤں گی۔ ان دنوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے مقام پر تھے۔ جب آپ بدر سے واپس تشریف لائے تو اس عورت کے پاس عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت آئے گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت اس عورت کے اردگرد اس کے بچے سو رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو اپنے سینہ پر بیٹھا کر دودھ پلا رہی تھی۔ جناب عمیر نے ہاتھ لگا کر بچے کو دیکھا

تو وہ دودھ پی رہا تھا۔ آپ ایک طرف ہو گئے۔ پھر کچھ دیر بعد تلوار اس عورت کے سینہ پر رکھی۔ اور زور سے دبائی حتیٰ کہ وہ پیٹھ کی طرف سے باہر نکل آئی۔ پھر وہاں سے نکل آئے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا اور پیچھے کی طرف مڑ کر بیٹھ گئے تو آپ کو عمیر نظر آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم مروان کی بیٹی کو قتل کر آئے ہو؟ کہنے لگا۔ میرے ماں باپ قربان۔ جی یا رسول اللہ! عمیر کو خوف لگا۔ شائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہ ہوں۔ عرض کی۔ کیا مجھ پر اس کا کوئی جرمانہ یا حد وغیرہ ہے۔ یا رسول اللہ؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کے بارے میں دو مینڈھے سینگوں سے لڑیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی مرتبہ یہ کلمہ سنا تھا۔ جناب عمیر کہتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اردگرد صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا۔ اگر تمہیں محبت ہو کہ ایسا شخص دیکھو جس کی اللہ اور اس کے رسول نے غائبانہ مدد کی۔ (یا جس نے غائبانہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی) تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس نابینے کو دیکھو جس نے اللہ کی اطاعت میں رات بسر کی۔ آپ نے فرمایا۔ اسے نابینا نہ کہو۔ لیکن یہ تو "بصیر" ہے۔ جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس آئے۔ تو دیکھا۔ کہ اس عورت کے گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ جو اسے دفن کرنے میں مصروف تھے۔ جب انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف سے عمیر کو آتے دیکھا۔ تو سارے ان کی طرف دوڑے۔ قریب آئے۔ تو کہنے لگے۔ اے عمیر! تم نے اس عورت کو قتل کیا ہے؟ عمیر کہنے لگے۔ ہاں میں نے قتل کیا ہے۔ تم سب میرے خلاف جو مکروفریب اور داؤ کھیلنا چاہتے ہو کھلی اجازت ہے۔ میں تم سے مہلت بھی طلب نہیں کرتا۔ اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم سب وہی لفظ کہو جو اس عورت نے کہے تھے۔ تو میں اپنی اس تلوار سے تم سب پر حملہ کر دوں گا۔ پھر یا تو میں قتل ہو جاؤں گا۔ یا میں تم سب کو قتل کر کے چھوڑوں گا۔ اس دن "بنوخطمہ" میں اسلام ظاہر ہوا۔ ان میں سے کچھ مرد ایسے تھے جو اسلام کو اپنی قوم سے خفیہ رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ قوم انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس عورت کا قتل رمضان شریف میں ہوا۔ جب رمضان شریف کے اختتام کو صرف پانچ راتیں باقی رہ گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے۔ اس عورت کا تعلق بنوخطمہ سے تھا۔ جو انصار کی ایک شاخ تھی۔

حدیث ۷: ابو عفک یہودی کا قصہ

اس قصہ کو اہل مغازی اور سیر نے ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنی سند سے ذکر کیا کہ بنوعمرو بن عوف

کا ایک شخص جسے ابوعقل کہا جاتا تھا۔ جو ایک سو بیس سال کی عمر کا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ شخص لوگوں کو آپ کی عداوت پر اکساتا تھا۔ اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کیطرف تشریف لے گئے۔ اور وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عظیم کامیابی عطا فرمائی۔ اس سے یہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں قصیدہ کہا۔ اس میں آپ کے علاوہ آپ کی اتباع کرنے والوں کی بھی اس نے مذمت کی۔ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نذر مانی۔ کہ میں ابوعقل کو قتل کروں گا۔ یا پھر اس سے لڑتا ہوا مارا جاؤں گا۔ سالم بن عمیر نے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں کی آمد تک انتظار کیا۔ حتیٰ کہ گرمیوں کی ایک رات تھی۔ اور ابوعقل گرمی کے مارے بنوعمرو بن عوف میں گھر کے سامنے میدان میں سویا ہوا تھا۔ سالم بن عمیر آگے بڑھے۔ اور تلوار اس کے جگر کی جگہ پر رکھ دی۔ زور سے دبائی۔ حتیٰ کہ وہ بستر کی طرف جا نکلی۔ اس اللہ کے دشمن نے چیخ ماری۔ اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ لوگ بھاگتے ہوئے اس کے ہاں پہنچے۔ اس کے گھر داخل ہوئے۔ چونکہ یہ مر گیا تھا۔ اسے قبر میں ڈالا۔ اور پوچھنے لگے۔ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ خدا کی قسم! اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اس کا قاتل کون ہے تو ہم اسے لازماً قتل کر کے چھوڑیں گے۔ محمد بن سعید نے ذکر کیا کہ ابوعقل یہودی تھا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ کے تمام یہودیوں نے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ پھر جب اس ابوعقل نے معاہد ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی اور آپ کی مذمت ظاہر کی۔ تو اسے ہجرت کے بیسویں سال شوال کے مہینہ میں قتل کیا گیا۔ یہ قتل ابن اشرف کے قتل سے بہت پہلے کا ہے۔ اس واقعہ میں اس بات پر واضح دلالت ہے کہ معاہد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دیتا ہے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اسے دھوکہ سے قتل کیا جانا چاہیے۔

حدیث ۸: انس بن زنیم دیلی کا واقعہ

یہ واقعہ بھی اہل سیر کے نزدیک مشہور ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ واقدی کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن عمرو بن زھیر نے محجن بن وھب سے روایت کیا۔ کہ آخری بات جو بنو خزاعہ اور بنوکنانہ کے درمیان ہوئی۔ وہ یہ کہ انس بن زنیم دیلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہی۔ اسے جب بنوخزاعہ کے ایک غلام (لڑکے) نے سنا۔ تو اس نے انس بن زنیم کی خبر لی۔ اس کا سر پھوڑ دیا۔ انس بن زنیم اپنی قوم کے پاس گیا اور انہیں اپنا زخم دکھایا۔ جس سے ان میں شرارت بھڑک اٹھی۔ اس کے ساتھ پہلے سے یہ بھی بات چلی آ رہی تھی کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ سے اپنی بہت سے خونوں کا بدلہ لینا تھا۔ واقدی کہتے ہیں۔ مجھے خزام بن ہشام بن خالد کعبی نے اپنے والد سے بیان کیا۔ وہ کہتے

ہیں کہ عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ جو اس کے اپنے قبیلہ سے تھے، نکلا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد طلب کی۔ اور آپ کو اپنی پریشانی بتائی۔ عمرو بن سالم نے آپ کو قصہ بتایا۔ جس میں ایک قصیدہ کہا گیا تھا۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّداً'' جب سوار فارغ ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! انس بن زنیم دیلی نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بہانا (قتل کرنا) جائز قرار دے دیا۔ جب یہ خبر انس بن زنیم کو پہنچی۔ تو وہ عذر پیش کرنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ پھر راوی نے انس بن زنیم کا ایک قصیدہ بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح بیان کی۔ اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

اَنْتَ الَّذِی تُھْدٰی مَعُدٌّ بِاَمْرِہٖ ۔۔۔ بَلِ اللّٰہُ یَھْدِیْھَا وَقَالَ لَکَ اَشْھَدُ

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَۃٍ فَوْقَ رَحْلِھَا ۔۔۔ اَبَرُّ وَاَدْنٰی ذِمَّۃً مِنْ مُحَمَّدٖ

تَعْلَمُ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّکَ مُدْرِکِیَّ ۔۔۔ وَاِنَّ وَعِیْدًا مِنْکَ کَالْاَخْذِ بِالْیَدِ

تَعْلَمُ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّکَ قَادِرٌ ۔۔۔ عَلٰی کُلِّ حَیٍّ مُتْھِمِیْنَ وَ مُنْجِدٌ

وَ نُبِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَنِّی ھَجَوْتُہٗ ۔۔۔ فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِی اِلَیَّ اِذًا یَدِی

سِوَی اِنَّنِی قَدْ قُلْتُ یَا وَیْحَ فِتْیَۃٍ ۔۔۔ اُجِیْبُوا بِنَحْسٍ یَوْمَ طَلْقٍ وَاَسْعَدِ

فَاِنِّیْ لَاعَرْضًا خَرَقْتُ وَلَا دَمًا ۔۔۔ ھَرَقْتُ فَفَکِّرْ عَالِمَ الْحَقِّ وَاقْصُدِ

آپ کی ذات بابرکات وہ ہے کہ جس کے حکم سے بنو معد کو ہدایت ملی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیتا ہے اور اس نے آپ کو کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کسی اونٹنی نے اپنے کجاوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نیک اور ذمہ داری کو نبھانے والا نہیں بٹھایا۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں۔ کہ آپ مجھے قابو کرنے والے ہیں۔ اور آپ کی طرف سے میرے بارے میں دھمکی یوں جیسا کہ کوئی چیز ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہو۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ پر تہمت لگانے والے قبیلہ پر گرفت رکھتے ہیں۔ اور اس کی نجات بھی آپ کے پاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ میں نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اس وقت سے میرے ہاتھ نے اپنا کوڑا نہیں اٹھایا۔ (یعنی میں سوار نہیں ہوا) میں نے اس کے سوا کچھ نہ کہا تھا۔ کہ افسوس ہے اس گروہ پر جس کو ایک اچھے دن خراب جواب دیا گیا تھا۔ میں نے نہ تو کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کا خون گرایا ہے۔ لہٰذا حق کو جانے والے اس میں غور و فکر کریں اور اچھا ارادہ کریں۔

واقدی کہتے ہیں۔ کہ مجھے یہ قصیدہ حزام نے سنایا تھا۔ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انس بن زنیم کا یہ قصیدہ پہنچا۔ اور اس کی معذرت پہنچی۔ اس کے بارے میں نوفل بن معاویہ دیلی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! آپ سب لوگوں سے بڑھ کر عفو و درگزر فرمانے والے ہیں۔ ہم میں سے جاہلیت کے دور میں بھی آپ سے کسی نے نہ دشمنی رکھی نہ ہی اذیت پہنچائی۔ ہمیں کوئی علم نہ تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور آپ کے وسیلہ سے ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ انس بن زنیم کے بارے میں سواروں نے آپ سے غلط بیانی کی ہے۔ انہوں نے آپ کے پاس جمگھٹا کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سواروں کو درمیان میں نہ لاؤ۔ ''تہامہ'' میں رشتہ داروں اور غیروں سے کوئی ایک بھی ''بنوخزاعہ'' سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں۔ یہ سن کر نوفل بن معاویہ دیلی خاموش ہو گیا۔ جب چپ ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے انس بن زنیم کو معاف کر دیا۔ نوفل بولا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس بن زنیم کا خون بیکار فرما دیا تھا۔ یعنی اس کے قتل کرنے والے پر کوئی حد وغیرہ نہیں۔ آپ کا یہ فرمان اس بارے میں نص ہے کہ کوئی معاہد جو ہجو کہتا ہے تو اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ پھر جب انس بن زنیم نے اپنے اشعار کے ذریعہ اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا۔ اسی لئے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے علماء شمار کرتے ہیں۔ اس کے اسلام لانے معذرت کرنے، مخبرین کی تکذیب اور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کرنے کے بعد تھا۔ اس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگی گئی۔ تاکہ آپ نے جو اس کا خون ضائع قرار دیا ہے۔ وہ معاف کر دیں۔ اور معافی وہاں ہوتی ہے۔ جہاں گناہ کی سزا جائز ہوتی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ جائز تھا کہ اس کے مسلمان ہو کر آنے اور معذرت کرنے کے بعد آنے پر بھی اگر آپ سزائے قتل دینا چاہتے تو دے سکتے تھے۔ لیکن آپ نے حلم و کرم سے کام لیتے ہوئے معاف کر دیا۔

حدیث ۹: ابن ابی سرح کا قصہ

اس قصہ پر اہل علم متفق ہیں اور اس قدر مستفیض ہے کہ روایت احاد سے مستغنی کر دیتا ہے۔ مستفیض ہونے کے اعتبار سے یہ قصہ اور واقعہ ایک عادل اور ثقہ آدمی کی روایت سے زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔ ہم اس واقعہ کو سند کے ساتھ اور شرح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ دلالت کا طریقہ واضح ہو

جائے۔ جناب مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ کہ جب مکہ فتح ہو گیا۔ تو فتح کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر چھپ گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لا کھڑا کر دیا۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! عبداللہ کو بیعت میں لے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرانور اٹھایا۔ اور تین دفعہ اس کی طرف دیکھا۔ ہر مرتبہ آپ نے انکار فرمایا۔ تین مرتبہ کے بعد آپ نے اسے بیعت میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موجود صحابہ کرام کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ کیا تم میں کوئی نیک بخت ایسا نہ تھا جو کھڑے ہو کر اس کا کام تمام کر دیتا جب اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے اسے بیعت میں لینے سے انکار کر دیا تھا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمیں آپ کے دلی ارادے کی خبر نہ تھی صرف آپ نے اپنی آنکھ سے ہماری طرف اشارہ فرمایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کسی پیغمبر کیلئے آنکھ کی خیانت درست نہیں۔ اسے ابوداؤد نے اسناد صحیح سے روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے بھی یہ واقعہ جناب سعد بن ابی وقاص سے ہی قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب فتح مکہ کا دن آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں کے سوا سب کو امن دیدیا۔ ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔ ''اُقْتُلُوْهُمْ وَاِنْ وَجَدَ تُّمُوْهُمْ مُتَعَلِّقِيْنَ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ'' جہاں کہیں یہ ملیں انہیں قتل کر دو اگرچہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹے ہوئے بھی ہوں۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ عبداللہ بن خطل۔ مقیس بن صبابۃ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان میں سے عبداللہ بن خطل تو کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹا ہوا پایا گیا۔ اس کی طرف جناب سعید بن حریث اور عمار بن یاسر لپکے۔ دونوں میں حضرت عمار بن یاسر نے پہلے وار کر دیا۔ کیونکہ یہ اپنے ساتھی سعید بن حریث سے زیادہ تجربہ کار اور طاقت ور تھے۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص مقیس بن صبابۃ اسے لوگوں میں بازار میں پایا۔ وہیں اس کا کام تمام کر دیا۔ تیسرا عکرمہ بن ابی جہل وہ کشتی پر سوار ہو گیا (تاکہ کہیں بھاگ جائے) دوران سفر کشتی کو تند و تیز ہوا نے آلیا۔ کشتی والوں نے کہا۔ اپنا اپنا بچاؤ کر لو۔ تمہارے خدا یہاں کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ دیکھ کر عکرمہ نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر دریا اور سمندر میں مجھے صرف اخلاص نے نجات دی تو یہی اخلاص مجھے خشکی پر بھی نجات دے گا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَافَيْتَنِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ آتِيَ مُحَمَّدًا حَتّٰى اَضَعَ يَدَيَّ فِيْ يَدِهٖ فَلَاَجِدَ نَّهٗ عَفُوًّا كَرِيْمًا۔ اے اللہ! میں تجھ سے پکا وعدہ کرتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے میری اس حالت سے نجات عطا فرما دی۔ اور امن عطا کر دیا۔ تو میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ عالیہ میں لازماً حاضر ہوں گا۔ اور

اپنے ہاتھ ان کے ہاتھ دیدوں گا۔ پھر یقیناً میں انہیں معاف کر دینے والا کریم پاؤں گا۔ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ جو چوتھا شخص عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چھپ گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کیلئے بلایا۔ حضرت عثمان اسے ساتھ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد امام نسائی نے وہی کہا جو امام ابوداؤد نے کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کرتا تھا۔ شیطان نے اسے بہکایا۔ تو وہ کفار کے ساتھ مل گیا۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے پناہ کی درخواست کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پناہ دیدی۔ اسے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنے اشیاخ سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی ذمہ داری یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ اس کا زعم تھا۔ کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ''سمیع علیم'' لکھواتے۔ تو یہ ''علیم حکیم'' لکھتا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح پڑھتے اور ان الفاظ کو برقرار رکھتے۔ اس سے وہ فتنہ میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کہتے ہیں انہیں اس کی بھی خبر نہیں رہتی کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا لکھایا۔ میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ اسی طرح میری طرف وحی ہوا ہے جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی آتی ہے۔ پھر وہ مدینہ سے جانب مکہ بھاگ گیا۔ اور دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی ضائع قرار دیدیا۔ جب یہ دن آیا تو ابن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا۔ حضرت عثمان اس کے رضاعی بھائی تھے۔ کہنے لگا۔ بھائی جان! خدا کی قسم! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر بند کر لیں۔ اور پھر خود آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں۔ اور میرے بارے میں ان سے معافی کی درخواست کریں۔ اگر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دیکھ لیا تو جس میں میری آنکھیں ہیں۔ اس کو اڑا دینے کا حکم دیں گے۔ کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں اکیلا نہیں بلکہ تو بھی میرے ساتھ چل۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کہنے لگا۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو میری گردن اڑا دیں گے۔ مجھے بالکل مہلت نہیں دیں گے۔ میرا خون انہوں نے جائز قرار دیدیا ہے۔ اور آپ کے اصحاب ہر جگہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔تم میرے ساتھ چلو انشاء اللہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا ہاتھ پکڑے آ رہے ہیں۔ تو آپ نے اس بات کی رعایت کی۔دونوں آپ کے سامنے تھے۔حضرت عثمان غنی آگے بڑھے۔اور عرض کیا۔یارسول اللہ!اس کی ماں مجھے اٹھائے پھرتی تھی اور اسے پیدل چلاتی تھی۔مجھے دودھ پلاتی تھی اور اسے روٹی وغیرہ چبا کر کھلاتی تھی۔مجھ سے پیار کرتی اور میرا دل لبھاتی تھی اور اسے ٹال مٹول کر دیتی تھی۔لہٰذا آپ سرکار اسے میرے لئے ہبہ کر دیں۔یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔حضرت عثمان جس طرف آپ منہ پھیر لیتے ادھر سامنے حاضر ہو جاتے۔اور دوبارہ یہی بات عرض کرتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ پھیرنے سے مقصد یہ تھا۔کہ کوئی اٹھے اور ابن سرح کا کام تمام کر دے۔کیونکہ آپ نے اسے کوئی امن نہ دیا تھا۔جب آپ نے دیکھا۔کہ کوئی بھی اس کام کیلئے نہیں اٹھتا۔ادھر حضرت عثمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرانور کو جھک کر چومتے جا رہے تھے۔اور عرض کر رہے تھے۔یارسول اللہ!اسے اپنی بیعت میں لے لو۔آپ پر میرے ماں باپ قربان!اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ہاں'' فرما دی۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ارشاد فرمایا۔تمہیں اس کتے کی طرف قتل کرنے کیلئے کھڑا ہونے سے کس بات نے روک رکھا تھا؟یا آپ نے کتے کی جگہ لفظ فاسق ذکر کیا۔اس پر حضرت عباد بن بشر نے عرض کیا۔ حضور!آپ اشارہ تو فرماتے۔پھر دیکھتے کہ میں کیا کرتا ہوں۔اس خدا کی قسم!جس نے آپ کو حق دیکر مبعوث فرمایا۔میں لگا تار آپ کی نگاہ اقدس پر نظر جمائے رہا۔اور میں آپ کی آنکھوں سے کوئی ایسا حکم یا اشارہ دیکھنے کی امید لگائے ہوئے تھا۔کہ آپ مجھے اشارہ فرمائیں۔اور میں اس کا کام تمام کروں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بات جناب ''ابوالسیر'' نے کہی تھی۔اور حضرت عمر بن خطاب کا قول بھی ذکر کیا جاتا ہے۔بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔میں اشارہ کر کے قتل کرانا پسند نہیں کرتا۔

کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن فرمایا تھا کہ پیغمبر کیلئے آنکھ کی خیانت نہیں زیب دیتی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن سرح کو اپنی بیعت میں لے لیا۔اس کے بعد ابن سرح جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے دیکھتا تو بھاگ جاتا تھا۔ایک دن حضرت عثمان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔یارسول اللہ!آپ میرے ماں باپ!اگر آپ دیکھیں کہ جب بھی عبداللہ کی ماں کا بیٹا آپ کو دیکھتا ہے بھاگ اٹھتا ہے۔یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔اور پوچھا۔کیا میں نے اسے بیعت میں نہیں لے لیا تھا۔اور کیا میں نے اسے امن نہیں

دیدیا تھا؟ حضرت عثمان نے عرض کیا۔ جی حضور! لیکن اسلام لانے کے دور میں اس نے جو جرم عظیم کیا۔ اسے وہ یاد آ جاتا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاِسْلَامُ یَجِبُّ مَا کَانَ قَبْلَهٗ۔ اسلام اپنے ماقبل کے گناہ مٹادیتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بعد ابن سرح کے پاس گئے۔ اور اسے یہ ساری باتیں بتائیں۔ اس کے بعد ابن سرح دوسرے لوگوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔

اس واقعہ میں ہمارے مقصد پر دلالت کی وجہ یوں ہے۔ کہ عبداللہ بن سعد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بہتان باندھا تھا۔ کہ وہ آپ کی وحی کو مکمل کرتا ہے۔ اور آپ کیلئے جو چاہتا ہے وہ لکھتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی موافقت کرتے ہیں اور وہ حضور کو جدھر پھیرنا چاہے پھیر دیتا ہے۔ اور وحی کی باتیں تبدیل کر دیتا ہے پھر آپ اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور اس کا زعم تھا کہ اس پر عنقریب اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح کا کلام اترے گا۔ اس لئے اس کی طرف بھی اس کے زعم کے مطابق اسی طرح وحی کی گئی تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح وحی آتی تھی۔ اس کا یہ ''طعن'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر' آپ کی کتاب (قرآن مجید) پر تھا۔ اور آپ پر ایسا بہتان تھا جس کی وجہ سے آپ کی نبوت میں لازماً شک پڑ جاتا۔ یہ باتیں محض کفر سے بڑھ کر اور ارتداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی ایک قسم کی ''گالی دینا'' ہے۔ یونہی جب ایک اور کاتب نے اسی قسم کا بہتان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گھڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اور ایسی سزا دی جو عادت الٰہی سے خارج تھی۔ تا کہ ہر ایک کو واضح ہو جائے۔ کہ یہ اس کے بہتان کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اس قسم کے بہتان سے بیمار دلوں میں شک واقع ہو جاتا ہے کہ جب کاتب ہی ایسی باتیں کرے جو ظاہر و باطن کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس نے جو خبر دی وہی حقیقت حال ہو سکتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے کہ اس نے اپنے رسول کی رسالت کو سچا دکھانے کیلئے ایسی بہتان طرازوں کو ننگا کر دیا۔ اور ایسی نشانیاں ظاہر فرمائیں جن سے ان کا بہتان سب کے سامنے کھل کر آ جائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جناب عبدالعزیز بن صہیب سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک نصرانی مسلمان ہو گیا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر نصرانی ہو گیا۔ نصرانی ہونے کے بعد کہا کرتا تھا۔ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو وہی پتہ چلتا جو میں ان کیلئے لکھتا'' یہ نصرانی جب مرا۔ اور اسے دفن کیا گیا رات گزری۔ صبح کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا۔ یہ کام محمد اور

ان کے ساتھیوں کا ہی ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اس کی قبر اکھیڑی ہوگی۔ اور نکال کر باہر ڈال دیا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے دوبارہ اس کیلئے گڑھا کھودا۔ اور بہت نیچے تک گہرا لے گئے۔ جہاں تک لے جاسکتے تھے۔ دفن کر کے واپس آگئے۔ صبح دیکھا تو زمین نے پھر باہر پھینک دیا تھا۔ اب انہوں نے جان لیا کہ یہ کام لوگوں نے نہیں کیا۔ اسے وہیں پڑا رہنے دیا۔

امام مسلم نے اسے سلیمان بن مغیرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ وہ جناب ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ کہ بنو نجار کے ایک آدمی نے سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھی۔ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ موقعہ پا کر بھاگ گیا۔ اور اہل کتاب سے جاملا۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ اہل کتاب نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ بڑی عزت دی۔ کہنے لگے۔ یہ شخص مسلمانوں کے نبی کیلئے کتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ ابھی اسے زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی۔ اور مر گیا۔ لوگوں نے اسے گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ صبح کو دیکھا۔ تو زمین نے اسے منہ کے بل اوندھا باہر ڈال دیا۔ لوگوں نے دوبارہ گڑھا کھود کر اسے دفن کیا۔ دوسری مرتبہ پھر صبح سویرے زمین نے منہ کے بل اسے باہر پھینک دیا۔ اس پر لوگوں نے اسے وہیں پڑا رہنے دیا۔ یہ ملعون جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھا کہ آپ کو صرف اسی قدر علم ہوتا جو میں لکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اور خوب رسوا کیا۔ کہ اسے قبر نے باہر نکال پھینکا۔ اور یہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ بارہا کر کے دکھایا۔ ایسا ہونا عادت الٰہیہ سے خارج ہے۔ اس سے ہر شخص یہ دلیل پکڑ سکتا ہے کہ یہ اس کی باتوں کی اسے سزا دی گئی ہے۔ اور وہ پرلے درجہ کا جھوٹا تھا۔ اس لئے کہ عام مردوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ ہوا۔ اور یہ جرم، جرم ارتداد سے بھی بڑا ہے۔ کیونکہ عام مرتدین مرتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر اس سے انتقام لیتا ہے جو اس کے رسول پر طعن کرتا اور گالی دیتا ہے۔ آپ کے دین کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جھوٹا ثابت کر کے چھوڑتا ہے۔ جب اس پر لوگوں کو کوئی حد قائم کرنا ناممکن ہوتا ہو۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ اس کی مثال وہ واقعات ہیں۔ جو ہمیں بہت سے عادل مسلمانوں نے سنائے جن کا تعلق فقہ سے اور واقعات سے ہے۔ ان واقعات کا انہوں نے متعدد مرتبہ تجربہ کیا۔ جب قلعہ جات اور شہروں کا محاصرہ ہوتا رہا۔ جو شام کے ساحلی علاقہ جات میں واقع ہیں۔ جب مسلمانوں نے ان میں ہمارے زمانہ میں ''بنو اصغر'' کا محاصرہ کیا۔ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جب کسی قلعہ یا شہر کا

محاصرہ رکھے ہوئے ایک مہینہ کے لگ بھگ ہو جاتا اوراب بھی اسے فتح کرنا ہمارے لئے ناممکن دکھائی دیتا۔حتیٰ کہ ہم ناامید ہو جاتے۔پھر ایسا ہوتا کہ قلعہ یا شہر کے باشندے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے اورآپ کی عزت پر حملہ کرتے۔تو ہمارے لئے فتح آسان اور جلد ہو جاتی۔پھر صرف ایک دو دن کی تاخیر کئے بعد لڑے بغیر ہم اس کو فتح کر لیتے۔اوران کی بکثرت تعداد قیدی بنالی جاتی۔یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کو فتح کی خوشخبری سنایا کرتے تھے جب ان کی طرف سے ہمیں اس قسم کی بدزبانی کا علم ہوتا تھا۔اس کے باوجود کہ ہمارے دلوں میں ان باتوں سے غیظ وغضب کالا وا ابل رہا ہوتا۔علماء باوثوق نے مجھے بیان کیا۔کہ افریقہ کے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ کبھی تو اپنے دشمنوں کو خود عذاب دیتا ہے۔اور کبھی اپنے مومن بندوں کے ہاتھوں انہیں مزا چکھاتا ہے۔لہٰذا اسی کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی سرح پر قابو پایا۔تو آپ نے اس کا خون مباح قرار دیدیا۔کیونکہ اس نے نبوت میں طعن کیا تھا۔اورآپ پر بہتان گھڑا تھا۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام مکہ کے باشندوں کو امن عطا فرمادیا تھا۔ جنھوں نے آپ سے جنگیں لڑی تھیں۔اور سخت ترین مخالفت کی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ سنت یہ ہے کہ مرتد کو فوراً قتل نہ کیا جائے۔بلکہ اس سے توبہ کرائی جائے۔اگر توبہ کرلے تو اسے قبول کرلیا جائے۔ خواہ یہ توبہ کرانا وجوباً ہو یا استحباباً ہو۔ہم انشاءاللہ ذکر کریں گے۔کہ ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگئی تھی۔آپ نے انہیں توبہ کی طرف بلایا۔ان پر توبہ پیش کی۔حتیٰ کہ انہوں نے توبہ کرلی۔اوران کی توبہ قبول کرلی گئی۔اس میں اس بات پر دلیل ہے۔کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کرنے والا اور گالی دینے والا ہو۔وہ مرتد سے بھی بڑا مجرم ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تائب ہوکر اور مسلمان بن جانے کے بعد بھی خون کو مباح ہی رکھا۔ اب رہا یہ معاملہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو فرمایا۔تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔اور ادھر آپ نے اسے بعد میں معاف بھی کردیا۔اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اختیار صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔کہ اسے قتل کرائیں یا اسے معاف فرمادیں۔اوراس کا خون معصوم فرمادیں۔اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اختیار ہے کہ جو شخص آپ کو گالی دیتا ہو۔وہ اگرچہ توبہ کرلے اور اسلام کی طرف واپس آجائے تب بھی آپ اسے اگر قتل کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں۔

حدیث ۱۰: دو لونڈیوں کا واقعہ جو گایا کرتی تھیں

دولونڈیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گانے کی طرز پر گایا کرتی تھیں۔ یہ قصہ بھی اہل سیر کے نزدیک مشہور و مستفیض ہے۔ جناب موسیٰ بن عقبہ اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب زہری نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو لڑائی سے روکے رکھو۔ صرف اسی سے لڑنا جو تم سے لڑے۔ آپ نے چار آدمیوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ابن خطل کی دو گانے والی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک قتل کر دی گئی۔ دوسری کہیں چھپ گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امن طلب کر لیا گیا۔

اس کے بعد موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ابن خطل کا جرم ذکر کیا۔ لکھا۔ کہ اس نے ایک مسلمان مرد کو قتل کر دیا تھا۔ اور مرتد ہو کر مکہ میں آ گیا تھا۔ یہاں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''ہجو'' نظم میں کہی۔ پھر اپنی دونوں لونڈیوں کو حکم دیا کہ تم ان ہجویہ اشعار کو گاؤ۔ ایک اور عورت ''سارہ'' نامی تھی جو عمرو بن ہاشم کی آزاد کردہ تھی۔ یہ بھی گانے والی اور مکہ میں پیسے لے کر نوحہ کیا کرتی تھی۔ اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ''ہجویہ کلام'' دیا گیا۔ اور اسے گانے کی طرز پر گانے کا کہا گیا۔ اس نے ایسا کیا۔ یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی تھی اور آپ سے صلہ رحمی کی درخواست کی تھی۔ اپنی ضروریات اور حاجات کا رونا روئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہیں جو گا کر اور نوحہ کر کے ملتا ہے وہ کافی نہیں ہے؟ کہنے لگی۔ کہ بدر میں بہت سے قریشی مارے گئے۔ اب انہوں نے مجھ سے گانا سننا بند کر دیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ترس کھایا۔ اور اسے اونٹ بھر کر کھانے پینے کا سامان عطا فرمایا۔ وہ واپس قریش کے پاس آئی۔ ابھی وہ اپنے دین پر ہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اسی دن اسے قتل کر دیا گیا۔

حدیث ۱۱: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے ایک جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ پھر اس بنا پر ایک جماعت کو قتل بھی کیا گیا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کی طرح کے دوسرے حربی کافروں کے قتل سے روکا اور منع فرمایا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

واقعہ ۱: اسے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن عبداللہ بن زبعری کے قتل کا حکم دیا۔ ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بجیر ابن زہیر بن ابی سلمی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے مکہ میں بہت سے مردوں کو قتل کروادیا ہے۔ جو آپ کی ہجو کیا کرتے تھے اور آپ کو تکلیف دیا کرتے تھے اور قریش کے جو شاعر بچ گئے یعنی عبداللہ بن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وھب لوگ ان کی تلاش میں ہیں۔ اس واقعہ میں اس چیز کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے ہر اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو آپ کی ہجو کہتا ہو یا اذیت پہنچاتا ہو۔ جیسا کہ ابن زبعری وغیرہ ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ابن زبعری کا گناہ یہی تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ یعنی زبان کا دشمن تھا۔ کیونکہ یہ بہترین شاعر تھا۔ اور اسلامی شعراء کی ہجو کہا کرتا تھا۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک رضی اللہ عنہما۔ اس زبانی دشمنی کے علاوہ جو اس کے گناہ تھے۔ اس میں قریش کی کافی تعداد اس کی ہم نوا تھی۔ پھر یہی ابن زبعری ''نجران'' کی طرف بھاگ گیا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مسلمان ہو کر واپس آیا۔ اس کے توبہ کرنے اور معذرت کرنے کے موضوع پر بڑے خوبصورت اشعار ہیں۔ اس کا نام عبداللہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے اس کا خون ضائع کر دیا تھا۔ حالانکہ آپ نے تمام اہل مکہ کو امان دی تھی۔ صرف اس کے اس جرم کے ساتھی امان سے باہر تھے۔

واقعہ ۲: ابوسفیان بن حارث عبدالمطلب کا واقعہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہنے اور آپ کے اس سے اعراض کرنے کا واقعہ جبکہ یہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ مشہور و مستفیض ہے۔ واقدی نے اپنی سند کے ساتھ اسے یوں ذکر کیا ہے۔

ابوسفیان بن حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رضاعی بھائی تھا۔ اس کو سیدہ حلیمہ نے کئی دن دودھ پلایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسے بڑی الفت تھی۔ آپ کا ہم عمر تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ تو یہ آپ کا ایسا دشمن ہو گیا کہ ایسی دشمنی کبھی کسی نے کسی کے ساتھ نہ کی ہوگی۔ بنوہاشم اور بنومطلب کے ساتھ ''شعب'' میں داخل نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی جی بھر کر ہجو کہتا۔ واقدی نے آگے ذکر کرتے ہوئے کہا پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالٰی نے اس کے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں کس کا ساتھی بنوں گا۔ کون میرے ساتھ ہوگا۔ ادھر اسلام مجھ میں جڑیں پکڑ چکا ہے۔ پھر میں اپنی بیوی بچوں کے پاس آیا۔ انہیں کہا یہاں سے چلے جانے کی تیاری کرلو۔ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم جم چکے ہیں۔ گھر والے بولے۔ اب تمہارے لئے وقت آ گیا ہے کہ تم غور کرو۔ عرب و عجم والے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ ان کی دشمنی کے بغیر سانس نہیں لیتے۔ حالانکہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے میں تم سب سے زیادہ حقدار تھے۔ یہ سن کر میں نے اپنے غلام کو کہا۔ میرا اونٹ اور گھوڑا جلدی سے تیار کرو۔ کہتے ہیں کہ پھر ہم گھر سے چل پڑے۔ حتیٰ کہ ''ابواء'' میں آ کر اتر گئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدم کی طرف اترا تھا۔ میں نے اپنا بھیس بدل لیا۔ مجھے خوف تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قتل کرا دیں گے۔ آپ نے میرا خون پہلے ہی ضائع قرار دیدیا تھا۔ میں باہر نکلا اور بنی جعفر کو میں نے اپنے قدم پر لیا۔ ایک میل تک ہم چلے۔ یہ اس صبح کا واقعہ ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت ''ابوا'' تشریف لائے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں سے ملنا شروع کیا۔ میں آپ کے صحابہ سے ایک طرف ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب آپ چلے میں بھی چپکے سے آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ جب آپ کی آنکھیں مجھ سے دو چار ہوئیں۔ تو آپ نے میری طرف سے رخ انور پھیر لیا۔ دوسری طرف دیکھنے لگے۔ میں اس طرف سے اس طرف گیا جدھر آپ کا چہرہ تھا۔ آپ نے کئی مرتبہ مجھ سے منہ موڑا پھر مجھے دور و نزدیک کے خیالات نے آگھیرا۔ میں نے کہا کہ آپ کی حاضری سے قبل مجھے قتل کر دیا جائیگا۔ میں آپ کی نیکی اور رحمت کو یاد کرتا۔ اور اپنے ساتھ قرابت بھی مجھے یاد آتی۔ جب سے میرا دل کچھ ہمت پاتا۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ کہ میرے اسلام قبول کرنے سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ میری رشتہ داری ہی ایسی تھی۔ جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ موڑنا دیکھا۔ تو سب نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ پھر مجھے ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق) ملے انہوں نے بھی منہ دوسری طرف کر لیا۔ حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ ایک انصاری کو میرے خلاف اکسا رہے تھے۔ اچانک ایک شخص کی آواز میرے کان پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہی وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اور آپ کے صحابہ کو تکلیف دیتا تھا؟ تو ان کی دشمنی میں مشرق و مغرب تک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے دفاع میں کچھ کہا۔ اس نے مجھ پر ہاتھ بڑھایا۔ اس کی آواز بلند ہوئی۔ لوگوں کا جمگھٹا بن گیا۔ ہر ایک اس پر خوش تھا۔ جو مجھ سے وہ کر رہا تھا۔ میں اپنے چچا حضرت عباس کے پاس گیا۔ عرض کیا۔ چچا جان! میں امید لگائے بیٹھا تھا کہ میرے اسلام لانے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوں گے۔ کیونکہ میری آپ سے قرابت ہے۔ اور میں ایک جانا پہچانا آدمی ہوں۔ لیکن حضور کی طرف سے جو ہوا وہ آپ نے بھی دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا اب آپ میرے متعلق ان سے گفتگو کریں۔ تاکہ وہ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ حضرت عباس بولے۔ نہیں۔ نہیں۔ خدا کی قسم! میں تیرے متعلق کبھی ان سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ جو کچھ تو نے ان کا ردعمل دیکھ لیا

ہے۔اس کا تقاضا یہی ہے یا جو کچھ میں نے آپ کا ردعمل دیکھا ہے اس کا تقاضا یہی ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال اور رعب سے ڈرتا ہوں۔ میں نے کہا۔ چچا جان! پھر آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں؟ کہنے لگا۔ وہ شخص ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ میں پھر حضرت علی المرتضی کے پاس آ گیا۔ ان سے گفتگو کی۔ انہوں نے بھی مجھے حضرت عباس کیطرح جواب دیا۔ آگے واقدی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل کے دروازہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ آپ وہاں سے جحفہ کی طرف چل پڑے۔ لیکن آپ نے مجھ سے کوئی بات چیت نہ کی اور نہ ہی کسی مسلمان نے مجھ سے کلام کیا۔ میں نے یہ کیا۔ کہ جس منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرماتے۔ میں آپ کے دروازہ پر بیٹھ جاتا۔ میرے ساتھ جعفر کے دونوں بیٹے بھی تھے۔ میں نے جب بھی دیکھا۔ آپ نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ میں اسی حالت میں نکلا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر ہوا۔ میں اس لشکر میں تھا۔ جو آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ ''کداء'' سے نیچے اترے۔ اور ''ابطح'' نزول فرمایا۔ سو آپ نے مجھے دیکھا۔ ایسا دیکھا کہ جو بے مثل تھا۔ مجھے امید لگی۔ کہ آپ تبسم فرمائیں گے۔ آپ کے پاس بنو عبدالمطلب کی عورتیں حاضر ہوئیں۔ ان کے ساتھ میری بیوی بھی اندر آئی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے بارے میں نرم کرنے کی کوشش کی۔ آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ میں آپ کے سامنے تھا۔ کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ ''ھوازن'' کی طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ پھر واقدی نے آگے ''ھوازن'' کا قصہ بیان کیا۔ جو مشہور ہے۔

پھر ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ ابن اسحاق نے کہا۔ کہ ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیۃ بن المغیرہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہے۔ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''ثنیۃ العقاب'' میں تھے۔ دونوں نے التماس کی کہ ہمیں اندر آنے کی اجازت بخشی جائے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے بارے میں سفارش کی۔ کہنے لگیں۔ یارسول اللہ! ایک آپ کے چچا کا بیٹا اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا اور سسرالی رشتہ دار ہے۔ فرمایا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان میں سے جو میرے چچا کا بیٹا ہے اس نے میری عزت کو داغدار کیا۔ اور دوسرا جو میری پھوپھی کا بیٹا اور سسرالی رشتہ دار ہے یہ وہی ہے جس نے مکہ میں مجھے کہا تھا جو کہا تھا۔ جب یہ بات ان دونوں تک پہنچی۔ ابوسفیان کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! یا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر آنے اور ملاقات کی اجازت

بخشیں گے یا میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑوں گا۔ پھر ہم دونوں کہیں دور نکل جائیں گے اور بھوکے پیاسے جان دیدیں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ان دونوں کیلئے نرم ہو گئے۔ دونوں اندر آئے۔ ابوسفیان نے اپنے اسلام لانے کے بعد یہ اشعار کہے۔ اور اپنی گزشتہ غلطیوں کی معذرت کی۔ کہا۔

لَعَمْرِکَ اِنِّی یَوْمَ اَحْمِلُ رَایَةً ۔۔۔ لِتَغْلِبَ خَیْلُ اللَّاتِ خَیْلُ مُحَمَّدٖ

لَکَا لْمُدْلِجِ الْحَیْرَانَ اَظْلَمَ لَیْلَةٍ ۔۔۔ فَھٰذَا اَوَانِی حِیْنَ اَھْدٰی وَ اَھْتَدِی

ھَدَانِی ھَادٍ غَیْرَ نَفْسِی وَدَلَّنِی ۔۔۔ عَلَی اللّٰہِ مَنْ طَرَدْتُہٗ کُلَّ مَطْرَدٖ

تیری عمر کی قسم! میں اس دن جب میں لات کے لشکر کا محمد کے لشکر پر غلبہ کیلئے جھنڈا اٹھایا کرتا تھا۔ وہ یقیناً رات میں سفر کرنے والے حیران آدمی کی مانند ہے جس کی رات سخت اندھیری ہو۔ یہ میرے اوقات تھے جب اللہ نے مجھے ہدایت دی اور میں راہ راست پر آ گیا۔ ایک ہادی نے مجھے ہدایت کی اور اس نے مجھے اللہ کا راستہ دکھایا جسے میں نے مکمل طور پر اپنے سے دور کر دیا تھا۔

باقی اشعار بھی اس نے ذکر کئے۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ دونوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے دونوں کو انکار کر دیا۔ پھر آپ کی زوجہ سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی۔ کہنے لگیں۔ یارسول اللہ! آپ کا سسرالی رشتہ دار پھوپھی زاد اور چچا زاد بھائی اور رضاعی بھائی ان دونوں کو اللہ تعالیٰ مسلمان بنا کر آپ کے پاس لے آیا ہے۔ یہ دونوں آپ کے بارے میں لوگوں سے زیادہ شقی نہیں ہوں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیرے بھائی نے مکہ میں مجھے جو کچھ کہا۔ وہ کہا تھا۔ یعنی ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ آسمانوں پر چڑھ جائیں۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! وہ آپ کی قوم کا ہی ایک فرد ہے۔ اور تمام قریش نے آپ کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں۔ ان کے بارے میں معین طور پر آیات بھی نازل ہوئیں۔ آپ نے ان کو معاف فرما دیا۔ جو اس سے بڑے مجرم تھے۔ آپ کا چچا زاد بھائی اس کی آپ سے قریبی قرابت داری ہے۔ اور آپ ان تمام لوگوں سے زیادہ معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ جو معاف کر دیتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ وہ ہے جس نے میری عزت کو داغدار کیا۔ مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب یہ بات ان دونوں تک پہنچی۔ تو ابوسفیان بن حارث جس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! یا تو مجھے حضور

قبول فرمالیں گے یا پھر میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑوں گا اور کہیں چلا جاؤں گا۔حتیٰ کہ بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اس بات کا علم ہوا۔ آپ اس کیلئے نرم پڑ گئے۔ عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ میں آپ کے پاس آپ کی تصدیق کرنے آیا ہوں، اور میری جو بھی قرابت ہے۔ اور آپ کے سسرال سے میرا تعلق ہے۔ سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے بارے میں سفارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کیلئے نرم پڑ گئے۔ اندر آنے کی اجازت دیدی۔ اندر آئے تو اسلام قبول کرلیا۔ دونوں کا اسلام لانا بہترین اسلام تھا۔ عبداللہ بن امیہ طائف میں قتل کر دیئے گئے۔ اور ابو سفیان بن حارث مدینہ منورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔ ان پر کسی قسم کا کیچڑ نہ اچھالا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ یہ ان کے ملاقات کرنے سے پہلے ہوا۔

اس واقعہ میں دلیل بننے کی وجہ یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ابوسفیان بن حارث کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر بڑے بڑے قریشیوں کا خون ضائع قرار دینے کا حکم صادر نہ فرمایا۔ حالانکہ یہ بڑے ہاتھ کی لڑائی اور مالی جنگ میں بڑا موثر مقام رکھتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمۃ تشریف لائے۔ لیکن اس ارادے سے نہیں کہ یہاں کے باشندوں کا قتل عام کریں۔ بلکہ آپ نے ان کے اسلام قبول کرنے کیلئے نہایت نرم رویہ اختیار فرمایا۔ ابوسفیان کے قتل کا حکم دینے کا سبب اگر تھا تو صرف اس کی ہجو تھی۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باوجود ان کو منہ نہ لگایا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ غیر رشتہ داروں اور غیر قرابت داروں کو بھی اسلام لانے کیلئے تالیف قلب فرماتے۔ جب غیروں کے ساتھ یہ رویہ تھا تو اپنوں اور اپنے خاندان والوں سے رویہ اس سے بھی زیادہ مہربانہ ہونا چاہئے۔ اور ایسا لازماً تھا۔ لیکن ابوسفیان کی قرابت کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہا کرتا تھا۔

واقعہ ۳: فتح مکہ کے دن حویرث بن نفیل کے قتل کا حکم

یہ واقعہ بھی سیرت نگاروں میں مشہور ومعروف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں امام زہری کے حوالہ سے لکھا ہے یہ مغازی سب سے زیادہ صحیح ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو مغازی لکھنا پسند کرتا ہو۔ اسے رجل صالح موسیٰ بن عقبہ کی مغازی لکھنی چاہئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا۔ کسی پر حملہ نہ کرنا۔ اس حکم کی تعمیل

کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام نے صرف ان لوگوں سے لڑائی کی جنہوں نے ان پر ہاتھ اٹھائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چار آدمیوں کو قتل کر دیا جائے۔ان میں سے ایک حویرث بن نفیل بھی تھا۔ جسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

واقدی نے اپنے اشیاخ کے حوالہ سے لکھا ہے۔کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑنے سے منع فرمادیا تھا۔اور چھ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔عکرمہ بن ابی جہل، ھبار بن اسود، ابن ابی سرح، مقیس، حویرث بن نفیل اور ابن خطل۔لکھا۔کہ حویرث بن نفیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا۔آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا۔وہ اپنے گھر میں ہی تھا جس دن مکہ فتح ہوا۔دروازہ بند کر لیا تھا۔حضرت علی المرتضیٰ تشریف لائے۔اور اس کے بارے میں دریافت کیا۔آپ کو بتایا گیا کہ وہ جنگل میں گیا ہوا ہے۔ادھر حویرث کو خبر دی گئی۔کہ تمہاری تلاش کی جارہی ہے۔حضرت علی المرتضیٰ اس کے گھر کے دروازہ سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے رہے۔ حویرث اندر سے نکلا۔اس کا ارادہ تھا کہ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں بھاگ کر داخل ہو جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے اسے پالیا۔اس کی گردن اڑا دی۔یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض اذیت پہنچانے پر قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر کے ان باشندوں کو امان دیدیا تھا۔جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔آپ کے اصحاب کے ساتھ جنگ کی تھی۔اور اس کے علاوہ دوسرے کئی نقصان دہ کام کئے تھے۔

واقعہ ۴: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر سے واپس مڑے اور جانب مدینہ رواں تھے۔تو آپ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرادیا۔بدر کے قیدیوں میں سے صرف ان دو کو قتل کیا گیا۔ ان دونوں کا قصہ بھی معروف ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ''صفراء'' پر تھے تو نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا۔اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے چل پڑے۔جب ''عرق الظبیہ'' میں آئے۔عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا گیا۔اسے عاصم بن ثابت نے قتل کیا تھا۔موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا جسے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا جب عقبہ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا۔قریش سے فریاد کی۔کہنے لگا۔ اے جماعت قریش! یہاں مجھے کس وجہ سے قتل کیا جارہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر

فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تیری عداوت کی وجہ سے۔

امام بزاز نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا۔ اے قریش! مجھے کیا ہوا کہ تمہارے درمیان مجھے بند کر کے قتل کیا جا رہا ہے؟ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے کفر کی وجہ سے اور اللہ کے رسول پر تیرے افتراء کی وجہ سے تجھے قتل کیا جا رہا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ نضر بن حارث کو حضرت مقداد بن اسود نے قیدی بنایا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے باہر تشریف لائے۔ اور مقام ''الاثیل'' پر تھے۔ آپ کے سامنے قیدی پیش کئے گئے۔ آپ نے نضر بن حارث کی طرف دیکھا۔ اور ذرا تیز نظر سے دیکھا۔ نضر بن حارث نے اپنے قریب کھڑے شخص کو کہا۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایسی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جن میں میری موت نظر آ رہی تھی۔ اس کے قریب کھڑے شخص نے کہا۔ خدا کی قسم! تمہیں جو کچھ دکھائی دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رعب تھا۔ نضر بن حارث نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کہا۔ اے مصعب! تو یہاں میرے قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہے۔ میرے متعلق اپنے آقا سے سفارش کرو۔ کہ وہ میرے دوسرے ساتھیوں کی طرح میرے ساتھ سلوک کریں۔ اگر تم نے سفارش نہ کی تو بخدا! وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ جناب مصعب نے جواب دیا تو ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں ایسے ایسے بکواس کرتا تھا اور تو ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نبی کے بارے میں ایسے ایسے غلط الفاظ بکتا تھا۔ کہنے لگا۔ اے مصعب! ان سے درخواست کرو کہ وہ میرے قیدی ساتھیوں میں سے کسی ایک کی مانند مجھ سے سلوک کریں۔ اگر ان قیدیوں کو قتل کیا جائے گا تو مجھے بھی قتل کر دینا اور اگر ان پر احسان کر کے چھوڑ دیا جائے تو مجھ پر بھی احسان کر کے چھوڑ دینا۔ جناب مصعب نے جواب دیا۔ تو وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دیا کرتا تھا۔ پھر واقدی نے آگے کی گفتگو ذکر کی۔ حتیٰ کہ لکھا۔ کہ اسے حضرت علی المرتضی نے قید میں ہی تلوار سے قتل کر دیا۔

واقدی کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیدی پیش کئے گئے۔ حتیٰ کہ آپ جب مقام ''عرق الظبیہ'' تشریف فرما ہوئے۔ تو آپ نے جناب عاصم بن ثابت بن ابی الافلح کو حکم دیا۔ کہ عقبہ بن ابی معیط کی گردن اڑا دو۔ عقبہ نے فریاد کی۔ ہائے میرے لئے افسوس! اے قریش یہاں مجھے کس جرم کی بنا پر قتل کیا جا رہا ہے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول

کے ساتھ تیری عداوت کی وجہ سے۔ کہنے لگا۔ یا محمد! آپ کی طرف سے احسان کر کے قتل نہ کرنا افضل ہوگا۔ آپ مجھے بھی میری قوم کے افراد کی طرح سزا دیں۔ اگر آپ انہیں قتل کریں گے تو مجھے بھی قتل کر دینا۔ اور اگر آپ ان پر احسان فرمائیں گے تو مجھ پر بھی احسان فرما دینا۔ اور اگر ان سے آپ فدیہ لیں گے تو مجھ سے بھی لے لینا۔ اے محمد! بچی کا کون ہوگا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم کی آگ اس کے آگے ہے۔ اے عاصم! اس کی گردن مار دو۔ یہ سن کر جناب عاصم آگے بڑھے اور اس کی گردن اڑا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم! تو بہت برا آدمی تھا۔ تجھ سے بڑھ کر میں نے کوئی شخص اللہ تعالیٰ اس کی کتاب اور اس کے رسول کا کافر اور اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچانے والا نہ دیکھا۔ میں اس اللہ کی حمد کہتا ہوں جس نے تجھے قتل کیا۔ اور تجھ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔

اس واقعہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان دو آدمیوں کا قتل جس سبب سے ہوا۔ ان کے علاوہ دوسرے قیدیوں کو قتل نہ کیا گیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قول و فعل کے ذریعہ اذیت پہنچائی۔ وہ آیات جو نضر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معروف ہیں۔ اور ابن ابی معیط کا اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا مشہور ہے۔ یہی وہ بدبخت ہے جس نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹا تھا۔ آپ کے گلے میں اپنی چادر ڈالی اور اسے پورے زور سے مروڑا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دے گا۔ اور جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر جیلی (مادہ حیوان کی بچہ دانی) ڈالی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں تھے۔ وغیرہ ذالک۔

واقعہ ۵: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن زہیر وغیرہ کے قتل کا حکم دیا، جو لوگ قریش اور دیگر عرب اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کہا کرتے تھے۔ ان کے قتل کا بھی حکم صادر فرمایا۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اور ان سے یونس بن بکیر اور بکائی نے روایت کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپسی پر مدینہ منورہ تشریف لائے تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا۔ جس میں اس نے یہ اطلاع پہنچائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ایسے کئی آدمیوں کو قتل کروا دیا ہے۔ جو ان کی ہجو کہتے تھے اور اذیت پہنچاتے تھے۔ اور یہ بھی لکھا۔ کہ قریش کے دوسرے شعراء مثلاً ابن زبعری اور ھبیرہ بن ابی وھب مکہ سے نامعلوم مقام کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اگر تمہارے دل میں کوئی اپنے بارے میں ہمدردی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس چلے جاؤ۔ کیونکہ جو بھی آپ کے پاس تائب ہو کر آ جاتا ہے آپ اسے قتل نہیں کرتے۔ اور اگر تو نے یہ کام نہیں کرنا۔ تو پھر اپنی نجات کا کوئی اور راستہ تلاش کر لے۔ کعب بن زھیر نے ایسے اشعار کہے تھے۔ جن میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی اور عیب لگایا تھا۔ اور وہ اشعار لوگوں میں متعارف ہو چکے تھے۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

اَلَا اَبْلِغَا عَنِّی بُجَیْرًا رِسَالَۃً فَھَلْ لَّکَ فِیْمَا قُلْتَ وَیْحَکَ ھَلْ لَّکَا
لِتُخْبِرَنِی اِنْ کُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ عَلٰی اَیِّ شَیْءٍ غَیْرُ ذَالِکَ دَلَّکَا
عَلٰی خَلْقٍ لَمْ یَلَفَّ یَوْمًا اَبًا لَہٗ وَلَا اَنْتَ لَمْ تَعْرِفْ عَلَیْہِ اَبًا لَکَا
فَاِنْ اَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتَ بِاٰسِفٍ وَلَا قَائِلٍ اَمَا عَثَرْتَ لَعًا لَکَا
سَقَاکَ بِھَا الْمَاْمُوْنُ کَاْسًا رَوِیَّۃً فَانْھَلَکَ الْمَاْمُوْنُ مِنْھَا وَ عَلَّکَا

سنو! میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو۔ کہ میں نے جو کچھ کہا۔ اس کے بارے میں تمہیں کیوں فکر ہے۔ وہ میں نے تمہارے متعلق نہیں کہا۔ تم پر بہت افسوس ہے۔ تاکہ تو مجھے بتائے کہ اگر میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں۔ اس کے سوا کس چیز پر اس نے راہنمائی کی۔ ایسے شخص کے بارے میں کہ ایک دن بھی اس کے باپ نے اس سے پیار نہیں کیا۔ اور نہ ہی تو اسے پہچان سکا۔ اگر تو نے کچھ نہیں کیا تو کوئی افسوس نہیں۔ اور نہ کوئی یہ کہنے والا ہے کہ تو نے بھید ظاہر کر دیئے۔ تجھے تو ماٗ مون (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھر کر پیالہ پینے کو دیدیا ہے۔ ماٗ مون تو اس سے خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اور شائد تو بھی خطرات میں پڑ جائے۔

ان اشعار میں کعب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ماٗ مون'' کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ قریش آپ کو ''امین'' کہا کرتے تھے۔ بہر حال جب کعب کو یہ رقعہ ملا۔ تو زمین اس پر تنگ ہو گئی۔ اپنے بارے میں خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے جو دشمن موجود تھے۔ انہوں نے اس کے بارے میں خبریں پھیلا دیں۔ اور کہنے لگے۔ اب وہ قتل کر دیا جائے گا۔ جب کعب کو اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ تو اس نے ایک قصیدہ کہا۔ جس میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح بیان کی۔ اور اس میں آپ کا خوف بھی ذکر کیا۔ اور چغلی کھانے والوں کی سرگوشیاں بیان کیں۔ پھر وہ مکہ شریف سے جانب مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ آیا۔ تو قبیلہ جہینیہ کے ایک دوست کے گھر ٹھہرا۔ اس دوست نے رات بسر ہونے کے بعد صبح سویرے اسے اپنے ساتھ لیا اور مسجد میں چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو دوست نے اشارہ سے بتایا۔ کہ وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول۔ اٹھو اور ان

کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ پھر ہمیں بتایا گیا۔ کہ کعب اپنے دوست کے کہنے پر اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی پہچان نہ تھی۔ اب کعب کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آپ سے امان چاہتا ہے۔ وہ توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ کیا آپ اسے قبول کرلیں گے اگر میں اسے اپنے ساتھ آپ کے پاس لے آؤں؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اب کعب بولا۔ یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا۔ کہ مجھے عاصم بن عمر نے بتایا کہ کعب کو قتل کرنے کیلئے ایک انصاری اس پر لپکا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے اور چھوڑ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کا سر قلم کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے دور رہو۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ ہمارے پاس تائب ہو کر آیا ہے۔ مسافر ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ کعب کو انصار کے اس قبیلہ اور شاخ پر بہت غصہ آیا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ ان کے ایک آدمی نے ہی اسے قتل کرنے کی حضور سے اجازت مانگی تھی۔ مہاجرین میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں اچھے کلمات کے سوا کچھ نہ کہا۔ پھر کعب نے ایک قصیدہ کہا۔

ابن اسحاق نے کعب کا وہ قصیدہ ذکر کیا۔ جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے وقت کہا تھا۔ مذکورہ قصیدہ "بانت سعاد فقلبی الیوم مقبول" سے مشہور ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

أُنبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِى وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ
مَهْلًا هَدَاكَ الَّذِى اَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْفُرْقَانِ فِيْهِ مَوَاعِيظُ وَ تَفْصِيْلُ
لَا تَاخُذْنِى بِاَقْوَالِ الْوَشَاةِ وَلَمْ اَذْنِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِيَّ الْاَقَاوِيْلُ

مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قتل کا ڈراوا دیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو معافی کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ رک جائیے۔ اللہ ذات نے آپ کو ہدایت دی جس نے آپ کو قرآن کریم عطا فرمایا۔ جس میں نصیحتیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ چغلخوروں کی باتوں میں آکر مجھے نہ پکڑیے۔ اگرچہ مجھ پر بہت سے بہتان ہیں۔ لیکن میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ جب کعب کو یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا خون ضائع قرار دیدیا ہے۔ کیونکہ آپ کو میری کچھ باتیں لوگوں نے پہنچائیں۔ تو کعب مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اور ایک قصیدہ پڑھا۔ اس کو خبر دی گئی تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم لکھا دیا ہے۔ کہ مکہ کے ان مردوں کو قتل کر دیا جائے جنہوں

نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ اور آپ کو اذیت پہنچائی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کچھ نجران کی طرف بھاگ گئے۔ پھر ابن زبعری تائب ہو کر مسلمان ہو کر واپس آیا۔ اور "ھبیرہ" نجران میں ٹھہر گیا۔ حتیٰ کہ وہیں مشرکانہ عقائد پر مرا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب کا خون بھی ضائع قرار دیدیا۔ کیونکہ اس نے بھی نازیبا کلمات کہے تھے۔ حالانکہ اس کی یہ ہجو کوئی بلیغانہ انداز کی نہ تھی۔ کیونکہ اس نے دراصل "دین اسلام" پر طعن کیا تھا۔ اس کی عیب جوئی کی تھی۔ اور اس کی عیب جوئی کی تھی جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت دیتے تھے۔ پھر اس نے توبہ کر لی قبل اس کے کہ اس کو قابو کر لیا جاتا۔ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ اور یہ حربی تھا۔ اس کے باوجود وہ عفو ودرگزر کی التماس کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ لَا تَاْخُذَنِیْ بِاَقْوَالِ الْوُشَاۃِ وَلَمْ اُذْنِبْ۔ (ترجمہ گزر چکا ہے)۔

واقعہ ۶: (سو منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہجو کہنے والے کے قتل پر ابھارا۔ اور فرمایا۔ مَنْ یَّکْفِیْنِیْ عَدُوِّیْ۔ میرے دشمن سے مجھے کون مستغنی کرے گا؟)

اموی سعید بن یحییٰ بن سعید نے اپنی مغازی میں لکھا ہے۔ کہ ہمیں ہمارے والد نے بتایا کہ مجھے عبدالمالک بن جریج نے ایک شخص سے روایت کیا۔ جس کو جناب عکرمہ نے اور انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بتایا۔ مشرکین میں سے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ من یکفینی عدوی؟۔ یہ سن کر حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! میں ہوں۔ پھر حضرت زبیر نے اس مشرک سے مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کو اس مشرک کا سامان لڑائی عطا فرما دیا۔ کہا۔ کہ میرے گمان میں یہ واقعہ خیبر میں ہوا۔ جب ابو یاسر کو کسی نے قتل کیا تھا۔ اسے محدث عبدالرزاق نے بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ ۷: مروی ہے کہ ایک شخص نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو آپ نے فرمایا۔ مَنْ یَّکْفِیْنِیْ عَدُوِّیْ؟۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میں حضور۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خالد کو اس کی طرف روانہ فرمایا جناب خالد نے اسے جا کر قتل کر دیا۔

واقعہ ۸: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام جب کسی سے سنتے کہ فلاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا اذیت پہنچاتا ہے۔ تو اسے قتل کر دیتے۔ اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوتا۔ ایسا کر کے حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چین و آرام پہنچاتے۔ اور جو صحابی یہ کام سرانجام دیتا۔ اس کو "ناصر اللہ ورسولہ کہتے" یعنی اللہ اور اس کے رسول کا مددگار۔

ابو اسحاق مزاری نے سیرت پر لکھی گئی اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔ کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اسماعیل بن سمیع سے اور انہوں نے مالک بن عمیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ میں نے مشرکین میں اپنے باپ سے جب ملاقات کی۔ تو میں نے اس سے آپ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات سنے۔ مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں نے نیزہ سے اسے مارا۔ اور وہ مرگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ یعنی آپ نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔ اور نہ ہی اسے برا سمجھا۔

واقعہ 9: جناب ابو اسحاق فزاری نے مذکورہ کتاب میں ہی اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ جناب حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جیش روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب مشرکین کیساتھ لڑنے کیلئے انہوں نے صف بندی کی۔ تو ان میں سے ایک مشرک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا شروع کردی۔ انتظامیہ کا ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ میں فلاں ہوں۔ میری ماں فلانی ہے۔ تو مجھے گالی دے لے۔ میری ماں کو گالی دے لے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے رک جا۔ اس بات سے وہ اور دلیر ہوگیا۔ اور پہلے کی طرح گالیاں بکنا شروع کردیں۔ اس آدمی نے بھی دوبارہ وہی پیشکش کی۔ تیسری مرتبہ اس نے کہا۔ اگر اب تو نے بکواس کی۔ تو میں اپنی تلوار کا تم پروار کردوں گا۔ اس مشرک نے پھر بکواس کی۔ اب اس شخص نے اس پر حملہ کردیا۔ وہ پیٹھ دے کر بھاگ نکلا۔ یہ آدمی اس کے پیچھے لگا۔ حتیٰ کہ مشرکین کی صف کو اس نے چیرا اور اس بکواسی کو اپنی تلوار سے مارا۔ اس پر دوسرے مشرکین نے اسے گھیر لیا۔ اور قتل کردیا۔ (جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی) تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس شخص پر تعجب کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی۔ پھر وہی زخمی مشرک کچھ دنوں بعد تندرست ہوگیا۔ اور اسلام قبول کرلیا۔ اور اپنا نام اس مسلمان مرد کے نام پر رکھ لیا جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔

عمیر بن عدی کی بات اور قصہ ذکر ہو چکا ہے۔ جب اسے مروان کی بیٹی کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کی خبر ملی۔ تو اس نے کہا۔ اے اللہ! مجھ پر نذر لازم ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس لائے۔ تو میں اس عورت کو قتل کر کے رہوں گا۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لئے بغیر اس عورت کو قتل کردیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم ایسے مرد کو دیکھنا پسند کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے تو پھر عمیر ابن

عدی کو دیکھو۔

واقعہ ۱۰: اسی طرح ایک یہودی عورت کا قصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا تھا۔ جب اسے قتل کر دیا تھا۔ اس کے قتل کئے جانے کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا تھا۔ اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت لئے بغیر قتل کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے۔ جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قتل کو برقرار رکھا۔ جسے کسی نے اس لئے قتل کیا کہ مقتول، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا۔

واقعہ ۱۱: مذکور ہے کہ وہ جنات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی ایسے جن کا قلع قمع کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے جو کافر جن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا۔ ہجرت سے قبل اور جہاد کی اجازت ملنے سے قبل بھی ایسے کئی واقعات ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان واقعات پر بھی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سعید بن یحییٰ اموی اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن سعید یعنی ان کے چچا نے بتایا کہ محمد بن منکدر کہتے ہیں۔ مجھ سے بیان کیا گیا۔ کہ مکہ میں ابوقبیس پر ایک جن نے آواز دی۔ اس نے چند اشعار کہے جن میں اس نے مکہ کے کافروں کو جوش دلایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فریب میں لانے کی کوشش کی۔ یعنی آپ کے خلاف خوب بھڑکایا۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ صبح کے وقت اس کے شعر مکہ کے لوگوں کی زبانوں پر رواں تھے۔ وہ ایک دوسرے کو سناتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ یہ شیطان تھا۔ جو بتوں میں داخل ہو کر لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اسے ''مسعر'' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرنے والا ہے۔ لوگوں نے تین دن بعد ایک غائبانہ آواز سنی۔ پہاڑ سے کوئی کہہ رہا تھا۔

نَحْنُ قَتَلْنَا فِيْ ثَلَاثٍ مِسْعَرَا   اِذْ سَفِهَ الْحَقَّ وَسَنَّ الْمُنكَرَا

قَنَّعْتُهُ سَيْفًا حَسَّامًا أَبْتَرَا   بِشَتْمِهِ نَبِيَّنَا الْمُطَهَّرَا

ہم نے تین دنوں میں ''مسعر'' کو قتل کر دیا۔ جب اس نے حق کو بدنام کیا اور برائی کو مروج کیا۔ میں نے تیز تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ کیونکہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا۔ ہمارے پیغمبر مقدس و پاکیزہ شخصیت ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ایک طاقتور جن ہے جس کی آواز تم نے سنی۔ صاحب ایمان ہے۔ اس کا نام ''سمحج'' ہے۔ مجھ پر ایمان لایا تو میں نے اس کا نام 'عبداللہ' رکھا ہے۔ اس نے

مجھے بتایا۔ کہ وہ اس کافر جن کی تین دن سے تلاش کر رہا تھا۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔

واقعہ ۱۲: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے ابو رافع بن ابی الحقیق یہودی کو قتل کر دیا۔ اس کا قصہ درج ذیل ہے۔

یہ قصہ علماء کے نزدیک مشہور و مستفیض ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا حصہ ذکر کریں گے۔ جس میں دلیل ہے۔ (یعنی ہمارے مقصود پر دلیل بنتی ہے) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو رافع یہودی کی طرف انصار کے چند مردوں کو روانہ فرمایا۔ ان کا امیر جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ ابو رافع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا تھا اور ہر اس شخص کی مدد بھی کرتا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا۔ وہ سرزمین حجاز میں واقع اپنے قلعہ میں رہائش پذیر تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روانہ کئے گئے انصار اس کے قریب پہنچے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے مکانات کے صحن میں آرام کر رہے تھے۔ جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا۔ اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ میں جاتا ہوں۔ اور دربان کی چاپلوسی کرتا ہوں۔ شائد میں اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ آپ چل پڑے۔ حتیٰ کہ دروازہ کے قریب جا پہنچے۔ پھر آپ نے اپنے کپڑے میں منہ چھپالیا۔ جیسا کوئی شخص قضائے حاجت کر رہا ہو۔ لوگ اندر جا رہے تھے۔ دربان نے آواز دی۔ اے عبداللہ! اگر تم اندر آنا چاہتے ہو تو جلدی کرو۔ میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ میں اندر چلا گیا۔ اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب لوگ اندر آ گئے۔ تو دربان نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دی گئیں۔ میں اٹھا اور چابیاں کھونٹی سے اتاریں۔ اور دروازہ کھولا۔ ابو رافع کے پاس قصہ کہانیاں سنائی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھر کے افراد میں موجود تھا۔ جب اسے کہانیاں سنانے والے چلے گئے میں اس کی طرف چڑھ گیا۔ میں نے جاتے وقت یوں کیا۔ کہ جو دروازہ کھول کر آگے بڑھتا اس کو اندر سے بند کر دیتا۔ میں نے کہا کہ اگر لوگوں نے مجھے پکڑنا چاہا تو وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر پہنچ گئے تو ان کے آنے سے پہلے میں ابو رافع کو قتل کر چکا ہوں گا۔ بہر حال میں اس تک پہنچ گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسے کمرے میں اپنے اہل و عیال کے درمیان موجود ہے جس میں گھپ اندھیرا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ گھر میں کس جگہ لیٹا ہوا ہے۔ میں نے آواز دی۔ ابو رافع؟ کہنے لگا۔ کون ہے یہ؟ میں جدھر سے آواز آئی اس طرف چل پڑا۔ اور خیال تھا کہ اس پر اپنی تلوار سے وار کروں گا۔ میں بہت گھبرایا ہوا اور

دہشت زدہ تھا۔ میں کسی چیز سے مستغنی نہ ہوا۔ اس پر تلوار کا وار کر دیا۔ وہ چلایا۔ پھر میں اس کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد میں پھر اندر آیا۔ میں نے پوچھا۔ اے ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟ کہنے لگے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ایک مرد نے تھوڑی دیر پہلے گھر میں مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے تلوار کا وار تو کیا لیکن وہ قتل نہ ہوا۔ میں نے اس مرتبہ تلوار اس کے پیٹ پر رکھی۔ اور اسے دبایا حتیٰ کہ وہ اس کی پیٹھ کی طرف جانکلی۔ اس سے مجھے پتہ چل گیا۔ کہ اب میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب میں نے ایک ایک کر کے دروازہ کھولنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ میں سیڑھی تک آ گیا۔ میں نے پاؤں رکھا۔ میرا خیال تھا کہ میں زمین پر آ گیا ہوں۔ میں چاندنی رات میں نیچے گر گیا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے پگڑی سے اسے باندھ لیا۔ میں چل پڑا۔ حتیٰ کہ جا کر دروازہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے دل میں کہا کہ میں آج رات یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب (سحری کے وقت) مرغ بولا۔ تو ایک ناعی (موت کی خبر دینے والا) دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ اور زور سے کہنے لگا۔ اہل حجاز کا تاجر ابورافع قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر میں اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے کہا "النجاء" اللہ تعالیٰ نے ابورافع کا کام تمام کر دیا ہے۔ میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ذرا اپنی ٹانگ بچھاؤ۔ میں نے بچھائی۔ تو آپ نے اس پر دست اقدس پھیرا۔ مجھے ایسا آرام آ گیا۔ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے جناب زہری نے عبداللہ بن کعب بن مالک نے روایت کیا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ایک ترکیب نکالی۔ وہ یہ کہ انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ جیسا دو پہلوان مقابلہ کرتے ہوں۔ ان میں سے ایک قبیلہ اگر کوئی آپ کیلئے کام کرتا تو دوسرا بھی وہی کام لازماً کرتا۔ وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہم سے کوئی سبقت نہ لے جائے۔ اور کوئی مسلمان ہم سے حسن سلوک میں آگے نہ بڑھے۔ جب اوس قبیلہ نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔ تو خزرج نے ایک مرد کو موت یاد دلائی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا۔ انہوں نے خیبر میں ابن ابی الحقیق کو ڈرایا دھمکایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت دیدی۔ ابن اسحاق نے آگے تک حدیث ذکر کی۔ پھر کہا۔ کہ پھر یہ لوگ اس کے بالاخانہ کی طرف چڑھ گئے۔ وہاں پہنچ کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کی عورت

(بیوی) باہر ان کی طرف نکلی۔ پوچھنے لگی۔ تم کون ہو؟ کہنے لگے۔ ہم ایک عربی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہم کچھ کھانے پینے کی اشیاء لینا چاہتے ہیں۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اور کہنے لگی۔ جس آدمی کے پاس تمہیں جانا ہے وہ وہاں اس کمرے میں بیٹھا ہے۔ پھر ابن اسحاق نے تمام حدیث ذکر کی۔ جو اس کے قتل تک کی ہے۔

حضرت براء بن عازب اور عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کی روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان ابورافع کے قتل کیلئے رات کے وقت گئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی تھی۔ اس کو قتل اس لئے کیا گیا کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا تھا۔ اور آپ کے ساتھ عداوت رکھتا تھا۔ یہ "ابن اشرف" کی نظیر ہے۔ لیکن ابن اشرف معاہد تھا۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی۔ تو مسلمان اسے قتل کرنے پر ٹوٹ پڑے۔ اور یہ یعنی ابورافع معاہد نہ تھا۔

ابن تیمیہ نے کہا۔ کہ یہ مذکورہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا تھا یا آپ کو اذیت پہنچاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے قتل کا ارادہ فرماتے تھے۔ اادر اس کرتوت کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو اس کے خلاف بھڑکاتے اور اکسایا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ آپ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ یعنی ایسے شخص کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسرے کافروں سے آپ ایسا سلوک نہ کرتے۔ خواہ وہ کافر غیر معاہد ہی کیوں نہ ہوتا۔ بلکہ آپ ان لوگوں کو امان دیتے۔ یا ان پر احسان فرماتے۔ حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان کوئی عہد نہ ہوتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والوں اور اذیت پہنچانے والوں میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا۔ اور بعض تائب ہو کر مسلمان بن کر حاضر خدمت ہو گئے۔ تو آپ نے ان کے خون کو معصوم قرار دیدیا۔ جس کے تین اسباب تھے۔

اول یہ کہ مذکورہ شخص ابھی قابو نہ آیا تھا۔ کہ وہ خود تائب ہو کر حاضر ہو گیا۔ مسلمان جس پر حد واجب ہو۔ اگر وہ قابو آنے سے پہلے تائب ہو کر آ جائے۔ اس پر سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ تو حربی اگر تائب ہو کر مسلمان ہو کر قابو آنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ تو اس کی سزا بطریقہ اولیٰ ساقط ہو جائے گی۔

دوم یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم یہ تھا۔ کہ آپ ان کو معاف کر دیتے۔ لہٰذا آپ نے معاف کر دیا۔

تیسرا یہ کہ حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے ان جرائم کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ جو اس نے

جاہلیت (اسلام سے قبل) میں کیئے ہوں۔ خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کی دلیل ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ آپ کفار کو کہہ دیں کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں گے تو ان کے گزرے جرائم معاف کر دیئے جائیں گے (الانفال:38)۔ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بھی دلیل ہے۔ اَلْاِسْلَامُ يَجِبُّ مَاقَبْلَهٗ۔ اسلام اپنے سے قبل کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور قول بھی اس کی دلیل ہے۔ مَنْ اَحْسَنَ فِي الْاِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخِذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ (متفق علیہ) جس نے اچھی طرح اسلام قبول کر لیا۔ اس سے قبل اسلام کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ جنہوں نے سب کو معلوم تھا۔ کہ کئی قتل کیئے ہوئے تھے۔ لیکن کسی نے ان سے قصاص کا مطالبہ نہ کیا۔ نہ دیت طلب کی اور نہ ہی کفارہ انہیں دینے کو کہا گیا۔ یونہی حضور ﷺ نے ان میں سے کسی کو اس نقصان کی چٹی دینے کو نہ کہا۔ جو انہوں نے اسلام لانے سے قبل کسی کے مال کا نقصان کیا تھا۔ نہ ہی آپ نے کسی پر حد زنا، حد چوری، شراب اور قذف وغیرہ کی حد جاری فرمائی۔ برابر ہے کہ مذکورہ شخص قیدی بننے کے بعد مسلمان ہوا۔ یا قید ہونے سے قبل مسلمان ہو گیا۔ یہ وہ مسائل ہیں۔ جن میں مسلمانوں کے مختلف مذاہب کے درمیان ہمیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے کہا کہ ہم نے یہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ ذکر کی ہیں۔ جن میں ایسے مشرکین کو لازماً قتل کرنے کا حکم تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان جیسے دوسرے کافروں کو آپ معاف کر دیا کرتے تھے۔ یہ بات ایسی ہے جو حضرات صحابہ کرام کے دلوں میں راسخ تھی۔ یہ رسوخ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی تھا۔ اور آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ وہ ہر اس شخص کو قتل کرنے کیلئے تیار تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہو۔ اور اس کیلئے وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ایسے شخص کے علاوہ دوسرے کفار کے قتل سے وہ رک جایا کرتے تھے۔ اور وہ یہی نظریہ رکھتے تھے کہ ایسے شخص کے قتل کا سبب صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ اور اذیت پہنچانا ہے۔ اور اس کیلئے وہ اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک گزشتہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ سَبَّنِيْ وَ سَبَّ اُمِّيْ وَ كَفَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ مجھے گالی دے لے اور میری ماں کو دشنام دے دے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زبان بند

رکھ۔ پھر اس پر حملہ کر دیا۔ اور واصل جہنم کر دیا۔ اور وہ حدیث جس میں ایک شخص نے اپنے باپ کو گالی بکتے سنا۔ تو اسے بیٹے نے قتل کر دیا۔ اور انصاری کی وہ حدیث جس میں انہوں نے نذر مانی تھی۔ کہ وہ ''عصماء'' کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ پھر اسے قتل کر بھی دیا تھا۔ اور ایک اور حدیث جس میں ایک شخص نے نذر مانی کہ ابن ابی سرح کو وہ قتل کرے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو اپنی بیعت میں لینے سے رکنا تا کہ وہ اپنی نذر پوری کر لے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں غزوہ بدر میں کھڑا تھا۔ میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا۔ اچانک مجھے انصار کے دولڑکے نظر آئے۔ جن کی عمر کوئی زیادہ نہ تھی۔ میں نے تمنا کی کہ میں ان دونوں کے درمیان ہو جاؤں۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اور کہنے لگا۔ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں بھتیجے! تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ کہنے لگا۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں نے اسے دیکھ لیا۔ تو میرا جسم اور اس کا جسم الگ نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ ہم سے وہ مر نہ جائے جس کی موت جلد آئی ہو۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں۔ مجھے اس کی اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔ فرماتے ہیں۔ پھر دوسرے نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اس نے بھی مجھ سے وہی کچھ کہا۔ جو پہلے نے کہا تھا۔ پھر چند ہی لمحوں بعد میں نے ابوجہل کو دیکھ لیا۔ وہ اس وقت لوگوں میں پھر رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو کہا۔ کیا تمہیں وہ شخص نظر آ رہا ہے؟ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ دونوں نے تلوار تھامی اور اس کی طرف دوڑ پڑے۔ قریب پہنچ کر ایسا وار کیا۔ کہ اسے قتل کر دیا۔ پھر دونوں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ ہر ایک نے عرض کیا۔ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تم نے اپنی اپنی تلوار کو صاف تو نہیں کیا؟ عرض کیا۔ نہیں حضور! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی تلواریں دیکھیں۔ دیکھ کر فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ یہ دولڑکے معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھے۔ یہ قصہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بہت خوش ہوئے۔ کہ ابوجہل مارا گیا ہے۔ اور اس پر آپ کا سجدہ شکر ادا کرنا بھی مشہور ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ ''هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' یہ (ابوجہل) اس امت کا فرعون ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالبختری بن ہشام

کے قتل کرنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ اور اس سے عہد وغیرہ کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس معاہدہ کے ورق کو توڑنے میں کوشش کی تھی۔ جسے کفار قریش نے لکھا تھا۔ اور انہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں۔ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے قطع تعلق کریں گے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واقعہ موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا۔ پھر وہ مجھ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا۔ تو میں ان کو رہا کر دیتا۔ تاکہ میں اس کا وہ بدلہ اتار سکتا۔ جو اس نے مکہ میں مجھے پناہ دی تھی۔ مطعم کافر تھا۔ غیر معاہد تھا۔ لہٰذا ان دونوں واقعات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والا بہر صورت ہلاک کئے جانے کا مستحق ہے۔ اور اس سے انتقام لیا جائیگا۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ کیلئے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں کافر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسان کرنے والے کے احسان کا ضرور بدلہ عطا فرماتے۔ اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابولہب کی آپ کے ساتھ جو قرابت تھی۔ وہ سب جانتے ہیں جب اس نے آپ کو اذیت پہنچائی۔ اور آپ کی مدد کرنے سے بنو ہاشم سے کٹ گیا۔ تو اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اتریں جو اتریں جن میں اس پر لعنت اور اس کا نام لیکر دھمکی دی گئی۔ تاکہ اسے ایسا رسوا کیا جائے جو کسی دوسرے کافر کو نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابولہب، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کا ہی ایک کافر تھا۔ حتیٰ کہ ہم سے نکل گیا۔ جب قریش نے باہم قسمیں اٹھائی تھیں۔ اس نے ان کی پشت پناہی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لائق الفاظ سے یاد کیا۔ اور بنی مطلب جو عبد شمس اور نوفل کے ہم نسب تھے۔ جبکہ انہوں نے آپ کی اعانت کی۔ اور مدد کی حالانکہ یہ کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے احسان کا بدلہ دیا۔ اور انہیں اسلام کے بعد ذوی القربیٰ کے حصہ میں بنو ہاشم کے ساتھ رکھا۔

اسی طرح ابو طالب جب اس نے آپ کی مدد کی اور اعانت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا۔ تو اس کا عذاب ہلکا کر دیا گیا۔ اب وہ جہنمیوں میں سے خفیف ترین عذاب میں ہے۔ مروی ہے۔ کہ ابولہب کو اس کی شہادت کی انگلی کے پورے سے پینے کیلئے کچھ ملتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا۔ جب اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہوں۔ اگر مسلمانوں

کے ہاتھ سے ان کا قلع قمع نہیں کراتا۔تو خود ایسے لوگوں سے انتقام لیتا ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفایت فرماتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر)۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (الحجر)۔جس کا آپ کا حکم دیا گیا ہے اسے پہنچا دیں اور مشرکین سے اعراض کریں۔بیشک مشرکین کے مقابلہ میں ہم آپ کیلئے کافی ہیں۔اس آیت میں جن استہزاء کرنے والوں کا ذکر ہے۔ان میں سے ایک ایک کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا وہ سب پر واضح ہے۔سیرت نگاروں اور مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ قریش کے کرتا دھرتا تھے۔جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، ابن عبد یغوث اور حارث بن قیس تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کی طرف دعوت نامے ارسال کئے۔ دونوں نے اسلام قبول نہ کیا۔لیکن قیصر نے آپ ﷺ کے رقعہ کا احترام کیا۔اور آپ کے ایلچی کی آؤ بھگت کی۔جس کی بنا پر اس کی حکومت قائم رہی۔اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کی اولاد میں سے اب بھی صاحب اقتدار ہے۔اور کسری نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رقعہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔اور اس کا مذاق اڑایا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے تھوڑی مدت کے اندر ان کی حکومت کا صفایا کر دیا۔اور مکمل طور پر اس کی حکومت تباہ و برباد ہوگئی۔خود بھی قتل کر دیا گیا۔کسری کی اولاد میں سے آئندہ کیلئے کوئی برسر اقتدار نہ رہا۔واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر)۔اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یعنی آپ کو غصہ دلایا۔اور آپ سے عداوت رکھی۔تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی جڑ اکھیڑ دے گا۔اور اس کا نام ونشان مٹا دیگا۔بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی تھی۔یا بقول بعض اس کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے متعلق یا کعب بن اشرف کے بارے میں ہوا تھا۔ان کیساتھ جو اللہ تعالیٰ نے سلوک کیا پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

عام علماء کرام کی عزت سے کھیلنا زہر آلود حرکت ہے۔جب عام علماء کی عزت کا یہ مقام ہے تو حضرات انبیاء کرام اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے کھیلنا کس درجہ سخت ہوگا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔جس نے میرے کسی دوست سے عداوت رکھی اس نے مجھے مقابلہ کیلئے دعوت دی۔اگر عام ولی اللہ سے عداوت ایسی ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھنے والا کس قدر مغضوب ہوگا۔اور جس نے بھی اللہ

تعالیٰ سے لڑائی لڑی وہ لازماً ذلیل ورسوا ہوا اور شکست خوردہ ہوا۔ جب تم قرآن کریم میں ان انبیاء کرام کے واقعات پڑھو گے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لا چکے۔ تو تم ان کی امتوں کے ہلاکت کے اسباب پر غور کرو انہیں اس وقت ہلاک کیا گیا جب انہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنے کے ساتھ انہیں اذیت پہنچائی۔ جب انہوں نے انبیاء کرام سے قبیح گفتگو کی۔ اور بدعملی پر اتر آئے۔ یونہی بنی اسرائیل پر ذلت ڈالی گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے۔ جب انہوں نے حضرات انبیاء کرام کو شہید کر دیا۔ ایک تو وہ کافر تھے اور اس کے ساتھ پیغمبروں کی شہادت انکے ہاتھوں سے ہوئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے۔ تو ان کا کوئی بھی حامی و ناصر نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے ہی ذکر فرمایا ہے۔ شائد تمہیں ایک بھی آدمی یا واقعہ ایسا نہیں ملے گا کہ کسی نے کسی پیغمبر کو اذیت پہنچائی ہو۔ پھر اس نے صدق دل سے توبہ نہ کر لی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسے کو عبرتناک سزا سے دوچار نہ کیا ہو۔

ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر آئے ہیں کہ مسلمانوں نے اس بات کا بارہا تجربہ کیا ہے کہ جب بھی کوئی کافر قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے پر اتر آتی ہے تو اس کا انتقام جلد لے لیا جاتا ہے۔ ایسے متعدد واقعات ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ بات بہت وسیع ہے۔ جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا یہاں مقصد ایسے واقعات بیان کرنا نہیں۔ بلکہ ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے اور اذیت پہنچانے والے کا ''حکم شرعی'' بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حمایت فرماتا ہے اور جو لوگ آپ کو تکلیف دینے کی ترکیبیں سوچتے ہیں۔ یا آپ کو گالی دیتے ہیں ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت ہر وقت آپ کے شامل حال ہے۔ اور ان کے ان ارادوں کو ہر طریقہ سے ناکام کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ الفاظ میں بھی حفاظت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیسے دور رکھا۔ اور ان کی لعنت سے مجھے کیسے بچایا۔ وہ کسی ''مذمم'' کو گالی دیتے ہیں۔ کسی مذمم پر لعن کرتے ہیں۔ میں تو (مذمم نہیں) محمد ہوں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی ہی ایسا رکھا کہ جس میں حمد ہی حمد ہے۔ اس نام کو اذیت یا اس نام کی برائی ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گالیوں اور بدزبانی کو کسی ''مذمم'' کی طرف پھیر دیا۔ اگرچہ اذیت پہنچانے والوں کا ارادہ یہی تھا۔ اور دشنام طرازوں کی نیت یہی تھی۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآل

وسلم کو ایسا کہہ رہے ہیں۔

جب ہماری پچھلی گفتگو اور دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپکے اصحاب کی سیرت وغیرہ یہی حکم دیتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا صرف اور صرف قتل کا مستحق ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اس کو صرف قتل کرنے کا حکم یا تو اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والا ''کافر حربی'' ہے۔ یا کافر حربی کے ساتھ گالی دینے کی وجہ سے وہ واجب القتل ہوا۔ پہلی وجہ (صرف کافر حربی ہونا) باطل ہے۔ کیونکہ بکثرت احادیث اس پر نص ہیں۔ کہ محض ''کافر حربی'' کی وجہ سے ایسے کو قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ عام احادیث اس پر نص ہیں۔ کہ اس کا واجبی قتل صرف ''گالی دینے'' کی وجہ سے ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب ''حربی'' کا قتل کیا جانا ''گالی دینے'' کی وجہ سے ہوا۔ تو پھر یہی حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے مسلمان، ذمی کا بھی ہوگا بلکہ بطریقۂ اولیٰ ہوگا۔ اس لئے قتل کا سبب ''محض گالی دینا'' ہے۔ صرف کفر یا حربی ہونا نہیں۔ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ سبب پایا جائے گا۔ قتل واجب ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ ''کفر'' کی وجہ سے کافر کا خون گرانا مباح ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہر حال میں ''کفر'' کافر کے قتل کو لازم کر دیتا ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ اسے امان دے دی جائے۔ اسے اس کے گھر وشہر میں رہنے دیا جائے۔ اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دیا جائے۔ اور اس سے فدیہ وصول کر لیا جائے۔ لیکن جب کافر سے عہد ہو گیا۔ تو عہد نے اس کے خون کو محفوظ کر دیا۔ جو خون کفر کی وجہ سے گرانا مباح تھا۔ یہ ہے وہ فرق جو ''حربی'' اور ''ذمی'' کے درمیان ہے۔ رہا ان کے سوا دوسرے موجبات قتل (اسباب قتل) تو وہ عہد کے حکم میں شامل نہیں ہوتے۔ ہم سنت سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا کرتے تھے۔ صرف اس کے گالی دینے کی وجہ سے۔ نہ کہ اس کے محض کافر ہونے کی وجہ سے۔ جس (کافر) کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ لہٰذا جب یہ سبب منعقد ہوگا۔ یعنی قتل کو لازم کرنے والا سبب اور عہد بھی نہیں۔ کہ اس کا خون معصوم ہو۔ اس لئے ایسا شخص لازماً ہر حال میں ''سزائے قتل'' کا حقدار ہے۔

اگر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ تو وہ گالی دینے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ اور مرتد کا قتل اصل کافر کے قتل سے کہیں زیادہ لازم ہے۔ اور ذمی اگر گالی دیتا ہے۔ تو وہ ''کافر حربی'' ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس نے پہلے سے کیئے گئے عہد کے خلاف کیا ہے۔ اور ایسے کا قتل کیا جانا بھی زیادہ اہم ہے اور اس لئے بھی کہ ذمی سے ہم نے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا تھا۔ کہ وہ گالی بکتا پھرے۔ بلکہ اجماع اس بات پر ہے کہ ذمی کو عہد میں پابند کیا جائے گا۔ کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دے گا۔

اس لئے جب وہ گالی دیتا ہے۔ تو اسے باجماع المسلمین سزا دی جائے گی۔ یا قتل کیا جائے گا۔ یا تعزیر لگائی جائے گی۔ اور یہ جائز نہیں کہ کسی ذمی کو کسی ایسے کام کرنے پر سزا دی جائے۔ جس کے کرنے کا اس سے معاہدہ ہوا تھا۔ پھر جب وہ ایسا کام کرتا ہے۔ جو اس کے معاہدہ کے تحت اسے کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کی وجہ سے ذمی معاہد کو قتل کرایا ہے۔ تو اب ہم لازماً یہ کہیں گے کہ گالی دیکر اس نے وہ کام کیا ہے جس کی سزا قتل ہے۔ اور اس پر سے ایسا کرنے سے عہد اٹھ جائے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کا قتل کیا جانا بلا تردد جائز ہے۔ اس توجیہ سے اس کا قتل کیا جانا ہی متقاضی ہے۔ خواہ اس نے عہد توڑا یا نہیں توڑا۔ کیونکہ قتل کئے جانے کے ایسے اسباب کہ جن پر ہم نے اس ذمی سے کوئی عہد و اقرار نہ کیا تھا۔ اس سبب کے واقع ہونے پر ذمی کا قتل کیا جانا ہی تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قتل کے سبب کے واقع ہونے سے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ جس طرح کسی ذمہ عورت کے ساتھ زنا کرنے یا کسی ذمی پر ڈاکہ ڈالنے سے عہد نہیں ٹوٹتا۔ یا کسی ذمی کے قتل کرنے سے عہد نہیں ٹوٹتا۔ یونہی مذکورہ جرائم اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان سے کئے تب بھی اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کا عہد نہ توڑو۔ یا اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ لیکن عہد کے ہوتے ہوئے اسے قتل کیا جائے گا۔

اور یوں بھی کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے اس لئے بچتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ظاہر کر چکا ہے۔ اور ذمی اس لئے بچے گا کہ وہ ذمی ہونا تسلیم کر چکا ہے۔ اور اس کی ذمیت ظاہر ہو چکی ہے (تو جب مسلمان نے گالی بکی - تو ایمان سے گیا اور ذمی نے بکواس کیا - تو ذمیت سے گیا)۔

گزشتہ احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا قتل کیا جانا لازم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کا کئی مواضع و مقامات پر قتل کرنے کا خود "امر" دیا ہے۔ اور "امر" وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اور جب بھی کسی کی طرف سے آپ کو گالی دینا آپ کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے اس کا خون ضائع قرار دیدیا۔ یونہی آپ کے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ قتل کا حکم جس کے بارے میں آپ نے دیا۔ آپ سے اس کے لئے معاف کر دینا ممکن اور متوقع تھا۔ اور جہاں آپ کی طرف سے معاف کر دینا ناممکن ہو۔ وہاں گالی دینے والا کا قتل کیا جانا زیادہ مؤکد ہوگا۔ اور اس پر ابھارنا زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا۔ (معاف کر دینا ناممکن ہو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد ہوگا) حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ایسے لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم دینا یہ بھی ایک جہاد کی قسم ہے۔ اور کافروں پر سختی کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ اور منافقین کی سرکوبی کا ایک راستہ یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا اظہار، اس کے کلمات کی بلندی اور اجراء کے طریقوں میں سے یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ لہٰذا جب مذکورہ اشیاء (جہاد، مشرکین ومنافقین پر سختی وغیرہ) واجب اور فرض ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کے حصول کا یہ طریقہ (گالی دینے والا کا قتل) بھی فرض ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ گالی دینے والا کا قتل کیا جانا فی الجملہ فرض ہے۔ اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے معاف کر دینے کا جواز تھا۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں تھا۔ جن کی تقدیر میں، اسلام قبول کر کے اس پر قائم رہنا تھا۔ اور اس کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا مقدر تھی۔ یا ان لوگوں کیلئے تھا۔ جو آپ کے ہاں اسلام قبول کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ ان کے علاوہ جو نہ اسلام قبول کرنے حاضر ہوئے ہوں نہ ان کی تقدیر میں اسلام تھا۔ ایسے بدزبانوں میں سے کسی ایک کو بھی آپ نے معاف نہیں فرمایا۔

اس حکم شرعی (یعنی بدزبان کا واجب القتل ہی ہونا) پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرات صحابہ کرام میں سے چند نے ان دو لونڈیوں میں سے ایک کو امن وامان دیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ اور بعض صحابہ کرام نے ابن ابی سرح کو امان دیا۔ جب یہ واجب القتل تھے تو امان دینے کا کیا مطلب؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے۔ کہ یہ دونوں اسلام کے متلاشی اور اسلام لانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ اور توبہ کرنے کی ان کی پکی نیت تھی۔ اور جو بدزبان ایسا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اسے معاف کر دینا جائز تھا۔ لہٰذا آپ کی طرف سے معاف کر دینا ممکن ہوا۔ تو بہرصورت قتل لازم نہ ہوا۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ بدزبان کا قتل واجب وفرض ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر حربی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دیتا۔ اس کا قتل کیا جانا واجب نہیں۔ بلکہ صرف جائز ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کسی کافر کا ذمی ہونا جس کا خون معصوم ہو گیا اگر وہ بھی گالی بکتا ہے تو اس کا ذمی ہونا اور اس کی ذمیت اس کے خون کو معصوم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ گالی دینے کی وجہ سے وہ واجب القتل ہو گیا ہے۔ ہاں اس کا خون معصوم رہ سکتا ہے جس کا کوئی جرم ایسا ہو جس میں اس کا قتل کیا جانا صرف جائز ہو واجب نہ ہو۔ کیا مرتد کی مثال ہمارے سامنے نہیں۔ اس کا کوئی ذمہ نہیں اور اس کے خلاف جب ڈاکو ہو رزانی کا قتل کیا جانا واجب ہے تو ان کا ذمہ (ذمی ہونا) ان کے قتل میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ بلکہ ان دونوں کو ذمی ہونے کے باوجود قتل کیا جائے گا۔ اور یہ بھی دیکھئے کہ ذمی کافر کو حربی کافر پر اگر کسی بات میں برتری

ہے۔ تو وہ عہد کی وجہ سے ہے۔ یعنی ذمی کافر سے ہم مسلمان حکومت نے عہد کر رکھا ہے۔ حربی کافر سے کوئی عہد نہیں ہوتا۔ اور ذمی کا عہد اس بات کو مباح نہیں کر دیتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتا پھرے۔ اور یہ بات اجماعی ہے۔ لہٰذا ذمی اور حربی دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔ کہ ان میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ وہ واجب القتل ہے۔ اور ذمی کے ساتھ جو مخصوص عہد کیا گیا تھا۔ وہ عہد اس کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اب عہد کے بعد اس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا مباح ہو گیا ہے۔ لہٰذا اگر ذمی عہد ہو جانے کے بعد ایسا کام کرتا ہے (گالی بکنا) جو اس کے قتل کئے جانے کو واجب کر دیتا ہے۔ (حالانکہ اس بات پر اس سے قطعاً عہد نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے سکتا ہے) تو پھر ایسے ذمی کا قتل کیا جانا ضروری طور پر واجب ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف ایسے اشخاص کو امان دیتے نظر آتے ہیں۔ جو آپ سے لڑائی کرتا ہے تو اس طرز نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو گالی دینا، آپ کے ساتھ جنگ کرنے سے کہیں زیادہ برا ہے۔ یا کم از کم لڑائی کے برابر ہی ہوگا۔ اور ذمی جب لڑائی پر اتر آتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کیلئے پر تولنے لگتا ہے تو اسے قتل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ذمی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اسے بطریقہ اولیٰ قتل کیا جانا واجب ہوگا۔

ذمی اگرچہ عہد کی وجہ سے معصوم الدم ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی عہد کے ذریعہ اس کو منع کیا گیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں نکال سکتا۔ اور حربی کے ساتھ کوئی عہد نہیں ہوتا۔ جو اس کے خون کو معصوم کر دے۔ اور نہ ہی اسے کسی اور طریقہ سے گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اب دونوں کا موازنہ کیا جائے۔ تو ذمی کی حالت حربی سے کہیں زیادہ بری دکھائی دے گی۔ کیونکہ ذمی کو عہد کے ذریعہ گالی بکنے سے روکا گیا تھا۔ اور حربی سے ایسا کوئی عہد نہ تھا۔ عداوت اور جرم کے اعتبار سے ذمی بہ نسبت حربی کے بڑا دشمن اور بڑا مجرم ہوگا۔ (کہ عہد کے باوجود نہیں رکا) اور ذمی کو عبرتناک سزا بھی حربی سے زیادہ سخت دی جانی چاہئے۔ کیونکہ اس کا جرم بھی زیادہ ہے۔ اور گالی دینے کی سزا حربی کیلئے قتل ہے۔ لہٰذا ذمی کا عہد جس نے اس کا خون معصوم قرار دیا تھا۔ گالی دینے کی صورت میں اس نے اس عہد کی پاسداری نہیں کی۔ اب اس نے عہد خود توڑا اور اب وہ عہد اس کو خون کے معصوم ہونے میں کوئی فائدہ نہ دیگا۔ کیونکہ بات سیدھی سی ہے کہ جب تک ذمی ہمارے ساتھ درست رویہ رکھتا ہے ہم بھی اس سے ویسا ہی سلوک کریں گے اور اگر وہ ٹیڑھا راستہ اختیار کرتا ہے۔ تو ہم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے۔ یہ بات بالاتفاق ہے۔ اس لئے ذمی کو سزا دی جائے گی۔ ''عہد'' اس کا خون معصوم کرتا

ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مگر جب خون گرانے کا حق ہو تو پھر معصوم نہیں رہے گا۔ لہٰذا جب ذمی کے ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے پر بالاتفاق سزا دینا جائز ہے۔ (حالانکہ اس سے عہد کیا گیا تھا) تو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی نہ کوئی ایسا کام کیا ہوگا جس کی سزا اسے دی جا رہی ہے۔ اور سنت سے ثابت ہے کہ گالی دینے کی سزا قتل ہے۔ لہٰذا اگر ذمی یہ جرم کرتا ہے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہئے۔

مذکورہ احادیث سے استدلال میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ''ذمی'' کو صرف اس وجہ سے قتل نہیں کیا جائیگا کہ گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ اس کا صرف عہد توڑنا اسے ایسا کافر کردے گا جس کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ (گویا عہد ٹوٹنے سے وہ ''حربی کافر'' ہو جائیگا، واجب القتل نہیں ہوگا) اور ان مذکورہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کو قتل کئے جانے کا حکم صرف اس لئے نہیں دیا کہ وہ کافر ہے۔ اور غیر معاہد ہے۔ آپ نے اس کے کفر اور عہد کو نہیں بلکہ اس کے گالی دینے کو سبب قتل قرار دیا۔ اگر چہ گالی دینا ''کفر'' کو لازم کر دیتا ہے۔ (یعنی آپ کو گالی دینے سے گالی دینے والا اگر چہ کافر ہو جاتا ہے) اور اس میں مسلمانوں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لڑائی کرنے کی عداوت موجود ہے۔ یہ قدر جہاں بھی پائی جائے گی۔ قتل کو واجب کر دے گی۔

حدیث ۱۳: یہ حدیث ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی نے انہیں علی بن مسہر نے انہیں صالح بن جبان نے انہیں ابو بریدہ نے اور انہیں ان کے والد نے بیان کیا۔ کہ ایک مرد مدینہ منورہ کی جانب ایک قوم کے پاس آیا۔ آکر ان سے کہنے لگا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں تم میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں۔ اور تمہارے مال کے بارے میں بھی مجھے اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا اختیار آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ فلاں فلاں چیز میں بھی یہی اختیار دیا ہے۔ اس شخص نے اس قوم کی ایک عورت سے جاہلیت میں شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن قوم نے اسے مذکورہ عورت بطور بیوی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا یہاں تک کہ اس عورت کے پاس آیا۔ قوم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ اس نے جا کر آپ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے۔ پھر آپ نے ایک شخص کو اس کی طرف روانہ فرمایا۔ اور فرمایا۔ اگر تمہیں زندہ مل جائے تو اسے قتل کر دینا۔ اور اگر تو اسے مرا ہوا پائے۔ تو اس کی لاش کو آگ میں جلا دینا۔ وہ چل پڑا۔ حتیٰ کہ جب اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اسے سانپ نے ڈسا ہے اور وہ مر چکا ہے۔ اس نے اسے آگ میں جلایا۔ اس واقعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جو بھی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنالینا چاہئے۔

اسی روایت کو ابو احمد بن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَنْبَرَ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ الشَّاعِرُ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مِسْهَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ حَيَّانَ عَنْ اَبِي بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ۔ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنولیث کی ایک شاخ رہائش پذیر تھی۔ ایک شخص نے دور جاہلیت میں اس شاخ کی ایک عورت سے نکاح کرنے کا پیغام دیا۔ لیکن قبیلہ والوں نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہی شخص ان کے پاس آیا۔ اور اس نے ایک حلّہ (کپڑوں کا نیا جوڑا) پہن رکھا تھا۔ کہنے لگا۔ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ حلہ پہنایا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال اور تمہاری جانوں کے بارے میں فیصلہ کروں۔ پھر وہاں سے نکلا اور اس عورت کے گھر آ گیا۔ جس سے اسے محبت تھی۔ قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اپنا آدمی روانہ کیا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ اللہ کا دشمن! جھوٹ کہتا ہے۔ پھر آپ نے ایک آدمی کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ اگر تجھے زندہ مل جائے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ تجھے زندہ ملے۔ تو اس کی گردن مار دینا۔ اور اگر تو اسے مردہ پائے تو آگ میں اسے جلا دینا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ''

ابن تیمیہ نے لکھا۔ کہ یہ اسناد صحیح بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔ اس کی کوئی علت معلوم نہیں۔ اور اس روایت کے دوسری وجہ سے شواہد موجود ہیں۔ اسے معافی بن زکریا الحریری نے اپنی کتاب ''الجلیس'' میں ذکر کیا ہے۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَامِدِ الْحَضْرَمِي حَدَّثَنَا السَّرِى بْنَ مَزِيْدِ الْخَرَاسَانِي حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ الْغُزَارِى حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ الزِّبْرَقَانِ اَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ سَائِبٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے دوستوں سے پوچھا۔ کیا تم اس حدیث کی تاویل (مفہوم) جانتے ہو؟ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جواب دیا۔ کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق ہو گیا تھا۔ شام کے وقت اس کے اہل خانہ کے پاس آیا۔ اور آ کر کہنے لگا۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میں تمہارے گھروں میں سے جس گھر میں چاہوں رات بسر کروں۔ وہ رات کا انتظار کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض

کرنے لگا۔ یارسول اللہ! فلاں آدمی ہمارے ہاں آیا ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ آپ نے اسے حکم دیا کہ ہمارے گھروں میں سے کسی گھر میں وہ رات گزار سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹ کہتا ہے۔ اے فلاں! اٹھو اور اس کے ساتھ جاؤ۔ اگر تجھے اللہ تعالیٰ اس پر قدرت دے تو اس کو قتل کر دینا۔ اور اسے آگ میں جلا دینا۔ اور میں تیرے بارے میں یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس کیلئے کافی ہو گا۔ یا تجھے اسے قتل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایلچی آپ کے ہاں سے باہر نکلا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے واپس بلا لاؤ۔ جب واپس آ گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ کہ اس کی گردن اڑا دینا۔ اور یہ کہ اسے آگ میں جلا دینا۔ اب میرا حکم یہ ہے کہ اگر تجھے قدرت ہو تو اس کی گردن مار دینا۔ لیکن اسے آگ میں نہ جلانا۔ اس لئے کہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تجھے اس کے قتل کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر آسمان سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔ وہ شخص باہر نکلا۔ تاکہ وضو کرے۔ اچانک اسے سانپ نے کاٹ لیا (اور وہ مر گیا) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جہنم کی آگ میں ہے۔

ابوبکر بن مردویہ نے وازغ عن ابی سلمۃ عن اسامۃ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "مَنْ يَقُوْلُ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ" جو شخص مجھ سے ایسی بات روایت کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی ہوتی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنا لے۔ اس ارشاد گرامی کا سبب یہ بنا۔ کہ آپ نے ایک شخص کو کہیں بھیجا۔ اس نے جا کر آپ کے حوالہ سے جھوٹ کہا۔ تو وہ مرا ہوا پایا گیا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور زمین اسے قبول نہ کرتی تھی۔

مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جھوٹ کہا۔ تو آپ نے حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ تاکہ اسے قتل کر دیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کو قتل کیا جائے" اس مسئلہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔

پہلا قول: حدیث مذکور کے ظاہری معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جان بوجھ کر جھوٹی بات بیان کرتا ہے۔ اس کو قتل کر دینا چاہئے۔ ان علماء میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ ایسا قول کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ یہ قول ایک جماعت کا ہے۔ جن میں سے امام ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ابن عقیل نے اپنے شیخ ابوالفضل الہمدانی سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ اسلام میں بدعات کا رواج دینے والے، پرلے درجے کے جھوٹے اور

احادیث گھڑنے والے یہ لوگ ملحدین (بے دینوں) سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے کہ "ملحدین" اسلام کو اسلام سے باہر رہ کر نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ دین میں رہ کر فساد بپا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ ان لوگوں کی مانند ہیں۔ جو کسی شہر کے اندر رہائش پذیر ہوتے ہوئے اس شہر کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور "ملحدین" ایسے کہ جنہوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اور باہر ہو کر نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ پس اندر کے رہائشی قلعہ کو کھول دیں گے اور شہر فتح ہو جائے گا۔ اس لئے یہ لوگ اسلام کیلئے انتہائی شریر اور خطرناک ہیں۔ اس قدر خطرناک وہ لوگ نہیں جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ نہیں رکھا۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جھوٹ بولنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹ بولنا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ کَذِبًا عَلَیَّ لَیْسَ کَکَذِبٍ عَلٰی اَحَدِ کُمْ فَاِنَّ مَا اَمَرَ بِہِ الرَّسُوْلُ فَقَدْ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ یَجِبُ اِتِّبَاعُہٗ الحدیث۔ بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا تم میں سے کوئی دوسرے پر جھوٹ باندھتا ہے۔ بیشک جس بات کا رسول حکم دیتا ہے۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کی اتباع واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع واجب ہے اور جس بات کی اللہ تعالیٰ کا رسول خبر دے اس کی تصدیق اسی طرح واجب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی خبر کی تصدیق واجب ہے۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور گمان یہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے یا اس کا نبی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ اور عنسی اور ان کی مانند جھوٹے نبی کیا کرتے تھے۔ تو ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اس کا خون حلال ہے۔ یونہی وہ شخص جو جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے۔ کافر اور حلال الدم ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اس کے قائم مقام ہے کہ گویا جھوٹ باندھنے والے نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ کی نبوت کو جھٹلایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں (جھوٹ باندھنے اور جھٹلانے) کو اپنے اس قول میں جمع فرمایا ہے۔ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے یا حق کو آ جانے کے بعد جھٹلاتا ہے (العنکبوت:68)۔ بلکہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا گناہ کے اعتبار سے اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جو آپ کو جھٹلاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں "جھوٹ باندھنے" کو ابتداء میں ذکر فرمایا۔ یہ ایسے ہی

ہے جیسا کہ بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچ کہنے والا اس شخص سے بڑا درجہ پاتا ہے جو آپ کی خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے ایسا ہوا جیسا اس کی تکذیب کرنے والا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا بھی ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو جھٹلانے والا ہوتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''تکذیب'' ایک قسم کا جھوٹ ہی ہے۔ کیونکہ جس شخص نے آپ کی خبروں کو جھٹلایا۔ اس نے دراصل یہ کہا کہ آپ سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ اور آپ کی رسالت کو سچا نہ جاننا، اللہ تعالیٰ کے دین کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔ اور ایک خبر میں جھٹلانا اور تمام اخبار میں جھٹلانا ایک جیسا ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایسا شخص کافر اس لئے ہوگیا۔ کہ اس نے ایسا کہہ کر اللہ تعالیٰ کی رسالت اور اس کے دین کو باطل کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا کیا کرتا ہے یہی کہ جھوٹی بات کی نسبت حضور کی طرف کرتا ہے۔ اس طرح وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں جان بوجھ کر ایسی باتیں داخل کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو دین میں داخل ہوتی نہیں۔ اور گمان یہ رکھتا ہے کہ امت پر اس جھوٹی خبر کی تصدیق کرنا لازم ہے۔ اور اس جھوٹے حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دین بنا کر پیش کرتا ہے۔ حالانکہ اسے بخوبی معلوم ہے کہ یہ جھوٹی بات اور جھوٹا حکم ''دین'' نہیں ہے۔ یوں وہ دین میں غیر دین کی زیادتی کرتا ہے۔ اور دین میں زیادتی گویا دین کا نقص ہے۔ اور ایسے دو شخصوں میں کوئی فرق نہیں جن میں سے ایک قرآن کریم کی کسی آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ دوسرا از خود کلام گھڑتا ہے۔ اور گمان یہ رکھتا ہے کہ جو کچھ میں نے کلام گھڑا یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایک سورت ہے۔ اور وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جان بوجھ کر جھوٹ کہنا ایک قسم کا آپ سے استہزاء کرنا ہے اور آپ کی بے عزتی کرنے کے مترادف ہے۔ وہ اس طرح کہ ایسا کرنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایسی باتوں کا حکم دیا ہے۔ جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیا۔ یا اس کا گمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کا حکم دیا۔ آپ کی طرف ''بیوقوفی'' کی نسبت کرتا ہے۔ یا یہ کہ آپ (معاذ اللہ) باطل چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتا ہے۔ اور دونوں کفر صریح ہیں۔

یوں بھی وجہ بن سکتی ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے والا اگر وہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

رمضان شریف کے علاوہ کسی اور مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں۔ یا اس کا یہ زعم ہے۔ کہ پانچ نمازوں سے زائد نماز فرض ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور گمان رکھتا ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی اور گوشت کو حرام کر دیا ہے اور وہ اپنے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سراسر جھوٹ ہے۔ ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ گمان رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں چیز واجب کر دی ہے جس کو آپ نے واجب نہ کیا ہو۔ یا آپ نے فلاں چیز حرام کر دی ہے جس کو آپ نے حرام نہ کیا ہو۔ تو اس نے دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اور جھوٹ باندھنے کے علاوہ اس نے زیادتی یہ بھی کی ہے کہ اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ اور اپنے بارے میں یہ تاثر دیتا ہے کہ میں نے یہ حکم اجتہاد اور استنباط کے طور پر نہیں کہا ہے۔

بالجملہ جس شخص نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو جان بوجھ کر جھٹلایا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو شخص اس پر جھوٹ باندھے جس کی تعظیم کی جانی واجب تھی۔ اس نے گویا اس کی اہانت کی ہے اور اسے بے عزت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے جھوٹ کہنے والا لازماً آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کر کے بدنام کرنے والا اور آپ کی شان کو کم کرنے والا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر اس شخص نے اس طرح کا آپ پر جھوٹ باندھا۔ جس طرح کا جھوٹ ابن ابی سرح نے باندھا تھا۔ ابن ابی سرح نے کہا تھا۔ حضور مجھ سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یا جھوٹ باندھنے والے نے آپ پر بعض تباہ کن فواحش کی کا الزام لگایا۔ یا خبیث اقوال کی نسبت کی۔ تو اس سے وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ اسی طرح آپ پر جھوٹ باندھنے والا کا معاملہ ہے۔ کیونکہ ایسا شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے کوئی حکم، کوئی خبر یا کوئی فعل لوگوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اگر وہ آپ کے حوالہ سے ایسا حکم پھیلاتا ہے جس کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ تو اس نے آپ کی شریعت میں زیادتی کر دی۔ اور یہ اس طرح کہ وہ کام جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہیں دیا اور جھوٹا شخص اسے آپ کا حکم بتا کر لوگوں سے وہ کام کروانا چاہتا ہے۔ وہ کام دراصل ایسا تھا جو حکم دیئے جانے کے لائق نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس کے لائق ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کا حکم دیتے۔ اس لئے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْئٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ اِلَّا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَا مِنْ شَيْءٍ يُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ

اِلّا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ'' میں نے جو چیز تمہیں جنت کے قریب کرنے والی تھی ایسی ہر چیز کا حکم دیا ہے۔ اور جو چیز تمہیں آگ سے دور رکھتی تھی۔ اس سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔ لہٰذا جب آپ نے اس کام کا حکم نہیں دیا ہوتا۔ جو جھوٹا شخص آپ کے حوالہ سے بتاتا ہے۔ تو اس کا حکم دیا جانا ہی ناجائز تھا۔ اب جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی ایسے حکم کی روایت کی اور کہا کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے۔ تو اس نے آپ کو ایسے کام کی طرف منسوب کر دیا جس کا حکم دینا آپ کیلئے جائز نہ تھا۔ اور یہی نسبت '' بے وقوفی'' کہلاتی ہے۔ یونہی اگر کوئی شخص آپ کی طرف سے کوئی خبر گھڑتا ہے۔ اور آپ کے حوالہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ خبر اگر واقعۃً ایسی خبر ہوتی۔ جس کا خبر دیا جانا جائز ہوتا۔ تو آپ اس کی خبر دیتے۔ یونہی اگر کوئی شخص آپ کی طرف سے کسی فعل کو نقل کرتا ہے۔ جس میں وہ سراسر جھوٹا ہے۔ اگر وہ فعل درحقیقت ایسا فعل ہوتا، جو کرنے کے لائق ہوتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بروئے کار لا کر اس کی جانب فعل کو ترجیح دیتے، لیکن جب آپ نے اس کام کو کیا ہی نہیں۔ تو پھر اس کا نہ کرنا ہی اولیٰ ٹھہرا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام احوال میں کامل ترین انسان ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قول یا فعل کو ترک کیا اس کا ترک اس کے کرنے سے اولیٰ ہے۔ اور جس کو آپ نے کیا اس کا کرنا اس کے ترک سے اولیٰ ہے۔ پس جب کسی شخص نے آپ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا۔ یا کسی نے آپ کی طرف سے ایسی خبر دی۔ جو واقعۃً نہ تھی۔ تو اس جھوٹ باندھنے والے اور جھوٹی خبر دینے والے نے آپ کی طرف اس کی نسبت کر کے آپ کی شان کو کم کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اگر وہ واقعی کوئی کمال ہوتا۔ تو آپ سے ضرور واقع ہوتا۔ اور جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کی وہ یقیناً کافر ہے۔

تم نے دیکھا۔ کہ یہ قول انتہائی مضبوط ہے۔ لیکن اس طرف بھی توجہ ہونی چاہئے۔ کہ ایک شخص وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کے سامنے جھوٹ کہتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو آپ پر بالواسطہ جھوٹ باندھتا ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا لازم ہے۔ بالواسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص یوں کہتا ہے کہ فلان بن فلان نے فلاں بن فلاں سے مجھے یہ حدیث سنائی۔ اس طریقہ میں دراصل جھوٹ باندھنے کا تعلق اس آدمی کے ساتھ ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں) اور اس کی طرف اس نے حدیث کی نسبت کی ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ہی فرمائی ہے۔ اور ایسا کہنے والا بخوبی جانتا ہو کہ یہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ تو اس صورت میں یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنے کے تحت آ جائے گا۔

لیکن اگر کسی نے صرف افتراء کیا۔ اور خالص روایت آپ سے روایت کی۔ تو اس میں نظر (گنجائش) ہے۔ خاص کر حضرات صحابہ کرام کے بارے میں، کیونکہ تمام صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عادل" ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جب جھوٹ اگر ان حضرات میں شامل کسی سے واقع ہو۔ تو اس کا دین میں بہت بڑا نقصان لائے گا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جان بوجھ کر آپ پر جھوٹ باندھنے والے کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اور اس کی سزا میں جلدی فرمائی۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی۔ کہ اس طریقہ سے وہ منافق "عادل" حضرات میں داخل ہونے سے رک جائے۔ جو عادل ہے نہیں۔ منافق ہے۔ یا اس کی طرح کافر وغیرہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ ایک شخص ایسی حدیث کی روایت کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ تو اسے ایسی حدیث کی روایت کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "مَنْ رَوٰى عَنِّيْ حَدِيْثًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ" جو شخص میری طرف سے ایسی حدیث کی روایت کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے (یعنی حضور کا ارشاد نہیں) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ لیکن اسے کافر نہیں کہا جائیگا۔ ہاں اگر وہ روایت کے ساتھ ایسی بات نتھی کر دیتا ہے۔ جو موجب کفر ہو (تو کافر ہو جائیگا) اسے کافر اس لئے نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک اعتبار سے سچا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے شیخ نے اسے وہی حدیث پہنچائی تھی۔ لیکن جب اسے علم ہو گیا کہ میرے شیخ نے اس میں جھوٹ کہا ہے۔ تو اس علم کے بعد اسے اس حدیث کی روایت کرنا حلال نہیں رہتا۔ پس یہ راوی اس گواہ کی طرح ہو گیا۔ جس نے کسی کے اقرار کو سن کر اس کے متعلق گواہی دی۔ یا کسی کی شہادت پر شہادت دیدی۔ یا عقد ہوتے دیکھا تو اس کی گواہی دیدی۔ حالانکہ وہ گواہ جانتا ہے کہ وہ (گواہی، شہادت اور عقد) باطل ہے۔ ایسی شہادت "حرام" ہوگی۔ لیکن وہ گواہ جھوٹ کا گواہ نہیں بنے گا۔

اس قول کے پیش نظر وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ وہ قتل کئے جانے کا اس شخص سے زیادہ مستحق ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس لئے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے والے نے دین میں ایسی چیز بڑھا دی جو دین میں نہ تھی۔ اور گالی دینے والے نے تو دین میں مکمل طور پر طعن کر دیا۔ اور اس وقت جب حقیقت حال یہ ہے۔ تبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا جس نے آپ پر جھوٹ باندھا تھا۔ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔ یونہی آپ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جانا ضروری ہے۔ بلکہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ اہم ہے۔ اور اس

سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی۔

دوسرا قول: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کو سخت ترین سزا دی جائے۔ لیکن اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ ہی اس کا قتل کیا جانا جائز ہے۔ اس لئے کہ قتل کو لازم کرنے والے اسباب اور کفر کے اسباب معلوم و متعین ہیں۔ ان میں سے یہ (جھوٹ باندھنا) کوئی سبب نہیں ہے۔ پس ایسی بات کا ثابت کرنا جس کی اصل ہی کوئی نہ ہو۔ جائز نہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ قول کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہاں یہ پابندی اور شرائط لگانا ضروری ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے۔ جو عیب ظاہری پر مشتمل ہو۔ اگر جھوٹا آدمی یہ خبر دے کہ اس نے فلاں بات سنی ہے۔ اور بات ایسی کہے جو آپ کی تنقیص وعیب پر ظاہر دلالت کرتی ہو تو ایسا جھوٹا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہراً مذاق اڑانے والا ہوگا۔ اس کے کافر ہونے اور خون حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور وہ شخص جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے آپ پر ایسا جھوٹ باندھا تھا۔ جو آپ کی شان کو کم کرنے اور آپ میں عیب ثابت کرنے پر مشتمل تھا۔ کیونکہ اس نے یہ زعم کیا تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس قوم کے مال وخون کا حاکم بنایا تھا۔ اور اسے اجازت دی تھی کہ جس گھر میں چاہئے رات بسر کرے۔ اس سے اس کا مقصود یہ تھا۔ کہ اپنی محبوبہ کے پاس رات گزارے تا کہ اس سے بدکاری کرے۔ اور قوم کو انکار کرنے کی گنجائش نہ ہو کیونکہ وہ ان کے مال وخون کا حاکم بنایا گیا تھا اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرام کو حلال نہیں کرتے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے خون و مال ایسی قابل احترام اشیاء کو حلال قرار دیدیا ہے۔ اور بے حیائی کی اجازت دیدی ہے۔ تو اس نے دراصل آپ کی شان میں نقص پیدا کیا اور عیب لگایا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کا حکم دیدیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث مذکور اس بارے میں نص ہے۔ کہ آپ ﷺ پر طعن کرنے والا دونوں اقوال کے مطابق توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے گا۔

حدیث ۱۴: یہ حدیث ایک اعرابی کے بارے میں ہے جس کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مال عطا فرمایا تھا تو کہنے لگا۔ ''مَا اَحْسَنْتَ وَلَا اَجْمَلْتَ'' آپ نے کوئی اچھا انداز نہیں اپنایا۔ اس کی اس بات پر مسلمانوں نے اسے قتل کرنا چاہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر میں تمہیں چھوڑ دیتا جب اس شخص نے کہا جو کہا۔ پس تم اسے قتل کر دیتے تو وہ لازماً جہنم کی آگ میں جاتا۔

یہ حدیث مبارک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت

پہنچاتا ہے جب اسے قتل کیا جائے تو وہ جہنمی ہے۔ اور یہ (اس کا جہنمی ہونا) اس کے کفر کی دلیل ہے۔ اور اس کے قتل کے جواز کی دلیل ہے۔ ورنہ وہ شہید ہوتا اور اس کو قتل کرنے والا جہنمی ہوتا۔ رہا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا تھا اور اس کی درخواست پر آپ اس سے راضی ہو گئے تھے۔ تو یہ اس لئے کہ ایسا کرنے کا اختیار صرف آپ کو تھا کہ جو آپ کو اذیت پہنچائے اسے آپ معاف فرما دیں (کسی دوسرے کو اس کا اختیار نہیں)۔

اسی بات سے اس واقعہ کا بھی تعلق ہے جس میں مذکور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حنین'' کے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ تو ایک شخص نے آپ کو کہا۔ ''اِنَّ هٰذِهِ الْقِسْمَةَ مَا اُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى'' یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے ارادے سے نہیں ہوئی۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجئے کہ میں اس منافق کو قتل کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اَنْ يَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنِّيْ اَقْتُلُ اَصْحَابِيْ'' خدا کی پناہ! لوگ کہتے پھریں گے۔ کہ میں نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بتایا۔ کہ اس کی پشت سے ایسی قوم آئے گی۔ جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو اس کے قتل کرنے سے منع اس لئے کیا تھا۔ کہ لوگ آپس میں یہ نہ کہتے پھریں۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پاس بیٹھنے والے کو قتل کر دیا۔ اس لئے منع نہیں کیا تھا۔ کہ اس کا خون اور وہ خود محفوظ و معصوم عن القتل ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں فرمایا تھا۔ جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا رقعہ عورت سے برآمد ہو گیا۔ تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا۔ حضور! میں نے یہ جو فعل کیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں کافر ہو گیا ہوں یا مرتد ہو گیا ہوں۔ اور نہ اس لئے کہ میں اسلام کے بعد کفر کو پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اس نے تمہارے سامنے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ شخص یقیناً بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تمہیں کیا علم کہ شائد (یقیناً) اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر متوجہ ہو کر فرما دیا ہے۔ ''اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ'' جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں یقیناً معاف کر دیا ہے۔ آپ نے یہ ارشاد فرما کر واضح کر دیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ایمان پر قائم ہیں۔ اور ان سے جو فعل بدر میں شرکت صادر ہو گیا وہ ایسا ہے جس کی برکت سے ان کے بعد والے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے سو معلوم ہوا کہ ان کا خون معصوم ہے اور اعرابی کے واقعہ میں

(جسے حضور کی اعطاء اچھی نہ لگی) آپ نے اس کی ایسی علت بیان فرمائی۔ (یہ کہ لوگ مجھے قاتل کہتے پھریں گے) جو مفسدہ ہے لیکن زائل ہونے والی ہے۔ (یعنی اگر لوگوں میں چرچا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتو قتل لازماً تھا) سو معلوم ہوا کہ ایسے شخص کا قتل جب اس کے قتل کئے جانے سے کوئی فساد رونما نہ ہو۔ جائز ہے۔ اسی لئے جب فساد وغیرہ کا خدشہ ختم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ اے نبی محترم! آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ارشاد فرمایا تھا۔ (توبہ:73)۔ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ (الاحزاب:48) کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیئے اور ان کی ایذاء کو بھول جائیے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ'' منسوخ ہے۔ اور اسے وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ الآیۃ نے منسوخ کیا ہے۔

اعرابی کے گزشتہ واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن ابی نے جب کہا۔ اگر ہم واپس مدینہ پلٹے تو ہم طاقت ور اور کرتے دھرتے لوگ مدینہ سے لازماً کمزور اور غریب لوگوں کو باہر نکال دیں گے۔ اور اس نے یہ بھی کہا تھا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ انہیں کھانے پینے وغیرہ میں مدد مت دو۔ یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو جائیں۔ عبداللہ بن ابی کی ان باتوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ کہ اسے قتل کرنے دیا جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اگر اجازت دیدوں اور تم قتل کر دو تو پھر) اس وقت اس کے حق میں بہت سے اہل مدینہ ہم پر برس پڑیں گے۔ اور فرمایا۔ لوگ یہ بات نہ کرتے پھریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو مروا دیتے ہیں۔ یہ قصہ مشہور ہے۔ اور بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔

سو معلوم ہوا کہ جو شخص اس قسم کی گفتگو کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اس کا قتل جائز ہے۔ جب قتل کئے جانے کیلئے قدرت (حالات سازگار) ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل سے اجتناب اس لئے برتا کہ ایسا کرنے سے بہت سے لوگ اسلام چھوڑ جائیں گے۔ کیونکہ ابھی اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا۔

اسی باب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے۔ ''مَنْ يَعْذِرُنِيْ فِيْ رَجُلٍ بَلَغَنِيْ اَذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ'' اس شخص کے بارے میں میرا ہاتھ کون بٹائے گا۔ جس نے میرے اہل (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں الزام تراش کر مجھے اذیت پہنچائی؟ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ

عنہ نے عرض کیا۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کو سرخرو کرتا ہوں۔ میں اس کی گردن ماردوں گا۔ قصہ مشہور ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کی بات کا انکار نہ فرمایا۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا اور آپ کی تنقیص شان کرتا ہے۔ اس کی گردن اڑانا (قتل کرنا) جائز ہے۔

عبداللہ بن ابی اور دوسرے لوگوں نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا تھا۔ ان دونوں (عبداللہ بن ابی اور اس کے علاوہ دوسرے) میں فرق یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کا مقصد ان باتوں سے یہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی اور آپ پر طعن کیا جائے۔ اور آپ کو شرم دلائی جائے۔ وہ اس غرض سے اس قسم کی (تہمت کے علاوہ) اور باتیں بھی کرتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے کہا۔ کہ ہم اسے قتل کریں گے۔ اس کے برخلاف حضرت حسان بن ثابت، مسطح اور حمنہ وغیرہ نے (بھی اگرچہ الزام میں شرکت کی) اپنی گفتگو میں یہ ارادے نہ کئے تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے ایسی مزید باتیں کی تھیں۔ جو اس مقصد کی طرف نشاندہی کرتی ہوں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے بارے میں ہاتھ بٹانے کی خواہش کی۔ دوسروں کے بارے میں آپ نے ایسا ارشاد نہیں فرمایا۔ اور اس وجہ سے آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو قریب تھا کہ دو قبیلے ایک دوسرے کا خون بہاتے۔

حدیث ۱۵: اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال غنیمت تقسیم فرمانے کا ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب، اس کی اولاد اور قریش کے بعض سرکردہ لوگوں کو غنیمت کی وافر مقدار اس لئے عطا فرمائی۔ تا کہ ان لوگوں کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے۔ اور یہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر بعض بے دینوں نے اعتراض کیا۔ آپ نے اس بے دین کے قتل کا حکم دیدیا۔ لیکن وہ نہ مل سکا۔ یہ شخص ان خوارج کا اصل اور بانی تھا۔ جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج (بغاوت) کی تھی۔ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر چند احادیث ذکر کیں۔ جن کا تعلق غزوۂ حنین وغیرہ کے ساتھ ہے۔ پھر کہا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم یا تقسیم فرمانے پر آپ کو عیب لگاتا اور بدنام کرتا ہے اس کا قتل کیا جانا واجب ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں ایسا حکم دیا ہے۔ اور یہی حکم آپ کے وصال کے بعد بھی ہے۔

ایک سوال: ابن تیمیہ نے اس کے بعد ایک سوال لکھا۔ جس کا بعد میں جواب بھی لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کا گزشتہ حدیث ۱۵ میں ذکر کیا گیا کہ انہوں نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا۔ یہ عیب

لگانے والے بھی منافق ہیں۔ان کا نفاق'' کفر'' کا موجب ہے۔اوران کا خون حلال ہے۔حتیٰ کہ اس قائل کے ہم نوااور ہم جنس لوگ'' بدترین مخلوق'' قرار پائے۔ایک طرف تو اعتراض کرنے والوں کی یہ حیثیت ہے۔اور دوسری طرف قریش اور انصار کے کچھ لوگ ہیں۔ جو آپ کی تقسیم پر ناراض ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ (کیونکہ اول الذکر کے قتل کا حکم دیا تھا اور مؤخر الذکر کے بارے میں آپ نے ایسا حکم نہیں دیا۔حالانکہ معترض دونوں ہیں)۔

قریش وانصار کی ناراضگی کا ذکر درج ذیل احادیث سے مذکور ہے۔

حدیث ۱: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح میں ہے۔آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے'' ذھبیہ''یعنی سونا چار آدمیوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔تو قریش اور انصار ناراض ہوئے۔ کہنے لگے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجد کے بڑوں کو تو عطا کیا ہے،ہمیں چھوڑ دیا ہے۔اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔میں اس طرح (انہیں دیکر) ان کے دلوں میں اسلام کی الفت ومحبت ڈالنا چاہتا ہوں۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تو ایک گہری آنکھوں والا شخص آگے بڑھا۔اس کے بعد اس معترض کی بات ذکر کی۔

حدیث ۲: مسلم شریف میں مروی ہے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک نے کہا۔ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ حقدار تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔تو آپ نے ارشاد فرمایا۔کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے ؟ میں امین ہوں اس کا جو آسمانوں میں ہے۔ وہ مجھے صبح وشام آسمان کی خبر دیتا ہے۔اس پر ایک گہری آنکھوں والے نے کہا......الحدیث۔

حدیث ۳: حنین کی غنیمتوں کی تقسیم پر انصار نے بھی اعتراض کیا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے چند آدمیوں نے حنین کے دن کہا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ھوازن کا مال بطور غنیمت عطا فرمایا۔ جو بھی عطا فرمایا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے آدمیوں کو ایک سو اونٹ دے دیتے ہیں۔سو کہنے لگے۔اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف فرمائے۔قریش کو تو آپ دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے گرتے ہیں۔

حدیث ۴: ایک اور روایت ہے کہ جب مکہ فتح ہوا۔تو آپ نے مال غنیمت قریش میں تقسیم فرمایا۔اس پر انصار بولے۔ جب لڑائی اور جنگ کا وقت ہو تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو آپ دیتے دوسروں کو ہیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کی یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے انصار کی طرف کسی کو بھیجا۔ تاکہ انہیں جمع ہونے کا آپ کا پیغام پہنچائے۔ اس پر انصار چمڑے سے بنے ایک سائبان کے نیچے جمع ہوئے۔ اور ان کے مجمع میں کسی غیر انصاری کو نہ آنے دیا گیا۔ جب وہ جمع ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ تمہاری طرف سے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے؟ یہ سن کر فقہاء انصار نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! جو ہم میں سے صاحب رائے ہیں۔ انہوں نے تو کوئی بات نہیں کہی۔ ہاں ہم میں سے وہ لوگ جن کی عمر ابھی پختہ نہیں انہوں نے کہا تھا۔ "اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے۔ قریش کو وہ دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں" تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے ان مردوں کو دیا ہے جن کا کفر کا زمانہ بہت قریب تھا۔ (یعنی مسلمان ہوئے تھوڑا وقت گزرا تھا) میں نے انہیں ان کی اسلام سے الفت بڑھانے اور مضبوط کرنے کیلئے دیا ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ مال واسباب لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کے ساتھ اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف جاؤ؟ اور جو تم لیکر واپس ہو وہ اس سے بہتر ہو جو وہ لیکر واپس جائیں؟ انصار نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہاں۔ ہم راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت جلد میرے بعد تم شدید خودغرضی دیکھو گے۔ سو تم صبر کرو۔ حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول کو حوض کوثر پر پاؤ۔ کہنے لگے۔ ہم صبر کریں گے۔

جواب: مذکورہ سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قریش اور انصار وغیرہ میں سے کسی مومن نے جو بات کی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تجویز نہ دی گئی اور نہ ہی آپ کے عمل شریف کے خلاف تجویز پیش کی گئی۔ اور نہ ہی آپ پر یہ تہمت دھری گئی۔ کہ آپ نے جو تقسیم فرمائی اس میں غلطی کی۔ اور ہوائے نفس کے تحت ایسا کیا۔ اور نہ ہی کسی نے آپ کی طرف یہ بات منسوب کی۔ کہ آپ نے اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہیں رکھا۔ یا اس قسم کے الفاظ نہیں کہے۔ جو منافقین نے کہے تھے۔ پھر دونوں قبیلوں کے صاحب رائے لوگ جو جمہور ہیں۔ انہوں نے تو بالکل کوئی بات تک نہ کی۔ بلکہ وہ تو اس پر راضی تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے عطا کیا تھا۔ اور انہوں نے یہ کہا تھا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ۔ عنقریب اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ انصار کے فقہاء نے کہا تھا۔ کہ ہم میں سے صاحب رائے نے تو کوئی بات نہیں کہی۔ جن لوگوں نے کچھ کہا ہے۔ وہ نوعمری کی وجہ سے ہوا۔ لہٰذا ان حضرات نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کی تقسیم اسلامی مصلحتوں کے مطابق کی ہے۔ اور آپ نے جسے کچھ دیا وہ بھی برمحل تھا۔ اور جسے محروم

رکھا وہ بھی درست تھا۔ اس میں انہیں کوئی شکایت نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصلحت کا علم بذریعہ وحی بھی ہوتا تھا اور بذریعہ اجتہاد بھی کبھی مصلحت سامنے آجاتی تھی۔ حضرات صحابہ کرام کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ آپ نے جو کام کیا وہ کس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آپ نے فرمادیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ ہے۔ سو جو شخص اسے مکروہ جانے اور ناپسند کرے۔ یا اس پر اعتراض کرے۔ جبکہ آپ نے یہ بتادیا ہو کہ یہ بذریعہ وحی ہے تو وہ کافر اور جھٹلانے والا ہے۔ اور جائز ہے کہ آپ کی تقسیم ازروئے اجتہاد ہو۔ حضرات صحابہ کرام امور دنیویہ میں جن کا تعلق دینی مصلحتوں سے ہوتا تھا ان کے بارے میں آپ کے اجتہاد سے اختلاف کرتے تھے اور یہ ایسا موضوع ہے جس میں امت متفق ہے کہ اس پر عمل جائز ہے اور بعض دفعہ حضرات صحابہ کرام آپ سے دریافت کرتے تھے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ اس میں آپ سے مراجعت کی درخواست کی جائے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کام کی وجہ سمجھیں۔ اور اس کے سبب میں تفقہ حاصل کریں۔ اور اس کی علت جان سکیں۔ حضرات صحابہ کرام کی طرف سے جائز مراجعت ان دو وجوہات سے باہر نہیں۔ اول یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکمیل نظر اس میں ہو جائے۔ لیکن یہ اس کام میں ہوگا جس کا تعلق امور سیاست سے ہوتا ہو۔ اور وہ بھی ایسے امور ہوں کہ جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔ دوم یہ کہ صحابہ کرام کو حضور کے ذکر کرنے سے اس کی وجہ معلوم ہو جائے۔ اور ان کے علم و ایمان میں زیادتی ہو جائے۔ اور ان کیلئے ان میں تفقہ کا راستہ کھل جائے۔

پہلی وجہ کی مثال یہ ہے کہ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدر میں ایک جگہ سواری سے اتر کر قیام فرماتے دیکھا تو پوچھنے لگے۔ یارسول اللہ! کیا یہ جگہ جہاں آپ اترے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اترنے کا حکم دیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو ہمیں اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ یا لڑائی کیلئے کوئی چال چلنا اس جگہ سے تعلق رکھتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور جنگ کیلئے ایک چال کی خاطر یہاں پڑاؤ کیا گیا ہے۔ اس پر جناب حباب بن منذر رضی اللہ عنہ بولے۔ یہ لڑائی کیلئے مناسب جگہ نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے کو قبول کر لیا۔ اور اس جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر ''غطفان'' سے مدینہ منورہ کی کھجوروں کے نصف حصہ پر صلح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان!

یہ جو چیز آپ ان کو عطا فرما رہے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے؟ اگر ایسا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سر تسلیم خم ہے۔ یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ میری ذاتی ہی رائے ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ قوم تمہیں مال دے گی۔ تو تمہارے پاس بھی اس قدر ذخیرہ ہو جائے گا۔ جو دوسرے قبائل میں تم دیکھتے ہو۔ اور تم تو ہو بھی صرف ایک ہی قبیلہ۔ سو میں نے چاہا کہ ان میں سے بعض کو کچھ دیکر دور کر دوں۔ اور دوسروں کیلئے کچھ مقرر کر دوں تا کہ تم اے انصار اس سے کچھ خرید کر اپنے حالات درست کر لو۔ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بولے۔ یا رسول اللہ! ہم جب شرکیہ زندگی میں تھے۔ تو وہ ہم سے نصف لینے کی امید نہ رکھتے تھے۔ یا اس وقت جو بھی الفاظ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ لوگ ہم سے ماسوائے خریدنے اور مہمان بننے کے ایک کھجور بھی نہ کھاتے تھے۔ آج یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا کی قسم! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور آپ ہم میں تشریف فرما ہیں۔ ہم انہیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ ان کی کوئی عزت و کرامت نہیں ہے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ نے تحریر نامہ لیا۔ اس میں تھوکا اور پھینک دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو رائے یا اظہار خیال کسی دنیوی کام میں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں لگانے کا حکم دیا (جسے تلقیح کہتے ہیں) تو اس سلسلہ میں آپ نے بالآخر یہ فرمایا۔ میرا مشورہ تمہارے کام نہ آیا۔ یہ صرف میرا خیال تھا۔ لہٰذا تم میرے ظن اور رائے کے پابند نہیں ہو۔ ہاں اگر میں تمہیں کسی چیز کے بارے میں یہ کہوں کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو تمہیں اس کو لازماً اختیار کرنا ہوگا۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جھوٹ نہیں کہتا۔ (رواہ مسلم) ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم دنیوی کام مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ پس جو حکم تمہارے دین کے بارے میں ہو۔ وہ میرے حوالہ کر دیا کرو۔

اسی قبیلہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کو کچھ عطا فرمایا۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے اس گروہ میں سے ایک شخص کو کچھ نہ دیا۔ حالانکہ وہ آدمی میرے نزدیک ان سب سے زیادہ حقدار تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے فلاں اور فلاں کو تو عطا فرمایا لیکن فلاں کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ مومن ہے۔ فرمایا وہ مسلمان ہے حضرت سعد نے یہ بات تین بار آپ کی بارگاہ میں عرض کی۔ آپ نے بھی تین مرتبہ وہی جواب ارشاد

فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ میں اسے دے سکتا ہوں جس طرح دوسروں کو میں نے دیا۔ لیکن مجھے خطرہ ہے کہ اس شخص کو اگر دیا تو یہ مال اس کے منہ کے بل جہنم میں گرنے کا سبب نہ بن جائے۔ (متفق علیہ) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر جو آپ سے نہ دینے کے بارے میں پوچھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ ان کو خیال آیا۔ کہ شائد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے دینا یاد نہ رہا۔ لہٰذا سوال کے ذریعہ آپ کو یاد دلایا جائے۔ تا کہ جہاں دوسرے کو دیا گیا۔ اسے بھی مل جاتا۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت سعد اپنے طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہ جب آپ نے اس کے دوسرے ساتھیوں کو دیا ہے۔ اور اسے نہیں دیا تو اس کے محروم رکھے جانے کی کیا وجہ اور اس میں کیا حکمت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ دینا محض ایمان کی بنا پر نہیں ہے۔ یعنی جو صاحب ایمان ہو اس کو دیا جائے۔ اور جو نہ ہو وہ محروم رکھا جائے۔ میں دیتا ہوں اور نہیں بھی دیتا۔ لیکن جسے میں دیتا ہوں۔ وہ میرے نزدیک اتنا اچھا نہیں ہوتا جس قدر اچھا وہ ہوتا ہے جس کو میں نہیں دیتا۔ کیونکہ جسے میں دیتا ہوں۔ اگر میں اسے نہ دیتا۔ تو وہ کفر اختیار کر لیتا۔ لہٰذا میں اسے دیتا ہوں تا کہ میں اس کا ایمان اس کیلئے محفوظ کر دوں۔ اور میں اسے ان لوگوں میں نہ جانے دوں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کنارے پر کرتے ہیں۔ (یعنی اگر حالات ٹھیک ہوں تو اللہ اللہ کرتے ہیں اور اگر پریشانی لاحق ہو جائے تو تبدیل ہو جاتے ہیں) اور جس شخص کو میں نہیں دیتا۔ اس کے پاس یقین وایمان کی دولت ایسی مضبوط ہوتی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ دنیا سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ اور افضل ہے وہ اللہ تعالیٰ سے پختہ تعلق رکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور دنیوی حصہ کے مقابلہ میں وہ دینی حصہ قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ ابوبکر صدیق وغیرہ نے کیا۔ اور جیسا کہ انصار نے اس وقت کہا جب وہ خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ اور اہل نجد بکریاں اور اونٹ لیکر واپس گئے تھے۔ انصار کے ساتھ اللہ کے رسول تھے جن کے ہوتے ہوئے انہیں بھیڑ بکری یا اونٹ کی ضرورت نہ تھی۔ پھر دوسری بات اس (حدیث مذکور) میں یہ بھی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا صرف ایمان کی وجہ سے ہوتی۔ یعنی جس میں صفت ایمان پائی جاتی۔ وہ عطاء کا مستحق ہوتا۔ اے سعد! تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اس کے مومن ہونے کا کیسے پتہ چلا؟ ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمان ہو۔ اور ابھی ایمان نے اس کے دل میں گھر نہ کیا ہو۔ اور یہ بات واقعی درست ہے۔ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے مومن ہونے یا نہ ہونے کی تمیز حضرت سعد سے کہیں زیادہ جانتے تھے۔

اسی سے ملتا جلتا وہ واقعہ بھی ہے۔ جسے ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم بن حارث سے ذکر کیا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرما دیئے۔ لیکن جعیل بن سراقہ ضمری کو آپ نے کچھ بھی نہیں دیا؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جعیل بن سراقہ میرے نزدیک عینیہ اور اقرع جیسے نامی گرامی لوگوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے ان دونوں کو اسلام کی محبت میں آگے آنے کیلئے عطا کیا ہے اور جعیل بن سراقہ کو اس کے اسلام کے سپرد کیا ہے۔

بعض اہل مغازی نے انصار کے واقعہ میں لکھا ہے کہ انصار کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا کہ ہماری خواہش تھی کہ ہمیں اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کرنا کہاں سے ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تو ہم صبر کریں گے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے تھی۔ تو ہم آپ سے ''استعتاب' کریں گے۔ (استعتاب کا معنی آگے آرہا ہے) انصار کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انصار نے سوال کیا تھا۔ انہیں یہ سمجھ آیا تھا۔ کہ آپ نے مال کی تقسیم اپنی ذاتی رائے سے کی تھی۔ اور اس میں جو مصلحت تھی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو افضل تھا اور جو افضل نہ تھے انہیں عطا فرما دیا۔ سوال کرنے والے کی بظاہر رائے ایسی تھی۔ جو چاہتی ہے کہ افضل کو دیا جانا چاہیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ آپ بھی بخشش وعطاء میں دوسروں کی طرح تقسیم فرماتے ہیں۔ ''استعتاب'' کا معنی یہی ہے۔ یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تاکہ ہماری پریشانی دور فرما دی جائے جس کے دور ہونے کے دو ہی طریقے تھے ایک یہ کہ وہ وجہ بیان فرما دیں جس کی بنا پر دوسروں کو دیا گیا۔ یا پھر ہمیں بھی عطا فرما دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی بارگاہ میں عذر لاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ پسند فرمایا۔ کہ انصار بھی اپنا عذر بیان کر دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل شریف میں آپ کی حکمت کو جان جائیں۔ تو آپ نے ان کو داضح کر دیا۔ جب حقیقت حال انصار پر کھلی۔ تو اتنے روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور ایسے راضی ہو گئے جیسا کہ راضی ہونے کا حق ہوتا ہے۔

ان حضرات کی گفتگو جو ذکر کی گئی ہے۔ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ان کے خیال میں آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقسیم فرمانا از روئے اجتہاد تھا۔ اور انکا یہ بھی خیال تھا کہ ہم بہ نسبت دوسروں کے عطاء کے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن جب تقسیم ان کے خیال کے مطابق نہ ہوئی تو انہیں تعجب ہوا۔ اور پھر انہوں نے معلوم کرنا چاہا کہ کیا تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے مطابق ہوئی یا آپ نے ذاتی رائے سے ایسا کیا؟ اور اگر آپ نے اجتہاد سے تقسیم فرمائی تو کیا اس میں سوال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کی مصلحت آپ ہی بہتر جانتے تھے۔ یا پھر آپ نے ایسے اجتہاد سے تقسیم فرمائی۔ جس میں دوسروں کی رائے بھی قبول کی جاسکتی ہے؟ جبکہ دوسرے کی رائے زیادہ بہتر ہو؟ اور یہ بھی ممکن کہ یہ تقسیم ایسی ہے جس میں آپ کی رائے کا دخل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قائم کیا ہو؟ انہی خیالات کے پیش نظر انصار نے کہا تھا۔ ”اللہ تعالیٰ رسول اللہ کی مغفرت کرے۔ آپ قریش کو تو دیتے ہیں اور ہمیں محروم رکھتے ہیں۔ اور ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں“۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار نے کہا۔ ”یہ عجیب تقسیم ہے۔ ہماری تلواریں ان کے خون کے قطرے گراتی ہیں۔ اور ہماری غنیمت انہیں دی جاتی ہے“۔ ایک اور روایت میں یوں بھی آیا ہے۔ ”جب حالات سنگین ہوتے ہیں تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے“۔

ان عطیہ جات کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا یہ اصل مال غنیمت میں سے تھے یا مال غنیمت کے خمس میں سے تھے؟ جناب سعد بن ابراہیم اور یعقوب بن عتبہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مذکورہ عطیہ جات مال غنیمت میں سے تھے۔ اگر یہ روایت درست مانی جائے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال غنیمت میں سے لوگوں کا حصہ لینا (اور اسے تقسیم فرمانا) ان لوگوں کے رضامندی سے ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ آپ نے ان لوگوں کیلئے جن کے حصہ میں یہ مال غنیمت آتا تھا۔ انہیں مال غنیمت کی بجائے بحرین کی کچھ زمین دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ تو ان انصار نے عرض کیا۔ کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی زمینیں دیں۔ تب ہم لیں گے۔ اسلئے جب بحرین کا مال آیا۔ اور نماز فجر ادا ہو چکی۔ تو آپ نے حضرت جابر کو فرمایا۔ کاش کہ بحرین کا مال آجائے تو میں تجھے اس میں سے فلاں فلاں مال عطا کروں گا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تقسیم کرنے سے قبل اجازت طلب نہیں کی تھی۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ سب جو میں کروں گا اس پر راضی ہیں۔ اور طریقہ بھی یہی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دوست کی عادت سے بخوبی واقف ہو کہ اس کے مال میں سے لینے پر وہ ناراض نہیں ہوتا۔ بلکہ خوشی محسوس کرتا ہے تو ایسے میں اس کا مال لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اگرچہ زبانی یا تحریری اس سے اجازت نہ بھی لی گئی ہو۔ اور یہ معاملہ حضرات

صحابہ کرام اور تابعین کے درمیان معروف ومشہور تھا۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالوں کا بنا گچھا مانگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ دیکھو! جو میری یا بنی ہاشم کی ملکیت میں ہے وہ سب کچھ تمہارا ہے۔ اس تقریر (یعنی مال غنیمت ہی تھا اور انصار وغیرہ سے زبانی اجازت لئے بغیر تقسیم کر دینا) پر جب اس مال غنیمت کے مالکوں نے آپ سے اپنا حصہ مانگ لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جناب موسیٰ بن ابراہیم بن عقبہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ مال ''خمس'' میں سے تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ یہ قول پہلے قول کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہے۔ اس قول کے مطابق ''خمس'' کو امام اپنے اجتہاد سے تقسیم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک کا قول ہے یا پھر اس کے پانچ حصے کرے گا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد بھی یہی قول کرتے ہیں۔ پھر جب امام اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ تو اسے اتفاق سے کوئی یتیم یا مسکین یا ابن السبیل نہیں ملتا۔ جس کو ان میں سے عطا کرے۔ یا ملتے ہیں۔ لیکن انہیں ضرورت نہیں تو ان کے حصہ جات واپس ہو جائیں گے۔ یہ لوگ ''سہم رسول'' کے حصہ دار ہیں۔ بہر حال اس وقت (جب آپ نے مذکورہ مال تقسیم فرمایا) یتیم، مسکین اور ابن السبیل تعداد میں بہت کم تھے۔ اور اس کے باوجود وہ ضرورت مند بھی نہ تھے۔ کیونکہ جب خیبر فتح ہوا تھا۔ تو مسلمانوں کی اکثریت ضرورتمند نہ رہی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انصار کو کھجوروں کے وہ باغ بھی واپس کر دیئے تھے۔ جو انہوں نے عطیہ کے طور پر مہاجرین کو دیئے تھے۔ اب انصار کے ہاں اپنا مال بھی وافر مقدار میں آ گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ خیبر وغیرہ سے ملنے والا مال غنیمت بھی کافی تعداد میں انہیں موصول ہو چکا تھا، جس کی بنا پر یہ لوگ بہت امیر ہو گئے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ ''کیا میں نے تمہیں تنگدست نہ پایا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔'' لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کا عام حصہ اپنے حصہ میں شامل کر لیا۔ اور پھر اس تمام کو ان مصارف پر خرچ کیا۔ جو آپ کے حصہ میں آنے والے خمس کے مصارف تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں کہ کہاں خرچ کرنے میں مصلحت ہے اور کہاں نہیں؟ اور اہم ترین مصلحت یہ تھی کہ ان لوگوں کو دیا جائے جن کے دل ایمان کی طرف مائل ہوں۔ اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔

جس شخص نے یہاں یہ خیال کیا۔ کہ ''خمس'' میں سے پانچواں حصہ ہی اس قدر تھا جو تالیف قلب کیلئے دیئے گئے لوگوں کیلئے بہت تھا۔ یہ خیال کرنے والا شخص یہ نہیں جانتا کہ یہاں ''قصہ'' کیا ہے۔

اور جسے اس کا علم ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ ''خمس'' کا پانچواں حصہ ان حضرات کے لئے کافی نہ تھا۔
یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان عطیہ جات میں چوبیس ہزار اونٹ تھے، چالیس ہزار یا کم وبیس بکریاں تھیں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں۔ ''خمس'' کا پانچواں حصہ ایک ہزار اور دو سو اونٹ تھے۔ لہذا اس کے پیش نظر تیس ہزار اونٹ بنتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو آپ نے تالیف قلب کیلئے عطا فرمایا۔ وہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ جس میں کسی صاحب علم کو اختلاف نہیں۔
حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ''یمن'' سے بہت سا سونا بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ آپ نے اسے تقسیم فرمایا۔ اس پر بعض انصار اور بعض قریش نے کہا۔ آپ اہل نجد کے بڑوں بڑوں کو تو دیتے ہیں۔ اور ہمیں چھوڑ دیا ہے؟ ان کا یہ قول بھی اسی باب سے ہے۔ اور ان کا سوال بھی مذکورہ وجہ کیلئے تھا۔
یہاں دو جواب اور بھی ہیں۔
جواب اول: اعتراض کرنے والوں میں سے بعض منافق بھی تھے۔ جن کا قتل جائز تھا۔ یہ منافق اسی منافق کی طرح تھے جس سے ''حنین'' کے مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت حضرت ابن مسعود نے یہ کہتے سنا تھا۔ ''خدا کی قسم! یہ تقسیم ایسی کی گئی ہے جس سے خدا کی خوشنودی کے حصول کا ارادہ نہیں کیا گیا'' قریش اور انصار کے اندر بھی بکثرت منافق تھے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یا آپ کی تقسیم کے بارے میں اگر ایسا لفظ کہا گیا۔ جس کا کوئی محل وموقع نہیں بنتا۔ تو ایسا لفظ یقیناً کسی منافق نے کہا ہوگا۔ اور جس شخص کا قول ''ہم زیادہ حقدار تھے'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔ اگر انہوں نے اس کا نام نہیں لیا۔ لیکن وہ بھی اسی قبیلہ (منافق) سے تھا۔ واللہ اعلم۔
جواب دوم: ''اعتراض'' کبھی تو گناہ اور معصیت ہوتا ہے جس سے نفاق کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا قائل منافق نہیں بھی ہوتا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ (الانفال :6) آپ سے پھر بھی جھگڑتے ہیں۔ جبکہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہوتا ہے۔ یا اس کی مثال یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیں اور ان لوگوں کا احرام سے باہر نکلنے میں جلدی کرنا ہے۔ یونہی مسلمانوں کا حدیبیہ کے سال احرام سے باہر نکلنے کو ناپسند کرنا۔ ان کا صلح کو مکروہ جاننا بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ پھر آپ نے ان میں سے جس کی بات نہ مانی اس کا اصرار کرنا۔ اس قسم کا اعتراض جو کرتا ہے۔ وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس اعتراض کرنے کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ جیسا کہ ان لوگوں نے گناہ کا ارتکاب کیا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازوں کو اونچا کیا۔ پھر انہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات:7) تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے رسول تم میں جلوہ فرما ہیں۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری مانیں تو تم ہی مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''لوگوں نے مجھے تہمت لگائی کہ میں نے دین کے بارے میں رائے دی ہے۔ میں نے ابو جندل کے دن کچھ عرض کیا تھا۔ اور اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی ہمت پاتا تو میں ضرور ایسا کرتا'' اس قسم کی باتیں ان لوگوں سے سہواً اور جلدی میں ہو جاتی تھیں۔ ان کا ایسی باتیں کرنے سے یہ ارادہ نہ ہوتا تھا۔ کہ انہیں دین میں شک ہو گیا ہے۔ اس کی مثال حضرت حاطب کا قریش کو خفیہ پیغام بھیجنا تھا۔ لیکن یہ بہر حال گناہ اور نافرمانی کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو لازماً توبہ کرنی چاہئے۔ اور یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (اگرچہ بالا رادہ نافرمانی نہیں)۔

اسی قبیلہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی ہے۔ جو فتح مکہ کے وقت ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کرایا کہ ''جو شخص ابو سفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن میں ہے۔ اور جو اس کے دروازہ میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔'' اس پر انصار نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنوں کی محبت اور اپنے خاندان سے نرم رویہ نے ایسا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو ہم پر مخفی نہ رہتی۔ جب وحی آتی تو ہم میں سے کسی کو بھی نظر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ پڑتی۔ یہ حالت وحی مکمل ہونے تک رہتی۔ جب وحی مکمل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے جماعت انصار! سب نے عرض کیا۔ لبیک یا رسول اللہ! فرمایا۔ تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اپنوں کی محبت اور خاندان سے نرم رویئے نے ایسا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟ انصار بولے کچھ اسی قسم کی بات ہو گئی ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ہر گز نہیں۔ سنو! میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ زندگی تمہاری زندگی اور موت تمہاری موت ہے۔ یہ سن کر انصار روتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے۔ اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ خدا کی قسم! ہم نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بخل کیا ہے۔ اس پر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں۔ اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔

(رواہ مسلم)۔

انصار نے یہ بات اس لئے کہی جب انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو امن عطا فرما دیا ہے اور ان کو ان کے ہی گھروں میں رہنے دیا گیا۔ ان کے اموال کو بھی ان کے پاس رہنے دیا گیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں طاقت کے بل بوتے پر داخل ہوئے تھے۔ اور آپ کو اہل مکہ کے قتل کرنے کی پوری پوری طاقت تھی۔ ان کے مال واسباب کو حاصل کرنے کی ہر طرح ہمت تھی۔ اگر آپ یہ باتیں چاہتے تو ہر طرح حالات سازگار تھے۔ لیکن آپ نے ان باتوں کی بجائے ان کو امن دینے کا اعلان کیا۔ تو اس اعلان سے حضرات صحابہ کرام کو خطرہ محسوس ہوا۔ کہ شائد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کو پھر سے اپنا وطن بنانا چاہتے ہیں۔ اور قریش کو ہم نوا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ آپ کا ہی شہر تھا۔ اور قریش آپ کا ہی خاندان تھا۔ اور آپ کا مکہ کو پھر سے وطن بنالینا اور اپنے خاندان میں مل بیٹھنا اس سے صاف نتیجہ نکلتا تھا کہ انصار کو واپس مدینہ منورہ آنا پڑے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر آنا ہوگا۔ اس خطرہ کے پیش نظر انصار میں سے کچھ حضرات نے جو کہا وہ کہا۔ لیکن ان میں سے فقہاء اور عقلمندوں نے لب کشائی نہ کی۔ جو جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طور بھی مکہ کو پھر سے اپنا مستقل وطن قرار نہیں دیں گے۔ تو حضرات انصار نے اس موقعہ پر جو کچھ کہا۔ وہ از روئے طعن اور عیب نہ کہا تھا۔ ہاں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بخل کیا تھا۔ اور پھر اللہ اور اس کے رسول نے ان کے از روئے بخل کہنے کی تصدیق بھی کر دی۔ اور ان کا عذر قبول کر لیا۔ جب انہوں نے اپنے کہے سے توبہ کر لی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مومنین انصار کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی (جس کا انہیں خطرہ محسوس ہوا) کس قدر شدید تھی۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے اعضاء کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ جبکہ دوسرے مومن جسم پر اوڑھے گئے کپڑوں کی مانند تھے۔ اور ایسی بات جو کسی شخص کی زبان سے محبت، تعظیم، تشریف اور تکریم کی خاطر نکلے۔ وہ اس شخص کی غلطی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بلکہ ایسی بات پر وہ قابل تعریف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی قسم کی بات بغیر محبت و تعظیم کے کہی جائے۔ تو پھر اس کا قائل سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ یونہی "فعل" کا بھی معاملہ ہوگا (یعنی بظاہر اچھا فعل دکھائی نہ دے لیکن اظہار محبت و تعظیم میں ہو جائے تو قابل قدر ورنہ قابل گرفت ہوتا ہے)

کیا ہمارے سامنے وہ واقعہ نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب انہوں نے نماز پڑھاتے ہوئے آپ کو آتے محسوس کیا تو امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔

فرمایا تھا۔ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پیچھے نہ ہٹو۔ لیکن ابوبکر صدیق پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ اے ابوبکر! جب میں نے تمہیں وہی کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا تو تم نے میرا حکم کیوں نہ مانا؟ عرض کیا۔ حضور! ابن ابی قحافہ میں یہ جرأت کہاں کہ وہ آپ کے آگے کھڑا ہو سکے۔ یونہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ کہ مکان کے نچلے حصہ میں انہیں اترنے کی اجازت بخشیں۔ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالائی حصہ پر تشریف لے جائیں۔ ابوایوب انصاری کیلئے یہ بات برداشت سے باہر تھی۔ کہ وہ تو اوپر رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان کی نچلی منزل میں ہوں۔ لیکن ان کی طلب اجازت کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ ابوایوب! اپنی جگہ (بالائی منزل) پر ہی رہو۔ اور فرمایا۔ کہ میرے لئے نچلی منزل ہی بہتر ہے۔ کیونکہ لوگوں کی آمد و رفت ہوگی اور ان کیلئے ملاقات میں آسانی نچلے حصہ میں ہی رہ کر ہوگی۔ لیکن حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے ادباً اسے تسلیم نہ کیا۔ اور آپ کی عزت و عظمت کے پیش نظر اسے منظور نہ کیا۔ مختصر یہ کہ انصار مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کہا۔ وہ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس قسم کے کہے گئے الفاظ تین اقسام کے ہو سکتے ہیں۔ ایک قسم وہ جو "کفر" ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہا گیا۔ "یہ تقسیم بخدا ایسی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کا ارادہ نہیں کیا گیا"۔

دوسری قسم گناہ اور معصیت ہے۔ جس کے کہنے والے کے بارے میں خطرہ ہے۔ کہ کہیں اس وجہ سے اس کی تمام نیکیاں برباد نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ آپ کی آواز سے آواز بلند کرنا۔ یا جیسا کہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ کی بات کے خلاف کہنا جبکہ آپ صلح پر قائم ہو گئے تھے۔ یا بدر کے دن حق واضح ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بات واپس لینے کی تجویز دینا۔ اس قسم کی معروضات ایک طرح سے آپ کے حکم کی مخالفت بنتی ہیں۔

تیسری قسم وہ جو گناہ اور معصیت نہ بنے۔ بلکہ اس بات کے کہنے والے کو اس کے اس کے قول کی بنا پر "اچھا" کہا جائے اس کی تعریف کی جائے۔ یا تعریف نہ کی جائے۔ (لیکن گرفت بھی نہ کی جائے) جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم نماز قصر کیوں پڑھیں جبکہ ہم امن میں ہیں؟ یا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ جسے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔؟" یا جیسا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قول "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ تم میں سے ہر

ایک کو اس پر سے گزرنا ہے؟'' یا جیسا کہ حضرت حباب کا بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑاؤ پر اپنی تجویز پیش کرنا، یا جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا غطفان کے ساتھ صلح کے موقعہ پر مدینہ کی نصف کھجوروں پر صلح نہ ماننا وغیرہ حق میں کہنے والوں نے کسی اشکال کو دور کرنے کیلئے آپ سے کچھ کہا۔ تاکہ وہ اشکال آپ دور فرما دیں۔ یا مصلحت معلوم کرنے کیلئے آپ سے سوال کیا گیا تاکہ سائل کو بھی آپ کے فعل کی مصلحت معلوم ہو جائے۔

یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ چند احادیث ہم نے نقل کیں۔ جس میں آپ کو گالی دینے والے کی سزا ''قتل'' کا ذکر ہے۔ گالی دینے والا خواہ معاہد (ذمی) ہو یا غیر معاہد ہو دونوں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم واجب القتل ہے۔ اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعدد فیصلہ جات منقول ہیں۔ جو ہر عام و خاص کو معلوم تھے۔ ان فیصلہ جات میں مذکور شخص کی سزا قتل ہی تھی۔ ان فیصلہ جات کا کسی نے بھی انکار نہ کیا۔ یوں یہ مسئلہ ان کے مابین ''اجماع'' قرار پایا۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ حضرات صحابہ کرام سے کسی فروعی مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ مذکورہ طریقہ کے بغیر نقل ہونا زیادہ وزنی اور مضبوط نہیں ہوگا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں ان کے فیصلہ جات موجود ہیں۔ اور ان میں کسی ایک فیصلہ کا بھی کسی صحابی نے انکار یا اس پر اعتراض نہیں کیا۔ حضرات صحابہ کرام کے متعدد فیصلہ جات اور پھر بغیر انکار کے ان کا ایسا اجماع ہے۔ جس سے زیادہ مضبوط کسی فروعی مسئلہ میں ان کا اجماع نظر نہ آئے گا)۔

ان فیصلہ جات میں سے ایک یہ ہے۔ جسے جناب سیف بن عمر تمیمی نے ''کتاب الردۃ والفتوح'' میں اپنے مشائخ سے ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت مہاجر بن ابی امیہ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا۔ آپ اس وقت ''یمامہ'' کے یا اس کے گرد و نواح کے امیر تھے۔ مقدمہ دو عورتوں کا تھا جو گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ایسا گانا گایا جس کے بول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اور گالی پر مبنی تھے۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اور سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے۔ دوسری نے مسلمانوں کی ہجو گائی تھی۔ تو آپ نے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے کے دانت اکھیڑ دیئے۔ اس کے بعد ان کو حضرت ابوبکر نے رقعہ لکھا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو گانے کی صورت میں گالی دینے والی عورت کے ساتھ فلاں سلوک کیا ہے۔ اگر یہ سزا تمہاری طرف سے مجھ تک خبر پہنچنے سے پہلے واقع نہ ہو چکی ہوتی تو میں اس کے قتل کئے جانے کا حکم دیتا۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی شان میں بکواس کرنے والے کی حد عام لوگوں کی حد جیسی نہیں ہوتی۔ جو مسلمان ایسی حرکت کرتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر معاہد (ذمی) کرتا یہ تو حربی ہو جاتا ہے۔ اور ذمہ توڑنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دوسری عورت جس نے مسلمانوں کی ہجو گائی تھی۔ کے متعلق لکھا۔ اگر وہ اسلام کا دعوی کرتی ہے تو اسے تادیب کرتے۔ یعنی سزا دیتے۔ لیکن مثلہ نہ کرتے۔ (مثلہ یہ کہ کسی کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے) اور اگر وہ عورت ذمیہ ہے تو اس کے شرک سے تم نے درگزر کی۔ حالانکہ وہ زیادہ بڑا جرم ہے۔ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ تم اس عورت سے یہ سلوک کرنے والے ہو تو میں روک دیتا۔ لہٰذا لوگوں کے جرائم پر سزا دو لیکن "مثلہ" مت کرو۔ اس سے بچو۔ کیونکہ "قصاص" کے بغیر یہ سزا دینا قابل ملامت اور نفرت ہے۔

یہ قصہ سیف بن عمر کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس قصہ میں اسی موقف کی موافقت ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اس کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور مسلمان کو گالی دینے پر یہ سزا نہیں ہے۔ یہ واقعہ اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ گالی دینے والا خواہ مسلمان ہو یا ذمی (معاہد) واجب القتل ہے۔ بلکہ اگر عورت ہو تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بخلاف اس کے جو عام مسلمانوں کو گالی دیتا ہے (اس کی سزا قتل نہیں اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی) یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سزا (قتل) حضرات انبیاء کرام کی حد ہے۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کو گالی دینے والی کی سزا کوڑے لگانا ان مسلمانوں کی حد ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے قتل کا حکم کیوں نہ دیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے پہلے ہی اسے سزا دے دی تھی۔ ایک مرتبہ سزا ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر نے یہ پسند نہ فرمایا۔ کہ اسے دوہری سزا دی جائے۔ علاوہ ازیں آپ کو اس کے اسلام لے آنے اور توبہ کرنے کے بارے میں امید تھی۔ اور یہ بھی کہ شائد حضرت مہاجر نے اس کی توبہ قبول کر لی ہو۔ اور ہوا بھی یہی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رقعہ پہنچنے سے پہلے ہی اس نے توبہ کر لی تھی۔ اور حضرت مہاجر نے اس کی توبہ قبول بھی کر لی تھی۔ بہر حال یہ محل اجتہاد تھا۔ اور حضرت مہاجر نے اپنے اجتہاد سے جو سزا تجویز کی وہ دیدی تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکر نے اس کو تبدیل نہ کیا۔ کیونکہ ایک اجتہاد کو دوسرا

اجتہاد نہیں توڑ سکتا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو (تحریر) سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کے قتل کیے جانے کا حکم دینے سے منع اگر کیا تو اسی بات نے کیا کہ پہلے سے ہی حضرت مہاجر اس کو سزا دے چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لازماً اس کے قتل کا حکم دیتے۔

جناب حارث نے اپنے "مسائل" میں حضرت لیث بن ابی سلیم کے حوالہ سے جناب مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ آپ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے کسی رسول کو گالی دیتا ہو اسے قتل کر دو۔ جناب لیث بیان کرتے ہیں کہ مجھے جناب مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی پیغمبر کو گالی دیتا ہو وہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتا ہے اور آپ کی تکذیب "مرتد" کر دیتی ہے۔ ایسے سے توبہ کرنے کو کہا جائے۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اور کوئی بھی معاہد (ذمی) اگر اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی پیغمبر کو گالی دیتا ہے۔ یا اعلانیہ ایسا کرتا ہے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ اسے قتل کر دو۔

حضرت ابی مشجعہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے۔ تو شام کے راستہ میں قسطنطین آ کھڑا ہوا۔ اور اس نے حضرت عمر کے ساتھ اپنے معاہدہ کا ذکر کیا۔ اور حضرت عمر نے جو اس کے ساتھیوں پر شرائط رکھی تھیں۔ وہ بتائیں۔ کہنے لگا کہ اس بارے میں ایک دستاویز تیار کر لی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ جب وہ دستاویز لکھ رہا تھا۔ تو اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا۔ فرمانے لگے۔ میں نے دو مرتبہ تجھ پر "معسرۃ الجیش" کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کہنے لگا۔ آپ کی مہربانی اور جو آپ کی باتوں کے خلاف کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔ جب دستاویز تیار ہوگئی۔ کہنے لگا۔ اے امیر المومنین! لوگوں میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیں۔ کہ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اور مجھ پر کیا لازم کیا ہے۔ تاکہ لوگ میرے ظلم سے رک جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ آپ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء یوں کہی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَ اَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَاھَادِیَ لَہٗ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے۔ میں اس کی حمد کہتا ہوں۔ اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ابھی اسی قدر الفاظ پڑھے تھے کہ ایک "نبطی" بولا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ نبطی نے وہی بات پھر

دہرائی۔ آپ نے کہا۔ مجھے بتاؤ یہ کیا کہتا ہے؟ کسی نے کہا۔ کہ اس کا خیال (عقیدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہم نے تمہیں جو کچھ دیا (یعنی تیرے ساتھ معاہدہ کیا کہ تجھے کچھ نہیں کہا جائے گا) وہ اس لئے نہیں دیا کہ تو ہمارے دین میں ٹانگ اڑائے۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تو نے اب وہی بات پھر کہی۔ تو میں یقیناً تمہارے جسم کا وہ حصہ اڑا دوں گا جس میں تیری دونوں آنکھیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی الفاظ کہے۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (الاعراف:186) لیکن اب نبطی کو وہی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطاب سے فارغ ہوئے تو اس نبطی نے دستاویز لے لی۔ اسے حرب نے روایت کیا ہے۔

یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو مہاجرین وانصار کے بھرے مجمع میں اعلان کر رہے ہیں۔ اور سب کے سامنے یہ بھی اس شخص کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں جس سے آپ نے معاہدہ کیا۔ ''ہم نے تجھے عہد کر کے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دی۔ کہ تو ہمارے سامنے ہی ہمارے دین میں ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اور آپ نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے پھر سے وہی بات کہی۔ تو اس کی لازماً گردن اڑا دی جائے گی'' اس سے معلوم ہوا۔ کہ تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ کسی معاہد کیلئے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ہمارے دین پر اعتراض کرتا پھرے۔ اور یہ کہ اگر کوئی معاہد ایسی حرکت کرتا ہے۔ تو اس کا خون گرانا مباح ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ دین پر سب سے بڑا اعتراض ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ تقدیر کو جھٹلانا اور اعلانیہ جھٹلانا اتنا بڑا گناہ یا جرم نہیں جس قدر بڑا جرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نبطی کو اس وقت قتل کیوں نہ کر دیا (صرف دھمکی دی) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ بات یقین نہ تھی کہ اس نے جو الفاظ کہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے دین میں طعن بنتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوں۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گرفت کی۔ اور بتایا کہ یہ ہمارا دین ہے اور اسے کہا کہ اگر اب تو نے پھر وہی الفاظ کہے۔ تو میں یقیناً تجھے قتل کر دوں گا۔

دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے۔ جسے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے دلیل بنایا۔ یہ روایت جناب ہیثم سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں جناب حصین نے اپنے شیخ کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کے قریب سے ایک راہب گزرا۔ تو آپ کو کہا گیا کہ یہ راہب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی

اللہ عنہما نے فرمایا۔ اگر میں سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔ ہم نے ان ذمیوں کو یہ ذمہ (عہد) نہیں دیا۔ کہ وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بکتے پھریں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ہی امام ثوری عن حصین عن شیخ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس راهب پر اپنی تلوار نکال لی جس کے بارے میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے اور فرمایا ہم نے ان (ذمیوں) سے اس بات پر تو صلح نہیں کی کہ یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بکتے پھریں۔

ان دونوں روایتوں میں جمع (تطبیق) یوں ہوگی۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے شائد اس وجہ سے تلوار نکالی ہو کہ وہ راہب دوسروں کے سامنے اقرار کر چکا تھا کہ میں نے بکواس کی تھی۔ لیکن جب اس نے آپ کے دریافت کرنے پر انکار کر دیا۔ تو آپ نے اسے قتل نہ کیا۔ اور تلوار کو واپس نیام میں ڈال دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا اگر میں اس کی بکواس سن لیتا تو لازماً اس کو قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی محدثین نے ذکر کی ہے۔

مذکورہ آثار بالکل واضح ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا خواہ ذمی مرد ہو یا عورت دونوں برابر ہیں۔ ان کی سزا قتل ہے۔ بعض آثار ایسے ہیں جو کافر اور مسلمان دونوں کو عام ہیں۔ یا ان دونوں کو بطور نص شامل ہیں۔ اس سے پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص کو قتل کر دینے کا ذکر تھا۔ اور وہ بھی اس سے توبہ کی درخواست کئے بغیر قتل کیا گیا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ قبول کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول: اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ الایۃ (النور:23) کے بارے میں فرمایا۔ یہ آیت خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی۔ اس میں توبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ فرمایا۔ خاص کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس آیت میں عام منافقین پر لعنت کی گئی ہے۔ اور یہ بات جانی پہچانی ہے۔ اس لعنت کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا ہے۔ اور انہیں تہمت لگانا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا ہے۔ اور ایک قسم کا نفاق ہے۔ اور منافق واجب القتل ہوتا ہے۔ جب اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی اسناد سے جناب سماک بن فضل عن عروۃ بن محمد عن رجل بن بلقین سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ لیکن یہ عورت نامعلوم ہے۔

اس سے پہلے ہم محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (واقعہ) ذکر کر چکے ہیں۔ جو ابن یامین کے متعلق تھی۔ جس کا خیال تھا کہ کعب بن اشرف کا قتل ایک قسم کا دھوکہ تھا۔ اور جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی تھی کہ اگر اسے کہیں الگ پالیا تو لازماً اسے قتل کر کے چھوڑیں گے۔ کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ''دھوکہ'' کی نسبت کی ہے۔ مسلمانوں نے حضرت محمد بن مسلمہ کے اس اعلان کا کوئی انکار نہ کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ اس پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے امیر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ یا مروان نے اس شخص کو قتل کیوں نہ کیا یا کرایا اور یہ خاموش کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی خاموشی ان کے مذہب پر دلالت نہیں کرتی۔ مطلب یہ کہ یہ اس لئے خاموش رہے کہ ان کے نزدیک اس شخص کا قتل کیا جانا ناجائز تھا۔ جبکہ حضرت محمد بن مسلمۃ اس کے قتل کا اعلان کر رہے ہیں۔ ایسا نہ تھا بلکہ ان کا مذہب بھی یہی تھا۔ کہ ایسے کو قتل ہی کیا جانا چاہئے۔ اس لئے ان میں اور محمد بن مسلمۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کی خاموشی اس بنا پر ہو۔ کہ انہوں نے اس شخص کے حکم میں ابھی غور و فکر نہ کیا ہو۔ یا غور و فکر کیا ہو لیکن کوئی واضح حکم سامنے نہ آیا ہو۔ یا بدگمان ہوا ہو کہ اس شخص نے یہ عقیدہ سامنے رکھ کر کہا ہے۔ کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر قتل کیا جائے گا۔ یا کوئی اور اسباب ہو سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی خاموشی یا قتل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ حضرت محمد بن مسلمہ کے مخالف تھے۔ اور اس کے قول کو درست نہ سمجھتے تھے۔ بظاہر قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حد قائم نہ کرنے کی وجہ سے انہیں غلطی پر جانا۔ اسی لئے ان کو چھوڑ دیا لیکن یہ شخص مسلمان تھا۔ کیونکہ ان دنوں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے دین کا ماننے والا کوئی نہ تھا۔

حضرت ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ مجھے حرملۃ بن عثمان نے کعب بن علقمہ سے یہ واقعہ سنایا کہ عرفہ بن الحارث کندی رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ نے ایک نصرانی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے سنا۔ انہوں نے اس کو خوب مارا جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ پھر یہ مقدمہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا آپ نے جناب عرفہ بن حارث کو فرمایا۔ کہ ہم نے ان (نصاریٰ) سے عہد کیا ہوا ہے۔ (یعنی وہ ذمی ہونے کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ تم نے مار کر غلطی کی) یہ سن کر حضرت عرفہ بن حارث نے فرمایا۔ معاذ ! ہم نے انہیں اس بات کا عہد دیا ہے کہ وہ سر عام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں؟ ہم نے تو ان کو یہ عہد دیا ہے کہ ہم انہیں اور ان کے کلیساؤں میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ وہ اپنے کلیسا میں جو چاہیں کرتے پھریں۔ اور ہم نے یہ عہد دیا ہے کہ ان پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ اگر ان کو کسی

دشمن نے تنگ کرنے کی ٹھانی تو ہم اس کا راستہ روکیں گے۔ اور یہ کہ ہم ان کے احکام میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ ہاں اگر وہ خوشی سے ہمارے پاس ہمارے احکام کیلئے آتے ہیں۔ تو ان کی مرضی۔ پھر ہم ان میں فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے کریں گے۔ اور اگر وہ ہم سے غائب ہو جاتے ہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا یہ سن کر جناب عمرو بن عاص نے فرمایا۔ تم نے واقعی سچ کہا ہے۔ اب دیکھئے اس واقعہ میں حضرت عمرو بن عاص اور عرفہ بن حارث رضی اللہ عنہما متفق ہو گئے کہ ہمارے اور اہل ذمہ کے درمیان جو معاہدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کی آڑ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں۔ جیسا کہ ان سے معاہدہ اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اپنے کفر اور تکذیب پر قائم رہیں۔ لہٰذا جب ذمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر عام گالی دیتے ہیں تو اس سے ان کا خون مباح ہو گیا۔ کیونکہ اس بات کا عہد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ان کا اس فعل پر قتل کیا جانا جائز ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے راھب کے بارے میں فرمایا تھا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔ کہ اگر میں اس سے گالی سن لیتا تو لازماً اسے قتل کر دیتا۔ ہم نے ان کو اس بات کا عہد نہیں دیا کہ وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکتے پھریں۔ رہا یہ اس شخص کو قتل کیوں نہ کیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ (واللہ اعلم) یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس کی اس حرکت پر اس کے خلاف گواہی نہ قائم ہوئی۔ صرف جناب عرفہ رضی اللہ عنہ نے سنا یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عرفہ نے اسے قتل کرنے کے ارادہ سے زدوکوب کیا ہو۔ لیکن پھر زخمی کر کے اسے لئے چھوڑ دیا کہ گواہ موجود نہ تھے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے امام کے پاس مقدمہ اٹھایا ہو اور امام کے روبرو حضرت عرفہ ثابت نہ کر سکے ہوں۔

جناب خلید ان سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا گیا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ قتل صرف اس شخص کو کیا جائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہو۔ لہٰذا اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے سر پر کوڑے برساؤ۔ اگر میں جانتا کہ یہ سزا اس کیلئے بہتر نہیں تو میں اس کا حکم نہ دیتا۔ اسے حرب نے روایت کیا۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اسے ذکر کیا۔ اور یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔ آپ خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ عالم سنت اور متبع سنت ہوئے ہیں۔

یہ چند اقوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے اور حضرات تابعین کرام کے ذکر کئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی اور کسی تابعی کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ بلکہ سب کا اس پر اقرار ہے اور اسے تمام نے سراہا ہے۔

گالی دینے والے معاہد کے وجوبِ قتل پر قیاس سے دلائل

دلیل اول: ہمارے دین میں عیب نکالنا اس کے نقائص بیان کرنا اور ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا دراصل ہم مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دینا ہے۔ بلکہ اعلان جنگ ہے۔ لہٰذا جو شخص معاہد ہو کر ایسی حرکت کرتا ہے وہ خود اپنے عہد کو توڑنے والا ہوگا۔ جیسا کہ ہم سے ساز وسامان سے لڑنے والا اور مقابلہ کرنے والا اپنے عہد کو توڑنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ اول الذکر اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو یوں بیان فرماتا ہے۔ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 41) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ ''جہاد بالنفس'' زبان سے بھی کیا جاتا ہے جس طرح ہاتھ سے کیا جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ زبان سے کیا گیا جہاد ہاتھ کے جہاد سے زیادہ اہم و مضبوط ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''جَاهِدُوْا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ'' مشرکین سے اپنے ہاتھوں، اپنی زبانوں اور اپنے اموال سے جہاد کرو۔ اسے امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے۔ ''اُغْزُهُمْ دغازهم'' سب سے بڑا غازی اور جنگ کرنے والا ہے۔ آپ ان کیلئے مسجد میں منبر لگوایا کرتے تھے۔ جس پر بیٹھ کر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنے اشعار کے ذریعہ آپ کا دفاع کیا کرتے تھے۔ اور مشرکین کے ہجو یہ کلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا ہوتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسْ'' اے اللہ! حسان کی روح القدس کے ذریعہ مدد فرما۔ اور فرمایا۔ جبرئیل اس وقت تک تمہارے ساتھ ہے جب تک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت کرتے ہو۔ اور فرمایا۔ تمہارا دفاعی کلام مشرکین کیلئے نیزوں سے بھی زیادہ عبرت ناک ہے۔ مشرکین میں سے بہت سے ایسے تھے جو مسلمانوں کے ساتھ ایسی حرکت کرنے سے باز رہے جو انہیں تکلیف دے سکتی ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا کام کیا تو حسان کی زبان ہمارا ستیاناس کر دے گی۔ حتیٰ کہ جب کعب بن اشرف مکہ گیا تو وہ جس گھر میں ٹھہرتا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس گھر والوں کی اشعار

میں ہجو کہہ دیتے جس کی وجہ سے مکہ کے لوگ کعب بن اشرف کو اپنے گھروں میں نہ ٹھہرنے دیتے تھے حتیٰ کہ پورے مکہ میں ایک گھر بھی ایسا نہ تھا، جو اسے اپنے ہاں ٹھکانہ دیتا۔

حدیث پاک میں ہے۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ وَ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔الخ۔ بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔ اور سب سے اعلیٰ شہید حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ اور وہ شخص سب سے افضل ہے جس کو ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں اس حاکم نے مروادیا ہو"۔ مشرکین کی گالی اور ہجویات کے جواب میں دین اللہ کے اظہار میں اور اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے میں جب زبان کے جہاد کا یہ مرتبہ ہے تو اس سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کو گالی دیتا ہو اس کے رسول کو گالی دیتا ہو اور یہ عملاً کرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اعلانیہ برے الفاظ سے تذکرہ کرتا ہو۔ تو ایسا شخص یقیناً مسلمانوں کو جنگ کی دعوت دے رہا ہے۔ اور اپنے عہد کو توڑ رہا ہے۔

دلیل دوم: ہم مسلمانوں نے ذمیوں کو اگر چہ ان کے کفریہ اور شرکیہ عقائد پر باقی رہنے کا ذمہ دیا ہے۔ لیکن ہماری طرف ان کو یہ رعایت اسی طرح کی ہے جس طرح ہم نے انہیں اس کی اجازت دی کہ وہ اپنے دل میں ہمارے خلاف جو جذبات رکھتے ہیں جو عداوت رکھتے ہیں۔ اور جو برے ارادے رکھتے ہیں اور ہمارے لئے تباہ و برباد ہونے کی آرزوئیں رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ رکھتے رہیں۔ کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ ہمارے دین کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ہماری خونریزی کی تمنا رکھتے ہیں۔ اپنے باطل دین کی کامیابی چاہتے ہیں۔ اور ان باتوں کیلئے وہ کوشش بھی کرتے اگر ان کے بس میں ہوتا۔ یہ تمام باتیں ہوتے ہوئے ہم نے ان کو عہد دیا۔ لیکن جب وہ اپنے ان ارادوں اور تمناؤں کے حصول کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیں۔ وہ یوں کہ ہم سے لڑنا شروع کر دیں۔ مار کٹائی پر اتر آئیں تو وہ اپنا عہد توڑ بیٹھیں گے۔ یونہی اگر ان لوگوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق جب یہ عمل شروع کر دیا۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کے رسول اور اس کے دین کو اعلانیہ گالی دینا شروع کر دیا تو بھی ان کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے کہ ارادہ اور تمنا کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا اور عقیدہ کو بروئے کار لانے کیلئے عملی کوشش کرنا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

دلیل سوم: ہمارے اور ذمیوں کے درمیان مطلق عہد یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر طعن کا اظہار کرنے سے بچیں اور اپنے آپ کو اس سے روکے رکھیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ یہ اسی طرح ان کیلئے لازم ہے جس طرح عہد کی وجہ سے ان کیلئے ہم

مسلمانوں کے خون بہانا اور ہم سے لڑنا اس سے باز رہنا ان پر لازم ہے۔ کیونکہ '' عہد'' کا مطلب یہ ہے۔ کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو ہر اس بات سے محفوظ رکھیں گے جس سے اس کی دل آزاری ہوتی ہو۔ اور جس بات کا عہد سے قبل ہر ایک کو خطرہ تھا۔ اس سے امن ہو جائے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم ان سے کلمہ کفر کا اظہار اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دینا اسے اپنے ساتھ لڑنے سے بھی کہیں زیادہ برا اور خطرناک جانتے ہیں۔ کیونکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم آپ کے بلندیٔ ذکر کی خاطر، آپ کے شرف وعلو کی خاطر اپنی جانیں اور اپنے مال تک قربان کر دیتے ہیں۔ اور وہ (ذمی) بھی بخوبی جانتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارا دین ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ گالی دینے کی حرکت کی۔ وہ اپنے عہد کو توڑنے والا ہوگا۔ اور اس حرکت سے اس نے ہمیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔ اور یہ بات عہد سے قبل اور عہد کے بعد بھی دونوں حالتوں میں ہمارے لئے جہاد کی دعوت دینے والی ہے۔ یعنی اگر کوئی '' ذمی'' ذمی بننے سے پہلے بارگاہ رسالت میں بکتا ہے تب بھی وہ ہماری تلوار کو للکارتا ہے۔ اور اگر عہد ہو جانے کے بعد ایسا کرتا ہے تب بھی عہد توڑ کر دعوت جہاد دیتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

دلیل چہارم: ذمیوں کے ساتھ کیا گیا '' عہد مطلق، فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ بات کے شمول کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن وہ عہد جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا۔ اس میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ (کہ کوئی ذمی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا نہیں کہے گا) لہٰذا جب اب تمام ذمی انہی پابندیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ معاہدہ حضرت عمر وغیرہ صحابہ کرام کے معاہدہ کے مطابق ہی جاری ہے تو لازماً اب ہر معاہدہ میں وہ شرط ہوگی۔

جناب حرب نے عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے جب آپ سے شامی عیسائیوں نے صلح کی۔ یہ تحریر لکھی گئی۔ '' هٰذا كِتَابٌ لِعَبْدِ اللّٰه عُمَرَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ مَدِيْنَةِ كَذَا وَ كَذَا اِنَّكُمْ لَمَّا قَدِمْتُمْ عَلَيْنَا سَأَلْنَاكُمُ الْأَمَانَ لِاَنْفُسِنَا وَ ذُرِّيَّتِنَا وَ اَمْوَالِنَا عَلٰى أَنْ لَانُحْدِثَ وَ ذَكَرَ الشُّرُوْطَ اِلٰى اَنْ قَالَ وَلَا نُظْهِرُ شِرْكًا وَ لَانَدْعُوا اِلَيْهِ اَحَداً وَقَالَ فِي اٰخِرِهٖ شَرَطْنَا ذَالِكَ عَلٰى اَنْفُسِنَا وَ اَهْلِيْنَا وَ قَبِلْنَا عَلَيْهِ الْأَمَانَ فَاِنْ نَحْنُ خَالَفْنَا عَنْ شَيْءٍ شَرَطْنَاهُ لَكُمْ وَضَمِنَّاهُ عَلٰى اَنْفُسِنَا فَلَاذِمَّةَ لَنَا وَقَدْ حَلَّ لَكُمْ مِنَّا مَاحَلَّ مِنْ اَهْلِ الْمُعَانَدَةِ وَالشِّقَاقِ '' یہ دستاویز اللہ تعالیٰ کے

بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف فلاں فلاں شہر سے ہے۔ جب تم ہمارے پاس آتے ہو۔ تو ہم آپ سے امان کا سوال کرتے ہیں کہ ہماری جانوں، مالوں اور اولادوں کو فلاں فلاں شرط کے تحت امان دی جائے...... پھر شرائط ذکر کیں...... حتیٰ کہ کہا۔ کہ ہم شرک کا اظہار نہیں کریں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کریں گے۔ اس کے آخر میں لکھا۔ کہ ہم ان شرائط پر اپنی جانوں، اپنے اہل وعیال کیلئے امان چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق ہماری امان قبول کی جائے۔ پھر اگر ہم نے لگائی گئی شرائط میں سے کسی ایک کی مخالفت کی۔ اور جن باتوں کے تحت ہم نے اپنی جانوں کو محفوظ کرایا ان میں سے کسی کی مخالفت کی۔ تو ہمارے لئے کوئی ذمہ نہ رہے گا۔ اور تمہارے لئے ہماری ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی۔ تو دشمن اور حربی کی حلال ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ جو آپ نے اس شخص کو مجلس عقد میں فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ ہم نے تجھے ذمہ اس لئے نہیں دیا تھا کہ تو ہمارے دین میں ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تو نے پھر وہی الفاظ کہے تو تیری گردن اڑا دوں گا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی ان کیلئے شرائط تجویز فرمائی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کے ساتھ کئے گئے عہد میں مسلمانوں کو یہ شرط لگانی ضروری ہے۔ کہ کوئی ذمی کلمہ کفر کا اظہار نہیں کرے گا۔ اور اگر کسی نے کسی وقت اس کا اظہار کر دیا تو وہ ذمی نہیں بلکہ حربی ہو جائیں گے۔ اس شرط یا طریقہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا بھی ان ذمیوں کے حق میں ''نقض عہد'' کا موجب بنے گا۔ اور یہ بات ان کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑنے والی ان حضرات کے نزدیک بن جائے گی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ذمی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو اس سے ان کا عہد نہیں ٹوٹتا جب تک اسے عہد کی شرائط میں نہ تحریر کیا جائے۔ یہ موقف کچھ حنبلیوں اور بعض شافعیوں کا ہے۔ (یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر ذمیوں کے ساتھ عہد کرتے وقت یہ شرط نہیں رکھی گئی تھی کہ کوئی ذمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی نہیں دے گا۔ ذمہ پختہ ہو جانے کے بعد اگر کوئی ذمی گالی بکتا ہے تو اس سے اس کا عہد قائم ہے کیونکہ اس نے کسی مذکورہ شرط کی مخالفت نہیں کی۔ اور اگر شرائط میں سے یہ بات بھی تھی تو عہد ٹوٹ جائے گا۔ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ کوئی ذمی'' کلمہ کفر'' کا اظہار نہ کرے گا۔ تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی بات بھی آ جائے گی۔ اور دیگر حضرات کے ساتھ چند حنابلہ اور شوافع بھی متفق ہو جائیں گے)۔

یونہی یہ بات (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا) ان لوگوں کے نزدیک بھی نقض عہد کا سبب

بن جائے گی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر شرط یہ رکھی گئی تھی کہ عہد اس وقت ٹوٹے گا جب عملی طور پر عہد کو توڑا جائے۔ (محض زبانی اور عہد کے خلاف صرف باتیں کرنے سے عہد نہیں ٹوٹے گا) یہ موقف بعض اصحاب امام شافعی کا ہے۔ ان کے نزدیک اگرچہ گالی دینا کوئی عمل نہیں بلکہ قول ہے لیکن عہد یوں ٹوٹ جائے گا۔ کہ جس قدر بھی اہل ذمہ چلے آرہے ہیں ان کے ساتھ جب کوئی مسلمان حاکم عہد کرتا ہے تو اس وقت عہد نامہ میں شرائط وہی ہوتی ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر فرما گئے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ایسا امام نہیں ہوا جس نے آپ کے عقد اور آپ کی شرائط کے خلاف عقد کیا ہو۔ بلکہ سب کی اصل آپ کی ہی دستاویز ہے۔ بہر حال جو حضرات اس مسئلہ میں کچھ اختلاف رکھتے ہیں ان کے اختلاف کو یوں بیان کیا جائے تو یہی بہتر ہوگا۔ وہ یہ کہ جب ذمیوں کے ساتھ عہد نامہ میں یہ شرط موجود ہو کہ اگر کسی ذمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی۔ تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایسی شرط موجود ہوتے ہوئے پھر کسی کا اختلاف کرنا قطعاً اس کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اور خاص کر جب اس شرط کی صحت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع بھی موجود ہے۔ اور اصول کی بات بھی یہی ہے۔ لہٰذا جب حضرات ائمہ دین نے اس بات کو ذمیوں کیلئے ایک شرط کی جگہ رکھا۔ اور ایسا کرنا صحیح بھی ہے تو تمام حضرات کے قول پر اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

دلیل پنجم: ذمیوں کے ساتھ عہد کرتے وقت یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ تم چونکہ دار السلام میں رہائش پذیر ہو گے۔ جب یہ مسلمانوں کا ملک ہے تو اس میں احکام بھی اسلامی ہوں گے۔ اور یہ بھی کہ ''ذمی'' مسلمانوں کے ملک میں مسلمانوں سے کم تر اور ذلت کو قبول کرتے ہوئے زندگی بسر کریں گے۔ ان باتوں کے پیش نظر ان سے صلح کی گئی اور عہد کیا گیا۔ اب دار اسلام میں رہتے ہوئے اگر کوئی ذمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ یا ہمارے دین پر طعن کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا اس کے کم تر اور ذلیل ہونے کے منافی ہوگا۔ کیونکہ جو شخص دین پر طعن کرتا ہو یا اس کو برا کہتا ہو۔ وہ ''کمتر'' کیسے رہے گا؟ لہٰذا ایسے شخص کا عہد باقی نہیں رہے گا۔

دلیل ششم: اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر فرض کی ہے۔ آپ کی ''تعظیم'' یہ ہے کہ آپ کی مدد کی جائے اور آپ کا دفاع کیا جائے اور آپ کی ''توقیر واجلال'' یہ ہے کہ آپ کی عزت اور آپ کے مرتبہ و وقار کی حفاظت کی جائے۔ اور اس کیلئے جو طریقہ بھی اختیار کرنا پڑا اس سے اجتناب نہ کیا جائے۔ بلکہ ایسا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیر و توقیر کا پہلا درجہ ہے۔ لہٰذا یہ ہرگز جائز نہیں کہ اہل ذمہ سے اس بات پر صلح کی جائے کہ ان سے ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے بارے میں گالی سنیں۔ اور وہ اسے اعلانیہ کرتے پھریں۔ اگر ذمیوں کو اس کی اجازت دی گئی تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیر و توقیر کا ترک لازم آئے گا۔ اور ذمی بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ہم ان سے اس بات پر کبھی صلح نہیں کر سکتے بلکہ ہم پر فرض ہے کہ ہم انہیں اس بات سے باز رکھیں۔ اور اس کے ارتکاب پر ہر طریقہ سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں اور مسلمانوں نے درحقیقت ذمیوں سے ایسا ہی معاہدہ کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اہل ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں تو انہوں نے ایسا کر کے ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ کی ایک شرط کو توڑ دیا۔

دلیل ہفتم: ہم مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا فرض ہے۔ کیونکہ آپ کی مدد کرنا اسی تعزیر (تعظیم و توقیر) کی ایک صورت ہے جو ہم پر فرض کی گئی ہے۔ اور اس لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا "عظیم جہاد" کی ایک صورت بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ۔ تمہیں کیا ہو گیا جب تمہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلو تو تم زمین پر بیٹھ گئے۔ کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ دنیوی ساز و سامان کا آخرت میں نفع بہت ہی کم ہے۔ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے (تو کیا ہوا) اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر چکا ہے (التوبہ:40)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ۔ اے مومنو! اللہ تعالیٰ کے (دین و محبوب کے) مددگار بن جاؤ۔ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف میرا کون مددگار ہے؟ حواری بولے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں (الصف:14)...... بلکہ ہر ایک مسلمان کی مدد کرنا لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم" اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس سے ترک تعلق نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر ظلم کرتا ہے" جب عام مسلمانوں کی مدد کرنا لازم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی اہمیت کس قدر ہو گی۔ آپ کی مدد کی اعلیٰ و عظیم قسم یہ ہے کہ جو شخص آپ کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو۔ اس کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت کی جائے۔ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے "جو کسی مومن کی اس وقت حمایت کرتا ہے جب کوئی منافق اسے تکلیف پہنچاتا ہو۔ اس کی کھال کی اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے قیامت میں حفاظت کرے

گا۔'' اسی لئے جو شخص اپنے گالی دینے والے کا مقابلہ اسی کی مانند گالی دیکر کرتا ہے۔اسے مُنْتَصَرٌ (مدد کیا گیا) کہا گیا ہے۔ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی اور اس نے یہ حرکت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔اور تشریف فرما رہے۔جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گالی کے جواب میں گالی سے مدد لی۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔اس پر حضرت ابوبکر نے آپ سے عرض کیا۔یارسول اللہ! وہ مجھے گالی دیتا رہا اور آپ تشریف فرما رہے۔لیکن جب میں نے مدد لینا چاہی تو آپ کھڑے ہو گئے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کا جواب دے رہا تھا۔جب تم نے خود جواب دینا چاہا۔اس وقت فرشتہ چلا گیا۔لہٰذا میں نے اس وقت بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔جب فرشتہ چلا گیا۔

عربوں میں یہ بات مشہور ہے کہ کسی کو اگر کوئی گالی دے یا برا کہے تو گالی کھانے والا اگر جواب دیتا ہے تو اسے ''مُنْتَصَرٌ'' کہتے ہیں۔جیسا کہ کسی مارنے والے یا قتل کرنے والے کو جواب دینے والے کو ''مُنْتَصَرٌ'' کہتے ہیں۔پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنت مروان کے قتل کرنے والے کے بارے میں فرمایا۔جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔''اگر تم پسند کرتے ہو کہ ایسے شخص کو دیکھو جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہے۔تو اس شخص کو دیکھو۔'' اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا۔جس نے مشرکین کی صف کو چیرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر کے دم لیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تھی۔''تم اس شخص کو تعجب سے دیکھو۔جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی حفاظت کا آپ کی ''مدد'' میں شامل ہونا اس قدر واضح ہے کہ اتنی وضاحت اور حقیقت کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہو سکتی۔اس لئے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی عزت سے کھیلتا ہے۔وہ کبھی اس کے مقصود میں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔بلکہ اس سے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے کھیلنے والا اللہ تعالیٰ کے دین کی مکمل نفی کر رہا ہوتا ہے۔کیونکہ جب عزت رسول ہی نہ رہی تو احترام و تعظیم رسول ختم ہو گیا۔جب یہی ختم ہو گیا تو وہ سب کچھ ختم ہو گیا جو آپ کی رسالت سے ہمیں ملا۔اور جب نتیجہ یہ ہوا تو دین کہاں رہ گیا۔لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کا قیام اور آپ کی توقیر و تعظیم دراصل مکمل دین کا قائم رکھنا ہے۔اور اس کا ختم ہو جانا دراصل دین کے خاتمہ کی علامت ہے۔جب حقیقت حال یہ ہوئی۔تو پھر ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے

کھیلنے والے کے خلاف آپ کی مدد اور حفاظت عزت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور آپ کی مدد ایسے شخص کے قتل کرنے سے کریں۔ کیونکہ اس کی عزت دراصل اللہ تعالیٰ کے دین کو بے عزت کرنا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کے فاسد کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ وہ قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی عزت سے کھیلتا ہے۔ خواہ وہ کوئی مخصوص و معین آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا دین باطل نہیں ہوتا۔ اور معاہد (ذمی) سے ہم نے یہ عہد تو نہیں کیا کہ ہم تمہارے ساتھ عہد کرنے کی وجہ سے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوقت ضرورت مدد نہیں کریں گے۔ خواہ وہ اس کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے ہو۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے معاہد سے یہ عہد نہیں کیا کہ تمہارے ساتھ عہد ہو جانے کے بعد ہم مسلمانوں کے حقوق سے دستبردار ہو جائیں گے۔ نہ ہی معاہدہ میں ایسی بات کا ہونا جائز ہے۔ کیونکہ معاہد بھی بخوبی جانتا ہے کہ ہم نے اس سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ اب جب اسے بھی علم ہے تو پھر اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ تو پھر ہم مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی خاطر ہم آپ کی مدد کریں۔ اور یہ مدد بذریعہ قتل ہی ہو سکتی ہے۔ یعنی گالی بکنے والے معاہد کو قتل کر دیں اور ہم نے اس سے یہ بھی تو عہد نہیں کیا کہ اگر تم نے ایسی حرکت کی۔ تو ہم خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ اور اس کا دفاع نہیں کریں گے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں معاہد کا قتل کیا جانا واجب ہے۔ اور یہ ہر صاحب غور و فکر کیلئے واضح ہے۔

دلیل ہشتم: کفار سے یہ عہد لیا جاتا رہا کہ تم اپنے دین کی وہ باتیں جو منکرات شرعیہ میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اعلانیہ نہیں کرو گے۔ جب تک تم دار اسلام میں رہو۔ اس عہد کے ہوتے ہوئے اگر کوئی کافر ایسی بات کو اعلانیہ کرتا ہے تو وہ اس کے اظہار کی وجہ سے مستحق عقوبت ہوگا۔ اگر اس کا اظہار ان کے دین کا تقاضا ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر کافر علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیتے ہیں تو مستحق سزا ہوں گے اور اس جرم کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

دلیل نہم: اس بات میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ کہ ہم نے کفار کو بتا دیا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرعام اور اعلانیہ گالی دینے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کو سزا دی جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ کفار کو ہم نے دار اسلام میں اس بات کی اجازت دے کر نہیں ٹھہرایا۔ جیسا کہ انہیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ دار اسلام میں اپنے کفر پر بیشک قائم رہیں۔ اب جب وہ دار اسلام میں وہ حرکت کرتے ہیں، جس کے کرنے کی انہیں اجازت نہ تھی۔ تو بالاتفاق وہ سزا کے

مستحق ہوں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی سزا یا تو کوڑے یا قید یا ہاتھ پاؤں کاٹنے یا قتل ان میں سے ہی کوئی ایک ہو گی۔ پہلی (کوڑے لگانا) تو باطل ہے۔ اس لئے کسی ایک اور عام مسلمان کو گالی دینے والے اور مسلمان حکومت کے سربراہ کو گالی دینے والے کیلئے کوڑوں کی سزا لازم ہے۔ اور قید کی سزا بھی ہے۔ لہٰذا اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کی سزا بھی یہی ہوتی۔ تو پھر پیغمبر کو گالی دینا اور عام مسلمان کو گالی دینا برابر ہو جاتا اور یہ بالضرورت باطل ہے۔ دوسری سزا ہاتھ پاؤں کاٹنے اس کا کوئی تک نہیں بنتا۔ لہٰذا ایسے شخص کی سزا قتل ہی متعین ہے۔

دلیل دہم: قیاس جلی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اہل ذمہ جب کسی ایسی بات کی خلاف ورزی کرتے ہیں جو معاہدہ میں موجود ہو تو ان کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اعتراض: ابن تیمیہ نے ایک اعتراض ذکر کیا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں سے آزمایا جائے گا۔ اور لازماً تم اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو یہ بہت بڑا کام ہوگا (آل عمران:186)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو یہ خبر دی ہے کہ ہم ان کافروں اور مشرکوں سے اذیت ناک بہت سی باتیں سنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے حالات میں ان کی اذیت پہنچانے پر صبر کی دعوت دی ہے اور یہ لوگ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب، دین اور اس کے رسول کے بارے میں عام اذیت پہنچاتے ہیں۔ (تو معلوم ہوا کہ گالی بکنے کے مقابلہ میں ہمیں صبر و تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ قتل کرنا درست نہیں؟)۔

جواب: ابن تیمیہ نے خود ہی جواب لکھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو صبر و تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب ہمیں ان کے قتل کرنے کی ہمت ہو تو اس وقت بھی ہم صبر و تقویٰ ہی کیے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان پر حد قائم نہ کریں۔ کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جب ہم کسی مشرک یا کتابی سے ایسی بات سنتے ہیں کہ جس سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہو۔ اور ہمارے اور اس کے درمیان کسی قسم کا کوئی معاہدہ بھی نہ ہو۔ تو ہم پر اس سے قتال کرنا واجب ہے۔ اور حتی الامکان ہم ان سے ٹکر لیں گے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے لکھا کہ خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام

مشرکین و اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق معاف کر دیا کرتے تھے۔ اور ان کی تکالیف پر صبر سے کام لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ "وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ" میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ بہت سے کتابی تمہارے بارے میں یہ تمنا رکھتے ہیں۔ کہ کاش وہ تمہیں ایماندار ہونے کے بعد کافر بنالیں۔ یہ ان کے دل کا حسد ہے۔ اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد ہے۔ لہٰذا تم انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم عطا فرما دے۔ بیشک وہ ہر بات کر سکتا ہے۔ (البقرہ)

پھر لکھا۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب علی بن طلحہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان اقوال کے بارے میں انہوں نے فرمایا۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ (الانعام)۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ (الغاشیہ)۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ (المائدہ:13)۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا (التغابن:14)۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ (البقرہ:109)۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (الجاثیہ:14) اور اس قسم کی دیگر قرآنی آیات کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم مشرکین کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کیا کرو۔ ان تمام آیات کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول منسوخ کر رہا ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ:5)۔ اور یہ قول بھی ان کا ناسخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (توبہ)۔ لہٰذا مشرکین کو معاف کر دیا جانا ان آیات سے منسوخ ہو چکا ہے۔

پھر لکھا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے وہ حکم اتارا جس کا گزشتہ آیت (حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ) میں اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ وہ حکم کیا تھا یہ کہ دین کا غلبہ ہوگا۔ مومنوں کو عزت ملے گی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے معاہدہ جات ہیں۔ ان سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دو اور مشرکین سے مکمل جہاد کرو۔ اور اہل کتاب سے بھی لڑو۔ یہ لڑائی اس وقت تک نہیں رکنی چاہئے جب تک یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذلت میں گر کر جزیہ نہ دیں۔ صبر کا انجام اور تقویٰ کا پھل ان لوگوں کو یہ ملا جنہیں اللہ تعالیٰ نے شروع میں صبر و تقویٰ کی دعوت دی تھی۔ اس وقت مدینہ منورہ کے یہودی ہوں یا کسی اور جگہ کے کسی سے جزیہ نہیں لیا گیا تھا۔ پھر یہ آیات (جن میں صبر و تقویٰ ذکر ہے)

ان مومنوں کے حق میں جو کمزور ہیں۔ جو اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کر سکتے۔ ان کیلئے یہ پیغام دیتی ہیں کہ تم سے جیسے بھی ہو سکتا ہے ویسے ہی مدد کرو۔ اگر زبان وہاتھ سے نہیں تو کم از کم دل وغیرہ سے تو مدد کر سکتے ہو۔ یہی کرو۔ اور وہ آیات (جن میں جہاد کا ذکر ہے) جن معاہدین کو ذلیل کرنے کا حکم ہے۔ ان ایمان والوں کے بارے میں ہوں گی۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زبان، ہاتھ اور ہر طرح سے مدد کر سکتے ہیں۔ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات پر مسلمان حضور ﷺ کے آخری دور میں عمل کرتے رہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ اور اسی طرح قیامت تک اس امت کا ایک گروہ لازماً ایسا رہے گا۔ جو حق پر قائم رہے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل مدد کرے گا۔ لہٰذا جو ایمان والا ایسے علاقہ اور ایسی حکومت میں رہ رہا ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ یا ایسے حالات ووقت میں ہے کہ بے بس ہے تو اسے آیت صبر، درگزر اور معاف کر دینے والی پر عمل کرنا چاہئے۔ یعنی جو لوگ اس کے سامنے ایسی حرکات کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو، اس کے دین کو، اس کی کتاب کو، اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچتی ہو۔ خواہ وہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب ہوں۔ تو وہ صبر کرے۔ اور درگزر سے کام لے۔ رہے وہ مسلمان جو صاحب قوت ہیں۔ تو ان کو آیات قتال وجہاد پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے کفر کے سرکردہ لیڈروں اور ان کے حکمرانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو دین میں طعن کرتے ہیں اور آیت "کتابیوں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک ذلیل ہو کر وہ اپنے ہاتھوں سے تمہیں جزیہ نہیں دیتے" پر عمل کرنا چاہئے۔ انتہیٰ کلامہ۔

جوہر ابن تیمیہ۔ موصوف نے اپنی کتاب "الصارم المسلول" مذکور میں لکھا

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہمارے دلوں، زبانوں اور اعضاء پر وہ بھی لازم کئے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کے علاوہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنی تصدیق کے علاوہ اور بھی بہت سی عبادات ان کے دل، زبان اور اعضاء پر لازم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت و تعظیم کیلئے جہاں آپ کی نبوت کی تکذیب کو حرام کر دیا وہاں اور بھی بہت سے امور حرام کر دیئے جو آپ کے علاوہ دوسروں کیلئے حرام نہیں ہیں۔

ان امور میں سے ایک امر صلوۃ وسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت صلوۃ وسلام میں پہلے خبر دی کہ وہ خود اور اس کے فرشتے آپ پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو صلوۃ وسلام کا حکم دیا۔ اور آپ پر "صلوۃ

بھیجنا" اس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء بھی شامل ہے اور آپ کیلئے خیر کی دعا بھی موجود ہے۔ اور قرب خداوندی کی بھی درخواست ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بھی استدعا ہے۔ اور آپ پر "سلام بھیجنا" اس میں آپ کی ہر آفت سے سلامتی کی دعا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ پر صلوۃ و سلام بھیجنا "تمام خیرات" کو جامع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجتا ہے۔ جس نے آپ پر ایک مرتبہ صلوۃ بھیجی۔ یہ اس لئے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ آپ پر صلوۃ بھیجیں۔ اور جس قدر زیادہ بھیجیں گے اسی قدر زیادہ کے حقدار بھی ہوں گے۔ اور سعادت الٰہیہ سے مستفید ہوں گے۔ اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ایک امر ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور عزیز ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان پیاسا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی کی ضرورت ہو تو اپنی پیاس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دے۔ بھوکا ہو اور کھانے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرورت ہو تو خود بھوکا رہے کھانا آپ کی بارگاہ میں حاضر کردے۔ اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے مال اپنی جان سے حفاظت کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوا عَنْ رَّسُولِ اللهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهِ ۚ اہل مدینہ اور ان کے گرد و نواح والے دیہاتیوں کو کیا ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ گئے۔ اور انہوں نے اپنی جانوں کو آپ کی ذات سے کیوں ترجیح دی (توبہ:120) اس سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کا یہ پسند کرنا کہ جو پریشانی اور مصیبت میری ذات کو چھونے والی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلی جائے۔ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر مومنوں کو جہاد اور دوسری سختیوں کے بارے میں فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ۝ یقیناً تمہارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ اس کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے (الاحزاب)

آپ کے حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مومن کے نزدیک آپ کی ذات مبارکہ اپنی جان، اپنی اولاد اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہونی چاہئے۔ جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ

تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ الاية۔ فرما دیجئے۔ تمہارے آباؤ اجداد تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور تمہارے محنت سے کمائے گئے اموال اور وہ تجارت جس کے نقصان سے ڈرتے ہو اور وہ رہائش گاہیں جنہیں تم بہت پسند کرتے ہو، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہیں (التوبہ:24)...... یہی مضمون بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان کو چھوڑ کر باقی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ عمر! نہیں بات تب ہوگی کہ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب سمجھے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم! آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ فرمایا۔ عمر! اب ٹھیک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ تم میں سے کوئی بھی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)۔

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے ایک حق آپ کی تعظیم وتوقیر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ۔ آپ کی تعظیم وتوقیر کرو (الفتح:9)۔ "تعزیر" ایک جامع لفظ ہے۔ جس میں آپ کی مدد کرنا، آپ کی تائید کرنا اور آپ کو اذیت پہنچانے والی ہر چیز سے آپ کی حفاظت کرنا شامل ہیں۔ اور "توقیر" بھی ایک جامع لفظ ہے جس میں ہر وہ چیز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکون و اطمینان کا سبب ہو۔ اجلال و اکرام ظاہر ہوتا ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر وہ شریفانہ برتاؤ اور تعظیم بھرا سلوک کرنا جو آپ کے وقار کا محافظ ہو۔ انہیں مخصوص حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت آپ کے لائق بات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ رسول کریم ﷺ کو آواز دینا ایسے نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو (النور:63)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "یا محمد، یا احمد، یا ابا القاسم کے الفاظ کے ساتھ آواز دینا منع کر دیا ہے۔ اگر کہنا ہے تو "یا رسول اللہ، یا نبی اللہ" کہو۔ حضرات صحابہ کرام آپ کو اس انداز سے کیسے مخاطب نہ کرتے جب کہ پروردگار عالم نے آپ کو جن الفاظ سے خطاب فرمایا۔ ویسے الفاظ سے اس نے حضرات انبیاء کرام کو خطاب نہیں فرمایا۔ آپ کو عزت بھرے الفاظ سے مخاطب کیا کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں

آپ کا نام لیکر خطاب نہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا (الاحزاب:28) - يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاحزاب: 59)- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (الاحزاب)- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ (الاحزاب:50) - يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (الاحزاب:1) - يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق:1)- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ (التحریم: 1)- يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ: 67)- يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ (المزمل)- يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ (المدثر:)۔ ادھر یہ اور ادھر دیگر انبیاء کرام سے خطاب کرتے وقت فرمایا۔ وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرہ:35) - يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ (البقرہ:33) - يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ھود:46) - يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (ھود:76)- يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ (الاعراف:144) - يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (ص:26)- يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ (مریم12)- يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ (المائدہ:110)۔

ایک اور حق یہ ہے کہ آپ کے سامنے گفتگو میں پہل کرنا حرام ہے۔ جب تک آپ اجازت نہ عطا فرمائیں۔ لب کشائی نہیں کرنی چاہئے اور آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممنوع ہے کہ کوئی شخص آپ سے اس طرح اونچی آواز سے گفتگو کرے جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایسا کرنے والے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور اعمال کا ضائع اور باطل ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حرکت تقاضائے کفر کرتی ہے۔ کیونکہ عمل کا ضیاع کفر سے ہی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ آپ کے دربار عالیہ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہ خلوص تقوی والا دل رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ اور انہیں اپنی رحمت سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آوازیں دیتے ہیں جب آپ اپنے در دولت میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو ان میں سے اکثریت کم عقلوں بلکہ بے عقلوں کی ہے۔ کیونکہ انہیں اگر عقل ہوتی تو اس طرح زور زور سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں نہ دیتے۔ اور اس لئے بھی کہ اگر کچھ دیر صبر کرتے تو آپ خود باہر تشریف لے آتے۔ لیکن ان بے عقلوں نے آواز پر آواز دیکر آپ کو باہر آنے پر مجبور کر دیا۔

آپ کے مخصوص حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ امت کیلئے اس بات کو حرام کر دیا ہے کہ آپ کو اذیت

پہنچائے۔ خواہ اذیت کی بات ایسی ہی کیوں نہ ہو جو آپس میں کرنی مباح ہو۔ یہ حکم آپ کے اور امت کے درمیان امتیاز کیلئے ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ آپ کے وصال کے بعد نکاح کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ تم میں سے کسی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا جائز نہیں۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے شادی کرو۔ یہ ابدی حکم ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک بہت بڑا (گناہ) ہے (الاحزاب)۔ اللہ تعالیٰ نے امت پر آپ کی وجہ سے آپ کی ازواج کا احترام لازم کر دیا۔ اور احترام و تحریم میں انہیں "مائیں" فرمایا۔ ارشاد ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے زیادہ عزیز و قریب ہیں۔ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں (الاحزاب:6)۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے افعال کو اپنے افعال کی بنیاد قرار دینے کا معاملہ ہے تو یہ باب اور موضوع اس قدر وسیع ہے کہ جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ ان باتوں کو بھی لوازم رسالت میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہماری گفتگو کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے لوازم کے علاوہ وہ حقوق بیان کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپکی امت پر واجب یا حرام کئے۔ جن کے بارے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایسا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث فرمائے۔ لیکن امت پر اس رسول کیلئے ایسے حقوق لازم نہ ہوں۔ مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کرام میں سے آپ کے ان حقوق واجبہ و محرمہ کا تذکرہ کرنا ہے جن کا تعلق صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ ہے۔

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی و کرامت اس سے بھی دکھائی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق اذیت اور مومنین کی اذیت الگ الگ بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب) اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کی حد قتل ہے جیسا کہ آپ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینے والے کیلئے کوڑے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر

کو ایسی بلندی بخش دی ہے کہ جہاں خود اللہ تعالیٰ کا اپنا ذکر ہوتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی موجود ہے۔ امت کیلئے خطبہ اور تشہد اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتے جب تک وہ ان میں یہ گواہی نہ دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسول مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خطبہ میں آپ کا ذکر لازم کر دیا ہے۔ اور شہادتین میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ جو اسلام کی اساس و بنیاد ہیں۔ اذان میں بھی آپ کا ذکر ہے جو شعار اسلام ہے۔ نماز میں بھی آپ کا ذکر ہے جو دین کا ستون ہے ان کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر رکھا ہے۔ یہاں آپ کے خصائص پر گفتگو مکمل ہوتی ہے۔ اگر چہ خصائص کی تعداد اس قدر طویل ہے جو ختم نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کے بارے میں ابن تیمیہ کا کلام اختتام کو پہنچا۔ شافعی مسلک کے امام سبکی رضی اللہ عنہ اور حنفی مسلک کے امام ابن عابدین رضی اللہ عنہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا حکم ''قتل'' ہی کیا ہے۔ جناب قاضی عیاض مالکی رضی اللہ عنہ تو ان سب کے پیشوا ہیں۔ یعنی مسئلہ مذکورہ میں آپ نے یہی بات ان سے بہت پہلے کہی تھی۔ ان تمام نے آپ کے ہی آثار کا اقتباس کیا اور ان کا کلام ''الشفاء'' میں مرقوم ہے۔ وہاں سے انہوں نے نقل کیا۔ اسی وجہ سے میں نے یہاں خاص کر اسے ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا جو چاہتا ہو کہ ان کے کلام پر مطلع ہو۔ وہ ''الشفاء'' کا مطالعہ کرے۔

اب میں ذیل میں امام تقی الدین السبکی رضی اللہ عنہ کی کتاب ''السیف المسلول'' کا خطبہ نقل کر رہا ہوں۔ یہ کتاب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے کے بارے میں تحریر فرمائی۔ اس کے نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی جس انداز سے بیان کی گئی۔ اسے بلاغت کی زبان میں ''براعۃ'' کہتے ہیں اور اس خطبہ سے ہی ان کا موقف بھی ظاہر ہوتا ہے اور ان کے امام ہمارے امام جناب محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ گالی دینے والا اگر توبہ کر کے اسلام لے آتا ہو تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے جب وہ اسلام قبول کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ میں نے اس موضوع پر ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے قرآن کریم، احادیث، اجماع اور قیاس سے دلائل ذکر کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اب کسی اور کتاب سے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابن تیمیہ نے کافی بسط سے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اگر چہ ابن تیمیہ کا اس بارے میں مذہب وہی ہے جو ان

کے امام یعنی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی مذہب امام مالک رضی اللہ عنہ کا بھی ہے وہ یہ کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ وہ ہر صورت میں واجب القتل ہے۔ اور اس موقف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم زیادہ نظر آتی ہے۔ اس لئے میں نے بکثرت دلائل ابن تیمیہ کی کتاب سے نقل کئے ہیں۔ دوسری کسی کتاب سے نہیں۔ اگر چہ تمام ائمہ کرام راہ راست پر ہیں۔ اور حق پر ہیں۔ جیسا کہ امام شعرانی وغیرہ نے کیا۔ امام السبکی کی کتاب میں اکثر عبارات فقہاء کرام کی نقل کی گئی ہیں اور کتاب وسنت میں سے بعض دلائل پر اکتفا کیا جو ابن تیمیہ نے ذکر کئے۔ اس کے بعد میں امام ابن عابدین کے کلام سے بھی چند اقتباس پیش کروں گا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ وَ نَفَعَنَا بِبَرَکَاتِھِمۡ وَالۡمُسۡلِمِیۡنَ۔

امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''اَلسَّیۡفُ الۡمَسۡلُوۡلُ عَلٰی مَنۡ سَبَّ الرَّسُوۡلُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اس اللہ کو زیبا جو اپنے اولیاء کی مدد کرنے والا اور دشمنوں کی سرکوبی کرنے والا ہے۔ زمین وآسمان میں وہی معبود ہے۔ اپنی صفات اور اپنے اسماء سے مشہور ہے۔ اپنی عظمت وکبریائی میں یکتا ہے۔ اپنی جبروت و بلندی میں قاہر ہے۔ وہ ایسا ایک اور تنہا ہے جو اپنی ازلیت میں اول نہیں رکھتا اور اپنی بقاء میں آخر نہیں رکھتا۔ پالنے والا، بے نیاز ایسا کہ نہ اس کی کوئی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کی قضا میں کوئی شریک ہے۔ حی اور باقی ہے۔ اور اس نے ہر ایک کو فنا کا حکم دے رکھا ہے۔ عالم ہے کہ زمین وآسمان میں ایک ذرہ بھر کی مقدار بھی اس سے اوجھل نہیں۔ خواہ وہ ظاہری حالت میں ہو یا پوشیدہ ہو۔ ایسا قادر کہ تمام ممکنات اس کی اطاعت میں مسخر ہیں۔ اور اس کے امر و دعوت کے تابع ہیں۔ حکیم ایسا کہ جو بناتا ہے وہ پختہ اور یقین کے ساتھ بناتا ہے۔ سو پاکیزگی اس کیلئے جس کی نعمتوں کے سمندر میں عقلیں حیران ہیں۔ میں اس کی اپنی نعمتوں کے عطاء پر حمد کہتا ہوں اور اس کی بخشش کے لوٹانے پر تعریف کرتا ہوں۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ایک اور لاشریک ہے۔ ایسی گواہی جو اس اللہ سے ملاقات والے دن کیلئے میں اسی کے سپرد اور اسی کے پاس امانت رکھتا ہوں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد خاص اور اس کے رسول ہیں۔ جو تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں۔ تمام مرسلین سے برگزیدہ ہیں، اس کے تمام امین حضرات سے منتخب شدہ ہیں۔ نبی الرحمت ہیں شفیع امت ہیں۔ تکالیف

اور غموم کے دور فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اندھیرے سے نور کی طرف نکالنے والے ہیں۔ کفایت اور عصمت کی جنہیں خوشخبری دی گئی۔ جن کی تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ نے قدر و منزلت کو شرف بخشا۔ تمام انبیاء کرام سے جن کی نصرت کرنے کا عہد و میثاق لیا گیا، جو اللہ تعالیٰ کے حبیب و خلیل ہیں۔ اس کی وحی کے امین ہیں۔ اس کی رسالت کے محافظ ہیں جو اپنے رب کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں، جن کی جماعت سے مدد کا وعدہ کیا گیا۔ جو نہ ہوتے تو سورج پیدا نہ کیا جاتا، نہ کوئی نفس تکمیل پاتا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دینے والے کسی شخص کا وجود ہوتا۔ جن کی تعظیم فرض اور جن پر ہر زبان میں صلوۃ بھیجنی لازم ہے۔ وہ کہ جن کی نبوت اس وقت واجب کر دی گئی تھی جب حضرت آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ آپ کا اسم گرامی عرش معلٰی پر اللہ واحد بے نیاز کے ساتھ رقم تھا۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر ایسا بلند کیا کہ جب بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ جن کی شریعت کو اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی ناسخ بنایا۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جسم ظاہری کے ساتھ زمین پر زندہ موجود ہوتے تو دونوں حضرات آپ کی اقتداء کرتے اور آپ کی اتباع میں ہوتے۔ وہ جن کی ایک مہینہ کی مسافت تک رعب سے مدد کی گئی۔ جن پر اترنے والی کتاب ابدالآباد تک باقی ہے جو دعوت عامہ کے ساتھ مخصوص ہیں جبکہ پہلے انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ اس وقت شفاعت عظمٰی فرمائیں گے جب ہر ایک اپنی اولاد، والد اور ماں کو بھول جائے گا۔ حمد کا جھنڈا ان کے دست اقدس میں ہوگا۔ آدم اور ان کے علاوہ دیگر تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

وہ کہ جنہیں خود اللہ تعالیٰ ایسی تعریف کرنا سکھائے گا جس کے ساتھ اس کی آپ تعریف کریں گے اس دن آپ ایسی بہترین حمد و ثناء کا مقام اور ادائیگی کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ آپ ہی سب سے پہلے زمین (قبر انور) سے باہر تشریف لائیں گے۔ جب مردوں کو اٹھایا جائے گا اور آپ ہی امام الانبیاء اور خطیب الانبیاء ہوں گے جب اللہ رحمٰن کے حضور آوازیں جھکی (خاموش) ہوں گی۔ الم نشرح کے سینہ والے، فرشتوں اور روح الامین کے امداد یافتہ، ظاہر و باہر معجزات والے، واضح آیات والے، ہر عیب اور نقص سے پاک، ہر شک اور ریب سے کوسوں دور۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سے نور بن کر پشتوں اور پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے یہ سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہو کر آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ تک آتا ہے۔ لہٰذا آپ کا نسب شریف تمام نسبوں سے پاکیزہ تر اور عظیم تر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اس کی مخلوق کے نزدیک ارفع اور اکرم

ہے۔آپ کا نسب پاک جاہلیت کے نکاح فاسد اور بدکاری سے بالکل مبرا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلمات کے سبب صحیح شخصیات میں محفوظ چلتا رہا۔حتیٰ کہ وہی نور "بدر منیر" بن کر طلوع ہوا۔جس کے طلوع ہوتے ہی بت اوندھے ہو گئے اور شرک کی دعوت دینے والے آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی اوجھل ہو گئے۔زمانہ کے دائرہ کا کمال اور قطب بن کر جلوہ فرما ہوئے۔کائنات سے برگزیدہ اور اس کا مغز بن کر آئے۔تمام قبائل میں سے اعلیٰ ترین قبیلہ میں سے اور خود اس کے تمام افراد سے اعلیٰ فرد تھے۔وہ قبیلہ جو تمام قبائل کا سردار تھا اور آپ اس کے سرکردہ تھے جو اپنی ذات وصفات میں کامل تھے۔جن کی حرکات وسکنات محفوظ تھیں جو جلوت وخلوت میں معصوم تھے۔جنہیں قوم امین کہہ کر پکارتی تھی۔جو اللہ رب العالمین کی عبادت قلب وقالب سے متوجہ ہو کر کرتے تھے جنہیں بعثت سے پہلے پتھر سلام کرتے تھے، بادل سایہ کرتے تھے، جن میں ایسی نشانیاں رکھ دی گئی تھیں جنہیں جاننے والا فوراً سمجھ جاتا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔حتیٰ کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی مکمل ہوئی تو آپ کے پاس روح الامین حاضر ہوئے۔کتاب مبین لائے، وہ کتاب جو کنکریوں کے بولنے، انگلیوں سے پانی پھوٹنے، چاند کے ٹکڑے ہونے، ڈوبے سورج کو لوٹانے، قلیل کو کثیر اور اجابت دعاء، معراج واسراء، خلق وخلق میں کمال محاسن، تمام مخلوق کیلئے رأفت ورحمت بن کر تشریف لانے ایسے معجزات سے کہیں اعلیٰ معجزہ ہے۔وہ کہ جن پر پیغمبروں نے صلوٰۃ بھیجی۔جنہیں اولاد آدم کی سیادت سے نوازا گیا۔جن کے سورج پلٹانے کو دنیا نے دیکھا، جنہوں نے اعیان کو تبدیل کر دیا۔(ایک چیز کو الگ دوسری چیز بنا دیا) آنکھوں سے محروم کو بینائی بخشی۔وغیر ذالک معجزات سے بھی قرآن کریم بڑا معجزہ ہے۔جن کی تعداد اور شمار ناممکن ہے۔صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا مَّا دَارَ فَلَکٌ ۔اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل، ازواج اور ذریت پر بکثرت سلامتی نازل فرمائے جب تک آسمان چکر لگاتا رہے۔فرشتے تسبیح کرتے رہیں۔سورج مشرق ومغرب کی طرف آتا جاتا رہے۔کبوتر جھوم جھوم کر غٹغوں غٹغوں کرتا رہے۔جب تک دنیا اور آخرت رہے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی تعظیم کے لباس فاخرہ پہناتا رہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو وسیلہ، فضیلۃ، درجہ رفیعہ پر متمکن فرمائے۔مقام محمود پر آپ کو مبعوث فرمائے اور ہماری طرف سے آپ کی بارگاہ عالیہ میں ہر وقت لگاتار صلوٰۃ وسلام کے نذرانے وہدایا پیش کرتا رہے۔

اما بعد! اللہ تعالیٰ کے بعد ہم پر کسی کا احسان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہے اور آپ کی شخصیت اور ذات مبارکہ کے سوا کسی اور کا ہم پر فضل عظیم نہیں ہے۔کیونکہ آپ ہی کی بدولت

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صراط مستقیم کی رہنمائی کی۔اور جہنم کی آگ سے بچایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے۔جن پر تمہاری ہر مشقت گراں گزرتی ہے۔تمہارے حد درجہ خیر خواہ ہیں۔مومنوں کیلئے بہت ہی مہربان اور نرم دل ہیں (التوبہ) آپ ہی کی بدولت ہمیں دنیا و آخرت کی مصلحتیں ملیں۔اور آپ کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی ظاہری باطنی نعمتیں نچھاور کیں۔ہم اندھے تھے آپ نے بینا کر دیا، گمراہ تھے راہ راست پر آپ کی برکت سے آ گئے۔جاہل تھے آپ کے ذریعہ علم دیا اور انشاء اللہ آپ کی برکت سے ہم خوف کے بعد امن کی امید رکھتے ہیں۔آپ نے ہمارے لئے اپنی مخصوص دعا مؤخر کر رکھی ہے۔جو شفاعت کے رنگ میں کل قیامت کو ہمیں اپنے دامن میں لے لے گی۔

آپ نے ہی اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے ایسی کرامات (بزرگیاں) مانگیں۔جن تک ہماری خواہشات و تمناؤں کی رسائی نہ تھی۔تو ہم آپ کا شکر کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔آپ کے احسانات کا جو شکر ہم پر ہے اس کا عشر عشیر بھی تو ہم ادا نہیں کر سکتے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جب آپ کا مرتبہ بہت عالی ہے تو اس نے ہم پر آپ کی تعظیم، توقیر، نصرت، محبت اور آپ کا ادب فرض قرار دیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۔ہم نے ہی آپ کو حاضر ناظر، خوش خبری دینے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔اور ان کی تعظیم و توقیر کرو (الفتح:8)۔نیز ارشاد فرمایا۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۔اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر چکا ہے۔ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کیلئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز و قریب ہیں۔ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اے مومنو! اپنی آوازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا نہ کرنا۔اور نہ ہی آپ کو اس طرح بلند آواز سے پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، کہیں بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔وہ وہی ہیں جن

کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے چن لئے۔ اور ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (الحجرات)۔ ارشاد فرمایا۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی محترم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے مومنو تم بھی ان پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسا بھیجنا چاہئے (الاحزاب)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ اگر تم دونوں نے ان کے خلاف اتحاد کرلیا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کا والی وارث ہے اور جبرئیل، صالح مومن اور فرشتے بھی ان کے حامی ہیں (التحریم 4) نیز فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں ان سے ہی ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمادیا۔ (آل عمران 164)

جو شخص تمام قرآن کریم پر غور و فکر کرتا ہے۔ وہ لازماً اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر عظیم سے بھر پور پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہم مسلمانوں پر اپنی ذات کی تصدیق اور وحدانیت پر ایمان لانا لازم قرار دیا اسی طرح ہمارے دلوں میں اپنی تعظیم، اجلال، رعب، خوف، رضا، توکل اور شکر بھی لازم کیا۔ اور ہماری زبانوں پر اپنی صفت و ثنا، ذکر و حمد اور قرآن کریم کی قراءۃ، ہمارے اعضاء پر نماز وغیرہ عبادات کی ادائیگی فرض کردی۔ اسی طرح اس نے ہمارے آقا محترم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے اور آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں میں آپ کی تعظیم و توقیر اور محبت فرض کی۔ ہماری زبانوں پر آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا، اذان، نماز اور خطبہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دینا، اور ہمارے اعضاء پر یہ کہ آپ کو ہم اپنی جان سے زیادہ مقدم سمجھنا بھی فرض کردیا۔ اور آپ کے سامنے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا لازم قرار دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم کیں جو تبلیغ رسالت کے منصب کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ رسالت کے اعتبار سے واجبات تو تمام انبیاء کرام کے ساتھ عام ہیں۔ اس لئے آپ کے بارے میں کچھ فرائض ایسے بھی ہیں جن میں کوئی دوسرا نبی شریک نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنے باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ ہر ایک چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ اے عمر! نہیں، بات تب ہوگی کہ تو اپنی جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب سمجھے۔ عرض کیا۔ حضور! آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ اب بات ہوئی نا۔

یونہی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی خاطر ہم پر بہت سی باتیں حرام کر دی ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ ”تمہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ کبھی جائز کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرو۔ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے“۔

ارشاد فرمایا۔ ”بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں لعنت۔ اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی وجہ سے۔ ایسے لوگ بہتان باندھتے اور واضح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔“ ان آیات میں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے اور عام مومن مرد و عورت کو اذیت پہنچانے والے کے درمیان جزا میں کیسا واضح فرق ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے آپ کے وصال کے بعد شادی کرنا حرام قرار دے دیا۔ لیکن کسی مومن کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح حرام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کان ہیں۔ فرمادیجئے میرا کان ہونا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور مومنین کی بات مانتے ہیں اور تم میں سے مومنوں کیلئے رحمت ہیں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”بیشک یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتی ہے وہ تم سے شرم و حیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا“ اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات کی ابتدائی آیات میں اپنے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدم سے منع فرمایا۔ اس لئے کسی کیلئے جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گفتگو میں پہل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ چھوڑنے کو بھی حرام فرمایا۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ الایۃ (التوبہ: 120) اہل مدینہ اور ان کے اردگرد کے گنواروں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اور نہ یہ جائز کہ آپ کی ذات سے اپنی ذات کو پسند کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حجرہ جات کے پیچھے سے آپ کو آواز دینا حرام قرار دیا۔ اور ایسا کرنے والے کو بے عقل فرمایا۔ بہر حال اس مقام پر ایسی آیات کا احاطہ کرنا اور ان سب کو تحریر کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں یہ بات صراحۃً اور اشارۃً بیان فرمائی۔ اور جن میں آپ کی اعلیٰ قدر و منزلت اور بلند

مرتبہ مذکور ہے اور جن میں آپ کے ادب و احترام کو مبالغۃً بیان کیا گیا۔ کوئی راستہ نہیں۔ یعنی ممکن نہیں۔ یونہی ایسی آیات کے ذکر کرنے کی کوئی سبیل ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی ثناء بیان کی۔ آپ کی حیات کی قسم کھائی، آپ کو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ سے پکارنا، اور آپ کا اسم گرامی لیکر نہ پکارنا ذکر فرمایا۔ بخلاف دوسرے انبیاء کرام کے کہ ان کے نام سے پکارا گیا۔ وغیر ذالک ایسی آیات جو آپ کی قدر عالی پر دلالت کرتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ کسی کی بزرگی آپ کی بزرگی کے مساوی نہیں۔ لہٰذا ہمارا آپ کی تعظیم بجالانا، اپنی جانوں کو آپ پر قربان کرنا، آپ کی توقیر کرنا، آپ کی مدد کرنا یہ سب باتیں ہم پر لازم عبادات ہیں۔ کیونکہ ان تمام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ہماری جانیں آپ کے تابع حکم ہیں۔ کیونکہ آپ کے ہم پر عظیم احسان ہیں۔ اور حقیقت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو بھی دلوں پر احسان کرتا ہے دل اسے محبوب سمجھتے ہیں۔ محبت دل سے، مدد ہاتھ اور زبان سے کی جاتی ہے اور اگر مدد ہاتھ سے کرنے میں کوئی عذر ہو تو زبان سے لازماً کرنی چاہئے۔ یہ تصنیف جس کا میں نے نام "السیف المسلول علی من سب الرسول" رکھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ بنا۔ کہ ہمارے پاس ایک نصرانی کے بارے میں فتویٰ لایا گیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی بکی تھی۔ اور اسلام نہ لایا تھا۔ میں نے اس پر لکھا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اسے اس طرح قتل کرنا ضروری ہے۔ جس طرح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کروایا تھا اور لکھا کہ اس کتے کو گھسنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب رفیع کو پاک کر دیا گیا۔

لَا يَسْلِمُ الشَّرَفُ الرَّفِيْعُ مِنَ الْاَذٰى حَتّٰى يُرَاقَ عَلٰى جَوَانِبِهِ الدَّمُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت رفیعہ پر بکنے والے سے اس وقت تک محفوظ نہیں ہوگی جب تک اس بکنے والے کا خون اس کے پہلوؤں پر گرا نہ دیا جائے۔ (یعنی قتل کر دیا جائے) میرے ساتھ شافعی اور مالکی المسلک حضرات کی ایک جماعت نے یہی لکھا۔ لیکن بعض حضرات نے اس حکم کا انکار کیا، جن کے پاس امام رافعی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول بطور دلیل تھا۔ ان بزرگوں نے لکھا ہے کہ چونکہ کسی ذمی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا اس سے کیا اس کا عہد ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور خیال کیا کہ جب عہد بالاتفاق ختم نہیں ہوتا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور میرے استدلال پر تعجب کا اظہار کیا جو میں نے کعب بن اشرف کے واقعہ سے کیا تھا اور کہا۔ یہ ایک معین واقعہ ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ اسے گالی بکنے کے علاوہ کسی اور جرم کی بناء پر

قتل کیا گیا ہو۔ اور بعض دفعہ تو ہمارے موقف کے مخالفین نے یہاں تک زعم کیا کہ کعب بن اشرف حربی تھا۔ مجھے اس بارے میں جھگڑا کرنے اور بحث و تکرار کرنے پر بہت تعجب ہوا۔ خاص کر اس شخص کا جسے سیرت سے معمولی سا بھی لگاؤ ہو یا فقہ سے کچھ انس ہو اور مجھے شافعی المسلک (امام رافعی) کے بیان سے اور بھی تعجب ہوا۔ کیونکہ ان کے امام (جناب امام شافعی رضی اللہ عنہ) بھی وہی فرما چکے ہیں جو میں نے لکھا۔ انہوں نے بھی دلیل وہی ذکر فرمائی جو میں نے ذکر کی۔ یعنی کعب بن اشرف کا واقعہ۔ اسی طرح آپ کے مذہب کے اکابر حضرات نے بھی یہی لکھا۔ ان میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف نہ کہا۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''ہمارا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔'' اور اس موقف سے انکار کی وجہ صرف ''باطل مجادلہ'' ہی نظر آتی ہے۔ مجھ پر اور میرے علاوہ دوسرے اہل علم حضرات پر لازم ہے کہ اس موقف پر ڈٹ جائیں اور اس بارے میں ''حق'' کی کھل کر وضاحت کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں در اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج:40) جو اللہ تعالیٰ کی مدد کریگا اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔ مجھے اس کے زائل کرنے کی قدرت نہیں۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دل اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اس کا صرف زبان سے انکار کر دینا ہی کافی نہیں ہوگا جب اس کے انکار کے اور بھی امکانی طریقے ہوں۔ لہٰذا میں اس کے خلاف زبانی اور قلمی دونوں طرح جہاد کروں گا اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرا اس بات پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ جو میرے ہاتھ اور طاقت سے باہر ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اسی طرح نجات عطا فرمادے گا جس طرح وہ ایسے لوگوں کو نجات دے گا جو برائی سے روکتے ہیں۔ بیشک وہ معاف کردینے والا، بخشنے والا ہے۔ اِنْتَهٰى كَلَامُ السُّبْكِيِّ فِيْ خُطْبَةِ كِتَابِهِ الْمَذْكُوْرِ۔

اس کے بعد امام موصوف نے ''فصل ثانی'' میں تحریر فرمایا۔ کہ جو بات ہم نے کہی کہ گالی بکنے والے کی توبہ ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ کہ اس کی توبہ ''اسلام'' کے بغیر قطعاً قبول نہیں ہو گی۔ اور جہاں ہم نے مطلقاً توبہ قبول کرنے کی بات لکھی ہے اس سے مراد بھی ایسی توبہ ہے جو ''اسلام'' قبول کرنے کے ساتھ ہو۔ پھر امام موصوف نے لکھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ ارشاد فرمایا ''مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہ کی جائے گی'' اس سے مراد ''اسلام قبول کرنے کے بغیر توبہ'' ہے اور عام زبانوں پر جو موقف مشہور ہے اور جو حکام سے بھی عام طور پر معروف ہے کہ جس حکم کے ساتھ وہ ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے رہے یہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اھ

امام ابن عابدین کا حضور ﷺ کو گالی دینے والے کے بارے میں حکم

امام موصوف رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام'' میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام میں نے ''تَنْبِيْهُ الْوَلَاةِ وَالْحُكَّامِ عَلٰى اَحْكَامِ شَاتِمِ خَيْرِ الْاَنَامِ اَوْ اَحَدِ اَصْحَابِهِ الْكِرَامِ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ'' رکھا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف وضع اور ترصیف کی وجہ یہ بنی کہ میں نے اپنی ہی دو سابقہ تصانیف ''العقود الدریہ'' اور ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ایسے بدبخت اور لعین کے متعلق مختصر طور پر احکام تحریر کر دیئے تھے۔ جس نے یہ حرکت کر کے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار اپھینکا تھا۔ کیونکہ اس نے سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زبان درازی کی تھی۔ لیکن باعتبار نقول اور دلائل کے مجھے یہی نظر آیا کہ اپنے امام کے موقف کے سامنے سر تسلیم کرنا چاہئے اور عصبیت کو ترک کر دینا چاہئے اور میں اس طرف مائل ہو گیا کہ ایسے بدبخت کے اسلام قبول کرنے پر اس کی توبہ قبول کر لینی چاہئے اور اس کے قتل سے رجوع کر لینا چاہئے۔ اگر چہ میرا سینہ اس سے مطمئن اور میرا دل اس سے شافی نہ تھا۔ کیونکہ مجھے ایسے شخص کے قتل کئے جانے کے بغیر دلی خوشی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ لیکن عقل کو ایسی باتوں میں دخل نہیں ہوتا جب کہ نقل سے بات واضح طور پر سامنے آ جائے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفی ائمہ حضرات کی تحریرات میں سے مجھے کسی کی ایسی تحریر نظر نہ آئی۔ جس نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب واضح کر دیا ہو لیکن دوسرے مسلک کے حضرات نے اس پر خوب بسط سے کلام کیا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' کے آخر میں اسے لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے ابو العباس ابن تیمیہ نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔ میں نے ابھی اس کا ایک قدیم نسخہ دیکھا ہے۔ جس پر مصنف کے ہاتھ کی تحریر ہے پھر امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں سے خاتمۃ المجتہدین تقی الدین ابو الحسن علی السبکی نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ''السیف المسلول علی من سب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' رکھا۔ میں نے ان بزرگوں کے دستر خوان سے ریزے چنے اور اس کتاب میں جمع کر دیئے۔ ان کے کلام کے علاوہ کچھ

دوسرے حضرات کا بھی کلام لیا گیا ہے اس کے بعد امام ابن عابدین موصوف نے امام سبکی کے وہ دلائل لکھے جن میں ایسے زبان دراز کی سزا ''قتل'' ہے۔ جب وہ توبہ نہ کرے تو یہ دلائل کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے لئے گئے۔ پھر امام سبکی کی بہت سے تحریرات نقل کیں۔ اور دوسرے شافعی حنفی حضرات کی بھی لکھیں۔ جن میں یہ مذکور ہے کہ اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ''حنبلیوں'' کا موقف ''مالکیوں'' سے تقریباً ملتا جلتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسے کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور ان سے ہی ایک روایت ''توبہ قبول'' کر لینے کی بھی ہے۔ لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کے مذہب کے مطابق ہے۔

اس کے بعد امام ابن عابدین رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ ان عدول اور ثقہ لوگوں کی گواہی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق ہے وہ یہ کہ ایسے کی توبہ قبول کر لی جائے گی پھر امام موصوف نے اپنے حنفی مسلک کے بہت سے آئمہ کی تحریرات نقل کیں۔ جن کے آخر میں لکھا۔

اہل مذہب کی یہ نقول اس بارے میں صریح ہیں کہ مذکور گالی دینے والے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور قتل سے بچ جائے گا۔ پھر لکھا کہ اس موقف وحکم پر مذہب حنفی کے قابل اعتبار متن مکمل طور پر ناطق ہیں اور بالعموم یہی حکم بیان کرتے ہیں پھر بہت سے ائمہ کی عبارات نقل کیں۔ پھر ''بزازیہ'' کے کلام کا رد کیا۔ کیونکہ ان کا موقف یہ ہے کہ ایسا شخص لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ اصلاً قبول نہ ہوگی۔ ''بزازیہ'' کی اتباع میں صاحب دار، بحر، نحر، تنویر، خیر رملی اور شرنبلانی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ یہ حضرات احناف کے متاخرین میں سے ''عمدۃ'' ہیں ان کی تردید میں بھی امام موصوف نے بہت سے اقوال نقل کئے۔ جن سے یہ ثابت کیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے کہ ایسے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ جسے ان کی تفصیلی عبارات درکار ہوں وہ امام ابن عابدین کی مذکور کتاب کو دیکھ سکتا ہے وہ اب دمشق سے طبع ہوئی ہے اور مل سکتی ہے ابن تیمیہ کی مذکورہ کتاب اور امام سبکی کی مذکورہ کتاب یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں (اب آسانی سے دونوں مل سکتی ہیں۔ یہ بات علامہ نبہانی کے دور کی ہے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے ان دونوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ دستیاب ہوا۔ شائد ایک نسخہ مولف کے زمانہ میں عاریۃً لکھا گیا اور دوسرا ''ملکاً'' تحریر ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین چونکہ ان دونوں کی اطلاع مجھے متاخر ملی۔ اس لئے ان سے عبارات کا نقل کرنا متاخر ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ان دونوں کے اقتباسات (جواہرات) پہلے لکھتا۔ علاوہ ازیں میں امام سبکی

رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ جہاں ان کے ایک رسالہ "منح المنہ" کا ذکر "لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" کی تفسیر کے تحت آیا تھا۔ بہرحال ان کے ملفوظات کو متاخر ذکر کرنے کا سبب یہی بنا۔ اگرچہ یہ حضرات متقدمین میں سے ہیں۔ لیکن یہ اتنی بڑی غلطی بھی نہیں۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

الامام العارف باللہ الامیر عبدالقادر الجزائری الحسنی المدفون بدمشق کے جواھر

المتوفی ۱۳۰۰ھ

جوہرا: موصوف نے اپنی کتاب "المواقف" کے موقف ۸۹ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالمین کیلئے رحمت ہونے سے مراد یہ نہیں کہ آپ اپنے فقط جسم طبعی کے اعتبار سے رحمت ہیں۔ اگرچہ جمہور مفسرین نے یہی کہا ہے۔ اور عام مفسرین کا یہی موقف ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ حیثیت کے اعتبار جمیع عالمین کیلئے رحمت عامہ نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ "عالم" اللہ تعالیٰ کے سواسب پر بولا جاتا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "من حیث الحقیقہ" رسالت جو تمام حقائق کی حقیقت ہے اور "مِنْ حَيْثُ الرُّوْحِ" جو روح الارواح ہے۔ اس کے اعتبار سے آپ "رحمت عالمین" ہیں۔ یقیناً آپ ﷺ کی حقیقت ہی وہ رحمت ہے۔ جو ہر شے پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ رحمت اس قدر عام ہے کہ اسماء الحق تعالیٰ کو بھی شامل ہے لیکن یہ شمول ان اسماء کے آثار کے ظہور اور ان کے مقتضیات کے باعتبار ہے اور یہی رحمت سب سے پہلی وہ چیز ہے جس نے عدم کی ظلمت (اندھیرا) کو پھاڑا۔ اور اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ صادر ہوئی اور یہی رحمت وہ وجود ہے جو تمام ممکنات کے اعیان پر فیض ڈالنے والا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلَ مَا خُلِقَ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ اے جابر! سب سے اول اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

اس "حقیقت محمدیہ" کے بہت سے نام ہیں جو اس کی بکثرت وجوہ اور اعتبارات کے پیش نظر ہیں۔ میں ان اسماء میں چند ذکر کرتا ہوں تاکہ میں جو ذکر کرنا چاہتا ہوں اس کیلئے نمونہ قرار پائیں۔ بہت سے حضرات جو مختلف حضرات کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں جب وہ یہ بکثرت نام دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ یہ مختلف مسمیات کے نام ہیں۔ حالانکہ بات یہ نہیں بلکہ یہ بکثرت نام یوں سمجھئے جس طرح عربی زبان میں سیف، صارم، قضیب، ہندوانی، ابیض، صقیل اور محدد وغیرہ سبھی ایک مسمی کے نام ہیں۔ (یعنی تلوار)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ حقیقت کے چند اسماء گرامی۔

۱-التعین الاول: یعنی حق تعالیٰ کیلئے تعین اول- اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حقیقت محمدیہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذات مع التعین الاول ہے۔

۲-القلم الاعلیٰ، ۳-امر اللہ، ۴-العقل الاول، ۵-سدرۃ المنتہیٰ، ۶-الحد الفاصل، ۷-مرتبۃ صورۃ الحق والانسان الکامل بلا تعدید، ۸-القلب، ۹-ام الکتاب، ۱۰-الکتاب المسطور، ۱۱-روح القدس، ۱۲-الروح الاعظم، ۱۳-التجلی الثانی، ۱۴-حقیقۃ الحقائق، ۱۵- العماء، ۱۶-الروح الکلی، ۱۷-الانسان الکامل، ۱۸-الامام المبین، ۱۹-العرش الذی استوی علیہ الرحمٰن، ۲۰-مرأۃ الحق، ۲۱-المادۃ الاولیٰ، ۲۲-المعلم الاول، ۲۳-نفس الرحمٰن (بفتح الفاء)، ۲۴-الفیض الاول، ۲۵-الدرۃ البیضاء، ۲۶-مرأۃ الحضرتین، ۲۷-البرزخ الجامع، ۲۸-واسطۃ الفیض والمدد، ۲۹-حضرۃ الجمع، ۳۰- الوصل، ۳۱-مجمع البحرین، ۳۲-مرأۃ الکون، ۳۳- مرکز الدائرۃ، ۳۴-الوجود الساری، ۳۵-نور الانوار، ۳۶-الظل الاول، ۳۷-الحیاۃ الساریۃ فی کل موجود، ۳۸-حضرۃ الاسماء والصفات، ۳۹-الحق المخلوق بہ کل شئی۔ وغیرہ ذالک جن کا ذکر طویل ہے۔

اس کے بعد امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے اس اسماء گرامیہ کی صوفیائے کرام کے قاعدہ کے مطابق تفسیر بھی لکھی۔ میں (علامہ نبہانی) یہاں ان میں سے چند ایسے اسماء کی تفسیر درج کر رہا ہوں جو مجھے سمجھ آسکی۔ امام موصوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو اس نام سے اس لئے پکارا جاتا ہے کہ آپ وہ "برزخیۃ کبریٰ" جہاں جا کر" کامل حضرات" کی سیر، اعمال اور علوم ختم ہو جاتے ہیں اور اسی مراتب کی انتہا ہے۔

القلب: اس نام کی کئی وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کائنات کا اصل اور تمام موجودات کا خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ خلاصہ آپ کی ہی حقیقت ہے اور کسی چیز کا قلب اس چیز کا خلاصہ اور اصل ہی ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حقیقت مذکورہ میں بہت جلد تبدیلی آ جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔
كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے۔

تیسری وجہ یہ کہ آپ دائرہ وجود کے قلب ہیں اور اس کا مرکزی نقطہ ہیں۔ وغیرہ۔

العقل الاول: یہ نام اسی لئے کہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو سب سے پہلے سمجھا۔ جب اس نے "کُن" کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موجود کیا لیکن نہ کوئی مادہ اور نہ

کوئی مدت تھی۔ آپ اپنی ذات کے عالم اور آپ کا علم آپ کی ذات تھا۔ صفت نہ تھا۔ لہٰذا آپ علم الٰہی اجمالی کی تفصیل ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''عقل'' کو پیدا کیا۔

ام الکتاب: یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود وہ ہے جس میں تمام موجودات اس طرح مندرج ہیں جس طرح دوات میں حروف کا اندراج ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ''دوات'' کا اپنے اندر مندرج حروف میں سے کسی حرف کا نام نہیں ہوتا۔ یونہی ''ام الکتاب'' پر بھی کسی وجود کا نام نہیں بولا جاتا۔ نہ کسی عدم کا نام بولا جاتا ہے۔ لہٰذا یوں نہیں کہا جائیگا۔ کہ وہ ''حق'' ہے۔ ''خلق'' ہے ''عین یا غیر'' ہے۔ کیونکہ اس کا حصر واحاطہ نہیں ہوسکتا تا کہ اس پر کسی خاص چیز کا حکم لگایا جاسکے۔ ہاں وہ ایک ماہیت ہے۔ جس کو الفاظ وعبارت میں بیان یا بند نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جس عبارت میں اس کا انحصار کریں گے۔ بالکل اس کی ضد بھی بنتی ہے۔ اس لئے ''حقیقت محمدیہ'' تمام اشیاء کا محل اور تمام وجود کا مصدر ہے۔ پس ''الکتاب'' وجود مطلق ہے اور یہ حقیقت (محمدیہ) اس کے مانند جس سے کتاب کا وجود ہوا لہٰذا ''کتاب'' اس حقیقت کا ایک چہرہ ہے کیونکہ ''وجود'' اس کا ایک چہرہ ہے اور ''عدم'' اس کا دوسرا چہرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعبیر کسی عبارت سے نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں جو چہرہ ہوگا اس کی بعینہ ضد بھی موجود ہے۔

روح القدس: چونکہ تمام امکانی نقائص اور کوئی خرابیوں سے آپ ''روح مقدس'' ہیں۔ لہٰذا آپ روح ہیں لیکن دیگر ارواح کی مانند نہیں۔

روح الاعظم: یہ نام اس لئے ہے کہ آپ ہی ''روح الارواح'' ہیں۔ اس لئے کہ تمام جزئی روحیں جو ہر صورت کی ہیں خواہ وہ صورت جسمیہ ہو یا روحیہ یا عقلیہ ہو، خیالیہ ہو مثالیہ ہو ہر ایک آپ سے ہی فائض ہے۔

حقیقۃ الحقائق: یہ نام اس لئے ہے کہ جتنے بھی حقائق الٰہیہ یا کونیہ ہیں ان کا تحقق آپ کے ساتھ ہی ہے کیونکہ یہ حقیقت نہ تو حقیہ اور نہ ہی خلقیہ سے متصف ہوسکتی ہے۔ سو یہ ''ذات محض'' ہے۔ کسی مرتبہ کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا یہ اضافت نہ ہونے کی وجہ سے کسی ''وصف'' یا کسی ''اسم'' کا تقاضا نہیں کرتی۔ اسی لئے ہمارے آقا و امام حضرت شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ معلومات تین ہیں۔ ۱۔ الحق تعالیٰ، ۲۔ العالم، ۳۔ وہ معلوم جو وجود و عدم، حق و خلق، حدوث و قدم، وجوب و امکان کسی صفت سے موصوف نہیں ہوسکتا۔ جب اس سے حق کو موصوف کیا جائے گا تو وہ ''حق'' ہی

کہلائے گا۔ جب خلق کو موصوف کیا جائے گا تو "خلق" کہلائے گا۔ جب قدیم یا حادث کو موصوف بنایا جائے گا تو وہ قدیم یا حادث کہلائے گا۔

النور: یہ نام اس لئے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ "نور" کی دو اقسام ہیں، ایک "نور الحق" ہے اور وہ غیب، مطلق اور قدیم ہے اور دوسرا "نور العالم المحدث" ہے۔ یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے خلق کیا اور ہر چیز اس نور سے پیدا کی گئی۔ لہٰذا "نور محمدی" ہیت کے اعتبار سے "کل شئی" ہے اور تمام اشیاء صورت کے اعتبار سے اس کی غیر ہیں۔ جیسا کہ ماہیت کے اعتبار سے یہی نور محمدی "نور حق" بھی ہے۔ لیکن صورت کے اعتبار سے اس کا غیر ہے۔ بعض اخبار میں وارد ہے۔ "اَنَا مِنْ رَّبِّي وَا لْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّيْ" میں اپنے رب سے ہوں اور تمام مومن مجھ سے ہیں۔ مومنین کو خاص کر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ باعث شرافت ہیں ورنہ تمام مخلوق خواہ مومن ہو یا کافر سب آپ سے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "کاملین حضرات" ہر چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ ہی کرتے ہیں اور علی الدوام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ایک لحہ بھر بھی اوجھل ہو جائیں۔ میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں گا۔ پس اوجھل نہ ہونے سے مراد ہر وقت شہود و حضور ہے اور تمام کائنات میں آپ کی حقیقت کا سریان ہے یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شخص شریف کائنات کی ہر چیز ہے۔

امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ "مجاورت" کے دوران ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ شریف کے قریب نماز وتر ادا کر رہا تھا۔ اچانک مجھ پر "حالت" طاری ہو گئی۔ میرے آنسو بہنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی آگ دل میں شعلہ زن ہو گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت مجھے ارشاد فرمایا کیا تو مجھے ہر چیز میں نہیں دیکھ رہا؟ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہی۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے) اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ "حلول، تجزیہ یا جزئیۃ" ہے۔ (حلول ایک چیز کا دوسری چیز میں سرایت کرنا تجزیہ یا جزئیہ یہ کہ ایک چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) مذکورہ حقیقت کو سمجھانے کیلئے ایک مثال دی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک چراغ کی روشنی سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے۔ اس میں آپ دیکھیں کہ اول چراغ (جس سے روشنی لی گئی) نے دوسرے میں اثر کیا ہے۔ پھر دوسرا بھی بالکل پہلے کی طرح

روشن ہوگیا۔ بلکہ دوسرے بعینہ اول ہوگیا۔ پہلا دوسرے چراغ کے فتیلہ میں ظاہر ہوا۔ لیکن یہ نہیں ہوا کہ پہلے چراغ کا فتیلہ دوسرے چراغ میں منتقل ہوگیا۔ یا پہلے چراغ کی روشنی منتقل ہو کر دوسرے میں چلی گئی۔ یہ مثال ''اہل وجدان'' کے نزدیک مسئلہ سمجھانے کیلئے انتہائی مثال ہے۔ اس سے زیادہ واضح اور مثال بننے کی صلاحیت اگر کسی اور مثال میں ہوتی تو وہ پیش کرتے۔ لہٰذا تمہیں بھی ''راز'' کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور غلطی سے بچنا چاہئے اور اگر تجھے عرفان حاصل ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر۔ ورنہ اس کے اہل حضرات کی مراد کو تسلیم کرلے اور ان کو ذوق کا انکار نہ کر کیونکہ یہ لوگ ''فرقہ ناجیہ'' ہیں۔

مرأۃ الکون: یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ جس قدر اکوان، ان کے احکام واوصاف ہیں وہ صرف آپ کی حقیقت میں ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ ان کے ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہیں جس طرح شیشہ مخفی ہو جاتا ہے جب اس میں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مجمع البحرین: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ وجوب وامکان دو دریاؤں کا مجمع ہیں۔ یا اس لئے کہ آپ اسمائے الٰہیہ اور حقائق کونیہ کا مرکز ہیں۔ اس لئے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

مادۃ الاولیٰ: یعنی تمام اشیاء کا ھیولیٰ۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ اول مخلوق ہیں جو غیبت اور عدم سے وجود کیلئے متعین کی گئی اور پھر اسی کی تفصیل وہ تمام اشیاء ہیں جو عالم کبیر وصغیر میں ہیں۔ خواہ وہ اشیاء بڑی ہیں یا چھوٹی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے ھیولیٰ ہیں۔ یعنی ایسا مادہ ہیں جو تمام موجودات پر متقدم ہے اور تمام موجودات کا مادۃ ہیں۔ اس مادہ سے کائنات کی کوئی صورت خالی نہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ کا ''ھیولیٰ'' کے بارے میں نظریہ ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک ''ھیولیٰ'' وہ جوہر ہے جس سے اجسام کی ترکیب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مادہ سے تمام اشیاء پیدا کیں۔ ایجاد میں کوئی اور سبب اس سے متقدم نہ تھا۔ اور وہ صرف مادہ اولیٰ تھا جو حضرت لاتعین (اللہ تعالیٰ) سے ظہور میں آیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کیلئے سبب بنایا۔

عرش: یعنی وہ عرش جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے: یہ نام آپ کا اس لئے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے تمام اجلالی اور جمالی اسماء کا مظہر ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ آپ پر مستوی ہے جس کا معنی وہی جانتا ہے وہ معنی نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے اور اس لئے بھی کہ ایک قول کے مطابق ''عرش'' اس عالم کا محیط ہے یا دوسرے قول کے مطابق وہ خود ''جملۂ عالم'' ہے اور مخلوق اول دراصل ''حقیقت محمدیہ'' ہے جو ''عرش'' کے مشابہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ مشابہت احاطہ کے اعتبار سے ہے۔ ایک خبر میں بھی وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا

خَلَقَ اللّٰہُ الْعَرْشَ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''عرش'' پیدا کیا۔

مرکز الدائرۃ: دائرہ سے مراد ''تمام اکوان'' ہیں اور مرکز وہ کیل ہے جس پر وہ دائرہ گھومتا ہے۔ جس طرح چکی کا مرکز درمیان میں موجود کیل ہوتا ہے۔ جو اس کو تھامے رہتا ہے اور اگر وہ سیدھا نہ ہو تو چکی ایک جیسے چکر نہیں لگا سکتی اور اس لئے بھی کہ جب لوگ ان خطوط کی طرف دیکھتے ہیں جو ایک نقطہ سے محیط کی طرف نکلتے ہیں تو وہ نقطہ پرکار کی دو ٹانگوں میں سے ایک کا مرکز ہوتا ہے اور جو دائرہ بنتا ہے وہ پرکار کی دوسری ٹانگ سے بنتا ہے یعنی پرکار کی دو ٹانگیں ہوتی ہیں جو سیاہی اٹھانے میں مشترک ہوتی ہیں لیکن وہ پرکار صرف ایک ٹانگ پر پھرتی ہے جو ایک جگہ پر کھڑی دوسری ٹانگ کے ارد گرد پھرتی ہے اور دوسری ٹانگ ایک ہی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ اس میں نہ کوئی خط بنتا ہے نہ دائرہ۔ لیکن دوسری ٹانگ کو خطوط اور دائرہ بنانے میں مدد کرتی ہے اور اس کی مدد بالکل مساوی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دوسرا خط پہلے خط کے بالکل مساوی بنتا ہے۔ اور تمام اگلے پچھلے خطوط مساوی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دائرہ نقاط اور خطوط کا مجموعہ ہوتا ہے جو بالکل متصل ہوتے ہیں۔ پس مرکزی نقطہ، دائرے کے ہر نقطہ کے مقابل ہوتا ہے اور دائرہ کا ہر ایک نقطہ وہ بعینہ باعتبار انفراد اور مقابل کے مرکز کا نقطہ ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مرکز کا نقطہ تمام نقاط دائرہ کا محیط ہوتا ہے لیکن وہ خود دائرہ کے نقاط میں سے نہیں۔ کیونکہ دائرہ کے نقاط گولائی میں اور ماقبل و مابعد کے ساتھ اتصال سے متصف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے مرکزی نقطہ۔ دائرے کے نقاط سے مختلف بھی ہے اب اسی مثال کو سامنے رکھیں۔ ''دائرۃ'' سے مراد اکوان ہیں۔ اور ان کا باہم اتصال مراد ہے۔ اور ''مرکز'' اشارہ ہے سکون امر کی طرف اور وہ ''حقیقت محمدیہ'' ہے جو قضاء و قدر کے تحت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو نافذ کرنا چاہتا ہے اس کی تنفیذ ہے۔

الوصل: چونکہ آپ کی ذات اقدس بعض اشیاء کو بعض کے ساتھ ایسی ملاتی ہے کہ وہ متحد دکھائی دیتی ہیں اور اس لئے کہ آپ کی ذات اقدس ظاہر و باطن کی واصل ہے۔ لہٰذا اس کا یہ نام رکھا گیا۔

الفیض الاول: یہ نام اس لئے ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے اپنی بارگاہ سے ظاہر کیا اور پھر ہر چیز کے عین پر آپ کا فیض ڈالا۔ اور ہر چیز کو آپ سے بنایا اس طرح کہ آپ کا فیضان اس پر ہوا۔ حضرات صوفیاء کرام نے یہ نام اس لئے تجویز فرمایا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ تمام اجسام ''اندھیرے گھر'' ہیں۔ جب انہیں حقیقت محمدیہ کے نور نے ڈھانپ لیا۔ تو وہ چمک اٹھے اور روشن ہو گئے ان کی یہ روشنی اور چمک ان انوار کی وجہ سے ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں تھے۔ اور آپ کو یہ انوار بطور فیض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملے تھے۔

الدرۃ البیضاء: چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت الٰہیہ کی تجلی کا محل ہیں اور کسی ایسی شے میں تجلی جو بالکل صاف ہو اور اس میں کسی قسم کا میل نہ ہو بہت واضح اور مضبوط ہوتی ہے۔ خبر شریف میں وارد ہے۔ ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ دَرَّةً بَيْضَاءَ'' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''درۃ بیضاء'' کو پیدا فرمایا۔ یہ حدیث طویل ہے۔

مرأۃ الحضرتین: اس سے مراد حضرت وجوب اور حضرت امکان ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت الوجوب کے ظہور اسماء اور صفات کا مظہر ہیں اور حضرت امکان کی تمام صورتیں اوصاف اور احکام بھی آپ میں ہی ظہور پذیر ہیں۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔

العلم الاول: یہ نام بایں وجہ رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعتبار سے کہ غیب سے اول موجود ہونے والے آپ ہی ہیں۔ یہ باطنی نشاۃ کے اعتبار سے ہے اور آپ ہی ''روح الکل'' ہیں اور ارشاد میں باعتبار نشاۃ ظاہرہ سب سے پہلے تعلیم دینے والا وہ بھی آپ ہیں۔ لہٰذا ملائکہ کا علم الاسماء کلہا آپ نے ہی سکھایا۔ اور آپ نے علم الاسماء خود سکھایا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے پردہ ہٹا دیا۔ تو وہ اس وقت مجموع الاسماء میں موجود ہو گئی۔ اس لئے ''حقیقت محمدیہ'' آدم ظاہرہ اور باطنہ کی صورت کا مجموعہ ہے۔

وَاِنِّیْ وَاِنْ كُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً ۔۔۔ فَلِیْ فِیْهِ مَعْنٰی شَاهِدٍ بِأُبُوَّتِیْ

میں اگرچہ صورت میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن ان میں میرے حق میں میرے باپ ہونے کی دلیل بھی موجود ہے۔

الامام المبین: یہ نام اس لئے کہ آپ نے موجودات کی تفصیل بیان کی اور موجودات کے اعیان کو ان میں جلوہ گر ہو کر ظاہر کیا جیسا کہ سیاہی حروف اور کلمات کو ظاہر کرتی ہے۔

الروح الکل: یہ اس لئے کہ ''روح'' ریح بمعنی ہوا سے مشتق ہے۔ دونوں میں مناسبت کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح ہوا کی کوئی صورت و شکل نہیں ہوتی جس سے اس کی پہچان ہو سکے صرف اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب اشیاء کو چھو کر گزرتی ہے تو انہیں حرکت دیتی ہے۔ یونہی ''روح'' بھی جب مرتبہ احدیت سے مرتبہ اسماء و صفات کی طرف چلتی ہے تو اسرار و علوم کی حامل ہو جاتی ہے اور عالم عناصر، عالم صور اور عالم اعیان مفصلہ کی طرف جب اس کا نزول ہوتا ہے تو انہیں ان کی استعداد و قوت کے مطابق حرکت دیتی ہے۔ روح ان میں نفوذ کر جاتی ہے۔ یہ نفوذ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے اس لئے کہ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے جو تمام مخلوق پر قائم ہے اور اس کا قیام آنکھ جھپکنے کی مانند ہے اور

روح ہر وقت اپنی شعاؤں یعنی خود اپنی ذات سے صادر ہونے والے نور میں پھرتی رہتی ہے جیسا کہ سورج سے نکلنے والی شعاع کا معاملہ ہے اور روح سے صادر ہونے والی شعاع سے مراد نفس، عقل اور تمام روحانی قوتیں ہیں اور اس کا نور کلی جو اصل ہے سورج کی ٹکیہ کی طرح ہے یہاں اس سے مراد حق کا وجود ہے جس نے روح الکل کو گھیر رکھا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ روح کے دو چہرے ہیں ایک چہرہ اپنے اصل کی طرف ہے اور وہ ''حق'' ہے اور دوسرا چہرہ اپنی فرع کی طرف ہے۔ اور وہ ''خلق'' ہے لہٰذا وہ حق سے امر لیکر قلم عقل سے نفس کی تختی پر تحریر کر دیتی ہے۔ پھر اسے اقوال و اعمال کے اعتبار سے اعضاء پڑھتے ہیں۔ اس کے بارے میں ''کلی'' اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ یہ تمام صورتوں پر قائم ہے اور ان کو محیط ہے۔ سو اہل اللہ اپنے علم سے دیکھتے ہیں تو انہیں ساری کائنات ارواح مقدسہ اور اسرار مخفی نظر آتی ہے۔

الوجود الساری: یہ اس لئے کہ اگر وجود حق کا موجودات میں سرایت کرنا ایسی صورت کے ساتھ جو اسی کی طرف سے ہے یعنی حقیقت محمدیہ تو عالم کا ظہور نہ ہوگا اور نہ ہی کسی موجود کا وجود صحیح ہوتا کیونکہ مناسبت بہت دور کی بات تھی اور ارتباط کا فقدان تھا لہٰذا موجودات کیلئے وجود کی نسبت اسی حقیقت کے واسطہ سے ہوئی۔

الانسان الکامل: بایں وجہ کہ ہر انسان کامل باعتبار اپنی ظاہری اور باطنی صورت کے آپ کا مظہر ہے اور آپ کے لوازم کا مظہر ہے۔

الخزانۃ الجامعۃ: چونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے علم سے کنایۃ ہے جو اس کے اسماء اور حقائق عالم کا ہے۔ لہٰذا ہر وہ جو غیب سے نکلتا ہے۔ اس کا محل یہی خزانہ جامعۃ ہے۔

الصورۃ الرحمانیہ: اس لئے کہ حقیقت محمدیہ ہی وہ صورت ظاہرہ بالذات ہے جو اجتماع اول اسمائی سے حاصل ہوئی تو وہ صورت رحمٰن ہوئی اسی لئے کہ اس کا مدلول وہ ہے جو رحمت عامہ ہے اور دوسری کوئی شے ایسی نہیں مگر یہی صورت۔ لہٰذا ''رحمٰن'' اس صورت وجودیہ کا نام ہوا۔ لیکن بحیثیت ظہور لنفسہ۔ جیسا کہ لفظ ''اللہ'' اس اعتبار سے کہ یہ مشتق ہے۔ مرتجل ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ یہ (اللہ) نام ہے اس مرتبہ الوھیۃ کا جو حقائق کا جامع ہے۔ اور اس حقیقت محمدیہ کے اسماء کا اسی قدر ذکر صاحب فہم لوگوں کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ ویسے یہ ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اسی لئے خبر میں وارد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتِیْ غَیْرُ رَبِّیْ'' میری حقیقت میرے رب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور العارف الکبیر کا قول ہے کہ ہمارے ساتھی سابقہ لوگوں اور بعد میں آنے والوں

تندرست کیا کرتے تھے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اس تحریر میں اور اضافہ کر دیا۔ امیر عبدالقادر جزائری کا کلام یہاں ختم ہوا۔

اس کتاب کا جامع یعنی فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ گوش گزار ہے۔ کہ میں نے اپنی تصنیف ''شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں مذاہب اربعہ کے مشہور ومعروف علماء کرام کی نقول سے ابن تیمیہ کی بعض زلات وہفوات کا تذکرہ کیا اور ان کی تردید کی۔ جو موصوف نے حضور سید الخلق، حبیب الحق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض حالات واوصاف میں کیں۔ اس قدر کھل کر وہاں میں نے رد لکھا کہ اس کے ہوتے ہوئے زیادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ میری یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ اور اکثر اسلامی ممالک میں پہنچ چکی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ان تمام مومنین نے اسے بہت پسند کیا اور قبول کیا جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے ہیں۔ میں نے جب اپنی مذکورہ کتاب تصنیف کی تو مجھے اس مکروہ وشنیع عبارت کا علم نہ تھا۔ جو (ابن تیمیہ کی) امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ یعنی ابن تیمیہ کا کتاب ''الشفاء'' جو قاضی عیاض کی تصنیف ہے کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا ''لَقَدْ تَغَالَی هٰذَا الْمُغَيْرَبِیُّ'' میرے اس خیر خواہ نے ہی میرے ساتھ دھوکا کیا۔

خدا کی قسم! ابن تیمیہ نے مذکورہ الفاظ کہہ کر نہایت فحش کلام کیا۔ واضح غلط کہا۔ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ معمولی شخصیت نہیں اور ان کے بارے میں ''المغیر لی'' نہیں کہا جا سکتا۔ خاص کر ان کی کتاب ''الشفاء'' کو پڑھ کر کیونکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ مسلمانوں میں اس موضوع پر ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ ان مشاہیر ائمہ میں سے ایک ہیں۔ اور ان جلیل القدر اور اجل علماء میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے اور ان کی یہ کتاب الشفاء اس کو تو امت محمدیہ نے بالاتفاق وبالاجماع قبول کیا ہے۔ ان کے دور سے آج تک علماء اور عوام اس کو مطمع نظر بنائے ہوئے ہیں اس کے ہزاروں لاکھوں نسخہ جات خوبصورت اوراق پر، خوبصورت تحریر سے سونے چاندی کے ساتھ جڑاؤ کیے ہوئے مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہیں۔ اور شائد ہی کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی ہو کیونکہ ہر مسلمان اسے شعائر دین میں سے جانتا ہے۔ ہمیں اس کتاب کے مقام کی کوئی دوسری کتاب دکھائی نہیں دیتی اور ایسی عظیم فضیلت کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتی۔ لیکن قرآن کریم مستثنیٰ ہے سو یہ کتاب اس جہت سے ''صحیح بخاری'' کی مانند ہے کہ جس طرح کتب احادیث میں اس کی مثال نہیں اسی طرح حقوق وآداب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ کتاب لاثانی ہے اور یہ سب کچھ اس کتاب کو حاصل اس لئے ہوا کہ

اس کے مولف و مصنف امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ صاحب خلوص شخصیت تھے اور اس کتاب کا موضوع حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات وغیرہ تھے۔

ابن تیمیہ کی مذکورہ فحش غلطی سے زیادہ رسوا کن اس کا یہ زعم ہے کہ قاضی عیاض نے حضور سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح میں غلو کیا ہے۔ حالانکہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکے جہاں یہ کہا جا سکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تجلیل جس قدر واجب وضروری ہے۔ قاضی عیاض نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حقیقت کا بیان جس سے آپ قرب خداوندی سے متصف ہیں۔ اس کو کما حقہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے اس کتاب میں بیان کر دیا؟ اور جو شخص میری اس کتاب ''جواھر البحار'' میں ان عبارات و نقول پر مطلع ہو گا جو میں نے مختلف ائمہ، علماء، فقہا، محدثین اور ان اولیائے مقربین کی تحریر کی ہیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندیٔ مرتبت ''عین الیقین'' سے دیکھی ہے۔ وہ یقیناً جان لے گا کہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ''الشفاء'' میں تحریر کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندیٔ قدر و منزلت کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔

میں نے ابھی کچھ پہلے ابن تیمیہ کی ایسی باتیں بھی نقل کیں جو نفع بخش تھیں جن سے نورانیت ٹپکتی تھی۔ یعنی موصوف کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' کے اقتباسات وغیرہ۔ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف پر ان اچھی باتوں کے طفیل رحم فرمائے۔ اور اس کی یہ خطائیں اس کے حسن نیت کی وجہ سے معاف فرمائے۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔ موصوف اپنے ''مجتہد'' ہونے کا مدعی تھا۔ اور اپنے ''اجتہاد'' سے جو اسے صحیح وصواب دکھائی دیتا وہ کہہ دیتا تھا اس کے اظہار سے شرماتا نہ تھا۔ اگر چہ وہ بات تمام مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اکابر ائمہ دین کا بھی احترام تھا۔

جوہر ۴: امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ موقف ایک سو دو (۱۰۲) میں لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ اے محبوب! تم جسے پسند کرتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے (القصص:56)۔ اور دوسری جگہ مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ (الشوریٰ)۔ آپ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقیناً صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔ وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ۔ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں ہیں (النمل:81)

معلوم ہونا چاہئے کہ ان آیات کے درمیان کوئی تعارض (ٹکراؤ) نہیں ہے۔ نفس الامر اور حقیقت میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں صرف سرسری نظر سے ان میں تعارض دکھائی دیتا ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں کو جو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ نہیں پہچانتے اور جسے اس بات کا عرفان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے ہاں کیسے ہیں۔ وہ ان آیات میں استراحت پاتا ہے اور اس قسم کی دیگر آیت سے اسے کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندوں کے ایمان لانے اور ہدایت پانے کے شدید متمنی تھے اور آپ کی یہ خواہش تھی کہ لوگ اپنی نجات کے راستہ کے تابع ہو جائیں جیسا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تمنا کی خبر بھی دی ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (التوبہ:128)۔ جو بات تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے وہ ان پر بہت گراں گزرتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ۔ تمہارے واسطے آپ بہت حریص ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شفقت فرماتے ہوئے کہا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ ۔ شاید آپ اپنے آپ کو قتل کر دیں گے اس بات پر کہ لوگ مومن نہیں ہوتے (الشعراء)۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ اگر وہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو افسوس کرتے ہوئے شائد آپ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں (الکہف)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق (موصوف) ہوتے تھے اور اخلاق باری تعالیٰ آپ میں متحقق ہوتے تھے اللہ تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں سے ایمان و ہدایت محبوب ہے۔ فرماتا ہے۔ اِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر:7)۔ اگر تم شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ ہرگز ذہن میں نہ لایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت و محبت اور اللہ تعالیٰ کی چاہت ایک دوسرے کا غیر ہیں۔ بلکہ آپ بھی وہی پسند کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ٹکراتا ہو۔ محبت اور ارادہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ جب ایک عام ولی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دریا کا ایک قطرہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں وہ جب اپنے کمال کی انتہاء تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا ارادہ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک ہو جاتے ہیں پھر وہ ارادۂ قدیمہ کا جس سے تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کوئی دوسرا ارادہ نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ اسے ازروئے شرع یا طبع اچھا نہ لگے۔ یا شرعاً اور طبعاً اس کی ضد کو زیادہ پسند رکھتا ہو۔ اس لئے وہ کسی چیز کو جب ''کن'' کے ارادے سے ''بسم اللہ'' کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور یہ صرف اسی لئے ہوتا ہے کہ اس ولی کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے متحد ہو چکا ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ''کامل'' کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی

ممکن اس کی قدرت کے سامنے ممتنع نہ ہو۔ (یعنی ممکنات میں سے جو چاہے کر سکے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی قدرت کے سامنے کوئی ممکن، ممتنع نہیں ہوتا۔ امور کے خزانے اس کے حکم میں ہیں اور ان کی چابیاں اس کے دست قدرت میں ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے نازل فرماتا ہے (جب ولی کی یہ حالت ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر آپ کی حالت کیا ہوگی؟ آپ ہی تو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان ''برزخ'' ہیں۔ آپ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور دوسری طرف سے اس کی مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ بلکہ آپ تو ایک ہی ''طرف'' ہیں۔ کیونکہ آپ کی ذات کی تقسیم نہیں ہے اور حق بھی یہی ہے اور اسی غیر منقسم حالت پر آپ کی تخلیق ہوئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی طرف سے اس کی پسند اور ارادے میں ''بصیرت'' پر ہیں اور آپ ہی اپنے رب کی مراد کے نافذ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے بارے میں ہدایت، گمراہی یا کفر وایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کو نافذ کرنے والے من حیث الحقیقۃ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں۔ لہٰذا آپ علم قدیم اور ارادہ ازلیہ کے مظہر ہوئے۔ اس لئے آپ کا ارادہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے علم کے تابع ہوتا ہے اس لئے وہ وہی ارادہ کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور اس کا علم تبدیل نہیں ہوتا متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس کے علم میں تغیر وتبدل جائز ہوتا تو وہ علم نہ کہلاتا اور جب وہ ایک حقیقت ہے تو حقیقت کا تبدیل ہو جانا (انقلاب حقیقت) محال ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی معلومات وہ اس کے اسماء کی صورتیں ہی ہیں اور اسماء کا تغیر وتبدل محال ہے۔ کیونکہ جو بات اس کی ذات کیلئے بطور تنزیہ ثابت ہے وہ اسماء کیلئے بھی ثابت ہے۔ یعنی جب اس کی ذات تغیر وتبدل سے پاک ہے تو اس کے اسماء بھی اس سے پاک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط (البقرہ:272) (لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) یہ اثبات ہے۔ اس قول کے ذریعہ اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ شائد کوئی وہم کرے کہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بغیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے اور اس کی قدرت کے بغیر ہو جاتی ہے۔ اس قول کے بعض گمراہ فرقے قائل بھی ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ارادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور وہی پسند فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پسند ہوتی ہے آپ ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ ہر چیز کا تعلق آپ کے ساتھ ہی ہے اگر واسطہ نہ ہوتا تو کام ختم ہو جاتا (یعنی مخلوق نہ ہوتی یا ہوتی تو اسے کچھ نہ ملتا) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ صفات کے مظہر ہیں جس مرتبہ کو فعل اور تاثیر کی صفت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (الانعام:117)۔ وہ ہدایت یافتگان کو خوب جانتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہدایت یافتہ لوگوں کا علم، علم رسول، علم فرشتہ اور علم ولی سے کہیں زیادہ ہے یعنی وہ لوگ جن میں ہدایت کی استعداد و قابلیت ہے اور وہ اس کے حقائق کے طالب ہیں اور ان کی قسمت میں اس کی قبولیت بھی ہے۔ اس لئے کہ علمی حقائق ''شخص'' کی مانند اور ظاہری اعیان ان کا ظل ہیں اور ''شخص'' ہیں جو ٹیڑھ پن یا راستی، لمبائی یا چھوٹا ہونا، رقیق ہونا یا گاڑھا ہونا مثلاً یہ سب اس کے ظل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ضروری بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو جب ان استعدادات پر مطلع فرماتا ہے جو علم میں اعیان ثابتہ ہیں تو اس غیر کو جو بھی علم حاصل ہوا اور جتنا بھی حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہی حاصل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اس حیثیت سے جانتا ہے کہ ان کا تعین نہ تو علم میں ہے اور نہ ہی عین میں۔ لیکن ان کیلئے علم و عین میں تعین کی صلاحیت موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الآیۃ (الشوریٰ) اس سے مراد ''نجات کا راستہ ہے''۔ لہٰذا آیت کریمہ میں ہمارے قول کا اثبات ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کبریٰ آپ کو حاصل ہے۔ اور آپ بیشک اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ہدایت یافتہ کیلئے حصول ہدایت یا تو عقول کے واسطہ سے ہے۔ یا حضرات انبیاء کرام کے واسطہ سے ہے اور یہ دونوں واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی ''نور اصلی'' ہیں اور آپ ہی سے ہر نور ہے اور ہر حقیقت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حقیقت ہیں۔

جوہر ۵: امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ ایک سو اکسٹھ نمبر موقف میں رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ''جب تم عرفات سے چل پڑو تو مشعر حرام کے نزدیک پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو (البقرہ:198)۔ ''مشعر حرام'' سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو آپ کی تعظیم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ لہٰذا آپ ''مشعر'' ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ الآیۃ (الحج:32)۔ جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے وہ دل کا متقی ہے اور مذکورہ آیات میں ''مشعر حرام'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اس لئے بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حقیقت کے اعتبار سے شعور و معرفت کا محل ہیں لہٰذا کسی ولی اور آپ کے بعد آنے والے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کیلئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے تجاوز کرے یا اسے تبدیل کرے یا اس کے کسی حکم میں تغیر کرے۔ ولی کامل، عظیم المنزلت اور قرب وولایت کے اعلیٰ درجات پر فائز شخصیت کی انتہاء اور حمایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی ان باتوں کی تعلیم دے۔ جن سے عوام جاہل ہیں۔ لہٰذا وہ خبر دے گا کہ یہ حکم جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا حکم ہے اور اس حکم میں نقل کرنے والوں نے غلطی کھائی ہے۔ پس انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور وہ شخصیت یہ بھی بتاتی ہے کہ فلاں حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں سے نہیں ہے۔ اس میں بھی نقل کرنے والوں نے غلطی کھائی ہے اور اسے آپ کی شریعت میں داخل کر دیا ہے۔ اس کے سوا اس شخصیت کا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ سو شریعت محمدیہ کا سلسلہ سالک کی گردن سے جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی واصل باللہ کی گردن اس شریعت سے خالی ہوتی ہے عالم باللہ اور جاہل ہر ایک کی گردن کا طوق ہوتی ہے۔ لہٰذا مومن مشفق کو اپنے دین کے بارے میں ایسے زندیقوں سے بچنا چاہئے اور ایسے ملحدوں سے ہوشیار رہنا چاہئے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عین حقیقت تک پہنچ چکے ہیں اور اب انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت نہیں رہی یا یہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کماحقہ حقیقت تک رسائی تمام مخلوق کیلئے حرام ہے نہ کسی کو معلوم ہو سکی اور نہ کوئی معلوم کر سکے گا۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ (البقرہ:۱۹۸) اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت کی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیم وتوقیر کے ساتھ یاد کرو۔ اور آپ کے واسطہ بننے کی قدر ومنزلت کو پہچانو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت آپ کے واسطہ سے ہوئی اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی آپ کے وسیلہ سے ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ (الشوریٰ)۔ اور آپ بیشک صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نبی اور ولی کے مددگار ہیں اور اس وقت سے مددگار ہیں جب کائنات کی تخلیق ہوئی اور اس وقت تک معین ہیں جس کی انتہا نہیں۔ عارف ہو گیا وہ جس نے آپ کو پہچانا اور جاہل رہا جو جاہل رہا جب کوئی ولی یوں کہتا ہے ''کہ اللہ تعالیٰ نے یوں یوں فرمایا ہے'' تو اس کا یہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے واسطہ کے بغیر ناممکن ہے اور اکابر اس سے بے علم نہیں ہیں۔

جوہر ۶: امیر عبدالقادر رضی اللہ عنہ اپنی کتاب کے موقف ۲۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور سید کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات بیان کرنے کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔
وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب) ہم نے آپ کو سراج منیر بنا کر مبعوث کیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ روشنی دینا "سراج" کیلئے لازم ہوتا ہے اور جس طرح "منیر" سراج کی صفت کاشفہ بنتا ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ "منیر" کا معنی دوسرے کو روشن کرنا ہو۔ کیونکہ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح وارد ہوا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سراج کے لئے "سراج منیر" ہیں۔ یعنی آپ ہر چراغ کو روشن کرنے یا روشنی دینے والے ہیں اور جس طرح حسی یعنی دکھائی دینے والے چراغ سے جب بہت سے چراغ روشن کئے جائیں تو بلاشک یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک چراغ ان کثیر تعداد میں جلنے والے چراغوں کو متضمن ہے اور وہ اس میں بالقوۃ موجود تھے۔ پھر محسوسات میں آ کر دکھائی دینے لگے اور وہم میں اس سے جدا ہو گئے۔ لہٰذا یہ سب چراغ دراصل اور فی الحقیقت اور علم کے اعتبار سے وہ ہی ہیں اور وہم و حکم کے اعتبار سے یہ اس ایک کا غیر ہیں۔ یونہی حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حسی اور معنوی چراغ کو روشن کرنے والی ہے۔ خواہ وہ چراغ نبی ہو یا ولی، فرشتہ ہو یا شمس و قمر و نجوم ہوں۔ مظہر اول وہی حقیقت محمد یہ ہے اور حقیقت کلیہ جامعہ بھی رہی ہے اور تمام روشن چراغ بالقوۃ اس میں موجود ہیں اور وقتاً فوقتاً بالفعل ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی وہی حقیقت محمد یہ تعین خاص کے ساتھ متعین اور تمیز خاص کیساتھ متمیز ہو کر نظر آتی ہے۔ لہٰذا تمام چمکنے والے چراغ تعین و تمیز اعتباری کے پیش نظر اس کا غیر ہیں اور وہ (حقیقت محمد یہ) حقیقت اور عین کے اعتبار سے ان کا عین ہے۔ جیسا کہ ایک ہی شخص مختلف لباس زیب تن کر کے دکھائی دیتا ہو۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حیث الحقیقۃ ہر لباس میں آپ ہی ہیں اور اختلاف لباس اور تعدد لباس کے اعتبار سے اس کا غیر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جو ہر ۷:۲۰۵ موقف میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ بیشک ہم نے آپ کیلئے فتح مبین فرمائی۔ تا کہ آپ کیلئے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا کرے۔ (الفتح)

اس فتح سے مراد "فتح ولایت" ہے نہ کہ فتح رسالت۔ اس لئے کہ "فتح رسالت" کا تعلق ایسے احکام (اوامر و نواہی) کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو مخلوق کی مصلحت کیلئے ہوتے ہیں۔ اور مخلوقات کیلئے جو اشیاء ان کے معاد و معاش کیلئے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ان میں غور و فکر سے ہوتا ہے۔ جو زمانہ اور حالات سے تعلق

رکھتی ہیں اور اسباب کا ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہونا اور اشیاء کا ان کی شریعت پر مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔لہٰذا یہ تجلی کی اپنی ضد کے ساتھ خدمت ہوئی اور اس کی نقیض کے ساتھ معارضہ کرنا ہے اور امر شرعی کی طرف نظر کرنا ہے۔امر ارادی کی طرف نظر کرنا نہیں۔لیکن ''فتح ولایت'' کا معاملہ یہ نہیں وہ مطلق فتح ہوتی ہے جس کا تعلق صرف اشیاء کی حقیقت، مبادی اور نہایت سے ہوتا ہے۔اس کے درمیان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اور نہ ہی اس میں اسباب، شروط، موانع، اوضاع شریعہ اور اوضاع حکمیہ ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ (فتح ولایت) امر ارادی کے تحت ایک سکون ہے اور تجلیات کی اس وقت تک مساعد و معاون ہوتی ہے۔ جب تک ان کی دولت ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ نہ معارضہ ہے اور نہ منازعہ اور مناقضہ ہے اور یہ (فتح ولایت) نبوت و رسالت کے علاوہ ایک شیٔ ہے اور وراثت کاملہ سے الگ چیز ہے۔ جو دعوت الی اللہ کا مقام ہے۔''لِیَغْفِرَ لَکَ ''یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کیلئے آپ کی خاطر اس فتح سے قبل اور اس کے بعد آپ کے گناہ یعنی آپ کی امت کے گناہ معاف کر دے۔ امت کے گناہوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ ہر رسول کی حقیقت اس کی امت کے مجموعی حقائق ہی ہوتی ہے۔لہٰذا ''رسول'' کل ہوتا ہے اور امتی اس کے اشخاص ہوتے ہیں جب ہر رسول کا یہ معاملہ ہے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ کیسا ہوگا جو ان تمام کل (انبیاء کرام) کے کل ہیں۔ اور تمام عناصر کے عنصر، جنس اعلیٰ، جوہر الجواھر، حقیقۃ الحقائق اور روح عالم ہیں اور تمام کائنات کے محرک ہیں۔ کتب احادیث میں وارد ہے۔اِذَا دَخَلَتُ الشَّوْکَۃُ فِی رِجْلِ اَحَدِ کُمْ اَجِدُ اَلَمَھَا۔جب تم میں سے کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مجھے بھی اس کا درد ہوتا ہے۔

''وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ ''اور تا کہ اس فتح مبین اور کشف مبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت مکمل فرمائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ کا نفس مطمئن ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی امت دعوت کے بارے میں بہت پریشان رہتے تھے تو امت اجابت کے بارے میں پریشانی کو کون جان سکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝۔لوگوں کے مومن نہ ہونے پر شائد آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (الشعراء:3)۔اور یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰتٍ آپ کا دل ان پر افسوس کرتے کرتے کہیں ختم نہ ہو جائے (فاطر:8)۔یہ آیات کریمہ ''امت دعوت'' کے بارے میں ہیں۔''امت اجابت'' کے بارے میں ارشاد ہے۔عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ۔تمہیں مشقت میں ڈالنے والی بات ان پر گراں گزرتی ہے اور تم پر بڑے ہی حریص ہیں

(التوبہ:128)۔تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس فتح مبین کے ساتھ راحت وسکون عطا فرمایا۔ اور آپ کو بتایا کہ آپ کے امتیوں میں سے جو گناہگار ہیں۔ ان کیلئے مغفرت ہے اور مطلوبہ سعادت اور پسندیدہ انجام تک ان کی رسائی ہوگی۔ اور اگر ان میں سے بعض کو ہلکی پھلکی سزا مل جائے تو وہ مغفرت کے خلاف نہیں ہے۔ خاص کر جب اسی گناہ کا دوسری امتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو آپ کی امت کیلئے ان کے مقابلہ میں کچھ بھی سزا نہ دی گئی۔

یہ بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ فتح کا معنی (اس آیت میں) عام ہو اور وسیع تر ہو وہ اس طرح کہ فتح سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت عامہ اور ہر ایک کو شامل رحمت پر مطلع کیا ہو اور یہ اطلاع غضب الٰہی کے نفوذ کے بعد دی گئی ہو۔ کیونکہ تمام بنی آدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں اور حضرات انبیاء کرام آپ کے نائب اور آپ کے خلیفہ ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِمَّ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہے۔ یہ حدیث امام حاکم اور بیہقی نے ذکر کی ہے۔ ''مکارم اخلاق'' سے مراد مختلف انبیاء کرام کی شریعتیں ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان شریعتوں کو لانے والے سب سے اول ہیں اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنی روحانیت کے مظاہر یعنی حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ مختلف شریعتیں لوگوں تک پہنچائیں اور آپ ہی سب سے آخر ان کی تکمیل فرمانے والے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپ کی عنصری صورت کا ظہور سب سے آخر میں ہوا۔ پس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی رسول تھے جب حضرت آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اسے ابونعیم نے'' حلیہ'' میں ذکر کیا ہے۔

تتمّہ

میں اس میں وہ بعض مواقف تحریر کروں گا جو امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ کی ولایت عظمیٰ پر دلالت کرتے ہیں آپ ان اعلیٰ درجہ اولیاء کرام میں سے ہیں جو متاخرین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے ان کا زمانہ تو پایا لیکن ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ میں یہاں ان کی یہ بات اس لئے ذکر کر رہا ہوں کیونکہ وہ ولی ہونے میں مشہور نہ ہوئے اور عام لوگ ان کے بارے میں بے خبر تھے۔ اور جس قدر اس کتاب (جواہر البحار) میں میں نے دیگر حضرات کی تحریرات درج کیں ان کے قائلین کی ولایت سے عام لوگ بھی واقف تھے۔ ان (امیر عبدالقادر جزائری) کا زمانہ چونکہ بہت بعد کا ہے اس لئے شہرت نہ پائی۔ دوسری وجہ ان کی ولایت کے ذکر کرنے کی یہ ہے کہ موصوف دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی ولایت کی فضیلت لوگ نہ جان سکے اور ان کے اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہچان سکے۔ اگرچہ لوگوں کا ان سے میل جول کافی تھا کچھ وہ بھی تھے جو ان کی ولایت کے معترف تھے لیکن اس میں اعلیٰ درجہ کے حصول سے ناواقف تھے۔ لوگ انہیں بہت بڑا عالم، متقی اور غنی سمجھتے تھے۔ مال و اسباب کی کثرت کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے ممتاز سخی تھے۔ ان کی نعمتوں سے بہت سے علماء اور غریب لوگ ہر مہینہ اپنا اپنا حصہ پاتے تھے۔ افریقہ کے باشندے جن میں ان کے اپنے رشتہ دار تھے اور دوسرے بھی ہر ماہ وہ بھی مقرر وظیفہ حاصل کرتے تھے۔ شام کے رہنے والوں میں سے ان کے تلامذہ وغیرہ انسے عطیہ جات وصول کرتے تھے۔ شعراء کو انعام دیا جاتا۔ اہل علم وغیرہ محتاجوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ میں یہاں ان کے موقف سے صرف دو موقف ذکر کروں گا جن سے ان کی اعلیٰ قدر و منزلت اور ولایت میں اعلیٰ مرتبہ کا اظہار ہو سکے گا اور اس بات کا بھی پتہ چل جائے گا کہ موصوف اکابر عارفین میں سے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکات سے نفع بخشے۔

موصوف رضی اللہ عنہ نے تراسیویں (۸۳) موقف میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾** (الضحیٰ)۔ اپنے رب کی نعمت کا چرچا کیا کرو۔ یہ آیت کریمہ غیبی القاء سے مجھ پر القاء کی گئی اور اتنی مرتبہ القاء کی گئی کہ شمار نہیں کر سکتا اور عام مفسرین نے جو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ذکر فرمایا۔ وہ بالکل ظاہر ہے لیکن جو اس آیت کے بارے میں مجھ پر القاء کیا گیا وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ''نعمت'' سے مراد ''علم اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نعمت'' ہے اور اس علم کا نام ہے جو حضرات رسولان عظام علیہم الصلوۃ والسلام لائے۔ یعنی معاملات اور امور غیبیہ اور بلاشک یہ نعمت

تمام نعمتوں سے عظیم ہے۔ دوسری نعمتوں کو نعمت کہنا اس کے مقابلہ میں مجازاً ہے اور آیت کریمہ میں جو فرمایا گیا کہ "نعمت کا چرچا کرو" اس سے مراد مذکورہ نعمتوں کا پھیلانا، شائع کرنا اور ان کے مستحقین و مستعدین کو ان کے قبول کرنے پر تیار کرنا اور ابھارنا ہے۔ اس لئے کہ ہر علم ہر آدمی کے لائق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی تمام لوگ تمام علوم کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ ہر علم کے مخصوص افراد اہل ہوتے ہیں جن میں اس علم کے قبول کرنے کی استعداد صلاحیت ہوتی ہے اور وہ صاحب ہمت ہوتے ہیں اور انہیں اس علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ یا "نعمت کے چرچا کرنے" سے مراد نعمت کا عام اظہار ہے۔ خواہ اس کا اظہار قول کے ذریعہ کیا جائے یا فعل کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَنْعَمَ عَلٰى عَبْدٍ نَعْمَةً اَحَبَّ اِنْ يُرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت بخشتا ہے تو وہ یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر بندے پر نظر آئے۔ لہٰذا جب کوئی نعمت ایسی ہو جس کا اظہار فعل سے ہوتا ہو تو اس کا فعل سے اظہار کیا جائے اور اگر قول سے ظاہر ہونے والی نعمت ہو تو اس کا اظہار قول کے ذریعہ کیا جائے اور نعمت کا چرچا کرنا جیسا کہ "حمد عرفی" میں بیان کیا جاتا ہے وہ عام ہے خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا اعضائے جسم سے ادا ہو۔ (یعنی جس طرح عرفاً تعریف تینوں طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اس طرح نعمت کا چرچا بھی تینوں طریقوں سے کیا جانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت جو اس نے مجھے بخشی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے مجھے اپنے نفس کی معرفت مرحمت فرمائی اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مجھے القاء کیا یا خطاب سے نوازا وہ قرآن کریم سے ہی ہوتا ہے۔ وہ قرآن عظیم باطل جس کے سامنے اور پیچھے ہرگز نہیں آسکتا اور جو حکیم اور حمید نے اتارا ہے اور قرآن کریم سے مناجات دراصل وراثت محمدیہ کی ہی ایک بشارت ہے۔ اس لئے کہ جو حضرات اس مقام وشان کے مالک ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "جس کو جس نبی کی زبان میں مناجات دی جاتی ہے وہ اسی نبی کا وارث ہوتا ہے جس کی وہ بولی ہوتی ہے اور جسے قرآن کی مناجات (یعنی عربی کی مناجات) دی جاتی ہے۔ وہ تمام انبیاء کرام کا وارث ہوتا ہے اور وہ "محمدی" ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن تمام زبانوں کا متضمن ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام مقامات کا متضمن ہے۔

اللہ رب العزت کی ایک اور نعمت جو مجھے نصیب ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبر کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلام عرض کرنے کے بعد میں مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

آپ کا غلام آپ کے آستانہ پر حاضر ہے۔ یارسول اللہ! آپ کا کتا آپ کی دہلیز پر موجود ہے۔ یارسول اللہ! آپ کی ایک نظر سے میرا کام بن جائے گا اور میں بے پرواہو جاؤں گا۔ یارسول اللہ! آپ کی ایک مہربانی میرے لئے زندگی بھر کیلئے کافی ہو جائے گی۔ جب میں نے یہ عرض کیا تو میں نے سنا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔ ''أَنْتَ وَلَدِیْ وَ مَقْبُوْلٌ عِنْدِیْ بِھٰذِہِ السَّجْعَةِ الْمُبَارِکَةِ'' تو میرا بیٹا ہے اور اس مبارک انداز عرض سے تو میرے ہاں مقبول ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے جو مجھے ''اپنا بیٹا'' فرمایا۔ اس سے مراد صلبی بیٹا ہے یا قلبی بیٹا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے امید ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں گے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک سننے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کہی پھر میں نے اسی موقف میں عرض کی اے اللہ! اس سماع کو حقیقت کا جامہ پہنا دے اور مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کا دیدار عطا فرما دے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار (خواہ خواب میں ہی کیوں نہ ہو) وہ آپ ہی کا دیدار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دیدار کو معصوم و محفوظ کر دیا ہے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ رَأٰنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِیْ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری شکل وصورت اختیار نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کے کلام کی سماعت معصوم و محفوظ نہیں۔ (مطلب یہ کہ خواب میں آپ کا صرف کلام سننا اور آپ کو نہ دیکھنا اس میں یقین نہیں کہ واقعی اور حقیقةً آپ کا ہی کلام تھا؟)

اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے سامنے بیٹھ گیا اور مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ میں نے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھا کہ اچانک مجھ سے چیخ نکلی اور میں دنیا سے بے خبر ہو گیا اور مسجد شریف میں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر و اذکار اور دعاؤں سے جو آواز سنائی دے رہی تھی۔ مجھے اس کی بھی کوئی خبر نہ رہی۔ بلکہ میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا۔ اس کیفیت میں میں نے کسی کہنے والے سے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ دیکھو ہمارے تہامی آقا و سید تشریف فرما ہیں'' میں نے اس بے خبری کے عالم میں نظر اٹھائی تو میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر پڑ گئی۔ آپ اس وقت روضہ انور سے قدموں کی طرف سے لوہے کی بنی کھڑکی سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ پھر آپ دوسری کھڑکی کی جانب تشریف لے گئے اور جس طرف میں تھا اس طرف سے اسے کھولا۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ چمکتا سرخی مائل چہرہ، بھرا جسم اور مضبوط شخصیت تشریف فرما ہے۔ وہاں یہ فرق تھا کہ اصحاب شمائل نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کی رنگت

بیان فرمائی۔اس سے مجھے آپ کے چہرہ اقدس کی رنگت ذرا زیادہ سرخ دکھائی دی۔جب آپ میرے قریب تشریف فرما ہوئے تو میں ہوش وحواس میں آ گیا۔میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی۔اس کے بعد میں پھر ذکر باری تعالیٰ میں مشغول ہو گیا۔دوبارہ مجھ سے پہلے کی طرح چیخ نکلی تو اس کے فوراً بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہوا۔ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (الاحزاب:53) جب تمہیں دعوت کھانے کیلئے بلایا جائے تو اندر آ جایا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو چلے جایا کرو۔جب میرے ہوش وحواس درست ہو گئے تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی۔اور آیت مذکورہ میں غور وفکر کیا۔مجھے اس میں مختلف اقسام کی بشارتیں نظر آئیں۔آیت مذکورہ میں لفظ ''اِذَا'' تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔اس لئے ''اِذَا دُعِيْتُمْ'' بمعنی ''قَدْ دُعِيْتُمْ'' ہے اور ''دعیتم'' ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ جس میں داعی (دعوت دینے والے) کا ذکر نہیں ہے۔اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کی دعوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دونوں کو شامل ہے۔پھر'' فادخلوا'' صیغہ امر جو دعوت کے بعد مذکور ہوا۔اس میں انتہائی تکریم وتشریف پائی جاتی ہے۔''وَاِذَا طَعِمْتُمْ'' اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ'' دعوت'' کا مقصد'' اکرام،انعام اور اطعام'' ہے۔اس کے بعد جو فرمایا کہ فارغ ہو کر چلے جایا کرو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اکرام کے بعد چلے جانے کی اجازت ہے اور یہ خبر دینا کہ'' دعوت'' اکرام کیلئے ہے اور انعام کے حصول کے بعد چلے جانے کی اجازت دے دینا،انتہائی عنایت اور نہایت کرامت ہے۔

اس کے بعد میں ذکر خدا میں متوجہ ہو گیا۔اس مرتبہ پھر مجھ سے چیخ نکلی۔تو مجھ پر یہ آیت القاء ہوئی۔اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۞ (الحجر) تم اس سلامتی کے ساتھ اور امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ۔ جب میں ہوش میں آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کہی کہ اس نے دوبارہ مجھے بشارت دی ہے۔

میں پھر ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔اس مرتبہ حالت استغراق میں مجھ پر یہ آیت القاء ہوئی۔وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے ان کے رب کے ہاں'' قدم صدق'' ہے (یونس:2)۔اور مجھے معلوم ہوا کہ'' قدم صدق'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔اور آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں اس خوشخبری کو آپ کی امت کی طرف پہنچانے میں واسطہ بن جاؤں۔

پھر میں ذکر کی طرف زیادہ متوجہ ہو گیا۔تو پھر مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ (آل عمران:73) فرما دیجئے۔فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔جب میں باہوش ہوا تو میں نے اللہ کی حمد کہی۔اور میں نے جانا

کہ مذکورہ آیت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ جو یہ نعمت مجھے حاصل ہوئی ہے یہ نہ تو علم کی جزاء ہے اور نہ کسی عمل وصال کا صلہ ہے اور نہ ہی میں اس کا استحقاق رکھتا تھا۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

میں پہلے سے بھی زیادہ ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر بے ہوش ہو گیا تو مجھ پر اس مرتبہ یہ آیت القاء کی گئی۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا۔ تاکہ ایماندار ثابت قدم ہو جائیں اور مسلمانوں کیلئے یہ ہدایت اور خوشخبری ہے (النحل) پھر جب میں ہوش میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی ان بشارتوں پر حمد کہی جو اس آیت میں ہیں اور ان اسرار و رموز پر اس کی تعریف کی جن پر یہ آیات مشتمل ہے۔

میں پھر زیادہ توجہ کے ساتھ ذکر خدا میں مشغول ہو گیا پھر بے ہوشی طاری ہو گئی تو مجھ پر اس آیت کا القاء ہوا۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ۝ اللہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا ہے پھر اللہ کی کس آیت کا تم انکار کرو گے (مومن)۔ جب میں دوبارہ ہوش میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی میں نے حمد کہی اور کہا میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے کسی آیت کا انکار کر سکتا ہوں جبکہ یہ ناچیز بندہ اس بات کا معترف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل ہے۔

اس کے بعد میں اٹھ کر اپنے تخلیہ گاہ میں چلا گیا۔ وہاں ایک صاحب طریقت شیخ تشریف لائے۔ مجھ سے کہنے لگے جب تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کسی اکابر میں سے کسی کو واسطہ بنا لیا کرو۔ مثلاً سید عبدالقادر جیلانی، محی الدین حاتمی اور امام شاذلی رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ میں نے عرض کیا۔ ٹھیک ہے اگر مجھے میرے آقا و مولیٰ اس کی اجازت دے دیں۔ جن کی دہلیز پر میں اس وقت ہوں۔ میں پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا پھر بیہوشی کے عالم میں مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:6) نبی کریم ﷺ مومنوں کی جان سے بھی زیادہ قریب و عزیز ہیں۔ جب میں ہوش میں آیا تو اللہ کی حمد کہی۔ جب وہی شیخ طریقت میرے پاس دوبارہ آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے آقا و مولیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔ اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ میرے اتنے نزدیک ہیں کہ اتنی نزدیک میری روح بھی نہیں ہے پھر پھر پھر.................!

فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهُ   فَظُنَّ خَيْراً وَلَا تَسْأَلْ عَنِ الْخَبَرِ

پھر ہوا جو ہوا میں اس کا ذکر نہیں کرتا لہٰذا تجھے اچھا گمان رکھنا چاہیئے اور کیا بات ہے؟ اس کی بابت نہ پوچھ۔

سب سے پہلے نور و خیر کی کائنات میں جو فتح مجھے ہوئی وہ یہ کہ ایک واقعہ میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ "مطاف" میں میری ملاقات ہوئی۔ آپ ایک محفل میں تشریف فرما تھے اور بتوں کے توڑنے کا واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ میں نے آپ کو جب دیکھا تو آپ کی عمر شریف اتنی ہی دکھائی دے رہی تھی جس عمر میں آپ نے بت توڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ (الانبیاء: 60) لوگوں نے کہا۔ ہم نے ایک نوجوان کو بتوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے سنا۔ میری آنکھوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ایسا کوئی خوبصورت آج تک نہ دیکھا۔ ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ان کی خوبصورتی اور ان کا جمال مجھ جیسا ہے" آپ کا ارشاد گرامی ہے "رَأَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَ اَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهٖ بِهٖ" میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا۔ میں ان کی اولاد میں سے ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ میں نے جب یہ فتح دیکھی تو جانا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے وراثت ابراہیمی میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مخلوق میں مجھے چاہنے والے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء)۔ اے اللہ! بعد میں آنے والوں میں میرا سچا چرچا رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی۔ اور آپ کی محبت میں اکثر فرقہ جات اور مذہب و ملت کے ماننے والے متفق ہیں۔ آپ کے سوا دوسرے رسولان عظام میں سے یہ بات کسی کو نہ ملی۔ (انتہیٰ کلامہ رضی اللہ عنہ)۔

میں (علامہ نبہانی) اس امر پر یقین رکھتا ہوں اور تصدیق کرنیکے ساتھ ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ موصوف رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ان اولیاء کرام میں سے ہوئے ہیں جن کی قدر و منزلت بہت بلند ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو یہ سعادت و نعمت عطا فرمائی کہ انہیں اپنے جد امجد سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ ان کی کرامات میں سے اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے۔ میں نے موصوف کے الفاظ میں اسے اپنی کتاب "جامع کرامات الاولیاء" میں ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے میں نے اس میں ایک ہزار چار سو مشہور و معروف اولیاء کرام کی کرامات جمع کی ہیں، جس میں حضرات صحابہ اور ان کے بعد اب تک آنے والے معروف اولیاء کرام

کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ کرامات ان بزرگوں کی بھی میں نے درج کیں۔ جن کے اسمائے گرامی مجھے نہ مل سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے ان حضرات کا نام ضرور ذکر کردیا ہے۔ جن کے ذریعہ مجھ تک ان نامعلوم بزرگوں کی کرامات پہنچیں۔ اور وہ لوگ صدق و دیانت کے پیکر تھے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ تیرھویں موقف میں رقمطراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا (الکہف) بہت جلد میں تمہیں ان باتوں کی تعبیر بتاؤں گا۔ جن کو دیکھ کر آپ خاموش نہ رہے۔ میں بچپن سے ہی حضرات مصنفین کرام کی کتب کے مطالعہ کا بہت زیادہ شوق رکھتا تھا۔ لیکن ان کے راستہ پر نہ چلتا تھا۔ میں دوران مطالعہ کچھ نامور حضرات کے ایسے کلمات پڑھتا تھا جن کو پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور میرا دم گھٹنے لگتا تھا۔ لیکن میرا ایمان تھا کہ ان کلمات کا مفہوم و مراد درست ہوگا۔ کیونکہ ان حضرات کے آداب کاملہ پر مجھے یقین تھا اور ان کے اخلاق فاضلہ کا میں معترف تھا۔ ان میں سے بطور مثال حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ''مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُوْتِيْتُمُ اللَّقَبَ وَ اُوْتِيْنَا مَالَمْ تُؤْتَوْهُ'' گروہ پیغمبران! تمہیں بڑے بڑے لقب عطا کئے گئے اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور حضرت ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ خَضْنَا بَحْرًا وَقَفَتِ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ۔ ہم اس دریا میں غوطہ زن ہوئے اور حضرات انبیاء کرام اس کے کنارے پر کھڑے رہے اور جناب شبلی رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو یہ فرمانا۔ اَتَشْهَدُ اِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ التِّلْمِيْذُ اَشْهَدُ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں؟ شاگرد نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بیشک محمد رسول اللہ ہیں۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔

اس قسم کے اقوال کے بارے میں تاویل کرنے والے حضرات نے جو کچھ مفہوم بیان کیا۔ میرا دل اس سے مطمئن نہ تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب فرمائی۔ وہاں ایک دن میں تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی حالت عطا فرمائی کہ مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا پھر جب میں پہلی حالت کی طرف پلٹا تو میری زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ''لَوْ كَانَ مُوْسٰى بْنُ عِمْرَانَ حَيًّا مَاوَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ'' اگر حضرت موسیٰ بن عمران آج زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کئے بغیر چارہ نہ

ہوتا۔ یہ الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی روایت اور حکایت کے طریقہ پر نہیں بلکہ بطور انشاء کہہ رہا تھا۔ (یعنی حضرت موسیٰ کو میں اپنی اتباع کرنے کی بات کر رہا تھا) جب میں نے مذکورہ الفاظ اس انداز سے کہے۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ میری یہ بات اس کیفیت کا ہی بچا کھچا حصہ ہے۔ میں یقیناً اس وقت ''فَنَا فِیْ الرَّسُوْلِ'' کے مقام میں تھا۔ اور اس وقت میں فلاں ابن فلاں (میر عبدالقادر جزائری) نہ تھا میں بیشک ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھ سے مذکورہ قول صرف بطور حکایت کہنا صحیح ہوتا۔ (بطور انشاء باطل ہوتا) یعنی میں اس قول کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول سمجھ کر اس کی حکایت کرتا۔

یونہی ایک اور دفعہ مجھ سے ایسی بات ہوئی۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخَرَ'' میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ (یہ قول ''مقام فنا فی الرسول'' میں مجھ سے بطور اپنے کلام کے ظاہر ہوا۔ حالانکہ یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے)۔ اس وقت مجھ پر ان حضرات کے مذکورہ اقوال کی وجہ ظاہر ہوئی۔ مطلب یہ کہ میری مذکورہ دو باتیں صرف ایک نمونہ ہیں۔ اور سمجھانے کی خاطر مثال ہیں۔ یہ بات نہیں کہ میرا حال ان بزرگوں کے حال کے برابر ہے۔ حاشاء وکلا وہ کہاں اور میں کہاں؟ ان کا مقام و مرتبہ اعلیٰ و اجل اور ان کا حال کامل و مکمل (اور میں ناقص و نامکمل) مذکورہ اقوال کی طرح ایک قول حضرت الشیخ عبدالکریم الجیلی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ کُلُّ مَنْ اِجْتَمَعَ هُوَ وَ آخَرُ فِیْ مَقَامٍ مِنَ الْمَقَامَاتِ الْكَمَالِيَةِ كَانَ كُلُّ مِنْهُمَا عَيْنَ الْآخَرِ فِیْ ذَالِكَ الْمَقَامِ وَ مَنْ عَرَفَ مَاقُلْنَاهُ عَلِمَ مَعْنَى قَوْلِ الْحَلَاجِ وَغَيْرِهٖ۔ انتہیٰ کلام الجیلی رضی اللہ عنہ۔ ہر وہ شخص جو وہ اور دوسرا کسی مقام کمال میں اکٹھے ہوئے اس مقام میں ان دونو ں میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہو جاتا ہے اور جسے ہماری یہ بات سمجھ آ گئی اسے حلاج (منصور) وغیرہ کی بات بھی سمجھ آ جائے گی۔

اس مقالہ کے صدور سے قبل میں رمضان المبارک کی تیسری رات حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی طرف متوجہ تھا تو مجھ پر ''حال'' وارد ہو گیا۔ میں نے اسی حال میں رونا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔ ''تمہیں فتح مبارک ہو'' اس واقعہ کے دورات بعد میں ذکر خدا میں مشغول تھا۔ دوران ذکر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں سو گیا۔ خواب میں مجھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات شریفہ کا دیدار ہوا اور وہ اس طرح تھا کہ آپ کی ذات مقدسہ، میری ذات میں رچ بس گئی تھی۔ حتیٰ کہ ایک ہی ذات

ہو گئی۔ میں اپنی ذات کو دیکھتا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ نظر آتی۔ میں ڈر کر مرعوب ہو کر اور خوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وضو کیا اور مسجد نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ سلام عرض کرنے کے بعد پھر تنہائی میں چلا گیا اور ذکر خدا میں مشغول ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا و مافیہا بلکہ مجھے اپنے آپ سے بے خبر کر دیا، میں جب اس کیفیت سے واپس پہلی حالت میں آیا تو دوران "فنا" مجھ پر یہ آیت القاء کی گئی۔ الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۔ الآیۃ (البقرہ:۷۱) اب تو نے سچی بات کہی۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ القاء نے اس بات کی تصدیق کر دی جو میں نے دیکھی تھی۔ اس کے ایک دن بعد پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ہوش و حواس ختم کر دیئے۔ جیسا پہلے ہوا کرتا تھا میں نے کسی کہنے والے سے یہ کہتے سنا۔ "دیکھ کہ میں نے کیا کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ میں وہی ہو گیا ہوں اس تجع جناسیہ مبارکہ کے سبب" میں نے جان لیا کہ یہ قول، سابقہ خواب کی تصدیق ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے عام حکم دیا ہے کہ میں نعمتوں کا چرچا کروں۔ جس طرح اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قول سے عام حکم دیا۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ) اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکم ہوتا ہے وہ آپ کی امت کو بھی ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی حکم صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو (تو وہ امت کو نہیں ہوتا) لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص کر اور کئی مرتبہ اسی آیت کریمہ "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کے اشارہ سے حکم دیا ہے۔ (لہذا مجھے لازماً چرچا کرنا تھا جو میں نے کر دیا) انتہیٰ کلام الامیر

(جناب امیر عبدالقادر جزائری رضی اللہ عنہ کا کلام جو میں نے تحریر کرنا پسند کیا، وہ یہاں ختم ہوا۔)

جواہر حضرۃ الامام الشہاب احمد المقری (ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے)

جو ہر ا: امام شہاب احمد مقری رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ''نفح الطیب'' میں امام ابوالولید الباجی الاندلسی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب امام ابوالولید باجی نے ''یوم حدیبیہ'' کے موقع پر ایک دستاویز کی تحریر کے بارے میں لکھا۔ جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ کہ ''مذکورہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھی تھی'' اس پر فقیہ ابوبکر صائغ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور امام ابوالولید باجی کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو امی تھے کے بارے میں کتاب کا قول کرنے پر انہوں نے تکفیر بھی کی۔ اور کہا کہ یہ قرآن کریم کو بھی جھٹلانا ہے۔ پھر اس موضوع پر ان لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی۔ جو بات نہ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ امام باجی پر فتنہ پھیلانے کا الزام لگایا گیا۔ انہیں برا کہا گیا اور عام لوگوں کے سامنے ان کی مذکورہ بات کی برائی بیان کی گئی اس دور کے خطیب حضرات نے بھی اسے اپنی تقاریر اور خطابات کا موضوع بنایا اور شاعروں نے بھی اپنے اشعار کے ذریعہ حق ادا کیا۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

بَرِئْتُ مِمَّنْ شَرَى دُنْيَا بِاٰخِرَةٍ ۔ وَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ كَتَبَا

(ترجمہ) جس شخص نے آخرت کے بدلہ دنیا خریدی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست اقدس سے لکھا۔ میں اس سے بری ہوں اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔

امام ابوالولید باجی رضی اللہ عنہ نے ایک رسالہ لکھا۔ جس پر انہوں نے تحریر کیا کہ معجزہ میں ایسی بات قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ آپ کی یہ تحریر پڑھ کر ایک جماعت نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ جو شخص فقط اپنا نام لکھ سکتا ہو عرف میں وہ ''امی'' کی صفت سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ ایسے شخص کو ''کاتب'' نہیں کہا جاتا۔ بہت سے بادشاہ علامتی طور پر اپنا نام لکھتے رہے۔ حالانکہ وہ ''امی'' ہی تھے اور ''امی'' ہی کہلاتے رہے۔ جب کسی کام پر حکم لگایا جاتا ہے تو وہ غالب اور اکثر ہونے کی صورت میں لگتا ہے۔ جو کام نادر ہو وہ حکم کے تحت نہیں ہوتا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيُّوْنَ'' ہم امی امت ہیں۔ یعنی امت کے اکثر اور غالب افراد امی ہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام میں کتابت نادر الوقوع تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعہ:2) اللہ وہ ہے جس نے امی لوگوں میں ان میں سے ہی عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا۔ اھ۔

اس کے بعد امام شہاب احمد موصوف رقمطراز ہیں کہ قاضی ابوالولید باجی رضی اللہ عنہ نے جو مذکورہ بات لکھی یعنی انہوں نے کتابت دستاویز حدیبیہ کی نسبت ظاہری الفاظ کو پیش نظر رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی۔ یہ بعض حضرات کا قول اور موقف ہے اور صواب اسکے خلاف میں ہے۔ قاضی ابوالفضل عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہمیں محمد بن علی شاطبی نے اپنے الفاظ سے روایت کیا کہ مجھے ابوالحسن بن مغفور نے بتایا کہ ابومحمد بن احمد بن الحاج جو جزیرہ شفر کے باشندے تھے۔ ان لوگوں میں سے ہیں جو کافی عرصہ تک امام باجی کی خدمت میں رہے۔ اور ان سے دین سیکھتے رہے۔ وہ امام باجی کے مسلک وموقف کی طرف مائل تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستاویز حدیبیہ خود اپنے دست اقدس سے تحریر فرمائی تھی جیسا کہ اس روایت کے ظاہری الفاظ بیان کر رہے ہیں اور وہ اس پر تعجب کیا کرتے تھے۔ لیکن میں (ابوالحسن بن مغفود) ان کی اس بات کا انکار کیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی۔ جب وہ حسب عادت میری زیارت کرنے آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ میں ہے۔ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوا اس نے اپنے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور دیکھی۔ تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی اور رونگٹے کھڑے ہو گئے پھر اس نے دیکھا کہ قبر پھٹی۔ لمبی ہوئی اور ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ اس سے اس پر عظیم رعب وڈر طاری ہوا۔ اس نے مجھ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو میں نے کہا کہ اس خواب والے شخص کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی صفت وتعریف کرتا ہے جو آپ کی صفت ہے نہیں۔ یا آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرتا ہے جو آپ نے نہیں فرمائی جس کی کوئی اصل نہیں شائد آپ پر افتراء باندھتا ہو۔ اس نے مجھ سے کہا آپ کو خدا کی قسم! مجھے بتایئے کہ آپ نے یہ تعبیر کیسے اور کہاں سے نکالی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہ تعبیر نکالی ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ اِلٰى قَوْلِهٖ وَلَدًا (مریم:90)۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین پھٹ جائے، پہاڑ گر جائیں اس بات سے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا میرے آقا! اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سر کو چوم لیا۔ میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ ایک لمحہ روتا اور دوسرے لمحے مسکراتا۔ پھر مجھے کہا کہ میں خواب والے کا ساتھی ہوں۔ میں نے تمام خواب سنا تھا میں آپ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی تعبیر صحیح ہے۔ صاحب خواب نے بیان کیا کہ جب میں نے اپنے آپ کو ہیبت زدہ حالت میں دیکھا تو میں اس وقت یہ کہہ رہا تھا" میں کہا کرتا تھا۔ خدا کی قسم! یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا اور معتقد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے دست اقدس سے لکھا۔ تو میں رو پڑتا۔ اور میں پھر کہتا کہ یا رسول اللہ! میں توبہ کرتا ہوں۔ یہ بات میں بار بار کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پہلی حالت پر آ گئی۔ اور ساکن ہو گئی۔ پھر میں خواب سے جاگ اٹھا۔ پھر مجھ سے وہ کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ اس عقیدہ اور موقف پر اس کا انتقال ہوا۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر کیا۔ اس کی حمد کہی کہ اس نے اسے برہان دکھادی۔ اس کا کثیر شکر کر۔ اھ۔

جوہر ۲: امام مقریٔ رضی اللہ عنہ "نفع الطیب" میں جناب محمد بن حزم بن بکر تنوخی اندلسی المعروف ابن مدینی رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ صاحب تقوی اور صاحب انقباض ( ) تھے۔ ابن مسرۃ سے حکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ابن مدینی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سکونت رکھتے تھے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار وتبرکات کی بہت تلاش کرتے تھے۔ بعض اہل مدینہ نے آپ کو حضرت ابراہیم (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ہیں) کی والدہ "ماریہ" کے گھر کی نشاندہی کی۔ "ماریہ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی تھیں۔ نشاندہی پر آپ نے اسے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ جو مدینہ منورہ کی مشرقی جانب موجود دو باغوں کے درمیان تھا۔ اس کا طول وعرض برابر تھا۔ درمیان میں ایک دیوار تھی جس میں راستہ بنایا گیا تھا۔ اس کی دیوار پر ایک سخت لکڑی لگائی گئی تھی جو اس کے فرش کی طرف مکان سے باہر سے چڑھتی تھی۔ اس مکان کے اوپر دو کمرے اور ایک بالکونی تھی۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرمیوں میں تشریف رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب ابوعبداللہ کو دیکھا جبکہ وہ دونوں گھروں اور بالکونی میں نماز ادا کر چکے اس کے علاوہ انہوں نے اس مکان کے ہر کونہ اور ہر طرف میں بھی نماز ادا کی۔ انہوں نے دونوں گھروں میں سے ایک کو اپنی بالشت کے ساتھ پیمائش کی۔ میں نے اس کے بارے میں ان سے واپس آنے کے بعد پوچھا۔ جبکہ وہ وہاں ہی ایک پہاڑ میں تشریف فرما تھے فرمانے لگے۔ وہ گھر جس میں تم نے مجھے دیکھا تھا اس کی بنیادیں اور اس کا موجود رقبہ بلا کمی بیشی اسی مقدار پر ہے جو بوقت تعمیر طولاً عرضاً تھا۔

جوہر ۳: موصوف رضی اللہ عنہ "نفع الطیب" میں ہی جناب ابن سبعین کے حالات بیان کرتے ہوئے آخر میں جب ان کے شاگرد شیخ ابوالحسن شستری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آیا، تو لکھا۔ "بجایۃ" میں وہاں کا ایک باشندہ ان کے پاس آیا۔ جسے ابوالحسن بن علال کہتے تھے۔ صاحب امانت و دیانت مشہور تھا۔ اس نے آپ کو اہل علم کے ساتھ علمی مذاکرہ کرتے پایا۔ آپ کا علمی گفتگو فرمانا اور افہام وتفہیم علمی

دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اور آپ کے ''شیخ'' ہونے کا معتقد ہوگیا اور آپ کی پیشوائی کو تسلیم کرلیا۔ پھر ارادہ کیا کہ اپنے مال میں سے بیس دینار اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر فقراء میں تقسیم کرے۔ اور ان کیلئے کھانے پینے کی اشیاء خرید لائے۔ جب اپنے ارادے کے مطابق اس نے سب کچھ جمع کرلیا تو اسے تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا تو خریدے گئے سامان میں سے اس نے آدھا تو فقراء میں تقسیم کردیا۔ دوسرا آدھا اس وقت تک اٹھا رکھا جب تک شیخ موصوف وہاں قیام پذیر ہیں اور جب جانے لگیں گے تو بقیہ نصف بھی دے دوں گا تا کہ ان کا زادراہ بن جائے۔ جب رات ہوئی اس نے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ بھی تھے وہ شخص بیان کرتا ہے کہ میں یہ دیکھ کر خوشی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض گزار ہوا۔ یارسول اللہ! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ اے ابوبکر! اسے دیدو۔ اسی وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک روٹی تقسیم فرمائی جوان کے ہاتھ میں تھی۔ اس میں سے مجھے نصف عطا کی۔ اس کے بعد اس شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس مبارک خواب سے وہ وجد میں آگیا پھر اس نے اپنے اہل خانہ کو جگایا اور خود عبادت میں مشغول ہوگیا۔ جب صبح ہوئی تو گھر سے نکل کر شیخ رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا۔ اپنے ساتھ کچھ کھانا بھی لایا اور وہ آدھے درہم بھی لے کر آیا جو بچا کر رکھے تھے جب شیخ کو یہ اشیاء دیں تو شیخ نے فرمایا۔ اے علی! ذرا نزدیک آؤ، جب وہ نزدیک ہوا فرمایا۔ اے علی! اگر تو مکمل دے دیتا تو تو بھی ان سے پوری روٹی پالیتا۔ اھ۔

جوہر ۴: ''نفع الطیب'' میں ہی وزیر ابوعبداللہ بن حکیم رندی کے تذکرہ میں موصوف نے لکھا۔ علامہ ابن رشید نے ''مل العیبۃ'' میں تحریر کیا یہ کہ جب ہم ۶۸۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو میرے ساتھ میرا دوست وزیر عبداللہ بن ابی القاسم بن حکیم بھی تھا۔ اس وقت اس کی آنکھیں دکھی ہوئی تھیں۔ جب ہم ذوالحلیفہ یا اس کے قریب پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور روضہ اطہر کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمارا شوق اور بے قراری بڑھ گئی تھی۔ وزیر بھی اترا۔ اور ان آثار مقدسہ کے پیش نظر پیدل چلنے لگا اور اس علاقہ میں تشریف فرما اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر سواری کی بجائے پیدل چلنے لگا۔ اس نے اچانک محسوس کیا کہ آنکھوں کی تکلیف دور ہورہی ہے۔ اسی وقت اپنی کیفیت ان الفاظ سے خود کو سنائی۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُبُوْعِ حَبِيْبِنَا بِيَثْرِبَ اَعْلَامًا اَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا

وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا اِذْ كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا شَفَيْنَا فَلَا بَأْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا
وَحِيْنَ تَبْدِيْ لِلْعُيُوْنِ جَمَالُهَا وَمِنْ بُعْدِهَا عَنَّا اُدِيْلَتْ لَنَا قُرْبًا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً لِمَنْ حَلَّ فِيْهَا اَنْ نَلُمَّ بِهَا رُكْبًا
نَسِحُّ سِجَالَ الدَّمْعِ فِيْ عَرَصَاتِهَا وَنَلْثِمُ مِنْ حُبٍّ لِوَاطِئِهٖ التُّرْبَا
وَاِنَّ بَقَائِيْ دُوْنَهٗ لَخَسَارَةٌ وَلَوْ اَنَّ كَفِّيْ تَمْلَأُ الشَّرْقَ وَالْغَرْبَا
فَيَا عَجَبًا مِمَّنْ يُحِبُّ بِزَعْمِهٖ يُقِيْمُ مَعَ الدَّعْوٰى وَيَسْتَعْمِلُ الْكُتْبَا
وَزِلَّاتُ مِثْلِيْ لَاتُعَدَّدُ كَثْرَةً وَ بُعْدِيْ عَنِ الْمُخْتَارِ اَعْظَمُهَا ذَنْبًا

جب ہم نے یثرب (مدینہ منورہ) میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار دیکھے تو انہوں نے ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور اس کی مٹی کا جب ہم نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا تو ہمیں شفا مل گئی۔ اب ہمیں کسی پریشانی اور درد کا کوئی خوف نہیں رہا۔ اور آنکھوں کے سامنے ان کے جلوے آئے تو باوجود دور دکھائی دینے کے ہمیں قریب نظر آنے لگے۔ ہم اپنی سواریوں سے اتر کر احترام وتعظیم کے پیش نظر پیدل چلنے لگے۔ احترام اس شخصیت کا ہے جو یہاں قیام فرما ہے۔ ان کے میدانوں میں ہم آنکھوں سے آنسوؤں کے مشکیزے بھر بھر کر ڈالیں گے اور اس پاک زمین پر چلنے والی شخصیت کی محبت میں ڈوب کر ہم اس کی مٹی کو چومیں گے اور میرا ان کے بغیر زندہ رہنا سراسر نقصان ہے۔ اگرچہ مشرق و مغرب کو میرے ہاتھ بھر دیں سو اس پر تعجب ہے جو اپنے خیال میں محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور پھر دعویٰ کے ساتھ خود بھی قائم رہتا ہے اور رقعہ جات استعمال کرتا ہے مجھ جیسے کی لغزشیں ان گنت ہیں اور رسول کریم مختار کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی اور دوری ان میں سے سب سے بڑی غلطی ہے۔

جوہر ۵: ادیب ابوجعفر البیری اندلسی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف مذکورہ کتاب میں رقمطراز ہیں۔ ادیب ابوجعفر حضرت ابن جابر کے "بدیعیہ" کے شارح بھی ہیں۔ ان کے نثری کلام میں سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ یہ نمونہ ان کی تحریر سے اس وقت کا ہے جب انہوں نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کا تذکرہ کیا۔

"یہ قصیدہ ایسا ہے جس کا شرف سب پر عیاں ہے، اور اس کی مقبولیت ایسی کہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اسے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام کی موجودگی میں پڑھنے کا شرف پایا۔ اس قصیدہ کو جب معافی کا وسیلہ بنایا تو سزا سے بچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاف کر کے دوست بنا لیا۔ اور انہیں انعام میں اپنا حلہ عطا فرمایا اور ان پر

اٹھنے والے ہاتھ کو روک دیا۔ انہیں ان کی اوران کے اہل وعیال کی مراد عطا کر دی گئی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ان کے خون گرائے جانے کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ ان کی ہرزہ سرائی تھی اس کی بھی معافی مل گئی۔ پس ان کی نیکیوں نے ان کے گناہ مٹا دیے اوران کے اچھے کاموں نے ان عیوب کا چہرہ ڈھانپ دیا اگر ان کا مذکورہ قصیدہ نہ ہوتا تو کسی کی مدح اور غزل کہنا ممنوع ہوتا اور جو شعر کہہ کر انعام حاصل کرنا چاہتا اس کی امیدوں پر پانی پھر جاتا۔ لہٰذا ان کا یہ قصیدہ شعراء کے راستہ کیلئے حجت بن گیا اوران کے امور کی عظمت کا سبب بن گیا۔ اسکندریہ میں مجھے میرے بعض شیوخ نے بتایا۔ انہوں نے اپنی سند بھی ذکر فرمائی۔ کہ ایک عالم دین کا معمول یہ تھا کہ جب تک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ نہ پڑھتے اپنی مجلس کا افتتاح نہ کرتے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہنے لگے۔ میں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی تو عرض کیا تھا۔ یارسول اللہ! کیا حضرت کعب نے قصیدہ آپ کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا؟ فرمایا۔ ہاں میں اسے پسند کرتا ہوں اور ہر اس شخص کو بھی پسند کرتا ہوں جو اس قصیدہ سے محبت رکھتا ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ میں کسی دن بھی اس قصیدہ کی قراءۃ کا ناغہ نہ کروں گا''۔

میں کہتا ہوں کہ جب سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے قصیدہ کہا اس وقت سے اب تک شعراء ان کی روش اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور تبرکاً ان کے اقوال کی اقتداء کرتے ہیں جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کئے تھے اور جس انداز سے انہوں نے آپ کی تعریف کہی۔ اسی نہج پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب قاضی محی الدین بن عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں ''بانت سعاد'' کے وزن پر قصیدہ کیا تو اس میں یہ اشعار بھی کہے۔

لَقَدْ قَالَ كَعْبٌ فِي النَّبِيِّ قَصِيْدَةً وَقُلْنَا عَسٰى فِي مَدْحِهِ نَتَشَارَكُ
فَإِنَّ شَمْلَتَنَا بِالْجَوَائِزِ رَحْمَةٌ كَرِحْمَةِ كَعْبٍ فَهُوَ كَعْبٌ مُبَارَكٌ

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قصیدہ کہا اور ہم نے کہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح میں ہم انکے ساتھی بن جائیں۔ پھر اگر آپ کی رحمت ہمیں بھی انعام واکرام میں شامل کر لے جس طرح آپ نے حضرت کعب پر مہربانی فرمائی تو بہت بڑی بات ہوگی۔

جوہر ۶: صفوان بن ادریس مرسی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے کتاب مذکور میں علامہ نے لکھا ہے۔ کہ جناب صفوان اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں جہیز وغیرہ کی ضروریات کی خاطر مراکش کی طرف سفر

پر نکلے۔ دارالخلافہ کا قصد کیا اور مدحیہ کلام کہا۔ لیکن ناامید رہے۔ پھر انہوں نے اپنے بیکار اور ناقص ارادے میں غور وفکر کیا اور کہنے لگے اگر میں اپنی امیدیں خدا کے سپرد کرتا اور اس کے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا آپ کے اہل بیت کی تعریف کرتا تو لازماً میری امید بر آتی۔ اور میرا عمل بھی قابل تعریف ہوتا یہ کہہ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی کہ میں نے پہلے جو ارادہ کیا تھا کہ امیر لوگوں اور حاکمان وقت کی تعریف کرنے سے میرا مطلب پورا ہوگا اس سے میں توبہ کرتا ہوں انہیں یقین تھا کہ اب میں نے جو ارادہ کیا اس کے سوا میری تمنا پوری ہونے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ لہٰذا اب وہ نئے مقصد کی طرف چل پڑے اور مکمل عزم و اعتماد سے اس طرف متوجہ ہوئے اسی دوران اچانک ان کے بارے میں لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ فلاں نام کے آدمی کو خلیفہ صاحب بلاتے ہیں۔ آپ خلیفہ کے پاس گئے تو اس نے ان سے ان کا مقصد دریافت کیا۔ انہوں نے بڑے اچھے فصاحت بھرے انداز میں اپنا مطلب بیان کیا۔ خلیفہ نے فوراً پورا کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہا کہ انہیں ان کے مقصد سے زیادہ دیا جائے اور خلیفہ نے انہیں بتایا کہ ایسا کرنے کا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ خواب میں آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ چنانچہ صفوان موصوف وہاں سے اپنے مقصد و مطلب سے کہیں زیادہ وصول کر کے باہر نکلے۔ پھر ان کی زندگی اہل بیت رضی اللہ عنہم کی مدح کرتے گزری۔ ۵۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا جب ان کی عمر ابھی چالیس برس بھی نہ ہوئی تھی۔ ان کے والد نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی آپ صاحب فضل تھے اور دین میں ایک ممتاز مقام کے مالک تھے۔ پھر علامہ امام شہاب مقری رضی اللہ عنہ نے جناب صفوان رضی اللہ عنہ کے چند اشعار نقل کئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

تَحِيَّةُ اللّٰهِ وَ طَيِّبُ السَّلَامِ ... عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَنَامِ
عَلَى الَّذِى فَتَحَ بَابَ الْهُدٰى ... وَقَالَ لِلنَّاسِ اُدْخُلُوا بِالسَّلَامِ
بَدْرُ الْهُدٰى بِحْرُالنَّدٰى وَالسُّدٰى ... وَمَا عَسٰى اَنْ يَّتنَا هِىَ الْكَلَامُ
تَحِيَّةٌ تَهْزَأُ اَنْفَاسَهَا ... بِالمِسْكِ لَا اَرْضٰى بِمِسْكِ الْخِتَامِ
تَخُصُّهٗ مِنِّى وَلَا تَنْسَنِى ... عَنْ اَهْلِهِ الصِّيْدُ السُّرَاةُ الْكِرَامُ
وَ قَدْرُهُمْ اَرْفَعُ لٰكِنَّنِى ... لَمْ اَلْفَ اَعْلٰى لَفْظَةٍ مِنْ كِرَامِ

وَقَالَ اَيْضًا

يَقُوْلُوْنَ لِىْ لَمَّا رَكِبْتُ بَطَالَتِى ... رَكُوْبَ فَتًى جَمَّ الْغَوَايَةَ مُعْتَدِى

اَعِنْدَکَ شَیْءٌ تَرْتَجِی اِنْ تَنَالَهُ فَقُلْتُ نَعَمْ عِنْدِی شَفَاعَةُ اَحْمَدِی

(ترجمہ) تمام انسانوں سے بہتر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور پاکیزہ سلامتی نازل ہو۔ آپ وہ شخصیت ہیں جن پر ہدایت کا دروازہ کھولا گیا۔ اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں۔ آپ ہدایت کے ماہتاب، سخاوت کے سمندر اور سیادت کے دریا ہیں اور وہ کہ جن کی ذات کے بارے میں گفتگو ختم ہو جاتی ہے آپ پر ایسی رحمتیں نازل ہوں جن کی خوشبو سے ارواح مہک اٹھیں۔ مشک وعنبر پر میں راضی نہیں ہو سکتا۔ خاص کر میری طرف سے آپ کی ذات والا صفات پر تحیت وسلام۔ بہر حال آپ کی ذات پر کما حقہ درود وسلام نہیں بھیج سکتے۔ آپ کے ساتھ آپ کی آل پاک پر بھی سلام ہو۔ جن کی قدر ومنزلت بہت بلند ہے۔ لیکن میں لفظ ''کرام'' سے اعلیٰ لفظ ان کیلئے نہیں پاتا۔ جب میں اپنے خیالات کو سواریوں پر سوار کرتا ہوں تو کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ سر پھرا نوجوان ہے اور پوچھتے ہیں کیا تیرے پاس کوئی ایسی امید ہے جسے پورا ہونے کی تجھے آس ہو؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ میرے حق میں سید الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔

جوہر ۷: ابن خلدون صاحب تاریخ کے بھائی یحیٰ بن خلدون کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے موصوف نے اپنی کتاب ''نفح الطیب'' میں لکھا ہے کہ ان کا ایک ''قصیدہ نبویہ حائیہ'' بھی ہے۔ جس کو میں نے اپنے مجموعہ نبہانیہ میں ذکر کیا ہے۔ سلطان ابوحمو موسیٰ صاحب تلمسان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی شب (بارہ ربیع الاول کی رات) کو بہت بڑی محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ اس دور میں اندلس اور افریقہ کے بادشاہ منعقد کیا کرتے تھے۔ اور ان سے پہلے حضرات بھی اس کا انعقاد کیا کرتے تھے۔ سلطان موصوف کی محفل میلاد کی کیفیت شیخ الشیوخ حافظ سیدی ابوعبداللہ تنسی ثم تلمسانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''راح الارواح'' میں بیان فرمائی ہے۔ اس محفل پاک میں سلطان ابوحمو نے جو شعر پڑھے، اس میں جو دیگر مدحیہ کلام پیش کیا گیا اور اس کے موافق دوسری باتیں انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر فرمائیں۔ فرماتے ہیں۔

• سلطان ابوحمو موسیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کریمہ کی رات کو محفل میلاد کا انعقاد کیا کرتا تھا بھرپور دعوت ہوتی تھی جس میں عام وخاص تمام لوگ حاضر ہوتے تھے۔ بہترین غالیچے اور قالین بچھائے جاتے، سونے سے کڑھائی کیے گئے تکیے لگائے جاتے، بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتیں، جو ستون کی طرح دکھائی دیتیں، دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے، گنبد نما پیالے رکھے

ہوئے نظر آتا تھا۔ ''خزانۃ المجانہ'' کے سرے پر خوبصورت دروازے تھے جن کی تعداد رات کے گھنٹوں کے برابر تھی۔ اس کی دونوں اطراف میں دو بڑے بڑے دروازے تھے۔ ان تمام دروازوں کے اوپر کامل چاند کی ایک تصویر بنائی گئی تھی جو خط استواء پر چلتا دکھائی دیتا تھا۔ بالکل ایسے جیسے آسمان میں چل رہا ہو۔ ہر گھنٹہ گزرنے پر اس کا مزین دروازہ کھلتا پھر دو بڑے دروازوں سے دو عقاب دکھائی دیتے ہر ایک کے پنجے میں ایک ایک جھانجھ ہوتی جس کا زرد رنگ ہوتا وہ اسے تانبے کی بنی طشت پر پھینکتا جس کے درمیان سوراخ ہوتا اور وہ پیالہ کی طرح گول اور گہری ہوتی اس سوراخ میں سے وہ جھانجھ خزانہ کے اندر چلی جاتی سانپ دو بچوں میں سے ایک کو ڈستا۔ تو اس کا باپ بچے کیلئے چیختا۔ اس وقت موجود گھنٹہ کا دروازہ کھلتا اور ایک بجی سجائی بچی باہر آتی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک رقعہ ہوتا جس پر اس گھنٹہ کا نام مذکور ہوتا اسے اپنے منہ میں تھامے ہوئے ہوتی۔ محفل سماع قائم ہوتی اور مختلف حمد و مدح کہنے والے جناب سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی مدح سرائی میں مشغول ہوتے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں دسترخوان بچھائے جاتے جو گولائی میں چاند کے ہالہ کی مانند اور باغات میں لگے پھولوں کی رنگینی لئے ہوئے ہوتے۔ اس دسترخوان پر طرح طرح کے بہترین کھانے چنے ہوتے۔ جنہیں ہر ایک دل کھانے کی خواہش کرتا۔ آنکھوں کو خوبصورت لگتے۔ ان کے نام سن کر کان لطف اندوز ہوتے اور ان کے قریب اور سامنے ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے یہی تمنا کرتا کہ ابھی ان کو شروع کر دوں۔ اگرچہ شروع کرنے کا وقت دور نہ ہوتا اور بادشاہ اس مجلس سے اول تا آخر موجود رہتا۔ یہ تمام پروگرام اس کی موجودگی اور اس کے سامنے ہوتا اور وہ اس کو توجہ سے سنتا۔ حتیٰ کہ وہاں صبح کی نماز ادا کی جاتی۔ اسی طریقہ اور کیفیت سے سلطان موصوف کے دور میں ہر سال بارہ ربیع الاول شریف کی رات کا پروگرام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کا اعلیٰ علیین میں مقام بنائے۔ اور اس کے اس خوبصورت کام کی جزائے عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

موصوف سلطان کے دور میں جتنی مرتبہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروگرام ہوتا۔ وہ ہر سال کیلئے حضور ﷺ کی میلاد پاک کے موضوع پر ایک قصیدہ منظومہ لکھتا۔ جسے اس سال کی محفل میں سب سے پہلے پڑھا جاتا۔ اس کے بعد دیگر حمدیہ اور نعتیہ کلام پیش کیا جاتا۔ اھ۔

اس کتاب کا جامع یوسف نبہانی عرض کرتا ہے۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس بادشاہ نے مذکورہ تصویری مجسمے کیونکر ایسی محفل پاک میں سجائے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ صراحۃً ایسے مجسموں سے منع کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

علامہ احمد بن خلکان مورخ مشہور المتوفی ۶۸۱ھ

جوہر ا: علامہ موصوف نے ملک معظم مظفر الدین صاحب ''اربل'' کے حالات زندگی قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ملک موصوف جو میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل پاک منعقد کرتا تھا اس کا وصف بیان کرنے اور اس کا احاطہ کرنے سے انسانی ذہن قاصر ہے۔ لیکن ہم اس کی ایک جھلک بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مختلف علاقہ جات کے لوگ ملک موصوف سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ اور اس کا عام چرچا تھا ملک مظفر الدین کے ہاں ہر سال قریبی شہروں سے خلق کثیر جمع ہوتی تھی جن میں بغداد، موصل، جزیرہ، سنجار، نصیبین قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بلاد العجم اور دیگر اطراف کے بھی بہت سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ ان میں حضرات فقہاء صوفیا، واعظ، قراء اور شعراء بھی رونق افروز ہوتے تھے۔ لوگوں کی آمد کا سلسلہ محرم الحرام سے ربیع الاول شریف کی ابتدائی تاریخوں تک لگا تار جاری رہتا تھا اور جب خود ملک مظفر الدین آتا تو لکڑی کے قبہ جات نصب کئے جاتے۔ ہر ایک قبہ میں چار یا پانچ طبقات ہوتے۔ بیس کے قریب قبہ جات تیار کئے جاتے ان میں سے اکثر قبہ جات خود ملک مظفر الدین کیلئے ہوتے اور باقی قبہ جات امراء اور اعیان دولت کیلئے ہوتے۔ سرکاری اہم شخصیات کیلئے ایک ایک قبہ ہوتا۔ جب صفر المظفر مہینہ شروع ہوتا تو ان قبہ جات کو مختلف اعلیٰ اور قابل فخر خوبصورت اشیاء سے مزین کیا جاتا۔ ہر قبہ میں ایک ٹولی گانے والوں کی، ایک ٹولی ارباب خیال کی (جادوگر وغیرہ) ایک ٹولی کھلاڑیوں کی ہوتی۔ اس طرح تمام قبہ جات قلعہ کے دروازہ سے شروع ہو کر اس خانقاہ تک نصب کئے جاتے جو میدان کے قریب ہے۔ ملک مظفر الدین روزانہ نماز عصر کے بعد محل سے نیچے آتا اور ایک ایک قبہ کو اچھی طرح دیکھتا۔ کچھ دیر وہاں گزارتا اور قبہ میں موجود گانے والوں کا گانا سنتا اور جادوگروں کے جادو سے دل بہلاتا اور رات خانقاہ میں گزارتا۔ وہاں محفل سماع قائم ہوتی۔ پھر نماز صبح کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کیلئے نکل جاتا۔ اور ظہر سے قبل قلعہ میں واپس آ جاتا۔ ملک مظفر کا میلاد النبی کی رات آنے تک روزانہ یہی معمول رہتا۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل ایک سال آٹھ ربیع الاول کو اور دوسرے سال بارہ ربیع الاول کو منعقد کرتا۔ کیونکہ ولادت باسعادت کی رات میں اختلاف ہے۔ اس لئے ایسا کرتا۔ (حالانکہ بارہ ربیع الاول پر مشرق و مغرب کا اتفاق ہے) جب میلاد پاک کی تاریخ کو دو دن باقی رہتے تو ملک موصوف کثیر تعداد میں اونٹ، گائے اور بکریاں باہر نکالتا۔ ان کے ساتھ ڈھول، دف اور گانے

بجانے والے بکثرت ہوتے۔حتیٰ کہ یہ سب چلتے چلتے ''میدان'' میں آجاتے۔پھر ان جانوروں کو ذبح کرتے۔بڑی بڑی دیگیں چولہوں پر چڑھائی جاتیں۔رنگ برنگے کھانے تیار کیے جاتے۔

جب میلاد پاک کی رات آتی تو ملک مظفر قلعہ میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد محفل سماع کا افتتاح کرتا۔افتتاح کرنے کیلئے جب قلعہ سے نیچے اترتا تو اس کے آگے آگے شمعیں روشن ہوتیں۔ان کثیر تعداد شمعوں میں دو شمع یا چار شمعیں مجھے اس میں شک ہے (یعنی ابن خلکان اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں) موکبیہ ہوتیں۔ان میں سے ہر ایک شمع ایک خچر پر لادی ہوتی تھی۔اس کے پیچھے ایک شخص بیٹھا ہوتا جو اسے تھامے ہوئے ہوتا اور اسے خچر کی پیٹھ پر باندھا ہوتا۔یوں ملک مظفر چلتے چلتے خانقاہ تک آجاتا۔پھر جب میلاد پاک کی صبح ہوتی بہت سے قیمتی لباس اور قیمتی مال ہاتھوں میں لیکر قلعہ سے باہر آتے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ ایک ایک گٹھڑی ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنائے ہوئے آتے۔قلعہ سے اس طرح کی بکثرت اشیاء نیچے لائی جاتیں جن کی گنتی مجھے یاد نہیں پھر ملک مظفر خانقاہ میں آتا اور حکومت کے نامی گرامی لوگ اور رئیس بھی وہاں موجود ہوتے۔ان کے علاوہ اور لوگوں کی بھی کثیر تعداد ہوتی۔واعظین حضرات کیلئے کرسی بچھائی جاتی اور ملک مظفر کیلئے لکڑی کا برج نصب کیا جاتا جس میں اس طرح کھڑکیاں ہوتیں جدھر عوام بیٹھے ہوتے اور واعظین کیلئے کرسی ہوتی۔اور برج میں دوسری طرف بھی کچھ کھڑکیاں ہوتیں جو میدان کی طرف کھلتیں۔یہ میدان بہت وسیع جگہ تھی اس میں فوج بھی جمع ہوتی یہ دن ملک مظفر ان میں ہی بسر کرتا کبھی تو وہ فوجیوں کے جمگھٹے کو دیکھتا کبھی عوام اور کبھی واعظین کی طرف نظر کرتا یونہی فوجی پریڈ ہوتی اور پریڈ کے مکمل کرنے پر فوج فارغ ہو جاتی پھر میدان میں دستر خوان بچھائے جاتے۔فقیروں اور محتاجوں کیلئے دستر خوان ہوتا۔کھانے کی عام دعوت ہوتی سالن اور روٹی اس قدر زیادہ تعداد میں ہوتی کہ جس کی گنتی مشکل تھی ایک اور بڑا دستر خوان خانقاہ میں بچھایا جاتا جو ان لوگوں کیلئے ہوتا جو کرسی کے نزدیک جمع ہوتے۔فوجی پریڈ اور واعظین کے وعظ کے دوران اعیان مملکت اور روؤسا میں سے ایک ایک کو بلایا جاتا اور فقہاء، صوفیاء، شعراء وغیرہ کو بھی بلایا جاتا پھر موسم کے مطابق ہر ایک کو پوشاک دی جاتی۔انعام لیکر واپس اپنی اپنی جگہ آجاتے جب یہ سارا کام مکمل ہو جاتا تو یہ لوگ بھی دستر خوان پر آجاتے کھانا تناول کرتے پھر جن لوگوں کیلئے گھروں پر کھانا پہنچانے کا پروگرام ہوتا ان کے ہاں کھانا بھیجا جاتا عصر یا اس کے بعد تک یہی سلسلہ رواں دواں رہتا پھر ملک مظفر وہ رات یہیں بسر کرتا۔اس رات کی صبح تک محفل سماع منعقد ہوتی۔ہر سال اس کا یہی معمول تھا میں نے صورتحال کو مختصر کر کے بیان کیا ہے۔کیونکہ اس کی تفصیل کافی لمبی ہے۔جب اس پروگرام

سے فارغ ہوتے تو ہر انسان واپسی کی تیاری کرتا تاکہ اپنے شہر میں چلا جائے ملک مظفر باہر سے آنے والے لوگوں میں سے ہر ایک کو زادِ راہ دیتا۔ میں نے اپنی کتاب میں حافظ ابوالخطاب بن وحیہ کا حرف عین میں تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اربل" میں یہ تشریف لے گئے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے جب ملک مظفر الدین کا وہاں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام دیکھا۔ تو انہوں نے ایک کتاب اسی موضوع پر تحریر فرمائی جس کا نام "التنویر فی مولا السراج المنیر" رکھا۔ اور ملک مظفر نے انہیں ایک ہزار دینار عطا کئے یہ دینار اس عطیہ کے علاوہ تھے جو ان کے قیام کے دوران وافر مقدار میں ملک نے انہیں دیئے۔

الامام عارف باللہ الشیخ عبدالغنی النابلسی رضی اللہ عنہ

(ان کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے)

جوہر امام نابلسی رضی اللہ عنہ: ان کا ایک جوہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک پر لکھا گیا ایک مضمون ہے جو مختصر ہے اور ایک ہی جلسہ لطیفہ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے اس کائنات کے تالے جناب سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی چابی سے کھولے ان کی امت کو ''وسط امت'' بنایا اور عبادات میں تمام امتوں پر فضیلت دی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف ایک ہی اللہ مستحق عبادت ہے جس کا کوئی شریک نہیں ایسا معبود جسے نہ وزیر کی ضرورت اور نہ اس کی نظیر ہے۔ اور ہر جہت و اعتبار سے اس کا کوئی وزیر، مشیر اور نظیر نہیں۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا، ہمارے نبی اور ہمارے حبیب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں۔ جن کے وجود انور کی بدولت اللہ تعالیٰ نے جہالتوں کے اندھیرے کافور کر دیئے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهِ الَّذِيْنَ لَمْ تَا خُذْهُمُ الْاَخر۔ پس اللہ تعالیٰ کے بے شمار صلوۃ وسلام آپ کی ذات عالیہ پر، آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر نازل ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تمام حالات کے اندر کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت لغزش نہ دے سکی۔

پس پاکیزگی اس ذات کیلئے جس نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور بعض کے بعض پر درجات بلند فرمائے۔ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفوت، حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو خلت اور موسیٰ علیہ السلام کو نو آیات بینات عطا کیں۔ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں کو بینائی، کوڑھوں کو شفا، اور مردوں کو زندہ کرنے کے معجزات دیکر مبعوث فرمایا، جس نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبیب و شفیع بنایا۔ اور ساتوں آسمان کی طرف بلندی عطا فرمائی۔ جن پر صلوۃ وسلام بھیجنے کو اعمال صالحہ کا در یتیم بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں و برکتیں آپ پر آپ کی آل و اصحاب پر نازل ہوں۔ ایسی برکتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فخر ہوں اور ہمارے لئے دنیا و آخرت میں امانت و ذخیرہ ہوں۔ اس وقت تک جب تک خشکی وتری میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ذکر کرتے ہیں اور اس کی نہی و امر سے جب تک غفلت کرنے والے غفلت برتتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

عَشْرًا۔ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجی اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجے گا۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نور ثانی میں نور اول ہیں۔ نورٌ علی نورٌ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم اور سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) عطا فرمائے۔ آپ کیلئے ''حضور'' تام و مکمل کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کو انقسام کے بغیر حقائق کائنات کے اعیان پر تقسیم کیا پھر روحانی اور جسمانی صورتوں میں اس کو پھیلایا گیا۔ لہٰذا شاہد بھی آپ ہی اور مشہود بھی آپ ہی ہوئے۔ قریب و بعید کی حقیقت میں آپ ہی کی جلوہ نمائی ہوئی۔ اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عدم کے اندھیرے سے وجود کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور اس کا یہ ارادہ محض جود و کرم اور اس کے فضل سے تھا۔ یہ ارادہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک قول کے اشارہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیا جس کا ذکر حدیث قدسی میں یوں آیا ہے ''میں پوشیدہ خزانہ تھا جو غیر معروف تھا پس میں نے پسند کیا کہ کوئی ہو جو میری معرفت حاصل کرے تو میں نے ایک ''خلق'' کو پیدا کیا اور ان کے نزدیک میری پہچان ہوگئی پس میرے وسیلہ سے ہی انہوں نے مجھے پہچانا''۔

جناب محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت عبداللہ کے صاحبزادے، حسین و جمیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے افضل خلیل ہیں اور اس کے اکمل حبیب ہیں۔ تمام موجودات سے مراد باری تعالیٰ ہونے میں آپ ہی اخص اور اشرف ہیں۔ سو آپ ہی وہ پہلا موجود ہیں جو کن کے خزانہ سے قدرت صمدیہ کے راز سے ظاہر ہوئے اور آپ ہی وہ اشرف ''محمود'' ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صفت احدیت کی معرفت کی اہلیت ہونے کی بناء پر اپنا محبوب بنایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا۔ اور آپ کے ظہور کو عالمین کیلئے رحمت بنایا۔ اس وقت نہ عرش تھا نہ کرسی تھی، نہ فرشتہ تھا اور نہ کوئی جن و انسان تھا۔ نہ جنت و دوزخ تھی اور نہ دن اور رات تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے آپ کا سر انور بنایا، خوشبو سے آپ کے سانس بنائے۔ شفقت سے آپ کا قلب انور بنایا صبر سے آپ کا پیٹ اور دل بنایا۔ سخاوت سے ہاتھ، ذکاء سے ناک، جمال سے آنکھیں، لذیذ خطاب سے کان اور شرف سے قدم مبارک بنائے، اللہ تعالیٰ کے بے شمار صلوٰۃ وسلام آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر نازل ہوں۔ ایسے صلوٰۃ وسلام جو آپ کے شرف کی بلندی کو اور بلند کریں اور آپ کے علو کو اور مشرف فرمائیں اور آپ کے خصائص کو عظیم شان عطا کریں۔ آپ کے حالات کو عظمت اور عظمت کو جلال بخشیں اور جلال کو جمال اور جمال کو کمال بخشیں۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

وجود کی ''فاتحہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ اور ذریعہ سے ہوئی۔ ''آل عمران'' کی ''بقرہ'' نے آپ کے گھاٹ سے پانی پیا اور نیک عورتوں (النسآء)

نے اپنے لئے آپ کے نور سے شہود کا ''مائدہ'' (دسترخواں) بچھایا اور ''انفال'' والوں نے ''اعراف'' کے ''انعام'' لیکر آپ کا طواف کیا۔ اور توبہ سے ''یونس، ھود اور یوسف'' نے اپنے اوپر پڑھنے والے بوجھل شدائد کے ''رعد'' سے نجات پائی اور ''ابراھیم'' نے ''حجر'' کی تعمیر میں آپ سے سعادت پائی۔ ''نحل'' کو آپ کے وسیلہ سے وحی حاصل ہوئی۔ اور آپ کی عزت کے ''کہف'' میں رات کے وقت کمال نے ''حجر'' کے بغیر ''اسراء'' کیا۔ اور ''مریم'' کے حمل میں آپ ہی جلوہ فرما تھے۔ اسلئے کہ ''انبیاء'' کا ''طٰہٰ'' اور ''مومنین'' کا ''حج'' آپ ہی ہیں۔ ''شعراء'' کا ملین کا ''نور'' اور ''فرقان'' بھی آپ ہی ہیں۔ ''نمل'' نے آپ کے ہاں ''قصص'' کی وجہ سے نجات و امن پایا۔ اور ''عنکبوت'' نے آپ ہی کی غار پر جالا تنا۔ اور ''روم'' نے آپ کے بارے میں یقین کر لیا کہ آپ ہی حکمت کے ''لقمان'' اور ''احزاب'' کا ''سجدہ'' ہیں۔ دلوں نے آپ کی محبت کا ''سباء'' پیا۔ پس آپ دلوں کے ''فاطر'' ہو گئے۔ ملائکہ کی ''صافات'' کے آپ ''یٰسین'' ہیں۔ اور مبارک گروہ کی جماعت کے ''صاد'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور کی صفت ''غافر'' الذنب کے راز ہیں۔ جس سے امور کی تفصیل (فصلت) ہوئی۔ اشراف کے درمیان ''شوریٰ'' وہ نفس جو آپ سے ''حاشیہ'' ہے اس کے ''دخان'' کے ''زخرف'' میں ''احقاف'' ہیں۔ آپ ''محمد'' ہیں تجلیات عرفانیہ کے صاحب ''فتح'' اور ''حجرات'' ہیں۔ نفوس انسانیہ کے ''طور'' سے ''ذاریات'' کا ''قاف'' ہیں۔ افلاک کے ''نجم'' املاک کے ''قمر'' ہیں۔ اس ''رحمٰن'' کے نور سے مستمد ہیں جن کے واسطہ سے ''مجادلہ'' میں ''حدید'' کا ''واقعہ'' ہے۔ ''جمعہ'' میں ''منافقین'' کے ساتھ ''صف'' میں ''ممتحنہ'' کا ''حشر'' اور مقاتلہ کے تغابن میں ہیں۔ اور آپ سے ہی ''ملک'' میں ''تحریم'' کی ''طلاق'' اور احسان کے ''الحاقہ'' کا ''نون'' بھی آپ ہی ہیں۔ ''نوح'' اور سالکین ''جن'' کے مقامات ایمانیہ میں آپ ہی ''معارج'' ہیں۔ ''مزمل'' ہیں۔ ''مدثر'' ہیں اور ''قیامۃ'' کی زینت اور فخر ''انسان'' ہیں۔ اہل ''بناء'' اور عرفان کے اخلاق ''مرسلات'' کے مالک ہیں۔ بڑے بڑے اوصاف کے اس لئے ''نازعات'' ہیں جس نے ''تکویر'' اور ''انفطار'' سے ''عبس'' کیا۔ ''بروج'' کے ''انشقاق'' سے ''مطففین'' کیلئے قاطع ہیں۔ داخل شدہ شہر میں ''فجر'' کے ''غاشیہ'' سے حضرت اعلیٰ کے ''طارق'' ہیں ''شمس'' کی ضیاء ''لیل وضحیٰ'' کا نور ہیں۔ ''الم نشرح'' ان پر نازل کی گئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ مبارک رسالت کیلئے خوب کھول دیا۔ ''تین وعلق'' بلکہ ہر مخلوق

کیلئے اپنی ''قدر'' سے افتخار ہیں۔ سرکش نفس کے ''ہمزہ'' کے ''عصر'' میں ''تکاثر'' کے ''قارعۃ'' سے ''عادیات'' نے ''زلزلہ'' کیا۔ عام ''الفیل'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ''کوثر'' وسلسبیل کے ''ماعون'' سے ''قریش'' خوش ہوئے۔ ''ابولہب'' کے خلاف ''نصر'' کے ساتھ ''کافرین'' پر غالب آئے۔ آپ کیلئے ''اخلاص'' کامل ہوا اور ''خلق'' واضح ہوا۔ پس آپ نے ''الناس'' کو ہدایت دی۔ حتیٰ کہ ہر شخص اپنے رب کے قریب ہو گیا۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب ''فتوحات مکیہ'' ہیں۔ ''تنزلات مدینہ'' کے وہ محل ہیں کہ ''شیون المشجون'' جس کی مدح سرا ہے۔ جن کی سخاوت سے ''نزھۃ الفنون'' نے عظمت پائی۔ آپ ہی مولانا روم کی ''مثنوی'' کے تنزل کا مقر ہیں۔ ہمارے اول وآخر کیلئے آپ ہی ''شاہدی ومشہودی'' کے راز ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خود ہم سے زیادہ اور بہتر جاننے والے ہیں۔ ایسے کیوں نہ ہو جبکہ آپ ''شمس المعارف'' ہیں اور ''عوارف العوارف'' کی حقیقت ہیں۔ جن پر ''بدایۃ الهدایۃ'' کی انتہاء ہوتی ہے اور جن کی ارشادات وعہود ''طبقات'' اہل مَن وعنایت کی ''میزان'' میں نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ ہی داؤد نبی علیہ السلام کے انسانیت میں باپ ہیں۔ (ابوداؤد) روحانیۃ جبرائیلیہ کے ساتھ آپ ہی ''ابوعیسیٰ'' ہیں۔ (صاحب صحیح ترمذی کی کینت ہے) بحور جسمانیہ آدمیہ کے ''ابن ماجہ'' ہیں۔ ''جامع صغیر'' کے ''جامع کبیر'' ہیں۔ صاحبان تکبیر وتہلیل کیلئے ''مواھب لدنیہ'' ہیں۔ ''شفاء عیاض'' کی سیاہی ہیں۔ آپ کے کرم کا سمندر فیاض ہے۔ آپ لطیف ''الشمائل'' ہیں۔ اواخر واوائل کے ''جامع'' ہیں آپ کا دین ''ریاض الصالحین'' ہے اور آپ کی شرح ''روض الریاحین'' ہے۔ ظاہر وباطن کے ''مجمع البحرین'' ہیں۔ سورج وچاند کے ''یواقیت وجواہر'' کے ساتھ ملتقی ہیں۔ ''کنز الدقائق، البحر الرائق، تنویر الابصار، عقد البحار، قاموس البلاغۃ والتبیان، صحاح جواھر القرآن، بدیع فنون المعانی والبیان'' بھی آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ ''اسرار'' میں ہر ''مختصر'' کے ''مطول'' آپ ہیں۔ ''صدر الشریعۃ المطہرہ، مشکاۃ الانوار، مغنی اللبیب عن قطر الندی، صاحب الہم، الکافیہ، الشافیہ من الردی'' آپ ہیں۔

آپ ہی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی دکانیں آپ کے ہاتھوں سے کھولی گئیں اور آپ کی مدد کی ''وفا'' سے شراب کے پیالے احباب پر پھیرے گئے۔ آپ کی ہی ساقی رحیق سے اخمار کی روایت کی گئی۔ اور آپ کے ہی باقی رہنے والے جود کے عبیر (خوشبو) سے اہل فلاح کی

ارواح الگ کی گئی۔

آپ کی چاند ایسی صفات کی روشنی پر محبت کرنے والوں کے دل معلق ہیں۔ اور آپ کی نشانیوں کے حقائق کے باغوں میں مقربین کی آنکھیں تروتازگی پاتی ہیں۔ آپ ہی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ راز پر گواہ بنایا۔ اور آپ کو پوشیدہ غیب پر مطلع فرمایا۔ اور آپ کی نبوت کے راستہ سے وہ راہ نمائی فرمائی۔ آپ کی رسالت کے تحفہ پر دلیل قائم فرمائی۔ وجود کے آسمان میں آپ کی صفات کے سورج کو طلوع فرمایا۔ اور آپ کی مبارک تشریف آوری سے رحمت وسخاوت کے بادلوں سے بارش برسائی۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کے خیموں کی منزلوں سے اس مولود کی آمد پر عجیب وغریب آیات ظاہر فرمائیں۔ سعد وسعود طالع کے وقت لگا تار احسانات عطا کئے۔ اور اپنی مدد کی تلوار سے ہر حاسد ودشمن کو ذبح کر دیا۔ آپ کی دعوت جس زمین پر واقع ہوئی اس نے باغیوں اور منکرین کے سب سے اگلے گھوڑوں کے پاؤں اپنے اندر دھنسا لئے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اس مجلس لطیف میں یہ تعین کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اور شریف نسب پر گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے درخت سے نکالا جس کا اصل اصیل اور اس کی فرع طویل ہے۔ اس کا گاڑنے والا رب جلیل ہے۔ اس کا خادم صاحب امانت جبرئیل ہے۔ اس کے پھلوں میں سے پختہ پھل اسماعیل ہے۔ مکہ مکرمہ میں جسے گاڑا گیا۔ طیبہ میں جسے پانی بلند کیا گیا۔ تہامہ میں اگایا گیا۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب پاک آپ کے والد گرامی جناب عبداللہ سے معد بن عدنان تک مسطور ہے۔ اور اس کے اوپر والے حضرات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا نسب بیان فرماتے۔ تو معد بن عدنان سے اوپر بیان نہ فرماتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن حکیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان سید العرب فی الناس۔ یہ ایسا نسب صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس سے آگے اللہ تعالیٰ کو علم جو قرآن کریم کا نازل کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا جو اس کی محبت میں ڈوبا ہوئی تھی۔ تو اس نے اپنے غیب کے پردہ سے اسے ظاہر فرمایا۔ ان کے نور کے منتقل ہونے پر بہت سی آیات اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ تمام مخلوقات نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ زمین وآسمان کے گوشوں میں ندا کی گئی۔ اے عرش! وقار کا برقع اوڑھ لے۔

اے کرسی! فخر سے بلند ہو جا۔ اے سدرۃ المنتہیٰ! خوش ہو جا۔ اے جنتی حورو! بناؤ سنوار کرلو۔ اے رضوان! جنتوں کے دروازے کھول دو۔ اے مالک! جہنم کے دروازے بند کر دو۔ کیونکہ اب وقت آ گیا تا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو۔ ان کا جو عیدوں اور موسم کے مالک ہیں۔ جو مندروں، گرجاؤں اور گردواروں کو منہدم کریں گے، اپنی شریعت سے تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کریں گے۔ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اپنے فخر کا جھنڈا گاڑیں گے۔ ان کے عجلت میں کہے گئے حکم سے کعبہ میں سے تمام بت اٹھا کر باہر پھینک دیئے جائیں گے۔ ان کی صبح طلوع ہونے سے ظالم و جابر حکمرانوں کے دل جھک جائیں گے۔ اور جو بھی آپ کی ملت کی اتباع کرے گا وہ یہی کہے گا کہ آپ کا دین وہی حق اور سلامتی کا دین ہے۔ اس وقت فرشتوں نے تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہی۔ اور تکبیر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مخلوق پر برسیں۔ ایمان کی ٹہنیوں میں اس وقت پھیلاؤ آیا۔ تائید و عرفان والوں کی ہمتوں نے اس وقت گفتگو کی۔ ہدایت کے منبر پر توحید کی زبان بولی۔ سخاوت اور کرم کی متفرد چادروں کے برقعے اس زبان نے زیب تن کر رکھے تھے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ الاية۔ اپنے رب کا ذکر کر جب تو بھول جائے اور کہو کہ عنقریب میرا رب مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے گا۔ یہ وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہے یہ لمحے گڑگڑانے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لمحے ہیں اور ساعت اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اشرف الخلق کے ظہور کی ساعت ہے، جسے کوئی حاجت ہو اسے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہئے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو عام عورتوں کی طرح دردزہ نے آلیا۔ اور نور فیاض کی روشنی سے ان کا گھر جگمگا اٹھا۔ انہوں نے اپنے دل سے محسوس کیا کہ کسی پرندے کے پروں کی طرح کسی نے چھوا ہو۔ اس سے ان پر طاری رعب اور تکلیف اور موجود پریشانی ختم ہو گئی۔ پھر انہیں سفید روشن پانی پینے کو بطور تحفہ دیا گیا۔ آپ نے لیکر اسے نوش فرمایا اور عجیب و غریب انوار نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ پھر اس وقت انہوں نے صالح عورتوں کی ایک جماعت کو دیکھا۔ انہوں نے سیدہ آمنہ کو گھر کے کسی فرد اور گھریلو عورتوں کی ضرورت نہ رہنے دی۔ کہنے لگیں۔ اے آمنہ! فکر نہ کرو، مطمئن ہو جاؤ۔ ہم میں سے یہ فرعون کی بیوی آسیہ ہے۔ عمران کی بیٹی مریم ہے۔ اور یہ دیکھو حور العین کھڑی ہیں۔ جب معاملہ نے شدت پکڑی۔ عظیم املاک کا ٹکراؤ ہوا۔ اور زمین و آسمان کے درمیان دیباج (ریشم کا کپڑا) بچھا دیا گیا۔ اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا تھا۔ اسے لوگوں کی نظر سے دور لے جاؤ۔ تا کہ اسے آسمان اور زمینوں کا طواف

کرایا جائے۔ اور نامور فرشتے ان کی زیارت کریں۔ پھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کے کٹورے دیکھے۔ جنہیں ہوا میں لئے کچھ مرد کھڑے تھے۔ پرندوں کا ایک گروہ آپ کی طرف بڑھا۔ حتیٰ کہ آپ کے حجرہ شریفہ پر آ کر رک گیا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا تھا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدہ آمنہ کی آنکھوں کے پردے اٹھا دیئے۔ اور انہوں نے اپنا مقصود پا لیا۔ اس وقت انہوں نے زمین کے مشرق و مغرب دیکھے۔ اس کے بعد تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا بیت اللہ شریف کی چھت پر تھا۔ پھر ان کے پردوں سے حوریں ظاہر ہوئیں۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی۔ اور سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں عرض کیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

وَاَحۡسَنُ مِنۡکَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَیۡنِیۡ   وَاَجۡمَلُ مِنۡکَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّاً مِنۡ کُلِّ عَیۡبٍ   کَاَنَّکَ قَدۡ خُلِقۡتَ کَمَا تَشَاءُ

آپ سے بڑھ کر حسین میری آنکھوں نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں اور آپ سے بڑھ کر صاحب جمال، عورتوں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے۔ گویا کہ آپ کو جیسا آپ نے چاہا ویسا ہی پیدا کیا گیا۔

جوہر ۲: امام عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے دیوان ابن فارض رضی اللہ عنہ کی شرح کے خطبہ میں لکھا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الۡاَمِیۡنِ ۔ والرسول المبین۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ رسول و نبی ہیں جو اپنے نورانی مادے اور روحی کلیۃ سے ہر چیز میں سرائیت کئے ہوئے ہیں اور یہ نظریہ سرایت اہل تحقیق وتصدیق کا ہے۔ پس جو شخص آپ کی ذات سے متحقق اور آپ کی صفات سے متخلق ہے وہ تخلیق میں آپ کی اتباع میں کامل شخص ہے۔ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ الایۃ۔ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک ایسے عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں۔ مومنین کیلئے نہایت مہربان اور رحم والے ہیں۔ اس مقام بلند و بالا پر فائز لوگو! تمہیں سعادت مبارک ہو۔ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین کے لباس کے ساتھ ظاہر ہوئے اور آپ کی حقیت انبیاء و مرسلین کرام کی حقیقتوں سے سبقت لے گئی۔ جیسا کہ آپ آخرین کے ساتھ ظہور پذیر

ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "رحمۃ للعالمین" ہیں۔ اسی لئے آپ کے وسیلہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جلنے سے نجات پائی۔ موسیٰ علیہ اسلام ڈوبنے سے بچے۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ تمام انبیاء کرام آپ کی تفصیل جبکہ آپ اپنے اجمال وثیق سے مخصوص ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی نازل ہو۔ اور آپ کے تمام ظاہری صحابہ کرام پر بھی نازل ہوں۔ جو آپ کے ساتھ دینی امور میں آپ ہی کے حکم سے قائم رہے۔ جس میں انہوں نے نہ تو ڈھیل کی اور نہ ہی بہانے تراشے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کے سورج ہیں۔ اور آپ کی طریقت کی بجلی کی چمک ہیں۔ آپ کی شریعت کے آسمان کے ستارے ہیں اور آپ کی سیرت وشخصیت کے کمالات کے چاند ہیں۔ کتنے ہی چاند اہل بدر سے روشن ہوئے۔ حدیث پاک کی نص سے جن کیلئے یہ ارشاد ثابت ہے کہ اہل بدر جو چاہیں کریں وہ بخشے ہوئے ہیں۔ یہ خوشخبری ان کیلئے اس لئے تھی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان تقویٰ کی حفاظت کی اور ان حضرات کے کمال میں جو حضرات اتباع کرنے والے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نازل ہو اور جلال و جمال کی تجلیات ان پر برسیں۔ یہ دعاء ان کے ہر حمایتی اور دوست کی ہے۔ اور اس وقت تک ہے جب تک پھولوں کے نافہ سے مشک وعنبر کی خوشبو نکلتی رہے اور نرگس کے پودے سے جب تک باغات معطر رہیں۔ یہاں تک کہ ٹہنیاں وجد میں آجائیں اور ان کے شگوفے اپنے حلہ جات اتار نہ دیں۔

جوہر ۳: حضرت سبط ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے دیوان کے خطبہ کی شرح میں علامہ نابلسی رقمطراز ہیں اور ان کی یہ تحریر جناب ابن الفارض کے نواسے کی تحریر سے بہت مشابہ ہیں جنہوں نے ابن فارض رضی اللہ عنہ کے کلام کو جمع فرمایا۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا کلام یہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اِخْتَصَّ حَبِیْبَهُ الْاَسْنٰی – بِمَقَامِ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

مذکورہ عبارت میں لفظ "حبیب" سے مراد "محبوب" ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا ہونا یہ (محبت) اس کی ایک صفت قدیمہ ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا محبوب اس کے پاس حاضر ہو اور یہ بھی اس کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کا حلہ محبوب پر نہ رہنے دے۔ اور یہاں "حلہ" سے مراد محبوب پر موجود محبوب کا وجود ہے اور تمام اشیاء ازل میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر تھیں اور وہ اپنی ذاتوں کے غیب میں تھیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کیطرف اپنے اندر قائم وصف محبت کی طرف سے ان سے نزول فرمایا۔ تو انہیں

اپنے ہاں حاضر کیا۔ پھر ان کا غیب ان سے دور ہو گیا۔ اور انہیں اللہ نے خبر دی کہ وہ ان سے محبت کرتا ہیں۔ اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔

پس اللہ تعالیٰ کے ان سے محبت کرنے سے ان میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کرنے نے تقدیر میں ان کے اعیان کو ثابت کیا۔ اور اشیاء کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ان کے اعیان کا وجود و تصویر سے موصوف ہونا ہے اور اشیاء کا اللہ تعالیٰ نے محبت کرنا بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا ان اشیاء کی طرف ان کے ساتھ نزول کرنا بھی ہے۔ اور تمام اشیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ لہٰذا محبت اور محبوبیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہے۔ آپ ہی محبّ اور محبوب ہیں۔ اور آپ ہی کل محبّ اور کل محبوب ہیں اور محبّ ہی محبوب ہے لیکن اس اعتبار سے کہ ان اشیاء کی طرف ان کے ساتھ نزول ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ لہٰذا ''محبّ'' فی نفسہ امر سے جاہل ہے اور اس چیز کا دعویدار ہے جو اس کے ہم جنس لوگوں کیلئے نہیں۔ اور ''محبوب'' محقق اور عارف ہے اور فضائل کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ اس لئے جناب ابوالفارض رضی اللہ عنہ نے ''حبیبہ'' کہا۔ اس کی جگہ ''محبہ'' نہیں کہا۔

دوسرا لفظ ''الاسنیٰ'' ہے۔ یہ ''سناء'' مدہ کے ساتھ سے مشتق ہے جس کا معنی بلندی ہے یا پھر ''سنا'' بالقصر سے مشتق ہے جس کا معنی ضیاء اور نور ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو تمام مخلوقات سے مرتفع ہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی تمام کائنات کا وجود اول ہیں اور تمام مخلوقات آپ ہی کا وجود ثانی ہے۔ دونوں میں فرق اعتباری ہے اور وہ بھی حالت ظہور میں محض نور ہیں۔

تیسرا لفظ ''بمقام'' ہے لفظ ''المقام'' دوام اور ثبوت کا تقاضا کرتا ہے اور لفظ ''حال'' پھر جانے اور زوال کو چاہتا ہے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم رسوخ پر ثابت ہیں۔ لہٰذا آپ ''صاحب مقام'' ہیں ''صاحب حال'' نہیں۔

چوتھا لفظ ''قَابَ قَوْسَيْنِ'' ہے۔ ''قاب'' اس جگہ کو کہتے ہیں جو کمان کے دستہ اور ''وتر'' کے داخل ہونے کی جگہ ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمان کے دو ''قاب'' ہوتے ہیں یا ''قاب'' کا معنی ''قدر'' ہے۔

''اَوْ اَدْنٰی'' یعنی اس سے بھی زیادہ قریب۔ اللہ تعالیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد وارد ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ (النجم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ان کا رب ہوا۔ اس لئے کہ آپ محبوب ہیں

اور محبوب ہی مطلوب ہوتا ہے۔ ''محبوب'' طالب نہیں ہوتا اور یہ فی نفسہ بات کی کمال تحقیق ہے۔ وہ یہ کہ ''قریب ہونا'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور بندے کی طرف سے کچھ بھی (قرب ہونا) نہ تھا۔ ''فَتَدَلّٰی'' یعنی آپ کی طرف آپ کے رب نے نزول فرمایا۔ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور یہ نزول ''مقام شہود'' کی طرف ہوا۔ ''فَكَانَ'' یعنی اللہ کا رب تعالیٰ یا آپ خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے ''قاب قوسین'' ہوئے۔ یعنی اس قدر قریب ہوئے جتنا قوسین کے قریب ''قاب'' ہوتا ہے۔ جب دونوں قوس میں ہر ایک کو دوسری کے مقابل رکھا جائے۔ ایسے کہ ان دونوں میں ایک دائرہ نکلے۔ جو دو ''وتر'' کو چھوتا ہو۔ ''قوسین'' کی طرف اضافت کرتے وقت لفظ ''قاب'' کو مفرد ذکر کیا گیا جو دراصل ''چار اقواب'' ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر قوس کے دو قاب ہوتے ہیں۔ اس لئے مفرد لایا گیا تاکہ ''جنس'' مراد ہو جائے یا اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ دائرہ محمدیہ کا ہر ''قاب'' دوسری طرف سے واقع ''قاب'' کا عین ہے۔ لہٰذا چاروں اطراف دراصل ایک ہی طرف قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' پس یہ چار اطراف ہیں جیسا کہ مبتداء اور خبر کا معاملہ ہے۔ ایک اعتبار سے ''خبر'' مبتداء کی غیر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے اس کی عین ہوتی ہے۔ جیسا کہ تمہارا قول ''زَيْدٌ قَائِمٌ'' ہے اس میں قیام کی صفت سے باعتبار معنی زید ہی متصف ہے۔ یونہی یہاں معاملہ ہے وہ اس طرح کہ ''نور محمدی'' وہی اول مخلوق ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے ''اول ما خلق اللّٰه نور نبیک یا جابر ثم خلق اللّٰه منه کل شیءٍ'' لہٰذا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اول'' ہوئے اور آپ ہی ''آخر'' ہیں اس لئے کہ ''مادہ'' مثلاً لکڑی سے جب کوئی چیز مثلاً کرسی بنائی جاتی ہے تو لکڑی کرسی کا عین ہوتی ہے۔ صرف اس پر ایک مخصوص صورت کی زیادتی ہوتی ہے اور لکڑی اس مخصوص صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور ''مادہ'' کے اعتبار سے ''باطن'' ہوتی ہے۔ کیونکہ صورت کے اعتبار کرتے وقت اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

دیوان مذکور کے خطبہ میں ذکر کئے گئے جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قول ''وَقَرَنَ اِسْمَهٗ الشَّرِيْفَ بِأَعْظَمِ اَسْمَائِهِ الْحُسْنٰى'' کے تحت علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم گرامی اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے اعظم اسم کے ساتھ ملایا) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ''اعظم اسم'' لفظ ''اللّٰه'' ہے۔ اور یہ اکثر حضرات کے قول کے مطابق ''اسم اعظم'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ اپنا اسم اعظم شہادتین میں ذکر فرمایا۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں وارد ہے۔ جب انہوں نے آپ سے

''اسلام'' کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ ''اول'' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں .... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے۔ وہ تو صرف آپ کی طرف کی گئی وحی ہوتی تھی اور آپ کی طرف قرآن کریم کی وحی اور سنت کی بھی وحی کی جاتی تھی جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے نواسے یعنی صاحب خطبہ دیوان کے آگے ذکر کئے جانے والے کلام کی شرح کرتے ہوئے امام عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔ سبط ابن فارض رضی اللہ عنہ کا کلام درج ذیل ہے۔

''ان کے صاحبزادے یعنی شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے عالم بیداری میں شیخ یعنی اپنے والد ماجد شیخ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور وہ اپنی زندگی میں اپنی پشت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں لیٹے ہوئے آپ فرما رہے تھے۔ ''صدقت یا رسول اللہ'' یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ یہ جملہ آپ نے تین بار کہا۔ اور کہتے وقت آپ کی آواز کافی بلند تھی۔ اور بلندیٔ آواز کے ساتھ آپ نے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلی اٹھائی ہوئی تھی اور ان دونوں انگلیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو وہی الفاظ (صدقت یا رسول اللہ) ان کی زبان پر تھے۔ تین مرتبہ یہی الفاظ بیداری میں کہے اور خواب کی طرح جاگتے ہوئے بھی اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے آپ کو خواب میں بھی ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ یعنی آپ نے ''صدقت یا رسول اللہ'' تین مرتبہ کہا اور شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا میں نے پھر آپ سے پوچھا کہ آپ نے ''صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' کیوں کہا تھا۔ اور انگلیوں سے اشارہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اس پر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے بیٹے! میں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا''۔

یہ بات ہر ذی علم کو معلوم ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا۔ اس نے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دیکھا جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا۔ ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِی فَاِنَّ الشَّیطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان کو میری شکل وصورت میں

آنے کی ہمت نہیں۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل، بخاری اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ایک دوسری روایت ہے۔ ''مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَاٰی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَزَیَّابِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔ بیشک شیطان میرے لباس میں نہیں آ سکتا۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل، بخاری، اور مسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت یوں آئی ہے۔ ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَ اِنِّیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ'' جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ وہ بہت جلد بیداری میں بھی مجھے دیکھے گا اور شیطان میری شکل وصورت میں نہیں آسکتا۔ اس روایت کو بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کو خواب میں زیارت ہونا اس کیلئے اس بات کی خوشخبری ہے کہ وہ بہت جلد آپ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اور بیداری میں جب کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے تو اس وقت بھی شیطان کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت بن سکے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بحالت بیداری ''برزخی رویت'' ہے۔ جو اولیائے عارفین کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ عالم بیداری میں اپنے جسموں سے مجرد ہو جاتے ہیں اور روحانیت کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور شرعی ریاضت اور پسندیدہ بندگی سے ان کی کثافت ''لطافت'' بن جاتی ہے۔ پھر اولیائے عارفین وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو سونے والا نیند میں دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ حضرات ''ارواح برزخیہ'' کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ ایسا ہونا عارف لوگوں کے نزدیک ایک حقیقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکورہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور اس زیارت کو عظیم سمجھا۔ ایسا کہ اس کی وجہ سے کمال ''تقویٰ'' لازم ہو گیا۔ اور ظاہر و باطن میں شریعت پر استقامت کی حالت میسر ہو گئی۔ صرف ظاہری استقامت کافی نہیں جیسا کہ اس راستے سے ناواقف اور اجنبی لوگ خیال کرتے ہیں تو ایسا آدمی ولی اور عارف ہو جاتا ہے اور وہ جاگتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرنا اس مقام کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے لیکن وہ شخص جس کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیدار عطا فرمایا اور وہ ظاہر و باطن میں گناہوں پر اصرار کرتا رہا۔ تو وہ غافل ہے اور پردے میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا دل دنیا میں مشغول ہے اور جہنم کا ایندھن جمع کرنے میں زندگی گزار رہا ہے۔ (اسے بیداری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نہیں ہو سکتا) خواب میں ایسے کا حضور کو دیکھنا اس پر وبال

ہے۔اس کے ساتھ مکر ہے اور انتقام کی ایک صورت ہے۔

''مواہب لدنیہ'' میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاگتے ہوئے زیارت کرنا ممکن ہے۔ یونہی امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے منظومہ کلام ھمزیہ کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر ایک مستقل ''رسالہ'' موجود ہے۔ جس کا نام ''انارۃ الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک'' ہے۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مجھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے عمر! تیرا نسب کیا ہے یعنی کس کی طرف تو نسبت رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بنو سعد سے تعلق رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! جو حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے اور جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تو مجھ سے ہے۔ یعنی میری اولاد اور میرے نسب سے ہے۔ تیرا نسب میرے ساتھ ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنا نسب نامہ باپ دادا سے لیکر بنو سعد تک جانتا ہوں۔ میں اس قبیلہ سے ہوں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں۔ یہ الفاظ (جو عربی میں لَا لَا ہیں) آپ نے لمبی آواز کر کے ارشاد فرمائے۔ فرمایا۔ بلکہ تو مجھ سے ہے اور تیرا نسب میرے ساتھ ملتا ہے۔ یعنی تو خاتون جنت کی اولاد میں سے ہے۔ جو حضرت علی المرتضی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا ہے۔ تین مرتبہ میں نے یہی الفاظ عرض کئے اور ان الفاظ کے کہتے وقت انگلی سے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

اس ''دیوان'' کو جمع کرنے والے فرماتے ہیں میں نے ابن فارض رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے مذکور کو دیکھا۔ کہ وہ حالت بیداری میں اپنے قدموں پر کھڑے ہیں اور ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ان کے گھٹنوں تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان کی پشت بھی بالکل سیدھی تھی۔ مطلب یہ کہ موصوف کے بازو اس قدر لمبے تھے کہ حالت قیام میں کمر جھکائے بغیر گھٹنوں تک پہنچ جاتے تھے۔ شیخ موصوف کے صاحبزادے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی شیخ عمر بن فارض رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھوں کی انگلیاں ان کے گھٹنوں تک لمبی تھیں۔ جس طرح میں کھڑا ہوں۔ انہوں نے یہ الفاظ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائے۔ اور شیخ یا ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ بازوؤں کا گھٹنوں تک کمر جھکائے بغیر پہنچ جانا شرافت کی ایک علامت ہے۔

علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بازوؤں کا گھٹنوں تک لمبا ہونا ''صحت نسب''

کیلئے شرط لازم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نشانی ہوسکتی ہے جیسا کہ موصوف نے فرمایا۔ اخبار (احادیث) میں ایسی بات ملتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک حسی اور معنی دونوں اعتبار سے طویل تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھے تا کہ نفلی نماز ادا فرمائیں۔ میں بھی آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ اس قدر روایت امام بخاری اور مسلم نے لکھی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کان پکڑا اور مجھے آپ نے اپنے پیچھے سے پھیر کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا ایک اور روایت میں آتا ہے۔ میں پھر واپس پہلی جگہ آگیا۔ آپ نے دوبارہ اسی طرح کیا۔ میں پھر واپس آگیا۔ آپ نے تیسری بار اسی طرح کیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے برخوردار! جہاں میں نے تجھے کھڑا کیا تھا وہیں کھڑے رہتے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اپنی مثال آپ ہیں کسی کو نہ زیب دیتا کہ کھڑا ہونے میں آپ سے برابری کرے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ'' اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطا کرنا اور تفسیر کا علم اسے عطا کرنا۔ واقعہ مذکورہ سے یہ بات بلا شک وشبہ ثابت ہوتی ہے کہ جس کا ہاتھ (بازو) اپنے بائیں طرف کھڑے مقتدی کے سر تک پہنچ جائے۔ یا اس کے کانوں تک پہنچ جائے۔ پھر اسے پکڑ کر اپنے پیچھے سے اپنی دائیں جانب کھینچ کر لے آئے اور قبلہ کی طرف سے منہ بھی نہ پھرنے پائے۔ اس شخصیت سے زیادہ لمبا ہاتھ اور کس کا ہوسکتا ہے؟ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک کے طویل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے نواسہ نے جو اس دیوان کے جامع بھی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیخ عمر موصوف رضی اللہ عنہ کو جو خواب میں ''نسب'' کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ کہ ''تو مجھ سے ہے اور تیرا نسب میرے ساتھ متصل ہے'' اس سے مراد یا تو ''گھریلو نسبت'' ہوسکتی ہے۔ یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونا جو دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونا ہی ہے۔

علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے بظاہر اور متبادر یہی مفہوم نکلتا ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے یہ ثابت نہیں بلکہ ثابت یہی ہے کہ موصوف کا نسب ''بنوسعد'' سے ملتا ہے۔ اس لئے کہ جب شریعت میں نسبت کا ثبوت بینہ (دو گواہ) سے معتبر ہوتا ہے اور

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی طبیعتوں، عادتوں اور اغراض ومقاصد میں تبدیلی واختلاف ہو جاتا ہے پھر کوئی شخص اپنے نسب کے بارے میں "مبینہ" قائم کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اور کبھی گواہ بھی گواہی دینے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ خواہ ان کو کسی قسم کا خوف گواہی سے رد کے یا طمع یا لالچ آڑے آ جائے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی حاکم "عادل" ہوتا ہے اور کسی دور میں "ظالم" کی حکمرانی ہوتی ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے نسب سے جاہل ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو کسی اور نسب سے جوڑتا پھرے یا نسب کا تو علم ہو لیکن کسی غرض کی وجہ سے وہ دوسرا نسب اختیار کر لیتا ہے لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہی صحیح ہے جو ظاہری حالت کے خلاف دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ شیخ کا مذکورہ خواب احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی کا موجب نہیں بنتا۔

شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے نواسے مزید لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس "نسبت" کا ذکر فرمایا۔ اس سے مراد شیخ موصوف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان "نسبت محبت" ہو اور وہ نسبت جو محبت والی ہو، اہل محبت کے نزدیک اس نسبت سے کہیں اشرف واعلیٰ منزلت والی ہوتی ہے، جو باپ دادا کی طرف ہو، جس سے کوئی شخص کسی کی اولاد بنتا ہے۔ یہی "نسبت محبت" تھی جس نے حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو "اہل بیت نبی" میں داخل کر دیا تھا، عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہما کو اپنی اہل بیت میں داخل فرمایا اس سے مراد "نبوت محمدیہ" کے اہل بیت میں داخل فرمانا ہے۔ بلکہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی اہل کون ہے؟ فرمایا۔ ہر مومن یا ہر متقی مومن میری آل ہے۔ روایات میں دونوں لفظ (مومن، متقی مومن) آتے ہیں۔ اور "آل" بمعنی "اہل" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ یہ روایت طبرانی اور حاکم نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔ ایک روایت میں یوں مذکور ہے۔ "سلمان سابق فارس" اسے ابن سعد نے حسن سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "سباق" (آگے بڑھنے والے) چار ہیں۔ میں "سابق العرب" ہوں۔ صہیب سابق روم، سلمان سابق فارس اور بلال سابق حبشہ ہیں۔ اسے امام حاکم، طبرانی اور بزاز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور ابن عدی نے حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ''نسبت محبت'' میں ابو طالب بن عبدالمطلب بہت دور رہا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھائی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اسلام لانے کی تمنا کی تھی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے چچا! کلمہ پڑھ لو خواہ میرے کان میں ہی پڑھو۔ میں اس کلمہ پڑھنے کی وجہ سے کل قیامت میں تمہارے حق میں مسلمان ہونے کی دلیل دوں گا۔ ابو طالب نے کہا۔ میں قریش کے بزرگوں کے دین پر ہی رہوں گا۔ بہر حال وہ ''نسبت محبت مذکورہ'' سے مشرف نہ ہوا۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہونے کی نسبت کوئی نفع نہ دے سکی۔ جو اہل کی نسبت میں بہت قریب کی نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ نسبت ''عصبہ'' بناتی ہے اور اس نسبت والا ''ولی'' بھی بنتا ہے۔ ''نسبت محبت'' اس لئے نہ بن سکی۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلیہ نے اس کی موت کفر پر لکھی تھی اور ہدایت ربانیہ اور عنایت رحمانیہ مقدر میں نہ تھی۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے بیزاری کا اعلان کیا۔ جب انہیں آزر کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا کے بارے میں استغفار کی دعا کرنا اس وجہ سے تھا کہ اس نے ان سے وعدہ کیا ہوا تھا پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا (توبہ)۔ آزر نے وعدہ یہ کیا تھا کہ میں اسلام لے آؤں گا اور آپ پر ایمان لے آؤں گا لیکن پھر رک گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں کہا گیا۔ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ اے اللہ! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ اور تو ہی احکم الحاکمین ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ کیونکہ اس کے کرتوت اچھے نہیں ہیں (ہود:45)۔ اسی نسبت یعنی ''نسب محبت'' کی طرف ہمارے شیخ یعنی شیخ عمر رضی اللہ عنہ نے ''قصیدہ پائیہ'' میں اشارہ فرمایا۔ جس کا قافیہ ''یاء مثناۃ تحتیہ'' ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَسَبٌ أَقْرَبُ فِي شَرْعِ الْهُدٰى   بَيْنَنَا مِنْ نَسَبٍ مِنْ أَبَوَيَّ

ہمارے درمیان محبت کا رشتہ اور نسب اس نسب سے زیادہ قریب ہے جو ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں۔یعنی اس دیوان کے جامع جناب شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے نواسے فرماتے ہیں کہ ''نسب محبت'' کا اعتبار ہے۔اس بارے میں انہوں نے شیخ عمر رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین واقعہ کی مثال دی۔فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں گویا حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوں اور یوں نظر آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت انبیاء کرام اور اولیاء کی کثیر تعداد موجود ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریف شمس الدین ابکی نقیب الاشراف اور قاضی العساکر المنصورۃ جو دمشق میں رمضان پاک کے مہینہ میں ۷۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں۔میں نے ان موجودین حضرات میں سے صرف ان کی شکل وصورت سے ان کو پہنچانا۔اور دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ شیخ صبیح حبشی کی نسبت کا آپ کی طرف اثبات کیا جائے۔میں نے اس مجلس میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاس وہ تحریر تھی جس میں ''نسبت شریفہ محمدیہ'' کی گواہی لکھی تھی اور وہ اس مجلس کے حاضرین کے پاس چکر لگا رہا تھا۔ان کے خطوط حاصل کر رہا تھا جب چلتے چلتے میرے پاس آیا تو اس نے مجھے وہ تحریر پکڑائی اور کہا لکھو۔میں نے عرض کیا کہ میں نے شیخ صبیح کو دیکھا تک نہیں اور نہ ہی میں نے ان کا زمانہ پایا اور نہ ہی میں ان کی نسبت کو جانتا ہوں میں نے صرف ان کی اولاد کو دیکھا ہے جو میرے دوست ہیں۔یہ بات سن کر اس شخص نے زور سے چیخ ماری۔جس سے مجھ پر رعب اور ہیبت طاری ہو گئی۔اس نے مجھے پھر کہا۔لکھو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے میں نے عرض کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے حکم دیا ہے؟ کہنے لگا۔لکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیخ صبیح سے باعتبار نسبت کے متصل ہیں۔شیخ صبیح وہ شخصیت تھے کہ انہیں ہم میں سے کوئی بھی نہ جانتا تھا۔کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں۔ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ شیخ موصوف ایک کامل صالح مرد تھے۔یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا واقعہ جناب شیخ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔شائد ان دونوں حضرات کے بارے میں نسب خاندانی مراد تھی یا نسبت محبت تھی۔جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔

شیخ ابن فارض رضی اللہ عنہ کے نواسے جامع دیوان ابن فارض نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے۔مجھے ان کے بیٹے رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ سے سنا۔فرمایا کہ مجھ سے ایک مرتبہ نازیبا بات ہو گئی۔جس کی مجھے سخت گرفت ہوئی۔اور یہ مواخذۃ باطنی تھا۔میں شدت قبض کی وجہ

سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی بندش میں گرفتار ہو گیا۔حتیٰ کہ قریب تھا کہ میری روح میرے جسم سے نکل جاتی۔ میں پریشان حالت میں بھاگ نکلا۔جیسا وہ شخص بھاگتا ہو جس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو اور وہ حکومت کو مطلوب ہو۔ میں بھاگتے ہوئے ''مقطم'' پہاڑ پر چڑھ گیا۔اور وہاں میں نے ان مقامات کا قصد کیا جو میری سیاحت کے دوران میری آرامگاہ تھے۔میں رو رہا تھا۔استغاثہ کر رہا تھا اور استغفار میں مشغول تھا لیکن میری پریشانی اور قبض دور نہ ہوئی میں نے وہاں سے مصر شہر کا ارادہ کیا۔اور وہاں جا کر جامع عمرو بن العاص میں گیا۔جامع مسجد کے صحن میں ڈرتا ہوا اور گھبرایا ہوا کھڑا ہو گیا اور یہاں پھر میں نے توبہ و استغفار اور رونا شروع کر دیا لیکن پریشانی دور نہ ہوئی پھر مجھ پر حال غالب آ گیا۔یہ حال اس قدر سخت تھا کہ اس سے پہلے میں نے ایسا حال نہ دیکھا۔اور میں نے کہا۔

مَنْ ذَا الَّذِی مَا سَاءَ قَطُّ وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰی فَقَطْ

ایسا کون ہوسکتا ہے جس نے کبھی برائی نہ کی ہو۔اور ایسا کون ہے جس کی صرف اور صرف نیکیاں ہی ہوں میں نے فوراً آسمان وزمین کے درمیان سے ایک آواز سنی۔لیکن آواز والا مجھے نظر نہ آیا۔اس نے کہا۔

مُحَمَّدٌ الْهَادِی الَّذِی عَلَیْهِ جِبْرِیْلُ هَبَطْ

یعنی وہ شخصیت جس کے بارے میں تو معین طور پر سمجھنا چاہتا ہے اور اس کے متعلق جاننا چاہتا ہے اور تو نے اس کی یہ صفت بیان کی کہ اس نے عمر بھر کوئی برائی نہیں کی اسکے تمام کے تمام اعمال ''حسنہ'' ہیں۔پسندیدہ ہیں۔اس شخصیت کا اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص اس لئے کی گئی حالانکہ بقیہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی ایسے ہی ہیں۔کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے معصوم بنا دیا۔وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع انسان میں پائے جانے والے انبیاء کرام میں سے سب سے آخری پیغمبر ہیں۔کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔لہٰذا آپ اس مذکورہ وصف سے امت میں معروف ومشہور ہیں۔دوسرے انبیاء کرام کی ایسی شہرت نہیں۔اور یہ بھی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔لہٰذا آپ ہی ''فرد کامل'' ہوئے اور آپ ہی ایسے ''ھادی'' ہیں۔جنہوں نے امت کو ہدایت کی اور انہیں سب سے سیدھے اور مضبوط راستے کی رہنمائی فرمائی۔وہ راستہ جو حضرت جبرئیل علیہ السلام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ سے لائے تھے۔اور قرآن کریم نے جس کی نشاندہی کی۔پھر اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا آپ کے وسیلہ اور سبب سے اپنے سیدھے راستہ کی رشد وہدایت عطا فرمائی۔

اس کے بعد موصوف کے نواسے مزید لکھتے ہیں کہ مجھے شیخ موصوف کے صاحبزادے نے بتایا کہ میں نے شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ اٹھے اور بہت دیر تک رقص میں مصروف رہے اور وجد عظیم کی حالت میں کافی وقت تک رہے۔ اس دوران آپ کا بہت پسینہ بہا۔ حتیٰ کہ قدموں کے نیچے تک بہہ گیا۔ پھر شیخ رضی اللہ عنہ زمین پر گر گئے۔ اور اضطراب شدید کی کیفیت ہوگئی۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حالت (رقص و تواجد کی حالت) بہت سے فقراء کو پیش آئی ہے۔ جب وہ کسی جگہ حلقہ ذکر میں حاضر ہوتے ہیں یہ حالت اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے اس کیفیت کے دوران اپنی پگڑی اور کچھ دوسرے کپڑے جسم سے اتار دیئے۔ انہیں زمین پر پھینک دیا۔ پھر لکڑی کے ٹکڑے کی طرح اس کے اعضاء اکڑ گئے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ اس قوت کا اثر تھا۔ جو اس شخص پر وارد ہوئی۔ اور اس خشوع و خضوع کا نتیجہ تھا جو اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اس نے اس کا اختیار چھین لیا۔ یہ کیفیت خاص کر شام میں بنی سعد الدین جباوی میں پائی جاتی ہے۔ اور تغلبی فقراء میں بھی یہ پائی جاتی ہے۔ دمشق میں ان تغلبی فقراء میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا اور وجد و کیف کی حالت میں وہ اپنے گھوڑے کو لوگوں پر چڑھا دیتا۔ اس کے پاؤں تلے آنے کے باوجود کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ بعض دفعہ لوگوں کو مختلف امراض سے اس طرح شفا مل جاتی۔ بارہا ایسا ہوا کہ اس شخص نے کسی لنجے (چلنے پھرنے سے معذور) کو ہاتھ لگا دیا تو وہ اسی وقت تندرست لوگوں کی طرح قدموں سے چلنے لگتا۔ دمشق میں یہ بات ہمارے ہاں بہت مشہور و معروف ہے۔ یہ ایک ''شریف حالت'' ہے اگرچہ اس حالت کا بہت سے محض نام کے فقیہہ انکار کرتے ہیں۔ جنہیں اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اپنے دور کے نکمے لوگ ہیں۔ یہ اس لئے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان سے دلوں کی قوت سے یہ بات بہت دور ہے اور یہ کیفیت خشوع و خضوع کا ایک اثر ہوتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے قلب کی پناہ چاہتا ہوں جو خشوع نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بعض دفعہ کچھ اسی قسم کے لوگ فقراء پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ یہ لوگ (فقراء) اپنے نفوس پر زیادتی اور اسراف کرتے ہیں۔ تم ایسے معترضین کو دیکھو گے کہ وہ ایسے فقراء کی تلاش میں ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کے فقیر ہوں اور معصوم ہوں ان میں کسی قسم کی کوئی لغزش اور معصیت نہ ہو لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ جس شخص کی بھلائی اس کی برائی پر غالب ہو وہ ''کامل'' شخص ہے۔ بلکہ حدیث

نبوی میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ والی بات آئی ہے۔ وہ یہ کہ نیکی کا دسواں حصہ جس میں موجود ہوگا وہ نجات یافتہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ شخص جس کی بھلائی اور اس کی برائی پر غالب ہو، یا اس سے آدھی یا چوتھائی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں کوئی شخص ان باتوں میں سے جن کا میں نے تمہیں حکم دیا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہو جائے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا۔ جس میں اگر کسی شخص نے احکامات میں سے دسویں حصہ پر بھی عمل کیا۔ وہ نجات پا جائے گا۔ یہ روایت امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے اور علامہ سیوطی نے جامع الصیغ میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کی نجات کی بشارت سنائی ہے جو شریعت کے دسویں حصہ پر عمل کرتا ہوگا۔ یہ عظیم بشارت ہر اس مومن کیلئے ہے جو آخری وقت تک کفر و شرک سے بچا رہا۔ ہمارے اس زمانہ میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو کفر و شرک سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ اس دور میں حق کے ساتھ باطل کی ملاوٹ بکثرت ہو چکی ہے اور جو لوگ اہل توفیق و عنایت نہیں۔ ان کیلئے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جو معصیت کو طاعت اور طاعت کو معصیت کہتے ہیں۔ جب علماء کا یہ حال ہے تو عام مسلمان کی کیفیت کیا ہوگی؟ ہاں اللہ تعالیٰ جسے بچائے رکھے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک تم میں سے کسی کے دل میں ایمان اس طرح پرانا اور پھٹا ہوا ہو جائیگا جس طرح کپڑا پرانا اور پھٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کو تازگی اور جدت عطا فرمایا کرے۔

بہر حال جب حضرت شیخ عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا جب ان پر مذکورہ کیفیت وارد ہوئی۔ یعنی ان کے مذکورہ صاحبزادے کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد موصوف کی حالت سنبھل گئی۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا سجدہ بجالایا۔ ان کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کیفیت کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے۔ بیٹا! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر درج ذیل شعر کا ایسا معنی وارد کیا کہ اس جیسا معنی مجھ پر اس سے پہلے وارد نہیں ہوا۔ شعر یہ ہے۔

وَ عَلَى تَفَنُّنِ وَاصِفِيْهِ بِحُسْنِهٖ　　يَفْنِى الزَّمَانُ وَ فِيْهِ مَالَمْ يُوْصَفِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کے اوصاف بیان کرنے والا بیان کرتا رہا اور زمانہ ختم ہو گیا لیکن پھر بھی آپ میں ایسے اوصاف ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکی۔ علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ بیان

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے بعض دوستوں سے اس شعر کے بارے میں گفتگو کی۔ اوران سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء میں یہ شعر زیادہ بلیغ ہے یا صاحب بردہ امام بوصیری رضی اللہ عنہ کا درج ذیل شعر زیادہ بلیغ ہے؟

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَھَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

بیشک آپکی سخاوت کا ایک نمونہ دنیا اور آخرت ہے اور آپ کے علوم کا کچھ حصہ لوح وقلم کا علم ہے

میرے دوست نے کہا۔ کہ امام بوصیری صاحب بردہ کا شعر زیادہ بلیغ ہے۔ میں نے کہا کہ صاحب بردہ کے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فنون وصف میں سے ایک فن اور مدح نبوی میں سے ایک حصہ شامل ہے۔ اور یہ فن ومدح ان فنون میں شامل ہے جن کی طرف شیخ عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے۔ اور قیامت تک کے تمام فنون اس شعر میں داخل ہیں میری یہ بات سن کر میرے دوست نے اعتراف کیا کہ واقعی شیخ عمر رضی اللہ عنہ کا شعر زیادہ بلیغ ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس شعر پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

جوہر ۴: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی شرح میں لکھا ہے۔

سَائِقُ الْاَظْعَانِ یَطْوِی الْبَیْدَطِی مُنْعِمًا عُرِجَ عَلَیَّ کَثْبَانُ طَیٍ

ابن فارض رضی اللہ عنہ نے ''کثبان'' سے مقامات محمدیہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو حاصل ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کثبان کی اضافت ''طی'' کی طرف کی، جو قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اسی قبیلہ سے سخاوت میں مشہور شخصیت حاتم کا تعلق تھا۔ یعنی مجھے یا انہیں ''مقامات محمدیہ'' کی معراج کرائی گئی جو کہیں ختم نہیں ہوتے۔ ان مقامات کا مالک ہر وقت ترقی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا اہل یثرب یعنی اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے وارث حضرات! ''یثرب'' مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''لَا مَقَامَ لَکُمْ'' یعنی تم ایک مقام پر نہیں رکو گے۔ بلکہ تم ترقی میں دائمی آگے بڑھتے رہو گے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیشک میرے دل پر پردہ ڈال دیا گیا اور میں دن رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں ایک اور روایت میں سو مرتبہ استغفار کرنا بھی وارد ہے۔

امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حجاب ''حجاب انوار'' تھا۔ ''حجاب اغیار'' نہ تھا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی ایک مقام کی طرف ترقی فرماتے تو ترقی پانے سے پہلے پچھلے مقام کو آپ حجاب پاتے۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے۔

جوہر ۵: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی درج ذیل قول کی شرح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔

فَاعْهِدُوْا بَطْحَاءَ وَادِی سَلَمٍ فَهُوَ مَابَیْنَ کَدَاءٍ وَ کُدَیً

لفظ "فاعهدوا" التهعد من الشئ سے ماخوذ ہے۔ قاموس میں ہے۔ تعهده و تعاهده اس کو گم پایا اور اس سے نیا معاہدہ کیا۔ "بطحاء" ایک وسیع جگہ کا نام ہے جس میں بارش کا پانی بہتا ہے۔ اور اس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں اور "سَلَم" اس وادی میں اگے ہوئے درخت کا نام ہے جس کی وجہ سے اسے "وادی سلم" بھی کہتے ہیں۔ "بطحاء" کو وادی سلم سے تعبیر کیا گیا۔ دونوں سے مراد "عالم ارواح" ہے۔ جو "وادیٔ مقدس طُوٰی" ہے اور ہر طبیعی میل کچیل سے پاک ہے اور اس میں ہر چیز موجود ہے اور اس کا بطحاء وہ جگہ ہے جو فیض الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مدد ربانی قبول کرنے کی جگہ ہے۔ اور وہ عالم العقول والالباب ہے۔ اور ابن فارض رضی اللہ عنہ کا قول "فھو" سے مراد میرا دل ہے۔ جو مجھ سے کداء اور کدی کے درمیان کھو گیا۔ قاموس میں ہے کہ "کداء" بروزن "سماء" عرفات کا نام ہے اور مکہ شریف کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اسی پہاڑ سے تشریف لائے تھے اور "کدی" بروزن "سمی" ہے۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تھے اور ایک دوسرا پہاڑ ہے جو عرفۃ کے قریب ہے۔ شاعر نے اول سے مراد "نور اول اعلیٰ" لیا ہے اور وہ نور حق ہے اور ثانی سے مراد "نور ثانی نچلا" ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ نور علی نور۔

یَا سَقَی اللّٰهُ عَقِیْقًا بِاللِّوٰی وَرَعٰی ثُمَّ فَرِیْقًا مِنْ لُؤَیٍ

اس شعر میں "یا" حرف نداء ہے اور منادی محذوف ہے۔ یعنی یا قوم سقی اللّٰہ عقیقا۔ "عقیق" وادی کا نام ہے اور ہر وہ نالا جس کو سیلابی پانی نے بنایا ہو۔ مدینہ منورہ میں ایک مقام بھی ہے۔ اسی طرح یمامہ، طائف، تہامہ اور نجد میں ایک موضع کا نام بھی ہے۔ کذا فی القاموس۔ لفظ "لوی" بروزن "اِلیٰ" وہ جگہ جہاں ریت ہو۔ اس سے شاعر نے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام لیا ہے۔ جو فیض ربانی اور مدد صمدانی کا مقام ہے۔ وحی رحمانی کا موضوع ہے اور "سقاہ اللّٰہ" سے یہ مفہوم مراد ہے

کہ علوم کی بارش دائمی طور پر آپ کے پاس اترتی رہے۔ اور آپ پر برستی رہے اور شاعر کا قول ''رعیٰ''
بمعنی حفظ ہے۔ لفظ ''ثم'' بفتحہ ثاء ہے۔ یعنی اس جگہ ''فریق'' سے مراد لوگوں کا گروہ ہے۔ معنی یہ ہوا کہ
اللہ تعالیٰ عارفین محققین کی جماعت کو اس مقام محمدی میں حفاظت فرمائے۔ اور انہیں تقوی کی دولت
سے سیراب فرمائے اور شاعر کا قول ''لوی'' یعنی لوئی بن غالب بن فہر مراد ہے۔ لہٰذا یہ حضرات
(عارفین محققین) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل بیت میں سے ہوئے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آلِی کُلِّ مُؤْمِنٍ تَقِيٍّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ قیامت تک کا ہر متقی مومن میری
آل ہے۔

جوہر ۶: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل اشعار کی تشریح
کرتے ہوئے فرمایا۔

ذَهَبَ الْعُمُرُ ضِیَاعًا وَ انْقَضٰی بَاطِلًا اِذْ لَمْ اَفُزْ مِنْكُمْ بِشَیْءٍ
غَیْرُ مَا وَالَیْتُ مِنْ عِقْدٍ وَلَا عِتْرَةِ الْمَبْعُوْثِ حَقًّا مِنْ قُصَیٍّ

میری عمر ضائع جائے گی اور باطل طریقہ سے گزرے گی جب مجھے آپ سے کوئی چیز پانے میں
کامیابی نہ ہوسکی۔ ہاں اگر کوئی چیز ملی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک کی محبت ہے۔

شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کی ''موالات'' سے مراد اہل بیت نبوت سے محبت ہے۔ اور یہ مراد
بطریقہ تشبیہ ہے۔ وہ یوں کہ شاعر اپنے دل سے پختہ عہد باندھتا ہے اور دل پر اس بات کی گرہ لگا دیتا
ہے کہ میں اہل بیت نبوت کی مدد کروں گا اور ان سے محبت کروں گا تو معنی یہ ہوگا کہ شاعر لمبی عمر پانے
کے باوجود حق تعالیٰ سے کوئی چیز پانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔
اگر چہ شاعر کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہے۔ معرفت نفس کی وجہ سے اس سے پوچھا گیا۔ کہ ''مَنْ
عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' کے مصداق تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہوگی؟ تو جواب
دیا۔ ہاں مجھے اس کی معرفت حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کا عرفان ناممکن ہے۔ اس کے بعد شاعر نے
جو یہ کہا تھا کہ اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب اس سے ایک بات کی استثناء
کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم کی آل بیت سے عقد موالات مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا
فرمائی ہے۔ پھر اس چیز کو شاعر بہت بڑی کامیابی، نجات اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عطا قرار دیتا ہے۔
کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت موجزن ہے۔ اور یہ تمام اشیاء سے اشرف و اعلیٰ ہے
اور اس کو اس آیت کے مضمون کے قبیلہ سے کہا جا سکتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

(البقرہ:265)اگر باغ پر موسلا دھار بارش نہ برسی تو شبنم اور اوس ہی کافی ہے۔

شاعر موصوف رضی اللہ عنہ نے شعر ثانی میں لفظ ''عقد'' کو لفظ ''ولاء'' کی طرف مضاف کیا ہے۔ اور پھر ''ولاء'' کی اضافت ''عترۃ'' کی طرف کی ہے۔ عترت سے مراد کسی شخص کی نسل، قبیلہ اور خاندان ہوتا ہے اور قریبی رشتہ دار بھی عترت کہلاتے ہیں۔ پھر شاعر نے لفظ ''عترت'' کو مبعوث کی طرف مضاف کیا۔ یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اور امت کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور ''مبعوث'' یہاں صفت واقع ہے جس کا موصوف محذوف ہے۔ یعنی عِتْرَۃُ النَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ مِنْ قُصَيِّ۔ ''قصی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے ایک جد ہیں۔ یہی مسلک اور راستہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ بھی چلے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جَعَلْتُ وَلَائِي آلَ اَحْمَدَ قُرْبَةً عَلَى رَغْمِ اَهْلِ الْبُعْدِ يُوْرِثُنِي قُرْبًا
وَمَا طَلَبَ الْمُخْتَارُ اَجْرًا عَلَى الْهُدَى بِتَبْلِيْغِهِ اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى

میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک سے محبت کو قربت بنایا۔ اور یہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب عطا فرمائے گی۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کی تبلیغ پر اگر کوئی اجر مانگا ہے تو وہ اپنی قرابت میں محبت مانگی ہے۔

جوہر ۷: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے قصیدہ تائیہ میں ایک شعر فرمایا۔ اس کی تشریح عارف نابلسی کرتے ہیں۔ شعر یہ ہے۔

سَقَا بِالصَّفَا الرَّبِعِيُّ رُبْعًا بِهِ الصَّفَا وَجَادَ بِالْاَجْيَادِ ثَرًى مِنْهُ ثَرْوَتِي

صفا پہاڑی میں میرے دل کو موسم ربیع کی بارش نے سیراب کیا۔ جس سے مجھے صفائی مل گئی۔ اور مقام اجیاد میں موسم بہار نے مجھے سیراب کیا۔ جس سے مجھے غنا مل گئی۔ اس شعر کے بارے میں عارف نابلسی فرماتے ہیں کہ

اول الذکر لفظ ''صفا'' سے مراد صفا پہاڑی ہے جو جبل ابی قیس کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب واقع ہے۔ اور اس پر حرف باء بمعنیٰ ''فی'' ہے۔ اصل یوں ہوگا۔ سقی فی الصفا۔ لفظ ''الربعی'' مرفوع یہ کیونکہ فعل ''سقا'' کا فاعل ہے۔ ربعی وہ بارش ہے جو موسم ربیع میں برستی ہے اور اس سے مراد علوم الٰہیہ اور علوم لدنیہ ہیں۔ اور لفظ ''ربعا'' ستی فعل کا مفعول بہ ہے۔ اس سے مراد ''منزل'' ہے۔ اور یہ عارف محقق کے دل سے کنایۃ ہے۔ کیونکہ عارف محقق کا دل محبوب کی منزل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ووسعنی قلب عبدی مومن۔ اللہ تعالیٰ کی منزل مومن بندے کا دل ہے اور اس

منزل کا ''صفا'' میں واقع ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مقام روحانی اور سر انسانی میں واقع ہے۔ جیسا کہ ''مروہ'' مکہ شریف کے شعائر میں سے ہے۔ اور یہ گناہوں سے پاک جسم سے کنایۃ ہے۔ جو ظاہری سر کی طرف منسوب ہے۔ اور انسان کی ایک حقیقت ہے اس کی طرف اشارہ اس سعی سے ہوتا ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان حج و عمرہ کے دوران کی جاتی ہے۔ جس طرح ظاہری حج و عمرہ میں ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مقام احسان میں کئے جانے والے حج روحانی میں صفا اور مروہ (مقام روحانی، سر انسانی اور حقیقت انسانی) کے درمیان سعی ہوتی ہے۔ شاعر کے قول ''بہ'' سے مراد ''فیہ'' ہے۔ عبارت یوں ہوگی۔ فیہ الصفا اور یہ لفظ ''صفا'' صفائی کے معنی میں ہے۔ جو گندگی کی ضد ہے۔ یہ صفائی اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اغیار کے اوہام ختم ہو جائیں اور افہام اسرار کے شعلے لپکیں۔ شاعر کا قول ''جاذ'' کا عطف ''سقی'' پر ہے۔ کہا جاتا ہے جاذ بمعنی امطر۔ یعنی اس کا معنی بھی برسنا ہے۔ اور اس میں مستتر ضمیر کا مرجع الربعی ہے جو پہلے مصرعہ میں مذکور ہے۔ ''اجیاذ'' مکہ کی زمین یا اس میں موجود پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور اس سے شاعر کی مراد انسان کامل کا جسم عنصری ہے اور لفظ ''ثریٰ'' جاذ کا مفعول ہے اس کا معنی مٹی ہے۔ اور اس سے مراد جسم کامل کی اصل ہے۔ جس سے اسے بنایا گیا ہے اور اس کی تربیت کامل احکام کی گود میں کی گئی اور یہ گود ''حقیقت محمدیہ نورانیہ'' ہے۔ جو تمام کائنات کی اصل (ھیولیٰ) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ اِلَيَّ۔ اور شاعر کے قول ''منہ'' میں ضمیر مجرور کا مرجع ''الثریٰ'' ہے۔ یعنی من ذالک الثریٰ ثروتی۔ اور ثروت کا معنی غنا اور امیر ہوتا ہے اور اس سے مراد تجلیات الٰہیہ میں فتح کا حصول ہے۔

مُخَيَّمُ لِذَاتِي وَسُوْقُ مَآرِبِي وَقِبْلَةُ آمَالِي وَ مَوْطِنُ صَبْوَتِي

میری لذتوں کی قیام گاہ اور میرے مقاصد حیات کا بازار اور میرے تمناؤں کا قبلہ اور میرے عشق کا وطن وہی مٹی ہے۔

لفظ ''مخیم'' میم مضمومہ خاء مفتوحہ اور یاء مشددہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔ خَيَّمَ زَيْدٌ بِالْمَكَانِ۔ زید نے فلاں جگہ اقامت اختیار کر لی۔ اور ''لذات'' لذت کی جمع ہے۔ ملائم اشیاء کے ادراک سے پیدا ہونے والی کیفیت کو ''لذت'' کہتے ہیں اور اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ جس طرح نفس سے تعلق رکھنے والی ایسی کیفیت کو ''شہوت'' کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ روحانی لذتیں اسی مٹی میں مقیم ہیں۔ جس مٹی کا تذکرہ گزشتہ شعر میں آیا ہے۔ اس کے بعد شاعر کہتے ہیں۔ ''سُوْقُ مَآرِبِي'' مآرب کا معنی مقاصد اور حاجات ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ میرے مقاصد و

میری حاجات کا لین دین اسی مٹی میں ہوتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تفسیر ہے
اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمُعْطِي وَ اَنَا الْقَاسِمُ۔ اللہ تعالیٰ دینے والا اور میں بانٹنے والا ہوں۔ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اس معنیٰ میں قصیدہ نبویہ کے اندر میں نے بھی یہ شعر کہا ہے۔

يَا اَبَا الْقَاسِمِ يَا قَاسِمُ مَا يَهِبُ اللّٰهُ عَلٰى طُوْلِ الْمُدٰى

یا ابا القاسم صلی اللہ علیک وسلم! اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ کی عطا اور نعمتوں کو بانٹنے والے ہیں۔

پھر جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے کہا۔ قبلۃ آمالی۔ لفظ ''قبلہ'' قاب مکسورہ کے ساتھ بمعنی ''طرف'' اور ''آمال'' امل کی جمع بمعنی امیدیں۔ یعنی میری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی توجہ گاہ۔ میری تمام تمنائیں اور آرزوئیں اسی قبلہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔ جو اسی ''مٹی'' کا دوسرا نام ہے۔ شاعر تمنی اور امید رکھتا ہے کہ اس میں داخل ہو کر حضرت الٰہیہ میں پہنچ جائے۔ اور اس میں داخلہ صرف اسی طرف سے ہوسکتا ہے جیسا کہ قطب بکری قدس سرہ نے ابیات نبویہ میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَىُّ امْرَئٍ اَتَاهُ مِنْ غَيْرِكَ لَايَدْخُلُ

آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تک رسائی کا دروازہ ہیں۔ اور جو بھی اس دروازہ کے علاوہ کسی اور طرف سے آئے گا۔ وہ اندر نہ آسکے گا۔

اس کے بعد ابن الفارض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ موطن صبوتی۔ لفظ ''صبوۃ'' کا اصل معنی جوانی کی غفلت ہے۔ لیکن یہاں اس کا معنی عشق ومحبت کی زیادتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَنْ يَّكْمُلَ اِيْمَانُ اَحَدِ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَاَهْلِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ تم میں سے کسی کا بھی ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے اہل اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:6)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام کائنات معرض وجود میں آئی۔ کیونکہ تمام کائنات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ہے۔ جسے اس بات کا کشف ہو جائے۔ وہ مذکورہ حقیقت کو سمجھ جائے گا۔ اور جسے یہ وجدان حاصل ہو جائے۔ کہ تمام محبت دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی ہے۔ جو تعینات روحانیہ اور جسمانیہ میں ہے۔ اور جو تخیلی اور تمثیلی ہے۔ وہ اس حقیقت کو پاسکے گا۔

جوہر ۸: شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ اپنے منظومہ قصیدہ تائیہ صغریٰ میں فرماتے ہیں۔

عَلٰی فَائِتٍ مِنْ جَمْعِ جَمْعٍ تَأَسُّفِیْ وَوُدٍّ عَلٰی وَادِیْ مُحَسِّرٍ حَسْرَتِیْ

میرا افسوس اس جامعیت کے حاصل نہ ہونے پر ہے جو مقام جمع میں مجھ سے فوت ہوئی۔ اور میری حسرت اس محبت کے فوت ہو جانے پر ہے جو وادی محسر میں مجھ سے فوت ہوئی۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں۔

''علی فائت'' جار مجرور خبر مقدم اور ''تأسفی'' مبتداء مؤخر ہے۔ خبر کو مقدم اہتمام اور حصر کیلئے کیا گیا ہے۔ یعنی میرا افسوس صرف فوت ہونے والی بات پر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ شاعر کا قول ''من جمع'' اس فوت شدہ چیز کا بیان ہے۔ یعنی جو چند لمحوں کیلئے تھا وہ فوت ہو گیا۔ لفظ جمع جو اول الذکر ہے وہ تفریق کی ضد ہے۔ اور وہ (جمع) کثرت کی عین میں وحدت کا شہود ہے۔ اس کی بقاء کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ روحانیت کا جسمانیت پر غلبہ ہو۔ اور ''تفریق'' وحدت کی آنکھ میں کثرت کا شہود ہے۔ اور یہ جسمانیت کے روحانیت پر غلبہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس قول کی اصل اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی قدیم ہے۔ جو عین ازلی ہے۔ بایں وجہ کے وہ قرآن بن کر اترا ''جمع'' ہے۔ اور فرقان بن کر اترا تو ''تفریق'' ہوا۔ اس کے شہود قرآنی کی قدرت صرف حضرات انبیاء کرام کو ہے۔ پس اس کی شہادت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔ کہ وہ قرآن ہے۔ یونہی آپ کے کامل ورثاء نے بھی شہادت دی۔ اور آپ نے اس کے ''فرقان'' ہونے کی بھی گواہی دی۔ جیسا کہ عام مخلوق نے دی۔ اس کی شہادت حضرت آدم، شیث، ادریس، نوح اور ابراہیم علیہم السلام نے صحائف میں دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی گواہی تورات کی صورت میں، عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کیصورت میں دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی قدیم ہے۔ جو اتارا گیا اس کا اختلاف صرف حروف اور اصوات سے ہوا۔ یونہی اس کے وارث یہ انبیاء کرام بھی ہوئے۔ اور اسی طرح ان کی امتوں نے بھی اس کی گواہی دی۔ اور اس امت محمدیہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکوٰۃ سے گواہی دی۔ جو جامع اور خاتم ہے۔ یونہی انہوں نے ان کے فرقان اور ان کی امتوں کی گواہی دی۔ شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کے شعر میں دوسرا لفظ ''جمع'' ایک جھنڈے کا نام ہے جو مزدلفہ ہے۔ جو عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ اور شاعر کا قول ''ودّ'' مجرور ہے۔ اس کا عطف ''فائت'' پر ہے۔ اس کا معنی ''محبت'' ہے۔ اور ''وادی محسّر'' عین مکسورہ کے ساتھ مزدلفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

جوہر ۹: امام ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے منظومہ تائیہ الصغریٰ میں درج ذیل شعر ہے۔

وَمَا دَارَ هِجْرُ الْبُعْدِ عَنْهَا بِخَاطِرِی لَدَيْهَا بِوَصْلِ الْقُرْبِ فِي دَارِ هِجْرَتِي

محبوبہ سے دوری میری دل میں نہ کھٹکی۔ میں دار ہجرت یعنی مدینہ منورہ میں اس کے قریب ہوں۔

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

''دَارَ الشَّیُ فِی خَاطِرِی'' کا معنی یہ ہے۔ کہ میرے دل میں اس کا خیال تک آیا۔ اور ''ہجر'' ہائے مفتوحہ کے ساتھ بمعنی چھوڑنا یعنی دوری کا چھوڑنا۔ ''عنھا'' کی ضمیر مجرور کا مرجع محبوبہ ہے۔ ''خاطر'' دل کو کہتے ہیں۔ یہ خَطَرَلَهٗ یَخْطُرُ خُطُوْرًا سے ماخوذ ہے جس کا معنی نسیان کے بعد یاد آجانا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ ''لدیھا'' دراصل ''انا لدیھا'' ہے جس کا معنی'' میں محبوبہ کے پاس ہوں'' ہے۔ ''بوصل القرب'' اس میں اضافت الصفة الی الموصوف ہے۔ یعنی ایسا وصل جو عین قرب ہے۔

''فِی دَارِ هِجْرَتِی'' ہائے مکسورہ کے ساتھ۔ اس سے مراد دار ہجرت ہے جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں۔ ''دار ہجرت'' دراصل ''حقیقت نوریہ اصلیہ محمدیہ'' سے کنایۃ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی۔ اور یہ پیدائش اللہ تعالیٰ کے امر سے ہوئی۔ جس سے ساتھ ہر چیز قائم ہے۔ جو شخص اس حقیقت میں داخل ہوگیا۔ وہ اس سے مل گیا۔ پھر وہ متصل واحد بن گیا۔ اور اس کا کلام اس کی زبان سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے'' تائیہ کبریٰ'' میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کہا۔

وَاِنِّی وَاِنْ كُنْتَ ابْنَ آدَمَ صُوْرَةً ۞ فَلِی فِیْهِ مَعْنَی شَاهِدِ بِأُبُوَّتِی

میں اگر بظاہر اور صورت کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن ان میں میرے باپ ہونے کا شاہد (دلیل) موجود ہے۔

جوہر ۱۰: امام ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے جب'' تائیہ کبریٰ'' تالیف فرمالیا تو اس کے بعد جو اشعار لکھے۔ ان میں سے پہلے تین اشعار درج ذیل ہیں۔ جو'' دیوان'' میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تشریح عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے مخصوص انداز میں کی۔ پہلا شعر یہ ہے۔

سَلَامٌ عَلٰی تِلْكَ الْمَعَاهِدِ مِنْ فَتًی ۞ عَلٰی حِفْظِ عَهْدِ الْعَامِرِيَّةِ مَافَتَی

ان وعدوں پر نو جوان کی طرف سے بہت سلام جو عامری محبوبہ کے ساتھ کیے گئے۔

لفظ'' سلام'' کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تا کہ اس کی عظمت بیان ہو۔ ''تلک المعاھد'' میں اسم اشارہ ''تلک'' سے'' حضرات حقیقت محمدیہ'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ''المعاھد'' معھد کی جمع ہے۔ جس پر کسی سے عہد لیا گیا ہو۔ ربوبیت کا عہد ان تمام انسانوں سے لیا گیا۔ جو چیونٹی کی طرح تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق کے دن نکالے گئے۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ م بَنِیٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِ ھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ آلایۃ۔ اور ''حقیقت آدمیت'' اس حقیقت محمدیہ نوریہ سے بنی۔ جو اللہ تعالیٰ کی اول الخلق ہے۔ شاعر کا قول ''من فتی'' سے مراد خود شاعر کی اپنی ذات ہے۔ ''فتی'' عربی زبان میں نوجوان، سخی، کریم کو کہتے ہیں۔ جو ''فتوۃ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی مکارم اخلاق کی جامع شخصیت ہے۔ یہ جامعیت ''مقام محمدی'' کی میراث میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۞ (القلم)۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں'' اور شاعر کا قول ''عَلٰی حِفْظِ عَھْدِ الْعَامِرِیَّۃِ'' سے لفظ عامریۃ سے مراد ''محبوبہ'' ہے۔ جو قبیلہ بنی عامر کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ ''محبوبہ حقیقیہ'' سے کنایۃ ہے۔ جس کی طرف سابقہ اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے اور ''مافتی'' بمعنی مازال اور مابرح یعنی وہ اس عہد پر قائم ہے۔

جوہر ۱۱: جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے ''تائیہ کبریٰ'' کہ جس کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی پر جو آپ نے انہیں خواب میں فرمایا تھا کہ اس قصیدہ کا نام ''نظم السلوک'' رکھو۔ یہ نام رکھا۔ اس کے درج ذیل شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَحُزْنِی مَا یَعْقُوْبُ بَثَّ اَقَلَّہٗ   وَ کُلُّ بَلَا اَیُّوْبَ بَعْضُ بَلِیَّتِی

میرا غم اس قدر عظیم ہے کہ جو غم حضرت یعقوب علیہ السلام سے منتشر ہوا وہ اس سے مقابلہ میں قلیل ہے۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کی تمام آزمائش میری آزمائش کا کچھ حصہ ہے۔

''حزنی ما'' یعنی میرا حزن وغم عظیم ہے۔ حضرت یعقوب نبی علیہ السلام کو جو حزن و پریشانی لاحق ہوئی۔ ''بث'' فعل ماضی ہے اور ''بث الخیر'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی نیکی کا منتشر ہونا اور اس کا بٹنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی حکایت یوں بیان فرمائی۔ قَالَ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں (یوسف)۔ اور شاعر کا قول ''اقلہ'' فعل بث کا مفعول بہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ''حزن'' ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پریشانی اور غم آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے قوت نبوت سے چھپائی جا سکی۔ یہ قوت کسی دوسرے کیلئے نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ مظہر کونی ہونے میں جناب الٰہی سے تعلق میں مشترک ہیں۔

اور شاعر کا قول ''کُلُّ بَلَا اَیُّوْبَ بَعْضُ بَلِیَّتِی'' کا معنی یہ ہے کہ محض آزمائش کے اعتبار سے وہ قلیل ہے یہ اس بنا پر کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے دین میں آزمائشوں کا صدور اسی طرح ہے

جس طرح غیر انبیاء سے معاصی اور کفر کا صدور ممکن ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام سے معاصی اور کفر کا صدور محال ہے۔ کیونکہ ان کی شخصیات معصوم ہوتی ہیں۔ دوسرے معصوم نہیں ہوتے۔

لہٰذا ناظم (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا ہے۔ ''اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَ مْثَلُ'' لوگوں میں سخت ترین آزمائش انبیاء کرام کی آزمائش ہوتی ہے۔ پھر ان کے قریب ان لوگوں کی جو ان کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد میں پیغمبر کی بلاء کو سب سے بڑی بتایا گیا اور شاعر موصوف اپنی آزمائش کو حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش سے بڑا کہہ رہے ہیں؟

دوسرا معنی (مذکور شعر کا) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیادتی اور اشدیت باعتبار دکھ ہو۔ یعنی شاعر اپنی آزمائش کو جو بڑا کہہ رہے ہیں وہ درد و تکلیف کے اعتبار سے ہے۔ تیسرا مفہوم یہ بھی نکل سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو خطاب وحی کے ذریعہ جو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ یعنی اوامر و نواہی اور تبلیغ وغیرہ۔ کہیں اس میں تقصیر واقع نہ ہوجائے۔

اور اگر شاعر نے ادعائی طور پر صرف مبالغہ بیان کیا ہو۔ نہ کہ کلام کا ظاہری معنی ان کے پیش نظر ہو۔ جیسا کہ بلغاء کا طریقہ ہوتا ہے تو اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اور یونہی اگر شاعر کی مراد اس سے کہیں اعلیٰ ہے یعنی ''حقیقت محمدیہ'' سے تکلم واقع ہوا ہو جو نور ہے اور اول مخلوق ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ الحدیث۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ پھر اس سے فلاں فلاں بنائے۔ یہ حدیث مسند عبدالرزاق وغیرہ کی ہے۔ لہٰذا شاعر بھی من جملہ ان میں سے ایک ہیں جو نور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیدا ہوئے پھر جب غیریت شاعر سے ختم ہوگئی جو فناء محبت اور عشق سے ہوتی ہے تو مقام فناء میں شاعر نے ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے مذکورہ کلام کیا اور یہ ''مقام محمدی'' کی میراث پانے کی وجہ سے ہوا۔ جیسا کہ شاعر موصوف رضی اللہ عنہ کا اس قصیدہ ''نظم السلوک'' وغیرہ میں انداز گفتگو ہے جیسا کہ موصوف کا یہ قول ہے۔

لَقَدْ خُضْتُ بَحْرًا دُوْنَهٗ وَقَفَ الْاُلٰی بِسَا حِلِهٖ صَوْنًا لِمَوْضِعِ حُرْمَتِی
وَمَنْ فضل ما اسارت شرف معاصری ومن کان قبلی فالفُضائل فضلتی

میں اس سمندر میں غوطہ زن ہوا جس کے ساحل پر دوسرے لوگ کھڑے رہے۔ تا کہ وہ میرے حرمت اور احترام کا تحفظ کریں۔ اور میرے پینے کے بعد بچا ہوا ان لوگوں نے پیا جو میرے ہم عصر

ہیں۔اور انہوں نے بھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔لہٰذا تمام کے فضائل میرے بچے ہوئے فضائل ہیں۔ان اشعار کا مضمون دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف '' حقیقت محمد یہ'' کے لائق ہیں۔

جوہر ۱۲: '' تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی شرح کرتے ہوئے عارف نابلسی رقمطراز ہیں۔

مَنَحْتُکَ عِلْمًا اِنْ تُرِدْ کَشْفَهُ فَرِدْ سَبِیْلِی وَاشْرَعْ فِی اتِّبَاعِ شَرِیْعَتِی

میں نے تجھے علم عطا کیا اگر تو اس کا کشف چاہتا ہے تو میرے راستہ میں داخل ہو جا اور میری شریعت کی اتباع میں چل۔

'' منحتک '' یعنی میں نے تجھے وہ عطا کر دیا ہے جس کا میں نے تجھ سے تذکرہ کیا تھا۔وہ کیا تھا؟ وہ صورتوں میں تجلی حق کا عظیم مسئلہ تھا۔وہ اللہ تعالیٰ نے جیسے ارادہ فرمایا اس کے مطابق دیدیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صورتوں سے مکمل پاک ہے۔وہ ان کے ذریعہ ان میں حلول کئے بغیر ظاہر ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں اس کا اتحاد ہوتا ہے۔لہٰذا '' ظاہر'' صرف وہی سبحانہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہیں۔'' عِلْمًا '' کو عظمت و تعظیم کیلئے نکرہ ذکر فرمایا۔یعنی علم عظیم۔اور شاعر کا قول '' ان ترد'' کا معنی یہ ہے کہ اے سالک! جو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چل رہا ہے۔'' کشفہ'' یعنی اس علم کا کشف۔وہ یوں کہ تو اس کا ذوق محسوس کرے گا۔اور اسے کسی مقام پر اتار دے گا کیونکہ تیرا اس علم کو محض سمجھنا جو کشف کے بغیر ہو اور منزلت کے سوا ہو، بے فائدہ اور بیکار ہے۔جیسا کہ کسی اندھے کو اس مکان کا علم ہوتا ہے جس میں وہ رہائش رکھتا ہو۔وہ اس مکان کی تصویر خیالی طریقہ سے اپنے عقل میں رکھتا ہے۔اور اس کی صحیح شکل و صورت اس سے دور ہوتی ہے لہٰذا اس کا اس مکان کے قریب (اندر) ہونا، اس سے دور ہونے کی مانند ہے۔پھر جب اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو جائیں اور وہ اپنی نظروں سے مکان کو دیکھے تو وہ مکان کی شکل و صورت یقیناً اس سے مختلف پائے گا جو اس کے خیالات میں تھی۔اور مکان کی اصل شکل و صورت اس پر منکشف ہو جائے گی۔اور اس کی حقیقت سامنے آجائے گی۔کہ مکان کی ہر چیز کیسی ہے۔پہلے اسے حقیقت کا '' کماھی'' علم اس لئے نہ تھا۔کہ اس کی قوت ادراک اس کے کشف سے کمزور تھی۔پھر جب وہ طاقتور ہوگئی تو اس وقت اس نے وہاں سب کچھ دیکھ لیا۔شاعر کے قول '' فرد'' میں حرف فاء جواب شرط کیلئے ہے اور لفظ '' رد'' ورد فعل سے امر کا صیغہ ہے۔اس کا معنی پانی وغیرہ پر پہنچنا ہے خواہ اس میں داخل ہو یا نہ ہو۔اور شاعر کا قول '' سبیلی'' کا معنی میرا راستہ وہ جس پر میں چل رہا ہوں۔اور اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔اس میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ سالک کا راستہ ختم نہیں ہوا۔تاکہ وہ رک جائے۔وہ جو اسے نظر آتی ہیں۔وہ تجلیات ہیں اور ان تجلیات کی اعیان میں چھپے راز

ہیں۔جیسا کہ ناظم قصیدہ جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے ''الکافیہ'' میں فرمایا ہے۔

قَالَ لِیُ کُلُّ حُسْنٍ تَجَلّٰی بِی تَمَلَّیُ فَقُلْتُ قَصْدِی وَرَا کَا

اس نے مجھے کہا کہ میرے حسن کی تجلیات سے چاروں طرف بھر گئے ہیں۔میں نے عرض کیا میرا ارادہ آگے جانے کا ہے۔

لہٰذا طلب دائمی ہونی چاہئے۔سیر الی اللہ قائم رہنی چاہئے۔اور قلب وجگر کے اندر آگے جانے کا عشق لگا تار ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ (النجم)۔بیشک آپ کے رب کی طرف منتہیٰ ہے۔یعنی اغیار میں سلوک کے اعتبار سے،عالم اسرار واطوار وادوار میں دخول کے اعتبار سے معاملہ اسی اللہ کی طرف ختم ہوتا ہے اور اس کی طرف سے سالک پر علوم منکشف ہوتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ) اور عرض کرو۔اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما۔یعنی وہ علم جس کا تعلق تیرے ساتھ ہے اس میں فراوانی اور زیادتی عطا ہو۔خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔اِنَّهٗ لَیُغَانَ عَلٰی قَلْبِیْ وَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ اَکْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ۔بیشک میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں اور میں یقیناً اللہ تعالیٰ سے رات دن میں سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

عارف کامل حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ''غین'' (بادل) کا ذکر فرمایا ہے۔اس سے مراد ''انوار کا غین'' ہے۔اغیار کا غین نہیں۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الدوام ترقی کی جانب گامزن رہتے۔جب کبھی آپ قلب کے کسی مقام کی طرف ترقی کر کے اس پر تشریف فرما ہوتے تو آپ اس سے پہلے والے مقام کو ''حجاب'' جانتے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار فرماتے۔اسی طرح آپ کی ترقی نہ ختم ہونے والے مقامات کی طرف جاری ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اس قول میں ارشاد فرمایا۔یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ (الاحزاب:13)۔''اہل یثرب'' مدینہ والوں کو کہتے ہیں اور اس سے اشارہ ان لوگوں کی طرف سے جو محمدی وراثت والے ہیں۔ایسے لوگوں کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا کہ جس میں ٹھہر جائیں اور وہاں اقامت اختیار کر لیں۔اور یہ تمکین میں مختلف حالات ہیں پس محمدی وراثت والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت تمام کا مرکز ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ﴿۸﴾ (العلق)۔اور فرمایا۔وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ (البقرہ:281) اور گزشتہ آیت میں ''منتہیٰ'' کا معنی یہی ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ''سلوک'' تو اس کی دنیا وآخرت میں کوئی انتہا نہیں۔ اس میں لوگ وارد ہوتے ہیں اور اس سے باہر آجاتے ہیں۔ پھر جاتے ہیں اسی طرح لگا تار آنا جانا رہتا ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کوئی انتہا نہیں۔ اور نہ ہی ازلاً ابداً ان میں تکرار ہے اور شاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''اشرع'' شَرَعَ فی الامر شروعا سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی کسی بات میں غور وخوض کرنا اور داخل ہونا آتا ہے۔ ''فی اتباع'' یعنی میری شریعت کی متابعت۔ ''شریعت'' وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے مشروع وجائز فرمایا۔ اور مذاہب میں سے جو ظاہر اور مستقیم ہو اسے شریعت کہتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ ''شِرُعةً'' ہے۔ کذا فی القاموس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ:48)۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے ایک مستقیم طریقہ بنایا ہے جس پر چل کر ہماری طرف آتے ہو۔ ہر ایک کیلئے الگ راستہ کا مطلب یہ کہ انسانی حالات واحوال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ انسانی احوال کا اختلاف ان کے مسالک ومشارب کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مَشَارِ بُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُکَ وَاحِدٌ   وَ کُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یَشِیْرُ

ہمارے مشارب مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہی ہے اور ہر ایک اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جوہر ۱۳: ''تائیہ کبریٰ'' میں شیخ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَمَنْبَعُ صَدًّا مِنْ شَرَابِ بَقِيْعِهٖ   لَدَیَّ فَدَعْنِی مِنْ سُرَابِ بَقِيْعَتِی

اس شراب کا اصل جس کے میٹھے پانی کا منبع اس سے ہے وہ اس جگہ سے نکلتی ہے جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں ہیں۔ وہ میرے پاس ہے۔ لہٰذا تو مجھے تپتی دھوپ میں چٹیل زمین پر نظر آنے والے خیالی دریا (سراب) سے دور رہنے دے۔

شاعر کے قول ''صدا'' صاء مفتوحہ اور دال مشددہ کے ساتھ اصل میں الف ممدودہ سے آتا ہے۔ لیکن یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے مقصورہ پڑھا گیا ہے۔ ''الصحاح'' میں ہے کہ ''صداء'' میٹھے پانی کے کنوئیں کا نام ہے۔ کہاوت کے طور پر کہا جاتا ہے۔ ''ماء ولا کصداء'' پانی تو ہے لیکن میٹھا نہیں۔ ''من شراب'' جار مجرور کا تعلق خبر سے ہے جو محذوف ہے۔ جس کی متبداء ''منبع'' ہے۔ شاعر رضی اللہ عنہ نے ''منبع صداء'' سے ایک میٹھے کنوئیں جس کے میٹھے پانی کو بطور کہاوت بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی

مٹھاس، ٹھنڈک اور تازگی ضرب المثل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے عارف کے دل پر کنایہ مراد لیا ہے وہ یوں کہ عارف ربانی کے دل سے علوم الٰہیہ کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ جس سے ہر اس شخص کو سیرابی حاصل ہوتی ہے جو اس راستہ کا راہی ہوتا ہے۔ لفظ "بقیعہ" کا معنی قاموس میں ایسی جگہ کیا گیا ہے۔ جس میں مختلف درختوں کی جڑیں ہوں۔ "بقیع الغرقد" مدینہ منورہ کے قبرستان کو کہتے ہیں۔ "غرقد" ایک بہت بڑے درخت کا نام تھا۔ یا کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں جب وہ بڑا ہو جائے۔ "بقیع" کا یہ نام اس لئے رکھ گیا کہ جس جگہ یہ قبرستان ہے وہاں اس قسم کے درخت اگتے تھے اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں کئی اور بھی "بقیع" ہیں۔ مثلاً بقیع الزبیر، بقیع الخیل، بقیع الخبجبة، خبجبه کو خبخبة بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ بھی ایک درخت کا نام ہے۔ قاموس میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ شاعر کے قول "بقیعہ" میں مذکور ضمیر کا مرجع "شراب" ہے۔ یعنی اس شراب کی اصل جس سے میٹھے پانی کا منبع نکلتا ہے وہ اس جگہ اور اس مقام شریف میں ہے جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں ہیں۔ شاعر بقیع الغرقد شریف جو مدینہ منورہ کی مشہور جگہ ہے کہہ کر کنایۃً "حقیقت محمدیہ" مراد لی ہے۔ کیونکہ حقیقت محمدیہ ہی اس شراب کی جگہ ہے۔ جس کا منبع آپ کا قلب انور ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں اور مذکورہ شراب سے مراد وہ روح ہے جو جسم انسانی کے ڈھانچے میں پھونکی گئی۔ پھر شاعر نے اشارہ کیا کہ اس جگہ پر مختلف درختوں کی جڑیں ہیں۔ یعنی تمام انبیاء و مرسلین، اولیاء، صدیقین کے جمیع حقائق کے اصول اسی جگہ سے اگتے ہیں اور اپنے حقائق کی تربیت اور نشو و نما اسی سے پاتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے۔ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ خَلَقَ مِنْهُ جَمِيْعَ الْاَشْيَاءِ" سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا پھر تمام اشیاء اس سے پیدا کی گئیں۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق نے اپنے مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْ نِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِكَ النُّوْرُ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَاسَمَاءٌ وَلَااَرْضٌ وَلَاشَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَالِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ السَّمٰوَاتِ وَمِنَ الثَّانِيْ الْاَرْضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنَ الثَّانِيْ نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِيَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَ تَشْهَدُهُمْ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰی آخِرِ الْحَدِیْثِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کونسی چیز کو پیدا فرمایا؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور خداداد قدرت سے جہاں چاہتا پھرتا رہا۔ اس وقت لوح وقلم، جنت ودوزخ، فرشتہ، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے بنائے گئے پہلے جزء سے آسمان دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت ودوزخ پیدا کئے گئے۔ پھر چوتھے جزء کے چار حصے کئے گئے۔ پھر پہلے جزء سے مومنوں کی آنکھوں کا نور دوسرے سے ان کے دلوں کی نورانیت جو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے تیسرے سے نور جس کی لوگ گواہی دیتے ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیدا کئے۔ الی آخر الحدیث۔

حدیث ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ'' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ صحیح ہے۔ اور متعدد اسناد سے یہ روایت بھی آئی ہے۔ ''اِنَّ الْمَاءَ لَمْ يُخْلَقْ قَبْلَهٗ شَیْءٌ'' بیشک پانی سے پہلے کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی۔ ان دونوں احادیث اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے اول الخلق ہونے میں تعارض اور منافات نظر آتی ہے علامہ موصوف ان منافات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس حدیث (مسند عبدالرزاق والی حدیث) میں ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے متعلق ''اول الخلق'' ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد اولیت حقیقیہ ہے۔ اور جن احادیث میں دوسری اشیاء کا اول الخلق ہونا مذکور ان سے مراد اولیت نسبیہ ہے۔ (یعنی دوسری اشیاء کی بہ نسبت وہ اول ہے۔ لیکن حقیقی اولیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کو ہے) ابن القطان کی حدیث میں ہے۔ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔ میں اپنے رب کے حضور حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار سال پہلے نور تھا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ جَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرَ فِیْ ظَهْرِهٖ فَكَانَ يَلْمَعُ فِیْ جَبِيْنِهٖ فَيَغْلِبُ عَلٰی سَائِرِ نُوْرِهٖ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو وہ نور ان کی پشت میں رکھا گیا۔ پھر وہ نور جب ان کی پیشانی میں چمکتا تھا تو ان کے تمام انوار پر غالب آجاتا تھا۔ اس حدیث کو امام بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''بقیعہ'' یعنی اس شراب کا بقیع۔ ''لدی'' میری پاس ہے۔ اور وہ میری حقیقت ہے کہ جس سے میں انسان کامل ہوں۔ شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنی کتاب ''شرح الوصایا الیوسفیہ'' میں لکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''حقیقت محمدیہ'' کے وارث حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے ہیکل ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے حیات و ممات میں ابدی رسول ہیں۔ اس لئے جس نے شیخ کی اطاعت کی۔ اس نے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی ہے۔ کیونکہ شیخ کے ہیکل (ڈھانچے) کی آپ ہی روح ہیں۔ اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو صاحب جمال و جلال بنایا۔ اس طرح معلوم ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور حق کا ''موضع و مقام'' ہیں۔ پھر وہ رسول سے مستغنی ہوگیا۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ پس تیری نظر رسول میں ہوگی۔ پھر رسول غائب ہو جائے گا۔ اب رسول کے غائب ہونے کے بعد ''حق'' باقی رہ جائے گا۔ اور یہ ''نص'' سے ثابت ہے۔ اسی لئے تیری بصیرت سے جب شیخ غائب ہو جائے گا۔ تو صرف ''حق'' باقی رہ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ہی رسول سے متکلم تھا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کے نزدیک حضور اس کی حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ وہ حقیقت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی۔ اس کے اہم واقعات دنیوی اُخروی اور دینی میں اسی کی جلوہ نمائی ہوگی۔

شیخ اکبر قدس سرّہ نے کتاب مذکور میں ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعات (دینی، دنیوی، اخروی) میں حضور، صاحب واقعہ کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی عصمت اور علو مرتبت اسی میں ہے جو اس نے دیکھا ہے۔ کیونکہ بیشک وہ حاضر کے شیشہ سے ہے۔ جسے وہ دیکھتا ہے۔ خود اس کا اپنا آئینہ نہیں کہ جس سے یہ دیکھا گیا ہو۔ اس کی مثل اس نوجوان کا دیکھنا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے دیدار نے ابو یزید کے دیدار سے اس کے زعم کے مطابق بے پرواہ کر دیا تھا۔ پھر جب ابو یزید حاضر ہوئے اور اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تو جو اس نے دیکھا۔ اس کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پائی۔ اور اسی وقت فوت ہوگیا۔ اب آپ اندازہ کریں کہ کہاں یہ ادراک جو ابو یزید کی موجودگی میں حاصل ہوا اور کہاں وہ ادراک جو انفرادی طور پر اسے حاصل ہوا تھا؟ اور یہ بھی دیکھیں کہ کہاں ابو یزید اور کہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

ہمیں یہ روایت جناب ابوموسیٰ دبیلی سے ملی کہ ابویزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام دکھا دے۔ ان کو جواب دیا گیا کہ تمہارے اندر اس کی طاقت نہیں ہے۔ یعنی جب نور کے ذریعہ سے تو دیکھتا ہے۔ وہ اس کے ادراک سے قاصر ہے جس کا تو نے سوال کیا ہے۔ باوجود اس کے ''حق'' اس حال میں ان کی ''بصر'' بنا ہوا تھا اور اگر وہ ان کی ''بصر'' بنا نہ ہوتا۔ تو پھر کیا حال ہوتا؟ بہر حال انہوں نے مذکورہ سوال بار بار کیا۔ اور اصرار کیا کہ مجھے ''مقام رسول'' دکھایا جائے۔ ابویزید خود بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر سوئی کی نوک کی مقدار پردہ اٹھایا گیا۔ لیکن میں اسے بھی برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھ سکا اور میں جل گیا۔ یہ بات حضرت ابویزید رضی اللہ عنہ کی آپ بیتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ''معتاد صورتوں'' میں نہ ہوتو اس کی کسی چیز کا دیدار کرتے وقت کوئی بھی ثابت قدم نہ رہتا۔ لہٰذا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت، ثبات اور عرب کی معرفت میں عالی مرتبت ہونے میں قطعاً شک نہیں رکھتے۔ اس علو ہمت و مرتبت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصحاب کہف کے متعلق جو کچھ دیا گیا اس کے حق میں فرمایا گیا۔ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا (الکہف:18)۔ اگر آپ ان پر مطلع ہوں تو ان سے بھاگ جائیں۔ یعنی اس خوف سے بھاگ اٹھیں کہ کہیں جان نہ نکل جائے۔ وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (الکہف)۔ اور آپ ان کے رعب سے لبریز ہو جائیں۔ یعنی آپ کے دل میں ان کا رعب بھر جائے۔ کیونکہ وہ ایک جماعت ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے ایمان کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے ایک خاص حال ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں۔ پس اگر آپ بالجملہ ان پر مطلع ہوتے تو ''امر'' میں خلط ملط پاتے۔ اور ایک مرتبہ دیکھنے میں اختلاف دیکھتے۔ جس سے آپ کو حیرت ہوتی اور ایک نظر دیکھنے میں جو حیرت ہوتی اس سے آپ کو اپنی جان کا خوف ہو جاتا۔ جب جان کا خوف پڑتا تو آپ بھاگنے کی کوشش کرتے اور اس ''امر'' سے آپ کے دل میں ''رعب'' چھا جاتا۔ کیونکہ آپ وہ کچھ دیکھتے جس کے اٹھانے کی آپ کو قدرت نہ ہوتی۔ کیونکہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ حق اور صحیح بنایا ہے اور ایک کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنا آپ کے ضبط میں نہ ہوتا، جس کی وجہ سے آپ حیران ہو جاتے اور رعب سے بھر جاتے۔

تَفَرَّقَتِ الضِّبَابُ عَلَى خَرَاشٍ فَمَا يَدْرِي خَرَاشٌ مَا يَصِيدُ

بہت سی گوہ مکھی پر آ پڑیں۔ پس مکھی نہیں جانتی کہ وہ کس کا شکار کرے۔

شکار کرنے والے میں یہ قوت نہیں کہ تمام کو پکڑ لے اور نہ ہی وہ یہ جانتا ہے کہ ان میں سے ''اولیٰ'' کون ہے تاکہ اس کے شکار کرنے کا قصد کرے اور اس کے سوا دوسروں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عارف محقق شیخ عبدالکریم جیلی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ''الانسان الکامل'' میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے تمہیں یہ جاننا چاہئے کہ ''انسان کامل'' ایک ایسا ''قطب'' ہوتا ہے جس پر وجود کے افلاک اول سے آخر تک گھومتے ہیں اور وہ جب سے ہے اس وقت سے ابدالآباد تک ایک ہی ہے پھر اس کی پہناوے کے اعتبار سے مختلف اقسام ہیں۔ اس لئے ایک لباس میں ملبوس ہوتے ہوئے جو اس کا نام ہوتا ہے۔ دوسرے لباس میں ملبوس ہوتے وقت وہ نام نہیں ہوتا۔ اس کا اصل نام ''محمد'' ہے۔ اس کی کنیت ''ابوالقاسم'' اس کا وصف ''عبداللہ'' اور اس کا لقب ''شمس الدین'' ہے۔ پھر اس کے دیگر ملبوسات کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں۔ اور اس کیلئے ہر زمانہ میں اس کے لباس کے لائق نام ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات کی۔ اس وقت آپ میرے شیخ شرف الدین اسماعیل جبروتی کی صورت میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ آپ ''نبی اکرم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ ہی میرے شیخ ہیں۔ یہ میرے ان مشاہدات میں سے ہے جو میں نے ۷۹۶ھ میں زبید میں دیکھے۔ اور یہ معنی شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قول ''بقیعہ'' کے زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ اس شعر کے بعد کہے گئے چھ اشعار ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے کہے گئے ہیں جو شاعر رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر تھی۔ تو موصوف رضی اللہ عنہ نے اس کی زبان سے مذکورہ اشعار کہے۔

جوہر ۱۳: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی تشریح میں فرمایا۔

وَ دُوْنَکَ بَحْرٌ خُضْتُهُ وَقَفَ الْاُلٰی   بِسَا حِلِهٖ صَوْنًا لِمَوْضِعِ حُرْمَتِي

اور تیرے پرے ایک دریا ہے جس میں میں اتر گیا اور اولین اس کے کنارے پر کھڑے رہے۔ ان کا کنارے کھڑے رہنا موضع حرمت کی وجہ سے ہے۔ اس شعر میں لفظ ''الأ لی'' سے مراد السابقون الاولون ہیں۔ علامہ بساطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ ''الأ لی'' اول کا مقلوب ہے۔ جو ''اولی'' کی جمع ہے۔ جیسا کہ اُخری اور آخر ہیں۔ عربوں کا قول ''ذھبت العرب الاول'' اسی سے ہے اور احتمال ہے کہ یہ لفظ اسم موصول ہو۔ جس کا صلہ حذف کر دیا گیا ہو۔ پھر علامہ بساطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ کہ اگر یہ لفظ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کے معنی میں لیا جائے تو اس سے مراد حضرات انبیاء و مرسلین کرام اور ان کے علاوہ ان کے زمانہ کے اولیاء ہوں گے۔ کیونکہ یہ سبھی حضرات اس ''بحر عظیم'' میں داخل نہیں ہوئے۔ جس کا نام جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ انہوں نے آپ کا

زمانہ نہیں پایا۔ اور نہ ہی آپ کی امت میں ان کا شمار ہوتا ہے اور نہ اس حقیقت پر مطلع ہوئے جس پر ناظم (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) مطلع ہوئے۔ اگر چہ ناظم رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہیں۔ وہ حقیقت ''علوم محمدیہ اور حقائق و معارف احمدیہ'' ہے یا پھر ''بحر'' سے مراد بحر توحید ہوگا وہ کہ جس میں اولیاء اور صدیقین داخل ہوئے اور انہوں نے اس کیلئے قرار نہ پایا۔ لیکن حضرات انبیاء و مرسلین کرام اس میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ ان کے علوم، وحی نبوی کے علوم تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اترنے پر موقوف تھے۔ وہ جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا اس کی بارگاہ سے علوم بذریعہ وحی مطلوبہ پیغمبر تک پہنچا دیتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۞ (النجم)۔ وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے۔ وہ صرف وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۞ (الزمر)۔ آپ اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی کی گئی۔ اگر بالفرض تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال لازماً ضائع ہو جائیں گے اور تم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں عدم شرک سے مراد توحید ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۞ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی گئی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ۔

لہٰذا حضرات انبیاء علیہم السلام ''بحر توحید'' میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اس کے ساحل پر ہی کھڑے رہے اور وحی الٰہی کی متابعت کی وجہ سے ساحل پر ہی ان کا قیام رہا۔ اس لئے کہ انسانی عقول و افکار ان پر کوئی ایسا حکم نہیں لگا سکتے۔ جس کا تعلق ان کے باطن کے ساتھ ہو۔ کیونکہ وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی حاصل کرتے ہیں۔ پس وہ اس بات سے معصوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری چیز ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر داخل ہو سکے۔ حضرات اولیاء کرام کا معاملہ اس طرح نہیں۔ وہ بحر توحید میں الہام ربانی اور فتح الٰہی کی معاونت میں داخل ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی جو باتیں حضرات انبیاء کرام کو حاصل ہوتی ہیں ان کی تلاش و حصول میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ پیغمبروں کے متبع ہوتے ہیں۔ اور علوم پیغمبر میں سے بعض کے حصول کی خاطر بحر توحید میں انہیں داخل ہونا پڑتا ہے۔ لفظ ''خوض'' کا معنی کسی شی میں یکے بعد دیگرے تردد کرنا آتا ہے۔ تاکہ اس تردد سے اس چیز کی معرفت و حقیقت حاصل ہو سکے۔ حضرات اولیاء کرام کو ''بحر توحید'' میں خوض کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی طرف وحی آتی ہے۔ لہٰذا کسی چیز میں غور و

خوض کرنا اور اس چیز کے کنارے پر ٹھہرنا دونوں میں فرق ہے۔ ساحل پر کھڑے ہونے والا کسی چیز کا ادراک تو حاصل کرتا ہے لیکن وہ ادراک جو داخل دریا ہونے سے حاصل ہوتا ہے وہ اور ہے۔ خاص کر جب ہم قرآن کریم میں اس لفظ کے استعمال کو دیکھتے ہیں تو وہاں باطل چیز کے ادراک حاصل کرنے کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىِٕضِیْنَ (المدثر)۔ ہم باطل کے پرستاروں کے ساتھ باطل میں گم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا (التوبہ:69) تم بھی باطل میں پڑ گئے جس طرح وہ باطل میں پڑے رہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذَا رَأَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ۔ اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں باطل تاویلات نکالنے کے در پے ہیں تو ان سے اعراض برتو حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں غور کرنے لگیں (الانعام)۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ''خوض'' کسی چیز میں ''داخل ہونا'' ہے۔ پھر اگر یہ خوض خواہش اور نفس کا آئینہ دار ہے تو ''باطل'' ہے اور اگر فتح الٰہی اور قرآن کریم اور سنت کے معانی میں الہام کی خاطر ہے تو قابل تعریف ہے۔ کیونکہ یہ خوض بالحق ہے بالباطل نہیں۔ اور حضرات اولیاء کرام اور صدیقین کا خوض نفس اور خواہش کے تحت نہیں ہوتا۔ اور حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے ان (نفس و خواہشات) سے ویسے ہی پاک کر دیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا ''خوض'' ہرگز نہیں ہوسکتا۔

لفظ ''الساحل'' دریا یا سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں لیکن کنارے کا نام ''ساحل'' مجازاً ہوگا۔ کیونکہ اس کا ''ساحل'' خود پانی ہے۔ اس اعتبار سے کنارہ ''مسحول'' کہلائے گا یا پھر ''الساحل'' سے مراد ''ذوساحل'' ہے۔ (کنارے والا پانی) جب پانی اوپر اٹھتا ہے پھر نیچے چلا جاتا ہے اس مدوجزر کے وقت دریا کے پانی کا زمین سے متصل آخری حصہ کبھی اس حصہ کو ڈبو دیتا ہے اور کبھی وہ سامنے دکھائی دیتا ہے جیسا کہ کسی پھل کا چھلکا اتار دیا جائے۔ بہرحال حضرات انبیاء کرام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ''ساحل'' سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ ''بحر علم الٰہی'' توحید حقیقی کا بحر ہے۔ اور ان انبیاء کرام کا مقام نبوی اس کا ساحل ہے۔ بس ان حضرات کو کسی دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت نہ رہی۔ اور نہ ہی کوئی چیز دھوکا دینے والی باقی رہی۔ بلکہ کل کا کل آداب ربانیہ اور حرمات رحمانیہ ہیں۔ اسی لئے ناظم ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد لفظ ''صونا'' کہا۔ یہ مفعول لہ ہے۔ یعنی حضرات انبیاء کرام کا ساحل پر ٹھہرنا ''صون'' کیلئے ہے۔ یعنی جناب الٰہی کے احترام کی حفاظت کی خاطر ہے۔ اس نسخہ میں لفظ ''حرمتی'' میں حرف یاء متکلم کی ضمیر نہیں ہے۔ لیکن بعض نسخہ جات میں متکلم کی یاء مذکور ہے۔ اس روایت کے اعتبار

سے معنی یہ ہوگا کہ پیغمبروں کا ساحل پر کھڑے رہنا اور بحر توحید میں داخل نہ ہونا میری حرمت کی حفاظت کی بناء پر تھا۔ اب یہ گفتگو بظاہر ابن الفارض کر رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زبان اقدس سے کہی جا رہی ہے۔ اور آپ کی زبان نے "صورت فارضیہ" کا لباس پہنا ہے۔ جو ناظم ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی صورت ہے اور جو حقیقت محمدیہ میں غائب اور فنا ہوگئی ہے۔ اور اعتبار یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس واقعہ میں تشریف فرما تھے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے شعر کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختلف وقائع میں تشریف فرما ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب واقعہ واقعی بلند مقام ومنزلت کا حامل ہے اور اس کی عصمت کی دلیل ہے اور جو کچھ اس نے دیکھا اس کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ والا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ واقعات حاضر کے آئینہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اپنے آئینہ سے نظر نہیں آتے اور ہم نے اس کی مثل شیخ جیلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حدیث نبوی میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَنُوْرَ قُلُوْبِهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں کی نظروں کا نور اور ان کے دلوں کی نورانیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی ہے۔ لہٰذا جب اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے گفتگو کرتے ہیں اور اس وقت وہ اپنی مستعار صورتوں کا لباس اتار پھینکتے ہیں جو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا گیا تھا۔ تو اس وقت ان کے کلام پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی عظیم الشان رسول تشریف لائے۔ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہارے حد درجہ خیرخواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور مجسمہ رحمت ہیں۔ (التوبہ:128)

ہم دیکھتے ہیں کہ لکڑی کا بنا ہوا دروازہ اور صندوق اور اسی طرح دیگر اشیاء جو لکڑی سے بنائی گئی ہوں ان میں لکڑی ہی مختلف صورتوں میں ڈھلی ہوتی ہے کہیں دروازہ کی صورت اور کہیں صندوق کی صورت میں نظر آتی ہے اور یہ شکلیں وصورتیں لکڑی کیلئے ایک عارض ہونے والا معاملہ ہے۔ اصل ماہیت اور حقیقت لکڑی کی ہے اور دیکھنے والے کی نظر سے بہت جلد یہ امر عارض زائل اور اوجھل ہوتا ہے۔ اور اس کی بصیرت سے بھی زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ زوال اس وقت ہوگا جب ان کا اعتبار نہ کرے۔ اور اس کے سامنے لکڑی کی ماہیت اور حقیقت ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ تمام مخلوق حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے نور اقدس سے بنائی گئی۔ جیسا کہ یہ بات اس کے اہل حضرات کے ہاں معروف ہے اور احادیث نبویہ سے ثابت و محقق ہے۔ اور اشارات قرآنیہ اس کے اثبات پر شاہد ہیں تو معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زبان فارضی (ابن الفارض رضی اللہ عنہ) سے گفتگو فرمانے والے ہیں۔ جب ابن الفارض اپنی صورت سے فنا اور حقیقت نوریہ محمدیہ میں بقاء کے درجہ پر فائز تھے۔ وہ حقیقت نوریہ محمدیہ جوان کیلئے مشہود تھی۔ اب ''حقیقت محمدیہ'' کلام کرتے ہوئے گویا ہے کہ'' میں سمندر میں داخل ہوئی اور انبیاء کرام اس کے ساحل پر کھڑے رہے تا کہ اس حضور خاص میں جو میری حرمت اور عظمت ہے اس کی حفاظت و تحفظ ہو'' یہ معانی (مذکورہ کلام ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے) اس مقام و محل کی شرح کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم پر وارد فرمائے تا کہ اولیاء اور مقربین کرام کے ایسے کلام کو بے معنی یا ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔ یعنی ایسا کلام کہ جس کو سن کر کان اس کلام پر اعتبار نہیں کرتے اور گراں گزرتا ہو۔

ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلام کے معنی ہمیں اور بھی معلوم ہوئے۔ جن کو شیخ عارف کامل تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابی العباس المرسی وشیخہ ابی الحسن'' میں ذکر فرمائے ہیں۔

شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے جناب شیخ ابو یزید رضی اللہ عنہ کے قول ''خُضْتُ بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ'' میں ایسے سمندر میں داخل ہو گیا جس کے کنارے پر انبیاء کرام کھڑے رہے۔ کی تشریح فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے اس قول میں اپنی کمزوری کی شکایت کی ہے اور حضرات انبیاء کرام کے ساتھ الحاق سے عاجزی کا اظہار کیا ہے۔ شیخ موصوف کی مراد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام ''بحر توحید'' میں داخل ہوئے اور اسے عبور کر کے دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوئے اور وہاں کھڑے ہو کر دوسرے لوگوں کو وہ ''بحر توحید'' میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں اگر میں بھی کامل ہوتا تو ان انبیاء کرام کی طرح میں بھی ان کے پاس اسی جگہ کھڑا ہوتا جہاں وہ کھڑے تھے۔ شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابو یزید رضی اللہ عنہ کے کلام کی جو یہ تفسیر و تشریح کی ہے یہی تفسیر شیخ ابو یزید کے مقام کے لائق ہے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرات اولیاء کرام نے جو کچھ بھی حضرات انبیاء کرام سے حاصل کیا اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک مشکیزہ شہد سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اس سے ایک چھوٹا سا قطرہ شہد کا ٹپکتا ہے۔ اب جو مشکیزہ میں ہے وہ انبیاء کرام کیلئے ہے۔ اور

جو ٹپکا وہ قطرہ حضرات اولیاء کرام کیلئے ہے۔ حضرات ابویزید رضی اللہ عنہ شریعت کے مراسم اور احکام کی بہت پاسداری فرماتے تھے۔ یہ بات آپ سے مشہور ومعروف ہے اور شریعت کے ادب میں آپ ہر وقت قائم رہے۔ حتیٰ کہ آپ سے ایک حکایت ذکر کی جاتی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک شخص کی ''ولایت'' کی تعریف کی گئی آپ اس کی زیارت کیلئے چل پڑے۔ مسجد میں تشریف لائے اور اس ''ولی'' کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے وہ باہر آیا اور اس نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیا۔ یا ناک و منہ سے نکلنے والی بلغم دیوار پر ڈال دی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابویزید رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور اس سے ملاقات نہ کی۔ فرمایا یہ شخص جو مسجد کے آداب کا خیال نہیں رکھتا۔ آداب شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔ یہ کیسے ممکن کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی حفاظت کرتا ہو؟ (یعنی ولایت کا اہل نہیں)

حضرات اولیاء کرام میں سے بزرگ شخصیات اور صاحبان استقامت سے بعض ایسی باتیں اور بعض ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں۔ جو بظاہر اچھے نہیں ہوتے ہم نے ان افعال واقوال کا ایسا معنی کیا یا ہمیں ایسا معنی کرنا چاہئے جس سے ان پر شریعت کے آداب کی مخالفت کا الزام نہ آنے پائے۔ ایسا اس لئے کیا گیا یا ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ ہمیں ان حضرت کے بارے میں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ یہ لوگ صاحب استقامت اور حسن طریقت والے ہیں۔ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ ''کسی مسلمان کے ایسے کلام پر برا ہونے کا گمان ہرگز نہ کر جب اس کے معانی بہتر اور اچھے بن سکتے ہوں'' عارف باللہ شیخ جمال الدین محمد ابوالمواہب الشاذلی التونسی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''قوانین حکم الاشراق الی کافۃ الصوفیہ فی جمیع الآفاق'' میں فرماتے ہیں۔ ایک عارف نے کہا ''خُضْتُ بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ'' ''میں ایسے سمندر میں داخل ہو گیا جس کے کناروں پر انبیاء کھڑے رہے'' ہم نے اس کلام کا یہ معنی کیا ہے کہ عارف حضرات ''بحر توحید'' میں پہلے دلیل و برہان کے ساتھ داخل ہوئے اس کے بعد انہوں نے اس کی روئت (اس کا دیدار) شہود اور اعیان سے کی۔ لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ابتداء وہاں سے ہوئی جہاں عارفین کے قدم رک گئے اور انتہاء ہوگئی۔ والسلام۔

جوہر ۱۴: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے درج ذیل شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے لکھا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِشَارَةٌ　　لِكَفٍّ يَدٍ صُدَّتْ لَهٗ اِذْ تَصَدَّتْ

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ (الانعام:152) آیت کریمہ اس ہاتھ کی طرف اشارہ ہے۔ جو مقام

محمدی کے حصول کیلئے بڑھا اور اسے روک دیا۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و مرسلین سابقین کی ارواح اور ان کے ورثاء عارفین مقربین کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں کو اشارہ ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک نے اپنا روحانی ہاتھ اس مقام محمدی کو حاصل کرنے کیلئے بڑھایا۔ جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مختص ہے۔ تو وہ اسے حاصل نہ کر سکے گا۔ اور نہ ہی اس تک اس کی رسائی ہو سکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیمانہ زندگی بسر فرمائی۔ کیونکہ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب آپ ابھی اپنی والدہ کے شکم اطہر میں جلوہ فرما تھے۔ اس میں اگرچہ اختلاف علماء بھی ہے۔ سہیلی نے ''روض الانف'' نے لکھا ہے۔ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب آپ ابھی دنیا میں تشریف نہ لائے تھے۔ اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آپ اس وقت پنگھوڑے میں تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر اس وقت دو ماہ تھی۔ بعض نے اس سے زیادہ عمر بھی لکھی ہے۔ انتہیٰ۔ یونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بھی آپ کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا پس آپ نے یتیم ہوتے ہوئے تربیت پائی۔ اور قرآنی آیت (وَ لَا تَقْرَبُوْا الایة) کا اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ آیت کا یہ حکم ہر یتیم کیلئے بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی آیات کے معانی غیر متناہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ ۔ فرما دیجئے۔ اگر تمام پانی اللہ تعالیٰ کے کلمات (کی تقسیم کرنے) کیلئے سیاہی ہو جائے تو پانی (سیاہی) میرے رب کے کلمات (کی تفسیر مکمل ہونے) سے پہلے ختم ہو جائیگا۔ اگرچہ اس جتنا اور بھی سیاہی بنا کر ہم لے آئیں۔ (الکہف)

اور آیت مذکورہ (وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الایة) میں ''مال'' سے ''مقامات محمدیہ'' اور ان ''تجلیات الٰہی'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ''حقیقت احمدیہ'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ہم نے جو کہا ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ مال ''اشارہ'' ہے یعنی رمز اور ایماء ہے اس معنی کی اس میں صراحت نہیں ہے اور مذکورہ مفہوم قرآن کریم کے مخفی معانی کی طرف اشارات میں سے ایک اشارہ ہے اور ناظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس سے قبل ان کے شعر کے معانی کی تائید بھی ہے۔ علامہ قیصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ کمال توحید ذاتی آپ کے مقام جمع کے ساتھ اور آپ کے کامل متبعین کے ساتھ خاص ہے۔ پھر ناظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ کی زبان سے اس طرف اشارہ کیا کہ آپ کے

کامل متبعین کو اس بات سے روک دیا گیا کہ ''کمال توحید ذاتی'' حاصل کرنے کیلئے ہاتھ نہ بڑھاؤ۔ اسی منع کو ''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ'' میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اولین حضرات کے ہاتھوں کو ''توحید ذاتی'' میں تصرف کرنے کیلئے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ وہ مال ہے جو صرف اور صرف ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور آپ کی متابعت میں ان لوگوں کو ملے گا جنہوں نے متابعت کا احسن طریقہ اختیار کیا۔ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے درج ذیل قول میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَيْبِ وَ مِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْمَاءُ

آپ کیلئے عالم الغیب کی طرف سے علوم کی ذات ہے۔ اور آدم علیہ السلام کیلئے اس میں سے صرف اسماء کا علم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ '' آدم اور ان کے علاوہ سبھی کل قیامت میں میرے جھنڈے تلے ہوں گے'''' کف'' عربی زبان میں انگلیوں سمیت ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ ہاتھ کو ''کف'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جسم سے ہر تکلیف دینے والے چیز کو دور رکھتا ہے۔ ''مصباح'' میں اس کے متعلق یہی لکھا گیا ہے اور مشاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''صدت'' صاد مضمومہ اور دال مشددہ کے ساتھ ماضی مجہول واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ ''مصباح'' میں ہے۔ ''صَدُوْتَهُ عَنْ كَذَا صَدًّا'' باب قتل ہے اور معنی مَنَعْتُهُ وصَرَّفْتُهُ یعنی میں نے اسے روک دیا یا پھیر دیا ہے۔ اور قول شاعر ''لہ'' یعنی لمال الیتیم۔ یتیم کے مال سے روک دیا۔ ''مال یتیم'' مقام ذات محمدی سے کنایۃ ہے۔ اور جار مجرور (لہ) تصدت کے متعلق ہے جو شعر کا آخری لفظ ہے مقدم اس لئے لایا گیا۔ تاکہ ''حصر'' کا فائدہ دے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے مال سے نہیں روکا گیا۔ اور شاعر کا قول ''اذ'' حرف تعلیل ہے اور یہ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اذجئتنی لا کرمتک۔ جب تو آیا تو میں تیرا احترام و اکرام کروں گا۔ اس جملہ میں '' آنا'' اکرام و احترام کی علت ہے۔ کذا فی المصباح۔ اور شاعر کا قول '' تصدت'' صاد مہملہ اور آخر میں تاء مکسورہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تاء کا یہ کسرہ '' قافیہ'' کی خاطر ہوگی۔ مصباح میں ہے۔ تصدیت للامر جب تو کسی کام کیلئے فارغ اور آزاد ہو جائے۔ یہ اصل میں '' تصددت'' تھا۔ تخفیف کیلئے دال کو تاء میں تبدیل کر کے ادغام کر دیا گیا ہے۔

جوہر ۱۵: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ '' تائیہ کبریٰ'' کے مندرجہ ذیل شعر کی تشریح میں لکھا۔

وَحَزَ بِالْوَلَا مِيْرَاثَ اَعْرَفِ عَارِفٍ   هٰذَا هَمُّهُ اَثَارَ تَاثِيْرِ هِمَّةٍ

اور "ولا" کے رشتہ سے "اعرف عارف" کی میراث پائی۔ اس کی ہمت ہر وقت آگے بڑھنے میں کوشاں ہیں۔

اس شعر میں "اعرف عارف" سے مراد ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ "انا اعلمکم باللہ و اکثرکم منه خشیة" میں تم میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا اور تم میں اس کا سب سے زیادہ خوف رکھنے والا ہوں۔ اور "اعرف عارف" سے مراد حضرات اولیاء کاملین بھی ہو سکتے ہیں۔ جو صاحبان وراثت محمدیہ ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کی نور محمدی سے پیدا کی گئی صورت کا اتصال" قربت نسبیہ" کی تکمیل اور "رحم انسانی" کا اتصال مہیا کرتا ہے۔ جو "عصوبت" کا درجہ پالیتا ہے لہٰذا ان حضرات کو وراثت کا حصہ "فرضی حصہ" کے علاوہ خود بخود ملتا ہے اور اگر کسی کو "عصبیت" کا تعلق نہ ہو تو وہ وارث ایک "مقررہ حصہ" حاصل کرتا ہے۔ جنہیں علم فرائض (میراث) میں ارباب واصحاب سہام کہتے ہیں۔ جن کے حصہ جات مقرر ہوتے ہیں۔ اسی طرح "وراثت محمدیہ" پانے والے بھی دو قسم کے کاملین ہوئے۔ ایک عصبہ اور دوسرے ذوی الفروض یہ ورثاء "مقام محمدی" میں سے اسی طرح مقررہ حصہ پاتے ہیں جس طرح مقررہ حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے پایا۔ لہٰذا ولی جو وارث مقام محمدی ہوگا۔ وہ "موسوی محمدی" یا "عیسوی محمدی" وغیر ذالک ہوگا۔ اور شعر کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اس ولی کا میلان اور قصد ہمیشہ یہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھے اور اپنی قلبی ہمت کی تاثیر کو اختیار کرے۔ اور ارادہ ربانیہ کو اس طرف متوجہ کرے جس طرف وہ افعال سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے اور ہر چیز میں صدق حال سے فیصلہ کرے۔ پس غیر اللہ کا نہ قصد کرے نہ اس کی طرف میلان رکھے۔ جس کی صفات اس کی صفات کے ظہور سے ظاہر ہوئیں۔ اور اس پر اس نے اپنے اسماء حسنیٰ روشن کئے۔ جو اس کے تمام حالات میں ان کے اسم عینی سے روشنی پاتا ہے۔ پھر اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ اس کی انسانی صفات اس کے رب کی صفات کا سایہ ہیں جو منزہ اور عالی صفات ہیں اور وہ جان جاتا ہے کہ اس کے مختلف عرضی نام اس کے رب کے روشن اسماء حسنیٰ کا ظلال و پرتو ہیں۔ پھر اس کی تقدیری ذات رب کی حقیقت وجودی ذات میں منعدم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ان ظلال سے مستغنی ہو جاتا ہے جو مرادات و معلومات الٰہیہ کے تشخص سے قائم ہوتے ہیں اور یہ استغناء علم باری تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق ہوتا ہے۔ پھر اس پر غیب مطلق (اللہ تعالیٰ) ظاہر ہو جاتا ہے اور حق محقق اس پر آشکارا ہو جاتا ہے اور یہ ظہور اس کے اسماء صفات اور

ذات سب سے بیک وقت ہوتا ہے جو دراصل اسکے رب کی ذات صفات اور اسماء کے ظلال ہیں۔ یعنی ان کے آثار تقدیر یہ ہیں اور عدمیہ امکانیہ تصویرات ہیں۔ پس اس مقام پر پہنچ کر بندہ بالکلیہ مٹ جاتا ہے اور حقیقت اسی طرح متحقق و محقق ہو جاتی ہے جس طرح وہ اس سے پہلے بارگاہ عالیہ میں تھی۔ اب جاہل لوگ اس حال میں پڑے اللہ تعالیٰ کے بندے سے وہی کچھ دیکھتے ہیں جو اس کے اس حال میں پہنچنے سے پہلے دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ عدم معرفت کی وجہ سے وہ ان سے حجاب میں ہے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ خود ان کے نفوس کیا ہے پھر اس حال میں اللہ کا بندہ اپنی گواہی دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور قائم بالقسط صاحبان علم نے بھی گواہی دی کہ صرف وہی اللہ معبود برحق ہے، جو غالب حکمتوں والا ہے (آل عمران)۔ یہ ہے وہ مقام جسے ''مقام محمدی'' اور ''میراث احمدی'' کہتے ہیں۔

جوہر ۱۶: ''تائیہ کبریٰ'' میں ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رقمطراز ہیں۔

وَاَنْتَ عَلٰى مَا اَنْتَ عَنِّي نَازِحٌ   وَلَيْسَ الثُّرَيَّا لِلثَّرٰى بِقَرِيْبَةٍ

اور اے سالک! تو جس مقام پر بھی ہے، مجھ سے بہت دور ہے۔ اور ثریا (ستارے) زمین کے قریب نہیں ہیں۔

''انت'' تو یعنی اے وہ سالک! جو مذکورہ مقام اتحاد تک پہنچنے والا ہے۔ ''علی ماانت'' یعنی مرتبۂ علم و عمل اور حال میں تیرے کمال کے اظہار کے سبب سے، صفات حق تعالیٰ اور اس کے اسماء حسنیٰ کے ظہور کی غایت سے موصوف ہوتے ہوئے ایسا کہ تو ''ربانی'' ہو گیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔ اور لیکن ربانی ہو جاؤ۔ یعنی رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جاؤ۔ اپنے نفس کی طرف منسوب ہو کر ''نفسانی'' نہ بنو اور شاعر کا قول ''عنی'' یہ خبر مقدم ہے۔ اس کی مبتداء ''نازح'' ہے۔ ''نازح'' کا معنی بعید ہے۔ یہ نَزَحَ سے مشتق ہے۔ بروزن مَنَعَ اور ضَرَبَ آتا ہے۔ کذا فی القاموس۔ شاعر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام ''حقیقت محمدیہ'' کا بعینہٖ کلام ہے جو تمام ارواح کی روح ہے جیسا کہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔ کان خلقه القرآن۔ آپ کا ''خلق'' قرآن ہے۔ شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کے درج ذیل اشعار بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اَنَا الْقُرْآنُ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي وَ رُوْحُ الْاَرْوَاحِ الْاَوَانِي
فُؤَادِي عِنْدَ مَحْبُوْبِي مُقِيْمُ يُنَاجِيْهِ وَ عِنْدَ كُمُ لِسَانِي

میں ہی قرآن اور سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) ہوں۔ میں ہی تمام روحوں کی روح ہوں۔ برتنوں کی روح نہیں۔ میرا دل میرے محبوب کے ہاں مقیم ہے۔ اس سے مناجات میں مشغول ہے۔ اور تمہارے پاس میری زبان ہے۔

شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی غرض اس سے یہ ہے کہ ''سالکین'' جس کیفیت میں بھی ہوں اگر چہ وہ اعلیٰ مقامات پر پہنچ چکے ہوں۔ بلند درجات پر فائز ہو چکے ہوں تب بھی کوشش و سعی کرنے سے ''عین محمدیہ'' تک ان کی رسائی ناممکن ہے اور ''حقیقت احمدیہ'' سے تحقق ممکن نہیں۔ اس مقام کی معرفت بھی سمجھ سے بالاتر ہے چہ جائیکہ اس کا حقیقت میں حاصل کرنا ممکن ہو۔ خواہ وہ مرتبہ وجود میں ہو یا مرتبہ ایجاد میں ہو۔ اور شاعر کا قول ''لیس الثریا'' میں لفظ ثریا اصل میں ''ثروی'' تھا۔ کہا جاتا ہے ''اِمْرَأَةٌ ثُرْوٰی مُتَمَوِّلَةٌ'' بہت مالدار عورت۔ اور ''ثریا'' اس کا اسم تصغیر ہے۔ ستاروں کے ایک گچھ کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اس میں ستاروں کی کافی تعداد ہونے کے ساتھ جگہ بہت تنگ ہوتی ہے۔ ذَكَرَهُ فِي الْقَامُوْسِ۔ اور قول شاعر ''لِلثَّرٰی'' ثری کا معنی مٹی ہے۔ اور ''بِقَرِيْنَةِ'' لَيْسَ کی خبر ہے اور اس پر حرف باء تاکید کیلئے ہے۔ کیونکہ مقام صفاتی اور اسمائی اور مقام ذاتی الٰہی کے درمیان فرق ہے جیسا کہ اس کی طرف صاحب ہمزیہ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے ''حقیقت محمدیہ'' کو خطاب کر کے کہا ہے۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَيْبِ وَ مِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْمَاءُ

عالم الغیب کی طرف سے آپ کو ذات کا علم ملا۔ اور آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم ملا۔

جوہر ۱۷: ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول کی تشریح میں عارف نابلسی فرماتے ہیں۔ جو ان کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کا ایک شعر ہے۔

وَقَدْرِي بِحَيْثُ الْمَرْءُ يَغْبِطُ دُوْنَهُ سُمُوًّا وَلٰكِنَّ فَوْقَ قَدْرِكَ غِبْطَتِي

میری قدر و وجاہت مقام الٰہی میں اتنی بلند ہے کہ جو شخص اس سے ادنیٰ درجہ پر کھڑا ہے وہ اس کی بلندی پر حسد کرتا ہے اور لیکن میرا حسد تیری مقدار اور تیرے مقام سے کہیں اوپر ہے۔

درج بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ میری وجاہت اور قدر و منزلت مقام الٰہی میں اس مکان پر ہے جو نہایت عالی ہے جس کے حصول کا ہر وہ شخص حسد کرتا ہے جو اس سے ادنیٰ درجہ پر متمکن ہے۔ اس کا حسد

اس شخص کی بلند و بالا جگہ پر قیام کی فضیلت پر ہے۔اس کے بعد شاعر کا قول ''ولکن'' یہ ماقبل سے استدراک ہے۔''فوق قدرک'' بمعنی تیری مقدار کہ جس میں تو ہے اور تیری رفعت کہ جس کو تو نے حاصل کیا۔ ''غبطتی'' یعنی میرے مقام کے حصول کا حسد اور تمنا جو مجھ سے الگ نہیں ہو سکتا۔یعنی تو بیشک ان لوگوں میں سے ہے جو میرے مقام کی معرفت ہی نہیں رکھتے۔حتیٰ کہ اس پر رشک و حسد کریں۔اور اپنے لئے اس کے حصول کی تمنی کریں۔کیونکہ ''مقام محمدی'' جامع ہے۔اور ''میراث احمدی'' منور ہے۔جسے انبیاء کرام اور اولیاء عظام میں سے اکابر و کامل حضرات ہی پہچان سکتے ہیں۔لہٰذا اس کا حسد اور تمنا صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں۔

شاعر کا یہ کلام بھی ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے ہے۔اور ''حقیقت الٰہیہ'' کے غلبہ کے ظہور کی وجہ سے ''مقام غیریت'' سے الگ اور مجرد ہو کر یہ کلام کہا گیا ہے۔

جوہر ۱۸: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے ایک شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

فَسَمْعِي كَلِيْمِيٌّ وَ قَلْبِي مُنَبَّأٌ بِاَحْمَدِ رُؤْيَا مَقْلَةٌ اَحْمَدِيَّةٌ

میرے کان مجھ سے کلام کرنے والے ہیں۔اور میرا دل مطلع کیا گیا ہے ایسی روئت یا ایسے خواب پر جو قابل حمد ہے اور وہ احمدی آنکھ سے ہوا۔

''فَسَمْعِي'' یعنی وہ باتیں جو میں قوت روحانیہ امریہ کی مدد سے سنتا ہوں۔اور میں انسانی جسمانی نشاۃ کے طریقہ سے سنتا ہوں۔اور قول شاعر ''كَلِيْمِيٌّ'' یاء مشدد و مرفوعہ کے ساتھ جو نسبت کی یاء کہلاتی ہے۔ترکیب میں یہ ''سمعی'' کی خبر ہے۔معنی یہ ہوگا کہ بیشک میرے کان مجھ سے گفتگو کرتے ہیں۔اس مفہوم کا ماخذ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ قول مبارک ہے جو اس حدیث میں منقول ہے جس میں متقرب بالنوافل کے بارے میں ارشاد ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ۔میں اس کے کان ہو جاتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے۔پس وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں اس کا کلام سنتا ہوں۔شیخ اکبر قدس اللہ سرہ نے فرمایا۔

يَا مَنْ تُخَاطِبُهُ حَقِيْقَةُ ذَاتِهٖ فِي غَيْرِهٖ لٰكِنَّهُ لَا يَعْلَمُ
وَهُوَ الْمُخَاطِبُ ذَاتَهُ فِي ذَاتِهٖ وَهُوَ الْمُكَلِّمُ عَنْهُ وَالْمُتَكَلِّمُ

اے وہ شخص! جس سے اس کی ذات کی حقیقت خطاب کرتی ہے جو اس کے غیر میں ہے لیکن وہ نہیں جانتا اور وہی اپنی ذات میں اپنی ذات سے مخاطب ہے وہی ہے جس کے بارے میں گفتگو کی گئی

اور وہی خود گفتگو کرنے والا بھی ہے۔

مَرَاتُکَ الَّا کُوَانُ فِیْھَا نَاظِرٌ مَا اَنْتَ فِیْهِ مُنِیْرٌ اَوْ مُظْلِمٌ

ساری کائنات تیرا آئینہ ہے اس میں دیکھنے والا ہے وہ جس میں تو ہے۔ خواہ وہ روشن ہو یا اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہو۔

لہٰذا شاعر رضی اللہ عنہ کے کلام کا معنی یہ ہوا۔ کہ میرے کان کلیمی یعنی موسوی ہیں۔ جو میری ربانی حقیقت کا کلام سنتے ہیں اور انسانی نشأۃ کے طریقہ سے سنتے ہیں۔ ''قَلْبِیْ مُنَبَّأ'' میں لفظ منبأ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ''خبر دیا گیا'' ہے اور یہ نَبَّأَہٗ بمعنی اخبرہ سے مشتق ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ یعنی علوم الٰہیہ اور معارف ربانیہ کی اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو خبر دی۔ اور قول شاعر ''بَاَحْمَدِ رُؤْیَا'' یعنی ایسی روئت (دیکھنا) جو بہت زیادہ قابل تعریف ہو یا ایسا رؤیا (خواب) جو قابل تعریف ہو۔ لفظ ''رؤیۃ'' رأیت الشی رؤیۃ کا مصدر ہے''۔ اس کا معنی میں نے اسے سر کی آنکھ سے دیکھا۔ آنکھ کا دیکھنا یہ کہ کسی چیز کا آنکھ معاینہ کرے۔ اور لفظ ''رؤیا'' کا اطلاق خواب میں دیکھنے پر ہوتا ہے۔ اس کا وزن ''فُعْلٰی'' ہے جو الف تانیث کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ کذافی المصباح۔

امام راغب نے مفردات میں فرمایا۔ ''رؤیا'' وہ ہے جو خواب میں دیکھا جائے اور اس کا وزن فعلی ہے بعض دفعہ ہمزہ کو مخفف کر دیا جاتا ہے اور اسے پھر ''واؤ'' کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مروی ہے۔ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا۔ نبوت کی مبشرات میں سے اب سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ (الفتح:27)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا۔ اسے لوگوں کی آزمائش بنا دیا۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ جن لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج حالت خواب میں تھا۔ انہوں نے اس آیت میں مذکور لفظ ''رؤیا'' کو دلیل بنایا ہے۔ اور جن لوگوں نے معراج کو جاگتے ہوئے کرنے کا نظریہ رکھا ہے وہ اس ''رؤیا'' کی تفسیر ''رؤیۃ'' (بمعنی سر کی آنکھ سے دیکھنا) سے کرتے ہیں۔

شیخ نجم الدین الغیطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''کِتَابُ الْاِبْتِھَاجِ بِالْاَسْرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ'' میں لکھا ہے۔ جمہور مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اسراء اور معراج دونوں ایک رات میں روح اور جسم کے ساتھ جاگتے ہوئے ہوئے۔ خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس

وہاں سے ساتوں آسمانوں پر پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر جہاں اللہ نے چاہا وہاں آپ جاگتے ہوئے تشریف لے گئے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا۔ حق بھی یہی نظریہ ہے۔ اور اس پر آیت بھی اور اخبار صحیحہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ "اسراء" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے ساتھ اور خواب کی حالت میں تھی۔ یہ مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اس آیت میں لفظ "رؤیا" مذکور ہے اور اس کا اطلاق "خواب میں دیکھنے" پر ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ کے علاوہ بعض احادیث کا ظاہر معنی بھی امر مذکور پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے۔ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ میں سو رہا تھا۔ جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔ یہ مذہب (خواب میں معراج کرنا) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ابن اسحاق کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ فرماتی ہیں۔ مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اِنَّمَا اسْرٰى بِرُوْحِهٖ۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر گم نہ پایا۔ آپ کو معراج روحانی طور پر کرائی گئی۔

آیت مذکورہ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ "رؤیا" بعض دفعہ خواب میں دیکھنے کی بجائے "جاگتے ہوئے دیکھنے" میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" اس کی تائید کرتا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "رؤیا" آنکھ سے دیکھنا تھا۔ اس لئے کہ خواب میں ایسی باتیں دیکھنا "آزمائش" نہیں بنتا۔ اور نہ ہی اس کی کوئی تکذیب کر سکتا ہے۔ اور حدیث پاک "اَنَا نَائِمٌ الخ" کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب فرشتہ آپ کے پاس لے جانے کیلئے آیا تو اس وقت آپ آرام فرما رہے تھے۔ پھر فرشتہ نے آپ کو جگایا۔ یہ معنی نہیں کہ آپ لگاتار سوتے رہے اور معراج سوتے میں ہی کرا دیا گیا۔ رہا یہ کہ آپ کا ارشاد "فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اس کا معنی یہ ہے کہ میرا دل ملکوت کے عجائب کا مشاہدہ کرنے میں جو مشغول رہا۔ اور عالم الملک میں گیا تو اس حالت میں افاقہ اسے جب ہوا اور میں حالت بشریت میں واپس آیا تو اس وقت میں مسجد حرام میں تھا۔ علاوہ ازیں جس حدیث پاک میں لفظ "نوم" مذکور ہے وہ کمزور ہے۔ کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی "شریک" میں اضطراب ہے۔ اور اس کا حافظہ بھی کمزور تھا۔ بعض دفعہ حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کر دیتا تھا۔ تقدیم و تاخیر کر دیتا تھا۔

اور جو حدیث ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ

روایت ایسی سند کے ساتھ مروی نہیں جو حجت و دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ بلکہ اس کی سند میں ''انقطاع'' ہے۔ اور راوی مجہول ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کی بیوی کی حیثیت میں نہ تھیں۔ اور نہ ہی ان کی عمر اس قدر تھی کہ اتنی عمر میں مختلف باتوں کو ضبط (یاد) رکھا جا سکے۔ اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ ''اسراء'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے ایک سال بعد ہوا۔ تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ جب آپ نے یہ واقعہ دیکھا اور پایا ہی نہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ واقعہ بعد میں کسی نے بتایا ہوگا۔ لہٰذا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ جبکہ حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کی خبر اس کے خلاف موجود ہے۔

ایک جماعت جن میں حضرت ابو شامہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں کا مذہب ہے کہ ''اسراء اور معراج'' ایک سے زائد مرتبہ ہوئے۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل اخذ کی جسے بزاز وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ اس روایت میں واقعہ معراج اس سے مختلف ہے جو مذکور ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا واقعہ خواب میں ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ وہ معراج جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اور ہر آسمان والے کا یہ سوال کرنا کہ کیا آپ اس کی طرف بھیجے گئے ہیں؟ اور پانچ نمازوں کا فرض کیا جانا وغیرہ ذالک۔ یہ ایک سے زائد مرتبہ ہو۔ ان باتوں کا جاگتے ہوئے بار بار ہونا کچھ عجیب سا نظر آتا ہے۔ اور اگر خواب پر محمول کیا جائے تو اس پر اعتراض نہیں آتا۔ لہٰذا بعض روایات کو دوسری بعض کی طرف لوٹانا متعین ہے۔ اور بعض کو بعض پر ترجیح دینا لازم ہے۔ وہ یوں کہ یہ (اسراء اور معراج) واقعہ خواب میں ہوا۔ پھر اسی کے مطابق جاگتے ہوئے بھی ہوا۔

ایک اور جماعت جن میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کا موقف یہ ہے کہ ''اسراء'' دو مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ سوتے ہوئے اور دوسری مرتبہ جاگتے ہوئے۔ اسی پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں جزم فرمایا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ''اسراء'' خواب میں ہوا۔ وہ جاگتے ہوئے ہونے والے ''اسراء'' کا پیش خامہ تھا اور اسے آسان کرنے کی خاطر تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی ابتداء ''سچے خوابوں'' سے ہوئی۔ تاکہ بعد میں پیش آنے والا ''امر نبوت'' آسان ہو جائے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا کام اور ذمہ داری تھی جس کو برداشت کرنے سے انسانی قوتیں کمزور ہوتی ہیں۔ یونہی ''اسراء'' کا معاملہ بذریعہ خواب آپ پر آسان کر دیا گیا۔ پھر جاگتے ہوئے اسی طرح یہ

واقعہ ہوا جس طرح خواب میں دکھایا گیا۔ کیونکہ اس کی دہشت بھی بہت عظیم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آسانی، مہربانی اور نرمی فرمائی۔

شاعر ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''مقلۃ'' مضاف الیہ ہے اور ''مقلہ'' آنکھ کا وہ حصہ جہاں آنکھ کی سپیدی، سیاہی اور دائرہ جمع ہوتے ہیں۔ اس کی جمع مقل بروزن صُرَد ' ' ہے۔ کذا فی القاموس۔ اور شاعر کا قول ''احمدیہ'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی ''احمد'' کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج رب ذوالجلال کا دیدار کیا ہے۔

علامہ نجم الدین الغیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام وسلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا شب معراج حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا اپنے سر کی آنکھوں سے دیدار کیا یا نہیں؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب انور سے دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مشہور ہے۔ حضرت اُبَی سے بھی ایسی روایت آئی ہے بہت سے محدثین اور متکلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب کا یہی مذہب ہے کعب احبار، امام زہری اور ان کے ساتھی معمر وغیرہ حضرات کا بھی یہی موقف ہے۔

جناب حسن سے روایت ہے۔ وہ قسم اٹھایا کرتے تھے کہ جناب امام محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا یہی موقف ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اکثر علماء کا راجح موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ جس کی سند صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''رایت ربی عزوجل'' میں نے اللہ عزوجل کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سند صحیحہ کے ساتھ طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے۔ نَظَرَ مُحَمَّدٌ اِلٰی رَبِّہٖ مَرَّتَیْنِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَ مَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے رب کا دو مرتبہ دیدار کیا ایک مرتبہ اپنی آنکھ اور دوسری مرتبہ اپنے دل سے۔

عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ خلاصہ اور حاصل کلام یہ ہے۔ ان حضرات کے قول کے درمیان تطبیق وتوفیق ممکن ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اسراء اور معراج حالت بیداری میں ہوا۔

اوران کے قول کے درمیان جو اس کے خواب میں ہونے کے قائل ہیں اوران حضرات کا قول جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب کو دیکھنا خواب میں یا حالت بیداری میں کہتے ہیں۔ یا وہ جو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج آپ نے جبرئیل کو دیکھا یا اپنے رب کی آیات (نشانیاں) دیکھیں۔

توفیق یوں ہو سکتی ہے کہ ''بیداری اور نیند'' جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے وہ اور جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔ دونوں درحقیقت مختلف ہیں۔ یونہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ''بیداری اور نیند'' بقیہ انسانوں سے مختلف ہیں۔ کیونکہ آنکھ کا ادراک دراصل دل کے ادراک کے تابع ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اور حضرات انبیاء کرام کے درمیان مشترک ہے اور حضرات انبیاء کرام کے دل نہیں سوتے۔ اگرچہ ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سوتے تھے تو نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور حضرات انبیاء کرام کے خواب ''وحی'' ہوتے ہیں ان کی طرف خواب میں بھی اسی طرح وحی آتی ہے جس طرح حالت بیداری میں آتی ہے۔ لہٰذا حضرات انبیاء کرام کے خواب ہمارے جاگنے کی طرح ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نیند کی حالت ہماری طرح بظاہر آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی کے قصہ میں سو گئے تھے اور آپ کو نہ صبح دکھائی دی اور نہ دھوپ کیونکہ ان چیزوں کا ادراک آنکھ سے ہوتا ہے اور آپ کی آنکھیں بظاہر بند تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے واقعہ کو ''خواب'' کہا۔ اور فرمایا۔ ''رُؤْيَا الَّتِیْ اَرَيْنَاکَ'' اور یہ بات ہماری بہ نسبت ''بیداری'' ہے۔ اور یہ خواب ہمارے خوابوں کی طرح نہیں۔ اور یہ سونا ہمارے سونے کی طرح نہیں۔ اسی اسراء اور معراج کے بارے میں دوسری مرتبہ خبر جو آئی ہے وہ یہ کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا۔ اور وہ ''روئت'' ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔) ''رؤیا'' نہیں۔ (یعنی خواب نہیں) اس لئے کہ وہ بیداری تھی جس طرح ہماری بیداری ہوتی ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ ''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس گم نہ پایا'' اس روایت کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم شریف متعدد ہو گیا ہو۔ جیسا کہ ابدال کے جسم متعدد ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء کرام کے اجسام کا متعدد ہونا ثابت ہے۔ جب اولیاء کرام کے اجسام میں تعدد ثابت ہے تو حضرات انبیاء کرام کے اجسام کا متعدد ہونا کیسے ناممکن ہوگا۔

رہا یہ اختلاف کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار وہ ''ذات الٰہیہ'' کا دیدار تھا یا کائنات کی صورتوں میں اسماء اور صفات متجلیہ کا دیدار تھا۔ جو مظہر کی روئت ہے نہ کہ ظاہریت کی۔ تو جس نے روئت باری تعالیٰ کا انکار

کیا اس کی مراد دیدار ذات سے انکار کرنا ہے جو اسماء اور صفات سے مجرد ہو۔ اور جس نے دیدار کا اثبات کیا اس کی مراد اسماء وصفات کی تجلیات کے مظاہر کا دیدار ہے۔ اس مظہر کا نام جبرئیل کہیں یا آیات اللہ یعنی اس کے وجود کی نشانیاں کہیں۔ بات فی نفسہ ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

جوہر ۱۹: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ "تائیہ کبریٰ" کے درج ذیل شعر کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ رُوْحِیْ لِلْاَ رْوَاحِ رُوْحٌ وَ کُلَّمَا   تَرٰی حُسْنًا فِی الْکَوْنِ مِنْ فَیْضِ طِیْنَتِیْ

اور میری روح تمام ارواح کی روح ہے اور تو جب بھی کائنات کی کوئی حسین چیز دیکھے گا تو اس کا حسن میری اصل سے ہے۔

یہ کلام "مقام محمدی" میں سے ہے اور "حقیقت محمدیہ" کی زبان سے کہا گیا ہے کیونکہ شاعر رضی اللہ عنہ نسب اصلی نوری کی وجہ سے اس کے احوال کے عصبی وارث ہیں۔ کیونکہ تمام کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ تو جب شاعر رضی اللہ عنہ کی نشاۃ "حقیقت اولیہ" کی نشاۃ میں گھل مل گئی اور غیریت کی صورتوں کے نشانات مٹ گئے تو "حقیقت محمدیہ" نے خیالی ماہیت کی زبان سے گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (التوبہ:128)۔ تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل قیامت میں "امتی امتی" کہیں گے جبکہ دیگر انبیاء کرام "نفسی نفسی" پکاریں گے۔ آیت مذکورہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول سابق اس خفی راز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "رُوْحِیْ لِلْاَرْوَاحِ رُوْحٌ" یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تمام ارواح کی اصل ہے۔ وہی "قلم اعلیٰ" ہے اور آپ کا نفس "نفس النفوس" ہے۔ جو "لوح محفوظ" ہے۔

اس کی مانند شیخ اکبر قدس اللہ سرہ کا شرح وصایا یوسفیہ میں قول مذکور ہے۔ فرماتے ہیں۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثائے روحانی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے ھیاکل (ڈھانچے) ہیں۔ لہٰذا آپ ابدی رسول ہیں۔ خواہ حالت حیات میں ہوں یا حالت وصال میں۔ پس جس نے شیخ کی اطاعت کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی۔ کیونکہ آپ اس کے ڈھانچے کی روح ہیں۔ اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالیت کا مظہر ہیں

اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے ظہور کا مقام ہوں گے۔ ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''کلما تری'' اس سالک کو خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور لفظ ''حسنا'' تریٰ کا مفعول بہ ہے یعنی تو خوبصورت چیز دیکھے گا اور ہر چیز جو تکوین میں دائرہ میں داخل ہے وہ اس اعتبار سے نظر کو بھاتی ہے کہ اس کا صدور اس کے خالق سے ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ (السجدہ:7)۔ وہ اللہ جس نے ہر چیز کو اس کی خوبصورت بناوٹ بخشی اور حدیث پاک میں وارد ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ الْحُسْنَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے خوبصورتی لکھ دی ہے۔ رہا کسی چیز کا قبیح ہونا تو اس کی یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ محض اس چیز کو دیکھا جائے۔ (خالق کی طرف خیال نہ جائے) تو فی نفسہ کسی چیز میں قباحت ہو سکتی ہے یا پھر قباحت کسی دوسری چیز کو دیکھ کر ہوگی۔ یعنی دوسری کی بہ نسبت خوبصورت نہیں فی نفسہ خوبصورت ہوگی۔

اہل سنت کے نزدیک اشیاء میں ''قبح'' حکم شرعی ہے جس طرح ''حسن'' بھی حکم شرعی ہے ہر چیز میں اصل یہی ''حسن'' ہے۔ اسی لئے اشیاء میں اصل کے اعتبار سے ''اباحت'' ہے کیونکہ اشیاء میں باعتبار اصل ''حسن ہے''۔ اور ''تحریم'' بعد میں کسی چیز پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے آجانے سے چیز میں ''قباحت'' آجاتی ہے۔ لیکن یہ ''قباحت'' بھی محض اس چیز کی ذات کے پیش نظر ہوتی ہے اور اگر اس کے خالق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر کسی چیز میں ''قباحت'' نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا (البقرہ:29)۔ وہ اللہ جس نے تمہارے فائدے اٹھانے اور نفع کیلئے زمین اور اس کی تمام اشیاء پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء پیدائش کے اعتبار سے ایسی ہیں کہ ان کو استعمال میں لا کر نفع اٹھانا جائز ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نصوص قطعیہ اور ظنیہ سے جسے حرام کر دیا وہ حرام ہو گئی۔

حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ''طینتی'' مضاف الیہ۔ یہ لفظ ''طین'' سے ماخوذ ہے۔ ''طین'' پانی میں گوندھی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر سے کنایہ ہے۔ تو جس طرح تمام ارواح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح سے بنائی گئیں۔ پھر انہیں ان کے اجسام میں پھونکا گیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی روح ہیں جو سب سے پہلی ''مخلوق'' ہے۔ آپ کی روح کی اللہ تعالیٰ کی اضافت (روح اللہ) شرافت و کرامت کی اضافت ہے۔ جس طرح ناقۃ اللہ، ارض اللہ، بیت اللہ اور عبداللہ وغیرہ میں اضافت تشریفی ہے۔ یونہی کائنات میں تمام حسین و جمیل اجساد و اجسام یعنی جن میں حسن ان کے خالق کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا

ہے۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے فیض سے ہیں۔ جو چاروں طبیعتوں حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کا منشاء ہے۔ یہ چاروں طبیعتیں چار عناصر سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس چاروں طبیعتوں کا منشاء ہے اسی طرح چاروں عناصر کا بھی وہی منشاء ہے۔ جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ملتا ہے۔ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ۔ میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے مابین تھے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب نہ آدم تھے نہ پانی اور مٹی اور نبی وہی ہوتا ہے جس کے روح کے ساتھ جسم بھی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تمام ارواح کی اصل اور آپ کا جسد اقدس تمام اجساد کا اصل ہے۔

مندرجہ بالا حقیقت کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جس میں ''انتقال نور'' کا ذکر ہے یعنی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور رکھا گیا۔ پھر وہاں سے منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی ہیں۔ پھر وہاں سے آپ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ نور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک اور جُسد اطہر کا مادہ تھا۔ ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ایک رحم سے دوسرے رحم میں آتا رہا۔ یہ تمام پشتیں اور رحم ''طیب وطاہر'' تھے۔ حتی کہ عالم دنیا میں اس نے ظہور فرمایا۔ اس کی آمد پر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور ستاروں نے جھک کر سلام عرض کیا۔ اور حی و قیوم کے نور سے زمین چمک اٹھی۔ پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوالارواح اور ابوالاجساد ہیں۔ واللہ لطیف بالعباد۔

جوہر ۲۰: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''تائیہ کبریٰ'' کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَذَرْلِيَ مَا قَبْلَ الظُّهُوْرِ عَرَفْتُهٗ خُصُوْصًا وَبِي لَمْ تَدْرِ فِي الذَّرِّ رِفْقَتِي

پس میرے لئے تو تسلیم کرلے کہ جو کچھ میرے ظہور سے قبل تھا وہ سب کچھ میرے علم میں ہے۔ یہ خاص مجھے عنایت ہوئی۔ حالت یہ تھی کہ عالم ارواح میں میرے ساتھیوں کو بھی پتہ نہ چلا۔ یہ کلام بھی ''حقیقت محمدیہ'' کی زبان سے کیا گیا ہے۔ جو اس کے احوال میں سے ایک حال ہے جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ لہٰذا شاعر رضی اللہ عنہ کے قول ''فَذَر'' میں حرف فا ماقبل کی تفریع کیلئے ہے۔ یعنی جب تو نے معلوم کرلیا کہ میری روح ''روح الارواح'' ہے اور میرا جسم ''جسد الاجساد'' ہے تو پھر تو چھوڑ دے۔

یعنی تسلیم کر لے یقین کر لے۔ اور جھٹلانے اور شک میں پڑنے سے رک جا۔ اور شاعر کا قول ''لی'' جار مجرور ''ذَرَ'' کے متعلق ہے اور لفظ ''ما'' سے مراد وہ حالت جو ظہور سے قبل یعنی میرے دنیا میں میرے مخصوص جسم اور مخصوص روح کے ساتھ ظاہر ہونے سے قبل ہے اور شاعر'' عرفتہ'' موصول کا صلہ ہے۔ اور ضمیر کا مرجع حرف ما جو موصولہ ہے، وہ ہے۔ اور عرفتہ کا معنی یہ ہے کہ تمام وہ اشیاء جو میرے نوری مادہ سے ہیں یا ہوں گی ان کے تحقق کو تو نے جان لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذَا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا۔ پس میں اس کی طرف اور قیامت تک اس میں ہونے والی تمام مخلوق کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے اس ہاتھ کو دیکھتا ہوں۔ اس روایت کو طبرانی نے ذکر کیا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے۔ فَعَلِمْتُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔ پس اولین و آخرین کو میں نے جان لیا۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول'' خصوصا'' مصدر ہے کہتے ہیں۔ خَصَّهٗ بِالشَّيْءِ خَصًّا وَّ خُصُوْصًا وَ خُصُوْصِيَّةً۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذَالِكَ خُصُوْصًا دُوْنَ غَيْرِيْ مِنْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز خاص طور پر مجھے عطا فرمایا۔ میرے سوا کسی اور کو نہیں ملا۔ اور قول شاعر ''وَبِيْ'' میں واؤ حالیہ ہے اور جار مجرور ''تدری'' کے متعلق ہے اور قولہ ''لم تدر'' یعنی لَمْ تَعْلَمْ بِمَعْنٰى لَمْ تَعْلَمْ بِيْ ہے۔ اور لفظ ''فِي الذَّرِ'' یعنی فی ''فِيْ عَالَمِ الذَّرِ'' سے مراد وہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ الآیہ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اولاد آدم سے ان کی پشتوں سے آنے والی تمام اولاد سے وعدہ لیا اور انہیں خود ان کی ذاتوں پر گواہ بنایا۔ پوچھا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا۔ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (الاعراف:172)۔ لفظ ''ذَرٌّ'' دراصل چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کو کہتے ہیں۔ جو کہ ایک سو اگر ہوں تو ان کا وزن بمشکل جو کے ایک دانہ کے برابر ہوگا۔ اس کا واحد ''ذرة'' ہے۔ كَمَا فِي الْقَامُوْسِ۔ اور شاعر کا قول'' رِفْقَتِي ''تَدْرِی فعل کا فاعل ہے۔ رفقۃ بروزن ثمامۃ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جن کے ساتھ خود شریک ہوں۔ اس کی جمع '' رفاق'' بروزن کتاب اور'' ارفاق'' بروزن اصحاب آتی ہے۔'' رفقۃ'' اسم جمع ہے اور اس کی جمع '' رفق''، صرد، عنب اور حبال کے وزن پر آتی ہے۔ كَمَا فِي الْقَامُوْسِ۔

شاعر رضی اللہ عنہ نے'' رفقۃ'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم جنس لئے ہیں جو آدمی

ہیں۔ اور انسانی آدمی صورت میں ہیں۔ اور وہ چھوٹا ہونے میں چیونٹیوں کی طرح ہیں۔ آپ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ان تمام نے ایک ہی مادہ اور ایک ہی مٹی سے آدم علیہ السلام کی پشت میں نشوونما پائی۔ اور یہ سب اس طینت محمدیہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ خود شاعر رضی اللہ عنہ نے "حقیقت محمدیہ" کی زبان سے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَاِنِّی وَاِنْ کُنْتُ اِبْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً فَلِی فِیْهِ مَعْنًی شَاهِدٌ بِاُبُوَّتِی

اور بیشک میں اگر چہ صورت کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں لیکن اس میں میرے لئے ایک شہادت ایسی بھی ہے جو میرے باپ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ معنی وہی "طینت محمدیہ" ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کی بنائی گئی شکل وصورت جسے قدرت کے قلم نے بنایا وہ لفظ "محمد" کی شکل وصورت پر بنائی گئی ہے۔ آدمی کا سر حرف میم (م) کی طرح گول ہے۔ دونوں بازو حرف "حا" کی طرح ہیں۔ پیٹ دوسری میم کی طرح اور دونوں پاؤں "دال" کی طرح ہیں۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ کسی کافر کو جہنم کی آگ میں اس صورت پر باقی رکھ کر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حروف کی تعظیم واکرام کی وجہ سے ہے۔ بلکہ اس کافر کی صورت تبدیل کر دی جائے گی۔ اور اس کی شکل قبیح اور ڈراؤنی بنا دی جائے گی۔ اور اس کا جسم لمبا چوڑا کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ انسانی شکل لفظ "محمد" کے حروف کی طرح بنائی گئی۔ اس سے مراد "خط کوفی قدیم" ہے۔ یعنی رسم الخط کوفی قدیم میں اگر لفظ "محمد" لکھا جائے۔ تو اس کی شکل وصورت انسان کی شکل وصورت کی طرح ہوگی۔

جوہر ۲۱: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا۔

فَلَا عَالَمَ اِلَّا بِفَضْلِیْ عَالِمٌ وَلَا نَاطِقٌ فِی الْکَوْنِ اِلَّا بِمِدْحَتِیْ

کائنات کی ہر چیز میرے فضل سے ہی جاننے والی بنی ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز میری تعریف کرتی ہے۔

شاعر رضی اللہ عنہ کا قول "فَلَا عَالَمَ" مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ قاموس میں اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ تمام مخلوق یا آسمان کے نیچے کی ہر چیز "صحاح" میں اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ مخلوق۔ اس کی جمع عوالم ہے اور "عالمون" سے مخلوقات کی اقسام مراد ہیں۔ اور شاعر کا قول "الا بفضلی عالم" میں لفظ "عالم" لام مکسورہ کے ساتھ ہے۔ یعنی علم سے متصف میرے فضل کے سبب ہے اور "فضل" نقص کی

ضد ہے اور ''فضیلت'' فضل میں اعلیٰ درجہ کو کہتے ہیں۔ کما فی القاموس۔ اور وہ ''مقام محمدی'' کا فضل ہے۔ جو ہر فضل کا معاون وممد ہے۔ جو عالم علوی اور عالم سفلی میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام عالم آپ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے آثار میں سے ہے۔ شاعر کا قول ''لا ناطق'' یعنی کائنات میں جو بھی کلام کرنے والا ہے۔ ''مَدْحَتِی'' بمعنی مدح وثناء۔ یعنی کائنات کی تمام اشیاء میری ثناء وتعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس لئے کہ اس مقام محمدی کا مالک آسمان وزمین میں ''محمود'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ ہم نے آپ کو تمام کائنات کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب تمام کائنات پر، تمام جہانوں پر رحم فرمایا۔ اور ہر ناطق چیز پر مہربانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حم سجدہ:21)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ''بولی'' عطا فرمائی۔ اور ہر ناطق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس رحمت کے سبب جو سب کو شامل ہے۔ زبان حال اور زبان قال سے تعریف کر رہا ہے۔ اور وہ ''مجسمہ رحمت'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

جوہر ۲۲: ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر جو ابھی گزرے شعر کے بعد ہے۔ کی تشریح کرتے ہوئے عارف نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ولا غَرَّ وَاَنْ سُدْتُّ الْاَلِی سَبَقُوْا وَقد تَمَسَّکْتُ مِنْ طٰهٰ بِاَوْثَقِ عُرْوَةٍ

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ میں گزشتہ اہل توحید کا سردار ہو گیا۔ جبکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔

''ولاغر'' صحاح میں ہے۔ الغَرُّ وَالْعُجْبُ وَغَرَوْتُ۔ بمعنی میں نے تعجب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ لاغر۔ جس کے معنی لیس بجب ہے۔ یعنی کوئی عجیب نہیں۔ اور شاعر کا قول ''اِنْ سَدْتُ'' یہ سَادَقُوْمَهٗ يَسُوْدُهُمْ فَهُوَسَيِّدُهُمْ سے ماخوذ ہے۔ اور ''سید'' عربی لغت میں ایسے صاحب جلالت کو کہتے ہیں جو لوگوں کا سردار ہو۔ اور شاعر کا قول ''الالی'' سدت فعل کا مفعول بہ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو زمانہ ماضی میں مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں۔ ان سے مراد اہل جمع وتوحید ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور قول شاعر ''وقد'' میں واؤ حالیہ ہے اور جملہ ''تمسکت الاخر'' محل نصب میں ہے۔ کیونکہ یہ ''سدت'' فعل کے فاعل ''تاء'' حال واقع ہو رہا ہے۔ صحاح میں ہے۔ اَمْسَكْتُ بِالشَّيْءِ وَ تَمَسَّكْتُ بِهٖ وَاسْتَمْسَكْتُ بِهٖ وَامْتَسَكْتُ بِهٖ ان تمام کا معنی میں نے اس چیز کو مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اور شاعر کا قول ''طٰهٰ'' یعنی طٰہٰ کے دین یا طٰہٰ کی حقیقت جو کہ اس کا نور ہے اور جس سے ہر چیز پیدا کی گئی ہے جیسا

کہ حدیث میں وارد ہے اور ''طٰہٰ'' ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ طٰهٰ ۚ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ (طٰہٰ)۔ (اے طٰہٰ! ہمارے آقا ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے)۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ اور ''قرآن'' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا نازل شدہ علم ہے جو ہر شئی کی صورت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ (النساء:171)۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف القاء کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ (مریم:34)۔ یہ عیسیٰ ابن مریم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۞ ـ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ۔ بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہ السلام کی مثل ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا (آل عمران)۔ وہ اللہ کا قول حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اسی طرح مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر اسے کن کہا تو وہ بن گئی۔ لہٰذا اس کا قول اس کا کلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۞ بیشک اس کا امر جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کن کہتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے (یٰسین)۔ اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ پر نازل فرمایا۔ وہ طٰہٰ جو اصلی نورانی مادہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نور سے بلاواسطہ پیدا کیا گیا۔ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ ۔ نور پر نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے (النور:35)۔ یعنی اس کا نور جو ''نور محمدی'' ہے۔ اور وہی ''واسطہ عظمیٰ'' ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۞ (البقرہ)۔ اور شاعر رضی اللہ عنہ کا قول ''باوثق'' یعنی بہت زیادہ مضبوط۔ قاموس میں ہے۔ ''العروہ'' ڈول اور لوٹے کا مضبوطی سے پکڑا ہوا حصہ۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى۔ مضبوط رسی سے کسی چیز کو اپنے لئے تھام رکھنا (البقرہ:256)۔ ''مضبوط رسی سے تھامنا'' سے مراد ''تمسک بالحق'' ہے۔ یعنی کتاب وسنت کو تھامنا اور یہاں شعر میں مراد ''حقیقت محمدیہ جامعہ'' ہے۔

جوہر ۲۳: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے جناب ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں لکھا ہے۔

عَلَيۡهَا مَجَازِىٌّ سَلَامِى وَاِنَّمَا حَقِيۡقَتُهٗ مِنِّى اِلَىَّ تَحِيَّتِى

''حقیقت محمدیہ'' پر میرا سلام مجازی ہے۔ میری طرف سے سلام کی حقیقت تو یہ ہے کہ میرا سلام

میری طرف ہے۔

''علیھا''یعنی طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس کو میں نے مضبوطی سے تھاما۔ یعنی حقیقت محمدیہ عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اور شاعر کا قول'' مجازی'' یا، مشدّدہ اور نسبت والی ہے اور'' مجاز'' خلاف حقیقت کو کہتے ہیں۔ قولہ'' سلامی'' یعنی میرا اسلام اس حقیقت پر ہو۔ سلامتی کا یہاں معنی یہ ہے کہ میری نظر اس کے سوا کسی اور کو دیکھنے سے امن میں رہے۔ اس کا غیر ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز کی حقیقت اسی کی حقیقت سے ہے۔ پھر شاعر رضی اللہ عنہ نے کہا۔'' اِنَّمَا حَقِیْقَتُہٗ مِنِّیْ '' یعنی میری طرف سے سلام کی حقیقت، درحقیقت میری طرف ہی ہے۔ لہٰذا جب میں اس پر سلام بھیجتا ہوں تو درحقیقت میں اپنی ذات پر ہی سلام بھیجتا ہوں۔ کیونکہ میری ظاہری اور باطنی دونوں عارضی صورتیں'' مادہ نوریہ محمدیہ'' میں فنا ہیں۔ بیشک جس نے مٹی جمع کی۔ وہ حق تعالیٰ کی طرح ہوا۔ جب اس کا ارادہ اس کے علم کی تقدیر پر متوجہ ہوا جو علم الٰہی ازلی میں متعین ہے اور اپنے عدم اصلی سے اپنے اوپر وجود کے نور سے کے ظہور کی طرف نکلا۔ جو ذات الٰہی سے ہے۔ پھر اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی توجہ اس معین تقدیر پر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ'' حقیقت محمدیہ'' بن گئی۔ پس متعین تقدیر اس میں فانی اور گھل مل جانے والی ہے۔ کیونکہ وہ عدم اصلی ہے اور امر الٰہی وہ وجود حق محض ہے۔ پس جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور یعنی امر اللہ الوجود الحق اس تقدیر متعین پر متوجہ ہوتا ہے اور اس کے زوال اور گھل مل جانے پر توجہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے عدم اصلی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ جو اللہ کا نور ہے۔ لہٰذا نور صرف اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ پس وہ'' نور علیٰ نور'' ہے۔ لہٰذا وہ مذکورہ اعتبارات کی بنا پر دو نور ہوئے۔ حالانکہ وہ ایک ہی نور ہے۔ اور وہ'' معیت الٰہیہ'' ہے۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ۔ جب وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے۔ غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے (التوبہ:40)۔ فرمایا۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (الحدید:4)۔ تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ پھر اس مٹی سے صانع نے بہت سے برتن بنائے جن کی شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ اس مٹی میں سے کچھ بھی باقی نہ بچا۔ پھر جب کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ وہ مٹی کہاں ہے؟ تو اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ ان تمام برتنوں میں غائب ہو گئی ہے۔ حالانکہ وہ غائب نہیں۔ کیونکہ تمام برتن محض صورت و شکل میں دکھائی دے رہے ہیں جو فانی اور ختم ہو جانے والے ہیں۔ یونہی تقدیر متعین جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے تمام مخلوقات پیدا کیں۔ یعنی تمام مخلوقات کی صورتیں اور شکلیں بنائیں اور ہر ایک کا ایک اندازہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان)۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا خوب خوب اندازہ رکھا۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تنبیہ فرمائی۔ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیۃ (التوبہ:128)۔ یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (الاحزاب)۔ اے نبی محترم! ہم نے آپ کو حاضر ناظر بنا کر بھیجا۔ لہٰذا ہم نے جو ذکر جسے یہ سمجھ آ گیا اسے ''حقیقت محمدیہ'' کا عرفان حاصل ہو گیا۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہی حقیقت محمدیہ کائنات کی مختلف صورتوں اور امکانی شکلوں میں جلوہ نما ہے۔ پس جس شخص کی باطنی اور ظاہری صورت کا اضمحلال حاصل ہو گیا۔ اس کی آنکھیں حقیقت محمدیہ کی آنکھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جو ''حقیقت ربانیہ'' میں مضمحل اور فانی ہے۔ علی الوجہ الاکمل ہے۔ اور یہ مقام سالکین کی نہایت اور واصلین کی غایت ہے۔

جوہر ۲۴: عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر کی تشریح میں فرمایا۔

وَاَطْيَبُ مَا فِيْهَا وَجَدْتُ بِمُبْتَدَا　　غُرَامِي وَ قَدْ أَبْدَى بِهَا كُلُّ نُدْرَةٍ

اور ''حقیقت محمدیہ'' میں جو ہے اس کی لذت میں نے عشق و محبت کی ابتدا میں پالی۔ حالت یہ تھی کہ ہر عجیب بات اسی سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھی۔ ''اطیب'' قاموس میں ہے۔ طَابَ يَطِيْبُ بمعنی اس نے لذت پائی اور طہارت پائی۔ اسی سے ''اَطْيَبُ'' اسم تفضیل ہے۔ یعنی بہت زیادہ لذیذ اور پاک ہے۔ ''مافیھا'' یعنی جو حقیقت محمدیہ میں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ سالک کی بصیرت کا ابتدائی مرحلہ ''غیب مطلق'' کے حضور کا ہوتا ہے جو حقیقی وجود حق ہے۔ جس کا نہ ادراک ہو سکتا ہے اور نہ ہی جس کو ترک کیا جا سکتا ہے تو سالک کا دل اس کے حقیقی جمال میں اٹک جاتا ہے۔ جو حسی، معنوی اور خیالی صورتوں سے پاک ہے۔ پھر سالک لطائف کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے عظیم احسانات اور اس کے قابل قدر عطیہ جات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پس ان پر وہ عاشق ہو جاتا ہے اور اس کی روح اس کی معرفت سے لذت پاتی ہے۔ اور اس کے کمال نزاہت اور کائنات کے تمام مواد، اور حدود سے الگ و متجرد ہونے کی معرفت سے اس کی روح کو سرور ہوتا ہے۔ اور اس کے حسی اور خیالی پابندیوں سے آزاد ہونے کی وجہ سے اسے لطف حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس انکشاف سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہی حق ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز باطل ہے اور وہی نور محض حقیقی ہے۔ اور اس کے علاوہ ہر چیز محض اندھیرا ہے۔ اور وہی مطلق اور محض وجود ہے۔ حتیٰ کہ ''اطلاق'' کی

بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس کے ماسوا ہر چیز عدم خالص ہے۔ پھر اسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت معدوم ہے۔ اور یہ کہ وہ (سالک) فانی اور مضمحل ہے۔ پھر اس کی زبان بولتی ہے اور جو اسے عشق و محبت کی دولت ملی ہوتی ہے۔ اس میں ڈوب کر غزل کہتا ہے۔ آنکھوں، رخسار، گردن، قد و قامت، چہرہ مہرہ کی خوبصورتی وغیرہ کی تعریف و تمثیل میں زبان غزل سرا ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کی غزلیات کہتا ہے اس کے معانی و اسرار اس پر کھلتے ہیں۔ اور لطیف اشارات، نظر و فکر کے طریقہ کے بغیر اس پر آشکارا ہوتے ہیں۔ پھر وہ پہلے سے موجود فن شعر کو بروئے کار لا کر فصیح و بدیع اشعار کہتا ہے جن میں علوم ادبیہ، صناعت شعریہ اپنے اوج پر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس سے رقت آمیز اشعار معرض وجود میں آتے ہیں۔ ایسے سالک کے کلام کو ''شعر'' نہیں بلکہ ''علم الٰہی'' کا نام دیا جائے گا اگر چہ اس کے کلام میں پرندوں اور پھولوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی شعر کو سنتا ہے تو وہ اپنے حالات کے مطابق اس کے مفہوم کو حاصل کرتا ہے یا کوئی سریلی آواز سے گانے والا گاتا ہے تو وہ اس کے کلام سے لطیف اشارات پاتا ہے یا کوئی دف یا مزامیر کے ذریعہ سنتا ہے تو اس پر وجد و حال طاری ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس سالک کے عرفان اور میدان میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا عشق الٰہی اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ عاشق سالک اپنے آپ کو فنا اور معدوم کر لیتا ہے۔ اس کا فنا اور عدم'' وجود حق کے علم'' میں ہوتا ہے۔ اب اس درجہ پر پہنچ کر اس سے کلام کا معاملہ منقطع ہو جاتا ہے اب اس سے'' اتحاد'' کی صراحت ظاہر ہوتی ہے جہاں نہ کوئی روح اور نہ کوئی جسم کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کبھی وہ سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے۔ کبھی حاضر اور کبھی غائب، کبھی افاقہ میں اور کبھی سہو کی حالت ہوتی ہے۔ یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سالک'' اتحاد حقیقی'' کے مقام میں راسخ اور پختہ نہیں ہو جاتا۔ اس کی پختگی اس طرح ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس اور اپنی ذات کو نہ پائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی نہ پائے۔ صرف اور صرف وہی ہی رہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد سالک پر'' انوار محمدیہ'' جگمگائیں گے۔ اور'' حقیقت احمدیہ'' کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ حالت دراصل اس مواظبت اور لگاتار عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ جو سالک ابتدائی حالات میں احکام شریعت پر کرتا رہا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا رہا اور آداب مصطفویہ پر کاربند رہا۔ اب وہ بعینہ حالات کا مشاہدہ کرے گا۔ لیکن'' حقیقت محمدیہ'' کے احوال سے باہر نہیں نکلے گا۔ اور اللہ ذوالجلال کی تجلی میں لوٹ آئے گا۔ وصال و اتصال کی حقیقت کی تحقیق میں وہ تمام افعال سے اول ہے۔ اب سالک کا کلام اس طرف

اشارہ کرے گا جو اسے "حقیقت محمدیہ" دکھائی دی۔ اور اس کی شریف خصلتیں اس کے کلام میں جھلکتی نظر آئیں گے۔ اس کی غزل اور تشبیب اس کے مٹھاس پائے گی۔ اب شوق وعشق کا شکوہ محبت کی طرف سے جانب محبوب ہوگا۔ اور اس کا عشق "حقیقت محمدیہ" میں پلٹ آئے گا۔ جو "حقیقت الٰہیہ" کے ساتھ علی وجہ الاکید محقق ہے۔ اس کا اتحاد اب اس کی طرف رجوع کرے گا۔ اور اس کا اختیار اس پر آن پڑے گا۔ اب اس کے سوا کسی اور کا وجود نہ پائے گا۔ صرف اسی کی خیر و بھلائی کی معرفت ہوگی۔ اب سالک کے نزدیک معروف اول اور معروف ثانی میں کوئی فرق نہ رہے گا بلکہ حقیقت کو "واحد" پائے گا۔ جو عجیب وغریب معانی سے مختلف لطائف میں جلوہ نما ہے۔ اسی لئے شاعر رضی اللہ عنہ نے "اطیب الخ" کہا ہے۔ یعنی میں نے اپنے ابتدائی عشق میں جو اس کے اندر ہے وہ بہت زیادہ پاک اور لذیذ پا لیا۔ یہاں انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ "غرامی بھا" اس حقیقت کے عشق کی وجہ سے۔ کیونکہ تمام کا تمام عشق اسی حقیقت سے، اسی کے ساتھ اور اسی کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مراد کی تجلیات کی صورتیں ناقص اور کامل دونوں طرح کی ہوتی ہیں۔ جاہل اور عالم بھی ہوتی ہیں۔ مشیت الٰہیہ کا جیسا تعلق ہوا ویسی ہی بن گئیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا۔ معلومات سے اس کا تعلق ہونے کے بعد ان کی مختلف صورتیں معرض وجود میں آئیں۔

اور شاعر کا قول "وقد" یہ واو حالیہ ہے۔ اور جملہ محلاً منصوب ہے۔ "غرامی" اس کا ذوالحال ہے۔ اور قول شاعر "بھا" یعنی "حقیقت محمدیہ" کے سبب سے یا اس کی استعانت اور مدد سے۔ استعانت اس طرح کہ تجلی کا ظہور اس کے ساتھ اور اس کیلئے ہے جو شاعر پر ابتدائی عشق میں تھا۔ جبکہ ابھی اسے معلوم نہ تھا کہ یہ واقعی "حقیقت محمدیہ" ہے۔ جو تجلیات الٰہیہ میں مختلف اطوار میں تبدیل ہوتی نظر آتی ہے۔ جب آگاہی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی چیز تھی جس پر میں ابتدا وانتہا میں عاشق ہوا تھا۔ بلکہ وہ اس کی تجلیات کی اقسام میں اس کا خیال کارفرما تھا۔ شاعر کا قول "کل ندرۃ" یہ ابدی کا مفعول بہ ہے۔ اور "ندرۃ" مضاف الیہ ہے۔ اور اس سے مراد یہاں نادر اور عجیب چیز ہے۔

جوہر ۲۵: حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ کے ایک اور شعر کی تشریح میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔

ظُهُوْرِی وَقَدْ اَخْفَیْتُ حَالِی مُنْشِدًا بِهَا طَرَبًا وَالْحَالُ غَیْرُ خَفِیَّةٍ

میری ولائت لوگوں پر ظاہر ہوگئی۔ حالانکہ میں نے کوشش کی کہ اپنی حفت کو چھپانے کی اور اپنے حال کو مخفی رکھنے کیلئے شعروں کا سہارا لوں لیکن پھر بھی حالت پوشیدہ نہ رہی۔

''ظھوری ''یعنی ولائت اور قرب الٰہی میں میری شہرت اور لوگوں کے درمیان صدق معاملہ میں مشہوری۔ یہ (ظھوری) خبر ہے اور اس کا مبتداء پچھلے شعر میں لفظ ''اطیب'' ہے۔ اور ''وقد'' میں واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ یائے متکلم سے حال واقع ہو رہا ہے۔ جو ''ظھوری'' میں یاء ہے۔ عامل اس میں مصدر ہے۔ ''اَخْفَيْتُ حَالِيْ'' یعنی میں نے لوگوں سے اپنا حال پوشیدہ رکھا۔ اور میں نے اپنی کوئی بات بھی ان پر ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ باتیں محبّ اور محبوب کے درمیان ''راز'' ہیں، اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں چھپایا جائے۔ اور پردے میں رکھا جائے۔ ''منشدا'' اخفیت کے فاعل سے حال ہے۔ اسم فاعل ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ''اَنْشَدَ الشِعْرَ'' اس نے شعر پڑھا۔ کذا فی القاموس۔ انشاد شعر یعنی شعر پڑھنا عام ہے۔ خواہ اپنا شعر پڑھا جائے یا کسی دوسرے کا۔ قولہ ''بِهَا'' یعنی حقیقت محمدیہ جو محبوبہ ہے اس کے سبب سے۔ یا اس کی استعانت سے۔ اس حقیقت سے کہ وہ بعینہا ''حقیقت ربانیہ'' ہے۔ جو تقدیر معین سے اپنی تجلی سے منزہ ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور شاعر کا قول ''طربا'' یعنی طرب کے طریقہ پر یہ تمیز ہے۔ اس لئے کہ انشاد کی نسبت اس کی طرف ہے۔ صحاح میں ہے۔ ''طرب'' خفت کو کہتے ہیں جو انسان کو سخت غم یا خوشی کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ میں اشعار پڑھ کر اپنی خفت کو ظاہر کروں گا۔ وہ اشعار غزلیہ جو عنقریب میں کہوں گا۔ اور اس تشبیب کے ذریعہ خفت کو ظاہر کروں گا۔ جو اگلے اشعار میں محبوب کے حسن و جمال، محبوبہ کی خوبصورتی، آہ و فریاد، شکوہ شکایت، دوری کا غم، جدائی کا صدمہ، محبوب کا منہ موڑنا، وصال کی تمنیٰ، قرب کی خواہش، اظہار محبت و عشق وغیرہ کی صورت میں ہوں گے۔ جس طرح مرد و زن آپس میں خوش گپیاں لگاتے ہیں۔ جیسا کہ مجوب لوگوں کا عشق اور آزمائش میں پڑے لوگوں کی حالت ہوتی ہے۔ میں اپنے حالات کو اس لئے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ کہ میرے حالات اعلیٰ ہیں۔ اور مجھے اپنے معاملہ پر غیرت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ غافل اور حق سے منہ موڑنے والے لوگوں پر اپنے حالات ظاہر کروں۔ اور ان لوگوں پر بھی جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ باطل چیزوں سے دل لگائے بیٹھے ہیں۔ اس لئے تا کہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا انکار نہ کر بیٹھے، جو میرے ظاہر یا باطن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑتی ہیں۔ میں ان کے اس انکار اور اعتراض سے ان کی حفاظت کرنے والا ہوں۔ لیکن اس کوشش بسیار کے باوجود میری حالت ان پر مکمل طور پر ظاہر ہو گئی۔ اور میں ان سے چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور شاعر کا قول ''والحال'' یعنی میرا حال جو مذکورہ ہوا۔ ''غَيْرُ خَفِيَّةٍ'' یعنی ظاہر ہے۔ یعنی اسے پوشیدہ رکھنے کا جو میرا ارادہ تھا اس میں مجھے کامیابی نہ مل سکی۔ جیسا کہ صاحب الموشح العامی کہتے ہیں۔

غَطُّوهَا اَلنَّدَامٰى قَالَتْ عَيْنُ الشَّمْسِ مَا تُتَغَطّٰى

ندامتوں نے اسے چھپانے کی کوشش کی۔ سورج کی ٹکیہ نے کہا۔ وہ نہیں چھپ سکیں گی۔

وہ اشعار جو حضرت ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے اپنے حال کو مخفی رکھنے کیلئے کہے۔ تا کہ وہ اپنے محبوب کی تجلیات کا انکار کرنے والوں سے انکار کی حفاظت کر سکیں۔ وہ باون بیت ہیں۔ شارح قیصری اور بساطی نے اکیاون بتائے ہیں۔ شارح اول ابو سعید فرغانی جو قیصری کے استاد اور صدر قونوی کے شاگرد ہیں۔ صدر قونوی، شیخ اکبر کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اشعار سولہ ہیں۔ ابھی ایک ایک کر کے وہ اشعار تم پڑھو گے۔ انتہی کلام العارف النابلسی رضی اللہ عنہ۔

میں اب وہ باون اشعار درج کر رہا ہوں۔ جن کی طرف ابن الفارض رضی اللہ عنہ نے پچھلے شعر میں اشارہ کیا ہے۔ اور ذکر فرمایا۔ کہ انہوں نے ان اشعار کے ذریعے اپنے حالات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اشعار "ابلغ الغرامیات" ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

بَدَتْ فَرَأَيْتُ الْحَزْمَ فِي نَقْضِ تَوْبَتِي   وَقَامَ بِهَا عِنْدَالنُّهَى عُذْرُ مِحْنَتِي
فَمِنْهَا أَمَانِيٌّ مَنْ ضَنَا جَسَدِي بِهَا   اَمَانِيُّ آمَالٍ سَخَتْ ثُمَّ شَحَّتِ
وَ فِيْهَا تَلَافِي الجِسْمِ بِالسُّقمِ صِحَّةٌ   لَهُ وَ تَلَافُ النَفْسِ نَفْسُ الْفُتُوَّةِ
وَ مَوْتِي بِهَا وَجْدًا حَيَاةٌ هَنِيئَةٌ   وَاِنْ لَمْ اَمُتْ فِي الْحُبِّ عِشْتُ بِغُصَّتِي
فَيَا مُهْجَتِي ذُوْبِي جَوًى وَ صَبَابَةً   وَيَا لَوْعَتِي كُوْ نِیْ كَذَاكَ مُذِيْبَتِي
وَيَا نَارَ حَشَائِي اَقِيْمِي مِنَ الْجَوٰى   حَنا يَا ضُلُوْعِي فَهِيَ غَيْرُ قَوِيْمَةٍ
وَيَا حُسْنَ صَبْرِي فِي رِضَا مَنْ أُحِبُّهَا   تَجَمَّلْ وَكُنْ لِلدَّهْرِ بِي غَيْرَ مُشْمِتِ
وَيَا جَلَدِي فِي جَنْبِ طَاعَةِ حُبِّهَا   تَحَمَّلْ عَدَاكَ الْكَلُّ كُلَّ عَظِيْمَةٍ
وَيَا جَسَدِي الْمُضْنٰى تَسَلِّ عَنِ الشِّفَا   وَيَا كَبِدِي مَنْ لِي بِاَنْ تَتْفِيْتِي
وَيَا سُقْمِي لَا تَبْقِ لِي رَمْقًا فَقَدْ   اَبِيْتُ لِبُقْيَا الْعِزِّ ذِلَّ اَلْبَقِيَّةِ
وَيَا صِحَّتِي مَاكَانَ مِنْ صُحْبَتِي انْقَضِي   وَوَصْلُكِ فِي الْاَحْيَاءِ مَيْتًا كَهِجْرَةٍ
وَيَا كُلَّ مَا أَبْقَى الضَّنٰى مِنِّي ارْتَحِلْ   فَمَا لَكَ مَأْوًى فِي عِظَامٍ رَمِيْمَةٍ
وَيَا مَاعَسٰى مِنِّي أُنَادِي تَوَهُّمًا   بِيَاءِ النِّدَا أُوْنِسْتُ مِنْكَ بِوَحْشَةٍ
وَ كُلُّ الَّذِي تَرْضَاهُ وَالْمَوْتُ دُوْنَهُ   بِهِ أَنَا رَاضٍ وَالصَّبَابَةُ أَرْضَتِ
وَ نَفْسِي لَمْ تَجْزَعْ بِاِتْلَافِهَا أَسىً   وَلَوْ جَزِعَتْ كَانَتْ بِغَيْرِي تَأَسَّتِ

وَ فِيْ كُلِّ حَيٍّ كُلُّ حَيٍّ كَمَيِّتٍ ۔۔۔ بِهَا عِنْدَهُ قَتْلُ الْهَوٰى خَيْرُ مَيْتَةٍ
تَجَمَّعَتِ الْأَهْوَاءُ فِيْهَا فَمَا تَرٰے ۔۔۔ هَا غَيْرَ صَبٍّ لَا يَرٰى غَيْرَ صَبْوَةٍ
اِذَا سَفَرَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ تَزَاحَمَتْ ۔۔۔ عَلٰى حُسْنِهَا اَبْصَارُ كُلِّ قَبِيْلَةٍ
فَأَرْوَا حُهُمْ تَصْبُوْ لِمَعْنَى جَمَالِهَا ۔۔۔ وَأَحْدَا قُهُمْ مِنْ حُسْنِهَا فِيْ حَدِيْقَةٍ
وَعِنْدِيْ عِيْدِيْ كُلَّ يَوْمٍ اَرٰى بِهٖ ۔۔۔ جَمَالَ مُحَيَّاهَا بِعَيْنٍ قَرِيْرَةٍ
وَ كُلِّ اللَّيَالِيْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اِنْ دَنَتْ ۔۔۔ كَمَا كُلُّ اَيَّامِ اللِّقَا يَوْمُ جُمُعَةٍ
وَسَعْيِيْ لَهَا حَجٌّ بِهٖ كُلُّ وَقْفَةٍ ۔۔۔ عَلٰى بَابِهَا قَدْ عَادَلَتْ كُلَّ وَقْفَةٍ
وَاَيُّ بِلَادِ اللّٰهِ حَلَّتْ بِهَا فَمَا ۔۔۔ اَرَاهَا وَفِيْ عَيْنِيْ حَلَتْ غَيْرَ مَكَّةَ
وَاَيُّ مَكَانٍ ضَمَّهَا حَرَمٌ كَذَا ۔۔۔ اَرٰى كُلَّ دَارٍ اَوْطَنَتْ دَارَ هِجْرَةٍ
وَمَا سَكَنَتْهُ فَهُوَ بَيْتٌ مُقَدَّسٌ ۔۔۔ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِيْهِ اَحْشَاىَ قَرَّتِ
وَمَسْجِدَىَ الْاَقْصٰى مَسَاحِبُ بُرْدِهَا ۔۔۔ وَ طِيْبَتِيْ ثَرٰى اَرْضٍ عَلَيْهَا تَمَشَّتِ
مَوَاطِنُ اَفْرَاحِيْ وَ مَرْبٰى مَآرِبِيْ ۔۔۔ وَ اَطْوَارُ اَوْ طَارِيْ وَمَاْ مِنْ خِيْفَتِيْ
مُغَانٌ بِهَا لَمْ يَدْخُلِ الدَّهْرُ بَيْنَنَا ۔۔۔ وَلَا كَادَنَا سَرْفُ الزَّمَانِ بِفُرْقَةٍ
وَلَا سَعَتِ الْاَيَّامُ فِيْ شَتِّ شَمْلِنَا ۔۔۔ وَلَا حَكَمَتْ فِيْنَا اللَّيَالِيْ بَجَفْوَةٍ
وَلَا صَبَّحَتْنَا النَّائِبَاتُ بِنَبْوَةٍ ۔۔۔ وَلَا حَدَّثَتْنَا الْحَادِثَاتُ بِنَكْبَةٍ
وَلَا شَنَعَ الْوَاشِيْ بِصَدٍّ وَ جَفْوَةٍ ۔۔۔ وَلَا اَرْجَفَ اللَّاحِيْ بِبَيْنٍ وَّسَلْوَةٍ
وَلَا اسْتَيْقَظَتْ عَيْنُ الرَّقِيْبِ وَلَمْ تَزَلْ ۔۔۔ عَلَيَّ لَهَا فِي الْحُبِّ عَيْنِيْ رَقِيْبَتِيْ
وَلَا اِخْتَصَّ وَقْتٌ دُوْنَ وَقْتٍ بِطِيْبَةٍ ۔۔۔ بِهَا كُلُّ اَوْقَاتِيْ مَوَاسِمُ لَذَّتِيْ
نَهَارِيْ اَصِيْلٌ كُلُّهُ اَنْ تَنَسَّمَتْ ۔۔۔ نَوَائِلُهُ مِنْهَا بِرَدِّ تَحِيَّتِيْ
وَ لَيْلِيْ فِيْهَا كُلُّهُ سَحَرٌ اِذَا ۔۔۔ سَرٰى لِيْ مِنْهَا فِيْهِ عَرْفُ نُسَيْمَةٍ
وَاِنْ طَرَقَتْ لَيْلًا فَشَهْرِيْ كُلُّهُ ۔۔۔ بِهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اِبْتِهَاجًا بِزَوْرَةٍ
وَاِنْ قَرُبَتْ دَارِيْ فَعَامِيْ كُلُّهُ ۔۔۔ رَبِيْعُ اِعْتِدَالٍ فِيْ رِيَاضٍ اُرَيْضَةٍ
وَاِنْ رَضِيَتْ عَنِّيْ فَعُمْرِيْ كُلُّهُ ۔۔۔ زَمَانُ الصِّبَا طِيْبًا وَ عَصْرُ الشَّبِيْبَةِ
لَئِنْ جَمَعَتْ شَمْلَ الْمَحَاسِنِ صُوْرَةٌ ۔۔۔ شَهِدْتُ بِهَا كُلَّ الْمَعَانِيْ الدَّقِيْقَةِ
فَقَدْ جَمَعَتْ اَحْشَاىَ كُلَّ صَبَابَةٍ ۔۔۔ بِهَا وَجَوًى يُنْبِيْكَ عَنْ كُلِّ صَبْوَةٍ

وَلِمَ لَا أُبَاهِي كُلَّ مَنْ يَدَّعِي الْهَوٰى ... بِهَا وَأَنَا هِيَ فِي افْتِخَارِي بِحَظْوَتِي

وَقَدْ نِلْتُ مِنْهَا فَوْقَ مَا كُنْتُ رَاجِيًا ... وَمَا لَمْ أَكُنْ أَمَّلْتُ مِنْ قُرْبِ قُرْبَتِي

وَأَرْغَمَ أَنْفَ الْبَيْنِ لُطْفُ اشْتِمَالِهَا ... عَلَيَّ بِمَا يُرْبِي عَلٰى كُلِّ مُنْيَةِ

بِهَا مِثْلُ مَا أَمْسَيْتُ أَصْبَحْتُ مُغْرَمًا ... وَمَا أَصْبَحَتْ فِيهِ مِنَ الْحُسْنِ أَمْسَتِ

فَلَوْ مَنَحَتْ كُلَّ الْوَرٰى بَعْضَ حُسْنِهَا ... خَلَا يُوسُفَ مَا فَاتَهُمْ بِمَزِيَّةِ

صَرَفْتُ لَهَا كُلِّي عَلٰى يَدِ حُسْنِهَا ... فَضَاعَفَ لِي إِحْسَانُهَا كُلَّ وَصْلَةِ

يُشَاهِدُ مِنِّي حُسْنَهَا كُلُّ ذَرَّةٍ ... بِهَا كُلُّ طَرْفٍ جَالَ فِي كُلِّ طَرْفَةِ

وَيُثْنِي عَلَيْهَا فِيَّ كُلِّ لَطِيفَةٍ ... بِكُلِّ لِسَانٍ طَالَ فِي كُلِّ لَفْظَةِ

وَأَنْشَقُّ رَيَّاهَا بِكُلِّ رَقِيقَةٍ ... بِهَا كُلُّ أَنْفٍ نَاشِقٍ كُلَّ هَبَّةِ

وَيَسْمَعُ مِنِّي لَفْظَهَا كُلُّ بِضْعَةٍ ... بِهَا كُلُّ سَمْعٍ سَامِعٍ مُتَنَصِّتِ

وَيَلْثَمُ مِنِّي كُلُّ جُزْءٍ لِثَامَهَا ... بِكُلِّ فَمٍ فِي لَثْمِهِ كُلُّ قُبْلَةِ

فَلَوْ بَسَطْتُ جِسْمِي رَأَتْ كُلَّ جَوْهَرٍ ... بِهِ كُلُّ قَلْبٍ فِيهِ كُلُّ مَحَبَّةِ

جب ''حقیقت محمدیہ'' مجھ پر ظاہر ہوئی تو میں نے اپنی توبہ توڑنے کا ارادہ کرلیا۔ اور اس کی وجہ سے عقلمندوں کے نزدیک میری محنت کا بہانہ بن گیا۔ اسی سے مجھے امیدیں ہیں جس کی وجہ سے میرا جسم کمزور ہوگیا۔ ایسی امیدیں جو سخت اور نہایت دشوار ہیں۔ اور اسی میں عشق کی بیماری کی وجہ سے جسم کا ضائع ہو جانا ''صحت'' ہے۔ اور جان چلی جانا تو اصل بہادری ہے۔ اور اس کی وجہ سے میری موت واقع ہونا ایک مبارک زندگی ہے۔ اور اگر میں عشق میں جان نہ دوں تو میں غصہ سے زندگی بسر کروں گا۔ پس اے میرے عقل! محبت اور عشق میں پگھل جا اور اے عشق کی سوزش! تو بھی اسی طرح پگھل جا۔ اور اے میری انتڑیوں کی آگ! محبت کی جلن سے میری پسلیوں کو سیدھا کر دے کہ وہ ٹیڑھی ہیں۔ اے میرے حسن صبر! میں جس سے پیار کرتا ہوں اس کی رضا میں بن ٹھن جا اور زمانے میں میرے لئے گالی نہ بننا۔ اے میری کھال! محبوبہ کی محبت کے پہلو میں اپنے تمام دشمنوں کی عداوت کو مکمل بہادری کے ساتھ برداشت کر۔ اے میرے کمزور جسم! شفا کا اظہار کر۔ اور اے میرے جگر! کون ہے جو مجھے شفاء دے۔ اے میری کمزوری! مجھ میں زندگی کی رمق بھی باقی نہ چھوڑ کیونکہ میں نے ذلت سے زندہ رہنے سے تھوڑی سی بقیہ عزت منظور کرلی ہے۔ اے میری صحت! میرا تیرا جو ساتھ تھا وہ ختم ہوگیا اور زندگی میں تیرا وصل ''مرنا'' ہے جیسا کہ ہجرت۔ اور اے باقی ماندہ عشق! مجھ سے کوچ کر جا کیونکہ بوسیدہ ہڈیوں

میں اب تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔اے وہ کہ جسے میں ''یا'' ندائیہ سے از روئے وہم پکارتا تھا اب مجھے تجھ سے وحشت آنے لگی ہے۔اور جو کچھ تم پسند کرتے ہو خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اس سے راضی ہوں اور میرا عشق بھی راضی ہے۔اے میرے نفس! اس (محبوبہ) کے ضائع ہونے سے رونا دھونا چھوڑ دے۔ اور اگر تو نے افسوس کرنے کیلئے چیخ و پکار کی۔تو گویا تو نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا۔ہر قبیلہ میں ہر زندہ انسان ''مردہ'' کی مانند ہے۔اس کے نزدیک محبت کا قتل بہترین موت ہے۔اس کی خواہشات کا اژدھام ہے تجھے اس میں عشق کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔اے محبوبہ! جب تو عید کے دن باہر نکلتی ہے۔تو ہر قبیلہ کی نظریں تجھ پر ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ان کی روحیں محبوبہ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہیں۔ اور ان کی آنکھیں اس کے جمال کو دیکھنے کی وجہ سے یوں لگتی ہیں جیسے باغ میں ہوں۔اور میرے نزدیک میرے مسلک میں جس دن بھی میں اس کی زیارت کروں وہی دن عید ہے میری آنکھیں اس سے ٹھنڈک پاتی ہیں۔اور اگر وہ میرے قریب آ جائے تو میری ہر رات ''لیلۃ القدر'' ہے جیسا کہ اس سے ملاقات کا ہر دن میرے لئے ''جمعۃ المبارک'' ہے۔اور اس کیلئے میرا دوڑ دھوپ کرنا ''حج'' ہے۔ اور اس کے دروازے پر ٹھہرنا میرا ''وقوف عرفہ'' ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے جس میں بھی وہ جلوہ فرما ہو اور مجھے اس کا دیدار نصیب ہو تو میں ہر اس شہر کو ''مکہ'' ہی سمجھوں گا۔اور جو مکان بھی اسے اپنے ہاں جگہ دے گا۔میں اس جگہ کو دار ہجرت (مدینہ منورہ) جانوں گا۔اور جہاں اس کی سکونت ہوئی وہ ''بیت المقدس'' ہے۔اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرا ضمیر مطمئن ہے۔میری مسجد اقصیٰ، محبوبہ کی چادر گھسٹنے کی جگہ ہے۔اور زمین کا وہ حصہ میرے لئے ''طیبہ'' ہے جس پر وہ چلتی رہی۔میری خوشیاں کا مسکن بھی وہی اور میرے مقاصد کے حصول کی جگہ بھی وہی، میری پریشانیوں کا علاج بھی وہی اور میرے خوف کی حفاظت گاہ بھی وہی۔میری منزل بھی وہی! زمانہ ہمارے درمیان خلل انداز نہ ہوگا۔ اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ ہمارے درمیان جدائی ڈال سکے۔اور نہ ہی دنوں میں یہ ہمت کہ وہ ہمارے ارادہ بکھیر دیں۔اور نہ راتوں میں طاقت کہ وہ ظلم کر سکیں۔پریشانیاں ہمارا پیچھا نہیں کر سکتیں، اور حادثات ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔اور نہ ہی چغلخور چغلخوری سے کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھنے والا ہمارے درمیان جدائی ڈالنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔رقیب کی آنکھیں کھل نہیں سکتیں اور اس کی محبت میں میری آنکھیں ہر وقت میری رقیب ہیں۔میرا معاملہ یہ نہیں کہ ایک وقت اس سے ملاقات ہو اور دوسرے وقت جدائی۔بلکہ ہر وقت میرے لئے ملاقات کا وقت ہے۔اور میرا دل اس سے ہر وقت لذت حاصل کرتا ہے۔میرا دن سارے کا سارا اصیل ہوتا ہے جب

میرے دن کی ابتداء میرے سلام کا اس کے جواب دینے سے ہو۔ اور میری رات اس کی محبت میں ''سَحَر'' ہوتی ہے جب اس میں اس کی طرف سے بادنسیم کا جھونکا آتا ہے۔ اور اگر وہ چھپتے چھپاتے رات کو آ جائے۔ تو وہ مہینہ اس رات کی وجہ سے ''لیلۃ القدر'' ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی خوشی اور زیارت سے مشرف ہو جاتا ہوں۔ اور اگر میرا گھر اس کے قریب ہو جائے تو میرا سارا سال ''ربیع'' بن جاتا ہے۔ اور وسیع و عریض باغ میں پھولوں کی کیاری کھل اٹھتی ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ تو میری ساری عمر، عشق و محبت کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔ اور اگر لمحہ بھر کیلئے اس کے حسین و جمیل شمائل کی صورت دیکھنا نصیب ہو جائے تو ہر دقیق معنی میرے سامنے کھل جاتا ہے۔ میری انتڑیوں نے سارا عشق سمیٹ لیا ہے اور میرا روں روں اس کے عشق کے گیت گاتا ہے۔ اور میں ہر اس شخص پر کیوں فخر نہ جتاؤں۔ جو اس کی محبت کا دعویدار ہے۔ حالانکہ میں اس کی محبت کا فراواں حصہ رکھتا ہوں۔ اور میں نے اس سے اپنی امید و تمنا سے بڑھ کر پایا اور میرا اتنا قریب ہو جانا اس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس کے شامل لطف نے ''جدائی'' پر خاک ڈال دی۔ کیونکہ اس نے میری ہر خواہش کو پالا ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے جس طرح رات عشق میں بسر کی۔ اسی طرح میری صبح بھی عشق میں ہی ہوئی۔ اور جس طرح صبح کی اسی طرح رات بسر کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا تمام مخلوق اگر اس کے کچھ حسن و جمال سے حصہ پائے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ میں نے اپنا سب کچھ اس کے خوبصورت ہاتھ پر وار دیا۔ پس ہر ملاقات کے وقت اس کے احسانات مجھ پر دو گنے ہوتے رہے۔ ہر ذرہ اس کے حسن کا مجھ سے نظارہ کرتا رہا اور ہر طرف اسی کا بول بولا ہے۔ میرا ہر لطیفہ اس کی تعریف کرتا ہے اور ہر لفظ میں جو زبان ہے وہ اس کی مدح سرا ہے۔ اس کی تر و تازگی سے ہر رقیق چیز دو ٹکڑے ہو گئی اور ہر دانہ اسی کا نام لیتا ہے۔ جسم کا ہر ایک حصہ مجھ سے اس کی محبت کے الفاظ سنتا ہے۔ اور ہر سننے والا اس کی باتوں کے سننے کیلئے خاموش ہے۔ میرے جسم کا روں روں اس کو چومتا ہے ہر ایک کے منہ پر اس کا ایک بوسہ ہے۔ اگر میں اپنے جسم کو پھیلاؤں تو ایک ایک جوہر کے دل میں مکمل محبت موجزن ہو گی۔

عارف باللہ الشیخ محمد المغربی المدفون فی اللاذقیہ

(جن کا ۱۲۴۰ھ میں انتقال ہوا)

آپ امام العارفین اور اولیاء محققین میں سے بزرگ ترین شخصیت تھے۔ اور باعمل علماء کرام کے سرکردہ تھے۔ طیب و طاہر سادات میں سے تھے۔ آپ کا تعلق بنو ناصر سے تھا۔ یہ افریقی ممالک میں ایک شریف قبیلہ کے طور پر متعارف و مشہور ہے۔ "لاذقیہ" میں نہ ان کی بیوی تھی اور نہ ہی کوئی اولاد۔ ان کی اسی لاذقیہ شہر میں ایک جامع مسجد ہے۔ جو پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی ادائیگی کیلئے تعمیر کی گئی۔ اسی مسجد کی ایک طرف ان کا حجرہ تھا۔ جس میں آج ان کی قبر ہے۔ اس مسجد اور بزرگ کے نام بہت سے اوقاف ہیں۔ جن کی آمدنی جامع مسجد اور ان کے مزار پر خرچ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کی قبر شریف کے پاس ایک جماعت ہر وقت قرآن پڑھتی نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی جامع مسجد اور ان کے مزار پر ہر قسم کی عبادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان کی زندگی میں کچھ کرامات و خارق عادت بکثرت ہوئے۔ میں نے ان میں سے بہت کچھ اہل لاذقیہ سے سنا۔ جب میں اس شہر میں محکمہ عدل و انصاف کا سربراہ تھا۔ میں اس شہر میں پانچ سال تک رہا۔ کیونکہ میں صفر المظفر ۱۳۰۰ھ میں وہاں گیا۔ اور ذی القعدہ ۱۳۰۵ھ میں وہاں سے واپس آیا۔ وہاں سے واپسی پر میں قدس شریف میں بطور رئیس الحکمہ فرائض انجام دینے لگا۔ وہاں میں سال سے کم عرصہ رہا۔ اس کے بعد بیروت میں مجھے محکمہ حقوق کا رئیس بنا کر بھیجا گیا۔ اور آج تک اسی ذمہ داری کو نبھا رہا ہوں۔ آج ۱۳۲۵ھ اور ذی القعدہ کا نصف مہینہ ہو گیا ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

جب میں لاذقیہ میں مقیم تھا۔ تو اس پانچ سالہ دور میں مجھے اس عظیم و کبیر ولی اللہ سیدی شیخ محمد المغربی رضی اللہ عنہ کے فضل کو جاننے پہچاننے کا موقع ملا۔ میں نے اپنی کتاب "جامع کرامات اولیاء" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی ایسی کرامات کا تذکرہ کیا ہے جن سے ان کے اعلیٰ مرتبہ اور بلند مقام پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اہل لاذقیہ میں مشہور ہے کہ موصوف "قطب" تھے۔ ایسے حضرات نے مجھے ان کی بہت سی کرامات بتائیں۔ جنہیں ان کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور ان کے درس میں شامل ہوتے رہے۔ اور ان کے علم و ولایت سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ ان حضرات نے مجھے یہ بھی بتایا۔ کہ موصوف جب اپنا درس شروع فرمایا کرتے جو لاذقیہ کی نئی اور بڑی جامع میں ہوا کرتا تھا۔ تو یوں کہتے۔ "بَعْدَ الْبَسْمَلَةِ وَالْحَمْدَلَةِ كَلَامُنَا الْآنَ عَلٰى كَذَا" بسم اللہ اور الحمدللہ کے بعد اب

ہماری گفتگو یہ ہے۔ پھر آپ اپنی یادداشت سے بہت سی باتیں لکھواتے۔ جو مختلف اقسام کے دینی فوائد سے بھر پور ہوتیں۔ اہل لاذقیہ ان کی تشریف آوری سے قبل انتہائی جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ دینی امور کا انہیں بالکل علم نہ تھا۔ کیونکہ ان میں ایک بھی عالم دین نہ تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ شہر ''نصیریہ'' شہروں کے قریب تھا۔ ان سے ان کا کافی میل جول تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک بڑے بڑے شہر ایسے ہی تھے۔ جب شیخ موصوف رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو اس شہر میں انہوں نے دین کو تجدید بخشی۔ اس بارے میں انہی کے ایک بہت بڑے شاگرد جو لاذقیہ کے باشندے تھے جن کا نام علامہ محقق شیخ ''صالح الطویل'' تھا۔ جو باعمل عالم تھے۔ نے ان کی بہت مدد کی۔ وہاں کے لوگوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ والی مصر ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا جب شامی شہروں میں آیا۔ یہ ۱۲۴۵ھ کی بات ہے۔ اور سیدی محمد مغربی رضی اللہ عنہ کی جامع مسجد کی طرف گیا۔ جو اس شہر کے اونچی جگہ پر تعمیر تھی۔ جس کا محل وقوع انتہائی خوبصورت تھا۔ مسجد کی تعمیر اور شیخ موصوف کے مزار کی عمارت دیکھ کر حیران ہو گیا کسی شخص نے اسے شیخ مذکور کی کرامات میں سے کچھ بتائیں۔ تو ابراہیم پاشا نے کہا۔ اس سے بڑی اس بزرگ کی اور کرامت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک پردیسی مسافر غریب ہوتے ہوئے اس شہر میں مقبول عام ہوا۔ اور ان کیلئے اتنی خوبصورت جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ کہ جس کی مثل بڑے بڑے امیروں اور حکمرانوں سے نہیں بن سکتی۔

سیدی شیخ محمد مغربی رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کی ایک عظیم کتاب ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کے موضوع پر انہوں نے تحریر فرمائی۔ میلاد شریف کی محفلوں میں وہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ کتاب ''میلاد نبوی'' کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے افضل، اکمل اور زیادہ بلاغت والی ہے۔ شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے اس میں محدثین کی روایات اور محققین صوفیاء کے سرداروں کی عبارات جمع فرمائیں۔ آپ خود بھی بڑے محقق اور صوفی تھے۔ اس لئے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت شیخ موصوف رضی اللہ عنہ حضور سیدنا محمد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کے اعلیٰ مرتبہ اور قدر و منزلت سے زیادہ شناسا تھے۔ ان کی مذکورہ تصنیف یوں شروع ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ – اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ – اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ – اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلًا – وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلًا – سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم – وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ – وَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَجْمَعِیْنَ – وَ عَنِ التَّابِعِیْنَ – وَ تَابِعِ التَّابِعِیْنَ – وَعَنِ الْاَوْلِیَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الْعَامِلِیْنَ – وَالْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِیْنَ – وَ مُقَلِّدِیْهِمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن – اَمَّا بَعْدُ – اَیُّهَا النَّاسُ – اِنَّ اَحْسَنَ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ وَ خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ شَرُّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ – وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ – وَ کُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ اَیْ صَاحِبُهَا – وَکَلَامُنَا اَلْاٰن عَلٰی قَوْلِ رَبِّنَا جَلَّ جَلَالُهٗ وَ عَزَّجَمَالُهٗ – وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔الآخر۔

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی۔اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنی نعمتوں سے صالحات کی تکمیل فرمائی۔اے اللہ! آسان وہی جسے تو آسان کردے۔اور تو ہی جب چاہے تو پریشانی، آسانی میں تبدیل کردے۔تو ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ہمیں صرف اتنا ہی علم ہے جس قدر تو نے ہمیں سکھایا۔بیشک تو ہی علیم وحکیم ہے۔اور کامل ومکمل صلوۃ وسلام ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء ومرسلین پر نازل ہوں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب سے اللہ راضی رہے۔اور تابعین اور ان کے تابعین اور اولیاء امت، علماء ربانیین عاملین، ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین پر احسان کے ساتھ تا قیامت رحمتیں وبرکتیں نازل ہوں۔آمین۔

اما بعد۔لوگو! سب سے بہتر کلام ”کلام اللہ“ ہے۔اور سب سے بہتر ”ہدیہ“ ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہدیہ ہے۔اور تمام امور میں سے زیادہ برے وہ دین میں نکالے گئے کام ہیں جن کی کوئی اصل نہ ہو اور ہر ایسا کام ”بدعت“ ہے۔اور ہر بدعت ”گمراہی“ ہے۔ اور ہر گمراہی یعنی گمراہ جہنمی ہے۔اب ہماری گفتگو اللہ تعالیٰ کے قول وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۱۰۷﴾ پر ہوتی ہے۔

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات اور اے کائنات! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطالع رحمانیہ کے عرش اور مشارق ربانیہ کے آسمان ہیں۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجائب نورانیہ کے غوث اور غرائب روحانیہ کے قطب ہیں۔لطائف صمدانیہ کے فلک، رقائق روحانیہ کے شمس اور کثائف جسمانیہ کے چاند بھی آپ ہی ہیں۔اسرار وانوار

جبروتیہ کی زمین، حقائق ودقائق ورقائق ملکوتیہ کے سمندر، محاسن رسولیہ کے سدرۃ المنتہیٰ، عجائب نبویہ کے سورج، غرائب انسانیہ کے فلک، اسرار جبروت کے دولہا، ملک وملکوت کے انوار کے سلطان، عزت وعظمت وکبریا، والوھیۃ کی ذات کے مظہر، ذات جلال وکمال وربوبیت کے چمکنے کی جگہ، ذات جلال کے اسرار کے عرش انوارذات جمال کی کرسی، ارواح ذات کمال کی روح بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

آپ ہی کبیر ومتعال باری تعالیٰ کا وہ قلم ہیں کہ جس سے اس نے عالم خلق وامر کے ہر ذرہ کولکھا۔ آپ ہی اسرار معقولات کے سر، انور ومحسوسات کے نور، جمیع موجودات کے شمس، رب العالمین کی نعمت، اکرم الاکرمین کا عطیہ، ارحم الراحمین کا ہدیہ، جمیع عالمین کا نور، برزخ المومنین کے اسرار کا سر، قیامت میں متقین کے انوار کا نور، میزان العارفین کی ارواح کے روح، فرشتوں، پیغمبروں کے حوضوں کی نہروں کے سمندر، صراط مقربین کے اسرار کا سر، رب العالمین کی انوار جنات کا سورج، ارحم الراحمین کی رحمت کا ٹیلہ، رب العالمین کی عظیم نعمت کہ جن کے قلب انور پر قرآن نازل کیا گیا۔ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ کے خطاب متین کے مخاطب آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر بھی اس وقت تک صلوۃ وسلام نازل فرمائے جب تک اس کی ذات احدیت، واحدیت اور رحمانیت کا دوام ہے۔ اور اتنی تعداد میں صلوۃ وسلام نازل فرمائے جو اس کی ذات ربوبیت، مالکیت اور الوہیت کے احاطہ میں ہے۔ ایسی صلوۃ کہ جس کے وسیلہ اور برکت سے اے اللہ! تو ہمیں معاف فرمادے۔ ہمارے والدین، مشائخ، احباب، عشیرت اور ان تمام کو جن کے ہم پر احسانات ہیں۔ صاحب وقت، جمیع اقطاب، جمیع اہل دیوان، جمیع اولیاء خواہ وہ زندہ ہیں یا انتقال کر گئے جن کا اس علاقہ سے تعلق ہے، اس کے علماء، عوام، ہمارے دینی بھائیوں پر جو یہ حاضر ہیں اور جو غائب ہیں، ان کے والدین، اقارب اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمائے۔

جب اس ''کتاب مسطور'' کے سورج، اس ''رق منشور'' میں اس ''بیت المعمور'' میں طلوع ہوئے۔ تو اس ''بحر مسجور'' کے چشمے محبین وعارفین کی زمینوں پر پھوٹ پڑے۔ جو ''عالین ومقربین'' کے آسمانوں سے تھے۔ پھر اس ''سلطان امین'' کے شہروں پر اس ''فتح مبین'' کی فوجوں نے یلغار کر دی۔ تو زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی۔ اور ''کتاب'' رکھ دی گئی اور انبیاء کرام کو لایا گیا۔ تو ''سلطان اسرار'' کے منادی نے انوار کے فلک الافلاک میں ندا دی، عجائبات کے سمندروں میں آواز دی، غرائب کے ساحلوں پر ڈھنڈورا پیٹا، کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں جو رب کائنات ہوں۔ اور میں

نے آپ کو یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سو پاکیزگی اللہ تعالیٰ کی جس نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت بخشی، اور انہیں تمام اسماء وصفات کا مظہر بنایا۔ اور تمام موجودات میں چمکنے والا نور بنایا۔ اور کائنات کے ہر ذرہ میں محفوظ رکھا۔ جن کیلئے سبب سے اندھوں کی آنکھیں روشن کردیں، بہروں کے کان سننے والے بنا دیئے، دلوں کے پردے دور کر دیئے، اور قرب کے لمعات (شعلے) ان کے وسیلہ سے لوگوں پر انڈیل دیئے۔ ریب وشک کے اندھیرے ان کی وجہ سے زائل کر دیئے اور مومنین کے دل ان کے وسیلہ سے روشن کر دیئے۔ اور آپ کے ذریعہ مقربین کی راہ دکھائی۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ عَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَاتِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ صَلَاةً تَدُوْمُ بِدَوَامِ ذَاتِ اللّٰهِ وَ اَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ۔

صاحب الشفاء قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے روایت ذکر کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو زمین کی سیاحت پر مامور کیا ہوا ہے۔ ان کی عبادت یہ قرار دی ہے کہ وہ ہر اس گھر والوں کی حفاظت کریں جس میں "اسم محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہو۔ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ جس کے راوی حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان نے متواتر سو سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیئے۔ پھر مر گیا۔ لوگوں نے اس کی لاش اٹھائی اور جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے وہاں جا کر پھینک آئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے وہاں سے اٹھایا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا باری تعالیٰ! تمام بنی اسرائیل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس نے متواتر سو سال تیری نافرمانی ہی کی۔ (کوئی اچھا کام نہیں کیا) ایسے آدمی کا جنازہ اور دفن کیا جانا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ بات ٹھیک ہے مگر ایک اس کی ادا ایسی بھی تھی۔ جو لوگوں سے پوشیدہ تھی وہ یہ کہ جب بھی وہ تورات کھولتا۔ اور اسم "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی نظر پڑتی۔ تو اسے چوم لیتا اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیتا۔ میں نے اس کو اس بات کا اجر یہ دیا ہے کہ اس کی مغفرت کر دی ہے۔ اور ستر حوریں اس کی زوجیت میں دے دی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم القدر ہونے، شریف الامرا اور اپنے رب کے قرب میں صاحب جلالت ہونے پر بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔ ایسے اعلیٰ اشارات، عظیم علامات موجود ہیں۔ جنہیں بلیغ عبارات سے ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت کریمہ یہ بھی ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۲۸﴾ یقینا

تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک عظیم المرتبت رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا انتہائی گراں گزرتا ہے تمہارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں مومنین کیلئے مجسمہ رحمت اور مہربانی ہیں (التوبہ)۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے چکوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آ جائیں جو تمہارے ہاں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق کرنے والے ہوں تو تمہیں لازماً ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنا ہوگی۔ پوچھا۔ کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اور تم نے اس پر مجھ سے پختہ عہد باندھا؟ سب نے عرض کیا۔ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ پھر تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران)

ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت کریمہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں، جن کا ''سِرّ'' تمام اسماء اور تمام صفات میں جاری وساری ہے۔ اور اس طرف بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ جو تمام مخلوقات کی طرف بھیجے گئے۔ اور جو ان میں سے ہی یا ان میں سے اعلیٰ اور نفیس ترین شخصیات میں سے جلوہ فرما ہوئے۔ ان کی ارواح اور ان کی اشباح میں سے تشریف لائے۔ اس آیت میں تمام علوی اور سفلی مخلوقات ہے۔ اور اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوقات کا پریشانی میں پڑنا، شقاوت میں پڑنا اور اللہ تعالیٰ سے دوری میں پڑنا نہایت دشوار گزرتا ہے۔ اور یہ بھی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کا سعادت میں اور قرب الی اللہ میں پڑنا اس کے بہت زیادہ متمنی ہیں۔ اور مومنوں پر انتہائی مہربان ہونا اور کفار کیلئے بہت شدید اور غصہ والا ہونا بھی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری آیت کریمہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں سے یہ عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد و پیمان ''عالم روحانی'' میں ہوا۔ اور ''عالم جسمانی'' میں بھی معرض وجود میں آیا۔ عہد و پیمان یہ تھا کہ اگر تم میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نصیب ہو۔ تو وہ آپ پر ضرور ایمان لائے گا۔ ان کی اتباع کرے گا اور ان کی اللہ کے راستہ میں مدد کرے گا۔ یہ عہد انبیاء کرام کی امتوں سے بھی لیا گیا۔ اور اس عہد و پیمان پر ہر نبی اور امت قائم رہی۔ اس شرط کا ہر دور میں

اعتبار کیا گیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ جب نسیم صبح چلی، خوشبوئیں بکھیریں، روشنیاں چمکیں، شمس ربوبیت "عرش رحمانی" سے طلوع ہوا، اس کی روشنی مالکیت کی زمینوں پر پڑی، احدیت کے سمندر واحدیت کے ساحلوں پر جوش دکھانے لگے، تو الوہیت کی چوٹیوں پر بارگاہ رب العزت کے مؤذن نے اذان دی۔ ایسی اذان جو عظمت، کبریائی اور ابدی عزت کی زبان سے تھی۔ اس اعلان واذان سے تقدیسات الٰہیہ کی زمینوں میں ہریالی اور نشو ونما کی کیفیت آئی، پھر ہر رحمانی عجیبہ، ربانی غریبہ، نورانی لطیفہ، روحانی رقیقہ اور جسمانی کثیفہ سے پودے پھوٹے۔ پس ابدی سعادت کی روحیں بلندی پر پہنچیں، وہ روحیں جو عارفین، مقربین، محبین اور محبوبین کی تھیں۔ وہ بلندی جو منازل عالیہ، مشہور شہروں، باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کیلئے تھی۔ یہاں تک کہ وہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ (الرحمٰن) سے متصف ذات باری تعالیٰ کے صحن میں جا اترے۔ پس وہ جہاں تھے وہاں نہ پہلے تھے اور نہ ہوں گے بہر حال جہاں بھی تھے وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قرآن کی تلاوت سماعت کی۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ (التوبہ)۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی خوشخبری دیتا ہے۔ پھر "سلطان جبروت" نے ملک وملکوت کے آسمانوں میں بلند آواز سے کہا۔ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ – وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ شیشہ ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعز جمالہ اپنی تمام شہادت وخلق میں اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی "امام المبین" ہیں۔ اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العالمین کے تمام نفخات میں ایسی روح عظیم ہیں جو ہر ایک مخہ میں جاری وساری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حضرات جبروتیہ کے آسمانوں پر مشرق سے طلوع ہونے والا سورج ہیں۔ اور "نسمات ملکوتیہ" کے کمالات کے مغرب میں غروب ہونے والا منور راز ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ سر ہیں جس سے اسرار ذات پھوٹتے ہیں اور آپ ہی وہ نور ہیں جس سے انوار صفات پھٹتے ہیں۔ آپ ہی وہ نور ہیں جس میں تجلیات کے وعدہ جات رکھے گئے۔ آپ ہی وہ سر ہیں جس میں تجلیات کی بجلیاں کوندتی ہیں۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بارش برسانے والا آسمان (بادل) ہیں جو حضرات جبروت کے انوار کی بارش برساتا ہے۔ آپ ہی وہ زمین ہیں جو ملک وملکوت کے راز اگاتی ہے۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عرش ہیں جس پر رحمٰن مستوی

ہے۔آپ ہی وہ کرسی ہیں جن میں دیوان قائم کئے گئے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ روشن راز ہیں جو حق و جبروت کے جہانوں کے عرش سے چمکتا ہے۔آپ ہی وہ روح ہیں جو ملک و ملکوت کے جہانوں کے رازوں کی جامع ہے۔آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ قطب ہیں جو حضرات کے ستاروں کے سورج کے جامع ہیں۔اور آپ ہی وہ فرد واحد ہیں جن کے جوہر روح کی طرف تمام اشارات کا اشارہ ہوتا ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ عالی فرد ہیں جو اپنی ذات سے انوار و ظلمات کے جہانوں پر منور ہیں۔آپ ہی وہ عرش محیط ہیں جس کی حقیقت کی تعبیر کیلئے مختلف قسم کی عبارات ہیں۔ آپ ہی روحانی آسمانوں سے اور دور چمکنے والے ماہتاب ہیں۔آپ ہی وہ روشن صبح ہیں جو ہر قسم کی خوشیاں، مسرتیں اور فرحتیں لیکر طلوع ہوتی ہے۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام حقائق، دقائق، رقائق اور ارواح میں جاری و ساری روح ہیں۔اور آپ ہی تمام کثائف، عقول، نفوس اور اشباح میں سرایت ہونے والا راز ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا نور بلند ستارے میں ظاہر ہے۔اور انمول موتی میں آپ ہی کا سر پوشیدہ ہے۔اور ''نفحات رحمٰن'' جس سے جوش میں آتی ہیں آپ ہی وہ سمندر ہیں۔کائنات کے ستارے جس قطب کے گرد گھومتے ہیں وہ قطب آپ ہی ہیں۔عرش ربوبیت اور آسمان مخلوقیت بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق و جبروت کے جہانوں کے عرش سے چمکنے والا نور ہیں۔اور ملک و ملکوت کی کائنات کے سورج کا روشن راز بھی آپ ہی ہیں۔تمام انوار کو فیض کے ذریعہ روشن کرنے والا سورج آپ ہی ہیں۔اور تمام اسرار کا احاطہ کرنے والی آپ ہی کی ذات ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اس میں سے دیکھی۔ پس اپنے اسم ''قیوم'' کے نور سے اسے پیدا کیا۔پھر تمام کائنات اس سے پیدا کی۔پس کائنات میں آپ ہی کو اس نے اپنا محل نظر بنایا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی منزلت و بلندی کے اعتبار سے تمام موجودات میں سے اشرف ہیں۔اور مکان و رفعت کے اعتبار سے آپ ہی سب سے زیادہ ''مکرم'' ہیں۔اللہ تعالیٰ کی محبت میں موجودات میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہیں۔اور اس کی معرفت میں کوئی بھی آپ سے بلند نہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں کوئی بھی دوسرا آپ سے بڑھ کر زیادہ قریب نہیں۔کیونکہ سید المقربین اور افضل العالمین آپ ہی ہیں۔موجودات کی چکی آپ کے گرد گھومتی ہے۔آپ ہی تمام مخلوق کے قطب ہیں۔ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مخصوص وجہ کیلئے تخلیق فرمایا۔اور ایک مخصوص رتبہ میں پیدا کیا۔جو صرف اور صرف آپ میں ملحوظ اور

11B

محفوظ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ارواح، اسرار اور انوار کے معشوق ہیں۔آسمانوں، زمینوں، جنت اور دوزخ کے محبوب بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ روح ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے قرب وجبروت کی عظیم دولت رکھی۔اور ملک وملکوت میں جس کی عظیم حمد وثناء ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تمام کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں چمکنے والا نور ہیں۔اور خدائی روشنیوں میں چمکتا راز بھی آپ ہی ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ سمندر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جس کے قطرات سے تمام مخلوق کو جمع کیا۔اور آپ ہی وہ بارش ہیں جس کے قطروں سے تمام موجودات کو اکھٹا کیا۔شمس وقمر، افلاک ونجوم کا نور بھی آپ ہی ہیں۔زمان ومکان اور ابصار وعیون کا راز بھی آپ ہی ہیں۔جو ہر ویاقوت اور دیگر پتھروں کا نور بھی آپ ہی ہیں۔پھولوں، درختوں اور نباتات کا راز بھی آپ ہی ہیں۔لطائف، رقائق اور ارواح کے راز کو اٹھانے والا نور، ہر کثیف چیز، تمام نفوس اور اشباح میں روشن راز بھی آپ ہی ہیں۔عرش وکرسی اور لوح وقلم کا احاطہ کرنے والا نور، آسمانوں، زمین، جنت، دوزخ اور تمام کائنات کو گھیرنے والی روشنی بھی آپ ہی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرشتوں، جنات، انسانوں، حیوانات، عناصر، جمادات، نباتات اور دیگر تمام کائنات میں اپنے چہرہ مقدسہ کے اعتبار سے ظاہر ہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ذات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں جو چیز پیدا فرمائی یا فرمائے گا وہ آپ کے چہرۂ انور کے نور کے گرد گھومتی ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور کی مٹھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور قدیم سے بھری۔پھر اسے فرمایا۔ کُوْنِیْ مُحَمَّدًا فَکَانَتْ محمدٌ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن جا۔تو وہ بن گئی۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ ۔۔۔ فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ
دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصارٰی فِی نَبِیِّھِمْ ۔۔۔ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخصیت ہیں جو اپنے حسن وجمال وخوبیوں میں شریک نہیں رکھتے۔ آپ میں حسن کا جوہر نا قابل تقسیم ہے۔عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے جس بات کا دعویٰ کیا۔ (کہ وہ اللہ یا اس کے بیٹے ہیں) یہ کہنا چھوڑ دے۔اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں جو چاہے کہتا رہو سنتا رہو۔

مولد شریف کا ابتدائی تیسرا حصہ یہاں مکمل ہوا

اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے

حصہ دوم: ’’جبروت‘‘ میں جب اس عزت، عظمت اور کبریاء کے سورج طلوع ہوئے۔اور ’’ملک و

ملکوت'' میں اس احدیت کے سمندروں نے اسرار وانوار کا پانی بہایا۔اور'' لاھوت'' میں ان عجائبات و غرائب کی بلبلوں نے زبان غیب سے نغمہ سرائی کی۔تو'' ناصوت'' میں ان حقائق ورقائق کے عرش سے پروردگار جل وعلا کی نسیم بہاری چلی۔ پھر حلیم ومنان کے ایک منادی نے فضل واحسان کے مینار پر کھڑے ہوکر مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے آسمان میں یہ ندا کی۔کہ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ – وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات!

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور ہیں۔جن میں اللہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے دونوں غیب وشہادت کا ظہور فرمایا۔سو اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس حال پر وہ تمام مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے انسلاخ سے قبل تھا۔اور قبل اس کے اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ،قضا وقدر کا اظہار فرماتا۔اس کی طرف اشارہ وہ روایت کرتی ہے جس کو حضرت امام علی بن حسین عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نُوْراً بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔میں اپنے رب کے سامنے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے'' نور'' تھا۔اور یہ روایت بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ جسے سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا۔اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَأَلَ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَام فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ كَمْ عَمَرْتَ مِنَ السِّنِیْنَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَسْتُ اَعْلَمُ غَیْرَ اَنَّهٗ فِی الْحِجَابِ الرَّابِعِ نَجْمٌ یَطْلُعُ فِیْ كُلِّ سَبْعِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مرةً رَاَیْتُهٗ اِثْنَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَا جِبْرِیْلُ وَ عِزَّةِ رَبِّیْ اَنَا ذَالِكَ الْكَوْكَبُ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا۔اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ عرض کیا۔میں نہیں جانتا۔ہاں یہ جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ہے جو ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا ہے۔میں اسے بہتر مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔اے جبرئیل! مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہ ستارا ہوں۔ایک اور روایت بھی اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مذکور ہے۔قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ۔دوسری روایت میں ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ۔تیسری میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحَ نَبِیِّكَ یَا جَابِرُ۔اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے'' قلم''

پیدا کیا۔ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ "عقل" ہے۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے روح کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ پس قلم، عقل اور روح اس عالم بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح مبارک کے مختلف چہرے ہیں۔ اور آپ کے "نور" کے مختلف اعتبارات ہیں۔ اور عالم عالی میں آپ کے مختلف اسماء ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نور ہیں جو تمام ارواح میں اتارا گیا۔ اور آپ ہی جمیع اشباح کے دلوں کا سر باطنی ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع موجودات کا خلاصہ، جمیع مخلوقات کا "اصل" ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے رب نے ان حضرات عالیات اور تقدسیات ازلیات میں بتا دیا تھا۔ کہ آپ کی نبوت سب سے پہلے ہے۔ اور عظیم الشان رسالت کی خوش خبری سنا دی تھی۔

پھر جب "جبروت" کے بادشاہ نے "ملک وملکوت" کے امام کو "لاھوت" میں اپنے سورج کے اظہار اور "ناسوت" میں اس کی ضیاء پاشی کا حکم دیا۔ تو "رقائق روحانیہ" کے دریا "کثائف جسمانیہ" کی زمین پر بہہ پڑے۔ تو "حضرات جمال" کے منادی نے جلال کی چوٹیوں کے مینار پر کھڑے ہو کر ندا کی۔ کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ہر عیب ونقص وکمزوری سے پاک ہوں۔ میں ہی عرش عظیم اور کرسی دیوان کا مالک ہوں، میں ایک تنہا اور دوسرے سے پاک ہوں۔ میں اکیلا ہی مالک ہوں۔ رحیم ورحمٰن ہوں، عزیز وجبار، کبیر متعالی، حی وقیوم ہوں اور کل یوم ہو فی شان میری صفت ہے۔

اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ رب کائنات نے یہ ارادہ فرمایا۔ کہ کوئی ایسا ہونا چاہئے جو میری صفت ربوبیت کا متعلق ہو۔ جس کی میں تربیت کروں۔ تو اس نے آپ سے تمام موجودات کی اصل ظاہر فرمائی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام عالمین کیلئے اصل ممد ظاہر کیا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اصل سے خود اپنی ذات کی طرف ارواح اور انوار کے تمام جہانوں میں نظر کی۔ اور اسی طرح ظلمات واشباح کے جہانوں کی طرف بھی دیکھا۔ تو ہمارے آقا ومولیٰ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ اپنی نبوت ورسالت سیادت وعظمت اور قربت پروردگار کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ ابھی حضرت آدم علیہ السلام اور کائنات کی کوئی دوسری چیز پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ کوئی عارف ومحبوب اور نہ کوئی مقرب ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اسرار وانوار کا محبوب بنا دیا۔ تمام کائنات اور اغیار کا معشوق بنا دیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم

گرامی اپنے عظیم اسماء وصفات کے ساتھ ملا دیا۔ اور آپ کا نام پاک اس کائنات کی ہر چیز پر تحریر فرما دیا۔ خواہ وہ از قبیلہ ذات ہو یا صورت و رنگ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عرش ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے۔ اور آپ ہی وہ کرسی ہیں جس میں تمام دیوان نصب ہیں۔ آپ ہی وہ قلم ہیں جس سے رحمٰن اس کائنات کے ہر ذرہ پر ما کان وما یکون لکھتا ہے۔ اس لئے کہ تمام ارواح آپ سے سوالی ہیں۔ تمام اشباح آپ سے مدد طلب کرتے ہیں اور یہ سب کچھ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہزاروں برس پہلے ہوا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمت کے مظہر، جلال کے مرکز، اور ذات باری تعالیٰ کے مخصوص ہیں۔ آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام موجودات کا مظہر اعلیٰ اور روشن محل ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتدار الٰہی کے مظہر، امر و نہی کے نفوذ کے محل ہیں اور رقائق خلقیہ کے ظاہر کرنے میں آپ ہی توجہ اول ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی مخلوقات میں امر الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ قضا و تقدیر کی فصل اور تدوین و تسطیر کے آپ ہی محل ہیں۔ آپ ہی سدرۃ المنتہیٰ ہیں۔ جس کے نیچے ہی تمام کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور اس کی طرف جو اس قدس عالی اور تنزیہ غالی میں ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اشارہ کرتے ہیں جب شب معراج آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایک مقام آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے۔ لیکن جبرئیل وہیں رک گئے۔ آپ نے جبرئیل کو کہا۔ جبرئیل! آگے بڑھو۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا۔ کیونکہ اگلا مقام "مقام خصوصی" ہے۔ اس لئے کہ وہ الوہیت کے چمکنے کی جگہ ہے۔ ربوبیت کے جلال کا مقام ہے۔ خصوصیت کا مظہر اور مخلوقیت کا مغرب ہے۔ ایسا اعلیٰ و اشرف مقام ہے کہ موجودات و مخلوقات میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر جا سکتا ہے تو وہ جو "صاحب محمدیۃ کبریٰ" ہو، اور "شفاعت کبریٰ" کا مالک ہو۔ دنیا و آخرت کا سردار ہو۔ اور وہ صرف اور صرف ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ عبودیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ مکانات رحمانیہ میں اعلیٰ مکان کے مکین ہیں۔ ان تقدسیات امالیہ اور تنزلیات ابدیہ میں تمام فرشتے اور تمام پیغمبر پرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ عالیہ اور عظمت صمدانیہ سے آپ کی طرف وہ لطیفہ ذاتیہ وحی کیا۔ جو علوم الٰہیہ اور غیوب صمدانیہ کا تھا۔ جس نے کبریائی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ عظمت کی ازار پہن رکھی تھی۔ احدیت و وحدیت اور رحمانیت و ربوبیت کا تاج پہن رکھا تھا۔ جلال کا نقاب ڈالا ہوا تھا۔ لباس کمال میں ملبوس رہا تھا۔ حجاب عزت سے چھپا ہوا تھا۔ عجائب رحمانیہ سے روشن تھا۔ غرائب ربانیہ سے مزین تھا۔ وہ کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے

اپنے قدیم کلام، عظیم خبر، متین خطاب اور کتاب مبین میں اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ فرمایا۔
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ہی ایمان کو۔ اور لیکن ہم نے اس کو نور بنایا۔ اپنے بندوں میں سے جسے ہم چاہتے ہیں راستہ دکھاتے ہیں۔ اور آپ بھی یقیناً صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں (الشوریٰ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم روح ہیں جو رب العالمین کے دربار عالیہ میں موجود اور قائم ہے۔ حضرات الٰہیہ اور عظمات صمدانیہ میں تصرف کرنے کی اجازت آپ کو دی گئی ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جلال کا عظیم مرکز اور ان کے ظہور کا کامل مظہر ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے اللہ رب العزت نے تمام انبیاء و مرسلین کو ظاہر فرمایا ملائکہ و مقربین و عالین کہ جن کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا جیسا کہ اسرافیل، میکائیل، جبرائیل عزرائیل اور ان سے اوپر والے فرشتے جیسا کہ کرسی کے نیچے کھڑے فرشتے، امام مبین کے نیچے موجود فرشتے ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض سے ظاہر فرمایا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی "سر مکنون، حرز مصون، عزیز المرام اور عظیم المقام" ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ راز ہیں جس کا صراحتہً بیان کرنا درست نہیں۔ اور کتابت و تلویح سے ان کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ "قطب" ہیں۔ جن کے اردگرد جمال کے افلاک گھومتے ہیں۔ آپ ہی وہ سورج ہیں جن سے کمال کے چاند روشنی پاتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حبیب اعظم ہیں۔ جن کے اوصاف نہایت عمدہ اور جن کی صفات نہایت پاکیزہ ہیں۔ جمال جن کو دہشت زدہ اور جلال جن کو کپکپا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ آپ حکمت کے فلک الافلاک ہیں، رحمتوں کے دریاؤں کا دریا ہیں، عصمت کی تائید سے مؤید ہیں۔

اللہ تعالیٰ رب قدیر نے جب اپنے اسماء و صفات کے ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ مخلوق اس کی ذات کی معرفت حاصل کرے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے یہ متمیز مظاہر ظاہر فرمائے جنہیں موجودات ذاتیہ کہتے ہیں جو مراتب الٰہیہ میں روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات کی طرف اپنا قدیم کلام دیکر بھیجا۔ اپنی عظیم خبر دے کر ارسال فرمایا۔ اپنے عظیم خطاب سے نوازا، اپنی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو "ادراک" سے بلند و بالا ہے۔ شریک سے پاک ہے، تو اس سے عزت ربانیہ کی

بلندی ظاہر ہوئی۔ اور اس کے ساتھ مرتبہ رُبانیہ کا حق پہچانا گیا۔ جس کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام، اپنی عظیم خبر اور اپنے متین خطاب میں اشارہ فرمایا۔ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﯽ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۶۷ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور تمام زمین قیامت کے دن اسی کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمانوں کو وہ اپنے دائیں ہاتھ سے سمیٹنے والا ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور اس سے بلند ہے جو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (الزمر)

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موجودات میں جمال کے سورج ہیں، مخلوقات میں تمام کمال کو (اپنے اندر) جمع کرنے والے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ نقطہ ہیں جس پر اسماء، صفات اور جلال کا محیط گھومتا ہے۔ اور آپ ہی وہ قبضہ ہیں جس پر اول وآخر اور اوسط کے محیط چکر لگاتے ہیں۔

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ‏ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عَظَمٖ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ ‏ حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

آپ کی ذات مقدسہ عالیہ کی طرف جو شرف اور جیسی بزرگی منسوب کرنا چاہے اور آپ کی قدر و منزلت کی طرف جس طرح کی اور جیسی عظمت کی بھی نسبت کرنا چاہے کرلے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کی کوئی حد نہیں۔ جس کو کوئی اپنی گفتگو میں کامل طور پر بیان کرسکے۔

جب ان ''لطائف صمدانیہ'' کی ہوائیں چلیں، ان ''عجائب رحمانیہ'' کی خوشبوئیں مہکیں، ان ''غرائب ربانیہ'' کے لمحات چمکے، ان ''حقائق نورانیہ'' کے لشکر نے حملہ کیا، ان ''رقائق روحانیہ'' کے دریا بہے اور اس ''کائنات جسمانیہ'' کے پردے زائل ہوئے تو اس ''حضرات الٰہیہ'' کے ایک منادی نے ان ''کواکب شانیہ'' کی منازل میں اس ''وحدت سبحانیہ'' کے کلام کے ساتھ ان ''مظاہر ربانیہ'' کی زبان سے اسے مخاطب کرکے یہ ندا کی۔ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ یَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت ذکر کی ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اپنی مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ ارشاد فرمایا۔ وہ ''عما'' میں تھا۔ جس کے نیچے اور اوپر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا

کیا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ''سفید یاقوت'' میں تھا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ ''کنزیہ مخفیہ'' میں تھا۔ دلیل اس کی یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس ''عما'' وہ کہ جس کے اوپر نیچے ہوا ہے سفید یاقوت اور کنزیہ مخفیہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل تھی۔ تمام مخلوقات ناپید تھی۔ وہ تھا۔ کوئی چیز اسکے ساتھ نہ تھی۔ جیسا کہ وہ اب بھی اس طرح ہے جس طرح پہلے تھا۔ جب اللہ رب العزت نے اس کائنات کو ظاہر فرمانا چاہا تو اس ''سفید یاقوت'' کی طرف نظر کمال سے دیکھا تو وہ پگھل گیا۔ اور پانی ہوگیا۔ پھر اس کی طرف ''نظر عظمت'' سے دیکھا تو وہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ جس طرح سمندری لہریں ٹھاٹھیں مارتی ہیں۔ پھر بعض کے بعض کے ساتھ ٹکرانے سے اس کی کثافت اوپر آ گئی۔ جس طرح سمندر سے جھاگ اوپر آ جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جھاگ سے زمین کے سات طبقات بنائے۔ اور ہر زمین میں اس کی جنس کے مطابق آبادی بنائی۔ پھر اس پانی کے لطائف اوپر چڑھ گئے۔ جس طرح سمندروں سے بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔ تو اس کو پھاڑ کر سات آسمان بنائے۔ اور ہر آسمان پر اس کی جنس کی مانند فرشتے پیدا کئے۔ پھر اس پانی کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اردگرد موجود سات سمندر بنا دیا۔ جب ان قہاری کڑک کے کھڑاک بلند ہوئے اور ان زواجر جباریہ کے عظمات جوش میں آئے۔ اور ان کڑکتی بجلیوں کی کڑک اٹھی اور ان ''سبحانی زلزلوں'' کی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی تو اس بلند و عالی بارگاہ کے سورج طلوع ہو گئے۔ اور ان ''جبروتی انوار'' کے دریا بہہ نکلے۔ اور ان ''ملکوتی افلاک'' کے سیارے چمکے تو رحمٰن کے منادی نے مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنَ کی فضا میں ندا کی۔ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ - وَمَا اَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔

حصہ دوم ختم ہوا

حصہ سوم: اے موجودات! اے مخلوقات! اے علامات! اے کائنات!

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ''نورانی لطیفہ'' ہیں۔ جس سے علی الدوام اللہ تعالیٰ ظہور فرماتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ''روحانی رقیقہ'' ہیں۔ جس کے واسطہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ شب و روز کے گزرنے پر تجلی فرماتا ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ''نور عجیب'' اور ''سر غریب'' ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بارگاہ ربوبیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ کی طرف نظر فرمائی۔ جو روحی صورت تھی۔ تو وہ یوں ہو گئی گویا دو ٹکڑے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نصف اول سے جو اس کے دائیں طرف تھا اس سے جنت

بنائی۔ اور اسے مومنین کیلئے سعادت کا گھر قرار دیا۔ اور دوسرے نصف سے جو بائیں طرف کے مقابل تھا۔ اس سے جہنم بنائی۔ اور اسے کافروں کیلئے شقاوت کا گھر بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے عرش و کرسی، لوح وقلم، زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور تمام کائنات ظاہر فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "قلم" کو پیدا کیا۔ تو حکم دیا۔ اے قلم! لکھ۔ قلم نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا۔ نوح (علیہ السلام) کی امت لکھو۔ اور لکھو کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔ اور جس نے اس کی نافرمانی کی اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔ اور امت ابراہیم میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں اور جس نے نافرمانی کی اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ امت موسیٰ میں سے بھی جس نے اس کی اطاعت کی وہ جنتی اور نافرمان جہنمی ہے۔ عیسیٰ کی امت کے فرمانبردار بھی جنتی اور نافرمان جہنمی ہیں۔ قلم نے یہ سب کچھ جب لکھ دیا۔ تو پھر وہ رک گیا۔ اور لکھنا بند کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی بارگاہ عالیہ، عظمت صمدانیہ سے الوہیت کے مظہر اور ربوبیت کی تجلی گاہ میں اس پر تجلی فرمائی۔ اور قلم کو خطاب عزت سے مخاطب کیا۔ اور عظمت کی زبان سے حکم دیا۔ کہ لکھ۔ یہ سن کر قلم کانپ گیا۔ تھرتھرا گیا اور اللہ کبیر وقہار کی ہیبت سے پھٹ گیا۔ اور عظیم وجبار کی جلالت سے چر گیا۔ عرض کیا۔ پروردگار! کیا لکھوں؟ حکم ہوا۔ لکھو۔ "اُمَّۃُ مُحَمَّدٍ اُمَّۃٌ مُذْنِبَۃٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت۔ گنہگار امت اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار "حضرات عالیہ" سے حضرات عالیہ، نفحات رحمانیہ، نسمات ربانیہ اور تجلیات روحانیہ کی طرف گردش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ کو آپ کی روحانی رقیقت اور جسمانی طینت میں دیکھے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ وہ مٹی لائے جو زمین کا دل ہے۔ اب جبرئیل علیہ السلام فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ نیچے اترے۔ اور آپ کی قبر انور کی جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی بھری۔ اسے تسنیم کے پانی سے گوندھا، پھر جنت کی نہروں میں اسے ڈبویا۔ حتیٰ کہ وہ مٹی "سفید موتی" بن گئی۔ پھر فرشتے اسے عرش، کرسی، لوح، قلم، آسمان، زمین اور تمام سمندروں دریاؤں پر لئے چکر لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام فرشتوں اور ساری کائنات ومخلوقات نے آپ کو پہچان لیا۔ جبکہ آپ ابھی بھی طینت میں تھے اور یہ آدم علیہ السلام کی طینت میں ان کی پہچان سے بہت پہلے ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار عالیہ لگاتار آپ کی جسمانی طینت میں چمکتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا۔ اور بجنے والی

مٹی میں ان کی صورت بنائی۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد پیدا کی جو اس وقت چیونٹی کی طرح تھی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھا۔ ان میں سے جو اہل سعادت تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کے دائیں جانب رکھا۔ اور اہل شقاوت کو ان کے بائیں طرف رکھا۔ پھر آدم علیہ السلام میں روح پھونکی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں طرف جسم پر اپنی قدرت کا ہاتھ پھیرا، تو اس میں سے ایک ذریت، جو سفید چیونٹی کی طرح تھی۔ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ یعنی یہ جو عمل بھی کریں گے بالآخر یہ جنتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت کی بائیں جانب دست قدرت پھیرا۔ اور سیاہ چیونٹیوں کی طرح ذریت نکالی۔ انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ یہ جہنمی ہیں۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ یعنی جو بھی عمل کریں گے بالآخر جہنمی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنے سامنے جمع کر کے پوچھا۔ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (الاعراف:172)۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ یعنی میں تمہارا رب ہوں۔ تمہارا خالق ہوں، تمہارا بنانے والا اور تمہارا مصور ہوں۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی کائنات کا مالک اور پالنے والا ہوں، میں ہی تمہیں پیدا کرنے اور پھر مارنے والا ہوں۔ میں ہی وجود عطا کرنے والا اور وجود کے بعد معدوم کرنے والا ہوں۔ عزت و ذلت، خوشی و غم، حرکت و سکون، سعادت و شقاوت، فنا و بقا سب میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ میں ہی اللہ واحد رب العالمین ہوں۔ عطا کرنے والا، روکنے والا، نفع و ضرر پہنچانے والا، ملانے اور کاٹنے والا، اکٹھا اور الگ کرنے والا بھی میں ہی ہوں۔ بلندی عطا کرنے والا، نیچے گرانے والا، رفعت دینے والا میں ہی رب العالمین ہوں۔ تمام صفات کا موصوف، تمام اسماء کا مسمی، تمام مخلوقات کا خالق اور تمام مفعولات کا فاعل بھی میں واحد معبود رب العالمین ہوں۔ میں ہی تمام موجودات کا راز، تمام مخلوقات کی حقیقت، تمام کائنات کا نور۔ تمام آسمانوں اور زمینوں کا قیوم ہوں۔ میں ہی موجود، قدیم، باقی ہوں۔ میں ہی تمام کائنات سے الگ ہوں۔ میں ہر ایک سے مستغنی ہوں۔ تمام میرے محتاج ہیں۔ افعال، اسماء اور صفات میں میں "واحد" ہوں۔ مراتب، مقامات اور ذات میں واحد ہوں۔ اسرار، انوار اور نفحات میں واحد ہوں۔ ارواح، اشباح اور نسمات میں واحد ہوں۔ امثال اعراض اور تجلیات میں واحد ہوں۔ دنیا، آخرت اور لحات میں واحد ہوں۔ حی، علیم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم میری ہی صفات ہیں۔ واحد، احد، فرد، صمد اور لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ میری ہی شان ہے۔ یہ تمام مخلوقات میری ملک، میری غلام ہے۔ میں ان میں جو چاہوں تصرف کروں۔ یہ تمام موجودات میرے ملابس، مظاہر، مغارب،

مشارق، مفاتیح اور مغالیق ہیں۔ یہ ساری کائنات میری علامت، میری معلومات، میری مقدورات، میری مرادات، میری مسموعات، میری مبصرات اور میرے کلمات ہے۔ ان میں میرے ساتھ نہ کوئی نبی و مرسل، نہ کوئی فرشتہ، نہ کوئی جن و انس، نہ کوئی حیوان و نباتات، نہ کوئی جمادات، نہ روح، نہ جسم اور نہ عرض الغرض کوئی بھی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس خطاب (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ) کے جواب میں سب نے عرض کیا۔ تو ہی ہمارا رب، ہمارا راز، ہماری حقیقت، ہمارا نور، ہمارا قیوم ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی رب العالمین ہے۔ دینے والا، روکنے والا، نفع و نقصان کا مالک، پیدا کرنے والا مارنے والا، وجود دینے والا پھر معدوم کرنے والا، عزت و ذلت دینے والا، خوشی و غم عطا کرنے والا، حرکت و سکون، سعادت و شقاوت اور فنا و بقا عطا کرنے والا تو ہی واحد معبود رب العالمین ہے۔ وصل و قطع، افتراق و اجتماع، بلندی و پستی، عزت و ذلت بھی تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہیں، تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی موصوف بجمیع الصفات، تو ہی تمام اسماء کا مسمّٰی، تو ہی تمام مخلوقات کا خالق اور تو ہی تمام مفعولات کا فاعل ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تمام موجودات کا راز، تمام مخلوقات کی حقیقت، تمام کائنات کا نور اور تمام آسمانوں زمینوں کا قیوم تو ہی ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی تمام کائنات سے الگ ہے۔ تو ہی ہر ماسوا سے مستغنی ہے۔ تیرا ہی ہر ایک محتاج ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی افعال و اسماء اور صفات میں واحد، مراتب و مقامات اور ذات میں واحد، اسرار و لمحات اور انوار میں واحد، ارواح، اشباح اور نسمات میں واحد، امثال و اعراض اور تجلیات میں واحد، دنیا و آخرت اور لمحات میں واحد ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے تو ہی حی، قیوم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ تو ہی واحد، احد، فرد، صمد اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص) کی شان کا مالک ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔

یہ تمام مخلوقات تیری ملک، تیری غلام ہے۔ تو اس میں جیسے چاہے تصرف کر، یہ تمام موجودات تیرے ملابس، مظاہر، مغارب، مشارق، مفاتیح اور مغالیق ہیں۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ یہ تمام کائنات تیری علامات، تیری مقدورات، تیری مرادات، تیری مسموعات، تیری مبصرات اور تیرے کلمات ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔ ان میں تیرے ساتھ کوئی نبی، مرسل، مقرب فرشتہ، انسان، جن، حیوان، نباتات، جمادات، روح، جسم اور عرض شریک نہیں ہے۔ تو ہی معبود برحق رب العالمین ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا عہد و میثاق لیا کہ جب وہ دنیا میں اتریں گے اور تکلیف کے مقام (احکام شرعیہ کے پابند) پر پہنچیں گے اور ان میں کتابیں نازل ہوں گی۔ رسول بھیجے جائیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ پورا کریں گے۔ اس پر ایمان لائیں گے۔ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے اور ان تمام باتوں کی بھی تصدیق کریں گے۔ جو حضرات انبیاء کرام ان کی طرف اللہ تعالیٰ سے لائیں گے۔ پھر ان ذریات کو آدم علیہ السلام کی پشت میں دوبارہ رکھ دیا گیا۔ جب آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان کی اولاد بھی یہیں پیدا ہوئی تو ان میں سے اہل سعادت یعنی وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں کی تصدیق کی اور پیغمبر کی تعلیمات کو مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے محض اپنے فضل سے جنت میں ہمیشہ رہنا مقرر کر دیا۔ اور اہل شقاوت یعنی وہ جن کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ اس کے رسولوں اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا۔ تو ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے عدل سے جہنم میں ہمیشہ رہنا مقرر کر دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کی پیشانی میں جگمگا رہا تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں جانب کی پسلی سے حضرت حوا پیدا کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو فرشتوں نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور کہا۔ اے آدم! رک جاؤ۔ پہلے ان کا حق مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا حق مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا۔ حق مہر یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر بیس مرتبہ درود پڑھو۔ ایک روایت میں دس مرتبہ آیا ہے۔ اس دوران کہ آدم علیہ السلام جنت میں سیر فرما رہے تھے کہ آپ نے اچانک عرش کے پردوں میں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو دیکھا اور آپ کا اسم گرامی عرش پر لکھا دیکھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ پوچھا اے پروردگار! یہ کون ہیں جن کا نام تیرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ فرمایا۔ یہ تیری اولاد میں سے ایک نبی ہیں۔ جن کا آسمان میں نام ''احمد'' اور زمینوں میں ''محمد'' ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ عرش و کرسی اور لوح و قلم پیدا کرتا۔ زمین و آسمان، جنت و دوزخ اور دنیا و آخرت کوئی چیز بھی نہ بناتا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار ''حضرات عالیہ'' سے محجات رحمانیہ، نسمات ربانیہ اور تجلیات روحانیہ کی طرف جگمگاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاک پشتوں کے محلات اور پاکیزہ ارحام کے بروج میں دیکھے۔ تو اس نے حضرت آدم وحوا کو بلند وبالا جنت، سلامتی کے مقامات اور ابدی نعمتوں سے اس دنیا کی طرف بھیجا۔ جو فانی، حقیر اور بے وفا ہے۔ یہاں آنے کے بعد آپ کے ہاں حضرت حوا کے بطن سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ایک وقت یعنی ایک حمل سے جڑواں بچے ہوتے رہے جن میں ایک مذکر اور ایک مؤنث ہوتا۔ مگر جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ اکیلے پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا ان کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت آدم نے انہیں وصیت فرمائی کہ اس نور (محمد) کو صرف ایسی عورت کے سپرد کرنا جو "پاکیزہ" ہو۔ پھر یہی نصیحت چلتی رہی۔ حتیٰ کہ پہنچتے پہنچتے حضرت عبدالمطلب تک آ گئی۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نسب شریف کو جاہلیت کے افعال اور قباحتوں سے پاک رکھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الاولین والآخرین ہیں۔ افضل العالمین ہیں۔ آپ کا نسب شریف یہ ہے۔ ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن کعب بن لوی ابن غالب بن فہر بن مالک بن نضر۔ یہاں تک قریش کی انتہا ہوتی ہے۔ یا فہر تک۔ اس کے بعد نسب شریف یہ ہے۔ نضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف بالاتفاق ہے۔ اس سے آگے نسب شریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جن کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پاکیزہ پشتوں کے باغات سے ان طیب ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا کے بہترین دن میں دیکھے اور انسانی اطوار میں اکمل طور میں دیکھے۔ تو جس دن آپ کا حمل ٹھہرا اس دن آسمانوں زمینوں میں ندا ہوئی۔ وہ نور جس سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ آج رات سیدہ آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہو گیا ہے اور لوگوں کے پاس بشیر ونذیر بن کر تشریف لائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے رضوان جنت کو حکم دیا کہ جنت کے دروازے کھول دو۔ اس رات قریش کے ہر جانور نے زبان حال سے کہا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب حمل کی صورت میں جلوہ گر ہو گئے۔ رب کعبہ کی قسم! وہ دنیا کے امام، اس کے باسیوں کے سراج ہیں اور اس وقت تمام دنیا میں جہاں کہیں کسی کی بادشاہت تھی۔ ہر بادشاہ کا تخت شاہی اوندھا ہو گیا اور بادشاہ گونگا ہو گیا۔ اس دن کسی کو بولنے کی جرأت نہ رہی۔ مشرق کے وحشی جانور مغرب کے وحشی جانوروں کو خوش خبری دینے چل پڑے۔ اسی طرح دریاؤں اور سمندروں کی مخلوق نے ایک دوسرے کو بشارت دی۔ فارس کی وہ آگ بجھ گئی جس کی اہل

ایران عبادت کیا کرتے تھے۔ اور دو ہزار سال سے متواتر جل رہی تھی۔ بحیرہ طبریا خشک ہو گیا۔ جس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ اس جگہ "ساوہ" نامی شہر آباد ہوا۔ کسریٰ کے ایوان میں جنبش آئی۔ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور ان شیاطین کو دور نیچے پھینک دیا گیا ان پر ستاروں کے تیر برسائے گئے جو "مقام سمع" تک جایا کرتے تھے۔ اب "ابلیس ملعون" آسمانی خبروں سے محروم ہو گیا۔ اس پر وہ بہت رویا جیسے اس وقت رویا تھا جب اس پر لعنت کی گئی تھی اور اس وقت جب اسے جنت سے نکالا گیا تھا۔ اور اس وقت بھی رویا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس وقت بھی جب آپ کو مبعوث کیا گیا اور اس وقت بھی رویا تھا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا لگا تار اس دوران عجیب وغریب باتیں دیکھتی رہیں۔ جو آپ کے عظیم ظہور کی دلیل تھیں۔ حتیٰ کہ حمل کے شب وروز مکمل ہو گئے۔ پھر اس نور سے پوری کائنات مشرف ہونے پر آئی تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوئی جو بوقت ولادت عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس کا کسی اور کو علم نہ تھا۔ اس وقت سیدہ آمنہ نے ایک آواز سنی جس سے کچھ ڈریں۔ دیکھا کہ گویا ایک سفید رنگ کا پرندہ ہے اس نے آپ کے دل کو چھوا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک سفید رنگ کی چیز نظر آئی۔ جس میں دودھ تھا۔ آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ آپ نے اسے نوش فرما لیا۔ پھر کچھ عورتیں نظر آئیں۔ جو درازی قد میں کھجور کی طرح تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں۔ انہیں دیکھ کر آپ تعجب میں پڑ گئیں۔ پھر ان عورتوں نے آپ سے کہا ہمارا نام آسیہ اور مریم ہے اور یہ ہمارے ساتھ "حور العین" ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ہوا میں کھڑے چند مرد دیکھے۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے تھے۔ ان سے مشک وعنبر سے زیادہ خوشبو والے عرق کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر آپ نے پرندوں کا ایک غول دیکھا۔ جو آپ کی طرف بڑھا۔ اور آپ کے حجرہ کو ڈھانپ لیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ پھر اچانک ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان خلا میں بچھایا پھیلایا گیا تھا۔ اسی وقت ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ خُذُوْہُ عَنْ اَعْیُنِ النَّاسِ۔ اسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دو۔ اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے زمین کے مشرقی اور مغربی حصہ دیکھے۔ آپ کو تین جھنڈے دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی پشت پر گڑا ہوا تھا۔ اب آپ کو دردزہ نے آن لیا۔ اور مشکل وقت آ گیا۔ آپ گویا کہ ان عورتوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں۔ ان کی تعداد بہت تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ عورتیں اسی گھر کی رہنے

والی ہیں۔ پس اس وقت نور اول محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، اصحاب، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری ذات، تیری صفات، تیری محامد، تیرے اسماء، تیری نسمات اور تیری تجلیات کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری حضرت، تیری رحمت، تیری نعمت، تیرے فضل، تیرے کرم اور تیرے احسان کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب رحمۃ العالمین ﷺ آپ کی آل، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے وجود، تیرے علم، تیری حیات، تیرے کلام، تیری قدرت، تیرے ارادے، تیرے سمع اور تیرے بصر کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے بایں وجہ سوال کرتے ہیں۔ کہ تو ہی وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو احد وصمد ہے۔ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ تیری شان ہے۔ تیری ذات، تیرے اسماء، تیری صفات، تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا واسطہ دیتے ہیں اور تیرے اسم اعظم، تیرے اسم ''اللہ'' رحمٰن اور تیرے اس روح کا واسطہ جس سے تمام کائنات میں تو نے روح پھونکی، تیری جبروت، ملک، ملکوت کا واسطہ اور تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ، مقربین، صدیقین، شہداء صالحین اور خاص کر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی ذات، آپ کی روح اور آپ کی شریعت، آپ کی تجھ میں محبت ان سب کا واسطہ دیتے ہیں کہ تو ہمارے آقا و مولیٰ پر، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور آپ کی اہل بیت پر ایسا درود بھیج جو تیری حکومت کے بقاء تک باقی رہے اور ایسا صلوٰۃ وسلام بھیج کہ جس کے سبب تو ہماری مغفرت فرما دے۔ ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے احباب، ہمارے خاندان کی

والی ہیں۔ پس اس وقت نور اول محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، اصحاب، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری ذات، تیری صفات، تیری نفحات، تیرے اسماء، تیری نسمات اور تیری تجلیات کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیری حضرت، تیری رحمت، تیری نعمت، تیرے فضل، تیرے کرم اور تیرے احسان کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب رحمۃ العالمین ﷺ آپ کی آل، آپ کے اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور اہل بیت پر اس قدر صلوٰۃ وسلام اور برکات نازل فرما جس قدر تیرے وجود، تیرے علم، تیری حیات، تیرے کلام، تیری قدرت، تیرے ارادے، تیرے سمع اور تیرے بصر کا احاطہ ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ سے بایں وجہ سوال کرتے ہیں۔ کہ تو ہی وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو احد و صمد ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ تیری شان ہے۔ تیری ذات، تیرے اسماء، تیری صفات، تیرے جلال، تیرے جمال، تیرے کمال، تیری عزت، تیری عظمت اور تیری کبریائی کا واسطہ دیتے ہیں اور تیرے اسم اعظم، تیرے اسم ”اللہ“ رحمٰن اور تیرے اس روح کا واسطہ جس سے تمام کائنات میں تو نے روح پھونکی، تیری جبروت، ملک، ملکوت کا واسطہ اور تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ، مقربین، صدیقین، شہداء صالحین اور خاص کر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی ذات، آپ کی روح اور آپ کی شریعت، آپ کی تجھ میں محبت ان سب کا واسطہ دیتے ہیں کہ تو ہمارے آقا و مولیٰ پر، آپ کی آل، اصحاب، ازواج، ذریات اور آپ کی اہل بیت پر ایسا درود بھیج جو تیری حکومت کے بقاء تک باقی رہے اور ایسا صلوٰۃ وسلام بھیج کہ جس کے سبب تو ہماری مغفرت فرما دے۔ ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے احباب، ہمارے خاندان کی

مغفرت فرمادے اوران تمام حضرات کی بھی جنہوں نے ہم پر کسی قسم کا احسان کیا۔صاحب وقت، جمیع اقطاب، جمیع اہل دیوان، جمیع اولیاء خواہ وہ زندہ ہوں یا انتقال فرما چکے ہوں۔اس شہر کے اولیاء اس کے علماء، اس کے عوام اور ہمارے حاضرین وغائبین، بھائی دوست، ان کے والدین، ان کے اقرباء اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادے۔آمین۔

اے اللہ! ہماری عاقبت اس طرح اچھی فرمادے جس طرح تو نے متقین کی عاقبت احسن کردی اور ہمارے دنوں میں سے بہترین دن، بابرکت دن اور سعادتوں بھرا دن وہ دن کردے جس دن تیرا دیدار عطا ہو۔

اے اللہ! اپنی ملاقات سے ہمیں فرحت بخش، اپنی قضا پر صبر کرنے والوں میں ہمیں بھی شامل فرما دے۔اپنی حدود کی حفاظت کرنے والوں میں ہمیں بھی داخل فرمادے۔

اے اللہ! تو اپنے سوا ہر ایک سے چھوڑا کر اپنا بنالے اور یہ غنا ہمیں عطا فرما۔دنیا و آخرت میں ہمارا تو ولی، نصیر اور انیس بن جا۔

اے اللہ! نہ ہمیں ذلیل ورسوا کرنا۔نہ دشمنوں کا آلہ کار بنانا۔اے اللہ! دنیا کو ہمارا اہم کام اور مقصد نہ بنانا۔اور نہ ہی اسے ہمارا "مبلغ علم" بنانا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسے حاکم مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔یاارحم الراحمین۔

اے اللہ! ہمیں اپنی عفو کی چادر میں لپیٹ لے۔اپنی مغفرت کی چادر اوڑھا دے۔اپنی عزت کی چادر دنیا اور آخرت میں ہمیں پہنادے۔

اے اللہ! اپنی ابدی زندگی سے ہمیں زندہ رکھ۔اور ہماری طرف وہ نظر فرما جو تو اپنے اولیاء کی طرف فرماتا ہے اور ہمیں اپنی صفات اور اسماء کا حق دار بنا۔

اے اللہ! تو ہمیں اپنی ذات، اپنی محبت، اپنی معرفت، اپنا مشاہدہ عطا فرما۔اور یہ عطا دنیا و آخرت میں دائما عطا ہو۔

اے اللہ! ہمیں اپنی وحدت کے سمندر، محبت کے دریا اور اپنی معرفت کے پانیوں میں ڈبو دے۔اور ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھنا۔تاکہ ہم تیرے سوا کسی اور کے نہ ہوں۔

اے اللہ! ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی ہمت بخش۔ہمیں باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! ہمیں اپنے متقین کی کتاب (دفتر) میں شامل فرمالے اور ہمیں اپنے عارف، محب،

محبوب اور مقرب ولیوں میں شامل فرمالے۔

اے اللہ ہمیں تو اپنے اوپر ہی جمع فرمانا۔ اپنی طرف ہی ہدایت بخشنا۔ اپنے سوا کسی اور کی آزمائش میں نہ ڈالنا۔ کسی دوسرے کا محتاج نہ کرنا اور ایک لمحہ کیلئے بھی ہمیں ہمارے نفسوں کے سپرد نہ کرنا۔ اپنی عظیم رضامندی دنیا و آخرت میں ہم پر نازل فرمانا۔ یا ارحم الراحمین یا اکرم الاکرمین۔

اے اللہ! ہمارے لئے کام آسان فرمادے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں کو چین بھی نصیب کردے۔ ہمارے بدن کو آرام عطا فرمانا۔ دین و دنیا میں ہمیں سلامتی اور عافیت عطا فرما۔

اے اللہ! ہمارے رزق میں وسعت کردے۔ ہمارے اخلاق کو اچھا بنادے۔ ہمیں قدموں میں مضبوطی، دشمنوں اور اپنے نفسوں پر ہماری مدد فرما۔ اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما۔

اے اللہ! ہمیں ہمارے والدین، حاضر و غائب بھائی، ان کے والدین، ان کے اقارب اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمادے۔

اے اللہ! تمام اولیاء کرام کی مغفرت فرما۔ ان کے درجات، انوار میں اضافہ فرما۔ انہیں اور زیادہ اپنا قرب عطا فرما۔ تمام علماء کی مغفرت فرما۔ ان کے درجات، انوار اور اپنے قرب میں زیادتی بخش۔ ہمیں ہمارے والدین، ہمارے مشائخ، ہمارے خاندان، اس شہر کے تمام باشندوں اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(شیخ محمد مغربی رضی اللہ عنہ کی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی تحریر یہاں مکمل ہوگئی)

جواہر الامام الکبیر الشہیر الشہاب احمد بن حجر الہیتمی رضی اللہ عنہ

(ان کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے)

امام احمد بن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر لکھی ایک کتاب ہے۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کی بہ نسبت ''جامع اور صحیح ترین'' کتاب ہے۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کیلئے جس نے کائنات کو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے شرف بخشا۔ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین، جمیع ملائکہ خاص کر کروبیین و مقربین کی سعادت کو مکمل فرمایا۔ جن میں اس نے تمام ظاہری و باطنی کمالات جمع فرما دیئے جنہیں کل کا امام بنایا۔ جنہیں تمام پر فضیلت دی اور جو دنیا و آخرت میں سب کے مددگار ہیں۔ جن پر شریعت مطہرہ کا اختتام فرمایا۔ جو واضح، روشن تر اور تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے۔ اور اس وقت تک محفوظ ہے جب تک اسرافیل علیہ السلام صور نہیں پھونکتے (یعنی قیامت تک) پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تمام شریعتوں میں بہتر اور متوسط ہے۔ جیسا کہ آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) تمام نازل شدہ کتابوں کی جامع ہے اور ان سے ان گنت تفصیلی اور اجمالی کمالات کی وجہ سے فوقیت رکھتی ہے۔ ایسا کیونکر نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے عطا فرمانے پر احسان فرمایا اور آپ کی طرف اس کا پہنچنا وجہ فضل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کتاب مجید کی تعریف میں اور اس کی بعض شرح کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:38)۔ ہم نے کوئی چیز اس کتاب میں (ذکر کرنے سے) نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقریباً ساٹھ ہزار معجزات بلکہ اس سے زیادہ پر یہ مشتمل ہے جیسا کہ اس بات کو وہ شخص جانتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے علوم و مسالک پر مطلع فرمایا ہو۔ یہ کتاب اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے مختلف طریقوں پر بھی مشتمل ہے آپ کے کمال اور قدر و منزلت کی بلندی اور عظیم الشان معاملہ پر سینکڑوں آیات گواہ ہیں۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن مدحیہ اور کمالات سے بھرپور الفاظ سے خطاب فرمایا۔ وہ بھی واضح ہے۔ آپ کی امت کو آپ کے مقامات و خصوصیات سے بھی اس کتاب نے مطلع فرمایا۔ علاوہ ازیں بہت سی ایسی دیگر مباحث ذکر فرمائیں۔ جن کی حقیقت تک رسائی ناممکن ہے اور وہاں تک

مخلوقات میں سے کسی کی رسائی محال ہے۔ کوئی بھی کامل شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق و کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایسے ہی اعلیٰ خطابات میں سے ایک خطاب یہ بھی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۴۸﴾ اے نبی محترم! ہم نے آپ کو حاضر ناظر، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا اور مومنوں کو آپ اس بات کی اچھی خبر دے دیں کہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے اور تمہیں کافروں اور منافقوں کے پیچھے نہیں چلنا چاہئے۔ اوران کی تکلیف کو بھول جایئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی کافی ہے (الاحزاب)۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز واکرام عطا فرمایا کہ آپ کو تمام پیغمبروں کا گواہ بنایا۔ اس بات کا گواہ کہ انہوں نے اپنی اپنی امت کو وہ تمام احکام پہنچا دیئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں پہنچانے کیلئے دیئے تھے اور یہ اس لئے کہ تمام پیغمبر آپ کے ہی متبع اور خلیفہ ہیں۔ جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دے چکوں پھر تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں۔ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں گے تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے؟ پوچھا۔ کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور اس پر میرے ساتھ پختہ عہد کیا؟ سب نے عرض کیا۔ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا۔ پھر گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ ایک گواہ ہوں۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے یہ "مقام اعظم" ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قول "فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ" پر ختم فرما دیا تاکہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے اور یہ کہ آپ متبوع اور سارے نبی آپ کے تابع ہیں۔ مقصود بالذات آپ اور دیگر انبیاء کرام آپ کے لاحق ہیں۔ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور حسی اس کائنات میں سب سے بعد میں رکھا گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ان کے مستدرک ہو جائیں اور ان کے

فوت شدہ کمالات کے مکمل کرنے والے بنیں۔ ان تمام کے مجموعی فضائل و زیادات کے جامع ہوں جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ پس آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کریں (الانعام 90)۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام میں سے ہر ایک کو جو کمالات، معجزات، ہدایات اور خصوصیات عطا ہوئیں وہ سب ان سے زیادہ مقدار میں آپ کو عطا کی گئیں۔ اور آخرین کی فضیلت کے برابر یا اس سے کہیں زیادہ فضیلت آپ کو عطا فرمائی۔ تا کہ آپ کا جلال واضح ہو اور اس سے ان لوگوں کے دل جلیں۔ جو آپ کے دشمن اور بدخواہ ہیں اور اگر یہ تمام اوصاف و خصوصیات و معجزات نہ بھی ہوتے صرف وہی کمالات و خوارق عادت ہوتے جو آپ کے حمل کے دوران ظاہر ہوئے اس سے کچھ قبل رونما ہوئے اور ولادت باسعادت کے وقت دیکھنے میں آئے اور آپ کی رضاعت کے زمانہ میں لوگوں نے دیکھے اور آپ کی تربیت کی زندگی میں منظر عام پر آئے تو یہی کافی تھے۔ جیسا کہ میں نے ان کمالات و معجزات کو اپنی تصنیف میں جمع کر دیا ہے۔ جس کا نام میں نے ''اَلنِّعْمَةُ الْكُبْرىٰ عَلَى الْعَالَمِ - بِمَوْلِدِ سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں میں نے ان کمالات و خوارق عادت واقعات کو جمع کیا جن کی اسانید کو سنن و احادیث کے ان آئمہ نے نقل کیا ہے جو حفظ و اتقان سے موصوف ہیں۔ جلالت و برہان سے قدیم و جدید حضرات میں متصف ہیں۔ ایسی روایات جو من گھڑت ہونے سے سالم ہیں ملحدین اور مفترین کے الحاد و افتراء سے محفوظ ہیں۔ یہ روایات یا یہ کتاب ان کتابوں کی طرح نہیں۔ جو لوگوں میں مروج ہیں اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی گئی ہیں اور ان میں بہت سی روایات من گھڑت ہیں۔ گھڑے ہوئے جھوٹ ہیں لیکن میری اس کتاب میں طوالت اور بسط ہونے کی وجہ سے اس کا ایک ہی مجلس میں پڑھا جانا مشکل تھا۔ اس لئے میں نے اس کو مختصر کیا اور روایات کی اسناد کو میں نے حذف کر دیا اور میں نے اس سند پر اکتفا کیا۔ جس کا کوئی متابع یا مددگار موجود ہو۔ یہ اس ارادے سے کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدح خوانوں کیلئے آسانی ہو جائے اور اس ارادہ سے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامات، کمالات اور خوبیاں معلوم ہو جائیں۔ جس کی وجہ سے ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ میں نے اپنی کتاب کا افتتاح ایک ایسی آیت مبارکہ سے کیا ہے جو مقصود کے مناسب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولود شریف پر دلالت کرتی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی ایسے عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور رحم دل ہیں (التوبہ)۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین وآخرین کے سردار، ملائکہ مقربین کے آقا، تمام مخلوقات کے مولیٰ اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل، قیامت کے دن شفاعت عظمیٰ سے مخصوص ہیں۔ تمام کائنات کی طرف آپ کی رسالت عامہ منصوص ہے۔ جس میں انس وجن سابقین ولاحقین فرشتے بھی شامل ہیں۔ لواء الحمد کے مالک، حوض کوثر کے تقسیم کرنے والے اور مقام محمود پر متمکن آپ ہی ہیں۔ وہ مقام محمود جس میں آپ تشریف فرما ہوں گے اور اولین وآخرین آپ کی حمد کہیں گے۔ اس دن آپ کی جاہ ومنزلت کے انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین محتاج ہوں گے۔ معجزات باہرہ کے مالک، کرامات ظاہرہ و باطنہ اور حجت قویمہ مستقیمہ اور ان گنت فضائل اور بے شمار خصائص وشمائل کے مالک بھی آپ ہی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں۔

فَبَالِغْ وَاَكْثِرْ لَنْ تُحِيْطَ بِوَصْفِهٖ   وَ اَيْنَ الثُّرَيَّا مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِ

تو جس قدر چاہے مبالغہ کرلے اور آپ کے اوصاف کو بکثرت بیان کرلیکن پھر بھی تو آپ کے وصف کا احاطہ ہرگز نہ کرسکے گا۔ پکڑنے والے ہاتھ سے خواہ وہ کتنا ہی لمبا اور آگے کیوں نہ بڑھ جائے ''ثریا'' تک اس کی رسائی ہرگز نہیں ہوسکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وہ ذات مبارکہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محبت اور خلت سے مصطفیٰ بنایا اور وہ قرب عطا فرمایا جو احاطہ، جہت اور منزلت سے پاک ہے اور معراج کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا۔ اور اس کے عجائبات پر آپ ہی کو مطلع فرمایا اور فضائل وکمالات سے آپ کو برگزیدہ فرمایا۔ بیت المقدس میں حضرات انبیاء کرام کی آتے اور جاتے وقت امامت سے نوازا۔ تاکہ یہ بتایا جائے کہ آپ ہی ''سید الکل'' ہیں۔ آپ ہی تمام کے ابتداءً وانتہاءً مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی شہادت جو انبیاء کرام کے حق میں ہوگی سے ممتاز فرمایا اور انبیاء کرام کی امتوں کے لئے آپ کی امت یہ گواہی دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اے اللہ تیرے احکام ان تک پہنچا دیئے تھے اور اس بات سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا گیا کہ لواء الحمد، وسیلہ، بشارت، ڈرسنانا، ہدایت، امامت اور عالمین کیلئے رحمت آپ ہی ہیں۔ اور یہ بھی کہ آپ کو آپ کا پروردگار اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ بارگاہ پروردگار میں عرض کریں گے۔ اے اللہ! میں اس

وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کے امتیوں کو جہنم سے نکال کر متقی اور نیک لوگوں کے سرداروں کے ساتھ ملا دیگا۔ آپ کو اتمام نعمت سے مخصوص فرمایا۔ تمام اقسام کی امداد آپ کے سپرد فرمائی۔ شرح صدر، رفع ذکر سے آپ کو ممتاز کیا۔ چنانچہ جب اور جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہیں آپ کا بھی ذکر موجود ہے۔ مدد کی عزت اور ایک ماہ کے سفر کے برابر دور لوگوں پر آپ کا رعب فرشتوں کے ذریعہ آپ کی تائید، آپ اور آپ کی امت پر سکینہ کا نزول، آپ کے سوال و دعوت کی قبولیت خاص کردہ سوال جو آپ نے اپنی امت کیلئے اس وقت کیلئے اٹھا رکھا ہے جب ان کیلئے اور کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی ان تمام خصوصیات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص آپ کی حیات کی قسم اٹھائی۔ آپ کیلئے ڈوبا سورج لوٹا دیا۔ آپ کیلئے اعیان (مختلف اشیاء) کی حقیقت تبدیل کردی۔ ہر قسم کے آلام اور بیماریوں سے تندرست کرنے والے بنایا۔ مغیبات پر مطلع فرمایا۔ حتیٰ کہ غیب کی وہ باتیں بتادیں جو آپ کی امت میں قیامت تک رونما ہونے والی تھیں۔ اور آپ کی ذات مقدسہ پر علی الدوام اللہ سبحانہ وتعالیٰ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ اور اس کے ان گنت فرشتے اور آپ کی امت بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتی ہے۔ آپ کے امتی کا ہر مکان اور آپ کے دور کی ہر ساعت صلوٰۃ وسلام سے منور ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ کا وسیلہ لیا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ بلکہ آپ کی اہل بیت، آپ کے خلفاء، آپ کی آل، آپ کے اصحاب اور ان کے تابعین ان میں سے کسی کا بھی وسیلہ پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے وسیلہ پکڑنے والے کی دعا قبول فرمائی۔ اور یہ قبولیت کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی۔ ان مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اور بھی ان گنت خصائص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص فرمایا۔ جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا جن کی انتہا نہیں۔ ان کا استیعاب اور احاطہ ناممکن ہے۔ یہ سب خصائص، سارے کمالات اور یہ تمام بزرگیاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا، مولیٰ، ہمارے ماویٰ و ملجاء، ہمارے ھادی، ہمارے مددگار، ہمیں مکمل کرنے والے اور ہمارے ناصح جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کئے۔ جن کا نسب شریف یہ ہے۔

ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر قریش کی یہاں انتہا ہوتی ہے اور بہت سے حضرات نے کہا کہ قریش کی انتہا ''فہر'' پر ہوتی ہے۔ آگے نسب شریف یہ ہے۔

نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف پر اجماع واتفاق ہے۔ اس سے آگے نسب شریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔ لہٰذا ان میں غور وخوض مناسب نہیں کیونکہ اس بارے میں ایک حدیث وارد ہے جسے صاحب مسند فردوس نے ذکر کیا ہے اور ''اصح'' یہ ہے کہ یہ (حدیث نہیں بلکہ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن آپ کا قول ہوتے ہوئے بھی اس کا حکم ''مرفوع'' کا حکم ہے۔ یعنی حدیث مرفوع ہوگئی۔ اس لئے کہ اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی وہ یہ ہے۔ اِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا بَلَغَ فِي النَّسَبِ اِلٰى عَدْنَانَ اَمْسَكَ وَ قَالَ كَذِبَ النَّسَّابُوْنَ قَالَ تَعَالٰى ''وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذَالِكَ كَثِيْرًا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان کرتے کرتے ''عدنان'' تک پہنچتے تو اس کے بعد آگے بتانے سے خاموش ہو جاتے۔ اور فرماتے نسب بیان کرنے والے جھوٹ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے درمیان بہت قرن (صدیاں) ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس (عدنان) سے اگلے حضرات کا علم عطا کرنا چاہتا تو ضرور عطا کر دیتا۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ازلیت سابقہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سبق نبوت'' سے مشرف فرمایا۔ یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کے ایجاد سے متعلق ہوا تو اس نے ''حقیقت محمدیہ'' کو ''محض نور'' سے ظاہر فرمایا اور یہ اس کے بعد موجود ہونے والی تمام کائنات سے پہلے ہوا۔ پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' سے تمام عالم بنائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ''سبق نبوت'' سے آگاہ کیا۔ اور آپ کو آپ کی ''عظیم رسالت'' کی خوش خبری سنائی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود نہ تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام ارواح کے چشمے پھوٹے۔ پس ملأ اعلیٰ میں تمام عالمین کا ''اصل ممد'' ظاہر ہوا۔

جناب کعب احبار کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ایسی مٹی لائیں جو تمام زمین کا قلب (دل) ہو۔ پس جبرئیل امین فردوس اور رفیع اعلیٰ کے فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف اترے اور جہاں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے۔ اس جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔ اصل میں اس مٹی کا محل اور جگہ وہ تھی جہاں کعبہ شریف موجود ہے۔ لیکن جب طوفان نوح آیا تو وہاں سے یہ مٹی مدینہ منورہ آ گئی۔ اس مٹھی بھر مٹی کو ''تسنیم'' کے پانی سے گوندھا گیا۔ پھر اسے جنت کی نہروں میں ڈبو دیا گیا۔ حتی

کہ ایک سفید موتی کی طرح ہوگئی۔ پھر اس کو لیکر عرش و کرسی کے گرد فرشتوں نے طواف کیا۔ آسمانوں اور زمینوں کے چکر لگائے۔ دریاؤں اور سمندروں کے گرد چکر لگائے۔ پس فرشتوں نے اور تمام مخلوقات نے ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا۔ یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور پہچان سے بہت پہلے ہوئی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے عرش کے پردوں میں "نور محمدی" دیکھا اور آپ کا اسم گرامی ان پردوں پر لکھا دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ تو آپ نے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا یہ نبی تمہاری اولاد میں سے ہیں۔ ان کا آسمانوں میں نام "احمد" اور زمین میں "محمد" ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ ہی میں آسمان، زمین پیدا کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے آپ کو وسیلہ بنا کر سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔ تو ان کو معاف کر دیا گیا اور جب حضرت آدم علیہ السلام "مٹی" تھے تو ان سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الگ کیا گیا۔ اور نبوت عطا کی گئی۔ پھر تمام انبیاء سے قبل آپ سے عہد لیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آدم کی مٹی میں واپس رکھ دیا گیا۔ پھر آدم علیہ السلام جو ابھی مٹی تھے۔ اس میں روح پھونکی گئی۔ پھر ان سے ان کی اولاد نکالی گئی۔ تاکہ ان سے "میثاق" لیا جائے۔ پس ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مخلوق میں سے "مقصود" ہیں۔ ان کے عقد کا واسطہ بھی آپ ہی ہیں اور رسولوں کے رسول بھی آپ ہی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں گے لہٰذا آپ کی رسالت قیامت تک تمام مخلوق کیلئے عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن تمام پیغمبر آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ان کی پیشانی میں چمکا۔ پھر آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ آدم علیہ السلام نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو فرشتوں نے اسے روک دیا اور کہا کہ اس وقت اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھیں۔ ایک روایت میں تین مرتبہ اور دوسری روایت میں بیس مرتبہ مذکور ہے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتارنے سے اللہ تعالیٰ کا صرف یہ ارادہ ہوتا کہ زمین پر وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موجود دیکھنا چاہتا ہے۔ جن کے ظہور کا وقت اس آخری اور بہترین امت میں ہوا تو اتنا ہی کافی تھا۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت حوا کے بطن سے چالیس بچے پیدا

ہوئے۔ ہر مرتبہ دو بچے ہوتے جن میں ایک مذکر اور دوسرا مونث ہوتا۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ ان کی اکیلے پیدائش یہ بتانے کیلئے تھی کہ یہی اپنے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت وعلم کے وارث ہیں۔ اسی لئے ''نور محمدی'' ان کی طرف منتقل ہوا۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وہی وصیت کی جو حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں کی تھی وہ یہ کہ اس نور کو صرف انہی عورتوں میں رکھنا جو پاکیزہ ہوں۔ پھر یہی وصیت لگا تار آگے چلتی رہی حتیٰ کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کا دور آ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف کو جاہلیت کی قباحتوں سے پاک رکھا اور جاہلیت کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ یہ ''نور محمدی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کی پیشانی پر خوب چمکا۔ اس کی برکت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جب ''اصحاب فیل'' نے مکہ شریف پر حملہ کرنے اور اسے برباد کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل کا وقت قریب آن پہنچا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر ابابیل پرندے بھیجے جو سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ ان پرندوں نے مکہ شریف پہنچنے سے قبل ہی ان کو ہلاک کر دیا۔ صرف ایک ان میں سے باقی بچا تاکہ وہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی کرامت اور ارہاص کے بارے میں بتائے۔

پھر یہی ''نور'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی پیشانی میں رکھا۔ آپ کے والد گرامی وہ ''ذبیح'' ہیں جن کے ذبح کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ''فدیہ'' قبول فرمایا۔ ہوا یوں کہ ان کے والد جناب عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کیلئے ان کو ذبح کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں زمزم کے کنویں کا راستہ بتایا کیونکہ وہ بے نشان ہو گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ''نور محمدی'' کی برکت سے انہیں ذبح سے بچالیا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد جناب عبداللہ کی طرف بذریعہ الہام یہ پیغام پہنچایا کہ ان کی قربانی کے بدلہ میں وہ ایک سو اونٹ ذبح کریں جب ان کا فدیہ ادا کر دیا گیا تو ایک عورت نے ان کا وہ نور دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو ان کی زوجیت کیلئے پیش کیا اور وہ سو اونٹ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ جو آپ کے فدیہ میں ذبح کئے گئے تھے۔ جناب عبداللہ نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ وہ اس بارے میں اپنے والد سے مشورہ کریں گے۔ اس کے بعد آپ کے والد محترم آپ کو ساتھ لیکر وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جو اس وقت بنو زہرۃ قبیلہ کے سردار اور سب سے زیادہ شریف شخصیت تھے۔ اس نے اسی وقت اپنی بیٹی آمنہ کی شادی جناب عبداللہ سے کر دی۔ جو قریش میں افضل ترین عورت تھیں۔ شادی کے بعد ہم بستری

ہوئی۔تو فوری طور پر سیدہ آمنہ "سید الخلق" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاملہ ہو گئیں۔اس وقت وہ "نور عظیم" جناب عبداللہ سے جدا ہو گیا۔اس کے بعد حضرت عبداللہ نے پہلے پیشکش کرنے والی عورت کی طرف پیغام بھیجا لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ نور جس کو میں اپنی گود میں منتقل کرنے کی امید لگائی بیٹھی تھی۔اب وہ تم سے الگ ہو گیا ہے اس لئے میں اب تمہاری پیشکش قبول نہیں کرتی۔

جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے رحم میں جلوہ فرما ہوئے وہ جمعہ کی رات تھی۔ رجب المرجب کا مہینہ تھا۔اس رات آسمانوں اور زمینوں میں یہ ندا کی گئی۔اِنَّ النُّوْرَ الْمَکْنُوْنَ الَّذِیْ مِنْهُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتَقِرُّ اللَّیْلَةَ فِیْ بَطْنِ آمِنَةَ وَ یَخْرُجُ لِلنَّاسِ بَشِیْراً وَ نَذِیْراً۔جس مخفی نور سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنائے گئے وہ نور آج رات آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہو گیا اور لوگوں کیلئے بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے گا۔جنت کے دربان "رضوان" کو حکم دیا گیا کہ وہ "فردوس" کا دروازہ کھول دے۔اس رات ہر چار پائے نے قریش سے کلام کرتے ہوئے بتایا کہ آج کی رات وہ مبارک رات ہے جس میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہو چکے ہیں۔رب کعبہ کی قسم! آپ دنیا کے امام اور اہل دنیا کے چراغ ہیں۔دنیا کے ہر ایک موجود بادشاہ کا تخت اس رات کی صبح کو الٹا پڑا ہوا دیکھا گیا۔اور ہر بادشاہ اس دن گونگا ہو گیا۔جس کی وجہ سے کوئی بات نہ کر سکا۔مشرق کے وحشی جانور مغرب کے وحشی جانوروں کی طرف خوش خبری دینے کیلئے دوڑے۔اسی طرح دریاؤں اور سمندروں میں رہنے والی مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی مبارک دی۔آپ کی والدہ ماجدہ نے نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا۔"أَشَعُرْتِ اَنَّکَ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَنَبِیِّهَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس امت کے آقا و سردار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے شکم میں جلوہ فرما چکے ہیں؟ آپ کی والدہ نے بارہا دیکھا کہ ان (والدہ) سے ایک نور ظاہر ہوا جس کیلئے مشرق و مغرب چمک اٹھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکم آمنہ رضی اللہ عنہا میں تشریف رکھے چھ ماہ گزر گئے۔تو سیدہ آمنہ کے پاس خواب میں ایک آنے والا آیا۔اس نے انہیں اپنے پاؤں سے معمولی سی ٹھوکر لگا کر بتایا کہ تم سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہو اور ان کا اسم گرامی تم نے "محمد" رکھنا ہے۔اور ان کے بارے میں کسی کو مطلع نہیں کرنا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا بہت بوجھ محسوس کیا لیکن روایات مشہورہ میں ہے کہ دوران حمل سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

کو آپ کا کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا۔ دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ جن میں بوجھ محسوس ہونے کی بات ہے اس سے مراد حمل کے ابتدائی ایام میں ایسا ہوتا ہے اور جن میں نفی ہے ان سے مراد حمل کے آخری دنوں میں ہے تا کہ عام حمل اور حاملہ عورت کی دوران حمل عادت کے خلاف اسے قرار دیا جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام امور خارق عادت (خلاف عادت) تھے۔ اس طرح ایک روایت میں آیا ہے حضور کی ولادت باسعادت حضرت آمنہ کے ہاں پیدا ہونے والا پہلا واقعہ تھا۔ بعض میں ہے کہ پہلا واقعہ نہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی پیدائش سے قبل آمنہ نے کسی بچے کو جنم نہیں دیا تھا۔ ان دونوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ جس میں پہلے بھی بچہ جننے کی بات ہے اس سے مراد نا تمام بچہ پیدا ہوتا ہو گا اور جن میں نفی ہے ان سے مراد مکمل بچے کی ولادت ہے۔

ایک روایت میں ہے جو مشہور ترین روایت ہے کہ آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا انتقال آپ کے حمل کے دوران ہی ہو گیا تھا۔ یہی اکابر حضرات کا موقف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ نو ماہ سے زیادہ والدہ کے شکم میں رہے لیکن اس کے خلاف (یعنی پورے نو ماہ رہنا) زیادہ صحیح ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے دوران حمل ایسی بہت سی باتیں دیکھیں۔ جو آپ کی اعلیٰ قدر و منزلت پر دلالت کرتی تھیں۔ ایسی باتیں اور ایسی کرامات کا ذکر اخبار متواترہ سے ملتا ہے۔ عجیب و غریب نشانیاں دیکھیں۔ یہ سلسلہ مدت حمل مکمل ہونے تک جاری رہا۔ اور اس نور پاک سے موجودات کے چمک حاصل کرنے تک رہا۔ پھر وہی کیفیت آن پہنچی جو ولادت کے وقت عورتوں پر ہوا کرتی ہے۔ اس تکلیف کا کسی کو علم نہ تھا۔ اس وقت سیدہ آمنہ نے ایک ڈرانے والی آواز سنی۔ پھر کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سفید رنگ کے پرندے نے اپنے پروں کو آپ کے دل پر پھیرا۔ پس آپ کا خوف جاتا رہا۔ پھر دیکھا تو ایک سفید رنگ کا برتن نظر آیا جس میں دودھ تھا۔ آپ کو پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ آپ نے وہ نوش فرما لیا۔ پھر سیدہ آمنہ نے کھجور کی مانند لمبی پتلی دراز قد عورتیں دیکھیں۔ انہیں دیکھ کر بہت متعجب ہوئیں۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ ہمارا نام آسیہ اور مریم ہے اور یہ ہمارے ساتھ "حور العین" ہیں۔ پھر درد بڑھ گیا اور آپ نے دوبارہ وہی ڈراؤنی آواز سنی۔ دیکھا تو ایک سفید رنگ کا ریشم زمین و آسمان کے درمیان بچھایا گیا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ اسے لوگوں کی نظروں سے چھپا لو۔ سیدہ آمنہ نے ہوا میں کچھ مرد کھڑے دیکھے۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے ہیں۔ ان سے قطرے ٹپک رہے ہیں جو مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ آپ نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو آپ کی طرف بڑھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے حجرہ کو ڈھانپ لیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ اس وقت سیدہ

آمنہ نے زمین کا چپہ چپہ دیکھا انہیں تین جھنڈے دکھائی دیئے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا تھا۔ آپ کو دردزہ ہوا تکلیف سخت تھی۔ اس وقت آپ گویا ان عورتوں کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں۔ ان کی کافی تعداد تھی گویا وہ گھر کی عورتیں تھیں۔ اب سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت رات کے وقت ہوئی لیکن ایک روایت کے مطابق دن کو ہوئی۔ ان دونوں روایات میں مخالفت نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ولادت باسعادت صبح کے فوراً بعد ہوئی ہو۔ (لہٰذا رات بھی من وجہ تھی اور صبح بھی) آپ ان کمالات سے موصوف پیدا ہوئے جو آپ کے عظیم کمال کے لائق تھے اور اعلیٰ سیادت کیلئے ضروری تھے۔ ان اوصاف میں سے چند یہ ہیں۔ آپ کی ولادت کے ساتھ نہ کوئی خون نکلا اور نہ ہی کسی اور قسم کی گندگی آپ کے ساتھ باہر آئی۔ بوقت ولادت ایک نور دیکھنے میں آیا جس نے کمرے اور مکان کو منور کر دیا تھا۔ ستارے جھک کر قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہاں موجود لوگوں نے سمجھا کہ شاید ان پر ستارے گر پڑیں گے۔ آپ کی دایہ نے کسی کہنے والے سے سنا۔ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ۔ پھر ایک نور بلند ہوا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان تمام جگہ روشن ہو گئی۔ اور آپ جب دنیا میں تشریف لائے تو دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کے بل تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی نظر پاک آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ زمین پر تھے اور سرانور آسمان کی طرف بلند تھا۔ جب آپ اپنی والدہ سے الگ ہوئے تو آپ کی والدہ سے ایک نور نکلا۔ ایک روایت کے مطابق ''شعلہ'' نکلا۔ جس سے مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہو گئی۔ خاص کر شام اور اس کے محلات چمک اٹھے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسہٖ وہاں تشریف لے جائیں گے۔ اور ''اسراء'' اسی طرف ہو گا۔ پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف تشریف لے جائیں گے اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ شام آپ کا ''دارالملک'' ہوگا۔ جیسا کہ ایک اثر میں وارد ہے اور یہ کہ شام وہ علاقہ ہے جس کی طرف حضرات انبیاء کرام ہجرت فرمائیں گے۔ اور یہ کہ ہر پیغمبر یا تو اس کا رہنے والا ہوگا یا اس کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ یہی حشر و نشر کی زمین ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَیْکُمْ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خَیْرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ یُجْتَبٰی اِلَیْهَا خَیْرَتُهٗ مِنْ عِبَادِهٖ۔ ملک شام کو ضرور جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین سے بہترین حصہ ہیں۔ اس کے لئے اس کے بندوں میں سے

بہترین بندے چنے جائیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر لٹکا دیئے۔ پھر مٹی کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر انور بلند کیا۔ مٹی کا مٹھی بھرنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ہی زمین کے مالک و بادشاہ ہیں اور آپ اس کی مٹی کو دشمنان خدا پر پھینکیں گے۔ جس سے وہ شکست کھا جائیں گے پھر غزوہ بدر اور حنین میں ایسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کی مٹھی بھری اسے دشمن کی طرف پھینکا۔ تو ان میں سے ہر ایک تک وہ پہنچی۔ (ان کی آنکھوں میں جا پڑی) جس سے وہ ذلیل ہو کر شکست کھا کر بھاگ گئے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے مٹی کی مٹھی بھری اور سجدہ کرنے جھک گئے۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ کو بوقت ولادت عام پیدا ہونے والے بچوں کی طرح پتھر کی ہانڈی کے نیچے رکھا گیا۔ جو اس دور کی عادت تھی۔ تو آپ کی وجہ سے وہ پتھر کی ہانڈی ٹوٹ گئی۔ آپ نے فوراً آنکھ کھولی اور آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ اپنا انگوٹھا چوستے تھے۔ تو اس سے دودھ نکلتا تھا۔ سفید بادل آسمان سے نازل ہوا۔ جو آپ کو آپ کی والدہ کی نظروں سے تھوڑے وقت کیلئے دور لے گیا۔ پھر آپ کی والدہ نے کسی کہنے والے کی آواز سنی۔ جو کہہ رہا تھا۔ طُوْفُوْا بِمُحَمَّدٍ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا وَاَدْخِلُوْهُ فِي الْبِحَارِ كُلِّهَا لِيَعْرِفَهُ جَمِيْعُ مَنْ بِهَا بِاِسْمِهٖ وَ نَعْتِهٖ وَ صِفَتِهٖ وَ يَعْرِفُوْا بَرَكَتَهُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین کے مشرق و مغرب میں لیکر پھر و اور انہیں دریاؤں سمندروں میں لے کر جاؤ تا کہ وہاں کی مخلوق آپ کے اسم، نعت اور صفت سے واقف ہو جائیں اور آپ کی برکت کا انہیں عرفان ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سفید بادل آپ سے ہٹ گیا۔ اس وقت آپ اون کے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ آپ کے جسم اطہر کے نیچے سبز رنگ کا ریشمی کپڑا تھا۔ اور آپ نے اپنے دست اقدس میں سفید موتی کی بنی تین کنجیاں پکڑ رکھی تھیں۔ اس وقت کسی کہنے والے نے کہا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدد، ذکر اور نبوت کی کنجیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت آمنہ نے اس کے بعد پہلے سے بڑا ایک اور بادل دیکھا جس میں سے انہیں گھوڑے کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ مردوں کی گفتگو بھی سنائی دے رہی تھی۔ حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ ان کی بے ہوشی کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غائب کر دیا گیا اور اس مرتبہ آپ پہلی مرتبہ کی بہ نسبت زیادہ دیر تک غائب رہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو یہ

کہہ رہا تھا۔ طُوْفُوْا بِمُحَمَّدٍ جَمِیْعَ الْاَرْضِیْنَ وَ عَلَی النَّبِیِّیْنَ وَالْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام زمینوں، پیغمبروں، جن وانس اور فرشتوں پر پھراؤ۔ پھر بادل ہٹ گیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبز رنگ کے ریشم پر ہیں جو مضبوطی سے آپ پر لپیٹا گیا ہے۔

اس سے میٹھا پانی نکل رہا ہے اور ایک کہنے والا یہ کہہ رہا ہے۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ زمین کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو آپ کے قبضہ میں اپنی خوشی سے نہ آئی ہو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ الْقَادِرِ عَلٰی مَایُرِیْدُ۔ اس کے بعد آپ کو تین فرشتوں نے ڈھانپ لیا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ تھا۔ دوسرے نے زمرد کا تھال اٹھا رکھا تھا اور تیسرے کے پاس سفید ریشم تھا۔ اس نے اسے بچھایا جس سے ایسی انگوٹھی نکلی جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر آپ کو اس پیالہ کے پانی سے سات مرتبہ غسل دیا گیا۔ پھر آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان اس انگوٹھی سے مہر لگائی گئی اور ریشم میں لپیٹ کر فرشتہ نے اٹھا لیا اور اپنے پروں میں کچھ دیر کیلئے چھپایا پھر واپس رکھ دیا۔ اس روایت اور ایک اور روایت میں کوئی تعارض نہیں جس میں یہ آیا ہے کہ آپ مہر لگے پیدا ہوئے تھے۔ اور نہ ہی اس روایت سے تعارض ہے جس میں آیا ہے کہ آپ کو مہر اس وقت لگائی گئی تھی جب آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اور آپ اس وقت حضرت حلیمہ کے ہاں تھے۔ اس لئے کہ کئی مرتبہ مہر لگانے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ کیونکہ بار بار مہر لگانے سے آپ کی تعظیم، توقیر اور کرامت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ جس قدر بھی زیادہ ہو قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

یہودی اور عیسائی علماء کی ایک جماعت نے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل شب ولادت کی خبر دی اور ان تمام نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بنی اسرائیل کے ملک کا خاتمہ ہو جائے گا ان میں سے بعض آپ پر ایمان بھی لائے۔ ولادت باسعادت کی رات کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ جس سے زیادہ مضبوط اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اس میں دراڑیں پڑ گئیں اور اس کے چودہ کنگرے (چھوٹے چھوٹے مینار) گر پڑے۔ جو اس طرف اشارہ تھا کہ کسریٰ کے حکمرانوں میں سے چودہ آئیں گے۔ پھر تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان میں سے آخری حکمران نے حکومت کی اور پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس رات ایران کی آگ بجھ گئی۔ جس کی اہل ایران عبادت کیا کرتے تھے اور اس سے قبل دو ہزار سال تک وہ نہ بجھی تھی۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی آگ زیادہ ہوتی رہی۔ دن رات متواتر جلتی تھی۔ اس رات کسی ایرانی سے بہت کوشش کرنے کے باوجود اس کا معمولی سا

حصہ بھی نہ جل سکا۔ بحیرہ طبریہ خشک ہوگیا جس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ شب ولادت اس میں قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ اس کی جگہ ایک شہر بعد میں تعمیر کیا گیا جسے ''ساوہ'' کہتے ہیں۔ اس رات ان شیاطین کو دور پھینک دیا گیا جو آسمان پر جا کر باتیں چرایا کرتے تھے۔ ان پر شہاب برسائے گئے پھر دوبارہ ان کی وہاں تک رسائی نہ ہوسکی۔ جس کی وجہ سے ابلیس لعین آسمانی خبروں سے محروم ہوگیا اور وہ اس پر بہت رویا۔ جیسا اس وقت رویا تھا جب اس پر لعنت کی گئی تھی اور جب اسے جنت سے نکالا گیا تھا۔ ان اوقات کے علاوہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی اور جب آپ پر سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ تب وہ خوب رویا تھا۔

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور کٹی ہوئی ناف کی حالت میں پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھنے کے اسباب میں سے جو آپ کے دادا عبدالمطلب نے رکھا ایک سبب یہ بھی ہے جس کی یوں روایت کی گئی ہے کہ جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ گویا سونے کی زنجیر ان کی پشت سے نکالی گئی ہے جس کی ایک طرف آسمان میں اور دوسری زمین پر تھی۔ اور ایک طرف مشرق اور ایک مغرب میں تھی۔ وہ پھر سکڑ گئی۔ اور ایک درخت کی مانند ہوگئی۔ جس کے ہر پتہ پر ''نور'' تھا اور پھر دیکھا کہ تمام مشرق و مغرب والے اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس خواب کی انہیں یہ تعبیر بتائی گئی کہ تمہاری پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی اتباع مشرق و مغرب والے سبھی کریں گے۔ اور زمین و آسمان والے اس کی ''حمد و نعت'' کہیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کون سے مہینہ میں ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ تاریخ کیا تھی؟ اس بارے میں چند اقوال موجود ہیں۔ لیکن اس بات پر تمام متفق ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت کا دن ''پیر'' ہے۔ اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کا مہینہ ''ربیع الاول'' ہے۔ اور تاریخ کے بارے میں بھی مشہور قول یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تھی۔ اور بہت سے متقدمین آئمہ اور حفاظ کا کہنا ہے کہ تاریخ آٹھ تھی۔ اور جائے پیدائش کے بارے میں درست اور صحیح یہ ہے کہ آپ مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ کسی اور مقام کو آپ کی پیدائش گاہ قرار دینا جائز نہیں۔ اور مکہ شریف میں آپ کی ولادت باسعادت جس جگہ ہوئی۔ اسے ''سوق اللیل'' کہا جاتا تھا۔ اب وہاں مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ جسے رشید کی والدہ خیزران نے وقف کر دیا تھا۔ (لیکن اب صرف اپنے آپ اور اپنی ہاں میں ہاں ملانے والوں کو مسلمان سمجھنے والے ''سعودیوں'' نے اس جگہ

''لائبریری'' بنائی ہوئی ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے دودھ پلانے والی عورت کا نام ''ثویبہ'' ہے جو آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی۔ اس سے اسے اس وقت آزاد کر دیا تھا جس وقت اس نے آ کر یہ خوشخبری دی تھی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس خوشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی ہر سوموار کی رات اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ یہ صلہ اسے اس بات کا دیا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی ایک اور چچا ابوطالب کا عذاب بہت ہلکا کر دیا گیا ہے کیونکہ اس نے آپ کی بچپن میں تربیت کی تھی۔ اس تربیت کا یہ صلہ دیا گیا۔ ایک روایت ہے کہ ابولہب نے اپنی لونڈی ''ثویبہ'' کو خوش خبری دینے پر آزاد نہیں کیا تھا بلکہ ان کی آزادی ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔ اس صورت میں ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے حکم سے ''ثویبہ'' نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا جس کا صلہ اسے ''تخفیف عذاب'' کی صورت میں دیا گیا۔

ان کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ بعد میں جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کیلئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ یونہی ان کے خاوند ''سعدی'' اور ان کی بیٹی ''شیماء'' کی آمد کے وقت بھی آپ چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ''شیماء'' نے اپنی والدہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں کافی ہاتھ بٹایا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ اپنی قوم کی عورتوں کے ساتھ مکہ کی طرف آئیں۔ اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ اسے مکہ سے کسی امیر کا بچہ دودھ پلانے کیلئے مل جائے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم ہونے کی وجہ سے قبول کرنے پر کوئی عورت تیار نہ ہوئی۔ صرف حضرت حلیمہ نے آپ کو دودھ پلانے کی حامی بھری۔ وہ بھی پہلے چھوڑ کر کوئی اور بچہ تلاش کرنے لگی تھیں۔ لیکن اور کوئی نہ ملا تو آپ کے در اقدس پر آ گئیں۔ آپ کو دیکھا کہ آپ سفید رنگ کے اون کے کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں۔ جس سے مشک کی سی خوشبو آ رہی ہے۔ اور آپ کے نیچے سبز رنگ کا ریشم بچھا ہوا ہے۔ آپ اپنی پشت کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ اور ڈھانپے ہوئے ہیں۔ آپ کو جگانے سے ذرا ہیبت محسوس کی۔ پھر حلیمہ نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر رکھا۔ آپ اس پر ہنس پڑے۔ آنکھیں کھولیں جن سے نور نکلا۔ حتیٰ کہ وہ نور آسمانوں کے اندر چلا گیا۔ سیدہ حلیمہ نے آپ کو چوما اور اپنا دایاں دودھ پینے کیلئے پیش کیا آپ نے اس سے پیا۔ پھر آپ کو

بائیں جانب کا دودھ پلانے کیلئے بائیں طرف کیا تو آپ نے دودھ پینے سے انکار کر دیا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف الہام کیا۔ کہ "عدل" کا تقاضا یہی ہے کہ آپ صرف دائیں جانب کا دودھ پئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ کے ساتھ ایک اور بچہ بھی ہے جو دودھ پینے میں آپ کا ساتھی ہے۔ اور وہ حضرت حلیمہ کا اپنا بیٹا تھا۔ تو آپ نے بایاں دودھ اپنے بھائی کیلئے چھوڑ دیا اس وقت حضرت حلیمہ اور ان کی اونٹنی کو بہت پیاس لگی ہوئی تھی اور بہت کمزور تھی اور کمزوری کی وجہ سے حضرت حلیمہ کے ہاں دودھ بھی تھوڑا تھا۔ لیکن جونہی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لیا اور اپنا دودھ آپ کو پیش کیا تو اس قدر وافر مقدار میں دودھ آ گیا۔ جسے آپ نے اور آپ کے بھائی نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ ادھر ان کی اونٹنی کو دوہا گیا تو اس رات اس نے اتنا دودھ دیا جس سے تمام اہل خانہ خوب سیر ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت حلیمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو بلایا اور رخصت مانگی۔ سیدہ آمنہ نے آپ کو الوداع کہا۔ حضرت حلیمہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئیں اور آپ حضرت حلیمہ کے سامنے تھے حلیمہ کیا دیکھتی ہیں کہ اونٹنی نے کعبہ کی جانب تین مرتبہ جھک کر سجدہ کیا۔ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ جب حضرت حلیمہ اپنی قوم کے ساتھ مکہ سے باہر نکلیں تو ان کی اونٹنی سب سے آگے آگے چلنے لگی۔ حالانکہ اس سے قبل اس کی حالت یہ تھی کہ بیٹھتی تو اٹھ نہ سکتی تھی۔ عورتوں نے کہا یہ اونٹنی وہ نہیں جو تمہارے پاس پہلے تھی۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا اور پہچانا کہ یہ تو بالکل وہی پہلے والی اونٹنی ہے تو کہنے لگیں اس کی واقعی شان ہے۔ خود حضرت حلیمہ سنتی تھیں کہ اونٹنی یہ کہہ رہی ہے۔ یقیناً میری شان ہے، میری عظیم شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت کے بعد زندگی بخشی کاش تم جانتیں کہ میرے اوپر کون تشریف فرما ہیں۔ وہ ہیں جو تمام پیغمبروں سے بہتر اور اولین وآخرین کے سردار ہیں۔ جب یہ عورتیں اپنی اپنی منزلوں پر پہنچیں تو ان دنوں زمین خشک ہو چکی تھی۔ (کیونکہ کافی عرصہ سے بارش نہ ہوئی تھی) لیکن اس کے باوجود حضرت حلیمہ کی بکریاں جب چر کر واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے۔ اور دوسروں کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا حالانکہ سبھی ایک ہی جگہ چرتیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدہ حلیمہ کے پاس دو سال گزر رہے تو وہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لائیں۔ اور کافی دن یہیں قیام کیا۔ پھر جب واپس ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ساتھ لے آئیں۔ اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاں دو ماہ قیام کیا۔ ایک مرتبہ آپ اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں بکریاں چرا رہے تھے۔ اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا

ہوا گھر آیا اور والدین سے کہنے لگا۔ میرے قریشی بھائی کو بچالو۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ دونوں نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ دو آدمی آئے تھے۔ جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے مجھے زمین پر لٹالیا۔ پھر میرا پیٹ (سینہ) پھاڑا۔ یہ سن کو دونوں ڈرے۔ اور فوراً آپ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لے آئے۔ سیدہ آمنہ نے ان سے پوچھا کیا ہوا اتنی جلدی واپس کررہے ہو حالانکہ تم دونوں اس کو اپنے ہاں رکھنے پر بہت اصرار کرتے تھے؟ جب آپ کی والدہ نے اصل بات بتانے پر اصرار کیا تو حضرت حلیمہ اور ان کے خاوند نے بتایا کہ فلاں فلاں بات ہوئی ہے سن کر آپ کی والدہ بولیں کیا تم ان کے بارے میں شیطان سے ڈرتے ہو؟ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں۔ شیطان کو ان پر قطعاً دسترس نہیں۔ میرے اس بیٹے کی شان عظیم ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اقدس اس وقت بھی چاک کیا گیا جب آپ کی عمر دس سال تھی۔ پھر بعثت مبارکہ کے وقت اور پھر معراج شریف کے وقت سینہ مبارک شق کیا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر دور یعنی بچپن، بلوغ اور بعثت واسراء کا دور ہر اعتبار سے مکمل اور آپ کے ساتھ مخصوص ہو جائے اور جو آپ کی شایان شان ہے اس کے مطابق ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دور کے بعد ملنے والے کمالات کیلئے تیار ہو جائیں۔ وہ کمالات جن کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا یہ (چند مرتبہ سینہ شریف کا شق کیا جانا) اس بات کے منافی نہیں کہ آپ تو شروع سے ہی ظاہری اور باطنی حالات میں کامل و مکمل بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت حلیمہ کے ہاں تشریف فرما تھے تو اس دوران آپ جب بکریوں کی طرف تشریف لے جاتے تو بادل آپ پر سایہ کرتے تھے۔ جب آپ ٹھہرتے تو بادل بھی رک جاتا اور جب چلتے تو بادل بھی ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ آپ جب بچپن میں پنگھوڑے میں تھے تو چاند سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ اور اپنی انگلی سے جب اس کی طرف اشارہ کرتے تو جدھر انگلی اٹھتی ادھر ہی چاند پلٹ جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس (چاند) سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے روکتا تھا۔ اور میں اس کی آواز سنتا تھا جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولادت باسعادت کی ابتدائی دنوں میں گفتگو فرمائی۔ آپ کا پنگھوڑا فرشتوں کے ہلانے سے حرکت کرتا تھا۔ سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب پہلی مرتبہ میں نے آپ کا

دودھ چھڑایا تو آپ نے یہ الفاظ کہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَ اَصِيْلًا۔ جب آپ کی عمر شریف چار برس ہوئی۔ بعض نے زیادہ کہی ہے۔ تو آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے واپس مکہ آ رہی تھیں۔ مدینہ منورہ اس لئے تشریف لے گئی تھیں تا کہ آپ کے دادا جناب عبدالمطلب کے ماموں سے ملاقات ہو جائے۔ جو بنو نجار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ راستہ میں جب ان کا انتقال ہوا۔ تو وہیں ''فرع'' کے نزدیک ایک گاؤں ''ابواء'' میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے ''ام ایمن'' واپس لائیں۔ جو آپ کی دائی، دودھ پلانے والی ماں اور تربیت کرنے والی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ''ام ایمن'' آپ کے والد کی میراث تھیں یا آپ کی والدہ کی میراث تھیں۔ یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ھبہ کی تھیں۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ ''جحون'' میں مدفون ہوئیں۔ اس کی بہت سی روایات گواہی دیتی ہیں۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پاک آٹھ سال ہوئی اس سے کم و بیش بھی کہی گئی ہے۔ تو آپ کے دادا عبدالمطلب ایک سو بیس سال یا ایک سو چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انہیں ''حجون'' میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا اور آپ کے والد عبداللہ کے جڑواں بھائی ابو طالب نے کی جس کی جناب عبدالمطلب انہیں وصیت کر گئے تھے۔ جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب آپ ''بصریٰ'' پہنچے۔ تو آپ کو ''بحیرا'' راہب نے پہچان لیا۔ اس نے لوگوں کو آپ کی صفات، آپ کی نبوت کی صفات، رسالت اور ختم نبوت کے بارے میں بتایا۔ نبوت کی مہر آپ کے کندھوں کے درمیان تھی۔ وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ پھر اس نے آپ کے چچا ابو طالب کو قسم دلائی کہ وہ آپ کو واپس لے جائے کیونکہ آپ کے بارے میں اسے یہود سے خطرہ تھا۔ جب سات یہودی آپ کو شہید کرنے کیلئے آگے بڑھے تو ''بحیرا'' ان کے سامنے رکاوٹ بن گیا۔ یہودیوں نے اسے بتایا کہ ہمارے ساتھی دوسرے یہودی ہر راستہ میں گھات لگائے بیٹھے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینہ میں تشریف لائیں گے۔

''بحیرا'' نے جو کرامات دیکھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ایک سفید رنگ کا بادل آپ پر سایہ فگن رہتا اور یہ کہ جب آپ ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے تو اس کی ٹہنیوں نے جھک کر آداب بجا لایا۔ پھر جب حضور ﷺ کی عمر شریف بیس برس کی ہوئی تو آپ دوسری مرتبہ شام کی طرف تجارت کی غرض سے تشریف لائے اس وقت آپ کے ساتھ ابو بکر بھی تھے۔ بحیرہ کو انہوں نے پوچھا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ کہنے لگا۔ بخدا آپ نبی ہیں۔ جب پچیس برس کی عمر ہوئی۔ آپ پھر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ حضرت خدیجہ کیلئے سامان تجارت خریدنے تشریف لائے تھے۔ اور آپ کے ساتھ اس مرتبہ حضرت خدیجہ کا غلام ''میسرہ'' بھی تھا۔ اس نے دو فرشتوں کو دیکھا جو آپ کو سورج کی دھوپ سے بچانے کیلئے سایہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے بھی اس بات کا آپ کی واپسی پر نظارہ کیا۔ اس سفر سے واپس آ جانے کے تقریباً تین ماہ بعد آپ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوگئی۔ حضرت خدیجہ کی اس وقت عمر چالیس سال تھی۔ انہوں نے آپ سے شادی کی خود پیشکش کی تھی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس برس کی ہوئی۔ تو قریش نے کعبہ کی تعمیر جدید کی۔ آپ ہی کی وہ شخصیت تھی جس نے حجر اسود کو دوبارہ اس کی جگہ رکھا۔ پھر جب آپ چالیس برس کے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ بَارَکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ تَابِعِیْھِمْ اَفْضَلَ صَلٰوۃٍ وَ سَلَامٍ وَ اَفْضَلَ بَرْکَۃٍ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِ اللّٰہِ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِ اللّٰہِ اَبَدَ الْآبِدِیْنَ وَ دَھْرًا الدَّاھِرِیْنَ – وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

علامہ شریف سید احمد بن عبد الغنی بن عمر عابدین دمشقی

متوفی ۱۳۰۷ھ ان کے چچا امام علامہ خاتمۃ المحققین سید محمد عابد صاحب حاشیہ درمختار متوفی ۱۲۵۲ھ اور آپ علامہ سید ابوالخیر آفندی عابدین کے والد ہیں جو شام میں حنفی علماء میں سرکردہ تھے۔

جوہرا: سید احمد عابدین مذکور رضی اللہ عنہ نے علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کی میلاد النبی پر لکھی گئی کتاب جوانہوں نے اپنی ہی تصنیف مسمّی ''نعمۃ الکبریٰ'' کے خلاصہ کے طور پر لکھا۔ کی شرح کی ہے۔ علامہ ابن حجر مذکور کی کتاب کا تذکرہ ان کے خطبہ میں درج ہے۔ علامہ موصوف کی مذکورہ مختصر کتاب کی بعض علماء نے شروحات لکھیں۔ جن میں سے ایک علامہ شیخ محمد داؤدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ لیکن ان شروحات میں سے زیادہ بسط وزیادہ نفع والی شرح وہ ہے جسے سید احمد عابدین مذکور نے لکھا۔ جس کا نام ''نثر الدرر علی مولد ابن احجر'' ہے۔ جو چونتیس دستوں پر مشتمل ہے۔ ہر دستہ میں درمیانہ درجہ کے دس اوراق ہیں۔ اس میں موصوف نے ایسے فوائد لکھے جن سے دل باغ باغ ہو جاتا۔ اور طبیعت کھل اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں (علامہ نبہانی) اب ذیل میں اس کی ایسی باتیں تحریر کر رہا ہوں۔ جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ وہ باتیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات سے متعلق ہیں۔ ان میں سے چند فوائد وہ ہیں۔ جو علامہ سید احمد عابدین نے اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

وَقَدْ اَحْبَبْتُ اَنْ اَذْكُرَ مُقَدَّمَةً فِي بَيَانِ اَوَّلِ مَنْ اَحْدَثَ قِرَاءَةَ الْمَوْلِدِ الشَّرِيفِ وَ بَيَانِ مَا تَشْتَمِلُ عَلَيْهِ وَ غَيْرِ ذَالِكَ فَاَقُوْلُ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَ بِيَدِهِ اَزِمَّةُ التَّحْقِيْقِ۔ مقدمہ میں نے پسند کیا کہ اس بارے میں ایک مقدمہ لکھوں اور اس میں یہ بیان کروں کہ مولد شریف کا پڑھنا سب سے پہلے کس نے شروع کیا۔ اور یہ بھی بیان کروں کہ یہ کن باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وغیر ذالک۔ اللہ تعالیٰ کی ہی توفیق اور اس کے قبضہ قدرت میں تحقیق کی باگ ڈور ہے۔

مقدمہ: — معلوم ہونا چاہئے کہ جس مہینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس میں مولد شریف کا عمل ''بدعت حسنہ'' ہی کی ایک قسم ہے اور اس کو جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا اس کا نام ملک مظفر صاحب اربل ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ملک مظفر

موصوف ربیع الاول میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل منعقد کیا کرتا تھا۔ محفل عظیم الشان ہوتی تھی۔ موصوف بھرے جسم والا، بہادر، پہلوان، عاقل اور عادل تھا۔ طویل عرصہ تک حکومت کی۔ بالآخر ۶۳۰ھ میں فرنگیوں کے محاصرہ میں ''عکا'' نامی شہر میں انتقال کیا۔ سیرت اور طبیعت کا عمدہ تھا۔

سبط ابن جوزی نے ''مرأۃ الزمان'' میں لکھا ہے کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے واقعات بیان کئے۔ جو ملک مظفر کی منعقد کردہ محافل میلاد میں سے بعض میں بذات خود موجود تھا۔ بیان کیا کہ میں نے ایک محفل میلاد میں پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر شمار کئے۔ دس ہزار مرغ پکائے گئے۔ ایک لاکھ پیالے اور تیس ہزار حلوے کے تھال تھے۔ محفل میلاد میں ملک مظفر کے ہاں مشہور علماء اور صوفیاء تشریف لاتے۔ موصوف انہیں خلعتیں عطا کرتا اور انعامات دیتا۔ محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔ جیسا کہ علامہ شیخ محمد شامی کی سیرت میں مذکور ہے۔ علامہ موصوف امام سیوطی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ کی شرح میں بھی ہے۔ جسے علامہ زرقانی نے تحریر کیا ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی حنفی کی تصنیف ''روح السیر'' میں ہے۔ کہ ابن دحیہ نے ۶۰۴ھ میں ملک مظفر کیلئے مولود شریف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''التنویر بمولد النبی البشیر'' رکھا۔ اس تصنیف پر ملک مظفر نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ اھ۔

علامہ ابن حجر الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ الکبریٰ'' میں لکھا ہے۔ کہ یہ شمس ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''مولد کبیر'' ہے۔ مصر اور شام کے لوگوں پر اس کتاب کی گراں قدر خدمات ہیں۔ اس کے مصنف نے ''برقوق'' میں سلطان مصر ۷۸۵ھ اور اس کے امراء کی طرف سے منعقد کی گئی ''قلعہ مصر'' میں محفل میلاد النبی میں شرکت کی۔ اور کھانا وافر مقدار میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ قرآن کریم کی تلاوت، فقراء، قراء اور نعت خوانوں کو احسانات سے نوازنا ان کو دیکھ کر انہیں حیرانی ہوئی۔ اور اس پر مزید یہ کہ سلطان موصوف نے دس ہزار مثقال سونا اس محفل پر خرچ کیا۔

دوسرے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ظاہر ابوسعید جقمق کے دور میں محفل میلاد پر اس سے زیادہ اخراجات اٹھتے تھے۔ اندلس اور ہندوستان کے حکمرانوں سے بھی ایسی روایات ملتی ہیں جو ان اخراجات کے قریب یا ان سے کچھ زیادہ خرچ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ امام ابوشامہ جو امام نووی کے شیخ ہیں۔ انہوں نے ملک مظفر کا میلاد النبی کی محفل پر بکثرت خرچ کرنے پر اس کی بہت تعریف کی۔ ایسے عظیم المراتب امام کی اس اچھے کام کی جو ولادت سعادت کی رات ہوتا تھا۔ تعریف کرنا اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ مولد النبی ﷺ کا عمل ''بدعت حسنہ'' ہے۔ خاص کر امام ابوشامہ نے اعلیٰ درجہ

کی یہ تعریف اپنی کتاب جس کا نام انہوں نے "البواعث علی انکار البدع والحوادث" رکھا میں ذکر کی ہے۔ اس عمل کی فضیلت اس وقت ہوگی جب یہ مفاسد (ناجائز کاموں) سے خالی ہو۔ امام ابوشامہ رضی اللہ عنہ کی عبارت یہ ہے۔

وَمِنْ اَحْسَنِ مَا ابْتَدَعَ فِيْ زَمَانِنَا مَا يُفْعَلُ كُلَّ عَامٍ فِي الْيَوْمِ الْمُوَافِقِ لِيَوْمِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ وَ اِظْهَارِ الْفَرَحِ وَ السُّرُوْرِ فَاِنَّ ذَالِکَ مَعَ مَافِيْهِ مِنَ الْاِحْسَانِ اِلَى الْفُقَرَاءِ مُشْعِرٌ بِمَحَبَّتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ تَعْظِيْمُهٗ فِيْ قَلْبِ فَاعِلِ ذَالِکِ وَ شُكْرُ اللّٰهِ عَلٰى مَا مَنَّ بِهٖ مِنْ اِيْجَادِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ فِيْهِ اِغَاظَةٌ لِلْكَفَرَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ۔ اھ۔

ہمارے دور کے نئے اور خوبصورت (از روئے شریعت) کاموں میں سے ایک وہ کام ہے جو ہر سال اس دن کیا جاتا ہے جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ (یعنی بارہ ربیع الاول) وہ کام کیا ہے۔ صدقات دینا، نیکیاں کرنا اور فرحت و سرور کا اظہار۔ ان میں جہاں ایک طرف فقراء پر احسان کرنا ہے تو دوسری طرف یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت بھی ہیں اور ان کاموں کو کرنے والے کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم دکھائی دیتی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا اس نعمت پر شکر ادا کرنا بھی پایا جاتا ہے جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما کر ہم پر کی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں کفار و منافقین کو غصہ دلانا بھی ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ یہی (یعنی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد بدعت حسنہ اور مذکور فوائد پر مشتمل ہے) ابو الطیب السبتی نزیل قوص کے ہاں "مختار" ہے۔ جو مالکی مذہب کے جلیل القدر عالم ہیں۔ اھ۔ حافظ ابوالخیر شمس الدین بن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وہ ابولہب جس کی مذمت کیلئے قرآن کریم کی آیات اتریں۔ اسے جہنم کی آگ میں اپنی انگلی کے پورے سے پینے کیلئے پانی دیا جاتا ہے اور ہر پیر کی رات اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس بات پر خوش ہو کر آزاد کر دیا تھا کہ اس نے آ کر ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی تو اس کے مقابلہ میں اس مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقعہ پر خوش ہوتا ہے اور اپنی بساط و ہمت کے مطابق خرچ کرتا ہے بخدا! اس کی جزاء اللہ کریم سے یہی ہے کہ وہ اسے اپنے فضل عمیم سے "جنت النعیم" میں داخل فرمائے۔

الحمدللہ! ہر دور میں مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا ضرور رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن نہایت اہتمام وشان سے مناتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس بابرکت عمل میں انہوں نے وسعت دے کر صرف بارہ ربیع الاول پر ہی موقوف نہ کیا بلکہ سال بھر ایسی محافل کا انعقاد واہتمام کرتے ہیں اور یہ سب کچھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اچھے اچھے کھانے پکائے اور کھلائے جاتے ہیں۔ اس کی راتوں میں صدقات وخیرات کئے جاتے ہیں۔ اس کے ذریعہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ خاص کر ''دولت عثمانیہ'' کے حکمران اور اس کے صاحب ہمت امراء (اللہ اس حکومت کو ہر آفت وپریشانی سے محفوظ رکھے) تو یہ بھی انتظام کرتے ہیں کہ ان محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا قصہ بیان کیا جائے۔ (یا لکھا ہوا پڑھا جائے) اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عام برکتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔

عمدۃ المحققین علامہ نور الدین علی حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انسان العیون فی سیرۃ الامین المأمون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں اور حضرت علامہ برھان ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح السیر'' میں ہم جو چند باتیں پچھلے اوراق میں تحریر کرآئے ہیں۔ ان جیسی تحریر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا واقعہ ذکر کرتے وقت حاضرین وسامعین کا کھڑا ہو جانا اس کے استحسان پر گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''امام محقق جناب ابوزرعہ عراقی رضی اللہ عنہ سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا یہ مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس بارے میں کوئی ثبوت ہے؟ اور کیا یہ فعل ایسے حضرات سے منقول ہے جو لائق اقتداء وتقلید ہوں؟

موصوف رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ ولیمہ کا انعقاد اور کھانا کھلانا ہر وقت ''مستحب'' ہے پھر جب ان باتوں کے ساتھ اس ماہ مبارک میں نور نبوت کے ظہور کی وجہ سے فرحت و سرور بھی شامل ہو جائے تو اس کے استحباب میں کیسے فرق آئے گا؟ ہم سلف صالحین سے اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے اور اس عمل کے ''بدعت'' ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ''مکروہ'' ہے۔ اس لئے کہ بہت سی بدعات ایسی ہیں جو مستحب بلکہ واجب ہیں۔ اھ۔

لہٰذا یہ (محفل میلاد النبی کا انعقاد) ''بدعت حسنہ'' ہے۔ امام سیوطی نے فرمایا۔ اور یہی ''مدخل'' میں ابن الحاج کے کلام کا مقتضٰی ہے۔ انہوں نے اس بارے میں جو مذمت کی ہے وہ ان کاموں کی ہے جو ان محافل میں ''غیر شرعی'' کئے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اس گفتگو سے پہلے صراحۃً لکھا

ہے کہ اس مبارک مہینہ میں خاص کر نیک کام اور صدقات و خیرات کی کثرت کرنی چاہیے اور ان کے علاوہ دوسری ایسی باتیں جو ثواب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ بکثرت ہونی چاہئیں اور ایسا ''میلاد'' واقعی مستحسن ہے۔ اھ۔

''مواہب لدینہ'' میں ہے۔ ابن حاج نے مدخل میں اس بات پر طویل تنقید اور انکار کیا جو لوگوں نے ''میلاد النبی'' کی محافل میں بدعات اھواء اور حرام آلات سے گانا شروع کر دیا ہے۔ اھ۔ سید احمد عابدین نے مذکورہ باتیں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔'' میں کہتا ہوں کہ اسی قبیلہ (مکروہات و بدعات) سے وہ باتیں بھی ہیں جو عوام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے سٹیج پر میلاد النبی کا قصہ پڑھنا اور وہ بھی گانے بجانے اور لہو ولعب کے طور پر پڑھنا اور پھر سر عام ایسا کرنا اور اس سے زیادہ قبیح یہ ہے کہ جس شخص نے ایسے میلاد کے انعقاد کی نذر مانی ہو۔ (جو لہو ولعب اور گانے بجانے کے محرکات پر مشتمل ہو) ایسے شخص کی نذر کو پورا کرنے کا فتویٰ دینا تاکہ وہ اس فتویٰ کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائے۔ جیسا کہ اس بات کو میرے آقا اور میرے چچا سید محمد عابدین نے کتاب الصوم کے آخر میں حاشیہ پر لکھا ہے''۔

فقیر محمد یوسف نبہانی (رحمۃ اللہ علیہ) عرض کرتا ہے کہ میں نے سید محمد عابدین موصوف کے مذکورہ حاشیہ کو دیکھا جو باب الاعتکاف سے قبل ہے۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔

''اَمَّالَوْ نَذَرَ زَيْتًا لِإِ يْقَادِ قِنْدِيْلٍ فَوْقَ ضَرِيْحِ الشَّيْخِ اَوْفِي الْمَنَارَةِ كَمَا يَفْعَلُ النِّسَآءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ لِسَيِّدِيْ عَبْدِالْقَادِرِ وَ يُوْقَدُ فِي الْمَنَارَةِ جِهَةَ الْمَشْرِقِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَ اَقْبَحُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقِرَاءَ ةِ الْمَوْلِدِ فِي الْمَنَابِرِ مَعْ اِشْتِمَالِهٖ عَلَى الْغِنَاءِ وَ اللَّعْبِ وَ اِيْهَابِ ثَوَابِ ذَالِكَ اِلٰى حَضْرَةِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ''

اگر کوئی تیل کی نذر مانتا ہے کہ وہ فلاں شیخ کی قبر پر چراغ میں ڈال کر اسے جلائے گا یا مینارہ پر چراغ روشن کرے گا جیسا کہ عورتیں سیدی عبدالقادر غوث پاک رضی اللہ عنہ کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اسے مشرق کی طرف موجود مینار پر جلایا جاتا ہے۔ یہ باطل ہے اور اس سے زیادہ قباحت اس نذر میں ہے کہ کوئی شخص نذر مانے کہ میں کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر مولود پڑھوں گا جب کہ وہ محفل میلاد گانے بجانے اور لہو ولعب پر مشتمل ہو اور پھر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ''ہبہ'' کرنا (اور بھی برا ہے)

''روح السیر'' میں برہان ابراہیم حلبی حنفی نے فعل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق

مشاہیر علماء کرام کے اقوال کے مطابق اس کا مستحسن ہونا تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''اگر محفل میلاد کے سبب سے کوئی منکر کام حاصل ہوتا ہو جیسا کہ عورتوں کا اجتماع ان کا گانے بجانے سے آواز بلند کرنا وغیرہ یہ تمام ادیان میں حرام ہے۔ اس لئے کہ عورتوں کا محض آواز بلند کرنا بھی ''پردہ'' ہے۔ چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ گانا بجانا بھی شامل ہو جائے۔ اھ۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''عمل میلاد'' بدعت ہے۔ لیکن اس میں خوبیاں بھی اور ان کی ضد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے خوبیوں کے حصول کا قصد کیا اور ان کی ضد سے اجتناب چاہا تو اس کیلئے یہ ''بدعت حسنہ'' ہو جائے گی۔ اور جس نے ایسا نہ چاہا اس کیلئے ''حسنہ'' نہ بنے گی۔ امام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا۔ ''میرے لئے اس (محفل میلاد) کی تخریج ایک اصل ثابت سے ظاہر ہوئی۔ وہ اصل وہ ہے جو بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدَ الْیَھُوْدَ یَصُوْمُوْنَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَسَاَلَھُمْ فَقَالُوْا ھُوَ یَوْمٌ اَغْرَقَ اللّٰہُ فِیْہِ فِرْعَوْنَ وَ نَجّٰی مُوْسٰی وَ نَحْنُ نَصُوْمُہٗ شُکْرًا۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دسویں محرم کا روزہ رکھتے دیکھا۔ ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی۔ ہم اس دن کا روزہ شکرانے کے طور پر رکھتے ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی معین دن میں احسان فرمانے پر عملی طور پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔ پھر فرماتے ہیں حضور سرور کائنات نبی رحمت ﷺ کی تشریف آوری سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ (لہٰذا اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنا جائز ہے) اور شکر مختلف عبادات سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سجود، روزہ، صدقہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ۔ اس دلیل کو ان سے پہلے حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں کچھ الفاظ اس سے زیادہ کہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارسال فرما کر اپنی نعمت مکمل فرما دی۔ جو دارین کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ پس اس دن کا روزہ رکھنا بہت اچھا ہے جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کی تجدید ہوتی ہو اور ایسا کرنا دراصل نعمت کا شکر سے مقابلہ کرنا ہے۔ (یعنی ہر نعمت کے مقابل کوئی نہ کوئی شکر ہونا چاہیئے اور روزہ رکھنا بھی شکر کی ہی ایک قسم ہے) اس کی مثال عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ڈوبنے سے نجات دی۔ اسی

دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم نے فرعون اور اس کے سپاہیوں سے نجات پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کو بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ پس اس دن کا حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے روزہ رکھا اور یہ روزہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے تھا۔ اس دن کا روزہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انبیاء کرام کی متابعت کرتے ہوئے رکھا۔ اور یہودیوں کو فرمایا۔ نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسیٰ مِنْکُمْ۔ موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ ہم حقدار ہیں۔ اور آپ نے اس دن کا حکم بھی دیا کہ روزہ رکھا کرو۔

برہان حلبی نے ''روح السیر'' میں امام حافظ ابن حجر سے ان کا یہ قول نقل کیا۔ جولوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک کے عمل سے خیر کا ارادہ کرتے ہیں اور اظہار فرحت وسروران کا مقصود ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں ان کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ اس طریقہ سے اہل خیر و صلاح اور فقراء و مساکین کو جمع ہونے کا موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ پھر انہیں کھانا کھلاتے ہیں اوران کو صدقات وخیرات سے نوازتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ پس اگر اس سے زیادہ کا ارادہ کریں۔ تو ایسے حضرات کو حکم دیتے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا کرتے ہیں اوراس کے متعلق اشعار کہتے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اپنانے پر ابھارتے ہیں۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب کو نیک کام کرنے اور بدعات ومنکرات سے روکنے کی طرف حرکت دیتی ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کے اسباب میں سے مضبوط ترین سبب یہ ہے کہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح خوبصورت سریلی آواز سے سنے۔ جب خوش الحانی سے مدح حبیب کہی جارہی ہو اور پھر اس کے سننے والے بھی ایسے ہوں جو اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہوں تو پھر اس سے سامع میں شکر و محبت کے جذبات امڈ آتے ہیں۔

اس کے بعد سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ حضور صاحب المعجزات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کی ولادت باسعادت کا واقعہ سننے کیلئے لوگوں کا جمع ہونا ''اعظم قربات'' میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس میں نیک کام، درود وسلام، دعائیں وغیرہ بکثرت ہوتی ہیں اور یہ سب باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور آپ کی محبت آپ کے وصل اور قرب کا ذریعہ ہے۔ بڑے بڑے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد اس سال امن کا ضامن ہوتا ہے اور مقاصد و مطالب کے جلد حصول کی خوش خبری ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے پھر ان سے امام حلبی نے اپنی "سیرت" میں نقل فرمایا۔ اسی طرح مؤلف یعنی ابن حجر ہیتمی نے اور علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بہت بڑے خطرے میں گھر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے صرف اس بات پر نجات عطا فرما دی میرے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کے انعقاد کا خیال گزرا تھا۔

لہٰذا ہر اس شخص کو چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں صادق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے مہینہ میں خوشی کا اظہار کرے اور اس ماہ میں محفل میلاد منعقد کرے جس میں ایسے آثار وایسی روایات صحیحہ پڑھی سنائی جائیں جو ولادت باسعادت کے موضوع پر ہیں۔ ایسا کرنے والے کیلئے ممکن ہے کہ وہ بہت جلد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ان حضرات میں شامل کر دیا جائے۔ جو سابقین اور بہترین لوگ ہوئے۔ اس لئے کہ جس شخص کے جسم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رچ بس جاتی ہے۔ وہ کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ کل قیامت کو جو لوگ بھی مرتبہ شفاعت پائیں گے۔ انہیں یہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے ہی ملے گا۔ جب نیک لوگ جو شفاعت کریں گے انہیں یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی بنا پر ملا۔ اور ان کی شفاعت سے اغیار بخشے جائیں گے۔ تو کم از کم یہ بات ضرور ہوگی کہ محفل میلاد کا انعقاد اوروں کیلئے نہ سہی صرف اس محفل کو منعقد کرنے والے کیلئے سبب شفاعت بن جائے گا۔ اگرچہ اس کی محبت کی مرتبہ و مقام ان حضرات کی محبت کے برابر نہیں جو دوسروں کیلئے شفاعت کریں گے اور ایسا شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول مبارک "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (آدمی کل قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی) کے مصداق تو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہر مسلمان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرمائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت باسعادت کے مہینہ میں راتوں کو محفل میلاد منعقد کرتا ہے۔ اسے "عید" کی طرح مناتا ہے۔ اس سے اگر یہی فائدہ ہو کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہوتی ہے۔ تو یہی فائدہ کافی ہوتا۔ صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کوئی چھپی بات نہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ، وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ السَّلَامُ۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ شرح کے مقدمہ میں جو لکھا وہ مختصر طور پر بیان ہو گیا۔

جوہر ۲: علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کی کتاب مذکور کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین نے مصنف کے درج ذیل قول کی تشریح میں لکھا۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَ ھٰذَا الْعَالَمَ بِمَوْلِدِ

سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) تمام تعریفیں اس اللہ پاک کیلئے جس نے اس کائنات کو اولادِ آدم کے آقا و سردار جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا شرف بخشا۔

اہل ایمان کا آپ کی وجہ سے شرف ظاہر ہے اور اس میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں ہے۔ رہا اہل کفر کیلئے آپ کا وجہ شرف ہونا تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی بدولت وجود بخشا۔ یونہی جمادات کیلئے بھی آپ کا شرف اسی اعتبار سے ہے اور اگر صرف ایسے عذاب سے بچنا ہی ہوتا جس سے ان (کفار و جمادات) کا نام ونشان باقی نہ رہتا تو بھی آپ کا شرف کافی تھا اور یہ بھی وجہ شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا ہے یعنی تمام مخلوق کیلئے آپ رحمت ہیں۔

فاضل مفسر جناب اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''روح البیان'' میں فرمایا۔ ''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دیکر مبعوث کیا گیا وہ دارین کی سعادت کا سبب ہے۔ اور ان کی دونوں جہانوں میں مصلحتوں کا منشاء ہے اور جو بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراض کرے گا اور تکبر کرے گا۔ تو وہ بیشک اپنی طرف سے مصیبت ومشقت میں پڑ جائے گا۔ پھر اس پر رحم نہیں کیا جائے گا''۔

اگر تم پوچھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' کیونکر ہیں جب کہ آپ کو تلوار کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا اور غیر مسلموں کے اموال آپ کیلئے مباح قرار دیئے گئے؟ میں کہوں گا کہ یہ بات ان لوگوں کیلئے ہے جو آپ کی تعلیمات کو پشت پر ڈالتے ہیں۔ استکبار کرتے ہیں۔ اور جن کو کسی قسم کا وعظ اور ارشاد نفع نہیں دیتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کیلئے بھی ''رحمت'' ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپ کی وجہ سے ان کی عقوبت وسزا مؤخر کر دی گئی اور جڑ سے ختم ہونے سے آپ کی رحمت سے بچ گئے۔ علاوہ ازیں زمین میں دھنسنے اور شکلیں بگڑنے سے بھی آپ کی رحمت کے صدقہ بچ گئے۔

اے صاحب عقل وفہم! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا تھا۔ پھر عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک تمام مخلوق آپ کے بعض نور سے پیدا کی گئی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود وشہود کی طرف تشریف لانا ہر موجود کیلئے ''رحمت'' ہے۔ اور آپ ہی ہر موجود کے وجود کا سبب ہیں اور تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی ''رحمت'' ہیں۔ لہٰذا آپ ''رحمت کافیہ'' اور ''نعمت وافیہ'' ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ارواح کے چشمے پھوٹے۔ پھر

اس کے بعد عالم اجساد و اشباح میں جو پیدا ہوا سو پیدا ہوا۔ اگر آپ کی ذات مقدسہ کی تخلیق نہ ہوتی تو نہ افلاک بنائے جاتے اور نہ ہی املاک کا وجود ہوتا۔ جو شخصیت اس مرتبہ اور منصب کی ہو وہ یقیناً عالمین کیلئے ''رحمت'' ہوتی ہے اور بلاشک تمام کائنات ان کے سبب مشرف ہوتی ہے لیکن اس کائنات میں سے وہ جو آپ کی فرمانبرداری و ایمان سے بہرہ ور ہوئے وہ ''شرافت'' پر باقی رہے۔ اور جنہوں نے کفر وطغیان کیا۔ اس نے ''شرافت'' کو چھوڑ دیا۔ یا اس سے شرافت دور ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ كُلُّ مُوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ الحدیث۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور کیسے نہ ہو جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

جوہر ۳: علامہ ابن حجر ہیتمی رضی اللہ عنہ کے قول '' وَكَمُلَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُعُوْدُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ جَمِيْعِ الْمَلَائِكَةِ لَا سِيَّمَا الْكَرُوْبِيِّيْنَ وَالْمُقَرَّبِيْنَ'' کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

تنبیہ: مصنف (ابن حجر ہیتمی) رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے صراحۃً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق ''سید الخلق'' ہیں اور آپ علی وجہ العموم سب سے ''افضل'' ہیں۔ خواہ علوی مخلوق ہو یا سفلی اور خواہ بشر ہوں یا جن وملک، خواہ دنیا میں ہوں یا آخرت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی عادات و اعلیٰ اخلاق اور صفات کمال میں سب مخلوق سے افضل ہیں۔ جیسا کہ اس پر تمام اہل سنت نے اجماع فرمایا۔ پھر آپ کے بعد فضل والے حضرات انبیاء کرام ہیں۔ ان کے بعد فرشتے ہیں۔ یہی تحقیق اہل سنت کی ہے جس پر یہ قول شاہد ہے۔ خَوَاصُ الْبَشَرِ وَ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ اَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِ الْمَلَائِكَةِ وَهُمُ الرُّسُلُ مِنْهُمْ وَخَوَاصُ الْمَلَائِكَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِ الْبَشَرِ وَهُمُ الْاَتْقِيَاءُ وَ عَوَامُ الْبَشَرِ وَ هُمُ الْاَتْقِيَاءُ اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِ الْمَلَائِكَةِ (كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِي مَحَلِّهِ) حضرات انبیاء کرام ان فرشتوں سے افضل ہیں جو پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور یہ فرشتے عام متقی انسانوں سے افضل ہیں۔ اور عام متقی انسان دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔

جوہر ۴: علامہ ابن حجر کے قول '' وَجُمِعَ فِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَائِرُ الْكَمَالَاتِ الْبَاطِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ وَجَعَلَهُ اِمَامَ الْكُلِّ اَلْمُفَضَّلَ عَلَيْهِمْ وَ الْمُمِدَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ'' (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام ظاہری و باطنی کمالات جمع کر دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام الکل بنایا۔ دنیا و آخرت میں آپ ہی ان سب پر افضل بنائے گئے اور آپ ہی ان سب کے مدد

کرنے والے بنائے گئے) کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کیلئے'' کامل عبودیت'' کی صفت سے متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تکمیل سے آپ ہی'' کامل الاوصاف'' ہیں اور آپ ہی ہر کمال سے متصف، تمام فضائل سے مزین اور علوم واعمال کی بہترین خصلتوں کے مالک ہیں۔ اخلاق واحوال میں جو کمال و حسن ہوسکتا ہے وہ بدرجہ اتم آپ میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال کے معدن اور فضل و افضال کے عنصر ہیں اور آپ ہی حقائق ازلیہ کے مورد ومصدر ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائق کے ورود کا محل ہے۔ اور پھر مخلوق کی طرف ان حقائق کے صدور کا محل بھی آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔ مفردات کے جوامع کے جامع، ان کے منبر، خطیب اور ان کے سید السادات بھی آپ ہی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کا بیت المعمور ہیں۔ جو اس نے آپ پر نازل فرمایا اور آپ نے اسے محفوظ کرلیا۔ وہ جو کسی دوسرے کی طاقت میں نہ تھا اور نہ ہی آپ سے پہلے کسی پر وہ نازل کیا گیا۔ جب تم مذکورہ بات سمجھ لو گے تو تمہیں حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کا کلام'' ممکنات میں سے آپ سے بڑھ کر زیادہ انوکھا اور کوئی نہیں'' اہل تدقیق کے نزدیک تحقیق کی بلند چوٹیوں پر دکھائی دے گا۔ کیونکہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو وہ'' خیر خلق اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا اور اس کی طرف کوئی راستہ نہیں کیونکہ کوئی مخلوق'' مظہر تام، علی، اعلیٰ اور بلند کمالات کی جامع شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عجیب وانوکھی تصور میں نہیں آسکتی۔ آپ بارگاہ الٰہی کے وارث اور اس سے بلاواسطہ فیض یافتہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا نہیں پس اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطہ کے بغیر کوئی فیض نہیں لے سکتا۔ بارگاہ الٰہی سے کسی کامل کو جو کچھ ملتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور آپ کے ہاتھوں سے ہی ملتا ہے۔ سیدی محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی عمدہ نعت کہی۔ جس میں وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہیں۔

آپ کے یہ شعر علم لدنی کے آئینہ دار ہیں۔ عمدہ شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَعْظَمُ کَائِنٍ ۔۔۔ وَاَنْتَ لِکُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلُ

عَلَیْکَ مَدَارُالْخَلْقِ اِذْ اَنْتَ قُطْبُہٗ ۔۔۔ وَاَنْتَ مَنَارُ الحَقِّ تَعْلُوْ وَ تَعْدِلُ

فُؤَادُکَ بَیْتُ اللّٰہِ دَارُ عُلُوْمِہٖ ۔۔۔ وَ بَابٌ عَلَیْہِ مِنْہُ الْحَقُّ یَدْخُلُ

یَنَا بِیْعُ عِلْمِ اللّٰہِ مِنْہُ تَفَجَّرَتْ ۔۔۔ فَفِیْ کُلِّ حَیٍّ مِنْہُ لِلّٰہِ مَنْھَلُ

مُنِحتَ بِفَیْضِ الْفَضْلِ کُلُّ مَفضَلٍ ۔۔۔ فَکُلٌّ لَہٗ فَضْلٌ بِہٖ مِنکَ یَفضَلُ

نَظَمْتَ نَثَارَ الْاَنْبِيَاءِ فَتَاجُهُمْ لَدَيْکَ بِاَنْوَاعِ الْکَمَالِ مُکَلَّلُ
فَيَا مُدَّةُ الْاَمْدَادِ نُقْطَةُ خطِّهِ وَيَا ذَرْوَةُ الْاِطْلَاقِ اِذْ يَتَسَلْسِلُ
مَحَالٌ يَحُوْلُ الْقَلْبِ عَنْکَ وَ اِنَّنِي وَ حَقِّکَ لَا اَسْلُوْ وَلَا اَتَحَوَّلُ
عَلَيْکَ صَلَاةُ اللّٰهِ مِنْهُ تَوَاصَلَتْ صَلَاةُ اتِّصَالِ عَنْکَ لَا نَنْتَصِلُ

یارسول اللہ! ﷺ آپ تمام کائنات میں سے عظیم تر شخصیت ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوق کیلئے حق لیکر تشریف لائے۔مخلوقات کا دارو مدار آپ ہی ہیں۔اس لئے کہ آپ دائرہ مخلوق کے قطب ہیں۔اور آپ ہی حق کا مینار ہیں جو بہت بلند اور میانہ ہے۔آپ کا قلب انور اللہ تعالیٰ کا گھر اور اس کے علوم کا مرکز ہے اور اس کے دروازہ سے ہی حق کی طرف داخلہ ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے علم کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں۔لہٰذا ہر زندہ چیز میں اسی سے اللہ کی محبت کی سیرابی ملتی ہے۔اللہ فضل عظیم کے مالک کے کامل فیض سے آپ بہرہ ور ہیں۔پھر دنیا میں جو بھی صاحب فضل ہے وہ آپ کا ہی منگتا ہے۔آپ نے تمام انبیاء کرام کو ایک ہی لڑی میں پرویا۔اور ان کا تاج جو ہر قسم کی زینت و زیبائش سے آراستہ آپ کے پاس ہے۔

اے وہ ذات! جس کے خط کا نقطہ تمام سیاہیوں کا قطرہ ہے۔اور جب بہنے والا (پانی) بہتا ہے تو آپ اس کی علی الاطلاق چوٹی ہیں (جس تک پانی کی رسائی نہیں ہوسکتی) آپ سے دل کا کسی اور طرف پلٹ جانا محال ہے اور آپ کے حق کی قسم! نہ تو میں غم محبت سے آرام میں ہوں اور نہ ہی آپ کا در چھوڑ کر کہیں اور جانے والا ہوں۔اللہ تعالیٰ کے لگاتار آپ پر صلوۃ وسلام ایسے جو اتصال کا ذریعہ بنیں نہ کہ جدائی کا سبب ہوں۔

جوہر ۵: سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر کی تصنیف میں لکھی گئی آیت ذیل کی تشریح میں فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اے غیب کی خبریں دینے والے! ہم نے آپ کو حاظر ناظر، خوش خبری دینے والا، ڈر سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔(الاحزاب)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضیاء پاش (روشنی عطا فرمانے والے) ہیں۔ جہالت کے اندھیروں سے نکلنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے روشنی طلب کی جاتی ہے اور آپ کے نور سے

''نوربصیرت'' حاصل کیا جاتا ہے۔جس کے حصول کے بعد حق و باطل عقائد میں امتیاز، معاملات میں حلال وحرام کی پہچان اور ریاضات میں اچھے برے اخلاق سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔لہٰذا آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت، طریقت اور حقیقت کے حقیقی مراتب اور عالی درجات کے داعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر افضل درود اور اکمل تحیات نازل ہوں۔

''شفاء'' میں اور اس کی شرح جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں آپ کی کمال رعایت کے تحقق اور عین عنایت کے تعلق کے بعد آپ کے مرتبہ ومنزلت کی ایسی اقسام ذکر فرمائیں۔جو آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی ہیں جو دوسرے انبیاء کرام کے مقابلہ میں آپ کیلئے ذکر فرمائیں۔اور آپ کیلئے مدح وثنا اور ذکر حسن کے تمام اوصاف اس آیت میں جمع فرمادیئے۔اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کی طرف پیغام رسالت کے پہنچانے کا خود گواہ بنایا۔اور یہ آپ کے خصائص میں سے ایک ہے۔اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کو اس پیغمبر کی امت تک پیغام الٰہی پہنچانے کا گواہ نہیں بنایا۔حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اپنے پیغمبروں کی تبلیغ کا انکار کریں گی۔جب اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام ان تک پہنچایا تھا؟ تو اس کے جواب میں پیغمبران عظام عرض کریں گے۔ہاں باری تعالیٰ ہم نے تیرا پیغام ان تک پہنچایا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ ان سے دلیل وگواہ کا مطالبہ کرے گا۔حالانکہ وہ خوب جانتا ہے تو اس وقت ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ان کے حق میں گواہی دیں گے۔ہماری گواہی سن کر وہ امتیں ہم سے پوچھیں گی تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ تو ہم ان کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہوا جو اس نے اپنی کتاب میں بتایا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفائی اور تزکیہ فرمادیں گے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاؕ ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں عادل وبہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر اس بات کے گواہ بن جاؤ۔کہ ان کے پاس آنے والے پیغمبروں نے ان تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادیئے تھے۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔(البقرۃ:143)

جوہر ۲: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْؕ قَالُوْۤا

B

اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝۸۱ ۔اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس (شریعت اور دین) ہے۔تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی لازماً مدد کرو گے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور اس پر میرے ساتھ پختہ عہد کیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔فرمایا پس گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔(آل عمران)

اس آیت کریمہ کے ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ مقام ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ارشاد فرما کر ''فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝۸۱ ''ختم کر دیا۔ تا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم شرف اور اعلیٰ مرتبہ بتائے۔اور یہ کہ تمام انبیاء کرام تابع اور آپ سب کے متبوع ہیں اور مقصود بالذات صرف آپ ہی ہیں۔اور تمام پیغمبر آپ کے ساتھ ملنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جتنے بھی حضرات انبیاء کرام مبعوث فرمائے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری حیات ظاہری میں وہ تشریف لے آئیں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور ہر پیغمبر یہی عہد اپنی امت سے لیتا رہا۔

''شفاء'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول مذکور قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسی طرح کا قول جناب سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر میں منقول ہے۔جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وافضلیت مذکور ہے اور یہ کئی وجوہات سے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب:7)۔اے یاد کرو جب ہم نے انبیاء کرام سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے الی آخرہ۔''شفاء'' کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔آیت کریمہ (وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ) میں پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو عام کر کے ذکر فرمایا جس میں ہر پیغمبر شامل ہے پھر اس کے بعد چند انبیاء کرام کا الگ ذکر فرمایا۔یہ ''تَخْصِیْصٌ بَعْدَ التَّعْمِیْمِ'' ہے۔اور ایسا کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عام پیغمبروں کی بہ نسبت ان چند پیغمبروں کا فضل زیادہ اور ان کا شرف اعلیٰ ہے۔کیونکہ

رسولوں میں سے یہ حضرات ''اولوالعزم'' ہیں اور مشہور ''ارباب الشرائع'' ہیں۔ ان الگ ذکر کئے جانے والوں میں سب سے پہلے ذکر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوا۔ اس کی وجہ آپ کی تعظیم و تکریم ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ''عالم ارواح'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سب سے مقدم ہے۔ جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ ''كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔ اھ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ الآية (النساء:163)۔ بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح ہم نے نوح وغیرہ کی طرف کی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فضل عظیم'' کے حامل ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے آپ کا ذکر پہلے کیا ہے جب کہ یوں کہنا ممکن تھا۔ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ عَلٰى نَحْوِهٖ۔ جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف وحی کی اسی کی مانند ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ذکر اس لئے کیا گیا کہ آپ فضل وشان میں سب سے مقدم ہیں اس لئے نہیں کہ آپ کا زمانہ بعثت سب سے مقدم تھا۔ آیت کریمہ میں حرف ''واؤ'' اگرچہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن عرب ایسا کرتے ہیں کہ جو مقدم ہوا سے لفظوں میں پہلے اور جو مؤخر ہوا سے لفظوں میں مؤخر ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر سنی تو آپ رو پڑے۔ اور روتے ہوئے انہوں نے یہ کہا۔ بِأَبِي اَنْتَ وَ اُمِّي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ بَعَثَكَ اٰخِرَ الْاَنْبِيَآءِ وَقَدَّمَكَ فِي الذِّكْرِ فَقَالَ تَعَالٰى وَ اِذْاَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُوْحٍ الآية – بِأَبِي وَ أَنْتَ وَ اُمِّي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ اَنَّ اَهْلَ النَّارِ يَوَدُّوْنَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَطَاعُوْكَ وَهُمْ بَيْنَ اَطْبَاقِهَا يُعَذَّبُوْنَ يَقُوْلُوْنَ يَا لَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَاالرَّسُوْلَ الاية۔

یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ اس نے آپ کو تمام انبیاء کرام کے بعد مبعوث فرمایا اور ذکر کرتے وقت آپ کا ذکر سب سے پہلے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ الاية۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ اعلیٰ درجہ کی فضیلت والے

ہیں کل قیامت میں جہنمی اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ کاش انہوں نے آپ کی اطاعت کی ہوتی۔ حالانکہ وہ اس وقت آگ میں جل رہے ہوں گے کہیں گے۔ ہمارے لئے افسوس! کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "شفاء" کی شرح میں لکھتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِیَاءِ فِی الْخَلْقِ" میں خلق میں تمام پیغمبروں میں سے اول ہوں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک پیغمبروں کی ارواح سے پہلے پیدا کی گئی۔ یا جب آدم علیہ السلام کی اولاد کو چیونٹیوں کی صورت میں لایا گیا۔ تو آپ ان سے "اول" ہیں۔ یا جب اللہ تعالیٰ نے لوح میں تقدیر لکھی۔ تو آپ کی تقدیر کی کتاب "اول" تھی۔ یا فرشتوں کیلئے ظہور میں آپ "اول" ہیں۔ اور بعثت میں سب سے بعد۔ یہ اس لئے کہ آپ "خاتم النبیین" ہیں۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں آپ کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے ذکر سے پہلے کیا گیا۔ جو تمام انبیاء کرام میں سے "اولوالعزم" ہیں۔ جب ان سے مقدم ہوئے تو غیر اولوالعزم حضرات سے بدرجہ اتم اول ہوئے۔

اور یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کا ان اوصاف شریفہ عالیہ سے متصف ہونا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ سے آپ کو عطا ہوئے۔ یہ اتصاف اس وقت بھی آپ کو حاصل تھا۔ یعنی جب آپ نبی تھے۔ (اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے قبل تھا) اور اس وقت بھی جب میثاق لیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۷: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ "وَاِنَّمَا تَاَخَّرَ ظُهُوْرُهُ الْحِسِّی صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِی هٰذَا الْعَالَمِ عَنْ جَمِیْعِهِمْ اَیْ الْاَنْبِیَاءِ لِیَكُوْنَ مُسْتَدْرِكًا عَلَیْهِمْ وَ مُتَمِّمًا مَافَاتَهُمْ مِنَ الْكَمَالَاتِ وَ جَامِعًا لِجَمِیْعِ فَضَائِلِهِمْ وَ زِیَادَاتِ" حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم محسوسات (اس دنیا) میں تمام انبیاء کرام سے بعد میں اس لئے ظہور ہوا (حالانکہ آپ کا "نور" اول خلق ہے اور آپ آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے) تاکہ تمام انبیاء کرام کو جو کمالات نہیں ملے تھے آپ ان کی تکمیل و استدراک فرمائیں۔ اور تاکہ آپ ان کے دیئے گئے تمام کمالات فضائل اور ان کے علاوہ جو انہیں نہیں دیئے گئے ان سب کے جامع ہوں اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

مواہب لدنیہ وغیرہ میں جو اس موضوع پر لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ حضور سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں کے نبی اوران تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔اس کے باوجود کہ حضرات انبیاء کرام اپنی اپنی نبوت پر بھی باقی تھے۔اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے تلے کل قیامت میں تمام پیغمبر تشریف فرماہوں گے اور دنیا میں بھی معراج شریف کی رات ایسا ہی ہوا۔آپ نے ان تمام کا امام بن کرنماز پڑھائی اور اگر حضرت آدم،نوح،ابراہیم،موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام میں سے کسی پیغمبر کے دور میں آپ اپنے جسم اطہر کے ساتھ تشریف لاتے۔تو ان پیغمبروں اور ان کی امتوں کیلئے آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا۔اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام سے عہد لیا تھا۔اس موضوع کے بارے میں مکمل گفتگو''مواہب لدنیہ''نوع ثانی کے چھٹے مقصد میں مرقوم ہے۔

عارف باللہ سیدی محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہ نے''فتوحات''کے دسویں باب میں''مواہب لدنیہ''کے مذکورہ کلام کی تفصیل کے بعد ارشاد فرمایا۔اسی لئے تمام انسانوں کی طرف جس شخصیت کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔وہ صرف اور صرف آپ ہیں۔لہٰذا آپ ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے بادشاہ اور سردار ہیں۔آپ کے علاوہ ہر رسول کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔اس لئے کسی رسول کی رسالت آپ کے سوا''رسالت عامہ''نہیں ہے۔پس حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانہ تک بلکہ تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی ہے۔کل قیامت کے دن بھی آپ تمام پیغمبروں سے مقدم ہوں گے۔اور آپ کی سیادت حدیث صحیح میں بطور نص آئی ہے۔پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت ہر پیغمبر کی روحانیت کے ساتھ موجود ہے اوران کی طرف امداد آپ کی روح مبارک سے ہی آتی ہے۔جس کے ذریعہ یہ حضرات شریعتوں کا اظہار اور اپنے اپنے دور میں علوم کا فیضان بحیثیت رسول دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔اور جو لوگ شریعتوں کی تشریح کا اظہار کرتے ہیں۔جیسا کہ حضرت علی اور معاذ وغیرہ رضی اللہ عنہم یہ اپنے اپنے دور میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔یا جیسا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام ہیں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں۔آپ آخری زمانہ میں اپنے ظہور کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ جات فرمائیں گے۔لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''عالم محسوسات''میں پہلے تشریف نہیں لائے۔تو اس بنا پر ہر شریعت اس رسول و پیغمبر کی طرف منسوب کی گئی جنہیں وہ دیکر بھیجا گیا۔حالانکہ درحقیقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی شریعت تھی۔اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بعینہٖ تشریف فرما نہ تھے۔جس طرح آج آپ

کی شریعت جاری وساری ہے۔ حالانکہ آپ بعینہٖ اس وقت عالم محسوسات میں تشریف فرمانہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اس وقت بھی آپ ''عالم حس'' میں موجود نہیں ہوں گے۔

رہا یہ مسئلہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی شریعت کو خود ہی منسوخ کر دیا، کیونکہ پہلی شریعتیں بھی دراصل آپ کی شریعت تھی) تو اس بارے میں صورت حال یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں کا منسوخ ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شریعتیں آپ کی شریعت نہ تھیں اور آپ کی شریعت سے وہ نکل گئیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی شریعت ظاہرہ جو آپ لیکر تشریف لائے تھے۔ جو قرآن وسنت کے رنگ میں ہمارے پاس موجود ہے۔ میں ''نسخ'' کا گواہ بنایا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی بعض آیات دوسری بعض آیات سے منسوخ ہوئیں جسے تمام امت بالاتفاق تسلیم کرتی ہے اسی طرح سنت مبارکہ میں بھی ''نسخ'' کا وجود سب کو مسلم ہے۔ اس کے باوجود ہم سب کا اتفاق واجماع ہے کہ وہ احکام وآیات جو منسوخ ہو چکے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی شریعت کا ہی حصہ ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ متاخر شریعت نے متقدم شریعت کو منسوخ کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم اور سنت مبارکہ میں موجود ''نسخ'' ہمارے لئے اس بات کی تنبیہ ہے کہ آپ کی شریعت کا سابقہ تمام شریعتوں کا ناسخ ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سابقہ شریعتیں آپ کی شریعت نہ تھیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول فرمانا اس حال میں کہ آپ اپنی شریعت کے علاوہ دوسری شریعت کے مطابق فیصلہ جات اور حکومت کریں گے۔ اپنے دور کی وہ شریعت جو حضرت عیسیٰ لیکر آئے اس کے مطابق فیصلہ جات نہیں کریں گے بلکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت یعنی ''شریعت محمدی'' کے ساتھ حکومت کریں گے۔ ایسا اس لئے کہ اس طرح یہ بات پختہ ہو جائے کہ آج کے دن کسی پیغمبر کے حکم کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بات عیاں ہو جائے کہ وجود اسی شریعت کا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنایا اور اس میں وہ بات بھی داخل ہے جو اہل کتاب میں سے اہل ذمہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور وہ اس وقت جب تک وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرتے رہیں گے اس لئے کہ حکم شرع کی کئی حالتیں ہوتی ہیں ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بادشاہ اور تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور جو پہلے ہو چکے وہ بھی آپ کی ملک میں تھے۔ اور آپ کی اتباع کرتے رہے اور جو ان میں مالک دکھائی دیتے ہیں وہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کے فضائل کے جامع بھی ہیں اور اس سے زیادہ فضیلت بھی آپ کو میسر ہے۔

جوہر ۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت کریمہ لکھی۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ۔ وہ (حضرات انبیاء کرام) ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی (الانعام:90)۔ پس آپ ان کی اقتداء کریں اس کے ساتھ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء سابقین میں جس قدر کمالات، ہدایت، معجزات اور خصوصیات تھیں۔ وہ حضور ﷺ کی ذات میں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ اس آیت کریمہ اور مذکورہ قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حضرات انبیاء سابقین کی ''ہدیٰ'' سے مراد (جس کی اقتداء کرنے کا حضور کو حکم دیا گیا) ان کے اپنے اپنے الگ تمام کمالات ہیں۔ اور وہ احکام اصلیہ ہیں۔ جن پر سب کا اتفاق ہے۔ مثلاً توحید، اصول الدین، اس سے مراد ان کو دی گئی الگ الگ شریعت کی فروعات نہیں کیونکہ منسوخ ہوجانے کے بعد وہ ''ہدیٰ'' نہیں رہیں۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ مذکورہ بات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ حالانکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجھے حضرت یونس بن متی سے افضل کہے'' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی کے بارے میں روایت ہے۔ جس نے کہا تھا۔ اس خدا کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ بنایا۔ اس پر ایک انصاری نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا تو یہ کہتا ہے۔ حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں؟ پھر جب یہ بات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا ''انبیاء کے مابین ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو'' ایک اور روایت میں آتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دو''

اس سوال کا جواب جیسا کہ عارف باللہ سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فتوحات کے دسویں باب میں تحریر فرمایا۔ یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت نہیں دے رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل بنایا اور فضیلت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ یہ بات ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں ہی یہ وارد ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ۔ جب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کا ذکر فرمایا یہ صحیح ہے۔ دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ ''فَبِهُدٰىهُمُ'' فرمایا ہے۔ پس ان کی ''ہدیٰ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہی ہے۔ یعنی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس شریعت کو لازم

پکڑو۔ جس کو آپ کے نائبین نے ظاہر کیا۔ جو اقامت دین تھی۔ اس میں تم افتراق نہ کرو۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ ''فَبِهُدٰهم اقتده'' یعنی ان پیغمبروں کی اقتداء کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ان کی ''ہدیٰ'' کی اقتداء کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ''وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ'' میں ایک ہی شریعت ہونے پر تنبیہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول ''اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ'' حضرت ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو۔ میں ''ملت ابراہیم'' بھی ''دین'' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دین یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ تم ذرا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کو غور سے دیکھو۔ ''لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ'' اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

اس ارشاد میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتباع کی اپنی طرف اضافت کی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اتباع الدین'' کا حکم دیا۔ اور انبیاء کرام کی ''ہدیٰ'' کی اتباع واقتداء کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا کہ پیغمبروں کی اتباع کرو۔ اس لئے کہ جب ''امام اعظم'' موجود ہو تو اس کے نائبین میں سے کسی نائب کا کوئی حکم باقی نہیں رہتا۔ صرف اور صرف اسی کا حکم باقی رہتا ہے۔ پھر جب نائب کا حکم اس کی تحریرات سمیت غائب ہو گیا تو وہی (امام اعظم) غیب وشہادت میں حاکم ہو گا۔ اھ۔

مذکورہ احادیث کی علماء کرام نے مختلف تاویلات کی ہیں اور مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ اگر تم ان کو جاننا چاہتے ہو۔ تو ''شفاء'' اور اس کی شروحات کا مطالعہ کرلو۔ ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ تفضیل سے جو منع وارد ہوئی اس سے مراد ''حق نبوت ورسالت'' ہے۔ (یعنی نبوت ورسالت کے حق میں کسی پیغمبر کے درمیان فرق نہ کرو کہ فلاں زیادہ حقدار تھا۔ فلاں کم) اس منع سے مراد خود پیغمبروں اور مرسلین کی شخصیات نہیں۔ (یعنی پیغمبر ایک دوسرے سے افضل ہو سکتے ہیں) سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدہ کی شرح میں بعد اس کے کہ انہوں نے جو کچھ شفاء میں کہا لکھا۔ ان دلائل میں سے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کے مابین نفس نبوت اور حقیقت نبوت میں کوئی تفاضل اور تفریق نہیں ایک دلیل یہ ہے کہ ایسا کہنا ممنوع ہے کہ فلاں نبی کا نبوت میں سے کم حصہ ہے اور فلاں کا زیادہ ہے۔ اسی قسم کی دیگر عبارات موجود ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ ''نبوت'' کو ہم ایسی صفت نہیں کہہ سکتے۔ جو ''تشکیک'' کے قبیلہ سے ہو۔ اور بلا شک اس قسم کی بات کا امتناع اور ایسا کہنے سے باز

رہنا دین کی معلومات ضروریہ میں سے ہے۔ سلف صالحین اور خلف کا یہی موقف چلا آرہا ہے۔ تو اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ "حقیقت نبویہ" کلی متواطی ہے جس کے تمام افراد مساوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں ایسے شخص کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے جو اس کے مقتضی کا مخالف ہے کیونکہ اس کا فساد بالکل واضح ہے۔ اھ۔

یہ بات عنقریب آنے والی بات کی تائید کرتی ہے یعنی اس بات کی کہ "نبوت" ایسی صفت ہے جو محنت وکسب سے نہیں حاصل ہوتی۔ اور علامہ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر کے دوران "نبوت" کا ذکر کیا رسالت کا نہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق ہے۔ (یعنی نفس رسالت اور حقیقت رسالت میں تفاضل وتفریق کا ذکر نہ کرنے کا اشارہ کیا ہے کہ ان میں تفاضل ہونا ممکن ہے)۔ فتامله۔

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فرماتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام "نُبُوَّتْ مِنْ حَيْثُ هِيَ هِيَ" میں ایک ہی حد ومقام پر ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک ہی چیز ہے جس میں کوئی تفاضل اور فرق نہیں۔ اگر تفاضل اور فرق ہے تو وہ احوال، خصوصیات، کرامات، مرتبہ جات اور الطاف میں ہے۔ رہی "نفس نبوت" تو اس میں کوئی تفاضل نہیں۔ تفاضل ان باتوں میں ہے جو نبوت کے علاوہ ہیں۔ اور اس سے زائد ہیں۔ اسی لئے ان میں سے بعض "رسول" ہیں۔ بعض "اولوالعزم" ہیں۔ بعض کو بلند مکان پر اٹھایا، بعض کو بچپن میں "حکم" عطا فرمایا۔ بعض کو "زبور" دی بعض کو بینات" عطا کیں۔ بعض جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند فرمائے۔ اھ۔ بعض سے مراد (یعنی جن بعض کو بلند درجات عطا فرمائے) ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام ماسوا پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ فضیلت کئی وجوہ سے ہے اور بلند وبالا مراتب کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ آپ کی دعوت عرب وعجم، انس وجن اور ملائکہ سب کیلئے عام ہے۔ آپ کے معجزات قیامت تک باقی ہیں۔ ان میں سے عظیم ترین معجزہ قرآن کریم ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی غیر محدود امور ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کو فضیلت دی گئی۔

حضرات علماء کرام اور خود علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے آیت مذکور کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "افضل الانبیاء" ہونے پر دلیل وحجت بنایا ہے۔ اس طرح کہ کمال خصلتیں اور شرف کی صفات حضرات انبیاء کرام میں بٹی ہوئی تھیں۔ مثلاً حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام ایسے پیغمبر تھے جو نعمت پر شکر کرنے والے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں اور مصیبتوں پر شکر کرنے والوں میں سے

تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان دونوں کمالات کے جامع تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات قاہرہ والے پیغمبر تھے۔ حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام "اصحاب زہد" تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام "صاحب الصدق" تھے۔ یعنی ہر ایک پیغمبر میں ایک نہ ایک معین صفت اور کمال غالب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام جمیل خصلتیں جو سب پیغمبروں میں تھیں وہ سب کی سب اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع فرمادیں۔ اس لئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ انبیاء سابقین کی ہدیٰ کی اقتداء کریں تو اس کو حاصل کرنے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۹: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول اکرم تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ تمہارے بہت خیر خواہ ہیں۔ مومنوں کیلئے مہربان اور رحم دل ہیں (التوبہ:)۔ اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین نے لکھا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ یعنی خدا کی قسم! یقیناً تمہارے پاس اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ "قسم" کا معنیٰ "لام تاکید" اور اس کے ساتھ "قد" سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حروف کلام کی تحقیق پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول "جاء" میں اشارہ ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ کسی دور دراز جگہ پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں پر واجب تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تاکہ آپ سے علم دین سیکھیں۔ اور یقین کی معرفت حاصل کریں۔ پس (ہمارے جانے کی بجائے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے پاس تشریف لانا دراصل اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور اس کا ہم پر فضل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بہت بڑی مہربانی ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین استقبال کریں۔ آپ کے حکم کی اطاعت کریں۔ اور اسے صدق دل سے قبول کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لفظ "رسول" ذکر فرمایا۔ اس پر "تنوین" عظمت کیلئے ہے۔ یعنی عظیم الشان رسول اور ایسی برہان جو ابدی ہے۔ وہ تشریف فرما ہوئے۔ اور قول باری تعالیٰ "من انفسکم" سے مراد تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی آپ تمہاری طرح آدمی ہیں۔ فرشتوں وغیرہ کی جنس سے نہیں ہیں۔ یہ اس لئے تاکہ تم آپ سے نفرت نہ کرنے لگو اور دور نہ بھاگو۔ اور آپ کی

متابعت سے انکار نہ کر دو۔ اور یہ کہنا شروع نہ کر دو کہ ہمیں ان کی متابعت کی ہمت نہیں۔ کیونکہ آپ ہماری جنس میں سے نہیں ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف:110) کہہ دیجئے میں بظاہر تمہاری طرح ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر احسان فرمایا۔ جب ان میں ان میں سے ہی عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمایا (آل عمران:164)۔ اس آیت میں ''مومنین'' کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کے ایمان دار کیلئے ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری جنس میں سے ہیں۔ اس لئے کہ فرشتہ اور جن ہم جنس نہ ہونے اور حواس خمسہ سے ادراک حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ایسی مخلوق نہیں کہ جن سے انسان نفع حاصل کر سکے۔ لہٰذا ایک ایسے ہم جنس واسطہ کی ضرورت پڑی۔ جس کی دو جہتیں ہوں۔ ایک تجرد کی جہت تا کہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی طرف سے حصول فیض ہو سکے۔ اور دوسری تعلق کی جہت کہ جس کی وجہ سے بندوں تک فیض پہنچانے کی قدرت ہو۔ یہی واسطہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطافت میں کامل ہونے کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ جنات بھی آپ سے مستفیض ہوں۔ کیونکہ جنات کے جسم ''لطیف'' ہوتے ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی وہی دعوت دی جو انسانوں کو دی تھی۔

آیت مذکورہ کے لفظ ''اَنْفُسِكُمْ'' کی ضمیر میں احتمال ہے کہ اس کے مخاطب بالخصوص عرب ہوں۔ (آدمی کی جنس نہ ہو یعنی عام خطاب نہ ہو) اس احتمال کے پیش نظر معنی یہ ہوگا۔ خدا کی قسم اے عرب! تمہارے پاس تمہاری طرح عربی بولنے والے رسول تشریف لائے۔ ان کی لغت تمہاری لغت کی مانند ہی ہے اور ایسا ہونا باہمی الفت و محبت کے بہت قریب ہے اور بے گانگی سے بہت دور ہے اور حجت و دلیل کے فہم میں بہت زیادہ موثر اور تیز ہے۔ اس لئے کہ ''ارشاد'' تبھی حاصل ہوتا ہے جب زبان کی معرفت ہو۔ جن حضرات نے یہ معنی پسند کیا ہے انہوں نے اپنے اس احتمال کیلئے ''حریص علیکم'' کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل بنائی ہے کہ ''اَنْفُسِكُمْ'' کی ضمیر سے متبادر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ (اس سے مخاطب عرب ہیں) پھر اللہ تعالیٰ کے قول ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ'' میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم ہدیہ اور تحفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہدیہ اور تحفہ سے منہ وہی موڑتے ہیں جو کافر اور منافق ہوں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ ''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ'' لفظ عزیز کا معنی غالب اور شدید ہے اور کلمہ

''ما'' مصدریہ ہے۔ ''عَنِتّ'' کا معنی کسی دشوار و مشکل کام میں پڑنا ہے اور سب سے ناگوار کام جہنم میں جانا ہے۔ یہ جملہ جس میں مبتداء موخر اور خبر مقدم ہے۔ لفظ رسول کی صفت ہے۔ معنی یہ بنے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت ناگوار اور شاق گزرتا ہے۔ تمہارا مشقت میں پڑنا۔ یعنی ایمان کے چھوڑنے کی وجہ سے جو تکلیف اور دکھ درد تمہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ بہت شاق ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے بارے میں یہ صفت رکھتے ہیں کہ کہیں تمہاری عاقبت بری نہ ہو اور کہیں تم عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ اور آپ کا ایسا ہونا اسی مجانست (ہم جنس ہونا) کا نتیجہ ہے۔ جو ''اَنْفُسِكُمْ'' میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ایمان قبول کرنے، تمہارے احوال کی اصلاح اور تمہاری طرف بھلائی کا پہنچانا اس کے بہت آرزومند ہیں۔ کسی چیز کی شدید طلب کہ جس میں انتہائی کوشش بھی ہوا سے ''حرص'' کہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی ہدایت کی شدید حرص رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ نے مخلوق خدا کو الگ الگ اور جماعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان کے گھروں میں تشریف لے گئے ان کے میلوں میں ان کے اجتماعات میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اس کیلئے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ کی ''حرص'' یہ تھی کہ بندوں کی اصلاح ہو جائے۔ اور یہ ''حرص'' اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضامندی کے حصول کیلئے تھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ آپ مومنوں کیلئے نہایت مہربان اور مجسمہ رحمت ہیں۔ تفسیر ''روح البیان'' میں بحوالہ ''تاویلات نجمیہ'' مذکورہ قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ (الحدید) فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا۔ اس انداز کلام میں ایک لطیف وشریف نکتہ ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ''مخلوق'' ہیں۔ تو آپ کی رحمت ورأفت بھی مخلوق ہی ہوگی۔ لہٰذا وہ صرف مومنوں کیلئے مخصوص ہوئی۔ کیونکہ مخلوق ہونا ایک قسم کی کمزوری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب خالق ہے (مخلوق نہیں) تو اس کی رأفت ورحمت قدیم ہوگی۔ لہٰذا وہ خالقیت کی مضبوطی کی بناء پر عام لوگوں کیلئے ہوئی۔ جیسا کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط۔ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے (الاعراف:156)۔ پس جس شخص کو رأفت ورحمت خالقیت نے اپنے دامن میں لے لیا۔ وہ رأفت ورحمت نبویہ کے قابل بھی ہوگا۔ کیونکہ یہ (نبوی رحمت ورأفت) رحمت ورأفت

خالقیت کے نتائج میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب آپ ان کیلئے نرم ہیں (آل عمران:159)۔

اس کے بعد قول باری تعالیٰ ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ پس اگر وہ منہ موڑ لیں تو فرما دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پر میں نے توکل کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے (التوبہ:129)۔ بعض اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو اس لئے پیدا کیا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کا اظہار ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ قریب ہے کہ آپ کو آپ کا رب ''مقام محمود'' پر پہنچائے (الاسراء:79)۔ یہ مقام عرش کے نیچے ہے۔ عارف ابو یزید رضی اللہ عنہ نے کہا اور ان کے بعد عارف محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے اس کو ثابت و حق کہا کہ اگر عرش اور اس کے تمام متعلقات و مشتملات کو سو کروڑ مرتبہ دو گنا کر کے عارف باللہ کے دل کے ایک کونہ میں رکھا جائے تو عارف کو اس کا احساس تک نہیں ہوگا۔ (یعنی محسوس نہ ہوگا کہ میرے دل میں کوئی چیز ہے) اور عارف کا دل حادث اشیاء کو کیسے محسوس کرے گا جب کہ اس میں ''قدیم'' کی وسعت ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ ''وَلٰكِنْ وَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنُ'' لیکن میرے مومن بندوں کا دل میری وسعت رکھتا ہے۔ ''عارف'' ہی انسان حقیقی ہے۔ جو ذات باری تعالیٰ سے منعکس ہے۔ اور جو حق جل و علا کے وجود کے مشاہدہ کی دائمی لذت حاصل کرنے والا ہے اور اسے عَلَى الدَّوَامِ اللّٰه جل جلاله کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور یہ عبد خالص ان یکتا بندوں میں سے ہوتا ہے جو دائرہ کمال کے نقطہ نظر سے بنائے گئے ہوتے ہیں جو جہالت و ضلالت کے اندھیروں کو پھاڑنے والے ہوتے ہیں اور اسرار افلاک کے قطب کی حقیقت کے شمس ہوتے ہیں۔ جو انوار کے آسمانوں میں چمکتا ہے جب ایک عارف کا یہ مقام ہے تو کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں ہو سکتے؟ حالانکہ آپ دائرہ فردانیہ کے مرکز، تجلیات رحمانیہ کے مظہر اور حقیقت انسانیہ کا عین ہے۔ اور آپ سے ہی انسانی و روحانی کائنات کا وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک پیدا فرمائی جیسا کہ ''روح البیان'' میں بعض علماء و عارفین کا قول نقل کیا گیا ہے اس روح کو پیدا کرنے کے بعد اس کی ایک روحانی صورت بنائی۔ وہ صورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صورت جیسی تھی جو اس دنیا میں آپ کی تھی۔ اس روحانی صورت کا سر برکت سے، دونوں آنکھیں حیاء سے، دونوں کان عبرت سے، زبان ذکر سے، دونوں ہونٹ تسبیح سے، چہرہ رضا سے، سینہ اخلاص سے، قلب

رحمت سے، دل شفقت سے، دونوں ہاتھ سخاوت سے، بال جنت کے نباتات سے اور تھوک جنت کے شہد سے بنائے گئے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ایک کنویں جس کا نام ''بئر رومہ'' ہے۔ جس کا پانی سخت کڑوا کسیلا تھا۔ اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ میٹھا لذیذ ہو گیا۔ انتہیٰ کلامہ۔

جوہر ۱۰: علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ وَالْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْنَ وَ حَبِیْبُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین، مقرب فرشتوں اور تمام مخلوقات کے سردار اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ موصوف رقمطراز ہیں۔ وہ حضرات جن پر اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں نازل ہوئیں ان تمام میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین شخصیت ہیں۔ آپ کے اوصاف دائرہ امکان سے باہر ہیں کیونکہ عبارت ان کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کی وہ ذات مقدسہ ہے جو ان حضرات سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے جو ہر وقت ایسے مقامات میں اور آگے ترقی کر رہے ہیں جن کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان مقامات کو وہی جانے جو ان پر آگے بڑھ رہا ہے۔ اور یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے خاصہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات انبیاء کرام کی وہ مہر ہیں جو ہر قسم کے فضائل، خیرات اور مناقب کے جامع ہیں۔ جو الگ الگ تمام انبیاء کرام میں پائے جاتے ہیں۔ آپ جامع فضائل وکمالات کیوں نہ ہوں جب کہ تمام پیغمبر علیہم السلام آپ کی تفصیل کی صورتیں ہیں۔ آپ کے خلفاء ہیں۔ اور آپ کی تعینات کے مظاہر ہیں۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جو آپ کے نور میں غوطہ زن نہ ہو آپ کے سمندر سے پانی حاصل کرنے والا نہ ہو۔ ہر ایک نبی اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ہر قسم کی خیر وبرکت خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر وہ آپ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور آپ کی طلعت سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور تمام موجودات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی پیدا کی گئیں۔ جیسا کہ بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اصل الوجود'' ہیں۔ اور موجود ہونے کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب موجود ہیں۔ اور تمام ارواح کی روح ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی روح اعظم، آدم اکبر، صاحب کلمۂ جامعہ اور رسالت محیطہ کے تاجدار ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے نام پر جمع کرنے والے ہیں۔ اور آپ ہی خیرات کے تمام دائروں کے جامع ہیں۔ رسالات، نبوات، حقائق عیانیہ، اسرار توحید ربانیہ کے جامع بھی آپ ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۱۱: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "صاحب المعجزات" لکھا۔ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ حضرت علامہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "قصیدہ تائیہ" کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَاُقْسِمُ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ جَمِيْعَهَا مَدَادِيْ وَاَقْلَامِيْ لَهَا كُلُّ غَوْطَةٍ
لَمَا جِئْتُ بِالْمِعْشَارِ مِنْ آيَاتِكَ الَّتِيْ تَزِيْدُ عَلَى عَدِّ النُّجُوْمِ الْمُنِيْرَةِ

میں قسم اٹھاتا ہوں کہ اگر تمام دریا وسمندر میری سیاہی ہوتے اور ہر درخت میرا قلم ہوتا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بھر نشانیاں لکھتا تو ان کا دسواں حصہ بھی لکھ نہ پاتا کیونکہ آپ کی آیات و صفات ان چمکتے ستاروں سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں "سید المداح" علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب شعر کہا ہے۔

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِكَ الْعِجْزُ عَنْ وَصْفِكَ اِذْلَا يَحُدُّهُ الْاِحْصَاءُ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے وصف کو بیان کرنے سے ہر ایک عاجز ہے۔ اس لئے کہ گننے والے ان کی گنتی کر ہی نہیں سکتے۔ اس شعر میں علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کے احاطہ کرنے سے ہر ایک عاجز ہے اس کو آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ کہا ہے۔ یعنی آپ کے وہ مخصوص اوصاف کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ آپ کا اختصاص فرمایا۔ خواہ وہ اخلاق کریمہ ہوں یا فضائل جسیمہ یا اوصاف جو اقصیٰ درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں۔ ان میں سے کسی ایک تک کسی کیلئے رسائی ناممکن ہے۔ لہٰذا ان کی کوئی حد نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحہ قرب کے مراتب میں ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ یہ ترقی زندگی میں بھی تھی اور بعد از انتقال بھی جاری ہے۔ موقف میں اور جنت میں بھی مالانہایۃ تک جاری رہے گی۔ جس کا اختتام اور رکنا ناممکن ہے۔

فَبَالِغْ وَ اَكْثِرْ لَنْ تُحِيْطَ بِوَصْفِهٖ وَ اَيْنَ الثُّرَيَّا مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِ

کے تحت علامہ سید احمد عابدین لکھتے ہیں۔

جیسا کہ عارف سراج عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو خواب دیکھنے والے نے پوچھا۔ کہ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "نظم صریح" کے ذریعہ تعریف کیوں نہیں کرتے۔ تو جواب ارشاد فرمایا۔

اَرٰی کُلَّ مَدْحٍ فِی النَّبِیِّ مُقَصِّرًا   وَاِنْ بَالَغَ الْمُثْنِی عَلَیْهِ وَ اَکْثَرَا
اِذَا اللّٰهُ اَثْنٰی بِالَّذِی هُوَ اَهْلُهٗ   عَلَیْهِ فَمَا مِقْدَارُ مَا تَمْدَحُ الْوَرٰی

میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہر مدح وتعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔ خواہ حمد وثناء کرنے والا کسی قدر مبالغہ کرے یا کثرت سے حمد وثنا کرے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی وہ تعریف کرتا ہے جس کے آپ مستحق ہیں۔ تو اس کے سامنے اس تعریف کی کیا حیثیت جو مخلوق کرتی ہے۔

لہٰذا اگر اولین وآخرین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب وخصائص کے شمار کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کریں تو بھی تمام کے تمام اس کی انتہا تک پہنچنے سے عاجز رہیں گے۔ جو تعریف آپ کے خالق و مالک رب ذوالجلال نے آپ کے ''مواہب احمدیہ، اخلاق محمدیہ اور صفات مصطفویہ'' کی کی ہے اور اگر اس کی مثال دی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کی گنتی کرنے والا کیا ہے تو یہ دی جاسکتی ہے کہ ایک انسان اپنا ہاتھ اوپر کو اٹھاتا ہے اور اسے لمبا کرتا ہے تا کہ ''ثریا'' کو ہاتھ سے پکڑ لے۔ لیکن کہاں ہاتھ اور کہاں ثریا ستارے؟ اسی لئے کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔ جیسا کہ شمائل کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ''اَلْخَلْقُ مَا عَرَفُو اللّٰهَ تَعَالٰی وَ مَا عَرَفُوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' مخلوق نے نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور نہ ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا۔ اھ۔

جوہر ۱۲: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ''وَخَصَّهٗ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی یُعْطِیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَتّٰی یَرْضٰی فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ لَا اَرْضٰی وَاَحَدٌ مِنْ اُمَّتِی فِی النَّارِ'' اس قول کی شرح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''شفاء'' میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا کوئی امتی جہنم کی آگ میں جائے۔ ''شفاء'' کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور ''مواہب'' کی شرح میں علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''دیلمی'' میں مسند فردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں۔ جب آیت ''وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝'' (الضحیٰ) نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اب میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب میرا ایک امتی بھی آگ میں ہوگا۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت ذکر کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝'' سے بڑھ کر زیادہ امید دلانے والی

آیت کوئی نہیں۔ اور رسول کریم ﷺ اس سے راضی نہیں ہوں گے۔ کہ آپ کا ایک امتی بھی آگ میں داخل ہو۔ یہ روایت لفظاً موقوف ہے۔ لیکن حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ رائے کو ایسی بات میں دخل نہیں ہوتا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دلجی'' نے کہا۔ اگر یہ روایت (کسی امتی کے جہنم میں جانے سے آپ راضی نہ ہوں گے) صحیح ہے تو پھر اس سے ایک اور روایت کا معنی مشکل ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض نافرمانوں کو جہنم میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے'' (یعنی ایک روایت جہنم میں کسی امتی کا داخلہ آپ کی عدم رضا پر دلالت کرتی ہے اور دوسری روایت میں آپ ہی اجازت دے رہے ہیں جو جہنم میں داخلے پر رضامندی کی علامت ہے۔ اب اس مشکل کا کیا جواب ہوگا؟) پھر انہوں نے لکھا کہ شفاء کی شرح میں علامہ شہاب خفاجی اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں ایک اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرے اس پر راضی رہنا اور اس کے ارادہ کو تسلیم کرنا (تسلیم ورضا) سالکین کیلئے یا سالکین کا عظیم مقام ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یہ مقام کیونکر نہ ہوگا۔ اسی لئے صاحب مواہب لدنیہ نے ایک بات لکھی ہے جس سے بعض جاہل فریب کھا گئے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا یا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا کوئی امتی جہنم میں شیطان کے دھوکہ دینے سے جائے۔ ابن قیم نے بھی یہی بات (اعتراض) اتباع کرتے ہوئے کہی۔ (اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہونا اور تسلیم کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جہنم میں رکھتا ہے یا ڈالتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر رضامندی وتسلیم کا اظہار کرنا چاہئے نہ کہ آپ یہ کہیں کہ میں تو راضی نہیں ہوں کیونکہ یہ کہنا تو آپ کے مقام رضا وتسلیم کے خلاف ہے) علامہ شریف صفوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں اور ان کی اتباع کرتے ہوئے شہاب خفاجی نے اپنی شرح میں اس اعتراض کا رد لکھا۔ اور لکھا کہ اس قسم کی بات کرنا بہت بڑی جرأت اور بے ادبی ہے۔ اگر کچھ کہنا چاہئے تو مذکورہ حدیث کی بہتر سی توجیہہ کر دی جائے۔ کیونکہ اس کے مضمون کی روایات کئی طرق واسانید سے وارد ہیں۔ اگرچہ ان میں ضعف ہے۔ (لیکن متعدد طریق سے روایت ہونا ضعف کو ختم کر دیتا ہے) اور سوال مذکور کا اگر یہ جواب دیا جائے تو بعید نہ ہوگا کہ گنہگاروں اور نافرمانوں کو جو عذاب ہوگا وہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوگا تو لازماً اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی

خوش نہ ہوں گے۔حتیٰ کہ لکھا کہ کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ شبہات کے وہم سے روایات کو باطل کہتا اور کرتا پھرے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی امتی کے جہنم میں داخل ہونے پر راضی نہ ہوں گے اس سے مراد اس طرح داخل ہونا ہے کہ داخلہ کے بعد اس کو سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے بلکہ اسے عذاب خفیف سا ہوگا۔لہٰذا عذاب اسی طرح کا ہوگا جس طرح کوئی رعب وداب سے آداب سکھانے کیلئے سختی کرتا ہے۔بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔'' اِنَّمَا حَرُّ جَهَنَّمَ عَلٰى اُمَّتِي كَحَرِّ الْحَمَامِ '' جہنم کی گرمی میری امت کیلئے اس طرح کی ہوگی جس طرح حمام کی گرمی ہوتی ہے۔یہ روایت ثقہ راویوں کی مسند سے امام طبرانی نے ذکر کی۔جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔دارقطنی نے ''افراد'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔

اِنَّ حَظُّ اُمَّتِي مِنَ النَّارِ طُوْلُ بَلَائِهَا تَحْتَ التُّرَابِ۔

جوہر ۱۴۳: ''وَخَصَّهُ بِاِتْمَامِ النِّعْمَةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''اتمام نعمت'' یعنی دین کی بلندی اور نبوت کے ساتھ حکومت کو ملا دینا اور ان دونوں نعمتوں کے علاوہ تمام دینی ودنیوی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔''وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ'' وہ اللہ آپ پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا۔ کہا گیا ہے کہ ''اتمام نعمت'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سید الاولین والآخرین ہونا ہے۔''فتح مکہ'' اور اس پر مرتب والی دشمنوں پر کامیابیوں کو بھی ''اتمام نعمت'' کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عالم کون و فساد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم ثبوت وصلاح کی طرف منتقل کرنا ''اتمام نعمت'' ہے۔اس لئے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی۔تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو دیئے۔انہوں نے اس سے یہ سمجھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال اب قریب ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح البیان'' میں حضرت ابن عطاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔''اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سورۃ فتح میں مختلف نعمتیں جمع فرما دیں ایک فتح مبین ہے یہ اجابت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔دوسری نعمت ''مغفرت'' ہے۔جو محبت کی نشانیوں میں سے ہے۔تیسری نعمت ''اتمام نعمت'' ہے۔یہ اختصاص کی نشانیوں میں سے ہے۔چوتھی

''ہدایت'' ہے۔ جو تحقق بالحق کی علامت ہے۔ پانچویں ''نصر'' ہے۔ یہ ولایت کی نشانی ہے۔ پس ''مغفرت'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذنوب سے بری کرتی ہے۔ اور ''اتمام نعمت'' درجہ تک پہنچاتی ہے۔ اور ''ہدایت'' مشاہدہ کی دعوت ہے۔ اور ''نصرت'' حق سے کل کو دیکھتا ہے۔

جوہر ۱۴: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''وَخَصَّهُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ'' کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''شرح صدر'' کا معنی سینہ کو کشادہ کرنا ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ ''عالم الغیب والشہادۃ'' کو اپنے دونوں ملکہ یعنی استفادہ وافادہ کے درمیان اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ملکات روحانیہ کے اقتباس سے آپ کے علائق جسمانیہ کے ملابس اسے روکتے نہیں اور آپ کا جو تعلق مخلوق کی مصلحتوں کے ساتھ ہے وہ پروردگار کے شؤن میں استغراق سے آپ کو آڑے نہیں آتا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مخلوق سے پردے میں نہیں۔ اور مخلوق کے ساتھ ہونے سے اللہ تعالیٰ سے دور نہیں ہیں۔ بلکہ آپ جمع وتفریق اور حاضر وغائب کے درمیان ''جامع'' ہیں۔

الم نشرح کی تفسیر میں ''تاویلات نجمیہ'' میں لکھا ہے کہ آیت مذکورہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ ''نور نبوت'' سے کشادہ ہے۔ اور جن وانس کی دعوت کی وجہ سے جو پریشانیاں ہوسکتی ہیں ان کے برداشت کی قوت ہے آپ کے سر کا سینہ رسالت کی ضیاء سے کشادہ ہے۔ کفار ومنافقین کی طرف سے تکالیف اور مصائب کو برداشت کرتا ہے اور آپ کے نور کا سینہ ولایت کی شعاعوں سے کشادہ ہے۔ اور علوم لدنیہ، حکمت الٰہیہ، معارف ربانیہ اور حقائق رحمانیہ کے تحقق سے وسیع ہے۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرح صدر ''صوری'' یعنی سینہ پاک کا شق کیا جانا تو یہ کئی مرتبہ ہوا۔

جوہر ۱۵: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''وَخَصَّهُ بِاِقْسَامِهٖ تَعَالٰی بِحَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ لوگ اپنے نشہ میں حیران و پریشان پھرتے ہیں (الحجر:72)۔ ''شفاء'' میں ہے کہ تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدت حیات کی قسم اٹھائی ہے اور اس کا معنی یہ ہے۔ بَقَاءُ كَ يَا مُحَمَّدُ۔ آپ کی بقا کی قسم! کہا

گیا ہے کہ اس کا معنیٰ آپ کی زندگی اور آپ کی حیات کی قسم ہے۔ بہر حال ان معانی میں سے ہر ایک معنیٰ "نہایت تعظیم" اور انتہائی برّ و تشریف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا، جو کچھ بنایا اور جسے عدم سے وجود بخشا ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مکرم و معزز ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی حیات کی قسم اٹھائی ہو۔ جناب ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "حیات" کے علاوہ کسی اور کی حیات کی قسم نہیں اٹھائی۔ کیونکہ تمام مخلوقات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہیں۔ روح البیان میں بحوالہ تاویلات نجمیہ مذکور ہے۔ یہ مرتبہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کائنات میں کسی دوسرے نے نہ پایا۔ ازل سے ابد تک کسی کو یہ اعزاز نہ ملا۔ وہ مرتبہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فی نفسہ فانی اور برّ بہ باقی حیات کی قسم اٹھائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اِنَّکَ مَیِّتٌ" یعنی آپ اپنے آپ سے میت ہیں۔ اور ہماری نسبت سے "زندہ" ہیں اور آپ ﷺ ہی اس "مقام محمود" کے ساتھ مخصوص ہیں۔

جوہر ۱۵: علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "وَخَصَّهُ بِدَوَامِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰى وَ مِنْ جَمِيعِ الْمَلَائِكَةِ الَّتِي لَا يُحْصٰى كَثْرَتُهُمْ اِلَّاهُوَ تَعَالٰى وَ مِنْ اُمَّتِهِ فِي سَائِرِ الْاَمْكِنَةِ وَالْاَزْمِنَةِ"۔ کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "صلوٰۃ و سلام" کے بارے میں نازل فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (الاحزاب:56) یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ آیت مذکورہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ ایسی کوئی آیت کسی اور کیلئے موجود نہیں اگرچہ اصل "صلوٰۃ" حضرات ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کیلئے موجود ہے جیسا کہ "حدیث التشہد" سے اس کا علم ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ میں مسلمانوں کیلئے "بلاغ" ہے۔ یعنی یہ کہا جا رہا ہے کہ مومنو! تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی اقتداء کرتے ہوئے علی الدوام صلوٰۃ و سلام بھیجنا چاہئے۔ اس طریقہ میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف و تکریم ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کی "تشریف" سے کہیں اعلیٰ و اتم ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف فرشتوں کے ساتھ خاص

تھی۔ اس لئے کہ یہ قطعاً نا جائز نہیں کہ اس تشریف آدم (سجدہ کرنے) میں فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہو لیکن اس کے مقابلہ میں "صلوٰۃ" بھیجنے سے جو تشریف و تکریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اس میں فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "صلوٰۃ" بھیجتا ہے۔ اور فرشتے بھی اس (صلوۃ بھیجنے) میں شامل ہیں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا "تادیباً" تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جو "صلوٰۃ" کا حکم دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کیلئے تھا۔ (لہٰذا اس اعتبار سے بھی "صلوٰۃ" میں زیادہ "تشریف" ہے) اور یہ بھی کہ سجدہ صرف ایک بار ہوا اور ختم ہو گیا اور صلوٰۃ وسلام قیامت تک علی الدوام جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کی پیشانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک تھا۔ جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الاذکار" میں حضرت ابن علان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک فائدہ تحریر کیا ہے۔ وہ یہ کہ "آیت صلوۃ" میں حرف "اِنَّ" اور جملہ اسمیہ سے صلوۃ کو مؤکد کیا گیا اور یہ بتا کر اور تاکید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "صلوۃ" بھیجتے ہیں۔ پھر لفظ سلام کی تاکید مصدر (تسلیما) سے کی گئی۔ کیونکہ یہاں تاکید کیلئے مصدر کے علاوہ اور کوئی اس کے قائم مقام نہ تھا (جس سے تاکید کی جاتی)

"روح البیان" میں جناب اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں منبر پر "مہدی" کو یہ کہتے سنا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَ نَبِيَّهُ بِاَمْرٍ بِدَأَفِيْهِ بِنَفْسِهٖ وَثَنّٰى بِمَلَآئِكَتِهٖ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهُ الاية اٰثَرَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ الرُّسُلِ وَ اخْتَصَّكُمْ بِهَا مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ فَقَابَلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوں اکرام فرمایا کہ "صلوٰۃ" کی آیت میں سب سے پہلے اس نے خود اپنی ذات سے ابتدا کی اور اپنے ساتھ اپنے فرشتوں کو دوسرے درجہ پر ذکر کیا۔ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الاية۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمایا اور اے امت! تمہیں تمام دوسری امتوں کے مقابلہ میں مختص کیا کہ تم صلوۃ وسلام بھیجو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کو قبول کرو۔

اللہ رب العزت نے آیت صلوۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کے معاملہ میں خود اپنے سے ابتداء فرمائی تا کہ اس طرح آپ کے شرف و منزلت کا اظہار ہو جائے اور امت کو ترغیب دلائی جائے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ وہ مستغنی ہے۔ جب وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "صلوۃ"

بھیجتا ہے تو امت کو آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی محتاجی ہے اور اس طریقہ عجیبہ سے فرشتوں اور مومنوں کی ''صلوٰۃ'' کی تقویت بھی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' بہرحال ''حق'' ہے۔ اور اس کے علاوہ فرشتوں و مومنوں وغیرہ کی ''صلوٰۃ'' ایک رسم ہے۔ اور رسم میں اس وقت تقویت آ جاتی ہے جب حق کے ساتھ اس کا تعلق اور سنگت ہو جاتی ہے اور اس انداز بلیغانہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے انوار جمال و جلال کے ''مجلی تام'' ہیں۔ ''نعوت کمال'' کے مظہر ہیں۔ آپ کے واسطہ سے جود و عطا کا فیض سب کو ملا۔ آپ کی وساطت سے تمام کو وجود ملا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد اپنے قدس کے فرشتوں کی صلوۃ کا ذکر فرمایا کیونکہ تخلیق میں فرشتے پہلے ہیں اور علیین کے رہنے والے ''صورت'' میں خوف زدہ ہیں۔ جیسا کہ بنی آدم ''قضایا'' کے اترنے سے خائف رہتے ہیں۔ اور ''اہل علیین'' اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کرنے والے ہیں کہ کہیں ابلیس اور ہاروت و ماروت کا سا واقعہ ان سے سرزد نہ ہو جائے۔ لہٰذا انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجنے کی محتاجی ہے۔ تاکہ صلوٰۃ کے ذریعہ ان کو ''دل جمعی'' حاصل ہو جائے۔ اور محنتوں بلاؤں سے صلوۃ و سلام کی برکات سے حفاظت میسر آئے۔ اور اس لئے بھی تاکہ مومنوں کی صلوۃ کیلئے رواج حاصل ہو جائے۔ جس کا سبب یہ کہ مومنوں کی صلوٰۃ بھی فرشتوں کی ''صلوٰۃ'' کے موافق ہو جائے۔ جیسا کہ ''آمین'' کے بارے میں وارد ہے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی وہ مقبول ہوگی۔

فرشتوں کو صلوٰۃ میں اس میں ذکر کیا گیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو فرشتوں نے ان کی پیشانی میں ''نور محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھا۔ تو اسی وقت انہوں نے آپ پر صلوٰۃ بھیجی۔ پھر جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کائنات میں جسم اقدس کے ساتھ لایا گیا تو فرشتوں سے کہا گیا یہ وہی شخصیت ہیں جن پر تم ''صلوٰۃ'' بھیجا کرتے تھے۔ جب یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ''نور'' تھے۔ اب جب کہ وہ نور اس دنیا میں بالفعل موجود ہوا تو تم ان پر صلوٰۃ بھیجو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پھر فرشتوں کا ذکر کرنے کے بعد تیسرے درجہ پر ''مومنین'' کا ذکر فرمایا۔ یعنی تمام انسانوں اور جنات میں سے صرف ''ایمان والوں'' کو حکم دیا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ اس کی کئی حکمتیں ہیں۔

ا: ہر مومن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ و سلام کا محتاج ہے۔ تاکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور ابوت کے بعض حقوق ادا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کیلئے بمنزلہ

''باپ'' ہیں۔ اور آپ نے امت کی تعلیم، تربیت اور ارشاد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور بندوں پر شفقت کے لوازمات میں انتہا تک آپ پہنچے۔ اور استاد و معلم کی تعریف اس کے ہر شاگرد پر لازم ہوتی ہے۔ اور باپ کا شکر ہر بچہ پر واجب ہوتا ہے۔

۲: ''صلوات'' میں اس بات پر شکر کرنا ہے کہ آپ ﷺ افضل الرسل اور خیر الانام ہیں۔

۳: اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کیلئے شفاعت کرنے کی پابندی بھی دکھائی دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ ''صلوٰۃ وسلام'' آپ کی شفاعت کی قیمت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب امتیوں (مومنوں) نے آج دنیا میں اس (شفاعت) کی قیمت ادا کردی۔ تو امید کی جاسکتی ہے کہ کل قیامت کے دن اس قیمت سے لیا گیا مال (شفاعت) انہیں ضرور ملے گا اور مومنوں نے جس قدر (کم یا زیادہ) آپ پر صلوۃ وسلام بھیجا ہوگا اسی قدر ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جان پہچان ہوگی۔ قیامت کے دن ''صلوۃ وسلام'' بھیجنے والے مومن کی علامت یہ ہوگی کہ اس کی زبان سفید ہوگی۔ تارک صلوۃ کی زبان سیاہ ہوگی۔ ان دونوں علامتوں سے اس دن امت کی پہچان ہوگی۔ (کہ صلوۃ و سلام پڑھنے والے کون ہیں اور دوسرے کون؟)

۴: صلوٰۃ وسلام میں ''قربات'' کی زیادتی ہے۔ یہ اس طرح کہ جب کوئی بندہ مومن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب میں ترقی ہوتی ہے۔ جس سے امت کا مرتبہ بھی بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ تابع کا مرتبہ متبوع کے مرتبہ کے تابع ہوتا ہے۔

۵: اس میں ''اثبات محبت'' ہے جو جس سے محبت کرتا ہے اور رکھتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر صلوۃ وسلام پڑھنا ''افضل العبادات'' ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اور اپنے فرشتوں کو اس کا ''متولی'' بنایا ہے۔ پھر مومنوں کو حکم دیا۔ باقی تمام عبادات ایسی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے باقی عبادات بجا لانے کا ہمیں حکم دیا ہے لیکن خود وہ بجا نہیں لاتا۔ انتہی۔

۶: اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''فضل'' واضح فرمایا ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ کی ''صلوٰۃ'' کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کے فرشتے ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجتے ہیں۔ یونہی آپ کی امت ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے آپ پر صلوۃ و سلام پڑھتی رہی اور پڑھتی رہے گی۔ کوئی جگہ کوئی وقت صلوۃ وسلام سے خالی نہیں۔ یعنی جو مومن ''صلوۃ وسلام'' بھیجتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے آپ کیلئے یہ طلب کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے آقا و

مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف آپ کی رفعت کو اور زیادہ فرما دے۔ بندوں کی طرف سے ''اصل صلوۃ'' نہیں۔ اس لئے کہ ''اصل صلوۃ'' تو آپ کو اپنے رب سے ہی حاصل ہو رہی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اھ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ اَبَدًا سَرْمَدًا

جوہر ۱۶: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''اِعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی شَرَّفَ نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِسَبْقِ نُبُوَّتِہٖ فِیْ سَابِقِ اَزْلِیَّتِہٖ وَ ذَالِکَ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمَّا تَعَلَّقَتْ اَرَادَتُہٗ بِاِیْجَادِ الْخَلْقِ اَبْرَزَ الْحَقِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّہِ مِنْ مِحْضِ النُّوْرِ قَبْلَ وُجُوْدِ مَا ھُوَ کَائِنٌ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ بَعْدُ ثُمَّ سَلَخَ مِنْھَا الْعَوَالِمَ کُلَّھَا ثُمَّ اَعْلَمَہٗ تَعَالٰی بِسَبْقِ نُبُوَّتِہٖ وَ بَشَرَہٗ بِعَظِیْمِ رِسَالَتِہٖ کُلُّ ذَالِکَ وَ آدَمُ لَمْ یُوْجَدْ ثُمَّ اِنْبَجَسَتْ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُیُوْنُ الْاَرْوَاحِ فَظَھَرَ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی اَصْلًا مُمِدُّ الْلعَوَالِمِ کُلِّھَا اھ'' تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازلیت سابقہ میں سبق نبوت سے مشرف فرمایا یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ مخلوق بنائے تو اس نے محض نور سے ''حقیقت محمدیہ'' ظاہر کی جب کہ اس کے بعد پیدا ہونے والی تمام مخلوق کا وجود تک نہ تھا۔ پھر اس ''حقیقت محمدیہ'' سے تمام جہان بنائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی ''سبق نبوت'' کے بارے میں بتایا اور آپ کو رسالت عظمیٰ کی بشارت دی یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام موجود نہ تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارواح کے چشمے پھوٹے تو ملا اعلیٰ میں تمام جہانوں کا اصل اور ممد ظاہر ہوا۔ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''حقیقت محمدیہ'' دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے جو صفت اول کے ساتھ موصوف ہے۔ ''لطائف کاشی'' میں ہے۔ ''حقیقت محمدیہ'' جس کو حقائق شاملہ کی حقیقت کا نام دیا جاتا ہے اور حقائق ساریہ بھی کہتے ہیں۔ ''حقیقت محمدیہ'' ان میں اس طرح سرائیت کئے ہوئے ہے جس طرح ''کل'' اپنے جزئیات میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔ ''حقیقت محمدیہ'' ہی حقائق کی صورت ہے اس لئے کہ خلق وسطیہ، برزخیہ اور عدلیہ میں اس کا اس طرح ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا۔ اول ما خلق اللّٰہ نوری۔ یعنی اس کی اصل لغوی وضع پر اسے بنایا۔ اس اعتبار کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''نور الانوار'' اور ''ابوالارواح'' کہا گیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کاملین کے آخر میں تشریف لائے۔ اس لئے کہ آپ

کے بعد آپ کی مثل پیدا نہیں ہوگا۔ اھ

لہٰذا ''حقیقت محمدیہ'' محض نور سے وجود میں آنے والی ''اول موجود'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور صمدی سے وجود میں آنے والی۔ یہ حقیقت ایسی تھی کہ جس نے ربوبیت کے تمام لباس پہنے ہوئے تھے۔ تمام اوصاف رحمانیہ پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے درمیان واسطہ تھی۔ تمام جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی نائب ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایک حجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ملا اعلیٰ'' میں تمام جہانوں کیلئے ''اصل مد'' ظاہر ہوئے۔ اور وہ روشن ترین منظر ہے۔ اور ان کیلئے میٹھے پانی کا گھاٹ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''جنس عالی'' ہیں۔ تمام اجناس اس کے تحت ہیں۔ اور تمام موجودات اور انسانوں کا ''بڑا باپ'' ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مروی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب اسریٰ حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تو حضرت آدم نے آپ کو کہا۔ ''مَرْحَبًا بِابْنِ صُوْرَتِي وَ اَبِي مَعْنَايَ'' خوش آمدید! میرے صورتاً بیٹے اور معنی وحقیقت میرے باپ۔ عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قُلْتُ بِاَبِيْ وَاُمِّي اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰه تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرِ نَبِيِّکَ مِنْ نُوْرِهٖ الحدیث۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے اس بارے میں ارشاد فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے بیشک تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (یہ حدیث کافی لمبی ہے)۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے مولا ابن حجر کی شرح کرتے ہوئے اپنے شیخ جناب ابن عقیلہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ''جب اللہ تعالیٰ غیر معروف خزانہ تھا۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو اس نے اپنے چہرہ اقدس سے ایک نور موجود کیا۔ جس کا نام ''نبی عظیم'' اور ''نور محمدی'' اور ''سر اوحدی'' رکھا۔ اس سے ساری کائنات کو وجود بخشا۔ اھ

سید احمد عابدین فرماتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوبکر کلالی کردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ نور دو ہیں۔ ایک ''نور حق'' ہے جو غیب مطلق ہے اور یہی نور قدیم ہے۔ جو کیفیت اور مماثلت سے منزہ ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے

اشارہ کیا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ (النور:35)۔ دوسرا نور اس محدث کائنات کا نور ہے۔ اور وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''نور'' ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ الایۃ (النور:35)۔ یعنی ''نور محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ''مشکوٰۃ'' ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے اول اپنے نور سے جس کو پیدا کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ پھر اس سے ہر شے بنائی۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے...... حتیٰ کہ موصوف نے لکھا کہ اس سے ثابت ہوا کہ تمام اشیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ لیکن یہ تمامیت باعتبار حقیقت کے ہے۔ اور ''صورت'' کے اعتبار سے ہر شئی آپ کا غیر ہے۔ اس لئے تمام چھوٹی بڑی مخلوق عدم سے موجود ہے۔ کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے۔ اور پھر اس کا وجود ہر لحہ تجلی سے نیا ہوتا ہے۔ یہ تجلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ''نور اعظم'' ھبہ کیا۔ پھر آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال فرمایا۔ لہٰذا کوئی شئی وجود میں نہ آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے واسطہ سے آئی۔ پھر اس ''نور اعظم'' سے جو کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی تھی، تمام انبیاء کرام اور مرسلین علیہم السلام کے انوار الگ کیے گئے۔ تمام فرشتوں، اولیاء کرام اور مومنین کے انوار اس سے علیحدہ کئے گئے۔ پھر اس ''نور اعظم'' سے تمام ارواح پیدا کی گئیں۔ اور ان سب سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عہد و میثاق لیا گیا۔ اور تکالیف شرعیہ کا وعدہ لیا گیا۔ پس یہ ہے وہ ''لطیف عالم'' جس کا ایک حصہ فرشتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ''عالم کثیف'' یعنی آسمان زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے پیدا کیا۔ اھ

شیخ موصوف نے پھر لکھا کہ عارف اکبر رضی اللہ عنہ (محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے بارھویں باب میں لکھا ہے۔ اور مؤلف یعنی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں بھی لکھا ہے۔ ''جب اسم باطن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں زمانہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے وجود کی باری آئی۔ اور ارتباط روح کا وقت آیا۔ تو زمانہ کا حکم ''اسم ظاہر'' کی طرف منتقل ہوا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم اور روح دونوں کے ساتھ کامل طور پر ظاہر ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ باعتبار زمانہ متاخر ہیں۔ لیکن سر کا خزانہ آپ ہی ہیں۔ لہٰذا کوئی امر آپ کے بغیر انعقاد پذیر نہیں ہوتا۔ اور کوئی چیز آپ کے علاوہ منتقل نہیں ہوتی۔ اھ۔

اس (مذکورہ قول) کو جن حضرات کی نسبت کیا گیا۔ مواھب لدنیہ میں ان کے اسماء گرامی یہ بیان کیے گئے ہیں۔ عارف ربانی حضرت عبداللہ بن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''بہجۃ النفوس'' میں

لکھا ہے۔ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الوفاء'' میں امام ابو الربیع بن سبع رضی اللہ عنہ ''شفاء الصدور'' میں اور علامہ شہاب خفاجی رضی اللہ عنہ نے ''شرح الشفاء'' میں تحریر کیا ہے۔

جوہر ۱۷: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''وَقَالَ كَعْبُ الْاَحْبَارُ لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَخْلُقَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَاتِيَهٗ بِالطِّيْنَةِ الَّتِي قَلْبُ الْاَرْضِ فَهَبِطَ فِي مَلَائِكَةِ الْفِرْدَوْسِ وَمَلَائِكَةِ الرَّفِيْعِ الْاَعْلٰى فَقَبَضَهَا مِنْ مَحَلِّ قَبْرِهِ الْمُكَرَّمُ'' حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا، تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ زمین کے دل کی مٹی لائیں۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ فردوس اور دوسرے مقام رفعت والے فرشتوں کولیکر زمین کی طرف آئے اور جہاں آپ کی قبر انور ہے اس جگہ سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔

اس قول کی تشریح کرتے ہوئے سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی مٹی دراصل یہ کعبہ مشرفہ کی جگہ کی مٹی تھی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں طوفان آیا تھا تو اس نے یہاں کی مٹی کو بہا کر وہاں پہنچا دیا۔ جہاں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے۔ مواہب لدنیہ، اس کی شرح اور روح البیان میں لکھا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنِ۔ دونوں میری بات مانو چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کیا۔ ہم فرمانبردار بن کر قبول کرتے ہیں۔ زمین سے یہ جواب جس جگہ نے دیا وہ جگہ وہ تھی جہاں خانہ کعبہ ہے۔ اور آسمان سے جواب خانہ کعبہ کے بالکل مقابل یعنی ''بیت المعمور'' نے دیا تھا۔ ان دونوں جگہوں کے جواب دینے میں بقیہ تمام مقامات نے ان کی موافقت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام زمین کے مقابلہ میں ''محترم'' کر دیا۔ حتیٰ کہ اسلام کا کعبہ اور لوگوں کا قبلہ بنا دیا گیا۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین میں سے صرف حرم کی زمین نے جواب دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی کی اصل زمین کی ناف یعنی'' مکہ مکرمہ'' ہے۔ صاحب عوارف المعارف علامہ سہروردی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین میں سے اگر کسی جگہ نے جواب دیا تو وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''اصل'' تھی۔ اور کعبہ مکرمۃ سے تمام زمین بچھائی گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روح وجسم کے اعتبار سے تمام کائنات کی اصل ہیں۔ اور کائنات آپ کی تابع ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''امی'' اس لئے کہا گیا کہ مکہ مکرمہ'' ام القریٰ''

ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل مخلوق کی ام (اصل) ہے۔

اگر دریافت کیا جائے۔کہ صحیح حدیث پاک میں وارد ہے "تُرْبَةُ كُلِّ شَخْصٍ مِنْ مَدْفِنِهٖ" ہر شخص کی مٹی وہاں سے لی جاتی ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہوتا ہے۔اس حدیث صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "مدفن" مکہ مکرمہ میں ہوتا۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی وہاں سے اٹھائی گئی تھی؟

اس سوال کا جواب صاحب عوارف المعارف امام سہروردی رضی اللہ عنہ نے یوں دیا ہے۔بیان کیا گیا ہے۔کہ پانی جب جوش میں آیا۔اوراس پر موجیں ابھریں۔تو موجود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "عنصر شریف" اور "زبد لطیف" اور "جوہر منیف" ایک طرف پھینک دیا۔پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "عنصر پاک" اس جگہ آ گیا۔جو مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی جگہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں اور وصال شریف مدینہ منورہ میں ہوا۔اھ۔

"روح البیان" میں بحوالہ "تاریخ مکہ" لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عنصر مبارک اپنی جگہ چمکتا رہا حتیٰ کہ طوفان نوح آیا۔پس موجوں نے طوفان کے دوران اسے اس جگہ ڈال دیا جہاں اب آپ کی قبر انور ہے۔اس کی وجہ حکمت الٰہیہ اور غیرت ربانیہ ہے۔جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔ اھ۔اسی لئے تمام علماء امت کا اتفاق ہے۔کہ مشہد اعظم،مرقد اکرم اور قبر اطہر تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔حتیٰ کہ عرش و جنت سے بھی افضل ہے۔حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے جس پر آپ نے قسم بھی اٹھائی۔فرمایا۔لَا اَعْرِفُ اَكْبَرَ فَضْلٍ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِنْ اَنَّهُمَا خُلِقَا مِنْ طِيْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لِقُرْبِ قَبْرَيْهِمَا مِنْ حَضْرَةِ الرَّوْضَةِ الْمُقَدَّسَةِ الْمُفَضَّلَةِ عَلَى الْاَكْوَانِ بِاَسْرِهَا۔حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا فضل اس سے بڑا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں حضرات کی تخلیق اسی مٹی سے ہوئی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی۔اس لئے کہ ان دونوں کی قبریں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضہ مقدسہ سے متصل ہیں۔وہ روضہ پاک جو تمام کائنات سے افضل ہے۔

صاحب عوارف المعارف امام علامہ سہروردی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی۔اس سے پہلے ابلیس اپنے قدموں سے زمین کو روند چکا تھا۔ جس سے زمین کا کچھ حصہ اس کے قدموں کے درمیان رہا۔اور بعض حصہ اس کے قدموں تلے آ گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جس قدر "نفس امارہ" پیدا کئے۔ وہ اس زمین کے حصہ سے پیدا کئے گئے جس پر ابلیس کے قدم پڑے تھے۔ جس سے "نفوس امارہ" شرارتوں اور برائیوں کا مرکز بن گئے۔ اور جس حصہ زمین پر ابلیس کے قدم نہ لگے۔ اس سے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کی مٹی لی گئی۔ اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی "طینت مبارکہ" اس جگہ سے اٹھائی گئی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی اس وقت نظر تھی جب حضرت عزرائیل علیہ السلام اس جگہ کی مٹی اٹھا رہے تھے جہاں ابلیس کے قدم نہیں لگے تھے۔ اس لئے نفس امارہ کی جہالت کا ذرہ بھی اس میں نہ تھا۔ بلکہ جہالت مکمل طور پر اس سے الگ کر دی گئی تھی۔ اس جگہ وافر مقدار میں علم رکھ دیا گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "علم وہدیٰ" کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اور آپ کے قلب انور سے یہ (علم وہدیٰ) دوسرے شریف النفس لوگوں تک منتقل ہوا۔ اور آپ کے "نفس قدسیہ مطمئنہ" سے دیگر "نفوس مطمئنہ" نے حصہ پایا۔ جس سے ان نفوس کی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "نفس پاک" سے مناسبت ہوگئی۔ یعنی طہارت اصلیہ جو اصل مٹی میں تھی وہ ان حضرات میں بھی بقدر حصہ منتقل ہوئی۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس کو اس بات سے جس قدر زیادہ قرب و مناسبت ہوگی۔ وہ اسی قدر قبول، تسلیم اور کمال ذاتی میں زیادہ حصہ پائے گا۔ پھر بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ "طہارت ذاتیہ" میں بہت قریب کی مناسبت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث لدنی سے انہیں وافر حصہ بھی ملا ہے۔ لیکن وہ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ازروئے مسکن و ازروئے مدفن کوسوں دور رہتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کی یہ دوری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ "معنوی قرب" کے منافی نہیں۔ اور نہ ہی یہ دوری اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ایسے لوگوں کو آپ سے کوئی "معنوی قرب" نہیں اس لئے ان حضرات کا زمین کے دور دراز حصوں پر رہنا اور مدفن ہونا اسی طرح ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا مکہ میں ہوئے۔ اور آپ کا روضہ شریف مدینہ منورہ میں ہے۔ اس میں اعتبار مصلحت کا ہوتا ہے۔ اھ

بعض حضرات نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انفرادی طور پر مکہ مکرمہ سے دور ایک جگہ (مدفن ہونا حالانکہ پیدا مکہ میں ہوئے) اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کے اظہار میں زیادتی ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ متبوع ہیں تابع نہیں۔ اس لئے کہ اگر آپ مکہ مکرمہ میں ہی مدفون ہوتے تو آپ کی زیارت کا قصد کرنے والا آپ کی زیارت کا قصد بالتبع کرتا۔ کیونکہ اصل قصد کعبہ کی زیارت ہوتا۔ یا حج وعمرہ کی سعادت پیش نظر ہوتی۔ جب اصل توجہ اس بات کی طرف ہوتی

تو آپ اس ارادے کے اعتبار سے "تابع" ہوتے۔ اور "تابع ہونا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ کے لائق نہ تھا۔ لہٰذا اس کا تقاضا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مخصوص جگہ میں انفرادی طور پر جلوہ فرما ہوں۔ جو کعبہ سے دور ہو حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد کرنے والا صرف آپ کی زیارت کا قصد کر کے جاتا۔ کسی اور مقصد کے تابع نہ ہوتا۔ اور اس لئے تاکہ لوگ اس بات میں ممتاز ہو جائیں۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "زیارت" کیلئے خوب تیاری اور مکمل ارادہ کر کے صرف اور صرف زیارت کرنے جاتے ہیں۔ ان کا "شدرحال" صرف زیارت محبوب رب ذوالجلال کیلئے ہے۔ (حج وعمرہ کیلئے نہیں)۔

جوہر ۱۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ "وَلَمَّا كَانَ آدَمُ نَبِيًّا اُسْتُخْرِجَ مِنْهُ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ نَبِيٌّ – وَ فِي حَدِيْثِ اَحْمَدَ اِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ اَنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهٖ" جب حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ تو ان سے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالا گیا اور نبی بنا دیا گیا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث لکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک "خاتم النبیین" لکھا ہوا تھا۔ جبکہ آدم اپنی مٹی میں تھے۔

اس مضمون کے تحت علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء کی شرح میں لکھا۔ کہ درج بالا حدیث میں متعدد روایات ملتی ہے۔ جو صحیح ہیں۔

۱- اِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاَنَّ آدَمَ لِمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهٖ۔

اسے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

۲- مَتٰى اُسْتُنْبِئْتَ؟ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ – وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

عرض کیا گیا۔ آپ کو نبوت سے کب سرفراز کیا گیا؟ فرمایا۔ اس وقت جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

۳- وَ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

"منجدل" کا معنی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

ان احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کا معنی یہ نہیں۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس معنی میں صرف آپ کی خصوصیت نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ

کے علم میں تو تمام نبیوں کی نبوت تھی) کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو اس وصف سے متصف وموصوف نہ کیا اور یہ اتصاف عالم ارواح میں تھا۔ یہ اختصاص اس لئے تھا۔ تا کہ ''ملا اعلیٰ'' کو اس کی خبر دے دی جائے۔ یعنی ملاأعلیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کی صفت نبوت سے موصوف ہونا مشہور ومعلوم ہو جائے۔ جب ''نبوت'' آپ کی روح پاک کی صفت قرار پائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال کے بعد بھی نبی ورسول ہیں۔ رہا یہ کہ اب (وصال کے بعد) احکام و وحی آپ سے منقطع ہو چکی ہے۔ اس کے انقطاع کے بعد ''نبوت ورسالت'' کا وصف کیا معنی رکھتا ہے؟ تو اس انقطاع سے اس وصف میں اس لئے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو پھیلانے تشریف لائے تھے۔ وہ مکمل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس کا انکار ''جہالت'' ہے۔ ہمارے اس نکتہ کو یاد رکھنا۔ نہایت نفیس اور قیمتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی یہی مراد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرِی قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِاَرْبَعَۃَ اَلْفِ عَامٍ۔ اللہ تعالیٰ نے میرا نور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ اس کی روایت ابن القطان کی ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ یُسَبِّحُ ذَالِکَ النُّوْرُ وَ تُسَبِّحُ الْمَلَائِکَۃُ بِتَسْبِیْحٍ۔ ''نور محمدی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسبیح کرتا تھا۔ اور اس کی تسبیح سن کر اسی طرح کی تسبیح فرشتے کرتے تھے۔ یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فرشتوں'' کیلئے بھی رسول تھے۔ جیسا کہ آپ دوسروں کیلئے مرسل تھے۔ پس یہ بات اس کی صراحت کرتی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام وغیرہ کی نبوت سے بہت پہلے ''وجود عینی'' میں ظاہر تھی۔ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی نبی کو نہ جانتے تھے۔ (یعنی کسے نبوت سے سرفراز فرمایا جائے گا) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ''نبی مطلق'' صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ دیگر انبیاء کرام آپ کے خلفاء ہیں۔ اور تمام شریعتیں آپ کی شریعت ہی ہیں۔ جو ہر نبی کی زبان سے اس دور کے لوگوں کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتی رہی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ابوالانبیاء'' بھی ہیں۔ اور ''آخرالانبیاء'' بھی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر نسخ کا قلم نہیں چل سکتا۔ (یعنی منسوخ نہیں ہو سکتی)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کرام سے باعتبار ''روح'' کے اول ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور جسم کے اعتبار سے بھی اول ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے جسم کا مادہ تمام مخلوق کے مواد سے پہلے پیدا کیا گیا۔ اس کی دلیل حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ وہ حدیث ہے

جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد" میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے" میں جو" درمیان ہونے" کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر مراد یہ ہے کہ دونوں طرفیں (روح اور جسم) موجود نہ تھیں۔ یعنی نہ روح آدم تھی اور نہ جسم آدم۔ جیسا کہ اس کی تصریح ایک اور روایت میں ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔" لَا اٰدَمَ وَلَا مَاءَ وَلَا طِيْنَ"۔ نہ آدم تھے نہ پانی مٹی۔ اس لئے کہ جب تم کہتے ہو۔" مَسْكَنِي بَيْنَ الْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ" میری رہائش بصرہ اور کوفہ کے درمیان ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم ان دونوں (بصرہ وکوفہ) شہروں میں نہیں رہتا۔" بين الماء والطين" کا معنی یہ نہیں کہ اس وقت آدم علیہ السلام محض مٹی نہ تھے۔ اور نہ ہی محض پانی تھے۔ (جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نبی بنے۔ جب آدم علیہ السلام صرف مٹی اور پانی نہ تھے۔ بلکہ مٹی اور پانی سے آگے گزر کر آپ کا جسم بنا۔ پھر اس میں روح پڑی پھر کہیں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقت کے وجود کا تقرر جو اس وقت تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے منافی نہیں۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی۔ آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے (الشوریٰ:52)؟ (مطلب یہ کہ اگر آپ حضرت آدم سے بہت پہلے نبی تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول کا مفہوم اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ نبی کو تو اپنے ایمان اور اپنی کتاب کا علم ہوتا ہے)۔ اس کے بارے میں علامہ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب" قصد السبیل" میں ذکر کیا۔ اور ان کی تحقیق کو علامہ محمد داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے مولد ابن حجر کی شرح میں نقل کیا۔ وہ یہ کہ آیت" مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ" میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب کو جاننے کی جو نفی کی گئی۔ اس کا زمانہ کون سا تھا؟ اس بارے میں یہ احتمال ہے کہ یہ زمانہ وہ ہو جو عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی آنے سے قبل تھا۔ جو کئی سالوں پر مشتمل تھا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کو جب نبوت سے متصف کیا گیا۔ اور جب آپ کے بارے میں میثاق لیا گیا۔ اس سے چودہ ہزار سال پہلے کی بات ہو۔ اس احتمال کے پیش نظر آیت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا۔ یونہی ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے اس وقت روح بھیجی۔ جب آپ پر ہم نے نبوت کا احسان کیا۔ اور آدم علیہ السلام اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اس وحی سے قبل آپ ان چودہ ہزار سال سے پہلے یہ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔

یہ اس معنی پر بعض احادیث کا ظاہری مفہوم بھی دلالت کرتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث کہ آپ ﷺ کی نبوت آدم علیہ السلام کے جسم کی تخلیق کے بعد آپ کو عطا ہوئی تھی۔

شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے شیخ علامہ عارف قشاشی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ''لوح وقلم'' کی پیدائش سے پہلے تھی۔ اور ان کے بعد پیدا ہونے والی اشیاء سے بھی لازماً پہلے تھی۔ آپ کے اس موقف سے مراد شاید یہ ہوگی کہ اس سے وہ متقدم زمانہ مراد ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مقام قرب'' میں تشریف فرما تھے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر آیت مذکورہ (مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ الایۃ) میں کتاب وایمان کے علم کی جو آپ سے نفی کی گئی۔ اس سے مراد وہ زمانہ ہو جو اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے قبل تھا۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت مبارکہ اور دنیا میں چالیس سال کی زندگی ہونے کے بعد سلسلہ وحی شروع ہونے سے قبل کے زمانہ میں ''کتاب ایمان'' کو نہ جانتے تھے)۔ تو پھر یہ کہا جائے گا۔ کہ آیت مذکورہ میں ''یاد آنے کی نفی'' ہے۔ یعنی جو میثاق ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے ہوا یہ یاد نہ رہا تھا۔ اس بات کی نفی نہ ہوگی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''وحی'' کی آمد سے قبل ''توحید کا علم ضروری'' نہ تھا۔ ''توحید کا علم ضروری'' اگر اس کی پیغمبر سے نفی کی جائے۔ تو اس سے ایسی بات لازم آئے گی۔ جو پیغمبر کے منصب کے لائق نہیں ہوتی۔ رہی پہلی بات (یعنی ایمان کا علم نہ ہونا) تو اس بارے میں یہ کہا جائے گا۔ کہ ''ایمان'' کسے کہتے ہیں؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ''ایمان'' مخبر کی ان باتوں میں تصدیق کرنے کا نام ہے۔ جن کی وہ خبر دیتا ہے۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو جب ان سے میثاق لیا گیا تو اس بات کی ضرور خبر دی تھی۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور پیغمبروں کی تصدیق کی بھی خبر دی۔ تمام پیغمبروں نے اقرار کیا۔ یعنی ایمان لائے اور تصدیق کی۔ لہٰذا ''ایمان'' متحقق ہو گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ'' لہٰذا اگر میثاق کا واقعہ یاد ہوتا۔ اور یہ بھی یاد ہوتا کہ کیسے ہوا اور کب ہوا اور یہ ''یاد'' عالم اشباح میں وحی سے قبل ہوتی۔ تو آپ ''ایمان'' کو جاننے والے ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کر دی۔ کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ ''ایمان'' کیا ہے۔ پس میثاق کا واقعہ اور اس کا کب اور کیسے ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادداشت میں قبل وحی متحقق نہ تھا۔ حالانکہ توحید کا علم ضروری متحقق تھا۔ اور یہ تحقق لگاتار آپ کے اول ظہور سے لیکر رسول مبعوث ہونے تک ہمیشہ ہمیشہ رہا۔ اس میں نہ تو ''جہل'' خلل انداز ہوا۔ اور نہ ''شک'' نے راستہ پایا۔ نہ ''شبہ'' عارض ہو سکا۔ نہ مختصر مدت کیلئے اور نہ کثیر عرصہ کیلئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا

B

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل وحی علم ضروری سے ''موحد'' ہونے اور کتاب وایمان کے قبل وحی نہ جاننے کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالفعل نبی ہونے اور آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کے درمیان ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل وحی کتاب وایمان کے نہ جاننے میں کوئی منافات نہیں۔ اگر قبل وحی سے مراد عالم ارواح ہے تو بات بالکل ظاہر ہے۔ اور اگر مراد اس سے وحی سے قبل ہے جو عالم اشباح (اس دنیا) میں آپ پر اتری۔ تو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ اگر دلالت کرتی ہے تو اس بات پر کہ آپ کو واقعہ میثاق کی ''یاد'' نہ تھی۔ اور یہ یاد نہ رہا تھا کہ یہ واقعہ کب اور کیسے ہوا۔ برابر ہے کہ ''میثاق نبوت'' ہو یا ''میثاق توحید'' ہو۔ پس جیسا کہ وقوع التوحید کی یاد نہ ہونا توحید کے علم ضروری کے منافی نہیں۔ اسی طرح میثاق نبوت کے واقعہ کا یاد نہ رہنا اس کے منافی نہیں۔ کہ آپ کو ان باتوں کا علم ضروری ہو جو آپ کی طرف وحی ہوئیں۔ ایسی باتیں جن کے مطابق آپ لوگوں کی طرف رسول بنائے جانے سے پہلے عبادت کرتے رہے۔ اس موضوع کو شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب وضاحت سے لکھا۔ اس مقام کی اس نہج پر تحقیق میں موصوف کو اولیت ہے۔ انتہٰی۔

جوہر ۱۹: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''فَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنَ الْخَلْقِ وَ وَاسِطَةُ عِقْدِهِمْ'' ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی خلق سے مقصود ہیں۔ اور مخلوق کی موتیوں کو پرونے والے دھاگہ سے واسطہ ہیں...... اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے اعظم، نفیس ترین اور اعلیٰ ہیں۔ اس لئے کہ ''عقد'' موتیوں کا بنا ہار ہوتا ہے۔ یعنی جن کو مخلوق میں سیادت حاصل ہے۔ وہ بمنزلہ ''ہار'' ہیں۔ جو موتیوں سے بنایا گیا ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہار کا ''واسطہ'' یعنی بے مثل موتی ہیں۔ جس کی اپنے حسن میں کوئی شبیہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز سے قبل ''نبوت'' کا ہار پہنایا گیا۔ اور آپ نے ارواح کی تخلیق کے وقت تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اور انوار کی ابتداء کے وقت آپ نے کائنات کو اللہ کی دعوت دی۔ جیسا کہ آپ نے سب سے آخر تشریف لا کر آخری زمانہ میں اپنے جسم اقدس کی تخلیق کے وقت سب مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الآیۃ (آل عمران:81) - لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ تک۔ تمام پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ لہٰذا آپ ''ابوالارواح'' اور تمام روحوں کی اصل ہیں۔ جس

طرح حضرت آدم علیہ السلام ''ابوالاجساد'' ہیں۔ اور تمام اجسام کے سبب ہیں۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ ۔ برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے پر فرقان اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کیلئے ڈر سنانے والا ہو جائے (الفرقان)۔ آیت کریمہ میں ''عالمین'' سے مراد تمام مخلوق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مخلوق کو ڈر سنایا۔ اور تمام آپ پر اولیت وآخریت میں ایمان لائے۔ اور آپ کا نور ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اور انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''رسالت عامہ'' کی ہی تقریر (پختگی) کی۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کی تائید عارف سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت تمام مخلوق کی طرف کیونکر نہ ہو جب کہ آپ ان تمام رسولوں کے رسول ہیں۔ جنہوں نے مخلوق خدا کو خدا کی طرف بلایا۔ اور جو ان احکام کی تبلیغ میں آپ کے نائب تھے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور شریعت عطا کئے۔ شیخ ابوعثمان فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابتداء سے انتہاء تک اس ''حقیقت محمدیہ'' کے سوا اور کوئی حقیقی داعی نہیں۔ جو تمام انبیاء کی اصل ہے اور تمام پیغمبر اس ''حقیقت احمدیہ'' کے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور اس کی تفاصیل ہیں۔ لہٰذا ان انبیاء کرام کی دعوت ان کی جزئیت کے اعتبار سے اپنے کل کی خلافت کے طور پر ہوئی۔ یعنی جس طرح کل کے بعض اجزاء اگر کوئی کام کرتے ہیں۔ تو وہ اس کل کا کام ہی ہوتا ہے۔ جو نائب ہونے کی حیثیت سے کسی جزء نے کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ''کل'' کی اپنے تمام اجزاء کو دعوت ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے۔ ''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ '' ہم نے آپ کو تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا۔ اور تمام انبیاء ومرسلین کرام، ان کی تمام امتیں اور جمیع متقدمین ومتاخرین ''كَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' میں شامل ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اصل داعی'' ہیں۔ اور جمیع انبیاء ومرسلین خلق کو خالق کی طرف آپ کی نیابت کی وجہ سے بلاتے ہیں۔ لہٰذا وہ دعوت الی اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ سب آپ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ پس آپ کی رسالت تمام مخلوق، انبیاء کرام اور ان کی امتوں کیلئے ہوئی۔ جو آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک ہوئی یا ہیں یا ہوں گی۔ اس وقت وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں داخل ہو جائیں گے۔ ''اُرْسِلْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً'' میں تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے کل قیامت کے دن تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ''قصیدہ بردہ'' میں

فرماتے ہیں۔

وَ کُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ
فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرُوْنَ اَنْوَارَ هَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

اور وہ تمام آیات و معجزات جو حضرات انبیاء کرام لائے وہ آپ کے نور کے صدقہ میں ان کو ملیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "فضل" کے سورج ہیں۔ اور تمام پیغمبر اس کے ستارے ہیں۔ جو اندھیرے میں لوگوں کو روشنی دکھاتے ہیں۔

یعنی ہر وہ معجزہ جو کسی رسول و پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے واسطہ سے ظاہر ہوا۔ اس لئے ان حضرات نے آپ کے نور سے ہی اقتباس کیا تھا۔ پس آپ فضل کے سورج ہیں۔ اور تمام پیغمبر اس کے ستارے ہیں۔ اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے ڈوب جاتے ہیں۔ غرضیکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنا اپنا دین (شریعت) اس وقت تک مروج کیا۔ اس وقت تک اس کی تبلیغ کی۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ظاہر نہ ہوا۔ پھر جب آپ کا دین اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ تو ان کے ادیان (شریعتیں) منسوخ کر دیں۔ لہٰذا آپ "اصل" ہوئے۔ اور تمام پیغمبر آپ کے نائب بنے۔ اسی لئے "شب اسراء" آپ نے ان کی امامت فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی لئے جب تشریف لائیں گے تو صرف اور صرف آپ کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ جات اور حکومت کریں گے۔ اپنی شریعت کے مطابق نہیں۔

جوہر ۲۰: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ "فَحِيْنَئِذٍ وَلَدَتْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ" اس کے تحت سید احمد عابدین لکھتے ہیں۔

تنبیہ: مسلمانوں کی عادت چلی آ رہی ہے کہ جب وعظ و تقریر کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر گفتگو کرتے کرتے آپ کے "پیدا ہونے" کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ تو حاضرین اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ "کھڑا ہونا" بدعت ہے۔ لیکن "حسنہ" ہے۔ اس لئے کہ اس قیام سے فرحت و اسرار اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار ہے۔ بلکہ یہ قیام اس مومن کیلئے "مستحب" ہے۔ جس پر آپ کی محبت و اجلال غالب ہو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک کے ذکر کرتے وقت "قیام کرنا" عالم امت اور دین و تقویٰ میں پیشوائے امت امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ ان کی اتباع کرتے ہوئے اور ان کے دور کے مشائخ عظام نے بھی "قیام" کیا۔ شامی اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے

ہیں۔ اتفاق ہوا کہ ایک نعت خواں نے حسان زمانہ، محبّ صادق جناب ابوزکریا یحییٰ صرصری رحمۃ اللہ علیہ کے مدح مصطفیٰ میں لکھے قصیدہ کے درج ذیل اشعار پڑھے۔

قَلِيْلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفٰى الْخَطُّ بِالذَّهَبِ ۔۔۔ عَلٰى فِضَّةٍ مِنْ خَطِّ اَحْسَنَ مِنْ كُتُبٍ

وَاِنْ تَنْهَضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سِمَاعِهٖ ۔۔۔ قِيَامًا صُفُوْفًا اَوْ جِثِيًّا عَلَى الرُّكَبِ

اَمَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا لَهٗ كَتَبَ اِسْمَهٗ ۔۔۔ عَلٰى عَرْشِهٖ يَا رُتْبَةً سَمَتِ الرُّتَبَ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کیلئے سونے کا خط (لکھائی) ہو۔ اور کاغذ چاندی کا۔ اور کتابت سب سے بہترین ہو۔ تب بھی بہت تھوڑا ہے۔ اور بزرگ وشریف لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سنتے وقت صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں یا گھٹنوں کے بل جھک جائیں۔ تب بھی معمولی ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کیلئے آپ کا اسم گرامی اپنے عرش پر رقم فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا عظیم مرتبہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں سارے مراتب کم ہیں۔

اس وقت شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس کا اختتامی وقت تھا۔ قاضی صاحبان اور نامی گرامی علماء مشائخ موجود تھے۔ جب نعت خواں نے ''وَاِنْ تَنْهَضِ الْاَشْرَافُ'' پڑھا۔ تو شیخ موصوف اسی وقت کھڑے ہو گئے۔ ان پر ''حال'' طاری ہو گیا۔ اور علامہ صرصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول (شعر) کے مضمون پر عمل کرنے کیلئے آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تمام مجلس کھڑی ہو گئی۔ اور لوگوں کو ایک بہترین ساعت دیکھنی نصیب ہوئی۔ اور اس سے تمام حاضرین نے روحانی لطف اٹھایا۔ یہ بات موصوف کے صاحبزادے شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب شعرانی نے ''طبقات کبریٰ'' ان کے حالات زندگی لکھتے ہوئے تحریر کی ہے۔ اھ

''انسان العیون'' میں مذکورہ بات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''وَيَكْفِي مِثْلُ ذَالِكَ فِي الْاِقْتِدَاءِ'' ایسی عظیم شخصیت کا مذکورہ عملی اقتداء کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ (یعنی سید احمد عابدین رحمۃ اللہ) کہ اس قیام تعظیمی پر علماء اعلام اور مشائخ کرام ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی خاطر ہوتا ہے۔ آپ تمام پیغمبروں کے خاتم ہیں۔ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهِمْ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَتَمُّ السَّلَامِ۔

جوہر ۲۱: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''وَاِنَّهٗ لَمَّا فَصَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ اُمِّهٖ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاسِيَّمَا الشَّامَ وَ قُصُوْرَهَا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی والدہ کے شکم اطہر سے باہر تشریف لائے تو اس وقت آپ کی والدہ

سے ایک نور نکلا۔ جس نے مشرق ومغرب کو روشن کر دیا۔ خاص کر شام اور اس کے محلات کو۔ اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے جسم سے نکلتا ہوا ایک نور دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن اقدس میں جلوہ فرما ہوئے۔ اس کی روشنی سے حضرت امنہ نے سرزمین شام میں بصرہ کے محلات دیکھے۔ اور ہم یہ بھی لکھ آئے ہیں۔ کہ "نور کا ظاہر" یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ اس کے تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت اور آپ کے دین کے ظہور کی بشارت ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے احمد، بزار، طبرانی اور حاکم نے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّی عَبْدُاللّٰہِ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُخْبِرُکُمْ عَنْ ذَالِکَ اِنِّی دَعْوَۃُ اَبِی اِبْرَاھِیْمَ وَ بَشَارَۃُ عِیْسٰی وَ رُؤْیَا اُمِّی الَّتِیْ رَأَتْ وَ کَذَالِکَ اُمَّھَاتُ النَّبِیِّیْنَ یَرِیْنَ۔ میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھا جب حضرت آدم اپنی مٹی میں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اور میں تمہیں اس بارے میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعاء اور حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیکھا خواب ہوں۔ یونہی تمام پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھتی ہیں۔ یعنی اس قسم کا خواب دیکھتی ہیں۔ جیسا میری والدہ نے دیکھا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے۔ جن میں آپ امت کے مقابلہ میں مخصوص ہیں۔ حضرات انبیاء کرام اس خاصہ میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی ماؤں کا نور دیکھنا اس سے مراد مطلقاً نور دیکھنا ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک سے ایسا نور نکلا۔ جس سے اس نے شام کے محلات دیکھ لئے۔ اس کے بعد مذکور محدثین کرام نے لکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے کیا دیکھا۔ "وَاَنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِیْنَ وَ ضَعَتْہُ نُوْرًا اَضَاءَ تْ لَہٗ قُصُوْرُ الشَّامِ" بیشک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد کے وقت ایک نور دیکھا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (یعنی دکھائی دینے لگے) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ صَحَّحَہُ ابْنَ حَبَّانُ وَالْحَاکِمُ۔ اس روایت کی تصحیح ابن حبان اور حاکم نے کی۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور آپ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں۔ لَقَدْ رَأَیْتُ اَیْ رُؤْیَۃَ عَیْنَ بَصَرِیَّۃٍ یَقْظَۃً لَیْلَۃً وَضَعْتُہٗ

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نُوْرًا اَضَاءَ تْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ حَتّٰی رَأَیْتُهَا۔ میں نے یقیناً دیکھا۔ یعنی سر کی آنکھوں سے حالت بیداری میں اور اس رات دیکھا جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے تولد دیا۔ ایک عظیم الشان نور کہ جس سے شام کے محلات چمک اٹھے۔ حتیٰ کہ میں نے ان کو دیکھ لیا...... حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ''اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَتْ اُمِّیْ حِیْنَ وَ ضَعَتْنِیْ اَنَّهٗ سَطَعَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَ تْ مِنْهُ قُصُوْرُ بُصْرٰی'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری ولادت کے وقت میری والدہ نے اپنے سے ایک نور نکلتا ہوا دیکھا۔ جس سے بصری کے محلات روشن ہو گئے۔ ایک روایت یوں آئی ہے۔ ''اَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا وَ ضَعْتُهٗ خَرَجَ مَعَهٗ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهٗ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَاَضَاءَ تْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ وَاَسْوَاقُهَا حَتّٰی رَأَیْتُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبَصْرٰی'' سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا۔ اس سے مشرق و مغرب کے درمیان تمام اشیاء روشن ہو گئیں۔ اس سے شام کے محلات اور بازار بھی روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ میں نے بصری میں اونٹوں کی گردنیں دیکھیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ حَتّٰی اَضَاءَ لَهٗ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ حتیٰ کہ ہر وہ چیز روشن ہو گئی جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اور ''قصور الشام'' سے ظاہر ہے۔ کہ اس سے مراد تمام اقالیم ہیں۔ صرف بصری مراد نہیں۔ اور بعض روایات میں جہاں صرف ''بصریٰ'' پر اکتفا کیا گیا۔ تو اس سے شائد یہ مراد ہو۔ کہ ''نور'' کی مکمل روشنی ''بصریٰ'' پر پڑی۔ اسی وجہ سے سیدہ آمنہ فرماتی ہیں۔ '' حتیٰ کہ میں نے بصرہ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں'' یا یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ سیدہ آمنہ نے ایک مرتبہ بالخصوص نور کو بصرہ تک پہنچتے دیکھا۔ دوسری مرتبہ اس سے آگے گزرتے دیکھا۔ ''بصریٰ'' ایک مشہور شہر ہے۔ جو دمشق کی زیر نگرانی ہے۔ اور شام کے راستہ میں آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ''نور'' کا دیکھنا ایک سے زائد مرتبہ ہوا۔ جو نور سیدہ آمنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دینے سے پہلے دیکھا۔ وہ خواب میں تھا۔ اور جو بوقت ولادت دیکھا۔ وہ جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے تھا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔

''مواہب لدنیہ'' میں بحوالہ لطائف حافظ عبد الرحمٰن ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اس نور حسی کا جو آنکھوں سے دیکھا گیا بوقت ولادت سرکار دو عالم نکلنا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ نور لیکر تشریف لائے ہیں۔ یعنی وہ احکام و معارف ساتھ لائے ہیں۔ جن کی بدولت اہل زمین ہدایت حاصل کریں گے۔ اور زمین سے شرک کا اندھیرا چھٹ جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا۔ قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ تحقیق تمہارے پاس ''نور'' آ گیا۔ یعنی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔

جوہر ۲۲: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''فَلِذٰلِکَ سَمَّاهُ مُحَمَّدًا'' اسی لئے آپ کا اسم گرامی ''محمد'' رکھا گیا۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس اسم گرامی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلت میں بہت سی احادیث اور اخبار مشہورہ آئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں اس شخص کو جہنم کی آگ میں عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے اسم گرامی پر ہوگا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور اسم گرامی ''احمد ومحمد'' کے مطابق ہوگا۔

۲- کوئی سا بھی دسترخوان بچھایا جائے۔ وہ اس وقت مکمل ہوگا جب اس پر کوئی ''محمد واحمد'' نام والا کھانے کیلئے بیٹھے گا۔

۳- دو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ جن میں سے ایک کا نام ''محمد'' اور دوسرے کا ''احمد'' ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں جانے کا حکم عطا فرمائے گا۔ دونوں عرض کریں گے۔ باری تعالیٰ! ہمیں جنت کا مستحق کیونکر اور کس وجہ سے قرار دیا گیا۔ حالانکہ ہم نے ایسے اعمال نہیں کئے جن کی جزاء اور بدلہ جنت ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا۔ تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم اٹھا رکھی ہے۔ کہ کسی ایسے شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا۔ جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔

لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے۔ کہ ''محمد'' نام رکھنے کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں آئی۔ اور جس قدر اس بارے میں روایات ملتی ہیں۔ وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ بعض حفاظ حدیث نے فرمایا۔ کہ اصح یعنی صحیح کے قریب یہ حدیث ہے۔ ''مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا''۔

۴- حُبًّا بِيْ وَ تَبَرُّكًا بِاسْمِيْ كَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدُهُ فِي الْجَنَّةِ۔ جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس نے اس کا نام ''محمد'' رکھا۔ اور یہ نام اس نے میری محبت اور میرے نام سے حصول برکت کی خاطر رکھا۔ تو وہ خود اور اس کا بچہ جنتی ہیں۔ کَمَا فِيْ سِيْرَةِ الْحَلَبِيِّ اِنْسَانُ الْعُيُوْنِ۔

میرے محترم چچا جان سیدی محمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ ''درمختار'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ ''رَوَاهُ اِبْنُ عَسَاكِرَ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رَفَعَهُ قَالَ السُّيُوْطِيُّ هٰذَا اَمْثَلُ حَدِيْثٍ وَرَدَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ

وَاَسْنَادُهٗ حَسَنٌ ''اھ۔ مذکورہ روایت (مَنْ وُلِدَلَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا الآخر) ابن عساکر نے ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس موضوع پر پائی جانے والی احادیث میں یہ حدیث زیادہ معتبر ہے۔ اس کی اسناد حسن ہیں۔

۵- شفاء میں ہے۔ جناب سریج بن یونس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ عِبَادَتُهُمُ الْمُحَافَظَةُ عَلٰی كُلِّ دَارٍ فِيْهَا اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدٌ اِكْرَامًا لِهٰذَا الْاِسْمِ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتے زمین پر سیاحت کیلئے مقرر فرمار کھے ہیں۔ جن کی عبادت یہ ہے کہ وہ اس گھر کی حفاظت کرتے ہیں جس میں کوئی شخص احمد یا محمد نام کا رہتا ہو۔ یہ صرف اس نام کے اکرام و احترام کیلئے ہے۔

۶- حضرت جعفر بن محمد اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَادٰی مُنَادٍ اَلَالِيَقُمْ مَنْ اِسْمُهٗ مُحَمَّدٌ فَلْيَدْخُلِ الْجَنَّةَ لِكَرَامَةِ اِسْمِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا۔ سنو! جس کا نام ''محمد'' ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کی کرامت کی وجہ سے ہوگا۔

علامہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ ایسی بات نہیں جو محض قیاس سے کہی جاسکتی ہو۔ لہٰذا یہ حدیث ہے۔ اور اس کا حکم ''مرفوع حدیث'' کا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی احادیث سے اس نام والا عملی طور پرست بلکہ بے عمل ہو جائے گا۔ تو اس قول کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ اھ۔

۷- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنَادِىْ مُنَادٍ فِى الْمَوْقَفِ اَلَالِيُقُمْ مَنْ كَانَ اِسْمُهٗ مُحَمَّدًا فَلْيَدْخُلِ الْجَنَّةَ بِكَرَامَتِىْ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ''موقف'' میں ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ سنو! وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا نام ''محمد'' ہے۔ اور وہ جنت میں چلا جائے۔ یہ میری کرامت کی وجہ سے ہوگا۔

۸- يَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ عَبْدِىْ اَلَمْ تَسْتَحْيِىْ مِنِّىْ اِذْ عَصَيْتَنِىْ وَ اِسْمُكَ مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَسْتَحْيِىْ اَنْ اُعَذِّبَكَ وَاِسْمُكَ اِسْمُ حَبِيْبِىْ اِذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ۔ اللہ تعالیٰ اسم ''محمد'' کو کہے گا۔ جب تو میری نافرمانی کرتا تھا۔ تو تجھے شرم نہیں آتی تھی۔ حالانکہ تیرا نام ''محمد'' تھا۔ میں تجھے عذاب دینے سے شرماتا ہوں۔ کیونکہ تیرا نام میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہے۔ فرشتو! اسے جنت کی طرف لے جاؤ۔

صاحب بردہ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَاِنَّ لِی ذِمَّۃً مِنْہُ بِتَسْمِیَتِی مُحَمَّدًا وَھُوَ اَوْفَی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ ذمہ داری عطا کر دی گئی ہے۔ کہ جس کا نام میرے نام "محمد" پر ہو گا۔ وہ میری ذمہ داری میں ہے۔ اور وہ ذمہ داریوں میں تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والا ہے۔

۹- جناب ابن القاسم نے اپنی "سماع" میں اور ابن وھب نے اپنی "جامع" میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے لکھا۔ قَالَ سَمِعْتُ اَھْلَ مَکَّۃَ یَقُوْلُوْنَ مَا مِنْ بَیْتٍ فِیْہِ اِسْمُ مُحَمَّدٍ اِلَّا نَمَا اَیْ زَادَ ذَالِکَ الْبَیْتُ بِکَثْرَۃِ الْاَوْلَادِ وَالْاَھْلِ فِیْہِ وَ زَادَتِ الْبَرَکَۃُ فِیْہِ وَ رُزِقُوْا وَ رُزِقَ جِیْرَانُھُمْ اَیْ زَادَ اللّٰہُ رِزْقَھُمْ بِبَرَکَۃِ ذَالِکَ الْاِسْمِ۔ میں نے اہل مکہ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں "محمد" نام کا کوئی شخص ہوگا۔ وہ پھلے پھولے گا۔ یعنی اس گھر میں کثرت اولاد اور کثرت اہل ہوں گے۔ اس میں زیادہ برکت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اس گھر والوں اور ان کے پڑوسیوں کو اس نام کی برکت سے روزی عطا فرمائے گا۔ ایک نسخہ میں یہ لفظ موجود ہیں۔ "الا وقد وقوا" وہ سب گھر والے ہر بیماری اور برائی سے اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوں گے۔

۱۰- وَعَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ عَلٰی مَارَوَاہُ ابْنُ سَعْدٍ مِنْ حَدِیْثِ عُثْمَانَ الْعَمْرِی مَرْفُوْعًا وَ ذَکَرَ السَّیُوْطِی سَنَدَہٗ مَا ضَرَّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَکُوْنَ فِی بَیْتِہٖ مُحَمَّدٌ وَّ مُحَمَّدَانِ وَثَلَاثَۃٌ اَیْ وَاَکْثَرُ وَ یُمَیِّزُ بَیْنَھُمْ بِلَقَبٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ اس روایت کو ابن سعد نے عثمان عمری سے مرفوعاً ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے اس کی سند ذکر کی ہے۔ فرمایا۔ جس کے گھر میں "محمد" نام کا ایک، دو یا تین آدمی ہوں۔ یعنی زیادہ ہوں۔ اور ان کے درمیان لقب سے امتیاز کرے۔ ایسا کرنے میں کوئی ضرر نہیں۔

۱۱- مسند حارث بن ابی اسامۃ میں روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ کَانَ لَہٗ ثَلَاثَۃٌ مِنَ الْوَلَدِ وَلَمْ یُسَمِّ اَحَدَھُمْ بِمُحَمَّدٍ فَقَدْ جَھِلَ۔ جس کے ہاں تین بیٹے ہوئے۔ اور اس نے ان میں سے ایک کا نام بھی "محمد" نہ رکھا۔ اس نے یقیناً جہالت کی۔

۱۲- وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی مَشْوَرَۃٍ وَ مَعَھُمْ رَجُلٌ اِسْمُہٗ مُحَمَّدٌ لَمْ یُدْخِلُوْہُ فِی مَشْوَرَتِھِمْ اِلَّا لَمْ یُبَارَکْ لَھُمْ رَوَاہُ جَمَاعَۃٌ مِنْھُمْ ابْنُ عِتَابٍ۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ کچھ لوگ جب مشورہ کیلئے جمع ہوتے ہیں اور ان کا ایک ساتھی "محمد" نام کا ہوتا

ہے اسے وہ مشورہ میں شریک نہیں کرتے۔ تو ان کیلئے برکت نہیں ہوگی۔

۱۳- ''روح البیان'' میں ہے۔ مِمَّنْ کَانَ لَهُ ذُوْبَطْنٍ فَاَجْمَعَ اَنْ یُسَمِّیَهٗ مُحَمَّدًا رَزَقَهُ اللّٰهُ غُلَامًا۔ جس شخص کی بیوی حاملہ ہو۔ اور دوران حمل اس بات پر ان کا اتفاق ہو جائے۔ کہ نو مولود کا نام ''محمد'' ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو ''لڑکا'' عطا کرے گا۔

۱۴- جس شخص کا ہر بچہ پیدا ہوتے ہی فوت ہو جاتا ہو۔ یا قبل از وقت گر جاتا ہو۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرلے۔ کہ اب جو بچہ تو عطا کرے گا۔ میں اس کا نام ''محمد'' رکھوں گا۔ تو وہ زندہ رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اسم ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی برکت یہ بھی ہے کہ جس کھانے پر اسم ''محمد'' والا بیٹھا ہو گا۔ یونہی مشورہ کرنے والوں میں اگر ایسا آدمی بیٹھا ہوگا۔ تو اس کھانے اور مشورہ وغیرہ میں برکت ہو گی۔ اور اس نام والے اور اس اسم کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ اھ

میرے چچا محترم محمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

روی مسلم و ابو داؤد والترمذی وغیرهم عن ابن عمر مرفوعاً اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی عَبْدُاللّٰهِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن سے عبداللہ مطلقاً افضل ہے۔ اور ان دونوں کے بعد محمد پھر احمد پھر ابراہیم افضل ہیں۔ ابن عابدین موصوف درمختار کے حاشیہ پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ان دونوں ناموں یعنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ ان جیسے دوسرے نام بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ عبدالرحیم اور عبدالمالک وغیرہ۔ ان دونوں ناموں کے افضل ہونے کی وجہ اس پر معمول ہے۔ کہ یہ نام رکھنے والا ''عبودیت'' کی نیت و ارادہ کر کے رکھے۔ اس لئے کہ کفار و مشرکین عبد شمس اور عبدالدار وغیرہ نام رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے منافی نہیں۔ کہ اسم ''محمد و احمد'' اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہی نام منتخب فرمایا۔ جو اسے سب سے زیادہ پسند تھا۔ هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ۔ اور اس کا حمل علی الاطلاق جائز نہیں۔ اھ۔

درمختار میں ہے۔ جس کا نام ''محمد'' ہے۔ وہ اگر ''ابوالقاسم'' کنیت رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو'' یہ منسوخ ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی تھی۔ اھ۔ اس بارے میں کل گفتگو چچا محترم کے حاشیہ میں ''بحث التسمیہ'' کے اندر موجود ہے۔ جو کتاب الحظر والاباحۃ کی فصل البیع پر لکھا گیا۔

جوہر ۲۳: علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "وَالْاَشْهَرُ اَنَّهُ وُلِدَ فِي رَبِيْعِ الْاَوَّلِ" مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ربیع الاول" میں پیدا ہوئے۔ اس قول مشہور کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر اتفاق واجماع نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ فَقَالَ فِي الصَّفْوَةِ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وُلِدَ بِمَكَّةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فِي شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ۔ اھ۔ "صفوۃ" میں انہوں نے لکھا۔ کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں پیر کے دن ماہ ربیع الاول میں "عام الفیل" کو پیدا ہوئے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "نعمۃ الکبریٰ" میں لکھا ہے۔ جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی گئی ان کی بڑی کتاب ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو "اتفاق" نقل کیا۔ اس سے مراد "اکثر علماء کا اتفاق" ہے اھ۔ اگر یہ نہ کہا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ آپ "صفر" میں پیدا ہوئے۔ "ربیع الآخر" میں کہا گیا ہے۔ یہ دونوں قول مغلطای وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور بعض نے "رجب" بھی کہا ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور "رمضان" بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس کو بھی بطور حکایت مغلطای وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں۔ اور یہ قول اس قول کے موافق ہے۔ جس میں کہا گیا کہ آپ کی والدہ "ایام تشریق" میں حاملہ ہوئیں۔ (یعنی ذوالحجہ میں حمل ٹھہرا اور نو ماہ بعد رمضان میں ولادت ہوئی) اور جس نے یہ کہا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء (دس محرم) کو ہوئی۔ یہ قول نہایت غریب ہے۔ اس سے آپ کی ولادت کا مہینہ "محرم" بنتا ہے۔ مغلطای نے اس کی حکایت کی۔ لہٰذا ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت کے بارے میں چھ اقوال ہیں۔

ولادت کے مہینہ کی طرح اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کہ مہینہ کا کون سا دن تھا جب آپ کی ولادت ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ دن پیر تھا۔ لیکن کونسا پیر یہ معین نہیں۔ یعنی "ربیع الاول" مہینہ میں سوموار کے دن آپ کی پیدائش ہوئی۔ اور سوموار کس تاریخ کا ہے اس کا تعین نہیں۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ "سوموار" معین ہے۔ لیکن ان کا اختلاف ہے کہ وہ پیر کا دن ربیع الاول مہینہ کی دو راتیں گزرنے کے بعد والا تھا۔ اس اعتبار سے آپ کی ولادت دو ربیع الاول بروز پیر بنتی ہے۔ اور یہی قول مغلطای نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا گیا کہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ والا پیر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دسویں تاریخ والا پیر تھا۔ اسے مغلطای اور دمیاطی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے۔ اور بیان کیا گیا کہ بارہ

ربیع الاول والا پیر تھا۔ بعض نے سترہ اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے ربیع الاول ختم ہونے سے آٹھ دن پہلے والا پیر کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخری دو قول غیر صحیح ہیں۔ اور جن لوگوں کے یہ دو قول نقل کیے گئے۔ وہ مکمل طور پر غیر صحیح ہیں۔ لہٰذا دن کی تعیین کے متعلق سات اقوال سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین قول بارہ ربیع الاول ہے۔ اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ''ابن کثیر'' نے کہا۔ جمہور سے یہی قول مشہور ہے۔ اور قدیم و جدید اہل مکۃ اسی پر متفق چلے آرہے ہیں۔ وہ اسی تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ ابن جوزی اور ابن جزاء نے اس میں تھوڑا سا مبالغہ کرتے ہوئے لکھا۔ کہ اس تاریخ پر اجماع ہے۔ یعنی اکثر کا اجماع و اتفاق ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یا اس اجماع سے مراد ''اجماع فعلی'' ہو سکتا ہے اس لئے سلف وخلف سب اس پر متفق دکھائی دیتے ہیں۔ کہ وہ ''محفل میلاد'' بارہ ربیع الاول کو ہی منعقد کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور بارہ ربیع الاول کی رات کو ہی ''عمل مولد'' کرتے آرہے ہیں۔ اور اس تاریخ کو ''میلاد النبی'' کی تاریخ کہتے چلے آرہے ہیں۔ تمام شہروں میں یہی معمول ہے حتیٰ کہ حرم مکہ میں بھی یہی معمول ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت ہے۔

بہت سے ائمہ حفاظ متقدمین وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت کی تاریخ آٹھ ربیع الاول ہے۔ علامہ قطب الدین عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہی (آٹھ تاریخ) قول ان حضرات کا مختار ہے جن کی مجھے معلومات ہیں۔ حافظ حمیدی نے اسے اختیار کیا۔ اور ان کے شیخ ابن حزم نے بھی اسے پسند کیا۔ قضاعی نے ''عیون المعارف'' میں اہل زیج (چاند سورج وغیرہ کا حساب لگانے والے) کا اجماع نقل کیا ہے۔ اسے زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا وہ نسب کے بڑے ماہر تھے۔ اور عرب کی تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے یہ علم اپنے والد ''جبیر'' سے سیکھا تھا۔ اھ۔ لیکن قول اول (بارہ ربیع الاول) ہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ اور جس پر سلف آرہے ہیں۔ یہی صحیح ہے۔ اور بعد کے وہ علماء جن پر اعتماد کیا گیا ہے وہ بھی یہی قول کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی قول پر اعتماد کرنا چاہیے۔

بروایات صحیحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ''ربیع الاول'' میں ہوئی۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ جبکہ ''اشہر الحرم'' باقی مہینوں سے افضل ہیں۔ لیکن ان میں آپ کی ولادت نہ ہوئی۔ اور نہ ہی ''سید الشہور'' یعنی رمضان شریف میں ہوئی۔ اس سے اس وہم کو دور کرنا تھا۔ کہ کوئی یہ سمجھ بیٹھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرافت و کرامت ''زمانہ'' سے ملی ہے۔ (آپ بذاتہ مشرف و مکرم نہ تھے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ بذاتہ مشرف و مکرم تھے۔ اور آپ سے زمانہ نے شرافت و بزرگی پائی۔ جیسا

کہ مختلف ''مکانات ؛جگہوں'' کو آپ کی وجہ سے شرف ملا۔ آپ کی ولادت ایسے مہینہ میں ہوئی جسے کوئی شرف نہ تھا۔ تاکہ اس غیر مشرف ماہ کو آپ مشرف کر دیں۔ یہی حکمت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمعہ کی شب پیدا نہ کیا گیا۔ اور نہ ہی جمعہ کے دن آپ کا تولد ہوا۔ بلکہ پیر کی رات اور پیر کا دن تھا۔ تاکہ پہلے سے اس کے غیر مشرف ہونے کے باوجود آپ کی نسبت سے مشرف ہو جائے۔ اور مدینہ منورہ میں دفن ہونے میں بھی یہی حکمت تھی۔ کیونکہ مکہ مکرمہ کی پہلے ہی فضیلت تھی۔ وہاں دفن ہونے کی صورت میں ایک تو مدینہ منورہ کو اعزاز نہ ملتا۔ اور دوسرا یہ سمجھا جاتا کہ مکہ کی وجہ سے آپ کو شرف ملا ہے۔ یہ باتیں ''نعمۃ الکبریٰ'' میں اور مواھب لدنیہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

''مواھب لدنیہ'' میں ہے۔ اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مذکورہ مہینوں میں سے کسی ایک میں پیدا ہوتے۔ تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آپ کی شرافت اس مہینہ سے ملی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت باسعادت ان مہینوں کے سوا دوسرے مہینہ میں کی۔ تاکہ اس مہینہ کی بزرگی اور کرامت آپ کی بزرگی اور کرامت کی وجہ سے ہو جائے۔ جیسا کہ اگر آپ وصال شریف کے بعد مکہ مکرمہ میں مدفون ہوتے تو آپ کی زیارت کا قصد کرنے والا ''قصد زیارت'' بالتبع کرتا۔ اصل قصد مسجد حرام کی زیارت ہوتا۔ مکہ مکرمہ کی زیارت ہوتا یا حج کرنے یا عمرہ کرنے کا قصد ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرام گاہ ایسا شہر اور ایسی جگہ بنائی۔ جو متبرک مقامات کے علاوہ تھی۔ تاکہ اس مخصوص جگہ کی طرف آنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد ''مستقل'' رکھتا ہو۔ اور تاکہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے وقت صرف آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے آتے۔ جس سے مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی طرف ''شدرحال'' ممتاز ہو جاتے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیر کے دن ولادت ہونا اس میں حکمت یہ تھی کہ اس دن تمام درخت پیدا کئے گئے اور ان سے انسانوں کو خوراک وغیرہ ملتی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود پاک اس دن اس وجہ سے ہوا۔ اھ۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا وقت قمری منزلوں میں سے غضر منزل کے طلوع کا وقت تھا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اور موسم ربیع کا تھا۔ یہ موسم باقوال مختلفہ شباط، اذار یا نیسان میں تھا۔ ان اقوال کی علامہ شامی نے حکایت کی۔ اور کسی شاعر نے شعر میں یوں کہا ہے۔

يَقُوْلُ لَنَا لِسَانُ الْحَالِ مِنْهُ   وَقَوْلُ الْحَقِّ يَعْذُبُ لِلسَّمِيْعِ

فَوَجْهِي وَالزَّمَانُ وَ شَهْرُ وَ ضَعِي   رَبِيْعٌ فِي رَبِيْعٍ فِي رَبِيْعٍ

ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے زبان حال یہ بیان کرتی ہے اور حق تعالیٰ کی بات

سننے والے کو بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا میری شخصیت میری آمد کا زمانہ اور میری ولادت کا مہینہ ایسے ہیں جیسے ربیع میں ربیع پھر وہ ربیع ایک اور ربیع میں ہو۔

سیدی استاد مصطفیٰ البکری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''ربیع'' دو ہیں۔ ایک کا نام ''ربیع الشہور'' اور دوسری کا ''ربیع الازمنہ'' ہے۔ مہینوں کی ربیع (ربیع الشہور) دو مہینے ہیں۔ اور زمانوں کی ربیع (ربیع الازمنہ) بھی دو ہیں۔ پہلی وہ جس میں پودوں اور درختوں وغیرہ پر بور آتا ہے۔ اور پھلوں کے شگوفے بنتے ہیں۔ اور دوسری وہ جس میں پھل پک کر تیار ہوتے ہیں۔ انتہیٰ۔ علامہ مرحوم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیع الاول میں ولادت باسعادت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا۔ کہ اس مہینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آپ کی ''شریعت'' ربیع کے زمانہ کی مثل ہے۔ اس لئے کہ ''ربیع'' سال کے چاروں موسموں سے معتدل موسم ہوتا ہے۔ اور اس موسم کے رات دن گرمی اور سردی کے درمیان معتدل حالت کے ہوتے ہیں۔ اس میں چلنے والی ہوا خشکی اور تری کے درمیان درمیان ہوتی ہے۔ اور اس دور میں سورج نہ تو سیدھا سر پر ہوتا ہے اور نہ ہی بہت زیادہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور چاند ان راتوں کے ابتدائی حصہ میں ہوتا ہے۔ جو راتیں'' چاندنی راتیں'' کہلاتی ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور اخلاق کے اعتبار سے تمام انسانوں میں سے معتدل شخصیت ہیں۔ اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے۔ اور اس ماہ میں آپ کی ولادت باسعادت اس طرف بھی صاف صاف اشارہ کرتی ہے۔ جسے لفظ ربیع کے معانی میں غور کرنے والا بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں آپ کی امت کیلئے ایک نیک فال کی آپ کی طرف سے بشارت ہے۔ موسم ربیع میں زمین اپنے اندر موجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پھٹ کر ظاہر کر دیتی ہے۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیع میں ولادت آپ کے ''عظیم القدر'' ہونے کا اشارہ کرتی ہے۔ آپ کا عالمین کیلئے رحمت ہونا، مومنوں کیلئے بشارت ہونا بھی اس ماہ کا اشارہ ہے۔ اور دنیا و آخرت میں خطرناک اور مہلک باتوں سے امتیوں کی حمایت اس پر موجود ہے اور کافروں کیلئے بھی عذاب کی تاخیر کی وجہ سے ''حمایت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جبکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں (الانفال:33)۔ پس برکتیں واقع ہوئیں۔ رزق کے دھارے بہہ گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کرنا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ حضرت علامہ ابو عبدالرحمٰن الصقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہر آدمی

کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی میں حصہ ہے۔اس مضمون کوانہوں نے ''سیرۃ الشامی'' میں بیان کیا ہے۔

اس سے قبل ہم آپ کے اسم گرامی کے محبوب فضائل،محمود ومرغوب شمائل میں سے کچھ لکھ چکے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو اس کے فرشتوں، انبیاء ومرسلین عظام کے پسندیدہ ہیں۔اور تمام اہل زمین کیلئے مرغوب ومحبوب ہیں۔اگرچہ بعض ان کے منکر بھی ہیں۔اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اسمائے گرامیہ ایسی صفات سے مشتق ہیں جو آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔اور جو آپ کی مدح اور کمال کو لازم کرتی ہیں۔اور آپ کے اسم گرامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرف میم آپ کے خاتم ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس طرح کہ اس حرف کا مخرج تمام حروف کے مخارج کا آخر ہے۔اور اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی بعثت مبارکہ چالیس برس کی عمر شریف میں ہوگی۔

آپ کے اوصاف وکمالات کی تسبیح میں یہ موتی بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماؤں کی صورت میں عطا کئے۔جنہوں نے آپ کی تربیت سے اعلیٰ مقام پایا۔آپ کی والدہ محترمہ کے اسم گرامی'' آمنہ''میں ''امن'' آپ کی دایہ'' الشفاء''میں'' شفاء'' بچپن میں دیکھ بھال کرنے والی'' برکتہ'' میں'' برکت ونماء'' دودھ پلانے والی'' ثوبیہ'' میں'' ثواب''اور'' حلیمہ سعدیہ'' میں'' حلم وسعد'' اسی کی جھلک ہیں۔علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے'' انسان العیون'' میں لکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت'' طلوع مشتری'' میں ہوئی۔اور مشتری ایک سعید ستارہ ہے۔لہٰذا آپ کی ولادت باسعادت'' سعد اکبر'' اور ربیع الاول کے'' نجم انور'' کے موجود ہونے کے وقت ہوئی۔اسی لئے ایک شاعر نے کہا۔

لِهٰذَا الشَّهرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ وَ مُنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَى الشُّهُوْرِ
رَبِيْعٌ فِي رَبِيْعٍ فِيْ رَبِيْعٍ وَ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

'' ربیع الاول'' مہینہ کا اسلام میں بہت بڑا فضل ہے۔اور اس کی فضیلت تمام بقیہ مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

یہ مہینہ ایک ربیع میں دوسری ربیع اور دوسری میں تیسری ربیع ہے۔اور ایک نور سے اوپر دوسرا نور اور اس کے اوپر تیسرا نور ہے۔

پس اے مبارک مہینے! تیرے شرف واعزاز پہ قربان! اس کی راتوں کے احترام وحرمت پر جانثار جو تسبیح میں پروئے گئے موتیوں کی طرح ہیں۔اور قربان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر کہ ایسا چہرہ کسی پیدا ہونے والا کا روشن نہ ہوا نہ ہوگا۔پاکیزگی اس ذات باری تعالیٰ کی جس نے آپ کی

ولادت باسعادت کودلوں کیلئے "بہار" بنایا۔ اور جس نے آپ کے حسن و جمال کو آنکھوں کیلئے ان دیکھا حسن و جمال دیکھنا نصیب کیا۔

يَا مَوْلِدُ الْمُخْتَارِ اَنَّ رَبِيْعَنَا بِكَ رَاحَةُ الْاَرْوَاحِ وَالْاَجْسَادِ

يَا مَوْلِدًا فَاقَ الْمَوَالِدَ كُلَّهَا شَرَفًا وَسَادَ بِسَيِّدِ الْاَسْيَادِ

لَازَالَ نُوْرُكَ فِي الْبَرِيَّةِ سَاطِعًا يَعْتَادُ فِي ذَا الشَّهْرِ كَا لِاَعْيَادِ

فِيْ كُلِّ عَامٍ لِلْقُلُوْبِ مَسَرَّةٌ بِسَمَاعِ مَا نَرْوِيْهِ فِي الْمِيْلَادِ

فَلِذَاكَ يَشْتَاقُ الْمُحِبُّ وَ يَشْتَهِيْ شَوْقٌ اِلَيْهِ حُضُوْرَ ذَا الْمِيْعَادِ

اے نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت کے مہینے ربیع الاول! تیرے ہی سبب سے روحوں کو راحت اور جسموں کا چین موسم بہار سے ہمیں ملتا ہے۔ اے ولادت باسعادت! جو تمام ولادتوں سے اعلیٰ شرف رکھتی ہے۔ اور تمام سرداروں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے تمام ولادتوں کی سردار ہوگئی۔ ہمیشہ تیرا نور کائنات میں چمکتا پھیلتا رہے گا۔ اور اس مہینہ کو لوگ عیدوں کی طرح ایک عید جانیں گے۔ ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماہ مبارک میں آپ کی ولادت کی روایات سن کر ہمارے دل مسرت حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ سے محبت رکھنے والا یہی پسند کرتا ہے۔ اور اس کا شوق یہی تقاضا کرتا ہے کہ ایسی مجالس و محافل میں بھرپور شوق سے شرکت کرے۔

اس لئے ہر اس شخص کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سچا ہے اس خوش کن مہینہ سے خوشی حاصل کرنا چاہئے۔ اس میں ایسی محفلیں منعقد کرے جن میں آپ کی میلاد پاک کے صحیح واقعات و روایات پڑھی سنی جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے۔ اور اس ذات پر صلوۃ وسلام کی برکت سے اسے جنت میں داخلہ مل جائے جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زمانہ اور رات دن نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرافت پائی جس طرح مختلف جگہوں میں آپ کی نسبت سے شرافت آئی۔ یعنی زمان و مکان کو آپ نے شرف بخشا۔ حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں۔ جیسا کہ "روح البیان" کے حوالہ سے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اور جیسا کہ "تنقیح الحامدیہ" میں بھی مذکور ہے۔ جو میرے چچا سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خلاصۃ الوفا" سے نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا۔ ان سے پہلے علامہ ابوالولید باجی وغیرہ نے لکھا۔ کہ اس

B

بات پر اجماع ہے۔ کہ زمین کا وہ حصہ جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر لگا ہوا ہے وہ ''کعبہ'' سے بھی افضل ہے۔ جیسا کہ ابن عساکر نے ''تحفہ وغیرہ'' میں تحریر کیا ہے۔ بلکہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ ابن عقیل حنبلی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ زمین کا مذکورہ حصہ ''عرش معلیٰ'' سے بھی افضل ہے۔ علامہ تاج فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ تمام آسمانوں سے بھی وہ حصہ زمین افضل ہے۔ بلکہ فرمایا۔ ظاہر اور متعین ہے۔ کہ تمام زمین کی آسمان پر فضیلت ہے۔ اس لئے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ بعض نے اکثر علماء کا یہ مذہب نقل کیا ہے۔ کہ ''زمین'' آسمان سے اس لئے افضل ہے کہ اس سے حضرات انبیاء کرام کی تخلیق ہوئی ہے۔ لیکن زمین کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ (یہ حصہ آسمان سے افضل ہے۔) اھ۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ''مواہب لدنیہ'' میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے یا دریافت کرے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات (بارہ ربیع الاول کی رات) افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ آپ ﷺ کی پیدائش کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہے۔ اس کی افضلیت تین وجوہ کی بناء پر ہے۔

۱۔ آپ کی ولادت مبارکہ کی رات وہ رات ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور مبارک ہوا۔ اور ''لیلۃ القدر'' آپ کو عطا کی گئی رات ہے۔ لہٰذا وہ رات جس کو آپ کے ظہور کا شرف ملا وہ اس رات سے زیادہ مشرف ہوگی جس کو شرف اس رات میں تشریف لانے والی شخصیت کے عطا سے ملا۔ اور اس میں کوئی نزاع نہیں۔ لہٰذا ولادت باسعادت کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہوئی۔

۲۔ ''لیلۃ القدر'' کی شرافت اس بناء پر اگر ہے کہ اس میں فرشتے اترتے ہیں۔ تو شب ولادت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ لہٰذا جس بات نے ''لیلۃ القدر'' کو شرف بخشا اس سے کہیں زیادہ اشرف و اکرم وہ ہے جس نے ''شب ولادت'' کو اعزاز عطا کیا۔ یعنی اصح اور پسندیدہ ترین اہل سنت کا قول یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس لئے ''شب ولادت'' افضل ہوئی۔

۳۔ ''لیلۃ القدر'' اللہ تعالیٰ نے ''امت محمدیہ'' کو نعمت بخشی۔ اس امت پر مہربانی فرمائی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور (صرف امت کیلئے نہیں بلکہ) تمام کائنات کیلئے نعمت ہے۔ لہٰذا ''شب ولادت'' کا نفع عام اور ''لیلۃ القدر'' کا خاص ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ''شب ولادت'' افضل ہے۔ (انتہیٰ)۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شہاب ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعاقب کیا ہے۔ (یعنی اس پر گرفت کی) لکھتے ہیں۔ کہ ان کے قول میں ایسا احتمال واستدلال ہے جو ان کے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اگر یہ ارادہ ہے۔ کہ ''شب ولادت'' جو بارہ ربیع الاول عام الفیل میں تھی۔ وہ اور اس کی مثل ہر سال تا قیامت ۱۲ ربیع الاول کی رات ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہیں۔ تو مذکورہ دلائل مطلوبہ نتائج نہیں دیں گے۔ جیسا کہ بالکل واضح ہے اور اگر یہ ارادہ ہو کہ وہ معین ومخصوص رات ہے۔ (ہر سال آنے والی ۱۲ ربیع الاول کی رات نہیں) تو ''لیلۃ القدر'' اس رات کے دور میں موجود ہی نہ تھی۔ کیونکہ ''لیلۃ القدر'' کے فضائل جو احادیث مشہورہ میں وارد ہیں۔ وہ ان راتوں کے مقابلہ میں ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے کئی سالوں بعد شروع ہوئیں۔ ان دونوں راتوں کا کسی ایک زمانہ میں اجماع ہوا ہی نہیں۔ تاکہ ان کے درمیان تفضیل وعدم تفضیل کی بات کی جائے۔ اور وہ مخصوص رات جس میں آپ دنیا میں جلوہ فرما ہوئے وہ کبھی کی گزر چکی۔ اور یہ (لیلۃ القدر) قیامت تک باقی ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے اس کی افضلیت صراحۃً اور نصاً بیان فرمائی ہے۔ اور آپ نے اپنی ولادت کی رات یا اس جیسی دوسری راتوں کی بطور نص افضلیت بیان نہیں فرمائی۔ یا اس لمحہ اور ساعت کی افضلیت جس میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وہ جیسا کہ آتا ہے کہ جمعہ کے دن اجابت کی ساعت سے افضل ہے۔ اس کی بھی کوئی نص موجود نہیں۔ لہٰذا ہمیں اسی پر اقتصار واکتفاء کرنا چاہئے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ ہمیں اپنے نفوس قاصرہ سے کوئی نئی بات نہیں نکالنی چاہئے۔ جو ایسی باتوں کے ادراک سے کوتاہ ہیں۔ اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ ایسی باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موقوف رکھنا چاہئے۔ علاوہ ازیں اگر ہم تسلیم کر لیں۔ کہ ''شب ولادت'' ہی افضل ہے۔ تو اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ اس لئے کہ زمانوں میں سے کسی مخصوص زمانہ کی فضیلت اس میں کئے گئے عمل کی فضیلت سے ہوتی ہے۔ رہا ایسا زمانہ جس میں کوئی قابل قدر اور بافضیلت کام نہ ہوا ہو اس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ (علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہاں ختم ہوتا ہے) اس کلام میں وجاہت ہے۔

پھر اگر ہم وہی کہیں اور تسلیم کر لیں جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یعنی صاحب مواھب لدنیہ نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی ولادت باسعادت ''دن'' میں ہوئی۔ تو پھر اس صورت میں اس دن کی افضلیت ہوگی یا اس دن کی جب آپ کی بعثت مبارکہ ہوئی؟ اس کا قریب الفہم جواب یہ ہوگا۔ جو ہمارے شیخ علی شبراملسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ کہ ولادت باسعادت کا دن افضل ہے۔ اس لئے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے عالمین پر آپ کی ذات بھیج کر احسان فرمایا۔ اور آپ کی بعثت کا دارومدار

آپ کے تشریف لانے پر ہے۔ پس ''وجود'' اصل اور ''بعثت'' اس پر وارد ہونے والی چیز ہے۔ اور یہ بات اس کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ ولادت باسعادت کا دن اصل ہونے کی وجہ سے افضل ہو۔ (اِلٰی ھُنَا کَلَامُ الزُّرْقَانِی)

''مواھب لدنیہ'' میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب جمعہ کے دن میں ایک ایسی مخصوص ساعت رکھی گئی۔ جس میں کوئی بھی مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کی بھلائی مانگتا ہے۔ اور اس کا سوال اس مخصوص ساعت کے موافق ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طلب پوری کر دیتا ہے۔ اس ساعت مخصوصہ کی وجہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا اس دن پیدا ہونا ہے۔ یعنی آپ کی پیدائش چونکہ اس دن ہوئی۔ لہٰذا اس میں اجابت کی مخصوص ساعت رکھی گئی۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ ساعت جس میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وہ ایسی نہیں؟ 1ھ۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی تعقب کیا ہے۔ جیسا گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بات کے بعد لکھا۔ میں کہتا ہوں۔ لیکن علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' سے جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی میلاد النبی پر لکھی گئی بڑی اہم کتاب ہے، نقل کیا ہے۔ کہ قواعد کے اعتبار سے جو بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور دلائل کی تحقیق سے جو بات سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ کہ ولادت باسعادت والی رات کو اس حیثیت سے ایسا شرف حاصل ہے۔ جو ''لیلۃ القدر'' سے بھی اعلیٰ ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ بعض دفعہ تفضیل کسی کی ذات وشخصیت کو پیش نظر رکھ کر ہوتی ہے۔ کسی عمل صالح کے اعتبار سے نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کی جلد کی عزت وشرافت وغیرہ صرف اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ ''قرآن'' معزز واشرف ہے۔ اس لئے نہیں کہ ''جلد'' عمدہ ہے یا خوبصورت چمڑے وغیرہ کی بنائی گئی ہے۔ تو اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وشخصیت کا مشرف ومعزز ہونا مسلم ہے۔ لہٰذا ولادت باسعادت کی رات آپ کی شرافت وعزت کی وجہ سے ''لیلۃ القدر'' سے افضل ہوگی۔ بہرحال وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کائنات میں تشریف لانا اس مناسبت سے ولادت باسعادت کی رات میں کسی محفل میلاد کے اندر شرکت کرتا ہے۔ اور رات بھر ذکر خدا و مصطفیٰ میں مصروف ومشغول رہتا ہے۔ تو ایسے شخص کیلئے اس میں کوئی نئی بات نہیں کہ اسے اس کی برکت سے ان گنت فضل وکرم ہو۔ اور ایسے درجات پا جائے جو بیشمار ہوں۔ 1ھ۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب شمس بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ اس امت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات کو "عید" نہیں بنایا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کی رات کو "عید" بنایا ہے۔ ایسا اس لئے ہوا کہ "عید" کا معاملہ شریعت کے سپرد ہے۔ یعنی جس دن یا رات کو شریعت "عید" قرار دے دے وہ "عید" ہے ورنہ نہیں۔ ہم امت محمدیہ کیلئے شریعت نے دو دنوں (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کو "عید" قرار دیا ہے۔ اس لئے "عیدیں" یہی دو دن ہیں۔ یا اس لئے آپ کی ولادت باسعادت کے دن کو "عید" قرار نہیں دیا گیا کہ آپ کا وصال شریف بھی اسی تاریخ کو ہوا۔ دونوں کا تعلق ایک ہی دن کے ساتھ ہو گیا۔ تو خوشی، تعزیت کے ساتھ مل گئی۔ لہٰذا وصال کی وجہ سے اس دن کو "عید" یعنی صرف خوشی کا دن نہیں منایا گیا۔ مجھے یہ بات اچھی نظر آئی ہے۔ اھ

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کی اس منقولہ عبارت کو بھی ذہن میں رکھئے۔ اور شفاء کی شرح میں علامہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے "الہدی النبوی" کے حوالہ سے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا۔ کیا لیلۃ الاسراء افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ جواب دیا۔ جو شخص "معراج کی رات" کو افضل کہتا ہے۔ اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ یہ رات اور اس جیسی دیگر راتیں تمام سال کی راتوں سے افضل ہیں تو اس کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ خاص کر معراج کی رات افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رات وہ کچھ حاصل ہوا جو دوسری راتوں میں آپ کو نہ ملا۔ اور نہ ہی آپ کے سوا کسی اور کو اس رات حاصل ہوا۔ تو پھر یہ کہنا "صحیح" ہو گا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات جو انعامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے وہ قرآن کریم کے اترنے سے افضل ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اس بات کا محتاج ہے کہ ان امور کے حقائق کا علم ہونا چاہئے جو معراج کی رات آپ کو عطا ہوئے۔ 1ھ۔

میرے چچا محترم سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ذوالحجہ کے دس دن، رمضان شریف کے دس دنوں سے افضل ہیں۔ اور رمضان شریف کی آخری راتیں اس کی ابتدائی راتوں سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ آخری راتوں میں افضل رات "لیلۃ القدر" قربانی کی رات سے افضل ہے۔ اور قربانی کی رات جمعہ کی رات سے افضل ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے۔ یہ "جوھرۃ" کی عبارت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں قربانی کی رات کو "لیلۃ القدر" سے افضل کہا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ اِنَّهَا اَیْ لَیْلَةَ النَّحْرِ اَفْضَلُ لِیَا لِیَ الْسَّنَةِ۔ قربانی کی رات سال بھر کی تمام راتوں

سے افضل ہے۔ اور لکھا ہے۔ جمعہ کا دن، جمعہ کی رات سے افضل ہے۔ اس لئے کہ دن کی فضیلت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے۔ اور نماز جمعہ دن کے ساتھ خاص ہے۔ ''الدر'' میں ہے۔ اگر عرفات کا وقوف جمعہ کے دن ہو۔ تو یہ ستر ایسے حجوں سے افضل ہے جن میں وقوف جمعہ کے دن نہ ہو۔ اور اس دن ہر شخص کو بلاواسطہ بخش دیا جاتا ہے۔ اھ۔ ''احیاء العلوم'' میں ہے۔ بعض سلف فرماتے ہیں۔ جب وقوف عرفہ اتفاق سے جمعہ کے دن آ جائے تو تمام اہل عرفات بخش دیئے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام دنوں میں یہ دن افضل ہو جائے گا۔ اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حجۃ الوداع'' ادا فرمایا تھا۔ آپ عرفات میں حالت وقوف میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الاية (المائدہ:3)۔ ''احیاء العلوم'' میں یہ بھی مذکور ہے۔ جسے غسل کی بحث میں امام غزالی نے ذکر فرمایا۔ بیشک عرفہ کا دن (نویں ذی الحجہ) سال کے تمام دنوں سے فاضل ہے۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض شافعی حضرات سے یہ نقل کیا ہے کہ تمام راتوں سے افضل واشرف رات وہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد لیلۃ القدر پھر شب معراج، پھر عرفات کی رات پھر جمعہ کی رات پھر شعبان کی پندرھویں رات پھر عید کی رات۔ اھ۔

شفاء کی شرح میں علامہ شہاب لکھتے ہیں۔ پیر کا دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ایسا ہے جیسا جمعہ کا دن حضرت آدم علیہ السلام کیلئے تھا۔ کیونکہ اس دن انہیں پیدا کیا گیا۔ اسی دن حضرت آدم زمین کی طرف اترے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اور اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ 1ھ۔ اللہ تعالیٰ نے پیر کے دن جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن ہے، انسانوں کو زائد عبادات کا مکلف نہ بنایا۔ جو جمعہ کے دن بنایا گیا۔ جس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ مثلاً جمعہ کی نماز اور جمعہ کا خطبہ وغیرہ۔ ایسا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کیلئے کیا۔ یعنی آپ کی آمد کے دن آپ کی امت پر تکلیف شرعی میں کمی کر دی گئی۔ کیونکہ آپ کا وجود کائنات کیلئے رحمت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ اس رحمت کی وجہ سے پیر کے دن زائد عبادات کی تکلیف نہ دی گئی۔

جوہر ۲۴: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''اَلصَّوَابُ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وُلِدَ بِمَكَّةَ وَلَا يَجُوْزُ اِعْتِقَادُ غَيْرِهٖ'' صحیح اور درست یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ پیدا ہونے کا اعتقاد رکھنا ناجائز ہے۔ اس قول کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ہر مسلمان ولی پر واجب ہے۔ کہ جب اس کے بچے اچھائی برائی میں امتیاز کرنے کی عمر تک پہنچیں تو انہیں یہ بتائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار شریف ہے۔ جیسا کہ سیرۃ الحلبی ''انسان العیون'' میں بعض شافعی المسلک فقہاء کے حوالہ سے لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر ''نعمۃ کبریٰ'' میں لکھتے ہیں۔ یہ بات سب سے پہلی وہ بات ہے جو ماں باپ وغیرہ پر اپنی اولاد کو سکھانی واجب ہے۔ وہ انہیں سکھائیں بتائیں جب ان کی عمر سات سال کی ہو جائے۔ اور اچھا برا جاننے لگیں۔ بلکہ بعض حضرات کا کلام بطور نص ہے۔ کہ اس کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریشی ہونے سے انکار کرنا ہے۔ اور صرف یہی دو باتیں یعنی مکہ میں پیدائش اور مدینہ میں وصال انہی پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ظاہرہ متواترہ بھی بتائے جائیں۔ جن میں آپ دیگر انبیاء کرام سے ممتاز ہیں۔ اگر چہ یہ تعلیم کسی وجہ سے بھی ہو۔ لہٰذا والدین وغیرہ پر واجب ہے کہ اولاد کو بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول تھے۔ آپ قریش خاندان سے تھے۔ آپ کے والد اور والدہ کا نام بتایا جائے۔ آپ کی بعثت کی عمر بتائی جائے۔ آپ کے دفن کا واقعہ بتایا جائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی تخلیق کی صفات یعنی خوبصورتی وغیرہ بیان کی جائے۔ تاکہ بچوں کو زیادہ پہچان ہو جائے۔ اور ایسی باتوں سے ان کے ذہن بچے رہیں جو آپ کے اوصاف و اخلاق کی ضد ہیں۔

علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل الخیرات'' کی شرح میں لکھا ہے۔ یہ اوصاف جو یہاں ذکر کئے گئے ہیں۔ وہ ہیں جو ''صاحب دلائل الخیرات'' نے کہے ہیں یعنی۔ اَلنَّبِيُّ الْعَرَبِيُّ الْقَرَشِيُّ الْزَمْزَمِيُّ الْمَكِّيُّ الْتِهَامِي۔ یہ ایسی صفات ہیں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائے جانے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اس لئے یہ ان تمام اوصاف میں سے چند ہیں۔ جو آپ کی شخصیت کو متعارف کراتے ہیں۔ اور آپ کی ذات کے ساتھ متعین ہیں۔ لہٰذا جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی نہ تھے۔ قریشی نہ تھے تو وہ کافر ہے۔ جیسا کہ اگر یہ کہے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن کا روضہ پاک مدینہ میں نہیں۔ نہ ہی آپ نے مدینہ میں انتقال فرمایا۔ اس لئے کہ یہ سب باتیں دراصل حضور ﷺ کا ہی انکار بنتی ہیں۔ اھ۔

شفاء میں مزید لکھا ہے۔ کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو کہے کہ ''کالے'' تھے۔ یا یہ کہے کہ آپ داڑھی اگنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ شفاء کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ مذکورہ قول (یعنی کافر ہو گیا) کو اس کے ساتھ مقید کرنا چاہئے۔ کہ ایسی باتیں کہنے والا ان باتوں کے

کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقارت کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اگر یہی باتیں (ارادۂ حقارت کی بجائے) اس لئے کسی نے کہیں۔ کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و اخلاق عالیہ سے جہالت تھی۔ تو بے علمی اور جہالت کی بناء پر ایسے کہنے والے کی تکفیر برمحل نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ علم ہونا کہ آپ کی رنگت سفیدی مائل تھی۔ قطعی نہیں۔ اور نہ ہی اس بات کو دین کی ضرورت میں شمار کیا جاسکتا ہے تا کہ اس کا علم ضروری ہے۔ اور رنگت کا سیاہ ہونا نبوت کے منافی بھی نہیں۔ کیونکہ ایک قول ہے۔ کہ حضرت لقمان علیہ السلام میں (نبوت اور سیاہ رنگ ہونا) دونوں باتیں جمع تھیں۔

اور یہ قول ''آپ کی داڑھی آنے سے پہلے انتقال کر گئے'' نفس الامر میں جھوٹ ہے۔ (اور جھوٹ بولنے سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی) لیکن اس قول سے تکفیر تب ہوگی جب یہ قول بارادۂ استخفاف اور استہزاء کرے۔ یا آپ کی نبوت کی تکذیب کے ارادہ سے کہے۔ اور صاحب شفاء کا قول کہ جو شخص آپ کو قریشی نہ کہے۔ وہ کافر ہے۔ اس میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریشی ہونا، اس کا علم ضروریات دینیہ میں سے نہیں لہٰذا اس کے قائل کو زیادہ سے زیادہ جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اور آپ کے خاندان کے نام سے جاہل کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس نے یہ کہہ کر آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور یہ قول کہ ''آپ مکہ میں پیدا اور مدینہ میں فوت نہیں ہوئے'' اس میں بھی یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ جہالت کی بناء پر کہا گیا ہو۔ اور یہ بھی کہ تکذیب کی نیت ہو۔ خلاصہ یہ کہ ان اقوال مذکورہ سے تکفیر اس وقت کی جائے گی جب کہنے والا آپ کی نبوت کی نفی کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف شفاء کا قول اشارہ کرتا ہے۔ لِاَنَّ وَصْفَهٗ بِغَيْرِ صِفَاتِهِ الْمَعْلُوْمَةِ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ نَفِي لَهٗ اَیْ لِوُجُوْدِهٖ وَ تَكْذِيْبِ بِهٖ اَیْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الآخر۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے اوصاف عالیہ جو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے وصف سے آپ کو متصف کرنا دراصل آپ کے وجود کی نفی اور آپ کی تکذیب ہے۔ مزید لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بعض صفات کی لاعلمی آدمی کو ایمان سے نہیں نکالتی۔ جیسا کہ یہ اکثر اور مشہور علماء کا مسلک ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات سے جہالت کس طرح ایمان سے نکال دے گی؟ خاص کر ایسی صفات کہ جن سے احکام شرعیہ کا تعلق بھی نہ ہو؟ اھ۔

''روح البیان'' میں ہے۔ مختار یہ ہے کہ اسلام میں اس بات کی شرط نہیں لگائی گئی۔ کہ مسلمان وہی ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی معرفت ہوگئی۔ آپ کے والد و دادا کے ناموں کا

علم ہوگا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کی معرفت ہی کافی ہے۔ جیسا کہ علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدایۃ المریدین'' میں لکھا۔ اھ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نطفۃ'' سے پیدا نہیں ہوئے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور آدم علیہما السلام۔ تو اس کے بارے میں علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں۔ جن کے بارے میں علماء نے نص فرمائی۔ کہ ان باتوں کا قائل اور مدعی کافر ہے۔ 1ھ۔

حاصل کلام یہ کہ جس چیز کا پڑھنا پڑھانا، سیکھنا سکھانا، علی صفۃ الکمال لازم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی توحید، اور یہ کہ وہ بندے کی ہر بات سنتا ہے، اور ہر جگہ ہر وقت بندوں کے ساتھ ہے یہ باتیں ہیں۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت کہ آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ اللہ کے نبی ہیں تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ قیامت تک کیلئے رسول ہیں۔ ایسے انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی شریعت عطا کی جو ان، تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ جو آپ سے پہلے تھیں۔ آپ عربی ہیں، ہاشمی ہیں، مکہ میں پیدا ہوئے، اسی میں مبعوث کئے گئے۔ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، مدینہ میں ہی وصال فرمایا۔ وہیں دفن کئے گئے۔ آپ واجب الاطاعت ہیں۔ آپ کی محبت لازم ہے، غار ثور میں تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ آپ سے ان گنت معجزات ظاہر ہوئے۔ آپ نے بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپ نے کئی لشکروں کی قیادت فرمائی۔ اور تادم وصال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ہوگیا۔ ان تمام باتوں کی معرفت اور تعلیم وتعلم لازم ہے۔

جوہر ۲۵: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ ''وَالْاَشْهَرُ اَنَّ مَحَلَّ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْمَكَانُ الْمَعْرُوْفُ بِسُوْقِ اللَّيْلِ'' مشہور قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اس معروف مکان میں ہوئی۔ جو ''سوق اللیل'' میں واقع ہے۔ اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ یہ مکان شعب بنو ہاشم کے آخر میں ہے۔ جسے بعد میں محمد بن یوسف ثقفی نے تعمیر کیا تھا۔ جو مشہور ظالم حجاج بن یوسف کا بھائی تھا۔ اور ''مدکدک'' نامی گلی میں ہے۔ محمد بن یوسف ثقفی سے پہلے یہ گھر عقیل بن ابی طالب کے پاس تھا۔ بخاری شریف کی شرح کتاب الحج میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ گھر ہاشم بن عبد مناف کے پاس تھا۔ پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب کے قبضہ میں آگیا۔ انہوں نے اسے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا جو حصہ تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گیا۔

یہ گھر مکمل طور پر طالب اور عقیل کے زیر تصرف تھا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اپنے باپ ابوطالب کی طرف سے اس کے وارث تھے۔ یا تو اس لئے کہ یہ دونوں اسلام نہیں لائے۔ یا اس اعتبار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت اس گھر پر اپنا حق ترک کر دیا تھا۔ ''طالب'' غزوۂ بدر میں کہیں گم ہو گیا۔ پھر عقیل نے یہ تمام گھر فروخت کیا تھا (انتہٰی) ابن الاثیر لکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حصہ عقیل کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہ گھر عقیل کے قبضہ میں رہا۔ حتیٰ کہ عقیل فوت ہو گیا۔ تو اس کے بعد اس کے بیٹے نے محمد بن یوسف کے ہاتھ جو حجاج کا بھائی تھا فروخت کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقیل نے یہ گھر ہجرت کے بعد فروخت کیا تھا۔ کیونکہ قریش نے مہاجرین کے گھر اسی وقت فروخت کئے تھے۔ اور یہ جیسا کہ داؤدی وغیرہ نے لکھا۔ کہ ہجرت کرنے والے ہر مومن کے قریبی رشتہ دار کافر نے ان کے گھر بیچ دیئے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے جو اسلام لے آئے ان کے دور جاہلیت کے تصرفات کو جائز قرار دے دیا تھا۔ تا کہ ''تالیف قلب'' ہو۔

''تاریخ خمیس'' میں ہے۔ محمد بن یوسف نے یہ مکان جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اپنے اس گھر میں شامل کر لیا۔ جس کو ''البیضاء'' کہا جاتا تھا۔ اور آپ کی ولادت باسعادت والا مکان اب اس بڑے گھر میں ''مسجد'' بنا دیا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مسجد حرام کے بعد مکہ مکرمہ میں یہ جگہ تمام دوسری جگہوں سے افضل ہے، جسے اب اہل مکہ ''مسجد مولد النبی'' کہتے ہیں۔ ہر سال اہل مکہ ولادت باسعادت کی رات (یعنی بارہ ربیع الاول کی رات) وہاں جاتے ہیں۔ اور اہل مکہ وہاں ایسی عظیم الشان محفل کا انعقاد کرتے ہیں۔ جو ان کی عیدین پر نہیں ہوتا۔ اسے ''دار خدیجہ'' اور ''مولد فاطمہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے شہرت اس لئے ہوئی۔ کہ ان کو اپنی دوسری ہمشیرگان پر شرف و برتری حاصل تھی۔ ورنہ یہی گھر سیدہ فاطمہ کی دوسری بہنوں کی پیدائش کی جگہ بھی ہے۔ جو سیدہ خدیجہ کے گھر پیدا ہوئیں۔ اس کو ہارون رشید کی ماں، مہدی کی لونڈی خیزران نے وقف کر دیا تھا۔ جب یہ حج کرنے جاتی۔ تو اکیلی اس مکان میں ٹھہرتی۔ اور اسے اس نے مسجد بنا دیا تا کہ اس میں نماز ادا کیا کرے۔

''روض الریاحین'' کی اتباع کرتے ہوئے ''نور'' میں لکھا ہے۔ کہ وہ گھر جو محمد بن یوسف کا تھا۔ اس کو ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے مسجد میں تبدیل کیا تھا۔ جب وہ حج کرنے آئی تھی۔ اور وہ ''صفاء'' کے قریب ہے۔ ''انسان العیون'' میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زبیدہ نے اسی مسجد کی تعمیر جدید کی ہو۔ جس کو خیزران نے تعمیر کرایا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک مسجد دونوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اور خیزران

نے ''دارارقم'' کو بھی مسجد بنوادیا تھا۔ اور یہ بھی ''صفاء'' کے قریب ہے۔ شائد بعض راویوں پر معاملہ گھل مل گیا ہو۔ کیونکہ دونوں مسجدیں ''صفا'' کے قریب ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''شعب بن ہاشم'' میں پیدا ہوئے تھے۔ اور تحقیق یہ قول موجود ہے۔ کہ اس قول کی پہلے قول کے ساتھ مخالفت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت جس مکان میں ہوئی۔ وہ شعب بنی ہاشم میں سے ہو۔ پھر میں نے اس کی تصریح بھی دیکھی۔ اور یہ قول اس قول کے منافی نہیں جو پہلے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کی ولادت کا مکان شعب ابی طالب میں تھا۔ کیونکہ شعب ابی طالب بھی تو من جملہ شعب بنی ہاشم میں ہے۔ اور ''حجون'' کے قریب ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ابو طالب بقیہ بنو ہاشم سے الگ اس ''شعب'' میں رہتا ہو۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''نعمۃ کبریٰ'' میں لکھا ہے۔ پھر اسلامی حکمران اور خلفاء ہمیشہ سے اس کی تعمیر جدید اور خوبصورتی میں دلچسپی لیتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس مکان کے پیچھے دو بڑے بڑے تالاب تھے۔ جن سے حاجی صاحبان پانی پیا کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ غیر آباد ہو گئے۔ لیکن اب بھی ان کی جگہ ظاہر نظر آتی ہے۔ اس مقام پر ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی جگہ ''روم بنی جمع'' بتائی گئی ہے۔ اس جگہ کا نام یہ اس لئے پڑا۔ کہ ''بنو جمع'' نے جب بنو محارب بن فہر سے لڑائی لڑی تھی۔ تو اس جگہ ان کے مقتولین کی لاشیں اکٹھی کی گئی تھیں۔ یہ ''روم'' وہ نہیں جسے اب ''مدعیٰ'' کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھی۔

جوہر ۲۶: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''فَكُلُّهُنَّ اَىُ الْمَرَاضِعُ اَعْرَضْنَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ طِفْلٌ لِيُتْمِهٖ'' تمام دودھ پلانے کیلئے آنے والی عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔ جبکہ آپ بچے تھے۔ اس اعراض کی وجہ آپ کا یتیم ہونا تھا ......اس کی تشریح میں سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے ہیں۔

''یتیم'' اسے کہتے ہیں جس کا باپ زندہ نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان پر احسانات کئے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کا سایہ سر سے اس لئے اٹھالیا تھا۔ تاکہ کسی انسان کے دل میں یہ بات نہ آنے پائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عزت، شرف اور غلبہ پایا وہ ان کے والد کی جلالت کی وجہ سے تھا۔ یا اپنے والد کی جائیداد کے وارث تھے۔ یا اس قسم کی دوسری باتیں۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ یہاں ایک خوبصورت فائدہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا۔ کہ بعض واعظ

حضرات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس ومحافل میں جس میں عام وخاص سبھی لوگ شریک ہوتے تھے۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ان محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے دوران بعض ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تعظیم میں خلل اندازی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ سننے والوں میں آپ کے بارے میں ترس آجاتا ہے۔ ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور حزن وملال ان کے چہروں پر ٹپکتا ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت قابل رحم بن جاتی ہے۔ اور تعظیم کا پہلو ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ واعظ کہتے ہیں۔ دودھ پلانے والی عورتوں نے آپ کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا۔ نہایت غریبی تھی۔ صرف حلیمہ کو ترس آیا۔ تو اس نے گود میں لے لیا۔ آپ پھر حلیمہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسی قسم کی باتیں کر کے پھر یہ شعر (یا اس جیسے دوسرے اشعار اپنی زبان میں) پڑھتے ہیں۔

يَا غَنَا مَهٗ سَارَالْحَبِيْبُ اِلَى الْمَرْعٰى   فَيَا حَبَّذَا رَاعٍ فُؤَادِى لَهٗ مَرْعٰى

اے خوش نصیب بکریو! اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں چراگاہ میں لے گئے۔ اے بکریوں کو چرانے والے خوش قسمت! میرا دل آپ کیلئے چراگاہ ہے۔ اسی طرح ایک مصرعہ یہ بھی ہے۔ "فَمَا اَحْسَنَ الْاَغْنَامِ وَهُوَ يَسُوْقُهَا" جب آپ بکریوں کو آگے دھکیل رہے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت ان بکریوں کی قسمت کس قدر اچھی ہوگی۔ اسی طرح کے بہت سے اشعار اور بہت سی باتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ ایسے واعظین کے بارے میں کیا خیال ہے؟

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا۔ "سمجھدار شخص کو چاہئے کہ خبر میں سے ایسی بات نکال دے جس سے "مخبر عنہ" میں نقص کا وہم پڑتا ہو۔ یعنی ایسی بات نہ کہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی نقص وکمزوری کا وہم پڑتا ہو۔ ایسا کرنے سے اسے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ واجب ہے" اس جواب کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں) صرف تعلیم میں بولنے چاہیں۔ یعنی کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کی تعلیم دی جارہی ہو تو دوران تعلیم ایسی بات آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بعض مالکی حضرات نے بطور نص کہا۔ کہ جو شخص مجلسوں اور محفلوں میں یہ کہتا ہو۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "یتیم" تھے۔ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک ایسے ہی عالم نے کہا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو طالب کے ایک یتیم تھے" اس پر اندلس کے ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا۔ کہ یہ شخص قتل کے لائق ہے۔ جب یہ معاملہ

''ناصر اللقانی'' کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس نے کہا۔ اس استاد و مفتی صاحب کا خون امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تقلید کی وجہ سے محفوظ کرو۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی خِلَافِ الْعُلَمَاءِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں...... یونہی یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فقیر'' تھے۔ اس لئے کہ پہاڑوں نے آپ کو سونا بن کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے انہیں منہ نہ لگایا۔ جیسا کہ اس کی طرف علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''قصیدہ بردہ'' میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ عَنْ نَفْسِهٖ فَأَرَاهَا أَيُّمَا شَمَمٍ

بلند پہاڑوں نے سونا بن کر آپ کے قلب انور کو لبھانے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے انہیں دکھا دیا۔ کہ بلند مرتبہ والا کون ہے؟۔

لہٰذا جائز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''غریب، فقیر اور مسکین کہا جائے۔ بلکہ آپ کا ذکر ایسے اسماء سے کرنا چاہئے۔ جن میں تعظیم و توقیر بھری ہو۔ سادات حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے اور آپ کی شان میں تنقیص کرنے والے کی تکفیر کی جائے۔ لیکن اگر توبہ کر لیتا ہے تو توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اگر توبہ کی اور پھر ایسے شخص پر بہتری کی علامات دیکھنے میں آئیں۔ تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر توبہ نہیں کرتا۔ تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ میرے چچا محترم سیدی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' میں تحریر کیا ہے۔

جوہر ۷ ۲: سیدی احمد بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ ان برکات کے بعد لکھا۔ جو سیدہ حلیمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوئیں۔ جب سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاں لائیں۔ تو اس وقت وہ علاقہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا۔ آپ کی آمد سے کھیت لہلہانے لگے۔ حضرت حلیمہ کے مواشی کی تعداد بڑھ گئی۔ خوب نشو ونما ہوا۔ اور آپ کی وجہ سے حضرت حلیمہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ شہرت پائی اور ہر وقت خیر و سعادت میں گزرتا۔ اور آپ کی برکت سے سیدہ حلیمہ کے دن پھر گئے۔

لَقَدْ بَلَغَتْ بِالْهَاشِمِي حَلِيمَةٌ مَقَامًا عَلَا فِي ذُرْوَةِ الْعِزِّ وَالْمَجْدِ

وَ زَادَتْ مَوَاشِيهَا وَاَخْصَبَ رَبْعُهَا وَقَدْ عَمَّ هٰذَا السَّعْدُ كُلَّ بَنِي سَعْدِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہ عزت و بزرگی کے بلند مقام پر فائز ہو گئیں۔ ان کے مواشی کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ان کی زمین سرسبز ہو گئی۔ اور یہ سعادت صرف حضرت

حلیمہ تک محدود نہ رہی، بلکہ تمام بنوسعد نے اس سے سعادت پائی۔

یہ اس لئے کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنے گھر داخل ہوئی۔ تو بنی سعد کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رہنے والوں نے مشک وعنبر کی خوشبو نہ سونگھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی۔ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی جسمانی اذیت اور تکلیف پہنچتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس پکڑ کر تکلیف والی جگہ پر رکھتا۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم سے آرام آجاتا۔ یونہی اگر بکری یا اونٹ کو تکلیف ہوتی۔ تو آپ کے دست اقدس تکلیف کی جگہ رکھنے سے اسے آرام آجاتا۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی بہت سی صفات ہیں جو جمیل ہیں۔ ان صفات جمیلہ کی گنتی نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کے دست اقدس سے ظاہر ہونے والے معجزات بھی لاتعداد ہیں۔ حضرات اولیاء کرام کو بھی اور نہ ماننے والوں کو بھی ان کا علم ہے۔ ان معجزات میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ام معبد" کی بکری پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ جبکہ اس کے نزدیک کوئی "نر" نہ آیا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ اس کے تھنوں میں دودھ بھر آیا۔ آپ نے برتن منگوایا۔ اس کا دودھ دوھ کر لوگوں کی ایک جماعت کو پلایا۔ جس سے تمام سیر ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ نے خود دودھ نوش فرمایا۔ پھر دوسری مرتبہ اسے دوھیا اور "ام معبد" کے برتنوں میں بھر کر وہیں چھوڑ دیا۔

۲۔ دست اقدس کی برکت سے کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

۳۔ آپ کے ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان سے کئی مواقع پر پانی پھوٹا۔ جسے بہت سے لوگوں نے دیکھا۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کے بھرے ایک لوٹے سے وضو فرمایا۔ لوگ آئے اور پیاس کی شکایت کی۔ تو آپ نے لوٹے میں اپنا دست اقدس رکھا۔ فوراً آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے پھوٹ پڑے۔ تمام حاضرین نے اس سے وضوء کیا۔ تقریباً پندرہ سو آدمی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے۔ تو بھی وہ پانی ہمارے لئے کافی ہوتا۔ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے آنکھوں کی آزمائش میں ڈالا۔ میں نے پانی کے چشمے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پھوٹتے دیکھے۔

۵- بہت سے بیماروں کو آپ کے دست اقدس کی برکت سے شفا ملی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ واپس اپنی جگہ میں لوٹائی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات ہیں۔ جن کو ذکر کریں تو طوالت آ جائے گی۔

فرمایا کہ ہمیں روایت ملی۔ جس کی اجازت عام وخاص ہے۔ یہ روایت ہمارے بعض مشائخ کرام سے ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی ہتھیلی کی برکت یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی دکھی ہو وہ اپنے دکھ درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر درج ذیل اشعار پڑھے گا۔ تو آرام پائے گا۔

اَمْرَرْتُ كَفًّا سَبَّحَتْ فِيْهَا الْحَصَا وَ رَوَتِ الْجَيْشُ بِمَاءٍ طَاهِرٍ

عَلٰى مَعَاشِي وَ مَعَادِي وَ عَلٰى ذُرِيَّتِي وَ بَاطِنِي وَ ظَاهِرِي

میں وہ ہاتھ پھیر رہا ہوں جس میں کنکریوں نے تسبیح کہی تھی۔ اور بہت بڑے لشکر نے پاک پانی سے اپنے آپ کو سیراب کیا۔

میں اپنی معاش، معادی، اپنی اولاد اور اپنے ظاہر و باطن پر اس ہاتھ کو پھیرتا ہوں۔

یہ دونوں اشعار ابن وردی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ان اشعار کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ صبح و شام "حفظ" کیلئے ان دونوں کو پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جوہر ۲۸: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ وَكَانَ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْوَاضِعُ لِلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فِي مَحَلِّهٖ بِيَدِهِ الشَّرِيْفَةِ اَیْ عِنْدَ بَنَاءِ قُرَيْشِ الْكَعْبَةِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اپنے دست اقدس سے حجر اسود کو اس کی پہلی جگہ پر رکھا۔ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر جدید کی تھی۔ اس کے تحت سید احمد عابدین رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ کعبہ مکرمہ کی کئی بار تعمیر جدید کی گئی۔ آثار و روایات کا ماحصل یہ ہے کہ اس کی دس مرتبہ تعمیر ہوئی۔ فتح، ارشاد، سبل اور شفاء العزام میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ میں نے ایک مخطوطہ (دستی تحریر) دیکھی۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ "سلطان مراد" نے بھی کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ شیخ محمد بن علان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف جس میں کعبہ کی تعمیر کی تاریخ لکھی گئی ہے، وہ خود بھی "سلطان مراد" کی تعمیر کے وقت موجود تھے۔ اور انہوں نے اس موقعہ پر جو دیکھا اس کو قلمبند کیا۔ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ بہت زیادہ سیلاب آیا۔ جس سے بیت اللہ کی شامی دیوار گر گئی۔ اور مشرقی دیوار کا بھی بیت اللہ کا دروازہ تک کا حصہ گر گیا۔ اور مغربی دیوار کا بھی تہائی حصہ گر گیا اور یہ حادثہ شعبان کی بیس تاریخ بروز جمعرات پیش آیا۔ سن ہجری ایک ہزار انتالیس ۱۰۳۹ھ تھا۔ اس واقعہ سے پہلے کئی سالوں سے بیت اللہ کی شامی دیوار

میں دراڑ پڑی ہوئی تھی۔ یہ دراڑ سلطان مراد کے والد سلطان احمد کے زمانہ میں زیادہ ہو گئی۔ معاملہ سلطان کے پاس پیش کیا گیا۔ اور دیوار کی تعمیر کی ضرورت پڑی۔ تو قسطنطنیہ کے علماء کے درمیان بحث چل نکلی۔ کہ کیا اس کا منہدم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بالآخر انہوں نے رائے دی۔ کہ یہ جائز نہیں۔ اس وقت سلطان احمد نے بیت اللہ شریف کو مضبوط کرنے کیلئے ایک لوہے کی پٹی تیار کی۔ جس پر تقریباً اسی ہزار دینار خرچ ہوئے، اس پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا۔ مکہ شریف میں یہ پٹی ۱۰۲۰ھ میں حج کے موسم میں پہنچی۔ جس سے بیت اللہ کی دیواروں کو مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔ اور یہ پٹی اس وقت تک رہی جب اس کی مذکورہ سیلاب سے دیواریں گر گئیں۔ پھر اس پٹی پر لگا سونا اتار کر تولا گیا تو اس کا وزن دس ہزار درہم ہوا۔ جو سو رطل کے برابر ہوتا ہے۔ اور چاندی کا وزن کیا گیا تو ایک سو چون رطل برابر نکلا۔ یہ تعداد اس پٹی پر لگے سونے چاندی کی تین اطراف کی ہے۔ اس میں ''رکن یمانی'' پٹی کا حصہ شامل نہیں۔ ''رکن یمانی'' کے حصہ پر لگی پٹی میں سونے چاندی کا وزن شیخ موصوف کو معلوم نہ ہوسکا۔ پھر شریف مکہ نے حکم دیا کہ کعبہ کے منہدم حصہ کو لکڑیوں کے ذریعہ ڈھانپ دیا جائے۔ اور سبز رنگ میں ایک کپڑے کو رنگ کر کعبہ کا وہ کپڑا پہنا دیا گیا۔ سلطان مراد نے اس کی تعمیر جدید کا حکم دیا۔ اپنی طرف سے ایک نائب بھیجا۔ جس کے ساتھ کشتی میں تعمیراتی سامان اور آلات بھی تھے۔ یہ نائب مکہ شریف میں ایک ہزار چالیس ہجری چھبیس ربیع الثانی کو پہنچا۔ اور تعمیر کی ابتداء چار جمادی الآخر بروز منگل شروع کی۔ پھر انجینئروں اور حکومت کے سرکردہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہوا۔ کہ دو دیواروں کا بقیہ حصہ اور رکن یمانی کی مکمل دیوار بھی گرا دی جائے۔ تو اس فیصلہ کے بعد تمام دیواریں گرا دی گئیں۔ صرف ''حجر اسود'' اور اس کے اردگرد کے پتھر رہنے دیئے گئے۔ تمام دیواروں کی بنیادیں مضبوط تھیں۔ اور بالکل صحیح سالم تھیں۔ لہٰذا انہی بنیادوں پر دیواروں کو چنا گیا۔ کعبہ شریف کی پہلے سے موجود بنیادوں پر جو تعمیراتی ردے چنے گئے۔ (یعنی تعمیر ہوئی) ان میں سلطان مراد کی تعمیر کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی گنتی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پچیس ہجری میں تعمیر تک کی گئی ہے۔

اس کے بعد سلطان مراد کے حکم سے تعمیر کرنے والے انجینئر نے بتایا کہ جو پتھر ''حجر اسود'' کے نیچے تھا۔ وہ کعبہ کی دیوار سے ذرا باہر نکلا ہوا تھا۔ میں نے لوہے کی ایک سلاخ لی۔ تاکہ اس کے اردگرد لگا کر چاندی اس سے الگ کروں۔ میں نے اس کے درمیان رکھ کر اسے کھرچا۔ اچانک ''حجر اسود'' کا ایک چھلکا اس کے نچلے حصہ سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ نیچے گر جاتا۔ یہ دیکھ کر حاضرین ڈر گئے۔ اور سب نے یہ رائے دی کہ اسے نکالا نہ جائے۔ لہٰذا ''حجر اسود'' پر ایک اور پتھر اس کی جگہ پر رکھ

دیا گیا۔ جو اس کے دائیں اور بائیں حصہ کے ساتھ متصل تھا۔ اسی پر کام کا دارومدار تھا۔ اور ''حجر اسود'' کے نیچے والے پتھر کو اس کے قبلہ کی طرف اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ شیخ موصوف بیان کرتے ہیں۔ کہ ''حجر اسود'' سے نچلے حصہ سے جو چھلکا ٹوٹا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا جس طرح کا سفید رنگ کا پتھر'' مقام ابراہیم'' کا ہے۔ تعمیراتی کام ۱۰۴۰ھ میں ستائیسویں رمضان المبارک بروز بدھ عصر سے قبل مکمل ہوا۔ اسے علامہ شیخ احمد بن محمد اسدی شافعی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب'' انتخاب اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام'' میں لکھا ہے۔ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن عسلان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو جو میں نے دیکھا۔ وہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے علامہ شیخ فقیہ النفس حسن شر نبلالی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ دیکھا۔ جو اس مذکورہ تعمیر کے بارے میں لکھا گیا۔ انہوں نے اس کا نام ''اِسْعَادُ آلِ عُثْمَانَ الْکِرَامِ بِبِنَاءِ بَیْتِ اللّٰہِ الْحَرَامِ'' رکھا۔

جوہر ۲۹: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''ثُمَّ لَمَّا بَلَغَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً اَرْسَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ'' پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال فرمایا...... اس کی تشریح میں علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت مطلقہ، تامہ، عامۃ عطا فرما کر بھیجا۔ ایسی عام رحمت جو تمام عالمین کی جامع اور محیط ہے۔ ذوی العقول، غیر ذوی العقول، عالم ارواح، عالم اجسام سب کیلئے آپ کی رحمت عام اور سب کو شامل ہے۔ وہ جو'' رحمۃ للعالمین'' ہوتا ہے اس کیلئے لازم ہوتا ہے کہ وہ تمام عالمین سے افضل بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قول ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞'' میں ضمیر خطاب صرف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔ اور اس کا اشارہ ان تمام حضرات کیلئے ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں۔ جو آپ کے مشرب پر قائم ہیں۔ اور تا قیامت ایسے حضرات مراد ہیں۔ اس اعتبار سے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کے مظہر ہیں۔ گویا آپ کی عالمینی رحمت ان حضرات سے ظاہر ہوتی رہے گی۔

بعض اکابر نے فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کیلئے رحمت اس لئے ہیں کہ آپ ''خلق عظیم'' سے متصف ہیں۔ اور ہر مرتبہ اور محل میں آپ کی جلوہ نمائی ہے۔ جیسا کہ ملک، ملکوت، طبیعت، نفس، روح اور سر وغیرہ میں...... سورۃ النجم کی تفسیر کرتے ہوئے'' تاویلات نجمیہ'' میں زیر آیت کریمہ ''وَرَحْمَۃً مِّنَّا'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ہے۔ لکھا ہے۔ کہ اس قول اور حضور صلی اللہ

علیہ آلہ وسلم کے بارے میں" وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ "(الانبیاء:) کے درمیان عظیم فرق ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رحمت کو" مِن "سے مقید کیا گیا ہے۔ جو تبعیض کا معنیٰ دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کیلئے رحمت تھے جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی لائی گئی شریعت کی اتباع کی۔ اور اس وقت تک رحمت رہے جب تک ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نہ ہوئی تھی پھر ان کی رحمت ان کی امت سے منقطع ہوگئی کیونکہ ان کا دین منسوخ ہوگیا اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالمین کیلئے رحمت ہونا "مطلق" ذکر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت، عالمین سے ہمیشہ متصل رہے گی۔ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ دنیا میں اس طرح کہ آپ کا دین منسوخ نہ ہوگا۔ اور آخرت میں یوں کہ تمام مخلوق آپ کی شفاعت کی محتاج ہوگی۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی محتاج ہوں گے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا۔ کہ تمام پیغمبر کی بعثت کے ذکر سے پہلے "عقوبت" کا ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک ہم اس کے پاس کسی رسول کو نہ بھیجیں (الاسراء)۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و رسالت کے ذکر سے پہلے "رحمت" کا ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ہم نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر ارسال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ نبوت کا اختتام اور اخیر رحمت پر کیا جائے نہ کہ عقوبت پر۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔ میری رحمت میرے غصہ پر سبقت رکھتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام سے آخری امت بنایا۔ پس وجود کی ابتداء رحمت، اس کا آخر رحمت اور اس کا خاتمہ رحمت پہ رکھا۔ اھ۔

معلوم ہونا چاہئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے کا ہوا۔ تو اس نے "حقیقت محمدیہ" کو اپنی احدیت کی بارگاہ سے ظاہر فرمایا۔ تو امکان کی میم سے اسے ممتاز کیا۔ اسے عالمین کیلئے رحمت بنایا۔ نوع انسانی بلکہ تمام عالمین کو اس سے شرف بخشا۔ پھر اس "حقیقت محمدیہ" سے ارواح کے چشمے پھوٹے۔ پھر اس کے بعد عالم اجساد و اشباح میں جو بنا، سو بنا۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ فَيْضِ نُوْرِي" میں اللہ تعالیٰ سے ہوں اور تمام مؤمن میرے نور کے فیض سے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے ترتب کی غایت جمیلہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ لَوْ لَاكَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اتنا ہی شرف و فضل کافی

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو بنایا اور ان میں حضرات انبیاء و مرسلین کرام بھیجے تاکہ وہ آپ کے ظہور کا عالم الملک والشہادۃ میں مقدمہ بنیں۔ لہٰذا تمام پیغمبروں کی ارواح اور اجسام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح اور جسد اطہر کے تابع ہیں۔ اسی سے انہیں کمال ملا۔ اور اسی سے ان کی سعادت مکمل ہوئی۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ بھی رحمت ہے۔ اور آپ کا وصال بھی رحمت۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔ حَیَاتِی خَیْرٌ لَّکُمْ وَ مَمَاتِی خَیْرٌ لَّکُمْ قَالُوْا هٰذَا خَیْرُ نَا فِی حَیَاتِکَ فَمَا خَیْرُ نَا فِی مَمَاتِکَ قَالَ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ کُلَّ عَشِیَّۃِ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَمَا کَانَ مِنْ خَیْرٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَا کَانَ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُتُ اللّٰہَ لَکُمْ۔ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا۔ آپ کی زندگی میں تو ہماری خیر ہے ہی۔ لیکن آپ کے وصال میں ہماری خیر کیا ہے؟ ارشاد فرمایا، تم سب امتیوں کے اعمال پیر اور جمعرات کے پچھلے وقت مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ (پیش کیا جایا کریں گے) پھر جو عمل اچھا ہوا۔ اس کو دیکھ کر میں اللہ کی حمد و شکر کروں گا۔ اور جو برا ہوا اس کے بارے میں تمہارے لئے میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ علامہ سید احمد عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہاں ختم ہوتا ہے۔

الامام العلامہ شمس الدین محمد بن یوسف دمشقی صالحی نزیل برقوفیہ صحراء مصر۔ متوفی ۹۴۲ھ سیرت شامیہ کے مصنف اور علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد

جوہرا: آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جواہرات میں سے ایک انمول موتی آپ کی واقعہ معراج پر لکھی کتاب ہے۔ جس کا انہوں نے نام رکھا ہے۔ ''اَلْاٰیَاتُ الْعَظِیْمَۃُ الْبَاھِرَۃُ فِی مِعْرَاجِ سَیِّدِ اَھْلِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' میں نے معراج شریف کے موضوع پر اس سے زیادہ جامع اور نفع بخش کتاب نہیں دیکھی۔ اور ان کے بعد آنے والے حضرات مثلاً غیطی اور اجہوری وغیرہما رحمۃ اللہ علیہما نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا۔ انہوں نے اکثر فوائد موصوف کی مذکورہ کتاب سے ہی اخذ کئے ہیں۔ میں اس طویل کتاب کا اختصار پیش کر رہا ہوں۔ جس میں موصوف کے ذکر کردہ فوائد ضرور شامل ہوں گے۔ لیکن معراج شریف کے بارے غیر ضروری باتیں حذف ہوں گی۔ میں اس بارے میں احسن واقرب راستہ یعنی اعتدال کو اپناؤں گا۔ میں نے اس مختصر کا نام ''اَلْمِنْھَاجُ السَّامِی مُخْتَصَرُ الْمِعْرَاجِ الشَّامِی'' رکھا ہے۔ میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ حرف بحرف نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَسَلِّمْ دَائِمًا – اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَفَعَ سَیِّدَ خَلْقِہٖ اِلٰی اَعْلٰی مَقَامَاتِ السَّعَادَۃِ – وَ اَسْرٰی بِہٖ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی مَعْدَنِ الْاَنْبِیَاءِ الْاَجِلَّۃِ الْقَادَۃِ – فَقَدَّمَہٗ جِبْرِیْلُ فَصَلّٰی بِھِمْ فِیْ دَارِھِمْ وَ مَحَلِّھِمْ لِیُعْلَمَ اَنَّہُ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ وَ صَاحِبُ الْفَضْلِ وَالسِّیَادَۃِ – ثُمَّ رَقَی السَّبْعَ الطِّبَاقَ وَ ظَھَرَ لِمُسْتَوٰی سَمِعَ فِیْہِ صَرِیْفَ الْاَقْلَامِ بِمَا قَدَّرَہُ الْحَقُّ وَاَرَادَہٗ – وَرَاٰی مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَکُوْتِ وَ عَظَائِمِ الْجَبَرُوْتِ مَا شَرَحَ اللّٰہُ بِہٖ صَدْرًا ھُوَ ثَبَّتَ فُؤَادَہٗ – وَ تَجَلّٰی لَہٗ وَ خَاطَبَہٗ بِمَاشَاءَ وَاَعْطَاہُ سُئُوْلَہٗ وَجَعَلَ قُرَّۃَ عَیْنِہٖ فِی الْعِبَادَۃِ – ثُمَّ اَرْسَلَہٗ اِلَی الْاَرْضِ بِخَلْعِ التَّشْرِیْفِ وَالتَّکْرِیْمِ لِیُبَلِّغَ عَنْہُ الْمُکَلَّفِیْنَ مُرَادَہٗ – وَاَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ – وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ حَبِیْبُہُ الَّذِیْ رَحِمَ بِمَبْعَثِہٖ عِبَادَہٗ – صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ

اَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ جَبَلْتَهُمْ لِلْخَيْرِ مِنْقَادُهٗ – اَمَّابَعْدُ۔

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی تصنیف ''سبیل الہدیٰ والرشاد فی سیرت خیرالعباد'' کی تکمیل سے فراغت بخشی۔ جسے میں نے تین سو سے زائد کتب سے منتخب کیا تھا۔ اور جس میں نہایت عجیب وغریب فوائد جمع تھے۔ اور جس کے ابواب ایک ہزار چھ سو سے زیادہ تھے۔ اللہ ہی صواب کی توفیق بخشنے والا ہے۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اس کتاب سے ''معراج شریف'' کا واقعہ الگ کروں۔ اور اس واقعہ کے بارے میں حضرات علماء کرام نے جو خوبصورت فوائد لکھے وہ بھی درج کروں۔ اور ان کے نفیس نکتے زیادہ کروں۔ اس ارادے کی تکمیل کرتے ہوئے میں نے اپنے کلام کی تلخیص سترہ ابواب پر کی۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔

باب ۱: سورۂ اسراء کی ابتدائی آیت کے بعض فوائد۔

باب ۲: سورۂ النجم کی ابتدائی آیات کے بعض فوائد۔

باب ۳: شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب کا دیدار کرنا اور اس کے بارے میں حضرات علماء کرام کا اختلاف۔

باب ۴: واقعہ معراج کس وقت اور کس جگہ ہوا۔

باب ۵: اسراء کی کیفیت اور اس بات کا بیان کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا یا صرف ایک بار۔

باب ۶: اسراء اور معراج کے محال ہونے کے قائل اہل زیغ کے شبہات کا جواب۔

بات ۷: شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کا بیان۔

باب ۸: نبوت کی مہر اور یہ کب لگائی گئی۔

باب ۹: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بعض فضائل۔

باب ۱۰: براق کے بارے میں گفتگو۔

باب ۱۱: بیت المقدس کے بعض فضائل کا بیان۔

باب ۱۲: شب اسراء حضرات انبیاء کرام کو دیکھنا۔

باب ۱۳: جن صحابہ کرام نے واقعہ معراج کو بیان کیا۔ ان کے بارے میں گفتگو۔

باب ۱۴: قصۂ معراج کا پس منظر۔

باب ۱۵: واقعۂ معراج کے بعض فوائد اور اس کے متعلق وارد مشکل الفاظ کی شرح۔

باب ۱۶: اس واقعہ کے متعلق احادیث کی تخریج۔

باب ۱۷: ایسی احادیث کے بارے میں تنبیہ، جو واقعہ معراج کے متعلق ایسے لوگوں نے گھڑیں۔ جن کا کوئی مقام نہیں۔ اور علم حدیث سے بے خبر لوگوں نے انہیں بیان کرنا شروع کر دیا۔ تا کہ ایسی من گھڑت روایات سے اجتناب کیا جائے۔

اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ میں نے اس کتاب میں پہلے تو کوئی من گھڑت حدیث بیان نہیں کی۔ اور جہاں کسی وجہ سے ذکر کرنا پڑی۔ تو اس کے ساتھ ہی میں نے بتا دیا کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھنا۔ کہ جہاں میں لفظ "قاضی" لکھوں گا۔ اس سے میری مراد حافظ شیخ السنۃ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی ہوں گے۔ اور جہاں لفظ "حافظ" تحریر ہو گا۔ اس سے مراد شیخ الاسلام قدوۃ الحافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر ہوں گے۔ اور جہاں لفظ "شیخ" لکھوں گا اس سے مراد شیخ الاسلام خاتمۃ الحفاظ ابوالفضل جلال الدین ابن ابی بکر السیوطی ہوں گے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَجَعَلَ مَقَرَّهُمْ دَارَالسَّلَامِ۔

جوہر ۲: علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے باب اول میں سورۂ اسراء کی پہلی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا۔

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کہ آیت "سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا" (الاسراء:۱) میں لفظ "عبد" سے مراد ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ شیخ الاسلام جناب زکریا انصاری رضی اللہ عنہ "فتح الرحمٰن" میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "اپنا عبد" کہا ہے۔ اپنا نبی یا حبیب نہیں کہا۔ تا کہ آپ کی امت کہیں بھٹک نہ جائے۔ (یعنی اتنا عظیم معجزہ دیکھ کر کہیں خدا کے ساتھ نہ ملا دیں) یا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی صفت "عبودیت" جو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے۔ یہ مقام تمام مقامات سے اشرف ہے۔ (لہٰذا اشرف ترین مقام کی صفت سے آپ کا ذکر کیا گیا) استاذ ابوعلی دقاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عبودیت سے زیادہ اشرف اور کامل صفت مومن کیلئے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اعلیٰ مقامات وارفع مکافات پر اسی صفت کو ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (الاسراء:1) — اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:1) — تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان:1) — فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ⑩ (النجم)۔ شیخ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وصف اپنے قول "سیدا وحصورا" میں سید ذکر فرمایا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

"اپنا عبد" کہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ کا مقام و مرتبہ بلند ہے؟ اس کا جواب وہی ہے جو استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے۔ یعنی "عبودیت" مومن کیلئے سب سے مکمل اور اعلیٰ صفت ہے۔ امام استاذ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

یَا قَوْمِ قَلْبِی عِنْدَ زَهْرَاءَ یَعْرِفُهُ السَّامِعُ وَالرَّائِی

لَا تَدْعُنِی اِلَّا بِیَا عَبْدَهَا فَاِنَّهُ اَشْرَفُ اَسْمَائِی

لوگو! میرا دل اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسے سننے والا اور دیکھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔ مجھے اگر بلانا ہے تو صرف "اس کا بندہ" کہہ کر پکارو۔ کیونکہ میرے تمام ناموں سے زیادہ "اشرف" یہی نام ہے۔

علامہ طوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ الٰہیۃ، سیادت اور ربوبیت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہیں۔ کسی اور میں حقیقۃً یہ نہیں پائی جاتیں۔ اور "عبودیت" اللہ تعالیٰ کے سوا کیلئے حقیقت ہے۔ لہٰذا جو شخص "مقام عبودیت" میں ہوگا۔ وہ درحقیقت اپنے حقیقی رتبہ و مقام میں ہوگا۔ اور ہر چیز کا جو حقیقی رتبہ و مقام ہوتا ہے۔ وہی اس کیلئے اشرف و اعلیٰ مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت سے گزر کر صرف مجاز باقی رہ جاتا ہے۔ اور حق کے بعد صرف گمراہی ہوتی ہے۔

علامہ برہان نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درجات عالیہ اور مراتب رفیعہ پر شب معراج میں تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی "یَا مُحَمَّدُ بِمَ اُشَرِّفُکَ؟" اے محبوب! کس وجہ سے تمہیں یہ شرف ملا ہے؟ عرض کی۔ باری تعالیٰ! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی عبودیت کی تیرے طرف نسبت کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ الآیۃ۔ حضرات علماء کرام کے عبد اور عبودیت میں بہت سے اقوال ہیں۔ الفاظ مختلف ہیں لیکن ان کے معانی ملتے جلتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی زبان حال سے گفتگو کی ہے۔ اور اپنے مقام کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔ جناب ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"عبد" وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم رکھنے والا ہو۔ نشاط کی حد پر اس کا سید ہونا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے امر کا محل بنایا ہوتا ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "عبد" وہ ہے جس کی کوئی ملکیت نہ ہو۔

علامہ جریری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "عبد" کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے اوصاف و اخلاق سے متصف و متخلق ہوتا ہے۔

جناب رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''عبد'' اس وقت عبودیت سے متحقق ہوتا ہے جب وہ اپنے رب کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور اپنی قوت وطاقت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اور اسے اس کا علم ہو جاتا ہے۔ کہ تمام اسی اللہ کیلئے اور اسی کے سبب سے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تیرے اندر صفت ''عبودیت'' اس وقت حاصل ہوگی۔ جب تو اپنے نفس کیلئے کسی قسم کی ملکیت نہیں دیکھے گا۔ اور تو جان لے گا کہ تو کسی چیز کا مالک نہیں۔ نہ اپنے نفع کا اور نہ اپنے نقصان کا۔

وَكُنْتُ قَدِيْمًا اَطْلُبُ الْوَصْلَ مِنْهُمْ　　فَلَمَّا اَتَانِى الْعِلْمُ وَ ارْتَفَعَ الْجَهْلُ

تَيَقَّنْتُ اَنَّ الْعَبْدَ لَا طَلَبَ لَهٗ　　فَاِنْ قَرُبُوْا فَضْلٌ وَاِنْ اَبْعَدُوْا عَدْلُ

وَاِنْ اَظْهَرُوا لَمْ يَظْهَرُواَ غَيْرَ وَصْفِهِمْ　　وَاِنْ سَتَرُوْا فَالسِتْرُ مِنْ اَجَلِهِمْ يَحْلُوْ

میں بہت عرصہ سے ان کا وصل طلب کرتا رہا۔ جب مجھے علم ہو گیا اور جہالت ختم ہو گئی تو مجھے یقین آ گیا کہ ''عبد'' کیلئے طلب بالکل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر وہ قریب آ جائیں تو ان کا فضل ہے اور اگر دور رہیں تو عدل کہلائے گا۔ اور اگر وہ اپنا آپ ظاہر کریں تو اپنے وصف کے سوا کچھ بھی ظاہر نہ کریں گے۔ اور اگر پردہ میں رہتے ہیں تو پردہ ان کی خاطر بہت پسند معلوم ہوتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''بعبدہ'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ ''اسراء'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پاک سے تھا۔ کیونکہ لفظ ''عبد'' جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ (العلق) کیا تم نے وہ شخص دیکھا جو ''عبد'' کو روکتا تھا جب وہ نماز ادا کرتا تھا۔ اور فرمایا۔ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (الجن: ۱۹) اور بات یہ ہے کہ جب اللہ کا ''عبد'' کھڑا اس کی عبادت کرتا ہے۔ (ان دونوں آیات میں ''عبد'' کا اطلاق جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہوا ہے)۔

لَيْلًا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''لَيْلًا'' اسراء کا ظرف ہے۔ اور تاکید کیلئے ہے۔ یعنی لفظ ''اسراء'' کا معنی چونکہ رات کو سفر کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ''رات'' کا مفہوم اسراء کے لفظ میں موجود تھا۔ پھر ''لَيْلًا'' الگ ذکر کیا۔ جس سے ''رات'' کے مفہوم کی تاکید ہو گئی۔ امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہا ہے۔

اَوْلَاکَ رُؤْيَتَهٗ فِىْ لَيْلَةٍ فُضِّلَتْ　　لِيَا لِىْ الْقَدْرِ فِيْهَا الرَّبُّ رَضَا کَا

اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی رات میں مشرف فرمایا۔ جو ''لیلۃ

القدر'' سے افضل ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کیا۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علامہ موصوف کے نزدیک ''شب معراج'' لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ ''الاصطفاء'' میں موصوف فرماتے ہیں۔ شائد اس میں حکمت یہ ہو کہ اس رات (شب معراج) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا جو ہر چیز سے افضل ہے۔ اسی لئے اعمال میں سے کسی عمل کا مطلقاً اسے ثواب نہیں بنایا۔ بلکہ اس کو عطا فرما کر اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اپنے بندوں پر محض اپنے فضل کا احسان فرمائے گا۔

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ جناب ابو شاقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''حرام'' حلال کی ضد ہے۔ اور مسجد حرام کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ محرم کو ایسی کئی باتیں منع ہو جاتی ہیں۔ جو غیر محرم کیلئے جائز ہوتی ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ حدود حرم میں بعض کام حرام ہو جاتے ہیں۔ جو حرم سے باہر دوسرے علاقہ میں جائز ہوتے ہیں۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حاوی'' کے باب الجزیہ میں لکھا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ''مسجد الحرام'' فرمایا۔ اس سے مراد ''حرم'' ہے۔ صرف ایک جگہ ایسی ہے جس میں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہے۔ وہ یہ آیت ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (البقرہ:149)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''مسجد حرام'' کا لفظ درحقیقت ''کعبہ'' کیلئے ہے فقط۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران)۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے۔ جب آپ سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ سب سے پہلی مسجد کون سی ہے جو زمین میں تیار کی گئی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''مسجد حرام'' پھر اس لفظ کو بعد میں ''کعبہ شریف'' کے علاوہ اس مسجد کو کہا جانے لگا۔ جو کعبہ کے اردگرد ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِكَذَا وَ كَذَا۔ یعنی مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ یہ استعمال ''تغلیب مجازی'' کے قبیلہ سے ہے۔ یعنی مجازی معنی کو حقیقی معنی پر غلبہ دے دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الاسراء:1) میں بھی ''مسجد حرام'' سے مراد فقط کعبہ نہیں۔ بلکہ مکہ شریف ہے۔ یہ معنی اس قول کو پیش نظر رکھ کر کرنا پڑے گا۔ جس میں مذکور ہے۔ کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما تھے۔ اسی طرح ''مسجد حرام'' بول کر مراد مکہ شریف کے مضافات بھی لئے گئے۔ اور اس سے مراد ''حرم'' بھی لیا گیا جو مکہ کے اردگرد مخصوص

علاقہ ہے۔جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (البقرہ:196)۔یہ سب معانی مجازی معنی کو وسعت دے کر لئے جانے کے قبیلہ سے ہیں۔اگر یہ نہ کہا جائے۔تو "مسجد حرام" کے لفظ میں باعتبار وضع اشتراک لازم آئے گا۔یعنی مذکورہ مختلف معانی میں سے ہر ایک معنی اس کا حقیقی معنی ہو۔اس (اشتراک) سے بہتر ہے کہ مجاز مراد لیا جائے۔اور اشتراک کا قول کیا بھی کیسے جاسکتا ہے۔کیونکہ اس لفظ کو جب علی الاطلاق بولا جاتا ہے۔تو متبادر الی الفہم کعبہ ہی ہوتا ہے۔یا کعبہ کے ساتھ اس سے متصل مسجد کی طرف ذہن جاتا ہے۔لیکن اس لفظ کو بول کر ذہن میں مکہ شہر مطلقاً نہیں آتا۔ہاں اگر کوئی قرینہ اور دلیل ہو تو مراد مکہ بھی ہوسکتا ہے۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔علامہ برہان نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔تمام کا اس بات پر اتفاق ہے۔کہ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔اس کا نام "اقصیٰ" اس لئے رکھا گیا۔کہ مسجد حرام اور اس کے درمیان بہت مسافت ہے۔(اقصیٰ کا معنی بہت دور) علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔کہ "اقصیٰ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے آگے کوئی مسجد نہیں۔حضرت ابن الفقیہ کہتے ہیں کہ "مسجد اقصیٰ" حضرت انبیاء کرام یعنی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے لیکر بعد میں آنے والے تمام پیغمبروں کا معدن رہی ہے۔اسی لئے تمام پیغمبروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر یہاں جمع کیا گیا۔اور آپ نے ان کے گھر ان کی امامت کرائی۔تاکہ اس بات کی دلیل ہو جائے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی رئیس مقدم اور امام اعظم ہیں۔

جناب ابوشامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔"مسجد اقصیٰ" بیت المقدس ہے۔جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔یہ ہمیشہ سے مکرم و محترم مقام رہا۔یہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے۔جن کی طرف شرعاً شد رحال کی اجازت ہے۔یعنی شارع علیہ السلام کی طرف سے زیارت اور تعظیم کے ارادے سے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے سفر کرنے کا حکم نہیں ہے۔یہ مسجد اہل مکہ کیلئے زمین پر موجود مساجد میں سے سب سے دور ہے۔جس کی زیارت کرنا عظمت ہے یا بوجہ تعظیم و عظمت جس کی زیارت کی جاتی ہے۔حضرت ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء پہلے مسجد اقصیٰ میں تشریف لئے گئے۔پھر اس سے آگے گئے اس میں حکمت یہ تھی۔کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے سیدھا اوپر آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا۔تو دشمنوں کو منہ کھولنے کا موقع مل جاتا۔اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔اس لئے آپ کو پہلے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا۔تاکہ معاندین پر حجت ہوسکے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کہ

مجھے رات بیت المقدس میں لے جایا گیا۔ پھر آسمانوں پر۔ تو دشمنوں نے بیت المقدس کی بعض اشیاء کے متعلق سوالات کیئے۔ جو انہوں نے بار ہا دیکھی تھیں۔ اور انہیں بخوبی یہ علم بھی تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پہلے ان اشیاء کو دیکھا تک نہیں تھا۔ جب آپ نے ان کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ تو آپ کے صدق کی تحقیق ہوگئی۔ کہ آپ واقعی رات مکہ شریف میں مسجد اقصیٰ گئے ہیں۔ اور جب مسجد اقصیٰ جانا صحیح ثابت ہوگیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی سفر کی تصدیق بھی لازم ہوگئی۔ 1ھ۔

پہلے مسجد اقصیٰ پھر اس سے آگے معراج میں یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ اس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوپر کو سفر فرمانا بالکل سیدھا ہو۔ یعنی اس میں دائیں باہر کسی سمت نہ جانا پڑے۔ اس کی دلیل حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ ''آسمان کا دروازہ جسے ''فرشتوں کے اوپر جانے کا راستہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ ''بیت المقدس'' کے بالکل اوپر سیدھ میں واقع ہے۔ اور وہ دروازہ زمین سے قریب ترین مسافت پر ہے۔ یعنی صرف اٹھارہ میل دوری پر ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس روایت میں ''نظر'' ہے...... یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ اس طرح دونوں قبلہ جات کو جمع کرنے والے ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ''بیت المقدس'' اکثر و غالب انبیاء کرام کی ہجرت گاہ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی طرف سفر فرمانے کا موقعہ مل جائے۔ تاکہ آپ مختلف فضائل کے جامع ہو جائیں۔

یہ بھی حکمت بیان کی جاتی ہے۔ کہ ''بیت المقدس'' وہ جگہ ہے جہاں ''محشر'' ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ اس جگہ پر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم لگ جائیں۔ تاکہ قیامت کا دن آپ کی امت کیلئے آسان و نرم ہو جائے۔ اور یہ آسانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم ہائے مبارکہ کی وجہ سے ہو۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ''مسجد اقصیٰ'' وہ جگہ ہے۔ جہاں حضرات انبیاء کرام کی ارواح مبارکہ جمع ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ ان تمام حضرات کی ارواح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمائے۔

یہ بھی حکمت بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسی اور معنوی تقدیس حاصل ہو جائے۔ حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو کہ کوئی پاکیزہ اور فضیلت والی جگہ ایسی نہ رہے جس کو آپ کے قدموں کے چومنے کی سعادت نہ ملے۔ لہٰذا

بیت المقدس کی تقدیس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ادا کرنے کی وجہ سے مکمل کر دیا جائے۔
جب آپ کی اس مسجد میں امامت فرمانے کی وجہ سے تقدیس مکمل ہوگئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ الاخر۔ تم تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عزم سفر نہ کرو۔ ایک مسجد حرام کیونکہ یہ آپ کی ولادت باسعادت اور تشریف آوری کی جگہ ہے۔ آپ کی نبوت کا مقام ہے۔ دوسری مسجد مدینہ کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی جگہ ہے۔ تیسری مسجد اقصیٰ کہ یہ آپ کی اسراء اور معراج کی جگہ ہے۔

الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔ اس سے مراد ''دنیوی برکت'' ہے۔ جیسا کہ جاری نہریں اور پھلدار درختوں کا وہاں ہونا۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد ''دینی برکت'' ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی آرام گاہ، ان کی عبادت گاہ اور وحی و فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہے۔ ''حَوْلَهٗ'' اس لئے فرمایا۔ تاکہ اس کی برکت عام اور شامل ہو جائے۔ ماحول سے مراد وہ زمین ہے جو مسجد اقصیٰ کے چاروں طرف واقع ہے۔ یعنی شام کی زمین اور اس کے قریب دوسری زمین۔ اور ''حولہ'' اس لئے بھی فرمایا۔ تاکہ جب پڑھنے والا یہ جان لے گا کہ ''مسجد اقصیٰ'' کے متصل اور ملحق علاقہ جب برکت والا ہے تو خود ''مسجد اقصیٰ'' بطریقہ اولیٰ مبارک ہو گی۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ دینی اور دنیوی دونوں اقسام کی برکتیں مراد ہیں۔

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ ان آیات ونشانات سے مراد وہ ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج دیکھیں۔ یعنی وہ عجیب وانوکھی نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو واقعہ معراج میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابوشامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لفظ ''مِنْ'' اس جگہ بعض کے معنی میں ہے۔ یعنی ہماری بعض نشانیاں۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تعظیم کی بناء پر ایسا کہا گیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نشانیاں اس رات دیکھیں۔ وہ اگرچہ عظیم و جلیل تھیں۔ لیکن جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جملہ آیات کی طرف کریں گے۔ تو وہ ان کا بعض ہی ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے عجائبات کا ایک حصہ ہی ہوں گی۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اصح یہ ہے کہ ''انہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس ضمیر کو ''عبد'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے۔ تو بعید نہ ہوگا۔ جیسا کہ جناب

ابوالبقاء رضی اللہ عنہ نے بعض حضرات سے اس کی روایت کی ہے۔ فرمایا۔ بیشک وہ عبد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے کلام کو سننے والا اور ہماری ذات کو دیکھنے والا ہے۔ رہا یہ کہ "انه" کے بعد اور "السمیع" سے پہلے "ھو" ضمیر درمیان میں کیوں لائی گئی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی وہ شخصیت ہے۔ جو اس کرامت وشرف کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے۔ شائد ضمیر فصل کو لانے میں یہ راز بھی ہو۔ کہ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ ایک مطلوب کی طرف اشارہ اور دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العزت کا دیدار کیا اور اس کا کلام سنا۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس میں دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی یہ دو صفتیں بیان فرمائیں۔ اگر یہ دونوں صفات اس کی صفات ذاتیہ لازمہ سے ہیں۔ اور ہر احوال میں وہ ان سے موصوف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کے اندھیرے میں آپ کی حفاظت فرمائی۔ آپ کی دعا سنی اور آپ کے سوال کو قبول فرمایا۔

جوہر ۳: باب دوم میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کے بارے میں کچھ گفتگو فرمائی۔ ایک آیت یہ بھی ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ۝۸ (النجم)۔ پھر وہ قریب ہوا پس اور قریب ہوا۔ اس میں کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے اور یہی مشہور بھی ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے۔ یعنی جب حضرت جبرئیل نے اپنے بازو افق اعلیٰ میں پھیلائے۔ پھر اس کے بعد اس صورت میں آ گئے جس میں ان کے اترنے کا معمول تھا۔ اور اس صورت میں متشکل ہو کر حضور کے قریب ہوئے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب افق اعلیٰ پر مستوی ہو گئے۔ جو زمین سے بہت دور ہے۔ پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گئے۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کی عظمت جو بھی تھی، دیکھی تو آپ نے اس کو ہولناک پایا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسانی صورت میں متشکل کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ گئے۔ اور وحی کی۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ لفظ دنو اور تدلی دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اس میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (النجم:9) کا معنی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور یہ (دو کمانوں یا اس سے کم فاصلہ)

عرب استعمال کرتے ہیں۔ ان کی عادت تھی۔ کہ ان میں سے دو امیر یا بڑے آدمی جب صلح کرتے۔ اور ایک دوسرے سے جھگڑا ختم کرنے کا عہد کرتے۔ تو دونوں اپنی اپنی کمان نکالتے۔ پھر ہر ایک اپنی کمان کے سرے دوسرے کی کمان کے سروں سے جوڑ دیتا۔ اور اگر عام آدمی صلح کرتے۔ تو ایک اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں رکھتا۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ کو خریدار کی طرح کھینچتے۔ اسی لئے اس کو ''مبایعت'' کا بھی نام دیا گیا ہے۔

جوہر ۴: تیسرے باب میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کو زیر بحث لایا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ راجح یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جس آیت میں ''ادراک'' کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔ اس کا آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس سے مراد ''احاطہ'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب آیت مذکورہ احاطہ کی نفی میں بطور نص وارد ہے۔ تو اس سے بغیر احاطہ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہوگی۔ یعنی ایسا دیکھنا جس سے کوئی گوشہ اوجھل نہ رہے۔ یہ رویت کسی آنکھ کے بس میں نہیں۔ اور اس کے علاوہ دیکھنا اس کی نفی نہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ضرور لیکن بالا حاطہ نہیں۔

جوہر ۵: چوتھے باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کے زمان و مکان کے بارے میں کلام کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ واقعہ اسراء کا مکان ''حجر'' ہے اور اس کا وقت ہجرت سے ایک سال پہلے اور بعثت کے بعد کا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔ ابن حزم نے اس میں ذرا مبالغہ سے کام لیکر اسے ''اجماع'' کہا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے واقعہ معراج ہوا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس مہینہ میں ہوا؟۔ علامہ ابن اثیر اور ایک جماعت نے اس پر جزم کیا کہ یہ واقعہ ربیع الاول کی ستائیسویں شب کو ہوا۔ امام نووی نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہی لکھا ہے۔ اسنوی نے ''مہمات'' میں، اذرعی نے ''وسیط'' میں، زرکشی نے ''خادم'' میں اور دمیری نے ''حیاۃ الحیوان'' میں اسے نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی کتب میں اسے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ واقعہ معراج ''رجب'' میں ہوا۔ امام نووی نے ''روضۃ'' میں امام رافعی کی اتباع کرتے ہوئے اس پر جزم کیا ہے۔ تیسرا قول ''رمضان'' میں ہے۔ چوتھا ''شوال'' بھی آیا ہے۔ ابن عطیہ نے اس بارے میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا۔ تحقیق یہ ہے کہ واقعہ معراج صحیفہ کے پھاڑنے یا پھٹنے کے بعد ہوا۔ اھ۔ ''بیعت عقبہ'' سے پہلے ہوا۔ ابن دحیہ نے لکھا۔ ممکن ہے کہ

اس دن کا تعین اس طرح کیا جائے کہ معراج کی رات گزرنے پر جب صبح ہوئی۔ وہ پیر کا دن ہو۔ اس کے بعد انہوں نے حساب کے مقدمات سے دلیل ذکر کی۔ جو ہجرت کی تاریخ سے شروع کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن دحیہ نے استنباط کیا اور کوشش کی کہ یہ ثابت کیا جائے۔ کہ جب آپ کی پیدائش، بعثت، ہجرت اور وصال شریف بھی اہم باتیں پیر کے دن ہوئیں۔ تو نبوت کے ان مختلف اہم واقعات یعنی آپ کا وجود، نبوت، معراج، ہجرت اور وفات کا جب تعلق پیر کے دن کے ساتھ ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیر کا دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اسی طرح ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں ''جمعہ'' تھا۔ اسی دن حضرت آدم پیدا ہوئے۔ اسی میں زمین پر تشریف لائے۔ اسی دن اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اسی دن انتقال فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود اور دینی اطوار کا تعلق ایک مخصوص دن کے ساتھ تھا۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ دونوں نے فرمایا۔ ''وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ فِيْهِ بُعِثَ وَ فِيْهِ عُرِجَ اِلَى السَّمَاءِ وَ فِيْهِ مَاتَ'' حضور سرور کائنات ﷺ کی پیر کے دن ولادت ہوئی۔ اسی دن مبعوث ہوئے، اسی دن آسمانوں کی طرف بلند لے جائے گئے اور اسی دن وصال فرمایا۔ ''عُرِجَ اِلَى السَّمَاءِ'' سے مراد رات ہے۔ اس لئے معراج شریف بالاتفاق رات کے وقت ہوئی۔

جوہر ۶: باب پنجم میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراء کی کیفیت اور اس کے تکرار و عدم تکرار پر گفتگو کی۔ لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ''اسراء'' کے صحیح ہونے میں کوئی خلاف نہیں۔ اس لئے کہ یہ علی سبیل الاجمال قرآن کریم کی ''نص'' سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل اور اس میں دیکھے گئے عجائبات کی شرح احادیث کثیرہ میں وارد ہے۔ جو کتب احادیث میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کی روایات صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اس بارے میں ہے کہ اسراء کی کیفیت کیا تھی۔ پس علماء کرام کے اس بارے میں چند اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین قول جو اکثریت کا موقف ہے یہ ہے کہ یہ واقعہ روح اور جسم دونوں کے ایک ساتھ حالت بیداری میں ہوا۔ خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے ابتداء ہوئی۔ بیت المقدس پھر آسمانوں کی طرف پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں تک اللہ رب العلی نے چاہا آپ کو لے گیا۔ قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے فرمایا۔ یہی حق ہے۔ اور اس پر آیت کی نص دلالت کرتی ہے۔ اور آسمانوں تک جانے کی روایات صحیح اور مستفاض ہیں۔ آیات اور اس بارے میں وارد احادیث کے

ظاہر سے عدول نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی اس بارے میں جو الفاظ آئے ذہن کو ان کے متبادر حقیقی مفہوم سے ہٹا کر تاویل کی طرف لے جانے کی ضرورت ہے۔ ہاں جہاں ظاہری مفہوم اور الفاظ کا حقیقی معنی محال ہو۔ وہاں تاویل کی جاسکتی ہے۔ لیکن ''اسراء'' میں جب اسے جسم وروح کے ساتھ اور حالت بیداری میں ہونا کہا جائے تو اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے تاویل کی طرف جانا پڑے۔ اس لئے کہ اگر یہ واقعہ خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِرُوْحِ عَبْدِہٖ'' پاک ہے وہ جو اپنے بندے کے روح کو لے گیا۔ لفظ ''عبدہ'' نہ فرماتا۔ اور لفظ ''عبد'' کا حقیقی معنی روح مع جسم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۰﴾ (النجم)۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عجائبات ملکوت میں سے جن کو دیکھنے کا حکم دیا گیا آپ نے ان کو دیکھنے سے عدول نہ کیا۔ اور نہ ہی ان سے تجاوز کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے جسم اطہر کے ساتھ جاگتے ہوئے یہ واقعہ سرانجام دیا۔ اس لئے کہ آیت مذکورہ میں ''بصر'' کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ''بصر'' آنکھ کو کہتے ہیں۔ اور آنکھ سے دیکھنا حالت بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی شہادت یہ آیت دے رہی ہے۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی آیات دیکھیں۔ اور اگر واقعہ معراج خواب میں ہوتا۔ تو اس میں نہ کوئی آیت ہوتی اور نہ ہی خارق عادت معجزہ ہوتا۔ جس کی صداقت کی ضرورت پڑتی۔ اگرچہ حضرات انبیاء کرام کے خواب بھی ایک قسم کی ''وحی'' ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ خواب میں معراج کرنا کوئی بہت بڑا کام نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس میں وہ معجزہ ہوسکتا یہ جو جاگتے ہوئے سرانجام دینے سے ہوتا ہے۔ اور اگر خواب میں ہی ہوتا۔ تو کافر اسے کوئی اہمیت نہ سمجھتے۔ اور نہ ہی اسے بعید از فہم قرار دیتے۔ نہ ہی اس کی تکذیب کرتے۔ اور نہ ہی اسلام میں کمزور لوگ ارتداد کا شکار ہوتے۔ نہ ہی لوگوں کا اس میں امتحان ہوتا۔ چونکہ عادت کے اعتبار سے اتنی دور کی مسافت بہت سے مختصر وقت میں جاگتے ہوئے کرنا یہ بعید از فہم تھا۔ اگر خواب کا معاملہ ہوتا۔ تو اس قدر کم وقت میں اس سے بھی دور کی مسافت طے کی جاسکتی ہے۔ اسے کافر کوئی اہم بات نہ جانتے۔ اس لئے کفار کا اسے بعید از فہم سمجھنا، اس کی تکذیب کرنا، اس سے ضعیف الاعتقاد لوگوں کا مرتد ہو جانا اور آزمائش میں پڑنا صرف اسی وجہ سے ہوا۔ کہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ معراج کو بیان کرنا آپ کے جسم کے ساتھ ہوا اور حالت بیداری میں ہوا۔

امام بخاری نے ''باب اسراء'' میں اپنی صحیح میں اور حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60) ہم نے آپ کو جو رؤیا دکھائی وہ صرف اس لئے دکھائی کہ لوگوں کیلئے آزمائش ہو۔ میں ''رؤیا'' سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب اسراء دیکھا۔ اس میں حضرت سعید بن منصور نے یہ لفظ زیادہ ذکر کئے۔ یہ رؤیا خواب دیکھنا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آنکھ کا رؤیا اس لئے کہا کہ قلب کے رؤیا سے احتراز ہو جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''قلب کا دیکھنا'' بھی ثابت فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾۔ دل نے جو دیکھا وہ جھوٹ نہیں کہا۔ اور قرآن کریم میں ہی آنکھ کا رؤیا بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شب اسراء کے رؤیا کے بارے میں جو فرمایا کہ یہ آنکھ سے دیکھنا تھا۔ اسی پر جناب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم نے جزم فرمایا۔ اور یہی صحیح ہے۔

جوہر ۷: چھٹے باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض گمراہوں کے شبہات کا جواب لکھا۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ''معراج'' محال ہے۔ لکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسراء کے واقعہ کا کوئی ایک بھی مسلمان مخالف نہیں۔ اس میں اگر کسی نے طعن کیا ہے تو وہ گمراہ لوگ ہیں۔ جن کے شبہات باطلہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ امام رازی وغیرہ حضرات نے ان کی تردید میں خوب لکھا ہے۔ میں بھی ان کے شبہات لکھتا ہوں۔ اور پھر ان کا رد بھی تحریر کرتا ہوں۔

شبہات۔ اہل زیغ وضلال کہتے ہیں۔ حرکت کا تیز ہونے کے باوجود اس حد تک پہنچنا غیر معقول ہے۔ اگر کوئی متحرک آسمانوں کی طرف چڑھ جائے۔ تو افلاک کا خرق (یعنی ان میں کوئی دراڑ پڑ جانا کہ جس سے متحرک گزر کر آگے جائے) کا ہونا واجب ہوگا۔ اور افلاک کا خرق محال ہے۔ اور ثقیل چیز کا آسمانوں پر چڑھ جانا بھی غیر معقول ہے۔ ان باتوں کے مدنظر رکھ کر اگر معراج کا واقعہ صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ معجزہ تمام معجزات سے بڑا ہوتا۔ اور لازم تھا کہ اتنے بڑے معجزہ کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جاتا۔ حتیٰ کہ لوگ اسے دیکھ کر استدلال کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی دعوائے نبوت میں سچے ہیں۔ اور اگر ایسا عظیم معجزہ ایسے وقت میں ہو۔ جس میں کوئی بھی دیکھ نہ رہا ہو۔ اور نہ کوئی موجود ہو تو پھر یہ عبث ہوگا۔ اور صاحب حکمت کیلئے غیر مناسب ہوگا۔؟

جواب شبہ اولیٰ: (چونکہ عبارت بالا میں چار شبہات ہیں۔ اس لئے علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ان

کے چار جوابات دیں گے۔) تیز حرکت کا اس حد تک پہنچنا فی نفسہٖ ممکن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اس کے امکان وصحت پر یہ بات دلالت کرتی ہے۔ کہ "فلک اعظم" رات کے ابتدائی حصہ سے آخری رات تک جو چکر لگاتا ہے۔ وہ تقریباً پورے چکر کا نصف ہوتا ہے۔ اور علم ہندسہ میں ثابت ہے کہ قطر کی نصف دائروں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسی ایک کی نسبت تہتر کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر فرض کرلیا جائے کہ حضور ﷺ مکہ شریف سے فلک اعظم کے اوپر تک جو بلندی پر تشریف لے گئے۔ تو آپ نے نصف قطر کی مقدار حرکت کی۔ پھر جب اس نصف قطر کو طے کرنے میں نصف چکر کے برابر وقت صرف ہوا تو نصف قطر کی مقدار حصول حرکت بطریقہ اُولیٰ ہوا۔ لہٰذا یہ دلیل قاطع ہے کہ مکہ شریف سے مافوق العرش تک بلندی پر جانا اور وہ بھی رات کے تہائی حصہ میں ایسا کام ہے جو فی نفسہٖ ممکن ہے۔ جب ایک تہائی رات میں ایسا ممکن ہوا۔ تو پوری رات میں اتنی مسافت طے کرنا بطریقہ اُولیٰ ممکن ہوئی۔

علاوہ ازیں علم ہندسہ میں یہ بھی ثابت ہے کہ سورج کا قرص (گول دائرہ) زمین کی گولائی سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ پھر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اتنا بڑا سورج ایک مختصر سے وقت میں طلوع ہوجاتا ہے۔ (تقریباً پانچ منٹ میں) جس سے معلوم ہوا کہ کسی متحرک کی حرکت تیزی سے اس کے برابر پہنچ سکتی ہے۔ یہ بات فی نفسہٖ ممکن ہے۔ اگر گفتگو ایسے شخص کے ساتھ ہوتی۔ جو علم ہندسہ سے ناواقف ہوتا۔ تو ہم اسے یوں کہتے کہ تو روزانہ سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھتا ہے جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک دن میں اتنی طویل مسافت طے کرجاتے ہیں جو کئی سالوں میں طے کرنا طاقت سے باہر ہے۔ جب یہ چیزیں روزانہ اتنا لمبا سفر کرتی ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ شریف سے عرش معلیٰ سے اوپر تک سفر کرنا کیونکر ممکن نہیں۔

اور یہ بھی کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام (کے تخت) کو ہوائیں مختصر وقت میں کہیں سے کہیں دور جگہ لے جایا کرتی تھیں۔ جس کیلئے وقت بہت کم صرف ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ" ان کا صبح کا سفر ایک مہینہ سفر کی مسافت کے برابر اور ان کا پچھلے پہر کا چلنا اس قدر مسافت والا تھا۔ اور ہماری حس بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ کہ ہوا جب تیز چلے تو مختصر سے وقت میں ایک جگہ سے بہت دور دوسری جگہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اس شخص نے جس کو "علم من الکتاب" تھا۔ اس نے بلقیس کی کرسی (تخت) اقصیٰ یمن سے اٹھا کر سرزمین شام پر لائی۔ اور اس میں وقت صرف اتنا لگا کہ آنکھ بھی جھپکنے نہ پائی تھی۔ اور یہ قاعدہ ہے۔ کہ تمام جسم اپنی تمام ماہیت میں ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب اس قسم کی تیز حرکت بعض

اجسام کو حاصل ہے تو اس کے حصول کو دیگر اجسام کیلئے تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ پس یہ ممکن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں اس قدر تیز حرکت پیدا فرما دے۔ جس سے آپ ایک مختصر سے وقت میں مکہ سے عرش اعلیٰ سے اوپر تک آ جا سکیں۔

جواب شبہ ثانیہ: یعنی افلاک کا خرق۔ یہ بھی محال نہیں ہے۔ خرق افلاک کو محال کہنے والوں نے اپنے اسی نظریہ کی بناء پر جنت و دوزخ کا انکار کیا ہے۔ علامہ شیخ سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ معراج شریف کے واقعہ کے بارے میں محال ہونے کا دعویٰ کرنا "باطل" ہے۔ اس لئے کہ یہ دعویٰ فلاسفہ کے اس قانون پر کیا گیا ہے۔ کہ آسمانوں میں خرق والتیام محال ہے۔ حالانکہ اہل حق کے نزدیک آسمانوں کا خرق والتیام واقع ہے۔ (خرق والتیام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز آسمان سے اوپر جائے گی۔ تو لازماً آسمان میں سے گزر کر جائے گی۔ اور گزرنے کیلئے کوئی سوراخ یا دراڑ وغیرہ پڑے گی۔ جب چیز گزر گئی۔ تو سوراخ بند ہو جائے گا۔) اور جسم خواہ علوی ہو یا سفلی۔ ایک دوسرے کے متماثل ہوتے ہیں۔ اور سبھی ایسے جوہر سے مرکب ہوتے ہیں جو سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس لئے جو بات کسی ایک جسم کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ وہ دوسرے کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تماثل کیلئے ایسا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اب جبکہ اجسام سفلیہ (یعنی زمین اور اس پر موجود مختلف اجسام) میں خرق و التیام ممکن ہے۔ تو اجسام علوی میں بھی جسم ہونے کے اعتبار سے خرق والتیام ممکن ماننا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ لہٰذا وہ آسمانوں کے خرق والتیام پر بھی قادر ہے۔ اور اس بارے میں آیات واحادیث بھی موجود ہیں۔ اس لئے معجزۂ معراج کی تصدیق کرنا واجب ہے۔

جواب شبہ ثالثہ: جس طرح کسی کثیف اور بھاری جسم کا (تمہارے خیال کے مطابق) اوپر چڑھنا بعید از عقل ہے۔ اسی طرح کسی لطیف روحانی جسم کا عرش اعلیٰ سے مرکز کائنات کی طرف نیچے آنا بھی بعید از عقل ہے۔ لہٰذا اگر رات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کے ممتنع ہونے کا قول کرتے ہو۔ اور اسے قبول کرنے سے گریز کرتے ہو تو پھر جبریل علیہ السلام کا ایک لمحہ میں عرش معلیٰ سے مکہ مکرمہ میں آنا بھی ممتنع ماننا پڑے گا۔ اور ثبوت معراج کا قول، اصل نبوت کے جواز کو تسلیم کرنے کی ایک فرع ہے۔ لہٰذا جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ اس قدر حرکت کا حصول ممتنع ہے۔ اسے حضرت جبرئیل کی حرکت نزول کو بھی لازماً ممتنع ماننا پڑے گا۔ جب یہ باطل ہے۔ تو پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ جو واقعہ معراج کے بارے میں کہتے ہو وہ بھی باطل ہے۔

جواب شبہ رابعہ: رات میں واقعہ معراج کے ہونے میں بہت سے فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ "ایمان

بالغیب'' میں زیادتی اور پختگی آ جائے۔ یعنی مومنوں کا جب بہت سی باتوں پر ایمان بالغیب ہے۔ وہ دیکھی نہیں۔ پھر بھی ان کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان ان دیکھی باتوں میں ایک اور بات کا اضافہ ہونے کی وجہ سے ایمان بالغیب میں اضافہ ہو جائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جن لوگوں کی طبیعت فتنہ پرور ہے۔ جو اسلام و ایمان کی باتوں سے فتنہ و آزمائش کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی آزمائش میں اضافہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے جو آپ کو رؤیا دکھائی وہ اس لئے دکھائی تا کہ لوگوں کیلئے امتحان و آزمائش ہو جائے۔ تیسرا فائدہ یہ کہ رات کا وقت ''خلوت و اختصاص'' کا وقت ہوتا ہے۔ اور بادشاہ کے پاس دن کے وقت بیٹھنے والوں اور رات کے وقت بیٹھنے والوں میں بہرحال واضح فرق ہوتا ہے۔

اَللَّیْلُ لِیْ وَلِاَحْبَابِیْ اُنَادِمُهُمْ قَدِ اصْطَفَیْتُهُمْ کَیْ یَسْمَعُوْا وَ یَعُوْا

رات میرے لئے اور میرے دوستوں کیلئے ہے۔ میں انہیں اپنے قریب کرتا ہوں۔ بیشک میں نے ایسے لوگوں کو منتخب کر لیا تا کہ وہ سنیں اور اسے محفوظ رکھیں۔

اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی علامات بھی بتائیں جن سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے بیت المقدس کے اوصاف بیان فرمائے۔ اور اس قافلہ کی بابت بتایا۔ جس کے قریب سے آپ گزرے۔ اور بتایا کہ وہ قافلہ فلاں وقت تمہارے پاس آ جائے گا۔ پھر ایسے ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا۔ اس کے باوجود مخالفوں نے اسے ''کھلا جادو'' کہا۔ لہٰذا اس میں کوئی فرق نہ پڑتا کہ اگر یہ واقعہ دن کے وقت ہوتا۔ تب بھی ان بدنصیبوں نے یہی کہنا تھا۔ خواہ انہیں کوئی ایسا آدمی بتاتا جس کی خبر پر انہیں یقین ہوتا۔ یا کوئی اور بتاتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آنکھوں سے چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ لیکن پھر بھی تسلیم کرنے کی بجائے ''هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ'' ہی کہا تھا۔

جوہر ۸: علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں باب میں ''شق صدر'' پر گفتگو کرتے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (انشراح)۔ کیا ہم نے آپ کیلئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع نہیں کر دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مناجات اور خلق خدا کی دعوت کی اس میں وسعت و گنجائش آ گئی۔ یا ہم نے اس میں جو کچھ بطور امانت رکھا ہے۔ اس کیلئے اس میں وسعت نہیں کر دی؟ اور ہم نے اس سے جہالت کی تنگی کو دور نہیں کر دیا۔ یا ہم نے القائے وحی کا معاملہ آپ پر آسان نہیں کر دیا جبکہ پہلے یہ آپ

پر شاق گزرتا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ آیت مذکورہ میں "انشراحِ صدر" سے اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے بچپن کے دور میں آئے۔ یا میثاق لئے جانے کے دن کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب انور نکالا۔ اسے دھویا اور اس میں ایمان و علم بھر دیا۔ اور ہوسکتا ہے کہ جو پہلے بیان ہو چکا اس جیسے کسی معاملہ کی طرف اشارہ ہو۔ (انتہی کلام البیضاوی)۔

علامہ بیضاوی نے جو "اخذ میثاق" کا ذکر فرمایا۔ اس سے مراد آپ کی بعثت مبارکہ کا دن ہے اور وہ دن ہے جس دن آپ کو نبوت عطا کی گئی۔ اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارکہ کا شق چار مرتبہ ہوا۔ جس کی کچھ تفصیل انہوں نے یوں بیان کی۔

اولیٰ: اس وقت شق صدر مبارک ہوا جب آپ چھوٹی عمر کے تھے۔ اور بنو سعد قبیلہ میں رہائش پذیر تھے۔ امام بیہقی نے ابراہیم بن طہمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے قول: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ﴿۱﴾ کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے مجھے حضرت قتادہ عن انس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ شَقَّ بَطْنَهٗ مِنْ عِنْدِ صَدْرِهٖ اِلٰى اَسْفَلَ بَطْنِهٖ وَ اسْتَخْرَجَ مِنْهُ قَلْبًا اِلٰى آخِرِهٖ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بطن مبارک سینہ کی طرف سے لیکر نیچے تک پھاڑا گیا اور اس سے آپ کا قلب انور نکالا گیا...... امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے۔ آپ اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبرئیل نے آپ کو پکڑا۔ اور بیہوش کر دیا۔ پھر آپ کے قلب انور کے اوپر سے جسم کو پھاڑ کر اندر سے دل نکالا۔ پھر دل کو چیرا۔ پس اس سے جما ہوا تھوڑا سا خون نکالا۔ اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ پھر اسے ایک تھال میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا۔ جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد اسے سی دیا اور واپس اس کی جگہ رکھ دیا۔ دوسرے بچوں نے جب یہ دیکھا۔ تو دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے۔ اور آپ کا رنگ مرجھایا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں آپ کے سینہ مبارکہ کے سیئے جانے کے نشانات آپ کے سینہ پر دیکھا کرتا تھا...... امام احمد، دارمی، حاکم نے روایت کی۔ جس کی طبرانی اور بیہقی و ابونعیم نے تصحیح کی۔ روایت حضرت ابن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ بنی سعد بن بکر قبیلہ کی ایک عورت میری تربیت کیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں اور اس کا بیٹا چند بکریوں کے بچوں کے ساتھ باہر گئے۔ جو اس عورت کے تھے۔ ہم نے کھانے پینے کیلئے کچھ بھی ساتھ نہ لیا۔ میں نے اپنے رضاعی بھائی سے کہا۔ جاؤ اور گھر سے جا کرامی جان سے کھانے پینے کا سامان لے آؤ۔ چنانچہ میرا بھائی گھر کی طرف چل پڑا۔ اور میں بکریوں کے پاس ہی کھڑا رہا۔ اچانک دو پرندے میری طرف بڑھے جیسا کہ وہ دو گدھ ہوں۔ ایک نے دوسرے پرندے سے پوچھا۔ کیا یہ بچہ وہی ہے؟ اس نے کہا ہاں وہی ہے۔ دونوں آگے بڑھے۔ مجھے پکڑا اور پشت کے بل لٹا دیا۔ میرا پیٹ پھاڑا۔ پھر انہوں نے میرا دل نکالا۔ اسے چیرا اور اس سے دو لوتھڑے سیاہ رنگ کے نکالے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ مجھے ٹھنڈا پانی دو۔ پانی لایا گیا۔ تو دونوں نے میرے پیٹ کے اندر کا حصہ اس سے دھویا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔ ٹھنڈا پانی مجھے پکڑاؤ۔ پھر اس پانی سے انہوں نے میرا دل دھویا۔ پھر ایک نے دوسرے کو کہا۔ مجھے چھری پکڑاؤ۔ چنانچہ اس نے چھری لیکر میرے دل میں لکیر ڈالی۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔ اسے بند کرو۔ بند کر کے اس پر خاتم نبوت کی مہر لگائی گئی۔ اس سے آگے تک حدیث ذکر کی۔

ثانیہ: دوسری مرتبہ آپ کا جب سینہ مقدسہ چاک کیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے ''زوائد المسند'' میں ایسی سند سے روایت ذکر کی ہے۔ جس کے رجال (راوی) ثقہ ہیں۔ اور ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر اور ''مختارۃ'' میں ضیاء نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔ کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! نبوت کے معاملات میں سے سب سے اول بات کیا تھی جس سے اس کی ابتداء ہوئی؟ ارشاد فرمایا۔ میں دس سال کا تھا۔ اور صحراء میں تھا۔ کہ اچانک دو مرد سر پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ کیا یہ وہی ہے؟ پھر دونوں میری طرف بڑھے۔ ان کے چہرے ایسے تھے کہ میں نے کسی مخلوق کے ایسے چہرے نہ دیکھے۔ اور ان سے ایسی خوشبوئیں مہکیں کہ میں نے ہرگز کبھی ایسی خوشبو نہ محسوس کی۔ ان کے کپڑے ایسے کہ کسی کو ایسے کپڑے پہنے میں نے نہیں دیکھا۔ چلتے چلتے میرے قریب آ گئے۔ حتیٰ کہ ہر ایک نے میرا ایک ایک بازو پکڑ لیا۔ لیکن مجھے ان کے پکڑنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اسے لٹا دو۔ پس دونوں نے مجھے آرام سے لٹا دیا۔ یعنی نہ ان میں سے کوئی جھکا اور نہ ان کے کپڑوں میں ڈھیلا پن پیدا ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھے پشت کے درمیانہ حصہ پر لٹا دیا۔ پھر میرا پیٹ چیرا۔ یہ لفظ بھی آئے ہیں۔ ایک نے

ساتھی سے کہا۔ اس کا سینہ چیرو۔ تو ان میں سے ایک نے میرا سینہ پھاڑا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ نہ کوئی خون نکلا۔ نہ کسی قسم کا درد ہوا۔ ان میں سے ایک سونے کے تھال میں پانی لئے کھڑا تھا۔ دوسرا میرے پیٹ کو اندر سے دھو رہا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ اس کا سینہ چیرو۔ اس کے ساتھ ہی میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میرا سینہ چرا ہوا تھا۔ مجھے کوئی درد نہ ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ اس کا دل چیرو۔ اس نے میرا دل چیر دیا۔ کہنے لگا۔ اب اس سے کینہ اور حسد باہر نکال پھینکو۔ تو اس نے جمے ہوئے خون کی مانند ایک چیز نکالی اور پھینک دی۔ پھر اس نے کہا۔ اب اس میں رأفت و رحمت بھر دو۔ پس اس نے ایک پیالہ کی مانند کوئی چیز اس میں ڈالی۔ پھر ایک مہر نکالی۔ جس سے اس پر نشان لگا دیا۔ پھر میرے انگوٹھے پر چٹکی بھری اور کہا۔ اٹھ جا۔ سلامتی میں رہو۔ پھر میں ایسا ہو گیا۔ کہ ضعیف دیکھ کر مجھے ترس آ جاتا۔ اور بڑے کو دیکھ کر میرا دل نرم ہو جاتا۔

ثالثہ: تیسری مرتبہ ''شق صدر'' بعثت مبارکہ کے وقت ہوا۔

ابو داؤد، طیالسی اور حارث ابن ابی اسامۃ نے اپنی اپنی مسند میں، بیہقی اور ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کی نذر مانی۔ جو ایک مہینہ کا تھا۔ اتفاق سے اس نذر کے پورا کرنے کا موقعہ رمضان میں ملا۔ پس آپ ایک رات باہر تشریف لائے۔ تو آپ نے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ'' کی آواز سنی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ کسی جن کی اچانک آواز ہوگی۔ میں جلدی جلدی واپس آ گیا۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہ کے پاس آ گیا۔ وہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ آپ کو کیا ہوا؟ میں نے واقعہ بتایا۔ کہنے لگیں۔ خوشخبری ہو۔ السلام کے الفاظ ''خیر'' بتاتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں پھر باہر نکلا۔ تو اچانک جبرئیل سامنے آ گئے۔ ان کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں تھا۔ میں دیکھ کر ڈر گیا۔ تو جلدی سے واپس آ گیا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ میرے اور دروازے کے درمیان جبرئیل کھڑے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ میں ان سے مانوس ہو گیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا۔ اور چلے گئے۔ میں وعدہ کے مطابق آ گیا۔ لیکن کافی انتظار کے بعد جب دیکھا کہ جبرئیل نہیں آ رہے۔ تو میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ تو اس ارادے کے فوراً بعد میں نے دیکھا کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں موجود ہیں۔ انہوں نے آسمان کے کنارے بھی ڈھانپ رکھے تھے۔ یعنی آسمان کے چاروں طرف تک پھیلے ہوئے تھے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نیچے زمین پر آ گئے۔ اور میکائیل آسمان و زمین کے درمیان ہی موجود رہے۔ حضرت جبرئیل نے مجھے خبر دی۔ پھر انہوں نے مجھے پشت

کے بل زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے دل کے اوپر سے میرا جسم چیرا۔ پھر دل نکالا اور اس میں سے جو اللہ نے چاہا نکالا۔ پھر دل کو ایک تھال میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد اسے اپنی جگہ جسم میں رکھ دیا۔ پھر اسے سی دیا۔ اس کے بعد برتن کی طرح مجھے اوندھا کیا۔ پھر میری پشت پر مہر لگا دی۔ حتیٰ کہ میں نے مہر کو محسوس کیا۔ اس کے بعد بقیہ حدیث ذکر کی۔

رابعہ: چوتھی مرتبہ ''شب اسراء'' میں آپ کا سینہ مبارکہ شق کیا گیا۔

امام مسلم اور برقانی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں ایک مرتبہ اہل خانہ میں تھا۔ کہ کوئی آنے والا آیا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ زمزم کی طرف لے گیا۔ پھر میرا سینہ پھاڑا گیا۔ پھر میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا۔ جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ ان دونوں کو میرے سینہ میں ڈال دیا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنا سینہ مبارکہ دکھایا۔ پھر مجھے ایک فرشتہ لیکر آسمان دنیا کی طرف چڑھا۔ اس کے بعد بقیہ معراج کی حدیث ذکر کی۔

امام احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا۔ کہ معراج کی رات میرے ساتھ کیا ہوا۔ فرمایا۔ میں حطیم میں تھا۔ یا بعض دفعہ حطیم کی بجائے آپ نے ''حجر'' فرمایا۔ وہاں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک کوئی آیا۔ اور اپنے ساتھی سے جو تین میں سے درمیان میں تھا کچھ کہا۔ وہ میرے قریب آ گیا۔ اور اس نے حلق سے نیچے کے حصہ سے بالوں تک کا حصہ چیرا۔ اس میں سے میرا دل نکالا۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایمان و حکمت سے بھرا سونے کا تھال لایا گیا۔ میرے دل کو دھویا گیا پھر اسے بھرا گیا اور واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر ایک چار پایہ لایا گیا۔ جو گدھے کے قد سے ذرا بڑا اور خچر سے ذرا چھوٹا تھا۔ الحدیث۔ اسے امام بخاری نے بطریق شریک عن انس رضی اللہ عنہ روایت کیا۔

جوہر ۹: حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں باب میں ''شق'' صدر کے متعلق کچھ احادیث ذکر کیں۔ جن میں کسی خاص زمانے کا ذکر نہیں۔ لکھتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ نبی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ آپ واقعی نبی ہیں؟ فرمانے لگے۔ اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے۔ میں اس وقت مکہ شریف کی وادیوں میں سے ایک وادی میں تھا۔ ان میں سے ایک تو زمین پر اتر آیا۔ اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان موجود رہا۔

ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ یہ وہی ہے۔اس کے بعد انہوں نے کہا۔اسے ایک مرد کے ساتھ تولو۔ جب مجھے اور اس مرد کو تولا گیا تو میں وزنی نکلا۔ پھر اس نے کہا دس مردوں کے ساتھ تولو۔ میں ان سے بھی وزنی نکلا۔ پھر سو سے تولنے کو کہا۔ میں ان سے بھی وزنی نکلا۔ پھر ہزار سے تولنے کو کہا۔ میں ہزار سے بھاری نکلا۔اس کے بعد ترازو کو خالی کرالیا۔اور ایک نے دوسرے سے کہا اگر تو انہیں ان کی پوری امت کے ساتھ وزن کرے گا تب بھی یہی وزنی ہوں گے۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔اس کا پیٹ چیرو۔اس نے میرا پیٹ چیر دیا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔اس کے پیٹ کو اس طرح دھوؤ جس طرح برتن دھوئے جاتے ہیں۔اور اس کے دل کو بھی نرمی سے دھوؤ۔ پھر سکینہ (چھری) منگوائی جو ایک چوڑی سفید پٹی کی طرح تھی۔ وہ میرے دل میں داخل کی گئی۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا۔اس کے پیٹ پر لکیر لگاؤ۔ اور سی دو۔ چنانچہ اس نے میرا پیٹ سی دیا۔اس کے بعد میرے دونوں کندھوں کے درمیان مہر لگائی۔ پھر وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ گویا اب میں اس کیفیت و حالت کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔اسے درامی، بزار، رویانی، ابن عساکر نے اور ضیاء نے مختارۃ کے اندر ذکر کیا ہے۔

جناب ابونعیم نے یونس بن میسرہ سے مرسلا روایت کیا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔فرشتہ میرے پاس سونے کا ایک تھال لیکر آیا۔ پھر میرا پیٹ چیرا، پھر میرے پیٹ کے اندر سے دل نکالا، اسے دھویا، پھر اس پر نشان لگا دیا، پھر کہا، بڑا ابار عب دل ہے۔اس میں دو آنکھیں دیکھنے والی ہیں۔ دو کان سننے والے ہیں، اور تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سب سے بعد میں آنے والا اور سب سے پہلے تیرا قلب سلیم، تیری زبان صادق، تیرا نفس مطمئنہ، تیرا خلق مضبوط اور سخی ہے۔

دارمی اور ابن عساکر نے ابن غنم سے روایت کی ہے۔ ابن غنم کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ اور آ کر آپ کا پیٹ چاک کیا۔ پھر جبرئیل نے کہا۔ مضبوط دل ہے۔اس میں دو سننے والے کان اور دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ محمد رسول اللہ ہیں۔ سب سے آخر آنے والے اور سب سے پہلے اٹھنے والے ہیں۔ تمہارا خلق مضبوط ہے۔ تمہاری زبان صادق اور تمہارا نفس مطمئنہ ہے۔

''مغمز الشیطان'' سے مراد شیطان کا چٹکی بھرنا ہے۔ جو ہر پیدا ہونے کو وہ بھرتا ہے۔ صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے والدہ اس سے محفوظ رہے۔اس لئے کہ حضرت مریم کی والدہ ''حنہ'' کی دعا کی تھی۔ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۳۶ (آل عمران)۔ علامہ سہیلی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اس سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور سے شیطان کا حصہ نکال باہر کر دیا گیا تھا۔اور اس کی جگہ ایمان و حکمت بھر دیئے گئے تھے۔اور یہ حضرت جبرئیل روح القدس کے دھونے کے بعد ہوا......حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بہترین خصلتوں اور تمام فضیلتوں کے جامع تھے۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جوہر ۱۰: حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں باب میں چند اہم تنبیہات ذکر فرمائیں۔جن کا تعلق ''شق صدر'' سے ہے۔ملاحظہ ہوں۔

پہلی تنبیہ: علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تقریب'' کی شرح کے ابتداء میں لکھا ہے۔شب اسراء کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کے واقعہ کی صحت سے ابن حزم اور قاضی عیاض نے انکار کیا ہے۔اور ان دونوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ''شریک'' کی تخلیط ہے۔حالانکہ ایسا نہیں۔کیونکہ بخاری و مسلم میں ''شریک'' کے طریقہ کے علاوہ دوسری سند سے ثابت ہے۔اور امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''المفہم'' میں فرماتے ہیں۔شب اسراء میں ''شق صدر'' کے انکار کی طرف کوئی توجہ نہیں کرنا چاہئے۔اسے کوئی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔اس لئے کہ اس کے اثبات کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔بعض نے ''شب اسراء'' میں ''شق صدر'' کے واقعہ کا انکار کیا ہے۔لیکن اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔کیونکہ اس کے اثبات میں بہت سی روایات وارد ہیں۔

دوسری تنبیہ: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''المفہم'' اور علامہ توریشتی نے ''شرح المصابیح'' میں اور علامہ طیبی نے ''شرح المشکوٰۃ'' میں اور حافظ ابن حجر اور علامہ السیوطی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر کیا ہے۔کہ جو روایات ''شق صدر'' اور دل کے نکالے جانے وغیرہ کے متعلق وارد ہیں۔وہ ایسی ہیں کہ ان کا تسلیم کیا جانا واجب و لازم ہے۔نہ کہ ان کے حقیقی مفہوم سے کسی دوسری طرف رخ کریں۔اس لئے کہ قدرت باری میں اس کی صلاحیت موجود ہے۔ان باتوں میں سے کوئی بھی چیز محال نہیں ہے۔اور اس کی حدیث صحیح بھی تائید کرتی ہے۔کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس پر سلائی کے نشانات بارہا دیکھے۔

علامہ حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔وقت کے جاہلوں نے جو یہ کہا۔کہ ''شق صدر'' درست نہیں۔اس کے ظاہری مفہوم کا انکار کرتے ہیں۔اور اس (شق صدر) سے مراد معنوی شق لیتے ہیں۔اور جو حضرات اسے تسلیم کرتے ہیں۔ان پر ''قلب حقائق'' کا الزام تھوپتے ہیں۔یہ ان لوگوں کا

جہل صریح اور خطاء قبیح ہے۔ جو انہیں اس لئے ملی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے رسوائی اور ذلت مقدر میں رکھی تھی۔ اور اس لئے بھی کہ ان کا جھکاؤ علوم فلسفیہ کی طرف تھا۔ اور احادیث وسنت کے دقائق سے بہت دور تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اور ایسوں سے بچائے رکھے۔ آمین۔

تیسری تنبیہ: علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارکہ شق کیا جانا اور اس پر آپ کا صبر کرنا اس قبیلے سے ہے۔ جس سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کو گزرنا پڑا۔ انہوں نے بھی چھری کے نیچے حلق رکھ دیا۔ اور صبر کیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ اس سے زیادہ مشکل اور اعلیٰ ہے۔ اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعات عارضی تھے۔ اور آپ کے حقیقی۔ اور یوں بھی کہ شق صدر ایک سے زائد مرتبہ ہوا۔ اور ذبح کا واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا۔ اور اس اعتبار سے بھی کہ اول مرتبہ جب شق صدر کا واقعہ ہوا۔ تو آپ اپنے گھر والوں سے دور تھے۔ اور زمانہ بچپن کا تھا۔

چوتھی تنبیہ: شیخ الاسلام ابوالحسن السبکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو چاک کر کے جو سیاہ رنگ کا جما ہوا خون نکالا گیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ نیز فرشتے نے جو اس وقت کہا تھا۔ ''یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شیطان کا حصہ تھا'' اس کا کیا مفہوم ہے؟ موصوف نے جواب دیا۔ جما ہوا خون اللہ تعالیٰ ہر انسان میں پیدا کرتا ہے جس میں شیطان کے القاء کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں سے وہ بالکل نکال دیا گیا۔ جس کی وجہ سے شیطان کو القاء کیلئے کوئی جگہ دستیاب نہ ہو سکی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔ حدیث پاک کا یہ معنی ہے۔ رہا وہ جس کی فرشتہ نے نفی کی۔ وہ انسانی جبلت وفطرت کی ایک چیز ہے۔ پس اس چیز کو دور کر دیا گیا۔ جس میں یہ قابلیت تھی۔ وہ چیز ایسی تھی کہ اس کے حصول سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان کا القاء دل میں پھینکا گیا ہے۔ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ سے پھر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالیہ میں اس صلاحیت کی یہ چیز پیدا ہی کیوں کی تھی؟ اور یہ ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا ہی نہ فرماتا؟ فرمایا۔ چونکہ یہ بھی انسانی اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔ پیدا اس لئے کیا تاکہ انسانی تخلیق کی تکمیل ہو جائے۔ اور جو عضو ضروری تھا۔ اسے بنایا جائے۔ پھر اسے وہاں سے ختم کر دینا اور نکال باہر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی کرامت اور اعزاز تھا۔

کچھ دوسرے حضرات نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو اس عضو کے بغیر پیدا فرماتا۔ تو انسانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کی اطلاع نہ ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ہاتھوں اس بات کو ظاہر فرمایا۔ تاکہ لوگوں کو آپ کے کمال باطن کی تحقیق ہو جائے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے سامنے مکمل ظاہر ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

پانچویں تنبیہ: شیخ ابو محمد بن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارکہ کو چیر کر اس سے قلب انور نکال کر اس میں ایمان وحکمت ڈالی گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بغیر ''شق'' کے بھی ڈال سکتا تھا۔ لیکن ایسا اس لئے ہوا۔ تاکہ یقین کی قوت میں زیادتی ہو جائے۔ اس طرح کہ جب آپ نے ''شق صدر'' ہوتے دیکھا اور اس کے دیکھنے کے باوجود آپ کی طبیعت میں کوئی اثر نہ ہوا۔ تو اس طرح آپ کو ایسی بے خوفی عطا ہوئی۔ اور ایسی چیزوں سے خوف جاتا رہا۔ جن سے عادۃً لوگ ڈرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ شجاع اور طاقتور تھے۔ یہ شجاعت گفتگو کے اعتبار سے بھی تھی اور حالت جسمانی کے اعتبار سے بھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ صفت بیان فرمائی۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم)

چھٹی تنبیہ: حافظ فرماتے ہیں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ''شق صدر'' اور قلب انور کا دھویا جانا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ یا آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ علامہ طبری نے تابوت بنی اسرائیل کے تحت لکھا ہے۔ کہ اس تابوت میں ایک تھال بھی تھا۔ جس میں انبیاء کرام کے قلوب دھوئے جاتے رہے۔ علامہ کا یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دیگر انبیاء کرام بھی ''شق'' میں شریک تھے۔ لیکن علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شق صدر'' کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص کیا ہے۔

ساتویں تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''شق صدر'' کے ایک سے زائد مرتبہ ہونے کی حکمت کیا تھی؟ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پہلا، دوسرا اور تیسرا شق صدر بیان کر کے ان کی حکمت یوں بیان کی۔ پہلی مرتبہ آپ کے بچپن کے دور میں ہوا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشو ونما کامل ترین حالات میں ہو۔ اور شیطان سے بالکل محفوظ رہیں۔ پھر جب بعثت کے وقت شق صدر ہوا۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے اکرام وتعظیم میں اضافہ ہو جائے۔ تاکہ جو احکامات اور القاء ربانیہ آپ کی طرف ہونے تھے۔ وہ مضبوط قلب کے ہوتے ہوئے تطہیر کے کامل ترین حالات میں ہوں۔ پھر تیسری مرتبہ معراج کے وقت ہوا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے کی تیاری ہو جائے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ سے سوال کیا گیا۔ کہ دوسری مرتبہ ''شق صدر'' میں کیا حکمت تھی؟ باوجود یکہ اس کو'' کتاب التوحید'' میں پورے یقین کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ لیکن احتمال ہے کہ یہ کہا جائے۔ جب عمر کے آٹھویں سال میں آدمی صاحب امتیاز ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے اچھے برے، نفع ونقصان وغیرہ کا امتیاز آنے لگتا ہے۔ تو اس عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''شق صدر'' کیا گیا تا کہ آپ پر کوئی ایسی چیز مخفی نہ رہے۔ جو ایک مرد کیلئے عیب ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس دوسری مرتبہ ''شق صدر'' میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس کے ذریعہ تیسری مرتبہ کی تکمیل کو مکمل کیا جائے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں ایک اچھے کام کو تین مرتبہ کرنا اس کی تکمیل ہے۔ (جیسا کہ وضوء میں ہر عضو کا دھونا) اس طرح تین مرتبہ شق صدر مکمل کرنا تھا۔ جس کیلئے دوسری مرتبہ ہونا تکمیل کا ایک حصہ بنتا ہے۔

ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور مقدس ومطہر ہوتے ہوئے پھر دھویا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جو خیر و بھلائی اس میں ڈالی جانی تھی۔ اس کے قابل ہو جائے۔ پہلی مرتبہ دھویا گیا۔ جب آپ کی عمر بچپن کی تھی۔ اور اس نے جما ہوا خون نکالا گیا۔ تا کہ معراج شریف کے واقعہ میں جو کچھ عطا کیا جانا تھا۔ اور دل میں ڈالنا تھا۔ اس کی تیاری ہو جائے۔ کیونکہ اس کی بڑی عظمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت کئی مقامات میں رکھی ہے۔ جیسا کہ نماز کیلئے وضوء کا مسئلہ ہے۔ جس شخص کا پہلا سے ہی وضو ہو۔ وہ دوبارہ وضو کرتا ہے۔ تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس عظیم کام کی تیاری ہے۔ اور اس سے مناجات کرنے کیلئے ہے۔ اسی لئے وضوء صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر عضو وضو کو تین تین مرتبہ دھویا جاتا ہے۔ حالانکہ فرضیت طہارت صرف ایک مرتبہ دھونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن اقدس کے دھونے کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝ جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے یہ دلوں کا تقویٰ ہے (الحج:32)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کا دھویا جانا اسی قبیلہ سے تھا۔ اور اس میں آپ کی امت کیلئے عملی طور پر اشارہ تھا۔ کہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ قول کے ذریعہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت نے بطور نص شعائر اللہ کی تعظیم کے بارے میں کہا۔

علامہ برہان نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حرم شریف کے اندر جب ''غسل'' کو اچھا کہا گیا۔ تو تم اس غسل کے بارے میں کیا کہو گے جو بارگاہ قدسیہ میں ہوگا؟ جب حرم شریف ''عالم ملک'' سے ہے۔

یعنی کائنات ظاہر یہ سے ہے۔اس کیلئے عالم معاملات میں ظاہری جسم کا غسل کیا گیا۔اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عالم ملکوت'' میں تشریف لے گئے ۔ جو کائنات باطنیہ ہے۔تو وہاں غسل بھی حقیقات میں باطنی ہو گا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلندیوں پر لے جایا گیا۔تا کہ آپ پر صلوۃ وسلام بھیجا جائے ۔اور آسمانی فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجیں۔اور ''صلوۃ'' کی شان ''طہور وطہارت'' چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی طور پر پاک فرما دیا۔

اگر تم پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''نور'' بنایا جو حضرات انبیاء کرام سے منتقل ہوتا رہا۔اور ''نور'' میں ایسی صفائی ہوتی ہے۔ جسے مزید پاک کرنے کی حسی ضرورت نہیں ہوتی ۔ پھر جب ایک مرتبہ پاک کر دیا گیا تو دوبارہ پاک کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کی طہارت ''باطنی تطہیر'' کیلئے ناکافی تھی ۔اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نبوت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی ایسی چیز تھی ۔ جو طہارت کی محتاج تھی ۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشریت کے میل سے منزہ ہیں؟

جواب : میں کہتا ہوں کہ پہلی مرتبہ آپ کے قلب انور کو غسل دیا جانا ''علم یقین'' کیلئے دوسری مرتبہ ''عین الیقین'' اور تیسری مرتبہ ''حق الیقین'' کیلئے تھا۔

آٹھویں تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شق صدر اور قلب انور کا چیرا جانا تکلیف کے بغیر ہوا۔اسی پر امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جزم کیا ہے۔فرماتے ہیں۔فَشَقَّهُ وَمَا شَقَّ عَلَيْهِ۔ فرشتے نے قلب انور چاک کیا۔اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

نویں تنبیہ: یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا ''شق صدر'' کسی آلہ سے ہوا یا بغیر آلہ کے ہوا؟ اس سوال کا کسی نے جواب نہیں لکھا۔اور نہ ہی مجھے کسی ایسے مصنف و عالم کے بارے میں پتہ چلا۔ کہ اس کے متعلق انہوں نے کچھ لکھا یا کہا ہو۔کتب کثیرہ کی میں نے چھان بین کی۔لیکن اس موضوع پر کچھ نہ ملا۔اگر لفظ ''شق'' کے ظاہر کو دیکھا جائے ۔تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی آلہ کی مدد سے ایسا کیا گیا۔اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں انہوں نے فرشتہ کا قول نقل کیا ہے۔خُطَّ بَطْنَهٗ فَخَاطَهٗ۔ان کے پیٹ کو سی دو۔تو اس نے سی دیا۔اور حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے مروی لفظ میں ''مخصه فخاصه'' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ''كَانُوْا يَرَوْنَ اَثَرَ الْمَخِيْطِ فِيْ صَدْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم'' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سینہ مبارک پر سلائی (ٹانکوں) کے نشانات دیکھتے تھے۔یہ روایات بھی بتاتی ہیں۔ کہ شق صدر کسی آلہ سے کیا گیا۔

دسویں تنبیہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''وَاُتِیْتُ بِالسَّکِیْنَۃِ کَاَنَّھَا بَرْھُوْھَۃٌ فَوُضِعَتْ فِیْ صَدْرِیْ'' میرے پاس ایک چھری لائی گئی۔ جو ''برھوھۃ'' کی طرح تھی۔ پھر وہ میرے سینہ میں رکھی گئی۔ ابن انباری کہتے ہیں۔ ''اَلْبَرْھُوْھَۃُ السَّکِیْنَۃُ'' وہ ہوتی ہے جس کا سرا ٹیڑھا ہو۔ جسے عام لوگ ''منجل'' کہتے ہیں۔ اردو میں ''درانتی'' کہتے ہیں۔

خطابی کہتے ہیں۔ مجھے ایک روایت ملی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''اِنَّہٗ شَقَّ عَنْ قَلْبِہٖ قَالَ فَدَعَا بِسَکِیْنَۃٍ کَاَنَّھَا دِرْھَمَۃٌ بَیْضَاءُ'' فرشتے نے میرے دل کے اوپر سے چیرا۔ پھر اس نے چھری منگوائی۔ جیسا کہ سفید درہم ہوتا ہے۔ اس روایت سے مجھے خیال آیا کہ ''برھوھۃ'' سے مراد سفید رنگ کی صاف لوہے کی بنی چھری ہے۔ جس کی سپیدی اور صفائی کو عورتوں کے ''برھوھۃ'' یعنی کنگن یا پازیب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ابن دحیہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں صواب یہ ہے کہ لفظ سکینہ کو کاف کی تخفیف سے پڑھا جائے۔ اس لئے کہ ''شق بطن'' کے بعد کہا گیا۔ کہ میرے پاس ایک سکینہ لائی گئی۔ جو سفید اور صاف تھی۔ پھر وہ میرے سینہ میں رکھی گئی۔ (اگر سکینہ کاف مشددہ کے ساتھ بمعنی چھری ہوئی تو پیٹ پھاڑنے سے پہلے یہ لائی جاتی۔ اور اس سے پیٹ چاک کیا جاتا۔ بعد میں لائی جانے والی چھری نہیں بلکہ ''سکینہ'' ہے) سکینہ بروزن فعیلۃ ہے۔ اور یہ لفظ قرآن کریم میں ''سکون'' کے معنی میں آتا ہے۔

گیارھویں تنبیہ: ''تھال'' کا خاص کر ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ عرف میں غسل کرنے کیلئے اکثر یہی برتن استعمال ہوتا تھا۔

بارھویں تنبیہ: تھال کو سونے سے بنا بتایا گیا۔ اس کے بارے میں علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے کی اس مقام پر اس معنی کے ساتھ بہت مطابقت ہے جس کا قصد کیا گیا اور اگر لفظ ''ذھب'' کو دیکھا جائے تو اس کی ''ذھاب'' یعنی کہیں جانا کے ساتھ مطابقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر طرح کی ناپاکی دور کر کے خوب طہارت کر دی جائے۔ اور اگر ''ذھب'' کے معنی کو دیکھا جائے اور اس کے اوصاف کی طرف نظر کی جائے۔ تو تم اسے بہت ستھری اور صاف چیز پاؤ گے۔

تیرھویں تنبیہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ سونا اور چاندی استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ اس لئے کہ خبر مذکورہ میں جس فعل کو ذکر کیا گیا وہ فرشتوں کا فعل ہے۔ اور انہوں نے سونے کا تھال استعمال کیا اور یہ لازم نہیں کہ جو حکم ان کیلئے ہو وہ ہمارے لئے بھی ہو اور

اس لئے بھی مذکورہ وہم درست نہیں۔ کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے چاندی کو حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ انتہیٰ اس لئے کہ مذکورہ حرمت مدینہ منورہ میں فرمائی۔ اور واقعہ معراج مکہ شریف سے تعلق رکھتا ہے۔

چودہویں تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو زمزم کے پانی سے دھونے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ تمام پانیوں سے افضل ''زمزم'' کا پانی ہے۔ امام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر جزم کیا ہے۔ ابن جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ کے قلب پاک کو جنت کے پانی سے اس لئے نہیں دھویا گیا کہ جنت کا پانی ہونا زمزم میں بھی جمع ہے۔ یعنی یہ بھی جنتی پانی ہے۔ کیونکہ اس کی اصل جنت ہے۔ پھر اس پانی کا زمین میں استقرار ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس (زمزم) پانی سے دھلوا کر گویا یہ ارادہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ''زمین'' میں باقی رہے۔ دیگر علماء بیان فرماتے ہیں کہ زمزم کا پانی اصل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اسی سے انہوں نے تربیت پائی۔ اور اسی نے ان کا قلب وجسم پلا۔ اور حضرت اسماعیل اس پانی اور اس شہر (مکہ) کے آقا بن گئے۔ مالک بن گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا کہ ان کا صادق ومصدوق فرزند بھی ایسا ہی ہو۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے انتقال کے بعد اس کا حق صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ فتح مکہ کے دن جب اس کی ولائت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ نے ''سقایۃ'' کا معاملہ حضرت عباس اور ان کے بیٹوں کے سپرد کیا۔ بیت اللہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کا معاملہ عثمان بن شیبہ اور عقبہ کے پاس پھر ان کی اولاد کے پاس تاقیامت سپرد کر دیا۔

پندرہویں تنبیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کو برف اور اولوں کے پانی سے دھونے کی حکمت یہ تھی۔ کہ جس طرح ان دونوں میں صفائی اور مٹی کے اجزاء کی آمیزش نہ ہونے کی وجہ سے خالص ہونا، پایا جاتا ہے۔ خاص کر مٹی کے اجزاء کی آمیزش کہ جن سے پانی گدلا ہو جاتا ہے۔ اور نجاست کے ذرات بھی ان میں شامل ہوتے ہیں۔ برف اور اولے ان سے صاف ہوتے ہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کیلئے ''صاف'' ہے۔ اور آپ کی شریعت مطہرہ اور روشن دین کا وقت آ گیا ہے۔ اور سینہ مبارکہ کے ٹھنڈا ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو دشمنوں کے خلاف کامیابی کیلئے کھول دیا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کا قلب انور اپنی امت کی مغفرت کے بارے میں ٹھنڈا رہے۔ مطمئن رہے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ کا قلب انور برف سے اس لئے دھویا گیا تا کہ اس سے یقین کی ٹھنڈک کی طرف اشارہ ہو۔ جو آپ کے قلب انور کو حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر اور قراۃ کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَ بِالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ۔ اے اللہ! میری خطائیں برف اور اولوں سے دھو ڈال۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو ایسے پانی سے دھویا جائے۔ جو جنت سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے سونے کے تھال میں لایا گیا۔ جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ تا کہ آپ کا قلب انور جنت کی خوشبو سے معطر ہو۔ اس کی حلاوت پائے۔ جس کی وجہ سے دنیا میں وہ سب سے زیادہ ''زہد'' سے متصف ہو۔ اور لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دینے میں ''حریص'' ہو۔ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے دشمن آپ پر طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ آپ سے انسانی طبیعت یعنی ''دل تنگی'' دور فرما دے۔ اور دشمنوں کے برے الفاظ سے آپ کی طبیعت نالاں نہ ہو۔ لہٰذا آپ کے قلب انور کو برف سے دھویا گیا۔ تا کہ قلب انور میں وسعت آ جائے اور تنگی دور ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ (الحجر)۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان لوگوں کی باتوں سے تنگ پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کے قلب انور کو ایک سے زیادہ بار دھویا گیا۔ تا کہ اس میں ایسی پختگی اور وسعت آ جائے۔ کہ آپ کو تکلیف پہنچائی جائے، سر انور کو زخمی کیا جائے، دانتوں کو توڑا جائے جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا تو ان تمام تکلیف دہ باتوں کے جواب میں ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ'' ہی آپ کی زبان اقدس پر ہو۔

سولہویں تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ کے ''بطن'' کو دھویا گیا۔ اس مقام پر اس بطن کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے مراد ''اندر چھپی چیز'' ہے اور وہ ''دل'' ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں صرف ''قلب'' کا ذکر ہے۔ ''بطن'' کا ذکر نہیں۔ اور احتمال ہے کہ دونوں روایات اپنے ظاہر پر ہوں۔ ظاہر پہ رکھتے ہوں دونوں کے درمیان اتفاق بھی ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ''بطن'' کے دھوئے جانے کی خبر دی ہو۔ اور ''قلب'' کے ذکر کرنے کے درپے نہ ہوئے ہوں۔ اور بعض دفعہ آپ نے دل کے دھوئے جانے کا تذکرہ کیا۔ اور ''بطن'' کا ذکر نہ کیا ہو۔ اور ''غسل'' دونوں کا ہوا ہو تا کہ ''محل'' کی نظافت وصفائی بطور مبالغہ ہو جائے۔

سترھویں تنبیہ: علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سوال کیا جائے کہ ''ایمان وحکمت'' سونے کے تھال میں کیسے رکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ایمان وحکمت ''عرض'' ہیں۔ (یعنی ان کا اپنا مستقل وجود

نہیں بلکہ کسی کے ذریعہ یہ موجود ہیں) اور تمام اعراض اپنے ''محل'' کے بغیر قائم نہیں ہوتیں۔ وہ چیز جن کے ساتھ ان کا اتصاف ہوتا ہے۔ اس کے سہارے قائم ہوتی ہیں۔ تو تھال میں ''ان'' کا سہارا اور محل کوئی نہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ اعراض کا ''انتقال'' نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''انتقال'' اجسام کی صفت ہے۔ اعراض کی نہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان وحکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں منتقل ہوئے۔ جب ان کا وجود اور جسم ہی نہیں تو کونسی چیز آپ کے قلب انور میں ڈالی گئی؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے۔ کہ تھال میں جو کچھ تھا اسے ایمان وحکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ نے وہ دودھ پینے کو دیا۔ جو آپ نے پی کر بچایا تھا۔ جب حضرت عمر نے وہ پیا۔ تو اسے ''علم'' سے تعبیر کیا گیا۔ لہٰذا تاویل اور معنی یہ ہوگا۔ کہ آپ کے قلب انور میں ایمان و حکمت ڈالے گئے۔ اور ہوسکتا ہے کہ تھال میں برف اور اولے رکھے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حدیث اول میں مذکور ہے۔ پھر دوسری مرتبہ اس کو اسے تعبیر کیا گیا ہو۔ جو اس سے نتیجہ نکلنا تھا اور پہلی مرتبہ اس کی وہ صورت بیان کی گئی ہو جو آپ نے دیکھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی مرتبہ شق صدر کے وقت بچپن میں تھے۔ جب آپ نے تھال میں برف دیکھی۔ جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ تو آپ نے اس کو ''برف'' ہی سمجھا۔ حتیٰ کہ اس کی تاویل اور حقیقت بعد میں معلوم ہوئی اور دوسری مرتبہ جب ''شق صدر'' ہوا۔ تو آپ ''نبی'' تھے۔ جب اس وقت آپ نے سونے کا تھال دیکھا جو برف اور اولوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی اس کی تاویل اور حقیقت جان لی۔ اور آپ نے یہ اعتقاد کر لیا کہ یہ ''ایمان وحکمت'' ہیں۔ لہٰذا دونوں احادیث میں الفاظ اپنے اپنے مقام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتقاد کے مطابق ہیں۔ انتہیٰ۔

امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ حدیث مذکور کا معنی یہ ہے کہ تھال میں جو چیز رکھی گئی۔ وہ ایسی ہے کہ اس سے ایمان وحکمت کے کمال میں زیادتی حاصل ہوگی۔ اور جو کچھ تھال سے رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ''حقیقت'' پر مبنی ہو۔ اور معانی واعراض کا ''جسم بن جانا'' جائز وممکن ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ سورۂ بقرہ کل قیامت کے دن اس طرح آئے گی جیسا کہ سایہ (چھتری) ہے۔ اور ''موت'' مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ یونہی ''اعمال'' کو تولا جائے گا۔ یہ چیزیں اور اسی طرح کی دوسری اشیاء باوجو یکہ معانی اور اعراض ہیں۔ جسم میں ڈھالی گئیں۔ یہ ''احوال غیب'' ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ مصابیح کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ ''تمثیل'' کے قبیلہ سے ہو۔ اس لئے کہ معانی کی ''تمثیل'' بکثرت واقع ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے

جنت و نار کو دیوار میں دکھایا گیا۔ ایسا کرنے میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی معنی اور حالت کو ''محسوس'' کے ساتھ تشبیہ دیکر یا ''محسوس'' چیز کی شکل میں ڈھال کر پیش کرنے سے وہ بات ذہن میں زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ'' تھال میں جو چیز رکھی گئی تھی وہ ایسی ہے کہ اس سے ایمان و حکمت کے کمال میں زیادتی حاصل ہوتی ہے'' اس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ مضبوط ایمان سے پہلے ہی متصف تھے۔ اسی مضبوطی کو اور کامل کیا گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے آپ ایمان و حکمت سے خالی تھے۔ اور شق صدر کے بعد یہ دونوں چیزیں آپ کو دی گئیں۔

اٹھارہویں تنبیہ: جس میں ایمان و حکمت ڈالے گئے۔ وہ بطن تھا یا صدر؟ ایک روایت میں ''بطن'' اور دوسری میں '' قلب'' ہے۔ اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھرے گئے اور اکٹھے بھرے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روایت میں ''بطن'' کے بھرنے اور دوسری میں '' قلب'' کا ذکر فرمایا۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ مراد صرف '' قلب'' ہو۔ لیکن ''بطن'' کو ذکر کیا گیا۔ یہ وسعت کیلئے ہوا۔ اس لئے کہ عرب ایسا کرتے ہیں کہ کسی چیز کا نام بتاتے وقت بعض دفعہ اس کے قریب والی چیز کا نام بتادیتے ہیں۔ یا اس ظرف و محل کا نام بتادیتے ہیں۔ جس کے اندر وہ چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اسلام کیلئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے (الانعام: 125)۔ اس آیت میں ''صدر'' یعنی سینہ سے مراد '' قلب'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نام ذکر کیا سینہ کا اور مراد دل ہے۔ کیونکہ دل سینہ کے اندر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان و حکمت بھرے دل میں گئے۔ لیکن بعض دفعہ دل کی بجائے ''بطن'' کا لفظ ذکر ہوا۔

انیسویں تنبیہ: یہ '' حکمت'' کیا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں بھری گئی؟ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ اس سے مراد علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہو۔ جس کے ساتھ بصیرت کا نفاذ، نفس کی تہذیب اور اس پر عمل کرنے کیلئے حق کی تحقیق اور اس کی ضد سے رکنا بھی تھا۔ اور '' حکیم'' وہ ہوتا ہے۔ جو ان مذکورہ اشیاء کو اپنے اندر جمع کر لے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ (حکمت کی تعریف) وہ تعریف ہے جو ہمیں بہت سے اقوال کے خلاصہ کے طور پر ملی۔

حکمت کا اطلاق بعض دفعہ '' قرآن'' پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی پہلے معنی میں مذکور تمام باتوں پر مشتمل ہے۔ '' نبوت'' کو بھی حکمت کہا گیا ہے۔ صرف '' علم'' کو بھی حکمت کہا گیا۔ صرف '' معرفت'' کو بھی یہ نام دیا گیا ہے۔ وغیرذالک۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس بارے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا '' حکمت'' ہے۔ یا کتاب اللہ کے فہم کا نام '' حکمت'' ہے۔ اگر

دوسرے معنی کو دیکھیں۔تو ''حکمت'' ایمان کے بغیر اور ایمان کے ساتھ دونوں صورتوں میں پائی جاسکتی ہے۔اور پہلے معنی کے اعتبار سے ''ایمان وحکمت'' دونوں لازم ملزوم ہیں۔اس لئے کہ ''حکمت'' ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

بیسویں تنبیہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے جو کہا۔ ''اس کا وزن کر'' اس (وزن) سے مراد اعتباری وزن ہے۔(یعنی حقیقۃً تولنا اور وزن کرنا نہیں) لہٰذا وزن زیادہ ہو جانے سے مراد ''فضل'' ہوگا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''فضل وکمال'' میں سب سے اور سب پر بھاری ہیں۔دونوں فرشتوں کے ایسے کرنے کا فائدہ یہ ہے۔کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بارے میں جان لیں۔تا کہ دوسروں کو اس کی خبر دے سکیں۔اور دوسرا سن کر اس پر اعتقاد بھی رکھے۔کیونکہ یہ بات امور اعتقادیہ میں سے ہے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔میں نے شیخ الاسلام برہان الدین بن ابی شرف رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں اس وقت پوچھا۔جب مجھے اس کا وہ مطلب معلوم نہ تھا۔جو ابھی میں بیان کر چکا ہوں۔تو موصوف نے مجھے اس کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھا۔''یہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ''معانی'' کو اللہ تعالیٰ ''ذوات'' بنا دے۔یا معانی کو اللہ تعالیٰ نے ذوات بنا دیا تھا۔پس اس وقت ایک فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میزان کے ایک پلڑے میں ڈال اور دوسرے پلڑے میں آپ کی امت کے ہزار آدمیوں کو ڈال۔فرشتہ نے ایسے کر دیا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاری نکلے۔فرشتہ کو خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ہزار میں سے کچھ کم ہوں۔بہر حال جب دونوں فرشتوں نے آپ کا بھاری ہونا پہچان لیا۔اور اس کا معنی کہ اگر تمام معانی جو امت کے ہیں۔وہ سب ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔تو تمام امت پر آپ بھاری ہوں گے۔بھی جان لیا۔تو دونوں فرشتے کہنے لگے۔اگر آپ کی تمام امت کا آپ کے ساتھ وزن کیا جائے تب بھی آپ بھاری نکلیں گے۔کیونکہ ''خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ'' کے فضائل و کمالات اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو فضیلتیں عطا فرمائیں۔ان میں کسی دوسرے کا آپ کے مساوی ہونا ''محال'' ہے۔''انتہیٰ۔

جوہر ۱۱: آٹھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''خاتم نبوت'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزار اور ابو یعلی نے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ جبرئیل نے میکائیل کو حکم دیا کہ زمزم پانی سے بھرا تھال مجھے دو۔ تا کہ میں اس سے ان (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دل پاک کروں۔ اور ان کا سینہ چاک کروں۔ پھر جبرئیل نے آپ کا بطن اقدس چاک کیا۔ اسے تین مرتبہ دھویا۔ حضرت میکائیل تین مرتبہ زمزم کے پانی سے بھرا تھال لاتے رہے۔ پھر جبرئیل نے آپ کا سینہ کھولا۔ اور اس میں جو ''اذیت'' تھی، نکال باہر کردی۔ اس کی جگہ اس میں حلم، علم، ایمان، یقین اور اسلام بھر دیا۔ اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ''خاتم نبوت'' سے مہر لگادی۔ پھر ایک گھوڑا آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ کو اس پر سوار کیا گیا۔ اس کے بعد معراج کی بقیہ حدیث ذکر کی۔

اول قول: ''خاتم النبوت'' میں اختلاف کیا گیا۔ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی شکل ''زرالحجلۃ'' کی سی تھی۔ بخاری و مسلم نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور کے پیچھے کھڑا تھا۔ پس میں نے آپ کی ''مہر نبوت'' کو دیکھا۔ جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی۔ وہ ''زرالحجلۃ'' کی مانند تھی۔ ''زر'' سے مراد گانٹھ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حجلۃ'' ایک معروف پرندہ ہے۔ اور ''زر'' اس کا انڈا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ وہ ''مٹھی'' کی طرح تھی۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن سرجین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی، جو بائیں کندھے کی ہڈی کے زیادہ قریب تھی۔ اس کی شکل ''جمع'' تھی۔ (یعنی ''مٹھی'' کی طرح تھی) اس پر تل تھے۔

تیسرا قول: یہ کہ وہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی۔ جو کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔ ابوالحسن ضحاک نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' دیکھی جو کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔

چوتھا قول: بالوں کا ایک گچھا تھا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ، ابویعلی اور طبرانی نے حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قریب ہو۔ اور میری پشت کو ملو۔ میں قریب ہوا اور آپ کی پشت انور کو ملا۔ اور

میں نے اپنی انگلیاں آپ کی "مہر نبوت" پر رکھیں۔ ان (عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا۔ وہ کیسی تھی؟ فرمانے لگے۔ کندھے کے قریب بالوں کا ایک گچھا سا تھا۔ ابوسعید نیشاپوری نے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کالے بالوں کا گچھا تھا۔

پانچواں قول: غدود کی طرح تھی۔ امام احمد، ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان غدود جیسی ایک چیز دیکھی۔

چھٹا قول: گوشت جو ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان جو مہر تھی۔ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو ابھرا ہوا تھا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ اور بیہقی نے لکھا ہے۔ "لَحْمَةٌ نَاتِئَةٌ" اور امام احمد نے "لَحْمٌ نَاشِزٌ بَيْنَ كَتِفَيْهِ" لکھا ہے۔ ان دونوں الفاظ کا معنی بھی "ابھرا ہوا گوشت" ہی ہے۔

ساتواں قول: "بُنْدَقَه" کی طرح تھی۔ بندقہ کا معنی بندوق کی گولی ہے یا ایک درخت کے پھل کا نام ہے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسحاق بن ابراہیم قاضی سمرقندی کے طریق کے مطابق روایت لکھی ہے۔ کہ ہمیں ابن جریج نے عطاء اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "مہر نبوت" آپ کی پشت پر تھی۔ جو "بندقہ" کی مثل تھی۔ گوشت کی بنی تھی۔ جس میں "محمد رسول اللہ" لکھا تھا۔ حافظ ہیثمی نے "موارد الظمان الی زیادۃ ابن حبان" میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے۔ کہ بعض راویوں کے ہاں بات خلط ملط ہوگئی۔ انہوں نے "ختم نبوت" اور اس مہر کو ایک ہی سمجھا۔ جس سے آپ کسی تحریر پر مہر لگایا کرتے تھے۔

آٹھواں قول: سیب کی شکل کی تھی۔ امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت آپ کے کندھے کی نرم ہڈی سے نیچے تھی۔ جس کی شکل "سیب" جیسی تھی۔

نواں قول: جیسا سنگھی لگانے کا آلہ ہو۔ امام احمد اور بیہقی نے جناب تنوخی رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ جو ہرقل کے ایلچی تھے۔ حدیث طویل ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے اچانک آپ کی مہر نبوت دیکھی جو کندھے کی نرم ہڈی کی جگہ تھی۔ اور "سنگھی" کی طرح تھی۔

دسواں قول: سیاہ رنگ کے تل کی طرح جس میں پیلا پن بھی ہو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

مروی ہے۔ فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' ایسے سیاہ تل کی طرح تھی جو پیلے رنگ کی طرف مائل تھا۔ اس کے اردگرد گھنے بال تھے۔ گویا وہ گھوڑے کی کلغی تھی۔ اسے ابوبکر بن ابی خیثمہ نے صبیح بن عبداللہ فرغانی کی سند سے یوں ذکر کیا۔ حدثنا عبدالعزیز بن عبدالصمد۔ لیکن یہ غیر ثابت ہے۔

گیارہواں قول: ہرے رنگ کا تل تھا۔ جو گوشت میں تھوڑا سا گندھا ہوا تھا۔ اسے ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں بعض شیوخ سے ذکر کیا۔ یہ بھی غیر ثابت ہے۔

بارہواں قول: بکری کے گھٹنے کی مانند۔ طبرانی اور معرفتہ میں ابونعیم نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی مہر نبوت آپ کے بائیں کندھے کی طرف تھی۔ جیسا کہ ''بکری کا کھر'' ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مہر نبوت'' دکھانی پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

تیرھواں قول: کبوتری کے انڈے کی مانند۔ حکیم ترمذی اور ابونعیم نے روایت کی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ جس کے باطن میں ''اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ'' لکھا ہوا تھا۔ اور اس کے اوپر والے حصہ پر ''تَوَجَّهْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّکَ مَنْصُوْرٌ'' لکھا ہوا تھا۔ یعنی جدھر چاہو جاؤ تمہاری مدد ہوگی۔ ''مورد'' میں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔

چودھواں قول: ایک چمکتے خزانہ کی مانند تھی۔ اسے عایذ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

پندرھواں قول: تین اکٹھے بال تھے۔ اسے ابوعبداللہ بن محمد سلامہ القضاعی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

سولہواں قول: کبوتر کے غدود کی طرح ایک غدود تھی۔ اسے ابن ابی عاصم نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

سترھواں قول: چھوٹا سا تل تھا جس کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی روایت کی گئی ہے۔

اٹھارہواں قول: کسی ایسی چیز کی مانند جس سے مہر لگائی جاتی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عمر بن اخطب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور پر ''مہر نبوت'' دیکھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ جیسا کہ یہ ناخن ہے۔ گویا اس سے مہر لگائی جاتی ہے۔

انیسواں قول: چاند کے دائرے کی مانند۔ ابوالدحداح احمد بن اسماعیل دمشقی نے اپنی حدیث کی جزء اول میں اسے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان چاند کے دائرے کی مانند ''مہر نبوت'' تھی۔ جس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اور دوسری میں جو نیچے تھی ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' لکھا ہوا تھا۔ ''مورد'' میں ہے۔ کہ یہ روایت باطل بین البطلان ہے۔

بیسواں قول: شتر مرغ کے انڈے کی مانند۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ''مہر نبوت'' آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھی۔ جو شتر مرغ کے انڈے کی مانند تھی۔ اس کے جسد کے مشابہ تھی۔ حافظ ابوالحسن ہیثمی رضی اللہ عنہ ''موردالظمآن'' میں لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت میں یہ حدیث صحیح میں ان الفاظ سے ذکر کی گئی ہے۔ ''مثل بیضۃ الحمامۃ'' کبوتری کے انڈے کی مانند۔ اور یہی ''صواب'' ہے۔ اور ابن حبان کی روایت بعض راویوں سے غلط ہے۔

علماء کرام کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کہ ''مہر نبوت'' آپ کے جسم اقدس میں کس جگہ تھی؟ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کے بائیں کندھے کے کنارے پتلی ہڈی کے نزدیک تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دائیں کندھے کے کولہے کے قریب تھی۔ علماء نے فرمایا۔ کہ یہ روایات باعتبار معنی قریب قریب ہیں۔ اور ان میں کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ بلکہ ہر راوی نے جو دیکھا۔ اس کے مطابق تشبیہ دی۔ کوئی ایک کہتا ہے کہ ''زرالحجلۃ'' کی طرح تھی۔ ''حجلۃ'' ایک معروف اور سپید رنگ کا پرندہ ہے۔ یعنی اس کے انڈے کی طرح۔ یا رسی کی گرہ کی مانند تھی۔ دوسرے راوی کبوتری کے انڈے جیسی بتاتے ہیں۔ تیسرے سیب کی مانند، چوتھے ابھرے ہوئے گوشت کا ٹکڑا، پانچویں گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا، چھٹے سنکھی کی مانند، ساتویں بکری کے گھٹنے جیسی بتاتے ہیں۔ ان تمام کا الفاظ مقصود تقریباً ملتا جلتا ہے۔ وہ یہ کہ ''مہر نبوت'' گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ اور جن حضرات نے اسے بالوں کا ایک مجموعہ کہا۔ تو اس لئے کہا کہ ''مہر نبوت'' کے ارد گرد بال تھے اور بہت گھنے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں بھی آیا ہے۔

علامہ ابوالعباس قرطبی ''مفہم'' میں لکھتے ہیں۔ احادیث ثابتہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ''ختم نبوت'' ایک ایسی چیز تھی۔ جو ابھری ہوئی تھی اور اس کا رنگ سرخ تھا۔ اور بائیں کندھے کے قریب تھی۔ جب وہ کم ہو جاتی تو کبوتری کے انڈے کی مقدار اور جب بڑھ جاتی تو ہاتھ کی مٹھی کے برابر ہو جاتی۔ اسی کی مانند ''قاضی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اور زیادہ یہ بھی لکھا کہ جس روایت میں ''مٹھی'' کی

طرح آیا ہے۔ یہ روایت بظاہر مخالف دکھائی دیتی ہے۔لہٰذا اس کی ایسی تاویل کی جائے گی۔ جو روایات کثیرہ کے موافق ہو۔ اور معنی یہ ہوگا کہ ''مہر نبوت'' کی شکل ''مٹھی'' کی طرح تھی۔لیکن مقدار میں مٹھی برابر نہ تھی بلکہ کبوتری کے انڈے جتنی تھی۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ''مہر نبوت'' کے بائیں کندھے کی پتلی ہڈی یا کولہو کے قریب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے ہر وسوسہ سے محفوظ تھے۔ اور ابن آدم کو جب وسوسہ ڈالتا ہے۔ تو اس کیلئے اس جگہ سے ہی وسوسہ ڈالتا ہے اور فرمایا کہ دائیں جانب ''مہر نبوت'' ہونے میں یہ بھی اعتبار ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب انور جب ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ تو اس پر مہر لگا دی گئی۔ جس طرح مشک وعنبر سے بھرے برتن پر مہر لگائی جاتی ہے۔ اور موتیوں سے بھرے برتن پر مہر لگائی جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کے تمام اجزاء ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع فرما کر ان پر اپنی مہر لگا دی۔ تا کہ کسی دشمن کی ان کی طرف رسائی نہ ہو سکے۔ کیونکہ مہر لگی چیز محفوظ وماٴمون ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایسی ہی تدبیر کی ہے۔ جب ہم میں سے کوئی شخص کوئی ایسی چیز پاتا ہے۔ جس پر مہر لگی ہو تو اس کا شک دور ہو جاتا ہے۔ اور آدمیوں کے درمیان جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور میں مہر لگائی تا کہ اس سے آپ کا قلب مطمئن ہو جائے۔ اور اس میں نور ڈال دیا اور دل کی قوت اس قدر بڑھی۔ کہ ''مہر نبوت'' کی صورت میں انڈے کی مقدار اور کندھوں کے درمیان اس کا اظہار ہوا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مذکورہ روایات کا تقاضا ہے کہ ''مہر نبوت'' بوقت ولادت نہ تھی۔ یہ ''شق صدر'' کے وقت لگائی گئی۔ جب سیدہ حلیمہ کے ہاں رہتے ہوئے آپ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اور اس میں ان لوگوں کا تعقب کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''مہر نبوت'' آپ کے جسم اطہر پر ولادت کے ساتھ ہی تھی۔ اور یہ قول ''فتح'' میں یوں منقول ہے۔ ''قیل ولد بہ وقیل حین وضع'' بیان کیا گیا ہے کہ مہر نبوت پیدائشی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولادت کے وقت لگائی گئی۔ مغلطائی نے ابن عائذ سے نقل کیا ہے۔ کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ جو بات ''مہر نبوت'' کے بارے میں پہلے بیان ہو چکی ہے زیادہ ثابت ہے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ''غرر'' میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ یعنی ''مہر نبوت'' اس وقت لگائی گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ حلیمہ کے پاس تھے۔ اور احادیث کا مقتضی یہ ہے کہ ''شق صدر'' تین مرتبہ ہوا۔ اول اس وقت جب آپ ''بنو سعد'' میں اپنی

رضاعی والدہ حلیمہ کے پاس تھے۔ دوسری مرتبہ بعثت مبارکہ کے وقت اور تیسری مرتبہ اسراء یعنی معراج کے وقت۔ اور لکھا۔ کہ میں کسی ایسی حدیث کو نہیں جانتا۔ جس میں ''شق صدر'' کا آپ کی بیس سال کی عمر میں ہونا مروی ہے۔ اور اس میں ''مہر نبوت'' لگائے جانے کا ذکر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ برہان حلبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کیا ''مہر نبوت'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے یا ہر نبی کو یہ مہر لگائی جاتی رہی؟ جواب میں فرمایا اس بارے میں میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ''مہر نبوت'' حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

اول: اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''خاتم النبیین'' ہیں۔ اور یہ بات کسی دوسرے پیغمبر میں نہیں۔

دوم: یہ کہ نبوت کا دروازہ آپ پر بند کر دیا گیا۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی کیلئے نہیں کھولا جائیگا۔ حاکم نے وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی پیغمبر بھیجے۔ ان کی نبوت کی نشانی ان کے دائیں ہاتھ پر لگائی۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ''مہر نبوت'' آپ کے کندھوں کے درمیان تھی۔ اھ۔ اس روایت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت انور پر ''مہر نبوت'' ہونا صرف آپ کا خاصہ ہے۔ کسی پیغمبر کی ایسی جگہ مہر نبوت نہیں تھی۔ اور اسی پر شیخ حافظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انموذج اللبیب'' میں جزم کیا ہے۔ جیسا کہ اس کے صحیح نسخہ جات میں یہ بات موجود ہے۔ اگرچہ بعض نسخہ جات میں اس کے خلاف بھی مذکور ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ''مہر نبوت'' بوقت وصال اٹھا لی گئی تھی۔ اس سے آپ کے وصال کا علم ہوا۔ علامہ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ ''الاصطفاء'' میں لکھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ نبوت ورسالت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی درحقیقت باقی ہیں۔ جیسا کہ مؤمن کیلئے اس کے انتقال کے بعد وصف ایمان باقی رہتا ہے۔ اس لئے کہ رسالت ونبوت اور ایمان سے جو چیز متصف ہوتی ہے وہ ''روح'' ہے۔ اور روح پر موت نہیں آتی۔ وہ بدن کے مرنے سے نہیں مرتی۔ جیسا کہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ تو پھر ''مہر نبوت'' کو کیوں اٹھا لیا گیا۔ جو نبوت ورسالت کی علامت تھی؟ میں کہوں گا کہ ''مہر نبوت'' کے لگانے میں حکمت تھی۔ وہ یہ کہ آپ کی مکمل طور پر حفاظت کی علامت ہو۔ اور شیطان سے معصوم ہونے کی نشانی ہو۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ تو اب ''امن'' بھی مکمل ہو گیا۔ لہٰذا اب ''مہر نبوت'' کو جسم میں باقی رکھنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔

اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر فرمایا کہ نبوت ورسالت باقی رہتی ہے۔ اگر چہ انبیاء کرام کا انتقال ہی ہو جائے۔ تو یہ مذہب ابوالحسن اشعری اور ان کے عام ساتھیوں کا ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بلکہ اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام ان حضرات کے نزدیک اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اس کی تائید میں روایات کثیرہ وارد ہیں۔

فائدہ: حافظ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''غریب'' میں روایت کیا ہے۔ اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بھی اسے ذکر کیا۔ وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ تو میں نے ''مہر نبوت'' کو منہ میں ڈال لیا۔ جس کی وجہ سے میرے منہ سے ہر وقت مشک کی خوشبو آتی تھی۔

جوہر ۱۲: حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نویں باب'' میں حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے بعض فضائل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ۳۵ جگہ ذکر کیا ہے۔ بعض میں صراحۃً اور بعض جگہ اشارۃً ذکر ہے۔ اور ان کا نام (جبرئیل) تین جگہ ذکر ہے۔ سورۂ بقرہ میں دو جگہ۔ ۱ — مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ (البقرہ:97) — ۲ — مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ (البقرہ:98)۔ اور تیسری جگہ سورۃ ''التحریم'' میں۔ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ (التحریم:4)۔ چار مقامات پر جمع کے صیغہ سے ان کی تعظیم و اکرام کے اعتبار سے ذکر کیا گیا۔ ۱-۲-۳- سورۃ آل عمران میں۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آل عمران:39)۔ اس جگہ ملائکہ سے مراد اکیلے جبرئیل ہیں۔ جس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ ہے۔ فَنَادَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ قَآئِمٌ — وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ (آل عمران:42) — اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ (آل عمران:45)۔ اور چوتھا سورۂ ''نحل'' میں ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ (القدر:4)۔ یعنی جبریل اور روح الوحی لفظ ''روح'' سے آٹھ جگہ ان کو ذکر کیا گیا۔ جن میں بعض جگہ علی الاطلاق روح اور بعض جگہ ''قدس'' اور ''طہارت'' کی طرف مضاف ہے۔ اور بعض جگہ صفت ''امانت'' کے ساتھ متصف ذکر ہوا۔ ۱ — تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج:4)۔ یعنی فرشتے اور جبرئیل علیہ السلام۔ ۲ — تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا (القدر: 4) — ۳ — فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (مریم: 17) — ۴ — اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ: 87) — ۵ — وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ:253) — ۶ — اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (المائدہ:110) — ۷ — نَزَّلَهٗ

[illegible] نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ

[illegible] فرشتوں [illegible] کا ذکر کیا گیا۔ جو یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت، قربت، [illegible] اور امانت۔ یہ سورۂ تکویر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر)۔

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے "العظمۃ" میں روایت لکھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب حضرت جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر دور ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب وھب رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ یہ چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سب سے پہلے ان کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہ "مدبرات" ہیں۔ (مختلف ذمہ داریاں نبھانے والے) ابوالشیخ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر "امین" ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام لوگوں کے اعمال نامے وصول کرتے ہیں۔ جو اوپر لے جائے جاتے ہیں۔ اور اسرافیل علیہ السلام دربان اور نگران کے مانند ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ جو تابعین میں سے ایک امام ہوئے۔ کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا فرشتہ "اکرم" ہے؟ فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ پس حضرت جبرئیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے تو کہا۔ حضرت جبرئیل، میکائیل اور ملک الموت "اکرم" ہیں جبرئیل علیہ السلام کے ذمہ لڑائیوں کا کام ہے۔ اور پیغمبروں کے پاس آنا جانا ہے۔ میکائیل علیہ السلام بارش کے ہر قطرہ کے مالک ہیں۔ جو زمین پر گرتا ہے۔ ہر پتہ پر ان کی ذمہ داری ہے۔ جو گرتا ہے۔ ملک الموت ہر بندے کا روح قبض کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں۔ جناب اسرافیل اللہ اور ان فرشتوں کے درمیان "امین" ہیں۔

جوہر ۱۳: دسویں باب میں حافظ شامی علیہ الرحمۃ "براق" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"براق" کا رنگ سفید تھا۔ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری "براق" کو بایں وجہ بنایا گیا۔ تاکہ آپ کا اختصاص بیان ہو۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ "براق" اس کے زیر تصرف کر دیا گیا ہو۔ دوسرے چار پائے آپ کے علاوہ

رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ (النحل:102) – ۸–نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلْبِكَ (الشعراء:۱۹۴)۔ایک جگہ سات صفات کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ جو یہ ہیں۔ رسالت، کرم، قوت، قربت، مکانت، فرشتوں کا ان کی اطاعت کرنا اور امانت۔ یہ سورۂ تکویر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر)۔

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''العظمۃ'' میں روایت لکھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب حضرت جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل ہیں۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر دور ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب وھب رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ یہ چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سب سے پہلے ان کو زندہ کیا جائے گا۔ اور یہ ''مدبرات'' ہیں۔ (مختلف ذمہ داریاں نبھانے والے) ابوالشیخ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ''امین'' ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام لوگوں کے اعمال نامے وصول کرتے ہیں۔ جو اوپر لے جائے جاتے ہیں۔ اور اسرافیل علیہ السلام دربان اور نگران کے مانند ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ جو تابعین میں سے ایک امام ہوئے۔ کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا فرشتہ ''اکرم'' ہے؟ فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ پس حضرت جبرئیل اوپر گئے۔ پھر نیچے آئے تو کہا۔ حضرت جبرئیل، میکائیل اور ملک الموت ''اکرم'' ہیں جبرئیل علیہ السلام کے ذمہ لڑائیوں کا کام ہے۔ اور پیغمبروں کے پاس آنا جانا ہے۔ میکائیل علیہ السلام بارش کے ہر قطرہ کے مالک ہیں۔ جو زمین پر گرتا ہے۔ ہر پتہ پر ان کی ذمہ داری ہے۔ جو گرتا ہے۔ ملک الموت ہر بندے کا روح قبض کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں۔ جناب اسرافیل اللہ اور ان فرشتوں کے درمیان ''امین'' ہیں۔

جوہر ۱۴۳: دسویں باب میں حافظ شامی علیہ الرحمۃ ''براق'' پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''براق'' کا رنگ سفید تھا۔ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ''براق'' کو بایں وجہ بنایا گیا۔ تاکہ آپ کا اختصاص بیان ہو۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ ''براق'' اس کے زیر تصرف کر دیا گیا ہو۔ دوسرے چارپائے آپ کے علاوہ

دیگر حضرات کے زیر تصرف رہے ہیں۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کہ وہ آپ کو بغیر براق اوپر لے جاتا۔ لیکن اس کے باوجود براق بھیجا۔ تاکہ آپ کیلئے بشارت ہو۔ اور آپ کی تشریف ہو۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بنفسہٖ یعنی براق کے بغیر اوپر لے جاتا۔ تو آپ کا جانا پیدل ہوتا۔ (پیدل لے جانے اور سواری پر بٹھا کر لے جانے میں جو فرق ہے وہ بخوبی واضح ہے)

جناب ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ ''خرق عادت'' تأنیس یعنی مانوس کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا۔ کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق کے بغیر بلندی پر لے جاتا۔ لیکن اس کے بجائے سوار کر کے بلوایا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ سوار ہونا اور جس پر سواری کی جائے اس کی صفت کرنا ایسے عظیم مقام میں مانوس کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے جیسا کہ یہ بات عادت کا ایک حصہ ہے۔ شائد براق پر سوار کرا کر معراج کرانا ''کرامت عرفیہ'' کا اظہار تھا۔ کیونکہ جب کوئی بڑا بادشاہ اپنے کسی دوست، کسی مخصوص شخص اور کسی اہم شخصیت کو اپنے ہاں بلاتا ہے۔ تو اس کی طرف بہترین سواری بھی روانہ کرتا ہے۔ اور وفد کی شکل میں اسے دربار میں لایا جاتا ہے۔ ''براق'' کی شکل گھوڑے کی مانند نہ تھی۔ خچر سے ملتی جلتی تھی۔ اور اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصد تھا کہ یہ سواری امن کی سواری ہے۔ جنگ وجدال کی نہیں۔ یا اس سے مقصد عجیب معجزہ کا اظہار تھا۔ وہ یہ کہ چار پایوں میں سے جو زیادہ تیز دوڑنے والا چار پایہ (خچر) ہے۔ اس کی شکل کا ایک حیوان آپ کی سواری بنایا جائے۔ جس کی رفتار ''معجزہ'' ہو۔

اگر سوال کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غزوات میں خچر پر بھی سوار ہوئے تھے۔ جبکہ تم کہہ چکے ہو کہ ''خچر'' امن کی سواری ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ ایسا آپ کی نبوت کی تحقیق کیلئے کیا گیا۔ تاکہ جن مقامات میں نیزوں کو بوچھاڑ ہوتی ہو۔ تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہو اور دشمنوں کے سینوں میں بھالے داخل کئے جا رہے ہوں۔ ان مقامات میں آپ ایسی سواری پہ سوار ہو کر تشریف لائے جو ایسے مقامات کیلئے نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت و شجاعت میں لاثانی بنایا تھا تو اس کا اظہار ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ ورنہ خچر ایک ایسی سواری ہے۔ جو عادۃً امن وسکون کے وقت کی سواری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک لڑائی اور جنگ اس طرح تھی جس طرح دوسروں کیلئے ''سلامتی'' کا وقت ہوتا ہے۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ کا دل نہایت قوی اور آپ کی شخصیت انتہائی شجاع تھی۔ اور آپ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ واقعہ اسراء فرشتوں کے پروں پر سوار کر کے کیوں نہ کرایا گیا؟ یا ہوا کو حکم

دیا جاتا کہ وہ آپ کو اڑا کر لے آتی۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو اڑا کر لے جایا کرتی تھی؟ یا کسی سواری اور سہارے کے بغیر آپ اپنے قدموں سے چل کر تشریف لے جاتے یا اور آپ کی رفتار کیلئے زمان و مکان کی طنابیں کھینچ لی جاتیں؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ معراج شریف کا واقعہ اس لئے تھا کہ آپ کو ایسی آیات و علامات پر مطلع کیا جاتا۔ جو ''خرق عادت'' تھیں۔ اور وہ باتیں دکھائی جاتیں۔ جو عجیب و غریب تھیں۔ اس لئے اگر فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر آپ تشریف لے جاتے۔ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر جاتے تو اس قدر مسافت طے کر جانے میں کوئی تعجب نہ ہوتا۔ بخلاف اس کے کہ آپ ایک حیوان پر سوار ہو کر اتنی طویل مسافت مختصر سے وقت میں طے کرتے تعجب اس پر ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم جو فرشتوں سے کروائی گئی۔ وہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے جو فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر ہوتی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی۔ میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی۔ اور یہ دونوں تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براق پر سوار ہونا اور فرشتوں کا آپ کو سوار کر کے خادمانہ طور پر ساتھ ہونا ''شرف و کرامت'' میں کامل و اتم طریقہ ہے۔

بعض آثار میں وارد ہے کہ ''براق'' مذکر و مونث کے جھگڑے سے دور تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے ایسے الفاظ سے خطاب کیا جو مونث کیلئے بولے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ''براق'' پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا۔ تو اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ کی سواری منظور نہ تھی اس کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ ''براق'' عرصہ دراز سے بیکار چلا آ رہا تھا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس پر حضرات انبیاء کرام سواری فرماتے رہے (لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک اس پر کوئی سوار نہ ہوا اس لئے مچھرنے لگا) اس بات کی تائید ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے واقعہ اسراء میں ذکر کی ہے۔ وہ یہ کہ براق نے مچھرنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرات انبیاء کرام سواری فرمایا کرتے تھے۔ اب کافی عرصہ سے اس پر کوئی سوار نہ ہوا تھا کیونکہ زمانہ فترت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک کا زمانہ) میں اس پر سواری نہیں کی گئی تھی۔

ابن دحیہ اور ابن منیر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ کہ براق کا مچھرنا اس بنا پر تھا کہ اسے اس بات پر

انتہائی خوشی تھی۔ کہ آج مجھ پر اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوں گے۔ وہ خوشی کے مارے اچھل کود رہا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے جو یہ کہا تھا کہ کیا تو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوار ہونے پر اچھل کود رہا ہے؟ یہ اس لئے کہا تھا۔ تا کہ وہ بول کر بتائے کہ میں کیوں اچھل کود رہا ہوں۔ وہ زبان حال سے بول اٹھا۔ کہ میرے اچھلنے کودنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ میں تو آپ کے مقام و مرتبہ اور اپنی خوش قسمتی پر ایسا کر رہا ہوں۔ اسی لئے جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میری بات سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس کا پسینہ میں شرابور ہونا زبان حال سے اس کی کیفیت بیان کر رہا تھا۔ اسی وقت براق نے چپ سادھ لی۔ اور جبرئیل علیہ السلام کی جھڑک سے شرمندہ ہو گیا۔ براق کا ایسا کرنا اس پہاڑ سے ملتا جلتا قصہ ہے۔ جس نے ہلنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے اسے ارشاد فرمایا۔ ساکن ہو جا۔ تجھے معلوم نہیں کہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کھڑے ہیں۔ پہاڑ کا حرکت کرنا گستاخی یا بے ادبی کیلئے نہ تھا بلکہ خوشی اور مسرت کے جذبات کا اظہار تھا۔

شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ''براق'' کا اچھلنا کودنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے تھا تو کوئی بعید نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب براق پر سوار ہوئے تو کیا جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ اسی براق پر سوار ہوئے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اور جو حضرات اس کے اثبات کا قول کرتے ہیں۔ وہ اس بارے میں مختلف ہیں۔ کہ جبرئیل آگے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ''براق'' لایا گیا۔ آپ اور جبرئیل اس کی پشت پر بیت المقدس آنے تک سوار رہے۔ ابن حبان نے انہی سے روایت کی ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو براق پر سوار کیا۔ اور اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے سوار ہو گئے۔ اور براق دونوں کو لے کر چل پڑا۔ حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور آپ کو اپنے آگے بٹھا لیا۔ رواہ الطبرانی۔ حدیث ابن مسعود میں ہے۔ جسے انہوں نے مرفوع کیا۔ کہ حضور فرماتے ہیں میرے پاس براق لایا گیا پھر میں جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے اسی براق پر بیٹھ گیا۔

اور صحیح یہ ہے کہ ''براق'' حضرات انبیاء کرام کی سواری کیلئے بنایا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے قبل اس پر پیغمبر سوار ہوا کرتے تھے۔ اسے امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملاقات کرنے آیا کرتے تھے۔ حدیث ابی سعید میں ہے۔ مجھ سے پہلے اس پر حضرات انبیاء کرام سواری کیا کرتے تھے۔ اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

امام نودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ براق کے باندھنے میں یہ بات تھی کہ ہر کام میں احتیاط پر عمل کیا جائے۔ اور اسباب کو بروئے کار لایا جائے۔ اور ایسا کرنا ''توکل'' کے خلاف نہیں۔ جب اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس (براق کو باندھنا) سے یہ فقہی مسئلہ حاصل ہوتا ہے کہ احتیاط ضرور کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ توکل بھی لازماً ہونا چاہئے۔ اور تقدیر پر ایمان بھی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لَا يَمْنَعُ الْحَزْمُ مِنْ تَوَ قِّي الْمَهَالِكِ۔ جناب وھب فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں سے ستر کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے۔ اور اس کی مثال وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (براق کو باندھ کر) کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قضاوقدر پر ایمان ہوتے ہوئے اور اس پر بھی کہ لوح محفوظ میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس کے باوجود آپ دوران سفر زادراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور غزوات میں ہتھیار لے کر شریک ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ غزوۂ احد میں آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اسی طرح آپ نے مسجد اقصیٰ پہنچ کر ''براق'' کو باندھ دیا تھا۔ وغیر ذالک۔

جوہر ۱۴: گیارہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بیت المقدس'' کے بعض فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا۔

''بیت المقدس'' کی ایک فضیلت وہ ہے جسے امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتیں مانگیں۔ جو اللہ نے انہیں عطا کر دیں۔ ایک یہ سوال کیا کہ ان کا فیصلہ اور حکم اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے ساتھ متحد ہو جائے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہونا ہو میں بھی وہی کہوں۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ ایسی حکومت مجھے مل جائے جو میرے بعد کسی کیلئے نہ ہو۔ اللہ نے یہ بھی قبول کر لیا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ جو شخص بھی گھر سے صرف یہ ارادہ کر کے نکلے۔ کہ میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا کر اسے یوں پاک کر دے۔ کہ جیسا وہ آج ہی اپنی والدہ کے گھر پیدا ہوا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سوال بھی منظور و مقبول کر لیا ہوگا......

اس کے بعد حافظ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی فضائل ذکر کئے۔

جوہر ۱۵: بارہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر گفتگو کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام سے ملاقات کی......فرماتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام پیغمبروں کی کس طرح امامت فرمائی؟ آپ نے انہیں کیسے پہچانا۔ پھر انہیں جب آسمانوں پر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اگر آپ نے پہلے ہی پہچان لیا تھا اور اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے کی کیا وجہ تھی؟

جواب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں پیغمبروں کے ساتھ جمع ہوئے۔ اور آپ نے انسانی شکل وصورت میں ان کی امامت فرمائی۔ اس وقت ان انبیاء کرام کے وجود بھی وہ تھے جس سے وہ دنیا میں زندگی بسر کر کے آئے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ملکوت علوی'' میں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں اس حالت میں نہ پایا۔ جس میں مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور اس شکل وصورت میں نہ پایا۔ جو بیت المقدس کی زمین پر ان کی تھی۔ اس وقت وہ ''صفات روحانیہ'' میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکل وصورت ایسی بنائی جو ''ملکوت علوی'' کے لائق ومناسب تھی۔ اس میں ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم اور دوسری قدرت الٰہیہ کی تعظیم بھی تھی۔ اس طرح کہ آپ نے اسی لمحہ ان حضرات کو زمین پر دیکھا۔ پھر اسی ساعت آسمان میں انہیں اپنی اپنی منزل اور اپنے اپنے مقام پر بھی دیکھا۔ اسی لئے ان کے بارے میں آپ نے جبرئیل امین سے جو دریافت کیا۔ وہ تعجب کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس بات کے اثبات کیلئے تھا کہ یہ حضرات وہی نظر آتے ہیں جو بیت المقدس میں مجھے ملے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ جس ذات باری تعالیٰ نے انہیں ایک لحظہ میں یہاں پہنچا دیا۔ وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ بیت المقدس میں ملنے والے پیغمبروں کو اسی لمحے آسمانوں پر ان کے اپنے مقام پر پہنچا دے۔ بلکہ اس سے بھی سرعت کے ساتھ انہیں لے آئے۔

ایک اشکال یہاں یہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرات انبیاء کرام جب اپنی اپنی قبور میں اپنے اجسام کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ تو بیت المقدس میں کیسے نظر آ گئے؟ اس کا جواب یہ دیا جائے گا۔ کہ ان کی ارواح مبارکہ کو اجسام کی شکل وصورت عطا کر دی گئی۔ یعنی ان کے اجسام مبارکہ تو ان کی اپنی اپنی قبر میں موجود

IB

رہے۔صرف روحیں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئیں۔اور روحوں کو جسم کی شکل وصورت میں متشکل کر دیا گیا تھا۔یا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے ان کے اجسام مبارکہ کچھ وقت کیلئے قبور سے مسجد اقصیٰ منتقل کر دیئے گئے تھے۔تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف وتکریم ہو جائے۔اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔جسے جناب عبدالرحمٰن بن ہاشم رضی اللہ عنہ سے امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کیا۔''وَبُعِثَ لَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ'' آپ کی خاطر حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبور سے مسجد اقصیٰ بھیجا گیا۔حضرت ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرات انبیاء کرام کو دیکھا۔اس میں کئی احتمال ہیں۔

اول: حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک پیغمبر کو اس کی قبر میں دیکھا ہو۔جو زمین میں واقع ہے۔اور یہ دیکھنا اس طریقہ سے ہو کہ جس جگہ آپ نے ان کے دیکھنے کی خبر دی (یعنی بیت المقدس) آپ وہاں تشریف فرما ہوں۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی نظر مبارک اور بصیرت میں ایسی قوت بھر دی ہو کہ مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہو کر آپ تمام پیغمبروں کو ان کی زمین میں موجود قبروں میں دیکھ رہے ہوں۔اس وجہ اور احتمال کی تائید وہ حدیث کرتی ہے۔جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔رَاَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فِيْ عَرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ۔میں جنت ودوزخ کو اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھ رہا ہوں۔تو آپ نے مسجد اقصیٰ میں کھڑے ہو کر فرمایا ہو۔کہ میں پیغمبروں کو دیکھ رہا ہوں۔جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے گھر کی کھڑکی سے چاند دیکھا ہے۔

دوم: ہوسکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی مثالی صورتیں آپ کو دکھائی گئی ہوں۔اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ایسا ممکن ہے۔

سوم: آپ ﷺ نے ان کی ارواح دیکھی ہوں۔جو اس وقت ان کی صورتوں میں تھیں۔

چہارم: اللہ تعالیٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوپر لے جانے کا ارادہ فرمایا تو اس نے حضرات انبیاء کرام کو ان کی قبور سے بلند کر دیا۔اور جس جگہ بلندی پر آپ تھے۔اتنی بلندی پر حضرات انبیاء کرام کو بھی بلند کر دیا گیا۔تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام وتعظیم ہو۔حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حضرات کو دیکھنے سے انس ومحبت وغیرہ حاصل ہو۔جس کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں۔اور اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اظہار فرمایا ہو۔جس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔اور نہ ہی وہ کسی سے عاجز ہے۔ان وجوہات میں سے ہر ایک کا احتمال کیا جاسکتا ہے۔اور ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں۔کیونکہ قدرت باری تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کی

صلاحیت رکھتی ہے۔

جوہر ۱۶: تیرھویں باب میں موصوف نے ان صحابہ کرام کا ذکر کیا۔ جن سے واقعہ معراج واسراء منقول ومروی ہے۔ یعنی جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی روایت کی ہے۔

۱-حضرت ابی بن کعب، ۲-حضرت اسامہ بن زید، ۳-حضرت انس بن مالک، ۴-حضرت بریدہ، ۵-حضرت بلال بن حمامۃ، ۶-حضرت بلال بن سعد، ۷-حضرت جابر بن عبداللہ، ۸-حضرت حذیفہ بن یمان، ۹-حضرت سمرۃ بن جندب، ۱۰-حضرت سہل بن سعد، ۱۱-حضرت شداد بن اوس، ۱۲-حضرت صہیب بن سنان، ۱۳-حضرت عبداللہ بن عباس، ۱۴-حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب، ۱۵-حضرت عبداللہ بن عمرو، ۱۶-حضرت عبداللہ بن زبیر، ۱۷-حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، ۱۸-حضرت عبداللہ بن اسعد بن زرارۃ، ۱۹-حضرت عبداللہ بن مسعود، ۲۰-حضرت عبدالرحمٰن بن عابس، ۲۱-حضرت عباس بن عبدالمطلب، ۲۲-حضرت عثمان بن عفان، ۲۳-حضرت علی بن ابی طالب، ۲۴-حضرت عمر بن خطاب، ۲۵-حضرت مالک بن صعصعہ، ۲۶-حضرت ابوبکر صدیق، ۲۷-حضرت ابوالحمراء، ۲۸-حضرت ابوایوب انصاری، ۲۹-حضرت ابوالدرداء، ۳۰-حضرت ابو ذرغفاری، ۳۱-حضرت ابوسعید خدری، ۳۲-حضرت ابوسفیان بن حرب، ۳۳-حضرت ابوسلمۃ، ۳۴-حضرت ابوسلمی راعی، ۳۵-حضرت ابولیلیٰ انصاری، ۳۶-سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق، ۳۷-سیدہ عائشہ صدیقہ، ۳۸-سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ، ۳۹-سیدہ ام سلمۃ ام المومنین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

جوہر ۱۷: چودھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ معراج واسراء کے واقعہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم پر اور مجھ پر بھی رحم فرمائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا گزشتہ باب (جوہر ۱۵) میں ذکر کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کی روایت کردہ حدیث میں بعض باتیں ایسی ہیں۔ جو دوسرے صحابی کی روایت میں نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اور پھر ان تمام حضرات کی احادیث سے ایسی باتیں جمع کیں۔ جن سے واقعہ معراج کی ترتیب بن جائے۔ اور ایک مکمل طریقہ سے اسے بیان کر دیا جائے تاکہ اس سے سامعین وقارئین حضرات کو لطف آئے۔ اور تمام حالات میں اس کا نفع عام رہے۔ لہٰذا میں کہتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت اللہ شریف میں حجر (حطیم) میں تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام تشریف لائے۔ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی تھا۔ان میں سے پہلے نے پوچھا۔ان میں سے وہ کون ہے؟ درمیان موجود فرشتے نے کہا۔وہ وہی ہے جوان میں سے بہتر ہے۔پھر رات ہوگئی۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فرشتوں کو دوسری رات تک دوبارہ نہ دیکھا۔جب دوسری رات آئی تو پہلا فرشتہ کہنے لگا۔وہ وہی ہے؟ درمیانے نے جواب دیا۔ہاں وہی ہے۔تیسرا بولا۔قوم کے سردار کو پکڑلو۔جو درمیانہ قد رکھتا ہے۔پھر انہوں نے آپ کو اٹھالیا۔اور زمزم پر لے آئے۔یہاں آپ کو انہوں نے پشت کے بل لٹادیا۔پھر ان میں سے جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اپنی تولیت میں لے لیا۔ایک روایت میں آیا ہے۔میرے گھر کی چھت پھٹی۔جبرئیل نیچے تشریف لائے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے گلے کی ہڈی سے پیٹ کے نیچے تک کا سامنے سے شق کیا۔پھر حضرت جبرئیل نے حضرت میکائیل کو کہا۔زمزم سے بھرا ایک تھال یا کٹورا لے آؤ۔تاکہ میں ان کا دل اچھی طرح پاک کروں۔اور ان کا سینہ چاک کروں۔پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا قلب انور نکالا۔اور اسے تین مرتبہ دھویا۔اور اس میں جو اذیت والی چیز تھی نکال باہر کردی۔حضرت میکائیل علیہ السلام نے تین مرتبہ زمزم کے پانی سے بھرے کٹورے دیئے۔پھر اس کے بعد ایک تھال لائے جو سونے کا بنا اور ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا۔اسے آپ کے قلب انور میں انڈیلا گیا۔اور اسے علم،حلم،یقین اور اسلام سے بھر دیا گیا۔پھر اسے بند کرکے اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' لگائی گئی۔پھر براق لایا گیا۔جس پر کاٹھی رکھی ہوئی اور اسے لگام دی گئی تھی۔''براق'' سفید رنگ کا چارپایہ جو گھوڑے سے ذرا لمبا اور خچر سے ذرا چھوٹا تھا۔وہ اپنا کھر وہاں رکھتا جہاں اس کی نظر پڑتی۔اس کے دونوں کان کبھی کھڑے ہوتے کبھی بیٹھ جاتے۔حتیٰ کہ جب وہ کسی پہاڑ کو عبور کرنے کا ارادہ کرتا۔تو اس کی پچھلی دونوں ٹانگیں لمبی ہوجاتیں۔اور جب اترتا تو اگلی دونوں لمبی ہوجاتیں۔اس کے دو پر تھے۔جو اس کی رانوں میں تھے۔ان دونوں سے وہ اپنے پاؤں کھرچتا تھا۔

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ ایک سند ضعیف کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔''براق کے انسانوں کی طرح رخسار تھے۔اور گھوڑے کی طرح گردن تھی۔اور اونٹ کی مانند ٹانگیں تھیں،اور گائے کی طرح کھر اور دم تھی۔'' جب آپ براق پر سوار ہونے لگے تو اس نے

سوار ہونے کو مشکل بنا دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ براق نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اس نے اپنے کان کھڑے کر لئے۔ ایک روایت میں ہے۔ اس نے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے کانوں سے پکڑ کر کہا۔ ٹھہر جا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو؟ ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کی پشت پر رکھا۔ اور فرمایا۔ اے براق! تمہیں شرم نہیں آتی؟ خدا کی قسم! تجھ پر اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ یا کوئی مخلوق ان سے بڑھ کر سوار نہ ہوئی ہو گی۔ یہ سن کر براق شرما گیا۔ حتیٰ کہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اور بالکل سکون سے کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے اور براق سے فرمایا مجھ سے پہلے تم پر حضرات انبیاء کرام سوار ہوتے رہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''انبیاء سابقین بھی ''براق'' پر سوار ہوتے رہے'' حضرت سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ یہ ''براق'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سواری تھی۔ جس پر سوار ہو کر آپ ''بیت الحرام'' کی زیارت کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو لیکر چل پڑے۔ ایک روایت میں ہے۔ میں، حضرت جبرئیل کے ساتھ چل پڑا۔ علامہ ابوسعید نیشاپوری ''شرف'' میں لکھتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام براق کے رکاب تھامے ہوئے تھے۔ اور اس کی لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں ہے۔ حضرت جبرئیل آپ کی دائیں طرف اور میکائیل بائیں طرف تھے۔ اب یہ حضرات چل دیئے۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور! سواری سے نیچے تشریف لائیے۔ اور اس جگہ نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے ایسے ہی کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ جانتے ہیں جس جگہ آپ نے نماز ادا فرمائی۔ وہ کون سی جگہ تھی؟ فرمایا۔ نہیں۔ جبرئیل نے بتایا۔ کہ اسے ''طیبہ'' کہتے ہیں۔ اور یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ پھر براق آپ کو لئے اس تیزی سے چل پڑا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں جا کر اس کا قدم پڑتا تھا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ حضور! یہاں بھی اتر کر نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے اتر کر نماز ادا فرمائی۔ پھر سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کو جانتے ہیں یہ کونسی ہے؟ فرمایا۔ نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا۔ یہ جگہ مدین کا وہ مقام ہے۔ جہاں ''شجر موسیٰ'' تھا۔ پھر سوار ہو کر آپ چل دیئے۔ جبرئیل نے پھر عرض کیا۔ کہ یہاں بھی اتر کر نماز ادا فرمائیے۔ آپ نے اتر کر نماز

ادا فرمائی اور پھر سوار ہو گئے۔ جبرئیل نے پھر پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کو جانتے ہیں۔ جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی؟ فرمایا۔ نہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ "طور سیناء" تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ پھر آپ چلتے چلتے ایسی زمین پر تشریف لے گئے۔ جہاں محلات دکھائی دیئے۔ حضرت جبرئیل نے اتر کر نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے نماز ادا کی۔ پھر جب سوار ہو گئے۔ تو جبرئیل نے پوچھا۔ کیا آپ اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ عرض کیا۔ یہ "بیت اللحم" تھا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ آپ براق پر سوار تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔ کہ اچانک آپ کو ایک طاقتور شرارتی جن دکھائی دیا۔ آپ جب اس کی طرف دیکھتے تو اس سے آگ کا ایک شعلہ نکلتا دکھائی دیتا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ کیا میں آپ کو چند کلمات ایسے نہ بتاؤں کہ جب آپ ان کو پڑھیں تو اس کے شعلہ جات بجھ جائیں اور یہ منہ کے بل گر جائے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور بتاؤ۔ جبرئیل نے کہا۔ وہ یہ ہیں۔ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بِرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَ مِنْ شَرِّمَا ذَرَأَ فِي الْاَرْضِ وَ مِنْ شَرِّمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّاطَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔ میں اللہ تعالیٰ کریم کی ذات سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور اس کی ان مکمل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جن سے کوئی نیک یا برا تجاوز نہیں کر سکتا۔ ایسی شرارتوں سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو آسمانوں سے اترتی ہیں اور ان شرارتوں سے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں اور ان شرارتوں سے جو زمین میں دبی ہیں اور ان سے جو زمین سے نکلتی ہیں اور شب و روز کے فتنوں سے اور رات دن کی ناگہانی آفات سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہاں رات دن میں اچھے کاموں سے پناہ نہیں چاہتا۔ اے رحمٰن! جب آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ منہ کے بل گر پڑا۔ اس کے شعلہ جات بجھ گئے۔ پھر آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک قوم پر گزر ہوا۔ جو ایک دن کھیتی باڑی کرتی تھی اور دوسرے دن اس کے تیار ہو جانے پر اسے کاٹ لیتی تھی۔ جب فصل کاٹ لیتی تو اس کی جگہ نئی فصل تیار ہو جاتی۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے حضرات ہیں۔ ان کی نیکیاں اس قدر بڑھا دی جاتی ہیں کہ سات سو تک پہنچ جاتی ہیں اور انہوں نے جو کچھ بھی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا۔ وہ ان کی آخرت کیلئے ذخیرہ بنا دیا گیا ہے۔

پھر آپ نے ایک خوشبو محسوس کی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کیسی خوشبو ہے؟ عرض کی۔ یہ فرعون کو

کنگھی کرنے والی عورت اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے۔ یہ وہ عورت تھی۔ کہ ایک دفعہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کررہی تھی کہ اچانک کنگھی گرگئی تو کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو فرعون کا خالق ہے۔ فرعون کی بیٹی نے اس سے پوچھا۔ کیا میرے باپ کے علاوہ کوئی اور تیرا رب ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں۔ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس عورت کے دو بیٹے اور خاوند تھا۔ فرعون نے ان کی طرف ایلچی بھیجا۔ جس نے جا کر اس عورت اور اس کے خاوند کو ان کے دین سے پھسلانے کی کوشش کی۔ کہنے لگا۔ میں تمہیں قتل کردوں گا۔ دونوں بولے تیرا ہم پر احسان ہوگا کہ تو ہمیں قتل کردے۔ اور ایک ہی گھر میں ہماری لاشیں ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عورت کہنے لگی مجھے تم سے ایک حاجت ہے۔ پوچھا۔ وہ کیا؟ کہنے لگی یہ کہ میری ہڈیاں میرے بچوں کی ہڈیوں کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے سب کو اکٹھا دفن کیا جائے۔ کہنے لگا۔ یہ تمہارا مطالبہ اس وجہ سے منظور ہے کہ تمہاری خدمت کا کچھ ہم پر حق بنتا ہے۔ اس نے پھر ایک تانبے کی بنی دیگ میں پانی ڈالا! اسے خوب گرم کیا۔ پھر حکم دیا کہ اس عورت اور اس کے بچوں کو اس میں ڈال دیا جائے۔ پس ایک ایک کر کے انہیں ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ جب چھوٹے بچے کی باری آئی جو ابھی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ تو وہ بچہ بول اٹھا۔ کہنے لگا۔ امی جان! گر جاؤ۔ تم حق پر ہو۔ پیچھے نہ رہنا۔ اسے اور اس کے بچوں کو اس میں ڈال کر شہید کر دیا گیا تھا۔ چار بچوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔ ایک یہ بچہ۔ دوسرا حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا۔ تیسرا صاحب جریج اور چوتھا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے قریب سے گزرے۔ دیکھا کہ ان کے سروں کو کوٹا جارہا ہے۔ جب سر مکمل طور پر پس جاتے تو ان کی جگہ نئے سر آجاتے ہیں۔ ایک لمحہ کیلئے بھی یہ کیفیت ختم نہیں ہوتی۔ آپ نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر نماز ادا کرنے سے بوجھ محسوس کرتے تھے۔

پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ ان کے سامنے اور ان کے پیچھے کھیتی تھی۔ اس میں وہ اس طرح چرتے تھے جس طرح اونٹ بکریاں چرتی ہیں۔ اس کھیت میں سے وہ تھوہر وغیرہ بدبودار اشیاء کھاتے تھے۔ جہنم کے تپے ہوئے پتھر ان کی خوراک تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوۃ ادا نہیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا۔

ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سامنے ہانڈیوں میں گوشت پکا ہوا ہے۔ اور

دوسری طرف خبیث کچا گوشت پڑا ہوا ہے۔ حلال اور پکا گوشت چھوڑ کر خبیث اور کچا گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ لوگ آپ کے وہ امتی ہیں جن کے نکاح میں حلال طیب عورتیں تھیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ خبیث عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ صبح تک وہیں رہتے ان مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہیں: جن کے خاوند موجود تھے۔ لیکن ان حلال وطیب مردوں کو چھوڑ کر رات بھر خبیث لوگوں کے ساتھ رہتیں۔

چلتے چلتے آپ کو زمین پر پڑی ایک لکڑی دکھائی دی۔ اس کے پاس سے جو شخص بھی گزرتا اس کے کپڑے اس میں الجھ جاتے۔ اور پھٹ جاتے۔ آپ نے پوچھا جبرئیل! یہ کیسی لکڑی ہے؟ عرض کیا۔ یہ آپ کے ان امتیوں کی مثال ہے۔ جو مختلف راستوں میں بیٹھتے۔ اور گزرنے والوں کو لوٹتے۔ یعنی ڈاکوؤں کی مثال ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ (الاعراف:86)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص دیکھا۔ جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ اور پتھر کھاتا جاتا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ جبرئیل! یہ کون ہے۔ عرض کیا۔ یہ سود خور ہے۔ پھر ایک اور شخص کے قریب سے آپ کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ اس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا ہے۔ جس کو اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں۔ اس کے باوجود اس میں اور لکڑیاں ڈالتا جا رہا ہے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوتی تھیں۔ جن کے ادا کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اور اس کے باوجود انہیں اور امانتیں دینے کو کہتا۔ پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اپنی زبانوں اور ہونٹوں کو لوہے کی قینچیوں کے ساتھ کاٹ رہی تھی۔ جب ان کی زبانیں اور ہونٹ کٹ جاتے تو پھر اسی طرح بن جاتے۔ لگاتار یہی کر رہی تھی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت کے خطیب اور فتنہ پرور مقرر ہیں۔ لوگوں کو وعظ کرتے تھے۔ لیکن خود بے عمل تھے۔

آپ کا ایک اور قوم سے گزر ہوا۔ جن کے ناخن تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مونہوں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ ہیں۔ جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی چغلخور) اور ان کی عزت سے کھیلا کرتے تھے۔ آپ اس چھوٹے سے سوراخ پر تشریف لائے۔ جس سے بہت بڑا بیل نکل رہا تھا۔ بیل نے ارادہ کیا کہ وہ واپس وہاں چلا جائے جہاں سے نکلا تھا۔ لیکن اس کے بس میں نہ تھا۔ پوچھا۔ جبرئیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔ یہ وہ شخص ہے جو بڑی بات کرتا تھا۔ پھر اس پر افسوس وندامت کیا کرتا تھا۔ لیکن منہ سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں

کر سکتا تھا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک وادی سے گزرے۔جس سے نہایت عمدہ خوشبو آئی اور ٹھنڈی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس ہوئے۔آپ نے ایک آواز سنی۔پوچھا۔اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟عرض کیا۔یہ جنت کی آواز تھی۔کہہ رہی تھی۔اے میرے رب! مجھے وہ عطا فرمادے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔میرے پیالے،ریشم،استبرق،سندس،عبقری،لوئو،مرجان،سونا،چاندی، تھال،کٹورے،شہد،پانی،دودھ،شراب بہت ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر مسلمان مرد و عورت،ہر مومن مرد و عورت اور جو بھی مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔اور کسی کو میرا مقابل نہ ٹھہرایا۔اور جو مجھ سے ڈرتا رہا۔وہ امن میں ہے۔اور مجھ سے مانگتا ہے۔میں اسے عطا کرتا ہوں۔اور جو مجھے قرض دیتا ہے۔میں اس کی جزا دیتا ہوں۔اور جو مجھ پر توکل کرتا ہے۔میں اس کیلئے کافی ہوتا ہوں۔بیشک میں ہی معبود ہوں۔میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔پس اللہ ہی بہترین خالق برکتوں والا ہے۔جنت نے عرض کیا۔اے اللہ! میں راضی ہوں۔

آپ ایک اور وادی سے گزرے۔جہاں سے آپ کو ڈراؤنی سی آواز سنائی دی۔اور بدبو محسوس ہوئی۔پوچھا۔جبرئیل! یہ کیا ہے؟عرض کیا۔یہ جہنم کی آواز ہے۔جو یہ کہہ رہا ہے۔اے اللہ! مجھے وہ دیدے۔جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔میرے طوق،زنجیریں،ہتھکڑیاں،آگ،گرم پانی،پیپ اور عذاب بہت ہو چکے ہیں۔اور میری گہرائی بہت دور تک جا چکی ہے۔میری حرارت اپنے عروج پر ہے۔لہٰذا مجھے وہ عطا کر دے جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔اللہ تعالیٰ اسے کہتا ہے۔تیرے لئے ہر مشرک مرد و عورت اور کافر و خبیث مرد و زن،ہر متکبر ہے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کو اس کی اصلی شکل میں دیکھا۔جو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ کہ خواب میں دیکھتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا۔یارسول اللہ! آپ نے اسے کس حال میں دیکھا۔فرمایا۔اس کا رنگ سرخ ڈراؤنا تھا۔اور ایک آنکھ موجود تھی۔وہ چمکتے موتی کی طرح دمک رہی تھی۔اس کی پلکیں گویا درخت کی ٹہنیاں تھیں۔اور اس کی شکل عبدالعزی بن قطن سے ملتی جلتی تھی۔

اس کے بعد آپ نے ایک سفید رنگ کا ستون دیکھا۔گویا وہ موتی ہے۔اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔پوچھا۔تم نے یہ کیا اٹھا رکھا ہے؟کہنے لگے۔اسلام کا ستون اٹھا رکھا ہے۔ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے اٹھا کر شام میں رکھ دیں۔آپ تشریف لے جا رہے تھے۔کہ آپ کی دائیں جانب سے کسی نے آپ کو بلایا۔کہا۔یَا مُحَمَّدُ اُنْظُرْ نِیْ اَسْأَلِکَ۔اے رسول خدا! میری طرف دیکھئے میں سائل

ہوں۔آپ نے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ پوچھا۔ جبرئیل! یہ کیا تھا؟ عرض کیا۔ یہ بلانے والا یہودیت کی دعوت دینے والا تھا۔ اگر آپ اس کو جواب دیتے اور اس کی دعوت قبول کر لیتے۔ تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔

اس دوران کہ آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک ایک شخص نے آپ کو آپ کی بائیں طرف سے آواز دیں۔ اے رسول خدا! میری طرف دیکھئے میں ایک سائل ہوں۔ آپ نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بارے میں پوچھا۔ یہ کون ہے۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ یہ عیسائی مبلغ تھا۔ اگر آپ اس کی دعوت قبول کر لیتے۔ تو آپ کی امت ''عیسائی'' ہو جاتی۔

چلتے چلتے آپ کا ایک عورت کے قریب سے گزر ہوا۔ جس نے اپنے بازوؤں سے کپڑا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس نے ہر طرح کی زیب و زینت کر رکھی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ وہ کہنے لگی۔ اے رسول خدا! میری بات بھی سنیئے میں ایک سوالی ہوں۔ آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ پوچھا۔ جبرئیل! یہ کون تھی۔ عرض کیا۔ یہ دنیا تھی۔ اگر آپ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کر لیتی۔ چلتے چلتے آپ ایک چیز کے پاس پہنچے۔ جو آپ کو اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اور وہ راستہ سے ہٹ کر اپنی طرف دعوت دے رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ رسول خدا! میرے پاس جلدی آیئے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جلدی آگے چلئے۔ پوچھا۔ یہ کون ہے؟ عرض کیا۔ دشمن خدا ''ابلیس'' ہے۔ چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں۔

آپ آگے چلتے گئے۔ تو اچانک ایک بڑھیا راستے کے ایک طرف کھڑی دکھائی دی۔ کہنے لگی۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری طرف توجہ کیجئے۔ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ آپ نے کوئی توجہ نہ کی۔ پھر آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون تھی؟ عرض کیا۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ دنیا کی عمر اب اس بڑھیا کی عمر کی طرح اخیر کو پہنچ چکی ہے۔ پھر چلتے چلتے آپ کی ملاقات اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سے ہوئی۔ انہوں نے آپ کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ السلام علیک یا اخر السلام علیک یا حاشر۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ آپ بھی ان کے سلام کا جواب دیجئے۔ آپ نے یکے بعد دیگرے تین حضرات کے سلام کا جواب دیا۔ پھر آخر میں آپ نے پوچھا۔ جبرئیل یہ کون تھے؟ عرض کیا۔ یہ حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ کے قریب سے گزرے تو وہ ''کثیب احمر'' کے نزدیک کھڑے اپنی قبر میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ لمبے قد کے آدم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔ اور وہ بلند آواز سے کہنے لگے۔ ''اکرمته و فضلته'' آپ کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔

آپ نے بھی ان کو جواب دیا۔ حضرت موسیٰ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ تیرے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا۔ یہ جناب محمد مصطفیٰ ہیں۔ حضرت موسیٰ بولے۔ خوش آمدید۔ اے پیغمبر اکرم! آپ وہ عربی نبی ہیں۔ جنہوں نے اپنی امت کو نصیحت کی۔ ان کیلئے برکت کی دعا کی۔ اور حضرت موسیٰ نے کہا۔ آپ اپنی امت کیلئے آسانی کا سوال کرنا۔ پھر چل پڑے۔ تو آپ نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون تھے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے۔ آپ نے پوچھا کون سخت آواز سے ان کے ساتھ بات کر رہا تھا؟ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے اپنے رب کی طرف اپنی آواز کو بلند کیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تیزی طبع کو خوب جانتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے قریب سے گزرے۔ اس کے پھل ایسے جیسے چراغ ہوں۔ اس کے نیچے ایک بوڑھا اپنے بچوں سمیت بیٹھا تھا۔ پھر آپ نے کچھ چراغ اور روشنیاں دیکھیں۔ اس بوڑھے نے جبرئیل سے پوچھا۔ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ آپ کے بیٹے جناب احمد مجتبیٰ ہیں۔ کہنے لگے۔ اے نبی عربی امی! خوش آمدید۔ آپ نے اپنے رب کی رسالت پہنچا دی۔ اپنی امت کو نصیحت کر دی۔ اے محترم نبی! آج رات آپ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ اور آپ کی امت سب سے آخری امت ہے۔ اور سب سے کمزور بھی ہے۔ لہٰذا اگر ہو سکے تو اپنی امت کی حاجت اور بوجھ کے بارے میں ضرور اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا۔ اور برکت کی دعا دی۔

چلتے چلتے آپ ایک اور وادی میں پہنچے۔ جو بیت المقدس کے قریب تھی۔ اچانک وہاں آپ کو جہنم منکشف ہوا۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کیسا تھا؟ ارشاد فرمایا۔ ڈنگ کی طرح تھا۔ پھر چلتے چلتے شہر تک آ گئے۔ "باب یمانی" سے اس میں داخل ہوئے۔ اچانک مسجد کے دائیں اور بائیں دو نور دکھائی دیئے۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کیسے نور ہیں؟ عرض کیا۔ جو آپ کی دائیں طرف ہے وہ آپ کے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کا محراب تھا۔ اور آپ کی بائیں جانب آپ کی بہن مریم کی قبر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ میں اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جس میں سورج اور چاند حائل (غروب) ہوتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیت المقدس کے "صخرۃ" کی طرف آئے۔ اس میں اپنی انگلی رکھی۔ جس سے اس میں سوراخ بن گیا۔ پھر اس کے ساتھ "براق" کو باندھا گیا۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ کہ براق کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا گیا۔ جس کے ساتھ حضرات انبیاء کرام باندھتے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ کے صخرۃ میں ٹھیک سے تشریف فرما ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے "حور عین" کو دیکھنے کا سوال کیا ہے؟

فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیل نے کہا۔ پھر آپ ان عورتوں کی طرف چلئے۔ انہیں سلام کہیں۔ آپ تشریف لے گئے۔ انہیں سلام کیا۔ وہ ''صخرۃ'' کی بائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ کہنے لگیں۔ ہم ''خیرات حسان'' ہیں۔ نیک لوگوں کی بیویاں ہیں۔ وہ اس قدر صاف ہیں کہ کوئی میل کچیل نہیں۔ وہ کھڑے ہیں تھکتے نہیں۔ اور جنتی ہیں کبھی وہاں سے باہر نہ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام نے دو دو رکعت ادا فرمائیں۔ فراغت کے کچھ دیر ہی بعد بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام کو پہچانا۔ کچھ کھڑے اور کچھ رکوع و سجود میں تھے۔ پھر موذن نے اذان کہی۔ نماز کی اقامت کہی گئی۔ تمام حاضرین نے صفیں باندھیں۔ اور انتظار کرنے لگے۔ کون امامت کرائے گا۔ حضرت جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور آگے کیا۔ تو آپ نے ان تمام کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں آیا ہے۔ ''پھر اقامت کہی گئی۔ تو حاضرین نے ایک دوسرے کو آگے ہو کر نماز پڑھانے کو کہا۔ یہاں تک کہ سب نے متفقہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی'' حضرت کعب سے جناب واسطی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی۔ آسمانوں سے فرشتے اترے۔ آپ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو ان کی قبور سے اٹھایا۔ پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فراغت پائی۔ تو جبرئیل نے حضور سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں، آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا۔ وہ تمام نبی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تھا۔

امام حاکم نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی۔ اس کی تصحیح بھی کی۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام انبیاء کرام کی ارواح نے ملاقات کی۔ پھر انہوں نے اپنے رب کی ثناء کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ تمام تعریفیں اس کی جس نے مجھے خلیل بنایا۔ اور ملک عظیم عطا کیا۔ مجھے امت صابر بنایا کہ میری اقتداء کی گئی۔ مجھے آگ سے بچایا، آگ کو میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا، ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی یوں ثناء بیان کی۔ سب تعریفیں اس ذات کیلئے جس نے مجھ سے گفتگو کی، فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ذریعہ سے کی، میری امت میں ایسے لوگ بنائے جو حق کی طرف ہدایت کرتے اور حق کے ساتھ عدل کرتے تھے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا۔ سب خوبیاں اس

باری تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے ملک عظیم عطا فرمایا۔ زبور کا مجھے عامل بنایا، لوہا میرے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں کو میرے لئے مسخر کر دیا، پرندے اور پہاڑ میرے ساتھ تسبیحات کرتے، اور مجھے حکمت و خطاب فاصل عطا فرمایا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے یوں حمد باری تعالیٰ بیان کی۔ تمام تعریفیں اس کیلئے جس نے ہواؤں کو میرے تابع کر دیا، شیاطین کو میرے ماتحت کیا کہ وہ میرے لئے جو میں چاہتا بناتے، محاریب، تماثیل اور بڑی بڑی دیگیں ان سے بنواتا، پرندوں کی بولی سمجھائی، ہر چیز میں سے ''فضل'' عطا کیا۔ اور میرے لئے طاقتور شیاطین مسخر کر دیئے، پرندوں پر مجھے حکومت بخشی، اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی، اور ایسا ملک عظیم دیا جو میرے بعد کسی اور کو نہ دیا، مجھے ایسی حکومت دی، جس میں نہ کوئی سختی اور نہ حساب و کتاب تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حمد وثناء کرتے ہوئے بولے۔ اس رب ذوالجلال کیلئے تمام تعریفیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، جس نے مجھے ''مثل آدم'' بنایا کہ جنہیں مٹی سے بنا کر کہا ہو جا تو وہ بن گیا۔ جس نے مجھے کتاب وحکمت کی تعلیم دی، تورات، انجیل کا عالم بنایا، اور مادرزاد اندھوں کو بینائی لوٹانے کا اعجاز بخشا، کوڑھ کے مریض کی شفاء میرے ہاتھ میں رکھی، مردوں کو زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا، مجھے آسمانوں پر اٹھالیا، مجھے پاک کیا اور شیطان سے مجھے پناہ میں رکھا، جس کی وجہ سے شیطان کیلئے میرے گمراہ کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمد سرا ہوئے۔ فرمایا۔ تم سب حضرات نے رب کریم کی حمد وثناء کہی، میں بھی اپنے رب کا ثناء خواں ہوں۔ سب تعریفیں اسے زیبا جس نے مجھے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا، بشیر ونذیر بنایا، مجھ پر ایسا فرقان نازل کیا جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، جس نے میری امت کو خیر امت بنایا جو تمام لوگوں سے بہتر پیدا کی گئی، میری امت کو ''امت وسط'' بنایا، میری امت کو اول وآخر بنایا، جس نے میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرمایا۔ جس نے میرا بوجھ اتارا، میرا ذکر دو چرچا بلند کیا، مجھے خاتم اور فاتح بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے، انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم پر فضیلت بخشی۔

پھر تمام انبیاء کرام نے قیامت کے بارے میں باہم گفتگو کی۔ اور طے کیا کہ اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تفصیلی بات کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر بات آپڑی۔ آپ نے بھی کہا مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس کا وجوبی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔

لیکن جو مجھے بتایا گیا وہ یہ کہ دجال آئے گا اس وقت میرے پاس دو ٹہنیاں ہوں گی۔ جب وہ انہیں دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح شیشہ پگھل جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اسی وقت ہلاک کردیگا جب اسے میں دکھائی دوں گا۔ حتیٰ کہ پتھر بھی بولے گا۔ اور کہے گا۔ اے مسلمان! میرے نیچے یا میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے۔ ادھر آؤ اور اسے قتل کردو۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے گا۔ پھر لوگ اپنے اپنے شہروں میں، اپنے اپنے ملک میں واپس جائیں گے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج نکلیں گے۔ اور وہ ہر سمت سے تباہی پھیلاتے آئیں گے۔ تمام آبادیوں کو روندیں گے۔ جس چیز کے پاس بھی آئیں گے اسے ہلاک کردیں گے اور جس پانی پر پہنچیں گے۔ اسے پی جائیں گے۔ حتیٰ کہ لوگ میرے پاس آکر شکایت کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ جس سے یاجوج و ماجوج ہلاک ہوجائیں گے۔ حتیٰ کہ زمین ان کی بدبو سے بھر جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ ان کی لاشیں تیریں گی۔ حتیٰ کہ وہ سمندروں میں پھینک دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس بارے میں بتایا ہے۔ وہ یہ بھی ہے کہ جب ایسا ہوجائے گا، تو قیامت آجائے گی۔ یوں جیسا کہ قریب الولادت عورت ہوتی ہے، جسے اپنے بیگانے سب بھول جاتے ہیں۔ رات دن ایسے ہی گزریں گے۔

اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت پیاس محسوس فرمائیں گے۔ پھر آپ کو دو پیالے دیئے جائیں گے۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب سے۔ ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد ہوگا۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ کے پاس تین برتن ڈھکے ہوئے لائے جائیں گے۔ ان میں سے ایک برتن آپ کو پیش کیا جائے گا۔ جس میں پانی ہوگا۔ آپ تھوڑا سا اس میں سے نوش فرمائیں گے۔ یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ اس سے ایک قطرہ بھی نہیں پئیں گے۔ پھر آپ کو دوسرا برتن دیا جائے گا۔ اس میں دودھ ہوگا۔ آپ اس میں سے سیر ہوکر نوش فرمائیں گے۔ پھر تیسرا برتن آپ کو دیا جائیگا۔ اور کہا جائیگا۔ نوش فرمایئے۔ آپ جواب دیں گے۔ میں سیر ہو چکا ہوں اب اور زیادہ پینے کا ارادہ نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام عرض کریں گے۔ یہ (شراب) آپ کی امت پر حرام کردی گئی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ آپ کو دودھ، پانی اور شراب تینوں پیش کئے جائیں گے۔ ایک روایت میں دودھ کے بدلہ شہد آیا ہے۔ آپ تھوڑا سا شہد استعمال فرمائیں گے۔ دودھ پئیں گے اور سیر ہوکر پئیں گے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے کندھے پر ہاتھ ماریں گے اور کہیں گے۔ آپ نے فطرت کو پالیا۔ اگر آپ شراب پیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منبر سے ٹیک لگائے ایک بوڑھے نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہا۔ تمہارے دوست نے فطرت کو لیا ہے اور

وہ بیشک ہدایت یافتہ ہے۔

اس کے بعد ''معراج'' یعنی سیڑھی لائی گئی۔ جس کے ذریعہ بنی آدم کی روحیں اوپر جاتی ہیں۔ مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت کوئی سیڑھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس کا ایک زینہ سونے اور دوسرا چاندی کا بنا ہوا ہے۔ ''شرف المصطفیٰ'' میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت مذکور ہے۔ کہ یہ سیڑھی جنت الفردوس سے لائی گئی۔ جو موتیوں سے جڑی ہوئی تھی۔ اس کی دائیں جانب بھی اور بائیں جانب بھی فرشتے تھے۔ اس سیڑھی پر چڑھ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ دونوں آسمان دنیا کے ایک دروازے تک پہنچ گئے۔ جس کا نام ''باب الحفظة'' ہے۔ اس پر نگران فرشتے کا نام ''اسماعیل'' ہے۔ یہی فرشتہ آسمان دنیا کا مالک ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث جناب جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرشتہ ہوا میں ساکن تھا۔ نہ تو کبھی آسمان کی طرف چڑھا اور نہ ہی کبھی زمین کی طرف آیا۔ مگر صرف ایک دن جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ اس فرشتے کے سامنے ستر ہزار فرشتے ہیں۔ ہر فرشتہ کیساتھ اس کا گروہ ہے۔ جو ایک لاکھ فرشتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان دنیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا گیا۔ کون ہو؟ کہا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد فرشتہ نے کہا۔ خوش آمدید۔ اہلاً وسہلاً۔ اللہ تعالیٰ خلیفہ کو زندگی بخشے اور بھائی کو بھی۔ کتنا اچھا خلیفہ اور کتنا خوبصورت بھائی ہے۔ کتنا بہترین آنے والا آیا۔ یہ کہہ کر فرشتہ نے دروازہ کھولا۔ جب دونوں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی حالت میں اور اسی صورت میں موجود ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی مومن اولاد کی روحیں ان پر پیش کی جاتی ہیں۔ آپ انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں۔ یہ روح پاکیزہ ہے اور روح والا بھی طیب ہے۔ اسے ''علیین'' میں لے جاؤ۔ پھر آپ پر آپ کی اولاد میں سے کفار کی ارواح پیش کی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ روح بھی خبیث اور روح والا بھی خبیث۔ اسے ''سجین'' میں لے جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ہیں۔ اور دروازہ ہے جس سے بہترین خوشبو نکلتی ہے آپ کے شمال میں بھی چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ہیں۔ اور دروازہ سے بدبو نکلتی ہے۔ جب آپ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اور جب اپنی شمال کی جانب دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رو پڑتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم نے جواب دیا۔ پھر کہا۔

خوش آمدید۔ اے صالح فرزند، اے صالح نبی! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ آپ کے والد حضرت آدم ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی سیاہ چیزیں ان کی اولاد ہے۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں دوزخی ہیں۔ جب آپ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں اور بائیں جانب دیکھ کر روتے ہیں۔ اور ان کی دائیں جانب والا دروازہ "جنت کا دروازہ" ہے۔ جب اس میں سے اپنی اولاد کو داخل ہوتے دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اور مسکراتے ہیں۔ اور جو دروازہ ان کی شمالی جانب ہے وہ جہنم کا دروازہ ہے۔ جب اس میں سے داخل ہوتی اپنی اولاد دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے اور رو پڑتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑا سا وقت اور چلے تو آپ کو دسترخوان نظر آئے۔ ان پر گوشت بکھرا پڑا تھا لیکن کوئی کھانے والا نہ تھا۔ اور اچانک کچھ دسترخوان دکھائی دیئے۔ ان پر گوشت ایسا تھا جس سے بدبو آ رہی تھی۔ اس کے آس پاس بہت سے لوگ بیٹھے اسے کھا رہے تھے۔ آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ آپ کے وہ امتی ہیں۔ جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف آتے تھے۔ یوں بھی روایت آئی ہے آپ اچانک ایک قوم پر پہنچے۔ جو دسترخوان پر بیٹھی ہے۔ اس دسترخوان پر بھنا ہوا گوشت تھا کہ اس سے زیادہ اچھا گوشت نہیں ہو سکتا اور اچانک دیکھا تو اس دسترخوان کے اردگرد مردار پڑا ہوا ہے۔ لوگ مردار پر جھپٹ رہے ہیں۔ اس میں سے کھاتے ہیں اور خوبصورت گوشت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا۔ یہ "زانی" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو عورتیں حرام قرار دی تھیں۔ یہ انہیں حلال جانتے تھے اور ان کیلئے جو حلال و جائز تھیں ان کو چھوڑے بیٹھے تھے۔

پھر کچھ دیر چلے۔ تو ایک قوم نظر آئی۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسا کہ کمرے ہوں۔ ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ جب ان میں کوئی سانپ اوپر چڑھتا۔ تو وہ آدمی گر جاتا۔ وہ کہتا۔ اے اللہ! قیامت قائم نہ کرنا۔ یہ لوگ آل فرعون کی "سابلہ" پر تھے۔ پھر سابلہ آئیگی اور ان کو روندے گی۔ پھر ان کی آواز آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری کریں گے۔ جبرئیل سے آپ نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت کے سودخوار ہیں۔ کل قیامت میں اس طرح کھڑے ہوں گے۔ جس طرح کسی کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

آپ تھوڑا سا اور آگے بڑھیں گے۔ ایک قوم کو دیکھیں گے جن کے ہونٹ اونٹوں کی مانند ہوں گے۔ اپنا منہ کھولیں گے۔ اور پتھروں کے لقمہ جات کھائیں گے۔ ایک روایت میں ہے۔ ان کے

مونہوں میں جہنم کے پتھرڈالے جائیں گے۔ پھر وہی پتھران کے پاخانہ کی جگہ سے نکالے جائیں گے۔ آپ نے ان کی فریاد سنی۔ کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا دکھ بیان کرتے ہیں۔ جبرئیل سے آپ نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھایا کرتے تھے۔ انہوں نے یتیموں کا مال نہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ ڈالی تھی۔ بہت جلد جہنم میں جانے والے ہیں۔

پھر آپ اور آگے بڑھے۔ دیکھا۔ کہ عورتیں اپنے پستانوں کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں۔ کچھ اور عورتیں دیکھیں۔ جن کے پاؤں الٹے ہیں۔ آپ نے سنا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چیخ و پکار کررہی ہیں۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ بدکار زانی عورتیں ہیں۔ اور اپنی اولاد کی قاتل عورتیں ہیں۔ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو ایک قوم دیکھی۔ ان کے پہلوؤں سے گوشت کاٹا جاتا ہے اور انہیں کھانے کیلئے دیا جاتا ہے۔ وہ کھاتے ہیں۔ اور ان سے کہا جاتا ہے۔ اب کھاؤ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جبرئیل پوچھنے پر بتائیں گے۔ کہ یہ لوگ آپ کی امت میں سے چغلخور اور غیبت کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے جائیں گے۔ حضرت جبرئیل دروازہ کھولنے کو کہیں گے۔ پوچھا جائے گا۔ کون ہو؟ جواب دیا۔ میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ جواب دیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جواب دیں گے۔ ہاں۔ پھر آواز آئے گی۔ اھلاً وسھلاً ومرحباً۔ بھائی کو اور خلیفہ کو اللہ تعالیٰ زندگی اور برکت دے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ پھر دونوں کیلئے دروازہ کھول دیا جائے گا۔ جب اندر داخل ہوں گے۔ تو اچانک ان کی ملاقات خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام سے ہوگی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ دونوں کے کپڑے اور بال ملتے جلتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ ان کی قوم سے بہت سے آدمی ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھنے بالوں والے، سانولے رنگ کے گویا ابھی ابھی حمام سے باہر تشریف لائے ہیں۔ ان کی شکل حضرت عروۃ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی تھی۔ آپ نے دونوں حضرات کو سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دونوں نے کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر خوش آمدید۔ اور آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔

پھر آپ تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ پوچھا کون ہو؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا جناب محمد رسول اللہ صلی

B

اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا تمہیں ان کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ خوش آمدید۔ بھائی اور خلیفہ کو اللہ تعالیٰ زندگی دے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ دونوں کیلئے دروازہ کھول دیا گیا۔ جب اندر داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ ان کی قوم سے بہت سے افراد تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت یوسف نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر! خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔ آپ کو عظیم حسن و جمال عطا کیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بڑھ کر حسین و جمیل۔ اللہ تعالیٰ نے حسن کے اعتبار سے حضرت یوسف کو لوگوں پر اس طرح فضیلت دی ہے۔ جس طرح چودھویں رات کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ آپ کے بھائی حضرت یوسف ہیں۔

پھر چوتھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہو! جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے؟ عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ پوچھا گیا کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ اس پر دروازہ کھول دیا گیا۔ اور خوش آمدید کہا۔ اور کہا کتنا عمدہ بھائی اور کیسا افضل خلیفہ ہے۔ اور آنے والا کتنا عمدہ ہے۔ جب دونوں دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ تو حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جن کا مقام بلند کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ صالح بھائی اور صالح پیغمبر خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے دعائے خیر کی۔

اس کے بعد پانچویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ آسمان کے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہو؟ جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا۔ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ کہا۔ ہاں۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ دونوں حضرات داخل ہو گئے۔ اور دربان نے خوش آمدید کہا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کو زندگی عطا کرے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا عمدہ خلیفہ ہے۔ اور کتنا خوبصورت آنے والا ہے۔ جب اندر تشریف لائے تو حضرت ہارون علیہ السلام دیکھے۔ ان کی آدھی داڑھی شریف سفید اور دوسری آدھی سیاہ رنگ کی تھی۔ اتنی لمبی داڑھی کہ ناف تک پہنچی ہوئی تھی، ان کے اردگرد بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ اور آپ انہیں واقعات بتا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا۔ انہوں نے

سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا۔ اے صالح بھائی اور صالح خلیفہ! خوش آمدید۔ پھر آپ کو دعائے خیر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون تھے۔ عرض کیا۔ یہ ہارون علیہ السلام تھے۔ جو اپنی قوم میں ہر دل عزیز تھے۔

آپ اس کے بعد چھٹے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ جواب دیا۔ جبرئیل ہوں۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔ کہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا۔ کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بھائی اور خلیفہ کو زندگی عطا کرے۔ کتنا عمدہ بھائی اور کتنا عمدہ خلیفہ ہے۔ اور کتنا عمدہ آنے والا آیا ہے۔ دروازہ کھولا۔ دونوں اندر تشریف لے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام میں سے ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کی امتیں ان کے ساتھ تھیں۔ اور کچھ پیغمبر ایسے بھی تھے۔ جن کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''سواد اعظم'' (بہت بڑی جماعت) سے گزر ہوا۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ جبرئیل نے بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں۔ لیکن اب ذرا سر انور اٹھائیں۔ اور اوپر دیکھیں۔ آپ نے دیکھا تو اس قدر لوگ تھے کہ دونوں اطراف سے آخر تک آدمی ہی آدمی تھے۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ عرض کیا۔ یہ آپ کی امت ہے۔ ان کے علاوہ ستر ہزار اور ہیں۔ جو حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دراز قد اور بکثرت بالوں والے کہ اگر دو قمیضیں بھی پہن رکھی ہوتیں تب بھی ان میں سے بال دکھائی دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر آپ کیلئے بھلائی کی دعا کی۔ اور کہا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم و معزز ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شخصیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے بھی زیادہ معزز و مکرم ہے۔ جب آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ نے پوچھا۔ رونے کا کیا سبب بنا؟ فرمایا۔ سبب یہ بنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد ایک نوجوان پیغمبر بھیجا۔ جس کی امت جنت میں اس قدر جائے گی کہ میری امت اس کے مقابلہ میں کم ہوگی۔ بنی اسرائیل یہ گمان کرتے تھے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں۔ لیکن یہ مرد کامل آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے مجھ سے بعد دنیا میں آئے اگر ذاتی بات ہوتی تو اور بات تھی۔ لیکن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت بھی ہوگی۔

آپ پھر اوپر تشریف لے گئے۔ جب دونوں حضرات ساتویں آسمان کے قریب پہنچے۔ تو آپ نے اس کے اوپر رعد، برق اور کڑک دیکھی۔ حضرت جبرئیل نے دروازہ پر دستک دی۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔ کہا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کیا تمہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ان کا آنا مبارک۔ اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کی عمر دراز عطا کرے۔ کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا خلیفہ ہے۔ اور کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ پھر دروازہ کھلا۔ تو آپ نے سموات علا میں تسبیح کی آواز سنی۔ جو بہت سی تسبیحات کے ساتھ تھی۔ اور تسبیح کہنے والے بڑے بارعب تھے۔ بہت بلند مقام والے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر رہے تھے۔ جب دونوں حضرت اندر تشریف لائے تو اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا۔ کنگھی کیا ہوا ایک شخص جنت کے دراوزہ کے قریب کرسی پر جلوہ فرما اور بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے ہوئے تھا۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کی ایک بڑی تعداد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔ صالح بیٹے اور صالح پیغمبر! آنا مبارک ہو۔ اور کہا۔ اپنی امت کو حکم دو کہ جنت میں بکثرت درخت لگا لیں۔ کیونکہ اس کی مٹی پاکیزہ اور زمین بہت وسیع ہے۔ آپ نے پوچھا۔ جنت میں درخت کیسے لگائیں۔ کہا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔ اس سے جنت میں درخت بن جائیں گے۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انہیں خبر دینا کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ اور اس کا پانی بہت میٹھا ہے۔ اس میں درخت لگائیں۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھنا جنت میں درخت لگانا ہے۔ آپ ﷺ کی شکل مبارک ان سے بہت مشابہ تھی۔ ان کے قریب لوگ بیٹھے تھے۔ جن کے چہرے سفید تھے۔ جیسا کہ سفید کاغذ ہوں۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جن کے رنگوں میں کچھ ملاوٹ تھی۔ تو جن لوگوں کے رنگوں میں ملاوٹ تھی یہ کھڑے ہو گئے۔ ایک نہر میں داخل ہوئے۔ اس میں غسل کیا۔ پھر جب باہر نکلے۔ تو اب ان کے رنگ نکھر چکے تھے۔ پھر نہر میں داخل ہوئے اور غسل کیا۔ جب باہر آئے تو اور نکھرے ہوئے تھے۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی کیا۔ اب ان کے رنگ ان کے دوسرے ساتھیوں کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ آ کر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ اور یہ نہر کیسی ہے؟ عرض کیا۔ یہ لوگ جن کے چہرے بالکل سفید ہیں۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کے ساتھ کسی قسم کے ظلم کی ملاوٹ نہیں کی تھی۔ اور دوسرے لوگ کہ جن

کے رنگوں میں ملاوٹ تھی۔ وہ وہ ہیں۔ جن کے عمل نیک اور بد دونوں مخلوط تھے۔ پھر انہوں نے توبہ کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور یہ نہریں ان میں سے پہلی نہر اللہ تعالیٰ کی رحمت، دوسری اس کی نعمت اور تیسری شراب طہور کی ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سیراب کیا۔ اور اخلاص بخشا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا۔ یہ آپ کا اور آپ کی امت کا مکان ہے۔ اچانک آپ کو اپنی امت دو حصوں میں نظر آئی۔ ایک حصہ کے جسم پر کپڑے تھے۔ جیسا کہ کاغذ ہوں۔ اور دوسرے حصہ پر پھٹے پرانے کپڑے تھے۔ آپ بیت المعمور میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی داخل ہوئے جن کے کپڑے کاغذ کی مانند سفید تھے۔ اور میلے کچیلے کپڑوں والے داخلہ سے محروم رہے۔ اور وہ بھی ''خیر'' والے ہی ہیں۔ پھر آپ نے بیت المعمور میں اپنے ساتھ والے مومنوں کی معیت میں نماز ادا فرمائی۔ آپ نے دیکھا کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر قیامت تک ان کے دوبارہ داخل ہونے کی باری نہیں آتی۔ گویا ہر ایک فرشتے کا اول و آخری داخلہ یہی ہوتا تھا۔ اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت باہر تشریف لے آئے۔

طبرانی میں روایت ہے جس کی سند صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شب اسراء ''ملأ اعلیٰ'' پر سے گزرا۔ دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پرانے کپڑے کی مانند ہیں۔ ان کی یہ حالت اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے تھی۔ امام بزار کی روایت میں ہے۔ کہ آپ ''لاطی'' کپڑے کی مانند تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک برتن پیش کیا گیا۔ جس میں شراب تھی۔ دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد پیش کیا گیا۔ آپ نے ان میں سے دودھ والا برتن پکڑ لیا۔ اس پر حضرت جبرئیل بولے۔ آپ نے درست کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو آپ کی وجہ سے فطرت پر قائم رکھے گا۔ ایک روایت میں ہے۔ یہ (دودھ) وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہیں۔

اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں زمین سے اوپر جانے والی ہر چیز کا ''آخر'' ہے۔ اس جگہ سے اوپر کوئی نہیں جا سکتا۔ اور اوپر والے جو نیچے آتے ہیں۔ یہاں سے نیچے نہیں آ سکتے۔ لہٰذا نیچے والوں سے اوپر والے اور اوپر والوں سے نیچے والے مختلف اشیاء اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا۔ کہ اس کی جڑوں سے خالص پانی کی نہریں نکلتی ہیں۔ خالص دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں۔ جو پینے والوں کی لذت کو دوبالا کرتی ہیں۔ اس (سدرۃ المنتہیٰ) کے سایہ میں اگر سوار ستر سال تک چلتا رہے تو سایہ ختم نہ

ہو۔اس کے بیر (پھل) پتھر کی چٹانوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند ہیں۔قریب ہے کہ اس کے پتے اس امت کو ڈھانپ لیں۔ایک روایت میں ہے۔کہ ایک پتہ پوری امت کو ڈھانپنے کیلئے کافی ہے۔طبرانی کی روایت کے مطابق اس کا ایک پتہ پوری مخلوق پر سایہ کر سکتا ہے۔ہر پتہ پر فرشتہ مقرر ہے۔اس پتہ کو بہت سے رنگوں نے اپنے جھولی میں لے لیا۔جن کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کیا رنگ ہیں۔جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتہ کو ڈھانپتے ہیں۔تو جو اللہ چاہتا ہے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ایک روایت میں ہے۔کہ پتہ اس کے بعد یاقوت اور زبرجد بن جاتا ہے۔اس کے حسن کی کوئی تعریف نہیں کر سکتا۔اس میں سونے کے ''فراش'' ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ اس میں سونے کی بنی مکڑیاں بسیرا رکھتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہے۔اس تک آپ کی امت کے ان لوگوں کی انتہا ہوتی ہے۔جو آپ کے راستے پر چلتے ہیں۔دیکھا تو اس کی جڑوں میں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔دو ظاہری اور دو باطنی نہریں ہیں۔آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔جو دو باطنی نہریں ہیں۔وہ جنت میں دو نہریں ہیں۔اور جو دو ظاہری ہیں۔وہ نیل اور فرات ہیں۔ایک روایت ہے کہ اس کی جڑوں میں سے ایک چشمہ پھوٹتا ہے۔جس کا نام ''سلسبیل'' ہے۔پھر اس سے دو نہری نکلتی ہیں۔ایک کا نام کوثر ہے۔وہاں میں نے بکریوں کے برابر اونٹ دیکھے۔ان پر لولوٗ یاقوت اور زبرجد کے کجاوے تھے۔ان پر سبز رنگ کے بیٹھے ہوئے خوبصورت پرندے تھے۔سونے چاندی کے تمہیں وہاں برتن دکھائی دیں گے۔وہ پانی یاقوت و زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر بہتا نظر آتا ہے۔دودھ سے زیادہ سفید اس کا پانی ہے۔میں نے ایک برتن اٹھایا۔اور اسے پانی سے بھر کر پیا۔تو شہد سے زیادہ میٹھا محسوس ہوا۔اس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی۔حضرت جبرئیل نے مجھے بتایا کہ یہ نہر اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے چھپا کر رکھی ہے۔دوسری نہر رحمت کی نہر ہے۔اس میں غسل کیجئے۔آپ نے غسل فرمایا۔جس سے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ان کے چھ سو پر تھے۔ایک پر اتنا کہ تمام افق اس میں گم ہو جائے۔ان کے پروں سے ایسے انمول یاقوت اور موتی جھڑتے تھے،جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔پھر آپ کوثر پر تشریف لے گئے۔اس کے بعد آپ جنت میں داخل ہوئے۔جنت میں ایسی اشیاء دیکھیں۔جو کسی کان نے نہ سنیں،نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی انسانی دل و دماغ میں ان کا صحیح تصور آیا۔آپ نے دیکھا کہ جنت کے دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَ

اَلْقَرْضُ بِثَمَانِيَۃَ عَشَرَ۔ صدقہ دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا بڑھ جائیگا۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ ''قرض'' کو صدقہ سے افضل کہا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام بولے کہ سوالی سوال کرتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض لینے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے۔ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اس کے بعد آپ کے سامنے ایک لڑکی آئی۔ آپ نے پوچھا۔ اے لڑکی! تو کون ہے؟ کہنے لگی۔ زید بن حارثہ کیلئے ہوں۔ آپ نے ایک سفید موتی میں سے جنت دیکھی۔ اس میں موتیوں کے گچھے دکھائی دیئے۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔ لوگ مجھ سے جنت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو کیا کہوں؟ کہا۔ انہیں یہ جواب دیا کرو۔ کہ وہ ہموار زمین ہے۔ اس کی مٹی مشک کی ہے۔ آپ نے جنت میں ایک طرف سے دھماکہ کی طرح کی آواز سنی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ کہا۔ مؤذن بلال ہیں۔ آپ آگے چل پڑے۔ آگے دیکھا تو دودھ کی نہریں ہیں۔ جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوا۔ اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو لذت بخشتی ہیں۔ اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں۔ جنت کے انار ڈول کی طرح بڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ اس میں ایسے انار تھے جیسا کہ پالان ڈالا گیا اونٹ ہو۔ پھر آپ نے ایک پرندہ دیکھا۔ جو ''بخاتی'' کی مانند تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ پرندہ جو آپ نے جنت میں دیکھا تھا۔ وہ شتر مرغ تھا؟ فرمایا۔ میں نے اسے کھایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ لذیذ ولطیف ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ تم بھی اس میں سے کھاؤ گے۔ آپ آگے جارہے تھے۔ چلتے چلتے ایک نہر آئی۔ جس کے کناروں پر بند موتیوں کے گنبد تھے جو اندر سے خالی تھے۔ اس کی مٹی مشک اذفر کی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ ''کوثر'' ہے۔ پھر آپ کے سامنے آگ لائی گئی۔ دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ڈانٹ تھی۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈال دیا جائے۔ تو انہیں وہ آگ کھا جائے گی۔ اچانک آپ نے ایک قوم دیکھی جو مردار کھا رہی تھی۔ پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ عرض کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک سرخ رنگ کا اور نیلی آنکھوں والا آدمی دیکھا۔ پوچھا۔ یہ کون ہے؟ عرض کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے۔ آپ نے جہنم کا مالک ''خازن'' دیکھا۔ وہ تیوری چڑھائے ہوئے تھا اس کے چہرے سے غضب کے آثار نمودار تھے۔ وہ آپ کے سامنے آیا اور پھر اس نے جہنم کا دروازہ بند کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی طرف چڑھے۔ اس کو آپ نے خلائق کے انوار سے ڈھکے ہوئے پایا۔ اور فرشتے اس کے چاروں طرف تھے۔ فرشتے اس کے پتوں پر بیٹھے

ہیں۔ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نیچے آتا ہے۔ پھر اسے بادل گھیر لیتے ہیں۔ جن میں ہر رنگ ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ آپ کا رب ''تسبیح'' کہتا ہے۔ پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ عرض کیا۔ ''سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَالرُّوحِ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ'' کہتا ہے۔

آپ اور بلندی پر تشریف لے گئے۔ حتیٰ کہ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں آپ نے قلم چلنے کی آوازیں سنیں۔ اور ایک شخص دیکھا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کیا۔ نہیں۔ پوچھا۔ کوئی پیغمبر ہے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ پوچھا پھر کون ہے؟ عرض کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کی دنیا میں ذکر خدا سے زبان تر رہتی تھی۔ اور اس کا دل مسجد کی طرف لگا رہتا تھا۔ اور اپنے والدین کو اس نے کبھی گالی نہیں دلوائی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو کی۔ فرمایا۔ اے محمد! عرض کیا۔ لبیک یا رب۔ فرمایا۔ مانگو۔ عرض کیا۔ باری تعالیٰ! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''خلیل'' بنایا۔ انہیں ''ملک عظیم'' عطا کیا۔ تو نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ تو نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ''ملک عظیم'' عطا کیا، ان کیلئے لوہا نرم کر دیا۔ جن و انس ان کے ماتحت کر دیئے، اور شیاطین پر ان کو حکومت عطا فرمائی۔ پہاڑ ان کے تابع کر دیئے۔ تو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ''ملک عظیم'' عطا کیا۔ ہوائیں ان کے تابع کر دیں۔ اور انہیں ایسی حکومت بخشی جو ان کے بعد کسی اور کو نہیں ملی۔ تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت و انجیل کی تعلیم دی۔ اور انہیں مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے، کوڑھ کے مریض کو شفایاب کرنے اور اپنے حکم سے مردوں کو زندہ کرنے کا اعجاز عطا فرمایا۔ انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان رجیم سے پناہ میں رکھا۔ جس کی وجہ سے شیطان کیلئے ان دونوں کو گمراہ کرنے کا کوئی راستہ نہ مل سکا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔

میں نے تمہیں اپنا حبیب بنایا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ توریت میں آپ کو ''حبیب اللہ'' لکھا گیا ہے۔ فرمایا۔ میں نے تمہیں تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کیلئے آپ کا سینہ کھولا ہے۔ آپ سے آپ کا بوجھ اتار پھینکا۔ آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ایسا بلند کیا کہ جہاں اور جب بھی میرا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ میں نے آپ کی امت کو ''خیر امت'' بنایا، جو تمام دوسری امتوں سے افضل ہے۔ آپ کی امت کو ''امت وسط'' بنایا۔ آپ کی امت کو ''اول و آخر'' بنایا۔ اور آپ کی امت کیلئے یہ طریقہ بنایا، کہ ان کے خطیبوں کا خطبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا۔ جب تک وہ

اپنے خطبہ کے دوران آپ کیلئے میرا بندہ ہونا، میرا رسول ہونا، ذکر نہ کریں۔ میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ بنائے جن کے دل ان کی انجیل ہیں۔ آپ کو میں نے پیدائش کے اعتبار "اول النبیین" بنایا۔ اور بعثت کے اعتبار سے "آخر النبیین" بنایا۔ اور ان تمام پیغمبروں سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ آپ کو میں نے "سبع مثانی" عطا فرمائی۔ جو کسی اور پیغمبر کو نہیں دی گئی۔ میں نے آپ کو "کوثر" عطا کیا۔ آپ کو آٹھ حصے دیئے گئے۔ یعنی اسلام، ہجرت، جہاد، صدقہ، صلوۃ، صوم رمضان، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اور جس دن میں نے زمین و آسمان بنائے اسی دن آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں۔ لہٰذا آپ اور آپ کی امت ان پچاس نمازوں کو پابندی سے ادا کرنا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فضیلت دی کہ مجھے "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجا۔ تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنایا۔ میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ڈال دیا۔ "غنائم" میرے لئے حلال کر دیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہ تھیں۔ میرے لئے روئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا۔ مجھے ایسے کلمات عطا کئے گئے جو فواتح، خواتم اور جوامع ہیں۔ مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔ پس تابع اور متبوع کو مجھ سے کوئی خوف نہ رہا۔ مین نے انہیں دیکھا۔ کہ وہ ایسی قوم کے پاس آئے جس نے بالوں کی بنی جوتیاں پہن رکھی تھیں۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ ایسے لوگوں کے پاس آئے۔ جن کے چوڑے چہرے اور چھوٹی آنکھیں تھیں۔ جیسا کہ سوئی سے ان کی آنکھیں سی دی گئی ہوں۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میرے بعد ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین باتیں عطا کی گئیں۔ ایک یہ کہ آپ "سید المرسلین" ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ "امام المتقین" ہیں۔ اور تیسری یہ کہ آپ "قائد الغر المحجلین" ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس نمازیں عطا کی گئیں۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں۔ اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ جس نے آپ کی امت میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوگا۔

اس کے بعد آپ پر سے "بادل" ہٹ گیا۔ حضرت جبرئیل نے آپ کا دست اقدس پکڑا۔ اور جلدی سے واپس ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا، تمہاری دوستی مبارک ہو۔ پھر پوچھا۔ یا رسول

اللہ! آپ پر آپ کے رب نے کیا کیا باتیں فرض کیں اور آپ کی امت پر کیا کیا احکام لازم کئے؟ فرمایا۔ مجھ پر اور میری امت پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنا فرض کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ آپ اپنے رب کے پاس واپس تشریف لے جائیں۔ اور ان میں تخفیف کی درخواست کریں۔ کیونکہ آپ کی امت ان کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا امتحان لے چکا ہوں۔ اور بنی اسرائیل کو میں نے خوب پرکھا ہے۔ اور میں نے اس سے کہیں کم باتوں کو انہیں کرنے کو کہا۔ لیکن وہ کمزور نکلے۔ اور چھوڑ گئے۔ اور آپ کی امت جسم، بدن، دل، آنکھیں اور کانوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین کی طرف توجہ کی۔ اور ان کا مشورہ طلب کیا۔ جبرئیل نے اشارہ کیا۔ کہ حضرت موسیٰ کی بات درست ہے۔ اگر آپ واپس جانا چاہتے ہیں تو جلدی کیجئے۔ آپ بہت جلد ''شجرۃ'' کے پاس تشریف لائے۔ اسے بادلوں نے چھپا رکھا تھا۔ آپ سجدہ میں گر گئے۔ اور عرض کی۔ باری تعالیٰ ہم پر تخفیف فرمادے۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ نے عرض کیا۔ اے اللہ! میری امت پر تخفیف فرمادے۔ کیونکہ وہ تمام امتوں سے کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے ان میں سے پانچ معاف کر دیں۔ پھر بادل کھل گیا۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ تشریف لائے۔ اور بتایا کہ پانچ نمازوں کی مجھے تخفیف کر دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا۔ دوبارہ جائیے۔ اور مزید تخفیف کا سوال کیجئے۔ اس لئے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ نے اس کے بعد حضرت موسیٰ اور رب کریم کے درمیان کئی پھیرے لگائے۔ ہر مرتبہ پانچ نمازیں کم کر دی جاتیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب۔ آپ نے عرض کیا۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ فرمایا۔ اب ایک دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہیں۔ اور ہر ایک نماز دس نمازوں کی جگہ ہے۔ اس طرح ثواب پچاس کا ہی ہوگا۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ ہی اب میرا حکم منسوخ ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پچاس نمازوں میں سے آپ پر پانچ باقی رکھیں ہیں۔ اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور عمل نہ کر سکا۔ اس کیلئے نیکی لکھی جائے گی۔ اور اگر اس پر عمل کر لیا تو اس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا۔ اور اس پر عمل نہ کیا تو اس کیلئے کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا۔ اور اگر برائی کر بیٹھا تو اس کا گناہ ایک برائی کا ہی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف لائے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور انہیں نمازوں کی تخفیف کا بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ کیونکہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنے

پروردگار کے پاس بار بار گیا۔ حتیٰ کہ اب مجھے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن اب میں اس پر راضی ہوں اور سرِخم تسلیم ہے۔ اس پر ایک منادی نے آواز دی۔ بیشک میں نے اپنا فرض اپنے بندوں پر نافذ کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اتر آیئے۔ بسم اللہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت سے گزرے۔ تو انہوں نے آپ کو ''حجامت'' کی تاکید کی۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اپنی امت کو'' حجامت'' کا حکم دینا۔ (حجامت سے مراد پچھنے لگوانا ہے) پھر آپ نیچے تشریف لے آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا۔ میں جب بھی آسمانی فرشتوں کے پاس گیا۔ تو انہوں نے مجھے'' مرحبا'' کہا۔ اور خوش ہوئے۔ لیکن ایک فرشتہ ایسا تھا۔ جس کو میں نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ مرحبا بھی کہا۔ میرے لئے دعائے خیر بھی کی۔ لیکن وہ خوش نہ ہوا۔ وہ کون ہے؟ عرض کیا۔ وہ جہنم کی آگ کی خازن'' مالک'' ہے۔ جب سے وہ پیدا ہوا۔ ہنستا نہیں۔ اگر کسی کو دیکھ کر ہنستا تو آپ کو دیکھ کر ضرور وہ خوش ہو کر ہنستا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان دنیا پر تشریف لائے۔ اس سے نیچے دیکھا۔ تو غبار، دھواں اور آوازیں محسوس ہوئیں۔ پوچھا۔ جبرئیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا۔ یہ شیاطین ہیں۔ اولاد آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ عجائب دیکھتے۔

پھر آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔ سوار ہوئے۔ واپسی آتے ہوئے آپ نے قریش کا ایک قافلہ دیکھا۔ جو فلاں فلاں مقام پہ تھا۔ اس میں ایک اونٹ ایسا تھا۔ جس پر دو تھیلے تھے۔ ایک سیاہ دوسرا سفید۔ جب آپ قافلہ کے پاس آئے تو قافلہ نے نفرت کی اور پشت پھیر لی۔ اور اس اونٹ نے بلبلانا شروع کر دیا۔ آپ کا گزر ایک اور قافلہ سے ہوا۔ جن کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ فلاں کے پاس تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ ان میں سے بعض بولے۔ کہ یہ'' محمد'' کی آواز ہے۔ آپ صبح سے کچھ دیر پہلے مکہ شریف واپس آ گئے۔ صبح ہوئی۔ تو آپ کو خیال آیا۔ کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔ لہٰذا غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ کے قریب سے اللہ کے دشمن ابوجہل کا گزر ہوا۔ قریب آ گیا۔ اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور ازروئے استہزاء پوچھنے لگا۔ کیا کوئی واقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پوچھنے لگا۔ بتاؤ کیا ہے؟ فرمایا۔ آج رات مجھے لے جایا گیا تھا۔ پوچھا۔ کہاں؟ فرمایا۔ بیت المقدس۔ پوچھا۔ پھر آپ صبح کے وقت واپس بھی آ گئے؟ کہا۔ ہاں۔ اس وقت تو ابوجہل نے تکذیب نہ کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا۔ کہ شائد وقت آنے پر آپ اپنی بات سے مکر جائیں۔ جب میں قوم کو ان کا واقعہ بتاؤں۔ پھر کہنے لگا۔ اگر میں آپ کی

قوم کو بلاؤں۔تو کیا آپ یہی بات ان کے سامنے کریں گے جو مجھ سے کی ہے؟ فرمایا۔ہاں۔اعلان کروادیا۔اے بنی کعب بن لوئی! اکھٹے ہو جاؤ۔لوگ جوق در جوق آ گئے۔اور دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - ابوجہل) کے اردگرد بہت بڑا جمع بن گیا۔ابوجہل بولا۔اب اپنی قوم کے سامنے وہی بات کہو جو مجھ سے کہی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔مجھے آج رات لے جایا گیا۔لوگوں نے پوچھا۔کہاں؟ فرمایا۔بیت المقدس۔لوگوں نے پوچھا۔پھر آپ صبح ہونے تک واپس بھی آ گئے؟ فرمایا۔ہاں۔اس پر بعض تو تالیاں بجانے لگے۔بعض نے تعجب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔شور مچا۔اور انہوں نے اسے بہت بڑا کام جانا۔معطم بن عدی بولا۔آج سے پہلے تمہارے سارے کام قابل اعتبار تھے۔لیکن آج کی بات نا قابل اعتبار ہے۔میں گواہی دیتا ہوں۔کہ تم جھوٹے ہو۔ہم اونٹوں پر سوار ہو کر ایک ماہ تک چلتے چلتے تھک جاتے ہیں۔اور ہمارے اونٹ جواب دے جاتے تب جا کر کہیں وہاں پہنچ پاتے ہیں۔اسی طرح واپسی پر بھی ایک ماہ صرف ہو جاتا ہے۔اور تم گمان کرتے ہو کہ تم ایک رات میں ہی وہاں گئے اور واپس آ گئے۔لات وعزیٰ کی قسم! میں تمہاری تصدیق نہیں کرسکتا۔حضرت ابوبکر صدیق بولے۔اے معطم! تو نے جو کہا۔بہت برا کہا ہے۔تمہارے چچازاد بھائی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو کہا۔تو نے اس کی تکذیب کی۔اور مذاق اڑایا۔میں گواہی دیتا ہوں۔کہ وہ "صادق" ہیں۔لوگوں نے کہا۔یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے سامنے بیت المقدس کی صفت بیان کرو۔اس کی تعمیر کیسی ہے۔اس کی شکل کیسی ہے۔اور پہاڑ کے کس قدر قریب ہے؟ لوگوں میں ایسے بھی تھے۔جنہوں نے بیت المقدس کا سفر کیا تھا۔اور وہ یہ ساری باتیں جانتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کی صفات بیان کرنا شروع کر دیں۔اس کی تعمیر، اس کی شکل اور پہاڑ سے اس کی دوری وغیرہ بیان فرمائیں۔آپ یکے بعد دیگرے بیت المقدس کی صفات بیان کرتے چلے گئے۔حتیٰ کہ ایک دفعہ بات خلط ملط ہوگئی۔آپ کو اس پر شدید دکھ ہوا۔ایسا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔پھر مسجد آپ کے سامنے لائی گئی۔آپ اس کو دیکھ رہے ہیں۔کہ وہ دار عقیل یا عقال کے قریب رکھی ہوئی ہے۔لوگوں نے پوچھا۔مسجد کے کتنے دروازے ہیں؟ آپ نے گنے نہ تھے۔آپ اس کی طرف دیکھنے لگے۔اور ایک ایک دروازہ گننا شروع کر دیا۔اور انہیں بتایا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے جا رہے تھے۔" آپ سچے ہیں" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔لوگ بول اٹھے۔کہ بیت المقدس کی جو صفات آپ نے بیان کی ہیں۔خدا کی قسم! وہ درست ہیں۔

پھر لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھا۔ کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو۔ کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ فرمانے لگے۔ ہاں میں تصدیق کرتا ہوں۔ بلکہ میں تو اس سے بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں آسمانوں کی خبروں کے بارے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور یہ صبح وشام ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا نام ''صدیق'' مشہور ہوا۔

پھر لوگوں نے پوچھا۔ ہمارے قافلے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا۔ مقام ''روحاء'' پر ایک قافلہ سے میرا گزر ہوا۔ جن کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ وہ سب اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ میں ان کے سامان کے پاس گیا۔ وہاں مجھے ان میں سے کوئی ایک بھی دکھائی نہ دیا۔ اچانک مجھے پانی سے بھرا ایک پیالہ نظر آیا۔ میں نے اس میں سے پانی پیا تھا۔ اس کے بعد میں فلاں جگہ بنو فلاں کے قبیلہ کے پاس آیا۔ اس میں ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ جس پر ایک تھیلا سفید اور دوسرا سیاہ تھا۔ جب میں قافلہ کے سامنے ہوا۔ تو قافلہ بھاگ نکلا۔ وہ اونٹ بلبلایا۔ اور پھر نرم ہو گیا۔ اس کے بعد ''تنعیم'' میں مجھے ایک اور قافلہ ملا۔ جس کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ تھا۔ جس پر کالے رنگ کا کمبل یا ٹاٹ تھا۔ اور دو کالے رنگ کے تھیلے تھے۔ اور دیکھو وہ اس وقت ''ثنیہ'' سے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کب یہاں پہنچے گا؟ فرمایا۔ بدھ کے دن۔ جب بدھ کا دن آیا۔ قریش چھتوں پر چڑھ کر قافلہ کا راستہ دیکھنے لگے۔ جب دن ڈھل گیا اور قافلہ نہ آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پس آپ کی خاطر دن میں کچھ وقت بڑھا دیا گیا۔ اور سورج کو روک دیا گیا۔ حتیٰ کہ قافلہ آ گیا۔ اور لوگوں نے دیکھا۔ کہ اس قافلہ کے آگے آگے وہی اونٹ ہے۔ لوگوں نے اہل قافلہ سے پوچھا۔ کیا تمہارا اونٹ گم ہو گیا تھا؟ کہنے لگے۔ ہاں۔ پوچھا۔ کیا سرخ رنگ کی اونٹنی تھک گئی تھی؟ کہنے لگے ہاں۔ پوچھا۔ کیا تمہارے پاس پانی سے بھرا پیالہ تھا؟ ایک بولا۔ خدا کی قسم! میں نے بھر کر رکھا تھا۔ اس میں سے ہم میں سے کسی نے پانی نہیں پیا۔ اور نہ ہی زمین پر گرایا گیا تھا۔ یہ ساری باتیں سن کر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو کے زیر اثر کہا۔ اور کہنے لگے۔ ولید نے سچ کہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا۔ وہ لوگوں کیلئے آزمائش تھا۔

ابن مرویہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سے ''اسراء'' فرمایا۔ تو آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی۔ جس طرح دلہن سے آتی ہو۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ طیب اور بہتر تھی۔ اللہ تعالیٰ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات اور بلند

فرمائے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا۔

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلًا اِلٰی حَرَمٍ ۔۔۔ کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِی دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ
وَ بِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اِنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً ۔۔۔ مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمْ
وَقَدَّمَتْکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِهَا ۔۔۔ وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ
وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ ۔۔۔ فِی مَوْکَبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ
حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لَمُسْتَبِقٍ ۔۔۔ مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقٰی لِمُسْتَنِمٖ
خَفِضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ ۔۔۔ نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمٖ
کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ ۔۔۔ عَنِ الْعُیُوْنِ وَ سِرٍّ اَیِّ مُکْتَتِمٖ
فَحُزْتَ کُلَّ فَخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرَکٍ ۔۔۔ وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحِمٖ
وَجَلَّ مِقْدَارُ مَاوُلِّیْتَ مِنْ رُتَبٍ ۔۔۔ وَ عَزَّ اِدْرَاکُ مَا اُوْلِیْتَ مِنْ نِعَمٖ
بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَالْاِسْلَامِ اَنَّ لَنَا ۔۔۔ مِنَ الْعِنَایَةِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمٖ
لَمَا دَعَا اللّٰهُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِهٖ ۔۔۔ بِاَکْرَمِ الرُّسُلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے۔ جس طرح چاند اندھیروں میں سفر کرتا ہے۔ اور رات کے وقت آپ نے اس قدر ترقی کی کہ قاب قوسین کا مقام پالیا جو نہ کسی کے عقل و فہم میں آسکتا ہے اور نہ اس کا کسی نے ارادہ کیا۔ آپ کی تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام نے پیشوائی کی۔ جس طرح خادمین اپنے مخدوم و آقا کی کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام کو ساتھ لئے آپ نے ساتوں آسمان عبور کر لئے جن میں آپ صاحب علم (جھنڈا) تھے۔ حتیٰ کہ آپ اس قدر آگے بڑھ گئے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا چاہنے والا اور بلندی حاصل کرنے کا خواہشمند ہے آپ نے اس کیلئے آگے جانے کا کوئی موقعہ نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنی نسبت کی وجہ سے ہر بلند مقام کو ماتحت کر لیا۔ جب آپ کو اوپر آنے کا حکم ملا۔ تو واحد یکتا کی طرح سبھی نیچے رہ گئے۔ تا کہ آپ آنکھوں سے پوشیدہ ذات اور چھپے راز کا وصل حاصل کر لیں۔ لہٰذا آپ نے ہر فخر یہ بات کسی اور کی شراکت کے بغیر اپنے اندر جمع کر لی۔ اور آپ ہر مقام و مرتبہ سے بغیر کسی رکاوٹ کے گزر گئے۔ وہ رتبہ جات جو آپ کو عطا کئے گئے ان کی عظمت و قدر بیشمار ہے اور جو نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں ان کا ادراک "نادر" ہے۔ اے جماعت مسلمین! ہمیں مبارک ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کا ہمارے پاس وہ رکن (عظیم سہارا) ہے۔ جو ہرگز منہدم نہیں ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی طرف آنے کی دعوت اس

عظیم شخصیت کی وساطت سے دی جو ''اکرم الرسل'' ہے۔ تو ہم اس وجہ سے ''اکرم الامم'' ہوگئے۔

جوہر ۱۸: پندرہویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج میں سے بعض فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ معراج اور آپ کا بلاوا اور مناجات ''اچانک'' تھا۔ جیسا کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''اس دوران کہ میں حطیم میں تھا'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ''میعاد'' تھا۔ اور اس میں ''استعداد'' کا تعلق تھا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم سے ہم کلامی ہوگی)۔ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انتظار رہتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انتظار کرنے کی تکلیف بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینا گوارا نہ کی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ''مقام مراد'' ہے۔ اور یہ مقام ''مقام مرید'' کی بہ نسبت بہت بلند ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی موصوف نے اسی باب میں لکھا۔ وہ دو شخص جن کے درمیان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات نیند فرما رہے تھے۔ ان کے نام حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ کی ہے کہ یہ ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کی دلیل ملتی ہے۔ آپ کے حسن خلق کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔ باوجودیکہ آپ کا فضل وکمال بے مثل تھا۔ پھر بھی آپ عام لوگوں کے درمیان لیٹ جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور آپ نے کبھی بھی اپنی ذات کریمانہ کیلئے امتیاز طلب نہیں کیا۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں۔ ''اُتِیَ بِالْمِعْرَاجِ'' (اوپر جانے والی چیز لائی گئی) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا اوپر تشریف لے جانا ''براق'' پر تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیث مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ یہ ہے۔ کہ آپ لگاتار براق پر سوار رہے۔ حتیٰ کہ اسی پر بیٹھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ اور یہی ابن ابی جمرۃ کے کلام کا مقتضی ہے۔ اور ابن دحیہ رضی اللہ عنہ کے کلام کا بھی یہی تقاضا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ لیکن ان روایات کے علاوہ دیگر روایات واخبار میں ہے۔ کہ اوپر آسمانوں کی طرف سفر ''براق'' پر نہ تھا۔ بلکہ آپ کیلئے ''سیڑھی'' لگائی گئی۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول کرتا ہے۔ جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جناب ثابت سے نقل کیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ ''ثُمَّ اُتِیتُ بِالْمِعْرَاجِ'' پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کے کاموں سے فارغ

ہوئے۔تو آپ کیلئے سیڑھی لگائی گئی۔اس پر چڑھ کر آپ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے۔اوپر جانا ''براق'' پر نہ تھا۔جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ بلکہ براق کو آپ نے مسجد بیت المقدس کے دروازہ کے قریب باندھ دیا تھا۔تا کہ واپس آ کر اس پر بیٹھ کر مکہ شریف لوٹیں۔علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔احادیث صحیحہ سے جو بات ثابت اور مقرر ہے۔وہ یہی ہے۔

حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کی دس اقسام کی ہیں۔جو ہجرت کے سالوں کی تعداد ہے۔ان دس میں سے سات معراج آپ کو سات آسمانوں تک کرائے گئے۔آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی۔نویں وہ جس میں آپ نے قلم چلنے کی آوازیں سنیں۔جو قضاوقدر تحریر کررہی تھیں۔اوردسویں معراج عرش ورفرف اور دیدار باری تعالیٰ والی ہے۔

اس کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں۔کہ واقعہ معراج میں اوپر جانے نیچے آنے کے الفاظ جو بار بار آتے ہیں۔ان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مسافت ہے۔کیونکہ یہ ''کفر'' ہے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ۔یہ اوپر اور نیچے آنا جانا ''بندے'' کی نسبت سے ہے۔رب تبارک وتعالیٰ کی نسبت سے نہیں۔اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء اگر چہ ''قاب قوسین'' سے بھی زیادہ آگے چلے گئے تھے۔لیکن اس بلندی کے باوجود آپ نے مقام ''عبودیت'' کو تجاوز نہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت یونس بن متی علیہ السلام جبکہ انہیں مچھلی نے نگل لیا تھا۔اور سمندروں میں لے گئی تھی۔یہاں تک وہ وہاں لے گئی جہاں سمندر کا پانی ٹھہرا رہتا ہے۔دونوں حضرات اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے مباین ہونے،اللہ تعالیٰ کی عدم جہت،عدم تحیز،عدم حد اور عدا حاطہ میں برابر ہیں۔کہا گیا ہے کہ مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی تھی۔اسے علامہ بغوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ جہت وغیرہ سے پاک ہے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوپر تشریف لے جانے اور اس قدر مسافت طے کرنے کا مقصد یہ تھا۔کہ آسمان والوں پر آپ کی فضیلت اور مقام ومرتبہ کی عظمت واضح ہو جائے۔اور انہیں معلوم ہو جائے۔کہ ''افضل المخلوقات'' آپ ہی کی ذات مقدسہ ہے۔اس مقصد ومراد کو اس بات سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براق پر سوار کرایا۔آپ کیلئے زینہ لگایا گیا۔آپ کو تمام انبیاء کرام اور فرشتوں کا امام بنایا گیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔کہ آپ کو براق اور سیڑھی کے بغیر اوپر لے جاتا۔

''اصحاب جہت'' (وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کیلئے اوپر ہونا عقیدہ رکھتا ہے) کو پوچھا جا سکتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح عقیدہ (کہ وہ جہت سے پاک ہے) کے یہ بات منع کرتی ہے۔ کہ ہر موجود کسی نہ کسی جہت میں ہوتا ہے۔ (لہٰذا جب وہ موجود ہے تو لازماً کسی جہت میں ہوگا) تو تم یہ بتاؤ۔ کہ عرش اور رفرف کیا یہ دونوں قدیم ہیں یا حادث؟ اگر تم قدیم مانتے ہو۔ تو تم نے ''عالم'' کو قدیم مان لیا۔ اور یہ بات دو محالات سے خالی نہیں ہوگی۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل میں کوئی دوسرا بھی تھا۔ اور جب دو قدیم ہوئے تو ایک قدیم دوسرے قدیم کیلئے ''مکان'' بننے میں کوئی اولویت نہیں رکھتا۔ دوسرا محال یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جب کوئی دوسرا قدیم ہے۔ تو دونوں اگر جسم ہیں۔ تو اس نے لازم آئے گا کہ ہر جسم کا وجود ازل میں جائز ہو۔ اور عالم کو قدیم کہنے والوں کا یہی عقیدہ ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذَالِکَ۔ اور اگر کہیں کہ وہ یعنی دوسرا محدث ہے۔ تو پھر تم ان سے کہہ دو۔ کہ تم نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اولاً موجود تھا۔ اور کوئی جہت نہ تھی۔ اور محال کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی واجب ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ''قدیم'' کسی حادث کا محتاج نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے اور وہ اس سے مستغنی ہوتے ہوئے ''لم یزل و لا یزل'' اور یہ بھی محال ہے کہ تمام کا خالق اپنی بعض مخلوق کا محتاج ہو۔ اور جو الفاظ قرآن و حدیث میں ''اِسْتِوَاءٌ عَلَی الْعَرْشِ'' اور نیچے اترنے کے آئے ہیں۔ یہ ان صفات میں سے ہیں۔ جن کو ظاہری معنیٰ کے طور پر اللہ تعالیٰ پر جاری کرنا مشکل ہے۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کے معانی کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں کہتے۔ اور نہ ہی ان صفات کی نفی کرتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے ثابت فرمایا۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سے اللہ تعالیٰ کو متصف بتایا۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں لکھتے ہیں کہ ابن دحیہ نے ابن حبیب سے نقل کیا۔ اور حافظ ابن حجر نے ابن منیر عن ابن حبیب سے نقل کیا۔ اور اسے مقرر رکھا وہ یہ کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک سمندر ہے۔ جسے ''مکفوف'' کہتے ہیں۔ دنیا کے تمام سمندر اس کے سامنے یوں ہیں جیسے دائرہ کے سامنے قطرہ ہوتا ہے۔ اس نقل کی صحت کے پیش نظر یہ کہنا پڑے گا۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے شب اسراء اس سمندر کو بھی پھاڑا گیا۔ لہٰذا یہ پھٹنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے دریائے نیل یا بحر قلزم کے پھٹنے سے کہیں اعظم ہے۔ اس کے بعد حافظ موصوف آسمان و زمین کے درمیان مسافت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے

اسے ذکر کیا اور اسے ''حسن'' کہا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں موجود تھے۔ تو آپ نے پوچھا۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول جانے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور پھر ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کے برابر ہے۔ ساتویں آسمان سے اوپر سمندر ہے۔ جو اس کی نچلی سطح سے بالائی سطح تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ اس قدر ہے جس قدر آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ پھر اس کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں۔ جن کے گھٹنوں سے ان کے کھروں تک کا فاصلہ اتنا ہے جتنا زمین وآسمان کے درمیان ہے۔ پھر اس کے اوپر عرش ہے۔ جس کی نچلی اور بالائی سطح اتنی ہے جس قدر زمین وآسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ پھر اس سے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی اس اوپر ہونے کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ جو اس کی ذات سبحان کے شایان شان ہے۔ وہ ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کا آسمان کے دروازہ پر دستک دینا ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ آواز دی ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بات کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ اس کی آواز جانی پہچانی ہے۔ حافظ شامی کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی۔ اس کے الفاظ ہیں۔ ''فقرع الباب'' پس جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دروازہ کھٹکھٹانے اور دروازہ کھولنے کیلئے دربان کو کہنا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دروازے ہر وقت بند رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل اس لئے نہ کھولے گئے۔ اگرچہ عزت واکرام اسی میں نظر آتا ہے۔ کہ آپ کے آنے سے پہلے دروازے کھلے ہونے چاہئیں۔ تاکہ آپ اگر پہلے سے دروازہ کو کھلا پاتے۔ تو خیال آتا۔ کہ یہ تو پہلے سے ہی کھلے رہتے ہیں۔ اسی لئے آپ کی آمد پر کھولے گئے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ سب کچھ میرے اکرام کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ اور اس لئے بھی ایسا کیا گیا تاکہ آسمان والوں کو مطلع کیا جائے کہ یہ وہی شخصیت ہیں جن کو تم بہت عرصہ پہلے سے جانتے ہو۔ حضرت جبرئیل امین نے دربان کے سوال پر اپنا نام جبرئیل بتایا۔ تاکہ اس میں التباس نہ پڑے۔ کہ دونوں میں کون سا ہے۔ اور نہ ہی دربان کو دوبارہ پوچھنا پڑا کہ جبرئیل کون ہے؟ کیونکہ ان کی آمد ورفت سے انہیں ان کے بارے میں خوب پہچان تھی۔ اسی لئے حضرت جبرئیل نے پہلے اپنا نام بتایا۔ اس لئے کہ آپ ہی

حضرات انبیاء کرام کی طرف پیغام رساں تھے۔ اور آپ ہی کی ذمہ داری تھی کہ حضور ﷺ کو لائیں۔

اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ آسمان کے خازن نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ پوچھا۔ "کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا ہے؟" اس سے مراد یہ نہیں۔ کہ اس بعثت کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کا پیغام حضرات انبیاء کرام کی طرف پہنچانے کیلئے جبرئیل بھیجے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ بعثت "ملکوت اعلیٰ" میں پہلے ہی مشہور تھی۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ کیا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیکر معراج کرانے کیلئے بھیجا گیا ہے؟ اور یہاں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ خازن نے از روئے تعجب حضرت جبرئیل علیہ اسلام سے یہ سوال کیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑی نعمت عطا کی تھی۔ کہ تم میرے محبوب کو میرے پاس لے آؤ۔ اور خازن نے حضرت جبرئیل کو خوش خبری دینے کیلئے بطور تعجب یہ پوچھا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے بلاوے کے بغیر اوپر نہیں لے جا سکتے۔ اور "خازن" نے جو یہ پوچھا۔ کہ "تمہارے ساتھ کون ہے؟" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ ورنہ سوال یوں ہوتا۔ "کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟" یہ احساس یا تو مشاہدہ کے طور پر ہوا۔ کیونکہ آسمان صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اور ان میں دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ یا کسی معنوی بات سے محسوس ہوا ہو گا۔ مثلاً یہ کہ نور میں زیادتی ہو گئی ہو گی۔ اور جب خازن کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے انہیں لینے کیلئے بھیجا ہے۔ تو اس سے ان کو اجازت ہو گئی۔ کہ آپ کی آمد کی ہر رکاوٹ دور کر دیں۔ اور آسمانی دروازے کھول دیں۔ اسی لئے خازن نے دروازہ کھولنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا انتظار نہ کیا۔ کیونکہ جبرئیل کی بعثت سے ان کو اجازت مل گئی تھی۔ "خازن" نے جو کہا۔ "کہ آنے والوں کو خوش آمدید" اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب خادموں کو معلوم ہو جائے کہ ان کا آقا اور سید کسی کی عزت و اکرام کا ارادہ مصمم رکھتا ہے۔ تو وہ اس شخص کو اس بات کی خوشخبری دے سکتے ہیں۔ اگر چہ آقا نے انہیں اس کی اجازت نہ بھی دی ہو۔ اسے "راز ظاہر کرنا" نہیں کہا جائے گا۔ اس لئے کہ خازن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دے دی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی دعوت اور آپ کا بلاوا اکرام و اعظام کا ہے۔ لہٰذا اس نے خوشخبری دینے میں جلدی کی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ "خازن" نے جب جبرئیل امین سے پوچھا۔ "تمہارے ساتھ کون ہے؟" تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ جناب محمد ہیں۔ اس جواب میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کسی کا ذاتی نام اس کی کنیت سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت جبرئیل نے آپ

کے اسمِ گرامی سے بتایا کہ میرے ساتھ کون ہے۔ آپ کی کنیت لیکر نہیں بتایا تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ علوی اور سفلی میں مشہور تھے۔ اگر "کنیت" اسم کی بہ نسبت اعلیٰ ہوتی تو حضرت جبرئیل لازماً جواب میں آپ کی کنیت بیان کرتے۔ علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں کہ ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے۔ کہ فرشتوں نے جو یہ پوچھا۔ وقد ارسل الیہ۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ "عالمِ علوی" کے رہنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جانتے تھے۔ اور آپ کا مقام و مرتبہ بھی پہچانتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کی رسالت کے وقت کے بارے میں پوچھا تھا۔ نفس رسالت کے بارے میں نہیں۔ مطلب یہ کہ فرشتوں کو آپ کے رسول بنائے جانے کا علم تھا۔ لیکن کس وقت رسالت عطا ہو گئی۔ یہ بات مخفی تھی۔ اس کیلئے انہوں نے استفسار کیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے "مرحبا" کہہ کر اور "کتنا اچھا ہے آنے والا" کہہ کر جواب دیا تھا۔ ان کے کلام اس صیغہ کے ساتھ اس پر قوی دلالت کرتا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ وہ یہ کہ فرشتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت و جلالت کا علم تھا۔ اور آپ کی رسالت کے تحقق کی بھی معرفت تھی۔ اس لئے کہ اس انداز سے خطاب کرنا عرب لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور اسے "حسن خطاب" کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کرام نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے قول لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (نجم) کا معنی یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ملکوت" میں اپنی ذات مبارکہ کی صورت دیکھی۔ تو وہ "عروس المملکۃ" نظر آئی۔ پھر حافظ موصوف نے لکھا۔ کہ روایت انس عن ابی ذر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل امین سے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ عرض کیا آپ کے والد حضرت آدم ہیں۔ ظاہراً معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے جو ان (آدم) کے بارے میں پوچھا۔ وہ حضرت آدم کے حضور کو مرحبا کہنے کے بعد پوچھا۔ لیکن حضرت مالک بن صعصعۃ میں روایت اس کا عکس ہے۔ اور قابلِ اعتماد بھی یہی روایت ہے۔ لہٰذا اس روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ترتیب نہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابن صالح" کہہ کر مرحبا کہنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ ہونے پر فخر تھا۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جو الفاظ کہے "مَرْحَبًا بِالْوَلَدِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ" یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وثنائے کامل ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا لفظ "صالح" ایک بار نبوت اور دوسری بار

نبوت کے ساتھ دو مرتبہ ذکر فرمانا یہ بتا رہا ہے۔ کہ آپ دونوں معانی میں ''صالح'' ہیں۔ اور اس انداز کلام میں ''صلاح'' کی عظمت وفضیلت اور آپ کے درجات کی بلندی بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لئے حضرت آدم نے آپ کو اس وصف سے پکارا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی ''صلاح'' ایک خاص قسم کی ہے۔ جو عام صالحین کو شامل نہیں۔ ان بعض علماء نے اپنے اس قول کی دلیل یہ پیش کی ہے۔ کہ حضرات انبیاء کرام کو کثرت نے ''صالحین'' کے ساتھ شمولیت کی دعا مانگی ہے۔ اور ''اعلیٰ'' کبھی ایسی تمنا نہیں کرتا جو اسے ادنیٰ کے ساتھ شامل کردے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''نبوت'' ایسے صالحین کی ''صلاح'' سے کہیں بلند وبالا منصب ہے۔ جو ''صالحین'' امتی ہوتے ہیں۔

لٰہذا یہ بات اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ وہ صلاح جو حضرات انبیاء کرام کی طرف مضاف ہے وہ اس صلاح کا غیر ہے جو ان کے امتیوں کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام کی صلاح کامل ترین صلاح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ان سے ہر قسم کا فساد ختم ہو جاتا ہے۔ لٰہذا ''کل صلاح'' انبیاء کرام کیلئے ہوئی۔ پھر ان کے جو جس قدر قریب ہوگا۔ اسے اس قدر ''صلاح'' ملے گی۔ پس ہر ایک پر لفظ ''صالح'' کا اطلاق تو ہوگا۔ لیکن اس کے مرتبہ اور مقام کے مطابق ہوگا اور اس قدر ہوگا جس قدر اس صلاح سے فساد ختم ہوگا۔ تمام انبیاء کرام جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ انہوں نے آپ کو لفظ ''صالح'' سے پکارا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لفظ ''نیکی کی تمام عادات'' کو شامل ہے۔ اسی لئے ہر ایک نے بوقت ملاقات آپ کو دو مرتبہ لفظ ''صالح'' سے موصوف کیا۔ اور ''صالح'' وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرتا ہو۔ جو اس پر ادا کرنے لازم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ تمام اچھی اور بہترین عادات کو شامل ہے۔ کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّادِقِ يَا مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الْاَمِيْنِ'' کہہ کر نہیں پکارا۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ''صلاح'' ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے۔

حافظ شامی فرماتے ہیں۔ کہ حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اس وجہ سے نہ تھا۔ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد تھا۔ کیونکہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں عام مسلمانوں کے دلوں سے حسد کو کھینچ باہر کر دیا جاتا ہے۔ تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ کہ عالم برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے برگزیدہ پیغمبر نے حسد کیا۔ بلکہ آپ کا رونا اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ کا وہ اجر وثواب فوت ہو گیا تھا۔ جس کے حصول سے آپ کے درجات مزید بلند ہو جاتے۔ اور وہ اجر وثواب

اس وجہ سے فوت ہوا۔ کہ آپ کی امت نے آپ کی بہت زیادہ مخالفت کی۔ اس مخالفت کی وجہ سے خود امتیوں کے اجور وثوابات میں کمی آئی۔ اور امتیوں کے اجر میں کمی اس امت کے پیغمبر کے اجر میں کمی لاتی ہے۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو مجموعی طور پر اپنے ان تمام امتیوں کا اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ جو ان کی اتباع کرتے ہوں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے امتی ملے جنھوں نے زیادہ تعداد میں آپ کی اتباع نہ کی۔ ان اتباع نہ کرنے والوں کا اجر خود بھی انہیں نہ ملا۔ اور نہ ہی ان کے پیغمبر کو ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے ان کی اتباع کرنے والے تھوڑے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے آپ کی اتباع کرنے والے کثیر تھے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر بھی کافی طویل تھی۔ اور ان کی امت کی مدت بھی ہماری امت کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک دلوں میں رحمت ورأفت ڈال رکھی ہوتی ہے۔ وہ اپنی اپنی امت پر نہایت مہربان ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے۔ آپ سے رونے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا۔ یہ ''رحمت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ جو ''رحم دل'' ہوتے ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وافر مقدار میں حصہ ملا۔ ان حضرات کی نرم دلی اور رحم دلی اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی دوسروں کیلئے نہیں ہوتی۔ پس اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جو لطف ورحم تھا۔ آپ رو دیئے۔ اس لئے کہ ان کا یہ رونا ان کی امت کیلئے تھا۔ اور یہ ان کی ''رحمت'' تھی۔ جو امت پر تھی۔ کیونکہ یہ وقت ہی ایسا تھا۔ کہ اس میں جود وکرام کے دریا بہا دیئے جائیں۔ تو اس امید پر ہے کہ قبولیت کا وقت ہے اور رحمت عامہ جوش میں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کیلئے رویا جائے۔ تاکہ وہ اس پر اس ساعت کی برکت سے رحم فرمائے۔ اور ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ سے احسان ومہربانی کی بہت امید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیر کرانے لے جا رہا ہے۔ تاکہ انہیں قرب کا لباس زیب تن کرائے۔ اور فضل عظیم سے ہمکنار کرے۔ پس حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے بھی امید لگائی۔ کہ شاید اللہ تعالیٰ اس عظیم خیر سے کچھ حصہ ان کی امت کو بھی عطا فرما دے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ''بشارت'' اور خوشخبری و سرور کی بہم رسانی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا ایسے وقت میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلٹے۔ اور ابھی دور نہیں گئے تھے۔ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ آپ اپنا رونا حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنانا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا صرف ان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا۔ تو اس وقت روتے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور چلے جاتے۔ تاکہ آپ اسے نہ سن سکتے۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ کا رونا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے سننا اس میں یہ بات پوشیدہ نظر آتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ نرمی چاہتے تھے۔ پھر جب حضرت موسیٰ کے رونے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی بھی ہو۔ تو آپ رو پڑے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے ہیں۔ اور بشارت وہ جو اس میں پوشیدہ تھی۔ وہ حضرت موسیٰ کا یہ قول ہے۔ جو اکثر انبیاء کرام کا بھی قول ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے وہ افراد جو جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے ان افراد سے کہیں زیادہ ہیں۔ جو جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عنایت ومہربانی اس امت پر یہ بھی ہوئی۔ جو کسی اور سے نہیں ہوئی۔ جس کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث مرفوع میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ ''كَانَ مُوْسٰى اَشَدَّهُمْ عَلَىَّ حِيْنَ مَرَرْتُ بِهٖ وَ خَيْرَ هُمْ حِيْنَ رَجَعْتُ اِلَيْهِ'' حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام پیغمبروں سے مجھ پر شدید تھے جب میرا ان سے گزر ہوا۔ اور جب میں ان کی طرف لوٹا تو سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ فَاَقْبَلْتُ رَاجِعًا فَمَرَرْتُ بِمُوْسٰى قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَ نِعْمَ الصَّاحِبُ كَانَ لَكُمْ۔ میں واپس ہوا۔ تو حضرت موسیٰ کے پاس آیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ وہ تمہارا خوب ساتھی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو لفظ ''غلام'' استعمال فرمایا۔ یہ کسی نقص یا عیب کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بلندی اور اس کے عظیم کرم کے طور پر کہا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عمر میں وہ کچھ عطا کیا۔ جو آپ سے پہلے عمر رسیدہ پیغمبروں کو عطا نہ ہوا۔ خطابی فرماتے ہیں۔ عرب اپنی لغت میں ایسے آدمی کو ''غلام'' کہتے ہیں۔ جو اپنے اندر تمام خوبیاں رکھتا ہو۔ اور اس کی قوت بحال ہو۔ ابن ابی جمرۃ کہتے ہیں۔ عرب کسی شخص کو اس وقت ''غلام'' کہتے ہیں۔ جب وہ لوگوں میں سردار ہو۔ چونکہ اس لفظ میں کچھ خصوصیات تھیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے الفاظ کی جگہ افضلیت ظاہر کرنے کیلئے یہ لفظ استعمال فرمایا۔ لیکن دوسرے انبیاء کرام نے یہ لفظ آپ کی تعظیم کے پیش نظر استعمال نہ فرمایا۔ علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے اس سے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے۔ وہ یہ کہ کہولت (بڑھاپے) میں آپ کی قوتیں بحال تھیں۔ اور یہ کہ آپ اگرچہ شیخوخہ (بڑھاپا) کی عمر میں داخل ہو چکے تھے پھر بھی آپ کے جسم اقدس میں کسی قسم کی کمزوری نہ آئی تھی۔ اور نہ آپ کی کسی قوت میں کوئی نقص پیدا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں تشریف لاتے وقت ابوبکر صدیق کے پیچھے سواری پر بیٹھے دیکھا۔ تو آپ کو ''نوجوان'' کہا۔ اور ابوبکر کیلئے شیخ (بوڑھے) کا لفظ استعمال کیا۔ حالانکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر میں ابوبکر صدیق سے بڑے تھے۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے اس قول ''رَبِّ لَمْ اَظُنَّ اَنْ تَرْفَعَ عَلَيَّ'' (اے اللہ! میں نے یہ گمان نہ کیا کہ تو کسی کو مجھ پر بلندی عطا کرے گا) کے تحت لکھتے ہیں۔ حضرت ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کلام کرنے کا جو اختصاص عطا فرمایا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے۔ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ (الاعراف:144)۔ میں نے تجھے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے ساتھ کلام کرنے کی وجہ سے برگزیدہ کر دیا ہے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھے۔ کہ ''الناس'' میں تمام انسان شامل ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی بنا پر مجھے تمام انسانوں پر بلندی کا استحقاق مل گیا ہے۔ پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہوں نے اپنے اوپر فضل دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام محمود عطا کیا۔ وہ پہچانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت و بلندی تسلیم کر لی۔ اور اپنے خیال کو واپس لے لیا۔

علامہ حافظ شامی مرحوم پھر غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ الاخر کے تحت لکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف و تکریم کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یعنی اگر آپ کے گناہ ہوتے تو میں بخش دیتا۔ لیکن آپ کے گناہ تھے ہی نہیں۔ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المحرر'' میں لکھا ہے۔ کہ اس آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ) (الفتح:۲) میں بارہ اقوال ہیں۔ ان میں سے پانچ اقوال کا فاسد ہونا علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ اور علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بقیہ سات اقوال کا فاسد ہونا بیان کیا ہے۔ پھر لکھا۔ کہ قابل قبول اقوال میں سے ایک وہ ہے جسے ''الشفاء'' قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا۔

''مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ'' میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ تو اس پر کافر بہت خوش ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردے (الفتح:2)۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ جو سلوک کرنا ہے۔ اس کا ذکر دوسری آیات میں کر دیا۔ جو اس کے بعد ہے۔ لہٰذا آیت مذکورہ کا مقصد یہ ہے کہ بیشک آپ مغفور ہیں۔ اور اگر گناہ ہوتے بھی تب بھی آپ کا مواخذہ نہ ہوتا۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ روایت ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے۔ لیکن اس میں اگلا حصہ (یعنی مومنوں کیلئے دوسری آیت ہے) مذکور نہیں۔

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت ''لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ'' اس وقت اتری جب آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو مبارکباد دی۔ اور کہنے لگے۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ لیکن ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ اس پر یہ آیت ''لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًاۙ (الفتح) نازل ہوئی۔ قاضی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''مغفرت'' سے مراد عیوب سے تنزیہہ ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ مغفرت سے مراد کنایۃً ''عصمت'' ہے۔ لہٰذا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح)۔ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گزری عمر میں بھی آپ کو ''عصمت'' میں رکھا۔ اور جو بعد میں آئے گی اس میں بھی آپ معصوم ہوں گے۔ یہ قول بہت اچھا اور احسن ہے۔

اس کے بعد علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے ذہن سے اس آیت کریمہ میں بہت غور و فکر کیا۔ اور اس کے ساتھ اس سے پہلی اور بعد والی آیات کو بھی بغور دیکھا۔ تو مجھے صرف ایک احتمال دکھائی دیا اور ایک ہی وجہ معلوم ہوئی۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''تشریف'' ہے۔ بغیر اس کے کہ کوئی گناہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ اس آیت میں وہ تمام نعمتیں جمع فرمادے۔ جو اس نے اپنے بندوں کو دنیا اور آخرت میں عطا فرمائی ہیں۔ اور تمام اخروی نعمتیں دو چیزیں ہیں۔ ایک سلبیہ ہے۔ اور وہ تمام گناہوں کی مغفرت ہے۔ دوسری ''تبوثیہ'' ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا

مُّسْتَقِيْمًا ۙ اور وہ تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت دے گا (الفتح)۔ اور دنیوی نعمتیں اگرچہ ان سے مقصود اس جگہ دین ہے۔ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ذکر فرمایا۔ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ﴿۳﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری غالب مدد کرے گا (الفتح)۔ اخروی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر مقدم رکھا گیا۔ اور دنیوی نعمتوں میں سے دینی نعمتوں کو مقدم رکھا گیا۔ تاکہ اہم نعمتوں کو پہلے اور پھر ان کے بعد درجہ والی نعمتیں ذکر کی جائیں۔ اس طریقہ سے نعمتوں کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت اجاگر فرمائی۔ کہ وہ تمام نعمتیں جو آپ کے علاوہ دوسرے حضرات میں بکھری پڑی تھیں۔ ان کو آپ کیلئے اور آپ کی ذات میں جمع فرما دیا گیا۔ جب میں غور و فکر کے بعد اس مفہوم پر پہنچا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ حضرت ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ معنی صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ''تشریف'' بیان کی ہے۔ گناہ کا تو آپ کی ذات میں تصور تک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق بخشی کہ میری سوچ بھی ان کے قول کے موافق ہو گئی۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جناب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ جنت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیا جانا آپ کی بہت بڑی عزت و کرامت ہے۔ تاکہ آپ اس جنت کو اپنے غلاموں کے سامنے خریدنے کیلئے پیش کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پھر خوب لڑتے ہیں۔ اور شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ سچا وعدہ ہے۔ جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ نبھائے گا انہیں تم اس خرید و فروخت کی خوشخبری دے دو۔ جو تم نے کی ہے۔ اور وہ واقعی عظیم کامیابی ہے (التوبہ)۔ سو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ چیز دکھا دے۔ جو اس نے آپ کی امت پر پیش کرنی ہے۔ تاکہ اس کی صفت آنکھوں دیکھی ہو جائے۔ اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو جنت کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اور جنت وہ گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کیلئے تیار کر رکھا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ کو وہ گھر دکھا دیا جائے۔ اور اس میں جو بکثرت نعمتیں اور کرامتیں ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرا دیا جائے۔ تاکہ

اس کی طرف دعوت دینے میں سستی نہ ہو۔ اور تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جنت اتنی وسیع ہے کہ تمام مخلوق کی اس میں سمانے کی گنجائش ہے۔ اور پھر بھی وہ پر نہ ہوگی۔ جس کے پر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو اور مخلوق بنانا پڑے گی۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ کو جنت اس لئے دکھائی گئی ہو۔ تاکہ دنیا کی کمینگی اس کے مقابلہ میں معلوم ہو جائے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں زیادہ زہد و تقویٰ اپنائیں۔ اور اس کی مصیبتوں و سختیوں پر صبر کریں۔ حتیٰ کہ آپ جنت میں چلے جائیں۔ کہا گیا ہے۔ کہ وہ محنت و مشقت مبارک ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں محنت کرنے والے کو سکھ اور چین نصیب ہو۔ اور وہ نعمت و خوشحالی بری ہوتی ہے۔ جس کا انجام مصیبت اور پریشانی کی صورت میں دیکھنا پڑے۔

اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو۔ کہ کوئی کرامت جو کسی کو ملی۔ آپ کو بھی وہ اعلیٰ درجہ کی عنایت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو یہ کرامت بخشی کہ وہ قیامت سے پہلے ہی جنت میں تشریف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ کرامت بھی وہ اپنے صفی وحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت دکھادی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''عرضت علی النار'' میرے سامنے دوزخ لایا گیا۔ کے متعلق لکھتے ہیں۔ جناب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جہنم کی آگ اس لئے لائی گئی۔ تاکہ جب قیامت کے دن تمام پیغمبر ''نفسی نفسی'' کہہ رہے ہوں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر ''امتی امتی'' ہو۔ اور یہ اس وقت ہوگا۔ جب جہنم کو خوب گرم کیا جا رہا ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''امن'' عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ (التحریم:۸) اس دن اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہیں کرے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ مطمئن ہوتے ہوئے اپنی امت کی شفاعت فرمائیں۔ اگر آپ امن و سکون میں نہ ہوتے تو آپ بھی اپنا فکر کر رہے ہوتے۔ جیسا دیگر انبیاء کرام کر رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے قیامت کے دن سے پہلے جہنم کی کوئی چیز بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب جب دیکھیں گے تو سہم جائیں گے۔ اور خطبہ سے ان کی زبانیں رک جائیں گی۔ اور قیامت و جہنم کی ہولناکی سے شفاعت بھی نہ کریں گے۔ وہ اپنی امتوں کی بجائے خود اپنی ذات کی فکر میں ہوں گے۔ ادھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم اور اس کی آگ پہلے سے دیکھ لی ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ اس سے نہیں گھبرائیں گے۔ جس طرح دیگر حضرات گھبرا رہے ہوں گے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے باتیں

کرنے کی ہمت رکھتے ہوں گے۔ اور شفاعت بھی فرمائیں گے۔ یہی "مقام محمود" ہے۔ اس لئے کہ جب کفار آپ کو جھٹلاتے رہے۔ آپ سے استہزاء کرتے رہے۔ اور سخت ترین اذیتیں پہنچاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہنم کی آگ دکھادی۔ جو آپ کے دشمنوں اور استخفاف کرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور آپ کے نافرمانوں کیلئے بنائی گئی ہے۔ تاکہ آپ کا قلب انور مطمئن ہو جائے۔ اور اسے سکون واطمینان کی دولت میسر آجائے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ جس کا دل اپنے دشمنوں کی اہانت اور انتقام سے خوش ہوتا ہے۔ اس کا دل اپنے دوستوں کی شفاعت اور اکرام سے زیادہ خوش ہونا چاہئے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان پہچانا جائے۔ کہ اس نے گنہگاروں کو آپ کی برکت کے سبب جہنم سے نجات دی۔ اور آپ کی شفاعت سے اس کی آگ سے محفوظ رکھا۔

علامہ شامی موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس فرشتہ نے بھی ملاقات کی۔ وہ ہنستا مسکراتا تھا۔ مگر ایک فرشتہ ایسا تھا جسے جہنم کا خازن "مالک" کہتے ہیں۔ بوقت ملاقات یہ نہ مسکرایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ فرشتہ نہ اس سے پہلے کبھی ہنستا تھا اور نہ آپ کے بعد کسی سے مل کر ہنسے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ" جہنم پر ایسے فرشتے مقرر کئے گئے ہیں۔ جو انتہائی غصہ والے اور سخت ہیں۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے موکل ہیں۔ لہٰذا ان سے غضب کبھی بھی دور نہ ہوگا۔

اس کے بعد موصوف نے دسویں معراج یعنی رفرف اور دسویں سال ہجرت کے درمیان مناسبت کی بات کی۔ ہجرت کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت سے ملاقات کی اور بارگاہ قدس میں حاضر ہوئے۔ مقام انس میں مقیم ہوئے۔ تمام پردے اٹھادیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب اپنے کانوں سے سنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قریب اس قدر کہ دو کمانوں کے ملنے کے فاصلے سے بھی کم فاصلہ رہا۔ لیکن یہ ملاقات صورت کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنوی ملاقات ہوئی۔ اسی طرح ہجرت کا دسواں سال اس میں بھی دو ملاقاتیں جمع ہوئیں۔ ایک ملاقات بیت اللہ شریف کا حج، وقوف عرفہ اور دین کا کامل ہونا، اور مسلمانوں پر نعمت کا اتمام تھی۔ دوسری ملاقات بیت اللہ کے مالک سے ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں موافات، ملاقات، دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال، مقعد صدق کی طرف روح پاک کا بلند ہونا، موعد حق اور وسیلہ کے مقام پر متمکن ہونا تھی۔ مقام وسیلہ وہ بلند و بالا مرتبہ ہے۔ جو صرف ایک بندۂ خدا کیلئے مختص ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا۔ وہ ہیں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "وسیلہ" کے بارے

میں سوال کیا گیا۔ تو ارشاد فرمایا۔ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف ایک بندۂ خدا کیلئے مختص ہے۔ جسے تمام بندوں میں سے اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندۂ خدا ہوں گا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امید ''برحق'' ہے۔ آپ کی خواہش مصدق ہے۔ اور آپ کا دل توفیق یافتہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے مختص فرمایا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ اس لئے کہ آپ کل قیامت میں شفاعت کے منصب کے مالک ہیں۔ لہٰذا قیامت سے قبل ہی آپ کو یہ دو باتیں عطا کر دی گئیں۔ تاکہ جب قیامت کے دن شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنا چاہیں۔ تو حشمت باری تعالیٰ آپ پر طاری نہ ہو جائے۔ جیسا کہ آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام پر حشمت الٰہی طاری ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس مقام سے پہلے ہی آپ کی حشمت دور کر دی جائے۔ تاکہ ''مقام محمود'' میں متمکن ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار عطا کر کے آپ میں یہ اہلیت پیدا کر دی۔ کہ کل قیامت میں دیدار پروردگار سے دہشت زدہ نہ ہوں۔ گویا ''مشہد اعلیٰ'' میں مشاہدہ اور ''مقام محمود'' میں تمکن کا حصول عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرش کے نیچے والے خزانے سے سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا فرمائیں۔ اس کے بارے میں امام احمد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اُعْطِيْتُ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ لَمْ يُعْطِهِنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ۔ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نچلے خزانہ سے عطا کی گئیں۔ مجھ سے پہلے نبی کو یہ عطا نہیں ہوئیں۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شب اسراء'' کے موقعہ پر نماز کے فرض کئے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس رات بلندی پر لے جائے گئے۔ تو آپ نے فرشتوں کو عبادت میں مصروف پایا۔ اور دیکھا کہ ان میں سے بعض کھڑے عبادت کر رہے ہیں۔ جو بیٹھتے نہیں۔ اور کچھ بیٹھے عبادت کر رہے ہیں۔ جو قیام نہیں کرتے رکوع والے رکوع میں اور سجدہ والے سجدہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی امت کیلئے فرشتوں کی ان تمام عبادات کو ایک رکعت میں جمع کر دیا۔ جسے اللہ تعالیٰ کا بندہ ادا کرتا ہے۔ اور اس کی شرائط یعنی اطمینان سے ہر رکن ادا کرنا اور اخلاص کی پابندی کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی فرضیت بغیر واسطہ کے عطا ہوئی۔ اور پھر کئی مرتبہ آنے جانے کے بعد پانچ نمازیں فرض رہیں۔ اس بارے میں

علامہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں آپ کے فضل پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اس طرح کہ نماز کی فرضیت اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ومطہر بارگاہ میں عطا فرمائی۔ (دیگر فرائض بذریعہ وحی دنیا میں عطا ہوئے) یہی وجہ ہے کہ ''طہارت'' نماز کی اہم شرط ہے۔ اور اس پر تنبیہ ہے۔ کہ نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نماز ادا کرنے والے کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے۔ جب وہ اس سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ میرے بندے نے میری ثناء کہی۔ سورت کے آخر تک۔ نماز حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہوتے ہوئے فرض کی گئی۔ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سماعت فرمایا۔ اور اس سے مناجات کی۔ اور آپ کی زمین سے اوپر لے جانے سے پہلے ظاہری و باطنی طہارت کی گئی۔ وہ بھی زمزم کے پانی سے۔ جیسا کہ نمازی نماز ادا کرنے کیلئے طہارت کرتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسد اطہر کو لئے دنیا سے باہر ہو گئے۔ جیسا کہ نمازی اپنے قلب کے اعتبار سے دنیا سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مناجات کے علاوہ ہر چیز اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت اس کی توجہ قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں کی طرف بلندی پر لے جائے گئے جیسا کہ نمازی اپنے بدن کو اوپر اٹھاتا ہے۔ یہ ''قبلہ علیا'' یعنی بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے۔ اور عرش کی جہت میں وہ ذات ہے جس سے مناجات کی جارہی ہے۔ اور جس کیلئے نماز ادا کی جارہی ہے۔

حضرت ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نماز کی تخفیف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کیوں نہ کی؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ مقام خلت ایسا مقام ہے جس میں رضا اور تسلیم ہی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی گفتگو کرنا مقام خلت کے خلاف ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ''کلیم'' ہیں۔ اور کلیم کیلئے اس قسم کی گفتگو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس امت کی غم خواری اور اس امت کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس بات کی عاجزی کرنا اور عرض کرنا کہ آپ اپنی امت کا بوجھ ہلکا کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جائیں یہ سب کچھ اس لئے تھا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور کی جانب غربی میں توریت عطا فرمائی۔ اور انہوں نے الواح توریت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی صفات ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ کہنا شروع ہو گئے۔ کہ میں نے ان کی امت کی فلاں فلاں صفات الواح میں پائیں۔ اے اللہ! ان کی امت کو میری امت بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ عرض کیا۔ باری

تعالیٰ! پھر مجھے اپنے محبوب کی امت میں داخل فرما دے۔ یہ حدیث کتب تفسیر میں مشہور ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضور کی امت پر مہربان ہونا اور ان کے معاملہ میں غم کھانا ایسا ہی تھا۔ جیسا کوئی شخص اسی قوم میں سے ہو۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی چاہتا ہو۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْهُمْ'' عرض کر کے امت محمدیہ کا ایک فرد ہونے کی استدعا کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے محبوب خدا! میں لوگوں کو آپ سے پہلے آزما چکا ہوں ...... اسی قول موسیٰ میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ تجربہ سے حاصل ہونے والا علم عام علم سے مضبوط اور زیادہ ہوتا ہے۔ کثرت علوم سے اس پختگی کا حصول نہیں ہوتا۔ اور تجرباتی علم صرف تجربہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ عالم اور افضل ہیں۔ خاص کر اس وقت جب تھوڑا ہی عرصہ پہلے وہ اللہ ذوالجلال سے گفتگو کر کے آئے۔ اور اس مقام سے واپس آئے جہاں کسی مقرب فرشتہ کی رسائی نہیں اور نہ ہی کسی نبی مرسل کا ادھر سے گزر۔ پھر اس فضل عظیم کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ میں لوگوں کو آپ کی بہ نسبت بہتر جانتا ہوں۔ پھر اس قول کی علت بھی بیان کی۔ کہ کیوں زیادہ علم رکھتا ہوں۔ وہ یہی کہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے۔ ان کے ساتھ کافی عرصہ گزارنے کی وجہ سے مجھے تجربہ ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس مخصوص علم میں مضبوط ہیں۔ جس کا حصول تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی امت کیلئے تخفیف کا جو سوال کیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر تشریف لے جانے لگے۔ وہ صرف اس وجہ سے تھا۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اور کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسری وجہ ہوتی۔ تو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے اس وقت بھی روتے۔ یا روتے نہ، بلکہ خاموش ہی رہتے۔ لیکن واپسی پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام خدمت سرانجام دینے کیلئے تیار ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کیلئے سرگرم ہیں۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آپ کے اوپر جاتے وقت رونا اسی وجہ سے تھا جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ اس سے مختلف نہیں۔ یہ ایک خوشبو کا جھونکا تھا۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معطر جھونکوں میں سے تھا۔ اور جس کا تعلق آپ کی امت کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و ارادہ کا تقاضا

بھی یہی تھا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس امت کیلئے تخفیف کا مطالبہ کریں۔ حضرت موسیٰ نے مطالبہ کر دیا۔ یوں یہ خوشبو کا جھونکا اپنے مقام پر پھیلا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے حق میں گزارش کی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکمت کے موافق ہوگئی۔ اور اس نے پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض رہنے دیں۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت سے ان پچاس نمازوں کی فرضیت دور کر دی۔ لیکن ان کا ثواب اپنے فضل وکرم سے کم نہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دسویں مرتبہ واپس جانے اور تخفیف کیلئے عرض کرنے کو کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب انکار کر دیا۔ اس انکار کی دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ جب معاملہ جب منت وسماجت کی حد تک پہنچ جائے۔ تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی فراست سے یہ معلوم ہوگیا۔ کہ اب اس عدد سے کم نہیں ہوں گی۔ تو آپ نے اس شرم سے کہ کہیں درخواست رد نہ ہو جائے۔ واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اسی لئے بعض طریقہ روایات میں آیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دسویں مرتبہ واپسی سے انکار کر دیا۔ تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی۔ ”میں نے اپنا فرض جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کرنی تھی کر دی“۔

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نو مرتبہ تخفیف کیلئے تشریف لے جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مرتبہ جانے کے بعد جو کمی ہوتی رہی۔ اس کے بارے میں آپ کو علم تھا کہ یہ حتمی اور قطعی نہیں۔ جب دسویں مرتبہ جانے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ نویں مرتبہ واپسی پر اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ کہ اب تخفیف نہیں ہوگی۔ اور یہ تعداد وہ ہے جو لازماً میری امت پر فرض رہے گی۔ اس لئے آپ دسویں مرتبہ نہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا علم ہوگیا۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (ق:29) میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی۔ حضرت ابن ابی جمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ دسویں مرتبہ تخفیف کیلئے جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی سعادت کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس کا اختیار اپنی رضا میں بند کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار وایثار اس بات کے حصول کیلئے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تھی۔ اسے جاری ونافذ رہنے دیا۔ اور وہ پانچ نمازوں کی فرضیت تک تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تکریم وتعظیم ہے۔ اور اس

میں آپ کی رفعت شان ہے۔ اس لئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں مرتبہ واپس جاتے اور تخفیف کیلئے عرض کرتے۔ اور پھر آپ کی درخواست قبول نہ کی جاتی۔ جیسا کہ پہلے قبول کی جاتی رہی۔ تو پھر آپ کا اختیار ''مقدور'' کے خلاف ہوتا۔ لہٰذا جب آپ کا اختیار تھا اور اپنے اختیار کے مطابق کوشش کرتے رہے۔ تو اس حالت میں بھی آپ اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق عمل پیرا رہے۔ اور جب آپ نے اپنا اختیار یوں استعمال فرمایا۔ کہ خدا کی رضا چاہی۔ اور تخفیف کیلئے نہ گئے۔ تو بھی اختیار کو استعمال فرمایا۔ یوں طلب یا عدم طلب ہر حال میں آپ کا اختیار یہ تھا کہ ''مقدور'' کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس میں حضرات صوفیاء کرام کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حال حامل ہے محمول نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب اپنی امت پر مہربانی اور شفقت کا ''حال'' تھا۔ تو آپ تخفیف کیلئے بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گئے۔ اس کے علاوہ دوسرا راستہ نہ اپنایا۔ پھر جب آپ پر اللہ تعالیٰ سے ''شرم وحیاء'' کا حال وارد ہوا۔ تو امت کی طرف التفات نہ فرمائی۔ اور نہ ہی کچھ طلب کیا۔

بعض اہل اشارات فرماتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب انور میں ''محبت'' کی آگ بھڑکی۔ اور گھر کر گئی۔ تو انوار محبت نے ''نور طور'' کو چمکایا۔ پھر آپ نے اسے حاصل کرنے کیلئے تیزی دکھائی۔ لیکن روک دیئے گئے۔ پھر جب درخت سے آواز دینے والے نے آواز دی۔ تو آواز دینے والا کا اشتیاق ابھرا۔ پھر آپ بنی اسرائیل میں گھومتے پھرتے یہ کہتے۔ ''مَنْ یَّحْمِلُنِیْ رَسَالَۃً اِلٰی رَبِّیْ'' ''میرے رب کی طرف میرا پیغام کون لے کر جائے گا۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی۔ کہ حبیب و محبوب کے ساتھ مناجات کا سلسلہ طویل ہو جائے۔ جب ان سے شب اسراء اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔ تو انہوں نے نماز کے معاملہ میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس جانے کی عرض کی۔ تاکہ حبیب کے حبیب کو دیکھ کر محبت کی پیاس بجھائی جائے۔ کما قیل۔

وَاسْتَنْشَقَ الْاَرْوَاحُ مِنْ نَحْوِ اَرْضِکُمْ　　لَعَلِّی اَرَاکُمْ اَوْ أَرٰی مَنْ یَرَاکُمْ
فَانْتُمْ حَیَاتِی اِنْ حُیِیْتُ وَاِنْ اَمُتُّ　　فَیَا حَبَّذَا اِنْ مِتُّ عَبْدَ هَوَاکُمْ

خوشبوئیں تمہارے وطن سے آ رہی ہیں۔ شائد تمہارا دیدار ہو جائے۔ یا کم از کم ان کا ہی دیدار ہو جائے جو تمہارا دیدار کر چکے ہیں۔ اگر میں زندہ ہوں تو تم ہی میری زندگی ہو۔ اور اگر میں مر جاؤں اور وہ بھی تمہاری محبت کا غلام ہوتے ہوئے تو یہ موت کس قدر خوبصورت ہوگی۔

وَاِنَّمَا السِرُّ فِی مُوْسٰی یُرَدِّدُهٗ　　لِیَجْتَلِیَ حُسْنَ لَیْلٰی حِیْنَ یَشْهَدُهٗ
یَبْدُوْ سَنَاهَا عَلٰی وَجْهِ الرَّسُوْلِ فیا　　لِلّٰهِ دَرٌّ رَسُوْلٌ حِیْنَ اَشْهَدَهٗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تخفیف کیلئے واپس جانے کا کہنا اس لئے تھا کہ اپنے محبوب (باری تعالیٰ) کے حسن کی تجلیات دیکھیں۔ جن کی چمک اور روشنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارکہ پر ظاہر تھی۔ سو خوش قسمت ہیں وہ رسول جو محبوب کے مشاہدہ سے سرفراز ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیان فرمایا۔ ''فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادیٰ مَنَادٍ اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ'' جب میں آگے گزر گیا۔ تو مجھے ایک آواز دینے والے نے کہا۔ میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ اس قول کے تحت حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہ قول ان دلائل میں سے اقوی دلیل ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شب اسراء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ کلام فرمایا۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیالے میں پانی پینا کس طرح مباح سمجھا جبکہ وہ غیر کی ملک میں تھا؟ اور کفار کی مملوکہ اشیاء نہ اس وقت (شب اسراء کے وقت) مباح ہوئی تھیں۔ اور نہ ہی ان کے خون حلال ہوئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دور جاہلیت میں عربوں کا عرف اور عادت یہ تھی۔ کہ وہ مسافر کیلئے دودھ مباح سمجھتے تھے۔ یعنی اگر کسی برتن میں مسافر کو دودھ مل جائے۔ تو مالک کی اجازت کے بغیر پی لینا کوئی عیب نہ تھا۔ اگر دودھ کا یہ حال تھا تو پانی کی اباحت بطریقہ اولیٰ ہوئی۔ اور شریعت میں ''عرف'' کے مطابق فیصلہ کرنا اس کے لئے ''اصول'' مقرر ہیں۔ جو اس کی اباحت بتاتے ہیں۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں یہ بات بھی شمار کی ہے۔ کہ کھانے پینے کی اشیاء ان اشیاء کے مالکوں سے جو خود ان کے ضرورتمند ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوقت ضرورت لے لینا مباح ہے۔ اور ان اشیاء کے مالکوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کیلئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔

اس کے بعد علامہ حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''حُبِسَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ'' آپ کی خاطر سورج روک دیا گیا۔ کے تحت لکھتے ہیں۔ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت

لکھی۔ جیسا کہ حافظ ابوالحسن الھیتمی نے "مجمع الزوائد" میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے باب "اُحِلَّتْ لَکُمُ الغَنَائِمُ" اور حافظ ابوزرعہ ابن عراقی نے اپنے تکملہ میں جو ان کے والد گرامی کی تصنیف "تقریب" کی شرح ہے، کہا ہے۔ "اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَمَرَالشَّمْسَ اَنْ تَتَأَخَّرَ سَاعَۃً مِنَ النَّھَارِ فَتَأَخَّرَتْ سَاعَۃً مِنَ النَّھَارِ"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ دن کی ایک ساعت کیلئے پیچھے ہٹ جائے۔ تو سورج پیچھے ہٹ گیا۔ اسے الفاظ مذکورہ کے ساتھ امام بیہقی نے اسی واقعہ میں حضرت یونس بن بکیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن السندی کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری کے مذکورہ باب میں لکھتے ہیں۔ اس روایت کی وہ روایت معارض نہیں جسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ فرماتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ اِلَّا لِیُوْشَعَ بْنِ نُوْنَ لِیَالِیَ سَارَاِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے رات روکا گیا جب آپ بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے۔ ان دونوں روایات میں تطبیق اور جمع یوں ہوگی۔ کہ جس روایت میں آپ نے فرمایا کہ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے روکا گیا۔ اس حصر اور تخصیص سے مراد ان انبیاء کرام کی بہ نسبت ہے جو ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تشریف لا چکے۔ ان میں سے صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہی ایک ایسے فرد ہیں۔ جن کیلئے سورج روکا گیا۔ لیکن اس روایت میں اس بات کی نفی نہیں۔ کہ اس کے بعد اسے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے روکا جائے گا......

یہ روایت بھی موجود ہے کہ سورج غروب ہو جانے کے بعد آپ کیلئے واپس کیا گیا۔

طبرانی نے چند اسانید سے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض "ثقہ" ہیں۔ جیسا کہ شیخ حافظ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء کی احادیث کی تخریج میں کہا ہے۔ اور قطب خیضری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا۔ جسے میں نے ان کے ہاتھ سے لکھی تحریر میں پڑھا۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام "صہباء" میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ کو کسی حاجت کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ واپس آ گئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عصر ادا فرما چکے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر انور ان کی گود میں رکھا۔ اور سو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دوران نیند جگایا اور ہلایا نہیں۔ حتیٰ

کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے۔ دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَکَ عَلِيًّا اِحْتَبَسَ بِنَفْسِهٖ عَلٰی نَبِيِّهٖ فَرُدَّ عَلَيْهِ الشَّمْسَ۔ اے اللہ! تیرے بندے علی نے اپنی ذات کو تیرے نبی کی خاطر پابند کر دیا تھا۔ (جس کی وجہ سے نماز عصر نہ پڑھ سکے) پس تو ان کیلئے سورج کو لوٹا دے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ سورج باہر آ گیا۔ حتیٰ کہ اس کی کرنیں پہاڑوں اور زمین پر پڑنے لگیں۔ حضرت علی المرتضی اٹھے اور نماز عصر ادا کی۔ سورج پھر ڈوب گیا۔ اور یہ واقعہ خیبر میں مقام ''صہباء'' میں پیش آیا۔

دیگر الفاظ میں یوں مذکور ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی۔ تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی گود میں آرام فرما تھے۔ پس آپ نے حضرت علی المرتضی سے پوچھا۔ کیا تم نے نماز عصر ادا کر لی ہے؟ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! نہیں ادا کی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ نے سورج لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضی نماز عصر ادا کر چکے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ سورج ڈوب جانے کے بعد پھر نکل آیا تھا۔ علامہ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ ''مجمع الزوائد'' میں لکھتے ہیں۔ اسی سے میں نے نقل کیا ہے۔ ''اس روایت کے تمام راوی روایت صحیح کے راوی ہیں صرف ابراہیم بن حسن۔ وہ بھی ثقہ ہیں۔ ان کو ابن حبان نے ثقہ بتایا۔ اور فاطمہ بنت علی کو میں نہیں پہچانتا'' انتہیٰ ...... مذکورہ فاطمہ نامی راویہ کی حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن حجر نے ''تقریب'' میں ثقاہت بیان کی ہے۔ اور حدیث مذکور کو ابو زرعہ ابن عراقی نے تقریب کی شرح کے تکملہ میں ''حسن'' کہا۔ اور ان کے شیخ یعنی علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دور'' میں بھی یہی کہا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو طریقوں (سندوں) سے روایت کیا ہے۔ دونوں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اور امام موصوف نے لکھا۔ کہ یہ دونوں حدیثیں ''ثابت'' ہیں۔ اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''الشفاء'' میں نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ''بشری اللبیب'' میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف باب حل الغنائم لہذہ الامۃ کی شرح میں لکھا ہے۔ ان سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تخریج احادیث الرافعی'' کے باب الاذان میں نقل کیا ہے۔ یہ نقل مذکورہ کتاب (تخریج احادیث الرافعی) کے ان نسخہ جات میں موجود ہے۔ جو قابل اعتماد ہیں۔ اور علماء نے اس حدیث کی تقریر و تائید کی ہے۔ پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔ اور جو انہوں نے کہا۔ وہی کافی ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''لَا يَنْبَغِيْ لِمَنْ سَبِيْلُهُ الْعِلْمُ التَّخَلُّفُ

عَنْ حَدِیْثِ اَسْمَاءَ لِاَنَّہٗ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّۃِ'' اس شخص کو حدیث اسماء کے بارے میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے۔ جسے علم سے آشنائی ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق علامات نبوت کے ساتھ ہے۔ ان سے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کرتے ہوئے لکھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی۔ لہٰذا اس میں تردد نہیں ہونا چاہئے۔ اور ان کے شیخ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دور'' میں لکھا ہے۔ کہ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی اسے روایت کیا ہے جس کی سند حسن ہے۔ انتہیٰ۔ ان دونوں احادیث کی طرف حافظ ابوالفتح بن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''بشری اللبیب'' میں ایک قصیدہ میں اشارہ کیا ہے۔

لَہٗ وَقَفَتْ شَمْسُ النَّھَارِ کَرَامَۃً   کَمَا وَقَفَتْ شَمْسُ النَّھَارِ لِیُوْشَعَا

وَرُدَّتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ بَعْدَ غُرُوْبِھَا   وَھٰذَا مِنَ الْاِیْقَانِ اَعْظَمُ مَوْقَعَا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کی خاطر سورج ٹھہر گیا۔ جس طرح حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے ٹھہرا۔ اور آپ پر سورج کو لوٹایا گیا۔ جبکہ وہ غروب ہو چکا تھا۔ اور یہ یقین کرنے کا اعلیٰ موقع ہے۔ حضرت علامہ بہاء الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ ''ھَدِیَّۃُ الْمُسَافِرِ اِلَی النُّوْرِ السَّافِرِ'' میں اسے لکھا ہے۔

وَشَمْسُ الضُّحٰی طَاعَتْکَ وَقْتَ مَغِیْبِھَا   فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْکَ بِوَقْفَۃٍ

وَرُدَّتْ عَلَیْکَ الشَّمْسُ بَعْدَ مَغِیْبِھَا   کَمَا اَنَّھَا قُدْ مَا لِیُوْشَعَ رُدَّتْ

چمکتے روشن سورج نے غروب ہوتے وقت آپ کے حکم کی اطاعت کی۔ اور نہ ڈوبا۔ بلکہ کچھ دیر کیلئے رک گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورج غروب ہونے کے بعد لوٹایا گیا۔ جیسا کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کیلئے لوٹ چکا تھا۔

علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا۔ یہ (سورج کے پلٹنے کا معجزہ) جو دو جلیل القدر ائمہ نے ذکر کیا۔ ان دلائل میں سے ایک ہے جو سورج کی واپسی والی حدیث کو مضبوط کرتا ہے۔ ابن جوزی نے جو اس حدیث کو ''موضوعات'' میں ذکر کیا۔ اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ''حفاظ'' نے اس میں خطا کھائی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ''زھر الباسم'' میں مذکورہ حدیث کو امام طحاوی اور طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد کہا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کی جو تعلیل بیان کی۔ اس کی طرف توجہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ابن جوزی کے ہاں اس حدیث کی اسناد وہ نہ تھیں۔ جو ان حضرات کے پاس تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ میں نے ان کے قلمی حوالہ سے لکھا ہے۔

انہوں نے اس حدیث کو امام بیہقی کے حوالہ سے ذکر کرنے کے بعد لکھا۔ یہ آپ کے معجزہ کے بارے میں ''ابلغ'' ہے۔ ابن جوزی نے موضوعات میں اسے ذکر کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ انتہیٰ۔

ابن جوزی کے کلام کا علامہ السیوطی نے تعاقب کیا۔ جو ان (السیوطی) کی مختصر کتاب الموضوعات میں مذکور ہے۔ اور کتاب ''النکت البدیعات'' میں بھی موجود ہے۔ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیل کا جواب دیا۔ جو ابن جوزی نے اس حدیث میں بیان کی۔ اور فرمایا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو ''موضوعات'' میں درج کر کے زیادتی کی ہے۔ انتہیٰ۔

میں نے اس حدیث پاک کے بارے میں بعض ایسی باتوں پر اطلاع پائی۔ جن کی طرف شیخ علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں کتابوں میں تعرض نہیں کیا۔ اور ایسی وجوہات پر مطلع ہوا۔ جو اس حدیث کے غلبہ کی تائید کرتی ہیں۔ میں نے ان باتوں کو علامہ السیوطی کی باتوں سمیت ایک مختصر رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جس کا نام ''مزیل اللبس والخفاعن حدیث ردالشمس لسیدنا المصطفیٰ'' رکھا ہے۔ جسے تحقیق کا ارادہ ہو۔ وہ اسے دیکھ لے۔

اس کے بعد حافظ شامی نے اس قول پر گفتگو کی۔ '' پھر مسجد اقصیٰ لائی گئی اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا'' اسی طرح سے یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام احمد اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اور امام مسلم نے عبداللہ بن الفضل بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں نے مجھ سے مسجد اقصیٰ کے بارے میں بعض باتیں دریافت کیں۔ جو میرے ذہن میں ثابت نہ تھیں۔ جس کی وجہ سے مجھے سخت کوفت ہوئی۔ ایسی پریشانی کبھی نہ ہوئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو میرے لئے وہاں سے اٹھایا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور جو جو سوالات لوگ کرتے تھے۔ میں انہیں ایک ایک کر کے ان کے جواب دیتا جاتا تھا...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو روشن کر دیا۔ یعنی ظاہر کر دیا۔ میں ان لوگوں کو اس کی نشانیاں بتانا شروع ہو گیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ بیت المقدس کو روشن کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان موجود پردے ہٹا دیئے۔ یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد بیت المقدس کو وہاں سے اٹھا کر ایسی جگہ رکھ دیا گیا ہو۔ جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ سکیں۔ اس کے بعد پھر اسے اپنی جگہ واپس لوٹا دیا گیا ہو۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ احتمال معجزہ کے اعتبار سے زیادہ بلیغ

ہے۔ اور یہ "محال" بھی نہیں۔ دیکھتے نہیں کہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے آ گیا تھا۔
حدیث ام ھانیٔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔ فَخُيِّلَ اِلَيَّ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهٖ۔ بیت المقدس کا تصور میرے ذہن میں ڈال دیا گیا۔ پھر میں اس کی علامات کی خبر دینا شروع ہو گیا۔ اگر یہ روایت ثابت ہے تو اس میں یہ احتمال ہے کہ بیت المقدس کی مثالی صورت آپ کے قریب لا کھڑی کر دی گئی ہو۔ جیسا کہ حدیث "اُرِيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ" مجھے دوزخ دکھا دی گئی۔ میں کہا گیا ہے۔ اور اس احتمال کے مطابق "حَتّٰى جِئْنِي بِالْمَسْجِدِ" سے مراد مسجد کی مثال لانا ہوگا۔
حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جس میں "قریب ہونے" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونا اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فوائد بکثرت ملے۔ اور آپ کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ اور آواز کے منقطع ہونے کے سبب جو وحشت تھی۔ اسے ختم کر کے اس کی جگہ انس و محبت عطا کی گئی۔ گفتگو سے دل بہلایا۔ اپنے عظیم احسانات و انعامات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کا شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونے میں جو احتمال بیان کیا گیا۔ اسی طرح کا احتمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں بھی ہوگا۔ "ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے۔ جب رات کا تہائی حصہ باقی رہتا ہے" اگرچہ اس کے کئی دیگر مفہوم بھی بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا دراصل اس کے افضال، اجمال، قبول توبہ، احسان، مغفرت اور اشفاق سے کنایہ ہے۔ علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس کو یہ وہم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قریب ہوا۔ (یعنی شب اسراء میں) تو اس نے وہاں مسافت مانی۔ اور وہاں مسافت کا پایا جانا محال ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرۃ:186) تو اس کے کمال علم اور اجابت کی تمثیل ہے۔ کیونکہ وہ مکان کے اعتبار سے قریب ہونے سے پاک ہے۔ اور قرب خدا میں وہی تاویل کی جائے گی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں کی جاتی ہے۔ جسے امام بخاری نے روایت کیا۔ حدیث قدسی ہے۔ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا۔ جو بالشت برابر میرے قریب ہوتا ہے میں ہاتھ برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اس میں قرب معنوی مراد ہے۔ جسے مثال بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ تا کہ جلد سمجھ میں آ جائے۔ یعنی جس نے میری بندگی اور اطاعت کے ذریعہ میرا تقرب چاہا میں اس کو اس کے بدلہ میں کئی گنا تقرب عطا کروں گا۔ اور جو شخص پیدل چل کر میری طرف آئے گا۔ میں اس کی طرف دوڑ کر آؤں گا۔ یعنی میں

اس کی جزاء میں بہت جلدی کروں گا۔ لہٰذا یہ "قرب" اجابت، قبول اور احسان عطا کرنے کے طور پر ہے۔ اور جس ثواب کی خاطر آدمی نیک عمل کرتا ہے۔ ایک تو وہ جلدی مل جاتا ہے دوسرا امیدوں سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ جس قدر کوئی محنت کرے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے "مشاکلت" کا طرز اختیار فرمایا۔ جسے "تقرب" کا نام دیا گیا ہے۔

(نوٹ) اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج کے بارے میں احادیث میں مذکور مختلف الفاظ کے معانی ذکر کیے۔ جو ترجمہ میں آ چکے ہیں۔ اس لئے ان تمام الفاظ کو مع ترجمہ نقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ البتہ چند مفید باتیں درج کر دی جاتی ہیں۔ (مترجم)

حَطِیْمُ۔ اور حجر۔ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ جو کعبہ مشرفہ کی شمالی جانب متصل نصف دائرہ کی شکل میں جگہ ہے۔ جس میں کعبہ کی چھت کا پڑا بارش کا پانی ایک پرنالہ سے گرتا ہے۔ جسے "میزاب رحمت" کہتے ہیں۔ بعض نے دونوں کو الگ الگ جگہ بتایا ہے۔ مقام ابراہیم اور باب کعبہ کے درمیان والی جگہ کو حطیم یا رکن اور مقام ابراہیم یا زمزم اور حجر کے درمیان والی جگہ کو "حطیم" کہتے ہیں۔

مِعْرَاجٌ۔ اس کا لغوی معنی سیڑھی ہے۔ جمع معارج اور معاریج آتی ہے۔

سَلْسَبِیْلٌ۔ جنت میں موجود ایک چشمہ کا نام ہے۔

عَرْشٌ۔ لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل)۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت ہے۔ شریعت میں ثابت ہے کہ عرش کے ستون یا پائے ہیں۔ جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ جنت سے اوپر ہے۔ اور جنت آسمانوں سے اوپر ہے۔ اس میں ایک سو درجات ہیں۔ ہر دو درجات کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ اور وہ کائنات کے اوپر یوں ہے جس طرح گنبد ہوتا ہے۔ مخلوقات کی چھت یہی ہے۔ حافظ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے "عرش" کے بارے میں تفصیلی گفتگو اپنی کتاب "الجواھر النفائس فی تحریر کتاب العرائس" میں کی ہے۔

رَوْحَاءُ۔ مدینہ منورہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے۔

تَنْعِیْمٌ۔ مکہ شریف سے جانب مدینہ میں دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حدود حرم سے باہر ہے۔

مختلف الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معانی لکھنے کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ واقعہ معراج کے بارے میں موجود احادیث کی تخریج کی ضرورت مجھے اس لئے پیش آئی کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آسمان والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کرنے میں لفظ "اَهْلًا"

نہیں کہا۔ واقعہ معراج میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس طرح ''مرحبا'' کا بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا۔ یہ الفاظ امام بخاری نے حضرت شریک عن انس رضی اللہ عنہ سے بیان کئے ہیں۔ ایک اور شخص نے کہا۔ کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر کے بعد آسمان پر ''برتنوں'' کا پیش کیا جانا میں نہیں مانتا۔ اور کہنے لگا۔ ایسا صرف بیت المقدس میں ہوا۔ میں نے اسے کہا۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بخاری و مسلم نے ذکر کی ہے۔ جس کے راوی حضرت مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب اس کا صحیحین میں وجود ہے۔ تو پھر انکار نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن وہ دونوں نہ مانے۔ جب موجودہ احادیث فی الصحیحین کے منکر موجود ہیں۔ تو پھر دوسری احادیث کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ للہذا ان روایات کی تخریج کی ضرورت پڑی۔ اس کے بعد حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ معراج میں وارد احادیث کا اخراج کرنے والوں کے نام ان کی روایات اور ان میں اختلاف الفاظ ذکر کیا۔ میں نے اس کتاب ''جواھر البحار'' میں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے چودھویں باب میں اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمادیا۔ اس کے بعد ہمیں مستغنی کردیا۔

جوہر ۲۰: سترھویں باب میں حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسی احادیث کی نشاندہی کی۔ جو واقعہ معراج کے بارے میں من گھڑت ہیں۔ جنہیں ایسے لوگوں نے گھڑا۔ جن کے ہاں اخلاق نام کی کوئی صفت نہیں۔ پھر بہت سے لوگوں نے ان حدیثوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جنہیں کوئی علم نہ تھا۔ حالانکہ ان میں سے کسی کا واقعہ معراج کی صورت میں وجود نہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ''حجب'' ہے۔ جسے امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مواھب لدنیہ'' میں ذکر کیا۔ اور میں نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے مواھب لدنیہ کی مختصر ''انوار محمدیہ'' میں درج کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

ابوالحسن بن غالب نے احادیث حجب (پردہ) ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ حجاب ستر تھے، سات سو تھے۔ ستر ہزار تھے۔ اسے انہوں نے ابوالربیع بن سبع کی طرف منسوب کیا۔ شفاء الصدور میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔ حدیث اسراء کے ابتدائی واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آئے۔ وہ میرے اور رب کے درمیان میرے سفیر ہیں۔ لکھتے لکھتے یہ لکھا۔ کہ ایک ایسا مقام آیا جہاں جبرئیل رک گئے، پھر اس کے بعد بیس سطروں کے قریب لکھا۔ ایک روایت میں ہے۔ میں آگے بڑھا اور جبرئیل میرے پیچھے پیچھے تھے۔ یہاں تک کہ وہ میرے پیچھے ایک ایسی جگہ تک پہنچے۔ جہاں سونے کے بنے قالینوں کے حجاب تھے...... پھر لکھا۔ میں نے اپنے پیچھے اور اپنے کندھوں کے درمیان دیکھا۔ جیسا کہ میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ الحدیث۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی نے کہا۔ یہ روایت اور اس سے پہلی روایت کتاب ''شفاء الصدور'' میں ہے۔ جیسا کہ اس کو ابن غالب نے ذکر کیا۔ اور اس کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

زرقانی نے مواھب کی شرح میں کہا۔ حافظ شامی نے مصنف کے اس کلام کے بعد کہا۔ یہ اور وہ دونوں روایات ''جھوٹ'' ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کے بعد علامہ زرقانی کہتے ہیں۔ نعمانی پر تعجب ہے۔ کہ انہوں نے دونوں روایات لمبی ہونے کے باوجود ان پر خاموشی اختیار کی۔ اور یہ لکھ دیا کہ رات کے مختصر سے وقت میں اس قسم کا واقعہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ انتہیٰ کلام الزرقانی۔

حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت کو ''موضوعات'' میں ذکر کرنے کے بعد کہا۔ اسی طرح ہمارے شیخ ابوالفضل احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواھب لدنیہ کے مقصد خامس میں ذکر کیا۔ اور کہا کہ اس روایت اور اس سے پہلے والی روایت کو ابن سبع نے شفاء الصدور میں روایت کیا۔ جیسا کہ ابن غالب نے ذکر کیا۔ ذمہ داری ان پر ہے۔ اس کے بعد حافظ شامی کہتے ہیں۔ یہ بلاشک جھوٹ ہے اور علامہ قسطلانی کا خود کو یوں کہہ کر بری الذمہ قرار دینا کہ ان روایات کی ذمہ داری ابن غالب پر ہے جنہوں نے انہیں ان سے نقل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ قسطلانی کو ان احادیث کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا کہ یہ کیسی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے انہیں ذکر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء نے چونکہ ان کو لکھا تھا۔ اس کے بعد یہ بھی کہا۔ پردوں کا بکثرت ہونا کسی سند صحیح میں وارد نہیں۔ اور نہ ہی اس بارے میں کوئی روایت صحیح ہے۔ صرف مسلم شریف میں ہے۔ ''حجابہ النور''۔ واللہ اعلم۔

الامام العلامۃ الشیخ علی الاجھوری المالکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶۶ھ

جوہر ا: علامہ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی واقعہ معراج پر لکھی گئی کتاب ''النور الوھاج فی الکلام علی الاسراء والمعراج'' میں بکثرت وہ فوائد ذکر کئے ہیں جو حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے۔ جن کا ابھی تذکرہ مکمل ہوا۔ اسی وجہ سے میں (علامہ نبہانی) نے یہاں شیخ موصوف کے جواہر میں انہیں ذکر کرنے کو ضروری نہ سمجھا۔ کیونکہ جب اصل کتاب کے فوائد ذکر کر دیئے جائیں۔ تو اس سے حاصل کئے جانے والے اور نقل کئے جانے والے فوائد کے ذکر کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔ اسی طرح علامہ نجم غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حافظ شامی کے ''معراجیہ'' سے اقتباس کیا۔ میں نے واقعہ معراج پر لکھی گئی ان تین کتب میں غور کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان میں سے اصل وہ کتاب ہے۔ جسے حافظ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ جس کا اختصار ابھی میں پیش کر چکا ہوں۔ جس مختصر میں تقریباً وہ اہم فوائد میں نے درج کر دیئے ہیں۔ جو اس موضوع سے تعلق رکھتے تھے۔ رہے یہ دونوں بزرگ حضرات یعنی شیخ علی اجھوری اور شیخ نجم غیطی رحمۃ اللہ علیہما تو یہ دراصل حافظ شامی کی تصنیف کے تابع ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ فوائد ان دونوں بزرگوں نے ایسے بھی تحریر کئے۔ جو حافظ شامی علیہ الرحمہ کی کتاب میں نہیں۔ لیکن ان دونوں حضرات کی تصنیفات میں اکثر باتیں معراج کے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ خاص کر علامہ اجھوری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب تو مختلف اقسام کے مختلف فوائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

شیخ اجھوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معراج کے بارے میں وارد احادیث میں یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب اسراء ''عرش'' پر تشریف لے گئے۔ پس علامہ ابن منیر کا یہ کہنا ''اِنَّهٗ عُرِجَ بِهٖ لِلْعَرْشِ'' آپ کو عرش تک بلندی پر لے جایا گیا۔ یہ قول قابل اعتبار نہیں۔ علام قزوینی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش معلیٰ پر اپنی نعلین سمیت تشریف لے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو کتابوں میں منقول ہے۔ ''لَقَدْ شَرَّفْتَ الْعَرْشَ بِنَعَالِیْکَ یَا مُحَمَّدُ'' بیشک تم نے اے محمد! عرش کو آپ کی نعلین سے مشرف کیا۔ کیا ان دونوں باتوں کی کوئی اصل ہے؟ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ وہ احادیث جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شب اسراء عرش پر نعلین سمیت چلنا مذکور ہے۔ صحیح نہیں نہ ہی یہ ثابت ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرش کی بلندی تک جانا ہی خبر صحیح سے ثابت نہیں۔ اور نہ ہی خبر حسن سے ثابت ہے۔ بلکہ بالکل ثابت نہیں۔ ہاں اخبار میں جو بات صحیح ہے۔ وہ یہ کہ آپ فقط سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ اس سے

آگے جانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ اس کا تذکرہ جن روایات میں ملتا ہے۔ وہ ضعیف ہیں یا منکر ہیں۔ ایسی روایات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ انتہیٰ۔

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد بعض محدثین نے لکھا۔ کہ جو کچھ علامہ قزوینی نے کہا ہے۔ ''وہ صواب یعنی درست ہے'' واقعہ معراج و اسراء تقریباً چالیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ جن میں سے کسی ایک صحابی کی روایت میں یہ نہیں ملتا۔ کہ شب معراج آپ کے قدموں میں نعلین بھی تھیں۔ نعلین ہونے کی بات بعض قصہ خواں جاہل لوگوں کے شعروں میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ان صحابہ کرام کی روایات میں ''عرش'' کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اتنا کہا ہے۔ وَاَتَی الْاَنْبَسَاطَ فَهَمَّ بِخَلْعِ نَعْلِهِ فَنُوْدِيَ لَا تَخْلَعُ الی اخرہ۔ آپ بستر پر تشریف لائے اور نعلین اتارنے کا ارادہ کیا پھر آواز آئی۔ نہ اتاریئے ...... یہ قول باطل ہے۔ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اور نہ ہی یہ بات کسی حدیث حسن میں اور نہ صحیح یا ضعیف میں موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش پر چڑھے۔ اور نہ ہی یہ کہیں مذکور ہے کہ آپ نے عرش دیکھا۔

پھر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بعض حفاظ سے وارد ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور کے بساط پر نہیں چلے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔ حالانکہ سادات صوفیاء کرام سے اس کے بالکل خلاف وارد ہے۔ اور لوگوں میں نعلین شریفین کے بارے میں بھی اضطراب و پریشانی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک میں شب اسراء میں تھیں۔ اور محدثین کا قول کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور یہ ثابت نہیں۔ اس میں بہت زیادہ گفتگو ہے۔

بعض اکابر صوفیاء نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا۔ تو آپ کو اس کی عظیم ہیبت سے پسینہ آگیا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسد اطہر سے بشریت کی جز نیچے اتر کر آپ کے پاؤں میں نعلین کی مانند ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاؤں سے اسے اتارنے کی کوشش کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی۔ اسے نہ اتاریئے۔ الی آخرہ۔ اور ایسا حکم اس لئے دیا گیا کہ اگر بشریت کی جزء کو آپ اتار پھینکتے۔ تو آپ ''روحانی نور'' ہو جاتے۔ جس کا واپس زمین پر اترنا مشکل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ آپ واپس زمین پر تشریف لائیں۔ تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیں۔ لہٰذا تم اس نعلین کے راز کو سمجھو۔ کیونکہ ان خفیہ اسرار میں سے ہے جسے صرف خواص اولیاء کرام ہی جان سکتے ہیں۔ انتہیٰ۔

یہاں یہ نہ کہا جائے۔ کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ شب اسراء آپ نے جب نعلین اتارنے کا ارادہ

کیا تو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ اس سے مراد یہی ہو جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ قول صحیح ہوا؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے نہیں اتارے۔ اور یہ کہ ''بساط نور'' پر اپنے نعلین سمیت چلیں۔ اس کے ساتھ ان کے ارتفاع کا دیگر انبیاء کرام سے ارادہ بھی تھا۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ شب اسراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک شخص سے گزر ہوا۔ جو عرش کے نور میں غائب تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ کیا فرشتہ ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا نبی ہے؟ کہا۔ نہیں۔ میں نے پوچھا پھر کون ہے؟ کہا گیا یہ وہ مرد ہے۔ جس کی زبان ہر وقت ذکر خدا سے تر رہتی تھی۔ اس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے والدین کو کبھی گالی نہیں دلوائیں۔ یہ روایت ''خبر مرسل'' ہے۔ اس موضوع پر یہ بطور حجت کام نہیں دے سکتی۔

علامہ اجہوری نے مذکورہ گفتگو کے بعد کہا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں گئے'' ممنوع ہے۔ اور منع کی تائید وہ بات کرتی ہے۔ جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے۔ تو آپ کو بادل نے ڈھانپ لیا۔ اور آپ کو اوپر لے گیا۔ اور یہ دعویٰ کرنا کہ حدیث مرسل سے اس موضوع پر حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ علمائے علم اصول نے مطلقاً حدیث مرسل سے احتجاج کو درست قرار دیا ہے۔ صرف امام شافعی رضی اللہ عنہ اس کے خلاف ہیں۔ لہٰذا علمائے اصول کا یہ قانون یہاں بھی کام کرے گا۔ (انتہت عبارۃ الاجہوری)۔

اس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے۔ کہ گزشتہ اوراق میں میرے دو اشعار آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کے موضوع پر تھے۔ میں نے ان دونوں کے چوتھے حصہ میں یہ بات ذکر کی ہے۔ اور میں نے ایسا اپنے بزرگ سادات صوفیاء کرام کی اتباع میں کیا ہے۔ جن کی سابقہ عبارت امام اجہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی۔ میرے دونوں اشعار یہ ہیں۔

عَلٰی رَأْسِ هٰذَا لِکَوْنِ نَعْلُ مُحَمَّدٍ   عَلَتْ فَجَمِیْعُ الْخَلْقِ تَحْتَ ظِلَالِهٖ

لَدَی الطُّوْرِ مُوْسٰی نُوْدِیَ اِخْلَعْ وَ اَحْمَدُ   عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

اس کائنات کی بلندیوں پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک بلند ہو گئے۔ پس تمام مخلوق اس کے سایہ تلے ہے۔ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی۔ نعلین اتار دو۔ اور ہمارے آقا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش پر بھی نعلین اتارنے کی اجازت نہ ملی۔

الامام العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی رضی اللہ عنہ
(موصوف کا پہلے اسی کتاب میں دومرتبہ ذکر ہو چکا ہے)

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہران کی وہ گفتگو ہے۔ جوانہوں نے اپنی کتاب "اَلرَّدُّ الْمَتِیْنُ عَلٰی مُتَنَقِّصِ الْعَارِفِ مُحْیِ الدِّیْنِ" میں کی۔ علامہ فاسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابن عربی رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا۔ کہ وہ "خاتم الاولیاء" ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "خاتم الانبیاء" ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ ابن عربی کے زمانہ میں اولیاء کاملین بکثرت موجود تھے۔ اور ان کے بعد بھی یقیناً موجود رہیں گے۔ لہٰذا ابن عربی "آخری ولی" نہ ہوئے۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے۔ کہ "فاس" نامی شہر میں آپ "آخری ولی" ہیں۔ تب بھی دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس شہر میں بھی اولیاء واخیار ابن عربی کے بعد موجود رہے۔ اور ہیں۔ اور یہ بات مشہور ہے (مقصد یہ کہ ابن عربی رضی اللہ عنہ کا "آخری ولی" ہونا کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا ان کا دعویٰ بے جا ہے) اس پر عارف نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جناب ابن عربی رضی اللہ عنہ کا "خاتم الاولیاء" ہونے کا دعویٰ "ولائت محمدیہ" کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ دعویٰ ان کے زمانہ میں اور ان کے دور کے بعد اولیاء کرام کی کثرت کے مانع اور خلاف نہیں ہے۔ خواہ وہ ان کے اپنے شہر "فاس" میں موجود ہوں۔ یا دنیا کے کسی اور خطہ میں ہوں۔ اس لئے ان تمام اولیاء کرام کی ولائت وہ ولائت ہے جو "ولائت خاصہ محمدیہ" نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اس مختصر بات کو ذرا تفصیل سے بیان کروں۔ تو پھر غور سے پڑھئے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے "خاتم" ہیں۔ اور اس کا معنی ومطلب یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پیغمبر اور ہر رسول جو آپ سے پہلے تشریف لا چکے۔ ان کے تمام مشرب کو پانے والے ہیں۔ لہٰذا آپ تمام انبیاء ومرسلین کے مشارب کے جامع ہوئے۔ اسی لئے آپ ان سب کی تصدیق کرنے کیلئے تشریف لائے۔ اور ان کے تمام مراتب ومقامات سے زیادہ فصیح بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان کے تمام احوال کا کشف فرمایا۔ اور آپ کے قلب انور پر ان کے واقعات نازل فرمائے۔ وہ واقعات واخبار جو آپ نے ہمیں پڑھ کر سنائے۔ لہٰذا آپ کا ثبوت، تمام نبوتوں کا اصل ہوا۔ اور تمام نبوتیں آپ کی نبوت کی شاخ ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ آپ کے سوا

باقی انبیاء کرام وہ اس وقت ''نبی'' ہوئے۔ جب ان کی بعثت ہوئی۔ اس سے قبل نہیں۔ پس تمام انبیاء کرام کے مشارب جو ان کی روحانیت فاضلہ اور مختلف جگہوں پر پڑے پانی کی مانند ہیں۔ وہ سب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرب میں جمع ہیں۔ آپ کا ''مشرب جامع'' جو آپ کی روحانیت ہے۔ وہ روحانیت جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کا وجود بنایا۔ جیسا کہ وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ نُوْرِهٖ تَعَالٰی۔ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اس بارے میں مذکورہ حدیث کافی لمبی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی بنائی۔ اسے گوندھا گیا۔ پھر اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کیا گیا۔ حضرت آدم کی روحانیت کا پانی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرب جامع سے جاری ہوا۔ یونہی جب حضرت نوح، ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور تمام بقیہ انبیاء کرام کی مٹی ان کی حسب ترتیب وجود کے اعتبار سے پیدا کی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی روحانیت کا پانی جو ان کے خصوصی مشرب تھے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے پانی سے جاری کیا۔ جو تمام کی جامع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی پیدا فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت جامعہ کا پانی آپ کی مخصوص طینت میں جاری کیا۔ پس آپ اس وجود میں موجود ہو گئے۔ لہٰذا آپ کا ظہور دو مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ ''تفصیلی طریقہ'' سے جو حضرت انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے دقائق کے اطوار میں ہوا۔ اور دوسری مرتبہ ''اجمالی طریقہ'' سے ہوا۔ اور یہ بات جانی پہچانی ہے۔ کہ ''اجمال'' تفصیل کے بعد اسی لئے آپ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے نبی کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ آپ کے اجمال سے تفصیل مکمل ہو گئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جب تمہیں جو کچھ میں نے کہا۔ معلوم ہو گیا۔ تو اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرات اولیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد موجود ہیں۔ اور تا قیامت موجود رہیں گے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول محمدی جامع، دوم محمدی غیر جامع۔ پہلی قسم کے اولیاء کرام وہ ہیں۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث آپ کی اس جمعیت کے ہیں۔ جو تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے مشارب کی جامع ہے۔ صرف ان میں ''درجہ نبوت'' کی کمی ہے۔ کیونکہ یہ درجہ کسب وعمل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے اولیاء کرام اس امت میں بکثرت تشریف لائے۔ جن میں سے سب سے آخر میں آنے والے شیخ اکبر، کبریت احمر محی الدین محمد بن عربی الحاتمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ

کے قول ''میں خاتم الاولیاء ہوں'' کا یہی معنی ہے۔ یعنی آپ ''ولایت محمدیہ خاصہ'' کے خاتم ہیں۔ اور جس نے آپ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ موصوف رضی اللہ عنہ کے مقام کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ موصوف نے اس کتاب میں تمام علوم جمع کر دیئے ہیں۔ جیسا کہ آپ خود اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

صُرَّةٌ اَوْ دَعْتُ عِلْمِي عِنْدَهَا فِيْ كِتَابٍ وَّ سَمَمْتُهُ بِالْفُصُوْصِ

ایک تھیلی (بہت بڑا خزانہ) ہے جس میں میں نے اپنا سارا علم جمع کر دیا۔ وہ ایک کتاب ہے جس کا نام ''فصوص الحکم'' ہے۔

دوسری قسم کے اولیاء کرام جو ''محمدی غیر جامع'' ہیں۔ وہ بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی وارث ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے نہیں۔ کہ وہ آپ کی اس جمعیت کے وارث ہوں۔ جو انبیاء و مرسلین سابقین کے مشارب کی جامع ہے۔ بلکہ وہ فقط کسی ایک نبی یا رسول کے مشرب کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ پس اس قسم کی ولائت کو یوں نام دیا جائے گا۔ ولایت نوحی محمدی، ولائت ابراہیمی محمدی یا موسوی محمدی یا عیسوی محمدی وغیرہ ذالک۔ یہ حضرات ''افراد'' ہیں۔ اور ان حضرات کے ''خاتم'' آخری زمانہ میں حضرت سید امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ جو ''خاتم الولایۃ المطلقہ'' ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام حضرات انبیاء کرام کی روحانیت، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''روح اعظم'' سے بنائی گئی ہے۔ وہ ''روح اعظم'' جو تمام موجودات کے وجود کی روح ہے۔ اور وہ حقیقت میں خود حضرت محمد مصطفیٰ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی ''اصل'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (ص:72) جب میں اس کی نوک پلک درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب سے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم:12)۔ اور عمران کی بیٹی مریم کہ جس نے اپنی پاکدامنی برقرار رکھی۔ پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ (الآیۃ) (آل عمران:59)۔ حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں مثل آدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے کی۔ پھر ان سے حضرت حواء علیہا السلام نکالیں۔ اور پھر حضرت مریم علیہا السلام کی تخلیق تک تمام پیغمبر

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم سے ظاہر فرمایا۔ ابتداء میں مرد سے عورت ظاہر ہوئی۔ اور اب عورت سے مرد ظاہر ہوا۔ پھر جب ''مراتب نبوت محمدیہ'' مکمل ہوگئے۔ اور اس وجود میں ان کے اطوار تفصیل سے آچکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے ''مجملہ'' کی حیثیت سے ظاہر فرمایا۔ جو ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، نبی اللہ، ہر چیز کی طرف اللہ کا رسول، خاتم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلام علیہم اجمعین'' کی صورت میں تشریف فرما ہوئے۔

جب تم یہ جان چکے۔ تو اب یہ بھی جان لو۔ کہ حضرات اولیاء کرام کی ''روحانیات'' کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان روحانیات کی ہے۔ جو روح اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکالی گئی ہے۔ اور اس کا نکلنا خاص وجہ اور طریقہ سے ہے۔ اس عام وجہ اور طریقہ سے انہیں نہیں نکالا گیا۔ جو طریقہ حضرات انبیاء کرام کیلئے تھا۔ اس طریقہ اور وجہ خاص سے حاصل ہونے والی روحانیات ان اولیاء کرام کی ہیں۔ جو ''اولیاء محمدیین جامعین'' ہیں۔ جن کا اختتام حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہوا۔ اس اعتبار کے پیش نظر ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ حضرات اپنے سے آگے اگر کسی کا قدم پاتے ہیں۔ تو وہ صرف حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ جیسا کہ یہ بات حضرت ابن فاید وغیرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

دوسری قسم کی ''روحانیات'' بھی آپ ہی کی ''روح اعظم'' سے فیض یافتہ ہیں۔ لیکن ان کا وجود کسی پیغمبر کی روحانیت کے ذریعہ موجود ہوا۔ پس اس پیغمبر کی روحانیت دراصل اس ولی کی روحانیت کو اس مقام تک لے جانے والی ہے۔ جہاں پہنچ کر اسے ''روح اعظم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ فیض ملتا ہے۔ جو فیض ''روح اعظم'' کو اللہ ذوالجلال وصاحب فضل عظیم کی بارگاہ سے موصول ہوتا ہے۔ یہ ''روحانیات'' ان اولیاء کرام کی ہیں۔ جو ہیں تو ''محمدی'' مگر ''غیر جامع'' ہیں۔ ان حضرات اولیاء کرام کا اختتام سید امام مہدی رضی اللہ عنہ پر ہوگا۔

جب ہم نے حضرات انبیاء کرام کی روحانیات اور حضرات اولیائے کرام کی روحانیات کی گفتگو کر لی۔ اور ہم نے مراتب نبوت وولائت بھی بیان کردیئے۔ تو ہمیں اس مضمون کو مکمل کرنے کیلئے یہ بھی بیان کردینا چاہئے کہ ان حضرات کے علاوہ بنی آدم اور حیوانات کی روحانیات کے مراتب کیا کیا ہیں؟ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے علاوہ اولاد آدم اور حیوانات کی روحانیت ''نفس کل'' سے فیض یافتہ ہیں۔ جس کو شریعت کی زبان میں ''لوح محفوظ'' کہتے ہیں۔ ان کی

روحانیات۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''روح اعظم'' سے فیض یافتہ نہیں۔ اور نہ ہی ان ''روحانیات'' سے فیض یافتہ ہیں۔ جو ''روح اعظم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یافتہ ہیں۔ اور یہ نفس کل (لوح محفوظ) حضرات انبیاء و اولیاء کرام کی روحانیات کے راستوں میں سے وہ ایک راستہ ہے۔ جس سے وہ اس وقت گزرتے ہیں جب وہ ''روح اعظم'' کی بارگاہ عالیہ سے استمداد اور حصول فیض کیلئے بلندی کی طرف جاتے ہیں۔ جاتے ہوئے انہیں راستہ میں اپنے علاوہ انسانوں اور حیوانات کی روحانیات دکھائی دیتی ہیں۔ اور بعض دفعہ یہ حضرات گزرتے وقت بنی آدم میں سے بعض کی روح کے بارے میں کچھ باتوں اور حالات پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے بارے میں ایسی خبریں دے دیتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ بعد میں پیش آنے والی ہوتی ہیں۔ اور ایسے امور بتا دیتے ہیں۔ جو بہت عرصہ بعد واقعہ ہونے والے ہوتے ہیں۔ پھر ہوتا اسی طرح ہے جس طرح یہ حضرات پہلے سے خبر دے چکے ہوتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے اسی طرح اتارا۔ جس طرح انہوں نے خبر دی۔ اور اس نے لوح محفوظ میں سے اسے محو (مٹایا) نہیں کیا تھا۔ ارشاد فرماتا ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے۔ اور ام الکتاب (لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے (الرعد:39)۔ یہ بحث کافی طویل ہے۔ اور اپنے دامن میں بہت کچھ سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ مقام اس کو تفصیل سے بیان کرنے کا نہیں۔ جس قدر لکھ دیا گیا۔ اسی قدر کافی سمجھیں۔ واللہ اعلم۔ (انتہیٰ کلام سیدی عبدالغنی)۔

میں (علامہ نبہانی) نے علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر حضرات کا کلام اس موضوع پر دیکھا۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو مرتبہ خاتمیت ولایت حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے پایا۔ وہ ابھی باقی ہے۔ اس مرتبہ کے اہل گیارہویں صدی ہجری کے ایک بزرگ حضرت صفی الدین القشاشی المدنی رضی اللہ عنہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب ''الرد المتین علی منتقص سیدی محی الدین'' نہایت نفیس کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے باحسن وجوہ رد فرمایا۔ اسی کتاب میں موصوف نے ''ابن تیمیہ'' کا ذکر کیا۔ کیونکہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے نقص نکالنے اور ان کی شان میں گھٹیا قسم کی باتیں کرنے والوں میں سے یہ بھی ایک ہے۔ حتیٰ کہ اس نے شیخ موصوف کی ''تکفیر'' کی۔ اور اس نے اپنی کتاب ''اَلْفُرْقَانُ بَيْنَ اَوْلِيَاءِ الرَّحْمٰنِ وَ اَوْلِيَاءِ الشَّيْطَانِ'' میں موصوف رضی اللہ عنہ کو ''اولیاء الشیطان'' میں داخل کیا ہے۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ''اولیاء الرحمٰن'' میں سے ایک جلیل القدر ولی تھے۔ یہی میرا

دین وایمان ہے۔اوراسی پر میں اللہ تعالیٰ سے اپنی ملاقات چاہتا ہوں۔یعنی مرتے وقت میری دعا ہے کہ اسی عقیدہ پر مروں۔اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض فرمائے۔آپ ان جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔جو ولائت کے اعلیٰ درجہ پر متمکن تھے۔اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔کہ ''ابن تیمیہ'' اور اس کے پٹھوؤں کو معاف کردے۔انہوں نے جو ناشائستہ رویہ حضرت ابن عربی اور ان جیسے دیگر صالحین و اولیاء عارفین کے بارے میں اپنایا ہے۔اس سے درگزر فرمائے۔اور ان کی حسن نیت (اگر تھی) کے مطابق ان سے معاملہ کرے۔ان لوگوں نے جو ایسا کیا۔وہ (ان کے خیال کے مطابق) شریعت محمدیہ کی بظاہر حمایت کرتے ہوئے کیا۔اس لئے کہ ان لوگوں کو شیخ اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے دیگر سادات صوفیہ رضی اللہ عنہم کی عبارات کے سمجھنے میں ''وہم'' ہوا۔کہ یہ عبارات درست نہیں۔حالانکہ جو مفہوم ان حضرات نے اپنی اپنی عبارات سے لیا ہے۔اور ان حضرات نے مخصوص اصطلاحیں اس لئے استعمال فرمائیں۔تاکہ نااہل لوگ ان کے اسرار و رموز پر مطلع نہ ہوں۔اور ایسا طریقہ خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں موجود ہے۔بہت سی آیات قرآنیہ بکثرت احادیث نبویہ ایسی ہیں۔جن کا مرادی معنی وہ نہیں جو ان کے ظاہری الفاظ سے سمجھنے میں آتا ہے۔اور جس طرح ان لوگوں نے ان آیات و احادیث کی تاویل کی۔جنہوں نے حضرات صوفیاء کرام کے کلام ظاہری اور اصطلاحی پر اعتراض کیا۔انہیں چاہئے تھا کہ حضرات اولیاء کرام کے کلام کی بھی ایسی تاویلات و توجیہات کرتے۔جیسا کہ سیدنا محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام کی توجیہات عارف شعرانی اور عارف نابلسی وغیرہ رضی اللہ عنہم نے کی ہیں۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

''ابن تیمیہ'' کے بارے میں عارف نابلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب مذکورہ میں جو لکھا۔اس میں سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اَمَّا ابْنُ تَیْمِیَّةَ فَحَسْبُهٗ کِتَابُ الشَّیْخِ الْحَصَنِی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی الَّذِیْ صَنَّفَهٗ فِیْهِ وَرَدَّ عَلَیْهِ مَقَالَاتِهٖ وَ صَرَّحَ فِیْهِ بِتَکْفِیْرِهٖ وَ تَکْفِیْرِ اَتْبَاعِهٖ کَابْنِ الزَّاغُوَانِیْ وَ ابْنِ حَامِدٍ وَ الْقَاضِیْ وَ ابْنِ الْقَیِّمِ الْجَوْزِیَّةِ وَ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ کَثِیْرٍ وَ اَتْبَاعِهِمْ وَاِنْ کُنَّا نَحْنُ لَانُوَافِقُهٗ عَلٰی ذَالِکَ وَلٰکِنْ مَنْ طَعَنَ طُعِنَ فِیْهِ وَ مَنْ عَابَ عِیْبَ عَلَیْهِ - اِنْتَهٰی کَلَامُ سَیِّدِیْ عَبْدِالْغَنِیِ النَّابَلُسِیِ فِیْ کِتَابِهِ الرَّدِّالْمَتِیْنِ وَ مِنْهُ نَقَلْتُهَا۔

رہا ابن تیمیہ تو ان کی شیخ حصنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں خوب خبر لی۔جو کتاب انہوں نے اسی موضوع پر تصنیف فرمائی۔اس میں موصوف نے ابن تیمیہ کے مقالات کا خوب رد فرمایا۔اور اس

میں اس کی اور اسکے پٹھوؤں کی تکفیر کی۔ جیسا کہ ابن زاغوانی، ابن حامد، قاضی، ابن قیم جوزیہ، اسماعیل بن کثیر اور ان کے دم چھلے۔ اگر چہ ہم اس (تکفیر) میں شیخ کی موافقت نہیں کرتے۔ لیکن جو زبان درازی کرتا ہے اس کی بھی خبر لی جاتی ہے۔ اور جو کسی کے عیب نکالتا ہے۔ اس کی گٹھڑی بھی پھولی جاتی ہے۔ کتاب ''ردمتین'' سے شیخ نابلسی رضی اللہ عنہ کا اقتباس ختم ہوا۔

اس کے بعد مجھے شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کا ''سفرنامہ'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس کا نام موصوف نے ''الحضرۃ الانسیہ فی الرحلۃ القدسیہ'' رکھا ہے۔ یہ کتاب بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی شیخ موصوف نے ''ابن تیمیہ'' کی خبر لی۔ میں نے پسند کیا۔ کہ اس کتاب کی عبارت یہاں (جواہر البحار) میں درج کردوں۔ ملاحظہ ہو۔

شیخ موصوف رضی اللہ عنہ نے ''صخرۃ بیت المقدس'' اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا اس میں نشان ہونا، بیان کیا۔ اور اس بارے میں انہوں نے بہت سے روایات درج کیں، اور بکثرت فوائد ذکر کئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

لَیْتَہٗ خَصَّنِیْ بِرُؤْیَۃِ وَجْہٍ زَالَ عَنْ کُلِّ مَنْ رَاٰہُ الشِّقَاءُ
اَوْ بِلَثْمِ التُّرَابِ مِنْ قَدَمٍ لَا نَتْ حَیَاءً مِنْ مَسِّھَا الصَّخْرَاءُ

کاش میری قسمت میں بھی وہ مقدس چہرہ دیکھنا ہوتا۔ جس کو دیکھنے والے کے تمام دکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔ یا میرے مقدر میں اس مبارک قدم سے لگی مٹی چومنا ہوتی۔ جس کے چھونے سے شرم و حیاء کے مارے ''صخراء'' نرم پڑ گیا۔ (اور اس میں آپ کے قدم کا نشان پڑ گیا) ''صخرۃ'' ایک سخت پتھر ہے۔ جو بیت المقدس میں موجود ہے:

حضرت امام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں لکھے اپنے ''قصیدہ تائیہ'' میں فرماتے ہیں۔

وَاَثَّرَ فِی الْاَحْجَارِ مَشْیُکَ ثُمَّ لَمْ یُؤَثِّرْ بِرَمْلٍ اَوْبِبَطْحَاءِ مَکَّۃَ

آپ کے مبارک قدم نے سخت پتھروں میں نشان چھوڑ دیئے۔ پھر انہی مبارک قدموں نے ریت پر یا بطحائے مکہ میں چلتے ہوئے کوئی نشان نہ چھوڑا۔ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ مذکور گفتگو کے بعد فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ کہ شیخ امام احمد عجمی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا۔ جس کا

انہوں نے ''تنزیہہ المصطفیٰ المختار عمالم یثبت من الآثار'' نام رکھا۔ انہوں نے ان قدمہائے مبارکہ سے انکار کیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمہائے مبارکہ کے طور پر پتھروں پر موجود ہیں۔ جو مصر اور بیت المقدس وغیرہ میں موجود ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور ان کے متبعین پر اعتماد کیا۔ جنہوں نے ان نشانات کا انکار کیا۔ اور یہ کوئی پہلی ہلاکت اور گرداب عقیدت نہیں۔ جس میں ابن تیمیہ اور اس کے پٹھو گرے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے مسجد مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے علاوہ کسی اور کی طرف ''شد رحال'' کو معصیت قرار دیا۔ جیسا کہ اس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا بارگاہ الٰہی میں ''توسل'' کو رد کیا۔ اور اس کی ممانعت کی۔ اور اس گروہ نے ائمہ اربعہ کے اجماع کے خلاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ان کے ایسے عقائد اور ذلیل ورسوا کر دینے والی حرکتیں تھیں۔ جن کا مکمل طریقہ سے رد کیا جانا لازم تھا۔ چنانچہ اس کام کو شیخ امام علامہ عمدۃ فہامۃ تقی الدین حصنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقہ احسن سرانجام دیا۔ اور انہوں نے ''ابن تیمیہ اور اس کے چیلوں کے رد میں ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی۔ جس میں انہوں نے اس کے کفر کی تصریح کی۔ اگرچہ اس کے بعد ''بقاعی حنبلی'' اٹھا۔ اور علامہ تقی الدین موصوف کا اس نے رد لکھا۔ رد میں لکھی کتاب کا اس نے ''الرد الزاجر علی من زعم ان ابن تیمیہ کافر'' رکھا۔

اس کے بعد سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ کہ امام ابن حجر نے بھی ''ابن تیمیہ'' کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اور انہوں نے اپنی کتاب ''الجوہر المنظم فی زیارۃ البقر المکرم'' میں اس کی خوب گت بنائی۔ اور لکھا۔ کہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل کتاب اس (ابن تیمیہ اور اس کے عقائد) کے متعلق لکھی ہے۔ جو بہت مفید اور خوب کتاب ہے۔ پھر فرماتے ہیں اس کے بعد کوئی تعجب نہیں۔ کہ جب خود ''ابن تیمیہ'' نے انکار کا دروازہ کھولا۔ اور کہا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان نشانہائے قدم کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ ہی دیگر آثار نبویہ کا کوئی وجود ہے۔ اس کی علت یہ بیان کی۔ کہ کتب حدیث میں اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ صرف عوام میں شہرت ہو جانا اس کی بنیاد ہے۔ اور ''ابن تیمیہ'' نے ان آثار ونشانات پر حصول برکت کی خاطر ہاتھ رکھنا، ہاتھ لگا کر منہ اور جسم پر پھیرنا اور ان کو چومنا ان تمام باتوں کا انکار کیا۔ اور بڑا ڈھٹائی سے انکار کیا۔ حالانکہ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے۔ کہ ''حجر اسود'' کو چومنا اور اس کا استلام از روئے شرع جائز ہے۔ اور یہ بات سنت ہے کہ جب بھی طواف کرنے والا حجر اسود پر پہنچے۔ اگر چوم سکتا ہے تو ٹھیک اور اگر اژدھام کی وجہ سے نہیں چوم سکتا۔ تو ہاتھ

میں پکڑی کسی چھڑی وغیرہ کو حجر اسود کے ساتھ لگا کر اسے ہی چوم لے۔اور ایسا کرنا بالاتفاق ''حجر اسود'' کے بارے میں مشروع ہے۔اور یہ ہر ایسی بات کیلئے ''اصل'' بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ ہیں۔جیسا کہ قدمہائے مبارکہ کی جگہ وغیرہ (مطلب یہ کہ ان آثار مبارکہ کو چومنا ''بدعت'' نہیں اور نہ ہی اس کا انکار کرنا چاہئے۔کیونکہ اس کی ''اصل'' موجود ہے۔اور وہ ''حجر اسود'' کو چومنا یا اس سے لگی چھڑی وغیرہ کو چومنا ہے۔اور جس کی اصل شرع میں موجود ہو اس کی اجازت ہوتی ہے)۔

اور تم جانتے ہو کہ صخرہ بیت المقدس وغیرہ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کے اثر کے ثبوت کیلئے ''شہرت عامہ'' ایک دلیل کافی ہے۔اس لئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ نشان واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا ہے۔تو اس سے کسی حکم شرعی کے ثبوت کا تقاضا نہیں ہوتا۔یعنی کسی حرام کو حلال کر دینا یا حلال کو حرام کر دینا ثابت نہیں ہوتا۔حتیٰ کہ اس میں علماء کرام مکمل طریقہ سے غور خوض کریں۔اور اس کے ثبوت کیلئے اسناد صحیحہ تلاش کریں۔اس میں اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو وہ برکت، خیر، فضیلت، کمال خشوع وخضوع، حضور اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہی ثابت ہوتی ہے۔پھر خاص طور پر جب یہ آثار مبارکہ علماء متقدمین میں مشہور رہے۔انہوں نے نظم ونثر میں انہیں بیان کیا۔تاکہ لوگ ان سے حصول برکت کریں۔اور ان کی فضیلت جانیں۔لہٰذا اسے کس طرح ''حکم شرعی'' بنایا جا سکتا ہے۔اور پھر اس کیلئے سند قوی کا مطالبہ کیا جائے۔جیسا کہ ''احکام شرعیہ'' کیلئے سند قوی طلب کی جاتی ہے؟

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان آثار کا ثبوت ''متواتر'' طریقہ سے ہے۔اس لئے کہ ''صخرہ بیت المقدس'' میں لگے نشان قدم کی گواہی اور خبر بیت المقدس کے تمام رہنے والے دیتے ہیں۔کسی سے بھی آپ پوچھیں۔تو وہ یہی کہے گا۔کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے۔اور وہ اس بات کو اپنے باپ دادوں سے سنتے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔اور خبر متواتر کی تعریف میں یہی تو کہا گیا ہے۔کہ یہ ایسی خبر ہوتی ہے جس کو اتنے لوگ روایت کریں جن کا جھوٹ پر متفق ہونا یا جھوٹا ہونا متوہم نہ ہو۔اس کے بعد علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ نے علمائے اصول اور فقہاء کرام کی ''متواتر'' کے بارے میں عبارات نقل کیں۔اور پھر لکھا۔کہ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ ان ''آثار نبویہ'' جو لوگوں میں مشہور ہیں اور جانے والے آنے والوں کو بتاتے جاتے ہیں۔کا ایک قابل احترام وشریف نتیجہ ہے۔وہ یہ کہ ان میں فضیلت ہے۔ان میں برکت ہے۔تو اسے کس طرح رد کیا جا سکتا ہے۔اور اس

میں طعن کی کیسے گنجائش نکلتی ہے اوران لوگوں کی طرف جھوٹا ہونے کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے دلوں میں ان آثار کا علم اپنے آباء واجداد سے حاصل کیا؟ ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے اگر کوئی ردو انکار کرتا ہے تو اس کی دین سے دشمنی بلکہ بغاوت ہوگی۔ اور مسلمانوں پر بھلائی کے دروازے بند کردینے کے مترادف ہوگا۔

علامہ نابلسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ اگرچہ اس بات پر ''اجماع'' مواقع نہیں کہ یہ آثار واقعی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے ہیں۔ لیکن بطریقہ تواتر اور جانے والے بزرگوں کا اپنی اولاد کو ان کے بارے میں خبریں دیتے جانا اس طریقہ سے توان آثار کا ثبوت بہر حال موجود ہے اور یہ طریقہ ثبوت اس لئے قابل قبول ہے کہ ''اجماع'' کے تحقق میں مجتہدین کرام نے بالاتفاق اسے تسلیم کیا ہے۔ اور ہم اس وقت اگرچہ یہ نہیں جانتے کہ مجتہدین متقدمین کے اتفاق کے احوال اس بارے میں کیا تھے۔ یا وہ غیر متفق تھے یا انہوں نے سکوت فرمایا۔ ان احوال سے ہم اگرچہ بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا ہمیں ضرور علم ہے۔ کہ ان کا سب سے پہلے رد کرنے والا اور منکر تقی الدین بن تیمیہ اور اس کا شاگرد ابن قیم جوزیہ ہیں۔ اور ان کے ثبوت میں تردد اور ثبوت میں انکار کرنے والے جلال الدین السیوطی ہیں۔ اور اسی طرح شہاب ابن حجر ہیتمی کو بھی تردد ہے۔ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ نے ان کی عبارت اپنی کتاب ''الجوہر المنظم'' میں لکھی۔ پھر فرمایا۔ راجح یہ ہے کہ ان کا اثبات ہے۔ اس رجحان کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عام لوگوں کے اتفاق کی طرف میلان کیا۔ اور اس پر کہ یہ آثار سلف سے خلف تک ہر زبان پر موجود رہے۔ اگرچہ ان کیلئے اس کے ثبوت کے بارے میں کوئی ''مستند'' نہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی ایسی سند ہو جو ہم پر مخفی ہو۔ جیسا کہ ہم ''اجماع'' کے ضمن میں پہلے نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس عظیم تعداد کا متقدمین ومتاخرین علماء کرام اور عوام الناس سے ہر دور میں ہونا اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا غالباً جھوٹ پر متفق ہونا ''امر باطل'' ہے۔ اور اس قدر لوگ کسی جھوٹی بات کی خبر نہیں دے سکتے۔ اور حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ ان لوگوں کی تعداد حد تواتر تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی تعداد گنی نہیں جاسکتی۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ خبر کا ثابت کرنا اس کی نفی کرنے سے اولیٰ ہوتا ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ اتنے مسلمانوں کو خطا کار کہنا اور ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کے احوال کو سچ مانیں۔ اور ان کی خبر کو درست کہیں۔ خاص کر جب ان کے جھوٹے ہونے اور بہتان طراز ہونے پر ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص ہم سے اثبات کی سند مانگتا ہے۔ ہم اس سے نفی کی سند

مانگتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ ہر زبان کے لوگوں کا اس پر اتفاق اور ان کے آثار نبوی ہونے کی خبر دینا کافی سند ہے۔ اور اہل انصاف کے نزدیک کسی بات کو ثابت کرنے کیلئے اس قدر دلیل موجود ہونا ''سند قوی'' ہے۔ وَبِاللّٰہِ الْمُسْتَعَانُ۔

اِنْتَھٰی کَلَامُ سَیِّدِی عَبْدِالْغَنِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ نَفَعَنَا بِبَرَکَاتِہٖ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

میں (علامہ نبہانی) ابھی تک اس کتاب کو نہیں دیکھ سکا۔ نہ ہی کہیں کسی کے پاس ہونے کی اطلاع ملی۔ جو علامہ تقی الدین حصنی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی۔ اور جس کا ذکر علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے کیا۔ علامہ حصنی رحمۃ اللہ علیہ مسلک شافعیہ کے جلیل القدر امام تھے۔ اور ہمارے سادات صوفیاء کرام میں سے عظیم شخصیت تھے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المنن'' میں ان کی کرامات ذکر فرمائیں۔ جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کا ولایت میں بہت اعلیٰ مقام تھا۔ شافعی المذہب تھے۔ ''متن ابی شجاع'' پر ان کی بہت بڑی شرح ہے۔ اور تصوف کے موضوع پر اور بھی تالیفات ہیں۔ موصوف کی قبر شام میں ہے۔ جو زیارت گاہ ہے۔ اور لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ تمام لوگ ان کی ''ولایت کبریٰ'' کے معتقد ہیں۔ اور ان کی عظیم امامت کے قائل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موصوف رحمۃ اللہ علیہ سید شریف تھے۔ ان کی اولاد جو شام میں ہی رہتی ہے۔ اس میں آج تک برکات موجود ہیں۔ ان میں علماء ہیں، تاجر ہیں اور ہر نیک پیشہ کے لوگ موجود ہیں۔ رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

اور جیسا کہ میں نے (علامہ نبہانی) جب ''شواہد الحق'' لکھی۔ اس وقت تک علامہ عارف نابلسی رضی اللہ عنہ کے ''سفر نامہ'' حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور ان کی کتاب ''الرد المتین علی منتقص العارف محی الدین'' پر بھی کامیابی نہ ہو سکی۔ اور میں نے ان دونوں کتابوں کے جو حوالہ جات اس کتاب (جواہر البحار) میں درج کئے ہیں، وہ کر دیئے۔ اس وقت تک مجھے ''ابن بطوطہ'' کے سفر نامہ کی عبارت پر بھی اطلاع نہ ہو سکی۔ ''ابن بطوطہ'' امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے۔ عالم تھے اور جس بزرگ نے ان کے سفر نامہ کی تہذیب و ترتیب کی۔ وہ بھی مالکی علماء میں سے ہیں۔ اس سفر نامے میں بھی ''ابن تیمیہ'' کے متعلق عبارت ہے۔ میں اسے حرف بحرف درج کرتا ہوں۔ تاکہ تمہاری معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حکایت: دمشق میں حنبلی فقہاء میں سے ایک بڑے فقیہہ تقی الدین بن تیمیہ تھے۔ شام کی مشہور شخصیت تھے۔ مختلف فنون میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن ان کے عقل میں کچھ خرابی تھی۔ اہل دمشق ان کی

بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ انہیں منبر پر بٹھاتے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایسی بات کہی۔ جس کا دوسرے تمام فقہاء نے انکار کیا۔ اور یہ معاملہ ملک ناصر کے پاس لے گئے۔ ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو پیغام بھجوایا کہ وہ خود قاھرہ آئے۔ قاضی صاحبان اور فقہاء کرام بھی ملک ناصر کی مجلس میں جمع ہو گئے۔ اور علامہ شرف الدین زواوی مالکی رحمۃ اللہ نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ اور کہا کہ اس شخص (ابن تیمیہ) نے فلاں فلاں بات کہی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں انہوں نے شمار کیں۔ جو ابن تیمیہ نے کہی تھیں۔ اور ان کا انکار کیا گیا تھا۔ شریف الدین موصوف نے ثبوت پیش کئے۔ اور قاضی القضاۃ کے سامنے رکھ دیئے۔ قاضی القضاۃ نے ابن تیمیہ سے پوچھا۔ تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا۔ لا الہ الا اللہ قاضی القضاۃ نے دوبارہ پوچھا۔ ابن تیمیہ نے پہلے کی طرح پھر وہی جواب دیا۔ تو ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو جیل میں ڈالنے کا حکم دیدیا۔ کئی سال وہ جیل میں رہا۔ اور جیل میں رہتے ہوئے اس نے قرآن کریم کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام ''بحر محیط'' رکھا۔ جو تقریباً چالیس مجلدات پر مشتمل تھی۔ پھر ابن تیمیہ کی والدہ نے ملک ناصر کی منت سماجت کی۔ تو ملک ناصر نے رہائی کا حکم دیدیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نے ویسی حرکت کی جیسی پہلے کر چکا تھا۔ اور میں (ابن بطوطہ) اس وقت دمشق میں ہی تھا۔ میں جمعہ کے دن گیا۔ اس وقت یہ جامع مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا اور عوام کو نصیحت کی باتیں کہہ رہا تھا اس کی گفتگو میں سے چند جملے یہ بھی تھے۔ ''بیشک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اس طرح نیچے آتا ہے جس طرح میرا نیچے آنا۔ یہ کہہ کر منبر کے ایک زینہ سے اتر کر نچلے زینہ پر آ گیا۔ ایک مالکی فقیہہ نے اس پر اعتراض کیا۔ جو ''ابن الزھراء'' کے نام سے معروف تھے اور اس کی گفتگو کا انکار کیا۔ لوگ اس فقیہہ کی طرف لپکے اور اسے زدوکوب کیا۔ بعض نے ہاتھوں سے اور بعض نے جوتیوں سے مارا۔ اس قدر مارا پیٹا کہ ان کا عمامہ سر سے گر پڑا۔ اور ان کے سر پر ریشم کا بوسیدہ ٹکڑا لوگوں کو نظر آیا۔ جو ان کے عمامہ کے نیچے تھا۔ جس پر لوگوں نے ان کے لباس پر اعتراض کرنا شروع کر دیا اور یہ مقدمہ مسلک حنبلی کے قاضی جناب عزالدین بن مسلم کے پاس لے گئے۔ قاضی صاحب نے اسے جیل ڈالنے کا فیصلہ دیا۔ اور ان پر تعزیر بھی لگائی گئی۔ اس تعزیر پر مسلک شافعی اور مالکی کے فقہاء کرام نے اعتراض کیا اور یہ فقہاء کرام اس معاملہ کو ملک الامراء سیف الدین تنکیز (چنگیز) کے پاس لے گئے۔ یہ شخص بہت اچھا حاکم تھا۔ اور نیک حکمرانوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس نے ملک ناصر کی طرف اس بارے میں لکھا۔ اور ایک شرعی دستاویز تیار کی۔ جو ابن تیمیہ کے ان اقوال پر مبنی تھی۔ جو ''منکرات'' میں شامل تھے۔ ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاقوں کا بھی تھا۔ کہ ابن تیمیہ کے نزدیک

ایک لفظ سے تین طلاقیں نہیں ہوسکتی تھیں۔ بلکہ صرف ایک ہوتی ہے۔اور ایک مسئلہ یہ بھی تھا۔جو مسافر اپنے سفر کے وقت یہ ارادہ کرے کہ میں یہ سفر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کیلئے کررہا ہوں وہ نماز میں قصر نہیں کرسکتا۔(کیونکہ یہ سفر ناجائز ہے۔اور ناجائز سفر پر جانے والے کو رعائت نہیں ملتی)ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل تھے۔جن میں ابن تیمیہ نے اسی طرح کا خلاف شرع قول کیا تھا۔یہ دستاویز ملک ناصر کے پاس بھیجی گئی۔ملک ناصر نے ابن تیمیہ کو اس مرتبہ قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا۔پھر دوران قید ہی اس کا انتقال ہوگیا۔(انتھت عبارۃ ابن بطوطہ)۔

میں (علامہ نبہانی) نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں چاروں مذاہب کے جید علماء کرام کے اس موضوع پر اقوال کثیرہ ذکر کئے ہیں۔جن کے ہوتے ہوئے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔لیکن میں نے جو کچھ یہاں ذکر کیا ہے۔یہ اس لئے تاکہ اس (ابن تیمیہ) کی بدعات کو زیادہ نفرت سے دیکھا جائے۔اس کے ساتھ ساتھ میں یہاں (جواہر البحار میں) اس کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' سے بہت سے فوائد اور اہم باتیں نقل کی ہیں۔کیونکہ ایسے بڑے آدمی سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جاتی ہے۔جس کا علم کثیر ہو۔جس کا تقویٰ وافر ہو۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو۔ وہ مسئلہ یا مسئلہ جات جو معلوم ہیں۔اور جن قابل اعتراض باتوں میں اس کے قدم ڈگمگا گئے۔اور جمہور امت محمدیہ کے خلاف لکھا۔یہ مسائل اس بات کی نفی نہیں کرتے۔کہ ایسے شخص کا علم وتقویٰ تسلیم نہ کیا جائے۔مثلاً ابن تیمیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ''جہت'' ہے۔اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء واولیاء کرام سے ''استغاثہ'' کو ممنوع کیا۔اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہرہ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا ''حرام'' بتایا۔اور دیگر ''زیارات'' کیلئے بھی سفر کرنے کو منع کیا۔ یہ باتیں ابن تیمیہ نے اپنے اس خیال کی بنا پر کیں۔کہ ایسا کہنا اس کے نزدیک درست تھا۔اگرچہ ان مسائل میں اس کی خطاء روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔لیکن ''بشر'' خطاء بھی کرتا ہے درست بھی کرتا ہے۔اور یہ بھی ایک بشر تھا۔اس سے بھی خطاء صواب دونوں ہوئے۔لیکن اس کی درست باتیں اس کی خطاؤں سے بہت زیادہ ہیں۔لیکن اس کی یہ بدعات اس زمانہ میں بعض مفتون لوگوں کی وجہ سے بہت پھیلیں۔لہٰذا ان کا رد کرنا لازم ہے۔تاکہ مسلمانوں کیلئے نصیحت بن جائے۔وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن۔

امام السبکی رضی اللہ عنہ کے بارے میں "بشارت" اور قصیدہ کے ذریعہ میرا ان کی مدد کرنا

میں (علامہ نبہانی) نے نماز فجر کے بعد رجب ۱۳۲۴ھ کی ابتدائی تاریخوں میں اتوار کے دن خواب دیکھا۔ کہ میں حضرت امام تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کر رہا ہوں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ موصوف بیت المقدس کی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں۔ اور ان کی قبر تعمیر شدہ نہیں۔ بلکہ عرصہ دراز ہونے کی وجہ سے اس کے پتھر بھی ادھر ادھر ہو چکے ہیں۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ حکومت وقت دولت عثمانیہ سے اس بات کی اجازت لوں گا۔ کہ جہاں شیخ موصوف کی قبر ہے۔ اس رقبہ میں ایک مسجد تعمیر کراؤں گا۔ جو ان کی شان کے مطابق ہوگی۔ پھر جب میں ان کی زیارت کیلئے حاضر ہوا تو ان کی قبر شریف کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ اور پھر بیٹھ گیا۔ تاکہ ان کے ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم کا کچھ حصہ تلاوت کروں۔ وہاں دیکھا ایک شخص اعلیٰ جنس کی کھجوریں فروخت کر رہا ہے۔ میں اس قرأۃ کے دوران خریدنے لگا۔ (یعنی قرآن پڑھ رہا تھا اور کھجوروں کی خرید بھی کر رہا تھا) اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا۔ کہ میں سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا ہوں اور میرے دل میں شیخ موصوف کی محبت موجزن ہے۔ کیونکہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کے بہت بڑے حامی تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی تصنیف "شِفَاءُ السَّقَامِ فِي زِيَارَةِ خَيْرِ الْأَنَامِ" کے ذریعہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے "ابن تیمیہ" کا جی بھر کا رد لکھا۔ اور اس کے علاوہ ان بدعتیوں کا بھی تیا پانچہ کیا۔ جو مخصوص بدعات میں ابن تیمیہ کے چیلے تھے۔ اس پر ابن تیمیہ کے پٹھوؤں کی ایک جماعت نے نظم و نثر میں شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا رد لکھا۔ اور قابل مذمت تیر برسائے۔ میں نے موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں مدد کرتے ہوئے کتاب "شواہد الحق" تحریر کی۔ اور میں نے اس کتاب میں ان کے چلائے تیر واپس انہی کے سینوں میں چبھو دیئے۔ ایسا میں نے اس لئے کیا کہ حق کی محبت اور سید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میں بھی شامل ہو جاؤں۔ اور میں نے خیال کیا کہ میں یہاں اس کتاب جواہر البحار میں بھی اپنا وہ قصیدہ فریدہ درج کر دوں۔ جس میں میں نے ایسے لوگوں کو خوب رگڑا دیا ہے۔ اور میں نے واضح کیا کہ یہ لوگ واقعی مرمت کے قابل ہیں۔ بلکہ خوب مذمت اور ملامت کے

مستحق ہیں۔ اور میں نے اس قصیدہ کو اپنے ایک اور رسالہ "دَفْعُ الْاِشْتِبَاهِ فِي اسْتِحَالَةِ الْجِهَةِ عَلَى اللّٰهِ" کی تصنیف کے بعد "شواہد الحق" میں لکھا تھا۔ اور قصیدہ کے شروع کرنے سے پہلے میں نے یہ لکھا۔

اب ہمیں ابن تیمیہ کی تصنیفات کا جائزہ لینا چاہئے۔ ان میں سے چار کتابیں وہ ہیں۔ جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ۱- "اَلْجَوَابُ الصَّحِيْحُ عَلٰى مَنْ بَدَّلَ دِيْنَ الْمَسِيْحِ" اس کتاب میں ابن تیمیہ نے نصاریٰ کا رد لکھا ہے۔ ۲- منہاج السنۃ۔ اس میں روافض (شیعہ) کا رد لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ابھی چند دن ہوئے چھپی ہے۔ اس کے چھپنے سے پہلے میں اپنی کتاب "اَلْوَسَالَةُ الْبَدِيْعَةُ فِي فَضْلِ الصَّحَابَةِ وَاِقْنَاعِ الشِّيْعَه" مصر بھیج چکا تھا۔ تاکہ اسے طبع کیا جائے۔ ابن تیمیہ کی کتاب مجھے اس کے چھپنے کی پہلے کوئی اطلاع نہ تھی۔ یہی وجہ بنی کہ میں اس کے اقتباسات اپنی کتاب میں درج نہ کر سکا۔ اگر مجھے اس کے بارے میں پہلے علم ہو جاتا۔ اور مجھے کہیں سے دستیاب ہو جاتی۔ تو میں اس سے کچھ حاصل کرتا۔ اور اپنے رسالہ میں اس کی کچھ باتیں شامل کر لیتا۔ بہر حال میرا رسالہ بحمد اللہ اس موضوع پر کافی ہے۔ اور اس کی عبارت بڑی واضح اور دلائل بہت وزنی ہیں۔ ۳- "بَيَانُ مُوَافَقَةِ صَرِيْحِ الْمَعْقُوْلِ لِصَرِيْحِ الْمَنْقُوْلِ" یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ اس میں ابن تیمیہ نے اہل سنت و جماعت اشاعرۃ اور ماتریدیہ وغیرہ مسلمانوں کا رد لکھا ہے۔ ۴- اَلْفُرْقَانُ بَيْنَ اَوْلِيَاءِ الرَّحْمٰنِ وَ اَوْلِيَاءِ الشَّيْطَانِ۔ اس میں ابن تیمیہ نے مسلمانوں کے چیدہ چیدہ حضرات اولیاء کرام اور عارفین کاملین کا رد لکھا ہے۔ جیسا کہ سیدنا شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ عنہ۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا۔ تو اب تم یہ بھی بخوبی جان لو گے۔ کہ ابن تیمیہ اور ابن حزم دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے وٹے ہیں۔ ابن حزم نے کتاب الملل والنحل لکھی۔ اس کے قلم سے نہ کوئی کافر بچا اور نہ کوئی مسلمان، نہ کوئی بدعتی بچا اور نہ کوئی عارف باللہ۔ علامہ امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کی کتابوں کا رد لکھا۔ اور یہ رد اشعار کی صورت میں بھی لکھا۔ جن میں اس کی کتاب "منہاج السنۃ" کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ پر اس کی بعض بدعات کے پیش نظر اعتراض بھی کیا ہے۔ پھر امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہنے والوں نے اپنا کام دکھایا۔ ان کی تردید کرنے والے دو شخص سرفہرست ہیں۔ دونوں "حشویہ" ہیں۔ اور ابن تیمیہ کے ہم عقیدہ ہیں۔ ایک ان میں سے حنبلی ہے اور دوسرا اپنے آپ کو شافعی گمان کرتا ہے۔ بہر حال حنبلی کا نام ابوالمظفر یوسف بن محمد بن مسعود العبادی العقیلی السرمری نزیل دمشق ہے۔ اور اپنے خیال کے مطابق شافعی کا نام محمد بن

یوسف الیمنی الیافعی ہے۔ اس کے قصیدہ کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جلاء العینین'' میں ذکر کیا ہے۔ ان دونوں نے طویل قصیدہ اس بارے میں لکھا۔ جس کے سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ جن میں امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات تھوپے گئے۔ اور وہ باتیں ان کی طرف محمول کی گئیں۔ جو کسی مسلمان سے ہوئی غیر متوقع ہیں۔ چہ جائیکہ اتنے عظیم عالم دین سے ان کا سرزد ہونا یہ دونوں نظمیں ''منہاج السنۃ'' کے آخر میں مطبوع ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں ان دونوں کے قصیدہ کو ان کے عمل کے ساتھ پرکھوں، موازنہ کروں۔ یہ اس ارادے سے تاکہ میں ''اثبات حق'' اور ''ابطال باطل'' واضح کروں۔ میرا مطمع نظر یہی ہے اور میں چاہتا ہوں۔ کہ مذہب صحیح کو مذہب نامہذب سے الگ کردوں۔ اس لئے میں نے بھی درج ذیل قصیدہ اسی بحر اور قافیہ میں لکھا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے، ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عفو و عافیت مانگتا ہوں۔ میں نے اس قصیدہ میں دلائل قاہرہ ظاہرہ باہرہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے ''جہت'' کا اثبات محال بتایا ہے۔ اور میں نے استغاثہ کے جواز پر بھی گفتگو کی ہے۔ علاوہ ازیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کیلئے ''شدرحال'' کے جواز پر بھی دلائل ذکر کئے ہیں۔ ایسے دلائل جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتی۔ اور نہ ہی نقل انہیں منع کرتی ہے۔ یہ میں نے ان لوگوں کے رد میں لکھا ہے۔ جو اس کے مخالف ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا هُنَالِكَ۔ (اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اشعار درج فرمائے۔ جن کا صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔ کیونکہ اگر اشعار لکھے جائیں تو ان کی ہی تعداد ۱۵۳ ہے۔ جس سے بلا وجہ کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مترجم)۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی کہ جن کے سہارے میں حق کی مدد کیلئے مستعد ہو جاؤں۔ تاکہ میں اپنے مطلب و مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ اے اللہ! میں عاجز تجھ سے ہی مدد کا خواستگار ہوں۔ میری مدد فرما۔ میں تیری رضا کا طالب ہوں مجھے بہترین خوشنودی سے بہرہ ور فرما۔ تیری وہ ذات ہے جو اگر لومڑی کی مدد کردے تو وہ شیر پر حملہ آور ہو جائے یا اگر تو شیر کو ذلیل و رسوا کردے تو وہ لومڑی کے مقابلہ میں بے بس ہو جائے۔ اور میں یقیناً اپنی کمزوری کو جانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی مفید عمل نہیں اور نہ ہی اصول کا علم ہے۔ میرا سارے کا سارا سرمایہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وجاہت ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اس بارے میں میری مدد فرما اور اس کیلئے اعانت فرما۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاہ و جمال کے سبب اہل سنت کے تمام علماء دین پر رحم فرما۔ خواہ وہ بھولنے والے ہیں یا آگاہ ہیں۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہمیں ان احکام کا کوئی علم نہ ہوتا جو تو نے

یوسف الیمنی الیافعی ہے۔ اس کے قصیدہ کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جلاء العینین'' میں ذکر کیا ہے۔ ان دونوں نے طویل قصیدہ اس بارے میں لکھا۔ جس کے سو سے زیادہ اشعار ہیں۔ جن میں امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات تھوپے گئے۔ اور وہ باتیں ان کی طرف محمول کی گئیں۔ جو کسی مسلمان سے ہونی غیر متوقع ہیں۔ چہ جائیکہ اتنے عظیم عالم دین سے ان کا سرزد ہونا یہ دونوں نظمیں ''منہاج السنۃ'' کے آخر میں مطبوع ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں ان دونوں کے قصیدہ کو ان کے عمل کے ساتھ پرکھوں، موازنہ کروں۔ یہ اس ارادے سے تاکہ میں ''اثبات حق'' اور ''ابطال باطل'' واضح کروں۔ میرا مطمع نظر یہی ہے اور میں چاہتا ہوں۔ کہ مذہب صحیح کو مذہب نامہذب سے الگ کر دوں۔ اس لئے میں نے بھی درج ذیل قصیدہ اسی بحر اور قافیہ میں لکھا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے، ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عفو و عافیت مانگتا ہوں۔ میں نے اس قصیدہ میں دلائل قاہرہ ظاہرہ باہرہ سے اللہ تعالیٰ کیلئے ''جہت'' کا اثبات محال بتایا ہے۔ اور میں نے استغاثہ کے جواز پر بھی گفتگو کی ہے۔ علاوہ ازیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کیلئے ''شدرحال'' کے جواز پر بھی دلائل ذکر کئے ہیں۔ ایسے دلائل جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتی۔ اور نہ ہی نقل انہیں منع کرتی ہے۔ یہ میں نے ان لوگوں کے رد میں لکھا ہے۔ جو اس کے مخالف ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا ھُنَالِکَ۔ (اس کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ اشعار درج فرمائے۔ جن کا صرف ترجمہ پیش خدمت ہے۔ کیونکہ اگر اشعار لکھے جائیں تو ان کی ہی تعداد ۱۵۳ ہے۔ جس سے بلا وجہ کتاب کی ضخامت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مترجم)۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی کہ جن کے سہارے میں حق کی مدد کیلئے مستعد ہو جاؤں۔ تاکہ میں اپنے مطلب و مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ اے اللہ! میں عاجز تجھ سے ہی مدد کا خواستگار ہوں۔ میری مدد فرما۔ میں تیری رضا کا طالب ہوں مجھے بہترین خوشنودی سے بہرہ ور فرما۔ تیری وہ ذات ہے جو اگر لومڑی کی مدد کر دے تو وہ شیر پر حملہ آور ہو جائے یا اگر تو شیر کو ذلیل و رسوا کر دے تو وہ لومڑی کے مقابلہ میں بے بس ہو جائے۔ اور میں یقیناً اپنی کمزوری کو جانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی مفید عمل نہیں اور نہ ہی اصول کا علم ہے۔ میرا سارے کا سارا سرمایہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وجاہت ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اس بارے میں میری مدد فرما اور اس کیلئے اعانت فرما۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جاہ و جمال کے سبب اہل سنت کے تمام علماء دین پر رحم فرما۔ خواہ وہ بھولنے والے ہیں یا آگاہ ہیں۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہمیں ان احکام کا کوئی علم نہ ہوتا جو تو نے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکر مبعوث فرمایا۔ اور ہم ان کی تلاش سے عاجز ہوتے۔ ان جلیل القدر سنی علماء میں سے ایک امام ابوالحسن السبکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جو دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر ہیں۔ جنہیں تیری رضا کے بادل سیراب کریں اور جو تیری بارش کے پیاسے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے جواز پر "شفاء السقام" کتاب لکھی۔ تمام مومنوں کی روحیں اس سے شفایاب ہوئیں۔ اور چند گمراہ اور نادان لوگوں نے از روئے حسد ان کی مذمت کی۔ اور شرم وحیا ان کے قریب نہیں پھٹکے۔ ان کی پیدائش ہی بری تھی اور ان کے راستے گمراہی کے تھے۔ وہ راہ بھٹکا دینے والی زمین میں ڈینگ مارنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگئے۔ انہوں نے امام السبکی کے بارے میں جو باتیں بے وقوفی سے کہیں۔ اللہ ان کو قبیح کردے۔ انہوں نے کس قدر جھوٹ بکا اور کتنی سفاہت سے کام لیا۔ ناحق باتیں خود اپنی طرف سے بنا کر ان کے خلاف قلمی لڑائی لڑی۔ اور جو جھوٹ بن سکا انہوں نے بنایا۔ حالانکہ خود ایسی باتوں کے حقدار تھے۔ اور اس پر بڑی ڈھٹائی اور جھوٹے فخر سے کہا۔ ہمارا مذہب کسی سے لڑنا نہیں۔ اور جو لڑائی کا مطالبہ کرتا ہے ہم اس کو خاموشی سے جواب دیتے ہیں۔ پس تم ان کے افتراء دیکھو۔ اور انکی حالت پر تعجب کرو۔ یہ دورنگی بھی ان کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اے حق مبین کے منکر! ہوش کر۔ اے سونے والے! بہت سو چکا اب جاگ۔ تو نے اپنا آپ ہلاک کر دیا اب خود پر رحم کھا۔ اور اس بدعت کو ترک کر دے جس سے تجھے آزمایا گیا۔ اور ایسی بات کہنا ترک کر دے جس سے تو شقی ہو گیا۔ تو نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا اہل نہیں قرار دیا کہ ان کی زیارت کیلئے "شد رحال" کیا جائے۔ یا جو آپ سے استغاثہ کرتا ہے آپ اس کی فریاد سننے اور دور کرنے کے تیرے نزدیک اہلیت نہیں رکھتے تو ذرا خود اپنے بارے میں غور کر کہ تو نے کتنے دین و دنیا کے امور کیلئے عزم سفر کر کے سفر کیا۔ اور اپنی مرادوں کیلئے کہاں کہاں پھرا۔ "شد رحال" والی حدیث تو صرف مساجد کے بارے میں آئی ہے۔ دیگر امور کیلئے نہیں۔ جسے تو نے عرصہ سے سن رکھا ہے۔ اور "استغاثہ" جسے تو ناجائز کہتا ہے اس کا معنی یہی ہے۔ کہ یا رسول اللہ! ہماری امیدوں کے بارے میں اللہ رب العزت کے ہاں ہمارے لئے شفاعت کیجئے۔ اس میں کون سا گناہ اور کونسی حرج ہے۔ ہاں اس میں گناہ وہی کہے گا جو شبہ کے ڈنگ سے مر گیا ہو۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مولیٰ اور آقا کے ہاں شفاعت فرمانے والے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں فریادی کی مدد فرمانے والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ لوگو! اس سے فضل کو کون روک سکتا ہے جسے اِلٰہ العالمین نے اپنا محبوب بنایا ہو۔ خدا کی قسم! خدا سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے

گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا وہ ہو کر رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی عقل مند موجود نہ ہوتا جو ایسی باتوں سے ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو منع کرتا یا ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا نہ کرتا۔ (ان بدمذہبوں کی گمراہی اسی پروردگار کے ارادے سے ہوئی) اے انسان! تجھے کیا ہو گیا کہ تو بات کی تحقیق نہیں کرتا تا کہ تجھے اس کے صواب کی طرف راستہ دکھایا جاتا۔ ہاں ہاں تو وہی ہے جس نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ بھی ''جہت'' میں ہے۔ اور تجھے تشبیہ دیتے شرم نہ آئی جس سے تو گمراہ ہو گیا۔ تو یہ عقیدہ کہاں سے لایا؟ یہ دیکھو تمہارے امام جنہیں تم اپنا مقتدا مانتے ہو یعنی امام احمد نے تو یہ بات بخدا! ہرگز نہیں کہی۔ ان کے تابع ابو الفرج جوزی سے ہی پوچھا ہوتا۔ وہی تجھے سچ حق بتا دیتے۔ لہٰذا تو اچھی طرح جان لے اور اس پر لازماً عمل کر۔ اور تیرا یہ بھی زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔ تو نے ذات باری تعالیٰ پر ''حدوث'' کے اوصاف جڑ دیئے اور ''توسل'' سے تو راضی نہیں اس سے تو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مشرکین کا فعل ہے۔ تو نے اپنے رب کی اپنے زعم کے مطابق شرک سے تنزیہہ کی۔ لیکن اس کی شبہ اور مشابہت سے تنزیہہ کرنا بھول گیا۔ شریک ٹھہرانے سے تو جال میں پھنس گیا۔ جہاں سے خلاصی چاہی تھی وہیں جا گرا۔ رہا طلاق ثلاثہ کا مسئلہ تو اس میں مخالفت کرنے والا خود اپنے مذہب کے اعتبار سے نالائق ہے۔ تو چاہتا ہے کہ ایسے مسئلہ کے بارے میں تیری مدد کی جائے جس میں تو نے خطا کھائی۔ اور اس میں تمام مسلمانوں کا خلاف کیا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ تو باطل سے قطعاً حیاء نہیں کرتا جب تو اسے بطور برائی کرتا ہے۔ رہی گفتگو اس موضوع پر کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف ''حوادث'' کے اوصاف سے بلند و بالا ہیں۔ اور تو ان کا اثبات کرتا ہے۔ اس کیلئے مقام ''علم کلام'' ہے۔ جس کا ارادہ ہو کہ وہ حقیقت جانے اسے اس علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اے نفس! اس قدر خطاب تیرے لئے کافی ہے۔ اور اس خطاب سے میں نے مخاطب کی کافی درگت بنا ڈالی ہے۔ اور وہ لائق بھی اسی خطاب کا تھا۔ اور میں نے جو کچھ اس کے بارے میں کہا ہے وہ اس کے مناسب حال ہے۔ اور اسی طرح ہر اس شخص کیلئے خطاب ہے جو اسی کا ساتھی ہے۔ صرف اس سے مخصوص نہیں۔ ایک طرف مخالفین کی جماعت ہے۔ اور دوسری طرف امام السبکی اکیلے ہیں۔ اور خاص کر وہ دونوں تو اپنے گروہ میں قابل شمار آدمی ہیں۔ دونوں نے علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اپنی بے وقوفی سے اشعار لکھ دیئے۔ جو سراسر جھوٹ کا پلندا ہیں۔ اور انہوں نے اپنا مذہب ''حشویہ'' ظاہر کر دیا۔ دونوں اپنے بڑے آقا کے بعد اس کے جانشین ہیں۔ دونوں اس کے ہم صحبت ہونے کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ لیکن دونوں میں باہم فرق ہے۔ جس کی بنا پر وہ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے

باوجود دونوں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر عیب لگانے میں ایک دوسرے پر متفق ہیں۔ ان میں سے ''حنبلی'' کیلئے تو عذر ہو سکتا ہے۔ کہ میں بھی حنبلی اور میرا بڑا (ابن تیمیہ) بھی حنبلی تھا۔ لہٰذا میں نے باطل باتوں میں اس کی طرف داری کی۔ لیکن ''یمانی'' تو اپنے ائمہ حضرات کا معذور کیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے مشرب و مذہب میں جو خلط ملط کیا۔ اس بنا پر وہ خطا کار ہے۔ اس پہلے نے ''قیاس'' میں کوئی نئی بات نہیں کہی۔ ہاں اس ''یمانی'' نے انتہائی عجیب و غریب قول کیا ہے۔ اے یافعی! اگر اس کی وجہ سے تجھے شرم آتی ہے تو ''ابن اسعد'' سے فخریہ تعلق رکھتا ہے۔ مجھے اس کی باتوں پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ جس طرح اس کا اپنے آپ کو ''شافعی'' کہلانا میرے لئے تعجب کا باعث نہیں۔ یہ اس کا تذبذب ہے۔ جس میں اس نے افتراء کیا۔ ایک دن تو ''یمانی'' بن جاتا ہے۔ جس دن ''یمانی'' سے تو ملتا ہے۔ اور اگر تجھے ''شامی'' مل جاتا ہے۔ تو اس سے عقیدہ ''حشویہ'' قبول کر لیتا ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہاں ایسا ''حشوی'' عقیدہ بیان کیا ہے۔ جس کا تو داعی ہے۔ اگر کہیں لکھا تو ہمیں بھی دکھا۔ کیا امام شافعی نے ''الام'' میں لکھا ہے؟ وہاں تو ہے نہیں۔ یا ''الرسالۃ'' میں لکھا ہے؟ یا تجھے کہاں اور کس کتاب میں لکھا مل گیا جو تو نے پیش کیا ہے؟ کیا شیخ شیراز نے اسے گھڑا ہے۔ اور ''نص'' میں اسے محقق رکھا۔ ذرا اس بارے میں ہمیں بھی خبر دے یا انہوں نے ''مہذب'' میں اس کا ذکر کیا ہے؟ یا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے؟ یا ہمارے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول کیا ہے؟ یا ''فخر الدین'' نے اپنے مطالب میں کہا ہو؟ یا امام جوینی نے ''ارشاد'' میں اس کا تذکرہ کیا ہو؟ انہوں نے یہ مسئلہ اپنی فقہ میں لکھا ہے یا اپنے عقائد میں؟ ان تمام حضرات نے تو اس کی مذمت کی ہے اور اس کے قائل کی بھی مذمت کی ہے۔ اب تو بغیر شرم و حیا کے اقرار کر کہ میں ''حشویہ'' سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے سے برأت کر۔ اگر تو نے امام شافعی کے مسلک کی صحیح حفاظت کی ہے اور اسے برا نہیں جانا تو ان کے مذہب کو اجاگر کرنے میں تو مرتا کیوں ہے؟ اور جب تو نے امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ پر بے وقوفی کی۔ اور ایسا ابن تیمیہ کے پیچھے چل کر کیا تو تو نے اپنے امام (شافعی) کو برا کہا۔ اور ان کی اقتداء کرنے والے تمام لوگوں کو برا کہا۔ بلکہ تو نے بہت برا الزام جناب خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مومنوں پر لگایا۔ تو نے یقیناً جھوٹ بکا۔ اور بدترین بات ''جھوٹ بکنا'' ہے۔ جب تو نے شیخ موصوف کے حق میں تکبیر سے وہ باتیں کہیں جو خود تیرے اندر موجود ہیں۔ بریکٹ میں جن اشعار کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اشعار ابوالمظفر شافعی نے امام السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہے ہیں۔ (پس تو ان باتوں کو باہر لا۔ اور رد کر۔ بخدا! تو ایسے جواب پائے گا جو بجلی کی کڑک کی مانند ہوں

گے اور ہر گزرنے والے کو بھسم کر دیں گے وہ جوابات عقلی نقلی ہوں گے۔ تفصیلی آیات ہوں گی۔ جن سے دل کی چربی پگھل جائے گی۔ تلوار کی دھار کی طرح دل سے پار ہو جائیں گے۔ تو دیکھے گا کہ نظم ونثر دونوں میں جوابات موجود ہوں گے۔ جب ان کی بارش ہوئی تو ذہن کو جلا ڈالے گی۔ قریب ہے کہ ان کا شعلہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے)۔

اور اس کے علاوہ جو کچھ تو نے اترا کر کہا۔ اللہ تیرے لئے ان باتوں میں کافی ہے جو تو نے خوشی میں آ کر کہیں۔ اگر تیرا فکر تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوتا تو تو شیطان سے جہاد کرتا ہوتا جس نے تجھے گمراہ کیا ہے۔ یا اے مغرور! تیرا ذہن بہت تیز ہوتا جیسا کہ تو کہتا ہے اور تو اس کے شعلوں سے ڈرتا ہے تو وہ تیرے دل میں ''حشویہ'' عقیدہ کو جلا ڈالتا۔ تو تو اس عقیدہ کی تخریب کاری سے بچ جاتا۔

بہر حال تیرا امام سبکی کی مذمت کرنا تو یہ ان کے کمال کی دلیل ہے جب تو نے ان کے خلاف منہ کھولا۔ اگر تو علامہ سبکی کو جانتا تو اس قسم کے شعر ان کے بارے میں نہ کہتا لیکن تجھے شعور ہی نہیں۔ تجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ان کے بارے میں شرم نہ آئی۔ اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ حیاء آئی۔ جنہوں نے آپ کی جماعت کی مدد کی۔ علامہ سبکی کے باپ دادا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکروں کی مدد کی۔ اور خود علامہ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ آپ کی مدد کی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں ان کی صرف ''الشفاء'' ہی ہوتی۔ تو بھی ان کے اکرام کیلئے کافی تھی۔ ''ابن تیمیہ'' کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خدمات ہیں۔ لیکن اسے آپ کے ادب و آداب کی توفیق نہ ملی۔ کیونکہ اس کا قول ہے کہ حضور ﷺ سے استغاثہ کرنے والے مشرک کی مانند ہیں۔ اور وہ زیارت کرنے والا جو آپ کے روضہ انور کی زیارت کی غرض سے جائے اس کے نزدیک گنہگار ہے۔ اس قول پر افسوس ہے کہ بہت بڑا گناہ کیا۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر نہیں کرتا۔ اگر چہ اس کی تکفیر کی گئی ہے۔ بلکہ اس کیلئے ذلت ورسوائی ضرور ہے۔ لیکن ابن تیمیہ کی نیکیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ جن کی وجہ سے اللہ مسبب الاسباب سے معافی ملنے کے اسباب ہیں۔ ان نیکیوں میں سے ایک نیکی تثلیث (عیسائیوں کے عقیدہ) کا جواب بھی ہے۔ جو ایسا صحیح جواب ہے کہ جس سے اس کی عزت میں اضافہ ہوا۔ اس کی ''منہاج السنہ'' کے راستہ پر رافضی نہیں چلے۔ اگر اس کتاب کو رافضی پڑھ لیتے۔ تو انہیں اپنے مذہب کی قباحت نظر آ جاتی۔ اس موضوع پر اس کتاب کی ''مثل'' نہیں۔ اور مختصر ہونے کے باوجود بہترین کتاب ہے۔ اے اللہ! سنی کو آسانی عطا فرما کہ وہ حشویہ مذہب سے خلاصی پائے تاکہ اسے سنت کی خوشبو مل سکے۔ اس بارے میں علامہ سبکی نے جو کہا۔ اسے غور سے پڑھو۔ ان کی

بات کتنی میٹھی اور کتنی کھری ہے۔علامہ موصوف نے یہ فرمایا ہے۔

(رافضی وہ لوگ ہیں۔جن کے ہاں اخلاق کا نام تک نہیں۔لوگوں میں سب سے بڑے جاہل اور جھوٹے ہیں۔لوگ ان کے بہتانوں کے رد سے بے پرواہیں۔کیونکہ ان کا مذہب ہی نہایت قبیح ہے۔ اور ''ابن المطہر'' کے اخلاق ناپاک ہیں۔جو رفض کی طرف بلاتا ہے اور اس میں بہت متعصب اور غالی ہے۔اس نے صحابہ کرام کے بارے میں بکواس کئے اور اسے افتراء باندھتے ہوئے کوئی شرم وحیا نہ آئی۔ ابن تیمیہ نے ان کا خوب رد لکھا ہے۔اور ان کی خوب ٹھکائی کی ہے۔لیکن اس نے حق مبین میں آمیزش کردی۔جیسا کہ صاف پانی میں گندڈال دیا جاتا ہے۔وہ ''حشویہ'' عقیدہ کے گرد چکر لگتا ہے۔اور مشرق ومغرب میں کسی جگہ ملے۔اسے حاصل کرنے کیلئے دوڑ لگا دیتا ہے۔اس کی رائے اور عقیدہ یہ ہے کہ جن حوادث کا اول نہیں وہ اللہ تعالیٰ میں ثابت کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس کے ظن سے کہیں بلند وبالا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا اور میرا قول دیکھتا پڑھتا جس میں میں نے اس کے مذکورہ قول کا رد کیا ہے اور وہ بھی ایسا رد کہ جس میں کوئی اشتباہ نہیں۔جیسا کہ میں نے '' طلاق'' کے بارے میں اس کا رد کیا ہے۔اور زیارت روضہ اکرم کے ناجائز ہونے کا رد کیا ہے۔تو وہ اس میدان کے پیچھے ہی کھڑا رہتا۔لیکن اس کے مرنے کے بعد یہ فائدہ تو نہیں مل سکتا۔اور اس کا جو ہر اس میں سے ہے جسے میں گمان کرتا ہوں۔رد دو حالتوں میں اچھا ہوتا ہے۔ایک دشمن قوی کے بناوٹی غصہ کو دور کرنے کیلئے اور دوسرا وہاں کہ جہاں لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔اور وہ اس سے بہرہ ور ہوسکیں۔اور عوام کو علم کلام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔بلکہ ہدایت کی بجائے عوام کیلئے اس کی طلب بدعت اور گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔اور مجھے اس علم میں کافی دسترس ہے۔اگر سننے والے کے ضعف کا خیال نہ ہوتا تو میں مہذب میں اس پر بھی نظم بسیط لکھتا)۔

ہاں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابن تیمیہ'' کے بارے میں جو کہا وہ سچ کہا۔اور وہ مبنی بر حقیقت ہے۔علامہ اپنے منصب سے ادھر ادھر نہیں بھاگے۔لوگوں میں سب سے زیادہ سچا وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار اور صاحب علم ہو۔ایسے شخص کی تکذیب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن معاف نہ کرے۔''ابن تیمیہ'' کی کتابیں ''حشویہ'' عقیدہ کی شاہد ہیں۔اور اس کے اس مذہب پر ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔جو اہل سنت وجماعت کے مذہب کے خلاف جاتا ہے اسے ''حشویہ'' کہا جاتا ہے۔ہم اسے ''معتزلہ'' نہیں کہیں گے۔''حشویہ'' عقائد والوں کے پاس نقل (قرآن وحدیث کے الفاظ کا ظاہری مفہوم) ہے۔اور معتزلہ والے عقل کے بندے ہیں۔اور اہل سنت وجماعت کے مسلک کے پاس دونوں (نقل وعقل) ہیں۔اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔یہ ان کی پہچان کیلئے القاب بن

گئے ہیں۔ یہ الفاظ آج انکا وصف بن چکے ہیں۔ ان سے ان کی مذمت نہیں کی جاتی۔ یہ ان کی اصطلاح ہے کہ ''حشوی'' وہ شخص ہوتا ہے جو جامد سنت کا ماننے والا ہوا اور ہر مشابہ لفظ کا جو بظاہر ہوتا ہے اس کا وہ معتقد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے جو وصف اس کے شایان شان ہو ابن تیمیہ نے اس سے کنارہ کیا۔ الگ مفہوم کو اپنا مذہب بنایا۔ ''حشویہ'' فرقہ وہ ہے جس کے ساتھی وہ لوگ ہیں جو حق کے بارے میں بڑے عقائد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سے پناہ۔ ان میں سے ایک ''مشبہہ'' ہے۔ دوسرا ''مجسمہ'' ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پاک نہ کرے۔ جو ایسے عقیدہ کے معتقد اور قائل ہیں۔ لیکن ''ابن تیمیہ'' ان میں سے دوغلا شخص ہے۔ میں اسے تنبیہ کرتا ہوں۔ اور اس کا بھی شکر گزار ہوں جس نے اسے تنبیہ کی۔ اس کی ''بدعت'' کی مذمت میں اتنا ہی کافی ہے۔ جب اس نے اس لفظ کو وارد نہیں کیا۔ تو بھی اسے پھینک دے۔ اور اس سے الگ ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کی ''شبہ'' سے تنزیہہ بیان کر اور ''جہت'' سے اسے پاک کہہ۔ غیب پر ایمان لا اور اس کو بن دیکھے ایسے عقائد سے محفوظ رکھ۔ اس لئے کہ ہمارے خالق کیلئے کسی جہت میں ہونا ''محال'' ہے۔ اور جو ''محال'' ہو ہمارا اس کا معتقد ہونا محال ہے۔ ہاں بلا جہت کسی موجود کا سمجھنا غیر نبی کیلئے بہت مشکل ہے۔ لوگو! اس پر آگاہ رہو۔ شریعت مطہرہ میں جو متشابہات آئے ہیں۔ ان کے لانے میں فہم کی حکمت ہے۔ ایسے متشابہات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ اگر کسی لفظ کے ظاہری معنی سے ''حدوث'' ثابت ہوتا ہو تو ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں گے ایسے الفاظ میں غیر اللہ کیلئے راز ہوتا ہے۔ یہ راز صرف اسے ہی بتائے جاتے ہیں جو اس کا محبوب و برگزیدہ ہو۔ اسی وجہ سے کہ ایسے الفاظ کے معانی میں احتمال و تاویل کی گنجائش ہے۔ ہمارے علماء کرام میں سے بعض نے ان کی تفسیر کی ہے۔ لیکن معنی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کا مقصد ایک ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس بیان کی جائے۔ جو الفاظ میں کہا گیا۔ اس کا حقیقی مفہوم اس کے سپرد ہے یا پھر اس کی تاویل کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جلالت میں تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ اور تمام کائنات پر اپنے قہر سے اسے غلبہ حاصل ہے۔ تمام جہات اس کی علامات ہیں۔ لیکن کوئی جہت اس پر مشتمل نہیں۔ وہ ''اَین'' اور ''شبہ'' سے بلند و بالا ہے۔ یہ زمین تو اسے غور سے دیکھ یہ تو کردی (گول) شکل کی ہے۔ اس کے اوپر آسمان اور اس سے اوپر عرش ہے جس نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب سے اوپر ہے لیکن اس کا اوپر ہونا ''کیف اور شبہ'' سے پاک ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ قرآن کریم میں یہ مذکور ہے۔ میں اس کی تکذیب کرنے سے بری ہوں۔ ہمیں کیا ہو گیا۔ کہ ہم اس کو دور سمجھ کر اسے پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ قریب ہے اور قریب

ہوتے ہوئے بھی وہ دور ہے۔

کیا بندہ اپنے مولیٰ اور سید کے قریب ہونے سے بھاگتا ہے جبکہ اس کا آقا اس کے بھاگنے کے وقت اس کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مخلوق معدوم تھی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے جس بات کا تو اس وقت معتقد ہے جس وقت اس نے کسی کو بھی نہ پیدا کیا تھا۔ تو اب بھی اس کے بارے میں وہی عقیدہ رکھ۔ کیونکہ اب بھی وہ وہی ہے۔ جو پہلے تھا۔ اسی عقیدہ پر راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ''عرش'' اسے اٹھائے۔ بلکہ عرش اس کیلئے اور اس کی وجہ سے محمول ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے۔ کہ وہ عرش پر قرار و آرام کئے ہوئے ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے عرش کی محتاجی ہے اور اسے عرش کی سواری کی ضرورت ہے لیکن عرش پر اس کا ''استویٰ'' ہے جس کی کیفیت ہمارے علم میں نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس سے مراد ''قہر'' ہے۔ وہ اپنی طرف آنے والے کیلئے دوڑتا اور تیز چلتا آتا ہے اور لوگ اس کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ وہ قریب ہے۔ بلند ہونا، اوپر ہونا اور اس کا نیچے اترنا بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ اس کا ہنسنا، غصہ کھانا بھی نہ معلوم ہے۔ اور بعض اشیاء سے اسے تعجب بھی ہوتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہے اس کا معنی بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ یونہی ہر وہ لفظ جس میں ''شبہ'' کا وہم ہو۔ اس کے صحیح مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو یا ایسی تاویل کرو جس میں ''مشابہت'' نہ پائی جاتی ہو۔ ان دونوں باتوں میں زیادہ سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ کے معانی اسی کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور ان کے معانی میں ''حدوث'' سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دیا جائے۔

سلف صالحین سے یہی مذہب ماثور ہے۔ اور تمام اہل تصوف اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک مختار و راجع یہی ہے۔ اور ہم ان کے مقتدی اس سے انکار نہیں کرتے۔ اور ابومنصور ماتریدی کا نظریہ ''سپرد خدا'' ہے۔ اور اگر ان کی تاویل کر دی جائے تو وہ قطعی معنی نہیں بن جاتا۔ جس کا ارادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک حاصل کرے تو ایسے کیلئے ہم یہی کہیں گے کہ اس نے ایسا ارادہ کیا جو اس کی امیدوں سے بھی باہر ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا ادراک نہ کسی جن، نہ کسی فرشتہ اور نہ ہی اس کے کسی مقرب نبی کو ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال سے متصف ہے اور منزہ ہے۔ اس کے کوئی مشابہ نہیں۔ کوئی مثل نہیں۔ اپنے خالق کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے نہ ہم ''حشویہ'' ہیں اور نہ ہی ہمارے مذہب میں ''اعتزال'' ہے اور نہ ہی ہم ان (حشویہ، معتزلہ) کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن انہیں ''بدعتی'' ضرور کہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے بعض باتوں میں صراحۃً غلطی کھائی ہے۔

ہمارے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاؤ اور حق کو تلاش کرنے کی جدوجہد کرو۔ وہ تو اس شعبہ میں گمراہ ہو گئے، حالانکہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ پھر بھی پھسل گئے اور ان کے اذہان میں جو ''شبہ'' آیا اس کی بنا پر راستہ بھول گئے۔ بعض دفعہ ضعیف الفہم کو بھی صحیح اور سیدھی بات دکھائی دے جاتی ہے اور وہ اپنا عقیدہ نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ سے ہی کوئی شخص ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے سے بہکا دے اس پر گمراہی آ پڑتی ہے۔ ہم ان (ابن تیمیہ اور اس کے چیلے) کو ہر مسئلہ میں غلط نہیں کہتے۔ بہت سا ان کا کلام درست ہے جس میں وہ کامیاب ہیں۔ فروعات اور دین کے دوسرے مسائل میں ان کا مذہب بھی دوسرے حنبلیوں کی مانند ہے اور شریعت مطہرہ کے موافق ہے۔ عقائد کے علاوہ دوسرے موضوع پر لکھی ان کی کتابیں علمی خزانے ہیں اور نفع بخش ہیں۔ لیکن اگر تجھے ان کی خفیہ چالوں کا علم نہیں تو ان باتوں کو چھوڑ دے جو تجھے شک و شبہ میں مبتلا کر دیں۔ ان سے بچنا ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر کامل مہربانی فرمائے۔ اس لئے تمام مومنوں کیلئے اس کی رحمت ہی سہارا اور ستون ہے۔

میں نے گزشتہ اوراق میں علامہ السبکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اچھا خواب لکھا جو ان کی جلالت قدر اور بیت المقدس کے صحن میں مدفون ہونے کے تقدس کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں میں اپنے اور بھی چند خواب ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جن میں سے بعض کا تعلق نبی اکرم ﷺ سے ہے اور چند دوسرے خواب ہیں۔ یہ اس لئے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تمہیں میرے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ خواب مجھ ناچیز پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔

علامہ نبہانی کے بعض خوش کن خواب

خواب ۱: میں نے رجب ۱۳۰۴ھ کی ابتدائی تاریخوں میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسے مکان میں کھڑا دیکھا۔ جسے میں نہیں جانتا تھا۔ میں آپ کے قریب سے گزرا۔ تو مجھے آپ کی طرف سے یہ آواز سنائی دی۔ ''میں قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتا'' شائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مجھے مخاطب فرمایا۔ بہر حال جب میں وہاں سے گزر گیا۔ تو میں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس کے بعد میری نیند اڑ گئی۔ لیکن مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''میں قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتا'' کی کوئی سمجھ نہ آئی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ''قیام اللیل'' اس قدر فرماتے کہ قدمہائے مبارکہ پر ورم آجایا کرتا تھا۔ اور آپ مختلف عبادات میں بہت محنت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف

کر دیئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے مراد میری ذات تھی۔ کیونکہ قیام اللیل کی طاقت نہ رکھنا میرا وصف تھا۔ کیونکہ رات کو قیام نہیں کیا کرتا تھا۔ اور توفیق نہ ہونے کی وجہ سے مجھ میں "قیام اللیل" کی ہمت بھی نہ تھی۔ کیونکہ میری صحت اور میرے حالات نامساعد و ناموافق تھے۔

خواب ۲: جمعرات کو میں نے خواب دیکھا۔ شائد یہ رات رجب ۱۳۲۴ھ کی دسویں تاریخ کی تھی۔ میں ایک شخص کے ہمراہ بیروت میں کھڑا ہوں۔ جس کا نام "بشیر" ہے۔ میں اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کر رہا ہوں۔ میں نے اسے کہا۔ "حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلہ "جوھرۃ نفیسہ" ہیں۔ اور تمام کائنات، عرش اور ان کی ہر چیز اور تمام انبیاء کرام مع ان کے تمام فضائل یہ بمنزلہ "دینار" ہیں۔ جو سونے کا بنا ہو۔ ان کی نسبت اس "جوہر نفیس" کے ساتھ "دینار" کی مانند ہے۔ یہ ہے وہ فرق جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل اور دیگر تمام انبیاء کرام کے فضل کے درمیان ہے۔ خواب میں اس شخص کو میں نے اسی قدر کہا۔

خواب ۳: محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کی ابتدائی تاریخوں میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ کہ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پڑھ رہا ہوں۔ جس کا معنی یہ ہے۔ "مومنین جب قیامت کے دن پل صراط سے گزر جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز سنیں گے۔ کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور تم میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ جنت میں سے کوئی محل بھی لے سکتا ہے۔ صرف ایک محل نہیں لے سکتا جو عرش کے دائیں جانب ہے۔ کیونکہ وہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے۔" اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور مجھے اس معنی کی کسی حدیث پر اطلاع نہیں۔ (یعنی اس مفہوم کی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں)۔

خواب ۴: ایک صالح تاجر محمد رضا الجزار الحموی نے مجھے شعبان ۱۳۲۴ھ میں بتایا کہ اس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ جبکہ وہ اپنے شہر کی آبادی میں تھا اور ابھی بیروت نہیں آیا تھا۔ دیکھا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خلوۃ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور آپ مجھے بعض باتیں بتا رہے ہیں۔ اور اس تاجر نے اندر آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اجازت نہ ملی۔ پھر اس نے ہمت کی اور اندر آ گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس چوما۔ اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔

خواب ۵: میری بیوی صفیہ نے مجھے بتایا کہ اس نے محرم ۱۳۲۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ شائد یہ محرم کی بارھویں رات تھی۔ آپ کی صورت مبارک انتہائی حسین اور سفید تھی۔ اور

آپ ایک بلند جگہ تشریف فرما تھے۔ اور آپ نے جب مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا۔ اور میرا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارکہ کے ساتھ بہت مضبوط مشابہت رکھتا ہے۔

خواب ۶: محرم الحرام ۱۳۲۶ھ میں مجھے میرے ایک نیک ساتھی سلیم آفندی سروجی بیروتی نے بتایا۔ کہ اس نے مدت ہوئی ایک آدمی سے سنا تھا جسے وہ خوب جانتا تھا۔ بیروت کا رہنے والا محلّہ کا نام ''البسطۃ'' اور اس کا اپنا نام سعید عیتانی تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبہانی کی صورت میں دیکھا۔ اور وہ کہنے لگا کہ میں یہ خواب نبہانی کو اس وقت بتانا بھول گیا اس نے مجھے ان خوابوں کی تحریر کے وقت وہ یاد کرایا۔ میں نے اسے کہا کوئی حرج نہیں۔ آپ مجھے اور اس خواب دیکھنے والے کو کہیں ملا دیں۔ تاکہ میں اس کی زبانی سن لوں۔ میرا ساتھی اسے ایک رات ساتھ لئے میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے نصیحت کی اور بتایا کہ خواب جان بوجھ کر جھوٹے بیان کرنا کبیرہ گناہ میں شامل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹی بات خواہ وہ خواب سے تعلق رکھتی ہو یا حالت بیداری سے، کبیرہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا اگر تو نے خواب دیکھا ہے تو اس میں اپنی طرف سے حاشیہ آرائی نہ کرنا۔ اور من وعن بیان کرنا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں من وعن بیان کروں گا۔ پھر اس نے مجھے بتایا۔ کہ تقریباً دو سال ہوئے اس نے ایک رات خواب میں ایک خوبصورت، عظیم شخصیت جو کمال رعب وہیبت والی تھی۔ جس کی نظیر میں نے جاگتے ہوئے کوئی نہ دیکھی تھی۔ وہ شخصیت میری (نبہانی) شکل میں متشکل تھی، مگر قد تھوڑا سا مجھ سے لمبا تھا۔ اور جسم معمولی سا مجھ سے موٹا تھا۔ دیکھا کہ وہ شخصیت ''جامع البسطۃ'' سے باہر تشریف لا رہی ہے۔ اور اس کے ارد گرد خادم پیدل چل رہے ہیں۔ میں نے وہاں کے ایک آدمی سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہیں؟ اس نے مجھے بتایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جانے پر بہت خوش تھا۔ اسی شخص نے مجھے یہ خواب سنانے کے بعد بتایا۔ کہ میں نے ایک اور خواب دیکھا تھا جس میں میں نے دیکھا کہ آسمان میں نور سے گاڑھے حروف میں یہ لکھا ہوا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

خواب ۷: میرا خیال ہے کہ ۱۳۲۵ھ ربیع الاول یا ربیع الثانی میں بیروت کے ایک نیک صالح تاجر میرے پاس تشریف لائے۔ جن کا نام عبدالباسط افندی الغندور ہے۔ جو رشتہ میں میری بیوی صفیہ کے ماموں ہیں۔ انہیں ایک بہت بڑی پریشانی نے آ گھیرا تھا۔ ایسی پریشانی اس سے قبل انہوں نے نہ دیکھی تھی۔ اس پریشانی کا سبب ان کے فوت شدہ بھائی سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد تھی۔ مجھ سے

انہوں نے بیان کیا کہ جب میری پریشانی بہت بڑھ گئی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کی کثرت شروع کر دی۔ تا کہ اس کے وسیلہ سے میرا رنج دور ہو جائے۔ میں اس پریشانی میں سو گیا۔ تو خواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے آپ سے اپنا حال بیان کیا۔ فرمانے لگے۔ یوسف نبہانی کے پاس جاؤ۔ تمہاری پریشانی کا حل اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں موصوف تاجر نے میرے بارے میں کچھ تعظیم بھرے الفاظ کہے جو میں نے حذف کر دیئے ہیں۔ بہر حال تاجر کہنے لگا چونکہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس لئے میں اپنی پریشانی کے بارے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس نے خواب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قسم اٹھائی کہ میں نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں کہا۔ اور میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خدا کی قسم! مجھے اس کے سچا ہونے میں شک ہوا۔ بلکہ مجھے تو اس کے جھوٹے ہونے کا یقین تک آ رہا تھا۔ اگر میں اس کو نیک اور صالح نہ پاتا۔ کیونکہ عام تاجروں کی بہ نسبت یہ روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے والا تھا۔ سودی کاروبار میں ملوث نہ تھا۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود مجھے اس کی بات پر یقین آ رہا تھا اور اس کی ضرورت اور پریشانی کا میرے ہاتھوں دور ہونا میں اسے ناممکن سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ اس کا اور اس کے چچازاد بھائیوں کے درمیان جو اختلاف تھا۔ اس کا میرے محکمہ سے قطعاً تعلق نہ تھا۔ وہ تو "قاضی" سے تعلق رکھتا تھا۔ اور جب میں دیکھتا کہ اس کا معاملہ میرے محکمہ سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ تو پھر اس کا میرے ہاتھوں حل ہونا میں اسے کس طرح تسلیم کرتا کہ اس کا خواب سچا ہے۔ اس لئے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تو بہر حال سچا ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ اس کا خواب سچا نہیں۔ کیونکہ بقول اس کے اس کا معاملہ میرے ہاتھوں دور ہونے کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں اسے دی تھی۔ اور میرا یقین تھا کہ اس معاملہ کے میرے پاس آنے کے مواقع بھی نہیں۔ اور نہ ہی ایسے اسباب دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ اس تاجر کے چچازاد بھائی اپنے موقف میں بہت سخت تھے کوئی لچک نہ تھی۔ ان کے درمیان عداوت بھی بہت زیادہ تھی۔ ایسی کہ میری بات ماننا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انہی اسباب و وجوہ کی بنا پر میں نے اسے محض باتوں سے ہی تسلی دی۔ اور اس کے معاملہ میں دخل اندازی کرنے سے اجتناب کیا۔ تا کہ وہ اپنے معاملہ کے بارے میں مجھ سے ناامید ہو جائے۔ اور جو طریقہ ہے اسے اپنانے کی کوشش کرے۔ اور میرے پاس آ جا کر وقت ضائع نہ کرے۔

تقریباً ایک ہفتہ بعد میں بازار سے گزرا۔ جب میں اس تاجر کے چچازاد بھائیوں کی دکان کے سامنے گیا۔ تو مجھے ان میں سے بڑا بھائی محی الدین افندی اور اس کا بھائی عبدالحمید افندی دکھائی دیئے میں دکان میں چلا گیا۔ تاکہ ضروری کپڑے خریدوں۔ پھر میں نے جو خریدنا تھا خریدا اور باہر نکلنے سے قبل مجھے ان کا جھگڑا ان کے چچا عبدالباسط افندی سے جو تھا۔ وہ یاد آ گیا۔ میں نے انہیں وعظ و نصیحت کی۔ اور ایسی گفتگو کی کہ اس کا ان پر بہت اچھا اثر ہو گیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ اس معاملہ میں ہم آپ کے کہنے پر چلیں گے۔ جو آپ فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔ حالانکہ اس سے پہلے انہیں اپنے چچا سے انتہائی نفرت تھی۔ پس میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہارا معاملہ اس طرح ختم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے میرا مشورہ قبول کر لیا۔ اس کا بیٹا "عون" اسی دکان میں تھا۔ ہم نے اسے بھیجا کہ جاؤ اور اپنے والد صاحب کو بلا کر لے آؤ۔ اور فوراً اسی وقت ساتھ لیکر آنا۔ اس سے پہلے انہوں نے اس چچا سے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ جب ان کا چچا آیا۔ تو میں نے اس سے بھی گفتگو کی۔ جس میں اسے کہا کہ اختلاف اچھا نہیں۔ اور مشورہ دیا کہ وہ زمین وغیرہ کے تمام مشترکہ حصہ جات ان چچازاد بھائیوں کے ہاتھ فروخت کر دے اور جو رقم تم لینا چاہتے ہو وہ لیکر راضی خوشی سودا کر لو۔ تو وہ بھی میری بات پر متفق ہو گیا اور تمام فریق اس قیمت پر متفق ہو گئے۔ جو طے پائی۔ میں نے انہیں خریدنے اور اسے بیچنے کا کہا۔ تو اس پر اس کے چچا زاد بھائیوں نے تمام حصہ جات خرید لئے۔ اور معاملہ بہترین طریقہ سے نمٹ گیا۔ جس کے حل ہونے کے کوئی اسباب نظر نہ آتے تھے۔ آسان اور معمولی سی مشقت سے حل ہو گیا۔ کسی کے دل میں یہ خیال تک نہ تھا کہ اس طرح آرام و سکون سے یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ جب یہ معاملہ طے ہو گیا تو اس کے بعد میرے دل میں اس تاجر کے خواب کی سچائی آئی۔ اور اس کے خواب کو میں نے سچ جانا۔ جس میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیرے معاملہ اور تیری پریشانی کا حل یوسف نبہانی کے ہاتھ میں ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِهٖ کُلَّمَا ذَکَرَهُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

خواب ۸: میرے ایک محترم بھائی فاضل صالح کامل سلالۃ العلماء الاعلام شیخ عبدالرحمٰن افندی طیبی و دمشقی نے بارہا مجھے خطوط لکھے۔ جو اس وقت "حوران" میں منصب افتاء پر فائز ہیں۔ ہر خط میں انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں بارہا زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ ان کا آخری خط جو میرے پاس آیا۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ خط تیس رجب ۱۳۲۱ھ کو

تحریر کیا گیا۔ اور اس میں درج تھا کہ موصوف نے مجھے خواب میں دیکھا۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور فرحت وسرور میرے چہرہ سے نمایاں تھا۔ چونکہ موصوف نے مجھے بالمشافہ نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے لکھا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری پہچان کرائی۔ یعنی تمہارا تعارف کرایا۔ یہ سب کچھ خواب میں دیکھا۔

خواب ۹: اس خواب میں کفار کی مشابہت کی بھیانک شکل دکھائی گئی۔

میں نے جمادی الثانی کی ابتدائی تاریخوں ۱۳۲۵ھ میں خواب دیکھا۔ کہ میں سلطنت عثمانیہ کے دارالخلافہ قسطنطنیہ میں ہوں۔ میں ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے بہت سے لوگ دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک شخص کو دیکھا۔ جس کی داڑھی ''کیل'' کی طرح تھی۔ جس طرح بعض فرنگیوں کی داڑھی ہوتی ہے۔ اس شخص کا نام عبدالحلیم تھا۔ میں نے اسے نہایت بدصورت دیکھا۔ تو میں اس کے قریب آ گیا۔ اور اسے نصیحت کرنے لگا کہ داڑھی اس طرح نہیں رکھنی چاہئے۔ اور میں نے اسے بتایا کہ شرعی طور پر ایسی داڑھی والا کس قدر قبیح ہوتا ہے۔ کافی دیر میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ لیکن میں اسے اس طرف آنے پر مائل نہ کرسکا۔ جس کی وجہ سے میں وہاں سے اٹھ کر آ گیا۔ لیکن مجھے سخت غصہ تھا۔ میں بلند آواز سے چلایا۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے کہا۔ یَا عِبَادَ اللّٰہِ الخ۔ اللہ کے بندو! اگر مجھے یہ مکان بھر کر سونا دے دیا جائے اور اس شرط پر دیا جائے کہ میں اس شخص کی داڑھی کی طرح داڑھی بناؤں تو بھی مجھے منظور نہ ہوگا۔

اور میں اس کے ساتھ اس شخص کو ڈانٹنے لگا۔ جو ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر میں نے اسے باتیں کہیں۔ اس وقت، میرے ذہن میں نہیں۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اگر ایسی داڑھی کے مسئلہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی قول ہوتا۔ تو بھی اس کی قباحت کیلئے کافی تھا۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم کی شکل وصورت بناتا ہے۔ وہ انہی میں سے ایک ہے۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کسی مسلمان کیلئے ایسی مشابہت سے بچنا بہت ضروری ہے۔ جس پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر سخت ڈانٹ پلائی ہو۔ اس کے باوجود اگر کوئی نہیں رکھتا۔ تو وہ لازماً بے دین ہوگا۔

خواب ۱۰: ہفتہ کی رات ۱۳۲۴ھ بتاریخ ۲۵ شعبان المعظم میں نے خواب دیکھا۔ کہ میں سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ ہمارے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ جس کو میں اب بھول گیا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی اب یاد نہیں رہا کہ اس وقت کیا باتیں ہوئی تھیں۔ لیکن اتنا ضرور یاد

ہے کہ یہ مجلس رضا اور قبول کی مجلس تھی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ (صافات)

اس خواب نے بخدا مجھے بہت سرور عطا کیا۔ اور سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل بیٹھنے کی سعادت سے انتہائی فرحت نصیب ہوئی۔ کیونکہ موصوف اکابر اولیاء عارفین اور ائمہ علماء عالمین میں سے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ علوم ظاہرہ باطنہ میں اپنے دور سے آج تک ان جیسا دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ کم از کم جن حضرات کو میں جانتا ہوں۔ اور جو علم و معرفت میں نامی گرامی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شیخ موصوف کا ہم پلہ نہیں۔ موصوف رضی اللہ عنہ کے تمام علوم میں اس قدر فوائد ہیں۔ جو لاتعداد ہیں۔ خاص کر وہ فوائد جن کا تعلق دین، توحید اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ہے اور وہ فوائد جو انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کی بلندی کے سلسلہ میں تحریر فرمائے۔ ان کا بدل نہیں۔ میں نے اس سفرنامہ حجاز کا مطالعہ کیا۔ جس کا نام انہوں نے یہ رکھا ہے۔ ''اَلْحَقِیْقَةُ وَالْمَجَازُ فِی رِحْلَةِ بِلَادِ الشَّامِ وَ مِصْرَ وَ الْحِجَازِ'' میں اس سے یہاں ایک فائدہ ذکر کرتا ہوں۔ جو ان کے اعلیٰ مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس سے آپ جان لیں گے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ان کی کس قدر مقبولیت تھی۔ دوران گفتگو موصوف لکھتے ہیں۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مدینہ منورہ میں مقیم ہونے کے دوران ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو گئے اور ہمارے ایک دوست مفخر الاعیان الحسیب النسیب مولانا سید عبدالقادر نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں انہی دنوں میں زیارت کی۔ دوران زیارت آپ نے مجھے (علامہ نابلسی کو) حکم دیا کہ تم اپنے دوسرے ساتھیوں کو بخاری شریف میں سے پڑھ کر سنایا کرو۔ جب صبح اٹھے تو انہوں نے ہمیں اسی کی خبر دی۔ اس پر ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور اس کی حمد کہی۔ کیونکہ یہ خواب قبولیت کا اشارہ تھا۔ اور اس خواب کے ذریعہ اس بندے کی ڈھارس بندھ گئی۔ اور یہ خواب اس بات کی دلیل تھا کہ مجھے پڑھ کر سنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ کہ میں مقبول ہوں۔ اور مجھے احادیث کے سماع اور قرأۃ کی اجازت ہے۔ ان احادیث کی جو بخاری میں درج ہیں۔ اس مقام پر اور بھی اشارات اور مختلف تنبیہات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مختلف اقسام کی نعمتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کا قول یاد آ گیا۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (یونس: 64)۔ نیک لوگوں کیلئے دنیوی زندگی میں ہی خوش خبری ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد ''سچا خواب'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ نبوت چلی گئی۔ اور مبشرات یعنی سچے خواب باقی ہیں۔ جنہیں اللہ کا

بندہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل ہوشیار اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جبکہ اس خواب سے پہلے میں غافل اور سویا ہوا تھا۔ اور میری یہ حالت ہو گئی کہ میں جب مدینہ منورہ داخل ہوا تو میری حالت ایسی تھی کہ سب کچھ پڑھا پڑھایا بھول گیا ہے۔ عقل ٹھکانے نہیں۔ جب میں مدینہ منورہ شہر میں داخل ہوں گا تو میں کسی علم کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی میں کسی سے کسی منطوق یا مفہوم کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالیہ کی اتنی ہیبت تھی۔ اور اس قدر رعب وجلال تھا اور اپنے نفس کو میں اس قدر حقیر سمجھتا تھا اور اس قدر نکما جانتا تھا۔ میں نے ان حالات وکیفیات کی وجہ سے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا۔ حتیٰ کہ اس خواب کے ذریعہ مجھے اجازت مرحمت ہوئی۔ اور یہ اللہ قادر وقدیر کی مدد سے ہی ہوا۔ سید عبدالقادر مذکور ہمارے پاس روزانہ صبح تشریف لاتے۔ اور ہمیں بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے۔ یوں وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل کرتے۔ اور ہم پڑھی گئی احادیث کے معانی ومفہوم پر کچھ کہتے۔ جو ہمارے ذہن میں ہوتا وہ بیان کر دیتے۔ اس کے بعد شیخ نابلسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اسباق پڑھنے پڑھانے کا تذکرہ کیا۔ اور بتایا کہ حضرات علماء کرام اور طلباء دین جوق در جوق آنے لگے۔ صبح سے ظہر تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق معلومات حاصل کرتا۔

الامام العلامۃ السید زین العابدین البرزنجی المدنی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ موصوف رضی اللہ عنہ کے "جواہر" میں سے ایک جوہر وہ ہے جس میں انہوں نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج شریف کو بہترین اسلوب میں بیان فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۔ اخبار محمدیہ کے تحریر کرنے کی چادروں کو میں مزین کرنے کا افتتاح کرتا ہوں۔ درآں حالیکہ میں ان چادروں کے حاشیہ جات کو "بِسۡمِ اللّٰهِ" کے فوائد کے موتیوں سے مہذب کرنے والا ہوں۔ اور سن کر قبول کرنے والے کانوں کو "اسراء" کی راتوں کے بکھرے موتیوں سے مزین کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی تعریف کی برکات کے بادلوں سے حصول بارش کیلئے اپنے ہاتھ بلند کر رہا ہوں۔ اور محافل کی ناک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نرگس کی خوشبو سے بھرے خصائص کے نگینوں کو بکھیر کر معطر کرتا ہوں۔ لبوں کے پیالوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوکھے اوصاف کے چھینٹوں سے قوت سماعت کے مونہوں پر پانی ڈالتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے سوالی ہوں۔ کہ وہ آپ پر خوشبو بھرے درود وسلام کی لگاتار بارش نازل فرمائے۔ جس کے وافر پانی سے اللہ تعالیٰ اپنی مقدس بارگاہ کے برگزیدہ اور مصطفیٰ کی قبر انور کو سیراب فرمائے۔ وہ مصطفیٰ و مجتبیٰ جو سب سے بڑے باپ اور سب سے اعلیٰ جد ہیں۔ جن کے اسعدی طوالع سے کائنات کو سعادت ملی۔ اور جن کی امت کو كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران:110) کی سیادت ملی۔ وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تعیین اول، کنز مطلسم اور پردوں میں چھپا انمول موتی ہیں۔ اور ایسے نور مبین ہیں کہ موجودات کی آنکھوں نے ان کے دیدار کا سرمہ ڈالا۔ اور میں عنبری تسلیمات کے بھرے تھیلوں سے بخشش وعطا طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آل واصحاب کی مبارک قبروں کو معطر کرے جو فیاضی کی طرف سبقت کرنے والوں کے سردار ہیں اور میں توفیق، اعانت اور خلوص نیت کے دودھ کی زیادتی کا سائل ہوں۔ بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کیلئے وہی جس کی اس نے نیت کی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمۡ وَ بَارِكۡ عَلَيۡهِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد! جب وراثت محمدیہ کے چوغہ برداروں نے صحیفوں کے چہروں کو شب اسراء کی خبروں کی عنبریں سیاہی سے خوشبو ناک کیا۔ اور مواھب لدنیہ کے حسن سے فیض کے دریا بہائے اور

محمدی چراغ کی روشنی بلند ہوئی۔ اور خوب چمکی۔ ربانی چمک نے قدیم راستوں کے راہگیروں کو راستے دکھائے۔ پس اس کی ظاہر و باہر چمک نے اس کے میدانوں اور پہاڑوں کو منور کیا۔ صمدانی آنسو بہانے والی نے اس کے افکار کی سیپوں پر آنسو بہائے۔ براعت کی موجوں میں ان سیپوں سے صاف ستھرے موتی پھوٹ نکلے۔ سو میں کہتا ہوں۔

ملت حنفیہ کے علماء میں اسراء اور معراج کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور ''اصح'' یہ ہے کہ یہ دونوں (اسراء، معراج) روح اور جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئے۔ اور اس مقام تک جہاں اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مناجات ہوئی۔ ان کے زمانہ اور وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اور راجح قول یہ ہے۔ کہ ہجرت سے ایک سال قبل یہ واقعہ ہوا۔ رجب شریف کی آخری تاریخیں تھیں۔ اسی پر جمہور کے ثقہ راویوں نے اعتماد کیا ہے۔ حدیث معراج کی روایات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے جم غفیر نے کی ہے۔ پھر ان کثیر صحابہ کرام سے ہر حافظ حدیث نے روایت کی جس کی روایت کی صحت پر اعتماد ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس قصہ کی حقیقت کو جو مخفی اور لپٹی ہوئی ہے اسے سننے والوں اور شائقین تک پہنچائیں۔ تاکہ حاضرین کے کانوں کے پردے اس کی پاکیزہ اور تازہ خوشبو سے مہلک اٹھیں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مردوں کے درمیان خانہ کعبہ کے متصل حجر (حطیم) میں آرام فرما تھے۔ اچانک حضرت جبرئیل و میکائیل ایک تیسرے فرشتہ کو ساتھ لئے حاضر ہوئے۔ جو باہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے متعلق دریافت کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ وہ کون ہیں؟ دو راتیں اسی کیفیت میں گزر گئیں۔ تیسری رات آپ کے پاس یہی فرشتے زمزم کا پانی لائے۔ اور جبرئیل علیہ السلام اس کے ذمہ دار بنے۔ حضرت میکائیل نے زمزم کے پانی سے بھرا ایک طشت (تھال) طلب کیا۔ دو فرشتوں نے آپ کا سینہ اقدس چاک کیا۔ اور قلب انور نکال کر دھویا۔ پھر ایک اور طشت لایا گیا۔ جو ایمان اور حکمت کے معانی سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں فرشتوں نے اسے آپ کے سینہ مبارکہ میں انڈیلا۔ اور اسے علم، حلم، یقین اور اسلام سے بھر کر سی دیا۔ اور دونوں نے آپ کے کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' لگائی۔ پھر براق لایا گیا۔ جس پر کاٹھی ڈالی گئی تھی۔ لگام پہنائی گئی تھی۔ وہ وہاں قدم رکھتا تھا جہاں اس کی نظر کی انتہاء ہوتی تھی۔ اس کے کھر تھے اور اس کی دم گائے کی مانند تھی۔ اور ٹانگیں اونٹ کی طرح تھیں۔ جب اونچی جگہ چڑھتا تو پچھلی ٹانگیں لمبی ہو جاتیں اور جب ڈھلوان سے اترتا تو اگلی لمبی ہو جاتیں۔ آپ جب اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے سوار ہونا مشکل کر دیا۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے کہا۔ اے براق! تجھے شرم نہیں آتی؟

خالق کائنات کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخصیت سے بڑھ کر اور کوئی بھی زیادہ عزت والا نہیں جو تجھ پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور بالکل چپ اور ساکن ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس پر مشاہدہ حشر یہ کے خطیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ پھر براق روانہ ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب تھے۔ چلتے چلتے آپ ایسی زمین پر پہنچے جہاں کھجوروں کے درخت بکثرت تھے۔ ان پر تازہ کھجوریں لٹکی ہوئی تھیں۔ حضرت جبرئیل نے کہا۔ حضور! یہاں نماز ادا کیجئے۔ یہ ''طیبہ'' ہے۔ اور یہاں آپ ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے۔ اور یہیں آپ کا وصال ہوگا۔ پھر آگے چل دیئے۔ پھر ایک جگہ جبرئیل نے کہا۔ حضور! یہاں بھی نماز ادا کیجئے۔ دیکھا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس درخت کے پاس کھڑے ہیں۔ جس کی لاٹھی سے آپ نے بحر قلزم کو پھاڑا تھا۔ پھر اور آگے تشریف لے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے پھر کہا۔ یہاں بھی نماز ادا کیجئے۔ یہ تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے۔ دیکھا تو وہ ''طور سیناء'' تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور انہیں آواز دی تھی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی جگہ تشریف لے گئے جہاں بڑے بڑے اونچے محلات تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہاں بھی آپ نماز ادا کیجئے۔ دیکھا تو وہ جگہ ''بیت اللحم'' تھی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ جنہیں بچپن میں ہی ''حکم'' عطا کیا گیا تھا۔ چلتے چلتے آپ نے ایک پہلوان اور شریر جن دیکھا۔ جو آگ کے شعلہ کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے تو وہ نظر آتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں کہ جب آپ انہیں پڑھیں تو یہ شیطان فوراً اپنے منہ کے بل گر پڑے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور بتاؤ۔ اس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کلمات پڑھے۔ فوراً وہ منہ کے بل گر گیا اور اس کا جہنمی شعلہ بجھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم دیکھی۔ جو ایک دن بوتی اور دوسرے دن کاٹتی ہے آپ نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا۔ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ اللہ کے دشمنوں سے برسر پیکار رہنے والے ہیں۔ آپ نے ایک تازہ اور طیب ہوا محسوس کی۔ دیکھا تو یہ فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے

والی خادمہ تھی۔ جوایک دن کنگھی کر رہی تھی۔ کہ اچانک کنگھی اس کے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ تو کہنے لگی۔ فرعون ہلاک ہو۔ کس قدر گمراہ اور غلط راستہ پر ہے۔ یہ سن کر فرعون کی بیٹی نے پوچھا۔ کیا تمہارا رب میرے باپ کے علاوہ کوئی اور ہے؟ یہ سوال اس نے اس لئے کیا کہ اس کی نشو ونما اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور جاہلیت میں ہوئی تھی۔ خادمہ نے جواب دیا۔ ہاں میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے باپ کو پیدا کیا۔ اس نے یہ بات اپنے باپ کو بتائی۔ چنانچہ فرعون نے اس خادمہ کو بلایا۔ فرعون پر اس وقت شیطنت سوار تھی۔ پوچھا۔ کیا میرے علاوہ کوئی اور تیرا رب ہے؟ بولی ہاں میرا اور تیرا رب "اللہ" ہے۔ اس خادمہ کے دو بیٹے اور خاوند تھا۔ فرعون نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی فرعون کی خدائی کا اقرار نہ کیا اور اسلامی فطرت کی گواہی دی۔ اس پر فرعون نے انہیں تانبے کی دیگ میں ابلتے پانی میں ڈال دیا۔ ایک بچے نے ان میں سے کلام کرتے ہوئے کہا۔ جو ابھی دودھ پیتی عمر میں تھا۔ امی! آجائیے۔ دیر مت کیجئے۔ آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور قوم سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سروں کو کوٹا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پہلے کی طرح صحیح سالم ہو جاتے ہیں پھر کوٹا جاتا ہے۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ لوگ جن کے سروں میں نماز بوجھ تھی۔ پھر ایک قوم پر سے آپ گزرے۔ جن کے آگے پیچھے کی زمین میں زقوم (تھوہر) کے پودے ہیں۔ اور وہ ان سے نکلنے والے مواد کے گھونٹ پی رہے ہیں۔ پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی گئی۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کا اپنا کیا کرایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزرتے ہوئے پکا ہوا اور کچا گوشت دیکھا۔ اور کچھ لوگ دیکھے جنہیں پکا گوشت کھانے کی دعوت دی جاتی ہے لیکن وہ کچا کھا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ آپ کی امت کے وہ میاں بیوی ہیں۔ جن کے ہاں حلال طریقہ سے شہوت پوری کرنے کا اہتمام تھا لیکن وہ اسے چھوڑ کر حرام کی طرف جاتے رہے۔ یعنی زنا کرتے رہے۔ پھر آپ کا گزر ایک لکڑی سے ہوا جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب سے کوئی بھی چھوٹی بڑی چیز گزرتی تو وہ اسے پھاڑ دیتی۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ آپ کے امتیوں میں سے ان کی "مثال" ہے جو راستوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ یعنی ڈاکو اور باغی ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قرآن کریم کی آیت پڑھ کر سنائی۔ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ راستوں میں لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستے سے روکنے کیلئے مت بیٹھو۔ (الاعراف: 86)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص سے گزرے جو خون کی نہر میں تیر رہا تھا۔ اور اس میں پڑے پتھر اور گندگی کھا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا۔ حرام یعنی سود خوار ہے۔ ایک اور شخص کے قریب سے آپ گزرے۔ جس نے ایندھن جمع کر رکھا تھا اور اسے اٹھانے کی کوشش کرتا لیکن اٹھا نہ سکتا۔ اس کے باوجود اس میں اور ایندھن ڈالتا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں پوچھا۔ تو جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے لوگ جس کے پاس امانتیں رکھتے تھے جن کی ادائیگی سے بے بس تھا اور اس کے باوجود اس کی خواہش تھی کہ مجھے اور بھی امانتیں دی جائیں۔ ایک قوم دیکھی جو لوہے کی قینچیوں سے اپنی زبانیں کاٹ رہی تھی۔ جب زبانیں کٹ جاتیں۔ فوراً صحیح سالم ہو جاتیں گویا ان میں سے کچھ کٹا ہی نہیں تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا۔ آپ کی امت کے فتنہ پرور علماء اور وہ علماء بد جو کہتے وہ کرتے نہ تھے۔ سو اللہ تعالیٰ سے ہم ہر بات سے معافی چاہتے ہیں۔ جس سے وہ راضی نہ ہوتا ہو۔ ایک اور قوم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ جو اپنے چہروں اور سینوں کو تانبے کے ناخنوں سے چھیل رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا۔ مسلمانوں کی غیبت اور ان کی عزت سے کھیلنے والے ہیں۔ پھر آپ کا گزر ایک سوراخ پر ہوا۔ جس سے ایک بیل نکلا۔ اس نے کوشش کی کہ میں واپس سوراخ میں داخل ہو جاؤں لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کے متعلق پوچھا۔ تو جبرئیل نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے جو گفتگو کرنے کے بعد پچھتاتا۔ لیکن نازیبا اور مکروہ بات کو واپس لوٹانے کی ہمت نہ پاتا۔ پھر آپ کا ایک وادی سے گزر ہوا۔ اور آپ کو نہایت بہترین خوشبو، خوبصورت آواز اور ٹھنڈی ہوا محسوس ہوئی۔ آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ جنت کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے۔ اے اللہ! جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ میرے لئے وہ چیزیں بہت زیادہ ہو چکی ہیں جن کی نہ نظیر ہے اور نہ ان کی مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے لئے ہر مسلمان مرد اور عورت ہے اور جس نے عمل صالح کیا اور شرک نہ کیا۔ اور اپنے پیغمبر کی تصدیق کی وہ تجھے دیا جائے گا اور جس نے مجھ سے مانگا میں اسے عطا کروں گا۔ جس نے مجھ پر بھروسہ کیا اس کیلئے میں کافی ہوں گا اور اس کی جزا تو ہوگی۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک اور وادی سے ہوا۔ جہاں آپ کو ڈراؤنی آواز، بدبو اور گرم جھونکوں کا احساس ہوا۔ اس کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب ملا۔ یہ جہنم کی آواز ہے۔ کہہ رہا ہے۔ اے اللہ! جو مجھ سے وعدہ فرمایا وہ عطا فرما۔ مجھ میں ان اشیاء کی فراوانی ہو چکی ہے جن کو بڑے بڑے مضبوط لیکن نافرمان برداشت سے عاجز ہیں۔ ارشاد ہوگا۔ تیرے لئے ہر مشرک مرد اور عورت بنائے ہیں۔ اور ہر متکبر اور بدبخت مرد و عورت تیرے لئے ہیں۔ کہے گا۔ اللہ! جو

تیری رضا وہی میری رضا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کو اس کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا اور یہ دیکھنا سر کی آنکھوں سے تھا۔ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کیسا تھا؟ فرمایا۔ بڑے ڈیل ڈول والا اور سبزی مائل سفید رنگ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے فتنہ اور بلا سے محفوظ رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ستون سے گزر ہوا جسے فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔ اس کی روشنی ایسی تھی کہ ستارے بھی اس کے سامنے شرمندہ ہو جائیں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا اٹھا رکھا ہے؟ کہنے لگے۔ اسلام کا ستون۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے شام میں رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ اچانک آپ کو دائیں جانب سے یہودیت کی دعوت دینے والے نے بلایا۔ آپ خاموش رہے۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام بولے۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے تو آپ کی تمام امت یہودیت اختیار کر لیتی۔ اور ہدایت سے دور ہو جاتی۔ اس دوران کہ آپ آگے تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کی بائیں جانب سے عیسائیت کی دعوت دینے والے نے بلایا۔ آپ اس کے بلاوے پر بھی چپ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے۔ اگر آپ اس کی بات کا جواب دیتے تو آپ کی ساری امت عیسائیت کی چادر اوڑھ لیتی۔ چلتے چلتے آپ نے ایک عورت دیکھی۔ جس نے بازوؤں پر سے کپڑا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس نے قابلِ فخر زیورات سے مرصع حلہ پہن رکھا تھا۔ اس نے بھی آپ کو آواز دی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ عورت ''دنیا'' تھی۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے تو آپ کی تمام امت آخرت کے مقابلہ میں دنیا اختیار کر لیتی۔ اور آگے جاتے ہوئے آپ کو ایک بوڑھا ملا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف بلایا۔ اور وہ راستہ سے ہٹ کر کھڑا تھا۔ اور راستہ جو اس نے چھوڑ رکھا تھا وہ ایمان واسلام کا راستہ تھا۔ اس نے آپ کو کہا۔ یا محمد! ادھر آؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل نے کہا۔ آپ آگے چلئے۔ اسے چھوڑیئے۔ یہ وہ دشمن ہے۔ جس نے حضرت آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اس کی تمنا ہے کہ آپ اس کی طرف مائل ہوں اور اس کی گمراہی اور بے دینی میں اس کا کہا مانیں۔ لیکن اللہ کریم آپ کا حامی وناصر ہے۔ اس نے آپ کی اس کے مقابلہ میں حمایت فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ کی ایک طرف کھڑی ایک بڑھیا سے گزر ہوا۔ اس نے آپ سے درخواست کی۔ کہ کچھ دیر تشریف رکھیں۔ تا کہ وہ آپ سے کوئی بات دریافت کر لے۔ لیکن

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف کوئی کان نہ لگائے جب جبرئیل سے اس کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا۔ کہ دنیا کی عمر صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی نظر آتی ہے۔ اس کے بعد آپ کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہوئی کہ ان کے چہرے گویا مشکوۃ میں رکھے چراغ ہوں۔ انہوں نے آپ کو ان الفاظ میں سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ یَا اٰخِرُ یَا حَاشِرُ۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب عطا فرمایا۔ آپ باری باری ان سے ملے۔ ہر ایک نے انہی الفاظ سے آپ کو سلام کیا۔ اور آپ نے بھی ہر ایک کے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ بتایا کہ حضرت موسیٰ، عیسیٰ بن مریم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان پر اور ہمارے آقا پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ اس وقت وہ اپنی قبر مبارک میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ یہ مبارک جگہ "کثیب احمر" کے قریب ہے۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! تو نے انہیں فضیلت بخشی اور اکرام سے نوازا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے سلام کیا۔ آپ نے بھی ان کے سلام کا انہیں جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی ذات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "مرحبا" کہا اور آپ کی ثناء بیان کی۔ اور عرض کیا۔ حضور! اپنی امت کیلئے آسانی اور نجات کا سوال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ جبرئیل! یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ حضرت موسیٰ ہیں۔ جو اسرائیلی امت کی طرف رسول بن کر آئے تھے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ انہیں کون بلند آواز سے کچھ کہہ رہا ہے؟ کہا۔ وہی جس نے طور سیناء پر ان سے کلام کیا تھا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز عالم اسرار خفیہ پر بلند کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تیزی طبع کو جانتا ہے جس پر انہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے قریب تشریف لے گئے۔ جس کے نیچے ایک بوڑھا اپنے اہل وعیال سمیت بیٹھا ہوا تھا۔ پھر آپ نے اعلیٰ اقسام کے چراغوں کی روشنی دیکھی۔ پوچھا۔ یہ بزرگ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا۔ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور "مرحبا" کہا۔ اور بہترین الفاظ سے آپ کی تعریف کی۔ انہوں نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے بتایا۔ تمہارے

صاحبزادے ''احمد'' ہیں۔ جوعرشی رفرف کے سوار اور وہ کہ قدیم آسمانی کتابیں ان کی مدح وثناء سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے ''عدنانی'' قبیلہ کے اشخاص کے فخر اور تمام رسولوں سے افضل'' مرحبا'' آپ نے اپنی امت کو نصیحت کر کے حق ادا کر دیا۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو باحسن طریقہ نبھایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ چلتے چلتے'' بیت المقدس'' کی وادی میں تشریف لے آئے۔ دیکھا تو آپ کے سامنے جہنم کو منکشف کر دیا گیا۔ پہاڑوں کی طرح اس کے شعلے لپک رہے تھے۔ دیکھنے والا ڈر جاتا تھا۔ آپ شہر بیت المقدس میں اس کی یمانی (دائیں) طرف سے داخل ہوئے۔ دیکھا تو مسجد کے بائیں حصہ میں ایک نور اور دوسرا دائیں حصہ میں اوپر اٹھتا دکھائی دیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ اے جبرئیل! یہ دونور کیسے ہیں؟ کہا بائیں طرف والا حضرت مریم صدیقہ کی قبر پر ہے۔ اور دائیں سمت والا حضرت داؤد علیہ السلام کے محراب پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بیت المقدس میں اس دروازہ سے داخل ہوئے جس سے سورج کی کرنیں آر پار ہوتی تھیں۔ اور چاند کی چاندنی اندر پڑتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ''براق'' کو صخرہ کے پاس لے آئے اور اسے باندھ دیا۔ وہاں (مسجد اقصیٰ میں) آپ نے اور جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعت نماز ''تحیۃ المسجد'' ادا کی۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ مسجد کے تمام کونے اور صحن لوگوں سے بھر گیا۔ آپ نے حضرات انبیاء کرام سے ملاقات کی۔ بعض رکوع، بعض سجود اور قیام میں اللہ رب العزت کی عبادت میں مصروف تھے۔ پھر مؤذن نے اذان کہی۔ اور نماز کی اقامت ہوئی۔ سب نے کھڑے ہو کر صفیں باندھیں اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا۔ آپ نے اس بھرے مجمع کو دو رکعت نماز پڑھائی اور کہا گیا۔ ہٹ جاؤ۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے آئے۔ اس میں آپ کی قدرومنزلت کی بلندی کی طرف اشارہ ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کی ارواح سے ملاقات کی ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں اور بخششوں پر تعریف کی۔ جو اس نے ہر ایک پیغمبر کو عطا کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ میں اس خالق و مالک کی تعریف کرتا ہوں۔ جو بندے کا ظاہر و باطن جانتا ہے۔ تمام تعریفیں اس رب کائنات کیلئے سزاوار جس نے مجھے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔ جس نے مجھ پر فرقان نازل فرمایا کہ جس میں ہر معاملہ کا واضح بیان ہے۔ جس نے میری امت کو

''امت وسط'' بنایا۔ اور جس نے میری امت کو سب امتوں سے آخر میں پیدا کیا اور سب سے پہلے جنت الفردوس میں داخل فرمائے گا۔ جس نے میرا سینہ میرے لئے کھولا۔ اور مجھ سے میرے بوجھ کا میل اتار پھینکا۔ جس نے میرا چرچا بلند فرمایا ایسا کہ جب کوئی اس کا نام لیتا ہے تو ساتھ ہی میرا نام بھی آ جاتا ہے۔

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ اِلٰى اِسْمِهٖ ۔ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيَجِلَّهٗ ۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی اپنے نام کے ساتھ ملا دیا۔ جب مؤذن پانچ وقت کی اذان میں کلمہ شہادت کہتا ہے۔ اور اس نے اپنے نام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مشتق کیا۔ لہٰذا عرش کا مالک (خدا) محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔ جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تمام تعریف اس اللہ کی جس نے مجھے فاتح اور خاتم دیوان رسالت بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ انہی وجوہات کی بنا پر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سب پیغمبروں پر فضیلت پائی۔ اس پر تمام انبیاء کرام نے آپ کو مبارک دی اور اس فضیلت کا یقین دلایا۔ پھر قیامت کے بارے میں ان میں گفتگو ہوئی۔ قیامت کی بعض نشانیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائیں۔ اور اس کی اشاعت ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ سے کی۔ میں اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی دو انگلیوں ایک شہادت کی انگلی اور دوسری پانچ میں سے درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب پیاس لگی۔ پس آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے۔ ایک دودھ سے اور دوسرا شہد سے بھرا ہوا تھا۔ ایک آپ کی دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب سے حاضر کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد والے پیالہ سے تھوڑا سا پیا۔ اور دودھ والے پیالہ سے سیر ہو کر نوش فرمایا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے بہت سے برتن لائے گئے۔ جن میں سے بعض میں پانی بعض میں شراب اور بعض میں شہد تھا۔ آپ نے پانی اور دودھ تھوڑا تھوڑا نوش فرمایا۔ پھر شراب آپ کی طرف بڑھائی گئی اور کہا گیا۔ پی لیجئے۔ آپ نے جواب دیا میں سیر ہو چکا ہوں۔ اب مجھے کوئی خواہش نہیں رہی۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ شراب آپ کی امت پر بہت جلد حرام کر دی جائے گی۔ آپ نے فطرت کو پا لیا ہے۔ اگر آپ شراب نوش فرما لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ اور اگر آپ صرف پانی پیتے تو ڈوب جاتی۔ اور آپ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ اور اس کے مصطفیٰ ہیں۔

اے اللہ! ان کی قبرانور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اس کے بعد معراج (سیڑھی) لائی گئی۔ جس کے ذریعہ مرنے کے بعد روحیں اوپر لے جائی جاتی ہیں۔ کائنات نے اس سے زیادہ خوبصورت معراج نہیں دیکھی۔ اس کا ایک زینہ سونے اور دوسرا چاندی کا ہے۔ یوں زینہ پر زینہ تھا۔ اب اس سیڑھی پر دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام) اوپر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آسمان دنیا کے دروازوں تک تشریف لے گئے۔ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو آج تک نہ اوپر گیا اور نہ نیچے آیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ آواز آئی۔ کون؟ جواب دیا۔ جبرئیل۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ ذات احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پوچھا کیا ان کی طرف تمہیں بھیجا گیا؟ کہا۔ ہاں۔ آواز آئی۔ ہم انہیں مرحبا کہتے ہیں۔ کیا خوب ہے آنے والا اور کیا خوب ہے اس کا آنا۔ دروازہ دونوں کیلئے کھول دیا گیا۔ اچانک اس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنی چاند سی صورت میں دکھائی دیئے۔ ان پر روحیں پیش کی جاتی تھیں۔ پس آپ مومنین کو علیین اور کافروں کو سجین کا حکم دیتے تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ نے ان کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ کہا۔ آپ کے والد گرامی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور وہ جو آپ ان کی دونوں اطراف میں سیاہ چیزیں چیونٹیوں کی مانند دیکھ رہے ہیں۔ اور بائیں طرف کا دروازہ وہ جہنم کا دروازہ ہے۔ اور دائیں طرف کا جنت کا دروازہ ہے۔ پس جب آپ جنت میں داخل ہونے والوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے جنتی محلات میں داخل ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور جب جہنم میں داخل ہونے والوں کو دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے دستک دی اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ کنز مخفی کا در یتیم ہے۔ آواز آئی۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ کتنے عمدہ ہیں تشریف لانے والے۔ پھر دروازہ کھلا۔ تو فوراً سامنے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام دکھائی دیئے۔ دونوں ایک دوسرے کے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا۔ مرحبا کہا۔ اور دیکھتے ہی دعائے خیر کہی۔ پھر آپ تیسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ دائرۂ وجود کے نقطہ ہیں۔ آواز آئی۔ اہلاً وسہلاً ومرحبا۔ اللہ تعالیٰ اپنے عظیم خلیفہ کی عمر دراز کرے۔ دروازہ کھلا۔ سامنے حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے۔ جنہیں حسن و جمال کا وافر حصہ عطا کیا گیا۔

آپ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا۔مرحبا کہا۔اورآپ کی ملاقات پر بہت خوش ہوئے۔

اے اللہ!ان کی قبرانور کوصلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

پھرآپ چوتھے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔جبرئیل نے دستک دی۔آواز آئی۔تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ذات مصطفویہ ہے۔آواز آئی مرحبا۔اللہ تعالیٰ انہیں زندگی بخشے اور رحمتیں عطا فرمائے۔دروازہ کھلا۔سامنے حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے''بلند مکان'' پراٹھالیا تھا۔آپ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا۔اوردعائے خیر کی۔پھر پانچویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔جبرئیل نے دستک دی۔آواز آئی۔تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا۔ اسرار ملکوتیہ کے راز ہیں۔آواز آئی۔ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔جن کی دعوت کولوگوں نے قبول کیا۔ دروازہ کھولا گیا۔سامنے حضرت ہارون علیہ السلام تشریف فرما تھے۔آپ کی داڑھی مبارک ناف تک لمبی دکھائی دیتی تھی۔آپ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے جواب دیا۔مرحبا کہا۔پھر چھٹے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔جبرئیل نے دستک دی۔آواز آئی تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا۔ اعیان انسانیہ کی عین ہیں۔جواب آیا۔کائنات کے افق کے سورج!خوش آمدید۔دروازہ کھول دیا گیا۔ دیکھا تو ایک پیغمبرا کیلے بیٹھے ہیں۔اوردوسرے بہت سے انبیاء کرام کے ساتھ ان کی قومیں اور ساتھی موجود ہیں۔پھرآپ کا ایک بہت بڑی جماعت سے گزر ہوا۔پوچھا۔یہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کے متبعین ہیں۔لیکن آپ ذراسرانوراٹھا کراوپر دیکھیں۔آپ نے اوپر دیکھا تو اس سے بھی بڑی جماعت دکھائی دی۔جس نے ہرسمت گھیررکھی تھی۔کہا گیا۔یہ آپ کی امت ہے۔اور ان کے سواستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھے۔

اے اللہ!ان کی قبرانور کوصلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

آپ جب ساتویں آسمان کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بجلیاں کوندتی اور گرج چمک کی آوازیں سنیں۔حضرت جبرئیل نے دروازہ پر دستک دی۔پوچھا گیا۔تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ نے کہا۔اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہیں شفاعت اور مقام رضا سے مختص کیا گیا ہے۔دروازہ کھول دیا گیا۔آپ نے روحانی فرشتوں کی تسبیح سنی۔جومختلف زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح

وتقدیس بیان کر رہے تھے۔ اس کی عفو ورضا کے امیدوار تھے۔ اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام جنت کے دروازے کے قریب دکھائی دیئے۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور خوش آمدید کہا۔ اور کہا۔ کہ آپ اپنی امت کو کہیں کہ وہ جنت میں زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں۔ درخت لگانے کیلئے ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' پڑھیں۔ آپ نے وہاں ایک قوم دیکھی۔ جو سفید روشن چہرے والے تھے۔ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اور لوگ دیکھے جن کے رنگوں میں گدلا پن تھا۔ یہ لوگ نہروں میں داخل ہوئے۔ ان میں اچھی طرح غسل کیا۔ تو ان کے رنگ بھی دوسرے ساتھیوں کی طرح ستھرے ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ اور یہ نہریں کیسی ہیں؟ جواب ملا۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اچھے برے ملے جلے تھے۔ اور دوسرے لوگ ''مخلص'' تھے۔ اور ''نہریں'' اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت کی ہیں۔ آپ کو کہا گیا۔ یہ جگہ ان لوگوں کی ہے۔ جنہوں نے اپنا کام دنیا میں مکمل کر لیا۔ اور ''ملت حنفیہ'' پر دنیا سے روانہ ہوئے۔ آپ نے یہ سن کر تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کہی۔ پھر اچانک آپ کو اپنی امت دو حصوں میں بٹی نظر آئی۔ ایک حصہ نے سفید اور ستھرے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ دوسرے کے مٹیالے رنگ کے کپڑے تھے۔ یہ وہ تھے جن کے اعمال صالحہ کے ساتھ غیر صالح اعمال بھی تھے۔ آپ اس کے بعد ''بیت المعمور'' میں داخل ہوئے۔ اور جن لوگوں کے آپ کی امت میں سے سفید اور ستھرے کپڑے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اور دوسرے محروم رہے۔ لیکن سب سے اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ حسنیٰ'' کر رکھا ہے۔ وہاں حضور سرور کائنات ﷺ اور آپ کے ساتھ داخل ہونے والے آپ کے امتیوں نے نماز ادا کی۔ دیکھا کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جنہیں دوبارہ قیامت تک باری نہیں ملتی۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''ملاء اعلیٰ'' سے گزر ہوا۔ دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کی ہیبت سے بوسیدہ ٹاٹ کی طرح ہو گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر لے جایا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ کے دین کی اتباع کرنے اور آپ سے محبت کرنے والوں کی ارواح ہوں گی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت ہے جس سے چار قسم کی نہریں نکل رہی ہیں۔ ۱- تازہ اور میٹھے پانی کی نہر۔ ۲- دودھ کی نہر جس کا ذائقہ تبدیل شدہ نہیں۔ ۳- شراب کی نہر جسے پینے والے لذت پائیں گے۔ ۴- شہد خالص اور مصفی کی نہر۔ یہ درخت اتنا بڑا

تھا کہ گھوڑ سوار اگر ستر سال چلتا رہے۔ تو اس کا سایہ طے نہ کر سکے۔ اس کا ایک ایک پتہ اتنا بڑا کہ پوری مخلوق پر چھا جائے۔ یہ روایت طبرانی میں آئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ''امر'' نے اس درخت کو ڈھانپ لیا۔ جیسا بھی ڈھانپا۔ کوئی اس کے ''محاسن ذاتی'' بیان نہیں کر سکتا۔ آپ کو کہا گیا کہ آپ کی امت میں سے ہر ایک کی یہ ''انتہاء'' ہے۔ جس نے آپ کا راستہ اختیار کیا اور آپ کی اتباع کی۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں سے ایک ''چشمہ'' پھوٹتا ہے جس سے دو نہریں بہتی ہیں۔ ایک کا نام ''کوثر'' ہے۔ جس پر جوہری خیمہ جات نصب ہیں۔ ان پر سبز رنگ کے پرندے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ موتیوں کے بنے پتھروں پر یہ نہر بہتی ہے۔ اس پر رکھے گئے پیالے آسمانی ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک پیالہ اٹھایا۔ اور اس کا پانی پیا۔ جبرئیل علیہ السلام بولے۔ یہ نہر جو آپ نے دیکھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پردوں میں اسے صرف آپ کیلئے چھپا کر رکھا ہے۔ دوسری نہر ''رحمت'' کی تھی۔ آپ نے اس میں غسل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ''ما تقدم و ما تأخر'' گناہ معاف کر دیئے۔ یعنی انہیں آپ سے چھپا دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات میں سے ایک ملبوس ''عصمت اور اللہ تعالیٰ کی حمایت'' ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ

اس کے بعد آپ جنت میں تشریف لے گئے۔ وہاں وہ چیزیں تھیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے ان کی صحیح تعریف سنی اور نہ ہی کسی انسانی دل میں ان کا صحیح تصور آیا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس قسم کی نعمتیں پرہیزگاروں کیلئے تیار کر رکھی ہیں۔ جن میں کبھی بوسیدگی اور فناء نہیں۔ آپ نے دیکھا۔ کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ اور قرض کا ثواب اٹھارہ گنا ہے۔ آپ نے قرض کی افضلیت کے بارے میں پوچھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ وجہ یہ ہے کہ قرض لینے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے جب اسے اپنی ضروریات و حاجات پوری ہوتی مشکل نظر آئیں۔ دیکھا۔ تو حوران جنت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال کرنے کھڑی ہیں۔ آپ نے جنت کو ایک سفید موتی میں دیکھا۔ اس کی مٹی مشک کی تھی۔ جس کی خوشبو آ رہی تھی۔ آپ نے آہٹ سنی۔ جو جنت میں موتیوں والے گھاس سے آ رہی تھی۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ کہا یہ بلال مؤذن ہے۔ ابوبکر صدیق کا آزاد کردہ غلام۔ اس کے بعد آپ کے سامنے جہنم کی آگ لائی گئی۔ دیکھا تو اس کا خازن بہت بارعب ہے۔ اور تیوری چڑھائے ہوئے ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سلام کیا۔ پھر دروازہ

جہنم بند کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ کی طرف اوراوپر تشریف لے گئے۔ انوار الٰہیہ نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ چاروں طرف فرشتے تھے۔ آپ کو کہا گیا کہ آپ کا پروردگار کہتا ہے۔ میں ہر عیب سے پاک اور منزہ ہوں۔ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔ آپ کو اور بلندی پر لے جایا گیا۔ حتیٰ کہ آپ ''مستوی'' پر پہنچے۔ تو آپ نے ان قلموں کی آواز سنی۔ جو تقدیر وقضاء باری تعالیٰ تحریر کرتی ہیں آپ نے ایک شخص دیکھا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا اس قدر انعام یافتہ یہ کون ہے؟ کہا نبی مرسل ہے یا ملک مقرب ہے؟ یا کوئی اور ہے؟ آواز آئی۔ یہ وہ شخص ہے جس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر وقت تر رہتی تھی۔ اور اس کا دل مسجدوں کی طرف لٹکا رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے والدین کو گالی نہیں دلوائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد اوراوپر تشریف لے گئے۔ اور آپ کیلئے انوار جلالیہ کے پردے مکشوف کر دیئے گئے۔ آپ رب العزت کے قریب ہو گئے۔ اور قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمان کے ملنے کا فاصلہ رہ گیا۔ یا اس سے بھی کم۔ باری تعالیٰ کی تجلیات کے بادلوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جبرئیل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ اور آیت پڑھی۔ **وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾** (الصافات) ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے پس آپ پردوں کو عبور کر گئے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ بلندی پر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم شکل کر دیا۔ جو ان کی حسی شکل وصورت تھی۔ وہی اس کی بنا دی۔ تا کہ اس قدر بلندی پر جا کر آپ سے موانست ہو۔ حتیٰ کہ آپ ذات باری تعالیٰ کے حضور سجدہ میں پڑ گئے۔ جس کے حضور بڑے بڑے چہرے جھک جاتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذات باری تعالیٰ کا سرانور کی آنکھوں سے دیدار کیا۔ جو کیف وکمیت سے ممتاز تھا۔ اگرچہ آپ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آپ نے اپنے سرانور کی آنکھوں سے جاگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہیں؟ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے بلا ریب واشتباہ دیدار کیا۔

وَ تَرَقّٰی بِهٖ اِلٰی قَابَ قَوْسَیْنِ وَ تِلْکَ السِّیَادَۃُ الْقَعْسَاءُ
رُتَبٌ تَسْقُطُ الْاَمَانِیَ حَسْرٰی دُوْنَهَا مَا وَرَاءَ هُنَّ وَرَاءُ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قاب قوسین تک بلندی عطا فرمائی۔ اور یہ سیادت عظمیٰ اور قابل فخر وہ عظیم رتبہ ہے جس کے بہت نیچے خواہشات وآرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے آگے بھی مقامات ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پایا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْه

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب! مانگو تمہارا ہر سوال پورا کر دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا۔ یا اللہ! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو ''خلیل'' بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ''کلیم'' کا خطاب دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو توراۃ وانجیل کا علم دیا۔ اور ان کی والدہ کو شیطانی چوکوں سے محفوظ رکھا۔ ارشاد ہوا۔ ہم نے آپ کو ''حبیب'' بنایا۔ آپ تورات میں ''حبیب اللہ'' تھے۔ میں نے تمہیں ''سبع مثانی'' اور سورۃ بقرہ کی آخری'' آیات'' عطا فرمائیں۔ ''حوض کوثر'' دیا۔ اور اسلام کے آٹھ حصہ جات دیئے۔ اس کی آٹھ بنیادیں عطا کیں۔ نماز اور زکوٰۃ دی۔ عملی طور پر تمہاری امت کیلئے پچاس نمازیں فرض کیں۔ لہٰذا آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کرنا۔ اس کے بعد بادل چھٹ گیا۔ آپ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ پر آپ کے رب نے کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا۔ پچاس نمازیں روزانہ، عرض کی۔ حضور! واپس تشریف لے جائیے۔ اور اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ جلدی واپس گئے۔ اور درخت کے قریب پہنچ گئے، انوار سبحانیہ کے بادلوں نے آپ کو پھر گھیر لیا۔ سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے پانچ یا دس نمازیں باختلاف اقوال وروایات معاف کر دیں۔ واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور بتایا کہ تخفیف ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ دوبارہ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ کیونکہ آپ کی امت کمزور ہے اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے اور ہر مرتبہ تخفیف ہوتی۔ اور بادل بھی آپ کو گھیرتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محبوب! پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز دس نمازوں کے برابر ہوگی۔ جیسا کہ ازلی ارادہ ہو چکا ہے۔ میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی۔ اور نہ ہی میری کتاب میرے سوا کوئی منسوخ کر سکتا ہے۔ میں ہی معبود یکتا ایسا کر سکتا ہوں۔ اور نیکیوں کا ثواب دس گناہ کر دیا ہے۔ اور جو نیکی کا ارادہ کرے گا۔ اس نے اگر چہ عملی طور پر وہ نیکی بھی نہ کی۔ پھر بھی اسے ثواب دیا جائے گا۔ اور گناہ اگر کیا تو اس کی سزا ایک گناہ کی ہوگی۔ اور اگر گناہ کا ارادہ کر کے عملی طور پر نہ کیا۔ تو کوئی سزا نہ ہوگی۔ پھر جب نیچے تشریف لائے تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا۔ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ آپ نے اس مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اب مجھے واپس جاتے ہوئے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اور میں اس کے فیصلہ کردہ احکام پر راضی ہوں۔ اتنے میں کسی آواز دینے والے نے آواز دی۔ میں نے بیشک اپنا فرض نافذ کر دیا۔ اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ اس کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اب نیچے تشریف لے جایئے۔ آپ نے کہا۔ بسم اللہ۔

وَاِنَّما السِرُّ لِی مُوْسٰی یُرِدْدُہٗ لِیَجْتَلِیَ حُسْنَ لَیْلٰی حِیْنَ یَشْھَدُہٗ

یَبْدُو سَنَاھا عَلٰی وَجْہِ الرَّسُوْلِ فَیَا لِلّٰہِ دَرُّ رَسُولِ حِیْنَ اَشْھَدَہٗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بار بار عرض کرنا کہ حضور واپس تشریف لے جائیں۔ اس میں راز یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کا جلوہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے جلوے ظاہر تھے۔ کیسی قسمت اس عظیم المرتبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنہوں نے انوار و تجلیات کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

ہر آدمی اپنے مذہب کا لحاظ کرتا ہے۔ ہر شخص اپنا مشرب جانتا ہے۔ ظاہری علماء اس کا مطلب اپنے طور پر بیان کرتے ہیں۔ حضرات صوفیاء کرام کسی اور رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی عبارات مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہے۔ اور سب کا اشارہ اسی جمال کی طرف ہے۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت کے قریب سے گزرے۔ تو انہوں نے یہ کہا۔ آپ اپنی امت کو حجامت (سنگھی لگوانا) کا ضرور ارشاد فرمانا۔ یہ وصیت انہوں نے بکثرت کی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان دنیا کی طرف اترنے لگے۔ تو آپ نے اس سے نیچے دیکھا۔ شور و غل اور طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے کے علاوہ دھواں دیکھا۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا۔ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ کہا یہ شیطان کا گروہ ہے۔ اولاد آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے ہیں۔ تاکہ وہ ''املاک علویہ'' میں غور و فکر نہ کرسکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عجیب و غریب مخلوقات دکھائی دیتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی کیلئے سوار ہوئے۔ جب قریش کے ایک اونٹ کے قریب سے گزرے۔ تو وہ اس کھلی زمین میں بھاگ نکلا۔ ان میں سے ایک اونٹ کو مرگی کا مرض لاحق ہوگیا۔ اور جب آپ اس کے سامنے آئے تو وہ ٹوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریش کے ایک قافلہ سے گزر ہوا۔ جن کا ایک اونٹ کھو گیا تھا۔ ان میں سے ایک نے اسے بڑی ہمت سے پکڑ رکھا تھا۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ ان میں سے ایک بولا۔ یہ آواز ''محمد بن عبداللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معلوم ہوتی ہے۔ پھر آپ صبح سے تھوڑا پہلے مکہ مکرمہ اپنے ساتھیوں میں واپس آگئے۔ جب صبح ہوئی۔ آپ غمزدہ حالت میں تشریف فرما تھے۔ اور

آپ کا خیال تھا کہ لوگ آپ کے ''اسراء اور معراج'' کی تکذیب کریں گے۔ رئیس الکفار ابوجہل وہاں سے گزرا۔ اور ٹھٹھا مذاق کے انداز میں پوچھنے لگا۔ کوئی نئی خبر ہے؟ اس کا ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنگ کرنے اور پریشان کرنے کا تھا۔ یہ سن کر صادق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔ کہنے لگا۔ پھر آپ راتوں رات واپس ہمارے درمیان بھی آ گئے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اس نے اسے بہت عجیب اور انہونی بات سمجھا۔ اسے اس وقت اس بات کے جھٹلانے کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر میں نے لوگوں کو بتایا اور لوگوں نے آ کر ان سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے یہ کہا ہے کہ میں رات کو بیت المقدس گیا اور آ گیا۔ اگر آپ نے اس وقت انکار کر دیا تو لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ لہٰذا کہنے لگا۔ اگر میں آپ کی قوم کو بلا کر لاؤں۔ تو کیا آپ ان سے یہی بات کریں گے۔ جو میرے ساتھ کی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ابوجہل نے لوگ اکٹھے کئے۔ شہر مکہ کے بہت سے لوگ آپ کے پاس آ گئے۔ ابوجہل نے سب کے سامنے کہا۔ انہیں وہی بات بتاؤ جو مجھے بتائی تھی۔ آپ نے وہی کہا جو اس سے قبل اکیلے ابوجہل کو بتا چکے تھے۔ جس کا جہنم ٹھکانہ ہے۔ اب یہ بات سن کر کچھ لوگ تو تالیاں پیٹنے لگے۔ اور کچھ نے اسے ویسے ہی ناممکن کہا۔ کہ اس قدر طویل مسافت رات میں کیسے طے کی جا سکتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنے سروں پر ہاتھ رکھے اور حیران و ششدر رہ گئے۔ مطعم بن عدی جہنمی نے اس کی تکذیب کی۔ اللہ اس بے ایمان کو ٹھوہر کھلائے۔ اور اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ ڈالے۔ کہنے لگا۔ ہم یہ سفر ساٹھ دن رات میں طے کرتے ہیں۔ اور اونٹوں کے جگر جواب دے جاتے ہیں۔ اور تو گمان کرتا ہے کہ تو نے ایک رات میں یہ سفر طے کر لیا ہے؟ اس نے لات وعزیٰ کی قسم اٹھائی۔ کہ میں قطعاً اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ تو نے جو بکا۔ بہت برا بکا ہے۔ تو نے اپنے چچا زاد بھائی کو جھٹلایا ہے۔ حالانکہ وہ تمام ہاشمی خاندان کے سردار ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ اور امن دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق سے راضی ہو گیا۔ اور انہیں راضی کر دیا۔

لوگ بولے۔ یا محمد! بیت المقدس کے حالات ہمارے سامنے بیان کریں۔ اور اس کی علامات و اوصاف بتائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اوصاف بیان کرنے شروع کر دیئے۔ فرمایا۔ فلاں فلاں اس کی شکل وصورت ہے۔ فلاں پہاڑ کے قریب ہے۔ آپ یکے بعد دیگرے اس کی صفات بیان کرتے گئے حتیٰ کہ کچھ اوصاف خلط ملط ہو گئے۔ آپ کو اس سے انتہائی صدمہ ہوا۔ زندگی بھر ایسا صدمہ نہ ہوا تھا۔ پھر مسجد اقصیٰ کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ اور دار عقیل یا عقال کے قریب لا کر رکھ

دی گئی۔ یہ راوی کا شک ہے۔ لوگوں نے آپ سے اس کے دروازوں کا سوال کیا۔ آپ نے اسے دیکھا اور ایک ایک دروازہ گن کر بتا دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ آپ نے سچ کہا۔ آپ نے سچ کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں تمام باتیں صحیح صحیح بتائی ہیں۔ اور پوچھا۔ اے ابوبکر! تم ان کی تصدیق کرتے ہو؟ فرمایا۔ ہاں میں ان کی تصدیق ان باتوں میں کرتا ہوں۔ جو صبح و شام آپ ہمیں آسمانی خبریں دیتے ہیں۔ جب ان کی تصدیق کرتا ہوں تو بیت المقدس آنے جانے کی کیوں تصدیق نہ کروں؟ اسی وجہ سے آپ کا لقب ''صدیق'' ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنی قمیض میں کانٹے کے بٹن لگا لیئے۔

لوگوں نے پھر آپ سے پوچھا۔ ہمارے قافلہ کے بارے میں بتائیں اور اس کی صحیح صحیح خبر دیں؟ آپ نے اس قافلہ کے بارے میں حقیقت حال بتائی۔ اور بتایا کہ فلاں جگہ فلاں قافلہ اور فلاں جگہ فلاں واقعہ پیش آیا۔ اور فرمایا۔ ہاں ہاں ''ثنیہ'' سے تمہیں آتا دکھائی دے گا۔ بدھ کے دن آئے گا۔ لوگ چھتوں پر چڑھ کر انتظار کرنے لگے۔ شام ہونے کے قریب وقت ہو گیا۔ لیکن قافلہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آپ کی خاطر اس دن اللہ تعالیٰ نے عصر کا وقت تھوڑا سا بڑھا دیا۔ سورج کو ڈوبنے سے روک دیا گیا۔ حتیٰ کہ قافلہ آ گیا۔ شہر میں داخل ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکذیب کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ ان باتوں کو دیکھ کر کفار و مشرکین نے آپ کو جادوگر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن کریم کی واضح آیات نازل فرمائیں۔ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:60)۔ ہم نے جو آپ کو منظر آنکھوں سے دکھایا۔ وہ لوگوں کیلئے آزمائش اور امتحان تھا۔ یعنی ان لوگوں کیلئے جنہیں شیطان نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ اور گمراہ کر دیا تھا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اسراء سے واپس آ گئے تو آپ کے جسم اقدس سے مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ جس سے کائنات میں خوشبو پھیل گئی۔ اب یہیں بدیعی باغات کے حوض سے پھوٹتے چشموں کے سوتے کو روکنے کا وقت آ گیا۔ اور حیرانی کے میدانوں میں تلاش کرتے ہاتھوں کو روکنے کا وقت آ گیا۔

اے اللہ! ان کی قبر انور کو صلوٰۃ و سلام کی مرکب خوشبوؤں سے معطر فرما۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

اے اللہ! اے وہ ذات جس کے حضور معافی کے خواستگاروں کے معافی کیلئے ہاتھ اٹھے ہیں۔ پھر تیری طرف سے اور تیری عطاء کے بادلوں نے ان کو سیراب کر دیا۔ اے وہ ذات جو اغیار اور مثلیت سے بلند و بالا ہے۔ اے وہ ذات! جس کی رحمت فرمانبرداروں اور نافرمانوں سب کیلئے وسیع ہے۔ اے وہ ذات! جو سیاہ تاریک اندھیروں میں مچھر کے پروں کا پھیلانا جانتی ہے۔ اور جب اندھیرے اپنے پردے لٹکا دیتے ہیں تو مچھروں مکھیوں کی ٹانگوں کی آواز سنتی ہے۔ تجھ سے تیرے عظیم انوار جلی کے واسطہ سے ہم سوالی ہیں۔ وہ انوار جلی جو دلوں کے زنگ اور میل کو دور کرتے ہیں۔ اور ہم تیری بارگاہ میں صاحب مقامات عالیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لاتے ہیں۔ جنہیں کل عدل و انصاف کے دن شفاعت عظمیٰ کا منصب عطا ہوگا۔ اور ہم تجھے اس شخصیت کے واسطہ دیتے ہیں۔ جس کو تو نے اپنی مقدس بارگاہ کا مخصوص قرب عطا فرمایا اور سر کی آنکھوں سے اپنا مشاہدہ عطا کیا۔ جو خالص عزت اور مرتبہ کے مصفی ہیں۔ اور آپ کی ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے پاک عزت کا واسطہ دیتے ہیں اور آپ کے تمام ممتاز صحابہ کرام کا جو ہدایت کے پاسبان ہیں اور ان کے ان وارثوں کا جو حسی اور معنوی فضائل کے وارث ہیں۔ اور ہر ایک بندے کا واسطہ دیتے ہیں جو اپنے مولیٰ کا مقرب اور اس سے ہدایت یافتہ ہے۔ اور آپ کی تمام امت کا واسطہ جو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ سے مخصوص ہے۔ اور ان کے راہنماؤں اور پیشواؤں کا واسطہ ہے کہ تو ہماری دینی مہمات کو پورا فرما دے اور ہم میں سے ہر ایک کا دینی اور اخروی مقصد پورا فرما دے۔ اور اپنی رحمت کے دودھ کے پیاسوں کو بہترین دودھ مرحمت فرما۔ اور اپنی آزمائش کے بیماروں کو شفاء عطا فرما۔ اور ہمارے افہام کے مشام کو پاکیزہ قبولیت سے چاک فرما۔ اور ذہن کے سواروں کو جو راستہ طے کر رہے ہیں انہیں ڈاکوؤں اور ظالموں سے محفوظ رکھ۔ سستی، حسد اور نفسانیت کی بیماریوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینک۔ اور اس مبارک جماعت کو اس کے نیک مقاصد عطا فرما۔ اور قلبی بیماریوں کے خطرات سے بچا۔ اور انکساری کے طبیب میں ہمارا علاج رکھ۔ نفس ذلیل کی خواہشات کے مضبوط ہاتھوں کو روک دے۔ اور اپنے خوف کے بادشاہ سے اپنے عقاب اور اپنی اذیت سے تحفظ فرما۔ ان لگاتار گرتے آنسوؤں پر رحم فرما۔ گرمی میں جلے جگروں کو ٹھنڈک عطا کر۔

اے اللہ! اقوال و افعال میں ہمارے مخصوص اعانت اور خلوص سے نواز۔ عجب اور خودنمائی کے خیالات سے سلامتی میں رکھ۔ ان نیکیوں کے مراکز کو حفظ اور سرمدی رعایت سے مخصوص فرما۔ اور فردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرما۔ اور حکمرانوں کی اصلاح فرما۔ خاص کر دولت عثمانیہ کے بادشاہوں کی

اصلاح فرما۔ اور رعایۃ میں انہیں عدل و انصاف کا الہام بخش۔ اور برزنجی سے درگزر فرما۔ جس نے اسراء و معراج کا واقعہ قلمبند کیا۔ یعنی تیرا کمترین بندہ زین العابدین بن محمد جو اپنی خطاؤں اور تقصیر کا اقراری ہے۔ اور اسے بھی تو اپنے ان مخصوص بندوں میں شامل کر لے۔ جو تیرے پسندیدہ ہیں۔ اور اسے بھی ان کی سنگت عطا کر جو انعام یافتہ یعنی حضرات انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اور ان کا جو مقام و ٹھکانہ ہے وہ اسے بھی عطا فرما۔ اس پر، اس کے والدین پر، حاضرین، ان کے والدین پر احسان فرما کر سب کو کامیابی، امان اور شہودیت عطا فرما۔ اور ان میں سے ہر ایک کی منزل ''مقعد صدق'' بنا دے۔ اور ان کے اشیاخ، احباب، اہل نسب کو معاف کر دے اور ان خصائص نبویہ کے لکھنے والے پر معافی کے پردے ڈال دے۔ ان کے سننے والوں اور پڑھنے والوں کی امیدوں کو اپنے انعام سے پورا فرما۔

اے اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما۔ جنہیں معراج جسمانی اور رفرف کے ذریعہ تو نے عطا فرمایا۔ اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر بھی رحمتیں نازل فرما۔ جو امت کے ولی اور اس کے داعی ہیں۔ اس وقت تک جب تک سخاوت کے آسمان تنے ہوئے ہیں۔ اور اس کے سائے دراز ہیں۔ اور انمٹ خوشبوئیں انہیں عطا فرما۔ اس وقت تک جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج کی خبریں اور باتیں افکار کے پھولوں کے دانتوں پر جاری ہیں۔ اور اعلیٰ براعۃ کی دلہنیں خوبصورت اور موتیوں سے جڑی پوشاک زیب تن کرتی ہیں۔ یہاں حسن خاتمہ کی تاریخ انتہائی غایت کو پہنچی۔ اور مشاہدہ کے میدانوں میں خوشبوؤں نے سر جھکا دیئے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

الامام العلامہ السید جعفر بن حسن البرزنجی

المتوفی ۱۱۷۹ھ

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہر ان کا بینظیر اور مشہور ''مولود'' ہے۔ اور میرے علم کے مطابق وہ ان کی کاوش ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں ذات عالیہ کے نام پاک سے تحریر کی ابتداء کرتا ہوں۔ برکات کے فیض سے نفع اٹھانے والا اور اس کا حقدار بن کر کلام کی ابتداء کرتا ہوں۔ اور میں ایسی حمد وثناء کرتا ہوں جس کے چشمے میٹھے اور خوش کن ہیں۔ شکر جمیل سے اس کی سواریوں کو تیار کرتے ہوئے رطب اللسان ہوں۔ اور میں اس نور پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہوں جو تقدم اور اولیت سے موصوف ہے۔ جو مقدس وکریم پیشانیوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے اس رضوان کا بھی خواہ ہوں جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک عزت کو عطا فرمائی۔ اور حضرات صحابہ کرام اور ان کے متبعین کو اور ان کے چاہنے والوں کو عام طور پر عطا فرمائی۔ اور میں واضح اور جلیل راستوں پر چلنے کی ہدایت کا سوالی ہوں۔ اور ہر غلطی اور گناہ کی طرف اٹھنے والے ہر قدم سے اس کی حفاظت مانگتا ہوں۔ اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پاک کی خوبصورت چادریں بچھاتا ہوں۔ سب سے پہلے میں آپ کے نسب شریف کے موتیوں کی مالا بناتا ہوں۔ جو اپنی خوبصورتی اور لذت سے کانوں کو مزین کر دے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے حول اور مضبوط قوت سے مدد چاہتا ہوں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَتَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ۔

اے اللہ! حضور سرور کائنات کی قبر انور کو صلوٰۃ وسلام کی مشک کی خوشبو سے معطر فرما۔ اے اللہ! آپ پر صلوٰۃ وسلام اور برکت نازل فرما۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یہ ہے۔

سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ان کا نام شیبۃ الحمد تھا۔ ابن ہاشم ان کا نام عمرو تھا، ابن عبد مناف ان کا نام مغیرہ تھا۔ ابن قصی ان کا نام مجمع تھا۔ قصی اس لئے نام پڑا۔ کہ قضاعہ کے دور دراز شہروں میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں حرم محترم میں لے آیا۔ اور انہوں نے اس کی حفاظت

کی۔ ابن کلاب ان کا نام حکیم تھا۔ ابن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہران کا نام قریش تھا۔ اور تمام قریشی شاخیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ ان سے اوپر والے ''کنانی'' کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر حضرات نے اس طرف میلان کیا۔ اور اسے پسندیدہ قول بتایا۔ ابن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ''بدنۃ'' (قربانی کا اونٹ) حرم محترم کی طرف بھیجا۔ اور ان کی پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذکر کرتے سنا گیا۔ اور تلبیہ کہتے پایا گیا۔ ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان - یہ مالا وہ ہے جس کے سنت مطہرہ کی انگلیوں نے موتی پروئے ہیں۔ اور اس سے آگے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نسب مرفوع ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدنان سے آگے کچھ بیان نہیں فرمایا۔ اور عدنان یقیناً نسب کے ماہر علماء کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ان کی نسبت ہے۔ کس قدر عظیم ہے یہ مالا جس میں چمکتے ستارے پروئے گئے۔ اور عظیم کیوں نہ ہو جب اس کا واسطہ مبارکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

نَسَبٌ تَحسَبُ العُلَا بِحُلاہُ ... قَلَّدَ تُها نُجُو مَهَا الجوزَاءُ

حَبَّذَا عِقدُ سُؤْدَدٍ وَ فَخارٍ ... اَنْتَ فِيه اليَتِيمَةُ الْعَصْمَاءُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف وہ ہے جس کی بلندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبصورتی کی وجہ سے ہے۔ یہ وہ عظیم نسب ہے جس کے ستاروں کو جوزا نے گلے کا ہار بنایا۔ بہت ہی شان دار وہ مالا ہے جس کے سارے موتی سردار اور قابل فخر ہیں۔ اور اس مالا میں ''در یتیم'' آپ کی شخصیت ہے۔

کس قدر کریم ہے یہ نسب جسے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا۔ علامہ زین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کس خوبصورت پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حَفِظَ الإِلٰهُ كَرامَةً لِمُحَمَّدٍ ... آباءَ هُ الاَمْجَادَ صَونًا لِاسمِه

تَرَكُوا السِّفَاحَ لَمْ يُصِبْهُمْ عارُهُ ... مِنْ اٰدَمَ وَاِلٰى اَبِيهِ وَ اُمِّهٖ

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت کی خاطر آپ کے آباؤ اجداد کی حفاظت فرمائی۔ تاکہ آپ کے نام پاک پر دھبہ نہ آنے پائے ان سب نے بدکاری نزدیک نہ آنے دی اور حضرت آدم سے لیکر آپ کے والدین کریمین تک کسی کو بدکاری کی تہمت نہ لگائی گئی۔

آپ کے سلسلہ میں تمام حضرات وہ سردار ہیں۔ جن کی روشن پیشانیوں میں نور نبوت چلتا رہا۔ اور اس کا چاند آپ کے جدامجد عبدالمطلب کی جبیں اور ان کے بیٹے عبداللہ کی مبارک پیشانی میں ظاہر ہوا۔

عَطِّرِ اَللّٰھُمَّ قَبْرَہُ الْکَرِیْم - بِحَرْفٍ شَذِیِّ مِنْ صَلَاۃٍ وَّ تَسْلِیْم
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

جب اللہ تعالیٰ نے ''حقیقت محمدیہ'' کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپ کی صورت، جسم، روح اور معنی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ تو اس ''نور محمدی'' کو سیدہ آمنہ زہرا رضی اللہ عنہا کی سیپ میں جگہ دی۔ اور اللہ قریب مجیب نے سیدہ آمنہ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی۔ کہ آپ کی والدہ ہونے کا شرف پایا۔ آسمانوں میں اعلان کیا گیا۔ کہ سیدہ آمنہ نے اللہ تعالیٰ کے انوار ذاتیہ کو اپنے اندر جگہ دے دی۔ اور باد بہاری نے ہر طرف اس خبر کو پھیلا دیا۔ اور زمین کو عرصہ دراز تک خشک رہنے کے بعد نباتات کی سندسی پوشاک عطا کی گئی۔ پھل درختوں پر لگے۔ اور درختوں نے پھل چننے والوں کیلئے اپنی ٹہنیاں جھکا دیں۔ قریش کے ہر چارپائے نے فصیح عربی زبان میں آپ کے شکم مادر میں تشریف لانے کی خوشخبری دی۔ بت اور محلات کے کنگرے منہ کے بل گر پڑے۔ مغرب کے جنگلی پرندوں نے مشرق کے پرندوں اور بحری مخلوق نے دوسری بحری مخلوق کو خوشخبری سنائی۔ کائنات نے اس خوشی سے سرور کے بھرے پیالے پیئے۔ جنات نے آپ کے دور کی بشارت دی۔ کاہن غیبی خبروں سے روک دیئے۔ رہبانیت نے خوف کھایا۔ آپ کی آمد کی خبر پر ہر باخبر عالم شیفتہ ہو گیا۔ اور آپ کے حسن بھرے رنگ میں بے خود ہو گیا۔ آپ کی والدہ کو خواب میں کہا گیا۔ کہ تمہارے پیٹ میں سید العالمین اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت جلوہ فرما ہیں۔ جب وہ پیدا ہوں۔ تو ان کا نام ''محمد'' رکھنا۔ اس لئے کہ ان کے ہر فعل وقول کی تعریف کی جائے گی۔

عَطِّرِ اَللّٰھُمَّ قَبْرَہُ الْکَرِیْم - بِحَرْفٍ شَذِیِّ مِنْ صَلَاۃٍ وَّ تَسْلِیْم
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے دو ماہ گزر گئے۔ تو اقوال مرویہ مشہورہ کے مطابق آپ کے والد جناب عبداللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا۔ آپ وہاں اپنے ماموں کے ہاں گئے تھے۔ جن کا بنو عدی میں سے بنو نجار قبیلہ سے تعلق تھا۔ آپ وہاں ان میں ایک ماہ رہائش پذیر رہے۔ کیونکہ آپ بیمار پڑ گئے تھے۔ وہ آپ کی بیماری میں مدد کرتے اور آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ جب آپ کو والدہ کے پیٹ میں قول راجح کے مطابق نو ماہ قمری گزر گئے۔ تو وہ وقت آ گیا کہ زمانہ اپنی خوشی کا اظہار کرے۔ آپ کی والدہ کے پاس شب ولادت حضرت آسیہ اور حضرت مریم دوسری بہت سی مقدس عورتوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ آپ کی والدہ کو دردزہ شروع ہو گیا۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ جو نور تھے اور جن کی روشنی پھیل رہی تھی۔

وَ مَحیَا کَالشَّمسِ مِنکَ مَضِیءٌ اَسفَرَتْ عَنْهُ لَیْلَةٌ غَرَّاءُ
لَیْلَةُ الْمَوْلَدِ الَّذِی کَانَ لِلدِّیْنِ سُرُوْرٌ بِیَوْمِهٖ وَازْدِهَاءَ
یَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهٖ ابْنَتُ وَهْبٍ مِنْ فُخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَآءُ
وَاَتَتْ قَوْمَهَا بِاَفْضَلَ مِمَّا حَمَلَتْ قَبْلُ مَرْیَمُ الْعَذْرَاءُ
مَوْلَدٌ کَانَ مِنْهُ فِی طَالِعِ الْکُفْرِ وَبَالٌ عَلَیْهِمْ وَ وَبَاءُ
وَ تَوَالَتْ بُشْرٰی الْهَوَاتِفُ اَنْ قَدْ وُلِدَ الْمُصْطَفٰی وَ حَقَّ الْهَنَاءُ

اور چہرۂ انور گویا سورج آپ سے روشن کیا گیا ہے۔ اور سیاہ رات اس سے خوب روشن ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی رات وہ ہے جس کے دن سے دین کو سرور اور رونق ملی۔ وہ مبارک دن کہ اس دن وھب کی صاحبزادی سیدہ آمنہ نے آپ کو جنم دیا۔ اس جنم دینے سے انہیں وہ فخر نصیب ہوا جو دنیا میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ اپنی قوم کو ایسا فرزند دیا جو مریم کنواری کے ہاں پیدا ہونے والے بچے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بھی افضل ہے۔ ولادت سرور کائنات ایسی کہ کفر کی قسمت پر وبال اور وبا چھا گئی۔ اور غیب سے متواتر بشارتیں آنے لگیں۔ کہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہو چکی۔ اور مبارک بادی سے فضائیں جھومنے لگیں۔

اسے خوب یاد رکھو۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تذکرہ کے وقت قیام کرنا ''مستحسن'' ہے۔ اسے صاحبان روایت اور عقلمندوں نے بنظر استحسان دیکھا ہے۔ لہٰذا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے مقاصد اور مطالب کی انتہاء یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہو۔

عَطِّرَ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْکَرِیْم – بِعَرْفٍ شَذِیٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِیْم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ تو آپ نے ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے تھے۔ اور سر انور آسمان کی طرف بلند تھا۔ اس بلندی سے آپ اپنی سیادت اور بلندی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اور یہ اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ کی قدر و منزلت تمام کائنات پر بلند ہے۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حبیب ہیں۔ جن کی عادات اور خصائل نہایت حسین ہیں۔ آپ کی والدہ نے جناب عبدالمطلب کو بلوایا۔ اس وقت آپ طواف میں مصروف تھے۔ آپ جلدی سے آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ وہ آپ کو کعبہ میں لے گئے۔ اور

خلوص نیت سے دعا میں مشغول ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما کر احسان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف ستھرے، ختنہ شدہ اور ناف کٹی ہوئی پیدا ہوئے۔ جسم اقدس سے خوشبو آ رہی تھی۔ اور تیل لگا ہوا آنکھوں میں سرمہ پڑا ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا ختنہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے کیا تھا۔ جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تھی۔ اور اس وقت ولیمہ کیا اور عام دعوت کی۔ اور آپ کا اسم گرامی ''محمد'' رکھا۔ اور ان کو بہترین جگہ رکھا۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت بہت سے غیبی خوارق اور انوکھے واقعات رونما ہوئے۔ یہ آپ کی نبوت کی ابتداء تھی۔ اور ان واقعات سے یہ بتانا تھا۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مختار و مجتبیٰ ہیں۔ آسمانوں کی حفاظت سخت کر دی گئی۔ اور اس کی طرف چڑھنے والے سرکش جنات اور شیاطین کو واپس دھکیل دیا گیا۔ اور جب بھی کوئی مردود رجیم اوپر جانے کی کوشش کرتا تو اسے آگ کے گولوں سے مارا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے آسمانی ستارے جھک گئے۔ اور ان کی روشنی سے حرم کی پست و بلند زمین چمک اٹھی۔ اور آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا۔ جس کے ساتھ شام کے محلات روشن ہو گئے۔ سرزمین مکہ کے رہنے والوں نے شام کے مکانات اور غیر آباد جگہیں دیکھیں۔ مدائن میں کسریٰ کے ایوان لرز اٹھے۔ جنہیں نوشیروان نے تعمیر کیا تھا۔ اور خوب بلند کر کے بنایا تھا۔ اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور کسریٰ کا تخت دہشت سے ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایرانی ممالک میں جلائی گئی آگ جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ کے چمکتے چاند اور روشن چہرہ سے بجھ گئی۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا۔ جو قم اور ہمدان کے درمیان واقع ہے اس کی تباہ کن موجیں اور اس بحیرہ کے سوتے خشک ہو گئے۔ اور وادی سماوہ بہہ نکلی۔ یہ خشکی اور جنگلی علاقہ میں واقع ایک جگہ ہے۔ اس میں اس سے قبل پیاس سے مرنے والے کیلئے بھی پانی نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی جگہ مکہ مکرمۃ میں ''عراص'' کے نام سے معروف ہے۔ اس پاکیزہ شہر میں جس کے نہ درختوں کو کاٹنے کا حکم ہے اور نہ اس کی گھاس اکھیڑنے کی اجازت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے سال میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور مہینہ اور دن بھی مختلف بیان کئے جاتے ہیں۔ علماء کرام کے اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ راجح یہ ہے کہ آپ بارہ ربیع الاول کی صبح صادق سے تھوڑا سا پہلے عام الفیل میں کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ ''عام الفیل'' سے مراد وہ سال ہے جس سال ''ابرہ'' نے کعبہ پر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

''ابابیل'' سے اسے شکست دی۔

عَطِّرْ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ نے کئی دن تک دودھ پلایا۔ پھر ثویبہ اسلمیہ نے دودھ پلایا۔ جسے ابولہب نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تھی۔ ''ثویبہ'' نے جب آپ کو دودھ پلایا۔ تو اس وقت خود اس کا اپنا بیٹا ''مسروح'' اور بیٹی ابی سلمۃ بھی شریک دودھ تھے۔ آپ سے پہلے ''ثویبہ'' حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلا چکی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے ''ثویبہ'' کیلئے ان کی شایان شان کپڑے وغیرہ ارسال فرمایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ان کے انتقال تک جاری رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ ''ثویبہ'' کا انتقال اس کی قوم جو جاہلیت کی ایک قوم تھی۔ اس کے دین پر ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ ابن مندہ نے اس کی حکایت کی اور اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو سیدہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ سیدہ حلیمہ کو اس وقت تمام لوگوں نے اپنے بچے دودھ پلانے کیلئے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ غریب تھیں۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کیلئے انہوں نے حامی بھری۔ تو ان کی کٹھن اور غریبانہ زندگی رات ڈھلنے سے پہلے ہی آسودہ ہوگئی۔ سیدہ حلیمہ نے ایک دودھ جو دائیں جانب کا تھا، آپ کو پلایا اور بائیں جانب سے آپ کے رضاعی بھائی یعنی سیدہ حلیمہ نے اپنے بیٹے کو پلایا۔ فقر اور غربت کے بعد سیدہ حلیمہ غنی ہوگئیں۔ اور اس کے ہاں جو بکریاں بہت لاغر تھیں وہ فربہ ہوگئیں اور جو بھی ان کا تعلق دار تھا۔ وہ بھی آسودہ حال ہوگیا۔ بلکہ پورا قبیلہ بنو سعد بہترین زندگی اور عیش وعشرت میں ہوگیا۔

عَطِّرْ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْم - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس برس کی عمر کو پہنچے تو آپ حضرت خدیجہ کیلئے تجارت کی غرض سے بصریٰ (بصرہ) کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ سیدہ خدیجہ کا غلام ''میسرہ'' بھی تھا۔ جو آپ کی خدمت اور ضروریات مہیا کرنے کیلئے آپ کے ساتھ سیدہ خدیجہ نے روانہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عیسائی راہب نسطورا کے گرجا کے نزدیک ایک درخت کے نیچے ٹھہرے۔ تو اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ جس درخت کے نیچے آپ تشریف فرما ہیں۔ اس کا

سایہ آپ کی طرف جھکا جا رہا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت کے نیچے ماسوا پیغمبر کے کوئی بھی نہیں بیٹھتا۔ اور وہی رسول اس کے نیچے بیٹھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فضائل سے نوازا ہو۔ اور اسے اپنا محبوب بنایا ہو۔ پھر اس راہب نے ''میسرہ'' سے پوچھا۔ کیا تمہارے ساتھی کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ یہ اس نے اس لئے سوال کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ''خفیہ علامت'' جاننا چاہتا تھا۔ ''میسرہ'' نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر اس راہب کو آپ کے بارے میں یقین ہو گیا۔ اور اس نے دوستی کی خواہش کی۔ اور ''میسرہ'' سے کہا ان سے کبھی جدا نہ ہونا۔ اور ان کیساتھ سچے ارادے اور بہترین طریقہ سے رہنا۔ کیونکہ یہ وہی شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اپنا برگزیدہ بنایا ہے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ تو سیدہ خدیجہ نے دیکھا کہ درمیانے قد کی آپ کی شخصیت ہے اور دو فرشتوں نے آپ کے سر انور پر سے سورج کی گرمی روک رکھی ہے۔ یعنی دھوپ آپ پر نہیں پڑتی تھی۔ میسرہ نے حضرت خدیجہ کو وہ واقعات بتائے جو دوران سفر اس نے آپ سے دیکھے تھے۔ اور وہ بھی بتایا جو راہب نے آپ کے بارے میں کہا تھا۔ اور جو اس نے اسے وصیت کی تھی۔ ادھر تجارت میں سیدہ خدیجہ کو بہت زیادہ نفع بھی ہوا۔ ان تمام واقعات اور بیانات سے سیدہ خدیجہ پر واضح ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جنہیں قرب خاص عطا ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا منصب ملے گا۔ تو سیدہ خدیجہ نے آپ کو اپنے ساتھ شادی کا پیغام بھجوایا۔ تا کہ آپ پر ایمان لا کر ایمان کی خوشبو سے آپ کو معطر کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچاؤں کو سیدہ خدیجہ کی دعوت اور ارادہ کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اس میں دلچسپی لی۔ کیونکہ سیدہ خدیجہ دیندار، فضیلت والی، حسن و جمال سے آراستہ اور بہترین حسب و نسب والی عورت تھی۔ قوم کا ہر آدمی اس سے شادی کا خواہشمند تھا۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف و اخلاق بیان کئے۔ اور کہا کہ خدا کی قسم! اس نوجوان کی بڑی عظمت ہو گی۔ ہر طرف ان کی خوبیوں کا چرچا ہو گا۔ خدیجہ کے والد نے آپ سے خدیجہ کی شادی کی۔ بعض نے کہا۔ خدیجہ کے چچا نے نکاح پڑھا۔ اور بعض ان کے بھائی کا نام لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد سیدہ خدیجہ سے ہوئی۔ ماسوائے ایک صاحبزادے کہ جن کا نام خلیل اللہ کے نام پر تھا۔ یعنی ابراہیم تھا۔

عَطِّرِ اللّٰھُمَّ قَبْرَہُ الْکَرِیْم — بِعَرْفِ شَذِیٍّ مِنْ صَلٰوۃٍ وَ تَسْلِیْمٍ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس برس کی ہوئی۔ تو قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ سخت بارش اور سیلاب کی وجہ سے اس کی دیواریں گرنے کے قریب ہو گئیں۔ جب حجر اسود رکھنے کا معاملہ آیا۔ تو ان میں اختلاف ہو گیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ حجر اسود وہ اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کرے۔ بہت قیل وقال ہوئی۔ اور انہوں نے مرنے مارنے کی قسمیں اٹھا لیں۔ اور اپنے اپنے قبیلہ کو مضبوط کرنے اور مقابلہ کیلئے تیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ پھر سب نے انصاف کی طرف رجوع کیا اور طے یہ پایا کہ فلاں صاحب رائے جو کہے گا۔ اس پر اتفاق کر لیں گے۔ پھر ان کے مابین فیصلہ یہ کیا گیا جو شخص علی الصبح باب بنی شیبہ سے داخل ہو گا وہ حجر اسود اٹھا کر رکھے گا۔ صبح ہوئی تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے داخل ہوئے۔ سبھی کہنے لگے۔ آپ امین ہیں۔ ہم سب کو منظور ہیں۔ اور ہم سب آپ پر متفق ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "حجر اسود" ایک چادر میں رکھا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اس چادر کو تمام قبائل کے سرکردہ لوگ اٹھائیں۔ اور حجر اسود کی جگہ تک بلند کریں۔ انہوں نے چادر اٹھائی۔ اور حجر اسود کے مقام کے برابر لے آئے۔ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اس جگہ رکھا جہاں اب بھی موجود ہے۔

عَطِّرِ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ - بِعَرْفِ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی۔ تو صاحبان علم وفضل کے متفقہ قول کے مطابق آپ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کیلئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ تمام جہانوں پر آپ کی رحمت عام ہوئی۔ اور چھ ماہ مکمل ہونے پر آپ کو سچے خواب دکھائے جانے لگے۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ (اس کی تعبیر) صبح روشن کی طرح درست ہوتا۔ ابتداء بذریعہ خواب اس لئے کی گئی تا کہ قوت بشریہ کی مشق اور اس میں ہمت آ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد اچانک کسی دن فرشتہ نے صریح نبوت کا پیغام لانا تھا۔ تو اسے برداشت کر سکیں۔ آپ کے دل میں خلوت نشینی کو محبوب بنا دیا گیا۔ آپ کئی کئی رات دن متواتر "غار حراء" میں تشریف فرما رہتے۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس صریح حق آ گیا۔ اور ابتدائے وحی رمضان شریف سترھویں تاریخ پیر کے دن ہوئی۔ یہاں اور بھی اقوال ہیں۔ مثلاً سات یا چار یا بیس رمضان المبارک۔ ایک قول ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کا بھی ہے۔ وحی لانے والے فرشتے جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ پڑھئے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیل نے آپ کو بازوؤں میں لیکر بھینچا۔ پھر چھوڑا اور کہا پڑھئے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ دوبارہ جبرئیل نے دبایا۔ حتیٰ کہ

کچھ زور محسوس ہوا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھیے۔ فرمایا۔ میں قاری نہیں ہوں۔ تیسری مرتبہ زور سے دبایا اور خوب زور سے دبایا۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ اس واقعہ کے بعد تین سال یا اڑھائی سال سلسلہ وحی منقطع رہا۔ تاکہ آپ کو ان پاکیزہ خوشبوؤں کے جھونکوں کا شوق پیدا ہو۔ اس کے بعد آپ پر یَا اَیُّهَا الْمُدَثِّر لیکر جبرئیل آئے۔ اور آپ نے ان آیات کی تلاوت کی۔ ''اِقْرَاء بِاسْمِ رَبِّکَ'' آیات کے پہلے اترنے میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی ذات پر اترنے والی پہلی آیات یہی ہیں۔ اور آپ کے بشیر ونذیر بن کر آنے کی ابتداء انہی آیات مبارکہ سے ہوئی۔ یعنی امت کو خوشخبری سنانے اور ڈرسنانے سے پہلے یہ آیات اتر چکی تھیں۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ

مردوں میں سے سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے صاحب غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ بچوں میں سے یہ شرف حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ اور عورتوں میں سے یہ اعزاز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کو مضبوط فرمایا۔ اور اس کی حفاظت فرمائی۔ اور آزاد کردہ غلاموں میں سے اولیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ اور غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے۔ جنہیں امیہ نے ایمان لانے پر طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں۔ انہیں خرید کر آزاد کرنے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق کو ملا۔ اس کے بعد حضرت عثمان، سعد، سعید، طلحہ، ابن عوف اور آپ کی پھوپھی صفیہ کے صاحبزادے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے حضرات ایمان لائے جن کے ایمان لانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بہت دخل تھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء کافی عرصہ پوشیدہ رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی شریک ہوتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (النحل: ۹۴)۔ تو آپ نے اس کے اترنے کے بعد اعلانیہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ آپ کی قوم آپ کے اس وقت تک مخالف نہ ہوئی جب تک آپ نے ان کے باطل معبودوں پر اعتراض نہ کیا۔ آپ نے توحید کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے روکنا شروع کر دیا۔ اس پر آپ کی قوم کے لوگ مقابلہ پر اتر آئے۔ اور اذیت پہنچانے اور عداوت اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کیلئے پریشانیاں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔ پھر پانچویں سال مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

آپ پر آپکا چچا ابوطالب مہربان ہوا۔ آپ کی حفاظت کا یقین دلایا۔ اس پر ساری قوم نے اسے ڈرایا دھمکایا۔ لیکن انہوں نے آپ کی حمایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رات میں کچھ گھنٹے عبادت کرنا لازم کردیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے قول فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (المزمل: 20) سے اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ اب آپ پر دو رکعت صبح اور دو رکعت شام ادا کرنا لازم کر دیا گیا۔ پھر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے پر یہ بھی منسوخ کر دی گئیں۔ جب شب معراج آپ کو پانچ نمازیں عطا ہوئیں۔ بعثت کے دسویں سال ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ شوال کا آدھا مہینہ گزر چکا تھا۔ تین دن بعد سیدہ خدیجہ بھی دار فانی کو چھوڑ گئیں۔ اس سے مسلمانوں کو سخت دھچکا لگا۔ اب قریش نے ہر اذیت آپ کو پہنچانے کی کوششیں تیز کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "طائف" جانے اور وہاں جا کر "بنو ثقیف" کو دعوت دینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن انہوں نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا۔ انہوں نے بے وقوفوں اور غلاموں اور نوجوانوں کو بھڑکایا۔ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برے الفاظ کہے۔ آپ پر پتھر برسائے۔ حتیٰ کہ آپ کی نعلین شریف خون سے رنگین ہو گئیں۔ آپ غمزدہ حالت میں واپس مکہ تشریف لائے۔ تو پہاڑوں کے نگران فرشتہ نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے ان کی ہلاکت کی اجازت بخشی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں پرامید ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے گا۔ جو میرے چاہنے والے ہوں گے۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل کی طرف توجہ دی اور دعوت الی اللہ دینا شروع فرمائی۔ موسم حج میں جو باہر سے قافلے آتے آپ انہیں تبلیغ فرماتے۔ مدینہ منورہ کے انصار میں سے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا سے مختص کر لیا تھا۔ انصار میں سے اگلے سال بارہ آدمی حج کرنے آئے۔ اور انہوں نے آپ کے دست اقدس پر حقیقی بیعت کی۔ بیعت ہو جانے کے بعد یہ حضرات واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ پھر یہی مدینہ منورہ اسلام کا ملجاو ماوٰی بن گیا۔ اس سے اگلے سال چھتر یا تہتر مرد اور دو عورتیں حج کرنے آئے۔ جن کا تعلق قبیلہ اوس اور خزرج سے تھا۔ ان سب نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔ آپ نے ان میں سے بارہ بزرگ اور سرداروں کو ان کا نقیب مقرر کر دیا۔ پھر مکہ شریف سے بہت سے مسلمانوں نے ان کی طرف (مدینہ منورہ کی طرف) ہجرت کی۔ انہوں نے

اپنے وطن چھوڑ دیئے۔ کیونکہ انہیں جس بات نے کفر چھوڑا کر ایمان دلوایا تھا۔ اسے حاصل کرنے کیلئے وہ سب کچھ قربان کرنے پر تیار تھے۔ ادھر قریش کو خطرہ لاحق ہوا۔ کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے مدینہ منورہ چلے گئے تو ان کی طاقت بن جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ آپ کو قتل (شہید) کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکروفریب سے بچالیا۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی گئی۔ ادھر مشرکین نے یہ پروگرام بنایا۔ کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ آپ کے در دولت کا محاصرہ کر لیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے۔ اور ان کے مونہوں پر مٹی ڈالی۔ اور یہ آنکھیں ملتے رہے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "غار ثور" کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی ہمراہی نصیب ہوگئی۔ دونوں حضرات اس غار میں تین دن قیام پذیر رہے۔ آپ کی حمایت وحفاظت کبوتروں اور مکڑیوں نے کی۔ پھر پیر کی رات دونوں غار ثور سے نکلے۔ آپ سواری پر تھے۔ راستے میں سراقہ سامنے آگیا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ نے اس بارے میں دعا کی۔ تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں سخت زمین میں دھنس گئے۔ اس نے آپ سے امان طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخاوت فرمائی۔ اور اسے امن عطا فرمادیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر "قدید" سے ہوا۔ وہاں ام معبد خزاعیہ کی رہائش گاہ تھی۔ آپ نے اس سے گوشت یا دودھ خریدنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اس کے گھر میں کھڑی ایک بکری کی طرف نظر فرمائی۔ جو دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے نہ جاسکی۔ کیونکہ بہت کمزور تھی۔ آپ نے ام معبد سے اجازت مانگی کہ کیا میں اس بکری کو دوہ کر دودھ نکال سکتا ہوں؟ اس نے اجازت دیدی اور ساتھ ہی کہنے لگی۔ اگر اس کے ہاں دودھ ہوتا تو ہم اسے دوہ لیتے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی فوراً اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے دودھ نکالا۔ اور گھر کے تمام افراد کو پلایا۔ پھر دوسری مرتبہ دوہا برتن بھر گیا۔ آپ ام معبد کے ہاں اپنا یہ عظیم نشان (معجزہ) چھوڑ گئے اور آگے چل دیئے۔ کچھ دیر بعد ابو معبد آیا۔ اس نے دودھ سے بھرے برتن دیکھے۔ تو تعجب ہوا۔ اور بیوی سے پوچھنے لگا۔ یہ دودھ تیرے پاس کہاں سے آگیا۔ حالانکہ گھر میں دودھ کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا؟ کہنے لگی۔ ہمارے گھر میں کچھ دیر فلاں فلاں مبارک شخصیت تشریف فرمارہی۔ ام معبد نے آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا۔ یہ سن کر ابو معبد بولا۔

یہ قریشی شخصیت تھی۔ پھر اس نے پکی قسم اٹھائی کہ اگر میں نے اس شخصیت کو دیکھ لیا تو ایمان لے آؤں گا۔ یہ کہہ کر آپ کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اور آپ کو پالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والوں کی مبارک تمنائیں پوری ہوئیں۔ انصار نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''قباء'' میں اترے۔ اور یہاں مسجد کی تقویٰ پر بنیادرکھی۔

عَطِّرْ اَللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ - بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق وخلق میں تمام انسانوں سے کامل تھے اور آپ کی ذات وتمام صفات نہایت اعلیٰ تھیں۔ قد و قامت درمیانہ تھی۔ رنگ سفید لیکن سرخی مائل تھا۔ آنکھیں کشادہ اور سرمگیں تھیں، پلکیں لمبی اور ابرو بھی باریک اور لمبے تھے، دانتوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ اور منہ خوبصورت اور کھلا، ماتھا فراخ اور چاند کی طرح چمکتا، رخسار مبارک گوشت سے پر، ناک مبارک تھوڑی سے اٹھی ہوئی اور اس کا سخت حصہ بہت خوبصورت، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، ہاتھ کشادہ، ہڈیوں کے جوڑ مضبوط اور موٹے، ایڑی پر معمولی گوشت، داڑھی شریف گھنی، سر انور عظیم اور بال مبارک کانوں کی لوتک لمبے تھے، دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' تھی۔ نور اور بلندی لئے ہوئے تھی۔ پسینہ مبارک موتیوں کی مانند، اس کی خوشبو دنیا کی تمام خوشبوؤں سے زیادہ مہک والی، چلتے تو یوں دکھائی دیتا کہ کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ مصافح کرنے والے سے ہاتھ ملاتے تو اس کے ہاتھ سے سارا دن بے مثل خوشبو اٹھتی رہتی۔ کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے تو دوسرے بچوں کے درمیان وہ خوشبو سے پہچانا جاتا۔ چہرہ انور یوں چمکتا جس طرح چودھویں کا چاند، آپ کی تعریف بیان کرنے والا یہی کہتا کہ آپ کی مثل نہ میں نے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد، کوئی بشر آپ جیسا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ صاحب حیاء تھے۔ تواضع آپ پر ختم تھی۔ اپنی نعلین خود گانٹھ لیا کرتے۔ کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے، اپنی بکری خود دوھ لیتے۔ اپنے اہل وعیال کے کاموں میں خوش دلی سے ہاتھ بٹاتے۔ فقراء اور مساکین سے محبت فرمایا کرتے، ان کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے، ان میں سے بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازہ کے ساتھ چلتے، کسی فقیر کو حقیر نہ سمجھتے۔ جسے فقر و فاقہ نے مار ڈالا ہو۔ معذرت قبول فرما لیتے، کسی کا بدلہ مکروہ بات سے نہ دیتے، ناداروں اور غلاموں کے ساتھ چل پڑتے۔ کسی بادشاہ سے خوف نہ کھاتے، غصہ اور غضب ہوتا تو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے، راضی ہوتے تو رضائے

الٰہی کیلئے، اپنے صحابہ کے پیچھے پیچھے چلتے۔ اور فرماتے۔ میری پشت فرشتوں کیلئے چھوڑ دو۔ اونٹ، گھوڑا، خچر اور گدھا جو بعض بادشاہوں نے آپ کی طرف بطور ہدیہ روانہ کئے ہوتے ان پر سوار ہوتے۔ بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے، حالانکہ آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی تھیں۔ پہاڑوں نے آپ کو سونا بن کر پھسلانا چاہا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضول بات نہ کرتے۔ بوقت ملاقات آپ پہلے سلام کرتے۔ نماز طویل ادا فرماتے۔ جمعہ وغیرہ کے خطبہ جات نہایت مختصر فرماتے۔ اہل شرف سے الفت فرماتے، اہل فضل کا اکرام کرتے، مزاح فرماتے لیکن اس میں بھی بات سچی کہتے۔ جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا۔ بیان کے میدان میں دوڑنے سے اب اس مقام پر گھوڑے ٹھہر جاتے ہیں۔ اور املاء کے باربردار اونٹ وضاحت کے میدان میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔

عَطِّرِ اللّٰهُمَّ قَبْرَهُ الْكَرِيْمَ – بِعَرْفٍ شَذِيٍّ مِنْ صَلَاةٍ وَ تَسْلِيْمٍ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ

اے اللہ! اے وہ ذات! جس کی بخشش کیلئے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اے وہ ذات! جس کی طرف جب بندے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو وہ ان کیلئے کافی ہوتی ہے۔ اے وہ ذات! جو اپنی ذات وصفات احدیت میں اس بات سے منزہ ہے کہ کوئی اور ان میں اس کا نظیر یا شبیہ ہو۔ اے وہ ذات! جو بقاء قدیم ہونے اور ازلیت میں متفرد ہے۔ اے وہ ذات جس کے سوا کسی اور سے نہ امید باندھی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف پلٹا جاتا ہے۔ اے وہ ذات! کہ تمام انسان اس کی قدرت قیومی کا سہارا لیتے ہیں۔ اور وہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے رشد و ہدایت سے نوازتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیرے ان قدسی انوار کے وسیلہ سے کہ جن کے سبب تو نے شک کے اندھیروں کو ختم کر دیا۔ سوال کرتے ہیں۔ اور تیری بارگاہ میں ذات محمدیہ کے شرف کا واسطہ دیتے ہیں۔ وہ کہ جو صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام کے آخر اور معنی کے اعتبار سے تمام سے اول ہیں۔ اور آپ کی آل کا وسیلہ دیتے ہیں جو تمام مخلوق کی امن گاہ ہیں۔ جو سلامتی اور نجات کی کشتی ہیں۔ اور آپ کے تمام صحابہ کا واسطہ دیتے ہیں۔ جو ہدایت وافضلیت کے مالک ہیں۔ وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا فضل چاہنے کیلئے اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔ اور آپ کی شریعت مطہرہ کے حاملین کا واسطہ جو صاحب مناقب وخصوصیات ہیں۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل سے خوش ہوئے۔ ان تمام کے وسیلہ اور واسطہ سے ہمیں اقوال واعمال میں اخلاص نیت عطا فرما۔ اور تمام حاضرین کے مقاصد وتمنائیں پوری فرما۔ اور ہمیں تمام خواہشات وشہوات اور قلبی بیماریوں

سے خلاصی عطا فرما۔ اور ہماری وہ امیدیں برلا۔ جن کا ہم تیرے بارے میں ظن وگمان رکھتے ہیں۔ اور تو ہی ہمیں ہر مصیبت اور پریشانی میں اپنی کفایت عطا فرما۔ اور ان لوگوں میں سے ہمیں نہ کر جو اپنی خواہشات کے بندے ہیں۔ اور ہمیں حسن یقین کے بھر بھر کر پیالے پلا۔ اور جو ہم نے گناہ کئے ان سب کو معاف فرما دے۔ ہم میں سے ہر ایک کے عیب، عجز، حصر اور ہر قسم کی برائی پر پردہ ڈال دے۔ اور ہمارے لئے صالح اعمال آسان فرما دے۔ جن کی قدر و منزلت ہے۔ اور ہمارے اس جمع ہونے کو تو اپنی سخاوت و بخشش کے خزانوں میں اپنی مغفرت اور رحمت کی عمومیت عطا فرما۔ اور ہمیں ہمیشہ کیلئے اپنے سے غیر کا مستغنی کر دے۔

اے اللہ! تو نے ہر سائل کا ایک مقام و مرتبہ بنایا۔ ہر امیدوار کی تمناؤں اور امیدوں کا بھی ایک مقام بنایا۔ ہم تجھ سے تیرے مواهب لدینہ کی امیدوں کا سوال کرتے ہیں۔ پس ہماری امیدوں کو حقیقت میں تبدیل فرما دے۔ اے اللہ! دوسروں کے ڈر سے محفوظ فرما دے۔ اور ہمارے سربراہوں اور عوام کو امن و عافیت عطا فرما۔ اور اس کا اجر عظیم کر دے جس نے اس بھلائی کو اس دن (بارہ ربیع الاول) کیا۔ اور اس کا بھی جس نے اسے شروع کیا۔ اے اللہ! اس شہر اور مسلمانوں کے تمام ممالک اور شہروں کو امن و سکون عطا فرما۔ اور ہمیں ایسی سیرابی عطا فرما۔ جس کے پانی کا بہاؤ عام ہو۔ اور ان سیاہی سے لکھی چادروں کے بنانے اور کاتنے والے کو (یعنی مصنف رحمۃ اللہ علیہ) بخشش دے۔ جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادریں تحریراً بنائیں۔ جس کا نام جعفر ہے۔ اور برزنجی کی طرف منسوب ہے۔ اور اسے اپنے قرب سے نواز۔ اس کی امیدیں اور خواہشات پوری فرما۔ اور مقربین کے ساتھ اس کی تحریر اور اس کی سکونت کر دے۔ اور اس کے تمام عیب، کمزوریوں اور بندشوں کی پردہ پوشی فرما۔ اس کے کاتب، اسکو پڑھنے والے اور اس کو غور سے سننے والے سب کے گناہ معاف فرما دے۔

اے اللہ! حقیقت کلیہ کی تجلی کے قابل اول پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما۔ آپ کے اصحاب، آل، آپ کے معاونین اور دوست رکھنے والے سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ اس وقت تک جب تک کان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موتی بھرے اوصاف سے مزین رہیں۔ اور جب تک مبارک محفلیں اپنے سینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کے ہاروں سے خوبصورت بنائے رکھیں۔

وَاَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَتَمُّ التَّسْلِيْمِ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ - وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ - سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

مصنف علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی منظومہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمہ جس کا نام ''النظم البدیع فی مولد الشفیع'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ (توبہ)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کی نعمتوں پر ہیں۔ تعریفیں بھی ایسے شخص کی طرح جوان کی ادائیگی میں بہت زیادہ مخلص ہے۔ میں اس کی مانند تعریف کرتا ہوں۔ اور اس کی نعمتوں کے بدلہ میں اس کی تعریف کہ اس نے ہمیں تمام انبیاء کرام سے بہتر شخصیت جناب محمد مصطفیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ وہ جو تمام عبادات گزاروں کے سردار ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ تنہا معبود ہے۔ اور اس کی بھی کہ اس کی بہترین مخلوق جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ جو سلسلہ نبوت ورسالت کی تکمیل واتمام فرمانے والے اور مجدد ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس نے آپ کی تصدیق کی وہ بلاشک جنت خلد میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ان کا رب آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے۔ اور ان تمام حضرات پر بھی جوان کی طرف منسوب ہیں۔ اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر بھی جو آسمان ہدایت کے ستارے ہیں۔ ان کے تابعین پر اور تمام علماء کرام پر اور کائنات میں تمام ہادی اور مہدی حضرات پر بھی صلوٰۃ وسلام نازل ہوں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اے نیک بخت انسان! اور اے وہ شخص کہ جس کا قلب نور توحید سے منور ہے تو بھی سن۔ کہ میں جناب طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کے بیان کے موتیوں کو یکتا نظم کے رنگ میں پیش کررہا ہوں۔ اس سے بہتر کوئی ہار نہیں ہوسکتا۔ میں نے افکار کے پوروں سے پرویا۔ اور موتی اس میں حضرت مصطفیٰ ومختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمندر سے حاصل شدہ پروئے۔ وہ مختار کہ جو تمام مخلوق سے بہتر اور تمام بہتروں میں سے برگزیدہ، تمام آزاد لوگوں اور غلاموں کے سردار اور کائنات کی تمام جماعتوں اور ایک ایک شخص سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہیں۔ میں نے اس نظم کے ذریعہ علامہ شیخ احمد دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے ''مولد'' کو مختصر کرکے پیش کیا ہے۔ اور میں نے کچھ فضائل سرکار کا اضافہ بھی کیا ہے۔ میں اس نظم کے ذریعہ اللہ غفور سے قرب کا

امیدوار ہوں۔ اور اس بات کا متمنی ہوں کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مددگار بن جائیں۔ اور میرے مرنے کے بعد یہ نظم میرے لئے نیک وصالح دعا کا سبب بن جائے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اس بات کو یقیناً چاہے گا کہ میں بار بار آپ کا اسم گرامی لوں۔ اسی کیلئے اہل علم حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے میلاد کا طریقہ شروع فرمایا۔ لہٰذا یہ کام رشد و ہدایت کا آئینہ دار ہے۔ ساری دنیا ماسوا نجدی گمراہوں کے اسے نہایت پسند کرتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے پسندیدہ لوگوں میں آپ کے وصال کے بعد تقریباً پانچ صدیوں سے یہ کام ہر زمانہ میں بنظر استحسان دیکھا جاتا رہا ہے۔ ان محافل میلاد میں قاری صاحبان، علماء کرام اور نیک راہ پر چلنے والے تمام لوگ جمع ہوتے چلے آرہے ہیں۔ بہت سے اجتماعات آپ کی محبت میں جمع ہوئے، بہت سے مجمع جات آپ کی محبت میں بکھر گئے۔ بہت سے لوگوں نے شہروں اور آبادیوں کو میلاد النبی کی نسبت سے خوبصورت کیا۔ بکثرت شمعیں اور روشنیاں کیں۔ اور تمام حاضرین نایاب خوشبو سے معطر ہوتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک سے فرحت پاتے رہے، خوشی محسوس کرتے رہے، اور آپ کے نام پاک پر کھایا بھی اور پیا بھی۔ اپنے رب سے گڑگڑا کر دعائیں کیں، اس سے مانگا، اس کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع لائے، آپ کی طرف انتساب کیا۔ اور یہ اعتقاد رکھا کہ اس محفل کی برکت سے ہر مقصد برآئے گا۔ اس بابرکت محفل میلاد سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے شہر آباد کئے۔ اور خوشی اور فارغ بالی مرحمت فرمائی، جب ان شہروں کے باسیوں نے درہم و دینار ایسی محافل پر خرچ کئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب و مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا۔ نماز پڑھی، دعائیں مانگیں اور حمد وثناء کہی۔ اے شخص! تجھے یہ معلوم ہوا یا تیری رائے میں یہ آیا کہ ان محافل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا منائیں گے یا تیرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہوگا؟ تجھ پر میری جان نثار! محفل میلاد منعقد کر اور کسی قسم کی پریشانی اور ہلاکت کا خوف نہ کر۔ محفل میلاد کر اور بار بار کر۔ تیری زندگی سعادت میں بسر ہوگی۔ اور تیری موت بھی سعید ہوگی۔ لیکن یاد رکھ۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اور نجات کیلئے اخلاص نیت شرط ہے۔ دکھلاوا حالات کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اور نیکیوں کو برائیوں میں پلٹ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو پکی دوری میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ ان محافل پر حلال مال خرچ کرو۔ یہ اعمال صالحہ کیلئے شرط ہے۔ اگر ان محافل پر اٹھایا گیا مال مکمل حرام ہے تو اس کے منعقد کرنے والوں کو جہنم میں قید و بند کی سزا ملے گی۔ اور عورتوں کا

5

مردوں کے ساتھ ایک جگہ مل بیٹھنا ہماری شریعت میں بہت بری خصلت ہے۔ اور ہر وقت اور ہر حالت میں یہ فاسق اور جاہل لوگوں کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ محفل میلاد میں ان کہی گئی باتوں سے مکمل اجتناب کرو۔ اور ہاتھ اور مونہہ سے ہر قسم کی اذیت رسانی سے بھی پرہیز کرو۔ اور ہر نوجوان مرد عورت سے دور رہ جو خوبصورت عورتوں کے حسن و جمال یا قریب البلوغ لڑکوں کے اوصاف گا گا کر سناتے ہوں۔ اس قسم کے بچوں اور گویوں کی آواز سے دور رہو تبھی کامیابی حاصل ہوگی۔

جس شخص کا محفل میلاد میں اشعار پڑھنے کا ارادہ ہو۔ اسے رشد و ہدایت پسند کرنا چاہیئے نہ کہ فساد۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح اور آپ کی اولاد واصحاب کی تعریف جو شریعت کے شیر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یہ باتیں اوران پر مشتمل اشعار پڑھنے اور سننے چاہئیں۔ ایسی محافل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیئے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ بنایا۔ تہامی جن کی نسبت ہے۔ خیر البرایا اور سید الانام جن کا منصب ہے اور جو حلال وحرام کا اختیار رکھنے والے اور تمام سرداروں اور بزرگوں کے اصل ہیں۔ جس نے بھی آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ نازل فرمائے گا۔ یہ بات حدیث صحیح میں بالکل ظاہر طور پر آئی ہے۔ اسے مسلم شریف میں روایت کیا گیا۔ اور اس روایت نے شہرت بھی پائی۔ یعنی حدیث مشہور ہے۔ اور یہ حدیث حق ہے اور اعتراض وتنقید سے سالم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے پر صرف ایک مرتبہ ہی صلوٰۃ نازل فرمائے۔ تو ہزاروں لاکھوں صلواتوں سے اعلیٰ ہے۔ لہٰذا تم دیکھو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا کس قدر فائدہ ہے۔ اور اس سے اجر وثواب کے کس قدر انوار اوپر اٹھنے والے ہیں۔ لہٰذا تجھے اس کی شدید حرص کرنی چاہیئے اگر تو صاحب رشد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ —

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

اللہ تعالیٰ کی اول مخلوق جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے۔ جو تمام کائنات کی اصل اور ہر سید کے سید ہیں۔ جسم اطہر کی مٹی سے بھی بہت پہلے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر باپ اور ہر بیٹے کے باپ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل اور اس کے بعد آپ کا نور پاک تمام مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ پھر اس سے تمام ظاہری اور باطنی کائنات بنائی۔ عرش معلیٰ سے پہلے آپ کی لہریں بہریں تھیں۔ اور قلم نے آپ کی تخلیق کے بعد ہر موجود

کے بغیر حد کی تحریر لکھی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک سے کل موجودات بنیں۔ کیا ان میں بلند ہوں یا نیچے سبھی کی تخلیق آپ کے نور سے ہوئی۔ تمام کائنات شاخ اور آپ اس کی اصل ہیں کائنات میں آپ کی کوئی ''مثل'' نہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو تمام کائنات عدم اور قید میں رہتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ خالق نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ جبکہ کائنات بنائی جا چکی تھی۔ اور انہیں ہاشمی نور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے مخصوص فرمایا۔ جو تمام کائنات کے باپ ہیں۔ پس بظاہر بیٹے کو دیکھ کر دادا تعجب میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر آدم علیہ السلام کیلئے ''حواء'' پیدا کیں۔ حضرت آدم نے ان کی طرف شوق اور چاہت کی وجہ سے میلان کیا۔ تو حضرت حواء کی طرف سے اظہار انکار ہوا۔ آواز آئی۔ ان کا صحیح صحیح حق مہر ادا کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ صاحب حمد جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

دونوں اللہ تعالیٰ کی جنت میں سکونت پذیر رہے۔ دونوں کو حسن و احسان کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ حتیٰ کہ ابلیس نے فریب اور بہتان سے ان دونوں کو ممنوعہ درخت کھانے پر اکسایا۔ جب دونوں نے کھایا تو زمین پر اتر آئے۔ جہاں اترے وہ ہندوستان کی زمین تھی۔ پھر حضرت حواء کے ہاں حضرت آدم سے اولاد پیدا ہوئی۔ ان سب میں سے حضرت شیث علیہ السلام بالیقین بہتر تھے۔ اسی لئے حضرت آدم میں رکھے گئے محفوظ نور نے ان سے محبت کی۔ تو حضرت آدم نے انہیں فرمایا۔ اسی نور کے تم امین و حافظ ہو۔ اور اسی بات کی اپنے بعد آنے والوں میں اور وہ اپنے بعد آنے والوں میں وصیت کرتے رہیں۔

حضرت شیث علیہ السلام نے یہی وصیت اپنے فرزندوں کو کی۔ کہ اس نور کیلئے ایسی عورتوں کا انتخاب کرنا جو بہترین ہوں۔ اور اپنی ان عورتوں کی شادی اپنے خاندان میں ان مردوں سے کرنا جو حسب ونسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہوں۔ ماں باپ کی طرف سے معزز اور شریف ہوں۔ اسی طرح حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹوں اور بیٹیوں کو وصیت کی کہ ان حدود کی پابندی کرنا۔ یہ وصیت ہر جانے والا آنے والے کو کرتا چلا گیا۔ اسی طرح یقیناً ان حضرات نے اس نور کو ظلم وتعدی سے محفوظ رکھا۔ انہوں نے باہم صحیح صحیح نکاح کیا۔ اور نسب میں واضح لوگوں سے عقد ہوتا رہا۔ ایسے لوگ کبھی بھی بدکاری کی طرف مائل نہ ہوئے اور ان میں سے ہر ایک اپنے دور کا سردار اور بہترین شخص رہا۔ اپنے میدان کے شیر تھے اور شیر سے کس قدر باعزت تھے۔

ان میں سے ہر فرد اپنے فخر میں یکتا تھا۔ اور اپنے دور کے تمام انسانوں سے منفرد اور سردار تھا۔ نیکی

اور بزرگی میں اس کی کوئی مثل نہ ہوتی۔ اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے تھے۔ لہٰذا یہ تمام حضرات جنت الخلد میں تشریف فرما ہوں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ حتیٰ کہ خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ جو حسب ونسب کے اعتبار سے تمام انسانوں سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ ہر شعبہ اور خاندان کی ہر شاخ میں سے بہترین میں جلوہ فرما ہوئے۔ جو دادا، ماں اور باپ سبھی کے اعتبار سے اعلیٰ اور ممتاز ہوتے۔ آپ کی ذات مقدسہ کی بزرگی تو حد و شمار سے باہر ہے۔

ہر دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ایک سید سے دوسرے سید کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ جس شخصیت میں یہ نور موجود ہوتا تھا۔ اس کی پیشانی میں یوں چمکتا جیسا کہ چراغ ہوتا ہے۔ اسے عاقل وغیر عاقل سبھی دیکھتے تھے۔ وہ برج سعد میں دکھائی دینے والے ستارے کی مانند تھا۔ حتیٰ کہ یہ نور پاک اس بزرگ شخصیت کی پیشانی میں جلوہ فرما ہوا۔ جنہیں مختار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہونے کا شرف ملا۔ یعنی ہمارے آقا جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ جو صفات کثیرہ کے حامل تھے۔ ان سے کبھی اور ہرگز ایسے وصف کی روایت نہیں کی گئی جو قابل اعتراض ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی انکار توحید سے منزہ تھیں۔ کیا ان دونوں حضرات کا ایمان دار ہونا لازم نہیں تھا؟ حالانکہ ان میں وہ شخصیت جلوہ فگن ہوئی جو کائنات کی ہادی ہے؟ آپ کائنات کیلئے رحمت ہوں اور اپنے والدین کیلئے رحمت نہ ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لہٰذا جو آپ کے والدین کے ایمان کے خلاف قول کرتا ہو اس کی زبان کاٹ دو۔ میری زبان نے روایت کی اور میرے دل نے حقیقت جانی کہ دونوں حضرات جنت میں ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ورحمٰن کی قدرت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو زندہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "عدنانی" اور معد و بنی معد کے فخر ہیں۔

افسوس! کہ آپ کے بچپن میں ہی دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی والدہ ماجدہ سے پہلے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم میں آسمانوں والے غمزدہ ہوئے۔ اور اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے برگزیدہ اور میرے بندے کو میرے لئے چھوڑ دو۔ دونوں نے بیس سال سے زیادہ عمر نہ بسر کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان کا کوئی فرزند (اولاد) نہ تھا۔ اگر زندہ رہتے تو آپ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ اور دین و دنیا میں آپ سے راضی رہتے اور ہر قسم کی سعادت جمع کرلیتے۔ لیکن آپ کے رب نے آپ کی یکتائی اور انفرادیت کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ محبوب صرف ایک ہی ہو۔ اسی لئے آپ کی اولاد کو بھی زندگی نہ ملی۔ آپ کو آپ کے والدین سے کوئی زاد و جائیداد نہ ملی۔ صرف اللہ واحد ہی آپ کی رشد و ہدایت کا ذمہ دار ہوا۔ تاکہ کسی

بندے کا آپ پر احسان نہ ہو۔ تمام مخلوق آپ کیلئے مسخر کر دی۔ سبھی آپ کے مطیع ہوئے۔ آپ کسی بندے کے مطیع نہ ہوئے۔ پیٹ بھرا ہو یا بھوک لگی ہو کسی انسان کا احسان نہیں لیا۔ میری روح، میرے باپ دادا آپ پر قربان۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ —

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں کے سردار ہیں۔ اور حسب و نسب میں تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ آپ جناب عبداللہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا سارا خاندان شریف ہے۔ عرب میں آپ کے اجداد میں سے بیس حضرات کے اسم گرامی مذکور ہیں۔ یہ سب بطحاء کے سادات تھے۔ وہ یہ ہیں۔ عبدالمطلب، ہاشم، عبدمناف، قصیٰ، کلاب، مرۃ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک، نضر، کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان۔ اتنے اجداد کا ذکر کر کے حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس معظم نسب کا اکرام کرو، اس حسب مسلم کا احترام کرو۔ اس جوہر منظم کی تعظیم کرو۔ ان ستاروں اور اس سورج کی توقیر بجا لاؤ۔ جو سعادت کے ستارے اور سعادت کا ہی سورج ہیں۔ آپ کے تمام اجداد کا آپ کے ہاں شرف ہے۔ ان کے دور میں ان جیسا اور کوئی مشرف نہ تھا۔ سبھی نے آپ کے نور سے شرف پایا۔ آپ موتی ہیں اور یہ سب سیپ کی مانند ہیں۔ اور وہ سب شہد کی مکھیاں اور آپ شہد ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک آپ کے والد گرامی کے ہاں آیا۔ جو نہایت معزز اور بزرگ شخصیت تھے۔ تو ان کی تشبیہ مکمل چاند سے ہو گئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سورج کا نور انہیں عطا ہوا۔ اس لئے آپ کے والد اس سورج کے نور کی وجہ سے قابل احترام شخصیت ہو گئے۔ تمام لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔ لہٰذا ہر ایک نے چاہت کی۔ جب انہوں نے انہیں کامل مہذب پایا۔ اور قریش میں حسب و نسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور خوبصورتی میں تمام لوگوں سے بڑھ کر جبین پایا۔ اور نور مصطفیٰ ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان کے والد نے ان کی شادی ایک نیک آزاد عورت آمنہ سے کر دی۔ جو وھب کی صاحبزادی اور ان کی آنکھ کی ٹھنڈک تھیں۔ ان کا دادا عبد مناف بن زہرۃ تھا۔ ان دونوں کا خاندان کلاب میں جا کر مل جاتا ہے۔ یہ عقل مند خاتون اور بزرگ عورت کس قدر صاحب کرم ہے؟ کس قدر کریم ہے وہ نوجوان کہ جس نے اس سے شادی کی؟ نہ اس کی مثل اور نہ ہی اس کی نظیر۔ ان دونوں نے ہر قسم کی بزرگی جمع کر لی۔ یعنی وہ شخصیت ان کے ہاں پیدا ہوئی جو

پنگھوڑے میں ہوتے ہوئے بھی تمام کائنات سے افضل تھی۔ دونوں حضرات مناقب کی زینت سے مزین ہوئے۔ دونوں کی پیشانیوں میں ستارے چمکے۔ دونوں دو دوستوں کی طرح ساتھی ہوئے۔ شعب ابی طالب میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس مبارک ملاقات کا کیا کہنا۔

سیدہ آمنہ امید سے ہوگئیں۔ ان کے بطن میں یکتا اور چھپا موتی جلوہ فرما ہوگیا۔ جو قیمت اور زینت کے اعتبار سے تمام موتیوں سے اعلیٰ ہے۔ سیدہ آمنہ اس موتی کو ہر طرح چھپاتی رہیں۔ انہوں نے اس کی ہر ردی چیز سے حفاظت کی۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن میں تشریف فرما ہوئے جو تمام کائنات کا فخر، تمام مخلوق سے بہتر اور عقل وخرد میں بے مثال ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے ذکر سے مشک وعنبر کی مہک اٹھتی ہے۔ جن کی تروتازگی کے سامنے ہر بہتر چیز ماند ہے۔ گلاب کا پھول اور گلاب جن کے سامنے آنے سے شرمندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق، حبیب اللہ، خلیل اللہ، اعلیٰ مرتبہ کے مالک اور تمام اشیاء سے افضل شخصیت سیدہ آمنہ کے پیٹ میں جلوہ فرما ہوئی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے بہتر فرد ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کامل ومکمل شخصیت کو پیٹ میں لیا۔ جو تمام انبیاء کرام سے بہتر اور سب سے پہلی خوشبو ہیں۔ ہدایت کے سورج، ہر افضل سے افضل اور تمام انبیاء ومرسل ان کا لشکر ہیں۔ بخدا! یہ حضرات بہترین جماعت ہیں۔ سیدہ آمنہ نے انہیں اپنے بطن اقدس میں لیا۔ جن کو تمام پیغمبروں نے اپنے رب کے حضور وسیلہ بنایا۔ پھر اس کی وجہ سے وہ اپنی امیدوں کو حاصل کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے یہ وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ جسے انہوں نے قبول کیا۔ اور وعدہ کی شروط میں سے کسی شرط کو ادھورا نہ چھوڑا۔ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام آپ کے وقت میں ہوتے تو آپ ہی ان کے رئیس وسردار ہوتے۔ وہ اپنے بگل اور ناقوس توڑ دیتے۔ اور آپ کی اذان کا تقدیس واحترام کرتے۔ پس آپ ان کے بغیر تردید نبی ہیں۔

صاحب آیات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو سیدہ آمنہ نے اپنے پیٹ میں لیا۔ جن کے معجزات تمام پیغمبروں سے زیادہ ہیں۔ تمام حالات میں آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ اور ہر بھلائی جو ہو چکی یا ہوگی اس کا اس میں کوئی ثانی نہیں۔ اور تمام مرسلین وانبیاء کرام آپ کے ''لواء الحمد'' کے نیچے ہوں گے۔ شافع اور مقبول الشفاعت کو بطن اقدس میں لیا۔ اس وقت جب میدان حشر میں اولین و آخرین کے اجتماع میں ہولناک منظر ہوگا۔ جب لوگ آنسوؤں کے سمندروں میں ڈوبے جارہے ہوں گے اور تمام مخلوق حضرات انبیاء کرام سے درخواست شفاعت کرے گی۔ پھر جب انکے انکار کے بعد

سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کریں گے۔ تو آپ ارشاد فرمائیں گے۔ تمہاری رضا میرے پاس ہے۔ عرش کے نیچے آپ سجدہ میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی کامل ترین حمد کہیں گے۔ دور ونزدیک والوں یعنی سب کی شفاعت فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ ہی کریم، ماجد، حر اور اس کے لائق ہوں گے۔ تو آپ کا مولیٰ آپ کو فرمائے گا۔ میرے پیارے! شفاعت کرو۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس موتی کو سیپ میں لیا۔ جو سید، مسعود، حامد، محمد اور محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے زیادہ اس کی حمد کرنے والے ہیں۔ اور بغیر تقیید سب سے افضل سب سے بہتر ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل جو آپ کے دور میں تھے اور وہ بھی جو کسی زمانہ میں ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں جب ''نور'' جلوہ گر ہوا۔ یعنی حضور نبی، کریم، مصطفیٰ، بشیر، کائنات کی زینت، زمانوں کا شرف، مخلوق کے پاکیزہ دین کے ہادی کہ جن کی شریعت لوگوں کو ہر وقت راستہ دکھاتی ہے۔ اس شخصیت کے نور کی وجہ سے سیدہ آمنہ کی صفات ملاحظہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنے فضل سے آپ کی والدہ پر دوران حمل بہت سے عجائبات ظاہر فرمائے۔ ایسے عجائبات جو آپ کی عظیم شرافت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس پر دلیل بنتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام رسولوں سے بہتر ہیں۔ اور خاندان ''معد'' کی برگزیدہ شخصیت سے بزرگتر ہیں۔

حمل کی رات ایک آواز پھیلی۔ جسے زمین وآسمان (کے باشندوں) نے سنا۔ وہ یہ کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکان میں آ گیا۔ یعنی اپنی والدہ کے بطن میں جلوہ فرما ہو گیا ہے۔ اس نوجوان پاک عورت کیلئے مبارک مبارک۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے رحم میں ہوتے ہوئے مہربانی فرمائی۔ اس لئے کہ آپ کا نور رحم کے اندھیروں میں تھا۔ آپ کی والدہ نے معمولی سی تکلیف کی بھی شکایت نہ کی۔ اور نہ ہی حاملہ ہونے کی صورت میں بعض مخصوص چیزیں کھانے کی خواہش ہوئی۔ حالانکہ ایسی اشیاء کی خواہش ہر حاملہ عورت کو ہوتی ہے۔ جب آپ اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہو گئے تو آپ کا قطعاً بوجھ محسوس نہ ہوتا۔ اور نہ ہی عام لوگوں کی طرح بھاری پن معلوم ہوتا۔ حیض کی عادت تبدیل ہو گئی اور حمل ہونے کے بعد حیض نہ آیا۔ جس سے سیدہ آمنہ کو حاملہ ہونے کا یقین ہو گیا۔

کوئی آنے والا آیا۔ اور نعمتوں میں سے مکمل ترین نعمت لایا۔ اس نے سیدہ آمنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی۔ کہ سید خیر الامم اور سید کل عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو حاملہ ہو گئی

ہے۔اس امت جو رشد و ہدایت والی ہے اس کے آقا تمہارے شکم میں جلوہ گر ہو چکے ہیں۔اس کے بعد ایک اور آنے والا آیا۔اس وقت سیدہ کا منہ نہ مکمل سوئی ہوئی تھیں اور نہ ہی بالکل جاگ رہی تھیں۔اس نے پوچھا۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حاملہ ہو چکی ہو؟ تمہیں مبارک ہو کہ سید الانام اور اللہ تعالیٰ کے بندے سب سے بہتر بندے تمہارے بطن میں آ چکے ہیں۔اس کے بعد ایک اور نیک ترین آنے والا آیا۔اور کہنے لگا۔جب تو اس بزرگ و برتر شخصیت کو جنم دے۔تو اس کا نام "محمد" رکھنا۔اس کی ہر طرف تعریف ہی تعریف ہوگی۔

خاندان قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ فرما ہونے سے قبل سخت قحط کی زندگی بسر کر رہے تھے۔اگر زمین میں زراعت کرتے۔تو کچھ بھی پیدا نہ ہوتا تھا۔اور اگر اپنا مال و دولت خرچ کرتے تو کچھ فائدہ نہ پاتے۔وہ اب رحمت اور آسودگی سے نا امید ہو چکے تھے۔آپ کے حمل میں آتے ہی بارشیں برسنے لگیں۔کھیتیاں اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔بیج اور غلہ وافر مقدار میں ہونے لگا۔اس کے بعد مختلف علاقہ جات سے تاجر آنے لگے۔پھر ان کے صاع اور مد کا بھاؤ گر گیا۔(یعنی مہنگائی ختم ہوگئی) انہوں نے اس سال کا نام "خوشی و مسرت کا سال" رکھا۔کیونکہ وہ اب خوش تھے اور ان سے ہر پریشانی دور ہوگئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت مہربانی فرمائی۔اور یہ سب کچھ اس شخصیت کی وجہ سے تھا جو کائنات کی اصل تھی۔ان لوگوں کی نحوست، سعادت میں تبدیل ہوگئی۔ہر بت اوندھے منہ گر گیا۔ہر بادشاہ کا تخت الٹ گیا۔اس بات نے اللہ تعالیٰ قدوس کو خوش کیا۔اور ان کے کفر کے شیخ ابلیس کو بہت برا لگا۔میری مراد اس سے لعین نجدی شیخ ہے۔

چار پائے ایک دوسرے کو آپ کے حمل کی بشارت دیتے۔اس رات آپ کے فضل کے حیوانات نے گیت گائے۔کہنے لگے۔ہماری دنیا کے امام آ گئے۔بے مثل تشریف لے آئے، آپ مرد و زن کیلئے چراغ ہیں۔ان چار پایوں کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی بخشی۔جو پیدا کرنے والا اور مارنے والا ہے۔مغرب کے وحوش نے مشرق کے وحوش کو خوشخبری سنائی۔اسی طرح جنگلات اور دریاؤں سمندروں میں مچھلیوں نے ایک دوسرے کو بشارت دی۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرد کیلئے رحمت ہیں۔

اس مہینہ میں پوری زمین اور آسمان میں آواز سنی گئی۔کہ تم سب کو بشارت ہو۔کہ مبارک ہادی کا وقت قریب آ گیا ہے۔کریم، قاسم اور نوازشات کرنے والی شخصیت آیا ہی چاہتی ہے۔اس بھلائی اور مجسمہ نیکی کی ہر ایک کو مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس سال عورتوں کو ایک نئی خوشی سے سرفراز فرمایا۔وہ یہ کہ تمام عورتیں اس سال لڑکے سے حاملہ ہوں گی۔یہ اس کی کرامت تھی جو بشیر بن کر آنے والا تھا۔جو

ہدایت کرنے والا اور ڈرانے والا بن کر آرہا تھا۔ یہ سال عام اور طویل فرحت ساتھ لیکر آیا۔

حمل میں تشریف لانے کی رات کوئی ایسا مکان باقی نہ رہا جس میں روشنی نہ ہوئی ہو اور انوار کی بارش سے منور نہ ہوا ہو۔ اسی طرح سورج جب قریب آیا۔ تو اس کی روشنی میں کمی ہو گئی۔ اور دکھتی آنکھوں میں سورج کی روشنی کا اثر نہ رہا۔ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے اس وقت رجب المرجب کا مہینہ اور جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ اور حکم دیا گیا کہ اے رضوان! جلدی سے اٹھو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہوتے ہوئے فردوس کے دروازے کھول دو۔ اس لئے کہ میرے خاص عبد اس وقت اپنی والدہ کے شکم میں تشریف فرما ہو چکے ہیں۔ آپ کے حمل میں رہنے کی مدت مکمل نو ماہ تھی۔ خوش بخت وہ عورت جو حاملہ اور خوش بخت وہ جو حمل میں جلوہ فرما ہے۔ اس نے ایسی کوئی تکلیف مثلاً دردزہ اور دوسری تکالیف قطعاً نہ پائیں۔ آپ ﷺ کے حمل کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہوئی۔ کہ ہاتھی نے مہابت کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ہاتھی والے مارے گئے۔ یعنی ابرہہ اور اس کی فوج خواہ وہ پیدل تھی یا سواریوں پر سوار ان سب کو ابابیل پرندوں نے ہلاک کر دیا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کیلئے روانہ کیا تھا۔ ان پرندوں نے انہیں کعبہ تک پہنچنے نہ دیا۔ اور اس سے پہلے ہی ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیئے گئے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات کی صفات حسنہ بیان کرو۔ ہمارے نزدیک اس رات کے سوا کوئی رات "لیلۃ القدر" نہیں۔ اس رات کے سبب دنیا روشن ہوئی اور بہت خوش ہوئی۔ اور وہ رات معتدل ہو گئی۔ نہ اس میں زیادہ گرمی اور نہ ہی سردی۔ ہم اسے "لیلۃ القدر" سے زیادہ حسین سمجھتے ہیں۔ اس رات نے ہمیں خوشیاں دیں اور ہماری انس و محبت اس سے وابستہ ہے۔ اس رات نے ہم پر نعمتیں وسیع کر دیں۔ اور ہمارے تمام مقاصد اور امیدیں اس کی وجہ سے پوری ہو گئیں اور ہر مطلوب بغیر کسی گنتی کے سبھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کے ذریعہ ہمارے ایمان کو خوشی بخشی۔ خلیج فارس کا پانی خشک ہو گیا۔ اور ایران میں جلتی صدیوں کی آگ بجھ گئی۔ ایوان پھٹ گئے۔ اور قیصر و کسریٰ کو ہمارے مولیٰ نے یہ دکھا دیا۔ کہ تمہاری حکومت اب دنوں کی مہمان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل جنات آسمانوں پر چڑھ جایا کرتے تھے

اور چوری چھپے اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کی ولادت کے بعد ان کا اوپر جانا روک دیا گیا۔ اس کے باوجود اب اگر کوئی اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے تیروں کی مانند شہاب سے مار بھگا دیا جاتا ہے۔ ان جنات کیلئے ان ستاروں میں سخت تیز آگ رکھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی کئی غیبی آوازیں سنائی دیں۔ جن کی کاہنوں اور احبار نے تصدیق کی۔ ہر ایک اعلان کر رہا تھا۔ کہ حبیب مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد ہے۔ توحید اور انوار قریب ہو گئے۔ اور اس دن کے بعد شرک کو کوئی پناہ نہ ملی۔ نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی گھڑی آ گئی۔ تمام کائنات انوار سے چمک اٹھی۔ افق سے موتی اترے جو دیکھنے والوں کو چراغوں کی مانند دکھائی دیئے۔ وہ موتی زینت کیلئے ایک ستون پر لٹکائے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اس کے حکم سے جنت کے دروازے کھول دیئے۔ اور جہنم کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ اور حور وولدان کی طرح فرشتے بھی خوش ہوئے۔ کیوں نہ خوش ہوتے جبکہ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے بنائے گئے ہیں۔ ان تمام میں حضور خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی عام تھی۔ انہوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے، سورج نے روشنی کی بہترین اور حسین تر چادر اور پوشاک پہن لی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جو ہر کام میں راہ راست پر ہیں۔ میں گھر میں اکیلی تھی۔ کہ یکبارگی مجھے دردزہ کی شکایت ہوئی۔ اس کا چونکہ کسی کو علم نہ تھا۔ اس لئے کوئی ہمسایہ اور کوئی رشتہ دار عورت نہ آئی۔ ادھر جناب عبدالمطلب طواف میں مصروف تھے۔ ان حالات میں میں اپنے کام میں حیران ہوگئی۔ اور میرا دل گھبرا گیا۔ لیکن میں نے ہوش سنبھالی۔ اور خود سے کہا۔ میں بھلائی سے دور نہیں ہوں۔ میں اپنے گھر میں اسی کیفیت میں تھی کہ ایک آواز سنی جیسے کوئی گرا ہے یا دھماکہ ہوا ہے۔ جس سے میں اپنی حالت بھول گئی۔ پھر دیکھا کہ ایک پرندہ میرے دل پر اپنے لٹکے پر مل رہا ہے۔ اس سے فوراً میرا ڈر اور درد وغیرہ ختم ہو گئے۔

اس کے بعد میں نے شربت دیکھا۔ ایک سفید رنگ کا یعنی دودھ تھا اور دوسرا شہد تھا۔ میں نے اسے نوش کیا۔ پھر اوپر سے ایک نور آیا۔ جس نے میری وحشت ختم کی۔ اور مجھ میں انس ومحبت پیدا ہو گئی۔ دودھ اور شہد دونوں بہترین شربت ہیں۔ پھر میں نے اپنی طرف آتی عورتیں دیکھیں۔ جو لمبے قد کی تھیں۔ ایسے جیسے کھجوروں کے درخت ہوں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ عبد مناف کی رشتہ دار ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا ہیں۔ کیسا صاحب کرم بیٹا اور کیسا صاحب اکرام دادا وہ میرے قریب آئیں۔ اور مجھے غور سے دیکھنے لگیں۔ میں انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوگئی۔ اور میں نے کہا۔ کہ ان

عورتوں کو میرے بارے میں میرے حالات اور میری ضروریات کا کس نے بتایا۔ کہ وہ میرا ہاتھ بٹانے آئی ہیں؟ انہوں نے مجھے کہا۔ تعجب نہ کرو۔ ہم میں سے ایک آسیہ اور دوسری مریم اور بقیہ جنتی حوریں ہیں۔ آسمان و زمین کے درمیان خلا میں بہترین چمکتا سفید رنگ کا ریشمی قالین بچھا دیا گیا۔ اور کوئی اعلان کرنے والا اعلان کر رہا تھا۔ اس (نومولود) کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کردو۔ میں نے یہ آواز سنی لیکن آواز والے کو دیکھ نہ سکی۔ پھر میں نے ہوا میں کچھ لوگ کھڑے دیکھے۔ جنہوں نے کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی تھی۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں کٹورے یا پیالے کی مانند چمکتے برتن دیکھے۔ جو چاندی کے بنے تھے۔ پھر پرندوں کا ایک جھنڈ آیا اور اس نے میرے حجرہ اور مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کی خونچیں زمرد کی تھیں۔ اور پروں سے یاقوت جھلک رہے تھے۔ جن کی خوبصورتی بیان سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔ اور میں نے پھر اپنی آنکھوں سے عجائبات قدرت دیکھے۔ میں نے مشرق و مغرب دیکھا۔ اور میں نے اپنے مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ پائی۔ اور جب میری دوری ختم ہوگئی تو میں نے قرب میں زیادتی حاصل کی۔ میری آنکھوں نے تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں گاڑا گیا ہے۔ گویا وہ دونوں جھنڈے لوگوں کو خوشخبری دے رہے تھے۔ تیسرا جھنڈا کعبہ کی چھت پر گڑا ہوا دیکھا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی مدد اور بزرگی کی علامت تھی۔ اس کے بعد کہ میں ان حالات سے گزر رہی تھی اچانک ولادت کی تکلیف ہوئی اور دیکھا کہ مجھ سے "نور" جدا ہو رہا ہے۔ یہ "نور" جب تک میرے شکم میں رہا۔ نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف ہوئی۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا بیٹا "محمد" جنا۔ جو تمام کائنات کے بچوں سے زیادہ سعید ہے۔ جس سے میری سعادت کو بھی چار چاند لگ گئے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (الاحزاب)

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو صاف ستھرا، پاکیزہ اور معطر جنا۔ نہ آپ کے جسم اقدس پر کوئی میل تھا اور نہ ہی کوئی گندگی۔ مکمل شکل و صورت تھی۔ ختنہ شدہ اور ناف کسی آلہ کے بغیر قدرتی کٹی ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ نے آپ کے ساتھ نور نکلتا دیکھا۔ اس کی چمک سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ جس سے آپ کی والدہ نے شام کے محلات اور روم کے علاقہ جات دیکھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے دور سے دیکھا اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ بیان فرماتی ہیں۔ کہ آپ جب زمین پر آئے تو فوراً سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک گئے۔ پھر میری طرف آسمان سے بادل آیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو غائب کر دیا۔ اور کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین عبد کو دنیا کا طواف کراؤ۔ تمام کائنات میں انہیں پھراؤ۔ تاکہ ان کی آمد کی خبر مشرق ومغرب اور خشکی تری میں رہنے والے جان لیں۔ تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی، صورت مبارک اور صفات عالیہ سے مطلع ہو جائیں۔ جن کے آنے سے شرک اور ہر قسم کا انکار مٹ جائے گا۔ یہ بادل بہت جلد آپ سے ہٹ گیا۔ اور آپ پہلے کی طرح میرے سامنے موجود تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائی تھی۔ پھر آپ نے زمین کی مٹی پر ہاتھ رکھے۔ جو اس طرف اشارہ تھا کہ اس کے بعد اب ان کی حکومت ہوگی۔

آپ نے اپنا سرانور آسمان کی طرف اٹھایا اور روشن کائنات کی طرف دیکھنے لگے۔ اس لئے کہ آسمان کی نورانی مخلوق کو آپ کے نور سے بنایا گیا تھا۔ آپ اصل الاصول اور ابوالآباء ہیں اور تمام آپ کی اولاد کے قائم مقام ہیں۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ بروز سوموار صبح صادق سے تھوڑا سا پہلے آپ کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ تمام کائنات آپ سے چمک اٹھی سورج شرمندہ ہوگیا اور چاند پر آپ کا نور فوقیت لے گیا۔ چاند نے آپ کے ساتھ پنگھوڑے میں گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اعلیٰ قسمت ونصیبہ والی عورت سیدہ حلیمہ نے دودھ پلایا جو اعلیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے ہاں رزق کی تنگی تھی لیکن آپ کی برکت سے تمام شہر والوں سے آسودہ ہوگئی۔ نیک بخت تھی اور مجسمہ سعادت سے سعید ہوگئی۔

اے ہمارے پرودگار! ہم تیری بارگاہ میں اس عزت وجاہ کا توسل کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیری بارگاہ میں حاصل ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر اعتماد وبھروسہ کرتے ہیں اور تیری طرف سے خیر کے طالب ہیں۔ ہم سب کو رشد وہدایت عطا فرما۔

اے پروردگار! آپ ﷺ کی جاہ ومنزلت کے صدقہ ہماری دعا قبول فرما۔ ہمیں اور ہمارے دوستوں کے مسئلہ جات پورے فرما۔ اے اللہ! ہمارے قول وفعل کو قبول فرما ہمارے نفوس اور ہمارے اہل وعیال کی اصلاح فرما اور انہیں ہر غلط کام اور برائی سے محفوظ رکھ۔

اے ہمارے پروردگار! ہم سب کے گناہ معاف کردے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے مقاصد ہمارے لئے آسان کردے۔ اے ہمارے پروردگار! جو ہمیں اپنا رعب دکھاتے ہیں انہیں اپنی ہی پریشانی میں ڈال دے اور مکروہات کو ہم سے بہت دور کردے۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے والدین کی بھی مغفرت فرما۔ ہمارے اشیاخ، ہمارے بھائی اور ہماری اولاد کی بھی مغفرت فرما۔ ان سب کی دین ودنیا کی اصلاح فرمادے۔ اور سب کو علیین میں جگہ نصیب فرمااور ہمیں بھی ان کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں رکھنا اس کیلئے اور ہمارے لئے اپنے احسانات دگنے کردے اے پروردگار! دشمنوں کے خلاف اس کی مدد فرما۔ اے اللہ! ہمارے دین اور ہماری دنیا کی اس کے ذریعہ اور اس کے کارندوں وافواج کے ذریعہ حفاظت فرما۔

اے ہمارے پروردگار! اس کے کارندوں کو اس کیلئے اصلاح والے بنادے۔ اس کی رعایا کی اصلاح فرما۔ اس کے حالات بہتر سے بہتر کردے۔ اس کی جو خواہشات تمنائیں ہیں وہ اسے عطا فرما اور اس کے اقوال وافعال ہمارے لئے محمود بنا۔ جن کی ہر دور میں تعریف ہی کی جاتی رہے۔

اے ہمارے پروردگار! نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر رحم فرما۔ ہر دور اور ہر گھر پر تیری رحمت نازل ہو۔ اغیار کے غلبہ سے انہیں بچائے رکھنا۔ تمام ممالک اور تمام شہر اغیار سے حفاظت میں رکھنا۔ زمین کا ہر بلند وپست حصہ تیری ہی حفاظت میں رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ وسبب سے یا اللہ ہماری دعائیں قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے خوف وڈر کو آپ کے واسطہ سے امن میں تبدیل فرمادے۔

اے ہمارے پروردگار! آپ کے وسیلہ سے ہمارے حالات درست کردے اور ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادے اور ہمیں حسد اور کینہ سے نجات بخش۔

اے اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اس قدر صلوٰۃ وسلام بھیج۔ جن کا ازل وابد سے شمار نہ ہو سکے اور آپ کی آل اور ہدایت کے ستارے صحابہ کرام اور ہر اس شخص پر جو امت میں سے ان کی اقتداء کرنے والا ہے۔ ان پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمااور جو ان حضرات کے بدخواہ ہیں۔ ان پر صلوٰۃ وسلام کا عکس اتار۔

سب سے پہلے خلیفہ سے تو راضی رہ۔ جو تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور ان کی تصدیق کرنے والے عظیم شخص تھے۔ اپنا سارا مال واسباب جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کردیا پھر روم اور عجم کی سرزمین پر جہاد کیا اور ہر مرتد اور جاہل کی سرکوبی کی۔

اے اللہ! تو حضرت فاروق اعظم سے بھی راضی رہ جو ابوبکر صدیق کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔ جن کا اسم گرامی "عمر" ہے۔ کسریٰ کو توڑنے والے اور قیصر کو بھگانے والے ہیں۔ میدان

کے شیر اور مسلمان فوجیوں کے سپہ سالار ہیں۔ یعنی ابو حفص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو حضرت زید کے بھائی ہیں۔

اے اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد مکرم اور افضل شخصیت سے بھی راضی رہ۔ جن کے عقد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جو فضل جلی کے مالک اور حضور ﷺ کے لشکر کیلئے سامان جہاد تیار کرنے والے ہیں۔ اس کیلئے انہوں نے اونٹ اور نقدی آپ پر نچھاور کر دی۔

اے اللہ! تو سیدہ خاتون جنت کے خاوند مولیٰ امام حیدر رضی اللہ عنہ سے راضی رہ۔ جو علم نبوی کے دروازے اور باب خیبر کے فاتح ہیں جب کہ فوج اسلامی سے اس دروازہ کا توڑنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ علی المرتضیٰ جو مرحب، عمر بن عبدود کو واصل جہنم کرنے والے ہیں۔

اے اللہ! تو تمام عشرہ مبشرہ سے راضی رہ۔ اور تمام اہل بدر اور بیعت رضوان کرنے والوں سے بھی راضی رہ۔ غزوہ احد کے شرکاء سے بھی راضی رہ۔ اور ہر اس آدمی سے جس نے نظر ایمان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا (اور اسی عقیدہ پر انتقال ہوا) یہ سب کے سب حضرات عادل اور پرہیزگار ہیں۔ ان حضرات کی جاہ و منزلت کے سبب ہمارا خاتمہ رشد و ہدایت پر فرما۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ حضور سید البشر مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد مبارک کی بات مکمل ہو گئی۔ اس تحریر کی تکمیل تیرہ سو بارہ ۱۳۱۲ھ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔ یہ تاریخ ان موتیوں کو میلا د النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہار میں پرونے کی ہے اور واقعی یہ بہترین مالا ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ (الصافات)

الامام العارف باللہ سیدی احمد الدردیر المالکی المصری
رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲۰۱ھ

موصوف رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ایک جوہران کا تحریر کردہ ''مولد شریف'' ہے۔ جسے میں نے نظم میں ڈھالا اور جس کا ترجمہ ابھی ابھی اختتام کو پہنچا۔ میں نے کچھ باتیں اس پر زائد کیں چونکہ موصوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر شخصیت ہیں۔ ان کی تالیف کردہ ''مولد شریف'' کا جامع ازہر کے علماء جامعہ ازہر میں درس دیتے ہیں۔ اس بنا پر آخر میں ان کے الفاظ میں ہی اسے تحریر کر رہا ہوں تا کہ فائدہ مکمل ہو سکے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ (صرف ترجمہ پیش خدمت ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو واجب الوجود ہے جو واسع الکرم والجود ہے۔ جو والد اور مولود سے منزہ ہے۔ جس نے ہمارے پاس اپنا نبی، اپنا حبیب جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات بیّنات دیگر مبعوث فرمایا۔ معجزات باہرات دیکر بھیجا۔ پس ان کے ذریعہ اس نے اپنا دین قویم ظاہر کیا اوران کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کی اور شفاعت عظمٰی سے جنہیں خاص کیا اور بلند و بالا مقام سے مختص فرمایا اور اپنے پیغمبروں سے جن کے بارے میں پختہ میثاق وعہد لیا کہ اگر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتے ہوں تو تم لازماً ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی ضرور مدد کرو گے۔ حتی کہ وہ اللہ معبود برحق کا پیغام پہنچا دیں۔ جب ان حضرات نے اس بات کا اقرار کر لیا تو فرمایا تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ تمام مرسلین سے اشرف ہیں۔ جو آپ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)۔ فرما دیجئے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری اتباع کرو۔ وہ تمہیں محبوب بنا لے گا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ آپ ہی نے ارشاد فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھ پر درود پڑھنے والا میرا دوست ہے۔ لہٰذا جو چاہتا ہے کہ حبیب کا حبیب بنے۔ اسے حبیب پر بکثرت صلوٰۃ وسلام بھیجنا چاہیے۔ عقل مند اور ذہین اور حاذق ونجیب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت جتانے کیلئے اور آپ پر صلوٰۃ و

سلام کی قدر ومنزلت جاننے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ملاحظہ کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

جس نے یہ شعر کہے کیا خوب کہے۔(یہ اشعار سیدی محمد وفارضی اللہ عنہ کے ہیں)

فَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَعْظَمُ كَائِنٍ وَاَنْتَ لِكُلِّ الْخَلْقِ بِالْحَقِّ مُرْسَلُ
عَلَيْكَ مَدَارُ الْخَلْقِ اِذْ اَنْتَ قُطْبُهُ وَاَنْتَ مَنَارُ الْحَقِّ تَعْلُوْ وَ تَعْدِلُ
فُؤَادُكَ بَيْتُ اللّٰهِ دَارُ عُلُوْمِهٖ وَبَابٌ عَلَيْهِ مِنْهُ لِلْحَقِّ يَدْخُلُ
يَنَابِيْعُ عِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُ تَفَجَّرَتْ فَفِيْ كُلِّ حَيٍّ مِنْهُ لِلّٰهِ مَنْهَلُ
مَنَحْتَ بِفَيْضِ الْفَضْلِ كُلَّ مُفَضَّلٍ فَكُلٌّ لَهٗ فَضْلٌ بِهٖ مِنْكَ يَفْضُلُ
نَظَمْتَ نِثَارَ الْاَنْبِيَاءَ فَتَاجُهُمْ لَدَيْكَ بِاَنْوَاعِ الْكَمَالِ مُكَلَّلُ
فَيَا مَدَّةَ الْاِمْدَادِ نُقْطَةُ خَطِّهٖ وَيَا ذِرْوَةَ الْاِطْلَاقِ اِذْيَتَسَلْسَلُ
مَحَالٌ يَحُوْلُ الْقَلْبُ عَنْكَ وَاِنَّنِيْ وَحَقِّكَ لَا اَسْلُوْ وَلَا اَتَحَوَّلُ
عَلَيْكَ صَلَاةُ اللّٰهِ مِنْهُ تَوَاصَلَتْ صَلَاةُ اِتِّصَالٍ عَنْكَ لَا تَتَنَصَّلُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔تمام کائنات سے عظیم ہیں۔اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف رسول بن کر تشریف لائے۔تمام مخلوق کا آپ پر دارومدار ہے۔کیونکہ ''قطب کائنات'' ہیں۔اور آپ حق کے مینار کو بلند اور معتدل کرتے ہیں۔آپ کا دل ''بیت اللہ'' ہے۔اللہ تعالیٰ کے علوم کا گھر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ اس کے علوم کیلئے دروازہ ہیں۔اسی دروازہ سے حق کی طرف داخلہ ہوسکتا ہے۔اس سے علم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔لہٰذا ہر ذی حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف جانے اور اس سے علم کی سیرابی حاصل کرنے کی گھاٹ آپ ہی ہیں۔آپ نے ہر صاحب فضیلت کو فیض فضیلت سے نوازا۔پس ہر صاحب فضل کو جو فضل ملا وہ آپ کے در فضیلت سے ہی ملا۔تمام انبیاء کرام کے کمالات کا آپ جامع ہیں۔ان کا تاج آپ کے ہاں ہے۔جو مختلف اقسام کے کمالات سے جڑا ہوا ہے۔سو آپ وہ ہیں کہ آپکے خط کا نقطہ تمام سیاہیوں کی سیاہی ہے۔اور آپ ہی مطلق بلندی کے مالک ہیں۔جب اس میں تسلسل آتا ہے۔آپ سے دل کسی اور طرف پھر جائے یہ محال ہے۔اور میں آپ کے حق کی قسم! نہ تو تسلی پاتا ہوں اور نہ ہی کسی اور طرف پھرنے کی سوچتا ہوں۔آپ پر اللہ تعالیٰ کی لگا تار صلوٰۃ وسلام نازل ہوں۔جو ہر وقت آپ پر اترتے ہیں۔اور کبھی بھی ان کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوئے۔ تو اول مخلوق بھی آپ ہی ہوئے۔ اور تمام انبیاء کرام سے آخر میں تشریف لانے والے بھی آپ ہی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے محدث عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ درج ذیل روایت لکھی۔

قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَخْبَرَ نِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ انّ اللّٰهُ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰهُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَاقَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَکٌ وَ لَا سَمَاءٌ وَلَا اَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ فَلَمَّا اَرَادَاللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلَقَ قَسَّمَ ذَالِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِی اَللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمِنَ الثَّانِیْ نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِیَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَاُنْسِهِمْ وَهُوَالتَّوْحِیْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ارشاد فرمایئے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا کیا؟ فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت سے جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا پھرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتہ، آسمان، زمین، چاند، سورج، جن وانسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق بنانے کا ارادہ کیا۔ تو اس نور کے چار حصے بنائے۔ پہلے حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کے مزید چار حصے کیے۔ ان میں سے پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تیسرے سے ان کے اُنس کا نور یعنی توحید۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بنائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَاَلْفَ عامٍ۔ میں اپنے رب کے حضور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے "نور" تھا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَ جَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ رَوَاهُ التِرْمَذِی وَ حَسَّنَهٗ۔ یارسول اللہ! نبوت آپ کیلئے کب لازم کی گئی؟ فرمایا۔ اس وقت جب آدم علیہ

السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کی تخلیق کے بعد مخلوقات میں سے کون سی چیز سب سے پہلے پیدا کی گئی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بعد پانی پیدا کیا گیا۔ پانی کے بعد عرش، اس کے بعد قلم بنائے گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ اور ان میں روح پھونکی۔ تو اس نور اول کو ان کی پشت میں رکھا گیا۔ جو ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ اور تمام انوار پر غالب آجاتا تھا۔ جناب جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''روح'' حضرت آدم کے سر میں سو سال پھر ان کے سینہ میں سو سال پھر ان کی پنڈلیوں اور قدموں میں سو سال ٹھہری رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمیع مخلوقات کے نام سکھائے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ انہیں سجدۂ تحیت کریں۔ یعنی تعظیمی سجدہ کریں۔ سجدۂ عبادت نہیں۔ تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا سجدہ کیا۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا جانا۔ سجدہ سے انکار کر دیا۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کا نافرمان بنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حضرت آدم کو فضیلت دی۔ اس کا سب سے پہلا حاسد ہوا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے باہر نکال دیا۔ لعنت کی۔ اور ذلیل ورسوا کر کے دور کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو پیدا کیا۔ جو حضرت آدم کی بیوی ہیں۔ ان کی تخلیق آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی۔ جبکہ آپ سوئے ہوئے تھے۔ آپ کو ان کی پیدائش کا پتہ بھی نہ چلا۔ جب بیدار ہوئے اور حواء کو دیکھا تو ان کی طرف سکون حاصل کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ فرشتوں نے کہا۔ ٹھہر جایئے۔ پوچھا۔ کیوں جبکہ یہ میری پسلی سے بنائی گئی ہے؟ فرشتوں نے کہا۔ پہلے ان کا حق مہر ادا کرو۔ پوچھا۔ ان کا حق مہر کیا ہے؟ کہا۔ یہ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین مرتبہ صلوٰۃ پڑھو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حواء کے قریب جانے کا ارادہ کیا۔ تو حواء نے ان سے مہر طلب کیا۔ کہنے لگے۔ اے پروردگار! میں اسے حق مہر میں کیا دوں؟ آواز آئی۔ اے آدم! جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس مرتبہ درود شریف پڑھو۔ حضرت آدم نے بیس مرتبہ جب درود شریف پڑھا۔ تو حضرت حواء ان کیلئے حلال کر دی گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کیلئے جنت کی تمام نعمتیں مباح کر دیں۔ صرف ایک گندم کا پودا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کا کھانا منع کر دیا۔ پھر ابلیس نے حیلہ کیا۔ اور جنت میں داخل ہوا۔ ان دونوں کے پاس آیا۔ اور کھڑا رہا۔ اور ایسا رویا کہ دونوں کو غمزدہ کر دیا۔ دونوں نے اس سے پوچھا۔ کیوں روئے ہو؟ کہنے لگا۔ تم دونوں کے بارے میں رونا آیا ہے۔ کہ تم مر جاؤ گے۔ اور جنت کی دائمی نعمتیں تم سے چھوٹ جائیں گی۔ کیا میں

تمہیں ایک ایسا درخت نہ بتاؤں۔ جس کے کھانے سے موت نہیں آئے گی۔ اور یہ نعمتیں کبھی نہ چھنیں گی؟ اس نے وہی درخت (گندم کا ممنوعہ پودا) بتایا۔ اور کہنے لگا۔ یہی وہ درخت ہے جس کے کھانے سے نہ موت آئے گی اور نہ جنتی نعمتیں ختم ہوں گی۔ شیطان نے قسم اٹھا کر ان سے کہا۔ بخدا! میں تم دونوں کا بہت خیر خواہ ہوں۔ جب اس نے دونوں کو پھسلا دیا اور دونوں نے اس بنا پر کھا لیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی بھی جھوٹی نہیں اٹھاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (گندم کا پھل کھا لینے کے بعد) ان سے کہا۔ اے آدم! کیا میں نے تم دونوں کیلئے جنت کا ہر پھل اس (گندم) کے علاوہ کھانے کی اجازت نہیں دی تھی اور اس سے منع نہیں کیا تھا؟ کہنے لگے۔ اے پروردگار! تیری عزت و جلال کی قسم! ہمارا خیال یہ تھا کہ کوئی بھی آپ کی جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا۔ فرمایا۔ اب زمین پر چلے جاؤ۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے۔ تو تین سو سال تک لگاتار روتے رہے۔ آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے۔ پھر حضرت حواء کے بطن سے چالیس بچے بیس حمل سے پیدا ہوئے۔ یعنی ہر حمل سے جڑواں بیٹا بیٹی پیدا ہوتے۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ یہ اس ذات کی کرامت کیلئے تھا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سعادت بخشی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ تو حضرت شیث علیہ السلام آپ کی اولاد پر ان کی طرف سے ''وحی'' ہوئے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اس نور (محمدی) کو صرف ان عورتوں میں منتقل کرنا جو پاکیزہ ہوں۔ پھر یہی وصیت ایک نسل دوسری نسل تک منتقل کرتی رہی۔ حتیٰ کہ ''نور محمدی'' حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک آن پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی بدکاری سے محفوظ و پاک رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جاہلیت کی بدکاری میں سے کچھ بھی میری ولادت میں موجود نہ تھا میری ولادت صرف اور صرف اسلامی نکاح سے ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہے۔ میں ایسے نکاح سے پیدا ہوا جس میں بدکاری کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طیبین و طاہرین کے سردار، قابل اکرام موحدین کا نتیجہ، نبی، عربی، ہاشمی، قریشی، عرب کے بہترین بطون سے منتخب، نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالبؓ بن فہر یہ قریش ہیں۔ اور جناب فہر کی طرف تمام قریش منسوب ہیں۔ ان سے اوپر والے ''کنانی'' کہلاتے ہیں۔ قریشی نہیں کہلاتے۔ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن

الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک نسب شریف متفق علیہ ہے۔ اس کے بعد والے ناموں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس "محفوظ راز" جو ظاہر و باطن ہر چیز میں ساری تھا۔ جو عالم پوشیدہ و عالم ظاہر میں موجود تھا۔ اسے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس کے ظہور سے کمال صفاء اور مزید سرور تکمیل کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کی طرف الہام کیا۔ کہ وھب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس جائیں۔ جو اس وقت بنو زہرہ کے نسب و شرافت میں سردار تھے۔ ان سے ان کی صاحبزادی آمنہ کی اپنے بیٹے عبداللہ کیلئے خواستگاری کریں۔ یہ عورت اس دور میں قریش میں سے نسب اور موضع کے اعتبار سے افضل ترین عورت تھی۔ بات ہوگئی۔ پھر جناب عبداللہ کی سیدہ آمنہ سے شادی ہوگئی۔ اور شعب ابی طالب میں دونوں میاں بیوی رہنے لگے۔ یہیں سیدہ آمنہ کو امید ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن اقدس میں جلوہ فرما ہو گئے۔ دوران حمل اور بوقت پیدائش عجیب وغریب واقعات وحالات ظاہر ہوئے۔

جناب کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات سیدہ آمنہ امید سے ہوئیں۔ اس رات آسمان اور زمین کے کونہ کونہ میں یہ ندا کی گئی کہ وہ پوشیدہ نور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آج رات سیدہ آمنہ کے شکم میں تشریف فرما ہو چکا ہے۔ مبارک ہو سیدہ آمنہ کیلئے اور پھر مبارک ہو۔ دنیا میں موجود تمام بت اوندھے منہ گر پڑے۔ قریش انتہائی خشک سالی اور تنگدستی میں تھے۔ پس زمین سرسبز ہو گئی۔ درختوں پر پھل لگ گیا۔ اور ہر طرف سے قریش پر آسودگی وفراوانی آ گئی۔ اس سال کو جس میں سیدہ آمنہ امید سے ہوئیں۔ کا نام "فتح اور خوشی کا سال" دیا گیا۔ جب سیدہ آمنہ حاملہ ہو گئیں تو ایک آنے والا آیا۔ اور انہیں خبر دی کہ تمہارے شکم میں وہ شخصیت جلوہ فرما ہو چکی ہے جو اس امت کی سردار ہے۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں۔ مجھے محسوس نہ ہوا کہ میں حاملہ ہو چکی ہوں۔ نہ ہی مجھے کسی قسم کا بوجھ محسوس ہوا۔ نہ ہی کمزوری لاحق ہوئی۔ جیسا کہ عام عورتوں کی حالت حمل میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہوئی کہ سلسلہ حیض منقطع ہو گیا تھا۔ ایک اور آنے والا آیا۔ میں اس وقت نیند اور بیداری کے درمیان تھی۔ وہ کہنے لگا۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ تم نے اپنے شکم میں "سید الانام" کو اٹھا رکھا ہے؟ پھر مجھے اس وقت تک میرے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن قریب آ گیا۔ اس وقت ایک آنے والا آیا۔ اور کہنے لگا۔ جب تم بچے کو جنم دے چکو تو اللہ واحد کی اس کیلئے پناہ مانگنا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس نومود کو ہر حاسد کے حسد سے محفوظ رکھے۔ پھر ان کا نام "محمد" رکھنا۔

مروی ہے کہ قریش کے تمام چارپائے اس رات بول اٹھے۔اور کہنے لگے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم اطہر میں تشریف فرما ہو چکے ہیں۔رب کعبہ کی قسم! وہ دنیا کے امام اور دنیا والوں کے چراغ ہیں۔دنیا کے بادشاہوں میں سے ہر ایک بادشاہ کا تخت شاہی اوندھا ہو گیا۔مشرق کے پرندے مغرب کے پرندوں کی طرف اڑے۔اسی طرح دریاؤں سمندروں کی مچھلیاں ایک سمت سے دوسری سمت گئیں۔یہ سب ایک دوسرے کو خوش خبری سنا رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے شکم مادر میں ہونے کے دوران ہر مہینہ آسمانوں اور زمین میں ندا کی جاتی تھی۔کہ تم سب کو خوشخبری ہو۔کہ اب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب سے قریب تر ہو رہا ہے۔آپ پوری کائنات کیلئے مبارک اور قابل فخر ہوں گے۔

جب سیدہ آمنہ کو امید سے ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزرا۔تو ان کے خاوند حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ان کا انتقال اس دوران ہوا۔جب آپ قافلہ کے ساتھ شام سے واپس مکہ آ رہے تھے۔یہ جماعت قریشی لوگوں کی بغرض تجارت شام گئی تھی۔جب واپسی پر اس جماعت کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو جناب عبداللہ بیماری کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے۔کیونکہ یہاں ان کے ننھیال تھے۔جو خاندان بنی عدی بن نجار سے تھے۔آپ ان کے ہاں بیماری کی حالت میں ایک ماہ رہے۔پھر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب سیدہ آمنہ کا بچہ جننے کا وقت قریب آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔تمام آسمانوں اور تمام جنتوں کے دروازے کھول دو۔اور سورج کو اس دن عظیم نور عطا کیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس سال دنیا کی تمام عورتوں کیلئے یہ حکم دیا کہ ہر ایک کے ہاں بیٹا پیدا ہو۔اور یہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور عزت کی خاطر کیا گیا۔

سیدہ آمنہ بیان فرماتی ہیں جب مجھے بچہ جننے کی حالت آئی۔میرے بارے میں اس کا کسی مرد یا عورت کو قطعاً علم نہ ہوا۔میں تن تنہا گھر میں تھی۔اور جناب عبدالمطلب طواف کر رہے تھے۔میں نے ایک زوردار آواز سنی۔جیسا دھماکہ کی آواز ہو۔اور ایک عجیب حالت پیش آئی۔جس سے میں خوف زدہ ہو گئی۔پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید پرندے کے پر ہیں جو میرے دل پر پھیرے جا رہے ہیں۔اس سے میرا خوف بالکل جاتا رہا۔اور وہ تکلیف بھی ناپید ہو گئی۔جو محسوس ہو رہی تھی۔پھر میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔تو مجھے اچانک سفید پانی سا دکھائی دیا۔وہ مجھے دے دیا گیا۔اس سے مجھے ایک بلند نور ملا۔پھر میں نے کھجور کی طرح لمبے قد کی عورتیں دیکھیں۔جو عبد مناف کے خاندان کی سی معلوم ہوتی تھیں۔

مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔ میں حیران تھی۔ اور دل میں کہہ رہی تھی کہ ان عورتوں کو میرے بارے میں کس نے بتایا ہے؟ انہوں نے فوراً مجھے کہا۔ میں فرعون کی بیوی آسیہ ہوں۔ دوسری نے کہا میں عمران کی بیٹی مریم ہوں۔ اور یہ دوسری عورتیں جو ہمارے ساتھ ہیں۔ جنت کی "حورعین" ہیں۔ اس دوران ایک سفید ریشمی کپڑا زمین وآسمان کے درمیان بچھایا گیا۔ اور ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ اسے لوگوں کی نظروں سے دور لے جاؤ۔ فرماتی ہیں۔ میں نے ہوا میں کھڑے چند مرد دیکھے۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے (پیالے) تھے۔ میں نے پھر دیکھا۔ کہ پرندوں کا ایک جھنڈ میری طرف آیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے میرے حجرہ کو چاروں طرف سے ڈھانپ دیا۔ ان کی چونچیں زمرد یں اور پر یاقوتی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کے پردے ہٹا دیئے۔ تو میں نے زمین کے مشرق ومغرب کو دیکھا۔ اور دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر گاڑا ہوا ہے۔ پھر مجھے دردزہ شروع ہوا۔ پس میں نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ تو آپ سجدہ میں گرے ہوئے تھے۔ انگلی آپ کی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ ایسے دکھائی دیئے کہ عاجزی کر رہے ہیں۔ گڑگڑا رہے ہیں۔ پھر میں نے ایک سفید بادل دیکھا۔ جو آسمان کی طرف سے آرہا تھا۔ حتیٰ کہ اس بادل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھانپ لیا۔ اس نے آپ کو مجھ سے غائب کر دیا۔ پھر میں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی۔ کہ اس (نومولود) کو زمین کے مشرق ومغرب کا طواف کراؤ۔ دریاؤں سمندروں میں لے جاؤ۔ تاکہ سبھی پہچان لیں۔ کہ ان کا نام ان کی صورت اور ان کی تعریف وصفت یہ یہ ہے اور انہیں علم ہو جائے کہ کائنات میں ان کا نام "ماحی" ہے۔ یعنی مٹانے والا۔ آپ اپنے زمانہ میں شرک کا نشان نہ چھوڑیں گے۔ شرک ان کے دور میں مٹ جائے گا۔ پھر وہ بادل آپ سے مختصر سے وقت کے بعد ہٹ گیا۔ اور آپ دکھائی دیئے جانے لگے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ کا منہ نے بیان کیا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ نور بھی نکلا۔ جس سے مشرق ومغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی۔ پھر آپ زمین پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ آپ کے دونوں ہاتھ زمین پر لگے ہوئے تھے (جس طرح سجدہ کرنے والے کے ہاتھ لگے ہوتے ہیں) پھر آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھری۔ اور سرانور آسمان کی طرف بلند کیا۔

ابونعیم نے جناب عطاء بن یسار وہ سیدہ ام سلمۃ سے اور وہ سیدہ کا منہ سے بیان کرتی ہیں۔ کہ میں نے جس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ اس رات میں نے ایک نور دیکھا۔ جس سے شام

کے محلات جگمگا اٹھے۔ اور میں نے انہیں دیکھا۔ ابونعیم نے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالہ سے ان کی والدہ ''شفاء'' سے روایت کیا۔ کہ جب سیدہ ؓ منہ سے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنم دیا۔ تو آپ میرے ہاتھوں پر آئے۔ اور آپ نے آواز نکالی۔ میں نے کسی آواز دینے والے سے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔'' اللہ تجھ پر رحم کرے'' سیدہ شفاء بیان کرتی ہیں۔ میرے لئے مشرق و مغرب جگمگا اٹھا۔ حتیٰ کہ میں نے روم کے محلات دیکھے۔ فرماتی ہیں۔ پھر میں نے آپ کو دودھ دیا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے آپ کو لباس پہنایا اور لٹا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے اندھیرے نے آن ڈھانپا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ مجھ سے غائب کر دیئے گئے۔ پھر میں نے کسی کہنے والے سے سنا۔ تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو؟ جواب ملا۔ مشرق و مغرب کی طرف۔ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ تو میں ان لوگوں میں ہوئی جو اول اول اسلام لائے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے عجائبات میں ایک بات یہ بھی تھی۔ جس کی روایات بھی موجود ہیں کہ کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ اور اس کے کنگروں میں سے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا۔ فارس (ایران) میں جلتی آگ بجھ گئی۔ جو ایک ہزار سال سے متواتر جل رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف کٹی ہوئی پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے سال میں اختلاف کیا گیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سال ''عام الفیل'' تھا۔ اور مشہور یہ ہے کہ واقعہ فیل سے پچاس دن بعد یا پچپن دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور صحیح یہ ہے کہ آپ ماہ ربیع الاول بروز پیر پیدا ہوئے۔ اور اصح یہ ہے کہ تاریخ آٹھ ربیع الاول تھی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ نے بروز پیر بارہ ربیع الاول تولد فرمایا۔ اور مشہور یہ ہے کہ پیر کے دن صبح کے بعد آپ کا وقت ولادت ہے۔ اور رات بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کے ساتھ نور بھی نکلا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ آپ اپنی والدہ کے شکم سے ہنستے ہوئے اور ہر قسم کی گندگی سے پاک تشریف لائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْ ضُ وَضَاءَ ت بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ
فَنَحْنُ فِی ذَالِکَ الضِّیَاءِ وَ فِی النُّوْ رِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہو گئی۔ اور آپ کے نور سے

آسمان کے کنارے چمک اٹھے۔ پس ہم اس روشنی، اس نور اور رشد و ہدایت کے راستوں میں چلے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے درجات اور بلند فرمائے۔ انہوں نے اس بارے میں کیا خوب کہا۔

وَمُحَيًّا كَالشَّمْسِ مِنْكَ مُضِيٌّ ۔۔۔ اَسْفَرَتْ عَنْهُ لَيْلَةٌ غَرَّاءُ

لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ الَّذِي كَانَ لِلدِّ ۔۔۔ يْنِ سُرُوْرٌ بِيَوْمِهٖ وَازْدِهَاءُ

وَتَوَالَتْ بُشْرَى الْهَوَاتِفِ اَنْ قَدْ ۔۔۔ وُلِدَ الْمُصْطَفٰى وَ حَقَّ الْهِنَاءُ

وَ تَدَاعٰى اِيْوَانُ كِسْرٰى وَلَوْ لَا ۔۔۔ آيَةٌ مِنْكَ مَا تَدَاعَى الْبِنَاءُ

وَغَدَا كُلُّ بَيْتِ نَارٍ وَّ فِيْهِ ۔۔۔ كُرْبَةٌ مِنْ خُمُوْدِهَا وَ بَلَاءُ

وَعُيُوْنٌ لِلْفُرْسِ غَارَتْ فَهَلْ كَا ۔۔۔ نَ لِنِيْرَا نِهِمْ بِهَا اِطْفَاءُ

مَوْلِدٌ كَانَ مِنْهُ فِي طَالِعِ الْكُفْـــــــرِ وَ بَالَ عَلَيْهِمْ وَ وَبَاءُ

فَهَنِيْأً بِهٖ لِاٰمِنَةِ الْفَضْـــــــلُ الَّذِي شُرِّفَتْ بِهٖ حَوَّاءُ

مَنْ لِحَوَّاءَ اَنَّهَا حَمَلَتْ اَحْمَـــــــدَ اَوْ اَنَّهَا بِهٖ نَفَسَاءُ

يَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهٖ ابْنَةُ وَهْبٍ ۔۔۔ مِنْ فَخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَاءُ

وَاَتَتْ قَوْمَهَا بِاَفْضَلَ مِمَّا ۔۔۔ حَمَلَتْ قَبْلُ مَرْيَمُ الْعَذْرَاءُ

شَمَّتَتْهُ الْاَمْلَاكُ اِذْ وَضَعَتْهُ ۔۔۔ وَشَفَتْنَا بِقَوْلِهَا الشَّفَاءُ

رَافِعًا رَاْسَهٗ وَ فِي ذَالِكَ الـــــــرَّفْعِ اِلَى كُلِّ سُؤْدَدٍ اِيْمَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ایسا کہ سورج اس سے روشن کیا گیا۔ اور رات اس کی برکت سے نور والی ہوگئی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی رات وہ ہے جس کے دن کے سبب دین کو سرور اور رونق ملی۔ کسریٰ کا ایوان لرز اٹھا۔ اگر آپ کی پیدائش کی یہ علامت نہ تھی تو پھر اس پر لرزہ کیوں طاری ہوا۔ ہر ایک آتشکدہ کی آگ بجھ جانے کی وجہ سے بڑی پریشانی اور مصیبت آن پڑی۔ فارس کے چشمے خشک ہوگئے۔ تو کیا ان چشموں کے پانی کی وجہ سے اس کے آتشکدے ٹھنڈے ہوگئے؟ آپ کی ولادت باسعادت ایسی کہ کفر کے طالع میں ایسا وبال آیا اور وبا پھیلی کہ کفر مٹ گیا۔ پس سیدہ آمنہ کو یہ نومولود مبارک ہو جس کی برکت سے عورتوں کو شرف و اعزاز ملا۔ وہ خوش نصیب عورت جس کے شکم میں سید العالمین جناب احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ یا ان کے بطن

سے دنیا میں تشریف لائے۔آپ کی ولادت کا دن وہ بابرکت دن ہے کہ اس کی وجہ سے سیدہ آمنہ کو وہ فخر اور اعزاز ملا جو دنیا کی کسی عورت کو نہ ملا اور نہ ہی قیامت تک ملے گا۔قوم کے پاس وہ افضل شخصیت تشریف لائی۔ جو ان سے پہلے حضرت مریم کنواری کے شکم میں رہنے والے بچے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے کہیں افضل ہیں۔ بادشاہوں کی شہنشاہیت انہوں نے ختم کر دی۔ جب انہیں حضرت آمنہ نے جنم دیا تو سیدہ شفاء کی گفتگو (آنکھوں دیکھا حال) ہمارے لبوں پر آگئی۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوقت ولادت سر انور اوپر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اور اس رفع (اوپر کی طرف سر اٹھانے) میں یہ اشارہ تھا کہ ہر قسم کی سیادت وامامت آپ کیلئے مختص ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین اتباع کرنے والا بنائے۔ اور آپ کی اتباع میں کامل واکمل ترین حالات پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

اِنْتَھٰی مَوْلَدُ سَیِّدِی اَحْمَدَ الدَّرْدِیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

اختتامیہ۔ میں (علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتویٰ کو نقل کر کے اس جلد کا اختتام کرتا ہوں جو موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں لکھا ہے۔ (اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

سوال: اس دور میں اکثر لوگ جو ''میلاد'' مناتے اور محافل منعقد کرتے ہیں۔ اور کثرت سے ان محافل میں اذکار کئے جاتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ کیا یہ باتیں سنت ہیں، فضیلت ہیں یا بدعت؟ اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ یہ فضیلت ہیں۔ تو مطلوب ہے کہ ان کے فضل کے بارے میں سلف صالحین سے کوئی اثر وارد ہوا یا کوئی جز وارد ہوئی ہے؟ اور کیا ''مباح بدعت'' کیلئے اجتماع جائز ہے یا ناجائز؟ جب ان محافل واذکار کے سبب یا نماز تراویح کے سبب مردوں اور عورتوں اختلاط واجتماع ہو تو کیا یہ اختلاط واجتماع جائز ہے؟ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ مرد وزن کی موانست، ایک دوسرے سے بات چیت اور ایک دوسرے کے کام کرنا جو شرعاً ناپسند ہوں وہ بھی دیکھنے میں آئیں۔ جبکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس جگہ فساد غالب ہو، وہاں مصلحت ''حرام'' ہوتی ہے۔ نماز تراویح سنت ہے۔ لیکن اس کے سبب سے مذکورہ اسباب حاصل ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں لوگوں کو اس فعل سے منع کیا جانا چاہئے یا اس کا کوئی ضرر نہیں؟

جواب: ہمارے ہاں محافل میلاد اور جو اذکار کئے جاتے ہیں وہ اکثر وبیشتر اچھائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صدقہ کرنا، ذکر کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور آپ کی مدح کرنا۔

اور یہ شر پر بھی مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر ان شریر حرکات وافعال میں صرف یہی ایک فعل ہوتا جو عورتیں غیر محرم مردوں کو دیکھتی ہیں۔ تو یہی ایک کافی تھا۔ اور کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں شر نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے کام بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات شک وشبہ سے خالی ہے۔ کہ قسم اول (جن میں شر ہوتا ہے) ممنوع ہیں۔ کیونکہ مشہور قانون وقاعدہ ہے۔ جسے تسلیم کیا گیا ہے۔ "اِنَّ دَرْءَ الْمَفَاسِدِ مُقَدَّمٌ عَلٰی جَلْبِ الْمَصَالِحِ" مفاسد کا قلع قمع کرنا مصلحتوں کے حصول سے مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو یہ علم ہو کہ جو میں اس سلسلہ میں کرتا ہوں اس میں شر واقع ہے۔ تو وہ گنہگار ہے۔ نافرمان ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس نے اس میں عمل خیر کیا ہے تو بعض دفعہ اس کی خیر اس کے شر کے برابر نہیں ہوتی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر سے اسی قدر پر اکتفا کیا۔ جو آسان ہو۔ اور شر کی تمام اقسام کو جڑ سے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔ "اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ" جب میں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس میں سے بجالاؤ۔ اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں غور کرو گے تو اس کی تائید کرو گے جو میں نے کہا۔ وہ یہ کہ شر اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اس میں سے کچھ کی بھی رخصت نہیں۔ اور نیکی اتنی ہی کافی ہے جس قدر آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

قسم ثانی (جن محافل میں اچھائی کی باتیں ہوتی ہیں) سنت ہے۔ اس کی تائید میں وہ احادیث موجود ہیں۔ جواز کار مخصوصہ اور عامہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے۔ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهٗ رواہ مسلم۔ جب بھی کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بیٹھتی ہے تو اسے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اور اطمینان وسکون کی دولت ان پر اترتی ہے اور ایسی قوم کا تذکرہ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے قریب ہیں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ اس کی حمد وثنا کہتے ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت بخشی۔ فرمایا۔ اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاَخْبَرَ نِیْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبَاهِیْ بِكُمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ ان (ذکر کرنے والوں کا) اللہ تعالیٰ فرشتوں

کے سامنے فخریہ تذکرہ کرتا ہے۔

ان دونوں احادیث میں اس بات پر واضح تر دلیل ہے۔ کہ نیکی اور بھلائی کی خاطر اجتماع بہت افضل ہے۔ اور اس کیلئے بیٹھنا بھی بہت بہتر ہے۔ اور اس مقصد کی خاطر بیٹھنے والے بھی صاحب خیر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کا فرشتوں کے سامنے فخریہ تذکرہ کرتا ہے۔ ان پر اطمینان وسکون قلب کی دولت اترتی ہے۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ایسی جماعت کی تعریف کرتا ہے۔ ان فضائل سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے؟

اور سائل کا یہ دریافت کرنا کہ ''مباح بدعت'' کیلئے اجتماع جائز ہے؟ اس کا جواب ہے۔ ہاں یہ جائز ہے۔ حضرت علامہ عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''بدعت'' وہ فعل ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جانا پہچانا نہ تھا۔ اس کی پانچ اقسام ہیں۔ یا اس کے پانچ احکام ہیں۔ یعنی وجوب، ندب، الی آخرہ۔ ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے۔ کہ تم ''بدعت'' کو شرعی قواعد پر پیش کرو۔ تو جس قاعدہ کے تحت بدعت آئے گی۔ وہ اسی درجہ میں شمار ہوگی۔ بدعات میں سے کچھ ''واجب'' ہیں۔ جیسا کہ علم نحو کا سیکھنا سکھانا۔ کیونکہ اس سے قرآن وسنت کا فہم حاصل ہوتا ہے۔ بعض بدعات ''حرام'' ہیں۔ جیسا کہ قدا یہ وغیرہ کے مذاہب۔ ''مندوب بدعت'' کی مثال مدارس اسلامیہ کا بنایا جانا اور نماز تراویح کیلئے جمع ہونا ہے۔ ''مباح بدعت'' یہ ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔ ''مکروہ بدعت'' مسجدوں کا بناؤ سنگھار اور قرآن کریم کا جڑاؤ۔ لیکن جڑاؤ سونے کے علاوہ ہو ورنہ یہ بدعت حرام کے تحت آجائے گی۔ اور حدیث پاک میں جو آیا ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی جہنم کی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔ اس سے مراد ''بدعت حرام'' ہے۔ دوسری چار اقسام نہیں۔

اور جب اس قسم کی محافل اور اجتماعات میں جو ذکر یا نماز تراویح کیلئے منعقد کیے گئے ہوں۔ ان میں ''محرمات'' داخل ہوں۔ تو ہر صاحب قدرت پر لازم ہے کہ خود بھی ان میں جانے سے رکے اور دوسروں کو بھی ان میں جانے سے روکے۔ ورنہ (قدرت ہونے کے باوجود نہ روکنے کی صورت میں) وہ بھی ان کا ساتھی شمار ہوگا۔ اسی وجہ سے امام بخاری اور مسلم نے تصریح کی ہے۔ اِنَّ مِنَ الْمَعَاصِيَ اَلْجُلُوْسُ مَعَ الْفُسَّاقِ اِيْنَاسًا لَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ آدمی فاسق لوگوں کے پاس ان سے انس ومحبت کے اظہار کیلئے بیٹھے۔ اِنْتَهَتْ فَتْوىٰ الْاِمَامِ ابْنِ حَجَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

"جواہر البحار فی فضائل النبی المختار" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری جلد بارہ ربیع الاول بروز پیر مطابق ۲۶ ۱۳۲۰ھ کو مکمل ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ اور دن ہے۔ اس کو جمع کرنے اور تصحیح طبع کی سعادت فقیر یوسف نبہانی کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے والدین اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے والوں کی مغفرت فرمائے۔ اور آپ کی آل کے طفیل اس کی تکمیل میں مدد فرمائے۔ آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

۹ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۹۷ء بروز پیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے
جلد ثالث کا اردو ترجمہ انگلستان کی سرزمین پر مکمل ہوا۔ محمد شرف الدین

چہارم

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں ڈاون لوڈ کرنے کے ٹیلگرام پر ان چینل و گروپ کو جوائن کریں

https://telegram.me/Tehqiqat

https://telegram.me/faizanealahazrat

https://telegram.me/FiqaHanfiBooks

https://t.me/misbahilibrary

آرکایو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلوگسپوٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد چہارم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

استاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول شیخ الحدیث فیصل آباد

رئیس التحریر علامہ محمد عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
	ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد چہارم)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	استاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول شیخ الحدیث فیصل آباد
	رئیس التحریر علامہ محمد عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3300 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

انتساب

احقر اپنی اس ناچیز کاوش کو سیدی وسندی، مرشدی ومولائی

حضرت مفتی اعظم دہلی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی جانب منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے

کیونکہ یہ اس سرکار ہی کی نظر کرم کا کرشمہ ہے

کہ میرے جیسے علمی لحاظ سے بے مایہ اور کوتاہ اندیش سے ایسا علمی کام لے لیا گیا۔

ذرے کو جس نے اختر کامل بنا دیا

مرشد مرے پہ رحمت پروردگار ہو

اختر شاہجہان پوری مظہری عفی عنہ

پیش لفظ

مری انتہائے نگارش یہی ہے   ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵ھ، ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن فلسطین ہے نبہان اہلِ عرب کے ایک خاندان کا نام ہے، اسی وجہ سے آپ نبہانی کہلاتے تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: علامہ یوسف بن اسمٰعیل بن یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کے والد ماجد ایک جید عالمِ دین، صاحبِ تقویٰ وطہارت اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے۔

علامہ موصوف نے ناظرہ قرآنِ کریم اپنے والدِ ماجد سے پڑھا۔ ۱۲۸۳ھ میں جبکہ آپ عمر کی سترہ منزلیں طے کر چکے تھے تو مزید تحصیلِ علم کی خاطر مصر کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامع ازہر میں داخل کروا دیئے گئے۔ یہاں ساڑھے چھ برس محنتِ شاقہ کی اور پورے انہماک سے علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف رہے۔ آخر علومِ عقلیہ ونقلیہ میں درجہ کمال تک پہنچے تو رجب ۱۲۸۹ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ یوں تو آپ کے جملہ اساتذہ ہی لائق وفائق تھے لیکن شیخ ابراہیم سقا شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) یگانہ روزگار تھے۔ موصوف استاذ الاساتذہ اور مرجعِ علماء شمار کیے جاتے تھے۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالمِ دین اور یگانہ روزگار کے بطور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ زبردست اہلِ قلم، صاحبِ تحریر وتقریر، بے بدل مصنف، مایہ ناز ادیب وشاعر اور ماحیِ سنت وقاطعِ بدعت تھے۔ ان مذکورہ کمالات پر طرہ یہ کہ سچے عاشقِ رسول تھے۔ موصوف کی جملہ تصانیف اس امر کا زندہ ثبوت ہیں۔ علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ کافی عرصہ بیروت میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے اور وہاں کی سرکاری لائبریری کے منتظمِ اعلیٰ بھی رہے اس درجہ مصروفیت کے باوجود بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہونے کی سعادت اکثر حاصل کرتے رہتے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایسے عاشقِ صادق تھے کہ اپنے دل کو ہمیشہ محبوب کی قیام گاہ بنائے رکھتے تھے۔

مولانا ابو النور محمد بشیر مدظلہٗ مدیر ''ماہِ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے والدِ ماجد فقیہِ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے خلیفہ تھے۔ مولانا نے حضرت فقیہِ اعظم کی زبانی علامہ نبہانی کے متعلق ایک

حالیہ مکتوب میں یوں لکھا ہے:۔

''میرے والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جب حج کرنے گیا (حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ شریفِ مکہ کے دور میں حج کرنے گئے تھے) تو مدینہ منورہ کی حاضری اور زیارتِ گنبدِ خضراء کے شرف سے مشرف ہوتے وقت میں نے باب السلام کے قریب اور گنبدِ خضراء کے سامنے ایک سفید ریش اور انتہائی نورانی چہرہ والے بزرگ کو دیکھا جو قبرِ انور کی جانب منہ کر کے دوزانو بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں ان کی وجاہت اور چہرے کی نورانیت دیکھ کر بہت متأثر ہوا اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور ان سے گفتگو شروع کی۔ وہ میری جانب متوجہ نہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں اور آپ کی کتابیں حجۃ اللہ علی العالمین اور جواہر البحار وغیرہ میں نے پڑھی ہیں جن سے میرے دل میں آپ کی بڑی عقیدت ہے انہوں نے یہ بات سن کر سمجھا کہ یہ کوئی خوش عقیدہ اور عالم ہے تو میری طرف محبت سے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ فرمایا۔ والدِ ماجد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ان سے عرض کیا، حضور! آپ قبرِ انور سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں؟ تو رو پڑے اور کہا ''میں اس لائق نہیں کہ قریب جاؤں'' اس کے بعد میں اکثر ان کی جائے قیام پر حاضر ہوتا رہا اور ان سے سندِ حدیث بھی حاصل کی''۔

وہ مجسم عشقِ رسول، بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر، سراپا التجا بن کر، زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوگا:

تیرے سوا خیالِ نبی میں تیرے نثار　　　سمجھا نہ کوئی دیدۂ گریاں کی گفتگو

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی عدیم النظیر تصنیف ''الدولۃ المکیہ'' پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا عبدالقادر محمد بن سورہ القرشی نے امام احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہما کے متعلق اپنی رائے جن عربی الفاظ میں بیان فرمائی، ان کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

''ہم عصر حسانِ زماں، زندہ کُنِ سنتِ سردارِ اولادِ عدنان، محفوظ بہ نبی عدنانی، معروف شیخ یوسف نبہانی کہ انہوں نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں وہ تنبیہات ذکر فرمائیں کہ ان کے اندر دلوں میں زجر کرنے والے شہاب ہیں تو درحقیقت بلاریب وہ (علامہ نبہانی) اور مصنف رسالہ ہٰذا (اعلیٰحضرت) ادائے واجب کے لئے کھڑے ہوئے اور حکمِ صائب لائے''(1)۔

1۔ الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، صفحہ 131

اسی طرح مذکورۃ الصدر کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا حسین بن محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کی ان دونوں یگانۂ روزگار اور سرمایہ افتخار ہستیوں کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

''اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے مؤلف (اعلیٰ حضرت) اور شیخ یوسف نبہانی (رحمۃ اللہ علیہما) کو جنہوں نے ہماری احتیاج کو پورا کیا'' (1)۔

خود علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ کی تصنیفِ لطیف ''الدولۃ المکیہ'' پر زوردار تقریظ لکھی۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت کے بارے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا:۔

''اس دفعہ سید عبدالباری سلمہ اللہ تعالیٰ (ابنِ علامہ سید امین رضوان مدنی علیہ الرحمۃ) نے یہ کتاب میرے پاس بھیجی تو میں نے اس (الدولۃ المکیہ) کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں، جو ایک امامِ کبیر، علامہ اجل کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ راضی رہے اس رسالے کے مصنف سے، اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے.......... نبی کریم ﷺ کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے مصنف جیسے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا کرے جو ائمہ اعلام ہوں، اسلام کے حامی ہوں، کفار اور ذلیل بدعتیوں کی تردید میں مشغول رہیں۔ ایسے علماء بزرگ تر مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں'' (2)۔

بقول اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ نامدار حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی مدظلہ العالی، علامہ حضرتِ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ کی اہلیہ محترمہ کو چوراسی مرتبہ سرورِ کون و مکان ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا (رحمۃ اللہ علیہما) علامہ موصوف جو شمعِ رسالت پر پروانہ وار نثار تھے، ان کی حالت و کیفیت کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ علامہ کی وفات حسرت آیات کے متعلق حضرت مدنی ہی کا بیان ہے کہ ''جواہر البحار'' کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد موصوف کو سرکارِ مدینہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی سرکار نے ''جواہر البحار'' کو بہت پسند فرمایا اور ازراہِ لطف و کرم علامہ کو سینے سے لگایا۔ علامہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ حضور! ''اب جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہیں رہی''۔ آخر اسی حالت میں وصال ہو گیا۔

1۔ الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص ۷۹ ۴

2۔ الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی ص ۷۷ ۴

ایک شاگردِ رشید کو علامہ کی زیارت نصیب ہوئی جن سے موصوف نے اپنی وفات کا واقعہ بیان کیا جو اسی طرح عوام و خواص میں مشہور ہوا۔ حضرت نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ کے دس سال بعد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی گاؤں اجزام میں ہمیشہ کے لئے محوِ خواب اور آسودۂ استراحت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے ‏ حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق اور چودھویں صدی کی نادرِ روزگار ہستی نے قلمی میدان میں ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مجددِ مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کے بعد دنیائے اسلام میں علامہ موصوف اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف علومِ دینیہ کا قابلِ قدر اور مایۂ افتخار ذخیرے ہیں۔ اگر علامہ کی قلمی نگارشات کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تجدیدی کارنامے کا تکملہ کہہ لیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ فہرست تصانیف حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ الفتح الکبیر فی الضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر (چودہ ہزار احادیث کا عظیم ذخیرہ جو تصانیفِ علامہ میں اعظم و انفع ہے۔)

۲۔ قرۃ العینین علیٰ منتخب الصحیحین (تین ہزار احادیث کا مجموعہ اور ان پر فاضلانہ حواشی)

۳۔ جواھر البحار فی فضائل نبی المختار (چار ضخیم جلدوں میں فضائل مصطفوی کا عظیم الشان مجموعہ)

۴۔ وسائل الاصول الی شمائل الرسول (اردو ترجمہ آج کل دستیاب ہے)

۵۔ قرۃ العین من البیضاوی و الجلالین۔

۶۔ شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق۔

۷۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین۔

۸۔ انوار المحمدیہ مختصر المواھب اللدنیہ۔

۹۔ افضل الصلوٰت علیٰ سید السادات۔

۱۰۔ الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المؤمنین۔

۱۱۔ النظم البدیع فی مولد النبی الشفیع۔

۱۲۔ الھمزۃ الالفیہ فی مدح سید الانبیاء۔

۱۳۔الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین۔

۱۴۔الاحادیث الاربعین فی امثالِ افصح العالمین۔

۱۵۔قصیدۃ سعادۃ الھاد فی موازینۃ بانت سعاد۔

۱۶۔مثال نعله الشریف۔

۱۷۔سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علیٰ سید الکونین۔

۱۸۔السابقات الجیاد فی مدح سید العباد۔

۱۹۔خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام۔

۲۰۔ھادی المرید الیٰ طرق الاسانید۔

۲۱۔الفضائل المحمدیۃ۔

۲۲۔الورد الشافی۔

۲۳۔المزدوجۃ الغرأ فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۲۴۔المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ۔

۲۵۔نجوم المھدین فی معجزاتہ والرد علی اعدائہ اخوان الشیاطین۔

۲۶۔ارشاد الحیاریٰ فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاریٰ۔

۲۷۔جامع الثناء۔

۲۸۔مفرج الکروب۔

۲۹۔ جذب الاستغاثات۔

۳۰۔احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل۔

۳۱۔کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء۔

۳۲۔البرھان المسدّد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد ﷺ۔

۳۳۔دلیل التجار الیٰ اخلاق الاخیار۔

۳۴۔الرحمۃ المھداۃ فی فضل الصلوٰۃ۔

۳۵۔حسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلوٰۃ الظھر بعد الجمعۃ۔

۳۶۔التحذیر من اتخاذ الصدر والتقدیر۔

۳۷۔تنبیہ الافکار لحکمہ اقبال الدنیا علی الکفار۔

۳۸۔سبیل النجاۃ۔

۳۹۔سعادۃ الانام فی اتباع دین الاسلام۔

۴۰۔القصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ۔

۴۱۔الرائیۃ الصغریٰ فی ذم البدعۃ و مدح السنۃ الغرا۔

۴۲۔اتحاف المسلم۔

۴۳۔تہذیب النفوس فی ترتیب دروس۔

۴۴۔جامع کرامات الاولیاء۔

۴۵۔اللعقود اللولویۃ فی المدائح النبویۃ۔

۴۶۔الاربعین من احادیث سید المرسلین۔

۴۷۔الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات۔

۴۸۔المبشرات۔

۴۹۔صلوٰت الثناء علیٰ سید الانبیاء۔

۵۰۔القول الحق فی مدح سید الخلق۔

۵۱۔الصلوات الالفیۃ فی الکمالات المحمدیہ۔

۵۲۔ریاض الجنہ فی اذکار الکتاب والسنہ۔

۵۳۔الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۵۴۔جامع الصلوات علی سید السادات۔

۵۵۔الشرف المؤبد لآل محمد۔

۵۶۔صلوات الاخیار علی النبی المختار۔

۵۷۔البشائر الایمانیۃ فی المبشرات المنامیۃ۔

۵۸۔کتاب البرزخ ۵۹۔کتاب الاذکار۔

علامہ موصوف کی تصانیف اکثر و بیشتر ارشاداتِ نبوی کے مجموعے اور فضائل و کمالاتِ مصطفوی کے ذخیرے ہیں۔علمِ حدیث میں آپ کی نظر بہت وسیع ہے۔بعض تصانیف ایسی بالغ نظری اور محققانہ شان سے مرتب فرمائی ہیں جن کی نظیر علمائے متاخرین کی تصانیف میں نظر نہیں آتی۔یہ زورِ تحریر، وسعتِ نظر اور عشقِ رسول کے منہ بولتے لعل و گہر ہیں۔قلمی نگارشات میں جامی کا سوز و گداز، سعدی کی

فصاحت و بلاغت، رومی کا فلسفہ حیات، سیوطی کی علمی جلالت، شیخ سرہندی کی جرأتِ رندانہ اور محقق دہلوی کا علمی تبحر اپنی جھلکیاں دکھا رہا ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

یہاں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چودھویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) کو رئیس المؤخرین منوانے کی مہم بڑے زور شور سے جاری ہوگئی تھی۔ بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ ستم ظریفی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا کیونکہ اسکولوں اور کالجوں کے فیض یافتہ حضرات اس پروپیگنڈے کے مبلغ ہیں اور یہی حضرات حکومت کی مشینری کے پرزے بنا کرتے ہیں۔ موصوف کے دینی نظریات کی معمولی سی وضاحت پیشِ نظر کر کے قارئینِ کرام سے انصاف کا طلبگار ہوں۔

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (مولانا شبلی اعظم گڑھی) یہ بھی سرسید احمد خاں کے قدم بقدم ہی ہیں، سیرتِ نبوی لکھی ہے جس پر آج کل نیچری فریفتہ ہے'' (1)۔

موصوف نے کتاب ''سیرۃ النبی'' کو نیچری حضرات کی پسندیدہ لکھا اور علامہ شبلی نعمانی کو سرسید احمد خاں صاحب (المتوفیٰ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) کا مقلد بتایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نیچریت اور سرسید کے بارے میں عالی جناب تھانوی صاحب کی رائے کیا ہے؟ اس امر کی انہوں نے یوں وضاحت فرمائی:۔

''یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت، سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست، خورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت کا رنگ جھلکتا ہے اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے'' (2)۔

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں موصوف نے یوں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے:۔

''اس شخص (سرسید احمد خاں) کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے، ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھول گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں'' (3)۔

1۔ الافاضات الیومیہ، جلد پنجم ص ۱۵۲
2۔ الافاضات الیومیہ جلد ششم ص ۹۸
3۔ الافاضات الیومیہ جلد پنجم ص ۸۴

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر اوردیوبندی جماعت کی ممتاز علمی ہستی،علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء) نے علامہ شبلی نعمانی کے بارے میں یوں حکمِ شرع بیان کیا ہے:۔

وَاِنَّمَا اَرُدُّ عَلٰی اَعْیُنِ النَّاس اِذْ لَیْسَ مِنَ الدِّیْنِ اَنْ یُغْمَضَ عَنْ کَافِرٍ(1)۔

''میں اس (شبلی) کی بے دینی کا لوگوں کے سامنے رد اس لئے کرتا ہوں کہ دین میں کسی کافر کے کفر کو چھپانا جائز نہیں ہے''۔

جمعیۃ العلمائے ہند کے سابق صدر اور دیوبندی حضرات کے مفتیِ اعظم جناب مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری دہلوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) نے علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے رد میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جو پہلی دفعہ (۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء) میں تحفہ ہند پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مذکورہ فتوے میں مفتی صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی مذہبی پوزیشن یوں واضح کی:۔

''جس باخبر شخص نے علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف پڑھی ہیں،اس پر علامہ کے عقائد و خیالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں............اصل یہ ہے کہ علامہ نے ''الکلام'' میں جن عقائد وخیالات کو صراحتہً یا کنایۃً حق مانا ہے وہ زیادہ تر معتزلہ اور فرقِ باطلہ اور ملحدین کے عقائد اور خیالات ہیں اس لئے ان کی تصنیفات کو دیکھ کر اہلِ اسلام کے ہر طبقہ کی مذہبی غیرت میں تموّج پیدا ہوا اور چاروں طرف سے علامہ کے خلاف صدا بلند ہوئی کہ علامہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج اور معتزلہ اور ملاحدہ کے ہمنوا بلکہ چودھویں صدی میں ان کی یادگار ہیں لیکن (مولٰنا شبلی نعمانی) کو کبھی اس داروگیر کی کچھ پرواہ نہ ہوئی اور وہ برابر اپنے خیالات وعقائد پر جمے رہے اور ان کی اشاعت کرتے رہے''(2)۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تصنیف ''الکلام'' میں عالم کے قدیم ہونے کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:۔

''ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم اجزائے ذی مقراطیسی سے بنا ہے۔ہم کو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام یعنی فارابی،ابنِ سینا اور ابنِ رشد کی رائے ہے''(3)۔

1۔مقدمہ مشکلات القرآن ص ۳۲

2۔تواریخ مجددین حزب وہابیہ،مطبوعہ آرمی پریس کانپور،ص ۲۳ 3۔الکلام،ص ۵۴

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے موصوف کی مذکورہ عبارت پر اپنے فتوے میں یوں تنقید کی ہے:۔

''ناظرین غور فرمائیں کہ علامہ ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے عالم کے قدیم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کے فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام (جن کو علامہ کا فتویٰ ملحد وزندیق بتا چکا ہے) فارابی، ابنِ سینا اور ابنِ رشد کی رائے بتاتے ہیں اور اس جہت سے عالم کو خالق کی ضرورت نہ ہونا مان کر صفحہ ۵۵ میں صرف نظامِ عالم قائم رکھنے اور قوانینِ فطرت کا باہمی ارتباط باقی رہنے کے لئے خدا کا وجود مانتے ہیں تو اس میں کیا شبہ رہا کہ علامہ کے نزدیک عالم اور مادہ قدیم ہے، خود علامہ کی تصریح سے بڑھ کر کس دلیل کی حاجت ہے؟ اب ان مقدمات کو اس طرح ترتیب دیجئے، علامہ قِدمِ عالم کو تسلیم کرتے ہیں اور جو قدم عالم کو تسلیم کرے وہ ملحد وزندیق ہے'' (1)۔

اس فتوے میں مفتی صاحب موصوف نے آگے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:۔

''رہا وجودِ باری کا اقرار، وہ بھی جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا۔ علامہ صرف اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ اسے فطری بتاتے ہیں کہ نظامِ عالم میں ترتیب اور باہمی ارتباط قائم رہے نہ اس طور پر کہ خدا عالم کا خالق ہے اور عالم اس کی مخلوق ہے'' (2)۔

علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے عقائد ونظریات پر تنقید وتبصرہ کرتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے چنانچہ موصوف یوں رقمطراز ہیں:۔

''ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ علامہ کے نزدیک ابنِ رشد، ابنِ سینا، قفال، جو ان کے فتوے کے بموجب ملحد وزندیق قرار پا چکے ہیں، حکمائے اسلام ہیں اور یہی لوگ ان (علامہ شبلی نعمانی) کے علمِ کلام کے ماخذ ہیں اور یہ سب اہلِ سنت وجماعت سے خارج اور مدِ مقابل ہیں۔ علامہ ان کے عقائد میں متبع اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ باوجود اس کے اہلسنت وجماعت کی تعریف معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہے یا دانستہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا ہے اور دونوں صورتوں میں ان کی علمی قابلیت پر نہایت سخت دھبہ آتا ہے۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اس لئے کہ جس کا علم اس کو دھوکہ بازی اور غلط بیانی سے نہ روکے وہ علمِ جہل سے بدتر ہے'' (3)۔

1۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ، ص ۲۸، ۲۹ 2۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ، ص ۳۱

3۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ، ص ۳۱، ۳۲

علامہ شبلی نعمانی مصنفِ ''سیرۃ النبی'' کے عقائد ونظریات کیسے تھے؟ موصوف علمِ کلام میں کیسے لوگوں کی تقلید کرتے تھے اور علامہ کے بارے میں اکابرِ دیوبند کی رائے کیا ہے، یہ قارئینِ کرام نے گذشتہ سطور میں ملاحظہ فرمالیا لیکن اس کے برعکس اسلام کے اس بطلِ جلیل خلد آشیانی علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے امتِ محمدیہ کے مایہ ناز اکابر اور مسلم بزرگانِ دین کی تحقیقاتِ جلیلہ اور بیاناتِ عالیہ سے اپنی مقبولِ بارگاہِ رسالت تصنیف ''جواہر البحار'' کی چاروں ضخیم جلدوں کو مزین کیا ہے، سرورِ کون ومکان ﷺ کے فضائل وکمالات سے متعلق جن بزرگوں کی نگارشات پر ''جواہر البحار'' کی جلد اول مشتمل ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۵۴۴ھ

۲۔ حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۲۵۵ھ

۳۔ حافظ ابونعیم اصفہانی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۴۳۰ھ

۴۔ امام ماوردی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۴۵۰ھ

۵۔ امام محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۶۳۸ھ

۶۔ امام فخر الدین عمر الرازی علیہ الرحمۃ — المتوفی ۶۰۶ھ

۷۔ حضرت عمر بن فارض علیہ الرحمۃ — المتوفی ۶۳۲ھ

۸۔ سلطان العلماء عز بن عبد السلام علیہ الرحمۃ — المتوفی ۶۶۰ھ

حالات کا تقاضا ہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)، امامِ ربانی حضرتِ مجددِ الفِ ثانی سرہندی (المتوفی ۱۰۳۴ھ)، خاتم المحققین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ)، اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) اور خلد مکانی علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ان تصانیفِ عالیہ کو خاص طور پر زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے منصۂ شہود پر لایا جائے جو فخرِ دوعالم ﷺ کے فضائل وکمالات کی ترجمان ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں برٹش گورنمنٹ کی شطرنج کے مہروں اور خارجیت کے جدید علمبرداروں کی بظاہر خوشنما، دلفریب اور جدید تصانیف کے ذریعے جو غیر اسلامی اور ایمان سوز جراثیم سرایت کر چکے ہیں ان کا کسی حد تک ازالہ ہو سکے یہ دینِ متین کی بیش بہا خدمت برادرانِ اسلام کی خیر خواہی اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حالات کی ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ ایک اسلامی ملک میں خارجیت کی علمبردار حکومت نے علامہ

بہانی کی تصانیف پر پابندی عائد کی ہوئی ہے کیونکہ یہ کتابیں محبتِ رسول کا درس دیتی ہیں۔ یہ نبی آخرالزماں ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرکے مسلمانوں کے ایمانوں کو تازگی، آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور پہنچاتی ہیں لیکن وہاں کے حکمران طبقے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات کے دلوں کو توہین و تنقیصِ رسالت ہی سے تسکین ہوتی ہے۔ اس کے برعکس پاکستان میں بدمذہبوں کی کسی گندی سے گندی ایمان سوز اور دلآزار کتاب پر بھی پابندی نہیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ جن حضرات سے برٹش گورنمنٹ تخریب دین اور افتراقِ مسلمین کا منحوس کام لیتی رہی اور انہیں مسلمانوں کے خیرخواہ اور پیشوا منوانے کی مہم چلاتی رہی۔ آزاد ہونے کے بعد بھی ہم نے ایسے کھوٹے سکوں کو پہنچاننے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ آج تک سکولوں اور کالجوں میں نونہالانِ وطن کو ایسے ہی لوگوں کی تصانیف پڑھاتے اور انہیں گرویدہ بلکہ والا و شیدا بنانے میں دنیا و آخرت کی بہتری کا کونسا راز سمجھا ہوا ہے؟ کیا ہمارے مسلم بزرگوں کی تصانیف نونہالانِ وطن کی تعلیم و تربیت اور ان کے دلوں اور دماغوں کی نشو و نما کے لئے کافی نہیں ہیں؟ بزرگانِ دین کی عقیدت یہی ہے کہ تعظیم و توقیر کے ساتھ ان حضرات کا اتباع بھی کیا جائے، ان کی سچی تعلیمات سے استفادہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے اسی لئے تو باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

"اے ایمان والو...............سچوں کے ساتھ رہو۔"

دوسرے مقام پر یہی حکم ان لفظوں میں دہرایا گیا ہے:۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔

"اور اس کے طریقے پر چلو جو میری جانب رجوع لایا"۔

مالکِ حقیقی نے اپنی عنایتِ بے پایاں سے ہمیں حکم دیا ہے کہ تلاوت و وظائف کے علاوہ ہر نماز میں بھی معبود برحق سے یوں دعا مانگا کریں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

"چلا ہمیں سیدھے راستے پر، ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا انعام ہوا"۔

اگر مسلمانوں کی نظر اس حکمِ خداوندی پر رہتی اور اپنے مسلم بزرگوں سے منسلک رہتے تو علمائے سوء کبھی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکتے اور وہ فرقہ بازی کا چکر چلا کر قوم کو اتنے گروہوں میں کبھی نہ بانٹ سکتے۔

جواہرالبحار چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل وکمالات پر عدیم النظیر تصنیف ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ اس موضوع پر امت محمدیہ کے مایہ ناز اکابر کی تحقیقات جلیلہ پر مشتمل ہے، عربی زبان میں ہونے کے باعث عوام الناس اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا انوارالاسلام صاحب قادری رضوی لائق تحسین ہیں جنہیں محبتِ رسول نے اس کی اشاعت پر آمادہ کیا اور انہوں نے اس ایمان افروز، باطل سوز تصنیف کے اردو ترجمے کا کام مولانا غلام رسول قادری رضوی مدظلہ العالی اور اس ناچیز سے لیا۔ احقر نے اس صحیفہ محبت کی روح کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام فروگزاشتوں سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ باری تعالیٰ شانہ اپنے عاجز بندوں کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لئے توشہِ آخرت اور سرمایہ نجات بنائے، امین

یَا اِلٰهَ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاهِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

خاکپائے علماء: عبدالحکیم خاں اختر
شاہجہانپوری، مجددی، مظہری
دارالمصنفین لاہور

یکم رجب المرجب ۱۳۹۴ھ / ۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء

حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ الَّذِیْ اِخْتَارَ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ وَاَرْسَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَجَعَلَ مِنْ جُمْلَةِ اُمَّتِهِ الْاَنْبِیَاءَ وَالْمُرْسَلِیْنَ اِذَا اَخَذَ عَلَیْهِمِ الْمِیْثَاقَ بِالْاِیْمَانِ بِهٖ وَبِنُصْرَتِهٖ وَقَالَ اَشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِهِمْ وَصَحْبِهِمْ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

''سب تعریفیں ایک اللہ کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے جس نے ساری مخلوق میں سے ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو برگزیدہ کیا اور انہیں سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور انبیاء و مرسلین تک کو ان کی امت کے زمرے میں شامل فرمایا کیونکہ جملہ انبیاء کرام سے ان پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا پکا وعدہ لیا اور فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر قیامت تک درود و سلام بھیجے اور سارے انبیاء پر اور ان کے بعد جملہ آل و اصحاب پر اور جنہوں نے بخوبی ان کی پیروی کی''۔

امابعد شفاعت کے علمبردار، نبی آخر الزمان ﷺ کے فضائل و کمالات اور ان کے عظیم الشان منصب کی تشہیر میں یہ مجموعہ نادرِ روزگار ہے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے محامد و محاسن جو کچھ کتاب و سنت اور ائمہ شریعت کی تصانیف عالیہ میں وارد ہوئے میں نے ان کا اکثر حصہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہاں آپ کے کتنے ہی معجزات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ بریں میں نے اپنی دوسری تصنیف (1) میں معجزات پر شرح و بسط سے لکھا ہے بایں ہمہ اس کتاب کو معجزات کے بیان سے بالکل خالی بھی نہیں رکھا کیونکہ ذکرِ معجزات سے نبوت کے دلائل واضح ہوتے ہیں اور یہ کتنی مفید بات ہے۔ اس مجموعے میں اکابر عارفین اور ائمہ دین کے اہم فوائد نقل کر کے اسے جواہر البحار فی فضائل النبی المختار کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

1۔ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اپنی تصنیفِ لطیف ''حجۃ اللہ علی العالمین'' کی طرف ہے ۱۲ اختر شاہجہانپوری

اس لحاظ سے یہ کتنا مبارک مجموعہ ہے کہ اس میں سرورِ کون و مکاں ﷺ کے اتنے فضائل و کمالات بیان کئے ہیں جو اس شرح و بسط سے آج تک کسی تصنیف میں نہیں لکھے جا سکے۔ دریں ایام ایمان والوں کے لئے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ علم و عرفان کے سمندروں سے بہترین جواہرات حاصل کر کے اس میں جمع کر دیئے ہیں جو اکابرِ امت نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اپنے مشاہداتِ عرفانیہ سے حاصل کئے تھے۔ بزرگانِ دین نے آپ کے فضائل و کمالات کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی صحت و حقانیت میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ انہوں نے قرآن و حدیث اور کشفِ صریح کو ماخذ اور سند بنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کے بعد منصبِ رسالت کو حضرات اولیاء کرام زیادہ جانتے پہچانتے ہیں اُسی طرح جیسے وہ باقی کائنات سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتے ہیں حالانکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے مخصوص کمالات سے تو کوئی بھی متصف نہیں ہو سکتا۔

بزرگانِ دین کی غیر متعلق اور کتاب کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والی عبارت کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ تصوف کی اصطلاحات پر مبنی ہیں اور ان کا سمجھنا ہم جیسے لوگوں کے بس کا روگ نہیں، نیز ان عبارتوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے دقیق ہیں اور بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہیں اگرچہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ ایسی اکثر عبارتیں فتوحاتِ مکیہ میں ہیں اور ان سے بھی زیادہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ''انسانِ کامل'' اور کمالاتِ الٰہیہ میں موجود ہیں۔ ان کی بعض عبارتیں صوفیہ کے اس کلام سے بھی عجیب و غریب ہیں جن پر فقیر مطلع ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان پر اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور یہ گمان رکھیں کہ ان عبارتوں کا ظاہر مفہوم جو مخالفِ شرع معلوم ہوتا ہے وہ ہرگز ان کی مراد نہیں کیونکہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام مناوی اور عارفِ نابلسی رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وہ منفرد عارف تھے۔

ایمان والوں کو یہ تصنیف (جواہر البحار) مبارک ہو یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے کیونکہ محاسن پر مشتمل اور ہر خیر و خوبی سے مزین ہے۔ اس میں فضائل نبویہ کے ایسے جواہر جمع کئے ہیں جو خوبصورت ہاروں کے موتیوں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ حقائق و عرفان کے زخار سمندروں سے فضائلِ نبویہ کے روشن جواہر کا استخراج کیا ہے۔ اکابرینِ امت نے جو کچھ آپ کی تعریف و توصیف میں لکھا اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کر کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جو دل و دماغ کو روشن اور منور کرتے ہیں۔ ان حضرات نے فخرِ دو عالم ﷺ کی تعریف و توصیف اپنی اپنی معلومات کے تحت کی ہے حالانکہ

آپ کے فضائل وکمالات کی حقیقت کا ادراک کوئی انسان نہیں کرسکتا۔

اے طالبِ حقیقت! تیرے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے حبیب اور خلاصہ کائنات ہیں ان کے بارے میں جمیع منقولات کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ کی تعریف وتوصیف میں جتنا تو چاہے مبالغہ کرسکتا ہے کیونکہ جتنے اوصافِ حسنہ سے وہ متصف ہیں تو مبالغے کے باوجود بھی انہیں بیان نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ امامِ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو غریقِ رحمت کرے جنہوں نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِي نَبِيِّهِمْ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمْ

وَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

"نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ (الوہیت) کیا اسے چھوڑ کر جو چاہے حضور کی مدح وثنا کر اور سن۔

جس شرف کی چاہے ان کی ذات کی طرف نسبت کر اور ان کی شان کو جس عظمت سے چاہے منسوب کر کیونکہ فضائلِ سید المرسلین کی ایسی حد نہیں ہے جسے کوئی بیان کرسکے"۔ (اختر شاہجہانپوری)

جاننا چاہیے کہ بزرگانِ دین کی بعض عبارتوں میں آیات واحادیث اور معانی مذکورہ کا تکرار ہے۔ میں نے ایسی عبارتوں کو دو یا اس سے زیادہ مقامات پر اسی طرح رکھا ہے مثلاً ایک عبارت یہ ہے:

رُوْحُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ اُمُّ الْاَرْوَاحِ وَحَقِيْقَتُهٗ اَصْلُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ اَبُوْ آدَمَ مِنْ حَيْثُ الرُّوْحِ وَآدَمُ اَبُوْهُ مِنْ حَيْثُ الْجِسْمِ وَهُوَ اَوَّلُ النَّبِيِّيْنَ فِي الْبُطُوْنِ وَخَاتَمُهُمْ فِي الظُّهُوْرِ وَهُوَ سُلْطَانُهُمُ الْاَعْظَمُ وَهُمْ نَوَابُهٗ فِيْمَنْ بُعِثُوْا اِلَيْهِمْ مِنَ الْاُمَمِ وَكُلُّهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ لَوْ وَجَدُوْا فِيْ مُدَّتِهٖ لَكَانُوْا مِنْ جُمْلَةِ اُمَّتِهٖ (ص ۳)

"فخرِ دو عالم ﷺ کی روح مقدس ام الارواح اور آپ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے۔ وہ روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ کے باپ ہیں آپ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے آخری، آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلطانِ اعظم ہیں اور وہ آپ

کی ماتحتی میں گویا نواب ہیں جو اپنی اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اگر انبیائے کرام اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں آپ کو ظاہری لحاظ سے پاتے تو امتِ وسطیٰ کے زمرے میں شامل ہوتے صلوات اللّٰہ علیہ و علیہم اجمعین"۔

یہ معانی ان لفظوں میں یا دوسرے الفاظ میں بار بار مذکور ہوئے ہیں تکرار کے باوجود میں نے ایسے مکررات کو حذف نہیں کیا کیونکہ ایسی حسین و جمیل عبارتوں کی صورت کو مسخ کرنا میں نے پسند نہ کیا اور ایسا کیونکر کرتا جب کہ یہ سید المرسلین ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کی حامل ہیں۔ ان میں شرف والے معانی اور مقدس اوصاف ہیں جن کا جتنا تکرار کیا جائے میٹھا اور خوشبودار معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کسی ماہرِ فن شاعر نے کہا ہے ؎

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ   ھُوَ الْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

"امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کا بار بار ذکر کرو وہ مشک کی مانند ہے اسے جتنا بکھیریں خوشبو آتی ہے۔ (اختر)

اسی طرح جب اس کتاب میں جمع شدہ تمام جواہر حسن و خوبی والے ہیں، جو علم و عرفان کے سب سے بڑے سمندروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کا رنگ ایک جیسا ہے اور بعض کا موتیوں اور مرجان کے رنگوں کی مانند مختلف رنگ ہے، میں نے انہیں بغیر کسی ردوبدل کے شایانِ شان طریقے سے سجا دیا اور یہ پسند نہ کیا کہ ان میں میری جانب سے کوئی نقصان واقع ہو۔ اب وہ قارئین کے سامنے مختلف اسالیبِ بیان اور متعدد انداز سے صادر ہوں گے جو مختلف علمائے کرام اور اولیائے عظام کی زبانوں سے ظاہر ہوئے ہیں اس سے ایک دوسرے کی تصدیق ہو گی جس سے ایمان اور یقین کی زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

علاوہ بریں یہ کتاب رسائل کا مجموعہ ہے اس میں ہر امام کا کلام جمع کیا ہے یا جو کچھ انہوں نے کسی دوسرے امام سے ذکر کیا ہو۔ اس طرح مختلف حضرات کا کلام ایک کتاب میں جمع ہو جانے سے عاشقِ رسول کی مراد پوری ہو جائے گی۔

اس کتاب میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بزرگ کا کلام نقل کرتے ہوئے مناسبت کے لحاظ سے کسی دوسرے بزرگ کی کوئی عبارت بھی نقل کر دی۔ اس اعتبار سے ہر ایک کی نگارشات مل کر ایک مستقل تصنیف بن گئی، یوں ایک کے کلام کو دوسرے کے لفظوں میں ادا کرنا تکرار نہیں کہلائے گا۔

ہاں بعض حضرات کے کلام میں تکرار ضرور ہے جیسے محی الدین ابن عربی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے اپنے کلام

میں نظر آئے گی، یہ ان کی نگارشات کا ایک باب کے تحت جمع ہونے کے باعث ہوا حالانکہ اس کتاب میں وہ متفرق ہیں، ایسا ابواب کی مناسبت سے کیا گیا ہے پس حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور یہ اعتراض مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

اے صاحبِ ایمان! حبیبِ خدا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بارگاہِ خداوندی میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور جس کا اولیاء اللہ نے علیٰ قدرِ مراتب مشاہدہ کیا ہے اس کے حسب حال اوصافِ عظیمہ کو مبالغہ نہ سمجھنا کیونکہ جو ہستی ساری کائنات سے ممتاز ہو یہ اوصاف اس کے منصب سے بڑھ کر نہیں ہیں حالانکہ وہ فخرِ آدم و بنی آدم ہیں۔ جملہ بندگانِ خدا کے سردار اور اللہ رب العزت کو سب سے پیارے ہیں(1)۔ اللہ جل شانہٗ کے سوا ان سے اوپر کوئی باکمال نہیں۔ ایسے اوصافِ عظیمہ اور کمالاتِ عالیہ کے باوجود وہ باری تعالیٰ شانہ کے مقدورات سے خارج نہیں ہیں۔ جملہ اہلِ ایمان کے نزدیک جو آپ کا مسلم مقام ہے۔ یہ سارے بیانات اسی رفعت کی تفصیلات و شروح ہیں۔ ان کی بنیاد ان مکاشفات اور مشاہدات پر بھی ہے جس کا ان اکابر نے مشاہدہ کیا جن کی ارواح دنیوی آلائش سے پاک ہو چکی تھیں پس انہوں نے چشمِ بصیرت سے ایسے بعض اسرار و انوار دیکھے جن کا ظاہری آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں اگرچہ ہم نے ان حضرات کو مشاہدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن اپنے مشاہدات کی بناء پر انہوں نے جو اعتقاد رکھا ہم بھی اسے درست تسلیم کر کے دولتِ ایمان میں ان کے برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ شانِ رسالت کے بارے میں اکابر اولیاء اللہ کے معتقدات یہ ہیں:۔

اِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلَ خَلْقِ اللّٰهِ وَاَعْلَا هُمْ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ النُّوْرُ الْاَعْظَمُ السَّارِیْ فِیْ جَمِيْعِ الْمُوْجُوْدَاتِ وَالْاَصْلُ الْمُقَدَّمُ الَّذِیْ تَفَرَّعَتْ عَنْهُ جَمِيْعُ الْكَائِنَاتِ۔ (ص ۴)

''فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام سب سے بلند ہے آپ کا نور سارے انوار سے ممتاز اور جملہ موجودات میں جاری و ساری ہے جو تمام افرادِ عالم کی اصل اور سب سے مقدم ہے جس سے ساری کائنات نے وجود کا لباس پہنا ہے''۔

ان مطالب پر عنقریب ان حضرات کے کلام میں عقلی و نقلی دلائل بیان ہوں گے جن سے دل باغ

1۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جتنا میرے خدا کو ہے میرا نبی عزیز — کونین میں کسی کو نہ ہو گا کوئی عزیز

باغ ہو جاتے ہیں اور جن کی نورانیت شمس وقمر سے بھی فائق ہے۔ جن حضرات کا کلام اس مجموعے میں منقول ہے وہ معرفت کے ماہتاب ہیں اور آفتابِ کمال سے اقتباس کرنے والے ہیں۔ احسان کے ایسے سمندر ہیں جو افضالِ نبوی کے فیض اور آپ کے محیطِ فضل سے استمداد کرتے رہتے ہیں پس ان بزرگوں نے جو کچھ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی ہے چونکہ وہ آپ ہی کے فیضان سے ہے جو آپ کی جانب لوٹائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان حضرات کا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے مثلاً

كَالْبَحْرِ يَمْطُرُهُ السَّحَابُ وَمَا لَهُ مَنٌّ عَلَيْهِ لِاَنَّهُ مِنْ مَائِهِ

''جیسے سمندر پر بادل برستا ہے لیکن بادل کا سمندر پر کوئی احسان نہیں کیونکہ یہ پانی تو اس کا اپنا ہے''۔ (۱۲اختر)

اکابر کے فرمودات جو اس مجموعے میں نقل کئے گئے ہیں ان کی ابتداء میں نے امام، محدث، محقق ابو الفضل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگارشات سے کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب ''کتاب الشفاء'' تصنیف کے ذریعے بیماروں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا ہے اور اس میں اہلِ ایمان کے لئے حبیبِ پروردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن ومحامد کے باغیچے لگائے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ فضائلِ رسول بیان کرنے میں یکتا اور ان کی تصنیف اپنے فن میں بے مثال ہے اور اس کے باعث انہیں اپنے بعد والوں پر فضیلت وفوقیت ہے غالباً انہیں بلحاظِ زمانہ بھی اولیت حاصل ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعرفان کی شہرت میں انگشت نمائی کی ہو۔ اکابر کے فرمودات نقل کرتے وقت میں نے فوائدِ حسنہ کی قلت وکثرت کا لحاظ نہیں رکھا اگر میں اس کا لحاظ رکھتا تو شیخِ اکبر و غوثِ زماں حضرت عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کو ان جملہ ائمہ کرام پر فوقیت دیتا حالانکہ ان تمام حضرات نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات بیان کرنے کی خدمت کا وافر حصہ پایا ہے۔ یہ علم کے سمندروں کے جواہرات سے اہلِ ایمان کے گوشِ ہوش مزین کرنے اور سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ واکمل التحیۃ کے محبین کی ارواح کو معطر کرنے کا وقت ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فضائل و کمالاتِ محمدیہ کو زیادہ سے زیادہ نشر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبانِ علم وفضل پر بارانِ رحمت نازل فرمائے جو اسے قبولیت کی نظر سے دیکھیں نیز مجھے اور انہیں نام نہاد مدعیانِ اسلام کے شر سے مامون رکھے۔ اب میں اپنی منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلِ اعظم سے استمداد کرنے والے سمندروں سے ایک، قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) ہیں۔

امامِ کبیر و محدثِ شہیر

ابوالفضل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

مقامِ مصطفیٰ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) کے جواہرِ فرمودات سے ان کی تصنیف "کتاب الشفاء" ہے۔ اس کی القسم الاول نبی مصطفیٰ ﷺ کی سب سے بڑھ کر تعظیم وتوقیر اور آپ کی قولی وفعلی قدر ومنزلت پر مشتمل ہے، جس شخص کو علم وفہم سے تھوڑا سا بھی حصہ ملا ہو اس پر یہ امر مخفی نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس درجہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قابلِ تعظیم وتوقیر ٹھہرایا ہے اور ایسے بیشمار فضائل و کمالات اور محامد ومحاسن سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف آپ ہی کا حصہ ہیں اور اس عظیم الشان منصب کے لحاظ سے آپ کی قدر ومنزلت بیان کرنے سے زبانیں اور قلمیں تھک کر رہ جاتی ہیں۔

فضائل مصطفیٰ سے بعض وہ امور جن کی باری تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب میں تصریح فرمائی ہے اور اس جلیل نصاب میں جن پر متنبہ فرمایا ہے اور جن آداب واخلاق پر آپ کی تعریف وتوصیف کی ہے اور اپنے بندوں کو ان کے التزام واتباع پر ابھارا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ نے اپنے اس فضل وکرم کے باعث ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق سے مقدم وممتاز کیا۔ پاک صاف فرمایا پھر آپ کی مدح وثناء کی اور کامل جزاء عنایت فرمائی کیونکہ باری تعالیٰ شانہ ہی اول وآخر فضل وکمال کا مالک ہے اور دنیا، آخرت میں اسی کی حمد وثنائے حقیقی ہے اور اسی نے اپنی مخلوق میں سے آپ کو جلالت وکمال کے انتہائی مقام پر فائز کیا اور محاسنِ جمیلہ واخلاقِ حمیدہ اور کرامت والے دین اور بے انتہاء فضائل سے آپ کو خصوصیت بخشی۔ ظاہر معجزات، واضح براہین اور روشن کرامات سے آپ کی تائید فرمائی جس کا معاصرین نے مشاہدہ اور اہلِ علم نے ادراک کیا اور بعد والوں تک ان کا یقینی علم پہنچا جس کے باعث ان کی حقیقت پر مطلع ہو کر آپ کے انوار سے ہم بھی فائز ہوئے۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ شبِ اسریٰ میں نبی کریم ﷺ کے پاس لگام اور زین سمیت براق لایا گیا جو سواری کے وقت اچھلنے لگا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ تو سرورِ کائنات ﷺ کے حضور میں ایسی حرکت کرتا ہے حالانکہ ان سے پہلے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب الشفاء کی القسم الاول کے پہلے باب میں اس امر کا تذکرہ

کیا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی مدح وثنا میں فرمایا اور باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک جو سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت ہے اس کا اظہار کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ کلامِ الٰہی میں ایسی آیاتِ کثیرہ ہیں جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ جمیل پر مشتمل اور آپ کے محاسن ومحامد، تعظیمِ امر اور قدر ومنزلت کو بیان کرتی ہیں ہم ان کے ظاہری مفہوم ومطلب پر اعتماد رکھتے ہیں جو سباق وسیاق سے ظاہر ہے۔ ہم نے اس بیان کو دس فصلوں میں جمع کر دیا ہے، ہر فصل کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ پھر جو اس کے مناسب تھی وہ تفسیر اور مزید فوائد کا اضافہ کر دیا ہے۔ میں ان بیانات کو مفید اقتصار کے ساتھ مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے اس آیت کا ذکر ہے جو باری تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:128)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

بعض نے اس اَنْفُسِكُمْ کی ''فا'' کو مفتوح پڑھا ہے جب کہ جمہور کی قرأت ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس آیہ کریمہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو بتایا ہے کہ اس نے اپنے اس عظیم الشان رسول کو ان نفوس ہی میں مبعوث فرمایا ہے جسے وہ اچھی طرح جانتے اور اس کا مرتبہ پہچانتے ہیں۔ اس کی صداقت و امانت سے واقف ہیں اور اسے جھوٹ سے متہم نہیں کر سکتے، علاوہ بریں عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ولادت یا قرابت کا تعلق نہ ہو۔

اَنْفُسِكُمْ کی دوسری قرأت یعنی بفتح الفاء کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں شرف ورفعت وفضیلت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر خوبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ کثیرہ کے ساتھ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کی جن میں سے ایک وصف یہ ہے کہ سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ لوگ رشد وہدایت سے بہرہ مند ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں اور ہر وہ بات آپ پر گراں گزرتی تھی جس میں ان کے لیے دنیا وآخرت میں خسارہ ہو، ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور مسلمانوں پر آپ کی چشمِ عنایت اور نگاہِ مرحمت رہتی تھی۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے

اسمائے حسنٰی میں سے دو اسم یعنی "رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" بھی اپنے محبوب ﷺ کو عنایت فرمائے ہیں مثلاً ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

(آل عمران:164)

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا"۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ:2)

"وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا"۔

ایک اور مقام پر ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (بقرہ:151)

"جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول"۔

امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ نے من انفسکم کی تفسیر میں (1) حسب ونسب اور صہر یعنی سسرال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میرے آباء واجداد میں سے کوئی بھی زنا سے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب نکاح کے ذریعے پیدا ہوئے۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی پانچ سو امہات کے حالات معلوم کیے لیکن کسی میں زنا اور جاہلیت کا کوئی اثر نہیں پایا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشادِ خداوندی و تقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سرورِ کون ومکان ﷺ کا نور ایک نبی سے دوسرے نبی کی جانب منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ نبی مبعوث ہوئے۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر اپنی مخلوق کا اطاعت میں عجز ظاہر ہے، انہیں ان پر مطلع کرنا منظور تھا کہ وہ براہِ راست بارگاہِ خداوندی سے کسبِ کمال نہیں کر سکتے اس لئے باری تعالیٰ شانہ نے خالق ومخلوق کے درمیان ایک ایسی ہستی کو رکھا جو برزخِ کبریٰ کا کام دے۔ اسے انسانی شکل وصورت میں پیدا فرمایا لیکن اپنی حکمتِ کاملہ سے اسے رأفت ورحمت کا لباس پہنا کر مخلوق کی جانب اسے اپنا کامل ومکمل نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی موافقت کو اپنی موافقت ٹھہرایا، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (نساء:80)

1۔ پہلی تفسیر کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ میرا محبوب بلحاظ حسب ونسب اور صہر تم میں سے ہے لیکن دوسری تفسیر کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا محبوب حسب ونسب اور صہر کے اعتبار سے تم میں سب سے فضل وشرف والا ہے ۱۲

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیئے''۔

ابوبکر بن طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا اور آپ کو رحمت کا ایسا پتلا بنایا ہے جس کی جملہ عادات وصفات مخلوقِ خدا کے لئے بارانِ رحمتِ خداوندی ہیں۔ جسے اس سرکار سے تھوڑی سی بھی رحمت کی بھیک مل گئی وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوا یعنی ہر مصیبت سے نجات پا گیا اور دارین میں اپنی مراد کو پہنچے گا۔

جانِ برادر! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ باری تعالیٰ شانہ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ۔حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی حیات وممات دونوں ہی رحمت ہیں۔فرمانِ نبوی ہے کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال فرمانا بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔اسی کے مطابق فرمانِ رسالت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانا چاہتا تو اس کے ختم ہونے سے پہلے نبی کو قبض کر لیتا ہے تاکہ وہ امت کی بخشش کے لئے مقدمہ اور ذخیرہ بن جائے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ جنوں اور انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔کتنے ہی بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ آپ ساری مخلوق کے لئے رحمت ہیں۔مؤمنوں کے لئے اس لحاظ سے رحمت ہیں کہ انہیں ہدایت آپ ہی کے سبب سے ملی، منافقوں کے لئے بایں وجہ رحمت ہیں کہ انہیں قتل سے امان ملی۔کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں کہ آپ کے باعث ان سے عذاب مؤخر ہو گیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی آخر الزمان ﷺ جملہ مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہیں۔قرونِ سابقہ میں اپنے انبیاء کو جھٹلانے والی امتوں پر جس طرح کے عذاب آئے اگر اسے پیشِ نظر رکھا جائے تو آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

حکایت ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے سوال کیا، کیا تمہیں بھی اس رحمت سے کوئی حصہ ملا ہے؟ جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی عاقبت کے بارے میں بڑا خائف تھا لیکن اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کیوں کہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے آخری پیغام میں میرے متعلق یوں فرمایا ہے:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ (التکویر)

B

''جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانتدار ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے''۔(النور:35)

اَلْمَرَادُ بِالنُّوْرِ الثَّانِیْ هٰهُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَوْلُهُ مَثَلُ نُوْرِهٖ اَیْ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِی الْقُرْاٰنِ فِیْ غَيْرِ هٰذِهِ الْمُوَاضِعِ نُوْرًا وَسِرَاجًا مُنِيْرًا۔(ص۶۔۷)

''مذکورہ آیت میں دوسرے نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ارشادِ خداوندی ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ یعنی نورِ محمد ﷺ، اور اس آیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر اپنے محبوب کو نور اور سراجِ منیر جیسے ناموں سے موسوم کیا ہے''۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (مائدہ)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب''۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (احزاب:46)

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر، خوشخبری اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب''۔

ایک مقام پر اسی سلسلے میں یوں فرمایا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ الی اخر السورۃ (الم نشرح:1)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا''۔

یہاں سینے سے مراد قلب ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ کا شرحِ صدر اسلام کے ساتھ ہوا ہے۔ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نورِ رسالت کے ساتھ اور حضرتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ

کے قلبِ اطہر کو علم وحکمت سے بھر دیا گیا۔

مذکورہ تقریر کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کو بڑی قدر ومنزلت حاصل ہے کیونکہ آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان وہدایت کے لئے کھول دیا، نیز علم کو محفوظ رکھنے اور حکمت کا متحمل ہونے کے لئے وسیع کر دیا گیا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے امورِ جاہلیت وغیرہ کا بوجھ آپ سے دور کر دیا اور منصبِ نبوت ورسالت کی ذمہ داری سے آپ کو بخیر وخوبی عہدہ برآ کر دیا کیونکہ آپ نے احکاماتِ الٰہیہ پوری طرح لوگوں تک پہنچا دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ باری تعالیٰ شانہٗ نے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم منصب اور جلیل رتبے کے ساتھ ممتاز فرمایا اور آپ کے ذکر کو اس درجہ بلند کیا کہ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

حضرتِ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو دنیا وآخرت میں اس طرح بلند فرمایا کہ کوئی خطیب، شہادت دینے والا اور نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ کہے کہ: ''میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔''

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ارشادِ خداوندی ہے کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہیں تمہارا ذکر بھی ہوگا۔ یعنی پروردگارِ عالم نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو، اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت کو اور اپنے نام کے ساتھ آپ کے نامِ نامی واسمِ گرامی کو ملایا ہے'' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (محمد:33)

''اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو''۔

وَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النساء:136)

''اور ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر''۔

پس ان دونوں اسمائے گرامی (اللہ ورسول) کو واؤ عاطفہ سے ملایا ہے جو اشتراک کو چاہتی ہے اور

ایسا کلام حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ (احزاب:45)

''اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا''۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے رتبہ عالیہ کے نشانات اور کثیر اوصافِ مدح جمع فرما دیئے ہیں۔ امت تک احکاماتِ الٰہیہ پہنچانے کے باعث آپ کو ''شاہد'' ٹھہرایا اور یہ سرکارِ ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے، فرمانبرداروں کے لئے آپ ''مبشر'' اور نافرمانوں کے لئے ''نذیر'' بنائے گئے۔ توحید کا پرچار کرنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کا لوگوں کو درس دینے کے باعث ''داعی'' ہوئے اور دنیا والوں کو باطل کے اندھیرے سے حق کے اجالے میں لے جانے کے سبب ''سراجاً منیراً'' کہلانے کے حقدار ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتِ عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلع فرمائیں۔ بہت خوب، آپ کی صفات توریتِ مقدس میں مذکور ہوئیں جیسے قرآنِ کریم میں بعض اوصاف کا ذکر ہے مثلاً:۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَحُرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعِوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غَافِلًا (ص۷)

''اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے تمہیں حاضر و ناظر، جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ کے عذاب سے ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم ان پڑھوں کی حفاظت کرنے والے میرے بندے اور رسول ہو۔ ہم نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے جو بدخلق، سخت اور بازاری آدمی نہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ بگڑی ہوئی قوم میں تمہارے ذریعے سیدھی نہ ہو جائیں اور یہ اقرار نہ کرلیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور

اس کے ذریعے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھول دیا جائے گا''۔
عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ ابن اسحاق رضی اللہ عنہ مزید یوں فرماتے ہیں:

وَلَا صَخَبٌ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَیِّنٌ بِالْفَحْشِ وَلَا قَوَّالٌ لِلْغِنَاءِ اُسَدِّدُہٗ بِکُلِّ جَمِیْلٍ وَاَھِبُ لَہٗ کُلَّ خُلُقٍ کَرِیْمٍ وَاجْعَلُ السَّکِیْنَۃَ لِبَاسَہٗ وَالْبِرَّ شِعَارَہٗ وَالتَّقْوٰی سَمِیْرَہٗ وَالْحِکْمَۃَ مَقُوْلَہٗ اَلصِّدْقَ وَالْوِفَاءَ طَبِیْعَتَہٗ وَالْعَفْوَ وَالْمَعْرُوْفَ خُلُقَہٗ وَالْحَقَّ شَرِیْعَتَہٗ وَالْھُدٰی اِمَامَہٗ وَالْاِسْلَامَ مِلَّتَہٗ وَاَحْمَدَ اِسْمَہ اُھْدِیْ بِہٖ بَعْدَ الضَّلَالَۃِ وَاُعَلِّمُ بِہٖ بَعْدَ جِھَالَۃٍ وَاَرْفَعُ بِہٖ بَعْدَ الْجُمَالَۃِ وَاُسْمِیْ بِہٖ بِعْدَ النَّکْرَۃِ وَاُکْثِرُ بِہٖ بَعْدَ الْقِلَّۃِ وَاُغْنِیْ بِہٖ بَعْدَ الْعَیْلَۃِ وَاُجْمِعُ بِہٖ بَعْدَ الْفُرْقَۃِ وَاُؤَلِّفُ بِہٖ بَیْنَ الْقُلُوْبِ مُخْتَلِفَۃٍ وَاَھْوَاءٍ مُتَشَتِّۃٍ وَاُمَمٍ مُتفَرِّقَۃٍ وَاَجْعَلُ اُمَّتَہٗ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

''نبی آخر الزمان ایسا نہیں ہوگا کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرے اور فواحش کو طبعًا ناپسند فرمائے گا، یا وہ گوئی سے متنفر ہوگا۔ میں انہیں ہر خوبی سے آراستہ کروں گا اور انہیں اخلاقِ جمیلہ سے مزین کردوں گا۔ ان کا لباس سکینہ، ان کا طرزِ عمل بھلائی، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، صدق و وفا ان کی طبیعت، معاف کرنا اور حسنِ سلوک ان کی عادت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نامِ نامی واسمِ گرامی ہوگا۔ میں ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم پستی کے بعد رفعت و ترقی، نکارت کے بعد شہرت، قلت کے بعد کثرت، کنگالی کے بعد غناء، جدائی کے بعد ملاپ پیدا کروں گا۔ ان کے ذریعہ مخالف دلوں، متفرق خواہشوں اور بکھری ہوئی قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر پیدا کروں گا جو بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے ظاہر ہوگی''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان اوصافِ عالیہ کی خبر دی جو توریت میں مذکور تھے۔ اس میں ارشادِ خداوندی ہے کہ میرے اس بندے کا اسمِ گرامی احمدِ مختار ہے۔ ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے یا فرمایا طیبہ، ان کی امت ہر حال میں

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد وثناء کرنے والی ہوگی جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آیہ کریمہ

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ (النساء:157) الآیۃ

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی''۔

میں خبر دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَ لَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ (آل عمران:159)

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے''۔

علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان جتلایا کہ اس نے ایمان والوں کے لئے اپنے آخری رسول کو سراپا رحیم بنایا جو ان کے ساتھ رحمدلی سے برتاؤ کرتے ہیں اور فرمایا کہ وہ اگر بد خلق اور سخت زبان ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے، کہ پروردگارِ عالم نے انہیں تو چشم پوشی کرنے والا، نرم، خندہ پیشانی والا نیک اور لطف وکرم فرمانے والا بنایا ہے۔جن آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے محبوب کی شانِ محبوبی دکھائی، لطف وکرم اور محبت بھرے لہجے میں ان سے خطاب فرمایا۔ایسی بعض آیات پیش کی جاتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ (توبہ:43)

''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دیا''۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اکابر کا ارشاد ہے، جس طرح بزرگ اپنے عقیدت مندوں سے کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیری اصلاح کرے، خدا تجھے عزت دے، باری تعالیٰ شانہٗ نے بھی اسی انداز میں اپنے محبوب ﷺ سے خطاب فرمایا ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے دیگر اقوال بھی نقل فرمائے ہیں۔دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:۔

قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّہٗ لَیَحۡزُنُکَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّہُمۡ لَا یُکَذِّبُوۡنَکَ

''ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے''۔(انعام:33)

فخرِ دو عالم ﷺ کے بعض خصائص اور باری تعالیٰ شانہٗ کی آپ پر خاص کرم نوازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا مثلاً فرمایا اے آدم! اے نوح! اے

ابراہیم! اے داؤد! اے زکریا! اے یحییٰ! اے عیسیٰ! لیکن اپنے حبیب ﷺ کو یا ایھاالرسول، یاایھا النبی، یا ایھاالمزمل، یا ایھا المدثر جیسے پیارے پیارے القاب ہی سے مخاطب فرمایا، باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کی عظیم قدر ومنزلت کا اظہار فرمانے کی خاطر ان کی قسم یاد فرمائی چنانچہ قرانِ کریم میں ہے:۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (الحجر:72)

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں''۔

جملہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں باری تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کی مدتِ حیات کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں آپ کی بے نہایت تعظیم اور غایت درجہ شرف ومحبت کا اظہار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے مکرم ومعزز اللہ تعالیٰ نے کوئی پیدا نہیں فرمایا۔ حضرت ابو الجوزاء فرماتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ چونکہ ساری کائنات میں سب سے بلند ہیں اسی لئے مالک حقیقی نے آپ کے سوا کسی دوسرے کی عمر کی قسم یاد نہیں فرمائی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ (یٰسین)

''حکمت والے قرآن کی قسم''۔

علامہ نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب میں کسی رسول کی رسالت پر قسم یاد نہیں فرمائی، ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ (الضحیٰ)

''چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کو جو کرامت ورفعت وعظمت عطا فرمائی ہے اس سورۂ مبارکہ میں اس کا چھ (1) وجہ سے اظہار فرمایا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلی وجہ

اللہ تعالیٰ نے حالتِ محبوب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ یعنی دوپہر

1۔ اسی لئے مجددِ مأتہ حاضرہ مولانا الامام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے منکرینِ شانِ رسالت کی گوشمالی کے بارے میں یوں تلقین فرمائی ہے:

والضحیٰ، حجرات، الم نشرح سے پھر مومنو اتمامِ حجت کیجئے

جیسے روشن چہرے والے اور رات جیسی زلفوں والے محبوب کے رب کی قسم! اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت وکرامت غایت درجہ کی ہے۔

دوسری وجہ

دربارِ خداوندی میں جو آپ کا عالی منصب اور اعلیٰ درجہ ہے اسے بیان فرمادیا گیا کہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ یعنی تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ بعض علمائے کرام نے اس کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ آپ کو ساری مخلوق میں سے چن لینے کے بعد بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔

تیسری وجہ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ ابنِ اسحاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں آپ کا مقام دنیاوی منصب سے اظہارِ کرامت و بزرگی کے سبب زیادہ معظم ہوگا۔ حضرتِ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شفاعت اور مقامِ محمود جو آپ کے لئے مخصوص فرمادیئے گئے ہیں، ان کے سبب دنیوی زندگی سے آپ کی اخروی زندگی زیادہ بہتر ہوگی۔

چوتھی وجہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ یہ آیتِ کریمہ وجوہِ کرامت، انواعِ سعادت اور دونوں جہانوں میں مختلف قسم کے انعاماتِ کثیرہ کی جامع ہے۔

ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ شانہ سرورِ کون ومکان ﷺ کو دنیا میں کامیابی اور آخرت میں ثواب سے خوش کردے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو حوضِ کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

فخرِ دوعالم ﷺ کے بعض شہزادوں سے روایت ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے بڑھ کر دوسری کوئی آیت ڈھارس بندھانے والی نہیں ہے کیونکہ رحمتِ کونین ﷺ کا ایک امتی بھی اگر دوزخ میں داخل کیا گیا تو آپ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

پانچویں وجہ

اس سورت میں باری تعالیٰ شانہ نے اپنے ان انعامات اور لطف وکرم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیئے، یہاں تک ان کا بیان ہے، اس سے آگے آپ کو اس عظیم الشان منصب تک پہنچانے اور آپ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دینے کا بیان ہے۔ نیز آپ کے پاس بظاہر مال نہ تھا (جیسا کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دے کر یا آپ کے دل

کو اپنے ماسویٰ سے مستغنی کر کے غنی بنا دیا۔ آپ کے والدین انتقال فرما گئے تو چچا (ابو طالب) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر مہربان کر دیا اور ان کے پاس جگہ دی۔

مقامِ غور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم ﷺ کو ان کے بچپن میں، ان کی بظاہر کس مپرسی اور یتیمی کے زمانے میں بے یار و مددگار نہ چھوڑا تو ساری مخلوق میں سے انہیں چن لینے اور اپنا حبیب ٹھہرا لینے کے بعد کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے؟

چھٹی وجہ

پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ جن انعامات سے تمہیں نوازا گیا ہے ان کا اظہار کرو اور جس عالی منصب پر تمہیں فائز کیا ہے لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کر کے شکر گزاری کرو۔ اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ فرمایا ہے کیونکہ تحدیثِ نعمت بھی شکر گزاری ہے اور یہ امر حضور ﷺ کے لیے خاص اور آپ کی امت کے لیے عام ہے۔

مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت کے اظہار میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ ...... لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم)

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے .... بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

یہ آیات فخرِ دو عالم ﷺ کے اتنے فضائل و کمالات بیان کر رہی ہیں جن کا تفصیلی شمار زبان و بیان کی طاقت سے باہر (1) ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کے ہادی ہونے کی قسم یاد فرمائی نیز نفسانی خواہشات سے پاک اور صدق و امانت سے مالا مال ہونے کا ذکر فرمایا جس کا خصوصی تعلق وحی الٰہی سے ہے جو جبریل علیہ السلام بارگاہِ خداوندی سے لاتے اور بتایا کہ وحی لانے والا جبریل امین بھی زبردست طاقت والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کی اس فضیلت کا ذکر فرمایا جو آپ کو معراج و اسریٰ کے ذریعے عطا فرمائی اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا ذکر فرمایا اور دست قدرت کے جن کمالات و نشانات کا نگاہِ مصطفیٰ نے معائنہ کیا۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

اس واقعہ (معراج) کے ابتدائی حالات سورۂ اسرا کے شروع میں مذکور ہیں لیکن جو کچھ جبروت سے آپ پر منکشف ہوا اور عالم ملکوت کے جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا، زبان و قلم ان کے

1۔ اسی لیے تو حضرت اختر الحامدی نے لکھا ہے

جب سورۂ والنجم کی ہوتی ہے تلاوت   آجاتی ہے محبوب مدینہ کی ادا یاد

احاطے سے قاصر ہے اور عقلیں ان کے ادنیٰ حال کو سننے اور سمجھنے سے عاجز ہیں اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا ذکر اشارے اور کنائے کے طور پر فرمایا، علاوہ بریں اس لیے کہ یہ تعظیم پر دلالت کرے بایں وجہ ارشادِ خداوندی ہوا:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ (النجم)

''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی''۔

اس قسم کے کلام کو اہلِ زبان اور بلغاء، وحی اور اشارے سے موسوم کرتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسا کلام ایجاز کے ابواب میں سب سے بلیغ شمار ہوتا ہے۔

ارشادِ خداوندی:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ (النجم)

''بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اس وحیِ الٰہی کی تفصیل کو سمجھنے سے فہم عاجز اور آیات کبریٰ کی تعیین سے عقلیں حیران ہیں۔

ان آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے بتایا ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کی ذاتِ مقدس کا علیٰ وجہ الکمال تزکیہ فرمایا اور اس سیر کی جملہ آفات سے آپ کو محفوظ و مامون رکھا، چنانچہ آپ کے دل، زبان اور دیگر اعضاء کے تزکیئے کا بھی ذکر بھی فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ (النجم)

''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا''۔

اور زبانِ مصطفیٰ کے بارے میں فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳﴾ (النجم)

''وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے''۔

نگاہِ مصطفیٰ کا یوں تذکرہ فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم)

''آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی''۔

نیز فرمایا:

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ ...... وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾ (النجم)

''تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں.......... قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں''۔

لَا اُقْسِمُ سے مراد ہے کہ میں قسم یاد فرماتا ہوں کہ یہ ممتاز پیغام رساں ہی کا کلام ہے جو باری تعالیٰ کے نزدیک منصب رفیع پر فائز ہے۔ وہ وحیِ الٰہی کو پہنچانے کی ذمہ داری کا بار اٹھانے کی پوری پوری طاقت رکھتا ہے اور اپنے رب کے حکم سے ایک اعلیٰ مقام پر رہتا ہے، سماوی مخلوق اس کی اطاعت گزار اور وحی کے معاملہ میں وہ انتہائی ذمہ دار اور امین ہے۔

علی بن عیسیٰ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ سے محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی مراد ہے کیونکہ جتنے اوصاف کا یہاں بیان ہے وہ آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں، اس صورت میں یہ تمام اوصاف روح الامین کی طرف مراجعت کریں گے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور دوسرا قول یہ کہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِيْنٍ سے مراد یہ ہے کہ علومِ غیبیہ کے بارے میں آپ متہم نہیں ہیں۔ اگر اسے ضاد کی قرأت سے بِضَنِيْنٍ پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ احکامِ الٰہیہ کی تعلیم و تذکیر اور اپنے خداداد علومِ غیبیہ کے سلسلے میں بخل سے قطعاً کام نہیں لیتے اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں فخرِ دو عالم ﷺ کی صفت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ (قلم)

"قلم اور ان کے لکھے کی قسم"۔

ان آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی پاک دامنی پر عظیم قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ کفار آپ کی طرف ایسے عیوب کی نسبت کر کے تکذیب و تحقیر کیا کرتے تھے۔ رضائے محبوب کی خاطر یہاں حسنِ خطاب اور کمال محبت کا اظہار کرتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہوا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ (القلم)

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو"۔

یہ کلام بلحاظ مخاطبہ محبت سے انتہائی لبریز اور محاورے کی رو سے ادب و احترام کا آخری درجہ ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے ان دائمی نعمتوں اور غیر منقطع ثواب کا ذکر فرمایا جن سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ممتاز فرمایا ہے جو شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے باوجود منعمِ حقیقی نے ان کے باعث اپنے محبوب پر احسان نہیں جتلایا بلکہ مزید مژدہ سنایا:

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ (القلم)

''اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔''۔

پھر ان انعامات کے ذریعے آپ کی تعریف و توصیف فرمائی جو آپ کو عطا کئے ہیں، اور عظمتِ محبوب کا مکمل اظہار فرمانے کی وجہ سے اسے دو حرفوں سے مؤکد کر کے فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

''بے شک تمہاری خو بو (اخلاق) بڑی شان کی ہے''۔

اس کی تفسیر میں بعض فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم آپ کا اخلاق ہے جبکہ بعض نے اس کی تفسیر فطرتِ سلیمہ سے کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی منزلِ مقصود و مقصدِ حیات صرف معرفتِ الٰہی ہے واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے جس طرح انعاماتِ الٰہیہ کی قدر کی، اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی تعریف فرمائی اور اس کی شکر گزاری کے سبب آپ کو دوسروں پر فضیلت دی اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خلقِ عظیم کو آپ کی سرشت بنا دیا گیا۔

پاکی ہے اس محسنِ حقیقی کے لئے جو خود ہی لطف و کرم فرماتا ہے، احسان اور بخشش سے نوازتا، نیکی کو اپنے بندے کیلئے آسان کر کے اس کی جانب راغب کرتا ہے پھر نیکی کو اختیار کر لینے پر اپنے بندے کو بہتر جزاء عطا فرماتا ہے اور تعریف کرتا ہے۔ پاک اور قابلِ حمد و ستائش ہے وہ ذات جس نے ان نعمتوں کو اتنا عام اور فضل و کرم کو اس درجہ وسیع کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایفائے عہد کی آپ کو تسلی دی جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے جو انجام کار آپ کی کامیابی اور کفار کے عذاب پر مبنی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝ (القلم)

''عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے''۔

یہ تین آیات ہیں جن کے متصل ہی آپ کی تعریف و توصیف کے بعد دشمنِ مصطفیٰ کی مذمت اور اس کی بدخلقی مذکور ہوئی۔ بارگاہِ رسالت کے گستاخ کے عیوب بیان کر کے باری تعالیٰ شانہ نے اپنے محبوب کی مدد فرمائی اور آپ کے فضل و کمال کا اظہار فرمایا۔ اس مقام پر دس سے زیادہ بری عادتوں کے ساتھ اس گستاخ کی مذمت کی ہے۔ اس بیان کی ابتداء فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ سے ہوتی ہے اور انتہاء اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر، پھر اس سلسلے کو اس کی بدبختی اور برے خاتمے کی سچی وعید پر ختم کیا چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے:۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ (القلم)

''قریب ہے ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے''۔

باری تعالیٰ شانہ کا اپنے حبیب کی مدد کرنا، آپ کی خود مدد کرنے سے اہم واتم ہے اور اللہ رب العزت کا گستاخِ رسول کی تردید فرمانا خود آپ کے رد کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس سے آپ کے فضل و کمال کے دیوان میں ایک نرالے باب کا اضافہ ہوتا ہے، جن آیات سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب ﷺ پر کمال شفقت و مہربانی ثابت ہوتی ہے ان سے ایک آیت یہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ (طٰہٰ)

''اے محبوب! ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو''۔

اس آیتِ کریمہ کا نزول اس وقت ہوا جب فخرِ دوعالم ﷺ ساری ساری رات قیام فرماتے اور شب بیداری کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے لکھا ہے کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ ایک پاؤں پر قیام فرماتے اور دوسرا اٹھالیا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی کہ اے محبوب! زمین پر پوری طرح قرار پکڑو میں نے قرآنِ کریم کو اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ تم مشقت میں پڑجاؤ۔

اس ارشادِ باری تعالیٰ سے اظہر من الشمس ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا اعزاز و کرام کیسا ہے اور آپ کے حال پر ذاتِ باری تعالیٰ کا کس درجہ لطف و کرم ہے۔ اگر بقولِ بعض لفظِ طٰہٰ کو اسمائے مصطفیٰ سے شمار کیا جائے تو اس سے آپ کے حق میں ایک قسم کی فضیلت اور ثابت ہوتی ہے، اسی طرح کی شفقت و مہربانی فرمانے کے باب سے یہ آیت ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ...... الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ (کہف)

''تو کہیں تم اپنی جان پر...................پر ایمان نہ لائیں''۔

بَاخِعٌ سے مراد قتل کرنا اور ہلاک کر ڈالنا ہے۔ مذکورۃ الصدر قسم کی آیات سے ایک آیتِ کریمہ یہ بھی ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ...... صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (الحجر) الی آخر السورۃ

''تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے......دل تنگ ہوتے ہیں''۔ (آخر سورت تک)

یہ اس قسم کی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کمال شفقت کا

اظہار فرمایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک آیتِ کریمہ یہ ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ.........(انعام:10)

"اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ضرور ٹھٹھا کیا گیا..........."۔

امام مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے اور مشرکین کی جانب سے پہنچی ہوئی تکالیف کا بوجھ ہلکا کیا ہے آپ کو خبر دی ہے کہ جو تمہیں تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آئے گا اسکے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو اگلی امتوں کے ساتھ کیا تھا اس قسم کی تسلی دوسری آیت میں یوں دی:۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (فاطر:4)

"اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بے شک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے"۔

اسی کی مانند یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ.........سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ (الذاریات)

"یونہی جب ان سے.........................جادوگر ہے یا دیوانہ"۔

امم سابقہ کا اپنے انبیاء کے ساتھ بدکلامی کرنا اور انہیں تکالیف دینا، یاد دلا کر باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کو تسلی دی کہ کفارِ مکہ کی طرح سابقہ انبیاء کی قوموں نے بھی انہیں ایسی ہی تکالیف پہنچائی تھیں لہٰذا تمہارا ایسے مصائب وآلام سے دوچار ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنے حبیب کو خوش کرنے اور عذر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ۝ (الذاریات)

"اے محبوب! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں"۔

یعنی ان سے اعراض فرما لیجئے اور احکامات کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ پر کسی کوتاہی کا الزام عائد نہیں ہوتا اسی کی مثل ایک آیتِ کریمہ اور ملاحظہ ہو:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا.........(الطور:48)

"اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو"۔

یعنی کفار کی ایذا رسانی پر اپنے رب کے حکم سے صبر کرو کیونکہ تم اس عالی منصب پر فائز ہو کہ تمہاری دیکھ بھال اور مکمل حفاظت باری تعالیٰ شانہٗ کے ذمے ہے۔ ایسے مفہوم ومطالب پر مشتمل کتنی ہی آیات

ہیں اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری رسول کو ایذا رسانی کے حوصلہ شکن موقع پر تسلی دی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انبیائے ماسبق علیہم السلام سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی بلندی اور بلحاظ قدر و منزلت بزرگی کا متعدد مقامات پر اظہار فرمایا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ............ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ (آل عمران)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا............ساتھ گواہوں میں ہوں''۔

ابوالحسن قالسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو جس فضیلت عظمیٰ سے ممتاز فرمایا ہے دیگر انبیائے کرام کو اس سے نہیں نوازا(1) جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخرالزماں ﷺ کا ذکر کرے اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے عہد لے کہ اگر وہ محمد عربی ﷺ کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض کہتے کہ انبیائے کرام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخرالزمان ﷺ کے اوصاف بیان کر کے ان سے اس بات کا عہد لیتے رہا کریں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔

ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ کے مخاطب زمانہ سرور کائنات ﷺ کے اہلِ کتاب ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پائیں تو انہیں نبی آخرالزماں ﷺ پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنی ہوگی نیز اپنی اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا۔ امام سدی اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فخرِ موجودات ﷺ کی دوسرے انبیائے کرام پر کئی وجہ سے فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (احزاب:7)

''اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے''۔

1۔ اسی لیے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

خلق سے انبیاء ، انبیاء سے رسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ (النساء:163)

''ہم نے وحی کی نوح کی طرف''۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے دورانِ گفتگو گریہ فرمایا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں گریہ وزاری کیسی جبکہ باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں آپ کو ایسا مقام رفیع حاصل ہے کہ اس نے آپ کو جملہ انبیاء سے بعد میں مبعوث فرمایا لیکن آپ کا ذکرِ خیر سب سے پہلے نشر فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (الآیۃ) میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی یہ خواہش کریں گے کہ انہوں نے فخرِ دوعالم ﷺ کی پیروی کی ہوتی(1) اور یوں پکاریں گے: يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا کہ ''میں پیدائش میں جملہ انبیاء سے مقدم اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں''۔ اسی لیے مذکورہ بالا آیت میں آپ کا ذکر نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے پہلے فرمایا گیا ہے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ہمارے آقا کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی لیے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا گیا یعنی یہاں تقدیم بلحاظ تفضیل ہے بلحاظ زمانہ نہیں۔ یہ عہد باری تعالیٰ شانہٗ نے جملہ انبیائے کرام کو آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں نکال کر لیا تھا۔ فضیلتِ مصطفیٰ کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا''۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ میں لفظ بَعْضَ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ گروہِ انبیاء میں آپ ہی ایک ایسے فرد ہیں جو ساری بنی نوع

1۔ اسی لیے تو امام احمد رضا خاں بریلوی نے منکرینِ شانِ رسالت کو فہمائش کی ہے کہ:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے — پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

انسان کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ غنیمت صرف آپ کے لیے حلال قرار دی گئی، آپ کے ہاتھوں بے شمار معجزات کا ظہور ہوا نیز کوئی فضیلت اور کرامت ایسی نہیں کہ جو کسی نبی کو حاصل ہو مگر وہ آپ کو ضرور مرحمت فرمائی گئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں آپ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے اسمائے گرامی لیے گئے لیکن اپنے محبوب کو نبوت و رسالت کے ذریعے مخاطب فرمایا، جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنی سچی کتاب میں جا بجا یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ(1) اور یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ وغیرہ الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ مزید ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

یعنی جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے تو اس شہر کو یہ شرف سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ یہ برکت صرف آپ کے وجود کی ہے۔ جب وہ پناہِ بے کساں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما گئے اور مکہ معظمہ میں تھوڑے سے مسلمان رہ گئے تو اپنے محبوب کے دامنِ رحمت سے وابستہ رہنے والوں کی تسکین کی خاطر ارحم الراحمین نے یہ مژدہ سنایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بھی عذاب سے محفوظ و مامون رکھے گا جب تک وہ گناہوں سے تائب ہوتے رہیں گے۔ آپ کے عظیم الشان منصب کی یہ آیت کریمہ بھی واضح نشان دہی کر رہی ہے اسی کے مثل یہ مژدہ جانفزا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سب جہانوں کے لیے''۔

فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ بدعات سے اور بعض فرماتے ہیں کہ اختلافات اور فتنوں سے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حبیبِ پروردگار ﷺ یہ کائناتِ ارضی و سماوی کی امانِ اعظم ہیں۔ وصال کے بعد آپ کے نقوشِ قدم اصلاحِ عالم کے ضامن ہیں۔ آپ کے اسوۂ حسنہ اور سنتِ قائمہ سے روگردانی ہی مصائب اور فتنوں کو دعوت دینا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب)

۔ کسی نے تو کہا ہے

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب — یا ایھا النبی خطابِ محمد است

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے ساتھ اپنے آخری نبی کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں کو آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے۔ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ حکایتاً بیان کرتے ہیں کہ بعض علمائے کرام نے اس فرمانِ رسالت یعنی قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃُ کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہ کہ قیامت تک میری امت کو مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔فرشتوں کی اور ہماری صلوٰۃ ایک قسم کی دعا ہے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی صلوٰۃ اپنے محبوب پر خاص بارانِ رحمت کے نزول کا نام ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ

''اور اگر ان پر زور باندھو تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے''۔(تحریم:4)

یہاں مولیٰ کو ولی کے معنی میں سمجھنا چاہیے،یعنی اللہ آپ کا مددگار ہے۔صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔بعض کے نزدیک انبیائے کرام مراد ہیں،بعض کے نزدیک ملائکہ اور بعض کے نزدیک حضرات ابو بکر وعمر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ ...... یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ (الفتح)

''بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی......ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔

ان آیات نے فخرِ دو عالم ﷺ کی ایسی صفت وثنا بیان کی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کا وہ مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے نیز ایسی نرالی نوازشات کی خبر دی جن کی حقیقت کو بیان کرنے سے زبان وقلم عاجز ہیں۔سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان خصوصی نوازشات کا ذکر فرمایا جو سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بعثت کے ساتھ مخصوص فرما دیے تھے نیز آپ کو دشمنوں پر غلبہ دینے،آپ کے جھنڈے بلند کرنے،آپ کی شریعتِ مطہرہ کو دیگر شرائع پر غالب رکھنے کا تذکرہ کیا نیز یہ کہ نبی آخر الزماں ﷺ ایسے مغفور ہیں،جن سے کسی گزشتہ اور آئندہ بات پر مواخذہ نہیں ہوگا۔بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کے ہر قول وفعل پر مغفرت کی مہر لگانا چاہتا ہے جو وقوع پذیر ہوا یا جس کے واقع ہونے کی نوبت آئی ہے نہ کبھی آئے گی۔امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمانے کی خاطر مغفرت کو سبب قرار دے لیا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس نے اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے کو اپنا معبود نہیں ٹھہرایا وہ باری تعالیٰ شانہٗ کے اس دریائے فضل وکرم سے خوب سیراب ہوتا رہے گا۔

اس کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا:

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (الفتح:2)

''اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے''۔

کہا جاتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے یہ انعام فرمایا کہ جن مشرکینِ مکہ کی گردنیں اکڑتی ہی جارہی تھیں، ایسے تمام متکبروں کو باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کے قدموں میں جھکا دیا۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مکہ مکرمہ اور طائف کی فتح مراد ہے جبکہ بعض یوں کہتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کرنا اور نصرت ومغفرت سے نوازنا ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٨﴾ (فتح:8)

''بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محاسن وخصائص بیان فرمائے ہیں وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی آپ کی غایت درجہ تعظیم وتوقیر کرو۔ بعض مفسرین اسے وُتُعَزِّزُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی آپ کی سب سے زیادہ عزت کرو اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ منصب ومرتبہ صرف نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو حاصل ہے اور یہ جو باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ وَتُسَبِّحُوْهُ تو اس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجح ہے۔

حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان بہت سی نعمتوں کا بیان ہے جن سے پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کو نوازا۔ فتح مبین کا مژدہ سنایا جو اجابتِ دعا کی نشانی ہے۔ اتمامِ نعمت کی خوشخبری سنائی جس سے خاص الخاص منصبِ کی نشان دہی ہورہی ہے۔ ہدایت کا علمبردار بنایا جو دوستی کی نشانی ہے۔ مغفرت میں گناہوں سے پاکیزگی ہے، اتمامِ نعمت میں درجہ کاملہ تک پہنچانا اور ہدایت کے ذریعے مشاہدے کی جانب بلایا جانا ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتمامِ نعمت سے یہ مراد ہے کہ:

اِنَّ جَعَلَهٗ حَبِيْبَهٗ وَاَقْسَمَ بِحَيَاتِهٖ وَنَسَخَ بِهٖ شَرَائِعَ غَيْرِهٖ وَعُرِجَ بِهٖ اِلَى الْمُحَلِّ الْاَعْلٰى وَحَفِظَهٗ فِى الْمِعْرَاجِ حَتّٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى وَبَعَثَهٗ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ وَاَحَلَّ لَهٗ وَالْاُمَّتِهٖ الْغَنَائِمَ وَجَعَلَهٗ شَفِيْعًا

مُشَفَّعًا وَسَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ وَقَرَنَ ذِكْرَهٗ بِذِكْرِهٖ وَرِضَاهُ بِرِضَاهِ اَحَدُ رُكْنَيِ التَّوْحِيْدِ۔ (ص ۱۴)

''اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی اور آپ کی شریعت مطہرہ سے دیگر شرائع کو منسوخ کر دیا اور آپ کو بلند ترین مقام تک پہنچایا اور معراج میں آپ کی کمال حفاظت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے کسی طرف آنکھ بھی نہ پھیری اور نہ آپ کی نظر حد سے بڑھی۔ آپ کو ہر سرخ وسفید یعنی جملہ بنی آدم کا نبی بنایا آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا۔ آپ کو گنہگاروں کی شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا ماذون ومختار بنایا اور آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا آپ کو سردار بنایا اور آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے اور آپ کی رضا کو اپنی رضا سے ملایا اور آپ کو عقیدۂ توحید کا ایک رکن قرار دیا''۔

اسی سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط (فتح: 10)

''یعنی ان کا آپ سے بیعت کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے''۔

آگے فرمایا ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح)

ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونے سے بعض کے نزدیک قوتِ خداوندی، بعض کے نزدیک ثواب، بعض کے نزدیک احسان اور بعض کے نزدیک عہد مراد ہے۔ یہ استعارہ اور تجنیسِ کلام کے طور پر ہے۔ اس سے عقدِ بیعت کو مؤکد کرنا اور بیعت لینے والے کے منصب کی رفعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی قبیل سے باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ .... وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (انفال: 17)

''تم نے انہیں قتل نہ کیا .... بلکہ اللہ نے پھینکی''۔

اگر چہ بادی النظر میں یہ مجازی کلام معلوم ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے کہ فی الحقیقت قاتل ورامی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے کیونکہ افعالِ عباد کا خالق بھی تو وہی(1) ہے۔ کنکریاں

1۔ اس عقیدے میں مصنف تقویۃ الایمان اور ان کے متبعین نے سخت دھوکا کھایا ہے جو امکانِ کذب کے قائل ہو کر افعالِ عباد اور قدرتِ خداوندی کا باہم موازنہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ (اختر شاہجہان پوری)

اور مٹی پھینکنا بھی تو اسی کی قدرت ومشیت کے باعث ہوا ورنہ کسی انسان میں یہ ذاتی قدرت وطاقت کہاں کہ کنکریوں اور مٹی کو اتنی دور پہنچا دے یہاں تک کہ کوئی مقابلے پر آنے والا کافر ایسا نہ بچے جس کی آنکھیں غبار آلود نہ ہو گئی ہوں۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتابِ عزیز میں اپنے حبیب ﷺ کے فضائل وکمالات اور منصب و خصائص کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے جس سے بارگاہِ خداوندی میں آپ کے قرب ومنزلت کا پتہ لگتا ہے۔ جن کمالات کے ذریعے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس فخرِ آدم وبنی آدم علیہ السلام کو خاص فرمایا ہے ان میں ایک واقعہ معراج واسرا بھی ہے۔ جس کا سورہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی اور سورہ وَالنَّجْم میں بیان فرمایا ہے۔ وہاں آپ کے مرتبے کی بلندی، قربِ الٰہی اور عجیب وغریب مشاہدات کا ذکر ہے۔

فخرِ دوعالم ﷺ کی خصوصیات سے ایک امر یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرما لیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (مائدہ:67)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (انفال:30)

''اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے''۔

اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ.......... (توبہ:40)

''اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی''۔

اس مٹی پھینکنے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے آپ سے اس اذیت کو کیسے دور فرمایا جبکہ مشرکینِ مکہ نے خفیہ مشورہ کر کے اپنے دارالندوہ کے پروگرام کے مطابق ایک رات محبوبِ پروردگار کے دولت خانے کا محاصرہ کر لیا تھا تاکہ اپنی ناپاک پھونکوں سے مشعلِ نورِ الٰہی کو بجھا دیں۔ وہ بیانِ جہاں جب درِ دولت سے تشریف لے جاتے ہیں اور جب غارِ ثور میں آرام فرما ہوتے ہیں تو حفاظت کا یہ محیر العقول منظر سامنے آتا ہے کہ دشمن آپ کو دیکھنے سے غافل بلکہ اندھے ہو کر رہ گئے(1) اور مدینہ منورہ کی جانب تشریف لے جاتے وقت آپ سے جن

1۔ دشمنانِ مصطفیٰ کی اس کیفیت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے یوں بیان فرمایا ہے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں　　در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں

معجزات کا ظہور ہوا نیز اس سراپا ناز پر سکینہ کا نازل ہونا، ساتھ ہی سراقہ بن مالک کا واقعہ پیش آنا ایسے واقعات ہیں جنھیں محدثین اور مؤرخ حضرات غار اور ہجرت کے واقعات میں بیان کرتے آئے ہیں۔ اپنے حبیب ﷺ کے منصبِ عالی کی تشہیر میں یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہوا:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝۱ .... هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ (الکوثر)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں............ وہی ہر خیر سے محروم ہے''۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمایا ہے کہ انہیں کیا کچھ عطا فرمایا گیا ہے۔ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور اس لفظ کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔ اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے دشمنِ مصطفیٰ کی نازیبا گفتگو کا جواب دیا اور اپنے حبیب کو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ محبوب! تمہارا دشمن ہی نسل بریدہ ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت رکھنے والے کی نسل منقطع ہو جاتی ہے، وہ ذلت وخواری اور کسمپرسی کی اسی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہتا ہے جس میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہوتی۔ اسی سلسلے میں خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے اپنے آخری پیغام میں مخلوق کو مقامِ مصطفیٰ سے یوں مطلع فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝۸۷ (الحجر:87)

''اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن''۔

کہا گیا کہ سبع مثانی سے قرآن کریم کی وہ اولین سورتیں مراد ہیں جو طوالِ مفصل کہلاتی ہیں اور یہ بھی قول ہے کہ سبع مثانی سے ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ اور اَلْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ سے باقی قرانِ کریم مراد ہے اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:28)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا''۔

اپنے حبیب ﷺ کے منصب کی تشہیر میں منعمِ حقیقی کا فرمان ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف:158)

''تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں..........''

یہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خصوصیات سے ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراہیم:4)

یعنی دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا لیکن نبی آخر الزمان، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمایا گیا جیسا کہ آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے ہر سرخ و سیاہ یعنی ہر گورے اور کالے کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے فضیلت مصطفیٰ کی نشر و اشاعت میں یہ فرمان الٰہی بھی ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان مسلمانوں میں اسی طرح نافذ العمل ہے جیسے ایک آقا کا حکم غلام پر جاری ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی پیروی کرنا نفس کی مرضی پوری کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حرمت میں ماؤں کی طرح قرار دیا گیا اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمانوں پر ان سے نکاح حرام قرار دیا گیا کیونکہ دوسرے کا ان سے نکاح کرنا ناموس مصطفیٰ کے منافی ہے نیز وہ آخرت میں حبیب پروردگار (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کی بیویاں ہوں گی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا (۱۱۳)

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فضل عظیم سے منصب نبوت مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جو اول روز آپ کو مرحمت فرمایا گیا وہ مراد ہے۔ علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس میں اپنی رؤیت کی جانب اشارہ ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام برداشت نہیں کر سکے تھے۔

فطری محاسن واخلاقی کمالات

قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضائل و کمالات نبوی کے جواہرات لٹاتے ہوئے اپنی تصنیفِ لطیف کتاب الشفاء کے دوسرے باب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقی اور فطری محاسن و کمالات بیان فرمائے

ہیں، جن کی تکمیل اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ذریعے فرمائی ہے کیونکہ پروردِگار عالم نے تمام دینی اور دنیاوی فضائل وکمالات کو ذاتِ مصطفوی سے منسلک کر دیا ہے(1)۔

نبی اکرم، نورِ مجسم، فخر دوعالم ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے جو اپنے آقا کی اجمالی قدر ومنزلت کی تفصیل کے خواہاں ہیں کہ جلال وکمال کے خصائل آدمی میں دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ضروری ودنیاوی جس کا انسانی جبلت اور دنیوی حیات تقاضا کرتی ہے۔(۲) اکتسابی دینی، جس کے باعث فاعل کی تعریف کی جاتی ہے اور اسے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اول الذکر کی مزید دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دونوں قسم کے اوصاف میں سے ایک کے ساتھ خاص ہو اور دوسری وہ جو دونوں میں مشترک ہو۔ ضروری محض وہ ہے جس میں انسان کے کسب واختیار کا کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے حبیبِ پروردگار کی جبلت کریمہ میں کمال خلقت اور حسن وجمال کے ساتھ قوتِ عقل، صحت فہم، فصاحتِ زبان و بیان، قوتِ حواس واعضاء، اعتدالِ حرکات، شرافتِ نسب، قومی اعزاز اور وطن عزیز کا عز وشرف وغیرہ اور آپ کی ضروریات زندگی کا شمار بھی کمالاتِ مصطفوی میں ہوتا ہے یعنی آپ کی غذا، نیند، لباس پہننا، سکونت پذیر ہونا، نکاح کرنا نیز مال اور جاہ وجلال کا ہونا۔ ان مؤخر الذکر خصائل کا تعلق اخروی حیات کی بہتری سے ہو جاتا ہے جبکہ سلوک وطریقت کے طور پر ان سے تقویٰ وطہارت اور اعانتِ بدن کا قصد کیا جائے۔ ان میں ضرورت کے مطابق نہیں بڑھا جاتا بلکہ قوانینِ شریعت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

وہ اکتسابی خصائل جو آخرت میں کام آتے ہیں ان کا تعلق اخلاقِ عالیہ حسنہ اور آداب شرعیہ دینیہ سے ہے اور علم، حلم، صبر، شکر، عدل وانصاف، زہد وقناعت، انکساری، عفو ودرگزر، عفت، سخاوت، حیا، مروت، خاموشی، محبت، وقار، مہربانی، حسن ادب، حسنِ معاشرت اور ان جیسے دوسرے کمالات کا پایا جانا حسنِ اخلاق کی دلیل ہے اور ان میں وہ نیک اطوار بھی شامل ہیں جو بعض لوگوں کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتے اور ان کی فطرتِ ثانیہ یا جبلت معلوم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے کے کسب کو ان کمالات کے حصول میں دخل ہوتا ہے لیکن جبلت کے خمیر میں ان عادات کے بعض اصولوں کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ ان تمام اخلاق و عادات کو ہمیشہ ہر صاحبِ عقل ودانش نے محاسن وفضائل شمار کیا ہے لیکن یہ عمدہ عادتیں بھی اس وقت دنیاوی اور غیر مفید ہو کر رہ جاتی ہیں جبکہ انہیں رضائے الٰہی اور آخرت کی بہتری کے لیے اختیار نہ کیا گیا ہو۔

کمال وجمال کے جن خصائل وعادات کا اوپر ذکر ہوا ہے، اگر کسی بھی زمانے میں، ان سے کسی

1۔ اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری! بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

شخص کے اندر ایسی ایک یا دو خوبیاں پائی جائیں مثلاً کسی کو نسب، جمال، قوت، علم، حلم، شجاعت وغیرہ میں کوئی امتیاز حاصل ہو تو ایسا شخص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا نام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور دلوں میں اس کی عزت وعظمت سرایت کر جاتی ہے اور مدتوں اس کا نام روشن رہتا ہے۔ اے صاحبِ عقل و دانش! تیرا اس ہستی کی قدر و منزلت کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے اخلاق کریمہ اور جبلت حسنہ میں پسندیدہ عادتیں اس کثرت سے پائی جائیں کہ انہیں شمار کرنے سے عدد عاجز اور زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں(1)۔ ساتھ ہی وہ کمال کے اس درجے پر ہوں کہ کسب وحیلہ کے ذریعے ان کمالات کا حصول ناممکن ہو، ہاں خدائے بزرگ و بخشندہ کی خاص کرم نوازی کا معاملہ اور ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کے فضائل، خُلت، محبوبیت، اصطفاء، اسراء، رؤیتِ باری تعالیٰ، دنو، وحی، شفاعتِ گنہگاراں، وسیلہ، درجہ رفیع الشان، مقام محمود، براق، معراج، ساری کائنات کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ (امام بن کر) نماز پڑھنا، انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے درمیان شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نذارت، مالک عرش و فرش کے نزدیک منصب، اطاعت، امانت، ہدایت، ہر فرد مخلوقات کے لئے رحمت، رضا کا عطیہ، سوال، حوضِ کوثر، کلامِ الٰہی کا سننا، اتمامِ نعمت، اگلوں اور پچھلوں کی فروگزاشتوں کی معافی، شرحِ صدر، سہولتِ فرائض، رفعِ ذکر، تائیدِ خداوندی کا اعزاز، نزولِ سکینہ، ملائکہ کی امداد، کتاب وحکمت اور سبع مثانی والقرآن العظیم ملنا، امت کا تزکیہ، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا، لوگوں کے درمیان حکم الٰہی سے حاکم و منصف ہونا، اگلی امتوں والی سختیوں اور تکلیفوں کو اس امت سے ہٹانا، آپ کے اسم مبارک کی قسم، اجابتِ دعا، آپ کا جمادات سے کلام کرنا حالانکہ وہ زبان سے محروم ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سنانا، انگلیوں کے اندر سے پانی کے چشمے بہا دینا، تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا، چاند کو شق کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، قلبِ اعیان، رعب کے ذریعے مدد کیے گئے، غیوب پر اطلاع، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، رنج والم کو دور فرمانا، آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا وغیرہ ایسے کمالات ہیں جن کا کوئی محفل بھی احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا کسی میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ

1۔ اسی لیے تو مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی نے کہا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم — کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

کمالاتِ مصطفوی کا احاطہ کر سکے (1)۔ علاوہ بریں جو اللہ رب العزت نے اگلے جہان میں شایانِ شان منازل، مقدس درجات اور سعادت و خوبی کے مراتب اس کثرت سے اپنے حبیب ﷺ کے لیے مخصوص فرمائے ہیں جن کا احاطہ عقل کی حد سے باہر ہے بلکہ یہاں تو مُرغانِ وہم وگمان کے بھی پَر جل جاتے ہیں۔

اگر تو کہے، اللہ تعالیٰ تجھے سرفراز فرمائے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ قدر ومنزلت اور عزت وعظمت کے لحاظ سے دارین میں سب سے ممتاز ہیں جیسا کہ اس کے دلائل وشواہد اظہر من الشمس ہیں اور اس امر کا اجمالی بیان بڑے خوب صورت انداز میں ہو چکا اور خواہشمند ہے کہ تفصیلی بیانات (2) پر مطلع ہو کر اپنی کشتِ ایمان کو سیراب اور گلشنِ دین کو بہاروں سے ہم آغوش کرے تو اے طالبِ صادق! اللہ تعالیٰ تیرے اور ہمارے دلوں کو منور فرمائے اور عشقِ مصطفیٰ کی جتنی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے اس سے بدرجہا زیادہ اور عطا فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ حبیبِ خدا ﷺ کے محاسن عالیہ ایسے ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں بلکہ وہ آپ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ میں فطری محاسن وکمالات اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ کوئی کمال اس احاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حسن وجمال کا چرچا ہے ان کی صحت میں کلام نہیں بلکہ بعض اخبار وآثار تو صحت سے قطعیت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ کے حسن وجمال اور تناسب اعضاء کے بیان میں آثارِ صحیحہ، کثیرہ، مشہورہ وارد ہیں۔ ایسی احادیث حضرت علی اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا رنگ اجلا تھا، آنکھیں سیاہ، گہری اور قدرے سرخی مائل تھیں۔ رنگ ایسا سفید تھا جو سرخی کی جانب مائل ہو۔ آنکھوں کے بال لمبے تھے۔ دونوں حاجب جدا اور لمبائی میں ان پر باریک بال تھے۔ ناک لمبی اور منور تھی۔ سامنے والے دانت ایک دوسرے سے جدا تھے۔ چہرہ کسی قدر گول، پیشانی کشادہ، ریش مبارک بھاری جو سینہ اقدس کو ڈھانپ لیتی تھی۔ سینہ اور شکم مبارک برابر رہتے تھے۔ صدرِ انور کشادہ، بڑے جوڑ، موٹے بازو، کلائیاں اور پنڈلیاں بھاری، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں موٹی اور لمبی تھیں۔ جسم پر بال بہت کم تھے۔ سینہ فیض گنجینہ سے ناف تک

1۔ خاتم المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

2۔ جنت کی بیداری کے ایسے ہی مواقع کے بارے میں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ:

باغِ عرب کا سروِ ناز، دیکھ لیا ہے اور نہ آج   قمریٔ جانِ غمزدہ، گونج کے چہچہائی کیوں

بالوں کی ہلکی سی دھاری تھی۔ میانہ قد یعنی نہ زیادہ لمبے نہ بہت چھوٹے۔ لیکن لمبے قد والا آدمی بھی آپ کے برابر چلتا تو اونچے آپ ہی معلوم ہوتے۔ بال شکن دار تھے۔ جب تبسم فرماتے تو بجلی کی روشنی یا بادلوں کی چمک کی طرح دہن مبارک کھلتا اور جب کلام فرماتے تو سامنے والے اوپر اور نیچے کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ حسین ترین گردن تھی جو زیادہ لمبی یا بہت چھوٹی نہ تھی۔ آپ زیادہ فربہ نہ تھے۔ چہرہ پرنور بالکل گول نہ تھا۔ جسم پھرتیلا اور کم گوشت تھا (**صلی اللہ علیک یا صاحب الجمال و الکمال**)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیروں والی چادر میں رسول اللہ ﷺ جیسا خوب صورت نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی کو تاجدارِ مدینہ ﷺ سے حسین نہیں دیکھا۔ آپ کی جانب دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے سورج کی شعاعیں اس چہرہ پرنور میں تیر رہی ہیں (1) اور تبسم فرماتے تو سامنے کے در و دیوار منور ہو جاتے تھے (2)۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ شمس و قمر جیسا نورانی اور گولائی کی جانب مائل تھا۔

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے اوصافِ عالیہ کا کیا ٹھکانا؟ اگر آپ کو دور سے یا قریب سے دیکھتے ہر حالت میں حسین و جمیل ہی نظر آتے تھے۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ حضرت علی نے آپ کی مدح و ثنا کرتے ہوئے آخری وصف یہ بیان کیا کہ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا وہ ڈر جاتا اور جو ملتا جلتا رہتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کے اوصاف بیان کرنے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے سرورِ کون و مکاں ﷺ جیسا حسین و جمیل نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں ہی ایسا کوئی نظر آیا ہے۔

فخرِ دو عالم ﷺ کے جسمِ اطہر کی نظافت، ریح اور پسینے کی خوشبو اور غلاظت سے پاکیزگی اور عوراتِ جسمانی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائی گئیں

1۔ اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں — اے جانِ جاں! میں جانِ تجلی کہوں تجھے

2۔ اسی لیے تو ہر مومن بارگاہِ رسالت میں یوں عرض گزار ہوتا ہے:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے — مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے (اعلیٰحضرت)

حالانکہ آپ کی ان خصوصیات کو شرعی نظافت اور پاکیزگی والے دس فطری خصائل عطا فرمانے کے ساتھ کامل و مکمل کر دیا تھا اسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عنبر، کستوری اور کسی بھی خوشبودار چیز میں رسول اللہ ﷺ کی ریحِ اطہر سے زیادہ خوشبو نہیں سونگھی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا دستِ اقدس میرے رخسار سے لگایا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کا دستِ مکرم ٹھنڈا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی عطار کی صندوقچی سے نکالا ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا بیان ہے کہ اگر کوئی خوشبو لگائے یا نہ لگائے لیکن رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا اور جب وہ نورِ مجسم کسی بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو ایسا بچہ دوسرے بچوں میں سے پہچان لیا جاتا تھا۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ جس راستے سے گزر جاتے ادھر آنے جانے والوں کو آپ کی خوشبو کے باعث پتہ لگ جاتا تھا کہ آپ کا اس راستے سے گزر ہوا ہے(1)۔ حضرت اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کا اس درجہ معطر ہونا پیدائشی اور فطری تھا کسی قسم کی خوشبو لگانے کے باعث نہ تھا۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر چند احادیث آپ کے پسینہ مبارک اور فضلاتِ طاہرہ کے خوشبودار ہونے کے بارے میں ذکر کی ہیں نیز امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھیوں سے فخرِ دوعالم ﷺ کے پیشاب اور پاخانے کی طہارت نقل کی اور بطور ثبوت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے، جیسا کہ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حبیبِ خدا ﷺ کو غسل دیا جیسا کہ میت سے نجاست خارج ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے تو اس موقع پر عین الیقین کی خاطر مجھے اس امر کی جستجو ہوئی، تو ایسی کوئی چیز نہ پا کر بے ساختہ کہنا پڑا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس طرح آپ زندگی میں پاک صاف تھے وصال کے بعد بھی آپ کی طہارت میں سرِ مو فرق نہیں آیا، ساتھ ہی آپ کے جسدِ اطہر سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کبھی سونگھنی نصیب نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کے جسمِ معطر کے بارے میں ایسا ہی منقول ہے جبکہ وصال کے بعد آپ کو بوسے دیئے گئے تھے۔ بعض صحابہ کرام نے آپ کا خون اور کئی حضرات نے حضور ﷺ

1۔ امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

کا پیشاب بھی پیا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو آپ نے کلی تک کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ آئندہ ایسا کرنے سے ہی منع فرمایا۔

وہ جانِ جہاں اس حالت میں پیدا ہوئے تھے کہ ختنہ ہو چکا تھا اور پیدائشی ناف بریدہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ بوقتِ پیدائش اس شہکارِ دستِ قدرت کے جسم پر کسی قسم کی کوئی نجاست نہ تھی، بالکل پاک صاف تشریف فرمائے عالم ہوئے تھے۔

حبیبِ پروردگار ﷺ کی وافر عقل، ذکاوت و دانشمندی، قوتِ حواسِ مدرکہ، فصاحتِ زبان و بیان، حرکات کا اعتدال اور حسنِ اخلاق کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند اور ذہین وفہیم تھے۔ اگر صاحبِ علم ودانش آپ کی ان تدابیر کے ظاہر و باطن میں غور کرے جو آپ نے اصلاحِ نفوس کے لیے اختیار کی، نفعِ عوام وخواص کی خاطر جو سیاست متعین فرمائی نیز اپنے تعجب خیز اخلاق حسنہ اور دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنا دینے والی سیرت مقدسہ پیش فرمائی جس کے سونے پر فیضانِ علم سہاگے کا کام کر رہا ہے اور شرعی قوانین کو جس محیر العقول دانشمندی سے مقرر اور بیان فرمایا ہے حالانکہ ان امور کا پڑھنے، تجربہ کرنے اور مطالعہ کتب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تو ماہر ناظر کو آپ کی عقل کے زاویہ نظر اور فہم وفراست کی روشنی میں کسی قسم کا شک وشبہ پہلی نظر میں بھی لاحق نہیں ہو گا۔ مذکورہ بالا بیان ایسا تحقیق کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور مسلمہ ہے جس کو ثابت کرنے کے لیے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اکہتر آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور سب میں یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تمام انسانوں سے عقلمند اور رائے میں افضل ہیں۔ ان کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مذکورہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی عقل سے ساری دنیا کی مجموعی عقل کو وہی نسبت ہے جو سارے عالم کے ریگزار کے ذرات سے ایک ذرے کو ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ ﷺ جس طرح سامنے کی چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیزیں بھی آپ کو نظر آتی تھیں نیز آپ تمام انسانوں سے بڑھ کر طاقتور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے وقت کے نامی گرامی پہلوان رکانہ کو آپ نے ایک لمحہ میں پچھاڑ دیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تیز چلنے والا کوئی نہیں دیکھا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا زمین آپ کے سامنے سے سمٹتی جا رہی ہے۔ آپ جب بالکل آرام

سے چل رہے ہوتے اس وقت بھی ہم تیز چلنے کی پوری کوشش کرتے تو ساتھ چل سکتے۔آپ کا ہنسا صرف تبسم تک محدود تھا۔جب کسی کی جانب توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے تھے۔چلتے وقت آگے کو ذرا ساجھکاؤ رکھتے۔جیسے کسی اونچی جگہ سے اترا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس خلیفہ اعظم کو زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت میں وہ امتیازی شان حاصل تھی کہ آپ کے اس اعلیٰ منصب سے کوئی سلیم الطبع بے خبر نہیں۔کسی بلند ہمت،کم گو،فصیح البیان،ماہرِ علم و فن،غواصِ معانی اور تکلف سے بچنے والے سے یہ امر مخفی نہیں کہ:

''اُوْتِیَ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَ خُصَّ بِبَدَائِعِ الْحِکَمِ وَعُلِّمَ السِنَۃَ الْعَرَبِ فَکَانَ صلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلَّمَ یُخَاطِبُ کُلَّ اُمَّۃٍ مِّنْھُمْ بِلِسَانِھَا وَیُحَاوِرُ ھَا بِلُغَتِھَا وَیُبَارِیُھَا فِیْ منزع بَلَا غتِھَا وَاَمَّا کَلَامُہٗ الْمُعْتَادُ وَفَصَاحَتُہٗ الْمَعْلُومَۃُ وَجَوَامِعُ کَلِمِہٖ وَحِکَمِہٖ الْمَاثُوْرَۃُ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّمَ فَقَدْ اَلَّفَ النَّاسُ فِیْھَا الدَّوَاوِیْنُ وَجُمِعَت فِیْ اَلْفَاظِھَا وَمَعَانِیْھَا الْکُتُبُ وَذُکِرَ جُمْلَۃُ مِنْ حِکَمِہٖ وَجَوَامِعِ کَلِمِہٖ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم۔''(ص۱۸)

''آپ کو جامع کلمات دیے گئے اور نرالی حکمتوں کے ساتھ خصوصیت بخشی گئی۔عرب کی تمام زبانیں سکھائی گئیں اسی لیے آپ عرب کے ہر قبیلے والوں سے ان کی بولی میں کلام فرماتے اور ان کی روزمرہ بول چال کا لحاظ رکھتے۔ہر زبان میں گفتگو فرماتے ہوئے مخاطب پر بلحاظ بلاغت نمایاں غالب رہتے۔آپ کی روزمرہ کی گفتگو،معروف فصاحتِ کلام،جامع کلمات اور حکمتِ بالغہ کو خصوصیت سے بیان کرنے کی خاطر کتنے ہی حضرات نے کتابیں مرتب کی ہیں جو آپ کے الفاظ و معانی کی خوبیوں سے مزین ہیں اور ان میں آپ کے تمام حکیمانہ ارشادات و جامع کلمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم''۔

ان حضرات کو آپ کے چند جامع کلمات کا ذکر کرنے کے بعد یہی لکھنا پڑا کہ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار ہیں جیسا کہ ایک گروہ نے آپ کے بعض مقامات،محاضرات،خطبے،دعائیں،مواعظِ حسنہ اور معاہدے وغیرہ نقل کیے ہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا بلند ترین منصب و مرتبہ حاصل ہے جس پر کائنات کے کسی دوسرے فرد کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ جملہ افرادِ کائنات سے اس درجہ سبقت لے گئے ہیں کہ آپ کی رفعت کا کسی سے اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ

یارسول اللہ! ہم نے کسی کو آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے اس راستے میں کونسی چیز حائل بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ خالق و مالک نے قرآن کریم کو عرب کی اسی زبان میں نازل فرمایا ہے جو میری زبان ہے اور جس کو باری تعالیٰ نے عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ قرار دیا ہے۔ دوسرے مواقع پر اسی سلسلے میں فرمایا کہ میرا قریش سے ہونا اور قبیلہ بنی سعد میں پرورش پانا علیحدہ بات ہے۔ نبی اکرم، نور مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کے لیے دیہاتیوں کے ساتھ ان کی زبان میں گفتگو کرنے اور شہریوں سے شستہ الفاظ، اور دل آویز و رونق افروز طریق پر کلام فرمانا اکتسابی نہیں بلکہ تائید الٰہی اور وحی ربانی کی کرشمہ سازی ہے جس کے باعث کوئی بشر آپ کے علم و عرفان کا اندازہ تک نہیں کرسکتا۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا آپ کی توصیف میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شیریں کلام تھے۔ گفتگو کا ہر لفظ دوسرے سے جدا ہوتا اور بغیر ضرورت کلام نہ فرماتے۔ آپ کا ہر بیان ایسا ہوتا جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔ آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔

فخر کون و مکاں ﷺ کے نسب کی شرافت اور آپ کے شہر اور جائے پیدائش کی عظمت محتاجِ بیان و دلیل نہیں اور نہ اس میں کوئی اشکال و اخفا ہے کیونکہ وہ سرورِ انس و جاں ﷺ تمام بنی ہاشم و قریش میں آباء و اجداد کے لحاظ سے ممتاز اور سارے عرب میں شریف النسب اور معزز ترین ہیں(1) جیسے کہ آپ کے والدین تھے۔ آپ اہل مکہ سے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک سب سے عظمت والا شہر ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہتر افراد میں منتقل ہوتا آیا ہوں یہاں تک اب جن میں پیدا ہوا ہوں وہ اس وقت سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے جو بہتر تھے ان میں رکھا۔ پھر قبائل کا انتخاب فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر گھروں پر نظرِ انتخاب پڑی تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ میں ذاتی اور نسبی لحاظ سے تمام انسانوں سے بہتر ہوں(2)۔ حضرت واثلہ بن اسقع

1۔ اس مضمون کو ایک عربی شاعر نے یوں باندھا ہے:۔

قُرَيْشٌ خِيَارُ بَنِىْ اٰدَمٍ   وَخَيْرُ قُرَيْشٍ بَنُوْ هَاشِمٍ
وَخَيْرُ بَنِىْ هَاشِمٍ اَحْمَدُ   رَسُوْلُ الْاِلٰهِ اِلَى الْعَالَمِ

2۔ بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ   كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ   صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ (سعدی علیہ الرحمۃ)

رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کا انتخاب فرمایا۔ بنی کنانہ سے قریش کو ممتاز کیا۔ قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں بلحاظ عزت وعظمت مجھے سرفہرست رکھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ کونین کے مختار حبیب پروردگار ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے بنی آدم کو معزز کیا، آدم علیہ السلام کی اولاد سے اہل عرب کو، اہل عرب سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمالیا۔ پس میں ہمیشہ بہترین خاندانوں سے متعلق رہا ہوں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو بھی اہل عرب سے محبت کرے تو میری وجہ سے محبت کرے اور جو عرب کے کسی فرد سے نفرت کرے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کے باعث نفرت کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

اِنَّ قُرَیْشًا کَانَ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ تَعَالٰی قَبْلَ اَنْ یُخْلَقَ اٰدَمُ بِاَلْفَیْ عَامٍ یُسَبِّحُ ذَالِکَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلٰئِکَۃُ بِتَسْبِیْحِہٖ فَلَمَّا خَلَقَ اٰدَمَ اَلْقٰی ذَالِکَ النُّوْرَ فِیْ صُلْبِہٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَھْبَطَنِیَ اللّٰہُ اِلَی الْاَرْضِ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ وَجَعَلَنِیْ فِیْ صُلْبِ نُوْحٍ وَقُذِفَ بِیْ فِیْ صُلْبِ اِبْرَاھِیْمَ ثُمَّ لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ تَعَالٰی یَنْقَلِبُنِیْ مِنَ الْاَصْلَابِ الْکَرِیْمَۃِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاھِرَۃِ حَتّٰی اَخْرَجَنِیْ مِنْ بَیْنَ اَبَوَیَّ لَمْ یَلْتَقِیَا عَلٰی سِفَاحٍ قَطُّ۔ (ص۱۹)

"بیشک یہ قرشی النسل آقائے کائنات، آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بارگاہِ خداوندی میں بصورتِ نور موجود تھے۔ آپ کا نور باری تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح بیان کرتا اور اس نور کے ساتھ ملائکہ بھی تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو وہ نور ان کی پشت میں رکھا۔ فرمانِ رسالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صلبِ آدم میں زمین پر اتارا۔ ان سے نوح علیہ السلام اور ان سے ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل کیا۔ یہاں تک کہ نیک اصلاب اور پاکیزہ ارحام سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی جانب منتقل کرتے ہوئے میرے والدین کریمین سے مجھے پیدا فرمایا۔ یہ حضرات بدکاری کے سائے سے بھی دور رہے"۔

ضروریات زندگی تین قسم کی ہیں: (۱) وہ جن کی قلت بہتر ہے۔ (۲) بعض وہ جن کی کثرت پسندیدہ ہے اور (۳) کئی ایک ضروریات ایسی بھی ہیں جن کے حالات مختلف رہتے ہیں۔ عادت اور شریعت کے لحاظ سے جن کی قلت کمال سمجھی جاتی ہے وہ غذا اور نیند وغیرہ ہیں۔ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان چیزوں میں سے اتنا قلیل حصہ اختیار فرمایا جس سے صرف یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور آپ کی سیرت مبارکہ سے خارج نہیں رہے ہیں(1) اور یہی راستہ اختیار کرنے کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا اور رغبت دلائی۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں متعدد احادیث پیش کر کے اپنے بیان کو مدلل فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دوسری قسم، جس کی کثرت قابلِ تعریف اور جس کی تکمیل باعثِ فخر ہے، اس سے نکاح اور وجاہت وغیرہ امور مراد ہیں کیونکہ نکاح ایک ایسی چیز ہے جو مکمل مرد ہونے اور صحتِ ذکوریت کی علامت ہے۔ اس کی کثرت کے باعث لوگوں کا ایک دوسرے پر فخر کرنا ایک مشہور عادت ہے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا زمانہ قدیم سے مروج ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس قوت کے حظِ وافر سے بہرہ ور تھے کیونکہ واہبِ مطلق نے یہ کمال بھی آپ کو پوری فیاضی سے مرحمت فرمایا تھا۔ اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے علاوہ لونڈیوں کے آپ پر اتنی عورتیں حلال کر دیں جتنی کسی دوسرے کے لیے حلال نہیں فرمائیں۔ ہم تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دن یا رات کے تھوڑے سے وقفے میں اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے پاس بھی تشریف فرما ہو جاتے تھے حالانکہ وہ گیارہ تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت عطا فرمائی گئی تھی، جیسا کہ نسائی شریف میں ہے جبکہ دیگر محدثین نے چالیس آدمیوں کی طاقت نقل کی ہے۔ آپ کی آزاد کردہ لونڈی حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک رات میں اپنی نو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے نیز ایک سے فارغ ہونے اور دوسری تک جانے سے پہلے غسل بھی فرما لیا کرتے تھے اور تلقین فرمایا کرتے کہ اس صورت میں غسل کر لینا اور طہارت پسندی اور انتہائی پاکیزگی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے بلحاظ عادات دوسرے لوگوں پر چار وجہ سے فضیلت مرحمت فرمائی گئی: (۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) کثرتِ جماع (۴) قوتِ بازو

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے:۔

کل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا　　　اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جہاں تک وجاہت کا تعلق ہے تو عقلاء نے اسے اوصافِ مدح میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ وجاہت کے مطابق ہی لوگوں کی نگاہوں میں قدر ومنزلت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ (آل عمران)

''رودار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا''۔

لیکن وجاہت کے راستے میں بے شمار آفات ہیں جو بعض لوگوں کے لیے اگلے جہان میں نقصان کا باعث ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کی ضد کو قابلِ تعریف ٹھہرایا ہے۔ شرع میں عاجزی وانکساری کی تعریف کی گئی ہے جبکہ زمین میں اکڑ خانی دکھانے کو مذموم قرار دیا ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باری تعالیٰ شانہٗ نے جاہ وحشمت کی دولت سے مالا مال فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی قدر ومنزلت کا سکہ بٹھایا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے جاہلوں تک کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزین کر دی جبکہ اعلان نبوت کے بعد کافر آپ کی تکذیب کرتے اور اس طرح صحابہ کرام جیسے شمعِ رسالت کے عدیم النظیر پروانوں کو تکلیف پہنچاتے اور اس نازیبا حرکت سے آپ کو پریشان کرنا مقصود ہوتا کیونکہ جب وہ آپ کے روبرو ہوتے تو عزت کیے ہی بنتی تھی اور اگر انہیں کوئی حاجت ہوتی تو آپ بھی اسے پورا کرنے سے دریغ نہیں فرمایا کرتے تھے(1) اور کتبِ احادیث میں ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

اگر کسی نے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال جہاں آراء پہلے دیکھا نہ ہوتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور رعب چھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیلہ نے جب آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو مارے خوف کے لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: اے غریب عورت! سکون واطمینان کا دامن تھام۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ آپ کے رعب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ ہادیٔ برحق نے فرمایا کہ ڈرتے کیوں ہو میں کوئی دنیاوی بادشاہ ہوں؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوت میں آپ کو عدیم المثال قدر ومنزلت اور رسالت میں انتہائی عز وشرف والا منصب حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو جو مقامِ اصطفا حاصل ہے، وہ قدر ومنزلت کی انتہا ہے، اس کے باعث آپ دنیا میں سب سے ممتاز اور آخرت میں بھی جملہ اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی سلسلے کی تیسری قسم کہ جس میں تعریف، افتخار اور فضیلت کی حالت مختلف رہتی ہے مثلاً مال کی

1۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا　　مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا (حالی)

کثرت ہو لیکن مالک محض اپنی ضروریات میں کھل کر خرچ کرتا ہے تو دنیا دار لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ دنیاوی لحاظ سے وہ اسے فضیلت اور برتری شمار کرتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص راہِ خدا میں دِل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو تو قیامت کی سرخروئی بہر حال اس کا مقدر ہو کر رہے گی اور اس کی فضیلت سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔اگر صاحبِ مال خرچ ہی نہ کرے تو بخل کی ندامت اور کمینگی کے شرمناک گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کیا جائے تو آفتابِ نصف النہار کی طرح آپ کی عادات واضح نظر آئیں گی کیونکہ باوجود اس کے کہ زمین کے جملہ خزانے اور دنیا کی چابیاں باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرما دیں(1)۔غنائم آپ کے لیے حلال کر دیے جبکہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھے،آپ کی حیاتِ طیبہ میں حجاز کا علاقہ،یمن،عرب کے جزائر اور گردونواح میں شام وعراق وغیرہ فتح کر لیے گئے،جہاں سے آپ کے پاس خمس،جزیہ اور صدقات آتے تھے حالانکہ کسی بادشاہ کو اس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا،علاوہ بریں کتنے ہی بادشاہوں نے آپ کی بارگاہ میں ہدایا اور تحفے بھیجے مگر آپ نے دولت کو اپنے پاس جگہ نہ دی بلکہ دوسروں میں تقسیم فرما دیا کرتے۔چاروں طرف سے دولت آتی اور قدم بوسی کرتی لیکن اس کے ذریعے آپ دوسروں کو دولت مند بناتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی طاقت کو مضبوط کرتے تھے۔

فرمانِ رسالت ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو اس میں سے مجھے ایک دینار کے برابر سونا اپنے پاس رکھ کر رات گزارنا منظور نہیں ماسوائے اس کے کہ کسی کا قرض ادا کرنا ہو۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ دینار آئے جنہیں آپ نے تقسیم فرمایا لیکن کچھ بچے رہے جو اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے پاس رکھ دیے اور ان کے باعث ساری رات بے چینی سے گزاری اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوئے جب تک صبح اٹھتے ہی انہیں تقسیم نہ فرما دیا۔حد تو یہ ہے کہ بوقتِ وصال آپ کی زرہ خانگی ضروریات کے باعث کسی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔آپ گھریلو اخراجات،لباس اور مکان وغیرہ کے بارے میں اتنی مقدار پر اکتفا فرماتے تھے جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو اور اس کے علاوہ کو زائد از ضرورت سمجھتے اور اس سے اعراض فرماتے تھے۔

اس خواجہ کونین کی یہ حالت تھی کہ جو لباس میسر آجاتا وہی پہن لیتے۔عموماً دستار،معمولی کمبل اور

1۔ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے ہی ہاتھ میں (اعلحضرت)

موٹی چادر زیبِ تن فرماتے۔ سونے سے مرصع ریشمی کوٹ حاضرین میں تقسیم فرمادیتے اور جو وقت پر موجود نہ ہوتا اس کا حصہ محفوظ کردیتے کیونکہ لباس کے ذریعے فخر کرنا یا زینت چاہنا عزوشرف کے خصائل سے نہیں ہے بلکہ یہ تو عورتوں کی عادات میں سے ہے۔ ہاں اچھا لباس وہ ہے جو صاف ستھرا اور عام طور پر پہنا جائے۔

شاندار اور وسیع مکانات اور کثرتِ خدام وغیرہ کو باعثِ فخر سمجھنا بھی غلط ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک شخص دنیا و مافیہا کا بادشاہ ہو اس کے باوجود زہد و قناعت اختیار کرے، اپنے پاس رکھنے سے نفرت کرتا ہو اور اسی وجہ سے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ترک کردے۔ یہ مال کے سلسلے میں ایسی مقدس عادت ہے جو سب کے نزدیک باعثِ فضیلت ہے اور یہ ہے وہ خصلتِ حمیدہ جو سرمایہ افتخار ہے۔ چنانچہ مال سے اس طرح اعراض کرنا اور فانی ہونے کے باعث اس کی جانب رغبت نہ رکھنا بلکہ دوسرے جن مقامات پر اسے خرچ کردینا چاہتے وہاں خرچ کردینا۔ یہ قابل ستائش و لائق تحسین عادتِ مبارکہ انسانی کمال کی معراج ہے۔ بہرحال خصائل مکتسبہ، اخلاقِ حمیدہ اور آدابِ شرعیہ کے لحاظ سے ایسے شخص کے صاحبِ فضل و کمال ہونے پر تمام عقلاً کا اس شخص کی فضیلت پر بھی اتفاق ہے جو ان میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف ہو یا اس میں ایک سے زیادہ اوصاف پائے جائیں۔

شریعت مطہرہ نے ایسے تمام اشخاص کی تعریف کی ہے اور ایسی عادات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو سارے اوصافِ حسنہ سے متصف ہو اس کے لیے دائمی سعادت کا وعدہ کیا ہے اور بعض نیک عادتوں کو اجزائے نبوت ٹھہرایا ہے جنہیں حسن اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور وہ نفس کے قویٰ و اوصاف میں اعتدال اور میانہ روی یعنی ایسا درمیانی راستہ جس میں کسی جانب انحراف نہ ہو۔

مذکورہ بالا جملہ اوصافِ کمالیہ نبی کریم ﷺ کے خلق کا حصہ ہیں۔ آپ کمال میں ان کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور غایت کے لحاظ سے اعتدال پر تھے۔ اسی لیے تو باری تعالیٰ شانہٗ نے خلقِ محمدی کی توصیف میں وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۝ (1) فرمایا یعنی اے محبوب! خلق کے لحاظ سے بھی تم عظیم منصب پر فائز ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا۔ آپ کی رضامندی اور ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کے ساتھ تھی۔ فخرِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

1۔ مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے کہا ہے:۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا، تری خلق کو رب نے جمیل کیا　　کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا، ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

کہ بلحاظِ خلق آپ سب سے اچھے تھے۔ جیسا کہ محققین نے ذکر کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کو اخلاقِ حسنہ کے زیور سے پیدائشی طور پر مزین کیا گیا تھا اور یہ کمالات آپ کی اصل فطرت میں داخل تھے جن میں کسب کا دخل نہیں تھا اور نہ ریاضت کا۔ یہ جودِ الٰہی اور باری تعالیٰ شانہٗ کی نرالی کرم نوازی ہے، جس سے علٰی قدر مراتب جملہ انبیائے کرام کو نوازا گیا تھا۔ جو شخص انبیائے کرام کے بچپن سے ان کے ادوارِ نبوت تک کی سیرتوں کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ حضرت عیسٰی، حضرت موسٰی، حضرت یحیٰی، حضرت سلیمان اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے سرورِ کون و مکان ﷺ کے متعلق خبر دی کہ جب وہ جانِ حیات رونق آرائے گیتی ہوئے تو آپ نے زمین کی جانب ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے اور سرِ اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ فخرِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میں بڑا ہوا تو دیکھا کہ بتوں اور شاعری سے مجھے پیدائشی طور پر نفرت ہے۔ میں نے کسی ایسے کام کا کبھی ارادہ تک نہیں کیا جو دورِ جاہلیت میں معمول بنے رہے تھے، ہاں دو مرتبہ ایسا ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں نے پھر کبھی ان کی جانب توجہ بھی نہ فرمائی۔ ان مذکورہ دونوں مواقع پر آپ نے جہلاً کے غناء اور محفل لہو ولعب میں کسی مصلحت کے تحت جانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کے ارادے کو دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے پورا نہ ہونے دیا۔

عقلِ مصطفٰی

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و تحقیقی جواہرات سے مزید جواہر ریزے پیش خدمت ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ محمودہ اور عاداتِ جمیلہ تو شمار سے باہر ہیں لیکن ہم ان کے اصول کا ذکر کریں گے اور اشارے تمام اوصاف کی جانب کر دیے جائیں گے۔ یہ التزام رہے گا کہ آپ کی صفات کو میزانِ تحقیق پر تول کر پیش کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جملہ اوصاف کے فروع کی اصل، ان کا سرچشمہ اور اس سارے دائرے کا مرکزی نقطہ عقل ہے۔ اسی سلسلے علم و معرفت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اسی سے روشن خیالی، ذہن کی تیزی، رائے کی درستی اور گمان کی صداقت حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے باعث مستقبل پر نظر رکھنے، اصلاحِ نفس کے طریقے، شہوت سے مجاہدہ، حسنِ سیاست و حسن تدبیر، فضائل کی تحصیل اور رزائل سے اجتناب کی خوبیاں متفرع ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ بلحاظ علم کے ایسے منصب پر فائز تھے جہاں تک

آپ کے سوا کسی بشر کی رسائی نہیں ہوئی۔ عقلِ مصطفیٰ کی جلالت وعظمت ہر اس شخص پر بخوبی واضح ہے جس نے آپ کے احوال واخلاق کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو، نیز جامع کلمات، شمائل حسنہ، عاداتِ مبارکہ اور ارشادات کی حکمتوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا ہے۔ آپ کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کی خاطر توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے مندرجات، حکماء کی حکمتیں، گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات، ضرب الامثال، لوگوں کی سیاسیات، شرعی احکام، پسندیدہ آداب، اچھے اطوار جو مختلف علوم و فنون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور جنہیں علمائے کرام سند ٹھہراتے اور آپ کے اشاروں کی عبارت کی طرح حجت قرار دیتے ہیں اور طب، ریاضی، وراثت ومیراث اور انساب وغیرہ ایسے علوم وفنون ہیں جن میں آپ کے لیے بے شمار معجزات ہیں حالانکہ آپ نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا اور نہ گزشتہ امم کی کتابوں ہی کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ان کے علماء سے مجالست رہی کیونکہ آپ تو امی نبی تھے۔ مذکورہ علوم و فنون کے بارے میں آپ نے کسی سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کھول دیا تھا اور آپ کے مقصد کو ظاہر فرما دیا اور آپ کو خود تعلیم دی جو آپ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پہلی نظر ہی میں ماننا پڑ جاتا ہے اور آپ کی نبوت کا قطعی ثبوت نظر آنے لگتا ہے۔ ہم ایسے جملہ واقعات وقضایا کو کیسے بالتفصیل بیان کریں جبکہ عقلِ انسانی ان کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ان کا احاطہ کر سکتا ہے۔ علوم ومعارفِ مصطفیٰ کی وسعت بھی آپ کی عقل ہی کے مطابق ہے جیسا کہ مرقوم ہے:

اِلٰی سَائِرِ مَا اطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ مَا يَكُوْنُ وَمَا كَانَ وَعَجَائِبَ قُدْرَتِهٖ وَعَظِيْمَ مَلَكُوْتِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاo حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِيْ تَقْدِيْرِ فَضْلِهٖ عَلَيْهِ وَخَرَسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفٍ يُحِيْطُ بِذٰلِكَ اَوْيَنْتَهِيْ اِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۲۲)

"وہ تمام علوم جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا یعنی جو ہوا اور جو کچھ ہوگا نیز اپنی قدرت کے عجائبات اور اپنی عظیم بادشاہی کا علم، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے محبوب! ہم نے تم کو سکھا دیا وہ سب کچھ جو تم نہ جانتے تھے اور تم پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ آپ کے فضل و کمال کا اندازہ کرنے میں عقلیں حیران اور آپ کی توصیف کے میدان میں زبانیں گونگی ہیں۔ یہ چیزیں نہ ان کا احاطہ کر سکتی ہیں اور نہ وہاں تک پہنچ سکتی ہیں"۔

حلم، عفو، صبر

حلم اور قدرت کے باوجود درگزر کرنے نیز تکالیف پر صبر کرنے کی باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو تعلیم دی جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف:199)

''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو''۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سرورِ کائنات ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی تاویل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے عرض کروں گا، اور چلے گئے۔ دوبارہ حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو تم سے تعلقات منقطع کرنا چاہے اسے ملاؤ، جو محروم رکھے اسے بھی عطا فرماؤ اور جو ظلم کرے اسے بھی معاف کردو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام حکم بھی دیا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ (لقمان)

''اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر''۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:35)

''تو تم صبر کرو، جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا''۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ (النور:22)

''اور چاہیے کہ معاف کردیں اور چاہیے کہ درگزر کریں''۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ:43)

''اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا، تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں''۔

سرورِ کونین ﷺ کا حلم جیسا کہ منقول ہے، وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کون سا حلیم اور بردبار ہوگا جس سے ایسے مواقع پر لغزش سرزد نہ ہوئی ہو یا کوئی نامناسب بات کبھی اس کے منہ سے نہ نکلی ہو؟ آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، جہلاء نے زیادتی کرنے اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن آپ نے صبر اور بردباری کے دامن کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چھوڑا بلکہ خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا، تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند فرمایا، جبکہ اس کے کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اگر شرعی قباحت ہوتی تو دوسروں کی نسبت آپ اس سے زیادہ دور رہتے تھے۔ اس مجسمہ رحمت نے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہ لیا، ہاں جب کوئی باری تعالیٰ شانہٗ کی متعین کردہ حدود کو پامال کرنے کی کوشش کرتا تو اس پر حد ضرور قائم فرماتے تھے۔

روایت ہے کہ جب غزوۂ احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے والے دندان مبارک کسی کا تیر لگنے سے شہید ہوئے اور چہرہ زخمی ہو گیا، تو صحابہ کرام کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا اور وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ کفار کی تباہی و بربادی کے لیے دعا فرما دیجئے۔ اس سراپا رافت و جانِ رحمت نے فرمایا کہ مجھے لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ میں راہِ ہدایت کی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں(1)۔ یہ فرما کر بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوئے: اے اللہ! میری قوم کو راہِ ہدایت دکھا دے کیونکہ یہ مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے جس عظیم الشان فضل، غایت درجہ احسان، کریم النفسی اور انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا وہ سب کے لیے دعوتِ غور و فکر ہے۔ ملاحظہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے جواب میں سکوت پر بھی اکتفا نہ فرمایا بلکہ زبانِ مبارک سے معافی کا اعلان فرما دیا۔ مزید برآں یہ شفقت و رحمت فرمائی کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کی بخشش اور ہدایت کے لیے دستِ دعا دراز فرمائے۔ ساتھ ہی اس شفقت و مہربانی کا سبب بھی بارگاہِ خداوندی میں قَوْمِیْ کے لفظ سے بیان کر دیا اور فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کے ذریعے ان کی جانب سے عذر بھی پیش کر دیا۔

جب ایک آدمی نے تقسیم غنائم کے وقت آپ پر اعتراض کیا کہ عدل کیجئے، آپ کی تقسیم اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا جواب آپ نے ایسے الفاظ میں دیا، جن سے اس کی جہالت بھی واضح ہو جائے اور نصیحت بھی فرما دی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تجھ پر افسوس ہے، اگر میں بھی عدل نہیں کرتا تو اور کون ہے جو عدل و انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو خسارے میں رہ جاؤں گا۔ بعض صحابہ کرام نے اسے قتل کرنا چاہا تو رحمۃ للعلمین ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

ایک غزوہ میں آپ کسی درخت کے نیچے بوقتِ دوپہر تنہا قیلولہ فرما رہے تھے کہ اچانک غورث بن

1۔ دمِ نزع یوں محو دیدار کرنا کہ مشکل ہو آساں مدینے کے والی (اختر شاہجہانپوری)

حارث ارادۂ قتل سے آپ کے پاس آ پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ادھر ادھر قیلولہ فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لیے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ: اللہ۔ اتنا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمایا: بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ وہ عرض گزار ہوا کہ بہتر قابو پانے والا ہی ثابت کیجئے یعنی چھوڑ دیجئے تو آپ نے درگزر کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ میں بہترین انسان کے پاس سے تمہاری طرف آیا ہوں۔

آپ کے عفو و درگزر کے بارے میں یہ واقعہ کتنا عظیم الشان ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا۔ یہ بھی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس عورت نے اپنے ارتکابِ جرم کا اقرار بھی کرلیا تھا، اس کے باوجود آپ نے اسے معاف فرمادیا۔ اسی طرح لبید بن اصم نے آپ پر جادو کردیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس واقعے کی ساری تفصیلات سے مطلع کردیا۔ اس کے باوجود آپ نے اس پر عتاب نہ فرمایا اور نہ کوئی انتقامی سلوک ہی کیا۔ ایسے ہی منافقین کے سرگروہ، عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں سے جو ناروا حرکتیں آپ کے حق میں صادر ہوئیں، ان پر مواخذہ نہ فرمایا بلکہ جس شخص نے بعض منافقین کے قتل کا ارادہ کیا تھا، اسے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ ایسا کرنے سے دشمنوں کو یوں طعنہ زنی کا موقع مل جائے گا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کردیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اور آپ کے اوپر ایک موٹی چادر تھی۔ کوئی اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ رگڑ سے آپ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا کہ آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے، مجھے اس میں سے دو اونٹ عنایت فرمایئے اور یہ اونٹ مجھے آپ اپنے مال سے یا اپنے باپ کے مال سے تو نہیں دیں گے۔ اس پر آپ خاموش رہے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مال تو واقعی اللہ تعالیٰ کا ہے اور میں تو اس کا بندہ ہوں۔ لیکن اے اعرابی! تو نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اس کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا اعرابی نے عرض کیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وجہ پوچھی کہ بدلہ کیوں نہ لیا جائے گا تو اعرابی نے وضاحت کی آپ برائی کے جواب میں کسی سے برا سلوک کرتے ہی نہیں۔ اتنا سن کر ہادیِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے حکم صادر فرمایا کہ اسے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لاد

کر دے دیجئے(1)۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے محارم کا احترام ہوتا ہو۔ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ اور کسی وقت، کسی شخص کو اپنے ہاتھوں نہیں مارا اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کسی خادم یا عورت کو مارا ہو۔ آپ کی بارگاہ میں ایک شخص کو گرفتار کر کے لایا گیا اور بتایا کہ یہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے تھرتھرانے پر آپ نے فرمایا: گھبراؤ مت، اگر تم ایسا ہی ارادہ رکھتے ہو تو مجھے ہرگز قتل نہ کر سکو گے۔

زید بن سعنہ مسلمان ہونے سے پہلے بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہوا اور قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کے کندھے سے کپڑا پکڑ کر زور سے کھینچنے اور سخت کلامی کرنے لگا۔ اس نے کہا: اے بنی عبد المطلب! تم قرض ادا کرنے میں بہت سست ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ڈانٹا اور سخت الفاظ میں جواب دینا شروع کر دیا تو اس معلمِ کائنات ﷺ نے تبسم ریز لہجے میں فرمایا: اے عمر! اس انتقامی گفتگو کی نسبت ہمیں نصیحت کی زیادہ ضرورت تھی آپ مجھ سے جلدی قرض ادا کرنے کے لیے کہتے اور اسے نصیحت کرتے کہ قرض کا مطالبہ اچھے طریقے سے کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ نے زید بن سعنہ سے کہا کہ ادائیگی کی مقررہ میعاد میں تو ابھی تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیجئے اور اسے خوف زدہ کرنے کے عوض بیس صاع زیادہ دیجیے۔ یہی واقعہ زید بن سعنہ کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے نبوت کی تمام نشانیاں نبی آخر الزماں ﷺ میں دیکھیں اور پہچان لی تھیں۔ صرف دو امور باقی رہ گئے تھے جن کی مجھے خبر نہ تھی۔ ایک یہ کہ آپ کے حوصلے اور بردباری کو جہل پر سبقت ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے ساتھ جاہلانہ سلوک کرنا آپ کے صبر و تحمل کو زیادہ ہی کرتا ہے۔ جب میں نے اس طرح امتحان لیا تو آپ کو ویسا ہی پایا جیسے کہ مجھے خبر دی گئی تھی۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کے حلم، صبر اور عفو کا بیان طاقت سے باہر ہے صحاح اور دیگر کتبِ احادیث سے بطریق تواتر ثابت ہونے کے باعث یہ امر یقین کا درجہ رکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش نے آپ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لیکن آپ نے ان حوصلہ شکن تکالیف کے

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں

مقابلے میں صبر ہی سے کام لیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں آپ کو فتح وظفر سے نوازا اور وہ آپ کے زیرِ فرمان آ گئے حالانکہ وہ اپنی قوت وشوکت اور چہل پہل کی بربادی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ کامیاب ہونے پر آپ نے بانیانِ ظلم وستم کے ساتھ عفو ودرگزر ہی سے کام لیا اور انہیں مخاطب کیا کہ آیا تم بتا سکتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ اب کیسا سلوک کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ایک شریف بھائی اور شرفاء کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنعیم سے اسّی (80) آدمی آئے تاکہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ کو شہید کریں۔ وہ سارے گرفتار کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر باری تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

هُوَالَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (الفتح:24)

''وہی (اللہ) ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے''۔

وہ ابوسفیان جو بارہا لشکر جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا، آپ کے محترم چچا (امیر حمزہ) اور کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کیا، شہادت کے بعد بعض حضرات کے حلیے تک بگاڑ دیے، لیکن جب فتح مکہ کے وقت اسے بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے معاف فرما دیا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی سے شفقت آمیز گفتگو کی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوسفیان! کیا تجھ پر ابھی یہ واضح نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ تو بڑے حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاذ ونادر ہی کبھی غصے میں آتے تھے اور جب ایسا اتفاق ہوتا تو جلد ہی راضی ہو جاتے تھے۔

جود وکرم

اخلاقِ کریمہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ جیسا دوسرا نظر نہیں آتا۔ جس نے بھی آپ کو جانا اور پہچانا وہی آپ کا مدح خواں ہو کر رہ گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کا سوال کیا گیا، آپ نے کبھی اس کا جواب نفی میں نہیں دیا(1)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ تمام

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے تو اعلان کیا تھا:

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے ۔۔۔ سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

انسانوں سے زیادہ سخی تھے۔ رمضان المبارک میں تو آپ بہت ہی خیرات کرتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آپ کو چلنے والی ہوا سے زیادہ سخی دیکھتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان جگہ بھری ہوئی تھی، آپ نے اسے وہ ساری بکریاں عطا فرمادیں۔ جب وہ اپنے قبیلے میں پہنچا تو اہلِ قبیلہ سے کہنے لگا: بھائیو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ اتنی سخاوت کرتے ہیں کہ مال کے ختم ہو جانے کا ذرا سا اندیشہ بھی دل میں نہیں لاتے۔ کتنے ہی مواقع پر آپ نے سو سو اونٹ تک عطا فرمادیے تھے۔ حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ سو اونٹ مرحمت فرمائے، اتنے ہی دوسری دفعہ اور اتنے ہی تیسری مرتبہ۔ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی آپ کی سخاوت کا یہی عالم تھا۔

قبیلہ ہوازن کو آپ نے ان کے چھ ہزار جنگی قیدی واپس فرمادیے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا سونا مرحمت فرمادیا جسے وہ اٹھا بھی نہ سکے۔ ایک مرتبہ نو ہزار درہم لائے گئے تو آپ نے انہیں چٹائی پر رکھوالیا اور تقسیم فرمانے لگے۔ جو بھی مانگنے والا آتا آپ اسے عنایت فرماتے جاتے اور آخر تک کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ تقسیم کے بعد ایک شخص نے آکر سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ تم ہمارے نام مطلوبہ چیزیں خریدلو، جب کسی جانب سے مال آئے گا تو ادائیگی ہم کردیں گے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! جس کام کی آپ میں طاقت نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم تو نہیں ٹھہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔ کوئی دوسرے صحابی، جو گروہِ انصار سے تعلق رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ راہِ خدا میں سخاوت فرماتے رہیے اور یہ خطرہ بھی دل میں نہ لائیے کہ عرش کا مالک کبھی مال کی قلت سے آپ کو دوچار کردے گا۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے ان کی بات سن کر تبسم فرمایا اور بشاشت کے آثار آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک طباق تر کھجوریں اور کچھ چھوٹی چھوٹی ککڑیاں بارگاہِ رسالت میں پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہتھیلی کے بھراؤ کے برابر سونا مرحمت فرمادیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کبھی آنے والی کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کسی چیز کا سوال کیا، آپ نے کسی سے آدھا وسق قرض لے کر اسے مرحمت فرما دیا۔ جب وہی آدمی قرض ادا کروانے کی نیت سے حاضرِ بارگاہ ہوا تو آپ نے پورا وسق اسے مزید دے کر فرمایا کہ آدھا تو قرض کے بدلے میں ہے اور باقی نصف انعام۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کے جود و کرم میں بے شمار روایات ہیں۔

شجاعت و دلیری

نبی کریم ﷺ کا شجاعت و دلیری میں جو شہرۂ آفاق مقام ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ آپ انتہائی خطرناک مقامات پر بھی بے دھڑک تشریف لے جاتے اور متعدد نامی گرامی پہلوان آپ سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے جبکہ آپ ثابت قدم رہتے بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور پیچھے کبھی نہ ہٹے۔ کوئی ایسا بہادر دیکھا نہ گیا جس نے آپ کے مقابلے پر آ کر شکست نہ کھائی ہو۔ حالانکہ آپ نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حنین کی لڑائی میں تم رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سفید رنگ کے خچر پر سوار دیکھا، جس کی باگ ابوسفیان بن حارث نے تھام رکھی تھی، آپ اس وقت میدانِ جنگ میں بار بار یہ فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ (میں نبی ہوں، یہ جھوٹی بات نہیں)۔ دوسرے راوی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ آپ اس وقت یہ بھی فرما رہے تھے: اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)۔ اس روز ہم نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ دلیر نہیں دیکھا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کے مابین لڑائی ہوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت سواری کو ایڑھ لگا کر کفار کی جانب بڑھا رہے تھے۔ میں سواری کی لگام پکڑ کر روک رہا تھا مبادا تیزی سے زیادہ آگے نہ نکل جائے۔ ابوسفیان بن حارث رکاب کو پکڑے ہوئے تھے۔ آپ برابر آگے بڑھتے اور مسلمانوں کو جوش دلانے کی خاطر بار بار للکارتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کبھی غصے کا اظہار فرماتے تو صرف حقوق اللہ کے سلسلے میں اور اپنے کسی ذاتی معاملے کی بنا پر تو کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ بہادر اور سخی نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کا میدان شدت اختیار کر جاتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پناہ لیا کرتے تھے۔

ایسے مواقع پر تمام مجاہدین کی نسبت آپ دشمنوں کے زیادہ نزدیک ہوتے تھے۔ جنگِ بدر میں ہم آپ کی پناہ میں تھے حالانکہ آپ کفار کے بالکل قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اس روز آپ نے سارے مجاہدین سے بڑھ کر جنگ آزمائی کی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب لشکرِ کفار عین سر پر آ پہنچتا تو اس وقت جو مجاہد آپ کے قریب ہوتا اسے بہادر شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے حسین، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے۔ ایک روز اہل مدینہ بہت گھبرائے کیونکہ شہر سے باہر ایک ہولناک آواز سنی گئی تھی۔ کتنے ہی حضرات اس آواز کی جانب بھاگے دوڑے لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ گلے میں تلوار لٹکا کر اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لینے سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر آپ نے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لشکرِ کفار جب نزدیک آتا تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جنگِ احد میں ابی بن خلف نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ کر نکل گئے تو میری خیر نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اس سے پہلے وہ جنگِ بدر میں قید ہوا اور فدیہ لے کر اسے بھی چھوڑ دیا گیا تھا، تو اس نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ میں نے لڑائی کے لیے ایک گھوڑا رکھا ہوا ہے، جسے ہر روز چار سیر دانہ کھلاتا ہوں، اسی پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تجھے میں قتل کروں گا۔ احد کی جنگ میں ابی بن خلف اسی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی آپ پر سخت حملہ کیا۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے مقابلے پر آ گئے، لیکن آپ نے انہیں درمیان سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور حارث بن صمہ کا نیزہ لے کر پہلے اسے خوب حرکت دی۔ جب صحابہ کرام درمیان سے ہٹ گئے تو آپ ابی بن خلف کے مقابلے پر معرکہ آراء ہو گئے اور اس کی گردن پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کی پسلی توڑ دی۔ جب وہ لشکرِ کفار میں واپس پہنچا تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ کافر اسے تسلی دیتے ہوئے کہتے تھے کہ تمہیں کون سا کاری زخم آ گیا ہے؟ ابی بن خلف نے کہا کہ اگر تمام لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا جو میرے ساتھ ہوا ہے تو وہ سب کو قتل کر دیتے۔ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ خدا کی قسم، اگر وہ کسی پر تھوک بھی دیں تو ہلاک کرنے کے لیے یہی کافی

ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کی جانب لوٹتے وقت وہ سرف کے مقام پر دم توڑ گیا تھا۔

حیا اور چشم پوشی

سرورِ کون و مکاں ﷺ سب سے بڑھ کر صاحب حیا تھے اور عورتوں سے بھی زیادہ چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ﹶ (احزاب:53)

''بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی، پھر بھی وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شرم و حجاب میں کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر تھے۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو ہم چہرے کے آثار سے پہچان لیتے تھے۔ آپ لطیف اور نرم و نازک بشرہ والے تھے۔ اگر کوئی کراہت والی بات دیکھتے تو حیا اور کریم النفسی کے باعث اس سے اس سلسلے میں گفتگو نہ فرماتے۔ جب کسی کی ناگوار گفتگو آپ تک پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے، جو یہ کچھ کہتا ہے، بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے جبکہ وہ ایسا کرتے یا کہتے ہیں گویا اس ناپسندیدہ فعل سے منع فرما دیتے اور فاعل کا نام تک ظاہر نہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسا شخص آیا، جس کے جسم پر زرد نشان لگا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کچھ نہ کہا، کیونکہ کسی کی ناپسندیدہ بات دیکھ کر آپ اسے مخاطب نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس سے کہہ دینا، اس رنگ کو اپنے جسم یا کپڑوں سے دھو ڈالے۔ صحیح حدیث میں ہے: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ بیہودہ الفاظ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے، نہ تکلف فرماتے، نہ بازاروں میں چلاتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے۔ توریت شریف میں بھی آپ کے یہ اوصاف مذکور ہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے کہ حیا کے باعث آپ کسی کی جانب ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے تھے۔ جس سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے اور اس سے کسی خاص وجہ سے کلام کرنا ضروری ہو جاتا تو اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آپ کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

حُسنِ معاشرت

نبی کریم ﷺ نے معاشرت میں جو اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا اس کے متعلق بے شمار احادیث صحیحہ

منقول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح وثنا میں فرمایا ہے کہ آپ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے اور ذرہ نواز تھے۔ ابوداؤد نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر پورا واقعہ بیان کیا اور آخر میں فرمایا کہ جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو والد ماجد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری پر کپڑا ڈالا اور آپ کے نزدیک لے آئے۔ جب آپ سوار ہو گئے تو والدِ محترم نے فرمایا اے قیس! تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے سوار ہونے کے لئے فرمایا۔ میں نے از راہِ ادب انکار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ یا واپس ہو جاؤ۔ مجبوراً میں واپس لوٹ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کسی سے نفرت نہ کرتے بلکہ تالیفِ قلوب فرمایا کرتے تھے۔ ہر قوم کے معزز افراد کا اِکرام فرماتے اور ایسے ہی اشخاص کو ان پر حاکم مقرر کرتے، لوگوں کو خوفِ خدا سے ڈراتے، عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے لیکن کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آتے۔ اپنے اصحاب کے ہاں بھی تشریف لے جاتے۔ ہر شریک مجلس کو اس کی شان کے مطابق حق دیتے۔ شمعِ رسالت کا ہر پروانہ یہی گمان کرتا تھا کہ خصوصی نظر کرم میری جانب ہے۔ جب آپ کسی کو اپنے پاس بٹھاتے یا کوئی شخص اپنی حاجت لے کر آتا تو آپ اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہتے جب تک وہ شخص خود اجازت حاصل نہ کرتا۔ اگر کوئی حاجت پیش کرتا تو اسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ کچھ بھی میسر نہ آتا تو دل نواز سخن سے مالا مال فرما دیتے۔ آپ تمام لوگوں سے وسیع القلب اور وسیع الاخلاق تھے۔ آپ سب کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے اور سب کے حقوق آپ کی نظر میں یکساں تھے۔ اسی لیے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی توصیف کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ پھول کی مانند کھلے رہتے، خوش اخلاق اور نرم خو تھے۔ آپ بداخلاق، سنگدل، بازاروں میں آواز بلند کرنے والے، گالی گلوچ سے کام لینے والے، دوسروں میں کیڑے نکالنے والے، اور چاپلوس وغیرہ ہرگز نہیں تھے۔ جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی اس کی جانب توجہ نہ فرماتے۔ کوئی طلبگار اس بارگاہِ بیکس پناہ سے مایوس نہ لوٹتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ (آل عمران:159)

”تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے“۔

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ (المومنون:96)

''سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو''۔

اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو ضرور قبول فرماتے۔ ہدیہ اگر چہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہوتا، قبول فرما لیتے اور اس کا بدلہ دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی لیکن مجھے آپ نے کبھی اف تک نہ کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کوئی کام نہ کیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہ کیا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بہتر کسی کا اخلاق نہیں تھا۔ جب بھی آپ کے صحابہ یا اہل بیت میں سے کسی نے آپ کو بلایا تو فوراً تشریف لے جاتے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی مجھے آپ نے اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو تبسم فرماتے ہی دیکھا۔ فخرِ دوعالم ﷺ اپنے اصحاب کی دلنوازی فرماتے، ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرتے، ان کے بچوں کی دلجوئی کرتے اور انہیں گود میں اٹھالیا کرتے تھے۔ ہر آزاد، غلام، لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمالیتے۔ مدینہ منورہ کے کسی گوشے میں بھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کی عیادت کرتے اور عذر خواہ کا عذر قبول فرمالیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے گوش مبارک سے بات کرنے کی خاطر منہ لگاتا تو آپ سر کو ہرگز پیچھے نہیں ہٹاتے تھے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہٹ جاتا۔ جب بھی کسی نے آپ کے دست مبارک کو پکڑا تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ نہ چھڑایا جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔ صحابہ کرام سے مصافحہ کرنے میں پہل کرتے۔ جب بھی کوئی شخص ملتا تو رسول اللہ ﷺ اسے پہلے سلام کرتے۔ اپنے اصحاب کے درمیان کبھی اس طرح پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے جس سے دوسرے کو تنگی ہو۔ جو شخص آپ کے پاس حاضر ہوتا اس کی عزت کرتے۔ بعض اوقات کپڑا پھیلا دیتے اور اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے۔ اگر کوئی صحابی انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے بٹھاتے اور قسم تک دیتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ پیارے پیارے ناموں سے پکارتے، کسی کی بات کو نہ ٹوکتے۔ اگر کوئی کلام تجاوز کرتا تو اسے روک دیتے یا خود اٹھ کر چلے جاتے۔ دوسری روایت میں متنبہ کرنے یا اٹھ جانے کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ کوئی شخص کسی حاجت کے پیشِ نظر آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتا اور آپ اس وقت نماز پڑھ رہے ہوتے تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے۔ اس کی ضرورت معلوم کر کے پہلے اسے فارغ کرتے پھر نماز میں مشغول ہوتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نزولِ قرآن، وعظ اور خطبے کے علاوہ آپ متبسم اور ہشاش بشاش نظر آتے۔ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تبسم کا خوگر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

كَانَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ يَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَآءُ فَمَا يَأْتُوْنَهُ بِاٰنِيَةٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا وَرُبَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ يُرِيْدُوْنَ التَّبَرُّكَ۔ (ص ۲۸)

''جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ منورہ کے خدام اور بچے اپنے اپنے برتن لے کر حاضر ہو جاتے، جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا تھا۔ جو پانی کے برتن وہ لاتے ان میں آپ دستِ مبارک ڈبوتے جاتے حالانکہ بعض اوقات سخت سردی بھی ہوتی۔ اس طرح وہ برکت حاصل کرتے تھے''۔

مخلوقِ خدا پر شفقت و رحمت

اس بارے میں خود باری تعالیٰ شانہٗ نے یوں آپ کی تعریف بیان فرمائی ہے:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء:107)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے مخصوص فضائل سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام آپ کو عطا فرمائے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ میرا محبوب ایمان والوں پر رؤف و رحیم ہے۔ امت پر آپ کس درجہ مہربان تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ جب قریش نے آپ کی تکذیب کی اور پیغامِ الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو جبریل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جواب کو سن لیا ہے جو قوم کی طرف سے آپ کو ملا ہے۔ پروردگارِ عالم نے پہاڑوں کے نگران فرشتے کو بھیجا ہے، جو بھی آپ حکم فرمائیں گے، یہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ مَلکِ جبال نے بارگاہِ بیکس پناہ میں سلام عرض کیا اور کہا کہ حضور! اگر آپ فرمائیں تو تعمیلِ ارشاد میں مکہ مکرمہ کے پہاڑ کو اٹھا کر کافرانِ قریش پر رکھ دوں۔ یہ سماعت فرما کر اس مجسمہ رحمت

نے صفحہ تاریخِ عالم پر یہ عظیم الشان فیصلہ ثبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کریں گے۔ میں اس بارے میں پرامید ہوں۔

ابن مکندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرتِ روح الامین علیہ السلام نے بارگاہِ مصطفوی میں عرض پیش کی کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو حکم فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے بارے میں دُوررس نتائج پر نظر رکھے ہوئے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو امور میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا تو آپ آسان ہی کو اختیار فرماتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پریشان خاطر ہونے کے خوف سے گاہے بگاہے ہماری دلجوئی فرماتے رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز میں ایسے اونٹ پر سوار ہو گئی جس میں شدت تھی۔ میں نے اسے اِدھر اُدھر دوڑانا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

وفا، ایفائے عہد، صلہ رحمی

ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن ابی حمساءً سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے آپ کے ساتھ خرید و فروخت کی تھی۔ آپ کا کچھ مال میرے ذمے باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ابھی لے کر حاضر ہوتا ہوں، آپ اسی جگہ تشریف رکھیں۔ میں اس وعدے کو بھول گیا اور تین روز کے بعد مجھے یاد آیا تو مال لے کر آپ کی جانب چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اسی جگہ انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں یہاں تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں جب ہدیہ پیش کیا جاتا تو فرماتے: اسے فلاں عورت کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ہے اور ان سے محبت کیا کرتی تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنا غبطہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیا کرتی اتنا کسی دوسری عورت پر نہیں کیا کیونکہ میں سنتی تھی رسول

1۔ خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا (حالی)

اللہ ﷺ اکثر ان کا تذکرہ فرماتے۔ آپ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے لیے ہدیہ بھیجتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ نے ایک دفعہ دروازے پر اجازت طلب کی تو آپ ان کی آواز سن کر بیحد خوش ہوئے اور ان کی جانب لپکے۔ اسی طرح ایک عورت آپ کے پاس آئی تو بڑے احسن طریقے سے اس کا حال دریافت فرمایا اور جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ خدیجہ کے زمانے میں آیا کرتی تھی اور حسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔

بعض حضرات نے آپ کے اوصاف میں بیان کیا ہے کہ آپ ذی رحم میں صلہ رحمی فرماتے لیکن ان میں افضلیت کا لحاظ ضرور کرتے تھے۔ آپ نے اپنی نواسی امالہ بنت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اٹھا کر نماز پڑھی۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو انہیں زمین پر اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو پھر اٹھا لیتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بارگاہ میں نجاشی (شاہِ حبشہ) کا وفد آیا تو آپ نے ان کی خاطر داری فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! خدمت کے لیے ہم کافی ہیں۔ تاجدارِ دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے ملک میں ہمارے ساتھیوں کی دل کھول کر خاطر و مدارت کی تھی، میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔

قبیلہ ہوازن کے قیدیوں میں آپ کی رضاعی ہمشیرہ شیما بھی تھیں۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہتی ہو تو بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا جائے گا اور اگر واپس جانا چاہو تو مع اپنے ساز و سامان واپس جاسکتی ہو۔ انہوں نے اپنی قوم میں واپس جانا پسند کیا تو آپ نے کافی سامان دے کر انہیں واپس بھیج دیا۔ حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ جب قریب ہوئی تو آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔ وہ بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ ہے۔

عمرو بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ایک روز تشریف فرما تھے کہ آپ کا رضاعی باپ آ گیا، تو آپ نے ان کے لیے کپڑا بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رضاعی والدہ آ گئیں، ان کے لیے کپڑے کا دوسرا حصہ پھیلا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ ان کے بعد آپ کا رضاعی بھائی آ گیا، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ رسول کریم ﷺ اپنی رضاعی والدہ ثوبیہ کے لیے کپڑے بھیجا کرتے تھے، جنہیں ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ جب وہ فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ ان کا کوئی قریبی رشتہ

دہ رُسوا نہیں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرورِ کون ومکاں ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، عاجزوں سے بوجھ دور ہٹاتے، غرباء کو مال مرحمت فرماتے، مہمان نوازی کرتے اور حقوق اللہ میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کے یہی اوصاف بیان کیے تھے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اظہار فرمایا ہے۔

تواضع اور انکساری

نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ متواضع تھے۔ اس بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ نبی بادشاہ ہونا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد بننے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اس وقت کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تواضع کے باعث یہ مقرر فرمایا ہے کہ قیامت میں جملہ بنی آدم کے سردار آپ ہوں گے، سب سے پہلے آپ قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے اور سب سے پہلے آپ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصائے مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم تعظیم بجالانے کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو جو آپس میں ایک دوسرے کی غایت درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ جیسے دوسرے بندے کھاتے ہیں میں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح دوسرے بیٹھتے ہیں ویسے ہی میں بیٹھتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ گدھے کی سواری بھی فرمالیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ سواری پر دوسرے کو بٹھا بھی لیتے تھے۔ مساکین کی تیمارداری کرتے اور غریبوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے۔ غلاموں کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اکثر مجالست رکھتے اور مجلس میں ان کے درمیان جہاں جگہ ملتی رسول اللہ ﷺ وہیں بیٹھ جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں اس قدر مبالغہ نہ کرنا جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا تھا (یعنی انہیں خدا کا بیٹا کہنے لگے) میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ میرے متعلق یہی کہنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور

کہنے لگی کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! بیٹھ جاؤ، مدینہ منورہ میں جہاں بھی آپ کا کام ہوگا، پورا کروں گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ جب تک اس عورت کی حاجت پوری نہ ہو گئی اس وقت تک بیٹھی رہی اور رسول اللہ ﷺ بھی اس وقت تک وہیں تشریف فرما رہے (1)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر بھی سواری فرمالیا کرتے تھے اور غلاموں تک کی دعوت قبول کرنے میں تأمل نہیں ہوتا تھا۔ جس روز بنی قریظہ قتل ہوئے اس روز آپ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کی رسیوں کا پالان تھا۔ اگر جو کی روٹی یا رنگ بدلی ہوئی چربی سے پکایا ہوا کھانا کھانے کے لیے بھی آپ کو بلایا جاتا تو انکار نہ کرتے۔

ان سے یہ روایت ہے کہ حج کے وقت رسول اللہ ﷺ ایسے کجاوے پر جلوہ افروز تھے جس کے اوپر معمولی سی چادر تھی، جس کی قیمت صرف چار درہم تھی۔ اس موقع پر آپ نے دعا کی کہ اے پروردگار! یہ فریضہ حج ریاکاری سے قطعاً خالی رہے۔ اس موقع پر بہت فتوحات ہوئیں۔ ایک سو اونٹوں کا ہدیہ بھی آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تھا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ لشکرِ اسلام کو لے کر فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو تواضع سے سواری پر اپنا سر اقدس اتنا جھکایا ہوا تھا کہ گھٹنوں سے لگتا تھا۔ آپ کی تواضع کا حال تو یہ ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور انبیائے کرام میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو اور مجھے موسیٰ علیہ السلام سے نہ بڑھاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام سے ہم شک کے زیادہ حقدار ہیں۔ جتنی تکالیف یوسف علیہ السلام کو زنداں میں اٹھانی پڑیں اگر میں ان سے دوچار ہوتا تو داعی اجل کو لبیک کہہ جاتا۔ ایک شخص نے مخاطبے کے وقت آپ کو یَا خَیْرَ الْبَرِیَّہ (اے ساری مخلوق سے بہتر) کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے مصداق ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ تمام ارشادات تواضع کے طور پر فرمائے ہیں ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ، امام حسن، ابوسعید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایات میں آپ کی افضلیت مذکور ہے۔

بعض حضرات کے ارشادات میں آپ کی تواضع کا مزید بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھریلو کاموں میں بھی مشغول ہو جاتے، اپنے کپڑے کی اصلاح کر لیتے، بکری دوہتے، کپڑے کو پیوند لگا لیتے، نعلین مبارک کی سلائی کر لیتے، اپنا ذاتی کام خود کرتے، گھر کا انتظام کرتے، اونٹ کو خود باندھتے،

1۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا   مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   (حالیؔ)

ہوتی کہ آگے چھوڑ دیتے، نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے بلکہ اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے اور بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھا کر لے آتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے اگر کوئی آپ سے اعانت و مدد کی طلبگار ہوتی تو آپ اس کی اعانت فرماتے، جہاں وہ لے جانا چاہتی وہاں تشریف لے جاتے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ ایک شخص حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوا تو آپ کی ہیبت سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حبیب پروردگار ﷺ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں؟ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بازار گیا، آپ نے شلوار کے لیے کپڑا خریدا۔ رقم گننے والے سے فرمایا کہ قیمت ادا کردو بلکہ کچھ زیادہ دے دو۔ حضرت ابوہریرہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ وہ دکاندار رسول اللہ ﷺ کے دستِ کرم کو بوسہ دینے کے لیے لپکا تو آپ نے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو اہلِ عجم کا وطیرہ ہے۔ وہی اپنے بادشاہوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں بلکہ میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کپڑا اٹھا لیا۔ میں اٹھانے کے لیے بڑھا تو آپ نے فرمایا کہ مالک اپنی چیز کو اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

عدل، امانت، عفت، صداقت

رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر امین اور قول کے سچے تھے۔ آپ کے مخالفین واعداء کو بھی اس امر کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ ابو اسحٰق کا قول ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اخلاقِ صالحہ کا مجموعہ بنایا تھا، بایں وجہ آپ کو امین کہا جاتا تھا۔ اکثر مفسرین نے مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (تکویر:21) ''اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ امانت دار ہے''۔ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات مراد لی ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے وقت جب قریش میں اختلاف رونما ہوا۔ وجہ اختلاف یہ تھی کہ حجرِ اسود کو اٹھا کر کون اس جگہ پر رکھے گا۔ آخر سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ (کل) جو بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہی حجر اسود کو رکھے گا۔ چنانچہ سرورِ کون ومکاں ﷺ سب سے پہلے داخل ہوئے حالانکہ یہ آپ کے عہدِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی اس اعزاز کا اولین حق دار ٹھہرایا اور مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم اس قدرتی فیصلے پر دل و جان سے راضی ہیں۔

ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلوعِ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں لوگ آپ سے فیصلے کروایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسمانوں اور زمین میں امین ہوں۔ ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب تو نہیں کرتے ہاں جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اسی کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ (انعام:33) ''تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ ہم میں کوئی آپ کو جھٹلانے والا ہے۔ اخنس بن شریق جنگِ بدر کے موقع پر ابوجہل سے ملا اور کہنے لگا کہ اے ابوالحکم! (دورِ جاہلیت میں یہ قوم کی جانب سے ابوجہل کا لقب تھا) یہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی ہماری گفتگو سننے والا نہیں، لہٰذا اس خلوت میں مجھے حقیقت سے مطلع فرمایئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا: خدا کی قسم محمد سچے ہیں۔ جھوٹ تو محمد نے کبھی بولا ہی نہیں۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

ہرقل (شاہِ روم) نے ابوسفیان سے پوچھا کہ ان (نبی کریم ﷺ) کے اعلانِ نبوت سے پہلے کیا تم نے یہ دیکھا کہ ان پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا تو قطعاً نہیں ہوا۔ نضر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے کہا کہ تمہارے درمیان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کم عمر تھے تو ان کی گفتگو تمہیں سب سے پیاری لگتی تھی اور تم ان کی ہر بات کو سچی جانتے اور انہیں سب سے بڑا امانت دار (امین) کہتے تھے لیکن جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے اور تمہارے پاس کلامِ الٰہی لے کر آئے تو انہیں جادوگر بتانا شروع کر دیا حالانکہ خدا کی قسم وہ جادوگر ہرگز نہیں ہیں۔

حدیث شریف میں ان سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے کسی اجنبی عورت کو کبھی نہیں چھوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توصیفِ مصطفیٰ ﷺ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گفتگو میں سب سے سچے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: (1) تجھ پر افسوس ہے، اگر میں انصاف نہ کروں تو انصاف اور کون کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو سراسر میرا ہی نقصان ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو میں سے ایک کام کرنے کا اختیار دیا تو آپ نے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ

1۔ خطا کار سے درگزر کرنے والا — بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

ہو ورنہ آپ اس سے کوسوں دور رہتے۔

ابوالعباس مبرد نے کہا کہ کسریٰ (شاہِ ایران) نے اپنے دنوں کی تقسیم کر رکھی تھی۔ جس روز ہوا چلتی وہ سونے کا دن تھا، مطلع ابر آلود ہو اس روز شکار، بارش کے دن مے نوشی اور عیش وعشرت کے لیے اور جس روز مطلع صاف ہوتا وہ دن کام کاج یعنی امور مملکت انجام دینے کے لیے مقرر تھا۔ ابن خالویہ نے کہا کہ وہ دنیاوی سیاست سے بھی بے بہرہ نکلا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (الروم:7)

''جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں''۔

لیکن ہمارے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے دن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہوا تھا ایک حصہ عبادتِ الٰہی کے واسطے، دوسرا اہل وعیال کے لیے اور تیسرا اپنے واسطے تھا۔ اپنے وقت کو بھی اپنی ذات اور لوگوں کے مابین تقسیم کیا ہوا تھا نیز خاص لوگوں کو عوام الناس کی دستگیری کا حکم دے رکھا اور تلقین فرمائی تھی کہ جو شخص اپنی حاجت ہماری بارگاہ تک نہ پہنچا سکے اس کی حاجت روائی کرو کیونکہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خطراتِ محشر سے امن دے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کو دوسرے کی غلطی کے بدلے نہ پکڑتے تھے اور نہ کسی کی دوسرے سے تصدیق کرواتے تھے۔ ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت کے کسی معمول کا کبھی قصد بھی نہیں فرمایا، ماسوائے دو مواقع کے لیکن ان دونوں موقعوں پر جب میں نے ارادہ کیا تو مشیتِ خداوندی درمیان میں حائل ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی ناپسندیدہ کام کا قصد بھی نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پروردگارِ عالم نے مجھے نبوت ورسالت کے ساتھ معزز ومکرم فرمایا۔ وہ دو چیزیں جن کا میں نے قصد کیا تھا کہ ایک لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز میں نے اس سے کہا کہ آج میری بھی بکریوں کی نگرانی کرنا کیونکہ میں مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں نوجوانوں میں بیٹھ کر دل لگی کی باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ اسی مقصد کے تحت میں شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ مکہ مکرمہ کے پہلے ہی مکان سے دف اور مزامیر بجائے جا رہے تھے کیونکہ شادی کی تقریب تھی۔ میں سننے کے لیے نزدیک ہی بیٹھ گیا لیکن حیران تھا کہ میری قوتِ سامعہ جواب دے گئی تھی اور اس کے بعد مجھ نیند آگئی یہاں تک کہ

سورج کی گرمی نے ہی مجھے بیدار کیا۔ غرضیکہ جیسا میں آیا تھا ویسا ہی واپس لوٹ گیا اور کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس قسم کا واقعہ دوسری مرتبہ پیش آیا۔ ان کے علاوہ کبھی میں نے کسی برے کام کا ارادہ تک نہیں کیا۔

وقار، خاموشی، سنجیدگی، مروّت اور حسن سلوک

ابوداؤد نے خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ اپنی مجلس میں کبھی پاؤں نہ پھیلاتے بلکہ سب سے زیادہ باوقار نظر آتے تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول معظم ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء فرمایا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر آپ اسی طرح بیٹھتے تھے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دونوں گھٹنوں کا گھیرا کر لیتے اور زانوؤں کو کھڑا رکھتے۔ (اس کو احتباء کہتے ہیں)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ چار زانو بھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کبھار دونوں گھٹنوں اور زانوؤں کو پیٹ سے ملا کر بھی بیٹھتے تھے۔

آپ عموماً خاموش رہتے اور ضرورت کے بغیر کلام نہ فرماتے۔ اگر کوئی شخص سنجیدگی سے گفتگو نہ کرتا تو اس کی جانب سے منہ پھیر لیتے۔ آپ کا ہنسنا تبسم تک محدود تھا۔ کلام واضح ہوتا۔ اس میں کوئی بے مقصد بات ہوتی نہ کسی قسم کی کمی۔ آپ کی تعظیم اور اتباع کے باعث صحابہ کرام کا ہنسنا بھی بارگاہِ مصطفوی میں صرف تبسم کی حد تک رہتا تھا آپ کی محفل حلم و حیاء اور خیر و خوبی کا مرقع ہوتی بارگاہ مصطفوی میں آوازیں بلند کرنے یا کسی کے خلاف الزام تراشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب وہ معلمِ کائنات اپنی زبان حق ترجمان سے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے گوہر لٹاتا تو سامعین حضرات اپنے سر جھکا لیتے اور اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آگے کی جانب قدرے جھک کر آرام سے چلتے تھے، جیسے چڑھائی سے اترائی کی جانب آتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ چلتے وقت ہوشیار رہتے تھے کیونکہ اس سے کسی قسم کی تنگی اور سستی نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھی ہدایت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کے کلام میں آہستگی اور ترتیل تھی۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی حلم، احتیاط، تدبر اور تفکر کی آئینہ دار ہوتی تھی۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے کلمات کو شمار کرنا چاہے تو شمار

کر سکتا تھا۔

آپ کو خوشبو سے محبت تھی اور اس کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔ خوشبو کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے کہ تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے یعنی عورتوں اور خوشبو کی، لیکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپ کی مروت کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور اپنے سامنے سے کھانے کی تلقین فرمایا کرتے۔ مسواک کرنے، ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو صاف رکھنے اور خصائلِ فطرت کو معمول بنانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ براجم اور رواجب سے مراد انگلیوں کی گرہیں (گانٹھیں) ہیں، ہتھیلی کے اندر اور باہر دونوں جانب سے صفائی رکھنی چاہیے اور فطرتی یا پیدائشی خصائل دس ہیں، جن میں سے مونچھوں کو کٹوانا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

رسول اللہ ﷺ کے زہد کے بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ دنیا کے مال و متاع اور اس کی آرائشوں سے آپ نے ایسی حالت میں بھی اجتناب فرمایا جبکہ وہ آپ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی اور پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ اس بے رغبتی کی حالت میں آپ نے دنیا کو خیر باد کہا اور اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ آپ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم) کو اتنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جو کی روٹی نہیں کھائی، حالانکہ اگر آپ چاہتے تو باری تعالیٰ شانہٗ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہم و گمان بھی اس کا اندازہ نہ کر سکتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آلِ رسول اللہ ﷺ نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی، یہاں تک کہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اونٹ بکری وغیرہ۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے کوئی ترکہ

نہیں چھوڑا، وصال کے وقت آپ کے جنگی ہتھیار تھے، ایک خچر تھا اور کچھ زمین تھی لیکن یہ تمام چیزیں صدقے کے طور پر لوگوں کو عنایت فرما دی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جو تھے جنہیں میں نے کٹھلیا میں ڈالا ہوا تھا، ان کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا:

اِنِّیْ عُرِضَ عَلَیَّ اَنْ تُجْعَلَ لِیْ بَطْحَآءُ مَکَّۃَ ذَھَبًا فقلتُ لَا یَارَبِّ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا۔فَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَجُوْعُ فیہ فَاَتَضَرَّعُ الیکَ وَاَدْعُوْکَ وَاَمَّا الیومُ الَّذی اَشْبَعُ فیہِ فَاَحْمَدُکَ وَاُثْنِیْ عَلَیْکَ۔(ص۔۳۳)

''میرے سامنے یہ پیشکش رکھی گئی کہ میرے لیے مکہ مکرمہ کی وادی سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے گزارش کی: اے رب! میں ایک روز بھوکا اور دوسرے روز شکم سیر رہنا چاہتا ہوں کیونکہ جس روز میں بھوکا رہوں گا تو تیری بارگاہ میں گریہ وزاری پیش کروں گا اور دستِ دعا دراز کیا کروں گا اور جس روز سیر ہوں گا تو تیری حمد وثنا بیان کروں گا۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُقْرِءُ کَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَکَ اَتُحِبُّ اَنْ اَجْعَلَ ھٰذَا الْجِبَالَ ذَھَبًا وَتَکُوْنَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ فَاَطْرَقَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ صلَّی اللّٰہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم یَا جِبْرِیْلُ اِنَّ الدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَلَہٗ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَہٗ قَدْ یَجْمَعُھَا مَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ فَقَالَ لَہٗ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثَبَّتَکَ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔(ص ۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے اس پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوں یہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے تھوڑی سی دیر سر جھکائے رکھا، پھر فرمایا: اے جبرئیل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور اس کا مال ہے جس کے پاس حقیقی دولت نہیں۔ اسے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل وخرد کا توڑا ہو۔ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ اے ممدوحِ پروردگار! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت آشنائی والے مقام

پر ثابت قدم رکھا ہوا ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم ایسے آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ بعض اوقات سارا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھر میں آگ روشن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ صرف کھجوروں اور پانی ہی پر گزر اوقات ہوتی رہتی ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمانے تک کبھی سیر ہو کر جو(1) کی روٹی بھی نہ کھائی اور یہی حالت آپ کے گھر والوں کی رہی۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ، ابوامالہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل و عیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لیے بھی کوئی چیز نہ ہوتی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ امراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔ آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا، جسے ہم دوہری کر کے بچھا دیا کرتے اور آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اس کی چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ صبح ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ اسی چادر کی چار تہیں کر دی تھیں۔ فرمایا: اسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ جب کبھی چارپائی پر آپ آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بُنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ کی کروٹوں میں نشان پڑ جایا کرتے تھے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے کبھی تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔ جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے تو اگرچہ ساری رات بھوک کے مارے بے قرار رہتے لیکن یہ

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ نے یوں نذرِ عقیدت پیش کی ہے:۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہوسکتی۔ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربِ کریم سے سوال کرتے تو وہ منعم حقیقی آپ کو بے بہا زمین کے خزانے اور وافر پھل وغیرہ مرحمت فرماتا رہتا، جن کے باعث آپ آرام سے زندگی بسر فرماتے رہتے۔ آپ کے فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی اِدھر آنکھوں سے قطار اندر قطار آنسو گر رہے ہوتے اور اُدھر آپ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں آپ دنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرما لیا کریں جس سے فاقے کی اذیت نہ اٹھانی پڑے تو آپ زبانِ حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جب باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر و قناعت کے باعث وہ عزو شرف سے نوازے گئے اور اجرِ عظیم پایا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا۔ مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صرف ایک ماہ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

خوف خدا و کثرتِ عبادت

نبی کریم ﷺ کا اپنے رب سے ڈرنا، اس کے احکام کی اطاعت میں کوشاں رہنا اور کثرت سے عبادت کرنا، یہ اس مخصوص علم کے باعث تھا، جو باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرمایا تھا، اسی لیے تو سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ سنن ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں تفصیلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اطت السَّمَآءُ وَحَقٌّ لَّهَا اَنْ تط مَا فِیْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلِکٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصعدات تَجَارُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (ص ۳۴)

''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ بھی سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔آسمان چڑچڑاتے ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ ان پر چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کسی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی پیشانی سجدے میں رکھی ہوئی نہ ہو۔خدا کی قسم، جو میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تمہارا ہنسنا گھٹ جاتا اور رونا بڑھ جاتا اور فرشِ زمین پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دیتے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے''۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔جب بارگاہِ رسالت میں یہ گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے، تو اس فخرِ انسانیت نے جواب دیا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جملہ معمولات میں ہیشگی ہوتی تھی۔دوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ فرماتی ہیں: سرورِ کون و مکاں ﷺ روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔اسی کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تو چاہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو یقیناً انہیں نماز پڑھتے ہوئے پائے گا اور تیری خواہش یہ ہو کہ آرام فرمانے کی حالت میں آپ کو دیکھوں تو آرام فرماتے ہوئے ہی نظر آئیں گے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سرورِ کون مکاں ﷺ کی خدمت میں موجود تھا۔آپ نے مسواک کی، پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔فخرِ دوعالم ﷺ نے نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی اور اس طرح کہ رحمت کی آیت پر ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے۔اسی طرح عذاب کی آیت پر ٹھہر جاتے اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے۔سورۂ بقرہ اس طرح پڑھتے ہوئے جب ختم ہوئی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع کی حالت میں اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا۔رکوع کی حالت میں یہ کہتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَةِ'' پاک ہے وہ ذات جو حقیقی طاقت، حکومت اور عظمت والی ہے''۔پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی پڑھتے رہے۔دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کی تلاوت

کی، تیسری میں اس سے اگلی اور چوتھی میں اس سے اگلی پڑھی۔ قرأت کا طریقہ وہی تھا جو مذکور ہوا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں بھی اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی اسی قدر بیٹھے رہے آپ نے قیام کے دوران سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ پڑھی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ نماز پڑھنے میں مصروف تھے اور آپ کے شکم مبارک سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی کھولتی ہے۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔ آپ کو آرام و راحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا کہ میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے ایک سو مرتبہ بخشش و مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ دوسری روایت میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں نیک توفیق دے۔ جملہ انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی کمال تخلیق، حسنِ صورت، شرافتِ نسب، حسنِ اخلاق اور دیگر محاسنِ عالیہ میں یہی حالت تھی کیونکہ یہی اوصاف تو صفاتِ کمال ہیں لہٰذا حضرات انبیاء کرام ہر کمال، بشری اوصاف اور جملہ فضائل سے بھرپور ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مرتبہ سب سے بلند و بالا اور ان کا درجہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے لیکن فضائل کے میدان میں انہیں بھی پروردگارِ عالم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے آخری پیغام میں فرمایا کہ: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253) یعنی یہ رسول ہیں ہم نے ان کے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت احادیث نقل کی ہیں جو بعض انبیائے کرام کے فضائل و کمالات کو ظاہر کر رہی ہیں لیکن میں (تکرار کے خوف سے) ان کے نقل کرنے کی اس جگہ ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

شمائل نبوی اور دیگر متعلقہ اوصاف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ قارئین کرام سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت بخشے، ہم نے آپ کے سامنے نبیِ آخرالزماں ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ، فضائل مجیدہ اور متعدد خصائلِ کمالیہ بیان کیے ہیں اور ان اخلاق و خصائلِ حمیدہ کا فخر دو عالم ﷺ کے لیے ثابت و صحیح ہونا مبرہن کیا ہے اور اس

سلسلے میں صرف بعض آثار نقل کرنے پر ہی قناعت کی ہے حالانکہ حقیقتِ نفس الامری نہایت وسیع ہے۔ آپ کے بارے میں اس میدان کی وسعت اِتنی ہے کہ اس تک پہنچنے کی ہر طویل سے طویل تر رسی بھی کوتاہ اور ناکافی ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ کے خصائص کے علم کا سمندر تو یقیناً ٹھاٹھیں مار رہا ہے جسے ڈول مکدّر نہیں کر سکتے لیکن (بخوفِ طوالت) ہم نے بعض معروف احادیث ہی پیش کی ہیں، جن میں سے اکثر صحیح بخاری اور دیگر مشہور تصانیف میں موجود ہیں، جبکہ ان میں سے بھی ہم نے ایک قلیل حصے ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ان فصلوں کو ان احادیث پر ختم کریں جو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جمع کی تھیں، کیونکہ حلیہ مبارک کے بارے میں یہ بھی کافی ہیں۔

امام ترمذی اور دیگر محدثین نے امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق دریافت کیا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنے میں یگانہ و معروف تھے اور میں خواہشمند تھا کہ حضورِ اقدس کے حلیہ شریف سے روشناسی حاصل کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ سرورِ کون و مکان ﷺ دراز قامت تھے۔ آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا دمکتا ہے۔ میانہ قد والوں سے آپ لمبے اور بلند قامت آدمی سے دیکھنے میں نیچے معلوم ہوتے تھے۔ سر اقدس بڑا اور بال مبارک شکن دار تھے لیکن کنگھی کرنے سے سیدھے بھی ہو جاتے تھے بصورتِ دیگر کانوں کی لو سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آپ کا رنگ چمکدار، پیشانی کشادہ اور حاجب باریک اور لمبے تھے لیکن ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر آتی تھی۔ بینی مبارک نورانی اور بلند تھی، جس نے اسے غور سے نہ دیکھا ہوتا وہ باریک اور لمبی گمان کرتا۔ ریش مبارک بھاری، چشمانِ مبارک گہری سیاہ، جن میں ہلکی سی سرخی کی جھلک تھی۔ صاف و شفاف رخسارِ مبارک، دہن اقدس مناسب کھلا ہوا، خوبصورت اور سفید دندانِ پاک، جو جدا جدا تھے۔ سینے پر بالوں کی باریک سی دھاری، گردن گویا چاندی کی صراحی یا خوبصورت اور سرخی مائل سفید تصویر کی گردن کے مانند، درمیانہ قد، مضبوط بدن، شکمِ اطہر و سینہ انور سامنے سے برابر تھے۔ سینہ فیض گنجینہ فراخ، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، گیسوئے مبارک گھنے، گردن کے نچلے حصے اور ناف کے درمیان بالوں کی باریک سی دھاری تھی، جو خط سا دکھائی دیتی تھی، اس میں بال کم اور نورانی تھے۔ چھاتی اور شکمِ اطہر بالوں سے خالی، ان کے علاوہ بازوؤں اور کندھوں پر بال تھے۔ سینہ فراخ اور بلند، کلائی بڑی، ہتھیلی کشادہ، ہاتھ پیروں کی انگشتہائے مبارک موٹی اور لمبی تھیں۔ پٹھے صاف اور لمبے

تھے، پاؤں درمیان سے ابھرے ہوئے جو زمین سے اٹھے رہتے۔ قدمِ انور صاف اور نرم تھے جن کے اوپر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ زمین سے اٹھتے تو پوری قوت کے ساتھ اور چلتے وقت آگے کی جانب قدرے مائل ہو کر چلتے، تیز چلتے تھے لیکن بڑے آرام سے۔ محوِ رفتار ہوں تو یوں محسوس ہوتا کہ آگے کو گرنے والے ہیں۔ جب کسی جانب توجہ فرماتے تو مکمل طور پر اُدھر متوجہ ہوتے۔ نگاہیں نیچی رکھتے۔ آپ کی نظر آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ کا ملاحظہ فرمالینا ایک جھلک کی مانند ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے چلتے اور جو ملتا اسے پہلے سلام کرتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ تکلم کی خوبیاں دریافت کیں تو انہوں نے بتایا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً غمگین اور متفکر رہتے تھے۔ چونکہ آپ آرام سے زندگی نہیں گزار رہے تھے لہٰذا ضرورت کے بغیر کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ کلام میں ابتداء اور انتہا میں زیادہ وضاحت فرماتے۔ جامع کلمات کے ساتھ مفصل کلام کرتے لیکن اس میں ایک لفظ بھی زاید از ضرورت نہ ہوتا اور کسی ایک لفظ کو شامل کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی تھی۔ آپ تند خو نہیں بلکہ طبیعت کے نرم تھے۔ کسی کو حقیر نہیں جانتے تھے نعمت کی قدر کرتے اگر قلیل ہوتی اور اس کی مذمت سے پوری طرح گریز کرتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی قطعاً تعریف نہ کرتے کیونکہ یہ حرص کی ایک نشانی ہے اور نہ برائی بیان کرتے۔ جب حق کے درپے ہوتے تو اس وقت تک غصہ وغضب دور نہ ہوتا جب تک انتقام نہ لے لیتے، لیکن اپنی ذات کے لیے غیظ وغضب میں نہیں آئے اور نہ ہی اپنی ذات کا کبھی انتقام لیا۔ جب اشارہ کرتے تو پوری ہتھیلی سے فرماتے۔ جب تعجب فرماتے تو ہتھیلی کو اوپر نیچے کرتے اور جب کلام فرماتے تو اسے ملا دیتے اور دائیں انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے۔ جب غصے میں آتے تو منہ پھیر لیتے۔ خوش ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا صرف تبسم کی حد تک تھا۔ کلام فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بارانِ(1) رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک اپنے بھائی حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کچھ عرصہ مخفی رکھنے کے بعد بیان کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے بتانے سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ انہوں نے حضرت والدِ محترم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں ۔۔۔ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تشریف لانے، باہر تشریف لے جانے، لباس، مجلس اور شکل وصورت کے متعلق دریافت کیا تھا تو انہوں نے ہر بات تفصیل کے ساتھ بتادی تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کس طرح گھر میں تشریف لایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا تشریف لانا اپنی مرضی پر منحصر تھا۔ گھر میں جتنا وقت تشریف رکھتے اس کے تین حصے کیے ہوئے تھے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، دوسرا اہل وعیال کی خاطر اور تیسرا اپنی ذات کے لیے تھا۔ پھر تیسرے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کیا ہوا تھا۔ عام پر خاص کو ترجیح دیتے لیکن کسی کو روکتے نہ تھے امت کے حق میں آپ کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ فضل کو ترجیح دیتے اور دین میں فضیلت کے لحاظ سے حاجت مندوں میں تقسیم فرماتے۔ ان میں بعض ایک حاجت والے، بعض دو حاجتوں والے اور بعض بے شمار حوائج والے ہوتے تو ان کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے اور آپ کا یہ اشتغال ان کی بھلائی کی خاطر ہوتا تھا۔ امتیوں کے حالات پوچھتے اور جو ان کے لائق ہوتا وہ مشورہ بھی دیتے اور اور فرمایا کرتے تھے کہ حاضرین کو چاہیے کہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کوئی شخص اپنی حاجت مجھ تک نہیں پہنچا سکتا تو دوسروں کو چاہیے کہ غائب کی حاجت یہاں تک پہنچا دیا کریں۔ کیونکہ جو شخص کسی مجبور کی حاجت حاکم وقت تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ثابت قدم رکھے گا، اس کے سامنے صرف اسی بات کا ذکر آئے گا اور اس کے سوا دوسرے کی بات قابلِ قبول نہ ہوگی۔

سفیان بن وکیع کی حدیث میں ہے کہ لوگ آپ کے پاس علم سے خالی آتے اور دولتِ علم سے ایسے مالا مال ہو جاتے کہ فقیہہ بن کر نکلتے(1) تھے۔ میں نے سوال کیا کہ بیرونِ خانہ رسول اللہ ﷺ کی حالت کیا ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بغیر ضرورت کے کلام نہ فرماتے۔ لوگوں کو ملانے کی کوشش کرتے اور متفرق نہ ہونے دیتے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے اور اسی کو ان پر والی (حاکم) بناتے۔ عام لوگوں سے علیحدہ رہتے لیکن کسی سے روگردانی نہ فرماتے۔ اپنے بعض اصحاب کی غیر موجودگی میں ان کے حالات بھی دریافت فرماتے۔ اچھے کام پر حوصلہ افزائی کرتے اور برے

1۔ اس لیے ظفر علی خاں دیوبندی نے کہا:

ارسطو کی ملت ہے یثرب کی لونڈی افلاطون طفلِ دبستانِ احمد

(نوٹ) موصوف چونکہ دیوبندی تھے لہٰذا لفظ یثرب کو بے دھڑک استعمال کر گئے برادران اہلسنت کو اس جگہ طیبہ پڑھنا چاہیے (اختر)

کاموں کو ناپسند فرماتے۔آپ کے معمولات میں اعتدال اور عدمِ اختلاف تھا۔غفلت اور تساہل کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے تا کہ لوگ غافل اور کاہل نہ بن جائیں۔ ہر کام میں میانہ روی تھی۔ کسی کے حق میں کمی نہ کرتے اور غیر مستحق کو تجاوز نہیں کرنے دیا کرتے تھے۔ جو اشخاص آپ کا جتنا قرب حاصل کر لیتے اسی قدر دوسروں سے بہتر افضل شمار ہوتے۔لوگوں کے ساتھ اچھی طرح موافقت کرنے والے آپ کے نزدیک عظیم ٹھہرتے تھے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور کوئی جگہ اپنے بیٹھنے کے لیے معین نہ فرماتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخری حصے میں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔اپنے ہم نشینوں کو علیٰ قدر مراتب نوازا کرتے تھے، جس پر ہر ایک یہی گمان کرتا تھا کہ آقائے دوجہاں کی سب سے زیادہ نظرِ کرم میرے ہی حال پر ہے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا، یا کسی حاجت کے سبب آنا پڑتا، تو جب تک وہ فارغ ہو کر چلا نہ جاتا اُتنی دیر آپ اس کے پاس تشریف رکھتے۔ جس نے بھی آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کی، اس کی ضرور آپ نے حاجت روائی فرمائی یا اسے سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیا۔

آپ کی کرم نوازی اور اخلاقِ کریمہ کا دائرہ لوگوں کے درمیان بڑا وسیع تھا۔آپ سب کے لیے باپ کی طرح تھے اور وہ سارے آپ کے نزدیک حق میں ایک دوسرے سے قریب اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت والے تھے۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے نزدیک لوگ حق میں برابر تھے۔آپ کی مجلس حلم وحیا اور صبر و امانت کی محفل ہوا کرتی تھی اس میں نہ کوئی آواز بلند کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی کی جاتی تھی نیز ادھر اُدھر دیکھ کر گفتگو نہیں کی جاتی تھی۔ یہ الفاظ پہلی دونوں روایتوں میں نہیں ہیں۔صحابہ کرام بھی آپ کی مجلسِ مبارکہ میں تقویٰ کے لحاظ سے محبت کرتے اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے، غریب کی حاجت روائی کرتے اور مسافروں کی حالت پر ترس کھایا کرتے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مقدسہ ہم نشینوں کے بارے میں دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوش مزاج، کریم الخلق، اور نرمی سے سلوک کرنے والے تھے۔ بدخلق اور سخت طبیعت والے

نہ تھے اور نہ بازاروں میں آواز بلند کرتے اور نہ فحش باتیں کرتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور ایسا مزاح نہ فرماتے جو مقامِ ادب سے غافل کردے یا جسے طبیعت نہ چاہے، کبھی مایوس نہ ہوتے۔ تین چیزیں آپ کی سیرتِ مقدسہ میں قطعاً نہ تھیں (۱) ریاکاری (۲) بیکار گفتگو (۳) غیر مفید کام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کو تین حالتوں میں رکھتے تھے۔ کسی کی مذمت نہ کرتے اور نہ کسی کا عیب تلاش کرتے۔ جس میں ثواب کی امید ہو اسی کام کا حکم دیتے۔ جب آپ زبانِ حق ترجمان سے کچھ ارشاد فرماتے تو اہل مجلس اپنے سروں کو اس طرح جھکالیا کرتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ جب آپ خاموش ہوتے اس وقت صحابہ کرام گفتگو کیا کرتے تھے۔ وہ کسی بات پر آپس میں نہ جھگڑتے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوتا، اس کی التجا بڑی توجہ سے سنی جاتی اور اُتنی دیر آپ خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کرکے فارغ ہوجاتا۔

آپ کلام کی ابتدا فرماتے تھے۔ آپ ہنستے تو وہ بھی ہنستے اور آپ تعجب فرماتے تو وہ بھی متعجب ہوتے۔ اجنبی آدمی کی سخت کلامی پر صبر فرماتے اور عام حکم تھا کہ جب کسی حاجتمند کو دیکھو تو اس کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرو۔ مکافات کرنے والے کی مدح وثنا قبول فرماتے کسی کی بات نہ کاٹتے اور اگر کوئی تجاوز کرتا تو اسے روک دیتے یا وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ بعض روایات میں اس سے زیادہ ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سکوت کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ آپ کی خاموشی چار باتوں پر منحصر تھی: (۱) حلم (۲) احتیاط (۳) اندازہ (۴) تفکر

آپ کا اندازہ یہ تھا کہ سب پر نظر رکھتے اور ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سماعت فرماتے۔ آپ کا تفکر فانی اور باقی چیزوں کی حقیقت کے بارے میں تھا۔ صبر کرنے میں آپ بہت حلیم تھے یہاں تک کہ بے قرار کردینے والے واقع پر بھی آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے۔ چار چیزوں میں آپ احتیاط فرماتے تھے: (۱) اچھی چیز اختیار فرماتے، تاکہ لوگ پیروی کریں۔ (۲) بری باتوں سے دور رہتے تاکہ لوگ ان سے اجتناب کریں۔ (۳) جس بات میں امت کو فائدہ ہوتا اس میں کوشاں رہتے۔ (۴) جو چیز دنیا اور آخرت میں فائدہ دینے والی ہوتی اس کا اہتمام فرماتے۔

فائدہ

یہ مشکل الفاظ کی تشریح کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (المشذب) سے لمبا اور قدرے نحیف آدمی مراد ہے اور یہ دوسری حدیث ہی کے موافق ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ بہت لمبے نہ تھے۔ (الشعر الرجل) سے وہ بال مراد ہیں جو نہ

زیادہ شکن دار ہوں اور نہ بالکل سیدھے، گویا دستِ قدرت نے شانہ کیا ہوا ہے اور وہ الجھے ہوئے نہ ہوں۔(العقیقه) سے سر کے ایسے بال مراد ہیں کہ اگر آپ انہیں جدا جدا کرنا چاہتے تو وہ علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ورنہ ملے رہتے۔دوسری روایت میں اس کے لیے لفظ عقیصۃ بھی استعمال ہوا ہے (ازھر اللون) سے روشن رنگ مراد ہے یا خوبصورت رنگ جیسا کہ زہرالحیاۃ الدنیا ہے۔دوسری حدیث میں اس کی تشریح یوں ہے: لیس بالابیض الامهق و لا بالادم یہاں بھی امہق سے بالکل سفید اور آدم سے گندمی رنگ مراد ہے۔ایک اور حدیث میں ابیض مشرب ہے۔یعنی ایسا سفید جس میں سرخی کی جھلک ہو۔(الحاجب الازج) ایسے قوس دار حاجب جن کے بال گھنے ہوں۔(الاقنیٰ) لمبی ناک جو درمیان سے قدرے اُبھری ہوئی ہو۔(الاشم) ناک کی لمبی پوری۔

(القرن) حاجبوں کے بالوں کا ملا ہوا ہونا مراد ہے۔اس کی ضد بلج ہے یعنی جدا جدا ہونا۔ام معبد والی حدیث میں آپ کی یہ تعریف لفظ قرن سے کی گئی ہے۔(الادعج) سے آنکھ کے گہرے سیاہ بال مراد ہیں۔دوسری حدیث میں اشکل العینین مذکور ہے،جس سے مراد ایسی آنکھیں ہیں جن کی سفیدی میں سرخی کی جھلک بھی ہو۔(الضیع) کا مطلب کشادہ ہے۔(الشنب) سے دانتوں کی خوب صورتی یا ان کے درمیان معمولی سا فاصلہ مراد ہے جیسا کہ عموماً نوجوان کے دانتوں میں ہوتا ہے۔(الفلج) سامنے والے دانتوں میں فاصلہ ہونا۔(دقیق المسربة) یعنی بالوں کی دھاری جو سینے سے ناف تک ہو۔(بادنٌ) پُر گوشت۔(متماسکٌ) معتدل اور مضبوط جسم والے۔دوسری حدیث میں ہے: لَمْ یَکُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ یعنی آپ ڈھیلے اور نرم گوشت والے نہیں تھے۔(مکلثم) چھوٹی ٹھوڑی کو بھی کہتے ہیں۔

(سؤ البطن والصدر) سے مراد یہ ہے اور شکم مبارک اور سینہ اقدس سامنے سے ایک ہی سطح میں نظر آتے تھے۔(مشیح) اگر یہ لفظ درست ہے تو اس کا مطلب اقبال ہے۔اس سے سینے میں کسی جانب ہونا بھی مراد ہوتا ہے اور اس معنی سے سؤ البطن والصدر کی تشریح بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ کے سینہ فیض گنجینہ سے شکم مبارک باہر کو نکلا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ممکن ہے یہ لفظ مَسِیح ہو یعنی سین اور میم مفتوحہ کے ساتھ،جس سے مراد چوڑا ہے۔دوسری روایت میں الکرادیس یعنی ہڈیوں کے سر،جن سے جوڑ امراد ہیں۔ایک اور حدیث میں جلیل المشاش والکتد ہے۔مشاش سے کندھوں کے سرے اور کتد سے کندھوں کا اجتماع مراد ہے۔(ششن الکفین والقدمین) سے ہتھیلیوں اور قدموں کا پُر گوشت ہونا مراد ہے۔(الزندان) کلائیوں کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔(سائل الاطراف) یعنی لمبی انگلیاں۔(دحب الراحة) وسیع ہتھیلی کو کہتے ہیں یا انتہائی سخی۔(خمصان اخمصین) یعنی ایسے

قدم جو درمیان سے اونچے اور زمین سے اٹھے ہوئے ہوں۔(مسیح القدمین) سے صاف قدم مراد ہیں۔اسی لیے ینبو عنھما المآء فرمایا گیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں اس کا خلاف مذکور ہوا ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ جب آپ قدم مبارک کو زمین پر رکھتے تو پورا قدم زمین سے لگ جاتا اور اس میں جھکاؤ یا ابھار نہ تھا۔یہ مفہوم مسیح القدمین والی روایت کی تائید کرتے ہیں اور اسی وجہ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ابن مریم کہا گیا ہے کیونکہ ان میں جھکاؤ نہ تھا۔بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قدموں پر زیادہ گوشت نہ تھا اور یہ مفہوم شثن القدمین کے خلاف ہے۔(التقلع) کا مطلب قوت سے قدم اٹھانا ہے۔

(التکفؤ) آگے کی جانب جھک کر چلنے کو کہتے ہیں۔(الھون) سے نرمی اور وقار مراد ہے۔(الذریع) لمبے قدم اٹھانے کو کہتے ہیں۔یعنی جلدی کے ساتھ اور کافی آگے قدم رکھنا،لیکن متکبر کی چال اس کے برخلاف ہوتی ہے۔آپ منزل کی جانب متوجہ رہتے۔آپ کا تیز چلنا مشقت اور عجلت کے بغیر آسانی کے ساتھ تھا،جیسا کہ مذکور ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا گویا آپ نشیب کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔(یفتح الکلام ویختمه باشداته) یعنی دہن شریف کشادہ تھا۔اہل عرب منہ کی فراخی کو خوبی شمار کرتے اور چھوٹے منہ کو مذموم گردانتے تھے۔(اشاح) اعراض کرنا۔(حب الغمام) اولے (ژالہ) اور فرمان (فیرد ذٰلک بالخاصة علی العامة) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک وقت مقرر فرمایا ہوا تھا،جس میں صرف خاص حضرات ہی بارگاہِ رسالت میں باریاب ہو سکتے تھے اور آپ کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہو کر انہیں عام حضرات تک پہنچاتے تھے۔بعض کا خیال ہے کہ اس خاص وقت کو عام لوگوں کے لیے بھی بدل دیا جاتا تھا۔

(یدخلون رواذًا) سے محتاجوں اور تشنگانِ علم و عرفاں کی آمد مراد ہے۔(ولا ینصرفون الا عن ذواق) اور وہ اپنی تشنگی بجھائے بغیر واپس نہیں لوٹتے تھے۔اکثر ایسا ہی ہوتا تھا لہٰذا اسے ظاہر مفہوم پر ہی محمول کرنا چاہیے۔(العتاد) تیار شدہ۔(المعارزة المعاونة لا یواطن الا ماکن) یعنی نماز کے لیے کوئی جگہ معین نہ فرماتے اور دوسری حدیث میں ایسا کرنے سے تفصیلی طور پر منع فرمایا ہوا ہے۔(صابرہ) سے مراد ہے کہ ساتھی کے ارادے کے مطابق ٹھہرے رہتے۔(لا تؤبن فیه الحرم) یعنی مجلس میں عورتوں کی بدگوئی نہ کی جائے۔(لا تنثی فلتاته) یعنی اِدھر اُدھر دیکھ کر کلام نہ فرماتے،اگرچہ کسی سے کوئی بات چھپانے والی ہو۔(یرفدون) مدد کرتے۔(الضخاء) بہت چلّانے والا۔(لا یقبل الثناء (لا مکافی) یعنی جس مدح و ثنا میں مبالغہ ہو اسے پسند نہ فرماتے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ہر

ایک مسلمان کے متعلق ہے اور بعض کا قول احسان کا بدلہ دینے والے کے بارے میں ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انعام فرمایا ہو۔(یستفزہ) یعنی ہلکا جانتے ہوں۔دوسری حدیث میں منجملہ آپ کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ متھوس العقب یعنی ایڑیاں زیادہ پُر گوشت نہ تھیں۔(اھدب الاشفار) یعنی آپ کے حاجبوں کے بال لمبے تھے۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

خصائصِ مصطفیٰ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ ترین منصب کے بیان میں صحیح اور مشہور احادیث نقل فرمائی ہیں، جن سے واضح ہورہا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرومنزلت کیا ہے اور وہ آپ کی کرامت وعظمت کے روشن بیانات ہیں، جن عظمتوں کے ساتھ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو دونوں جہانوں میں سب سے ممتاز اور مخصوص فرمایا ہے(1)۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک)

لَا خِلَافَ اَنَّهٗ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ اَكْرَمُ الْبَشَرِ وَسَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَاَفْضَلُ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَعْلَاهُمْ دَرَجَةً وَاَقْرَبُهُمْ زُلْفٰى۔(ص۳۹)

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے معزز بشر، جملہ اولادِ آدم کے سردار، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلحاظ مرتبہ تمام انسانوں سے افضل، سب سے اونچے مرتبے والے اور اللہ عزوجل کے سب سے زیادہ قریب ہیں“۔

اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں لیکن ہم (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف صحیح اور مشہور احادیث پر ہی اکتفا کیا ہے۔پس باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے اور آپ کی شانِ اصطفاء اور رفعتِ ذکر اور فضیلتِ عظمیٰ اور سیادت بنی آدم اور جن بلند مراتب کے باعث آپ کو دنیا میں خاص فرمایا اور آپ کے اسم مبارک کی برکت کے بارے میں جو احادیثِ صحیحہ مشہورہ وارد ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر حصے میں رکھا۔ان میں سے ایک گروہ کا نام اللہ تعالیٰ نے اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ رکھا ہے اور دوسرے کا اَصْحَابُ

1۔فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

الشِّمَالِ۔ پس میں اَصْحَابُ الْیَمِیْن سے ہوں اور ان میں سب سے بہتر ہوں۔ پھر اس گروہ کے تین حصے کیے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَصْحَابُ الْمَیْمَنَةِ مَا اَصْحَابُ الْمَیْمَنَة۔ وَاَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحَابُ الْمَشْئَمَة۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ میں سابقون میں سے ہوں اور ان میں بہتر ہوں۔ پھر ان کے قبیلے بنا دیے اور مجھے بہتر قبیلے میں رکھا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّا جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ (الآیہ) پس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے متقی و مکرم ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا پھر قبائل کو مختلف گھروں میں تقسیم فرما دیا تو مجھے بہتر گھر میں رکھا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے پلیدی کو دور کر دے اور تمہیں پاک صاف فرما دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے:

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ص۳۹)

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے''۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چنا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو، بنی کنانہ سے قریش کو، ان میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرما لیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ محض فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت میں ہے کہ میں جملہ اولین و آخرین سے زیادہ بزرگ ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ جبریل نے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور! میں نے زمین کے مشرق و مغرب اور شمال جنوب تک ہر گوشے کو چھان مارا، لیکن آپ سے افضل کسی کو نہ دیکھا اور بنی ہاشم سے بہتر کسی باپ کی اولاد نہ پائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ معراج کی رات میں سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں براق پیش کیا گیا۔ جب آپ نے سوار ہونے کا عزم فرمایا تو براق اچھلنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام

نے فرمایا: اے براق! تو نبی آخرالزماں کی بارگاہ میں ایسی حرکتیں کر رہا ہے حالانکہ ان سے زیادہ بارگاہِ خداوندی میں مکرم و معزز اور کون ہے جو تجھ پر سوار ہوتا۔ یہ سن کر براق مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پشت مبارک میں زمین پر اتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک کے اندر کشتی میں رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا کہ مجھے بھی دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح ہر دور کے اندر مجھے نیک پشتوں سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اپنے والدین کریمین کے گھر جلوہ آرائے گیتی ہوا اور یہ کبھی زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکے تھے اور اسی طرح آپ کے عمِ محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے متعلق اپنے مشہور قصیدے میں اشارے فرمائے ہیں: چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ جب آدم اور حوا علیہما السلام اپنے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپ رہے تھے، اس سے پہلے آپ گھنے سایوں میں مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے۔

۲۔ پھر ان کے ساتھ آپ بھی زمین پر تشریف لے آئے حالانکہ آپ نہ تو قبل ازیں بشر تھے اور نہ انسان کی بنیاد کے مانند آپ مضغہ اور علق رہے تھے۔

۳۔ ظہورِ بشریت کے بعد آپ نطفہ کی شکل میں محفوظ مقامات میں سوار کی مانند متمکن رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہوا تھا۔ اگلی منزل پر پہنچتے اور پچھلی روپوش ہو جاتی۔

۴۔ آپ صلب سے رحم کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

۵۔ آپ کا ایسا ہر محافظ مسکن اگرچہ خندق اور بلند چٹانوں وغیرہ سے گھرا ہوا تھا لیکن آپ ایسے مقامات میں بھی کائنات کی زبان بن کر رہے۔

۶۔ جب آپ رونق افزائے دہر ہوئے تو تشریف آوری سے زمین پرنور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

۷۔ ہم آپ کی ضیاپاشی اور نورانیت کے (1) صدقے ہی میں تو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر کئی صحابہ کرام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں اور بعض روایات میں چھ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے

1۔ حضرت اختر الحامدی الرضوی مدظلہ رقمطراز ہیں:۔

چاند تاروں میں ہے تجھ سے تابندگی، زندگی میں ترے دم سے ہے زندگی
یعنی جان آفریں ہے تری ہر ادا، یا نبی مصطفیٰ، یا نبی مصطفیٰ

کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب طاری ہو جانے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۲) تمام زمین نماز پڑھنے کی خاطر میرے لیے پاک ٹھہرائی گئی تاکہ میرے کسی اُمتی کو جس جگہ موقع ملے وہ وہیں نماز پڑھ سکے۔ (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال فرما دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنائم حلال نہیں فرمائے گئے تھے۔ (۴) میں تمام انسانوں کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۵) مجھے شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے ہر گورے اور کالے انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے اور میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور میں خواب کی حالت میں تھا کہ زمین کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے سپرد کر دیں اور نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرما دیا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ عَلَی الْحَوْضِ وَ وَاَنَا شَهِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ الْاٰنَ وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا۔ (ص ۴۰)

''میں تمہارے لیے حوضِ کوثر پر آگے جانے والا ہوں اور تمہارے اوپر گواہ ہوں۔ خدا کی قسم یقیناً میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں(1)۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئی ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم، مجھے یہ ہرگز خطرہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے ہاں مجھے تمہارے دنیا سے رغبت رکھنے کا خطرہ ضرور ہے''۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہی امی نبی ہوں جس کا نام نامی اسم گرامی محمد بتایا گیا تھا۔ میں جامع کلمات اور خاتمیت دیا گیا ہوں۔ میں دوزخ کے نگران فرشتے کو جس کا نام خازن ہے اور عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے فرشتوں کو جانتا ہوں۔

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا، باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ:

سَلْ یَا مُحَمَّدُ فَقُلْتُ یَا رَبِّ مَا اَسْأَلُ اِتَّخَذْتَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

وَكَلَّمْتَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا وَاصْطَفَيْتَ نُوْحًا وَاَعْطَيْتَ سُلَيْمَانَ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِهٖ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا اُعْطِيْكَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ اَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ وَجَعَلْتُ اسْمَكَ مَعَ اِسْمِيْ يُنَادٰى بِهٖ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ وَجَعَلْتُ الْاَرْضَ طَهُوْرًا لَّكَ وَلِاُمَّتِكَ وَغَفَرْتُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فَاَنْتَ تَمْشِيْ فِي النَّاسِ مَغْفُوْرًا لَّكَ وَلَمْ اَصْنَعْ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ وَجَعَلْتُ قُلُوْبَ اُمَّتِكَ مَصَاحِفُهَا وَخَبَاْتُ لَكَ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ اَخْبَاْهَا لِنَبِيٍّ غَيْرِكَ۔(ص ۴۰)

"اے سب سے زیادہ تعریف کیے گئے محبوب! مجھ سے جو چاہو مانگو۔ میں عرض گزار ہوا، اے رب! میں تجھ سے کس چیز کا سوال کروں جبکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام کیا اور نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی جو ان کے سوا دوسرے کے لائق نہیں۔ ارشاد ربانی ہوا، میں نے جو تمہیں مرحمت فرمایا وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ میں نے تمہیں حوضِ کوثر بخشا، تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی ندا فضاؤں میں سنی جاتی ہے اور میں نے زمین کو تمہارے لیے اور تمہاری امت کے لیے پاک ٹھہرا دیا اور تمہارے باعث تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیے اور تم لوگوں کے درمیان بخشوانے والے کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو حالانکہ قبل ازیں یہ سلوک میں نے کسی کے ساتھ نہیں کیا اور تمہاے امتیوں کے دلوں کو صحیفے بنا دیا اور حقِ شفاعت کو تمہارے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا جو کسی دوسرے نبی کے لیے چھپا کر نہیں رکھی گئی"۔

دوسری حدیث میں ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ سب سے پہلے میری امت کے جو اشخاص میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا حساب نہیں لیا جائے گا اور مجھ پر یہ کرم بھی فرمایا کہ میری امت قحط سالی سے نہیں مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت، عزت اور رعب عطا فرمایا جو ایک ماہ کی مسافت تک اثر انداز ہے۔ میرے لیے اور میری امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دے دیا اور ہم سے پہلے لوگوں پر جو سختی فرمائی گئی تھی وہ ہم سے اٹھالی گئی تھی اور ہم سے دین میں حرج اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِکون ومکاں ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کو معجزات دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے۔ مجھے قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہے جس سے بہتر معجزے پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ میں بھی نبی ہوں اور دیگر انبیائے کرام کی طرح میری جانب بھی وحی آتی ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار قیامت میں سب سے زیادہ ہوں گے۔

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے وقتی تھے بعد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آئی، صرف اسی وقت کے لوگوں نے انہیں دیکھا لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہو کر نہیں رہ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو اس کی امت سے سات نجیب عطا فرمائے گئے اور تمہارے نبی کو چودہ مرحمت ہوئے، جن میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود، اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور سب نبیوں سے آخری ہوں حالانکہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ میں ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ آسمانی مخلوق پر آپ کو کس طرح فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آسمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۹ (انبیاء)

''اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو''۔

اور سرورِکون ومکاں ﷺ کے متعلق فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ۙ (الفتح)

''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی''۔

صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ! انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم:4)

''اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے''۔

اور نبی آخرالزماں ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے''۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت عرض گزار ہوئی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے متعلق کچھ بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، جن کی دعا کا ذکر باری تعالیٰ شانہٗ نے یوں فرمایا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

''اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول، انہیں میں سے''۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری والدہ ماجدہ نے، جب میں ان کے شکم مبارک میں جلوہ افروز تھا، دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور خارج ہوا اور اس سے سرزمین شام اور بصریٰ کے محلات تک نظر آ گئے۔ میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ اسی دوران میں جب ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ تھا کہ دو شخص آئے جنہوں نے بہت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا، جو برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے سینے سے فم معدہ تک میرا پیٹ چیرا، دل نکالا اور اسے بھی چیر کر اس سے ایک سیاہ ٹکڑا نکالا پھر میرے دل اور پیٹ کو اس برف سے دھویا اور بالکل صاف کر دیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے کوئی چیز پکڑی، دیکھا تو وہ نور کی ایک مہر تھی جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر رحمت کی مہر لگائی اور دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرے آدمی نے اپنا ہاتھ میرے چرے ہوئے سینہ پر پھیرا تو وہ درست ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا قلبِ انور بڑا مضبوط تھا۔ اس میں دو آنکھیں تھیں جو کائنات کا مشاہدہ کرتی تھیں اور دو کان تھے جو کانِ سماعت تھے۔ ازاں بعد ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ جب ایسا کیا گیا تو میں بھاری

تھا پھر کہا، ایک سو کے ساتھ وزن کرو۔ جب وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ کہا، ایک ہزار کے ساتھ وزن کرو۔ تب بھی میں بھاری ثابت ہوا۔ آخر میں اس نے اپنے ساتھی سے کہا، چھوڑ یئے اگر ساری امت کے ساتھ ان کا وزن کیا جائے تو بھاری یہی رہیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اے محبوب آقا! گھبرایئے نہیں، اگر آپ جانتے، جو ہم آپ کے ساتھ کرنے والے ہیں، تو یقیناً اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اس حدیث کے باقی حصے میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں نے بارگاہِ رسالت میں یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک کس قدر عزت و وقار اور فضیلت و کرامت والے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ کے معاون و مددگار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو وہ فرشتے چلے گئے تو میری یہ حالت تھی گویا نبوت و رسالت کی حقیقت مجھ پر بخوبی واضح ہے۔ حضرت ابو محمد مکی اور ابولیث رحمۃ اللہ علیہما کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش (ظاہری) کے وقت بارگاہِ ایزدی میں دعا کی، اے باری تعالیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میری غلطی معاف فرما دے۔ ارشادِ ربّانی ہوا، اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کس طرح پہچانا؟ عرض گزار ہوئے کہ جنت میں ہر جگہ یہی لکھا ہوا دیکھا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کے دیکھنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے معزز و مکرم بندہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں بخش دیا اور یہ مذکورہ دونوں حضرات کے نزدیک

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقرہ:37)

''پس سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات''۔

کی تاویل ہے۔ (یعنی القائے کلمات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑنے کی تلقین کرنا مراد ہے)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے، اے پروردگار! میں نے جب تیرے عرش کی جانب دیکھا تو اس پر یہ لکھا ہوا پایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں نے یہ دیکھ کر یقین کر لیا تھا کہ تیرے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کے رتبے کا نہیں ہے کیونکہ ان کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ اے آدم! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، وہ اگرچہ تمہاری اولاد سے ہوگا اور سب سے آخری نبی ہوگا۔ لیکن اگر اس محبوب کو

پیدا نہ کرتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی کنیت ابو محمد رکھ لی تھی جبکہ بعض کے نزدیک ان کی کنیت ابوالبشر ہے۔

حضرت سیریج بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور جس گھر میں کوئی محمد یا احمد نام کا آدمی رہتا ہو اس میں ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے ہر دروازے پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے جو دنیا میں اس بات (توحید و رسالت) کا قائل ہوگا اسے عذاب نہیں دوں گا۔ بعض ذکر کرتے ہیں کہ پرانے پتھروں پر مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ سَیِّد اَمِیْنٌ لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ علامہ سمنطاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خراسان کے علاقے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے ایک پہلو پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ علامہ موصوف کا بیان ہے کہ انہوں نے خود بھی اس بچے کو دیکھا اور مذکورہ امر کا مشاہدہ کیا تھا۔ بعض حضرات نے یہ خبر دی ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں گلاب کے پھول پر سفید رنگ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا گیا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد محترم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا، اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، تم میں سے جس کا نام محمد یا احمد ہے، وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس حکم سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک کی عظمت دکھانا چاہے گا۔ ابن قاسم علیہ الرحمہ نے اپنی کتابِ سماع میں اور ابنِ وہب علیہ الرحمہ نے اپنی جامع میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ والوں سے سنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں محمد نامی کوئی آدمی رہتا ہو وہ گھر برکت والا ہے اور اس کے ہمسایوں کو بغیر کسی خاص مشقت کے رزق ملتا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر گھر میں ایک، بلکہ دو، بلکہ تین شخص ایسے ہونے چاہییں جن کا نام محمد ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قلب کو مخصوص فرمالیا اور انہیں خلعتِ رسالت پہنا کر مبعوث فرمایا۔ نقاش علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ (احزاب:53)

"اور تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی (ازواج

مطہرات کی بیبیوں سے نکاح کرو"۔

تو آپ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور خطاب فرمایا کہ اے مسلمانو! باری تعالیٰ شانہٗ نے تم پر مجھے واضح فضیلت دی ہے اور میری ازواجِ مطہرات کو تمہاری بیویوں پر ظاہر فضیلت دی ہے۔

معراج شریف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے واقعہ اسراء و معراج بھی ہے۔ یہ واقعہ آپ کے بلند ترین مقام کی نشان دہی کرتا ہے اور قرآنِ عزیز نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی تشریح و تفصیل موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا (بنی اسرائیل:1)

"پاکی ہے اسے، جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک"۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۙ﴿۵﴾ ذُوْمِرَّةٍ ؕ
فَاسْتَوٰی ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ
اَوْ اَدْنٰی ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ
الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ (النجم)

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم، جب معراج سے اترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی، جو انہیں کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمانِ بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔ اور پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو، جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا تھا۔ سدرالمنتہیٰ کے پاس۔ اور

اس کے پاس جنت الماوٰی ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی۔ بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اس سیر کی صحت میں کسی مسلمان کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اور واقعہ معراج کی تفصیل اور اس میں جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا ان کی تشریح نیز جو خصوصیات اس سلسلے میں آپ کو مرحمت ہوئیں ان کے شرح و بیان میں احادیثِ صحیحہ کثیرہ وافرہ موجود ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس براق لایا گیا، جو سفید رنگ کا جانور تھا، وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ اتنا تیز رفتار ہے کہ جتنی دور ایک عام انسان کی نظر پہنچتی ہے اتنی دور اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس گیا اور اسی پتھر کے ساتھ اسے باندھا جس کے ساتھ دیگر انبیائے کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور باہر نکل آیا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر حاضر ہوئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فطرت کو پسند فرمایا ہے۔

اس کے بعد وہ ہمیں لے کر آسمان تک جا پہنچا۔ جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا، میں جبریل ہوں۔ پوچھا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مزید پوچھا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، دونوں خالہ زاد بھائی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہما السلام وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعا دی۔

اس کے بعد براق ہمیں تیسرے آسمان تک لے گیا اور پچھلے آسمانوں والا معاملہ وہاں بھی پیش آیا۔ آخر کار جب دروازہ کھول دیا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنہیں نصف حسن عطا فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ ازاں بعد براق ہمیں چوتھے آسمان تک لے گیا اور وہاں بھی مثل سابق معاملہ ہوا۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ ان کے

بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (مریم:57)

''اور ہم نے اس کو بلند مکان پر اٹھالیا''۔

پھر براق ہمیں پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وہی واقعہ پیش آیا اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام جلوہ افروز تھے انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ پھر براق ہمیں چھٹے آسمان تک لے گیا یہاں بھی ویسے ہی سوال جواب ہوئے اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام رونق افروز ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ اس کے بعد براق ہمیں ساتویں آسمان تک لے گیا اور مثلِ سابق معاملہ درپیش ہوا۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں اور بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی ہے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جس فرشتے کی وہاں ایک مرتبہ باری آجاتی ہے دوبارہ قیامت تک باری نہیں آئے گی۔ اس کے بعد براق مجھے سِدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، جس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں اور پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم نے ڈھانپ رکھا ہے اور مجھے بھی اس امرِ الٰہی نے ڈھانپ لیا یعنی خاص رحمتِ خداوندی نے آغوش میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے حسن و کمال کے وصف کو بیان کر سکے۔ یہاں باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر جو چاہی وحی فرمائی اور روزانہ پچاس نمازیں فرض فرمادیں۔ جب میں فارغ ہو کر واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے پوچھا، یا سید المرسلین! اللہ رب العزت نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا، روزانہ پچاس نمازیں کہنے لگے، حضور! واپس جا کر تخفیف کروایئے کیونکہ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں ہے، میں قبل ازیں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ فرماتے ہیں کہ میں واپس لوٹا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کے لیے عرض گزار ہوا۔ اللہ جل شانہٗ نے پانچ نمازیں معاف فرمادیں۔ میں نے واپس لوٹتے وقت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا کہ پانچ نمازیں معاف ہو گئی ہیں۔ انہوں نے کہا: حضور! آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے، واپس جا کر تخفیف کروایئے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر لوٹتا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کا مسئلہ پیش کرتا رہا یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری امت پر روزانہ پانچ وقت نماز

پڑھنا فرض ہے یہ شمار میں پانچ وقت کی نمازیں ہوں گی لیکن ان کا ثواب اُتنا ہی عنایت فرماؤں گا جتنا پچاس نمازوں کا ہے۔ علاوہ بریں تمہارے کسی امتی نے اگر نیکی کا ارادہ کیا اور اسے نہ کر سکا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اسے کر لیا تو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اس کے برعکس جس نے کسی بدی کا قصد کیا اور اسے نہ کر سکا تو اس معاملے کو کالعدم شمار کیا جائے گا اور اگر اس برائی کا مرتکب ہو گیا تو ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔

فخرِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ واپس لوٹتے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو اس امر کی اطلاع دی۔ وہ کہنے لگے، حضور! بارگاہِ خداوندی سے اور تخفیف کروایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سلسلے میں اب بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں ہے کہ ہر ایک نبی نے آپ سے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور بھائی صالح لیکن حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور فرزند صالح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر براق مجھے اوراوپر لے گیا یہاں تک کہ میں مستولی پر چلا گیا اور قلموں کے چلنے کی آوازیں سننے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر براق مجھے اوپر لے گیا حتیٰ کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا، جو ایسے مختلف رنگوں میں غرق تھا کہ اپنی عقل سے میں اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو وہ رو پڑے۔ ندا آئی کہ اے موسیٰ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ عرض کرنے لگے، اے پروردگار! تو نے اس نوجوان کو میرے بعد دنیا میں بھیجا لیکن اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں داخلِ جنت ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ میں انبیائے کرام کی جماعت میں تھا کہ نماز کی تیاری ہوگئی۔ میں نے نماز میں ان کی امامت کا فریضہ انجام دیا۔ آگے کسی کہنے والے نے کہا، اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہ مالک نامی دوزخ کا منتظم ہے اسے سلام کر لیجئے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس کی جانب متوجہ ہی ہوا تھا کہ اس نے مجھے سلام کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ چل پڑے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ براق سے اترے اور اسے ایک پتھر سے باندھ دیا، پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعض فرشتوں نے سوال کیا، اے جبرئیل! آپ کے ساتھ یہ کون بزرگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا، یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جو خاتم الانبیاء ہیں۔ دریافت کیا، کیا انہیں منصبِ رسالت

مل چکا ہے، جبرئیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ان فرشتوں نے آپ کو سلام عرض کیا اور کہا، مرحبا ایسا بھائی اور خلیفہ کیونکہ یہ بہترین بھائی اور بہترین خلیفہ ہیں۔اس کے بعد انبیائے کرام کی ارواحِ مقدسہ سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے اپنے رب کی حمد وثناء بیان کی ہے۔انہوں نے ہر ایک نبی کے ارشاداتِ عالیہ کا ذکر کیا، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام بھی ہیں۔ان کے بعد نبی کریم ﷺ کے فرموداتِ گرامی کا ذکر بھی کیا۔ اس کے بعد ارواحِ انبیائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حضرات نے اللہ جل شانہٗ کی حمد وثناء بیان کی، اب میں بھی اس وحدہٗ لاشریک کی حمد وثناء بیان کرتا ہوں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِلْعٰلَمِیْنَ وَكَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّةٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّةً وَسَطًا وَجَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَهُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِكْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَخَاتَمًا۔ (ص ۴۴)

”سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے مجھے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تمام انسانوں کے لیے نبی بنایا ہے لوگوں کو بشارتیں دوں اور ڈراؤں اور مجھ پر فرق بتانے والی کتاب نازل فرمائی، جس میں ہر چیز کا کامل بیان ہے اور میری امت کو بہتر اور راہِ اعتدال پر چلنے والی امت بنایا۔میرے امتی ہی سب سے پہلے اور آخری ہیں۔میرے سینے کو کھولا اور مجھ سے بوجھ اتارا، میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے فاتح اور آخری نبی بنایا“۔

یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام گویا ہوئے کہ اسی سبب سے تو محمد رسول اللہ ﷺ ہم سب سے افضل ہیں۔اس مقدس حدیث کے اگلے الفاظ یہ ہیں کہ پھر براق آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے گیا۔اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے پر جاتے رہے اور ہر جگہ خیر مقدم ہوتا رہا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے۔سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے اور اس کے اوصاف بیان کرنے کے بعد سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت باری تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا، اے حبیب! جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔نبی کریم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے، اے پروردگار! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور انہیں بہت بڑی شہنشاہی عطا فرمائی، موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، داؤد علیہ السلام کو

بھی زبردست شاہی عنایت فرمائی اور ان کے لیے لوہے کو نرم اور پہاڑوں کو مطیع بنا دیا، سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی مرحمت فرمائی کہ جن و انس اور شیاطین تک ان کے زیرِ فرمان کر دیئے اور ایسی عظیم بادشاہی عطا فرمائی جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو توریت اور انجیل کا علم بخشا اور انہیں گونگوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا۔ نیز انہیں اور ان کی والدہ محترمہ کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھا تا کہ وہ ملعون ان پر کسی طرح کا قابو نہ پا سکے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا، اے حبیب! میں نے ساری کائنات میں سے تمہیں اپنا حبیب(1) ٹھہرایا اور توریت میں یوں لکھا ہوا ہے کہ محمد حبیب الرحمٰن ہیں اور تمہیں تمام انسانوں کیلئے رسول بنایا اور تمہاری امت کو یہ شرف بخشا کہ وہ فضیلت میں سب سے اول اور بلحاظ زمانہ سب سے آخری ہے۔ ان کا خطبہ پڑھنا اس وقت تک درست نہیں جب تک یہ شہادت نہ دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہیں سارے نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔ تمہیں سبعِ مثانی یعنی سات آیتوں والی سورت دی، جو صحیح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ ہے اور وہ تمہارے سوا کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی۔ تمہیں سورۂ بقرہ کی آخری آیات دیں جو عرشِ اعظم کے نیچے کا خزانہ ہیں جو کسی اور نبی کو عطا نہیں فرمائیں نیز تمہیں فاتح اور آخری نبی بنایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں مرحمت فرمائی گئیں۔ (۱) نماز پنجوقتہ (۲) سورہ بقرہ کی آخری آیات (۳) امتِ محمدیہ کا جو فرد کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے اس کی مغفرت ہو جائے گی اور اس کے مہلک گناہ تک بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد براق آپ کو ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر لے گیا اور اس سے بھی آگے ایسے مقام تک پہنچے جس کے متعلق باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا(2)۔ بزاز نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اذان کی تعلیم کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام کو ایک جانور دے کر اپنے حبیب کی بارگاہ میں بھیجا، اس جانور کو براق کہتے ہیں۔ جب فخرِ دو عالم ﷺ نے اس پر سوار ہونے کا قصد فرمایا تو براق اچھلنے کودنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اے براق! تسلی رکھ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بارگاہِ خداوندی میں اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہے جو تجھ پر سواری کرتا۔ اس کے بعد آپ سوار ہو گئے اور آخر کار حجاب تک جا پہنچے جو اللہ رب العزت کی خاص تجلیات کے نزدیک ہے۔ اسی دوران ایک فرشتہ

1۔ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

2۔ آپ سے پائی ہے معراج نے معراجِ کمال   منزلِ اُوج ہے ممنونِ کفِ پائے حضور (اختر الحامدی)

حجاب سے نکلا تو سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ حضور! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلحاظ مکان ساری مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں لیکن اپنی پیدائش سے لے کر اس وقت تک پہلے میں نے اس فرشتے کو نہیں دیکھا۔ اس وقت اس فرشتے نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ حجاب کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے ٹھیک کہا ہے، واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ اس کے بعد فرشتے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے سچ کہا ہے، واقعی میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی طرح باقی اذان کا ذکر کیا لیکن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے جواب کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد اس فرشتے نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو پکڑا اور ساری آسمانی مخلوق کی امامت کرنے کے لیے کہا۔ ان میں حضرت آدم اور نوح علیہما السلام بھی تھے۔ اس حدیث کے راوی محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ساری مخلوق پر خواہ وہ فرشی ہو یا عرشی فضیلت و شرف حاصل ہے اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا کامل و اکمل ہونا ساری ارضی و سماوی مخلوق پر دکھا دیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب کا لفظ نہیں ہے اور ویسے بھی وہ صرف مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے لیے مخلوق سے چیزیں چھپ سکتی ہیں لیکن باری تعالیٰ شانہٗ اس سے پاک ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی رہ جائے حجاب بے شک حواس کا احاطہ کرتا ہے لیکن وہ مخلوق کی بصارت پر ہوتا ہے یعنی ان کی نگاہ اور ادراک سے جب چاہے، جیسے چاہے اور جہاں چاہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو محجوب کر دیتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (مطففین: 15)

"ہاں ہاں، بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں"۔

اور اس حدیث میں جس حجاب کا ذکر ہے اس کے بارے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ حجاب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے رکھا ہے تا کہ وہ اس کی عظیم سلطنت، عظمت، عجائباتِ ملکوت اور شانِ جبروتی پر عین الیقین کے ساتھ اطلاع پانے سے حجاب میں رہیں۔

نیز اس حدیث میں جبرئیل علیہ السلام کا یہ قول کہ میں باری تعالیٰ شانہٗ کے قرب میں رہتا ہوں، بھی ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ میں دوسروں سے عرشِ الٰہی کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:82)

''گاؤں سے پوچھ''۔

یہاں بھی گاؤں سے مراد اس میں بسنے والے ہیں۔ معراج و اسراء کے بارے میں اہلِ حق کا نظریہ یہ ہے:

وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى اَنَّ الْاِسْرَاءَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَفِى الْيَقْظَةِ وَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَذَكَرَ اَدِلَّةَ ذٰلِكَ وَالْقَائِلِيْنَ۔ (ص ۴۵)

''اکابر سلف سے عام مسلمانوں تک کا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی اور بحالتِ بیداری ہوئی اور حق بھی یہی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دلائل نقل کیے اور جو حضرات اس کے قائل ہیں، ان کا ذکر کیا ہے''۔

رویتِ الٰہی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رویتِ الٰہی کے بارے میں اختلاف ہے کہ (معراج میں رسول اللہ ﷺ نے) باری تعالیٰ شانہ کو چشمِ سر سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے؟ جہاں تک رویت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے اور انہوں نے بدلائل کثیرہ اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو قول نقل کر کے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے سر کی آنکھوں سے دیکھنے کو مقدم رکھا ہے اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے اور ان تک اس روایت کے متعدد طرق ہیں جیسا کہ حاکم، نسائی اور ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو صلات کے ساتھ اور محمد رسول اللہ ﷺ کو رویت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ (النجم)

''دل نے جھوٹ نہ کہا، جو دیکھا۔ تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا''۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع

ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے(1)۔ اس کی روایت ابوعمر مقری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اور بعض متکلمین نے اس مذہب کی حکایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں دیکھا ہے۔ نقاش نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حکایۃً بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے بالکل متفق ہوں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، دیکھا ہے اور بار بار ان الفاظ کا اعادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا سانس بند ہو گیا(2)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ راجح وہ ہے جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اکثر علمائے کرام کا یہی مذہب ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے شبِ اسریٰ میں اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگرچہ اس امر کا ثبوت سماع کے بغیر ممکن نہیں لیکن سماع بھی تو اس طرح ثابت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں (آگے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا نفیس فیصلہ یوں نقل فرمایا ہے):

وَاِنْکَارُ عَائِشَةَ وَقُوْعَهَا اَیِ الرُّؤْيَةَ لَمْ يَكُنْ لِحَدِيْثٍ رَوَتْهُ وَلَوْ كَانَ لِحَدِيْثٍ ذَكَرَتْهُ بَلِ احْتَجَّتْ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ قُلْنَا الْمُرَادُ بِالْاِدْرَاکِ الْاِحَاطَةُ اِذْ ذَاتُهٗ تَعَالٰى لَا تُحَاطُ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ نَفْيِ الْاِحَاطَةِ نَفْيُ الرُّؤْيَةِ بِدُوْنِهَا ثُمَّ ذَكَرَ فِي الشِّفَاءِ فِي ذَالِکَ اَبْحَاثًا شَرِيْفَةً وَفَوَائِدَ جَمَّةً۔ (ص۴۶)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رویت کے وقوع سے انکار کرنا کسی حدیث کی بناء پر نہیں ہے۔ اگر ان کے علم میں ایسی کوئی حدیث ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کیا جاتا، اسی لیے تو انہوں نے آیت لا تدرکه الابصار سے دلیل پکڑی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے احاطہ کرنے والا ادراک مراد ہے، حالانکہ ذات باری تعالیٰ کا احاطہ ممکن نہیں۔ لہٰذا

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا   جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

2۔ حضرت اختر الحامدی فرماتے ہیں:۔

ارضِ حرم سے عرشِ علیٰ تک، عرشِ علیٰ سے قصرِ دنیٰ تک   راہ گزارِ سرورِ دوعالم، صلی اللہ علیہ وسلم

احاطے کی نفی سے رویت کی نفی تو لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا میں عمدہ ابحاث اور کثیر فوائد لکھے ہیں''۔

شفاعت و دیگر فضائل

نبی آخرالزماں، سرور کون ومکاں ﷺ کی بلحاظ ساری مخلوق سے بزرگ ہونے کے جن خصوصیات اور فضیلتوں کا قیامت کے روز اظہار ہوگا، ان کے سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تک اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضے سے اٹھوں گا، جب وہ ایک وفد کی صورت میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا، جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انہیں بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلا میں ہوں گا اور جب وہ اکٹھے ہو جائیں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا اور جب وہ خاموش ہوں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا اور جب انہیں جنت میں جانے سے روک دیا جائے گا تو ان کی شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انہیں خوشخبری دینے والا میں ہوں گا۔ لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں جملہ اولادِ آدم علیہ السلام سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

اس روز ایک ہزار خادم میرے گرداگرد پھر رہے ہوں گے۔ جو ان موتیوں کی مانند ہیں۔ جنہیں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کی وا کسی نے تصحیح کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے جنت کے حلّوں میں سے ایک حلہ پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں گا۔ مخلوق میں سے میرے سوا کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کی تحسین کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار میں ہوں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام یا دوسرا کوئی نبی ایسا نہیں جو اس روز میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخر دو عالم ﷺ نے

فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی منظورِ بارگاہ ایزدی ہو گی۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز لواء الحمد میں نے اٹھایا ہوا ہوگا اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا، اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وہ میں ہوں جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، پس میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں جنت میں داخل ہو جاؤں گے، میرے ساتھ غریب مسلمان بھی جنت میں داخل ہوں گے اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز و مکرم ہوں اور یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے)

صحیح مسلم کے اندر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، سب سے پہلے میں لوگوں کی جنت کے لیے شفاعت کروں گا اور میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بخاری اور مسلم والی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار میں ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو یہ کیونکر ہوگا؟ (پھر خود فرمایا) اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کرے گا۔ اس سے آگے حدیث شفاعت بیان فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے میں ثواب میں زیادہ ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے: کیا تم خوش نہیں ہو گے کہ قیامت کے روز حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تم میں ہوں؟ اس کے بعد فرمایا کہ بروزِ قیامت وہ میری امت میں ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آپ میری دعا اور اولاد ہیں۔ رہا عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو جملہ انبیائے کرام علیہم السلام آپس میں علاتی بھائی ہیں یعنی ان کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ میں دوسروں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔

آپ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں قیامت کے روز جملہ انسانوں کا سردار ہوں گا، حالانکہ آپ دنیا میں بھی سب لوگوں کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی سب کے سردار رہیں گے لیکن صرف قیامت کی سرداری کا تذکرہ اس لیے فرمایا ہے کہ وہاں آپ کی سیادت و شفاعت منفرد (1) مقام رکھتی ہوگی اور آپ کے سوا لوگوں کو اور کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ سردار تو وہی ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی حاجتیں لے کر

1۔ اسی لیے مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے بتایا ہے: ـ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جانے پر مجبور ہوں، اس روز دوسرا کوئی آپ کا مدمقابل نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا دعویٰ ہی کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۝ (مومن:16)

''آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ، سب پر غالب کی''۔

حالانکہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہے لیکن آخرت میں ان لوگوں کے دعوے بھی منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں اپنے عارضی اختیار کے باعث بادشاہی کرتے تھے۔ چونکہ قیامت میں سارے ہی انسان سرورِ کون و مکان ﷺ کی شفاعت کے محتاج(2) ہوں گے اور آپ ہی کی پناہ ڈھونڈیں گے، لہٰذا آخرت میں آپ سب انسانوں کے سردار ہوں گے (کیونکہ آپ کی سرداری کا انکار کرنے کی کسی کو کوئی گنجائش ہی نظر نہیں آئے گی)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے روز جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہوں گا تو خازنِ جنت پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا کہ محمد ہوں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ وہ کہے گا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے کہ صرف آپ کے لیے دروازہ کھولوں اور آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے، اس کے کنارے برابر ہیں اور پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، اس کی خوشبو مشک سے زیادہ مہک دار اور اس کے آبخورے آسمان کے تاروں کی طرح بکثرت ہیں، جو ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حوضِ کوثر کے بارے اور بھی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔

محبت وخلّت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو محبت اور خلت میں دوسروں پر فضیلت دے کر ممتاز کر فرمایا ہے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ منقول ہیں اور مسلمانوں کی زبانوں پر آپ کا لقب حبیبِ خدا جاری وساری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

بقیہ صفحہ گزشتہ

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

2۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے منکرینِ استمداد کو سمجھایا ہے:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے ۔۔۔ پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کے سوا میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ مسلمانو! تمہارا نبی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو اپنا خلیل بنایا ہے۔

دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے۔ جب آپ نزدیک پہنچے تو ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مخلوق سے اپنا خلیل بنایا تھا۔ دوسرے نے کہا: یہ اس سے عجیب تو نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کسی اور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اس کی جانب کی روح ہیں۔ آخری صاحب نے فرمایا: آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا تھا۔ فخرِ دوعالم ﷺ نزدیک پہنچ گئے اور فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو سن لی ہے اور تمہارا تعجب کرنا بجا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب کی روح ہیں اور آدم علیہ السلام کے صفی اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور وہ بھی میں ہوں کہ سب سے پہلے جس کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی اور وہ بھی میں ہوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وہ میں ہوں جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور جس کے لیے جنت کا دروازہ کھلے گا، پس میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ میرے غریب امتی ہوں گے، یہ فخر یہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز و مکرم ہوں، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معراج شریف والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ سے فرمایا: میں نے تمہیں اپنا خلیل ٹھہرایا اور توریت میں تمہارے متعلق لکھا ہوا ہے کہ آخری نبی حبیب الرحمٰن ہے۔ مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الشفاء کے ایک پرانے نسخے پر مطلع ہوا، جس میں یہ مرقوم ہے کہ میں نے تمہیں اپنا حبیب ٹھہرایا۔ علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہوا کہ حبیب کا درجہ بلند ہے یا خلیل کا؟ اکثر حضرات کا اسی پر

اتفاق ہوا کہ حبیب کا درجہ خلیل سے بلند تر ہے کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ، جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں ان کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ نے محبت اور خلت کے بارے میں متکلمین کا کلام نقل کرتے ہوئے کافی طویل بیانات نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا مقام خلت کے مقام سے افضل ہے۔ ہم اس بیان کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے دوسرے بیانات خود بخود واضح ہو جائیں گے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ خلیل واسطے اور وسیلے سے باریاب ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام:75)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی، آسمانوں اور زمین کی''۔

اور حبیب بغیر کسی وسیلے کے براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ (النجم)

''تو اُس جلوے اور اِس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم''۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ خلیل وہ ہے جس کو مغفرت کی حد درجہ طمع ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ؕ﴿۸۲﴾ (الشعراء:82)

''اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا''۔

اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کی مغفرت یقین کے آخری درجے تک یقینی ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)

''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے''۔

نیز خلیل وہ ہوتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہو:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۙ﴿۸۷﴾ (الشعراء:87)

''اور مجھے رسوانہ کرنا، جس دن سب اٹھائے جائیں گے''۔

اور حبیب وہ ہستی ہے جس سے یہ فرمایا جائے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (تحریم:8)

''جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو''۔

یعنی سوال کرنے سے پہلے ہی رسوائی سے دور رکھنے کی بشارت سنا دی گئی۔ اسی طرح خلیل وہ ہے جو بوقتِ مصیبت کہے:

حَسْبِیَ اللّٰہُ۔

''میرے لیے اللہ کافی ہے''۔

لیکن حبیب وہ ہے جس سے خود باری تعالیٰ شانہٗ یہ فرمائے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (انفال:64)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! اللہ تمہیں کافی ہے''۔

خلیل وہ ہوتا ہے جس کو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہونا پڑے:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ (الشعراء:84)

''اور میری سچی ناموری رکھ''۔

لیکن حبیب وہ ہے جس کے بارے میں پروردگارِ عالم خود یوں فرمائے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَؕ۝۴ (انشراح)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا''۔

گویا نبی کریم ﷺ کے ذکر مبارک کو بغیر سوال کے بلند فرما دیا۔ علاوہ بریں خلیل وہ ہوتا ہے جو عرض کرے:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَؕ۝۳۵ (ابراہیم)

''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا''۔

لیکن حبیب وہ ہوتا ہے جس کے گھر والوں کے بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ خود یوں بشارت دے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًاۚ۝۳۳ (احزاب)

''اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے''۔

(صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۝)

شفاعت و مقامِ محمود

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو شفاعت اور مقامِ محمود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝۷۹ (بنی اسرائیل:79)

"قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب تمہاری حمد کریں"۔

بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت تمام لوگ مایوسی کی حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کی بارگاہ میں عرض گزار ہوگی کہ حضور! ہماری شفاعت فرمایئے۔ یانبی اللہ! ہماری شفاعت کیجیے۔ آخرکار معاملہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچے گا۔ اُس روز اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا یعنی ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کو دیکھ کر سب چھوٹے اور بڑے انسان ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مقامِ محمود کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مقامِ محمود تو شفاعت کرنے کی جگہ ہے۔ اسی مسندِ احمد میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز جب سارے انسان جمع ہوں گے تو میں اپنی امت سمیت ایک بلند ٹیلے پر ہوں گا۔ مجھے سبز رنگ کا جنتی حُلّہ پہنایا جائے گا، پھر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے کا اِذن مل جائے گا اور میں کچھ کہوں گا یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کہوں گا اور اِسی جگہ کا نام مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن کے امام احمد کی یہ روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ سرورِ کون و مکاں شفیعِ مجرماں ﷺ عرشِ معلّٰی کے بائیں جانب تشریف فرما ہوں گے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں کسی دوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اس پر غبطہ کریں گے یہی جگہ مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ چاہو تو تمہاری آدھی امت جنت میں داخل کر دی جائے اور چاہو ان کی شفاعت کر لینا۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں پرہیز گاروں کی شفاعت کروں گا؟ شفاعت تو گنہگاروں اور خطا کاروں کی ہو گی۔ بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جس نے سچے دل سے کہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرتی ہوگی۔

بیہقی اور حاکم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد میری اُمّت جو کچھ کرے گی مجھے اس کا علم دیا گیا ہے۔ وہ آپس میں خونریزی کریں گے اور اِس طرح اِن کا حال بھی وہی کیا جائے گا جو گزشتہ امتوں کا ہوا تھا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے میرے سوال کو شرفِ قبولیت بخشا۔

بیہقی اور نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ایک صاف میدان میں جمع کرے گا، جہاں ایک شخص اپنی آواز سب لوگوں تک پہنچا سکے اور انہیں دیکھ سکے گا۔ وہ اپنی پیدائش کی طرح ننگے ہوں گے۔ سب خاموش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ندا دی جائے گی تو آپ عرض کریں گے: اے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تمام بھلائیاں تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور برائیاں تیری جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ راہِ ہدایت پر وہ ہے جس کو تو نے ہدایت دی۔ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تیرے لیے ہی ہوں اور تیری ہی جانب سے ہوں۔ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور کوئی جائے نجات نہیں۔ اے ربِّ کعبہ! تیری ذات بابرکت، بلند اور پاک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کھڑے ہو کر آپ اِس طرح حمدِ الٰہی بیان کریں گے، وہی مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی روایات نقل فرمائی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے شفاعت کرنے کے مقام کا نام مقامِ محمود ہے اور یہی مقام صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور آئمہ مسلمین کا مذہب ہے۔ ازاں بعد قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حدیثِ شفاعت کو پورے طور پر نقل کیا ہے، علاوہ بریں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ ذکر کیا کہ سارے انسان مل کر فخر دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ پل صراط قائم کیا جائے گا۔ اس پل کے اوپر سے جو حضرات سب سے پہلے گزریں گے وہ بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ ان کے بعد گزرنے والے ہوا کی مانند، بعض پرندوں کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے گزریں گے۔ مولائے کائنات ﷺ پل صراط کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر پکار رہے ہوں گے: رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ(1)۔ یعنی اے رب! بچا۔ اے رب! بچا۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے میں

1۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

رضا پُل سے اب وجد کرتے گزریئے — کہ ہے رَبِّ سَلِّم صدائے محمد

پل صراط سے گزروں گا۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جملہ انبیائے کرام کے لیے منبر رکھے جائیں گے، جن پر وہ تشریف فرما ہوں گے اور میرا منبر خالی رہ جائے گا کیوں کہ میں اپنے منبر پر نہ بیٹھوں گا، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں خاموش کھڑا رہوں گا۔ باری تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائے گا: اے حبیب! تم اپنی امت کے بارے میں میرا کیا فیصلہ چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! اِن کا حساب جلدی لے لیا جائے۔ پس جلد ہی میری امت کا حساب شروع ہو جائے گا۔ اُن میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا اور بعض میری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا، حتّٰی کہ مجھے کچھ لوگوں کی کتبِ فیصلہ دکھائی جائیں گی، جن پر اُن کا دوزخی ہونا مرقوم ہوگا۔ جب میں ان کی شفاعت کر رہا ہوں گا تو دوزخ کا داروغہ کہے گا: یارسول اللہ آپ نے تو اپنی امت پر اللہ تعالیٰ کی ذراسی ناراضگی نہیں رہنے دی۔

حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں زمین کے درختوں اور پتھروں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور مقامِ محمود کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث کتاب الشفاء میں نقل کی ہیں۔ اِس کے بعد انہوں نے فرمایا ہے، اگرچہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں لیکن اس بات پر ان کے مضامین متفق ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور مقامِ محمود پر کھڑے ہونے کا معاملہ تھوڑی دیر کی بات نہیں بلکہ آپ کی شفاعت کا سلسلہ شروع سے آخر تک جاری رہے گا(1)۔ جب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ ان کا سانس گھٹنے لگے گا۔ پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ سورج بالکل نزدیک ہوگا۔ کھڑے کھڑے بہت دیر ہو جائے گی یہاں تک کہ پریشانی کی انتہا ہو جائے گی۔ گویا اس حالت کو حساب سے پہلے ہی پہنچ گئے ہوں گے۔ اس وقت آپ اس مقام سے نجات دلانے کے لیے شفاعت کریں گے۔ اس کے بعد پل صراط قائم ہوگا لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ جلد از جلد اُن حضرات کو جنت میں پہنچائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جن کے لیے عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، حتّٰی کہ اُن میں سے بعض دوزخ میں داخل بھی کردیے ہوں گے۔ یہ تمام امور احادیثِ صحیحہ سے صریحاً ثابت ہیں۔ اِس کے بعد ان لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے

1۔ حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب حقیقت بیان فرمائی:۔

فقط اتنا سبب ہے اِنعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لینے کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ کی ہو گی۔ شفیع المذنبین ﷺ کے علاوہ اس قسم کی شفاعت کرنے کا کوئی اور مجاز نہیں ہو گا۔

مشہور صحیح حدیث میں ہے کہ ہر نبی کو ایک ایک دعا کرنے کا حق دیا گیا۔ انہوں نے وہ حق استعمال کر لیا لیکن میں نے اپنا یہ حق محفوظ رکھا تھا، جو شفاعت کی صورت میں ظاہر ہو گا کہ قیامت کے روز میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ وہ دعا جس کا ہر نبی کو حق دیا گیا تھا، اپنی اپنی امت کے متعلق تھی۔ دیگر انبیائے کرام کو ان کی امتوں کی جانب سے جو باری تعالیٰ شانہٗ نے جزا دی، اللہ تعالیٰ ہمارے نبی پاک، صاحب لولاک ﷺ کو ان سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلّم کثیرًا کثیرًا۔

وسیلہ اور حوضِ کوثر

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جنت میں وسیلہ اور کوثر کے ساتھ فضیلت دی ہے اور انہوں نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابوداؤد میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مؤذن کے کلمات سنو تو اس کی طرح کہتے جاؤ، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اس کے بعد میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ جو اس مقام سے نوازا جائے گا، وہ میں ہوں۔ جو میرے لیے وسیلے کی دعا کرے گا، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

دوسری حدیث میں ہے، جو ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجے کا نام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہر آئی، جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبّے تھے۔ میں نے جبریل سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی تو وہ حوضِ کوثر ہے جو باری تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مٹی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور دکھایا کہ وہ مشک ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی کچھ مروی ہے لیکن ان کی روایتوں میں اتنی بات زیادہ ہے کہ نہر کوثر یاقوت اور موتیوں پر بہتی ہے۔ اس کا پانی شہد سے شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ حوض زمین پر بہتا ہے اور اس کی زمین میں گہرائی نہیں ہے۔ شفاعت کے

دولہا ﷺ کی امتِ مرحومہ برات کی شکل میں اسی حوض کوثر کے کنارے اترے گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کوثر کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث نقل کی ہیں، جو ان پر مطلع ہونا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔

اسمائے نبی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں محبِ آخرالزماں ﷺ کے مقدس اور پیارے پیارے نام مع فضائل بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔ میرا نام مَاحِیْ بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا اور میرا نام حاشر ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کا حشر میرے قدموں میں کرے گا، اور میں عاقِبْ ہوں یعنی سب سے آخری نبی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ کا اسمِ مبارک مُحَمَّدٌ اور اَحْمَدُ بتایا ہے۔ علاوہ بریں یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کے اسمائے مقدسہ میں مدح وثنا بھی موجود ہے۔ اس طرح اسماء النبی کے بیان کرنے میں عظیم شکر گزاری رکھ دی گئی ہے آپ کا اسمِ گرامی اَحْمَدُ، یہ اَفْعَلُ کے وزن پر حمد کا مبالغہ ہے یعنی خدا کی سب سے زیادہ ثنا کرنے والا اور مُحَمَّدٌ، یہ مُفَعَّلٌ کے وزن پر ہے گویا مبالغہ بوجہ کثرتِ حمد، یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا۔

پس سید الانبیاء ﷺ خدا کی تعریف کرنے میں سب سے بڑھ کر اور تعریف کیے گئے کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تمام انسانوں کی نسبت کثرتِ حمد کے باعث آپ سب تعریف کرنے والوں سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور ان سب سے زیادہ تعریف کیے گئے ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لواء الحمد بھی تو بروزِ قیامت آپ ہی کے دستِ مبارک میں ہوگا تاکہ سب آپ کے منصب پر مطلع ہو کر شایانِ شان تعریف کریں اور حشر کے میدان میں چونکہ آپ نے سب کی شفاعت کی ہوگی لہٰذا سب لوگ آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔ بروزِ قیامت اس طرح محامد کا دروازہ صرف آپ کے لیے مفتوح ہوگا جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی جانب بھیجی ہوئی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی امتِ مرحومہ کا نام حمادین رکھا، کہ وہ لوگ خدا کی بہت زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہوں گے، لہٰذا فخرِ دوعالم علیہ السلام ہی اس بات کے حقدار ہیں کہ آپ کا اسمِ مبارک ہی محمد اور احمد رکھا جاتا۔ ان دونوں ناموں میں جہاں عجیب خصائص اور بدیع آیات ہیں وہاں ایک نرالی بات یہ بھی ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ سے پہلے

باری تعالیٰ شانہٗ نے جملہ انسانوں کو کسی مولود کا نام محمد یا احمد رکھنے سے روکے رکھا۔

گزشتہ کتب سماویہ میں جو اسم احمد کا ذکر آیا ہے اور انبیائے کرام نے ان کی آمد کی خوشخبری سنائی، بایں وجہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان ناموں کے رکھنے سے روکے رکھا، تاکہ نہ کسی کا یہ نام رکھا جائے اور نہ کوئی اس نام سے پکارا جائے اور اس طرح کمزور دل والے بھی شک وشبہ کے مرض سے بچے رہیں گے (کیونکہ انہیں یہ شک ہوسکتا تھا کہ جس احمد کی بشارت دی گئی ہے شاید وہ یہی ہو) بایں وجہ آپ سے پہلے کسی عربی یا عجمی کا نام محمد بھی نہیں رکھا گیا، حتیٰ کہ آپ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ چرچا عام ہو گیا تھا کہ نبی آخرالزماں ﷺ کی جلوہ گری ہونے والی ہے، جن کا اسم مبارک محمد ہوگا۔ اس شہرت کے پیش نظر آپ کی قوم میں کتنے ہی بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھ دیے گئے کہ شاید ہمارے ہی بچے کو وہ منصب مل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے رسالت کے منصب سے کس کو سرفراز کرنا ہے۔ بہرحال جن بچوں کا نام محمد رکھ دیا گیا تھا، انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے روکے رکھا حتیٰ کہ دوسرے اشخاص بھی ان کے متعلق ایسا دعویٰ نہ کر سکے اور نہ ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوسکی جس کے باعث لوگوں کو آپ کی نبوت میں شک کرنے کی گنجائش مل سکتی یہاں تک کہ آپ کی جلوہ گری کے ساتھ آپ کے دونوں اسمائے طیبہ ومبارکہ کی علامتیں اور دلائل سامنے آئے اور اظہر من الشمس ہوگیا کہ وہی محمد اور احمد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات بابرکات ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

فخر دوعالم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں مَاحِیْ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ حدیث نے خود اس کی تفسیر کردی ہے۔ رہا کفر کا مٹنا تو اس سے مراد یا مکہ معظمہ سے کفر کا مٹنا مراد ہے یا سارے جزیرۂ عرب سے یا جتنی زمین آپ کے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ امتِ محمد یہ وہاں تک غالب ہوگی علاوہ بریں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ محو عام ہو، جو ظہور اور غلبہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ (توبہ:33)

''تاکہ اسے (اسلام کو) تمام ادیان پر غالب کرے''۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ پانچ بایں وجہ فرمایا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آپ کے یہ پانچوں نام مذکور ہیں اور علمائے امم سابقہ آپ کے ان ناموں سے متعارف تھے ورنہ آپ سے دس نام بھی منقول ہیں، جن میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: میرے دس نام ہیں۔ پانچ تو

وہی جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں اور دوسرے پانچ کے بارے میں فرمایا کہ میں رَسُوْلُ الرَّحْمَۃِ(1) یعنی پیغمبر رحمت ہوں اور رَسُوْلُ الرَّاحَۃِ یعنی مخلوقِ خدا کو راحت پہنچانے والا رسول ہوں اور رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ ہوں اور مُقَفِّیْ ہوں کہ میری آمد سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور میں قَیِّمْ ہوں۔ یہ وہی ہوتا ہے جو مخلوق کے تمام کمالات کا جامع ہو۔ دیگر انبیائے کرام کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے کہ اے پروردگار! محمد رسول اللہ ﷺ کو ہمارے لیے مبعوث فرما جو فترت کے بعد سنّت کو قائم کریں اور لفظ قَیِّم اِس معنٰی میں بھی مستعمل ہے۔

دوسری حدیث میں مُدَّثِرُ، مُزَّمِّلُ اور عَبْدُ اللّٰہِ کا مزید ذکر ہے۔ ایک حدیث میں خَاتَمُ، ایک میں نَبِیُّ التَّوْبَہ، نَبِیُّ الْمَلْحِمَہ، نَبِیُّ الرَّحْمَہ اور نَبِیُّ الرَّاحَۃَ مذکور ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے حبیب ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگوں کا تزکیہ نفوس کرتے ہیں۔ (مُزَکِّیْ)، انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں (مُعَلِّمْ)، انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں (ھَادِیْ) اور وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں (رَؤُف، رَحِیْم)۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کا لقب اُمّتِ مرحومہ رکھا ہے اور اُس کی تعریف یوں بیان فرمائی:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ (البلد:17)

"اور اُنہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں"۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اللہ ربّ العزت نے ان کے لیے نبی بھی ایسا مبعوث فرمایا جو اپنی امت کے لیے رحمت ہے اور ساری مخلوق کے بھی رحمت ہے۔ وہ ایسا نبی ہے جو سب کے لیے اپنا دامنِ رحمت وسیع کیے ہوئے ہے اور بارگاہِ خداوندی سے بھی ان کے لیے رحم و کرم اور بخشش کی التجائیں کرتا رہتا ہے اور اس کی امت رحم کرنے کے باعث سراہی گئی۔ انہیں ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم بھی دیا اور اس خوبی کی وجہ سے ان کی تعریف بھی کی۔ اسی لیے سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دوست رکھتا ہے جو

1۔ بھلا ان لوگوں کی جرأت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے جنہوں نے عرب کی سرزمین میں ایک بُت پرست جواہر لال نہرو کا مئی ۱۹۵۵ء میں یَا رَسُوْلَ السَّلَامِ کے نعروں سے استقبال کیا تھا اس کے باوجود لوگ توحید کے علمبردار بنتے اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ (اختر)

ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر اللہ بھی بارانِ رحمت نازل کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

آپ کا اسمِ مبارک نَبِیُّ الْمَلْحِمَہ اسی لیے ہے کہ آپ قتال اور تلوار دے کر بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔حربی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ آپ قُثَمٌ ہیں یعنی مجموعہ خیر و برکت کیونکہ قَثُوْمٌ بھلائی جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور آپ کا یہ اسم گرامی بھی کاشانہ نبوت کے ہر فرد کو معلوم تھا۔صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد القاب بھی قرآنِ کریم میں مذکور ہوئے ہیں جن سے باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں آپ کی ذات مراد لی ہے اور وہ مذکورہ بالا اسماء النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے علاوہ ہیں جیسے النور، السراج، المنیر ، المنذر، النذیر، المبشر ،البشیر ،الشاہد، الشہید، الحق المبین ،خَاتَمُ النَّبِیِّیْن ، الرؤف الرحیم ،الامین ،قَدَمُ الصِّدْقِ ،رحمۃ للعلمین ،نعمۃ اللہ، العروۃ الوُثْقٰی ،الصراط المستقیم، النجم الثاقب، الکریم، النبی الامی اور داعی اللہ وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں، انبیائے کرام کے صحیفوں اور احادیثِ نبوی میں مذکور ہوئے ہیں امّتِ مرحومہ کی زبانوں پر آپ کے القاب میں سے کتنے ہی الفاظ اور جملے چڑھے ہوئے ہیں، جیسے مصطفیٰ مجتبیٰ، ابوالقاسم ،حبیبِ خدا، رسول اللہ، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر، مبین، صادق، مصدوق، ہادی، سرورِ اِنس و جاں، سیّد المرسلین، امام المتقین، قائد الغرالمجلین (یعنی پنج کلیانوں کے گروہ کا سردار)، اللہ کا خلیل، صاحبِ حوضِ کوثر، صاحب الشفاعت، صاحبِ مقامِ محمود، صاحب الوسیلہ، صاحب الفضیلہ، صاحبِ درجہ رفیع، صاحبِ تاج و معراج، صاحبُ لِوَاءُالحَمْدِ والقَضِیْبِ، راکبِ براق، ناقہ سوار، نجیب، صاحبِ حُجت، شہنشاہِ دوجہاں، نبیِ آخرالزماں، صاحبِ معجزاتِ کثیرہ وافرہ اور صاحبِ المرادۃ والنعلین وغیرہ۔صَلَوَاتُ اللّٰہِ تعالٰی وَسَلَامُہ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلَّم۔

پہلی آسمانی کتابوں میں فخرِ دوعالم ﷺ کے یہ اسمائے طیبہ بھی مذکور ہیں: المتوکل، المختار، مقیم سنّت، مقدس، روح القدس، روح الحق اور انجیل میں جو فارقلیط کا لفظ آیا ہے اُس سے رُوح الحق ہی مراد ہے۔ثعلب نے کہا کہ فارقلیط وہ ہے جو حق و باطل میں خطِ امتیاز کھینچ دے۔پہلی کتابوں میں آپ کا اسمِ گرامی ماذ ماذ بھی مذکور ہے جس کا مطلب طیّب، طیّب ہے۔اِن کے علاوہ حمطایا، خاتم اور حاتم بھی مذکور ہیں۔کعب احبار نے ذکر کیا کہ ثعلب کا قول ہے: خاتم سے یہ مراد ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا اور حاتم کا یہ مطلب ہے کہ آپ اخلاقِ عالیہ اور حسن و جمال کے لحاظ سے ممتاز تریں ہوں گے اور سریانی زبان میں حاتم کو مشفح منحمنا کہا جاتا ہے۔توریت میں

آپ کا نام احید بھی ہے اور ابن سیرین نے اِس کی روایت کی ہے۔ صاحب قضیب سے تلوار روالا مراد ہے انجیل میں یہ وضاحت سے مذکور ہے کہ نبیِ آخر الزماں ﷺ جب تشریف لائیں گے تو ان کے ساتھ لوہے کی تلوار بھی ہوگی، جس کے ساتھ وہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور ان کی امت بھی ایسا ہی کرے گی۔ قضیب کے معنی میں طاقت ور اور مضبوط ہونے کا بھی احتمال ہے۔

ہراوہ سے مراد عصا ہے یعنی نبی آخر الزماں ﷺ کے دستِ اقدس میں لاٹھی ہوگی۔ اِس بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ شاید یہ اُس حدیثِ حوض کے پیشِ نظر ہے، جس میں نے فرمایا ہے کہ یمنی لوگوں کو حوضِ کوثر سے لاٹھی مار مار کر بھگا دوں گا (کیونکہ وہاں کے بعض بدنصیبوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی تسلیم کرلیا تھا اور اِسی عقیدے پر وہ دنیا سے رخصت ہوئے تھے)(1)۔

التاج سے مراد عمامہ ہے۔ اُس وقت عربوں کے سوا اور کسی کے سر پر عمامہ نہیں ہوتا تھا۔ عمامہ عربوں کا تاج ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اسمائے طیبہ، القاب بلحاظ اوصافِ کریمہ کتابوں میں اور بھی مذکور ہیں لیکن ہم نے صرف انہی پر اکتفا کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم سب سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب فخرِ دو عالم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السّلام نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر یوں سلام عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْمَ (اے ابو ابراہیم! آپ پر سلامتی ہو)۔

فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی عفا اللہ عنہ (مؤلفِ جواہر البحار) کہتا ہے کہ جستجو اور تلاشِ بسیار سے میں نے نبیِ کریم ﷺ کے آٹھ سو بیس سے چند زیادہ اسمائے طیبہ معلوم کیے ہیں،(2) جنہیں میں نے ایک قصیدے میں جمع کیا ہے، جس کا نام اَحْسَنُ الْوَسَائِلِ فِیْ اَسْمَآءِ النَّبِیِّ الْکَامِلِ ہے۔ اِس کے بعد میں نے اُنہیں نثر میں علیحدہ علیحدہ حروفِ تہجی کے لحاظ سے لکھا ہے اور ساتھ ہی کچھ ضروری اور مناسب شرح بھی لکھ دی ہے۔ مذکورہ اسمائے گرامی کے متعلقہ اہم فوائد ایک علیحدہ مستقل کتاب میں لکھے ہیں، جس کا نام اَلْاَسْمَا فِیْمَا لِسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَسْمَآءِ رکھا

1۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیروکاروں کے بارے میں یہ ہے نبی کریم ﷺ کا نظریہ۔ (اختر)

2۔ سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہا، میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اِس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے
(مجدد مأتہ حاضرہ)

ہے۔ چونکہ اِس کتاب کی قصیدہ مذکورہ کے ساتھ طباعت ہو چکی ہے لہٰذا اُس کے مندرجات کو اِس کتاب میں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُن میں سے چند ایسے اسمائے طیبہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنیٰ ہیں لیکن اُس نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی مرحمت فرمائے اور ایسے کلی اسمائے گرامی جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھی زینت اور خوبصورتی بخشی، اُن میں سے میں اکاسی (۸۱) پر مطلع ہو سکا ہوں، جنہیں اپنی کتاب اَلْاَسْمٰی مذکورہ کے مقدمہ میں چوتھے فائدے کے تحت بیان کر چکا ہوں۔

میں (علّامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ مواہب لدنیہ میں امام خطیب قسطلانی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سارے اسمائے طیبہ اور القاب قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ ایک جماعت اِن کی تلاش وجستجو میں منہمک ہوئی، جو ایک خاص عدد تک پہنچی۔ بعض نے نبی کریم ﷺ کے ننانوے نام تحریر فرمائے ہیں، گویا باری تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنیٰ جو ایک حدیث میں مذکور ہیں اُن سے موافقت دکھائی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے تیس ناموں کے ساتھ آپ کو مختص فرمایا۔ علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنی تعداد میں اسماء النبی مذکور ہوئے ہیں، کل اتنے ہی نہیں بلکہ اِن سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ کے چھٹے مقصد میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ستّر ناموں کے ساتھ آپ کو خاص فرمایا ہے، جیسا کہ آپ کے اسمائے مقدسہ سے واضح ہے۔

اِس کے بعد علّامہ زرقانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ عنقریب اُن کا بیان آپ دیکھ لیں گے پھر حروفِ تہجّی کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ آپ کے اسمائے طیبہ کا ذکر کیا ہے۔ اِس کے بعد مجھے خیال آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول تینوں روایات کے ساتھ اُن کو جمع کروں جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد میں وارد ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے اسماء کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے، اُن تمام مرویات کو میں نے اپنی کتاب اَلْاِسْتِغَاثَۃُ الْکُبْرٰی بِاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی میں جمع کیا ہے۔ (علّامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی) نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ جو مذکورہ کتاب میں حروفِ تہجّی کے لحاظ سے جمع کیے گئے ہیں اُن میں سے اکاسی (۸۱) نام ایسے ہیں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں روایات سے ہیں اور کچھ

وہ ہیں جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔ ایسے اسمائے حسنہ یہ ہیں: الاوّلُ، الآخِرُ، الاَحَدُ، الاَکرمُ، البصیر، الباطن، البِرُّ، البَدِیعُ، البرھان، الجبّار، الجلیل، الجامع، الحَکَمُ، الحلیم، الحفیظ، الحکیم، الحق، الحمید، الحیُّ، الحافظ، الخافِضُ، الخبیر، ذوالفضل، ذُوالقوّۃ، الرافع، الرقیب، الرئوف، الرشید، الرحیم، السلام، السمیع، السریع، الشاکر، الشکور، الشدید، الشھید، الصادق، الصبور، الظاھر، العزیز، العلیم، العدل، العظیم، العلیُّ، العَفُوُّ، العالم، الغفور، الغنی، الفتّاح، الفرد، القویُّ، القریبُ، القائم، الکریم، الکافی، الکفیل، المَلِکُ، المؤمنُ، المھیمنُ، المجیبُ، المجیدُ، المتینُ، المُحِیُّ، الماجد، المقدم، المقسط، المغنی، المبین، المُنیبُ، المَلِیْکُ، المُعْطِی، المنیر، النُّور، الھادی، الوھّابُ، الواسعُ، الوکیلُ، الولی، الواحد، الوالی، الوافی (صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلّم)

فائدہ

قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے ناموں کی آخری نبی جناب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پوشاک پہنائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ایک نکتہ بیان کیا جائے اور اس پر اس قسم (باب) کو ختم کروں گا۔

اُس نکتے سے ہر کم عقل اور بدفہم کا وہ اشتباہ دور ہو جائے گا جو اسے گزشتہ بیان میں ایک حدیث سے پیدا ہو گیا ہوگا۔ یہ نکتہ اُسے شبہ کی کٹھن راہوں سے بچائے گا اور جھوٹ کی ملاوٹ سے دور رکھے گا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو اپنی عظمت، کبریائی، بادشاہی، اسمائے حسنیٰ اور اعلیٰ صفات میں مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں اور نہ مخلوق کا کوئی فرد اُس کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جن الفاظ کا اطلاق شریعتِ مطہرہ میں خالق اور مخلوق دونوں پر ہوا ہے، حقیقت میں مشابہت وہاں بھی نہیں ہے کیونکہ ذاتِ قدیم کی صفات اور مخلوق کی صفات بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق میں کوئی مماثلت نہیں، اسی طرح باری تعالیٰ شانہٗ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کی صفات کو عرض وغرض سے جدائی نہیں جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِن سے پاک اور منزّہ ہے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ اور صفات یہ اُس کی ذات سے جُدا نہیں ہوتے نہ ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد کافی ووافی ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (شوریٰ: 11) ''اُس جیسا کوئی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان عارف اور محقق علمائے کرام کو شاداں وفرحاں رکھے جنہوں نے فرمایا کہ توحید

سے مراد ایک ایسی ذات کا اثبات ہے جو کسی بھی ذات کے مشابہ نہ ہو اور اپنی صفات سے کبھی معطّل نہ ہو۔ واسطی علیہ الرحمہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے بیان کیا اور اسی آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مانند کوئی ذات نہیں، اس کے نام کی طرح کسی کا نام نہیں، اس کے فعل جیسا کسی کا فعل نہیں، اس کی صفات جیسی کسی میں کوئی صفت نہیں۔ اگر بظاہر الفاظ کی خالق اور مخلوق کے ناموں میں مطابقت نظر آئے تو یہ صرف الفاظ ہی کی مناسبت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات اس سے منزّہ ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو اور اسی طرح مخلوق میں صفتِ قدیمہ کا پایا جانا محال ہے۔ یہی اہلِ حق و صداقت یعنی اہلسنت و جماعت کا مہذّب مذہب ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان کو مزید واضح کرنے کی خاطر اس کی تفسیر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکایت توحید کے جامع مسائل پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق یعنی حادث کی ذات کے مشابہ کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو اپنے وجود میں مستغنی بالذات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق کے افعال کی مانند کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ یہ کسی فائدے کے حصول یا نقص کو دفع کرنے کے لیے ہے، اس میں خواہش کی تکمیل یا اغراض کو حاصل کرنے کا فعل نہیں اور اس میں کسی قسم کی مباشرت یا اسباب کی اعانت نہیں جبکہ مخلوق کے افعال ان امور سے خالی نہیں ہوتے۔

ہمارے دوسرے بعض مشائخِ عُظّام نے فرمایا ہے کہ تم جو کچھ اپنے وہم و گمان یا عقل سے معلوم کر لیتے ہو وہ تمہاری ہی طرح حادث ہے۔ امام ابو المعالی جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لینے پر ہی مطمئن ہو جائے اور اس کے فکر کی یہی آخری حد ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ مُشبّہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی سے تشبیہ دینے والا ہے، جیسے ابن حزم و ابن تیمیہ وغیرہ اور اُن کے پیروکار) اور جو شخص خدا کے سوا دوسروں کی نفی کرنے پر ہی مطمئن ہو جائے وہ مُعَطِّل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو بے بس سمجھنے والا) اور جو اس کے وجود کا یقین رکھتا ہو لیکن ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو معلوم کر لینے سے عاجزی کا اقرار کرے وہ اصلی مُوَحِّد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یقین کرے کہ اشیاء پر اس کی قدرت بغیر چارہ جوئی اور اسباب کے ہے۔ اس کا صنع مزاج کے دخل اور علّت سے خالی ہے۔ ہر چیز اس کا صنع ہے اور وہ اپنے صنع کے لیے علّت کا محتاج نہیں۔ جو چیز تیرے وہم میں سما سکے ذاتِ باری تعالیٰ اس سے وریٰ ہے۔ یہ کلام عجیب، نفیس اور محققانہ ہے۔ اس کا آخری حصہ اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر ہے:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ (انبیاء:23)

''اُس (خدا) سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے''۔

اللہ رب العزت کے اس ارشاد کی تفسیر ہے کہ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ دوسرا حصہ اور تیسرا حصہ باری تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ (النحل)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا کہ ہم کہیں، ہو جا، وہ ہو جاتی ہے''۔

اللہ ہمیں اور آپ کو اثباتِ توحید اور تقدیس و تنزیہہ کے عقیدے پر ثابت قدم رکھے اور تشبیہ و تعطیل سے بچائے جو ضلالت اور گمراہی کے راستے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و بارک وسلّم۔

معجزاتِ سیّد المرسلین

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء کی القسم الاوّل کے چوتھے باب میں ذکر فرمایا ہے اور یہ باب اُنہوں نے نبی آخر الزماں ﷺ کے معجزات اور خصائص و کرامت ہی کے لیے مختص کیا ہے کہ اِس باب میں ہم اُن مشہور معجزات کا ذکر کریں گے جو دیگر کتنے ہی معجزات کے سرچشمے ہیں تا کہ یہ باب اظہر من الشمس ہو جائے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بارگاہِ خداوندی میں کیسی عظیم قدر و منزلت ہے۔ اِس سلسلے میں ہم تحقیق شدہ اور صحیح احادیثِ مقدسہ ہی پیش کریں گے، جن میں سے اکثر تو حدِ یقین کو پہنچی ہوئی ہیں اور بعض اُن کے قریب تر ہیں۔ کچھ ایسی روایات بھی ہم نے پیش کی ہیں جو مشہور اکابر یعنی آئمہِ دین کی تصانیف میں موجود ہیں یعنی اُنہوں نے جن سے استناد کیا ہے۔

جب ایک منصف مزاج آپ کے ان حالات میں غور و فکر کرے، جو ہم نے نبی کریم ﷺ کے خوشنما نقوشِ قدم، قابلِ تعریف سیرت، علمی رفعت، عقلی کمالات، حلم اور جملہ کمالاتِ عالیہ و خصائصِ محمودہ اور ارشاداتِ مقدسہ کے بارے میں بیان کیا ہے، تو اسے آپ کی نبوت اور دعوت کی صداقت و صحت کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ملے گی اور یہی ایک بات مسلمان ہونے اور آپ پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔ ہم نے ترمذی اور ابن قانع وغیرہما سے ان کی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو مجھے دیکھتے ہی یقین حاصل ہو گیا کہ جھوٹے آدمی کا ایسا چہرہ نہیں ہو سکتا(1)۔

1۔ جو حسینانِ عالم سے ہے خوب رُو جس پہ حُسن آفریں کو بھی پیار آ گیا

(اختر شاہجہانپوری)

ابو رمثہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرا لڑکا بھی تھا۔ مجھے آپ کی زیارت کرنے کا موقع دیا گیا تو اُس معجز نما ہستی کو دیکھتے ہی یقین آ گیا کہ وہ سچا نبی ہے۔ امام مسلم اور بعض دوسرے محدثین نے روایت کی ہے کہ جب ایک شخص ضماد نامی آپ کی زیارت میں بصورتِ وفد حاضر ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وفد کے سامنے فرمایا:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ (ص۵۵)

''بیشک سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد بجالاتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جو گمراہ ہو جائے اسے کون ہدایت دے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا شریک کوئی نہیں اور بے شک محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''۔

ضماد نے یہ کلماتِ مقدسہ سنے تو کہنے لگا: آپ بار بار یہ کلمات دہراتے رہیے، یہ تو بحرِ حقیقت کی تہہ کے موتی ہیں۔ آپ ہاتھ آگے بڑھائیں، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ جامع بن شداد کا بیان ہے کہ ہم میں طارق نامی ایک آدمی تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اسی دوران میں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: کیا تمہارے پاس فروخت کرنے والی کوئی چیز ہے؟ ہم نے جواب دیا: یہ اونٹ ہے۔ آپ نے قیمت پوچھی تو ہم نے کچھ وسق کھجور اس کی قیمت بتائی۔ آپ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور لے کر چلے گئے۔ ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ایک اجنبی شخص کے ہاتھوں اونٹ فروخت کر دیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ وہ کہنے لگی: آپ کے اونٹ کی قیمت کی ضامن میں ہوں۔ میں نے اونٹ خریدنے والے شخص کا چہرہ انور دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ ایسا شخص تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتا۔ صبح ہوتے ہی ایک آدمی کھجوریں لے کر آیا اور کہنے لگا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس یہ کھجوریں دے کر بھیجا ہے۔ اِن کا وزن کر کے قیمت پوری کرلو۔ چنانچہ ہم نے اِس طرح مطلوبہ کھجوریں وصول کرلیں۔

جلندی شاہِ عمان کے بارے میں منقول ہے کہ اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری

رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اُسے اسلام کی دعوت دے رہا ہے تو اس کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، مجھے اس اُمّی نبی کے برحق ہونے پر اس بات نے دلالت کی کہ وہ اس وقت تک کسی بھلائی کا حکم نہیں اُس سے اجتناب نہ کریں۔ جب وہ غلبہ پالیتے ہیں تو مغرور نہیں ہوتے اور جب مغلوب ہو جاتے ہیں تو مایوس نہیں ہوتے۔ ایفائے عہد کرتے ہیں، وعدے کا لحاظ رکھتے ہیں اِس لیے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں۔ ارشادِ ربانی:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (النور:35)

"قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے"۔

کی تفسیر میں نفطویہ نے کہا کہ یہ ایک مثال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے متعلق بیان فرمائی ہے، یعنی اے حبیب! خواہ تم قرآن کریم کی تلاوت کر کے کسی کو نہ بھی سنا رہے ہو گے، اس وقت بھی تمہاری رویت ہی تمہاری نبوت پر دلالت کر رہی ہوگی۔ اسی طرح ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ اٰيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ فَكَانَ منظرهٗ يُنَبِّئُكَ بِالْخَبَرِ

معجزات وقرآنِ کریم

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کے معجزات کو اچھے پیرائے میں اور مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ ابتداء اعجاز القرآن سے کی ہے۔ اعجاز القرآن کے بکثرت وجوہ بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے کے بعد ایک منصف مزاج یہ یقین کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے کسی میں یہ طاقت اور صلاحیت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کسی چھوٹی سی سورت جیسی سورت بنا کر لے آئے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد مختلف معجزات کا ذکر کیا ہے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو کر زمین کے قریب آنا اور واپس چلا جانا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ عصر ادا کروانے کے لیے سورج غروب ہونے سے واپس بلانا، انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہونا، آپ کی برکت سے پانی جاری ہو جانا، آپ کے مَس کرنے اور دعا کرنے سے چیزوں کا نامعلوم طریقے سے بڑھ جانا، آپ کی برکت اور دعا سے کھانے پینے کی چیزوں کا زیادہ ہو جانا، درختوں کا کلام کرنا اور آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے بلانے پر حاضر ہو جانا، حنّانہ ستون کا واقعہ، جمادات وحیوانات سے متعلق جو معجزات ظاہر ہوئے، مُردوں کا زندہ کرنا، بیماروں کو تندرست کر دینا،

دعاؤں کا فوراً قبول ہونا، یہ ایک وسیع اور انوکھا باب ہے (یعنی ایمان افروز باب ہے)، موجودات خارجیہ جنہیں آپ نے مس کیا، ان کا آپ کی برکت وکرامت سے ماہیت تبدیل کر لینا نیز:

وَمَا اِطَّلَعَ عَلَيْهِ مِنَ الْغُيُوْبِ فِيْمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَالْاَحَادِيْثُ فِي هٰذَا الْبَابِ بَحْرٌ لَا يُدْرَكُ قَعْرُهٗ وَلَا يُنْزَفُ غَمْرُهٗ وَهٰذَا الْمُعْجِزَةُ مِنْ جُمْلَةِ مُعْجِزَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَعْلُوْمَةُ عَلَى الْقَطْعِ الْوَاصِلُ اِلَيْنَا خَبَرُهَا عَلَى التَّوَاتُرِ لِكَثْرَةِ رُوَاتِهَا وَاتِّفَاقُ مَعَانِيْهَا عَلَى الْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغَيْبِ حَتّٰى اَنْ كَانَ بَعْضُهُمْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اُسْكُتْ فَوَاللّٰهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ مَنْ يُخْبِرُهٗ لَاَخْبَرَتْهُ حِجَارَةُ الْبَطْحَآءِ۔ (ص۵٦)

''اور جو آپ غیوب پر مطلع ہیں، اُن میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو چکا اور جو ہونے والا ہے۔ اس بات کے ثبوت میں اتنی احادیث موجود ہیں کہ گویا سمندر ہیں جس کی تہہ نہیں مل سکتی اور نہ اس کا پانی نکالا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وہ معجزات جن کا علم ہمیں قطعی طور پر ہے اور کثیر التعداد راویوں کے ذریعے ہمیں تواتر کے طور پر پہنچے ہیں اور جن کے مفہوم ومعانی پر اتفاق ہے، اُن میں سے آپ کا غیب پر مطلع ہونے کا معجزہ بھی ہے۔ صحابہ کرام کا اِس پر یہاں تک یقین تھا کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے بات کرتا، تو دوسرا کہتا: خاموش رہو۔ خدا کی قسم اگر حضور کے اور کوئی خبر دینے والا نہ ہوا تو بطحا کے پتھر بھی انہیں بتا دیں گے''۔

اِس کے علاوہ قیامت کی نشانیاں بتانا نیز حشر ونشر اور قیامت کے حالات بتانا، حالانکہ اِس فصل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جو کتنے ہی اجزاء پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں لوگوں کے شر سے باری تعالیٰ شانہٗ کا اپنے حبیب ﷺ کو محفوظ رکھنا اور اُن کی اذیتوں سے آپ کو بچائے رکھنا (یعنی دشمن آپ کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن نہ کر سکے)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اقسام کے بے شمار معجزات کا ذکر کیا ہے، حتّٰی کہ فرمایا:

وَمِنْ مُعْجِزَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَاهِرَةِ مَا جَمَعَهُ اللّٰهُ لَهٗ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَخَصَّهٗ بِهٖ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاُمُوْرِ شَرَائِعِهٖ وَقَوَانِيْنِ دِيْنِهٖ وَسِيَاسَةِ عِبَادِهٖ وَمَصَالِحِ اُمَّتِهٖ وَمَا كَانَ فِي الْاُمَمِ قَبْلَهٗ وَقِصَصِ الْاَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ

وَالْجَبَابِرَةِ وَالْقُرُوْنِ الْمَاضِيَةِ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى زَمَنِهٖ وَحِفْظِ شَرَائِعِهِمْ وَكُتُبِهِمْ وَوُعِيَ سِيَرُهُمْ وَسَرْدِ اَنْبَآئِهِمْ وَاَيَّامِ اللّٰهِ فِيْهِمْ وَصِفَاتِ اَعْيَانِهِمْ وَاخْتِلَافِ اٰرَائِهِمْ وَالْمَعْرِفَةِ بِمُدَدِهِمْ وَاَعْمَارِهِمْ وَحِكَمِ حُكَمَائِهِمْ وَمُحَاجَّةِ كُلِّ اُمَّةٍ مِّنَ الْكَفَرَةِ وَمُعَارَضَةِ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ لِمَا فِي كُتُبِهِمْ وَاِعْلَامِهِمْ بِاَسْرَارِهَا وَمَخْبَاتِ عُلُوْمِهِمْ وَاَخْبَارِهِمْ بِمَا كَتَمُوْهُ مِنْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ وَاِلَى الْاِحْتَوْءِ عَلٰى لُغَةِ الْعَرَبِ وَغَرِيْبِ اَلْفَاظِ فِرَقِهَا وَالْاِحَاطَةِ بِضُرُوْبِ فَصَاحَتِهَا وَالْحِفْظِ لِاَيَّامِهَا وَاَمْثَالِهَا وَحِكَمِهَا وَمَعَانِي اَشْعَارِهَا وَالتَّخْصِيْصِ بِجَوَامِعَ كُلِّهَا اِلَى الْمَعْرِفَةِ بِضَرْبِ الْاَمْثَالِ الصَّحِيْحَةِ وَالْحِكَمِ الْبَيِّنَةِ بِتَقْرِيْبِ التَّفْهِيْمِ لِلْغَامِضِ وَالتَّبْيِيْنِ لِلْمُشْكِلِ اِلٰى تَمْهِيْدِ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ الَّذِيْ لَا تُنَاقُضَ فِيْهِ وَلَا تَخَاذُلَ فِيْمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا مَعَ اِشْتِمَالِ شَرِيْعَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَامِدِ الْاٰدَابِ وَكُلِّ شَيْئٍ مُسْتَحْسِنٍ مُفَصَّلٍ لَمْ يُنْكِرْ مِنْهُ مُلْحِدٌ ذُوْعَقْلٍ سَلِيْمٍ شَيْئًا اِلَّا مِنْ جِهَةِ الْخِذْلَانِ بَلْ كُلُّ جَاحِدٍ لَهٗ وَكَافِرٌ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ بِهٖ صلی اللہ علیه وسلّم اِذَا سَمِعَ مَا يَدْعُوْا اِلَيْهِ صَوَّبَهٗ وَاسْتَحْسَنَهٗ دُوْنَ طَلَبِ اِقَامَةِ بُرْهَانٍ عَلَيْهِ۔(ص۵٦)

”نبی کریم ﷺ کے بہت بڑے معجزات میں سے یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم ومعارف کا خزانہ بنا دیا اور آپ کو خصوصیت بخشی کہ دین ودنیا کے تمام مصالح پر آپ کو مطلع فرمایا نیز شریعتوں کے امور اور اپنے دین کے قوانین کی معرفت عطا فرمائی اور اپنے بندوں کی سیاست اور اپنی امت کے مصالح اور گزشتہ امتوں کے حالات، انبیاء ومرسلین کے حالات، آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے عہدِ مبارک تک کے جابر بادشاہوں اور گزرے ہوئے زمانوں کے قصے اور امم سابقہ کی شریعتوں، اُن کی کتابوں اور سیرتوں کو ذہن میں محفوظ کر لینا، اور ان کی خبروں، ان پر اللہ تعالیٰ کے انعام یا عذاب کے واقعات، ان کے سرگروہوں کے اطوار، ان کا اختلاف آراء، ان کی مدتوں، عمروں اور ان کے حکماء

کے اقوال کو جان لینا اور ہر امت سے کافروں کے جھگڑوں اور اہلِ کتاب کے ہر فرقے کے ساتھ اس کی مسلمہ کتابوں کے ذریعے معارضے کی صلاحیت ہونا، ان کی کتابوں کے اسرار اور چھپائے ہوئے علوم و اخبار کو ظاہر کرنا (یعنی جن باتوں کو اہل کتاب مخصوص مصلحتوں کے تحت چھپائے رکھتے تھے)، عربی زبان کی مہارت حاصل ہونا اور ہر جماعت اور قبیلے کے خاص الفاظ اور ان کی فصاحت کی جملہ اقسام کا احاطہ کر لینا، ان کے واقعات و حوادث، مثالیں، حکمتیں اور ان کے اشعار کے معانی حفظ کر لینا، سارے جامع کلمات کو معرفت کی جانب خاص کر دینا اور صحیح محاورات و ضرب الامثال کی معرفت ہونا اور حکم کو واضح اور عام فہم لفظوں میں بیان کرنا اور ہر مشکل بات کو ایسے آسان لفظوں میں واضح بیان کرتے کہ اُن کے فہم کے نزدیک ہوتی چلی جاتی۔ وہ شریعتِ مطہرہ جس میں کوئی تناقض نہیں ہے اس کے شروع میں قواعد کو آسان طریقے سے بیان کیا ہے اور شریعت میں کوئی کمزوری بھی نہیں ہے جو کہ ہمارے لیے نازل ہوئی۔ شریعتِ محمدیہ تو اچھے اخلاق اور قابلِ تعریف آداب پر مشتمل ہے اور اس کی ہر بات واضح پسندیدہ ہے، جس کا عقلِ سلیم رکھنے والا ایک ملحد بھی انکار نہیں کرسکتا لیکن اس شخص کا معاملہ ہی دیگر ہے جس کو بدبختی اور رسوائی نے جکڑ رکھا ہو، یہاں تک کہ دورِ جاہلیت میں کسی منکر اور کافر نے بھی جب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پیغام کو سنا تو اس کو بھی تصویب و تحسین کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا اور آپ کی حقانیت پر دوسری کسی دلیل کا مطالبہ تک نہیں کیا''۔

اس کے ساتھ ہی طیّبات کو اپنی امت کے لیے حلال اور خبائث کو حرام ٹھہرایا اور مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کو دوزخ سے بچانے کی خاطر تعزیرات اور حدود قائم کر کے محفوظ فرمایا۔ ایسی باتوں کا اہتمام وہی ماہر شخص کر سکتا ہے، جس نے علم حاصل کیا اور کتابوں کو پڑھا ہو نیز مختلف علوم و فنون کی تحصیل میں مہارت حاصل کی ہو جیسے طب، خوابوں کی تعبیر، میراث و وراثت، حساب، انساب اور دیگر ایسے ہی علوم۔ حالانکہ اِن علوم کے ماہرین نے جب آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں غور و فکر کیا تو انہیں اپنے تجربات کی بنیاد اور اصل الاصول پایا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد چند وہ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن کا تعلق مذکورہ بالا علوم و فنون سے ہے۔ اس کے بعد فرشتوں اور جنوں کے متعلق آپ نے جو خبریں دیں، انہیں نقل فرمایا نیز آپ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں کا ذکر کیا اور احبار و رہبان اور علمائے اہلِ کتاب

نے آپ کی اور امتِ محمدیہ کی جو صفات، اسماء اور علامات بیان کی ہیں، انہیں نقل کیا اور مہرِ نبوت کا تذکرہ کیا جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور جس کا ذکر گزشتہ موحدین کے اشعار میں بھی پایا جاتا ہے نیز کاہن جس کی خبر دیا کرتے تھے اور غائب جنوں، بتوں اور تصویروں کے اندر سے بارہا آوازیں سنی گئیں، اسی طرح قدیم زمانے کے طریقہ ہائے تحریر میں پتھروں اور قبروں پر آپ کا اسم گرامی اور آپ کی رسالت کی گواہی لکھی ہوئی پائی گئی اس سلسلے کے اکثر واقعات مشہور و معلوم ہیں لیکن اسی شخص کے لیے جو نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ پر مطلع ہے اور ہم (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب حجة الله على العالمين میں اس موضوع پر شرح وبسط سے لکھا ہے۔

معجزاتِ ولادت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادتِ مقدسہ کے وقت جو نشانیاں اور خرقِ عادت باتیں دیکھی گئی ہیں جیسا کہ آپ کی والدۂ ماجدہ اور جو افراد وہاں موجود تھے، انہوں نے عجائب بیان کیے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کا آسمان کی جانب ٹکٹکی لگا کر دیکھنا، اور وہ نور جو آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ ولادت آپ کے ساتھ نکلتے دیکھا، حتّٰی کہ اس کی روشنی میں بصرے کے محلات نظر آ گئے تھے، جیسا کہ امام احمد اور بیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ اور ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے اور جو عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت ستاروں کو آتے ہوئے اور نور کو ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا، حتّٰی کہ اُس نور کے وقت اور کچھ نظر نہیں آتا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ، جو آپ کی دایہ تھیں، ان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا پر جلوہ افروز ہوئے اور میرے ہاتھوں میں دیئے گئے تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے'' اس وقت میرے لیے مشرق و مغرب روشن ہو گئے حتّٰی کہ میں نے روم کے محلات دیکھ لیے، اسی طرح آپ کو دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند نے جو آپ کی برکتیں دیکھیں کہ ان کے دودھ کا جوش مارنا، ان کی بوڑھی اونٹنی کا دوبارہ دودھ دینے لگنا، ان کی بکریوں کا بہت بڑھ جانا، آپ کا تیزی سے نوجوان ہو جانا، اور حسین نشوونما پانا معروف ہے۔

نیز آپ کی پیدائش کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے جیسا کہ بیہقی نے روایت کی ہے، اس کے علاوہ کسریٰ کے محلات کا تزلزل میں آ جانا اور ان کے کنگروں کا گر پڑنا، بحیرۂ طبریہ کا خشک ہو جانا، آتشکدۂ فارس کی آگ کا بجھ جانا جبکہ ایک ہزار سال سے وہ بجھی نہیں تھی اور یہ کہ سید المرسلین ﷺ

بچپن میں جب اپنے چچا ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور جب وہ آپ کی عدم موجودگی میں کھانا کھاتے تو سب بھوکے رہ جاتے، ابو طالب کی اولاد جب سو کر صبح اٹھتی تو ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے لیکن رسول اللہ ﷺ جب بیدار ہوتے تو گیسوئے مبارک گویا شانہ کیے ہوئے، چہرہ خوشبودار اور آنکھیں سُرمگیں ہوتیں۔

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کی خدمت کرنے والی تھیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے ہوئے نہیں سنا، آپ کے معجزات سے آسمانی آگ اور شعلوں کے گرنے کی بندش اور شیطانوں کے چوری کرنے کے راستوں کا ختم ہونا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی کہ بتوں سے عداوت اور امورِ جاہلیت سے نفرت آپ کی فطرت میں شامل فرما دی حتّٰی کہ ستر (جسم ڈھانپنے) کے بارے میں آپ کی حالت یہ تھی، جیسا کہ مشہور خبر ہے، جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، جیسا کہ بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس دوران میں جب رسول اللہ ﷺ کے ازار مبارک کو آپ کے کندھے پر رکھ دیا گیا، تو بوجہ حیا آپ زمین پر گر پڑے، یہاں تک کہ اسے واپس کیا گیا۔ آپ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں ننگا ہونے سے منع کیا گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر سفر میں بادلوں سے سایہ کرنا جیسا کہ ترمذی اور دیگر کتبِ احادیث میں ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اور ان کی برادری کی کتنی ہی عورتوں نے دیکھا کہ جب آپ شام کی جانب سے آئے تو دو فرشتوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے غلام میسرہ سے اِس کا تذکرہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اس قسم کے تعجب خیز واقعات اسی وقت سے دیکھ رہا ہوں جب سے ان کا ہم سفر ہوا تھا۔ روایت کی گئی ہے کہ جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہتے تھے تو انہوں نے بادل کو آپ کے اوپر سایہ کرتے دیکھا۔ اس کی روایت آپ کے رضاعی بھائی (دودھ شریک بھائی) نے کی ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کسی سفر میں ایک خشک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے تو اس درخت کے اردگرد سبزہ نمودار ہو گیا اور وہ درخت بھی سرسبز ہو کر لہلہانے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شاخیں پھیل کر لٹکنے لگیں، یہاں تک کہ وہ خوب سایہ دار ہو گیا۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس نے آپ پر اچھی طرح سایہ کر دیا۔ جو عام مشہور ہے کہ:

كَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا وَاِنَّ

الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰی جَسَدِہٖ وَلَا ثِیَابِہٖ۔(ص ۵۸)

''رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں بھی نہیں ہوتا تھا کیوں کہ آپ سرتاپا نور ہی نور تھے اور مکھی کی یہ مجال نہیں تھی کہ کبھی بھی وہ آپ کے جسمِ اطہر یا آپ کے کپڑوں پر بیٹھے''۔

جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ آپ کے معجزات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو تنہائی پسند رکھا گیا اور وحی آنے یعنی قرآن کریم نازل ہونے تک آپ کی یہی کیفیت رہی جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ کو وصال کی خبر دی گئی اور بتا دیا گیا کہ اب مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں واپس پہنچنے کا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ یہ بھی آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ روضہ اطہر مدینہ منورہ میں ہوگا اور ہوگا بھی آپ کے کاشانہ اقدس کے اندر۔ نیز یہ کہ آپ کے دولت کدے اور مقدس منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے دنیا میں رہنے اور رحلت فرمانے میں اختیار دیا تھا کہ کسی ایک چیز کو اختیار کر لیا جائے۔ آپ نے آخرت کو پسند کیا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ ساتھی ہے)۔ یہی آپ کے آخری کلمات ہیں، اِن کے بعد پھر کلام نہیں فرمایا۔

بوقتِ وصال کے واقعات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ملائکہ کا نمازِ جنازہ کی جگہ صلوٰت وسلام پڑھنا، ملک الموت کا اجازت لے کر حاضرِ بارگاہ ہونا حالانکہ آپ سے پہلے ملک الموت نے کسی سے اجازت نہیں لی۔ بوقتِ غسل ملائکہ کی جانب سے یہ آواز آنا کہ آپ کی قمیص مبارک کو نہ اتارو۔ صحابہ کرام نے اس آواز کو سنا لیکن ایسا کہنے والا نظر کوئی بھی نہ آیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ وصال کے بعد حضرت خضر علیہ السلام اور ملائکہ نے اہل بیت اطہار سے یوں اظہارِ تعزیت کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اِنَّ فِی اللّٰہِ خَلَفًا مِنْ کُلِّ ھَالِکٍ وَعَزَاءً مِنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ وَدَرَکًا مِنْ کُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰہِ ثِقُوْا وَاِیَّاہُ فَارْجُوْا فَاِنَّ الْمُصَابَ مَنْ حَرُمَ الثَّوَابَ رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ۔(ص ۵۸)

''اے نبی کریم ﷺ کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ بے شک دنیا سے رخصت ہونے والے ہر شخص کا وارث خدا ہے۔ وہی ہر مصیبت میں تسلی

دیتا ہے اور وہی نقصان کو پورا کرنے والا ہے۔تم خدا سے ڈرتے رہو،اسی سے امید رکھو کیونکہ اصلی مصیبت زدہ وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے۔اسے بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کیا ہے''۔

امام شافعی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر آپ کی کرامتیں اور برکتیں دنیاوی زندگی میں ظاہر تھیں لیکن وصال کے بعد بھی اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنا۔

معجزاتِ مصطفیٰ کی ترجیح

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات، دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں دو وجہ سے زیادہ واضح اور اہم ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے معجزات تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔جس نبی کو جو بھی معجزہ ملا، وہ نبی کریم ﷺ کو بھی مرحمت فرمایا گیا، یا اس سے بھی اعلیٰ معجزہ دیا گیا اور اہل علم اس بات سے پوری طرح واقف ہیں۔آپ کے معجزات اس طرح حد و شمار سے باہر ہیں کہ قرآن کریم اول سے آخر تک معجزہ ہے اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے اور وہ سورۂ کوثر ہے۔اسی میں یہ موجود ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ (کوثر)

''اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں''۔

جب اس چھوٹی سی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے حالانکہ اس کے صرف دس کلمے ہیں لیکن پورے قرآنِ کریم میں تو ستّر ہزار سے بھی کچھ اوپر ہی کلمات ہیں۔چونکہ سورۂ کوثر کے دس کلمے ہیں، اس لحاظ سے حصے بناتے چلے جائیں تب بھی قرآن کریم کے سات ہزار سے زیادہ حصے بنتے ہیں اور ہر حصہ واقعی معجزہ ہے۔علاوہ بریں اس کے اعجازِ بلاغت و اعجازِ نظم وغیرہ کے لحاظ سے دیکھیں تو مذکورہ تعداد کئی گنا ہو جائے گی۔اعجاز کی ایک وجہ غیبی امور کی خبریں دینا بھی ہے، یوں اور کئی گنا تعداد ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ بھی اعجاز کی اور کتنی ہی وجوہات ہیں اگر ان کے حساب سے گنتے چلے جائیں تو صرف قرآنِ کریم سے متعلق ہی آپ کے اتنے معجزے ہو جائیں گے کہ اعداد بھی ان کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔اس بارے میں جو احادیث و اخبار وارد ہیں وہ اعجاز کی کثرت کے لحاظ سے مذکورہ تعداد کے کئی گنا معجزات کا پتہ دیتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات کی وضاحت و اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر انبیاء کے معجزات اس زمانہ کے لوگوں کی ہمت اور اس فن کے اعتبار سے تھے جس میں اس زمانے کے لوگ مہارت رکھتے ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا بہت زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا معجزہ دے کر بھیجا جو ان کاموں سے مشابہت رکھتا تھا، جن پر قدرت رکھنے کا وہ دعویٰ کرتے تھے۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس وہ معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے کیونکہ اس نے ان کے جادو کو باطل کر دکھایا تھا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علمِ طب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا تھا تو آپ ان کے پاس ایسا معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے جس پر انہیں کوئی قدرت نہیں تھی۔ وہ یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مردے کو بھی زندہ کیا جا سکتا ہے نیز بغیر معالجے اور طبی طریقوں کے مادر زاد اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا ممکن ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات بھی اسی طرح تھے۔

جس دور میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو عرب میں چار علوم بہت مشہور تھے: (۱) بلاغت (۲) شاعری (۳) خبر (تاریخ) (۴) کہانت۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ کریم نازل فرمایا جو مذکورہ چاروں علوم کے لیے خارق ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز کے ایسے کمالات پر مشتمل ہے جس کا ان کے کلام میں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا(1)۔ اس عجیب و غریب نظم اور پسندیدہ اسلوب کے وہ کوچے ہی سے نابلد تھے۔ جہاں تک اخبار یعنی تاریخ کا تعلق ہے تو قرآنِ کریم نے ایسے واقعات و حوادث اور اسرار و مخفیات کی خبریں دیں اور وہ خبروں کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوئے تو کسی پرلے درجے معاند اور دشمن کو بھی اس کی صحت و صداقت میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ رہی کہانت، تو یہ ایک مرتبہ سچی اور دس مرتبہ جھوٹی ثابت ہوتی رہتی ہے۔ شیاطین پر آسمان سے چنگاریاں پھینک کر اور ستاروں کے ٹوٹنے سے کہانت کو باطل کر کے بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ قرآنِ کریم نے اپنے زمانہ نزول کے حالات، گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے تذکرے نیز گزرے ہوئے واقعات کو بیان کر کے ہمہ دانی کا دعویٰ کرنیوالوں کو جاہل محض ثابت کر دکھایا۔

قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں بلکہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور ہر گروہ کے لیے واضح دلیل و حُجت ہے۔ بعد میں آنے والا جو بھی شخص اس کے وجوہِ اعجاز میں غور و فکر اور تامّل

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے: ؎

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاً عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کرے گا تو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ:

اِلٰی مَا اَخْبَرَ بِہٖ مِنَ الْغُیُوْبِ عَلٰی ھٰذَا السَّبِیْلِ فَلَا یَمُرُّ عَصْرٌ وَزَمَنٌ اِلَّا وَیَظْھَرُ فِیْہِ صِدْقُہٗ صلّی اللہ علیہ وسلّم عَلٰی مَا اَخْبَرَ فَیَتَجَدَّدَ الْاِیْمَانُ وَیَتَظَاھَرُ الْبُرْھَانُ۔ (ص۵۹)

''سرورِکون ومکاں ﷺ نے معجزے کے طور پر اس قدر غیب کی خبریں دی ہیں کہ کوئی دور اور زمانہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ کی صداقت ظاہر نہ ہوئی ہو اس سے ایمان کو تازگی اور حقانیت کی دلیل کو غلبہ ملتا ہے''۔

دیگر انبیائے کرام جب دنیا سے رخصت ہو جاتے تو ان کے معجزات بھی ختم ہو جاتے تھے لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کا یہ معجزہ نہ تو ختم ہونے والا ہے اور نہ منقطع ہو سکتا ہے۔ اس کے دلائل زائل نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ ترو تازہ رہتے ہیں۔ اسی لیے فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر نبی کو اس کے زمانے کے مطابق معجزے دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لاتے تھے لیکن میرا معجزہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی۔ میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت میں میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کا صحیح مفہوم تو یہی ہے لیکن اکثر علماء نے اس کی تاویل کی ہے، اور ظہور معجزہ کے بارے میں اس طرف گئے ہیں کہ آپ کے اس معجزے کا ظہور وحی یعنی کلامِ الٰہی ہونے کے باعث ہے جس میں نہ تو فکری قوت کا دخل اور نہ تشبیہ متصور، لیکن مخالفین ومعاندین نے انبیائے کرام کے معجزات کا مقابلہ ایسے امور سے کیا جن کا دارومدار فکری قوت پر تھا اور اس طرح کوتاہ فہم لوگوں کو کسی حد تک ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جادوگروں نے اپنی رسّیاں اور چھڑیاں پھینک کر سانپوں کی شکل میں دکھا دیں اور جادوگر ایسی شعبدہ بازی لوگوں کو دکھا دیا کرتے ہیں لیکن قرآنِ کریم تو کلامِ الٰہی ہے، اس پر کوئی جادو یا قوتِ متخیلہ اثر انداز نہیں ہو سکتی یعنی اس کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ اس اعتبار سے قرآنِ کریم کو دیگر تمام معجزات پر بھی فوقیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کفارِ عرب نے اس کے مقابلہ اور معارضہ سے ہتھیار ڈال دیئے تھے چنانچہ انہوں نے جلاوطنی، قید، ذلّت ورسوائی، نقل مکانی، جانی ومالی نقصانات، زجروتوبیخ، تہی دستی، جھڑکیاں کھانے اور دھتکارے جانے کے مصائب تک برداشت کر لیے، لیکن قرآنِ عزیز جیسی ایک آیت بھی بنا کر لانے سے عاجز رہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

اِس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کے لوگوں پر حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔

ان میں سرفہرست آپ پر ایمان لانا ہے۔ پھر آپ کی اطاعت اور سنت کی پیروی ہے کیونکہ یہ آپ سے محبت رکھنے اور اپنی خیر خواہی کے لوازم سے ہے۔ آپ کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے کیونکہ یہ آپ کی تعظیم وتوقیر اور احسان ماننے کی نشانی ہے۔ وصال کے بعد ہر اس چیز کا احترام کیا جائے جو آپ کی جانب منسوب ہے۔ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور روضہ اطہر کی زیارت کرنا۔ جو باتیں آپ کے لیے واجب یا جو آپ پر محال اور ممتنع تھیں انہیں مدِ نظر رکھے کیونکہ آپ کو گالی دینے یا آپ کی شان میں نازیبا لفظ جاری کرنے یا تنقیص کرنے والے کے لیے قتل کرنے کا حکم ہے یا اس کے نزدیک۔ اس فصل کا اختتام اس بیان پر ہوا ہے کہ آپ کے اہلِ بیتِ اطہار، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا یا ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ قصہ مختصر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فخرِ دوعالم ﷺ کے فضائل ومعجزات اور دیگر احوال ایسی شرح وبسط سے بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے اور نفع حاصل کرنے سے کوئی مسلمان مستغنی نہیں۔ کتاب الشفاء اس موضوع پر عدیم النظیر کتاب ہے جس کی مقبولیت پر امتِ محمدیہ کا اتفاق ہے۔ اس کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ فضائلِ مصطفیٰ پر سب سے پہلے لکھی گئی۔ اگرچہ مواہب لدنیہ بھی اس باب میں یکتا ہے کیونکہ اس میں بیانات زیادہ شرح وبسط سے ہیں لیکن یہ امتیاز پھر کتاب الشفاء ہی کو حاصل ہے کہ وہ اس میدان کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

امام، عارف باللہ، حکیم محمد بن علی ترمذی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرموداتِ

نوٹ: یہ صاحبِ سُنن، ابو عیسیٰ ترمذی نہیں ہیں۔

فخرِ دو عالم کی ہیبت

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں فرمایا ہے کہ ظاہری حیات اور بعد وفات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو ہیبت کی تاثیر دلوں میں تھی اور ہے، اس کتاب کی ایک سو چھتیسویں اصل کا عنوان اور موضوع یہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اس رونق آرائے گیتی نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو آپ کی ضیاء باریوں سے مدینۃ الرسول کی ہر شے جگمگا اٹھی اور جس روز آپ نے وفات پائی تو مدینہ طیبہ کی ہر ایک چیز کو غم والم کے اندھیرے نے گھیر لیا۔ آپ کو قبرِ انور کے سپرد کر دینے کے بعد ہم نے ابھی اپنے ہاتھوں کو جھاڑا بھی نہیں تھا کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُوْرًا اَضَاءَ الْعَالَمِيْنَ قَالَ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا فَكَانَ يَسْتَنِيْرُ سِرَاجُهٗ فِي الْعَالَمِيْنَ وَاِذَا مَشٰى فِي الطَّرِيْقِ فَاحَ مِنْهُ رِيْحُ الطِّيْبِ حَتّٰى يُوْجَدَ عُرْفُهٗ فِيْ مَمَرِّهٖ ﷺ فَيُعْرَفُ اَنَّهٗ مَرَّ بِهٰذَا الْمَكَانِ وَكَانَ طَاهِرًا طَيِّبًا طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْحِفْظِ فِي الْاَصْلَابِ وَالْاَرْحَامِ وَطِفْلًا وَّنَاشِئًا وَّكَهْلًا حَتّٰى قَدَّسَهٗ بِطُهْرِهٖ النُّبُوَّةِ وَشَرَّفَهٗ بِالْقُرْبَةِ وَطَيَّبَهٗ بِرَوْحِهٖ وَجَلَّلَهٗ بِبَهَائِهٖ فَمَنْ فَتَحَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالنُّوْرِ الَّذِيْ جَعَلَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَبْصَرَهٗ وَمَا نَحَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَزَيَّنَهٗ بِهٖ كَانَ رُؤْيَتُهٗ شِفَاءُ قَلْبِهٖ وَدَوَاءُ سُقْمِهٖ وَلَا يَخِيْبُ بِرُؤْيَتِهٖ عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ شِفَاءَ الْقَلْبِ اِلَّا مَنْ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَبَصَرِهٖ غِشَاوَةً۔ (ص ۱۶)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے، جنہوں نے اپنی ضیاء پاشیوں سے دونوں جہانوں کو جگمگا رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محبوب! ہم نے تمہیں حاضر و ناظر، خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا، اللہ کے حکم سے اس کی جانب بلانے والا اور روشن سورج بنا کر بھیجا ہے"۔ آپ کی نورانیت ہی سے کونین میں اجالا ہے۔ جب آپ کسی راستے سے گزرتے تو اس گزرگاہ کی فضا معطر ہو جاتی، حتّٰی کہ ہر آنے جانے والے کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس راستے سے گزر ہوا ہے، اسی لیے تو یہ کوچہ بسا ہوا ہے۔ آپ ایسے طاہر اور طیب تھے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اصلاب (صلب کی جمع) اور ارحام (رحم

کی جمع) میں بھی پاک صاف رکھا اور بچپن، نوجوانی اور بڑھاپے میں بھی، یہاں تک کہ نبوت جیسی اعلیٰ ترین طہارت کے ساتھ آپ کی تقدیس فرمائی۔ آپ کو قربِ خاص کا شرف مرحمت فرمایا، گلشنِ کائنات کا معطرگلِ سرسبد بنایا اور بزرگی کا جامہ پہنایا۔ پس جس خوش نصیب کا دل اس نور کی بدولت کھول دیا اور چشمِ بصیرت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بزرگی اور رعنائی اسے دکھادی، تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی رویت تو دلوں کی شفا اور امراض کی دوا ہے۔ تندرست دِل والا آپ کی رویت سے فیضیاب ہوئے بغیر نہیں رہتا، سوائے اس کے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہو اور اس کی سماعت وبصارت پر پردہ پڑا ہوا ہو"۔

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام معجز نظام میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ (اعراف:198)

"اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا"۔

نبی کریم ﷺ کی ہیبت، وقار، جلال اور طہارت لوگوں کے قلوب ونفوس کے درمیان ایک دیوار تھی۔ آپ کی ہیبت اور بزرگی کے پیش نظر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ انہیں بصورتِ دیگر حیا محسوس ہوتی تھی۔ آپ میں نورانیت، شیریں کلامی اور مہابت جمع تھی۔ زمین کے جس ٹکڑے کو آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا، وہ آپ کی نورانیت سے رشکِ قمر ہو جاتا(1)، شیریں کلامی کا گہوارہ کہلانے لگتا اور آپ کی ہیبت سے وہاں کے جوہر مستعد ہو جاتے تھے۔ جب فخرِ دو عالم ﷺ پردہ فرما گئے تو اس سراجِ کائنات کے ساتھ اس کی حقیقی روشنی بھی رُو پوش ہو گئی اور وہ پہلے جیسی چمک دمک، حلاوت اور مہابت بھی نہ رہی۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو زمین کے سپرد کر کے ابھی ہاتھوں کی مٹی بھی صاف نہیں کرنے پائے تھے کہ ہم نے اپنے دِلوں کا انکار کر دیا۔ اِس جملے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی دِلی کیفیت بیان کی ہے، کیونکہ انہیں باری تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن بعض لوگوں کی ایمانی حالت کے بدل جانے کا خطرہ پریشان کر رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی تھے۔ جس نے آپ کو پہچانا اور آپ کی معرفت اس طریق سے اس کے اندر متمکن ہو گئی ہو، بھلا وہ شخص جب آپ کو

1۔ کعبہ کسی کا، عرشِ بریں ہے کسی کا نام کچھ اِس قدر ہیں اُن کے قدم، رہگور نواز (اختر الحامدی)

غائب یا مفقود دیکھے گا تو اپنے دِل کا انکار کیوں نہ کرے گا؟ اس کے دل و دماغ پر تو رسول اللہ ﷺ کی بادشاہی تھی۔ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو دِل کی مُہار زمین پر گرتی ہوئی نظر آنے لگی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ اسے چھوڑ دیا گیا ہے، جس سے اپنی خواہشات کی جانب متوجہ ہونے کا خطرہ تھا۔ لیکن جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت سمائی ہوئی ہو اور وہ اس پر غلبہ پا چکی ہو، وہ آپ کی وفات سے اپنے دل کا انکار نہیں کرے گا، کیونکہ آپ کے پردہ فرمانے سے اس کے دل کی حالت نہیں بدلے گی۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو صِدّیق کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایسے حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے وہ چیز دلوں میں جا گزیں ہو جاتی ہے جو انہیں متحیّر کیے رکھتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ مارے ہیبت کے ان کی اپنی ذات ایک لحاظ سے مرہی گئی ہوتی ہے۔ یہی ہیبت ہے جو ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرپور رکھتی ہے اور مخلوق کی محبت کو اس نے ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی محبت زائل ہو جاتی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ جتنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت دلوں میں بڑھتی جاتی ہے اسی لحاظ سے سرورِ کون و مکاں ﷺ کی محبت دلوں میں بڑھتی رہتی ہے اور آپ کی محبت تمام دنیاوی کدورات سے پاک صاف ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ہیبت لوگوں کی محبت پر غالب آ کر اسے ڈھانپ لیتی ہے، اس طرح دوسروں کی محبت ظاہر نہیں ہوتی جیسے سمندر میں ایک ٹیلہ ہو، وہ اپنی ہیبت کے ساتھ سمندر میں کھڑا تو ہوتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتا، یا جس طرح چاند کہ اس کی روشنی تو ہر وقت برقرار رہتی ہے لیکن جب مہرِ درخشاں کی تابانیاں اس کے بالمقابل آتی ہیں تو سورج کی کرنیں چاند کی روشنی کو اپنے اندر ڈھانپ لیتی ہیں، حالاں کہ چاند کی چمک دمک حقیقت میں وہی رہتی ہے لیکن سورج کی وافر ضیاء باریوں کے باعث دیکھنے والے کو چاند کی حالت کچھ اور ہی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت و ہیبت پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ بحث نہایت نفیس اور دقیق ہے۔ باری تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس کلام سے اور اس کے موقف سے نفع اندوز کرے۔ (آمین)

خدا کی محبت اور اتباعِ رسول

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوادر الاصول کی اصل ایک سو پچپن (۱۵۵) میں آیہ کریمہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخرِ دو عالم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو

تو نیکی، تقوٰی، تواضع اور نفس کشی میں میری اتباع کرو۔ نیکی سے مراد وہ فرائض ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عائد کیے۔ تقوٰی ان کاموں سے اجتناب کرنے کو کہتے ہیں جن سے پروردگارِ عالم نے روکا ہے۔ تواضع کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔ نفس کشی کا یہ مفہوم ہے کہ روزی وغیرہ کے سلسلے میں اپنی خواہشات کو اس کے درجات پر چھوڑ دے۔ آدمی اِن چاروں چیزوں کو اسی وقت قائم کر سکتا ہے جبکہ وہ عبودیت میں صفائی یعنی اخلاص رکھتا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بارگاہِ رسالت میں یمن کا ایک وفد حاضر ہوا اور انہوں نے کہا کہ ابیت اللعن (آپ لعنت سے دور رہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! ایسے کلمے تو بادشاہوں سے کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں تو محمد بن عبد اللہ ہو۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ وہ عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کا نام لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا: میں ابو القاسم بھی ہوں۔ وہ عرض کرنے لگے: اے ابو القاسم! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم آپ سے ایک چیز چھپا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! ایسا تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن میں کاہنوں، ان کی تصدیق کرنے والوں اور کہانت کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص پوچھنے لگا: اس بات کی گواہی کون سی چیز دیتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے زمین کی جانب دست معجز نما بڑھایا، ایک مٹھی سنگریزے لیے اور فرمایا: یہ بے جان کنکریاں تک میری رسالت کی گواہی دے سکتی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ان سنگریزوں نے آپ کے دستِ اقدس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور یوں گویا ہوئے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس کے بعد وہ عرض گزار ہوئے کہ جو کلامِ الٰہی آپ پر نازل ہوتا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی سنائیے۔ آپ نے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سورت پڑھنا شروع کی لیکن جب اس ارشادِ باری تعالیٰ پر پہنچے کہ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ تو آپ اس درجہ بے حس وحرکت ہو گئے کہ جسم کی کوئی رگ بھی حرکت نہیں کر رہی تھی اور چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا، جس کے قطرے ریش مبارک کے اوپر سے ڈھلکتے ہوئے متواتر ٹپک رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیا جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اسی کے خوف سے آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں اسی کے خوف سے رو رہا ہوں جس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس نے مجھے ایسے سیدھے راستے پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کے لیے بھیجا ہے، جو تلوار کی دھار کے مانند ہے۔ اگر میں ذرا بھی اِدھر اُدھر ہو جاؤں تو ہلاکت میں پڑ جاؤں گا، کیونکہ

میرے مالک کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ (بنی اسرائیل:86)

''اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے''۔

خصائصِ مصطفیٰ

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل دوسو انتالیس (۲۳۹) میں نبی کریم ﷺ کے خصائص بیان کرتے ہوئے ارشادِ نبوی اُعْطِیْتُ خَمْسًا کے اسرار پر بحث کرنے کے دوران تحریر کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ میں ہر سیاہ اور سرخ (جملہ انسانوں) کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، حالانکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا۔

۲۔ ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔

۳۔ رُعب اور دبدبے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے، جو میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک کارفرما ہوتا ہے۔

۴۔ مالِ غنیمت میرے لیے حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنیمت حلال نہیں قرار دی گئی۔

۵۔ مجھے شفاعت عطا فرمائی ہے جو میں نے اپنی امت کے لیے ذخیرے کے طور پر محفوظ رکھ چھوڑی ہے۔ اس میں سے ہر اس امتی کو حصہ ملے گا جس نے خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

سربراہ مملکت کی حیثیت

نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کی طرف ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جسے امارت، ولایت، اور رعایا دی جاتی ہے۔ حاکم کی مثال ایک بکریوں کے چرواہے کی مانند ہے، جو اپنی بکریوں کو موٹی تازی دیکھنے کے لیے چراگاہ میں چراتا ہے، انہیں صاف پانی پلاتا ہے، ان کے لیے گرمی اور سردی سے بچاؤ کا بندوبست کرتا ہے، رات آنے سے پہلے روزانہ ان کی جگہ کو صاف کر کے رہنے کے لیے تیار کرتا ہے، انہیں ہلاکت کے مقامات سے ہٹاتا، وبائی جگہوں سے بچاتا اور درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے، اگر ایک بکری ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اسے ہانک کر دوسری بکریوں میں لاتا ہے، لنگڑی بکری کا خیال رکھتا اور بیمار بکریوں کو دوائی کھلاتا ہے۔ دودھ اور ان کی پشم

وغیرہ کو مالک کے لیے محفوظ رکھتا ہے مخلص ایسے ہی چرواہے کو کہتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو اس کی پوری اجرت دی جاتی ہے۔ وہ چرواہا ریوڑ کے مالک سے بلحاظ اس کی ملکیت کے اچھے سے اچھے معاوضے کا بجا طور پر امیدوار رہتا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری مخلوق کے چرواہے ہیں اور جملہ مخلوق ان کا ریوڑ۔ اس ریوڑ کی حفاظت ہی کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے انہیں مبعوث فرمایا ہے شریعتِ مطہرہ اس ریوڑ کے چرنے کی وادی ہے۔ کونسی چیز بکریاں کھائیں تو نفع پہنچائے گی اور کونسی نقصان دہ ہیں؟ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہے اور ریوڑ کو صاف پانی کی جگہ پر لے جانا، اس سے مراد علم کے چشمہ صافی سے انہیں سیراب کرنا ہے۔ گرمی سردی سے بچاؤ کی تدبیروں سے مراد زندگی کی استعداد اور تندرستی ہے یعنی بڑھاپے سے پہلے قوتِ جوانی اور موت سے پہلے صحت یا مرض۔ رہنے کی جگہ تیار رکھنے سے مراد یہ ہے کہ فتنے جورات کے اندھیرے کی طرح چھاتے ہیں، ان سے محفوظ رہنے کے ذرائع اور امن وامان کی جگہ تلاش کرنا، جہاں آرام سے رہا جاسکے۔ انہیں ہلاکت کی جگہوں سے روکنے کا مطلب نفسانی خواہشات سے بچانا ہے کیونکہ خواہشات ہی ہلاکت کا سبب ہیں۔ وبا والی جگہوں سے بچانا یہ ہے کہ انہیں اس قسم کی خوشیوں سے بچانا ہے جو دلوں میں سما جاتی ہیں اور ان کے باعث اچھے بھلے دل بیمار ہو جاتے ہیں۔ بچھڑنے والی بکری کی بھیڑیوں کے خوف سے حفاظت کرنا یہی ہے کہ لوگوں کو شیطان کے پھندوں میں پھنسنے سے بچاتے ہیں تاکہ وہ لعین انہیں گناہوں میں ملوّث نہ کردے اسی لیے لوگوں کو توجہ کی جانب متوجہ کرتے رہتے ہیں اور افسردہ دلوں کو تسلی دے کر ان کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ بیمار بکری کی دوا دارُو کرنے سے مراد ہے کہ جو شخص شُتر بے مُہار بنا ہوا ہو اسے وعظ نصیحت کرکے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور پند ونصائح کے ذریعے ان کو نفوس کے فتنوں سے نجات دلاتے ہیں۔ ان کے بچوں کی باربرداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو زیورِ تعلیم وادب سے آراستہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ دودھ اور پشم وغیرہ کو مالک کے لیے محفوظ رکھنے کا یہ مفہوم ہے کہ لوگوں کے لیے وہ دعائیں مانگتے، استغفار کرتے اور ان کے اعمال کی مقبولیت کے لیے دست بدعا رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس لحاظ سے مخلوق کے راعی اور حقیقت میں کائنات ارضی وسماوی کے سربراہِ مملکت اور فرمانروا ہیں، جو دنیا والوں کو ادب سکھاتے، انہیں مشکل امور پر قابو پانے کے لیے ابھارتے، استقامت کی راہ پر ادب کے کوڑے سے گامزن کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ خالقِ کائنات کے سامنے پیش ہونے کے قابل بن جائیں۔ ہر راعی کے پاس ایک عصا ہوتا ہے جس سے وہ اپنی بکریوں

کے لیے پتّے جھاڑتا ہے اور انہیں ہانکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا ذکر فرمایا ہے۔

ہر راعی کی مشقت اس کی بکریوں کی تعداد کے لحاظ سے ہوتی ہے۔اسی طرح ہر امیر کی ذمہ داریاں اس کی رعایا کے افراد کی تعداد وغیرہ پر منحصر ہیں۔جو ایک جماعت کا امیر بنایا جائے اسے اتنے ہی وسائل و اسباب کی ضرورت پیش آتی ہے جتنے اس مختصر سی ولایت میں تصرف کرنے کے لیے ضروری اور کافی ہوں۔یہ اسباب نوکر چاکر، مویشیوں، سواری کے جانوروں اور خزانوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور مملکت کی ضروریات کے مطابق، تاکہ انہیں اپنی امارت میں مناسب طور پر مصرف میں لائے، جسے صرف مجارستان کا امیر بنایا جائے، اسے مذکورہ اشیاء میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ ملے گا، لیکن جس کو خراسان کا والی بنا دیا جائے، اس کی ضروریات اور رعایا کے مطلوبہ لوازمات بہت زیادہ ہوں گے۔جو امیر المومنین ہو اس کی ضروریات والیِ خراسان سے بھی زیادہ ہوں گی، لیکن جس کی بادشاہی مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب (اور عرشِ معلّٰی سے تحت الثریٰ تک ہو) اس کے لیے تو بہت ہی زیادہ خزانے درکار ہوں گے تاکہ وہ اپنی مملکت کا بخیر و خوبی انتظام و اہتمام کر سکے۔

ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔بارِ رسالت کے مطابق انہیں توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر عطا فرمائے گئے۔پس جس رسول کو زمین کے ایک گوشے میں بسنے والی اس کی قوم کی جانب بھیجا گیا، اس کو نبوت کے معاون اسباب (معجزات وغیرہ) اور دیگر خزانوں سے اس کی ذمہ داریوں اور رعایا کی تعداد کے مطابق حصہ ملا۔لیکن جس کو زمین پر بسنے والی ساری مخلوق کی جانب بھیجا گیا ہو، خواہ وہ انسان ہوں یا جنّات، وہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔آپ کو علوم و معرفت سے اتنا ہی وافر حصہ ملا، جس طرح آپ کی بعثت عالمگیر ہے، تاکہ اپنی ساری رعیت کا بندوبست کر سکیں۔اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (میں ہر سرخ و سیاہ کی جانب مبعوث ہوا ہوں) اور اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ کَحَظِّهٖ مِنْ وِلَایَةِ مُلْکٍ یَّمْلِکُ الدُّنْیَا وَجَوَاهِرَ شَرْقِهَا وَغَرْبِهَا وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَنْ مَلَکَ الْاَرْضَ کُلُّهَا مَلَکَ جَوَاهِرَهَا وَمَعَادِنَهَا۔(ص ۶۳)

"نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر۔اسی کے مطابق جیسا کہ ملک کی ولایت میں آپ کا حصہ ہے کہ آپ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان

سب چیزوں کے مالک ہیں۔ کیونکہ جو ساری زمین کا مالک ہے وہی اس کے جواہرات اور معادن کا مالک ہے"۔

لیکن جس کو زمین کے ایک کونے کا مالک بنایا گیا ہے وہ اسی کونے کے جواہرات کا مالک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے تو سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے: اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (میں جامع کلمات دیا گیا ہوں) اور اسی لیے آپ کی کتاب دیگر تمام کتب کی جامع ہے۔ قرآنِ کریم مضامین کے لحاظ سے توریت، انجیل، زبور اور فرقان پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ طوال مفصّل اس امت کے لیے بصورتِ نافلہ خصوصی انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عربی زبان میں وحی نازل فرمائی جو سب زبانوں پر غالب ہے کیونکہ اہلِ جنت کی زبان یہی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ جملہ بنی آدم کے لیے رسول ہیں تو یقیناً آپ کو خزانے بھی اتنے عطا فرمائے گئے ہیں، جو تمام لوگوں کے لیے کافی ہوں اور حکمت بھی اس کے جواہر سمیت آپ کو مرحمت فرمائی گئی ہے۔ آپ کو ختمِ رسالت اور رعب دیا گیا۔ مختصر اور جامع کلام کا آپ کو علم عطا فرمایا۔ وہ توریت جس کو ستر (۷۰) طاقتور اونٹ اٹھاتے تھے۔ اسی کے ساتھ زبور اور انجیل بھی قرآنِ کریم میں جمع کر دی گئیں اور فرقانِ حمید کو سورۂ فاتحہ میں جمع کر دیا گیا، اسی لیے اس کا نام اُمُّ الْکِتَاب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ (الحجر)

"بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن"۔

سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور اسے مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں جمع فرمایا ہوا ہے۔ لوگوں کی ضرورت معلومہ اور ان کی احتیاج کے مطابق اللہ تعالیٰ ان میں سے اپنے ہر رسول پر نازل فرماتا رہا لیکن سورۂ فاتحہ کو ان سب سے مستثنیٰ کر لیا اور اسے امتِ مرحومہ کے لیے محفوظ رکھا۔ کیونکہ توریت، زبور، انجیل اور فرقان کے تمام علوم اسی اُمُّ الْقُرْاٰن سے نکلے ہیں۔ قرآنِ کریم اپنی اسی اصل سے مستخرج ہے اور باقی تمام کتابیں قرآنِ مجید سے ہی نکلی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں توریت کی جگہ سبع طوال، انجیل کی جگہ مثانی، زبور کی جگہ مئین دیا گیا ہوں اور مفصّل کے ساتھ مجھے فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن روزِ روشن کی طرح ان واضح حقائق کے باوجود:

فَمَنْ عَمِیَ قَلْبُهٗ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَلَمْ یَکُنْ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرُ الْهِدَایَةِ لَمْ یَبْصُرْ اٰثَارَ النُّبُوَّةِ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ وَاِنَّمَا یَبْصُرُ مِنْهُ شَخْصَهٗ

وَجِسْمَهٗ۔(ص ٦٤)

''جس کا دل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اندھا ہو جاتا ہے اور اس میں نورِ ہدایت کا قحط پڑ گیا ہو، تو ایسا شخص نبی کریم ﷺ کی نبوت کے آثار نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ آپ کی ظاہری شخصیت اور جسم وغیرہ کو دیکھتا ہے'' (1)۔

باری تعالیٰ شانہٗ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ (اعراف:198)

''اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا''۔

جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کی جانب ہدایت فرمائی ہو اور اس کی قلبی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں اور ان میں معرفت قرار پکڑ چکی ہو تو اس کے ذریعے وہ آپ کی نبوت کے آثار کو واضح طور پر دیکھ لے گا، جو حیات، ذکاوت، بیداری، اطاعت، سرعت، سبقت، چشم پوشی، کرم، وسعت، سخاوت، حیا، مسکنت، وقار اور حلم کے ساتھ مزین دیکھے گا اور اعمال میں مسواک، حجامت، خوشبو اور جماع وغیرہ میں ایسی معرفت رکھنے والا نبوت پر رسالت کو بلند دیکھے گا اور یہ خصوصیت ان حضرات کو شانِ جلال، صاحبِ حسن و جمال، پاکیزگی، شیریں کلامی، خوب صورتی، ملاحت، ہیبت اور دبدبہ و سلطنت کے باعث حاصل ہے اور ان جملہ صفاتِ عالیہ کی اصل یقین، محبت اور حیات سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی معرفت سے اہل ایمان صرف اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جتنی انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس نے فخرِ دو عالم ﷺ کی آپ کی مصاحبت میں رہ کر تصدیق کی، تو ایسی تصدیق کو محض معرفت کی بناء پر سمجھنا چاہئے اور جس کسی کو آپ کی ذاتِ گرامی کا علم ہوتا ہے اسی کے مطابق ظاہری آنکھ کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے، جیسا کہ خصائل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نور سے وہی شخص زیادہ حصہ لے سکتا ہے جسے سیدِ عالم ﷺ کی معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور آپ کی قدر و منزلت، بزرگی اور ذاتِ مقدّس کا علم اسی کو زیادہ میسّر آئے گا جو آپ کے ارشادات کو ماننے والا اور اپنی جان و مال کو آپ پر قربان کر دینے والا ہو۔

کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا بھید ظاہر کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو انہوں نے فوراً اس بات کی تصدیق کی اور

1۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: ؎

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے — دیدۂ کور کو کیا نظر آئے، کیا دیکھے؟

تردّد یا تامّل ان کے نزدیک بھی نہ پھٹک سکا اور نہ کسی قسم کی بے قراری کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت ورسالت کی تصدیق کرنے کے لیے کہا تو میں عرض گزار ہوا کہ پہلے اپنے والد محترم سے اجازت حاصل کرلوں۔ تھوڑی دیر میں وہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے اور آپ کی نبوت ورسالت کا اعتراف کرلیا اور فخرِ دوعالم ﷺ کے دعوے کی تصدیق کی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد تصدیق کی۔ انتالیس (۳۹) اشخاص کے اسلام قبول کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک رات دعا کی کہ اے اللہ! عمر بن خطّاب یا عمرو بن ہشام میں سے ایک کو مسلمان کر کے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ اگلے روز صبح کے وقت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل سے گزر کر محبّ خدا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدّر سے ٹکرائی اور یہ سعادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آ گئی جبکہ ابوجہل بد بخت کا بد بخت ہی رہ گیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کر لینے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس (۴۰) ہو گئی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عزت بخشی ہے اور آپ کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ہر نبی کے لیے ایک وزیر مقرر فرمایا لیکن رسول اللہ ﷺ کے چار وزیر بنائے، یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو رسالت کے وزیر ہیں اور عثمانِ غنی وعلی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبوت کے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہر وزیر کو خصوصی کمالات سے نوازا یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں عصمت وحلم اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حقّانیّت وولایت اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں نور وحیاء اور مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں حُرمت و خُلّت آئی۔ رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اور آپ کی سیرتِ مقدسہ سے اِن حضرات نے اپنے اپنے طبعی خواص کے مطابق کسبِ فیض کیا، اِسی وجہ سے اُن کی خصوصیات میں تفاوت ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ اس دنیا سے اپنے مالک حقیقی کی جانب کوچ کرنے کا وقت قریب ہے اور آپ بیمار ہوئے یہاں تک کہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں جانا مشکل ہو گیا تا کہ اپنی امت کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ امت محمدیہ نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بھی احسان ہوا کہ وفات کے روز آپ کے مرض میں تخفیف ہو گئی۔ آپ حجرے سے باہر تشریف لائے جبکہ مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ فخرِ دوعالم ﷺ کے قدم مبارک گھسیٹتے جا رہے تھے، آخر کار

آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے اور نماز ادا کی تا کہ سب مسلمانوں کو آپ کے فعل سے یہ واضح ہو جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت سے اللہ کا رسول خوش ہے اور کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا، یا بیہوشی کی حالت میں ایسا فرما دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے امامتِ صدیقِ اکبر پر مسلمانوں کو متفق کرنے کی خاطر اپنے حبیب ﷺ کے مرض میں تخفیف فرمائی تا کہ وہ مسجد نبوی میں پہنچ سکیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کو بحال رکھتے ہوئے ان کے پہلو میں جلوہ گر ہوں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا چکے تو آپ نے باقی نماز ادا کی۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں بڑی طویل بحث کی ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہدیہ کرنے والے کی جانب سے رحمت ہوں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہیں اور آپ سے پہلے تمام رسول اپنی امتوں پر حجت اور عطیہ تھے۔ ہدیہ کو عطیہ کی مانند نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس نے عطیہ قبول کیا اس کے لیے برکت ہے اور جس نے قبول نہ کیا اس پر حُجت قائم ہوگئی، جس کے باعث وہ عنقریب عذاب دیا جائے گا۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ عطیہ بھی ہیں اور ہدیہ بھی۔ جس نے آپ کو ہدیہ اور عطیہ دونوں لحاظ سے قبول کیا وہ سعادت مند اور ہدایت یافتہ ہوا۔ وہ دوسروں پر سبقت لے گیا اور مقربِ بارگاہِ الٰہیہ ہو گیا لیکن جس شخص نے آپ کو عطیہ کے طور پر تو قبول کیا مگر ہدیہ کے لحاظ سے تسلیم نہ کیا، وہ نیک بخت تو ہے لیکن اسے ہدایت کا پھل نہیں ملے گا۔ وہ نیک بختی کے باعث نجات پا جائے گا اور جس نے آپ کا انکار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا اور جحود کیا، اس کا حصہ نیک بختی سے صرف اتنا ہی ہے کہ وہ پہلی امتوں کے عام عذاب سے تو دنیا میں نجات پائے گا لیکن آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو ہدیہ اور عطیہ دونوں کے بطور قبول کیا، اللہ تعالیٰ اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت دیتا ہے۔ جس نے آپ کو عطیہ کے بطور قبول کیا اسے انابت اور عاجزی کے باعث راہِ ہدایت دکھائے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (شوریٰ)

''اللہ اپنے قُرب کے لیے چن لیتا ہے، جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے''۔

عطیہ رحمت سے ہے اور ہدیہ محبت سے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تنگی اور کمزوری کی حالت میں

دیکھ کر اس پر نظرِ رحمت رکھے، اسے تقویّت پہنچائے اور اس کی کمزوری کو دور کر دے تو یہ عطیہ اور رحمت ہے لیکن وہ اس سے محبت کرے اور اسے خلعت اور سواری وغیرہ سے نوازے تو اس طرح اس کے دل کو اپنی جانب مائل کر لے گا۔ اسے ہدیہ کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے دِل مائل ہو جاتا ہے۔

پس انبیاء و مرسلین ہمارے رب کی جانب سے جو مخلوق کی رہنمائی کے لیے بھیجے جاتے ہیں وہ عطیہ ہیں۔ جنہیں اپنی رحمت سے مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا اور ان کے ذریعے کفر کی سختی کو دور فرمایا اور ان کی بدحالی کو دور کیا۔ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عطیہ اور ہدیہ بنا کر بھیجے گئے۔ ایمان اور اسلام کو عطیہ میں اور ان کی حکمت کو ہدیہ میں رکھا گیا۔ اسی سلسلے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾

"وہی ہے جس اَن پڑھوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ اُن پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے"۔ (الجمعہ)

پس ایمان اور اسلام کی حکمت اس امت کے لیے ہدیہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاص الخاص بعثت کے باعث اس امت کو باقی امتوں پر فضیلت دیتا ہے (1) اور:

وَالْهَدِيَّةُ كُنُوْزُ الْمَعْرِفَةِ مِنْ خَزَائِنِ السُّبْحَانِ اِحْتَظٰى بِهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰى صَارُوْا مَوْصُوْفِيْنَ فِى التَّوْرَاةِ صَفْوَةُ الرَّحْمٰنِ وَفِى اِنْجِيْلَ حُكَمَاءُ عُلَمَاءُ اَبْرَارٌ اَتْقِيَاءٌ كَاَنَّهُمْ مِنَ الْفِقْهِ اَنْبِيَاءٌ۔ (ص ٢٦)

"ہدیہ تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے معرفت کا خزانہ ہے، جس کے باعث اس امت کی حفاظت فرمائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ توریت میں صفوۃ الرحمٰن کے نام سے موصوف ہوئے اور انجیل میں انہیں حکماء، علماء، ابرار اور اتقیاء کہا گیا۔ دین کی سمجھ بوجھ میں یہ لوگ گویا انبیاء کرام کی طرح ہوتے ہیں"۔

1۔ کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا — خاک کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اَوروں کے رہبر ہو گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا (ہری چند اختر)

اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ (آل عمران:73)

"اللہ ہی کی ہدایت ہی ہدایت ہے"۔

سرورِکون ومکاں ﷺ نے فرمایا:

مَا اُعْطِیَتْ اُمَّۃٌ مِنَ الْیَقِیْنِ مَا اُعْطِیَتْ اُمَّتِیْ فَاِنَّمَا صَیَّرَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَنَا لِیَھْدِیَنَا اِلٰی اَعَالِیْ دَرَجَاتِ الدُّنْیَا عُبُوْدَۃً لِتَکُوْنَ غَدًا فِی اَعَالِی دَرَجَاتِ الْجَنَّۃِ بِالْقُرْبِ مِنَ رَسُوْلِنَا لِتَقِرَّ عَیْنُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَا۔(ص٦٦)

"جس قدر یقین کی دولت سے میری امت کو مالا مال فرمایا گیا ہے اتنا یقین اور کسی امت کو نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ہماری جانب مبعوث فرمایا تا کہ ان کی ہدایات و رہنمائی میں ہم دنیا کے اعلیٰ درجے حاصل کریں اور اظہارِ عبودیت کے باعث کل قیامت میں جنت کے اعلیٰ درجے اور اپنے آقا کا قرب حاصل کرسکیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں"۔

فخرِ آدم و بنی آدم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (میری رُعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے) رُعب اصل میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور جلال ہے جو دوزخ کے دروازے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس فخرِ دوعالم ﷺ کی باری تعالیٰ شانہٗ نے رعب کے ساتھ اس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو ایسا لشکر عطا کیا جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، دیگر کسی رسول کو ایسا رعب نہیں دیا گیا(1)۔ چنانچہ:

ذَالِکَ فَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْنَمَا ذُکِرَ مِنْ مَسِیْرَۃِ شَھْرٍ وَقَعَ ذٰلِکَ الرُّعْبَ فِی قَلْبِ عَدُوِّہٖ فَذَلَّ بِمَکَانِہٖ۔(ص٦٦)

"رسول اللہ ﷺ کا جہاں بھی ایک ماہ کی مسافت تک ذکر چھڑ جاتا، تو دشمن کے دل میں آپ کا رُعب سما جاتا اور اس کے باعث وہ اپنی جگہ پر ہی ذلیل ہو کر رہ جاتا"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ (میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے) مالِ غنیمت پلید ہوتا ہے کیونکہ یہ دشمن سے لیا جاتا ہے اور دشمن کی جملہ املاک پلید ہیں۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھیوں کے زیورات کا قرآنِ کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

1۔ اصنام اوندھے منہ گرے سنتے ہی جاء الحق پتھر کو موم کرتی ہے ہیبت رسول کی (مفتی ریاض الحسن نیّر)

اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ (طٰہٰ:87)

''بوجھ اُس قوم کے گہنے (زیور) کے''۔

زینتِ قوم کو اس کی نجاست اور پلیدی کے باعث اوزار کہا گیا ہے۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے یعنی آپ کی امت کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے غنائم کو حلال فرما دیا۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا (انفال:69)

''تو کھاؤ، جو غنیمت تمہیں ملی، حلال پاکیزہ''۔

وصلّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلِہٖ وصحبہ وسلّم

حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرموداتِ گرامی

رحمتِ دوعالم

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۳۰ھ) اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی فصل اوّل میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بعثت کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

بایں وجہ آپ کے دشمن بھی اس وقت تک عذاب سے محفوظ رہے جب تک ان میں آپ کی جلوہ گری رہی کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام معجز نظام میں یہ وعدہ فرمالیا تھا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

باوجود اس کے کہ آپ کے دشمن عذاب کے نزول کی فرمائش کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نہ بھیجا کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہم بیکسوں کے آقا ومولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنایا ہے لیکن جب آپ انہیں چھوڑ کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو کفار پر عذاب بھیج دیا گیا یعنی کوئی قتل ہوا اور کسی کو قید کیا گیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ (زخرف:41)

''تو اگر ہم تمہیں لے جائیں، تو ان سے ہم ضرور بدلہ لیں گے''۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا گیا ہوں۔ پھر اپنی ہی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گزارش پیش کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ مشرکین کی تباہی اور بربادی کے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے، عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

شانِ مصطفیٰ

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی فضیلت اسی سے عیاں ہے کہ خود اللہ رب العزت نے آپ کے منصبِ رفیع اور ظاہری و باطنی عظمت کی خبر دی ہے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآنِ کریم میں آپ کے اسمِ مبارک کے ساتھ کسی جگہ خطاب نہیں فرمایا(1)، بلکہ خبر بھی دی ہے تو کنایۃً اور وہ بھی نبوت و رسالت کے ساتھ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے اور اس سے ارفع و اعظم اور زیادہ باعزت مقام اور کونسا ہے؟ حالانکہ دیگر انبیائے کرام اور ان کی قوموں کو نام لے کر مخاطب کیا گیا اور ان کے منصب کا ذکر بھی کنایۃً نہیں کیا کیونکہ کنایہ اعلیٰ ترین منصب پر دلالت کرتا ہے، ہاں جس مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی مذکور ہوں تو خطاب و خبر میں مشارکت کے باعث وہاں سب کا ذکر کنایہ کے طور پر کیا گیا، لیکن جب علیحدہ ان کا ذکر ہوا تو نام لے کر۔

جب کسی بزرگ یا معظم مخاطب کو نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ کنایۃً اس سے خطاب کیا جائے تو اس میں اس بزرگ کی غایت درجہ تعظیم ہے کیونکہ جو تعظیم کے غایت درجے پر پہنچا ہوا ہو اسی کے نام سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بادشاہ ہے تو یَا اَیُّھَا الْمَلِکُ کہا جاتا ہے۔ اگر امیر ہے تو یَا اَیُّھَا الْاَمِیْرُ کہا جائے گا۔ اگر خلیفہ ہو تو یَا اَیُّھَا الْخَلِیْفَۃُ سے مخاطب کیا جائے گا، اگر وہ عالمِ دین ہے تو اسے اَیُّھَا الْحِبْرُ، اَیُّھَا الْقِیسُ، اَیُّھَا الْعَالِمُ، اَیُّھَا الْفَقِیْہُ کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فضیلتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے اور چونکہ آخری رتبے اور فضیلتِ عُلیہ تک پہنچایا ہے، اسی لیے خالق و مالک ہونے کے باوجود آپ کو یوں مخاطب فرمایا: یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝۴۵ .... یَاۤ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ......... یَاۤ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ......... یَاۤ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ.......... کتنی ہی آیات میں اسی طرح خطاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہ السلام کو ان کا نام لے کر مخاطب کیا گیا ہے اور اسی طرح ان کے متعلق خبر دیتے وقت، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (بقرہ:35)

''اے آدم! تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو''۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

1۔ یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب   یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ خطابِ محمد است (جامی)

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قربِ خاص کی راہ دکھائی''۔ (طٰہٰ)

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوں مخاطب کیا:

یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (ہود:48)

''فرمایا گیا: اے نوح! کشتی سے اُتر ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ''۔

مزید حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یوں خبر دی گئی:

وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔

''اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا''۔

تیسرے مقام پر آپ کے نبی آخر الزماں ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے یوں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہوا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (احزاب 40)

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے''۔

چوتھے مقام پر آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے اور قرآن کریم کی حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے یوں ذکر فرمایا:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ (محمد:2)

''اور اس پر ایمان لائے، جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے''۔

مندرجہ بالا آیات میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہونے میں یہ حکمت ہے، تا کہ آپ کا ہر منکر و مخالف بھی جان لے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور ان کی کتاب برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ علاوہ بریں وہ لوگ آپ کو محمد کے علاوہ اور کسی نام سے جانتے نہ تھے۔ اگر قرآنِ کریم میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور نہ ہوتا تو کتاب سے آپ کا نام معلوم نہ کیا جا سکتا، جیسے جن انبیائے کرام کے اسمائے گرامی قرآنِ مجید میں مذکور ہو گئے وہ اب بھی متعارف ہیں (دوسروں کے اسمائے گرامی تک

معلوم نہیں)۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ذکر فرمایا ہے، یہ آپ کے فضائل و کمالات اور وقار و شرف کو اور بڑھاتا ہے کیونکہ آپ کا یہ اسمِ گرامی اللہ تعالیٰ کے نام سے مشتق ہے جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے:

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ)

"نبی کریم ﷺ کے نام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا) ہے، تاکہ آپ کو یہ شرف حاصل ہو، کیونکہ عرش کا مالک محمود ہے اور ان کا اسمِ گرامی محمد رکھا۔ (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور حبیب ﷺ کا یکجا ذکر فرمایا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نام لیا لیکن اپنے حبیب ﷺ کا نبوت کے کنایہ سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران)

"بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے، جو اُن (۱) کے پیرو ہوئے اور یہ (۲) نبی اور ایمان (۳) والے"۔

اس طرح ذکر فرمانے سے باری تعالیٰ شانہٗ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں نبی کریم ﷺ کی جلالتِ شان، رفعت، مرتبے کی فضیلت اور عظمت کتنی ہے۔ جملہ انبیائے کرام آپ سے پہلے مبعوث ہوئے لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا تو آپ کے اسمِ گرامی کو مقدم رکھا مثلاً:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ (النساء)

"بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد (علیہم السلام) کو زبور عطا فرمائی"۔

قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ

"اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے"۔ (احزاب:7)

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے مذکورہ آیت کی تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: میں تخلیق کے لحاظ سے تمام نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت کے لحاظ آخر میں ہوں۔

حافظ ابونعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو یہ فضیلت و خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کی خاطر یہ اہتمام فرمایا کہ انبیائے ماسبق کے اُمتی جس طرح اپنے نبیوں کو مخاطب کرلیا کرتے تھے آپ کو اِس بارے میں اُن سے جُدا کر دیا گیا۔ یعنی اگلی امتوں میں لوگ اپنے اپنے نبی سے رَاعِنَا سَمْعَکَ کہا کرتے تھے یعنی مزید رعایت فرمائیے تاکہ ہم آپ کی بات سُن سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اِس طرح مخاطب کرنے سے امتِ مرحومہ کو منع فرما دیا، جس میں توہین و تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہو انہیں ایسا راستہ اختیار کرنے ہی سے روک دیا گیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ (بقرہ:104)

"اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور! ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سُنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

حافظ ابونعیم علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رَاعِنَا لفظ یہود کی زبان میں گالی ہے لہٰذا اِس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم فرمایا گیا، جس سے مراد ہے کہ ہمیں پھر سنائیے اور ہمارے اوپر نظرِ کرم فرمائیے۔ اِس ممانعت کے بعد جب صحابہ کرام نے یہ طے کرلیا کہ آئندہ جس کی زبان سے رَاعِنَا کا لفظ برائے مخاطبہ سُنو، تو فوراً اُس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہود کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ لفظ استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا۔

معاندین سے دفاع

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دوجہاں، سائرِ لامکاں ﷺ کو ایک یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر ان کی تکذیب کرنے والوں نے بیوقوفی، گمراہی اور جھوٹ جیسے عیوب کی تہمت بھی لگائی تھی اور ان کے جواب میں انبیائے کرام اپنی صفائی پیش فرمایا

کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ پر لگائے جانے والے الزامات کے جواب دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام پر تہمت لگائی تھی کہ:

إِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اعراف:60)

''بیشک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اِس الزام کا انہیں یہ جواب دیا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ (اعراف:61)

''اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں''۔

لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام پر یوں زبانِ طعن و تشنیع دراز کی:

إِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ...... (اعراف:66)

''بیشک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں''۔

آپ نے اس عیب کی اپنے ذات میں ہونے سے یوں نفی فرمائی:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ...... (اعراف:67)

''اے میری قوم! مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ؟''۔

فرعون جیسے متکبر اور بدبخت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر یوں الزام تراشی کی:

إِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:101)

''اے موسیٰ! میرے خیال میں تم پر جادو ہوا ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس ظالم بادشاہ کو بَرملا یوں جواب دیا کہ وہ بوکھلا اٹھا یعنی:

إِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

''میرے گمان میں تو اے فرعون! تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے''۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عظمت و شرف کے باعث لگائے گئے الزامات کا جواب دینے سے بے نیاز کر دیا تھا، مثلاً باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم:2)

''تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں''۔

ایک نے کہا:

إِنَّ هٰذَآ اَخِىْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ (ص)

''بیشک یہ میرا بھائی ہے۔ اِس کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے''۔

تو داوٗد علیہ السلام نے ایک فریق کی زیادتی اور حد سے بڑھنے کے بارے میں یوں فرمایا:

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ص:24)

''داوٗد نے فرمایا: بیشک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دُنبی اپنی دُنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بیشک اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں''۔

جب داوٗد علیہ السلام پر اِس مکالمے کی حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ (ص:25)

''اور داوٗد سمجھ گیا کہ ہم نے یہ اُس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا اور ہم نے اسے معاف فرما دیا''۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کی لغزشوں کا ذکر کیا لیکن نبی کریم ﷺ کو مغفرت کا مژدہ سُناتے وقت کسی لغزش کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ آپ کا انتہائی اکرام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)

''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

یہ فضیلت اور شرف کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

میثاقِ انبیاء

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے فضائل سے یہ امر بھی ہے کہ:

اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ عَلٰى جَمِيْعِ اَنْبِيَائِهٖ اِنْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ اٰمَنُوْا بِهٖ وَنَصَرُوْهُ فَلَمْ يَكُنْ لِيُدْرِكَ اَحَدٌ مِنْهُمُ الرَّسُوْلَ اِلَّا وَجَبَ عَلَيْهِ الْاِيْمَانُ بِهٖ وَالنُّصْرَةُ لَهٗ لِاَخْذِ الْمِيْثَاقِ مِنْهُ فَجَعَلَهُمْ كُلَّهُمْ اَتْبَاعًا لَهٗ يَلْزَمُهُمُ الْاِنْقِيَادُ وَالطَّاعَةُ لَهٗ لَوْ اَدْرَكُوْهُ۔ (ص۷۰)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے انبیاء سے عہد لیا کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ اُن کے پاس تشریف لائیں تو اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں۔ اگر کوئی آپ کا زمانہ اقدس

1

پاتا تو اُس پر واجب یہ تھا کہ آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی مدد کرتا اس وعدہ لینے سے اللہ تعالیٰ نے سارے انبیائے کرام کو آپ کا تابعدار بنا دیا یعنی اگر وہ زمانے کے لحاظ سے آپ کو پا لیتے تو اُن پر آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت لازم ہو گئی تھی"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَمَعِیْ کِتَابٌ اَصَبْتُہٗ مِنْ بَعْضِ اَھْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰی کَانَ حَیًّا مَّا وَسِعَہٗ اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ۔ (ص ۷۰)

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو میں نے کسی اہلِ کتاب سے لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر یہاں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُنہیں میرے اتباع کے سوا اور چارہ کار نہ ہوتا"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے فضائل میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کسی شرط اور استثناً کے بغیر فرض ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت تمام لوگوں پر کسی شرط اور استثناء کے بغیر فرض فرمائی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وُہ لو"۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (توبہ:63)

"کیا اُنہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اُس کے رسول کا"۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (مائدہ:33)

"وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں، ان کا بدلہ یہی ہے کہ......"

وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ......(توبہ:29)

"اور اس چیز کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے"۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ......(انفال:13)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے"۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (انفال:1)

"تم فرماؤ، غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں"۔

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:59)

"تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو"۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ (توبہ:59)

"اور کیا اچھا ہوتا، اگر وہ اس پر راضی ہوتے، جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا"۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ (توبہ:59)

"کہتے ہمیں اللہ ہی کافی ہے اب دیتا ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول"۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال: 4)

"تو پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول کا ہے"۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ:74)

"اور انہیں کیا برا لگا؟ یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا"۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ (توبہ:90)

"اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا"

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (احزاب:37)

"جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی"۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کے نام کو ملایا ہے اور یہ انتہائی تعظیم اور شرف کی بات ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ۔

فضیلتِ مصطفیٰ از احادیثِ مطہرہ

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کے فضائل میں بہت سی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابوہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا کہ: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اگرچہ سب سے پچھلے ہیں لیکن قیادت میں سب پر سبقت لے جانے والے ہوں گے (یعنی جنت میں جاتے وقت سب سے آگے ہوں گے یا تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے)۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک، جن سے میں پیدا ہوا، ان سب کے نکاح ہوئے تھے، ان میں کوئی بھی بدکار نہیں تھا یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کسی کے نزدیک سے بھی بدکاری (زنا) قطعاً نہیں گزری تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے والدین سفاح میں کبھی اکٹھے نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک اصلاب سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا ہے، جو ہمیشہ صاف اور مہذب رہے۔ جہاں بھی میرے آباؤ اجداد میں دوسری شاخ پھوٹی تو مجھے ان میں سے بہتر شاخ میں رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ: قریش آپس میں بیٹھ کر حسب ونسب کا تذکرہ کر رہے تھے تو انہوں نے آپ کی مثال اس کھجور جیسی بیان کی جو اونچی زمین پر اُگی ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر مخلوق میں رکھا، جب قبائل بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا، جب نفوس کو پیدا کیا تو مجھے بہتر نفوس میں رکھا، جب گھروں کی تقسیم فرمائی تو مجھے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ پس میں قریش سے باپ کے اعتبار سے اور نفسِ ذات کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کتنے ہی انبیائے کرام کے پاک اصلاب سے منتقل ہوتے آئے، یہاں تک کہ آپ کی والدہَ ماجدہ نے آپ کو جنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکان ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بنی آدم کو اختیار کیا، بنی آدم سے عرب کو چنا، عرب سے مضر، مضر سے قریش، قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا۔ تو میں بہتر لوگوں سے اگلے بہتر افراد کی جانب منتقل ہوتا آیا ہوں۔ پس جو شخص اہلِ عرب سے محبت کرے وہ میرے ساتھ محبت رکھنے کے باعث ہی محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض رکھنے کے باعث ہی ان سے بغض رکھے گا۔ (محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز ہی محبت کے لائق ہے)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کیونکہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں ہوگا۔ میں عاقب ہوں کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔
حضرتِ ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس میرے دس نام ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے آٹھ نام یہ ہیں: محمد، احمد، ابوالقاسم، فاتح، خاتم، عاقب، حاشر اور ماحی۔ روای کا بیان ہے کہ مجھے یہی یاد ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ طٰہٰ اور یٰسین بھی آپ کے نام ہیں۔ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ و بارک و سلّم۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

اس فضیلت کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے، حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے معزز باری تعالیٰ شانہٗ نے کسی فرد کو پیدا نہیں فرمایا کیونکہ آپ کے علاوہ اور کسی کی حیات کی قسم اللہ تعالیٰ نے یاد نہیں فرمائی، لیکن آپ کے بارے میں فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۲﴾ (الحجر)

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں وَحَیَاتِکَ یَا مُحَمَّدُ یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری حیاتِ طیبہ کی قسم۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عقلاء کے مسلّمات سے ہے کہ معظم، محترم اور اکرم ہستیوں کی قسم ہی کھائی جاتی ہے۔ اس سے سیدنا

ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان اور آپ کے احکام کی عظمت کا سکہ دلوں میں بیٹھ جاتا ہے نیز اللہ رب العزت نے آپ کی زبان حق ترجمان سے جو شرعی احکام جاری کروائے، اپنے بندوں کو ان کے ذریعے وحدانیت کا سبق از بر کروایا اور دولتِ ایمانی سے مالا مال کرنے کی جانب دعوت دینے کی عظمت مبرہن ہوتی ہے۔ اس قَسم سے آپ کی نبوت و رسالتِ جلیلہ کا مکمل یقین ہو جاتا ہے اور یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے معزز اور دائرۂ تخلیق کا مرکز و محور ہیں(1)۔

بزمِ محشر میں شانِ محبوبی

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور اس سے متعلقہ احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا زمین سب سے پہلے میرے لیے کھلے گی اور میں اپنے روضہ اطہر سے باہر تشریف فرما ہوں گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا، جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام تشریف فرما ہوں گے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضہ انور سے باہر نکلوں گا، جب وہ وفد کی صورت میں چلیں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے تو ان کی جانب سے گفتگو کرنے والا میں ہوں گا، جب وہ جنت میں داخل ہونے سے روک دیئے جائیں گے تو ان کی شفاعت کرنے والا میں ہوں گا، جب وہ مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا، کرامت کا جھنڈا، جنت کی کنجیاں اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اس روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں سب سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا(2) ہوں گا۔ ایک ہزار خادم میرا طواف کریں گے گویا وہ چھپی ہوئی سفیدی ہیں یا بکھرے موتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنوں اور انسانوں بلکہ ہر کالے گورے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ جملہ انبیائے کرام میں سے غنیمتیں صرف میرے ہی لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ ساری زمین میرے لیے پاک اور مسجد ٹھہرا دی

1۔ اگر گردش میں جس کے گرد ہے پرکار کائنات — وہ ایک خاص مرکز دوراں ہے مصطفیٰ (اختر الحامدی)

2۔ ایسے حضرات کی جرأت کا اندازہ بھلا کون کرسکتا ہے جو اپنے دین وایمان کی لٹیا ڈبو کر، عقل کی آنکھوں پر بغض وعناد اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھے ہوئے بضد ہو کر آج تک تقویۃ الایمان میں یہی لکھتے اور شائع کرتے آرہے ہیں کہ ''سب انبیاء اور اولیاء اس کے نزدیک ایک ذرّہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں''۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

گئی۔ میں اپنے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ساتھ مدد فرمایا گیا ہوں۔ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات مرحمت فرمائی گئی ہیں، جو جنت کے خزانوں سے ہیں۔ مجھے مفصل (سورتوں کے ساتھ) فضیلت دی گئی ہے۔ مَیں دنیا اور آخرت میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے کھُلے گی۔ یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا (یعنی تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں) قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد سے سارے انبیائے کرام اُس روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ بروزِ قیامت جنّت کی کُنجیاں میرے سپرد فرمائی جائیں گی اور یہ فخر وغرور کے طور پر نہیں کہتا۔ اُس روز میرے ہی وسیلے سے درِ شفاعت کھُلے گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اُس روز مخلوقِ خدا کو جنت کی طرف لے جانے والا میں ہوں گا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میں اہلِ محشر کا امام ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے چلے گی(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: وہ شخص میں ہوں جس کے لئے زمین سب سے پہلے کھلے گی، پھر ابو بکر کے لئے پھر عمر کے لئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، پھر اہلِ بقیع آئیں گے اور میرے پاس جمع ہو جائیں گے، پھر میں مکّہ والوں کا انتظار کروں گا اور حرمین شریفین کے درمیان سب کو اکٹھا کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا میں ہوں گا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی(2)۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ بروزِ قیامت حمد کا جھنڈا میرے ہی دستِ مبارک میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہا ہے۔ اُس روز بنی آدم کا سردار میں ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میرے بعد سب سے پہلے جنت میں فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) داخل ہوگی کیونکہ اِس اُمّت میں اُس کی مثال ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام کی۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ يَصْعِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ وَعَنْ اُمِّ كَرْزَ

1۔ اسی لیے تو مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

فقط اِتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ اِن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

2۔ یہ عصیاں شعار بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہے:

ترے صدقے مجھے اِک بوند بہت ہے تیری ۔۔۔ جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا (رضاؔ)

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اِنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَا سَيِّدُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا بُعِثُوْ وَسَائِقُهُمْ اِذَا وَرَدُوْا وَمُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَبْلَسُوْا وَاِمَامُهُمْ اِذَا سَجَدُوْا وَاَقْرَبُهُمْ مَجْلِسًا مِنَ الرَّبِّ تَعَالٰی اِذَا اجْتَمَعُوْا اَقُوْلُ فَاَتَكَلَّمُ فَيُصَدِّقُنِیْ وَاَشْفَعُ فَيُشَفِّعُنِیْ وَاَسْئَالُ فَيُعْطِيْنِیْ۔ (ص ۴۷)

"بروزِ قیامت جب سارے انسان بیہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مسلمان جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اُن کا سردار میں ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے تو میں اُن کی رہنمائی کروں گا۔ جب وہ نااُمید ہو جائیں گے تو میں خوشخبری دُوں گا۔ جب وہ سجدے میں پڑیں گے تو میں اُن کا امام ہوں گا۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو میں رب تعالیٰ کے دوسروں کی نسبت زیادہ قریب متمکن ہوں گا۔ جب کلام کروں گا تو اللہ تعالیٰ میری معروضات کو قبول فرمائے گا۔ شفاعت کروں گا تو قبول ہو گی۔ سوال کروں گا تو عطا فرمایا جائے گا"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سارے نبیوں پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دیا گیا ہوں (۱) مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں (۲) رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (۳) ایک روز میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں۔ (۴) میں سارے انسانوں کا رسول ہوں۔ (۵) غنیمتیں صرف میرے لیے حلال فرمائی گئی ہیں۔ (۶) نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا گیا ہے۔ جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں وہ تمام علوم و معارف بھی جمع فرما دیئے ہیں جو سابقہ کتب میں مندرج تھے۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنّا

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے محمد بن احمد بن حسن نے خبر دی، اُنہیں محمد بن عثمان بن ابوشیبہ نے، اُنہیں جبارہ بن مغلس نے، انہیں ربیع بن نعمان نے، اُنہیں سہل بن صالح نے اپنے باپ سے، اُنہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر جب توریت نازل ہوئی اور اُس میں سے اِس اُمتِ مرحومہ کے فضائل پڑھے تو بارگاہِ الٰہی میں

عرض گزار ہوئے کہ اے میرے رب! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی امّت کا تذکرہ پایا ہے جو سب سے آخری لیکن سب پر سبقت لے جانے والی ہے، اُسے میری اُمت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے: اے باری تعالیٰ! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کا ذکر دیکھا ہے جس کے بارے میں سب سے پہلے شفاعت قبول فرمائی جائے گی، اُسے میری امت بنا دے۔ اللہ رب العزّت نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا بیان پڑھا ہے جو تیری جانب رجوع کرتی رہے گی اور تو ان کی دعائیں قبول فرماتا رہے گا، اُسے میری امت بنا دے۔ جواب ملے گا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض کیا: اے رب العزّت! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا بیان پڑھا ہے، جو تیرے احکام کی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلے گی اور اُسے ازبر پڑھے گی، اُسے میری اُمت کردے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے: اے پالنے والے! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا حال پڑھا ہے جو فئی کھائے گی۔ اُسے میری اُمت بنا دے۔ جواب ملا، وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت ہے، پھر عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت دیکھی ہے جو صدقہ خود کھائے گی، لیکن اس پر بھی ثواب کی حقدار ہوگی، اسے میری اُمت بنا دے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر ملتجی ہوئے: اے اللہ رب العزّت! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ جب وہ لوگ نیکی کا قصد کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب اُسی وقت لکھ لیا جائے گا خواہ اُس پر عمل نہ کرسکیں اور اگر اُس نیکی کو کر پائے تو نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اُسے میری اُمت بنا دے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: ربِّ غفور! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ اگر وہ لوگ برائی کا قصد کریں گے اور اُس کا اِرتکاب نہ کرسکیں تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب اُس برائی کے مرتکب ہو جائیں تو صرف ایک بُرائی لکھی جائے گی۔ اُسے میری اُمت کردے۔ جواب دیا گیا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض پرداز ہوئے: اے ربِّ کریم! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا تذکرہ دیکھا ہے، جنہیں اگلے پچھلے کا علم مرحمت فرمایا جائے گا اور وہ گمراہی کے عالم گیر سرچشمہ یعنی اُس سب

سے بڑے دجّال کے ساتھ جہاد کریں گے جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہلاک کرنا ہے اسے میری اُمت کر دیا جائے۔ جواب ملا: وہ تو احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام سراپا التجا ہو کر عرض گزار ہوئے:

یَارَبِّ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ فَاُعْطِیْ عِنْدَ ذٰلِکَ خَصْلَتَیْنِ۔ (ص ۴۷)

"اے رب! مجھے احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اُمتی بنا دے۔ اِس سے مجھے دو خوبیاں حاصل ہو جائیں گی۔ (رسالت اور نبی آخر الزماں ﷺ کا اُمتی)"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت اور شرف ہمکلامی کے لیے تمہیں لوگوں سے چُن لیا ہے۔ پس جو میں نے عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور شکر ادا کرتے رہو۔ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں تیری رضا پر دل و جان سے راضی ہوں۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث، سہیل کی غریب حدیثوں سے ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اسے مرفوعًا روایت کیا ہو، سوائے اِس سند کے۔ سہیل سے روایت کرنے میں ربیع بن نعمان متفرد ہیں۔ سند کے لحاظ سے اِس حدیث میں نرمی ہے۔ صلوات اللّٰہ و سلامہٗ علیہ۔

خُلقِ عظیم

حافظ ابو نعیم نے نبی کریم ﷺ کے خُلقِ عظیم اور صفاتِ عالیہ کے بارے میں اپنی سند سے متعدد احادیث ذکر کی ہیں، اُن میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلق قرآنِ کریم تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم ﷺ سے بہتر اخلاق والا اور کوئی نہیں۔ کوئی صحابی یا گھر والا جب بھی آپ کو پکارتا تو آپ فوراً لبیک کہتے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے خُلق کی قرآنِ کریم میں یوں تعریف فرمائی ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴ (القلم:4)

"اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے"۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فخرِ دو عالم ﷺ کے بعض اخلاقِ کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا: میں اُس مولائے کائنات کا ہمسایہ تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو میری جانب پیغام بھیجا جاتا۔ میں حاضر ہو کر وحی لکھا کرتا تھا۔ جب ہم دنیا کا ذکر کرنے لگتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر فرماتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرنے لگتے۔ ہم جب طعام کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر فرماتے۔ یہ تھا سرورِ

کون ومکاں ﷺ کا خُلقِ عظیم کہ اس درجہ دلجوئی فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ کی قسم کوئی غلام، لونڈی یا بچہ آپ کے پاس سخت سردی میں پانی لے کر (تبرک حاصل کرنے کے لیے) حاضر ہوتا کہ آپ اُس میں منہ ہاتھ دھولیں، تو آپ کسی صورت میں بھی ایسا کرنے سے نہ رُکتے۔ اگر کوئی سائل سوال کرتا تو آپ بغور اُس کی بات سنتے اور اُس وقت تک وہاں سے نہ جاتے جب تک سائل خود نہ چلا جاتا۔ اگر کسی نے آپ کا دستِ مبارک پکڑا تو آپ اُس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا، اُس وقت تک اُسی کے ہاتھ میں ہاتھ رہنے دیتے۔

اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اُن میں سے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اُس میں کوئی گناہ نہ ہوتا ورنہ اُس سے بہت دُور رہتے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے محارم کے سوا اپنی ذات کا آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ کا بدلہ لینا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کو کبھی نہیں پیٹا اور نہ اپنے ہاتھ سے جہاد کے سوا کسی کو مارا۔ اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کے محارم کی خلاف ورزی ہوتی تو خدا کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سالہا سال تک آپ کی خدمت میں رہا۔ اِس دوران میں آپ نے مجھے کبھی گالی نہیں دی، نہ مارا، نہ ڈانٹا اور نہ تیوری چڑھائی۔ جب آپ نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا اور مجھ سے سُستی واقع ہوگئی تو کبھی نہیں جھڑکا اور اگر گھر والوں میں سے کوئی ڈانٹتا تو آپ فرماتے: اِسے چھوڑ دو، اگر قسمت میں ہوتا تو وہ کام ضرور ہو جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگی: مجھے آپ سے کام ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! تم جس راستے سے جانا چاہتی ہو، وہ مجھے بتادو، میں تمہیں اُسی راستے میں کھڑا ہوا ملوں گا اور اُس وقت تک واپس نہیں آؤں گا جب تک تمہارا کام نہ ہو جائے۔ وہ عورت راستے کے ایک جانب جا کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اُس سے وہیں گفتگو فرماتے رہے حتّٰی کہ وہ گفتگو کر کے چلی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے موٹے کناروں والی چادر اُوپر ڈالی ہوئی تھی۔ ایک دیہاتی ملا اور اُس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے

کھینچا، یہاں تک کہ میں نے چادر کو زور سے کھینچنے کے نشانات آپ کی گردن پر دیکھے۔ اس کے بعد وہ دیہاتی کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا مال ہے مجھے اُس میں سے کچھ دو۔ آپ اُس کی جانب متوجہ ہو کر مسکرائے اور اُس کو مال دے دینے کا حکم صادر فرمایا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

قرآن کی مثل ناممکن ہے

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآنِ عزیز دلوں میں جاگزیں ہو گیا ہے، وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کا جمالِ جہاں آراء بھی دلوں میں سماتا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتنے ہی اہلِ علم ودانش پہلی ہی ملاقات میں مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر نے اپنے حبیب ﷺ کی اس درجہ تائید ونصرت فرمائی کہ دنیا میں اتنی کسی اور کی تائید نہیں فرمائی گئی۔ آپ کو ایسے خصائص سے ممتاز وسرفراز فرمایا گیا جو دیگر انبیائے کرام کے معجزے اور اولیاء اللہ کی کرامات پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کی پہچان اُس کے مرتبے کے لحاظ سے ہوتی ہے، جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مرحمت فرمایا جاتا ہے نبیِ کریم ﷺ کے مرتبے کی پہچان کے لیے سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے جس میں کسی قسم کی فروگزاشت نہیں ہوئی۔ اِس سے بڑھ کر نبوّت پر دلالت کرنے والی کوئی آیت یعنی نشانی ایسی نہیں جس کی نظیر نہ ہو اور وہ دِلوں میں اِس درجہ گھر کرنے والی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو ایسے زمانے میں نازل فرمایا جبکہ مدعیانِ عقل ودانش، صاحبانِ فہم وفراست، تیز زبان والوں، ستھری طبیعت والوں، صائب الرائے، تجربہ کاروں اور حیلہ گروں کی کمی نہ تھی۔ جب معاندین نے قرآنِ عزیز سنا تو گپیں ہانکنے لگے کہ اِس کا معارضہ کرنے کی وہ بھی استطاعت رکھتے ہیں اور اگر چاہیں تو اِس جیسا کلام وہ بھی بنا کر پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں پچھلے لوگوں کے قصّے اور کہانیوں کے علاوہ اور دھرا بھی کیا ہے؟ فخرِ دوعالم ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ پر قرآنِ مجید کا معارضہ طلب کیا حتّٰی کہ اِذنِ عام دے دیا کہ وہ کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسا کلام بنا کر لے آئیں، جس کے بارے میں اُن کا یہ گمان ہو کہ اِس جیسی تو ہم معمولی سی کوشش اور ناقابلِ ذکر محنت کر کے ہی بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اہلِ زبان اور میدانِ فصاحت وبلاغت کے شہسوار تھے لیکن سب مل کر بھی اِس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر رہے اور قاصر کیوں نہ رہتے جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل: 88)

''تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند لے آئیں تو اِس کا مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ اُن میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلان فرما دینے کے باوجود معاندین ومنکرین اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود قرآنِ کریم کی کسی چھوٹی سی سورت کے مانند بھی بنا کر لانے پر قادر نہ ہوئے کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو کلام نازل فرمایا تھا اُس کے بارے میں خود یوں خبر دی:

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ (الطارق)

''بے شک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں''۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ (البروج)

''بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے، لوحِ محفوظ میں''۔

فضائل ومعجزات میں دیگر انبیاء سے تقابل

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی تینتیسویں فصل میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے فضائل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل سے اور اُن کے معجزات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کے ساتھ موازنہ ومقابلہ کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا تو ہم کہیں گے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنایا بلکہ حبیب بھی ٹھہرایا ہے اور حبیب تو خلیل سے بدرجہا زیادہ موردِ الطاف وکرم ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین پردوں کے ساتھ نمرود کی سازش سے محفوظ رکھا گیا تو ہم کہیں گے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کی جب اہلِ مکہ نے سازش کی تھی تو آپ کی پانچ پردوں کے ساتھ حفاظت فرمائی گئی چنانچہ اس بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ (یٰسین)

''اور ہم نے اُن کے آگے ایک دیوار بنا دی اور اُن کے پیچھے ایک دیوار اور اُنہیں اُوپر سے ڈھانک دیا، تو اُنہیں کچھ نہیں سوجھتا''۔

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (بنی اسرائیل)

''اور اے محبوب ﷺ! جب تم نے قرآن پڑھا، تو ہم نے تم پر اور اُن میں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا''۔

فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ (یٰسین)

''وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے''۔

پس یہ پانچ پردے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اپنی نبوت کی حقانیت پر ایسی قاطع برہان پیش کی کہ اُسے مبہوت اور بھونچکا کر دیا جس کی باری تعالیٰ شانہٗ نے خبر دی ہے کہ:

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ (بقرہ:258)

''تو ہوش اُڑ گئے کافر کے''۔

تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے پاس اُبی بن خلف آیا جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے مسل کر باریک کر رہا تھا۔ کہنے لگا: اِن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ محکم برہان نازل فرمائی:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسین:79)

''تم فرماؤ، اُنہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُنہیں بنایا''۔

جب اُس نے آپ کی نبوت کو ایسی قاطع برہان سے مزیّن دیکھا تو مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ ڈالا تھا کیونکہ وہ غضبِ الٰہی کا باعث تھے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے تین سو ساٹھ بتوں کو پامال کر دیا تھا، جو خانۂ کعبہ کے اِردگرد نصب تھے۔ آپ کے دستِ مبارک کے اشارے ہی سے وہ سارے بت اُوندھے منہ گرتے چلے گئے(1)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا ایک عصا مرحمت فرمایا تھا جو بہت بڑا اژدہا بن کر

1۔ مجددِ مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے:

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مُجرے کو جھکا　　تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

جادوگروں کے جادو کو نگل گیا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنادیا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے اعلیٰ معجزات مرحمت فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ خشک لکڑی کے ستون کا آپ کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونا، درختوں کا آپ کے بلانے پر حاضر ہونا، اکٹھے ہو جانا، پھر آپ کے حکم اور اجازت سے اپنی جگہ کی جانب واپس لوٹ جانا۔ اگر چشمِ بصیرت ہو تو یہ معجزات اُس معجزے سے زیادہ تعجب خیز ہیں۔

اگر کہا جائے کہ میدانِ تیہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ایک پتھر پر مارا، تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اِس سے زیادہ تعجب خیز معجزہ ثابت ہے کیونکہ پتھروں سے پانی نکل آنا عام مشاہدہ ہے لیکن گوشت، خُون اور ہڈیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جانا کتنی تعجب خیز بات ہے۔ اگر آپ برتن میں دستِ مبارک رکھتے تو آپ کی اُنگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے تھے(1)۔ اور وہ پانی نہر کی طرح جاری ہوا اور میٹھا تھا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے وہ پانی پیا، حتّٰی کہ اُن کے اُونٹ اور گھوڑے تک سیراب ہو گئے اور ایسا متعدد بار واقع ہوا۔

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر پھٹ گیا تھا جبکہ انہوں نے اپنے عصا کو پانی پر مارا تھا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر اُس سے پار ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کے واقعات تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے بعض افراد کے ذریعے ہونا بھی مشہور ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بحرین میں تھے اور سمندر عبور کرنے پر مجبور ہوئے تو اپنے ساتھیوں سمیت اِس طرح سمندر پار کر گئے جیسے پانی کی سطح پر چل رہے ہوں اور اُن کے کپڑے تک نہ بھیگے۔

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے لیے مکڑی، جنگلی چوہوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب لے کر آئے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے تو ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قریش پر دھواں بھیجا جو بہت بڑی نشانی اور عذاب تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝١٠ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١١ (الدخان)

"تو تم اس دن کے منتظر رہو، جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے۔ یہ ہے دردناک عذاب"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو متنبہ کرنے کی دعا فرمائی تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ سرورِ کون و

1۔ اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ (اعلیٰحضرت)

مکاں ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! مضر قبیلے پر اپنا عذاب سخت کر دے اور اِن پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والی قحط سالی مسلّط فرما دے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو مَنّ و سَلویٰ کھلایا گیا یعنی بٹیر جیسے جانور کا گوشت اور ترنجبین کھلائی گئی اور اُن پر بادلوں کے ذریعے سایہ کیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ منّ و سلویٰ اُنہیں بیٹھے بٹھائے ملتا تھا جس کے لیے کسی قسم کی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی تھی تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ اور آپ کی اُمت کو وہ اعلیٰ اور ارفع چیز عطا فرمائی گئی جس سے پہلے تمام انبیائے کرام تک بھی محروم رہے اور وہ مالِ غنیمت ہے جو کسی نبی کے لیے بھی حلال قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ بریں مذکورہ بالا قسم کے کمالات تو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو بھی عطا فرما دیئے تھے مثلاً جب اُنہیں کسی غزوہ پر بھیجا گیا اور اثنائے سفر میں زادِ راہ ختم ہونے پر وہ بھوک کی پریشانی میں مبتلا ہوئے تو قریبی سمندر نے اُن کی جانب بہت بڑی مچھلی کو باہر پھینک دیا، جس کا گوشت اُنھوں نے ایک ماہ تک کھایا اور چربی استعمال کرتے رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ تو تھوڑے سے طعام اور دودھ (1) سے بہت بڑی جماعت کو بھی سیر کر دیا کرتے تھے اور مزید کھانے پینے سے منہ پھر جاتا تھا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم تین سو سواروں کو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ایک قافلے کی گھات میں بھیجا۔ اُس روز ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ ہمیں راستے میں سخت بھوک لگی، حتّٰی کہ درختوں کے پتے تک کھانے پڑے۔ اسی لیے اس غزوہ کو جیش الخبط کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سمندر کے نزدیک ہوئے تو اُس نے ایک بہت بڑی مچھلی ہماری جانب پھینک دی، جسے عنبر کہا جاتا ہے۔ ہم مہینہ بھر اُس کا گوشت کھاتے رہے اور چربی استعمال کی، یہاں تک کہ ہم خوب موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور لشکر میں سے ایک لمبے آدمی کو حکم دیا کہ کسی قد آور اُونٹ پر سوار ہو کر اِس پسلی کے نیچے سے گزر ے۔ چنانچہ حسبِ حکم وہ آدمی پسلی کے نیچے سے سوار ہو کر گزر گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اُس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا ہے؟ ہم نے بچا ہوا گوشت بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا تو آپ نے بھی اُس میں سے تناول فرمایا۔

1۔ ایسے ہی ایک واقعے کی جانب اعلیٰ حضرت نے یوں اشارہ کیا ہے:

کیوں جنابِ بُو ہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر ۔۔۔ جس سے ستر صاحبوں کا دُودھ سے مُنہ پھر گیا

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا مرحمت ہوا تھا، جو اژدہا بن جاتا تھا اور وہ فرعونی جادوگروں کے سارے جادو کو نگل گیا تھا، حتّٰی کہ اُس سے ڈر کر فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ سے بھی بعینہٖ اِس قسم کے معجزے کا ظہور ہوا تھا، چنانچہ ابوجہل بن ہشام کا واقعہ ہے کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک بہت بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جائے گا تو وہی پتھر اُس کے سر پر دے ماروں گا اور جب رسول اللہ ﷺ نماز میں مصروف ہوئے اور سجدے میں گئے تو وہ بدبخت پتھر لے کر آپ کی جانب بڑھا لیکن نزدیک پہنچتے ہی مبہوت رہ گیا اور مارے خوف کے ہانپتا کانپتا واپس بھاگ گیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، مارے خوف کے لرزہ براندام تھا اور دونوں ہاتھ اپنی قوت کھو بیٹھے تھے، جس کے باعث پتھر اُس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا۔ قریش کے چند آدمی اُس کے پاس پہنچے اور صورتِ حال پوچھی تو ابوجہل کہنے لگا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ کچھ کرنے کے ارادے سے گیا تھا، جیسا کہ گزشتہ رات تم سے وعدہ کر کے آیا تھا لیکن جب میں اِس ارادے سے اُس کے قریب گیا تو میرے سامنے ایک بہت بڑا اُونٹ آ گیا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اتنے موٹے سر والا ایسے قد و قامت والا یا اِتنے لمبے دانتوں والا کبھی کوئی اُونٹ نہیں دیکھا۔ وہ اونٹ مجھے کھانا چاہتا تھا۔ جب سرورِ کون و مکاں ﷺ سے اِس واقعے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر ابوجہل میرے نزدیک آنے کی کوشش کرتا تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا۔ صلوات اللّٰہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

حضرت صالح علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اُونٹنی ظاہر کی اور وُہ اُن کے لیے حُجّت اور نشانی بنائی گئی چنانچہ ایک روز اُونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے روز وُہ قوم پانی پیتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حُجّت تو فخرِ دوعالم ﷺ کو بھی مرحمت فرمائی گئی تھی بلکہ اِس سے اعلیٰ و ارفع، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی بولتی نہیں تھی اِسی وجہ سے وہ صالح علیہ السلام کے نبی ہونے کی شہادت بھی نہیں دے سکی لیکن نبی آخرالزماں ﷺ کی بارگاہ میں ایک اُونٹ حاضر ہوا اور اس نے آپ کی نبوت کے بارے میں شہادت دی تھی۔ اُونٹ کا مالک اُسے ذبح کرنا چاہتا تھا۔ اونٹ اُس کے ارادے کو بھانپ کر بھاگ نکلا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اس نے اپنا استغاثہ پیش کر دیا۔ صلوات اللّٰہ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے تھے جو اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرتے تھے اور اُن کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا جاتا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کو بھی یہ معجزے عطا ہوئے بلکہ اِس بھی بڑھ کر، مثلاً یہ کہ کنکریوں نے آپ کے دستِ مبارک میں اور تصدیق کرنے والوں کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی۔ اِس میں آپ کی اور تصدیق کرنے والوں کی عظمت اور سرفرازی زیادہ ہے۔

حافظ ابُو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سوید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد (مسجدِ نبوی) میں حاضر ہوا۔ وہاں ابُوذر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے تنہائی میں اُن کے ساتھ بیٹھنے کو غنیمت جانا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اتفاقیہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تنہا بیٹھا تھا۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک روز میں مسجد نبوی میں گیا۔ آپ وہاں تشریف فرما تھے۔ میں خاموشی سے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے دریافت فرمایا: اے ابوبکر! کیسے آنا ہوا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی غرض سے آیا ہوں۔ وُہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عمر! کیسے آئے ہو؟ عرض کی کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے ارادے سے آیا ہوں اور وہ آپ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اِن کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ پہنچے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عثمان کس غرض سے آئے ہو؟ اُنہوں نے بھی پہلے دونوں حضرات کی طرح یہی جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے ارادے سے آیا ہوں۔ حضرت ابُو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سات کنکریاں پکڑی تو اُنہوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح بیان کرنی شروع کر دی (1)۔ حتّٰی کہ میں (حضرت ابوذر) نے بھی اُن کی آواز سُنی، جو ایسے محسوس ہو رہی تھی جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب آپ نے اُن کنکریوں کو رکھ دیا تو خاموش ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔

1۔ مجدّد مأتہ حاضر قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ؎

ہے لبِ عیسیٰ سے جان بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اِن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب اِنہوں نے بھی کنکریوں کو رکھ دیا، تو خاموش ہو گئیں۔

آپ نے پھر اُن کو پکڑا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اِن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھی بھنبھناتی ہے۔ جب اِنہوں نے بھی وہ کنکریاں رکھ دیں، تو خاموش ہو گئیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں بھی کنکریوں نے اِسی طرح تسبیح بیان کی۔

اگر کہا جائے کہ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے گئے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ پرندوں کے علاوہ اُونٹ جیسے بہائم عظیمہ بھی رسول اللہ ﷺ کے تابع تھے نیز سخت قسم کے شکاری پرندے بھی آپ کے فرماں بردار تھے۔ بھاگنے والے اونٹ نے آپ کا حکم مانا، بھیڑیئے نے آپ کی دعوت اور نبوت و رسالت کی تصدیق کی، یہاں تک کہ ایک شیر کے پاس سے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے تو اُس نے سرگوشی کی اور راستہ بتایا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوا اور وہاں سے حمرہ کے انڈے لے آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حمرہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عاجزی کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا: اِس جانور کو کس نے ستایا ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں اِس کے انڈے لے آیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً اِس کے انڈے واپس کر دو اور حمرہ پر شفقت فرمائی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، حتیٰ کہ وہ لوہے کی زرہیں ہاتھ سے بنا لیتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو بڑے بڑے پتھر بھی نرم ہو جاتے حتیٰ کہ غار بن جاتے تھے جیسا کہ غزوۂ اُحد کے روز آپ ایسی ہی غار کے ذریعے جنگ کا معائنہ فرماتے رہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو پہاڑ کی جانب مائل فرمایا تاکہ آپ مشرکینِ مکہ کو نظر نہ آئیں، تو وہ پتھر نرم ہو گیا اور آپ نے اپنے سر مبارک کو اُس میں چھپا لیا۔ یہ معجزہ عجیب تر ہے کیونکہ لوہے کو آگ نرم کر دیتی ہے لیکن ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آگ نے پتھروں کو بھی نرم کیا ہو۔ اُحد پہاڑ میں وہ نشان ابھی تک باقی ہے اور لوگ اُس کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کی اضم نامی ایک وادی میں وہ پتھر بھی ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے استراحت فرمائی تو

وہ پتھر اتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ کی کہنیوں اور کلائیوں تک کے نشانات اُس پر پڑ گئے تھے۔ یہ بات عام مشہور ہے اور حاجی لوگ اُس پتھر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ معراج کی رات میں بیت المقدس کا ایک پتھر آپ کے لیے اِتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ نے براق کو اُس کے ساتھ باندھا تھا۔ صلوات اللّٰہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی گئی جو اُن کے بعد کسی کو عطا نہیں فرمائی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں مرحمت فرمائی گئیں (1)۔

لیکن آپ نے تھوڑی شے اور قلیل طعام کو رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا اور دنیا کو حقیر جانتے ہوئے اور آخرت کے بلند مراتب کو پسند فرماتے ہوئے، اُن کنجیوں کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے وادیِ بطحاء کو میرے لیے سونا بنا دینے کے بارے میں مجھ سے پوچھا: میں عرض گزار ہوا کہ اے پروردگار! میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو پسند کرتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور تین دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں گا تو تیرے حضور عاجزی پیش کروں گا اور تیری یاد میں مصروف رہوں گا۔ جب شکم سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیری حمد وثنا بیان کروں گا اور شکر بجالاؤں گا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ میرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوا، جس کی کمر عمارتِ کعبہ جتنی محیط تھی، اُس نے کہا: یارسول اللّٰہ ﷺ! آپ کے رب نے سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ آپ نبی عبد بننا پسند کرتے ہیں یا نبی بادشاہ؟ آپ دونوں میں سے جو کچھ بننا چاہیں گے اُسی کے مطابق ہو جائے گا۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی جانب (برائے مشورہ) نظر اٹھائی تو اُن کا اشارہ تواضع کی جانب تھا۔ میں بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوا اے پروردگار! میں نبی عبد رہنا چاہتا ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوائیں مسخر تھیں، جو اُنہیں تمام زمین کی سیر

1۔ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں   دوجہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں (رضاؔ)

کراتی تھیں، جس کے باعث اُن کی صبح کی منزل ایک ماہ کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی راہ ہوا کرتی تھی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو اِس سے بھی زیادہ عنایات سے نوازا گیا ہے کیونکہ آپ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تک کی سیر فرمائی، جو ایک مہینے کی مسافت ہے اور آسمانی بادشاہی کا نظارہ کرنے کے لیے آسمانِ دنیا تک گئے جو پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ یہ سفر بھی رات کے وقت ایک قلیل مدّت میں طے فرمایا۔ اِس کے بعد ایک آسمان سے دوسرے کی جانب گئے اور وہاں کے عجائبات کا معائنہ فرمایا، جنت اور دوزخ کو دیکھا، اپنی امت کے اعمال، جو پیش کیے گئے تھے ملاحظہ فرمائے۔ انبیائے کرام اور فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ تمام عجائبات کو دیکھتے ہوئے حجابات سے بھی گزر گئے۔ پھر ایک سبز رفرف آپ کو اوراوپر لے گیا، یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ کی خاص تجلیات نے آپ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر وحی فرمائی اور جو اُس نے چاہا وحی فرمائی۔ آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات بھی مرحمت ہوئیں جو عرشِ الٰہی کا نیچے والا خزانہ ہے۔ آپ سے یہ وعدہ بھی فرمایا گیا کہ آپ کے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب رکھا جائے گا، حتّٰی کہ زمین کے مشرق و مغرب میں آپ کے دین کے علاوہ اور کوئی دین نہ ہوگا۔ یہ بھی وعدہ فرمایا گیا کہ کافر ہمیشہ آپ کے پیروکاروں کے باجگزار رہیں گے اور ہمیشہ ذلیل ہو کر رہیں گے۔ وہیں آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض فرمائی گئیں۔ وہیں موسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات ہوئی اور نمازوں کی تخفیف کا مرحلہ درپیش رہا۔ یہ تمام واقعات رات کے ایک ذرا سے حصے میں واقع ہو گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنات آتے تھے۔ وہ آپ کے تابع اور مجبور کر دیئے گئے تھے اور آپ اُن کے سرکشوں کو زنجیر میں جکڑ کر قید رکھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں جن برضا و رغبت مطیع ہو کر آتے، آپ کی تعظیم و توقیر بجالاتے، آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تھے۔ والہانہ طور پر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے اور عاجزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ آپ سے عنایات طلب کرتے اور کھانے پینے کی چیزیں مانگتے تھے۔ اُن کے جواب میں سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب وہ گوبر کو پائیں گے تو اُن کی خوراک بن جایا کرے گا اور ہر ہڈی گوشت والی ہو جایا کرے گی۔ ایک مرتبہ بڑے بڑے جن اور اُن کے نو (۹) سردار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، جن کا اللہ جل شانہٗ نے قرآنِ کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (احقاف:29)

''اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے ہی جن پھیرے''۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاۙ يَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖؕ (الجن:2)

''تم فرماؤ کہ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہزارہا جن حاضر ہوئے اور نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور مسلمانوں کے ساتھ پیار محبت کا سلوک کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے بیعت کی اور آپ کے سامنے اِس بات پر معذرت چاہی کہ اُنہوں نے اللہ رب العزت کے بارے میں جہالت کے باعث ناروا باتیں بھی کہی تھیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے نبوت کے باعث اپنے حبیب ﷺ کے لیے جنوں کو مسخر کر دیا حالانکہ وہ شرارتی ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اولاد کے قائل تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت جنوں اور انسانوں کے بے شمار امور کو شامل ہے۔ چنانچہ جو کچھ اس سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ اُس کی نسبت یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران ہم سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جانب تشریف لے گئے۔ آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لیے دور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو میں پانی کا مشکیزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کے پاس جھگڑنے کی آوازیں اور شور و غوغا سنا، حالانکہ اِس سے پہلے بارگاہِ رسالت میں ایسا منظر کبھی دیکھا نہیں تھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا: بہت خوب اور پانی مجھ سے لے لیا۔ طہارت کے بعد وضو فرمایا۔ میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے آپ کے پاس بلند آوازیں سنی ہیں اور شور و غوغا دیکھا ہے، حالانکہ اِس سے پہلے آپ کی بارگاہ میں یہ بات دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے فرمایا: اُس وقت میرے پاس مسلمان جن اور مشرک جن آپس میں جھگڑ رہے تھے اور وہ مجھ سے اپنے اپنے رہنے کی جگہ مانگ رہے تھے میں نے مسلمان جنوں کو جبس میں اور کافر جنوں کو غور میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ عبد اللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم سے

دریافت کیا کہ جبس کیا چیز ہے اور غور کس مقام کو کہتے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ جبس سے مراد بستیاں اور پہاڑ ہیں جبکہ غور پہاڑوں اور سمندروں کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ کثیر فرماتے ہیں کہ جبس میں جانے والوں کو ہم نے سلامت ہی دیکھا ہے لیکن جو غور میں پہنچ جاتا ہے اُس کا پھر خدا ہی حافظ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کوئی جنّ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی اگر نافرمانی کرتا تھا تو آپ اُس کو جکڑ دیتے اور قید کر دیا کرتے تھے اور اِس امر کی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں قدرت دی تھی، اسی لیے جنّ ہر کام میں اُن کے حکم کی تعمیل پر کمر بستہ رہتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہ صرف فخرِ دو عالم ﷺ کو بلکہ آپؐ کے اصحاب میں سے کتنے ہی حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جنّات پر تسلّط دیا تھا اور وہ سلیمان علیہ السلام کی طرح جنّوں کو قبضے میں رکھتے اور سرکشوں کو مبتلائے عذاب کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک خبیث جنّ آج رات کو مجھ پر کُودا تاکہ میری نماز ٹوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس پر قدرت دی اور میں نے اُسے پکڑ لیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ صبح ہوتے ہی مسلمان بھی اُس کا حشر دیکھ لیں، لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آ گئی، جو اُنہوں نے اس سلسلے میں اللہ رب العزت سے مانگی تھی کہ:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ (ص)

"اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ بے شک تو ہی بڑی دَین والا ہے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس جنّ کو میرے پاس سے ذلیل و خوار کر کے لوٹایا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جنّوں کے ایسے کتنے ہی واقعات ذکر کیے ہیں، جن سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جنّات اُن کے لیے بھی مسخّر فرمائے گئے تھے اور اُنہوں نے ایسی احادیث بھی نقل فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مدد اور اطاعت کی ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں اور چیونٹیوں کا کلام سمجھ لیتے تھے اور اُنہیں اِن چیزوں پر تسلّط بھی دیا گیا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو اِس سے بھی زیادہ قدرت دی گئی ہے۔ قبل ازیں ہم بارگاہِ رسالت میں بہائم اور

درندوں کا کلام کرنا، ستون کا رونا، اُونٹ کا شکایت کرنا، درختوں کا کلام کرنا، کنکریوں اور پتھروں کا تسبیح بیان کرنا، آپ کا پتھروں کو بلانا اور اُن کا حاضرِ بارگاہ ہو جانا، بھیڑیئے کا آپ کی نبوت کا اقرار کرنا، پرندوں کا آپ کے حکم کو بجالانا، ہرنی کا کلام کرنا بلکہ آپ سے شکایت کرنا، گوہ کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرنا وغیرہ کے متعدد واقعات نقل کر چکے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سب سے زیادہ خوبصورت مشہور ہیں بلکہ ساری مخلوق سے بڑھ کر خوب صورتی کا مجسمہ تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبصورتی، جس کے ساتھ صحابۂ کرام آپ کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے، اُس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے کیونکہ اُنہوں نے آپ کی مثال چمکتے ہوئے سورج اور چودھویں رات کے چاند سے دی ہے حالانکہ آپ چاند سے بھی زیادہ حسین وجمیل تھے۔ آپ کا چہرۂ انور سونے کی طرح دمکتا تھا جیسے چاند اپنی پوری تابانی دکھا رہا ہو۔ آپ کے پسینے کی خوشبو مہکنے والی مُشک (کستوری) کی طرح تھی۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف دریافت کیے تو اُنہوں نے جواب دیا: اے بیٹے!

لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ الطَّالِعَةَ۔ (ص ۸۰)

"اگر تو اُنہیں دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا کہ سورج چمک رہا ہے"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ:

صِفْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَسَنَ الْوَجْهِ يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (ص ۸۰)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ حسن و جمال میرے سامنے اِس طرح بیان کیجئے، جس سے محسوس ہو کہ گویا میں خود اُس جمال جہاں آراء کی زیارت کر رہا ہوں۔ کہا اچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حسین اور چمکدار چہرے والے تھے جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حسنِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ کیفیت تھی کہ:

اِذَا سَرَّہُ الْاَمْرُ اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ كَاَنَّهٗ دَارَ الْقَمَرِ۔ (ص ۸۰)

''جب خوشی کا موقع ہوتا تو آپ کا چہرہ اِس طرح دمکتا جیسے چاند کا گھیرا چمکتا ہے''۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ:

كَانَ عِرْقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ وَجْهِهٖ مِثْلَ اللُّؤْلُؤَا اَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ الْاِذْفَرِ وَكَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَاَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَالَ بَمَعْنٰى صِفَتِهِ الْاَشْبَهِ وَجْهَهٗ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۸۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جو مُشکِ اذفر سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ کا چہرہ تمام انسانوں سے زیادہ حسین تھا اور رنگ نورانی تھا۔ اگر کوئی آپ کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا چاہے تو کماحقہٗ توصیف نہیں کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ پُر نور کی کوئی بھی توصیف کرنے والا چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا''۔

حضرت یحییٰ علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو بچپن ہی میں حکم عطا فرمایا گیا تھا اسی لیے وہ گناہوں سے بچے رہنے کے باوجود بھی روتے رہا کرتے اور وصال کے روزے رکھا کرتے تھے یعنی متواتر روزے رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خوبی میں اُن پر بھی فضیلت دی گئی ہے کیونکہ یحییٰ علیہ السلام بت پرستی اور جاہلیت کے زمانے میں مبعوث نہیں ہوئے تھے جبکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس دور میں مبعوث فرمایا گیا تھا جب جاہلیت اپنے شباب پر تھی اس کے باوجود آپ کو بچپن ہی میں بت پرستی اور شیطانی جماعت سے اجتناب کرنے کا حکم ملا اور ایسی فراست مرحمت فرمائی گئی، جس کے باعث نہ آپ نے کبھی بتوں کی جانب رغبت کی اور نہ بت پرستوں کے ساتھ اُن کے میلوں تہواروں میں شرکت کی۔ علاوہ بریں کسی نے آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سنی بلکہ قوم اور ماحول کے اندر آپ سچے، امین، حلیم، شفیق اور مہربان مشہور تھے اور:

كَانَ يُوَاصِلُ الْاُسْبُوْعَ صَوْمًا فَيَقُوْلُ اِنِّىْ اَظِلُّ عِنْدَ رَبِّىْ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِىْ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِىْ حَتّٰى يُسْمَعَ لِصَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ۔(ص۸۱)

''آپ ایک ایک ہفتے تک متواتر روزے رکھتے رہتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب (خوفِ الٰہی سے) روتے تو آپ کے سینۂ اقدس سے ایسی آواز آتی جیسے ہانڈی جوش مارتی ہے اور اس وقت ہانڈی سے آواز آتی ہے''۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ حصُور تھے یعنی عورتوں کی جانب رغبت نہیں رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام بیشک نبی تو تھے لیکن اپنی قوم کی جانب مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے۔ اِن حالات میں وہ تنہا اپنے احوال کی اصلاح میں مصروف رہتے تھے لیکن نبیِ آخرالزماں ﷺ کو تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، تاکہ اپنے قول اور فعل کے ذریعے مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے مختلف احوال اور بلند مقامات ظاہر فرمائے جن میں آپ کے تصرف کے لحاظ سے تفاوت ہے تاکہ ہر مرتبے کا انسان آپ کے افعال واوصاف کی اقتدا کر سکے۔ چنانچہ صدیق اپنی بزرگی میں، شہداء اپنے مراتب میں اور صالحین اپنے مختلف حالات کے مطابق اُس ہادیِ کائنات کی پیروی کریں اور ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجے کا آدمی بلکہ ایک خاص منصب پر فائز ہونے والا بھی آپ کے مختلف اور اپنے مطابق احوال وکردار سے رہنمائی کا سامان حاصل کر کے نفع اندوز ہو سکے۔

یہ تو ظاہر بات ہے کہ نکاح کی جانب نفس کو خاص رغبت ہے اور خواہشات کا اس طرف خاص میلان ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت کو نکاح کا حکم دیا اور اِس کی رغبت دلائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو اِسی کے مطابق رکھا ہے اور اِسی لیے انسانوں کے لیے اِسے مباح کیا ہے تاکہ اِس کی بدولت وہ زنا کاری سے محفوظ رہیں۔ بایں وجہ آپ بھی لوگوں کی خاطر ظاہری طور پر اِس فعل میں شامل ہوئے اور اُن کے ساتھ نام کی شمولیت ہوگئی کیونکہ آپ دوسروں جیسے نہیں بلکہ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِسی لیے فرمایا ہے:

تَزَوَّجُوْا فَاِنِّىْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ۔ فَاِنْ غَلَبَ عَلَيْهِ وَعَلٰى قَلْبِهٖ مَا اَفْرَدَهُ الْحَقُّ بِهٖ مِنْ قَوْلِهٖ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ تَلَطَّفَ عَلَيْهِ

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ مَرْضَاتِہٖ۔(ص۸۱)

''نکاح کرو تا کہ میں تمہاری کثرتِ تعداد کے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں کیونکہ آپ پر یا آپ کے قلب مبارک پر عورتوں کی جانب میلان غالب ہوتا جبکہ آپ کی انفرادیت تو توجہ الی اللہ تھی جیسا کہ فرمایا ہے: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ یہ معاملہ نہ ہوتا بلکہ اپنی خواہشات سے لطف اندوز ہوتے''۔

آپ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے، تم مجھے اجازت دو کہ میں آج کی رات عبادت میں بسر کروں۔ وہ عرض کرتیں: اگرچہ مجھے آپ کا قرب محبوب ہے لیکن آپ کی رضا بھی محبوب ہے۔ پس آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور ساری ساری رات نماز پڑھتے اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرتے ہوئے گزار دیتے۔ بعض اوقات جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے وہاں اپنے رب کے حضور میں عجز و نیاز پیش کرتے، قبرستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے مستفید فرماتے اور اِس طرح اہلِ قبور کی قسمت جگاتے۔ کبھی رات بھر سرگوشی کے انداز میں بار بار صبح تک اس آیت کو پڑھتے رہتے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ (المائدہ)

''اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے''۔

علاوہ بریں بشریت کے احکام اور نفس کے تقاضوں سے تو آپ شقِ صدر کے وقت ہی پاک ہو چکے تھے جبکہ فرشتوں نے آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان اور حکمت کی ہر ممکن دولت سے بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا ساری اُمّت کے ساتھ بھی وزن کیا گیا تو آپ ہی بھاری رہے تھے۔ یہ اِسی وجہ سے تو تھا کہ آپ کے قلبِ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا ہوا تھا۔ صلوات اللّٰہ تعالٰی و سلامهٗ علیه۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُلُّ فَضِيْلَةٍ اُوْتِيَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَدْ اُوْتِيَهَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّهَا لَمْ يُنْكِرْهَا مُتَدَبِّرٌ مَعَ مَا اِطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ خُصُوْصًا مِنَ الْغُيُوْبِ الَّتِيْ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهَا غَيْرُهٗ مِنَ الْفِتَنِ الْكَائِنَاتِ الَّتِيْ لَمْ

يُخْبَرُ بِهَا سِوَاهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۸۱)

ہر وہ فضیلت جو عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی وہ نبی کریم ﷺ کو ضرور مرحمت فرمائی گئی یہ ایسی یقینی بات ہے جس کا کوئی دین کی سمجھ رکھنے والا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اِس کے علاوہ آپ کو ایسے خاص غیوب پر بھی مطلع فرمایا گیا، جن کی آپ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں بخشی گئی مثلاً اِس کائناتِ ارضی پر ظہور پذیر ہونے والے فتنے، اِن کی خبر فخرِ دوعالم ﷺ کے علاوہ کسی نبی یا مرسل نے بالکل نہیں دی۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی والدۂ ماجدہ کی جانب بھیجا گیا، جو مکمل بشر کی صورت میں حاضر ہوئے اور کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ (مریم)

''بے شک میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں''۔

نیز جب کنواری ہونے کے باعث عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر قوم نے اعتراض کیا تو مریم علیہا السلام نے آپ کی جانب اشارہ فرمایا۔ اُس وقت اللہ رب العزت نے آپ کو قوتِ گویائی مرحمت فرمائی اور پنگوڑے میں تشریف فرما ہونے کے باوجود آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿٣٠﴾ (مریم)

''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا''۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا والوں کے لیے بہت بڑی نشانی اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال تھے۔ لیکن یہ نہیں سنا گیا کہ دوسرے کسی نبی کو ایسی خصوصیت مرحمت فرمائی گئی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو بھی یہ خصوصیات مرحمت فرمائی گئی تھیں اور اِن جیسی متعدد اور بھی، جو آپ کی پیدائش مقدسہ سے متعلق تھیں اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے تشریف لانے کی بشارت دے دی گئی تھی اور تولّد کے وقت بھی متعدد عجیب باتیں ظہور میں آئیں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تشریف فرما ہونے کی کئی چیزوں نے دلالت کی۔ منجملہ اُن کے قریش کے ہر جانور نے اُس رات کلام کیا اور کہا: اے ربِّ کعبہ کی قسم، بیِ آخر الزماں ﷺ اپنی والدۂ ماجدہ کے بطن مبارک میں تشریف لا چکے ہیں۔

آپ کا وجود دُنیا کے لیے امن وسلامتی کا ضامن ہے اور آپ اس کائنات ارضی وسماوی کے سورج

ہیں۔ قریش اور عرب کے دیگر قبائل میں کوئی کاہن مرد یا عورت ایسا باقی نہ رہا جس کے پاس خبریں لانے سے اُس کا جن روک نہ دیا گیا ہو، گویا کاہنوں کا علم آپ کی تشریف آوری کے باعث چھن گیا۔ بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو کر گر گئے اور شاہانِ عالم مُہر بلب اُس روز اُن میں سے کوئی بھی کلام نہ کر سکا۔ مشرق کے درندوں نے مغرب کے درندوں کو بشارت دی۔ سمندروں نے ایک دوسرے کو آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ شکمِ مادر میں رونق افروز ہوتے ہی ہر ماہ ایک آواز زمین پر اور دوسری آسمان پر سنی جاتی تھی کہ دنیا والوں کو مبارک ہو کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برکتیں اور رحمتیں لے کر دنیا میں تشریف لا رہے ہیں۔

آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب حمل کو کئی ماہ گزر گئے تو کسی نے مجھے خواب کی حالت میں پیر کی آہٹ سے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا: اے آمنہ! تیرے شکم مبارک میں وہ نادرِ روزگار ہستی ہے جو دونوں جہانوں میں سب سے بہتر ہے جب وہ رونق آرائے گیتی ہو جائے تو اس کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اِس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جس طرح بچوں کی پیدائش کے وقت عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے اُسی طرح مجھے بھی دردِ زِہ شروع ہوا۔ ہماری قوم کے کسی مرد یا عورت کو اُس وقت یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں۔ آپ کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب اُس وقت خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک سخت آواز سنی، جو قابلِ ذکر ہے اور میں اس سے خوفزدہ ہوئی۔ وہ پیر کا روز یعنی دوشنبہ تھا۔ اِسی اثناء میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید پرندہ میرے دل کے اُوپر اپنا پَر پھیر رہا ہے، جس کے باعث خوف، گھبراہٹ اور درد کا تصوّر تک میرے نزدیک نہ رہا۔ اِس کے بعد اچانک ایک سفید چیز نظر آئی، میں نے سمجھا تھا کہ وہ دودھ ہے، چونکہ مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی، اسی لیے میں نے اُس میں سے کچھ پی لیا تو فوراً میرے پاس سے ایک نور چمکتا ہوا فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ اِس کے بعد میں نے چند عورتوں کو دیکھا جو کھجور کے درختوں کی طرح دراز قد تھیں، گویا وہ حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں اور وہ میرے گرد کھڑی تھیں۔ میں نے سمجھا چونکہ میں متعجب ہو کر کہہ رہی تھی وَاَغوثَاہُ یعنی اے فریادرس! شاید یہ عورتیں میری تکلیف کو محسوس کر کے خبر گیری کے لیے آئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک عظیم اور خوفناک آواز سنی تھی۔ اِسی اثناء میں اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ زمین و آسمان کے درمیان سفید ریشم لٹک رہا ہے اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اُسے لوگوں کی نگاہوں سے

پوشیدہ کردو۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے چند مرد دیکھے جو اپنے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے پکڑے ہوئے فضا میں کھڑے تھے۔ اُس وقت میرے جسم سے مشک جیسا خوشبودار پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا اور میں کہہ رہی تھی: کاش! حضرت عبدالمطلب اِس وقت میرے پاس ہوتے کیونکہ وہ مجھ سے دور گئے ہوئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے پرندے دیکھے نہیں معلوم وہ کہاں سے آئے تھے؟ اُن میں سے ہر ایک کی چونچ زمرّد کی اور پَر یاقوت کے تھے۔ اُنہوں نے میرے حُجرے کو گھیر رکھا تھا۔ مزید فرمایا:

فَكُشِفَ لِيْ عَنْ بَصَرِيْ فَاَبْصَرْتُ فِيْ سَاعَتِيْ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَرَأَيْتُ ثَلَاثَةَ اَعْلَامٍ مَضْرُوبَاتٍ عَلَمًا فِي الْمَشْرِقِ وَعَلَمًا فِي الْمَغْرِبِ وَعَلَمًا عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ۔(ص ۸۲)

''اُس وقت میری نگاہوں کے سامنے سے پردے اُٹھ گئے، پس میں نے زمین کو مشرق اور مغرب تک دیکھ لیا تھا۔ اُسی دوران میں یہ بھی میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک جھنڈا مشرق میں تھا، دوسرا مغرب میں اور تیسرا خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب تھا''۔

آپ کا بیان ہے کہ درد کی شکایت کے باعث میری حالت عجیب وغریب تھی۔ اِسی اثناء میں کیا دیکھتی ہوں کہ چند عورتوں نے مجھے سہارا دیا ہوا ہے۔ وہ قطار اندر قطار میرے پاس آ رہی تھیں اور میرے گھر میں اِس قدر عورتیں جمع ہو گئیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اِس غیبی بارات کی آمد پر وہ آقائے کائنات میرے بطن سے فضائے عالم میں رونق افروز ہو گئے۔ دنیا میں تشریف لاتے ہی آپ نے سجدہ کیا اور عجز ونیاز پیش کرنے کے ساتھ شہادت کی دونوں انگلیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ میں آپ کو اِس حالت میں تعجب کے ساتھ دیکھ رہی تھی کہ ایک سفید بادل نظر آیا، جو آسمان سے زمین کی جانب اُترا اور اُس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر مجھ سے غائب کر دیا۔ اِس کے بعد ایک ندا کرنے والے کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو زمین کے مشرق ومغرب کی سیر کراؤ اور تمام سمندروں کو آپ کی زیارت کے شرف حاصل کرنے کا موقع دو، تا کہ وہ آپ کو اوصاف اور صورت کے لحاظ سے پہچانیں اور جان لیں کہ آپ ماحی کے اسم سے موسوم ہیں، کیونکہ آپ کی بدولت شرک ایسا مٹے گا کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ سفید بادل ہٹ گیا اور آپ صوف کے سفید کپڑوں میں ملبوس آرام فرما تھے۔ اُس کپڑے کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ آپ کے نیچے سبز ریشم تھا اور ہاتھ میں تین چابیاں تھیں، جن کا رنگ موتیوں کی طرح چمکدار تھا۔ ایک شخص یہ منادی کر رہا تھا کہ سرورِ عالم ﷺ نے نصرت، ذبح اور نبوت کی کنجیاں سنبھال لی ہیں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بناتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ سے بھی اِس قسم کے معجزات صادر ہوئے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جنگِ بدر میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں لکڑی مرحمت فرمائی جو کسی پودے کی جڑ تھی۔ وہ اُن کے ہاتھ میں لوہے کی ایک ایسی تلوار بن گئی جو سفید، مضبوط اور لمبی تھی اور وہ فرمانِ مصطفیٰ کے مطابق اُسی تلوار کے ذریعے معرکہ آراء رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین مرحمت فرمائی۔ وہ ایّامِ ردّت تک اُسی تلوار کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔ جو بات اِس میں ہے کہ لکڑی کو لوہا بنا دیا اور وہ مدّتوں تلوار کی شکل میں کام دیتا رہا وہی نوعیت اس جانب ہے کہ مٹی سے پرندہ بنا دیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں آپ کے ہاتھ میں سخت پتھروں سے اللہ جل شانہٗ کی تسبیح و تقدیس کے ترانے سننا، درختوں اور پتھروں کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے حکم پر جمع ہونا اور ایک دوسرے سے مل جانا یہ جملہ امور مردے زندہ کرنے اور مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اُڑا دینے کے مانند ہیں اِن معجزات کی نوعیت ایک ہی جیسی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھوں، بہروں اور کوڑھیوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ جنگِ اُحد کے دوران تیر لگنے سے باہر نکل آئی تھی۔ اُنہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس نکلی ہوئی آنکھ کو اُس کے مقام پر رکھ دیا اور وہی آنکھ اِس طرح کام کرنے لگی کہ کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرتا تھا کہ اِن کی کون سی آنکھ متاثر ہوئی تھی۔ لُطف کی بات تو یہ ہے کہ اُس آنکھ کی بینائی دوسری سے بڑھ گئی۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حبیب بن خدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے والدِ محترم اُنہیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اُن کی آنکھیں بالکل سفید ہو چکی تھیں، جس کے باعث بینائی ختم ہو چکی تھی۔ فخرِ دو عالم ﷺ نے اِس کی وجہ دریافت فرمائی۔ عرض گزار ہوئے کہ میرا پاؤں ایک سفید سانپ کے اُوپر پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے میری بینائی جاتی رہی اور اُس وقت میں اپنے اونٹ کی ٹانگیں مل رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آنکھوں پر دم کیا

تو بینائی لوٹ آئی۔ حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے والد محترم کو دیکھا کہ عمر کی اسّی منزلیں طے کر لینے کے باوجود بینائی کا یہ حال تھا کہ سوئی میں دھاگا ڈال لیا کرتے تھے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بدر کے روز مجھے تیر لگا، جس کے باعث میری ایک آنکھ باہر نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی تو میری تکلیف بالکل جاتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگایا جبکہ وہ آشوبِ چشم تھے، تو فوراً تندرست ہو گئے اور اِس کے بعد کبھی یہ عارضہ پھر لاحق نہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بیمار اور مصیبت زدہ آتے تو آپ اُن کے حق میں دعا فرماتے اور اپنا دستِ شفقت اُن پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

بارگاہِ رسالت میں ایک بچہ لایا گیا جسے شیطان تنگ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے خدا کے دشمن! دور ہو جا۔ فوراً اُس بچے نے قے کر دی اور ساتھ ہی وہ شرارتی جن پلّے (کتے کا بچہ) کی شکل میں نکل کر بھاگ گیا اور اُس بچے کی تکلیف دور ہو گئی حالانکہ وہ پرندے کے اُس بچے کی مانند ہو گیا تھا، جس کی علالت کے باعث بال بھی جھڑ گئے ہوں۔ پھر آپ نے اُس کے لیے دعا فرمائی تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی رسیوں سے باندھے ہوئے کو کھولا جا رہا ہو۔ ایسے کتنے ہی واقعات ہیں کہ بیماروں نے آپ کے ذریعے شفا پائی۔ جو بارگاہِ رسالت سے شفا کے طلب گار ہوئے اور اپنی تکلیف بیان کی، تو آپ اُن کے لیے دعا فرماتے اور وہ صحت و تندرستی سے ہمکنار ہو کر لوٹتے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابیض بن حمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے چہرے پر کوئی پھوڑا جیسی چیز تھی جس کے باعث اُن کی ناک بھی ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ کرم پھیرا تو اُن کے چہرے پر پھوڑے کا نشان تک نہ رہا۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز مجھے مہمان کی حیثیت میں ایسے لوگوں کے پاس ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، جن کے ہاں گوشت کی ہانڈی اُبل رہی تھی۔ مجھے اُس کی چربی بہت پسند آئی اور زیادہ مقدار میں کھا گیا۔ اِس کے بعد متواتر ایک سال تک بیمار رہا، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں سات آدمیوں کی نظر لگی ہے۔ اِس کے بعد میرے پیٹ پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے سبز رنگ کی قے آئی اور تندرست ہو گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اُس روز سے

سے لے کر آج کے دن تک میرے پیٹ میں پھر کبھی درد نہیں ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ اِس سے بھی عجیب تر وہ واقعہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی شان کو بلند فرمایا اور معجزہ بھی ایسا جسے ایک پوری جماعت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یعنی آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی بکری کو زندہ کیا تھا نیز یہ معجزہ بھی عجیب ہے کہ آپ کے عہدِ مبارک میں ایک انصاری عورت کے لڑکے کو زندہ فرمایا گیا اُن کے علاوہ بھی حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ اور کئی واقعات احادیث سے پیش کیے ہیں، جو اِس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے کیونکہ جو کچھ لوگ کھاتے تھے اور جو گھروں میں جمع کر کے رکھتے، وہ اُن کے متعلق بتا دیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو غیبی امور کے بارے میں خبریں دی ہیں وہ اِن سے زیادہ عجیب ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف اُن چیزوں کی خبر دیتے تھے جنہیں لوگ گھروں کی چار دیواری میں کھاتے پیتے تھے لیکن فخرِ دو عالم ﷺ اُن چیزوں کی خبر بھی دے دیا کرتے تھے جو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے پر ہوں مثلاً آپ نے نجاشی کے وصال کی خبر دی نیز غزوۂ موتہ میں معرکہ آرائی کرنے والے سپہ سالاروں یعنی حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفرِ طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی خبریں دیں۔ جب کوئی شخص کچھ پوچھنے آتا تو آپ فرماتے: اگر تم چاہو تو میں بتا دوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ چنانچہ اِس قسم کے متعدد واقعات ہیں۔ منجملہ اُن کا ایک یہ واقعہ ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تھا کہ جنگِ بدر میں مشرکین کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد، اُنہوں نے اور صفوان بن اُمیّہ نے اِس بات پر اتفاق کیا تھا کہ وہ خفیہ طور پر پتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ جب عمیر نے یہ بات سنی تو مسلمان ہو گئے۔ غیب کی خبریں دینے کے بارے میں قرآن و حدیث کے کتنے ہی دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیر و سیاحت بھی کی تھی اور وہ جنگلات میں سفر کیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے کثرت کے ساتھ اِس سے عظیم سیاحت فرمائی اور وہ جہاد ہے۔ چنانچہ آپ نے دس سال کے عرصے میں کتنے ہی شہر اور دیہات طے کیے اور قبائل فتح فرمائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زاہد تھے۔ تھوڑی چیز پر قناعت کرتے اور معمولی شے سے بھی راضی ہو جایا کرتے تھے۔ جب تک اِس زمین پر تشریف فرما رہے تو بقدرِ کفایت چیز پر ہی گزارہ کرتے رہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ زاہد تھے۔ آپ کا دستر خوان خالی اُٹھایا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی تھی۔ فاقے کے باعث اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا لباس اُون کا، بچھونا بکری کے چمڑے کا اور تکیہ بھی چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کا بورا بھرا ہوا ہوتا تھا۔ بعض اوقات دو تین مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ بوقتِ وصال آپ کی زِرہ رہن رکھی ہوئی تھی حالانکہ:

وَلَمْ يَتْرُكْ صَفْرَآءَ وَلَا بَيْضَآءَ مَعَ مَا عُرِضَ عَلَيْهِ مِنْ مَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَ وُطِيَ لَهٗ مِنَ الْبِلَادِ وَمُنِحَ مِنْ غَنَائِمِ الْعِبَادِ فَكَانَ ﷺ يُقَسِّمُ فِي الْيَوْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَ اَلْفٍ وَيُعْطِي الرَّجُلَ مِأَةً مِّنَ الْاِبِلِ وَيُعْطِي مَا بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ مِنَ الْاَغْنَامِ وَيَأْتِيْهِ السَّائِلُ فَيَقُوْلُ ﷺ وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ مَا اَمْسٰى فِيْ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ مِّنْ شَعِيْرٍ وَلَا مِنْ تَمَرٍ اَجُوْعُ يَوْمًا وَاَشْبَعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُ وَكَيْفَ لَا يَكُوْنُ كَذٰلِكَ مَنْ عَظَّمَ اللّٰهُ خُلُقَهٗ۔ (ص ۸۵)

''نبی کریم ﷺ نے سونے چاندی کا ترکہ نہیں چھوڑا حالانکہ آپ کے حضور زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی تھیں۔ آپ نے کتنے ہی شہروں کو فتح کیا اور وہاں سے بہت سامالِ غنیمت اور غلام ہاتھ لگتے۔ سرورِ دو عالم ﷺ ایک ہی روز میں تین ہزار تک تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ایک آدمی کو آپ نے ازراہِ کرم ایک سو اُونٹ مرحمت فرما دیئے۔ آپ نے ایک آدمی کو اتنا بڑا ریوڑ عنایت فرمایا جس سے دو پہاڑیوں کے درمیان کی جگہ بھری ہوئی تھی۔ اگر کوئی سائل آتا تو شفیع المذنبین ﷺ فرماتے: قسم اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آلِ محمد کے گھر میں شام تک جو یا کھجور کا ایک صاع بھی نہیں بچا۔ میں ایک روز بھوکا رہتا ہوں اور دوسرے روز سیر ہو کر کھا لیتا ہوں جب بھوکا رہتا ہوں تو بارگاہِ الٰہی میں عاجزی پیش کرتا ہوں اور جب شکم سیر ہوتا ہوں تو شکر بجا لاتا ہوں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں خُلقِ عظیم عطا فرمایا تھا''۔

چنانچہ اپنے حبیب ﷺ کے خُلق کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۝ (القلم)

''اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے''۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اُٹھائے گئے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بوقتِ وصال اللہ جل شانہٗ نے یہ اختیار دیا تھا کہ دنیاوی اور اُخروی زندگی میں جسے چاہیں پسند کر لیا جائے۔ آپ نے دنیاوی زندگی پر اُخروی زندگی کو ترجیح دی۔ لیکن آپ کی روح مبارک کو قبض کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے اپنے خاص قرب میں لے لیا۔ اگر آپ دنیوی بقا کو پسند فرماتے تو حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرح آپ بھی آسمانوں اور زمین میں رہتے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں مقیم ہیں اور حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام جہاں چاہتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جاتے رہتے ہیں۔

اِس کے علاوہ نبی آخر الزماں ﷺ کی اُمت سے ایک جماعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ تھے، جب اُنہیں آسمان کی طرف اٹھایا جا رہا تھا تو لوگ اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو اُنہیں دشمن کی مقبوضہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔ صحابۂ کرام نے اِس خوف سے کہ کفّار اُن کی لاش کو جوشِ انتقام میں قبر سے نکال کر باہر پھینک دیں گے، اُنہیں دشمن کی مقبوضہ زمین سے منتقل کرنے کے لیے قبر کو کھولا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ معلوم نہیں وہ کدھر چلے گئے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُنہیں رسول اللہ ﷺ نے قریش کی جاسوسی کیلئے بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس ستون کے قریب پہنچا جس پر اُنہیں باندھ کر شہید کیا گیا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا لیکن میں ستون پر چڑھ گیا اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو کھولا تو وہ زمین پر گر گئے اور میں بھی ان کے قریب ہی گرا۔ اُٹھتے ہی میں نے لاش کی جانب دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، گویا اُسے زمین نگل گئی کیونکہ آج کے دن تک حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا کسی کو پتہ ہی نہیں لگ سکا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مُشرکینِ مکّہ سے بنو حارثہ نے ایک لکڑی کے ستون کے ساتھ باندھ کر قتل کیا تھا۔ حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پاس گئے اور اُنہیں کھولا، لیکن اِس کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ وہ گئے کدھر؟ اِس کے بعد اُن کی لاش کسی کو نہ مل سکی۔ اللہ تعالیٰ

اُن سے اور رسول اللہ ﷺ کے سارے ہی اصحاب سے راضی رہے۔(آمین)

اِس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی تالیف حجۃ اللہ علی العالمین میں، جو معجزات سرورِ کائنات وسیّد المرسلین ﷺ کے بیان پر مشتمل ہے، مواہب لدنیہ مصنفہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی جنس ہی سے ہیں۔ میں اُن بیانات کو اپنے لفظوں میں بلا کم و کاست بیان کرتا ہوں:

صحابۂ کرام سے لے کر اب تک کے اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی کرامات کا اگر کوئی شخص تتبع کرے تو اس پر روشن ہو جائے گا کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے ہر معجزے کی جنس سے یہاں اتنی کرامتوں کا وقوع نظر آئے گا، جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اُن میں سے ہزاروں کرامتیں کتابوں میں مذکور و محفوظ ہیں۔ لیکن یہ جمع شدہ کرامتیں غیر جمع شدہ کرامتوں کے مقابلے میں اُتنی ہی قلیل ہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ کیونکہ کرامتوں کا ظہور تو ہر جگہ اور ہر زمانے میں اولیاء اللہ سے ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا اور اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی یہ جملہ کرامتیں ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے معجزات ہیں۔

کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کی اشاعت کے بعد میں نے ایک اور جامع کتاب لکھی، جس کا نام میں نے جامعِ کراماتِ اولیاء رکھا ہے۔ پس بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں جو آگ میں کود ے لیکن اُن پر آگ نے ذرا بھی اثر نہ کیا، جیسے ابو مسلم خولانی تابعی رحمۃ اللہ علیہ۔ علاوہ بریں ایسے واقعات ہر زمانے میں بکثرت واقع ہوتے رہے ہیں حالانکہ دوسری جانب یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ بعض بزرگوں نے سمندر کو عبور کیا اور اُنہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بحرین پر حملہ کیا تو اُنہیں دریا کو بغیر کسی سہارے کے عبور کرنا پڑا، سارا لشکر پار ہو گیا اور ایک آدمی کا نقصان بھی نہیں ہوا اور نہ کوئی چیز ہی ضائع ہوئی۔ اِسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائنِ کسریٰ کو فتح کیا، تو اُنہوں نے بہت بڑے لشکر سمیت دریائے دجلہ کو عبور کیا، حالانکہ اُس میں سیلاب تھا اور دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا(1)۔ لیکن اُن کا کسی ایک چیز کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ جب اہلِ فارس نے اُنہیں اِس طرح دریا عبور کرتے ہوئے دیکھا تو اُنہیں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور یہ جنّات ہیں، انسان ہرگز نہیں اور اُن کا لشکرِ جرّار یہ کہتے ہوئے سر پر پیر رکھ کر بھاگ گیا

1۔ اِسی لیے تو شاعرِ مشرق نے کہا ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

کہ ہم اِن کے ساتھ مقابلے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن کسریٰ پر قابض ہو گئے، حالانکہ یہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ اِسی قبیل سے بعض اولیائے کرام کا پانی کی سطح پر زمین کی طرح چلنا پھرنا ہے اور ہر زمانے میں ایسے واقعات کثیر تعداد میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔

بعض اولیائے امتِ محمدیہ کے ہاتھوں مُردے زندہ ہونے کے واقعات بھی مشہور ہیں جیسا کہ متعدد علمائے کرام نے لکھا ہے۔ چنانچہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ (رسالہ قشیری) میں لکھا ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقاتِ کبریٰ میں سیّدی شیخ ابراہیم مقبول رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ فقراء سے اُن کے حالات دریافت کیا کرتے اور اُن سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے شخص کو دیکھا جو بہت عبادت گزار اور نیکوکار تھا اور لوگ اُس کے بہت معتقد تھے۔ شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ تم عبادت تو بہت کرتے ہو لیکن تمہارا درجہ بہت ناقص ہے، لیکن تمہارے والد محترم تو تم سے ناراض نہیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ شیخ نے فرمایا: تم اُن کی قبر پہچانتے ہو۔ اُس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ہمارے ساتھ اُن کی قبر پر چلو، شاید وہ راضی ہو جائیں۔ شیخ یوسف کردی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، میں نے خود اُس کے والد کو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر آئے اور سر سے مٹی جھاڑ رہے تھے، حالانکہ شیخ علیہ الرحمۃ نے ابھی آواز ہی دی تھی۔

شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ فقراء آپ کے لڑکے کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہیں کہ آپ اِس سے راضی ہو جائیں۔ اُس کے والد نے جواب دیا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے لڑکے سے راضی ہو گیا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: تو اپنی جگہ واپس لوٹ جائیے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ اُس کی قبر راس حسینیہ میں جامع شرف الدین کے قریب واقع ہے، حالانکہ مُردوں کو زندہ کرنا سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اِس کے علاوہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مُردے(1) زندہ کرنا ثابت ہے۔

اولیائے کرام کے ہاتھوں بیماروں کا شفا پانا اور اولیاء اللہ کا غیب کی خبریں دینا یہ بھی بکثرت اولیائے کرام سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں واقع ہوتا رہا ہے حالانکہ یہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مشہور

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے:۔

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

ہے۔اِسی طرح بعض اولیاء اللہ جب ارادہ کرتے تو اُن کے ہاتھوں میں لوہا نرم ہو جایا کرتا تھا۔منجملہ اُن کے اِس زمانے میں والیِ کبیر، مشہور بزرگ، شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو طرابلس شام میں رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن کی عمر دراز کرے نیز ہمیں اور سب مسلمانوں کو اُن سے نفع حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔(وہ ۱۳۲۱ھ میں فوت ہوئے) میں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے بچشم خود دیکھا ہے کہ وہ دائیں ہاتھ سے لوہے کی بڑی چابی کو پکڑ کر اُنگلی سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔اِس کے علاوہ میں نے اُن کی یہ کرامت اور بھی کتنے ہی ثقہ حضرات سے سُنی ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے واقعات دیکھے تھے۔

اُنہوں نے شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ چاندی کو بھی لوہے کی طرح ہی جدھر چاہتے توڑ مروڑ لیا کرتے تھے۔چنانچہ وہ ریال مجیدی یا اُس جیسے دوسرے کسی سکّے کا ایک کنارہ کسی کے منہ پر رکھتے اور دوسرے سرے کو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کی ذرا سی حرکت سے یوں بآسانی دوہرا کر دیتے جیسے وہ آٹے سے بنایا گیا ہے۔پھر اُسی حالت پر اُسے رہنے دیتے اور وہ شخص اُسے تبرک کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھتا تھا۔میں نے خود اور دیگر مختلف حضرات نے اُن کی متعدد کرامتیں دیکھی ہیں، جن میں سے بعض کا وقوع ہم نے اولیائے ماسبق سے سنا ہے اور بعض کا واقع ہونا سنا بھی نہیں ہے۔اگر شیخ موصوف کی کرامتیں بیان کی جائیں تو اُن کا شمار ہزاروں تک پہنچ جائے گا۔اللہ تعالیٰ اُن کی برکات سے ہمیں دنیا و آخرت میں لطف اندوز کرے۔اِس میں شک نہیں کہ لوہے کا نرم کرنا سیّدنا داوٗد علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔

بعض اولیائے کرام صاحبِ خطوہ ہوتے ہیں، جو ذرا سی دیر میں مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کر لیا کرتے ہیں۔بعض ہوا میں اُڑتے ہیں۔بعض وہ ہیں جن کے جنّات تابع ہوتے ہیں۔یہ تینوں قسم کی کرامتیں ایسی ہیں کہ اولیائے امتِ محمدیہ سے اِن کا وقوع اِس کثرت سے ہوا ہے جن کے بیان سے بے شمار کتابیں بھری پڑی ہیں حالانکہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشہور معجزے ہیں۔

اگر ہر نبی اور رسول کے معجزات کو شمار کرو اور اولیائے اُمتِ محمدیہ کی کرامتوں کو اُن کے بالمقابل رکھو تو صاف نظر آئے گا کہ اُن میں کمال درجہ مطابقت ہے۔یہ جان لینے کے بعد فخرِ دو عالم ﷺ کے علیحدہ علیحدہ ہر معجزے کی اُن کے ساتھ مطابقت دکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

امام خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور اُس نے اُنہیں نہ جلایا اسی طرح فخرِ دو عالم ﷺ بھی کفار کے ساتھ جنگ و جدل کی آتشِ شعلہ بار

سے دو چار ہوئے لیکن وہ آپ کو جلا نہ سکی۔ اُن کی تفصیلات میں جانے کی یہاں حاجت نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اولیائے امتِ محمدیہ سے بھی اِس قسم کے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہوئے بلکہ عوام تک سے جو سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہیں اور یہ شیخ موصوف ہی کی کرامت ہے۔

لیکن میں (علاّمہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) دوسرے اعتبار سے کہتا ہوں کہ سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیگر انبیائے کرام پر فضیلت دینے میں اِس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آپ کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت اُن پر اور ساری مخلوق پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اِس امر کے دلائل اتنے کثیر اور واضح ہیں کہ اہلِ علم اور صاحبِ بصیرت کو اِنکار کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی افضلیت ایسی واضح ہے کہ ایک عام مسلمان جسے انبیاء و مُرسلین کے حالات و کمالات اور اُن کی شرائع کی معرفت حاصل ہے، وہ بھی اس سے بے خبر نہیں اور اس کے سامنے بھی اس حقیقت کے بے شمار دلائل موجود ہوں گے۔

دیگر انبیاء و مرسلین سے اُن معجزات کا ظہور ہوتا تھا، جو اُن کے زمانہ والوں کے حال کے مناسب ہوتا تھا، جن کی جانب اُنہیں مبعوث فرمایا جاتا تھا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بہت زور تھا، آپ کے لیے ایسا ہی معجزہ درکار تھا جس کے باعث جادوگروں کو مغلوب کر سکیں اور اُس کی بدولت جادوگروں سے ممتاز ثابت ہوں، چنانچہ آپ کو عصا مرحمت فرمایا جو اژدہا بن جاتا تھا اور مقابلے کے وقت وہ ساحروں کی ساری رسیّوں کو نگل گیا، جو لوگوں کی نگاہوں میں چلتے پھرتے سانپ معلوم ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں پر علمِ طب کی معرفت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ آپ کو ایسا ہی معجزہ ملنا چاہیے تھا، جس کے وقوع کا کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ طب تصور بھی نہ کر سکے، چنانچہ آپ کو مُردے زندہ کرنے اور کوڑھیوں، مادرزاد اندھوں کو شفا دینے کا معجزہ مرحمت ہوا۔

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے جو معجزات کسی سبب کی مناسبت سے واقع ہوئے اُن میں سے بعض سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن پر آگ سرد اور سلامتی والی کر دی گئی جبکہ دشمنوں نے اُنہیں آگ میں ڈالا تھا۔ اِس معجزے کے وقت کفار کا مقصد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا تھا۔ اگر ہم ایسے ہی معجزے کا سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بھی اثبات کریں تو ہمیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ آپ پر بھی آگ سلامتی والی سرد ہوئی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا وقوع تو اُمتِ محمدیہ کے بکثرت اولیائے کرام تک سے ہوا ہے جیسا کہ اِس سے پہلے مذکور ہوا۔

ایسے معجزات میں سے بعض سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن کے لیے سمندر کھل گیا تھا۔ یعنی اپنے لشکر سمیت فرعون اُن کا تعاقب کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سمندر کو پھاڑ کر راستے بنا دیے تاکہ وہ اپنی قوم سمیت دشمن سے نجات پا جائیں۔ اگر اِسی قسم کا معجزہ نبی کریم ﷺ کے لیے ثابت کرنا ہوگا تو ایسے ہی واقعے کا صدور دکھانا ہوگا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِس طرح کی مدد تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کے اولیائے کرام تک کی فرمائی ہے۔ صاحبِ مواہب نے جو نقل کیا ہے اُدھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنہوں نے نقل کیا ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے معراج کی رات زمین و آسمان کے درمیان ملفوف نامی سمندر کو عبور کیا اور اِسے موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی مثل قرار دیا ہے۔ صحیح مطابقت میں یہ واقعات مذکور ہو چکے کہ حضرت علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر سمیت سمندر کو عبور کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو لے کر بغیر کسی معمولی نقصان کے دریائے دجلہ کو عبور کر گئے۔ یہ کرامتیں واقعی انفلاقِ بحر (سمندر پھٹنے) کے معجزے کی طرح ہیں۔

اِن معجزات میں سے بعض اور بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں مثلاً جب اُن کی قوم کو پانی کی حاجت ہوئی اور کہیں پانی نہ ملا تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا اور اُس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے۔ اِس جیسا بلکہ اِس سے بھی عظیم معجزہ نبی کریم ﷺ سے مختلف صورتوں میں متعدد بار ظاہر ہوا، جن کا وقوع مختلف اوقات اور مختلف جگہوں پر ہوا، جیسا کہ صلح حدیبیہ اور جنگِ تبوک کے مواقع پر ایسے معجزات کا صدور ہوا۔ ہم اُن کی تفصیل مناسب مقام پر پیش کریں گے۔ علاوہ بریں بعض اوقات تھوڑے پانی میں لعابِ دہن ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ اُس پانی میں اِتنی برکت پیدا کر دیتا کہ وہی پانی ایک بہت بڑے لشکر کے لیے کافی ہو جاتا اور کبھی مسلمانوں کو تیر مرحمت فرما دیتے کہ اُسے خشک چشمے پر رکھ دیا جائے تو اُس چشمے سے پورے جوش و خروش کے ساتھ پانی نکلنا شروع ہو جاتا تھا اور کبھی اپنے دستِ کرم کو پیالے میں رکھتے، جس میں تھوڑا سا پانی ہوتا تو آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑتے، یہاں تک کہ خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوتے لیکن پانی کافی ہو جاتا(1)۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے عظیم تر ہے کیونکہ پتھر سے پانی کا جاری ہونا پھر عادی ہے اگرچہ معجزے کی صورت کے لحاظ سے اِس کی نوعیت ہی

1۔ اِسی لیے مجدّد مائۃ حاضرہ قدس سرّہٗ نے فرمایا:

اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

مختلف ہے لیکن انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا تو بالکل ہی عادی نہیں ہے۔

اِن میں سے بعض معجزات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے جیسا کہ وہ بیماروں کو شفا دیتے ہیں۔ چنانچہ اِس قسم کے معجزات سرورِ انبیاء ﷺ سے بکثرت ظہور پذیر ہوئے، جو حد وشمار سے باہر ہیں۔ اِن کا تفصیلی بیان بھی عنقریب آگے آئے گا بلکہ بیماروں کو تندرستی دینا تو اولیائے امتِ محمدیہ سے ہر زمانہ اور ہر مقام پر واقع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اِن میں سے جو شیخ علی عمری رحمۃ اللہ علیہ سے واقع ہوئے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اُن کا شمار کیا جائے تو مختلف بیماریوں کے باعث وہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچتے ہیں۔ اگر ایک قلیل عرصے کے لیے بھی کسی کو اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تب بھی یہی سامنے آتا کہ بے شمار مریض آپ کے باعث شفایاب ہو رہے ہیں حالانکہ اِس کے علاوہ اور متعدد قسم کی کرامتوں کا ظہور اُن سے دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ مند کرے۔ (آمین)

اِن میں سے بعض معجزات سیّدنا سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں، جیسا کہ جنّ اُن کے تابع تھے اور یہ اُن کے ملک کی قوت وشوکت کی مناسبت کے لحاظ سے تھا۔ یہ شرف اُنہیں باری تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا جبکہ نبی آخر الزماں ﷺ کے لیے بھی یہ معجزہ ثابت ہے کہ جنّ آپ ﷺ کے تابع فرمان تھے۔ جنّوں کی بھاری تعداد آپ پر ایمان لائی اور طاعت گزاری پر کمر بستہ رہی، علاوہ ازیں آپ کی امت کے اولیائے کرام جب چاہیں جنّات سے خدمات لیتے ہیں بلکہ سیّد المرسلین ﷺ کی خدمت گزاری کا تو فرشتے بھی شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ جنگِ بدر اور دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیج کر آپ کی مدد فرمائی۔ اُن خدمت گزار فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی مرحمت ہوا تھا کہ ہوا اُن کے تابع فرمان کر دی گئی تھی کہ اُس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک مہینے کی راہ ہوا کرتی تھی۔ یہ بھی آپ کی مملکت کی شان وشوکت کے لیے تھا، جس کے ذریعے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو فضیلت بخشی تھی۔ لیکن اِس سے بھی عظیم تر معراج کی رات کا واقعہ ہے اور ہمارے آقا ومولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ ایسا معجزہ ہے جس کے ساتھ دیگر انبیاء کے کسی بھی معجزے کو کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک، وہاں سے آسمانوں تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے لامکان تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سَیر کرائی، جس کے بارے میں سَیر کرانے والے اور سَیر کرنے والے کے

سوا اور کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ پھر رات کے قلیل عرصے میں واپس تشریف بھی لے آئے۔ کفار مکہ کو بیت المقدس کی تفصیلات بھی بتائیں، اُن کے قافلے کا ذکر بھی فرمایا، جو راستے میں ملا تھا، چنانچہ آپ کی یہ خبر واقعات کے مطابق ہی ثابت ہوئی۔ حالانکہ اہلِ مکہ جانتے تھے کہ اِس سے پہلے آپ کبھی بیت المقدس نہیں گئے تھے۔ (اِن حالات میں وہ انکار کی گنجائش نہیں پاتے تھے)

رہا یہ معجزہ کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ملک عطا فرمایا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم، نورِ مجسّم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ وہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد ہونے کو پسند فرمایا تھا۔ ایک فرشتے نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ تہامہ کی پہاڑیوں کو آپ کے لیے سونا بنا دیا جائے؟ آپ نے انکار فرما دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس معجزے کی مناسبت کے لحاظ سے متعدد معجزات وقوع پذیر ہوئے، جن کا عنقریب ذکر ہوگا۔ (اِنشاء اللہ تعالیٰ)

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے معجزات سے ایک یہ ہے کہ آپ نے جب ہجرت فرمائی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور میں آرام فرما ہوئے تو غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ جب قریش کے جوان (تلاش کرنے والے) وہاں پہنچے تو غار میں داخل نہ ہوئے۔ اُن میں سے ایک شخص نے کہا مکڑی کا یہ جالا تو غار کے منہ پر اُن کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے اور اِس طرح نا اُمید ہو کر واپس لوٹ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر چل پڑے تو سراقہ بن مالک آپ کے پیچھے لگ گیا، تاکہ گرفتار کر کے قریش کے حوالے کرے اور انعام کے سو اونٹ حاصل کرے۔ جب آپ کے قریب پہنچا تو اُس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور وہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے دعا کی تو خلاصی پاتے ہی لوٹا اور سیدھا اپنے گھر جا پہنچا۔

اِس کے بعد آپ نے اُمِ معبد کے خیمے میں قدم رنجہ فرمایا، تو اُس کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ مہمان نوازی کا فریضہ ادا کرتی۔ اُس کے پاس صرف ایک بکری تھی جو بے حد کمزور ہو چکی تھی اور کمزوری کے باعث اُس کا دودھ خشک ہو گیا تھا اور باہر جانے سے بھی عاجز تھی۔ آپ نے اُس بکری کا دودھ دوہا، جو آپ، ابو بکر صدیق اور دوسرے ساتھیوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اِس کے بعد دوسرے برتن میں دوہا اور اُسے بھی دودھ سے بھر دیا اور اُسے اُمِ معبد کے حوالے کر کے آپ سرگرمِ سفر ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لڑائیوں میں کنکریاں اور مٹھی بھر مٹی پھینکی، جو اُن سب تک پہنچی اور وہ

شکست کھا کر بھاگ گئے۔ صحابۂ کرام کے کھانے پینے کی چیزوں میں بوقتِ ضرورت آپ کی بدولت اِتنی برکت ہو جایا کرتی تھی کہ وہی چند افراد کی ضرورت کا کھانا ہزاروں کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی زخم ہوتا یا پنڈلی ٹوٹ گئی ہوتی یا آنکھیں درد کرتی ہوں اور اُن سے پیپ بہتی ہو یا کسی کی آنکھ اُس کی جگہ سے نکل جاتی اور آپ اُس پر اپنا دستِ کرم پھیرتے تو تکلیف اور شکایت دور ہو جاتی۔ اِسی طرح حالات کے مطابق آپ سے غیب کی خبریں واقع ہوتی رہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونا اور اُن جیسے معجزات فخرِ دوعالم ﷺ سے اگر ظاہر نہ ہوں تب بھی اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن حضرات کو سرورِ کون و مکاں ﷺ پر فضیلت و سیادت حاصل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ یہ نظریہ آپ کے مِنْ کُلِّ الْوجوہ فضائل و کمالات کے عقیدے کا خلاف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس معجزے کا کسی نبی سے صدور ہوا اُس کا مقتضٰی فخرِ دوعالم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں پایا ہی نہ گیا ہو اور اِس طرح بعینہٖ اُس معجزے کے صادر ہونے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور اُن کی خاطر سمندر کا پھٹ جانا اور صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبے پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہو جانا، اِن کا مقتضٰی سرورِ دوعالم ﷺ کے مبارک عہد میں پایا ہی کب گیا؟ لیکن دوسری جانب اِن سے بھی عظیم تر معجزات کا آپ سے وقوع ہو گیا۔

کفار کا آپ سے انشقاقِ قمر (چاند کا پھٹنے) کا مطالبہ کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، یہ ایسا معجزہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات میں قطعاً اِس کی نظیر نہیں پائی جاتی چہ جائیکہ آپ کے عظیم ترین معجزہ یعنی قرآنِ کریم کی نظیر پائی جائے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا جبکہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا آج نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبیِ آخرالزماں ﷺ سے ایسے معجزات بھی کثرت سے صادر ہوئے کہ اُن جیسے معجزات کا کسی نبی سے صدور نہیں ہوا بلکہ آپ کی اُمت کے بعض اولیائے کرام سے ایسی عظیم کرامتیں بھی ظہور میں آئی ہیں کہ معجزے کے طور پر اُن کا وقوع دیگر انبیائے کرام سے نہیں ہوا۔ نہ اُن کی مثل اور نہ اُس جنس سے۔ لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جن اولیائے عظام سے ایسی کرامتوں کا وقوع ہوا، ایسے حضرات کو اُن انبیاء و مرسلین پر فضیلت حاصل ہو جائے جن سے اِن کرامتوں جیسے معجزات کا صدور نہیں ہوا اور اولیائے کرام پر رسولوں کو جو افضلیت حاصل ہے اس میں ایسے معجزات کے صادر نہ ہونے کے باعث کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اِس کے متعدد وجوہ ہیں:

پہلی وجہ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفضول سے وہ کام صادر ہوگیا جس کے صدور کی افضل کو ضرورت پیش نہ آئی۔

دوسری وجہ

اِس اُمت کے اولیائے کرام کی تمام کرامتیں ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔ اِس صورت میں سب پر حقیقی افضلیت فخرِ دو عالم ﷺ ہی کو حاصل ہے اور اُمتِ محمدیہ کے ایسے اولیاء اللہ کو بالتبع ایک گونا فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

تیسری وجہ

جس مناسبت کے باعث کسی ولی سے ایسی کرامت کا صدور ہوا وہ مناسبت یا ضرورت اُس نبی کے زمانے میں پیش آتی تو عین ممکن ہے کہ نبی سے معجزے کی صورت میں وہی کچھ ظاہر ہوتا بلکہ اِس سے عظیم تر۔

چوتھی وجہ

جملہ اولیائے کرام پر ہر نبی کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسرے فضائل اور دلائل کے لحاظ سے ہے۔ اگر ایک فعل بطور کرامت ولی سے صادر ہوا اور اُس کا صدور نبی سے نہیں ہوا تو نہ سہی، فضیلت کا انحصار صرف کرامت ہی پر نہیں ہے۔ بعینہٖ یوں سمجھئے کہ بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین سے صادر ہوئے لیکن نبی کریم ﷺ سے اُن کا صدور نہیں ہوا، کیونکہ جس مناسبت کے لحاظ سے اُن حضرات سے ایسے معجزات کا صدور ہوا وہ مناسبت سرورِ کون و مکاں ﷺ کے زمانۂ اقدس میں نہ پائی گئی اگر وہ مناسبت پائی جاتی تو یقیناً آپ سے بھی اُن معجزات کا صدور ہوتا بلکہ اُن سے بھی عظیم تر صورت میں وقوع ہوتا۔ جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بکثرت معجزات اِسی عدمِ مناسبت کے باعث دوسرے انبیائے کرام سے صادر نہیں ہوئے۔

اِس تقریر سے واضح ہو گیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونے اور ہمارے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ سے اُن کا صدور نہ ہونے کے باعث آپ کی افضلیت پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اِس سے کوئی حرج واقع ہوتا ہے کیونکہ دیگر انبیاء و مرسلین کے سارے معجزے بھی اگر اکٹھے کر لیے جائیں تو یہ مجموعہ بھی آپ کے اکیلے معجزۂ قرآنِ مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تنہا قرآنِ مجید ہی ہزار ہا معجزات، آیاتِ بیّنات، علومِ نافعہ، انوارِ ساطعہ، اور ہر اُس معرفت کا

حامل ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی یا دور پھینک دیتی ہے۔ علاوہ بریں یہ ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور مسلمان اس سے ہمیشہ نفع حاصل کرتے رہیں گے کیونکہ اِس کی تلاوت بھی عبادت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قرب میں لے جاتی رہتی ہے اور اِس کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔

مذکورہ بحث کی کتابت کے دو ماہ بعد میں (علاّمہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب الابریز کے چوتھے باب میں شیخ عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام اپنے مندرجہ بالا بیان کی تائید میں پڑھا۔ اُن کے شاگرد علاّمہ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں آپ سے گفتگو میں مصروف تھا، تو میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جنوں، انسانوں، شیاطین اور ہوا پر تسلّط دیا تھا اور میں نے یہ بھی کہا کہ اُن کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسا معجزہ مرحمت ہوا کہ لوہے کو اُن کے ہاتھوں میں ایسا نرم کر دیا کہ آٹے کی طرح جدھر چاہتے پھر جاتا نیز یہ ذکر بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا کمال معجزہ ملا کہ وہ بہروں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو بھی زندہ کر دیا کرتے تھے اور اِسی طرح بعض دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا تذکرہ کیا۔ شیخ موصوف نے میری گفتگو کا ماحصل اور مرکزی خیال یہی قرار دیا کہ جب سیّد المرسلین ﷺ جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں تو آپ سے اُن معجزات کا صدور کیوں نہ ہوا؟ کیونکہ جو دوسرے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہوئے وہ دوسری نوعیت کے ہیں۔

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک مرحمت فرمایا گیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے جو مسخّر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو اکرام ہوا، اللہ تعالیٰ نے یہ سب اور اِس سے بھی زیادہ اُمّتِ محمدیہ کے اہلِ تصرف حضرات کو مرحمت فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کے لیے جن، انسان، شیاطین، ہوا اور فرشتے بھی مطیع کر دیئے بلکہ جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ اِن کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور اِنہیں بہروں، کوڑھیوں کو شفا دینے اور مُردے زندہ کرنے کی طاقت بھی مرحمت فرمائی ہے لیکن یہ غیبی امر ہے جو چھپا ہوا ہے اور مخلوق میں عام ظاہر نہیں ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اِس پر ٹوٹ پڑیں اور اِس طرح اپنے رب کو بھلا بیٹھیں۔ اہلِ تصرف کو یہ قدرت نبی کریم ﷺ کی برکت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ کرامتیں سیّد المرسلین ﷺ ہی کے معجزات ہیں۔ حجۃ اللہ علی العالمین سے میری عبارت ختم ہوئی۔ اب میں صاحبِ عنوان کا باقی کلام نقل کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ:

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کے پینتیسویں باب میں، جس پر وہ اِس

کتاب کو ختم کرتے ہیں، سرورِ کون و مکاں ﷺ کے اخلاقِ کریمہ، عاداتِ شریفہ اور سیرتِ طیبہ کا ذکر کیا ہے، جو ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ یہ حدیث شمائلِ ترمذی میں بھی موجود ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے فرموداتِ گرامی کے تحت اِس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس لیے طوالت کے خوف سے یہاں اُسے نقل نہیں کیا جاتا۔ علاوہ بریں تکرار کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنہوں نے آگے فرمایا ہے:

شمائلِ رسول

اُس دستِ قدرت کے شہکار کا رنگ بالکل سفید نہ تھا اور نہ گندمی، بلکہ آپ پھول کی مانند کھلے ہوئے رنگ والے تھے جسے ازہر کہتے ہیں اور یہ ایسا سفید و سرخ ہوتا ہے جس میں زردی کی ملاوٹ نہ پائی جائے جو علامتِ مرض ہے۔ اکثر حضرات نے آپ کی رنگت یہی بیان کی ہے لیکن یہ جسمِ اطہر کے اُن حصوں کا رنگ ہے جو عموماً کھلے رہتے ہیں اور جنہیں سورج کی روشنی اور ہوائیں بلاواسطہ پہنچتی رہتی ہیں، اُن کی رنگت واقعی سُرخی مائل تھی لیکن جو حصے عموماً لباس میں ڈھکے رہتے ہیں وہ سرخ و سفید تھے۔ جن حضرات نے بھی حسنِ مصطفیٰ کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اُنہوں نے آپ کا رنگ سفید ازہر ہی بیان کیا ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جن حضرات نے آپ کا رنگ سفید ازہر بتایا اُن کی مراد اُن حصوں کا رنگ ہے جو عموماً کپڑوں میں ڈھکے رہتے ہیں اور اِس لحاظ سے وہ درست ہی کہتے ہیں لیکن جن حضرات نے سُرخی مائل رنگ بتایا ہے، اُن کی مراد وہی ظاہر حصے ہوں گے جن پر سورج کی کرنیں براہِ راست پڑتی ہیں اور جنہیں کھلی ہوا لگتی رہتی ہے اور اس لحاظ سے اُن حضرات نے بھی درست فرمایا ہے کیونکہ آپ کا اصل رنگ، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں وہ ازہر ہی تھا اور ظاہر حصوں کا سرخی مائل ہونا خارجی اثرات یعنی دھوپ اور ہواؤں کے باعث تھا۔ (فَسُبْحَانَ اللّٰهِ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)

آپ کے چہرۂ انور کا پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جس میں تیز خوشبودار مُشک سے بھی زیادہ مہک تھی۔ بال لمبے اور خم دار، نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دوسرے میں اُلجھے ہوئے۔ جب شانہ کیا ہوا ہوتا تو مانگ اِس طرح نظر آتی جیسے ریتلی زمین میں راستہ واضح دکھائی دیتا ہے یا جیسے سخت پتھریلی زمین میں اُبھری ہوئی جگہ صاف نظر آتی ہے اور ہوائیں اُس سے اٹھکھیلیاں کرتی ہیں۔ شانہ فرماتے تو بال ایک دوسرے سے گتھ جاتے اور اِس طرح گھیرا کر لیتے جیسے انگوٹھی کے گھیرے ہوتے ہیں۔ شروع میں آپ بالوں کو آگے کی جانب لٹکا لیا کرتے تھے........ یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام کی گزارش پر بالوں کو پیچھے کی جانب کرنا شروع کر دیا جو بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے تھے

اور کبھی کانوں کی لَو تک۔ بعض اوقات آپ بالوں کے چار حصّے کر لیتے۔ دو حصے دائیں گوش مبارک کو اور دو حصے دوسرے گوشِ اقدس کو گھیرے میں لے لیتے لیکن دونوں لعلِ سماعت کے کان باہر نکلے ہوئے ہوتے اور دیکھنے والا یوں محسوس کرتا جیسے بادلوں کی سیاہی کے اندر سے چمکدار ستارے نظر آرہے ہیں۔ آپ کی ہر دو کنپٹی مبارک پر چند بال سفید تھے اسی طرح ریش مبارک میں ٹھوڑی کے گرد چند مُوئے مبارک سفید تھے، جن کی سفیدی چاندی کے تاروں کی مانند تھی، جن کا سیاہ بالوں کے درمیان میں چمکنا ایک نرالا اور دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ جب آپ زرد خوشبو استعمال کرتے اور عموماً آپ یہی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے تو آپ کے سفید بالوں پر سنہری دھاریوں کا گمان گزرتا تھا۔

آپ کا چہرۂ انور تمام لوگوں سے خوبصورت اور رنگ سب سے چمکدار تھا کوئی واصف رُخِ مصطفیٰ کو چاند سے تشبیہ دیئے بغیر نہ رہ سکا جبکہ بعض تو چودھویں رات کے چاند سے بھی خوشنما اور بارونق قرار دیتے تھے(1)۔ اور ایسا کیوں نہ کہتے جبکہ وہ چہرۂ انور چاند کی طرح ہی چمکتا تھا۔ آپ کی رضا و رغبت کو چہرے ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ جب آپ خوش و خرم ہوتے تو چہرۂ پُرنور آئینے کی طرح چمکتا اور جب ناراض ہوتے تو رُخِ مصطفیٰ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ رضامندی کی حالت کا نقشہ آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں کھینچا ہے:

اَمِیْنٌ مُصْطَفٰی لِلْخَیْرِ یَدْعُوْا   کَضَوْءِ الْبَدْرِ زَایَلَهُ الظَّلَامُ

''وہ امین، ساری مخلوق سے چنے ہوئے اور بھلائی کی جانب بلانے والے ہیں۔ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اندھیروں کو زائل کرنے والے تھے''۔

لوگ جب اِس شعر کو سنتے تو یہی کہتے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی ایسے ہی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اکثر اوقات زہیر بن ابی سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر وردِ زبان رکھتے:

لَوْ کُنْتَ مِنْ شَیْءٍ سِوٰی بَشَرٍ   کُنْتَ الْمُنَوَّرُ لَیْلَةَ الْبَدْرِ

''اگر آپ بشر کے سوا کوئی اور چیز ہوتے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح منوّر ہوتے''۔

جو شخص بھی اِسے سنتا تو کہتا کہ واقعی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی تھے۔ جب آپ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے گریہ وزاری کرتے ہوئے کہا:

اَعَیْنِیْ جَوْدَیْ بِالدُّمُوْعِ السَّوَاجِمِ   عَلَی الْمُصْطَفٰی کَالْبَدْرِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٖ

1۔ اسی لیے مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

گو ترقی پہ جمالِ مہِ کامل ہووے   منہ تو دیکھوں کہ ترے منہ کے مقابل ہووے

عَلَی الْمُصْطَفٰی لِلْبِرِّ وَالْعَدْلِ وَالتُّقٰی   وَلِلدِّیْنِ وَالدُّنْیَا مُقِیْمُ الْمَعَالِمِ
عَلَی الصَّادِقِ الْمَیْمُوْنِ ذِی الْحِلْمِ وَالنُّھٰی   وَذِی الْفَضْلِ وَالدَّاعِیْ لِخَیْرِ التَّرَاحِمِ

''اے میری دونوں آنکھو! مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فراق میں بہنے والے آنسوؤں کے ساتھ میری مدد کرو کیونکہ وہ قبیلۂ ہاشم کے چاند تھے۔

☆ اُس مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو بھلائی، انصاف اور پرہیز گاری کی حدود کو دین اور دنیا کے لیے قائم کرنے والے تھے۔

☆ اُس صادق اور بابرکت پر جو تحمل والا، عقلمند، صاحبِ فضل وکرم اور بہتر ہمدردی کی طرف بلانے والا ہے''۔

آپ کی پھوپھی نے بدر کے ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کو تشبیہ دی اور اُسی طرح آپ کی تعریف و توصیف کی جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے لوگوں کے دلوں میں اپنے حبیب ﷺ کی محبت رکھی ہوئی ہے حالانکہ وہ اپنی قوم کے دین پر تھیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیشانی مبارک روشن تھی اور رات کے اندھیرے میں جب وہ بالوں کے اندر سے دکھائی دیتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے سورج ہے جس سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ رخسار مبارک صاف تھے، جن پر گوشت کم یا زیادہ نہ تھا۔ چہرۂ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ بالکل گول۔ رِیش مبارک بھاری تھی۔ ٹھوڑی کے بال اُبھرے ہوئے تھے، گویا اُس کے اردگرد دونوں جانب موتیوں کی سفیدی تھی۔ گردن مبارک سب لوگوں سے خوبصورت تھی جو بالکل مناسب تھی اسے نہ لمبی کہا جاسکتا نہ کوتاہ۔ گردن کا ظاہری حصہ یوں محسوس ہوتا کہ چاندی ہے جس میں سونے کی ملاوٹ ہو۔ اُس میں چاندی سونے جیسی دمک تھی کیونکہ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی اپنی نیرنگیاں دکھاتی تھی جبکہ گردن مبارک کا ملبوس حصہ چاند کے مانند تھا۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کا سینۂ بے کینہ جو علوم و معارفِ الٰہیہ کا گنجینہ تھا۔ وہ کشادہ تھا۔ گلے کے نیچے سے ناف تک بالوں کی دھاری تھی۔ جو ناف کو گلے سے ملاتی تھی۔ اِن کے علاوہ آپ کے سینۂ اقدس یا شکم مبارک پر اور کسی جگہ بال نہیں تھے۔ آپ کی ہتھیلیاں کشادہ اور انگشت ہائے مبارک لمبی تھیں، گویا وہ چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ ہتھیلیاں ریشم سے زیادہ نرم اور ملائم تھیں، جن کی مہک کو دیکھ کر یہی گمان گزرتا تھا کہ شاید کسی عطار کی ہتھیلیاں ہیں آپ خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے، ہر حالت میں یہ اِسی طرح عطر بیزی اور عطر ریزی کا کام کرتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی شخص مصافحہ کرتا تو اُس کے ہاتھ بھی

خوشبودار ہو جاتے۔اگر آپ کسی بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو کے باعث دوسرے بچوں سے پہچانا جاتا۔

ازار سے نیچے آپ کی رانیں اور پنڈلیاں مبارک بھی خوبصورت اور معتدل تھیں۔آپ آگے کی جانب ذرا سا جھک کر چلا کرتے تھے، جیسے اُونچی جگہ سے نشیبی جگہ کی جانب اُترنے کی حالت ہوا کرتی ہے۔آرام سے چلتے اور اُس میں متکبرانہ انداز کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔چلتے وقت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اور آرام سے اٹھاتے۔جب کسی نیک کام کے لیے جانا ہوتا تو جلدی فرماتے اور سب لوگوں سے آگے چلتے اور جن مواقع پر ایسی کوئی جلدی نہ ہوتی تو لوگوں کے پیچھے چلتے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ باقی لوگوں سے مجھے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ مناسبت ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خلق اور پیدائش میں میرے مشابہ تھے یہ اُس حصے کی نقل ہے جس کا میں نے حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف دلائل النبوۃ سے انتخاب کیا تھا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

امام کبیر وصدر مشاہیر قاضی ابوالحسن ماوردی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرموداتِ گرامی

B

اخلاق وفضائل

قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) نے اپنی تصنیف لطیف اعلام النبوۃ کے بیسویں باب کو سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقی شرف اور فضائلِ کمالیہ کے بیان کی خاطر وضع فرمایا ہے کیونکہ اخلاق کے لحاظ سے آپ سب سے شرف والے ہیں اور آپ کے افعال سب سے حسین و جمیل ہیں۔ بلحاظ اعلیٰ مراتب اور افضل اعمال کے اِس کائنات کے گوہرِ یک دانہ آپ ہیں، کیونکہ اصول وقوانین ہمیشہ اپنی مناسبت کی جانب رجوع ہوتے اور مخالف سمت سے نفرت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اِس دنیا میں نبوّت سے اُوپر اور کوئی منصب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان نبوت ہی سفارتی تعلقات کا ذریعہ ہے۔

تُبْعَثُ عَلٰی مَصَالِحِ الْخَلْقِ وَطَاعَةِ الْخَالِقِ فَكَانَ اَفْضَلُ الْخَلْقِ بِهَا اَخَصَّ۔ (ص ۹۳)

''مخلوق کی بھلائی اور خالق کی اطاعت کیلئے نبی کو مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ پس جو ساری مخلوق سے افضل ہو وہی اس کے لیے مختص کیا جاتا تھا''۔

نبی اپنے معاصرین سے اعلیٰ اور کامل اوصاف کے لائق ہوگا اور اِس کا ثبوت پیش کر سکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو فضیلت میں کسی طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پلّہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص ہی تھا جو اخلاقی وتخلیقی صفات میں یا اقوال وافعال کے کمالات میں آپ سے نزدیک ہو۔ اِسی لیے تو اللہ رَبّ العزت نے اپنی کتاب میں آپ کی یوں توصیف فرمائی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ (القلم)

''اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے''۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کے فضائل تو نبوت کی دلیل نہیں ہو سکتے کیونکہ سنا نہیں گیا کہ کسی نبی نے اپنی اُمت کے سامنے اِنہیں نبوّت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہو اور نہ اپنی رسالت کی مقبولیت میں اِن پر اعتماد کیا ہے کیونکہ اِن میں کبھی غیر نبی بھی شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن نبی جب خرقِ عادت امر (معجزہ) ظاہر کرے پھر اُن سے ممتاز شخصیت ثابت ہوتا ہے۔ اِس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ ہی دلیلِ نبوت ہے نہ کہ دیگر فضائل واوصاف۔

اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فضیلت نبوت کی متاع اور نشانیوں سے ہے اگرچہ اُس کے معجزات میں شمار نہیں، حالانکہ فضیلت میں کمال درجے کو پہنچنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہے اور مرتبہ کمال تک پہنچنا بھی معجزے کی مانند ہے۔ دوسرے انداز سے دیکھیے تو جھوٹ سے بچنا کمال فضیلت ہے اور جو شخص دعوٰیِ نبوت ہی میں جھوٹا ہو وہاں فضیلت کیسی اور کمال کہاں؟ لہٰذا کمال فضل صدق کا موجب ہوا اور صدق کلام کی مقبولیت کا باعث اور موجب ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ انبیاء و مرسلین کے لیے فضیلت میں کمال رکھنا، اُن کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو چکا تو جان لینا چاہیے کہ کمالاتِ بشریہ کے معتبر ہونے کی چار وجوہات ہیں، یعنی:

۱۔ کمالِ پیدائش　　　۲۔ کمالِ اخلاق

۳۔ کلام کے فضائل　　　۴۔ اعمال کے فضائل

پہلی وجہ

اعتدالِ صورت کے بعد آپ کے اخلاقِ عالیہ کا کمال درجہ چار اوصاف کے لحاظ سے ہے:

اوّل

وقار و طمانیت، جو ہیبت اور تعظیم کا سبب بنتی اور تقدیم و تسلیم کی جانب بلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی بڑی ہیبت تھی، یہاں تک کہ کسریٰ کے قاصد جب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، حالانکہ ایران کے بادشاہوں کی سطوت و دبدبہ اور ظلم و تشدّد کے باوجود اُن سے اِتنے خائف نہ تھے لیکن آپ ﷺ کی ہیبت اُن کے دلوں اور دماغوں پر مسلّط ہو جاتی اور اُن کی نگاہوں میں آپ کی عظمت سما جاتی تھی، حالانکہ آپ نے کبھی شاہانہ عظمت دکھانے کا تکلّف نہیں فرمایا تھا اور نہ کبھی اِس انداز سے فخر کیا جس سے سطوت و دبدبے کی نمائش مترشح ہوتی کیونکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ تو تواضع کی صفت سے مُتصِف اور اِس وصف میں شہرۂ آفاق تھے۔

دوم

خندہ پیشانی، جو اخلاص کی مُوجب اور مودّت و خلوص کا باعث ہے۔ رسولِ خدا ﷺ لوگوں میں محبوب تھے کیونکہ خندہ پیشانی کے سبب دلوں میں آپ کی محبت مستحکم ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ بارگاہِ رسالت میں اکثر حاضر رہنے والے حضرات بھی کبھی ناراض نہ ہو سکے اور جو آپ کے قریب تھا وہ کبھی دور نہ ہوا۔ فخرِ دو عالم ﷺ کو اپنے اصحاب اُسی طرح محبوب تھے جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹے عزیز ہوتے ہیں یا ایک پیاسے کو جس طرح ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے، اِن سے بدرجہا محبوب تھے۔

سوم

حسنِ قبول، جو دلوں کو آپ کی جانب مائل کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ آپ کی اطاعت گزاری میں تیزی دکھاتے اور موافقت پر تلے رہتے تھے۔ آپ اُن میں اس درجہ مقبول تھے کہ دِلوں کو جیت رکھا تھا۔ اِسی لیے قلوب میں آپ کی مصاحبت اور محبت کے جذبات مضبوط و مستحکم ہو گئے تھے، یہاں تک مخالف بھی آپ سے بھاگتا نہ تھا اور نہ دور ہونے والا آپ سے متوحش ہوتا، ہاں جو بدبختی کے باعث حسد کی آگ میں جلنا پسند کرتا یا محرومی کی بدولت آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہتا، اُس کا معاملہ ہی اور ہے۔

چہارم

آپ کی اطاعت گزاری کی جانب دلوں کا مَیلان اور لوگوں کا آپ کی موافقت کے لیے ایسا اطاعت شعار بن جانا کہ خواہ وہ ظلم و ستم کی چکّی میں خوب پیسے جاتے لیکن اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ خلوصِ دل سے حلقہ بگوش ہونے والا کوئی آپ سے جدا نہ ہوا اور خواص میں سے کسی نے دوری گوارا نہ کی۔ یہ چاروں اوصاف سعادت کی طرف بلانے والے اور قوانینِ رسالت ہیں۔ یہ اوصاف نبیِ آخر الزماں ﷺ میں مکمل طور پر پائے جاتے تھے اور آپ اُن اخلاق و صفات میں بھی کامل تھے جو اِن کے موازی شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مقتضٰی کے آپ پوری طرح مستحق تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ آپ کے اخلاقی کمال سے متعلق ہے اور یہ چھ اوصاف و خصائل پر مشتمل ہے:

پہلی خصلت

یہ عقلِ مصطفٰی کے بارے میں ہے کہ آپ کا ذہنی رجحان اور خیالات صحیح اور فراست مبنی بر صداقت تھی۔ فہم و فراست کے وفور و کمال پر آپ کی اصابت رائے، حسنِ تدبیر اور احسن تالیف دلالت کرتی ہیں۔ آپ نے تدبیر میں کبھی غفلت اور سختی میں عجز کو قطعاً اختیار نہیں فرمایا بلکہ شروع ہی میں انجام تک غور فرما لیتے اور اُن کے عیوب و نقائص کو معلوم کر کے مشکلات پر قابو پانے کی تدابیر اختیار کرتے اور اُنہیں حل کر کے چھوڑتے۔ یہ بات فہم کی درستی اور یقین کی پختگی کے بغیر کہاں حاصل ہوتی ہے؟

دوسری خصلت

دشوار امور اور نامساعد حالات میں ثابت قدم رہنا اور یہی مطلوبِ کمال ہے۔ جنگوں اور تکالیف شدیدہ کے مواقع پر صبر و سکون کا پایا جانا انتہائی حیران کن ہے لیکن قربان جائیں حبیبِ پروردگار (جل

جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے حوصلے پر کہ بادِمخالف کی ایسی تندی و تیزی کے وقت بھی آپ کو مطمئن ہی دیکھا گیا۔ کسی بڑی سے بڑی تکلیف نے آپ کے اوسان خطا نہ کیے اور کسی مصیبت سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اگر ایک جانب سے مصائب وآلام کے بادل گھر کر آتے تھے تو اِدھر آپ کو اِتنی قدرت حاصل تھی کہ خندہ پیشانی کے ساتھ تمام مصائب کو چھانٹ کر رکھ دیتے تھے۔ قریشِ مکہ نے آپ کو ایسے ایسے شدائد و تکالیف میں مبتلا کیا جو پیشانیوں کو سفید کر دینے والی اور قلعوں کو ڈھانے والی تھیں لیکن آپ عددی ضعف کے باعث صبر کرتے اور سب کچھ اِس طرح برداشت کرتے رہے جیسے غالب آنے والا مطمئن رہتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور اُنہوں نے حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا لیکن نہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کی تو اُس کی پاداش میں مجھے اِتنی تکالیف پہنچائی گئیں جتنی کسی دوسرے کو نہیں پہنچائی گئیں۔ ایسے بھی وقت آئے کہ ایک مرتبہ تین شب وروز گزر گئے لیکن ہمارے پاس صرف وہی طعام تھا، جو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغل کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر والوں نے کبھی سیر ہو کر متواتر دو دن جَو کی روٹیاں بھی نہیں کھائی تھیں اور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پردہ فرمانے تک اُن کی یہی حالت رہی۔ جائے غور ہے کہ جو ہستی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے عوض اِتنی تکالیف اٹھائے اور صبر کرے، اُس پر کسی دنیاوی منفعت چاہنے کا تصور کرنا بھی حماقت ہے یا نہیں؟

تیسری خصلت

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زہد یعنی دنیا سے اعراض کرنا اور معمولی سی چیز پر قناعت کرنا ہے۔ آپ نے دنیاوی عیش وعشرت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا اور نہ اُس کی رنگا رنگی کو ترک کرنے کا کبھی افسوس ہی فرمایا۔ حضرت سفیان ثوری نے حبیب بن ابی ثابت سے اور اُنہوں نے خثیمہ بن عبدالرحمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ اس قدر دنیا کے خزانے چاہیں جو نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئے ہوں اور نہ آپ کے بعد کسی دوسرے کو دیئے جائیں اور آپ کے ثوابِ آخرت میں بھی کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو، تو آپ کی خواہش پوری کر دی جائے گی۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ وہ خزانے بھی میری آخرت ہی کے لیے ذخیرہ کر دیئے جائیں۔ اِس پر یہ آیۂ

مبارکہ نازل ہوئی:

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ (فرقان)

''بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لیے بہت بہتر اِس سے کر دے، جنتیں جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لیے اونچے اونچے محل''۔

ہلال بن خباب نے عکرمہ سے اُنہوں نے عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت کونین کے تاجدار، حبیبِ پروردگار (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم) چٹائی پر تشریف فرما تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑے ہوئے تھے (1)۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقائے کائنات کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اُٹھے اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اگر آپ نرم بستر استعمال فرمالیا کریں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کونین کے تاجدار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرا دنیا سے کیا تعلق؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری مثال جنگل میں سفر کرنے والے اُس مسافر سوار جیسی ہے جو گرمیوں میں دوپہر کے وقت کسی درخت کے سائے میں آرام کرنے لگے اور دِن ڈھلتے ہی اُسے چھوڑ کر چل دے۔

حضرت حمید بن بلال بن ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمارے سامنے ایک موٹا کمبل اور ایک موٹی سی چادر نکالی اور فرمایا: اِن دونوں کپڑوں میں رسول اللہ ﷺ نے وصال فرمایا تھا حالانکہ اُس وقت حالت یہ تھی کہ حجاز مقدس کے آخری کنارے سے عراق کی آخری حد تک اور یمن کی پرے والی سرحد سے عمان کے سمندر تک کے آپ مالک و مختار تھے، لیکن آپ دنیا کمانے اور ذخیرہ کرنے میں سب سے بڑے زاہد اور دنیوی منفعت حاصل کرنے میں تمام انسانوں سے زیادہ اعراض فرمانے والے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے نہ پیچھے مال چھوڑا نہ قرضہ، نہ نہر کھدوائی نہ مکان بنوایا اور نہ اپنے بیوی بچوں کو کسی قسم کے دنیاوی مال و متاع کا وارث قرار دیا۔ اِس سے یہی مقصود تھا کہ جس طرح آپ نے زُہد کو اختیار فرمایا اور دنیا کی جانب رغبت کرنے سے اپنی ذات کو روکے رکھا، اِسی طرح اہلِ بیتِ اطہار بھی منزلِ دنیا میں صرف آپ ہی کے نقوشِ قدم پر گامزن رہیں اور دنیا سے حتی الامکان کنارہ کشی فرمائیں۔

1۔ مولانا اختر الحامدی مدظلہٗ نے یہ نقشہ یوں پیش کیا ہے:

بستر چٹائی، دوش پہ کمبل، غذا کھجور   اے تاجدار! یہ تری شانِ گدا پسند

ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے والد محترم کی وراثت کا مطالبہ کیا تو اُنہوں نے ایسا مطالبہ کرنے سے منع کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: اچھا آپ کا وارث کون ہوگا؟ جواب دیا: میری اولاد اور بیوی۔ اِس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ یہ معاملہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کیوں اُن کی وارث نہیں ہوسکتی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پس جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفالت فرماتے تھے اُن کی کفالت اب میرے ذمے ہے۔ جس پر ہمارے آقا خرچ کرتے تھے اُن پر اب میں خرچ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں زُہد اختیار کرنے اور اُس کی زیب و زینت سے اعراض کرنے کی جانب رغبت دلائی ہے تاکہ لوگ دنیا کے نقصانات سے محفوظ رہیں اور اِسی لیے دنیوی خواہشات سے روکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زُہد کی فضیلت میں اور خلفائے راشدین کی اقتدا کرنے کے متعلق حدیث بیان کرکے مذکورہ بالا وضاحت فرمائی تھی۔

چوتھی خصلت

لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع کے ساتھ پیش آنا حالانکہ وہ آپ کے مطیع تھے اور اُن سے مشفقانہ سلوک کرنا حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ آپ بازار میں تشریف لے جاتے تو مٹی پر بھی بیٹھ جاتے۔ اپنے اصحاب اور اہلِ مجلس سے گھل مل کر رہتے۔ حیاء کے سبب نظریں نیچی رکھنے کے باعث پہچانے جاتے تھے۔ تواضع کے سبب ممتاز اور عاجزی کے باعث باوقار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی دیہاتی آتا تو مارے خوف اور ہیبت کے کانپنے لگتا۔ آپ فرماتے: اطمینان رکھو، میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یہ تھا آپ کا شرف والا اخلاق اور یہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین عادتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت میں داخل تھیں۔ سیرتِ مصطفیٰ میں یہ باتیں نادر نہ تھیں کہ اِنہیں شمار کیا جائے اور اِتنی کم نہ تھیں جن کا احاطہ کیا جاسکے۔

پانچویں خصلت

مشتعل کردینے والے اُمور کے مواقع پر بُردباری اور وقار سے کام لینا۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبراہٹ کے وقت ہر عقلمند سے بڑھ کر ثابت قدم اور جھگڑوں کے مواقع پر ہر عقلِ سلیم رکھنے والے سے زیادہ راہِ راست پر رہتے۔ بدووں والی سنگدلی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر نام و نشان بھی

نہیں تھا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا کہ جلد بازی آپ کے قریب بھی پھٹکنے پائی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی حلیم ایسا نہیں جو پھسلا نہ ہو اور کوئی باوقار ایسا نہیں جس سے لغزش صادر نہ ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواہشات کی حرکت اور خفّت والی لغزش سے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے محفوظ فرمایا تھا تاکہ اپنی اُمت پر رحیم اور مخلوق پر مہربان رہیں۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ گرائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظالم کے مقابلے میں صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُن کی ذات سے اعراض فرماتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نازیبا سلوک صرف بے وقوف اور کمینے لوگ ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ جو بڑے عقلمند شمار ہوتے تھے اُنہوں نے بھی ذلیل انسانوں کی طرح آپ کی ذات پر حملے کیے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادتی کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سے ملنے کی کوشش کرتے اور درگزر فرماتے رہتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخالفوں پر غالب آئے تو اُنہیں معاف فرمادیا اور قدرت پانے پر اُنہیں بخش دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کرلیا تو کامیابی حاصل کرلینے باوجود دشمنوں کو معاف فرمادیا۔ وہ سارے کے سارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کھڑے تھے۔ پوچھا: تم مجھ سے کیسے سلوک کا گمان رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ آپ احسان فرمانے والے باپ کے احسان فرمانے والے بیٹے ہیں، ہمارا گمان تو یہی ہے کہ آپ ہمیں معاف فرمادیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقام لیں تو ایسا کرنا زیادتی نہیں کیونکہ خطاکار ہونے کے سبب ہم اِسی لائق ہیں۔ یہ سن کر اُس رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

”آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے“۔ (یوسف)

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے پروردگارِ عالم! اِس سے پہلے تو نے قریش پر عذاب بھیجا تھا، اب اِنہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرما۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہند بنت عتبہ حاضر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے افعال سے درگزر کرتے ہوئے بیعت فرمالیا، حالانکہ اُس نے آپ کے عمِ محترم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکم مبارک چیر کر آپ کا کلیجہ نکالا اور چبایا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ کو کھڑا کرکے ایک ہی دن میں سات سو افراد کی گردنیں کٹوا دی تھیں، وہاں عفوودرگزر سے کام کیوں نہ لیا؟ وہاں آپ نے اُس شخص کی طرح انتقام لیا جس کے نزدیک سے بھی مہربانی کا گزر نہ ہوا ہو اور آپ کا دل اُن پر ذرا نہ پسیجا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ساتھ یہ سلوک حقوق اللہ کے سلسلے میں کیا تھا نیز بنی قریظہ خود ہی حضرت

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحکیم (ثالثی) پر رضامند ہوئے تھے اور یہ فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے سنایا تھا کہ بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کر دیا جائے اور نابالغوں کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا تھا کہ اللہ رب العزت کا آسمانی فیصلہ بھی یہی ہے۔ پس جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ کے لیے اُسے تبدیل کرنا کب جائز تھا؟ رسول اللہ ﷺ کا درگزر کرنا صرف اُن امور سے متعلق تھا جن کا تعلق صرف آپ کی ذات سے ہوتا تھا۔

چھٹی خصلت

آپ ﷺ عہد کی حفاظت اور وعدے کا ایفاء فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے عہد کا پاس لحاظ کرنے والے کے ساتھ کبھی عہد نہیں توڑا اور نہ کبھی وعدے کا خلاف کیا کیونکہ وعدہ خلافی کرنا آپ کے نزدیک ایک بہت بڑا گناہ تھا اور وعدے کی خلاف ورزی کو بری عادتوں میں شمار فرماتے تھے۔ عہد کی حفاظت اور وعدے کو وفا کرنے کے معاملے میں آپ پختگی کا التزام فرماتے اور عہد کو قائم رکھنے کی خاطر سخت مشکلات کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم فرمالیا کرتے تھے اور اِس طرح ہر صورت میں وعدے پر قائم رہتے تھے۔ ہاں جب معاہدہ کرنے والا دوسرا فریق ہی عہد توڑنے لگتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے بہتر راستہ نکال دیا کرتا تھا جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں نے کیا اور جس کا مظاہرہ صلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ نے کیا، تو پروردگارِ عالم نے اُن کی عہد شکنی کے باوجود اپنے حبیب ﷺ کے لیے بہتری کا پہلو نکال دیا۔ یہ چھ خصائل ہیں جو آپ کے اخلاقِ عالیہ میں کامل طور پر موجود تھے اور جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر آپ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔

تیسری وجہ

یہ وجہ رسول اللہ ﷺ کے فضائلِ اقوال میں ہے۔ یہ آٹھ خصلتوں کے باعث معتبر ہے، جو یہ ہیں:

خصلتِ اوّل

آپ کو حکمتِ بالغہ اور بڑے بڑے علوم مرحمت فرمائے گئے حالانکہ آپ ﷺ اِس اُمّت کے اُمّی نبی ہیں کیونکہ نہ کسی سے کوئی کتاب پڑھی نہ کوئی علم ہی کسی سے سیکھا اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمّذ ہی طے کرنے کی نوبت آئی، اِس کے باوجود آپ ﷺ سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس سے عقلیں حیران اور انسانی فہم و ذکاء کو اپنی نارسائی کا یقین ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے اقوال و افعال میں کبھی لغزش صادر نہیں ہوئی۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے اپنی شریعتِ مطہرہ کا دارومدار چار احادیث پر رکھا، جن سے مقصد حاصل اور اجتہاد کی جڑیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى۔(ص ۹۷)

"بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا"۔

اسی سلسلے کی دوسری حدیث یہ ہے:

اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ وَمَنْ يَحُمُ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ۔(ص ۹۷)

"حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے لیکن اِن کے درمیان بعض امور مشتبہ ہیں۔ جو شخص چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، خطرہ ہے کہ ایک روز وہ اُس میں داخل ہو جائے"۔

فخرِ دوعالم ﷺ کا اِس بارے میں تیسرا فرمان یہ ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔(ص ۹۷)

"انسان کا اچھا اسلام اِس بات سے ظاہر ہوتا ہے جب وہ غیر مقصود کو ترک کر دے"۔

سرورِ کون ومکاں ﷺ کا چوتھا بنیادی ارشادِ گرامی یہ ہے:

دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ۔(ص ۹۷)

"جو بات شک وشبہ میں ڈالے اُسے چھوڑ دو اور اُسے اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو"۔

سرورِ عالم ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے حکمائے فلاسفہ نے کچھ اصول وضع کیے تھے اور لوگوں کو اُن پر عمل کرنے کے لیے اُبھارتے تھے لیکن وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ دُنیا والوں کی اصلاح دین کے بغیر ممکن نہیں۔ اصلاح کا صرف یہی طریقہ ہے کہ لوگ سچے دین کے تابع ہو کر اُس کے مطابق عمل کریں کیونکہ فلاسفہ کا نہ تو صحیح معنوں میں اثر ہوا اور نہ اُن کی خبریں واضح اور اطمینان بخش تھیں حالانکہ لوگ اُنہیں حکمتوں کے سرچشمے اور قوموں میں ممتاز شمار کرتے تھے۔ ایسی فطرت رسول اللہ ﷺ میں پائی گئی، جو جوہر کی صفائی اور سچا مخبر ہونے کے باعث ہے۔

خصلت دوم

سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خصلت دوم کے بارے میں قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

حِفْظُهٗ لِمَا اطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنْ قِصَصِ الْاَنْبِيَاءِ مَعَ الْاُمَمِ هُوَ اِخْبَارُ

اَلْعَالَمِ فِی الزَّمَنِ الْاَقْدَمِ حَتّٰی لَمْ یَعْزِبْ عَنْهُ مِنْهَا صَغِیْرٌ وَّلَا کَبِیْرٌ وَلَا شَذَّ عَنْهُ مِنْهَا قَلِیْلٌ وَّلَا کَثِیْرٌ وَهُوَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَضْبِطُهَا بِکِتَابٍ یَّدْرُسُهٗ وَلَا یَحْفَظُهَا بِعَیْنٍ تَحْرُسُهٗ وَمَا ذَاکَ اِلَّا مِنْ ذِهْنٍ صَحِیْحٍ وَصَدْرٍ فَسِیْحٍ وَقَلْبٍ شَرِیْحٍ وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ اٰلَةٌ مَا اسْتُوْدِعَ مِنَ الرِّسَالَةِ وَحُمِلَ مِنْ اَعْبَاءِ النُّبُوَّةِ فَجَدِیْرٌ اَنْ یَّکُوْنَ بِهَا مَبْعُوْثًا وَعَلَی الْقِیَامِ بِهَا مَحْثُوْثًا۔ (ص ۹۷)

’’آپ کا اُن سب باتوں کو یاد رکھنا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ انبیائے کرام کے اُن کی اُمتوں سمیت واقعات و حالات پر مطلع فرمایا جو پہلے زمانوں کے متعلق دنیا بھر کی خبریں ہیں، یہاں تک کہ آپ سے کوئی چھوٹی بڑی چیز پوشیدہ نہ رہی اور نہ کوئی قلیل یا کثیر چیز آپ سے دور رہی حالانکہ فخرِ دو عالم ﷺ نے اُن حالات کو کسی کتاب سے ذہن نشین نہیں کیا، جسے آپ پڑھتے ہوں اور نہ اُنہیں آنکھوں سے دیکھ کر صفحۂ یادداشت پر محفوظ کیا تھا۔ آپ کی علمی وسعت تو ذہن صحیح، سینہ وسیع اور قلب شریح کی بدولت ہے اور یہی تو وہ تینوں آلات ہیں جن کے سپرد رسالت کی جاتی ہے اور اِن کے ذریعے ہی نبوّت کا بارِ گراں اُٹھایا جاتا ہے۔ پس آپ ہی اس قابل تھے کہ اِن کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اِنہیں قائم رکھنے پر آپ کو اُبھارا گیا‘‘۔

خصلت سوم

آپ ﷺ کا شریعتِ مطہرہ کو ظاہر دلائل کے ساتھ مضبوط کرنا اور واضح عِلل کے ساتھ بیان فرمانا یہاں تک کہ کوئی ایسی بات نہ چھوڑنا جسے عقلِ انسانی معقول نہ قرار دے اور نہ اُس میں کوئی ایسی چیز داخل کی جائے جسے عقل ردّ کرتی ہو۔ اسی لیے فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جوامع الکلم یعنی حکمت آمیز جامع کلمات دیا گیا ہوں اور حکمت میرے لیے مختص فرما دی گئی ہے۔ اسی لیے تو رسول اکرم ﷺ چند لفظوں کے ساتھ کثیر حقائق سے مطلع فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کلام کو طول دینے سے احتراز فرماتے۔ کوئی مجہول امر آپ ﷺ نے ایسا نہیں چھوڑا جسے واضح نہ کر دیا ہو۔ ایسا کرنا آپ کے لیے بایں وجہ آسان تھا کہ اِس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی تھی اور اِسی راستے پر آپ کو چلایا گیا تھا۔

خصلت چہارم

رسول اللہ ﷺ نے اچھے اخلاق کا حکم دیا اور مستحسن آداب کی جانب لوگوں کو بلایا ہے۔ صلہ رحمی

پر اُبھارا، ضعیفوں اور یتیموں پر مہربانی کرنے کا حکم دیا، ایک دوسرے سے حسد کرنے اور بُغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کر لینے اور دور ہو جانے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے تعلق منقطع نہ کرو، نہ کسی سے منہ پھیرو، نہ کسی سے بُغض وعداوت رکھو، اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ تا کہ اِس طرح تمہاری فضیلت کے آسمان میں چار چاند لگ جائیں اور آپس میں اچھے اخلاق کی خوب نشر واشاعت ہو جائے اور مستحسن آداب کثرت سے ظاہر ہونے لگیں اور تمہارے اندر بھلائی کی جانب دوڑنے والی سپرٹ پیدا ہو جائے اور تمہارا ضمیر تمہیں برے کاموں سے بالکل منع کرنے لگے اور تم پر اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی پوری طرح صادق آتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

''تم بہتر ہو اُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو''۔

پس اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور جن کاموں سے منع فرمایا گیا تھا اُن سے بچے۔ ایسے لوگوں کی اُن کے افعال وکردار کے باعث دین ودنیا کی بہتری کمال کو پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ اَیسوں کے ذریعے کمزوری کے بعد اسلام پھر غالب آ جاتا ہے اور شرک اپنے غلبے کے بعد پھر ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے نیکوکار درجۂ امامت پر فائز ہوتے ہیں اور وہ بہترین قائد ہوتے ہیں۔

خصلت پنجم

اگر آپ ﷺ سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب واضح اور اطمینان بخش ہوتا۔ جب کوئی آپ سے جھگڑتا تو حُججِ قاہرہ اور دلائلِ باہرہ سے آپ مخالف پر غالب آتے۔ عجز کبھی آپ کے راستے میں حائل نہ ہوتا اور کوئی آپ کے دعوے کو رد کرنے پر قادر نہ ہوتا اور کوئی مدِّ مقابل بننے والا آپ سے معارضہ نہ کر سکا کیونکہ دلائل وبراہین کے ساتھ غالب آپ ہی رہتے اور مخالف بغلیں جھانکتے رہ جاتے۔

اُبی بن جمحی قبرستان سے ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ ہڈی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اُسے اپنے ہاتھ سے مسل کر راکھ کی طرح باریک کر کے کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کا یہ گمان ہے کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر اِس طرح بوسیدہ ہو جائیں گے اِس کے باوجود پھر زندہ کیے جائیں گے۔ آپ کا یہ دعویٰ بڑا ہی حیران کن ہے حالانکہ ایسی بات کسی

اور شخص سے ہم نے قطعاً نہیں سنی۔ بھلا بوسیدہ ہونے کے بعد یہ ہڈیاں کس طرح زندہ ہوسکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو برہانِ نبوت کے ساتھ جواب سکھایا اور آپ کو یوں جواب دینے کا حکم ملا:

قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾ (یٰسین)

"تم فرماؤ، اُنہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُنہیں بنایا اور اُسے ہر پیدائش کا علم ہے"۔

وہ مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا کیونکہ اس دعوے کو ردّ کرنے والی اُسے کوئی دلیل نہیں سُوجھتی تھی۔ اِسی طرح جب ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مرض متعدی نہیں ہوتا اور بدفالی کوئی چیز نہیں۔ ایک شخص کہنے لگا: ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ایک اُونٹ کے ہونٹ پر معمولی سی خارش ہو جائے تو یہ بیماری سارے اونٹوں میں پھیل جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے جواباً فرمایا: اچھا پہلے اونٹ کو کس نے بیمار کیا تھا؟ سائل خاموش ہو گیا۔

خصلت ششم

کلام میں تضاد اور خبر میں استرسال سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان حق ترجمان کو محفوظ رکھا کیونکہ استرسال جھوٹ کے نزدیک اور سچائی سے دور ہوتا ہے۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو بچپن ہی سے صدق میں مشہور تھے یہاں تک کہ صادق اور امین جیسے القاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے قریش کا آپ کے سچّے ہونے پر پورا یقین تھا، لیکن جب آپ نے اُنہیں اسلام کی دعوت دی تو تکذیب کرنے لگے۔ بعض حسد کے باعث اور بعض نے معاندانہ رویّے کے ساتھ تکذیب کی اور کئی ایک نے تو آپ کے نبی اور رسول ہونے کو بعید جان کر تکذیب کا ارتکاب کیا۔ اِن حالات میں اگر اُن لوگوں کے دائرۂ معلومات میں آپ کا کوئی معمولی سا جھوٹ بھی ہوتا تو اُسے تکذیبِ رسالت کی دلیل ضرور بناتے۔ لیکن جس نے اوائل عمر ہی میں صدق کو اپنے لیے ضروری ٹھہرا لیا ہو۔ یقیناً بڑی عمر میں تو اُس نے خوب ہی پختگی حاصل کر لی ہوگی۔ علاوہ بریں قابلِ غور ہے کہ جو اپنے معاملات اور اُمّت کے بارے میں جھوٹ سے معصوم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کیوں نہ زیادہ معصوم ہوگا۔ یہ کُلیہ منکر و معاند کو دفع کرنے اور اُن کے ردّ میں کافی ہے۔

خصلت ہفتم

بوقتِ حاجت آپ کلام کا اِرادہ فرماتے اور اُس میں بھی بقدرِ کفایت پر اقتصار فرماتے۔ نہ زائد

گفتگو کرتے اور نہ بالکل خاموش رہتے، ہاں حاجت و کفایت کے مطابق گفتگو کرنے کے بعد خاموشی اختیار فرمالیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ کا کلام محفوظ رہا اور مختل نہ ہوا، دلکش ٹھہرا کیونکہ کمزوری سے مبرا تھا۔ سننے والے اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ دلوں اور دماغوں میں گھر کرتا چلا گیا، کیونکہ زیادہ باتیں کرنے والا لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور بیہودہ باتیں بنانے والا تنگ دل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس بہت زیادہ باتیں کر رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! تمہاری زبان کے سامنے کتنے پردے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہونٹ اور دانت۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام کی تیزی اور زیادتی کو ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت اس شخص کو خوشی و خرمی سے دوچار رکھتا ہے جو زبان کو تیزی سے روکے اور بقدرِ حاجت گفتگو پر اکتفا کرے۔

خصلت ہشتم

فخر دوعالم ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔ اپنے بیان کی خوب وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ کلام میں اختصار، الفاظ میں فصاحت و وضاحت اور مفہوم و معانی میں صحت ملحوظ ہوتی۔ آپ نے کبھی تکلّف نہیں فرمایا، اور نہ لگی لپٹی بات کی۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: زیادہ باتیں کرنے والے مجھے مبغوض ہیں۔ فرمایا: کلام میں تکلّف کرنے سے بچو۔ جب آپ ﷺ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ (النور:36)

''اُن گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اُن میں اُس کا نام لیا جاتا ہے''۔

تو آپ نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھ دی۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جس نے مسجدیں بنائیں وہ کامیاب ہوا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک کہتے ہو، اے ابن رواحہ! پھر عرض گزارے ہوئے وہ لوگ جو نمازیں پڑھیں کبھی قیام میں جا کر کبھی قعدے میں فرمایا۔ اے ابن رواحہ! ٹھیک کہتے ہو۔ پھر عرض کرنے لگے: میں رات نہیں گزارتا مگر سجدے کرتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ کیسی تک بندی ہے؟ ایسی باتوں سے خود کو روکو۔ زبان کی فراخی سے زیادہ بُری چیز انسان کو اور کوئی نہیں دی گئی۔

ایجاز میں رسول اللہ ﷺ کے کلام جیسا کسی کا کلام نہیں مثلاً:

۱۔اَلنَّاسُ بِزَمَانِهِمْ اَشْبَهُ ۔

''لوگ اپنے زمانے والوں کی طرح کے ہوتے ہیں''۔

۲۔مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهُ۔

''جس نے اپنی قدر پہچانی وہ ہلاک نہیں ہوتا''۔

۳۔لَوْ تَكَاشَفْتُمْ مَا تَدَافَنْتُمْ۔

''اگر قبروں کے حالات پر مطلع ہوجاؤ تو مُردے دفن کرنے چھوڑ دو گے''۔

۴۔اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ۔

''نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے''۔

۵۔اَلْعَاقِلُ اَلُوْفٌ مَأْلُوْفٌ۔

''عقلمند آدمی محبوب ہوتا ہے''۔

۶۔حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

''کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے''۔

۷۔اَلْعِدَةُ عَطِيَّةٌ۔

''تیاری عطیہ ہے''۔

۸۔اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ طَمَعٍ يُّهْدِيْ اِلٰى طَبْعٍ۔

''اے اللہ! میں طمع سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفس کی جانب لے جاتی ہے''۔

۹۔اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ۔

''بہترین صدقہ غریب کی کوشش ہے''۔

۱۰۔اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔

''اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے''۔

۱۱۔تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ۔

''برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے''۔

۱۲۔اَلْخَيْرُ كَثِيْرٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ۔

''بھلائی تو بہت ہے لیکن بھلا کرنے والے کم ہیں''۔

۱۳۔اَلنَّاسُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔

"لوگ سونے چاندی کی کانوں کے مانند ہیں"۔

۱۴۔نَزَلَتِ الْمَعُوْنَةُ عَلٰی قَدْرِ الْمُؤْنَةِ۔

"مشقت کے مطابق اعانت نازل ہوئی ہے"۔

۱۵۔اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاعِظًا مِّنْ نَفْسِہٖ۔

"جب کسی بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نفس کے لیے اُسے نصیحت کرنے والا بنا دیتا ہے"۔

۱۶۔أَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَاخَانَکَ۔

"جو تجھے امین بنائے اُس کی امانت ادا کر دے، جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر"۔

۱۷۔اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِیْمٌ۔

"مومن نیک اور کریم ہوتا ہے، فاجر دھوکہ باز اور لئیم ہوتا ہے"۔

۱۸۔اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَبَلَاؤُهٗ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ وَرِضَاؤُهٗ۔

"دنیا مومن کے لیے جیل خانہ اور مقامِ مصیبت ہے لیکن کافر کے لیے جنت اور پسندیدہ جگہ ہے"۔

اب سرورِکون ومکاں ﷺ کا ایسا کلام ملاحظہ فرمایا جائے جس کی فصاحت و بلاغت میں کلام نہیں۔

۱۹۔اِیَّاکُمْ وَالْمُشَارَةَ فَاِنَّھَا تُمِیْتُ الْعِزَّةَ وَتُحْیِیُ الْغُرَّةَ۔

"جھگڑے سے بچو کیونکہ یہ عزت کو تباہ کر دیتا ہے اور غفلت کو تازہ کرتا ہے"۔

۲۰۔لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَالَمْ تَرَ الْاَمَانَةَ مَغْنَمًا وَالصَّدَقَةَ مَغْرَمًا۔

"میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہے گا جب تک امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ کو تاوان نہ سمجھا جائے گا"۔

۲۱۔رَحِمَ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ خَیْرًا فَغَنِمَ اَوْسَکَتَ فَسَلِمَ۔

"اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اچھی بات کہنے کو غنیمت جانے یا خاموشی اختیار کر کے سلامت رہے"۔

۲۲۔اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَعَیْنٍ لَّا تَدْمَعُ ھَلْ یَتَوَقَّعُ اَحَدُکُمْ اِلَّا غِنًی مُطْغِیًا اَوْفَقْرًا

مَنْسِیًا اَوْمَرَضًا مُفْسِدًا اَوْھَرَمًا مفندا اَوِالدَّجَالَ فَھُوَ شَرٌّ غَائِبٌ یُنْتَظَرُ اَوِالسَّاعَۃُ فِی السَّاعَۃِ اَدْھٰی وَاَمَرُّ۔(ص۹۹)

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے دل سے جو (خدا سے) نہ ڈرے، ایسی آنکھ سے جو (تیرے خوف سے) آنسو نہ بہائے، کیا تم میں سے کوئی شخص امیری چاہتا ہے جو سرکشی پر اُبھارتی ہے یا ایسی فقیری جو (خدا کو) بھلانے والی ہے یا مرض جو (جسم کو) بیکار کرتا ہے یا بڑھاپا جو عقل کو کمزور کر دیتا ہے یا دجّال کو جو چھپا ہوا شر ہے۔ انتظار اُس کا اور قیامت کا ہے جو بہت سخت اور بڑی کڑوی ہے''۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین ہلاک کرنے والی۔ اُن میں سے نجات دینے والی یہ ہیں: (۱) ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (۲) امیری ہو یا غریبی، ہر حالت میں میانہ روی اختیار کرنا (۳) رضامندی ہو یا ناراضگی، ہر حالت میں انصاف کرنا----

ہلاک کرنے والی باتیں یہ ہیں: (۱) بخل کی اطاعت (۲) خواہش کی پیروی (۳) خود کو بڑا سمجھنا۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میری چھ باتوں کو قبول کر لو، میں تمہارے لیے جنّت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ چھ باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: (۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف نہ کرے (۳) جب امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے (۴) اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے (۵) شرمگاہ کی حفاظت کرے (۶) ہاتھوں کو روک کر رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بعض خطبوں میں فرمایا: خبردار رہو کہ زمانہ لپیٹا جا رہا ہے، عمریں فنا ہو رہی ہیں، رات اور دن ڈاکیے کی طرح دوڑ رہے ہیں جو ہر بعید کو قریب لا رہے ہیں اور ہر نئی چیز کو پرانی کر دیتے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! اس مرورِ زمانہ سے سبق حاصل کر کے خواہشاتِ نفسانی سے بچو اور اُن نیک کاموں کی جانب راغب ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے بعض صحابہ سے شرعی اِمور میں تساہل کا خطرہ نظر آیا تو اپنے ایک خطبے میں فرمایا: اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس دنیا میں موت صرف دوسروں کے لیے ہے اور حقوق کا ادا کرنا صرف غیروں پر واجب ہے اور جن مُردوں کو ہم دفن کر رہے ہیں وہ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے پاس لوٹ آئیں گے؟ جن عزیزوں کو ہم دفن کر چکے، اُن کا مال اس طرح کھا رہے ہیں گویا ہم

3

اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ آخر عبرت آموز واقعات اور نصیحت آمیز باتوں کو ہم کیوں بھول جاتے ہیں؟ آخرت کی خاطر تکلیف برداشت کرنے کے بجائے دنیاوی راحت و آرام کو کس لیے مطمع نظر بنالیا جاتا ہے۔ خوشخبری ہو اُس نیک بخت کو جسے فکرِ آخرت نے دُنیا سے غافل کر دیا اور اپنے عیبوں پر نظر رکھنے کے باعث اسے دوسروں کی برائیاں معلوم کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

فخرِ دوعالم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ میں فصاحت و بلاغت کے اِتنے محیّر العقول نمونے موجود ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اُن کی انتہاء کو پہنچا جاسکتا ہے۔ اُوپر جو کچھ بیان ہوا ہے یہ مُشتِ نمونہ از خروار ہے تاکہ ہر صاحبِ عقل و دانش پر یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام معجزہ نظام بلاغت کی ہر شرط کا جامع ہے اور فصاحت کے ہر طریقے کو واضح کرنے والا ہے۔ آپ کے کلام کو اگر دوسرے کے کلام میں ملا دیا جائے تو آپ کے ارشاداتِ عالیہ اپنے اسلوب و انداز کے باعث دوسرے کلام سے ممتاز نظر آئیں گے اور بنظرِ غائر دیکھنے سے دوسرے شخص کے کلام کی خامیاں ظاہر ہونے لگیں گی کیونکہ حق باطل میں اور جھوٹ سچ میں گھل مل نہیں سکتا۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کے بلیغ ارشاداتِ عالیہ کسی محنت یا تکلّف کے مرہونِ منت نہیں ہیں کیونکہ آپ کا خطباء، شعراء اور فصحاء سے اختلاط نہیں تھا، بلکہ یہ سارا کمال بھی آپ کی فطرتِ مقدسہ کا ایک حصہ تھا، جس تک کوئی انتہائی کمال کے باوجود بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کلام جب کمال کی اِس حد تک ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دوسروں کے کلام سے ممتاز ہے اور کسی کے لیے وہاں تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں ہے تو یہ بھی آپ کا معجزہ ہوا۔ اِس کا ہماری جانب سے یہی جواب ہے کہ واقعی آپ کا کلام ایسا ہی معجز نظام ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور دوسرا کوئی شخص آپ سے یقیناً معارضہ بھی نہیں کر سکتا، دریں حالات واقعی یہ معجزہ ہے اور معجزہ وہی ہوتا ہے جس کے مقابلے سے دوسرے عاجز ہوں۔

چوتھی وجہ

یہ وجہ نبی کریم ﷺ کے افعال کے فضائل میں ہے، جس کو آٹھ خصلتوں کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

پہلی خصلت

آپ کی بہترین سیرت، صحیح سیاست اور دین میں اعلیٰ انتظام، جس کا اجراء از سرِ نو ہوا، یہاں تک کہ خوب مستحکم ہو گیا اور بہترین طریقے پر وضع فرمایا جو اب تک جاری ہے۔ اِس دین کے باعث آپ

نے امت کو اُن کی مرغوب و محبوب چیزوں سے ہٹایا اور معروف سے اُنہیں غیر معروف کی جانب لے گئے تو لوگوں نے بخوشی اِس دین کو قبول کیا اور خوف و طمع کے باعث آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس قدر استحکام اور احسن انتظام اُسی صورت میں ممکن ہے کہ صائب اور پختہ رائے نیز روشن ارادہ ہو اور اِس کے ساتھ تائیدِ ربّانی حاصل ہو۔ دین کی جس بات کا آپ نے اعلان فرمایا اگر اس میں مامور ہیں تو یہی آپ کے لیے حُجتِ قاہرہ ہے، لیکن وہ بات اگر اپنے اجتہاد سے فرمائی، تب بھی یہ حقانیت کا واضح نشان ہے آپ کے بیان فرمودہ قواعد کی صحت ہمیشہ مسلّمہ رہے گی اور تمہارے یقین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سلف سے خلف تک سب اِنہیں تسلیم کرتے آئے ہیں، بلکہ اُن میں دین کی حلاوت بڑھتی اور اِس کی جدّت مضبوط تر ہوتی رہی ہے۔ وہ دین کو ابنائے زمانہ کے لیے ایک نظامِ حیات مانتے ہیں، جس کے حوادثات بدلتے اور مالوف مختلف ہوتے رہتے ہیں، جو اِس پر قائم رہنے والے کے لیے دلیل اور شک کرنے والے کے لیے واضح بیان ہے۔

دوسری خصلت

نبی کریم ﷺ نے تکبّر کرنے والوں اور خوف کھانے والوں کو اپنے پاس جمع ہونے کی جانب راغب کیا۔ یہ دونوں فریق آپ کی نصرت کے لیے اکٹھے ہو گئے اور آپ کے ساتھ خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں منہمک ہو گئے کہ دنیا اور آخرت میں دین ہی ان کا مطمع نظر ہو گیا۔ نعمت کے زائل ہونے اور آخرت میں عذاب کے خطرے سے وہ خوف کھاتے تھے، لیکن اطاعت و فرماں برداری میں طبائع مختلف ہیں، جو مذکورہ دونوں فریقوں کے ساتھ قائم ہیں۔ دین صرف ایک فریق کے ذریعے حسنِ انتظام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، کیونکہ دونوں فریق ہی اِس کے باقی و جاری رکھنے کے لیے ضروری ہیں اور دونوں کی بھلائی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

تیسری خصلت

فخرِ دو عالم ﷺ نے اسلام کو نصاریٰ کے غلو اور یہود کی غلطیوں سے پاک صاف اور مبرّا رکھا۔

چوتھی خصلت

سرورِ کون و مکاں ﷺ نے اپنے صحابہ کو دنیا کی طرف مائل نہیں ہونے دیا جیسے کہ یہودی دنیا داری میں ہی غرق ہو کر رہ گئے تھے اور نہ نصاریٰ کی طرح دنیا کو چھوڑ دینے ہی کا درس دیا، بلکہ اُنہیں راہِ اعتدال پر چلایا کہ دنیا سے بقدرِ ضرورت و کفایت حصہ ضرور لیں لیکن حاجت سے زیادہ حاصل کرنے کی جانب راغب نہ ہوں۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو دنیا کو آخرت

کے لیے اور آخرت کو دنیا کے لیے ترک نہ کرے۔ دونوں سے حصہ لو، اس میں بہتری ہے جبکہ صرف ایک کے اختیار کر لینے سے خلل واقع ہو جاتا ہے اور دونوں کا جمع کرنا راہِ اعتدال ہے۔

نبیِ آخرالزماں ﷺ نے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا بہتر سواری ہے۔ اِسے سواری بنا کر رکھو، یہ تمہیں اس طرح منزلِ آخرت تک بطریقِ احسن پہنچا دے گی۔ مومن دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لیے توشہ جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے اور طاعت گزاری میں چُستی اور پھرتی دکھاتا ہے۔ دنیا کا تارک محروم اور ضیاع کرنے والا ہے لیکن قابلِ رحم اور مستحقِ رعایت ہے۔ پہلی صورت میں وہ بوجھ اور دوسری میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بعض صحابۂ کرام نے ایک شخص کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب ہم سوار ہوئے اُس وقت سے اُترنے تک وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتا رہا اور جب ہم کسی جگہ قیام کرتے تو کوچ کرنے تک وہ نماز ہی میں مشغول رہتا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اُس کے گھوڑے کے لیے چارہ اور خود اس کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کون کرتا تھا؟ اُن اصحاب نے جواب دیا: ہم سب مل کر اُس کے یہ کام کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سب اُس سے بہتر ہو۔

پانچویں خصلت

سرورِ کون ومکاں ﷺ کا علومِ دینیہ اور احکامِ نازلہ کا اہتمام فرمانا، یہاں تک کہ اُمت کے لیے احکامِ تکلیفیہ کو بالکل واضح کر دینا۔ مباحات ومحذورات سے اُمت کے لیے حلال اور حرام چیزوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ نکاح اور باہمی معاملات کے عہد معاہدوں کو بالکل واضح کر دیا، حتّٰی کہ یہود و نصاریٰ تک معاملات اور میراث وغیرہ کے قواعد وضوابط میں آپ کی شریعتِ مطہرہ سے اصول وقواعد حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ شریعتِ محمدیہ دوسری کسی بھی شریعت کی محتاج نہیں ہے۔ آپ نے شریعت کے اصول اِس طرح مقرر فرمائے جو اُن واقعات وحوادث پر دلالت کرتے ہیں، جن سے دنیا والے بے خبر تھے اور اُن سے وہ احکام نکالے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی علّت اور سبب پر مبنی ہیں۔ اِس کے بعد آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ یہ احکام اُن لوگوں تک پہنچا دیے جائیں جو موجود نہیں ہیں۔ اِس لحاظ نے آپ امت کو نص کے مرتفع ہو جانے اور التباس کے غلط کر دینے سے مستغنی کر دیا۔ غائب تک پہنچانے کا حکم دیا تاکہ وہ آپ کے انذار کو جان لے اور اُس کے ظاہر سے دلیل پکڑے۔

آپ نے حکم دیا کہ میرے احکام دوسروں تک پہنچانا لیکن میری جانب سے جھوٹی روایت نہ کرنا کیونکہ جن لوگوں تک میرے احکام پہنچائے جائیں گے اُن میں بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بیان

کرنے والوں سے زیادہ محفوظ کریں گے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاملِ فقہ سے وہ شخص زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس تک وہ بات پہنچائی جائے۔فخرِ دوعالم ﷺ نے شریعتِ مطہرہ کے امور کو نص کے ساتھ محکم بیان فرمایا اور حاضر و غائب، قریب و بعید سب کے لیے عام حکم رکھا کہ احکامِ شریعت ہر کسی تک پہنچادیے جائیں اور اس طرح اُمت کے حقوق پورے فرمادیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی قسم کی کوتاہی نہ رہ جائے اور اُمت کے مصالح میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ سارا کام ایک قلیل مدت میں انجام دیا۔آپ نے کوئی طویل زمانہ نہیں پایا تھا کہ تمام امور کو ہر شخص تک پہنچایا جاسکتا۔لیکن تھوڑی سی مدت میں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینا بھی ایک عدیم النظیر معجزہ ہے۔

چھٹی خصلت

فخرِ دوعالم ﷺ کا دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا حالانکہ اُنہوں نے ہر چہار جانب سے آپ کو گھیر رکھا تھا اور آپ کو پوری طرح نرغے میں لیا ہوا تھا۔آپ اس وقت بے یار و مددگار تھے صرف چند نفوس ساتھ تھے جو آپ کی برکت سے بڑھتے گئے، کمزور سے طاقت ور اور مغلوب سے غالب ہوئے۔اپنی طاقت اور شدت کے باعث دشمنوں سے محفوظ رہے اور اُن کے مقابلے میں رعب کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی گئی۔نبی کریم ﷺ نے دو امور کو بیک وقت حاصل کیا۔اوّلاً دین کے پھیلنے اور غالب ہونے تک شب و روز اُس کے اہتمام میں مصروف رہے۔ثانیاً دشمن پر غالب آنے تک اُن کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔اِن دونوں امور میں اس درجہ کامیابی و کامرانی حاصل کر لینا اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

ساتویں خصلت

حبیبِ پروردگار، احمد مختار ﷺ کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ آپ لڑائیوں میں شجاعت اور دلیری کا ایسا مظاہرہ فرماتے جو اپنی مثال آپ ہے نیز دشمن کے مقابلے میں محیر العقول صبر و استقلال اور جرأت و دلیری دکھاتے حتیٰ کہ میدان کارزار میں گھس جاتے اور وہاں بھی دشمن کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے، یہاں تک کہ فتح و کامرانی سے دوچار ہو جاتے یا بطریقِ احسن اپنا دفاع کرتے، لیکن نہ کبھی اپنے مقام سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے اور نہ کبھی مرعوب ہوئے بلکہ اطمینان اور سکون کے ساتھ قدم جمائے رکھتے۔

غزوۂ حنین میں جبکہ صحابۂ کرام کے قدم اُکھڑ گئے تھے تو آپ دشمن کی ایک بہت بڑی ٹولی کے مقابلے پر کھڑے تھے۔اُس وقت آپ کے گرد اہلِ بیتِ اطہار اور صحابۂ کرام سے صرف نو افراد تھے۔

اُس وقت آپ ایک سست رفتار خچر پر سوار تھے۔ آپ اصحاب کو پکارتے اور خود کو ظاہر کر رہے تھے چنانچہ آپ اعلان فرما رہے تھے: اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا میں ہوں۔ صحابۂ کرام نے جب آپ کی آواز سنی تو جہاں بھی وہ اپنے حال میں گرفتار تھے وہاں سے آپ کی جانب لوٹے۔ قبیلہ ہوازن والے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہیبت کے مارے آپ کے نزدیک پھٹکنے سے کتراتے رہے۔ آپ کبھی دشمن کی ٹڈی دَل فوج سے بھی نہیں ڈرے اور نہ کسی مقابلہ کرنے والے حملہ آور سے کبھی کترائے۔

پروردگارِ عالم نے طاقتور لشکروں کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی، جو آپ کی آواز پر لبیک کہتے تھے، چنانچہ وہ ایک جگہ جمع ہوئے اور آپ صبر واستقلال کا مظاہرہ فرماتے رہے، حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی (یعنی فرشتے بھیج دیئے) آپ کی شجاعت کا یہ ایسا مظاہرہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک پریشان کُن آواز سنی گئی (جیسا کہ وہاں خطرے کے وقت آواز دینے کا رواج تھا) لوگ اس آواز کی جانب دوڑے لیکن رسول اللہ ﷺ سب سے اس قدر سبقت لے گئے تھے کہ آپ اُنہیں واپس لوٹتے ہوئے ملے۔ چنانچہ آپ ﷺ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دستِ اقدس میں تلوار تھی فرمایا: لوگو! مت گھبراؤ، مت گھبراؤ۔ اِس کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہم نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رفتار دیکھا ہے، حالانکہ وہ گھوڑا بالکل سست تھا۔ اُس روز سے گھوڑے کی یہ حالت ہوگئی کہ کوئی تیز رفتار گھوڑا بھی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

یہ بے خوفی اِسی وجہ سے تھی کہ آپ ﷺ کا اِس بات پر کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ ﷺ کی مدد کرے گا اور آپ کے دین کو جلد غلبہ دے گا، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمایا ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح:28)

''تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے''۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے اِس ارشاد کی تصدیق میں ہے:

زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا سَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا۔ (ص ۱۰۲)

''میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی ہے، پس میں نے اُس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا ہے۔ عنقریب میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی

گئی ہے''۔

نبی کریم ﷺ کا حق کو قائم کرنا، یہی گواہ آپ کی صداقت کیلئے کافی ہے۔

آٹھویں خصلت

نبی آخر الزماں ﷺ کو سخاوت عطا فرمائی گئی تھی، حتیٰ کہ جو چیز بھی موجود ہوتی آپ دوسروں کو مرحمت فرما دیتے لیکن مطلوب و محبوب کو ترجیح دیتے۔ جب آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ چند سیر جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جو آپ نے گھر والوں کے لئے اُس سے حاصل کیے تھے، حالانکہ اُس وقت جزیرۂ عرب کے سفید و سیاہ کے مالک آپ تھے۔ عرب میں کتنے ہی بادشاہ دولت مند تھے، جن کے پاس خزانے اور دولت کے ذخیرے تھے، جن کے باعث وہ فخر کیا کرتے تھے اور خوش رہتے تھے لیکن آپ نے اُن علاقوں کو فتح کر لیا اور اُن کے ملک اب آپ ﷺ کے زیرِ فرمان تھے لیکن آپ ﷺ نے درہم و دینار قطعاً جمع نہ کیے بلکہ خشک کھانا کھاتے، موٹا اور سخت لباس پہنتے لیکن سخاوت خوب کرتے۔ بڑی بڑی جماعتوں میں دولت تقسیم کر دیتے اور خود معمولی کھانے پر اکتفا کرتے۔ فاقوں پر صبر کرتے حالانکہ قبیلہ ہوازن سے آپ کو بکثرت مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قیدی..................چھ ہزار (۶۰۰۰)

۲۔ اونٹ..................چوسٹھ ہزار (۶۴۰۰۰)

۳۔ بکریاں..................چالیس ہزار (۴۰۰۰۰)

۴۔ چاندی..................چار ہزار اوقیہ (۴۰۰۰)

یہ سارا مالِ غنیمت مستحقین میں تقسیم فرما کر کاشانۂ اقدس کی جانب خالی ہاتھ لوٹے۔

ابو وائل مسروق سے، اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے درہم و دینار یا بکری اور اُونٹ وراثت میں نہیں چھوڑے اور نہ کسی چیز کے بارے میں وصیت ہی فرمائی۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

عمرو بن مُرّہ حضرت سوید بن حارث سے اور وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیاوی چیزیں خوش نہیں کرتیں اگر میرے پاس اُحد پہاڑ برابر بھی سونا ہو تو اُسے خدا کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور جس دن بھی وفات پاؤں تو میرے پاس قرض ادا کرنے کے علاوہ ایک دینار بھی باقی نہیں ہوگا۔ (سبحان اللہ)

رسول اللہ ﷺ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا اور اُس وقت وہ آپ کے پاس نہ ہوتی تو آئندہ کے لیے وعدہ فرمالیتے لیکن نفی میں جواب نہ دیتے اور منعمِ حقیقی کی عطا کا انتظار کرتے۔ حماد بن زیاد نے حضرت یعلیٰ بن زیاد سے اور اُنہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ وہ بیٹھ گیا اور اسی دوران میں کئی سائل اور آ گئے، تو اُنہیں بھی بٹھاتے گئے، یہاں تک کہ ایک آدمی چار اوقیہ لے کر حاضرِ بارگاہ ہوا اور عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ صدقہ ہے۔ آپ نے پہلے شخص کو بلایا اور اسے ایک اوقیہ عطا فرمایا، پھر دوسرے کو بلایا اور ایک اوقیہ اسے مرحمت فرمایا، اِسی طرح تیسرے کو عطا فرمانے کے بعد آپ کے پاس ایک اوقیہ بچ گیا۔ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو حاجت مند ہو اسے لے سکتا ہے۔ کوئی شخص لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ جب رات ہوئی تو آپ نے سرہانے رکھ لیا۔ آپ اُونی کمبل پر آرام فرما تھے لیکن ساری رات نیند نہ آئی۔ صبح مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یا رسول صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ کی طبیعت ناساز ہے؟ فرمایا: بحمد اللہ ٹھیک ہوں۔ عرض گزار ہوئیں: کیا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اِس رات کوئی حکم نازل فرمایا گیا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: آج رات آپ نے بڑی بیقراری سے گزاری ہے جبکہ اِس سے پہلے یہ حالت کبھی دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے سرہانے کے نیچے سے وہ اوقیہ نکال کر دکھاتے ہوئے فرمایا: مجھے ساری رات اِس نے بے قرار رکھا ہے۔ میری پریشان حالی جو تم نے دیکھی وہ اِسی کے باعث تھی۔ میں ڈر رہا تھا کہ اسے فی سبیل اللہ خرچ نہیں کر سکا، مبادا ایسی حالت میں خدا کی طرف سے کوئی حکم آ جائے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اُنہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: میں مومنوں پر اُن کی جان سے بھی زیادہ مہربان ہوں۔ جس شخص نے مرتے وقت قرضہ چھوڑا وہ میرے ذمے ہے، اُسے میں ادا کروں گا اور جس نے مال چھوڑا وہ اُس کے وارثوں کے لیے ہے۔ کیا سخاوت کا ایسا عالم اور کسی جگہ نظر آیا ہے؟ کیا دنیا کے مال و متاع سے اعراض کرنے والا ایسا زاہد کوئی اور دیکھا یا سنا گیا ہے؟ آپ کی طرح دنیا سے اعراض کر کے زاہد بننا دوسروں سے بعید ہے۔ آپ کے اِن فضائل کے کچھ حصے کو بھی نہیں پایا جا سکتا اور نہ آپ کے بے شمار محاسن و کمالات سے کسی ایک خصلت ہی کو آپ کی طرح حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ کمالاتِ مصطفیٰ کی کسی کو غایت ہی معلوم نہیں اور نہ کسی دوسرے میں وہ کمالات کامل طور پر پائے ہی

جاسکتے ہیں تا کہ اُسے آپ کا ہم پلّہ قرار دیا جاسکے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ دشمن بھی آپ کے کمالات کا انکار نہ کر سکے۔ تمام منافقوں، محافظوں، زندیقوں اور ملحدوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا کہ وہ آپ کی کسی لغزش ہی پر مطلع ہو جائیں جو بغیر کسی قصد کے یا بے توجہی سے واقع ہوگئی ہوتا کہ اُس کے سبب آپ کی شانِ اقدس میں ایک گونہ اہانت جاری کر کے اپنے دلوں کی لگی بلکہ بھڑکتی ہوئی آگ بجھا سکیں، لیکن سعیِ بسیار کے باوجود وہ کسی لغزش پر مطلع ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے کہ حاسدوں اور دشمنوں کی باریک بین اور عیب جُو نگاہیں بھی آپ کی کسی لغزش کا کھوج نہ لگا سکیں اور اُن عیب لگانے والوں اور رُسوا کرنے والوں کو نہ اہانت کی گنجائش ملی اور نہ طعن و تشنیع کا موقع۔ آپ کا حال وہی ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

شَهِدَ الْاَنَامُ بِفَضْلِهٖ حَتّٰى الْعِدَآءُ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ(1)

جو فضیلت میں اُس کی غایت کو پہنچا ہو اور اُمور کی غایت کے اسباب کو کامل طور پر حاصل کر لیا ہو، وُہی ساری دنیا کی سیادت و قیادت کے لائق اور اصلاحِ خلق کی ذمہ داری کا اہل ہے۔ نبوت سے بڑھ کر اور کون سی غایت ایسی ہے جس کے ذریعے اُمور کی اصلاح کی جاسکے اور فساد کا مادّہ دفع ہو جائے۔ اِس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اِس کے اہل ہیں اور اِن امور کا قیام آپ ہی کا مرہونِ منت ہے کیونکہ جب آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ ہی کے باعث اِن امور نے قرار پکڑا تھا۔ جب آپ ان امور کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے تو اِس احسن طریقے سے حفاظت فرمائی کہ محافظت کا حق ادا کر دیا۔ پس آپ ہی اُن کے لیے مناسب تھے اور وہ آپ ہی کے مناسب تھے۔ اِن امور کی کفالت کا فریضہ آپ پر عائد ہوا تو اُس کی ادائیگی میں آپ نے ذراسی کوتاہی بھی واقع نہیں ہونے دی۔

جن دو چیزوں میں باہم مشابہت ہو، وہ متشاکل ہوتی ہیں اور جو متشاکل ہوں اُن کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے اور جو ایک دوسرے سے محبت کریں وہ آپس میں متفق ہوتے ہیں اور اتفاق و وفاق کی دلیل ہے جو ہر ایک انتظام کی دلیل اور ہر نظام کا قاعدہ و قانون ہے۔ یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی بہت ہی واضح دلیل اور آپ کی رسالت کے سچے ہونے کا ظاہر نشان ہے۔ ایسی وضاحت کے باوجود آپ کی فضیلت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو شرفِ انسانیت ہی سے عاری ہو۔ سب تعریفیں اُسی خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں آپ کی اطاعت کی توفیق بخشی اور آپ کی رسالت کو سچا ماننے کی جانب رہنمائی فرمائی۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

1۔ لوگوں نے اُس کے فضل و کمال کی گواہی دی، حتیٰ کہ دشمنوں نے بھی، اور اعلیٰ فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

بعثت اور استقرارِ نبوت

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اعلامِ نبوت'' کے اکیسویں باب میں لکھا ہے اور وہ آخری باب ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مبداء اور نبوت کا استقرار بیان کیا ہے۔ ہر کام جو مقدور ہوتا ہے جب وہ قریب الوقوع پہنچے تو خواہ اُس کا تعلق ڈرانے سے ہو یا خوشخبری سنانے سے، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سبب پوشیدہ اُمور کے مبادی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اُس کے قضا و قدر میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اُس کی خبر دیتا ہے تاکہ یہ تعذیر و تحذیر کا کام دیں، جن کے باعث عقلیں بیدار ہوں اور جاہل ڈریں۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی ہے تاکہ وہ اچانک پیش آنے والے امور سے بچیں، جو اُنہیں تدابیر سے غافل کر دینے والے ہوں جبکہ وہ اُنہیں پوری تیزی کے ساتھ پہنچیں اور وہ ان کا دفعیہ نہ کر سکیں۔ آپ کی بعثت کے باعث نفوس کو اس قابل بنانا تھا تاکہ وہ پیش آمدہ حالات کی سختی کا دفاع کرنے اور اُن کی شدت سے نبٹنے کے اہل بن جائیں۔ جب فخرِ دوعالم ﷺ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت میں مبعوث ہونے کا وقت قریب آیا، تاکہ مخلوقِ خدا کو خوشخبری دیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، تو اُمم سابقہ میں بھی یہ چرچا عام تھا کہ عنقریب وہ وقت آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم الشان نبی کو بھیجے گا۔ جس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے کتاب مرحمت فرمائی تھی وہ حضرات اُس کتاب کے باعث آپ کو پہچانتے تھے اور جنہیں کوئی کتاب عطا نہیں فرمائی گئی تھی اُنہیں ایسی نشانیوں کے ذریعے آپ کی معرفت حاصل ہوئی جس پر عقلِ سلیم دلالت کرتی ہے نیز اُن قلبی جاسُوسوں کے ذریعے الہامی طور پر مطلع ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دِلوں میں پیدا کر دیتا ہے اور پاکیزہ ذہن بھی اس معاملے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور محتاط آدمی لوگوں کو ڈراتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تھی کہ اِس اعلان سے آپ ہی مراد ہیں اور دارین کی سیادت کے اہل صرف آپ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے اوصاف کی منادی کر دی گئی اور جب آپ کو اعلان کرنے کا حکم ملا اُس وقت اظہار فرمایا تاکہ تہمت سے دور اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔ یہ آپ کی حقانیت کی واضح برہان اور غالب دلیل ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنے اخلاقی شرف اور مکرم طبیعت کے باعث اپنی قوم میں امتیازی مقام رکھتے تھے، بایں وجہ نہ ہی کے سامنے آپ نے بتوں کی تعریف کی اور نہ اُنہیں کسی طرح کی تعظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ تمام فقہاء اور متکلمین کے نزدیک آپ توحید، قِدمِ باری تعالیٰ، حدوثِ عالم، شکرِ منعمِ حقیقی، انسدادِ ظلم و ستم، ضرورتِ انصاف اور امانت واپس لوٹانے کو بمقتضائے عقل جانتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔

اہلِ علم حضرات کا اِس بات میں اختلاف ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ بعثت سے پہلے کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثر متکلمین اور بعض وہ فقہاء جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب تھے اِس جانب گئے ہیں کہ گزشتہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کسی بھی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تو پہلے اُسے سیکھنا پڑتا اُس کے بعد ہی عمل کر پاتے، عمل کرنے سے وہ شریعت ظاہر ہوتی اور شریعت کے ظاہر ہونے سے لازمی طور پر بعض لوگ آپ کی موافقت کا دم بھرتے ہوئے پیروی کرتے جبکہ بعض مخالف جھگڑتے اور مخاصمت پر آمادہ ہو جاتے۔

بعض متکلمین اور امام شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب سے بعض فقہائے کرام اِس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انبیائے گزشتہ کی شرائع کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے کیونکہ اُن انبیائے کرام نے اپنے زمانے والوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو اپنی شریعتوں کی دعوت دی تھی اور اُن کی شریعت اُس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک دوسری شریعت آ کر اُسے منسوخ نہ کرے۔ بعثت سے پہلے ہی آخرالزماں ﷺ بھی اِس دعوت کے عموم میں داخل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے کو شریعت سے کبھی خالی نہیں رکھا اور نہ ایسے متدیّن لوگوں سے خالی رکھتا ہے جو دوسروں سے سن کر عبادت کرتے ہیں۔

اِس مذہب کے قائلین میں بھی اختلاف ہے کہ آقائے نامدار، احمد مختار ﷺ پہلی شریعتوں میں کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط (بقرہ)

''اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے''۔

علاوہ بریں آپ حج اور عمرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے طریقے پر کاربند تھے۔ بعض اِس طرف گئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عامل تھے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے منسوخ نہیں کیا تھا کیونکہ پہلی شریعتیں مِٹ چکی تھیں اور توریت کے ذریعے صرف موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کے احکام واضح تھے، اِسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ (مائدہ:44)

''بے شک ہم نے توریت اتاری اُس میں ہدایت اور نور ہے''۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے کیونکہ اُن کی شریعت نے شریعتِ مُوسوی کو منسوخ کر دیا تھا۔ اِس طرح بعثت سے پہلے اپنے دین میں حرج واقع ہونے اور یقین میں قدح کے خدشات سے محفوظ رہے۔ یہی تو شانِ مصطفائی کی نشانیاں اور منصبِ مجتبائی کا مقدمہ ہے۔ (صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ)

جب اعلانِ نبوت کا وقت ثابت ہوا اور قریب آیا اور حبیبِ خدا ﷺ اپنی دنیاوی حیات کی چالیس منزلیں طے کرنے والے تھے تو اللہ رب العزت نے آپ کو خلوت پسند کر دیا کیونکہ آپ کی عمر پختہ اور قوٰی مضبوط ہو چکے تھے اور اِس طرح اُس امانت کو بطریقِ احسن سنبھالنے کے قابل ہو چکے تھے جو آپ کے لیے مقدّر فرما دی گئی تھی۔ وقتِ معیّنہ سے پہلے غارِ حرا کے اندر چند راتیں آپ نے تنہائی میں گزاریں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ قریش کی عادت کے مطابق سال میں ایک مہینہ آپ غارِ حرا میں مجاورت کیا کرتے تھے۔ اِس سے مقصود نیکی حاصل کرنا ہوتا اور ایک ماہ کے بعد اپنے اہل وعیال میں واپس لوٹ آتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بارِ نبوت کی امانت آپ کے سپرد کرنے کا ارادہ فرمایا تو غار میں اتنے دنوں تک خلوت گزیں رہے کہ کھانے پینے کی چیزیں آپ کے لیے غار ہی میں پہنچائی جاتی تھیں۔ آپ اُن میں سے خود کھاتے اور غرباء ومساکین کو کھلایا کرتے تھے۔ جب آپ غار میں گوشہ نشین تھے اُس وقت بھی آپ کا دعوٰیِ نبوت کی طرف کوئی ارادہ نہیں تھا حالانکہ بعض لوگوں کو ایسا گمان گزرتا تھا اور اہلِ کتاب کے نزدیک تو آپ کا نبی آخر الزماں ہونا بالکل واضح تھا۔ نبوت کے متعلق آپ کا ایک لفظ بھی قبل بعثت زبان پر نہ لانا اِسی وجہ سے تھا تا کہ ابتدائی حصہ بھی تصنّع اور تکلّف سے مانع رہے اور نبوت کے دعوے کو اختراع کی جانب منسوب نہ کیا جا سکے۔ اگر آپ تصنّع سے کام لیتے یا اختراع کرتے تو اُس کے اسباب ضرور ظاہر ہوتے اور اُس کے بارے میں شہادتیں درجۂ شہرت تک پہنچ جاتیں اور معاندین کے لیے اُنہیں مشہور کرنے میں جھجک کیا تھی؟ نیز آپ سے محبت رکھنے والے اِس صورت میں تاویل کی راہیں مسدود پاتے۔ اہلِ علم ودانش کے لیے یہی وضاحت کافی ہے جو تہمت سے بعید اور بدگمانی سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

سرورِ کون ومکاں ﷺ برابر خلوت گزیں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کی نشانیاں ظاہر فرما دیں اور غفلت وعدمِ التفات سے بیدار کر کے کچھ عرصے بعد اِس امر کی بشارت دی، پھر بشارت کے بعد آپ کو منصبِ رسالت پر فائز کر دیا۔ اِس دور میں بتدریج آپ کے احوال کو

اِس طرح ترقی دی گئی کہ بارِ نبوت کے متحمل ہوسکیں اور اِس کے حقوق ولوازم سے آشنائی ہو جائے۔ یہ احوال اچانک یا بغیر کسی ترتیب کے نہیں تھے، جس سے عدم توجہی اور حقوق کے مخفی رہنے کے باعث کمزوری آنے کا خدشہ رہتا ہے بلکہ خاص نظم وضبط کے ماتحت تھے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور یہ خاص الخاص انعام تھا اور وہی منعمِ حقیقی اُمتِ مرحومہ کو آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جانب بلانے والا ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک اور اپنی مخلوق سے خاص بندوں کو خصوصی انعامات سے نوازنے والا ہے۔

جس کی نبوت کے احوال اِس ترتیب سے ہوں کہ ایک وقت آنے پر اُسے صاف طور پر مطلع کر دیا جائے کہ وہ نبی مبعوث اور رسول مبلّغ ہے، اُس کے یہ تدریجی احوال چھ مراتب پر منقسم ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِن میں سے ایک حال سے دوسرے کی طرف ترقی فرماتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ جملہ مراتب کو طے کر کے منتہائے کمال کو پہنچ گئے۔ مذکورہ مراتب حسبِ ذیل ہیں:

پہلا مرتبہ

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہلا مرتبہ رؤیائے صالحہ تھے، تاکہ آپ اِس جانب مائل ہو جائیں کیونکہ اُن کے ذریعے ایک ایسی بات کا ذکر کرنا تھا جس سے آپ خوش ہو جائیں اور اوسان علیٰ وجہ الکمال مجتمع رہیں، تاکہ جب آپ کو مبعوث فرمایا جائے تو پیشگی اطلاع کے سبب تقویت کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

زہری نے حضرت عروہ سے اور اُنہوں نے اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت سچے خوابوں سے شروع ہوئی، جن کی تعبیر صبحِ منور کی طرح سامنے آجاتی تھی، یہاں تک کہ آپ پر وحی لے کر فرشتہ نازل ہوا۔ مذکورہ خوابوں کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ آیا وہ غارِ حرا میں خلوت گزینی کے دوران دیکھے یا اِس سے پہلے؟

حضرت عروہ نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ رؤیائے صادقہ کے بعد آپ کا رُجحان خلوت کی جانب ہوا تھا۔ لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خلوت کے بعد ایسے خواب نظر آئے تھے کیونکہ آپ نبوت کی جانب سے عدمِ التفات کی حالت میں خلوت گاہ کی طرف گئے تھے۔

برّہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے آخری رسول کو منصبِ نبوت مرحمت فرمانا چاہا تو آپ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے، وہ عرض کرتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر سلام ہو) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں اور پیچھے مُڑ کر دیکھتے تو کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں سے پہلے پیش آئے ہوں گے اور یہ غیبی آوازیں ہوں جو اعلامِ وحی کا حصہ اور اعجازِ نبوت کی دلیل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں کے بعد پیش آئے ہوں، جن کا مقصد نبوت کی تصدیق اور اُس کی صحت کی تحقیق ہو۔

دوسرا مرتبہ

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا مرتبہ جس کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے ممتاز ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جملہ عیوب سے مبرّا اور نجاستوں سے پاک صاف رہنا ہے، تاکہ اِس کمال کے باعث آپ کو ساری مخلوق سے چن لیا جائے اور کدورتوں سے پاک ہونے کی وجہ سے قربِ خاص میں لیا جائے۔ یہ منصبِ نبوت کے سبب اِنذار اور اُخروی معاملات سے باخبر کرنا ہے، جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلانِ نبوت سے پہلے حالات دریافت کیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے جبکہ میں مکہ معظمہ کی وادیِ بطحاء میں تھا، اُن میں سے ایک زمین پر تھا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان۔ ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا: کیا یہ شخص وہی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ہاں یہ وہی ہے۔ پہلا کہنے لگا: اچھا اِن کا ایک اُمتی کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ میرے ایک امتی کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا۔ وہ پھر کہنے لگا: اچھا دس مردوں سے اِن کا وزن کرو۔ دس آدمیوں کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ اُس نے پھر کہا: ایک سو کے ساتھ وزن کرو۔ اِسی طرح میرا وزن کیا گیا اور بھاری میں نکلا۔ پھر ایک ہزار کے ساتھ وزن کرنے کے لیے کہا اور تولنے پر جب میں وزنی نکلا تو اُنہیں ترازو کے پلڑے سے نکالتے ہوئے ایک دوسرے سے کہنے لگے: اگر اِن کا ساری اُمت کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھاری یہی نکلیں گے۔ اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اِن کا شکم مبارک چاک کرنا چاہیے۔ چنانچہ میرا پیٹ چاک کیا گیا۔ پھر کہنے لگا: اِن کا دل بھی چیرنا چاہیے۔ پس اُنہوں نے میرا دل بھی چیرا اور اُس میں سے گوشت کا جما ہوا حصہ نکال لیا اور شیطان کے وسوسہ کرنے کی جگہ بھی۔ پھر کہنے لگا: اِن کے شکم مبارک کو برتن کی طرح اور قلبِ اطہر کو کپڑے کی طرح خوب دھویا جائے۔ پھر سکینہ طلب کی اور اُسے میرے قلب میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے میرے شکم کو سینے کا حکم دیا تو وہ سی دیا گیا اور اِس کے بعد وہ چلے گئے۔ یہ واقعہ میں نے اِس طرح دیکھا گویا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کو منصب نبوت کے تفویض فرمانے کا وقت قریب ہوا۔ آپ کعبہ کے نزدیک سوئے ہوئے تھے اور قریشِ مکہ بھی کعبہ کے اردگرد سویا کرتے تھے۔ اُس وقت حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السّلام حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے آپ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ہمیں سرورِ کائنات کے متعلق حکم ملا ہے۔ اِس کے بعد وہ چلے گئے اور دوسری رات بھی حاضر ہوئے لیکن اس دفعہ وہ تین تھے۔ اُنہوں نے اِس دفعہ بھی فخرِ دوعالم ﷺ کو سوتے ہوئے پایا۔ پس آپ کو چت لٹایا، شکم مبارک کو چیرا، اور آبِ زمزم لاکر اُس سے خُوب دھویا اور جو بھی شک وشبہات اور جاہلیت وغیرہ کے مواضع بتقاضائے بشریت ہوتے ہیں اُنہیں دھوکر دور کر دیا۔ اِس کے بعد سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا اور سارا نورِ ایمان مع حکمت قلبِ مصطفیٰ میں رکھ دیا گیا۔ یہ حدیث بھی معناً حدیثِ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہے اگرچہ بعض الفاظ مختلف ہیں۔ یہ دونوں روایتیں انذارِ نبوت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

تیسرا مرتبہ

فرشتے کا نبی آخرالزماں ﷺ کو نبوت کی بشارت دینا۔ اُس کا یہ بشارت دینا تکلیف وانذار سے خالی اور صرف ایک خبر تک محدود تھا کیونکہ آپ پر اُس وقت نہ کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ کسی پیغام رساں کو آپ نے بچشمِ خود دیکھا، حالانکہ فرشتے کا یہ احساس بھی واضح دلالت کرنے والی نشانی سے ملحق اور قریب تر ہے، جو مشاہدے کا قائم مقام اور بالمشافہ گفتگو سے بے نیاز کرنے والا ہے اور اِس کے ذریعے یہی بتانا مقصود تھا کہ وہ زمرۂ انبیائے کرام کے ایک فرد ہیں اور اِس طرح وحی سُننے کے لیے تیار ہو جائیں اور مشقت وتکالیف کے صبر وسکون کے ساتھ متحمل ہو سکیں اور اُس کے انعامات پر شکر گزار رہیں۔

امام شعبی اور داؤد بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت سے اسرافیل علیہ السلام کو تین سال تک قریب رکھا۔ آپ اُن کی معیّت کو محسوس کرتے تھے لیکن نظر کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ وہ آپ کو یکے بعد دیگرے کسی نہ کسی چیز کی خبر دیتے رہتے تھے لیکن وہ قرآن نازل نہیں کر سکتے تھے۔ اِس تین سالہ مدت گزرنے کے بعد نبوت کی بشارت دی گئی لیکن امت کی طرف اس وقت تک مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے۔ احتمال یہی ہے کہ اس مہلت سے فرائض رسالت سے آپ کی امداد واعانت مقصود ہو۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس مہلت سے اُمتِ مرحومہ پر شفقت فرمائی گئی ہو۔ تیسرا احتمال مصلحتِ وقت کا ہو سکتا ہے۔ مذکورہ سارے احتمالات کا پایا جانا بھی ممتنع نہیں

ہے کیونکہ ظاہر اور پوشیدہ معانی کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

چوتھا مرتبہ

اللہ جل شانہٗ کی طرف سے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُنھیں دیکھا، اُن کی باتوں کو سنا اور اُنھوں نے بالمشافہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ یہ معاملہ اِسی اطلاع تک محدود ہے۔ اِس کے علاوہ آپ کو انذار کا حکم نہیں ملتا کہ آپ کو بشارت کے بعد اِس کا عین الیقین حاصل ہو جائے اور وثوق میں زیادتی ہو جائے اور اِس کے بارے میں خود آپ کا علم ایسا راسخ وصادق ہو جائے کہ اِس کی جانب وہم اور شکوک وشبہات کو کوئی راستہ نہ مل سکے۔

زہری نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نبوت دیے گئے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، حالانکہ اُس وقت میں کھڑا تھا۔ اِس کے بعد میں (غارِ حرا سے) واپس لوٹ آیا اور میرے کندھے بھی مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے کپڑا اُڑھاؤ، مجھے کپڑوں میں لپیٹ دو۔ تھوڑی دیر بعد یہ خوف وہراس دور ہو گیا۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام پھر حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں جبرئیل ہوں اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے کہا: پڑھیے۔ میں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر تین مرتبہ زور سے دبایا اور دبانے میں خوب زور لگایا یا دبانے سے مجھے تنگی ہو رہی تھی اِس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ ''پڑھو اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا''۔

میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے اپنی ہلاکت کا پورا خطرہ ہے اور اِس کے ساتھ ہی سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اُنھوں نے کہا: یہ تو آپ ﷺ کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ ﷺ صِلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانت کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں، مشکلات برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور نیکی کے کاموں میں دوسروں کی مدد فرماتے ہیں۔ اِس کے بعد وہ مجھے اپنے چچا زاد بھائی

ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جوحق کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ تورات وانجیل کا عالم تھا اور نصرانی مذہب قبول کر چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ اپنے بھتیجے (بلحاظِ عمر بھتیجا کہا ہوگا) کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو سنتے ہی کہنے لگا: یہی تو وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اُس کا نام جبرئیل علیہ السلام ہے۔ کاش! میں اُس وقت تک زندہ رہوں جب قوم آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دے گی۔ میں نے کہا: کیا لوگ مجھے میرے شہر سے بھی نکال دیں گے؟ جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوگا کیونکہ جس پیغامِ حق کو لے کر آپ اُٹھنے والے ہیں، جو فرد بھی اس پیغام کو لے کر آیا اُس کے ساتھ معاندانہ برتاؤ ہی ہوتا رہا ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی پوری طرح مدد کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہی سب سے پہلی وحی ہے۔ اِس کے بعد سورۂ القلم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾ (القلم)

"قلم اور اس کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لیے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے"۔

اِن آیات کا اُس وقت نزول اِس غرض سے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زیادہ ثابت قدم ہو جائیں، نورِ بصیرت میں اضافہ ہو اور اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئیں، کیا جب آپ کے صاحب (جبرئیل علیہ السلام) حاضرِ بارگاہ ہوں تو اُن کی آمد سے مجھے مطلع فرمایا جا سکے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ عرض کی: جب بھی وہ آئیں تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ جب جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے خدیجہ! یہ جبرئیل آ گئے ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حاضر ہو گئیں اور کہنے لگیں: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں سے اُٹھ جائیں اور میری بائیں ران پر بیٹھ جایئے۔ آپ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بائیں ران پر جا بیٹھے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا جبرئیل علیہ السلام اب بھی آپ کو نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

B

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اب آپ ﷺ میری دائیں ران پر آ جائیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ اُن کی دائیں ران پر بیٹھ گئے تو اُنہوں نے پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اب آپ میری گود میں تشریف فرما ہو جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اُن کی گود میں بیٹھ گئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ اُنہیں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال حسرت کے ساتھ اپنا دوپٹہ مبارک سر سے اتار دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اُس وقت اُن کی گود میں جلوہ افروز تھے۔ اِس کے بعد پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا اب بھی آپ ﷺ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے اِس مرتبہ نفی میں جواب دیا۔

یہ جواب سن کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اے میرے چچا کے بیٹے! ثابت قدم رہیے، یہ آپ کے لیے خوشخبری ہے کیونکہ خدا کی قسم، وہ آنے والا یقیناً فرشتہ ہے اور شیطان ہرگز نہیں۔ چنانچہ اُسی وقت وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور وہ سب لوگوں سے پہلے مسلمان ہونے والی ہیں(1)۔ اِس موقع پر جو کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا وہ صرف اُن کی ذات سے متعلق تھا کہ حق کو ظاہر دیکھنا چاہتی تھیں۔ اُن کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر حق ظاہر ہو جائے اور اِس کا غالب یقین ہو جائے۔ چونکہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے اِسی برحق معجزے کو دیکھنا چاہتی تھیں، اِسی لیے رسول اللہ ﷺ بھی صرف جبرئیل علیہ السلام کی تصدیق کرنے پر ہی اکتفا فرماتے رہے تھے۔

اِس دوران میں جو کچھ بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر نازل ہوتے رہے وہ صرف نبوت کے بارے میں خبریں تھیں تاکہ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو چن لیا ہے اور اس طرح آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور جو احکام آپ ﷺ پر نازل ہوں اُن کے لیے پورے طور پر خود کو وقف کر دیں۔ اِس طرح قبل ازیں آپ ﷺ احکامِ الٰہی کے پوری طرح متبع ہو جائیں اور جو کچھ اُنہیں مرحمت فرمانے کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کے پوری طرح متوقع رہیں۔ اِس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو اعلانِ نبوت کی اجازت تو مل گئی لیکن ابھی تبلیغ و انذار کی اجازت نہیں ملی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے: ؎

سیما، پہلی ماں، کہفِ امن و اماں حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾ ''اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو''۔
یعنی نبوت کے بارے میں جو خبریں آپ کو دی گئیں اُن کے ذکر کی اجازت دی، چنانچہ آپ چھپ کر اِس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

پانچواں مرتبہ

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ آپ کو منصبِ نبوت کے بعد تبلیغ و انذار کا حکم ملا، منصبِ رسالت تفویض ہوا اور اوامر و نواہی کے ساتھ قرآنِ کریم نازل ہونا شروع ہوا جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا لیکن اس وقت تک آپ کو ڈنکے کی چوٹ نبوت کا اعلان کرنے اور عام تبلیغ و انذار کا حکم نہیں دیا گیا تھا، تاکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اس کی تخصیص ہو اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرلے وہ اپنے عزم میں پختہ ہو جائے۔ اللہ جل شانہٗ نے مندرجہ ذیل آیات اِسی بارے میں نازل فرمائیں:

یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾
وَ الرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ ؕ﴿۷﴾ (مدثر)

''اے بالا پوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈرسناؤ اپنے رب کی ہی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور رہو اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو''۔

وحی و انذار کے ساتھ آپ کی نبوت مکمل ہو گئی اگرچہ وہ ابھی پوشیدہ تھی۔ نزولِ وحی اور منصبِ نبوت کا حصول رمضان المبارک میں دوشنبہ (بروز پیر) کو ہوا۔ ہشام بن محمد کہتے ہیں کہ ہفتہ اور اتوار کی رات جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیغامِ رسالت لے کر پیر کے روز حاضر ہوئے۔

حضرت ابوقتادہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میری پیدائش کا دن ہے اور اِسی روز مجھے نبوت عطا فرمائی گئی۔ ہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُس پیر کو رمضان المبارک کی کون سی تاریخ تھی؟ ابوقلابہ نے کہا کہ اٹھارہ تاریخ تھی اور ابوخلد نے چوبیس بتائی۔ اکثر کا یہی قول ہے کہ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سالہ تھے اور عام الفیل کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تینتالیس برس تھی۔

ہشام بن محمد نے کہا کہ کسریٰ پرویز کی حکومت سے بیس برس بعد اور بقول بعض سولہ برس بعد آپ پر وحی نازل ہوئی۔ روایت کی گئی ہے کہ اس کے بعد منگل کے روز دوبارہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے جبکہ آپ مکہ مکرمہ کے بالائی جانب تشریف فرما تھے وادی کے ایک جانب جبرئیل علیہ السلام نے ایڑی ماری تو وہاں سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا اور جبرئیل علیہ السلام نے وضو کی کیفیت بتانے کی خاطر خود وضو کیا اور فخرِ دوعالم ﷺ نے بھی انہیں دیکھ کر وضو کیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ نے نماز ادا کی۔ یہ پہلی نماز ہے جو آپ ﷺ پر فرض ہوئی تھی۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام واپس چلے گئے اور نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے آئے اور اُن کی تعلیم کے لئے آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وضو سے فارغ ہوئیں تو اُنہیں اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ اُمّتِ مرحومہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ فرد ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے وضو کیا او نماز پڑھی۔ اِس عرصے میں جس شخص کی جانب سے آپ ﷺ کو انکار اور بحث و تکرار کا خطرہ نہ ہوتا اُسے چھپ کر تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اِس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والا کون ہے؟ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول

یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور اُس وقت وہ نو برس کے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ دس برس کے تھے۔ یہ جابر بن عبداللہ اور زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یحییٰ بن عفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ جب وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آئے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے۔ جب سورج نکلا اور وہ آسمان میں بلند اور روشن ہوا، تو ایک نوجوان آیا اور اُس نے آسمان کی جانب نظر اُٹھائی اور کعبے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا آ گیا اور اُس کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اُس نوجون نے رکوع کیا تو لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ وہ نوجوان رکوع سے اُٹھا تو وہ دونوں بھی اُٹھ گئے۔ وہ نوجوان سجدے میں گیا تو اُس کے ساتھ وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ عفیف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: یہ کیا عجیب و غریب معاملہ ہے؟ کیا آپ اِنہیں جانتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: ہاں، وہ نوجوان میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

وہ لڑکا بھی میرا ہی بھتیجا علی بن ابوطالب ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور وہ عورت میرے اُسی نوجون بھتیجے کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ آسمانوں کے رب نے اِنہیں ایسا ہی حکم دیا ہے، جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم، اِس وقت روئے زمین پر اِن تینوں کے سوا کوئی اور میرے علم میں اِس دین پر نہیں ہے۔

دوسرا قول

یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے اور نماز پڑھی۔ یہ ابن عباس اور ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ ابوامامہ باہلی نے عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ عکاظ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دین میں آپ کے پیروکار کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: دو مرد میری اتباع کررہے ہیں، جن میں سے ایک آزاد ہے اور دوسرا غلام۔ یعنی آزاد سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اتنا سنتے ہی میں نے اسلام قبول کرلیا اور اِس لحاظ سے میں اپنے آپ کو چوتھا مسلمان شمار کرتا تھا۔ (پہلے تین حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ہیں)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والا کون ہے؟ تو اُنہوں نے کہا: کیا تم نے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار نہیں سنے ہیں؟

اِذَا تَذَکَّرْتَ شَجْوًا مِّنْ اَخِیْ ثِقَۃٍ — فَاذْکُرْ اَخَاکَ اَبَابَکْرٍ بِمَا فَعَلَا
خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ اَتْقَاھَا وَاَعْدَلُھَا — بَعْدَ النَّبِیِّ وَاَوْفَاھَا بِمَا حَمَلَا
اَلثَّانِیُ التَّالِی الْمَحْمُوْدُ مَشْھَدُہٗ — وَاَوَّلُ النَّاسِ مِنْھُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

"(۱) جب کسی ثقہ بھائی کی تو حاجت یاد کرے تو اپنے بھائی ابوبکر کو اُن کے افعال و کردار کے سبب یاد کر لیا کر۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر، متقی اور عادل تھے اور جس ذمہ داری کا بار اٹھاتے اُسے نبھاتے تھے۔

(۳) وہ دوسرے اور بعد میں آنے والے ہیں، اُن کا مشہد محمود ہے اور مخلوق میں وہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے رسولِ خدا کی تصدیق کی"۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تیسرا قول

یہ ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے۔ یہ عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جس شخص کے بارے میں وثوق ہوتا اُسے اسلام کی دعوت دیتے کیونکہ جس وقت آفتابِ ہدایت جلوہ فگن ہوا اُس وقت وہ تاجر تھے وہ قریش میں ایک بااخلاق اور عالی نسب تھے اور اپنی قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ خوب حسنِ تالیف سے کام لیتے اور قریش کی مجالس میں اکثر شرکت فرمایا کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرفِ اسلام اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے تھے، جبکہ وہ اُنہیں بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے تو اُنہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور نماز پڑھی اور سابقین کے ساتھ مل کر حلقہ بگوشانِ اسلام کی تعداد آٹھ ہوگئی، جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اِن حضرات کے ہمراہ حضرت سعید بن عاص اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی دولتِ اسلام سے مشرف ہو گئے تھے۔ اِس کے بعد پے در پے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ طور پر ہی تبلیغ کر رہے تھے لیکن قریشِ مکہ کے اندر آپ کی اسلامی دعوت کا چرچا ہونے لگا تھا۔

چھٹا مرتبہ

امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ مخصوص انذار کے بعد آپ کو عموم انذار کا حکم مل گیا اور اسلام کی طرف پوشیدہ طور پر دعوت دینے کی جگہ آپ اعلانیہ لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری کلام میں یہ حکم نازل فرمادیا تھا:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ (الحجر)

”تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو“۔

اِس حکمِ خداوندی کے بعد آپ کھل کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ کے مبعث سے تین سال بعد دیا گیا اور اِس کام کی اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کرنے کا حکم ہوا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء)

''اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور زور سے آواز دی یا صباحاہ اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدمناف! یہاں تک کہ قریش کے ہر قریبی قبیلے کو یکے بعد دیگرے آواز دی، تو تھوڑی سی دیر میں وہ سارے کے سارے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ بات کیا ہے؟ فرمایا: اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ ایک لشکرِ جرّار، گھوڑوں پر سوار اِس پہاڑی کے دوسری جانب کھڑا ہے اور عنقریب وہ آپ پر حملہ آور ہو جائے گا، تو میری اس خبر کی، کیا آپ تصدیق کریں گے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں، ہم نے کبھی آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ (ص۱۰۹)

''سامنے سخت عذاب ہے، میں اُس سے تمہیں ڈرانے کے لیے نبی بن کر آیا ہوں۔''

ابولہب کہنے لگا، اس کی ہلاکت ہو، کیا ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟ اِس کے بعد وہ چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے بارے میں یہ آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں:

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا کَسَبَ ﴿۲﴾ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ (لہب)

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہی ہو گیا۔ اُسے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور نہ جو کمایا۔ اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں۔ وہ اور اُس کی جورو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھاتی۔ اُس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا ہے''۔

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِس دعوت سے کوئی زیادہ اختلاف نہ ہوتا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کے کچھ حصے ہی مسترد کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو اُن کے باطل معبودوں کا ذکر کیا، اُن کی عبادت کرنے کو برا بتایا اور اِس طرح اُن کی عقلوں کو کمزور قرار دیا، تو اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت پر پورا اتفاق کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آخری دم تک عداوت رکھنے کے لیے کمربستہ ہو گئے، ماسوائے اُن خوش نصیب حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی

اور آپ ﷺ کی مخالفت سے بچا لیا، حالانکہ ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں اور اُس معاشرے میں اُنہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

عمومِ انذار اور اعلانیہ دعوت کے باعث آپ کی نبوت عام ہوگئی۔ توحید اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کی خاطر آپ کو ساری امت کی طرف مبعوث فرما دیا گیا اور اِس طرح آپ ﷺ کی نبوت کو مکمل اور منصبِ رسالت کو کامل کر دیا گیا۔ پس نبی کریم ﷺ نے امر کو واضح فرمایا، حق کا بول بالا کرنے اُٹھے، اعلانیہ انذار فرمایا، دعوتِ اسلام کو عام کیا اور راہِ حق میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ قریش آپ سے بسببِ مخالفت جھگڑتے رہے لیکن آپ ﷺ صبر و سکون کے ساتھ اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ مخالفانہ سلوک کیا، حالانکہ اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی، اِس کے باوجود آپ ﷺ کا بول بالا ہوا اور آپ ﷺ کی دعوت کو غلبہ حاصل ہوا۔ اِس دوران میں آپ نے ایسی تکلیفیں اور سختیاں برداشت کیں جن کے مقابلے میں معصوم کے سوا کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور نہ تائیدِ الٰہی کے بغیر اُن کے اندر سے کوئی صحیح سالم نکل سکتا تھا۔ یہ تمام حقائق آپ ﷺ کی حقانیت کے دلائل اور صداقت کے منہ بولتے شواہد ہیں کیونکہ بددیانت لوگوں کی تدابیر کو اللہ تعالیٰ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتا اور نہ کبھی فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے عمل کو درست کرتا ہے۔ قدرت کا قانون یہی ہے۔

جن اُمور کو رسول اللہ ﷺ نے شریعت کی حیثیت دی وہ توحید کے بعد دو قسم کے ہیں۔ ایک عبادات اور دوسرے احکام۔ مکہ مکرمہ میں عبادات سے صرف طہارت اور نماز کے سوا کچھ اور مشروع نہیں ہوا تھا جس کی جبرئیل علیہ السلام نے تعلیم دی تھی اور وہ آپ پر فرض اور امت کے لئے مسنون تھیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾ (مزمل)

"اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما، سوا کچھ رات کے، آدھی رات یا اِس سے کچھ کم کر دو یا اِس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"۔

یہ حکم اگرچہ آپ کے لیے تھا لیکن اِس میں امت بھی شامل ہے، یہاں تک کہ شبِ معراج میں، جس میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر بھی ہے، پنجوقتہ نماز فرض ہوئی۔ یہ نبوت کا نواں سال تھا کہ پانچ وقت کی نماز آپ پر اور آپ کی اُمت پر فرض ہوئی۔ اِس کے علاوہ عبادات سے اور کوئی چیز فرض نہ

ہوئی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے دارالاسلام ہوا اور وہاں کے رہنے والے آپ کے یار و مددگار بنے۔

مکہ مکرمہ میں پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد عبادات سے کچھ اور فرض نہ ہوا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمانے کے دوسرے سال ماہ شعبان المعظم میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال قبلے کی تحویل ہوئی یعنی بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ اُسی سال صدقۂ فطر واجب ہوا اور عید کی نماز مشروع ہوئی۔ جمعہ کی فرضیت ہجرت کے پہلے سال میں ظہر کی نماز کے بدلے ہو چکی تھی۔ اِن کے بعد اموال میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مالی ضروریات میں مسلمان خود کفیل ہو گئے تو حج اور عمرہ مشروع ہوئے۔

بہر حال وہ اُحکام جن کا وجوب عقل کا مقتضی ہے جیسے تحریم قتل و زنا، یہ مکہ مکرمہ میں آپ کے انذار کے وقت ہی مشروع ہو گئے تھے اور وہ احکام جن کے کرنے نہ کرنے میں عقل متردّد ہوتی ہے جیسے حلال وحرام، خطر و اباحت اور استحباب و کراہت وغیرہ اِن سے خاموشی اختیار کی گئی، حتیٰ کہ مکہ معظّمہ میں نہ کسی حلال کو حلال کہا گیا اور نہ کسی حرام کو حرام ٹھہرایا گیا بلکہ ہجرت کے بعد ہی حلال وحرام اور اباحت و ممانعت کے احکام نازل ہوئے تھے کیونکہ قریش کے غلبے کے باعث آپ مکہ معظّمہ میں مغلوب تھے اور اُس وقت وہ شرک خانہ تھا لہٰذا اسلامی احکام وہاں کس طرح جاری ہوتے؟ بایں وجہ کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کیا گیا بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے جو دارالاسلام بن گیا تھا، تو وہاں اسلامی احکام نافذ ہوئے اور صاف طور پر بیان فرما دیا گیا کہ حلال وحرام، مباح وممنوع اور صحیح و فاسد کیا ہیں؟ اِسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ معظّمہ میں صلح وآشتی کے ساتھ رہے لیکن مدینہ منورہ میں آنے کے بعد دفاعی جنگیں بھی لڑیں اور یہ حکمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افعال و احوال کے موافق اور توفیق الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال کی مددگار تھی کیونکہ آپ منجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ (النجم)

''اور وہ کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے''۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُنہیں بطریقِ احسن قائم کرنا اور بہتر حالات و مواضع کے لحاظ سے اُنہیں قائم کرنے میں آپ کے حزم و احتیاط، عزم کی صحت و صداقت سے حکمتِ بالغہ کے عجیب آثار سامنے آتے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

سلطان العارفین، امام المکاشفین، شیخِ اکبر، محی الدین ابن عربی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

ایک مشاہدہ

شیخ اکبر محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی ۶۳۸ھ) نے اپنی تصنیف لطیف فتوحاتِ مکیہ کے خطبے میں صفحہ ۳ پر اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا ہے کہ:

وَالصَّلَاةُ عَلٰی سِرِّ الْعَالَمِ وَنُکْتَتِہٖ وَمَطْلَبِ الْعَالَمِ وَبَغِیَّتِہٖ اَلسَّیِّدُ الصَّادِقُ الْمُدْلِجُ اِلٰی رَبِّہٖ الطَّارِقُ الْمُخْتَرِقُ بِہٖ السَّبْعَ الطَّرَائِقَ لِیُرِیَہٗ مَنْ سَرٰی بِہٖ اِلَیْہِ مَا اَوْدَعَ مِنَ الْاٰیَاتِ وَالْحَقَائِقِ فِیْمَا اَبْدَعَ مِنَ الْخَلَائِقِ الَّذِیْ شَاهَدْتُّهٗ عِنْدَ اِنْشَائِی لِهٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِی عَالَمِ حَقَائِقِ الْمِثَالِ فِیْ حَضْرَةِ الْجَلَالِ مُکَاشِفَةً قَلْبِیَّةً فِی حَضْرَةٍ غَیْبِیَّةٍ وَلَمَّا شَاهَدْتُّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِکَ الْعَالَمِ سَیِّدًا مَعْصُوْمَ الْمَقَاصِدِ مَحْفُوْظَ الْمَشَاهِدِ مَنْصُوْرًا مُؤَیَّدًا وَجَمِیْعُ الرُّسُلِ بَیْنَ یَدَیْهِ مُصْطَفُّوْنَ وَاُمَّتُهُ الَّتِیْ هِیَ خَیْرُ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ عَلَیْهِ مُلْتَفُّوْنَ وَمَلَائِکَةُ التَّسْخِیْرِ مِنْ حَوْلِ عَرْشِ مَقَامِهٖ حَافُّوْنَ وَالْمَلَائِکَةُ الْمُوْلِدَةُ مِنَ الْاَعْمَالِ بَیْنَ یَدَیْهِ صَافُّوْنَ وَالصِّدِّیْقُ عَنْ یَمِیْنِهِ الْاَنْفَسِ وَالْفَارُوْقُ عَنْ یَسَارِهِ الْاَقْدَسِ وَالْخَتْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ بَیْنَ یَدَیْهِ قَدْ جَثَا یُخْبِرُهٗ بِحَدِیْثِ الْاُنْثٰی وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَکَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ یُتَرْجِمُ عَنِ الْخَتْمِ بِلِسَانِهٖ وَذُوالنُّوْرَیْنِ مُشْتَمِلٌ بِرِدَاءِ حَیَائِهٖ مُقْبِلٌ عَلٰی شَانِهٖ اِلٰی اٰخِرِ مَا ذَکَرَهٗ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِمَّا رَاٰهُ فِیْ تِلْکَ الْوَاقِعَةِ۔ (ص ۱۱۰۔۱۱۱)

”درود اُس ذات پر جو سرِّ عالم، خدائی بھید اور تخلیقِ عالم کا مطلوب و مقصود ہے۔ وہی سچا سردار جو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر گزر جانے والا ہے تاکہ جس ذات نے آپ کو سیر کرائی وہ آپ کو دکھائے کہ مخلوق کے اندر اُس نے کیا نشانیاں اور حقائق ودیعت فرمائے ہیں، جن کا یہ خطبہ لکھتے وقت میں نے عالمِ مثال میں خود بھی مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حقائق کی مثال کا مشاہدہ ذاتِ ذوالجلال کے حضور میں نصیب ہوا، جو ذاتِ غیبیہ کے حضور میں قلبی مشاہدہ تھا۔ جب میں نے وہاں فخرِ دو

عالم ﷺ کا مشاہدہ کیا تو یہی دیکھا کہ ایسے عظیم الشان سردار ہیں جو اپنے مقاصد میں معصوم، مشاہد میں محفوظ اور منصور و مؤید ہیں۔ جملہ مرسلینِ عظام آپ کے حضور صف بستہ حاضر ہیں اور آپ کی اُمت جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا فرمائی گئی، وہ آپ کی جانب متوجہ ہے اور تسخیر عالم کے فرشتوں نے عرشِ اعظم کے گرداگرد آپ کے مقام کو ڈھانپ رکھا ہے اور اعمال سے پیدا ہونے والے فرشتے آپ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں۔ صدیقِ اکبر آپ کے دائیں جانب اور فاروقِ اعظم بائیں جانب ہیں اور حضرت ختم علیہ السلام (شاید حضرت جبریل مراد ہیں) آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں اور حدیثِ اُنثیٰ کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہٗ الکریم حضرت ختم علیہ السلام کے بیانات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ آپ کی حیاء کی چادر اوڑھے آپ کی جانب متوجہ ہیں۔ شیخِ اکبر نے آخر تک اس واقعے کا ذکر کیا ہے، جو کچھ انہوں نے اُس وقت دیکھا تھا''۔

علمِ اسماء و علمِ معانی

طالبِ تحقیق کو چاہیے کہ وہ فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کرے (کیونکہ شیخِ اکبر نے اس واقعے کو مذکورہ خطبے میں تفصیلاً بیان کیا ہے) شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے پانچویں باب، صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے:

اِنَّ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ هُوَ حَامِلُ الْاَسْمَآءِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا وَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَامِلُ مَعَانِی تِلْکَ الْاَسْمَاءِ الَّتِیْ عَلَّمَهَا اللّٰهُ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهِیَ الْكَلِمُ قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَمَنْ اَثْنٰی عَلٰی نَفْسِهٖ اَمْكَنُ وَاَتَمُّ مِمَّنْ اَثْنٰی عَلَیْهِ كَیَحْیٰی وَعِیْسٰی عَلَیْهِمَا السَّلَامُ وَمَنْ حَصَلَ لَهُ الذَّاتُ فَالْاَسْمَاءُ تَحْتَ حُكْمِهٖ وَلَیْسَ مَنْ حَصَلَ الْاَسْمَاءَ یَكُوْنُ الْمُسَمّٰی مُحَصَّلًا عِنْدَهٗ وَبِهٰذَا فُضِّلَتِ الصَّحَابَةُ عَلَیْنَا فَاِنَّهُمْ حَصَلُوْا الذَّاتَ وَحَصَلْنَا الْاِسْمَ وَلَمَّا رَاعَیْنَا الْاِسْمَ مُرَاعَاتِهِمِ الذَّاتَ ضُوْعِفَ لَنَا الْاَجْرُ لِحَسْرَتِ الْغَیْبَةِ الَّتِیْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ فَكَانَ تَضْعِیْفًا عَلٰی تَضْعِیْفٍ فَنَحْنُ الْاَخْوَانُ وَهُمُ الْاَصْحَابُ وَهُوَ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا بِالْاَشْوَاقِ وَمَا اَفْرَحَهٗ بِلِقَاءِ وَاحِدٍ مِّنَّا وَکَیْفَ لَا یَفْرَحُ وَقَدْ وَرَدَ عَلَیْهِ مَنْ کَانَ بِالْاَشْوَاقِ اِلَیْهِ فَهَلْ نَقَاسُ کَرَامَتَهٗ وَبِرَّهٗ وَتُحْفَتَهٗ وَلِلْعَامِلِ مِنَّا اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِمَّنْ یَّعْمَلُ بِعَمَلِ اَصْحَابِهٖ لَا مِنْ اَعْیَانِهِمْ لٰکِنْ مِنْ اَمْثَالِهِمْ فَذَالِکَ قَوْلُهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بَلْ مِنْکُمْ مُجِدُّوْا وَاجْتَهَدُوْا حَتّٰی یَعْرِفُوْا اَنَّهُمْ خَلَفُوْا بَعْدَهُمْ رِجَالًا لَوْ اَدْرَکُوْهُ مَا سَبَقُوْهُمْ اِلَیْهِ وَمِنْ هُنَا تَقَعُ الْمُجَاوَرَاۃُ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔(ص ۱۱۱)

''بے شک حضرت آدم علیہ السلام علمِ اسماء کے حامل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ہم نے آدم کو سارے نام سکھا دیے۔'' اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن سارے اسماء کے معانی کے حامل ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے اور معانی کے اس علم کو زبانِ رسالت میں الکلم کہا گیا ہے جیسا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ جو اپنی خوبی خود بیان کرے وہ دُوسرے کسی تعریف کرنے والے کی نسبت زیادہ قادر ہے اور بہتر بیان کر سکتا ہے جیسے یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور جسے ذات حاصل ہو جائے تو اسماء بھی اُسی کے زیرِ فرمان ہیں، لیکن جو اسماء کا علم حاصل کرے تو یہ ضروری نہیں کہ اُسے مسمیات کا علم بھی حاصل ہو جائے۔ اسی لیے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہم پر فضیلت ہے کیونکہ اُنھوں نے ذات کو حاصل کر لیا تھا اور ہمیں اسم حاصل ہوا ہے۔ لیکن جب ہم نے اسم کا وہی احترام کیا جو اُنھوں نے ذات کا کیا تھا تو ہمارے ثواب کو دُگنا کر دیا گیا کیونکہ جدائی کا جو صدمہ ہمیں اٹھانا پڑ رہا ہے یہ اُنہیں نہیں پہنچا تھا، پس علیٰ قدرِ مراتب یہ مضاعف در مضاعف ہو سکتا ہے۔ پس ہم اخوان اور وہ اصحاب ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے بہت مشتاق ہیں اور جب ہم میں سے کوئی حاضرِ بارگاہ ہوتا ہے تو آپ کو بڑی فرحت ہوتی ہے اور وہ خوش کیوں نہ ہوں جبکہ وہی اُن کے پاس پہنچ گیا جس کے مشتاق تھے۔ کیا ہم ایسے شخص کی بزرگی، نیکوکاری اور مقبولیت کا اندازہ کر سکتے ہیں؟ جو ہم میں سے نیک عمل کریں اُنہیں صحابۂ کرام جیسے نیک عمل کرنے والے پچاس اشخاص کے برابر اجر ملے گا۔ پچاس صحابہ جتنا نہیں بلکہ اُن جیسے عمل کرنے والے کے پچاس کے برابر۔ اِسی لیے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرما دیا

تھا: "بلکہ تم میں سے" اُنہیں ذات کا شرف حاصل ہوا اور کوشش کی یہاں تک کہ جان گئے کہ اُن کے بعد ایسے افراد بھی ہیں جو آقائے کائنات کو پاتے تو سرکار کی جانب وہ (صحابہ) سبقت نہ لے جاتے۔ اِس لحاظ سے موافقت پائی گئی اور اللہ ہی مددگار ہے"۔

سیادت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے دسویں باب میں صفحہ (۱۷۴) پر لکھا ہے، طالب حقیقت کو جان لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور اِس میں فخر نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔ پس نبی کریم ﷺ کی سیادت اور جملہ بنی نوعِ انسان سے اشرف ہونا ثابت ہوا۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ پس ثابت ہوا کہ:

يُرِيْدُ عَلٰى عِلْمٍ بِذَالِكَ فَاَخْبَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِمَرْتَبَتِهٖ وَهُوَ رُوْحٌ قَبْلَ اِيْجَادِهِ الْاَجْسَامِ الْاِنْسَانِيَّةِ كَمَا اَخَذَ الْمِيْثَاقَ عَلٰى بَنِيْٓ اٰدَمَ قَبْلَ اِيْجَادِهٖ اَجْسَامَهُمْ وَاَلْحَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِاَنْبِيَائِهٖ اِذْ جَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰى اُمَمِهِمْ مَعَهُمْ حَيْثُ يُبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُمُ الرُّسُلُ فَكَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ فِي الْعَالَمِ نُوَّابَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى اٰخِرِ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ اَبَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِاُمُوْرٍ۔ (ص ۱۱۱)

"یہ آپ کے علم پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اجسام کی پیدائش سے بھی پہلے آپ کو آپ کے عالی منصب سے آگاہ کر دیا تھا حالانکہ اُس وقت آپ روح تھے، جیسے کہ بنی آدم سے عہد لیا تھا حالانکہ اُن کے جسم ابھی ایجاد نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اُمتِ مرحومہ کو) انبیائے کرام سے اِس معاملے میں ملایا ہے کیونکہ ہمیں اُن کے ساتھ اُن کی اُمتوں پر گواہ بنایا ہے جبکہ ہر اُمت سے اُس پر گواہ کھڑے کیے جائیں گے سارے مرسلین عظام اور انبیائے کرام علیہم السلام وہ اِس دنیا میں آدم علیہم السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک فخرِ دو عالم ﷺ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اس سلسلے کے آخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے مختلف طریقوں سے اس عالی منصب کی وضاحت فرمائی ہے"۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا اُن کے لیے اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ کا ارشادِ گرامی کہ جب وہ دوبارہ نازل ہوں گے تو ہم میں سے ایک ہوں گے۔ یعنی ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت (شریعتِ مطہرہ) کے مطابق ہی حکم کریں گے نیز صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْجُوْدًا بِجِسْمِهٖ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَنِ وُجُوْدِهِ الْاٰنَ لَكَانَ جَمِيْعُ بَنِيْ اٰدَمَ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حِسًّا وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلِهٰذَا لَمْ يُبْعَثْ عَامَّةٌ اِلَّا هُوَ خَاصَّةٌ فَهُوَ الْمَلِكُ وَالسَّيِّدُ وَكُلُّ رَسُوْلٍ سِوَاهُ بُعِثَ اِلٰى قَوْمٍ مَخْصُوْصِيْنَ وَلَمْ تَعُمَّ رِسَالَةُ اَحَدٍ مِّنَ الرُّسُلِ سِوٰى رِسَالَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْ زَمَانِ آدَمَ اِلٰى زَمَانِ بَعْثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مُلْكُهٗ وَتَقَدُّمُهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الرُّسُلِ وَسِيَادَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهِمَا فِي الصَّحِيْحِ عَنْهُ فَرُوْحَانِيَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوْحَانِيَّةُ كُلِّ نَبِيٍّ وَّرَسُوْلٍ مَوْجُوْدَةٌ فَكَانَ الْاِمْدَادُ يَأْتِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ تِلْكَ الرُّوْحِ الطَّاهِرَةِ بِمَا يَظْهَرُوْنَ بِهٖ مِنَ الشَّرَائِعِ وَالْعُلُوْمِ فِيْ زَمَانِ وُجُوْدِهِمْ رُسُلًا وَتَشْرِيْعِهِمُ الشَّرَائِعَ كَعَلِيٍّ وَّمُعَاذٍ وَغَيْرِهِمَا فِيْ زَمَانِ وُجُوْدِهِمْ رَوُجُوْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَاِلْيَاسَ وَالْخِضَرَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ يَنْزِلُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَاكِمًا بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُمَّتِهٖ لِيُقَرِّرَ شَرْعَهٗ فِي الظَّاهِرِ لٰكِنْ لَمَّا لَمْ يَتَقَدَّمْ فِيْ عَالَمِ الْحِسِّ وُجُوْدُ عَيْنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا نُسِبَ كُلُّ شَرْعٍ اِلٰى مَنْ بُعِثَ بِهٖ وَهُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ شَرْعُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۱۲۔۱۱۱)

"اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ زمانۂ آدم علیہ السلام سے اپنے عہدِ کرامت تک یہاں موجود ہوتے تو حسّی طور پر تمام بنی آدم قیامت تک آپ کی

شریعتِ مطہرہ کے تحت ہوتے اور اِس بات پر یہ فرمانِ رسالت دلالت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے ماسواء سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اِسی لیے کسی نبی کی بعثت عام نہیں مگر یہ خصوصیت صرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ پس بادشاہ اور سردار آپ ہیں اور آپ کے ماسواء جملہ مرسلین خاص خاص اقوام کی جانب بھیجے گئے اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے علاوہ کسی بھی رسول کی رسالت عام نہیں ہے۔ پس آدم علیہ السلام کے زمانے سے آپ کے زمانۂ مبارک تک، جو قیامت تک ہے، آپ ہی کا ملک ہے اور اس معاملے میں جملہ مرسلین پر آپ کو تقدیم حاصل ہے اور آخرت میں سیادت آپ کی ہوگی۔ یہ دونوں امور صحیح احادیث سے منصوص ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت اور دیگر ہر نبی اور رسول کی روحانیت موجود ہے۔ وہ حضرات اپنے زمانوں میں جو احکام اور علوم ظاہر کرتے تھے اُن میں آپ کی روحِ پاک سے اُن کو امداد پہنچتی تھی اور تشریعِ شرائع میں اعانت فرمائی جاتی تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانۂ اقدس میں علی اور معاذ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امداد پہنچاتے رہتے تھے اور جیسے الیاس اور خضر علیہما السلام کو آپ کی مدد پہنچتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جبکہ آپ کے آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق آپ کی امت پر حکومت کریں گے اور علی الاعلان آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور کرائیں گے۔ لیکن اِس عالمِ محسوسات میں چونکہ پہلے آپ کا عین وجودِ انور موجود نہیں تھا، اسی لیے ہر شریعت اُسی نبی کی جانب منسوب ہوئی جو اُسے دے کر بھیجا گیا تھا حالانکہ حقیقت میں تمام گزشتہ شرائع بھی شریعتِ محمد یہ ہی ہیں۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)"۔

اگرچہ نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ قبل ازیں مفقود تھی کیونکہ کسی اور کو اِس کا علم نہیں تھا جیسے وہ ب بعینہٖ مفقود ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آپ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق حکم نافذ کرنے کے زمانے میں بعینہٖ مفقود ہوگی اور فخرِ دو عالم ﷺ کی شریعت سے سابقہ جملہ شرائع کو منسوخ کر دینا یہ نسخ انہیں آپ کی شریعت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قرآن وسنت سے ظاہر ہونے والی شریعت میں نسخ ظاہر کیا ہے حالانکہ ہمارا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہونے والی شریعت بھی شریعتِ محمد یہ ہے، جسے لے کر آپ مبعوث ہوئے۔ بات صرف اتنی ہوئی ہے

کہ متأخر سے متقدم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس نسخ پر ہمیں قرآن وسنت نے مطلع فرمایا ہے اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنا اُنہیں آپ کی شریعت ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آخری زمانے میں اپنی شریعت کے بغیر نازل ہونا اور دوسری شریعت کے مطابق حکمرانی کرنا اور اپنی شریعت کے مطابق حکم نہ کرنا حالانکہ اپنے دورِ رسالت میں وہ اُسی کا حکم فرماتے تھے بلکہ اس کے باوجود وہ شریعت محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے یہ صریحاً اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی شریعتِ مطہرہ کی موجودگی میں کسی دوسری شریعت کے مطابق حکم نہیں کیا جاسکتا اور اس میں وہ اہلِ کتاب بھی شامل ہیں جو ذمّی ہیں جب تک وہ ذلت اور رُسوائی کے ساتھ جزیہ ادا کرتے رہیں کیونکہ شرع کا حکم ہر حالت کو مشتمل ہے۔ پس

فَخَرَجَ مِنْ هٰذَا الْمَجْمُوْعِ كُلِّهٖ اَنَّهٗ مَلِكٌ وَسَيِّدٌ عَلٰى جَمِيْعِ بَنِيْ اٰدَمَ وَاَنَّ جَمِيْعَ مَنْ تَقَدَّمَهٗ كَانَ مَلِكًا لَهٗ وَتَبِعًا وَالْحَاكِمُوْنَ فِيْهِ نَوَّابٌ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۱۲)

''مذکورہ مجموعے سے یہ معلوم ہوا کہ جملہ بنی آدم کے بادشاہ اور سردار نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے جو بھی عالم وجود میں آیا وہ آپ کی مِلک اور تابع ہے اور آپ سے پہلے صاحبانِ حکم (انبیاء) آپ ہی کے نائب تھے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''۔

• اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے کسی پر فضیلت نہ دو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو فضیلت نہیں دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اور اگر چہ یہ وارد ہوا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (انعام:90)

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنہیں کی راہ چلو''۔

چونکہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُن کو...... ہدایت کی اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ ہے۔ یعنی اپنی اُس شریعت کو بھی لازم پکڑو جو تمہارے نائبوں کے ذریعے اقامتِ دین کے سلسلے میں ظاہر ہوئی اور اُس میں تفریق نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اُن (انبیائے کرام) کا اتباع کرو۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا کہ: تفریق نہ کرو۔ اس میں شریعت کے واحد ہونے کی دلیل ہے نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط (النساء:125)

''اور ابراہیم کے دین پر چلا، جو ہر باطل سے جُدا تھا''۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت دین ہے اور دین کے اتباع پر آپ مامور ہیں کیونکہ دین تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی اور کی جانب سے نہیں۔ اب بھی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی کی طرف توجہ فرمایئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوا اُنہیں کوئی چارہ نہ تھا۔ اِتباع کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کو دین کے اتباع اور ہدایتِ انبیاء کے اقتداء کا حکم دیا گیا نہ کہ اُن کی اقتداء کا کیونکہ:

فَاِنَّ الْاِمَامَ الْاَعْظَمَ اِذْ حَضَرَ لَا يَبْقِيْ لِنَائِبٍ مِّنْ نُّوَّابِهٖ حُكْمٌ اِلَّا لَهٗ فَاِنْ غَابَ حُكْمُ النُّوَّابِ بِمَرَاسِمِهٖ فَهُوَ الْحَاكِمُ غَيْبًا وَّشَهَادَةً وَمَا اَوْرَدْنَا هٰذِهِ الْاَخْبَارَ وَالتَّنْبِيْهَاتِ اِلَّا تَانِيْسًا لِمَنْ لَا يَعْرِفُ هٰذِهِ الْمَرْتَبَةَ مِنْ كَشْفِهٖ وَلَا اِطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا مِنْ نَفْسِهٖ وَمَا اَهْلُ اللّٰهِ فَهُمْ فِيْهَا عَلٰى مَا نَحْنُ عَلَيْهِ قَدْ قَامَتْ لَهُمْ شَوَاهِدُ التَّحْقِيْقِ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ فِيْ نُفُوْسِهِمْ۔ (ص ۱۱۴)

''جب شہنشاہِ اعظم موجود ہو تو اُس کے حکم کے سامنے اُس کے نائبوں کا حکم کب چل سکتا ہے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر نواب کا حکم رسمی طور پر غائب ہو، تب بھی پوشیدہ اور ظاہر طور پر حاکم وہی شہنشاہ ہے۔ ہم نے یہاں جو احادیث اور تنبیہات نقل کی ہیں، اِس سے مقصود اُس شخص کی تانیس و تالیف ہے جو اِس عظیم الشان مرتبے سے نا آشنا ہے۔ وہ نہ کشف کے ذریعے اِسے جانتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس کی اطلاع دی ہے لیکن اللہ والوں (اولیاء اللہ) کا خیال وہی ہے جو ہمارا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے اُن کے نفوس میں اُن کے رب کی جانب سے تحقیقی دلائل و شواہد موجود ہوتے ہیں''۔

شیخِ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مذکورہ بالا کلام اِس تقدیر پر ہے کہ ملک سے انسان مراد لے لیے جائیں لیکن جب ہم فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ سب پر دکھائی دیتی ہے جیسے کہ بعض لوگ اِس جانب گئے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم نہ ہوتے تو نہ زمین و آسمان کو پیدا کیا جاتا اور نہ جنت و دوزخ کو۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا ساری مخلوق کا ذکر فرمایا ہے۔ پس اوّل موجود جو فصلِ اوّل ہے اُس سے

پہلا منفصل ہونے والا نفسِ کلی ہے اور اِس میں آخری منفصل حضرت حوا ہیں، جو آخری موجود سے منفصل ہوئیں اور آخری موجود حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پس اجناسِ عالم میں انسان سب سے آخری موجود ہے۔ یہاں صرف چھ اجناس ہیں اور ہر جنس کے تحت انواع ہیں، اِس کے بعد انواع کے تحت اور انواع ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلی جنس فرشتے ہیں، دوسری جن، تیسری معدن، چوتھی نباتات، پانچویں حیوانات، اور جب ملک کی انتہا ہوئی نیز اپنی شان کے لحاظ سے ذاتِ باری تعالیٰ ممتہد و مستوی ہوئی تو چھٹی جنس انسان کو بنایا جو اُس کی اِس مملکت میں اُس کا خلیفہ ہے اور آخر میں اِس لیے موجود ہوا تا کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ وہ بالفعل امام ہے صلاحیت یا قوت کی بنا پر نہیں۔ نیز:

فَعِنْدَ مَا اَوْجَدَ عَيْنَهُ لَمْ يُوْجِدْهُ اِلَّا وَالِيًا سُلْطَانًا مَلْحُوْظًا ثُمَّ جَعَلَ لَهُ نُوَّابًا حِيْنَ تَاَخَّرَتْ نَشَاةُ جَسَدِهٖ فَاَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ وَخَلِيْفَةٌ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ وُلِدَ وَاتَّصَلَ النَّسْلُ وَعَيَّنَ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ خُلَفَاءُ اِلٰى اَنْ وَصَلَ زَمَانُ نَشَاةِ الْجِسْمِ الطَّاهِرِ الْمُحَمَّدِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَهَرَ مِثْلَ الشَّمْسِ الْبَاهِرَةِ فَانْدَرَجَ كُلُّ نُوْرٍ فِيْ نُوْرِهِ السَّاطِعِ وَغَابَ كُلُّ حُكْمٍ فِيْ حُكْمِهٖ وَانْقَادَتْ جَمِيْعُ الشَّرَائِعِ اِلَيْهِ وَظَهَرَتْ سِيَادَتُهُ الَّتِيْ كَانَتْ بَاطِنَةً فَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ o فَاِنَّهُ قَالَ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَقَالَ عَنْ رَبِّهٖ ضَرَبَ بِيَدِهٖ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَحَصَلَ لَهُ التَّخَلُّقُ وَالنَّسَبُ الْاِلٰهِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى عَنْ نَفْسِهٖ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَجَآءَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِي سُوْرَةِ الْحَدِيْدِ الَّذِيْ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ فَلِذٰلِكَ بُعِثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسَّيْفِ وَاُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (ص ۱۱۳)

"جب عین (مرکزِ دائرۂ تخلیق) کو پیدا فرمایا تو اُن کے منصب کے لحاظ سے سب کا والی اور سلطان بنایا گیا اور انھیں جسمانی لحاظ سے متاخر کرنے کی وجہ سے اُن کے نائب بنائے۔ پس جو اُن کا سب سے پہلا نائب ہوا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، پھر اُن کی اولاد ہوئی اور نسلی سلسلہ چلتا گیا، جن سے ہر زمانے میں آپ کے خلفاء معین فرمائے گئے،

یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر کے ظہور کا وقت قریب آ گیا۔ پس آپ آفتابِ نصف النہار کی طرح جلوہ افروز ہوئے۔ پس ہر نور آپ کے بلند نور میں داخل ہو گیا اور ہر حکم آپ کے حکم میں غائب ہو گیا اور تمام شریعتیں آپ کے تابع ہو کر رہ گئیں اور آپ کی سیادت جو پوشیدہ تھی وہ ظاہر و باہر ہو گئی، پس آپ اول، آخر، ظاہر اور باطن ہیں نیز نبی کریم ﷺ تمام اشیاء کا علم دیئے گئے ہیں، جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ: مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اپنے رب کے متعلق فرمایا کہ اپنے دستِ قدرت کو میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے دستِ قدرت کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور مجھے سب اگلوں اور پچھلوں کا علم حاصل ہو گیا، پس آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے تخلُّق اور نسبتِ الٰہی حاصل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اوّل، آخر، ظاہر اور باطن ہے نیز ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ یہ آیت سورۂ حدید کی ہے۔ لوہے میں شدید بأس ہوتا ہے اور لوگوں کے لیے لوہا بڑی کارآمد چیز بھی ہے۔ پس نبی کریم ﷺ کو تلوار دے کر مبعوث فرمایا گیا اور آپ کو ایسا عظیم الشان رسول بنا کر بھیجا گیا جو سارے جہان کے لیے رحمت ہے''۔

تخلیقِ رُوحِ محمدی

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیّہ کے بارھویں باب کے صفحہ ۱۸۵ پر فرمایا ہے:

اَلَا بِاَبِیْ مَنْ کَانَ مَلِکًا وَسَیِّدًا وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ وَاقِفٌ
فَذَاکَ الرَّسُوْلُ الْاَبْطَحِیُّ مُحَمَّدٌ لَهٗ فِی الْعُلَا مَجْدٌ تَلِیْهِ وَطَارِفٌ
اَتٰی بِزَمَانِ السَّعْدِ فِیْ اُخْرَی الْمَدٰی وَکَانَتْ لَهٗ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ مَوَاقِفُ
اَتٰی لِاِنْکِسَارِ الدَّهْرِ یَجْبُرُ صَدْعَهٗ فَاَثْنَتْ عَلَیْهِ اَلْسُنٌ وَعَوَارِفُ
اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا یَکُوْنُ خِلَافَهٗ وَلَیْسَ لِذَاکَ الْاَمْرِ فِی الْکَوْنِ صَارِفُ

''(۱) میرا باپ اُس پر قربان ہو، جو اُس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھا، جب آدم علیہ السّلام مٹی اور پانی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

(۲) وہ وادیٔ بطحاء کے رہنے والے رسول ہی تو محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جن کی رفعتِ شان میں ہر قسم کی بزرگی موجود ہے۔

(۳) آپ اُس آخری دور میں جلوہ افروز ہوئے جو بڑا مبارک زمانہ ہے اور ہر زمانے میں آپ

کے لیے موافق ہیں۔

(۴) آپ زمانے کی شکستگی کے وقت تشریف لائے اور اِس کے ٹکڑوں کو جمع کیا، جس کے باعث ہر زبان میں ہر ذی علم و دانشمند نے آپ کی تعریف کی۔

(۵) آپ نے جس امر کا قصد فرمایا اُس کا خلاف نہیں ہوا کیونکہ آپ کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں ہے“۔

طالبِ حقیقت کو معلوم ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے، جب ارواحِ محصورہ کو پیدا فرمایا گیا جو زمانے میں تمام اجسام کی تدبیر کرتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدتِ معلومہ کی تعیین کے لیے فلک کی حرکت کے وقت حاصل ہوتا ہے اور زمانے کی حرکت سے بھی پہلے اپنی حقیقت کو ظاہر فرمانے کی خاطر جس روحِ مدبّرہ کو پیدا کیا وہی رسول اللہ ﷺ کی روحِ مبارک ہے۔ اِس کے بعد فلک کی حرکات کے وقت اور ارواح کا صدور ہوا۔ اُن کا وجود عالمِ غیب میں تھا اور عالمِ شہادت میں وہ موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے مطلع فرمایا اور خوشخبری دی اور آدم علیہ السلام کی اُس وقت وہی حالت تھی جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ وہ مٹی اور پانی میں تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کے اسمِ باطن کا زمانہ ختم ہوا، جو آپ کے جسمِ اطہر کے وجود تک ہے یعنی روح اور جسم کے ارتباط تک تو زمانے کا حکم اسمِ باطن سے اسمِ ظاہر کی جانب منتقل ہو گیا اور فخرِ دو عالم ﷺ جسم اور روح کے ساتھ کلیۃً جلوہ افروز ہو گئے۔

پس تمام انبیاء و مرسلین علیہ السلام کے شرائع سے جو کچھ ظاہر ہوا پہلے اُس کی نسبت آپ کی جانب باطنی تھی لیکن آپ کے رونق آرائے گیتی ہو جانے پر اُن کا حکم ظاہر طور پر آپ کی طرف ہوا، اسی لیے تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں تا کہ آپ کے اسمِ باطن اور اسمِ ظاہر کا فرق ظاہر ہو جائے حالانکہ مشروع واحد ہے اور آپ ہی صاحبِ شرع ہیں، جیسا کہ خود فرمایا ہے: کُنتُ نَبِیًّا یعنی نبی میں تھا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں انسان تھا، نہ یہ فرمایا کہ میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شرع کے بغیر نبوت نہیں ہوتی، لیکن آپ نے خبر دی ہے کہ میں انبیائے کرام کے موجود ہونے سے پہلے بھی نبی تھا، حالانکہ اِس دنیا میں وہ آپ کے نائب اور صاحبِ شریعت تھے۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا ہے کہ اِس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ علم میں سرورِ کون و مکاں ﷺ ہی کی سیادت ہے اور اِسی طرح حکم میں آپ کو سیادت حاصل ہے، اِسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اب زندہ ہوتے تو اُنہیں میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اِسی طرح آپ کا یہ فرمانا کہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام میری اُمت میں قرآن کریم کا

حکم جاری کریں گے۔ اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اِس دنیا میں آپ کی سیادت ہر لحاظ سے مسلّم اور واضح ہے۔ بعد ازیں قیامت میں شفاعت کا دروازہ کھولنے سے تمام انسانوں پر آپ کی سیادت ثابت کی ہے۔ یہ شرف قیامت میں نبیِ آخر الزماں ﷺ کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہو گا۔ آپ ہی فرمائیں گے کہ انبیاء و مرسلین کو شفاعت کی اجازت بخشی جائے اور ملائکہ کے لیے بھی یہ شفاعت کی جائے گی۔ پس آپ کی اِس شفاعت کے باعث ہی ملائکہ و انبیاء و مرسلین و مؤمنین کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی۔ اِس لحاظ سے حقیقی شفیع اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے صرف نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔

اِس کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے اپنی شریعتِ مطہرہ سے دوسری شریعتوں کو اور اپنے دین سے دوسرے ادیان کو منسوخ کر دیا ہے، خود اُنہیں سابقہ مرسلینِ عظام لے کر آئے یا وہ پہلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا۔ پس کسی دین کا کوئی حکم باقی نہیں رہا سوائے اُسی دین کے جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھنا مقرر فرمایا ہے اور وہ شریعتِ مصطفوی اور آپ کی عام رسالت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی حکم باقی رہ گیا ہو، پس وہ خدا کا حکم نہیں ہے سوائے خاص جزئیہ کے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اب وہ خدا کا حکم نہیں ہے کیونکہ خود باری تعالیٰ نے اُنہیں باطل قرار دے دیا ہے اور وہ اتباع کرنے والے کے لیے محض ایک بوجھ ہے۔ پس یہ آپ کے دین کا تمام ادیان پر غلبہ ہے جیسا کہ نابغہ شاعر نے کہا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاکَ صَوْلَةً　　　تَرٰی کُلَّ مَلِکٍ دُوْنَهَا یَتَذَبْذَبُ

فَاِنَّکَ شَمْسٌ وَالْمُلُوْکُ کَوَاکِبُ　　　اِذَا طَلَعَتْ لَمْ یَبْدُ مِنْهُنَّ کَوْکَبُ ا؎

"(۱) کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا غلبہ مرحمت فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ آپ کے سامنے لرزہ براندام ہوتا ہے۔

(۲) آپ کی مثال سورج کی ہے اور دوسرے بادشاہ ستارے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سورج جلوہ افروز ہو جائے تو کسی ستارے کا وجود نظر نہیں آتا۔

پس نبی کریم ﷺ کا مرتبہ دیگر انبیاء و مرسلین کے ساتھ اور آپ کی شریعت کا دیگر شرائع کے ساتھ اُسی طرح ہے جیسے سورج کے سامنے ستارے، جن کا نور سورج کے نور میں گم ہو جاتا ہے جبکہ سارے ہی برحق اور اللہ رب العزت کی جانب سے ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ حضرت شیخ موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے اور بھی بڑے اوصاف بیان کیے ہیں، جو تحقیق یا تفصیل کا شائق ہے وہ ان کی اصل کتاب کی جانب رجوع کرے۔

دستگیرِ کائنات

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے چودھویں باب، صفحہ ۱۹۴ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آئے، جو شریعت کو متضمن ہوتی ہے، جس کی روشنی میں وہ بنفسہٖ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُسے شریعت دے کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے تو ایسی ہستی کو رسول کہتے ہیں۔ (علیہ وعلیہم السلام)

اُن کے پاس فرشتہ دو حالتوں میں آتا ہے: (۱) یا اُن کے قلب پر نزول کرتا ہے اور اُس نزول کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ (۲) یا خارج میں مجسم ہو کر آتا ہے اور نبی کے کان میں اُس کا اِلقاء کرتا ہے جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہے اور نبی اُس کی آواز کو بخوبی سنتا ہے یا اُس کی بصارت پر القا کرتا ہے اور وہ اپنے دیکھتا ہے نیز دیکھنے سے وہی فائدہ حاصل کرتا ہے جو سننے سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اِس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی طرح حواس کی باقی قوتوں کا حال ہے۔ یہ دروازہ (وحی کا) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بند ہو گیا ہے۔ کسی دوسرے کے لیے اِس کی جانب ہرگز کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ ایسی شریعت پر عمل کر سکے جو شریعتِ محمدیہ کی ناسخ ہو، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب دوبارہ نزول ہوگا تو وہ بھی شریعتِ محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام خاتم الاولیاء قرار پائیں گے کیونکہ یہ شرف بھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کی ولایت اور ولایتِ مختصہ کو ایک ایسے فرد پر ختم فرمائے گا جو نبی اور رسول بھی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزِ شمار میں دو حشر ہوں گے۔ ایک انبیاء و مرسلین کے ساتھ بحیثیت ایک رسول کے اور دوسرا ولی کی حیثیت میں اُمتِ محمدیہ کے ساتھ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں گے اور اِس فضیلت میں وہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔

اِسی کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولیاء و اقطاب کی شان بیان کر کے فرمایا کہ قطبِ واحد صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کی روحِ مبارک ہے اور آپ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اقطاب کے تخلیقِ نوعِ انسان کے وقت سے مدد و معاون ہیں اور تا قیامت رہیں گے (1)۔

1۔ اسی لیے تو اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے　　باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے اُمیدگہ کہوں　　جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے

جیسا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا: میں تو اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اِس کے بعد سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی روحِ مبارک کے اِس عالمِ آب وگل میں مختار مظاہر ہیں اور اُن میں سے اکمل مظاہر کے نام قطبِ زمان، افراد اور ختمِ ولایت محمدی ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ختمِ ولایتِ عامہ ہیں۔

فضائل اہلِ بیت

شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کے انتیسویں باب میں صفحہ ۲۵۵ پر اِس امر کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جس شرف اور جن عنایات سے نوازا ہے اُن کی رعایت سے آپ کے اہلِ بیتِ اطہار کی فضیلت کیا ہے؟ چونکہ رسول اللہ ﷺ خالص عبد ہیں اس لیے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو پاک صاف فرمادیا(1) اور ان سے ہر قسم کی رِجس کو دور کر دیا اور رِجس ہر معیوب چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس بارے میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞ (احزاب)

”بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے“۔

پس اُن حضرات کی جانب نہیں نسبت کر سکتے مگر پاکیزگی کی اور جس چیز کی اُن کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ اُن کے حال کے عین مطابق ہے اور اُن کی طرف وہی منسوب ہوگا جسے طہارت اور پاکیزگی حاصل ہوگی نیز سرورِ کون ومکاں ﷺ کی زبانِ مبارک سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی طہارت، حفظِ الٰہی اور گناہوں سے بچنے کی شہادت دی گئی ہے۔ علاوہ بریں اُن کے متعلق فخرِ

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں — دِرمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اِس مُردہ دل کو مُژدہ حیاتِ ابد کا دوں — تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خَلق کا آقا کہوں تجھے

1۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ سلمان ہم سے اور ہمارے اہلِ بیت سے ہے، (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

اہلِ بیت اطہار کے حق میں اللہ رب العزت نے طہارت اور ذہابِ رِجس کی گواہی دی ہے اور جب اُن کی جانب مقدس و مطہر کے سوا کوئی دوسرا منسوب ہی نہیں ہو سکتا اور اِس نسبت کے باعث آدمی عنایتِ الٰہی کا اِس درجہ مستحق ہو جاتا ہے تو خود اہلِ بیت کی مقدس ہستیوں کے بارے میں کیا گمان ہونا چاہیے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضرات نہ صرف پاک صاف بلکہ عین طہارت ہیں۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اہلِ بیت کو اِس آیت کریمہ میں بھی شامل فرمایا ہوگا، جو یوں ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح)

"تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اَور تمہارے پچھلوں کے"۔

کیونکہ گناہوں سے بڑی اور کون سی گندگی ہو سکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت کے ساتھ اُس چیز سے پاک صاف رکھا جو ہمارے حق میں گناہ ہے اور ایسا کوئی فعل اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرزد ہو تو خواہ وہ دیکھنے والے کو صورتاً گناہ نظر آئے لیکن حقیقت میں گناہ ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شرعاً ہماری جانب سے کوئی مذمّت لاحق نہیں ہو سکتی، بصورتِ دیگر اگر حقیقت میں وہ گناہ ہوتا تو وہی مذمّت لاحق ہو سکتی جو گناہ کرنے سے ہوتی ہے۔ اِس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: اللہ تعالیٰ اہلِ بیت سے ہر قسم کی گندگی کو دور کرنا اور اُنہیں پاک صاف رکھنا چاہتا ہے، کیونکر صادق آئے گا؟

پس سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ امجاد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے، جو قیامت تک زمرۂ اہلِ بیت میں ہیں وہ مذکورہ آیت کریمہ کے حکمِ مغفرت میں بھی شامل ہیں۔ ایسے جملہ حضرات فخرِ کون و مکاں، افتخارِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ خاص طور پر پاک صاف ہیں اور اہل بیت کے اِس خصوصی شرف کا مظاہرہ حقیقت میں بروزِ قیامت ہوگا کیونکہ یہ حضرات قدسی صفات قبروں سے مغفور و مرحوم ہی اٹھائے جائیں گے اور اِس دارِ عمل و مکافات میں اگر اُن میں سے کسی پر حد قائم کرنا لازم آئے تو تائب کی طرح اُس پر حد قائم کی جائے گی، جس نے زنا کیا یا چوری کی یا شراب پی اور اُس کی شکایت حاکم تک پہنچی اور حاکم اُس پر اِس حالت میں حد قائم کر رہا ہو کہ اُس نے توبہ کر لی ہے۔ ایسے کی مغفرت چونکہ ثابت ہے لہٰذا اُس کی

مذمت جائز نہیں۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے کلام معجز نظام پر ایمان رکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ اللہ رب العزت کے اِس ارشادِ عالی کی دل و جان سے تصدیق کرے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ (احزاب)

''بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے''۔

اور اہلِ بیتِ اطہار سے اگر کوئی ناشدنی فعل سرزد ہو جائے تو اُس کے متعلق یہی گمان کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایسے کسی امر کے باعث اُن کی مذمت کرے اور نہ کسی ایسے فعل کے سبب جو کارِ خیر ہو لیکن وہ اُسے نہ کر سکے تو اُن کے تقویٰ و طہارت کی پاک صاف چادر کو داغدار کرنے کا وبال اپنے سر نہ لے کیونکہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا پاک کیا ہے کہ ہر طرح کی گندگی اُن سے دور فرمادی ہے۔ یہ اُن کے حال پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور وہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو خبر وارد ہوئی وہ حق اور صحیح ہے، واقعی اُن کا وہی درجہ اور مرتبہ ہے۔ اگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت ایسی ہوتی جو ظاہری شرع کے نزدیک پسندیدہ نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔ اِس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اہلِ بیت کی جانب ایسے حضرات بھی منسوب ہیں جن سے رِجس دور نہیں ہوئی ہے اور اُس منسوب کئے گئے رِجس کے مطابق حضرات اہلِ بیت کی شان پر حرف آئے گا، حالانکہ اُن مقدس ہستیوں کی طہارت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بالیقین اہل بیت سے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ عقیل و سلمان کے عقب کو بھی یہ شرف حاصل ہوگا جیسے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد وعقب اور اہل بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو یہ شرف حاصل ہے اور دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کا یہ مرتبہ ہے کہ اہلِ فضل و کمال کی جانب منسوب ہونے والا بھی اُس کمال سے منسوب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ شرف اُن کے نفوس کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اُنہیں منتخب کر کے شرافت کی پوشاک پہناتا ہے۔ پس اے اللہ کے دوست! اُس شخص کا مقام کتنا بلند ہوگا جو اُس ذات کی طرف منسوب ہو جس کے لیے عنایت، بزرگی اور شرف خود اپنی ذات سے ہے اور وہ ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو صرف اُسی کی جانب

منسوب ہیں، اُن کی یہی شان ہے کہ آخرت میں کسی مخلوق کو اُن پر غلبہ نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِسی لیے تو ابلیس علیہ اللعنۃ سے فرمادیا تھا کہ:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر)

''بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں''۔

اِس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہمیں نیک لوگوں کے سوا اور کسی کی اللہ ربُّ العزت کی طرف نسبت نہیں ملتی اور دوسری قسم کے لوگوں کے لیے صرف عباد کا لفظ آتا ہے۔ پس کیا خیال ہے تمہارا اُن ہستیوں کے بارے میں جو گناہوں سے بچائے ہوئے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی قائم کردہ حدود اور نشانات پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اعلیٰ مراتب پر فائز اور کامل انسان ہیں۔

اِس کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب تیرے نزدیک اہلِ بیتِ اطہار کا مرتبہ واضح ہو چکا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اُن سے واقع ہونے والے کسی فعل پر اُن کی مذمت کرے کیونکہ ربِّ کریم نے اُنہیں پاک صاف فرمایا ہے، اِن حالات میں مذمت کرنے والے کو جان لینا چاہیے کہ یہ مذمت اُسی کی جانب لوٹے گی کیونکہ اُس کی نظر میں اگر اُن حضرات قدسی صفات نے کوئی ظلم کیا ہے تو وہ فعل اُن کے گمان میں ظلم ہوگا لیکن حقیقتِ نفس الامری کے لحاظ سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا، خواہ ظاہر شرع بھی اُس کی ادائیگی کا فیصلہ کرے، کیونکہ اِن حضرات کا ہمارے اوپر ظلم کرنا حقیقت میں تقدیرِ الٰہی کے جاری ہونے کی طرح ہے، جیسے تقدیرِ الٰہی سے جان و مال کے غرق ہونے، جل جانے اور دوسرے طریقوں سے ہلاکت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں یا جیسے کسی کا کوئی دوست یا عزیز جل کر مر جائے یا خود اُسے کوئی صدمہ پہنچے۔ چونکہ یہ اُس کی رضا و رغبت کے مطابق نہیں، اِس کے باوجود اُسے یہ ہرگز اجازت نہیں ہے کہ قضائے الٰہی کی مذمت کرنے بیٹھ جائے بلکہ اُس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھامے، اگر اِس سے نچلے درجے پر رہنا ہے تو صبر کرے اور بلند منصب حاصل ہے تو مصائب پر بھی شکر ادا کرے کیونکہ مصائب کی برداشت کے مطابق نعمتیں ہیں۔ مذکورہ راستوں کے علاوہ اور کوئی طرزِ عمل اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔ علاوہ بریں دیگر راستوں میں تنگی، سختی، رضائے الٰہی پر راضی نہ رہنا اور سوء ادب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

پس مسلمان کو چاہئے کہ اہلِ بیتِ اطہار کی طرف سے جو اُن کے جان، مال، اولاد کے ساتھ یا کسی

معاملے میں ایسا سلوک ہو جائے جو اُس کی مرضی کے خلاف ہو، تو اُسے چاہیے کہ تسلیم و رضا اور صبر کے ساتھ اُسے برداشت کرے اور اُن کی ذرا سی بھی مذمت نہ کرے۔ اگر چہ اُس پر شرعی احکام جاری ہوں مگر یہ اُن کے شرف و مجد کو زائل نہیں کرتے بلکہ تقدیر کی طرح جاری ہوتے ہیں۔

ہم نے اہلِ بیت کی مذمت کرنے سے بایں وجہ منع کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُن حضرات کو ہم سے ممتاز کیا ہے اور ہم اُن کے قطعاً ہم پلّہ نہیں ہیں۔ رہا حقوق مشروعہ کے ادا کرنے کا معاملہ، تو خود رسول اللہ ﷺ جب یہود سے قرض لیتے اور مطالبہ کرتے تو آپ بطریقِ احسن ادا فرما دیتے۔ اگر یہودی بدسلوکی بھی کرتے تب بھی آپ ﷺ صحابۂ کرام کو منع فرما دیتے کہ اِس سے درگزر کرو اور کچھ نہ کہو، کیونکہ صاحبِ حق کو کلام کی گنجائش ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا کہ اگر فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی چوری کرے تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ پس احکامِ الٰہی کا وضع کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جیسے چاہے اور جس حال میں چاہے وضع فرمائے، کیونکہ یہ اللہ رب العزت کے حقوق ہیں، لیکن بایں ہمہ اللہ جل شانہٗ نے اُن کی مذمت نہیں فرمائی ہے۔

یہاں کلام ہمارے حقوق کے بارے میں ہے اور ہمیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہیں تو اپنے حقوق کا اُن حضرات سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اُن سے دستبردار ہو سکتے ہیں جبکہ عام لوگوں سے حقوق میں دست بردار ہو جانا ہی افضل ہے تو اہلِ بیت کے ساتھ ایسا سلوک کرنا تو اور بھی فضیلت رکھتا ہے۔ جب ہمیں کسی مسلمان کی بھی مذمت نہیں کرنی چاہیے تو اہلِ بیت کی مذمت کس منہ سے کریں؟ اگر ہم اہل بیت سے اپنے حقوق طلب نہ کریں اور جو اُنہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو اُس سے درگزر کریں تو اس حسنِ سلوک کے عوض بارگاہِ خداوندی سے بہت بڑا انعام اور قربِ الٰہی نصیب ہوگا کیونکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے اِس کے علاوہ ہم سے اور کوئی چیز طلب نہیں فرمائی کہ آپ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔ اِس میں راز یہ ہے کہ صلہ رحمی ایک اہم چیز ہے، لیکن جو شخص اپنے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوال کو پورا نہ کرے جبکہ وہ اس پر قادر ہے تو کل بروزِ قیامت کس منہ سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگا یا کس طرح اُن سے شفاعت کی امید رکھے گا جبکہ اُس نے اپنے نبی کے ایک مطالبے کو پورا نہ کیا، جو آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں سے محبت رکھنے کے بارے میں کیا ہے۔

جائے غور ہے کہ جب قرابت داروں کی بارگاہِ رسالت میں اتنی اہمیت ہے تو اہلِ بیتِ اطہار کی

اہمیت کتنی ہوگی جبکہ یہ جملہ حضرات قرابت میں بھی خاص الخاص ہیں۔

علاوہ بریں قرآنِ کریم میں لفظ مَوَدَّتْ آیا ہے اور اِس کا مطلب محبت پر قائم رہنا ہے، کیونکہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اسے ہر حال میں حرزِ جان بنائے رکھتا ہے اور جب اہلِ بیت کی محبت کو ساتھی بنا کر رکھا جائے گا، تو اُن سے جو حق تلفی بھی ہو جائے گی، تو بھلا وہ اُن سے کس طرح مطالبہ کرے گا؟ وہ مطالبے کو ترک کر دے گا اور مطالبے پر محبت کو ترجیح دے گا۔ کسی محبِّ صادق نے کیا خوب کہا ہے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے۔ یہ محبت کرنے کے بارے میں کہا ہے تو مَوَدَّتْ میں کیا حال ہونا چاہیے؟ اِس میں ایک خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام وَدُوْدٌ بھی ہے اور آخرت میں اِس کا بالفعل اثر حاصل ہونے کے سوا اِس کے ثبوت کا کوئی اور معنیٰ نہیں ہے اور لوگوں میں سے ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ ہے۔ ایک دوسرے شاعر نے اِسی بات کو یوں ادا کیا ہے:۔

اُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانِ حَتّٰی　　اُحِبُّ لِحُبِّهَا سُوْدَا الْكِلَابِ

''اپنے محبوب کی محبت میں کالے کلوٹے لوگوں سے بھی محبت کر، حتیٰ کہ کالے کتوں سے بھی محبت رکھ''۔

اور شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس مضمون کو یوں باندھا ہے:۔

اَحِبَّ لِحُبِّكَ الْحُبْشَانَ طُرًّا　　وَاعْشِقْ لِاِسْمِكَ الْبَدْرِ الْمُنِيْرَا

''اپنی محبت کے باعث سارے حبشیوں سے محبت کر اور اپنے نام کے باعث بدرِ منیر کا عاشق ہو جا''۔

کہتے ہیں کہ کالے کتے مجنوں کو کاٹتے تھے لیکن وہ لیلیٰ سے رنگ کی مناسبت رکھنے کے باعث اُن سے بھی محبت کرتا تھا۔ اُس محبّ کا یہ حال ایسے شخص کی محبت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ اُس کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، پھر بھی یہ سلوک ہے جو مذکور ہوا اور یہ سچی محبت اور دِلی مودّت کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر تجھے اللہ جل شانہٗ اور اُس کے آخری رسول ﷺ سے سچی محبت ہے تو یقیناً تو اہلِ بیتِ نبی سے محبت رکھے گا اور یہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اہلِ بیت سے تیری طبیعت اور مرضی کے خلاف اگر کوئی بات صادر ہو جائے تو تیرے لیے وہ بہتر ہے اور اُس کے وقوع سے تجھے خوش ہونا چاہیے تجھے اِس کا علم اُس وقت ہوگا جب اُس کے روبرو جائے گا جس کے باعث اِن حضرات سے محبت کی ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ تیرے دل میں اُن کی محبت اور قدر و منزلت رکھی جو اہلِ بیتِ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تجھے چاہیے کہ اِس نعمت پر شکر

گزار رہے کیونکہ اُن پاک زبانوں پر تیرا ذکر آیا جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل طہارت سے نوازا ہے، جس کی حقیقت تک تیرے علم کی ہرگز رسائی نہیں ہے اور جب ہم تجھے اہلِ بیت کرام کے ساتھ، جن کا تو محتاج ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جن کے صدقے تجھے ہدایت ملی ہے، اِس حالت کے خلاف دیکھیں تو اُس وقت تیری محبت کا یقین کس طرح کیا جائے گا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہیں فرمائیں گے کہ تو مجھ سے محبت رکھنے اور میرے حقوق کی رعایت کرنے کا گمان رکھتا تھا حالانکہ میرے اہلِ بیت کے ساتھ تیرا یہ سلوک ہے کہ اُن کے متعلق بدگمانی رکھتا تھا اور اُن کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا تھا۔

خدا کی قسم یہ ایمان کی خرابی، اللہ تعالیٰ کی خفی تدبیر اور اُس کی ڈھیل کے سوا اور کچھ نہیں، حالانکہ تجھے اِس کا علم تک نہیں۔ تو یہی خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین وشرع کی حفاظت کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے حق کی طلب میں کہہ رہا ہے اور تو اپنے خیال میں وہی طلب کر رہا ہے جس کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ نے مباح ٹھہرایا ہے۔ لیکن اِس طلب میں ذم، بغض، حسد اور اہلِ بیت پر اپنی ذات کو ترجیح دینا بھی تو شامل ہے، جس کا تجھے شعور نہیں۔ اِس مہلک بیماری کا شافی علاج یہی ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار پر تو اپنے کسی حق کا دل میں خیال تک نہ لا اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا، تا کہ اُس کی طلب میں مذکورہ خرابیاں داخل نہ ہونے پائیں۔ آخر تو مسلمانوں کے حکام سے تو ہے نہیں کہ تجھ پر حدود کا قائم کرنا، مظلوم کا انصاف کرنا اور حقدار کو اُس کا حق دلوانا ضروری ٹھہرے۔ اگر تو حاکم ہے اور مذکورہ حقوق کا پورا کرنا تیرے ذمے لازمی ہے اور محکوم علیہ اہلِ بیت سے ہے، تو تجھے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صاحبِ حق سے کہے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور اُس کے انکار کی صورت میں شرع کا حکم نافذ کرنا تجھ پر ضروری ہے۔ اے دوست! آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ بیت کے جو منازل و مراتب ہیں، اگر اللہ تعالیٰ تیرے لیے اُن کا کشف کر دے تو تُو اُن کا غلام ہونا بھی دل وجان سے پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دِلوں کو رُشد و ہدایت سے معمور فرمائے (آمین)(1)۔

1۔

کس زباں سے ہو بیانِ عز و شانِ اہلبیت — مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلبیت
اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں — آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلبیت
اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں — قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلبیت

(حسنؔ بریلوی)

شریعتِ محمدیہ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیّہ کے چھتیسویں باب، صفحہ ۲۹۰ پر تحریر فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے کہ جب شرعِ محمدی تمام شرائع کو متضمن ہے اور اُن کا اِس دنیا میں شریعتِ محمدیہ کے علاوہ کوئی حکم نافذ نہیں کیونکہ جس حکم کی شرعِ محمدی تقریر کرے وہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ ہم اِن احکام پر اس وجہ سے عمل کرتے ہیں کہ اِن کی رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی ہے اور شرائع سابقہ کے احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ اُن ازمنہ کے مخصوص انبیاء کرام نے اُن کی اپنے زمانوں میں تقریر فرمائی تھی۔ چونکہ فخرِ دو عالم ﷺ کو جامع کلمات (جوامع الکلم) دیے گئے ہیں لہٰذا اِس وقت دنیا کے سارے مکلّف، خواہ وہ انسان ہوں یا جنّات، سب شرعِ محمدی پر عمل کریں گے کیونکہ اب شرعِ محمدی کے سوا دنیا میں کوئی اور شرع باقی نہیں ہے۔ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسی موضوع کے متعلق کتنے ہی فوائد اور بھی بیان فرمائے ہیں جو اُن پر مطلع ہونا چاہے وہ ان کی تصنیفِ لطیف فتوحاتِ مکیّہ کی جانب رجوع کرے۔

شفاعتِ کبریٰ

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۶۴، صفحہ ۴۰۸ پر شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ عظمیٰ کا ذکر کیا ہے کہ جب لوگ کھڑے ہوں گے اور زمین وسیع کر دی جائے گی، آسمان پھٹ جائے گا، ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے، سورج گہنا جائے گا، چاند کی روشنی زائل ہو جائے گی، چوپائے اکٹھے کیے جائیں گے، سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، روحیں اجسام میں داخل ہو جائیں گی، فرشتے آسمان کے کناروں پر اتر پڑیں گے، پروردگارِ عالم کی خاص تجلّیات بادلوں کے جھمگھٹوں سے ظاہر ہوں گی، ایک منادی پکارے گا کہ اے نیک بختو! اُس وقت اہلِ محشر کی تین جماعتیں ہو جائیں گی۔ لوگ ایک دوسرے سے اتنے مل جائیں گے کہ گرمی اور زیادہ محسوس ہونے لگے گی۔ بعض آدمی اپنے منہ تک پسینے میں غرق ہوں گے۔ یہ مصیبت سب سے سخت اور معاملہ انتہائی نازک ہوگا، لوگ حیران و پریشان ہوں گے اور بعض دھیمی آوازوں کے سوا کسی کی آواز تک سنائی نہیں دے گی۔ اُس وقت جہنم کو حاضر کیا جائے گا اور لوگوں کو اِس مصیبت میں پڑے ہوئے کافی عرصہ ہو جائے گا اور اُنہیں اس بات کا بالکل پتہ نہیں لگے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اُن کے ساتھ آج کیا ارادہ ہے؟

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ! ہم سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السّلام کے حضور میں حاضر ہو کر اُن سے عرض کریں کہ جس سختی میں ہم

مبتلا ہیں اُس سے نجات دِلوانے کے لیے اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں عرض کریں اور ہمیں آرام دِہ جگہ کی طرف لے جائیں کیونکہ اِس مصیبت کی جگہ ٹھہرے ہوئے ہمیں بہت عرصہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا مدّعا عرض کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج کے روز میرا رب سخت غضب کے عالم میں ہے اور اِس سے پہلے اِتنے غضب کا اُس نے کبھی اظہار نہیں فرمایا اور نہ ایسا غضب اِس کے بعد ظاہر فرمائے گا۔ اِس کے بعد اپنی ظاہری لغزش بیان کر کے فرمائیں گے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سوال کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

اِدھر سے مایوس ہونے پر سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے اور اُن سے بھی اپنا یہی مدعا عرض کریں گے لیکن وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے اور اپنی اُس دُعا کو لغزش شمار کریں گے جو اُنہوں نے اپنی قوم کیلئے کی تھی کہ یہ لوگ فُجّار و کفار ہی کو جنم دیں گے اور نوح علیہ السلام سے جو مواخذہ ہوا، اُس کا سبب محض سخت دعا کرنا ہی نہیں تھا بلکہ اُن کے بارے میں یہ فرمانا تھا کہ یہ لوگ فجار اور کفار کے سوا اور کسی کو جنم نہیں دیں گے۔

اِس کے بعد وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور مثل سابق اُن کے سامنے اپنا مدعا عرض کریں گے۔ آپ بھی حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کی طرح جواب دیں گے اور تین ایسے واقعات کا ذکر فرمائیں گے جو حقیقت میں مبنی بر صداقت تھے لیکن ظاہر میں سامع کی مراد کے مطابق نہیں تھے، چنانچہ اُن کے پیشِ نظر انکار فرمائیں گے۔ ازاں بعد لوگ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی غرض کا اُن سے اظہار کریں گے تو وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے بالآخر وہ سارا مجمع سیّد الانبیاء، شفیع المذنبین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو جائے گا، جو قیامت کے روز جملہ بنی نوعِ انسان کے سردار ہوں گے۔ جب آپ کی بارگاہ میں بھی وہی مدّعا عرض کریں گے جو دیگر انبیائے کرام کے حضور عرض کر چکے تھے تو سماعت فرمانے کے بعد فخرِ دو عالم ﷺ ارشاد فرمائیں گے، واقعی اِس کام کے لیے میں ہوں(1)۔

یہی تو مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز آپ کو مرحمت فرمایا جائے گا۔ پس آپ وہاں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوں گے اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ ربُّ العزت کی حمد و ثنا بیان کریں گے جو صرف آپ کی طرف اُس وقت الہام فرمائے جائیں گے اور اِس سے پہلے اُن سے

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اِسی لیے فرمایا ہے:

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، اُن کی گلی سے جائے کیوں

کوئی آگاہ نہ ہوگا۔ اِس کے بعد آپ بارگاہِ خداوندی میں یہ شفاعت کریں گے کہ مخلوق کے لیے بابِ شفاعت کھول دیا جائے گا(1)۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے شفاعت کا دروازہ کھول دے گا اور ملائکہ، انبیاء و مرسلین اور مومنین کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔ اُس وقت سب پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ سارے انسانوں کے سردار واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ ملائکہ و مرسلین کے لے شفاعت کی اجازت طلب کریں گے لیکن اِس کے باوجود آپ نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے صرف یہی فرمایا ہے کہ میں سَیِّدُ النَّاس ہوں اور سَیِّدُ الْخَلْق نہیں فرمایا۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو:

فَتَدْخُلُ الْمَلَائِکَةُ فِیْ ذَالِکَ مَعَ ظُهُوْرِ سُلْطَانِهٖ فِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ عَلٰی جَمِیْعٍ مِنْ مَلَکٍ وَغَیْرِهٖ وَذَالِکَ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جُمِعَ لَهٗ بَیْنَ مَقَامَاتِ الْاَنْبِیَاءِ کُلِّهِمْ وَلَمْ یَکُنْ ظَهَرَ لَهٗ عَلَی الْمَلَائِکَةِ مَا ظَهَرَا لِاٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَیْهِمْ مِنْ اِخْتِصَاصِهٖ بِعِلْمِ الْاَسْمَاءِ کُلِّهَا فَاِذَا کَانَ ذَالِکَ الْیَوْمُ اِفْتَقَرَ اِلَیْهِ الْجَمِیْعُ مِنَ الْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ فِی فَتْحِ بَابِ الشَّفَاعَةِ وَظَهَرَ مَالَهٗ مِنَ الْجَاهِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِذْ کَانَ الْقَهْرُ الْاِلٰهِیُّ وَالْجَبَرُوْتُ الْاَعْظَمُ قَدْ اَخْرَسَ الْجَمِیْعَ وَکَانَ

1۔ شفاعت کا تذکرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:

پیشِ حق مُژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے — آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
دِل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ — ہم پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
کُشتگانِ گرمیِ محشر کو وہ جانِ مسیح — آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ — نعمتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے
خاک اُفتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے — خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائیں گے
وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو — جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف — خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے
آنکھ کھولو غمزدو، دیکھو وہ گریاں آئے ہیں — لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے
سوختہ جانوں پہ وہ پرجوشِ رحمت آئے ہیں — آبِ کوثر سے لگی دِل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب اُن کا ہی چمکے گا جب اَوروں کے چراغ — صَرصَر جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پائے کوباں پُل سے گزریں گے تری آواز پر — رَبِّ سَلِّمْ کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ! — دَم میں جب تک دَم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

هٰذَا الْمَقَامُ مِثْلَ مَقَامِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَعْظَمُ فِي يَوْمٍ اِشْتَدَّتِ الْحَاجَةُ فِيْهِ مَعَ مَاذُكِرَ مِنَ الْغَضَبِ الْاِلٰهِيِّ الَّذِيْ تَجَلّٰى فِيْهِ الْحَقُّ فِي ذَالِكَ الْيَوْمِ وَلَمْ يَظْهَرْ مِثْلَ هٰذِهِ الصِّفَةِ فِيْمَا جَرٰى مِنْ قَضِيَّةِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَلَّ بِالْمَجْمُوْعِ عَلٰى عِظَمِ قَدْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ اَقْدَمَ مَعَ هٰذِهِ الصِّفَةِ الْغَضَبِيَّةِ الْاِلٰهِيَّةِ عَلٰى مُنَاجَاةِ الْحَقِّ فِيْمَا سَأَلَ فِيْهِ فَاَجَابَهُ الْحَقُّ سُبْحَانَهٗ۔(ص۱۱۹،۱۲۰)

''فرشتے بھی اِسی زمرے میں داخل ہیں کیونکہ اس روز سب پر آپ کی بادشاہی ظاہر ہو جائے گی، جن میں فرشتے وغیرہ بھی شامل ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیائے کرام کے مقامات کے جامع ہیں۔ اگرچہ فرشتوں پر آپ کی برتری کا اِس طرح اظہار نہیں فرمایا گیا جس طرح آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا تھا، کیونکہ اُنہیں تمام اشیاء کے نام سکھا دیے گئے تھے۔ لیکن قیامت کے روز بابِ شفاعت کھلوانے میں فرشتے اور انسان، آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام، سارے ہی آپ کے محتاج ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے وہ اُس روز ظاہر ہوگا جبکہ قہرِ الٰہی اور جبروت اعظم کو دیکھ کر سب گونگے اور مُہر بلب ہو جائیں گے۔ یہ مقام آدم علیہ السلام کے مقام کی طرح ہے بلکہ اُس سے بدرجہا عظیم کیونکہ اُس سخت روز ساری مخلوق کو آپ کی حاجت ہوگی، جس روز کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب کا اظہار فرمائے گا۔ لیکن آدم علیہ السلام کے واقعے میں محبوبیت کی صفت کا ایسا اظہار نہیں پایا جاتا۔ پس مجموعی طور پر یہ آپ کے منصب کی عظمت ورفعت پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غضب کے اظہار کے موقع پر آگے بڑھ کر باری تعالیٰ سے مناجات کی، سوال کیا اور ربِّ ذوالجلال نے آپ کے سوال کو شرفِ قبولیت بخشا''۔

اِس شفاعتِ کبریٰ کے بعد میزان قائم ہوگی، اعمال نامے کھولے جائیں گے، پل صراط قائم کیا جائے گا اور عام شفاعت شروع ہو جائے گی۔ اِس کے بعد شیخ علیہ الرحمہ نے شفاعت کرنے والوں اور احوالِ قیامت کا ذکر کیا ہے۔

درجاتِ جنت اور وسیلہ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۶۵، صفحہ ۴۱۲ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا چاہیے

کہ بلحاظ اعمال جنت کے سو درجے ہیں جو کم و بیش نہیں جیسے دوزخ کے سو حصے ہیں اور ہر ایک درجہ مختلف منزلوں میں منقسم ہے۔ ہم یہاں اُن منزل کا ذکر کرتے ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے لیے مخصوص ہیں اور جن کے باعث اِس امتِ مرحومہ کو دیگر اُمتوں پر فضیلت حاصل ہو گی کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے خود اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے کہ یہ بہتر امت ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا فرمائی گئی۔

مذکورہ سو درجے آٹھوں جنتوں میں سے ہر جنت میں ہیں اور جنت کا ہر درجہ آرام کی جگہ ہے، جن میں سب سے بلند جنتِ عدن ہے، جو سب جنتوں کی سردار ہے۔ اُس میں ایک بلند ٹیلہ ہے، جس میں دیدارِ الٰہی کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوا کرے گا۔ یہ سب جنتوں سے اعلیٰ جنت ہے جیسے بادشاہ کا مکان جس کے گرداگرد آٹھ دیواریں ہوں اور ہر دو دیواروں کے درمیان باغیچہ ہو۔ وہ جنت جو جنتِ عدن سے قریب تر ہے اُس کا نام جنت الفردوس ہے۔ یہ جنت عدن کے بعد باقی تمام جنتوں سے افضل و اعلیٰ ہے، تیسری جنت الخلد، چوتھی جنت النعیم، پانچویں جنت الماویٰ، چھٹی دارالسلام اور ساتویں کا نام دارالمقامہ ہے۔

جنتِ عدن میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کا نام وسیلہ ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے جس کی خاطر اُمتِ محمدیہ بھی دعائیں کرتی ہے کہ وہ فخرِ دوعالم ﷺ ہی کو حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اِس میں پوشیدہ حکمت ہے حالانکہ ہم سب نے ہر سعادت سرورِ کون و مکاں ﷺ ہی کے سبب پائی ہے اور آپ ہی کے باعث یہ امت باقی جملہ امتوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے اور آپ کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخری امت بنایا جیسے نبی کریم ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے۔ اور سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا اور اِس فضیلت کی خود رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بشارت دی ہے، جس کے ذکر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا تھا اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک خاص راستہ ہو گا جس کے ذریعے ہم پروردگارِ عالم سے ہمکلامی کا شرف حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہٗ ہم سے خاص گفتگو فرمائے گا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے اپنے رب کی طرف ایک خاص راستہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کیا کریں، حتیٰ کہ آپ وہاں رونق افروز ہو جائیں، جس کے بارے میں حکمتِ الٰہی اِسی کی مقتضی ہوئی کہ وہ آپ کو اُمتِ مرحومہ کی دعاؤں کے باعث مرحمت فرمایا جائے گا۔ اُمتِ وسطیٰ کے اِس شرف پر غور کرنا چاہیے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی اور اِس امت کو کرامت بخشی ہے۔

جنت کے پانچ ہزار ایک سو پانچ درجے بنتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اِس سے زیادہ ہیں جبکہ اِس

تعداد پر اصل ہونے کے باعث تمام اہلِ کشف کا اتفاق ہے اور وہ زائد درجے انواع واجناس کا مقام رکھتے ہیں۔ امتِ محمد یہ اِن درجات میں بھی دیگر اُمم سے ممتاز ہے۔ چنانچہ بارہ درجے ایسے ہیں جو صرف اِسی امت کے ساتھ خاص ہیں، باقی امتیں اُن میں شریک نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخرت میں وسیلہ اور شفاعت کے ذریعے باقی جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے اور دنیا میں چھ ایسی چیزوں کے باعث آپ فضیلت دیے گئے ہیں جو دیگر انبیاء ومرسلین کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں، جیسا کہ امام محمد مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ کی الجامع الصحیح میں صحیح حدیث ہے، جس میں یہ چھ امر بیان فرمائے گئے ہیں: (۱) آپ ﷺ کی رسالت کا عام ہونا یعنی ساری مخلوق کے لیے نبی بن کر آنا۔ (۲) آپ ﷺ کے لیے غنائم کا حلال ہونا۔ (۳) رُعب کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد فرمانا۔ (۴) ساری زمین کا آپ ﷺ کے لیے مسجد بنا دینا۔ (۵) مٹی کو آپ کے لیے پاک قرار دینا۔ (۶) آپ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمانا۔

درودِ پاک

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۶۹، صفحہ ۶۸۴ پر لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے برحق کلام میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (احزاب)

"بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اِس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! اِن پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

مسلمانوں نے اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ سے درود کی کیفیت دریافت کی، جس کا اُنہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ نبیِ پاک ﷺ پر درود بھیجا کرو، تو نبی کریم ﷺ نے اُنہیں درودِ ابراہیمی کی تعلیم فرمائی کہ مسلمان بایں الفاظ درود بھیجا کریں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

"اے اللہ! درود بھیج حضرت محمد پر اور آلِ محمد پر جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور اُن کی آل پر صلوٰۃ بھیجی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا اور حقیقی بزرگی والا ہے"۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر جس طرح درود بھیجی گئی اُس کے مانند درود بھیجنے کی

دعا کی گئی ہے۔ اگر تم کہنے لگو کہ اِس حدیث سے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی کریم ﷺ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ طلب کی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیج۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فخرِ دوعالم ﷺ کے لیے درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور اُن کی آل پر درود بھیجنے کا قرآنِ کریم میں حکم نہیں دیا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں ﷺ نے جو درود بغرضِ تعلیم بتایا اُس میں آلِ محمد پر درود بھیجنے کا اضافہ موجود ہے۔ علاوہ بریں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہیں کیا کہ آپ پر ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نبیِ آخرالزماں ﷺ پر سب سے زیادہ عنایت ہے اور آپ ﷺ کو ایسے امور سے مختص فرمایا گیا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہوئے، خواہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام۔ آپ کو اِس منصب کا حاصل ہونا اِسی اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (خاص رحمت) کے باعث ہے۔ دریں حالات آقائے کائنات کس طرح یہ چاہتے کہ آپ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جائے؟ بلکہ اِس سے مراد وہی ہے جو میں بیان کرنے لگا ہوں (انشاء اللہ تعالیٰ) کہ کسی شخص پر صلوٰۃ کے لیے کبھی تو اُسے معیّن کیا جاتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ پس جو صلوٰۃ دوسرے کی نسبت کے اعتبار سے ہے یہ مجموع کے لیے ہے، کیونکہ مجموع کا حکم واحد کے لیے نہیں ہوتا جبکہ وہ منفرد ہو۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آل کی تفسیر و تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے، جس کے نقل کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ چونکہ اُس میں بے شمار فوائد ہیں لٰہذا خواہشمند کو اصل کتاب کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ اِس کے بعد فرمایا ہے کہ مذکورہ صلوٰۃ مجموع کے لحاظ سے ہے اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بلحاظِ زمانہ مقدّم ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز تمام انسانوں کے سردار ہوں گے، جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بلند ہو اُس پر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثل صلوٰۃ کس طرح ہو سکتی ہے؟ لٰہذا اصل بات وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے اور یہ مسئلہ ہمارے وقائع سے واقعۂ الٰہیہ ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

فضیلتِ جمعہ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیّہ کے باب ۷۱، صفحہ ۸۱۲ پر جمعہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسا دن ہے جس کی مثل کوئی اور دن نہیں کیونکہ ہر وہ دن جس میں سورج طلوع ہو، یہ اُس سے بہتر ہے۔ اِس روز کے بارے میں اُممِ سابقہ میں اختلاف واقع ہو گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے

ہمیں اس کی جانب ہدایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے اِس کا ذکر نہ فرمایا۔ ایسا کمال کی مناسبت سے کیا گیا کیونکہ آپ سارے انبیائے کرام سے اکمل اور آپ کی امت ساری امتوں سے اکمل ہے۔ دیگر امتوں کے لیے ان کے انبیاء سے اس لیے روزِ جمعہ کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی کہ وہ امتیں اس کے لیے مستعد نہ تھیں اور کمال میں اُن کا یہ درجہ نہیں تھا کہ انہیں افضل دن مرحمت فرمایا جاتا۔ جمعۃ المبارک کی یہ امت اس لیے حقدار ہے کہ ان کا نبی دیگر انبیاء سے اور یہ امت دیگر اُمم سے افضل و اعلیٰ ہے۔ والحمد للّٰہ الذی اصطفانا۔

وصال

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کی جلد دوم، باب ۳۷، صفحہ ۷ پر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس دین کی جو منسوخ نہ ہو سکے اور اُس شریعتِ مطہرہ کی جو تبدیل نہ ہو سکے، مکمل تبلیغ کرنے کے بعد وفات پائی اور سارے مرسلین بھی اِسی شریعت میں داخل ہو کر اسے قائم کرتے رہے تھے اور آپ سے پہلے زمین کسی زندہ رسول سے خالی نہیں رہی، جو جسمانی طور موجود ہوتا تھا کیونکہ وہ اس جہان میں انسانی دنیا کا قطب ہوتا ہے۔ رسول خواہ ایک ہزار ہوں لیکن ان میں سے ایک امام ضرور ہوتا ہے جو مقصودِ کائنات ہوتا ہے۔ اُن رسولوں میں سے جو رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات کے بعد بھی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، تین رسول ہیں۔

اُن میں سے ایک حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، جو اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر بلایا ہوا ہے اور ساتوں آسمان بھی اِسی دنیا میں شمار ہوتے ہیں، جو دنیا کی بقا تک باقی رہیں گے اور اِس کے فنا ہو جانے سے اُن کی صورت بھی فنا ہو جائے گی۔ وہ دنیا کا ایک جزو ہیں کیونکہ آخرت میں زمین کے ساتھ آسمانوں کی صورت بھی بدل جائے گی اور زمین میں حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو باقی رکھا ہوا ہے جو گروہِ مرسلین سے ہیں اور یہ تینوں حضرات اُسی دینِ حنیف پر قائم ہیں جسے سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے اور اِن تینوں حضرات کی رسالت پر سب کا اتفاق ہے۔ چوتھے حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ وہ ہمارے سوا دوسروں کے نزدیک مختلف فیہ ہیں (یعنی بعض کے نزدیک نبی ہیں اور بعض کے نزدیک نبی نہیں ہیں)۔ یہ تمام حضرات اپنے جسموں سمیت دنیا میں زندہ موجود ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اِس موضوع پر مزید گفتگو کی ہے، جو چاہے اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

اخلاق اللہ سے مطابقت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۷۹ پر حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال نمبر ۴۹ اور ۵۰ کا جواب دیا ہے۔ایک سوال یہ ہے کہ اِسے سے پہلے سوال میں جو اللہ تعالیٰ کے ۱۱۷ خلق مذکور ہیں اُن میں سے فخرِ دوعالم ﷺ میں کتنے اخلاق پائے جاتے ہیں اور دیگر انبیاء و مرسلین میں کتنے؟

جواب:۔اس کا یہ ہے کہ دو کے سوا سارے اخلاق سرورِکون و مکاں ﷺ کو حاصل تھے اور دیگر مرسلین عظام اِن میں اپنے اپنے مراتب پر ہیں، جیسا کہ اُن کی کتابوں اور صحائف میں مذکور ہے، لیکن فخرِ دوعالم ﷺ اُن سب کے جامع ہیں بلکہ آپ عنایتِ ازلیہ کے بھی جامع ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے اِن میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا''۔

یہ فضیلت اُن اخلاق وصفات میں ہے جو اُن کو حاصل ہے۔اِس کے ساتھ ہی یہ جاننا ضروری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اُن کی کئی قسمیں بنائیں اور ہر قسم میں نیک لوگ رکھے پھر اُن نیک لوگوں سے خواص کو چُنا، جو مومن ہیں۔اہلِ ایمان سے خواص کو چنا، جو اولیاء ہیں۔اُن سے خواص کو چنا، جو صاحبِ شریعت نبی ہیں۔جن پر شریعت کا انحصار ہے۔اِس خلاصہ سے ایک چھوٹی سی جماعت چنی، جو خلاصے کا خلاصہ (اولوالعزم پیغمبر) ہیں اور وہ تمام رسول ہیں اس کے بعد:

اِصْطَفٰى وَاحِدًا مِنْ خَلْقِهٖ هُوَ مِنْهُمْ وَلَيْسَ مِنْهُمْ هُوَ الْمُهَيْمِنُ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِمَادًا اَقَامَ عَلَيْهِ قُبَّةَ الْوُجُوْدِ وَجَعَلَهُ اللّٰهُ اَعْلٰى الْمَظَاهِرِ وَاَسْنَاهَا صَحَّ لَهُ الْمَقَامُ تَعْيِيْنًا وَتَعْرِيْفًا فَعَلَّمَهُ قَبْلَ وُجُوْدِ طِيْنَةِ الْبَشَرِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكَاثَرُ وَلَا يُقَادَمُ هُوَ سَيِّدُ مَنْ سِوَاهُ سُوْقَةٍ قَالَ عَنْ نَفْسِهٖ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ وَلَا فَخْرَاَىْ اَقُوْلُهَا وَلَا اَقْصُدُ الْاِفْتِخَارَ عَلٰى مَنْ بَقِىَ مِنَ الْعَالَمِ۔(ص ۱۲۲)

''اپنی ساری مخلوق سے صرف ایک کو چن لیا، جو بظاہر اُن میں سے ہے لیکن درحقیقت اُن میں سے نہیں ہے۔وہ ساری مخلوق کا نگہبان ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے ایسا ستون بنایا ہے جس پر کائنات کے وجود کا قبہ کھڑا ہے اور نہ اُسے نہایت اعلیٰ اور خوبصورت مظہر بنایا

ہے۔تعیین وتعریف کے لیے اُس کا منصب متعین فرمایا ہے نوعِ بشر کے وجود سے پہلے اُسے علم کے ساتھ بھرپور کردیا گیا اور وہ ہستی محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔جن کی کوئی مثال نہیں اور نہ کوئی اُن کا مدِّ مقابل۔وہ اپنے ماسوا کے سردار ہیں۔اُنہوں نے خود فرمایا ہے کہ میں بنی نوعِ انسان کا سردار ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا یعنی منصب کا اظہار کرتا ہوں باقی لوگوں پر فخر کرنا مقصد نہیں ہے"۔

نبی کا قدم

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد ثانی کے صفحہ ۱۰۵ پر سوال ۵۸ کے جواب میں پہلے یہ فرمایا ہے کہ اولیائے محدثین یعنی ملہمین کا مرتبہ انبیائے کرام کے سامنے اُسی طرح ہے جیسے تابع اور متبوع کے مراتب ہوتے ہیں، اُنہیں حضرات انبیاء کی اقتداء میں چلنا ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ محمد فائد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو اپنے سامنے قدم کا نشان دیکھ کر میں نے غیرت محسوس کی۔مجھے مطلع فرمایا گیا کہ یہ تو تمہارے نبی کا قدم ہے۔یہ معلوم کر کے میری وہ غیرت جاتی رہی۔یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ حقیقت محمد یہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے اقدام کی جامع ہے۔اسی لیے ہر ولی اپنے سامنے قدم دیکھتا ہے، جو اس نبی کا قدم ہوتا ہے جس کا وہ وارث ہے۔سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک تک کسی کی رسائی نہیں ہے(1)۔جیسے آپ کے قلب مبارک تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا جس قدم کو شیخ موصوف نے دیکھا تھا یا کوئی دوسرا دیکھے، وہ اسی نبی کا قدم ہوگا جس کا وہ وارث ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ وہ قدمِ محمدی سے الگ تو نہیں ہے، بایں وجہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ سے فرمایا گیا کہ یہ تیرے نبی کا قدم ہے اور اُن سے یہ تو نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا قدم ہے۔

مقامِ محمود

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۱۱۳ پر سوال نمبر ۷۳ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔مقامِ محمود کیا ہے؟

1۔لیکن حضور سیّدنا غوثِ اعظم، غیثِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں تک رسائی ہوگئی تھی جیسا کہ اُنہوں نے خود اپنے مشہور قصیدہ خمریہ غوثیہ میں فرمایا ہے:۔

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ   اَنَا قَدَمٌ نَّبِیٍّ بَدْرُ الْکَمَالِ

جواب:۔ مقامِ محمود وُہ ہے جو سارے مقامات کی انتہا ہے اور اُسی کی طرف تمام اسمائے الٰہیہ ناظر ہیں، جو مقامات کے ساتھ مختص ہیں۔ مقامِ محمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے اور قیامت کے روز وہ عام لوگوں پر بھی ظاہر ہو جائے گا اور اِسی کے ذریعے آپ کی جمیع مخلوق پر سیادت ظاہر ہوگی۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا) حضرت آدم علیہ السلام اسی مقام پر ٹھہرائے گئے تھے جبکہ فرشتوں نے اُن کے لیے تعظیمی سجدہ کیا تھا، کیونکہ اِس مقام کا دنیا میں یہی مقتضٰی ہے۔ آخرت میں یہ مقام سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے۔ وہ حضرتِ الٰہیہ کا کمال ہے۔ اسی لیے وہاں سب سے پہلے ابوالبشر کا ظہور ہوا کیونکہ اُن کا جسم ہی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت کو متضمن ہے۔ جسمانی لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام سارے انسانوں کے باپ ہیں اور اللہ تعالٰی کے مقرب ہیں اور خاکی پتلے میں حیاتِ انسانی کے سب سے پہلے پیکر ہیں اور یہ سارے مقامات اُن کی بدولت ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

عاقبت کی شہنشاہی کا سہرا روزِ قیامت سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ہوگا۔ اُس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی مقامِ محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت ہی شفاعت کا دروازہ کھلے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اُن حضرات کے متعلق شفاعت کریں گے جو شفاعت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، جن میں فرشتے، انبیاء، اولیاء، مومنین، حیوانات، نباتات اور جمادات شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اِن حضرات کو گنہگاروں کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ اُس وقت ہر ایک فرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوگا(1)۔ اور ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا چرچا ہوگا۔ پس شفاعت کا اوّل، آخر اور وسط صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے (دوسروں کی شفاعت آپ کی شفاعتِ کبریٰ کی مرہونِ منت ہے)، لہٰذا قیامت کے روز تمام محامد و محاسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات سے وابستہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی لیے اِس جگہ کو مقامِ محمود کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کی ثنا مقامِ محمود پر میں ایسے محامد کے ساتھ کروں گا جو میرے دائرۂ معلومات سے اِس وقت باہر ہیں۔ یہ حدیث اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کے علوم ذوقی ہیں فکری و نظری نہیں کیونکہ وہ جگہ اپنے آثار کے لحاظ سے

1۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے:۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مخصوص اسمائے الٰہیہ کا تقاضا کرتی ہے جن کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا بیان کی جائے اور یہ کسی دنیاوی مقام کا ہرگز مقتضی نہیں ہے، اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آج وہ کلمات میرے دائرۂ معلومات سے باہر ہیں اور یہی مقامِ وسیلہ بھی ہے کیونکہ یہیں سے بابِ شفاعت کے کھلوانے کی خاطر توسُّل ہوگا، یعنی سرورِکون ومکاں ﷺ سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ وسیلہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں سب سے بلند درجہ ہے، سوائے ایک شخص کے کسی اور کو نہیں ملے گا، مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔ پس جو شخص میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرے گا، اُس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی اور شفاعت کو سوال کرنے والے کے لئے ثواب قرار دیا ہے مقامِ محمود کا نام وسیلہ بھی ہے کیونکہ اس کے سوال کرنے میں ثواب رکھا گیا ہے اور اس شخص کی رسول اللہ ﷺ شفاعت فرمائیں گے نیز سارے مقامات اور کلمات اِس مقامِ محمود کی جانب رجوع کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

شیخ علیہ الرحمہ نے سوال نمبر ۴۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال :۔ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ محمود کس طرح حاصل کیا؟

جواب :۔ سرورِکون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا مرحمت فرمائی گئی جو ضرور قبول ہوئی۔ ہر نبی نے دعا کرنے میں جلدی کی اور اُن کی دعائیں دنیا میں پوری ہو چکیں۔ لیکن میں نے اپنی خصوصی دعا کو اپنے مرتکبِ کبائر اُمتیوں کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخرت کے مواطن و مقامات کو دیگر انبیاء کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ جب سارے مقامات کا مرجع مقامِ محمود ہے، جو سارے مقامات کا جامع ہے تو اِس کا اہل اور مالک وہی فرد ہوسکتا ہے جو جوامع الکلم دیا گیا ہو کیونکہ محامد کلام کی صفت ہیں۔ جب آپ کی بعثت عام ہے تو آپ ﷺ کی شریعت بھی عام ہوئی، جو تمام شرائع کی جامع ہے۔ پس آپ ﷺ کی شریعت اُن جملہ اعمال وافعال کو متضمن ہوئی جن کی مشروعیت صحیح ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اعمال کی جنسیں اَسّی اور ستّر کے درمیان ہیں جو اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوں گی اور ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، جن میں سے ادنیٰ کام یہ ہے کہ تکلیف دِہ چیز کو راستے ہٹا دیا جائے اور سب سے اعلیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار ہے نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ (زمر)

''ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب ہے عمل کرنے والوں کا''۔

پس جنت میں اُن کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ یا ممانعت نہیں ہوگی اور یہ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہر حکم پر عمل کیا، کیونکہ اِس دنیا میں ایک انسان جب بھی کوئی نیک کام کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اُس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے، جو بھی ایمان کے مطابق اعمال ہوں جب چاہے اُنہیں کرسکتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ایمان کے سارے شعبے ظاہر فرما دیئے جو جنت کے مذکورہ درجاتِ اعمال کے مطابق ہیں، خواہ وہ بالفعل ہوں یا بالدلالت، کیونکہ فخرِ دوعالم ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے راہِ ہدایت واضح فرما دی ہے، پس جتنے سعادت مند بھی آپ کی تعلیم کے مطابق نیک اعمال کریں گے اُن سب کے مجموعے کے برابر آپ کو بھی ثواب ملے گا اور آپ ﷺ کی اُمت میں سے کوئی شخص بھی نیک اعمال سے تہی دامن نہیں ہے، پس اُتنا ہی نبی کریم ﷺ کے میزانِ عمل میں شامل ہوتا چلا جاتا ہے، جتنا کہ عمل کرنے والے نیک اعمال کرتے ہیں۔ پس آپ جنت میں جہاں چاہیں تشریف فرما ہو سکتے ہیں، لیکن یہ آپ کے سوا دوسروں کے لیے درست نہیں ہے کیونکہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے راستے آپ نے ہی ظاہر فرمائے، جن سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشناس ہوکر جگمگا رہا ہے۔ اِسی عدیم النظیر کارنامے کے باعث آپ ﷺ نے مقامِ محمود پایا، جوامع الکلم سے نوازے گئے اور بعثتِ عامہ کے باعث آپ ﷺ کو اِن اُخروی عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ چونکہ یہ مقامات آپ ﷺ کو دنیا میں حاصل تھے اور دنیا میں مذکورہ احوال سے متصف ہونے کے باعث آپ ﷺ نے اِن اعلیٰ ترین اُخروی مقامات کو حاصل کرلیا۔ یہ عجیب وغریب معاملہ ہے کہ مذکورہ وجہ کے علاوہ اِس کے اور بھی مختلف وجوہ ہیں، جن سے آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

مقامِ مصطفیٰ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۵۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ نبی کریم ﷺ کے مقام اور دیگر انبیائے کرام کے مقامات میں کتنا فرق ہے؟

جواب:۔ آپ ﷺ کے اور دیگر انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک مقام کا فرق ہے اور اُس مقام کا نام عینِ جمعیت ہے لیکن اُس مقام کی تفریق کریں تو آدم علیہ السلام کے سوا آپ ﷺ کے اور باقی انبیائے کرام کے درمیان اُنھتر درجے اور مقام ہیں، جبکہ آدم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے مابین وہی فرق ہے جو ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے۔ دنیا میں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کے باطن ہیں اور آدم علیہ السلام آپ کے ظاہر ہیں اور دونوں سے ظاہر و باطن کا وجود قائم ہے، لیکن آخرت

میں حضرت آدم علیہ السلام آپ ﷺ کے باطن اور نبی کریم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کا ظاہر ہوں گے اور دونوں سے آخرت میں بھی ظاہر و باطن کا وجود قائم رہے گا۔ یہ ہے سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات میں فرق۔ اِس فصل میں بہت زیادہ تفصیلات ہیں۔ اِس تفصیل کے فصول انبیائے کرام کی تعداد کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ اِس کے لیے ہر نبی کے منصب کا تعیُّن ضروری ہے، جو فخرِ دو عالم ﷺ اور اُس نبی کے مقام کی معرفت کا محتاج ہے، جبکہ اعمال کے لحاظ سے سارے مقامات کی تعداد ستّر سے کچھ زیادہ میں محصور ہے۔ کبھی تو کسی نبی کو اِن میں سے ایک مقام حاصل ہوتا، کسی کو دو، کسی کو دس، نو یا آٹھ۔ بعض کو اِن سے زیادہ اور بعض کو کم بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان سارے درجات کا مجموعہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ کے سوا کسی بھی نبی کی بعثت عام نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے سوا جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت خاص ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (مائدہ:48)

''ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا''۔

لواء الحمد

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۷۶ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ لواء الحمد کیا ہے؟

جواب:۔ لواء الحمد تو حمد کی حمد ہے کیونکہ وہ محامد و محاسن کا کامل و مکمل اور اعلیٰ مرتبہ ہے، اسی لیے سارے انسان اِس کے نیچے جمع ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہ کے مرتبے اور وجود کی علامت ہے، اسی طرح حمد کی حمد کے پاس تمام محامد جمع ہوں گے کیونکہ صحیح حمد وہی ہے جس میں کسی احتمال اور شک وشبہ کا دخل نہ ہو اور یہ بلاریب حمد ہے جو حمد پر بذاتہٖ دلالت کرتی ہے، پس فی نفسہٖ صفت وثنا یہی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں کہو کہ وہ سخی ہے یا خود ہی وہ اپنے سخی ہونے کی خبر دے تو ممکن ہے کہ خبر سچی ہو اور اِس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہو لیکن اُسی شخص سے اگر احسان و امتنان کے طور پر عطیہ ملے تو وہ عطیہ بذاتِ خود اُس عطا کنندہ کے جود و کرم کی شہادت ہے اور اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہو سکتا، پس حمد الحمد کا مفہوم یہی ہے اور اِسی کی تعبیر لواء الحمد سے کی گئی ہے۔

اِس کا نام لواء باِیں وجہ ہے کہ یہ تمام محامد پر مشتمل ہے اور کوئی حمد اس سے باہر نہیں، کیونکہ اِس کے باعث ہر حمد کرنے والے سے حمد واقع ہوگی اور یہی حقیقی عاقبت ہے۔ اِسے خوب سمجھ لینا چاہیے اور جب یہ محامد کے جمیع اقسام کی جامع ہے تو اِس کا سایہ سارے حمد کرنے والوں کو نصیب ہوگا۔ اسی لیے سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السّلام اور اُن کے علاوہ سارے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ یہاں آپ نے فَمَنْ دُوْنَهٗ فرمایا ہے کیونکہ حمد بغیر اسماء کے ممکن نہیں اور آدم علیہ السلام تمام اسماء جاننے والے ہیں، پس اُن سے کم رُتبے والا کوئی ایسا نہ رہا جو اُس جھنڈے کے نیچے نہ ہو، کیونکہ ضروری ہوا کہ وہ اِن اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کے ساتھ حمد بیان کرے گا اور کیوں نہ ہو جبکہ:

وَلَمَّا كَانَتِ الدَّوْلَةُ فِي الْاٰخِرَةِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُوْتٰى جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَهُوَ الْاَصْلُ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمُ بِمَقَامِهٖ فَعَلَّمَهٗ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ لَمْ يَكُنْ بَعْدُ وَكَانَ اٰدَمُ لَمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْاَسْمَآءَ فِي الْمَقَامِ الثَّانِي مِنْ مَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ قَدْ تَقَدَّمَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهٗ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَالْاَسْمَاءِ كُلِّهَا مِنَ الْكَلِمِ وَلَمْ تَكُنْ فِي الظَّاهِرِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنًا فَتَظْهَرُ بِالْاَسْمَاءِ لِاَنَّهٗ صَاحِبُهَا فَظَهَرَ ذَالِكَ فِي اَوَّلِ مَوْجُوْدٍ مِّنَ الْبَشَرِ وَهُوَ اٰدَمُ فَكَانَ هُوَ صَاحِبُ اللِّوَاءِ فِي الْمَلَائِكَةِ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ بِوُجُوْدِهِ الطِّيْنِيِّ فَمَتٰى ظَهَرَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحَقَّ بِوَلَايَتِهٖ وَلِوَائِهٖ فَيَأْخُذُ اللِّوَاءَ مِنْ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحُكْمِ الْاِصَالَةِ فَيَكُوْنُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ كَانَتِ الْمَلَائِكَةُ تَحْتَ ذَالِكَ اللِّوَاءِ فِي زَمَانِ اٰدَمَ فَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ تَحْتَهٗ فَتَظْهَرُ فِي هٰذِهِ الْمَرْتَبَةِ خِلَافَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجَمِيْعِ۔ (ص ۱۲۵)

"جب آخرت کی بادشاہی محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت ہوئی جو جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں، کیونکہ آپ ہی ہر شے کی اصل ہیں اور اِس منصب سے خبردار۔ آپ اِس منصبِ رفیع کو اُس وقت سے جانتے ہیں جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے اور یہ

انعام اِس تخلیق کے بعد نہیں ہوا۔ جب آدم علیہ السّلام کو دوسرے مرحلے میں تمام اسماء کا علم عطا فرمایا گیا تو اوّلیت بہرصورت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہوئی جو اُن سے بھی پہلے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے اور تمام اسماء بھی جوامع الکلم کا ایک حصہ ہیں۔ چونکہ وہ ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عین نہ تھے اِس لیے وہ اسماء کے ساتھ ظاہر ہوئے کیونکہ وہ اِن کے لائق تھے، پس یہ نوعِ بشر میں سب سے پہلے وجود کا لباس پہننے والے سے ظاہر ہوئے، جو آدم علیہ السلام ہیں۔ پس وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیابت میں ملائکہ کے درمیان صاحبِ لواء قرار پائے، کیونکہ خاکی وجود کے لحاظ سے اُنہیں سارے انسانوں پر تقدیم حاصل ہے۔ لیکن جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رونق آرائے گیتی ہوئے تو چونکہ آپ اس شہنشاہی اور لواء کے سب سے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصل حقدار کے طور پر آدم علیہ السلام سے اِس لواء کو حاصل کر لیں گے پس آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا سارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس جھنڈے تلے ہوں گے اور فرشتے بھی آخرت میں اِسی کے زیرِ سایہ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کے زمانے سے اِس جھنڈے کے نیچے چلے آرہے ہیں۔ پس اِس منصبِ رفیع سے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خلافت جمیع موجودات پر ظاہر وواضح ہوگئی"(1)۔

وسیلہ کے ساتھ خصوصیت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۱۲۸ پر فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ ابوالعباس بن عریف صنہاجی رحمۃ اللہ علیہ یوں دعا کیا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! تو نے ہمارے لیے نبوت و رسالت کا دروازہ تو بند کر دیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ اے اللہ! تیرے نزدیک جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے جب بھی تو کسی فرد کو اس پر فائز کرنے کا ارادہ فرمائے تو وہ منصب مجھے مرحمت

1۔ مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اِسی لیے تو لکھا ہے:۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا — تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا — آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں — خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
ترے ٹکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال — جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کر صدقہ تیرا
تری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع — جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

فرما دینا''۔ شیخ موصوف چونکہ زمرۂ محققین سے تھے لہٰذا اُنہوں نے اُسی چیز کا سوال کیا جس کا حصول ممکن ہے کیونکہ نبوت ورسالت ایسی چیز ہے جس کا اگرچہ آج بھی انسان مستحق ہے کیونکہ اُس کی ذات میں اِس کی اہلیت موجود ہے، لیکن اُنہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً اِس کا دروازہ بند کیا ہوا ہے اور شرائع کی نبوت دینے کا خاتمہ ہو چکا ہے، تو اس چیز کا سوال ہی نہیں کیا بلکہ وہ چیز طلب کی، جس کے طلب کرنے کا اُنہیں حق حاصل تھا، کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہمارے لیے ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔

مذکورہ قبیل ہی سے وسیلہ کا سوال کرنا ہے۔ اگرچہ وہ اس کے مثل نہیں لیکن اس کے قریب ضرور ہے اور ہم نے اِس قرینے کی وجہ سے نبوت کے ساتھ وسیلہ کو تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے، جو ایک فرد ہی کو ملے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے اُمید ہے وہ شخص میں ہوں۔ پس جس شخص نے میرے لیے وسیلے کی دعا کی اُس کی شفاعت ضرور کی جائے گی۔ اِس کے باوجود اگر ہم میں سے کوئی شخص وسیلہ کا اپنے لیے سوال کرے تو اُس نے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے طلب کرنے کا اُسے حق حاصل نہیں ہے۔ اِس کی طلب وہی کر سکتا ہے جو اِس کے مطابق خاص صفات کا مالک ہو اور ہمارے بارے میں اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ (مائدہ 35) ''اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے وسیلہ طلب کرو اور یہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ حکم سے توسُّل مراد ہو اور یہ صفت خواہ وہبی ہو یا کسبی لیکن اِسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا گیا اور نہ اِس کے طلب کرنے سے کسی کو روکا گیا ہے (بلکہ اِس وسیلے کی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور نہ یہی فرمایا گیا ہے کہ یہ وسیلہ تلاش کرنا صرف اُسی کا حق ہے جو نوعِ بشر میں سب سے افضل ہو۔ حالانکہ ہم اِس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی افضل البشر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی افضلیت قطعی طور پر بیان فرمائی ہے لہٰذا اوّل الذکر سوال دوسروں کے لیے ممنوع ہوگا۔ رہا وسیلہ تلاش کرنے والا معاملہ، تو یہ اللہ تعالیٰ نے کسی معین فرد کے لیے نہیں فرمایا اور نہ یہ کہا کہ یہ صفت صرف ایک فرد کو حاصل ہوگی بلکہ یہ صفت اگر ہزار افراد میں پائی جائے تو ہر ایک کے لیے وسیلہ ثابت ہوگا کیونکہ اس صفت کو تلاش کیا جاتا ہے۔ جب شارع سے اِس کی ممانعت واقع نہیں ہوئی تو ہمارے لیے بھی اِس کے تلاش کرنے کی گنجائش ہے۔

لیکن سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بارگاہ کا ادب واحترام ہمیں اِس کا سوال کرنے سے باز رکھتا ہے

کیونکہ آپ ﷺ کے ذریعے ہی تو ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور آپ ﷺ ہی نے ہمیں یہ حکم دیا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پس آپ کے ادب و احترام، ایثار و مروت اور مکارمِ اخلاق کا یہی تقاضا ہے کہ اِس کا اگر ہمیں حق بھی حاصل ہو، تب بھی اِس ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر ہم آپ ﷺ کی خاطر اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا بلند ترین منصب ہے اُس کے پیشِ نظر مناسب یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ ہی کے شایانِ شان ہے اور اِس نظریہ کے باعث ہمیں امیدِ واثق ہے کہ جنت میں ہمارے لیے وہی کچھ ہو گا جو اِس درجے کے مماثل ہے، جیسے دنیا میں کسی شرعی حکم کے تحت ہمارے نزدیک مثل کی قیمت ہوتی ہے۔

وسیلہ کی مثل ہمارے لیے اس طرح بھی ہے کہ لفظی طور پر ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایمان اخوت موجود ہے اگرچہ آپ ایسے سردار ہیں کہ آپ ﷺ کا مدِ مقابل ہونا تو دور کی بات ہے کوئی آپ ﷺ کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتا لیکن لفظی طور پر ایک ہی ایمان کے دھاگے میں تو موجود ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:10) ''مسلمان مسلمان بھائی ہیں''۔

اور شریعتِ مطہرہ سے یہ ثابت ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی بھائی کے لیے اُس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اِس کی مثل عطا فرمائے۔ جائے غور ہے کہ اگر بھائی کے بجائے ہم اپنے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کریں گے جبکہ آپ ﷺ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں تو یقیناً فرشتہ کہے گا کہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ اِس کی مثل دے۔ پس وسیلہ آپ ﷺ کے لیے اور اور اُس کی مثل دعا کرنے والے کے لیے۔ لہٰذا دعا کرنے والا مجموعی درجات سے وہی پائے گا جو صاحبِ وسیلہ کو وسیلہ سے حاصل ہو گا، جس طرح مثل کی قیمت ہوتی ہے لیکن وسیلہ کی حقیقی مثل وہاں قطعاً نہیں ہے یعنی وہاں ایسا کوئی درجہ نہیں جو دیگر درجات کو وسیلہ کی طرح اپنے اندر جمع کرے۔ یہ صرف وسیلہ ہی میں خاصیت ہے کہ اُس نے مختلف بکھرے ہوئے درجات کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہٗ علیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی خواہش

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۱۶۴ پر سوال نمبر ۱۴۵ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

سوال:۔ موسیٰ علیہ السلام کی اِس سے مراد کیا تھی کہ اے اللہ! مجھے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت سے کر

دے۔

جواب:۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ تمام انبیائے کرام کو بھی آخرالزماں ﷺ سے وہی نسبت ہے جو آپ ﷺ کی اُمت کو ظاہر و باطن کے اعتبار سے نسبت ہے اور انبیائے کرام کو آپ ﷺ کے اسمِ باطن سے نسبت ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی خواہش ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے شرع میں دونوں اسموں کو جمع فرمادے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ مطیع و متبع ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بارگاہ میں دوسرے رسولوں سے ممتاز ہونا چاہا کیونکہ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اپنی امت کی کثرت کے باعث اور متبعین کی زیادتی کے سبب فخر محسوس کریں گے دیگر انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کسی کے پیروکار نہیں ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی امت۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سردار سے زیادہ کسی کے فرمانبردار ہوں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اپنی دعا کے باعث نبی کریم ﷺ کی اُمت میں شامل ہوئے تو اُن کا ظاہر و باطن اُمتِ محمدیہ کی طرح ہوا، تو یقیناً وہ اور اُن کی امت بھی امتِ مرحومہ میں شمار ہوئے اور اِس امت کی تعداد اِس طرح اور بڑھ جائے گی، اسی لیے آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں تمہارے سبب فخر کروں گا بلکہ یوں فرمایا کہ امت اور متبعین کی کثرت کے باعث ان امتوں پر فخر کروں گا جن کے انبیاء کو دونوں اسموں کا مجموعہ حاصل نہیں ہے، جن کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ پس جس نے ان دونوں اسموں کو جمع کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں ہمارے ساتھ اٹھے گا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کی خوش بختی کے باعث باقی امم پر فخر کریں گے کیونکہ امتِ موسوی ہمارے ساتھ اٹھے گی اور موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ امیرِ لشکر کی طرح ہوں گے۔ بڑا امیر وہی ہوتا ہے جس کا لشکر بڑا ہو اور امتوں میں بڑے جیش کی قدر و منزلت اور عظمت و حرمت رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں زیادہ ہوگی۔

اسی لیے سوال کرنے والے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو محدث ترمذی (صاحبِ سنن) رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہیں کہ اِس امت میں ایسے افراد بھی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ جو شخص انبیائے کرام کے بعد باقی انسانوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل سمجھتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً حضرت صدیقِ اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں اور وہ بھی امتِ محمدیہ میں شمار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین سے ہیں۔
اِس کا ذکر ہم نے اس غرض سے کیا ہے کہ جھگڑنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یقیناً وہ آخری زمانے میں اِس امت کے اندر نزول فرمائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر حکم فرمائیں گے جیسے خلفائے راشدین جیسے راہبروں نے کیا تھا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اُنہیں اسلام میں دیکھ کر اَن گنت اہلِ کتاب شرفِ اسلام سے مشرف ہو جائیں گے۔ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس سے پہلے لکھا ہے کہ بارہ انبیاء یہ خواہش کرتے رہے کہ اُنہیں امتِ محمدیہ میں شامل فرمالیا جائے۔

امّ الکتاب

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب میں صفحہ ۷۷اپر سوال نمبر ۱۵۴کے تحت فرمایا ہے:
سوال:۔ جو تمام رسولوں سے روک کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے ذخیرہ کی گئی وہ اُم الکتاب کیا ہے؟
جواب:۔ لفظ اُمّ سے مراد جمع کرنے والی ہے۔ اِسی قبیل سے اُمُّ القریٰ اور اُمُّ الرَّأس وغیرہ ہیں۔ چونکہ سر سارے بدن کا سردار ہے کہ حسّی اور معنوی جملہ قویٰ کا مرکز یہی ہے، جو بھی انسان کو حاصل ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ تمام آسمانی کتابوں کی اصل ہے۔ یہی اَلْقُرْاٰنِ الْعَظِیْم ہے یعنی عظیم مجموعہ جو ہر چیز کے بیان پر مشتمل ہے اور فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تمام شرائع کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں فرمائے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اسی لیے جملہ انبیائے کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی طور پر غائب رہنے تک زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب رہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی لحاظ سے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے تو کسی نبی کے پاس شریعت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر اب یہاں زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوا ان کے لیے چارہ نہ ہوتا اور اللہ رب العزت نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (مائدہ:44)

”بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت اور نور ہے۔ اِس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی“۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے صاحبانِ علم انبیائے کرام ہیں اور ہم شریعت والے کا اُسی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہی نبی کی شریعت ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تقریر کرنے والے آپ ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت اُن سب کی اصل ہے اور آپ ﷺ ساری مخلوق کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فخرِ دو عالم ﷺ کے علاوہ یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آخری انسان تک جتنے آدمی ہوئے اُن میں شرائع مختلف ہیں لیکن وہ تمام شرائع سرورِ کون و مکاں ﷺ کے نائبوں کی ہیں۔ اِس لحاظ سے سب کی سب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی شریعت ہیں کیوں کہ سب کے رسول آپ ﷺ ہیں اور کسی شک وشبہ کے بغیر تمام رسول آپ ﷺ کے نائب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کی جلوہ گری ہوئی تو آپ ﷺ کے سوا کسی کا حکم باقی نہ رہا اور ہر ایک حاکم کا آپ ﷺ ہی مرجع قرار پائے۔ لہٰذا یہ آپ ﷺ کے منصب کا مقتضٰی ہے کہ ظہور کے وقت سے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو ایسے امور سے مختص کر دیا جائے جو آپ ﷺ کے نائبوں کو مرحمت نہ فرمائے گئے ہوں اور یہ ضروری ہے کہ وہ امر جو متفرق طور پر آپ ﷺ کے نائبوں کو ملا ہے، اُس پر اضافہ کر کے آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا گیا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّ الکتاب عطا فرمائی۔

یہ اُمّ الکتاب تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے علوم کی جامع ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اِسے لے کر ہمارے اندر تشریف فرما ہوئے۔ اگر اِس سورت کے اختصار کو دیکھا جائے تو صرف آیات ہیں لیکن معناً تمام آیات کو حاوی ہیں جیسے اللہ جل شانہٗ کی سات صفات باقی تمام صفات کی متضمن ہیں اور ان میں سے ہر اسمِ الٰہی بلاشک وشبہ کسی ایک جانب رجوع کرتا ہے۔

استاد ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خفی وجلی میں یہی لکھا ہے کہ تمام اسمائے الٰہیہ کو ان سات صفات کی جانب راجع دکھایا ہے اور اسم شَکُوْرٌ اور شَاکِرٌ کے سوا کوئی بھی کلام کی صفت کے ساتھ نہیں پایا گیا، باقی اسماء کو صفات پر تقسیم کیا ہے اور وہ اِن تمام کو متضمن ہیں۔ اِن میں سے بعض کو علم کے ساتھ اور بعض کو قدرت کے ساتھ ملحق کیا ہے اور باقی کو دیگر صفات کے ساتھ۔ پس اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُمّ الکتاب کے ساتھ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو لاحق فرمایا ہے، جو نبی کریم ﷺ کے نائبوں پر نازل ہوئے تھے اور اُنہیں آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی اُمت کے واسطے محفوظ رکھا ہے، تاکہ اِس لحاظ سے مقدم ہونے کے باعث آپ دیگر انبیائے کرام سے ممتاز رہیں، کیونکہ امامِ اکبر تو آپ ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کی امت جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئی ہے وہ بہترین امت

ہے۔ چونکہ اس امت میں آپ ﷺ کی صورت نے ظہور فرمایا ہے لہٰذا وہ جملہ امم سے ممتاز ہو گئی، اسی طرح وہ زمانہ جس میں آپ ﷺ رونق فزائے دہر رہے وہ سارے زمانوں سے ممتاز ہو گیا، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کا ظہور ہوا اور اگلے پچھلے زمانوں میں آپ ﷺ کی شریعت کا سکہ رواں رہا ہے۔

مغفرتِ مصطفیٰ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے مذکورہ باب، صفحہ ۱۸۲ پر سوال نمبر ۱۵۵ کا جواب مرحمت فرمایا ہے اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری سوال ہے۔

سوال:۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا مطلب کیا ہے؟ اسی طرح دیگر انبیائے کرام کو بھی مغفرت کی بشارت سے نوازا گیا تھا۔

جواب:۔ غَفَر کا مطلب چھپانا ہے۔ پس انبیائے کرام سے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے نائب ہونا چھپا کر رکھا گیا اور قیامت میں اس کا ظہور ہو گا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: میں قیامت کے روز انسانوں کا سردار ہوں گا۔ اسی لیے قیامت میں آپ ﷺ ان کے لیے یہ سفارش کریں گے کہ انہیں شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، کیونکہ آپ ﷺ کی شفاعت ہر مشفوع کے لیے اُس کے حسبِ حال ہو گی۔ دیگر انبیائے کرام کو اسی لیے خاص مغفرت کی بشارت دی گئی اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کو عام بشارت۔ حالانکہ:

وَقَدْ ثَبَتَ عَصْمَتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَيْسَ لَهُ ذَنْبٌ يُغْفَرُ فَلَمْ يَبْقَ اِضَافَةُ الذَّنْبِ اِلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْقَصْدُ اُمَّتُهٗ كَمَا قِيْلَ "اِيَّاكَ اَعْنِيْ فَاسْمَعِيْ يَا جَارَةُ" وَكَمَا قِيْلَ لَهٗ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَؤُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (ص ۱۲۸)

"چونکہ تحقیقی طور پر نبی کریم ﷺ کی عصمت ثابت ہے۔ لہٰذا آپ سے کوئی گناہ سرزد ہی کب ہو سکا جسے معاف کیا جاتا۔ پس یہ گناہ کی اضافت اِس لحاظ سے ہے کہ مخاطب آپ ہیں اور مراد امت ہے، جیسے کہا جاتا ہے: بی ہمسائی! میری بات سنو۔ یا جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ......(الآیہ) (اس میں خطاب آپ سے کیا گیا ہے لیکن مراد وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم میں شک کرتے رہیں)"۔

اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآنِ کریم میں ہرگز ہرگز کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا۔

اِس سے مراد آپ ﷺ کے بعض امتی کہلانے والوں کے شکوک وشبہات ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر:65)

''اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا''۔

حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا شرک سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا اِس سے وہی لوگ مراد ہیں جو آپ ﷺ کے امتی کہلائیں گے اور شرک ساگر میں غوطے لگائیں گے(1)۔ پس جاننا چاہیے کہ وہ وعدۂ مغفرت تو آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں وارد ہوا ہے، یعنی فخرِ دوعالم ﷺ سے فرمایا گیا ہے:

لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَهُوَ مَعْصُوْمٌ مِنَ الذُّنُوْبِ فَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْمَقْصُوْدُ وَمَا تَقَدَّمَ مِمَّنْ تَقَدَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَانِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ مِمَّنْ تَاَخَّرَ مِنَ الْاُمَّةِ مِنْ زَمَانِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاِنَّ الْكُلَّ اُمَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص١٢٨)

''تا کہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ تو گناہوں سے معصوم تھے۔ پس مغفرت کے ساتھ مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مراد وہ پہلے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کے زمانۂ مبارک تک ہوئے اور پچھلوں سے وہ مقصود ہیں جو آپ کے زمانۂ اقدس سے قیامت تک امتی ہوں گے کیونکہ سارے انسان (خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے) سب ہی آخرالزماں ﷺ کے اُمتی ہیں''۔

کیونکہ کوئی امت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی شریعت کے تحت نہ ہو اور یہ امر ہم پہلے مبرہن کر چکے ہیں کہ ہر ایک شریعت رسول اللہ ﷺ ہی کے اسمِ باطن سے ہے کیونکہ آپ ﷺ تو اُس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ آپ سارے انبیائے کرام اور مرسلینِ عظام کے سردار ہیں کیونکہ آپ سَيِّدُ النَّاسُ ہیں اور انبیاء ومرسلین کا شمار بھی بنی نوع

1۔ ایسے مشرکوں کی فی زمانہ بڑی چھل پہل ہے۔ یہ حضرات خارجیت کے مرض میں گرفتار اور توہّب کے جراثیم کا شکار ہو کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سچے موحّد بس وہی ہیں۔ اسی لیے خالص اسلامی عقائد واعمال کے باعث بھی مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اگرچہ خود ظاہر مشرکوں بطیث بُت پرستوں کے قدموں میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔ شاید اُن کی توحید کے دودھ کی ملائی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

انسان میں ہے۔ یہ بیان پیچھے مفصل گزر چکا ہے۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ:

فَبَشَّرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ بِعُمُوْمِ رِسَالَتِهٖ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً۔ (ص۱۲۸،۱۲۹)

''اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بشارت دی'' تاکہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرح عام ہے''۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اس امر کی بخوبی نشان دہی کرتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے''۔

امت ہونے کے لیے لوگوں کا آپ ﷺ کی رویت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ جس طرح اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ موجود ہونے کے زمانے میں حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجا تھا، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے گزشتہ انبیائے کرام کو اُن کی امتوں کی جانب بھیجا جاتا رہا، جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ پس:

فَالنَّاسُ اُمَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَبَشَّرَهُ اللّٰهُ بِالْمَغْفِرَةِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذُنُوْبِ النَّاسِ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْهُمْ فَكَانَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْمَقْصُوْدُ النَّاسُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِلْكُلِّ وَيُسْعِدُهُمْ وَهُوَ اللَّائِقُ بِعُمُوْمِ رَحْمَتِهِ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَبِعُمُوْمِ مَرْتَبَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ بُعِثَ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً بِالنَّصِّ وَلَمْ يَقُلْ اَرْسَلْنَاكَ اِلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَاصَّةً وَلَا اِلٰى اَهْلِ هٰذَا الزَّمَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ خَاصَّةً وَاِنَّمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ مُرْسَلٌ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَالنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَهُمُ الْمَقْصُوْدُوْنَ بِخِطَابِ مَغْفِرَةِ اللّٰهِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ (ص۱۲۹)

''پس سارے انسان آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آپ کی اُمت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اگلے لوگوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف کرنے کی آپ کو خوشخبری سنائی ہے

اِس میں مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مقصود دوسرے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو بخش دے گا اور سب کو سعادت مندی سے سرفراز کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کے آپ ہی لائق ہیں، جس نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے اور یہ آپ کے عام مرتبے کے باعث ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ خاص اسی امت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں اور نہ یہ کہ صرف اپنے زمانے سے قیامت تک کے لیے ہیں بلکہ یہی خبر دی ہے کہ آپ کو سارے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور نوعِ انسانی کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے تا قیامت ہے۔ پس اگلے پچھلے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے خطاب میں سارے انسان مقصود ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے''۔

اس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر قوم کی مغفرت اُس کے حال کی مناسبت سے ہوگی اور اس بارے میں اُن کا کلام ایسا عمیق ہے جس کے ظاہر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن سے حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ کی مراد کیا ہے؟

انتخاب

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۹۰، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ امور بذاتِ خود انتخاب کو چاہتے ہیں جیسا کہ تمام موجودات میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری ہے، جیسا کہ ہر جنس سے کسی نہ کسی امر کا چناؤ فرمایا ہوا ہے، مثلاً اسماء الحسنٰی سے لفظ اللہ کو، تمام انسانوں سے مرسلین کو، اپنے بندوں سے فرشتوں کو، آسمانوں سے عرش کو، عناصرِ اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) سے پانی کو، مہینوں سے رمضان المبارک کو، عبادات سے روزوں کو، زمانوں سے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک زمانے کو، دِنوں سے جمعۃ المبارک کو، راتوں سے لیلۃ القدر کو، اعمال سے فرائض کو، اعداد سے ننانوے (۹۹) کو، رہائشی مکانات سے جنت کو، جنت میں سعادت مندی کے احوال سے رویتِ الٰہی کو، حالات سے رضائے الٰہی کو، اذکار سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذکر کو، کلامِ الٰہی سے قرآنِ کریم کو، قرآنِ مجید کی سورتوں سے سورۂ یٰسٓ کو، آیاتِ قرآنیہ سے آیۃ الکرسی کو، چھوٹی سورتوں سے سورۂ اخلاص کو، عام دعاؤں سے روزِ عرفہ کی دعا کو، سواریوں سے براق کو، فرشتوں سے روح الامین کو، رنگوں سے سفیدی کو، واقع ہونے والے امور سے اجتماع کو، اعضائے انسانی سے دل کو، پتھروں سے حجرِ اسود کو، گھروں سے بیت المعمور کو، درختوں سے سدرۃ المنتہیٰ کو، عورتوں سے مریم اور آسیہ کو، اور مردوں سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کو چن لیا ہے۔

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بھی انتخاب پیش کیے ہیں لیکن یہاں سب کے ذکر کی حاجت نہیں۔ اور اِس بیان کو میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ مردوں سے نبی کریم ﷺ کو چنا ہے اور یہ بات شیخ کے لفظوں میں اِسی طرح ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عباد سے فرشتوں کو منتخب کر لیا ہے۔ لیکن وہ امر جسے جمہور صوفیائے کرام اور علمائے متکلمین وغیرہ نے راجح قرار دیا، یہ ہے کہ بشری رسول ہی ملکی رسولوں سے افضل ہیں۔ پس یہی حضرات ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے چن لیا ہے اور ان سب کے سردار یعنی سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق سے چنا ہے، جیسا کہ اِس بات کی تائید و تصدیق میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ بات صوفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے جس میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو اللہ کے دین میں وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہی ہے کہ:

اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَلْقِ وَاَفْضَلُ الْعَالَمِيْنَ عَلَى الْإِطْلَاقِ لَيْسَ فَوْقَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ (ص ۱۳۰)

"بیشک نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ آپ سے اونچا مرتبہ اور کسی کا نہیں ہے۔ سب تعریفیں اُسی خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں سچے دین کا راستہ دکھایا، اگر اللہ راستہ نہ دکھاتا تو ہم راہ نہ پاتے"۔

شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ انتخابات سے بعض کی تشریح پیش کی ہے اُن کی تشریحات پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو ساری مخلوق سے بایں وجہ اختیار کیا گیا کہ آپ ﷺ کے مزاج نے ایسے کمال اور اعتدال کو چاہا جو دوسرے انسانی مزاجوں نے اُس طرح نہیں چاہا تھا اور اِسی وجہ سے آپ ﷺ نے اُس وقت نبوت کا مشاہدہ فرما لیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم بھی تیار نہیں ہوا تھا اور اُن کے جسمانی اجزاء ابھی عناصر اربعہ پر منتشر تھے (1)۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

فَكَانَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ مُجَلّٰى اِلٰهِيٍّ عَلَّمَ بِهٖ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ عُلِّمَ آدَمُ الْاَسْمَاءَ وَاُوْتِيَ مُحَمَّدٌ

1۔ بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی (اعلیٰحضرت)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَكَلِمَاتُ اللّٰهِ لَا تَنْفَدُ وَلَهُ السِّيَادَةُ عَلٰى جَمْعِ الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُشَفِّعُ فِي الشَّافِعِيْنَ اَنْ يَّشْفَعُوْا مِنْ مَلَكٍ وَرَسُوْلٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ وَمُؤْمِنٍ فَلَهُ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فِي الْيَوْمِ الْمَشْهُوْدِ۔صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(ص ۱۳۰)

''اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں ﷺ کو انتہائی کشف مرحمت فرمایا ہوا تھا، جس کے باعث آپ اوّلین وآخرین کے علم سے بہرہ ور ہوگئے تھے۔ اوّلین کے علم سے آدم علیہ السلام کا علم الاسماء بھی ہے، حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے جبکہ کلماتِ الٰہی ختم ہونے والے نہیں۔ اور قیامت کے روز آپ ساری مخلوق کے سردار ہوں گے (1)۔ اِسی لیے فرشتوں، رسولوں، انبیاء، اولیاء اور مسلمانوں کو شفاعت کرنے کی اجازت لے کر دیں گے۔ پس اُس حاضری کے دن (قیامت کے روز) مقامِ محمود صرف نبیِ کریم ﷺ ہی کے لیے ہوگا''۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دوعالم ﷺ کا قرونِ ثلاثہ کو بالترتیب اختیار فرمانا اس لیے ہے کہ اُن میں سے پہلا زمانہ غائب اور موجود ہونے کے لحاظ سے آپ ﷺ کے کمالات کے ظہور کا ہے۔ اس زمانے میں آپ ﷺ نے بذاتِ خود شریعت کو قائم فرمایا اور آپ ﷺ کی نیابت میں دیگر انبیائے کرام نے جو شریعتیں جاری کی تھیں اُنہیں منسوخ کر دیا اور جو ثابت رکھنا چاہا اُسے ثابت رکھا اور ایمان کے باب سے جو منسوخ یا غیر منسوخ تھا اُسے اُسی کے حال پر برقرار رکھا۔ یہ پہلا قرن ہے۔

اِس کے بعد دو قرن ہیں اور دونوں ہی مسلمانوں کی فتوحات اور اسلام کے پھیلنے کے ہیں۔ اِن تینوں زمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ہر مہینے میں ایّامِ بیض (تیرھویں، چودھویں، پندرھویں راتیں) روشن ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جہاد کریں گے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسولِ خدا ﷺ کو دیکھا ہو؟ جواب دیں گے، ہاں۔ پس انہیں فتح حاصل ہوگی اور یہ پہلا قرن ہے۔ اس کے بعد دوسری جماعتیں جہاد کریں گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہو؟ جواب ملے گا،

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

ہاں۔ اُنہیں بھی فتح حاصل ہو گی۔ یہ دوسرا قرن ہے۔ ان کے بعد اور جماعتیں جہاد کریں گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اُس شخص کو دیکھا ہو جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہے؟ جواب ملے گا: ہاں۔ پس انہیں بھی فتح حاصل ہو گی۔ یہ تیسرا قرن (زمانہ) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِس سے آگے تذکرہ نہیں فرمایا۔

شہکارِ دستِ قدرت

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کا ایک سو اڑتالیسواں باب فراست کے اسرار کی معرفت کے لیے وضع فرمایا ہے چنانچہ صفحہ ۲۴۱ پر لکھتے ہیں کہ حکماء کے نزدیک فراست کے نام سے جو چیز مشہور ہے میں اُس کے اصل قاعدے اور تجربے کے بارے میں بعض باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اِس کے بعد ایسی صفات کا اعتبار کرنا اُسی لحاظ سے ہوگا، جو اِس کتاب میں ہمارے طریقے کا مقتضٰی ہے اور یہ مختصر اور کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جس کی پیدائش معتدل ہو یعنی اُس کی تمام حرکات اور تصرفات میں استقامت اور درستی ہو تو اُس کے باپ کو ایسی صفات مرحمت فرماتا ہے جن میں اِس آدمی کے مزاج کی صلاحیت ہو اور اسی طرح اُس کی والدہ کے مزاج کو استوار فرماتا ہے پھر اس کے لیے مرد اور عورت کی منی کو ایسی صلاحیت دیتا ہے یا پھر رحمِ مادر کو اُس کے مطابق صلاحیت دیتا ہے اور اُس میں اعتدال کی اخلاط کو درست کرتا ہے جو نطفے کو ٹھہرانے کی صلاحیت رکھے اور حرکاتِ فلکیہ کے ساتھ بخت کی یاوری کے وقت میں اللہ تعالیٰ رِحم میں پانی گرانے کا وقت مقرر کر دیتا ہے جو دنیا میں اُس وقت اُس کی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ پس ایسے طالع سعید میں مرد اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے اور دونوں کا مزاج بھی معتدل ہوتا ہے تو پانی معتدل رحم میں گرتا ہے اور رحم اسے قبول کرتا ہے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ اُس شخص کی والدہ کو ہر اس کھانے کی طرف راغب کر دیتا ہے جس میں اس کے مزاج کو تقویت پہنچائے اور جو رحم میں نطفے کی غذا فراہم کر سکے۔ پس اس معتدل مقام میں نطفہ ایک صورت کو قبول کرتا ہے اور حرکاتِ فلکیہ کے سبب درست ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی پیدائش ہو جاتی ہے اور وہ نہایت معتدل صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

وہ معتدل نومولود نہ زیادہ لمبا ہوتا ہے نہ پست۔ نرم اور تر و تازہ گوشت والا ہوتا ہے، نہ زیادہ سخت نہ بالکل نرم و نازک۔ ایسا سفید ہوتا ہے جس میں سرخی اور زردی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اُس کے بال درمیانے ہوتے ہیں، جو نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دوسرے سے الجھے ہوئے۔ اُن بالوں میں سیاہی

کے ساتھ ہلکی سی سرخی کی جھلک ہوتی ہے۔ چہرہ صاف، بڑی آنکھیں، جو گہرائی اور سیاہی کی طرف مائل ہوں، سر درمیانہ، کندھے کھلے، گردن سیدھی، سینہ درمیانہ، سرین برابر، پشت پر بہت زیادہ گوشت نہ ہو۔ ہلکی اور صاف آواز، جو نہ کرخت ہو نہ بالکل نرم، لمبی انگلیاں، ہلکی ہتھیلی، کم گو بلکہ خاموش طبع جو صرف ضرورت کے وقت کلام کرے، اُس کی طبیعت کا میلان صفرا اور سودا کی طرف ہو۔ اس کی نظر میں فرحت و سرور ہو۔ مال کی طمع بہت کم ہو۔ دوسروں پر دھونس جمانے کی عادت نہ ہو اور نہ حکمران بننا چاہے۔ جلد باز یا سست نہ ہو۔ پس ایسا شخص ہر دانشمند کے نزدیک نہایت مناسب پیدائش والا اور انتہائی خوبصورت ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی پیدا فرمایا گیا تھا تاکہ آپ ﷺ خلقت میں بھی کامل ہوں جیسے کہ آپ ﷺ مرتبے میں سب سے صاحبِ کمال ہیں۔ پس:

فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلَ النَّاسِ مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا۔ (ص ۱۳۱)

"پس رسول اللہ ﷺ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے سارے انسانوں سے با کمال ہیں"۔

مرکزِ دائرہ تخلیق

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کی جلد سوم، باب ۳۱۳، صفحہ ۶۴ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ:

اِنَّ اَصْلَ اَرْوَاحِنَا رُوْحُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ رُوْحًا وَاٰدَمُ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ جِسْمًا وَنُوْحٌ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ رَسُوْلًا فَاِنَّهٗ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اُرْسِلَ وَمَنْ كَانُوْا قَبْلَهٗ اِنَّمَا كَانُوْا اَنْبِيَاءَ كُلٌّ وَاحِدٍ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (ص 131)

"سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہماری روحوں کی اصل ہیں۔ پس آپ روحانی لحاظ سے اوّلین باپ ہیں(1) جیسے کہ جسمانی لحاظ سے آدم علیہ السلام اوّلین باپ ہیں اور رسالت کے لحاظ سے نوح علیہ السلام اوّلین باپ ہیں، جنہیں سب سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا، اُن سے پہلے نبی تھے، ہر ایک اپنے رب کی طرف سے شریعت پر تھا"۔

1۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے:

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ... لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مقامِ مصطفیٰ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد سوم، باب ۳۴۷، صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بروز قیامت سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔ شیخ نے یہ پوری حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ بریں فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام یہاں زندہ موجود ہوتے تو میرے اتباع کے سوا اُنہیں کوئی چارہ نہ ہوتا۔ یہ اِس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عام اور شریعت سب کے لیے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے امور کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے جو دوسرے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہوئے اور جس نبی کو کسی امر میں محبوبیت حاصل ہوئی، چونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہے لہٰذا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ نے جوامع الکلم مرحمت فرمائے ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ باقی انبیائے کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانِ نبوت اور دورِ رسالت کے اندر ہی نبی رہے ہیں۔

ہمارا مقصد اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب اور قدر و منزلت بیان کرنا ہے لہٰذا قیامت کے روز جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدارِ عام ہو گا اور حق و صداقت کے اُس سب سے بڑے میدان میں حبیبِ پروردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرِ گہر بار سے ہر خاص و عام فیضیاب ہو رہا ہوگا، اس وقت نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب مہرِ نیمروز کی طرح سب پر ظاہر ہو جائے گا وہاں مشاہدے کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کا سب کو عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کا تعلق ہے تو حقیقت میں بلحاظ مرتبے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی تعظیم و توقیر سے اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے مقامِ محمود ہے، جو فرشتوں اور دوسرے شفاعت کرنے والوں کے لیے بابِ شفاعت کو کھولنے کی جگہ ہے۔ سب سے پہلے صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی شفاعت کر سکیں گے۔ وسیلہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے، جس سے اعلیٰ جنت میں کوئی درجہ نہیں ہے، جو اپنی امت کی دعاؤں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ یہ اُس نیک بختی کی جزا ہے جو امتِ محمدیہ نے حاصل کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے لیے طریقہ واضح فرمایا اور اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کرتے ہوئے شکریہ کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وسیلہ کی دعا کی۔ اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی باب میں فرمایا ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمَّا جَعَلَ مَنْزِلَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السِّیَادَۃَ فَکَانَ سَیِّدًا وَمَنْ سِوَاہُ سُوْقَۃٌ عَلِمْنَا اَنَّہٗ لَا یُقَاوِمُ فَاِنَّ

السُّوقَةَ لَا تُقَاوِمُ مُلُوكَهَا فَلَهُ مَنْزِلٌ خَاصٌ وَلِلسُّوقَةِ مَنْزِلٌ وَلَمَّا أُعْطِيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ عَلِمْنَا اَنَّهُ الْمُمِدُّ لِكُلِّ اِنْسَانٍ كَامِلٍ مَبْعُوْثٍ بِنَامُوْسٍ اِلٰهِيِّ اَوْحُكْمِيٍّ وَاَوَّلُ مَا ظَهَرَ مِنْ ذَالِكَ فِيْ اٰدَمَ حَيْثُ جَعَلَهُ اللّٰهُ خَلِيْفَةً عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَدَّهُ بِالْاَسْمَآءِ كُلِّهَا مِنْ مَقَامِ جَوَامِعِ الْكَلِمِ الَّتِيْ هِيَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَهَرَ بِعِلْمِ الْاَسْمَآءِ كُلِّهَا عَلٰى مَنِ اعْتَرَضَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ وُجُوْدِهٖ وَرَجَعَ نَفْسَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ تَوَالَتِ الْخَلَائِفُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اَنْ وَصَلَ زَمَانَ وُجُوْدِ صُوْرَةِ جِسْمِهٖ لِاِظْهَارِ حُكْمِ مَنْزِلَتِهٖ بِاِجْتِمَاعِ نَشْأَتِيْهِ فَلَمَّا بَرَزَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَالشَّمْسِ اِنْدَرَجَ فِيْ نُوْرِهٖ كُلُّ نُوْرٍ فَاقِرٍ مِنْ شَرَائِعِهِ الَّتِيْ وَجَّهَ بِهَا لُوَّابُهُ مَا اَقَرَّ وَنَسَخَ مِنْهَا مَا نَسَخَ وَظَهَرَتْ عِنَايَتُهُ بِاُمَّتِهٖ لِحُضُوْرِهٖ وَظُهُوْرِهٖ فِيْهَا وَاِنْ كَانَ الْعَالَمُ الْاِنْسَانِيُّ وَالنَّارِيُّ كُلُّهُ اُمَّتَهُ وَلٰكِنْ هٰؤُلَآءِ خُصُوْصٌ وَصُفٌ فَجَعَلَهَا خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ هٰذَا الْفَضْلُ اِعْطَاءُ ظُهُوْرِهٖ بِنَشْأَتَيْهِ فَكَانَ مِنْ فَضْلِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلَى الْاُمَمِ اَنْ اَنْزَلَهَا مَنْزِلَةَ خُلَفَائِهٖ فِي الْعَالَمِ قَبْلَ ظُهُوْرِهٖ اِذْ كَانَ اَعْطَاهُمُ التَّشْرِيْعَ فَاَعْطٰى هٰذِهِ الْاُمَّةَ الْاِجْتِهَادَ فِيْ نَصْبِ الْاَحْكَامِ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّحْكُمُوْا بِمَا اَدَّاهُمْ اِلَيْهِ اِجْتِهَادُهُمْ فَاَعْطَاهُمُ التَّشْرِيْعَ فَلَحِقُوْا بِمَقَامَاتِ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِيْ ذٰلِكَ وَجَعَلَهُمْ وَرَثَةً لَهُمْ لِتَقَدُّمِهِمْ عَلَيْهِمْ فَاِنَّ الْمُتَأَخِّرَ يَرِثُ الْمُتَقَدِّمَ بِالضَّرُوْرَةِ فَيَدْعُوْنَ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ كَمَا دَعَا الرُّسُلُ فَاَخْبَرَ بِعَصْمَتِهِمْ فِيْمَا يَدْعُوْنَ اِلَيْهِ مِنْهُمُ الْمُخْطِئُ حُكْمَ غَيْرِهٖ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَمَا مُخْطِئٌ عَنِ الْحَقِّ فَاِنَّ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ حَقٌّ فَاِنْ اَخْطَأَ حُكْمًا قَدْ تَقَدَّمَ الْحُكْمُ بِهٖ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا وَصَلَ اِلَيْهِ فَذَالِكَ الَّذِيْ جَعَلَ لَهُ اَجْرًا وَاحِدًا وَهُوَ اَجْرُ الْاِجْتِهَادِ وَاِنْ اَصَابَ الْحُكْمَ الْمُتَقَدِّمَ بِاِجْتِهَادٍ فَلَهُ اَجْرَانِ اَجْرُ الْاِجْتِهَادِ وَاَجْرُ

الْاِصَابَۃِ۔(ص ۱۳۲)

’’جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سیادت کے منصب پر فائز فرمایا، تو آپ کونین کے تاجدار ہوئے اور باقی تمام مخلوق ماتحت ہوئی۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کا مدِّ مقابل کوئی نہیں کیونکہ ماتحتوں کی اپنے بادشاہوں سے کوئی برابری نہیں۔ آپ کے ماتحتوں کا بھی مقام ہے لیکن آپ کا مقام سب سے نرالا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اِس منصبِ خاص پر فائز فرمایا گیا اُس وقت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کامل انسانوں کے بھی مددگار ہیں کیونکہ آپ ناموسِ الٰہی اور اس کے حکم کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں۔ اور آپ کی اِس خصوصیت کا اظہار سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے متعلق ہوا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنایا تھا تو آپ نے مقام جوامع الکلم سے آدم علیہ السلام کی تمام اسماء کے ساتھ مدد فرمائی اور یہ آپ ہی کا منصب ہے جس سے تمام اشیاء کا علم ہر اسی ہستی پر ظاہر ہوا جس کا وجود بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوا اور جس کی روح اُس کی جانب لوٹی۔ پھر یہ خلافت متواتر زمین میں چلتی رہی یہاں تک کہ جسمانی صورت کے ساتھ آپ کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آ پہنچا، تا کہ دونوں سیادتوں کے سامنے آنے سے آپ کی قدر و منزلت ظاہر ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ رونق آرائے گیتی ہوئے تو سورج بن کر جس کی روشنی میں باقی اجرامِ فلکی کی روشنی گم ہو جاتی ہے پس وہ شرائع جن کو آپ کے نائب لے کر آئے تھے، اُن میں سے کچھ برقرار رکھا اور باقی منسوخ فرما دیا۔ اِس جلوہ گری سے امت پر آپ کی عنایت بھی ظاہر ہوئی، خواہ وہ انسان ہوں یا جن، سارے آپ کے امتی ہیں۔ لیکن اپنی جلوہ گری کی خصوصیت سے مشرف فرماتے ہوئے اسے بہتر امت بنا دیا جو لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی۔ یہ فضیلت آپ کی دونوں سیادتوں کے ظہور کا صدقہ ہے۔ پس امتِ محمدیہ کو ساری امتوں پر فضیلت ہوئی کہ اسے اس مقام پر رکھا گیا جس پر آپ کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے آپ کے خلفاء فائز تھے، کیونکہ اُنہیں تشریع کی اجازت تھی اور اِس اُمت کو قیامِ احکام کے لیے اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ جہاں تک اِن کا اجتہاد پہنچے اُس کے مطابق حکم کریں۔ پس انہیں بھی تشریع کا منصب دیا گیا اور اس طرح ایک لحاظ سے انہیں مقاماتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے

ملا دیا اور انہیں ان حضرات کا وارث بنا دیا کیونکہ وہ بلحاظ زمانہ مقدم تھے اور پچھلے اگلوں کے ضرور وارث ہوا کرتے ہیں۔ پس آئمہ مجتہدین بھی علی وجہ البصیرت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے جس طرح مرسلینِ عظام بلاتے تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اِس بلانے میں وہ غلطی سے پاک ہیں۔ ایک مجتہد دوسرے کے حکم کی تغلیط کرتا ہے لیکن دوسرا بھی عنداللہ مخطی (خطا کار) نہیں ہوتا، جو حکم اس نے پیش کیا ہے وہ حقانیت پر مبنی ہے کیونکہ اگر چہ اس سے حکم میں غلطی رہ گئی لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے زیرِ فرمان اجتہاد کر رہا ہے۔ پس جہاں تک وہ پہنچا ہے، اسے اجتہاد کرنے کے باعث پورا اجر ملے گا۔ اگر صحیح حکم تک پہنچ جائے تو دُگنا ثواب ہے۔ اس حکم کے برابر ثواب اجتہاد کرنے کا اور اتنا ہی اجر و ثواب درجۂ صحت تک پہنچنے کا ملے گا''۔

اگر چہ مجتہدین میں سے صحیح حکم تک پہنچنے والا اپنے یا دوسروں کے نزدیک غیر معروف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ غیر معروف نہیں ہوتا اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کے اس عالم آب و گِل میں جلوہ افروز ہونے کے بعد انبیائے کرام جو آپ ﷺ کے خلفاء ہیں، کوئی اِس امت کے دور میں آئے تو اسی شریعت پر عمل کرے گا اور اسی کے مطابق حکم کرے گا جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے اور مجتہدینِ امت محمدیہ کے اجتہاد کو نظر انداز نہیں کرے گا اور اپنی پہلی خلافت (منصبِ نبوت) پر قائم رہتے ہوئے آپ کی امت کے زمرے میں بھی شمار ہو گا۔ قیامت میں بھی ایسے حضرات کے لیے دو حکم ہوں گے جن کے ساتھ وہ دنیا میں ظاہر ہوئے تھے۔

قیامت میں رسول اللہ ﷺ کے مقام کا اللہ رب العزت کے دائیں جانب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ عرشِ معلیٰ پر جلوہ بار ہو گا تو آپ ﷺ دائیں جانب کھڑے ہوں گے بلکہ اللہ جل شانہٗ سے بلحاظ منصب اتنے قریب تر ہوں گے کہ احکام و اوامرِ الٰہیہ جو اس عالم میں جاری ہوں گے ان کے نافذ ہونے میں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ مواضع و موارد کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس ساری مخلوق آپ ﷺ ہی کے باعث فیضیاب ہو گی اور یہ حقیقت ہے کہ:

وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهٌ كُلُّهٗ يَرٰى مِنْ جَمِيْعِ جِهَاتِهٖ وَلَهٗ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ اِعْلَامٌ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى يُفْهَمُ عَنْهُ يَرَوْنَهٗ لِسَانًا وَيَسْمَعُوْنَهٗ صَوْتًا وَحَرْفًا۔ (ص ۱۳۲، ۱۳۳)

''نبی کریم ﷺ سراپا چہرہ ہیں اور ہر سمت سے آپ دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر جانب

سے آپ کو خبردار کرتا رہتا ہے۔ قیامت میں لوگ آپ کے منصب کو سمجھیں گے، آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے منتظر رہیں گے اور آپ کے ہر لفظ پر کان دھریں گے"۔

فخرِ دو عالم ﷺ کی رہائش گاہ جنت کا وہ مقام ہوگا جسے وسیلہ کہتے ہیں اور تمام جنتیں گویا اُسی کا حصہ ہیں۔ وہ جنتِ عدن میں ہے۔ ہر جنت میں اِس کا ایک شعبہ ہوگا جس سے اس جنت والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ ظہور فرمائیں گے اور وہ جنت میں انتہائی اعلیٰ مقام ہے۔ جنت کے باقی سارے منازل معنوی نہیں بلکہ حِسّی ہوں گے۔ اس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْزِلَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُلُوْمِ فَاَحَاطَتُهٗ بِعِلْمِ كُلِّ عَالِمٍ بِاللّٰهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ بِهٖ تَعَالٰى مُتَقَدِّمِيْهِمْ وَمُتَاَخِّرِيْهِمْ وَكُلُّ مَنْزِلٍ لَهٗ وَلِاَتْبَاعِهٖ مُطَيَّبٌ بِالطِّيْبِ الْاَنْمٰى الَّذِيْ لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ وَلَا اسْتَعْلَمَتْ اَيْدِي الْاَكْوَانِ فِيْهِ وَاعْلَمْ اَنَّهٗ مِنْ كَمَالِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُصَّ بِسِتٍّ لَمْ تَكُنْ لِنَبِيٍّ قَبْلَهٗ فَاَخْبَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُعْطِيَ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَهِيَ خَزَائِنُ اَجْنَاسِ الْعَالَمِ لِيُخْرِجَ اِلَيْهِمْ بِقَدْرِ مَا يَطْلُبُوْنَهٗ بِذَوَاتِهِمْ۔ (ص ۱۳۳)

"نبی کریم ﷺ کا علوم میں یہ مقام ہے کہ آپ کے دائرۂ معلومات نے اللہ تعالیٰ کے ہر جاننے والے کی معلومات کا احاطہ کیا ہوا ہے، خواہ وہ آپؐ سے پہلے ہوں یا پچھلے۔ آپ کی اور آپ کے غلاموں کی ہر منزل ایسی شاندار خوشبو سے عطر بیز ہے جس میں نہ کسی کے تصرف کو دخل ہے اور نہ کوئی عمل کرنے والا اُن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے اور جاننا چاہیے کہ فخرِ دو عالم ﷺ کے کمالاتِ عالیہ چھ خصوصیات پر مشتمل ہیں، جو آپؐ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں، اس سے اجناسِ عالم مراد ہیں، تاکہ دنیا والوں کی ذاتی طلب کے مطابق آپ نکال کر عطا فرماتے رہیں"(1)۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ اپنے کمالِ وصف کی بدولت اِن اجناس کے مستحق ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہِ مصر سے تمام خزانوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ حفاظت کرنا جانتے تھے۔ تاکہ تمام لوگ آپ کے محتاج ہوں اور اُن پر آپ کی سیادت ظاہر ہو جائے۔ اسی لیے ایسی

1۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

آسماں خواں، زمیں خواں، زمانہ مہماں   صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا

خوبی بیان کی جو ان کے اندر موجود تھی اور اس کے مطابق مقام کے مستحق تھے، اسی لیے فرمایا تھا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف:55) "بے شک میں حفاظت والا، علم والا ہوں"۔

یعنی حفاظت کرنے والا اِس لحاظ سے ہوں کہ اِس سے صرف ضرورت کے مطابق ہی نکلے گا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر)

"اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے"۔

جس فرد میں یہ صفت پائی جائے وہی خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے مطالبے کے بعد یہ وضاحت فرمادی کہ وہ خزانوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں اور محتاجوں کی حاجتوں سے بھی خبردار ہیں کیونکہ ان خزائن سے لوگوں کی ضروریات وابستہ ہیں۔ پس:

فَلَمَّا اُعْطِیَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ عَلِمْنَا اَنَّهٗ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ فَکُلُّ مَا ظَهَرَ مِنْ رِزْقٍ فِی الْعَالَمِ فَاِنَّ الْاِسْمَ الْاِلٰهِیَّ لَا یُعْطِیْهِ اِلَّا عَنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ بِیَدِهِ الْمَفَاتِیْحُ کَمَا اخْتَصَّ الْحَقُّ بِمَفَاتِیْحِ الْغَیْبِ فَلَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَاُعْطِیَ هٰذَا السَّیِّدُ مَنْزِلَةَ الْاِخْتِصَاصِ بِاِعْطَائِهٖ مَفَاتِیْحَ الْخَزَائِنِ۔ (ص ۱۳۳)

"جب رسول اللہ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں تو ہم نے جان لیا کہ آپ اُن کی حفاظت کے اہل اور حاجت مندوں کی ضروریات سے خبردار ہیں۔ پس دنیا میں جو بھی کسی کو رزق ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر واسطے کے اللہ تعالیٰ کسی کو مرحمت نہیں فرماتا، کیونکہ کنجیاں اُن کے ہاتھ میں دی ہیں، جیسے غیب کی کنجیاں اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہیں، اُنہیں سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح سرورِ کون و مکاں ﷺ کو یہ خاص الخاص منصب رفیع عطا فرمایا کہ آپ کو (زمین کے) خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں"۔

دوسری خصلت

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں۔ کَلِم جمع ہے کلمے کی اور اللہ تعالیٰ کے

کلمات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ اِسی لیے رسولِ اکرم ﷺ کو اتنا علم عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ جنہوں نے وجود کا لباس پہنا ہے وہ آپ ﷺ کے دائرۂ علم میں ہیں اور بے شمار وہ چیزیں جو وجود میں بھی نہیں آئیں وہ بھی آپ ﷺ کے علم میں ہیں، حالانکہ وہ حدوشمار سے باہر ہیں لیکن آپ ﷺ کے دائرۂ معلومات نے ان حقائق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یہ خدا کی صفات میں سے ہے اِسی لیے کسی دوسرے میں بالذات نہیں پائی جاتی۔ اس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی رحمت تمام جہان کو شامل ہے، جس کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے''۔

اِس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اِس میں کسی ایک جہان کی تخصیص نہیں ہے۔ پس جب آپ وہی کچھ مرحمت فرمائے گئے ہیں جو ہر عالم چاہتا ہے، خواہ وہ چاہت کسی قسم کی ہو۔ ماسوائے اُن کے جو شرعی احکام کے مخاطب ہیں، کیونکہ اُن پر تو آپ ﷺ کی رحمت ظاہر ہے۔ آپ ﷺ نے اُس رحمت کو خوب تقسیم فرمایا ہے جسے دے کر آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حکمِ الٰہی کے تحت دنیا میں رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیشک کائنات کی ہر چیز راضی ہے کیونکہ ہر ایک جہان اُسی کے گُن گاتا اور پاکی بیان کرتا ہے، پس وہ اُس کے حکم سے راضی ہوئے اور رسول اللہ ﷺ جو اُس کی طرف سے عام دعوت لے کر آئے اس جہت سے بھی مخلوقِ خدا میں اُس کی رحمت دنیا میں بانٹی جارہی ہے، سوائے اُن لوگوں کے، جو اُس سے خوش نہیں، جس سے آپ ﷺ کو مالا مال کر کے بھیجا گیا تھا، اتنا حصہ تو پالیا جتنا وہ خدا کے معین حکم سے راضی ہوا۔ یہاں تک کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت دے کر بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اگر کسی کو آپ ﷺ کی رحمت سے حصہ نہ ملے تو یہ کمی اُسی کی جانب سے ہے لہٰذا یہ اس کی قابلیت کا قصور ہے کیونکہ آپ ﷺ تو مہرِ درخشاں کی طرح ہیں، جس کی شعاعیں تمام زمین پر پڑتی ہیں لیکن زمین کا وہ حصہ جو کسی دیوار وغیرہ کے ساتھ ہو اور وہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور اس کے دائیں بائیں کو منور کر رہی ہو تو اس کی اس محرومی میں سورج کا کیا قصور؟ زمین کا وہ حصہ خود ہی سورج کا فیض حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

تیسری خصلت

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہر گورے اور ہر کالے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اجسام کے رنگوں کا تذکرہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ابرِ رحمت ہیں جو سب پر برسنے کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جو اِس عام شریعت کو ایمان لانے کے ساتھ قبول کرے، ایسے لوگوں کا شمار آپ ﷺ کی تابعدار امت میں ہے جس کی جانب آپ ﷺ کو شریعت قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے، لیکن جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کفر کیا وہ آپ ﷺ کی امت کے زمرے سے باہر نہیں ہیں۔

چوتھی خصلت

یہ ہے کہ ایک ماہ کی مسافت تک رسول اللہ ﷺ رُعب کے ساتھ مدد فرمائے گئے ہیں۔

پانچویں خصلت

یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے مالِ غنیمت حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے وہ کسی نبی کے لیے حلال قرار نہیں دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحابہ کرام میں مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی عزت افزائی فرمائی ہے کہ یہ اعزاز دوسرے انبیاءِ کرام کو بھی مرحمت نہیں فرمایا گیا بلکہ اِس میں فخرِ دوعالم ﷺ کے غلاموں کو بھی وہ کرامت بخشی گئی ہے کہ اس سے پہلے کسی نبی پر ایمان لانے والوں کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی گئی۔

چھٹی خصلت

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے تمام زمین کو پاک قرار دے دیا اور اُسے آپ ﷺ کی خاطر مسجد ٹھہرا دیا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی آپ ﷺ یا آپ ﷺ کی امت نماز کا وقت پائے، اُسی جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اِس کی تشریح میں جو طویل بحث کی ہے اُس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ خصلتیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خصوصیت مرحمت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کو ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے جو کسی بھی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔ پس آپ ﷺ کا حکم اِس کائنات میں بھی اُسی طرح نافذ ہوگا، جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اِن مقامات میں سے ہر مقام پر آپ ﷺ کی خصوصیت نمایاں ہے، تاکہ اللہ جل شانہٗ نے جو آپ ﷺ کو سب پر فضیلت دی ہے اور شرف بخشا ہے وہ سب پر واضح ہو جائے کیونکہ:

اُعْطِیَ جَمِیْعَ مَا فُضِّلَتْ بِہِ الرُّسُلُ بِعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ۔(ص ۱۴۴)

"آپ کو وہ تمام خوبیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں جن کے باعث ایک رسول کو دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے"۔

جانِ من! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس رحمت سے جس کے ساتھ آپ مبعوث فرمائے گئے ہیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہمارے لیے شریعتِ مطہرہ کو ظاہر فرمایا اور حکمِ الٰہی کے تحت آپ ﷺ نے اس کی کماحقہٗ تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ رسالت کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی صداقت کے نشانات ظاہر ہو جائیں تا کہ سب انہیں دیکھ لیں، بلکہ رسول تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے، اور مخلوقِ خدا تک اس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے۔ اُس کی یہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ اور اس پر واجب نہیں۔ اگر اُس کی صداقت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ یہ بات نبی کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی اِس بات سے معذوری خود بیان فرمائی ہے۔ پس یہاں انبیائے کرام کے لیے بھی نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ (انعام:37)

"اور بولے اِن پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری ان کے رب کی طرف سے"۔

یہ کسی عربی کا نہیں بلکہ غیر عرب کا اعتراض نقل فرمایا گیا ہے کیونکہ اہلِ عرب کے سامنے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صداقت واضح کر چکے تھے، جبکہ قرآنِ کریم کے اعجاز کا عربوں کے سوا دوسرے کماحقہٗ اندازہ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ کہیں وارد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر غیر عرب مثل یہود، نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کے مطالبے پر کوئی معجزہ اپنی صداقت ظاہر کرنے کی خاطر دکھایا ہو۔ آپ ﷺ جو نشانیاں اور معجزات لے کر مبعوث ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے، معجزے دکھانا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا، نہ دوسرے رسولوں پر واجب تھا، اسی لیے فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (العنکبوت:50)

"تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف ڈر سنانے والا ہوں"۔

پھر سرورِ کون و مکاں ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

اَوَ لَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً (العنکبوت:51)

"کیا یہ اُنہیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اِس

میں رحمت ہے''۔

کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس اُمِمِ سابقہ کی تمام معلومات قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور یہ اپنے لانے والے کی صداقت پر خود گواہ ہے اور آپ ﷺ کی امت قرائنِ احوال سے یہ جانتی ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے نہ کسی سے کچھ پڑھا، نہ لکھنا سیکھا، نہ کسی سے کتاب کا کبھی مطالعہ کیا، نہ پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھے اور نہ اپنے شہر سے کبھی دور رہے بلکہ آپ ﷺ دوسرے اَن پڑھوں کی طرح اَن پڑھ ہی رہے۔ اِس کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کی خبریں دیں جن کے بارے میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے بھلا ایک عام آدمی اُن کی خبریں کیسے دے سکتا ہے؟ لٰہذا قرآنِ کریم کے ذریعے جو کچھ بھی آپ ﷺ لے کر آئے، وہ آپ ﷺ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے لیے مخالفین کہتے اور ثبوت طلب کیا کرتے تھے اور اہلِ عرب پر قرآنِ کریم کا اعجاز ظاہر تھا کیونکہ یہ اُن کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ بھی اِس سے معارضہ نہ کر سکے یا یوں سمجھ لیجئے کہ یہ جانتے ہوئے معارضہ نہ کیا کہ منہ کی کھانے کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا(1)۔ نیز قرآنِ کریم کے ذریعے آپ ﷺ کو دیگر سماوی کتب کا علم بھی حاصل ہو گیا، جنہیں یہود و نصاریٰ اور دیگر اہل کتاب جانتے تھے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کی صداقت کا روشن نشان ہوا کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مذکورہ بالا تقریر سے:

فَقَدْ تَبَيَّنَ لَکَ مَنْزِلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِهٖ مِنَ الرُّسُلِ وَخَصَّهُ اللّٰهُ بِعُلُوْمٍ لَمْ تَجْتَمِعْ فِيْ غَيْرِهٖ مِنْهَا اَنَّهُ اِعْطَاءٌ اَنْوَاعُ ضُرُوْبِ الْوَحْيِ كُلِّهَا فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ بِجَمِيْعِ مَا يُسَمّٰى وَحْيًا كَالْمُبَشِّرَاتِ وَالْاِنْزَالِ عَلَى الْقُلُوْبِ وَالْاٰذَانِ بِحَالَةِ الْعُرُوْجِ وَعَدَمِ الْعُرُوْجِ وَغَيْرِ ذَالِکَ وَخَصَّهُ بِعُلُوْمٍ عِلْمُ الْاَحْوَالِ كُلِّهَا فَاَعْطَاهُ الْعِلْمَ بِكُلِّ حَالٍ وَفِيْ كُلِّ حَالٍ ذَوْقًا لِاَنَّهُ اَرْسَلَهُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً وَاَحْوَالُهُمْ مُخْتَلِفَةٌ فَلَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ رِسَالَتُهُ تَعُمُّ الْعِلْمَ بِجَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَخَصَّهُ اللّٰهُ بِعِلْمِ اِحْيَاءُ الْاَمْوَاتِ مَعْنًى وَحِسًّا فَحَصَلَ

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ نے یہ مضمون یوں باندھا ہے:۔

ترے سامنے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

الْعِلْمُ بِالْحَيَاةِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَهِيَ حَيَاةُ الْعُلُوْمِ وَالْحَيَاةِ الْحِسِّيَّةِ وَهِيَ مَا اَتٰى فِيْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَعْلِيْمًا وَاِعْلَامًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَخَصَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِلْمِ الشَّرَائِعِ كُلِّهَا فَاَبَانَ لَهٗ عَنْ شَرَائِعِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَهْتَدِيَ بِهُدَاهُمْ وَخَصَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرْعٍ لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ غَيْرِهٖ مِنْهُ مَاذَكَرْنَا فِي السِّتَّةِ الَّتِيْ خَصَّ بِهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۳۵)

’’تیرے لیے دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے مقابلے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا مقامِ رفیع بخوبی ظاہر ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے علوم سے خاص فرمایا ہے جو آپ کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہیں۔ اُن علوم سے ایک یہ شعبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی وحی سے مشرف فرمایا، جسے بھی وحی کہا جاتا ہے، جیسے سچے خواب، دلوں اور کانوں پر وحی کا بحالتِ عروج وعدم عروج نازل ہونا وغیرہ اور نبی کریم ﷺ کو تمام احوال کا علم عطا کرکے خاص فرمایا، یعنی آپ کو ہر حال کا علم عطا فرمایا اور ہر حالت کی ذوقی معلومات کا سے مطلع فرمایا کیونکہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کو تمام انسانوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کی معلومات دائرہ اتنا وسیع ہو، جو تمام احوال کا احاطہ کرے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُردوں کو زندہ کرنے کے معنوی اور حسّی علم کے ساتھ بھی خصوصیت بخشی ہے۔ پس آپ کو جو معنوی حیات کا علم حاصل ہے، اس سے مراد علوم کا زندہ کرنا ہے اور حسی حیات وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعے میں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو بتانے اور مطلع فرمانے کے لیے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم تمہارے لیے رسولوں کی خبریں بیان کرتے ہیں تاکہ تمہارے دل کو ثابت رکھیں اور اس بارے میں تمہارے پاس حق آگیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جملہ شرائع کے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ پہلوں کی شریعتیں آپ پر ظاہر فرمائیں اور ان کی طرح راہِ ہدایت اختیار کرنے کا آپ کو حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ کو ایسی شریعت کے ساتھ خاص فرمایا جو کسی اور کو نہیں دی تھی، جیسا کہ ہم نے آپ کی چھ خصوصیات کے تحت لکھا ہے‘‘۔

مقامِ محمود

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۳۸، صفحہ ۱۹۴ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا ضروری ہے کہ مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں بروزِ قیامت رسول اللہ ﷺ اپنے اسمِ گرامی حمید کے ساتھ رونق افروز ہوں گے اُس میں اللہ تعالیٰ کے سات جھنڈے جنہیں حمد کا نام دیا گیا ہے۔ وہ جھنڈے فخرِ دوعالم ﷺ اور آپ ﷺ کے وارثوں کو مرحمت فرمائے جائیں گے۔ اُن جھنڈوں میں اللہ جل شانہٗ کے ایسے اسمائے گرامی ہوں گے، جن کے ساتھ سرورِ کون ومکاں ﷺ بروزِ قیامت مقامِ محمود میں کھڑے ہوکر اپنے رب کی حمد وثنا بیان کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میں شفاعت کا سوال کروں گا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ایسے محامد کے ساتھ بیان کروں گا جنہیں اِس وقت میں نہیں جانتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اسمائے طیبہ ہیں، جو اُس مقام سے خاص مناسبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا صرف اسماء الحسنیٰ ہی سے کی جاسکتی ہے اور ہماری معلومات اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا احاطہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جنت میں ایسی چیزیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں ہے اور نہ کسی کان نے اُن کی آواز سنی ہے اور نہ کسی دِل میں اُن کی صورت کا صحیح تصور آیا ہے اور ہمیں اِس بات کا علم ہے کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان اللہ تعالیٰ نے ہماری نظروں سے چھپا کر رکھے ہوئے ہیں، اُن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک شے کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کے ساتھ منسوب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اُس نام کے ساتھ کرے گا اور اسمِ الٰہی وہ ہے جس کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس سے باخبر ہوکر انعاماتِ الٰہیہ کے ساتھ رب تعالیٰ کی حمد وثنا کریں، خواہ وہ ثنا تسبیح کے ساتھ ہو یا اثباتِ علم کے ساتھ۔

جب تمہیں اُن کی معرفت حاصل ہوگئی تو تعداد کے بارے میں سوال کروگے، جن کے ساتھ بروزِ قیامت مقامِ محمود میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے گی۔ پس ہم نے جان لیا کہ ہمیں دنیا میں اُن کا علم حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ اللہ تعالیٰ اب کسی کو بتائے گا کیونکہ وہ ایسے محامد سے متعلق ہیں جن کے عرفان کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگی۔ جب قیامت میں ہم آپ ﷺ کو اُن اسماء کے ساتھ حمد وثنا بیان کرتے ہوئے سنیں گے اور قیامت میں مقامِ محمود پر ہر جھنڈے کے ساتھ وہ اسمائے الٰہیہ ظاہر ہوں گے، تو اُس مقام پر اُن اسمائے الٰہیہ کا علم ہمیں بھی حاصل ہو جائے گا اور اُن اسماء الحسنیٰ کی تعداد کے

متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ اُن کی تعداد ایک ہزار چھ سو چونسٹھ ہے۔ اِن میں سے ہر ایک جھنڈے میں ننانویں اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جو اِنہیں پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اِن جھنڈوں میں سے حمد کے جھنڈے میں مذکورہ اسمائے الٰہیہ سے سات سو ستتر (۷۷۷) اسماء درج ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اِن تمام محامد کے ساتھ حمدِ الٰہی بیان کریں گے اور ہر اسم میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا مطالبہ ہے۔

فتحِ مبین

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۳۹، صفحہ ۲۰۲ پر آیات درج کر کے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣

"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور اللہ تعالیٰ تمہاری زبردست مدد فرمائے"۔

اِن کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حقیقی مکاشفے کی کامیابی، باطنی حلاوت میں سرفرازی اور رفعتِ کلام ہے اور مذکورہ فتوحات کے باعث قرآنِ کریم معجزہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جیسا کلامِ رفیع عطا فرمایا گیا ہے ایسا کسی دوسرے کو مرحمت نہیں فرمایا گیا۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے اعلان فرمایا ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝٨٨ (بنی اسرائیل)

"تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اِس بات پر متفق ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند لے آئیں تو اِس کا مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ اُن میں ایک دوسرے کا مددگار ہو"۔

ظَهِيرًا سے یہاں مراد مُعِينًا یعنی مددگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے مذکورہ تینوں قسم کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ساتھ ہی فَتْحًا مصدر سے اِس کلام کو مؤکد کر دیا ہے۔ مُبِينًا سے مراد ظاہر ہے جسے ہر دیکھنے والا واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ فتوحِ عبارت یعنی رفعتِ کلام، یہ اہلِ عرب کا طرّہ امتیاز ہے جس میں دوسروں کو عاجز کر دیا کرتے تھے۔ فتوحِ مکاشفہ یعنی حقیقتِ واقعیہ کے انکشاف میں کامیابی، اِس کا شبِ معراج میں آپ ﷺ کو خصوصی حصول ہوا، جب بڑی سے بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا گیا، تا کہ اللہ تعالیٰ

آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں کے گناہ معاف فرما دے اور یہ بات آپ ﷺ سے پوشیدہ رکھے جس سے گنہگار عتاب کا مستحق ہوتا ہے اور پچھلوں کے گناہ بھی معاف فرما دے اور آپ ﷺ کو گناہوں سے بالکل بچا کر رکھے کہ وہ آپ ﷺ تک پہنچ ہی نہ سکیں اور اِس طرح آپ ﷺ گناہوں سے مبرّا ہیں۔

پچھلوں کے گناہ بخش دینے کی بشارت سے ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ بیشک نبی کریم ﷺ گناہوں سے معصوم ہیں اور عصمت کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد فرمائی گئی ہے اور آپ ﷺ کی معصومیت پر یہ بات سب سے زیادہ مؤید ہے کہ آپ ﷺ کو لوگوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی اقتدا کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ معصومیت سے سرفراز نہ فرماتا تو ایسے امور میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا ہمارے لیے ضروری ہو جاتی، جو آپ ﷺ سے گناہ کے بطور واقع ہوتے اور آپ ﷺ سے گناہ سرزد ہونے کے بارے میں کوئی نصِ قطعی وارد نہیں ہوئی ہے، جیسے ہبہ کے ساتھ نکاح میں آپ ﷺ کی خصوصیت پر نصِ قطعی وارد ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص اور آپ ﷺ کے لیے مشروع ہے جبکہ ہم پر حرام ہے۔ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پوری نعمتیں عطا فرمائی گئیں۔ ہم نے جب مخلّقہ یعنی مکمل اور نامکمل نعمتوں کو پہچان لیا ہے اور اِس آیت نے خبر دی ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو مکمل نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا سے مراد یہ ہے کہ جس راستے پر سرورِ کون و مکاں ﷺ گامزن ہیں وہی صراطِ مستقیم ہے۔ جیسے ہود علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ (ہود)

''بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے''۔

تمام شریعتیں نور ہیں اور ان میں شریعتِ محمدیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ستاروں میں سورج، جب سورج ظاہر ہو تو ستاروں کی روشنی سورج کی روشنی میں داخل ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی کا چھپنا نبیِ آخرالزماں ﷺ کی شریعت سے دوسری شریعتوں کے منسوخ ہونے کی طرح ہے، حالانکہ اُن کا وجود اُسی طرح باقی ہے، جیسے ستاروں کا نور باقی رہتا ہے۔ اسی لیے شریعتِ محمدیہ نے تمام رسولوں اور ان کی شریعتوں پر ایمان لانا ہمارے اوپر لازم ٹھہرایا ہے، کیونکہ وہ حق ہیں اور منسوخ ہو جانے کے باعث وہ باطل نہیں ہوئیں۔ شرائع سابقہ کو باطل کہنا جہلاء کا فاسد گمان ہے۔ پہلے تمام تر راستے سیّد الانبیاء والمرسلین ﷺ کے راستے کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں۔ اگر گزشتہ رسولوں سے کوئی رسول

آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں موجود ہوتا تو اُسی طرح آپ ﷺ کا اتباع کرتا جس طرح تمام شریعتیں شریعتِ محمدیہ کے تابع ہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا جو فرمایا ہے تو عَزِيْزٌ وہ ہوتا ہے جس کا قصد کیا جائے لیکن اُس تک رسائی کی طاقت نہ ہو۔ چونکہ سارے انبیائے کرام آپ ﷺ کی طرف وصول کے طالب تھے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ اپنی عام بعثت کے سبب اُن کے پالینے سے دور رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ ﷺ کو جوامع الکلم اور آخرت میں مقامِ محمود عطا کر کے سیادت مرحمت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کی اُمت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ہر امت کا مرتبہ اُس کے نبی کی عظمت کے مطابق ہوتا ہے۔

تبلیغ کا معاوضہ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۲، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ عمل بذاتہٖ ثواب اور اجر چاہتا ہے اور عمل کرنے والے کو ثواب ملنے کا حق پہنچتا ہے۔ احکامِ رسالت کو ادا کرنا رسول کا عمل ہے اور بھیجنے والے نے اُس سے فریضۂ رسالت کا کام لیا ہے کیونکہ اُسے لوگوں کی طرف بھیجا ہے، اِس لیے بھیجنے والے پر اِس کا اجر دینا ضروری ہے، مرسلِ الیہ (جس کی طرف بھیجا گیا) نے اُسے اس کام پر مامور ہی نہیں کیا، لہٰذا اجر دینا اُس پر ضروری نہیں۔ اسی لیے مرسلینِ عظام نے اِس امرِ الٰہی کا اپنی امتوں سے برملا تذکرہ کر دیا تھا، تاکہ اُنہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اِس بارے میں امرِ الٰہی کیا ہے؟ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ (الشعراء)

"اور میں اِس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے"۔

پس رسولوں نے اپنی اُجرت کا حق اُسی پر ڈالا جس نے اُن سے یہ کام لیا اور اِس جواب سے اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر ہی کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ اُس نے ہر ایک رسول کو یہی حکم دیا: "تم فرما دو، میں تبلیغِ دین کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا"۔ لیکن فضائل کے باب میں سرورِ کون و مکاں ﷺ کو وہ خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کو میسّر نہیں اور اِس فضیلت سے آپ ﷺ کی اُمت کو بھی وہ حصہ ملا ہے۔ فخرِ دوعالم ﷺ کا اجر بھی دوسرے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اِس اجر کا کچھ حصہ اپنی امت سے بھی وصول فرمائیں اور اُس کی صورت یہ

ہے کہ وہ حبیبِ پروردگار ﷺ کے قرابت داروں سے محبت کریں، چنانچہ فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (الشوریٰ:23)

"تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت داروں کی محبت"۔

یعنی دین کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں ماسوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر واجب کر دیا ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ امتِ محمدیہ پر تبلیغ کا معاوضہ آپ ﷺ کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے۔ نیز آپ ﷺ کے اہلِ بیت سے بھی اور جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے مَوَدَّتْ کہا ہے وہ محبت میں ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمادیا تو یہ نہیں کہا کہ اب اللہ کے ذمے تمہارا کوئی اجر نہیں رہ گیا اور نہ یہ فرمایا کہ تمارا اجر باقی رہ گیا ہے۔ تاکہ ذاتِ باری تعالیٰ ایسی چیز بیان کر کے اپنی نعمتوں کی تجدید فرمائے جس سے محبوب کو سرور حاصل ہو۔ اسی لیے دوسرے رسولوں کی طرح آپ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ اپنی امت کو یہ اعلان سنا دیا جائے کہ میں تم سے اگر کوئی اجر چاہتا ہوں تو صرف تمہارے لیے ورنہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے امت کے سر سے نبی کے قرابت داروں سے محبت کرنے کا اجر ساقط نہیں کیا بلکہ اس کے تعین کے بعد اسے ان کی جانب ہی لوٹا دیا ہے، حالانکہ اس اجر کے مستحق صرف رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس محبت کی فضیلت کو اس کے حقداروں کی طرف لوٹا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

الانسان الکامل

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۶، صفحہ ۲۴۷ پر فرمایا ہے کہ اس دنیا میں کامل انسان کا مرتبہ نفسِ ناطقہ کی طرح ہے۔ انسانوں میں سب سے کامل وہ ہے جس سے اکمل دوسرا کوئی نہیں اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ کمال جو اس عالم کی غایت ہے اس کے باعث وہ کامل انسان جن کا درجہ آپ ﷺ کے بعد ہے ان کا مرتبہ انسانی قوتوں کی طرح ہے اور اِن درجات پر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام فائز ہیں اور جن حضرات کا مرتبہ اِن حضرات کے بعد ہے وہ انسان کی حسی قوتوں کی طرح ہیں اور ایسے حضرات علمائے کرام و اولیائے عظام ہیں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جو انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ ان کے علاوہ باقی انسان شکل و صورت کے لحاظ سے انسان ہیں لیکن اُن کا شمار حیوانات میں ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانوں میں روحِ حیوانی کی طرح ہیں، جس

سے انسانوں کی افزائش کا سلسلہ قائم ہے اور احساسات اسی قوت کے مرہونِ منت ہیں۔ پس:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْعَالَمَ الْيَوْمَ بِفَقْدِ جَمْعِيَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ظُهُوْرِهٖ رُوْحًا وَجِسْمًا وَصُوْرَتًا وَمَعْنًا قَائِمٌ وَلَا مَيِّتٌ وَاِنَّ رُوْحَ الَّذِيْ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ مِنَ الْعَالَمِ فِيْ صُوْرَةِ الْمَحَلِّ الَّذِيْ هُوَ قُبَّةُ رُوْحِ الْاِنْسَانِ عِنْدَ النَّوْمِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ الَّذِيْ هُوَ مِثْلُ يَقْظَةِ النَّائِمِ هُنَا وَاِنَّمَا قُلْنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّعْيِيْنِ اِنَّهٗ هُوَ الرُّوْحُ الَّذِيْ هُوَ النَّفْسُ النَّاطِقَةُ فِي الْعَالَمِ لِمَا اَعْطَاهُ الْكَشْفَ وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ اِنَّهٗ سَيِّدُ النَّاسِ وَالْعَالَمُ مِنَ النَّاسِ فَاِنَّهُ الْاِنْسَانُ الْكَبِيْرُ فِي الْجِرْمِ وَالْمُقَدَّمِ فِي التَّسْوِيَةِ وَالتَّعْدِيْلِ لِيَظْهَرَ عَنْهُ صُوْرَةُ نَشْأَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَوَّى اللّٰهُ جِسْمَ الْاِنْسَانِ وَعَدَلَهٗ قَبْلَ وُجُوْدِ رُوْحِهٖ ثُمَّ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُوْحِهٖ رُوْحًا كَانَ بِهٖ اِنْسَانًا تَآمًّا اَعْطَاهُ بِذَالِكَ خِلْقَةً وَهُوَ نَفْسُهُ النَّاطِقَةُ فَقَبْلَ ظُهُوْرِ نَشْأَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْعَالَمُ فِيْ حَالِ التَّسْوِيَةِ وَالتَّعْدِيْلِ كَالْجَنِيْنِ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَحَرَكَتُهٗ كَالرُّوْحِ الْحَيَوَانِيِّ مِنْهُ الَّذِيْ صَحَّتْ لَهٗ بِهِ الْحَيَاةُ فَاَجِلْ فِكْرَكَ فِيْمَا ذَكَرْتُهٗ لَكَ فَاِذَا كَانَ فِي الْقِيَامَةِ حَيَّ الْعَالَمُ كُلُّهٗ بِظُهُوْرِ نَشْأَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۳۷، ۱۳۸)

"جاننا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پردہ پوش ہو جانے کے باعث اب یہ دنیا سو رہی ہے۔ آپ اِس دنیا میں قبۂ روحِ انسانی کی طرح ہیں جیسا کہ نیند کے وقت ہوتا ہے۔ خواب سے اِس دنیا کے بیدار ہونے کی حالت قیامت تک رہے گی اور بیشک ہم نے تخصیص کرتے ہوئے کہا ہے نبی کریم ﷺ ہی اس دنیا کی وہ روح ہیں جسے نفسِ ناطقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (ساری دنیا کا) کشف عطا فرمایا ہے اور جیسا کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپ ہی سارے انسانوں کے سردار ہیں اور دنیا لوگوں سے ہے کیونکہ نوعِ انسانی کی برابری اور اعتدال میں نیز جسمانی حالت اور تقدیم کے لحاظ سے بڑائی حاصل ہے تاکہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے جمالِ جہاں

آراء کی صورت ظاہرہ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے روح کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے جسم انسانی کو برابر اور اعتدال پر کیا پھر اُس میں اپنی طرف کی روح پھونکی، وہ روح جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا۔ اسی طرح اسے تخلیق کا لباس پہنایا اور یہی روح (جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا) نفسِ ناطقہ ہے۔ پس نبیِ آخرالزماں ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے یہ جہاں تسوید اور تعدیل کے مراحل سے گزر رہا تھا، جیسے بچہ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اس کی حرکت روح حیوانی کی طرح ہوتی ہے، جس کے ساتھ وہ زندگی سے ہمکنار رہتا ہے۔ جو کچھ یہاں تمہارے لیے مذکور ہوا ہے اس میں تمہیں غور وخوض کرنا چاہیے۔ قیامت کے روز آپ کے وجود کی جلوہ آرائی کے باعث سارا جہان زندہ ہوجائے گا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''

بعثت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۵۵، صفحہ ۱۳۱۳ پر فرمایا ہے کہ:

فَكُلُّ مَنْ فِي الْوُجُوْدِ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى الْغَيْبِ اِلَّا الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ الْمُؤْمِنَ فَاِنَّهٗ يَعْبُدُهٗ عَلٰى الْمُشَاهَدَةِ وَلَا يَكْمُلُ الْعَبْدُ اِلَّا بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّهُ النُّوْرُ السَّاطِعُ الَّذِیْ تُزِيْلُ كُلَّ مُظْلِمَةٍ فَاِذَا عَبَدَهٗ عَلٰى الشَّهَادَةِ رَأٰیٰ جَمِيْعَ قِوَاهُ فَمَا قَامَ بِعِبَادَتِهٖ غَيْرُ وَلَا يَنْبَغِیْ اَنْ يَقُوْمَ بِهَا سِوَاهُ فَمَا ثَمَّ مَنْ حَصَلَ لَهٗ هٰذَا الْمَقَامُ اِلَّا الْمُؤْمِنَ الْاِنْسَانِیَّ فَاِنَّهٗ مَا كَانَ مُؤْمِنًا اِلَّا بِرَبِّهٖ فَاِنَّهٗ سُبْحَانَهُ الْمُؤْمِنُ وَاعْلَمْ اَنَّكَ اِذَا لَمْ تَكُنْ بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ وَمَا لَكَ قَدَمٌ فِیْ هٰذِهِ الدَّرَجَةِ فَاَنَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا يَحْصُلُ لَكَ بِهِ الدَّرَجَةُ الْعُلْيَا۔ (ص ۱۳۸)

'' مخلوقات سے جتنے بھی عالم وجود میں ہیں وہ انسانِ کامل کے علاوہ باقی سارے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر دیکھے کرتے ہیں، لیکن انسانِ کامل ایسا مومن ہے جو مشاہدے کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور ایمان کے بغیر بندہ مکمل نہیں ہوتا کیونکہ یہی تو وہ بلند نور ہے جو ہر تاریکی کو زائل کرکے رکھ دیتا ہے پس جب اس کا بندہ اسے دیکھ کر عبادت کرتا ہے تو اس کے سارے قویٰ کی رویت حاصل ہوتی ہے دوسرا اُس جیسی عبادت نہیں کرسکتا اور نہ دوسرے کے یہ بس کی بات ہے، سوائے اُس انسانی مومن کے جسے یہ مقام حاصل

ہو، کیونکہ وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، یہ اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ بھی مومن ہے اور تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر تم اِس مقام تک نہ پہنچے ہو اور اِس درجے کی معرفت تک تمہاری رسائی نہ ہو تو میں تمہاری اتنی رہنمائی کرتا ہوں جس سے تمہیں اس منصبِ رفیع کی معرفت حاصل ہو جائے"۔

اور تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ایک مزاج پر پیدا نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کے مختلف مزاج بنائے ہیں۔ یہ بات عام مشاہدے کی، بدیہی اور ضروری ہے کہ عقلی اور ایمانی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو لوگوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور یہ بات تو صحیح طریقے سے تمہیں یقیناً معلوم ہوگی کہ انسان اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے اور یہ اس آئینے کے ذریعے اس چیز کو دیکھتا ہے جسے کوئی آدمی اپنی مثل کے آئینہ کے بغیر خود نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان اپنی نفسانی خواہش کے باعث محجوب اور اِس پر عاشق ہے۔ جب وہ کسی خوبی کو دوسرے میں دیکھتا ہے جبکہ اسے خود بھی وہ حاصل ہو، تو اپنا عیب دوسرے میں دیکھنے لگتا ہے۔ پس اگر وہ بری ہے تو اس کی برائی کو اور بھلی ہے تو اس کی بھلائی کو دیکھ لے گا۔

تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نظر آنے والی چیزوں کی اشکال مختلف ہیں اور وہ دیکھنے والے کے نزدیک اس کی شکل کے اعتبار سے لمبی، چوڑی، سیدھی، ٹیڑھی، کم، زیادہ، متعدد اور کل کی صورت میں نظر آتی ہے، جیسا کہ آئینے میں نظر آنے والی شکل اس پر ظاہر کرتی ہے۔ جب تم نے اس بات کو سمجھ لیا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ مرسلینِ عظام اپنے ربِّ کریم کی عطا فرمودہ رسالت کو قبول کرنے کے باعث باقی انسانوں سے اعلیٰ مزاج والے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ہر فرد نے منصبِ رسالت سے اتنی ہی قدر کو قبول کیا ہوتا ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے ترکیب کے اعتبار سے اس کے مزاج میں ودیعت فرمائی ہوتی ہے۔ چونکہ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا، لہٰذا اس کا مزاج بھی قوم کے مطابق خاص ہوتا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں ﷺ کو تمام انسانوں کی جانب رسالتِ عامّہ کے ساتھ بھیجا گیا اور آپ ﷺ نے اِس رسالت کو اسی لیے تسلیم کیا کہ یہ رسالتِ عامّہ ہے، جو عام مزاج پر مشتمل ہونے کے باعث جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مزاجوں کی حامل ہے۔ اس لیے آپ ﷺ اعلیٰ اور اکمل مزاج والے ہوئے اور آپ ﷺ کی تخلیق سب سے اقویٰ ہے۔

جب تم نے اس بات کو جان لیا اور تمہارا ارادہ ہوا کہ حق کو انسانی شکل میں اس کی کامل صورت کے ساتھ دیکھو تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ تمہارا یہ منصب ہرگز نہیں ہے جو فخرِ دو عالم ﷺ کو حاصل ہے اور نہ تم اسے جاننے کے قابل ہو کیونکہ تمہارے دل کے آئینے میں جب بھی تم پر حق ظاہر ہوگا، تو اِس

حالت میں تمہارا آئینہ تمہارے ہی مزاج کی شکل وصورت ظاہر کررہا ہوگا۔

تمہیں جب یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے رب کی معرفت کا پیدائشی طور پر جو درجہ حاصل ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو تمہارے اوپر یہی لازم ہے کہ اُن پر ایمان لاؤ، اُن کے اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلو اور آقائے نامدار، مدنی تاجدار ﷺ کو اپنا امام اور پیشوا بنائے رکھو۔ پس جیسے تم آئینے میں اپنی اور دوسروں کی صورت دیکھتے ہو، اس طرح اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے آئینے میں تجلی فرماتا ہے اور یہ واضح ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر میں آئینے کا اثر ہوتا ہے، لہٰذا فخرِ دوعالم ﷺ کے آئینے میں حق کا ظہور انتہائی کامل، واضح اور احسن ہے اور جب تم سرورِ کون ومکاں ﷺ کے آئینے میں اللہ تعالیٰ کا ادراک کرو گے تو تمہیں ایسا ادراک ہوگا جیسا اپنے آئینے میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیا تم نے بابِ ایمان اور عقیدۂ رسالت کے ان امور پر غور نہیں فرمایا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب فرمایا ہے حالانکہ عقلِ انسانی اُنہیں محال شمار کرتی ہے۔ اگر ان باتوں پر شریعتِ مطہرہ کی مہر ثبت نہ ہوتی اور ان پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو عقلی لحاظ سے ہم انہیں تسلیم کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتے بلکہ ابتداء ہی میں انکار کردیتے اور ایسی باتوں کے قائل کو جہلاء میں شمار کرنے لگتے۔ پس جیسے رسالت اور ایمان کے بارے میں ہمیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسی طرح ہمارے مزاج اور ہمارے دلوں کے آئینے اُن چیزوں کے مشاہدے اور ادراک سے قاصر ہیں جو فخرِ دوعالم ﷺ کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

معراج واسراء

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ، جلد سوم، باب ۳٦۷، صفحہ ۳۴۷ پر سرورِ کون و مکاں ﷺ کی آسمانی سیر یعنی معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (شوریٰ:11) ''اُس جیسا کوئی نہیں''۔

یعنی اپنی ذات قدسی صفات کا ایسا وصف بیان فرمایا جو اُس کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (الحدید) ''اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو''۔

علاوہ بریں رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانے، عرشِ معلیٰ پر غلبہ کرنے اور عماء میں ہونے (عماء وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی کیفیت اور تشبیہ کے بغیر تمام مخلوق سے پہلے موجود تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور لغوی لحاظ سے عماء کا مطلب ہلکا بادل ہے) زمین و

آسمان میں ہونے، انسان کی شہ رگ سے قریب ہونے وغیرہ تمام حالات میں وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اِن اوصاف سے اُسی کی ذات متصف ہے وہ اپنے کسی بندے کو دیکھنے کے لیے ایک مکان سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ اسے اپنی قدرت کے ایسے کرشمے دکھانے کے لیے منتقل کرتا ہے، جو اس بندے سے پوشیدہ ہوں۔ اسی طرح:

اِذَا نَقَلَ اللّٰهُ الْعَبْدَ فِيْ اَحْوَالِهٖ لِيُرِيَهٗ اَيْضًا مِنْ اٰيَاتِهٖ فَنَقَلَهٗ فِيْ اَحْوَالِهٖ مِثْلَ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا۔ (ص ۱۳۹)

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرتا ہے تا کہ اُسے اپنی نشانیاں دکھائے تو اِس طرح اس کے احوال میں تبدیلی پیدا کرتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب دیکھ لیے اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے''۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (انعام:75)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے''۔

یہ عین الیقین ہے کیونکہ یہ اُن کا آنکھوں سے دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص الخاص بندے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، تا کہ اُسے ایسی نشانیاں دکھائے جن کے ساتھ وہ جگہ مخصوص ہے اور وہ ایسی آیات ہیں جو اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن نشانیوں کا مشاہدہ کیے بغیر ذاتِ الٰہی کی پوری معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، اِسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔''

واقعۂ معراج حدیثِ اسریٰ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو اپنی خاص نشانیاں دکھانے کے لیے سیر کرائی تھی، اپنی طرف نہیں بلایا تھا کیونکہ مجھے کوئی جگہ نہیں گھیر سکتی، اگرچہ تمام مکانوں کی نسبت میری ہی طرف ہے، ہاں میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ پس اس کی میری طرف سیر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ میں اس سے ہر وقت نزدیک ہوں اور ہمہ وقت اُس کے ساتھ ہوں خواہ وہ کہیں ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبی آخر الزماں ﷺ، جو اس کے سب سے خاص بندے ہیں، وہ اس کی نشانیوں سے جس کا چاہیں مشاہدہ کریں تو اپنے پیغامبر حضرت جبریل علیہ السلام کو جو رُوح الامین ہیں، براق نامی ایک چوپایہ محبوب کی سواری کے لیے دے کر بھیجا۔ براق کا بھیجنا تو محض اسباب کی اہمیت دکھانے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تقویت کے لیے تھا تاکہ ایسے اسباب کے متعلق بھی مشاہدے کے ساتھ علمِ ذوقی حاصل ہو جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے پَر بنائے ہیں، یوں ہمیں اسباب کے ثبوت اور اہمیت سے خبردار کرے جو اِس عالمِ اسباب کے لیے وضع فرمائے ہیں۔ براق درمیانے قد کا چوپایہ ہے، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ہے۔ تاجدارِ کونین ﷺ اُس پر سوار ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی۔ براق کا رسولوں کے لیے بھیجا جانا اُس شاہی سواری کی مانند ہے جو بلانے والا اس کے لیے بھیج دیتا ہے جسے مدعو کیا جائے، تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر آئے۔ یہ عزت افزائی کا ظاہری اہتمام ہے حالانکہ باطن میں وہ اپنے مقدور کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے، کسی دوسری چیز کی طاقت سے نہیں پہنچتا۔ براق بھیجنے میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا اُس شخص کے لیے اظہار مقصود ہے جو حفظِ مراتب سے آگاہ ہے۔

جب آقائے دو جہاں، شفیعِ عاصیاں ﷺ بیت المقدس کے نزدیک جلوہ آرا ہوئے تو براق سے اترے اور اسے اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس کے نزدیک دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا براق پر سوار ہونا اور اسے حلقے سے باندھنا صرف اسباب کو ثابت کرنے کی غرض سے ہے کیونکہ کوئی رسول ایسا نہیں جس نے براق پر سوار ہو کر سیر نہ کی ہو۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ براق حکم کا پابند ہے، اگر اسے نہ باندھا جائے تب بھی یہ اسی جگہ کھڑا

رہے گا۔اس کے باوجود اسے حلقے کے ساتھ باندھنا اس عادت کے طور پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے بارے میں ڈالی ہوئی ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے براق کے بارے میں بتایا ہے کہ اُس کا نام شمس ہے اور سواری کے جانوروں کی عادت میں یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی ان پر سوار ہونا چاہے تو اچھلنے کودنے لگتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا براق نے اس پیالے کو اپنی ٹھوکر سے الٹا دیا تھا،جس سے مکہ مکرمہ کی طرف سے آنے والے قافلے کا ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے اس براق کے بارے میں فرمایا کہ وہ عشور تھا اور عشور اسے کہتے ہیں جو پیالے کو الٹا دے۔

جب امام الانبیاء ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے سواری کے لیے براق حاضر کر دیا۔آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر ہوا کے مانند اوپر کو اڑے اور فضاؤں کو چیرتے ہوئے جا رہے تھے کہ پیاس محسوس ہوئی۔جبرائیل علیہ السلام نے دو برتن پیش کیے۔ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا(کیونکہ واقعۂ معراج مکہ معظمہ میں پیش آیا اور شراب مدینہ منورہ میں حرام ہوئی تھی)۔آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے :حضور! آپ ﷺ نے بجا طور پر فطرت کو پسند فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کو فطرت پر قائم رکھے گا۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ خواب میں دودھ پینے کی تعبیر علم سے فرمایا کرتے تھے۔

جب پہلے آسمان تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔دربان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: میں جبرائیل ہوں۔پھر پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔سوال کیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔پس دروازہ کھول دیا گیا اور نبی کریم ﷺ کو ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام دروازے میں داخل ہو گئے۔پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا جن کے دائیں جانب اُن کے سعادت مند بیٹوں کی جنتی روحیں اور بائیں طرف بدبخت اولاد کی جہنمی روحیں تھیں۔فخرِ دوعالم ﷺ نے ان کے دائیں جانب نیک بختوں میں اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔اِس سے معلوم ہوا کہ انسان ایک وقت میں دو جگہ (یا زیادہ جگہوں پر) کس طرح جلوہ گر ہو سکتا ہے؟ وہ صورت بعینہٖ آپ ﷺ کی تھی کسی دوسرے کی نہیں۔جیسے آئینے میں یا متعدد آئینوں میں کوئی شکل دیکھی جائے تو وہ بعینہٖ اسی انسان کی شکلیں ہوتی ہیں جو اُن کے سامنے ہے۔حضرت آدم علیہ السلام نے نیک بیٹے اور

نیک نبی کہتے ہوئے مرحبا کہا۔

اِس کے بعد سرورِ کون ومکاں ﷺ کو لے کر براق پہلے آسمان سے فضا میں اوپر کی جانب اڑنے لگا اور دوسرے آسمان تک جا پہنچا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ یہاں بھی اسی طرح سوال جواب ہوئے جو پہلے آسمان میں ہو چکے تھے۔ بالآخر جب آپ ﷺ دوسرے آسمان پر تشریف فرما ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصلی جسم مبارک کے ساتھ جلوہ افروز ہیں کیونکہ انہوں نے اس وقت تک وفات نہیں پائی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آسمان پر اٹھالیا تھا، جہاں انہیں سکونت بخشی اور اس میں حاکم بنا دیا تھا۔

علاّمہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، جو ہمارے پہلے شیخ ہیں اور جن کے ہاتھ پر ہم نے رجوع کیا ہے اور جن کی ہم پر یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ وہ ہم سے ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے: میں امید کرتا ہوں کہ بوقتِ نزول انشاءاللہ تعالیٰ اُنہیں پالوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبیِ آخرالزماں ﷺ کو مرحبا کہا اور دعائیں دیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پوری سیر میں ملنے والے تمام انبیاءِ کرام سے متعارف کراتے رہے۔ اِس کے بعد تیسرے آسمان تک پہنچے اور جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی پہلے آسمانوں کی طرح سوال جواب ہوئے۔ دروازہ کھلنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور اُنہوں نے آپ ﷺ کو مرحبا کہتے ہوئے دعائیں دیں۔

اِس کے بعد چوتھے آسمان کی جانب عروج فرمایا۔ وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام نے جب دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو حسبِ سابق گفتگو ہوئی۔ آخرکار دروازہ کھولا گیا تو وہاں ادریس علیہ السلام کو اُن کے اصلی جسم کے ساتھ تشریف فرما دیکھا، کیونکہ ابھی تک فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بلند مقام کی طرف اٹھا لیا۔ اور بلند جگہ یہی آسمان ہے جو سارے آسمانوں کا دل اور مرکز ہے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ اُنہوں نے مرحبا کہا، اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد براق آپ ﷺ کو پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وہاں بھی پہلے کی طرح گفتگو ہوئی اور جب دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں حضرت ہارون اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کو جلوہ فگن پایا۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور انہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے دعائیں دیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر چھٹے آسمان تک پہنچے۔ جب اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو حسبِ

سابق سوال جواب ہوئے۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام جلوہ افروز ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور اُنہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے دعائیں دیں۔ پھر ساتویں آسمان کی طرف عروج کیا۔ اُس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی وہی قیل وقال کا مرحلہ درپیش آیا۔ آخرکار دروازہ کھولا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما ہیں، جو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ اُنہوں نے مرحبا کہا اور ضُراح کی وجہ تسمیہ بتائی جو بیت المعمور ہی کا نام ہے (ابنِ اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ ضُراح ساتویں آسمان پر کعبے کے عین اوپر ایک متبرک عمارت ہے جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے)

آپ ﷺ نے بیت المعمور کو اندر سے بھی دیکھا اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ بیت المعمور کے دروازے پر ہر روز ستّر ہزار فرشتے اندر داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں۔ داخل ہونے والے دروازے کا نام باب مطالع الکواکب ہے اور جس دروازے سے نکلتے ہیں اسے باب مغارب الکواکب کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ اِن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ روزانہ آبِ حیات کے قطروں سے پیدا فرماتا ہے، جو جبرئیل علیہ السلام کے پر جھاڑنے سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ وہ نہرِ حیات میں غوطہ لگا کر نکلتے ہیں اور اپنے پروں کو اس طرح جھاڑتے ہیں جیسے پرندے کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام ہر روز اِس نہر میں ایک دفعہ غوطہ لگاتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اُس کے پھل مٹکوں کی طرح تھے اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے۔ فخرِ دوعالم ﷺ نے دیکھا کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات سے ڈھانپ رکھا ہے۔ کوئی شخص سدرۃ المنتہیٰ کے پورے اوصاف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ جب چشمِ انسانی اسے دیکھنے ہی سے قاصر ہے تو اُن تجلیات کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے؟ (لیکن اُس خلاصۂ کائنات کی بات ہی اور ہے جو شربتِ دیدارِ الٰہی سے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی کی حالت میں لطف اندوز ہوا)۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ دو ظاہری ہیں اور دو باطنی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ ظاہری نہروں کے نام نیل اور فرات ہیں۔ دونوں باطنی نہریں جنت کی طرف بہتی ہیں۔ قیامت کے روز نیل اور فرات بھی جنت کی جانب بہنے لگیں گی جو شہد اور دودھ کی نہریں ہیں۔ جنت میں چار نہریں (ان سمیت) ہوں گی۔ ایک پانی کی جو کبھی بدبودار نہیں ہوتا، دوسری دودھ کی نہر، جس کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہوتا۔ تیسری شراب کی نہر، جو لطف اندوز کرتی ہے۔ چوتھی خالص شہد کی نہر ہے۔ یہ نہریں اُن لوگوں کے علوم میں برابر اضافہ کرتی

رہیں گی، جو اُن سے پئیں گے۔ دنیا میں اصحابِ ذوق ہی اُن کی لذتوں کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں ہم نے ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ خواہشمند حضرات کو اُس کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ بنی نوع انسان کے اعمال نامے سدرۃ المنتہیٰ ہی پہنچائے جاتے ہیں جہاں اُن کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور روحوں کا مستقر بھی یہی ہے۔ اوپر سے نازل ہونے کا پہلا مقام اور نیچے سے اوپر آنے والوں کی یہ آخری حد ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا مقام اور جائے ظہور یہی ہے۔

فخرِ دوعالم ﷺ یہاں پہنچ کر براق سے اتر گئے اور آپ ﷺ کی سواری کے لیے رفرف پیش کیا گیا، جو دنیاوی مثال کے لحاظ سے پالکی کی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے اور جبرئیلِ امین نے آپ ﷺ کو اس فرشتے کے سپرد کر دیا جو رفرف لایا تھا۔ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے ساتھ چلنے کے لیے فرمایا، کیونکہ اُن سے بے حد اُنس تھا۔ وہ عرض گزار ہوئے: حضور! سرتابی کی مجال نہیں، لیکن میرے اندر آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں تو جل کر خاک سیاہ ہو جاؤں گا(1)، کیونکہ ہر فرشتے کا ایک انتہائی مقام مقرر ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ سیر اسی لیے کرائی ہے کہ حضور ہی اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیوں کا مشاہدہ فرما سکتے ہیں، لہٰذا جدائی کی پروانہ کیجئے۔

نبی کریم ﷺ اُنہیں الوداع کہہ کر رفرف لانے والے فرشتے کے ہمراہ عرشِ معلیٰ کی جانب پرواز کرنے لگے۔ وہاں آپ ﷺ نے قلموں کی تختیوں پر چلنے کی آوازیں سنیں، جن سے اللہ تعالیٰ مخلوق میں جاری ہونے والے احکام رقم فرماتا ہے اور جو فرشتے بندگانِ حق تعالیٰ کے اعمال قلمبند کرتے ہیں۔ ہر قلم ایک فرشتہ، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ (جاثیہ)

''ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا''۔

اس کے بعد آپ ﷺ تجلیات میں گم ہو گئے اور جو فرشتہ آپ ﷺ کے ہمراہ آیا تھا (رفرف لے کر) وہ پیچھے ہی جدا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ تنہائی کے عالم میں وحشت زدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھتے اور سوچتے تھے کہ اب کیا کروں؟ اُن تجلیات کے باعث آپ ﷺ وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور تختیوں

1۔ اسی لیے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

پر قلموں کے چلنے کی دل نواز اور روح پرور آوازوں سے حال کا غلبہ ہو کر یہ کیفیت طاری ہوئی، لیکن دوسری طرف آپ ﷺ کو ان سے تقویت پہنچ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس چیز کا علم مرحمت فرما دیا، جسے آپ ﷺ پہلے نہیں جانتے تھے اور نہ بذریعہ وحی اُن کا علم دیا گیا تھا۔ اُس وقت آپ ﷺ نے حق الیقین حاصل کرنے کی خاطر دیدارِ الٰہی کی درخواست پیش کی۔ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی آواز میں یہ الفاظ سنے:

يَا مُحَمَّدُ قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ۔ (ص ۱۴۲)

''اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ٹھہرو کہ تمہارا رب صلوٰۃ میں مصروف ہے''۔

اِس خطاب سے آپ ﷺ گھبرائے۔ رب تعالیٰ کا صلوٰۃ میں مصروف ہونا ادھر متعجب کر رہا تھا تو اُدھر ابوبکر صدیق جیسے یارِ غار کی آواز مانوس بھی کر گئی تھی۔ ساتھ ہی روح پرور آواز میں سنا:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (احزاب:43)

''وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے''۔

جب اللہ تعالیٰ اُس صلوٰۃ سے فارغ ہوا اور یہ فارغ ہونا اسی قسم کا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ (الرحمٰن)

''جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں، اے دونوں بھاری گروہ!''۔

حالانکہ کوئی حال اُسے مشغول رکھے یہ اُس کی شان سے بعید ہے۔ لیکن دنیا میں مخلوقات کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر کسی کا زمان و مکان مخصوص و متعین ہے، جس سے نہ اس کا زمانہ تجاوز کر سکتا ہے نہ مکان، بلکہ وہی ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہے اور جو اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس وقفے کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب خاص وحی فرمائی پھر آگے بڑھنے اور خاص مقامِ قرب میں داخل ہونے کی اجازت بخشی، اس وقت:

فَرَاٰى عَيْنَ مَا عَلِمَ لَا غَيْرُ وَمَا تَغَيَّرَتْ عَلَيْهِ صُوْرَةُ اِعْتِقَادِهٖ۔ (ص ۱۴۲)

''پس آپ نے عین ذاتِ باری کو دیکھا نہ کہ غیر کو، جسے جانتے تھے۔ اس سے آپ کے اعتقاد کی صورت میں کوئی فرق نہ آیا''۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے دوران روزانہ دن رات میں پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا۔ جب شبِ اسریٰ کا دولہا واپس لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے سوال کیا کہ آپ ﷺ سے کیا گفتگو ہوئی اور کیا فرض کیا گیا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر روزانہ

رات دن میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ میں اپنی امت کے ذریعے اس کا تجربہ کر چکا ہوں۔ میں نے اِسے اچھا ذوق شمار کیا تھا لیکن میری امت نے سخت پریشان کیا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ آپ ﷺ واپس لوٹ جائیں اور ان میں تخفیف کرائیں۔ نبی کریم ﷺ واپس لوٹ گئے اور تخفیف کی گزارش کی تو دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ آپ ﷺ نے اِس واقعے کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔ انہوں نے پھر مشورہ دیا کہ اپنے رب سے مزید تخفیف کرائیے۔ آپ ﷺ واپس لوٹے اور دس نمازوں کی اور کمی ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس دفعہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے اور کمی کروانے کا مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے کمی کی درخواست پیش کی تو مزید دس نمازیں چھوڑ دی گئیں۔ آپ ﷺ نے واپس آتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے کہا اور کمی کروائیے۔ چنانچہ واپس لوٹے اور آپ ﷺ کی درخواست پر صرف دس وقت کی نماز باقی رہ گئی۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے مزید تخفیف کے لیے کہا۔ آپ ﷺ نے تخفیف کی درخواست کی تو اللہ جل شانہٗ نے پانچ وقت کی نماز فرض کرتے ہوئے فرمایا کہ حبیب! تمہاری امت پانچ وقت کی نماز پڑھے گی اور میں اسے پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا کیونکہ میرے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے واپس لوٹتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں اس دفعہ بھی تخفیف کروانے کے لیے کہا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کیونکہ اُس نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ انہیں الوداع کہتے ہوئے واپس لوٹے اور طلوعِ فجر سے پہلے زمین پر تشریف لے آئے اور حجرِ اسود کے پاس اُترے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دولت کدے پر رونق افروز ہو گئے (حالانکہ بستر اُسی طرح گرم تھا، وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی) صبح کے وقت آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا تو ایمان والوں نے بے چون و چرا اسے تسلیم کر لیا، منکروں نے جھوٹ قرار دیا اور شک کرنے والے شکوک و شبہات کی گھاٹیوں میں بھٹکنے لگے۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ نے لوگوں کو قافلے کی خبر دی اور اُس شخص کا واقعہ سنایا جو وضو کر رہا تھا اور اُس کے پیالے کو براق نے الٹا دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بتانے ہی کے مطابق قافلہ پہنچا اور جب اُس شخص سے پوچھا گیا جس کے پیالے کو براق نے بوقتِ وضو الٹ دیا تھا تو اُس نے بھی اس خبر کی تصدیق کر دی۔ آپ ﷺ کو جھٹلانے والوں میں سے ایک ایسے شخص نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کیے، جس نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ حالانکہ فخرِ دو عالم ﷺ

نے تو اِس کے صرف اُسی حصے کو دیکھا تھا، جس میں ٹھہرے اور نماز ادا کی تھی۔ پس:

فَرَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ حَتّٰی نَظَرَ اِلَيْهِ فَاَخَذَ يَنْعَتُهٗ لِلْحَاضِرِيْنَ فَمَا اَنْكَرُوْا مِنْ نَعْتِهٖ شَيْئًا وَلَوْكَانَ الْاِسْرَآءُ بِرُوْحِهٖ وَتَكُوْنُ رُؤْيَا رَاٰهَا كَمَا يَرٰى النَّائِمُ فِيْ نَوْمِهٖ مَا اَنْكَرَهٗ اَحَدٌ وَلَا نَازِعُهٗ اَحَدٌ وَاِنَّمَا اَنْكَرُوْا عَلَيْهِ كَوْنُهٗ اَعْلَمَهُمْ اَنَّ الْاِسْرَآءَ كَانَ بِجِسْمِهٖ فِيْ هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا۔ (ص ۱۴۳)

"اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے رکھ دیا، یہاں تک کہ آپ نے اُسے دیکھ کر حاضرین کے سامنے اُس کے حالات بیان کر دیے۔ آپ کے بیانات کو جھٹلانے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اگر معراج و اسراء کا واقعہ روحانی ہوتا اور صرف خواب ہوتا، جیسے سونے والا حالتِ خواب میں دیکھتا ہے تو کوئی انکار کرتا نہ جھگڑتا۔ اِس کا انکار اسی بنا پر کیا گیا، جبکہ آپ نے اُنہیں بتایا کہ اِن جملہ مقامات کی سیر جسمانی حالت میں کی ہے"۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے چونتیس مرتبہ معراج کی۔ اُن میں سے ایک جسمانی اور باقی سب روحانی ہیں، جو خواب کی شکل میں ہوئیں۔ اولیائے کرام کو بھی روحانی برزخی سیر کرائی جاتی ہے۔ جن کے ذریعے وہ معانی و رموز کا ایسی شکل و صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ پردۂ خیال پر اُن کا اظہار محسوس صورتوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پس ایسے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو:

يُعْطُوْنَ الْعِلْمَ بِمَا تَتَضَمَّنَهٗ تِلْكَ الصُّوَرُ مِنَ الْمَعَانِيْ وَلَهُمُ الْاِسْرَآءُ فِي الْاَرْضِ وَفِي الْهَوَاءِ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَيْسَ لَهُمْ قَدَمٌ مَحْسُوْسَةٌ فِي السَّمَآءِ وَبِهٰذَا زَادَ عَلَى الْجَمَاعَةِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِسْرَاءِ الْجِسْمِ وَاِخْتِرَاقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَفْلَاكِ حِسًّا وَقَطَعَ مُسَافَاتِ حَقِيْقَةٍ مَحْسُوْسَةً وَذَالِكَ كُلُّهٗ لِوَرِثَتِهٖ مَعْنًى لَاحِسًّا مِنَ السَّمٰوٰتِ فَمَا فَوْقَهَا۔ (ص ۱۴۳)

"اِن صورتوں کے ذریعے اُنہیں معانی کا علم عطا فرمایا جاتا ہے۔ اِن کی سیر زمین اور ہوا میں ہوتی ہے، لیکن اُن کے قدم آسمان پر محسوس نہیں ہوتے۔ اِسی لیے تمام سَیر کرنے والوں کی جماعت پر رسول اللہ ﷺ کو فوقیت ہے کہ آپ کی سیر جسمانی ہے، جس میں جسمانی طور پر آسمانوں سے گزرے اور محسوس حقیقت کے ساتھ فاصلے طے کیے۔ نبی

کریم ﷺ کے وارثوں کو حسّی نہیں بلکہ معنوی سیر کروائی جاتی ہے جو آسمانوں تک ہو سکتی ہے بلکہ اُن سے بھی اوپر تک"۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا اِس سلسلے میں منظوم نغمۂ تہنیت ملاحظہ ہو:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ　　مِنَ الْحَرَمِ الْاَوَّلِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى
اِلٰى اَنْ عَلَا السَّبْعَ السَّمٰوٰتِ قَاصِدًا　　اِلٰى بَيْتِهِ الْمَعْمُوْرِ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى
اِلَى السِّدْرَةِ الْعُلْيَاءِ وَكُرْسِيِّهِ الْاَحْمٰى　　اِلٰى عَرْشِهِ الْاَسْنٰى اِلَى الْمُسْتَوَى الْاَزْهٰى
اِلٰى سُبُحَاتِ الْوَجْهِ حَتّٰى تَقَشَّعَتْ　　سَحَابُ الْعُمْيِ عَنْ عَيْنِ مُقْلَتِهِ النَّجَلَا
فَكَانَ تَدَلِّيْهِ عَلَى الْاَمْرِ اِذْ دَنَا　　مِنَ اللّٰهِ قُرْبًا قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى
وَكَانَ عُيُوْنُ الْكَوْنِ عَنْهُ بِمَعْزِلٍ　　تُلَاحِظُ مَا يَسْقِيْهِ بِالْمَوْرِدِ الْاَحْلٰى
فَخَاطَبَهٗ بِالْاُنْسِ صَوْتِ عَتِيْقِهٖ　　تَوَقَّفْ فَرَبُّ الْعَرْشِ سُبْحَانَهٗ صَلّٰى
فَاَزْعَجَهٗ ذَاكَ الْخِطَابُ وَقَالَ هَلْ　　يُصَلِّيْ اِلٰهِيْ مَا سَمِعْتُ بِهٖ يُتْلٰى
فَشَالَ حِجَابُ الْعِلْمِ عَنْ عَيْنِ قَلْبِهٖ　　وَاَوْحٰى اِلَيْهِ فِي الْغُيُوْبِ الَّذِيْ اَوْحٰى
فَعَايَنَ مَا لَا يَقْدِرُ الْخَلْقُ قَدْرَهٗ　　وَاَيَّدَهُ الرَّحْمٰنُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
وَاَلْقَاهُ مُشْتَاقًا اِلٰى وَجْهِ رَبِّهٖ　　فَاَكْرَمَهُ الرَّحْمٰنُ بِالْمَنْظِرِ الْاَجْلٰى
وَمِنْ قَبْلُ قَدْ كَانَ اَشْهَدَ قَلْبَهٗ
بِغَارِ حِرَآءَ قَبْلَ ذَالِكَ فِي النَّجْوٰى

١۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کو حرمِ اوّل سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔
٢۔ حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں کو پار کرتے ہوئے بیت المعمور اور ملاءِ اعلیٰ تک جا پہنچے۔
٣۔ بلند سدرۃ المنتہیٰ، محفوظ کرسی، باعظمت عرش اور روشن مستوی تک پہنچے۔
٤۔ ذاتِ الٰہیہ کے پردوں کی جانب قصد فرمایا تو روشن آنکھوں کے سامنے سے بصارت کی کوتاہی کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔
٥۔ اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہونا کہ دو ہاتھ کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ جانا۔ یہ بارگاہِ دنیٰ تک پہنچنا امرِ الٰہی سے حاصل ہوا تھا۔
٦۔ دنیا کی آنکھیں اُن انعامات وعطیات کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو آپ ﷺ کو بلند مقام پر بلا کر شیریں گھاٹ سے سیراب کیا جا رہا تھا۔

۷۔وہاں مانوس کرنے کے لیے آپ ﷺ کے یارِ عتیق (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی آواز میں مخاطب کیا آپ ﷺ ٹھہر گئے کہ رب العزت صلوٰۃ میں مشغول ہے۔

۸۔اس خطاب سے آپ ﷺ متعجب ہوئے اور فرمایا: کیا میرا رب صلوٰۃ میں مشغول ہوتا ہے؟ یہ جو کچھ میں نے سنا ہے، زبان زد خاص وعام ہو جائے گا۔

۹۔آپ ﷺ کے قلب مبارک کی آنکھ سے علم کا حجاب اٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف ایسے خاص غیوب کی وحی فرمائی جو اس نے وحی فرمانا چاہا۔

۱۰۔آپ ﷺ نے اس ذات کا مشاہدہ کیا جس کے دیکھنے کی مخلوق میں طاقت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضبوط رسی (اسلام) کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد فرمائی۔

۱۱۔جب آپ ﷺ کو دیدارِ الٰہی کا انتہائی مشتاق دیکھا گیا تو اللہ رب العزت نے روشن منظر کے ساتھ آپ کو یہ کرامت بخشی۔

۱۲۔حالانکہ اس سے بھی پہلے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو غارِ حرا میں خاص سرگوشی پر گواہ بنایا گیا تھا۔

اِس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بہت سے فوائد لکھے ہیں، ان میں روحانی معراج کے متعلق بڑے اہم فوائد ہیں اور طویل بحث کی ہے۔خواہش رکھنے والے حضرات فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کریں۔

اوّل الخلق

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۸۲، صفحہ ۱۷۱ پر فرمایا ہے کہ فخرِ موجودات، آقائے کائنات ﷺ بشری نبوت سے پہلے بھی موجود تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا جا رہا تھا اور آپ ﷺ ہی سب میں آخری نبی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (احزاب:40)

''ہاں وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں پچھلے ہیں''۔

جب یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رفعِ مناسبت اور تمیزِ مرتبہ کی خاطر وضاحت فرما دی کہ میرا حبیب تمہارے کسی بھی مرد کا نسلی باپ نہیں۔کیا تم نے دیکھا نہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کا کوئی صاحبزادہ زیادہ عرصہ دنیا میں زندہ نہیں رہا۔ اِس سے ایک جانب آپ ﷺ کی بزرگی وعظمت کا اظہار مقصود ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نظر

میں آپ ﷺ خاتم النبیین یعنی بلحاظ زمانہ آخری نبی ہیں۔ جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الرِّسَالَةَ یَعْنِی الْبِعْثَةَ اِلَی النَّاسِ بِالتَّشْرِیْعِ لَهُمْ وَالنُّبُوَّةُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ اَیْ مَا بَقِیَ مَنْ یُّشْرَعُ لَهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حُکْمٌ یَکُوْنُ عَلَیْهِ لَیْسَ هُوَ شَرْعُنَا الَّذِیْ جِئْنَا بِهٖ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ یَاْتِیْ بِشَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیٌّ اِلَی النَّاسِ وَلَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یَنْفَرِدُ بِهٖ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ یَکُوْنُ عَلَیْهِ فَصَرَّحَ اَنَّهٗ خَاتَمُ نَبُوَّةِ التَّشْرِیْعِ وَلَوْ اَرَادَ غَیْرَ مَا ذَکَرْنَاهُ لَکَانَ مُعَارِضًا لِقَوْلِهٖ اِنَّ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَنْزِلُ فِیْنَا حُکْمًا مُقْسِطًا یَؤُمُّنَا بِنَا اَیْ بِالشَّرْعِ الَّذِیْ نَحْنُ عَلَیْهِ وَلَا شَکَّ فِیْهِ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ وَنَبِیٌّ فَعَلِمْنَا اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنَّهٗ لَا شَرْعَ بَعْدَهٗ یَنْسِخُ شَرْعَهٗ وَدَخَلَ بِهٰذَا الْقَوْلِ کُلُّ اِنْسَانٍ فِی الْعَالَمِ مِنْ زَمَانِ بَعْثِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فِیْ اُمَّتِهٖ فَالْخِضْرُ وَاِلْیَاسُ وَعِیْسٰی مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظَّاهِرَةِ وَمِنْ اٰدَمَ اِلٰی زَمَنِ بِعْثَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اُمَّتِهٖ الْبَاطِنَةِ فَهُوَ النَّبِیُّ بِالسَّابِقَةِ وَهُوَ النَّبِیُّ بِالْخَاتِمَةِ فَظَهَرَ مِنْ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ السَّابِقَةَ عَیْنُ الْخَاتِمَةِ فِی النُّبُوَّةِ۔ (ص ۱۴۴)

"بیشک رسالت یعنی شریعت لے کر لوگوں کی طرف مبعوث ہونا اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے یعنی اب یہ گنجائش نہیں رہی کہ کسی حکم کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ ہماری شریعتِ مطہرہ میں نہ ہو، جسے ہم لے کر آئے ہیں۔ پس ہمارے بعد کوئی رسول نہیں جو ہماری شرع کے خلاف شریعت لے کر آئے اور نہ لوگوں کی طرف کوئی نبی آئے گا جو ایسی شریعت پر عامل رہے جس میں متفرد ہو اور وہ اس پر عامل ہونے کا اپنے رب کی طرف سے دعویٰ کرے۔ پس آپ نے تصریح فرما دی کہ تشریعی نبوت آپ کے ذریعے ختم ہو گئی۔ اگر مذکورہ معانی کے علاوہ مفہوم لیا جائے تو اِس فرمانِ رسالت کے معارض ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں عادل حاکم کے بطور نازل ہوں گے۔ وہ ہماری شریعت کے ساتھ امتِ محمدیہ کی امامت کا فریضہ ادا کریں گے، حالانکہ بیشک وہ نبی اور رسول ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی مراد یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی

شریعت نہیں جو شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کرے۔ اِس ارشادِ گرامی کے مطابق آپ کے مبعوث ہونے کے وقت سے قیامت تک دنیا کے سارے انسان آپ کی امت میں شامل ہیں۔ پس حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی ظاہری امتِ محمدیہ میں شامل ہیں اور آدم علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک جتنے انسان ہوئے وہ آپ کی باطنی امت ہے۔ پس نبی کریم ﷺ پہلوں کے بھی نبی ہیں اور پچھلوں کے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی پہلی نبوت (قبل از بعثت) بھی بالکل پچھلی نبوت کی طرح ہے"۔

مقامِ مصطفیٰ کا نرالا احترام

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، باب ۵۴۰، صفحہ ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ پاکیزہ ناموں والے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ (بقرہ)

"بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے"۔

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ (بقرہ)

"اور خوشخبری سنا اُن صبر والوں کو، کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا ہے"۔

اس معیت کا سارا دارومدار شہود پر ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی اور محسن ہوں۔ پس وہ صبر کرنے والوں، پرہیزگاروں اور احسان کرنے والوں کو اپنی معیت یعنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ یہاں جس معیت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف صبر کرنے والوں سے متعلق ہے اور اس صبر سے رسول اللہ ﷺ کی خاطر صبر کرنا مراد ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے آتے۔ پس جو اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرے اُس کا حال کیا ہوگا؟

چونکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُس کے پاس ہوتا ہے جو اُس کا ذکر کرے۔ پس رسولِ اکرم ﷺ ہمیشہ حضرت حق سبحانہٗ کے جلیس رہے۔ پس جس کے پاس سرورِ کون و مکاں ﷺ تشریف لائیں تو اپنے رب کے پاس ہی سے تشریف لاتے ہیں اور اسے بشارت دیتے یا نصیحت فرماتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے باعثِ خیر و برکت ہیں۔ اِس

کے برعکس آپ ﷺ کی تشریف آوری اُنہیں آخرت میں مایوس کرنے والی ہوتی تو کب آپ ﷺ کو باعثِ خیر و برکت شمار کیا جاتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے خیر ہونے کی گواہی دی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ یقیناً خیر ہیں اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ خبر ہونا نیک بختی کے قریب کرنے والی اچھی بشارت، وصیت اور نصیحت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جتنے احکام مشروع کروائے، جو اُن پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ضرور اپنے حبیب ﷺ کو بھیجے گا اور رسول اللہ ﷺ کی صورت دوسرا کوئی بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جس کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی بے شک اُس نے حبیبِ پروردگار ﷺ ہی کو دیکھا لیکن خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر چیز پر پڑتی ہیں اور ہر ایک چیز اسی کے سبب ظاہر ہوئی ہے۔ عارف باللہ جانتا ہے کہ ہر وہ شے جسے دیکھا جائے وہ وہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیک بختی اور بدبختی دینے والا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ ایسے نہیں ہیں، اسی لیے آپ ﷺ کی رویت پر اعتماد کیا جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ واقعی اللہ جل شانہٗ ہی کو دیکھا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس انسان یا جن نے اُلوہیت کا دعویٰ کیا وہ اسی سبب سے ہے جس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں اور لوگوں نے اس کے دعوے کو قبول کر کے خدا کے سوا ان کی عبادت کی لیکن آج تک کوئی اس بات پر قادر نہیں ہو سکا کہ وہ محمد بن عبداللہ، رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ کر سکے، خواہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا پھرے لیکن محمد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکا اور نہ ایسے کسی دجّال کو محمد کہا جائے گا۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ) بلکہ اُس سے اِس تلبیس کی وجہ دریافت کی جائے گی۔

پس محمد رسول اللہ ﷺ کے نامِ نامی و اسمِ گرامی کی عصمت سے خبردار رہنا چاہیے کہ کائناتِ ارضی وسماوی میں سے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو کشف، نیند یا بیداری کی حالت میں آپ ﷺ کی جگہ متصور یا متشکل ہو سکے۔ پس جس شخص نے اُس راحتِ جان و قرارِ زمین و آسمان کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی یقیناً اُس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا ہے اور آپ ﷺ کا حسن و جمال اگر متغیّر نظر آئے تو یہ دیکھنے والے کی اپنی حالتِ ایمانی کا قصور ہے اور یہ تغیّر اُس مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے جس میں کوئی آپ ﷺ کو دیکھے یا دوسروں کے اختلاطِ امور کے باعث۔ یہ سب کچھ اُس کی شرعی صورت کی طرف لوٹتا ہے اور یہی حال قبح کا ہے جس میں تغیر واقع ہو پس حسن و قبح میں آپ ﷺ کی صورت کا متغیر ہونا دیکھنے والے کی حالت یا زمانے والوں کے حالات سے خبردار کرنا ہے یا اُس مکان کے لحاظ

سے ہے جس میں کوئی آپ ﷺ کو دیکھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس میں حسن یا قبح ہے وہ اس سے خارج نہیں ہے۔ اور ہر شے حسن ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے قباحت تو شریعت کے لحاظ سے ہے۔ غرض مندوں کی نظر میں غرض کے لحاظ سے، اصحابِ مزاج کی نظر میں مزاج کی ناموافقت کے باعث اور اہلِ فکر ونظر کی بارگاہ میں حکمت کے لحاظ سے اشیاء میں خوبی یا نقصان شمار کیا جاتا ہے۔ جس شخص میں یہ تغیر اور ہجران پایا جائے اُسے چاہیے کہ نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کرے(1)۔

اہلِ محبت کو چاہیے کہ درود پاک کے ذکر پر صبر واستقلال کے ساتھ ہمیشگی کریں یہاں تک کہ بجنت جا گیں اور وہ جانِ جہاں خود قدم رنجہ فرمائیں اور شرفِ زیارت سے نوازیں۔ میں نے اِس ذکر پر کماحقہٗ ہیشگی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا سوائے ایک عظیم فرد کے۔ وہ اشبیلیہ کا ایک لوہار تھا اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے نام ہی سے مشہور ہو گیا تھا۔ اسے ہر ایک اسی نام سے جانتا تھا۔ جب میں اس سے ملا اور دعا کی درخواست کی تو اس نے میرے لیے دعا مانگی، جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ وہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک ہمیشہ پڑھتے ہی رہنے کے باعث مشہور تھا اور بغیر کسی خاص ضرورت کے کسی سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔ جب اس کے پاس کوئی شخص آتا کہ اسے لوہے کی کوئی چیز بنا کر دے تو وہ کام کو مشروط کر لیتا تھا کہ ویسی ہی چیز بنائے گا اور اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کرے گا۔ اس کے پاس جو بھی مرد، عورت یا بچہ آ کر کھڑا ہوتا تو واپس لوٹنے تک اس کی زبان پر بھی درودِ پاک ہی جاری رہتا۔ پس وہ اپنے شہر میں اسی مقدس مشغلے کی وجہ سے ہر خاص وعام کے دِلوں اور دماغوں میں سمایا ہوا تھا اور حقیقت میں اس کا شمار اللہ والوں (اولیاء اللہ) میں تھا۔ اِس ذکر کرنے والے کے سامنے جو نوازشات کے طور پر نتیجہ سامنے آتا ہے وہ برحق علم ہے اور باطل کی آمیزش سے پاک صاف ہوتا ہے۔

1۔ اِسی لیے مولانا کفایت علی کافؔی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ہر مرض کی دوا درود شریف — دافعِ ہر بلا درود شریف
وِرد جس نے کیا درود شریف — اُور دل سے پڑھا درود شریف
حاجتیں سب روا ہوئیں اُس کی — ہے عجب کیمیا درود شریف
جو محبِّ جنابِ احمد ہے — اُس کا مونس ہوا درود شریف
اے صبا! تو ہی جا کے پہنچا دے — بر درِ مصطفیٰ درود شریف
آفتابِ سپہرِ ایماں ہے — گوہرِ پُر ضیا درود شریف
توشۂ راہِ آخرت کیجیے
کافؔی بے نوا درود شریف

کیونکہ اُس کے پاس وہی چیز پہنچتی ہے جو سرورِ کون و مکاں ﷺ کے واسطے سے آئے۔ ایسے شخص پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تجلی بار ہوتے اور خود اسے خبر دیتے ہیں۔

خواجہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ مبارک میں ایک شخص کسی سے ملا اور اس سے پوچھنے لگا کہ کیا آپ نے ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اللہ کو دیکھا ہوا ہے تو مجھے ابو یزید کو دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پہلے شخص نے کہا کہ اگر تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار بھی دیکھ لیتا تو اللہ تعالیٰ کو ہزار دفعہ دیکھنے سے یہ بہتر ہوتا۔ دوسرے نے جب یہ سنا تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب چل پڑا اور نزدیک پہنچنے پر اُسی شخص کے ہمراہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے راستے میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا اُس راستے سے گزر ہوا اور آپ کے بال کانوں کی لَو سے نیچے لٹک رہے تھے۔ پہلے شخص نے بتایا کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یہی ہیں۔ دوسرے نے جب مردِ کامل کی طرف دیکھا تو دیکھتے ہی اُس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اِس واقعے کی خبر دی گئی آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے اعتبار سے دیکھتا تھا لیکن جب اُس نے ہمیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ ہماری طاقت کے اعتبار سے اس کے لیے ظاہر ہوا اور اس کی برداشت کی طاقت نہ رکھنے کے باعث دم توڑ گیا۔ اِس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رویت وہی ہے جو صورتِ محمدیہ سے رویتِ محمدیہ میں حاصل ہو گی۔ ہم لوگوں کو زبانی اور یہ کتاب لکھ کر شوقِ درود شریف دلاتے ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے اور سب تعریفیں ایک خدا کے لیے ہیں۔ صلوات اللّٰہ تعالیٰ و سلامہٗ علیہ۔

امام فخر الدین رازی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرموداتِ گرامی

آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٦٠٦ھ) نے نبی کریم ﷺ کے فضائل اور حالات اپنی مایۂ ناز تفسیر قرآنِ کریم یعنی تفسیر کبیر میں متفرق اور متعدد مقامات پر بیان کیے ہیں یہاں موصوف کے چند جواہرات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ الامام الہمام، احد اعلام الاسلام، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت:

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾ (بقرہ)

''بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا''۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کے ساتھ جب آپ ﷺ کی قوم نے معاندانہ سلوک کرنا شروع کر دیا۔ بغیر کسی معقول وجہ کے آپ ﷺ سے جھگڑنا شعار بنا لیا اور آپ ﷺ کو نیچا دکھانے کی غرض سے معجزات طلب کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ مژدہ سنا کر تسلی دی کہ تم نے دینی مصالح کو دلائل کے ساتھ ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور جتنا رسول اللہ ﷺ نے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر دکھایا ہے اس سے زیادہ قطعاً ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا تسلی دی کہ قوم اگر کفر پر اصرار کرتی ہے تو تبلیغ میں کمی یا کوتاہی کے باعث نہیں ہے۔

آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیت:

رَبَّنَا وَٱبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ (بقرہ)

''اے رب ہمارے! اور بھیج اُن میں ایک رسول، انہیں میں سے، اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس دعائے ابراہیمی میں رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اِس مراد پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں:

پہلی وجہ

مفسرین کا اسی مفہوم پر اجماع ہے اور اجماعِ مفسرین حجت ہے۔

دوسری وجہ

سرورِ کون ومکاں ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ دعائے ابراہیمی سے آپ کا اشارہ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ کی جانب ہوتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو سورۂ صف میں اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف)

''اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور اُن کا نام احمد ہے''۔

تیسری وجہ

یہ ہے کہ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں اپنی اولاد کے لیے مانگی تھی جو مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد آباد تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ اور اُس کے گردِ آخر الزماں ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے مبعوث نہیں فرمایا۔

فائدہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکرِ خیر کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے جبکہ یہ پڑھتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ۔ اِس کا جواب کئی وجوہ سے دیا گیا ہے:

وجہ اوّل

چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں دعا مانگی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ (بقرہ)

''اے رب ہمارے! اور بھیج اِن میں ایک رسول اِنہیں میں سے، جو اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے''۔

جب خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے حبیبِ خدا ﷺ پر دعا کرنے کا حق واجب ہو گیا تو اللہ

تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب سے اِس حق کو یوں ادا کر دیا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اُمتِ محمدیہ کی زبانوں پر قیامت تک کے لیے جاری کر دیا۔

وجہِ دوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کریم سے یہ سوال کیا تھا:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ (الشعرا:84)

''اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں''۔

یعنی اے پروردگارِ عالم! امتِ محمدیہ کی زبانوں پر میری تعریف جاری رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جاری کر دیا تا کہ امتِ محمدیہ میں ان کا ذکرِ خیر باقی رہے۔

وجہ سوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام ملّتِ اسلامیہ کے باپ تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78)

''تمہارے باپ ابراہیم کا دین''۔

اور نبی کریم ﷺ ابو الرحمۃ ہیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں ہے کہ: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ اور اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ (توبہ)

''مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان ہیں''۔

اور سرورِ کون و مکاں ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں یعنی شفقت اور مہربانی کرنے میں۔ جب نبی کریم ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ابوّت واجب اور ثابت ہے، اِس وجہ سے دونوں کے ذکر کو مدح وثنا اور درود شریف میں جمع کر دیا گیا ہے۔

وجہ چہارم

حضرت ابراہیم علیہ السلام شریعت سے حج کے منادی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج:27)

''اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے''۔

اور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے منادی تھے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران)

''اے رب ہمارے! ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے''۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اور خلیل علیہما السلام کے ذکرِ جمیل کو یہاں جمع فرما دیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے رسول کی دعا کی جو ان میں سے ہو اور ان کی طرف رسول بن کر آئے تو انہوں نے اس عظیم الشان رسول کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے مثلاً يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ یعنی اے اللہ! وہ ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔ اِس مفہوم کو اختیار کرنے کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ

یہی قرآنِ مجید و فرقانِ حمید ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ پس جس کی آپ قوم پر تلاوت کرتے تھے وہ اس کے علاوہ کوئی دوسری کتاب یا کلام نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ تلاوت کو اِسی پر محمول کیا جائے۔

دوسری وجہ

جائز ہے کہ مذکورہ آیات صانع کے وجود پر دلالت کرنے والی ہوں اور اُن کی تلاوت کرنے سے مقصود یہی ہو کہ وہ اِن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کریں۔ آیات تلاوت کر کے قرآنِ کریم کی جانب لوگوں کو بلائیں اور ایمان جیسی متاعِ عزیز سے انہیں مالا مال کر دیں۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (اور وہ انہیں کتاب سکھائے)۔ اس سے مراد یہی ہے کہ وہ رسول لوگوں کو کتاب کی تلاوت کرنے کا حکم دے گا اور اس کے معانی اور حقائق کی تعلیم دے گا۔ کیونکہ تلاوت کئی وجہ سے مطلوب و مقصود ہے:

وجہ اوّل

اہلِ تواتر کی زبانوں پر اِس کے الفاظ کو باقی رکھنے کی غرض سے تاکہ اِس کے الفاظ تحریف اور تبدیل ہونے سے بچے رہیں۔

وجہ دوم

یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے الفاظ اور حسنِ ترتیب و نظم وغیرہ آپ کا معجزہ ہو۔ اِس تلاوت میں عبادت و اطاعت پائی جائے۔ اس لیے قرآنِ کریم کی قرأت و تلاوت کا نمازوں اور دیگر عبادتوں میں عبادت کا

مقام ہو۔ یہ تلاوت کا حکم ہے لیکن سب سے بڑی حکمت اور اعلیٰ مقصد اس کے ذریعے دلائل اور احکام کی تعلیم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نور کے ساتھ قرآنِ کریم کی تعریف کی ہے، کیونکہ اِس میں معانی، حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اِس کی تعلیم کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس کے حقائق و اسرار کا تذکرہ فرمایا۔

وجہ سوم

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف سے تیسری صفت یہاں حکمت بیان فرمائی ہے یعنی آپ لوگوں کو حکمت بھی سکھائیں اور یہ جاننا ضروری ہے کہ قول اور فعل کی اصلاح کو حکمت کہتے ہیں اور جس شخص کے اندر یہ دونوں اوصاف پائیں جائیں اسے حکیم (دانا) کہا جائے گا۔

حکمت کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حکمت کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ دین کی معرفت اور اس کی فقاہت کا ادراک وفہم اور اِن کے مطابق اتباع کرنے کا نام حکمت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکمت قرار دیا ہے۔ یہی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ لیکن انہوں نے حکمت کے مرادی معنیٰ میں اور بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں۔

وجہ چہارم

کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ وَيُزَكِّيهِمْ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہاں یہ چوتھی صفت مذکور ہوئی ہے۔ تزکیہ کی دو تفسیریں منقول ہیں:

پہلی تفسیر

اس سے ایسا فعل مراد ہے جو تلاوتِ قرآنِ کریم اور تعلیمِ کتاب و حکمت کے علاوہ ہے اور اُن کی پاکیزگی کے لیے سبب کا حکم رکھتا ہو اور وہ ایسے امور ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقع ہوا کرتے تھے جیسے وعدہ، وعید، پند و موعظت، وعظ و نصیحت وغیرہ کا تکرار کرنا اور لوگوں کی دنیاوی امور میں اس طرح رہنمائی فرمانا کہ وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے اور نیک اعمال کرنے کے پابند بن جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس طریقے سے کوشاں رہتے اور انہیں ایمان کی طرف بلانے اور اعمالِ صالحہ کا پابند کرنے کی خاطر اپنی دعوت کو تقویت پہنچانے والے نیک کاموں کا سہارا بھی لیتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف و توصیف میں فرمایا ہے کہ میرا حبیب خلقِ عظیم کا مالک ہے اور خود سرورِ کون و مکاں، تاجدارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

دوسری تفسیر

قیامت میں جب ہر شخص کے اعمال پر گواہی ہوگی تو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے عادل اور پاکباز ہونے کی شہادت دیں گے۔ مُزَکِّیْ سے مراد صفائی بیان کرنے والا بھی ہے یعنی آپ اپنی امت کی صفائی کے لیے گواہی دیں گے۔

پہلی تفسیر زیادہ عمدہ ہے کیونکہ فخرِ دوعالم ﷺ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ امتِ محمدیہ جنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم دینے، نیک اعمال کی پوری تن دہی سے رغبت دلانے اور برے کاموں کے مآل سے ڈرانے کے باعث ہی پورا ہو سکتا ہے اور یہی تزکیہ ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے میں پہلی تفسیر کو بڑا دخل ہے۔ اِس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہی ہے۔

افضلیتِ مصطفیٰ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ گروہِ انبیائے کرام علیہم السلام میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن نبی کریم ﷺ سب سے افضل ہیں۔ اس افضلیت کی متعدد وجوہات ہیں مثلاً:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

(امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:)

فَلَمَّا كَانَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِكُلِّ الْعَالَمِيْنَ لَزِمَ اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْ كُلِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (ص۱۴۸)

"جب رسول اللہ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کائنات کے جملہ افراد سے افضل ہوں"۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَقِيْلَ فِيْهِ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى قَرَنَ ذِكْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِكْرِهٖ فِيْ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ وَفِي الْاَذَانِ وَفِي

التَّشَهُّدِ وَلَمْ يَكُنْ ذِكْرُ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ كَذَالِكَ۔(ص ۱۴۸)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت، اذان اور تشہد میں اپنے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو ملایا ہے جبکہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا اِس طرح ذکر نہیں کیا''۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے مثلاً:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اور آپ کی بیعت کو اپنی بیعت کے ساتھ ملایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔

اور اپنی عزت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی عزت کو وابستہ کیا ہے، مثلاً:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (منافقون:8)

''اور عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی''۔

اور اپنے حبیب ﷺ کی رضا سے اپنی رضا کو ملحق کیا ہے، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (توبہ:62)

''اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرے''۔

اور اپنے حکم کی تعمیل کو اپنے محبوب ﷺ کے حکم کی تعمیل سے ملاتے ہوئے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال:24)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ''۔

چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ قرآنِ کریم کی جس سورت سے چاہو کفار کو مقابلے کا چیلنج دو، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ:23)

''تو اس جیسی ایک سُورت لے آؤ''۔

قرآن کریم کی تین آیات والی سب سے چھوٹی سورۂ کوثر ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی ہر تین آیات سے مقابلے کی دعوت دی۔ چونکہ قرآنِ کریم کی چھ ہزار سے بھی زائد آیات ہیں تو اس لحاظ سے یہ ایک ہی معجزہ نہیں بلکہ دو ہزار سے زیادہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو آیاتِ بینات (معجزات) کے ساتھ مشرف و مکرم فرمایا تھا، پس جس کو قرآنِ کریم کے ذریعے اتنی کثیر آیات بینات (دو ہزار سے زائد معجزات) سے نوازا ہو اس کے شرف اور بزرگی کی کیا حد ہو گی؟

پانچویں دلیل

جب ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا یہی ایک معجزہ دیگر ہر نبی کے سارے معجزات سے افضل ہے تو ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ دیگر جملہ انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس سلسلے میں سرورِ کون و مکاں ﷺ کا ایک تو یہ ارشاد ہے: تمام کلاموں میں قرآن کریم ایسا ہے جیسے جملہ موجودات میں بنی نوع انسان۔ دوسرا ارشاد یہ ہے کہ: خلعت جس قدر اشرف و اعلیٰ ہو، اس کا پہننے والا بادشاہ کے نزدیک اتنا ہی معزز و مکرم ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو حروف اور اصوات کی جنس سے ہے اور یہ اعراض ہیں، جو باقی رہنے والے نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس دیگر انبیائے کرام کے معجزات امورِ باقیہ کی جنس سے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے معجزے کو آخر زمانے تک باقی رکھا اور دیگر انبیائے کرام کے سارے معجزے ختم بھی ہو چکے، جن کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام:90)

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنہیں کی راہ چلو''۔

فخرِ دوعالم ﷺ کو یہاں انبیائے ماسبق کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ آپ اصولِ دین میں ان کی اقتداء پر مامور تھے تو آپ ﷺ کے حق میں یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ تو تقلید ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دین کے فروع میں اُن کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست

نہیں کیونکہ شریعتِ محمدیہ نے پہلی تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔پس باقی یہی رہا کہ اس سے مراد اخلاق حسنہ ہوں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیگر انبیائے کرام کے حالات اور ان کے پاکیزہ اخلاق سے مطلع کر کے یہی فرمایا ہوگا کہ مذکورہ اچھی عادتوں میں ان کی اقتداء کرو۔اس کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ جو اچھی عادات ان حضرات میں الگ الگ پائی جاتی تھیں وہ آپ کی تنہا ذات میں جمع ہو گئیں۔پس یہ ضروری ہوا کہ سب کے کمالات کا مجموعہ ہونے کے باعث نبی کریم ﷺ ہی سب سے افضل ہیں۔

آٹھویں دلیل:

نبی آخر الزماں ﷺ ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری سب سے زیادہ اور دوسرے انبیائے کرام کی نسبت مشقت بھی زیادہ اٹھائی۔پس آپ ﷺ کا سب افضل ہونا ضروری ہوا۔سارے انسانوں کی طرف نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے''۔

اِس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی مشقت دوسرے انبیائے کرام سے زیادہ تھی کیونکہ آپ ﷺ تنِ تنہا تھے،وہ بھی اس حالت میں کہ پاس نہ مال خزانے تھے اور نہ اعیان وانصار۔ایسے حالات میں آپ ﷺ نے جب اُنہیں یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ٥ (اے کافرو!) کے الفاظ سے مخاطب کیا تو سب آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور ان کی جانب سے ہر وقت خطرہ رہنے لگا کیونکہ سارے درپے آزار تھے اِس لحاظ سے آپ ﷺ کی مشقت سب سے زیادہ ہے۔اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو اُنہیں صرف فرعون اور اُس کی قوم سے خطرہ تھا،لیکن سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو سب ہی دشمن ہو گئے تھے۔اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر کسی شخص سے کہا جائے کہ یہ شہر دوستوں اور رفیقوں سے بالکل خالی ہے،لیکن اس میں صرف ایک آدمی ہی ایسا ہے جو طاقت اور جنگی ساز وسامان رکھتا ہے۔اس کے پاس تنہا جاؤ اور اسے ایسی خبر دو جو اسے گھبراہٹ میں ڈال دے اور تکلیف دِہ ہو،تو وہ شخص وہاں جانے سے شاید ہی پس وپیش کرے حالانکہ وہ تنہا ہے۔لیکن اُس سے اگر کہا جائے کہ فلاں دور دراز جنگل کی طرف جاؤ،جہاں کوئی دوست اور ہمنوا نہ ہو اور

وہاں کے رہنے والوں کو ایسی خبر پہنچا دو جس سے وہ بھڑک اٹھیں۔ظاہر ہے کہ یہ کام اس کے لیے پہلے کی نسبت انتہائی مشکل ہے۔پس نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے ہی مشکل ترین فریضے پر مامور تھے۔چنانچہ یہی کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد ہوا کہ رات دن جنوں اور انسانوں کے پاس جائیں، جن کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا، بلکہ عادۃً ان سے یہی متوقع تھا کہ دشمنی سے پیش آئیں گے، اذیت پہنچائیں گے اور تحقیر کریں گے۔اِس کے باوجود فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور نہ بددل ہو کر رکے۔ان حالات کا مقتضیٰ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سخت پریشانیوں اور مشقتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ (الحدید:10)

”تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبے میں ان سے بڑے ہیں، جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا“۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ حقیقت میں یہ مشقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تھی۔جب پیروی کے باعث صحابہ کرام بھی اِس سے دوچار ہوئے تو مشقت کے سبب انہیں باقی صحابہ پر اتنی بڑی فضیلت ملی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑی تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فضیلت بھی سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ عبادتوں میں سے افضل وہ عبادت ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

نویں دلیل

چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین دیگر تمام ادیان سے افضل ہے لہٰذا لازم آتا ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیگر انبیائے کرام سے افضل ہوں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام ادیان کا ناسخ بنایا ہے اور ناسخ منسوخ سے افضل ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا اسے اُن سب کے برابر اجر ملے گا جتنا قیامت تک اُس پر عمل کرنے والوں کو ملنا ہے۔جب یہ دین دیگر ادیان سے افضل اور زیادہ ثواب والا ہے تو اس دین کے لانے والے کو دیگر ادیان کے لانے والوں سے زیادہ ثواب ملے گا۔اِس سے لازم آیا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیگر انبیائے کرام سے افضل ہوں۔

دسویں دلیل

چونکہ نبیِ آخرالزماں ﷺ کی امت دوسری تمام امتوں سے افضل ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا دیگر انبیائے کرام سے افضل ہونا ضروری ہوا۔ پہلی بات کا قرآنی ثبوت یہ آیت ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہو اِن سب امتوں میں، جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ اس امت کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے کے باعث یہ فضیلت ملی ہے، جیسا کہ خود اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)

''اے محبوب! تم فرمادو، لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ''۔

تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت لازم آتی ہے۔ علاوہ بریں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکار دیگر تمام انبیائے کرام سے زیادہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ انسانوں اور جنوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کا ثواب سب سے زیادہ ہوا، کیونکہ تابعداروں کی کثرت متبوع کے رتبۂ عالی کی دلیل ہے۔

گیارہویں دلیل

نبیِ کریم ﷺ خاتم النبیین یعنی سب سے آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کا افضل ہونا ضروری ہوا، کیونکہ مفضول سے فاضل کے منسوخ ہونے میں عقلی لحاظ سے بھی قباحت ہے۔

بارہویں دلیل

انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت کئی وجہ سے ہے، اُن میں سے ایک وجہ کثرتِ معجزات بھی ہے، جو اُن کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں اور ہمارے نبیِ محترم سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات تین ہزار سے بھی متجاوز ہیں جن کی مختلف قسمیں ہیں، یعنی:

مِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْقُدْرَةِ كَاِشْبَاعِ الْخَلْقِ الْكَثِيْرِ مِنَ الطَّعَامِ الْقَلِيْلِ وَاِرْوَائِهِمْ مِنَ الْمَآءِ الْقَلِيْلِ وَمِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْعُلُوْمِ كَالْاَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوْبِ وَفَصَاحَةِ الْقُرْاٰنِ وَمِنْهَا اِخْتِصَاصُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذَاتِهٖ بِالْفَضَائِلِ نَحْوُ كَوْنِهٖ اَشْرَفَ نَسَبًا مِّنْ اَشْرَافِ الْعَرَبِ۔ (ص۱۵۰)

''اُن میں سے بعض معجزات ایسے ہیں جن کا تعلق قدرت وتصرف سے ہے، جیسے تھوڑے

کھانے سے بہت سارے آدمیوں کو شکم سیر کر دینا یا ذرا سے پانی سے اُنہیں سیراب کر دینا۔ بعض وہ معجزات ہیں، جن کا تعلق علوم سے ہے، جیسے آپ کا غیب کی خبریں بتانا اور فصاحتِ قرآنِ کریم اور بعض معجزات کا تعلق آپ کے ذاتی خصائص وفضائل سے ہے، جیسے تمام اشرافِ عرب سے نبی کریم ﷺ کا شریف النسب ہونا۔"

بعض معجزات کا تعلق آپ ﷺ کی بے انتہا شجاعت سے ہے اور بعض معجزات کا تعلق آپ ﷺ کے اخلاق، حلم، وفا، فصاحت اور سخاوت سے ہے۔ کتبِ احادیث میں ان امور کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

تیرہویں دلیل

فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے علاوہ سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ حدیث اِس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد سے افضل ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں۔ یہ بھی فرمایا ہے:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ حَتّٰی اَدْخُلَهَا اَنَا وَلَا یَدْخُلُهَا اَحَدٌ مِّنَ الْاُمَمِ حَتّٰی تَدْخُلَهَا اُمَّتِیْ۔(ص ۱۵۰)

"جنت میں اس وقت تک کوئی نبی داخل نہیں ہوگا جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں اور نہ کوئی امت داخل ہو سکے گی جب تک میری امت نہ داخل ہو جائے"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور جب وہ وفد کی صورت میں پیش ہوں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جملہ بنی آدم سے مکرم ومعزز ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ چند صحابۂ کرام بیٹھے ہوئے انبیائے کرام کا ذکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اُن کی گفتگو سن رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کسی اور نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اس کی طرف کی روح ہیں۔ چوتھے صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے

آدم علیہ السلام کو چن لیا تھا (پہلا مقرر کرنے یا تمام انسانوں کا باپ بنانے کے لیے) تو رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور دلائل کو سن لیا ہے۔ واقعی ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ واقعی موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ واقعی عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور واقعی آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ اور میں بروزِ قیامت سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا میں ہوں، پس میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میں سب اگلے اور پچھلوں سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

چودھویں دلیل

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل الصحابہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: یہ عرب کا سردار ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گزارش کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا عرب کے سردار آپ ﷺ نہیں ہیں؟ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کا سردار ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں(1)۔

پندرھویں دلیل

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ (۱) میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ (۲) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔ (۳) میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (۴) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں تھیں۔ (۵) مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہے، جو میں نے اپنی امت کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ پس اِنشاء اللہ تعالیٰ اس سے ہر اس

1۔ مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے لکھا ہے:۔

طیبہ کے ماہِ تمام، جملہ رُسل کے امام نوشہ ملکِ خدا ہم پر کروڑوں درود

شخص کو حصہ ملے گا جس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔ اس استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ فضائل کے ساتھ دوسرے انبیائے کرام پر سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت دی ہے۔

سولہویں دلیل

امام محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کی وضاحت یوں کی ہے کہ ہر حکمران کی مشقت اس کی رعایا کی تعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ جس کی حکمرانی صرف ایک گاؤں پر ہو اُسے صرف ایک گاؤں کی ضروریات کے مطابق مشقت ہوگی لیکن جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں ہو، وہ مال اور ذخیروں کے لحاظ سے ایک گاؤں کے حکمران کی نسبت بہت زیادہ ضرورت مند ہے۔ پس آپ ﷺ سے پہلے ہر ایک رسول اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا گیا، لہٰذا انہیں توحید کے خزانوں اور معرفت کے جواہرات سے اُتنا ہی حصہ ملا جتنا کہ بارِ رسالت اُن کے سپرد کیا گیا تھا۔ پس جو رسول اپنی قوم کی طرف یعنی زمین کے ایک قطعے میں بھیجا گیا اسے خزانوں سے اس قطعے کی ضروریات کے مطابق روحانیت دی گئی، لیکن جو فردِ کامل مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہو، تو ضروری ہوا کہ اسے معرفت سے اسی قدر حصہ ملا ہوگا، جو مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کے امور کو سرانجام دینے کے لیے کافی ہو سکے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کو وہی نسبت ہوگی جو مشرق سے مغرب تک حکمرانی کرنے والے سے بعض شہروں پر حکمرانی کرنے والوں کی ہو سکتی ہے۔ دریں حالات سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم و حکمت کے خزانوں سے اتنا وافر حصہ ملا ہوگا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا ہوگا۔ لہٰذا اعلم میں آپ ﷺ اُس درجے تک یقیناً پہنچے ہوں گے جہاں تک کسی بشر کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (النجم)

''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی''۔

اور فصاحت میں آپ ﷺ اس مقام تک پہنچے جس کے بارے میں خود یوں فرمایا ہے کہ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں اور آپ کی کتاب (قرآنِ کریم) تمام کتابوں کی محافظ اور جامع ہے اور امتِ محمدیہ ساری امتوں سے بہتر قرار دی گئی۔

اٹھارویں دلیل

صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہمام بن منبہ کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور اس کے حسن و جمال کو خوب سنوارا اور ہر لحاظ سے اسے مکمل کیا لیکن کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ جب اس عمارت کو دیکھتے ہیں تو بناوٹ اور سجاوٹ کے پیشِ نظر عش عش کر اٹھتے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آپ نے اس خالی جگہ میں اینٹ کیوں نہیں لگائی؟ (تا کہ مکان واقعی مکمل ہو جاتا)۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں۔

انیسویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے جب دیگر انبیائے کرام کو قرآنِ کریم میں پکارا تو اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ۔ مثلاً یَآدَمُ اسْکُنْ، یَآاِبْرَاھِیْمُ، یَا مُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پکارا تو یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ وغیرہ پیارے پیارے القاب کے ساتھ ہی پکارا اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کی دلیل ہے۔

ایک مخالف نے ہمارے مذکورہ دعوے سے اختلاف کیا ہے اور فخرِ دو عالم ﷺ کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت کا اقرار کیا حتیٰ کہ امت کا اس امر پر اجماع و اتفاق بھی تسلیم کیا باوجود اس کے اختلاف کرتا ہے لیکن نہ ایسی مخالفت کا شرعاً کوئی اعتبار ہے اور نہ اس سے امتِ محمدیہ کے اجماع و اتفاق میں کوئی نقص واقع ہوتا ہے۔ اس نے نبی کریم ﷺ پر دیگر انبیائے کرام کی فضیلت کا کئی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

پہلی وجہِ اختلاف

دیگر انبیائے کرام کے معجزات فخرِ دو عالم ﷺ کے معجزات سے بڑے ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے سجدہ نہیں کروایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی آگ میں ڈالے گئے اور وہ ان کے لیے گلزار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے گئے جبکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو اُن کی مانند کوئی معجزہ نہیں ملا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں، پرندوں، وحشی جانوروں اور ہواؤں پر قبضہ و تسلط دے دیا گیا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کو ایسا قبضہ نہیں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں بولنے کی طاقت دی اور مردوں کو زندہ کرنے، بہروں، گونگوں

اور کوڑھیوں کو شفا دینے کی قدرت عطا فرمائی جبکہ فخرِ دو عالم ﷺ کو ایسا مقام حاصل نہیں تھا۔

دوسری وجہِ اختلاف

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآنِ کریم میں خلیل کہا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ (النساء)

''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا''۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء)

''اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا''۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (انبیاء)

''تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی''۔

اور ان میں سے کسی فضیلت کا حصول فخرِ دو عالم ﷺ کے لیے ثابت نہیں ہے۔

تیسری وجہِ اختلاف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے یونس بن متی پر بھی فضیلت نہ دو۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

چوتھی وجہِ اختلاف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم مسجد میں انبیائے کرام کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ عبادت بہت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اور ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ سب سے افضل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو ساری مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں۔ اچانک نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے ساری باتیں بیان کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے بہتر ہو کیونکہ اُنہوں نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا، بلکہ کبھی برائی کا قصد تک نہیں کیا تھا۔

مخالف کے چاروں دلائل کا جواب

حضرت آدم علیہ السلام کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ہوں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم اور اُن کے سوا سارے انسان بروزِ قیامت میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے (یعنی مٹی اور پانی سے اُن کا پتلا تیار کیا جارہا تھا) اور یہ بھی منقول ہے کہ معراج کی رات میں نبیِ آخرالزماں ﷺ کے براق کی رکاب جبرئیل علیہ السلام نے تھامی ہوئی تھی اور سجدے کی نسبت اِس میں زیادہ عظمت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ نازل فرماتا ہے نیز فرشتوں اور انسانوں کو بھی اپنے حبیب پر درود وصلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہ مسجودِ ملائکہ ہونے سے فضیلت میں زیادہ ہے کیونکہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے جو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا یہ انہیں ادب سکھانے کے لیے تھا لیکن ملائکہ کو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم اِس لیے دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مرتبے کو پہچانیں۔

۲۔ فخرِ دوعالم ﷺ پر قیامت تک ہر وقت اور ہر آن کے لیے درود بھیجنے کا حکم ہے جبکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ تو صرف ایک ہی دفعہ کیا تھا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنا صرف فرشتوں پر لازم کیا گیا لیکن نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اٹھائی کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خود صلوٰۃ بھیجتا ہے اور ساتھ ہی فرشتوں اور ایمان والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی درود پاک کا بارگاہِ رسالت میں ہدیہ پیش کیا کریں۔

۴۔ فرشتوں کو اس لیے سجدے کا حکم فرمایا گیا تھا کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کا نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ افروز تھا۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم کے ساتھ خاص فرمایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ:31)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے''۔

لیکن نبی کریم ﷺ کے بارے میں اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔

''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل''۔

نیز دوسری جگہ یوں فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ)

"اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا"۔

علاوہ بریں آدم علیہ السلام کو سکھانے والا اللہ ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: آدم کو تمام نام سکھا دیے۔
لیکن سرورِ کون ومکاں ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ (النجم)

"انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے"۔

جواب:۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ نے نبیِ آخرالزماں ﷺ کے علم سے آخری کلام معجز نظام کے ذریعے یوں خبردار فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء)

"اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے ادب کی تعلیم دی اور خوب تعلیم دی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اِسی بارے میں یوں فرمایا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (الرحمٰن)

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا"۔

فخرِ دوعالم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اشیاء کی اصلی حقیقت دکھا۔ بلکہ خود اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو علم کی دعا مانگنے کا یوں حکم دیا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ)

"اور عرض کرو، اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے"۔

مذکورہ آیات اور مخالف کی پیش کردہ آیت علمه شديد القوى میں مطابقت بلحاظ تلقین اور تعلیم ہے (یعنی پیش کردہ آیات کے مطابق آپ ﷺ کو تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی اور اس آیت کے بموجب تلقین جبرئیل علیہ السلام بھی کرتے رہے) اِس فرق کو مندرجہ ذیل دو آیتوں سے سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدہ:11)

"تم فرماؤ، تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ"۔

لیکن دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر:42)

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے اُن کی موت کے وقت"۔

سوال:۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ (الشعراء)

"اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں"۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (انعام:52)

"اور دور نہ کرو اُنہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں"۔

مذکورہ آیات اس امر پر دلالت کررہی ہیں کہ اخلاق میں نوح علیہ السلام آپ سے اعلیٰ ہیں۔ کیا صورتِ حال یہی ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ (نوح)

"بے شک ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اُن کو ڈرا اِس سے پہلے کہ اُن پر دردناک عذاب آئے"۔

تو اُنہیں سب سے پہلی خبر عذاب کے بارے میں دی گئی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

نیز دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق یوں فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:128)

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان"۔

حضرت نوح علیہ السلام کا آخری سلوک اپنی قوم کے ساتھ یہ تھا:

وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح)

''اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ''۔

اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمت سے آخری سلوک شفاعت کی صورت میں ہوگا، جیسا کہ فرمایا ہے:

عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

''قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔

باقی رہے انبیائے کرام کے معجزات تو کتاب دلائل النبوۃ (مصنفہ حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ) میں اُن کے بالمقابل نبی کریم ﷺ کے معجزات کا ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کے معجزات دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات سے افضل ہیں۔ طوالت کے پیشِ نظر یہ کتاب (تفسیر کبیر) اِس سے زیادہ کی متحمل نہیں۔ (واللہ اعلم)

اِس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ بحث آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ فرمایا ہے۔ اِس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ اِس آیت میں انبیائے کرام کے مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے، جو ایک دوسرے سے نرالے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا جبکہ دوسروں کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بادشاہی اور نبوت دونوں کو اکٹھا کر دیا جبکہ دیگر انبیائے کرام کو یہ چیز حاصل نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے انسان، جنات، پرندے اور ہوا تابع کر دی گئی جبکہ ایسی بادشاہی تو ان کے والدِ محترم، حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں تھی اور سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو دیگر کسی نبی کو حاصل نہیں، نیز آپ ﷺ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے۔ مذکورہ تقریر اِس لحاظ سے ہے جبکہ درجات کو مراتب و مناصب پر محمول کریں، لیکن اِسے اگر معجزات پر محمول کیا جائے تو اِس لحاظ سے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کو دیگر تمام انبیائے کرام پر فضیلت ہے، کیونکہ ہر نبی کو ایسے معجزے دیے گئے جو اُن کے زمانے کے مناسب تھے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھیے کہ عصا کا سانپ بننا، یدِ بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا اس زمانے والوں کے ان کاموں کا توڑ ہیں جنہیں وہ لوگ جادو کے ذریعے کیا کرتے

تھے۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کہ بہروں، گونگوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا یا مُردوں کو زندہ کرنا، اُس زمانے والوں کے کسب کے مطابق تھا جو وہ طب کے ذریعے کرتے تھے لیکن نبی آخرالزماں ﷺ کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو فصاحت و بلاغت اور خطبات و اشعار کے مشابہ ہے۔ معجزات قلت و کثرت کے لحاظ سے، مدتوں باقی رہنے اور جلد ختم ہو جانے کے باعث نیز ایک دوسرے سے قوی ہونے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ فضیلت کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ درجات کے تفاوت سے وہ امور بھی ہوں جن کا تعلق دنیا سے ہے یعنی امت اور صحابہ کی کثرت نیز شہنشاہی کا جاہ و جلال۔

اگر ان تینوں وجوہات پر غور کیا جائے تو صاف نظر آ جائے گا کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ تینوں قسم کی خوبیوں کے جامع ہیں، کیونکہ:

فَمَنْصَبُهٗ اَعْلٰی وَمُعْجِزَاتُهٗ اَبْقٰی وَاَقْوٰی وَقَوْمُهٗ اَكْثَرُ وَدَوْلَتُهٗ اَعْظَمُ وَاَوْفَرُ

اَلْقَوْلُ الثَّانِیُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِاَنَّهٗ هُوَ الْمُفَضَّلُ عَلَی الْكُلِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۵۴)

”آپ کا منصب سب سے بلند، معجزات ہمیشہ باقی رہنے والے اور سب سے قوی اور آپ کی امت سب سے زیادہ اور شہنشاہی سب سے عظیم اور بڑی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اِس آیت سے مراد سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، کیونکہ آپ کو سب پر فضیلت دی گئی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“۔

میثاق انبیائے کرام

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی اِس آیت:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ (آل عمران)

”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو ضرور بضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور بضرور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور

اِس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اِس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہے''۔

جاننا چاہیے کہ مندرجہ بالا آیات سے اُن امور کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اہل کتاب میں مشہور و معروف تھے اور فخرِ دوعالم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کے عذر کی بیخ کنی ہو اور اُن کا بغض وعناد صاف ظاہر ہو جائے۔ اُن امور سے بعض کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن انبیائے کرام سے عہد لیا جنہیں کتاب اور حکمت مرحمت فرمائی تھی کہ جب تمہارے پاس ایسا رسول آئے، جو تمہاری شریعتوں کی تصدیق کرتا ہو، تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ جملہ انبیائے کرام نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس معصوم گروہ کو یہ تحدید سنا دی تھی کہ جو اس حکم سے پھرے گا وہ نافرمان شمار ہوگا۔ اس آیت کا مقصود یہی ہے۔ گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر یہ واجب کیا ہے کہ اُس رسول پر ایمان لائیں جو اُن کی کتابوں کی تصدیق کرے۔ یہ تنہا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک اِس کے ساتھ دوسرا مقدمہ شامل نہ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جو دیگر انبیائے کرام کی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے جلوہ آرائے گیتی ہوئے تھے لیکن ایسا کہنے پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس سے اِثْبَاتٌ لِلشَّیْءِ بِنَفْسِہٖ لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح ایک کی رسالت سے دوسرے کی رسالت ثابت کی جا رہی ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت سے یہاں اظہارِ معجزہ مراد ہے اور اس صورت میں اعتراض ہی ساقط ہو جاتا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مذکور ہے:

اِنَّ هٰذَا الْمِيْثَاقَ مُخْتَصٌّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

''یہ میثاق سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے''۔

فخرِ دوعالم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے پاس روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں۔ خدا کی قسم، اگر آج موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی زندہ موجود ہوتے تو اُنہیں میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد والے سارے اَنبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ اُن کی ظاہری حیات میں مبعوث ہوں تو اُن پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور

ضرور اُن کی مدد کرنی پڑے گی(1)۔

وَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاٰيَةِ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانُوْا يَأْخُذُوْنَ الْمِيْثَاقَ مِنْ اُمَمِهِمْ بِاَنَّهٗ اِذَا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهٗ يَجِبُ عَلَيْهِمْ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهٖ وَاَنْ يَّنْصُرُوْهُ وَهٰذَا قَوْلُ كَثِيْرٍ مِّنَ الْعُلَمَآءِ وَاللَّفْظُ مُحْتَمَلٌ لَهٗ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنْ يُّؤْمِنُوْا الَّذِيْنَ كَانُوْا فِيْ زَمَانِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِذَا كَانَ الْمِيْثَاقُ مَأْخُوْذًا عَلَيْهِمْ كَانَ ذٰلِكَ اَبْلَغُ فِيْ تَحْصِيْلِ هٰذَا الْمَقْصُوْدِ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ مَأْخُوْذًا عَلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَقَدْ اُجِيْبَ عَنْ ذٰلِكَ بِاَنَّ دَرَجَاتِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَعْلٰى وَاَشْرَفُ مِنْ دَرَجَاتِ الْاُمَمِ فَاِذَا دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَوْجَبَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ اَنْ يُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَوْ كَانُوْا فِي الْاَحْيَاءِ وَاِنَّهُمْ لَوْ تَرَكُوْا ذٰلِكَ لَصَارُوْا مِنْ زُمْرَةِ الْفَاسِقِيْنَ فَلِاَنْ يَكُوْنَ الْاِيْمَانُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجِبًا عَلٰى اُمَمِهِمْ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ اَوْلٰى فَكَانَ صَرْفُ هٰذَا الْمِيْثَاقِ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ اَقْوٰى فِيْ تَحْصِيْلِ الْمَطْلُوْبِ۔(ص ۱۵۴-۱۵۵)

"اور احتمال ہے کہ آیت سے یہ بھی مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں سے یہ عہد لیں کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ وہ نبیِ آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں اور اکثر علمائے کرام یہی کہتے ہیں اور (آیت کے) لفظوں میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کیونکہ مقصود اِس آیت کا یہی ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں موجود ہوں وہ آپ پر ایمان لائیں اور یہ عہد امتوں سے جب لیا گیا تو (اِس کا تذکرہ) حصولِ مقصد کی زیادہ وضاحت کرتا ہے بہ نسبت اِس کے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر فرمایا گیا تو اِس کا جواب ہماری (امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) کی جانب سے یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات اُمتوں کے درجات کی نسبت بہت بلند و بالا ہیں، لیکن جب یہ آیت اس بات پر

1۔اسی لیے عشاق کا یہی کچھ مشغلہ رہتا ہے: ؎

ان کی دُھن، اُن کی لگن، اُن کی تمنا، اُن کی یاد   مختصر سا ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات (اختر الحامدی)

دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں، خواہ وہ زندہ کیوں نہ موجود ہوں۔ اگر وہ اس فرض کے تارک ہوئے تو نافرمانوں کے گروہ سے ہو جائیں گے پس سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ان حضرات کی امتوں پر تو اور زیادہ ضروری ہوا اور اَولیٰ بھی یہی ہے۔ پس صرف انبیائے کرام سے عہد لینے کا ذکر ہی تحصیلِ مقصد کے لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے (یعنی زیادہ مناسب ہے)''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں جو تفصیل و تحقیق کا شائق ہے وہ اُن کی تفسیر کی جانب رجوع کرے۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی آیتِ کریمہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (آل عمران)

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو۔ اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو، تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں''۔

کے تحت فرمایا ہے، جاننا چاہیے کہ غزوہ احد میں جب اکثر حضرات آپ سے بچھڑ کر دور نکل گئے، تو جب وہ آپ کی جانب لوٹے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ ذرا بھی سخت کلامی سے پیش نہ آئے بلکہ نرمی کے ساتھ دلوں کو موہ لینے والے انداز ہی میں گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات کے ساتھ ان کی ایسی رہنمائی فرمائی جو انہیں دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے۔ منجملہ ان کے یہ بات بھی تھی کہ ان سب کو معاف فرما دیا اور کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انہیں معاف کرنے اور سختی نہ فرمانے پر تعریف و توصیف کی۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ لوگوں کے ساتھ آپ کا نرمی اور عفو

ودرگزر سے پیش آنا آپ کے حسن خلق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ساتھ ہی باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء)

''اوراپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے''۔

نیز اپنے حبیب ﷺ کو ان لفظوں میں بھی حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف)

''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو''۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

''اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے''۔

نیز دوسرے مقام پر ہمارے آقا و مولی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں مدح وثنا بیان فرمائی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام کا حلم اور نرمی سب سے زیادہ پسند ہے اور امام کی جہالت اور سختی سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند نہیں ہے جب سرورِ کون و مکان ﷺ تمام جہانوں کے امام ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ ساری کائنات میں سب سے بڑھ کر حلیم اور اخلاق حسنہ والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں مختلف وجوہ ہیں، مثلاً

پہلی وجہ

جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی کورچشمی کا ذکر فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کی جانب بددیانتی اور خیانت کی نسبت کی تھی تو اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس معاند کے الزام کی بیخ کنی فرمادی۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے شہر ہی میں پیدا ہوئے اور اسی میں ان کے سامنے پروان چڑھے۔ ساری عمر میں قوم نے آپ سے صدق و امانت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ اس کے سوا یہی تھا کہ آپ کی پاک اور شفاف ردائے عصمت پر خیانت کا دھبہ کیسے لگ سکتا تھا؟

دوسری وجہ

اللہ تعالیٰ نے جب اس معاند و معترض کی غلطی بیان فرمائی تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیانت سے بری ہونے کی شہادت دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ ان کا وجودِ مسعود تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ تمہیں طُرقِ باطلہ کی طرف مائل ہونے سے پاک کرتے اور ایسے علومِ نافعہ سے تمہارے دامنِ مراد کو بھرتے رہتے ہیں جو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ ان حالات میں کون سا صاحبِ عقل و دانش ہوگا جو ایسے خلاصۂ روزگار فردِ کامل و مردِ اکمل کی جانب خیانت کو منسوب کرنے کا تصور بھی دل میں لائے گا؟

تیسری وجہ

گویا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میرا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے ہے اور تمہارے شہر کا رہنے والا اور تمہارے خویش و اقارب سے ہے۔ اس کے باوجود، شرک کے باعث تم ذلت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہو، جبکہ اسے بزرگی دی ہے اور فضل و احسان کے ساتھ ساری کائنات سے ممتاز کیا ہے۔ ان کا وجود تمہارے لیے باعث شرف و عظمت ہے۔ اس کے برعکس تمہارا ان پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کی جانب برائیوں کی نسبت کرنا عقل و دانش سے بعید ہے۔

چوتھی وجہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فضل و کمال میں اس منصبِ رفیع پر فائز ہیں، جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، تو ہر صاحب عقل و دانش پر حتی المقدور آپ کی اعانت کرنا واجب ہے۔ پس اے معاندو! تمہیں تو چاہیے تھا کہ ان کے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوتے اور نہ صرف دست و لسان سے بلکہ سیف و سنان کے ساتھ ان کی معاونت پر ہمہ وقت کمر بستہ

رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے تو یہ اس وجہ سے فرمایا ہے کہ:

اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِمْ بِبِعْثَةِ هٰذَا الرَّسُوْلِ فَاِنَّ بِعْثَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْسَانٌ اِلٰى كُلِّ الْعَالَمِيْنَ وَذَالِكَ لِاَنَّ وَجْهَ الْاِحْسَانِ فِيْ بِعْثَتِهٖ كَوْنُهٗ دَاعِيًا لَّهُمْ اِلٰى مَا يُخَلِّصُهُمْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ وَيُوْصِلُهُمْ اِلٰى ثَوَابِ اللّٰهِ وَهٰذَا عَامٌّ فِيْ حَقِّ الْعَالَمِيْنَ لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْعُوْثٌ اِلٰى كُلِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (ص ۱۵٦)

''یہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے سبب احسان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان تمام جہانوں (یعنی جہان والوں) پر ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بعثت کا احسان ان کے لیے آپ کے داعی ہونے اور انہیں عذاب الٰہی سے نجات دلانے اور انہیں ثواب و اجر کی منزل مقصود تک پہنچانے کے باعث ہے اور یہ جملہ کائنات والوں کے حق میں عام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں''۔

چنانچہ آپ کی جہانگیر بعثت کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے''۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے اہل اسلام ہی نے فائدہ اٹھایا ہے لہٰذا آیت میں ایمان والوں کو اس احسان سے خاص کیا گیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے (یہ نفع حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے) حالانکہ قرآن کریم کی صفت یہ بتائی ہے هُدًى لِّلنَّاسِ کہ یہ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔ دوسری نظیر مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ (النازعات)

''تو تم فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے''۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء و مرسلین سے ہر ایک کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر احسان ہے، لیکن جس قدر کسی رسول سے مخلوق کو زیادہ نفع ہوگا، اسی قدر اس کی بعثت میں انعام زیادہ ہوگا۔ فخر دو عالم ﷺ

کی بعثت میں دو قسم کی خصوصیات ہیں۔ایک وہ منافع جو آپ کی بعثت ہی سے حاصل ہوتا ہے، دوسرے وہ منافع جو آپ کے ان خصائل حمیدہ واخلاق محمودہ سے حاصل ہوتا ہے، جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ جو نفع آپ کی اصل بعثت سے حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء)

''رسول خوشخبری دیتے اور ڈرسناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے''۔

ابو عبد اللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء ومرسلین کی بعثت سے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اس کا حصول دین کے راستے سے ہوتا ہے۔اس نفع حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔

اول:۔مخلوق جبلی طور پر نقصان کی طرف مائل ہے۔اس کا فہم قلیل اور درایت نہ ہونے کے برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دلائل کے طریقے بیان فرمائے اور انہیں خوب واضح کیا اور جب ان کے دلوں میں کوئی خطرہ گزرا یا شبہ وارد ہوا، تو مناسب جواب سے اس کا ازالہ فرمایا۔

دوم:۔مخلوق یہ تو جانتی ہے کہ انہیں اپنے مالک کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں، لیکن وہ اطاعت کی کیفیت سے ناآشنا ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کیفیت کی وضاحت فرمائی تاکہ وہ طاعت گزاری میں غلطی نہ کریں اور نامناسب اقدام سے اجتناب کریں۔

سوم:۔مخلوق کی جبلت میں چونکہ کاہلی، غفلت، کمزوری اور تنگ دلی بھی موجود ہے اس لیے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے احکام الٰہی کو ترغیب اور ترہیب کے طریقوں سے بیان فرمایا تاکہ تعمیل حکم میں سستی یا نقصان واقع ہونے کے بجائے طاعت گزاری کی طرف رغبت رہے۔

چہارم:۔مخلوق کا نور عقل آنکھوں کی روشنی کے مانند ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آنکھوں سے اس وقت تک کماحقہٗ دیکھنے کا کام نہیں لیا جا سکتا جب تک سورج کی جلوہ گری نہ ہو۔سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت عقل الٰہی سے ہے، جس نے سورج کی طرح دنیا کو جگمگا رکھا ہے۔پس اس نور عقل سے لوگوں کی عقل ودانش کو تقویت پہنچاتے اور ایسے غیبی امور کو ان کے لیے ظاہر فرماتے رہتے ہیں، جن پر آپ کے ظہور سے پہلے پردہ پڑا ہوا تھا۔حقیقت میں یہ اشارہ آپ کی بعثت کے اصل فوائد کی جانب ہے۔وہ فائدے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات جمیلہ کے سبب حاصل ہوتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے

بارے میں جاننا چاہیے کہ آپ سے متعدد طریقوں کے ساتھ فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً:

پہلی دلیل:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کے سامنے پروان چڑھے۔ وہ آپ کے حالات سے پوری طرح باخبر اور آپ کے تمام اقوال و احوال سے مطلع تھے۔ انہوں نے آپ کی ابتدائی عمر سے آخر تک سچائی، عفت، دنیا سے بے رغبتی، جھوٹ سے دوری اور صداقت پر ہمیشگی کے سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق کریمہ میں اور کوئی چیز نہ دیکھی۔ جس کی عمر میں اول سے آخر تک یہی دیکھا گیا ہو کہ وہ ہمیشہ صداقت و امانت پر زندگی بسر کرتا رہا ہو نیز کذب و خیانت کے سائے تک کا اس کی بارگاہ میں گزر نہ ہوا ہو۔ ایسا شخص ایک مدّت کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے، جس کا جھوٹا دعویٰ کرنا کذب کی بدترین قسم ہے، اس کے متعلق ہر کسی کا غالب گمان یہی ہوگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔

دوسری دلیل:۔ وہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی فرد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ کسی سے سبق لیا جس کی تکرار کرتے اور پورے چالیس سال کی عمر تک آپ نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں کبھی ذکر نہیں کیا۔ جب چالیس سال پورے ہونے کے بعد آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا اور آپ کی زبان مبارک سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہونے لگے جو ابتدائے آفرینش سے اس کائنات میں کسی سے ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ پھر آپ نے اگلے لوگوں کے واقعات اور گزشتہ انبیائے کرام کے حالات اسی طرح بیان فرمادیے جیسے ان حضرات کی کتابوں میں مذکور ہوئے تھے۔ پس ہر وہ شخص جو عقل سلیم سے بہرہ ور ہے وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ایسا آسمانی وحی اور الہام الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

تیسری دلیل:۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے بعد معاندین نے پیشکش کی کہ اپنی اس دعوت کو چھوڑ دیجیے اور اس کے معاوضے میں جتنی زیادہ سے زیادہ دولت آپ چاہیں وہ پیش کی جاسکتی ہے یا کسی عورت سے آپ شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کی ایسی خواہش بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے ان کی پیشکش کو پرکاہ کے برابر حیثیت نہ دی بلکہ اپنے فقر پر قانع رہے اور مشقت کے مقابلے میں صبر کی ڈھال کو سنبھالے رکھا۔ جب اسلام کا بول بالا ہوا، آپ کی عظمتوں کے شادیانے بجنے لگے، کتنے ہی شہروں پر قبضہ ہوگیا اور مال غنیمت سے بیت المال بھرپور ہوگیا اور صحابہ کرام کو آسودہ حال فرمادیا ایسے حالات میں بھی آپ کی دنیا سے بے رغبتی مثل سابق رہی(1) اور اللہ تعالیٰ

1۔ یعنی۔ ہاتھ خالی، دل غنی، کون ومکاں پر اقتدار دیکھنا یہ ساز و سامان حبیب کبریا (اختر الحامدی)

کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ حالانکہ جھوٹا آدمی دنیا کمانے کی خاطر بھاگ دوڑ کرتا ہے اور جب اسے دنیا حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیتا ہے اور اس کے دائرے کو مزید وسعت دینے میں کوشاں رہتا ہے۔ جب آپ نے دنیاوی آرام وراحت کی جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تو اظہر من الشمس ہوا کہ آپ اس دعوے میں یقیناً سچے تھے۔

چوتھی دلیل:۔ جس نسخۂ کیمیا کو لے کر نبی آخر الزمان ﷺ جلوہ گر ہوئے اس میں توحید کا مفصل بیان، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، انصاف، نبوت، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اثبات، عبادات کی تشریح اور اطاعت و فرمانبرداری کی پاکیزہ تعلیم ہی تو ہے اور یہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ انسان کامل کا کام بھلے برے کاموں میں تمیز کرنا ہے۔ جب فخر دو عالم ﷺ کی کتاب (قرآن کریم) ان دونوں راستوں کی مکمل وضاحت کرتی ہے تو ہر عقلمند انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی راستبازی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

پانچویں دلیل:۔ اس آخری شمع رسالت کے جلوہ آرائے گیتی ہونے سے قبل اہل عرب کا دین تمام رائج الوقت ادیان سے بھی گھٹیا تھا، کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے اخلاق میں لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذلیل مشغلے بھی موجود تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو بھیجا، تو آپ نے انہیں اس قعر مذلت سے نکال کر ہمدوش ثریا کر دیا، حتیٰ کہ وہ علم، زہد، عبادت اور دنیاوی لذتوں اور آسائشوں میں بے رغبتی کے لحاظ سے ایسے راسخ ہوئے کہ امم سابقہ سے ممتاز اور افضل ہو گئے۔ "وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" جب مذکورہ وجوہات کو جان لیا گیا تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں پیدا ہوئے اور ان میں ہی آپ نے پرورش پائی تھی جو شب وروز آپ کے حالات کا مشاہدہ کرتے اور مذکورہ دلائل پر مطلع تھے، جن کے سبب ان کا آپ پر ایمان لانا زیادہ آسان تھا ہر اس شخص کی نسبت جو آپ کے حالات سے بے خبر ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے ساتھ ان پر خاص احسان فرمایا ہے کہ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اس میں احسان کا یہ پہلو بھی تو موجود ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عربی ہونا اہل عرب کے لیے انتہائی شرف اور سرمایہ افتخار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ (زخرف)

"اور بے شک وہ شرف ہے تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے"۔

اس فخر کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فخر کرنا یہود، نصاریٰ اور اہل عرب

A

میں مشترک تھا، لیکن یہود و نصاری حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور توریت و انجیل کے باعث بھی فخر کرتے تھے اور اہل عرب کو ایسا کوئی شرف حاصل نہیں تھا جس سے یہود و نصاری محروم ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآن مجید نازل کیا تو اہل عرب کو وہ کرامت اور بزرگی میسر آ گئی جیسی امم سابقہ میں سے کسی کے حصے میں نہیں آئی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِهِمْ فرمایا ہے۔

اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ تو اس کے بارے میں جاننا ضروری ہے کہ انسان کا کمال دو باتوں میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اعمال صالحہ کو جاننے میں، تاکہ ان کے مطابق عمل کر سکے۔ بالفاظ دگر نفس انسانی کے لیے نظریاتی اور عملی دو طاقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اسی لیے نازل فرمایا ہے کہ مخلوق کی ان دونوں قوتوں کی اصلاح و تکمیل ہو جائے چنانچہ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق خدا تک وحی الٰہی کو پہنچاتے ہیں وَيُزَكِّيْهِمْ میں معارف الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جس سے نظریاتی قوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ تعلیم کتاب سے تاویل معرفت کی جانب اشارہ ہے یا بالفاظ دگر کتاب سے شریعت کے ظاہری احکام اور حکمت سے اس کے محاسن و اسرار اور اسباب و منافع مراد ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا ذکر فرمایا جس سے یہ نعمت کامل ہوتی ہے اور وہ اس بات کا اظہار ہے کہ پہلے یہی لوگ گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ جب مشقت اٹھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد کسی نعمت یا راحت کا حصول ہوتا ہے تو اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔ چونکہ اس نعمت کا تعلق علم و اعلام سے ہے جو جہالت اور بے دینی کے بعد حاصل ہوئی تو اس طرح اس کی عظمت اور قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ارشاد ربانی ہے: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝

فترت کے بعد سید المرسلین کی آمد

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مائدہ کی آیت:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹ (مائدہ)

"اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے

پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ایام فترت کے بارے میں ہے یعنی رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فخر دو عالم ﷺ کے درمیان کچھ سو برس یا اس سے کچھ کم وبیش کا طویل وقفہ ہے۔ علامہ کلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سالہ مدت ہے اور اس عرصے میں ایک ہزار انبیائے کرام خلق خدا کی ہدایت کے لیے تشریف لائے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سید المرسلین ﷺ کے درمیانی وقفے میں صرف چار نبی تشریف فرما ہوئے، جن میں سے تین نبی اسرائیل میں اور ایک اہل عرب سے، جن کا اسم گرامی خالد بن سنان عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

رسولوں کی آمد کا سلسلہ اتنے دنوں بند رہنے کے بعد فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے میں یہی مصلحت تھی کہ شرائع سابقہ میں اس طرح تحریف وتبدیل کرنے والے اپنے پورے جوہر دکھالیں اور اتنے عرصے میں حق وباطل اور سچ جھوٹ میں اس درجہ اختلاط ہو جائے اور کہ تمیز کرنا ممکن نہ رہے اور لوگوں کے لیے عبادات ترک کرنے کا واضح عذر ہو جائے اور وہ کہہ سکیں کہ اے پروردگار! یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تیری عبادت کرنی چاہیے کیونکہ بندوں کے لیے اس کے بغیر چارہ کار نہیں لیکن ہم عبادت کرنے کے طریقوں سے نا آشنا ہیں۔ چنانچہ ایسے حالات میں اللہ جل شانہٗ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تا کہ لوگوں کا یہ عذر ختم ہو جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ۔ (یعنی یہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کون سا کوئی نبی آیا ہے؟) پس اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تا کہ یہ کہا جا سکے کہ اب تو تمہارے پاس نبی آ گیا۔ آپ کی بعثت کے سبب یہ علت زائل ہو گئی اور ان کا یہ عذر ختم ہو گیا(1)۔

النبی الامی ﷺ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اعراف کی آیت کریمہ:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے — پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی

B

فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (۱۵۷) (اعراف)

"وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے، جو ان پر تھے، اتارے گا، تو وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ جاننا ضروری ہے کہ رحمت خداوندی ان لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو تقوی کی دولت سے مالا مال ہوں، زکوۃ ادا کریں اور آیات الٰہیہ پر ایمان لائیں۔ اس آیت کے ذریعے یہ بات بھی ساتھ ملا دی گئی کہ اس امّی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے، جس کا تذکرہ وہ توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں

پہلا قول:۔ یہ ہے کہ جس حیثیت سے انہوں نے توریت میں آپ کا وصف پایا، اسی طرح وہ آپ کی نبوت پر ایمان لا کر پیروی کریں، کیونکہ آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے کی کسی شریعت کی پیروی کرنا اب جائز نہیں ہے۔

دوسرا قول:۔ وَالْاِنْجِیْلِ کے بارے میں یہ ہے انجیل میں یہ کچھ لکھا ہوا پائیں گے، کیونکہ انجیل کے نزول سے پہلے اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کا پایا جانا محال ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ اس امی نبی (ﷺ) کی پیروی کریں تو دنیا و آخرت کے اندر بے پایاں رحمت سے نوازے جائیں گے۔ یہی قول زیادہ درست ہے کیونکہ بعثت سے پہلے تو آپ کی پیروی ممکن ہی نہ تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا وہی فرد اس رحمت سے حصہ حاصل کر سکا، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا، زکوۃ ادا کی اور عہد موسوی کے دلائل پر ایمان لایا اور زمانہ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس رحمت سے وہی

فیضیاب ہوگا جس میں مذکورہ صفات کے ساتھ یہ صفت بھی پائی جائے کہ وہ شریعت محمدیہ کا پیروکار ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں سرورکون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

وصفِ اول

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آپ رسول ہیں۔ عرف عام کے لحاظ سے اس لفظ کے ساتھ وہی مخصوص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجے۔

وصف دوم

بتایا کہ آپ نبی بھی ہیں۔ یہ لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں آپ عظیم المرتبت منصب پر فائز ہیں۔

وصف سوم

آپ کو امّی بتایا ہے۔ زجاج علیہ الرحمہ نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو شخص اہل عرب کی صفت پر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان پڑھوں کی جماعت میں مبعوث فرمایا گیا ہوں، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ چونکہ اکثر اہل عرب پڑھنے لکھنے سے نا آشنا تھے لہٰذا فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی حال پر رہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو امّی ہونے کا لقب دیا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے لحاظ سے امّی ہونا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس اعجاز کی مختلف وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ

فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار قرآن کریم پڑھ کر سناتے رہے لیکن کبھی اس کے الفاظ یا کلمات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی، حالانکہ عربی خطیب پہلی دفعہ خطبہ پڑھنے کے بعد جب بھی اسے دہراتے تو یقیناً اس کے الفاظ میں کمی یا بیشی ہو جاتی تھی۔ کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہے اور کسی دفعہ کے پڑھنے میں ذرا سا فرق بھی نہیں آیا۔ آخر اسے معجزے کے سوا اور کیا کہا جائے؟ اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ﴿٦﴾ (الاعلیٰ)

''اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے''۔

دوسری وجہ

نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پڑھے لکھے ہوتے تو آپ پر یہ اتہام لگایا جاسکتا تھا کہ

کتب سابقہ کے مطالعے سے یہ علوم حاصل کیے ہیں لیکن کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے اور مطالعے کے بغیر ہی جب آپ قرآن مجید جیسی کتاب لے کر آئے جو علوم کثیرہ کی جامع ہے تو اسے منجملہ آپ کے معجزات کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہی مراد اللہ جل شانہٗ کے اس ارشاد سے ہے:

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (العنکبوت)

''اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے''۔

تیسری وجہ

لکھنا سیکھ لینا آسان ہے کیونکہ بعض کم پڑھے ہوئے جو ذکی و فہیم ہوں وہ معمولی سی کوشش سے لکھنا سیکھ لیتے ہیں۔ لکھنے سے محروم رہنا عقل و فہم میں کوتاہی کا باعث ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود:

اِنَّهٗ تَعَالٰی اٰتَاهُ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُلُوْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ وَ اَعْطَاهُ مِنَ الْعُلُوْمِ وَ الْحَقَا ئِقِ مَا لَمْ يَصِلُ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْبَشَرِ وَ مَعَ تِلْكَ الْقُوَّةِ الْعَظِيْمَةِ فِي الْعَقْلِ وَ الْفَهْمِ جَعَلَهٗ بِحَيْثُ لَم يَتَعَلَّمِ الْخَطَّ الَّذِیْ يَسْهُلُ تَعَلُّمُهٗ عَلٰی اَقَلِّ الْخَلْقِ عَقْلاً وَّ فَهْماً فَكَانَ الْجَمْعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الْحَالَتَيْنِ الْمُتَضَا دَتَيْنِ جَارِياً مَجْرٰی الْجَمْعِ بَيْنَ الضِّدَّيْنِ وَذٰلِكَ من الْاُمُوْرِالْخَارِقَةِ لِلْعَا دَةِ وَجَارٍ مَجْرٰی الْمُعْجِزَاتِ. (ص ۱۶۰)

''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب اگلے پچھلوں کے علوم مرحمت فرما دیئے اور آپ کو اتنے علوم و حقائق عطا فرمائے جن تک نوع انسانی کے کسی بھی فرد کی رسائی نہیں ہو سکی اور عقل و فہم کی آپ کو ایسی عظیم الشان قوت مرحمت فرمانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے سے محروم رکھا حالانکہ لکھنا تو ایک معمولی فہم و فراست والا انسان بھی سیکھ لیتا ہے۔ پس آپ کے اندر ان دونوں متضاد حالتوں کا جمع ہو جانا، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اجتماع ضدین کی طرح ہے اور دو متضاد حالتوں کا جمع ہونا عادت کے خلاف اور معجزے کا قائم مقام ہے''۔

وصف چہارم

فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس آیت کریمہ میں جو نو صفات بیان فرمائی گئی ہیں ان میں سے چوتھی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: اَلَّذِی یَجِدُوْ نَہٗ مَکْتُوْ بًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات اور آپ کی نبوت کا سچا ہونا توریت اور انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک) اگر توریت وانجیل میں ایسا لکھا ہوا نہ ہوتا تو آپ کا مذکورہ بالا اعلان یہود ونصاریٰ کو آپ سے از حد متنفر کر دیتا اور وہ آپ کی باتوں پر کبھی کان دھرنے کے لیے تیار نہ ہوتے کیونکہ کذب بیانی اور بہتان تراشی تو نفرت کا زبردست پیش خیمہ ہیں اور کوئی بھی عقل وفہم سے بہرہ ور شخص ایسے امور کی جسارت نہیں کرتا جو اس کی شہرت کو داغدار کریں اور لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں تاکہ وہ اس کی بات تک سننا گوارا نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد ومحاسن توریت وانجیل میں لکھے ہوئے تھے اور یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے کے عظیم الشان دلائل سے ہے۔

وصف پنجم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَیَاْمُرُ ھُمْ بِا لْمَعْرُوْ فِ۔ اس کے بارے میں زجاج علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو صفات توریت وانجیل میں لکھی ہوئی ہیں ممکن ہے یہ صفت ان کے علاوہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ معناً ایسا لکھا ہوا ہو کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھے کاموں کا حکم دینے والے ہیں۔

وصف ششم

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ اس سے مراد ہے۔

اَضْدَادُالْاُمُوْرِ الْمَذْکُوْرَةِ وَھِیَ عِبَا دَةُالْاَوْثَا نِ وَالْقَوْلُ فِی صِفَا تِ اللّٰہِ تَعَا لیٰ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَ الْکُفْرُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّیْنَ وَ قَطْعُ الرَّحِمِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ (ص۱۶۰)

"اس سے امور مذکورہ کی ضد مراد ہے یعنی بتوں کی پوجا کرنا، بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی صفات میں گفتگو کرنا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انبیائے کرام پر نازل کیا اس کا انکار کرنا، قطع رحمی کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا"۔

وصف ہفتم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد وہی چیزیں ہیں جن کی حلت کا باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے، لیکن یہ اصلی مفہوم سے بعید ہے بلکہ ضروری ہے کہ طیبات سے مراد وہ پاک اور ستھری چیزیں ہوں جنہیں طبع انسانی پسند کرتی ہے کیونکہ ستھری چیزوں کا کھانا ہی لذت بخش ہوتا ہے۔ پس نفع بخش ہونے کی اصل حلال ہونا ہے، ماسوائے اس کے جس کے خلاف کوئی علیحدہ دلیل ہو۔

وصف ہشتم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ خبائث سے مراد مردار اور خون وغیرہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں ذَالِكُمْ فِسْقٌ تک کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ خبائث سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کے کھانے سے آدمی نفرت کرتا ہے اور طبع انسانی اسے پسند نہیں کرتی اور اس کا کھانا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مضر چیزوں کی اصل حرمت ہے، لہٰذا اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ جن چیزوں کا کھانا طبیعت براجانے ان کی اصل حرمت ہے جبکہ کسی چیز کی حلت کے بارے میں کوئی علیحدہ دلیل نہ ہو۔

وصف نہم

ارشاد ربانی وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ میں اِصْر سے مراد وہ بھاری بوجھ ہے جو اپنی ثقالت کے باعث حرکت کرنے سے روکے۔ یہ اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی جانب ہے جو بہت سخت تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو اَغْلَال فرمایا ہے اس سے مراد شریعت موسوی کے وہ سخت احکام ہیں جو ان کی شریعت میں شامل تھے، جیسے جس جگہ پیشاب لگ جائے اسے کاٹ ڈالنا، توبہ کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا، جسم کے جس حصے سے کوئی گناہ سرزد ہوا سے کاٹ دینا اور گوشت میں عروق تلاش کرنا وغیرہ۔ ان احکام کو اَغْلَال (طوق) ان کی سختی کے باعث کہا گیا ہے کیونکہ حرمت فعل سے منع کرتی ہے جیسے طوق انسان کو فعل سے روکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بالوں سے بنے ہوئے موٹے کپڑے پہنتے اور اپنے ہاتھوں کو گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ نماز میں تواضع کے لیے انہیں ایسا کرنا پڑتا تھا۔ اس تقدیر پر اَغْلَال اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور اس میں کوئی استعارہ نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ضرر رساں چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ

مشروع نہیں ہوتیں، کیونکہ مضر چیز اِصْر ہوگی یا غل اور اس نص قرآنی کا ظاہر عدم مشروعیت کا مقتضی ہے، جیسا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام میں کوئی ضرر یا مضرت نہیں ہے اور فرمایا کہ میں سہل اور نرم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہوں اور یہ شریعت محمدیہ کی اصل کبیر ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذکورہ نو صفات کے ساتھ توصیف فرمائی تو اس کے بعد حکم دیا: فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔ عَزَّرُوْہُ سے مراد آپ کی تعظیم و توقیر کرنا ہے۔ اور نَصَرُوْہُ سے مراد دشمنان دین کے خلاف آپ کی مدد کرنا ہے۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ کا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی کامیاب ہونیوالے ایسے ہی لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں اپنے مطلوب کو پالیں گے۔ مذکورہ بالا آیت کے بعد ارشادِ ربانی ہوا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (اعراف)

”تم فرماؤ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جلائے اور مارے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول، بے پڑھے، غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ“۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (یعنی میں اسے پرہیزگاروں میں لکھ لوں گا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس رحمت کو وہی متقی حاصل کر سکتے ہیں جو اس امی رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اتباع کریں گے تو اس آیت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساری مخلوق کی جانب رسول بن کر آنا واضح طور پر بتا دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا اور اس جملے میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ یہود سے عیسویہ کہتا تھا، جو عیسیٰ اصفہانی کے پیروکاروں پر مشتمل تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے نبی ہیں، لیکن صرف عرب والوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، آپ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں کے ردّ وابطال میں یہ آیت ہمارے لیے محکم دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یَاَیُّهَا النَّاسُ فرمایا ہے، یہ خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ اسکے بعد یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ اس کا واضح مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ نیز دین محمدی میں یہ بطریق تواتر معلوم ہے کہ آپ کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ آپ کو ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ پس آپ کا دعویٰ رسالت صداقت پر مبنی ہوگا یا برعکس۔ پس آپ کو جب سچا رسول مانا جائے گا تو کذب آپ پر ممتنع ہوگا اور ہر دعوے میں آپ کو سچا ماننا لازم آئے گا۔ جب مذکورہ آیت اور تواتر کے طریق سے یہ ثابت ہو چکا کہ آپ تمام مخلوق کی جانب مبعوث ہوئے اور یہی آپ کا دعویٰ بھی تھا، تو اس دعوے میں بھی آپ کو سچا ماننا واجب ہوا اور اس سے عیسویہ کے قول کا بطلان واضح ہو گیا جو کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی اسرائیل کی طرف نہیں بلکہ صرف اہل عرب کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

اگر وہ لوگ کہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا رسول نہیں مانتے، تو اس صورت میں آپ عرب یا غیر عرب کسی کے رسول نہ ہوئے (حالانکہ وہ اہل عرب کا رسول آپ کو مانتے تھے)۔ پس ثابت ہوا کہ ان لوگوں کا آپ کو بعض مخلوق کے لیے رسول ماننا اور دوسروں کے لیے نہ ماننا باطل اور ان کا کلام متناقض ہے۔

دوسرا مسئلہ

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمائے گئے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسرا کوئی نبی بھی ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا تھا یا نہیں؟ واجب ہوا کہ یہ معلوم کرنے کی خاطر دلائل کی طرف رجوع کیا جائے اور تمام دلائل کو دیکھا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسرا کوئی نبی ساری مخلوق کی جانب مبعوث نہیں ہوا اور انہوں نے از روئے دلائل اس بات کو روز روشن کی طرح واضح کر دکھایا ہے، جیسا کہ سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

میں پانچ چیزیں ایسا عطا فرمایا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں:

۱۔ میں سارے انسانوں (ہر گورے اور کالے) کا نبی ہوں۔

۲۔ تمام زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنادی گئی ہے۔

۳۔ میری رعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ میرا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر مجھ سے دور رہتا ہوا بھی لرزاں و ترساں رہتا ہے۔

۴۔ ہم غنیمت کا مال کھا سکتے ہیں جبکہ ہم سے پہلے کسی امت کے لیے غنیمت کا مال کھانا جائز نہیں تھا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ کوئی چیز مجھ سے مانگ لو، وہ مرحمت فرمائی جائے گی۔ میں نے یہ حق اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔

اگر قائل یہ کہے کہ یہ حدیث آپ کے مدعا پر صریح دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ مذکورہ پانچوں امور کا مجموعہ فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو اور یہ پانچوں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوں لیکن آپ کی خصوصیت کے اس مجموعے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کسی کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اسی سلسلے میں وہ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور اس لحاظ سے وہ بھی سارے انسانوں کے نبی ہوئے۔ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو وہ ان لوگوں کے نبی تھے جو اس وقت ان کے ساتھ تھے اور اس وقت تمام انسانوں کا اطلاق صرف ان چند نفوس ہی پر منحصر تھا۔

اس کے بعد فخر الملت والدین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کا بیان فرمایا کہ انبیاء ومرسلین علیہ السلام کی بعثت ایک جائز اور ممکن چیز ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق رسول ہیں، کیونکہ جو مطلوب کو ثابت کرنے کا قصد کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کا جواز ثابت کرے، اس کے بعد حصول، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ سے حکم کی ابتداء فرمائی کیونکہ ذات باری تعالیٰ پر ایمان لانا اصل ہے اور نبوت ورسالت پر ایمان لانا اس کی فرع ہے اور اصل کا اپنی فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ سے کلام کی ابتداء فرمائی، اس کے بعد وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ کا ذکر فرمایا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ كَلِمَاتِهٖ سے اشارہ آپ کے معجزات کی جانب ہے کیونکہ یہ نبوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کی تقریر یوں ہے کہ فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم

وہ معجزات جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں ظاہر ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے یعنی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا تھا، نہ کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا، نہ علماء کی مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ میں کوئی عالم تھا ہی نہیں اور نہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے اتنی مدت غیر حاضر رہے جس میں علوم کثیرہ کی تحصیل ممکن ہو، اس کے باوجود آپ نے علم وتحقیق کے دریا بہائے اور وہ دروازے بھی کھول دیئے جو آج تک مقفل ہی چلے آتے تھے، ساتھ ہی آپ پر قرآن کریم کو ظاہر فرمایا جو اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم کا جامع ہے۔ امّی ہونے کے باوجود آپ سے ایسے علوم کثیرہ عظیمہ کا ظہور ہونا، جبکہ نہ کسی استاذ سے ملے، نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا، ایسے حالات میں یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ کہہ کر آپ کی جانب ہی اشارہ فرمایا ہے۔

دوسری قسم

وہ معجزات جو سرور کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ظاہر ہوئے، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا، ایسے معجزات کو کلمات اللہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی عجیب وغریب طریقے سے ہوئی جو خلاف عادت ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کَلِمَۃُ اللّٰہِ کہا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات جبکہ عجیب وغریب بھی ہیں اور عادت کے خلاف بھی، تو انہیں کلمۃ اللّٰہ کیوں نہ کہا جائے؟ پس اس لحاظ سے یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمَاتِہٖ کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ان معجزات پر بھی ایمان لاتے ہیں جو فخر دو عالم سرور بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذات مقدسہ سے ظاہر ہوئے۔ اس طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے نبی ہونے پر اتمام حجت ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب مضبوط دلائل کے ساتھ، جن کا ہم ذکر کر چکے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے تو ضروری ہوا کہ اس امر کا تذکرہ کیا جائے جس کے ذریعے تفصیل شریعت مطہرہ کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اس کا معلوم کرنا آپ کے اقوال وافعال سے واقفیت ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اسی کی جانب اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں لفظ وَاتَّبِعُوْا کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ کے اقوال وافعال کو معلوم کیا جائے۔ قول میں آپ کی پیروی اس طرح ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ امر ونہی اور ترغیب و

تربیت کے طور پر فرمایا ہے اسے بے چوں و چرا تسلیم کرلیا جائے اور فعل میں آپ کی پیروی اس طرح کی جائے گی کہ جو کام آپ نے جس طرح کیا ہم بھی اسی طرح کریں اور جس کام سے آپ نے اجتناب فرمایا ہو ہم بھی اس سے دور رہیں۔ معلوم ہوا کہ وَاتَّبِعُوْا کا حکم ان دونوں قسموں کو شامل ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ امر وجوب کو چاہتا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وَاتَّبِعُوْا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر امر و نہی میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہم پر واجب ہے اور ہر فعل میں آپ کی اقتدا ضروری ہے ماسوائے ان افعال کے جن کے بارے میں دلیل سے یہ معلوم ہے کہ وہ آپ کی خصوصیت سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ان کے ساتھ خاص ہونا تفصیلی دلائل سے ثابت ہے۔

اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت کریمہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (توبہ:33)

”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ پڑے برا مانیں مشرک“۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعدائے دین کا یہ حال بیان فرمایا کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو باطل ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں اس بطلان کا انکار کرتا ہوں اور یہ برحق دین مٹ نہیں سکتا بلکہ عروج و کمال تک پہنچے گا اور اس کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس آخری نبی کو ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انبیائے کرام کے کمالات کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک مندرجہ ذیل امور کو نہ سمجھ لیا جائے۔

اول:۔ ہدایت کے ساتھ بھیجنے کا مفہوم کثرت دلائل اور معجزات کثیرہ کے ساتھ بھیجنا ہے۔

دوم:۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین مختلف قسم کے امور پر مشتمل ہے، جن میں ہر ایک کے اندر بہتری، اصلاح و درستی، حکمت سے مطابقت اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے اس برحق دین کو دِيْنِ الْحَقِّ فرمایا ہے۔

سوم:۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو دیگر تمام ادیان پر فوقیت اور غلبہ حاصل ہے، اسی لیے یہ منکرین اسلام کے ہر گروہ پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے

یہی مراد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ایک چیز کا دوسری پر غلبہ کبھی دلائل کے لحاظ سے، کبھی بسبب کثرت اور علو و برتری کے باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے غلبہ کی بشارت دی ہے اور خوشخبری اس چیز کی دی جاتی ہے جو مستقبل میں حاصل ہونے والی ہو۔ اس دین متین کا دلائل و براہین کے ساتھ غلبہ تو ایک مسلّم امر ہے، پس واجب ہے کہ غلبہ کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے لازم آتا ہے کہ اسلام باقی تمام ادیان پر غالب ہو لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ ہندوستان (بھارت)، چین، روم (اٹلی) اور کفار کے دیگر ممالک میں اسلام باقی دینوں پر غالب نہیں ہے۔ (یہاں سائل نے اسلام کے غلبہ سے مدعیان اسلام کا غلبہ مراد لیا ہے) اس کے مختلف جواب ہیں:

پہلا جواب:۔ اسلام کے خلاف کوئی دین ایسا نہیں جس پر مسلمان غالب نہ آئے ہوں اور بعض ممالک پر مسلّط و قابض بھی رہے ہیں، اگرچہ تمام ممالک پر قابض نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہودیوں پر غالب آئے اور انہیں جزیرہ عرب سے باہر مار بھگایا تھا۔ ملک شام میں نصاریٰ پر غالب آئے اور اس کے گرد روم اور دیگر مغربی ممالک پر قابض ہوئے۔ مجوسیوں کے ملک پر قبضہ کیا اور بت پرستوں کے بیشتر علاقوں پر غالب آئے۔ اسی طرح ترکی اور بھارت میں بھی مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ اس طرح بھی باقی ادیان پر اسلام کے غلبہ کی جو اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی تھی وہ واقع ہوگئی۔ چونکہ یہ غیب کی خبر ہے لہٰذا یہ آپ کا معجزہ ہوا۔

دوسرا جواب:۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو باقی ادیان پر غالب رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس وعدے کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگی۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہر شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے وہ مسلمانوں کے باجگزار ہوں گے۔

تیسرا جواب:۔ ہوسکتا ہے اس غلبہ سے جزیرہ عرب میں اسلام کا غلبہ مراد ہو۔ اگر مراد یہی ہے تو ایسا ہو چکا ہے کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ عرب میں کوئی کافر نہیں رہا تھا۔

چوتھا جواب:۔ ہوسکتا ہے کہ دین سے مراد سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہو، یعنی اللہ جل شانہٗ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین کے جملہ احکام پر مطلع کر دے گا اور کوئی چیز آپ

پر مخفی نہ رہے گی تاکہ یہ دین بالکل مکمل ہو جائے۔ اس تقدیر پر لِیُظْهِرَہٗ کی ضمیر کا مرجع فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں گے نہ کہ دین۔

پانچواں جواب:۔ اس آیت سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ دلیل اور بیان سے آپ کے دین کو غلبہ دیا جائے گا، اگرچہ یہ وجہ کمزور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مستقبل کے بارے میں فرمایا ہے اور دلائل و براہین کی قوت اور غلبہ تو اسلام کو شروع ہی سے حاصل ہے۔ ہاں اس کی یہ صورت ممکن ہے کہ شروع میں مسلمانوں کی قلت اور کفار کی کثرت کے باعث بہت سے شبہات وارد کیے جا رہے تھے اور کفار نے تمام لوگوں کو مسلمانوں کے دلائل میں غور و خوض کرنے سے منع کر رکھا تھا لیکن جب اسلام کو قوت اور شوکت حاصل ہو گئی تو کفار عاجز ہو گئے اور ان کے شکوک و شبہات بھی نڈھال ہو کر رہ گئے۔ اس طرح اسلام کو دلائل کے منظر عام پر آنے کے باعث تقویت پہنچی اور غلبہ حاصل ہو گیا۔

ہمارا غم خوار آقا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت کریمہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں کئی مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سورت کی تبلیغ کا حکم دیا تو آپ نے مخلوق خدا تک اسے پہنچانے کی خاطر تکالیف شدیدہ برداشت کیں، جنہیں صرف وہی ہستی برداشت کر سکتی ہے جسے توفیق و کرامت کی خلعت سے نوازا گیا ہو۔ اس سورت کی اللہ تعالیٰ نے ایسے محبت آمیز لفظوں میں ختم کیا جو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تکالیف کی شدت میں تسکین و راحت کا سامان بنے ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ سے فرمایا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے ہیں۔ پس انہیں دنیا میں جو عزت و شرافت حاصل ہے وہ تمہارے لیے بھی سرمایہ افتخار ہے۔ علاوہ بریں وہ تمہارے انتہائی خیر خواہ ہیں کہ تم محنت و مشقت میں پڑ جاؤ تو یہ صورت حال ان پر گراں گزرتی ہے اور وہ دنیا اور آخرت کی ہر ایک بھلائی کو تم لوگوں تک پہنچانے میں بڑے ہی کوشاں رہتے

ہیں۔ گویا وہ تمہارے حق میں ایک مہربان طبیب اور مشفق باپ کی طرح ہیں۔

مہربان طبیب کو کبھی اس طرح بھی علاج کرنا پڑ جاتا ہے جس کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے اور ایک مشفق باپ کو کبھی سختی کے ساتھ بھی ادب سکھانا پڑ جاتا ہے لیکن مستفید ہونے والا اگر اس حقیقت سے باخبر ہو کہ طبیب مہربان اور والد محترم شفیق ہے تو سخت علاج اور سخت آداب کو آسانی سے برداشت کرتا اور ان کی شدت کو لطف و کرم گردانتا ہے۔

پس جب تم نے جان لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو انکی وجہ سے تمہیں جن تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ان کا برضا و رغبت استقبال کرو تا کہ دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ اگر یہ لوگ ان تکالیف کو قبول کرنے سے پس و پیش کریں تو ان سے منہ پھیر لو، ان کی جانب ذرا بھی توجہ نہ فرماؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے تمام امور کو اسی کے حوالے کر دو اور یہ اعلان فرما دو:

حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ (توبہ)

"مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے"۔

یہ اس سورت کے آخری الفاظ ہیں۔ یہ اختتام معنوی لحاظ سے بڑا حسین و جمیل ہے کہ اس کمال منصب کی نشان دہی کرتا ہے جو بارگاہ الٰہی میں اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

دوسرا مسئلہ

جاننا چاہیے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پانچ قسم کے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

پہلا وصف: ۔ اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔

ا۔ یعنی دیکھنے میں وہ بھی تمہاری طرح کے انسان معلوم ہوتے ہیں یا تمہاری طرح کے بشری تقاضے ان کے ساتھ بھی ہیں، جیسا کہ اسی سلسلے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (یونس:2)

"کیا لوگوں کو اس کا اچنبھا ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی"۔

یا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف:110)

''ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔

اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اگر فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنس ملائکہ سے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان کی پیروی کر کے منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

۲۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ میں خطاب اہل عرب سے ہے یعنی وہ تم سے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے وادیوں کے سبب آپ کا سلسلہ پیدائش نہ ملتا ہو۔ وہ فرماتے مضر، ربیعہ اور یمانی ہیں۔ چنانچہ مضر اور ربیعہ عدنانی ہیں اور یمانی قحطانی ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اس میں مِنْ اَنْفُسِهِمْ فرما کر یہ ترغیب دینا مقصود ہے کہ اہل عرب ان کی نصرت واعانت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور گویا ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو دنیاوی حکومت اور رفعت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ تمہارے لیے بھی تو باعث عزت اور سرمایہ افتخار ہے کیونکہ وہ تم میں سے ہیں اور نسب کے لحاظ سے وہ تم سے علیحدہ تو نہیں ہیں۔

۳۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ میں خطاب اہل حرم سے ہے کیونکہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اہل حرم کو اللہ والے کہا کرتے تھے، انہیں خاص سمجھتے اور ان کی خدمت بجالاتے تھے۔ اہل حرم بھی مشکل معاملات میں ان کی دستگیری کیا کرتے تھے۔ یہاں گویا اہل عرب سے کہا جا رہا ہے کہ تم نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری سے پہلے ان کے اسلاف کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گزاری میں پیش پیش رہتے تھے تو ان کی خدمت گزاری سے کیوں پہلو تہی کرتے ہو حالانکہ بزرگی اور شرافت میں وہ اسلاف تو ان کے پاسنگ بھی نہیں تھے۔

۴۔ اس وصف کے تذکرے سے آپ کی پاکدامنی اور طہارت سے لوگوں کو خبردار کرنا مقصود ہے۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے قبیلے سے ہیں۔ تم ان کے صدق وامانت اور عفت وصیانت سے اچھی طرح باخبر ہو۔ علاوہ بریں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تم سے مصائب وآفات کہ دفع کرنے اور ہر بھلائی سے تمہیں ہمکنار کرنے میں ہمہ وقت کوشاں رہے ہیں۔ جس کی یہ حالت اور ایسے اوصاف ہوں، اس کا تم میں سے ہونا، اللہ تعالیٰ کا تم پر کتنا بڑا انعام ہے۔

اس کی ایک قرأت میں مِنْ اَنْفَسِكُمْ یعنی فائے مفتوحہ کے ساتھ بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ تم میں سب سے بزرگ اور افضل ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت ہے۔

دوسرا وصف:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ جاننا چاہیے عَزِيْزٌ سے سخت غالب مراد

ہے اور عزت سے زیادہ سخت غلبہ اور کس چیز کا ہو سکتا ہے! عنت مصائب میں اس طرح گھرے ہوئے انسان کو کہتے ہیں جو بے بس ہو چکا ہو۔ امام فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَا عَنِتُّمْ میں لفظ ما یہاں رفع کی جگہ ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ تمھارا مشکلات میں گرفتار رہنا ان پر گراں گزرتا ہے اور تمہیں نقصان پہنچانے والے امور سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے اور وہ انہیں دور کرنے کی پوری کوشش فرماتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی تکلیف وہ چیز اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور وہ اسی سے بچانے کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔

تیسرا وصف:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔ حرص کا ذاتیات سے متعلق ہونا ممنوع ہے لیکن یہاں حریص سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں تمہیں بھلائیوں سے ہمکنار کرنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔

چوتھا اور پانچواں وصف:۔ ارشادِ ربّانی ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے اسمائے حسنیٰ سے یہ دو نام فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الحجر کی آیت کریمہ:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (الحجر)

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے درجہ امامت کے مطابق یوں جواہر ریزی فرمائی ہے:

اِنَّ الْخِطَابَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّهٗ تَعَالٰى اَقْسَمَ بِحَيَاتِهٖ وَمَا اَقْسَمَ بِحَيَاةِ اَحَدٍ وَ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (ص۱۶۶)

''یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات مقدسہ کی قسم کھائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی دوسرے کی حیات کی قسم نہیں کھائی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بزرگ ترین ہیں''(1)۔

1۔ وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
(حدائق بخشش)

رحمت دو عالم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الانبیاء کی آیت کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین اور دنیا میں رحمت ہیں۔ دین میں رحمت اس لحاظ سے ہیں کہ جب آپ کی جلوہ گری ہوئی اس وقت لوگ جاہلیت اور گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اہل کتاب بھی دین کے معاملے میں حیران اور سرگرداں تھے کیونکہ انبیائے کرام کے دور کو ایک عرصہ گزر چکا تھا، ان کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور ان کی کتابوں میں تحریف کے باعث بہت زیادہ اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جبکہ ایک حق کے متلاشی کو سعی بسیار کے باوجود بھی راہ ہدایت نہ ملتی تھی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلایا، کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح کا راستہ دکھایا، احکام مشروع فرمائے اور حلال وحرام کی تمیز سکھائی، لیکن اسی رحمت سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جو حق کا متلاشی اور طلب گار رہو اور زمانہ جاہلیّت والوں کی تقلید سے کنارہ کش ہو جائے بغض وعناد اور تکبر کو نزدیک نہ پھٹکنے دے، ایسے حالات میں توفیق اس کا ساتھ دیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ (حم السجدہ)

''ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے''۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں رحمت اس طرح ہیں کہ آپ کی وجہ سے لوگ انتہائی ذلت اور قتل وغارت گری سے نجات پا گئے اور آپ کے دین کی برکات سے انہوں نے مدد حاصل کی۔ اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت کس طرح ہیں جبکہ آپ نے تلوار کے ذریعے دوسری قوموں کو ہلاک کیا اور انکے اموال کو غنیمت قرار دے کر اس کا استعمال میں لانا مباح ٹھہرایا۔ اس کے مختلف جواب ہیں۔

وجہ اوّل: آپ نے تلوار صرف ان شخص کے خلاف اٹھائی جس نے تکبر اور سرکشی کا مظاہرہ کیا یا حق کے ساتھ بغض وعناد رکھنے کا راستہ اختیار کیا، عاقبت کو نظر انداز کر دیا اور حق و باطل میں تمیز نہ کی۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے لیکن نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق:9)

3 ''اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا''۔

حالانکہ یہی پانی جس کے لیے مُبَارَک کا فرمایا ہے بعض اوقات تباہی و بربادی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

وجہ دوم:۔ ہمارے نبی سید محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو جھٹلایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو زمین میں دھنسا دیا، یا ان کی صورتیں مسخ کر دیں (بدل دیں) یا انہیں غرق کر دیا لیکن:

وَاِنَّهٗ تَعَالٰی اَخَّرَ عَذَابَ مَنْ کَذَّبَ رَسُوْلَنَا اِلَی الْمَوْتِ اَوْ اِلَی الْقِیَامَةِ وَقَالَ تَعَالٰی وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ ط(ص١٦٦)

''لیکن ہر اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے موت تک یا قیامت تک عذاب کو مؤخر فرما دیا ہے جس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک محبوب! تم ان میں جلوہ افروز ہو''۔

وجہ سوم:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن اخلاق کے پیکر تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۞ (القلم)

''اور بیشک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرکین کی ہلاکت کے لیے دعا فرمانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا: مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے میں عذاب لانے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی آخر ایک بشر ہوں۔ میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح غصّے میں آ جاتا ہوں، پس میں کسی کے لیے نامناسب الفاظ ادا کر بیٹھوں یا کسی پر لعنت کروں تو اے اللہ! قیامت کے دن ان لفظوں کو اس کے لیے رحمت بنا دینا۔

وجہ چہارم:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے خاص طور پر رحمت ہیں۔ حضرت امام ابوالقاسم انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں اقوال ایک ہی مفہوم کی جانب راجع ہیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لیے ہی رحمت ہیں اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نشانیوں میں غور و فکر کریں، لیکن جو اعراض کریں یا تکبر کے راستے پر گامزن ہو جائیں تو اپنے افعال کے باعث انہیں مبتلائے مشقت ہونا پڑے گا جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے:

وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ (حم السجدہ:44)

''اوران پر اندھاپن ہے''۔

مدارج تبلیغ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ صٓ کی آیت کریمہ:

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾ (صٓ)

''تم فرماؤ! میں اس قرآن پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ والوں میں سے نہیں۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کے لیے اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانو گے''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو مذکورہ مبارک بیان سے پورا فرمایا ہے کہ کیونکہ باری تعالیٰ نے کتنے ہی ایسے طریقے بتائے ہیں جن کا طلب دین کے راستے میں احتیاط کے طور پر مدِ نظر رکھنا واجب ہوتا ہے۔ یہاں اس سورت کے اختتام پر فرمایا ہے کہ اے محبوب! انہیں دعوت غور وفکر بھی دو کہ جس ذات کی طرف میں بلاتا ہوں اس کے ساتھ ہی تم داعی اور دعوت کے حال پر بھی نظر ڈال لو تا کہ حق و باطل میں تمیز کر سکو۔ داعی تمہارے سامنے موجود ہے اور میں اس دعوت کا تم سے کوئی معاوضہ یا مال طلب نہیں کرتا اور یہ ظاہر بات ہے کہ جھوٹا آدمی کبھی مال کی حرص وطلب سے دست بردار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اظہر من الشّمس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے ہمیشہ دور رہے اور کبھی آپ دنیا کی جانب راغب نہیں ہوئے (جیسا کہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں مرقوم ہے) جہاں تک دعوت کی کیفیت کا تعلق ہے تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مفسرین کرام نے لفظ مُتَکَلِّف کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں:

ا۔ ظن غالب اسی مفہوم کی طرف ہے کہ میں تمہیں ایسے دین کی طرف بلاتا ہوں جو اپنے واضح دلائل کے باعث محتاج تعارف نہیں ہے، لہٰذا اس کی صحت ثابت کرنے کی خاطر مجھے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دین تو ایسا دین ہے جس کی صحت پر عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے میں سب سے پہلے تمہیں وجود باری کا اقرار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

۲۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے اور جملہ ایسے امور سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن کریم

یوں کرتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشوریٰ:11)

''اس جیسا کوئی نہیں''۔

اور بھی کتنی ہی آیات اس مفہوم پر صریح دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ اس کے بعد میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ علم وقدرت اور حکمت ورحمت کی صفات سے بالذات متصف ہے۔

۴۔ چوتھے مرحلے میں تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس کی ضد پائی جائے۔

۵۔ پانچویں مرحلے میں تمہیں ان بتوں کی پوجا کرنے سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہ عبادت کے لائق نہیں بلکہ حقیر جمادات ہیں، جن کی عبادت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور نہ ان سے اعراض کرنے میں کسی قسم کا نقصان ہے۔

۶۔ اس کے بعد تمہیں انبیائے کرام وملائکہ عظام کی ارواح طاہرہ مقدسہ کی تعظیم وتوقیر کی دعوت دیتا ہوں۔

۷۔ ازاں بعد تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت یقینی ہے تاکہ:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ ﴿۳۱﴾ (النجم)

''تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے''۔

۸۔ بعد ازیں دنیا سے منہ پھیرنے اور آخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہنے کی دعوت دیتا ہوں۔

یہ آٹھوں اصول ایسے ہیں جو اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دین میں مستحکم اور معتبر ہیں نیز عقل بدیہی اور اوّلین قوتِ فکر یہ ان آٹھوں اصولوں کی صحت پر شاہد ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس شریعت کی طرف میں مخلوقِ خدا کو بلاتا ہوں اس کے بارے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا جا رہا بلکہ طبع مستقیم اور عقل سلیم بھی اس کی صحت وجلالت پر گواہ ہیں اور ان پر واضح ہے کہ باطل اور فساد سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں، اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ (یوسف)

"یہ تو نہیں مگر سارے جہان کو نصیحت"۔

ان مقدمات کی وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آگے وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ فرمایا ہے۔ اس کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے جاہلیت پر اصرار کیا اور اپنے جاہل اسلاف کی تقلید کی اور حق کی دعوت کا انکار کیا تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دعوت سے اعراض کرنے میں تم حق بجانب تھے یا خطا کار۔ اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوف دلانے اور ڈرانے کے بارے میں مذکورہ بالا بیانات کے مطابق اور بہت کچھ لکھا ہے۔

حضور کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے

امام فخر الدین والملت رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الضحیٰ کی مندرجہ ذیل آیات:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ﴿۴﴾ (الضحیٰ)

"تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب آیت مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ نازل ہوئی تو اس کے نزول سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رفیع کا اظہار اور عزت افزائی ہوئی اور اس عزّ و شرف کے پیش نظر آپ کی تعظیم و توقیر پر لوگوں کو ابھارنے کی خاطر فرمایا کہ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى۔ یعنی عزّ و شرف تو انتہائی آپ کو دنیا میں بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں جس طرح آپ کو نوازا جائے گا اور آپ کی رفعت کا اظہار ہوگا، اس کے پیش نظر دنیا سے آپ کے لیے آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ عظمت والی ہے۔ آگے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت کا کلام ماسبق سے دو طرح اتصال ہے، جس سے باخبر رہنا چاہیے، چنانچہ:

پہلا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے تو اس فرق کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی تھی، لیکن اس آیت کریمہ میں اس تفاوت کی مقدار بیان فرما دی اور مذکورہ بہتری کی غایت کو یوں واضح فرمایا کہ میرا محبوب وہاں نوازشات کی جتنی بارش پر راضی ہوگا اتنی برسا کر راضی کرلوں گا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)(1)۔

1۔ مولانا حسن رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَتَرۡضٰی نے ڈالی ہیں باہیں گلے میں ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ہو جائے راضی طبیعت کسی کی

دوسرا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی تو اس سے ان معاندین کا منہ بند ہو گیا جو یہ کہتے تھے کہ آپ کس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں آخرت میں اسی طرح ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا کہ آخرت میں سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا اور اس دار فانی میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ یہاں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مرضیات کو پورا کیا جاسکے، چنانچہ اس لحاظ سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کو اگر ہم راضی کرنے کے وعدے کو آخرت پر محمول کریں تو اسے کبھی منافع پر محمول کرنا ہوگا اور کبھی تعظیم پر۔ منافع کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنت میں ایک ہزار مکان سفید موتیوں کے ہیں۔ ان کی مٹی مشک ہے اور باقی سب کچھ اسی مناسبت سے ہے۔ تعظیم کے بارے میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امت کی شفاعت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم بیکسوں کے آقا و والی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اَرْضٰی وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ۔ (ص ۱۶۸)

''اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا تو میں راضی نہیں ہوں گا''۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس وعدے کو شفاعت پر محمول کرنا کئی وجہ سے متعین ہے، مثلاً:

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان ﷺ کو حکم دیا کہ دنیا میں استغفار کرتے رہیں، چنانچہ فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد:19)

''اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو استغفار کا حکم دیا ہے اور استغفار مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں اور جب کوئی کسی چیز کا طلبگار رہتا ہے تو وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کا سوال رد کر دیا جائے اور نہ وہ اس سے خوش ہوگا بلکہ اسے تو خوشی اس وقت ہوگی جب اس کی طلب پوری ہو جائے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس سے رسول اللہ ﷺ راضی ہو سکتے ہیں وہ سوال کا پورا ہونا ہے نہ کہ اس کا رد کیا جانا۔ پس:

دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰی اَنَّهٗ تَعَالٰی يُعْطِيْهِ كُلَّ مَا يَرْتَضِيْهِ عَلِمْنَا اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ دَالَّةٌ عَلَی الشَّفَاعَةِ فِیْ حَقِّ الْمُذْنِبِيْنَ۔ (ص ۱۶۸)

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا فرمائے گا

جس سے آپ راضی ہوں گے۔ (اس سے) ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ آیت گنہگاروں کی شفاعت پر دلالت کرتی ہے"۔

دوم:۔ اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ اس مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے گویا:

اِنَّهٗ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَا اُوَدِّعُکَ وَلَا اُبْغِضُکَ بَلْ لَّا اَغْضِبُ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِکَ وَ اَتْبَاعِکَ وَ اَشْیَاعِکَ طَلَباً لِمَرْضَاتِکَ وَتَطْیِیْباً لِقَلْبِکَ فَھٰذَا التَّفْسِیْرُ اَوْفَقُ لِمُقَدِّمَةِ الْاٰیَةِ۔ (ص ۱۶۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! نہ تمہیں چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا بلکہ تمہارے کسی صحابی سے بھی ناراض نہیں اور نہ تمہارے کسی پیروکار اور ساتھ دینے والے ہی سے ناراض ہے، جو تمہاری رضا کا طلبگار رہے اور تمہارے دل کو راحت پہنچاتا ہے۔ یہ تفسیر اس آیت کے مقدمے سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے"۔

سوم:۔ شفاعت کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی چاہتے ہیں کہ گنہگاروں کی معافی ہو جائے اور یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ:

اِنَّهٗ تَعَالٰی یَفْعَلُ کُلَّ مَا یَرْضَاهُ الرَّسُوْلُ فَتَحَصَّلَ مِنْ مَجْمُوْعِ الْاٰیَةِ الْخَبَرِ حُصُوْلُ الشَّفَاعَةِ۔ (ص ۱۶۸)

"اللہ تعالیٰ بیشک وہی کچھ کرے گا جو اس کا رسول چاہے گا۔ پس اس آیت اور حدیث کو جمع کرنے سے شفاعت کا حصول ثابت ہوتا ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرے جدّ امجد (سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا اس میں ہے کہ ایک خدا کو ماننے والا کوئی جہنم میں داخل نہ ہو۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے مفہوم و معانی میں دسترس رکھنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سب سے پر امید یہ آیت کریمہ ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (زمر)

"اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو"۔

اور اہل بیت کہتے ہیں کہ سب سے امید افزا مندرجہ ذیل آیت ہے:

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ (الضحیٰ)

''اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''۔

اللہ کی قسم یہ وہ شفاعت ہے جو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کے لیے آپ کے راضی ہونے تک عطا فرمائی ہے(1)۔

مذکورہ تقریر اس صورت میں ہے کہ مذکورہ آیت کو احوال آخرت پر محمول کریں اور اگر اسے احوال دنیا پر محمول کیا جائے تو یہ اشارہ اس جانب ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غزرہ بدر اور فتح مکہ میں فتح وظفر سے نوازا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بنی قریظہ و بنی نضیر پر غلبہ دے کر انہیں جلا وطن کروایا اور آپ کی بڑی چھوٹی افواج کا بلادِ عرب میں پھیل جانا اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مختلف شہروں کو فتح کرنا اور جابر بادشاہوں کی مملکتوں کا ان کے ہاتھوں تباہ ہونا، کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہونا اور مشرق سے مغرب تک ان کا رعب اور اسلام کی ہیبت کا چھا جانا اور اسلام کی دعوت کا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جانا ہے۔ ہماری رائے میں دنیا اور آخرت دونوں ہی کی بھلائی پر اس آیت کو محمول کرنا اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس آیت کریمہ میں یُعْطِیْکُمْ نہیں فرمایا لیکن فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل یہ سعادتیں غلامان مصطفیٰ کو بھی علی قدر مراتب حاصل ہیں اور اس بشارت میں شمولیت اہل ایمان کی مختلف وجوہات ہیں مثلاً:

پہلی وجہ:۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اگرچہ مقصود اصلی ہیں لیکن مومن آپ کے تابع ہیں۔

دوسری وجہ: جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو عزت وفضیلت سے نوازا تو حقیقت میں یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے باعث تھا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت ان پر اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ صحابہ کرام پر انعام واکرام کی بارش ہونے پر اتنی مسرت وشادمانی ہوتی تھی جتنی خود اپنی ذات کو نوازے جانے پر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے تو قیامت میں دیگر انبیائے کرام نفسی نفسی پکاریں گے یعنی اے اللہ! مجھے جزا اور ثواب امت سے پہلے عطا فرما کیونکہ میری اطاعت میری امت کی اطاعت سے پہلے ہے لیکن آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ

1۔ کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ، پرہیز گاری واہ واہ
اشک، شب بھر انتظارِ عفوِ اُمت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ
عرض بیگی ہے شفاعت عفو کی سرکار میں
چھنٹ رہی ہے مجرموں کی فرد ساری واہ واہ
(کلام رضا)

تعالٰی علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں عرض کررہے ہوں گے: امتی۔ یعنی اے اللہ! میری امت کو پہلے بہتر جزا عطا فرما کیونکہ میری مسرت وشادمانی اسی میں ہے کہ اپنی امت کو ثواب میں کامران دیکھوں (1)۔

تیسری وجہ:۔ گویا اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہے کہ جب لوگوں نے ان کے چہرہ انور کو زخمی کردیا (اور دندان مبارک شہید کردیے) اس وقت بھی ان کے لیے یہ دعا کی: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت مرحمت فرما، یہ جانتے نہیں ہیں۔ لیکن خندق کے روز جب انہیں نماز سے روک دیا گیا تو یوں دعا کی: اے اللہ! ان کے پیٹ آگ سے بھر دے۔ یعنی اپنے جسم پر زخم آیا تو اسے برداشت کیا لیکن جب دین کے چہرے پر زخم آیا تو اسے برداشت نہ کیا، کیونکہ نماز دین کا چہرہ ہے۔ یعنی میرے حبیب نے اپنے حق سے میرے حق کو مقدم رکھا۔ اسی لیے میں نے ان کو فضیلت دی اور:

فَقُلْتُ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ سِنِیْنَ اَوْحَبَسَ غَیْرَہٗ عَنِ الصَّلٰوۃِ سِنِیْنَ لَا اُکَفِّرُہٗ وَمَنْ اٰذٰی شَعْرَۃً مِّنْ شَعْرَتِکَ اَوْجُزْ أً مِنْ نَعْلِکَ اُکَفِّرُہٗ۔ (ص ۱۶۹)

''پس میں نے کہہ دیا کہ جو سالہا سال تک نماز نہ پڑھے یا دوسرے کو سالہا سال تک نماز پڑھنے سے روکے رکھے تب بھی اسے کافر شمار نہیں کروں گا لیکن جو میرے حبیب کے ایک بال کو یا ان کے نعلین مبارک کے کسی حصے کو بھی تکلیف دے اسے کافر شمار کروں گا''۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اتنے ہی فوائد ذکر کیے ہیں، تحقیق کا شوق رکھنے والے حضرات ان کی تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں۔

رفعت ذکر مصطفٰی

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ الانشراح کی آیت کریمہ:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ (انشراح)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کردیا''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت اور شہرت کے ذکر میں عام ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے اسم مبارک کو عرش پر لکھا نیز شہادت اور تشہد (نماز، اذان واقامت) میں اپنے ذکر کے ساتھ اپنے حبیب کا ذکر رکھا اور پہلی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا

1۔ اعلحضرت نے فرمایا ہے:۔ غمزدوں کو رضا مژدہ دیجیے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

اور آپ کے ذکر کو شہرہ آفاق کیا اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا، علاوہ بریں خطبوں، اذانوں، صحائف اور کتب میں آپ کا ذکر کرنا اور قرآن کریم میں اپنے ساتھ فخر دو عالم ﷺ کے ذکر کو ملانا مثلاً:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (توبہ:62)

''اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے''۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (النساء)

''اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا''۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (محمد:33)

''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو''

اور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسول اور نبی کے لفظوں سے بلانا جبکہ دوسرے انبیائے کرام کو نام لے کر مخاطب فرمایا تھا مثلاً یا موسیٰ، یا عیسیٰ وغیرہ اور دلوں کو آپ کی طرف مائل کر دیا کہ حسب استطاعت وہ آپ کے ذکر میں مشغول اور تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ (مریم)

''عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا''۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں تمہارے تابعداروں سے دنیا کو بھر دوں گا، جو تمہاری حمد و ثنا کریں گے، تمہاری بارگاہ میں درود پاک کے نذرانے پیش کرتے رہیں گے، تمہاری سنتوں کی حفاظت کریں گے بلکہ کوئی فرض نماز ایسی نہیں ہوگی جس کے ساتھ سنتیں نہ ہوں۔ وہ فرض ادا کرنے میں میرے حکم کی تعمیل کریں گے اور سنتیں ادا کر کے تمہاری بارگاہ کے غلام ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔ میں نے تمہاری اطاعت کو اپنی اطاعت اور تمہاری بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (نساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ (الفتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں''۔

حتیٰ کہ بادشاہان ممالک بھی تمہارے در کی غلامی کو سرمایۂ افتخار سمجھیں گے۔ قاری حضرات

(محدثین) تمہارے منشور کے الفاظ کو محفوظ رکھیں گے، مفسرین تمہارے نسخۂ کیمیا (قرآن مجید) کے مفہوم و معانی بیان کریں گے، واعظ تمہاری نصیحتوں کو دوسروں تک پہنچائیں گے، جتید اساطین علم اور سلاطین تمہارے دربارِ دُربار میں غلامانہ حاضر ہوا کریں گے اور تمہارے درِ رحمت سے دور ہونے کے باوجود بھی سلام عرض کرتے رہیں گے اور تمہارے روضہ اطہر کی مٹی کو اپنے چہروں کی زیب و زینت بنائیں گے اور تمہاری شفاعت پر ہمیشہ بھروسہ کرتے رہیں گے اور تمہارا اعزّ و شرف تا قیامت اسی طرح باقی رہے گا۔

صاحب کوثر

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ (1)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورہ کوثر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں دو مختلف فوائد ہیں:

پہلا فائدہ:۔ یہ سورت پہلی سورتوں کے لیے تتمہ اور بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے۔ پہلی سورتوں کے لیے تتمہ کی طرح اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور آپ کے حالات (فضائل و کمالات) کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ (الضحیٰ)

''تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا''۔

۲۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴

''اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلے سے بہتر ہے''۔

۳۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵

''اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''۔

پھر اس سورت کو ختم کرنے سے پہلے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات سے تین احوال کا ذکر فرمایا جن کا تعلق دنیاوی حالات سے ہے۔ وہ تین احوال یہ ہیں:

1۔ اسی لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے:

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ ۔۔۔ لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

۱۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶

''کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی''۔

۲۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ ۔

''اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

۳۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝۸

''اور تمہیں حاجت مند پایا، پھر غنی کر دیا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ کے اندر تین ایسی عنایات کا ذکر فرمایا، جن کے باعث آپ کو ممتاز فرمایا ہے:

۱۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ (انشراح)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔''

۲۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳

''اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی''۔

۳۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا''۔

اس کے بعد سورہ وَالتِّيْنِ میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزّ وشرف کی تین اقسام بیان فرمائیں:

۱۔ اَوَّلُهَا اَنَّهٗ تَعَالٰى اَقْسَمَ بِبَلَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَقَوْلُهٗ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

''پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم کھائی وہ ارشاد ربانی یہ ہے: اور اس امانت والے شہر کی قسم کھاتا ہوں''۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ امت محمدیہ کی دوزخ سے خلاصی کا مژدہ سنا دیا گیا اور فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے''۔

۳۔ مومنوں کو ثواب اور عنایات سے نوازنے کی بشارت سنا دی، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶

''ان کے لیے بے حد ثواب ہے''۔

اس کے بعد سورہ علق میں فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تین عنایات فرمانے کا ذکر فرمایا:

۱۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے رب کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے لوگوں کو قرآن کریم سناؤ۔

۲۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾

''اب پکارے اپنی مجلس کو، ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں''۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربِ خاص سے نوازا ہے، جس کا یوں ذکر فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ (علق)

''(اس کی نہ سنو) اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ''۔

اور سورۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر فرمایا ہے جو شب قدر کے ذریعے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت افزائی کی گئی ہے۔ اس میں بھی تین طرح فضیلت کا اظہار فرمایا گیا ہے:

۱۔ یہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

۲۔ اس میں فرشتے اور روحوں کا نزول ہوتا ہے۔

۳۔ یہ رات طلوعِ فجر تک سلامتی والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بینہ میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل امتِ محمدیہ کو تین خصوصیات اور کرامتیں مرحمت فرمائی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اَوَّلُهَا اَنَّهٗ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾۔ پہلی خصوصیت یہ کہ وہ ساری مخلوق سے بہتر ہے۔

۲۔ وَثَانِيْهَا اَنَّ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٍ۔ دوسری یہ کہ ان کے رب کے پاس ان کی جزا بہشتیں ہیں۔

۳۔ وَثَالِثُهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اور تیسری خصوصیت یہ کہ اللہ ان سے راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ زِلْزَال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین طرح عزّ و شرف سے نوازا ہے:

۱۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ ''اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی''۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت

کے بارے میں طاعت اور عبودیت کی گواہی دے گی۔

۲۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ ۔ یہ ارشاد الٰہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں پر ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور نیک اعمال کو دیکھ کر انہیں مسرت و شادمانی ہوگی۔

۳۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ ۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے بڑی بھلائی ہے۔ پس یقیناً انہیں اس کا ثواب حاصل ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ العادیات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے غازیوں اور مجاہدوں کو سراہا اور ان کے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔ یہاں ان کے گھوڑوں کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں:

۱۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ ''قسم ان کی جو دوڑتے ہیں، سینے سے آواز نکلتی ہوئی۔''

۲۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ ''پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر۔''

۳۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ ''پھر صبح ہوتے تاراج کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کو سورہ اَلْقَارِعَة میں تین چیزوں کے ساتھ شرف بخشا ہے:

۱۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ ''تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں۔''

۲۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ ''وہ تو من مانے عیش میں ہیں۔''

۳۔ وہ اپنے دشمنوں کو (نَارٌ حَامِيَةٌ) ''بھڑکی ہوئی آگ میں دیکھیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورہ تکاثر میں یہ شرف بخشا کہ جو لوگ آپ کے دین متین اور آپ کی شریعت مطہرہ سے منہ پھیریں گے انہیں تین طرح عذاب (1) دیا جائے گا:

۱۔ وہ جہنم کو دیکھیں گے۔

۲۔ وہ اسے عین الیقین کے ساتھ دیکھیں گے۔

۳۔ ان سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اور فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۃ العصر میں تین شرف عطا فرمائے کو آپ کی امت پر

1۔ دشمن احمد پہ شدّت کیجیے ملحدوں سے کیا مروّت کیجیے
ذکر آیات ولادت کیجیے مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم نبی اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے
وَالضُّحٰی، حُجُرَات، اَلَمْ نَشْرَحْ سے پھر مومنو! اتمام حجت کیجیے
(حدائق بخشش)

یوں انعامات کی بارش ہوگی کہ:

۱۔وہ دولت ایمان سے مالا مال ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

۲۔وہ اعمال صالحہ سے مزین ہوگی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

۳۔وہ مخلوق خدا کو اعمال صالحہ کا راستہ دکھائے گی نیز انصاف اور صبر کی تلقین کرے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ ھمزہ میں سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت عطا فرمائی کہ جو آپ کی بدگوئی کرتا پھرے اور پیٹھ پیچھے ناشائستہ الفاظ استعمال کرے اسے تین طرح عذاب دیا جائے گا:

۱۔دنیا میں اس کا مال کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا (یعنی مال کو نیک کاموں میں خرچ نہیں کرے گا یا اگر ایسی جگہ خرچ بھی کرے تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا) اس لیے یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾ فرمایا ہے۔

۲۔اسے دوزخ کے اس حصہ میں پھینکا جائے گا جسے حُطَمَہ کہتے ہیں۔

۳۔اسے دوزخ میں پھینک کر دروازے بند کر دیے جائیں گے اور اس سے نکلنے کی ہر امید منقطع ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ (1)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورہ فیل میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے دشمنوں کے مکر و فریب کو تین طرح خاک میں ملا کر رکھ دیا:

۱۔وہ مکر و فریب اور طاقت کے ذریعے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے اسے خاک میں ملا دیا گیا۔

۲۔ان پر اڑتے ہوئے ابابیل بھیجے۔

۳۔ان کو ایسے ہلاک کیا کہ کھائی ہوئی گھاس کی طرح کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورہ قریش میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے آباواجداد کی مصلحتوں کے پیش نظر

1۔ وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے
یہ ہے دیں کی تقویت اس کے گھر، یہ ہے مستقیم صراط شر
جو شقی کے دل میں ہے گاؤ خر تو زبان پہ چوہڑہ چمار ہے
وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سربسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر، تیرے دل میں کس سے بخار ہے

ان کی تین طرح رعایت فرمائی:

ا۔قریش کے دل موہ لینے کے لیے انھیں موافقت اور محبت کرنے والے بنایا۔

۲۔انہیں بھوک سے محفوظ رکھنے کے لیے بافراغت روزی دی۔

۳۔انہیں خوف سے امن میں رکھا۔

آپ کو سورہ ماعون میں یہ شرف عطا فرمائے گئے کہ آپ کے دین کی مخالفت کرنے والوں کی تین مذموم صفات (برائیاں) بیان فرمائیں:

ا۔ان کا کم ظرف اور ذلیل ہونا بیان فرمایا کہ

يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

''جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا''۔

۲۔بتایا کہ انہوں نے خالق کی تعظیم کو چھوڑ دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝

''جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں، وہ جو دکھاوا کرتے ہیں''۔

۳۔وہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔اسی لیے فرمایا:

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

''اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سورتوں میں مذکورہ بالا عظیم فضیلتیں عطا فرمائیں اور عزّ وشرف سے نوازا، تو ان تمام نوازشات کے بعد مژدہ سنایا کہ:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ط اَىْ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ هٰذِهِ الْمَنَاقِبَ الْمُتَكَاثِرَةَ الْمَذْكُوْرَةَ فِى السُّوَرِ الْمُتَقَدِّمَةِ الَّتِىْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا اَعْظَمَ مِنْ مُلْكِ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا فَاشْتَغِلْ اَنْتَ لِعِبَادَةِ هٰذَا الرَّبِّ وَ بِاِرْشَادِ عِبَادِهٖ اِلٰى مَا هُوَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ۔ (ص۱۷۱)

''ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمادیا یعنی ہم نے تمہیں یہ کثیر فضائل ومناقب مرحمت فرمادیے ہیں جن کا پہلی سورتوں میں ذکر موجود ہے۔ان میں سے ہر ایک کمال ساری دنیا کی بادشاہی سے بڑھ کر اور اعلیٰ ہے۔پس تمہیں چاہیے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہا کرو اور اس کے بندوں کو ہدایت کرتے رہو۔ان کی بھلائی اور بہتری اسی میں ہے (صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''۔

اپنے رب کی بدنی عبادت بھی کرتے رہو، جس کے لیے حکم دیا گیا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ (پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو) یا مالی عبادت کرتے رہو جس کے لیے وَانْحَرْ فرمایا گیا ہے یا لوگوں کو ایسی باتوں کی طرف ہدایت کرتے رہنا جو انہیں دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے، چنانچہ فرمایا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ پس

فَثَبَتَ اَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ يَعْنِىْ سُوْرَةَ الْكَوْثَرِ كَالتَّتِمَّةِ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ السُّوَرِ وَاِمَّا اَنَّهَا كَالْاَصْلِ لِمَا بَعْدَ هَا فَهُوَ اِنَّهٗ تَعَالٰى يَاْمُرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بِاَنْ يُكَفِّرَ جَمِيْعُ اَهْلُ الدُّنْيَا بِقَوْلِهٖ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْ نَ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْا۔ (ص ۱۷۱)

''پس ثابت ہوا کہ سورہ کوثر پہلی سورتوں کے تتمے اور بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے اور جب یہ بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی طرح ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تمام دنیا داروں (منکرین دین) کو کافر کہا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! ان سے فرما دو کہ اے کافرو! میں ان (بتوں) کی پوجا نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو''۔

یہ یقینی بات ہے کہ لوگوں کے دین و مذہب میں طعن کرنا ان کی جانوں اور مالوں میں طعن کرنے سے زیادہ گراں گزرتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے باطل ادیان کی خاطر جان اور مال خرچ کر دیتے ہیں۔ پس یہ لوگوں کے دین میں طعن کرنا بغض و عداوت کی آگ خوب بھڑکانے اور اس پر تیل چھڑکنے کی طرح تھا، جبکہ دیگر مطاعن سے اس قدر اشتعال پیدا نہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ساری دنیا کے کافروں کو کافر کے لفظ سے مخاطب کرو اور ان کے ادیان کو باطل قرار دو تو اس کا لازمی ردِ عمل یہی تھا کہ پوری طرح وہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور یہ ایسا مرحلہ تھا جس نے ہر غیر مسلم کو آپ سے دور کر دیا اور کوئی آپ کے قریب بھی پھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیجئے کہ وہ فرعون اور اس کے لشکر سے خائف تھے۔ لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے اور ہر دشمن دین و ایمان ہی فرعون ثانی نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شدید خوف کے ازالے کی انتہائی لطیف تدبیر فرمائی کہ یہ چونکا دینے والا اعلان کروانے سے پہلے سورہ کوثر نازل فرما دی کیونکہ ارشادِ

ربانی اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کا مژدہ اس خوف کو زائل کرتا ہے۔ یہ بشارت خوف کو کیسے دور کرتی ہے؟
اس کے مختلف جواب ہیں:

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ

اَیِ الۡخَیۡرَ کَثِیۡرٌ فِی الدُّنۡیَا وَ الدِّیۡنَ فَیَکُوۡنُ ذٰلِکَ وَعۡدًا مِنَ اللّٰہِ اِیَّاہُ بِالنُّصۡرَۃِ وَالۡحِفۡظِ۔(ص ۱۷۲)

''یعنی اس سے دین ودنیا کی خیر کثیر مراد ہین، پس یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے آپ کی نصرت وحفاظت کا وعدہ کرنا ہے''۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مژدہ سنایا تھا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ (انفال:64)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے''۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ (مائدہ:67)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

یا جیسے اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمالیا ہے:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡہُ فَقَدۡ نَصَرَہُ اللّٰہُ (توبہ:40)

''اور تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی''۔

وَمَنۡ کَانَ اللّٰہُ تَعَالٰی ضَامِنًا لِحِفۡظِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَخۡشٰی اَحَدًا ۔(ص ۱۷۲)

''اور جس کی حفاظت کا ضامن اللہ جل شانہٗ ہو جائے وہ کسی سے نہیں ڈرتا''۔

دوم

اِنَّہٗ تَعَالٰی لَمَّا قَالَ اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ وَھٰذَا اللَّفۡظُ یَتَنَاوَلُ خَیۡرَاتَ الدُّنۡیَا وَخَیۡرَاتِ الۡاٰخِرَۃِ وَاَمَّا خَیۡرَاتُ الدُّنۡیَا مَاکَانَتۡ وَاصِلَۃً اِلَیۡہِ حِیۡنَ کَانَ بِمَکَّۃَ وَالۡخُلۡفُ فِیۡ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُحَالٌ فَوَجَبَ فِیۡ حِکۡمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِبۡقَائُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیۡ دَارِالدُّنۡیَا اِلٰی حَیۡثُ یَصِلُ اِلَیۡہِ تِلۡکَ الۡخَیۡرَاتُ فَکَانَ ذٰلِکَ کَالۡبَشَارَۃِ لَہٗ وَالۡوَعۡدِ بِاَنَّہٗ لَا یَقۡتُلُوۡنَہٗ وَلَا یَقۡھَرُوۡنَہٗ وَلَا یَصِلُ اِلَیۡہِ مَکۡرُ ھُمۡ بَلۡ

يَصِيْرُ اَمْرُهٗ كُلَّ يَوْمٍ فِي الْاِزْدِيَادِ وَالْقُوَّةِ۔(ص ۱۷۲)

''جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ ہم نے تمہیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی تو یہ لفظ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی پر محیط ہوگا۔ لیکن جب تک آپ مکہ معظمہ میں جلوہ افروز رہے اس وقت تک دنیوی بھلائیاں آپ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور کلام خدا کے خلاف واقع ہو جانا محال ہے۔ پس واجب ہوا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت تک دنیا میں زندہ رکھے جب تک یہ بھلائیاں آپ تک پہنچ نہ جائیں۔ پس یہ آیت آپ کے لیے گویا بشارت ہے اور اس بات کا وعدہ ہے کہ دشمن نہ آپ کو قتل کر سکیں گے اور نہ آپ پر غالب آسکیں گے اور نہ ان کا کوئی مکروفریب آپ پر کارگر ثابت ہو سکے گا، بلکہ امت محمدیہ میں روز بروز اضافہ ہوگا اور جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی''۔

سوم

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ کافر ہیں اور ان کے ادیان کو باطل ٹھہرایا اور انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو وہ اکٹھے ہوکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پیشکش کی کہ اگر آپ دولت جمع کرنے کی خاطر یہ کام کررہے ہیں تو ہم آپ کے قدموں میں مال ودولت کا اتنا انبار لگادیتے ہیں کہ آپ سب سے بڑے دولت مند ہو جائیں گے۔ اگر آپ کسی عورت سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو جس حسینہ وجمیلہ اور معزز ترین عورت کی آپ کو طلب ہو، اس سے ہم شادی کروادیتے ہیں۔ اگر حکومت قائم کرنا آپ کا مقصود ہے تو ہم آپ کو اپنا حکمران بنالینے کے لیے تیار ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اَیْ لَمَّا اَعْطَاكَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا تَغْتَرَّ بِمَا لَهُمْ وَ مُرَاعَاتِهِمْ۔(ص ۱۷۲)

''بیشک ہم نے تمہیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے نے تمہیں دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی عنایت فرمادی ہے لہٰذا کفار کے مال ودولت یا مراعات کے جھانسے میں نہ آنا''۔

چہارم

ارشاد الٰہی اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطے کے کلام فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَ كَلَّمَ

اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا کے قائم مقام ہے بلکہ یہ عزّ وشرف میں اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مالک جب اپنے غلام کی تربیت اور اس پر احسان کرنے کو اپنی ذمہ داری قرار دے کر بات کرے تو یہ اس کے علاوہ کلام کرنے کی دوسری صورت سے افضل و اعلیٰ صورت ہے بلکہ اس میں قلب کی تقویت اور بزدلی کو زائل کرنے کا فائدہ موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے مخاطب کرنا خوف کو دل سے زائل کرنے اور بزدلی کو پرے رکھنے کی خاطر تھا۔ اسی لیے سورہ کوثر کو سورہ کافرون سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اس سے فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس محنت شاقہ کے لیے تیار کرنا تھا جو اہل جہاں کی تکفیر کے اقدام اور اُن کے معبودانِ باطل سے اظہار برأت کی صورت میں پیش آنے والی تھی۔ جب اے حبیب! تم نے میرے حکم کی تعمیل کی اور اسے عملی جامہ پہنایا تو ملاحظہ فرماؤ کہ میں نے اپنا وعدہ کس طرح پورا کر دکھایا ہے کہ اہل دنیا سے بکثرت تمہارے تابعدار اور مددگار بنا دیے ہیں، جو اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں۔

جب لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور شریعت کو ظاہر کرنے کے مراحل طے کر لیے گئے تو آپ ان احوال کی جانب متوجہ ہوئے جو قلب و باطن سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ طالب دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف دنیا کا طالب ہے اور دوسرا وہ جو آخرت کا طلبگار ہے۔ دنیا کا طالب خسارے میں رہتا ہے۔ دنیا میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہو کر رہ جاتی ہے اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے اور سورہ لھب کا خلاصہ یہی ہے لیکن:

اَمَّا طَالِبُ الْاٰخِرَةِ فَاَعْظَمُ اَحْوَالِهٖ اَنْ تَصِيْرَ نَفْسُهٗ كَالْمِرْاٰةِ الَّتِيْ يَتَنَقَّشُ فِيْهَا صُوَرُ الْمَوْجُوْدَاتِ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْعُلُوْمِ الْعَقْلِيَّةِ اِنَّ طَرِيْقَ الْخَلْقِ فِيْ مَعْرِفَةِ الصَّانِعِ عَلٰى وَجْهَيْنِ مِنْهُمْ مَنْ عَرَفَ الصَّانِعَ ثُمَّ تَوَصَّلَ بِمَعْرِفَتِهٖ اِلٰى مَعْرِفَةِ مَخْلُوْقَاتِهٖ وَهٰذَا هُوَ الطَّرِيْقُ الْاَشْرَفُ الْاَعْلٰى وَ مِنْهُمْ مَنْ عَكَسَ وَهُوَ طَرِيْقُ الْجَمْهُوْرِ۔ (ص ۱۷۳)

”جو آخرت کا طالب ہے اس کے احوال میں عظیم تر یہ حالت ہے کہ اس کا دل آئینے کی طرح ہو جاتا ہے جس میں موجودات کی صورتیں منقش ہو جاتی ہیں علوم عقلیہ میں یہ ثابت شدہ بات ہے کہ مخلوق کے لیے صانع کی معرفت کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے خالق کو پہچانا اور اس کی معرفت کے ذریعے مخلوقات کی معرفت تک ان کی رسائی ہوئی۔ یہی وہ طریقہ ہے جو سب میں اشرف و اعلیٰ ہے اور بعض نے اس کے برعکس معرفت

حاصل کی جیسا کہ جمہور کا طریقہ ہے''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اس طریقے سے ختم کیا جو دونوں طریقوں سے اشرف و اعلیٰ ہے، یعنی اپنی صفات اور جلالت شان کا ذکر فرمایا اور اس بیان کا نام سورۂ اخلاص ہے۔ اس کے بعد سورۂ فلق میں اپنی مخلوقات کے مراتب کا ذکر فرمایا، پھر مراتب نفس انسانیہ کے ساتھ اس بیان کو ختم کیا اور یہاں پہنچ کر اس کتاب عزیز کے مضامین کو ختم کر دیا۔ یہ جملہ (فائدہ مذکورہ) اس سورت کی مفصل تفسیر کی مزید تفصیلی وضاحت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے عقلوں کو شریعت کے ان اسرار کی معرفت بخشی جو اس نے اپنی اس مقدس کتاب میں ودیعت فرمائے ہیں۔

دوسرا فائدہ:۔ ارشاد ربانی اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ میں کلمہ اِنَّا کبھی جمع کے لیے آتا ہے اور کبھی تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا ہے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت محکم دلائل سے ثابت اور محل کلام نہیں۔ پس اس کا اطلاق جمع پر کرنا کسی طرح ممکن نہیں ماسوائے اس صورت کے جبکہ یہ ارادہ کیا جائے کہ اس عطیہ کی تحصیل میں ملائکہ، جبرئیل، میکائیل اور گزشتہ انبیائے کرام نے کوشش کی ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا تھا، یعنی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

''اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے''۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی تھی:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ وَهُوَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص:44)

''اے اللہ! مجھے امت احمد میں شمار فرما لے۔ اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ: اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا۔ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام)''۔

اور جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف:6)

''اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا نام احمد ہے''۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اِنَّا کو تعظیم پر محمول کریں تو یہ عطیہ کی عظمت پر خبردار کرنا ہے کیونکہ عطا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور جس کو یہ عطیہ مرحمت فرمایا جا رہا ہے اس کی جانب اِنَّا

اَعْطَیْنٰکَ میں خطاب کے کاف سے اشارہ فرمایا گیا ہے اور جو چیز ہبہ فرمائی ہے اس کا نام کوثر ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ:

وَهُوَ مَا يُفِيْدُ الْمُبَالَغَةَ فِي الْكَثْرَةِ فَقَدْ اَشْعَرَ اللَّفْظُ بِعَظَمِ الْوَاهِبِ وَالْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَالْمَوْهُوْبِ فَيَا لَهَا مِنْ نِعْمَةٍ مَا اَعْظَمَهَا وَمَا اَجَلَّهَا وَيَا لَهٗ مِنْ تَشْرِيْفٍ مَا اَعْلَاهُ۔ (ص ۱۷۳)

"اور وہ (لفظ کوثر) کثرت میں مبالغ کا فائدہ دیتا ہے پس اس لفظ سے یقیناً بخشش کرنے والے، بخشش لینے والے اور بخشش کی عظمت کا پتہ لگتا ہے۔ پس یہ نعمت کتنی عظمت والی اور عظیم الشان ہے اور وہ ذات کتنی عزّ وشرف والی ہے جس کو یہ علوِّ خاص مرحمت ہوا"۔

تیسرا فائدہ:۔ ہدیہ خواہ قلیل ہو لیکن عطا فرمانے والے کی عظمت کے باعث وہ عظیم شمار ہوتا ہے۔ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ اپنے بعض نوکر چاکروں کو بطورِ انعام سیب عنایت فرمائے تو اسے بھی بہت بڑا انعام شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ فی نفسہٖ وہ ہدیہ عظیم ہے بلکہ یہ عظمت اسے اس سبب سے حاصل ہوئی کہ عطا فرمانے والا عظیم ہے لیکن یہاں جو ہدیہ کوثر دیا گیا ہے وہ اپنی غایت کثرت کے لحاظ سے خود عظیم ہے لیکن خالقِ کائنات کی طرف سے ہونے کے باعث اس کی عظمت اور کمال میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔

چوتھا فائدہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ ہم نے تمہیں فلاں چیز عطا فرما دی۔ قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اب وہ اسے واپس نہیں کرے گا اور یہ اس لیے ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اجنبی کے لیے جائز ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس کرے لیکن اس عطیہ کے بدلے میں اگر کچھ لے چکا ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل معاوضہ کیوں نہ ہو، اس صورت حال میں عطیے کا واپس لینا جائز نہیں رہتا۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار دینار ہبہ کیے، پھر موہوب لہٗ سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اگرچہ وہ ایک مٹھی بھر چیز ہو، تو واہب کا حقِ رجوع ساقط ہو جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اور اس کے بالمقابل نماز اور قربانی کا مطالبہ کیا تو اس صورت میں حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

پانچواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل (عطیہ) کی بنیاد مبتداء پر رکھی ہے، جس سے تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تم ایسے اسم کا ذکر کرو جس کی خبر دینی ہو تو عقل اس بات کی متلاشی ہو گی کہ کس چیز کی خبر دی جانے والی ہے؟ سننے والا اس خبر کو معلوم کرنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے

اور جب تم اس خبر کو بیان کر دو تو اسے ایسے قبول کر لیا جائے گا جیسے عاشق اپنے معشوق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایسی خبر انتہائی صداقت پر مبنی اور شک وشبہ سے قطعاً بالاتر ہوتی ہے۔ اس سے ارشاد ربانی لَاتَعْمَی الْاَبْصَارُ کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ اگر اَلْاَبْصَارُ لَا تَعْمِیْ کہا جاتا تو اس میں اتنی عظمت نہ ہوتی۔

ہمارے مذکورہ کلام کو یوں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً ایک بہت بڑا بادشاہ ہے۔ وہ کسی چیز کا وعدہ کرتا ہے یا کسی چیز کی ضمانت دیتا ہے کہ میں دوں گا، میں تیری جانب سے کافی ہوں، تیرے معاملات و حالات کی نگرانی میں خود کروں گا اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عظیم ہو، جس میں چشم پوشی کم ہو سکتی ہے کیونکہ اس چیز کا عظیم ہونا ایفائے عہد کے بارے میں شک پیدا کرتا ہے، لیکن اس کی جانب سے اگر کوئی عظیم ہستی ضامن ہو جائے تو ایسا کرنے سے شک زائل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ اسی باب سے ہے کیونکہ کوثر ایک عظیم الشان چیز ہے جس میں کم ہی چشم پوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مبتدا کو مقدم کیا اور وہ لفظ اِنَّا ہے۔ یہ اسناد ایسے شک کو زائل کرتی اور شبہ کو دفع کرتی بلکہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

چھٹا فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو حرف تاکید کے ساتھ صادر فرمایا ہے جو قسم کے قائم مقام ہے۔ سچے کے کلام کا خلاف تو ویسے بھی نہیں ہو سکتا لیکن جب وہ تاکید کے ساتھ ذکر کرے تو اس کا خلاف کب ہو سکتا ہے؟

ساتواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ (ہم نے تمہیں فلاں چیز عطا فرما دی) یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ سَنُعْطِیْکَ (کہ ہم تمہیں فلاں چیز عنقریب عطا فرمائیں گے) لہٰذا لفظ اَعْطَیْنٰکَ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عطا فرمانے کا معاملہ زمانہ ماضی میں ہو چکا۔ اس میں بھی کئی قسم کے فوائد ہیں۔

۱:۔ جس کی زمانہ ماضی میں تائید فرمائی گئی، معزز کیا گیا، رعایت فرمائی گئی اور اس کی ضروریات کو پورا فرمایا گیا ہو، وہ اس شخص سے اعلیٰ واشرف ہوتا ہے جو مستقبل قریب میں نوازا جائے گا۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔

۲:۔ مذکورہ الفاظ میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ نیک بخت یا بد بخت، غنی یا فقیر رکھنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اب نہیں کر رہا بلکہ وہ سارے فیصلے ازل میں کر چکا ہے۔

۳:۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہارے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارے لیے سعادت و نیک بختی کے اسباب مقرر فرما دیے تھے۔ اب تمہارے جلوہ آرائے گیتی ہونے

اور اللہ جل شانہٗ کی عبادت میں مشغول ہو جانے کے بعد کس طرح بے یار و مددگار چھوڑا جا سکتا ہے؟

۴:۔ گویا باری تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کے سبب یہ فضائل و کمالات عطا نہیں فرمائے ہیں ورنہ ضروری ہوتا کہ تمہاری اطاعت شعاری کے بعد یہ فضیلت و شرف مرحمت فرمائی جاتی، بلکہ ہم نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہارا ان فضائل و کمالات کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ اس میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کی طرف اشارہ ہے کہ: جس کو وہ قبول فرمائے تو بغیر کسی سبب اور علت کے قبول فرما لیتا ہے اور جس کو رَد فرمائے تو بغیر کسی علت کے رد فرما دیتا ہے۔

آٹھواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ یہ تو فرماتا ہے کہ: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ۔ اور یہ نہیں فرماتا کہ ہم نے اپنے رسول کو، اپنے نبی کو، اپنے عالم کو یا اپنے مطیع کو فلاں چیز عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا تو سمجھا جاتا کہ یہ عطیہ اسی علت کے سبب مرحمت فرمایا گیا ہے۔ لیکن سب (بغیر کسی علت کا ذکر فرمائے) اَعۡطَیۡنٰکَ ارشاد فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ عطیہ کسی علت اور سبب کے باعث مرحمت نہیں فرمایا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت و مشیت سے مرحمت فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تقسیم ہم نے فرمائی ہے نیز ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ (الحج:75)

''اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے''۔

نواں فائدہ:۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ۔ اس کے بعد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا توفیق و ارشاد کے لیے ہے جو ہماری اطاعت گزاری سے پہلے ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمیں نعمتوں سے نوازنا اس کی صفت ہے اور اس کے لیے اطاعت شعار بندے بن کر رہنا ہماری صفت ہے۔ مخلوق کی صفت خالق کی صفات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جبکہ خالق کی صفت مخلوق کی صفات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے امام واسطی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ: ''میں ایسے رب کی اطاعت نہیں کرتا جس کو میری اطاعت راضی اور معصیت ناراض کر دے''۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی دونوں قدیم ہیں اور میرا اطاعت گزار یا عصیاں شعار ہونا محدث (نو پید) ہے حادث قدیم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کی رضا بندے کو اطاعت پر ابھارتی ہے اور یہ ازل کے بعد کا معاملہ ہے۔ یہی صورتِ حال اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے اور بندوں کے معصیت کار ہونے کی ہے۔

دسواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ یعنی بیشک ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا اور یہ نہیں کہا کہ: اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ یعنی ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا (یعنی ذکر عطا سے پہلے لفظ اِنَّا کا اضافہ کرکے فرمایا گیا ہے) اس طرح بشارت دینے کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ عطا فرمانے میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) عطا فرمانا اس پر واجب ہے۔ (۲) بطور احسان و اکرام عطا فرماتا ہے۔ چونکہ یہاں احسان و اکرام کے طور پر عطا فرمانے کے بارے میں شبہ ہو سکتا تھا، لہٰذا لفظ اِنَّا کا اضافہ کرکے شک و شبہ کا استیصال کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اور کوثر سے مراد کیا ہے؟ تو:

هٰذِهِ الْخَيْرَا تُ الْكَثِيْرَةُ وَ هِيَ الْاِسْلَا مُ وَالْقُرْآنُ وَالنُّبُوَّةُ والذِّكْرُا لْجَمِيْلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَحْضَ التَّفُضُّلِ مِنَّااِلَيْكَ وَلَيْسَ مِنْهُ شَيْئٌ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْوُجُوْبِ وَفِيْهِ بَشَارَةٌ مِّنْ وَجْهَيْنِ۔ اَحَدُهُمَااَنَّ الْكَرِ يْمَ اِذَا شَرَعَ فِيْ الْعَطِيَّةِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّفَضُّلِ فَا لظَّا هِرِ اِنَّهٗ لَا يُبْطِلُهَا بَلْ كَانَ كُلَّ يَوْمٍ يَزِيْدُ فِيْهَا الثَّانِيْ اَنَّ مَا يَكُوْنُ سَبَبُ الْاِسْتِحْقَاقِ فَاِنَّهٗ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَفِعْلُ الْعَبْدِ مُتَنَاهٍ فَيَكُوْنُ الْاِسْتِحْقَاقُ الْحَاصِلُ بِسَبَبِهٖ مُتَنَاهِيًااَمَّا التَّفَضُّلُ فَاِنَّهٗ نَتِيْجَةٌ كَرَمِ اللّٰهِ وَكَرَمُ اللّٰهِ غَيْرَمُتَنَاهٍ فَيَكُوْنُ تَفَضُّلُهٗ اَيْضًاغَيْرَمُتَنَاهٍ فَلَمَّادَلَّ قَوْلُهٗ اَعْطَيْنٰكَ عَلٰى اَنَّهٗ تَفَضُّلٌ لَا اسْتِحْقَاقًااَشْعَرَذٰلِكَ بِالدَّوَامِ وَالتَّزَايِدِ اَبَدًا۔ (ص۱۲۵)

"اس سے مراد بے شمار بھلائیاں ہیں یعنی اسلام، قرآن، نبوت اور دنیا و آخرت میں آپ کا ذکر جمیل۔ یہ عنایات ہماری طرف سے تم پر محض احسان و اکرام کے طور پر ہیں اور ان میں سے کوئی چیز استحقاق یا ہماری ذات پر واجب ہونے کے باعث عطا نہیں فرمائی جا رہی۔ اس میں دو طرح بشارت ہے۔ ایک یہ کہ محسن جب بطور احسان عطا فرمانا شروع کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے باطل نہیں کرتا بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی کرتا رہتا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اگر ان عنایات کا سبب استحقاق ہوتا تو ان عنایات کی مقدار استحقاق کے برابر ہوتی حالانکہ بندوں کے جملہ افعال متناہی ہیں اور ان کے باعث جو استحقاق حاصل ہوتا اس کا متناہی ہونا ضروری ہے لیکن احسان و اکرام کا سبب تو اللہ تعالیٰ کی کرم

نوازی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کرم غیر متناہی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ارشار باری تعالیٰ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ احسان بطور استحقاق نہیں، تو معلوم ہوا کہ اس میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا"۔

اب رہا لفظ کوثر کا معاملہ تو کَوْثَرْ لغت میں فَوْعَلَ کے وزن پر کثرت مادے سے ہے۔ یعنی وَھُوَ الْمُفْرِطُ فِیْ الْکَثْرَۃِ۔ (ص ۱۷۵) یہ افراط در کثرت ہے۔

ایک دیہاتی عورت کا لڑکا جب سفر سے واپس لوٹا تو کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تمہارا لڑکا کیا لے کر آیا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا: آبَ بِکَوْثَرٍ اَیْ بِالْعَدَدِ الْکَثِیْرِ یعنی کوثر لایا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بہت ساری چیزیں لے کر آیا ہے، بہت زیادہ سخاوت کرنے والے شخص کو بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کمیت نے کہا ہے:

وَاَنْتَ کَثِیْرٌ یَاابْنَ مَرْوَانَ طَیِّبٌ
وَکَانَ اَبُوْ کَ اِبْنُ الْعَقَائِلِ کَوْثَرًا (1)

"اے ابن مروان! تم اگر چہ اچھے سخی ہو لیکن تمہارا جدّ اعلیٰ ابن عقائل تو بہت ہی سخی تھا"۔

گرد و غبار جب بڑی کثرت سے آسمان کی جانب چڑھ جائے تو اسے بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ یہ کوثر کے لغوی معانی ہیں لیکن مفسرین کرام نے بوجوہ ان سے اختلاف کیا ہے:

قول اوّل: ۔ سلف و خلف میں یہی مشہور و معروف رہا ہے کہ کوثر نامی جنت میں ایک نہر ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کنارے مجوف موتیوں کے قبوں سے بنائے گئے ہیں۔ میں نے اس کی گزرگاہ پر ہاتھ مارا تو اس میں مشک واذفر جیسی خوشبو پائی۔ جب پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا: یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس میں سبز پرندے ہیں، جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں جیسی تھیں۔ جو اس پرندے کا گوشت کھالے اور کوثر کا پانی پی لے، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی۔ شاید اس نہر کو کوثر اس لیے کہا گیا ہے کہ جنت کی باقی نہروں سے اس میں پانی زیادہ اور بہتر ہے یا اس وجہ سے کہ جنت کی ساری نہریں اسی سے نکلتی ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ جنت کا کوئی باغ ایسا نہیں جس میں کوثر سے نکل کر کوئی نہر نہ پہنچتی ہو۔ یا اس وجہ سے کوثر کہتے ہیں کہ اس پر پانی پینے والے بکثرت ہوں گے۔ یا اس کے پانی میں نفع کثیر ہے، جیسا کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوثر ایک نہر ہے

جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔اس میں خیر کثیر ہے۔

قول دوم :۔کوثر سے مراد حوض ہے اور اس بارے میں احادیث مشہور ہیں۔ پہلے قول اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے(ماسوائے لفظی اختلاف کے) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ نہر اس حوض میں گرتی ہو یا جملہ نہریں اسی حوض سے نکل کر بہتی ہوں اور یہ حوض ان کا منبع ہو۔

قول سوم :۔کوثر سے مراد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس شخص (عاص بن وائل) کے ردّ میں نازل ہوئی تھی ،جس نے آپ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ محمد کی نسل منقطع ہو چکی ہے(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔پس کوثر کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے حبیب کو اتنی اولاد مرحمت فرمائی ہے جو اس وقت تک باقی رہے گی جب تک زمانہ باقی ہے۔ جائے غور ہے کہ کتنے اہل بیت اطہار نے جام شہادت نوش کیا لیکن اس کے باوجود ساری دنیا ان حضرات سے بھری پڑی ہے۔اس کے برعکس بنی اُمیہّ سے کوئی ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں رہا،جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ پھر ان کی طرف دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ ان میں امام باقر ،امام جعفر صادق ،امام موسیٰ کاظم ،امام علی رضا اور نفس زکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کتنے ہی آسمان علم وعرفاں کے شمس وقمر ہو گزرے ہیں۔

قول چہارم

اَلْکَوْثَرُ عُلَمَاءُ اُمَّتِہٖ وَھُوَلَعَمْرِیْ الْخَیْرُالْکَثِیْرُلِاَنَّھُمْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلِ وَھُمْ یُحْیُوْنَ ذِکْرَرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَیَنْشُرُوْنَ اٰثَارَدِیْنِہٖ وَ اَعْلَامَ شَرْعِہٖ وَوَجْہُ التَّشْبِیْہِ اَنَّ الْاَنْبِیَاءِ کَانُوْا مُتَّفِقِیْنَ عَلٰی اُصُوْلِ مَعْرِفَۃِ اللّٰہِ مُخْتَلِفِیْنَ فِیْ الشَّرِیْعَۃِ رَحْمَۃً عَلٰی الْخَلْقِ لِیَصِلَ کُلَّ اَحَدٍاِلٰی مَا ھُمَ صَلَاحُہٗ کَذَا عُلَمَآءُ اُمَّتِہٖ مُتَّفِقُوْنَ بِاَمْرِھِمْ عَلٰی اُصُوْلِ شَرْعِہٖ لٰکِنَّھُمْ مُخْتَلِفُوْنَ فِی فُرُوْعِ الشَّرِیْعَۃِ رَحْمَۃً عَلٰی الْخَلْقِ ثُمَّ الْفَضِیْلَۃُ مِنْ وَجْھَیْنِ۔(ص۱۷۶)

''کوثر سے علمائے امت محمد یہ مراد ہیں۔ خدا کی قسم یہ بہت بڑی خیر ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے انبیائے کرام کی طرح ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو زندہ اور باقی رکھتے ہیں اور دین مصطفوی کے آثار کی نشر و اشاعت کرتے اور شریعت مطہرہ کے اعلام کو بلند رکھتے ہیں۔انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انبیائے کرام معرفت الٰہی کے اصولوں میں متفق اور شرعی احکام میں مختلف تھے۔ یہ

مخلوق پر رحمت ہے تا کہ ہر ایک اپنی صلاحیت کے اطابق حاصل کر لے جیسا کہ علمائے امت محمدیہ اصول شرع کے معاملے میں متفق ہیں لیکن شریعت مطہرہ کے فروعی مسائل میں مختلف ہیں۔ یہ مخلوق پر رحمت ہے اس (اختلاف) میں دو وجہ سے فضیلت ہے''۔

ا:۔ ایک وجہ ان میں سے یہ ہے، جیسا کہ روایت ہے:

اِنَّهُ يُجَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِكُلِّ نَبِيٍّ وَيَتَّبِعُهُ أُمَّتُهُ فَرُبَّمَا يُجَاءُ الرَّسُوْلُ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَيُجَاءَ بِكُلِّ عَالِمٍ مِّنْ عُلَمَاءِ أُمَّتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ الْاُلُوْفُ الْكَثِيْرَةُ فَيَجْتَمِعُوْنَ عِنْدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا يَزِيْدُ عَدَدُ مُتَّبِعِي بَعْضَ الْعُلَمَاءِ عَلٰى عَدَدِ مُتَّبِعِي اَلْفٍ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (ص۱۷٦)

''بیشک بروز قیامت ہر نبی حاضر ہوگا اور پیچھے پیچھے اس کی امت ہوگی۔ بعض رسول ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ ایک دو آدمی ہوں گے۔ لیکن امت محمدیہ کے ہر عالم دین کے ساتھ ہزاروں افراد کا اژدحام ہوگا اور سارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوتے چلے جائیں گے۔ ایسا بھی ہوگا کہ بعض علمائے کرام کے متبعین کی تعداد ایک ہزار انبیائے کرام کے متبعین جتنی ہوگی''۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیائے کرام یقینی امر تک نصوص کا اتباع کرنے کے باعث پہنچ جاتے تھے کیونکہ نصوص وحی سے ماخوذ ہوتے ہیں اور علمائے امت محمدیہ استنباط واجتہاد کی صلاحیت کے باعث صحیح حکم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر بعض کے کہنے کے مطابق بعض علماء مخطی ہوں لیکن جو صحیح حکم تک نہ پہنچ سکے وہ بھی عند اللہ ماجور ہے۔

قول پنجم:۔ کوثر سے مراد نبوت ہے اور بیشک یہ خیر کثیر ہے کیونکہ ربوبیت کے بعد سب سے بڑا مرتبہ نبوت ہے۔ اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

''اور جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اور یہ بنیاد ایمان ہے بلکہ یہ شجر معرفت الٰہی کی شاخ کے مانند ہے، کیونکہ نبوت کی معرفت سے ذات الٰہی کی معرفت ہوتی ہے لہٰذا اس کے علم وقدرت وحکم کا مقدم ہونا ضروری ہے۔ جب نبوت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے باعث باقی صفات یعنی سمع وبصر اور صفات خبریہ وو جدانیہ کی معرفت

بھی بقول بعض حاصل ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان مناقب وفضائل سے وافر حصہ ملا ہے کیونکہ آپ جملہ انبیائے کرام سے پہلے مذکور ہیں اگر چہ سب کے بعد مبعوث ہوئے اور جملہ جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کا حشر جملہ انبیائے کرام سے پہلے ہوگا۔ آپ کی شریعت مطہرہ کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے اور آپ کے فضائل و کمالات حد و شمار سے باہر ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں یہاں بعض باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی کتاب کلمات تھے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقرہ:37)

''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے''۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب بھی کلمات تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (بقرہ:124)

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب صحیفے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾ (اعلیٰ)

''صحیفے ابراہیم اور موسیٰ کے''۔

لیکن فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب باقی جملہ آسمانی کتابوں کی محافظ اور نگران ہے جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (مائدہ:48) ''اور ان پر محافظ و گواہ''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اسما کے ساتھ مقابلہ کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ (بقرہ:31) ''ان کے نام تو بتاؤ''۔

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام کے ذریعے مقابلہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ (بنی اسرائیل:88)

''تم فرماؤ! اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں''۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی کشتی کو پانی پر ٹھہرائے رکھا، تو

سرورکون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بڑا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نہر کے کنارے تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا: اے محمد! اگر آپ سچے ہیں تو وہ پتھر جو نہر کے دوسرے کنارے پر ہے، اسے بلایئے کہ وہ پانی پر تیرتا ہوا آپ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اس پتھر نے مختار دو جہاں سرورکون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ پاتے ہی حرکت شروع کی اور پانی پر تیرتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا اور آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عکرمہ! کیا یہ تیرے لیے کافی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت آپ کی تصدیق کروں گا جب یہ پتھر اسی طرح اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پتھر کو واپس چلے جانے کا حکم فرمایا تو وہ پانی پر تیرتا ہوا اسی طرح اپنی جگہ واپس چلا گیا(1)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے آگ سلامتی والی ٹھنڈی کر دی تھی۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے عظیم معجزہ مرحمت ہوا۔ چنانچہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا سا بچہ تھا تو میرے اوپر کھولتی ہوئی ہانڈی گر گئی۔ میرے تمام جسم کی کھال اتر گئی۔ میری والدہ محترمہ مجھے لے کر فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئیں۔ عرض کی: حضور! یہ حاطب کا بیٹا جل گیا ہے، جیسا کہ سرکار ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلے ہوئے جسم پر اپنا لعاب دہن لگایا، از راہ شفقت اپنا دست مبارک پھیرا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی: اے پروردگار عالم! اس کی تکلیف دور فرما۔ میں اسی وقت بالکل تندرست ہو گیا، گویا میرے ساتھ کوئی واقعہ گزرا ہی نہیں تھا(2)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بزرگی مرحمت فرمائی کہ ان کے لیے زمین پر سمندر میں راستہ بنا دیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارے سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کیا زمین اور آسمان کے معجزے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے پانی جاری ہوا تو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔

1۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

وَكَذَاكَ اَنْزَلْمَشْيَكَ فِي الثَّرٰى   وَالصَّخْرُقَدْ غَا صَتْ بِهٖ قَدَمَاكَ

2۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

وَشَفَيْتَ ذَا لُعَاهَا تٍ مِنْ اَمْرَاضِهٖ   وَمَلَأْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ ان پر بادلوں نے سایہ کیا تو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ ملا تو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم ملا جس کی نورانیت سے مشرق و مغرب بھی جگمگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا تھا، لیکن ابوجہل نے جب سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تو اسے آپ کے دونوں کندھوں پر دو اژدہے نظر آئے اور وہ خوف کے مارے دم دبا کر بھاگ گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں نے تسبیح بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس میں اور آپ کے اصحاب کے مبارک ہاتھوں میں پتھر تسبیح بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب لوہے کو ہاتھ لگاتے تو ان کے لیے نرم ہو جاتا۔ سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مریل بکری پر ہاتھ پھیرا تو دودھ دینے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے گرد پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا فرما کر آپ کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف بخشا کہ وہ مردے زندہ کر دیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت کے ساتھ آپ کی ضیافت کی اور اس میں زہر ملا رکھا تھا۔ جب آپ نے لقمہ دہن مبارک میں رکھا تو لقمے نے آپ کو خبر دی کہ وہ زہر آلود ہے۔ نیز آپ نے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے مرض برص (کوڑھ) میں مبتلا ہونے کا حال عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درخت کی ایک ٹہنی لے کر اس کے جسم پر پھیری تو اللہ تعالیٰ نے اس محترمہ سے برص کے مرض کو بالکل دور کر دیا۔

غزوۂ احد میں ایک شخص کی آنکھ (تیر لگنے سے) نکل گئی۔ وہ اسے اٹھا کر بارگاہ رسالت میں حضر ہو گیا۔ تاجدار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ کو اس کے اصلی مقام پر رکھ دیا تو وہ ایسے درست ہو گئی کہ گویا کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان چیزوں کو بتا دیا کرتے تھے جو لوگوں نے اپنے گھروں میں چھپا کر رکھی ہوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان لیا تھا، جو آپ کے چچا عباس اور چچی ام الفضل نے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اس کے بارے میں خبر دی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ واقعی معاملہ یہی کچھ ہے۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ سورج ڈوبے ہوئے کو واپس لوٹا دیا تھا تو ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی گود میں سر اقدس رکھ کر استراحت فرما رہے تھے اور جس وقت آپ بیدار ہوئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج کو واپس لوٹایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو نماز عصر قضا ہو گئی تھی وہ انہوں نے وقت کے اندر ادا کر لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ کمال مرحمت فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ کوئی صحابی کسی پرندے کے بچے کو اٹھا لائے تھے۔ وہ پرندہ اڑتا ہوا آیا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے گرد اڑتا اور آپ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کرتا رہا۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: اس پرندے کے بچے کو تم میں سے کون اٹھا کر لایا ہے؟ ایک صحابی عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! میں اٹھا کر لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کا بچہ اسے واپس دے دو اور بھیڑیئے کا آپ سے گفتگو کرنا عام مشہور ہے(1)۔

حضرت سلمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیا کرتے تھے تو شب اسرا کے دولھا نے ایک گھڑی میں بیت المقدس تک فاصلہ طے کر لیا تھا۔ سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کا یعفور نامی گدھا ایسا تھا کہ جس شخص کو بلوانا مطلوب ہوتا تو یعفور کو بھیج کر اسے بلوا لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے ایک سرکش اونٹ کی بارگاہ رسالت میں شکایت کی اور بتایا کہ سعی بسیار کے باوجود اس پر قابو نہیں پا سکے ہیں۔ شہنشاہ کونین اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ کی بارگاہ میں عاجزی پیش کرنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی جانب پیغام رساں بنا کر بھیجا۔ جب وہ کسی غار کے قریب پہنچے تو وہاں ایک شیر بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوئے لیکن یہ جانتے ہوئے کہ واپس لوٹنا بھی غیر محفوظ ہے، آگے بڑھے اور فرمایا: اے شیر! میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ یہ سن کر شیر مطیع ہو گیا۔ جس طرح جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں تھے اسی طرح وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی تابع فرمان تھے۔ ایک دفعہ

1۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان معجزات کا ذکر یوں کیا ہے:

وَالذِّئْبُ جَآءَ کَ وَالْغَزَالَۃُ قَدْ اَتَتْ بِکَ تَسْتَجِیْرُ وَتَحْتَمِیْ بِحِمَا کَ

وَکَذَا لُوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَیْکَ وَسَلِّمَتْ وَشَکَا الْبَعِیْرُ اِلَیْکَ حِیْنَ رَاٰ کَ

کوئی اعرابی ایک مری ہوئی گوہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لے آئے۔ گوہ زندہ ہو کر کلام کرنے لگی اور اس نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا برملا اعتراف کیا۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہرنی کی ضمانت دی (جو جال میں گرفتار تھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئی کہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی اعرابی نے آپ کی ضمانت پر ہرنی کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں وہ ہرنی دوڑتی ہوئی حاضر ہوگئی اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمانت سے بری الذمہ کر دیا۔

جب فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منبر تیار ہو گیا اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو اس ستون (استن حنانہ) نے بچوں کی طرح گریہ وزاری شروع کر دی، جس سے ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس کا رونا آپ کے فراق میں تھا(1)۔

غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی ایڑی میں سانپ نے ڈنگ مارا اور عرض گزار ہوا کہ حضور! میں ایک مدت دراز سے حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے اشتیاق میں یہاں گن گن کر ساعتیں گزار تا رہا ہوں مجھے اس شرف سے محروم رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑے سے طعام سے کثیر خلقت کو شکم سیر کر دیا کرتے تھے۔ آپ کے معجزات حد و شمار سے باہر ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین بندوں میں سب سے مقدم فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رکھا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (احزاب:7)

"اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے"۔

1۔ رلا دے جبکہ چوب خشک کو حضرت کی مجبوری
سنی جب اس ستون عاشق بیتاب کی زاری
کوئی ایسا نہ تھا اس بزم میں جس پر نہ تھی رقت
ادھر گرم فغاں تھا وہ ستون صدمے سے فرقت کے
ستوں خاموش ہوتا تھا، نہ یہ رونے سے چپتے تھے
ستوں نے یہ کیے نالے کہ چشم حال سے اس دم
رسول اللہ کی الفت محبو! عین ایمان ہے

کہو پھر عین غیرت سے نہ کیونکہ ہر بشر روئے
رسول اللہ کے اصحاب کیسے، کس قدر روئے
بہت روئے، نپٹ روئے، تمامی بیشتر روئے
ادھر یہ شدت رقت سے با صد چشم تر روئے
وہ آ ہیں مار چلایا، یہ دل کو کھول کر روئے
شجر روئے، حجر روئے، سبھی دیوار و در روئے
فراق مصطفیٰ میں اہل ایماں عمر بھر روئے

(دیوان کافی)

جب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت ایسی ہے تو جائز ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کا نام کوثر رکھے اور فرمائے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔

قول ششم: ۔کوثر سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کے فضائل بے شمار ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان:27)

"اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی"۔

نیز اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝۱۰۹ (الکھف:109)

"اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں"۔

قول ہفتم: ۔کوثر سے مراد اسلام ہے اور خدا کی قسم اسلام میں خیر کثیر ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور اسے چھوڑنا دارین کی بھلائی سے محروم رہنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اسلام معرفت ہی کا نام یا معرفت کی ضروری باتوں کو اسلام کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ (بقرہ:269)

"اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی"۔

جب اسلام خیر کثیر ہے تو ثابت ہوا کہ کوثر یہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کے ساتھ خاص کیوں فرمایا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سب کیلئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ فخر دو عالم ﷺ کے ذریعے ہی اسلام دوسرے تک پہنچا ہے پس آپ کی ذات مقدسہ اسلام کے لئے اصل کی مانند ہے۔

قول ہشتم: ۔کوثر سے مراد پیروکاروں اور ساتھیوں کی کثرت ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے پیروکار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے خلیل یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ قیامت میں میری شفاعت قبول ہو گی۔ وہاں ...ب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوں گا، تو لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ ظاہر ہو گا۔ ہم

انہیں جلدی سے دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی یہی خواہش کرے گا کہ کاش! یہ میری امت ہو۔ وضو کا پانی لگنے کے باعث وہ پنج کلیاں نظر آرہے ہوں گے یعنی ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ میں کہوں گا: رب کعبہ کی قسم یہ تو میری امت ہے۔ اس کے بعد ایسے ہی لوگوں کی ایک جماعت اور ظاہر ہو گی۔ ہم اسے بھی بغور دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی کی یہی خواہش ہوگی کہ یہ اسی کی امت ہو۔ ان کے اعضائے وضو بھی چمکتے ہوں گے اور میں کہوں گا: رب کعبہ کی قسم! یہ تو میری امت ہے۔ وہ بھی بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ پھر ان جیسی تیسری جماعت ظاہر ہوگی۔ ہم انہیں بھی دیکھیں گے۔ ان کے متعلق بھی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی کچھ بتایا جو پہلی دونوں جماعتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: میری امت سے یہ تینوں جماعتیں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور مسلمانوں میں عددی کثرت پیدا کرو تاکہ میں تمہاری کثرت کے باعث تمام امتوں پر فخر کروں (1)۔ خواہ کوئی بچہ حمل کی صورت میں ساقط ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے سبب بھی فخر فرمائیں گے جو سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، تو مسلمانوں کے حد و شمار سے باہر افراد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بہت بڑی نعمت کا ذکر کرنا پسند فرمایا ہوگا اور اسی لیے فرمایا ہے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝

قول نہم: ۔ کوثر سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کثیرہ مراد ہیں۔ کیونکہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ حضرت مفضل بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بہت زیادہ سخی اور صاحب خیر کثیر ہو اسے کوثر کہا جاتا ہے۔ لغت کی کتاب صحاح میں ہے کہ جو سردار بہت زیادہ خوبیوں والا ہو اسے کوثر کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ایسے عظیم فضائل و کمالات سے نوازا ہے تو پسند فرمایا کہ بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمائے، اسی لیے اللہ جل شانہ نے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۔

قول دہم: ۔ کوثر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی رفعت ہے اور اس کی تفصیل آیت کریمہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

1۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے کہ وہ اپنے نبی کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی لعنت کو مسلمانوں پر مسلط کرنے سے باز آئیں۔ غیر مسلموں کی پٹی پڑھانے سے اپنے نبی کی مخالفت پر دن رات کمر بستہ رہنا کیسی مسلمانی اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہ عیاشی کو فروغ دینے کا شیطانی منصوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے بے غیرتی کے کاموں سے بچائے جو محض جگ ہنسائی کا سامان ہیں۔

قول یازدہم: ۔کوثر سے مراد علم ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کوثر کو اس معنی پر محمول کرنا کئی وجہ سے اولیٰ ہے۔وہ وجوہات درج ذیل ہیں:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دعا مانگنے کا حکم دیا، مثلاً فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ) ''اے میرے رب! مجھے زیادہ علم دے''۔

اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کو خیر کثیر بتایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ؕ (البقرہ:269)

''اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی''۔

۲۔کوثر کو یا ہم اخروی نعمتوں پر محمول کریں گے یا دنیاوی پر۔اخروی پر محمول کرنا اس وجہ سے جائز نہیں ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمادیا (یعنی یہ کام زمانہ ماضی میں ہو چکا) اور جنت کی نعمتیں زمانہ مستقبل میں ملیں گی، ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مل چکی ہوں۔پس کوثر کو ان نعمتوں پر ہی محمول کرنا ہوگا جو آپ کو دنیا میں مل چکی ہیں۔لیکن جتنی نعمتیں آپ کو دنیا میں مرحمت فرمائی گئی ہیں، ان میں علم سب سے اعلیٰ واشرف ہے اور نبوت بھی علم میں داخل ہے (کیونکہ نبوت بھی کمالات علمیہ سے ہے) پس اس لفظ (کوثر) کو علم پر محمول کرنا واجب ہوا۔

۳:۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں کوثر مرحمت فرمائی تو اس کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔لیکن جو چیز عبادات سے مقدم ہے وہ معرفت ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں فرمایا ہے:

اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ (النحل)

''یہ ڈر سناؤ کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو مجھ سے ڈرو''۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ (طٰہٰ:14)

''بیشک میں ہی اللہ ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں''۔

دونوں مقامات پر معرفت کا عبادت سے پہلے ذکر کیا ہے۔نیز فَصَلِّ میں فا تعقیب کے لیے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ کوثر کا عطا فرمانا ان عبادات کے موجب کی طرح ہے اور یہ معلوم ہے کہ

عبادات کا موجب صرف علم ہے (لہٰذا کوثر کو علم پر محمول کرنا بھی مناسب ہے)۔

قول دوازدہم: ۔کوثر اخلاق حسنہ کو کہتے ہیں۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاق کا نفع عام ہے، جس کا فائدہ ہر عالم اور جاہل، جانور اور عقلمند سب کو پہنچتا ہے۔جہاں تک علم کے فائدے کا تعلق ہے اس سے عقلاء ہی مستفیض و مستفید ہوتے ہیں لیکن اخلاق حسنہ کا نفع ہر کسی کے لیے عام ہے۔پس لفظ کوثر کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے۔فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفع عام پہنچانے والے تھے اور امت محمدیہ کے حق میں تو گویا والد کی طرح تھے کہ ان کے عقدے حل فرماتے، ان کے مشکل امور میں کفایت کرتے بلکہ خوش خلقی میں یہاں تک پہنچے ہوئے تھے کہ جب آپ کے دندان مبارک شہید کر دیے گئے تو اس وقت بھی آپ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

قول سیزدہم: ۔کوثر سے مراد محمود ہے، جو مقام شفاعت ہے۔دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

اور آخرت کے متعلق سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔(ص۱۷۹)

''میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةً مُّسْتَجَابَةً وَاِنِّیْ خَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔(۱۷۹)

''ہر نبی ایک خاص دعا کی اجازت دیا گیا اور وہ دعا قبول فرمائی گئی۔میں نے قیامت میں اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے اپنی دعا چھپا کر رکھی ہوئی ہے''(1)۔

قول چہاردہم: ۔لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہے، جسے سورہ کوثر کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ چھوٹی سی سورت (بظاہر قلت الفاظ و آیات) ہونے کے باوجود دنیا و آخرت کے ہر قسم کے منافع کی جامع اور کتنے ہی اعجاز پر مشتمل ہے:

1۔اسی لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے:

فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّكًا بِعُرَاكَ　　فَعَسَاكَ تَشْفَعُ فِیْهِ عِنْدَ جِسَابِهٖ

ا۔ جب ہم لفظ کوثر کو پیروکاروں کی کثرت یا اولاد کی کثرت یا نسل کے منقطع نہ ہونے پر محمول کریں تو یہ غیب کی خبر ہے اور جیسی آپ نے خبر دی اسی کے مطابق واقع ہوا، لہٰذا یہ معجزہ ہے۔

۲۔ ارشادِ ربّانی ہوا: اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ اس حکم میں زوالِ فقر و فاقہ کی جانب اشارہ ہے کہ مسلمان مالدار ہونے کے باعث قربانی کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ اور یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے باعث معجزہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا وہ دشمن (عاص بن وائل) جو تم پر عیب چسپاں کر رہا ہے، اسی کی نسل منقطع ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے سبب معجزہ ہے)۔

۴۔ اس سورت کے چھوٹا ہونے کے باوجود بھی مخالفین اس سے معارضہ نہ کر سکے۔ ثابت ہوا کہ قرآن کریم کا یہ کمال ہے کہ وہ اول سے آخر تک سراسر اعجاز ہے، جو اس میں رکھا گیا ہے، اسی لیے تو چھوٹی سورت ہونے کے باوجود معاندین اس سے معارضہ نہ کر سکے، تو سارے قرآن مجید کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہونا اور بھی واضح ہے۔ جب ان وجوہات کے تحت قرآن کا اعجاز ظاہر ہوا تو آپ کی نبوت ثابت ہوگئی۔ نبوت کے ثابت ہونے سے توحید باری تعالیٰ، معرفت صانع حقیقی، دین اسلام اور قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوگیا۔ اور جب یہ چیزیں ثابت ہوگئیں تو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں ثابت ہوگئیں۔ لہٰذا یہ سورت ایک مختصر نکتے کی مانند ہے، جو تمام مقاصد کو ثابت کرنے میں قوی اور کافی ہے۔ پس یہ (بلحاظ الفاظ) دیکھنے میں چھوٹی اور معانی و مطالب کے لحاظ سے بہت بڑی سورت ہے۔ پھر اس میں ایک خاصیت یہ بھی ہے جو دوسری کسی سورت میں نہیں پائی جاتی کہ اس کی تین آیتیں ہیں اور ان میں سے ہر آیت میں بھی معجزہ ہے اور یہ خاصیت تمام سورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ بایں وجوہات یہ احتمال موجود ہے کہ لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہو۔

قول پانزدہم:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ کوثر سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی گئیں، کیونکہ لفظ کوثر کثیر نعمتوں کو شامل ہے لہٰذا اس لفظ کو بعض نعمتوں پر محمول کرنا اور باقی نعمتوں کو نظر انداز کر دینا اولیٰ نہیں ہے۔ پس واجب ہوا کہ اسے کل پر محمول کیا جائے۔

روایت ہے کہ جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قول کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کیا تو بعض حضرات کہنے لگے کہ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی نہر کا نام ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہر جو جنت میں ہے وہ بھی

اسی خیر کثیر کا ایک حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔ کا ظاہر مفہوم اس کا مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر مرحمت فرمایا ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو قریبی مفہوم پر محمول کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت، قرآن، ذکر حکیم اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت سے نوازا ہے۔ علاوہ بریں حوض کوثر اور وہ تمام ثواب جو آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے، اگر اسے بھی کوثر کے مفہوم میں داخل مانا جائے تو جائز ہے کیونکہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ ہو وہ واقع ہونے کی طرح ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تیار فرمائی گئی ہیں لیکن یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں اس سورت کے نزول کے وقت وہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دی گئی تھیں۔ ممکن ہے اس کا جواب دیا جائے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لیے کسی قسم کے سامان کا وعدہ کرتا ہے تو یہ کہنا صحیح تصور کیا جاتا ہے کہ اس نے سامان بچے کو دے دیا ہے، حالانکہ اس حالت میں بچہ تصرف کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہا ارشاد الٰہی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ۔ تو اس میں کئی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ

اللہ تعالیٰ کے حکم فَصَلِّ سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہیں:

۱۔ اس سے مراد نماز کا حکم ہے۔

۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب سے دعا کرو، کیونکہ نماز بھی دعا ہے۔

دوسرا مسئلہ

ارشاد الٰہی: وَانۡحَرۡ سے مراد نَحۡرَ الۡبُدۡنَ یعنی اونٹوں کی قربانی ہے۔ عام مفسرین کرام کا یہی قول ہے۔

تیسرا مسئلہ

جن حضرات نے فَصَلِّ سے نماز مراد لی ہے، ان سے اختلاف کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نماز سے جنس نماز مراد لی ہے کیونکہ مشرکین مکہ خدا کے سوا فرضی معبودوں کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

حکم دیا کہ خدا کے سوا کسی اور کے لیے نماز نہ پڑھو اور غیر اللہ کے لیے قربانی نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے عید کی نماز اور قربانی مراد لی ہے، کیونکہ لوگ قربانی کو نماز پر مقدم رکھتے تھے لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

۳۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھو اور قربانی منیٰ میں کرو (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہی مراد ہے)۔

اس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اور بھی فوائد ذکر کر کے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی تفسیر بیان کی ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے کے فوت ہوجانے پر کافروں نے آپ پر طعن کیا کہ وہ اَبْتَرْ (مقطوع النسل) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے بغیر کسی واسطے کے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا دشمن و شاتم ہی مقطوع النسل ہے۔ دوستی کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ جب ایک دوست یہ سنتا ہے کہ اس کے دوست کو گالی دی جا رہی ہے تو خود اس کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ یہاں بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا ہے۔ قرآن کریم میں اور بھی کتنے ہی مواقع پر اس طرح جواب دینا مذکور ہے مثلاً ایک موقع پر کسی کافر نے اعتراض کیا جو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے:

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ (سبا:8)

"کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتائیں جو تمہیں خبر دے کہ جب تم پرزہ ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے جھوٹ باندھا یا اسے سودا ہے"۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ (سبا)

"بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں"۔

اور جس وقت کافروں نے اس معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ مجنوں (دیوانہ) استعمال کیا تو اللہ جل شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ (القلم)

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں"۔

جس وقت کافروں نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لَسْتَ مُرْسَلًا کہا تو اللہ تعالیٰ

نے جواباً فرمایا۔

يٰسٓ ﴿۱﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ (یٰسین)

''حکمت والے قرآن کی قسم، بیشک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو''۔

جب کافروں نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا:

اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ (الصافات)

''کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے''۔

واللہ رب العزت نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ (الصافات)

''بلکہ وہ تو حق لائے ہیں اور انھوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی ہے''۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تصدیق فرمائی پھر آپ کے دشمنوں کو یوں وعید سنائی:

اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ (الصافات)

''بیشک تمہیں ضرور دکھ کی مار چکھنی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک اعتراض کو یوں بیان کیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ (الطّور)

''یا کہتے ہیں، یہ شاعر ہیں۔ ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا انتظار ہے''۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

''اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ ان کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن''۔ (یٰسین)

اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک باطل قول کی یوں حکایت کی ہے:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (فرقان:4)

''یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا ہے۔ اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے''۔

اللہ جل شانہٗ نے ان کے باطل قول کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ (فرقان:4)

"بیشک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے"۔

جب کافروں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ (فرقان:7)

"اس رسول کو کیا ہوا، کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان معترضین ومعاندین کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ (فرقان:20)

"اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب ایسے ہی تھے کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے"۔

اس میں فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کس درجہ بزرگی کا راز پنہاں ہے۔ اس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتنے ہی فائدے بیان کیے ہیں اور ان کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس سورت کی خصوصیات اور لطائف میں سے ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر کافر نے کوئی نہ کوئی الزام لگایا، چنانچہ کسی نے کہا: ان کا بیٹا کوئی نہیں۔ کسی نے کہا: ان کا کوئی معین ومددگار نہیں۔ اور کوئی کہتا تھا کہ ان کا ذکر دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسے لفظوں سے مدح فرمائی جن میں سارے فضائل وکمالات جمع ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ معلوم ہوا کہ:

لِاَنَّهٗ لَمَّالَمْ يُقَيِّدْ ذٰلِكَ الْكَوْثَرُ بِشَيْئٍ دُوْنَ شَيْئٍ لَاجَرَمَ تَنَاوَلَ جَمِيْعَ خَيْرَاتِ الدُّنْيَاوَالْاٰخِرَةِ۔ (ص ۱۸۱)

"کیونکہ جب لفظ کوثر کو کسی ایک شے کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو ضروری ہوا کہ یہ دنیا اور آخرت کی ہر ایک بھلائی کو شامل ہے"۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ساری عمر اطاعت اور فرمانبرداری میں گزاریں۔ اطاعت یا بدنی ہوگی یا قلبی۔ بدنی اطاعت میں دو عبادتیں سب سے افضل ہیں، کیونکہ جسمانی اطاعت نماز اور مالی طاعت زکوۃ ہے۔ قلبی اطاعت یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے کیونکہ لفظ لِرَبِّكَ اس پر صریح دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی خبردار کردیا کہ قلبی اطاعت کا حصول بدنی طاعت کے بعد ہوتا ہے کیونکہ بدنی طاعت کا ذکر پہلے ہے اور دوسرا لام قلبی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔اس میں اہل اباحت کے مذہب کا فساد بھی ظاہر فرمادیا گیا ہے، جو کہتے ہیں کہ انسان قلبی طاعت کے باعث بدنی عبادتوں سے مستغنی ہوجاتا ہے۔یہ لام اہل اباحت کے مذہب کو باطل قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اخلاص نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے لفظ رب کے ساتھ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رفیع اور اعلیٰ حال سے خبردار کیا ہے جو آپ کو آخرت میں حاصل ہوگا۔گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! میں نے تمہارے دنیا میں موجود ہونے سے پہلے بھی تمہاری تربیت کی ہے تو اب جبکہ تمہارا ہر لمحہ ہماری اطاعت گزاری میں بسر ہورہا ہے، بھلا ایسی حالت میں تمہیں بے یارومددگار کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نعمتوں سے مالا مال رکھنے کا یقین دلایا اور سورۃ کے آخر میں اس بات کا ذمہ لیا کہ آپ کی طرف سے ہر ایک عیب لگانے والے، بدگوئی کرنے والے دشمن اور ان کے باطل اقوال سے اللہ جل شانہٗ، خود نبٹے گا۔اس میں ادھر بھی اشارہ ہے کہ نعمتیں عطا فرمانے میں اللہ تعالیٰ ہی اول ہے اور دنیا و آخرت کی ہر نعمت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والی بھی اسی منعم حقیقی کی ذات ہے۔واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

عارف کبیر حضرت عمر بن فارض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرموداتِ گرامی

قصیدہ تائیۃ الکبریٰ مع شرح

حضرت عمر بن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۶۳۲ھ) اپنے قصیدہ تائیۃ الکبریٰ میں حضرات مرسلین عظام علیہم السلام کے بعض معجزات کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہ جملہ معجزات فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو حاصل تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

بِذَالِکَ عَلَا الطُّوْفَانَ نُوْحٌ وَقَد نَجَا ۔۔۔ بِہٖ مَنْ نَجَامِنْ قَوْمِہٖ فِي السَّفِیْنَۃِ
وَغَاضَ لَہٗ مَافَاضَ عَنْہُ اِسْتِجَادَۃً ۔۔۔ وَجَدَالٰی الْجُوْدِیِّ بِھَافَاسْتَقَرَّتْ
وَسَارُوْا مَتْنَ الرِّیْحِ تَحْتَ بِسَاطِہٖ ۔۔۔ سُلَیْمَانُ بِالْجَیْشَیْنِ فَوْقَ بَسِیْطَۃٍ
وَقَبْلَ اِرْتِدَادِا لِطَّرْفِ اُحْضِرَمِنْ سَبَا ۔۔۔ لَہٗ عَرْ شُ بِلْقِیْسَ بَغَیْرِ مَشَقَّۃٍ
وَاَخْمَدَ اِبْرَاھِیْمُ نَارَعَدُوِّہٖ ۔۔۔ وَعَنْ نُوْرِہٖ عَادَتْ لَہٗ رَوْضُ جَنَّۃٍ
وَلَمَّادَعَا الْاَطْیَارَمِنْ کُلِّ شَا ھِقٍ ۔۔۔ وَقَدْ ذُبِحَتْ جَآءَ تْہُ غَیْرَعَصِیَّۃٍ
وَمِنْ یَدِہٖ مُوْسٰی عَصَاہُ تَلَقَّفَتْ ۔۔۔ مِنَ السِّحْرِاَھْوَالًاعَلَی النَّفْسِ شَقَّتْ
وَمِنْ حَجَرٍ اَجْرٰی عُیُوْ نًا بِضَرْبَۃٍ ۔۔۔ بِھَا دِیْماً سَقَّتْ وَلِلْبَحْرِ شَقَّتْ
وَیُوْسُفُ اِذْ أَلْقَی الْبَشِیْرُ قَمِیْصَہٗ ۔۔۔ عَلٰی وَجْہِ یَعْقُوْبَ اِلَیْہِ بِأَوْبَۃٍ
رَاٰہُ بِعَیْنٍ قَبْلَ مَقْدَمِہٖ بَکٰی ۔۔۔ عَلَیْہِ بِھَا شَوْقاً اِلَیْہِ فَکَفَّتْ
وَفِي الِ اِسْرَائِیْلَ مَآئِدَۃٌمِّنَ ۔۔۔ السَّمَآءِ لِعِیْسٰي اُنْزِلَتْ ثُمَّ مُدَّتْ
وَمِنْ اَکْمَہٍ أَبْرَیٰ وَمِنْ وَضَحٍ عَدَا ۔۔۔ شَفٰی وَاَعَادَ الطِّیْنَ طَیْراً یَنْفُخُہٗ
وَسِرُّ اِنْفِعَالَاتِ الظَّوَاھِرِ بَاطِناً ۔۔۔ عَنِ الْاِذْنِ مَا اُلْقَتُ بِاُذْنِکَ صِیْغَتُ
وَجَاءَ بِاَسْرَارِ الْجَمِیْعِ مُفِیْضُھَا ۔۔۔ عَلَیْنَا لَھُمْ خَتْماً عَلٰی حِیْنِ فَتْرَۃٍ

۱۔ آپ کے سبب نوح علیہ السلام طوفان پر غالب رہے اور کشتی میں جو ان کے ساتھ رہا اسی نے نجات پائی۔

۲۔ اور وہ کثرت سے بہنے والا پانی ان کے لیے خشک ہو گیا وہ کشتی کو جودی پہاڑ کی جانب لے گئے جہاں وہ ٹھہر گئی۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں لشکروں سمیت فضاؤں کی سیر کی اور ان کا بستر ہوا کی پشت پر ہوتا تھا۔

۴۔ان کے حضور بلقیس کا تخت، سبا قبیلے سے بغیر کسی مشقت کے چشم زدن میں حاضر کر دیا گیا۔
۵۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دشمن کی آگ کو بجھا دیا اور آپ کے نور سے وہ ان کے لیے جنت کا باغیچہ بن گئی۔
۶۔جب انہوں نے مذبوح پرندوں کو پہاڑ کی ہر چوٹی سے بلایا تو وہ نافرمانی کیے بغیر حاضر بارگاہ ہو گئے۔
۷۔اور آپ کے ہاتھ سے عصائے موسیٰ نے جادو کے ان سانپوں کو نگل لیا جو جان پر بنا دینے والے تھے۔
۸۔ایک ضرب کے ساتھ پتھر سے پانی کے چشمے بہہ نکلے گویا وہ سیراب کرنے والی بارش تھی اور ان کے لیے سمندر پھٹ گیا۔
۹۔اور بشارت دینے والے نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر پلٹ کر ڈالی۔
۱۰۔انہوں نے آنے سے پہلے اسے دیکھ لیا تھا، شوق ملاقات میں روتے رہے کہ آنکھ رک گئی۔
۱۱۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر آل اسرائیل میں آسمان سے دستر خوان نازل ہوا اور وہ بچھایا گیا۔
۱۲۔پیدائشی نابینائی سے نجات دی اور بڑھنے والے مرض (کوڑھ) سے شفا دی اور مٹی کے پرندے کو پھونک مار کر اڑا دیتے۔
۱۳۔ان ظاہری معجزات کا باطنی بھید آپ (سید المرسلین) ہیں۔جو بھی صورت آپ کے کان میں ڈالی گئی ہو۔
۱۴۔آپ (سارے انبیائے کرام کے) تمام اسرار لے کر تشریف لائے اور اس وقت ہمیں مستفیض فرمایا جبکہ انبیا کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا۔

ان اشعار کے شارح شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ معجزات اور ان کے مثل وہ دوسرے بے شمار جو دیگر انبیائے کرام سے ظاہر ہوئے، وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سارے پائے جاتے ہیں جیسا کہ شیخ عمر بن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے آخری شعر میں فرمایا ہے کہ: وَجَاءَ بِاَسْرَارِ الْجَمِیْعِ مُفِیْضُھَا۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انفعالات کے اسرار لے کر جلوہ آرائے گیتی ہوئے اور وہ انفعالات ہی ان معجزات کے آثار ہیں جو انبیائے کرام کو حاصل تھے۔ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔خاتم ہونے کے سبب آپ نے یہ واضح فرما دیا کہ آپ نے انبیائے کرام کے ان تمام اسرار کو جمع کر لیا ہے

جو آثار کے مبادی اور انفعات ہیں کیونکہ:

جَمِیْعُ الْقُرْآنِ ھُوَصُوْرَۃُ تَفَاصِیْلِ اَحْوَالِہٖ وَاَخْلَاقِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَاقَالَتْ عَا ئِشَۃُ رضی اللہ عنھاحِیْنَ سُئِلَتْ عَنْ خُلْقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْآنَ فَجَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ مَظَاھِرُ تَفَاصِیْلِ اَحْوَالِہٖ وَاَخْلَاقِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَدْبَدَ الِلْخَلْقِ فِی صُوْرَۃِ کُلِّ نَبِیٍّ وَمُرْسَلٍ سِرٌّ مِّنْ اَسْرَارِہٖ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسلّم وَکَانَ اَیْ ذٰلِکَ النَّبِیُّ دَاعِیاًاِلَی اللّٰہِ تَعَالیٰ قَوْ مَہٗ بِذٰلِکَ السِّرِّبِتَبْعِیَّۃِالرَّسُوْلِ عَلَیْہ الصَّلٰوۃ والسَّلا م کَمَاقَالَ اَیْ اِبْنُ فَارِضٍ رضی اللّٰہ عنہ۔(ص ۱۸۳)

’’سارا قرآن کریم ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کمالات کی تفصیلی صورت ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جبکہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا۔ (انہوں نے فرمایا) قرآن آپ کا خلق تھا۔ پس سارے انبیائے کرام آپ کے حالات و کمالات کے تفصیلی مظاہر ہیں۔ علاوہ بریں ہر نبی اور رسول آپ کے اسرار میں سے کسی ایک سر کے ساتھ مخلوق کے لیے جلوہ گر ہوا (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ہر نبی جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے دنیا میں تشریف لایا وہ اسی بھید کے باعث محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں اپنا فرض ادا کرتا رہا، جیسا کہ ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:‘‘

وَمَامِنْھُمْ اِلَّا وَقَدْ کَانَ دَا عِیاً بِہٖ قَوْمَہٗ لِلْحَقِّ عَنْ تَبْعِیَّۃٖ

یعنی کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا ہو مگر وہ آپ کا متبع ہو کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جس طرح باقی انبیائے کرام آپ کے تفصیلی اسرار کے باعث اپنی اپنی قوم کی طرف رسول بن کر آئے تھے اسی طرح فخر دوعالم ﷺ کے بعد آپ کی امت کے علمائے کرام اس بات میں پہلے انبیائے کرام کی طرح ہیں کہ یہ بھی آپ کے اتباع میں مخلوق خدا کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات نے سرور کون ومکان ﷺ کے اسرار واحوال و اخلاق کی تفاصیل سے علیٰ قدر مراتب حصہ پالیا ہے، لیکن انہیں نبی ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے جبکہ باقی انبیائے کرام نبی کریم ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کی زبان میں فرمایا ہے:

وَاَهْلُ تَلَقِّي الرُّوْحِ بِاِسْمِيْ دَعَوْا اِلٰى

سَبِيْلِيْ وَحَجُّوْا الْمُلْحِدِيْنَ بِحُجَّتِيْ

اس کے شارح امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلقی سے مراد پکڑنا اور تلقی الروح سے انبیائے کرام مراد ہیں۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور سبیل سے مراد طریق توحید، اسم سے مراد اسمائے الٰہیہ ہیں جو ایک شے پر غالب ہیں، جس کے ساتھ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو دعوت حق دی اور اس نبی کا اعجاز اسی اسم کا نتیجہ ہوتا ہے، جیسے اسم مُحْیِی ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور اپنی قوم کو اس معجزے کی مثل لانے سے عاجز کر دیا، جو ان کی نبوت وصداقت کی دلیل ہوا اور اس کے باعث منکرین پر غلبہ پایا اور حجت کے ساتھ غالب رہے۔ مُلْحِدْ وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ اور دین مستقیم سے پھرے ہوئے ہوں۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے وحی حاصل کر کے مخلوق خدا کو راہ توحید کی جانب دعوت دی، جن اسمائے الٰہیہ کی خصوصیت انہیں مرحمت فرمائی گئی ہو، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اسم الٰہی خالق، محیی اور مبرئی کے ذریعے قوم کو دعوت دی جیسا کہ یہ ارشاد الٰہی اس بات پر دلالت کرتا ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ (مائدہ:110)

"اور جب تو مٹی سے بناتا ہے"۔

اور میری حجت کے ساتھ منکرین پر غالب آئے اور عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے مطالبہ کیا کہ ان معجزات کی مثل پیش کریں۔ وہ سعی بسیار کے باوجود ان کی مثل لانے پر قادر نہ ہوئے۔ انبیائے کرام نے حجتوں کو صدور کے لحاظ سے اپنی جانب منسوب کیا اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب حکایت کی اس کے بعد امام ابن فارض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرمایا ہے۔

وَكُلُّهُمْ عَنْ سَبْقِ مَعْنَايَ دَائِرٌ

بِدَائِرَتِيْ اَوْ وَارِدٌ مِّنْ شَرِيْعَتِيْ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ كُلُّهُمْ سے دیگر سارے انبیائے کرام اور مَعْنًا سے حقیقت محمدیہ مراد ہے جو تمام انبیائے کرام کی روحوں سے مقدم ہے اور بِدَائِرَتِيْ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی تمام انبیائے کرام

سے مقدم ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یوں بیان کیا ہے:

وَاِنِّی وَاِنْ کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً
فَلِیْ فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُ بُوَّتِیْ

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ: میں (سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ان کا معنوی باپ ہوں۔ اگرچہ ظاہر صورت میں ان کی فرع اور بیٹا ہوں(1)۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ اور آپ کی معنویت وہ روح اضافی ہے جس سے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی روح اور معنویت یہی ہے۔ پس حقیقت محمدیہ ہی حقیقت آدم کی اصل ہے۔ اس کے بعد امام ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

وَنَفْسِیْ عَنْ حَجْرِ التَّحَلِّیْ بِرُشْدِھَا وَتَخَلَّتْ وَفِیْ حَجْرِ التَّجَلِّیْ تَرِ بَتْ
وَفِی الْمَھْدِ حِزْبِی الْاَنْبِیَآءُ وَفِی عَنَا صِرِیْ لَوْحِی الْمَحْفُوْظُ وَالْفَتْحُ سُبُوْرَتِیْ
وَقَبْلَ فِصَا لِیْ دُوْنَ تَکْلِیْفِ ظَاھِرِیْ خَتَمْتُ بِشَرْعِی الْمُوْضِحِیْ کُلَّ شِرْعَۃٍ
فَھُمْ وَالْاُلٰی قَالُوْا بِقَوْلِھِمْ عَلٰی صِرَاطِیْ لَمْ یَعْدُوْا مُوَاطِیْ مِشْیَتِیْ

۱۹۔ میرا نفس ہدایت یافتہ ہونے کے باعث زیب و زینت کی قید سے آزاد ہے اور تجلی کے گھیرے میں متواضع ہے۔

۲۰۔ گہوارے میں بھی میری جماعت انبیائے کرام پر مشتمل تھی اور میرے عناصر میں میری لوح محفوظ اور سورہ فتح ہے۔

۲۱۔ دودھ چھوڑنے اور تکلیف ظاہری سے قبل میں نے اپنی شریعت کے ساتھ ہر شریعت کو ختم کر دیا تھا۔

۲۲۔ پس وہ اور جنہوں نے ان جیسی بات کی (یعنی اولیاء) وہ میری راہ پر ہیں اور میرے قدموں کے نشانات سے آگے نہیں بڑھتے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن انبیائے کرام نے شریعتوں کو واضح طور پر بیان کیا اور جن حضرات نے ان کی نشر و اشاعت کی اور اپنے نبی کی شریعت سے تمسک کیا، ایسے لوگ اولیاء اللہ اور میرے سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ میرے نقوش قدم سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر میں

1۔ اسی لیے امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

ظاہر میں میرے گل حقیقت میں میری اصل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

ایک معین وصف اور اسم خاص کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہوں۔ میں ان کے ذریعے اپنے اوصاف اور اسماء کا مظاہرہ کرتا رہتا ہوں۔ پس حقیقت میں صراط مستقیم پر چلنے والا میں ہوں اور باقی سب میرے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات جو انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں منقسم ہو کر متفرق ہو چکے تھے۔ آپ کی ذات میں علیٰ وجہ الکمال جمع ہوئے، تو وہ تمام حضرات آپکے زیر تصرف آ گئے (کیونکہ ان میں سے ہر ایک آپ کی فرع ہے اور ہر کوئی اسی آسمان کمال کے مہر درخشاں سے منور ہو کر اپنی تابانی دکھا رہا ہے)۔ اسی لیے امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا ہے:

فَيُمْنُ الدُّعَاةِ السَّابِقِيْنَ عَلَيَّ فِيْ يَمِيْنِيْ وَيُسْرَاللَّا حِقِيْنَ بِيُسْرَتِيْ

فَلَا تَحْسَبَنَّ الْاَمْرَعَنِّيْ خَارِجًا فَمَا سَادَ اِلَّادَاخِلٌ فِيْ عُبُوْدَتِيْ

۲۳۔ مجھ سے پہلے اللہ کی طرف بلانے والوں کی برکت میرے دائیں ہاتھ میں ہے اور بعد والوں کی آسانی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔

۲۴۔ حکم کو مجھ سے خارج شمار مت کرو، کیونکہ کوئی اس وقت تک سردار نہیں ہو سکتا جب تک میری تابعداری نہ کرے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دعوت و تکمیل کے کام کو مجھ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے باہر گمان نہ کرنا کیونکہ جب تک کوئی میرا اطاعت گزار اور پیروکار نہیں بن جاتا اس وقت تک کسی قوم کا سردار نہیں ہو سکتا کیونکہ میں قطب وجود، اصل شہود اور ماخذ العہود ہوں، جیسا کہ امام ابن فارض علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَلَوْ لَایَ لَمْ یُوْجَدْ وُجُوْدٌ وَّلَمْ یَکُنْ

شُهُوْدٌ وَّلَمْ تُعْهَدْ عُهُوْدٌ بِذِمَّةٍ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ موجودات کے ہر وجود کی اصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے کیونکہ آپ ساری کائنات کے لیے روح اعظم کی صورت میں ہیں اور آپ ہی رابطہ ایجاد ہیں۔

مکاشفہ والوں کی شہود کی نعمت عظمیٰ آپ ہی کے سبب ملتی ہے، کیونکہ شہود روح کی صفت اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس تمام روحوں کی اصل ہے۔ اسی طرح معاہدوں کی رعایت اور ذمہ داری کا پورا کرنا بھی آپ کے باعث ہے، کیونکہ پہلے آپ کے لیے ہی روز میثاق میں وعدہ لیا گیا تھا، جو بعد میں پورا ہوا۔ پس یہ ہر عہد کرنے والے نے اپنے اس عہد کو پورا کیا جو روز اول اس سے عہد لیا

گیا تھا۔ یہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مستفاد ہے پھر امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجمال کی تفصیل پیش کرنے کی خاطر شرح وبسط سے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرماتے ہیں:

فَلَا حَيَّ اِلَّاعَنْ حَيَاتِيْ حَيَاتُهٗ   وَطَوَّعَ مُرَادِيْ كُلُّ نَفْسٍ مُّرِيْدَةِ
وَلَا قَائِلٌ اِلَّابِلَفْظِيْ مُحَدِّثٌ   وَلَا نَا ظِرٌ اِلَّا بِنَاظِرِ مُقْلَتِيْ
وَلَا مُنْصِتٌ اِلَّا بِسَمْعِيْ سَامِعٌ   وَلَا بَا طِشٌ اِلَّابِاِذْنِيْ وَشِدَّتِيْ
وَلَا نَاطِقٌ غَيْرِيْ وَلَا نَاظِرٌ وَلَا   سَمِيْعٌ سِوَائِيْ مِنْ جَمِيْعِ الْخَلِيْقَةِ

۲۶۔کوئی زندہ نہیں مگر وہ میری حیات سے زندہ ہے اور ہر ایک صاحب ارادہ میرے ہی مقصد کی پیروی کرتا ہے۔

۲۷۔کوئی بولنے والا نہیں مگر وہ میرے لفظوں سے بولتا ہے اور کوئی دیکھنے والا نہیں مگر میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔

۲۸۔ہر خاموشی سے سننے والا میرے ہی کان سے سنتا ہے اور ہر پکڑنے والا میرے ہی حکم سے پکڑتا ہے۔

۲۹۔میرے سوا نہ کوئی بولنے والا ہے اور نہ دیکھنے والا اور نہ ساری مخلوق میں میرے سوا کوئی سننے والا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کا وجود پاک عالم شہادت، عالم غیب، عالم ملکوت اور عالم جبروت سب کو شامل ہے اور آپ کے ظہور کے عموم کو امام موصوف نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَفِيْ عَالَمِ التَّرْكِيْبِ وَفِيْ كُلِّ صُوْرَةٌ   ظَهَرَتْ بِمَعْنٰى عَنْهُ بِالْحُسْنِ زِيْنَتُ
وَفِيْ كُلِّ مَعْنًى لَمْ تُبِنْهُ مَظَاهِرِيْ   تَصَوَّرَتْ لَا فِيْ هَيْئَةِ هَيْكَلِيَّةِ
وَفِيْمَا تَرَاهُ الرُّوْحَ كَشْفَ فِرَاسَةٌ   خَفِيْتُ عَنِ الْمَعْنٰى الْمُعْنِيْ بِدِقَّةِ

۳۰۔عالم ترکیب (عالم شہادت) کے اندر ہر صورت میں اس انداز سے ظہور پذیر ہوئی کہ میرے حسن نے سب کو مزین کر رکھا ہے۔

۳۱۔میں ہر اس معنی میں جلوہ گر اور متصور ہوں جو میرے مظاہر ظاہر کرتے ہیں لیکن جسمانی ہیکل میں نہیں۔

۳۲۔اور روح جنہیں فراست کے کشف سے دیکھتی ہے میں لطیف ہونے کے باعث اس میں معانی کی طرح چھپا ہوا ہوں(1)۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ اشعار کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرما رہے ہیں کہ میں عالم شہادت کے اندر، جو ترکیب اور صورتوں کی دنیا ہے، ہر صورت میں اپنا حسن و جمال دکھا رہا ہوں، جس سے صورتیں مزین ہیں اور عالم غیب جو عالم شہادت کا باطن ہے، اس میں ہر معنی کا مقصود ہوں۔ ظاہری وجود جو میرے مظاہر ہیں وہ مقصود کو ظاہر نہیں کر سکتے، کیونکہ وہاں میں معنوی شکل سے متصور ہوں جسمانی ہیکل میں نہیں۔ اور عالم ملکوت و عالم جبروت جو باطن کا اور غیب کا غیب ہے وہاں فکری صورت سے اپنی لطافت کے باعث اسماء وصفات کی صورت میں چھپا ہوا ہوں، جس کو کشف، فراست اور بداہت کے طور پر روح دیکھتی ہے، جو محتاج فکر و نظر نہیں۔ یعنی میں وہ ذات ہوں جو حس کے لیے صورت حسیہ میں، عقل کے لیے صورت عقلیہ میں اور روح کے لیے روحانی صورت میں موجود ہوں۔ لیکن روحانی صورت میں عقل سے مخفی ہوں جو معانی مطلوبہ کا ادراک کرتی ہے جیسے صورت عقلیہ میں حواس سے پوشیدہ ہوں جو صورتوں کا ادراک کرتے ہیں(2)۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمّد و علیٰ الہٖ و صحبہ اجمعین۔

1۔ان مضامین کو مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے یوں بیان کیا ہے:

زمین وزماں تمہارے لیے، مکین ومکاں تمہارے لیے
چنین وچناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم غلام کرم
وجود وعدم، حدوث وقدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے

اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل
حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لیے

تمہاری چمک تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین وفلک سماک وسمک میں سکہ نشاں تمہارے لیے

وہ کنز نہاں یہ نور فشاں، وہ کن سے عیاں یہ بزم مکاں
یہ ہر تن وجاں، یہ باغ جناں، یہ سارا سماں تمہارے لیے

یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر
یہ تیغ وسپر، یہ تاج وکمر، یہ حکم رواں تمہارے لیے

نہ روح امیں، نہ عرش بریں، نہ لوح مبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لیے

2۔ خدا بھی نہیں ہو جدا بھی نہیں ہو
نرالے ہو انسان مدینے کے والی

(اختر شاہجہانپوری)

امام عزّ الدین بن عبد السلام

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

افضلیتِ مصطفیٰ

امامِ کبیر، سلطان العلماء، مولانا عزّ الدین بن عبدالسلام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۶۰ھ) نے اپنی تصنیفِ لطیف ہدایۃ السول فی تفضیل الرسول میں تسمیہ وتحمید کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں ﷺ پر احسان فرماتے ہوئے اور آپ ﷺ کی قدر ومنزلت اپنی بارگاہ میں دکھاتے ہوئے فرمایا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:55)

''اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی''۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔

اِن آیات میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ دوسروں پر فضیلت دینے سے مدح فرمائی ہے۔ دوسری یہ فضیلت کہ مفاضلت کو بدرجہا زیادہ بتایا اور درجات کو اسم نکرہ کے طور پر استعمال کیا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ ﷺ کو مقام رفیع ومنصبِ عظیم مرحمت فرمایا گیا ہے۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ومولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو بوجوہ افضلیت مرحمت فرمائی ہے:

وجہ نمبر ا:۔ آپ ﷺ سب کے سردار ہیں جیسا کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے: میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سردار وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ صفات اور بلند اخلاق کے ساتھ متصف ہو۔ پس ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں میں افضل ہیں۔ دنیا میں اس طرح کہ آپ ﷺ مذکورہ اخلاق سے موصوف ہیں اور آخرت میں اس طرح کہ وہ جہان اوصاف و

اخلاق کی جزا پر مرکب ہے۔ جب محاسن ومحامد کے لحاظ سے آپ ﷺ کو دنیا میں فضیلت حاصل ہے تو مراتب ودرجات کے لحاظ سے آخرت میں فضیلت حاصل ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی قدر ومنزلت ہے، اُس کو اپنی امت پر ظاہر فرمائیں۔ جب کوئی شخص اپنی تعریف خود کرے تو اس میں فخر وغرور کا عنصر کارفرما ہوتا ہے، بایں وجہ فخرِ دوعالم ﷺ نے اِس کا دفعیہ ضروری سمجھا کہ کوئی دوسروں پر آپ ﷺ کو قیاس کرکے جہالت کی رُو سے اِس وہم وگمان بد میں گرفتار نہ ہو جائے کہ آپ ﷺ نے بھی فخر وغرور کے طور پر فرمایا ہوگا، لہٰذا فرمانِ رسالت ہوا وَلَا فَخْرَ۔

وجہ نمبر ۲:۔ اسی سلسلے میں سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز لوأ الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر وغرور کے طور پر نہیں کہتا۔

وجہ نمبر ۳:۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ یہ خصائص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر جملہ انبیائے کرام سے بلند وبالا ہے۔ یہاں تفضیل کا مطلب خصوصی مناقب ومراتب ہیں۔

وجہ نمبر ۴:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی تھی کہ آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں (اگر ان کا کوئی وجود ہوتو) معاف فرمادی گئی ہیں۔ یہ کہیں منقول نہیں کہ کسی نبی نے اپنے متعلق اس قسم کی خبر دی ہو بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے ایسی کوئی خبر نہیں دی، اسی لیے قیامت میں جب اُن سے شفاعت کرنے کی درخواست کی جائے گی تو ہر ایک اپنی لغزش (وہ افعال جو صورتاً ظاہری طور پر لغزش معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کے اندر لغزش کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا) کو یاد کرکے، جو سرزد ہوئی، نفسی نفسی پکارے گا۔ اگر اُن میں کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اُن کی لغزشیں معاف فرمادی گئی ہیں تو شفاعت کے نام سے جھجکنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جب نبی آخر الزماں ﷺ سے مخلوقِ خدا شفاعت کی درخواست کرے گی تو آپ اَنَا لَهَا فرمائیں گے یعنی شفاعت کے لائق میں ہو (کیونکہ شفیع المذنبین صرف آپ ﷺ ہیں)(1)۔

وجہ نمبر ۵:۔ رسول اللہ ﷺ ہی وہ فردِ واحد ہیں جو سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور

1۔ اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ (امامِ اعظم)
بخشوا ہی دیجئے بدکار اختؔر کے گناہ آپ کو دُشوار اے جانِ جہاں کچھ بھی نہیں (اختر شاہجہانپوری)

آپ ﷺ کی شفاعت پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ اِس میں آپ ﷺ کی جملہ انبیائے کرام سے تخصیص اور افضلیت پائی جاتی ہے۔

وجہ نمبر ٦:۔ شفاعت سے آپ ﷺ کا ایثار ہے کہ اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کی بجائے امت کی شفاعت کرنا پسند فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دعا کرلیں جو قبول فرمالی جائے گی۔ اُن حضرات نے جلدی کی اور دنیا ہی میں اپنی اپنی دعا کرلی اور وہ قبول ہوئیں۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے اپنی دعا کو امت کی شفاعت کرنے کے لیے آخرت پر اٹھا رکھا تھا۔

وجہ نمبر ٧:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ (الحجر)

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھانا حیاتِ مصطفیٰ کی عزت وعظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ قسم کھانے والے کو وہ سب سے عزیز ہیں اور فخرِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے کیونکہ عام اور خاص ہر قسم کی برکتیں اسی سے وابستہ ہیں اور یہ شرف کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے۔

وجہ نمبر ٨:۔ اللہ تعالیٰ نے پکارنے میں نبی کریم ﷺ کو عزت وعظمت بخشی کہ آپ ﷺ کو پیارے ناموں اور اچھے اوصاف والے القاب سے مخاطب کیا مثلاً: يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ، يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ اور یہ خصوصیت کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ باقی ہر نبی کو اُس کے نام سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مثلاً: يَآاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ، يَآ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ، يَآ مُوْسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ، يَآ نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا، يَآ دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ، يَآ يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ وغیرہ

اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ آقا جب اپنے کسی غلام کو اُس کے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کا ذکر کرکے بلائے لیکن دوسرے غلاموں کو اُن کے نام سے پکارے اور کسی وصف یا خلق کا ذکر نہ کرے تو ظاہر ہے جسے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کے ذکر سے بلایا گیا، وہ ان سب سے افضل ہے جنہیں اُن کے ناموں اور اچھے اخلاق واوصاف سے منسوب کرکے پکارا جائے وہ زیادہ قابلِ قدر ومنزلت ہے۔

اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا ہے:۔

لَا تَدۡعُنِیۡ اِلَّا بِیَا عَبۡدَھَا! فَاِنَّهٗ اَشۡرَفُ اَسۡمَائِیۡ

وجہ نمبر ۹:۔ ہر ایک نبی کا معجزہ ختم ہو گیا ہے (یعنی اب اُس کی کوئی نشانی پائی نہیں جاتی) لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ، جو قرآنِ عظیم کی صورت میں ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

وجہ نمبر ۱۰:۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر بھی سلام عرض کرتے تھے۔ ستونِ حنانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں گریہ وزاری کی۔ ایسے امور کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت نہیں ہیں۔

وجہ نمبر ۱۱:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے کتنے ہی معجزے ایسے ہیں جو دوسرے انبیائے کرام کے معجزات سے زیادہ واضح ہیں اور ان میں زیادہ اعجاز پایا جاتا ہے۔ مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کا جاری ہونا۔ یہ پتھر سے پانی بہہ نکلنے کی نسبت عادت کے زیادہ خلاف ہے کیونکہ بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے پانی نکلتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی بہہ نکلنے والا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے چشمے جاری ہونے والے معجزے سے زیادہ فضیلت و عظمت رکھتا ہے۔

وجہ نمبر ۱۲:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مادر زاد اندھوں کو شفا دی جبکہ اُن کی آنکھیں اپنے مقام پر قائم تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی آنکھ کو درست فرما دیا جو باہر نکل کر رخسار پر لٹک رہی تھی۔ اس میں دو طرح اعجاز ہے۔ ایک اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے بعد آنکھ کو اصل جگہ پر لگا دینا۔ دوسرے بینائی کا ختم ہو جانے کے بعد واپس لوٹ آنا۔

وجہ نمبر ۱۳:۔ جن مُردوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندہ فرمایا یعنی کفر سے نکال کر ایمان کی دولت سے مالا مال کیا یہ اُس اعجاز پر فضیلت رکھتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جسمانی مُردوں کو زندہ کیا تھا، کیونکہ جسمانی زندگی اور ایمانی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وجہ نمبر ۱۴:۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک نبی کے لیے اُس کی اُمت کے اعمال، اقوال اور احوال کے مطابق اجر و ثواب لکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت تمام اہل جنت کا نصف ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے یہ بتایا ہے کہ اُمتِ محمدیہ سب سے بہتر امت ہے جو لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہے۔ یہ باقی امم سے اس لیے بہتر ہے کہ معارفِ الٰہیہ اور اچھے احوال، اقوال اور اعمال سے متصف ہے۔ پس کوئی معرفت، کوئی حالت، کوئی عبادت، کوئی قول اور فعل جو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور جس کا راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا اور اُس کی دعوت دی، ایسا نہیں مگر اُس پر عمل کرنے والے کو جتنا ثواب ملتا ہے اُتنا ہی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملتا رہتا ہے کیونکہ فرمانِ رسالت ہے:۔ جو ہدایت کی جانب لوگوں کو بلائے تو اُسے

اِس (تبلیغ وتذکیر) کا ثواب ملے گا اور جتنے اشخاص قیامت تک اُس پر عمل کریں گے اُن کے ثواب کے برابر بھی اُسے ثواب ملتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ کثرتِ ثواب کے لحاظ سے آپ جتنے مرتبے کوئی نبی نہیں پہنچ سکا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مخلوق ساری اللہ تعالیٰ کا عیال (بلحاظِ رحمت) ہے۔ اُسے سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو اُس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائے۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آدھے جنتیوں کو نفع پہنچایا ہے اور دیگر تمام انبیائے کرام نے باقی نصف کو، تو بارگاہِ الٰہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفع کے اعتبار سے ہوگا۔ نیز امتِ محمدیہ میں جتنے بھی عارف ہیں اُن کی معرفت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اجر ملے گا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معارف کی جانب منسوب ہوں گے اور امتِ محمدیہ کے ہر صاحبِ حال کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثواب حاصل ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثواب میں ضم ہوتا رہے گا۔ نیز ہر صاحبِ کلام جو قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اس کے ثواب کے مثل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوگا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغِ رسالت کے کام میں شامل ہوتا رہے گا اور کوئی عمل ایسا نہیں جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے کیا جائے گا، خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، غلام آزاد کرنا، جہاد، بھلائی، نیکی، ذکرِ الٰہی، صبر، عفو اور درگزر کرنا وغیرہ اعمال ہوں، اُن کے ہر عمل کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر ملتا رہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے اعمال کے ساتھ شامل ہوتے رہیں گے۔

کوئی بلند درجہ اور رتبۂ عالی ایسا نہیں جو صرف کسی اور کو حاصل ہو۔ چونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتانے کے باعث حاصل ہوا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اُس کے مثل ملے گا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے میں ضم ہوتا رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دُگنا اِس طرح ہو جاتا ہے کہ اُمت سے جس کسی نے دوسرے کو ہدایت کی یا نیکی کا راستہ بتایا، تو اُس کے مثل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اجر ملے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے ورتبے میں ضم فرمایا جائے گا اور یہ اجر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس صورت میں دُگنا ہو جاتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی امتی راہِ ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے یا کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرتا تو جتنے آدمی اُس پر عمل کریں گے اُن کی مثل بتانے والے کو اجر ملے گا اور ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجر اِس طرح دُگنا ہو جائے گا کہ اُن سارے عمل کرنے والوں اور ہدایت و دلالت کرنے والوں کے برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجر ملے گا کیونکہ سب سے پہلے تو اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلالت فرمائی اور اُس مبلّغ تک وہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے پہنچا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شبِ اسریٰ میں اِسی لیے تو گریہ فرمایا تھا کہ اُن کی اُمت سے نبی

کریم ﷺ کی اُمت زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہو گی۔ اُنہیں رشک آیا تھا، حسد کے طور پر نہیں روئے تھے جیسا کہ بعض جہلاء کو وہم ہے وہ سرورِ کون و مکاں ﷺ جیسا مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اِس بات پر افسوس کیا اور رونے لگے۔

وجہ نمبر ۱۵:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کو خاص اُسی کی قوم کی جانب بھیجا لیکن ہمارے نبیِ محترم، نورِ مجسم، تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہر نبی کو اپنی اُمت کے مطابق تبلیغ کرنے کا ثواب ملے گا لیکن نبی کریم ﷺ کو اُن سب کے مطابق ثواب ملے گا جن کی جانب آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کو تبلیغ کرنے کا ثواب ملے گا اور کبھی اُس کا سبب بننے پر۔ اِسی احسان و انعام کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَلَوْشِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ (فرقان:51)

''ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیجتے''۔

صورتِ احسان یہ ہے کہ اگر ہر گاؤں اور شہر میں ایک ایک نبی بھیج دیا جاتا تو نبی کریم ﷺ کو اپنی تبلیغ کے مطابق اجر اور مرتبہ ملتا کہ جتنا ایک گاؤں کی تبلیغ پر دوسروں کو ملا تھا۔

وجہ نمبر ۱۶:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور اور مقدس وادی میں کلام فرمایا لیکن نبی کریم ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر مقامِ اعلیٰ میں ہمکلامی کا شرف بخشا۔

وجہ نمبر ۱۷:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا والوں میں سب سے آخری اور قیامت میں سب سے پہلے ہیں۔ ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب ہو گا اور سب سے پہلے جنت میں ہم داخل ہوں گے۔

وجہ نمبر ۱۸:۔ نبی کریم ﷺ نے جیسے اپنی سیادت کا مطلق ذکر فرمایا ہے اُسی طرح قیامت کے ساتھ مقید بھی کیا ہے، مثلاً فرمایا: میں قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اور سب سے پہلے میں روضۂ انور سے باہر تشریف لاؤں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہو گی۔

وجہ نمبر ۱۹:۔ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ساری مخلوق میری جانب راغب ہو گی، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

وجہ نمبر ۲۰:۔ آپ ﷺ نے وسیلہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اُس کا حقدار اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ایک کو قرار دے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ پس جو میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اُس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو جائے گی۔

وجہ نمبر ۲۱:۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ فضیلت کسی بھی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۲۲:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنت میں کوثر اور محشر میں حوض مرحمت فرمانے کا وعدہ ہو چکا ہے۔

وجہ نمبر ۲۳:۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ ہم زمانے کے لحاظ سے آخری اور مناقب ومحاسن کی رُو سے سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۴:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے لیے) غنیمت کا مال حلال ٹھہرایا گیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔ اُمتِ محمد یہ کی صفیں صفوفِ ملائکہ کی طرح بنائی جائیں گی۔ ساری زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔ یہ فضائل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بلند وبالا قدر ومنزلت پر دلالت کرتے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۵:۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کی مدح فرمائی ہے: کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔) بڑوں کا کسی کو بڑا سمجھنا اُس کی انتہائی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو سب بڑوں سے بڑا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اگر وہ کسی چیز کی عظمت بیان کرے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ شے کس قدر عزت وعظمت کے لائق ہوگی۔

وجہ نمبر ۲۶:۔ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وحی کی جملہ اقسام میں کلام فرمایا اور وہ قسمیں تین ہیں:

۱۔ رؤیائے صادقہ ۲۔ کلام بغیر واسطہ ۳۔ وحی بذریعہ جبرئیل علیہ السلام۔

وجہ نمبر ۲۷:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کتاب (قرآنِ کریم) میں توریت، زبور اور انجیل کے تمام علوم موجود ہیں اور طوالِ مفصّل (لمبی سورتوں) کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فضیلت دیے گئے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۸:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے عمل پہلے لوگوں سے کم (عمریں کم ہونے کے باعث) اور ثواب زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وجہ نمبر ۲۹:۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمائیں اور پوچھا کہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہو یا نبی عبد؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے یہ مشورہ دیا کہ عاجزی اور تواضع اختیار فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے: اے پروردگار! میں نبی عبد رہنا چاہتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور جب سیر ہو کر کھاؤں تو اُس کا شکر ادا کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے ایسی حالت میں رہنا پسند فرمایا جس کے ذریعے ہر وقت اور ہر حالت میں خواہ تنگی ہو یا آسائش، راحت ہو یا مصیبت، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف متوجہ رہیں۔

وجہ نمبر ۳۰:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کے نافرمانوں کو مُہلت دی اور اُن پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہ کی اور اُنہیں باقی رکھا۔ اِس کے برعکس دوسرے انبیائے کرام کی اُمتوں نے جب اپنے نبیوں کو جھٹلایا تو جلد ہی مبتلائے عذاب ہو جاتے تھے۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حِلم، عفو، صبر، درگزر، شکرگزاری اور نرمی میں اخلاقِ عالیہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے غصہ نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خشوع وخضوع کے بارے میں منقول ہے کہ: کھانے، پینے، پہننے، رہنے، سہنے، حسنِ معاشرت، پاکیزہ عادات، امت کی بھلائی چاہنا، اقرباءً کے ایمان لانے کی حرص، رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھانا، مسلمانوں پر مہربانیوں کا سلسلہ جاری رکھنا، کافروں پر سختی دکھانا، اللہ کے دین کی اعانت ونصرت کے لیے بھرپور کوشش کرنا، کلمۂ حق کا بلند کرنا، متوطن اور غریب الدیار ہونے کی صورتوں میں اپنی قوم اور دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا، اِن میں سے بعض مناقب کلامِ الٰہی میں مذکور ہیں اور بعض کتبِ سیر میں مرقوم ومحفوظ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرمی کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ (آلِ عمران:159)

"تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے اے محبوب! کہ تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے"۔

کافروں پر سختی فرمانے اور اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس امر کے بے حد خواہشمند رہتے تھے کہ لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر امتِ محمدیہ کے زمرے میں شامل ہوتے چلے جائیں۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِن جذبات کو سراہتے ہوئے یوں ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے، تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

آپ نے فریضۂ رسالت کو کماحقہٗ اور انتہائی خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچایا، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۴﴾ (الذاریات)

''تو اے محبوب! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں''۔

اگر (بفرضِ محال) آپ ﷺ سے کوتاہی متصور ہوتی تو ملامت سے بری الذمہ قرار نہ دیئے جاتے۔

وجہ نمبر ۳۱:۔ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو عادل حکام کا مرتبہ مرحمت فرمایا ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا (بروزِ حشر) فیصلہ کرے گا اور پہلی امتیں تبلیغِ رسالت کا انکار کریں گی تو امتِ محمدیہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ یہ گواہی دیں گے کہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اِن لوگوں تک احکامِ خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ یہ خصوصیت کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۳۲:۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرما دیا ہے۔ پس وہ گمراہی پر کسی بھی بنیادی یا فروعی بات میں اتفاق نہیں کر سکتے۔

وجہ نمبر ۳۳:۔ اللہ جل شانہٗ نے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی کتاب (قرآنِ کریم) کو محفوظ فرما دیا ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اکٹھے ہو کر بھی کوشش کریں کہ اِس میں ایک کلمے کی کمی یا زیادتی کرنی ہے تو یقیناً وہ ایسا کرنے سے عاجز رہیں گے حالانکہ توریت و انجیل میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ کسی پر مخفی نہیں۔

وجہ نمبر ۳۴:۔ فخرِ دو عالم ﷺ کی امت سے اگر کسی کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ پردہ اس پر بھی ڈالتا ہے۔ پہلی امتوں میں اگر قربِ الٰہی حاصل کرنے کی خاطر کوئی قربانی پیش کرتا، تو اس کی قبولیت کا ثبوت یہ ہوتا کہ آسمان سے ایک آگ ظاہر ہوتی اور اس قربانی کے گوشت کو کھا جاتی، لیکن جس کی قربانی نامنظور ہوتی اُسے آگ اُسی طرح چھوڑ جاتی اور وہ شخص سب کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا۔ اسی لیے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے رحمت عطا فرمائی گئی ہے اور میں رحمتوں والا نبی ہوں۔

وجہ نمبر ۳۵:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا تھا کہ تھوڑے سے لفظوں میں بڑی بڑی باتوں کو کوزے میں سمندر کی طرح سمو دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر فصحائے عرب کا اتفاق ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نوعِ بشر کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت عطا فرمائی، اِسی طرح آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں کے برگزیدہ مرسلین پر بھی آپ ﷺ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ افضل بشر ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۞ (البینہ)

''بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں''۔

کیونکہ فرشتے بھی بَرِیَّہ کے زُمرے میں شامل ہیں اور اِس سے مراد مخلوق ہے۔ یہ لفظ بَرَأَ اللّٰہُ الْخَلْقَ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی اختراع کرنا یا ایجاد کرنا ہے، جبکہ فرشتے مذکورہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ لفظ لغت میں عرف کے طور پر نوعِ بشر سے ایمان لانے والوں کے ساتھ مختص ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اِس لفظ کا اطلاق کرتے وقت ہر کسی کا ذہن اِسی طرف جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ اَلْبَرِیَّہ تو اَلْبَرَا سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مٹی ہے۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ ساری خاکی مخلوق سے بہتر ہیں۔ اِس کا جواب دو طرح دیا جاتا ہے:

ا۔ ماہرینِ لغت نے لفظ اَلْبَرِیَّہ کو بغیر ہمزہ (مذکورہ) کے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب کا دستور ہے۔

۲۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ نافع نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ لہٰذا دونوں قرأتوں کی صورت میں یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اگر ایک کی رو سے دیکھیں تو مومنین صالحین کی جملہ نوعِ بشر (ماسوائے انبیائے کرام) پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری قرأت کو اگر ترجیح دیں تو ساری مخلوق پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جب یہ امر ثابت شدہ ہے کہ فضیلت والے بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام مومنین صالحین سے افضل ہیں جیسا کہ افضلیتِ انبیائے کرام کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۞ (انعام:86)

''اورہم نے ہر ایک کہ اُس کے وقت میں سب پر فضیلت دی''۔

اِس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیائے کرام تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ فرشتے بھی عَالَمِیْنَ کے زُمرے میں آتے ہیں، خواہ اَلْعَالَمِیْنَ کو اَلْعَالَمُ سے مشتق مانا جائے، یا اَلْعَلَامَۃُ سے، دونوں صورتوں میں نتیجہ یہی سامنے آتا ہے اور جب انبیائے کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ اِس لحاظ سے ملائکہ پر انبیائے کرام کی برتری ہونے کے باعث فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتوں سے دو درجے افضل اور دو رُتبے اعلیٰ ہوئے۔ اِسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصبِ رفیع کی عظمتوں کا شناسا کوئی نہیں، ماسوائے اُس ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے جس نے خاتم الانبیاء وسیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں اور جہان والوں پر فضیلتِ تامہ مرحمت فرمائی ہے۔ یہ صرف اشارے ہیں جو اہلِ عقل و دانش کے لیے کافی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اِس فضل و کرم کے طلبگار ہیں کہ ہمیں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت، طریقے اور ظاہری و باطنی اخلاق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں اپنے حبیب کی جماعت میں اور مددگاروں میں شامل فرمائے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَصَلٰوتُہٗ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ○ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ○ یہاں امام عزالدین بن عبدالسلام کا رسالہ اُن کے لفظوں میں ختم ہوگیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کچھ اِس ترجمے کے بارے میں

۱۔علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ(المتوفی ۱۳۵۰ھ)اکابرِ امت کے جوفرمودات ِگرامی قارئین تک عربی زبان میں پہنچانا چاہتے تھے ہم نے اُس مفہوم کوسلیس اور عام فہم اُردو میں پیش کرنے کا بساط بھر اہتمام رکھااور بلفظہٖ ترجمہ کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

۲۔ہرزیرِ بحث آیت کانیچے حاشیے میں حوالہ درج کر دیا ہے جبکہ اصل کتاب میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

۳۔آیات درج کر کے اُن کا ترجمہ مجدّ دمائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآنِ کریم یعنی کنزالایمان سے پیش کیا ہے کیونکہ اُردوزبان میں یہ سب سے صحیح اور عدیم النظیر ترجمہ ہے۔

۴۔جن عباراتِ جواہرالبحار کی مناظرین اور واعظین کوضرورت پڑتی ہے ایسی اکثر عبارتیں مِن وعَن نقل کر کےان کا اردو ترجمہ پیش کر دیا ہے۔

۵۔مضامین کی مطابقت کے لحاظ سے حسبِ موقع حاشیے میں بعض نعتیہ اشعار پیش کر دیے ہیں۔

۶۔امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق حفظِ مراتب کا پورالحاظ رکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ معاصرین کی اکثر تصانیف اِس میدان میں افراط یا تفریط کا شکار ہوکر رہ گئی ہیں۔

خادم العلم والعلماء:اختر شاہجہانپوری مظہری عفی عنہ

لاہور

قطعاتِ تاریخِ طباعت

(۱)

(از رشحاتِ خامہ، مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہٗ العالی۔ حیدر آباد)

رُوئے کتابِ اختر تاباں ہے سامنے ذکرِ رُخِ حسینِ سحر ہے فضول آج
گلدستۂ جمیل ہے بے مثل ترجمہ غنچہ ہر ایک حرف ہے، ہر لفظ پھول آج
واللہ تیرے طرزِ نگارش کو دیکھ کر ہے سر بلند اہلِ قلم کا اصول آج
نکلا ہوا قلم سے ترے ایک ایک حرف اختر ہے ہمکنار عروسِ قبول آج
ہیں اِس کو پڑھ کے شاد غلامانِ مصطفیٰ نجدی کی ذریّت ہے نہایت ملول آج
کیا ساعتِ سرور ہے اختر زہے نصیب کس مصرعۂ حسین کا ہوا ہے نزول آج

تاریخِ طبع کتنی مبارک ہے دیکھنا
ہے آئی بادِ باغِ جمالِ رسول آج

۱۳۹۵ھ

(۲)

از نتیجۂ فکر جناب شریف احمد صاحب شرافت نوشاہی
سجادہ نشین ساہن پال شریف۔ ضلع گجرات

ایں کتاب جواہر است بحار درکمالاتِ دین بلند مقام
از مساعیِ حضرت اختر صاحب علم و فضل وا اسلام
ہست ایں گوہرِ گراں مایہ بہر طلّابِ حق خجستہ کلام

چوں شرافت زسالِ طبعش جُست
گفت ہاتف، کتابِ فخرِ انام

۱۳۹۵ھ

پنجم

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد پنجم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ ذوالفقار علی چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی ﷺ
	ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد پنجم)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ ذوالفقار علی چشتی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3300 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الامام العلامہ علی نور الدین السمہودی (عالم مدینہ منورہ)
المتوفی ۹۱۱ھ کے جواہر پارے

ان کی ایک تصنیف دل پذیر کا نام "الوفاء باخبار دار مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام" ہے یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے میں ان کی کتاب سے وہ چیزیں نقل کروں گا جن کا نقل کرنا میرے لئے ضروری ہوگا میں کبھی تو ان کی عبارت بعینہٖ نقل کروں گا اور کبھی حسب ضرورت اس میں اختصار کروں گا۔

باب اول شہر مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کے بارے میں ہے اس میں دس فصلیں ہیں۔

فصل اول

اس شہر بے بدل کے اسماء کے بارے میں ہے۔ میں انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے بالترتیب ذکر کروں گا یہ ایک حقیقت ہے کہ کثرت اسماء فضیلت ذات پر دلالت کرتی ہے۔ میں نے علامہ سمہودی کے ذکر کردہ اسماء پر مزید اضافہ کیا ہے اس طرح یہ کل پچانوے نام ہوگئے ہیں۔ (جو درج ذیل ہیں)

اثرب

یثرب ہی کی ایک لغت ہے یہ اس شخص کا نام ہے جو سب سے پہلے یہاں رہائش پذیر ہوا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدینہ کی ساری زمین کا نام یثرب تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک صرف شہر مدینہ کو ہی اس نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ امام مالکؒ کے ایک شاگرد ابن زبالہ (محمد بن الحسن) کے نزدیک اس کے ایک کونے کا نام یثرب تھا۔ البتہ یثرب مدینہ کے اردگرد کی تمام بستیوں کیلئے اصل کی حیثیت رکھتا تھا شرقاً غرباً "قناۃ" اور "جرف" کے مابین اور شام سے قبلہ کی جانب "برقی" اور "ربالہ" کے درمیانی علاقہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔ آج کل یہ علاقہ "شامی المدینہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں مغرب کی جانب سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار ہے اور مشرق کی جانب "برکتہ" نامی علاقہ ہے۔ مطری نے کہا ہے کہ بنو حارثہ کے مکانات جہاں تھے اس علاقہ کو یثرب کہا جاتا تھا اسی کے بارے میں جنگ خندق کے موقع پر آیت کریمہ "وَاِذْ قَالَتْ طَّآ ئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ" اتری۔ آیت کی رو سے مطری کا قول ترجیح یافتہ ہے کیونکہ قریش مکہ اور ان کے حواری جنگ

خندق اور جنگ احد کے موقع پر ''رومہ'' اور گردونواح کے علاقہ میں اوس میں سے بنو حارثہ اور خزرج میں سے بنوسلمہ کے مکانات کے قریب اترے تھے اور مذکورہ دونوں گروہ (اوس وخزرج) آقائے دو عالم ﷺ کے حلیف تھے لہٰذا جنگ احد میں انہیں اپنے اہل وعیال اور رہائش گاہوں کی فکر لاحق ہوئی تب آیت کریمہ ''اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا'' اتری اس پر اوس وخزرج کے عقلاء نے کہا کہ حق تعالیٰ جب ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں قریش کے اترنے کی کوئی فکر نہیں۔

ابن شُبہ سے مروی ہے کہ آپ نے مدینہ کا نام یثرب رکھنے سے منع فرمایا۔

آپ کا ارشاد عالی شان ہے۔'' جس نے اس کو یثرب سے پکارا وہ اللہ سے معافی طلب کرے مدینہ طابہ ہے۔ اور مذکورہ بالا آیت میں جو یثرب کا لفظ آیا ہے تو وہ منافقین کے قول کو انہی کی زبان میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین نے کہا تھا'' یٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ ''۔

عیسیٰ بن دینار المالکی نے فرمایا جس نے اس کا نام یثرب رکھا اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھا جائے گا۔

وجہ یہ ہے کہ یثرب یا تو'' ثرب'' بمعنی فساد سے مشتق ہے یا'' تثریب'' سے مشتق ہے جس کا معنی گناہ پر زجر وتوبیخ کرنا ہے اور یا یثرب کافر کا نام ہے۔

اعتراض

صحیحین میں'' حدیث الحجرۃ'' میں'' فَاِذَا هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَثْرِبُ'' اور ایک دوسری روایت میں'' لَا اُرٰهَا اِلَّا يَثْرِبَ'' کے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک اس کو یثرب کہنے میں قباحت نہیں۔

الجواب

مذکورہ الفاظ نہی سے پہلے کے ہیں نہی کے بعد آپ ﷺ نے اسے یثرب کے نام سے نہیں پکارا۔

اَكَالَةُ الْبُلْدَانِ' اَكَالَةُ الْقُرٰى

(شہروں اور دیہاتوں کو ہڑپ کرنے والا شہر) ان حدیث شریف کی روشنی میں اسے یہ نام دیا گیا جس میں فرمایا گیا ہے۔'' اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى '' (یعنی مجھے اس شہر میں جانے کا حکم دیا گیا ہے جو قصبوں کو کھانے والا ہے) یعنی انہیں فتح کرکے ان پر غالب آنے والا ہے اور اس شہر کے باسی مال غنیمت حاصل کرکے کھائیں گے۔

الایمان

ایمان اس لئے کہا گیا ہے کہ انصار کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ " اس کے بارے میں عثمان بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دار اور ایمان دونوں سے مراد شہر مدینہ ہے کیونکہ یہ ایمان کا مظہر اور ٹھکانہ ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایمان کے فرشتہ نے کہا کہ میں مدینہ میں رہوں گا۔ اس پر حیاء کے فرشتہ نے کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ رہوں گا۔

البارۃ

اس لئے ہے کہ یہ شہر اپنے باشندوں کو بالخصوص اور باقی مسلمانوں کو بالعموم نیکیاں عطا کرتا ہے کیونکہ یہ فیوض و برکات کا منبع ہے۔

البحرۃ والبحیرۃ والبحیرۃ

تینوں نام منتخب روایات سے نقل کئے گئے ہیں استجار کا معنیٰ " السعةُ " (وسعت) ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت اس صحیح حدیث شریف میں " لَقَدْ اِصْطَلَحَ اَهْلُ هٰذِهِ الْبُحَيْرَةِ " مدینہ کو بحیرہ کہا ہے۔ قاضی عیاضؒ سے بحیرۃ با کے فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے اس صورت میں یہ تصغیر کا صیغہ نہیں ہوگا۔ اس کو یا کے بغیر بحر بھی کہا جاتا ہے۔ بحر کی اصل قری (دیہات) ہے اور ہر دیہات بحرہ ہوتا ہے۔

البلاط

ابن خالو یہ سے مروی ہے کہ اس کو بلاط اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر بلاط (پتھر کے چوکے) بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان کیلئے یہ شہر مشہور ہے۔

البلد

اس لئے ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے " لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ " بعض نے کہا کہ بلد سے مراد مدینہ ہے اور بعض نے مکہ مراد لیا ہے اور " بلد " کا لغوی معنیٰ قریہ اور سینہ ہے۔

بیت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کے فرمان " كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ " میں " بیتك " سے مراد مدینہ ہی ہے کیونکہ اس شہر پاک کی خصوصیت آپ کے دم قدم سے ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر کی خصوصیت رہنے والے کی وجہ سے ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے " بیتک " سے مراد آپ کا وہ کاشانۂ اقدس ہے جو

مدینہ منورہ میں تھا۔

تَندَدُ وَتَندَرُ

یہ مدینہ کے وہ اسماء ہیں جو کتب قدیمہ میں مذکور ہیں ان کا ذکر "یَندَرُ وَیَندَرُ" کے تحت آ رہا ہے۔

اَلْجَابِرَة

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "لِلْمَدِیْنَةِ عَشْرَةُ اَسْمَاءٍ لِجَبْرِهَا الْکَسِیْرَ وَاِغْنَاءِ هَا الْفَقِیْرَ وَ تُجْبِرُ عَلَی الْاَذْعَانِ لِمُطَالَعَةِ بَرَکَاتِهَا"

اس کے دس نام ہیں کیونکہ ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑتا ہے فقیر کو غنی کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی برکات میں مطالعہ کرنے پر مجبور کرتا ہے نیز اس نے باقی شہروں کو اسلام لانے پر مجبور کیا ہے۔

جَبَارِ

ابن شبانے اپنی ذکر کردہ حدیث میں "جابرہ" کی جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔

اَلْجَبَارَةُ

یہ نام تورات میں ذکر کیا گیا ہے۔

جزیرۃ العرب

بعض محدثین کے نزدیک حدیث شریف "اَخْرِجُوا الْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ" میں جزیرۃ العرب سے مراد یہ شہر اقدس ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ "اِنَّ اللّٰهَ بَرِءَ هٰذِهِ الْجَزِیْرَةَ مِنَ الشِّرْکِ" بے شک اللہ نے اس "جزیرہ" کو شرک سے پاک کیا ہے۔

الحبیبۃ

• اس لئے ہے کہ یہ شہر آپ ﷺ کو پسند تھا اور آپ ﷺ نے اس کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

اَلْحَرَمُ

اس کی حرمت کی وجہ سے اسے حرم کہا گیا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ" ایک اور روایت میں ہے "حرم امن" (پرامن حرم ہے)

حَرَمُ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو حرم قرار دیا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے میرے حرم

کے باشندوں کو ڈرایا دھمکایا تو اللہ اسے ڈرائے گا اسی حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ ابراہیم کا حرم مکہ ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔

حَسَنَةٌ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً'' ہم انہیں اس دنیا میں عمدہ ٹھکانے کی طرف لوٹائیں گے ''عمدہ ٹھکانہ'' سے مراد مدینہ ہی ہے اور یہ کہا گیا کہ اسے حسنہ اس لئے کہا گیا کہ یہ حسن ظاہری و باطنی ہر دو پر مشتمل ہے۔

اَلْخَيِّرَةُ وَالْخَيْرَة

وہ عورت جو بہت نیک ہو اسے خیرہ اور خیرہ کہا جاتا ہے۔ اس سے جب تفضیل کا معنی لینا ہو تو ''خیر الناس'' کہا جاتا ہے نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''اَلْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ'' مدینہ ان کیلئے بہترین ہے۔

اَلدَّارُوَ دَارُ الْاَبْرَارِ وَ دَارُ الْاَخْيَارِ

کیونکہ یہ نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرین وانصار کا شہر ہے یہ شہر بروں کو اپنے آپ سے دور کرتا ہے۔ جو بروں میں سے یہاں مقیم ہوتا ہے تو درحقیقت یہ اس کا ٹھکانہ نہیں بنتا اور دفن ہونے کے بعد اسے کہیں اور منتقل کیا جاتا ہے۔

دارالایمان

کیونکہ حدیث شریف ہے کہ ''اَلْمَدِيْنَةُ قُبَّةُ الْاِسْلَامِ وَ دَارُالْاِيْمَانِ'' مدینہ شریف اسلام کیلئے خیمہ اور ایمان کیلئے گھر کی حیثیت رکھتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ''اَلْاِيْمَانُ يَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ...... کہ ایمان مدینہ کی طرف سکڑے گا۔

دَارُالسُّنَّةِ' دَارُالسَّلَامِ' دَارُ الْفَتْحِ

صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''فَاِنَّهَا دَارُالْهِجْرَةِ وَ دَارُالسُّنَّةِ'' کہ یہ شہر پاک دار ہجرت اور دار سنت ہے اور کشمیہنی کی ایک روایت میں ''دار الاسلام'' کے الفاظ ہیں۔ اور دار فتح سے مراد یہ ہے کہ سارے شہر اس سے فتح ہوئے نیز آقائے دو عالم ﷺ نے اس کی طرف ہجرت کی اور یہیں سے ''سنت'' اطراف عالم میں پھیل گئی۔

اَلدِّرْعُ الْحَصِیْنَۃُ

امام احمد سے ایک حدیث منقول ہے جس کے راوی صحیح ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا" رَأَیْتُ کَاَنِّیْ فِیْ دَرْعٍ حَصِیْنَۃٍ" میں نے دیکھا گویا میں مضبوط زرہ میں ہوں۔ اسی حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ میں نے درع کی تاویل مدینہ سے کی۔

ذات الحجر

چونکہ یہاں امہات المومنین رضوان اللہ عنہن کے حجرات مبارکہ ہیں اس لئے اس کو" ذات الحجر" (حجروں کا شہر) فرمایا گیا۔

ذَاتُ الْاَحْرَار

" حرۃ" کالے پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے چونکہ یہاں کالے پتھر بکثرت پائے جاتے ہیں اس لئے اسے ذات الاحرار" کہا گیا۔

ذَاتُ النَّحل

کیونکہ حدیث شریف میں اس شہر کو اسی وصف سے موصوف کیا گیا کہ" رَأَیْتُ دَارَ ھِجْرَتِیْ ذَاتَ نَخْلٍ وَحَرَّۃٍ" کہ مجھے مدینہ شہر دکھایا گیا وہ کھجوروں اور کالے پتھروں والا تھا۔

السَّلقَۃ

اسے اقشہری نے توراۃ سے نقل کیا ہے اس میں" لام" پر فتحہ کسرہ اور سکون تینوں اعراب جائز ہیں کیونکہ" سَلَقٌ" نرم اور ہموار زمین اور" مسلاق" بلیغ اور بدزبان عورت کو بھی" امراۃ سلیقۃ" بھی کہا جاتا ہے اور" سلقت البیض سلقا" کا معنی انڈا ابالنا ہے اس شہر کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ خود وسیع اور اس کے پہاڑ دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں یا اس لئے کہ باقی شہروں پر فتح کے بعد غلبہ حاصل ہوا ہے۔

سَیِّدَۃُ الْبُلْدَان

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موفوعا روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ شریف کو مخاطب کر کے فرمایا" یَا طَیْبَۃَ یَا سَیِّدَۃَ الْبُلْدَانِ" اے عمدہ اور شہروں کے سردار شہر!

اشافیہ

کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ کی مٹی ہر بیماری کیلئے باعث شفا ہے اور اس کے پھلوں

سے شفا حاصل کرنا بھی درست ہے ابن مسدی نے ذکر کیا ہے کہ بخار میں مبتلا شخص کے گلے میں اس شہر کے نام لکھ کر ڈالنے سے شفا حاصل ہوتی ہے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور وہ شفایاب ہوتا ہے۔

طَابۃُ طَیِّبَۃُ طَائِبٌ

ان کا ذکر ''مطیبۃ'' کے تحت آ رہا ہے۔ یہ لفظاً و معنیً مطیبۃ کے اخوات ہیں۔ صرف صیغہ کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طائب رکھا۔ نیز کفار اسے یثرب کے نام سے پکارتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس کا نام ''طیبۃ'' رکھا حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''لِلْمَدِیْنَۃِ عَشَرَۃُ اَسْمَاءٍ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ وَطَیْبَۃُ وَطَابَۃُ'' ایک روایت میں ''طیبہ'' کی بجائے ''طَابَۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ''اللہ کی قسم! توراہ میں اس کا نام طیبہ اور طابہ ہے۔ اور توراۃ ہی میں طائب، طیبہ اور مطیبۃ'' کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی فضاؤں میں خوشبو رچی بسی ہے نیز اس کے تمام کام بہت عمدہ ہیں شرک سے پاک ہے یہاں طیب و طاہر علیہ ازکی الصلوات واحسن التسلیمات کی تشریف آوری ہوئی۔ یہ شہر بدی کو دور کرتا ہے اور نیکی کو ظاہر کرتا ہے۔ اشبیلی کا قول ہے کہ مدینہ کی مٹی میں ایسی خوشبو ہے جو کسی اور خوشبو دار چیز میں نہیں بلکہ ہم اسے عمدہ ترین خوشبو کہہ سکتے ہیں۔

طِبَا یَا ظَبَا یَا

یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے ''طبایا'' زمین کے اس حصے کو کہتے ہیں جو مستطیل ہو اور ''ظبایا'' بمعنی ''ظب'' ہے یعنی ''اسے بخار ہوا'' کیونکہ یہاں پہلے بخار کی بیماری عام تھی۔

اَلْعَاصِمَۃُ

(بچانے والا) اس نے مہاجرین کو مشرکین سے بچا کر انہیں پناہ دی اور یہ ان کے لئے مضبوط زرہ ثابت ہوا یا عاصمہ بمعنی ''معصومہ'' ہے یعنی ''محفوظ'' یہاں نہ تو دجال داخل ہو سکے گا اور نہ ہی یہاں طاعون کی بیماری آئیگی اور جو یہاں کے باشندوں کے ساتھ زیادتی کرے گا اللہ اسے نار جہنم میں پگھلائے گا۔

اَلْعَذْرَآءُ

منقول از تورات ہے۔ کیونکہ اس نے دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کی اور دشمن اسے مالک حقیقی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے کرنے پر مجبور ہوا۔

اَلْعَرَّاءُ

(ہموار زمین) کیونکہ یہاں کی زمین بلند نہ تھی اور ''جَارِیَۃٌ عَرَّاءُ'' سے اس لئے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ اس اونٹنی کی کوہان یا تو ہوتی نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے بعینہ نوخیز لڑکی کے پستان بھی یا تو ہوتے نہیں یا چھوٹے ہوتے ہیں۔

العروض

اس لئے ہے کہ یہاں کئی نشیبی علاقے اور پہاڑی درے ہیں یا اس لئے کہ یہ شہر نجد کے علاقہ سے ہے اور نجد خط مستقیم پر واقع ہے لیکن مدینہ منورہ اس سے ایک طرف واقع ہے۔

الغراء

یہ ''اغر'' (سفید پیشانی والا) کی تانیث ہے بہترین چیز (انسانی چہرہ) کو بھی ''اغر'' کہا جاتا ہے اور وہ نوخیز جس کی ڈاڑھی ابھی آنی شروع ہوئی ہو وہ ''اغر'' کہلاتا ہے سخی یا گرم دن کو بھی اغر کہا جاتا ہے اور ''غراء'' ایک قسم کی خوشبودار بوٹی اور معمر سردار عورت کو کہا جاتا ہے۔ درحقیقت مدینہ پاک بھی تمام کا سردار ہے کائنات میں اس کی خوشبو پھیلی ہے یہاں کے باشندے کریم النفس ہیں یہاں سبزہ بکثرت ہے اور اس کا نور چاردانگ عالم میں چمک رہا ہے۔

غَلَبَۃٌ

(غلبہ پانے والا) یہ شہر چونکہ باقی شہروں پر غلبہ پاتا ہے اس لیے اس کو غلبہ کہا جاتا ہے۔ یہ نام دور جاہلیت کا ہے کیونکہ یہود نے ''عمالیق'' پر حملہ کیا تھا اور یہود غالب آئے تھے پھر اوس وخزرج نے یہود پر حملہ کیا اور وہ (اوس وخزرج) پر غالب آئے تھے۔

اَلْفَاضِحَۃُ

(ہلاک کرنے والا) توراۃ سے منقول ہے کیونکہ جس نے اس کے ساتھ دشمنی یا سرکشی کی اس نے اسے تباہ کر دیا اور جو اسے نقصان پہنچائے گا اللہ اسے نقصان پہنچائے گا اللہ اسے آگ میں ڈالے گا۔

قبتہ الاسلام

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ'' کہ مدینہ منورہ اسلام کیلئے خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اَلْقَرْیَۃُ

کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے ''اِنَّ اللّٰہَ قَدْ طَھَّرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ مِنَ الشِّرْکِ'' کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک شہر کو شرک سے پاک کیا ہے۔

قریۃ الانصار

انصار سے مراد اوس وخزرج دو قبیلے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں انصار کا نام دیا ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو پناہ دیکر ان کی مدد کی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انصار کا نام تم نے خود رکھا ہے؟ یا اللہ نے تمہیں اس نام سے پکارا ہے؟ فرمایا کہ اللہ نے ہمارا یہ نام رکھا یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا۔ ''وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا'' وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی۔

قریۃ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سارے لوگ جمع ہو کر رہیں۔ جس طرح حوض میں پانی جمع کرنے کے موقع پر ''قَرَیْتُ الْمَاءَ فِی الْحَوْضِ'' (میں نے حوض میں پانی جمع کیا) کہا جاتا ہے۔

قریۃ الرسول ﷺ

طبرانی اور دیگر محدثین نے ثقہ راویوں سے حدیث نقل کی ہے کہ ''پھر دجال مدینہ منورہ کی طرف رخ کرے گا لیکن اسے یہاں داخلہ کی اجازت نہ دی جائے گی۔ تو وہ بول اٹھے گا'' ھٰذَا قَرْیَۃُ ذَاکَ الرَّجُلِ '' یہ اس نبی پاک ﷺ کا شہر پاک ہے۔

قلب الایمان

ابن جوزی نے حدیث ''اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ'' میں قلب الایمان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اَلْمُؤمِنَۃُ

یا تو حقیقۃً اسے مومنہ کہا گیا ہے کیونکہ اللہ نے اس میں ایمان کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی ہے جیسا کہ یہاں کی کنکریوں میں تھی یا مجازاً مؤمنہ کہا گیا ہے کیونکہ مدینہ والے وحدانیت کی صفت سے متصف ہیں اور یہیں سے ایمان چار دانگ عالم میں پھیلا ہے نیز یہ شہر صفات ایمانی پر مشتمل ہے یا مؤمنہ کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ شہر اپنے باشندوں کو دشمنوں طاعون اور دجال سے محفوظ رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے'' کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مدینہ کی مٹی بھی مؤمن ہے۔ اور توراۃ میں بھی اسے مؤمنہ لکھا گیا ہے۔

المبارکہ

کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کیلئے برکت کی دعا کی ہے نیز آپ کے قدم رنجہ فرمانے کے بعد یہ بابرکت ہوا ہے۔

مُبَوَّأُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ

طبرانی نے حدیث "اَلْمَدِیْنَۃُ قُبَّۃُ الْاِسْلَامِ" کے تحت اس نام کا بھی ذکر کیا ہے "مبوأ" قرار گاہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس شہر پاک سے حلال و حرام کی تفصیل مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

مبین الحلال والحرام

ابن جوزی نے مذکورہ بالا نام کی جگہ اس کا ذکر کیا ہے وجہ مذکورہ بالا ہی ہے۔

اَلْمُحِبَّۃُ والْمُحْبَبَۃُ اَلْمَحْبُوْبَۃُ

کتب قدیمہ سے ماخوذ اسماء ہیں تینوں کا مادہ "حُبّ" ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کو اس سے حد درجہ محبت تھی اور آپ کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے۔ نیز آپ ﷺ نے اس کیلئے دعا بھی فرمائی تھی۔

الحبورة

حبر بمعنی "سرور" سے مشتق ہے یا "حبرۃ" بمعنی نعمۃ سے مشتق ہے محبارٌ من الارض حد درجہ زرخیز زمین کو کہتے ہیں۔

اَلْمُحَرَّمَۃُ

اس کو حرم قرار دیئے جانے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔

اَلْمَحْرُوْسَۃُ

(حفاظت کیا گیا) حدیث شریف میں ہے کہ مدینہ ملائکہ سے بھرا رہتا ہے اس کے ہر درے پر فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کررہا ہوتا ہے۔

المَحْفُوْفَۃُ

(ڈھانپا ہوا) کیونکہ یہ برکتوں اور ملائکہ سے ڈھانپا ہوا ہے نیز حدیث شریف میں ہے کہ مکہ و مدینہ میں فرشتے بکثرت موجود ہوتے ہیں۔

اَلْمَحْفُوْظَۃُ

کیونکہ طاعون و دجال وغیرہ سے محفوظ شہر ہے ایک حدیث شریف میں ہے کہ محفوظ شہر چار ہیں ان

میں سے ایک مدینہ منورہ ہے۔

المُختَارَةُ

(چنا ہوا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبی مختار ﷺ کیلئے چنا ہے۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ

ارشاد الٰہی ہے: وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

''اے محبوب ﷺ! کہہ کہ یا رب مجھے سچائی کی جگہ داخل فرما اور سچائی کی جگہ سے نکال۔''

اور اپنی جناب سے میرے لئے مدد کیا گیا مددگار بنا آیت میں ''مدخل صدق'' سے مراد مدینہ منورہ اور ''مخرج صدق'' سے مراد'' مکہ مکرمہ'' اور'' سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا'' سے مراد انصار ہیں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

اَلْمَدِیْنَةُ

کیونکہ قرآن پاک میں بار بار یہ نام آیا ہے۔ یہ منقول از توراۃ ہے۔ یہ ''مَدَنَ بِالْمَکَانِ'' سے مشتق ہے جس کا معنی مقیم ہونا ہے یا'' دان'' سے مشتق ہے جس کا معنی ''اطاعت کرنا'' ہے۔ کیونکہ یہاں بادشاہ سکونت پذیر ہوتا ہے اور عوام اس کی اطاعت کرتی ہے مدینہ کی آبادی دیہات سے زیادہ تھی۔ لیکن شہر سے کم تھی۔

بعض نے کہا ہے کہ ہر شہر کو مدینہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ مدینہ الرسول ﷺ کیلئے اس حیثیت سے علم بن گیا ہے کہ کسی دوسرے شہر کا علم نہیں بن سکتا۔ اور عام شہروں کیلئے اس کا استعمال الف لام کے بغیر (مدینۃ) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسبت کے وقت مدینہ الرسول ﷺ کے باشندے کو'' مدینی'' اور عام شہری کو'' مدنی'' کہا جاتا ہے۔

مدینۃ الرسول ﷺ

طبرانی کی ذکر کردہ حدیث ہے کہ فی مدینتی ھذہ حدثا او آوی محدثا''...... (الحدیث) اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے'' مدینتی'' (میرے شہر میں) فرما کر اس شہر کو اپنی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ یہ آپ کی رہائش گاہ ہے۔ اور آپ کی اور آپ کے خلفاء کی قوموں نے اطاعت کی۔

المرحومۃ

توراۃ سے منقول ہے کیونکہ نبی رحمت ﷺ کی بعثت کے باعث اس پر رحمتوں کی بارش کردی گئی۔ نیز یہاں اللہ کی رحمتیں پے درپے برستی رہتی ہیں۔

المرزوقہ

اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ یا اس لئے مرزوقہ ہے کیونکہ اس کے باشندوں کو اللہ نے رزق وافر عطا فرمایا ہے جو بھی یہاں سے چلا جاتا ہے اللہ اس کا نعم البدل اس شہر کو عطا کرتا ہے۔

مسجد الاقصیٰ

(آخری مسجد) ''تادلی'' نے اسے ''صاحب المطالع'' سے نقل کیا ہے۔ ممکن ہے یہ نام اس وجہ سے دیا گیا ہو کہ یہ شہر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے آخری نبی مکرم ﷺ کی آخری سجدہ گاہ ہے۔

المسکینہ

منقول از توراۃ ہے اور مذکورہ حدیث ''لِلْمَدِیْنَةِ عَشْرَةُ اَسْمَاءٍ'' میں بھی اس نام کا ذکر ہے نیز حدیث مرفوع ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے طیبہ اے طابہ اور اے مسکینہ (یہ نام مدینہ کے مونث لفظی ہونے کے اعتبار سے ہیں)۔

تجھے اللہ تعالیٰ نے خشوع وخضوع کرنے والوں کیلئے رہائش گاہ کے طور پر چن لیا ہے۔

اَلْمُسْلِمَةُ

یہ نام بھی مؤمنہ کی طرح ہی ہے۔ کیونکہ مخلوق الٰہی نے یہاں سے جاری ہونے والی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ یا اس وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اطاعت کیلئے اپنے سروں کو جھکا دیا۔ اور قرآن نے اس شہر پاک کو فتح کردیا۔

مضجع الرسول ﷺ

حدیث شریف میں ہے''اَلْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِیْ وَ مَضْجَعِیْ فِی الْاَرْضِ'' کہ روئے زمین پر میری ہجرت گاہ اور آخری آرام گاہ مدینہ شریف ہے۔

اَلْمَطِيْبَه

''طائب'' کے تحت اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

اَلْمُقَدَّسَۃُ

(پاک) شرک وگناہوں کی آلودگیوں سے پاک ہونے کی وجہ سے ہے۔

اَلْمَکْتَانُ

سعد بن ابی صرح نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت محاصرہ کے وقت کہا تھا۔

وَاَنْصَارُ نَا بِالْمَکْتِیْنِ قَلِیْلٌ

اور نصر بن حجاج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت اسیری کے وقت کہا تھا۔

فَاَصْحَبْتُ مُنْفِیًا عَلٰی غَیْرِ رِیْبَۃٍ وَقَدْ کَانَ لِیْ بِالْمَکْتِیْنِ مَقَامٌ

''میں شک کئے بغیر مدینہ سے جا رہا ہوں۔ جبکہ (مدینہ) میں میرا بڑا مقام تھا۔''

پس ظاہر یہی ہے کہ ''مکتین'' سے مراد صرف مدینہ منورہ ہے۔

اَلْمَکِیْنَۃُ

(صاحب منزلت) مقام ومرتبہ میں بے مثل ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔

مُھَاجَرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(ہجرت گاہ) کیونکہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اَلْمَدِیْنَۃَ مُھَاجَرِیْ'' کہ مدینہ منورہ میری ہجرت گاہ ہے۔

اَلْمُوَفِّیَۃُ وَالْمُوْفِیَۃُ

''فاء'' کے شد اور تخفیف دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ شہر یہاں آنے والوں کا حق ظاہراً اور باطناً ہر دو طرح پورا ادا کرتا ہے اور یہاں کے رہنے والے وعدہ کے پکے ہیں۔

اَلنَّاجِیَۃُ

کیونکہ یہ شہر سرکشوں، طاعون اور دجال سے نجات دینے والا ہے۔ یا یہ نیکی کرنے میں پیش پیش ہے۔

نُبَلَاءُ

کداع سے منقول ہے اور یہ ''نُبل'' بمعنی ''فضیلت وشرافت'' سے مشتق ہے۔

اَلنَّحر

نَحْرُ الظَّھِیْرَۃِ ''گرمی کی شدت'' سے مشتق ہے۔ یا نحر بمعنی ''شہ رگ'' سے ہے کیونکہ یہ تمام

شہروں کیلئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اَلْهَذْرَآءُ

ابن نجار نے "عذراء" نام کی بجائے اس نام کا ذکر کیا ہے۔اور یہ منقول از توراۃ ہے اگر یہ لفظ "ذ" سے ہو تو اس کا یہ نام شدت گرمی یا کثرت پانی کی وجہ سے ہے کیونکہ "هَذَرَ" بمعنی "كَثُرَ" (زیادتی) ہے۔اور اگر یہ لفظ "ذ" سے ہو تو پھر معنی "کبوتری کا غو غو کرنا" اور "پانی کے گرنے کی آواز" ہے۔اور "اَرْضٌ هَادِرَةٌ" اس سرزمین کو کہتے ہیں جو زرخیز ہو۔(شاید اس کی زرخیزی کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے)۔

يَثْرِبُ

اس کا ذکر "اثرب" کے تحت گذر چکا ہے۔

يَنْدَدُ

اسے کداع نے ذکر کیا ہے۔ یا تو "ند" سے مشتق ہے جس کا معنی ایک معروف خوشبو ہے۔ یا "ناد" (اونچے ٹیلے) سے مشتق ہے۔یا اس "ناد" سے مشتق ہے جس کا معنی "رزق" ہے۔

يَنْدَرُ

حیدر کی طرح ہے حدیث شریف "لِلْمَدِيْنَةِ عَشَرَةُ اَسْمَاءٍ" میں يَنْدَرُ کا ذکر بھی آیا ہے۔بعض کتب میں "تَنْدَدُ" بھی آیا ہے،بعض میں "تَنْدَرُ" بھی آیا ہے۔

یہ حدیث ابن زبالہ نے روایت کی ہے لیکن اس میں نام نو ہیں۔ابن شبہ نے آٹھ کا ذکر کیا ہے در اوردی سے منقول ہے کہ توراۃ میں مدینہ کے چالیس ناموں کا ذکر ہے۔

دوسری فصل

اسی خلاصۃ الوفا کے باب اول کی فصل ثانی میں شہر مدینہ کی فضیلت کے بارے میں امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں

فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض اور ابو الولید الباجی وغیرہما نے فرمایا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مقدسہ جو آقائے دوعالم ﷺ کے جسم اقدس کو سنبھالے ہوئے ہے وہ باقی تمام زمین بشمول کعبہ مقدسہ سے افضل ہے۔اس پر امت کا اجماع ہے۔

ابن عساکر نے اپنی کتاب ''التحفہ'' میں یہی فرمایا ہے بلکہ التاج السبکی نے تو ابن عقیل سے نقل کیا ہے کہ وہ ٹکڑا بے بدل تو عرش سے بھی افضل ہے۔ التاج الفاکھی نے وضاحت کی ہے کہ وہ حصہ آسمانوں سے افضل ہے انہی کا قول ہے کہ ساری زمین آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ روئے زمین پر سرکار ابد قرار ﷺ کا وجود مسعود ہے۔بعض نے کہا ہے کہ زمین اس لئے افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انبیاء زمین ہی میں مدفون ہیں اس لئے یہ افضل ہے۔

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین کے اس حصہ کے علاوہ جو آپ ﷺ کے وجود اقدس کو مس کیے ہوئے ہے باقی زمین پر آسمان کی فضیلت ہے۔ پھر مدینہ پر مکہ کی فضیلت کا اجماع ہے اور مدینہ تمام شہروں سے افضل ہے لیکن مدینہ پر مکہ کی فضیلت میں اختلاف ہے۔ پس سیدنا عمر بن الخطاب بعض صحابہ اور اکثر مدنی مدینہ منورہ کی فضیلت کے قائل ہیں جس طرح قاضی عیاض نے فرمایا ہے یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (کے ایک قول کے مطابق) کا ہے۔ مذکورہ اختلاف کعبہ مقدسہ کے علاوہ زمین ہے۔ پس کعبہ شریف کی زمین قبر انور علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ چھوڑ کر باقی مدینہ کی زمین سے افضل ہے۔

ابن عبد السلام نے فرمایا ہے کہ افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام میں عمل کا ثواب دوسرے مقام کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اوقات میں افضل کا معنی بھی یہی ہے کہ افضل وقت میں دوسرے کی نسبت عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔لیکن قبر انور پر عمل ممکن نہیں اس لئے عیاض کا یہ کہنا کہ'' قبر انور کی افضلیت پر اجماع امت ہے'' مشکل معلوم ہوتا ہے بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ افضلیت آس پاس کے علاقہ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے قرب کی وجہ سے جلد

کا چھونا بے وضو کیلئے حرام ہے کثرت ثواب کا اعتبار نہیں ورنہ تو قرآن کی جلد بلکہ قرآن بھی دوسری کتب سے افضل نہ ہوتا کیونکہ قرآن میں عمل تو معتذر (مشکل) ہے۔

تقی السبکی نے فرمایا کہ افضیلت کبھی تو کثرت ثواب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے۔اگر چہ وہاں عمل نہ ہوتا ہو قبر انور ایسی بابرکت جگہ ہے جہاں ہر وقت رحمت الٰہی، رضائے الٰہی اور ملائکہ رحمٰن اترتے رہتے ہیں۔قبر اور صاحب قبر علیہ افضل الصلوات والتسلیمات سے خالق دو جہاں جل جلالہ کو اتنا پیار ہے جس کا احاطہ عقل انسانی نہیں کر سکتی۔تو جب معاملہ ایسا ہو تو پھر کیوں نہ وہ جگہ ہر مقام سے افضل ہو گی۔کہا جاتا ہے کہ ہر انسان وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کی تخلیق کیلئے مٹی لی گئی ہو۔چونکہ آپ ﷺ کائنات میں سب سے افضل ہیں لہٰذا وہ مقام جہاں سے آپ کی تخلیق بے مثال کیلئے مٹی لی گئی ہے وہ جگہ باقی مقامات سے افضل کیونکر نہیں ہو سکتی۔

قبر شریف کے اردگرد اعمال کا دوگنا ہونا اس لئے بھی ہے کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔اور آپ ﷺ کے اعمال تمام امت کے افراد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

اس کے بعد امام سمہودی نے فرمایا کہ قبر شریف پر نازل ہونے والی بے حد و بے حساب رحمتیں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر پھیل جاتی ہیں کیونکہ آپ کے درجات میں لحہ بہ لحہ ترقی ہو رہی ہے پس آپ کی قبر شریف منبع خیرات و برکات ہے۔کعبہ میں جس نے نماز کو درست نہیں قرار دیا ہے اس کے نزدیک مسجد حرام کعبہ سے افضل نہیں کیونکہ مسجد حرام یقیناً عمل کرنے کی جگہ ہے۔

آیت کریمہ: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ......الایۃ

''اور اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (انہیں چاہیے کہ) تمہارے پاس آئیں۔''

یہاں آنے سے مراد قبر انور کے پاس آنا ہے کیونکہ آپ کے روضہ پاک کے پاس آنا، زیارت کرنا، آپ ﷺ سے شفاعت کا سوال کرنا، آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا اور قبر انور کے پاس ٹھہرنا تمام عبادات سے افضل ہے۔یہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔پس جب قبر انور ہی کی وجہ سے یہ خیرات ملتی ہے تو وہ ہر چیز سے افضل ہے۔چونکہ قبر انور ریاض الجنۃ کے بالائی حصہ پر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ

''تم میں سے کسی کی کمان کی مقدار جگہ جنت میں سے، دنیا و مافیھا سے بہتر ہے''۔

مستدرک الحاکم کی صحیح حدیث میں ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی قبر کے پاس سے گذرے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، یہ کس کی قبر ہے؟ عرض کی گئی فلاں یہودی کی۔آپ ﷺ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔کہ زمین و آسمان میں سے ہر ایک کو اسی مٹی کی طرف لوٹایا گیا جس سے پیدا

کیا گیا تھا۔

کتاب الوفا میں ابن جوزی کعب الاحبار سے روایت کرتے ہیں کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی تخلیق کا ارادہ کیا تو جبرائیل کو (مٹی لانے کا) حکم دیا پس جبرائیل علیہ السلام قبر انور کی مٹی جو روشن تھی لے گئے اسے ''ماءِ تسنیم'' (جنت کے ایک چشمہ کا نام) سے گوندھا گیا۔ پھر اسے جنت کی نہروں میں غوطہ دیا گیا پھر اسے زمین و آسمان میں پھرایا گیا پس ملائکہ نے آپ ﷺ کو اور آپ کی فضیلت کو آدم علیہ السلام کو پہچاننے سے پہلے جانا۔

حکیم الترمذی نے فرمایا کہ حدیث شریف جس میں فرمایا گیا ہے'' کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو کسی جگہ پر مارنے کا ارادہ کرے تو اس کی طرف اس انسان کی حاجت بنا دیتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کی موت اسے وہاں لے جاتی ہے کیونکہ وہ اسی ٹکڑا سے پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ

یہی وجہ ہے کہ انسان کو جہاں سے پیدا کیا گیا ہے اسی کی طرف دوبارہ لوٹایا جاتا ہے۔

جریری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے ابن سیرین کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں قسم اٹھاؤں تو سچا ہوں گا میں سچ بولنے والا اور استشار کرنے والا نہیں ہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تینوں کو ایک جگہ کی مٹی سے پیدا کیا پھر انہیں اسی جگہ لوٹا دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عزرائیل علیہ السلام نے تخلیق کیلئے زمین سے مٹی کی مٹھی لینے کا ارادہ کیا تو شیطان نے دونوں قدموں سے زمین کو روندڈالا جب کہ کچھ مٹی اس کے قدموں کے درمیان رہ گئی پس جس مٹی کو شیطان کے قدم نہیں لگے اس سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام پیدا کئے گئے آقائے دو عالم ﷺ کی تخلیق بے مثل بھی اسی مٹی سے تھی۔ جس پر اللہ کی نظر رہی ہے۔ اسی طرح ''عوارف'' میں ذکر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی تخلیق کیلئے مٹی کعبہ شریف کی جگہ سے لی گئی۔

کہا گیا ہے کہ جب خالق حقیقی جل جلالہ نے زمین و آسمان کو مخاطب کر کے فرمایا ''اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا'' چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے آؤ''۔

تو زمین میں سے کعبہ مقدسہ کی جگہ اور آسمان میں سے کعبہ شریف کی سیدھ میں جو مقام ہے (بیت المعمور کی جگہ) اس نے جواب دیا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ زمین سے آپ ﷺ کے جوہر پاک نے

جواب دیا تھا۔ چونکہ ساری زمین کعبہ کی جگہ سے پھیلائی گئی ہے۔ (گویا آپ ﷺ کی تخلیق کعبہ شریف کی جگہ سے ہوئی ہے) پھر جب اللہ نے زمین بنانے کا ارادہ کیا تو پانیوں میں موجیں آ گئیں۔ (تب ہر طرف پانی ہی پانی تھا) پانی نے جھاگ بنانا شروع کیا اور یوں جھاگ کے ساتھ ساتھ آپ کا جوہر پاک بھی مدینہ شریف میں قبر انور کی جگہ پھینک دیا گیا اور وہ وہیں قرار پذیر ہوا۔ پس قبر انور کی جگہ اس جوہر پاک کے ٹھہرنے کی وجہ سے قابل صد احترام ہوئی۔ جس طرح آپ ﷺ کعبہ میں ہوں یا نہ ہوں تب بھی وہ فضیلت والا ہے۔

ابن جوزی ''وفا'' میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب سید عالم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کے دفن کرنے کی جگہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کی روح کو قبض کیا ہے اللہ کے ہاں اس سے قابل عزت جگہ روئے زمین پر نہیں۔ (پس آپ کو وہیں دفن کیا گیا جہاں آپ کا وصال ہوا تھا)

امام سمہودی فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل سے امت کا اجماع اس پر ہے کہ قبر شریف کی جگہ باقی جگہوں سے افضل ہے۔ باقی لوگوں نے اپنے قول سے اجماع کی طرف رجوع کیا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس پر دلیل قاطع ہے۔ کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ نبی کی روح کو اس جگہ قبض کرتا ہے جو نبی کو پسندیدہ ہو۔ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جو جگہ نبی کو پسند ہو وہ اللہ کو بھی پسند ہے کیونکہ نبی کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہوتی ہے۔ اور جو چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہو وہ ہر چیز سے افضل کیونکر نہیں ہوسکتی انہوں نے کہا کہ مدینہ کی فضیلت میں میرا یہی مسلک ہے پس آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ الٰہی مدینہ ہمیں ایسا محبوب فرما جیسا مکہ ہے یا مکہ سے بھی زیادہ محبوب فرما۔ اور آپ کی یہ دعا یقیناً قبول ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ جب آپ مدینہ شریف کو ملاحظہ فرماتے تو خوشی میں اپنی سواری کو حرکت دیتے (جھوم جاتے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا ''جس جگہ میری وفات ہوگی اس زمین کے اس حصہ سے زیادہ پسندیدہ حصہ مجھے کوئی اور نہیں۔ حاکم نے اپنی کتاب ''مستدرک'' میں صحیحین سے روایت کی ہے۔ وہ حدیث جس میں فرمایا گیا ہے۔ الٰہی تو نے مجھے معزز شہر سے ہجرت کیلئے حکم دیا ہے پس مجھے معزز شہر میں سکونت عطا فرما'' اس شہر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی محبتیں جمع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا معنی بھلائی اور محبوب کو تعظیم عطا کرنا ہے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس محبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس حدیث کو عبداللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اسے صحیح قرار دیا جائے تو بھی مطلب یہ ہوگا کہ وہ شہر جو مکہ کے بعد معزز ہو۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

مکہ اللہ کے ہاں تمام شہروں سے بہترین ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ تمام شہروں میں پسندیدہ ترین ہے۔ کیونکہ مسجد حرام کی وجہ سے ثواب میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں (فضیلت مدینہ کے متعلق) مذکورہ احادیث کی تأویل کرنا درست ہے۔ متعدد احادیث شریف میں دار ہجرت (مدینہ) کیلئے دعا مانگی گئی ہے کہ الٰہی مدینہ شریف مکہ یا اس سے بھی زیادہ محبوب فرما دینا۔ یہ حدیث اور اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث جن کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراض

حدیث شریف ''اِنَّ مَکَّۃَ خَیْرُ بِلَادِ اللّٰہِ'' میں مکہ کی افضلیت کا ذکر ہے۔ نہ کہ مدینہ کی افضلیت کا ذکر ہے۔

الجواب

اس حدیث کو ابتدائے اسلام کے زمانے پر محمول کیا گیا ہے یہ مدینہ کی فضیلت کے ثبوت، وہاں سے دین کی ترویج و اشاعت اور وہاں سے دیگر شہروں کے فتح ہونے (بشمول مکہ کے) سے پہلے کی بات ہے۔ ان امور کی بنا پر مدینہ شریف وہ مقام حاصل کر گیا جو کسی اور شہر کی قسمت میں نہیں آیا۔ آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت حاصل ہو گیا۔ اور یہ پسندیدہ شہر قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کیلئے اس شہر بے بدل میں اقامت کو لازمی قرار دیا۔ وہاں آپ ﷺ کی اقتداء پر لوگوں کو ابھارا۔ اور اپنے محبوب کی روح پاک کو اسی شہر میں قبض فرمایا۔ پھر کیوں نہ یہ شہر باقی شہروں سے افضل ہو۔

''اِنَّ مَکَّۃَ خَیْرُ بِلَادِ اللّٰہِ'' والی حدیث شریف کی بعض اسناد میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ سواری پر بیٹھے ہوئے فرمائے اور آپ اس وقت ''حزورہ'' جسے آج کل ''عزورہ'' کہا جاتا ہے کے مقام پر سفر ہجرت میں تھے۔ آپ چھپ کر جا رہے تھے آپ کا یہ فرمان ہجرت کے سفر سے مؤخر نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ رات کے وقت کفار کے سروں پر خاک ڈال کر سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے نکلے تھے۔ کفار آپ کے انتظار میں تھے لیکن آپ آیت قرآنیہ کی وجہ سے پناہ الٰہی میں آ گئے اور کفار نے آپ کو نہیں دیکھا۔ ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ سید دو عالم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں سوار ہوئے اور غار ثور میں آ کر پناہ لی۔

ثواب کی کثرت کسی چیز کی افضلیت کی دلیل نہیں ہوتی۔ مثلاً میدان عرفات کی طرف جانے

والے (حاجی) کی منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنی مسجد حرام میں پڑھنے سے بہتر ہیں۔ کیونکہ منیٰ میں نمازیں پڑھنے میں اطاعت ہے اور اطاعت سے عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں ثواب کے اضافہ کے باوجود مدینہ شریف کی فضیلت کے قائل تھے ان سے مسجد حرام میں ثواب کے اضافہ کے باوجود مکہ کی افضلیت ثابت نہیں۔ کیونکہ مدینہ شریف کیلئے ایسی اضافی فضیلت ہے۔ جو مکہ شریف کیلئے نہیں وہ آپ ﷺ کی دعا ہے جس کی وجہ سے مدینہ شریف کی برکات میں مکہ کی نسبت اضافہ ہے۔ کبھی کبھی عدد قلیل میں اتنی برکت ہو جاتی ہے جو عدد کثیر پر غالب آجاتی ہے۔ اسی لئے مدینہ شریف کی فضیلت ثابت ہے۔ اگر کہا جائے کہ ثواب کی کثرت کعبہ شریف تک موقوف ہے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اختلاف سوائے کعبہ کے باقی سر زمین میں ہے۔ اس صورت میں موجودہ بابرکت مقامات کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان میں کچھ اختلاف باقی نہیں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ المخزومی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تو مدینہ سے مکہ کی افضلیت کا قائل ہے انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کا حرم اور پناہ گاہ ہے اور وہاں بیت اللہ شریف ہے آپ نے فرمایا حرم اور بیت اللہ کے بارے میں میں نہیں پوچھ رہا۔ پھر آپ نے اپنا سوال دہرایا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دہرایا۔ اس پر آپ نے فرمایا میں حرم و بیت اللہ کے بارے میں نہیں پوچھ رہا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے (جانیکا) اشارہ کیا۔ پس آپ چلے گئے۔

مدینہ شریف کو عمرہ کی بجائے مسجد قباء میں آنا اور حج کی بجائے مسجد نبوی شریف اور اس کی زیارت کی فضیلت دی گئی ہے آفتاب نبوت کے یہاں طلوع ہونے کے بعد اور اگر یہ ایک قول کے مطابق مکہ سے مقام میں کم ہے تو درحقیقت مدینہ شریف دین اسلام کے اعزاز اور اظہار، اکثر فرائض اور دین کی تکمیل، جبرائیل امین کا یہاں کثرت سے نزول اور آقائے دو جہاں ﷺ کا تا قیامت یہاں محو استراحت ہونا ایسے امور عظیمہ ہیں جو اس کے مقام رفیع کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مکہ اور مدینہ میں سے کس شہر میں اقامت آپ کو پسند ہے؟ آپ نے فرمایا "یہاں" (مدینہ شریف میں) میں مدینہ شریف میں سکونت کیوں نہ اختیار کروں؟ کیونکہ یہاں کی ہر گلی میں آقائے دو عالم ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا ہے اور گھڑی گھڑی سیدنا جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر اترتے رہے۔

چونکہ حدیث شریف میں مدینہ شریف میں مرنے کی فضیلت آئی ہے لہٰذا یہاں رہائش بھی افضل ہے کیونکہ زندگی موت کی طرف جانے والی راہ ہے طبرانی وغیرہ نے حدیث شریف ذکر کی ہے کہ

"اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ مِّنْ مَکَّۃَ" (مدینہ شریف مکہ شریف سے بہتر ہے) اس حدیث کے راویوں میں "عبدالرحمٰن رداد" ہیں انہیں ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ کبھی کبھی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ "کمزور" راوی ہیں ابن عدی نے کہا ہے کہ ان کی روایت محفوظ نہیں اور ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ یہ "قوی" نہیں۔ الغرض اس حدیث کے علاوہ جو کچھ گذر چکا ہے مدینہ شریف کی فضیلت کیلئے کافی ہے۔

صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ آقائے دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ

اُمِرْتُ بِقَرْیَۃٍ تَأْکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرَبَ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ

"مجھے ایسے شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو شہروں کو کھا جائیگا لوگ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ شہر مدینہ شریف ہے یہ بروں کو اپنے سے اس طرح دور کرے گا۔ جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے"۔

قاضی عبدالوہاب نے کہا ہے کہ "شہروں کو کھانے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر پاک دوسرے شہروں پر غالب آئیگا۔ یعنی مدینہ شریف کی فضیلت مقصود تھی۔ ابن المنیر نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس کی فضیلت ماسوا پر غالب ہے۔ کیونکہ عام مشاہدہ ہے کہ کسی عظیم کے پہلو میں رہنے سے چیز کی فضیلت کم یا ناپید ہو جاتی ہے۔ (لہٰذا مکہ شریف کے قرب میں رہنے کی وجہ سے اس کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے) مکہ شریف کو "اُمُّ الْقُرٰی" اور مدینہ شریف کو "تَأْکُلُ الْقُرٰی" کہا گیا ہے۔ کیونکہ ماں کے قریب رہنے سے اولاد کی فضیلت جاتی نہیں البتہ ماں پر اولاد کے حقوق ضرور ہوتے ہیں۔ (اسی طرح مدینہ مکہ کے قریب ہونے کی وجہ سے فضیلت سے محروم نہیں ہے)

امام سمہودی یہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کھانے والا اس چیز پر غالب ہوتا ہے جس کو کھا رہا ہے۔ پس کھانے سے مراد فضیلت کا غلبہ بھی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کے رہنے والے دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر غالب ہوتے ہوں۔ دوسری صورت پر اس مضمون کا حمل درست نظر آتا ہے۔ کیونکہ معنی و مراد اس سے ظاہر ہو رہا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک انسان اپنے چچا اور بھائی یا کسی رشتہ دار سے کہے گا کہ خوشحالی کی طرف آؤ اور مدینہ شریف ان کیلئے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بھی اس سے از راہ شوق نہیں نکلتا مگر اللہ نے اس کیلئے اس میں بہتری رکھی ہے اس حدیث میں مدینہ شریف سے نکلنے کی مذمت فرمائی گئی ہے حدیث کا اطلاق ہمیشہ کیلئے

ہے۔ جیسا کہ محب طبری نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث شریف اپنے ظاہری الفاظ پر دلالت کر رہی ہے۔

صحیحین کی روایت ہے کہ" (آخر زمانہ میں) ایمان مدینہ شریف کی طرف اس طرح سکڑ کر آئیگا جس طرح سانپ پناہ کیلئے سوراخ کی طرف سکڑتا ہے" کیونکہ مدینہ شریف ایمان کا منبع اور اصل ہے ہر مومن کا دل یہاں آنے کیلئے تڑپتا رہتا ہے کیونکہ یہاں روح کا قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو استراحت ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جنیدی کی روایت ہے" قریب ہے کہ ایمان آخر زمانہ میں مدینہ کی طرف اس طرح سکڑے گا جس طرح یہاں سے پھیلا تھا۔ اسی لئے فرمایا گیا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُحَازُ الْاِيْمَانُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا يَحُوْزُ السَّيْلُ الدِّمَن

" قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سکڑ کر نہیں آئے گا جس طرح سیلاب کا ریلا نشیبی زمین کی طرف آتا ہے"۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" کہ ایمان مدینہ شریف کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جس طرح یہاں سے پھیلا تھا۔ حتی کہ ایمان صرف مدینہ میں ہی رہ جائیگا۔ ابو یعلی کی روایت جسے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ" میں (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ شریف سے باہر نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر بے بدل کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَرِأَ هٰذِهِ الْجَزِيْرَةَ مِنَ الشِّرْكِ

" کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر پاک کو شرک کی آلودگیوں سے محفوظ کر رکھا ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہا

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ طَهَّرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةَ مِنَ الشِّرْكِ

" کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک سے پاک رکھا ہے"۔

اِنْ لَمْ تُضِلَّهُمُ النُّجُوْمُ

" اگر ستارے یہاں کے رہنے والوں کو گمراہ نہ کریں"۔

تیسری فصل

امام سہودی کی تصنیف لطیف ''خلاصۃ الوفا'' کے باب اول میں سے

مدینہ شریف میں رہائش پذیر ہونے، یہاں کی تکالیف پر صبر کرنے، یہاں فوت ہونے، اصل کو پکڑنے، برائی کو دور کرنے، جو یہاں بدعت (سیئہ) کا مرتکب ہوگا یا جو اسے پناہ دے گا، یا جو یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا یا ڈرائے گا اور یہاں کے رہنے والوں کیلئے وصیت کے بارے میں ہے''۔

گذشتہ صفحات میں مسلم کی ذکر کردہ حدیث گذر چکی ہے کہ:

''عنقریب ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ انسان اپنے چچازاد بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار سے کہے گا کہ بھلائی کی طرف آؤ جبکہ مدینہ ان کیلئے بہترین (بھلائی کی جگہ) ہے۔ اگر انہیں علم ہوتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو بھی اس شہر کو چھوڑ کر جائیگا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو نعم البدل عطا فرمائیگا۔

صحیحین اور موطا شریف کی حدیث ہے کہ (عنقریب) یمن فتح کیا جائیگا اور ایک قوم ایسی آئیگی جو اپنے اہل وعیال اور زیر نگیں کے ساتھ کوچ کرے گی اور اپنی سواریاں تیز دوڑائے گی۔ پس اگر انہیں علم ہوتا تو سرزمین مدینہ ان کے لئے بہترین (جائے پناہ) تھی۔

صحیحین کی حدیث شریف ہے'' کہ جو اس شہر کی بیماری پر صبر کرے گا تو قیامت والے دن میں اس کیلئے شفیع اور گواہ ہوں گا۔

مسلم شریف کی حدیث جو'' مہری'' کے غلام سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابوسعید الخدری کے پاس حاضر ہوئے اور مدینہ شریف سے کوچ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا نیز یہاں کی مہنگائی اور اپنی اولاد کی کثرت کا شکوہ کیا کہ مزید یہاں کی مشقت بھری زندگی سے اور بیماری سے اکتا گیا ہوں۔ اس پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' تیرا ستیاناس ہو میں اس کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں جبکہ میں نے اپنے آقا ومولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بھی یہاں کی سختیوں اور مشقتوں پر ثابت قدم رہتے ہوئے صبر کرے گا تو قیامت کے دن میں اس کیلئے شفیع اور گواہ ہونگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا۔ ایسا نہ کر مدینہ ہی کو لازم پکڑ۔ (الحدیث)

مسلم شریف کی حدیث پاک ہے کہ ایک لونڈی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئی سلام پیش کیا اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن میں نے اس شہر کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ مجھ پر سخت وقت آن پڑا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا بے وقوف عورت یہیں رہو! کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بھی مدینہ کی تکالیف اور بیماریوں پر صبر کرے گا قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہونگا یا آپ نے فرمایا قیامت والے دن میں اس کی گواہی دوں گا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث شریف ''شَفِیْعٌ اَوْ شَهِیْدٌ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں ''او'' شک کیلئے نہیں ہے بلکہ برائے تقسیم ہے یعنی گناہگاروں کیلئے آپ ﷺ شفیع ہونگے اور نیکو کاروں کیلئے گواہ ہونگے یا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ جو خوش نصیب افراد حضور پاک ﷺ کے زمانہ پاک میں انتقال کر گئے ان کیلئے آپ ﷺ گواہ، اور جو بعد میں وفات پا گئے ان کیلئے آپ ﷺ شفیع ہونگے۔ یہ گواہی یا شفاعت آپ کی شفاعت عامہ اور شہادت عامہ کے علاوہ ہوگی۔ یا ''او'' بمعنی ''واؤ'' ہے یعنی آپ ﷺ شفیع اور گواہ ہونگے جس طرح بزاز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ''وْ'' کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور مفضل الجنیدی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

لَا یَصْبِرُ اَحَدٌ عَلٰی لَأْوَاءِ الْمَدِیْنَةِ وَحَرِّهَا اِلَّا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَّ شَهِیْدًا

ایک حدیث شریف میں آیا کہ جو کوئی طاقت رکھے کہ وہ مدینہ شریف میں فوت ہو تو اسے وہاں فوت ہونا چاہیے کیونکہ جو یہاں فوت ہوگا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں اس کیلئے گواہ ہونگا۔

بیہقی اور ابن حبان نے روایت کی ہے کہ جو کوئی مدینہ میں فوت ہونے کی استطاعت رکھے تو اسے وہاں فوت ہونا چاہیے کیونکہ حضور نے فرمایا جو کوئی یہاں فوت ہوگا میں اس کیلئے شفاعت بھی کروں گا۔ اور اس کیلئے گواہ بھی بنوں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کیلئے شفیع اور گواہ ہونگا۔ ایک روایت میں ان کلمات کے بعد یہ ہے کہ ''سب سے پہلے روز قیامت میں اپنی قبر سے اٹھوں گا پھر (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے بعد (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ! پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا وہ (میرے اردگرد) میرے ساتھ جمع ہوں گے پھر مکہ والوں کا انتظار کروں گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے سب سے پہلے میں اہل مدینہ کیلئے پھر اہل مکہ کیلئے پھر اہل طائف کیلئے شفاعت کروں گا۔

موَطا شریف کی حدیث ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ مدینہ میں تشریف فرما تھے ایک قبر کھودی جارہی تھی کسی نے قبر میں جھانک کر کہا" مؤمن کا یہ ٹھکانہ بہت برا ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا" تیرا یہ قول بہت برا ہے" اس نے عرض کی حضور ﷺ! میرا مقصد یہ نہ تھا۔ (اس قبر کی توہین مقصود نہ تھی) میرا مطلب تو یہ تھا کہ انسان کو جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" شہادت فی سبیل اللہ کی کیا بات ہے (لیکن) مجھے روئے زمین پر مدینہ سے زیادہ پسندیدہ جگہ اپنی قبر کیلئے کوئی اور نہیں آپ نے تین مرتبہ آخری قول کو دہرایا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح راویوں سے حدیث شریف نقل کی ہے کہ حضور ﷺ جب مکہ شریف میں داخل ہوتے تو فرماتے" الٰہی ہمیں مکہ میں موت نہ دینا یہاں تک کہ تو ہمیں یہاں سے نکال دے۔

یہ بھی حدیث صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے" الٰہی مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرمااوراپنے رسول کے شہر پاک میں مجھے موت عطا فرمایہ آپ رضی اللہ عنہ کی عظیم دعا تھی۔

طبرانی نے" الکبیر" میں حدیث نقل کی ہے کہ جس کا مدینہ میں کوئی ٹھکانہ نہ ہوتو اسے لازم پکڑے کیونکہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جس کا یہاں ٹھکانہ نہ ہوگا وہ یہاں سے کسی اورطرف نکل جائیگا۔

ایک روایت میں ہے کہ" انسان کو چاہیے کہ وہ یہاں ٹھکانہ بنالے اگر چہ درخت (کا سایہ ہی) ہو۔

ابن شبہ نے بعینہٖ یہی حدیث بیان کی ہے پھر زہری سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے کہ مکہ میں مال و دولت نہ بناؤ البتہ مدینہ میں ایسا کرو کیونکہ انسان اپنے مال کے ساتھ ہوتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے۔ کہ ہجرت کے بعد مرتد نہ ہو جانا اور اپنی بیٹیوں کا نکاح مکہ کے مجبوراً مسلمان ہونے والوں (فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والوں) کے ساتھ نہ کروانا۔ (الحدیث)

مسلم شریف میں ان الفاظ کا اضافہ ہے" کہ جو بھی مدینہ سے منہ موڑ کر نکلے گا اللہ اس کی جگہ اسے بہترین انسان عطا کرے گا کیونکہ مدینہ بھٹی کی مانند ہے یہ برائی کو دور کرتا ہے اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک یہ شہر بروں کو اپنے سے دور نہیں کرتا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

ماقبل فصل میں" تنفی الناس" (یہ بروں کو دور کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں اور کہیں" تَنفِی الرِّجَالَ" (یعنی شریر انسانوں کو دور کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ مدینہ شریف" طیب" (پاک) ہے اور گناہ کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی چاندی کے کھوٹ کو دور کرتی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک بدو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری بیعت واپس لیجئے۔ آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ لیکن وہ چلا گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ بھٹی کی طرح بروں کو دور کرتا ہے اور اچھوں کو نکھارتا ہے۔

مدینہ کی یہ خاصیت تا ابد ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی۔ جب تک مدینہ بروں کو نکال نہیں دیتا" یعنی جب دجال آئے گا اور مدینہ کو (تین) جھٹکے لگیں گے تو (ڈر کے مارے) منافقین یہاں سے نکل پڑیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ دن تخلیص (خلاصی) کا دن ہے۔ اس دن مدینہ برائی کو دور کرے گا۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک ساتھی سمیت مدینہ سے نکلتے وقت فرمایا اے دوست! تیرا کیا خیال ہے کہ ہمیں مدینہ دور کر رہا ہے؟

تحقیق اللہ نے خبث کامل کے حاملین یعنی کفار کو یہاں سے دور فرمایا ہے اور کفار کے علاوہ دیگر بروں کو جو یہاں فوت ہو جائیں ملائکہ کے ذریعے (بعد از دفن) دور کیا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اقشہری نے اشارہ کیا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ شہر برائی کو دور کرتا ہے یعنی برائی اور گناہ کے مرتکب ان افراد کو دور کرتا ہے جو بدبخت ہیں اور شفاعت کو قبول نہیں کرتے یہی خبث کامل کے حاملین (کفار) ہیں جو ان کے علاوہ گناہگار ہیں ان کا ذکر" بَدُو "اور" دجال" کے تحت ہو چکا ہے۔

الغرض مدینہ شریف نفس کو برائی اور گناہ کی آلودگی سے اپنی شفقتوں، رحمتوں اور ثواب کے ذریعے بچاتا ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں جس کے دل میں برائی یا فساد ہوگا یہ شہر اسے صادق دلوں سے جدا کر دیتا ہے اور جو عقیدہ اس کے دل میں پوشیدہ ہوگا یہ اسے ظاہر کر دیگا۔ جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اور حدیث شریف "اَلْمَدِیْنَۃُ کَالْکِیْرِ ...... کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے...... اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب منافقین غزوۂ احد کے موقع پر پلٹ آئے تھے" تنفی" جو حدیث شریف میں آیا ہے اس کا معنی دور کرنا اور نکھارنا ہے۔ (برائی کو دور کرنا اور نیکی کو نکھارنا ہے)

صحیحین کی ان احادیث میں جو حرمت مدینہ کے متعلق ہیں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جس نے یہاں بدعت جاری کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور یوم حشر اس کی کوئی عبادت (خواہ فرائض ہوں یا نوافل) قبول نہ کی جائی گی۔ جمہور کے نزدیک" صرف وعدل" سے مراد فرائض ونوافل ہیں یا توبہ اور فدیہ ہے یعنی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور قیامت کے دن اسے کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جس سے وہ فدیہ ادا کر سکے۔

اللہ کی طرف سے لعنت کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس کو اپنی نظر رحمت سے دور کر دے گا اور جنت سے

نکال دے گا۔ اس سے کفار والی لعنت مراد نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ لعنت اس عمل (بدعت) کے ساتھ خاص ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں (مدینہ میں) گناہ صغیرہ باہر کے گناہ کبیرہ کی طرح ہے۔ کیونکہ حضور پاک ﷺ یہاں محو استراحت ہیں اور تعظیم نبی واجب ہے۔

صحیح بخاری کی مرفوع حدیث ہے کہ جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آتش (دوزخ) میں اس طرح پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلایا جاتا ہے۔

مسلم شریف کی بھی اس قسم کی حدیث ہے کہ جو بھی یہاں کے باسیوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے نار جہنم میں اس طرح پگھلائے گا جس طرح سیسہ آگ میں یا نمک پانی میں پگھلایا جاتا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ آگ میں جلانے کا حکم آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور برائی کرنے کا حکم سرور کائنات کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

الغرض جو کوئی یہاں کے رہنے والوں سے مکر کریگا تو اس کا مکر ختم ہو جائیگا اور وہ نامراد ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے جو کھلم کھلا یہاں برائی کا مرتکب ہوگا (وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا) اور دنیا میں خائب و خاسر ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی یہاں برائی کا ارادہ کرے گا وہ دنیا میں ہی نامراد ہوگا۔ جس طرح مسلم بن عقبہ او یزید ناکام و نامراد ہو کر لوٹے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں مذکورہ بالا توجیہ ترجیح یافتہ ہے کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ کسی مخصوص زمانہ کا تقاضا نہیں کرتے۔ کیونکہ (تاحال) یہاں برائی کا ارادہ کرنے والا اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ بلکہ عام مشاہدہ یہی ہے کہ وہ جلد ہلاک ہوا۔ اور آگ میں پگھلائے جانے کا وعدہ اس کے علاوہ ہے۔

جنیدی نے یہ حدیث شریف بیان کی ہے کہ جو سرکش یہاں (مدینہ) میں برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں ایسے پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

بزار نے سند حسن کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ الٰہی جو کوئی لشکر جرار لیکر اہل مدینہ پر حملہ آور ہو تو ان کی حفاظت فرما جو بھی یہاں برائی کا مرتکب ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ایسا پگھلائے گا (نار جہنم میں) جیسا نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

ابن زبالہ نے سعید بن مسیتب سے روایت کی ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک دفعہ مدینہ شریف کی طرف دیکھ کر (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آئی پھر فرمایا الٰہی جو بھی میرے شہر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اس کو جلد ہلاک کر۔

طبرانی نے ''الاوسط'' میں ثقہ راویوں سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے'' الٰہی جو بھی اہل مدینہ پر ظلم کرے یا ڈرائے تو اسے ڈرا اور اس پر ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کی عبادت (فرائض ونوافل) قبول نہ کی جائی گی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا اللہ رب العزت اسے قیامت کے دن ڈرائے گا اس پر غصے کا اظہار ہوگا اور اس کی عبادت قبول نہ کرے گا۔ نسائی اور ابن حبان کی روایت ہے کہ

''جس ظالم نے اہل مدینہ کو ڈرایا اللہ اسے روز قیامت ڈرائے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہو گی''۔

امام احمد نے ثقہ راویوں سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

کہ ''زمانہ فتنہ'' میں ایک امیر (بشر بن ارطاۃ) مدینہ آیا۔ ان دنوں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بینائی چلی گئی تھی۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ اس امیر سے اعراض کریں۔ پس آپ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے اپنے دو بیٹوں کے درمیان جاتے ہوئے فرمایا'' جس نے آقائے دو عالم ﷺ کو ڈرایا وہ ہلاک ہو۔ بچوں نے پوچھا ابا جان حضور ﷺ تو پردہ فرما چکے ہیں انہیں ڈرانا کیسے ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا اس نے میرے دل کو ڈرایا (تکلیف پہنچائی)۔

طبرانی نے ''الکبیر'' میں حدیث بیان کی ہے کہ'' جس نے اہل مدینہ کو تکلیف پہنچائی اللہ تعالیٰ اسے تکلیف دے گا۔ اس پر اللہ، اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نیز اس کی عبادت بھی قبول نہ کی جائے گی۔

ابن نجار نے معقل بن یسار المزنی سے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

'' مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اس میں میری قبر (انور) ہے اور (روز قیامت) مجھے یہیں سے اٹھایا جائیگا۔ اپنی امت پر میرا یہ حق ہے کہ وہ میرے شہر کے باسیوں کی حفاظت کرے جب تک وہ (اہل مدینہ) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں۔ جس نے ان کی حفاظت کی روز جزا میں اس کے لئے شفیع اور گواہ ہونگا۔ اور جس نے (باوجود قدرت کے) ان کی حفاظت نہ کی تو اسے دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی''۔

طبرانی کے الفاظ ہیں کہ'' مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اور روئے زمین پر یہیں میرا روضۂ انور ہے میرا اپنی امت پر یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ جب تک میرے شہر والے کبیرہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ قیامت کے دن اسے دوزخیوں کی پیپ پلائے گا۔

قاضی ابوالحسن الہاشمی اپنی کتاب ''فوائد'' میں خارجہ بن زید سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' مدینہ میری ہجرت گاہ ہے یہیں میری قبر انور ہے یہیں سے مجھے روز قیامت اٹھایا جائے گا اپنی امت پر میرا یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے۔ نیز جس نے میری اس وصیت کو یاد رکھا قیامت کے دن میں اس کیلئے گواہ ہونگا اور جس نے اسے بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ اسے ''حوض خبال'' پر لائے گا۔ عرض کی گئی حوض خبال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دوزخیوں کی پیپ سے بھرا ہوا حوض ہے۔

ابن زبالہ کی مذکور حدیث ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو میری ہجرت گاہ بنایا ہے یہیں میری قبر انور ہوگی اور یہیں سے مجھے اٹھایا جائیگا پس میری امت پر فرض ہے کہ وہ ان کی حفاظت اس وقت تک کریں جب تک یہ گناہ کبیرہ سے بچیں۔ جس نے ان میں میری عزت کی حفاظت کی میں قیامت والے دن اس کا شفیع ہونگا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخیوں کی پیپ کے حوض پر لائیگا۔

''مدارک'' میں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ نے حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں (حضرت مالک) مہدی خلیفہ کے پاس گیا اس نے عرض کی کوئی نصیحت کیجئے میں نے کہا کہ میں تجھے ایک اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں اور حضور پاک ﷺ کے اہل شہر کے ساتھ نرمی کی نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ ہم تک یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا'' مدینہ میری ہجرت گاہ ہے یہیں پر میری قبر انور ہے یہیں سے روز قیامت مجھے اٹھایا جائے گا میرا امت پر یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرے جو ایسا کرے گا قیامت کے دن میں اس کیلئے گواہ اور شفیع ہونگا اور جس نے میرے پڑوسیوں کی حفاظت نہ کی قیامت والے دن اسے دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

حضرت مصعب فرماتے ہیں کہ منصور جب مدینہ شریف آیا تو حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر معززین نے کئی میل باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ اس نے جب حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو ان کی طرف آیا انہیں گلے لگایا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا اے امیر المومنین! عنقریب آپ شہر بے بدل مدینہ شریف میں داخل ہونگے آپ کے دائیں بائیں مہاجرین و انصار کی اولاد ہوگی آپ انہیں سلام کریں کیونکہ روئے زمین پر اہل مدینہ اور شہر مدینہ کی مثال نہیں۔ اس نے عرض کی یہ باتیں آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا آج روئے زمین پر انبیاء کرام کے مزارات غیر معروف ہیں۔ البتہ روضۂ رسول ﷺ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ روضۂ انور کے ان مجاوروں کی فضیلت کا لحاظ رکھا جائے۔ مہدی نے آپ کی ان ہدایات پر

عمل کیا۔

امام سمہودی فرماتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر انور کے پڑوس میں رہنا باعث عزت وصد افتخار ہے۔ حدیث شریف ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق ہمیشہ وصیت کرتے رہے اور کسی پڑوسی کو دوسرے سے کم درجہ قرار نہیں دیا۔ (تمام پڑوسی برابر ہیں) غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ کو اہلِ مکہ پر فضیلت نہیں دی گئی بلکہ دونوں کو فضیلت حاصل ہے اہل مکہ کو اعمال صالحہ کے دو چند ثواب ملنے کی وجہ سے اور اہل مدینہ کو بسیار برکات وامداد کی وجہ سے اسی طرح اہل مکہ بیت اللہ شریف کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے ممتاز ہیں اور اہل مدینہ اللہ کے حبیب اور مخلوق میں سب سے معزز ومکرم نبی علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے لائق صد تحسین ہیں۔

ابوبکر بن حماد نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے کہ انسان مکہ میں سکونت اختیار کرے یا مدینہ میں؟ آپ نے فرمایا مدینہ کی تکالیف پر صبر کر سکے یا یہاں رہائش پذیر ہونے پر قادر ہو تو مدینہ بہترین ہے۔

پوچھا گیا وہ کیوں؟

آپ نے فرمایا کیونکہ یہاں مخلوق میں سے بہترین ہستی محو استراحت ہے۔ مدینہ میں سکونت پذیر ہونا بزرگان دین کے ہاں بہترین ہے۔

ابن شبہ، شعبی سے روایت کرتے ہیں ہے کہ وہ (شعبی) مکہ میں ٹھہرنے کو مکروہ جانتے تھے وہ کہتے کہ دوران نامی قصبہ (نزد قدید) میں اترنا بنسبت مکہ میں اترنے کے مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ وہ شہر ہے جس سے نبی پاک ﷺ نے ہجرت کی۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ صحابہ کرام حج کیلئے مکہ شریف حاضر ہوئے پھر واپس لوٹ آئے اور اسی طرح عمرہ کیلئے بھی جب جاتے تو بعد از ادائیگی واپس لوٹ آتے وہیں اقامت نہ کرتے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ سلف میں سے کسی نے مدینہ شریف میں ٹھہرنے کو مکروہ نہیں جانا بخلاف مکہ کے۔

اکتاہٹ، قلت حرمۃ اور گناہوں میں آلودہ ہونے کی خوف کی وجہ سے امام نووی سے مذکورہ قول کے خلاف منقول ہے۔ البتہ اگر مذکورہ چیزوں کا احتمال نہ ہو تو پھر دونوں مقامات پر ٹھہرنا ان کے نزدیک مستحب ہے۔

چوتھی فصل

مدینہ اوراہل مدینہ کیلئے دعا، اس کی بیماری کو منتقل کرنے اور دجال وطاعون سے محفوظ ہونے کے بارے میں

صحیحین کی حدیث ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی الٰہی! مدینہ ہمیں مکہ جتنا یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا۔ آپ ﷺ کی یہی دعا آپ سے اکثر منقول ہے۔

تکرار دعا محبت کے اضافہ کے لئے تھا۔ حتی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کے در و دیواروں، بلند راستوں اور قد آور درختوں کو دیکھ لیتے تو کبھی سواری کو تیز دوڑاتے اور کبھی سواری سے اتر پڑتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آپ ''اثایہ'' کے مقام پر تھے مدینہ شریف کو دیکھ کر تیز چلنے لگے یہاں تک کہ چادر آپ کے شانوں سے گر گئی آپ نے فرمایا یہ (اہل مدینہ) پاک روح والے ہیں۔

''محاملی'' نے جو دعا حضور پاک ﷺ کی نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ'' جب آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو تیز دوڑتے اور فرماتے الٰہی مدینہ میں ہمیں استحکام نصیب فرما اور رزق حسن عطا فرما۔ صحیحین کی منقول حدیث ہے الٰہی مدینہ کو مکہ کی نسبت دوگنی برکت عطا فرما۔ الٰہی اہل مدینہ کے مکیال، صاع اور مد (پیمانوں) میں برکت عطا فرما۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ اس برکت کا تعلق دین و دنیا ہر دو سے ہے کہ یہاں کے مکینوں کو وہ چیز کافی ہوتی ہے جو یہاں کے علاوہ کہیں اور کافی نہ ہوتی ہو اور اس کا تجربہ یہاں کے مکینوں کو خوب ہوا ہے۔ لہٰذا میں بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ یہاں رہائش پذیر ہونے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے'' الٰہی ہمارے شہر میں برکت عطا فرما ہمارے صاع و مد (پیمانوں) میں برکت عطا فرما! الٰہی! ہمارے شہر میں برکت فرما ہمیں برکت بالائے برکت عطا فرما۔ الٰہی! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما۔ مولا! سیدنا ابراہیم علیہ السلام تیرا بندہ، خلیل اور نبی تھا میں بھی تیرا بندہ (خاص) اور نبی ہوں انہوں نے مکہ کیلئے دعا فرمائی تھی۔ میں وہی دعا مدینہ کیلئے مانگ رہا ہوں۔

مسلم شریف و ترمذی شریف میں ہے کہ اہل مدینہ جب نیا پھل دیکھتے تو اسے بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کرتے آپ ﷺ جب اسے دیکھتے تو دعا فرماتے الٰہی! ہمارے پھلوں اور اس شہر میں

برکت عطا فرما......(الحدیث)

گویا ہر سال آپ یوں دعا فرماتے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے طبرانی ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ آقائے دو عالم ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی پھر صحابہ کی طرف چہرہ انور پھیرتے ہوئے فرمایا:

الٰہی! ہمارے اس شہر میں برکت عطا فرما......(الحدیث)

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور نبی رحمت ﷺ کے ہمراہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوض (جس کا نام بحرۃ السقیا تھا) پر گئے۔ حضور ﷺ نے وضو کے لیے پانی لانے کو کہا۔ آپ ﷺ نے وضو فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور قبلہ شریف کی طرف منہ کرتے ہوئے عرض کی۔ الٰہی! ابراہیم علیہ السلام تیرا بندہ اور خلیل ہے انہوں نے مکہ کے لیے برکت کی دعا کی تھی میں بھی تیرا بندہ (خاص) اور رسول ہوں میں اہل مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں الٰہی اہل مدینہ کے پیانوں میں مکہ کی برکت سے دو چند برکت عطا فرما۔

ابن زبالہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں ایک دفعہ حضور ﷺ مدینہ منورہ کے ایک کونہ کی طرف نکل گئے میں آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور دعا فرمائی الٰہی ابراہیم علیہ السلام تیرا نبی اور خلیل ہے انہوں نے اہل مکہ کیلئے دعا فرمائی تھی میں بھی تیرا نبی اور رسول ہوں میں اہل مدینہ کیلئے دعا مانگتا ہوں تو ان کے صاع، مد، قلیل اور کثیر میں دوگنا اضافہ فرما۔ الٰہی ہر طرف سے ان پر برکتیں نازل فرما۔ الٰہی جو ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس طرح پگھلا جس طرح نمک پانی میں حل ہوتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ راویوں کے واسطہ سے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے ''سقیا کے مکانات'' کے پاس حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زمین پر نماز ادا فرمائی پھر فرمایا الٰہی ابراہیم علیہ السلام تیرا دوست اور نبی ہے......(الحدیث)

اس حدیث کے آخر میں عرض کی الٰہی! یہاں کی بیماری کو نجم کی طرف منتقل فرما۔ جنیدی نے جس حدیث کو روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الٰہی! مدینہ کو ہمارے لئے مکہ جیسا محبوب بنا یا اس سے بھی زیادہ یہاں ہمیں تندرستی عطا فرما اس کے پیانوں میں برکت عطا فرما اور اس کے بخار کو ''جھفہ'' کی طرف منتقل فرما۔

ابن زبالہ حضور پاک ﷺ کی مدینہ پاک میں تشریف آوری اور صحابہ کرام کے یہاں بیمار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دعا کی ''الٰہی یہاں

سے وباء کو منتقل فرما۔ رات کو آپ ﷺ نے (خواب میں) دیکھا کہ ایک آدمی بخار کو بوڑھی کالی عورت کی شکل میں گردن سے پکڑے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے حضور ﷺ! یہ رہا (مدینہ کا) بخار' اس کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے خم کی طرف منتقل کر دو ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت سیدنا ابو بکر اور آپ کے چند دوستوں کے پاس جانے کا حکم دیا۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں اور ان کے بارے میں خبر (کہ وہ حضرات مدینہ کی آب و ہوا سے تنگ آگئے ہیں) دی جو آپ ﷺ کو اچھی نہ لگی۔ آپ ﷺ بقیع الخیل (مدینہ کے بازار) تشریف لائے اپنا چہرہ انور قبلہ کی طرف کر کے اپنے ہاتھ دعا کیلئے اٹھائے اور فرمایا:

الٰہی مدینہ ہمارے لئے مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا

الٰہی یہاں کے بازاروں (تجارت) میں اور پیمانوں میں برکت عطا فرما اور یہاں کی بیماری مہیعہ کی طرف منتقل فرما۔ امام سہودی فرماتے ہیں کہ مہیعہ کفار کا علاقہ تھا آج تک یہاں بخار دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں موجود ''خم'' کے چشمہ سے پانی پینے سے اس بیماری سے بچاؤ ممکن ہے۔ اس بخار کو مدینہ شریف سے منتقل کرنا حضور ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ:

آپ ﷺ نے ایک پراگندہ بال بوڑھی کو دیکھا جو مدینہ سے نکل کر مہیعہ میں اتری جس کی تاویل یہ ہے کہ مدینہ کا بخار مہیعہ میں منتقل کیا گیا۔ ابن زبالہ کی حدیث ہے کہ بنو قریظہ اور عریض کے درمیانی علاقہ کو بخار سے پاک کیا گیا۔

نیز یہ بھی حدیث پاک ہے کہ:

الٰہی مدینہ کے بخار کو مہیعہ کی طرف منتقل فرما اور جو باقی ہے اس کو بنو ہزیلہ کے قلعہ کے پچھلے حصہ میں دفن فرما۔ اس حدیث میں کچھ بخار باقی رکھنے کی طرف اشارہ ہے جو آج کل بھی لوگوں کو لاحق ہوتا ہے البتہ جو بخار کا سردار تھا (بڑا بخار) اسے منتقل کیا گیا اور باقی بخار جو تھوڑا تھا اسے باقی رکھا گیا تا کہ گناہوں کا کفارہ ہوتا رہے۔

کیونکہ امام احمد کی منقول حدیث ہے کہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ بخار نے حضور ﷺ کے ہاں آنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا ''ام ملدم'' (بخار) آپ ﷺ نے اسے قباء میں جانے کا حکم دیا۔

اہل قبا بہت زیادہ بیمار ہونے لگے تو بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور بخار کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم لوگ اگر چاہتے ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اسے دور کر دوں اور اگر چاہو تو یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ بنے اور تمہارے گناہوں کو نیست و نابود کر دے انہوں نے عرض کی کیا ایسا ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یقیناً'' اس پر انہوں نے عرض کی حضور ﷺ پھر ہمارے ہاں رہنے دیجئے۔

امام احمد نے ثقہ راویوں سے یہ حدیث شریف بھی بیان کی ہے کہ آپ کا ارشاد پاک ہے کہ جبرائیل میرے پاس بخار اور طاعون لائے میں نے بخار کو مدینہ ٹھہرا لیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا پس طاعون میری امت کیلئے باعث شہادت و رحمت ہے اور کفار کیلئے باعث عذاب ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں آج کل جو بخار یہاں موجود ہے یہ وبائی بخار نہیں بلکہ یہ تو باعث رحمت اور دعاء نبی رحمت ﷺ ہے۔

صحیحین میں حدیث شریف ہے کہ مدینہ کے ہر کونہ پر ملائکہ موجود ہیں جو دجال اور طاعون کو داخل نہ ہونے دیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ دجال مدینہ آئے گا تو اس کے باہر ملائکہ دیکھے گا جس کی وجہ سے انشاءاللہ وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ ''ان شاءاللہ'' برکت کی خاطر ہے پس مدینہ ہر دور میں دجال وغیرہ سے ہمیشہ محفوظ ہے۔

صحیحین کی حدیث شریف ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال داخل نہ ہو گا لیکن مکہ اور مدینہ دو ایسے شہر ہیں جہاں یہ نامراد داخل نہ ہو گا۔ مدینہ کے ہر کونہ پر فرشتے صف باندھے حفاظت کی خاطر کھڑے ہیں۔

دجال ''سبخہ'' (وادی) کی طرف آئے گا پھر مدینہ کو تین جھٹکے لگیں گے اس زلزلہ کے خوف سے تمام کافر اور منافق مرد و زن اس کی طرف آئیں گے۔ (مسلمان محفوظ رہیں گے)۔

بخاری شریف کی حدیث ہے دجال مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا کیونکہ اس دن مدینہ کے سات دروازے ہونگے اور ہر دروازہ پر دو دو ملائکہ ہونگے جو مدینہ کی حفاظت کریں گے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ دجال مشرق کی جانب سے مدینہ کا ارادہ کئے ہوئے آئے گا اور احد کے پیچھے اترے گا لیکن ملائکہ اس کا چہرہ دوبارہ مشرق کی طرف کریں گے اور وہ وہیں پر ہلاک ہو جائیگا۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ مدینہ میں بہترین انسان اس وقت باہر آئے گا جب دجال مدینہ کی شوریلی زمین (مدینہ سے باہر) میں اترے گا وہ آدمی دجال سے کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہ دجال ہے جس کے بارے میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خبر دی تھی ...... (الحدیث)

پس دجال مدینہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ مدینہ شریف میں آقائے دوعالم ﷺ موجود ہیں

امام احمد نے ثقہ راویوں کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ حرہ کی ایک وادی میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے آپ ﷺ نے فرمایا:

''مدینہ بہت عمدہ سرزمین ہے اس کے ہر کونے پر فرشتہ ہے جب دجال یہاں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو فرشتہ اسے روکے گا اس دوران مدینہ کو تین جھٹکے لگیں گے جس کی وجہ سے مدینہ میں موجود منافق مرد وزن اس کی طرف بھاگیں گے نکل کر آنے والوں میں اکثریت عورتوں کی ہوگی یہ یوم تخلیص (خلاصی کا دن) ہوگا۔ اس دن مدینہ برائی کو اس طرح دور کرے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔ دجال کے پاس ستر ہزار یہودی ہونگے ہر یہودی کے پاس ایک عدد گول چادر اور ایک تلوار (آراستہ) ہوگی۔ دجال اپنا خیمہ ''بند'' کے پاس لگائے گا''۔ (الحدیث)

پانچویں فصل

مدینہ شریف کی مٹی اور اس کے پھلوں کے بارے میں

ابن نجار اور ابن جوزی نے ''الوفا'' میں حدیث روایت کی ہے کہ ''مدینہ کے گرد کوڑھ کی بیماری سے باعث شفا ہے۔

ابن اثیر کی کتاب '' جامع الاصول'' میں ہے کہ جب حضور ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں پیچھے رہ جانے والے مؤمنین سے ملاقات ہوئی انہوں نے غبار اڑائی صحابہ میں سے بعض نے اپنے ناک کو ڈھانپ لیے لیکن حضور ﷺ نے اپنے چہرہ انور سے کپڑا دور فرمایا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس شہر پاک کی گرد میں ہر مرض کی دوا ہے۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوڑھ و برص (جلد کی بیماری) کیلئے باعث شفا ہے۔

رزین نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھا کر اپنے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ مدینہ کی عجوہ شریف (عمدہ قسم کی کھجور) بیماری سے اور یہاں کی گرد کوڑھ سے باعث شفا ہے۔

ابن زبالہ صیفی بن ابی عامر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں'' اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مدینہ کی مٹی مؤمن ہے اور کوڑھ کی بیماری کیلئے باعث شفا ہے۔

نیز یہی مصنف سلمتہ سے روایت کرتے ہیں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے کہ مدینہ کی گرد کوڑھ کی بیماری کی شدت کو کم کر دیتی ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ رہا ہے کہ اس مرض (کوڑھ) کے شدید مریضوں کو خاک مدینہ استعمال کرنے سے شفا نصیب ہوتی ہے۔

یحییٰ بن الحسن بن جعفر الحجۃ العلوی اور ابن نجار دونوں نے ابن زبالہ کے ذریعے روایت بیان کی ہے کہ نبی مکرم ﷺ ایک دفعہ بنو حارث کے پاس تشریف لے گئے آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ کمزور و لاغر ہو چکے تھے آپ نے دریافت فرمایا اے حارث کی اولاد! تمہیں کیا ہوا ہے؟ عرض کی حضور ﷺ ہمیں اس بخار نے آلیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم وادئ صعیب کی طرف نہیں گئے؟ انہوں نے عرض کی وہاں جا کر ہم کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہاں جا کر اس وادی کی مٹی لو پانی میں گھولو اور کوئی شخص اس میں اپنا تھوک ملائے اس کے بعد مٹی سے مخاطب ہو کر کہیے اے مٹی تو باذن اللہ ہمارے

مریضوں کو شفا عطا کر (اور مریضوں کو پلاؤ) انہوں نے ایسا کیا تو ان کا بخار اتر گیا۔

طاہر بن یحییٰ کہتے ہیں صعیب وادی بطحان کے نیچے وادی ہے جسے آج کل "مدشونیہ کہا جاتا ہے اس میں ایک گڑھا تھا۔ جب بھی کوئی بیمار ہوتا تو وہ وہاں سے مٹی لے لیتا۔ (اور استعمال کرتا) ابن نجار نے کہا ہے کہ میں نے اس گڑھا کو دیکھا ہے آج کل بھی لوگ یہاں سے مٹی لیتے ہیں اور انہیں شفا حاصل ہوتی ہے میں نے بھی وہاں سے مٹی حاصل کی تھی۔

امام سمہودی فرماتے ہیں یہ گڑھا اب بھی (امام سمہودی کے زمانہ میں) موجود ہے جس کی برکت کا ذکر سلف صالحین سے منقول ہے اور لوگ اس کی مٹی دوا کے طور پر لے جاتے ہیں۔

صاحب قاموس فیروز آبادی نے ذکر کیا ہے کہ علماء کی جماعت نے اسی مٹی کو بخار رفع کرنے کیلئے استعمال کیا تو اسے درست پایا۔ میرا (فیروز آبادی کا) ایک غلام تھا جو ایک سال سے لگا تار بخار میں مبتلا تھا میں نے بھی یہ مٹی پانی میں گھول کر اسے پلا دی وہ اسی دن شفا یاب ہوا۔ صاحب قاموس اور مطری کے نزدیک مریض کو چاہیے کہ یہ مٹی پانی میں ملا کر غسل کرے لیکن امام سمہودی کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے مٹی پانی میں ملا کر پی لے اور پھر مٹی ملے ہوئے پانی سے غسل کرے۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ کے پاس جب مریض یا زخمی درد کی شکایت کرتا تو آپ ﷺ اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھتے پھر اٹھاتے اور فرماتے "بسم اللہ اہل مدینہ میں سے کسی ایک کے تھوک کے ساتھ یہ مٹی ہمارے مریض کیلئے باذن ربی باعث شفا ہے۔ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بارگاہ رسالت میں لایا گیا جس کے پیر پر زخم تھا آپ ﷺ نے چٹائی کا کنارا اٹھایا اور شہادت والی انگلی تھوک سے تر کرنے کے بعد مٹی پر رکھی اور فرمایا ہمارے شہر کی مٹی اہل مدینہ میں سے کسی کے تھوک سمیت اللہ کے حکم سے مریض کیلئے باعث شفا ہے۔ پھر آپ نے وہ انگلی مریض کے زخم والی جگہ پر رکھی۔ وہ فوراً تندرست ہو گیا۔

ابن زبالہ ہی سے مروی ہے کہ جو بھی صبح سویرے عجوہ عالیہ (کھجور کی ایک قسم) سات عدد کھائے گا تو اس دن اس پر کوئی زہر یا جادو اثر نہ کرے گا۔ مسلم شریف کی حدیث ہے جو بھی مدینہ شریف کے دو پتھروں والے ٹیلے کے درمیان موجود کھجوروں میں سے سات عجوہ نہار منہ کھائے گا اس دن شام تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ فلیح کہتے ہیں غالباً آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شام کو کھائے گا صبح تک وہ امن میں رہے گا۔ صحیحین کی حدیث ہے جو بھی سات کھجوریں عجوہ شریف میں سے کھائے گا اس دن کوئی جادو اور زہر اس پر اثر نہ کرے گا۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ عجوہ عالیہ نہار منہ باعث شفا اور (زہر کیلئے) تریاق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ راویوں سے حدیث بیان کی کہ کھمبی آنکھ کیلئے دوا ہے اور عجوہ شریف جنت کا پھل ہے۔

طبرانی کی حدیث ہے کہ کھمبی احسانات الٰہی میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے شفا ہے نیز عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ہے اور زہر کیلئے تریاق ہے۔

ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے یہ حدیث نقل کی ہے، فرماتے ہیں میں (حضرت سعد) ایک دفعہ بیمار پڑ گیا اللہ کے حبیب میری عیادت کے لیے تشریف لائے آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو دل کا مریض ہے حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ وہ (ماہر) معالج ہے وہ سات عدد مدینہ شریف کی عجوہ لیکر پانی میں گھول کر تجھے پلائے گا۔ (اور تو انشاء اللہ شفایاب ہو جائے گا)

ابن عدی نے ''کامل'' میں مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ لگا تار سات دن تک سات عدد عجوہ شریف کھانے سے سر چکرانے کی بیماری جاتی رہتی ہے۔

خطابی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے غریب حدیث (جس کی سند ایک ہو) روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا سر چکرانے کیلئے سات دن تک سات عدد کھجوریں (عجوہ شریف) کھانے کا حکم دیتیں۔ اس بیماری کیلئے عجوہ شریف کی تخصیص میں اور سات کی تعداد مقرر کرنے میں جو حکمت ہے اس کا کسی کو علم نہیں بس اس کی فضیلت و برکت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مذکورہ احادیث میں عجوہ کی برکت کا ذکر مدینہ شریف کے سلف صالحین سے منقول ہے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ''عجوہ'' صیحانی نامی کھجور سے بڑی سیاہ رنگ کی کھجور ہے نیز یہ وہ درخت ہیں جنہیں آقائے دو عالم ﷺ نے مدینہ شریف میں تشریف آوری کے بعد اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔ بزاز کا بھی یہی قول ہے اور ابن حبان نے کہا ہے ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ یہ کھجوریں آپ ﷺ کو بہت پسند تھیں۔ امام احمد نے روایت کی ہے آپ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے تمہارے لئے ''برنی'' (کھجور کی ایک قسم) کھجور بہترین ہے۔ یہ بیماری کو دور کرتی ہے لیکن اس میں خود کوئی بیماری نہیں۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ مدینہ کی کھجوروں کی بہت سے قسمیں ہیں۔ جنہیں میں نے ''اصل اول'' میں جمع کیا۔ ان کی تعداد ایک سو تیس سے زائد ہے۔ انہی میں سے ایک قسم صیحانی بھی ہے۔

چھٹی فصل

مدینہ منورہ کے حرم ہونے کے بارے میں

صحیحین کی حدیث پاک ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا" ابراہیم علیہ السلام نے مکہ اور اہل مکہ کیلئے دعا کی تھی اور اسے حرم قرار دیا تھا میں بھی مدینہ کو اسی طرح حرم قرار دیتا ہوں۔

امام بخاری کی حدیث ہے کہ" اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیانی علاقہ (مدینہ) کو حرم قرار دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دفعہ بنو حارثہ (قبیلہ) کے پاس تشریف لائے آپ نے ان کی رہائش گاہوں کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا خیال ہے تم لوگ حرم کی حدود سے باہر نکل گئے ہو لیکن جب بنظر غائر دیکھا تو فرمایا نہیں تم حرم کی حدود ہی میں ہو۔

امام احمد کی منقول حدیث شریف اس طرح ہے آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ نے میری زبان (پاک) سے دو پتھریلے ٹیلوں کا درمیانی علاقہ حرم قرار دیا ہے پھر آپ ﷺ بنو حارثہ کے پاس تشریف لائے جب یہ قبیلہ مسلمان ہوا تھا تو ان کے مکانات وادی حرہ کے بالائی حصہ پر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے مشرقی جانب تھے آپ ﷺ نے جب وادی کے بالائی حصہ کی طرف دیکھا تو فرمایا آپ لوگ تو حرم سے باہر ہو گئے ہیں لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ بالائی حصہ پر موجود ہونے کے باوجود دو پہاڑوں کے درمیان ہیں تو فرمایا" بَلْ اَنْتُمْ فِيْهِ "نہیں تم حرم ہی میں ہو۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" الٰہی ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے اور میں دو پہاڑوں" عیر اور ثور" کے درمیانی علاقہ (مدینہ) کو حرم قرار دیتا ہوں یہاں نہ تو کسی کا خون بہایا جائے نہ ہتھیار اٹھایا جائے اور گھاس کے علاوہ یہاں کے درخت بھی نہ کاٹے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے کہ عیر اور ثور کا درمیانی حصہ (مدینہ) حرم ہے۔

ابوداؤد نے بھی مذکورہ حدیث کی مانند حدیث نقل کی ہے لیکن اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ کی گھاس نہ کاٹی جائے اور یہاں کا شکار نہ ڈرایا جائے یہاں کی پڑی ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے البتہ جو اس کی منادی کرائے تو اس کیلئے اٹھانا جائز ہے یہاں کوئی اسلحہ نہ اٹھائے اور نہ یہاں کے درخت کاٹے جائیں۔ البتہ جانور کو کھلانے کیلئے ایسا کرنا جائز ہے۔ (لیکن بلاوجہ جائز نہیں)

طبرانی و احمد نے ثقہ راویوں سے حدیث بیان کی ہے کہ" عیر اور احد کے درمیانی علاقہ کو آقائے دو عالم ﷺ نے حرم قرار دیا ہے۔

امام بخاری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر میں نے مدینہ میں چرتے ہوئے ہرن کو دیکھا تو اسے کبھی نہ ڈراؤں گا کیونکہ حضور ﷺ نے دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیانی حصہ کو حرم قرار دیا ہے۔ مسلم شریف میں بھی اسی قسم کی حدیث مذکور ہے لیکن اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ''حضور ﷺ نے مدینہ کے اردگرد (چاروں طرف) بارہ میل تک کا فاصلہ حرم قرار دیا۔

ابوداؤد کی ذکر کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ حضور ﷺ نے مدینہ کے چاروں طرف ایک ایک برید (تین میل) تک کے علاقہ کو حرم قرار دیا۔ نیز فرمایا نہ تو یہاں کے درخت کو یا کانٹے کو کاٹا جائے مگر انسان اونٹ ہانکنے کیلئے چھڑی کاٹ سکتا ہے۔

امام احمد نے ایک صحیح حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے اور میں دو پہاڑوں (مشرقی، مغربی) کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں نہ تو یہاں کی گھاس کاٹی جائے، نہ یہاں کے شکار کو ڈرایا جائے، نہ یہاں پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے نہ یہاں کے درخت کاٹے جائیں (البتہ اونٹ کو ہانکنے کے لئے چھڑی توڑی جاسکتی ہے) اور نہ یہاں اسلحہ اٹھایا جائے۔

بیہقی نے ''معرفتہ'' میں روایت بیان کی ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے اور میں دو پہاڑوں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ یہاں کی پڑی ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے ہاں اگر اعلان کرانے کیلئے اٹھائے تو کوئی حرج نہیں اور حرم مدینہ کی حدود مغربی پہاڑ کے ساتھ تین اور پہاڑ ہیں۔ (مسلم شریف میں اسی قسم کی حدیث موجود ہے)

آپ نے فرمایا میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں نہ تو یہاں کی گھاس کاٹی جائے اور نہ ہی یہاں کا شکار کیا جائے۔ امام نووی نے کہا کہ شرقاً غرباً دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیان اور شمالاً جنوباً دو پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو حرم قرار دیا گیا ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ دو ٹیلوں اور دو پہاڑوں کے ساتھ حرم مدینہ کی حد بندی سے مراد یہی (امام نووی کا قول) ہے۔ اور حدیث سابق میں جوثور کا ذکر گذر چکا ہے وہ جبل احد کے پیچھے ایک چھوٹی پہاڑی ہے۔

ساتویں فصل

مدینہ شریف کے حرم ہونے کے احکام کے بارے میں

ائمہ ثلاثہ وغیرہم نے اتفاق کیا ہے کہ مدینہ شریف کے حرم کی گھاس کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔ لیکن مذکورہ احادیث ان کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

امام مسلم نے حدیث بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مقام عقیق پر موجود اپنے گھر کی طرف جارہے تھے آپ نے ایک غلام کو دیکھا جو (مدینہ کے) درخت کاٹ رہا تھا آپ نے اس کے کپڑے (سازوسامان) چھین لئے واپسی پر غلام کے مالک حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی غلام کے کپڑے وغیرہ واپس کیے جائیں۔ لیکن آپ نے دینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا جو چیز مجھے پیغمبر اسلام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے تحفۃً دی ہو وہ میں کیوں واپس کروں؟

ابوداؤد نے یہی روایت اس انداز سے بیان کی ہے کہ حضرت سعد نے مدینہ کے ایک غلام کو مدینہ کے ایک درخت کو کاٹتے ہوئے پایا تو آپ نے اس کا سامان لے لیا۔ پھر اس کے آقاؤں سے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کے درخت کاٹنے سے منع کرتے ہوئے سنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو یہاں کے درختوں کو کاٹ رہا ہو اگر کوئی اس کو پالے تو اس سے سب کچھ چھین لے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں۔ جو غذائی اناج یہاں خود بخود اگے مثلاً خرفہ کا ساگ وغیرہ اسے کاٹنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ جانوروں کیلئے چارہ حاصل کرنے کی نسبت انسانوں کیلئے غذا حاصل کرنا بدرجہ اتم درست ہے۔ پھر فرمایا امام نووی، ماوردی سے روایت کرتے ہیں کہ اگر اور پتھر (ڈھیلا) نہ ہو تو سونے اور دیباج (قیمتی کپڑا) کی بجائے حرم کے ڈھیلے سے استنجاء درست ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ امام نووی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پتھر جو حرم مدینہ سے حل کی طرف منتقل کیا جائے اس میں حرج نہیں۔ کیونکہ حرم کے ڈھیلے سے استنجا کرنا جائز ہے۔

باہر (حل) یہ ڈھیلے منتقل کیے جائیں۔ کیونکہ حرم مدینہ میں پیشاب کرنے میں کوئی اختلاف نہیں جب معاملہ ایسا ہے تو پھر یہاں کے ڈھیلے استعمال کرنے میں کون سی قباحت ہے۔ رافعی نے بیان کیا ہے کہ حرم مدینہ کی مٹی اس سے بنائی جانے والی چیزیں اور ڈھیلے پتھر وغیرہ یہاں سے باہر لے جانا مکروہ ہے۔ اسے امام نووی نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں لیکن حل (حرم سے باہر کا علاقہ) کی مٹی و پتھر حرم میں لے جانا خلاف اولیٰ ہے۔ لیکن کتاب الروضہ اور

مناسک میں اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ پس ضرورت کے تحت باہر سے کوئی چیز حرم میں لیجانا یا حرم کی کوئی چیز باہر لے آنے میں کوئی قباحت نہیں۔ جس طرح دوائی کیلئے حرم کی گھاس کاٹنا یا ضرورت کی خاطر یہاں کے سونا چاندی کے برتن بنانا درست ہے ویسے ہی مذکورہ چیزیں لے جانا بھی درست ہے۔

زرکشی نے کہا ہے کہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور سے مٹی لے جانے والے کو اجازت ملنی چاہیے یعنی جہاں آپ شہید کئے گئے تھے۔ اس وادی سے مٹی لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ سلف وخلف (اگلے پچھلوں) میں مشہور ہے کہ یہ مٹی دردسر سے باعث شفا ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں پھر تو وادی صعیب (جس کا ذکر فصل خامس میں گذر چکا ہے) کی مٹی جو باعث شفا ہے لے جانا بدرجہ اتم بہتر ہے۔ حرم مدینہ سے جو مٹی، پتھر وغیرہ باہر لے جائے گا تو اس کا لوٹانا اس پر واجب ہے لیکن واپس نہ کرنے کی صورت میں اس پر تاوان نہیں ہے۔

دمیری نے کہا ہے کہ جب ایک حرم سے مٹی وغیرہ دوسرے حرم میں منتقل کی جائے تو کیا لوٹانا واجب ہوگا یا واجب نہ ہوگا کیونکہ ایک حرم کی چیز دوسرے حرم میں منتقل کی گئی اس میں علماء کا آپس میں اختلاف ہے (بعض کہتے ہیں کہ اس مٹی کو لوٹانا واجب ہے اور بعض کے نزدیک واجب نہیں) حرم مدینہ میں قتل خطا کے مرتکب پر دیت میں سختی کرنے کے اختلاف کا دارومدار شکار کی ضمانت میں اختلاف پر ہے۔ لیکن بلقینی نے امام نووی سے روایت بیان کی ہے کہ حرم مدینہ میں قتل کرنے والے پر سختی کی جائے گی جس طرح مدینہ میں شکار کرنیوالے کا شکار چھینا جاتا ہے یہ قابل توجہ ہے کیونکہ رویانی نے بھی دونوں حرموں (مکہ و مدینہ) کے درمیان برابری کا ذکر کیا ہے۔ کہ جو بھی کافر مکہ مدینہ میں مرے گا تو فرشتے اسے باہر نکال لیں گے اور باہر دفن کریں گے ایک قول کے مطابق یہ خصوصیت صرف مکہ کے ساتھ خاص ہے مشرکین مکہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ لہٰذا سزا کے طور پر ان (کفار) کو مکہ میں ٹھہرنے نہیں دیا جاتا۔

آٹھویں فصل

مدینہ منورہ کی خصوصیات کے بارے میں

اس کی خصوصیات سو سے بھی زیادہ ہیں لیکن چند ایک میں مکہ بھی شریک ہے۔ مثال کے طور پر گذشتہ فصل میں اس کے سبز درختوں، گھاس وغیرہ کو کاٹنے کی ممانعت، یہاں کا شکار کرنا یا شکار کو پکڑنے کی خاطر یہاں کھینچ لانا، یہاں سے شکار لے جانا، اسلحہ اٹھانا، پڑی ہوئی چیز کو ذاتی استعمال کیلئے اٹھانا، یہاں کی مٹی کہیں اور منتقل کرنا یا باہر کی مٹی یہاں لانا۔ یا اس جیسی کوئی اور چیز لے جانا۔ سب ممنوع ہیں۔ یا مکہ شریف میں جو بھی کافر دفن ہوگا فرشتے اسے باہر لے جائیں گے۔ ایسا ہی قول مدینہ شریف کے بارے میں بھی ہے۔

مدینہ شریف اشرف الانبیاء کی زبان سے نکلی ہوئی دعا کے ذریعے حرم قرار پایا ہے۔ یہی خصوصیت اسے ممتاز کرتی ہے نیز اسے اس بات میں بھی خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے درختوں کو کاٹنے والے اور شکار کرنے والے کو کافر مقتول کی طرح لٹکایا جائے۔ جھڑکنے کا یہ انداز مکہ کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے۔ اس کی مٹی کو استعمال کرنے کے لئے لیجانے کے جواز میں اور بہترین قطعۂ زمین (روضۃ الجنۃ) پر مشتمل ہونے میں بھی اس کو خصوصیت حاصل ہے۔ مخلوق میں سب سے افضل (آقائے دو عالم ﷺ) اور اس امت میں سب سے افضل (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے افضل یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور دیگر اکثر صحابہ اور سلف صالحین جو بہترین ہیں ان تمام کا یہاں دفن ہونا اور ان کا یہاں کی مٹی سے پیدا کرنا نیز قیامت کے دن افضل ترین شخصیات کا یہاں سے اٹھانا تمام وہ خصوصیات ہیں جو اس کی افضلیت کو چار چاند لگاتی ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شہداء کی ارواح نے مدینہ شریف کو ڈھانپ رکھا ہے۔ یہاں وہ افضل ترین شہداء مدفون ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کے سامنے راہ حق میں لٹا دیں۔ اور آپ ﷺ ان پر گواہ بنے۔ اس شہر پاک کو اپنے محبوب مکرم ﷺ کیلئے باعث قرار و اطمینان بنایا اس کے رہنے والوں کو آپ ﷺ کیلئے باعث تائید و نصرت بنایا گیا یہی ایک شہر ایسا ہے جو قرآن سے فتح ہوا جبکہ تمام شہر تیر و تلوار سے فتح ہوئے۔ یہیں سے باقی تمام شہر فتح ہوئے۔ اسے دین کا مظہر بنایا گیا، فتح مکہ سے پہلے اس کی طرف ہجرت کو لازم قرار دیا گیا، نبی مکرم ﷺ کی مدد کی خاطر یہاں رہنے کو ضروری قرار دیا گیا۔ اسی شہر پاک کو اصل بنانے، یہاں ٹھہرنے اور مرنے کی ترغیب دی گئی۔ ایسا کرنے والے کو شفاعت یا شہادت

کی موت یا دونوں کی خوشخبری دی گئی۔ یہاں مرنے کی دعا کے مستحب ہونے اور آقائے دو عالم ﷺ کا اسی شہر میں وصال کی خواہش نیز یہاں کی تکالیف پر صبر کرنے والے کیلئے شفاعت یا شہادت کا مژدۂ جانفزا، اور آپ ﷺ کا مکہ سے زیادہ اس کی برکتوں کیلئے دعا فرمانا، اسے محبوب کرنے کی دعا اور جائے قرار بنانے کی دعا کے ساتھ ساتھ رزق حسنہ کی دعا، نیز اسے دیکھنے کے بعد اس کی طرف محبت میں آپ ﷺ کا سواری کو حرکت دینا اور اس تیزی میں چادر مبارک کا کندھوں سے گرنا، اسے "طیبہ" (پاک) کا نام دینا سب اس کی خصوصیات ہیں۔

نیز اس کی ہواؤں میں خوشبوؤں کا ایسا رچ بسنا جو کسی اور میں نہیں، یہاں کی پاک زندگی اس کے ناموں کی کثرت، توراۃ میں اس کو "مؤمنۃ" کے نام سے لکھا جانا اور اسے "محبوبۃ" اور "مرحومۃ" کے نام دینا سب اس کی خصوصیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر پاک کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

"کیا اللہ کی زمین (مدینہ) وسیع نہیں ہے جس کی طرف تم ہجرت کر جاؤ"۔

اس شہر پاک کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لفظ "بیت" سے منسوب کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

یہاں "بیتك" سے مراد مدینہ شریف ہے۔

اس شہر پاک کی قسم کھا کر اس کی خصوصیات میں اضافہ فرما دیا ہے۔ ارشاد ہے

"لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ" اللہ تعالیٰ نے: رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ، "الٰہی مجھے سچائی کی جگہ داخل فرما اور سچائی کی جگہ سے نکال فرما"۔

سچائی کی جگہ سے مراد مدینہ اور دوسری سچائی کی جگہ سے مراد مکہ ہے) باوجود اس کے کہ "نکلنا"، "داخل ہونے" پر مقدم ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی زبانی پہلے داخل کرنے (مدینہ شریف میں) اور پھر نکالنے (مکہ سے) کا حکم دے رہا ہے۔ یہ بھی اسی شہر پاک کی خصوصیت ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ کا اس کیلئے کثرت سے دعا مانگنا بالخصوص اسکے پھلوں، پیمانوں، بازاروں اور رہنے والوں کیلئے برکت کی دعا، اس شہر کا خرابیوں اور گناہوں کو دور کرنا، اس کے متعلق یہ فرمان کہ جو بھی اس کو منہ موڑتے ہوئے چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر انسان کو یہاں لائیگا۔ اور جس نے اس کے ساتھ یا اس کے رہنے والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں جلائے گا......(الحدیث)

پس اس میں گناہ کرنے کے ارادہ پر بھی وعید فرمائی ہے جس طرح مکہ شریف کے بارے میں فرمایا

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ ......الایۃ

اس شخص کے متعلق سخت وعید آئی ہے جو یہاں گناہ کرے گا یا گناہگار کو پناہ دے گا۔ اور حَدَث سے مراد گناہ صغیرہ ہے اس گناہ صغیرہ کے مرتکب کو گناہ کبیرہ کے مرتکب جتنی سزا دی جائے گی کیونکہ وہ حرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں نڈر ہو کر گناہ کر رہا ہے، ایسے ہی اس شخص کیلئے بھی سخت وعید ہے جو اس کے باسیوں کو ڈرائے گا۔ یا ان پر ظلم کرے گا یا ان کی تعظیم نہیں کرے گا ان کی تعظیم و حفاظت امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر لازم ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جس نے یہاں کے رہنے والوں کو ڈرایا تو اس نے میرے دل کو دکھایا اور جس نے مدینہ میں لوگوں کی حفاظت کی تو میں شفیع المذنبین اس کیلئے گواہ اور شہید ہوں گا، یہ ایمان و حیاء کی سرزمین ہے، ایمان آخر زمانہ میں اس کی طرف لوٹ آئے گا ملائکہ کی یہاں بکثرت موجودگی اور ان کا اس کی حفاظت کرنا۔ اس کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دارالاسلام ہونا نیز شیطانوں کا مایوس ہونا کہ یہاں ان کی عبادت کی جائے گی۔

ترمذی کی روایت کے مطابق اس کا اسلامی شہروں میں بروز قیامت سب کے آخر میں مٹنے والا شہر ہونا طاعون و دجال سے اس کی حفاظت اور لوگوں میں سے بہترین لوگوں کا یہاں آنا اس کی وباؤں اور بیماریوں کو یہاں سے دور فرمانا اس کی مٹی اور پھلوں میں شفا ہونا طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس کی زیارت کرے، جو بھی روضۂ انور کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے گا تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سننا، آپ کے روضہ شریف کی زیارت کرنے والے کیلئے شفاعت کا واجب ہونا۔ مدینہ شریف کا وہ پہلی زمین ہونا جس پر اس امت میں سب سے پہلے امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم الشان مسجد (نبوی) تعمیر کی گئی اور اس کی تعمیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے ہوئی، آپ نے اس میں کام کیا جب امت کے بہترین سپوت آپ کے شانہ بشانہ تھے، اسی مسجد کے بارے میں آیت کریمہ اتری کہ

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

''یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے''۔

مساجد انبیاء میں سب سے آخری اور جن (تین) مساجد کی طرف سفر اختیار کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک ہے، یہ مسجد زیادہ حقدار ہے کہ اس کی زیارت کی جائے کیونکہ اس میں ثواب دوگنا کر دیا جاتا ہے، جو بھی اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے گا آتش دوزخ، عذاب الٰہی اور منافقت سے امن میں رہے گا۔ جو کوئی بحالت وضو نماز کیلئے آئے گا تو اسے حج جتنا ثواب دیا جائے گا۔ مسجد قبا کے بارے

میں آیا ہے کہ جو یہاں آ کر نماز پڑھے گا تو اسے عمرہ جتنا ثواب دیا جائے گا۔ آپ کے گھر (حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) منبر کے درمیان جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جبکہ بعض علماء نے ساری مسجد مراد لی ہے۔ یہی ایک مسجد ایسی ہے جس کا حصہ جنت کا ٹکڑا ہے یہ شرف کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اور آپ کا منبر شریف جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے اوپر ہے اس کے ستون جنت میں ہیں اور یہ حوض کوثر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر ہے حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ''مصلیٰ اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''، بعض نے مصلیٰ سے عید گاہ (جو مدینہ شریف کے باہر کھلی جگہ ہے مراد لی ہے۔) یہ درست نہیں، جبل احد کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''احد پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جنت کی نہر پر ہے۔ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادیٔ بطحان جنت کی نہر پر ہے۔ آپ نے یہاں کی وادی عقیق کو ''وادی مبارک'' فرمایا ہے کہ یہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے پھلوں کے بارے میں فرمایا کہ عجوہ شریف (کھجور کی ایک قسم) جنت کے پھلوں میں سے ہے۔ یہاں کے ''بئر غرس'' کے بارے میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا (خواب میں) کہ یہ کنواں جنت کے کنوؤں میں ایک ہو گیا، مسجد نبوی شریف ادب پست آواز، دوسروں کو ادب کی تاکید کرنے میں دیگر مساجد سے ممتاز ہے۔ جو بھی اذان سننے کے بعد ضرورت کی خاطر باہر نکلے گا اور پھر آئے گا تو یہ شخص منافق شمار ہو گا۔ تھوم کھا کر یہاں آنا بھی ممنوع تھا کیونکہ ملائکہ وحی کا نزول ہوتا رہا۔ جو یہاں منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے گا۔ اس کیلئے سخت وعید آئی ہے۔ امام غزالی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہاں تمام نیک اعمال کا ثواب زیادہ دیا جاتا ہے عنقریب وہ حدیث پاک آ رہی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مدینہ شریف میں ایک مہینہ کے روزے یہاں کے علاوہ رکھے گئے ہزار مہینوں کے روزوں جیسے ہیں، یہاں کے باسیوں کیلئے آقائے دو عالم ﷺ سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے یہاں کے رہنے والے زیادہ شفاعت اور تعظیم و تکریم میں ممتاز ہیں۔ نیز یہاں سے جو بھی میت اٹھائی جائے گی وہ امن والوں میں سے ہو گی، یہ بھی منقول ہے کہ جنت البقیع (قبرستان) سے بروز قیامت ستر ہزار خوش نصیبوں کو اٹھایا جائے گا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے اور وہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونگے۔ اسی طرح کی روایت مقبرہ بنی سلمہ کے بارے میں بھی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ کچھ ملائکہ بقیع (قبرستان) پر مامور ہیں جب بھی یہ میتوں سے بھر جاتا ہے۔ ملائکہ اسے چاروں کونوں سے پکڑ کر جنت میں جھاڑ دیتے ہیں۔ روز قیامت سب سے پہلے حضور ﷺ اور پھر دیگر وہ حضرات جو جنت البقیع میں مدفون ہیں اٹھائے جائیں گے پھر باقی لوگ اٹھائے جائیں گے، جن جن مقامات پر ہادیٔ برحق ﷺ نے

دعا فرمائی وہاں دعا قبول ہوتی ہے اس کا ذکر آ رہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ دعا، اسطوان مخلق کے پاس، منبر شریف کے پاس، دار عقیل میں اور مسجد فتح میں قبول ہوتی ہے۔ یہاں کثیر تعداد میں مساجد، مقامات مقدسہ اور بابرکت مقامات ہیں۔ جو شخص اس کی مٹی میں عیب نکالے گا وہ تعزیز (سزا) کا مستحق ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو کوئی اس کی مٹی کو ردی کہے گا تو اسے تیس کوڑے مارے جائیں اور اسے قید کرلیا جائے۔ اس مٹی کی بڑی شان ہے۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو بدنصیب اس مٹی پاک کو جہاں رسول پاک ﷺ محو استراحت ہیں ناپاک کہے گا اس کی گردن مارنے کے قابل ہے، مدینہ شریف میں جس راستہ سے داخل ہوا جائے اسے چھوڑ کر دوسرے راستہ سے نکلنا مستحب ہے۔ اس میں داخلہ کیلئے غسل کرنا مستحب ہے۔ بعض سلف صالحین کا مسلک تو یہ ہے کہ حاجی کیلئے مدینہ شریف سے شروع کرنا افضل ہے کیونکہ صحابہ میں سے ایک گروہ ایسا کرتا تھا جب وہ حج کا ارادہ کرتا۔ وہ لوگ فرماتے کہ ہم اس مقام سے شروع کرتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے۔ علقمہ، اسود اور عمرو بن میمون رضی اللہ عنہم نے مدینہ شریف سے ہی ابتداء کی ہے۔ مالکیہ میں سے ''عبدی'' سے مروی ہے کہ مدینہ شریف روضۂ انور کی زیارت کیلئے پیدل جانا کعبہ شریف کیلئے جانے سے افضل ہے۔ آگے آ رہا ہے کہ جو بھی ایک دفعہ روضۂ انور کی زیارت کی نذر مانے گا تو اس پر اپنی نذر، پوری کرنا ضروری ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ کسی بھی قبر کے بارے میں نذر ماننے کے واجب ہونے میں دو قول ہیں۔ جس نے مسجد نبوی ﷺ میں آنے کی نذر مانی اور اس نے قبر انور کی زیارت کی تو یہی کافی ہے اسی طرح شیخ ابوعلی نے کہا ہے۔ ''بویطی'' میں اسی طرح ہے۔ کہ جو نذر مانے گا تو اس پر آنا لازم ہے۔ لیکن آنے کے ساتھ کوئی عبادت بھی شامل کرے۔ یہی اصح ترین قول ہے۔ لیکن صحیح قول کے مطابق آنا لازم نہیں۔

مدینہ شریف کے بازار کے بارے میں آیا ہے کہ یہاں ساز و سامان لانے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ اور یہاں ذخیرہ اندوزی کرنے والا کتاب اللہ میں الحاد کرنے والے کی طرح ہے۔

مدینہ شریف اس بات میں بھی ممتاز ہے کہ حجاز کی زمین سے خوفناک قسم کی آگ ظاہر ہوگی لیکن وہ مسجد نبوی ﷺ کے پاس نہیں آئے گی۔ حاکم وغیرہ کی صحیح حدیث جس میں فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ لوگ تلاش علماء میں اپنی سواریوں کو ہلاک کر دیں گے لیکن انہیں مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کہیں نہیں ملے گا۔ ابن عیینہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا خیال ہے وہ حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب کہ ابن عیینہ کے علاوہ دوسروں نے اوروں کو مخصوص کیا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت

ہے کہ مدینہ والوں کا اجماع خبر واحد پر مقدم ہے کیونکہ یہ وحی کے اترنے کی جگہ کے رہائشی ہیں۔ اور یہ ناسخ و منسوخ کو پہچانتے ہیں۔

شوافع کے نزدیک یہاں کے رہنے والے اس بات میں بھی ممتاز ہیں کہ یہ رمضان شریف میں چھتیس رکعات نماز تراویح پڑھتے ہیں وتروں کے علاوہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ انتالیس رکعات ادا کرتے ہیں جن میں تین رکعت وتر ہیں۔ رویانی وغیرہ نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے اہل مکہ کے ساتھ برابری کا ارادہ کیا ہوگا۔ کیونکہ مکہ والے ہر طواف کے بعد دو رکعت ادا کرتے ہیں ایسے ہی تمام ترویحات کے بعد بھی دو رکعت پڑھتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل مدینہ کے علاوہ کسی اور کو اہل مکہ کے ساتھ مقابلہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی شہروں پر فضیلت دی ہے۔ اس مسئلہ کو ہم نے کتاب ''مصابیح القیام فی شہر الصیام'' میں ذکر کیا ہے۔ اہل مدینہ اب بھی بیس رکعت نماز تراویح اول رات میں اور سولہ رکعت آخر رات میں ادا کرتے ہیں۔ اور میں (امام شافعی) ان بیس اور سولہ رکعات میں تفریق کے زمانہ کو نہیں جانتا۔ وہ دونوں نمازوں (بیس اور سولہ) کیلئے الگ الگ امام مقرر کر دیتے ہیں۔ رات کے ابتدائی نماز کے ساتھ وتر بھی ادا کر دیتے ہیں پس یوں اس آدمی کے وتر رہ جاتے ہیں جو آخر رات میں نماز اور پھر وتر پڑھنا چاہے۔ اس سال میں (امام شافعی) نے ان سے اس کے متعلق بات چیت کی تو آخری شب کا امام بھی وتر پڑھانے لگا ہے۔ اگر دونوں اوقات میں نماز پڑھانے والا امام ایک ہی ہو تو پھر آخر شب میں نماز کے بعد وتر کیلئے کسی اور کو آگے کر دیتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ بعض احکام میں مکہ شریف مدینہ شریف کے ساتھ مشترک ہے مثلاً یہ دونوں مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہیں۔ جو کوئی مسجد اقصیٰ میں نماز یا اعتکاف کی نذر مانے گا تو اسے مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ دونوں میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو کوئی یہاں نذر مانے گا تو وہ مسجد اقصیٰ میں پوری نہیں کر سکتا۔ پھر وہ نذر مسجد حرام میں بدرجۂ اتم پوری کرنی درست ہے کیونکہ وہاں اجر دو گنا دیا جاتا ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ جب کوئی مسجد حرام یا مسجد نبوی شریف کی طرف پیدل چلنے کی نذر مانے گا تو اس کیلئے نذر پوری کرنی لازم ہے لیکن اگر وہ مسجد اقصیٰ کی طرف جانے کی نذر مانے گا تو اب اسے اختیار ہے چاہے تو وہاں چلا جائے یا مسجد حرام و مسجد نبوی ﷺ شریف میں سے کسی ایک کی طرف چلا جائے۔ (اس کی نذر پوری ہو جائے گی)۔

بغوی اور دیگر علماء کرام نے ترجیح اس قول کو دی ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ اگر کسی اور مسجد کی نذر مانے گا تو نذر پوری کرنی لازم نہیں۔ جب مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کو خوشبو لگانے کی نذر مانے گا تو

اس کے وجوب اور عدم وجوب میں امام الحرمین تر دد کا شکار ہیں۔ جبکہ امام غزالی دونوں مسئلوں (مسجد حرام کے علاوہ کسی مسجد کی طرف پیدل جانے اور خوشبو لگانے) میں تر دد کا شکار ہیں کہتے ہیں اگر ہم تعظیم کی طرف دیکھیں تو پھر مسجد نبوی ﷺ واقصیٰ دونوں کعبہ کے برابر ہیں اور اگر امتیازی شان کی طرف دیکھیں تو پھر برابر نہیں۔

امام سمہودی فرماتے ہیں اگر قبرانور کو خوشبو لگانے کی نذر مانے تو اسے پوری کرنا چاہیے۔

نویں فصل

مدینہ منورہ کی شان کی ابتداء اور اسلام کا اس کی طرف واپس آنے کے بارے میں

''کبیر طبرانی'' میں مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی طرف قدرت کی نظر سے دیکھا (اس وقت مدینہ میں نہ تو ہموار زمین تھی نہ ہی کوئی کوئی ذی روح چیز بلکہ پتھریلی زمین تھی)۔

اور فرمایا'' میں تیرے لئے تین باتوں کو لازمی قرار دیتا ہوں ایک تو یہ کہ تو نافرمانی نہ کرے دوسری یہ کہ تو بڑائی کا دعویٰ نہ کرے اور تیسری یہ کہ تو تکبر نہ کرے۔ تو میں ہر طرف سے تیرے اوپر پھلوں کی فراوانی کردوں گا۔ نہیں تو میں تجھے ذبح شدہ اونٹوں کی طرح کردوں گا جن کا گوشت کھانے سے کوئی منع نہیں کرتا۔

رزین وغیرہ نے بھی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر تجلی فرمائی تو کوہ طور سے چھ ٹکڑے الگ ہوئے تین ٹکڑے یعنی حراء، ثبیر اور ثور مکہ میں تین ٹکڑے (پہاڑ) یعنی احد، عیر اور ورقان مدینہ میں جا گرے۔

ایک اور روایت میں ''عیر'' کی جگہ ''رضویٰ'' پہاڑی کا نام آیا ہے۔ یہی تین پہاڑ حرم مدینہ کیلئے حد بھی ہیں۔

طبرانی اور بزاز نے حدیث بیان کی ہے کہ'' حضور ﷺ کھجوروں سے ڈھکی ہوئی سرزمین پر سے گذرے جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی حضور ﷺ یہاں اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ جب آپ نفل پڑھ چکے تو جبرائیل امین نے کہا آپ نے یثرب (مدینہ) میں نماز ادا کی ہے۔ اور نسائی کی روایت اس طرح ہے کہ جبرائیل امین نے عرض کی آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ پھر خود ہی عرض کی آپ نے ''طیبہ'' (مدینہ پاک) میں نماز پڑھی اسی کی طرف آپ (ایک دن) ہجرت فرمائیں گے۔ امام شافعی کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں (شب معراج) ایسی زمین پر ٹھہرا جہاں کم بارشیں ہوتی ہیں یہ آسمان کے دو چشموں (شام ویمن) کے درمیان واقع ہے۔ ابن زبالہ نے روایت بیان کی ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا (اے اہل مدینہ) جانور پالو، کھیتی باڑی کی طرف توجہ دو اور شوریلی زمین میں زیادہ کنویں کھودو۔ امام شافعی کی حدیث ہے۔ قریب ہے

مدینہ میں ایسی بارش برسے کہ لوگوں کو سوائے اونی خیموں کے کہیں اور پناہ نہ ملے گی۔ایک اور روایت میں ہے کہ "مدینہ میں چالیس رات تک بارش ہوگی اور مٹی کے گھر لوگوں کو پناہ نہ دے سکیں گے۔

مرجانی کی کتاب "اخبار المدینہ" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ "اسلام مدینہ کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جس طرح یہاں سے پھیلا تھا۔حتیٰ کہ ایمان صرف مدینہ ہی میں رہ جائے گا۔ابن زبالہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! وہ وقت کتنا عمدہ ہوگا جب مدینہ بھرے انار کی طرح (نعمتوں سے مالا مال) ہوگا اور لوگ اس کی طرف لوٹ آئیں گے۔حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس وقت لوگ کہاں سے کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ انہیں آسمان سے زمین سے اور جنت کے باغوں میں سے کھلائے گا۔ایک اور روایت میں ہے "عنقریب مدینہ کی حدود "ھیف" سے جاملیں گی۔امام احمد نے روایت بیان کی ہے کہ عنقریب اس کی حدود "شجرہ" تک پہنچیں گی۔امام مسلم نے "روایت بیان کی ہے کہ اس کے مکانات "اھاب یا یھاب" تک جاملیں گے۔

امام احمد نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ "بئر اھاب" پر تشریف لائے آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب مدینہ کی آبادی اس جگہ تک پہنچ جائے گی۔(بئر اھاب حرہ غربیہ کے علاقہ میں واقع ہے) یہاں تک مدینہ کی آبادی مدینہ پر یزیدی لشکر کی یلغار سے پہلے پہنچ چکی تھی۔

ابو یعلی سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! جب مدینہ کی آبادی "سلع" تک پہنچ جائے تو تو شام کی طرف سفر کر جانا وہ فرماتے ہیں جب مدینہ کی آبادی وہاں تک پہنچ گئی تو میں شام کی طرف چلا گیا۔

طبرانی نے "الکبیر" میں حدیث بیان کی ہے کہ "مدینہ کی آبادی "مسلع" تک پہنچ جائے گی پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ اطراف واکناف میں سفر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہنے والا کہے گا (ہائے افسوس) ایک زمانہ ایسا تھا جب یہ عرصہ دراز تک آباد رہا تھا (لیکن اب وہ رونق نہ رہی) نسائی کی روایت ہے کہ اسلامی شہروں میں سے مدینہ سب سے آخر میں ویران ہوگا۔

ابن حبان نے مدینہ کی بربادی کے متعلق بہت ساری احادیث وآثار (بزرگان دین کے اقوال) ذکر کرنے کے بعد دور یزید میں "واقعۂ حرۃ" کے متعلق ابن جوزی کی وہ حدیث جو حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دوران مسجد نبوی شریف میں میرے علاوہ کوئی نہ رہا شامی فوجیں جوق در جوق گستاخیانہ انداز میں داخل ہوتیں وہ مجھے دیکھ کر کہتیں "یہ پاگل بوڑھا دیکھو" جب نماز کا وقت آتا تو میں روضۂ انور سے اذان اور پھر اقامت کی آواز سنتا پس

میں اپنی نماز ادا کرتا۔ جبکہ میرے علاوہ وہاں کوئی اور نہ تھا۔

یزیدی فوج کا امیر مسلم بن عقبہ تھا اس کو مسرف اور مجرم بھی کہا جاتا تھا۔ مسرف (زیادتی کرنے والا) اس لئے کہ اس نے اہل مدینہ کو قتل کرنے میں حدود کو پھلانگ دیا تھا۔ اور مجرم اس لئے کیونکہ اس کا جرم عظیم تھا۔

ایک اور روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلم بن عقبہ کے پاس تشریف لے گئے تو باوجود ناپسندیدگی کے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر کھڑا ہوگیا اور انہیں اپنے پہلو میں بٹھا کر کہا مجھ سے اپنی ضرورت بیان کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی شفاعت کی جن کو قتل کیا جانا تھا اور واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے آپ کیا کہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میں کہہ رہا تھا ''اے زمین و آسمان اور اے عرش و محمد و آل محمد ﷺ کے رب! میں اس کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں تو مجھے اس کے شر سے بچا''۔

مسلم سے کہا گیا تو تو اس نوجوان (علی رضی اللہ عنہ) اور اس کے بزرگوں کو گالیاں دیا کرتا تھا لیکن جب وہ آیا تو تو نے اس کی تعظیم کیوں کی؟ اس نے کہا'' میں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ میرے دل میں ان کا رعب ڈال دیا گیا تھا۔''

پھر جب مسلم بن عقبہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرنے جارہا تھا تو مکہ کے راستے میں مرگیا۔

دسویں فصل

حجاز کی اس خوفناک آگ کے بارے میں ہے جو
حرم مدینہ کے پاس آ کر بجھ جائے گی

صحیحین کی حدیث ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک حجاز میں (ایک مخصوص) آگ ظاہر نہ ہوگی۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سرزمین حجاز سے ایسی آگ ظاہر ہوگی جس کی روشنی میں بصریٰ میں موجود اونٹ نظر آئیں گے۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سی احادیث اس آگ کے متعلق ذکر کیں ہیں پھر کہا ہے کہ یہ آگ مدینہ شریف کے مشرقی جانب سے وادئ احیلین تک کے درمیانی فاصلہ میں ظاہر ہوئی تھی۔

قطب القسطلانی نے کہا ہے کہ یہ آگ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مشرقی جانب سے ''وادئ احیلین'' تک کے درمیانی علاقہ میں ظاہر ہوئی تھی۔

اس آگ کو دیکھ کر اہل مدینہ نے نبی رحمت ﷺ کے دامن رحمت میں آ کر پناہ لی۔ پس یہ آگ رحمت الٰہی کے طفیل بجانب شمال مڑ گئی۔ یوں وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی اور حضور ﷺ کی قبرانور کی برکت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ظاہر ہوگئی۔

امام نووی نے کہا ہے کہ اہل شام نے اس آگ کے ظہور پر اجماع کیا ہے اور امام سمہودی فرماتے ہیں یہ آگ ۶۵۴ھ میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے متعلق بہت سی معلومات میں (اسمٰعیل بن یوسف النبہانی) نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ'' میں اکٹھی کیں ہیں۔

امام السمہودی کے جواہر پاروں میں سے باب الثانی

زیارۃ مسجد نبوی ﷺ اور دیگر متعلقات کے بارے میں ہے

اس میں تین فصلیں ہیں

فصل الاول

زیارۃ النبی ﷺ کے بارے میں

اس فصل میں زیارۃ کی تاکید، اس کے لئے سفر، اس کی نذر ماننے اور وہاں پناہ لینے کے بارے میں ہے۔ دارقطنی اور بیہقی وغیرہما نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ '' حضور ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی اس حدیث کو عبدالحق نے '' احکام الوسطی والصغری'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے نقاد حدیث کے ہاں معروف ہے اور روایت کرنے والے ثقہ ہیں شفاعت کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے یہ کہ ثابت اس انداز سے ہے کہ جس کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ کہنے والی ذات صادق ﷺ ہیں۔ بزاز نے عبد الرحمٰن سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے'' کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ یہ حدیث مرفوع (جس کی سند متصل) ہے۔

طبرانی اور دارقطنی وغیرہ نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا'' جو میری زیارت کو آیا اس کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں تھا اس کا میرے اوپر حق ہے کہ میں قیامت والے دن اس کا شفیع بن جاؤں اسے حافظ بن سکن نے صحیح قرار دیا ہے۔

دارقطنی اور طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا '' جس نے حج کیا اور پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ابوداؤد الطیالسی سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ '' جس نے میری قبر کی زیارت کی یا آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری زیارت کی تو میں اس کیلئے شفیع یا شہید (گواہ) ہونگا اور جو کوئی حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) میں فوت ہوا قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ اسے آمنین (امن والوں) میں سے اٹھائے گا۔ یہ حدیث بھی مرفوع ہے۔

ابو جعفر العقیلی آل خطاب کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ "جس نے صرف میری زیارت کی نیت سے میری زیارت کی تو قیامت کے دن وہ میرے ساتھ ہوگا۔ اور جس نے مدینہ کی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے زندگی گزاری تو قیامت کے دن میں اس کا شفیع یا شہید ہونگا۔ یہ بھی مرفوع حدیث ہے دارقطنی آل حاطب میں سے کسی سے اور وہ حاطب سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا کہ میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مرگیا تو قیامت والے دن اسے امنین میں سے اٹھایا جائے گا۔

ابو الفتح الازدی اپنی کتاب "فوائد" میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے حج کیا اور میری قبر انور کی زیارت کی اور جہاد کیا نیز بیت المقدس میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جو کچھ فرض کیا ہے وہ اس کے متعلق سوال نہیں کرے گا۔

ابو الفتح سعید بن محمد اپنی کتاب "جز" میں لکھتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جس نے میری زیارت کی میں اس کے لئے شفیع یا شہید ہونگا۔

ابن ابی دنیا اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جس نے مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت والے دن اس کیلئے گواہ ہونگا۔ بیہقی نے مزید ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے "جو حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مرگیا تو قیامت والے دن وہ امنین میں سے اٹھایا جائے گا اور جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی تو وہ قیامت والے دن میرے ساتھ ہوگا۔

ابن النجار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جس نے بعد از وصال میری زیارت کی اس کیلئے قیامت والے دن میری شفاعت واجب ہوگئی اور میرا وہ امتی جس کو زیارت کرنے کیلئے موقع ملا لیکن وہ نہ آیا تو اس کے عذر کو قبول نہیں کیا جائے گا"۔

امام ذہبی نے اس حدیث کے راویوں میں سے سمعان بن مہدی کے متعلق کہا ہے کہ وہ غیر معروف ہے۔

ابو جعفر العقیلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی تو میں قیامت والے دن اس کیلئے شفیع یا شہید ہونگا۔

مسند الفردوس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے مکہ میں حج ادا کیا پھر مسجد نبوی ﷺ میں آیا تو اس کیلئے دو مقبول حج کا ثواب لکھا جائے گا۔ یحییٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

ابن عساکر نے حضرت علی کی وساطت سے روایت کی ہے کہ جس نے سرور کائنات ﷺ کیلئے درجہ اور وسیلہ (آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ) کی دعا مانگی تو قیامت کے دن اس کیلئے شفاعت مصطفیٰ ﷺ حلال ہوگئی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی تو روز قیامت وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا۔" اسی کی مثل حدیث انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

یحییٰ بن حسن نے بھی بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "جو شخص میری زیارت کی نیت سے مدینہ شریف آیا تو میری شفاعت اس کیلئے واجب ہوگئی اور جو کوئی حرمین شریف میں سے کسی ایک میں فوت ہوا تو وہ امنین میں سے ہوگا۔

ابوداؤد نے صحیح سند سے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو بھی میرا امتی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ بیہقی نے "باب الزیارۃ" کی ابتداء اسی حدیث شریف سے کی ہے اور امام احمد سمیت ایک گروہ نے اس پر اعتماد کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی طرف سے جواب دینا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ اسی حدیث پاک ﷺ سے بیہقی نے حیات انبیاء کو ثابت کیا ہے۔

اس کے بعد امام سمہودی نے آپ ﷺ کی طرف سے جواب دینے کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔ اسے ابن تیمیہ نے کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں ذکر کیا ہے اسی طرح ابن عبد الہادی نے نقل کیا ہے کہ "شہداء بلکہ تمام مؤمنین اس کو جانتے بھی ہیں اور ان کے سلام کا بھی جواب بھی دیتے ہیں جو بھی ان کی زیارت کو جاتا ہے اور سلام کرتا ہے" اس پر امام سمہودی نے کہا ہے کہ جب یہ عام مسلمانوں کے حق میں ہے تو آقائے دو عالم ﷺ کے بارے میں درست کیونکر نہیں ہو سکتا؟ پس آپ ﷺ اس کو جانتے ہیں جو آپ کو سلام عرض کرتا ہے روضۂ انور کے پاس اور وہاں سلام کرنے والے کو پہچان کر جواب سے نوازتے ہیں۔ پس یہ ایسی فضیلت ہے جس کو دنیا جہاں کی ملکیت خرچ کر کے حاصل کرنا نفع مند سودا ہے۔

بارزی کی کتاب "توثیق عری الایمان" میں سلیمان ابن سحیم سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے

(سلیمان) رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور سلام عقیدت پیش کرتے ہیں آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں" اور میں ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن نجار ابراہیم بن بشار سے روایت ہے کہ میں نے ایک سال حج کیا پھر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور روضہ شریف کے پاس آیا (سلام پیش کیا) تو روضۂ انور کے اندر سے جواب آیا "وَعَلَیْکَ السَّلَامُ" تجھ پر بھی سلام ہو۔ اسی قسم کی روایت اولیاء کرام کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام بشمول آپ ﷺ کے وصال کے بعد ایسی زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو شہداء کی اس زندگی سے زیادہ کامل ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔ آقائے دوعالم ﷺ تو سید الشہداء ہیں کیونکہ شہداء کے تمام اعمال آپ کی زندگی پاک میں موجود ہیں۔ اسی طرح حافظ المنذری نے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے وصال کے بعد میرا علم ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں ہے۔ پھر انہوں نے تمام انبیاء کرام کی زندگی کے بارے میں احادیث ذکر کرنے کے بعد روایت کیا ہے کہ ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس کی گواہی ملائکہ دیتے ہیں اور جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اسے مجھ پر پیش کیا جاتا ہے" جونہی وہ اس کام سے فارغ ہوتا ہے میں نے عرض کی آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا "میری وفات کے بعد بھی" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔ یہ آخری فقرات ابن ماجہ کے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا استاذ ابومنصور البغدادی نے کہا ہے کہ محققین محدثین کا قول ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو امت کے اعمال سے باخبر کیا جاتا ہے نیز اجساد انبیاء بعد از دفن بوسیدہ نہیں ہوتے بلکہ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ ساری میتیں جانتی بھی ہیں اور سنتی بھی ہیں ہم قطعی طور پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ قبر میں ہر میت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے وہ قبر میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے اور عذاب قبر میں مبتلا ہوتی ہے۔ عذاب زندہ کو ہوتا ہے صرف انسانی ڈھانچے کو نہیں ہوتا۔ عذاب کے وقت میت کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے۔

انبیاء کی زندگی جسم و روح کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ وہ آلائش دنیوی سے پاک ہوتے ہیں۔

امام سمہودی نے زیارت کی فضیلت کے متعلق احادیث و آثار ذکر کرنے اور آقائے دوعالم ﷺ کی بعد از وصال زندگی ثابت کرنے کے بعد کہا ہے کہ جب زیارۃ النبی ﷺ باعث ثواب

ہے تو اس کے لئے سفر کرنا بھی باعث اجر ہے۔ نیز آقائے دو عالم ﷺ کا مدینہ سے شہداء کی زیارت کو جانا ثابت ہے سلف وخلف نے اسی پر اجماع کیا ہے۔

''لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ'' کہ تین مسجدوں۔ مسجد اقصیٰ، مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف سفر کرنا جائز نہیں۔ اس حدیث پاک میں جو نہی آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مساجد میں آنے کی جو فضیلت ہے اس جیسی فضیلت کسی اور مسجد کے ساتھ مختص کر کے جانا منع ہے۔

امام احمد اور ابن شبہ کی بیان کردہ حدیث شریف ہے کہ مسجد حرام، مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے اجماع اس بات پر ہے کہ حج کے افعال کی ادائیگی کیلئے میدان عرفات کی طرف جہاد کیلئے، کفار کے ملک سے، تجارت کی خاطر یا دنیاوی فائدے کے لئے سفر کرنا درست ہے۔ علماء کا ان مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے میں اختلاف ہے بعض نے حرام کہا ہے اور بعض نے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن نبی مکرم ﷺ نے واضح فرما دیا ہے کہ جو ثواب عظیم ان مساجد میں ہے وہ کسی اور مسجد میں نہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ سفر کرنے کی جو نہی ہے وہ درحقیقت اس آدمی کو زیارت النبی ﷺ پر ابھارنا ہے جو بہت کم زیارت کو جاتا ہے پھر جانے والے کو چاہیے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کیلئے اس لئے جائے کیونکہ اس کے پڑوس میں روضہ شریف ہے اور زیارت کرنے والا اس انداز میں حاضری دے گویا آپ ﷺ حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہیں لہٰذا قبر انور کی تعظیم اس میں موجود ہستی کی وجہ سے کی جاتی ہے اور حدیث شریف

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ (کا مطلب یہ ہے کہ)

مَنْ زَارَنِی فِی قَبْرِی

''جس نے میری قبر میں میری زیارت کی''۔......(الحدیث)

اسی طرح حافظ المنذری نے اس حدیث

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا ''کہ میری قبر انور کو 'عید' نہ بنانا''۔

کے بارے میں لکھا ہے کہ ممکن ہے حضور ﷺ نے اس حدیث شریف میں اپنی امت کو زیارت کرنے پر ابھارا ہو کہ سستی کی وجہ سے میری زیارت ترک نہ کرنا کہ عید کی طرح کبھی کبھار آیا کرو۔

ہمارے اس قول کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے

لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا ''اپنے گھروں کو قبر نہ بنانا''۔

یعنی اپنے گھروں میں نماز ترک نہ کرنا۔ گویا گھروں میں نماز پڑھنے پر ابھارا جارہا ہے۔

اور سبکی نے "لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا" کی وضاحت اس طرح کی ہے۔ کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میری زیارت کیلئے ایک مخصوص وقت مقرر نہ کرنا۔ اس طرح کہ اس مقررہ وقت میں ہی میری زیارت کو آنا۔ یا ممکن ہے آپ ﷺ کا مطلب یہ ہو کہ میری قبر پر عید کے اجتماع کی طرح جمع ہونا لیکن آرائش و زیبائش یا دیگر اعمال جو اس روز کئے جاتے ہیں۔ ان کو بجا نہ لایا جائے۔ بلکہ میری قبر پر زیارت، سلام اور دعا کی نیت سے آنا چاہیے۔

عبدالحق الصقلی نے روایت کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کہنا مکروہ قرار دیا ہے کہ ہم نے روضۂ انور کی زیارت کی" کیونکہ زیارت جس کا دل چاہے کرے اور جس کا نہ چاہے نہ کرے۔ لیکن روضۂ رسول ﷺ کی زیارت تو واجب ہے۔

احناف کہتے ہیں آقائے دوعالم ﷺ کی زیارت تمام مستحباب میں سے افضل ترین بلکہ واجب کے قریب تر ہے۔ امام سبکی نے اس کی عمدہ وضاحت کی ہے۔

شوافع میں سے قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ جب آدمی قبر انور علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی نذر مانے تو اسے پوری کرنا لازم ہے اور اگر کسی اور کی نذر مانے گا تو اس میں (لزوم اور عدم لزوم) کے دو قول ہیں۔ البتہ ختمی اور درست بات یہ ہے۔

کہ زیارت النبی ﷺ حق اور سچ ہے کیونکہ یہ بھی عبادت مقصودہ (قابل ثواب) ہے کیونکہ آقائے دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ شریف کی طرف اپنی حیات مقدسہ میں ہجرت کی تھی اور یہ ہجرت آپ پر واجب تھی (لہٰذا مدینہ شریف جانا امت پر لازم ہے)

مالکیہ میں سے "عبدی" نے کہا ہے مکہ اور مسجد حرام کی طرف پیدل جانے کی نذر ماننے کی شریعت میں اصل موجود ہے اور وہ حج وعمرہ ہیں۔ ایسا ہی قبر انور علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جانے کی نذر ماننا بھی درست ہے کیونکہ قبر انور کعبہ و بیت المقدس دونوں سے افضل ہے۔ حالانکہ یہاں حج وعمرہ میں سے کوئی بھی نہیں۔

علامہ عبدالحق نے تہذیب الطالب شیخ ابومہدی بن زید سے پوچھا کہ جو شخص کسی کو کرایہ دے کر اپنی طرف سے حج پر بھیجے اور وہ زیارۃ کیلئے نہ جاسکے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مکہ سے مدینہ تک کی مسافت کی رقم اس سے واپس لی جائے اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے کہا ہے کہ دوبارہ اس پر زیارۃ کیلئے جانا لازمی ہے۔

علامہ عبدالحق نے کہا ہے کہ اگر بھیجنے والے نے کسی کو معین سال میں بھیجا ہو اور اسی سال جا کر اس

نے حج کیا لیکن زیارۃ نہ کرسکا اب اس پر زیارۃ کیلئے جانا لازمی نہیں لیکن بھیجنے والے نے مطلقاً حج کیلئے کہا ہو (سال کی تخصیص نہ ہو) اور اس نے زیارۃ نہ کی اب دوبارہ زیارت کیلئے جانا اس پر لازم ہے۔

سبکی کہتے ہیں کہ یہ ایک حسین فرع ہے۔ شوافع حضرات نے ذکر کیا ہے کہ کسی کو زیارت کیلئے اجرت پر لینا ہمارے نزدیک درست نہیں کیونکہ زیارت شرعی حکم نہیں (شوافع اس چیز میں نیابت کو جائز قرار دیتے ہیں جس کی اصل موجود ہو) اگر اجرت وہاں زیارت کیلئے کھڑے ہونے پر مقرر کی تھی تو درست نہیں کیونکہ اس میں غیر کو نائب بنانا درست نہیں اور اگر کسی کو قبر انور کے پاس دعا کیلئے نائب بنایا جائے تو یہ نیابت درست ہے کیونکہ دعاء میں نیابت (نائب بنانا) درست ہے۔

فصل میں مذکور دو چیزوں (فضیلت مسجد نبوی شریف وفضیلت زیارۃ) کے علاوہ دیگر متعلقات میں ''سلام'' بھی شامل ہے۔ یعنی اپنی طرف سے حضور پاک ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں سلام پہنچانا۔

اس میں شک نہیں کہ کسی کو بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام پہنچانے کیلئے اجرت پر مقرر کیا جائے۔ اس کے بعد امام سمہودی نے فرمایا ہے'' کہ کسی کو سلام پہنچانے کیلئے یا بارگاہ نبوی ﷺ میں دعا کیلئے اجرت پر مقرر کرنا حق اور درست ہے۔

دوسرا باب

فصل ثانی

زیارۃ کرنے والے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ پکڑنا اور زیارت ومجاورت کے آداب کے بارے میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا آپ کی شفاعت کا حصول، انبیاء ورسل اور بزرگان دین کی سنت ہے۔

حاکم نے ایک صحیح حدیث بیان کی ہے کہ "جب آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کا اعتراف کیا تو (دعا کے وقت) یوں عرض کناں ہوئے۔

الٰہی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری لغزش پر قلم عفو پھیر دے۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے آدم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ابھی تک میں نے پیدا نہیں کیا تو انہیں کیسے جانتا ہے؟۔

آدم علیہ السلام نے عرض کی! الٰہی جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اوپر دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

لکھا ہوا تھا۔ میں جان گیا کہ "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مخلوق میں سے سب سے زیادہ تجھے عزیز ہیں تبھی تو تو نے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے آدم! تو نے سچ کہا ہے بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ جب تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے دعا مانگی تو میں نے تیری خطا معاف کر دی۔

اے آدم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

نسائی اور ترمذی نے عثمان بن حنیف سے روایت بیان کی ہے کہ "ایک نابینا صحابی بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیجئے کہ اللہ بینائی عطا کرے۔ مختار کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاہو تو دعا کر دوں اور چاہو تو صبر کرو۔ اور صبر تیرے لئے بہتر ہے۔ اس نے عرض کی حضور! "دعا کیجئے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ "وضو کرنے کے بعد یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ

اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فَتُقْضٰی حَاجَتِیْ اللھم شفعه فی

''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور نبی رحمت محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، یا محمد صلی اللہ علیک افضل الصلوٰت والتسلیمات ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کریم سے دعا کرتا ہوں کہ میری ضرورت پوری ہو (مجھے بینائی مل جائے)۔ الٰہی تو میرے نبی کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما''۔

بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ وہ صحابی بینائی کی نعمت سے مالا مال ہو کر اٹھے۔

بیہقی وطبرانی ہی کی روایت ہے کہ

''ایک شخص کسی حاجت کے سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتا لیکن شنوائی نہ ہوتی۔ اس نے ابن حنیف سے شکایت کی۔ ابن حنیف نے اس سے کہا'' لوٹا لو، وضو کرو، دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد یہ دعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فَتُقْضٰی حَاجَتِیْ

''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور حضور نبی رحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں اپنے رب کے آگے آپ وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ تا کہ میری فلاں حاجت (یہاں اپنی حاجت کا نام لیکر ذکر کرے) پوری ہو''۔

وہ آدمی چلا گیا اور ایسا ہی کیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا آپ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور اس کی حاجت پوری کی۔ پھر کہا تو نے پہلے مجھے اپنی ضرورت بیان کیوں نہ کی؟ آئندہ اگر کوئی ضرورت ہو تو (بے دھڑک) بیان کیا کر۔

وہ وہاں سے نکلا اور سیدھا ابن حنیف کے پاس گیا۔ اور کہا'' جزاك الله خیرا'' اللہ تیرا بھلا کرے پہلے تو وہ میری بات نہ سنتے تھے لیکن جو کچھ آپ نے بتایا اس کے بعد انہوں نے میری ضرورت پوری کر دی۔ ابن حنیف نے کہا یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بتایا تھا میں نے (زمانہ رسالت) میں ایک دن دیکھا کہ ایک اندھا صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اندھے پن کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا بینا ہونا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ

بہت تکلیف ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا'' جاؤ وضو کرو، دو رکعت نفل پڑھو اور پھر مذکورہ دعا مانگو'' ہم ابھی اس محفل سے اٹھے بھی نہ تھے اور زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ وہ آدمی ہمارے پاس اس انداز میں آیا گویا اسے یہ بیماری تھی ہی نہیں۔

'' محبوب و معظم'' نے کہا ہے کہ کبھی کبھی وسیلہ ضرورت کے پورا ہونے کیلئے سبب بن جاتا ہے طریقہ یہ رہا ہے کہ وسیلہ اس کو بنایا جاتا ہے جو کسی کے لئے قابل قدر ہو یا وسیلہ اس کو بنایا جاتا ہے۔ جو اس کے ہاں قابل قدر ہو جس کے پاس وسیلہ بنایا جاتا ہے۔

'' حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے ان تینوں نے اپنے اپنے نیک عمل کا وسیلہ پیش کر کے نجات حاصل کی''

جب اس حدیث شریف میں '' اعمال'' کے ساتھ وسیلہ پکڑنا جائز ہے تو آقائے دو عالم ﷺ کی ذات سے وسیلہ پکڑنا بدرجہ اتم جائز ہے۔ وسیلہ، استغاثہ، شفاعت اور توجہ تمام ہم معنی الفاظ ہیں۔

کبھی وسیلہ طلب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ کسی کو حالت زندگی میں بلایا جائے اور ساتھ ساتھ جس سے وسیلہ پکڑا جائے اسے سوال کرنے والے کی ضرورت کا علم بھی ہو۔

بیہقی کی روایت ہے مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن (سیکرٹری خزانہ) تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ سید عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط نے آلیا ایک شخص روضہ انور کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی'' حضور اپنی امت کیلئے بارش کی دعا کیجئے آپ کی امت ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکی ہے'' اسے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا'' عمر کے پاس جاؤ اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ (عنقریب) ان پر بارش برسے گی، اور کہنا'' عَلَیْکَ اَلکِیسَ اَلْکِیسَ ''،'' کہ دور اندیشی کو لازم پکڑو'' وہ آدمی آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سب کچھ بیان کیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا الٰہی'' میں نے کبھی سستی تو نہیں کی البتہ جن کاموں سے میں عاجز ہوں (ان میں ممکن ہے مجھ سے سستی ہو گئی ہو)

ایک اور روایت میں ہے کہ خواب دیکھنے والے بلال بن الحرث رضی اللہ عنہ تھے۔

امام ابو بکر المقری کہتے ہیں کہ میں، طبرانی اور ابو الشیخ ایک دفعہ مسجد نبوی ﷺ شریف میں تھے ہمیں بھوک نے بہت پریشان کیا۔ عشاء کے وقت میں روضۂ انور کے پاس آیا اور عرض کی'' یا رسول اللہ ﷺ بھوک لگی ہے'' اتنا کہہ کر چلا گیا اور سو گیا۔ ابو الشیخ بھی سو گئے جبکہ طبرانی جاگ رہے تھے وہ کسی چیز کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک ایک علوی (سیدزادہ) آئے ان کے ساتھ دو غلام دو برتنوں میں بہت

سا کھانا اٹھائے ہوئے تھے۔(انہوں نے آکر ہمیں کھانا دیا) ہم نے اٹھ کر کھانا کھایا انہوں نے بچا ہوا کھانا ہمارے پاس رہنے دیا۔ مزید اس سید زادے نے کہا ”دوستو! تم نے حضور ﷺ کے ہاں شکایت کی تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے خواب میں ملے اور آپ لوگوں کیلئے کھانا لانے کا حکم دیا۔

ابو العباس بن نفیس المقری کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینہ منورہ میں تین دن تک بھوکا رہا آخر کار میں قبر انور کے پاس آیا (بھوک کی شکایت کی) رات نہایت کمزوری میں گذاری آخری پہر ایک عورت نے میرے پاؤں کو ہلایا میں اٹھ کر اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اس نے گیہوں کی روٹی، کھجور اور گھی میرے آگے رکھ دیئے اور کہا ” اے ابو العباس! کھایئے میرے نانا جان علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔ آئندہ جب بھی آپ کو بھوک لگے تو ہماری طرف آنا۔ اس جیسے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔

ابو سلیمان داؤد الشاذلی نے اپنی کتاب ”البیان والانتصار“ میں بہت سے ایسے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ مانگنے والا جب کھانا مانگتا ہے تو آقائے دو عالم ﷺ اپنی اولاد (سادات حضرات) میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ سخی سے جب کوئی کھانے والی چیز مانگتا ہے تو وہ یا تو خود یا اپنے کسی رشتہ دار کے ذریعے اس کی ضرورت کو پوری کر دیتا ہے۔

ابو محمد اشبیلی نے لکھا ہے کہ غرناطہ میں کسی آدمی کو ایسی بیماری نے آلیا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز آگئے۔ وزیر بن ابی خصال نے اس کی طرف سے بارگاہ رسالت میں ایک خط لکھا جس میں شفا کیلئے درخواست کی گئی تھی اور اس خط میں یہ شعر بھی لکھا تھا۔

کِتَابُ وَقِيْذٍ مِنْ زَمَانَتِهٖ مُشْفِى
بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ(ﷺ) اَحْمَدَ يَسْتَشْفِىْ

اپاہج کی مہلک بیماری میں مبتلا شخص کی طرف سے یہ خط (ہے)
(جس میں) وہ قبر انور علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے شفا طلب کر رہا ہے۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ جونہی قافلہ مدینہ پہنچا اور وہ شعر قبر انور کے پاس پڑھا گیا تو یہاں وہ مریض تندرست ہو گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خشک سالی کے موقع پر قبر انور کے پاس آنے کا حکم دیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر بالتفصیل آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

ابن عبد السلام نے کہا ہے کہ وسیلہ مخلوق الٰہی میں سب سے عظیم ذات یعنی سید عالم ﷺ کی ذات اقدس سے پکڑنا چاہیے۔

لیکن سبکی وغیرہ نے کہا ہے کہ وسیلہ امت محمدیہ کے تمام صالحین کے ساتھ پکڑنا درست ہے۔ جس طرح صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب قحط آتا تو آپ رضی اللہ عنہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ وسیلہ پکڑتے اور یوں عرض کرتے

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَاسْقِنَا

''الٰہی ہم اپنے نبی مکرم ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تو ہم پر بارش نازل ہوتی (آج) ہم نبی مکرم ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے بارش کیلئے دعا کرتے ہیں ہم پر بارش نازل فرما'' راوی کہتے ہیں جب آپ رضی اللہ عنہ اس طرح دعا مانگتے بارش برس پڑتی''۔

حافظ ابوالقاسم، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَنَسْتَشْفَعُ اِلَیْکَ بِشَیْبَتِہٖ

''مولا! ہم رسول مکرم ﷺ کے چچا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں۔ اور ان کے سفید بالوں کا واسطہ دیتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ یہ دعا مانگنے کے بعد ان پر بارش برس پڑتی''۔

اسی لئے تو ''عباس بن عتبہ بن ابولہب'' کہتے ہیں۔

بِعَمِّی سَقَی اللّٰہُ الْحِجَازَ وَاَھْلَہٗ عَشِیَّۃَ یَسْتَقِیْ بِشَیْبَتِہٖ عُمَرُ

''کہ میرے چچا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کے وسیلہ سے اللہ نے حجاز اور اہل حجاز پر بارش برسائی اس وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سفید بالوں کے واسطہ سے بارش کیلئے دعا کی تھی''۔

ابن زبیر اور ابن بکار کی روایت اس طرح ہے کہ (حضرت عباس کے پاس جب لوگ دعا کیلئے گئے تو) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں کہا کہ ''مالک تیرے نبی کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے اس میری قوم نے دعا کیلئے مجھے وسیلہ بنایا ہے۔

مہربانی فرما موسلا دھار بارش برسا۔ ''آسمان رسیوں کی طرح ڈھیلا ہو گیا''۔

یعنی خوب بارش برسی یہاں تک کہ زمین سرسبز ہو گئی۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ ''عام الرمادہ'' (ہلاکت کا سال) تھا۔

شفا شریف میں سند صحیح کے ساتھ ابن حمید سے روایت ہے کہ

ابوجعفر (جو امیر المومنین تھا) اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا مسجد نبوی ﷺ شریف میں آمنا سامنا ہوا حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اے امیر المومنین! اس مسجد اقدس میں اپنی آواز بلند نہ کیجئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' کے ذریعے لوگوں کو ادب سکھایا ہے۔ اور ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ'' کے ذریعے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے۔ آیات مقدسہ میں جو احکام ہیں وہ اب بھی اس طرح جاری ہیں جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کی حیات ظاہری میں جاری تھے۔

ابوجعفر نے ان آفاقی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور عرض کی اے ابوعبداللہ! دعا مانگتے وقت میں اپنا چہرہ قبلہ شریف کی طرف کروں یا روضہ شریف کی طرف؟ آپ نے فرمایا اے ابوجعفر! تو اپنا چہرہ اس ذات کریم سے کیوں پھیرتا ہے جو تیرے بلکہ تیرے باپ آدم علیہ السلام کیلئے بروز قیامت وسیلہ ہونگے۔ اپنا چہرہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا کر اور آپ کی شفاعت طلب کر اللہ تعالیٰ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت قبول فرماتا ہے کیونکہ اللہ کا فرمان عالیشان ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ......

اے محبوب! اگر تیری امت میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کر جائے تو اسے آپ کی بارگاہ میں آنا چاہیے۔''

''مستوعب'' میں ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ پھر ابوجعفر قبر انور کے پاس آ کر ایک طرف اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اس کا چہرہ قبر شریف کے سامنے، کعبہ شریف اس کے پیچھے اور منبر شریف اس کے بائیں طرف تھا۔ پھر بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام عقیدت پیش کیا اور یوں دعا کی۔

''الٰہی تو نے قرآن میں فرما دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

میں بھی بخشش طلب کرنے حاضر ہوا ہوں میری بھی بخشش فرما جس طرح تو نے حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں آنے والوں کی مغفرت کی تھی۔ الٰہی میں تجھے تیرے نبی کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔

ابن وہب کی روایت ہے کہ امام مالک جب دعا و سلام کیلئے قبر انور کے پاس حاضر ہوتے تو آپ کا چہرہ قبر انور کی طرف ہوتا نہ کہ قبلہ کی طرف اور یوں آپ رحمتہ اللہ علیہ سلام عرض کرتے اور دعا مانگتے۔

لیکن ''مبسوط'' میں ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو قبر انور کے پاس رکنا نہیں چاہیئے

بلکہ چلتے چلتے سلام اور دعا کرے۔

لیکن یہ روایت ماقبل روایت کے بھی منافی ہے اور اس روایت کے بھی منافی ہے جس کو ابن المواز نے روایت کیا کہ "امام مالک سے پوچھا گیا کہ حاجی جب کعبہ شریف سے رخصت ہو رہا ہو تو کیا وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے گا؟ آپ نے فرمایا "نہیں" بلکہ وہاں کھڑے ہو کر دعا کرے۔ لیکن یہی سوال جب قبر انور کے بارے میں کیا گیا تو آپ نے فرمایا" ہاں ایسا کرے"۔

اشکال کی وضاحت

مبسوط کی وہ روایت جس میں آدمی کے قبر انور کے پاس نہ رکنے کا ذکر ہے اس کا تعلق اس آدمی سے ہے کہ جو وہاں رک کر دعا کرنے میں بے ادبی کا شکار ہو۔ تو اس کیلئے وہاں رکنا مناسب نہیں لیکن جو خوش نصیب بارگاہ نبوی ﷺ کے آداب جانتا ہو وہ وہاں رک کر اپنی جھولی میں رحمت کے موتی جمع کرلے تو کوئی حرج نہیں۔

ابو موسیٰ اصفہانی سے روایت ہے کہ امام مالک نے فرمایا "جب انسان قبر کے پاس حاضر ہو تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے اور قبر انور کی طرف منہ کر کے دعا مانگے اور صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

ابن یونس، ابن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ ابن حبیب نے فرمایا" جب تو نے قبر شریف کے پاس قبلہ رو ہو کے دو رکعت نفل ادا کئے تو اب قبر شریف کے قریب ہو جا، بارگاہ رسالت میں سلام عقیدت پیش کر، آپ کی تعریف کر اور سکون ووقار کا لحاظ رکھ کیونکہ آقا علیہ السلام تیرے حاضر ہونے کو جانتے ہیں اور تیرے سلام وغیرہ کو سنتے ہیں۔ پھر تجھے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ وسیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سلام پیش کرنا چاہئے۔ اور ان کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کرنی چاہیے۔

"مسند ابو حنیفہ" میں طلحہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایوب السختیانی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے آپ نے قبلہ کی طرف اپنی پیٹھ کر لی اور قبر شریف کے سامنے کھڑے ہو کر زار وزار رونے لگے۔"

المجد اللغوی عبد اللہ بن المبارک سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ ایوب السختیانی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے میں (ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا آج میں ایوب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھوں گا کہ یہ کس طرح بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری دیتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ نے قبلہ کی طرف اپنی پیٹھ کر لی اور اپنا چہرہ رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف کر دیا اور (ریا کاری کے بغیر) رونے لگے۔ (یہ دیکھ کر میرے دل میں) آپ نے

ایک فقیہہ (صاحب سمجھ) کا مقام حاصل کرلیا''۔

ابو ذر الہروی ''بیان الایمان والاسلام'' میں حماد بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حماد بن زید نے حضرت امام ابوحنیفہ سے وہ حدیث بیان کی جس میں حماد کے شیخ ایوب السختیانی کی بارگاہ رسالت حاضری کا ذکر تھا۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا یہ حدیث آپ سے ایوب السختیانی نے روایت کی ہے؟ اور ساتھ رونے لگے۔ پھر ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب ایوب السختیانی یاد آتے میں رو پڑتا۔ کیونکہ میں نے انہیں قبر انور کی پناہ میں اس طرح آتے دیکھا تھا جس طرح کسی اور کونہیں دیکھا تھا۔

مذکورہ روایت آنے والی حدیث کے مخالف ہے جس میں ابوحنیفہ کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے کہ'' قبر شریف پر آنے والا قبلہ کی طرف منہ کرے اور احناف میں سے السروجی کا قول ہے کہ زائر سلام کے وقت اپنا منہ قبلہ شریف کی طرف کرے۔

لیکن محقق کمال بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول اس حدیث سے رد کیا گیا ہے (آپ نے رجوع کرلیا ہے) کہ'' مسند ابی حنیفہ'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ جب تو قبر انور کے پاس آئے تو سنت یہ ہے کہ تو قبلہ کی جانب سے قبر انور کی طرف منہ کر کے آئے اور یوں کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ

امام شافعی کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ زیارت کرنے والا اپنا چہرہ قبر انور کی طرف اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کرے گا۔ یہی امام احمد بن حنبل کا بھی قول ہے۔

'' منسک الکبیر'' جو ابن جماعہ کی تصنیف ہے اس میں ذکر ہے کہ احناف کا مسلک ہے کہ زیارت کرنے والا اسلام کی خاطر قبر انور کے سرہانے کی جانب کھڑا ہو اس طرح کہ سر اقدس اس کے بائیں طرف ہو اور دیوار سے چار گز کے فاصلہ پر ہو پھر چہرۂ انور کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ قبر انور کی طرف ہو اور پیٹھ قبلہ شریف کی طرف ہو۔''

احناف میں سے'' الکرمانی'' کا قول ہے کہ قبر انور کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہونا چاہیے۔ لیکن یہ قابل اعتناد بات نہیں کیونکہ اہل قبور کیساتھ اہل دنیا کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے۔ تو جس طرح کسی کو سلام کرتے وقت منہ کر کے سلام کیا جاتا ہے اسی طرح اہل قبور کو بھی سلام کرتے منہ کرنا قابل فہم بات ہے۔

اور علقمہ القروی سے جو منقول ہے کہ حجرہ مبارک کے مسجد میں داخل کرنے سے پہلے لوگ حجرہ مقدسہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا کرتے تھے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں حجرہ مبارک تنگ تھا اور وہاں کھڑے ہو کر قبر انور کی طرف منہ کرنا ممکن نہ تھا۔ پھر بھی لوگ دروازہ کے ایک

کو نے اور سر مبارک کے ایک طرف کھڑے ہوتے (اور سلام عقیدت پیش کرتے) کیونکہ مطرف نے بیان کیا ہے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ جب سلام کیلئے حاضر ہوتے تو روضہ انور میں ستون کے پاس کھڑے ہوتے۔اور یہی بزرگان دین کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب حجروں کو مسجد نبوی ﷺ میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔لوگ اس لستون کی طرف منہ کرتے۔جس میں صندوق تھا۔روضہ انور کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہوتے تھے لیکن حجروں کے مسجد میں داخل کرنے کے بعد لوگ چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ابن زبالہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ آپ جب روضہ انور کے پاس سلام پیش کرنے کیلئے حاضر ہوتے تو قبر انور کے سامنے آ کر کھڑے ہوتے اور سلام پیش کرتے۔

آداب الزیارۃ

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ زیارت کے آداب بہت سے ہیں۔

سفر کے متعلق آداب یہ ہیں کہ زیارت کرنے والا پہلے استخارہ کرے، گناہوں سے توبہ کرے، وصیت کرے اور جن کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہے (والدین وغیرہ) ان کو راضی کرلے خوب خرچ کرے اللہ کی راہ میں صدقہ کرے، کسی کے ساتھ شرکت نہ کرے، اہل وعیال اور گھر کو دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اور دعاء مانگنے کے بعد الوداع کرے اور ان کے علاوہ سفر حج کے آداب کو بھی ملحوظ خاطر رکھے۔

اخلاص نیت بھی آداب زیارۃ میں سے ہے اور سواری تیار کرتے وقت ثواب کی نیت کرے۔ابو سلیمان داؤد نے کہا ہے کہ جس کیلئے زیارت پر جانا ممکن ہو تو وہ اللہ کیلئے عاجزی کرتے ہوئے اور نبی مکرم ﷺ کی تعظیم کی خاطر ضرور جائے۔"شفا" میں ہے کہ ابو الفضل الجوہری جب زیارت کیلئے مدینہ شریف حاضر ہوئے تو انہوں نے روتے ہوئے یہ شعر کہے۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا ۔۔۔ فُؤَادَ الْعِرْفَانِ الرَّسُوْمِ وَلَا لُبًّا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِي كَرَامَةً ۔۔۔ لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اِنْ نُّلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

جس ذات نے ہمارے دلوں اور دماغوں میں عرفان حق کے نقوش ثبت کئے جب ہم نے ان کے شہر کے در و دیوار دیکھے تو فرط عقیدت میں ہم سواریوں سے اتر پڑے۔

آداب زیارت میں سے یہ عظیم دعا بھی ہے جب زائر حرم مدینہ پہنچے تو صلوٰۃ و سلام کے بعد کہے۔الٰہی یہ تیرے نبی کریم ﷺ کا حرم ہے انہوں نے اپنی زبان پاک سے اسے حرم قرار دیا ہے اور

تجھ سے مکہ کی نسبت دو چند برکتوں کیلئے دعا کی ہے۔

الٰہی مجھ پر آگ حرام فرما۔عذاب سے بچا اور جو رزق تو نے اپنے اطاعت گذار اور دوستوں کیلئے مقرر کیا تھا میرے لئے بھی مقرر فرما۔ مجھے یہاں ادب کی توفیق عطا فرما نیز یہاں اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ وہ اگر ذوالحلیفہ کے راستہ سے جارہا ہو تو مقام ''معرس'' میں سواری سے اترے مسجد معرس اور مسجد ذوالحلیفہ میں نفل ادا کرے (پھر آگے بڑھے)

''احیاء'' میں ہے کہ زیارت کرنے والا ''حرۃ'' کے کنویں سے (جو مدینہ سے باہر ہے) غسل کرے خوشبو لگائے اور خوبصورت کپڑے پہنے۔

احناف میں سے ''کرمانی'' نے کہا ہے ''اگر باہر غسل کرنا ممکن نہ ہو تو مدینہ شریف میں جا کر غسل کرلے اور جاہل جو سلے ہوئے کپڑے نہیں پہنتے ایسا نہ کرے۔ بلکہ وہ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتا ہے کیونکہ احرام کا تعلق حج کے ساتھ ہے۔

جب زائر گنبد خضریٰ کو دیکھے تو دل و جان سے اس کی عظمت کا لحاظ کرے۔ کیونکہ یہ وہ مقام اقدس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کیلئے ابدی آرام گاہ بنایا ہے۔ زائر کو چاہئے کہ ذہن میں وہ زمانہ پاک لائے جب کبھی سردار دو عالم ﷺ یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس حجرہ مقدسہ کے چپہ چپہ پر قدم مبارک لگتے رہتے تھے۔ زائر نہایت عاجزی و انکساری اور وقار کو ملحوظ خاطر رکھے اور آواز پست کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا عمل نہ کرے جس کی وجہ سے اس کی عمر بھر کا سرمایہ (اعمال حسنہ) جاتا رہے۔ زائر آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری میں ملاقات نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کرے بلکہ یہ تصور کرے کہ اس کی کوتاہیوں کی وجہ سے ممکن ہے اس کو آخرت میں بھی یہ سعادت نصیب نہ ہو سکے۔ پھر اپنے گناہوں کیلئے بخشش طلب کرے۔ اور قبر انور کے پاس حاضر ہونے کیلئے وہ راستہ اپنائے جس راستہ سے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجرۂ مقدسہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ تاکہ حاضری کے وقت زائر کا چہرہ آقائے دو عالم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف ہو۔

زائر کو چاہئے کہ مدینہ میں باب البلد سے داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ ......

کیونکہ یہی دعا سرکار مدینہ جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو پڑھتے مدینہ کی عظمت کو دل

میں بٹھائے کیونکہ بالا جماع مدینہ بہترین مقامات پر مشتمل ہے۔

اَرْضٌ مَشٰی جِبْرِیْلُ فِی عَرَصَاتِهَا
وَاللّٰهُ شَرَّفَ اَرْضَهَا وَ سَمَاهَا

مدینہ پاک وہ سرزمین ہے جس پر جبرائیل علیہ السلام چلتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو عزت دی ہے اور اسے سرفراز کیا ہے۔

زائر کو چاہیے کہ قبر انور کے سامنے جو کچھ بلند زمین ہے اس پر چڑھنے سے پہلے صدقہ ادا کرے۔ کسی اور بلند جگہ پر بلا ضرورت نہ چڑھے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت ذہن میں یہ بات بٹھائے کہ وہ ایسی جگہ آیا ہے جو ابو الفتوح جبرائیل علیہ السلام اور ابو الغنائم میکائیل علیہ السلام کے اترنے کی جگہ ہے۔ یہاں وحی اترتی رہی لہٰذا اسے چاہیے کہ خشوع و خضوع کا مجسمہ بن کر حاضر ہو۔

باب جبرائیل سے مسجد میں داخل ہونا افضل ہے اس دوران اس کا دل صاف اور ضمیر پاکیزہ ہو۔

ابو سلیمان داؤد کہتے ہیں۔ کہ جب زائر روضۂ انور کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو چلتے چلتے تھوڑی دیر کیلئے رک جائے (جس طرح بڑوں کے پاس جاتے وقت کیا جاتا ہے) پھر حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوتے وقت (اگر نصیب ہو) اپنا دایاں پاؤں پہلے رکھے اور پڑھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَ بِنُوْرِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَوَفِّقْنِیْ وَسَدِّدْنِیْ وَاَعِنِّیْ عَلٰی مَایُرْضِیْكَ عَنِّیْ وَمِنْ حُسْنِ الْاَدَبِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔"

"میں اللہ بزرگ و برتر کی پناہ شیطان لعین سے مانگتا ہوں نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی قوت اللہ کی طرف سے ہے الٰہی ہمارے آقا محمد ﷺ پر بے انتہا درود بھیج ہم سے راضی ہو جا ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ روضۂ انور پر حاضری کے آداب سکھا۔ ہم سے راضی ہو۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت، سلام و برکات ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔"

مسجد نبوی سے نکلتے وقت، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ ضرور پڑھے۔

جب بھی زائر مسجد نبوی شریف میں داخل ہوتو اعتکاف کی نیت کر لے اگر چہ تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو۔اس کے بعد قبر انور کی طرف بحالت انکساری دل میں مقام کی عظمت کو بٹھاتے ہوئے، مرعوب ہو کر وقار اور عاجزی کی تصویر بنے ہوئے، مسجد وغیرہ کی زینت میں دلچسپی لئے بغیر چل پڑے۔ مصلّٰی نبوی پر آکر (اگر یہاں ممکن ہو تو، نہیں تو کہیں اور) دو مختصر رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے پہلی رکعت میں ''سورۃ الکفرون'' اور دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھے۔ ہاں اگر جماعت تیار ہو یا نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو فرض نماز پڑھے۔تحیۃ المسجد اسی میں ادا ہو جائے گا۔اس کے بعد اللہ کا شکر ادا کرے اور پھر نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوشنودی، توفیق، قبولیت اور دین و دنیا کی بھلائی کا سوال کرے۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر بھی ادا کرے۔

محب الطبری نے اپنی کتاب '' تشویق للجمال'' میں ذکر کیا ہے کہ اپنی اس زیارت کی قبولیت کیلئے اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی کیساتھ دعا بھی کرے۔

اوپر جو ہم نے ذکر کیا کہ زائر پہلے تحیۃ المسجد پڑھے تو یہ اس وقت ہوگا جب قبر انور کے سامنے سے حاضری ممکن نہ ہو البتہ اگر بھیڑ وغیرہ نہ ہو تو پھر پہلے زیارۃ کرے اور نماز تحیۃ المسجد بعد میں پڑھے بعض مالکیوں نے مطلقاً پہلے زیارت کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ دونوں طرح عمل میں تقدیم و تاخیر ہر دو جائز ہے۔

پہلے تحیۃ المسجد پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ کسی سفر سے لوٹا تو سلام کی غرض سے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا'' تحیۃ المسجد ادا کر لی ہے؟ میں نے عرض کی نہیں حضور! آپ نے فرمایا'' جاؤ پہلے نماز پڑھو (تحیۃ المسجد) پھر آؤ اور مجھے سلام کرو۔

اللخمی اور مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول بھی یہی ہے کہ زائر پہلے تحیۃ المسجد پڑھے پھر سلام کرے۔

ابن حبیب کا قول ہے کہ زائر جب مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو تو

بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

پڑھے اور اسی جگہ سے سلام کی نیت کرے پھر تحیۃ المسجد پڑھے۔لیکن اگر وہ اس دروازہ سے داخل ہو جس کے پاس قبر انور ہے اور وہ قبر انور کے پاس گذر رہا ہو تو اب وہاں ٹھہر جائے سلام عقیدت پیش کرے اور پھر نماز پڑھنے کی جگہ پر آکر نماز پڑھے۔ابن حبیب کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والے کیلئے پہلے'' سلام کرنا'' مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو تو بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام پیش کرے۔

حاضری کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ زائر کو چاہیے کہ نماز وغیرہ کے بعد قبر انور کے پاس حاضر ہو جبکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے کہ اللہ اسے اس عظیم مقام کی توقیر کرنے کی توفیق عطا کرے۔ دربار نبوی میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع اور وقار کے ساتھ، دل کو جھکا کر ہاتھ باندھے، جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ کھڑا ہو۔ اور اپنا چہرہ۔ والضحیٰ کے چہرہ والے۔ ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی وَجْہِ مُحَمَّدٍ'' کی طرف کر کے قبر انور سے چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو۔ بزرگان دین کے کھڑے ہونے کی جگہ یہی ہے۔ عبد السلام نے تین گز کا فاصلہ ذکر کیا ہے۔ ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب زائر قبر انور کی زیارت کا ارادہ کرے تو قبلہ شریف کی جانب سے آئے اور قبر انور کے قریب ہو کر کھڑ ہو امام غزالی کی ''احیاء'' میں ہے کہ زائر کو مذکورہ طریقہ پر حاضر ہونے کے بعد قبر انور کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ اور زیارت اس طرح کرنی چاہیے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں کی جاتی تھی۔ قبر انور پر اس کی حاضری ایسی ہونی چاہیے جیسی حاضری کسی معزز شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

زائر کو چاہیے کہ حجرۂ مقدسہ میں نظریں جھکا کر چلے۔ جو آرائش وغیرہ وہاں ہے اس کی طرف آنکھ نہ اٹھائے کیونکہ آقائے دو عالم ﷺ اس کی حاضری کو جانتے ہیں۔ ''احیاء'' میں بھی یہی لکھا ہے۔ حضور ﷺ کی صورت کو ذہن میں لا کر خیال کرے کہ میرے نبی قبر مبارک میں سے مجھے دیکھ رہے ہیں اور آپ میرے سامنے ہیں اپنے دل میں آپ کے مقام رفیع کو بٹھالے پھر حیاء اور وقار کے ساتھ دھیمی آواز میں یوں تین مرتبہ یہ سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

پھر پڑھے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ

(اے معزز ومکرم گروہ کے سردار) اے ''رحمۃ العالمین'' نبی تجھ پر سلام، اے شفیع المذنبیں، اے اللہ کے دوست مخلوق میں سے بہترین، اے صراط مستقیم کی طرف بلانے والے نبی، اے خلق عظیم کے مالک، اے رؤف رحیم نبی اے وہ نبی جس کے حکم سے کنکریوں نے تسبیح بیان کی اور جس کے فراق میں کھجور کا خشک تنا رو پڑا۔ اے نبی جس کی اطاعت اور جس پر صلوٰۃ وسلام کا ہمیں حکم دیا گیا۔ تجھ پر، اللہ کے سارے انبیاء پر، نیک بندوں اور مقرب فرشتوں پر آپ کی پاکباز بیویوں یعنی امہات المومنین پر

اور آپ کے تمام صحابہ پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایسا سلام ہو جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہو اور جسے وہ پسند کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اس جزا سے افضل جزا تجھے عطا کرے جو جزا اس نے کسی امت کی طرف سے اپنے نبی کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ (ہماری طرف سے) آپ پر مخلوق میں سے سب سے افضل، مکمل اور نفیس درود پاک بھیجے،

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ......

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول اور بندہ (خاص ہیں)"۔

مخلوق میں سب سے عمدہ ہیں آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، اللہ نے جو امانت آپ دی تھی اس کو ادا کر دیا، امت کی راہنمائی کی، امت سے دکھ درد کو دور کر دیا، اللہ کی وحدانیت کی دلیل کو قائم کر دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ اور آپ کی تعریف اللہ نے اپنی کتاب میں یوں فرمائی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

"تحقیق تمہارے پاس ایسے رسول آئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف گراں گذرتی ہے مومنین پر بڑے مہربان اور نرم دل ہیں"۔

یا رسول اللہ ﷺ اللہ اس کے ملائکہ اور اس کی ساری مخلوق کی طرف سے آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ الٰہی! آپ ﷺ کو وسیلہ، فضیلت اور جس مقام رفیع کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے وہ ان کو عطا فرما بلکہ ہمارے وہم و گمان سے بھی زیادہ بلند مرتبہ و مقام عطا فرما۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ

"الٰہی ہم تیرے دین پر ایمان لائے اور رسول مکرم ﷺ کی اتباع کی۔ ہمیں مومنین میں سے لکھ دینا۔ ہم اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتب، رسولوں، قیامت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔"

الٰہی مجھے دین پر ثابت قدمی عطا فرما

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

"میرے مولا! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمانا ہمیں اپنی جانب

سے رحمت عطا فرما، بے شک، تو مہربانی فرمانے والا ہے"۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

جس کو مذکورہ دعائیں یاد نہ ہوں، یا وقت کم ہو تو ان میں کمی کر کے حسب استطاعت پڑھے۔ یا یہ سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ

امام مالک فرماتے ہیں

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" پڑھے

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اختصاراً منقول ہے۔ لیکن دیگر محدثین نے بھی دعاؤں کا ذکر کیا ہے اسی پر اکثر کا اجماع ہے۔

ابن حبیب کہتے ہیں۔ قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر درود پیش کر اور جو بھی تعریف تیرے سامنے آئے تو وہ کر سکتا ہے۔

پھر اگر کسی نے آپ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام پیش کرنے کا کہا ہو تو یوں کہو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ" یارسول اللہ ﷺ فلاں کے بیٹے فلاں کی طرف سے سلام قبول کیجئے۔ یا اس طرح کہو" یارسول اللہ ﷺ فلاں کا بیٹا فلاں نامی شخص آپ کو سلام پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد زائر قبر انور کے دائیں طرف ایک ہاتھ کے برابر پیروں کی طرف پیچھے ہو۔ اب وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے آچکا ہے۔ اب کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ صَفِيَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَثَانِيَهٖ فِي الْغَارِ وَرَفِيْقِهٖ فِي الْاَسْفَارِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ خَيْرَ الْجَزَآءِ۔

اے اللہ کے رسول ﷺ کے دوست، غار میں آپ کے ساتھی، اور سفروں میں آپ کے ہمدم تجھے اللہ اس جزا سے بہتر جزا عطا کرے جو جزا اللہ کسی رسول کی امت کی طرف سے کسی کو عطا کرتا ہے۔

پھر کچھ پیچھے ہو کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے۔ اور کہے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ الْفَارُوْقُ الَّذِيْ اَعَزَّ اللّٰهُ بِهٖ الْاِسْلَامَ جَزَاكَ اللّٰهُ

عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

اے عمر فاروق آپ کی ذات وہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے بہتر جزا عطا فرمائے۔

یہ امام نووی سے منقول دعائیں ہیں۔

ابن حبیب نے یوں ذکر کیا ہے کہ زیارت کرنے والا یوں سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ وَالثَّنَاءُ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو یوں سلام عرض کرے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا صَاحِبَتَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ"۔

اے رسول اللہ ﷺ کے دوستو تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کے جن دو مشیروں کو جزاء خیر دی ہے اس سے بہتر جزا تمہیں عطا کرے اور نبی کریم ﷺ کے بعد بہترین خلافت پر تمہیں اللہ جزاء خیر عطا کرے۔ کیونکہ آقائے دو عالم ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ بہترین (سچے) دوست تھے اور بعد از وصال نبی ﷺ آپ دونوں نے عدل و انصاف کیساتھ امت مسلمہ پر خلافت کی۔ پس اللہ تمہیں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں نبی مکرم کی سنگت عطا فرمائے اور ہمیں بھی آپ کی صحبت سے بہرہ ور فرمائے۔

اس کے بعد بقول نووی زائر دوبارہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پہلے والی جگہ پر کھڑا ہو جائے۔ اور آپ ﷺ کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری کا یہ طریقہ نہایت مستحسن ہے جسے "عتبی" سے نقل کیا گیا ہے عتبی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں روضۂ انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بدو آیا اور یوں گویا ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ سَمِعْتُ اللّٰہَ یَقُوْلُ وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔

یارسول اللہ ﷺ! السلام علیک! میں نے قرآن میں اللہ کا فرمان پڑھا ہے۔ کہ "اے محبوب! اگر مومنین اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوں اور اللہ سے بخشش طلب کریں اور (ساتھ) رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو یقیناً وہ اللہ کو بہت بخشنے والا مہربان پائیں گے"۔

یارسول اللہ ﷺ! میں بھی بخشش طلب کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اللہ

کے ہاں آپ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔

یَاخَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ۔۔۔ فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُهٗ ۔۔۔ فِیْهِ الْعِفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

''اس نرم زمین (روضہ انور) میں مدفون بہترین انسان (ﷺ) آپ کے جسم معطر کی خوشبو سے ساری زمین (ہموار وغیر ہموار) سراپا خوشبو بن گئی ہے۔ میری جان اس قبر انور پر قربان جس میں سراپا جودوکرم اور صاحب تقویٰ ذات محو آرام ہے''۔

پھر میں (عتبی) سوگیا خواب میں سرکار ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عتبی! اعرابی بخشے گئے خوش نصیبوں میں شامل ہوگیا ہے''۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ ''ابن ابی فدیک'' سے منقول ہے کہ زائر جب وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا ...... سے پہلے ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' پڑھے اور پھر ستر مرتبہ صَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ ''پڑھے تو ایک فرشتہ جواباً کہے گا'' صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا فُلَاں ''اے فلاں تجھ پر بھی اللہ کی رحمتیں ہوں۔ آج تیری ہر ضرورت پوری ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ زائر یوں کہے'' صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ''یعنی آپ کا اسم گرامی نہ لے بلکہ'' رسول اللہ ﷺ'' جیسے باادب کلمہ سے مخاطب کرے۔ یہ کلمہ صلوٰۃ وسلام کے علاوہ کسی دعا کے موقع پر بولا جائے۔ درود وسلام میں آپ کا اسم گرامی لینے میں حرج نہیں۔

سلام کے بعد برے اعمال سے توبہ اور استغفار کرے۔ نیز اللہ کی بارگاہ میں اپنے نبی مکرم ﷺ کا وسیلہ پیش کرے اور پھر یوں عرض کناں ہو۔ یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمادیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا ...... الخ

میں بھی اپنی جان پر بہت ظلم کرکے آیا ہوں اور جہالت وغفلت کے باعث خطاؤں کا مرتکب ہوا ہوں اب میں زیارت کی خاطر آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں۔ میں اپنے گناہوں کی بخشش کی خاطر حاضر ہوا ہوں اور اپنے رب کے ہاں آپ کی شفاعت کا خواستگار ہوں۔ آپ شفیع المذنبین ہیں۔ اللہ کے ہاں بلند مرتبہ والے ہیں۔ اب میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں اور اپنے رب کے پاس آپ کی شفاعت پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ الٰہی! مجھے معاف فرما، مجھے اپنے محبوب کریم ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، بروز حشر مجھے سرکار کے ساتھیوں میں

سے اٹھا۔ مجھے اور میرے دوستوں کو روز قیامت شرمندہ اور ذلیل کئے بغیر حوض کوثر سے سیرابی عطا فرما۔اے محبوب رب العالمین! آپ میری شفاعت فرمائیں آپ شفیع المذنبین ہیں یہ آپ کا غلام آپ کے آگے کھڑا ہے، اپنے رب کی رحمت سے امید ہے کہ وہ مجھے بخشش دے گا اور گزشتہ گناہ معاف کر کے آئندہ آپ کی شفاعت و برکت سے مجھے گناہوں کی آلودگیوں سے بچائے گا۔

یَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ

اَنْتَ الشَّفِیْعُ وَآمَالِیْ مُعَلَّقَةٌ وَقَدْرَ جَوْتُكَ یَا ذَا الْفَضْلِ تَشَفَّعْ لِی

هٰذَا نَزِیْلُكَ اَضْحٰی لَامَلَاذَلَهٗ اِلَّا جَنَابَكَ یَا سُوْلِی وَ یَا اَمَلِی

"اے محبوب! تو ہی میرا شفیع ہے، اور میری آرزوئیں آپ کے ساتھ وابستہ ہیں اے صاحب فضیلت میں نے آپ کے ساتھ امیدیں وابستہ کیں ہیں میرے لئے شفاعت کیجئے۔

اے میری آرزوؤں اور امیدوں کے پناہ گاہ آپ کا یہ مہمان (غلام) دنیا کی لذتوں کو خیر آباد کہہ چکا ہے اور تیری جناب میں حاضر ہوا ہے"۔

کسی اور شاعر نے اپنی محبت کا اظہار اس انداز میں کیا ہے۔

ضَیْفٌ ضَعِیْفٌ غَرِیْبٌ قَدْ اَنَاخَ بِكُمْ وَ مُسْتَجِیْرٌ بِكُمْ یَا سَادَةَ الْعَرَبِ

هٰذَا مَقَامُ الَّذِیْ ضَاقَتْ مَذَاهِبُهٗ وَاَنْتُمْ فِی الرِّجَامِنْ اَعْظَمِ السَّبَبِ

یَا مُكْرِمِی الضَّیْفِ یَا عَوْنَ الزَّمَانِ وَیَا غَوْثَ الْفَقِیْرِ وَمَرْمِیَ الْقَصْدِ وَ الطَّلَبِ

"اے عرب کے سردار! ایک کمزور غریب الدیار مہمان پناہ کی تلاش میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکا ہے۔اے بہترین میزبان، تکالیف میں مددگار، فقیر پر مہربان اور امیدوں کی جائے پناہ۔زندگی دشوار ہو چکی ہے اور آپ کی ذات ہی وہ عظیم ذات ہے جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں"۔

اصمعی سے روایت ہے کہ ایک بدو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر قبر انور کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی "الٰہی یہ تیرا حبیب (ﷺ) ہے۔ میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے۔ اگر تو میری مغفرت فرمائے گا۔تو تیرا حبیب خوش ہو گا، میں کامیاب ہو جاؤں گا، اور تیرا دشمن (شیطان) ناراض ہو گا۔اور اگر تو میری مغفرت نہیں فرمائے گا تو تیرا حبیب ناراض ہو گا تیرا دشمن (شیطان) خوش ہو گا۔اور تیرا بندہ (میں) ہلاک ہو جائے گا۔اور تو پاک ہے کہ اپنے دوست کو ناراض کرے، دشمن کو راضی کرے اور اپنے بندے کو ہلاک کرے۔

الٰہی جب کوئی عرب سردار فوت ہوتا ہے تو اس کے رشتہ دار اس کی قبر کے پاس غلام آزاد کرتے

ہیں اور یہ سید العالمین کی قبر انور ہے یہاں تو مجھے (گناہوں) آزاد کر۔

اصمعی کہتے ہیں میں نے انہیں کہا اے عرب بھائی میرا یقین ہے کہ اس خوبصورتی سے دعا مانگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیری بخشش کردی ہے۔

زائر کیلئے اگر زیادہ دیر تک کھڑا ہونا ممکن نہ تو پھر بیٹھ جائے اور کثرت سے درود وسلام پیش کرے نیز قرآن کی سورتوں میں سے جن آیات میں ایمان اور توحید کا ذکر ہو ان کی تلاوت کرے۔

ابو موسیٰ اصفہانی نے کہا ہے کہ زائر کو اختیار ہے چاہے تو بیٹھے بیٹھے زیارت کرے چاہے تو کھڑے ہو کر یا گذرتے ہوئے زیارت کرے جس طرح عام حالات میں زیارت کرتا ہے۔ اور اپنے لئے والدین کیلئے اور بھائیوں کیلئے دعا کرے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ دعا مانگنے اور وسیلہ پکڑنے کے بعد زائر چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر اللہ کی تعریف کرے اور اپنے لئے والدین، عزیز و اقارب اور بزرگوں کیلئے جو دعا اس کے دل میں آئے یا جو دعا پسندیدہ ہو وہ مانگے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ یہ دوبارہ دعا زیارت کے بعد ہونی چاہیے اور یہ دعا اس جگہ قبلہ رو ہو کر مانگنی چاہیے جہاں بزرگان دین حجرۂ مقدسہ کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے مانگا کرتے تھے۔ یہ طریقہ حسن ہے۔

آداب زیارت میں یہ بھی ہے کہ زائر منبر شریف کے پاس آئے وہاں کھڑے ہو کر اللہ کی تعریف کرے کہ اس نے یہاں آنے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اللہ کی پناہ مانگے۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط بیان کرتے ہیں کہ میں نے کئی صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ جب مسجد نبوی ﷺ میں آتے تو منبر شریف کے اس حصہ پر اپنا ہاتھ (برکت کے حصول کے لئے) رکھتے جہاں کبھی سرکار دو عالم ﷺ خطبہ کے دوران اپنا دست مبارک رکھتے۔ پھر قبلہ رو ہو کر، درود وسلام پڑھتے ہوئے دعا مانگتے۔

زائر کو اسطوانہ مہاجرین کے پاس بھی نماز پڑھنی چاہیے بلکہ تمام ستونوں کے پاس اور روضہ انور کے پاس ذکر اور دعا میں کثرت کرے۔ قبر انور کی دیوار کو چھونے اور بوسہ دینے نیز طواف سے بھی بچنا ضروری ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ قبر انور کا طواف نا جائز ہے۔

پیٹ اور پیٹھ قبر انور کے ساتھ مس کرنا بھی درست نہیں حلیمی وغیرہ نے کہا کہ جس طرح قبر انور کو ہاتھ کے ساتھ چھونا مکروہ ہے اسی طرح چومنا بھی مکروہ ہے۔ بلکہ ادب تو اس کا تقاضا کرتا ہے کہ حیات ظاہری میں انسان کو جس طرح دور رہنا چاہئے اسی طرح اب بھی دور رہے۔ جس نے یہ خیال کیا ہو کہ چھونا حصول برکت کا ذریعہ ہے تو یہ بے سمجھی ہے کیونکہ برکت تو شریعت کے احکام پر عمل

کرنے میں ہے۔احیاء میں ہے کہ مقامات عظیمہ کا چومنا چھونا یہود ونصاریٰ کا فعل ہے۔زعفرانی نے اسے بدعت قرار دیا۔حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو قبر انور پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ایسا نہ کرو زمانہ رسالت میں ایسا نہیں کیا جاتا تھا۔احناف کہتے ہیں کہ اپنا پیٹ اور ہاتھ قبر انور کی دیوار کے ساتھ نہ لگائے ۔ بلکہ شفا میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ قبر کے ساتھ نہ چمٹے اور نہ ہی وہاں کافی دیر کیلئے کھڑا ہو(بے ادبی کا امکان ہے)''مغنی'' جو حنبلیوں کی کتاب ہے اس میں بھی ہے کہ قبر انور کی دیوار کے ساتھ چمٹنا اور اسے مس کرنا مستحب نہیں۔

ابو بکر اثرم نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ قبر انور کو چھونا کیسا ہے؟ کہنے لگے مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر پوچھا منبر شریف کے بارے میں کیا خیال ہے؟ (منبر شریف کے جلنے سے پہلے کی بات ہے) تو فرمانے لگے۔راوایات سے اس کا چھونا ثابت ہے مثلاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیّب سے منبر شریف کو مس کرنا ثابت ہے۔

روایت ہے کہ شیخ یحییٰ بن سعید (جو امام مالک کے شیخ ہیں) جب بھی سفر پر نکلتے تو منبر شریف کی طرف آتے اور اس پر ہاتھ ملتے پھر دعا فرماتے ابو بکر کہتے ہیں میں نے اسے اچھا فعل قرار دیا اور امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ اپنے پیٹ قبر انور کے ساتھ مس کرتے ہیں لیکن اہل علم ایسا نہیں کرتے بلکہ ایک کونہ میں کھڑے ہو کر سلام نیاز پیش کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا ہی کیا کرتے تھے ۔ اسے عبد الهادی نے اپنے شیخ ابن تیمیہ سے روایت کیا ہے۔

لیکن ابن عساکر نے اپنی کتاب ''التحفہ'' میں روایت بیان کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر انور کو زیادہ مس کرنا مکروہ جانتے تھے۔

''العلل والسوٴالات'' جو عبداللہ بن احمد بن حنبل کی تصنیف ہے اس میں عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی (احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ جو کوئی قبر انور کو تبرک کے حصول کے لئے ہاتھ لگائے یا بوسہ دے اور نیت اس کی ثواب کی ہو تو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے! آپ نے فرمایا'' ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں''لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ قول باطل ہے۔واللہ اعلم۔

سبکی نے کہا ہے کہ قبر انور کے چھونے کے منع ہونے پر اجماع نہیں ہے۔دلیل کے طور پر یہ قول نقل کیا ہے۔اسے یحییٰ بن الحسن نے عمر بن خالد سے اور انہوں نے ابو کنانہ سے انہوں نے کثیر بن یزید اور انہوں نے مطلب بن عبداللہ بن حنطب سے روایت کیا ہے۔کہ ایک دفعہ مروان بن حکم مسجد

نبوی ﷺ میں حاضر ہوا ایک آدمی منبر انور کے ساتھ چمٹا ہوا تھا مروان نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا جانتے ہو کیا کر رہے ہو۔ اس نے جواب دیا" ہاں جانتا ہوں میں مٹی اور پتھروں کے پاس نہیں آیا میں تو محبوب خدا ﷺ کے پاس آیا ہوں"۔

سبکی نے کہا ہے کہ وہ شخص جو قبر انور کے ساتھ چمٹا ہوا تھا وہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور ساتھ کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی مذکورہ سند درست ہو تو قبر انور کی دیوار کو چھونا مکروہ نہیں ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ واقعہ کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام احمد کے الفاظ یہ ہیں۔

مروان ایک دن مسجد نبوی ﷺ میں آیا تو دیکھا کہ ایک شخص نے اپنا چہرہ قبر انور پر رکھا ہوا ہے۔ مروان نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا" میں پتھروں کے پاس نہیں بلکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اپنے آقا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس دین پر مت رونا جو" اہل" کے ہاتھوں میں چلا جائے بلکہ اس دین پر رونا جو نا اھل کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ فصل اول میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ گذر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ قبر انور کے پاس آ کر رونے لگے اور اپنا چہرہ قبر انور پر رکھ کر رگڑنے لگے۔

ابن عمر کا فیصلہ

خطیب بن جملہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر انور پر رخسار رکھا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا دایاں ہاتھ قبر انور پر رکھ کر فرمایا" بے شک محبت ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے" اس سے ان کا ارادہ تعظیم کا تھا۔

ابن ابی الصیف اور المحب الطبری نے کہا ہے کہ صالحین کی قبور کو بوسہ دینا جائز ہے۔ اسماعیل التیمی نے کہا کہ ابن المنکدر کو جب سخت پیاس لگتی تو قبر انور پر آ کر اپنا رخسار قبر انور پر رکھ لیتے" ان پر اعتراض کیا گیا کسی نے ان کی طرف سے یوں جواب دیا کہ آپ قبر انور سے شفا حاصل کرتے تھے۔

قبر انور کے سامنے سلام کرتے وقت جھکنا بدعت ہے جبکہ جاہل اسے تعظیم سمجھتا ہے۔ اور قبر انور کے آس پاس کی زمین کو بوسہ دینا اس سے بھی برا ہے۔ عز بن جماعہ نے کہا ہے کہ اس کام کا مرتکب اتنا برا نہیں جتنا اس کام کے جواز کا فتویٰ دینے والا ہے کیونکہ وہ عالم ہو کر اس کام کو اچھا قرار دیتا ہے امام سمہودی فرماتے ہیں میں نے ایک قاضی کو دیکھا جو ماتھے کو زمین پر رکھ رہا تھا (سجدہ کر رہا تھا) اور عوام اسے دیکھ رہے تھے۔ تو پھر انہوں نے قاضی کی اتباع کی۔ (وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)۔

زائر کو چاہیے کہ نماز میں نہ تو قبر انور کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ ویسے بھی پیٹھ کرنا درست نہیں۔
ابن عبد السلام نے کہا ہے کہ جب تو نماز کا ارادہ کرے تو قبر انور کی طرف نہ پیٹھ کرو اور نہ منہ۔ کیونکہ آپ کا بعد از وصال بھی ادب اسی طرح لازمی ہے جس طرح ظاہری زندگی میں تھا اور سر جھکائے رکھے جس طرح آپ کی محفل میں سر جھکایا جاتا تھا۔ اور ان باتوں کو ترک کرے جو باتیں آپ کی مجلس میں ترک کرنی ضروری ہے۔ لیکن اگر گفتگو کیئے بغیر چارہ نہ ہو تو بارگاہ نبوی ﷺ سے ہٹ کر گفتگو کرنی چاہیے۔

اذرعی نے کہا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی قبور کے سامنے تبرک اور تعظیم کی خاطر نماز پڑھنے کے حرام ہونے پر سختی کرنی چاہیے۔

تتمہ

قبر انور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے بلکہ تمام قبور کے بارے میں یہی قول ہے۔ نووی نے ایک عجیب بات کہی ہے کہ قبر انور کے سر کی طرف نماز پڑھنا حرام اور باقی حصہ کی طرف مکروہ ہے۔ نیز جہال کا یہ فعل کہ صیحانی کھجور (کھجور کی ایک قسم) مسجد نبوی ﷺ شریف میں قبر انور کے قریب کھانا اور گٹھلی مسجد میں گرانا مناسب نہیں۔

آداب زیارت میں سے یہ بھی ہے کہ زائر جب بھی قبر انور کے سامنے گذرے (چاہے مسجد کے باہر گذرے) تو کچھ دیر کیلئے کھڑا ہو کر سلام پیش کرے۔

ابو حازم نے بیان کیا ہے کہ ایک دن ایک آدمی میرے (ابو حازم) پاس آیا اور اپنا خواب بیان کیا۔ ''کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ ابو حازم سے فرما رہے ہیں کہ منہ موڑے میرے پاس سے گذر جاتے ہو کھڑے ہو کر سلام تک نہیں کرتے، اس خواب کے بعد ابو حازم نے زندگی بھر سلام ترک نہیں کیا۔

امام مالک سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے کہ جب بھی انسان قبر انور کے پاس سے گذرے تو سلام پیش کرے۔ آپ نے فرمایا، ہاں البتہ جو نہ گذرے تو اس پر یہ لازم نہیں۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی جس میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِی وَ ثَنًا ''الٰہی میں قبر کو بت کی طرح نہ بنانا''۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ جب امتی اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے پاس نہیں آئے گا تو وہ بت کی طرح ہو جائے گی۔ اور انہی سے مسافر (جو مدینہ کے علاوہ کہیں سے آیا ہو) کے بارے میں

پوچھا گیا کہ مسافر جتنے دن یہاں اقامت اختیار کرے تو آیا وہ روزانہ آ کر سلام کیا کرے آپ نے فرمایا اتنا ضروری نہیں البتہ جس دن رخصت ہو رہا ہو اس دن ضرور آئے اور (الوداعی) سلام کرے۔ ابن رشد نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی قبر انور کے پاس سے گذرے تو سلام کرے لیکن صرف سلام کرنے کیلئے نہ گذرے۔ الوداعی ملاقات کے وقت ضرور سلام کرے۔ روزانہ آنا زیادہ گذرنا اور سلام کرنا مکروہ ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ میں آ کر قبر انور کے پاس سے گذرتے ہوئے سلام کرنا مسافروں کیلئے ضروری ہے۔ اہل مدینہ کیلئے ضروری نہیں (کرلیں تو حرج نہیں) اور جو کوئی سفر کا ارادہ کرے یا حج سے واپس آئے تو اس کے لیے قبر انور کے پاس کھڑا ہونے درود و سلام پیش کرنے اور سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کیلئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ نہ تو سفر سے واپس آتے ہیں اور نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں (نہ سفر پر جاتے ہیں) لیکن اس کے باوجود وہ دن میں کئی بار یا جمعہ کے دن آ کر سلام کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا ہمارے شہر کے فقہاء نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ اس کا ترک وسعت رکھتا ہے۔ اس امت کا وہی کام درست ہے جو اس کے پیش رو حضرات نے درست قرار دیا۔ میں نے اس امت کے پیش رو حضرات کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ البتہ جو سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے مڑ کر آئے تو اس کیلئے حاضر ہونا اور سلام کرنا مکروہ نہیں۔

الباجی نے کہا ہے۔ اہل مدینہ اور باہر سے آئے ہوئے افراد میں فرق یہ ہے کہ باہر سے آئے ہوئے لوگ بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام کی نیت کر کے آتے ہیں۔ اور اہل مدینہ وہاں اقامت کی وجہ سے اس کی نیت کر کے نہیں آتے۔

سبکی نے امام مالک کے مسلک کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے کہ زیارت النبی ﷺ قابل ثواب عمل ہے لیکن خدشات سے بچنے کیلئے زیادہ زیارت کرنا مکروہ ہے۔

لیکن مذاہب ثلاثہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے اور مستحب عمل کی کثرت باعث خیر و برکت ہے۔

امام نووی کی روایت

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار نووی میں تحریر کیا ہے۔ کہ اہل قبور کی زیارت کثرت سے کرنی چاہیے اور نیکو کاروں کی قبروں کے پاس زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں ہر رات پچھلے پہر مسجد نبوی ﷺ میں آتا اور قبر انور کے پاس آ کر سلام عقیدت پیش کرتا۔

ابن زبالہ نے عبدالعزیز بن محمد سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے ایک مدنی (مدینہ کا باشندہ) دیکھا جو محمد بن کیسان کے نام سے مشہور تھا۔ کہ وہ ہر جمعہ کی عصر کی نماز کے بعد قبر انور کے پاس آکر سلام ودعا میں مشغول ہوتا اور شام تک یہ سلسلہ جاری رکھتا۔ ابن ربیعہ کی محفل میں بیٹھے ہوئے لوگ تنقیدی انداز میں کہتے۔ "یہ دیکھو کیا کر رہا ہے" ابن ربیعہ فرماتے۔ "اسے چھوڑ دو اِنَّمَا لِلْمَرْءِ مَانَوٰی" آدمی کیلئے وہی کچھ ہے، جس کی وہ نیت کرتا ہے۔"

آداب زیارت میں سے صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہے اور اگر زائر کے لیے ممکن ہو تو روزہ رکھے نیز مسجد نبوی ﷺ شریف میں کم از کم پانچ نمازیں با جماعت پڑھے۔ اور مسجد نبوی ﷺ کے اس حصہ میں جسے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔ نماز نفل پڑھنے کی کوشش کرے۔ یا مسجد نبوی ﷺ کے دیگر مقدس مقامات میں کثرت سے نوافل پڑھے۔ مسجد نبوی ﷺ شریف ہی میں رہنا اور جب بھی داخل ہو تو نئے سرے سے نیت اعتکاف کرنا مستحب ہے۔ نیز وہاں راتیں گذارنے کی کوشش کرے چاہے ایک رات ہی کیوں نہ ہو اس میں عبادت کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرے۔

سعید بن منصور، ابن مخلد سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے دور کے لوگ تین مساجد (مسجد نبوی ﷺ، مسجد حرام اور بیت المقدس) میں آنے والوں اور وہاں ختم قرآن کرنے والوں کو پسند کیا کرتے تھے۔

مجد نے کہا ہے کہ روضہ انور کے گنبد کو دیکھنا بھی عبادت ہے، جس طرح کعبہ مکرمہ کو دیکھنا باعث ثواب اور عبادت ہے۔ پس جب انسان مسجد نبوی ﷺ سے باہر ہو تو خوف اور حضور قلب کے ملے جلے جذبات سے گنبد خضریٰ کو دیکھے۔

آداب زیارت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب بھی زیارت النبی ﷺ سے فارغ ہو تو جنت البقیع میں آئے اور یوں کہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّوْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَا حِقُوْنَ یَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ الْبَقِیْعِ الْغَرْقَدِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ

"اے مومنو! تم پر سلامتی ہو ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ الٰہی اہل بقیع کو بخش دے اور ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما۔ ان کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر۔ الٰہی ہمیں اور انہیں بخش دے"۔

برہان بن فرحون نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مزار سے شروع کرے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ وہاں مدفون حضرات میں سب سے افضل ہیں۔لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم ابن رسول علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات کے مزار سے شروع کرے۔(اور سلام پیش کرتا جائے)۔

احناف میں سے فضل اللہ بن غوری نے فرمایا ہے کہ زائر جب جنت البقیع میں جانے کا ارادہ کرے تو باب البلد کی طرف سے آئے اور روضۂ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے پھر جنت البقیع میں آ کر حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کے روضہ کے پاس اپنی زیارت ختم کرے۔

باب البلد سے نکل کر (بقیع کی طرف آتے ہوئے) دائیں جانب سب سے پہلے آنے والا روضہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا ہے ان کو سلام کئے بغیر آگے گذرنا جفا ہے۔پھر بالترتیب سلام کرتا جائے حتی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر اپنی زیارت کو ختم کرے۔جنت البقیع میں اسماعیل مالک بن سنان رحمۃ اللہ علیہا کی زیارت بھی کرے۔یا دیگر وہ مقدس حضرات جو یہاں مدفون ہیں ان کی زیارت کرے۔ پھر شہداء احد کی مزارات پر آ کر سلام کرے۔

احناف میں سے ابن ہمام نے کہا ہے کہ زائر جبل احد کی زیارت کو علی الصبح جائے تا کہ ظہر تک واپس مسجد نبوی ﷺ شریف لوٹ سکے۔کیونکہ صحیح حدیث ہے کہ

اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ

''احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اسے چاہتے ہیں''۔

شہداء احد میں سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر سب سے پہلے حاضری دے (کیونکہ ان میں سب سے افضل آپ رضی اللہ عنہ ہیں) جمعرات کو وہاں جانا افضل ہے کیونکہ جمعہ کو وہاں حاضر ہونا اور جمعہ کی تیاری میں مشکل پیش آ سکتی ہے۔

محمد بن واسع نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ''میتیں جمعہ، جمعرات اور ہفتہ کے دن آنے والوں کو جانتی ہیں۔

ہفتہ کے دن مسجد قباء آنا اور وضو کرنا (پھر نفل پڑھنا) مستحب ہے اور اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ایسے ہی ان مساجد میں جانا جو مشہور ہیں یا وہ مقامات جو آقائے دو عالم ﷺ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔یا وہ کنویں جن سے سرکار نے پانی پیا ہے یا وضو فرمایا ہے ان پر تبرک حاصل کرنے کی خاطر آنا مستحبات میں سے ہے۔خلیل مالکی نے کہا ہے کہ ان مقامات کی زیارت کے لئے وقت نکالنا اس کیلئے ضروری ہے جو مدینہ پاک میں کافی دنوں کیلئے ٹھہر سکتا ہو۔ورنہ وقت کی کمی کی صورت میں

مقامات مقدسہ کو دیکھنے کی بجائے افضل البشر ﷺ کے پاس ٹھہرنا ضروری ہے۔

ابن ابی جمرہ نے کہا کہ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو سوائے نماز میں بیٹھنے کے اور کسی وقت بیٹھا نہیں۔ میں قافلہ کی روانگی تک کھڑا رہا اس دوران میرے دل میں بقیع جانے کا خیال پیدا ہوا۔ پھر میں نے سوچا اللہ کی رحمتوں کی برسات جس مقدار میں یہاں ہو رہی ہے وہاں ایسی نہیں۔ (لہٰذا آخری لمحات میں نے مسجد نبوی ﷺ میں گذارے)

امام سمہودی فرماتے ہیں۔ وہاں ٹھہرے رہنا اس کیلئے مستحب ہے جو مسجد نبوی ﷺ میں اکتاہٹ محسوس نہ کرے۔ ورنہ مقامات مقدسہ کی طرف بہتر بھی ہے اور باعث نشاط بھی ہے۔

آداب زیارت میں سے یہ بھی ہے کہ زائر اپنی اقامت کے دوران مدینہ کی عظمت اس سرزمین پر اللہ کے رسول ﷺ کا چلنا پھرنا اور جبرائیل امین کا وحی لیکر آنا یاد کرے اور جہاں تک ممکن ہو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سواری پر سوار ہونے سے گریز کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے کہ میں اس سرزمین کو گھوڑے کے قدموں سے روندھوں جس پر اللہ کا محبوب محو آرام ہو۔ یا میری سواری اس جگہ قدم رکھے جہاں سرکار ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں۔

مدینہ میں اپنی مدت اقامت کے دوران اپنے نفس کو خوف، تعظیم اور رحمت کی عادت ڈالنے کے ساتھ اپنی آواز کو پست رکھے کیونکہ اللہ کا فرمان عالیشان ہے۔

الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ...... ''اپنی آوازوں کو پست کرنے والے''۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اے کاش میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہایت پست آواز میں گفتگو کرتا۔

زائر کو چاہیے کہ مدینہ پاک کے باسیوں خصوصاً مدینہ شریف کے علماء، نیکوکار صاحب حسب و نسب، خدام اور حسب مرتبہ خواص وعوام تمام کیلئے بالترتیب محبت و پیار کا اظہار کرے۔ اور پھر مذکورہ شخصیات کے علاوہ جو بھی وہاں ہے وہ سرکار دوعالم ﷺ کا پڑوسی ہے۔ تمام پڑوسی آپس میں برابر ہیں۔ لہٰذا نبی ﷺ کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے زائرین کا احترام بھی کرے اور ان کے لئے دل میں محبت کے جذبات بھی بیدار کرے۔

علماء نے کہا ہے کہ مستحب ہے کہ ممکن حد تک اہل مدینہ پر صدقہ کرے اور سرکار دوعالم ﷺ کی آل کے ساتھ احسان کرے کیونکہ حدیث مسلم ہے۔

اُذَکِّرُکُمْ فِی اَهْلِ بَیْتِیْ

میں اہل بیت کے ساتھ (احسان کی) نصیحت کرتا ہوں۔

زائر کیلئے گنبد خضریٰ کے قریب (اگر ممکن ہو) رہائش رکھنی مستحب ہے۔ لیکن ادب، کشادہ دلی، اور فرحت و انبساط کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ عاجزی، دعا اور پڑوس نبی میں رہائش ملنے پر بارگاہ ربوبیت میں سراپا شکر بنے کہ اس ذات نے آج جیتے جی اس نعمت عظمٰی سے سرفراز فرمایا۔ یہاں رہتے ہوئے جو غلطی سرزد ہو فوراً اس کا اعتراف کرتے ہوئے غلطی کا فوری ازالہ کرے۔ اہل مدینہ کیلئے مسائل پیدا نہ کرے۔ مثلاً وہاں کسی سے صدقہ وصول نہ کرے (جو وہاں کے رہنے والوں کا حق ہوتا ہے) البتہ اگر محتاج ہو تو بقدر ضرورت لے سکتا ہے۔ کسی کو دھمکی وغیرہ بھی نہ دے۔ حتیٰ کہ امامت، اذان، تدریس یا حرم نبی ﷺ میں خدمت کا پیشہ تک اختیار نہ کرے۔ (کیونکہ یہ اہل مدینہ کا حق ہے) اگر بہت ہی ضررت مند ہو تو پھر ایسا کر سکتا ہے۔

الوداعی ملاقات

زائر جب اس روحانی منظر کو چھوڑنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے مسجد نبوی ﷺ الشریف میں سرکار دو عالم ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ یا اس جگہ کے آس پاس کہیں دو رکعت نفل کے ساتھ الوداع کہنا مستحب ہے۔ بعد از نماز حمد و صلاۃ و سلام پڑھے اور یوں دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِی سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

"الٰہی میں اس سفر مبارک میں تجھ سے بھلائی تقوی اور جن کاموں کو تو پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے ان کا طلبگار رہوں"۔

پھر اپنی پسندیدہ مانگنے کے بعد "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ بِهٰذَا الْمَحَلِ الشَّرِيْفِ"

"الٰہی میری اس حاضری کو آخری حاضری نہ بنانا (بار بار یہاں آنے کی توفیق عطا فرما)"۔

دعا کے آخر میں حمد و صلوٰۃ و سلام پڑھے۔

پھر قبر انور کے قریب آئے اور گذشتہ دعاؤں کی طرح دعا کرے اور آخر میں یوں عرض کناں ہو۔

نَسْأَلُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ تَسْأَلَ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْ لَا يَقْطَعَ آثَارَنَا مِنْ زِيَارَتِكَ وَاَنْ يُعِيْدَنَا سَالِمِيْنَ وَاَنْ يُبَارِكَ لَنَا فِيْمَا وَهَبَ لَنَا وَيَرْزُقَنَا الشُّكْرَ عَلٰی ذٰلِكَ

"یارسول اللہ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے یہاں آنے کے امکان کو معدوم نہ کرے اور دوبارہ ہمیں صحت اور سلامتی کے ساتھ یہاں لے آئے اور

ہمارے رزق میں برکت عطا فرمائے نیز ہمیں اللہ کی عنایات پر شکر کرنے کی توفیق نصیب ہو"۔

پھر محمد عربی ﷺ کے رب سے مخاطب ہو کر دعا مانگے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْہُ آخِرَ الْعَھْدِ بِحَرَمِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَضْرَتِہٖ الشَّرِیْفَةِ وَیَسِّرْلِی الْعَوْدَ اِلَی الْحَرَمَیْنِ سَبِیْلًا سِلَةً وَارْزُقْنِی الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ

"الٰہی اپنے رسول مکرم ﷺ کی بارگاہ میں میری اس حاضری کو آخری نہ بنا دوبارہ مجھے حرمین شریفین میں آنے کا موقع عطا فرما۔ الٰہی مجھے دنیا و آخرت میں معافی عطا فرما"۔ (آمین)

کرمانی نے مسجد نبوی شریف میں دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد الوداع ہونے کا قول کیا ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی منزل سے کوچ فرماتے تو دو رکعت نفل کے بعد کوچ فرماتے۔ لیکن اوپر مذکور قول (نفل کے بعد بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری) زیادہ مشہور ہے۔

پھر زائر چلا آئے اور جن برکات سے محروم ہو رہا ہے ان پر آنسو بہائے نیز اپنے ہادی علیہ السلام کی جدائی پر دکھ کا اظہار کرے اسی وقت اہل محبت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں لگ جاتی ہیں۔ اور ان کے دلوں سے آہیں نکلتی ہیں۔ وہ ساتھ دوبارہ یہاں آنے کی امید بھی کرتے ہیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اَحِنُّ اِلٰی زِیَارَةِ حَتّٰی لَیْلٰی
وَعَھْدِی مِنْ زِیَارَتِھَا قَرِیْبُ

وَکُنْتُ اَظُنُّ قُرْبَ الدَّارِ یُطْفِی
لَھِیْبَ الشَّوْقِ فَازْدَادَ اللَّھِیْبُ

میں لیلٰی (محبوب) کے مکان کی زیارت کیلئے بے چین ہوں اور یہ موقع عنقریب آنے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ محبوب کے مکان کی نزدیکی آتش شوق کو بجھا دیں گی لیکن (یہاں آ کر) اس آگ کے شعلہ میں تو اور تیزی آ گئی۔

مدینہ سے آتے وقت حرم مدینہ کی مٹی وغیرہ لے جانے کی بجائے ایسی چیز یہاں سے اپنے گھر والوں اور دوستوں کیلئے لے جائے جس سے یہ لوگ خوش ہوں۔ مثال کے طور پر مدینہ کے پھل اور وہاں کے بابرکت کنوؤں (چشموں) کا پانی۔

مدینہ سے نکلتے وقت زائر کو چاہیے کہ کچھ صدقہ کرے نکلتے وقت متقی بننے اور ایسے کام کرنے کا

عہد کرے جن سے قیامت کے دن اللہ اور اس کا رسول ﷺ دونوں خوش ہوں۔ اور باہر آ کر گناہوں سے مکمل طور پر بچنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ بیماری کا دوبارہ لوٹ آنا (پہلی) بیماری سے سخت ہے۔

(وعدہ کرنے کے باوجود دوبارہ گناہ میں پڑنا برا ہے) اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کی حفاظت کرے اور گناہ گار و بددیانت نہ بنے۔

''پس جس نے وعدہ خلافی کی تو اس نے اپنے نفس کے خلاف وعدہ خلافی کی (نفس کو نقصان پہنچایا) اور جس نے اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کی پاسداری کی تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔ (الایۃ)

تیسرا باب

فصل ثالث

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریف اور روضۂ پاک ومنبر الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے بارے میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

یقیناً جس مسجد کی بنیاد ہی تقویٰ پر رکھ دی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں کھڑے ہوں (اور نماز پڑھیں)

صحیح مسلم میں سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں تھے۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھ دی گئی ہے؟ آپ نے مٹی سے مٹھی بھر کر زمین پر پھینکی اور فرمایا" یہ آپ کی مسجد جو مدینہ میں ہے۔"

یعنی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریف کی بنیاد تقویٰ پر رکھ دی گئی ہے۔

امام احمد وترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت بیان کی ہے۔ کہ دو صحابیوں کا اختلاف پڑ گیا کہ مسجد نبوی ومسجد قباء میں سے کونسی افضل ہے۔ یہ دونوں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" افضل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور مسجد قباء میں بھی خیر کثیر ہے۔ (بہت برکت والی ہے) حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ افضل مسجد سرکار کی مسجد ہے کیونکہ آپ اسی مسجد میں نماز کیلئے کھڑے ہوتے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا

اے محبوب! یہ لوگ آپ کو کھڑا چھوڑ کر (چلے جاتے ہیں)۔ آپ اسی مسجد میں تو کھڑے ہوئے تھے امام سمہودی فرماتے ہیں کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے لیکن سرکار نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد قباء پر فضیلت دے کر اسے امتیازی شان عطا کی۔ اور مسجد قباء کے بارے میں بھلائی کا ذکر فرمادیا۔

صحیحین کی ایک حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمایا گیا کہ سفر مسجد حرام، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بیت

المقدس کی طرف کیا جائے۔ صحیحین ہی کی ایک اور حدیث شریف ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں پڑھی گئی ایک نماز بقیہ مساجد (سوائے مسجد حرام کے) میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں پر بھاری ہے۔ مسلم نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے" میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد تمام مساجد انبیاء میں سے سب سے آخری مسجد ہے۔ تمام انبیاء کی مساجد میں پڑھی ایک لاکھ نمازیں میری اس مسجد کی ایک نماز کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ البتہ مسجد حرام کی نماز فضیلت میں بیت المقدس میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں پر بھاری ہے۔ اس کی تائید طبرانی کی ذکر کردہ حدیث بھی کرتی ہے جسے آپ نے ثقہ راویوں کے ذریعہ سے" الکبیر" میں روایت کیا ہے کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (آپ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں) کہ ایک روز میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور بیت المقدس جانے کی اجازت مانگی۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے پوچھا" تجارت کی غرض سے جارہے ہو؟" میں نے عرض کی نہیں میرے آقا! وہاں نمازیں پڑھنے جارہا ہوں۔ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا" مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز بیت المقدس کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔"

بزار ابو سعید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے سفر کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے پوچھا" کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے عرض کی" بیت المقدس کا" آپ نے فرمایا مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز بقیہ تمام مسجد (سوائے مسجد حرام کے) میں پڑھی گئی ہزار نمازوں پر بھاری ہے۔ یحییٰ وغیرہ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس شخص کی وضاحت کی ہے کہ وہ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ تھے۔

ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز باقی تمام مساجد (سوائے مسجد حرام و مسجد نبوی ﷺ کے) میں پڑھی گئی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ اور مسجد نبوی ﷺ میں پڑھی گئی ایک نماز باقی تمام مساجد میں پڑھی گئی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے سوائے بیت المقدس کے اس مسجد کی ہزار نماز سے مسجد نبوی ﷺ کی ایک نماز افضل ہے۔ مسجد حرام کے علاوہ یعنی ان دونوں کے علاوہ باقی مساجد کی ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے) واللہ اعلم۔

امام سمہودی نے تینوں مساجد میں ثواب کی کثرت کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ کثرت فرائض ونوافل ہر دو میں پائی جاتی ہے۔ امام نووی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ مالکیہ میں سے طحاوی وغیرہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

احیاء میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں جس طرح نماز کے ثواب میں اضافہ منقول ہے اسی طرح مدینہ میں ہر نیک عمل کا

ثواب ہزار گنا زیادہ دیا جاتا ہے۔ مالکیہ میں سے ابوسلیمان داؤد الشاذلی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

اس کی تائید بیہقی کی روایت کردہ حدیث شریف سے ہوتی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز بقیہ مساجد (مسجد حرام کے علاوہ) میں پڑھی گئی ہزار نمازوں پر بھاری ہے۔ یہاں پڑھا گیا ایک جمعہ سوائے مسجد حرام کے بقیہ تمام مساجد کے ہزار جمعوں پر بھاری ہے اور یہاں رکھے گئے ایک ماہ کے روزے مسجد حرام کے علاوہ باقی تمام مساجد میں رکھے گئے ہزار ماہ کے روزوں سے افضل ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ثواب کی کثرت کا تعلق زمانہ رسالت کے ساتھ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا "فِي مَسْجِدِ هٰذَا" میری اس مسجد میں ...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار کی طرح نسبت سے ظاہری زندگی تک مسجد کی افضلیت ہے۔

لیکن امام سمہودی نے کہا ہے کہ "مسجد ہذا" سے مدینہ کی باقی مساجد کا نکالنا تھا کہ یہ ثواب مدینہ کی بقیہ مساجد میں نہیں بلکہ اس مسجد کے ساتھ مخصوص ہے جس کے ساتھ میری نست ہے۔ اور یہ نسبت تا ابد ہے۔

امام مالک سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "اس مسجد کی یہ فضیلت تا ابد الآباد (ہمیشہ) تک ہے کیونکہ سرکار نے جو خبر دی ہے (کثرت کی) وہ مستقبل کے بارے میں ہے اگر صرف زمانہ رسالت تک یہ فضیلت ہوتی تو خلفاء راشدین کے زمانہ میں جو حضرات زیادہ ثواب کے حصول کیلئے آتے خلفاء راشدین ان کو منع فرماتے۔ (بلکہ وہ تو ان روایات کی روایت کی اجازت بھی نہ دیتے جن میں کثرت ثواب کا ذکر ہے)

لیکن ان حضرات میں سے کسی کی طرف سے بھی ایسا کوئی عمل منقول نہیں۔ پھر امام سمہودی نے بہت ساری احادیث اور علماء کے اقوال کثرت ثواب کے ثبوت کیلئے پیش کئے ہیں۔ شیخ تقی الدین نے بھی کہا ہے کہ علماء متقدمین کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔ اور سیدنا عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے مسجد کی توسیع بجانب قبلہ فرمائی۔ اب اس حصہ کا بھی یہی حکم ہے جو حکم مسجد کے پہلے حصہ کیلئے تھا۔ سلف صالحین میں سے کسی نے بھی مسلک مشہور سے اختلاف نہیں کیا۔ امام نووی نے جو اختلاف کیا ہے تو اس کے بارے میں محب طبری کا قول ہے کہ امام نووی نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

طبرانی نے "الاوسط" میں اور امام احمد نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ انس بن مالک سے روایت ہے جس نے چالیس نمازیں لگاتار مسجد نبوی ﷺ میں پڑھیں تو اس کیلئے آگ کے عذاب

سے اور منافقت سے خلاصی لکھی جائے گی۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی گھر سے نکل کر میری مسجد کی طرف آتا ہے تو کسی کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور کسی کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یحییٰ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا جو کوئی مسجد نبوی ﷺ میں اچھی چیز سیکھنے کے لئے، بھلائی سکھانے یا اللہ کا ذکر کرنے کیلئے داخل ہوا تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ اور یہ فضیلت کسی اور مسجد کیلئے نہیں ہے۔

یحییٰ اور ابو سعید المقبر ی دونوں نے ثقہ راویوں سے حدیث بیان کی ہے۔ کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا کہ تم میں سے ہر ایک نے اپنے گھر میں جائے نماز نہ بنائی ہو" صحابہ نے عرض کی، ہاں یارسول اللہ ﷺ (ہمارے گھروں میں نوافل وغیرہ پڑھنے کیلئے ایسی جگہیں ہیں) آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر تم لوگ گھروں میں نمازیں پڑھنا شروع کر دو گے تو اپنے نبی (ﷺ) کی مسجد میں آنا چھوڑ دو گے اور جب تم مسجد میں آنا چھوڑ دو گے تو سنت کے تارک بن جاؤ گے اور جب سنت کے تارک بن جاؤ گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

صحیحین میں عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ارشاد پاک ہے کہ "میرے حجرہ اور منبر کا درمیانی علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ امام بخاری کی ذکر کردہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" میرا منبر حوض (کوثر) پر ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ سرکار نے فرمایا میری قبر (مبارک) اور منبر حوض پر ہیں۔

ابو داؤد بن حبان اور حاکم نے ایک صحیح حدیث بیان کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے گا اگرچہ وہ تر مسواک پر ہی کیوں نہ ہو تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہیے۔ یا فرمایا اس کیلئے دوزخ واجب ہو گئی۔

امام نسائی نے ثقہ راویوں سے ابو امامہ ابن ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا" جس نے میرے اس منبر کے پاس ایسی جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال کو بٹورا ہو تو اس پر اللہ اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس کی کوئی نماز چاہے فرائض یا نوافل قبول نہ ہوں گے۔

طبری نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا میرا منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے اوپر ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے حجرہ اور منبر کا درمیانی علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا" میرے حجرہ اور سجدہ گاہ کا

درمیانی علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ سجدہ گاہ سے مراد پوری مسجد نبوی ﷺ ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عید گاہ مدینہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حدیث شریف کے راوی طاہر بن یحییٰ روایت کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ میرے والد گرامی نے بہت سارے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ جب سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پاک کو سن لیا تو انہوں نے مسجد اور عید گاہ کے درمیان دو گھر بنا لئے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جو ابن شبہ نے جناح النجار سے روایت کی ہے بیان کرتے ہیں کہ میں (جناح النجار) ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مکہ کی طرف جا رہا تھا آپ نے مجھ سے پوچھا آپ کی رہائش گاہ کہاں ہے میں نے کہا'' بلاط'' میں تو انہوں نے کہا کہ وہیں رہائش رکھ کیونکہ میں نے اپنے والد گرامی کو اور انہوں نے سید المرسلین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری مسجد (نبوی) اور جائے نماز (عید گاہ) کا درمیانی علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ بلاط مسجد نبوی ﷺ اور عید گاہ تک پھیلا ہوا علاقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ ساری جنت کا باغ ہے۔

''الفتح'' میں حافظ ابن حجر سے روایت ہے کہ روز قیامت یہ ٹکڑا جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا اور یہ بھی جنت کے باغوں میں سے ہو جائے گا۔ یا اس ٹکڑا کو مجازاً جنت کا باغ کہا گیا ہے کیونکہ یہاں عبادت کرنے کی وجہ سے عابد جنت کے باغوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن ابن حجر نے علماء کے اس دوسرے قول سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صفت صرف اسی ٹکڑے کیساتھ خاص نہیں (یوں تو زمین کا ہر ٹکڑا عابد کو جنت میں لے جاتا ہے۔ تو وہ ریاض الجنۃ ہو جائے گا؟)

جو حدیث اس کے بارے میں وارد ہوئی ہے وہ اس ٹکڑے کو دیگر حصوں پر فضیلت دینے کیلئے ہے کیونکہ اس مقدس زمین کے اوپر سرکار ابد قرار ﷺ زیادہ چلتے رہے نیز سرکار کے روضۂ عظمیٰ کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ ٹکڑا زمین ممتاز ہو گیا۔

امام سمہودی نے علماء کے اس حصہ کے متعلق اقوال ذکر کئے ہیں کہ بعض نے اسے ''مجَازًا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' کہا ہے بعض نے اس کا رد کیا ہے اور بعض نے دونوں صورتوں کو درست قرار دیا ہے۔ پھر سمعانی کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو فضیلت دی ہے تو اس میں کیا جانے والا عمل ثواب کثیر کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے روضہ قرار دیا ہے دیکھو آپ ﷺ نے ساری مسجد کو جنت کا باغ قرار دیا ہے (کیونکہ ساری مسجد میں عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے) لیکن مشہور یہ ہے کہ حجرۂ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی روضہ (جنت کا باغ) ہے۔ کیونکہ

روایت میں منبر اور قبر انور کے درمیانی علاقہ کو جنت کا باغ قرار دیا گیا ہے۔ اور چونکہ آپ کی قبر انور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں ہے اس لئے یہی حصہ ہی جنت کا باغ ہے۔

خطیب ابن جملہ نے کہا ہے اگر روضہ شریف کی شمالی دیوار سے منبر کی قبلہ کی جانب تک کے فاصلہ کو جنت کا باغ قرار دیا جائے تو پھر یہ باغ لمبائی میں ہوگا اور اگر منبر اور رضہ کو دو حدیں مقرر نہ کی جائیں بلکہ منبر سے روضہ تک کا فاصلہ جنت کا باغ قرار دیا جائے تو باغ مربع ہوگا کیونکہ منبر شریف روضۂ انور کے بالکل سیدھ میں نہیں بلکہ کچھ قبلہ کی جانب ہے۔

زین مراغی نے کہا ہے کہ جنت کا باغ صرف یہی حصہ نہیں بلکہ اس میں سرکار دو عالم ﷺ کے تمام مکانات (جو بجانب شام ہیں) شامل ہیں۔ اور اسی جگہ میں بھی ایک ''مسجد'' تھی جو سرکار دو عالم ﷺ کے حیات ظاہری میں آخری مسجد تھی۔ (اس لئے آپ نے ''مسجدی وقبری'' فرمایا ہے) ان کے نزدیک ساری زمین جو اس مسجد اور روضہ انور کے درمیان ہے جنت کا باغ قرار دی جائے گی۔

ابن زبالہ نے عبد العزیز بن ابی حازم اور نوفل بن عمارہ سے روایت بیان کی ہے کہ منبر شریف سے قبر انور تک جو آقائے دو عالم ﷺ کا حجرہ تھا ان کے درمیان تقریباً چون گز کا فاصلہ ہے۔ ابو غسان سے ترپن گز اور ابن جماعہ سے باون گز کا فاصلہ منقول ہے۔

امام سمہودی نے باب ثالث میں مدینہ شریف میں رہنے والی قوموں کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ یہاں جلوہ افروز ہوئے۔

اس باب کی چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں طوفان کے بعد رہائش اور پھر یہودیوں اور نصاری کی رہائش کا ذکر ہے۔ اور ان کا شجرہ نسب بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں اوس اور خزرج دو قبیلوں اور ان کے درمیان لڑائیوں کا ذکر ہے تیسری فصل میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جو عزت بخشی مثلاً بیعت اولی اور ثانیہ نیز سرکار علیہ السلام کی یہاں ہجرت اور قباء میں قیام وغیرہ کا ذکر ہے اور چوتھی فصل میں حضور پاک ﷺ کا مدینہ شریف میں تشریف لانا اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرنا اور ہجرت کا کچھ ذکر ہے۔ چونکہ مذکورہ تمام چیزیں سیرت کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں اس لئے میں (یوسف بن اسمٰعیل) نے انہیں نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

چوتھا باب

مسجد نبوی ﷺ اور مقدس حجروں کی تعمیر کے بارے میں

اس میں سولہ فصل ہیں۔

فصل اول

پہلی فصل حضور ﷺ کے مسجد نبوی ﷺ کو تعمیر کرنے اور پھر اس میں اضافہ کے بارے میں ہے۔ روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کی اونٹنی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کی جگہ کے پاس بیٹھ گئی حضور ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ یہیں ہم اتریں گے۔ اور

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

''الٰہی مجھے برکت والی جگہ پر اتار بے شک تو بہترین اتارنے والا ہے) پڑھتے ہوئے اترنے لگے''۔

یہ جگہ دو انصاری یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور یہاں کھجوریں خشک کی جاتیں تھیں۔

یحییٰ محمد بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم تک جو خبر پہنچی ہے اس کے مطابق مسجد نبوی ﷺ کی حد (اول) قبلہ سے شام کی جانب چون گز اور گز کا چھٹا حصہ اور مشرق سے مغرب کی جانب تریسٹھ گز ہے۔ امام سمہودی کہتے ہیں کہ یہ حد بندی اس دور کی ہے جب سرکار ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔ پھر اضافہ کے بعد ایک روایت کے مطابق ہزار گز تک توسیع کی گئی۔

فصل ثانی

دوسری فصل تحویل قبلہ (بیت المقدس کی بجائے کعبہ کا قبلہ ہونا) سے پہلے اور مابعد حضور ﷺ کا نماز کیلئے کھڑے ہونے کی جگہ کے بارے میں ہے۔

ابن زبالہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''اسطوانہ مخلقہ'' کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اور باب آل عثمان کے دائیں طرف حضور ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔ یعنی باب آل عثمان جسے آج کل باب جبریل کہا جاتا ہے اسے دائیں طرف رکھ کر صحن مسجد میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔ حضور ﷺ نے تحویل قبلہ کے بعد اس جگہ کھڑے ہو کر تقریباً دس دن فرض نماز پڑھاتے رہے پھر محراب کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اسی لئے ابن زبالہ نے اسے اسطوانۃ النبی

ﷺ کا نام دیا ہے یہ وہ ستون ہے جس کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ نماز پڑھاتے رہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور ﷺ کی جائے نماز مقرر نہیں ہوئی تھی۔

ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ وہاں "موجود" کھجور کا تنا سامنے اور منبر شریف کو دائیں جانب رکھ کر کھڑے ہونے کی جگہ ہی وہ مخصوص جگہ ہے۔

مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ حجاج نے ہر شہر کے مرکز میں قرآن پاک کا ایک ایک نسخہ بھیجا۔ مدینہ شریف میں جو نسخہ بھیجا گیا اسے ایک صندوق میں حضور ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ جو ستون ہے اس کے دائیں طرف رکھ دیا گیا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندوق کا اس مقام پر رکھا جانا قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ جس طرح صحیح میں یزید بن عبید سے روایت ہے۔

کہ میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا، سلمہ قرآن کے اس نسخہ والے صندوق کے قریب ستون کے پاس نماز پڑھتے۔ میں نے سلمہ بن اکوع سے پوچھا آپ یہاں نماز پڑھنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ یہاں نماز پڑھتے۔ مذکورہ احادیث میں جس ستون کا ذکر آیا ہے اس سے مراد وہ ستون ہے جو نبی مکرم ﷺ کی جائے نماز کے پاس ہے۔ اسی لئے مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں نوافل پڑھنے کیلئے بہترین جگہ اسی ستون کے ساتھ والی جگہ ہے۔ جبکہ فرائض کیلئے پہلی صف بہترین جگہ ہے۔

حضور ﷺ کے زمانہ پاک اور اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں مسجد نبوی ﷺ کیلئے محراب نہیں تھا اسے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کروایا۔ حد درجہ احتیاط سے کام لیا۔ ابن زبالہ کے مطابق عمر بن عبد العزیز نے جب محراب کی تعمیر کا ارادہ کیا تو مدینہ کے مہاجر و انصار میں سے سرکردہ افراد کو بلوایا۔ اور ان سے کہا قبلہ کی طرف والی دیوار کی بنیاد ظاہر کرو۔ (تاکہ اس بنیاد پر نئی دیوار رکھی جاسکے) تاکہ تم بعد میں یہ نہ کہنا کہ عمر نے ہمارے قبلہ کو تبدیل کر دیا (انہوں نے تعمیر کرتے وقت قبلہ کی سمت تبدیل کر لی) پس آپ جہاں سے پتھر اٹھاتے اس کی جگہ نیا پتھر رکھتے (اور یوں پرانی بنیادوں پر نئی دیوار بلند ہوئی)۔

مطری نے کہا ہے کہ قبلہ کی جانب دیوار اول سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کے بالکل سامنے تھی۔ کیونکہ روایت ہے کہ مصلیٰ نبی ﷺ پر کھڑے ہونے کے بعد منبر شریف دائیں کندھے کے برابر ہو جاتا ہے۔ پس مصلیٰ رسول اللہ ﷺ میں بالاتفاق تبدیلی نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ صندوق جو مصلیٰ نبی ﷺ کے سامنے ہے اسے کھڑے ہونے کی جگہ یا ستونوں کے درمیان سترہ قرار دیا گیا ہے۔

اقشہری کا گمان کہ مذکورہ صندوق حضور ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ کے پاس ہے اور آج کل امام اس کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے غلط ہے۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی سجدہ گاہ اور قبلہ کی جانب دیوار جس میں آج کل محراب ہے کے درمیان بیس گز سے کچھ زائد فاصلہ تھا اور یہی وہ اضافہ ہے جو حضور ﷺ وصال کے بعد کیا گیا ہے۔

امام نووی نے مناسک میں کہا ہے کہ نمازی جب منبر شریف کے ستون کو دائیں جانب اور صندوق کے پاس والے ستون کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گا تو یہی جگہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

امام سمہودی نے کہا ہے کہ قبلہ کی جانب محراب میں توسیع کی گئی ہے اس کی لمبائی میں اضافہ کیا گیا ہے "دوبارہ آگ لگنے" کے بعد مصلیٰ نبی ﷺ کے سامنے رکھے گئے صندوق کی جگہ بھی تبدیل کی گئی ہے اور سامنے والا وہ حصہ جس میں محراب تھی وہ مصلیٰ نبی ﷺ سے کچھ بلند تھا پس جو کوئی اس محراب کے سامنے نماز پڑھے گا تو اصل مصلیٰ شریف اس کے دائیں جانب ہو گا اور جو کوئی مصلیٰ نبی ﷺ پر کھڑا ہونے کی خواہش کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ منبر شریف کو دائیں جانب رکھ کر کھڑا ہو۔ میں نے (سمہودی نے) اس طرف اور منبر شریف کے درمیانی فاصلہ کو ناپا ہے یہ تقریباً چوبیس گز اور ایک بالشت ہے۔ یہی فاصلہ ابن زبالہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

تیسری فصل

کھجور کے تنے (منبر سے پہلے اس کی طرف حضور ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے) اور منبر شریف کے بارے میں ہے اور اسی میں ستونوں کا بھی ذکر ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ کے حجرۂ ہائے مقدسہ اور بنت الرسول ﷺ کے حجرہ کے بارے میں ہے۔

پانچویں فصل

مسجد نبوی ﷺ کے دروازوں کے بارے میں ہے۔

چھٹی فصل

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسجد نبوی شریف میں اضافہ کے بارے میں ہے۔

ساتویں فصل

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مسجد نبوی ﷺ میں اضافہ اور حجرۂ مقدسہ کو مسجد میں داخل کرنے کے بارے میں ہے۔

آٹھویں فصل

ولید کے اضافہ، محراب کی تعمیر اور مینار وغیرہ کی تعمیر کے بارے میں اور جنازوں کو مسجد میں لانے سے منع کرنے کے بارے میں ہے۔

نویں فصل

مہدی کے اضافہ کے بارے میں ہے۔

دسویں فصل

اس حجرۂ مقدسہ کے بارے میں ہے۔ جس میں حضور انور ﷺ کی قبر انور اور آپ کے یاروں کی قبریں ہیں۔ اسی فصل میں قبروں کے ارد گرد دیوار اور قبور مقدسہ کی کیفیت کا ذکر ہے۔

پچھلے صفحات میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اول کے ساتھ ہی حجرہ مقدسہ کو تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور (کے پتوں سے صاف کی ہوئی) ٹہنیوں سے کی گئی تھی۔ اس کی چھت بالو ں کے ٹاٹ سے ڈھانپی گئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجرۂ مقدسہ کے سامنے چھوٹی سی دیوار تعمیر کروائی اور اسے دوبارہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تعمیر کروایا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نوخیز جوان تھا اور حضور ﷺ کے تمام گھروں میں داخل ہو کر چھت کو ہاتھ لگایا کرتا تھا اور ان گھروں کی چھتیں کھردری گھاس اور (جانوروں کے) بالوں سے بنی ہوئیں تھیں۔

ابن عساکر داؤد بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ حجرۂ انور اور اس کے دروازے کے درمیان چھ یا سات گز کا فاصلہ لمبائی میں اور اونچائی میں تقریباً آٹھ نو گز کا فاصلہ تھا۔ اور باب عائشہ رضی اللہ عنہا مغرب کی جانب تھا۔ لیکن فصل رابع میں گذرا ہے کہ وہ شام کی جانب تھا۔ ابن عساکر ابوفدیک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن ہلال سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا دروازہ شام کی طرف تھا اور اس کا ایک کواڑ تھا جو ساگوان کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اسی لئے ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ دروازہ شام کی جانب تھا اور اس پر اس وقت تک تالا نہیں تھا جب تک سیدہ عائشہ بقید حیات تھیں۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس حجرۂ مقدسہ کے دو دروازے تھے ایک شام کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب تھا۔

ابن زبالہ نے کہا ہے کہ حجرۂ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے درمیان ایک راستہ تھا اور یہ دونوں باہمی تعلق کی بناء پر اپنے اپنے گھر میں کھڑے ہو کر گفتگو کیا کرتیں تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا مکان آل عمر کی کھڑکی کے دائیں جانب تھا آج کل اس مکان کی جگہ لوگ کھڑے ہو کر قبر انور کی زیارت کرتے ہیں۔

ابن زبالہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ جب تک سرور کائنات ﷺ اور میرے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے حجرۂ میں محو آرام تھے تو میں بے اوڑھنی حجرۂ مقدسہ میں حاضر ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے تو میں پردے کا اہتمام کرتی یہاں تک کہ میرے اور قبور مقدسہ کے درمیان دیوار تعمیر کی گئی۔

مطلب سے روایت ہے کہ لوگ (حصول برکت کی خاطر) قبر انور کی مٹی اٹھا لیتے تھے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبر انور کے سامنے دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس میں ایک سوراخ رکھا لوگ پھر اس سوراخ میں سے مٹی حاصل کرتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے بھی بند کرنیکا حکم دیا۔

طبقات ابن سعد میں موسیٰ بن داؤد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ کے دو حصے تھے۔ ایک وہ حصہ جس میں سیدہ عائشہ رہائش پذیر تھیں اور دوسرا وہ حصہ جس میں قبر انور تھی دونوں حصوں کے درمیان دیوار تھی سیدہ عائشہ اکثر قبر انور کے پاس حاضر ہوتیں تو پردے کا اہتمام نہ کرتیں لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے بعد آپ خوب پردے کا اہتمام کر کے حاضر ہوتیں۔

ابن شبہ ابوغسان سے روایت کرتے ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ کی قبر مبارک پہلے ظاہر تھی یہاں تک ولید کے دور خلافت میں عمر بن عبدالعزیز نے اس کے اوپر کوہان نما پردہ تعمیر کروایا۔ تا کہ قبر انور کعبہ مشرفہ کی طرح مربع نہ رہے اور اسے قبلہ بنا کر اس کی طرف منہ کر کے لوگ نماز پڑھنا شروع نہ کریں۔

عروہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ اس بات پر خوب بحث کی کہ قبر انور مسجد کے اندر نہ ہو۔ لیکن آپ نہ مانے اور فرمایا امیر المومنین (ولید) کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر میں (عروہ) نے عرض کی کہ قبر انور کوہان نما ہو نہ کہ مربع۔

آجری، رجاء بن حیوۃ سے روایت کرتے ہیں کہ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا (توسیع مسجد کے بارے میں) عمر نے حجرات مقدسہ کو خرید رکھا تھا کہ انہیں گرا کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے حجرات مقدسہ کو گرانے کا حکم دیا اور خود ایک کونے میں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگے اس دن سے بڑھ کر آپ کسی اور دن اتنا زیادہ نہیں روئے تھے۔ پھر اس کی تعمیر اس طرح کروائی جس طرح

آپ چاہتے تھے۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ (عروہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حجرۂ مقدسہ کی تعمیر کے دوران جب قبروں کے پاس والی دیوار گرائی گئی اور دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا گیا تو ایک پاؤں نظر آنے لگا۔ لوگ گھبرا گئے کہ شاید یہ حضور ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ لوگوں سے پوچھا گیا لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کا پاؤں ہے حتی کہ عروہ نے فرمایا'' اللہ کی قسم یہ سرکار دو عالم ﷺ کا پاؤں مبارک نہیں ہے یہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں مبارک ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ میں نے حجرۂ مقدسہ اندر سے ناپا ہے قبلہ کی جانب مغرب و مشرق کے درمیان تقریباً گیارہ گز اور شام کی جانب گیارہ گز رسے زائد لمبائی اور چوڑائی قبلہ کی جانب سے شام کی شرقاً غرباً سات گز کے قریب ہے اور حجرۂ مقدسہ کی اندرونی دیواروں کی چوڑائی ڈیڑھ گز کے لگ بھگ ہے۔ جبکہ ان دیواروں کی لمبائی (مسجد کے صحن سے) تقریباً تیرہ گز ہے۔

حجرۂ مقدسہ کے اندر قبور کی کیفیت کچھ اس طرح ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک قبلہ کی جانب دیوار کی طرف ہے پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ مبارک کے برابر ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینہ کے برابر ہے۔ اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے کندھوں کے برابر دفن ہونے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور ﷺ کے قدموں کے برابر ہے ہونے کا ذکر ہے۔ جبکہ تیسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور ﷺ کے کندھوں کے برابر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک حضور ﷺ کے قدموں کے برابر ہے۔ لیکن یہ تیسری روایت ضعیف ہونیکی وجہ سے مردود ہے اور پہلی دو روایتیں ترجیح یافتہ ہیں اور ان میں بھی پہلی روایت زیادہ صحیح اور ارجح ہے اس پر امام جزولی نے اعتماد کیا ہے اور دلائل الخیرات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ ابوداؤد اور حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں قبریں (پہلے) کوہان نما تھیں۔ اس کے بعد فرمایا مشرق کی جانب ایک قبر کے برابر کچھ جگہ ہے سعید بن مسیب نے فرمایا ہے کہ اس جگہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبر ہوگی۔ امام ترمذی نے عبداللہ بن سلام سے روایت بیان کی ہے کہ تورات میں سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اور وہاں یہ بھی مذکور ہے عیسیٰ بن مریم ان کے ساتھ دفن ہونگے۔

عمر بن عبدالعزیز سے کہا گیا کہ اگر آپ کو مدینہ حاضری نصیب ہو اور وہیں آپ کو موت آجائے

تو کیا آپ کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن کیا جائے؟ آپ نے فرمایا آگ کے علاوہ ہر قسم کا عذاب اگر اللہ تعالیٰ مجھے دے تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھوں۔

یحییٰ اور ابن حبان، کعب الاحبار سے روایت کرتے ہیں کہ ہر روز صبح ستر ہزار فرشتے روضہ مقدسہ پر اترتے ہیں اور قبر انور کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں جب شام ہوتی ہے تو یہ فرشتے واپس آسمان پر چلے جاتے ہیں اور اتنی تعداد میں اور فرشتے اترتے ہیں اور انہی کی طرح عمل کرتے ہیں اور سلسلہ جاری رہے گا حتی کہ قیامت والے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے۔

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام بخاری کی حاضری

بخاری شریف میں بھی اس قسم کی روایت ہے انہوں نے علیحدہ ایک باب بنایا ہے جس کا نام ہے۔

بَابُ مَا اَکْرَمَ اللّٰہُ بِہٖ نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِہٖ

''بعد از وصال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت افزائیاں''۔

گیارہویں فصل

قبر شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور چہرہ مبارک کے رکھنے کی کیفیت حجرہ مقدسہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقام، اور حجرۂ مقدسہ پر سنگ مرمر کا جو کام ہوا ہے، نیز اس کے گرد گنبد وغیرہ کا ذکر ہے۔ بارھواں باب حجرۂ مقدسہ کی تعمیر جدید، اس کی چھت کی تبدیلی اور اس کی آخری شکل (جس کے بعد اس میں تبدیلی نہ کی گئی) کی تعمیر کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ اس عمارت مقدسہ کے متولی نے مجھے (امام بخاری) کو پیغام بھیجا۔

''کہ حجرۂ مقدسہ کی تعمیر نو کے بعد اس کی زیارت کے لیے نہیں آؤ گے؟'' میری آتش شوق بھڑک اٹھی، اور میں وجد میں آکر جھومنے لگا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

وَلَوْ قِیْلَ لِلْمَجْنُوْنِ اَرْضُ اَصَابَھَا
غُبَارُ ثَرٰی لَیْلٰی لَجَدُّوْا سُرْعًا

''اگر مجنوں سے کہا جائے کہ فلاں جگہ پر لیلیٰ کے قدموں کے نشانات (اسکے قدموں سے اٹھنے والا غبار) ہیں تو مجنوں دیوانہ وار وہاں پہنچ جائے گا (اور اپنے بے قرار دل کو سکون پہنچائے گا)''۔

پس میں اس مقام رفیع (روضۂ انور) کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھ کر چل پڑا۔ مجھے امید تھی کہ مخلوق

میں سب سے زیادہ کریم اور مہربانی کرنے والی ذات (حضور ﷺ) کے روضۂ مقدسہ کے وسیلہ سے میری آرزو پوری ہوگی۔ کیونکہ حضور نبی رحمت ﷺ کی ذات ہی سے فریاد کی جاتی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عَصَيْتُ فَقُلْتُ كَيْفَ اَلْقٰى مُحَمَّدًا
وَّوَجْهِي بِاَثْوَابِ الْمَعَاصِي مُبَرْقَعٌ

عَسَى اللّٰهُ مِنْ اَجَلِ الْحَبِيْبِ وَقُرْبِهٖ
يُدَارِكُنِيْ بِالْعَفْوِ فَالْعَفْوُ اَوْسَعُ

''میں گنہگار ہوں۔ میں کیسے سرکار کی بارگاہ میں حاضری دونگا؟ کیونکہ میرے گناہوں کے کپڑوں نے تہہ در تہہ میرے چہرے کو ڈھانپ رکھا ہے۔ لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے قرب سے معافی فرمادے گا کیونکہ وہ بہت معاف فرمانے والا رب ہے''۔

پس میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی مجھے اس مقام مقدس پر حاضری دینے کے مناسب آداب سکھا اور اس کو قبول فرماتے ہوئے مجھے اپنی رضا مرحمت فرما۔ نیز میرے گذشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنا۔ (پس میں چل پڑا یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا) روضۂ انور سے باہر کھڑے ہو کر میں نے پاس آنے کی اجازت مانگی اور پھر حجرۂ مقدسہ کی پچھلی جانب سے داخل ہوا۔ جونہی میں آگے بڑھا تو میں نے ایسی خوشبو سونگھی کہ اس جیسی خوشبو کبھی نہ سونگھی تھی اور جب میں سلام عقیدت پیش کرنے شفاعت کی درخواست کرنے اور مطلوبہ وسیلہ مانگنے سے فارغ ہوا تو اپنی نگاہیں صحن مسجد میں دوڑائیں جس کے اوصاف بیان کرنا ناممکن ہے۔

زمین ہموار تھی لیکن درمیان میں کچھ ابھری جگہ تھی لوگ اسے قبر النبی ﷺ گمان کرتے ہوئے اس کی مٹی تبرک کیلئے اٹھاتے تھے۔ لیکن در حقیقت وہ حجرۂ مقدسہ جہاں قبر انور ہے اس کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد کیا ہے جس نے کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی قبر مبارک حجرۂ مقدسہ کی چوڑائی میں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور قبلہ کی جانب دیوار کے پاس ہے۔ اور لحد مبارک بھی اسی دیوار کے ساتھ ہے۔

تحفہ ابن عساکر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی قبر مبارک پر (بعد از تدفین) پانی چھڑکا گیا۔ چھڑکانے والے حضرت بلال بن ریاح تھے۔ آپ نے یہ چھڑکاؤ سر

انور کی جانب سے شروع اور پاؤں مبارک پر ختم کیا۔ لیکن قبر انور اور قبلہ کی جانب دیوار کے درمیان فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے وہیں کھڑے ہو کر قبلہ کی جانب قبر انور کے بقیہ حصہ پر پانی کے چھینٹے پھینکے۔

طبقات ابن سعد میں محمد بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ولید کے دور خلافت میں عمر بن عبدالعزیز جب مدینہ کے والی بنے تو روضۂ مقدسہ کی ایک دیوار گر گئی میں نے سب سے پہلے اٹھ کر دیکھا کہ روضہ مقدسہ اور سیدۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ ہے اس سے مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ قبلہ کی جانب سے قبر میں نہیں اتارے گئے۔

ابن زبالہ اور یحیٰی نے عبداللہ بن عقیل سے روایت بیان کی ہے، کہ جب وہ دیوار گر گئی جو روضۂ انور کے قریب تھی تو عمر بن عبدالعزیز نے ایک آدمی سے پوچھا (جو اندر جھانک آیا تھا) حضور ﷺ کی قبر مبارک کو تو نے کیسا پایا۔

اس نے عرض کی کہ قبر انور کچھ نیچے ہے۔ پھر آپ نے دونوں دوستوں کی قبور کے بارے میں پوچھا تو اس نے عرض کی وہ قدرے بلند ہیں۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نیچے والی قبر سرکار ابدقرار ﷺ کی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حجرۂ مقدسہ کی زمین بعض جگہ سے اوپر اٹھی ہوئی اور بعض جگہ میں معمولی نشیبی ہے۔ حجرۂ مقدسہ اور مسجد نبوی ﷺ میں تقریباً تین گز کا تفاوت ہے جبکہ بعض مقامات پر تقریباً دو گز کا فرق ہے۔ روضۂ انور کی تعمیر نوستر ہ شعبان کو شروع ہوئی تو شام کی جانب دیوار کے ساتھ ستون کو حجرۂ مقدسہ میں داخل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اس ستون کو داخل کرنے کی وجہ سے سامنے والا حصہ پچھلی جانب کے حصہ سے تقریباً نصف گز زیادہ ہو گیا۔ اور (اس دور میں) روضۂ انور کی لمبائی صحن مسجد سے تقریباً بارہ گز کے برابر رکھی گئی تینوں قبور کی تعمیر کے بعد ان کے پاس کنکریاں رکھ دی گئی۔ قبور کی کیفیت اسی طرح باقی رکھی گئی جس طرح مشہور تھی کہ حضور ﷺ کے کندھے مبارک کے برابر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھے کے برابر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ہے۔ قبور کی کیفیت کوہان نما ہے۔ وہاں خوشبو دار لکڑی مثلاً بخور، عود اور عنبر نیز دیگر خوشبو دار چیزیں رکھ دیں گئی جس کی وجہ سے دور سے ہی مکان کی عظمت دلوں میں بیٹھ جاتی تھی۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بَطِیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ طَابَ نَسِیْمُھَا
مَا الْمِسْکُ مَا اَلْکَافُوْرُ مَا الْمِنْدَلُ الرَّطَبُ

"روضہ انور کے پاس سے آنے والی خوشبو کی بدولت مدینہ کی بادنسیم میں خوشبو رچی بسی ہے وہ خوشبو نہ تو کافور کی ہے اور نہ ہی کستوری اور تر مندل (خوشبو دار لکڑی) کی ہے"۔

کچھ لوگوں نے عریضے روضۂ انور کی چار دیواری میں پھینک دیئے جن میں حضور ﷺ سے شفاعت کی التجا کی گئی تھی اس کے بعد چار دیواری کے اس سوراخ (جس کے ذریعے اوراق پھینکے گئے تھے) کو بند کر دیا گیا۔ مسجد کی چھت سے نیچے روضۂ انور کی چھت کے اوپر پیتل کا چاند نصب کیا گیا (کیونکہ روضہ انور کی چھت مسجد کی چھت کے نیچے تھی) اس کے بعد روضہ انور کے باہر ایک دیوار رہ گئی تھی اسے گرا دیا گیا۔ اس وقت میں (امام بخاری) بھی وہاں حاضر تھا بلکہ روضۂ انور کی تعمیر میں کچھ حصہ بھی لیا تا کہ اس بابرکت عمل سے برکت حاصل کر لوں۔ درحقیقت میں حاضر ہی اس لئے ہوا تھا کہ وہاں جا کر سلامتی میں آ جاؤں گا۔ اس مقام پر میں نے (امام بخاری) اپنا قصیدہ پڑھا جس میں میں نے حبیب مکرم شفیع معظم ﷺ کی بارگاہ میں حاجت پیش کی تھی۔

جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

قِفْ بِالدِّيَارِ لَحْيٍ فِي ذُرَى الْحَرَمِ
وَحَيِّ هٰذَا الْمَحْيَا مِنْ ذُوِي اَضَمِ

روضۂ انور کی یہ تعمیر شوال ۸۸۱ھ بروز جمعرات مکمل ہوئی۔

بارہویں فصل

باب چہارم روضۂ مقدسہ کے اردگرد پگھلے ہوئے سیسے کی خندق کے بارے میں

جمال اسنوی اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ'' عادل بادشاہ نورالدین الشہید نے سرکار دو عالم ﷺ کو لگاتار تین رات خواب میں دیکھا آپ ﷺ دو ایسے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جن کی رنگت سرخ زردی مائل تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے'' ان آدمیوں سے مجھے بچاؤ'' نورالدین نے اپنے وزیر کو بلوا بھیجا اور جلد ہی بیس افراد پر مشتمل قافلہ اور بہت سارا مال لے کر سولہ دنوں میں مدینہ شریف پہنچا انہوں نے روضۂ انور کی زیارت کی اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اہل مدینہ پر لازم قرار دیا کہ ہر فرد اس کے پاس حاضر ہو۔ اہل مدینہ ایک ایک کر کے حاضر ہونے لگے اور نورالدین ان کو مال دیتا جاتا اور ساتھ ساتھ مطلوبہ آدمیوں کو (جن کو خواب میں دیکھا تھا) بھی تلاش کرتا جاتا۔ حتیٰ کہ تمام لوگ حاضر ہو کر چلے گئے۔ نورالدین نے پوچھا کوئی رہ بھی گیا ہے؟ لوگوں نے کہا دو مغربی شخص جو حد درجہ نیک، پاکدامن اور سخی ہیں وہی رہ گئے ہیں۔ اس نے انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آئے تو اس نے انہیں بعینہٖ ان دو آدمیوں کی طرح پایا جن کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے ان کی رہائش گاہ کے بارے میں پوچھا اسے بتایا گیا کہ یہ حجرۂ مقدسہ کے قریب ایک کمرہ میں رہائش

پذیر ہیں۔ اس نے انہیں وہیں رو کے رکھا اور خود ان کی رہائش گاہ پر گیا وہاں جا کر اس نے دو گھڑے، کتابیں اور بہت سا مال دیکھا۔ اہل مدینہ ان کی سخاوت کی وجہ سے ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ سلطان نور الدین نے وہاں موجود چٹائی اٹھائی تو اس کے نیچے تہہ خانہ نظر آیا جو سیدھا حجرۂ مقدسہ کی طرف جا رہا تھا۔

یہ دیکھ کر لوگ جمع ہوئے بادشاہ نے سچ اگلوانے کیلئے خوب پیٹا۔ بعد از کوشش بسیار انہوں نے بتایا ''ہم یہودی ہیں ہمیں یہودی بادشاہ نے بہت سارا مال دے کر مغربی حاجیوں کے لباس میں بھیجا ہے تا کہ قبر انور تک رسائی میں آسانی ہو اور پھر سرکار دو عالم ﷺ کے جسم اطہر کو یہاں سے منتقل کر سکیں۔ پس ہم روضۂ انور کے قریب اس مکان میں آ کر ٹھہر گئے اور رات کے وقت کھدائی کرتے جو مٹی حاصل ہوتی اسے چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر بقیع میں زیارت کی غرض سے جا کر پھینک آتے۔ پس گزشتہ رات جب ہم حجرۂ مقدسہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آسمان میں شدید گرج پیدا ہوئی ساتھ ہی آسمانی بجلی بھی چمکنے لگی اور زمین پر کپکپی طاری ہوئی۔ (شدید زلزلہ آ گیا)۔ اسی دن صبح آپ (سلطان نور الدین) تشریف لائے''۔

سلطان کو جب یہ سب کچھ معلوم ہوا تو بہت رویا اور حجرۂ مقدسہ کے قریب کھڑکی کے نیچے ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پھر بہت زیادہ سیسہ منگوایا گیا۔ حجرۂ مقدسہ کے چاروں طرف پانی تک خندق کھودی گئی پگھلا ہوا سیسہ اس میں ڈالا گیا حتی کہ روضۂ انور کے چاروں طرف سیسہ کی مضبوط دیوار جو پانی تک جاتی تھی تعمیر کی گئی (اور یوں تا قیامت ہر قسم کی تخریبی کاروائی کا راستہ بند کر دیا گیا)۔

مطری نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن انہوں نے سیسے کا ذکر نہیں کیا انہوں نے کہا ہے کہ یہ واقعہ ۵۵۷ ہجری میں رونما ہوا تھا۔ اور اسے فقیہہ علم الدین یعقوب سے روایت کیا کہ سلطان نے لگا تار تین رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سرخ و پیلے رنگ کے دو آدمیوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے اور ساتھ فرما رہے تھے۔ اے محمود ان دونوں سے مجھے بچانا۔ سلطان نے اسی وقت اٹھ کر اپنے معتمد وزیر کو بلوایا اور کہا کہ مدینہ شریف میں یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ تیاری کیجئے تم بھی میرے ساتھ چلو گے پھر اس نے تیاری کی اور ایک ہزار سواریوں کا انتظام کر کے مال کثیر لیکر مدینہ منورہ اطلاع کئے بغیر پہنچ گیا۔ اور پھر مذکورہ واقعہ رونما ہوا...... پھر جب وہ بد بخت پکڑے گئے تو حجرۂ مقدسہ کی مشرقی کھڑکی کی جانب ان کی گردن زدنی کی گئی اور شام کے وقت ان کی لاشوں کو نذر آتش کرنے کے بعد سلطان شام کی طرف عازم سفر ہوا۔

ابن نجار نے تاریخ بغداد میں مذکورہ واقعہ کی طرح ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض

زندیقوں (بے دینوں) نے مصر کے والی حاکم عبیدی کو مشورہ دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے دونوں یار (حضرت سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما) کی قبروں کو مصر منتقل کراو۔ تا کہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے بجائے مدینہ جانے کے مصر آیا کریں۔ اس نے مصر میں پہلے سے قبور کے لیے چار دیواری تعمیر کروائی۔ اور ابوالفتوح نامی ایک بد بخت کو اس شرمناک مہم پر مدینہ بھیجنے کیلئے آمادہ کرلیا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو مدینہ والوں کو اس کے برے ارادوں کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔ معززین شہر کا ایک گروہ ابوالفتوح کے پاس آکر بیٹھ گیا ان میں ایک قاریٔ قرآن بھی تھے۔ انہوں نے

وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ...... اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ تک، قرآن پاک کی تلاوت کی''

''اگر یہ لوگ وعدہ کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں سرکشی کریں......''

لوگوں میں غیرت ایمانی نے جوش مارا اور وہ ابوالفتوح کو قتل کرنے کیلئے دوڑ پڑے۔ ابوالفتوح نے دیکھا تو کہا'' اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اگر والی مصر مجھے قتل کردے تب بھی روضہ مقدسہ کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ رسوائی کا ہار گلے میں ڈالے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جونہی رات ہوئی تو زبردست زلزلہ آ گیا حتی کہ اونٹ کجاوں اور گھوڑے زینوں سمیت گیندوں کی طرح لڑھکنے لگے۔ ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ حتی کہ بہت سارے لوگ بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ ابوالفتوح کی گھبراہٹ بھی جاتی رہی کیونکہ ان حالات میں حاکم مصر کے حکم پر عمل ناممکن تھا۔

محب طبری نے'' الریاض النضرۃ'' میں ہارون بن الشیخ عمر بن الزعب (جو ثقہ، صدوق اور مشہور راوی ہیں) سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد (جو عظیم انسان تھے) سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ مجھے شمس الدین صواب اللمطی (جو نیک سیرت انسان تھے) فرماتے ہیں کہ میں تجھے (شیخ عمر کے والد کو) ایک عجیب و غریب واقعہ سناتا ہوں میرا ایک دوست تھا جو ایک امیر کے پاس جاتا رہتا۔ ایک دن میں بیٹھا تھا کہ میرا وہ دوست آکر کہنے لگا آج ایک بڑا معاملہ پیش آیا ہے۔ اہل حلب میں سے ایک گروہ بادشاہ کے پاس آیا اور بہت سارا مال پیش کرنے کے بعد کہا کہ حجرۂ مقدسہ میں سے سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں اکھیڑنے کی اجازت دی جائے۔ امیر نے اجازت دیدی۔ کچھ دیر کے بعد میرے نام امیر کا پیغام آیا کہ امیر مجھے بلا رہے ہیں میں حاضر ہوا امیر نے کہا اے صواب! آج رات کچھ لوگ مسجد نبوی ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تم دروازہ کھول دینا اور جو کچھ وہ کریں ان سے تعرض نہ کرنا۔ میں چونکہ خادم مسجد تھا، اس لئے اس کی بات مان لی۔ اس کے بعد

حجرۂ مقدسہ کے پاس آ کر رونے لگا حتی کہ عشاء کا وقت ہو گیا میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور مسجد کے دروازے بند کر دیئے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ امیر کے دروازے کی جانب مسجد کے دروازے یعنی باب السلام پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو چالیس آدمی بیلچوں، کدالوں اور دیگر آلات جو کھودنے کے کام آتے ہوں لئے داخل ہوئے اور حجرۂ مقدسہ کی طرف جانے لگے جونہی منبر شریف کے قریب پہنچے تو زمین نے ان کو ان کے اوزار سمیت نگل لیا۔ امیر کے پاس جب کافی دیر تک کوئی خبر نہ پہنچی تو اس نے مجھے بلایا اور پوچھا اے صواب! تمہارے پاس کچھ لوگ نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا آئے تو تھے لیکن ان کے ساتھ یہ یہ معاملہ پیش آیا۔ اس نے کہا کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا واقعۃً ایسا ہوا ہے۔ آ کر خود دیکھ لو ان کی کوئی نشانی نظر نہیں آ رہی۔ اس پر امیر نے کہا اس بات کو یہیں دفنا دو۔ اگر کسی کو اس کے بارے میں علم ہوا تو تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ مطری کہتے ہیں میں نے یہ واقعہ ایک ثقہ سے بیان کیا تو اس نے جواب دیا ایک دن مدینہ میں عبد اللہ قرطبی کو شیخ شمس الدین صواب یہی حکایت بیان کر رہے تھے تو میں نے بھی ان کے زبانی یہ واقعہ سنا۔

مختصرۃ ابو محمد عبد اللہ نے ''تاریخ مدینہ'' میں اپنے والد ابو عبد اللہ (جو جلیل القدر امام تھے) سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد ابو محمد المرجانی سے اور وہ حجرۂ مقدسہ کے خادم سے یہی واقعہ روایت کرتے ہیں۔ اور ابو محمد عبد اللہ فرماتے ہیں پھر میں نے خود خادم حجرہ مقدسہ سے یہی واقعہ سنا صرف فرق اتنا ہے کہ اس روایت میں پندرہ یا بیس آدمیوں کا ذکر ہے کہ ایک دو قدم آگے بڑھنے کے بعد زمین نے انہیں نگل لیا۔

اس فصل کے بعد تیرھویں فصل میں مسجد نبوی شریف میں پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ آگ لگنے کا ذکر ہے۔ پہلی دفعہ یکم رمضان المبارک جمعہ کی رات کو آگ لگی یہ ۶۵۴ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا ذکر ہے دوبارہ جو آگ لگی تھی وہ تیرہ رمضان ۸۸۶ھ کا واقعہ ہے۔ اور پھر اس کی تعمیر کا ذکر ہے یہ آگ امام سمہودی کے زمانہ میں لگی تھی۔ پوری مسجد آگ کے سمندر کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس میں سے محلات جتنے انگارے ابل رہے تھے جو آس پاس کے مکانات پر گر رہے تھے لیکن وہ نقصان کا باعث نہیں بنے تھے۔ مجھے مدینہ کے امیر زینی قسیطل نے بتایا کہ اس آگ سے ایک رات پہلے ایک عرب نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں منتشر ٹڈیاں تھیں ان کے پیچھے بڑی آگ تھی جسے سرکار دو عالم ﷺ بجھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ فرما رہے تھے۔ میں اپنی امت کو آگ سے بچا رہا ہوں۔

مجھے (امام سمہودی) کو بعض ان لوگوں نے خبر دی جنہوں نے اس آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آگ کے ارد گرد سفید رنگ کے پرندے تھے اور محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس آگ کو آس پاس کے

مکانات میں جانے سے روک رہے تھے۔ نیز یہ آگ روضۂ مقدسہ کے اندر بھی نہ گئی تھی اور توڑ پھوڑ کا کچھ اثر روضہ انور کے اندر نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اس میں آگ کی وجہ سے پہاڑوں جتنے تودے گر کر خاکستر ہو چکے تھے اور حجرہ انور میں بعض پتھر سفید رنگ کے تھے۔ جو جلدی آگ سے متاثر ہو سکتے تھے۔ لیکن آگ نے روضۂ مقدسہ سے تعرض نہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ البتہ آگ نے مسجد نبوی ﷺ کے ستونوں کو جو کالے پتھر کے تھے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

چودھویں فصل مسجد نبوی ﷺ کے ستونوں، برآمدوں، حوضوں اور لمبائی وغیرہ کے بارے میں ہے۔ نیز اس فصل میں آرائش مسجد اور دیگر متعلقات کا بھی ذکر ہے۔ البتہ ستونوں اور برآمدوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ ابن زبالہ نے بیان کیا ہے کہ ایک وقت میں برآمدوں کی تعداد انیس اور ستونوں کی تعداد تقریباً دوسونوے (۲۹۰) ہے۔

پندرہویں فصل مسجد نبوی ﷺ کے دروازوں اور کھڑکیوں اور اس کے اردگرد مکانات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ ابن زبالہ نے کہا ہے کہ مہدی کی تعمیر کے بعد اس میں بیس دروازے تھے۔ اور قبلہ کی جانب بھی چار دروازے تھے جو خواص الناس کیلئے تھے۔ اس کے بعد اردگرد کے مکانات کی تفصیل ہے۔

سولہویں فصل مسجد کے اردگرد محلات و مکانات اور مدینہ کی فصیل اور بازاروں کے بارے میں ہے۔ یہ باب رابع کی آخری فصل ہے۔

پانچواں باب

مدینہ منورہ کی عیدگاہ، دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجدوں، مدینہ منورہ کے مقبروں، احد پہاڑ کی فضیلت اور احد پر شہید ہونے والوں کی فضیلت کے بارے میں

اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

عیدگاہ کے بارے میں ہے۔

دوسری فصل

دوسری فصل مسجد قباء کے بارے میں ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ

اس آیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ کونسی ہے؟ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مسجد قباء ہے نیز ابوداؤد نے سند صحیح کیساتھ حضرت ابوھریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا

اس مسجد میں ایسے افراد ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں اتری ہے۔ یہ حضرات پانی سے استجاء کرتے تھے۔ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استجاء کرنا زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ گذشتہ صفحات میں وہ احادیث بھی گذر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسجد جس کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ بہر حال چونکہ دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس لئے اس سے مراد دونوں مسجدیں ہوسکتی ہیں۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو کر بھی اور پیدل چل کر بھی زیارت کیلئے تشریف لاتے اور وہیں دو رکعت نفل ادا فرماتے۔ بخاری ونسائی نے روایت کی

ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ہفتہ کے دن سوار ہوکر یا پیدل چل کر تشریف لاتے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ایسا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جو اس مسجد کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد "مسجد ضرار" کا ذکر ہے۔ جس کو بعض انصار نے تعمیر کروایا تھا۔ لیکن جب یہ آیت اتری

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

تو سرکار دوعالم ﷺ نے اسے گرانے کا حکم جاری فرمایا اور اس کو گرادیا گیا۔

تیسری فصل مدینہ منورہ کی ان مساجد کے بارے میں ہے جو امام سمہودی کے زمانہ میں معروف و معلوم تھیں۔

مسجد جمعہ

حضور ﷺ جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمارہے تھے تو راستے میں بنو سالم کے قریب وادی میں جمعہ کا وقت ہوگیا آپ نے مدینہ منورہ کی سرزمین پر اسی جگہ جمعہ ادا فرمایا۔ اس کو مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد فضیخ

مسجد قباء کے مشرق میں وادی کے کنارہ پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو آپ کا خیمہ مسجد فضیخ کے قریب لگایا گیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام چھ دن تک مسجد فضیخ کی جگہ پر نماز ادا فرماتے رہے۔ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ان انصار کی طرف دوڑے آئے جو مسجد کی جگہ پر بیٹھ کر فضیخ (کھجور کی شراب) پی رہے تھے۔ انہوں نے شراب کی حرمت کی خبر دی تو صحابہ نے شراب اسی جگہ انڈیل دی اس لئے اس کو "مسجد فضیخ" کا نام دیا گیا۔ انہوں نے شراب اس جگہ انڈیل دی۔ اس وقت ابھی تک مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی (کیونکہ شراب پلید ہے اور پلید چیز کا مسجد میں پھینکنا حرام ہے) یا انہیں شراب کے پلید ہونے کا علم نہیں تھا۔

مطری کہتے ہیں یہ مسجد آج کل "مسجد شمس" کے نام سے مشہور ہے اس کا یہ نام مجد کے نزدیک اس لئے ہے کیونکہ یہ مسجد بلند جگہ پر تھی اور سورج کی کرنیں اس پر پہلے پڑتی تھیں۔ اس لیے اس کو مسجد الشمس (سورج) کا نام دیا گیا۔

مسجد بنی قریظہ

یہ بنو قریظہ کے مشرقی جانب میں واقع ہے۔ ابن شبہ، علی بن رافع سے اور اپنی قوم کے چند بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے بنو قریظہ کی ایک عورت کے گھر میں نماز پڑھی بعد میں اس گھر کو بھی مسجد بنی قریظہ میں شامل کیا گیا۔ یہ مکان اس مسجد کے مشرقی جانب میں اس جگہ پر تھا جہاں پہلے مینارہ تھا جسے بعد میں گرایا گیا۔

مسجد مشربۃ ام ابراہیم

ابن شبہ وغیرہ یحیٰ بن محمد بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا (جو ام المومنین ہیں) کے ہاں حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ یہ مسجد بنو قریظہ کی مسجد کے مشرق میں ''دشت'' نامی جگہ پر واقع ہے۔

مسجد بنی ظفر

بقیع کے مشرق میں واقع یہ مسجد آج کل مسجد بغلہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ حارث بن سعید بن عبید نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد بنی ظفر میں نماز پڑھی ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ مسجد بنی ظفر میں موجود ایک پتھر پر تشریف فرما ہوئے۔ بعد میں کچھ لوگوں نے اس پتھر کو اکھاڑنے کا ارادہ کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

امام سمہودی فرماتے ہیں۔ آج کل یہ پتھر نیچے نہیں۔ بلکہ دروازے کے بائیں جانب اندر کی طرف موجود ہے۔

آثار نبی سے برکت حاصل کرنا

مطری کہتے ہیں کہ اس مسجد کے قریب وادی میں قبلہ کی جانب سے حضور ﷺ کی سواری کے کھر کا نشان ہے۔ اسی جگہ ایک پتھر پر آپ کی کہنی مبارک کا نشان ہے جو ایک پتھر پر ٹیک لگانے کی وجہ سے بن گیا تھا۔ اور ایک اور پتھر پر آپ کے انگلیوں کے نشان ہیں۔ لوگ ان سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

مسجد الاجابۃ

بنو معاویہ بن مالک بن عوف (جو اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے) کی مسجد ہے۔ صحیح مسلم میں عامر بن سعد اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد اجابۃ کے پاس سے گذرنے لگے تو آپ اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت نفل آپ نے بھی پڑھے اور ہم نے بھی پڑھے

آپ نے بہت لمبی دعا فرمائی اور پھر روانہ ہوئے......(الحدیث)

ابوغسان نے کہا ہے کہ محمد بن طلحہ نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد بنی معاویہ میں محراب کے دائیں طرف تقریباً دوگز کے فاصلہ پر کھڑے ہوکر نماز پڑھی ہے۔اسی جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنی چاہیے اور پھر دعا مانگنی چاہیے۔(انشاءاللہ قبول ہوگی)

مسجد الفتح

مسجد فتح اور اس کے آگے تمام مساجد جو مسجد فتح کے نام سے مشہور ہیں۔ بلند پہاڑی پر واقع ہیں اسے ''مسجد احزاب'' یا ''مسجد اعلیٰ'' بھی کہا جاتا ہے۔

مسند امام احمد میں ثقہ راویوں سے روایت ہے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد فتح میں سوموار، منگل اور بدھ کو لگاتار تین دن دعا مانگی آخر تیسرے دن آپ کی دعا قبول ہوئی۔ دعا کی قبولیت سے آپ کا چہرہ مبارک کھل اٹھا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے جو بھی حاجت پیش آتی میں اس وقت میں جس وقت میں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ نے دعا مانگی تھی۔ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا تو میری دعا قبول ہوتی۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں حسین بن عبداللہ کی ہمراہ مسجد الفتح میں حاضر ہوا۔ حسین جب درمیانے ستون کے پاس پہنچے تو فرمایا اسی جگہ سرکار نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ آپ نے مشرکین کیلئے بددعا کی تھی۔ آپ جب بھی اس مسجد میں تشریف لاتے اسی جگہ نماز ادا فرماتے۔

اس مسجد میں آکر جو دعا مانگی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔''

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِيْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

''نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک اللہ وہ عظیم ہے، بردبار ہے، یکتا وہ عرش عظیم کا مالک ہے وہ ایک ہے تمام زمینوں اور آسمانوں اور عرش کریم کا مالک ہے''۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ هَدَيْتَنِيْ مِنَ الضَّلَالَةِ

''الٰہی تیرے لئے تعریف ہے تو نے میری ہدایت فرمائی ہے گمراہی سے بچایا ہے''۔

فَلَا مُكْرِمُ لِمَنْ اَهَنْتَ وَلَا مُهِيْنَ لِمَنْ اَكْرَمْتَ وَلَا مُعِزَّ لِمَنْ اَذْلَلْتَ وَلَا مُذِلَّ لِمَنْ اَعْزَزْتَ وَلَا نَاصِرَ لِمَنْ خَذَلْتَ وَلَا خَاذِلَ لِمَنْ نَصَرْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَنْ مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا رَازِقَ لِمَنْ حَرَمْتَ وَلَا حَارِمَ لِمَنْ رَزَقْتَ وَلَا رَافِعَ لِمَنْ خَفَضْتَ وَلَا خَافِضَ لِمَنْ رَفَعْتَ

وَلَا خَارِقَ لِمَنْ سَتَرْتَ وَلَا سَاتِرَ لِمَنْ خَرَقْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَنْ بَاعَدْتَ وَلَا مُبْعِدَ لِمَنْ قَرَّبْتَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَ بِكَ اُقَاتِلُ۔

"الٰہی جسے تو ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا اور جسے تو عزت عطا کرے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا جسے تو ذلیل کرے اس کا کوئی مددگار نہیں اور جس کا تو مددگار رہو اس کو کوئی ذلیل نہیں کرسکتا جسے تو منع کرے اسے کوئی عطا نہیں کرسکتا اور جسے تو عطا کرے اسے کوئی محروم نہیں کرسکتا۔ جسے تو گرائے اسے اٹھا کوئی نہیں سکتا اور جسے تو بلند کرے اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ جسے تو بے پردہ کرے اسے کوئی ڈھانپ نہیں سکتا اور جسے تو ڈھانپے اسے کوئی بے پردہ نہیں کرسکتا جسے تو دور کرے اسے کوئی قریب نہیں کرسکتا اور جسے تو قریب کردے اسے کوئی دور نہیں کرسکتا۔ الٰہی تو ہی میرا مددگار اور معاون ہے تیری طاقت سے میں پھرتا ہوں حملہ کرتا ہوں اور تیری طاقت سے کفار کے ساتھ نبرد آزما ہوتا ہوں"۔

"اے مظلومین کی فریاد سننے والے، اے مصیبت زدہ کی امداد فرمانے والے رب، اے پریشان حال لوگوں کی دعا قبول کرنے والے اور اے تکالیف دور کرنے والے مالک! محمد مصطفیٰ ﷺ پر آپ کے صحابہ اور آل پر رحمتیں نازل فرما۔ اور میرے دکھ، غم، درد اور حزن اس طرح دور فرما جس طرح تو نے اس مسجد مکرم میں اپنے حبیب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دکھ، درد اور غم والم کو دور فرمایا تھا۔ میں تیری جناب میں حضور ﷺ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تو میری حالت کو بہتر جانتا ہے میری کمزوری اور لاچاری سے بھی خوب واقف ہے۔ اے مہربان، حاجت روا اور محسن آقا! میں تجھ سے وہ کچھ مانگتا ہوں جو کچھ تیرے حبیب مکرم نے تجھ سے مانگا ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے جس سے تیرے حبیب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے۔"

اس کے علاوہ جو دعا پسند کرے مانگ لے بہتر ہے کہ دعا میں ان الفاظ کا اضافہ کرلے جو امام شافعی سے منقول ہیں۔ رشید کے دربار میں جاتے ہوئے آپ نے وہی دعا مانگی تھی۔ وہ دعا ہم نے اصل میں ذکر کی ہے۔

اس مسجد کو مسجد فتح اس لئے کہتے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کفار کیلئے بددعا مانگی تھی جو قبول ہوئی تھی کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے صبح صبح آکر خبر دی کہ رات کو (بددعا کے بعد) مشرکین کے گروہ (احزاب) لوٹ چکے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ اور مسلمان کو عزت سے سرفراز فرمایا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو فرمایا" مبارک ہو اللہ

تعالیٰ نے تمہیں فتح دی ہے''۔

ابن شبہ ابو اسید سے اور وہ اپنے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس پہاڑ پر کھڑے ہو کر مشرکین کیلئے بد دعا کی جس پر مسجد فتح ہے اور پھر اس چھوٹی مسجد میں نماز ادا فرمائی جو پہاڑی پر راستے میں تھی۔

ابن زبالہ معاذ بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پہاڑ کے اوپر والی مسجد فتح میں بھی نماز ادا فرمائی اور دیگر تین مساجد میں بھی نماز ادا فرمائی۔ مسجد فتح باقی تینوں سے ذرا بلندی پر واقع ہے اسی مسجد کے دائیں طرف وادی میں بہت سارے کھجور کے درخت ہیں۔ تین مساجد میں سے ایک تو ویران ہو چکی ہے۔ جبکہ بقیہ دو آباد ہیں یہ وادی میں کھجور کے درخت کے قریب ہیں۔ یہ تینوں مسجدیں مسجد فتح سے قبلہ کی جانب واقع ہیں۔ پہلی مسجد کو مسجد سلمان فارسی بھی کہتے ہیں اور دوسری کو مسجد امیر المومنین علی بن ابی طالب بھی کہا جاتا ہے۔ تیسری مسجد ابن نجار کی روایت کے مطابق معدوم ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ مسجد امیر المومنین کے آثار پہاڑ کے مشرقی جانب پر موجود ہیں اور لوگ اب بھی اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ آج کل لوگ اسے مسجد ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مناسب ہے کہ زائر بنو حرام قبیلہ کی غار کے پاس حاضری دے کر تبرک حاصل کرے یہ وہ غار ہے جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ خندق کی راتوں میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہ غار مسجد فتح کے قریب شعب بنو حرام (بنو حرام کی گھاٹی) میں واقع ہے۔ یہاں ایک اور غار بھی ہے جو انتہائی چھوٹی ہے پہلی غار میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے۔

مسجد قبلتین

ابن شبہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آقائے دو عالم ﷺ نے ''مسجد خربۃ'' مسجد قبلتین اور مسجد بنی حرام میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد السقیا

اس کا ذکر عنقریب آرہا ہے کہ یہ مسجد شامی البرُ سے مغرب کی جانب راستے کے ساتھ واقع ہے۔ ابو عبد اللہ اسدی نے متقدمین سے نقل کیا ہے کہ یہ مسجد بھی مدینہ کی ان مساجد میں سے ہے۔ جن کی زیارت کی جاتی ہے۔

ابن زبالہ عمر بن عبد اللہ دیناری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میدان بدر میں سقیا میں نماز ادا فرمائی وہاں آپ نے اہل مدینہ کیلئے دعا فرمائی ''الٰہی اہل مدینہ کے پیمانوں میں برکت عطا

فرما ان کو چاروں طرف سے رزق سے مالا مال فرما"۔

مسجد ذباب

اسے آج کل "مسجد رایہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ پتھروں سے بنی ہوئی مسجد ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی مساجد سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ "ذباب" نامی پہاڑی پر واقع ہے اسنوی نے کہا ہے کہ مدینہ میں جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں مسجد فتح اور مسجد ذباب شامل ہیں۔ یہ دونوں مسجدیں الگ پہاڑوں پر ہیں۔

ابن شبہ عبد الرحمٰن بن الاعرج سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد ذباب میں نماز پڑھی ہے۔ ایک روایت کے مطابق "ذباب" ایک آدمی کا نام ہے جسے اس مقام پر قتل کیا گیا تھا اس وجہ سے اس جگہ کا یہ نام پڑ گیا۔ اور بکری کہتے ہیں کہ ذباب پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے باہر واقع ہے۔ اسی مقام پر جنگ خندق کے دوران حضور ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ جنگ خندق کے دوران یزید بن ہرمز وغیرہ نے جھنڈے اٹھائے رکھے تھے اور یہ لوگ جنہوں نے جھنڈے اٹھاتے تھے ثنیۃ الوداع نامی پہاڑی تک پھیلے ہوئے تھے اس لئے یہ جگہ "مسجد رایہ" کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد جبل احد

احد پہاڑ کی دائیں جانب متصل ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس کو "مسجد فسح" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ...... الآية

"اے مؤمنو! جب تمہیں کہا جائے کہ محفلوں میں وسعت پیدا کرو......" آیت اتری ہے۔

اس لئے اس کا نام مسجد فسح (وسعت) ہے۔ مطری نے کہا ہے مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے جنگ احد ختم ہونے کے بعد ظہر اور عصر کی نمازیں یہاں ادا فرمائیں۔ ابن نجار نے اس مسجد میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز پڑھنے کا انکار کیا ہے۔ جبکہ ابن شبہ نے "سند جید" کیساتھ رافع بن خدیج سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ پہاڑ سے متصل شعب حرار میں موجود چھوٹی سی مسجد میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد رکن جبل عینین

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار سے بجانب قبلہ پہاڑ کے مشرق میں یہ مسجد واقع ہے۔ جس پہاڑی پر یہ مسجد واقع ہے اسی پر جنگ احد کے دن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کا

دستہ متعین فرمایا تھا۔ ابن شبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ " حضور ﷺ نے " عین الطرب " میں ظہر کی نماز پڑھی جو پل کے پاس موجود تھی۔ " امام سمہودی فرماتے ہیں ممکن ہے یہ وہ پل ہو جس کے پاس حضور ﷺ نے جنگ احد کے دن صبح کی نماز اسلحہ سمیت پڑھی تھی۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس سے مراد درج ذیل مسجد ہو۔

مسجد الوادی

مسجد رکن جبل عینین کے قریب وادی کے کنارہ پر بجانب شام یہ مسجد واقع ہے۔ مطری فرماتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ لگا تو آپ اس مقام پر تشریف لائے یہیں آپ گر گئے اور جان جاں آفریں کے حوالے کر دی، ابن ابی ھیجاً نے اس مسجد کی تعمیر نو کروائی۔ پس جس جگہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے اسی جگہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد طریق السافلہ

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر منور کے دائیں طرف بجانب مشرق " بحیر " نامی مقام کے قریب یہ مسجد واقع ہے۔ اور اس کے دائیں جانب بازار ہیں۔

بیہقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد کے صحن میں کھڑا تھا کہ اچانک میں نے حضور ﷺ کو اسی مسجد کے اس دروازہ سے نکلتے دیکھا جو قبرستان کی طرف کھلتا ہے۔ پس آپ ایک باغ کی چاردیواری میں داخل ہوئے وضو کیا اور دو رکعت نفل ادا کیے اس کے بعد ایک لمبا سجدہ کیا۔ سر اٹھا کر مجھے فرمایا " اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت بھیجتا ہے اور جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجتا ہے۔ " امام سمہودی فرماتے ہیں بازار اسی مسجد کے قریب ہے ممکن ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مسجد (مسجد طریق السافلۃ) میں سجدۂ مذکورہ ادا فرمایا ہو۔

مسجد البقیع

بقیع کے راستہ میں دائیں جانب سیدنا عقیل و امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کے مغربی جانب میں یہ مسجد واقع ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہی مسجد ابی بن کعب ہے۔ اسے مسجد بنی جدیلہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اسی قبیلہ کے پڑوس میں واقع ہے۔ ابن شبہ یحییٰ بن النضر انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسجد ابی بن کعب کے علاوہ کسی ایسی

مسجد میں نماز نہیں پڑھی جو نشیبی علاقہ میں واقع ہو۔ یحییٰ بن سعد سے روایت ہے کہ حضور نبی رحمت ﷺ اکثر مسجد ابی بن کعب میں نماز پڑھنے تشریف لاتے۔ اور فرماتے اگر لوگوں کا اس مسجد میں میلان کا خوف نہ ہوتا تو میں بکثرت یہاں نماز پڑھنے آتا۔ ابن زبالہ یوسف الاعرج سے اور ربیعہ بن عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی رحمت ﷺ نے مسجد بنی جدیلہ یعنی مسجد ابی بن کعب میں نماز پڑھی ہے۔

چوتھی فصل

ان مساجد جن کی جہت معلوم ہے لیکن ان کی عین معین نہیں۔ ان میں

مسجد جدیلہ	مسجد بنی حرام
مسجد الخربۃ (بنو عبید کی مسجد)	مسجد جہینہ
بنو غفار کے مکانات کے قریب مسجد بیوت المطر اف	خزرج قبیلہ کے بنو زریق کی مسجد
شہر مدینہ سے باہر مسجد بنی ساعدہ	خزرج میں سے بنو خدرہ کی مسجد
مسجد رانج	مسجد بنی عبد الاشہل
مسجد القرصہ	اوس قبیلہ کے بنو حارثہ کی مسجد
مسجد شیخین یا مسجد البدائع	خزرج قبیلہ کے بنو دینار ابن النجار کی مسجد
مسجد بنی عدی بن النجار	مسجد دار النابغہ
مسجد بنی مازن بن النجار	مسجد بنی عمرو بن مبذول بن مالک بن النجار
مسجد بقیع الزبیر	مسجد صدقۃ الزبیر
مسجد بنی الحارث بن الخزرج	مسجد السیح
مسجد بنی الحبلی رھط بن سلول	مسجد بیاضہ
مسجد بنو خطمہ	مسجد العجوز
مسجد بنی امیہ بن یزید	مسجد بنی وائل
مسجد بنی واقف	مسجد بنی انیف
مسجد دار سعد بن خیثمہ (جو قباء میں ہے)	مسجد التوبہ
مسجد نور	مسجد عتبان بن مالک
مسجد مینب	صدقۃ النبی ﷺ مسجد المنارتین

مسجد فیضاء الخیار　　　　مسجد بنی حجاشۃ
اور بئر شداد مشہور مساجد ہیں۔ یہ وہ تمام مساجد ہیں جن میں حضور ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔

پانچویں فصل

پانچویں فصل مدینہ منورہ کے مقبروں کی فضیلت اور بقیع میں مدفون بعض صحابہ اور اہل بیت اور انکے علاوہ بعض مزارات کی تفصیل ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ اہل بقیع کی زیارت کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع کیلئے مغفرت طلب کروں۔ آپ ان کیلئے ان الفاظ میں استغفار فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ

اور کبھی ان الفاظ میں اہل بقیع سے مخاطب ہوتے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْمَقَابِرِ لِيَهْنَأْ لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِيْهِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِيْهِ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ لِقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يَتَّبِعُ آخِرُهَا اَوَّلَهَا الْآخِرَةُ شَرٌّ مِنَ الْاُوْلٰى۔

اے اہل بقیع تم پر سلامتی ہو اور تمہیں مبارک ہو تم لوگ فائدے میں رہے (کیونکہ) عنقریب سخت فتنے آنے والے ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں (اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے بچایا ہے) اس کے دعا کے بعد ان کیلئے لمبی دعا فرماتے۔

ابن زبالہ خالد بن عوسجہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں عقیل بن ابی طالب کے گھر کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا کر رہا تھا کہ جعفر بن محمد بھی اہل سمیت میرے پاس سے گذرے ان کا ارادہ بھی دعا کا تھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کسی کام کی غرض سے کھڑے ہو؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اہل بقیع کی زیارت کیلئے تشریف لاتے تو یہیں کھڑے ہوتے۔ (اس لئے ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہاں کھڑا ہوں) اگلے صفحات میں آ رہا ہے کہ سیدنا عقیل کے گھر کے پاس ہی اہل بقیع کے مزارات ہیں۔ روایت ہے کہ اس مقام پر مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ وہ مقامات جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی تھی وہاں دعا مانگنی مستحب ہے کیونکہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد بقیع کے مقبرہ میں دفن ہونے کی فضیلت میں بہت ساری احادیث ذکر کیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ”قیامت کے دن اس مقبرہ سے ستر ہزار نفوس قدسیہ کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیا جائے گا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے

ہوں گے"۔

اس مقبرہ کی فضیلت توراۃ میں بھی آئی ہے۔ مقبرۂ بنوسلمہ کی بھی بڑی فضیلت ہے کعب الاحبار سے روایت ہے کہ احد کے شہداء میں سے بعض اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے ہیں۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ بقیع میں اکثر صحابہ مدفون ہیں۔ جو حضور ﷺ کی زندگی میں یا بعداز وصال وفات پاچکے تھے۔

تقریباً دس ہزار صحابہ وفات پاچکے ہیں۔ اور ایسے ہی اہل بیت کے سردار اور بہت سارے تابعین بھی وفات چکے ہیں لیکن ان کی قبور کے متعلق صحیح علم نہیں۔ البتہ وہ نابغۂ روزگار ہستیاں جن کے مزارات معلوم ہیں ان میں رحمت عالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ، عثمان بن مظعون، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نورنظر سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، فاطمہ بنت اسد، عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، خنیس بن حذافہ سہمی جو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ ان کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے عقد میں آ گئی تھیں۔ حضرت خنیس بن حذافہ نے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد شہید ہوئے تھے اسعد بن زرارہ انصاری، سیدہ فاطمہ بنت الرسول اللہ ﷺ آپ کی مرقد منور بقیع میں ہے۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما، سیدنا عباس بن عبدالمطلب، صفیہ بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن الحارث، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواج مطہرات (سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما بالترتیب مکہ اور بسرف میں مدفون ہیں) سیدنا عثمان بن عفان، سعد بن معاذ الاشہلی اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین شامل ہیں۔

سمہودی فرماتے ہیں۔ آج کل جو مزارات معروف ہیں ان میں عباس بن عبدالمطلب، حسن بن علی اور ان دونوں کے ساتھ بہت سارے صحابہ جو ان کے ساتھ روضہ میں مدفون ہیں۔ عقیل بن ابی طالب، حضور رحمت عالم ﷺ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت عبدالمطلب (آپ ﷺ کی پھوپھی جان) اسماعیل بن جعفر صادق، ابوسعید الخدری کے والد ماجد مالک بن سنان، پاک روح محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب جو ابوجعفر منصور کے زمانہ میں شہید کئے گئے تھے۔ اور آپ ﷺ کے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ وعنہم وعنہن اجمعین وغیرہ کے مزارات شامل ہیں۔

چھٹی فصل

چھٹی فصل احد اور یہاں مدفون شہداء کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

ان برگزیدہ نفوس کی فضیلت کے بارے میں بہت ساری احادیث ذکر کرنے کے بعد یہ کہا گیا

ہے۔ کہ اس دن ستر خوش نصیب جام شہادت نوش صحابہ نے فرمایا۔ ان میں سے حمزہ بن عبدالمطلب، عبد اللہ بن جحش (یہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے) صعب بن عمیر، سہل بن قیس بن ابی مسلمۃ، عمرو بن جموح، نعمان بن مالک اور عبداللہ بن الحسحاس رضی اللہ عنہ اجمعین کی قبور اور مقامات اور فضائل وغیرہ ذکر کئے گئے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چھٹا باب

مدینہ منورہ کے کنوؤں، چشموں، میدانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب اوقاف کے بارے میں

اس باب میں دو فصل ہیں۔

پہلی فصل

بابرکت کنوؤں کے بارے میں، ان کے نام حروف تہجی کے مطابق ذکر کئے جاتے ہیں۔

بئر اُریس، (اُریس کا کنواں) اعواف کا کنواں، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وقف تھا، اُنا کا کنواں، انس بن مالک بن نضر کا کنواں، اہاب کا کنواں، بوصہ کا کنواں، بضاعہ اور جاسوم کے کنویں، ابوہیثم بن التیہان، جمل، اور بیر حاء کے کنویں، لوۃ، ذرع، رومہ، عقبہ، ابوعنبہ عہن، غرس، قراضہ اور قریصہ وغیرہ کے کنویں۔ امام سمہودی نے ان تمام کنوؤں کی فضیلت پر احادیث کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد ان چشموں کا ذکر کیا ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔

ابن زبالہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جنگ خندق کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر دن کے وقت خندق کھودتے رات کو حفاظت کے پیش نظر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو حرام کی غار میں آرام کیلئے چھوڑ آتے اور صبح آپ ہماری طرف اتر کر تشریف لاتے۔ ایک دن آپ نے غار کے پاس رکھے گئے پتھر کو ہٹا کر نیچے سے سوراخ کر دیا پس اس میں سے پانی نکل آیا جو آج تک جاری ہے۔

اس کے بعد ابن نجار کہتے ہیں۔ یہ چشمہ مدینہ سے باہر واقع ہے اور اس کے اوپر عمارت بنائی گئی ہے یہ عید گاہ کے سامنے ہے۔ عوام الناس میں یہ ''عین موجودہ'' کے نام سے مشہور تھا جبکہ آج کل اسے ''عین الرزقاء'' کہا جاتا ہے۔ اسے ''عین ازرق'' (نیلی آنکھوں والا چشمہ) کہنا چاہیے کیونکہ مروان جس کی آنکھیں نیلی تھیں اس نے اسے معاویہ کیلئے جاری کروایا تھا۔

دوسری فصل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وقف شدہ اموال اور ان درختوں کے بارے میں ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لگایا۔

ابن شہاب نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کیلئے وقف شدہ مال ''مخیرّیق یہودی'' کا تھا۔ ذہبی واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ مخیرّیق بنونضیر کا ایک نیک عالم تھا۔ اور پھر وہ حضور ﷺ پر ایمان لایا۔ لہٰذا وہ صحابہ میں شامل ہے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مخیرّیق نے حضور ﷺ کیلئے اپنے اموال کی نصیحت کی تھی۔ نیز وہ جنگ احد میں بھی شریک ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''مخیرّیق یہودی میں سے، سلمان فارسیوں میں سے اور بلال حبشیوں میں سے سبقت لے گئے''۔

مخیرّیق کے وہ اموال جو حضور ﷺ کیلئے وقف تھے ان کے نام، دلال، برقۃ، اعواف، صافیہ، المیثب، حسن اور مشرب ام ابراہیم، صافیہ، برقۃ، دلال، میثب، مروان حکم کے محل کے پیچھے ہیں۔ اور مشرب ام ابراہیم بیت المدراس سے آگے ابو عبیدہ بن عبید اللہ کے مال کے پاس ہے۔ ان کو اور ''حسن'' اور اعواف کو ''مہزور'' سے سیراب کیا جاتا تھا۔ ابو غسان کہتے ہیں کہ ''وقف مال'' کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ اور بنونضیر کا مال تھا۔ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ '' دلال'' بنونضیر کی عورت کا مال تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے ساتویں سال سات باغ مسلمانوں کیلئے وقف کر دیئے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ بنونضیر کے درخت (کھجور) حضور ﷺ کیلئے وقف کر دیئے گئے لیکن آپ ﷺ نے ان میں سے اکثر مہاجرین کیلئے وقف کر دیئے۔ اور بنو فاطمہ کے پاس جو سات باغ تھے باقی رکھے یہ وہ مال تھا جو خاص طور پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ......الایۃ

ابن زبالہ فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب سے روایت ہے کہ یہ مخیرّیق کے اموال تھے۔ کیونکہ مخیرّیق نے جنگ احد کے دن یہودیوں سے کہا تھا۔

''تم محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد نہیں کرو گے؟ خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی مدد کرنا تم پر واجب ہے۔ انہوں نے جواب دیا آج ''ہفتہ ہے (آج جنگ منع ہے) انہوں نے کہا ہفتہ کی عظمت کا لحاظ اب تم پر لازم نہیں (کیونکہ اسلام آ چکا ہے) انہوں نے تلوار اٹھائی اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمراہی میں میدان احد میں پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گئے اس وقت انہوں نے وصیت کی ''میرے تمام اموال محمد (فداہ روحی وقلبی) کیلئے ہیں آپ جو چاہیں ان اموال میں تصرف کر سکتے ہیں وہ آپ کیلئے ہیں۔''

یہ ذکر کرنے کے بعد ابن زبالہ کہتے ہیں کہ مذکورہ سات باغوں میں سے ''صافیہ'' اور '' برقہ'' مدینہ

منورہ سے بجانب قبلہ واقع ہیں۔ اور ''دلال'' صافیہ سے بجانب قبلہ ملیکی مدرسہ شہابیہ کے قریب واقع ہے۔ ''مثیب'' آج کل معدوم ہے۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ بھی مذکورہ باغوں تینوں کے قریب واقع تھا۔ ''اعواف''، ''عالیہ'' مقام پر واقع ہے۔ مشرب ام ابراہیم بھی یہیں ہے اور حسن قف کے مقام پر ہے وہ ''مہز ور'' سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ سات باغ ہیں جو حضور ﷺ کیلئے وقف تھے۔ ان ہی اوقاف اور خیبر و فدک کے باغوں میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا حصہ اور حضور ﷺ کا حصہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے طلب کیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''جو کام میرے آقا علیہ الصلوٰ والسلام نے اپنی ظاہری زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں اگر میں ایسا کروں گا تو میں راہ راست سے بھٹک جاؤں گا۔'' آپ کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے اوقاف سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کو عطا کر دیئے لیکن خیبر اور فدک کے اوقاف نہ دیئے اور فرمایا۔

یہ حضور ﷺ کے وہ حقوق ہیں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی لاحق ہیں۔ نیز آپ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی کہ ارشاد نبوی ہے۔

لَا نُوْرَثُ مَاتَرَكْنَاهُ صَدَقَةً

''ہم انبیاء جو چیز ترکہ کے طور پر چھوڑ جائیں ان کا وارث کوئی نہیں ہوتا''۔

یہ سن کر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خفا ہو گئیں۔ اور صحیح میں ہے کہ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی کا تقاضا کرنے آئے جس کا تقاضا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ انہیں اعتراف تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''لا نورث...... لیکن ان کی رائے تھی کہ ملکیت خلیفہ ہی میں رہے اور ہمیں ان کی دیکھ بھال کی اجازت ملنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ اوقاف عطا کئے تو ساتھ کہہ دیا کہ وہی طریقہ اختیار کرو گے جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا۔ یا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا تھا۔ صدقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اور آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کے بعد علی بن الحسین اور پھر حسن بن الحسن اور ان کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ معمر کہتے ہیں کہ آخر میں عبداللہ بن الحسن کے قبضہ میں تھا کہ بنو عباس نے ان سے چھین لیا۔

ابو غسان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے نام کے اوقاف خلیفہ کے ہاتھ ہی میں رہتے اور خلیفہ ان کا پھل اور دیگر آمدن مدینہ کے محتاجوں میں حسب ضرورت تقسیم کرتا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بیہقی سے

روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کیلئے وقف شدہ مال سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے وقف شدہ مال، سیدنا عمر، عثمان، علی، فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بے شمار صحابہ کے لیے وقف شدہ مال مدینہ اور اس کے میدانوں میں قائم ہیں۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے کچھ عرصہ بعد حالات تبدیل ہوئے۔ واللہ المستعان

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ کہ فدک کا باغ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے عطا فرمایا تھا۔

شان صدیقی

فقیر یوسف نبہانی کہتے ہیں کہ اگر شیعہ حضرات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کریں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلاوجہ محروم رکھا تو یہ کوئی ناممکن بات نہیں کیونکہ انہوں نے سیدنا ابوبکر اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں کیا کچھ نہیں کہا۔ افسوس تو ان جاہل سنیوں پر ہے جو رافضیوں کے اعتراض کو درست سمجھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ اور بزعم خویش یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری رائے آپ رضی اللہ عنہ کی رائے سے زیادہ درست ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو جو سمجھ بوجھ قوت ایمانی اور قوت یقین عطا فرمائی تھی اس کی بدولت آپ رضی اللہ عنہ حدیث شریف کی روشنی میں تمام انسانوں میں

افضل البشر بعد الانبیاء

''(انبیاء کرام کے بعد آپ تمام لوگوں سے افضل) ٹھہرے''۔

مناسب تو یہ تھا کہ معاملہ اہل لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا اور ان نفوس قدسیہ کے بارے میں اپنی ناقص عقلوں کے ساتھ کوئی رائے قائم نہ کی جاتی۔ بلکہ اس واقعہ سے یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دین کے معاملہ میں کسی کی طرفداری کرتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف داری کرتے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی کا اندازہ اس سے لگانا چاہیے کہ مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان میں ایک مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے کا مسئلہ تھا۔ تمام صحابہ کی رائے تھی کہ مرتدین تعداد میں زیادہ اور صحابہ کم ہیں۔ وہ قوی اور مسلمان بظاہر کمزور تھے پھر حالات بھی ناساز گار تھے لہٰذا فراق نبی سے نڈھال صحابہ نے رائے دی کہ انہیں فی الحال اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن مربی اعظم ﷺ کا یہ ہونہار شاگرد رضی اللہ عنہ ڈٹ گیا۔ اور ان کے خلاف جہاد کا اعلان کرتے

ہوئے ان کو دوبارہ حلقہ اسلام میں لے آیا۔ اور پھر سارے مسلمان فارسیوں اور رومیوں کے خلاف لڑے۔ اور اسلام کو یکے بعد دیگرے فتوحات نصیب ہوئیں۔ یہ فتوحات فتوحات فاروقی کیلئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دورفاروقی میں جو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں وہ دراصل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوراندیشی کا نتیجہ تھیں۔

یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمات ہیں جو بعد از وصال نبی ﷺ آپ نے سرانجام دیں۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وزیر اعظم اور صدیق مقدم تھے۔ (گہرے دوست تھے) نیز آپ رضی اللہ عنہ راز دان نبی ﷺ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ وصال نبی تک ایک ہی حالت پر رہے اور حضور ﷺ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ یہ وہ حقائق ہیں۔ جنہیں سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر معمولی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے۔

ساتواں باب

ان مساجد کے بارے میں ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران سفر یا دوران غزوات نماز ادا فرماتے تھے

پہلی فصل

ان مساجد کے بارے میں ہے جو حج کیلئے مکہ جاتے ہوئے راستے میں ہیں۔ یہ راستہ وہ ہے جس پر انبیاء علیہم السلام مکہ کی طرف جایا کرتے تھے۔ یہ معروف راستہ ہے لیکن روحاء اور مسجد الغزالہ کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ راستہ مسجد خیف اور ''صفراء'' کا راستہ نہیں ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ میں نے ان مساجد کو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے ترتیباً ذکر کر دیا ہے۔ اور وہ عظیم مساجد مندرجہ ذیل ہیں۔

مسجد شجرہ، مسجد معرس، شرف الروحاء، عرق الظبیۃ، منصرف المعروف مسجد الغزالہ، روثیہ، شنیہ رکوبہ اثایہ کی مساجد، مسجد عرج، مسجد جو تلعہ سے ہٹ کر عرج کے پیچھے ہے۔ عقبہ جحفہ میں مسجد جمل، قبیلہ کی مسجد، مسجد السقیا، مسجد مدلجہ، مسجد رمادہ، مسجد ابواء، مسجد بیفہ، ہرشی کے پیچھے اصل العقبہ والی مسجد، مسجد جحفہ، جحفہ کے بعد والی مسجد، مسجد جو قدید سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ عقبہ خلیص کے پاس والی مسجد، مسجد خلیص، مسجد بطن مرالظہر ان، مسجد سرف، مسجد تنعیم اور مسجد ذی طوی۔

دوسری فصل

دوسری فصل ان مساجد کے بارے میں ہے۔ جو موجودہ دور میں (امام سمہودی کے دور میں) مکہ جاتے ہوئے راستہ میں آتی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔

ابن زبالہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذات اجدال کی مسجد میں نماز پڑھی ہے اسی طرح مسجد جو جیز تین کے راستے میں ہے اور ذفران مدبر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذفران کے کنارے پر بھی نماز پڑھی۔ وہاں ایک کنواں کھودا گیا اور روایت ہے کہ کنواں اس جگہ کھودا گیا جس جگہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک دوران سجدہ لگی تھی۔ اس کنوے کا پانی مٹھاس میں آس پاس کے کنوؤں سے ممتاز تھا۔

امام سمہودی فرماتے ہیں۔ میں نے بلند ٹیلہ پر ایک مسجد دیکھی ہے۔ جو ذفران کی دو مسجدوں میں

سے ایک ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ صفراء وادی میں ایک مسجد ہے جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں جو زخم آئے تھے ان کی وجہ سے آپ صفراء میں وفات پا گئے تھے۔ لہٰذا آپ کو وہیں دفن کیا گیا تھا۔ جبکہ مراغی نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر ذفران میں ہے۔

ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وادیٔ مبرک کی مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ اس وادی اور دعان وادی کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ان بابرکت مساجد میں مسجد بدر، مسجد عشیرہ اور فرع کی مساجد ہیں۔

تیسری فصل

تیسری فصل ان مساجد کے بارے میں ہے جنہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران غزوات عبادت کے ذریعے عزت بخشی۔ ان میں مسجد عصرہ ہے جو خیبر کے راستے میں آتی ہے اسی طرح مسجد عبہاء، خیبر کے قریب دو مسجد، شمران میں ایک مسجد، اور غزوۂ تبوک کی مساجد وہ عظیم مساجد ہیں جن میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

ابن رشد اور ابن زبالہ نے تقریباً سولہ مساجد کا ذکر کیا ہے اور ابن اسحٰق نے ان سے کم کا ذکر کیا ہے نیز ابن اسحٰق کے مذکورہ مساجد کے ناموں اور مقامات کا ابن زبالہ و ابن رشد کے مذکورہ ناموں و مقامات سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان تمام مساجد کی تعداد بیس ہے۔ جن میں سے پہلی مسجد تبوک کے مقام پر (اسے عمر بن عبد العزیز نے دوبارہ تعمیر کروایا ہے) دوسری تبوک کے سامنے ثنیہ مدارک کے پاس، تیسری زراب کے مقام پر جو تبوک سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ چوتھی اس سے کچھ فاصلے اخضر کے مقام پر پانچویں اس سے بھی کچھ آگے ذات خطمی کے مقام پر چھٹی ''بالی'' کے مقام پر اور ابن زبالہ کے نزدیک ''نقیع بولا'' میں ہے۔ ساتویں بتراء کے کنارہ پر، آٹھویں تاراء، نویں ذوالحلیفہ کے مقام پر اور دسویں ذوالخلیفہ کے مقام پر، گیارہویں شوشق کے مقام پر، بارہویں ''حوض'' کے پاس، تیرہویں ''حجر'' یا'' علا'' کے مقام پر، چودھویں صعید قزح، کے مقام پر، آج کل اسے '' مسجد وادی القریٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پندرہویں وادیٔ قریٰ میں، سولہویں قریہ بنی عذرہ، سترہویں '' رقعہ'' یا رقمہ کے مقام پر۔ ابن زبالہ نے ان کی جگہ '' سقیا'' کے مقام کا ذکر کیا ہے، اٹھارہویں مدینہ سے باہر ذوالمروہ کے مقام پر، انیسویں ''فیفاء'' کے مقام پر اور بیسویں مسجد مدینہ سے کچھ فاصلہ پر'' ذوخشب'' کے مقام پر واقع ہیں۔

ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی رحمت ﷺ اشجع قبیلہ کے ایک آدمی کے کھیت میں تشریف لے گئے اور کھجور کے درخت کے نیچے نماز پڑھی پھر آپ قدرے نیچے اترے اور کدید سے گذر کر ایک لمبے درخت کے نیچے پھر نماز پڑھی۔ اس مقام پر ایک معروف مسجد ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں ''اشجع'' کے علاقہ میں بھی نماز پڑھی۔ امام سمہودی فرماتے ہیں کہ سرکار نے جس درخت کے نیچے نماز پڑھی تھی وہ نجد کے علاقہ میں تھا کدید اس کے قریبی علاقوں میں سے ہے۔ اسدی نے بھی کہا ہے کہ کدید میں ایک مسجد ہے جو ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' کے نام سے معروف ہے، یہ مسجد حدیبیہ سے جدہ جاتے ہوئے بلدح کے قریب واقعہ ہے یہاں ایک کنواں ہے جو ''بئرِ شمس'' کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد ذات عرق بھی اسی راستے میں آتی ہے جو اڑھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ جگہ احرام کیلئے میقات ہے۔

مسجد جعرانہ جو ''اقصیٰ'' کے نام سے مشہور ہے یہ وادی کے درمیان ''عدوۃ القصویٰ'' کے مقام پر واقع ہے ''مسجد لیہ'' اس کے بارے میں مطری کہتے ہیں کہ یہ آج کل وادیٔ لیہ میں واقع ہے اس سے طائف آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اس مسجد کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے پاس ایک پتھر ہے جس میں حضور ﷺ کی اونٹنی کے قدم کا نشان ہے''۔

مسجد طائف حضور ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تھا آپ ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ مومنین نے ان کیلئے دو خیمے لگائے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان نماز پڑھی تھی۔ وہاں ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کی گئی اسی مسجد میں قبلہ کی جانب دائیں طرف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک ہے۔

آٹھواں باب

مدینہ منورہ کی وادیوں، چراگاہوں، قلعوں اور پہاڑوں کے بارے میں

یہی باب "خلاصۃ الوفا باخبار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری باب ہے۔ اس کتاب میں بہت سارا علمی اور تاریخی مواد ہے نیز اس میں سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شہر مدینہ کے متعلق مفید معلومات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصنف سے راضی ہو اور اسے جزاء خیر عطا کرے۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کے جواہر پارے

سیدی عبدالغنی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں سیدہ نفیسہ بنت الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی زیارت کی۔ آپ کی قبر مبارک مصر میں تھی۔ آپ سفید لباس میں ملبوس میرے سر کے قریب تشریف فرما ہوئیں جبکہ میں چت لیٹا ہوا تھا اس کے بعد میں نہایت خوشی کی عالم میں بیدار ہوا کیونکہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب غم کے بادل چھٹنے والے ہیں۔ اور در حبیب ﷺ پر حاضری کا موقع آنے والا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حسنی سیدہ ہیں۔ زید اور شریف سعد بن زید حسنی نے بھی آپ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی۔ نیند سے بیدار ہو کر خود بخود میری زبان سے یہ مصرع جاری ہوا۔

نَفَّسَ اللّٰهُ كَرْبَنَا بِنَفِيْسَة

''اللہ تعالیٰ نے نفیسہ کے ذریعے میرے غم کو دور کر دیا''۔

بعد میں اس مصرع پر مکمل قصیدہ لکھا۔

نیند سے بیدار ہو کر میں شریف سعد کی مجلس میں گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا کل انشاء اللہ سفر مدینہ پر روانہ ہو جائیں گے۔ اس خوشخبری سے میں بڑا خوش ہوا کہ محبوب مکرم ﷺ سے ملاقات کا وقت قریب آ رہا ہے۔

لَا تُنْكِرُوْا خَفَقَانَ قَلْبِي وَالْحَبِيْبُ لَدَيَّ حَاضِرُ
مَا الْقَلْبُ إِلَّا دَارُهُ ضُرِبَتْ لَهُ فِيْهَا الْبَشَائِرُ

''محبوب حاضر ہو اور دل کی دھڑکن تیز نہ ہو یہ ناممکن بات ہے۔ میرا دل تو محبوب کا ٹھکانہ ہے جس میں خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا جاتا ہے''۔

وہ رات ہم نے خوشی میں گذار دی کہ صبح محبوب کی زیارت کیلئے روانگی کی امید تھی۔ صبح ہونے پر ہم نے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ اپنے دل کی نگاہوں کو حجرۂ مقدسہ کی طرف موڑ دیا جہاں بے سکون دلوں کا قرار محو استراحت ہیں۔ ہم مصروف سفر رہے حتیٰ کہ ہمارا راہنما جو ایک بدوی (دیہاتی) تھا۔ اس نے کہا ہمیں اس وادی سے ہٹ کر راستہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ جس راستہ پر ہم چل رہے ہیں اس پر چوروں اور ڈاکوؤں کا ڈر ہے۔ اس نے ہمیں مدینہ کے نزدیک ہونے کے بارے میں نہیں بتایا حالانکہ ہم بار

بار مسافت کے بارے میں اس سے پوچھتے رہے۔ ہم محو سفر تھے ہمارا ایک ساتھی اپنی سواری پر سو رہا تھا کچھ دیر کے بعد وہ جاگ پڑا اور کہنے لگا "ابھی ابھی میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے آواز آ رہی تھی اور کہا جا رہا تھا کہ اس وادی میں فرشتہ ہے۔ ہم حیران ہوئے حالانکہ یہ مدینہ منورہ کے قرب کے علامت تھی۔ کیونکہ بخاری و مسلم رحمۃ اللہ عنہما ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا "مدینہ کی حفاظت کی خاطر ہر کونے (راستے) پر فرشتے ہیں جو طاعون اور دجال سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مکہ و مدینہ کے علاوہ ہر شہر میں دجال داخل ہو گا۔ کیونکہ ان دونوں شہروں کے تمام راستوں میں ملائکہ صف باندھے ان کی حفاظت کیلئے کھڑے ہیں"۔

ابن ماجہ نے اپنی "سنن" میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے حدیث شریف روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے دجال کے متعلق لمبی حدیث بیان فرمائی کہ دجال نے کہا کہ میرے قدموں سے بیڑی دور کی جائے تو میں انہی قدموں سے "طیبہ" کے علاوہ ہر قطعۂ زمین کو روند ڈالوں گا۔ "طیبہ" پر مجھے غلبہ نہ ہو سکے گا۔ اس پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ سن کر مجھے حد درجہ خوشی ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کی ہر تنگ گلی اور وسیع شاہراہ پر اس کے میدانوں اور پہاڑوں پر فرشتے تلوار سونتے کھڑے ہیں جو قیامت تک اس کی حفاظت کرتے رہیں گے"۔

آخر کار ہم سفر کی تکالیف اٹھانے کے بعد منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ کی طرف سے انوار کی بارش ہونے لگی تھی۔ انہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں چندھیا گئیں اور عقل حیران رہ گئی۔ ہمیں ایک نور نظر آتا تھا جو ایک "مخصوص" جگہ سے بلند ہوتا تھا اور آسمان کے اطراف میں پھیل جاتا ہے حتی کہ ہم "جرف" پہنچ گئے جب ہم وادی عقیق سے گزر رہے تھے تو ہمیں کسی چیز کا شعور نہ رہا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

عَلٰی سَاکِنِیْ بَطْنِ الْعَقِیْقِ سَلَامُ
وَاِنْ اَسْهَرُوْنِیْ بِالْفِرَاقِ وَ نَامُوا

"وادیٔ عقیق کے رہنے والوں پر سلام ہو اگرچہ جدائی کا غم دیکر خود تو سو گئے لیکن مجھے ساری رات تڑپ کر گزارنے پر مجبور کر دیا"۔

حَظَرْتُمْ عَلَیَّ النَّوْمَ وَهُوَ مُحَلَّلٌ
وَ حَلَّلْتُمُ التَّعْذِیْبَ وَهُوَ حَرَامُ

"(وادی عقیق والو) تم نے میرے لئے سونے کو حرام کر دیا ہے حالانکہ سونا ایک حلال فعل

ہے اور میرے لئے عذاب مقدر کیا ہے حالانکہ عذاب دینا حرام فعل ہے"۔

اِذَا بَنْتُمْ عَنْ حَاجِرٍ وَ حَجَرْتُمُ
عَنِ السَّمْعِ اَنْ يَدْنُوْ اِلَيْهِ الْكَلَامُ

"کیا تم پتھر کے ہو کہ تمہارے کانوں میں کی فریاد تک نہیں پڑتی"۔

فَلَا مَيَّلَتْ رِيْحَ الصَّبَا فَرْعَ بَانَةٍ
وَلَا سَجَعَتْ فَوْقَ الْغُصُوْنِ حَمَامُ

"بادِ صبا نہ تو یہاں کے بانہ نامی درخت کے تنے پر لگتی ہے اور نہ ہی یہاں کے درختوں کی ٹہنیوں پر کبوتریاں نغمہ سرا ہیں"۔

وَلَا قَهْقَهَتْ فِيْهِ الرُّعُوْدُ وَلَا يَبْكِي
عَلَى حَافَتِيْهِ بَاتَعْشى غَمَامُ

"نہ تو اس وادی میں کڑک کی آواز آتی ہے اور نہ یہاں کے کناروں پر بادل آنسو بہاتے ہیں (بارش نہیں ہوتی)"۔

فَمَالِيْ وَمَا لِلرَّبْعِ قَدْ بَانَ اَهْلُهُ
وَقَدْ قُوِّضَتْ مِنْ سَاكِنِيْهِ خِيَامُ

"مجھے اس ٹیلے سے کیا کام جب یہاں کے مکین خیمے اکھاڑ کر کوچ کر گئے ہیں"۔

اَلَا لَيْتَ شَعْرِي هَلْ اِلَى الرَّمْلِ عَوْدَةٌ
وَهَلْ لِي بِظِلِّ الْبَانَتِيْنِ لَمَامُ

"اے کاش میری یادداشت دوبارہ اس ٹیلے کی طرف لوٹ آئے کیا یہاں کے دو درختوں کے سائے میں مجھے بیٹھنا نصیب ہو جائے گا"۔

اَلَا يَا حَمَامَاتِ الْاَرَاكِ اِلَيْكُمَا
فَمَالِي فِي تَغْرِيْدِ كُنَّ مَرَامُ

"اے جنگل کی کبوتریوں مجھ سے دور ہو جاؤ مجھے تمہاری نغمہ سنجی سے کیا غرض؟ (میں خود دکھی ہوں)"۔

فَوَجْدِي وَشَوْقِي مُسْعِدٌ وَ مُؤَانِسٌ
وَنَوْحِي وَ دَمْعِيّ مُطْرِبٌ وَمُدَامُ

"پس میرا شوق اور میرا درد اور میرے آنسو اور آہ و فغاں ہمیشہ سے جاری و ساری ہیں"۔

ہم جوں جوں آگے آگے بڑھتے رہے نورانی ماحول میں اضافہ ہوتا رہا اور ہم نے "طیبہ" کی خوشبو جو کستوری اور عنبر کی طرح تھی سونگھ لی جب ہم وادی کے نشیبی علاقہ سے نکل کر "جرف" کے پر فضا علاقہ میں پہنچ گئے تو ہماری روحیں بھی کھل اٹھیں ہم ایسے چل رہے تھے گویا ہمیں باندھ دیا گیا ہو یا سانپوں اور اژدھوں سے ڈرایا گیا ہو۔ اسی دوران ہمارے ایک ساتھی نے خبر دی کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جو صف باندھے ہمیں دیکھ رہا تھا ہم اسے پہچانتے تھے۔ اچانک ہم نے ان اونٹنیوں کی آوازیں سن لیں جن سے سیرابی کا کام لیا جاتا تھا ہمارے کسی ساتھی نے بتایا کہ یہ مدینہ کی اونٹنیوں کی آوازیں ہیں ہمیں اپنی منزل مقصود قریب نظر آنے لگی اور ہمارے دل خوشی سے جھولنے لگے۔ تھوڑا سا آگے چل کر ہم مدینۃ الرسول ﷺ میں حاضر ہوئے ہماری آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔ ہم فرط عقیدت میں سواریوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے اور سواریاں ہمارے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ہمیں سواریوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

متنبّی نے کیا خوب کہا ہے۔

فَدِیْنَاكَ مِنْ رُبْعٍ وَاِنْ زِدْتَنَا كَرْبًا
فَاِنَّكَ كُنْتَ الشَّرْقَ لِلشَّمْسِ وَالْغَرْبَا

"اے ٹیلے ہم تجھ پر قربان! اگرچہ تو نے ہمارے دکھوں میں اضافہ کر دیا۔ کیونکہ تو سورج کیلئے مشرق بھی ہے اور مغرب بھی"۔ (محبوب کیلئے)

وَلَمَّا رَأَیْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ یَدَعْ
فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

"جب ہم نے اس محبوب کے قدموں کے نشان دیکھے۔ جس محبوب نے ہم سے ہمارا دل و دماغ چھین لیا ہے"۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِی كَرَامَةً
لِمَنْ بَانَ عَنْهُمَا اِنْ نُلِمَّ بِهَا رُكْبًا

"تو ہم سواریوں سے اتر کر اس کے احترام میں پیدل جانے لگے مبادا سوار ہو کر اس کے پاس جانے سے گستاخی کے مرتکب نہ ہو جائیں"۔

یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ کے ٹیلوں کے پاس پہنچ گئے یہاں پر ہم عشق و مستی کے نشہ میں مدہوش ہو گئے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ کچھ دیر کے بعد مدینہ منورہ کے میناروں سے تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونجنے لگیں۔ یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ کی فصیل کے پاس پہنچ گئے دروازہ شامی بند ہونے کی وجہ

سے ہم نے ایک اور دروازہ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَاِذَا لَمَطِیٌّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدً
فَظُهُوْرُ هُنَّ عَلَی الرِّجَالِ حَرَامُ
قَرَّبْنَنَا مِنْ خَیْرِ مَنْ وَطِیَ الثَّرٰی
فَلَهَا عَلَیْنَا مِنْیَةٌ وَذِمَامُ

''ہماری سواریاں جب ہمیں ہمارے آقا و مولیٰ کے دربار میں لے آئیں تو اب ان کی پیٹھیں ہم پر حرام ہیں۔ ان سواریوں نے ہمیں سراپا یمن و برکت ہستی کے دربار میں پہنچا دیا۔ تو یہ ان کا ہمارے اوپر بہت بڑا احسان ہے''۔

کسی اور نے کہا ہے۔

اَحِبُّ الْحَمٰی مَنَاجِلَ مِنْ سُکْنٰی الحمٰی
وَمِنْ اَجَلِ اَهْلِیْهَا تُحِبُّ الْمَنَازِلُ

''مدینہ کیلئے میری وارفتگی وہاں کے مکین کی وجہ سے ہے۔ اور مکینوں کی وجہ مکانوں سے محبت کی جاتی ہے''۔

جب ہم دروازے کے پاس پہنچے تو ہم نے سب سے پہلے دروازے کی چوکھٹ چوم لی۔ سحری کرنے کے بعد ہم نے وہاں میٹھے پانی سے خوب پیاس بجھائی اس کے بعد صبح کی اذان شروع ہوئی۔ معاً شہر کے دروازے کھل گئے اور یہ اشارہ تھا اس شہر بے بدل میں حاضری دینے کا میں میرا ایک بیٹا اور کچھ لوگ شہر میں چلے گئے جبکہ کچھ ساتھی وہاں ہی سامان کے پاس رہ گئے۔ ہم بابُ السلام سے داخل ہونا چاہتے تھے جبکہ ہمارا ایک ساتھی ہمیں باب الرحمۃ میں سے لے گیا یوں ہم حرم شریف میں پہنچ گئے اور صبح کی نماز میں جماعت کے ساتھ شریک ہونے سے پہلے ہم درگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے خوب درود و سلام پیش کیا اور یوں جو بشارت ہمیں خواب میں دی گئی تھی وہ پوری ہوئی اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ پھر فاتحہ شریف پڑھنے کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ دعا مانگی۔ دعا و سلام سے فارغ ہونے کے بعد محراب النبی ﷺ کے قریب حجرہ شریف میں صبح کی نماز باجماعت ادا کی۔

نماز کے بعد شیخ حرم محترم یوسف آغا طواشی سے ملاقات کی۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور دوبارہ دربار نبوی ﷺ میں حاضری کیلئے لے گئے وہاں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگی۔ بعد ازاں ہم شیخ حرم کے مکان میں چلے گئے۔ جو بیت جعفر صادق کے نام سے مشہور تھا۔ ظہر تک وہاں رہے۔

اذانِ ظہر کے بعد حرم نبوی ﷺ میں آکر روضہ شریف میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھی۔اس کے بعد قاضی مدینہ سے ملاقات کیلئے گیئے اور عشاء کی نماز وتراویح سے فارغ ہونے کے بعد سرکار مدینہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی۔شب بسری کے لئے ہم یوسف آغا کے مکان پر چلے گئے۔صبح ہم یوسف آغا کی معیت میں مسجد نبوی ﷺ حاضر ہوئے پہلے دربار اقدس میں حاضری دی اور پھر نماز صبح پڑھی۔ہمارا روز کا معمول یہی تھا۔کہ مسجد میں آتے وقت بھی اور مسجد سے نکلتے وقت بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں ضرور حاضری دیتے۔

یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد شیخ عبد الغنی النابلسی نے مدینہ کے اسماء اور تاریخ نیز یہاں کی فصیلوں، مسجد نبوی ﷺ کی دیواروں، میناروں اور قبر انور کی تعمیر کے بارے میں بیان کیا ہے۔اور یہ سب کچھ امام سمہودی کی کتاب ''الوفا'' میں گذر چکا ہے۔نیز اس کا بیان بھی ہے کہ حضور ﷺ کی قبر انور کعبہ مشرفہ کی طرح مربع نہیں ہے۔اور نہ ہی نماز کے بعد اس کی طرف منہ کیا جاتا ہے۔پھر ہر حکمران اپنے دور حکومت میں مسجد شریف و روضہ انور میں تعمیر جدید کرواتا رہا۔حتیٰ کہ کعبہ مشرفہ کی طرح قبر انور کے اوپر گنبد پر سونے چاندی کے تاروں سے بنی ہوئی چادر ڈال دی گئی۔اور قبر انور کے بالکل سامنے سونے کی تاروں سے ''هٰذَا قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ '' لکھا گیا اسی طرف مشرق کی جانب سونے کی تاروں سے ''هٰذَا قَبْرُ اَبِی بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ'' لکھا گیا ہے۔امام سمہودی اپنی کتاب ''التاریخ'' میں لکھتے ہیں۔کہ جب انسان حجرۂ مقدسہ میں موجود چاندی کی ''کیل'' کے سامنے اور ''قندیل'' کے نیچے کھڑے ہو تو یہ جگہ وہ ہے جو حضور ﷺ کے چہرۂ انور کے بالکل سامنے ہے۔

الشیخ عبد الغنی فرماتے ہیں کہ یہ صورت حال ملوک عثمانیہ کے دور سے پہلے کی ہے۔لیکن ملوک عثمانیہ کے دور میں اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق بخشی اور اس کیل کی جگہ کوکب دری رکھا یہ ایک قیمتی پتھر تھا جو سونے کی پلیٹ میں رکھا گیا تھا اور اس کے نیچے بھی ایک چھوٹا قیمتی پتھر تھا جس کے بارے مشہور ہے کہ اسے ہند کے ایک بادشاہ نے بھیجا تھا۔اسے بھی وہاں رکھا گیا اور یہ پتھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور کے بالکل سامنے سونے چاندی کی تاروں سے منقش کپڑے سے لپٹی ایک پلیٹ میں رکھے گئے ہیں اور اس کے قریب ہی قندیل ہے۔جسے روزانہ روشن کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد امام سمہودی نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کس خوش نصیب نے روضہ مقدسہ کو غلاف چڑھایا اور وہاں قبور کی تعمیر کی۔اس کے علاوہ بھی بہت سی مفید معلومات ''کتاب الوفا'' میں مذکور ہیں۔

سیدی عبدالغنی نابلسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم جب مدینہ میں تھے تو ہماری محفل میں علماء ہند میں سے'' غلام محمد'' نامی ایک عالم تشریف لاتے اور ابن عربی محی الدین رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ''فتوحات مکیہ'' ہمیں سناتے۔ انہوں نے ایک دن اپنا تعارف اس طرح کروایا کہ میں ایک عالم کا بیٹا ہوں والدگرامی کو ہند کے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے بلوایا اور دیگر بڑے بڑے علماء کو بھی بلوا کر درخواست کی کہ ایک فتاویٰ ترتیب دو جو فقہ حنفی کے مطابق ہو۔ یہ فتاویٰ ایک مشہور کتاب ہے جو فقہ حنفیہ پر مشتمل ہے یہ حرمین شریفین میں بھی موجود ہے۔

اس نوجوان عالم نے یہ بتایا کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں بہت سارے خوش نصیب ایسے ہیں جن کے پاس حضور ﷺ کے موئے مبارک ہیں بعض کے پاس ایک موئے مبارک اور بعض کے پاس دو ہیں جبکہ بعض کے پاس اس سے بھی زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ جو بھی موئے مبارک کی زیارت کیلئے آتا ہے یہ لوگ اس کی زیارت کرادیتے ہیں۔

ہندوستان کے ایک اور بزرگ نے بتایا کہ سال میں ایک مرتبہ ۹ ربیع الاول کو اس کی زیارت کرائی جاتی ہے بہت سارے علماء اور صلحاً اس کی زیارت کرتے ہیں اور درود وسلام اور ذکر واذکار کرتے ہیں نیز موئے مبارک کو دیکھ کر وجد میں جاتے ہیں۔ موئے مبارک سونے کے برتن میں ہوتا ہے اس کے آس پاس کستوری اور عنبر رکھا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی موئے مبارک حرکت بھی کرتا ہے۔ اس راوی نے بتایا کہ میں نے خود اسے حرکت کرتے دیکھا ہے۔ اور مجھے (راوی) اس آدمی نے بتایا ہے جس کے پاس چند موئے مبارکہ ہیں کہ بعض موئے مبارک لمبے ہوتے ہیں اور بعض کے کنارے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ممکن ہے کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی زندگی عطا فرمائی ہے جو آپ کے سارے اعضاء مقدسہ میں جاری وساری ہے۔

بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ ملک عادل نورالدین شہید نے حصول برکت کی خاطر اپنے سرکاری خزانہ میں موئے مبارکہ رکھے تھے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے وصیت کی یہ بال بعد از مرگ میری آنکھوں میں رکھ کر مجھے دفنا دینا اب وہ موئے مبارک اس بادشاہ کی آنکھوں کے اوپر ہیں اس لئے انسان کو چاہیے کہ سلطان نورالدین کی قبر کی زیارت ضرور جائے۔ ان کی قبر دمشق میں ایک مدرسہ میں ہے جس کے اوپر عالیشان گنبد ہے۔

شیخ عبدالغنی فرماتے ہیں کہ ہم جب مسجد نبوی ﷺ میں پہنچ گئے تو شیخ حرم نے پوچھا کیا حجرہ مقدسہ میں جانا چاہتے ہو ہم نے عرض کی کیوں نہیں انہوں نے چند خادموں کو ساتھ روانہ کردیا اور حکم دیا کہ انہیں حجرہ شریف کے اندر لے جاؤ۔ ہم نے سرخ قباء کے اوپر سرخ رنگ کی شال (چادر) احرام کی

B

شکل میں باندھ لی۔ حجرۂ مقدسہ کا دروازہ کھول دیا گیا جو باب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہے خادموں کا ایک گروہ آگے اور ایک گروہ پیچھے تھا میں درمیان میں تھا۔ انہوں نے مجھے لوہے کی مشعل پکڑا دی تھی جس کے سرے میں آگ کا شعلہ تھا اور خود ان کے پاس ٹھیکری کا برتن تھا جس میں مشعل رکھی تھی۔ ہم نہایت ادب واحترام کے ساتھ حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے یہاں تک کہ "کوکب دری" کے سامنے کھڑے ہو گئے اس ستارہ کے قریب لٹکے ہوئے چراغ کو اتارا گیا میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کو روشن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پھر اسے اپنی جگہ پر رکھا گیا پھر میں نے اس چمکتے ستارے کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ شریف پڑھنے کے بعد اپنے لئے، اپنی اولاد کیلئے، اپنے بھائیوں اور تمام مسلمین ومسلمات کیلئے دعائے خیر مانگی۔ اور پھر جس راستے سے داخل ہوئے تھے اسی راستے سے واپس گئے۔ حجرۂ مقدسہ کے اندر کھڑے ہونے کی وجہ سے خوب خیر و برکت نصیب میں آئی۔ (الحمدللہ)

قَدْ دَخَلْنَا لِحُجْرَةِ الْمُخْتَارِ ۔۔۔ وَشَهِدْنَا لَوَامِعَ الْاَنْوَارِ
وَتَجَلَّتْ لَنَا بَدَائِعَ عِلْمٍ ۔۔۔ مِنْ مَعَانِیْ حَقَائِقِ الْاَسْرَارِ
وَوَقَدْنَا هُنَا قِنْدِیْلَ نُوْرٍ ۔۔۔ عُلِّقَتْهُ سَلَاسِلَ مِنْ نَضَارٍ
فَذَهَلْنَا كَاَنَّمَا الْعَقْلُ مِنَّا ۔۔۔ اَخَذَتْهُ مَدَامَةُ الْاَسْكَارِ
ثُمَّ هٰذَا قَدْ كَانَ فِی شَهْرِ صَوْمٍ ۔۔۔ وَ هُوَ فِی قُرْبِ سَاعَةِ الْاَفْطَارِ
وَلَهُ الْحَمْدُ جَلَّ فِی كُلِّ حَالٍ ۔۔۔ مَا غَنَتْ حَمَائِمُ الْاَطْيَارِ

"جب ہم نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور میں داخل ہوئے تو ہم نے نور ہی نور دیکھا اور ہم پر چھپے راز ظاہر ہو گئے ہم نے وہاں نور کی قندیل روشن کی جو سونے کی زنجیروں سے لٹکائی گئی تھی۔ وہاں ہم مدہوش ہو گئے تھے۔ یہ وقت افطاری سے کچھ پہلے کا تھا۔ جب تک کبوتریاں اپنی مدھر آواز میں نغمے الاپتی رہیں تب تک اللہ جل جلالہ کا شکر ہے"۔

اور شیخ الاکبر (قدس سرہ) نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بھی پیش خدمت ہے۔

يَا حَبَّذَ الْمَسْجِدُ مِنْ مَسْجِدٍ ۔۔۔ وَ حَبَّذَ الرَّوْضَةُ مِنْ مَشْهَدٍ
وَحَبَّذَا طَيْبَةُ مِنْ بَلَدٍ ۔۔۔ فِيهَا ضَرِيْحُ الْمُصْطَفٰى اَحْمَدَ
صَلَّى عَلَيْهِ اللّٰهُ مِنْ سَيِّدٍ ۔۔۔ لَوْ لَاهُ لَمْ نَفْلَحْ وَلَمْ نَهْتَدِ
قَدْ قَرَنَ اللّٰهُ بِهٖ ذِكْرَهُ ۔۔۔ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ فَاعْتَبِرْ تَرْشُدْ

عَشْرٌ خَفِیَّاتٍ وَ عَشْرٌ اِذَا اَعْلَنَ بِالتَّاْذِیْنِ فِی الْمَسْجِدِ
فَهٰذِهٖ عِشْرُوْنَ مَقْرُوْنَةٌ فَاَفْضَلَ الذِّکْرَ اِلَی الْمَوْعِدِ

''مسجد نبوی ﷺ کیا ہی خوب صورت مسجد ہے اور روضوں میں سے رسول اللہ ﷺ کا روضۂ مقدسہ بہت ہی حسین وجمیل ہے۔ شہر مدینہ (طیبہ) بھی لازوال حسن کا مرقع ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کا وجود اطہر اس پاک شہر میں ہے۔ اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہوتے تو ہم ضلالت وگمراہی میں بھٹکتے رہتے۔ لہٰذا آپ پر آپ کی آل پر ہر دم درود وسلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار کا نام اپنے نام پاک کے ساتھ اس طرح ملایا ہے کہ تا قیامت مؤذن کی اذان میں دس مرتبہ اس کا اظہار ہوتا ہے اور دس مرتبہ اس اذان کے جواب میں اظہار ہوتا ہے۔ گویا دن رات میں اللہ تعالیٰ نے بیس مرتبہ محبوب کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ دس مرتبہ ظاہری ذکر کے ساتھ اور دس مرتبہ خفی ذکر کے ساتھ۔ گویا'' ورفعنالك ذكرك'' کا وعدہ پورا کیا جا رہا ہے۔ اذان بلند آواز سے دی جاتی ہے اور اسی طرح اقامت بھی بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن ان کا جواب پست آواز سے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اقامت کا جواب بھی اذان کی طرح خاموشی سے دینا چاہیے جہاں اللہ کے ذکر کیساتھ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کا تعلق ہے اس کا اظہار ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' میں ہے۔

سیدی عبد الغنی النابلسی فرماتے ہیں کہ جس سال مجھے مدینہ شریف میں حاضری کا موقع ملا یہ ۱۱۰۵ھ کا سال تھا اور جمعرات کا دن تھا۔ اسی سال ایک لشکر بھی مدینہ شریف آیا بہر حال ہمیں مدینہ شریف میں اس سال پانچ عیدوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ یوں ہم نے لازوال خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ پانچ عیدوں میں سے دو عیدیں تو شرعی (عید الفطر وعید الاضحیٰ تھیں) اور تین ان کے علاوہ ایسے عیدیں تھیں جو خوشی میں ان سے کسی طرح کم نہ تھیں بلکہ زیادہ تھیں ان میں سے ایک زیارت النبی ﷺ، دوسری امیر مکہ، سعد سے مل کر سرکش قبیلہ کی سرکوبی کیلئے جانا اور تیسری عید مدینہ شریف میں رمضان کے روزے رکھنا۔

زیارت النبی ﷺ پر ثواب

سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کو جانے پر رب العالمین کی جناب سے بہت ثواب ملتا ہے عبدری سے منقول ہے وہ مالکیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کیلئے پیدل چلنا کعبہ شریف کیلئے پیدل چلنے سے بہتر ہے۔'' اسے امام سمہودی نے'' خلاصۃ الوفا'' میں خوب بیان فرمایا ہے۔

دار قطنی نے'' سنن'' اور بیہقی وغیرہ نے نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں '' کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر (انور) کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت

واجب ہوگئی۔

دار قطنی وطبرانی وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا ''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

طبرانی اور بزاز، ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا مسجد حرام میں ایک نماز اس کے علاوہ کسی اور مسجد میں پڑھی گئی ایک لاکھ نمازوں پر اور مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز کسی اور مسجد میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں پر اور بیت المقدس میں پڑھی گئی ایک نماز باقی مساجد میں پڑھی گئی پانچ سو نمازوں پر بھاری ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے۔

نیک لوگوں کی مدد کرنا اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچانا اہل اسلام پر بہت بڑا احسان ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن سعد اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو کوئی قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کر دے گا۔

امام ترمذی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''الٰہی تو نے قریش کے پہلوں کو مصائب سے دوچار کئے رکھا اب ان کی آئندہ نسلوں کو بھلائی سے مالا مال فرما۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم صفیہ بنت شیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح صبح باہر تشریف لے گئے آپ نے منقش اونی کالی چادر اپنے مبارک کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بھی کملی میں چھپالیا اور فرمایا

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا

(الاحزاب:33)

''اے اہل بیت اللہ تعالیٰ تم سے پلیدی دور کرنے اور تمہیں خوب پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے''۔

عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ اہل بیت سے گناہ سرزد ہوتا ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ انہیں پاک کرتا ہے۔ اہل بیت گناہ سے معصوم نہیں البتہ ان کا گناہ معاف کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔

مدینہ منورہ میں رمضان کے روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

طبرانی ''الکبیر'' میں بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ مدینہ شریف میں رمضان باقی شہروں کے ہزار رمضانوں پر اور مدینہ شریف میں ایک جمعہ باقی شہروں میں ہزار جمعوں پر بھاری ہے۔

اپنے سفر حجاز میں السیدی عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران ہمارے دوست عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور ہمیں دعوت دی یوں ہم ان کے ساتھ مصطفیٰ پاشا کے نام سے مشہور سڑک پر واقع مکان میں گئے۔ ہم تمام ساتھی اور عبدالقادر کی اولاد بہت خوش وخرم تھے۔ مفید علمی وادبی محفلیں برپا ہوئیں۔ دوران گفتگو انہوں نے ہمیں بتایا کہ مدینہ منورہ میں آکر کسی کو کوئی زخم وغیرہ آجائے تو وہ جلد مندمل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ یہاں کی فضاؤں میں کستوری نما خوشبوئیں رچی بسی رہتی ہیں۔ نیز یہاں کی زمین سے مکانوں اور دیواروں نیز یہاں کی گلیوں سے خوشبوئیں اٹھتی ہیں۔ ان خوشبوؤں کا ادراک باہر سے آنے والا بخوبی کرسکتا ہے خصوصاً سحری کے وقت چلنے والی ہوا کی تو شان ہی نرالی ہے۔ اور اکثر اوقات جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہو وہ ان خوشبوؤں کو محسوس نہیں کرتا کیونکہ خوشبو والی جگہ میں لگاتار رہنے والے کو خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔ جس طرح عطر فروش اکثر خوشبو محسوس نہیں کرتا۔ البتہ زخموں پر جب یہ خوشبودار ہوائیں چلتی ہیں تو ان سے قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) کمزور نہیں ہوتی بلکہ وہ خوشبو زخم کے ذریعے جسم کی رگ وپے میں پھیل جاتی ہے اور روحانی بالیدگی کا باعث بنتی ہے۔ اس موقع پر میں نے (عبدالغنی) حسب حال چند اشعار کہے ہیں۔۔

يَانَبِيَّ الْهُدٰى اِلَيْكَ اِعْتِذَادِي   اِنَّنِي مِنْ هَوَاكَ فِي الْاَرْضِ سَائِحُ

لَمْ يَطِبْ غَيْرَ طَيْبَةٍ لِفُوَادِي   اَنَا فِيْهَا اَشُمُّ طِيْبَ الرَّوَائِحِ

كَيْفَ تَبْرَأُ جِرَاحَتِي فِي بِلَادٍ   بِحَبِيْبِي تُرَابُهَا الْمِسْكُ فَائِحُ

اے ہدایت کے سرچشمہ نبی (آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں) مجھے معاف کیجئے گا میں آپ کی محبت میں سرگرداں پھر رہا ہوں۔ (آخر کار) میرے دل کو آپ کے شہر مقدس کے علاوہ اور کوئی علاقہ راس نہیں آیا۔ کیونکہ یہاں ہر طرف خوشبوؤں کا بسیرا ہے۔ کہیں اور میرا زخم کیونکر مندمل ہو جبکہ میرے محبوب کے شہر مقدس کی مٹی مشک کی طرح خوشبودار ہے۔

ایک دن ہمارے یہی دوست السید عبدالقادر آفندی حسب عادت ہماری مجلس میں تشریف لائے اور بخاری شریف میں سے ایک حدیث سنائی جو یہ ہے۔

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے جاگتے میں بھی دیکھے گا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا''۔

ہم نے اس حدیث شریف پر خوب گفتگو کی۔ اور "شیخ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ" کے ایک رسالے "انارۃ الحلک فی امکان رئویۃ النبی والملک" کا ذکر کیا تو ہمارے دوست نے کہا کہ یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے اور پھر ہمارے پاس لے بھی آئے۔

اس کے بعد تمباکو پینے کے بارے میں گفتگو چل نکلی تو عبدالقادر نے ہمیں خبر دی کہ انہیں شیخ احمد بن منصور مغربی نے اپنے شیخ السید الشریف احمد بن عبدالعزیز مغربی سے روایت بیان کی ہے کہ میں (شیخ احمد بن عبدالعزیز) نے کئی بار حضور نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ایک دفعہ میں بہت بیمار ہوا تو حضور ﷺ سے تمباکو نوشی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا پھر کچھ عرصہ کے بعد حضور ﷺ نے انہیں خطیب مشرقی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا" اس عبدالعزیز کو عبدالقادر مذکور نے دیکھا تھا آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ ان کی زیارت کو جاتے تب آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی اور شیخ عبدالعزیز کے ساتھ اہل مدینہ بہت عقیدت رکھتے تھے۔ آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ یاد رہے کہ شیخ مذکور (عبدالعزیز) صاحب کشف بزرگ تھے۔ اور کشف کے ذریعے حضور ﷺ سے ملاقات کرتے تھے۔

مقام سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

ہمیں (عبدالغنی النابلسی کو) السید عبدالقادر نے خبر دی کہ ایک یمنی باشندہ جو قبیلہ حضر موت سے تعلق رکھتا تھا اور ان کا نام سید محمد باعلوی تھا ان کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر سال بعد از افعال حج مدینہ منورہ بغرض زیارت سید الابرار ﷺ حاضری دیتے۔ اور پھر اپنے مریدین سمیت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر جا کر حاضری دیتے۔ اور یکم رجب سے تا بارہ رجب وہیں ٹھہرے رہتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا روضہ جبل احد کے دامن میں ہے اور اطراف عالم سے لوگ جوق در جوق ان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں خصوصاً اہل مدینہ تو بہت ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے ہیں جو بھی قافلہ آتا ہے وہ ایک مخصوص جگہ پر پڑاؤ ڈالتا ہے۔ ایک سال اتفاقاً ایسا ہوا کہ سید محمد باعلوی جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کو نہ جا سکے اور مغرب کے بعد روضہ مقدسہ کی زیارت کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ لیکن (بذریعہ کشف) حضور ﷺ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ پھر صبح کے وقت حاضری دی تو اب اس بار شرف ملاقات حاصل ہوا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا! حضور گزشتہ رات حاضر ہوا تھا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ہم اپنے چچا جان حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس مجلس میں حاضر ہوئے تھے" انہوں نے پوچھا آپ وہاں کونسی جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ" قبر کے سر کی جانب"۔

یہ جگہ شیخ احمد قشاشی مدنی اوران کے مریدین کی تھی آپ مغرب تا صبح وہاں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت، درود شریف اور دیگراذکار کرتے رہتے ۔ یہ واقعہ سید محمد باعلوی سے منقول ہے آپ رحمتہ اللہ علیہ صحیح النسب بزرگ ہیں اور ہمیں یہ واقعہ بہت سارے لوگوں نے بتایا ہے۔

عارف باللہ عبدالغنی النابلسی اس کے بعد قاضی مدینہ اور شیخ محمد الیتیم وغیرہ کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم (ایک دن) مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے وہاں عصر و مغرب کی نمازیں پڑھیں ۔ اور حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری دی ۔ اس رات کو اہل مدینہ ''لیلۃ الکنیس'' (جھاڑو دینے کی رات) کہتے تھے۔ کیونکہ صبح مسجد نبوی ﷺ میں جھاڑو دیا جاتا تھا۔ ہم نے وہاں دیکھا کہ کچھ مقروض لوگ اپنے قرض کے برابر گندم کے دانے ایک کپڑے میں باندھ کر حجرۂ مقدسہ کے اندر پھینکتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ حضور ﷺ کی برکت سے قرض سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا یہ مجرب نسخہ ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے بھی ایسا کیا جو مقروض تھا۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر واقعی مہربانی فرمائی اس کے پیشہ میں وسعت ہوئی اور وہ الحمد للہ برکت النبی ﷺ کی بدولت آرام و آسائش میں ہے۔

مسجد نبوی ﷺ اور روضۂ انور میں جھاڑو دینے کا دلربا منظر

صبح ہونے پر ہم نے صبح کی نماز مسجد نبوی ﷺ میں پڑھی۔ اس دن مسجد نبوی ﷺ میں انبوہ کثیر تھا مسجد کے خدام روضہ شریف میں رکھے گئے قرآن پاک اور خوشبوؤں کے ڈبے ساتھ والے حجرہ میں منتقل کرنے لگے۔ قالین وغیرہ بھی اٹھائے گئے۔ شیخ حرم اور قاضی مدینہ کی مسجد کی چھت پر چڑھ گئے مجھے بھی چڑھنے کیلئے کہا گیا لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے جسد اطہر سے بلند ہونے کو میرے مفتی عشق نے خلاف ادب کہا۔ لہٰذا اپنے دوستوں کے ساتھ صحن حرم (مسجد نبوی ﷺ) میں بیٹھا رہا۔ خدام نے سونے کے جھاڑوں پکڑ لئے اور سطح حرم پر چڑھ گئے۔ یہ خوبصورت جھاڑو اس عظیم دن کیلئے پہلے سے تیار کئے جاتے تھے ہر سال ذی قعد میں ان کی تیاری شروع ہوتی پھر کاریگر ان کو متعلقہ افراد کی خدمت میں ایک بڑے جلوس کی شکل میں پیش کرتے۔ وہ ان کی حصول پر اتنے خوش ہوتے گویا ان کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوئی ہو۔ اور اس خوشی میں ایک ضیافت کا اہتمام ہوتا۔ جس میں اپنے دوستوں کو مدعو کیا جاتا۔

سطح حرم پر چڑھنے والے اپنے ساتھ کیک، ڈبل روٹی، پستہ، اخروٹ، میوہ اور کھجور وغیرہ لے گئے تھے۔ انہوں نے سطح اور روضۂ انور کے اردگرد جھاڑو دیا۔ اہل مدینہ کے بچے بھی حاضر ہوئے تھے۔ وہ اوپر والوں کو مخاطب کرتے ''یا سادہ'' (اے سرداروں) وہ اوپر سے انہیں کیک و پستہ وغیرہ پھینکتے اور

بچے صحن مسجد سے انہیں اٹھاتے اور ہم یہ خوبصورت منظر اپنی آنکھوں میں محفوظ کر رہے تھے۔ اس دن اہل مدینہ بہترین کپڑے پہنتے اور بعض بعض کو مبارک باد دیتے گویا آج عید کا دن ہے۔ اہل مدینہ جب اپنے معصوم بچوں کی زبانی ''یا سادۃ'' کا خوبصورت کلمہ سنتے تو خوش ہوتے۔ اوپر جھاڑو دینے کے بعض قاضی مدینہ اور شیخ حرم خدام سمیت نیچے اترتے اور حجرۂ مقدسہ میں جھاڑو دینے کی سعادت حاصل کرتے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد تمام جھاڑو اکٹھے کئے جاتے اور انہیں اپنے درمیان تقسیم کرتے۔ جنہیں اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ بھیجتے۔ آخر میں فاتحہ پڑھتے۔ جبکہ سارے قبر انور کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوتے۔ دعا وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد سارے لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے۔ یہ سترہ ذی قعد کا دن تھا۔ اور ہر سال اسی تاریخ کو ان کا یہی معمول تھا۔''

مدینہ میں ہماری ملاقات کو ایک دفعہ علامہ ابراہیم افندی ابن بری (احناف کے مفتی) تشریف لائے جو حرم شریف میں خطیب و امام تھے۔ ان کے بعد فخر الاکابر محمد افندی بھی تشریف لائے تو ہم نے جھاڑو دینے والی باتیں سنائیں اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا بیان کیا۔ میں نے عرض کی یہ ایک اچھا کام ہے جس کا مقصد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں خراج تحسین پیش کرنا ہے۔ میرے شیخ محمد افندی نے بتایا کہ میرے شیخ عبدالرحمان خیاری نے مجھے خبر دی ہے کہ شیخ ابراہیم خیاری کے والد محترم ایک دفعہ ذی قعد میں مصر سے مدینہ شریف حاضر ہوئے اور ''یوم الکنیس'' (جھاڑو کے دن) اہل مدینہ اور بچوں کے افعال دیکھ کر نہایت غمگین ہوئے اور اعتراض کیا کہ اہل مدینہ کا بچوں کو یوں چیخنے دینا اور بلند آوازوں سے نہ روکنا اچھا عمل نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی جناب میں اونچی آواز سے بولنا بے ادبی ہے۔ اسی رات انہوں نے خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کی حضور ﷺ فرما رہے تھے ''میرے پڑوسیوں کو خوشی منانے دو ان پر اعتراض مت کرو''۔ پس مذکورہ بزرگ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور تا حیات ہر سال اسی دن کو اہل مدینہ کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے اور بذات خود بچوں میں کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرتے۔

نیز مجھے (سیدی عبدالغنی النابلسی) میرے ایک دوست جن کا نام زین العابدین تھا نے مصر میں بتایا کہ میرے والد محترم شیخ محمد البکری نے بھی اسی طرح مدینہ کے بچوں پر اعتراض کیا تھا۔ اسی رات خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے شیخ محمد! میری اولاد پر اعتراض کر کے مجھے تکلیف نہ دینا'' اگلے دن انہوں نے جلدی سے سارے بچوں کو اکٹھا کرنے کیلئے کہا۔ جب بچے تشریف لائے تو انہوں رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں درہموں کو تقسیم کیا۔ اور ان کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئے نیز ان سے معافی مانگ لی۔

الامام عارف باللہ السید عبد اللہ میر غنی الطائفی

کے جواہر پارے

ان کی کتاب کا نام "الاسئلة النفيسة والاجوبة القدسية" (نفیس سوالات اور ان کے جوابات قدسیہ) ہے یہ بڑی نفیس کتاب ہے جو چالیس سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ان سوالات میں سے تیرہواں سوال اور اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

السوال

جب آقائے دو عالم ﷺ گناہوں سے پاک صاف ہیں تو پھر حضور ﷺ کا آگ سے پناہ مانگنا کیونکر ہے؟ کیونکہ آپ کا مختلف احادیث مبارکہ میں آگ سے پناہ کا ذکر آیا ہے۔؟

الجواب

حضور ﷺ کا پناہ مانگنا امت کو تعلیم دینے کیلئے تھا۔ یا اس لئے تھا کہ کمال علم کی وجہ سے جو کمال عرفان حق حاصل ہوتا ہے اس لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی اور یہ اہل علم کی عادت ہے۔ جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

عَلٰى قَدْرِ عِلْمِ الْمَرْءِ يَعْظُمُ خَوْفُهُ
فَلَا عَالِمَ اِلَّا مِنَ اللّٰهِ خَائِفُ
فَاٰمِنُ مَكْرِ اللّٰهِ بِاللّٰهِ جَاهِلُ
وَخَائِفُ مَكْرِ اللّٰهِ بِاللّٰهِ عَارِفُ

"جتنا کوئی عالم ہوتا ہے اتنا وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے پس ہر عالم اللہ رب العزت سے ڈرتا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی سزا سے اپنے آپ کو محفوظ جانے وہ جاہل ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف کھانے والا ہوتا ہے حقیقت میں وہی عارف (باللہ) ہے"۔

یا حضور ﷺ نے تجلی حق کی آگ سے پناہ مانگی جو ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (طٰہٰ:10) میں نے کوہ طور پر "نار" آگ دیکھی" درحقیقت وہ تجلی الٰہی کی آگ تھی۔ جب یہی آگ جو تجلی الٰہی کا مظہر تھی موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام پر پڑی تو آپ بے ہوش

ہو گئے نیز آپ علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنے چہرے کو نقاب سے ڈھانپے رکھا۔

ہمارے آقا و مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس "آگ" سے پناہ طلب کی کہ جب میں "مقام اعلیٰ" پر فائز ہو جاؤں گا تو الٰہی مجھے اس وقت تجلی ذات کی آگ سے بچائے رکھنا اور مجھے ثابت قدمی عطا فرمانا مبادا بے ہوش نہ ہو جاؤں۔ واللہ اعلم۔

سید عبداللہ میرغنی اپنی اسی کتاب میں اٹھارواں سوال ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

السوال

سید عبدالقادر گیلانی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ "عوالم قطبیه" سولہ ہیں اور دنیا و آخرت انہی میں سے ایک ہیں۔ اس قول کا کیا مطلب ہے؟ نیز السید الشریف الشیخ احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کا کیا معنی ہے؟ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں آدمی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اسی ہزار مخلوقات کو نہ پہچانتا ہو۔ اور دنیا و آخرت بھی ان میں سے ایک مخلوق ہیں۔

الجواب

اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جاننے والا ہے اللہ رب العزت نے جو اس فقیر پر مہربانی فرمائی ہے اس کی روشنی میں کچھ عرض کروں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان عظیم ہے کہ اس نے ہر مشکل تحقیق میں مدد فرمائی ہے۔ بڑے بڑے اولیاء جس چیز کے اظہار سے معذور رہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے اس کا اظہار کیا۔

یہ اللہ کا احسان عظیم ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ پس میں کہتا ہوں۔

(جواب) سوال کرنیوالے کو سمجھنا چاہیے کہ تین دائرے ہیں اور ان کے درمیان ایک نقطہ ہے پہلا دائرہ سب سے بڑا ہے دوسرا درمیانہ اور تیسرا دائرہ سب سے چھوٹا ہے تیسرے دائرہ کے اندر ایک نقطہ ہے۔ بڑے دائرہ کو "دائرہ قدم" قدیم کا دائرہ، دوسرے دائرہ کو "دائرہ عدم" عدم (نہ ہونے کا) کا دائرہ، اور تیسرے دائرہ کو "دائرہ وجود" وجود کا دائرہ کہا جاتا ہے۔ پس بڑا دائرہ جو دائرہ قدم ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اشارہ ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (نساء:126)

"اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے"۔

جبکہ دائرہ وسطی یعنی دائرہ عدم سے اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ہے کہ

سُبْحَانَهٗ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم:9)

''پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات! میں نے تجھے پیدا کیا اس سے پہلے جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا''۔

اور دائروں کے اندر جو نقطہ ہے اس سے حقیقت محمدیہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ نقطہ تمام دائروں کیلئے مدار کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ تمام دائرے یہیں سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ جب تو نقطہ پر پرکار رکھ کر دائرہ بنائے گا تو پھر پھرا کر اپنے مرکز کی طرف آ پلٹتا ہے۔ کیونکہ دائرہ کا مرکز تو یہی نقطہ ہی ہے پھر یہ نقطہ انوار الٰہیہ کے نزول کی جگہ ہے حضور ﷺ پر انوار الٰہیہ کے نزول کی جگہ ہے حضور ﷺ پر انوار الٰہیہ نازل ہوتے ہیں اور وہیں سے کائنات میں پھیلتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا

لَوْ لَا هُ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا

''اے آدم! اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو نہ میں تجھے اور نہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتا''۔

یہ مثال حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

اس سے بھی عمدہ مثال یہ ہے کہ سورج وہ نقطہ ہے اور آسمان پہلا دائرہ، عرش دوسرا دائرہ اور ''احاطہ الٰہیہ، سب سے بڑا دائرہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ سورج اور عرش کی نسبت یوں ہے جیسے ایک چھوٹی چیز بہت بڑے صحرا میں پڑی ہو۔ اسی طرح عرش احاطہ الٰہی کے سامنے ہیچ ہے۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ ان چیزوں کے وجود کی نسبت اللہ کی قدرت کے بحر ناپید کنار کے ساتھ قطرہ کی بھی نہیں۔ عرش دنیا و آخرت کے عالموں پر مشتمل ہے لیکن اس کے باوجود عرش دائرہ کبریٰ میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ان عالموں کی تعداد وہی جانتا ہے جو ان کو جانتا ہو البتہ جس کو اس نقطہ سے تعلق ہوگا تو وہ ان عالموں سے کچھ عالموں کے متعلق جان لے گا ان عالموں میں سے عوالم قطبیہ بھی ہیں اور وہ عالم بھی ہیں جنکا ذکر شیخ احمد رفاعی نے کیا ہے۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف:76) وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر:31)

''حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو وہی جانتا ہے''۔

الغرض نقطہ سے تعلق قائم کرنے سے دائروں کا علم حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ نقطہ ان تمام کیلئے مدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دیئے بغیر ان کا علم ناممکن ہے پس تو بھی آقائے دو عالم ﷺ کے ساتھ تعلق جوڑ لے تاکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب سے تجھے بھی کامرانیاں نصیب ہوں اور جو انعامات سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں تجھ پر نازل ہوں گی۔ ان کا بھی مشاہدہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت سے مالا مال کرے۔ (آمین)

نکتہ

احاطۂ الٰہیہ میں ''ح'' محمد ﷺ کی ''ح'' سے لی گئی ہے۔ جس طرح محمد ﷺ کی ''ح'' حیاۃ الماء سے لی گئی ہے اس حیاۃ الماء سے ہر چیز زندہ ہے۔ اور ''ماء'' کی میم محمد ﷺ کی میم ہے۔ اور یہ ''میم'' اور ''حا'' سرکار علیہ السلام کے اسم گرامی ''محی'' میں جمع ہیں۔ اس سے یہ راز کھل گیا کہ ''محیط'' (پھیلے ہوئے) کو بھی پالیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ احاطہ الٰہیہ کے اوپر دو دائرے جو میم کی شکل میں ہیں واحاطۂ الٰہیہ کے دائرے کو محیط ہیں۔

سوال

''اسئلۂ نفیس'' میں سے انیسواں سوال یہ ہے کہ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران:74) (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص کرتا ہے) اس آیت کے ظاہری اور باطنی معانی کیا ہیں؟

جواب

میرے عزیز! اس آیت میں غور کرو اس میں دو ضدیں جمع ہیں۔ ایک تخصیص اور دوسری عمومیت۔ تخصیص آیت کا ظاہری مفہوم ہے اور عمومیت آیت کا باطنی مفہوم ہے۔ ظاہری مفہوم بھی ظاہر ہے اور باطنی مفہوم بھی ظاہر ہے۔ تخصیص لفظ یختص (خاص کرتا ہے) سے ماخوذ ہے اور عمومیت ''من یشآء'' (جس کے لئے چاہیے) سے ماخوذ ہے۔ پس جس کیلئے وہ چاہے اللہ کی مرضی میں عمومیت ہے۔

یہ تقدیر کا راز ہے جب دوزخیوں کیلئے جنت کا مژدہ سنایا جائے گا تو وہ جنتیوں سے زیادہ خوش ہونگے لیکن دوزخیوں میں سے کسی کو خاص نہیں کیا گیا لہٰذا اس میں (من یشآء میں) عمومیت ہے۔ اور اس میں سمجھدار کیلئے تخصیص بھی ہے۔ کیونکہ ''لَا يَرْحَمُ مَنْ لَا يُرْحَمُ'' (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا) یہ واجب مستحیل کی طرح ہے۔ ممکن ہے اسی دلیل کی بنا پر احناف ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا'' (الٰہی محمد ﷺ پر رحم فرما) کہنے کو مکروہ قرار دیتے ہوں۔ یہ اگرچہ بے ادبی نہیں ہے۔ لیکن غیر صواب (غلط) کے نزدیک ضرور ہے۔ اللہ کی رحمت سے وہی مستغنی ہوسکتا ہے جس کی آنکھ پر پردہ ہو اللہ کی رحمت ہر ایک کیلئے کافی ہے۔ پس حضور ﷺ پر درود بھیجنا رحمت نہیں ہے؟ لہٰذا حضور ﷺ کیلئے رحمت کی دعا کرنا مکروہ نہیں۔

سوال

یہ بیسواں سوال ہے جس میں پوچھا گیا ہے کہ دو ضدیں کیونکر جمع ہوسکتی ہیں حالانکہ علماء نے اسے محال کہا ہے۔ صوفیاء کی اس بارے میں کیا دلیل ہے کہ دو ضدیں جمع ہوسکتی ہیں۔

جواب

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بات اس طرح واضح ہو جائے گی کہ کسی کو ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ کی ذات میں بھی متضاد صفتیں پائی جاتی ہیں۔

مثلاً "المحیی اور الممیت" (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) "المنعم اور المنتقم" (انعامات دینے والا اور انتقام لینے والا) "المذل ، المعز "(ذلیل وخوار کرنے والا اور عزت دینے والا) الخافض ، الرافع" (گرانے والا ، بلند کرنے والا) اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ابد الآباد تک (ہمیشہ ہمیشہ تک) ہیں۔ ان میں یہ تضاد بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ اور ان کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔ تو دو ضدوں کا جمع ہونا ناممکن کیسے رہا؟

اگر صاحب بصیرت ان صفات میں غور کرے تو اس پر حقیقت حال کھل جائے گی۔

رَبُّ الْعِبَادِ الْفَرْدُ بِالْاِیْجَادِ یُنْعَتُ فِی الْآبَادِ بِالْاَضْدَادِ
کَیْفَ الْمَظَاهِرُ لَا تَکُوْنُ کَمِثْلِهٖ وَهِیَ الظِّلَالُ مَاٰثِرُ الْاَنْدَادِ
فَالْجَمْعُ لِلْاَضْدَادِ دُوْمًا سَرْمَدًا لَمْ یَسْتَحِلْ بَلْ وَاجِبُ الْاِنْفَادِ

"اللہ رب العزت کائنات کی تخلیق میں یکتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ضدوں (دو مختلف صفتوں) سے اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ چونکہ اس کی صفات مختلف ہیں اس لئے ان کا اثر بھی مختلف ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات میں دو مختلف صفتوں کا جمع ہونا ناممکن نہیں"۔

علماء کے نظریہ کے مطابق "هٰذَا جَمَالِی وَهٰذَا جَلَالِی "(یہ میرا غصہ اور یہ میرا پیار ہے) یا یہ میرا ظاہر ہے اور یہ میرا باطن ہے وغیرہ کا کوئی معنی نہ ہوگا۔ بلکہ کسی کیساتھ ایک صفت لگا دینے سے دوسری صفت کا انکار نہیں ہوتا مثلاً کہا جاتا ہے کہ "هٰذَا فَقِیْهٌ، هٰذَا صُوْفِیٌّ، هٰذَا مُحَدِّثٌ "(یہ فقیہ ہے یہ صوفی ہے یہ محدث ہے) فقہ یا حدیث کی صفت کے غلبہ کی وجہ سے یوں کہا جاتا ہے۔ حالانکہ کوئی خوش نصیب ایسا بھی ہوتا ہے جو فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی، صوفی بھی اور نحوی بھی ہو۔

اعتراض

اگر تو کہے کہ مذکورہ وضاحت سے صفات باری تعالیٰ میں تفاوت ممکن ہے کہ بعض صفات قوی اور بعض ضعیف ہوں۔ اور پھر ان کی تاثیر بھی ایسی ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے (اس کی صفات تاثیر میں برابر ہیں)۔

اعتراض کا جواب

اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً الاعظم، العظیم اور الکبیر میں جواز روئے معنی کا فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تاثیر بھی اپنے نام کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ جب اسماء میں تفاوت ممکن ہے تو صفات میں تفاوت کیوں نہیں ہوسکتا۔ پھر مخلوق کی صفات میں بھی قوت وضعف ممکن ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی تفاوت ممکن ہے۔ کیونکہ "مظہر" (مخلوق) کی صفات خالق کی صفات کے تابع ہیں۔ اور مخلوق کی صفات میں صفات الٰہی کی جھلک ہوتی ہے۔

اگر تو اعتراض کرے کہ تو نے بعض صفات باری تعالیٰ کو بعض صفات اور بعض اسماء کو بعض اسماء پر فضیلت دیدی تو جواباً عرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سب کے سب بہت عظیم ہیں لیکن نصوص سے تفاوت ممکن ہے ورنہ الاعظم (سب سے عظیم) الاکبر (سب سے بڑا) جو اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ ان کا کوئی معنی باقی نہ رہے گا۔ بعض علما نے اس قول سے احتراز کیا ہے تاکہ اسماء الٰہی یا صفات الٰہی میں نقص نہ آئے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ عقل کا اندھا ہی ایسا قول کرسکتا ہے جس سے صفات الٰہیہ میں نقص کا پہلو نکل سکے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور صفات ہمارے تصورات سے بھی اعلیٰ وارفع اور قدیم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مغفرت کیلئے دعا مانگنا

اگر تو کہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے مغفرت کی دعا مانگنا کیسا ہے؟ جسے علماء نے مکروہ جانا ہے جبکہ مذکورہ بحث سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے"

اس موضوع پر میں نے چند سال پہلے ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ جسے میں لفظ بہ لفظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جس سے وضاحت ہوجائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سزاوار ہر حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وہ ہماری سوچ سے بھی ماوراء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام:92)

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح تعظیم نہ کی جس طرح اس کی تعظیم کا حق تھا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس ذات کیلئے "لبیک" (میں حاضر ہوں) سزاوار ہے اس کے حق میں ہر ایک ثناء کامل بیان کرنے سے قاصر

ہے۔ کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا۔

سُبْحَانَكَ لَا اَحْصِي ثَنَآءً عَلَيْكَ

''میرے مولا! تو ہر عیب سے پاک ہے جو تعریف تو نے اپنی بیان فرمائی ہے میں اسے احاطہ میں نہیں لا سکتا''۔

اور صلوٰۃ وسلام ہو جن وانس کے سردار محمد مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ والثناء اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل واصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر۔

میرے دل میں خیال آتا رہا کہ ''ذنب خفی و جلی'' (ظاہری و باطنی گناہ) کے متعلق ایک رسالہ تحریر کروں تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے جب اللہ تعالیٰ کی جناب سے توفیق ارزانی ہوئی تو میرا مقصد پورا ہوا۔ میں نے اس رسالہ کا نام ''ذَاتُ الجَنْبِ فِي مَعْنَى الذَّنْبِ'' رکھا۔ پس میں فیضان محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں جان لے کہ ذنب، خطیئۃ، اثم، عصیان اور وزر وغیرہ تمام مترادفات ہیں۔ از روئے معنی ان کی تین قسمیں ہیں۔ لغوی، عرفی اور شرعی۔

ذنب کا لغوی معنی ایسا کام ہے جو کرنے والے اور جس کے ساتھ کیا جائے (فاعل ومفعول) دونوں کے حق میں نا مناسب ہو۔ اسی لئے تو امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ''سورۃ القتال'' میں ذنب (گناہ) کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گناہ وہ کام ہے جو کسی بھی سزا کا مستوجب ہو۔ مثلاً خلاف اولیٰ کو ترک کرنا۔

عرف میں ذنب کا معنی فاعل (کرنے والے) کی مخالفت کا نام ہے۔ جبکہ شرعاً علماء کے نزدیک صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو ذنب کہا جاتا ہے۔ گویا ذنب میں لغوی، عرفی اور اصطلاحی سب معانی پائے جاتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے کیونکہ قاعدہ ہے (یہ ابوسعید الجراز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے) کہ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّاٰتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' نیکوں کی نیکیاں مقربین بارگاہ ایزدی کے گناہوں کے برابر ہیں۔ پس اس میں حسنات (نیکیوں) کے مقابلہ میں ''سیآت'' (گناہوں) کا لفظ لایا گیا ہے۔ جبکہ سیئۃ اور ذنب دونوں ہم معنی ہیں۔

اس سے بہت سارے مسئلے نکالے گئے ہیں بالخصوص عارفین کی گفتگو میں ان کا ذکر زیادہ ہے۔ مثلاً ''رابعہ عدویہ'' رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں۔ کہ ہم جو گناہوں سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں یہ بہت کم ہے زیادہ دعا مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اگر عارف باللہ اپنے آپ کو عاجزی کی وجہ سے عوام میں شمار کرے تو پھر تو واقعی دعا مغفرت بہت زیادہ مانگنی درست ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو عارفین ہی میں شمار کرے تو پھر شکر کی خاطر زیادہ سے زیادہ دعاء مغفرت مانگا کرے۔ کیونکہ یہ شکر مقام الشہود کو نگاہ میں رکھ کر ذنب ہی

ہے اور میں نے ذنب کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ صوفیاء میں سے بعض کا قول ہے کہ گناہوں سے استغفار ایک اور گناہ ہے۔ اور سہل فرماتے ہیں کہ انسان کیلئے ہر سانس میں توبہ کرنا فرض ہے۔ اور عارف ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سَوَاكَ إِرَادَةٌ
عَلٰی خَاطِرِیْ سَهْوًا قَضَیْتُ بِرِدَّتِیْ

''اگر میرے دل میں بھولے سے بھی کسی اور کا خیال آجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ سے نکل گیا ہوں''۔

یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ محبوب کے ہاں مقام شہود کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف ملتفت ہونا عارفین کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔

استغفار کی تین قسمیں ہیں۔(۱) گناہوں سے استغفار کرنا

(۲) ''اِسْتِغْفَارُ عَنِ الطَّاعَاتِ وَرُؤْيَتِهَا'' یعنی طاعات اور ان کے دیکھنے کے بعد استغفار کرنا۔

(۳) ''اِسْتِغْفَارُ عَنْ شُهُوْدِ كُلِّ مَاسِوَى اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کے ہاں شہود کے علاوہ کسی اور طرف توجہ جانے سے استغفار کرنا۔

پہلی قسم عوام کے ساتھ دوسری قسم خواص کے ساتھ اور تیسری قسم اخص الخواص (جو سب سے زیادہ خاص ہیں) کے ساتھ خاص ہے۔

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ مختلف لوگوں کا گناہ سے مغفرت کی دعا کرنا برابر نہیں ہوتا تو اب جان لے کہ علماء کرام دو مسئلوں کی تحقیق کرتے ہیں۔ یہ ان کی تحقیق ہے اس کے علاوہ بھی اجتہاد کرنے کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق جو آیات آئیں ہیں اور جن میں ذنب (گناہ) کا ذکر ہے اس کا کیا جواب ہے؟

مثلاً آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰہٰ:121)

اس آیت میں آدم علیہ السلام کی طرف نافرمانی اور سرکشی کی نسبت کی گئی ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ کے متعلق ارشاد پاک ہے

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد:19) لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَۙ الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الانشراح:2,3)

ان آیات بینات میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی طرف ''ذنب'' کی نسبت کی گئی ہے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الشعراء:82)

یہاں بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرف ''خطا'' کی نسبت کی گئی ہے۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے۔''عن موسیٰ تبت الیك'' حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے ''وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ'' حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء:87)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی ہے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ

قرآن وحدیث میں بہت سارے الفاظ ایسے آئے ہیں جو گناہ پر براہ راست یا بالواسطہ دلالت کرتے ہیں۔اگر علماء کرام ہماری بیان کردہ وضاحت کی طرف معاملہ پھیرتے تو بہت اچھا ہوتا اور کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علماء نے انبیاء علیہم السلام کیلئے مغفرت کی دعا کرنے سے منع کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے گناہ سے مراد گناہ صغیرہ وکبیرہ لئے ہیں۔حالانکہ ''ذنب'' کا معنی صرف صغیرہ و کبیرہ گناہ نہیں بلکہ اس کے اور بھی معانی ہیں۔جو صغیرہ وکبیرہ گناہ پر صادق نہیں آتے۔پس جب ذنب کے اور معانی بھی ہیں تو انبیاء کرام کی طرف ''ذنب'' کی نسبت کرنے سے کونسی شی مانع ہے۔جبکہ یہ قرآن وسنت سے ثابت بھی ہے، نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فرمایا تھا

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) وَتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ

''الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت کیجئے اور ان کی شفاعت قبول کیجئے''۔

اسی طرح حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دعائے مغفرت کی ہے۔

پس جب رب العالمین کے کلام میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں ''مدینۃ العلم کے باب'' (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ) اور تابعین کے سردار (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) کے اقوال میں طلب مغفرت ثابت ہے تو طلب مغفرت کے منع ہونے کا قول قابل توجہ نہیں۔اس طلب مغفرت سے مراد ان اشیاء سے طلب مغفرت ہے جو انبیاء کرام کے مقام رفیع کے منافی ہیں۔الغرض انبیاء کرام کیلئے دعائے مغفرت سے منع نہیں کرنا چاہیے۔البتہ کچھ لوگ علماء کے اقوال کو اور کچھ حکماء کے اقوال کو جاننے سے قاصر ہیں۔اور عوام دونوں اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے سے قاصر ہیں۔علماء کا نظریہ ہے کہ دعائے مغفرت سے منع کرنا بہتر ہے اور حکماء کہتے ہیں کہ دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔

والحمد لله و کفی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

عارف باللہ سید عبداللہ میرغنی کے جواہر

کتاب ''الاسئلہ النفیسۃ'' میں مذکور تیسواں سوال یہ ہے کہ قبلہ شریف جو زمین کا دل ہے یہ بت کے مشابہ کیوں ہے؟ اور مؤمن اللہ کے نزدیک کعبہ مقدسہ سے افضل کیوں ہے؟ جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور کسی عارف کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو روضۂ انور کی طرف منہ کیا جاتا کیونکہ وہاں اہل وصال کا کعبہ ہے جو جلال و جمال اور ہر قسم کے کمال کا مالک ہے اس کا نام گرامی محمد ﷺ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت سے تو منع فرمایا لیکن مخلوق کیلئے بت کی طرح چیز کو کعبہ بنایا۔

الجواب

سائل کو اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے علم عطا فرمائے۔ بے شک قبلہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کا محل ہے۔ کیونکہ محب اس چیز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کا تعلق اس کے محبوب سے ہو۔ اور اللہ کا محبوب محمد ﷺ کی ذات پاک ہے۔ پس آپ کعبہ حقیقیہ ہیں۔ اور کعبہ شریف جو ساری زمین کیلئے دل کی حیثیت رکھتا ہے اس جگہ سے حضور ﷺ کے جسم اطہر کی تخلیق کیلئے مٹی لی گئی ہے۔ اس لئے یہ اللہ کی نظر میں ہے۔ کیونکہ کسی جگہ کی تکریم اس کے مکین کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جب ظہور سے قبل حضور نبی رحمت ﷺ کا جوہر پاک یہاں موجود تھا تو یہ جگہ نہایت معزز و مکرم تھی۔ آپ کے جوہر پاک کے یہاں سے اٹھائے جانے کے بعد بھی توجہ الٰہی یہاں مذکور رہی پس یہ عزت مجاورت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ مکینوں کی وجہ سے مکان یا بلند ہوتے ہیں یا پست ہوتے ہیں۔ اگر مکین مکان کیلئے کسی فائدہ کا باعث نہ ہو تو یہ تعلق کیسا؟

پس قبلہ شریف کا مؤمنین کیلئے قبلہ ہونا اس وجہ سے ہے۔ البتہ اہل اللہ کے نزدیک قبلہ حقیقیہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ پس تعلق محبوب ﷺ کی وجہ سے کعبہ اللہ کی نظر میں ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ جب معاملہ یوں ہے تو حضور ﷺ کو شروع ہی سے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کیوں نہ دیا گیا۔ کیونکہ مقصود تو کعبہ مشرفہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس نے ہر کام کو سبب سے جوڑ دیا ہے۔ جس طرح ارشاد ہے۔

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (بقرہ:189)

''گھروں میں دروازوں سے داخل ہو''۔

اور حکیم (دانا) کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی چیز عطا کرے تو واپس نہیں لیتا۔ جس طرح دنیاوی

بادشاہ کوئی چیز عطا کرے تو دوبارہ لینے کے بارے میں خیال تک اپنے دل میں نہیں لاتا (اسی طرح بیت المقدس جوعزت، پہلے دی تھی اسے ایک وقت تک برقرار رکھا) اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کو (جو کعبۂ حقیقیہ ہے) قبلہ اس لئے نہیں بنایا تا کہ اللہ تعالیٰ سے ذرہ بھر مماثلت بھی نہ ہو جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بلند مقام اور اعلیٰ رتبہ کی اس انتہا پر فائز کر دیا جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے" وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ" جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا اے محبوب! میرے ساتھ تیرا ذکر بھی کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شہادتین میں جہاں اللہ کی وحدانیت کا ذکر ہے وہاں حضور نبی رحمت ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار ہے۔ چونکہ حضور ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے چند اضافی خصوصیات سے مختص فرمایا کیونکہ محب جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے محبوب کیلئے بھی پسند کرتا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ کی تکلیف کو اپنی تکلیف قرار دیا۔ اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے بعد قبلہ اسی طرح محترم رہا جس طرح پہلے تھا۔ قبلہ کا ہوا اور مٹی سے مرکب ہونا اس لئے ہے کہ ہوا محرک ہے اور مٹی مسکن ہے۔ (محرک، حرکت دینے والی، مسکن، سکون عطا کرنے والی) ہوا لوگوں کو اس کی طرف تحریک دیتی ہے اور مٹی انہیں پرسکون کرتی ہے۔ ایک چیز کھینچنے والی ہے اور دوسری جاذب ہے۔ بیت اللہ بننے کا شرف کسی اور گھر کو محض اس لئے حاصل نہ ہوا کیونکہ اور گھر میں" مجاورت "نہیں۔ (اس کے ساتھ حضور ﷺ کا تعلق نہیں)۔

قبلہ شریف کو بت کے مشابہ بنانے کے بارے میں عرض ہے کہ حکیم جب کسی قوم کے پاس رسول بھیجتا ہے تو اس کی جنس میں سے بھیجتا ہے۔ اور انہیں وہی حکم دیتا ہے جو ان کی طبیعتوں کے مطابق ہو۔ وہ ان پر شفقت اور مہربانی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

چونکہ بت اہل عرب کو پسند تھے اور وہ ان کی عبادت اس لئے کرتے تھے تا کہ انہیں اللہ کا قرب نصیب ہو۔ جس طرح قرآن میں آیا ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ (زمر:3)

یہ ان کا صرف ایک دعویٰ تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ لہٰذا اللہ جل وعلا نے قبلہ کو بت کے مشابہ بنایا تا کہ اس کے حکم کے مطابق عبادت کر کے اپنے دعویٰ میں سرخرو ہو جائیں۔ کیونکہ وہ اس دعویٰ سے محبت کرتے تھے۔ اور ان کی طبیعتیں اس طرف مائل تھیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ کعبہ تو ایک رابطہ ہے۔ جس طرح کسی عارف کا قول ہے۔" اَلْبَيْتُ حَجَرَةٌ وَالْعَبْدُ مَدَرَةٌ "بیت (کعبہ) پتھر کا ہے

اور انسان مٹی سے ہے۔ پتھر اور مٹی کا آپس میں تعلق قائم کیا گیا ہے۔ لیکن جو اہل نظر ہیں ان کی نگاہ اس مکان پر نہیں بلکہ اس کے مالک جل جلالہ پر ہوتی ہے۔ جس طرح مجنوں نے کہا تھا۔

أَمُرُّ عَلَى دِيَارِ لَيْلَى
أُقَبِّلُ ذَاالْجِدَارِ وَذَاالْجِدَارِ
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَ

''میں (جب) لیلیٰ کے شہر سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو اور کبھی اس دیوار کو (دیوانہ وار) بوسے دیتا ہوں۔ میں شہر کی محبت میں آ کر ایسا نہیں کرتا بلکہ یہاں کی ''مکین'' کی محبت میں ایسا کرتا ہوں''۔

اسی لئے تو کسی ''عارفہ'' نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کو جب طواف کرتے دیکھا تو پوچھا ''اس گھر کا طواف کرتے ہو یا گھر کے مالک کا؟''

انہوں نے جواب دیا ''گھر کا'' تب اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا'' تو پاک ہے یا رب! تیری مخلوق میں کچھ پتھر نما انسان پتھروں کے طواف میں مشغول ہیں۔ اور کسی کا شعر ہے۔

يَطُوفُ بِالْبَيْتِ قَوْمٌ لَوْ بِمَعْرِفَةٍ
بِاللّٰهِ طَافُوا لَاَ غْنَاهُمْ عَنِ الْحَجَرِ

''بیت اللہ کے طواف کچھ لوگ ایسے معروف ہوتے ہیں اگر وہ ''معرفت'' کے ساتھ طواف کریں تو خدا کی قسم! اللہ انہیں پتھر سے مستغنی کرے گا''۔

کعبہ کو عزتیں طین محمدی ﷺ کی مجاورت کی وجہ سے ملی ہیں۔ اور یہاں سے انوار مصطفویہ ہر سو پھیلتے رہے۔ نیز اللہ کی نداء کے جواب میں اسی ٹکڑے نے سب سے پہلے جواب دیا تھا۔

جواہر عارف باللہ السید میر غنی

الاسئلۃ النفسیۃ میں سے بتیسواں سوال درج ذیل ہے۔

السوال

حسین بن علی بن عبد الشکور نے پوچھا ہے کہ صفات جلالیہ، صفات جمالیہ پر غالب کیوں ہیں۔ مثلاً کہ اسلام ایک دور میں کالے بیل میں سفید بال کی طرح ہو جائے گا۔ پس دونوں صفتیں برابر کیوں نہیں ہیں۔ حالانکہ ایک ذات قدیم کی صفات ہیں۔ جمال کا دائرہ وسیع ہے جس طرح ارشاد پاک ہے۔

رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:156) اور "رحمتی سبقت غضبی"
"میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے اور میری رحمت میرے غصہ پر حاوی ہے"۔
اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ حَكِیْمٌ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ وسیع حکمت والا ہے۔

الجواب

سائل نے نہایت مشکل سوال کیا ہے اس کا جواب میں اپنی جانب سے دونگا منقولات ومعقولات سے نہیں دونگا۔ بے شک جلا ل، جلالت (عظمت اور بڑھائی) سے ہے۔ اور جمال، جمالۃ (نرمی وحسن) سے ہے۔ ہر لفظ کا اظہار اپنے معنی کے مطابق ہوتا ہے۔ پس کبریاء وعظمت (بڑھائی و عظمت) کا دائرہ وسیع وفراخ ہے کیونکہ دونوں لفظ کثرۃ کو لازم ہیں۔ جب کہ نرمی وحسن (لطافت و حسن) اگر چہ بظاہر ان کا دائرہ محدود ہے لیکن چونکہ اسے پسند کیا جاتا ہے اس لئے اس کا دائرہ بھی وسعت کا حامل ہے۔ اسی لئے تو فرمایا گیا۔

رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:156)

"میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور میری رحمت میری غصہ پر حاوی ہے"۔

کیونکہ رحمت ہر ایک کیلئے محبوب ہے۔ اور یہ رحمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازل میں فرمادیا تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:107)

یعنی مخلوق کیلئے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور آپ ہی کے نور سے ساری کائنات تخلیق ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے آدم! اگر محمد (فداہ ابی وامی) کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں نہ تجھے اور نہ زمین وآسمان کو پیدا فرماتا......الخ۔

پس اگر اصل نہ ہوتا تو فرع نہ ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہر فرد بسیط ہیں۔ لیکن یہ فردیت ہونے کے باوجود تمام مخلوق سے وسیع ہیں۔

جلالت کے دائرہ کے وسیع ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں (جلال میں) موجود "ل" جمال میں موجود "م" سے بڑا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ

زِیَادَةُ الْمَبْنٰی تَدُلُّ عَلٰی زِیَادَةِ الْمَعْنٰی

مادہ میں زیادتی معنی میں اضافہ پر دلالت کرتی ہے۔ اہل لغت نے اس معاملہ میں اگر چہ تعداد حروف پر اقتصار کیا ہے۔ لیکن ایک لاکھ ذرے اونٹ پر بھاری نہیں ہوتے۔

پس لفظ محمد ﷺ کی میم وہی ہے جو رحمۃ کی میم ہے وہ رحمت جو ہر چیز پر حاوی ہے۔ رحمت میں میم کے سر کو بند کیا گیا اور اس کے دامن کو پھیلایا گیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو بہت پھیلا رکھا ہے۔ جس طرح حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب رحمت کی تخلیق کا ارادہ کیا تو اس کے سو حصے بنائے۔ ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ اپنی ساری مخلوق میں تقسیم فرما دیا۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس روز اپنی رحمت کاملہ کا اظہار فرمائے گا۔ پس دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پہلے اپنی رحمت کو محدود رکھا اور پھر پھیلا دیا اسی طرح اس نے اسم محمد ﷺ کی میم کے پہلے حصہ کو محدود رکھا اور اس کے دامن کو پھیلا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی تخلیق کے ابتدائی دور میں ہزاروں سال تک آپ کو اپنی جناب میں محدود رکھا۔ اور پھر اپنی اس رحمت کاملہ (ﷺ) کو اپنی مخلوق میں پھیلا دیا۔ لیکن اس کے باوجود شفاعت عظمیٰ تک اس رحمت ﷺ کی مکمل جلوہ آرائی نہیں ہوئی۔ اس رحمت کا وسیع اور مکمل اظہار تو قیامت کے روز شفاعت عظمیٰ کی شکل میں ہو گا۔ ﷺ۔

عارف باللہ سید عبداللہ میر غنی کے جواہر میں سے

''الاسئلۃ النفیسۃ'' تینتیسواں سوال

السوال

سید الشریف طباطبی نے خواب میں سید الکونین ﷺ کو قصیدہ سنایا تھا۔ جس میں مندرجہ ذیل دو اشعار بھی تھے ان میں سے پہلے شعر کا مطلب کیا ہے؟

(سید الشریف کو امیر قرقماش نے خلوت سے نکال کر جیل میں ڈالا تھا) شعر مندرجہ ذیل ہیں۔

يَا بَنِي الزَّهْرَاءِ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ
ظَنَّ مُوْسٰى أَنَّهُ نَارُ قَبَسٍ

لَا أُوَالِي الدَّهْرَ مَنْ عَادَ كُمْ
أَنَّهُ آخِرُ سَطْرٍ فِي عَبَسٍ

''اے سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا اور اس نور پاک (ﷺ) کی اولاد جس نور کو موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر آگ کا انگارا سمجھا تھا۔ جو کوئی تمہارے ساتھ دشمنی کرے میں اسے حکمرانی کے قابل نہیں سمجھتا یہ اٹل فیصلہ ہے''۔

اس شعر میں اولاد کی نسبت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نور محمدی ﷺ کی طرف کرنے میں کونسی

حکمت ہے۔ جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف اولاد کی نسبت نہیں کی گئی۔ اور اس نور کی حقیقت کیا ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے عین نار پایا تھا۔ اور اس آگ سے آواز آئی تھی

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ:12) ''میں تمہارا رب ہوں''۔

الجواب

اولاد فاطمہ کی نسبت سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کرنا نسب حقیقی ہے۔ یہی نسبت دنیا و آخرت میں نافع ہے۔ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ساری اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے لیکن اولاد علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ حنفیہ نے بیٹی کی اولاد معزز ٹھہرائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اولاد کو علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اولاد کا اپنے باپ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اولاد فاطمہ کا ولی میں ہوں وہ میری اولاد ہیں میری مٹی سے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ حدیث کو جھٹلانے والوں کیلئے ہلاکت ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا ''قیامت کے دن ہر نسب منقطع ہو جائے گا۔ سوائے میرے نسبت کے (یہ نسبت منقطع نہیں ہوگا) ایک اور حدیث شریف میں بھی اسی مضمون کا ذکر ہے کہ اولاد فاطمہ کیلئے میں باپ کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضور ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے اصل حقیقی حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ اور سارے سلف صالحین بھی اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے اور یوں کہتے تھے اولاد رسول ﷺ اور اولاد علی رضی اللہ عنہ بہت کم کہا جاتا تھا۔

کوہ طور پر جو آگ موسیٰ علیہ السلام کو نظر آئی تھی وہ درحقیقت اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو ظاہر ہوتی تھی۔ جس طرح ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:35)

''اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے''۔

اور حدیث شریف میں بھی اس کی وضاحت ملتی ہے۔

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ

''میں اللہ کے نور کا پرتو ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں''۔

اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ

''اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا''۔

یہی نور نور الٰہی کا پرتو تھا۔ اور اسی سے مخلوق کا نور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نور آگ کا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے اسے آگ گمان کیا گیا۔ اور اس نور سے ندا آتی کہ ''أنا ربك''

شیخ احمد بن ربیعہ الحسائی کا اسلوب کتنا بہترین ہے۔

یَا بَنِی الزَّھْرَاءِ وَالنُّورِ الَّذِیْ هُوَ نَفْسُ الْقُدُسِ فِی عَیْنِ النَّفْسِ
وَتَجَلّٰی اللَّذَاتِ فِی الْمَعْنٰی الَّذِیْ ظَنَّ مُوْسٰی أَنَّهٗ نَارُ قَبَسٍ
لَا أُوَالِی الدَّھْرَ مَنْ عَادَاکُمْ بَلْ لَهٗ فِی النَّارِ عَاتُ الْمُنْتَکِسِ
فِی لَظّٰی اَعْضَاءُهٗ قَدْ کُوِّرَتْ اَنَّهٗ آخِرُ سَطْرٍ فِی عَبَسٍ

''اے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اس نور کی اولاد جو نور در حقیقت نور الٰہی کا پرتو ہے۔ ذات باری کی وہ تجلی ہے جسے موسیٰ نے طور پر آگ کی چنگاری خیال کیا تھا۔ جو کوئی تمہارے ساتھ دشمنی کرے میں اسے حکمرانی کے قابل سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ جہنم میں اس کیلئے ذلالت ہے۔ سخت آگ میں اس کا جسم پگھلایا جائے گا۔ ترشروئی میں لکھی گئی یہ آخری سطر ہے (آخری بات ہے)''۔

تنبیہ

جان لو جس طرح ذات الٰہی یکتا ہے اسی طرح نور الٰہی کا پرتو اور مظہر (حضور ﷺ کی ذات) بھی یکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ (جو فرد جامع) بے نظیر ہے۔ اسی طرح اس کے نور کا مظہر بھی بے مثل ہے۔ کیونکہ آئینہ میں وہی کچھ نظر آتا ہے جو کچھ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ'' مومن، مومن کیلئے آئینہ ہے۔ پس حضور ﷺ بھی تجلی ذات کیلئے آئینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نور الٰہی کا مظہر ہیں اور ساری مخلوق آپ کے نور سے ہے۔ جس طرح پہلے حدیث گذر چکی ہے۔

أَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ مِنْ نُوْرِی

آپ نور الٰہی کا مظہر ہیں اور باقی مخلوق آپ کے نور سے تخلیق ہوئی۔ گویا تجلی ذات صرف اور صرف حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور کا اس میں حصہ نہیں ہے۔ پس آپ ﷺ کی ذات

چونکہ مظہر نور خدا ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں لہٰذا آپ کامل طاہر و مطہر ہیں۔ اور جو کوئی (اولاد وغیرہ) آپ ﷺ کے ساتھ متعلق ہے اس کیلئے بھی پاکی ضروری ہے جس طرح قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

(احزاب:33)

عارف باللہ شیخ احمد زروق نے کسی عالم کا قول ذکر کیا ہے کہ اہل بیت کے گناہوں کی معافی ان کے کسی عمل صالح کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے عنایت ہے لہٰذا مسلمان کیلئے ان میں نقص نکالنا جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکی اور تطہیر کی گواہی دی ہے۔ اہل بیت میں سے جو تکالیف مثلاً ظلم وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو اس کا تعلق تقدیر سے ہے۔ (تقدیر میں لکھا ہوتا ہے انہیں مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے)

گذشتہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ حضور نبی رحمت ﷺ یا آپ ﷺ کی اولاد پر کسی اور نبی یا اس کی اولاد کا قیاس درست نہیں۔ کیونکہ یہ خصوصیت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی پاک اولاد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں کوئی اور شامل نہیں ہوسکتا۔ ملا علی القاری نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ "ہم اہل بیت ہیں ہم پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے"۔

اگر کہا جائے کہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نقص اور کفر کا ذکر ہے مثلاً حدیث شریف میں ہے۔ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرے اہل بیت میں سے کچھ خیال کرتے ہیں کہ ہم حضور کے قریبی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میرے قریبی تو وہ ہیں جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہیں وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔" اور حاکم نے حدیث صحیح بیان کی ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میرے اہل بیت میں سے جو کوئی توحید کا اقرار کرے تو اللہ اسے عذاب نہیں دے گا۔" اور حضور ﷺ ان کو فائدہ نہیں دے سکتے۔ وغیرہ۔

تو جواباً عرض ہے کہ اس جیسی اور بھی بہت سی روایات ہیں جو معنی کے لحاظ سے ان سے بہت سخت اور شدید ہیں۔ لیکن ان روایات کا وارد ہونا محض ڈرانے دھمکانے کیلئے ہے۔ تاکہ اہل بیت سیدھے راستے پر رہیں۔ کوئی غرور انہیں راہ راست سے بھٹکا نہ دے۔ (واللہ اعلم)

شیخ، امام، عارف باللہ، ابوعبداللہ محمد بن ابی الفضل قاسم الرصاع الانصاری تحفۃ الاخیار فی الصلوٰۃ علی النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصنف (المتوفی سنۃ ۸۹۴ھ) کے جواہر پارے

آپ رضی اللہ عنہ کی ایک تصنیف لطیف ہے۔ کا نام ''تَذْکِرَۃُ الْمُحِبِّیْنَ فِی شَرْحِ اَسْمَاءِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ'' ہے۔ اس میں مصنف رضی اللہ عنہ نے ان اسماء نبویہ کی عمدہ تشریح کی ہے جو اسماء قاضی عیاض کی کتاب ''الشفا'' میں موجود ہیں۔ آپ نے تشریح کرنے کا حق ادا کر دیا ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں ہر ایک نام مقدس کیساتھ اس کے فوائد ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا میں نے اس کتاب سے وہ کچھ نقل کیا ہے۔ جو میں نے پچھلے صفحات میں نقل نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتاب کے ابتدائی حصہ سے بہت کم نقل کیا ہے۔ نقل کرنے سے پہلے میں اس خواب کا ذکر کروں گا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی گئی ہے۔ جس خواب سے اس کتاب کی فضیلت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ خواب میں نے اسی کتاب (تذکرۃ المحبین فی شرح اسماء سید المرسلین) کے ابتدائی حصہ سے نقل کیا ہے۔ یہ خواب دیکھنے والے کی زبانی پیش خدمت ہے۔

خواب

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار، عبد فقیر منصور الشریف لامہ محمد، عرف سوسوالا دریسی، تیونس کے جامع زیتونہ کے قاریٔ بخاری کہتے ہیں۔ کہ ۵ شعبان ۸۸۱ھ ہفتہ کی رات کی بات ہے۔ میں سویا ہوا تھا رات کا آخری پہر تھا میں نے دیکھا کہ میں مسجد میں داخل ہو رہا ہوں میرے پاس شیخ ابوعبداللہ محمد الرصاع کی تالیف ''تذکرۃ المحبین فی اسماء سید المرسلین'' تھی۔ میں اسے گھر میں پڑھنا چاہتا تھا۔ جب میں مسجد کے دروازے ''باب الھواء'' کے پاس پہنچا تو کسی نے پیچھے سے مجھے کپڑوں سے کھینچا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں اسے پڑھیئے اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں۔'' جب میں نے دیکھا تو واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرقی جانب جہاں ''ترغیب وترہیب'' کتاب پڑھی جاتی ہے وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ شریف کا ایک کنارا سر مبارک پر اور دوسرا کنارا دائیں شانے مبارک پر ڈالا ہوا

تھا۔ میں آپ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا اس حال میں کہ شرم وحیا سے میرا سر جھکا جارہا تھا۔ سرکار نے بیٹھنے کیلئے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب میں بیٹھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ان شاء اللہ یہاں منزل ہوگی میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دائیں قدم مبارک کا انگوٹھا ظاہر ہوگیا میں نے جھک کر اسے بوسہ دیا اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ تب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" پڑھو" میں نے عرض کی قرآن میں سے کیا پڑھوں؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پڑھو

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

(الرحمٰن:72,73)

میں نے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اور خاموش ہوگیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ فرمایا " پڑھو" میں نے عرض کی کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا پڑھو۔

وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ (رعد:23-24)

میں یہ پڑھ کر دوبارہ خاموش ہوگیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہ بارہ فرمایا" پڑھو" میں نے عرض کی کیا پڑھوں؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" پڑھو

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال:74)

میں نے یہ بھی پڑھ لیا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ان آیات بینات کا معنی کیا ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پہلی دو آیات کا معنی تو ظاہر ہے جبکہ آخری آیت کا معنی یہ ہے کہ " جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی، تو وہ سچے مسلمان ہیں"۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بندے خالق حقیقی کی مدد کیسے کر سکتے ہے؟ شارح قرآن ﷺ نے فرمایا کہ مومنین کا دین الٰہی کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا ہے نیز زبان، فعل اور تلوار سے دین کی مدد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے میرے پاس موجود کتاب (تذکرۃ المحبین فی اسماء سید المرسلین) کی طرف اشارہ فرمایا میں خاموش ہوگیا تب آپ ﷺ نے فرمایا " پڑھو" میں نے کتاب مذکور کا ابتدائیہ پڑھنا شروع کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے فرمایا قبلہ کی طرف منہ کرو۔ میں تھوڑا سا بجانب قبلہ پھرا تا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پیٹھ کر کے بے ادبی کا مرتکب نہ ہوجاؤں۔

حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس:78)

میں نے پڑھنا شروع کیا اور کہا'' عبد فقیر، گناہوں کا اقرار کرنے والا اور اللہ کے غیض وغضب سے ڈرنے والا محمد بن قاسم الرصاع کہتا ہے...... میں نے کتاب کے مؤلف کی نسبت ذکر نہیں کی حضور ﷺ نے پوچھا'' نسبت'' کہاں ہے؟ میں نے عرض کی وہ یہاں لکھی ہی نہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' نسبت لکھنا ضروری ہے۔'' اس کے بعد میں نے کتاب کا مقدمہ پڑھ کر سنا دیا۔ یہاں تک کہ میں مؤلف کے اس قول پر پہنچا'' میں نے اس کتاب کا نام'' تذکرۃ المحبین فی اسماء سید المرسلین'' رکھا'' اس کے بعد مؤلف کی ذکر کردہ دعا پڑھی کہ'' اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ'' تو جس آدمی نے مجھے قبلہ رو ہو کر کھڑے ہونے کیلئے کہا تھا اسی نے مجھے خاموش ہونے کیلئے اشارہ کیا میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ وہاں سے کھڑے ہوئے میں نے بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک سے پوچھا کہ مجھے قبلہ کی جانب منہ کرنے اور خاموش ہونے کا اشارہ کرنے والے کون تھے تو اس نے بتایا کہ وہ'' زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ'' تھے پھر اس نے پوچھا جس آدمی نے آپ کو گھر جانے سے روکا تھا اسے جانتے ہو؟ میں نے عرض کی نہیں۔ وہ کہنے لگے وہ شیخ ابو محمد المرجانی تھے۔

اس کے بعد میں بیدار ہوا میں رو رہا تھا۔ اسی وقت چراغ روشن کیا کہ دیکھوں کہ کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کی نسبت ہے یا نہیں۔ دیکھنے پر پتہ چلا کہ وہ موجود نہیں خدا کی قسم مجھے علم نہیں تھا کہ کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کی نسبت ہے بھی یا نہیں۔ پھر میں نے اس واقعہ کے بعد خود مؤلف کی نسبت وہاں لکھ دی۔ کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔ اور حضور ﷺ کو بحالت بیداری دیکھا گیا ہے کیونکہ حدیث شریف ہے کہ'' شیطان میری صورت نہیں اپنا سکتا''۔

اس مبارک خواب کے ذکر کرنے کے بعد اب میں امام محمد بن ابی الفضل الرصاع کے ذکر کردہ فوائد ذکر کرتا ہوں۔ جن کا ذکر انہوں نے کتاب مذکور کی ابتدا میں کیا ہے۔

پہلا فائدہ

حضور نبی رحمت ﷺ کے اسماء گرامی کی کثرت میں راز یہ ہے کہ کثرت اسماء عظمت ذات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ عرب جب کسی چیز کو عظیم خیال کرتے تو اسکے لئے زیادہ اسماء وضع کرتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ عظیم ذات اور کسی کی نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زیادہ اسماء عطا کر کے لوگوں کے دلوں پر آپ ﷺ کی عظمت بٹھا دی۔ اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خالق کائنات جل وعلا کے ہاں محبوب مکرم ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ پس

حضور ﷺ کے اسماء والقابات کے حافظ یا پڑھنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ہم عمر حوروں کو جمع کر رکھا ہے۔ اے محبت کرنے والے تو اللہ کے محبوب ﷺ کے اسماء وصفات کا باادب ہو کر ذکر کیا کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو قرآن پاک میں حکم دیا ہے۔ نیز ہر اسم گرامی کے معانی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر ذکر کیا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو کچھ عطا کیا ہے اس میں کمی نہیں ہوئی۔ ہر اسم کے ساتھ آپ ﷺ پر درود بھیجا کر اور اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کیلئے شرف، وسیلہ اور بلند درجہ کا سوال کیا کر نتیجتاً تو قیامت کے دن حضور ﷺ کی شفاعت سے بہرہ ور ہوگا۔

دوسرا فائدہ

حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے ذکر کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہو کیونکہ اس وقت اس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نیز صالحین کے ناموں کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو ذکر کرنے والوں پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ذکر کرنے والوں کا ذکر محبین کے ساتھ جنت کے باغوں میں بلند کیا جاتا ہے۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام صالحین کے سردار اور عارفین کے آقا ہیں۔ لہٰذا نام گرامی لینے کے بعد اور درود شریف پڑھنے کے بعد اپنے لئے دعا کرنے سے غافل نہ ہونا کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ بالخصوص جب دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کیلئے خشوع وخضوع اور وقار وسکون کا خیال رکھے۔

دعا کی قبولیت کیلئے آسان طریقہ

ابوسلیمان دارانی کا قول ہے کہ جب تیری کوئی حاجت ہو تو سب سے پہلے حضور نبی رحمت پر درود شریف بھیج پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حاجت بیان کر اور آخر میں دوبارہ حضور ﷺ پر درود شریف بھیج۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اول وآخر درود شریف کو قبول کرتا ہے تو یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اول وآخر کو قبول کرے اور درمیانی چیز (دعا) کو چھوڑ دے۔

امام رصاع فرماتے ہیں کہ اس مضمون پر میں نے ایک حدیث شریف بھی پڑھی ہے۔ حضور ﷺ کے اسمائے گرامی کے ذاکر کو چاہیے کہ گندی جگہ پر یہ ذکر نہ کرے نیز اپنے دل میں سے سختی اور ہر قسم کی کدورتیں دور کر کے ذکر میں مشغول ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے "طیب" اور "طاہر" بھی ہیں جو یہ پیغام دیتے ہیں کہ ان اسمائے گرامی کا ذکر پاک جگہ پر پاک زبان کے ساتھ اور قلب حاضر (وپاک) کے ساتھ کیا جائے۔

الغرض حضور ﷺ سے محبت کی مقدار ان کے اسمائے گرامی کا ذکر بھی کرنا چاہیے نیز آپ ﷺ

کا ذکر اس طرح کرنا چاہیے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں موجود ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تعظیم آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔ کبھی کبھی محبّ تو اپنی زبان سے اس قدر ذکر کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک زبان سے دور ہی نہیں کرتا۔ کبھی کبھی یہ محبت کا مارا انتہائی تعظیم کا اظہار کرتا ہے جس سے اس کے دل میں ہیبت راسخ ہوتی ہے اور اس کے دل پر مختلف ''احوال'' کا ورود ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور محبت سرکار ﷺ

آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں حضور ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے میں ممتاز تھے۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ میں ایک سال ان کے پاس حاضر تھا اور میں نے کبھی ان کی زبان سے ''قال رسول اللہ ﷺ'' کا کلمہ نہیں سنا۔ اس کی وجہ تقوئ حیاء اور حضور ﷺ کے مقام رفیع کی ہیبت تھی۔ البتہ ایک دن ان کی زبان سے ''قال رسول اللہ ﷺ'' کے الفاظ ادا ہوئے۔ اور ساتھ ہی ان کے اندر سے درد کی ٹیسیں اٹھیں یہاں تک شدت درد کی وجہ سے آپ کے ماتھا سے پسینہ ٹپکنے لگا''۔ اے میرے بھائی کہاں ہم گنہگار اور کہاں وہ نیکوکار ہماری محبتوں کا ان عظیم لوگوں کی محبتوں سے کیا مقابلہ؟؟؟

تیسرا فائدہ

حضور ﷺ کی محبت کی نشانی ہے کہ جب محبوب مکرم ﷺ کا نام سنا جائے تو انسان کا سر فرط عقیدت سے جھک جائے۔ یا جس چیز پر سرکار دو عالم ﷺ کا نام گرامی لکھا ہو اس چیز کو چوم لیا جائے۔

ایمان افروز واقعہ

روایت ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک گنہگار تھا جس نے اپنی جان پر گناہوں کے باعث بڑی زیادتی کی تھی۔ مرنے کے بعد اسے خواب میں دیکھا گیا کہ وہ بہت اچھی حالت میں ہے اس سے پوچھا گیا تجھے یہ مقام کیسے ملا؟ اس نے بتایا کہ ایک دن میں نے توراۃ کھولی اس میں میں نے حضور نبی رحمت محمد بن عبداللہ ﷺ کی صفت پڑھی میں نے آپ کا اسم گرامی چوما اور سر پر رکھا۔ بس اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرماتے ہوئے مجھے بخش دیا۔

چوتھا فائدہ

تجھے آپ کا اسم مقدس (ﷺ) کہیں پڑا ہوا نظر آئے تو تجھ پر اسے اٹھانا اور اس کی تعظیم کرنا لازم ہے کیونکہ نام کی تعظیم کرنا ذات کی تعظیم کرنا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے جس ذات کو مقام رفیع پر فائز کیا ہے وہ حضور ﷺ کی ذات ہی ہے۔ اور اگر نام گرامی کسی گندی جگہ پڑا ہوا

ملے تو اسے اٹھا کر دھونا، پاک کرنا اور خوشبو لگانا تجھ پر لازم ہے۔آج کل تو لوگوں کے دلوں میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کچھ اس طرح رچ بس چکی ہے کہ اگر کسی نے آپ ﷺ کو خواب میں کسی جگہ دیکھ لیا ہے تو اس نے ہمیشہ اس جگہ کی پاکیزگی کا اہتمام کیے رکھا۔ نیز دوسروں کو بھی اس جگہ کی تعظیم کیلئے ابھارتے رہے یہ کمال محبت اور حسن اعتقاد کی دلیل ہے۔

پانچواں فائدہ

حضور ﷺ سے حد درجہ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انسان آپ ﷺ کے نام گرامی اور صفات جلیلہ کے ساتھ اپنے بچوں کے نام رکھے۔ نیز جس کسی کے نام میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام گرامی آتا ہو اس کے نام کو بگاڑ کر نہ پکارا جائے کیونکہ حضور ﷺ کا نام گرامی عزت وتکریم کے قابل ہے اور بعض محبت سرکار سے سرشار افراد تو جب اس آدمی کا نام سنتے ہیں جس کا نام سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی طرح ہو تو وہ درود شریف پڑھتے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا نام سنتے ہی ان کے دل مچل جاتے ہیں اور ان کی زبانوں پر درود شریف کے نذرانے جاری ہوتے ہیں۔

چھٹا فائدہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مومنین جب سنتے ہیں کہ ''یَقُوْلُ مُحَمَّد بْنُ الْمُنْکَدِرِ (محمد بن منکدر کہتے ہیں) یَا قَالَ مُحَمَّد بْنُ الْحَسَنِ (محمد بن الحسن نے کہا) تو ان کی زبانوں پر درود شریف جاری ہوتا ہے اور یہ ان کی جانب سے شدید محبت کی علامت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

''آدمی (بروز قیامت) اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ (دنیا میں) محبت کرتا تھا''۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ ایک خوش نصیب نے خواب میں حضور نبی رحمت ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کے اردگرد فقراء بیٹھے ہوئے تھے اچانک آسمان سے دو فرشتے اترے ایک کے ہاتھ میں ٹرے تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا۔ انہوں نے وہ ٹرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رکھا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک دھوئے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو حکم دیا کہ باقی (فقراء) افراد کے ہاتھ بھی دھلاؤ، اس کے بعد انہوں نے ٹرے میرے سامنے رکھا لیکن ایک نے دوسرے سے کہا پانی مت ڈالنا یہ تو ان فقراء میں سے ہے ہی نہیں۔ میں نے حضور ﷺ سے عرض کی آپ ہی کا فرمان ہے کہ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ'' آپ ﷺ نے فرمایا'' راوی نے سچ کہا ہے (ہاں یہ حدیث صحیح ہے) میں نے عرض کی سرکار! میں آپ سے

بھی اور ان فقراء سے بھی محبت کرتا ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کے ہاتھ بھی دھلاؤ یہ بھی ان میں سے ہے''۔

اب ہم آپ ﷺ کے اسماء گرامی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

محمد ﷺ

یہ آپ ﷺ کا ذاتی نام ہے اس کے متعلق کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ وارد ہیں۔ قرآن میں آپ ﷺ کے اسمائے گرامی کا ذکر ان آیات بینات میں آیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح:29)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد:2)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

(احزاب:40)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران:144)

ان تمام آیات کریمہ میں رب العزت نے اسم ''محمد'' ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

احادیث مبارکہ جو اس اسم گرامی کے بارے میں وارد ہیں وہ بیشمار ہیں مثلاً

بخاری و مسلم وغیرھما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میرے پانچ نام ہیں، میں ''محمد'' ہوں ''احمد'' ماحی (جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا) اور ''حاشر'' ہو جس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ روز قیامت لوگوں کو اکٹھا کرے گا نیز میرا ایک نام ''عاقب'' ﷺ بھی ہے۔ آپ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا میرے دس نام ہیں پانچ تو وہی ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا ہے جبکہ بقیہ پانچ یہ ہیں۔ رسول، رحمت، رسول ملاحم، المقفی، اور قثم ﷺ

بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''قرآن میں میرے سات نام ہیں اور وہ یہ ہیں۔ محمد، احمد، یٰسین، طٰہٰ، مدثر، مزمل اور عبداللہ ﷺ۔

تنبیہ

احادیث مبارکہ کے ظاہر سے تو پتہ چلتا ہے کہ شاید ان میں تعارض ہے یعنی کسی میں پانچ، کسی میں سات اور کسی میں دس کی تعداد کا ذکر ہے لیکن درحقیقت ان میں تعارض نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے جو

تعداد ذکر فرمائی ہے یا تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس وقت آپ ﷺ کے اسماء اتنے ہی تھے پھر جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مزید اسماء عطا ہوئے تو آپ ﷺ نے دوسرے اسماء کا ذکر فرما دیا۔ اور اس میں ان اسماء کے متعلق خبر دی گئی جو اس سے پہلے والی حدیث میں نہ تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے کہ میرے پانچ اسماء ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اسماء کتب قدیمہ میں تھے اور اقوام قدیمہ کے علماء کو معلوم تھے۔ اور ان اسماء میں سے کوئی اسم بھی کسی نے نہیں رکھا۔ البتہ آپ ﷺ کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل یہ بات پھیل گئی کہ نبی آخر الزمان جن کا نام محمد (ﷺ) ہوگا مبعوث ہونے والے ہیں۔ تو عربوں میں سے بہت کم لوگوں نے اپنی اولاد کا نام محمد اس امید پر رکھا کہ شاید وہ نبی ان کا بیٹا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اہل زمین کو یہ نام رکھنے سے منع کیے رکھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ کس کو رسالت کے تاج سے سرفراز فرمانے والا ہے۔ عربوں نے جن بچوں کے نام حضور ﷺ کے نام گرامی پر رکھے تھے ان کی تعداد سات کے لگ بھگ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی کہ اس نے لوگوں کو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے سے باز رکھا تاکہ کوئی کمزور ایمان والا نبوت کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہو۔ اور یہ بھی اللہ کی مہربانی تھی کہ آپ ﷺ کے نام سے موسوم کسی بھی شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہ کیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مختص کر دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (بقرہ:105)

''اللہ تعالیٰ جسے چاہے اسے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے''۔

لفظ ''محمد'' (فداہ ابی وامی) حمد سے بنا ہے یعنی جس کی تعریف ہر ایک اور ہر وقت بیان کی جائے نیز جس کی تعریف گذرے ہوئے اور آنے والے اور ملائکہ بیان کریں۔ پس آپ ﷺ حمد بیان کرنے میں بھی سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں بھی سب سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات واقعی اس قابل ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ''محمد'' (فداہ روحی وقلبی) رکھا جائے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ صَلٰوةً دَائِمَةً وَسَلَّمَ سَلَامًا مُؤَبَّدًا

فصل

اس اسم گرامی کے فوائد درج ذیل ہیں۔

کسی عارف کا قول ہے کہ محبت رسول ﷺ تمام مخلوق پر واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں محسن کے ساتھ محبت کرنا اور رحم کرنے والے سے عقیدت رکھنا ودیعت کر رکھا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو "رحمة للعالمین" بنا کر بھیجا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ گویا حضور ﷺ کی ذات ہماری محسن ہے۔ لہٰذا ہماری محبتوں کا مرکز بھی یہی ذات ہونی چاہیے۔ اور جو کوئی کسی سے محبت کرے تو اس کے نام کی مالا جپنا، اس کی صفات کو دل پر نقش کرنا اور اس کی یاد میں اپنی زبان کو تر رکھنا ہمہ وقت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وصورت ہر دو کو کامل بنایا اور آپ ﷺ کو عالیٰ مرتبہ عطا فرمایا نیز جن و انس اور ملائکہ پر ترجیح دی اور زمین وآسمان کیلئے بھی باعث رحمت بنایا اور ہر ذی روح و جامد کو آپ ﷺ کی ثناء پر مجبور کیا۔

نکتہ

اللہ تعالیٰ نے ایک کرم یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان کی صورت کو تمام مخلوقات پر ترجیح دی نیز اس کی صورت کو اسم "محمد" ﷺ کی صورت پر بنایا۔ پس اسم شریف میں سے پہلا حرف (م) انسان کے سر کی طرح ہے اس کی "حا" انسان کے دو ہاتھوں کی طرح ہے اور میم ثانی انسان کے پیٹ کی طرح ہے اور "د" اس کے پیروں کی طرح ہے۔ گویا معلوم ہوا کہ انسان کی ذات بہت مکرم ہے کیونکہ اس کی شکل صادق وامین ﷺ کے اسم گرامی کی طرح بنائی گئی ہے۔

تا کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ انسان کی انسانیت روز بروز مائل بترقی ہے لہٰذا اس صورت (انسان) کو ہر قسم کی برائی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ اہل محبت میں سے جو کوئی اس راز کو پا گیا تو اس نے کبھی کسی انسان کی تذلیل نہیں کی بلکہ اس کی تعظیم اپنے اوپر واجب کر لی۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ انسان کی صورت اس کے محبوب مکرم ﷺ کے اسم پاک کی طرح ہے وہ محبوب مکرم جن کی وجہ سے کائنات رنگ و بو کی تخلیق ہوئی اور جنہوں نے رب کریم کی ذات کی زیارت کی۔ اہل محبت ہمیشہ خیال کرتے ہیں کہ "اسم حبیب" علیہ ازکی السلام والتسلیمات اس کو دیکھ رہا ہے (کیونکہ انسان کی شکل اس نام کی صورت پر ہے) لہٰذا وہ کیونکر گناہ کے قریب جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسم مبارک کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حتی الامکان گناہوں سے بچاتے ہیں۔ نیز اس اسم پاک کو اپنے دل سے محو نہیں ہونے دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ انہیں دین پر ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ دل سے جب صورت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام محو ہو جائے اور برکت نبویہ چلی جائے تو انسان کی صورت ظاہری مسخ ہو جاتی ہے اور انسان ذلت ورسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایات میں آیا ہے " کافر جب جہنم میں رہے گا تو اس کی شکل بگڑی ہوئی ہو گی۔ پس اللہ تعالیٰ اسے مختلف قسم کے عذاب دینے کے بعد اس کی شکل بگاڑ کر جہنم میں بھیجے گا گویا اس کی شکل بھی اس کے دل کی

طرح بگڑی ہوئی ہوگی۔

جامع الصفات آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام

روایت ہے کہ جب حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو جنم دیا تو فرماتی ہیں کہ "میں نے ایک بہت بڑے بادل کے ٹکڑے میں سے آواز سنی "محمد (ﷺ) کو تمام انبیاء علیہم السلام کے اخلاق عطا کرو۔ انہیں آدم علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ شیث علیہ السلام کا علم، ابراہیم علیہ السلام کی سی دوستی، اسمٰعیل علیہ السلام کی گفتگو، ایوب علیہ السلام کا صبر، عیسیٰ علیہ السلام کا تقویٰ، نوح علیہ السلام کا شکر، موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور یوسف علیہ السلام کا حسن عطا کرو۔" اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کرام کے اخلاق حسنہ اور عادات رفیعہ حضور ﷺ کی ذات میں جمع کر دیں۔

اس کے بعد مؤلف نے اسم محمد ﷺ سے متعلقہ چند فوائد کا ذکر کیا ہے اور پھر الشیخ، العالم، الفقیہ ابو عبد اللہ محمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے (شیخ ابو عبد اللہ کو) "عباذ" نامی بستی کے رہنے والوں نے خبر دی ہے کہ وہاں چند طالب علم تھے جنہوں نے ۷۸۵ھ میں ایک خربوزہ پایا جس میں کئی سفید لکیریں تھیں جن کے ذریعے ایک جانب لفظ "اللہ" اور دوسری جانب واضح الفاظ میں "اَعَزَّ اللّٰهُ مُحَمَّدًا اَوْ اَحْمَدَ" (اللہ تعالیٰ نے محمد یا احمد ﷺ کو عزت عطا فرمائی) لکھا تھا۔ نیز شیخ مذکور سے اسی قسم کی ایک اور روایت بھی مروی ہے کہ مجھے اسی سال چند لوگوں نے خبر دی کہ انہیں ایک درخت کا ایسا پتا ملا ہے جس پر اسم "محمد" ﷺ اس طرح لکھا گیا تھا جس طرح کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ اور یہی شیخ روایت کرتے ہیں کہ مجھے چند لوگوں نے خبر دی ہے کہ ایک مزدور کو ایسی مچھلی ہاتھ آئی جس کے ایک طرف سفید لکھائی میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسری طرف "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" لکھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی وہ مچھلی کھالی تاکہ "اللہ و رسول" کے ناموں سے برکت حاصل ہو۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے اس مزدور کو اس کی مزدوری (نوکری) سے ہٹادیا۔ کیونکہ اسے یہ واقعہ بادشاہ وقت کے پاس پیش کرنا چاہیے تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مذکور مزدور سے پوچھا تو اس نے کہا "سچی بات ہے کہ مچھلی بھی رزق میں سے ہے اور اس کی ایک جانب "اللہ" اور دوسری جانب "محمد" لکھا ہوا تھا۔

حضور ﷺ کا اسم گرامی "محمد" ﷺ اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اللہ رب العزت آپ کی تعریف فرماتا ہے۔ اور آپ پر درود شریف بھیجتا رہتا ہے۔ پس تو بھی اے محبت کا دم بھرنے والے آپ ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کیا کر۔ آپ کے حسن کا تذکرہ کیا کر۔ نیز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نورانی پیکر اپنے من کی دنیا میں بسایا کر۔ پس جس نے آپ ﷺ کو حقیقی صورت میں دیکھا وہ گھبرا گیا

اور جس نے معرفت کے پردے میں دیدار کیا وہ مرعوب نہ ہوا۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (بعد از زیارت) توصیف بیان کرنے والا کہتا ہے'' میں نے سرکار جیسا کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ جب آپ کلام فرما رہے ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے موتی جڑ رہے ہوں۔ از روئے گردن آپ ﷺ بہترین گردن والے تھے۔ جب آپ تبسم فرما رہے ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے دندان مبارک بجلی کی طرح چمک رہے ہیں۔ آپ ﷺ دل کیلئے روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اے محبت رسول ﷺ کے داعی اپنے محبوب مکرم ﷺ پر بہت درود بھیجا کر اور آپ کی نعت بیان کیا کر۔ آپ کی صفات کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ سب کی سب قطعی الدلالۃ ہیں۔ آپ ﷺ قد، رنگت، لمبائی، آنکھوں، چلنے پھرنے، دانت اور تبسم فرمانے کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ کرم فرمایا کہ اس نے حضور ﷺ کے حسن و جمال پر پردے ڈال دیئے ورنہ کوئی آپ کے حسن و جمال کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا تھا یہ بات تواتر کی حد تک پہنچی ہے کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن کا کچھ حصہ یوسف بن یعقوب علیہما السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر زنان مصر نے مدہوش ہو کر بجائے پھلوں کے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آقا و مولیٰ ﷺ کے حسن پر پردے ڈال کر یہ احسان فرمایا تا کہ کہیں حضور ﷺ کو دیکھ کر لوگوں کی عقلیں ضائع نہ ہوں (پاگل نہ ہو جائیں)۔

اے مخاطب! (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے) ذرا سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کیسے اخلاق کریمانہ اور حسن صورت و سیرت سے نوازا ہے۔ نیز آپ ﷺ کے ذہن رسا اور فکر رسا کی زیادتی، حواس کی قوت، زبان کی فصاحت، حرکات و سکنات میں اعتدال، اخلاق کا حسن، نسب کی شرافت، حلم، قوت کے باوجود عفو و درگذر، سخاوت، حیاء، شجاعت، فضیلت مدد، خالص پیار، بہترین نصیحتیں، زندگی گذارنے کے ڈھنگ، تمام مخلوق پر رحم دلی، لوگوں کے مسلمان ہونے کیلئے تگ و دو، وفاداری، حسن وعدہ، رشتہ داروں کے ساتھ اعلیٰ برتاؤ، عظیم شان کے مالک ہونے کے باوجود آپ کی عاجزی آپ کا عدل، امانت، پاکدامنی، سچائی، وقار، مردانگی، بہترین سیرت دنیا سے بے رغبتی، خوف خدا، اطاعت الٰہی، عبادت، رب العزت سے پیار، غیب پر ایمان، کثرت عبادت، روزے، شکر اور مال میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے کو ذرا ذہن میں لاؤ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو بھی خوبی عطا کی لاجواب عطا کی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور یوں عقیدت کے پھول پیش کیے ہیں۔ ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ'' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی حضور ﷺ کے راضی کرنے سے راضی ہوتا

ہے۔اور آپ کو ناراض کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ گویا ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کریمانہ میں مخلوق خدا کیلئے دینی اور دنیاوی فوائد اس طرح جمع کیے ہیں جس طرح اس نے قرآن مقدس میں فوائد دینی ودنیوی رکھے ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کو نور اور باعث ہدایت بنایا جس سے دل منور اور روشن ہوتے ہیں۔ نیز انسان عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے اور قیامت کی تکالیف سے امن میں رہتا ہے۔ اسے حق و باطل کے درمیان فرق، جاہل کیلئے مرشد کامل اور نیکی کی طرف بلانے والا اور بدی سے روکنے والا نیز بشیر ونذیر اور نصیحت کرنے والا بنایا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ قرآن کی تفسیر ہیں"۔

لہٰذا انسان حضور ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والوں میں تب شامل ہوسکتا ہے جب وہ نبی مکرم ﷺ کی مکمل اتباع کرے۔ تبھی تو جبرائیل علیہ السلام دنیا میں اس انسان کے محبوب ہونے کی منادی کرے گا۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے محبت پیدا ہوگی۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرت درود کی وجہ سے ہی انسان کا نام "محبین" کی کتاب میں لکھا جاسکتا ہے۔ اور اس سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

شیخ ولی اللہ فقیہ ابو عبداللہ محمد بن فاتح جو تیونس سے تعلق رکھتے تھے حضور ﷺ پر کثرت درود کی وجہ سے صاحب کرامت ولی گذرے ہیں۔ شیخ مذکور جو بھی پتھر یا کوئی اور چیز ہاتھ میں لیتے تو اس پر زمین وآسمان کے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لکھا ہوتا۔

پس جو کوئی کثرت درود سے اپنی زبان تر رکھے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کائنات کی ہر (پاک) چیز پر سرور قلب وسینہ ﷺ کا نام لکھا ہوا دیکھتا ہے۔

روایت ہے کہ جب مسلمان حسب استطاعت اقوال وافعال میں اخلاق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی پیروی کرے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے مقامات رفیعہ عطا کئے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے حاصل شدہ علم پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا فرمائے گا جو وہ نہیں جانتا۔ اس وراثت کا حقدار وہی ہوسکتا ہے جو اعمال وافعال میں اتباع مصطفیٰ ﷺ اپنے لئے حرز جاں بنائے۔ اور اتباع محبت رسول اللہ ﷺ پر موقوف ہے۔

شیخ مذکور (اس رسالہ کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ میں نے ثقہ افراد سے نقل کیا ہے کہ شیخ ابوالحسن محمد انصاری سے مروی ہے کہ شیخ ابو محمد عبداللہ الیشکری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور دربار نبوی ﷺ میں جا کر سنایا جب اس آخری شعر پر پہنچے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَرِيْمِ وَهٰذِهٖ
نَحَوْتُ وَظَنِّي اَنَّهٗ يَرْضَاهَا

''اللہ کریم کیلئے ہی سب تعریفیں ہیں اور یہ قصیدہ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کر دیا ہے مجھے امید ہے کہ آپ ﷺ اسے سن کر راضی ہو جائیں گے۔''تو روضہ انور سے آواز دلنواز آئی ''رَضِيْنَا هَا، رَضِيْنَاهَا'' اسے سن کر ہم راضی ہوئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ جب انہوں نے مدینہ منورہ سے سفر کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا'' اے عبداللہ مدینہ کو خالی کر کے جا رہے ہو؟'' یہ سن کر آپ تا حیات مدینہ شریف رہے اور وہیں دفن ہوئے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی مدح کئے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں ہوسکتا۔

احمد ﷺ

اس نام مقدس کے بارے میں آیات واحادیث نبویہ وارد ہیں۔ آیات میں سے ایک آیت یہ ہے کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف:6)

کہ میں اپنے بعد اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جس کا اسم گرامی ''احمد'' ہوگا۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ''احمد'' سے مراد سید ابرار حبیب پروردگار ﷺ ہیں۔ گذشتہ صفحات میں وہ حدیث پاک گذر چکی ہے کہ آپ ﷺ کا آسمانوں پر نام ''احمد'' زمین پر ''محمد'' اور دریاؤں سمندروں میں ''ماحی'' قیامت میں ''حاشر'' جنت میں ''قاسم'' اور دوزخ میں ''عاقب'' ﷺ ہے۔

احمد حمد سے بنا ہے۔ پس آپ ﷺ تعریف کرنے والوں اور جن کی تعریف کی جائے تمام میں اعلیٰ وافضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ آپ ہی کو''لواء الحمد'' عطا فرمائیں گے۔ اور اس روز آپ ﷺ کی حمد (تعریف) مکمل ہوگی۔ آپ اسی روز صفت حمد سے موصوف ہونگے۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو''مقام محمود'' پر فائز کرے گا جہاں اولین وآخرین آپ ﷺ کی تعریفیں کریں گے۔

الماحی ﷺ

آپ ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ''الماحی'' (مٹانے والا) بھی ہے۔ حضور ﷺ نے اس نام کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے مکہ اور بلاد عرب سے کفر کو مٹا دیا۔ بلکہ روئے زمین سے کفر کو مٹا دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''محو'' کا معنی ظاہر ہونا اور غلبہ پانا یعنی اللہ تعالیٰ

اپنے نبی مکرم ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیگا۔ جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ تحقیق ایسا ہو کر رہا کہ اسلام روئے زمین پر مانند آفتاب دمکنے لگا اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر اپنی نعمت مکمل کر دی ہے۔ نیز اپنے نبی کو صراط مستقیم پر چلا دیا ہے اور مومنین کیلئے ''رؤوف رحیم'' بنایا ہے۔

''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

الحاشر ﷺ

احادیث مبارکہ میں اس اسم گرامی کا بھی ذکر آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَلْحَاشِرُ الَّذِی یَحْشُرُ اللّٰہُ النَّاسَ عَلٰی قَدَمِیْ

''میں وہ حاشر (جمع کرنے والا) ہوں جس کے قدم پر اللہ روز حشر لوگوں کو جمع کرے گا''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ''قدم پر'' سے مراد یہ ہے کہ میری نبوت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب:40)

العاقب ﷺ

قاضی عیاض فرماتے ہیں عاقب (پیچھے آنے والا) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء کرام کے آخر میں بھیجا لیکن سب سے اعلیٰ وافضل مقام عطا فرمایا دیگر انبیاء کرام کو بھی بلند رتبہ اور اعلیٰ مقام عطا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے انبیاء علیہم السلام کو چنا اور انہیں ہر قسم کی آلودگیوں اور نقائص سے پاک صاف رکھا نیز انہیں ایمان قوی، معرفت خداوندی اور محبت الٰہی کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اور انہیں اپنی معرفت کی تجلیات کیلئے مظہر بنایا۔ نیز انہیں اللہ اور مخلوق کے درمیان وسیلہ بنایا۔ تا کہ انبیاء کرام مخلوق خدا کی طہارت روح وقلب کا باعث بنیں۔ اور انہیں دنیاوی آلائشوں سے پاک صاف رکھیں۔ انہیں ایسے اخلاق کا مرقع بنائیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا ذریعہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی امتوں کیلئے خوشخبری سنانے والے بنایا اور ان سے وعدہ لیا جب میرا رسول معظم ﷺ تشریف لائے تو تمہیں اس کی تصدیق کرنا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام رفیع سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے دم قدم سے یہ دنیا آباد ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پیدا فرما کر کائنات رنگ و بو کو زینت بخشی اور آپ ﷺ کی وجہ سے کائنات کی تخلیق ہوئی۔

طٰہٰ ﷺ

یہ نام پاک قرآن میں مذکور ہے واسطی نے کہا ہے کہ "طٰہٰ" کا معنی پاک اور ہدایت کرنے والا ہے۔

یٰس ﷺ

یہ نام گرامی بھی قرآن پاک میں مذکور ہے امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "یٰس" یاسید (اے سردار) کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قسم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسالت محمدیہ ﷺ کی قسم اٹھائی ہے۔

المزمل والمدثر ﷺ

یہ اسماء بھی قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔ مزمل کا معنی کپڑا لپیٹنے والا اور مدثر کا معنی چادر اوڑھنے والا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ایک روز غار حراء میں میں نے آواز سنی "یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" اے محمد (ﷺ) آپ رسول ہیں۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہے۔ میں گھبرا گیا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کہا "دَثِّرُوْنِیْ" (مجھے چادر اوڑھا دو)۔ پس مجھے چادر اوڑھا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا اور فرمایا یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (اے چادر اوڑھنے والے)

الطاہر ﷺ

احادیث مبارکہ میں اس نام مبارک کا ذکر آیا ہے یہ لفظ "طہارت" بمعنی پاکیزگی سے بنا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جسم، روح، صورت، ہیئت اور نفس ہر اعتبار سے آپ ﷺ کو پاک پیدا فرمایا گیا۔ آپ ﷺ کی ذات کریمہ ان آلائشوں سے پاک ہے جو مقام نبوت کے شایان شان نہیں۔ یا وہ مخالفات وشہوات جو انبیاء کرام کے مقام رفیع کیلئے مناسب نہیں ان سے ذات محمدی ﷺ بدرجہ اتم منزہ ومبرا تھی۔ اس پاکیزگی پر دلیل شرعی بھی قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی ورسول ﷺ نے پاکیزگی اپنانے پر زور دیا ہے۔ نیز صراط مستقیم اور بھلائی کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات پاک میں طہارت حسیہ اعلیٰ مقدار میں موجود تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظافت جسم، جسم اطہر کی مہک اور پسینہ مبارک کی خوشبو لاجواب تھی۔ آپ ﷺ جسمانی آلودگیوں سے بھی پاک تھے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے خوشبوؤں کی یوں مہک اٹھتی گویا اسے ابھی ابھی عطر فروش کے صندوقچے سے نکالا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سرکار دوعالم ﷺ کے جسم معطر سے اٹھنے والی بے مثل خوشبو نہ عنبر میں پائی ہے اور نہ کستوری میں۔

ہادی الیٰ صراط اللہ تعالیٰ

(اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف ہدایت کرنے والا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ:52)

اس کا معنی یہ ہے کہ "اے محبوب! آپ مخلوق خدا کو دین قویم (سیدھے دین) کی طرف بلاتے ہیں۔" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

سید ولد آدم علیہ السلام

(اولاد آدم کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحیح حدیث میں آیا ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ

"روز قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہونگا اور یہ میں فخر سے نہیں کہہ رہا (اظہار شان ہے)"۔

یوں تو آپ کی ذات اقدس دنیا و آخرت دونوں میں سردار اولاد آدم ہے لیکن قیامت کے دن سرداری کی حقیقت تمام مخلوق پر آشکار ہوگی۔ جسے ماننے والے اور نہ ماننے والے دیکھیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔

یہاں پر امام رصاع نے اسمائے گرامی کی جو شرح لکھی تھی ختم ہوئی۔ میں نے اسے حصول برکت اور فوائد دینیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نقل کیا ہے۔ نیز تا کہ کوئی تو ان اسماء گرامی کے معانی کو اپنی زندگی میں شامل کر لے۔ اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لے۔

امام کمال الدین محمد بن علی بن عبد الواحد المعروف ابن زملکانی شافعی قاضی حلب المتوفی سنۃ ۷۲۷ھ کے جواہر پارے

''فاضل مصنف کی ایک کتاب عجالۃ الراکب فی ذکر اشرف المناقب'' ہے۔ انہوں نے یہ کتاب مدینہ منورہ میں روضۂ مقدسہ کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ ان کا رسالہ حرف بہ حرف پیش خدمت ہے۔

تمام تعریفیں اس ذات اقدس کیلئے ہیں جس نے محمد ﷺ کو'' رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا ہے۔ جن کی تشریف آوری سے سسکتی انسانیت کو قرار آ گیا'' اما بعد''۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر میں نے مناسب خیال کیا کہ آپ ﷺ کی تعریف میں ایک رسالہ تحریر کروں تا کہ دعا کی قبولیت کا وسیلہ بنے۔ لہٰذا میں نے یہ رسالہ'' عجالۃ الراکب فی ذکر اشرف المناقب لکھا اس میں میں نے علماء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں اور باوجود ضعف کے کچھ اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے۔ اگر حضور ﷺ کا یہ فرمان عالیشان نہ ہوتا کہ'' مجھے ایسا نہ بنانا جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا'' تو ہم آپ ﷺ کی مدح وثنا میں تمام حدوں کو عبور کرتے۔ لیکن آپ ﷺ کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنا ہی دراصل'' اطاعت'' ہے۔ مذکورہ حدیث میں جو نہی آئی ہے وہ باطل مدح کرنے کے بارے میں ہے۔ البتہ جائز مدح سے منع نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ بشریت سے اٹھا کر مرتبہ الوہیت پر پہنچا دیا تھا۔ اب میں حضور نبی رحمت ﷺ کے اوصاف وفضائل بیان کرنے کی سعی ناتمام کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ جس طرح قرآن وحدیث میں آیا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ:253)

''یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے وہ بھی ہیں جن کے ساتھ اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجات بلند فرمائے''۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کو کسی نے'' خیر البریۃ'' (کائنات میں سب سے بہتر) کہا تو آپ نے فرمایا'' وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں'' البتہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خاتم

النبیین، امام الاولین والآخرین، اور مقتدا بنا کر بھیجا ہے۔ نیز وہ تمام صفات جو دیگر انبیاء میں متفرق تھیں وہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم موجود تھیں کیونکہ انبیاء تمام مخلوق میں سے افضل اور ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء کرام سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اسی افضلیت واکملیت کی بناپر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے سردار ہیں۔ اسی سرداری کی طرف سرکار ابد قرار ﷺ نے اشارہ فرمایا۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ مَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ

میں یوم قیامت اولاد آدم کا سردار ہونگا اور مجھے کوئی فخر نہیں میرے ہاتھ میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا اور یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ اور روز حشر سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والا بھی میں ہی ہونگا لیکن (یہ سب کچھ) فخر یہ نہیں کہہ رہا (اظہار شان مراد ہے) اس حدیث کو امام ترمذی نے جامع الترمذی میں روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

شان محمدی بزبان رسالت

امام ترمذی نے سند جید (عمدہ) سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی حضور! قریش نے اپنے حسب ونسب بیان کئے اور آپ کو ایک بلند جگہ کھجور کے درخت سے تشبیہ دی۔ اس پر آپ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے بہترین گروہ میں مجھے پیدا کیا پھر اللہ تعالیٰ نے قبائل میں سے بہترین قبیلہ میں سے مجھے پیدا کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بہترین خاندان میں سے مجھے پیدا فرمایا پس میں تمام لوگوں میں از روئے نفس اور خاندان بہترین ہوں۔ امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

امام ترمذی نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں ہی تمام نبیوں کا امام، خطیب اور صاحب شفاعت ہونگا لیکن مجھے کوئی فخر نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام دارمی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا'' حضور ﷺ کے چند صحابہ آپ ﷺ کے انتظار میں چشم براہ تھے حتی کہ آپ ﷺ جلوہ گر ہوئے قریب تشریف فرما ہوئے تو سنا کہ صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کی گفتگو سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا کوئی کہہ رہا تھا کتنی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا کوئی کہہ رہا تھا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی نشانی اور روح اللہ ہیں اور کوئی کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ (چنا ہوا) بنایا۔ آپ ﷺ جلوہ نما ہوئے اور سلام کیا پھر فرمایا" میں نے گفتگو سنی تم نے جیسا کہا ویسا ہی ہے۔ لیکن میں "حبیب اللہ" (اللہ کا محبوب) ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ روز قیامت "لواء الحمد" میرے ہاتھ میں ہوگا جس کے سائے میں آدم اور دیگر انبیاء کرام ہونگے لیکن مجھے کوئی فخر نہیں اس روز میں پہلا شفاعت کرنے والا ہونگا اور میری شفاعت قبول بھی کی جائے گی۔ لیکن کوئی فخر نہیں سب سے پہلے جنت کی زنجیر کو میں ہلاؤں گا جب میرے ساتھ فقراء مومنین بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ مجھے ان کے سمیت جنت میں داخل فرمائے گا لیکن مجھے کوئی فخر نہیں۔ الغرض میں اولین و آخرین میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مقام و رتبے والا ہوں لیکن مجھے کوئی فخر نہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روز حشر سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور تمام مخلوق کا قائد میں ہونگا جب سارے لوگ خاموش ہونگے تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گفتگو کروں گا جب گرمی حشر سے مخلوق خدا تنگ آئے گی تو میں انہیں کوثر سے جام پلاؤں گا۔ جب لوگ مایوس ہونگے تو میں ان کو خوشخبری سناؤں گا۔ اس دن کنجیاں میرے ہاتھ میں ہونگی میں اولاد آدم میں سب سے باعزت ہوں ایک ہزار غلام مانند موتی میری خدمت کیلئے موجود ہونگے۔ اسے بھی امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔

دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں ہی وہ پہلا انسان ہوں جس کے سر انور (جسم اطہر) سے روز قیامت زمین دور کی جائے گی اور میں یہ فخر سے نہیں کہہ رہا مجھے لواء الحمد دیا جائے گا اور یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا میں قیامت والے دن سب کا سردار ہونگا اور میں یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہونگا اور یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا۔

اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا" اللہ نے محمد ﷺ کو اہل آسمان پر فضیلت دی ہے۔ عرض کی گئی اس بات کی کوئی دلیل؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان سے یوں خطاب کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:29)

"جو کوئی ان میں دعویٰ ربوبیت کرے گا تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو یونہی جزا دیتے ہیں"۔

جبکہ حضور ﷺ سے یوں خطاب فرمایا ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۝ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
(فتح:2-1)

''ہم نے آپ کو فتح مبین (فتح مکہ) اس لئے عطا کی ہے تا کہ آپ پر لگائے گئے اگلے پچھلے الزمات کو اللہ تعالیٰ ختم فرمائے''۔

لوگوں نے عرض کیا انبیاء پر حضور ﷺ کی افضلیت کیسی ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (ابراہیم:4)

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے''۔

گویا حضور ﷺ کی رسالت صرف اپنی قوم تک نہیں بلکہ ہر قوم ہر قبیلہ نیز جن وانس کیلئے ہے۔

صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا۔

مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں۔

(۱) ایک مہینہ کی مسافت کی دوری سے دشمن پر رعب ودبدبہ کی بدولت میری مدد کی گئی ہے۔

(۲) میری امت کیلئے ساری زمین مسجد بنائی گئی میری امت میں سے جو بھی جہاں بھی نماز کا وقت پائے گا وہاں نماز پڑھے گا۔(تو اس کی نماز مسجد کی بجائے اس سرزمین پر قبول ہوگی)

(۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کیلئے حلال نہیں تھا۔

(۴) مجھے شفاعت کی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

(۵) اور مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی قوم یا کسی خاص قبیلے کیلئے بھیجا جاتا جبکہ مجھے تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے دیگر انبیاء پر سات چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (جامع کلمات) دیئے گئے ہیں۔ رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے، مال غنیمت کو میرے لئے حلال کیا گیا ہے۔ میرے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی ہے۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، میں خاتم النبیین ہوں اور جب میں سویا ہوا تھا زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا کی گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے جو بہترین قسم تھی مجھے اس میں پیدا کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے''۔

وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ (واقعہ:27)

''اصحابہ یمین کی کیا بات ہے''۔

پس میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور سب سے بہترین ہوں۔ پھر دونوں قسموں کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا۔ ان میں سے بہترین قسم میں مجھے پیدا فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿ۚۙ۱۰﴾ (واقعہ:8,9,10)

''جن کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے گئے ہیں وہ بہت اچھے ہیں اور جن کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے گئے ہیں وہ بہت برے ہیں''۔

پس سابقین میں سے سب سے اول میں ہی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے گروہوں سے قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلہ میں پیدا فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (حجرات:13)

''ہم نے تمہارے خاندان اور قبائل بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (لیکن) اللہ کے ہاں باعزت وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے''۔

پس میں تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قبائل کے خاندان بنائے اور مجھے بہترین خاندان میں پیدا فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (احزاب:33)

''اے اہل بیت اللہ تعالیٰ تم سے ہر قسم کی آلودگی دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں خوب پاک کرنا چاہتا ہے''۔

شفاعت عظمیٰ

مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا آپ نے اپنا پسندیدہ بازو کا گوشت اٹھایا اور اس سے گوشت تناول فرمایا اور ساتھ ارشاد فرمایا۔

''روز قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہونگا تم جانتے ہو اس سیادت کا سبب کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک وسیع میدان میں جمع کرے گا کہ وہ دیکھنے والے کے پیش نظر ہوں گے اور داعی کی آواز سنیں گے۔ سورج لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا لوگ نا قابل برداشت غم و کرب

میں مبتلا ہونگے ۔ آپس میں کہیں گے تم دیکھتے نہیں ہو ہماری کیا حالت ہو چکی ہے ۔ ایسی ذات کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس تمہاری سفارش کرے؟ پھر باہم مشورہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلیں گے اور عرض کریں گے ۔ اے آدم! آپ ابو البشر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا ہے اور اپنی جناب سے آپ میں روح پھونکی ہے ۔ اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا ہے نیز اس نے آپ کو جنت میں ٹھہرایا تھا ۔ آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں ۔ آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا پہلے کبھی نہ کیا ہے نہ کرے گا اس نے مجھے درخت کے پاس جانے سے روکا تھا لیکن میں نہ رک سکا ۔ آج مجھے اپنی جان کی پڑی ہے تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ ۔ تم ایسا کرو نوح کے پاس چلے جاؤ ۔ پس سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہونگے ۔ اور عرض کریں گے آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اللہ نے آپ کا نام شکر گذار رکھا ہے آپ دیکھتے ہیں ہم کس کرب سے گذر رہے ہیں آپ ہماری سفارش فرمائیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا غضب آج فرمایا ہے اس سے پہلے وہ نہ کبھی اتنا ناراض ہوا تھا نہ بعد میں ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دعا کا اختیار دیا تھا وہ میں نے اپنی قوم کے خلاف استعمال کر دی ہے ۔ آج مجھے اپنی پڑی ہے تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ ۔ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ ۔ اہل محشر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے اے خلیل اللہ اے اللہ کے نبی! اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے گا ۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں ۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے ۔ آج میرا پروردگار اتنا غضبناک ہے جتنا نہ پہلے کبھی تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا میں نے دنیا میں تین باتیں خلاف واقعہ (بطور مصلحت) کہیں ہیں ۔ اس لئے آج مجھے اپنی ذات کا خوف دامن گیر ہے ۔ تم کہیں اور چلے جاؤ ۔ تم موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں چلے جاؤ سارے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضری دیں گے اور عرض کریں گے اے موسیٰ! اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف کلام سے ممتاز فرمایا آپ ہماری اس ابتری کو نہیں دیکھ رہے ہماری خلاصی کیلئے اللہ کے ہاں شفاعت فرمائیں ۔ وہ فرمائیں گے آج اللہ جتنا غصہ میں ہے اتنا نہ کبھی تھا نہ آئندہ ہوگا میں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا جس کا مجھے حکم نہیں تھا ۔ آج مجھے اپنی جان کی پڑی ہے ۔ تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ ۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضری دیں گے ۔ اور عرض کریں گے اے عیسیٰ آپ رسول اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہیں ۔ آپ نے پنگھوڑے میں لوگوں سے کلام کیا ۔ آپ ہماری حالت زار سے خوب واقف ہیں ۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے

لئے شفاعت فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ آج میرا رب اتنا غضبناک ہے کہ نہ پہلے اتنا تھا نہ آئندہ ہوگا۔ مجھے اپنے آپ کی فکر ہے۔ تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ تم محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ۔ پس سارے لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دیں گے۔ اور عرض کریں گے اے محمد ﷺ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشوں کو معاف فرمادیا ہے۔ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیے۔ ہماری حالت آپ کے سامنے ہے۔ آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ پس میں عرش کے نیچے آ کر سجدہ کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کے ایسے دروازے کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولے گئے ہونگے۔ پھر مجھے آواز آئے گی اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھایئے مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی میں اپنا سر اقدس اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا۔ اے میرے رب میری امت! میری امت اے میرے رب! تو ارشاد ہوگا اے محمد (ﷺ) جنت کے دائیں دروازے سے اپنی امت کا وہ حصہ داخل فرمائیں جس پر کوئی حساب نہیں آپ کی امت کے یہ جنتی لوگ دوسرے دروازوں میں بھی لوگوں کے ساتھ ہونگے۔'' مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جنت کے کواڑوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ''ہجر'' یا مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے''۔

عالمین پر فضیلت کے متعلق حضور ﷺ کی شان میں احادیث مبارکہ کثیر بھی ہیں اور واضح بھی ہیں۔ آپ کی یہ شان کیا کم ہے کہ شب معراج مقام قرب کے مرتبہ پر فائز ہوئے جسے ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' کے ذریعے بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے مقام رفیع پر فائز ہونے کے بعد ہی فرمایا ''انا سید الناس ''(میں تمام لوگوں کا سردار ہوں) نیز فرمایا روز قیامت آدم علیہ السلام تمام انبیاء اور تمام مخلوق الٰہی میرے جھنڈے کے نیچے ہونگی ان سے بھی حضور ﷺ کی سیادت و قیادت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سید (سردار) وہی ہوتا ہے۔ جو جامع الصفات ہو اور جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو سب سے معزز و مکرم ہو۔ اسی طرح آپ نے فرمایا روز قیامت میں ہی امام اور خطیب اور شافع ہونگا۔ چونکہ امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے اسی طرح شافع بھی جس کے حق میں شفاعت کی جاتی ہے اس سے افضل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ ثواب و مرتبہ میں سب سے اعلیٰ ہیں۔

انا اکرم الاولین والآخرین......(الحدیث)

میں جو بزرگی اور عزت کے معانی ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہیں؟

حدیث شفاعت (جس کا پیچھے ذکر ہے) میں مذکور فضائل و خصوصیات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اس حدیث میں شفاعت عظمیٰ کا ثبوت ہے۔ یہ شفاعت عظمیٰ ان پانچ شفاعتوں میں سے ایک ہے

جو صرف سرکار ابد قرار ﷺ کو حاصل ہیں اور کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں۔ ان میں سے پہلی شفاعت روز حشر حساب کتاب کے شروع کیلئے ہے دوسری ان امتیوں کیلئے ہے جو بلا حساب و کتاب حضور ﷺ اور فقراء مومنین کے ہمراہ جنت میں داخل ہونگے۔ تیسری وہ شفاعت ہے جو مومنین کو دوزخ سے نکالنے کیلئے کی جائے گی۔ چوتھی شفاعت ان خوش نصیبوں کیلئے ہوگی جنھیں گناہوں کے بوجھ نے جنت میں داخل ہونے سے روکا ہوگا۔ (ان کے جنت میں داخل ہونے کیلئے شفاعت) اور پانچویں وہ شفاعت ہے جو امت کے درجات کی بلندی کیلئے کی جائے گی۔

یہ پانچوں شفاعتیں کسی اور نبی کیلئے کسی بھی وقت ثابت نہیں۔ یہ صرف اور صرف ہمارے آقا و مولا ﷺ کی خصوصیت ہے۔

ایک نکتہ

حدیث شفاعت میں ہر نبی اپنے مابعد کا ذکر کرتا ہے ابتداء ہی سے حضور ﷺ کا نام گرامی نہیں لیا جاتا۔ تاکہ دیگر انبیا علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت مزید ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ اگر ابتداء ہی میں آپ کا نام گرامی ذکر کیا جاتا تو شفاعت کے متعلق دیگر انبیاء کا انکار ظاہر نہیں ہوتا۔ (لہٰذا جس کام سے سب کا عجز ظاہر ہو گیا اسے ہمارے آقا نے کر کے دکھایا) قابل توجہ یہ امر بھی ہے کہ ہر نبی کسی نہ کسی لغزش کا ذکر کرتا ہے اور شفاعت کرنے سے انکار کرتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی کسی لغزش کا ذکر نہیں کرتے اس کے باوجود شفاعت کرنے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ عزتوں کے اس تاج کا مستحق کوئی اور (ﷺ) ہیں۔

ایک اور نکتہ جو اس حدیث پاک سے حل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو وہ علم عطا نہیں کیا جو علم اپنے حبیب مکرم ﷺ کو عطا کیا ہے۔ جس کی ایک لڑی یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح 2:)

اگر دیگر انبیاء کو اپنی لغزشوں کی معافی کا علم ہوتا تو کبھی بھی اس لغزش کو شفاعت سے رکوانے کا ذریعے نہ بتاتے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ اتنی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ حضور ﷺ نے مشہور حدیث کے ذریعے اپنی فضیلت بیان کرنے سے روکا ہے۔

علماء اس کے پانچ جوابات دیتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ نہی اس دور کی ہے جس میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

دوسرا یہ کہ اس فضیلت سے روکا گیا ہے جو ممنوع اور باعث فتنہ وفساد ہو۔ تیسرا یہ کہ اس فضیلت سے روکا گیا ہے جو دوسروں (دیگر انبیاء) کی شان میں باعث تنقیص ہو۔ چوتھا یہ ہے کہ نفس نبوت میں سب نبی برابر ہیں۔ اور پانچواں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسبب عاجزی وانکساری فرمایا ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید یہ حدیث پاک بھی کرتی ہے۔ سرکار علیہ السلام نے فرمایا "کسی کیلئے مناسب نہیں کہ یوں کہے کہ میں (حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یونس بن متی (حضرت موسیٰ کے ساتھی) سے افضل ہوں" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (باوجود اس کے کہ آپ یونس بن متی سے بہتر ہیں) یہ فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ سے حیاء اور عاجزی کی وجہ سے فرمایا کیونکہ قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (قلم:48) (یونس بن متی کی طرح نہ ہو جایئے) یہ یقینی امر ہے کہ آپ ضرور ان کی طرح نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ نہی ہے اور نبی ہر روکے ہوئے کام سے رک جاتا ہے۔

فضیلت انبیاء خاص علماء کا کام ہے جو کامل اور اکمل، فاضل اور افضل انبیاء میں تفریق کر سکتے ہوں۔ البتہ عوام الناس کو اس سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ عوام مفضل (جس پر فضیلت دی جائے) کو نقص کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دوسروں کو اس پر فضیلت نقص کی وجہ سے دی گئی ہے (حالانکہ یہ بات نہیں) درحقیقت عوام الناس کامل، اکمل اور فاضل وافضل کے درمیان تفریق نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کو "فضیلت دینے" کے میدان میں آنے سے روکا گیا ہے۔ تاکہ دیگر انبیاء کے بارے میں عوام الناس کا عقیدہ خراب نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ حدیث شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار "وَلَا فَخْرَ" فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس مرتبہ عالیہ پر فائز ہیں اسے خاطر میں لایئے۔ سورۃ انعام میں ارشاد ربانی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام:90)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ دیگر انبیاء کرام کی ہدایت کی پیروی کریں۔ (ان تمام کی ہدایت کی آپ پیروی کریں) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حکم عدولی سے محفوظ فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعثت سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رذائل سے پاک رکھا۔ نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سترِ عورت کا بہت خیال رکھا حتیٰ کہ تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو جب اپنی چادر مبارک پر رکھا تو اپنے جسم کا جو حصہ ڈھانپنا ضروری تھا۔ اسے ڈھک دیا۔ جب بعثت سے پہلے یہ عنایات الٰہیہ حاصل تھیں تو بعثت کے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔ یقیناً ہر نبی کی ہدایت فقط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ذات پاک میں یکجا تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض خوبیاں ایسی ہیں جن میں کوئی اور نبی ہمسری نہیں کرسکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا کہ وہ میرے حبیب مکرم ﷺ پر ایمان بھی لائیں گے اور ان کی مدد بھی کریں گے۔ اسی طرح حدیث پاک بھی ہے۔

لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَا تَبِعَنِیْ

''اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کرتے''۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ تمام مخلوق کیلئے نبی ہیں۔ اس لئے جس نے بھی آپ ﷺ کا زمانہ پایا اس پر اتباع واجب ہوگئی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول فرمائیں گے تو امتی بن کر دین اسلام کی تبلیغ فرمائیں گے مومن امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور مخالفین اسلام کے ساتھ جہاد کریں گے۔

حضور ﷺ اپنی ذات، دعوت اور آخرت کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر صفت، نبوت اور رسالت مکمل ہے۔ آپ حبیب اللہ کے مقام پر فائز ہیں۔ اللہ کا دیدار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مقام ناز پر فائز ہیں۔

حسن سیرت وصورت کا مرقع اور معصوم نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث فرمایا ہے آپ کو بہترین خاندان اور بہترین نسل سے پیدا فرمایا۔ آپ کے خلق (اخلاق) کا یوں تذکرہ فرمایا۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم:4) ''آپ اخلاق کریمانہ کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں''۔

آپ کی رحمت کے باری آئی تو یوں ارشاد ہوا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ:128)

''حضور ﷺ کو تمہارا مصیبت میں پڑنا گراں گذرتا ہے اور آپ مومنین پر مہربان و رحیم ہیں''۔

آپ کی دعوت اکمل ترین ہے کیونکہ آپ کی شریعت نے دیگر تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا گویا

آپ امام ہوئے اور دیگر انبیاء مقتدی روز قیامت آپ ﷺ کی شان نرالی ہوگی۔ کیونکہ اس دن آپ کوشفاعت، مقام محمود اور وسیلہ اور بلند درجات سے سرفراز کیا جائے گا۔

روز حشر آپ ﷺ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور جنت میں بھی آپ ﷺ سب سے پہلے داخل ہونگے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے لیکن میں نے وہ دعا قیامت کیلئے شفاعت کی صورت میں بچار کھی ہے۔ (اس دن مقبول ہوگی)...... (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح حدیث مروی ہے۔ یعنی دیگر انبیاء نے اپنی دعا کو اپنی قوموں کے خلاف استعمال کیا لیکن ہمارے رحیم و کریم آقا نے ہمارے گناہوں کی بخشش کیلئے اپنی دعا کو محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کیلئے بددعا کا ذکر کریں گے۔ چونکہ ہمارے رسول ﷺ رؤوف رحیم ہیں۔ اس لئے آپ نے اس خصوصی دعا کو اس خاص دن کیلئے بچا رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم:4)

وضاحت کیلئے صحیحین کی یہ حدیث ہی کافی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ احد کے دن سے زیادہ سخت بھی کوئی دن آپ پر گذرا ہے؟ فرمایا کہ یوم عقبہ وہ سخت دن تھا جس دن مجھے احد کے دن سے بھی زیادہ تکلیف پہنچی اس دن میں نے عبد یالیل بن عبد کلال سے پناہ مانگی لیکن اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اس دن مجھے شدید بخار تھا۔ "قرن ثعالب" کے مقام پر پہنچا تو بہت نقاہت محسوس ہو رہی تھی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے تھا میں نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آواز دی۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتوں کو سن لیا ہے۔ یہ پہاڑوں پر مامور فرشتہ حاضر ہے تاکہ آپ جو چاہیں اسے حکم کریں۔ اس فرشتے نے مجھے سلام کیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی باتوں کو سن لیا ہے آپ چاہیں تو مجھے حکم کریں میں ان پر دو پہاڑ برابر کردوں گا۔ لیکن ہمارے رحیم آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے موحد پیدا ہوں گے۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد پاک ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (حجر:72)

"تیری زندگی کی قسم! یہ اپنی اس گمراہی میں بھٹکتے پھرتے ہوں گے"۔

جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے وہ قسم اٹھانے والے کے ہاں معزز و مکرم ہوتا ہے۔ یہ عزت و تکریم کیا

کم ہے؟

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کو نام لے کر پکارا جبکہ حضور نبی پاک ﷺ کو "یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ، اور یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ" کہہ کر پکارا ہے۔ خطاب کے حسن کو پہچاننے والے پر اس خطاب کا حسن پوشیدہ نہیں۔

کثرت ثواب میں بھی آپ ﷺ تمام انبیاء سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن آپ کی امت اہل جنت کے نصف یا دو تہائی ہوگی۔ اور حضور ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ جس کسی نے نیکی کی طرف کسی کو بلایا تو نیکی کرنے والے جتنا ثواب بلانے والے کیلئے بھی ہوگا۔ نیکی کرنے والے کے ثواب میں کمی بھی نہ کی جائے گی۔ پس جس نے بھی حضور ﷺ کی اتباع کی اور آپ کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی یا آپ ﷺ کے کسی حکم پر عمل کیا۔ تو اس کا ثواب بھی حضور ﷺ کو پہنچے گا۔ لہٰذا قیامت والے دن حضور ﷺ کا ثواب بہت زیادہ ہوگا حتی کہ جنتیوں کے نصف یا دو تہائی سے بھی زیادہ ہوگا کیونکہ آپ کی امت جنتیوں کے نصف یا دو تہائی ہوگی۔ پھر آپ کی امت کا ثواب بھی دیگر امم کے ثواب سے بہتر ہے کیونکہ ارشاد باری ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ......الخ

"تم بہترین امت ہو"۔

لہٰذا ان کے اعمال کا ثواب بھی بہترین ہوگا۔

دارمی حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم نے تورات میں پڑھا ہے کہ محمد (ﷺ) نہ سخت مزاج ہیں نہ بازاروں میں بے مقصد نکلتے ہیں اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ لیکن معاف فرمانے والے درگزر فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کی امت حمد بیان کرنے والی ہے اور وہ ہر بلند جگہ پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر بیان کرتے ہیں۔ (ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں) تہبند باندھتے ہیں جنگ اور نماز میں ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ رات کے وقت عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور ان کی آواز سے ایسے گونج پیدا ہوتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی گونج ہوتی ہے۔ آپ ﷺ مکہ میں پیدا ہونگے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے اور شام تک آپ کی حکومت پھیلے گی (مزید اضافہ بھی ہوگا) ایک اور روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ وہ امت نماز کو اس کے وقت پر پڑھے گی اگر چہ کھجور کے سر پر کیوں نہ پڑھنی پڑے۔ پس جب ان اوصاف کی حامل امت کے اعمال صالحہ کا ثواب حضور ﷺ کے اعمال نامہ میں لکھا جائیگا تو ثواب میں آپ کے ساتھ کوئی اور برابری کر سکے گا؟ نیز آپ ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ نے جنوں کو ایمان کی طرف بلایا تو وہ

ایمان لے آئے۔ پس آپ ﷺ کو ثقلین (جن و انس) کا ثواب بھی پہنچتا رہے گا۔ یہ ایک عظیم خصوصیت ہے۔ لیکن ایک اور خصوصیت جو آپ ﷺ کو تا قیامت حاصل رہے گی وہ یہ ہے کہ ہر نبی کا معجزہ اس کی ظاہری زندگی تک ہوتا وصال کے بعد وہ معجزہ ختم ہو جاتا۔ لیکن حضور ﷺ کے معجزات تا قیامت روشن رہیں گے۔ اور کوئی مدمقابل اس کے سامنے دم نہیں مار سکے گا۔ آپ ﷺ کا سب سے پہلا اور عظیم معجزہ قرآن حکیم ہے۔ آج تک کوئی باطل قرآن کا مقابلہ نہ کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔ خود قرآن گویا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (الاسراء:88)

یعنی تمام لوگ مل کر بھی قرآن جیسی کتاب نہیں لا سکیں گے۔ اور نہ ہی اس کے کسی لفظ کو حذف یا تبدیل کر سکتے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر:9)

اس قرآن کو نازل کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا خود اللہ ہے تو کون اس میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ اس قرآن کے دائمی معجزہ ہونے کی وجہ سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

حدیث پاک ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی جناب سے وحی کی جاتی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ روز قیامت میری امت تمام امتوں سے زیادہ ہوگی۔

آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ اپنی حیات پاک میں غیب کی خبروں کا دینا ہے۔

مثلاً گزشتہ جنگوں اور لڑائیوں نیز فتنوں اور آزمائشوں کے متعلق بتانا نیز عیسیٰ علیہ اسلام کے نزول، دجال کا ظہور، فتح قسطنطنیہ، بڑی جنگ، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، یاجوج و ماجوج کا ظہور اور ہمارے دور کے قریب دور میں تاتاریوں کا خروج اور حجاز مقدس کی آگ وغیرہ وہ تمام پیشگوئیاں ہیں جو حضور ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں فرما دی تھیں اور تا قیامت حرف بہ حرف صحیح ثابت ہونگی۔

الغرض حضور ﷺ کے معجزات اکمل ترین معجزات ہیں اور ان جیسے معجزات کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئے دیگر انبیاء کے معجزے کافی حد تک ایک دوسرے سے مشابہ ہوئے۔ نبی کے بعد ہر ولی کی کرامت اس نبی کا معجزہ ہوتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (آل عمران:81)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ...... الخ

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا وعدہ لیا ہے۔ اور آپ کو دیگر انبیاء کا رسول بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی نے دعا کی کہ الٰہی ہمیں اس نبی برحق ﷺ کا زمانہ پاک نصیب فرما۔ گویا ان تمام کے معجزات حضور ﷺ کے معجزات کہلائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی اور توراۃ میں بہت ساری بشارتوں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اتباع پر ابھارا گیا ہے۔ پس ہر نبی کا معجزہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں شمار ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کا ظہور حضور ﷺ سے ہوا ہو یا آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوا ہو کیونکہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یا میلاد (ولادت) اور اس کے بعد ایسے معجزات صادر ہوئے ہیں جو آپ ﷺ کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا، درختوں کی گفتگو، آپ ﷺ کی ولادت کے بعد شیاطین کو شہاب ثاقب سے مارنا، اصحاب فیل کی ہلاکت، ولادت کے وقت ایوان کسریٰ کا ہلنا، فارس کے آتش کدے کا بجھنا، ملائکہ کا آپ ﷺ کے دل انور کو دھونا اور ایمان وحکمت سے بھرنا اور بادلوں کا آپ ﷺ پر سایہ کرنا اور ان کے علاوہ بے حد و بے شمار معجزات ہیں جن کا ظہور آپ سے ہوا۔

علماء حق کا مذہب ہے کہ نبوت، رسالت ان کے خواص، موجبات اور تقاضے چھوڑ کر باقی نبی کا ہر معجزہ ولی کی کرامت بن سکتا ہے۔ اور یہ کرامات دیگر امتوں کی بنسبت حضور ﷺ کی امت میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔

صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والوں میں کچھ اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جو پانی پر چلے ہیں کچھ نے ہوا میں پرواز کی ہے۔ کسی کے ساتھ جمادات نے گفتگو کی ہے۔ سرکش جانور اللہ کے ان دوستوں کے مطیع وفرمانبردار ہو چکے ہیں۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہوں نے مردوں کو زندہ کر دیا ہے کچھ نے جلتی آگ میں چھلانگ لگائی ہے۔ لیکن آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔ بڑے بڑے خطرات نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اسلاف میں سے بہت سارے بزرگوں سے اس قسم کے واقعات رونما ہوئے ہیں ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے تابع ہوتی ہے۔ کیونکہ ولی کو یہ مقام نبی کی ہدایت کی وجہ سے ملا ہے بالفرض اگر ولی اپنے نبی کی مخالفت کرے تو اس کی امت میں ہونے کی وجہ سے ملا ہے بالفرض اگر ولی اپنے نبی کی مخالفت کرے تو اس سے کرامت کا ظہور نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی خلاف عادات کام نبی کے مخالف سے صادر ہو تو اسے کرامت نہیں بلکہ شیطانیات سے یا دھوکہ دہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ ولی سے کرامت کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ولی صحیح دین پر ہے۔ پس اس امت کے اولیاء سے

کرامات کا ظہور اس بات پر شاہد ہے کہ دین محمد علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام صحیح دین ہے۔ اور اس دین کی طرف ہدایت کرنے والے نبی ﷺ سچے ہیں۔

گزشتہ انبیاء کرام سے جو معجزے ظاہر ہوئے تھے۔ وہ حضور ﷺ سے بدرجہ اتم رونما ہوئے۔ یا وہ آپ ﷺ کے امتیوں سے سرزد ہوئے ہیں۔

گزشتہ انبیاء کرام میں سے کسی کے ہاتھ کشتی مومنین سمیت ساحل آشنا ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ گلزار بن گئی۔ موسیٰ علیہ اسلام کا عصا سانپ بن گیا، انہوں نے اللہ سے کلام کیا دریا پر عصا مارا تو اس میں راستے بن گئے، اور پتھر سے پانی کے چشموں کو جاری کیا۔ یوشع علیہ السلام کیلئے اس وقت سورج کو لوٹایا گیا جس وقت آپ سرکشوں سے جہاد میں مصروف تھے۔ من وسلویٰ کا اترنا قوم موسیٰ کیلئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا۔ آسمان سے خوانچہ کا نزول اور گھروں میں لوگ جو کچھ کھاتے یا جمع کرتے اس کی خبر دینا۔ یہ تمام معجزے گزشتہ انبیاء کرام سے ظاہر ہوئے ہیں۔

پس نوح علیہ السلام کی کشتی کا پانی کی سطح پر ٹھہرنا۔ حضور ﷺ کے ساتوں آسمانوں پھر سدرہ المنتہیٰ اور قاب قوسین کے مقام پر جانے سے زیادہ بہتر اور بلیغ نہیں ہے۔ کیونکہ پانی کا کشتی کو اپنے اوپر ٹھہرانا کہاں اور ہوا (جو لطیف ہے) کا حضور ﷺ کو ٹھہرانا کہاں۔ اور آپ ﷺ کا وقت قلیل میں واپس مکہ آنا ایک معجزہ ہے۔

اس امت میں سے اکثر اولیاء کرام سطح پانی پر چلتے رہے ہیں۔ مثلاً علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت جہاد پر جارہے تھے کہ راستے میں بہت بڑا دریا آ گیا جسے بآسانی عبور کرنا ناممکن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے۔ انہوں نے دریا عبور کیا جبکہ وہ پانی سے تر تک نہیں ہوئے۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ اور قوم نوح اور قوم موسیٰ سے زیادہ بلیغ بھی ہے۔ کیونکہ ان کیلئے پانی کو زمین سے ہٹا دیا گیا تھا اور وہ زمین پر چل رہے تھے یہ عادتاً ممکن ہے جبکہ سمندر کا پھٹنا ماوراء العقل ہے۔ لیکن حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ آپ اپنی فوج سمیت سطح پانی پر اس طرح چل رہے تھے جس طرح زمین پر چلا جاتا ہے جبکہ پانی نے انہیں تر بھی نہ کیا۔ گویا پانی اپنی طبعی نرمی اور نمی کو چھوڑ گیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا بجھنا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس میں کودنا بھی بڑا معجزہ ہے لیکن حضور ﷺ کی تشریف آوری کے وقت فارس کا وہ آتشکدہ بجھ گیا جو گزشتہ ہزار سال سے کبھی نہ بجھا تھا۔

اور یہ معجزہ وحی سے چالیس سال قبل کا ہے۔ نیز ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں کودنے سے وہ بجھ گئی تھی لیکن ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے تو آگ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن محض ظاہری دنیا میں تشریف آوری سے مسلسل روشن کی جانے والی آگ بجھ گئی۔ یہ معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ بلیغ ہے۔

اس امت میں ایسے عظیم بزرگ بھی گذرے ہیں کہ آگ ان پر اثر نہیں کر سکی۔ مثلاً حضرت مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو جب ''اسود عنسی'' نے آگ میں ڈالا تھا تو آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اسود عنسی کی نبوت ماننے سے انکار کیا تھا۔ اور حضور ﷺ کی نبوت کو دل و جان سے قبول کیا تھا۔

ایمان افروز واقعہ

اسماعیل بن عیاش شرحبیل بن مسلم خولانی سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا جبکہ وہ یمن میں تھا۔ اس نے ابو مسلم خولانی کو پیغام'' بھیجا اور پوچھا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں انہوں نے فرمایا ہاں'' اسود نے کہا پھر یہ گواہی بھی دے کہ'' میں بھی اللہ کا رسول ہوں''۔

انہوں نے انکار کیا اس پر اسود نے بہت بڑی آگ جلانے کا حکم دیا اور ابو مسلم کو اس میں ڈال دیا لیکن آگ نے انہیں کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ پھر انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ آپ مدینہ تشریف لائے جبکہ حضور ﷺ پردہ فرما گئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنائے گئے تھے۔ آپ نے اپنی سواری مسجد نبوی ﷺ کے باہر باندھی ایک ستون کے پاس نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا قریب آ کر پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا یمن سے پھر پوچھا اس دشمن الٰہی (اسود) نے ہمارے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا جو آگ میں ڈالنے کے باوجود صحیح سالم تھا؟ انہوں نے کہا وہ تو عبداللہ بن ثوب ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں صحیح صحیح بتاؤ وہ تم ہی تھے؟ انہوں نے کہا'' میرے اللہ! ہاں وہ میں ہی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے انہیں اپنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا۔ اور کہا'' اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی زندگی میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے اس انسان کو دیکھنے کا موقع دیا۔ جس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام جیسا معاملہ پیش آیا (یعنی آگ میں ڈالے گئے)

اسماعیل کہتے ہیں۔ مجھے ایسی قوم ملی جو یمن سے آئی تھی اور مدد طلب کر رہی تھی کہ عنس کے پیرو کاروں نے ہمارے مسلمان بھائی کو آگ میں ڈالا لیکن آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ اسے صاحب

الحلیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جھوٹے نبیوں کے دعوؤں کو باطل قرار دیا ہے۔

''منجنیق (توپ) میں سے پھینکنا یہ واقعہ بھی اس امت کے ایک سپوت کے ساتھ پیش آیا ہے۔ مسیلمہ کذاب (جھوٹے نبی) کے ساتھی ایک قلعہ میں بند تھے براء بن مالک نے کہا کہ انہیں منجنیق پر بٹھا کر دیوار کے اوپر سے قلعہ میں پھینک دیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر دروازہ کھولا اور مسیلمہ کے پیروکاروں کی ایک بڑی جماعت قتل کی گئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا زندہ ہونا'' اس کی مثال سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا ہے ان کی تسبیح کی آواز حاضرین نے بھی سنی تھی۔ اس طرح کھانے کا ذکر کرنا جبکہ وہ کھایا جا رہا تھا، کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا، پتھروں کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کرنا، درختوں کا آپ کے حکم سے اپنی جگہ چھوڑ کر آنا اور پھر اپنی جگہ پر چلے جانا وغیرہ۔

دارمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک دفعہ حضور ﷺ کے ساتھ سفر پر جا رہے تھے ایک بدو (دیہاتی) آیا اور حضور ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے کہا گھر والوں کے پاس۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''آپ کو بھلے کی بات نہ بتاؤں'' پوچھا کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا گواہی دو کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس نے پوچھا اس کلمہ کی گواہی کوئی اور بھی دیتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں یہ درخت بھی گواہی دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا وہ وادی کے کنارے سے زمین کو پھاڑتے ہوئے آ کر آپ کے سامنے ٹھہر گیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے تین دفعہ گواہی لی اور اس درخت نے تین دفعہ توحید و رسالت کی گواہی دی۔ پھر اپنی جگہ جا کر کھڑا ہوا۔ اعرابی نے کہا میں اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اگر انہوں نے میری بات مانی تو انہیں بھی آپ کی بارگاہ میں لے آؤں گا نہیں تو میں اکیلے حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' میں مکہ کے اس پتھر کو آج بھی پہچانتا ہوں جو نبوت سے قبل مجھ پر سلام بھیجا کرتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک دفعہ سرکار علیہ السلام کی معیت میں مکہ کی ایک وادی کی طرف گئے ہم جس پہاڑ یا درخت کے پاس سے گذرتے وہ یوں کہتا۔'' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ '' اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔

امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم کھانا کھاتے ہوئے اس کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ایک بدو خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور پوچھا میں کیسے جان سکتا ہوں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا'' کھجور کا یہ خوشہ میری رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ یہ الفاظ سنتے ہی وہ خوشہ درخت سے گرنے لگا اور حضور ﷺ کے سامنے ٹھہر گیا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ تو وہ خوشہ لوٹ گیا یہ دیکھ کر وہ اعرابی (بدو) ایمان لے آیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث'' حسن صحیح'' ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کو ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے کسی انصاری عورت یا مرد نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کیلئے منبر نہ بنائیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بناؤ لہٰذا آپ کیلئے منبر بنایا گیا اگلے جمعہ آپ علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے تو وہ تنا بچے کی طرح رونے لگا آپ ﷺ نے منبر سے اتر کر اسے سینے سے لگایا۔ تو جس طرح بچہ والدہ کی گود میں پرسکون ہوتا ہے اسی طرح اسے بھی قرار آ گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ تنا حضور ﷺ کے منہ مبارک سے نکلنے والے الفاظ کے سننے سے محرومی کے باعث رونے لگا تھا۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسے انس، ابی بن کعب، جابر، ابن عمر، سہل، ابن عباس اور ام سلمٰی رضوان اللہ علیہم وعلیہا اجمعین نے روایت کیا ہے۔

یہی حدیث یزید بن الحصین سے بھی مروی ہے ایک روایت میں یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نے تنے کے بلکنے کو سنا تو اس کی طرف تشریف لائے اور اس پر اپنا دست شفقت رکھتے ہوئے فرمایا چاہو تو تمہیں اسی جگہ پہلے کی طرح سرسبز و شاداب کر دوں اور چاہو تو تجھے جنت میں لگا دوں تو جنت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہو تو خوب پھلدار ہو اور اللہ کے دوست تیرے پھل کھائیں۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے سرکار نے دو مرتبہ فرمایا'' اچھا میں نے ایسا کر دیا'' حضور ﷺ سے عرض کی گئی اس نے کیا اختیار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے جنت کو پسند کیا۔

حرف اخیر

پس یہ جمادات حضور ﷺ کیلئے حیات کاملہ سے زندہ کئے گئے۔ ان کی زندگی عصائے موسوی سے کئی لحاظ سے کامل و بلیغ تھی۔

مثلاً عصائے موسوی جمادات سے حیوانات میں بدل گیا تھا اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً نطفہ (جو

بے جان ہے) سے جاندار کا پیدا ہونا۔ لیکن جمادات کو اسی شکل میں رکھ کران میں زندگی کا پیدا ہونا بڑا معجزہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصا میں جوزندگی تھی وہ عقل سے خالی تھی۔ لیکن کھجور کے تنے میں جوزندگی تھی وہ سوچ وسمجھ کے ساتھ تھی تو اس نے ذکر کی عظمت کو جان لیا اور فراق نبی ﷺ کو محسوس کیا گویا تنا حیوان عاقل (انسان) کی طرح ہو گیا تھا۔

پھر عصا بولنے سے بھی قاصر تھا جبکہ درخت پتھر اور تنا بولنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ تبھی تو انہوں نے تسبیح وتقدیس بیان کی نیز شہادت بھی دی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر بھی گفتگو کی لیکن ہمارے آقا مولیٰ ﷺ سے ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر گفتگو فرمائی۔ اور کلام کے ساتھ ساتھ اپنی زیارت سے بھی مشرف فرمایا۔ یہ شرف کسی اور حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو باقی کتب کیلئے ناسخ بنایا ہے۔

اگر یوشع علیہ السلام کیلئے سورج کا رکنا ثابت ہے تو حضور ﷺ کیلئے چاند کا دو ٹکڑے ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ نیز قرآن نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی رحمت ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہ معجزہ یوشع علیہ السلام کیلئے سورج کے ٹھہرنے سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے بھی تو سورج ٹھہرایا گیا تھا۔ یونس بن بکیر روایت کرتے ہیں ۔ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی تو کفار نے اپنے تجارتی قافلہ کے بارے میں پوچھا آپ نے علامت بیان فرمائی پھر انہوں نے پوچھا وہ قافلہ مکہ کب پہنچے گا آپ نے فرمایا بدھ کے روز پہنچے گا۔ پس قریش اس روز باہر نکل کرانتظار کرنے لگے۔ شام ہونے لگی لیکن قافلہ نہ آیا آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو دن لمبا ہو گیا۔ (حتی کہ قافلہ پہنچ گیا) پس انبیاء علیہم السلام میں سے یوشع بن نون علیہ السلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ہی سورج رہ گیا تھا۔

امام طحاوی نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ نماز عصر کیلئے بھی حضور ﷺ کی خاطر سورج بعد از غروب لوٹایا گیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی کے چشمے رواں کیے تھے تو حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ بلیغ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی سفر میں) ہمیں سخت پیاس لگی ہم حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے مٹی کے ایک برتن میں ہاتھ مبارک رکھا اور پھر نکالا تو

انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ آپ نے فرمایا اللہ کا نام لیکر پیو۔ پس ہم نے پیا یہاں تک کہ سیراب ہوئے۔ کثیر بن مرہ فرماتے ہیں ہم نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کی تعداد کتنی تھی انہوں نے فرمایا ہم پندرہ سو تھے لیکن اگر ہماری تعداد ایک لاکھ ہوتی تب بھی وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔

حضرت علقمہ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چاند گرہن کے بارے میں سنا تو فرمایا ہم صحابہ رسول اللہ ﷺ آیات الٰہیہ برکت کیلئے پڑھتے اور تم لوگ صرف خوف کے وقت پڑھتے ہو۔ ایک دفعہ کسی سفر میں ہمارا پانی ختم ہو گیا حضور ﷺ نے فرمایا کسی کے پاس اگر بچا ہوا پانی ہے تو وہ لائے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تھوڑا سا پانی لایا گیا آپ نے اس پانی کو ایک برتن میں ڈالا اور اس میں اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا "آؤ مبارک پاکیزگی کی طرف اور برکت کی طرف" پس ہم نے پانی پیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو انس رضی اللہ عنہ اور حضرت مالک سے روایت کیا ہے۔ پس پتھر سے پانی کا جاری ہونا کہاں اور ہاتھ سے پانی جاری ہونا کہاں۔ پتھر سے تو پانی نکلتا ہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ (بقرہ:74)

"کہ پتھر سے پانی کی نہریں بہتی ہیں"۔

اگر آسمان سے "مائدہ" (دسترخوان) اتر تا رہا ہے تو حضور ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے کھلایا بھی ہے اور پلایا بھی۔ نیز جنت سے آئے ہوئے انگور کا گچھا بھی کھلایا ہے۔

ابن المبارک اپنی سند کے ساتھ مسلمۃ الشکوی سے اور دیگر سلمہ الشکوی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس آسمان سے کبھی کھانا آیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" پوچھا کیا کچھ بچا بھی تھا فرمایا "ہاں" پوچھا گیا اس کا کیا بنا۔ آپ نے فرمایا اسے دوبارہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا۔ اسے ایک گروہ کے سامنے رکھا گیا اس نے کھانا کھایا اور پے در پے صبح سے ظہر تک لوگ گروہ در گروہ آتے گئے اور کھاتے گئے۔ سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس میں کھانا کہاں سے آتا تھا آپ نے

فرمایا حیرانگی کی کونسی بات ہے؟ آسمان سے آتا تھا۔ اور کہاں سے آتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا میں نے حضور ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے لگتا ہے آپ کو بھوک لگی ہے۔ کیا کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں" جو کی روٹی کے کچھ ٹکڑے ہیں۔ انہوں نے انہیں ایک چادر میں چھپا دیا اور اس چادر کا بقیہ حصہ مجھے اوڑھا دیا۔ پھر مجھے (انس کو) حضور ﷺ کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ میں نے دیکھا حضور ﷺ صحابہ کی معیت میں تشریف فرما ہیں۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ سرکار نے پوچھا انس! ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ نے پوچھا کھانا دیکھ کر بھیجا ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ نے صحابہ سے فرمایا اٹھو ابو طلحہ کے گھر چلیں۔ اور میں (انس) ان کے آگے آگے جا رہا تھا۔ گھر آ کر ساری صورت حال بتا دی ابو طلحہ نے ام سلیم سے کہا حضور تشریف لا رہے ہیں ساتھ صحابہ بھی ہیں۔ جبکہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ جب آپ تشریف لائے تو پوچھا کچھ ہے؟ میں نے وہ ٹکڑے پیش کر دیئے حضور ﷺ نے ام سلیم کو حکم دیا کہ ثرید کر کے کھلاؤ صحابہ کرام کھاتے گئے اور نکلتے گئے حتیٰ کہ ستر یا اسی افراد سیر ہو گئے۔

امام بخاری ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد وفات پا گئے اور ان پر قرض تھا میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور والد صاحب پر قرض ہے اور میری کھجوریں اتنی نہیں جن سے قرض ادا ہو سکے آپ میرے ساتھ تشریف لائیں تاکہ قرض خواہوں کو علم نہ ہو آپ کھجوروں کے پاس تشریف لائے اور دعائے برکت فرمائی۔ پس دعا کے اثر سے قرض بھی ادا ہوا اور اس کے برابر کھجوریں بچ بھی گئیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سورج گرہن لگ گیا حضور ﷺ نے نماز پڑھی پھر سورۂ بقرہ کے مقدار کھڑے رہے اور جب تک سورج روشن نہیں ہوا کھڑے رہے پھر فرمایا یہ سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کی وفات یا زندگی سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ کبھی ایسا ہو جائے تو اللہ کو یاد کیا کرو صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں۔ لیکن پھر ایسا نہیں کیا آپ نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھ لیا تھا وہاں سے انگور کا گچھا لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا اگر وہ گچھا میں حاصل کرتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔ اور میں نے دوزخ کو دیکھا اس جیسا خوفناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پس مذکورہ واقعات بنی اسرائیل کیلئے اترنے والے دستر خوان کی طرح ہیں۔ جبکہ اس امت

مرحومہ کیلئے جنگوں اور صحراؤں میں کھانے پینے والی اشیاء کا غیب سے آنا بھی ثابت ہے۔

مردوں کے زندہ ہونے کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔ مثلاً خیبر کے مقام پر سازش کے تحت یہودیوں نے ذبح شدہ بکری کے گوشت میں زہر ملا کر حضور ﷺ کو کھلایا تھا۔ اس بکری کے اس حصے نے حضور ﷺ سے کلام کیا تھا کہ مجھ میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ پس یہ مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ جانور کا ایک عضو تھا اور یہ انسان کامل کے زندہ ہونے کی نسبت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ جانور کا حصہ تھا اور ایک جزء (حصہ) میں زندگی (عام حالات میں) نہیں ہوتی اسی طرح ایک صرف ایک جزء میں گفتگو کی قوت بھی ناممکن ہوتی ہے یہ چوپائے کا ایک حصہ تھا اور اگر پورا جانور ہوتا تو اس کا گفتگو کرنا (انسان کی طرح) بھی بڑا معجزہ ہوتا۔ نیز اس کی گفتگو کے متعلق حضور ﷺ کی خبر دینا بھی بہت بڑا معجزہ ہے۔

اس مہاجرہ (نابینی) عورت کا قصہ بھی احادیث میں موجود ہے جس کا بیٹا فوت ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو اس کے جواں سال بیٹے کی موت کی خبر دی تو وہ کہنے لگی اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ آئی اور میت کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر یہ دعا مانگی اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ایمان لائی اور تیری رضا کی خاطر ہجرت کی تو میرے اس بچے کو زندہ فرما۔ پس وہ زندہ ہوگیا (عمر دراز تک زندہ رہا) اور حاضرین کے ساتھ کھانا کھایا۔

مناقب اولیاء کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے تو ان لوگوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جو بعد از مرگ زندہ ہوئے۔

ابوسمرہ النخعی نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی یمن سے آرہا تھا کہ راستہ میں اس کا گدھا مر گیا وہ آدمی اٹھا وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کیے اور دعا کی۔ الٰہی! میں رینیہ سے تیری راہ میں نکلا ہوں اور تجھے راضی کرنے کیلئے محو سفر ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور قبروں سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ آج مجھے کسی کا ممنون احسان نہ فرما۔

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرا گدھا دوبارہ زندہ کر دے۔ اس پر وہ گدھا کان جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بھی برکت نبی ﷺ کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے بعض گھوڑے بھی زندہ فرمائے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلا آپ جب بھی قضائے حاجت کیلئے تشریف لے جاتے تو فراغت کے بعد وہاں کچھ نہ ہوتا۔ چلتے چلتے ہم ایک صحرا میں پہنچے جہاں کوئی درخت یا ٹیلہ نہ تھا آپ نے فرمایا اے جابر! برتن میں پانی لو اور میرے ساتھ چلو ہم چل پڑے اور کافی دور نکل گئے اچانک دو

درخت نظر آئے جن کے درمیان چار گز کا فاصلہ تھا آپ نے فرمایا جابر اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے کہو تجھے حضور ﷺ حکم دیتے ہیں کہ دوسرے درخت کے ساتھ مل جا تا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری اوٹ میں رفع حاجت کیلئے (باپردہ) بیٹھ سکیں۔ چنانچہ وہ درخت دوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ آپ ﷺ کی فراغت کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر چلا گیا پھر ہم واپس اپنے ٹھکانے پر آ گئے اور ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (اگر ہم نے حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے) آپ کی بارگاہ میں ایک عورت اپنا ایک بچہ لے آئی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس بچے کو دن میں تین مرتبہ سایہ کی تکلیف ہوتی ہے آپ نے بچہ لیا اور کجاوے کے اگلے حصے اور اپنے درمیان بٹھا کر فرمایا "اللہ کے دشمن دفع ہو جا میں رسول اللہ ﷺ ہوں" تین دفعہ آپ نے یہ کلمات دھرائے پھر بچہ اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ پس جب ہم سفر ختم کر کے دوبارہ اس مقام پر پہنچے تو وہی عورت دوبارہ اپنے بچے اور مینڈھوں سمیت حاضر ہوئی۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اس دن کے بعد اس کو دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا "ایک مینڈھا لے لو اور دوسرا اسی عورت کو واپس کر دو۔

ایک عورت کو مرگی کی شکایت تھی۔ جس سے اس کا پردہ جاتا رہتا۔ اس نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی آپ نے فرمایا" یا جنت قبول کر و یا صحت" اس نے جنت کو پسند کیا لیکن بے پردگی سے نجات کیلئے عرض پرداز ہوئی آپ نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اگر وہ صحت کو ترجیح دیتی تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے صحت یاب ہوتی۔

اندھے پن سے نجات کی دلیل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کی آنکھ رخسار پر بہہ گئی تھی بے نور تھی لیکن آپ نے جب اسے دوبارہ اپنی جگہ پر رکھا تو وہ آنکھ دوسری کی نسبت زیادہ حسین (اور روشن) ہو گئی۔ اسی طرح آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں (غزوۂ خیبر کے موقع پر) لعاب دہن لگایا تو آنکھ بالکل صحیح ہو گئی۔ اور آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ٹانگ کو چھوا تو وہ صحیح ہو گئی۔

صحیح مسلم میں حضرت بشیر بن جابر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اہل کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان میں ایسا شخص بھی تھا جو اویس قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حاضرین میں کوئی "قرن" کا رہنے والا بھی ہے؟ اس (مذاق کرنیوالے) نے کہا میں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے پاس یمن سے "اویس" نامی ایک شخص آئے گا اسے والدہ کی خدمت نے ہمارے پاس آنے سے روکے

درخت نظر آئے جن کے درمیان چار گز کا فاصلہ تھا آپ نے فرمایا جابر اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے کہو تجھے حضور ﷺ حکم دیتے ہیں کہ دوسرے درخت کے ساتھ مل جاتا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری اوٹ میں رفع حاجت کیلئے (باپردہ) بیٹھ سکیں۔ چنانچہ وہ درخت دوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ آپ ﷺ کی فراغت کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر چلا گیا پھر ہم واپس اپنے ٹھکانے پر آ گئے اور ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (اگر ہم نے حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے) آپ کی بارگاہ میں ایک عورت اپنا ایک بچہ لے آئی اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس بچے کو دن میں تین مرتبہ سایہ کی تکلیف ہوتی ہے آپ نے بچہ لیا اور کجاوے کے اگلے حصے اور اپنے درمیان بٹھا کر فرمایا ''اللہ کے دشمن دفع ہو جا میں رسول اللہ ﷺ ہوں'' تین دفعہ آپ نے یہ کلمات دھرائے پھر بچہ اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ پس جب ہم سفر ختم کر کے دوبارہ اس مقام پر پہنچے تو وہی عورت دوبارہ اپنے بچے اور مینڈھوں سمیت حاضر ہوئی۔ اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اس دن کے بعد اس کو دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا ''ایک مینڈھا لے لو اور دوسرا اسی عورت کو واپس کر دو۔

ایک عورت کو مرگی کی شکایت تھی۔ جس سے اس کا پردہ جاتا رہتا۔ اس نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی آپ نے فرمایا ''یا جنت قبول کر دیا صحت'' اس نے جنت کو پسند کیا لیکن بے پردگی سے نجات کیلئے عرض پرداز ہوئی آپ نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اگر وہ صحت کو ترجیح دیتی تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے صحت یاب ہوتی۔

اندھے پن سے نجات کی دلیل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کی آنکھ رخسار پر بہہ گئی تھی بے نور تھی لیکن آپ نے جب اسے دوبارہ اپنی جگہ پر رکھا تو وہ آنکھ دوسری کی نسبت زیادہ حسین (اور روشن) ہو گئی۔ اسی طرح آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں (غزوۂ خیبر کے موقع پر) لعاب دہن لگایا تو آنکھ بالکل صحیح ہو گئی۔ اور آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ٹانگ کو چھوا تو وہ صحیح ہو گئی۔

صحیح مسلم میں حضرت بشیر بن جابر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اہل کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان میں ایسا شخص بھی تھا جو اویس قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حاضرین میں کوئی ''قرن'' کا رہنے والا بھی ہے؟ اس (مذاق کرنیوالے) نے کہا میں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے پاس یمن سے ''اویس'' نامی ایک شخص آئے گا اسے والدہ کی خدمت نے ہمارے پاس آنے سے روکے

رکھا ہے اسے برص کی بیماری تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو سوائے درہم یا دینار کی جگہ کے برابر باقی سارا جسم درست ہو گیا (آپ مستجاب الدعوات ہیں) تم میں سے جو بھی اسے ملے تو اس سے دعا کی درخواست کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اگر جن و ہوا پر قدرت دی گئی تھی تو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کیلئے بھی ہوا مسخر کر دی گئی تھی۔ صبا (ہوا) کے ذریعے آپ کی مدد کی گئی تھی۔ نیز آپ ﷺ کو دنیوی اور اُخروی نعمتوں کو قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اخروی نعمتوں کو قبول فرما لیا۔ اسی طرح جنات و شیاطین نے آپ کی اطاعت کی آپ نے ایک شیطان کو پکڑ بھی لیا تھا پھر چھوڑ دیا کیونکہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا تھا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جنوں کو پیغام بھیجا تو انہوں نے پیغام دعوت کو قبول کر لیا۔ ایمان لائے اور اطاعت کی۔ پس یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کی نسبت زیادہ بلیغ ہے۔

اگر سرکار علیہ السلام کے معجزات کا دیگر انبیاء کرام کے معجزات سے موازنہ کیا جائے تو آپ ﷺ کے معجزات زیادہ بلیغ و حسین ہیں۔ آپ ﷺ کے فضائل کم ہے۔ کیونکہ مخلوق نے آپ ﷺ کے صرف ظاہر کو دیکھا ہے جبکہ آپ کی حقیقت صرف اللہ کو معلوم ہے۔

الغرض آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ قریش مجھ سے بیت المقدس کے بارے میں پوچھنے لگے مجھے پریشانی لاحق ہوئی اچانک اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ میں اسے دیکھتا جاتا اور پوچھنے والوں کو جوابات دیتا جاتا۔ ایک دفعہ میں نے اپنے آپ کو گروہ انبیاء میں دیکھا میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ان کے بال گھنگریالے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ان کی شکل و صورت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مجھ میں کافی مشابہت تھی۔ اس دوران نماز کا وقت ہو گیا میں نے ان کی امامت کی نماز کے بعد کسی نے کہا یہ دوزخ کا فرشتہ ہے اسے سلام کیجئے میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً مجھے سلام کیا۔ پس اس حدیث پاک میں بھی اور گذشتہ احادیث میں بھی حضور ﷺ کی امامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو کچھ بیان کیا گیا یہ تو بہت کم ہے اگر آپ ﷺ کے اوصاف و معجزات کو بالتفصیل ذکر کرنا شروع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں بن سکتی ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے اوصاف ختم نہیں ہو سکتے۔

اس رسالہ کا اختتام میں چند اشعار پر کرتا ہوں۔ ممکن ہے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس سے کچھ عنایات مجھ پر بھی ہوں۔ (ان اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

سرکار اقدس ﷺ کی بارگاہ ایسی بارگاہ ہے جہاں قوموں کو پناہ ملتی ہے عرب وعجم کے بڑے بڑے سرداروں نے یہاں آکر سروں کو جھکا دیا ہے۔

حضور ﷺ اللہ کی طرف سے رسول مکرم ﷺ ہیں آپ ایسے ہادی ہیں جنہوں نے اپنی ہدایت کے ذریعے ہمیں تاریکیوں سے بچایا۔ آپ فاتح، خاتم النبیین، ماحی (کفر کو مٹانے والے) مہربان، امام المتقین اور رحمۃ للعالمین (ﷺ) ہیں۔

آپ ﷺ شب معراج انتہائی حدوں سے بھی آگے گذر گئے اور اللہ رب العزت کے دیدار سے مشرف ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہاں جو وحی کی اس کی خوب حفاظت کی۔ ان کی نگاہ پاک سے اللہ نے تمام پردے دور فرما دیئے۔ روز محشر حوض کوثر کے مالک ومختار آپ ہی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا آپ ہی کو ''وسیلہ'' سے سرفراز فرمایا ہے نیز روز قیامت آپ ﷺ شفاعت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہونگے۔ پل صراط کے کنارے ''رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِی'' کی دلنواز دعائیں بھی آپ ﷺ مانگتے ہونگے جنت میں آپ ﷺ اور آپ کی امت باقی لوگوں سے پہلے داخل ہوگی۔ جب آپ مقام محمود پر فائز ہونگے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائیں گے تو باقی سارے انبیاء رشک کا اظہار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ کو اپنی قدرت کا ہاتھ قرار دیا ہے۔ آپ امام الانبیاء اور ان کے پیشوا ہیں۔ آپ نفسا نفسی کے عالم میں بھی خوشخبری سنانے والے ہیں۔ ''لواء الحمد'' لے کر جب آپ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونگے تو گذشتہ انبیاء وامم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہونگے۔ آتش کدہ فارس جو ہزار سال سے لگاتار جلتا آرہا تھا۔ آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت بجھ گیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں گونگے پتھروں کو بھی زبان ملی اور انہوں نے تسبیح بیان کی۔ جن کی ذات پر پتھروں اور درختوں نے سلام بھیجے اور جنہوں نے بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ فرمایا نیز بکری کے گوشت نے (خیبر میں) آپ ﷺ سے کلام کیا آپ کے حکم سے دو درخت آپس میں مل گئے حالانکہ دونوں کے درمیان کافی دوری تھی۔

جن کی جدائی میں کھجور کا خشک تنا رو پڑا۔ اور جنہوں نے پھوٹی ہوئی آنکھ اپنی جگہ پر رکنے کے بعد درست فرمادی جس کا حسن دوبالا ہوگیا۔ جن کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے اور خلق الٰہی سیراب ہوئی۔ جنہوں نے ایک چھوٹے برتن سے لشکر عظیم کو کھانا کھلا کر سیر کیا جنہوں نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اندھے منکر ہی اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ جن پر قرآن معجزہ بن کر اترا جن کے نور سے حجاز بلکہ زمانہ چمکا جن کے معجزات بے حد وبیشمار ہیں اور جن کی وجہ سے کائنات معرض وجود میں آئی۔ اور جو سید الناس ہیں۔

اے میرے سردار! اور اے اللہ کے رسول ﷺ! ٹھوکروں کے وقت میں آپ کی پناہ چاہتا

ہوں اے دنیا و آخرت میں میری پناہ گاہ! اور مصائب کے وقت میری امیدوں کے مرکز! اے صاحب عزت و مقام نبی! میں ہر در سے مایوس ہو کر آپ کے آستانہ پر حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی ہدایت سے میں نے نور ایمان کو پایا ہے۔ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ نے میری دستگیری نہ فرمائی تو میرے گناہ (جنہیں آپ جانتے ہیں) مجھے تباہ و برباد کردینگے۔ آپ اپنے رب سے میرے لئے معافی اور بخشش کا سوال کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے علم نافع عطا فرمائے اور میری موت تقویٰ اور آپ کی غلامی میں آئے۔ اور وہ مجھ سے برائی و بیماری کو دور فرمائے۔ بالخصوص دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ہونے والی بدعتوں سے مجھے بچائے اور بدعتی فرقہ کو ذلیل و خوار کرے نیز اہل حق کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ مصائب کے وقت آپ کی پناہ بہترین پناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تا ابد آپ پر رحمتیں نازل فرماتا رہے۔ (آمین)

اس قصیدہ پر امام زملکانی کی کتاب ''عجالۃ الراکب'' ختم ہوئی۔ آپ نے اس قصیدہ میں بعض الفاظ کے ساتھ اپنے ہم عصر'' امام ابن تیمیہ'' کے عقائد کی تردید فرمائی۔ جسے میں نے (مصنف نے) اپنی کتاب'' شواهد الحق فی الاستغاثه بسید الخلق ﷺ'' میں بیان کیا ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علماء کی عبارات سے ابن تیمیہ کا رد کیا ہے۔ وہاں میں نے کمال الدین زملکانی اور عالم شہیر ابن الوردی رحمۃ اللہ علیہما کے حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ اور ان کی جماعت مذاہب اربعہ سے الگ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قبور انبیاء و اولیاء اور بالخصوص سید الانبیاء ﷺ کے روضۂ انور کیلئے سفر کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (حالانکہ مذاہب اربعہ کا یہ مسلک نہیں) ابن الوردی نے سرکار علیہ السلام کی مدح میں ایک بلیغ قصیدہ لکھا ہے جس میں آپ نے ابن تیمیہ اور ان کے غلط عقائد کے پیروکاروں کا رد کیا ہے۔

يَا صَاحِبَ الْجَاهِ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِقِهٖ ۔۔۔ مَا رَدَّ جَاهُكَ اِلَّا كُلُّ اَفَّاكٍ
أَنْتَ الْوَجِيْهُ عَلٰى رَغْمِ الْعِدَا اَبَدًا ۔۔۔ أَنْتَ الشَّفِيْعُ لِفَتَّاكٍ وَّنَسَّاكٍ
يَافِرْقَةَ الزَّيْغِ لَا لِقِيْتِ صَالِحَةً ۔۔۔ وَلَا شَفَى اللّٰهُ يَوْمًا قَلْبَ مَرْضَاكَ
وَلَا حَظِيْتِ بِجَاهِ الْمُصْطَفٰى اَبَدًا ۔۔۔ وَمَنْ اَعَانَكَ فِي الدُّنْيَا وَ وَالَاكِ

'' اے مخلوق کے خالق کے ہاں صاحب مقام و مرتبہ! گمراہ ہی آپ کے مقام و مرتبہ کا انکار کرسکتا ہے۔ آپ مخالفین کے نہ چاہنے کے باوجود صاحب مرتبہ ہی ہیں اور شفاعت کے مالک بھی ہیں۔ اے گمراہ فرقہ (ابن تیمیہ کا فرقہ مراد ہے) تجھے کبھی بھی بھلائی نصیب نہ ہو اور تیرے دل بیمار کو کبھی آرام نہ ملے۔ اور حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ سے تجھے اور تیرے

دیگر پیروکاروں کو دنیا و آخرت میں حصہ نہ ملے''۔

یہ قصیدہ بلیغ ترین قصائد میں سے ہے ابن وردی نے بھی امام ابن زملکانی کی تعریف کی ہے کہ آپ نہایت ذہین جید، عالم، صحیح الاعتقاد اور سخی النفس انسان تھے۔ اپنے زمانہ میں سب سے بہتر عالم اپنے ہم عصروں میں یکتائے زمانہ تھے آپ کو حلب کا قاضی مقرر کیا گیا تھا پھر انہیں مصر بلایا گیا تاکہ شام کے قاضی کا عہدہ ان کے سپرد کیا جائے۔ وہیں شہر بلبیس میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ وہیں سے انہیں قاہرہ منتقل کیا گیا اور قرافہ میں مدفون ہوئے'' رحمہ اللہ تعالیٰ''

امام شہاب الدین احمد الشافعی (المتوفی نصف دسویں ہجری)

مصنف مذکور نے فتاوی ابن حجر الکبری کے حاشیہ پر کسی کے سوال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ'' حضور ﷺ کے دلائل نبوت باقی رسولوں کی دلیلوں سے زیادہ قوی ہیں دیگر انبیاء میں سے جو بھی جس صفت سے متصف تھا وہ صفت آپ ﷺ کی ذات پاک میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کو'' جوامع الکلم'' (ایسے کلمات جن کے الفاظ کم مگر معانی زیادہ ہوں) عطا کئے گئے۔ آپ کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے (ان کی تخلیق مکمل نہ تھی)۔ جبکہ دیگر انبیاء کرام اپنے زمانہ نبوت میں نبی بنائے جاتے تھے۔

آدم علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ ان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے کی تو حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح:1)

''ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا ہے''۔

گویا اللہ تعالیٰ نے خود حضور ﷺ کا سینہ کھول دیا ہے۔ اس کو نور ایمان اور حکمت سے بھرا ہے۔ اس سے نور نبوت مراد ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے وجود کو پیدا کیا تو سینہ پاک میں نور نبوت کو پیدا فرما دیا ملائکہ سے آدم کو سجدہ بھی اسی لیے کروایا کیونکہ نور محمدی ان کی پیشانی میں تھا۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تھے اور حضور ﷺ کو نام بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقتیں بھی بتا دی تھیں۔

ادریس علیہ السلام کو بلند مقام عطا کیا گیا۔ لیکن حضور ﷺ کے نصیبے میں جو بلندی (معراج) آئی وہاں کوئی اور نہ پہنچ سکا۔

نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ نے ڈوبنے اور خسف (زمین میں دھنسنے) سے

بچایا۔ تو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بھی آسمانی آفات وغیرہ (سخ ومسخ) سے محفوظ فرمایا۔

ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی جلائی گئی آگ ٹھنڈی ہوئی اور حضور ﷺ کی تشریف آوری سے حسد وکینہ کی بھڑکائی ہوئی سخت آگ بجھ گئی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (مائدہ:64)

''انہوں نے جنگ کے لئے آگ بھڑکائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا''۔

ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت (دوستی کا مقام) عطا کیا گیا تھا۔ جبکہ حضور ﷺ کو مقام خلت کے ساتھ ساتھ مقام محبت بھی عطا کیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کیلئے عصا زندہ کیا گیا تھا لیکن وہ گفتگو سے عاجز تھا جبکہ حضور ﷺ کو طعام کی تسبیح سنائی گئی۔ کنکریوں نے آپ کے دست اقدس میں کلمہ پڑھا پتھروں نے آپ کو سلام کیا۔ پہاڑوں سے گفتگو فرمائی درختوں نے سلام کیا کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رویا۔ اونٹ کا آپ کو سجدہ اور مالک کی شکایت کرنا، بھیڑیئے کا آپ ﷺ سے گفتگو کرنا اور رسالت کی شہادت دینا اور دیگر جمادات کا کلام کرنا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا (روشن ہاتھ) کا معجزہ دیا تو حضور ﷺ سراپا نور تھے اور آپ کے نور کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتیں تھیں۔ اور حضور ﷺ کا ''نور'' ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا حتی کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک میں منتقل ہوا۔ نیز آپ ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان کو بعد از نماز عشاء کھجور کی ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا اسے لیکر اپنے گھر چلو اس سے تیرے آگے دس گز تک کا فاصلہ اور پیچھے بھی دس گز تک کا فاصلہ روشن ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ بخیر و عافیت اپنے گھر پہنچ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا تو حضور ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آپ کیلئے سورج بعد از غروب لوٹایا گیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام کا تصرف عالم دنیا تک ہے جبکہ سرکار مدینہ کا تصرف عالم سموات پر بھی ہے۔

ابن المنیر نے کہا ہے کہ ابن حبیب کا قول ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان ایک سمندر ہے جسے ''مکفوف'' کہا جاتا ہے زمینی سمندر اس کے سامنے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس شب معراج حضور ﷺ اس سمندر کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بڑا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام مستجاب الدعوات تھے۔ تو حضور ﷺ نے بھی جنگ تبوک کے موقع پر پانی کی دعا مانگی تو پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اور تھوڑے کھانے میں برکت کی دعا مانگی تو وہ کافی ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی نکالا تو حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔ پتھر سے پانی کا

نکلنا ممکن ہے لیکن گوشت وخون سے پانی کا نکلنا ناممکن ہے۔ اور پانی بھی اس کثیر مقدار میں کہ پندرہ سو کے لشکر عظیم کی ہر قسم کی ضرورت پوری کر دی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَكُلُّ مُعْجِزَةٍ لِّلرُّسُلُ قَدْ سَلَفَتْ
أَتَى بِأَعْجَبَ مِنْهَا عِنْدَ إِظْهَارِ
فَمَا الْعَصَاحَيَّةٌ تَسْعٰى بِأَعْجَبَ مِن
تَفْجِيْرِ سِلْسَلِ مَاءٍ مِنْ كَفِّهٖ جَارِي

گذشتہ رسولوں سے جو بھی معجزہ رونما ہوا وہ بہترین انداز میں ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ سے بھی رونما ہوا ہے عصا کا سانپ بننا اور اس کا چلنا انگلیوں سے پانی جاری کرنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام کیا گیا جبکہ حضور ﷺ معراج کی رات ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہی سے بھی اوپر بلا کر کلام سے مشرف کیے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو فصاحت لسان عطا کی گئی تو حضور ﷺ کی فصاحت بھی کسی پر مخفی نہیں۔

اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک حصہ عطا کیا گیا اور سرور حسینان عالم (ﷺ) کو تمام حسن عطا کیا گیا۔

آپ کو علم تعبیر خواب عطا کیا گیا اور اس سلسلے میں آپ کے تین خواب منقول ہیں لیکن ہمارے رسول ﷺ کو اس باب میں بھی اتنا عطا کیا گیا کہ حد شمار سے وراء ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہا نرم کر دینے کی قوت دی گئی جو وہ لوہا ہاتھ سے چھوتے وہ فوراً نرم ہو جاتا اور نبی پاک ﷺ کو یہ کمال دیا گیا کہ خشک لکڑی آپ کے لئے سرسبز و شاداب اور برگ بار ہو گئی اور ام معبد کی سوکھی بکری کو چھوا تو اس نے دودھ دینا شروع کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ کہ آپ علیہ السلام کو پرندوں کے ساتھ گفتگو شیاطین پر غلبہ، ہوا پر قدرت اور ایسی حکومت دی گئی جو آپ کے بعد کسی کو نہ دی گئی۔

لیکن حضور علیہ السلام کو اس کی مثل اور اس سے بھی زیادہ عطا کیا گیا رہا پرند و چرند کا گفتگو کرنا تو نبی پاک ﷺ سے پتھروں نے گفتگو کی اور آپ کی مبارک ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور بکری کی زہر آلود دستی نے گفتگو کی اور ہرنی نے آپ کے ساتھ کلام کیا اونٹ نے آپ کی بارگاہ میں (اپنے مالک کی) شکایت کی۔

مروی ہے کہ ایک پرندہ اپنے بچوں (کے پکڑے جانے کی وجہ سے) دکھی ہو گیا تو اس نے آپ کے سر مبارک پر منڈلانا شروع کر دیا اور آپ کی بارگاہ میں زاری کرنے لگا۔

اور وہ ہوا جو صبح وشام ایک ایک مہینہ کی مسافت طے کر لیتی اور سلیمان علیہ السلام کو وہاں لے جاتی جہاں آپ چاہتے۔ لیکن ہمارے حضور ﷺ کو براق عطا کیا گیا جو ہوا سے بھی تیز تر ہے بلکہ (نگاہوں کو) خیرہ کر دینے والی بجلی سے بھی تیز ہے۔ جس نے آپ کو ایک لمحہ میں فرش زمین سے اٹھایا اور عرش بریں تک پہنچا دیا اور یہ کم سے کم سات ہزار سال کی مسافت ہے۔ جو فقط آسمانوں کی ہے اور مستوی (عرش) اور رفرف کی مسافت کا علم اللہ ہی جانتا ہے۔

ہمارے آقا ﷺ کیلئے زمین لپیٹ دی گئی یہاں تک کہ آپ نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔ جو زمین کی طرف چل کر جاتا ہے اور زمین جس کی طرف چل کر آتی ہے ان کے درمیان بہت فرق ہے۔

جناب سلیمان علیہ السلام کو تسخیر شیاطین پر قدرت عطا کی گئی تو ہمارے نبی ﷺ نے شیاطین کے باپ ابلیس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

اور اس سے بھی بہتر جنوں کا حضور کی ذات پر ایمان لانا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے خدمت لی اور حضور علیہ السلام نے جنوں کو مسلمان کیا۔

جنوں کا شمار لشکر سلمانی میں ہوتا ہے تو ان سے بہتر ملائکہ جبرائیل سمیت حضور ﷺ کے تمام لشکروں میں شامل ہیں۔

(اگرچہ) طیور کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں شمار ہوتا ہے مگر اس سے عجیب تر غار ثور کی کبوتری اور اس کا پل بھر میں آپ کے لئے غار پر گھونسلا بنانا اور دشمنوں کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی حمایت کرنا ہے۔ کثرت جنود سے مقصود حمایت ہے اور وہ ایک عظیم شے سے آسان طریقے سے حاصل ہو چکی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک (عظیم) عطا کیا گیا تو ہمارے نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ عبد نبی اور بادشاہ نبی میں سے جو چاہیں اختیار کریں تو آپ نے عبد نبی بننا پسند کیا۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھوں کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ہے تو نبی دو عالم ﷺ کو یہ معجزہ بھی دیا گیا کہ آپ نے آنکھ کے ڈھیلے کو گوشہ چشم میں رکھا تھا تو وہ پہلے سے بھی بہتر ہو گئی۔

حضور ﷺ سے ایک آدمی نے کہا میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہیں کریں گے تو آپ اس (بچی) کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا اے فلانہ تو وہ بچی بول اٹھی ''لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ'' حاضر ہوں حضور ﷺ۔

معاذ بن عفرا کی بیوی برص والی تھیں اور انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں برص کی شکایت کی حضور ﷺ نے برص پر دست مبارک پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا۔

کنکریوں نے آپ کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھی۔ پتھروں نے آپ کو سلام پیش کیا۔ خشک کھجور کا تنا آپ کیلئے بے تاب ہوا۔

یہ کمالات مردوں کی گفتگو سے زیادہ مؤثر ہیں کیونکہ یہ چیزیں (کنکریاں، پتھر، درخت) بولنے والی اجناس میں سے نہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کا کمال یہ تھا کہ آپ جان لیتے تھے کہ لوگ گھروں میں کیا چھپا کر آئے ہیں۔ یہ خصوصیت بھی سرورِ کونین ﷺ کو شب معراج عطا کی گئی اور آپ عیسیٰ علیہ السلام سے درجات کی بلندی میں اور مناجات کی سماعت میں اور حریم قدس میں حاضر ہو کر مشاہدہ (جمال الٰہی) میں بڑھ گئے۔

یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ محمد ﷺ کلام لے کر آئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء میں سے ہر نبی کا معجزہ اس مشہور طریقہ پر بنایا جو اس نبی کے زمانہ میں مناسب ترین تھا۔ جس نبی کے غلبہ و اظہار کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو اپنے پورے جوبن پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا کے سانپ بن جانے کا معجزہ عطا کیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علم طب اپنے پورے عروج پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ آپ کو عطا کیا۔

ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عَرب کی طرف مبعوث فرمایا تو قرآن کو آپ کا معجزہ بنایا جس نے اپنے سامعین کو عاجز و درماندہ کر دیا کہ وہ قرآن کی مثل (کوئی کلام) لاسکیں یا کوئی سورت اس کی مثل لاسکیں۔ پس قرآن حیران کر دینے والا ہے۔ ایک ایک آیت میں (اور اپنے) بیان میں واضح ترین ہے۔

اور اپنے دلالت کرنے میں احیاء موتی سے اور اندھوں کے روشن چشم ہونے سے اور کوڑھیوں کے سالم بدن ہونے سے بھی واضح ہے۔ کیونکہ قرآن اصحاب بلاغت و ارباب فصاحت اور ماہرین بیان و لسان کی طرف ایک ایسے کلام کے ساتھ آیا ہے۔ جس کے معانی ان کی سمجھ میں آنے والے تھے۔ پس قرآن نے اپنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہر اس فصیح و بلیغ کو عاجز کر دیا۔ جس سے قرآن کے مقابلے کا مطالبہ کیا گیا۔

باوجود اس کے کہ انہیں شدید ضد اور سخت مخالفت بھی تھی اور وہ اپنی اس عداوت و عناد میں حد سے

بڑھے ہوئے بھی تھے قرآن کے مقابلہ میں ان کی پسپائی زیادہ حیرت انگیز تھی بہ نسبت اس آدمی کے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ زندہ کرتے ہوئے دیکھا۔ کیونکہ انہیں اس میں نہ کوئی طمع تھا اور نہ ہی اندھے اور کوڑھی کے تندرست ہونے میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی وہ اس علم میں مشغول تھے۔

جبکہ قریش کلام فصیح کے عادی اور فصاحت و بلاغت اور خطابت سے (خوب) آشنا تھے۔

اہل عرب کا قرآن کریم سے عجز حضور ﷺ کی رسالت اور صحت نبوت کی پہچان بن گیا ہے۔

کیونکہ اگر یہ کلام الٰہی نہ ہوتا تو ان کیلئے ممکن ہو جاتا کہ وہ کوئی ایسا کلام لا سکتے جو اپنے اسلوب اور تراکیب کے حسن کے اعتبار سے قرآن کے برابر یا اس کے قریب تر ہوتا۔

لیکن انہوں نے اپنی قوتیں صرف کرنا پسند کیا پھر بھی ان سے قرآن کی مختصر سی سورت کا بھی مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور یہ ایک قطعی حجت اور واضح دلیل ہے اور قرآن کا معجزہ تا ابد باقی رہے گا۔ اور (اس کے علاوہ) ہر نبی کا معجزہ اس کی نبوت کے بعد ختم ہو گیا۔ یا وہ تغیر و تبدل کی نظر ہو گیا جس طرح کہ تورات وانجیل۔

اعجاز قرآنی کی صورتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نظم قرآنی اچھوتا بھی ہے اور عرب کے معروف (طریق) نظم کے خلاف بھی اور اس کا اسلوب تمام اسالیب فصاحت عرب کے برعکس ہے اور اس میں وہ فصاحت ہے جو مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

اس (قرآن) میں عربی زبان کے مطابق ایسا تصرف ہے کہ کوئی عربی (جاننے والا) اس میں نقص نہیں نکال سکتا۔ یہاں تک کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کا ہر کلمہ اور ہر حرف اپنی مناسب جگہ پر موجود ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر وقت نزول تک قرآن کا تمام امور کی خبر دینا ایک ایسے (دقیقہ دان) امی کی زبان سے جس نے اس سے پہلے (مخلوق میں سے کسی کے پاس) نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے دست مبارک سے کچھ لکھا۔ انہوں نے انسانیت کو انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے حالات سے آگاہ کیا اور ان گزری ہوئی صدیوں کے واقعات سے آگاہ کیا۔ جن میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

جو اہل کتاب نے سوال کیا اسے بھی بیان کیا اور انہوں نے اصحاب کہف، قصہ کلیم وخضر اور حال ذوالقرنین کے بارے میں آپ ﷺ کو چیلنج کیا تو آپ نے انہیں یہ سب کچھ بتایا باوجود اس کے کہ آپ امی تھے۔ اور ایک امی قوم میں سے تھے کہ جس قوم کو ان حالات کا علم نہ تھا کہ کتب سابقہ سے ان واقعات کی صحت کا ادراک کر سکتے۔

انہوں نے آپ کی سچائی کو تسلیم کیا اور ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ وحی الٰہی کی وجہ سے تھا۔

ان (اخبارات) میں سے ان وعدوں کا پورا کیا جانا ہے جن کا ادراک محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جن کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اوران میں کچھ مطلق خبریں ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کی مدد کا وعدہ کرنا۔ اوران لوگوں کا اخراج جنہوں نے حضور ﷺ کو اپنے وطن سے نکالا تھا۔

اور کچھ وہ وعدے ہیں جو کسی شرط کے ساتھ مقید تھے۔

جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے''۔

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیتا ہے۔

اوران میں سے کچھ خبریں مستقبل کے بارے میں ہیں جن پر سوائے وحی کے اطلاع ممکن نہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ (اللہ تعالیٰ) اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے''۔

پس جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لشکر اسلام جنگ کرتا تو آپ انھیں غلبہ دین حق والا خدائی وعدہ یاد دلاتے تاکہ انھیں تائید الٰہی کا یقین ہوجائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس طرح کرتے تھے۔ پس مشرق و مغرب اور بحر و بر میں پیہم فتوحات ہوتی رہیں اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے۔ اور نیک عمل کئے۔ اللہ انہیں ضرور خلافت ارضی عطا کرے گا۔ ان سے پہلے (مومنین) کی طرح۔

ایک اور جگہ پر ارشاد باری ہے۔

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے امن کی حالت میں''۔

دوسری جگہ فرمایا

''اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے اور پھر فرمایا۔ الم۔ اہل روم مغلوب ہو گئے۔ زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے''۔

یہ تمام کی تمام وہ غیبی خبریں ہیں۔ جنہیں رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جانتا یا وہ جانتا ہے جسے

اللہ نے ان خبروں سے واقف کیا ہو۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ نے ان خبروں پر اپنے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تھا۔ تا کہ یہ آپ کی سچائی کی دلیل بن سکیں۔

اعجاز قرآنی کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن اپنے ضمن میں وہ علم لئے ہوئے ہے۔ جو حلال وحرام اور تمام احکام میں ساری کائنات کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان میں وہ جامع حکمتیں بھی ہیں کہ جو اپنی کثرت وشرف کے اعتبار سے عام حالات میں ایک آدمی سے ممکن نہیں۔

اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن جن چیزوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ان میں ظاہری اور باطنی تناسب۔ بغیر کسی خلل اور بگاڑ کے ہے۔

قصہ تمام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مہربان نبی ﷺ کو اس عزت وتکریم کا سزاوار ٹھہرایا ہے جو کسی اور نبی کو بھی نہ عطا فرمائی حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے (ایسی) پانچ چیزیں دی گئی ہیں کہ مجھ سے قبل کسی کو بھی نہ دی گئیں۔

بے شک ہر نبی اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث کیا جاتا ہے اور مجھے ہر سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے قبل یہ کسی کیلئے حلال نہ تھا۔ میرے لئے ساری زمین سجدہ گاہ اور پاک کردی گئی ہے پس ہر شخص کہ جب نماز کا وقت ہو جائے جہاں بھی ہو نماز پڑھ لے۔

ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کر کے میری مدد کی گئی اور مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا۔

(مصنف فرماتے ہیں کہ) یہ نہ کہا جائے کہ بہت سے معجزات جو میں نے ذکر کیے ہیں) اخبار احاد سے ثابت ہیں۔ اور مخالفین کا رد کرنے کیلئے یقینی دلائل کی ضرورت ہے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام تواتر معنوی کا فائدہ دیتے ہیں جو یقین کے لئے مفید ہے۔ اس کی وجہ نبی اکرم ﷺ کے دعویٰ رسالت کی صداقت ہے۔

ومن جواہر الشہاب الرملی ایضا

آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ ملائکہ کی طرف بھی مبعوث کئے گئے ہیں یا نہیں۔ جس طرح کہ جن وانس کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔

تو (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب دیا کہ آپ ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے اس کی وضاحت مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے۔

وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً بِالْاِنْسِ وَالْجِنِّ

''مجھے تمام مخلوق انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیا گیا''۔

۳۴۔۳۵ آیات کا ترجمہ: اور میری طرف وحی کیا گیا یہ قرآن تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے (خطرات) سے ڈراؤں ہر اس شخص کو جس تک قرآن پہنچا ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ: فرقان (قرآن حکیم) اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ دونوں عالم کیلئے ڈرانے والے ہو جائیں۔

حلیمی اور بیہقی نے شعب الایمان کے نویں باب میں تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اور پندرھویں باب میں ملائکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا مکلف نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔

اسی طرح امام رازی کی تفسیر اور برہان نسفی میں اجماع بیان کیا گیا ہے کہ آپ ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ امام رازی کی عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ قَالُوْا ھٰذِہِ الآیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی اَحْکَامٍ! اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْعَالَمَ کُلَّ مَا سِوَی اللّٰہِ فَیَتَنَاوَلُ جَمِیْعُ الْمُکَلَّفِیْنَ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْمَلَائِکَۃِ لٰکِنَّنَا اَجْمَعْنَا عَلٰی اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلًا اِلَی الْمَلَائِکَۃِ فَوَجَبَ ان بیھقی کَوْنُہٗ رَسُوْلًا اِلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ جَمِیْعًا وَبَطَلَ قَوْلُ مَنْ قَالَ اِنَّہٗ کَانَ رَسُوْلًا اِلَی الْبَعْضِ دُوْنَ الْبَعْضِ۔

علماء نے کہا ہے یہ آیت بہت سے احکام پر دلالت کرتی ہے۔ اول یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شے پر عالم کا اطلاق ہے اور یہ تمام مکلفین کو شامل ہے۔ جن وانس اور ملائکہ سمیت۔ لیکن ہمارا اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔

پس ثابت ہوا کہ آپ انسانوں اور جنوں کے رسول ہیں اور اس کا قول باطل ہو گیا جس نے کہا کہ آپ بعض کے رسول ہیں اور بعض کے نہیں۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں عالمین سے مراد انسان اور جن ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان (دونوں) کی طرف رسول اور نذیر بن کر آئے ہیں۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ (مَنْ بَلَغَہُ الْقُرْاٰنُ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فَھُوَ نَذِیْرٌ لَّہٗ)

جن وانس میں سے جن تک قرآن پہنچا آپ اسے آئندہ خطرات سے آگاہ فرمانے والے ہیں۔
بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اہل مکہ! تاکہ میں تمہیں ڈراؤں اور دو عالم کے ہر رخ وسیاہ کو جس تک پیغام قرآن پہنچا ہو۔ اور "لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا" کے تحت بھی فرماتے ہیں۔ "لِلْجِنِّ وَ الْاِنْسِ" جنوں اور انسانوں کیلئے۔ بغوی اور ثمرقندی کی بھی یہی رائے ہے۔
امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سوال کے جواب میں کہ آپ ملائکہ کے رسول ہیں کہ نہیں "لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا" والی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جن وانس والے قول کو ہی ترجیح دی ہے۔
محمود بن حمزہ کرمانی حنفی نے اپنی کتاب العجائب والغرائب میں بہت پختگی سے کہا ہے کہ آپ ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔
زین الدین عراقی نے اپنی کتاب نکت علی ابن الصلاح میں اور جلال محلی نے جمع الجوامع میں اور سیوطی نے اپنی کتاب التقریب فی مصطلح الحدیث اور شرح الکوکب الساطع فی الاصول میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

امام سیوطی کے دلائل

پہلی دلیل

سیوطی نے اپنی کتاب خصائص میں ارشاد باری وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الانبیاء: 27-26-25) کے تحت فرمایا ہے کہ یہ انذار (ڈرانا) ہے ملائکہ کو نبی ﷺ کی زبان سے یہ قرآن ہے جو حضور ﷺ پر نازل کیا گیا ہے یہی دلیل، امام السیوطی کے دلائل میں سے قوی ترین ہے۔

دوسری دلیل

قَالَ عِكْرَمَةُ صُفُوْفُ اَهْلِ الْاَرْضِ عَلٰى صُفُوْفِ اَهْلِ السَّمَاءِ فَاِذَا وَافَقَ آمِيْنَ فِي الْاَرْضِ آمِيْنَ فِي السَّمَاءِ غُفِرَ لِلْعَبْدِ وَقَالَ ﷺ اَلَا تَصَافُّوْنَ كَمَا تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالُوْا وَ كَيْفَ تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يَتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوَلَ وَ يَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ۔

"عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل زمین کی صفیں اہل آسمان کی صفوں کی طرح ہیں اور جب اہل ارض بندوں کی آمین اہل الاسماء (ملائکہ) کی آمین سے مل جاتی ہے تو بندے کو

بخش دیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم اسطرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح ملائکہ اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی ملائکہ کیسے صفیں بناتے ہیں آپ نے فرمایا ملائکہ پہلے پہلی صفیں مکمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ صف میں کھڑے ہوتے ہیں''۔

تیسری دلیل

بے شک اسرائیل علیہ السلام آسمان والوں کے مؤذن ہیں۔ آپ کی اذان کی آواز ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے باسی سنتے ہیں بجز جن وانس کے۔

پھر سردار ملائکہ آگے بڑھ کر انہیں نماز پڑھاتے ہیں۔ اور میکائیل علیہ السلام بیت المعمور میں ملائکہ کو امامت کراتے ہیں۔

چوتھی دلیل

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ

رَكْعَتَا الْفَجْرِ صَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ

''فجر کی دو رکعتیں ملائکہ کی نماز ہے''۔

پانچویں دلیل

مَارُوِیَ عَنْ سَلْمَانَ مَوْقُوْفًا وَ مَرْفُوْعًا اِذَا كَانَ الرَّجُلُ فِی اَرْضٍ فَاَقَامَ الصَّلَاةَ صَلّٰى خَلْفَهٗ مَلَكَانِ فَاِذَا اَذَّنَ وَاَقَامَ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَالَا يُرَىٰ طَرْفَاهُ يَرْكَعُوْنَ بِرُكُوْعِهٖ وَ يَسْجُدُوْنَ بِسُجُوْدِهٖ وَ يُؤْمِنُوْنَ عَلٰى دُعَائِهٖ۔

''حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ جب آدمی (اکیلا) کسی جگہ ہو اور نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس کے پیچھے دو فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب (نماز کیلئے) اذان اور اقامت (بھی) کہے تو اس کے پیچھے اتنے فرشتے نماز پڑھتے ہیں جن کے (انتہائی) کنارے نظر نہیں آتے (وہ فرشتے) اس کے رکوع کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور سجدہ کے وقت سجدہ کرتے ہیں اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں''۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حلبیات'' میں ذکر کیا ہے کہ انسانوں کی طرح ملائکہ میں سے بھی ایک جماعت تحصیل علم کیلئے نکلتی ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک بحث نقل کرتے ہیں۔ فتاوی حناطی کے حوالہ سے۔

اس شخص کے بارے میں کہ جس نے کھلی زمیں میں اذان اور اقامت کے ساتھ اکیلے نماز پڑھی اور پھر قسم کھائی کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ تو کیا اس کی قسم پوری ہوگی یا نہیں۔ اس کا جواب (حناطی نے) یوں دیا کہ وہ اپنی قسم میں سچا ہوگا۔

اصحاب (علم) نے کہا ہے کہ نمازی کیلئے مستحب ہے کہ جب وہ سلام پھیرے تو اپنے دائیں بائیں ملائکہ، جنوں اور انسانوں کیلئے سلام کی نیت کر لے۔

چھٹی دلیل

اَنَّہٗ لَمَّا اُسْرِیَ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خَرَجَ مَلَكٌ مِنَ الْحِجَابِ فَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اِلٰی اَنْ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلٰی اَنْ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ الْمَلَكُ بِیَدِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَدَّمَہٗ فَاَمَّ اَھْلَ السَّمَاءِ فَیَوْمَئِذٍ اَکْمَلَ اللّٰہُ لِمُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) الشَّرْفَ عَلٰی اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ ایک فرشتہ حجاب سے نکلا اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان محمداً رسول اللہ تک یہاں تک ساری اذان مکمل کی پھر فرشتے نے حضور ﷺ کا بازو پکڑ کر مصلیٰ کی طرف آگے کیا تو حضور ﷺ نے آسمان والوں کی امامت فرمائی اس دن اللہ تعالیٰ نے محبوب دو عالم محمد ﷺ کے شرف کی تکمیل کی تمام آسمان اور زمین والوں پر۔

اس سلسلہ میں محمد بن حنیفہ سے بھی مروی ہے کہ جب فرشتے نے حی علی الصلاۃ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "صَدَقَ عَبْدِیْ وَدَعَا اِلٰی فَرِیْضَتِیْ" میرے بندے نے سچ کہا اور میرے فرائض کی دعوت دی یہاں تک کہ مکمل اذان کہی پھر حضور ﷺ سے عرض کیا گیا آگے تشریف لائیں آپ آگے بڑھے اور اہل سماء کو نماز پڑھائی۔

بعد ازیں آپ کا شرف تمام مخلوقات پر مکمل ہو گیا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت میں چار وجوہ سے آپ کی رسالت ملائکہ کی طرف ثابت ہوتی ہے۔

(۱) فرشتے کا اشہد ان محمداً رسول اللہ (ﷺ) کہہ کر مطلق آپ کی رسالت کی گواہی دینا۔

(۲) فرشتے کی دعوت پر اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اس نے میرے فرض کی طرف دعوت دی اس بات پر

دلالت کرتا ہے کہ یہ فریضہ جس طرح زمین والوں پر فرض ہے اس طرح آسمان والوں پر بھی فرض ہے۔
۳: حضور ﷺ کا فرشتوں کو امامت کرانا اور تمام ملائکہ کا آپ کے پیچھے نماز پڑھنا اس طرح انہوں نے آپ کی رسالت کی اتباع کی۔
۴: زمین و آسمان والوں پر محمد ﷺ کے شرف کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب ان کی طرف بعثت رسالت ہو اور وہ تمام آپ کے پیروکار بنیں گویا کہ اس وقت حضور ﷺ کو ان کا رسول بنایا گیا ہو اور اس سے قبل ایسا نہ ہوا ہو۔

ساتویں دلیل

حضور ﷺ نے فرمایا:

نَزَلَ آدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَنَادىٰ بِالْاَذَانِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ فَهٰذِهِ شَهَادَةٌ مِنْ جِبْرِئِيْلَ بِرَسَالَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔

آدم علیہ السلام ہند میں نازل ہوئے تو وحشت محسوس کرنے لگے۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور اذان کہنا شروع کی "اَشْهد ان محمداً رسول الله" بھی دو مرتبہ کہا۔ یہ گواہی جبرئیل علیہ السلام کی رسالت محمدیہ پر تھی۔

آٹھویں دلیل

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَ اَنَّهٗ مَكْتُوْبٌ عَلَى الْعَرْشِ وَعَلٰى كُلِّ سَمَاءٍ وَعَلٰى كُلِّ بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَعَلٰى اَوْرَاقِ اَشْجَارِ الْجَنَّةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضور ﷺ نے خبر دی ہے کہ عرش پر آسمان پر، جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے پر اور جنتی اشجار کے پتوں پر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہے۔

نویں دلیل

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ آپ کو تمام انبیا کا بھی رسول بنایا گیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ

1

وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً۔

''میں نبی تھا اس حال میں کہ آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے پختہ وعدے لیے ہیں''۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران:81)

امام سدی فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام سے لیکر (آخر تک کوئی نبی نہیں مبعوث کیا گیا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ لیا ہے کہ وہ محمد ﷺ پر ضرور ایمان لائے گا۔

ابن عباس فرماتے ہیں از آدم تا آخر تمام امتیں آپ کی بشارت دیتی رہیں اور آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتی رہیں۔

اور اسی طرح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ کہ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور جو آپ کے امتی حضور ﷺ کا زمانہ پالیں ان کو بھی حکم دیں کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں۔

''فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ آدَمَ وَلَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ'' اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت ودوزخ کو۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم نے حدیث صحیح کے ذریعے جان لیا کہ تخلیق آدم سے قبل ہی ہمارے آقا ﷺ منزل کمال حاصل کر چکے تھے اپنے پاک رب کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کو نبوت عطا کر دی تھی۔ اور پھر انبیاء سے پختہ پیمان لئے کہ وہ جان لیں کہ حضور ﷺ ان پر مقدم ہیں اور ان کے نبی اور رسول ہیں۔

اخذ مواثیق در حقیقت (بیعت پر) حلف لینے کی طرح ہے اسی لئے تو منن ہے اور تنصرنہ پر لام قسم داخل ہوا ہے۔

اس میں ایک لطیف نکتہ ہے کہ خلفاء کیلئے بیعت لی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی (حضور ﷺ کی نبوت کیلئے انبیاء سے) بیعت لی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے اپنے رب کی جانب سے اس غایت تعظیم کو دیکھ۔ میرے نبی ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ظہور آخر میں ہوا۔

تمام انبیاء آپ کے زیر لواء ہیں اس لیے دنیوی زندگی میں شب معراج تمام انبیاء کو حضور ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اور اگر آپ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں آجاتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ آپ پر ایمان لاتے۔ آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق ان پر لازم تھی۔

اسی طرح اگر حضور ﷺ کو عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یا موسیٰ، ابراہیم، نوح و آدم علیہم السلام کے زمانوں میں بھیج دیا جاتا تو وہ اپنی امتوں کے رسول اور نبی بھی ہوئے اور نبی ﷺ ان تمام نبی و رسول کے رسول ہوتے پس آپ کی نبوت نبوت عامہ ہے تمام کو شامل اور تمام سے بلند مرتبہ ہے۔

آپ کی نبوت ان کی شریعتوں کے ساتھ اصول میں متفق ہے۔ اور فروع میں اختلاف کے وقت آپ کی شریعت مقدم ہوگی۔ (کیونکہ حضور ﷺ کی شریعت تمام سے خاص ہے یا تمام کو منسوخ کرنے والی ہے)

یا تخصیص و تنسیخ نہیں بلکہ آپ کی شریعت ان اوقات میں ان امتوں کی نسبت سے ہوگی اور اس وقت اس امت کی نسبت سے کیونکہ اوقات اور اشخاص کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کا رسول ہونے کی وجہ سے ثابت ہوا کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی کا نقش ہوگا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ''

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ انبیاء کے بھی نبی اور رسول ہیں اور ملائکہ سے افضل ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہوں۔ اور ملائکہ آپ کے پیروکار ہوں۔

دسویں دلیل

آپ ﷺ کو ملائکہ کے حوالے سے کچھ ایسے امور عطا کئے گئے کہ کسی اور نبی کو نہ دیئے گئے ان امور میں سے ملائکہ کا آپ کے ہمراہ جہاد کرنا اور آپ کے خرام ناز کے وقت آپ کے پیچھے چلنا اور آپ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے چار وزیروں کے ذریعہ میری مدد کی ہے۔ دو اہل السماء میں سے ہیں جبرئیل اور میکائیل اور دو اہل زمین میں سے ہیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم۔

اور وزیر تو بادشاہ کے ماتحتوں میں سے ہوتا ہے جبرئیل اور میکائیل آپ کی آسمانی ملت کے سردار ہیں اور ابوبکر و عمر آپ کی انسانی ملت کے سردار ہیں۔

اور جب آپ کا وصال ہوا تو تمام ملائکہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ آپ کے علاوہ کسی نبی کیلئے بھی ایسا نہ ہوا۔ ملائکہ آپ کے بارے میں قبروں میں مردوں سے سوال کرتے ہیں۔ آپ کے سوا کسی نبی کیلئے ایسا نہیں ہوتا۔

اور ملائکہ آپ کی امت کی نصرت کیلئے آتے ہیں جب آپ کی امت دشمن سے جنگ کرتی ہے اور یہ خصوصیت قیامت تک رہے گی۔

جبرئیل آپ کے امتی کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ تا کہ حالت نزع میں اس سے شیطان کو دور بھگا دیں اور ہر سال لیلۃ القدر میں ملائکہ آپ کی امت کے پاس آتے ہیں اور ان کو سلام کہتے ہیں۔ اور

آپ کی کتاب (قرآن) میں سورۃ فاتحہ نازل کی گئی ہے جبکہ کتب سابقہ میں کوئی ایسی سورۃ نہیں نازل کی گئی۔

آپ کی حیات پاک میں ایسے ملائکہ زمین پر اترے جو کہ اپنی تخلیق سے لے کر اس وقت تک زمین پر نہ اترے تھے جس طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام، اور حضرت ملک الموت علیہ السلام نے آپ سے اجازت لی جبکہ آپ سے پہلے کسی سے بھی اجازت نہیں لی تھی۔

آپ کی قبر پاک پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو آپ کو آپ کی امت کا درود وسلام پیش کرتا ہے۔آپ کی قبر پاک پر ہر روز ستر ہزار قدسی اترتے ہیں۔ جو آپ کی قبر پاک سے اپنے پر مس کرتے ہیں اور قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور آپ پر صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے پھر وہ قدسی آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار اتر آتے ہیں۔

یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ جب قیامت قائم ہوگی تو آپ ستر ہزار نوریوں کے جھرمٹ میں گنبد خضریٰ سے باہر تشریف لائیں گے۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ ان دلائل میں یہ تصریح نہیں کہ حضور ﷺ ملائکہ کے رسول ہیں۔اور نہ ہی ملائکہ کی عبادت اور آپ کی بعثت میں باہمی التزام ہے کیونکہ ان کی عبادت ان کے رب سے حکم اخذ کرنے کے ساتھ ہے۔یا ان کی جنس سے کسی فرشتے کو ان کی طرف رسول بنانے کے ساتھ جس طرح جبرئیل یا اسرافیل وغیرہ۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج:75)

"اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے ملائکہ میں سے کچھ رسول اور کچھ انسانوں میں سے"۔

(دوسری آیت)

"آپ فرما دیجیے اگر زمین پر ملائکہ ہوتے اطمینان سے چلتے ہوئے تو ضرور ہم آسمان سے ان پر فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے"۔

یہ دلائل میں نے اس لئے ذکر کئے ہیں کہ میرے مذکورہ فتویٰ پر اطلاع پانے والا اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اگر مجھے ان دلائل کا علم ہوتا تو میں ان دلائل کے خلاف نہ لکھتا۔

اور اگر کسی طرح یہ اس دعویٰ پر دلالت کرنے والے ہوں بھی تو مستند اجماع ان کے رد کے لئے کافی ہے۔

ومن جواہر الشہاب الرملی ایضاً

ان سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں ہمارے نبی ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا گیا ہے کہ

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل:123)

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ (حضرت) ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف متوجہ ہیں''۔

باوجود اس کے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے۔

تو آپ نے جواب دیا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ توحید اور اس کی دعوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کریں۔ نرمی کے ساتھ دعوت دیں اور یکے بعد دیگرے دلائل دیں۔ اور ہر ایک کی قوت فہم کے مطابق اس سے گفتگو کریں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مناسک حج میں اتباع کا حکم دیا گیا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام نے مناسک کی تعلیم دی۔

طبری نے کہا ہے۔ بتوں سے برأت و بیزاری میں اور اسلام کے ساتھ مزین ہونے میں آپ کو اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو تمام ملت (شریعت) کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے سوائے اس کے جس کے ترک کا کہا گیا ہو۔

ماوردی کہتے ہیں ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عقائد شرع میں اتباع کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ فروع میں، اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (مائدہ:48)

''اور تم میں سے ہر ایک کیلئے بنایا ہے ہم نے واضح راستہ (شریعت)''۔

اگر یہ کہا جائے کہ ملت تو دین ہی ہے اور دین وہ ہے جس کی طرف آپ اصول وفروع میں سے بلاتے رہے تو اس طرح دین محمد ﷺ دین ابراہیمی کیلئے ناسخ نہ ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کو اس طرح محمول کرنا چاہیے جس طرح بعض اصولیین نے اسے محمول کیا ہے۔ وہ مختلف اقوال کو تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعض فروع کے اعتبار سے آپ ﷺ کا دین ان کے دین کے لیے ناسخ ہوگا۔

الامام العارف باللہ الشیخ محمد بن عبدالکریم السمان القادری المدنی

المتوفی فیھا سنۃ کے جواہرات (۱۱۸۹رضی اللہ عنہ)

ومن جواہرہ رضی اللہ عنہ

سرکار ﷺ کی روحانی توجہ کے بارے میں ان کا ایک رسالہ ہے جو علوم عرفت کے رسائل میں سے ایک بہترین رسالہ ہے۔ فضائل محمدیہ (ﷺ) کی کتاب ''قاب قوسین'' کا تذکرہ بھی اس میں ہے جو اس تمام مواد کی تائید کرتا ہے جس کو انہوں نے ذکر کیا ہے۔ وَهٰذَا نَصُّ الْمَقْصُوْدُ مِنْهَا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے آپ ﷺ کی محبت کو ایمان کی بنیاد بنایا۔ اور محبت رسول ﷺ معرفت کا دروازہ اور علم امکان کا سرنہاں ہے۔ آپ کے متبرک نور سے تمام شکلیں وجود میں آئیں۔ اور آپ کے فیضان محترم سے انسانوں اور درختوں نے مدد طلب کی۔ آپ ہی تمام مخلوق کے (اصلی باپ) وجود میں آنے کا سبب اور (نگینہ) حق کی انگوٹھی ہیں۔

آپ حق کے ساتھ حق کی طرف بلانے والے ہیں۔ عالم موجودات کو آپ کے طفیل اذن ظہور ملا۔ فروغ ممکنات بھی آپ کے سبب ہوا۔ کیونکہ آپ ''ریاست لولاک'' کے والی ہیں۔

آپ عالم وجود کے قریب ترین اور تعلق مع اللہ کی جان ہیں آپ کے ساتھ سچی محبت سے بندے کو منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں اور آپ کے نور کرن بار میں گم ہو جانے سے منزل وصال کی تکمیل ہوتی ہے۔

(آپ کی ذات وہ ہے) جنہیں نور مبین کہہ کر بلایا گیا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

(اس کے بعد) یہ ایک پاکیزہ رسالہ ہے۔ اور خوشگوار کلمات (کا مجموعہ ہے) حضور ﷺ کی روح مبارک کی توجہ کیلئے میں نے اسے جمع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اسے حضور ﷺ کے ساتھ سچی نسبت اور آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں قبولیت عطا فرمائے۔

سکون و اضطراب میں آپ کی طرف رجوع اور ظاہر و باطن میں آپ کے ساتھ صدق و اخلاص (کی بھی التجا ہے)

یہ رسالہ ایک مقدمہ اور تین فصول پر مشتمل ہے۔ مقدمہ آپ کی پاکیزہ شان اور عظیم مراتب (کے

بیان) کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

پہلی فصل

آپ کے خیال ہمایوں کے بیان میں اور کچھ حصہ اس طریق کی وضاحت میں ہے جو خداوند رحمٰن کی طرف لے جانے والا ہے۔

دوسری فصل

ان مشاہدات کے بیان میں ہے جو مولف کو ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو خوشخبری سنانے کے لیے۔

تیسری فصل

آپ کے بعض عمدہ ترین شمائل کے بیان میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا سوال ہے کہ اس (رسالہ) سے تمام اہل محبت اور مسلمان بھائی نفع اٹھائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے وہ بندے جن کو گلستان عدنان کے گل سرسبد (محمد ﷺ) سے نسبت غلامی حاصل ہو۔ کیونکہ اللہ ہی سیدھے راستے کی توفیق دینے والا ہے۔ اور ہدایت کے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

مقدمہ: (اے مخاطب) جان لے اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں توفیق دے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اپنی محبت سے محروم نہ کرے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ اسی کی طرف حضور ﷺ نے اپنی حدیث میں یوں اشارہ کیا ہے کہ میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں۔

اَنَا مِنَ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّی...... (الحدیث)

تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے گواہی دی ہے کہ حضور ﷺ ہی اپنی پیدائش سے قبل انبیاء کی بلندئ درجات کا سبب عظیم ہیں۔

انبیاء نے اپنے اپنے عظیم ادوار میں آپ کی فضیلت وشرف کو (خوب) جان لیا۔ اور تمام نے آپ سے مدد طلب کی۔

آسمانوں پر تمام انبیاء کی امامت میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے آپ انبیاء کے قائد ہیں اور اولیاء کے صورتاً بھی اور معناً بھی ہر لحاظ سے ﷺ۔

جان لو کہ جب آپ ﷺ بارگاہ احدیت کی طرف اترے تو اس میں ان حقائق کے ساتھ ظاہر

ہوئے جس طرح کہ اسم کا ظہور مسمیٰ میں اور صفت کا ظہور موصوف میں ہو۔

وَفِیْ كُلِّ مَعْنِی مِنْ مَعَانِیْ تِلْكَ الْكَمَالَاتِ الَّتِی لَا تَشِیْرُ بِحَقِیْقَتِهَا
اِلَّا اِلَیْهِ وَتَدُلُّ سَفْوَتِیَا اِلَّا عَلَیْهِ

اوران کمالات میں سے ہر ایک کا اشارہ آپ کی طرف ہی کیا جاتا ہے۔ اوران کی حقیقت کی دلالت بھی آپ پر ہی صادق آتی ہے۔ اگر ان کمالات کا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کوئی اور حق دار نکل آتا ہے۔ تو یہ بھی آپ کی مہربانی کی وجہ سے ہے۔ مثلاً اگر ہزار نبی اور ہزار ولی مطلقاً حقیقت نوریہ سے متصف ہو جائیں یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک بالکل نور بن جائے۔ تو پھر بھی نور کامل کا اطلاق آپ پر ہی ہوگا۔ اور یہ صفت نور آپ پر ہی منطبق ہوگی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی کتاب مقدس میں نور کہا ہے آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو نور نہیں کہا اس میں راز یہ ہے کہ دیگر تمام انبیاء میں صفت نور ہے اور آپ بہ نفس نفیس حقیقت نور ہیں۔

اور جو خود حقیقت ہو اور جس نے حقیقت میں سے کچھ حاصل کیا ہو ان میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کر۔

فصل اول

اے میرے بھائی اللہ مجھے اور تمہیں (گستاخی سے) محفوظ رکھے جان لے کہ حضور ﷺ کی شریعت کی متابعت کے بغیر ذات محمدی (ﷺ) کی حقیقت کا ادراک کسی کے بس میں بھی نہیں اور حقیقت محمدی ﷺ اور تصورات احمدی ﷺ کے راز پنہاں کی نقاب کشائی ممکن نہیں۔ بجز اس کے کہ (حضور ﷺ) کی نسبت کے بحر بیکراں میں غواصی کی جائے۔

جس طرح کہ مشائخ متقدمین میں سے کسی کامل نے کہا ہے کہ میں نے بحر (شریعت) میں غوطہ زنی کی تو تمام انبیاء کو اس بحر شرع مصطفوی (ﷺ) کے کنارے کھڑا پایا۔

اسی لئے جس نے بھی سنت محمدی ﷺ کو اپنے ظاہر و باطن میں طاری کر لیا تو گویا اس نے حقیقت محمدی ﷺ کے سمندر میں غوطہ زنی کی اور جس نے ہر لحاظ سے مکمل اتباع رسالت کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور ﷺ کی توجہ کے مطابق بہت ساری اشیاء سے اپنا دامن مراد بھر لیا۔

پس اے (عزیز) جب تجھے اس کا علم ہو گیا اور تو نے اس حقیقت کو جان لیا تو جناب رسالت مآب ﷺ کے حلقہ غلامی میں آجا۔

اور آپ کے در مبارک پر پڑے رہنے کو اپنا لے اور اگر تو کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس بارگاہ سے یہ تعلق کیسے استوار ہو اور در مبارک پر حاضری کیسے لازم ہو تو ہم تمہیں کہتے ہیں کہ اس عظیم بارگاہ سے تعلق

کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی قسم

جناب نبوی ﷺ سے صوری تعلق اس کی پھر دو قسمیں ہیں پہلی قسم آپ کی مکمل اتباع پر استقامت اختیار کرنا اس طرح کہ کتاب وسنت میں جو آپ نے حکم دیا اس پر ہمیشہ عمل کرنا زبان سے بھی عمل سے بھی اور اعتقاد سے بھی جن (اعمال وعقائد) کی تشریح ائمہ اربعہ الشافعی مالک، ابوحنیفہ، ابن حنبل رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔

کیونکہ اس پر علماء محققین کا اجماع ہے کہ یہ چاروں ائمہ حق ہیں اور انشاء اللہ روز حشر نجات پانے والا گروہ بھی یہی ہے۔

۔اتباع صوری میں کمال کامیابی یہ ہے کہ آدمی عزیمتوں پر عمل پیرا رہنے کا پختہ عزم کرلے اور رخصتوں کی تلاش میں نہ رہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:35)

''صبر کیجئے (اے حبیب) جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا''۔

اور اولوالعزم رسولوں کا ذکر قرآن میں یوں آیا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (شوریٰ:13)

حضور ﷺ ان میں پانچویں اور ان کے سردار ہیں۔

جو کامل اتباع کرنے کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ عزائم الامور پر عمل کرے اور رخصتوں پر نہ ٹھہرا رہے۔ کیونکہ یہ مقام اسلام ہے اور ہم تیرے لئے بھی وہی دعا کرتے ہیں۔ جو اپنے لئے مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مقامات قرب وصداقت پر فائز کرے۔ اور ان مقامات کے حصول کی شرط اولیں اتباع نبوی (ﷺ) ہے۔

عزیمتوں کو بجالانے میں

اور تو ان پر کما حقہ قادر نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ تو اپنے نفس اور اس کی شرارتوں اور علتوں کو پہچان لے۔ اور یہ عرفان ممکن نہیں اس شیخ کامل کے واسطے کے بغیر جو اہل اللہ میں سے ہو جو ان تمام امور کی طرف تیری رہنمائی کرے اور تجھے پہچان کرائے ہر اس چیز کی جو تیرے لئے مناسب ہے ہر

زمانے میں سے خواہ اقوال ہوں یا احوال کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی پاک ﷺ ابتدا میں غار حرا میں جا کر (آیات الٰہی میں) کثرت سے غور وفکر کرتے تھے۔ جب وہ زمانہ ختم ہوا اور کار نبوت عظیم ہو گیا تو آپ نے وہ (خاص طریقہ) غور وفکر ترک فرما دیا اور سارا سال اپنے غلاموں کے پاس رہ کر گزارتے۔ رمضان کے آخری دس دنوں کے علاوہ۔

جان لے کہ طالب (حقیقت) کیلئے مناسب چیز کی پہچان ممکن نہیں مرشد کامل کے وسیلہ کے بغیر جو اسے سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرے۔

یا جذب الٰہی کے وسیلہ کے بغیر جو تیرے تمام پردے ہٹا دے ہم مجذوب کی بات نہیں کر تجھے ایسے شیخ کامل کی جستجو کرنی چاہیے جو تیرے نفس کو پہچان کر اللہ کی معرفت کی طرف تیری راہنمائی کرے۔

جب تو اس کے پاس پہنچ جائے تو اس کے (کسی بھی) حکم کی مخالفت نہ کر اور نہ ہی اس کے دروازے سے دور بھاگ اگرچہ آزمائشیں تیرا انگ انگ توڑ دیں۔

اور اس کی نافرمانی سے بچ اور اس سے بھی بچ کہ تو اپنے معاملہ میں اس سے کوئی چیز چھپائے۔

اور اگر تقدیر الٰہی میں تیرے لئے کوئی معصیت ہو تو چاہیے کہ تو وہ بھی اپنے شیخ پر پیش کر دے تاکہ وہ اس تقدیر کو ٹالنے میں کوشش کرے تیرے معاملہ میں جو وہ جانتا ہے تیری (معصیت کا) مداوا کرتے ہوئے۔

یا (بارگاہ الٰہی میں) تیری سفارش کر کے یا تیرے حق میں التجا کر کے تاکہ تجھ سے اس لغزش کا ضرر زائل کر دیا جائے۔

اگر اہل اللہ میں سے کسی کے پاس تیری حاضری نہ ہو سکے تو ان کے طریقوں پر عمل کرنا شروع کر دے۔

اور چار چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہچاننے والے راستہ کا نچوڑ ہیں۔

(۱) دنیا و آخرت میں ماسویٰ اللہ کی طرف میلان سے دل کا خالی ہونا۔

(۲) کامل توجہ صدق اور ایسی محبت کے ساتھ جو تمام علتوں سے پاک ہو جس میں کوئی فتور نہ ہو اللہ کی طرف توجہ کرنا نہ (غیر کی طرف) التفات ہونا اکتاہٹ اور نہ ہی طلب جزا کی ہوس ہو۔

(۳) ہمیشہ نفس کی مخالفت کرنا ان تمام امور میں جن کی تجھے طلب ہو خواہ ان کا تعلق دنیوی مصلحتوں سے ہو یا اخروی مصلحتوں سے۔

اور نفس کی سب سے بڑی مخالفتوں میں سے ترک ماسویٰ اللہ ہے۔ خواہ وہ دل میں جاگزیں ہو یا اس کا اعتقاد ہو یا علم۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کو پیش نظر رکھ کر ذکر الٰہی پر دوام اختیار کرنا خواہ دل ذکر کرے یا زبان یا روح یا باطن یا یہ تمام چیزیں (ذکر کریں)

اس سلسلہ میں علماء عاملین، مشائخ، متقدمین اور اولیاء صالحین نے خوب بحث کی ہے اور اپنی کتب میں اس کی وضاحت کی ہے ہمیں چاہیے کہ اس رسی کو تھام لیں اور ہم اس مختصر بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس چیز کی طرف رجوع کریں جو ہماری اصلاح کر دے اور وہ تصور ہے اللہ تعالیٰ ہمیں تصور اور تصدیق والوں میں سے بنائے۔

الثانی

کہ تو حضور ﷺ کی اتباع کرے شدت محبت کے ساتھ یہاں تک تو اپنے پورے وجود میں آپ کی محبت کی چاشنی محسوس کرے۔

تیسری قسم

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے معنوی تعلق کے بیان میں اس کی دو قسمیں ہیں۔

الاول

اے میرے بھائی آگاہ ہو جا اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے حضور ﷺ کی صورت نگاہوں کے سامنے لانے کی توفیق اور اس (حالت استحضار) میں آپ کے ادب کی توفیق دے اس حال میں کہ آپ کی تعظیم اور آپ کا رعب و ہیبت ہمیں ملحوظ ہو۔

اور اگر اس طرح نہ کر سکے تو اپنی نگاہوں کے سامنے آپ کی وہ صورت لا جو تو نے خواب میں دیکھی ہو۔ اور اگر خواب میں بھی یہ سعادت نہ ملی ہو تو آپ کا ذکر اپنا لے اور آپ کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال کر کہ گویا تو آپ کے سامنے موجود ہے۔ اور حالت ادب میں آپ کا رعب و ہیبت اور تعظیم و حیا تیرے پیش نظر ہے۔

کیونکہ حضور ﷺ تمہیں دیکھتے ہیں اور جب بھی تو آپ کا ذکر کرتا ہے۔ سنتے ہیں۔ کیونکہ آپ صفات الٰہی سے متصف ہیں اور اللہ اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوتا ہے۔ وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَهٗ۔

اور ان صفات میں سے نبی کریم ﷺ کو کثیر حصہ عطا کیا گیا ہے۔

آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔

الثانی

تعلق معنوی کی دوسری قسم! اس حقیقت کاملہ کو نگاہوں کے سامنے لا جو اوصاف کمال سے متصف ہو اور جلال و جمال سے مزین بھی ہو اور بزرگ و برتر خالق کے اوصاف سے آراستہ بھی اور ذات الٰہی کے نور سے روشن بھی ہو۔

اگر تو ایسا نہ کر سکے تو یاد رکھ کہ آپ ﷺ روح کلی ہیں قدیم وجدید حقائق وجود کی دونوں اطراف کو قائم رکھنے والے ہیں۔

اور آپ ذات وصفات دونوں کے اعتبار سے ہر ایک شے کی حقیقت ہیں۔ کیونکہ آپ نور ذات سے پیدا کئے گئے ہیں۔

اور ذات کے اوصاف افعال آثار اور موثرات کے جامع ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر آپ کے بارے میں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم:9-8)

آپ ﷺ درمیانی واسطہ ہیں حقیقت حق اور حقائق مخلوقات میں

اسی وجہ سے شب معراج آپ کا مقام عرش سے بھی اوپر تھا اور تجھے علم ہے کہ عرش عالم مخلوقات کی انتہا ہے۔ کیونکہ عرش سے آگے کوئی مخلوق نہیں۔

جب آپ عرش پر براجمان ہوئے تو تمام مخلوقات آپکے نیچے رہ گئیں اور آپ کا رب آپ کے اوپر تھا تو آپ معنوی طور پر (عبد و معبود کے درمیان) واسطہ بن گئے کیونکہ آپ حق کی وجہ سے موجود تھے اور مخلوق آپ کی وجہ سے۔

پس آپ متصف ہیں دونوں صفات سے دونوں طریقوں سے صورت و معنی اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے جس طرح کہ آپ نے خود فرمایا ''اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّی''۔

اور جو کچھ میں نے تیرے لئے بیان کیا ہے جب تجھے اس کا علم ہو جائے گا تو اس کمال محمدی (ﷺ) کا تصور تیرے لئے آسان ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں توفیق دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس صاف ستھرے چشمہ سے شاد کام کرے۔ اور ہر اس شخص کو جو آپ کا پیرو کار ہو اہل صفا و فا میں سے جو کہ قبر مصطفیٰ ﷺ کا نظارہ کرنے والے ہوں اور اس قبر پاک کی امان میں آنے والے ہوں۔

کہ ہر عالم کے مناسب حال حقیقت محمدیہ کا ظہور ہوتا ہے عالم اجسام میں آپ کا ظہور عالم ارواح

کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ عالم اجسام تنگ ہے اس میں اتنی وسعت نہیں جتنی وسعت عالم ارواح میں ہے اور عالم ارواح میں آپ ﷺ کا ظہور عالم معنی میں ظہور کی طرح نہیں۔ کیونکہ عالم معنی عالم ارواح سے زیادہ لطیف اور وسیع ہے۔

اور زمین میں آپ کا ظہور آسمان میں ظہور کی طرح نہیں۔

اور عالم سماء میں آپ ﷺ کا ظہور یمین عرش (عرش کی دائیں جانب میں) ظہور کی طرح نہیں۔

اور یمین عرش میں ظہور بارگاہ الٰہی میں ظہور کی طرح نہیں کیونکہ وہ جہان این اور کیف سے پاک ہے۔

اور ہر اعلیٰ مقام میں آپ ﷺ کا ظہور پہلے مقام کی نسبت اکمل واتم ہوتا ہے۔

انبیاء، ملائکہ اور اولیاء میں سے کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ سکے اور یہی آپ کے اس ارشاد کا معنی ہے۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

میرا بارگاہ الٰہی میں ایک خاص وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور بنی مرسل بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

پس اے میرے بھائی اپنی ہمتوں کو بلند کرتا کہ تو آپ ﷺ کو اعلیٰ مظاہر میں اور بلند منازل میں کیونکہ آپ تو ''آپ'' ہیں فَاِنَّمَا ھُوَ ھُوَ۔ اس اشارے کو سمجھ جا۔

اور اے میرے دوست میں تمہیں تاکید کرتا ہوں ہمیشہ آپ کی صورت و معنی کو پیش نظر رکھ اور اگر ابتداء میں استحضار (صورت) تیرے لئے مشکل ہو تو بالکل قریب سے اپنی روح کو ان سے مانوس کرلے کملی والا ظاہری حالت میں تیرے پاس تشریف لائے گا تو ان کو دیکھے گا ان سے باتیں کرے گا ان سے سوال کرے گا اور ان سے مخاطب ہوا تو وہ تمہیں جواب بھی دیں گے۔ تیرے ساتھ کلام بھی کریں گے اور تجھ سے مخاطب بھی ہوں گے تو تو منزل صحابیت پالے گا اور صحابہ کے ساتھ مل جائے گا۔ (انشاء اللہ)

حضور ﷺ نے فرمایا:

اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً اَقْرَبُکُمْ مِنِّی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

''تم میں سے مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن میرے زیادہ قریب ہوگا''۔

اور کثرت صلاۃ وسلام روحانی طور پر اسے عشق کا فائدہ دیتا ہے۔ جس سے محبت میں فراوانی ہوتی ہے۔ ہر لمحہ آپ ﷺ کا ذکر نصیب ہوتا ہے اسی وجہ سے (امتی) آپ ﷺ کے قریب ہو جاتا ہے اور آپ کے (پاس رہتا ہے اور اس کا حشر بھی آپ کے ساتھ ہی ہوگا)۔

اور جب زبان کے ساتھ آپ پر سلام کا یہ ثمر ہے تو دل روح اور باطن سے آپ پر صلوٰۃ سلام کا صلہ کیا ہوگا۔

(ایسا غلام تو) بارگاہ ایزدی میں بھی آپ کے ہمراہ ہوگا کیونکہ ظاہری عمل صلاۃ وسلام کا صلہ منزل محسوس، جنت ہے تو باطنی عمل، آپ سے غایت تعلق اور (سچی) توجہ اور ہمہ وقت آپ کی صورت وخیال کا پیش نگاہ رہنا اس کا انعام تو اللہ کے ہاں مقعد صدق میں نزول ہے۔ جہاں این اور کیف (کے تکلفات) نہیں ہیں۔

اشارہ سمجھ تاکہ بشارت پاسکے

خوب جان لے کہ جب ولی کامل کی معرفت الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے تو ذکر الٰہی کے وقت وجود ولی پرسکون ہو جاتا ہے۔ اور جب معرفت رسالت میں اضافہ ہوتا ہے تو ذکر نبی ﷺ کے وقت ولی کے وجود میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور بے کلی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ ولی کیلئے معرفت ربانی ولی کی قابلیت اور اللہ سے محبت کے مطابق ہوتی ہے اور معرفت رسالت معرفت الٰہی سے نبی ﷺ کی صلاحیت وقابلیت کے مطابق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ "ولی" تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے وقت اضطراب کو سہار نہیں سکتا۔

اور جب بھی ولی معرفت نبوت میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تو وہ دوسروں سے زیادہ کامل ہو جاتا ہے اور بارگاہ الٰہی اور اللہ کی معرفت میں پہلے سے زیادہ حاضر بارگاہ ہو جاتا ہے۔

بشارت

سن لو اے اہل بشارت، یہ بات خصائص نبوت میں سے ہے کہ ہر ولی جب آپ کا دیدار کرتا ہے اس حال میں کہ آپ تجلیات ربانی میں کوئی خلعت کمال زیب تن کئے ہوئے ہوں تو آپ ﷺ وہ خلعت نور اس ولی کو عطا فرما دیتے ہیں اور یہ خلعت حضور ﷺ کی طرف سے اس ولی کیلئے تحفہ ہوتی ہے۔

اگر وہ ولی صاحب ظرف ہو تو دنیا میں اس خلعت کو زیب تن کر لیتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو یہ خلعت بارگاہ رب العزت میں اس کیلئے ذخیرہ کر دی جاتی ہے۔ جب اس کی استعداد قوی ہو جاتی ہے تو وہ اس خلعت کو پہنتا ہے۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

جس کو یہ خلعت فاخرہ نصیب ہو جاتی ہے اور وہ اسے دنیا یا آخرت میں پہن لیتا ہے یہ فتوت (جوانمردی) بارگاہ رسالت کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ بعد ازیں کوئی شخص بھی اس ولی کی زیارت

کرے جب وہ خلعت نبویہ سجائے تجلیات الٰہی میں غوطہ زن ہو تو ولی اس خلعت مبارکہ کو اتارتا ہے۔
اور اس زائر ثانی کو نبی رحمت ﷺ کی طرف سے تحفہ دے دیتا ہے۔ اور بارگاہ محمدی (ﷺ) سے اس ولی کیلئے نئی خلعت آ جاتی ہے۔ جو پہلی سے بیش قدر ہوتی ہے یہ حضور ﷺ کی طرف سے خلعت صدقہ کرنے کے عوض ہوتی ہے اس طرح یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ یہ سخاوت و فیاضی تا ابد حضور ﷺ کی پاکیزہ (فطرت) کی عادت مبارکہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو بھی آپ کی زیارت کرے۔

ہاں ایک اور کیفیت ہے اور وہ یہ کہ تو ملاحظہ کر سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے کائنات کو معمور کر دیا ہے اور آپ خالص نور ہیں اور تو اس بحر نور میں چشم ظاہر بند کئے ہوئے اور چشم بصیرت وا کئے ہوئے غوطہ زن ہے۔ جب اس نور میں تمہیں محویت اور اپنی ذات سے غیاب حاصل ہو جائے گا تو تو صفت فناء سے متصف ہو جائے گا اور جس کو فنافی الرسول (ﷺ) کا مقام حاصل ہو جائے گا تو وہ آپ کی محبت کی لذت محسوس کر سکے گا۔ اور یہ تعلق صوری کی ایک قسم ہے۔

اس کی کیفیت یہ ہے کہ تو کمال شوق و محبت سے آپ کی اتباع کرے یہاں تک کہ تو اپنے وجود میں آپ کی محبت کی چاشنی محسوس کرے۔ (مصنف فرماتے ہیں) خدا کی قسم میں اپنے قلب و روح اپنے جسم بال اور کھال میں آپ کی محبت کا اس طرح ذائقہ پاتا ہوں جس طرح کہ سخت گرمی میں شدید پیاس کے وقت ٹھنڈا اور شیریں پانی پینے سے ذائقہ پاتا ہوں۔

اور بے شک آپ ﷺ کی محبت ہر ایک پر فرض عین ہے کیونکہ
اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب:6) وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ لَنْ یُؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَوَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ"
"تم میں سے کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کی جان سے اس کے مال سے اس کے باپ سے اور اس (کی) اولاد سے"۔

اور اگر وہ محبت جو میں نے تیرے لئے بیان کی ہے تو نہ پا سکے تو جان لے کہ ابھی تک تو ناقص الایمان ہے۔

پس (اس نقصان پر) اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر اس کے حضور آہ و زاری کر اور اپنے گناہوں سے معافی مانگ۔

اور ہمہ وقت ذکر نبی ﷺ میں مشغول رہ اور آپ کی بارگاہ میں باادب رہ آپ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کا شیدائی بن جا۔ (اس طرح شاید تو محبت نبی ﷺ حاصل کر لے اور تیرا حشر اپنے آقا کے ہمراہ ہو۔)

کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کیساتھ ہوتا ہے"۔

جی ہاں جب تجھے ذات مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں فنا ہونا نصیب ہو جائے تو یہی فناء تمہیں فناء ہونے سے بھی بچالے گا۔ اور وہ مقام محمود ہے پس اس وقت نور سے ظاہر ہونے والی صورت کے فیضان کا تو سامنا کرے گا اور اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ جونہی تو کریم نبی ﷺ کی طرف توجہ کرے گا تو تو دیکھے گا کہ حضور ﷺ اپنی ذات کی طرف متوجہ ہیں۔ جب تو درود پڑھے گا تو تو دیکھے گا کہ حضور ﷺ درود پڑھ رہے ہیں نہ کہ تو کیونکہ تمام اشیاء آپ کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور ذرات جہاں میں سے ہر ذرے میں کچھ حصہ آپ کے نور کا ہے۔

اپنے وجود کی مقدار کے مطابق اس میں کچھ حصہ ظاہر ہوگا

وَاَنْتَ بِشَیْءٍ مِنْ جُمْلَۃِ الْاَشْیَاءِ "اور تو بھی تو تمام اشیاء میں سے ایک شے ہے"۔

اور تیرے اندر بھی نبی پاک ﷺ کا راز پنہاں (سر) موجود ہے۔ پس ان کی طرف متوجہ ہو۔ وہی راز پنہاں جو تیرے اندر چھپا ہوا ہے وہ تجھ پر غالب آتا جائے گا یہ راز حضور ﷺ کی طرف تیری توجہ کی مقدار کے مطابق عیاں ہوگا (جتنی توجہ زیادہ ہوگی اتنا ہی اس مخفی بھید کو غلبہ حاصل ہوگا)

اسی طرح تو ایک (ادنی) مقام سے دوسرے (اعلیٰ مقام کی طرف بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مقام بقا بمصطفی ﷺ پر فائز فرمادے گا۔ اس وقت تو ایسا انسان کامل بن جائے گا جو حقیقت محمد یہ ﷺ کا وارث اور کمالات احمد یہ ﷺ کا جامع ہوگا۔

پس شکر ادا کر اس رب ذوالجلال کا جس نے تیرے اوپر نعمتیں کیں اور تجھ پر عنایات کیں اور مقام عبودیت کا طالب بندہ بن جا جو احدیت کے سمندروں کا غواص بھی ہو اور واحدیت کے تصرفات کا عارف بھی اور قابل صد ستائش سیرت کا مالک بھی جس طرح سید المرسلین ﷺ کا فرمان ہے میرے مولا مجھے اپنی ذات میں (تفکر کے بعد) حیران ہونے کے اعتبار سے ترقی عطا کر جب تک آسمان اپنے رب کے حکم سے قائم رہیں۔ (یعنی تا قیام قیامت)

دوسری فصل

بعض مشاہدات کے بیان میں جن سے حضور ﷺ کے بعض غلاموں کو نوازا گیا۔

مشہد اول یہ ان مشاہدات پر مشتمل ہے جو حضور ﷺ کے بعض خدام کو حاصل ہوئے حدیث صحیح ہے۔ جو جگہ حضور ﷺ کی قبر مبارک اور منبر پاک کے درمیان ہے۔ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس کا ہم نے بالکل اس طرح مشاہدہ کیا ہے جب آدمی وہاں بحر نور میں ڈوب کر درود پڑھے۔

اور جب آدمی آپ کی روح مبارک کے جوہر کے ساتھ مانوس ہو کر سلام عرض کرے تو اللہ اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور وہ عارف غواص جس کی معرفت بھی کامل ہو۔ اور ہمت بھی بلند ہو۔ اس پر مہربانیوں کی انتہا نہیں رہتی۔

مشہد ثانی

مصنف فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خاص نظر دیکھی گویا "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" کا معنیٰ سمجھ لیا۔ اس نظر کا مجھے شوق ہوا اور بہت زیادہ تعجب بھی اور میں سرکار ﷺ کے دامن کرم سے لپٹ گیا اس وقت میری حالت ایسی تھی جیسی جوہر کیساتھ عرض کی۔

مشہد ثالث

میں نے دیکھا (ارادہ کیا) کہ میں علما حدیث کے وسیلہ سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سوال کروں کہ میرا شمار بھی محدثین میں سے ہو اور مجھے علم حدیث حاصل ہو اور لوگوں کو اس کا علم حفظ کرانے کی توفیق مل جائے تا کہ میں عروہ وثقی بن جاؤں اور ایسی لمبی رسی بن جاؤں جو کبھی ٹوٹ نہ سکے پس تیرے لئے کافی ہے کہ تو محدث بن جائے یا کسی محدث کے تسامحات کی نشاندھی کرنے والا۔ ان دو کے علاوہ کسی میں کوئی بھلائی نہیں۔

مشہد رابع

اس واقعہ کے بارے میں جو قبر شریف اور منبر پاک کے درمیان نور کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوا اس حال میں کہ سورج بلند ہو چکا تھا۔ اور میں سنگ مرمر کے چوکور احاطہ میں بیٹھا ہوا تھا اس منبر پاک کے سامنے جو مبلغین کی نماز کیلئے بنایا گیا تھا اور میرے سامنے کتاب بخاری شریف اپنی معروف (ظاہری) شکل میں نہیں بلکہ (حروف نور سے مکتوب) نگاہوں کے سامنے تھی جس کی صفت بیان کرنا ممکن نہیں اور اسی طرح اس کی لکھائی بھی بے مثال تھی۔

اس کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ وہ قلم قدرت سے لکھی ہوئی ایک عظیم تحریر تھی۔ میں (حد درجہ) متعجب ہوا اور اس میں غور وفکر شروع کر دیا۔ دفعتہً ایک نور نے مجھے ڈھانپ لیا۔ (جب میں نے اس کا مشاہدہ کیا) تو وہ حقیقت محمدیہ اور نور احمدی (ﷺ) تھا جو ظاہر ہوا۔ اس وقت میں نے صورت نور کو دیکھا اور اس نور سے محمد ﷺ کی صورت پاک کو دیکھا (اس نعمت عظمیٰ پر) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اسی کا احسان ہے۔

مذکورہ واقعہ سے بیداری کے بعد مدت دراز تک شب و روز وہ من موہنی صورت میرے پیش نظر

رہی اور کبھی غائب نہ ہوئی۔

تیسری فصل

آپ کے شمائل اور صوری کمال کے بیان میں جو عند اللہ آپکے عالی مرتبہ ہونے کے گواہ ہیں اور یہ کمال تین قسموں میں تقسیم ہے۔

اول

وہ کمالات جو آپ کی ذات پاک میں ہیں

دوم

وہ کمالات جو آپ کے افعال مبارکہ میں ہیں جس طرح کہ نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ۔

سوم

وہ کمالات جو آپ کے اقوال مبارکہ میں ہیں، جس طرح کہ کلمات طیبات اور ان سے (لوگوں کا) ہدایت پانا وغیرہ۔

پہلی قسم ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک (شخصیت) تمام ذاتوں سے خوبصورت، تمام سے مکمل تمام سے بہتر تمام سے پاکیزہ تر اور روشن ترین ذات ہے۔

آپ کی صورت تمام صورتوں سے حسین، اعلیٰ اور مقدس ترین ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوسف علیہ السلام سے زیادہ خوش شکل تھے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں یوں مذکور ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے بستر پاک پر اندھیری رات میں بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ والضحیٰ کے نور میں اسے تلاش کیا تو آپ کی جبین سعادت کی روشنی کی وجہ سے اسے دیکھ کر اٹھالیا۔

حدیث پاک میں حضرت ھند بن ابی ھالۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی شان والے عظیم المرتبہ تھے۔ آپ کا رخ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ میانہ قد والے سے قدرے لمبے اور زیادہ لمبے قد والے سے قدرے کم قد والے تھے۔ سر مبارک بڑا تھا۔

بال مبارک خمدار تھے۔ اگر سر کی مانگ خود بخود نکل آتی تو برقرار رکھتے ورنہ خود نہ نکالتے۔ آپ کے بال مبارک کانوں کی لو سے نیچے آجاتے۔

آپ کی رنگت چمکدار، اور پیشانی کشادہ تھی۔ ابروئے پاک خمدار، باریک، گھنے اور جدا جدا تھے۔ ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو بوقت غصہ سرخ ہو جاتی تھی۔

آپ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی بہت خوبصورت اور روشن تھی۔ غور سے نہ دیکھنے والا آپ کی بینی مبارک کو بلند خیال کرتا۔

داڑھی مبارک گھنی عارض تاباں نرم و ہموار تھے۔ دہن اقدس کشادہ، دندان پاک کے درمیان کشادگی تھی۔ سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی باریک لکیر تھی۔

آپ ﷺ کی گردن گویا گڑیا کی گردن تھی۔ چاندی کی طرح صاف، اعضاء مبارکہ پرگوشت اور مضبوط تھے۔

بطن پاک اور سینہ اقدس ہموار تھے۔ سینہ مبارک کشادہ اور دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ آپ کے جوڑ مضبوط، بدن کا کھلا رہنے والا حصہ روشن تھا۔

سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کا باریک خط تھا۔ اس لکیر کے علاوہ سینۂ اقدس اور پیٹ بالوں سے خالی تھے۔ کلائیوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔ آپ ﷺ کی کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں کھلی تھیں ہتھیلیاں اور قدمین شریفین پرگوشت تھے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں بقدر اعتدال لمبی تھیں۔ پاؤں کے تلوے کچھ گہرے تھے۔ اور ان پر پانی نہیں رکتا تھا۔

جب چلتے تو قوت کے ساتھ چلتے جھک کر پاؤں اٹھاتے اور آہستہ آہستہ کھلے قدم چلتے، چلتے وقت یوں لگتا جیسے بلندی سے اتر رہے ہیں۔ (ﷺ)

جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو مکمل توجہ اس کی طرف فرماتے آپ ﷺ نظریں جھکائے رکھتے۔ اکثر آنکھ کے کنارے سے دیکھتے۔ پہلے اپنے اصحاب کو روانہ فرماتے بعد میں خود تشریف لے جاتے۔ جب کسی سے ملتے تو سلام میں پہل فرماتے (خطا کار امت کی وجہ سے) کبھی راحت نصیب نہ ہوئی۔ اکثر خاموش رہتے۔ بغیر ضرورت کے گفتگو نہ فرماتے۔ از ابتداء تا انتہا گفتگو جچی تلی ہوتی۔ کلام انتہائی جامع ہوتا جو غیر ضروری الفاظ سے پاک ہوتا۔

ہر بات صاف اور واضح ہوتی۔ نہ سخت مزاج تھے۔ نہ کسی کی تذلیل کرتے نعمت کی قدر کرتے اگر تھوڑی ہوتی تب بھی اسے زیادہ سمجھتے۔

کسی کی مذمت نہ کرتے، کھانے کی چیزوں کی برائی نہ بیان کرتے۔ اپنی ذات کیلئے غصہ نہ فرماتے مگر جب کوئی حق سے منہ موڑتا تو آپ کے غصے کی تاب لانا مشکل ہو جاتا۔ اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہ لیتے۔

جب کسی چیز کی طرف اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے۔ اور جب کسی چیز پر اظہار تعجب فرماتے تو ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے۔ اور جب کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے رخ انور پھیر لیتے۔ اور جب خوش ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کی ہنسی تبسم سے زیادہ نہ ہوتی اور بوقت تبسم دندان مبارک اولوں کی طرح (سفید) چمکدار نظر آتے۔

آپ کی صفات جسمانیہ کے متعلق یہ حدیث انتہائی جامع ہے اہل فراست فرماتے ہیں کہ آپ ازروئے صورت و تخلیق اکمل ترین ہیں کیونکہ آپ موجود اول ہیں۔ اس لئے کمال جمال، جلال اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اور جو کوئی آپ کے بعد تخلیق کیا گیا وہ دوسروں کی نسبت زیادہ کامل تھا۔

تنبیہ: اے سالک راہ محبت اس صورت مکرم و مطہر کا ذکر میں نے تیرے سامنے اس لئے کیا ہے کہ تو اپنی آنکھوں میں ہمیشہ تصور محبوب باندھے رکھے اور ہر لمحہ (اس صورت پاک) کو دیکھتا رہے یہاں تک کہ یہ تیری عادت بن جائے اور تو ان کے ساتھ رہنے والے کے مقام پر فائز ہو جائے اور عظیم خوش بختی کا حقدار بن جائے اور ان کے صحابہ کے ساتھ مل جائے۔

(جو میں نے تمہیں بتایا ہے) اس پر اگر ہمیشہ عمل نہ کر سکے تو آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے اس صورت پاک کا تصور کرنا ہی کیا کم ہے؟

دوسری قسم

آپ کے اعمال کے بارے میں آپ کے من بھاتے اعمال اور پاکیزہ احوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور کائنات ان کے حسن کی گواہ ہے۔

اور تیرے لئے کافی ہے ایک مرد جلیل کہ سارے جہاں (کی نیکیاں) اس کے میزان میں ہیں۔

کیونکہ وہ ایسی ذات پاک ہے۔ جنہوں نے راہ ہدایت کی بنیاد (خود) رکھی ہے۔

مخلوق کو گمراہی سے نکالا ہے۔ حلال و حرام کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ نماز و روزہ اور کائنات میں پائی جانے والی ہر نیکی بیان کی ہے۔

اور جس نے قیامت تک کوئی بھی نیک کام کیا تو اس کا اجر حضور ﷺ کو ملے گا پس آپ ﷺ کے میزان میں تمام مخلوق کا اجر ہے۔ بلکہ یہ سب آپ کے بحر بے کراں کا ایک قطرہ بھی نہیں کیونکہ آپ ہی اصل (کائنات) ہیں اور باقی فروعات ہیں۔

آپ کے تمام اعمال اور خوبصورت اقوال و احوال جو کہ فصل بہار کے روشن سورج سے بھی چمکدار ہیں۔

تیسری قسم

آپ ﷺ کے اقوال سے آپ کے محاسن اعمال کی جھلک نظر آتی ہے ان کے (بیان میں) اس قسم میں طوالت کی ضرورت نہیں کیونکہ تمام اسلامی کتب کا دامن (احادیث) سے مالا مال ہے۔ جو تیرے لئے کافی ہے آپ کی حدیث کی یہی عظمت کافی کہ آپ کے کلام پاک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ

کہ وہ ایک کریم پیامبر کا قول ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم)

آپ کے اقوال میں سے جس کلمہ کو بھی دیکھیں تو اس میں خوبیوں کا ایک سمندر موجزن ہے ہر پہلو اور ہر حقیقت کے اعتبار سے وہ درخشاں ہے کیونکہ مخلوق کی ہدایت آپ کی حدیث کی مرہون منت ہے۔ کوئی بھلائی ایسی نہیں جس کی طرف آپ نے مخلوق کی رہنمائی نہ کی ہو۔ کوئی فضیلت ایسی نہیں جس سے آپ نے آگاہ نہ کیا ہو۔ اسی وجہ سے ختم نبوت ورسالت کا تاج آپ کے سر اقدس پر سجایا گیا ہے۔

کیونکہ آپ نے ہر چھوٹی اور بڑی چیز سے اپنے غلاموں کو آگاہ کیا۔ اور اپنے نور سے ہر راہ منور کر دی ہے۔ خلق کو آپ کے سوا کسی رہنما کی ضرورت نہیں۔

آپ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ تمام انبیاء سے اول نبی ہیں جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور گارے کے مراحل میں تھے بلکہ آپ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب نہ آدم تھے۔ نہ پانی اور نہ مٹی اللہ تعالیٰ آپ کے شرف وکرامت میں اضافہ فرمائے۔

"ﷺ" (آمین)

الامام الکبیر الشہیر ابوالحسن الکبری المصری المتوفی سنۃ ۹۵۲

والد سیدی محمد الکبری الکبیر رضی اللہ عنہما

ذیل میں ان کے جواہر سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے ان کی کتاب کا نام ہے" عقدالجواہر فی الصلاۃ علی خیر البریۃ"

م اللہ الرحمن الرحیم

شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول ﷺ کو قیامت کے قریب ہدایت اور دین حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اور اپنی کتاب میں آپ کو سراج منیر (روشن چراغ) کہا ہے۔

اور آپ ﷺ کی ذات پر سلسلہ نبوت ختم کیا ہے۔ اور آپ کو اہل تقویٰ کا امام اور روشن چہروں اور چمکتی نشانیوں والوں کا قائدہ بنایا ہے میں آپ کی تعریف کر رہا ہوں کیونکہ آپ پر درود میں عذاب سے نجات رکھی گئی ہے۔ اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ اس میں گناہوں سے خلاصی رکھی گئی ہے اور اہل شعور کیلئے رحمت ہے۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ اللّٰهُ الْقَدِيْرُ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْبَشِيْرُ النَّذِيْرُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِي الْاَجْرِ الْكَثِيْرِ۔

آپ پر لا متناہی سلام ہوں جب تک قلم لکھتے اور منہ بولتے رہیں اما بعد اس پاکیزہ کتاب میں میں نے چالیس احادیث رسول اللہ ﷺ ذکر کی ہیں اور ہر ایک حدیث کو اس کے معتبر راوی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کے معانی اور لغوی مبہمات کو بھی بیان کیا ہے۔ اور جہاں مقصود تھا۔ وہاں صاف ستھرا استنباط بھی کیا ہے۔ رب معبود کی بارگاہ سے ثواب کا امیدوار ہوں اور اس کا نام عِقْدُ الْجَوَاهِرِ الْبَهِيَّةِ فِي الصَّلَاةِ عَلٰى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ رکھا ہے۔

جہاں مطلق احادیث ذکر کی ہیں۔ وہ میری اپنی (روایت کردہ) ہیں۔ اور دوسرے محدثین کی روایات کو "قِيْلَ اور قَالُوْا" کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ رب العالمین کی بارگاہ میں اس کتاب سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے نفع کی امید رکھتا ہوں اور اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارا حشر

حضور ﷺ کے گروہ میں سے کرے اور جنت میں مقام اعلیٰ علیین عطا فرمائے۔ وہی اس کا مالک اور وہی اس پر قادر ہے تمام امور میں اسی کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔

وہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

پہلی حدیث

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْراً۔

(رواہ ابوداؤد و مسلم وغیرہما)

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھے گا۔ (اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا)"۔

صلاۃ کا لغوی معنی دعا ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کا معنی رحمت ہوگا اس وقت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحم فرمائے گا یا دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

لفظ صلاۃ ملائکہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی استغفار ہوگا۔ اور انسانوں کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی دعا اور عاجزی ہوگا۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیت

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ...... (الخ) (احزاب:56)

میں صلاۃ سے مراد اِنَّ اللّٰہَ یَرْحَمُ النَّبِیَّ وَالْمَلَائِکَۃُ یَدْعُوْنَ لَہٗ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یصلون کا معنی ہے برکتیں نازل کرنا، وَعَنْ ابن عباس رضی اللہ عنہما یُصَلُّوْنَ یَعْنِی یَتَبَرَّکُوْنَ۔

ابن عالیہ نے کہا ہے کہ صلاۃ اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ کی نعت بیان کرنا ملائکہ کے ہجوم میں اور صلاۃ الملائکہ سے مراد دعا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث دوم

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جس کے پاس میرا ذکر ہوا سے

چاہیے کہ مجھ پر درود پڑھے اور جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بدلے دس رحمتیں بھیجے گا۔ ایک اور روایت میں ہے جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ اسے احمد ونسائی نے روایت کیا ہے۔ اور الفاظ احمد کے ہیں۔

قَوْلُهٗ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ کا معنی ہے کہ آپ کا نام مبارک آپ کی صفت آپ کی کنیت یا آپ کے متعلق معجزات کا بیان ہو (وہ بھی آپ کا ہی ذکر ہوتا ہے) قولہ صلاۃ واحدۃ یہ الفاظ تاکید کیلئے بڑھائے ہیں۔

قولہ فلیصل۔

اس میں لام امر کیلئے ہے اور یہاں وجوب کیلئے ہے اور ایک قول ندب کا بھی ہے۔

نبی پاک ﷺ پر صلاۃ کے وجوب میں بہت سے اقوال ہیں پہلا قول ہے کہ ہر نماز میں درود واجب ہے۔ دوسرا قول ہے کہ مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ درود واجب ہے۔ تیسرا قول ہے کہ جب بھی آپ کا ذکر پاک ہو درود پڑھنا واجب ہے اس قول کی تائید کیلئے اسی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے امام حلیمی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

چوتھا قول

ہر مجلس میں درود پاک واجب ہے۔ اس کی دلیل عنقریب آئے گی۔

پانچواں قول

ہر دعا کے اول وآخر درود شریف واجب ہے۔ حدیث طبرانی سے اس پر استدلال کیا گیا ہے اس کے الفاظ ہیں۔

لَا تَجْعَلُوْنِیْ لِقِدَحِ الرَّاكِبِ اِجْعَلُوْنِیْ فِیْ اَوَّلِ الدُّعَا وَوَسَطِهٖ وَآخِرِهٖ

اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ قدح ف کی زیر اور ح کے زبر کے ساتھ حدیث کا معنی ہے کہ میرے ذکر کو (باقی تمام باتوں کے بعد) موخر نہ کرو۔ کیونکہ سوار باقی چیزوں کے بعد آخر میں اپنا پیالہ بھی سواری کے ساتھ لٹکا لیتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وَاَنْتَ زَنِيْمٌ نِيْطَ فِيْ آلِ هَاشِمٍ
كَمَا نِيْطَ خَلْفَ الرَّاكِبِ الْقَدَحُ الْفَرَدُ

ہر دعا کے اول وآخر وجوب صلاۃ کہنے والے سے میں کہتا ہوں کہ اسے چاہیے تھا کہ دعا کے وسط

میں بھی اسی طرح درود پاک پڑھنے کا حکم لگاتا۔ کیونکہ جس حدیث سے اس نے استدلال کیا ہے اس میں تینوں کا ذکر ہے پس اول و آخر کی تخصیص اور وسط کو ساقط کرنے کی وجہ کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ مقصود تو تعظیم رسالت ہے اور وہ اول و آخر سے حاصل ہو جاتی ہے تو میں کہوں گا کہ تعظیم تو صرف اول اور صرف آخر سے بھی حاصل ہو جاتی ہے درحقیقت غایت تعظیم مقصود ہے اور درود تین مواقع پر ذکر کرنا دو مواقع پر ذکر کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوار کے پیالے کی طرح بنانے سے روکا گیا ہے اور جب اول و آخر درود پڑھا جائے گا تو قدح راکب کی نہیں بنے گا۔ میں کہتا ہوں اگر اول دعا میں درود شریف ہو تو پھر بھی اس طرح نہیں ہوگا پس تینوں مواقع پر درود شریف پڑھنا میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

آگاہ رہو کہ ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (امام بکری کے امام) کے مذہب میں درود شریف ہر نماز کے آخری قعدہ میں واجب ہے اور پہلے قعدہ میں واجب نہیں لیکن یہ مقام تمام تشریح وطوالت کا نہیں۔

حدیث سوم

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے تو میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ آپ ایک نخلستان میں داخل ہو گئے (وہاں) آپ نے سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ کہیں آپ کی وفات نہ ہو گئی ہو۔ راوی فرماتے ہیں پھر میں نے آپ کو دیکھا آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا عبدالرحمٰن تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا معاملہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے مجھے عرض کیا ہے کہ کیا میں آپ کو خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (اے میرے حبیب) جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت فرماؤں گا جو آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلامتی نازل کروں گا۔

ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ میں نے اس پر سجدۂ شکر ادا کیا اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

قولہ اُبَشِّرُکَ

بشارت ہر اس خبر کو کہتے ہیں۔ جس سے پیشانی کی حالت بدل جائے۔ یہ لفظ اچھی اور بری خبر کیلئے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ لیکن خبر کیلئے اس کا استعمال زیادہ ہے۔

اہل لغت کہتے ہیں مطلق (لفظ) بشارت خیر کیلئے آتا ہے اور اگر شر کا اظہار مقصود ہو تو (لفظ) بشارت مقید ذکر کیا جاتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ (خیر کیلئے) اور

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ:34)۔ (شر کیلئے)

بشارت کے حوالے سے یہاں ایک (فقہی) نکتہ بھی ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے ''اِنْ بَشَّرَتْنِي بِكَذَا فَهِيَ طَالِقٌ'' کہ اگر اس کی بیوی نے اسے کوئی خوشخبری دی تو اسے طلاق ہے۔ پس اس کی بیوی نے اسے خبر دی اگر وہ اپنی خبر دینے میں سچی ہوئی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر جھوٹی ہوئی تو اسے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ مقصود حاصل نہیں ہو رہا۔

اور اگر کسی اور نے اسے خبر دی اور وہ خبر میں سچا بھی تھا پھر اس کی بیوی نے خبر دی اس حال میں کہ یہ سچی بھی ہو تو اسے طلاق نہیں ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی لیکن عدم طلاق والا قول صحیح ہے کیونکہ بشارت پہلی خبر کو کہتے ہیں نہ کہ دوسری مرتبہ دی جانے والی خبر کو۔

جان لے کہ اس حدیث سے اور بھی بہت سارے فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

انسان کو جب کوئی نئی نعمت نصیب ہو تو اسے چاہیے کہ سجدہ شکر ادا کرے اور یہ سجدہ نماز کے اندر نہیں بلکہ نماز کے باہر ادا کرنا چاہیے۔ اس سجدے میں طہارت شرمگاہ کا ڈھانپنا قبلہ کی طرف منہ کرنا اور نیت شرط ہے۔ ہاتھوں کو اٹھا کر تکبیر کہتے ہوئے شروع کرے اور سجدے میں جھکنے کیلئے تکبیر کہے ہاتھ نہ اٹھائے اور اپنے سجدے میں یہ دعا پڑھے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ، وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا اَجْرًا۔ وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا قَبِلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ۔

''سجدہ کیا میرے چہرے نے اس مالک کی بارگاہ میں، جس نے اسے پیدا کیا ہے اور اسے صورت عطا کی ہے۔ اور سننے اور دیکھنے کی قوت بنائی ہے اپنی طاقت سے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اے اللہ اس سجدہ کے بدلے میرے لئے اجر لکھ دے۔ اور اسے میرے لئے اپنی بارگاہ میں ذخیرہ بنا دے اس کے بدلے مجھ سے بوجھ اٹھا لے۔ اور میری طرف سے اسے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے (پیارے) بندے داؤد علیہ السلام کی طرف سے اسے قبول کیا تھا''۔

پھر سجدے سے اپنا سر اٹھائے اور سلام پھیرے۔ تکبیر تحریمہ اور سلام واجب ہے۔(هذا عندالشوافع)

کسی مصیبت میں مبتلا یا گنہگار کو دیکھ کر اس طرح سجدہ کرنا مستحب ہے۔ مصیبت زدہ کو دکھا کر سجدہ نہ کرے اور گنہگار کو دکھانے میں حرج نہیں اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو گنہگار کو دیکھ کر بھی سجدہ شکر میں اخفا کرے۔

اگر ایک مصیبت زدہ کسی دوسرے مصیبت زدہ کو دیکھے اگر تو دیکھنے والے کی تکلیف کم ہے تو سجدہ کرے اور اگر کم نہیں تو سجدہ نہ کرے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر نکاح فسخ ہو تو کیا سجدہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر فسخ اس کی طرف سے ہے تو سجدۂ شکر ادا کرے اور اگر اس کی جانب سے نہیں تو نہ کرے۔

اور اگر مبتلائے تکلیف گناہگار بھی ہو تو سجدہ کرنے والا کس چیز کا لحاظ کرے۔ مصیبت کا یا معصیت کا (ان دونوں میں) جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر عاصی اعلان یہ گناہ کر رہا ہے تو دیکھنے والا سجدہ شکر میں اخفاء نہ کرے۔ کیونکہ اس میں گناہگار کیلئے جھڑک ہے۔ اور سجود سے حاصل ہونے والی مصلحت اخفا سے حاصل ہونے والی مصلحت سے زیادہ ہے خصوصاً جب گناہ ایسا ہو جس میں لوگوں پر ظلم کیا جا رہا ہو۔

اور جان لو کہ حضور ﷺ کا یہ سجدہ ایک نعمت کے حصول پر تھا۔

اور عذاب (یا مصیبت) کے ٹل جانے پر سجدہ شکر کرنا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے شیخین نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو وہ سجدے میں گر گئے۔

مسئلہ

کسی کے سامنے اتنا جھکنا کہ سجدہ کے قریب پہنچ جائے حرام ہے چاہے سامنے کوئی محترم شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ سجدہ کرنے والے نے اللہ کو سجدہ کرنے کی نیت کی ہے یا نہیں یہ فعل کفر تک لے جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ) اور جو جاہل جھوٹے گمراہ اپنے مشائخ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ وہ بھی اسی قسم میں سے ہے اور یہ بالکل حرام ہے۔

جو آدمی صحیح العقیدہ ہے اس پر لازم ہے کہ ان چیزوں سے روکے۔

اگر ایسا نہ کرے تو وہ بھی ایک بہت بڑے گناہ پر اقرار کی وجہ سے ان کے ہمراہ گمراہ شمار ہوگا۔ خواہ سجدہ کرنے والے نے اللہ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یا اس ارادہ سے غافل تھا بعض صورتوں میں اس

طرح کرنا کفر تک پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ (آمین)

چوتھی حدیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس کیلئے دس نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس گناہ مٹادے گا اور اسکے دس درجات بلند فرمائے گا اور یہ نیکیاں دس غلاموں کے برابر ہوں گی اسے ابن عاصم نے روایت کیا ہے۔

قولہ عدل عشر رقاب، عدل ع پر زبر کے ساتھ ہے۔ اور عدل ع کے نیچے زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے ایک جنس کی دو چیزوں کا برابر ہونا۔ اور عدلہ، غیر جنس میں سے کسی چیز کا دوسری چیز کے برابر ہونا۔

وقولہ کن یعنی دس نیکیاں اور اس کا معنی ہے کہ ایک مرتبہ درود پاک کا ثواب دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا۔

پانچویں حدیث

حضرت ابی بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے جس امتی نے خلوص دل سے مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس بار درود پڑھے گا۔ اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔ اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس گناہ مٹادے گا۔ اسے نسائی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

قولہ مخلصاً یہ صلی میں (ھوضمیر) فاعل سے حال ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ خلوص قلب کے بغیر یہ ثواب نہیں ملے گا۔ اگر اخلاص نہیں ہوگا تو ثواب بھی نہیں ہوگا۔

صرف درود شریف کے معاملہ میں ہی اخلاص شرط نہیں بلکہ تمام عبادات میں حصول ثواب کیلئے اخلاص شرط ہے۔

اگر اخلاص نہیں ہوگا تو اس کا ثواب بھی اس جذبے کے مطابق ہوگا اگر نیت ثواب کی ہوگی۔

اگر عبادت پر ابھارنے والے عمل کے پیچھے ریاء ہوگی تو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس طرح کرنا گناہ بن جائے گا اور اگر حکم الٰہی کی تعمیل کا جذبہ کارفرما ہوگا تو سارا ثواب حاصل ہوگا۔

اگر اس نے دونوں نیتوں کو اکٹھا کر دیا تو اسے ائمہ کے اقوال کے مطابق اسے "باعث ربانی" کی

مقدار کے برابر ثواب ملے گا خواہ، باعث ربانی تھوڑا ہو یا زیادہ۔

چھٹی حدیث

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا۔ جب تم موذن کی آذان کو سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے اسی طرح کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس کے بدلے میں اس پر دس مرتبہ درود پڑھے گا۔ پھر میرے لئے ''وسیلہ'' کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مقام ہے۔

جو اللہ کے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے کیلئے ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ بندۂ خاص میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگی اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (رواہ مسلم)

جان لو کہ موذن کے جواب کے بارے میں احادیث العبادات میں گفتگو ہوگی یہاں اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ جس نے اذان سنی اس کیلئے مستحب ہے اذان کے اختتام پر درود شریف پڑھے اور اپنے آقا ﷺ کیلئے ''وسیلہ'' کی دعا مانگے۔

قَوْلُہٗ لَا تَنْبَغِی اِلَّا لِعَبْدٍ۔ یعنی صرف ایک بندہ اس ''مقام وسیلہ'' کا مستحق ہوگا۔

قولہ حَلَّتْ لَہُ الشَّفَاعَۃُ

کا معنی ہے کہ شفاعت اس پر چھا جائے گی اور اس کو ڈھانپ لے گی یہ نہیں کہ شفاعت پہلے حرام تھی اور اب حلال ہوگئی ہے۔

ساتویں حدیث

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جس نے نبی پاک ﷺ پر ایک مرتبہ (درود پڑھا) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود پڑھتے ہیں (رواہ احمد)

اس حدیث کا حکم مرفوع حدیث کی طرح ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ اس ثواب کی مقدار میں مختلف روایات ہیں اور ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ رفتہ رفتہ اس ثواب سے واقف ہوتے رہے۔ جب بھی ثواب میں اضافہ کا علم ہوتا حضور ﷺ صحابہ کو بتا دیتے۔ (واللہ اعلم)

آٹھویں حدیث

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں صبح کی کہ آپ کی طبع مبارک خوش تھی اور آپ کے چہرہ اقدس پر اس خوشی کے آثار نظر آتے تھے صحابہ کرام نے

عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) آج صبح آپ کی طبیعت میں بہت زیادہ خوشی ہے جو چہرے سے نظر آرہی ہے آپ نے فرمایا ہاں میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا ہے اس نے مجھے کہا ہے کہ آپ کے جس امتی نے آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا دس گناہ معاف کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا اور دس مرتبہ درود بھی پڑھے گا۔ (رواہ احمد والنسائی)

یاد رہے کہ اس حدیث میں بہت سے مفید نکات ہیں اہل علم کو جب ایسی عبادات کا علم ہوتا ہے جو لوگوں کیلئے خوشی کا باعث ہوتی ہیں تو (اہل علم) خوش ہو جاتے ہیں اور اصحاب علم کے چہروں پر جب خوشی کے آثار نظر آتے ہیں تو لوگوں کو ان سے (وجہ انبساط) پوچھنی چاہیے تا کہ اہل علم کے بارے میں انہیں معلوم ہو کہ وہ لوگوں کی بھلائی کی وجہ سے ہی خوش ہوتے ہیں۔ اور جب اہل علم سے ایسی بات پوچھی جائے تو انھیں بھی لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصحاب رسول ﷺ جب اپنے ہادی و مرشد کے رخ اقدس پر مسرت کے آثار دیکھتے تو ضرور وجہ مسرت دریافت کرتے جس طرح مذکورہ حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔

نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ اس وقت بہت زیادہ خوش ہوتے تھے جب آپ کو اپنی امت کیلئے ثواب عظیم والی کسی چیز کا علم ہوتا اس سے امت کیلئے آقاء دو جہاں کی محبت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ (واللہ اعلم)

نویں حدیث

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ کا چہرہ مبارک دمک رہا تھا۔ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں نے آج کے دن سے زیادہ آپ کے چہرے پر مسرت کے آثار نہیں دیکھے کیا وجہ ہے، تو آپ نے فرمایا مجھے فرحت و مسرت کیوں نہ ہو حالانکہ ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام مجھے یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کے جس امتی نے آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی دس نیکیاں لکھے گا اور دس گناہ معاف فرمائے گا۔ اور دس درجے بلند فرمائے گا۔

اور فرشتہ اس امتی کیلئے وہی مانگتا ہے جو وہ آپ کیلئے مانگتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل وہ فرشتہ کیسا ہے جبرئیل نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تخلیق سے لے کر آپ ﷺ کے قبر انور سے نکلنے تک ایک فرشتہ کے ذمہ لگایا ہے کہ آپ کا کوئی امتی جب آپ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے "وَاَنْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ"۔ اے بندے اللہ تعالیٰ تجھ پر بھی درود بھیجے (یعنی رحمت فرمائے)

——— رواہ الطبرانی۔

اس حدیث میں بھی بہت سے ''فوائد'' ہیں۔ اپنی امت کے ساتھ سرور کائنات کی محبت اور ان پر بہت زیادہ شفقت اور جب آپ اپنی امت کو خوش کر دینے والے امور کے متعلق سنتے ہیں تو آپ خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ آپ کے بہت زیادہ خوش ہونے کی علامت تھی جس طرح حدیث میں مذکور ہے۔

پچھلی حدیث جو امام احمد سے مروی ہے اس میں ''رَدَّ عَلَیْهِ مِثْلَهَا'' کے الفاظ ہیں اور اس روایت میں ''قَالَ لَهُ الْمَلَكُ مِثْلُ مَاقَالَ لَكَ'' کے الفاظ ہیں۔ اس میں یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے پہلی حدیث میں وہ ان الفاظ کے ساتھ آپ کو نہ بتایا ہو مگر اس کے بعد بتایا ہو اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث میں ''رَدَّ عَلَیْهِ مِثْلَهَا'' (اس درود کی مثل اس بندے پر بھی درود بھیجا جاتا ہے) رد کی نسبت مجازی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ وہی ہے جس نے فرشتے کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں بَنَی الْاَمِیْرُ الْمَدِیْنَةَ بادشاہ نے شہر تعمیر کیا۔ بادشاہ خود تعمیر نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو تعمیر کا حکم دیتا ہے (اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بندے پر درود نہیں بھیجتا بلکہ فرشتے کو حکم دیتا ہے)

اور اگر بات اسی طرح ہی ہو تو اس حدیث میں فرشتے کی طرف درود لوٹانے کی نسبت حقیقتاً ہوگی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اور فرشتہ بھی دونوں درود بھیجتے ہوں (حضور ﷺ کے امتی کیلئے) کیونکہ یہ مقام کثرت ثواب کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے (مصنف فرماتے ہیں) میرے نزدیک یہ احتمال سب سے قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

قَوْلُهٗ اَسَارِیْرُ الوَجْهِ اَیْ مَحَاسِنُهٗ

قاموس میں کہا گیا ہے کہ اساریر سے مراد خوبیاں ہیں قولہ مِنْ لُدُنْ یہ ظرف زمان ہے اس کا معنی آپ کی تخلیق سے لے کر اور یہ لام کی زبر اور دال کی پیش اور دونوں کی زبر اور لام کی زبر اور دال کی زیر اور لام کی پیش اور دال کے سکون کے ساتھ بھی آتا ہے اور لام کی زبر اور دال کے سکون اور نون کے حرف کے ساتھ اور لام اور دال کے پیش کے ساتھ بھی آتا ہے اس میں ایک لغت لدٰی فقا کے وزن پر بھی ہے یہ ظرف مکان بھی بنتا ہے۔

دسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا! جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پاک پڑھا کرو کیونکہ ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس یہ پیغام لے کر آئے

ہیں۔اور مجھ سے کہا ہے کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان جب آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو (اللہ فرماتا ہے) میں اور میرے فرشتے اس پر دس مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔(رواہ الطبرانی)

یادر ہے کہ حدیث کے الفاظ: ''صَلَّیْتُ اَنَا وَمَلَائِکَتِیَ'' میں اور میرے فرشتے درود بھیجتے ہیں گذشتہ بحث میں تیرے احتمال کی تائید کررہے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بندے کیلئے درود کا لوٹایا جانا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی جانب سے جمعہ کے دن کیساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث کا پہلا حصہ ایک قرینہ ہے جو اس (موقف) پر دلالت کررہا ہے۔میں کہتا ہوں کہ اس طرح نہ کہا جائے کیونکہ حدیث کا آخری حصہ اس دن کی قید سے خالی ہے اور اس میں عموم ہے۔

اس قرینہ کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کا حکم اس لئے ہے کہ اس امت کیلئے اس دن بہت زیادہ ثواب رکھا گیا ہے تو نبی پاک ﷺ نے پسند فرمایا کہ آپ کی امت کا ثواب اس دن آپ پر درود پڑھنے سے زیادہ (سے زیادہ) ہو جائے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے یوم جمعہ کا حکم اس لئے دیا ہو کیونکہ آپ روز جمعہ بلا واسطہ اپنی امت کا درود سنتے ہیں اور اپنی امت کے اس (حسن) اطاعت پر اپنی قبر پاک میں خوش ہوتے ہیں۔

تو آپ نے کثرت درود کو اس دن پسند کیا تا کہ آپ زیادہ سے زیادہ (اپنی امت پر) خوش ہوں۔

اور یہ اس امت پر آپ کی محبت اور شفقت کا مظہر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور ''آنفاً'' کا معنی ہے ابھی ابھی۔

ایک اور حدیث میں یوں بھی ہے کہ اللہ اور فرشتے ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی حدیث کے بعد اس طرح بتایا گیا ہو۔اور (مصنف کہتے ہیں) میرا یہ کہنا کہ جس طرح گذر چکا ہے اس سے عبداللہ بن عمرو کی دونوں حدیثیں مراد ہیں۔

گیارہویں حدیث

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ دس مرتبہ اس پر رحمت فرمائے گا اور درود پر مقرر فرشتہ اسے لے آتا ہے یہاں تک مجھ تک پہنچا دیتا ہے۔(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

قَوْلُهٗ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ

اس سے یہ احتمال بھی ہے کہ وہ فرشتہ اس بات پر مقرر ہے کہ جس نے ایک مرتبہ درود شریف پڑھا

وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے پر درود بھیجے اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پاک ﷺ پر (ایک کے بدلے) دس مرتبہ درود بھیجے۔ پہلا قول زیادہ قریب الحقیقت ہے آنے والی احادیث اس کی تائید کرنے والی ہیں اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

حدیث سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ حضور ﷺ گنبد خضریٰ میں اپنی امت کے نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں وگرنہ آپ تک درود شریف پہنچانا اور آپ کا واپس جواب دینا خالی از فائدہ ہوتا۔

بارہویں حدیث

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے (کچھ) فرشتے ہیں جو ہر وقت گردش میں رہتے ہیں اور میری امتی کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔ (رواہ نسائی وابن حبان) فی صحیحہ

یاد رہے کہ یہ لفظ اس حدیث سے قبل بیان کی جانے والی حدیث میں پہلے احتمال کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تیرہویں حدیث

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا تم جس جگہ پر بھی ہو مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (رواہ الطبرانی)

یاد رہے کہ اس عموم سے وہ جگہیں مستثنیٰ ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاسکتا جس طرح بیت الخلاء وغیرہ وہاں نبی پاک ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔

چودہویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھا اس کا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں بھی اس پر درود بھیجتا ہوں۔ مزید برآں اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

اس حدیث میں گذشتہ احادیث کے مقابلہ میں اضافہ ہے کہ حضور ﷺ اس پر درود بھیجتے ہیں جو آپ پر درود بھیجتا ہے اور یہ بہت بڑے فوائد میں سے ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

پندرہویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلمان مجھے

سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس فرماتا ہے اور میں بھی (اسے) سلام پہنچاتا ہوں۔
(احمد وابوداؤد)

خیال رہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں یصلون (نماز یا درود) پڑھتے ہیں اس حدیث میں روح سے مراد روح نہیں بلکہ قوت کلام مراد ہے کیونکہ (بولنے کی طاقت روح کولازم ہے تو اس قوت کو روح سے تعبیر کیا۔ واللہ اعلم۔

سولہویں حدیث

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری قبر پاک پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے اور اسے جمیع مخلوقات کے برابر سننے کی قوت عطا کی ہے۔ پس قیامت تک کوئی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ اس کا درود اس کے نام اور باپ کے نام کے ساتھ پہنچا دیتا ہے اور کہتا ہے (یارسول اللہ ﷺ) یہ فلاں بن فلاں ہے جس نے آپ ﷺ پر درود پڑھا ہے۔ (بزاز)

جان لیجئے کہ ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک کے بدلے دس مرتبہ اس بندے پر درود بھیجتا ہے۔

یوم قیامت سے مراد وہ وقت ہے جس میں ایمان قبول نہیں ہوگا یعنی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد اگر کوئی آدمی مغرب سے طلوع شمس کے بعد ایمان لائے اور پھر نبی پاک ﷺ پر درود شریف پڑھنا شروع کرے تو نہ اس کا ایمان قبول ہوگا اور نہ اس کا درود قبول ہوگا۔ اس وقت فرشتے کے درود پہنچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نا قابل قبول ہے لہٰذا اس پر کوئی ثواب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر کوئی مغرب سے طلوع شمس سے پہلے مومن ہو اور طلوع مغرب کے بعد درود پڑھے تو وہ قبول کیا جائے گا اور فرشتہ وہ درود پہنچائے گا۔

اس وقت کو قیامت کے دن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ وقت روز حشر کے بہت قریب ہو گا۔ واللہ اعلم

سترہویں حدیث

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا۔
(رواہ ابن حبان)

اَوْلَی النَّاسِ بِی کا معنی ہے اس دن میرے قرب اور میری شفاعت کا زیادہ حقدار، اللہ تعالیٰ

ہمیں ان (لوگوں) میں سے کرے۔

اٹھارہویں حدیث

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا ملائکہ اس پر اس وقت تک درود پڑھتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے۔ پس بندے کو اختیار ہے چاہے زیادہ درود پڑھے یا کم (رواہ احمد)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب خطیب کو کسی ایسے کام کا علم ہو جس کا ثواب زیادہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ تمام مسلمانوں تک پہنچائے حالت خطاب میں کیونکہ یہ زیادہ موثر طریقہ ہے۔ سامعین کو خاموشی کا حکم دیئے جانے کی وجہ سے (کیونکہ سامعین دوران خطاب خاموش ہوتے ہیں)

نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کو بڑے اہتمام سے اس چیز کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے جو اس کے لئے نفع بخش ہوتی۔ مزید یہ کہ مسلمانوں میں جس کو بھی کسی ایسے عمل کا علم ہو جو اہل اسلام کیلئے مفید ہو تو اسے چاہیے کہ وہ سب تک پہنچا دے۔

گذشتہ حدیث سے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ملائکہ اس پر اس وقت تک درود بھیجتے رہتے ہیں۔ جب تک وہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتا رہتا ہے۔

انیسویں حدیث

حضرت ابی ابن کعب سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب رات کا چوتھا حصہ گزر جاتا آپ (بستر سے) اٹھتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو۔

جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ الرَّادِفَتُه، جَاءَ ت الْمَوْتُ لِمَا فِيْه

ابی بن کعب فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنِّی اَکْثِرُ الصَّلَاۃَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلَاتِی۔ میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں پس میں آپ پر کتنا درود پڑھوں؟ قَالَ مَاشِئْتَ آپ نے فرمایا جتنی تیری مرضی قلت الربع

قَالَ مَاشِئْتَ اِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَاشِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِی کُلَّھَا قَالَ اِذَنْ تُکْفٰی ھَمُّکَ وَیَغْفِرُ لَکَ ذَنْبَکَ (رواہ احمد والترمذی والحاکم وصححہ)

میں نے عرض کیا (اپنے وقت کا) چوتھائی حصہ آپ پر درود شریف پڑھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جیسے تیری مرضی اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے پھر میں نے عرض کیا (اپنے نفلی

اوقات کا) نصف حصہ پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا جیسے تو چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر سارا وقت آپ پر درود شریف ہی پڑھوں گا آپ نے فرمایا پھر درود پاک تیرے غموں (کے علاج) کے لئے کافی ہو جائے گا اور تیرے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (رواہ الترمذی۔ احمد والحاکم وصحّحہ)

اس حدیث میں بھی بہت سارے فوائد (ذکر) ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ رات کے وقت اپنے غلاموں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے اور آپ یہ کام چوتھائی رات گزرنے کے بعد کرتے تھے۔ کیونکہ یہ وقت سکوت ہے اور آواز سنائی دینے میں زیادہ مؤثر ہے۔

وَقَوْلُهٗ جَآءَتِ الرَّاجِفَةُ یعنی پہلی دفعہ صور پھونکنا، تَتْبَعُهَا دوسری دفعہ صور پھونکنا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔

پہلے نفخہ کے وقت ہر چیز ہلنے لگے گی اور ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی اور اس سے تمام مخلوق مر جائے گی۔

نفخۂ ثانیہ

پہلے اور دوسرے نفخہ درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ دو چیخیں ہونگی۔ پہلی چیخ ہر چیز کو مار ڈالے گی اور دوسری چیخ اللہ کے حکم سے تمام اشیاء کو زندہ کر ڈالے گی۔

اور مجاہد نے کہا ہے کہ "تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ" یعنی زمینوں اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو جائے گا۔ "تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ" یعنی جب آسمان پھٹ جائیں گے۔

اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں راجفہ سے مراد قیامت ہے اور رادفہ سے مراد دوبارہ اٹھنا ہے۔

راجفہ اصل میں آواز اور حرکت کو کہتے ہیں۔ اور دوسری (چیخ) کو رادفہ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ پہلی کے بعد ہوگی۔

اس وقت میں لوگوں کو وعظ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ نیند کا وقت ہوتا ہے اور نفس کو نیند بہت مرغوب ہوتی ہے۔

تو حضور ﷺ نے انہیں وہ عظیم (ہولناک) چیز یاد کرائی جن کا سامنا انھیں کرنا پڑے گا۔ تاکہ وہ اس حالت غفلت میں بے چین ہو جائیں اور ان کی نیند ختم ہو جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنا ان عظیم امور میں سے ہے جو اس

گھبراہٹ کے وقت سے نجات دلانے والے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایسے مقام سے نجات کیلئے سوال کرنے والے کی رہنمائی درود پاک کی طرف کی۔

اس حدیث سے سرکار ﷺ کا اپنی امت کو وعظ کہنے میں زیادہ حریص ہونا اور اپنی امت کے بارے میں شدت خوف کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ صحابہ کرام بھی نجات دلانے والی اشیاء کے بارے میں سوال پر شدید حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات دے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا کہنا میں کثرت سے درود پڑھتا ہوں اس کا معنی ہے کثرت سے دعا کرتا ہوں۔ ''فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلَاتِی'' یعنی کتنا درود پڑھوں جس میں آپ پر رحمت الٰہی کی دعا ہو۔ اور حدیث میں مستقبل کے لفظ کو ماضی کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس امر کا وقوع یقینی ہے۔

اور دوسری حکمت صحابہ کرام کو اس طرح کا کلام سنا کر بے تاب کرنا ہے تا کہ وہ جاگ اٹھیں اس میں نبی کریم ﷺ کے لطف و کرم کا بیان ہے۔

کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو فرمایا مَاشِئْتَ جتنا تیری مرضی

خیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رغبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اور یہ کہ عالم کو چاہیے کہ لوگوں کو وعظ کہتے ہوئے نرمی اختیار کرے لوگ بھی اس نرمی کی وجہ سے بھلائی کے کاموں میں زیادہ طمع کا اظہار کریں۔ اصحاب رسول ﷺ کثرت سے دعا کیا کرتے تھے۔ راوی کی فضیلت بھی ظاہر ہو رہی ہے کیونکہ وہ کثیر الدعا تھے۔

نبی کریم ﷺ لوگوں کو وعظ کہنے کیلئے رات کے وقت جاگ رہے تھے۔ جس کیلئے بھی نیکی کا کام جس وقت میں بھی ممکن ہو اسے کرنا چاہیے۔

عالم کیلئے رات کے وقت وعظ کہنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

بیسویں حدیث

یحییٰ بن حبان اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں تہائی (حصہ وقت) آپ پر درود پڑھوں آپ نے فرمایا ہاں اور اگر چاہے تو زیادہ پڑھ لے اس نے کہا دو حصے آپ پر درود پڑھوں گا آپ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر اس نے عرض کیا تمام وقت محو صلاۃ و سلام ہی رہوں گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس طرح کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تیرے

لئے کافی ہو جائیگا۔ ہر اس چہرے کے بارے میں جو تجھے دنیا یا آخرت میں پریشان کرنے والی ہو۔

خوب یاد رکھ کہ جب آپ ﷺ سے درود شریف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کسی وقت اور زمانے کی پابندی نہیں لگائی اس کے علاوہ دیگر عبادات کے بارے میں جب سوال کیا گیا تو آپ نے ان کا وقت مقرر فرمایا جس طرح کہ روزے وغیرہ۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ تمام اوقات جہاں تک ممکن ہو درود شریف کی کثرت کرے اور کسی اہم فریضہ کے علاوہ کسی اور کام کیلئے ترک نہ کرے جس طرح نماز اور تلاوت قرآن اور ان جیسی دیگر عبادات۔ واللہ اعلم

نیز درود شریف زبان کیساتھ پڑھا جاتا ہے اور زبان کا مصروف ذکر رہنا آسان ہے بہ نسبت روزہ نماز اور دیگر عبادات کے کیونکہ دوسری تمام عبادات صرف زبان کے ساتھ نہیں بلکہ زبان اور دوسرے اعضاء کے اشتراک سے انجام دی جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے میں اللہ ہماری مدد فرمائے۔

اکیسویں حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر وہ مسلمان جس کے پاس صدقہ (کیلئے مال) نہ ہو تو چاہیے، کہ وہ دعا کرتے وقت یہ کہے اے اللہ درود بھیج محمد (ﷺ) پر جو تیرے رسول اور تیرے بندے ہیں۔ اور رحمت فرما مومنین اور مومنات اور مسلمین اور مسلمات پر یہی اس کیلئے صدقہ بن جائے گا۔

حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ

حضور ﷺ نے فرمایا مؤمن بھلائی سے سیر نہیں ہوتا یہاں تک اس (کے عمل) کی انتہا جنت ہوتی۔ (صحیح ابن حبان) اس حدیث پاک میں گذشتہ احادیث سے زیادہ فوائد ہیں۔ کہ آدمی کیلئے مستحب ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔ تو تمام مسلمانوں کو بھی اس میں شامل کرے شرعاً ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہیں۔ یہاں تائید کیلئے ایک کے بعد دوسرے کو ذکر کیا گیا ہے۔

بائیسویں حدیث

حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر

درود پڑھا کرو کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی گواہی دی گئی ہے اور ملائکہ اس دن کی گواہی دینے والے ہیں اور جب بھی کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک وہ درود سے فارغ ہو جائے راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وفات کے بعد بھی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ (رواہ ابن ماجہ)

ثابت ہوا کہ امت کے اعمال نبی ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

تیئیسویں حدیث

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ میری امت کا درود جمعہ کے دن مجھ پر پیش کیا جاتا ہے پس جو دوسرے کی نسبت مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا وہ قدر و منزلت کے اعتبار سے میرے زیادہ قریب ہوگا۔ (رواہ البیہقی)

جان لے کہ ہر حال میں نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنے کی تاکید کی گئی اور یہ حدیث روز جمعہ زیادہ درود کی تاکید کر رہی ہے۔

اور جو ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ روشن رات اور چمکتے دن میں مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

نیز جو بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ روز جمعہ پر مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ جس نے ایسا کیا (درود پڑھا) میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔

اس میں وہی حکمت ہے۔ جو ہم نے دسویں حدیث میں ذکر کی ہے۔

لیلۃ الغراء سے مراد جمعہ کی رات اور یوم الازہر سے مراد جمعہ کا دن ہے ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کہا ہے۔

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (کثرت درود کے بارے میں) کہتے ہیں کہ کم از کم تین سو مرتبہ ہو، اور دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے آئندہ حدیث میں بھی اس کی تائید ہو گی۔

(رواہ احمد و ابو داؤد و الحاکم و ابن حبان عن انس واللہ اعلم)

چوبیسویں حدیث

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے پڑھا "جَزَی

اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّداً مَا هُوَا اَهْلُهٗ''

اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے (ہمارے آقا) محمد ﷺ کو ان شایان شان تو اس نے (نیکیاں لکھنے والے) ستر ملائکہ کو ہزار دن تک نیکیاں لکھتے رہنے کی وجہ سے تھکا دیا۔(رواہ الطبرانی)

جان لو کہ اس حدیث کا معنی ہے کہ ستر ملائکہ ہزار دن تک اس کی نیکیاں لکھتے رہتے ہیں اور ان سے تھک جانے سے مراد اس مدت میں لکھنے کی کثرت ہے۔اور یوم کو صبح سے تعبیر اس لئے کیا ہے کیونکہ صبح ہر دن کو لازم ہے۔واللہ اعلم

پچیسویں حدیث

حضرت کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا منبر لاؤ ہم نے منبر سامنے رکھا۔جب آپ ایک سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا آمین پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا آمین پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا آمین۔

جب آپ منبر سے اترے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آج ہم نے آپ سے وہ (کلام) سنا ہے جو پہلے نہیں سنا کرتے تھے آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے (دعا مانگتے ہوئے) کہا۔''بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ'' دور ہوا (بارگاہ الٰہی یا جنت سے) جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور وہ بخشا نہ گیا تو میں نے آمین کہی۔جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا''بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ'' دور ہوا جس کے سامنے (اے حبیب ﷺ) آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا تو میں نے کہا آمین۔

اور جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا''بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهٗ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْ خُلَاهُ الْجَنَّةَ'' دور ہوا جس کی موجودگی میں اس کے والدین یا ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچا اور اس کو انہوں نے جنت میں نہ داخل کیا۔تو میں نے کہا آمین (رواہ الحاکم) اور بعد کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے یا جنت سے دور ہوا۔اور بعض روایات بھی اس کی موید ہیں آمین کے بارے میں بہت سی لغات ہیں۔آمین۔آمین۔آمین۔

اور آمین اسم فعل بمعنی استجب ہے اور استجب کا معنی ہے تو قبول کر۔اور یہ مبنی بر فتحہ ہے جس طرح کیف،این اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طابع الدعاء ہے اور طابع (با کے زبر کے ساتھ) خاتم کے وزن پر ہے یعنی وہ جس پر دعا کا اختتام ہوتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آمین کا معنی ہے (کذلک یکون) یعنی اسی طرح ہو۔نیز ایک قول یہ ہے کہ

آمین اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہر ہے جس کی وجہ سے ان سے آفات ہٹائی جاتی ہیں۔

جان لے کہ اس حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کسی کی بھی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور ان کیساتھ بر کا مطلب ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے ساتھ اچھائی کرنا اور ایسے امور بجالانا جن سے وہ خوش ہوں بشرطیکہ وہ امور ممنوعات شرعیہ میں سے نہ ہوں اور ان کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک بھی والدین نے ساتھ نیکی میں ہی داخل ہے۔

اور رہی ان کی نافرمانی تو اس سے مراد ہر وہ فعل ہے جو ان کیلئے باعث تکلیف ہو۔

کہا گیا ہے کہ والدین کی اطاعت ہر اس کام میں واجب ہے جو حرام نہ ہو۔ ابن عبد السلام نے والدین کی نافرمانی والے امور کے حتمی تعین میں توقف کیا ہے (کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کون سا کام ان کی طبیعت کے موافق ہے کہ ان کی اطاعت شمار ہو اور کون سا خلاف طبع ہے کہ نافرمانی گردانا جائے۔ مترجم)

یاد رہے کہ والدین کا برائی سے منع کرنا بچے کیلئے وجوب میں اسی طرح جس طرح کہ والدین کے علاوہ کسی کا منع کرنا ہے۔ بہت سی آیات واحادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

چھبیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

تَرَغَّمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

"اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو (ذلت اٹھائے وہ شخص) جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے"۔

اور اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کی موجودگی میں اس کے والدین پر بڑھاپا آجائے اور وہ اس کو (خوشی سے دعا دے کر) جنت میں داخل نہ کریں۔ (رواہ الترمذی)

اور رغم کا معنی ہے ناک پر مٹی کا لگنا اور رغم غ کی زیر، غ کی زبر اور غ پر شد کے ساتھ تینوں طرح آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ستائیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ معاف فرما دے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول

اللہ ﷺ آپ پر کیسے درود پڑھا جائے آپ نے فرمایا" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ " یہ کہہ کر ایک مرتبہ شمار کرے۔(دارقطنی)

اٹھائیسویں حدیث

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَخَطِئَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةَ

"جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا (گویا) وہ جنت کا راستہ بھول گیا"۔(رواہ الطبرانی)

انتیسویں حدیث

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔(رواہ ابن ابی عاصم)

تیسویں حدیث

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے"۔

(رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ)

اکتیسویں حدیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ایک دن گھر سے نکلا اور حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے زیادہ بخیل شخص کے بارے میں نہ بتاؤں۔ لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ ضرور بتائیں آپ ﷺ نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا وہ لوگوں میں سے بخیل شخص ہے۔(رواہ ابن ابی عاصم)

یہ یاد رہے کہ اس شخص کے بخیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک آسان کلمہ کیساتھ بہت سا ثواب جمع کرنے پر قادر تھا اس کے باوجود اس نے اس ثواب کو چھوڑ دیا اور اپنی ذات کیساتھ بخل کیا اور یہ سب سے بڑا بخل ہے۔(یعنی خود کو محروم رکھنا)۔

بتیسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا وہ دو شخص جو آپس میں محبت

کرنے والے ہوں اگر وہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے درود شریف پڑھیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔(رواہ ابو یعلی)

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمائے۔(آمین)

تینتیسویں حدیث

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ درود پاک پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِي

”اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ اور ان کو قیامت کے دن اپنی قریبی نشست پر متمکن فرما۔اس کیلئے میری شفاعت ثابت ہوگئی“۔

چونتیسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ يَوْمٍ اَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ

”جس نے روزانہ مجھ پر ہزار مرتبہ درود پاک پڑھا مرنے سے پہلے جنت میں اپنا محل دیکھ لے گا۔(رواہ ابو جعفر بن سنان)

پینتیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اپنے نبی (ﷺ) پر درود شریف نہیں بھیجتے۔تو (اس غفلت کی وجہ سے) ان پر اللہ کی جانب سے تاوان ہے (اب آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے) چاہے تو انھیں عذاب دے چاہے معاف فرمادے۔(رواہ ابوداؤد وترہ) کا معنی ہے نقص اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی تبعۃ (تاوان) ہے۔

یہ حدیث ہر مجلس میں ذکر الٰہی اور درود پاک کے استحباب پر دلالت کرتی ہے کہ مجلس میں بیٹھنے والوں کیلئے اس مستحب (عمل) کی تائید کی گئی ہے اور اگر وہ لوگ اس کو ترک کر دیں تو یہ مجلس کے نقص کی علامت ہے۔

اگر (اے معترض) تو کہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا "اِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ" یہ ایسا عمل ہے کہ جس کے ترک پر عذاب ہے لیکن یہ عمل واجب نہیں کہ اس کے چھوڑنے پر سزا دی جائے۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ عذاب سے مراد مجلس کے کمال کا فقدان ہے نہ کہ وہ عذاب جو کسی گناہ کا نتیجہ ہوتا ہے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد یہ ہو کہ جس مجلس میں لوگ بیٹھے ہیں اور ذکر الٰہی اور درود نہیں پڑھتے یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ مجلس خیر نہیں بلکہ محفل شر ہے کیونکہ اگر وہ اچھی مجلس ہوتی تو ضرور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی پاک ﷺ پر درود پڑھا جاتا۔ یہی احتمال متعین ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر مواخذہ تو گناہ پر ہی ہوتا ہے۔

اور صرف ترک کرنا گناہ نہیں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ واللہ اعلم۔

چھتیسویں حدیث

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں تحفہ نہ دوں (وہ تحفہ یہ ہے کہ) حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم جان چکے ہیں کہ کیسے آپ پر سلام پیش کرنا ہے لیکن (ہمیں یہ بتائیں کہ کس طرح ہم آپ پر درود پڑھیں تو آپ نے فرمایا یوں کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

"اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم علیہ السلام پر بے شک تو حمید و مجید ہے"۔ (رواہ البخاری)

سینتیسویں حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ) یہ آپ پر سلام ہو حضور ﷺ فرمائیں ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو آپ نے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

"اے اللہ درود بھیج سیدنا محمد ﷺ پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں۔ جس طرح تو

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر"۔

(رواہ البخاری)

اڑتیسویں حدیث

حضرت عمرو بن سعید زرقی فرماتے ہیں مجھے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہم کس طرح آپ پر درود پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
اَنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (رواہ البخاری)

"گذشتہ احادیث سے ملتا جلتا ہے صرف اس حدیث میں ازواجہ کا لفظ زیادہ ہے یعنی امہات المومنین رضی اللہ عنہن"۔ (مترجم)

جان لیجئے کہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آل سے مراد بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں اور بعض نے ان کے علاوہ کو بھی آپ ﷺ کی آل کہا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ میں فرق ہے۔ ہم نبی پاک ﷺ پر درود کیسے پڑھیں کہ وہ ہمارا درود جناب ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والے درود پاک کے مشابہ ہو اس سوال کے بہت سارے جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب

یہاں (نفس) صلاۃ کو (نفس) صلاۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ ایک (صلاۃ کی) مقدار کو دوسری (صلاۃ کی) مقدار کے ساتھ۔

دوسرا جواب

یہ تشبیہ آل محمد ﷺ پر صلاۃ کے لیے ہے نہ کہ نبی پاک ﷺ پر صلاۃ کیلئے گویا اصل جملہ یوں ہے۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ" یہ جملہ تشبیہ سے علیحدہ ہے۔ اور "وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ" یہ جملہ اپنے مابعد سے متصل ہے۔

یہاں ایک اور سوال وارد ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی آل تو انبیاء ہیں پھر کس طرح غیر انبیاء

اور انبیاء میں برابری کا تقاضا کیا جا سکتا ہے۔
ممکن ہے کہ یہاں بھی اصل صلاۃ والا معاملہ ہو اور سوال وارد نہ ہو۔

تیسرا جواب

نبی کریم ﷺ اور ان کی آل پر صلاۃ کو تشبیہ دی گئی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر صلاۃ سے، یعنی مجموع کو مجموع کے ساتھ اور تمام انبیاء کی آل میں سے آل ابراہیم کو زیادہ عزت حاصل ہے۔ پس جب ہم نے جملہ کو جملہ کے مقابلہ میں کر دیا تو اب یہ مشکل ہو گیا کہ آل محمد ﷺ کیلئے بھی وہی ہے جو آل ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے۔ جو کہ انبیاء ہیں۔

چوتھا جواب

درود شریف کا حکم ہر نمازی کو ہے جب بھی نمازی نماز پڑھے گا درود شریف بھی ضرور پڑھے گا۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اس طرح سرکار پر پڑھے جانے والے درود کی انتہا نہ ہوگی۔

پانچواں جواب

یہ برابری اس وقت ہوتی جب حضور ﷺ پر اسی جگہ درود شریف کا حکم دیا جاتا۔ حالانکہ آپ پر درود پڑھنے کا حکم اور مقامات پر بھی ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ ایک آدمی کے پاس سو درہم ہیں۔ دوسرے کے پاس پچاس درہم ہیں۔ درہم ہونے کے اعتبار سے تو دونوں برابر ہیں۔ لیکن مقدار میں دونوں برابر نہیں۔
آل ابراہیم سے مراد اسمٰعیل و اسحاق علیہما السلام اور ان کی اولاد ہیں۔ (کناف) ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ کسی اور نبی کو رحمت و برکت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔ حمید وہ ذات جو ہر قسم کی حمد کی مستحق ہو۔ مجید وہ ذات جو شرف و بزرگی میں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو۔ برکت بھلائی اور اضافہ کو کہتے ہیں۔

انتالیسویں حدیث

حضرت ابو کامل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا اے ابو کامل جس نے ایک دن میں مجھ پر تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ میری محبت اور میرے عشق میں ڈوب کر درود پڑھا تو مجھ پر اس کا حق ہے کہ اس کے اس دن اور رات کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔
(رواہ ابن عاصم)

اور کان حقا الخ کا معنی ہے کہ میں اس کی سفارش کروں گا اور اس کے اس رات اور دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

چالیسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا اور جس نے مجھ پر دس مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر سو مرتبہ درود بھیجے گا۔ اور جس نے مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیا جاتا ہے کہ (یہ شخص) منافقت اور جہنم کی آگ سے آزاد ہے اور اللہ تعالیٰ روز حشر اسے شہداء کے ساتھ ٹھکانا عطا فرمائے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے غلاموں کو یوں درود پڑھنا سکھایا تھا۔

اَللّٰهُمَّ اِجْعَلْ صَلَاتَكَ وَ رَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ۔ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

"اے اللہ اپنی طرف سے درود، رحمت اور برکات نازل فرما تمام رسولوں کے سردار، پرہیزگاروں کے امام، خاتم النبیین محمد ﷺ پر جو تیرے خاص بندے عظیم رسول سراپا خیر اور بھلائی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جو رحمت کے پیامبر ہیں۔ (اے اللہ) اپنے بندے محمد ﷺ کو مقام محمود عطا فرما (جسے دیکھ کر) تمام اولین و آخرین رشک کریں اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر بے شک تو حمید، مجید ہے"۔ (ابن ماجہ)

یغبطہ، کا معنی ہے کہ ہر ایک تمنا کرے کہ اس کو بھی وہی ملے بغیر اس کے کہ آپ سے وہ زائل ہو۔

(مصنف فرماتے ہیں) ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک (عدم قبولیت کے) حجاب میں رہتی ہے جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے اور اس حدیث کی طرح ہی حضرت عمر رضی اللہ

عنہ سے بھی مروی ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں جس آدمی نے قسم کھائی کہ وہ سب سے افضل درود پڑھے گا تو اسے وہ درود پڑھنا چاہیے جو ہم نے بروایت بخاری ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ......الخ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ درود شافعی پڑھے اور وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا سَھَا عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

مصنف فرماتے ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ (قسم اٹھانے والا) ان درودوں کو جمع کرے جو آپ سے منقول ہیں۔ اور پہلے درود شافعی پڑھے اور اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد اطہار کے الفاظ کا اضافہ کرے اس طرح کہ انہیں درود اور برکات میں شامل کرے۔

نیز غیر نبی پر (مطلقاً) صلاۃ اور انبیاء پر مستقلاً صلاۃ کے جواز کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔

ایک گروہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

جن میں سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ اکثر نے کہا ہے کہ غیر انبیاء پر مستقل طور پر درود نہ پڑھا جائے پس یوں نہ کہا جائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِی بَکْرٍ وَلَا عَلٰی آلِ عُمَرَ وَغَیْرِھِمَا

لیکن ان پر تبعاً درود پڑھا جا سکتا ہے۔ اور امام احمد نے بخاری کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِی اَوْفٰی

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے آپ جسے چاہیں عطا فرمائیں اور دوسرے کیلئے یہ حق نہیں ہے اور فرمان الٰہی ہے۔

وَصَلِّ عَلَیْھِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ (توبہ:103)

اس سے مراد ہے ادع لھم ان کیلئے دعا کیجئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صل علیھم یعنی جب وہ فوت ہو جائیں تو ان کی جنازہ پڑھائیں۔ واللہ اعلم

یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کے بغیر فقط درود پڑھنا مکروہ ہے جس طرح کہ امام نووی اور دیگر (محدثین) نے بیان کیا ہے۔ نیز حدیث پاک میں یوں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی

کتاب میں میرے نام کیساتھ درود لکھا اس کیلئے ملائکہ اس وقت تک دعائے بخشش کرتے رہیں گے۔ جس وقت تک اس کتاب میں میرا نام (مبارک) موجود رہے گا۔ (رواہ الطبرانی وغیرہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)
جان لے کہ درود پاک میں وارحم محمداً کے الفاظ کا اضافہ بدعت ہے۔ لیکن ابن ابی زید مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ لیکن ابن عربی نے ان کا رد کیا ہے۔ اور امام نووی نے اس کی خوب تفصیل بیان کی ہے۔

وَصَلِّ اَللّٰهُمَّ صَلِّ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور وہی درست راہ کی توفیق دینے والا ہے۔ اسی کے فضل سے ہم حسن خاتمہ کے طلب گار ہیں۔ اس ذات پاک کے وسیلہ سے جسے حکمت اور فصل خطاب سے نوازا گیا ہے۔
ابوالحسن البکری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب عقد الجواہر البہیہ ختم ہوئی۔

فائدہ: فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی عفا اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ کتاب کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے۔ جو کتاب میں شامل نہیں وہ عبارت ابن عطیہ کی یہ حدیث ہے جو ثابت عن انس سے ہے وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ایک دن میں ہزار مرتبہ مجھ پر درود پڑھا۔ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا محل دیکھ لے گا۔ اسے حافظ ابوعبداللہ المقدسی نے اپنی کتاب الصلاۃ علی النبی ﷺ میں ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ میں اسے حکم بن عطیہ سے اور وہ ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی جانتا ہوں۔ امام احمد فرماتے ہیں اس حدیث میں کوئی حرج نہیں۔
اور یحیٰی ابن معین سے مروی ہے انہوں نے کہا ہے حکم بن عطیہ ثقہ ہیں۔
پس تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اس عظیم حدیث اور اس بہت بڑے اجر کی عطا پر۔ جس پر واقف ہونے کے بعد عمل کرنا ترک نہیں کرے گا سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ نے علم کے سلسلہ میں گمراہ کر دیا ہے اور مسلمان کیلئے یہ حدیث سننے کے بعد کونسی رکاوٹ ہوسکتی ہے کہ ساری زندگی میں ایک دن ہزار مرتبہ درود پڑھے بلکہ اسے تو ہر روز ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہیے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہزار مرتبہ درود پڑھا جائے۔

ومنہم الامام المحدث ابوالمحاسن السید یوسف بن عبداللہ الحسن

یہ جواہران کی کتاب الاربعون حدیثا فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ سے لئے گئے ہیں۔ میں انہی کے الفاظ میں اسے نقل کررہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے محبوب نبی (ﷺ) کو بہترین درود وسلام سے مخصوص کیا ہے۔ اور خاص وعام کو آپ کی برکت سے حصہ عطا کیا ہے۔

میں اس کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے نبی رحمت کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت عطا کی ہے۔

اس کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے اپنے محبوب پر صلاۃ وسلام کے طفیل ہم سے ہر برائی دور کی ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں وہ واحد اور غفار ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے (خاص) بندے اور رسول اور تمام مخلوق میں سے منتخب اور پسندیدہ ہیں۔

درود بھیجے اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب، آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر اپنی مخلوق کی تعداد اور اپنی رضا کے برابر اور اپنے عرش کے وزن کے برابر اور اپنے کلمات کی روشنائی کے برابر، اور آپ پر اللہ تعالیٰ سلام بھیجے اور آپ کو مکرم بنائے۔ اور آپ پر درود پڑھنے والی مخلوق کے برابر اجر عطا فرمائے اور ایک درود کے بدلے دس درود بھیجے۔ بعد ازاں محتاج رحمت رب غنی یوسف بن عبداللہ الحسینی الارمیونی شاگرد سیوطی علیہما الرحمۃ سخن طراز ہے کہ یہ چالیس احادیث ہیں جو سرور اولاد آدم اللہ کے خاص بندے اور عظیم رسول حضرت محمد ﷺ پر درود پڑھنے کی فضیلت میں مختلف کتب سے میں نے جمع کی ہیں اس امید پر کہ مجھے بھی اس گروہ میں شامل کرلیا جائے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

نَضَرَ اللّٰهُ اِمْرأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا فَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا

''اللہ سرسبز وشاداب رکھے اس شخص کو جس نے میری گفتگو کو سنا اور یاد کیا اور پھر آگے اسی طرح بیان کیا جس طرح سنا تھا''۔

نیز اس ارشاد پاک کا میں بھی مصداق بن جاؤں۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِي اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا مِنْ سُنَّتِي اَدْخَلْتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي شَفَاعَتِي وَفِيْ رِوَايَةٍ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"جس نے چالیس احادیث میری سنت میں سے (محفوظ کر کے میری امت تک پہنچائیں) تو روز جزا میں اسے اپنے دامن شفاعت میں لے لوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور اس (کے ایمان) کا گواہ ہو جاؤں گا"۔

نیز یہ کتاب میں نے ائمہ اعلام کی اقتداء کرتے ہوئے تحریر کی ہے اللہ تعالیٰ اسے محض اپنی رضا کیلئے پسند فرمالے اور اسے اپنی بارگاہ میں (میری) کامیابی کا سبب بنائے بے شک وہی "کافی" ہے۔

حدیث اوّل

حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر الا دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔

(مسلم، ترمذی، النسائی، ابن حبان)

دوسری حدیث

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی اس حال میں کہ آپ کی طبیعت مسرور تھی آپ کے رخ اقدس پر خوشی کے آثار نظر آرہے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) آج آپ کی صبح مسرور ہے اور چہرہ اقدس پر آثار شادمانی نمایاں ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں میرے پاس میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا "فرشتہ" آیا ہے اور کہا ہے کہ جس نے بھی آپ کی امت میں سے آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس کے بدلے میں اس کی دس نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرمائے گا۔ اور پڑھنے والے کی طرف اس جیسا درود لوٹائے گا۔

اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد جید ہیں۔ نسائی کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا اے محمد ﷺ آپ کا رب فرمارہا ہے یہ بات آپ کو خوش نہیں کرتی کہ آپ پر کوئی ایک مرتبہ درود پڑھے تو میں اس پر دس مرتبہ درود پڑھوں اور آپ کا کوئی امتی ایک مرتبہ سلام پیش کرے تو میں اس پر دس مرتبہ سلام نازل کروں۔ ابن حبان کی روایت میں ہے حضور ﷺ نے عرض کیا میرے مولا کیوں نہیں؟ (میرے مولا یہ بات یقیناً مجھے خوش کرتی ہے)......(مترجم)

تیسری حدیث

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس کے بدلے اس پر ستر مرتبہ درود پڑھتے ہیں۔

پس چاہے کوئی کم پڑھے یا زیادہ۔(رواہ احمد باسناد حسن موقوف)

چوتھی حدیث

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے۔جس نے مجھ پر درود پڑھا فرشتے اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں اب چاہے بندہ کم درود پڑھے یا زیادہ۔(رواہ احمد وابن ماجہ واسنادہ جید)

پانچویں حدیث

حضرت ابوکاہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ہر روز تین مرتبہ اور ہر رات تین مرتبہ میری محبت وشوق میں ڈوب کر درود شریف پڑھا۔اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس بندے کے اس رات اور اس دن کے گناہ معاف فرمادے۔

(رواہ ابن ابی عاصم اور ابن مندہ نے کہا ہے کہ ابوکاھل صحابی ہیں)

چھٹی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے سوار کے پیالہ کی طرح نہ بنالینا کیونکہ سوار جب تمام چیزیں سواری پر رکھ لیتا ہے پھر پیالے کو پانی سے بھر لیتا ہے پھر اگر وضو کی ضرورت ہوتی ہے تو اس پانی سے وضو کر لیتا ہے اور اگر پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پی لیتا ہے وگرنہ اس پانی کو بہادیتا ہے۔دعا کے شروع درمیان اور آخر میں مجھے وسیلہ بنالو۔(رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ)

ساتویں حدیث

حضرت ابودرداء عویمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھا صبح کے وقت دس مرتبہ اور دس مرتبہ شام کے وقت اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

(رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر باسنادین احدھما جید)

آٹھویں حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے اور جس نے دس مرتبہ پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان منافقت اور آگ سے آزادی (کا پروانہ) لکھ دیتا ہے اور روز جزا اسے شہدا کے ساتھ رہائش عطا فرمائے گا۔(رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر)

نویں حدیث

حضرت عبدالرحمٰن بن عیسیٰ الثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ایک دن میں مجھ پر پچاس مرتبہ درود پڑھا قیامت کے دن ملائکہ اس کے ساتھ مصافحہ کریں گے۔

(اسے حافظ ابن بشکوال نے اپنی کتاب ''القربۃ'' میں روایت کیا ہے۔)

دسویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر روشنی (کا باعث) ہے پس جس نے روز جمعہ میرے اوپر اسی مرتبہ دورد پڑھا اس کے اسی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ آپ پر درود شریف کیسے پڑھا جائے تو آپ نے فرمایا تم یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

(یہ کہہ کر) ایک گرہ لگاؤ (ایک مرتبہ شمار کرو)

(رواہ ابن شاہین والضیاء المقدسی والدار قطنی فی سننہ وقال حدیث حسن)

گیارہویں حدیث

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ آپ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے روز جمعہ دوسو مرتبہ مجھ پر درود شریف پڑھا اس کے دوسال کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے)

بارہویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا بے شک قیامت میں ہر مرحلہ پر تم میں سے وہ شخص میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا جو دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا جس نے روز جمعہ اور شب جمعہ مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر حاجتیں آخرت میں اور تیس حاجات دنیا میں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس درود پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے وہ اس درود کو میری قبر (مبارک) پر اس طرح پہنچاتا ہے جس طرح تمہیں تحفے پہنچائے جاتے ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے درود پڑھنے والے کے نام ونسب اور قبیلہ کے بارے میں خبر دیتا ہے۔ پس میں اس (نام) کو اپنے پاس موجود روشن صحیفے میں لکھ لیتا ہوں۔ اسے بیہقی نے جزء میں ذکر کیا ہے جس میں حیات الانبیاء کا ذکر ہے ابن بشکوال اور ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں

یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ میرا علم بعداز وفات اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے تھا۔ اسے ابن نجار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یوں بھی روایت کیا ہے کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری فرمائے گا ستر ضروریات اخرویہ تیس ضروریات دنیویہ۔

تیرہویں حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دن میں ہزار مرتبہ مجھ پر درود پڑھا وہ مرنے سے پہلے (اس دنیا میں) جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا۔

''مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمٍ اَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ'' ابن شاہین وضیاء المقدس اور حافظ رشید الدین نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ...... الخ وَ فِي لَفْظِ اَبِي الشَّيْخِ حَتّٰى يُبَشَّرَ بِالْجَنَّةِ

چودہویں حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا بے شک قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص میرے زیادہ قریب ہوگا جو تم میں سے مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بعض آثار میں یوں بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا روز حشر کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کو کثرت درود کی وجہ سے جان لوں گا۔ (اسے عیاض نے اپنی کتاب {شفا} میں ذکر کیا ہے)۔

یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جن کے پاس نورانی قلم ہوتے ہیں وہ (ان قلموں سے اور) کچھ نہیں لکھتے سوائے درود شریف کے جو میرے اوپر اور میرے اہل بیت پر پڑھا جاتا ہے۔ (من کتاب الشرف)

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا مَاكَتَبَ الْكَاتِبُوْنَ وَقَالَ الْقَائِلُوْنَ

''پس درودوں کی کثرت ہو آپ پر اور آپ کی آل پر جب تک لکھنے والے لکھتے رہیں اور پڑھنے والے پڑھتے رہیں''۔

پندرہویں حدیث

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب جمعرات کا دن آتا ہے

اللہ تعالیٰ ملائکہ کو (زمین پر) بھیجتا ہے۔ جو (فقط یہ) لکھتے ہیں کہ جمعرات کے دن اور شب جمعہ کس نے زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا۔ (بروایت ابن بشکوال)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ (مخصوص) فرشتے ہیں جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں جو صرف شب جمعہ اور روز جمعہ زمین پر اترتے ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے یا چاندی کے قلم اور نورانی اوراق ہوتے ہیں جن پر صرف وہ درود شریف لکھتے ہیں جو حضور ﷺ پر پڑھا جاتا ہے۔

سولہویں حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ جب وہ ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو (اس کے درود کو) پورے پیمانے کیساتھ تولا جائے تو اسے چاہیے۔ کہ یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

"اے اللہ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اپنے محبوب نبی محمد ﷺ پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر جو اہل ایمان کی مائیں ہین اور آپ کی اولاد اور اہل بیت پر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم پر درود بھیجا بے شک تو حمید مجید ہے"۔

سترہویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب کچھ لوگ کسی جگہ بیٹھتے ہیں جہاں وہ ذکر الٰہی اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف نہیں پڑھتے تو روز حشر (یہ مجلس) ان کیلئے باعث حسرت ہوگی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو گئے تب بھی (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ جب کچھ لوگ اکھٹے ہوئے اور پھر ذکر خدا اور ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بغیر اٹھ کر چلے گئے تو گویا وہ بدبودار مردار سے اٹھے۔

اٹھارہویں حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے پاس صدقہ (کرنے کی طاقت) نہ ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی دعا میں یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

تو اس کے لئے یہی صدقہ (کرنے کی طرح) ہے۔

انیسویں حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ مروی ہیں۔

اِنَّ اَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

"بے شک سب سے زیادہ کنجوس وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔

اور یوں بھی مروی ہے کہ آدمی کے بخیل ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ میں اس کے پاس ذکر کیا جاؤں اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ اور قاضی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بحسب امری شحاً کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔

بیسیویں حدیث

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے (ہر وقت زمین میں) گھومنے والے ہیں۔ جب وہ ذکر کی محفلوں کے قریب سے گزرتے ہیں تو ان میں بعض بعض سے کہتے ہیں۔ (یہاں) بیٹھ جاؤ جب وہ لوگ دعا مانگتے ہیں تو یہ (ملائکہ) ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ اور جب وہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں تو فرشتے بھی درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ لوگ فارغ ہو جاتے ہیں۔ تو فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں خوشخبری ہو ان لوگوں کیلئے جو (اپنے گھروں کی طرف) لوٹ رہے ہیں کہ (ان کے گناہ) بخش دیئے گئے ہیں۔ (رواہ ابوسعید القاضی فی فوائدہ)

اکیسویں حدیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جس نے اللہ کا نام نہ لیا اس کا وضو نہیں اور جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز نہیں اور جس نے انصار کے ساتھ محبت نہ کی اس کی بھی نماز نہیں۔ (ابن ماجہ)

بائیسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا وہ دو بندے جو باہم محبت کرتے ہیں جب وہ دونوں مصافحہ کرتے ہیں تو وہ دونوں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں وہ نہیں جدا ہوتے (ایک دوسرے سے) مگر ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (رواہ ابویعلیٰ)

تیئیسویں حدیث

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا آج رات میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جو پل صراط سے گرتا پڑتا گزر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اس کے پاس وہ درود شریف آیا جو اس نے مجھ پر پڑھا تھا۔ اس (درود) نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پل صراط پر اسے کھڑا کر دیا یہاں تک اس نے (پل صراط کو) عبور کر لیا۔ (حکیم ترمذی طبرانی معجم کبیر باسنادہ لاباٌس بہ)

چوبیسویں حدیث

حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ کیا ایک تہائی (وقت) آپ پر درود شریف پڑھوں تو آپ نے فرمایا ہاں جیسے تیری مرضی اس نے عرض کیا دو تہائی تو آپ نے فرمایا ہاں جیسے تو چاہے۔ تو اس نے عرض کیا تمام وقت درود شریف پڑھوں گا۔ تو آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تیرے لئے کافی ہو جائے گا۔ ہر اس کام میں جو دنیا اور آخرت میں تجھے غمناک کرے۔ (الطبرانی معجم الکبیر باسنادہ لاباس بہ)

پچیسویں حدیث

حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نماز پڑھی اور اس وقت مسجد میں نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے جب میں بیٹھا میں نے اللہ کی تعریف سے ابتداء کی پھر میں نے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا اور پھر اپنے لئے دعا کی تو حضور ﷺ نے فرمایا سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا۔ (اسے ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ان الفاظ سے مروی ہے کہ کوئی دعا نہیں مگر اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوتا ہے یہاں تک کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے کیونکہ جب درود پڑھا جاتا ہے تو پردہ ہٹ جاتا ہے اور دعا قبول کر لی جاتی ہے اور اگر درود نہ پڑھا جائے تو دعا نہیں قبول کی جاتی۔

اسے حسن بن عرفہ نے مرفوعاً اور ترمذی نے حضرت عمر اور طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنھم سے روایت کیا ہے۔

چھبیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کے رستے سے بھٹک گیا۔ (ابن ماجہ)

ستائیسویں حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے موذن کی اذان کے وقت یوں کہا اے اللہ اس مکمل دعا اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد ﷺ پر درود بھیج اور ہم سے اسی طرح راضی ہو جا کہ اس رضا کے بعد ناراضگی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما لیتا ہے۔
(رواہ ابن السنی)

اٹھائیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو کہ رمضان المبارک اس کے پاس آئے اور اس کی بخشش کے بغیر ہی گزر جائے اور اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو کہ اس کے والدین اس کے پاس بڑھاپے تک پہنچ جائیں اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کروائیں۔ (اسے احمد اور الترمذی نے روایت کیا)

انتیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح (مبارک) مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (احمد و ابوداؤد باسناد جید)

تیسویں حدیث

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں سے ایک فرشتے کو تمام مخلوقات جتنی قوت سماعت عطا کی ہے اور وہ میری قبر پاک پر کھڑا ہے اور قیامت تک کھڑا رہے گا۔

میری امت میں سے کوئی نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر وہ فرشتہ کہتا ہے اے احمد ﷺ فلاں بن فلاں (پڑھنے والے کا نام اور اس کے باپ کا نام لیکر کہتا ہے) نے آپ پر اس طرح درود پڑھا ہے۔ اور رب ذوالجلال ضامن ہے کہ جس نے بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اور اگر زیادہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ بھی اضافہ فرما دیتا ہے۔

''مسند بزار اور ابن عساکر بطرق مختلفہ''۔

اکتیسویں حدیث

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ ہے اسی دن آدم پیدا ہوئے اور اسی دن وفات پائی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن کڑک ہوگی۔

پس اس دن مجھ پر درود کی کثرت کرو، کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ (صحابہ نے) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درود کس طرح آپ پر پیش کیے جائیں گے۔ حالانکہ آپ پر بوسیدگی طاری ہو چکی ہوگی۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ

''اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے''۔ (ابوداؤد، دارمی، نسائی)

بتیسویں حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور رب کی حمد بیان کی اور نبی ﷺ پر درود پڑھا اور اپنے رب سے مغفرت طلب کی تو اس نے اپنے مظان سے بھلائی طلب کی۔ (بیہقی شعب اور ابان بن عباس ضعیف راوی ہے)

تینتیسویں حدیث

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ کو میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرماتے سنا۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ استغفار کے حوالے کر دیئے ہیں۔ پس جس نے بھی سچی نیت کے ساتھ گناہوں سے مغفرت طلب کی اسے بخش دیا جائے گا۔ اور جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا اس نے اپنے (نیکیوں والے) ترازو کو جھکا لیا۔ اور جس نے میری ذات پر درود پڑھا میں بروز حشر اس کی شفاعت کروں گا۔ (ابوداؤد، نسائی، حسن بن احمد بسند جید)

چونتیسویں حدیث

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے (کسی جگہ) میرا (علم) نام لکھا اور اس کے ساتھ درود (بھی) لکھا (تو لکھنے والے) کو اس وقت تک اجر ملتا رہے گا جب تک اس کتاب سے اس اسم مبارک کو پڑھا جاتا رہے گا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود (لکھنے کی صورت میں) پڑھا فرشتے اس وقت تک اس کیلئے دعا مغفرت کرتے رہیں گے جب تک میرا اسم مبارک اس کتاب میں رہے گا۔ (طبرانی وابوالشیخ التواب)

پینتیسویں حدیث

حضور ﷺ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو اسے چاہیے کہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود بھیجے (تو اس کا کان ٹھیک ہو جائے گا)

محمد بن اسحاق بن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ اسے چاہیے کہ یوں کہے۔

ذَكَرَ اللّٰهُ مَنْ ذَكَرَنِیْ بِخَيْرٍ

چھتیسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ جب میرے حق کی تعظیم کی خاطر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس قول سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جس کا ایک پر مشرق میں اور ایک پر مغرب میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے (اے فرشتے) میرے بندے پر درود بھیج جس طرح اس نے میرے نبی پر درود بھیجا اور وہ فرشتہ قیامت تک درود پڑھتا رہتا ہے۔ رواہ ابن بشکوال و حفص بن شاہین اور انہوں نے ان الفاظ کی زیادتی کی ہے کہ اس فرشتے کی ٹانگیں زمین کی تہہ میں اور گردن زیر عرش لپٹی ہوتی ہے۔

سینتیسویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب تم موذن (کی اذان) سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس مرتبہ رحمت فرمائے گا پھر میرے لئے "وسیلہ" کا سوال کرو۔ کیونکہ وہ جنت میں ایک منزل ہے اور اللہ کے (خاص) بندوں میں

سے ایک (محبوب ترین) بندے کے لیے ہے اور مجھے امید ہے" کہ وہ خاص بندہ میں ہی ہوں جس نے میرے لیے مقام وسیلہ" کا سوال کیا اس کیلئے (میری) شفاعت حلال ہو گئی۔

اڑتیسویں حدیث

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ درود پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهُ الشفاعة (رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)

"اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر اور قیامت کے دن انہیں اپنے قریب مقام عطا فرما۔ یہ درود پڑھنے والے کیلئے حضور ﷺ کی شفاعت لازم ہو جائے گی"۔

انتالیسویں حدیث

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کثرت سے درود پڑھو مجھ پر روشن رات اور چمکتے دن میں "الطبرانی فی معجمہ الاوسط والحافظ خلف بن عبد الملک فی کتاب الصلاۃ لہ" اور انہوں نے یہ الفاظ زائد بیان کئے ہیں کہ تمہارا درود میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے اور میں تمہارے لئے دعا بھی کرتا ہوں اور (اپنے رب سے) تمہارے گناہوں کی معافی بھی مانگتا ہوں۔

چالیسویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

بے شک آدم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دامن عرش میں ایک قیام گاہ ہے۔ اور دو سبز کپڑے آپ نے زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ گویا کہ آپ کھجور کا بلند قامت درخت ہیں۔ آپ اپنی اس اولاد کو دیکھ رہے ہیں جن کو جنت کی طرف بھیجا جاتا ہے اور ان کو بھی دیکھ رہے ہیں جن کو دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ جناب آدم علیہ السلام اسی طرح تشریف فرما ہوں گے کہ وہ امت محمدیہ میں سے ایک آدمی کو دیکھیں گے جسے فرشتے دوزخ لے جا رہے ہوں گے جناب آدم پکاریں گے یا احمد ﷺ تو حضور ﷺ فرمائیں گے۔ اے ابو البشر میں حاضر ہوں حضرت آدم فرمائیں گے یہ آدمی آپ کی امت کا ہے جسے آگ کی طرف دھکیلا جا رہا ہے تو میں کمر بستہ ہو کر تیزی کے ساتھ ملائکہ کے پیچھے جاؤں گا اور کہوں گا اے میرے رب کی طرف سے آنے والے فرشتو! ٹھہر جاؤ تو وہ کہیں گے ہم ایسے سخت اور مضبوط ہیں کہ رب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ اور ہم وہی کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا

جاتا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کو یقین ہو جائے گا کہ ملائکہ نہیں رکیں گے تو آپ اپنے بائیں ہاتھ سے ریش مبارک پکڑ لیں گے اور عرض کریں گے۔ (اے اللہ) تحقیق تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے میری امت کے معاملے میں شرمندہ نہیں کرے گا۔ تو عرش سے نداء ہو گی (اے جانے والے ملائکہ) محمد ﷺ کا حکم مانو اور اس بندے کو اسی مقام (میزان) پر واپس کر دو۔ پس میں اپنی جیب سے ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا نکالوں گا وہ انگلی کے پورے کی طرح ہو گا اور اسے میں میزان کے دائیں پلڑے میں رکھ دوں گا اور کہوں گا باسم اللہ تو نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہو جائیں گی۔

ندا ہو گی یہ بندہ خوش بخت ہو گیا اور اس کی محنت بامراد ہو گئی اور اس کی نیکیاں بھاری ہو گئیں۔ اسے جنت کی طرف لے جاؤ۔ تو وہ بندہ کہے گا اے میرے رب کے پیغام رسانو! ٹھہرو یہاں تک کہ میں بارگاہ رب العزت میں مکرم و محترم ہستی سے کچھ پوچھ لوں۔

اور وہ بندہ عرض کرے گا میرا باپ اور میری ماں آپ پر فدا ہوں آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے اور آپ کی ادائیں کتنی حسین ہیں آپ نے میرے گناہ مٹا ڈالے ہیں اور میری غربت پر رحم کیا ہے۔ آپ کون ہیں۔ (حضور ﷺ نے فرمایا) میں کہوں گا میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ وہ درود ہے جو تو میری بارگاہ میں پیش کرتا تھا۔ (رواہ سمعانی فی اول ذیل تاریخ بغداد)

الامام العارف باللہ الشیخ علی ددہ رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر

ان کی کتاب محاضرۃ الاوائل ومسامرۃ الاواخر مطبوعہ طبعہ منیرہ مصر کے صفحہ گیارہ پر ان کا یہ قول ہے عالم خلق میں سب سے پہلی چیز جس کے ساتھ قدرت الٰہیہ متعلق ہے اسے عالم اجسام کہتے ہیں۔ یا ایسا جوہر جو قدیمی اور نوری ہے اور عنصر اعظم کے نام سے موسوم ہے۔ محققین اہل تصوف کے نزدیک اسے حقیقۃ الحقائق اور حکما کے نزدیک ھیولی کلیہ جامعہ جو قوت قابلہ کلیہ کے نام سے معروف ہے۔ کہا جاتا ہے اور بعض حکماء اسے جوہر فرد کہتے ہیں جو اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتا اور یہی جوہر فرد ایک اعتبار سے ''مخلوق اول'' ہے۔

اور یہ جوہر بنفسہٖ قائم ہے ایک مذہب کے مطابق متحیز ہے اور ایک مذہب کے مطابق متحیز نہیں اور اکثر مشائخ کے نزدیک قول ثانی زیادہ صحیح ہے۔

نیز موجود اوّل کے بہت سارے نام ہیں اور اس کے شرف کی وجہ سے اس کے اسماء والقاب مختلف ہیں جس طرح قلم، عقل، جوہر فرد، لوح روح کلی، الحق المخلوق اور عدل (یہ تمام موجود اول کے

اسماء ہیں)۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اس ''موجود اوّل'' کے بہت سارے اوصاف ہیں۔ جن کا شمار سوائے خالق تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لیکن موجود اول کا ظہور حقیقت محمدیہ اور حضرۃ احمدیہ میں بہت خوب ہوا۔ گویا کہ موجود اوّل ہے ہی حقیقت محمدیہ مکمل طور پر اس جوہر سے متصف ہونے کی وجہ سے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الدرۃ البیضاء سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر۔

عارف باللہ شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے

شیخ علی ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عناصر میں کلیہ جامعہ کو ایک جوہر تاباں کی صورت میں پیدا فرمایا اور وہ جوہر تاباں خاتم الانبیاء ﷺ کے (جسم مبارک) کی خاک پاک اور سید الاصفیا سیدنا محمد ﷺ کا عنصر مبارک ہے (اسی طرح) جس طرح کہ چاندی کی مہر، پھر اللہ تعالیٰ نے اس عنصر پاک پر ہیبت کے ساتھ نظر فرمائی تو وہ پگھل کر پانی پانی ہو گیا۔ اور یہ وہی پانی ہے جس پر عرش ٹھہرا تھا۔ پھر وہ پانی موجیں مارنے لگا اور اس کے وسط میں جھاگ اکٹھا ہو گیا۔ بعد ازیں وہ قطعہ (مزید) چار قطعات میں تبدیل ہو گیا اور ہر حصے سے ایک ''حرم'' پیدا کیا گیا۔

حرم کعبہ، حرم مدینہ، حرم قدس اور حرم کوفہ اور کوفہ ہی بعض محققین کے نزدیک چوتھا حرم ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس وجہ سے آپ نے اسے دارالخلافۃ بنایا اور خلیفہ آخر الزمان مہدی علیہ السلام بھی اسے دارالخلافۃ بنائیں گے۔

پھر اس خاک پاک کی وجہ سے تمام زمین چمکنے لگی اور جب آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا اور خاک پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی ان کے وجود میں رکھی گئی تو حضور ﷺ کے نور سے جبین آدم دمکنے لگی۔ پھر وہ نور صلب آدم سے پاکیزہ اصلاب کی طرف منتقل ہوتا رہا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے والدین کریمین کے ذریعہ دنیا میں ظاہر فرمایا۔

آپ ﷺ کے آباء و امہات میں سے ہر ایک فعل حرام سے محفوظ رہا جس طرح کہ صاحب الشفاء اور دیگر مصنفین نے ذکر کیا ہے۔ حافظ دمشقی نے آپ ﷺ کے آباء اور آپ ﷺ کے نور کی تعریف میں یوں کہا ہے۔

احمد ﷺ نور عظیم کی صورت میں منتقل ہوتے رہے وہ نور جو سجدہ کرنے والے (مومن آباء و

امہات) کی پیشانیوں میں چمکتا تھا۔ وہ نور ہر زمانہ محوِ سفر رہا یہاں تک کہ تمام مرسلین کے سردار کی حیثیت سے (حجرۂ آمنہ رضی اللہ عنہا میں) ظاہر ہوا۔

کسی شاعر نے یوں کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی عظمت کی وجہ سے ان کے آباء واجداد کو محفوظ رکھا۔

انہوں نے فعل حرام سے اجتناب کیا اور اس فعل کی ندامت ان تک نہ پہنچی آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والدین کریمین۔ ''سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیۡہِمۡ'' تک حرام فعل سے محفوظ رہے۔

اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کہا ہے۔

ترجمہ اشعار: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے انہوں نے کہا۔ وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو جنم دیا ہے تمام کے تمام موحد ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے باپ عبداللہ رضی اللہ عنہ تک ان میں سے کوئی بھی شرک کرنے والا نہیں۔ پس مشرکین تمام کے تمام پلید ہیں جس طرح سورۂ توبہ میں ہے اور حضور ﷺ کے تمام آباء پاکیزگی کے ساتھ متصف ہیں۔ اور سورۂ شعرا کے مطابق آپ ﷺ سجدہ کرنے والوں میں چلتے رہے اور وہ تمام رب کی طرف توجہ کرنے والے تھے۔ یہ شیخ فخر الدین کے اس کلام میں سے ہے جو ان پر اسرار کی بارش ہوئی اللہ تعالیٰ انہیں جزاء اور جنت نعیم عطا فرمائے۔

زمانہ جہالت میں بھی کچھ لوگ دین حق پر قائم تھے جس طرح زید بن عمرو حضور ﷺ پر اور آپ کے آباء واجداد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حضرت شیخ علی ددہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ امر الٰہی کے عالم میں سے سب سے پہلے جس کے ساتھ قدرت کا تعلق ہوا وہ ''الروح'' ہے اور ''روح محمدی کلی'' کے نام سے موسوم ہے جس روح سے تمام ارواح پیدا ہوئیں جبکہ ابھی جسم پیدا نہیں ہوئے تھے۔

جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اَنَا اَبُو الۡاَرۡوَاحِ وَاٰدَمُ اَبُو الۡبَشَرِ

''میں روحوں کا باپ اور آدم (تمام) بشروں کے باپ ہیں''۔

ومن جواہر شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ پر حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ اولاد آدم علیہ السلام میں سے وہ شخص سب سے پہلا وصی (جس کو وصیت کی گئی ہو) ہونے کا شرف حاصل ہے وہ ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ

السلام ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام چالیس ہزار ورثاء (بیٹے، پوتے اور ان کی اولاد) چھوڑ کر دنیا سے گئے تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ وہ آسمانی صحیفوں کے مطابق احکام جاری کریں اور اس امانت کی عظمت وشان کے بارے میں بھی وصیت کی جو جناب شیث علیہ السلام کے صلب پاک میں رکھی گئی تھی۔ اور وہ امانت نور محمدی ﷺ اور سر احمدی ﷺ ہے۔

نیز یہ کہ شیث علیہ السلام اپنے بعد اپنی اولاد کو بھی اس امانت کی عزت وحریت کے بارے میں وصیت کرتے رہیں اور وہ اس پوشیدہ جوہر کی حفاظت کرتے رہیں پس یہ ایک وصیت جاریہ تھی جو ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ کی طرف منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ قریشی ہاشمی نبی ﷺ کا ظہور ہوا۔

(کتاب بدء المخلوقات)

حضرت شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں

تمام انبیاء میں سے سب سے پہلے تخلیق ہونے والے ہمارے آقا محمد ﷺ ہیں جس طرح کہ آپ نے خود فرمایا ہے۔

كُنْتُ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ خَلْقًا وَ آخِرُهُمْ بَعْثًا

اور کعب احبار سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا محمد ﷺ کا جسم پاک پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے صاف ستھری روشن اور سفید مٹی کی ایک مٹھی لائے (اس وقت) وہ مٹی کی مٹھی کعبہ کے مقام پر تھی بعد ازاں اسے جنت کی نہروں میں دھویا گیا اور رحمت کے پانی میں گوندھا گیا اور عالم ملکوت کی سیر کرائی گئی۔

یہاں تک کہ ملائکہ آپ (ﷺ) کے نام پاک اور آپ کی نعت سے آدم علیہ السلام کا نام جاننے سے ہزار سال پہلے واقف ہو گئے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

كُنْتَ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ

"میں نبی تھا جبکہ آدم ابھی مٹی اور پانی کے (مراحل کے) درمیان تھے"۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام میں سے سب سے پہلے ایک چمکتے ہوئے جوہر کو پیدا فرمایا اور ہمارے آقا محمد ﷺ کی خاک مقدس اسی جوہر میں سے تھی پھر اللہ تعالیٰ نے نظر ہیبت سے اس کی طرف دیکھا تو طین محمدی ﷺ ہیبت کی وجہ سے پانی ہو گئی اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے اسی پانی پر عرش الٰہی تھا۔

پھر پانی موجدار ہو گیا پھر اس زمین پیدا کی گئی اور تربت نبوی ﷺ کا نور اہل آسمان کیلئے اسی طرح چمکتا تھا جس طرح اہل زمین کیلئے چاند، پھر زمین سے خاک آدم پیدا کی گئی تو حضور ﷺ کا نور

1

مبارک جبین آدم میں چمکتا تھا اور آپ کا نور پاک اسم مبارک سمیت جنت کی ہر جگہ میں موجود تھا۔
حورعین کے سینوں پر، ملائکہ کی جبینوں پر، ساق عرش اور آسمانوں کے دروازوں پر آپ کا نام موجود تھا۔
اور زمین پر آپ کی قبر مبارک کی جگہ سورج کی روشنی سے بھی زیادہ آپ کے نور کی تجلیات برستی تھیں
یہاں تک کہ وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں منتقل کر دیا گیا۔

وَقَالَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوَّلَ مَابَدَا وَسَرٰی مِنْ حَضْرَةِ الْكَوْنِ نُوْرَ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم

اور وہ اس طرح کہ جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام اس سے غمگین ہو گئے تو
اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی زوجہ کے ساتھ ہمبستر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے آدم علیہ السلام آپ انہیں اور اپنے آپ کو پاک کریں خوشبو لگائیں اور
وضو کریں اور درود شریف پڑھیں اور پھر اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کریں کیونکہ اے آدم میں تم میں سے
اپنے نور کو نکالنے والا ہوں جسے میں انبیاء کا خاتم اور خلفاء کا تاجدار بناؤں گا اور اس پر زمانہ (نبوت و
رسالت) ختم کروں گا۔

تب آدم علیہ السلام نے حوا علیہا السلام سے ہم بستری کی اور وہ اس وقت نور مبارک کی امین بن
گئیں اور حضور ﷺ کا نور حوا علیہا السلام کی پیشانی میں چمکنے لگا پھر آپ نے حضرت شیث علیہ السلام کو
جنم دیا۔

پھر حضور ﷺ کا نور پاک آباء سے پاک امہات کی طرف منتقل ہوتا رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے
آپ کو آپ کے والدین کریمین سے پیدا فرمایا اور آپ کے آباء اور امہات میں سے کوئی بھی فعل شنیع کا
مرتکب نہ ہوا۔ ﷺ

حضور ﷺ نے فرمایا روز الست جس نے سب سے پہلے بلیٰ کہا وہ روح مبارک تھی جس طرح
حدیث پاک میں ہے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِيْ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ

اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ ہر کمال کی ابتداء اور تمام پاکیزہ
خصال کے منبع ہیں۔

اور تمام فضائل و کمالات میں آپ ہی سب سے آگے، آپ ہی مقدم ہیں ظاہر و باطن کے لحاظ سے
تمام کمالات کی ابتدا اور انتہا آپ ہی ہیں۔

جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کا جوہر یعنی آپ کا عنصر

مبارک پیدا فرمایا جو تمام عنصری جہانوں پر مرتبہ اور ظہور کے لحاظ سے مقدم ہے اور آپ کی روح مکرم تمام عالم ارواح سے مرتبہ اور ظہور کے لحاظ سے مقدم ہے اور اسی طرح آپ کا نور پاک تمام انوار سے اور آپ کی عقل مبارک تمام عقول سے مقدم ہے۔

اور آپ کا کمال جسے قلم سے تعبیر کیا گیا ہے تمام کمالات سے مقدم ہے۔ جس طرح علوم کے نقوش قلموں کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام چیزوں کا ظہور حقیقت محمدیہ کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ مُعْطِی

"بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے"۔

(خاتمہ) شیخ مذکور فرماتے ہیں میں یہ بابرکت فصل ختم کر رہا ہوں ابتداء خلائق کے بارے میں جامع حدیث کے ذکر کے ساتھ جو خود رسول اللہ ﷺ کی ابتداء کے بارے میں ہے جسے علماء نے حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جب آپ ﷺ سے مخلوق کی ابتداء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے جابر سب سے پہلی چیز جسے اللہ نے پیدا فرمایا وہ تیرے نبی کا نور ہے پھر اس نور میں سے ہر بھلائی کو پیدا فرمایا اور بعد ازاں ہر چیز کو پیدا فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ نے (اس نور) کو پیدا کیا تو اسے اپنے سامنے مقام قرب میں بارہ ہزار سال تک کھڑا کئے رکھا۔ پھر اس نور کو چار قسموں میں تقسیم کر دیا۔ پس ایک قسم سے عرش پیدا کیا اور ایک قسم سے کرسی کو پیدا کیا۔ اور ایک قسم سے کاملین عرش اور محافظین کرسی کو پیدا کیا۔ اور چوتھے حصہ نور کو بارہ ہزار سال تک اپنے سامنے مقام حب میں کھڑا کیے رکھا۔

پھر اس چوتھے حصے کو (مزید) چار قسموں میں تقسیم کر دیا۔ بعد ازاں ایک قسم سے قلم اور ایک قسم سے لوح کو پیدا فرمایا اور ایک قسم سے جنت کو تخلیق کیا۔

اور چوتھے حصہ نور کو بارہ ہزار سال تک مقام خوف میں ٹھہرائے رکھا۔ اس کے بعد اسے بھی چار قسموں میں کر دیا پس ایک جز سے ملائکہ کو پیدا کیا ایک جزء سے سورج اور چاند کو اور ایک جزء سے ستاروں کو پیدا کیا۔ پھر اس چوتھے حصے کو بارہ ہزار سال تک مقام رجاء میں ٹھہرائے رکھا۔

پھر اس چوتھے حصہ کو (مزید) چار حصوں میں تقسیم کیا اور ایک جزء سے عقل کو اور ایک جزء سے علم و حلم کو اور ایک جزء سے عصمت و توفیق کو پیدا فرمایا اور چوتھے حصے کو مقام حیاء میں بارہ ہزار سال ٹھہرائے رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حصے کی طرف نظر فرمائی تو وہ نور پاک قطروں کی صورت میں بہہ پڑا اور اس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے کسی نبی یا رسول کی روح کو

پیدا فرمایا۔

پھر جب انبیاء کی روحوں نے سانس لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سانسوں سے اولیاء سعداء (خوش بخت گروہ) شہداء اور قیامت تک آنے والے اطاعت شعار مومنین کی روحوں کے نور کو پیدا فرمایا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا پس عرش و کرسی میرے نور سے ہیں۔

ساتوں آسمانوں کے ملائکہ میرے نور سے ہیں۔ جنت اور اس کی تمام نعمتیں میرے نور سے ہیں۔

سورج چاند، ستارے میرے نور سے ہیں۔ عقل، علم اور توفیق میرے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

انبیاء و رسل کی روحیں میرے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ شہداء، سعداء اور صالحین میرے نور سے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے اور اس نور پاک کو جو چوتھے جزء کی صورت میں تھا ہر حجاب میں ہزار سال تک ٹھہرائے رکھا۔

اور وہ عبودیت، کرامت، سعادت، ہیبت، رحمت، رأفت، علم، حلم، وقار، سکینت، صبر، صدق اور یقین کے حجابات تھے۔

پس اس نور پاک نے ہر حجاب میں ہزار ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور جب وہ نور ان حجابات سے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو زمین کے اندر رکھ دیا اور وہ نور مشرق و مغرب میں یوں چمکتا تھا جس طرح اندھیری رات میں چراغ چمکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا اور وہ نور جبین آدم میں رکھ دیا پھر وہ نور آدم علیہ السلام سے شیث علیہ السلام میں منتقل ہو گیا اور اس طرح وہ نور پاک، پاک باپوں اور پاک ماؤں سے منتقل ہوتا ہوا عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پشت میں تشریف لایا اور ان سے میری ماں آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس میں جلوہ فگن ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ظاہر کیا اور مجھے تمام رسولوں کا سردار اور تمام انبیاء کا خاتم اور تمام جہانوں کیلئے رحمت اور چمکتے چہروں اور روشن پیشانی والوں کا قائد بنایا اے جابر تیرے نبی ﷺ کی تخلیق کی ابتداء اس طرح ہوئی۔

اسے شیخ اکبر اور کشف کشاف جو بردہ کی شرح ہے کے مصنف اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے

پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام ممکنات نور پاک محمد کریم ﷺ کی فیض رسانی سے وجود میں آئے اور آپ کی ذات قاسم ہے اور فیض اول و اقدس سے مستفیض بھی ہے۔ (ﷺ)

ومن جواہر العارف باللہ الشیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ

کتاب مذکور کی فصل نمبر ۸۳ صفحہ نمبر ۱۴۹ پر ان کا قول ہے

ان اولیتوں کے بارے میں جو بارگاہ محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ مختص ہیں۔

یہ اولیت ان فضائل کے اعتبار سے ہے جو اولین اور دینی اور یہ اولیت روحی ہیں اور اخروی خصائص کے اعتبار سے بھی ہے۔

اولیت کی تمام فصلیں اس بات پر ختم ہو جاتی ہیں کہ آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین اور اولین و آخرین کے امام ہیں۔

مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا کیا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا یہ حدیث مشہور ہے۔ وہب سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جوہر کو پیدا فرمایا۔

اہل تحقیق کا فرمانا ہے کہ یہ چار حدیثیں زبان زد عام ہیں اور عرفاء کے نزدیک ان کے درمیان تطبیق و موافقت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی روح کو پیدا فرمایا پھر آپ کی روح مبارک سے تمام ارواح کو پیدا فرمایا جس طرح کہ آپ کا فرمان ہے میں روحوں کا باپ ہوں اور آدم (بشریت کے) جسموں کے باپ ہیں پھر آپ کے نور کو پیدا فرمایا اور آپ کے نور سے تمام انوار کو پیدا فرمایا جس طرح کہ آپ کا فرمان ہے۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومن میرے نور سے ہیں پھر اللہ تعالیٰ آپ کی عقل کلی کو پیدا فرمایا اور آپ کی عقل پاک سے تمام پاکیزہ ملکوتی، عرشی اور کلی عقلوں کو پیدا فرمایا۔

پھر عام عناصر سے پہلے آپ کے عنصر کے جوہر کو پیدا فرمایا اور اس جوہر پاک سے تمام کلی، عرشی آسمانی اور زمینی جواہر کو پیدا فرمایا۔

اور ان مقدس اور اولیں چاروں اصولوں سے مراد حقیقت محمدیہ اور بارگاہ احمدیہ ہے۔ یہ نسب تعیین اور مراتب کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ آپ از روئے مرتبہ اور از روئے ایجاد تمام علوی اور سفلی ملکوتی اور بشری جواہر میں اور آپ تمام اسمائی حقائق الٰہیہ کلیہ کے جامع ہیں۔

اور آپ وجود میں سب سے مقدم اور فاتح ہیں۔ پس آپ کے وجود کا جوہر ہی ہے جو ہر فرد اور کلی ہے اور تمام اعیان و جواہر میں جامع ہے یہ ابن وہب کا قول ہے جو انہوں نے احبار قدسیہ نقل کرتے

ہوئے کہا ہے۔

اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ جَوْهَرَةَ الخ۔

''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جوہرہ (محمدی ﷺ) کو پیدا فرمایا''۔

جس میں سے محمد ﷺ کی طینت (خاک پاک) چاندی کی انگوٹھی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی پھر باری تعالیٰ نے ان کی طرف بنظر ہیبت دیکھا تو وہ دمکنے والا نور جسد مصطفیٰ ﷺ کیلئے خاک مقدس کی شکل میں ڈھل گیا عین اس جگہ جہاں کعبہ معظمہ موجود ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پانی میں سے زمین کو پیدا کیا تو اس زمین میں سے وہ قطعہ جو آپ کے جسم کی تخلیق کیلئے تھا دوسری زمین سے (نمایاں اور) چمک دار تھا اسی جگہ کو تمام جگہوں سے پاکیزہ ترین نافہ زمین اور اس کا مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو اس جوہرہ قدسیہ کے زیریں حصہ سے پیدا فرمایا۔

اور پانی پر چمکنے سے پہلے عرش آپ کے نور سے پیدا کیا جا چکا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا جس طرح کہ آپ نے اپنے قول سے اشارہ فرمایا ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ ......الخ

یعنی اولیں وراثت محمدیہ ﷺ کا نور جبین آدم سے یوں چمکتا تھا جس طرح کہ چودھویں کا چاند یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقدس پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ آپ عبدالمطلب کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہما کی پشت میں آپہنچے۔

''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ'' اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اس قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے جس نے بارگاہ غیب سے فیضان الٰہی حاصل کیا۔

اور تمام اشیاء کا اس سے فیضان اس طرح ہے جس طرح قلم کے ذریعے روشنائی سے خط (لکیر) کا فیضان پس اس فیض رسانی اور لوح عالم کی طرف اشارہ کی وجہ سے اسے قلم کہا گیا۔

تمیز ذات اور نفس اور رب نفس کی معرفت کی وجہ سے اسے عقل کلی بھی کہا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے کہ آپ تمام مخلوقات کی نشوونما کا منبع ہیں اس کو روح اعظم بھی کہا جاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسراء:85) (الآیہ) کی تفسیر کرتے نجم الملت والدین نے اپنی کتاب عین الحیاۃ میں کیا حسن وعمدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

آپ قدس سرہ نے فرمایا جاننا چاہیے کہ روح انسانی ہی وہ پہلی شے ہے۔ جس کے ساتھ قدرت

(الٰہی) کا تعلق (ایک) جوہر نورانی اور لطیفہ ربانی کی حیثیت سے عالم امر میں ہے۔

اور عالم امر وہ (عالم) ملکوت ہے جو لا شئ سے پیدا کیا گیا اور عالم خلق وہ ملک ہے جو "شے" سے پیدا کیا گیا ہے۔ پس روح نبوی (ﷺ) ہی وہ اعظم و اول روح ہے جو تمام مخلوقات سے اولین ہے حدیث پاک میں بھی ہے "اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِی" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔ اور اس بات کا بھی احتمال نہیں کہ مطلقاً مخلوق اول ایک کے سوا کوئی اور ہو۔

کیونکہ دو مختلف چیزوں میں سے ہر ایک ایجاد و تکوین میں اول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ بات اس مفہوم سے خالی نہیں کہ ان دونوں کو ایک ساتھ پیدا کیا گیا ہو یا یکے بعد دیگرے اور اگر دونوں کو یک وقت پیدا کیا گیا ہو تو کسی ایک کو دوسرے پر اولیت میں کوئی خاصیت حاصل نہیں۔

اور اگر دونوں کو ایک دوسرے کے بعد پیدا کیا گیا ہو تو ایک اول ہوگا اور دوسرا آخر لامحالہ ایک ہی ان میں سے اول ہوگا پس ہمارے لئے (اولیت مصطفیٰ ﷺ) کا تعین بھی ہو گیا۔

اور ہم پر لازم ہے کہ وہ مخبر صادق جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر جب کہ اسے وحی کی جائے اس کے کلام کو محمول کریں کہ "مخلوق اول" وہی اسم یگانہ ہے جس کے صفاتی نام ہر صفت کے اعتبار سے بے شمار ہیں اور یہ اسماء کثیر ہیں اور ان اسماء کی مصداق ذات عظیم ایک ہی ہے اور یہی اصل (کائنات) ہے اور باقی سب اس کے تابع ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اصل موجودات ہمارے آقا محمد ﷺ ہی ہیں جس طرح کہ حدیث قدسی ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

"اگر تمہیں پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں افلاک بھی نہ پیدا کرتا"۔

پس اصل کائنات ہونا آپ ہی کو زیبا ہے اور دیگر آپ کے تابع ہیں کیونکہ آپ اپنی روح کے ساتھ شجر موجودات کا بیج ہیں۔ پس اس سے لازم ہوا کہ آپ کی روح وہ اولین شے ہو جس کے ساتھ قدرت کا تعلق ہوا ہو اور یہ کہ آپ مختلف اسماء کے مسمیٰ ہوں۔ کیونکہ اسماء ذاتیہ کی کثرت عظمت مسمیٰ پر دلالت کرتی ہے اور وہ محمد ﷺ ہی ہیں۔

پس اس اعتبار سے کہ آپ صدف موجودات کے در گرانمایہ ہیں آپ کو درۃ اور جوہرۃ کہا گیا ہے جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔ "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ جَوْھَرَۃً"

اور ایک روایت میں درۃ کے الفاظ ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے دیکھا تو وہ پگھل گیا۔ اور آپ کی نورانیت کے اعتبار سے آپ کو نور کہا گیا اور کثرت عقل کی وجہ سے عقل کہا گیا۔

اور ملکوتی صفات کے غلبہ کی وجہ سے آپ کو "ملک" کہا گیا۔ اور آپ کے واسطہ سے اشیاء کے

صدور کی وجہ سے آپ کو قلم کہا گیا۔ جس طرح کہ حدیث شریف ہے۔

اَللّٰہُ مُعْطِی وَاَنَا قَاسِمٌ

"اللہ عطا کرنے والا ہے میں تقسیم کرنے والا ہوں"۔

آپ کا فرمان ہے لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک اِبْرَاھِیْمَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ صَلٰوتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ بھی۔

شیخ نجم الدین الکبریٰ نے سورۃ اسراء کے اسرار بیان کرتے ہوئے ایسا ہی کہا ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ہمیں ان کے فیض سے حصہ عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اَوَّلُ مَنْ حَلَّتْ لَہَ الْغَنِیْمَۃُ...... الخ

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مال غنیمت حلال قرار دیا گیا اور آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے۔ اور جہاد ہی میرا پیشہ ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں اور ایک روایت کے مطابق چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں۔

جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی گئیں۔

ایک ماہ کی مسافت جتنے رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔

اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی ہے۔ پس میرے امتی کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز پڑھ لے۔ اور میرے لئے غنائم کو حلال کر دیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کیلئے ایسا نہیں تھا۔ اور میں تمام انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

کتاب الشفاء میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

وہ لوگ جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے میری امت میں سے ستر ہزار افراد ہوں گے اور ہر ہزار کے ساتھ (مزید) ستر ہزار ہوں گے ان سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مدد اور عزت عطا کی ہے اور رعب میرے سامنے مہینوں کی مسافت تک چلتا ہے۔ (یعنی کئی مہینوں کی مسافت پر بیٹھے ہوئے میرے دشمنوں پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔) (مترجم)

میرے لئے اور میری امت کیلئے غنائم پاک کر دیئے گئے ہیں۔ اور بہت سی وہ چیزیں ہمارے لئے حلال کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے پہلے لوگوں پر سختی کی گئی تھی۔ اور دین کے معاملے میں ہم پر تنگی نہیں کی

گئی۔ کتاب الشفاء میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا رسولان گرامی قدر میں سے جس لئے مکہ میں جنگ حلال کی گئی ہے وہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھی (والوں) کو روک لیا اور مکہ پر اپنے رسول اور مومنین کو غلبہ عطا فرمایا اور میرے بعد ایسا کرنا کسی کیلئے حلال نہیں اور میرے لئے دن کی ایک ساعت کیلئے مکہ حلال کیا گیا۔

کتاب الشفاء میں ہی ہے۔ تمام لوگوں میں سے پہلے حضور ﷺ اپنی قبر انور سے نکلیں گے۔ اور آپ نے فرمایا میں لوگوں کا خطیب ہوں گا جب وہ وفد بنائیں گے اور میں ان کو خوشخبری سناؤں گا جب وہ مایوس ہو جائیں گے (اس روز) لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولاد آدم سے زیادہ عزت والا ہوں گا۔ لیکن میں یہ فخر کیلئے نہیں بیان کر رہا۔

شفاعت

کتاب الشفاء میں ہے جو ہستی سب سے پہلے شفاعت کبری عامہ کرے گی وہ حضور ﷺ ہیں۔ جس طرح کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا لیکن یہ اظہار فخر کیلئے نہیں اس دن ہر نبی آدم ہوں یا ان کے علاوہ تمام میرے پرچم تلے ہوں گے۔ اور میں ہی وہ سب سے اول ہستی ہوں جس کی قبر سب سے پہلے کھولی جائے گی۔ الشفاء میں ہے سب سے پہلے جو ذات جنت کے دروازے کے حلقہ کو کھٹکھٹائے گی وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جس طرح کہ الشفاء میں حدیث ہے کہ میں سب سے پہلے جنت کے دروازے کے حلقہ کو حرکت دوں گا۔ اور میرے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ پس مجھے جنت میں داخل کیا جائے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے یہ اظہار فخر کیلئے نہیں اور میں اولین و آخرین سے معزز ہوں۔ لیکن یہ اظہار فخر کیلئے نہیں۔

تمام انبیاء سے زیادہ میری اتباع کرنے والے ہوں گے۔ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی صفیں میری امت کی اور باقی تمام صفیں دوسری امتوں کی ہوں گی۔ الشفاء میں ہے سب سے پہلے اپنی امت میں سے میں اپنے اہل بیت کیلئے شفاعت کروں گا پھر قریش و انصار میں سے درجہ بدرجہ جو میرے زیادہ قریب ہوں گے۔ پھر اہل یمن میں سے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری پیروی کی پھر تمام عرب میں سے پھر عجم میں سے اور جس کیلئے میں پہلے سفارش کروں گا وہی سب سے افضل ہوگا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

لَاَشْفَعَنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَّ حَجَرٍ

"میں زمین پر موجود شجر و حجر (کی تعداد سے بھی) زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا"۔

آپ نے فرمایا ہر نبی کو ایک دعا کا اختیار ہے روز حشر اپنی امت کی شفاعت کیلئے میں نے اپنی دعا

بچا کر رکھ لی ہے۔اور آپ نے فرمایا میری شفاعت میری امت میں سے کبائر ارتکاب کرنے والوں کیلئے ہے۔

اور آپ نے فرمایا میں عرش کے نیچے آ کر سجدہ میں چلا جاؤں گا پھر مجھے کہا جائے گا اے محمد ﷺ اپنے سر کو اٹھائیں۔اور آپ کہیں آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی پس میں کہوں گا اے میرے رب میری امت میری امت پس کہا جائے گا آپ تشریف لے جائیں پس جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔

اسے جہنم سے نکال لیں پس میں جا کر ایسا ہی کروں گا پھر میں اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ آؤں گا۔اور اپنے رب کی حمد بیان کروں گا پس مجھ سے کہا جائے گا تشریف لے جائیں اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی تین حصے کم ایمان ہو اس کو نکال لیں۔پس میں ایسا ہی کروں گا۔آپ نے حدیث کے آخر میں فرمایا میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا ہر اس آدمی کے بارے میں جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے یہ کام آپ کے ذمہ نہیں۔لیکن مجھے اپنی عزت، جلال اور عظمت وکبریائی کی قسم میں ضرور نکال لوں گا آگ سے ہر اس شخص کو جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا ہوگا۔

کتاب الشفا میں ہے حضور ﷺ تخلیق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے اول اور بعثت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے بعد ہیں۔تورات میں اسی طرح آیا ہے جہاں سے صاحب الشفاء نے نقل کیا ہے۔

آپ کی اولیت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حالت نیند میں تھا کہ زمین کی چابیاں لائی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔

انہیں میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا میں محمد ﷺ امی نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔مجھے جوامع الکلمات اور ان کی مہریں عطا کی گئیں ہیں اور میں نے آگ کے محافظ فرشتوں اور حاملین عرش کو جان لیا ہے۔

انہیں خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا اے محمد ﷺ سوال کیجئے تو میں نے عرض کیا اے میرے رب میں کس چیز کا سوال کروں۔تو نے ابراہیم علیہ السلام سے کو اپنا خلیل بنایا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص کلام فرمایا ہے اور نوح علیہ السلام کو چن لیا ہے اور سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا کیا ہے کہ اس جیسا ان کے بعد کسی کیلئے نہ ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ میں نے آپ کو عطا کیا ہے وہ ان سے بہتر ہے۔میں نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے اور آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔آسمان کے مرکز میں جس کے ترانے گونجتے

ہیں اور میں نے زمین کو آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے پاک بنا دیا ہے۔

اور آپ پر لگنے والے اگلے اور پچھلے الزامات سے آپ کو بری کر دیا ہے۔

پس آپ لوگوں میں چلتے ہیں اس حال میں کہ آپ بخشے ہوئے ہیں آپ سے پہلے میں نے کسی کے ساتھ ایسا نہیں کیا میں نے آپ کی امت کے دلوں کو مصاحف (قرآن) بنا دیا ہے (یعنی ان کے دلوں میں قرآن رکھ دیا ہے۔ (مترجم) اور آپ کیلئے میں نے حق شفاعت کو ذخیرہ کر دیا ہے جبکہ آپ کے سوا کسی نبی کیلئے ایسا نہیں کیا اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

انہی خصائص میں سے آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین اس وقت بھی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی اپنی مٹی میں گوندھے جا رہے تھے۔ اور میں دعاء خلیل اور بشارت عیسیٰ علیہما السلام ہوں۔

حبیب رب العالمین (ﷺ) کیلئے تورات کی بشارت یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے آپ کو تمام انسانیت کی طرف بھیجا ہے اور آپ کی امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول اور وہی آخر ہیں اور آپ کی امت کو ایسا بنایا کہ ان کا خطبہ اس وقت تک قبول نہیں جب تک وہ آپ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی نہ دیں۔

میں نے آپ کو تمام انبیاء سے تخلیق میں اول اور بعثت میں آخر بنایا ہے اور (اے حبیب ﷺ) میں نے آپ کو سبع مثانی عطا کیے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں عطا کیے گئے اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا ہے۔

صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ صَاحِبِ الْخُلُقِ الْعَظِيْمِ شَارِعِ الشَّرْعِ الْقَوِيْمِ الْهَادِي اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اَخَوٰتِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَصَحَابَتِهٖ وَوَرَثَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اٰمِيْن اَللّٰهُمَّ اٰمِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ان کی کتاب خواتم الحکم بھی ہے جو تین سو ساٹھ سوالوں پر مشتمل ہے یہ سوالات بعض اشیاء کی حکمتوں کے بارے میں ہیں اور ان کے جوابات بھی ذکر کیے ہیں ان سوالات جوابات میں انہوں نے خوب اظہار عمدگی فرمایا ہے جو انہوں نے آئمہ دین، صوفیاء، محدثین و مفسرین سے نقل کیے ہیں اور جو خود جواب دیئے ہیں وہ بھی پختہ حکمتوں پر مبنی ہیں۔

ان کی کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ٦٦

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت ہر عظیم سے کامل ہے باوجود اس کے اس نے ابلیس کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ ظاہر ہوسکتا ہے اور بہت سے لوگوں سے پوشیدہ ہوسکتا ہے اور ان سے خطاب کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک وہ خدا ہے (اس سے ابلیس کا مقصود) ان لوگوں کی گمراہی ہوتی ہے اور اس نے اس طرح کر کے ایک پورے گروہ کو گمراہ کر دیا ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے سمجھا کہ انہوں نے حق تعالیٰ کو دیکھا اور اس کا خطاب سنا ہے جبکہ ابلیس حضور کی شکل میں متشکل نہیں ہوسکتا۔؟

الجواب

امام ہمام شیخ اکمل الدین نے "شرح مشارق" کی حدیث فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي اور دوسری حدیث "مَنْ رَأٰنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقّ" (شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا)۔(جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے حق کو دیکھا)۔

کی شرح میں حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت کہ ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت معینہ نہیں جو شبہ پیدا کرے کیونکہ وہ ہر اس چیز سے پاک ہے جو فانی چیزوں سے اس کی مشابہت پیدا کرنے والی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ آپ کی ایک معین شکل مبارک ہے جو دوسروں سے ممتاز بھی ہے دیکھی بھالی اور جانی پہچانی بھی ہے۔

دوسری صورت

حق تعالیٰ کی حکمتوں کی وسعت کے تقاضوں میں سے ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ فقط صفت ہدایت کے پابند ہیں۔ اور آپ صورت ہدایت کے ساتھ ہی ظاہر ہیں۔ پس آپ کی صورت کو اس بات سے بچانا لازم ہوا کہ شیطان ایسی صورت بنا کر ظاہر ہو تا کہ اعتماد باقی رہے اور ہدایت کی حکمتوں کے ظہور کیلئے اس شخص کیلئے جس کی ہدایت اور رہنمائی اللہ تعالیٰ چاہتا ہو۔

حضرت امام نے اسی طرح فرمایا ہے کہ محققین نے ذکر کیا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے تمام ناموں کے احکام کے ساتھ ظاہر ہوں اور تمام صفات کے مظہر ہوں ہر اعتبار سے تو آپ کی رسالت اور مخلوق کو حق کی طرف دعوت اور انکی رہنمائی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی ذات پاک میں ہر اعتبار سے اسماء وصفات الٰہی میں سے صفت ہدایت زیادہ ظاہر ہو جس طرح کہ ارشاد باری ہے۔

وَ اِنَّکَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿ۙ۵۲﴾ (شوریٰ:52)

پس آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مظہر ہدایت ہیں اور شیطان اسم مضل کا مظہر ہے۔ اور شیطان صفت ضلالت سے ظاہر ہے پس یہ دونوں ضدیں ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کی صورت میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔ پس نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کیلئے پیدا فرمایا ہے اور اگر ابلیس آپ کی صورت اختیار کرنے پر قادر ہو تو پھر حق تعالیٰ کی جانب سے کسی کی ہدایت کیلئے جن چیزوں کا اظہار ہوتا ہے اس پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اس حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کی صورت پاک کو اس سے محفوظ رکھا کہ شیطان اس کے ساتھ ظاہر ہو سکے۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ کی کتاب مذکور سے

سوال نمبر ۶۷

کیا یہ جائز ہے کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب کی تیسری قسم میں سے ہو۔
اور وہ قسم وہ ہے جو آدمی اپنے نفس سے بیان کرے اور خواب کی پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور یہ سچا ہوتا ہے اور دوسری قسم شیطان کے وسوسوں اور تجلیات سے ظاہر ہوتی ہے۔

جواب

اس طرح جائز نہیں۔ اور یہ عدم جواز ایک عقدہ کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان اجتماع خواب میں یا بیداری میں ان کے باہمی اتحاد کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے لئے مزید پانچ اصول ہیں۔

(۱) یا تو دونوں کی ذات میں اشتراک ہو۔

(۲) یا کسی ایک صفت میں یا ایک سے زائد صفات میں اشتراک ہو

(۳) یا ایک حال یا ایک سے زیادہ حال میں

(۴) یا افعال یا

(۵) یا مراتب میں باہمی اشتراک ہو۔

پس دو یا دو سے زائد چیزوں میں باہمی تناسب ان پانچ احوال سے خالی نہیں ہوگا اور اس تعلق کی قوت اتنی زیادہ ہوگی جتنا زیادہ باہمی اجتماع ہوگا اور کثرت اختلاف کی وجہ سے اس میں کمزوری آجائے گی۔

پس محبت قوی ہوگی اس حیثیت سے کہ دو شخص کبھی جدا نہ ہوئے ہوں اور کبھی اس کے برعکس بھی

ہوتا ہے پس جس کو اصول خمسہ حاصل ہو جائیں اور گزری ہوئی کامل ارواح سے مناسبت ہو جائے تو وہ ان سے جب چاہے مل سکتا ہے۔

اور جب اس کو پہچان لیا گیا ہے تو ظاہر ہوا کہ آدمی کا حدیث بنفسہ ان چیزوں میں سے نہیں جن سے اس کے اور نبی ﷺ کے درمیان مناسبت حاصل ہو سکے۔

بخلاف اس کے کہ وہ فرشتہ جو اس بات پر مقرر کیا گیا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس شکل کو اختیار کر سکتا ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے کیونکہ خواب کی پہلی قسم (رویاء ملکی) فرشتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے امام اکمل نے شرح شارق میں بیان کیا ہے۔

امام مذکور کے قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو شیخ اکبر کے شاگرد محقق قونوی نے اربعین کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھی ہے وہ کہتے ہیں پس جس کیلئے بھی یہ مناسبت گذشتہ انبیاء و اولیاء کی ارواح کے ساتھ ان پانچ وجوہ کے اعتبار سے ثابت ہوگی تو وہ ان سے جب چاہے مل سکتا ہے چاہے خواب میں یا بیداری میں۔

(محقق قونوی فرماتے ہیں) میں نے اس اختیار کو اپنے شیخ کے ہاں کئی سالوں تک دیکھا اور آپ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں کے ہاں بھی مشاہدہ کیا اور رہے میرے شیخ تو ان کے پاس میں نے یہ طاقت دیکھی کہ وہ گذشتہ انبیاء اور اولیاء اور دوسرے لوگوں میں سے جس کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتے کر سکتے تھے اس کے تین طریقے تھے۔

(۱) اگر چاہتے تو اس شخصیت کی روحانی شکل کو اس عالم میں اتار لیتے اور اس کو اس صورت مثالی میں دیکھ لیتے جو دنیوی زندگی میں اس کی حسی شکل ہوتی تھی۔

(۲) اور اگر چاہتے تو نیند میں اس ہستی کو بلا لیتے۔

(۳) اور اگر چاہتے تو اپنے وجود سے نکل کر اس روح کے ساتھ مل جاتے جہاں وہ اپنے مرتبہ کے اعتبار سے موجود ہوتی۔ کیونکہ دیکھنے والے نفس اور افلاک کے درمیان مناسبت کے رجحان کے حکم کے اعتبار سے یہ عالم علوی سے ہے۔

اور یہ حال جو میں نے اپنے شیخ کا بیان کیا ہے۔ یہ وراثت نبوت کی صحت کی نشانیوں میں سے ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (زخرف:45)

"(اے محبوب ﷺ) اپنے سے پہلے مبعوث کئے گئے رسولوں سے پوچھئے"۔

اہل اللہ میں سے اہل شہود کے نزدیک اگر نبی پاک ﷺ کے لئے ان رسولوں سے ملاقات ممکن

نہ ہوتی تو اس خطاب کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اور رہا وہ شخص جو احمقانہ تاویل کی طرف چلا گیا جس میں تحقیق (کا شائبہ تک) نہیں اس نے کہا کہ یہاں سوال کرنے کا حکم اہل کتاب سے ہے یعنی اہل کتاب سے پوچھئے۔

میں کہتا ہوں میں نے اس اجتماع کو اپنے شیخ سے سنا ہے اور ان سے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اور ان کے شیخ جناب محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور حضرت شیخ علی ددہ کے جواہر میں سے ان کا یہ قول ان کی مذکورہ کتاب میں سوال نمبر ۱۷ میں ہے۔ کہ اسم پاک محمد (ﷺ) کے چار حروف پر مشتمل ہونے میں کیا حکمت ہے اور اس ترتیب اور خاص شکل میں کیا راز ہے شکل خاص

م، ح، م، د

الجواب

امام نیشاپوری فرماتے ہیں اور حضرت امام وہ کامل، عامل اور فاضل ہیں جن کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے کہ آپ اپنے وقت میں اہل بغداد کے شیخ تھے۔

(بقول امام نیشاپوری) اسم پاک محمد ﷺ کے چار حرف اس لئے ہیں تا کہ اسم ذات (اللہ) سے مناسبت ہو جائے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کو آپ کے نام کے ساتھ ملایا ہے شہادتین (دونوں شہادتوں) میں اور آپ کی تعریف یوں کی ہے۔ ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

یعنی میں ذکر نہیں کیا جاؤں گا مگر آپ بھی میرے ساتھ ذکر کیے جائیں گے۔

اَغَرُّ عَلَيْهِ بِنُبُوَّةٍ خَاتَمٌ يَلُوحُ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَ يَشْهَدُ وَضَمَّ الْاِلٰهُ
اِسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اِسْمِهٖ۔ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر مہر نبوت خوب چمک رہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے جب پانچ وقت اذان میں موذن اشھد...... الخ کہتا ہے۔

اور کلمہ شہادت میں آپ کے ذکر کو بارہ حروف پر ذکر کیا ہے تا کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے موافق ہو جائے جو کہ بارہ حروف پر مشتمل ہے اور یہی مناسبت کے بارے میں علم ہے اور یہی اس کا راز ہے۔

جس طرح کہ ہمارا یہ کہنا ابوبکر الصدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب، ان

میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ حروف ہیں اور یہ ان کے اخلاق کی بارگاہ نبوت میں مکمل مناسبت کی دلیل بھی ہے۔

اسی طرح ان تمام کو آپ ﷺ سے نسبی مناسبت بھی حاصل ہے کہ ہر ایک کا نسب حضور ﷺ کے نسب کے ساتھ مل جاتا ہے اور سب سے زیادہ قریب از روئے نسب علی بن ابی طالب ہیں جو دوسری پشت میں آپ سے مل جاتے ہیں اور ابوبکر ساتویں پشت میں اور حضرت عمر نویں پشت میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پانچویں پشت میں جس طرح کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے۔

اور یہ ظاہری و باطنی مناسبت آپ ﷺ کے ساتھ حد درجہ شدت کی وجہ سے ہے۔

جس طرح کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی حدیث میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

عَلِيٌّ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ ''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں''۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو اس باب میں تیرے لئے (مزید) عجائبات ظاہر کروں لیکن اشارہ ہی کافی ہے اور پردہ ہی بہتر ہے اور آپ ﷺ کے اسم پاک کا ان حروف پر مشتمل ہونا اس وجہ سے ہے کہ آپ کا نام مبارک عددی اسرار کے اعتبار سے جامع ہو اور مرسلین علیہم السلام کے عدد سے مناسبت ہو جائے اور ان کی تعداد ۳۱۳ ہے اور یہ حساب سبط کے اعتبار سے ہے نہ کہ حساب ابجد کے اعتبار سے۔ اور اس میں بہت مراتب اور اعتبارات ہیں جس طرح کہ الٓمٓ غُلِبَتِ والی آیت کے سوال میں اور یہ اس وقت ہے کہ جب تو دو میموں میں شروع ہو۔ م، ی، م اور ح اور دال تو تیرے لئے ۳۱۳ کا عدد ظاہر ہوگا اور جب تو اس معاملہ کو جوش دے گا ابی جاد کے حروف پر اس کے حساب میں تو معاملہ تجھ پر تنگ ہو جائے گا۔

وَقُلْ عَرَضْنَاكَ فِي الْبَابِ

امام نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس ترتیب اور خاص شکل پر حروف کے واقع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو محمد ﷺ کی صورت پر پیدا فرمایا ہے پس م انسان کے سر کی طرح ہے اور ''ح'' ہاتھوں کے قائم مقام اور ح کا اندرونی حصہ پٹ کی طرح اور ظاہری حصہ پیٹھ کی طرح اور دوسری میم الیتیین () کی طرح اور دال دونوں ٹانگوں کی طرح۔

اور کہا گیا ہے کہ اسم پاک محمد ﷺ میں دس خصائص ہیں اللہ تعالیٰ کا آپ کے نام مبارک کو اپنے نام پاک کی طرف منسوب کرنا اور مخلوق کو آپ کے نام کی شکل پر پیدا کرنا۔ اور آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ اور آپ کے نام مبارک کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے کنگرے پر لکھا تو اس کی بیقراری میں چین آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام ''محمود'' میں سے آپ کے نام ''محمد ﷺ'' کا نکالا

جانا۔ اور آپ کے نام پاک کی اللہ تعالیٰ کے نام مبارک سے موافقت حروف کی تعداد کے اعتبار سے اور اسی طرح کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حروف کی تعداد میں محمد رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو گیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اور ان کا نام ابو محمد (محمد ﷺ کے باپ) رکھا گیا جب انہوں نے آپ کا اسم گرامی عرش کے پایوں پر اور جنت کے دروازوں پر اور ملائکہ کی پیشانیوں پر اور حور عین کے سینوں پر لکھا دیکھا تو آدم علیہ السلام نے دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ تُبْ عَلَیَّ

''یا اللہ، محمد ﷺ کے صدقے میری توبہ قبول فرما''۔

اور ہندوستان میں سراندیپ کے قریب سرخ گلاب پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سفید حروف میں لکھا ہوا ہے اور اسی طرح جنگل میں ایک درخت پر اور سمندر میں ایک مچھلی پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا ہے۔

اور اسی طرح ایک ہرن کا شکار کیا گیا جس پر ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔ اور بعض پرانے پتھروں پر ''محمد'' کے نشانات پائے گئے۔ اور یہ چیز تیری رہنمائی اس جانب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے اور یہ چیزیں اہل ایمان کیلئے اعیان میں آپ کے ذکر کی بلندی پر گواہ ہیں۔

راہ عرفان میں اللہ تعالیٰ ہی سخی و مہربان جائے پناہ ہے اور اگر میں چاہوں تو (اے مخاطب) تیرے لئے میں عجیب و غریب خبروں پر مشتمل بیان کا اظہار کروں مگر وقت کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی۔ واللہ الولی الفیاض۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے ان کا یہ سوال نمبر ۴۴ ان کی کتاب خواتم الحکم سے

سوال

اللہ تعالیٰ نے شیطان مردود جو کہ تمام مخلوق میں سے بدتر ہے اس کو کیوں باقی رکھا اور تمام مخلوقات میں سے بہترین محمد ﷺ کو کیوں وفات دی۔

جواب

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے (البتہ) بعض علما نے یہ جواب دیا ہے کہ دنیا شیطان کیلئے بہتر ہے اس لئے اسے اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے۔ اور آخرت حضور ﷺ کیلئے بہتر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فر

مان ہے۔

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اعلیٰ:17)

''اور آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے''۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا۔

وما عند اللہ خیر للابرار

''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوکاروں کیلئے بہتر ہے''۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو وفات خلافت اور وراثت کے راز سے پردہ اٹھانے کیلئے دی۔

کیونکہ آپ ﷺ کے جانشین آپ کی امت کی حفاظت کرتے ہیں اور آپ کی حکمت اور معرفت کے وارث بنتے ہیں۔

پس آپ کی امت کے علماء کو آپ کی خلافت اور وراثت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح آپ نے حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حَیَاتِی خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِی خَیْرٌ لَّکُمْ

''میری زندگی اور میری وفات تمہارے لئے دونوں بہتر ہیں''۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی حیات ظاہری کی بہتری تو سمجھ میں آتی ہے آپ کی وفات کیسے بہتر ہوگی۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے اعمال ہر پیر اور جمعرات کی شام میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پس اگر اچھے اعمال ہوں تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر اعمال بد ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امت سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس امت کے نبی کو وفات دے کر اس امت کیلئے پیش رو اور سلف بنا دیتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنی سنت کو زندہ کیا اور شریعت کو مکمل کیا۔ اور حق نے آپ کی شریعت کے احکام کو باقی رکھا۔ پس آپ کے انتقال سے آپ کی بارگاہ میں بہترین اعمال پہنچتے رہیں گے اور قیامت تک باقی رہیں گے۔

پس جس طرح دنیا نے آپ کی حیات سے شرف حاصل کیا۔ اسی طرح آخرت میں زندہ لوگ آپ سے شرف حاصل کرتے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر میری امت کیلئے دو امن نازل فرمائے ہیں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)

''اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ آپ کی موجودگی میں انہیں عذاب دے''۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال:33)

''اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انہیں عذاب دے حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں''۔

حضور ﷺ نے فرمایا جب میں (دار آخرت میں) چلا جاؤں گا۔ تو اپنی امت میں استغفار چھوڑ جاؤں گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے دنیا میں رہنے کی شرط قبول کر لی گئی جس طرح کہ قرآن میں ہے شیطان نے کہا ''انظرنی'' مجھے مہلت دے اور اس نے طریقہ کفر کو رائج کیا ہے تو اس طریقہ کفر کا شر اس کی طرف لوٹے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

پس اس کی زندگی اور موت دونوں بری ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں کہا ہے۔

سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ...... (الآیۃ) ''ان کا مرنا جینا ایک جیسا ہے''۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے بدبختی کیلئے اس دنیا میں رکھ لیا گیا ہے تاکہ برزخ میں آنے کی وجہ سے مرنے والے اس سے تکلیف نہ اٹھائیں جس طرح دنیا میں زندہ لوگ اس سے اذیت میں مبتلا ہیں۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا قبول کر کے اپنے پاس بلا لیا جب آپ نے دعا مانگی تھی۔

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى ''اے مولا! اے بلند و برتر رفیق!''۔

اسی طرح یوسف صدیق علیہ السلام نے کہا تھا۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف:101)

''یا اللہ مجھے ایمان کی حالت میں موت دے اور نیک بندوں کے ساتھ ملا دے''۔

عارف باللہ حضرت شیخ علی دده کی کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۲۷

سوال

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو سراج منیر کہا ہے اس میں کیا حکمت ہے۔

جواب

شیخ نیشاپوری نے کہا ہے کہ آپ کو سراج اس لئے کہا گیا ہے کہ ایک چراغ سے اگر ہزار چراغ

روشن کیۓ جائیں تب بھی اس کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آتی۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِى الظُّلَمِ

"حضور ﷺ تمام فضائل کے سورج ہیں اور (تمام انبیا) اس سورج کے ستارے ہیں۔ جو آپ کے نور کو تاریکی میں لوگوں کیلئے ظاہر کرتے ہیں"۔

نکتہ تحقیق

اہل ظاہر وشہود کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو نور محمد ﷺ سے پیدا فرمایا ہے اور آپ کے نور میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی۔ جس طرح حدیث میں اشارہ ہے۔

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ فَيْضِ نُوْرِى...... (الحدیث)

"میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومن میرے نور کے فیضان سے ہیں"۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں میں نے اس قول کو بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب محاضرۃ الاوائل کی فصل بدء المخلوقات اور فصل بیان الخصائص المحمد یہ میں بیان کردیا ہے تفصیل وہاں سے دیکھی جائے۔

اس طرح بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو چراغ کہا ہے کیونکہ سورج کا نور اوپر نیچے زمین، آسمان سب کو روشنی عطا کرتا ہے

اسی طرح حضور ﷺ کا نور تمام امت کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سورج کو چراغ کہا گیا ہے کیونکہ وہ تمام اطراف سے روشنی دیتا ہے۔ اسی طرح آپ کا نور تمام سمتوں اور تمام جہانوں میں چمکتا ہے۔

اور کتاب الشفا میں اس آیت کی تفسیر کے تحت

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ...... (الخ)

میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہاں مثل نورہٖ میں نور سے مراد محمد ﷺ کا نور ہے۔ کیونکہ یہ نور اپنے آباء کی پشتوں میں مشکوٰۃ کی طرح امانت رکھا ہوا تھا اور مصباح سے مراد آپ کا دل ہے اور زجاجہ سے آپ کا سینہ اقدس مراد ہے یعنی گویا وہ ایک روشن ستارہ ہے جس میں ایمان اور حکمت رکھی ہے۔ يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے نور سے ازروئے اظہار اور ازروئے نسل اور دعا کے اعتبار سے (آپ کا اظہار نسل خلیل اور دعاء خلیل سے ہوا۔ مترجم)

شجرۃ مبارکۃ (بابرکت درخت) سے مثال دی گئی ہے قرآن کے اس ارشاد "یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْءُ" سے مراد ہے قریب ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت آپ کے کلام سے پہلے ہی واضح ہو جائے اور آپ کی دعوت اسلام سے پہلے ہی معجزات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں۔

اور آپ کا نور آپ کے جسم (کے ظہور سے) پہلے ہی ظاہر ہو جائے اسی طرح زیت کی مثال بھی ہے۔

آپ ﷺ کے اسماء کی تعداد کے بارے میں مختلف علماء نے رسائل لکھے ہیں۔ بعض علماء نے آپ کے اسماء کی تعداد اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے مناسبت کی وجہ سے ننانوے بتائی ہے۔

بعض نے ہزار اسماء کے بارے میں بھی لکھا ہے کیونکہ ناموں کی کثرت نام والے کی عظمت کا اظہار کرتی ہے۔

آپ ﷺ اسماء کے خصائص کے بارے میں بھی علما نے کتابیں لکھی ہیں تفصیل وہاں سے دیکھنی چاہیے۔

کتاب مذکورہ سے سوال نمبر ۳۷

سوال

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا حبیب کہا ہے اس میں کیا راز ہے اور حبیب و خلیل میں فرق کیا ہے۔

جواب

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ میں فرماتے ہیں علماء اور اہل دل کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سا درجہ بلند ہے۔ درجہ خلت یا درجۂ محبت، بعض نے کہا ہے یہ دونوں درجے برابر ہیں۔ پس حبیب خلیل بھی ہوگا اور خلیل حبیب بھی ہوگا۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور محمد ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کر لیا گیا۔

اکثر علما نے درجہ محبت کو درجہ خلعت سے بلند تر قرار دیا ہے کیونکہ یہ ہمارے آقا محمد ﷺ کا مقام ہے کہ آپ حبیب اللہ ہیں۔

محبت کی اصل محبّ کے موافق میلان کا نام ہے لیکن یہ اس کے حق میں صحیح ہے جس سے میلان کا صدور ہو رہا ہو اور وہ موافق سے نفع اٹھا رہا ہو۔ اور یہ مخلوق کا درجہ ہے۔

اور خالق جل جلالہ ان اغراض سے پاک ہے پس خالق کی محبت بندے کیلئے یہ ہے کہ اسے

سعادت کے حصول پر طاقت عطا کر دے اور اسے عصمت اور توفیق سے نواز دے اور خالق اپنے عبد کو قرب کے اسباب مہیا فرمادے اور بندے پر اپنی رحمت کے دریا بہادے۔

محبت کا فائدہ اور اس کا پوشیدہ راز یہ ہے کہ بندے کے دل سے حجابات اٹھا دیئے جائیں یہاں تک کہ بندہ اپنے رب کو اپنے دل کی نظر سے دیکھے اور سر کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرے اور وہ بندہ اس طرح ہو جائے جس طرح حدیث قدسی ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

بعض نے کہا ہے خلت کا معنی الاستصفاء ہے۔

بعض نے کہا ہے خلیل کا معنی ہے مختص (جسے خاص کر لیا گیا ہو)

یوں بھی کہا گیا ہے الخلیل سے مراد ہے فقیر، محتاج منقطع اور یہ خلت سے ہے جس کا معنی حاجت ہے۔

بکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے خلۃ سے مراد مودۃ کی ایسی صفائی ہے جو اختصاص کا تقاضا کرتی ہو۔

پوشیدہ رازوں کے............ساتھ اس مقام کی بعض عارفین نے یوں بھی تعبیر پیش کی ہے۔

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلِكَ الرُّوْحِ مِنِّی
وَبِذَا سُمِّیَ الْخَلِیْلُ خَلِیْلَا
فَاِذَا مَا نَطَقْتُ كُنْتَ حَدِیْثِی
وَاِذَا مَا سَكَتُّ كُنْتُ الْغَلِیْلَا

"تو میری روح کی گزرگاہ میں داخل ہو چکا ہے اسی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے جب میں بولتا ہوں تو تو ہی میری گفتگو ہے۔ اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو بیمار ہو جاتا ہوں۔

لطیف نکتہ

خلیل وہ ہوتا ہے جو واسطہ کے ذریعے پہنچے۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (انعام:75)

"اسی طرح ہم نے دکھائے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کے ملکوت تاکہ وہ یقین والوں میں سے ہو جائیں"۔

اور حبیب واسطہ کے بغیر باریاب ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (نجم:9)

''پس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے کم''۔

اور کہا گیا خلیل وہ ہوتا ہے جس کو مغفرت کی امید ہوتی ہے اور حبیب وہ ہوتا ہے جسے مغفرت کا یقین ہوتا ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ......(الخ) (فتح:2)

''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے الزامات کو مٹا دے''۔

خلیل نے کہا لَا تُخْزِنِی مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

حبیب سے کہا جائے گا۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ (تحریم:8)

''اس دن اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو شرمندہ نہیں کرے گا''۔

سوال سے پہلے ہی بشارت عطا کی گئی۔ خلیل نے کہا ''حَسْبِیَ اللّٰهُ'' مجھے اللہ کافی ہے اور حبیب سے کہا گیا۔ ''حَسْبُكَ اللّٰهُ'' (اے حبیب تیرے لئے تیرا اللہ کافی ہے۔

خلیل نے کہا۔

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ

اور حبیب سے کہا گیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

''ہم نے آپ کیلئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ (بغیر سوال حبیب کو عطا کیا گیا)''۔

خلیل نے عرض کیا۔

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:35)

''(اے اللہ) مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے پناہ عطا فرما''۔

اور حبیب سے کہا گیا۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

''بے شک اللہ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دور کر دے اے (نبی کے) گھر والو۔ اور تمہیں خوب پاک کر دے۔'' (احزاب:33)

اور خلیل وہ ہوتا ہے جس نے ہر چیز کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو پسند کر لیا ہو۔

اور حبیب وہ جسے رب نے تمام کے مقابلے میں چن لیا ہو۔ اور اس کے دل میں غیر اللہ کی گنجائش

ہی نہ ہو جس طرح کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَفِی رِوَایَۃٍ غَیْرُ رَبِّی

''میرا اللہ کی بارگاہ میں ایک خاص وقت ہے جس میں میرے رب کے علاوہ کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کا بھی دخل نہیں ہوتا''۔

ابراہیم علیہ السلام نے درجہ خلت حاصل کیا تو آپ کی وجہ سے کوئی اور یہ درجہ نہ حاصل کر سکا۔ اور محمد ﷺ نے درجہ محبت حاصل کیا تو آپ کے سبب آپ کی امت نے بھی درجہ محبت حاصل کر لیا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: 31)

''(اے محبوب) فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

اے اللہ ہم تجھ سے تیری محبت کا سوال تیرے حبیب محمد ﷺ کے وسیلہ سے کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۴۷

اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ امامت کراتے تھے لیکن اذان نہیں دیتے تھے۔

جواب

کیونکہ اگر نبی پاک ﷺ اذان دیتے تو ہر وہ آدمی جو اذان کے جواب سے پیچھے رہ جاتا وہ کافر ہو جاتا۔ یہ جواب نیشاپوری نے دیا ہے۔

کسی اور نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر آپ اذان دیتے اور کہتے۔ ''اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ'' تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا کہ شاید کوئی اور نبی بھی ہے۔

اور یوں بھی ہے کہ اگر آپ اذان دے کر دعوت دینے والے ہوتے تو جائز نہیں تھا کہ آپ اپنے لئے گواہی دیتے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اذان کو آپ کے علاوہ دوسروں نے خواب میں دیکھا اور سنا لہٰذا اذان دوسروں کے سپرد کر دی گئی۔

اسی طرح آپ اذان سے اہم کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے آپ اذان کے لئے فارغ نہیں ہوتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ اَمِیْنٌ ''امام ضامن ہے اور موذن امین ہے''۔

پس آپ نے امانت دوسرے کے سپرد کردی۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں آپ نے اذان اس لئے نہ دی کیونکہ آپ جب کوئی کام کرتے تو اس پر ہمیشگی اختیار کرتے اور تبلیغ رسالت کی وجہ سے اذان پر دوام ممکن نہ تھا لہٰذا آپ نے اذان نہ دی جس طرح کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔
اگر خلافت (کی ذمہ داری) نہ ہوتی تو میں خود اذان دیتا۔

خواتم الحکم سے سوال نمبر ۷۵

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امت کو ہی خاص کیا ہے۔ نیز درود پاک میں راز کیا ہے۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپ کی عظمت کی تعریف کی ہے اور اس کے ملائکہ میں بھی یہ تعظیم خاص ہے اور اس میں فضیلت و کرامت کی زیادتی ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقام وسیلہ عطا فرمایا ہے اور اس مقام وسیلہ کیلئے ہمیں دعا کا حکم دیا گیا ہے (اصل الفاظ ہیں عطاء موقوفاً علی دعائنا وہ مقام وسیلہ جس کی عطا ہماری دعا پر موقوف ہے۔ یہاں فاضل مصنف سے تسامح ہو گیا ہے۔ درحقیقت ہمارا دعا کرنا ہمارے لئے فائدہ مند ہے نہ کہ ہماری دعا کی وجہ سے آپ کو کچھ عطا کیا جاتا ہے بلکہ ہماری دعا کی وجہ سے ہمیں رحمت خاص سے حصہ عطا کیا جاتا ہے۔ مترجم)
اور اسی طرح آپ کو شفاعت عطا کی گئی ہے اور آپ کی شفاعت سے توسل آپ پر درود شریف پڑھنے کے ذریعہ سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
پس ہم آپ کی بارگاہ کے محتاج ہیں کیونکہ آپ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں۔
آپ حق کی زینت، رحمت کی آزمائش کے ساتھ ہیں پس آپ کا رحمت ہونا اور آپ کے تمام خصائص اور آپ کی تمام صفات مخلوق کیلئے رحمت ہیں۔
جس کو آپ کی رحمت سے کچھ حصہ مل گیا تو وہ دارین میں ہر ناپسندیدہ چیز سے نجات پا گیا۔ اور دونوں جہانوں میں اپنی پسندیدہ چیزوں سے بامراد ہو گیا۔ پس آپ ﷺ کی زندگی اور وفات دونوں رحمت ہیں کیونکہ ہمارے درودوں کے تحفے آپ تک پہنچتے ہیں اور آپ کی جناب میں پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ہمارے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں پس درود شریف آپ کی امت اور آپ کے درمیان

ربانی تحفہ اور رحمانی تذکرہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارا درود شریف حضور ﷺ کی ذات پر پڑھنا اللہ کی بارگاہ میں ایک گزارش ہے اگرچہ ہمارا درود آپ کی تعریف ہوتا ہے۔ لیکن ہم کما حقہ آپ کی تعریف نہیں بیان کر سکتے ہم اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب ﷺ پر درود بھیجے۔

پس ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' کہنے کا معنی ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ صَلَاتَنَا عَلَیْہِ'' اے اللہ ہمارا درود آپ ﷺ پر نازل فرما۔

اور اسی طرح اس کا معنی یہ بھی ہے کہ جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان کی اولاد کے بارے میں قبول کی ہے اسی طرح محمد ﷺ کی دعا ان کی امت کے حق میں قبول فرما۔ اور نبی پاک ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ امام نیشا پوری علیہ الرحمۃ نے ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ'' کا معنی اسی طرح کیا ہے۔

اور درود شریف کا راز یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے بالذات بھی اور آپ کے ذریعے سے بھی تمام مخلوقات پر۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء:107)

اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا کو عدم سے وجود میں نہ لایا جاتا۔

کہا گیا ہے کہ درود شریف اللہ اور آپ کے درمیان راز ہے۔ جس طرح کہ بعض عارفین نے: ''جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ'' ''صلوٰۃ میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے کی تاویل اس طرح کی ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کا درود ہے جو وہ آپ پر بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو قیامت تک درود کا حکم دیا ہے آپ کے وسیلہ کیلئے اور آپ کی بارگاہ میں قرب کیلئے اور آپ سے تعلق جوڑنے کے لیے۔

پس یہ کرامت وعزت کی انتہا اور عظیم دلکشی اور بڑی فضیلت ہے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ محبوب اور مرغوب دوست جناب محمد ﷺ کیلئے۔

اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ صلاۃ کی ص میں حضور ﷺ کی صفوت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آپ تمام دوستوں اور نیکوکاروں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خالص محبت کیلئے چنے ہوئے ہیں۔ اور آپ برائی اور بیگانگی کے غبار سے پاک ہیں۔

اور ''لام'' میں لقاء الٰہی (خدا کی ملاقات) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آپ معراج کی رات اپنے رب سے ملاقات کیلئے۔ تمام دوستوں اور گہرے یاروں میں سے خاص کر لئے گئے ہیں اور ''واؤ'' میں

وحدت، وصل اور وفا کی طرف اشارہ ہے۔جس طرح ''لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی جِبْرِیْلُ وَ لَا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ'' والی حدیث سے واضح ہے۔

اور ''تا'' میں محبت الٰہی، اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانے کے تحقق کی طرف اشارہ ہے۔

پس آپ ہی کما حقہ، رب کے مقرب اور حبیب مطلق ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ص'' میں کمال صدق وصفا کی طرف اشارہ ہے اور ''ل'' جمال ولقاء کا آئینہ دار ہے اور ''د'' وصل ووفا کی ہے۔ اور ''ت'' تفرد (یکتائی) اور اجتباء (انتخاب ربانی) کی ترجمان ہے۔

نیز لفظ صلوٰۃ کے اشتقاق کی حکمت کے بارے میں یہ قول بھی ہے کہ صلوٰۃ مشتق وصل، وصلہ اور وصال سے ہے پس حقائق کے باہمی ربط کے اسرار کی طرف یہ کچھ اشارات ہیں۔

اور یہ معرفت کے سمندر سے اٹھنے والی محض ایک تیز موج ہے۔ واللہ الفیاض المستعان والودود الحنان۔

حضرت شیخ علی ددہ کی کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۶۷

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو شعر (وشاعری) سے محفوظ رکھا اور کہا۔

و ما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ......(آیت)

''اور ہم نے آپ کو شعر نہ سکھایا اور نہ ہی یہ آپ کے شایان شان ہے''۔

جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد کرتا ہے جب آپ کی تعریف حضرت حسان بیان کرتے تو آپ مسجد میں منبر رکھواتے اور حسان اس پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کے اوصاف بیان کرتے۔

جواب

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ شعر یا تو مدح ہوگا یا مذمت اور کسی دوسرے کی مدح انبیاء کے شایان شان نہیں کیونکہ اس میں مبالغہ جیسی غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے اور شاعر لوگ تو تمام (گمراہی کی) وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور اگر شعر انسان کے کلام میں سے ہوگا۔ تو اچھا کلام حسین ہوگا اور برا کلام قبیح ہوگا۔ اور اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

کہ شعر میں اگر کمینے کی تعریف بیان کی گئی ہو تو شعر اس سے بلند تر ہوگا اور اگر شعر میں کسی معزز کی

تعریف کی گئی ہوتو شعر اس کی شان کے لائق نہ ہوگا۔(لہٰذا جھوٹ اور مبالغہ پایا جائے گا جو انبیاء کیلئے زیبا نہیں۔مترجم)

نیز اس لئے بھی آپ کو علم شعر نہیں دیا گیا تاکہ قرآن پر یہ تہمت نہ لگ سکے کہ یہ شعر ہے۔

اور جو کچھ نظم، رجز یا قافیہ کی صورت میں موجود ہے۔اگرچہ آپ ﷺ کا کلام ہے وہ بالکل اتفاقی ہے قصد وارادہ کے بغیر بلکہ زیادہ کلام بیت کی صورت میں ہے۔اور بہت کم مصرعہ کی صورت میں۔

اور آپ کی موجودگی میں شعر بنائے اور پڑھے جاتے تھے۔اور وہ ترمذی اور دیگر راویان شمائل کے مطابق تقریباً سواشعار ہیں۔

سوال نمبر ۱۸۲

نیز اس میں کیا حکمت ہے کہ شعر آپ کی موجودگی میں پڑھے جاتے تھے اور آپ زیادہ کی فرمائش فرماتے تھے۔

جواب

تاکہ یہ بھی سنت کی اقسام کی حد میں آجائے کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔اور ہر حال میں امت کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔کیونکہ قرآن میں ہے۔تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔اور یہی اس کا راز اور حکمت ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ شعر کی تمام اچھی اقسام آپ کے علم میں تھیں۔

(مصنف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں ہر وہ کمال جو کسی بشر سے ممکن ہو قولاً ہو فعلاً ہو یا اخلاق عالیہ میں سے ہو وہ آپ کے کمالات عالیہ میں سے ہی ہے کیونکہ آپ ہر فصیح و بلیغ کو اور چھوٹے بڑے شاعروں کو جواب دیتے تھے۔

اور قبائل حبش، یمن اور دیگر قبائل کو ان کی زبانوں اور ان کی عبارات کے مطابق جواب دیتے تھے اور آپ کاتب کو علم کتابت سکھایا کرتے تھے۔اور مباح بشری پیشے والوں کو ان پیشوں کی تعلیم دیا کرتے تھے جس طرح کہ ختنہ کرنے کا علم اور ماپ تول کا علم اور سلائی کرنے کا طریقہ اور آپ ہر اخروی اور دنیوی کمال کے سب سے زیادہ عالم تھے جس طرح مصنف شفا اور مورخین سیرت نے بیان کیا ہے۔

سوال نمبر ۷۷

کیا حکمت ہے کہ آپ ﷺ لکھتے تھے اور یہ نبوت کے کمالات میں سے ہے اور آپ نبوت کا منبع اور سرچشمہ تھے اور آپ ﷺ لوگوں کو خطوط کا علم سکھایا کرتے تھے اور آپ سابقہ صحائف کے بارے

میں لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔ جس طرح کہ احادیث میں آتا ہے۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں اس ارشاد کے ساتھ تنبیہ کی ہے۔

"آپ اپنے دائیں ہاتھ سے نہیں لکھتے تھے کیونکہ اس طرح باطل قرار دینے والے شک میں پڑ جاتے"۔ (القرآن)

کیونکہ اگر آپ اپنے دست مبارک سے لکھتے تو اعتراض کرنے والے کہہ دیتے کہ یہ آپ نے سابقہ کتابوں سے پڑھ کر قرآن لکھا ہے اور ہمارے پاس لائے ہیں۔

امام نیشاپوری فرماتے ہیں حضور ﷺ نے کوئی حرف یا ہندسہ نہیں لکھا کیونکہ جب آپ لکھتے یا اپنی انگلی کا حلقہ بناتے تو آپ کے قلم کا سایہ اللہ تعالیٰ کے نام پر پڑتا اور اگر اس طرح ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ نے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ آپ کا قلم میرے نام کے اوپر ہو اور نہ آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آپ کے قلم کا سایہ میرے نام پر پڑے۔

میں نے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کریں یہ محض آپ کی تعظیم اور عزت وتوقیر کیلئے ہے اسی وجہ سے میں آپ کے سایہ کو زمین پر پڑنے نہیں دیتا۔

پس جس نے اللہ کی تعظیم اور اس کے ذکر کی کثرت کی اللہ تعالیٰ بھی اس کی تعظیم ملاء اعلیٰ اور تمام مخلوقات میں بڑھا دیتا ہے۔ (اے مخاطب) اس سے یہ نکتہ سمجھ لے اور اللہ ہی اپنے فضل سے توفیق عطا کرنے والا ہے۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں کہا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ اس لئے زمین پر نہیں پڑنے دیا گیا کہ کہیں وہ لوگوں کے پاؤں تلے نہ آجائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ سراپا نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ موجودات میں آپ کا وجود نفیس ترین ہے اور بشری صورت میں آپ نور کا پیکر محسوس ہیں۔

کہا گیا ہے کہ جب فرشتہ انسانی روپ اختیار کرتا ہے تو اس کا بھی سایہ نہیں ہوتا اس سے بعض عارفین نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ پاکیزہ ارواح بھی وجودی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

اور جب کثیف روحیں جسمانی شکل اپناتی ہیں تو ان کے سائے کی گندگی اور تاریکی زمین پر پڑتی ہے وہ تمام موجوداتی سایوں سے زیادہ تاریک ہوتی ہے اس میں مزید عرفانی نکتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اس لئے نہیں لکھا تاکہ کتابت میں مشغول رہنے کی وجہ سے یاد کرنے سے رہ نہ جائیں۔ اور آپ کی نظر سطحی بن کر نہ رہ جائے۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ باوجود کتابت کا علم ہونے کے آپ نے لکھا نہیں یہ ایک واضح معجزہ اور (نبوت کی) نمایاں نشانی ہے۔ اور یہ آپ کے ساتھ ہی خاص ہے اور آپ ہی کا کمال ہے۔

کیوں کہ قلم اعلیٰ جس کی خدمت کر رہا ہو اور لوح محفوظ مصحف بن کر جس کے سامنے ہو تو وہ ظاہری آلات سے علوم ونقوش کی تعبیر کا محتاج نہیں رہتا۔

کیونکہ خط (تحریر) ایک ذہنی صنعت اور طبعی قوت کا نام ہے جو مادی آلات سے وجود میں آتی ہے۔

اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کی امت ہی تمام امتوں میں سے روحانیت کی حامل ہے جس کی توصیف ان کے خالق نے انجیل میں اس طرح کی ہے۔

اُمَّةُ مُحَمَّدٍ اَنَا جِيْلُهُمْ فِي صُدُوْرِهِمْ

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت، انجیل (یعنی قرآن) ان کے سینوں میں ہوگا"۔

اگر لکھنے کا رواج نہ ہوتا تو امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کا سارا سرمایہ اپنے دلوں میں سمیٹ لیتی اپنی قوتوں کے کامل اور صلاحیتوں کے ظاہر ہونے کی وجہ سے۔

اور آپ کے ترکِ کتابت میں بہت سی حکمتیں ہیں اور وہ عصمت محمد یہ ہے آپ امی نبی ہیں اور ام کا معنی ہے اصل اور آپ صاحب ام الکتاب ہیں۔

اور (اے مخاطب) میں نے تیرے لئے نور کی شعاعوں کو روشن کیا ہے اور پوشیدہ اسرار میں سے کچھ اشارے ظاہر کئے ہیں اس انکشاف پر پس تقویٰ اختیار کرو اللہ الولی الفیاض۔

خواتم الحکم سے سوال نمبر ۷۸

سوال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج امت پر کیوں حرام ہیں اور مومنوں کی امہات کس طرح ہیں۔

جواب

کہا گیا ہے کہ ازواج مطہرات کے امت پر حرام قرار دیئے جانے میں حکمت یہ ہے کہ اگر وہ کسی اور سے نکاح کریں تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے اور آپ کی حرمت وعزت کے منافی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (احزاب:32)

"اے ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم نہیں ہو (عام) عورتوں میں سے کسی کی طرح"۔

اور اگر وہ کسی اور سے نکاح کر لیں تو وہ بھی عام عورتوں کی طرح ہو جائیں گی۔

اسی طرح حدیث شریف کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔سرکار ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے عرض کی ہے کہ میں دنیا میں جس خاتون سے نکاح کروں گا وہ جنت میں بھی میرے ساتھ ہو گی۔ پس اگر ازواج مطہرات کوئی اور نکاح کر لیتیں تو وہ جنت میں آپ کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے دوسرے شوہروں کیساتھ ہوتیں۔ کیونکہ عورت اپنے سب سے آخری شوہر کی ہی شمار ہوتی ہے۔

اور ازواج مطہرات کو امہات المومنین اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ مومنوں کا ان سے عقد نکاح حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَآ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا (احزاب:53)

"کہ مومن آپ کی ازواج سے قیامت تک نکاح نہ کریں"۔

پس وہ امت سے حرمت نکاح کی وجہ سے امت کی مائیں ہیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس راضیہ نفس مرضیہ اور نفس مطمئنہ کے اعتبار سے نفس پاک محمد ﷺ کی قوتیں تمام قوتوں سے یکتا اور منفرد اور کمالات خاصہ کی جامع ہیں خواہ ان کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے۔

پس اس خصوصیت وشرف کے اسرار کو سمجھ اور اس میں اور بہت سے گہرے راز ہیں جن سے پردہ اٹھانا بے وقت ہے۔

شاعر نے کہا ہے۔

"سلمیٰ کو کیا ہے اور ذی سلم میں کون ہے ہمارے (دلوں میں) رہنے والے کہاں ہیں۔ اور ان کا حال کیا ہے"۔

خیمے تو انہی کی طرح ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اس محلہ کی عورتیں ان عورتوں کی طرح نہیں۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۷۹

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ازواج کو ہماری مائیں کہا ہے لیکن خود حضور ﷺ کو ہمارا باپ نہیں کہا۔

قَالَ تَعَالٰی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ ...... (احزاب:40)

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں''۔

جواب

(اس کا سبب قصہ زید رضی اللہ عنہ ہے) اللہ تعالیٰ نے تمہارے مردوں میں سے کہا ہے تم میں سے نہیں کہا کیونکہ حضور ﷺ حضرت فاطمہ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کے باپ ہیں اور آپ فرمایا کرتے تھے هُمْ اَبْنَایَ حسن و حسین علیہما السلام میرے بیٹے ہیں اور میرے حسب ونسب کے علاوہ ہر نسب کٹ جائے گا۔ پس یہی راز۔ مِنْ رِجَالِکُمْ کے الفاظ میں ہے۔ یعنی روز حشر ہر مرد کا حسب و نسب منقطع ہو جائے گا میرے حسب ونسب کے سوا۔

کیونکہ حسب ونسب رسول اللہ ﷺ خلافت عامہ اور ولایت خاصہ کے خاتم اہل بیت کے فرد حضرت امام مہدی علیہ السلام تک پہنچے گا۔

آپ ﷺ کو ہمارا باپ نہیں کہا گیا کیونکہ آپ کو اگر اس طرح کہا جاتا تو آپ کا اپنی اولاد (امت کی خواتین) سے نکاح حرام ہو جاتا۔ جس طرح امہات المومنین کے ساتھ مومنین کا نکاح امت کی مائیں ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ امت کی خواتین سے نکاح حرام نہیں ہے اور اگر آپ کو تمام امت کا باپ کہا جاتا تو اس طرح نکاح حرام ہو جاتا۔

حضرت شیخ علی ددہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کوئی بھی قرآنی سوال ایسا نہیں جس کا جواب قرآن میں نہ ہو خواہ وہ جواب لفظاً ہو یا معنیً صراحۃً ہو یا اشارۃً (لیکن اس جواب کا سمجھنا اس پر موقوف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی ہو۔)

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ الخ یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔ اور اگر آپ کا کوئی فرزند بالغ ہوتا تو وہ بھی نبی ہوتا کیونکہ آپ سے قبل انبیاء کی اولاد نبوت کی وارث بنتی تھی اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف سے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا:

یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (مریم:6) ''وہ (بیٹا) میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے''۔

ہمارے آقا ﷺ کی امت کے علماء آپ کے وارث ہیں۔ یہ وراثت ولایت کے اعتبار سے ہے اگرچہ خاتمیت کی وجہ سے آپ کی وراثت منقطع ہو گئی ہے۔ جس طرح حدیث پاک ہے حضرت ابراہیم ابن رسول ﷺ کے بارے میں لَوْ عَاشَ لَکَانَ نَبِیًّا مُرْسَلًا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو رسول بنتے اور قولہ تعالیٰ ''مِنْ رِجَالِکُمْ'' تو آپ حقیقت میں اس کے باپ نہ بنتے جس کو آپ منہ بولا بیٹا بناتے کیونکہ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور اس زمانے میں متبنیٰ کی بیوی سے نکاح

کرنا باعث شرم سمجھا جاتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے (اس طرح سے باپ ہونے کی نفی کر کے) اپنے رسول ﷺ کو اس سے منزہ کر دیا اور اپنے بندوں کو بتا دیا کہ یہ شریعت (ایسی فضول پابندیوں سے) پاک ہے اور یہ (دین) ایک روشن حکمت ہے۔

پس راز خطاب کو سمجھ اور جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جا۔

ہر رسول اپنی امت میں تعظیم و توقیر، شفقت اور خلوص کے اعتبار سے باپ کی طرح ہوتا ہے نہ کہ تمام احکام میں جو کہ اولاد اور باپ یا پالک اور منہ بولے بیٹوں کے درمیان ثابت ہوتے ہیں نہ ہی وراثت یا نکاح وغیرہ میں۔

اور ''رِجَالکم'' کے الفاظ میں ایک خاص اشارہ ہے وہ یہ کہ آل محمد ﷺ کے مرد تمام مردوں کی طرح نہیں بلکہ وہ رجال اللہ ہیں اور انہیں انعام اور خصوصیت سے نوازا گیا ہے اور ان کا حسب ونسب منقطع نہیں ہوگا جبکہ تمہارا حسب ونسب منقطع ہو جائے گا۔

اور نص قرآنی ان کی طہارت پر شاہد ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

(احزاب:33)

اور ان پر صدقہ واجبہ کے اموال حرام ہیں کیونکہ یہ میل ہے (جو ان کے شایان شان نہیں) اور ایسی فضیلتیں ان کے ساتھ خاص ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۸۰

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ صدقہ کا مال آپ ﷺ پر حرام ہے۔

جواب

آپ ﷺ پر صدقہ کا مال اس لئے حرام ہے تاکہ آپ کی نعت تمام سابقہ کتب میں آپ کی تعریفات کے موافق ہو جائے۔ کیونکہ سابقہ کتب الٰہیہ میں آپ کی یہ توصیف بیان کی گئی ہے کہ ان پر صدقہ حرام ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے جس سے اموال پاک ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ مال صدقہ کھائیں۔

ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حدیث پاک میں ہے صدقہ دینے والے کی تعریف کرتے ہوئے

آپ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔(آپ پر صدقہ لینا حرام ہے تاکہ) یہ لازم نہ آئے کہ صدقہ لیتے وقت آپ کا دست مبارک نچلا ہاتھ ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ کا دست پاک ہر کمال میں سب سے اوپر ہے۔ مصنف فرماتے ہیں یہ وجہ ہی انتہائی مناسب ہے اور مجھ سے پہلے یہ وجہ کسی نے بیان بھی نہیں کی۔ واللہ اعلم

اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صدقہ دینے والے کے جذبہ رحم کی پیداوار ہے اس کیلئے جس کو صدقہ دیا جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے نہ پسند کیا کہ اس کا نبی محترم (ﷺ) کسی دوسرے کا مرحوم (احسان مند) بنے۔

اسی وجہ سے بعض فقہاء نے اس بارگاہ کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے درود شریف میں آپ کیلئے ترحم کے الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

اگرچہ صدر الشریعۃ کے قول کے مطابق حدیث میں ایسے الفاظ آئے بھی ہیں۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے صدقہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے پس اگر آپ خود قبول بھی کرتے تو ناقص العقل لوگوں کی طرف سے تہمت کا اندیشہ تھا کہ آپ اپنی ذات کیلئے حکم دیتے ہیں۔

جس طرح عوام میں سے بعض لوگ موجودہ دور میں اپنے علماء کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔

پناہ بخدا: جہالت بھی کفر کے قریب لے جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے صدقہ حرام کر کے یہ تہمت آپ سے دور کر دی تا کہ جاہلوں کے گمان اور تہمت کے الزام سے آپ کو بچالیا جائے۔

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَاَحْكَمُ

حضرت شیخ علی دده رضی اللہ عنہ کے جواہر میں سے

ان کی کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۸۱

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو یتیمی کی حالت میں پروان چڑھایا۔

جواب

بے شک نبی کریم ﷺ رحمت اور جود کے سمندر میں سے وجود کے صدف کا بے مثل ہیرا ہیں اور ہر کمال اور ہر مشاہدہ میں یکتا ہیں جس طرح در یتیم اپنی صدف میں منفرد ہوتا ہے اور جس طرح ماہ تمام اپنے

شرف میں منفرد ہوتا ہے جس وقت کہ ماہ تمام اپنی عزت اور سیر کی منازل طے کرتا ہوا درجہ عزت پر پہنچتا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم بنا کر پالا ہے تا کہ اس بات کا علم ہو جائے کہ معزز وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے اور تمام شرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ عزتیں آباء و امہات کی طرف سے وراثت میں نہیں ملتیں نہ ہی آدمی مال و دولت اور حکومت کی وجہ سے معزز ہوتا ہے۔

بلکہ یہ تو سخاوتوں والے مہربان رب کی جانب سے عظمتیں دی جاتی ہیں۔ وہ رب جس نے جسے چاہا پسند کر لیا اور جسے چاہا عطا کر دیا۔

اور کہا گیا ہے کہ سابقہ ملتوں میں عزت، نبوت اور حکمت آباء سے وراثت میں ملتی تھی لیکن حضور ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو تمام انبیاء میں سے دوستی اور محبت کیلئے پسند کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم بنایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے تا کہ یتیموں اور فقیروں پر آپ (زیادہ) رحم فرمائیں جس طرح کہ حضرت یوسف کریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قید میں پروان چڑھایا اور غلامی کی آزمائش میں ڈالا۔ تا کہ جب تخت مصر کی شاہی آپ کے حوالے کی جائے۔ تو آپ ہر قیدی اور مصیبت زدہ شخص پر رحم کریں۔

پس (اے پڑھنے والے) ان اسرار کو سمجھ لے میں نے اسرار تربیت کے چہرے سے گھونگٹ اٹھایا ہے اور اس پوشیدہ خزانے کو تیرے لئے ایک لطیف اشارے اور بہترین نکتے کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔

پس تو سمجھ لے اللہ تعالیٰ کے قول کے اس راز کو جو اس نے اپنے حبیب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝٧ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ:6 تا 10)

"کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم۔ پھر (اپنی آغوش رحمت) میں جگہ دی اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا اور اس نے آپ کو حاجتمند پایا تو غنی کر دیا۔ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے"۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۸۲

سوال

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ کہا ہے اسریٰ بنبیہ ہی نہیں

کہا۔ نیز اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت (رات کی سیر) کے ساتھ اپنی تسبیح ذکر کی ہے۔ اور اللہ نے اپنے محبوب کی عبدیت کیوں ذکر کی ہے۔ اور معراج رات کو کیوں کرائی اور لیلاً کے لفظ کیساتھ اس کی تاکید کیوں ذکر کی ہے حالانکہ اسراء کا معنی رات کے وقت چلنے پر دلالت کرتا ہے۔

جواب

بعض محققین نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی بندگی کی صفت بیان کی ہے۔ صفت نبوت نہیں بیان کی تا کہ عیسائیوں کی طرح لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نہ سمجھنا شروع کردیں جس طرح عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت خدا سمجھنے لگے تھے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام اس جہاں سے نکل گئے اور ملاء اعلیٰ کی جانب اپنے جسم کے ساتھ عام بشری عادات واطوار کے برعکس عروج کیا۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّهِمْ

وَاحْکُمْ مِمَّا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِم

جو کچھ نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہا ہے اس کو چھوڑ دے اس کے علاوہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہنا چاہتا ہے خوب بیان کر۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۸۷

سوال

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی شے پیدا فرمائی۔

جواب

اہل اللہ میں سے محققین کہتے ہیں کہ عالم کی دو قسمیں ہیں عالم امر اور عالم خلق ارشاد باری ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ (اعراف:54) خبردار اسی کیلئے ہے عالم امر اور عالم خلق۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عالم امر عالم خلق پر مقدم ہے عالم ارواح عالم امر میں سے ہے اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ارواح قدسیہ میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح معظم پیدا فرمائی۔ جس طرح حدیث میں اشارہ ہے۔ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِی وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ جَوْهَرَةً" اور اس جوہر سے مراد عنصر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس سے تمام عناصر کونیہ وجود میں آئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ اکوان واعیان میں سے پہلے کون وجود میں آیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرش اور لوح محفوظ کو پہلے وجود بخشا گیا کہا گیا ہے قلم اور سبز زمرد اور عماء معرض وجود میں آئے اور پانی کے بارے میں بھی اقوال ہیں۔

اس طرح بھی ہے کہ اعیان میں سے سب سے پہلے نقطہ پیدا کیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف دیکھا یعنی اس پر ہیبت کے ساتھ تجلی کی تو وہ نقطہ عاجز ودرماندہ ہوگیا اور کثیر حصوں میں تقسیم ہوگیا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ یہ کنایہ ہے جوہر واحدانی سے جسے صوفیا حقیقۃ الحقائق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور حکماء اسے ہیولا کلیہ کہتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ تمام حقائق میں سے ایک (مسلمہ) حقیقت ہے۔

پس اس حقیقت کا ظہور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہوگا تو سب سے مقدم ہوگا۔ ظاہر ہونے کے اعتبار سے بھی مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے بھی۔ پس اس حقیقت کا راز ازروئے ظہور تمام کائنات میں "عالم امر" پر مقدم ہوگا۔ اور یہی نور حقیقت صورت فیضان میں تمام انوار سے اول ہوگا۔

آپ کی روح، عالم موجودات میں تعین کے اعتبار سے تمام روحوں سے مقدم ہے۔ اور آپ کا عنصر، مقام ام القریٰ میں ابتداء کے اعتبار سے عالم عناصر سے مقدم ہے۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمام مراتب میں اول ومقدم ہے اور تمام حقائق میں سے ایک (جامع) حقیقت ہے۔

مصنف فرماتے ہیں جو شخص مخلوقات کی ابتداء کے بارے میں تفصیلاً جاننا چاہیے وہ ہماری کتاب "الاوائل والاواخر" کا مطالعہ کرے۔ وَاللّٰهَ الْمُوَفِّقُ الْفَيَّاضُ۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۲۰۳

سوال

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ...... (الخ)۔ میں صلوٰۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملانے میں کیا حکمت ہے۔

جواب

بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کو اس لئے درود میں شامل کیا گیا ہے کہ آپ نے اس وقت ہمارے لیے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کیلئے) دعا مانگی جب ہم موجود نہیں تھے۔ اب ہم ان کیلئے دعا اس احسان کے شکریہ کی ادائیگی کیلئے کرتے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارے لئے دو رسولوں نے دعا مانگی پس اللہ تعالیٰ نے ان پر (خصوصی) صلوٰۃ وسلام سے انہیں بدلہ عطا فرمایا پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کہا

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ.

الْمُؤْمِنٰتِ (نوح:28)

"اے میرے رب مجھے بخش دے میرے والدین اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں حالت ایمان میں داخل ہو۔ اور تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کو بخش دے"۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کا اجر بصورت سلام ان کو اس ارشاد کے ساتھ عطا فرمایا۔

سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (صافات:79)

"سلام ہو نوح علیہ السلام پر عالمین میں"۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے لئے دعا مانگی اور فرمایا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم:41)

"اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین اور قیامت تک آنے والے مومنین کی مغفرت فرما"۔

اس کا صلہ اللہ نے انہیں یہ عطا فرمایا کہ ہمیں ان پر درود پڑھنے کا حکم دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ ملایا کیونکہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور محمد (صلوات اللہ علیہما) حبیب اللہ ہیں پس ان دونوں کے ناموں کو درود میں ایک ساتھ ملایا کیونکہ حبیب پسند کرتا ہے کہ اس کے دوستوں کا نام بھی اس کے نام کے ساتھ آئے۔ اور امام محقق نیشاپوری فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے ایک رسول بھیج۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا (بقرہ:129)

"اے میرے رب ان میں سے رسول بھیج"۔

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ پس ان کا شکر ادا کیا اور ان کی تعریف کی اور انہیں اس درود میں اپنے ساتھ شامل کر لیا جو ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھیجتے ہیں۔ پس یہ درود حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

کیونکہ یہ مظاہر و تجلیات کا بہترین مظہر ہے اور اس کے پوشیدہ رازوں کا جامع ہے۔

پس صلوٰۃ مشترک ہے اور یہ اشتراک یا بالقوۃ ہے یا بالفعل ہے پانچ نمازوں کی طرح۔

اور اے مخاطب صلوٰۃ کے راز کو اچھی طرح سمجھ اور خلت و محبت کے مرتبوں میں ان کے اشتراک کو بھی سمجھ تاکہ محبت کے ظہور کے ساتھ حق روشن ہو جائے اور ایک مکمل اور جامع پوشاک میں اس کا سما جانا بھی دیکھ۔

اور بعض عارفین نے "فصوص" کی شرح میں فص ابراہیمی کے تحت ذکر کیا ہے کہ خلت ابراہیم باطنی طور پر خلت محمدی ﷺ جو کہ اول و آخر بالحقیقت ثابت ہے اس سے مستفاد ہے۔ پس خلت محمدی ﷺ کا مکمل ظہور پیکر ابراہیمی میں ہوا۔

اسی وجہ سے آل ابراہیم میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس خلت کے پیکر بنے۔ پس جو اس راز سے واقف ہو جائے وہ صلوٰۃ کے اشتراک سے بھی آگاہ ہو جائے گا۔ وہ صلوٰۃ جو ابراہیم و آل ابراہیم علیہ السلام پر پڑھا جاتا ہے۔

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ ......(الخ)

پس حضور ﷺ معنوی طور پر آل ابراہیم میں داخل ہیں۔ پس یہ درود ظاہر و باطن کے لحاظ سے در حقیقت آپ کی اپنی ذات پر ہی ہے۔ اور یہی مقام محمدی (ﷺ) ہے۔

اور اہل تحقیق نے وضاحت کی ہے کہ حقیقت محمدی کے مظہر کامل جناب خلیل علیہ السلام اور حضرت کلیم علیہ السلام ہیں۔

پس اس عظیم راز کی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں بالذات شریک کیا ہے اور اپنی وساطت سے ان پر بھی درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا:

اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَصَلُّوا عَلٰى مُوْسٰى

"جب تم مجھ پر درود پڑھو تو موسیٰ علیہ السلام پر بھی درود پڑھا کرو"۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جناب کلیم و خلیل مناسبت کے اعتبار سے قریب ترین ہیں اسی لئے ان کو صلوٰۃ کیلئے خاص بھی کہا گیا اور صلوٰۃ میں ان کو شریک بھی کیا گیا ہے۔ جب بارگاہ محمدی ﷺ میں درود پیش کیا جائے تو ان پر بھی درود پڑھنا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس کے درختوں پر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا تھا۔ تو آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے اس باغ کے بارے میں پوچھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے تمام قصہ کہہ سنایا۔

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

يَا رَبِّ اَجْرِ ذِكْرِيْ عَلٰى لِسَانِ اُمَّتِهٖ ﷺ

"اے میرے رب میرا ذکر آپ کی امت کی زبانوں پر جاری کر دے"۔

اور اس وجہ سے بھی ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ہمارا قبلہ بھی ابراہیمی ہے اور ہمارے مناسک حج بھی خلیلی ہیں۔ اور ہمارا کعبہ بھی انھی کا تعمیر کردہ ہے۔ اور ان کی ملت کی پیروی تمام

امتوں نے کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ان کی تعریف کرنا لازم کر دیا۔

نکتہ معرفت

ہمیں ملت ابراہمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ درحقیقت حضرت خلیل بارگاہ محمدی ﷺ کیلئے پیکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ آل اسمٰعیل میں سے ہیں پس ہم پر شکر ادا کرنا لازم ہوا اور ان کی تعریف بھی ضروری ہوئی۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان پر درود پڑھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہی حقیقت محمدیہ کے مظہر کامل ہیں۔ پس آل ابراہیم تمام انبیاء کی آل سے مکمل ہے اور ان میں سے تمام مومن حقیت میں آل محمد ہی ہیں۔ کیونکہ اَبُو الْاَرْوَاحِ (روحوں کے باپ محمد ﷺ جب) ابراہیم علیہ السلام کی آل ہیں۔ تو ساری آل روحانی باپ کے زیر سایہ آ گئی۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى آلِهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۲۷۷

سوال

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خاتم النبیین کیوں کہا ہے اور بارگاہ نبوت میں اس ''ختم'' کا راز کیا ہے۔

جواب

کہا گیا ہے کہ بے شک مہر لگانا مکتوب کی وقعت اور عزت کی دلیل ہے نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے معزز ہیں۔ اور اسی طرح جب تک مہر کتاب پر موجود رہے کوئی اس کو ضائع نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی میں بھی یہ صلاحیت نہیں کہ علوم قرآنی کا حقیقی احاطہ کر سکے سوائے خاتم کے۔

اور جب تک بادشاہ کی مہر خزانہ پر رہے کوئی اس کو کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ان تمام کتب کا خزانہ ہے جو اللہ کی جانب سے نازل کی گئیں۔ اور قرآن علوم ربانی کا منبع اور حقائق لدنیہ کا سرچشمہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ساتھ خاتم النبیین کی ذات گرامی کو خاص کیا گیا۔ اور یہی راز ہے کہ مہر نبوت آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان پشت پر تھی۔ کیونکہ بادشاہ کے خزانہ کے باہر مہر لگائی جاتی ہے تا کہ جو کچھ خزانہ کے اندر موجود ہے وہ محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا۔

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس خزانے کیلئے چابی اور مہر کا ہونا ضروری ہے۔

پس آپ کو خاتم کہا گیا کیونکہ وجود کے خزانہ کی مہر آپ ہیں اور آپ کو فاتح کا نام دیا گیا کیونکہ آپ

خزانۂ ازل کی کلید ہیں آپ سے ہی ابتداء کی گئی اور آپ سے ہی انتہا کی گئی۔

مہر کے بغیر اس بات کا علم نہیں ہو سکتا کہ خزانے میں کیا چیز ہے اور خاتم ہی مفتاح (چابی) بھی ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" میں نے چاہا کہ میری پہچان ہو پس محبّ کے فیض سے حبیب ﷺ کی زبان پاک پر وہ عرفان (الٰہی) جاری ہو گیا اور یہ بھی علم ہو گیا کہ خزانے میں کیا تھا۔ وَاللّٰهُ الْوَلِیُّ الْفَیَّاضُ۔

کتاب خواتم الحکم سے سوال نمبر ۲۷۸

سوال

اللہ تعالیٰ نے "مہر نبوت" آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان کیوں بنائی۔

جواب

میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں بہترین جواب وہ ہے جو امام الدمیری نے اپنی کتاب حیات الحیوان میں بعض اولیاء کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

اولیاء میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ شیطان کس طرح آتا ہے اور وسوسہ اندازی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس ولی کو پیکر انسانی شیشے کی صورت میں دکھایا جس کے دونوں کندھوں کے درمیان گھونسلے کی طرح کا نشان تھا۔ پس خناس (وسوسہ باز شیطان) اس کی تمام جانبوں سے تلاشی لیتے ہوئے آیا اور اس کی شکل خنزیر جیسی تھی۔ اور خنزیر کی طرح اس کی سونڈ بھی تھی۔ پس وہ دونوں کندھوں کی طرف سے آیا اور اس انسان کے جسم میں داخل ہو کر اپنی سونڈ اس کے دل میں پیوست کر دی۔ اس انسان نے اللہ کو یاد کیا تو یہ شیطان پیچھے ہٹ آیا "فَخَنَسَ وَنَكَصَ وَرَائه" اسی وجہ سے اسے "خناس" کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ فوراً الٹے پاؤں لوٹ آتا ہے۔ جب یہ کسی دل میں ذکر الٰہی کا نور دیکھتا ہے۔

تنبیہ

اسی ربانی بھید سے آگاہ کرنے کیلئے حضور ﷺ مہر لگایا کرتے تھے اور اس کا حکم بھی دیا کرتے تھے اور جبرئیل نے بھی اس کی وصیت کی تھی تا کہ شیطانی مادہ کمزور ہو جائے اور اس کیلئے گھات لگانے کے امکانات تنگ ہو جائیں۔ کیونکہ شیطان کا وسوسہ خون کی طرح جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مہر نبوت حضور ﷺ کے کندھوں کے درمیان تھی اور یہ آپ کے اپنے ارشاد کے مطابق شیطان کے حملوں سے عصمت کی علامت ہے۔ "اَعَانَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ" اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی پس وہ مسلمان ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس خاص مہر کے

ساتھ حضور ﷺ کی مدد فرمائی اور آپ کو خصوصیت وشرف سے نوازا اور عصمت کلی سے فضیلت بخشی جس سے آپ کا ہمزاد مسلمان ہو گیا۔

جبکہ آدم علیہ السلام کا ہمزاد مسلمان نہ ہوا اسی وجہ سے اس نے آدم علیہ السلام کو وسوسہ میں مبتلا کر دیا اور آپ کی مہر زر الحجلۃ کی طرح تھی۔

جس کے گرد سبزی مائل بال تھے۔ اور اس پر لکھا تھا۔ ''مُحَمَّدٌ نَبِيٌّ اَمِيْنٌ'' یا اس طرح کے اور الفاظ لکھے تھے۔ ان تمام روایات میں مطابقت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حالات اور تجلیات ربانی بدلنے سے مہر نبوت پر کتابت بھی تبدیل ہوتی رہی یا بقول مصنف میں نے کئی اولیاء سے سنا ہے کہ دیکھنے والوں کی حیثیت وظرف کے مطابق انھیں مہر نبوت کی عبارت نظر آتی تھی۔

مصنف فرماتے ہیں میرے آقا اور میری روح (شاید مصنف کے شیخ مراد ہوں۔ مترجم) نے اپنی واردات کے حوالے سے بتایا ہے میں نے حضور ﷺ کو دیکھا حضور ﷺ نے اپنی مہر نبوت سے پردہ اٹھا دیا میں نے اس بابرکت مہر کو چوم لیا اور اسے خوب غور سے دیکھا پس دیکھنے والا اپنے مقام کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اپنے حال کے مطابق بیان کرتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مہر نبوت کا دونوں کندھوں کے درمیان ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے روایت مشہور ہے کہ شب معراج آپ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے محمد ﷺ فرشتے کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا اللہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست مبارک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔ (آخر تک)

پس جب علم ربانی، خدائی امداد اور رحمانی فیض دونوں کندھوں کے درمیان آیا تو خاتم نبوت کو بھی وہیں رکھا گیا تاکہ اس علم سے کوئی چیز بھول نہ سکے اور آپ ان اسرار کے محافظ بن جائیں جو آپ کو ودیعت کئے گئے تھے۔

حضرت شیخ علی ددہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پس حضور ﷺ کا روحانی پیکر ایک ربانی دستاویز کی طرح ہے جو تمام ظاہری اور باطنی حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جس پر عظیم قلم نے دست قدرت وحکمت سے (سب کچھ) لکھ دیا۔ پس اللہ نے اس پر نبوت محمدی ﷺ کی مہر ثبت کر دی۔ کیونکہ یہ مہر سب سے اولیں اور کلی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ وَ أَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ فَيْضِ نُوْرِيْ

ومنہم الامام العلامۃ الشیخ عمر بن عبد الوہاب العرضی الحلبی

المتوفی سنہ ۱۰۲۴

ان جواہر میں سے ان کا رسالہ مدارج الوصول الی افضلیۃ الصلاۃ علی الرسول ﷺ ہے اور یہ رسالہ انہی کے الفاظ میں اس کتاب میں شامل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کی نعمتوں کی کثرت پر اور اس کے بہترین انعام پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور درود و سلام پیش کرتا ہوں دو عالم کے سردار محمد ﷺ پر جو اللہ کے تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور اس کے تمام نیک بندوں کے سردار ہیں۔ اور ان کی آل ان کے اصحاب اور ان کے دوستوں پر۔

اما بعد: پسندیدہ راستے پر چلنے کا امیدوار عمر بن عبد الوہاب العرضی کہتا ہے۔ یہ خوبصورت بحثیں ہیں اور ہر اچھی چیز کو دامن میں سمیٹے ہوئے فوائد ہیں میں نے انہیں "افضلیۃ الصلاۃ علی الرسول (ﷺ)" کے نام سے جمع کیا ہے۔ جو ہر طلب سوال پر مشتمل ہیں۔

مجھے اس کام پر بعض فضلا کے جھگڑے نے ابھارا۔ پس ان مسالک کے سلسلے میں جو چیز طالب پر مشکل تھی میں نے اسے طالب کی سمجھ کے قریب کر کے پیش کیا ہے اور میں نے اس کتاب کا نام "مدارج الوصول الی افضلیۃ الصلاۃ علی الرسول ﷺ" رکھا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال کرتا ہوں۔ اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کا سوال بھی اسی کی جناب میں کرتا ہوں۔

مصنف فرماتے ہیں ربیع الاول ۹۸۱ھ میں یہ سوال مجھ تک پہنچا۔ "مَاقَوْلُکُمْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکُمْ" اللہ تم پر راضی ہو اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے کہ دو آدمیوں میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ حضور ﷺ پر درود افضل ہے یا کلمہ شہادت افضل ہے ایک کہنے والے نے کہا کلمہ شہادت افضل ہے اس کی دلیل یہ تھی کہ اس کلمہ سے آدمی کو اسلام حاصل ہوتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے کافر مسلمان نہیں ہوتا۔

اسی مؤقف کی تائید میں دوسرا قول اپنے زمانے کے مفتی اور اپنے وقت کے شیخ حضرت برہان الدین ابراہیم العمادی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ پس اس کا استدلال صحیح ہے یا نہیں۔ مصنف

فرماتے ہیں میں نے اس کا جواب اپنے قلم سے اس طرح دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ یَهْدِیْ اِلَی السَّبِیْلَ

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو حق کہتا ہے اور جو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے"۔

بے شک وہ آدمی جو کافر ہے اور اسلام سے متصف نہیں کوئی شک نہیں کہ اس کیلئے کلمہ شہادت تمام اعمال سے افضل ہے کیونکہ وہ اس کلمہ کے ذریعے کفر و شرک کی گہرائیوں سے نکلتا ہے۔ موجودہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو اسلام سے متصف ہے اور اہل اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ کیا اس کیلئے یہ افضل ہے کہ وہ کلمہ شہادت کے ساتھ اظہار بندگی کرے یا نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں اعمال اپنے ثواب کے اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

رحمت عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت میں بے شمار صحیح احادیث ذکر کی گئی ہیں عین ممکن ہے جو ان احادیث کو جان لے اس کو یقین کامل ہو جائے کہ درود شریف تمام اعمال سے افضل ہے۔

مزید یہ کہ فرضی نماز بھی نبی پاک ﷺ پر درود پڑھے بغیر مکمل نہیں ہوتی وہ درود جو کلمہ شہادت کے ساتھ متصل ہے۔

اس میں شک نہیں جس نے بھی محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور اس اقرار کیساتھ آپ کی تعریف بھی کی اور آپ پر درود بھی پڑھا تحقیق اس نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار بھی کیا۔

نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلمہ شہادت سے اسلام حاصل ہوتا ہے اور درود شریف سے نہیں تو کلمہ شہادت کو افضل کہہ دیا جائے۔ کیونکہ بہت سارے اعمال یقیناً "لَا اِلٰه الا اللّٰه" سے افضل ہیں باوجود اس کے کہ ان اعمال سے اسلام حاصل نہیں ہوتا جس طرح کہ تلاوت قرآن، بے شک امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ تلاوت قرآن "لا الٰه الا اللّٰه" پڑھنے سے افضل ہے۔

اس کے باوجود اگر کوئی کافر رات دن تلاوت کرتا رہے تو محض تلاوت سے ہم اسے مسلمان نہیں کہیں گے۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم باب الشکر میں وضاحت کی ہے کہ الحمد للّٰه کلمہ شہادت سے افضل ہے۔ اب افضلیت کے باوجود اگر کوئی کافر الحمد للّٰه کہتا رہے تو وہ مسلمان نہیں شمار ہوگا۔ اس سلسلے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

حدیث

جس نے سبحان اللہ کہا اسے دس نیکیاں ملیں گی اور جس نے کلمہ شہادت پڑھا اسے بیس نیکیاں ملیں

گی اور جس نے الحمد للہ کہا اسے تیس نیکیاں ملیں گی اور امام غزالی نے نیکیوں کے تفاوت کو بیان کیا ہے جو جاننا چاہے احیاء کی طرف رجوع کرے۔

وہ استدلال جو قائل نے حضرت شیخ برہان الدین العمادی کے قول سے کیا ہے وہ بالکل قلت فہم پر مبنی ہے کیونکہ قائل کو حضرت شیخ کا کلام سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔

حضرت شیخ برھان الدین فرماتے ہیں مین نے کہا ہے کہ درود شریف ذکر سے بہتر ہے کیونکہ یہ بذات خود ذکر بھی ہے اور درود بھی کیونکہ ذکر صرف کلمہ شہادت تک محدود نہیں جس طرح کہ حمد صرف الحمدللہ تک محدود نہیں۔

مخالف کا یہ استدلال بالکل اسی طرح ہے جس طرح سخت پیاس والا آدمی ریگستان کی چمکیلی ریت کو پانی خیال کرے اور جب اس کے قریب جائے تو اسے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔

کیونکہ حضرت شیخ عمادی کی مراد یہ تھی کہ درود شریف بھی ذکر ہے اور آپ نے فرمایا کہ ذکر وہ ہی نہیں جو لوگوں میں عام طور پر معروف ہے۔ جیسے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' وغیرہ کیونکہ لوگوں میں سے اکثر درود شریف کو ذکر سمجھنے سے ہچکچاتے تھے کیونکہ شہادت کے سوا انہیں کسی اور ذکر سے تعارف نہ تھا۔ تو حضرت شیخ نے یہ بات سمجھائی جس کی طرف امام نووی بھی گئے ہیں اور فرمایا کہ ہر نیکی ذکر ہے۔

جس طرح حضور ﷺ پر درود پڑھنا اور علم (دین) حاصل کرنا یہ بھی ذکر میں شامل ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (انبیاء:7)

''اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ (اہل ذکر سے مراد اہل علم ہیں)''۔

حضرت شیخ عمادی کی یہ قطعاً مراد نہیں جس کا استدلال کرنے والے کو وہم ہوا ہے کہ درود شریف تمام اذکار سے بہتر ہے۔ سوائے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے۔ یہ وہم قلت فہم سے پیدا ہوا ہے۔

پھر آپ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ حمد صرف الحمد للہ کے ساتھ خاص نہیں ان لوگوں کے وہم کو دور کرنے کیلئے جو اس طرح سمجھتے تھے کہ حمد الحمد للہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اللہ کی تمام تعریفیں حمد ہی ہیں۔ خواہ وہ اس صیغۂ حمد کے ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔ جس طرح کہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے وضاحت کی ہے کہ الحمد للہ حمد کے بہت سے صیغوں میں سے ایک صیغہ ہے۔ پس اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حمد کے بہت سے صیغے ہیں الحمد للہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مصنف فرماتے ہیں پھر میں نے اپنا فتویٰ سائل کو دے دیا تو اس نے میرے جواب سمیت وہ فتویٰ بعض اہل علم پر پیش کیا اور اس نے میرے کلام کو اپنے معانی پہنانے کی کوشش شروع کر دی جو معانی میری مراد نہیں تھے اور جو میں نے کہا تھا۔

اِنَّ ھٰذَا نَاشِیٌٔ عَنْ قِلَّةِ التَّامُلِ (الخ)

اس قول سے وہ سمجھا میں نے اس کی برائی بیان کی ہے حالانکہ میرے فتویٰ کی عبارت میں نہ صراحۃً نہ اشارۃً کسی کی تنقیص تھی بلکہ یہ الفاظ محض بطور عذر کہے گئے تھے نہ کہ میں نے خطا کی طرف اس کی نسبت کی۔ اس وجہ سے اس نے میرے فتویٰ کے خلاف کہنا شروع کر دیا اور لوگوں میں میری برائی بیان کرنا شروع کر دی کہ میں نے غلطی کی ہے اور اس نے میرے فتوی کے حرف حرف کا رد کرنا شروع کر دیا اور یہ بات کافی پھیل گئی یہاں تک کہ مجھے بے شمار لوگوں نے خبر دی بالآخر یہ بات طالب علموں تک بھی پہنچ گئی پھر میں نے بعض اطلاع دینے والوں سے اس کا لکھا ہوا طلب کیا۔ تو اس میں کلمہ شہادت کی افضلیت درود شریف پر حدیث کے حوالے سے بیان کی پہلے دلائل کے علاوہ کچھ اور دلائل بھی ذکر کیے گئے تھے۔ اس میں ترمذی شریف کی حدیث بھی تھی جسے ابن ماجہ نے بھی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا افضل ذکر کلمہ شہادت ہے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس نے ایک دوسری حدیث جسے ترمذی نے روایت کیا ہے اس سے بھی استدلال کیا تھا وہ حدیث یہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا کلمہ شہادت افضل ذکر ہے اور الحمد للہ افضل دعا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ معارض نے جو احادیث اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے ذکر کی ہیں اس سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا۔

لیکن اس کے استدلال کا ضعف بیان کرنے سے پہلے ایک تمہید کا ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان کفر کی دلدل سے نجات حاصل کرتا ہے۔ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کر سکتا کہ (حالت کفر میں) کلمہ پڑھنا دنیا کے تمام اعمال سے افضل ہے جس طرح ہم اپنے فتویٰ کی ابتداء میں ذکر کر چکے ہیں اور (اشھد ان) لا الہ الا اللّٰہ تشہد میں پڑھنا۔ درود شریف پڑھنے سے افضل ہے اور تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا لا الہ الا اللّٰہ پڑھنے سے افضل ہے کیوں کہ اب درود شریف اپنے مقام پر ہے اور ہر عبادت جب اپنے مقام پر ادا کی جائے تو وہ باقی تمام عبادات سے افضل ہوتی ہے۔

جس طرح کہ رکوع کی تسبیحات، رکوع میں ادا کرنا رکوع میں تلاوت کرنے سے بہتر ہیں، اگرچہ تلاوت قرآن بذات خود تسبیحات سے بہتر ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی ''مفضول'' کے ساتھ کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے جو اسے ''فاضل'' بنا دیتی ہے۔ اس حد تک اس معاملے میں ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ ان حالات کے علاوہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور

دنیا سے کنارہ کش ہو کر قرب الٰہی کی کوشش کرتا ہے تو کیا اس کو نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہیے یا کلمہ شہادت کا ورد کرنا چاہیے اعتراض کرنے والے کا دعویٰ ہے کلمہ شہادت افضل ہے دلیل کے طور پر اس نے پیچھے احادیث ذکر کی ہیں۔ لیکن ان احادیث سے استدلال اس کے مؤقف کو ثابت نہیں کرتا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان کلمہ شہادت افضل ہے تو یہ کلمہ دو مفہوموں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کی معبودیت ثابت کرنے کیلئے اور دیگر تمام کی معبودیت کی نفی کیلئے اس کلمہ سے زیادہ کوئی کلمہ فائدہ مند نہیں۔ پس ہر وہ چیز جو اس نفی و اثبات کا فائدہ دے خواہ وہ ان الفاظ سے ہو یا ان الفاظ سے نہ ہو اس کو افضل الذکر کہنا صحیح ہوگا۔ اور دوسرا مفہوم کلمہ شہادت سے مراد مخصوص الفاظ کے ساتھ گواہی دینا ہوگا۔ اور اگر معترض کہے کہ اس سے مراد دوسرا مفہوم ہے (مخصوص الفاظ کے ساتھ شہادت والا) تو ہم یہ بات تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ الفاظ کی افضلیت بحیثیت الفاظ کچھ بھی نہیں، الفاظ کی افضلیت اور مرتبہ معانی کی ادائیگی کی وجہ سے ہے پس ہر وہ چیز جو معنی مطلوب کیلئے مفید ہوگی اسے افضل الذکر کہنا صحیح ہوگا۔ اور اگر کلمہ شہادت سے حضور ﷺ کی مراد نفی و اثبات ہے تو وہ درود شریف میں کلمہ لا الہ الا اللہ کی نسبت بدرجہ اتم ہے۔ لہٰذا درود شریف افضل ہوا۔ کیونکہ درود شریف میں توحید الٰہی بھی موجود ہے اور کچھ امور زائد بھی ہیں۔

اس میں کسی عقلمند کو ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ بندہ جب درود شریف پڑھتا ہے تو وہ صدق دل سے اس بات کا اقرار بھی کئے ہوئے ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

یہاں تک کہ اگر کوئی سائل کسی ناواقف شخص سے بھی پوچھے تم کیوں درود شریف پڑھ رہے ہو تو وہ کہے گا میں حضور ﷺ کی رسالت کا اعتراف کر کے پڑھ رہا ہوں۔

پس جب بھی وہ درود پڑھے گا تو حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار بھی کرے گا اور جب اقرار رسالت کرے گا تو ہر اس چیز کی تصدیق کرے گا جو حضور ﷺ اپنے ساتھ لائے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ آدمی آپ کی رسالت کا اقرار بھی کرے اور انکار بھی لیکن یہاں جھگڑا پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام معروضے اس آدمی کیلئے ہیں جو ان سب چیزوں کو تسلیم کرنے والا ہو۔ کیونکہ یہ سب کچھ ہم نے اس مسلمان کیلئے ذکر کیا ہے جو مومن بھی ہے۔ پس جب اس نے تصدیق کر دی ہر اس چیز کی جس کو لے کر آپ آئے ہیں تو آپ توحید الٰہی کا پیغام بھی لے کر آئے ہیں گویا جس نے ایک بار درود پڑھا اس نے توحید و رسالت کا اقرار بھی کر لیا۔ پس ہر وہ ثواب جو توحید الٰہی پر ہے وہ حضور ﷺ پر درود پڑھنے والے کو بھی ملے گا۔

اور اگر تمہارا اعتراض یہ ہو کہ درود شریف میں وحدانیت ربانی کا ثبوت اس طرح نہیں جس طرح

کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میں ہے۔ کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو کافر کے درود پڑھنے سے اس کا مسلمان ہونا تسلیم کرلیا جاتا۔ لیکن اس طرح ہوتا نہیں میں کہتا ہوں جس طرح میں نے بتایا ہے یہ توحید کیلئے مفید ہے اس طریقے سے تو انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن تمہارے دعویٰ کے مطابق اس طرح (واقعی) نہیں اور نہ ہی ہم نے یہ کہا ہے کہ درود شریف میں صراحۃً توحید کی گواہی پائی جارہی ہے۔

اور اگر تم کہو کہ اس طرح (توحید درود شریف کے لازم میں پائی جارہی ہے) کسی شے کے لازم پر کس طرح ثواب مل سکتا ہے کیا اس میں کوئی نقلی دلیل ہے کیونکہ عقلی دلائل سے ایسے دعوے نہیں کئے جا سکتے۔

میرا جواب ہوگا ہاں کیونکہ حجۃ الاسلام ابو حامد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی حدیث ذکر کی ہے سبحان اللہ پر دس نیکیاں لا الہ الا اللہ پر بیس نیکیاں اور الحمد للہ پر تیس نیکیاں ملیں گی۔

اور اس کی حکمت بھی بیان کی ہے۔ اور فرمایا سب سے پہلے بندے پر واجب ہے کہ وہ ذات الٰہی کو تمام عیوب اور نقائص سے پاک جانے اور سبحان اللہ اسی چیز کی طرف لے جاتا ہے لہٰذا سبحان اللہ کہنے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔

پھر اس کو یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ وہ ذات فقط ایک ہے۔ لہٰذا جب وہ توحید کو جان لیتا ہے۔ تو توحید کی گواہی میں تسبیح (سبحان اللہ) بھی آجاتا ہے۔ لہٰذا اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں۔ پھر جب بندے کو علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور کائنات کی تمام نعمتیں اسی کے دست قدرت میں ہیں تو وہ اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔ تو اس حمد میں تنزیہہ الٰہی (عیوب سے پاک ہونا) توحید الٰہی اور شکر تینوں آجاتے ہیں لہٰذا اسے تیس نیکیاں دی جاتی ہیں۔ پس الحمد میں وہ بھی ہے جو لا الہ الا اللہ میں ہے ان دونوں میں سے ایک الحمد کا لازم اور ایک اس کے لازم کا لازم ہے تو جب یہاں لازم اور لازم کے لازم پر ثواب عطا کیا جارہا ہے تو درود شریف کے لازم پر ثواب کیوں نہ عطا کیا جائے گا۔

اس کے باوجود الحمد للہ کہنے والے کافر کو مسلمان نہیں کہیں گے کیوں کہ توحید کا معنی مطابقی نہیں بلکہ لازم ہے۔ یعنی لازم پر ثواب تو ملتا ہے لیکن حکم ثابت نہیں ہوتا اور جب کوئی مسلمان اس طرح کے الفاظ ادا کرے گا تو اسے لازم اور لازم کے لازم پر اور ملزوم پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اللہ کے فضل کی کوئی حد نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ پر درود پڑھنے میں معنی توحید بھی ہے اور درود پڑھنے والے کو درود شریف کا بھی اور لا الہ الا اللہ کہنے کا بھی ثواب ملے گا۔ مزید برآں اسے رسالت محمدی

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اعتراف کا ثواب بھی ملے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات پر اپنی طرف سے حقیر ہدیہ پیش کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔ کیوں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسان جیسا کوئی احسان نہیں پس اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزاء عطا فرمائے اس جزاء سے بہتر جو اللہ نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا کی ہے۔

اور درود شریف کی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا نفع متعدی (دوسروں تک پہنچنے والا بھی) ہے اور کلمہ توحید کا نفع فقط موحد کی ذات تک محدود رہتا ہے۔

معارض کے گمان کے مطابق کہ قریب المرگ کو کلمہ توحید کا نفع پہنچتا ہے ایک کمزور وہم ہے۔ کیونکہ قریب المرگ کی طرف لا اله الا الله بذات خود نہیں پہنچتا بلکہ تلقین کرنے سے ثواب پہنچتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا فی نفسہ اس کا نفع سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ ہر لحظہ آپ کے مقام میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جونہی آپ کا مقام بلند ہوتا ہے۔ آپ کی امت کی عزت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ گویا درود پڑھنے والا آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے دعا کرتا ہے بلکہ یہ دعا ہر اس شخص کیلئے ہوتی ہے جو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہو چکا ہے یا بعد میں فیض یاب ہوگا تا قیام قیامت خواہ وہ مسلمان ہے یا کافر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور جب مومن آپ پر درود پڑھتا ہے اور آپ کیلئے قرب و شرف ربانی کی دعا کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پہلے ہی) ہر لحظہ اپنے رب کے قریب ہو رہے ہیں تو اس قرب کے اضافہ سے آپ کی شان رحمۃ للعالمین میں بھی اضافہ ہوتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں روز حشر تمام آپ کی رحمت سے نفع اٹھائیں گے۔

تمام اولین و آخرین بھی تمام جن و انس تمام فرشتے اور تمام وحوش و طیور بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت افزائی مقام محمود عطا کر کے فرمائی ہے اور وہ حساب کتاب کے بارے میں شفاعت ہے نیز یہ شفاعت ان تمام کیلئے ہوگی جو میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحمت بڑھتی رہے گی اور عاصیان دو عالم اس سے اپنا اپنا حصہ لیتے رہیں گے۔ (یہاں مفہوم کی مناسبت سے ترجمہ میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے)

اور جب صلوٰۃ وسلام کا نفع اتنا عام ہے تو اور کون سا نفع اس سے زیادہ ہو سکتا ہے اور وہ منافع جو لا اله الا الله میں نہیں وہ آقاء دو جہاں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود شریف پڑھنے میں واضح موجود ہے۔ اس لئے علما کی کثیر تعداد نے کہا ہے کہ درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے افضل ہے ان ائمہ میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ درود شریف پڑھنا فرضی صدقہ سے بھی افضل ہے جس طرح کہ امام سخاوی علیہ الرحمۃ نے القول البدیع میں ذکر کیا ہے اور یہ محض اس کے نفع

کے عموم کی وجہ سے ہے فرضی صدقہ اور غلام آزاد کرنے کا نفع بھی اگرچہ عام ہے لیکن اتنا نہیں جتنا صلوٰۃ وسلام کا نفع عام ہے۔

اور اگر معترض یہ کہے کہ اس حدیث کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَفْضَلُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ قَبْلِی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''سب سے بہتر کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا وہ لا الہ الا اللہ ہے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث پہلے کی ہو اور درود شریف کا حکم بعد میں دیا گیا ہو۔ کیونکہ حکم صلوٰۃ سورۂ احزاب میں ہے اور وہ مدنی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درود شریف کا حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا تھا۔

ایک جواب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کی افضلیت اس قول سے ثابت ہے۔ جو آپ سے پہلے انبیاء اور آپ کے درمیان مشترک ہے اور درود شریف ان اقوال میں سے نہیں جن میں پہلے انبیاء شامل ہیں جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کیونکہ انہیں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا جو کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

قصہ تمام

نبی کریم ﷺ کے اقوال کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ قول جو آپ نے اور آپ سے پہلے تمام نبیوں نے کیا ہو۔

(۲) وہ قول جو آپ نے اور آپ سے قبل بعض انبیاء نے کیا ہو۔

(۳) وہ قول جو فقط آپ نے کیا ہو۔

پس لا الہ الا اللہ کی فضیلت پہلی قسم کے اقوال پر ہے اور درود شریف پہلی قسم کے اقوال میں سے نہیں، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ ہر نبی نے آپ پر درود پڑھا ہو۔ اور قسم اول پر کلمہ کی افضلیت سے مطلق افضلیت ثابت نہیں ہوتی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اور بعض انبیاء نے اس سے افضل کلمات خاص کر لئے ہوں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی شے کا کسی شے کیلئے ثبوت یا نفی اس وقت ہوتی ہے جب کلام میں کوئی امر زائد ہو جس کی نسبت اصل معنی کی طرف ہو اور یہاں افضلیت کے اثبات میں نسبت فقط اس کلمہ کی طرف ہے جس میں انبیاء اولین بھی آپ کے ساتھ ہوں نہ کہ وہ قول جو آپ نے اکیلے کہا ہو۔ وگرنہ آپ اس میں بعض نبیوں کو شامل نہ کرتے یہ قاعدہ حضرت سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطول میں احوال المسند الیہ کی بحث میں، شیخ عبدالقاہر کی کتاب دلائل الاعجاز سے نقل کیا ہے۔

اور اگر معترض کہے کہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ اس سے مراد کل انبیاء ہیں اور بعض انبیاء کیوں نہیں

مراد ہو سکتے میں کہتا ہوں کہ جب جمع پر الف لام داخل ہو تو وہ استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ جس طرح علماء بلاغت نے وضاحت کی ہے۔ اگرچہ اس کی عبارت اس کے خلاف ہے لیکن سعد نے اپنی مطول میں اس کارد کیا ہے تفصیل کیلئے وہاں سے دیکھا جائے۔

اگر تو کہے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس پر کس چیز نے تمہیں ابھارا ہے اور اس حدیث کو معارض نے جیسا سمجھا ہے اس پر محمول کیوں نہیں کرتے۔

تو میں کہوں گا مجھے جس چیز نے اس مفہوم پر ابھارا ہے وہ اس موضوع پر احادیث کی کثرت ہے جو احادیث ہر قول بلکہ ہر عمل پر درود شریف کی افضلیت کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث جسے دیلمی نے اپنی سند کے ساتھ مسند فردوس میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا تمام اعمال میں سے کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ پر درود پڑھنا (اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے)

اور ابو القاسم القشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے (جس کا مفہوم یہ ہے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور فرمایا اے موسیٰ اگر تو میری محبت اور قرب چاہتا ہے تو میرے محبوب محمد ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کر۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی احادیث ہیں جو تمام اعمال سے افضل اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل درود شریف کی فضیلت کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور اگر ہم معارض کے فہم کے مطابق ان احادیث کو محمول کریں تو یہ احادیث اور ان پر عمل کی نفی لازم آئے گی یا ان احادیث کو ان کے ظاہری معنی کے خلاف محمول کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر پر محمول کرنے کے امکان کے باوجود غیر ظاہر پر محمول کرنے کی کوئی اصل نہیں اور اگر ہم حدیث مذکور کو معترض کے فہم کے مطابق محمول کریں تو ہمیں امام نووی جیسے عالم کے قول کو باطل کرنا پڑے گا حالانکہ امام مذکور متاخرین میں علم و عمل کے لحاظ سے سند ہیں۔ امام نووی کا قول یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے تلاوت قرآن بہتر ہے۔ حالانکہ "اَفْضَلُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ قَبْلِی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہ حدیث امام نووی کے پیش نظر بھی تھی اور اسی طرح امام غزالی اور امام سخاوی کا قول بھی غلط سمجھنا پڑے گا جو انہوں نے الحمد کو لا الہ الا اللہ سے افضل کہا ہے۔

کوئی عقلمند کس طرح یہ جرأت کر سکتا ہے کہ اپنے وقت کے ان جید آئمہ کے اقوال کو باطل کہے۔

ہائے افسوس............ امام غزالی امام نووی اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہم تو اس حدیث کو نہ سمجھ سکے (اور معترض کو خوب سمجھ آ گئی کلمہ تعجب ہے مترجم)

پس اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جو دیانت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور جس نے ظلم کی راہ سے رجوع کرلیا۔

اور نفسانی خواہش کو پس پشت ڈال دیا اور ایسی شہادت دی جو اسے نفع دے اس وقت جب وہ قبر میں لیٹے اور ہائے افسوس...... کیا آئمہ سابقین میں سے کسی سے کسی نے ایسی کوئی بات کی ہے۔

اور اگر تو کہے کہ جس طرح تم نے ہمیں کہا ہے ہم بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ آج تک علماء متقدمین اور فضلاء متاخرین میں سے کسی نے کلمہ شریف پر درود شریف کو ترجیح دی ہے۔ اور وہ (اہل علم) جن پر اعتماد کیا جاتا ہے ان میں سے کسی نے تمہارے قول یا تمہاری دلیل کی تصحیح کی ہے۔

میں کہتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ احکام مستنبط کرنے کیلئے علمی قواعد ہی کافی ہیں مزید برآں (علما میں سے) الشہاب احمد بن العماد الاقفہسی نے (اپنی کتاب) تسہیل القاصد میں لکھا ہے کہ نبی پاک ﷺ پر درود پڑھنا تمام نفلی عبادات سے بہتر ہے۔ پس اس میں تمام نفلی عبادات آگئیں خواہ وہ عبادات قولی ہوں یا فعلی۔ اور صحیح مسلم میں وہ روایت موجود ہے جو تمام نفلی نمازوں پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کا تقاضا کرتی ہے اور بے شک نفلی عبادات میں سے لا الہ الا اللہ بھی ہے۔ (ثابت ہوا) جس کو کل پر فضیلت حاصل ہے اس کو جزء پر بھی فضیلت حاصل ہے۔

اور امام ابواللیث ثمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یاد رکھ کہ نبی پاک ﷺ پر درود شریف پڑھنا تمام عبادات سے افضل ہے اور جب تو اس کے بارے میں جاننا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب:56)

میں غور وفکر کیا کر۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات کا حکم اپنے بندوں کو دیا اور درود پاک پہلے خود پڑھا پھر مومنین کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اس سے ثابت ہوا رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام تمام اطاعات سے بہتر ہے اور امام ابولیث جن کا درجہ مجتہدین کے قریب ہے ان کا یہ کہہ دینا کہ صلوٰۃ وسلام تمام عبادات سے افضل ہے تیرے لئے یہی قول کافی ہے۔

اور سراج بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر نمازی پر نماز میں قرآن پڑھنا واجب ہے اور حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔

پس ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر مطلوب ہے اور درود شریف اس کے علاوہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کی رو سے بھی تمام عبادات سے افضل ہے کہ جب انسان درود شریف کو ہی اپنی دعا بنالے تو اس کے تمام غموں سے نجات کیلئے درود شریف ہی کافی ہے۔ (یعنی دعا کے وقت بھی

درود شریف ہی پڑھتا رہے۔ "مترجم") اور ان کی صریح عبارت ہے کہ درود شریف قرآن کی تلاوت سے افضل ہے۔ اور امام نووی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے درود شریف پڑھنا افضل ہے۔

یہ وہ نقلی دلائل ہیں جو ان علما سے ہمیں پہنچے ہیں جن کا زمانہ ہم نے نہیں پایا۔ اور وہ اہل علم و عمل جن کا زمانہ ہمیں نصیب ہوا ہے ان میں حضرت شیخ برہان الدین العمادی ہیں جن کا زمانہ میں نے پایا ہے لیکن اپنی چھوٹی عمر کی وجہ سے ان کی زیارت نہیں کر سکا۔ وہ ہمارے علاقے کے شیخ اور ہمارے ملک کے عالم تھے۔ میں نے ان کے فضائل و مناقب اپنی تاریخ کی کتاب میں ذکر کئے ہیں اور یہ کتاب میں نے حروف معجم کی ترتیب سے لکھی ہے جس میں میں نے دسویں صدی ہجری کی عظیم شخصیات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بہت عمدہ کتاب ہے اور اس زمانے میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ وللہ الحمد

حضرت شیخ عمادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ملخص نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ پر درود پڑھنا ذکر سے افضل ہے اس سے معارض وہ مفہوم سمجھ بیٹھا جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اور حضرت شیخ العمادی کے زمانے میں اس طرح ہوا کہ آپ جامع اموی کے وسیع حجرہ میں عصر کی نماز کے بعد درس دیا کرتے تھے اور آپ نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ نبی پاک ﷺ پر درود شریف پڑھنا لا الہ الا اللہ پڑھنے سے افضل ہے اور اس وقت سامعین میں ایک محی الدین نامی آدمی تھا جسے میں جانتا ہوں وہ میرے والد محترم کے درس میں آتا رہتا تھا۔ اس شخص نے میرے والد محترم کو حضرت عمادی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ میرے والد کو یہ قول پسند نہ آیا جب ان کے دل میں "اَفْضَلُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" والی حدیث کھٹکی جس سے معارض نے بھی استدلال کیا تھا۔

پس والد محترم حضرت شیخ سے ملے اور ان کے قول کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا میں نے ایسا ہی کہا ہے اور میں اب بھی اس پر قائم ہوں۔

انہوں نے کہا کہ میرے لئے اس سلسلے میں بہترین نمونہ ہے۔ پھر شرح حدیث میں سے ایک کتاب نکال کر انہیں نقلی دلائل دکھائے اور کہا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی قطعاً شبہ نہیں۔

مصنف فرماتے ہیں۔ دیانت پسند قاری کیلئے یہ دلائل کافی ہیں اور جو مزید سیر حاصل بحث دیکھنا چاہے وہ فضیلت درود شریف پر لکھی گئی مصنف کی دوسری کتب کا مطالعہ کرے۔

(حضرت شیخ عمر العرضی کا رسالہ ختم ہوا)

ومنہم الامام العارف باللہ سیدی عبداللہ بن اسعد الیافعی

المتوفی سنۃ ۷۶۸ھ

ان کے جواہر میں سے ان کا یہ قول جو ان کی کتاب نشر المحاسن العالیہ فی فضل مشائخ الصوفیہ اصحاب المقامات العالیہ کے آخر میں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت غوث الاعظم سیدی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا کلام حضرت خلیل علیہ السلام اور حضرت کلیم علیہ السلام وعلیٰ نبینا افضل الصلاۃ والتسلیم کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں۔ ہم اپنی (کتاب) ختم کرتے ہیں ان کے اس کلام پر جو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں جیسا ہے۔ شرف والے، کرم والے اور برکت والے اللہ کے حبیب ﷺ کے بارے میں ان کے قول (کے ساتھ خاتمہ کرتے ہیں) حضور ﷺ عطردان نبوت کی مہر ہیں۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا کلام بہترین عربی ادب کا عظیم شاہکار ہے ہماری صلاحیتیں اور اردو زبان دونوں کما حقہ اس قوت اظہار سے قاصر ہیں جو حضرت شیخ کی عربی زبان میں ہے۔ بعض جگہ لفظی ترجمے میں ربط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن ہم نے مرادی معنی ذکر کر کے مفہوم برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے قرآنی آیات سے لی گئی تلمیحات کا دانستہ اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے زور بیان میں ضعف آجاتا ہے۔ درحقیقت یہ عبارات ہیں ہی عربی جاننے والوں کیلئے اہل ذوق سے گزارش ہے کہ اصل کتاب میں اصل عسل مصفیٰ سے لطف اٹھائیں اردو دان احباب کیلئے ترجمہ حاضر ہے۔ (مترجم)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

جب نوری حجروں میں رہنے والوں کے مشام جاں اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا میں طین کی بوئے دلنواز سے لبریز ہو گئے۔ اور ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' کی روشنیوں سے ملکوت اعلیٰ جگمگا اٹھا۔ مقدس و مطہر حجرہ نشین زاہدوں سے کہا گیا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (حجر:29)، ''تو یُسَبِّحُوْنَ'' کا ورد کرنے والوں کے مشام میں مٹی کستوری بن گئی۔ عروس آدم علیہ السلام نے ''اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی'' کا برقع پہن لیا۔ اور ''وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ'' کا نور پھیلنے پر قدسی سجدہ ریز ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے باغ طور میں ایک شیریں نوا بلبل کی لذیذ آواز میں ''اِنِّی اَنَا اللّٰہُ'' کا نغمہ سنا۔ اور ایک ایسے ساقی سے متعارف ہوئے جو ''اَنَا اَخْتَرْتُکَ'' کے جاموں میں قدم کی مے طہور لٹا رہا تھا۔ جس سے طور کے پہلو بھی متحرک ہو گئے۔ اس کے نیچے پہاڑ کی بانہوں میں مستی آ گئی۔ اس کی مہربانیوں نے اس کی مستی کو جھنجوڑا۔ اور شدت شوق کے ہاتھ سے صحیفۂ عشق میں حرف ''اَرِنِیْ'' لکھ دیا۔ پھر قلم اس کے ہاتھ میں گیا تو اس نے ''لَنْ تَرَانِیْ'' لکھ دیا اور اس کی عقل کی آنکھ کیلئے ''تَجَلّٰی'' کی برق بار آنکھ سے نور نکلا (اگر اس میں تپش نہ ہوتی تو قریب تھا) پہاڑ گلزار ہو جاتا۔ ''وَخَرَّ'' اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش آنے پر کہا ''سُبْحَانَكَ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ'' ان کا زمانہ ختم ہونے پر انہیں کہا گیا اے موسیٰ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ (آل عمران:46) کہنے والے (عیسیٰ علیہ السلام) کو رسالت کا قلم دے دو۔

اور دوات اسے دو تا کہ وہ میری توحید کے دفتر میں ''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ'' لکھے۔

اور وہ اپنی رسالت کے صحیفے میں: وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (صف:6) کے نقوش رقم کرے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (اسرائیل:1) حضور ﷺ کے تاج کا شرف ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کے باسیوں کے سامنے پیش کیا۔ اور آپ کی رسالت کے حسن کی پیشانی ''اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ'' کے نور سے دمکنے لگی۔

ملکوت اعلیٰ کے انوار بھی فزوں تر ہو گئے جس رات احمد ﷺ دولہا بن کر (آسمان پر گئے) تو بندگان نور کی آنکھیں آپ کے پُرمسرت (چہرہ) کی رونق کے نور کی شعاعوں سے روشن تر ہو گئیں۔ اور آپ ﷺ کے نور کی چمک سے ملائکہ کی آنکھیں مغلوب ہو گئیں۔ ان سے کہا گیا اے بلند آسمان کے رہنے والو۔ اور اے قدس اعلیٰ کے مکینو! سراج منیر (محمد کریم ﷺ) کے نور سے کسب ضیاء کر لو کیونکہ اب تم امام الانبیاء ﷺ کے دامن کرم میں ہو۔

زمین کے سورج کے ظہور پر آسمان کا سورج چھپ گیا۔ اور نجم یثرب (ﷺ) کے طلوع پر کو اکب سماوی شرم کے مارے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور شہاب مکہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی چمک سے عام شہاب بجھ گئے۔ اور نور احمد ﷺ کی شعاع میں تمام انوار گم ہو گئے۔ اور قدس اشرف کے حجرہ بند زاہد۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (نجم:3) کے کلام والے کا جمال دیکھنے کیلئے نکل آئے آپ سے کہا گیا اے سردار موجودات شب معراج آپ کا طور ''نوری رفرف'' ہے۔ اور وادیٔ مقدس آپ کا قاب قوسین ہے۔

شوخ بھڑکیلی آواز میں گانے والے بلبل کے: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی (نجم:10) کے دو لہرے نغمے تیرے لئے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) کے مطلوب نے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی (نجم:17) کی دستاویز تیرے نام کر دی ہے۔

آپ دیوانِ نبوت کی کتاب کا آخری ورد ہیں: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا (بقرہ:253) کے منشور میں لکھی عظیم سطر آپ ہی ہیں۔ آپ نے افقِ اعلیٰ کے نورانی ماحول میں شبِ اسریٰ کے دولہا کی حیثیت سے رات گزاری۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (نجم:18) اس دولہا کی خلعتوں میں سے ایک خلعت ہے۔ موجودات کی پیشانی کی ''مانگ'' کیلئے آپ کے شرف سے ایک بیمثل و یکتا تاج بنایا گیا۔

اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ کی رات والی عزت انبیاء میں سے بھی کسی کے بس کی بات نہیں وہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (نجم:9) کے باغوں سے خوشبو کا ایک جھونکا بھی نہ پا سکے۔ ان تمام میں سے کسی ایک کو بھی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' نہ کہا گیا۔ ''اَوْ اَدْنٰی'' کے وقت سارے پیچھے رہ گئے۔ اور ''دَنَا فَتَدَلّٰی'' والا محبوب آگے تشریف لے گیا۔

اور ''لَقَدْ رَاٰی من آیَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی'' وجودات کی دلہنوں نے آپ کے سامنے زیب و جود کر لیں۔ اور آپ نے ان کی طرف دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا بلکہ نگاہیں: لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ (حجر:88) کی تادیب سے مؤدب رہیں۔

یہ وادیٔ مقدس ہے (میرے حضور کے قدموں میں) موسیٰ کہاں ہیں؟ یہ روح القدس ہے عیسیٰ کہاں ہیں؟

یہ ہے محبوب کے زیرِ قدم ''هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾ (ص) پس ایوب کہاں ہیں؟ غیب کے میدانوں میں عقلوں نے راہ نوردی کی۔

اور افکار نے اپنے اطوار کے ٹھکانوں سے بلندی کے باغات کی طرف اس عزت بلند سے تھوڑا سا حصہ حاصل کرنے کیلئے کتنے سفر کئے۔

اور ان آراستہ باغوں سے خوشبو کی ایک لپک کیلئے کتنے طمعے کئے۔

اور ہر سمندر کے گہرے پانیوں کی موجوں میں کتنے غوطے کھائے لیکن آپ کی گرد راہ کو بھی نہ پا سکے۔ پس ان کو پہچاننے والی زبانیں اعتراف کرتے ہوئے بول اٹھیں اسے خاتم الرسل آپ جسم موجودات کی روح ہیں۔

آپ چمن دھر کا رنگیں گلاب ہیں۔ آپ دارین کی زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ وحی کے تمام تعویذ آپ

کیلئے ہی لکھے گئے۔ لطف قدم کی عطر بیز ہوائیں آپ کی روح مبارک کا فیضان ہیں قدرت نے وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحیٰ:5) کا پرچم آپ کیلئے ہی باندھا ہے۔ آپ کی ثناء کے عطر سے ملائکہ مست بو ہیں۔ چراغ شریعت آپ کے علوم کی ضیاء سے منور ہے۔

حکمت کے آسمان آپ کے کلام کے ستاروں سے چمک رہے ہیں۔ انبیاء آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے تا کہ آپ انہیں اپنی جلالت شان کی وجہ سے امامت کرائیں۔ پس تقدیر کے منادی نے انہیں پکار کر کہا۔ اے ساکنان ملک سعادت اور اے ارباب جحت۔ یہ (محمد ﷺ) بلندی کا چاند اور عظمت کا سورج ہیں۔ اور یہ انبیاء کا تاج ہیں۔ پس ان کی رونق کو چشم شوق سے دیکھو۔ اور ان کی روشنی سے افکار کے پردے اتار کر دیکھو، تم دیکھو گے ایک دریتیم (بے مثل موتی) جس سے رسالت کی گردن مشرف ہوئی اور اس سے حلہ وحی کے نقش و نگار میں زینت آ گئی۔

اور اعتراف کرتے ہوئے یوں کہو۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (صافات:164)

(حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا کلام ختم ہوا)

ومن جواہر الامام الیافعی رضی اللہ عنہ

اس جوہر میں اس عظیم منصب کی طرف اشارہ ہے جو آپ ﷺ کے شرف عظیم میں مشاہدہ کیا گیا۔ اور تمام مقامات اصطفاء پر آپ کی قدر و شان اور مقام کی بلندی کا نظارہ کیا گیا۔ اور تمام کائنات کا آپ ﷺ کے نور سے مدد طلب کرنا اور تمام جہانوں کا آپ ﷺ کی بارگاہ میں اظہار نیازمندی کرنا (ان تمام چیزوں کا مشاہدہ کیا گیا) اور جو کچھ ظاہر ہوتا ہے کاملین و عارفین کیلئے عجائبات میں سے اور جو کچھ حاصل کرتے ہیں آپ ﷺ کی برکت سے (غیبی) خزانوں میں سے ان تمام کا تذکرہ ہے۔

ان واقعات میں سے یہ واقعہ بھی ہے جو شیخ کبیر عارف باللہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بلخی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت شیخ فرماتے ہیں میں نے بلخ سے بغداد کی طرف سفر کیا تا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کروں اس وقت میں جوان تھا۔ (بغداد پہنچنے پر) میں نے دیکھا کہ آپ اپنے مدرسہ میں عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور میں نے بھی اس سے قبل آپ رضی اللہ عنہ کی زیارت نہیں کی اور نہ ہی آپ نے مجھے دیکھا تھا۔ جب آپ نے سلام پھیرا لوگ آپ سے سلام لینے کیلئے دوڑ پڑے۔ میں بھی آپ کی طرف بڑھا اور آپ سے مصافحہ کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا اور میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اور فرمایا خوش آمدید اے بلخی۔ اے محمد بے شک اللہ تعالیٰ تیرے مقام اور تیری

نیت کو جانتا ہے۔ بلخی فرماتے ہیں۔ آپ کا کلام گویا زخموں کی دوا اور بیمار کیلئے شفا تھا۔ پس خشیت کی وجہ سے میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ ہیبت کی وجہ سے میرے کندھوں کی نرم ہڈیاں کانپنے لگیں۔ میرے باطن میں شوق و محبت کی فراوانی ہو گئی۔ اور مجھے مخلوق سے وحشت ہونے لگی اور میرے دل میں ایک کیفیت طاری ہو گئی جسے الفاظ میں کما حقہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کیفیت میں ترقی ہوتی رہی۔ پھر میں ایک اندھیری رات میں اپنے وظائف کیلئے اٹھا (تو یوں محسوس ہوا) گویا میرے دل سے دو ہستیاں نمودار ہوئی ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں پیالہ اور دوسرے کے ہاتھ میں خلعت ہے۔ صاحب خلعت نے کہا میں علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم ہوں اور یہ ایک مقرب فرشتہ ہے۔ یہ شراب محبت کا ایک جام ہے۔ یہ رضا کی خلعت ہے۔ پھر انہوں نے وہ خلعت مجھے پہنا دی اور جام مجھے تھما دیا۔ پس اس کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ جب میں نے وہ جام پیا تو میرے لئے غیبی رازوں سے پردے اٹھ گئے اور میں نے اولیاء اللہ کے مقامات کو دیکھ لیا اور اس کے علاوہ اور عجائبات کو بھی دیکھا۔

میں نے ایک مقام دیکھا جس کے دیکھنے سے عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی ہیبت سے اولیاء کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اور اس کی رونق کے سامنے دلوں کے راز ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کے نور کی شعاعوں سے بصیرت کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ ملائکہ، کروبین، روحانیین اور مقربین میں سے جس کا بھی سامنا اس مقام سے ہوتا ہے اس کی ہیبت کی وجہ سے ان کی کمریں جھک جاتی ہیں۔ اور اللہ کی تقدیس و پاکیزگی مختلف زبانوں سے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اور کہنے والا (اس مقام کو دیکھ کر) بول اٹھتا ہے اس کے مقام سے بلند کوئی مقام نہیں سوائے عرش رحمٰن کے اور دیکھنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی واصل کیلئے کوئی مقام یا کسی مجذوب کیلئے کوئی حال یا کسی محبوب کیلئے کوئی راز یا کسی عارف کیلئے کوئی علم یا کسی ولی کیلئے کوئی تصرف یا کسی مقرب کیلئے طاقت کا اختیار۔ یہ تمام خوبیاں اجمالاً، تفصیلاً، کلاً، بعضاً اسی مقام سے عطا کی جاتی ہیں۔

میں کچھ مدت وہاں ٹھہرا رہا لیکن اس مقام کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ پھر مجھے اس مقام کی طرف دیکھنے کی طاقت نصیب ہوئی لیکن اس مقام کے سامنے ہونے کی طاقت نہیں تھی۔ پھر مجھے اس کے سامنے ہونے کی طاقت نصیب ہوئی تو ایک مدت ٹھہرا رہا لیکن اس کے اندر کون ہے یہ جاننے کی جرأت نہ ہوئی۔

پھر مجھے علم ہوا کہ اس کے اندر کون ہیں میں جان گیا کہ اس کے اندر حبیب رب العالمین محمد ﷺ ہیں۔ اور آپ کی دائیں جانب آدم و ابراہیم اور جبرئیل علیہم السلام ہیں۔ اور بائیں جانب نوح و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ اور آپ کے سامنے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور آپ کی امت کے اولیا بھی آپ کے سامنے ہیں (رحمۃ اللہ علیہم) وہ خادموں کی حیثیت سے یوں باادب بے

حس وحرکت کھڑے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے ہے۔ صحابہ میں سے میں نے حضرت ابوبکر، عثمان، علی، حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم کو پہچان لیا۔ اور اولیاء میں سے معروف کرخی، سری سقطی، جنید بغدادی، سہیل تستری، تاج العارفین، ابوالوفاء، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عدی، شیخ احمد الرفاعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو میں نے پہچان لیا اور صحابہ میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب ترین تھے اور اولیاء میں سے حضرت غوث اعظم عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کے قریب ترین تھے۔

پس میں نے ایک منادی کو سنا وہ کہہ رہا تھا جب مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین اور مقبولان خاص اولیاء حضور ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں تو حضور ﷺ مقام اعلیٰ سے اس مقام پر تشریف لاتے ہیں۔ پس آپ کے دیدار سے ان کے انوار بڑھ جاتے ہیں اور آپ کی زیارت سے ان کے احوال پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کی برکت سے ان کے مقامات بلند ہو جاتے ہیں۔ پھر نعمت دیدار عطا کرنے کے بعد سرکار ﷺ اسی مقام اعلیٰ کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ بلخی فرماتے ہیں میں نے سنا تمام کہہ رہے ہیں ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ'' پھر قدس اعظم کے نور سے ایک بجلی چمکی اور اس نے مجھے مشہود سے غائب کر دیا اور مجھ سے میری تمیز ختم کر دی گئی اس حالت میں تین سال گزر گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں ''سامرا'' میں ہوں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی میرے سینے پر اپنا دست کرم رکھے ہوئے ہیں۔ اور آپ کا ایک قدم میرے پاس ہے اور دوسرا بغداد میں۔

اب میری تمیز (شعور کی حس) میری طرف لوٹ آئی تھی۔ اور میں اپنے ہوش میں تھا۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے تیرے وجود کی طرف لوٹا دوں اور تجھ سے قہر کی تجلی واپس لے لوں۔

پھر مجھے آپ نے اوّل سے آخر تک میرے مشاہدات اور احوال بتا دیئے گویا آپ کو لحہ لحہ کی اطلاع ہے۔ اور مجھے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سات مرتبہ گزارش کی تب تجھے اس مقام کو دیکھنے کی طاقت نصیب ہوئی اور اس مقام کا سامنا کرنے کیلئے بھی سات مرتبہ سوال کیا۔ اور سات مرتبہ سوال کیا تب تجھے علم ہوا کہ اس مقام کے اندر کون ہے اور سات مرتبہ التجا کی تب تجھے منادی کے سننے کی قوت ملی۔ اور سات مرتبہ سوال کیا تھا تب تیرے لئے وہ بجلی چمکی تھی۔ اور اس سے پہلے میں نے ستر مرتبہ تیرے لئے دعا کی تھی تب تجھے خلعت اور پیالہ نصیب ہوا تھا۔

اے میرے بیٹے جاؤ اور جو فرائض رہ گئے ہیں ان کی قضاء کرو۔

علامہ محقق شیخ احمد بن محمد بن ناصر اسلاوی کے گراں مایہ جواہر

علامہ محقق شیخ احمد بن محمد بن ناصر السلاوی نے ایک رسالہ لکھا جس کو "الاتفاق فی آیۃ اخذ المیثاق" کے نام سے موسوم کیا۔ میں اس رسالے کو بعینہٖ نقل کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام حمد و ستائش اللہ رب العزت کے لئے ہے جس نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ اس نبی محترم ﷺ پر ایمان لائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ سب اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے اور ان کی امتوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر انہیں یہ سعادت حاصل ہو کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں کو پالیں تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کی تائید کریں اور اور آپ ﷺ پر ہر موئے تن سے فدا ہو جائیں۔ اور ہر حالت میں آپ ﷺ کے دین کی حفاظت کریں کیونکہ دین قویم وہی ہے۔ بے پایاں درود اور ان گنت سلام ہوں اس ذات کریمانہ پر جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ (القلم)

"اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"۔

بے شمار سلام اور درود ہو آپ ﷺ کی آل پر اور اصحاب پر جنہوں نے اپنے وعدوں کی پاسداری کی نبی اکرم ﷺ کی نصرت و اعانت کی اور تبلیغ دین کی خاطر اپنی ارواح تک فدا کر دیں۔ اور سلام ہو ان بلند فال لوگوں پر جو قیامت تک آپ ﷺ کی اتباع کو حرز جاں بنائے رکھیں گے۔ حمد و ثناء اور درود سلام کے بعد! پروردگار کا بندۂ عاجز احمد بن محمد بن ناصر السلاوی اس رسالے کو رقم کر نیکی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف عمیم سے اس کو نوازے۔ اور وہ اس رسالے کا نام "تَعْظِيْمُ الْاِتِّفَاقِ فِي آيَةِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ" رکھتا ہے۔ میں اس رسالہ میں امام سبکی کی طرح مخالفت سے دامن بچاتے ہوئے اس میثاق کا تذکرہ کروں گا جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی محترم ﷺ کے لیے لیا جس کو اخلاق عالیہ سے نوازا گیا۔ اور اسے تمام مخلوق پر فضیلت دی گئی۔

یہ رسالہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل

آیۃ المیثاق کی تفسیر

اللہ رب العزت نے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و کرامت کو عیاں کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران:81)

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں۔ تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی"۔

اس آیت کی بہت سی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ وعدہ لیا کہ اگر محمد عربی ﷺ کو ان کے زمانہ میں مبعوث کیا جائے اور انہیں آپ ﷺ کے عہد رزیں کو پالینے کی سعادت حاصل ہو جائے تو وہ آپ ﷺ کے پر ضرور ایمان لائیں گے۔ آپ ﷺ کی مدد کریں گے۔ آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کریں گے۔ "رَسُوْلٌ" پر تنوین عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ ابن جریر اور ابن کثیر کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

"اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے ان سے نبی محترم ﷺ کے متعلق عہد لیا کہ اگر ان کی حیات ظاہری میں محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائیں تو وہ نہ صرف آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے بلکہ آپ ﷺ کی نصرت و تائید بھی کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ بھی عہد لیا کہ وہ اسی قسم کا عہد اپنی امت سے بھی لے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔

روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا فرمایا پھر آپ ﷺ کے نور سے سے تمام انبیاء کے نور کو پیدا فرمایا۔ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو نبوت اور کمالات رفیعہ عطا فرمائے پھر حکم فرمایا۔ کہ آپ ﷺ انبیاء کے انوار کو ملاحظہ فرمائیں۔ جنہیں آپ ﷺ کے نور سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے نور مبارک سے ان کے انوار کو ڈھانپ لیا۔ انبیائے کرام کے انوار کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی عطا فرمائی انہوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! یہ

ذات والا مرتبت کون ہے۔ جس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد بن عبداللہ ﷺ کا نور ہے۔ اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے میں تمہارے سروں پر تاج نبوت سجاؤں گا انہوں نے عرض کی مولا! ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہاری گواہی دوں؟ انہوں نے عرض کی ہاں مولا! تو ہمارا گواہ بن جا۔

اس آیت کریمہ میں اسی عہد و میثاق کا تذکرہ ہے اس آیت میں نبی محترم ﷺ کی وہ تعظیم اور عزت وشرف ہے جو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضور ﷺ کا ظہور تمام انبیاء کے بعد ہوگا اور انبیاء آپ ﷺ کے زمانہ کو نہ پاسکیں گے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تا کہ نبی اکرم ﷺ کی شرافت و کرامت کا اظہار ہو جائے اور تمام کو معلوم ہو جائے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے افضل ہیں ہر نبی اور اس کی امت پر واجب ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی نصرت فرمائیں۔ ''اٰتَیْتُکُمْ'' میں کم ضمیر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ہے اور ان کی امتیں ان کی تبع میں ہیں اور رسول میں ابھام تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہے۔

دوسری تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ وہ اس نبی پر ایمان لائے جو اس کے زمانہ میں تشریف لائے اور ان انبیاء پر بھی ایمان لائے جو ان کے بعد تشریف لائیں اور اس نبی کی حیات ظاہری میں اس کی مدد کرے اور اس کے وصال کے بعد اس کی امت اس کی مدد کرے۔ وہ اپنی قوم سے بھی اس نبی کی حمایت و نصرت کے لیے عہد لے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ محمد عربی ﷺ پر ایمان لائیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ اس صورت میں ''رَسُوْلٌ'' پر تنوین تعمیم کے لیے ہوگی۔ یعنی ہر وہ نبی جو کسی دوسرے نبی کے زمانہ میں مبعوث ہو تو اس کے لئے دوسرے نبی کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی مبعوث ہوئے تھے۔

اعتراض

اگر یہ تفسیر بیان کی جائے تو پھر اس آیت میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت برقرار نہیں رہتی۔

جواب

یہ عہد جو انبیاء کرام سے لیا گیا تھا یہ اجمالی ہے اور اس میں کسی نبی کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ جبکہ سرور

انبیاء ﷺ اپنے اسماء اور صفات کی وجہ سے معین ہیں۔ اس میں بھی تفصیل وتعیین کے لحاظ سے نبی محترم ﷺ کی تخصیص ہے۔

دوسرا جواب

شیخ شمس الدین الامیر نے بھی اس اعتراض کا جواب لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس تفسیر میں بھی نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ثابت ہے کیونکہ آپ ﷺ کے لیے تو دوسرے نبی سے عہد لیا گیا لیکن آپ ﷺ سے کسی نبی کے لیے عہد نہ لیا گیا کیونکہ نہ تو آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں کسی نبی نے آنا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے مبعوث ہونا تھا کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

تیسری تفسیر

اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کے واسطہ سے ان کی امتوں سے عہد لیا۔ اس صورت میں میثاق کی نبیین کی طرف اضافت انبیاء کے فاعل کی حیثیت سے ہوگی نہ کہ مفعول کی حیثیت سے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ''مِيثَاقُ اللّٰهُ وَعَهْدِهٖ'' اس وقت اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ '' جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے وہ عہد لیا جسے انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں سے عہد لے کر اس کو استحکام بخشا۔

چوتھی تفسیر

نبیین کا مضاف محذوف ہوگا اصل عبارت یوں ہوگی۔ ''مِيثَاقُ اَوْلَادِ النَّبِيّٖنَ'' اس اولاد سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ کیونکہ وہ عہد جو نبی نے اپنی اولاد سے لیا ہوگا وہ یقیناً خصوصیت کا حامل ہوگا۔ پہلی تفسیر میں صرف امتوں کا تذکرہ ہے اب انبیاء کی اولاد کا ذکر ہے۔ یعنی پہلی تفسیر میں انہوں نے اپنی امم سے یہ عہد لیا ان میں ان کی اولاد بھی شامل تھی اور اب وہ صرف اپنی اولاد سے عہد لے رہے ہیں خواہ وہ اولاد اس نبی کے والد کی امت ہو جس سے پہلے بھی عہد لیا جا چکا ہو اور یا کوئی اور امت ہو۔

پانچویں تفسیر

اس سے مراد اہل کتاب ہیں یہ عہد و میثاق ان کی اس بات کو رد کرنے کے لیے ہے جو وہ یہ کہا کرتے تھے۔ ہم محمد (عربی ﷺ) سے زیادہ نبوت کے مستحق ہیں کیونکہ ہم اہل کتاب ہیں اور انبیاء کا ظہور ہم میں سے ہی ہوتا رہا۔ اس عہد سے مراد وہ میثاق ہے جو اہل کتاب کے انبیاء سے لیا گیا گویا یہ اہل کتاب کے ساتھ استہزاء ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرآت بھی اس قول پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے ''اَلنَّبِيّٖنَ'' کی جگہ ''اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ'' پڑھا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کے پاس ایسا

رسول مکرم ﷺ تشریف لائے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو ان کے پاس ہو تو وہ ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں لیکن انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی بلکہ انہوں نے تکذیب کو اپنا وطیرہ بنایا۔

ان تفاسیر میں سے چار کا تذکرہ علامہ زمخشری نے اور پانچویں تفسیر کو امام بیضاوی نے نقل کیا ہے۔ اور ان تمام کو ''مواہب'' کے شارح نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے۔ یہ عہد و میثاق اس عہد و میثاق کے علاوہ ہے جس کا تذکرہ اس آیت مبارکہ میں ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ...... (احزاب:7) کیونکہ اس عہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا تھا اور ان سے فرمایا ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' جس عہد کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں وہ نبوت مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہے اور اگر وہ آپ ﷺ کا زمانہ اقدس پالیں تو پھر آپ ﷺ کی اتباع کرنے کا عہد ہے۔ لیکن بعض علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ انبیاء کرام سے یہ عہد ان کی خصوصیت اور شرف و قدر کی وجہ سے علیحدہ لیا گیا تھا۔ پہلے گروہ انبیاء سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا پھر تمام مخلوق سے یہ عہد لیا۔ سب سے پہلے جس ذات نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا وہ محمد ﷺ کی ذات والا شان ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ ہر چیز میں مقدم ہیں لیکن آپ ﷺ کا وجود اور بعثت ایک عظیم حکمت کی وجہ سے متاخر کر دی گئی۔

آپ ﷺ کی شریعت سب سے آخری شریعت ہے جو اپنی پہلی شریعتوں کو نسخ کرنے والی ہے لیکن اس شریعت بیضاء کے بعد ایسی کوئی شریعت نہیں جو اس کو نسخ کر دے۔ آپ ﷺ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی امت مرحومہ عرصہ دراز تک قبر میں نہیں رہے گی۔ اگرچہ یہ امت دنیا میں سب کے بعد آئی لیکن آخرت کے تمام امور میں یہ سابقہ امتوں سے آگے آگے ہوگی۔ انہیں یہ شرف حضور ﷺ کی وجہ سے ہی ملا۔ امت مصطفویہ ﷺ کے لیے سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔ انہیں سب سے پہلے اٹھایا جائے گا۔ سب سے پہلے انہی کے مابین فیصلہ ہوگا۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی سعادت انہیں کے حصہ میں آئے گی۔

جب انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر لیا تو انوار محمدیہ نے انہیں ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا گویا کہ انبیاء سے وہاں دو عہد لیے گئے۔ تمام انبیاء کی امتیں ان کی تبع میں تھیں۔ اقرار کر لینے کے بعد ارشاد ہوا ''اِشْهَدُوْا'' یعنی اپنے عہد پر مداومت اختیار کرو۔ اور اس اقرار اور عہد نامے کا اعتراف کرو اس جگہ شہادت سے مراد علم اور اعتراف ہے۔ ممکن ہے یہاں اشھدوا سے مراد یہ ہو کہ اپنی امتوں کو اس عہد کی خبر دو۔ اور ان کے سامنے اس کا اعتراف کرو تا کہ وہ بھی اس کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔ گویا کہ شہادت سے مراد آگاہ کرنا ہے۔

اَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ

میں بھی تمہارے اقرار اور تمہاری گواہی پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔ اس طرح میرے ملائکہ بھی تم پر گواہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان سے عہد نامے اور میثاق کو مزید مؤکد کر دیا ہے تا کہ (معاذ اللہ) انبیاء اس عہد کو نہ مخفی رکھیں اور نہ ہی اس کا انکار کریں لیکن انبیاء تو معصوم ہوتے ہیں۔ یا یہ تحذیر کیلیے ہے تا کہ ان کی امتیں اس سے رجوع نہ کریں کیونکہ فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ (آل عمران:82) انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے نہیں بلکہ امتوں کے لئے ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شہادت کو جان لیا اور وہ ایک دوسرے کی گواہی سے آگاہ ہو گئے تو ان کے لیے اس میثاق سے روگردانی ممتنع ہو گئی۔ کیونکہ اعراض کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ امتوں کی عادت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عہد نامے سے رجوع کرنے والی امم کے لیے فرمایا۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (مائدہ:47) ''یہی فاسق ہیں''۔

اُولٰٓئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے وہ عہد کیا، اقرار کر کے اس کو مؤکد کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت اور بعض لوگوں کی گواہی تسلیم کر لینے کے بعد روگردانی کی۔

اِشۡهَدُوۡا سے مراد یہ ہے کہ اپنی اقوام کو آگاہ کرو کہ میں تمہارا گواہ ہوں کہ میرے انبیاء علیہم السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی۔ تم میں سے جو ایمان لایا میں اسے بھی جانتا ہوں اور جو کفر پر ڈٹا رہا میں اس سے بھی آگاہ ہوں۔

''ثُمَّ جَآءَكُمۡ'' اس آیت میں بھی خطاب انبیاء کرام سے ہی ہے اور ان کی امتیں ان کی تبع میں ہیں۔ ''رسول'' ''فعول'' کے وزن پر ہے اور اس سے مراد مصدر ہے یعنی یہ ''رسالت'' کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ بطور جمع بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ''اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ'' اس آیت میں رسول بطور جمع ہے۔ مفرد نہیں جس نے مفرد سمجھا اس نے غلطی کی حتیٰ کہ اس نے یہ گمان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ایک رسالت میں شریک ہیں اس نے کفر کیا کیونکہ اس نے ان دونوں میں کمی کی۔ بعض اوقات یہ مطلق بولا جاتا ہے لیکن یہ مرسل کے معنی میں ہوتا ہے۔ مثلاً ''اَنَا رَسُوۡلَا رَبِّكَ'' اس وقت یہ جمع بھی بنتا ہے اور تثنیہ بھی۔

''مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ'' یا تو اس سے مراد وہ کتاب وحکمت ہے جو سابقہ امتوں کو عطا کی گئی۔ یا پھر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے تمام شریعتوں کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگرچہ ان شریعتوں کے حلال وحرام کے بعض مسائل میں اختلاف بھی ہو۔ کیونکہ یہ اختلاف کسی خاص حکمت کی

وجہ سے ہے جسے اللہ رب العزت جانتا ہے۔

ہماری اس وضاحت سے اس شخص کا سوال خود بخود ہی ختم ہوگیا جو یہ اعتراض کرتا ہے کہ انبیاء کرام کی شریعتوں میں اتنا اختلاف ہے پھر نبی اکرم ﷺ ان کے مصدق کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے۔ یہ اختلاف نبی اکرم ﷺ کا سابقہ شریعتوں کے مصدق ہونے کے مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی امت کی طرف مخصوص احکام دے کر بھیجا ہے۔

دوسری فصل

آیت مبارکہ کا اعراب

وَاِذْ اَخَذَ: یہ ظرف ہے اصل عبارت یوں تھی اُذْكُرْ يَامُحَمَّدُ وَقْتَ اَیْ حِيْنَ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ۔ اے محمد ﷺ! اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد لیا تھا۔

میثاق

یہ مصدر ہے یا تو مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی "اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ عَلَى النَّبِيّٖنَ" جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا۔ اس صورت میں امتیں انبیاء کی تبع میں ہوں گی یا یہ فاعل کی طرف مضاف ہوگا۔ یعنی "اَلْمِيْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَهُ النَّبِيُّوْنَ عَلٰى اُمَمِهِمْ" وہ عہد جو انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں سے لیا میثاق کا معنیٰ "حلف" ہے عہد کو میثاق اس لیے کہتے ہیں کہ عہد کرنے والا پہلے آزاد ہوتا ہے پھر عہد کرنے کے بعد اپنے عہد سے مربوط ہو جاتا ہے۔ جو جانور اس طرح بندھا ہوا ہو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق حرکت نہ کر سکے اس کو "دَابَةٌ مَرْبُوْطَةٌ مُوْثَقَةٌ" کہتے ہیں کہا جاتا ہے یہ میثاق ہی عہد نامہ ہے اور اگر میثاق سے مراد قسم لی جائے جیسا کہ لام قسم اس پر دلالت کر رہا ہے تو پھر عہد اس سے اعم ہو جائے گا۔

ایک دوسرے قول کے مطابق "اِذْ" "اُذْكُرُوْا" کے متعلق ہے۔ یعنی اے اہل کتاب اس وقت کو یاد کرو۔ اگر اس سے ان کی پوری جمعیت مراد لی جائے تو پھر یہ معنیٰ ظاہر ہے اور اگر اس سے صرف وہ لوگ مراد لیے جائیں جو حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں موجود تھے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ جو کچھ ان کے آباء واجداد پر نازل ہوا گویا کہ وہ ان پر ہی نازل ہوا۔ یا اصل عبارت یوں ہوگی۔ "اُذْكُرُوْا اِذْ جَاءَ آبَاءَكُمْ"

بعض علماء فرماتے ہیں کہ "اِذْ، اَقْرَرْتُمْ" کے متعلق ہے "اَقْرَرْتُمْ" کے مؤخر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

لما

میں لام مفتوح کو لام التوطئۃ کہتے ہیں۔ اور اس میم کو میم مخففہ کہتے ہیں اس کو موطۂ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ جواب قسم کے طریق کو آسان بنا دیتی ہے یعنی سامع کو جواب سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عہد و میثاق قسم کے مفہوم میں ہے اور لتومنن میں لام جواب قسم ہے لَمَا اٰتَیْتُکُمْ میں "ما" موصولہ ہے جس میں شرط کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور اصل عبارت یہ تھی۔ "مَھْمَا آتَیْتُکُمْ مِنْ کِتَابٍ"

لتومنن

یہ جواب قسم اور جواب شرط دونوں کے قائم مقام ہے اور موصولہ "اَلَّذِی آتَیْتُکُمُوْہٗ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ" کے معنی میں ہے اس صورت میں صلہ اپنے موصول کی طرف راجع ہے۔ اگر ما میں شرط کے معنی پائیں جائے تو پھر یہ آتَیْتُکُمْ کا مفعول ہے۔ موصولہ مبتداء ہے "لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ" جواب قسم کے قائم مقام اور مبتداء کی خبر ہے۔ درحقیقت اس کی خبر "تُؤْمِنُوْنَ بِہٖ" محذوف ہے۔ یہ ما خواہ موصولہ ہو یا شرطیہ "مِنْ کِتَابٍ" میں من بیانیہ ہے۔

مَامَعَکُمْ میں "ما" مبتداء ہے جو الذی کے معنی میں ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ کی خبر ہے۔ اگرچہ یہ دونوں ضمیریں "رَسُوْلٌ" کی طرف راجع ہیں لیکن جب ارشاد ہوا "رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ" تو پھر کلام کا آپس میں ربط ہو گیا تو پھر وہ ضمیر جو رسول کی طرف راجع ہے اس نے مبتدا کی طرف ضمیر کو راجع کرنے سے مستغنی کر دیا۔ جملہ کے درمیان کسی ضمیر کا کسی دوسری ایسی ضمیر سے مستغنی کر دینا جو مبتداء یا شرط کی طرف راجع ہو یہ اخفش اور کسائی کا مذہب ہے۔ حمزہ نے اس کو کسرہ کیساتھ یعنی لما پڑھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں ہے کیونکہ یہاں وہ کوئی چیز بیان نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ ایک احسان کو یاد دلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعض کتب ان پر نازل کر کے ان پر کیا۔ اس قرأت کا معنی یہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے تمہیں کچھ کتابیں دے کر اور بعض حکمت سکھا کر تم پر احسان کیا ہے اب اگر میرا رسول تمہارے پاس تشریف لائے تو اس پر ایمان لانا۔ اس صورت میں لام لَتُؤْمِنُنَّ کے متعلق ہے۔ لیکن یہ اس طرح نہیں کیونکہ یہ عبارت اس لیے محذوف مانی گئی ہے تاکہ مفہوم واضح ہو جائے۔ جہاں تک اس فعل کا تعلق ہے جس کو محذوف نکالا جائے گا وہ اقسم ہے۔ اس قرأت کے مطابق ما مصدریہ ہے اور دونوں فعل "اٰتَیْنَاکُمْ وَجَآءَکُمْ" ایتاء اور مجی کے معنی میں ہیں اور لام تعلیل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اس لیے لیا تاکہ تم رسول مکرم ﷺ پر ایمان لاؤ اور ان کی نصرت کرو۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں کتاب وحکمت عطا کی ہے اور تمہارے نبی نے بھی تمہیں یہی حکم دیا ہے کہ تم اسی نبی محترم ﷺ

کی مدد کرو۔ اسی وجہ سے تمہیں عقل و دانش کی خوبیاں عطا کی گئی ہیں تا کہ تمہیں جہاں حق نظر آئے اس کے لیے دیدۂ و دل فرش راہ کر دو۔ اور میرے نبی محترم ﷺ ایسا پیغام لے کر تشریف لائے ہیں جو تمہارے دین کے موافق ہے۔

مفتوح لام ابتداء کے لیے ہے اور اخذ میثاق میں قسم کے معنی کی تاکید کے لیے ہے اور اگر یہ مکسور ہو تو یہ اخذ کے متعلق ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ما موصولہ ہو۔ اس وقت بھی یہ علت کے لیے ہی ہوگا۔ یعنی میں نے ان انبیاء کرام ﷺ پر اس نبی محترم ﷺ کی مدد کرنا صرف اس لیے واجب قرار دیا ہے کیونکہ میں نے ان میں سے ہر ایک کو کتاب دی ہے۔

جاءکم کا صلہ پر عطف ہے۔ یہاں اسم ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھا گیا ہے اصل عبارت یوں ہے۔ ''لَمَا اٰتَیْتُکُمُوْہُ مِنَ الْکِتَابِ ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لَّہٗ''

اعتراض

یہ ما موصولہ کیسے ہو سکتا ہے پھر جَاءَ کُمْ کا عطف اٰتَیْتُکُمْ پر کیسے ہو سکتا ہے اور اسے صلہ کے حکم کے تحت کرنا کیسے جائز ہے۔

جواب

ان دونوں فقرات کا عطف کرنا جائز ہے کیونکہ مَا مَعَکُمْ۔ اٰتَیْتُکُمْ کے معنی میں ہے۔ یعنی ان سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ موصول کی طرف راجع ضمیر محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے۔

اَلَّذِی اٰتَیْتُکُمُوْہُ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لَّہٗ

نبیین

نبیین کو نبیئین بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ نبوۃ سے مشتق ہوگا۔ ہمزہ کو یاء میں تبدیل کر کے اور یاء کو یاء میں مدغم کر کے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ نبأ یا نبوۃ سے مشتق ہوگا۔ اسی طرح اٰتَیْتُکُمْ اور اٰتَیْنَاکُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔

نبی اور رسول کے معنی میں اختلاف ہے کہ یہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں یا ان میں اختلاف ہے یا رسول نبی سے اخص ہے۔ اگر ان کا معنی مختلف ہو تو پھر نبیین کے بعد ''رسل'' کو محذوف سمجھیں گے۔ اور اگر ان کا معنی ایک ہی ہو تو پھر محذوف نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اصری

اصری سے مراد عہد ہے۔ یہ ہمزہ کے کسرہ کیساتھ ہے اس کو ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا

ہے۔عہد کو اصر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ان اشیاء میں سے ہے جن کی گرہ لگا کر انہیں پختہ کیا جاتا ہے اسی سے اصار ہے خیمے کی رسی کو اصار کہتے ہیں عہد کو اصر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ نفس پر بوجھ ہوتا ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور یہ ٹوٹنے نہ پائے۔اس کی جمع آصار آتی ہے اور در حقیقت اس کا معنی بوجھ ہے۔ارشادِ ربانی ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (بقرہ:286) یعنی اے مولا! احکام شریعت میں ہم پر زیادہ بوجھ نہ ڈال۔اصر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو اپنے اٹھانے والے کو عاجز کر دے اور وہ اس کو اٹھا نہ سکے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھا کہ قصاص ضرور لیا جائے وہاں عفو و درگزر اور صلح کا کوئی تصور نہ تھا۔کپڑے کا ناپاک حصہ کاٹنا واجب تھا۔وغیرہ اس قسم کے بوجھ تھے جو ہماری شریعت بیضاء میں نہیں ہیں۔ایسی تکلیف جو مکلّف پر شاق گذرے اس کو بھی اصر کہتے ہیں۔اسی وجہ سے قسم کو بھی اصر کہتے ہیں کیونکہ وہ کسی عمل کو مضبوط کرتی ہے۔"تُؤْمِنُنَّ وَ تَنْصُرُنَّ" اصل "تُؤْمِنُوْنَ اور تَنْصُرُوْنَ" تھے۔نون تاکید لگانے سے جمع کی نون ختم ہو گئی۔اب واؤ اور نون دو ساکن جمع ہو گئے۔ واؤ کو حذف کر دیا اور اس سے پہلے ضمہ اس کے حذف کے دلیل ہے۔

تیسری فصل

اس آیۃ کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کی ایک بہت بڑی نعت بیان کی گئی ہے۔علامہ التقی السبکی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک رسالہ رقم کیا ہے انہوں نے اس کا نام "اَلتَّعْظِيْمُ وَالْمِنَّةُ فِي مَعْنَى قَوْلِهٖ تَعَالٰى لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" رکھا ہے۔وہ اس میں لکھتے ہیں۔

یہ آیۃ مبارکہ نبی اکرم ﷺ کی رفیع منزلت اور بلند عظمت کو آشکار کرتی ہے اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر سرورِ دو عالم ﷺ دیگر انبیائے کرام کے زمانہ میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ ان کے بھی رسول ہوں گے۔آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت میں عمومیت پائی جاتی ہے۔آپ ﷺ حضرت آدم سے لے کر روزِ حشر تک تمام مخلوق کے رسول ہیں۔تمام انبیاء اور ان کی امتیں آپ ﷺ ہی کی امت ہیں۔تمام انبیاء اور رسل کی رسالت و نبوت بھی برقرار ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ ان تمام کے رسول ہیں۔اس طرح اگر کوئی سابقہ نبی یا رسول امت محمدیہ ﷺ میں تشریف لائے تو اس کی نبوت یا رسالت کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں تشریف لائیں گے۔ہمارے نبی کریم ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور تمام رسل علیہم السلام آپ ﷺ کے نائب ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان "بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً" عرب، عجم، سرخ و سفید، جن و ملائکہ کو شامل ہے۔ اس قول سے مراد یہ نہیں کہ آپ ﷺ اپنی بعثت سے لے کر روزِ قیامت کے رسول ہیں۔بلکہ آپ

ﷺ اپنے زمانہ اقدس سے پہلے لوگوں کے بھی رسول ہیں۔ روایت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں سے یہ عہد لیا کرتے تھے کہ جب محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوں اور وہ ان کے عہد ہمایوں کو پالیں تو وہ ان پر ایمان بھی لائیں اور ان کی مدد کرنا بھی اپنے لئے سعادت سمجھیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں۔ جن لوگوں سے یہ عہد و میثاق لیا گیا وہ لوگ تھے جو حضور ﷺ کی بعثت کے وقت موجود تھے کیونکہ اس وقت اس جہان رنگ و بو میں کوئی نبی نہ تھا اس لیے وہ کئی امتوں میں منقسم تھے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لینے کے بعد فرمایا

اگر انہوں نے روگردانی کی تو وہ فاسق و فاجر ہوں گے۔ لیکن سچ تو یہ ہے اگر انبیاء و رسل حضور ﷺ کے زمانہ میں اس دنیا میں موجود ہوتے تو ان کے لیے لازم تھا کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں۔ اگر یہ قول کر لیا جائے تو پھر نہ تو کسی بات کو فرض کر لینے کی ضرورت رہتی ہے اور نہ کسی عبارت کو محذوف ماننے کی احتیاج۔

جب یہ علم ہو گیا کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں موجود ہوتے تو ان کے لیے سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانا واجب تھا۔ اگر وہ اعراض کرتے تو وہ روگردانی کرنیوالے شمار کیے جاتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام امتوں پر بھی واجب تھا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ اس عہد میں صرف انبیاء کا تذکرہ اس لیے ہے تاکہ مقصود حاصل کرنا آسان ہو۔

اگرچہ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ سابقہ انبیاء حضور ﷺ کے عہد زریں کو نہ پاسکیں گے تو پھر بھی اس نے یہ عہد اس لیے لیا تاکہ آپ ﷺ کی رفعت و عظمت آشکارہ ہو جائے ان کی امتیں آپ ﷺ سے آشنا ہو جائیں۔ انہیں معلوم ہو جائے کہ تاجدار مدینہ ﷺ ان سے مقدم ہیں۔ آپ ﷺ ان کے نبی اور رسول ہیں۔ اور انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو آپ ﷺ کے متعلق بتا سکیں کہ آپ ﷺ نبی الانبیاء ﷺ ہیں۔ اسی وجہ سے روز حشر تمام انبیاء آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ دنیا کو اس وقت آپ ﷺ کی عظمت و سطوت کا علم ہوا جب شب معراج آپ ﷺ نے تمام انبیاء کو امامت کرائی۔ اگر آپ ﷺ کسی نبی کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو اس نبی پر اور اس کی امت پر آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی نصرت و تائید واجب تھی۔ اس کا دارومدار آپ ﷺ کا ان کیساتھ جمع ہونے پر تھا لیکن کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دیگر انبیاء دنیا میں موجود نہ تھے اس لیے یہ متاخر ہو گیا۔ اگر آپ ان کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو بلاشبہ ان پر آپ ﷺ کی اتباع لازم تھی۔ اسی وجہ سے آخری زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے وہ اس وقت نبی بھی ہوں گے اور اس امت کے ایک

فرد بلکہ صحابی شمار ہوں گے کیونکہ وہ حضور ﷺ کی شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ زندہ ہیں اور شب معراج سرور کائنات ﷺ کے دیدار سے بھی مشرف ہوئے اس لیے وہ مرتبہ صحابیت پر بھی فائز ہیں۔

وہ شریعت مصطفویہ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے اور قرآن وسنت سے اسی طرح احکام مستنبط کریں گے جس طرح آئمہ مجتہدین کیا کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ جزیہ کو ساقط کرنے کا حکم فرمائیں گے کیونکہ وہ اجتہاد کریں گے کہ جزیہ کا قبول کرنا ایک مقررہ مدت تک تھا اب ان کے نزول کی وجہ سے یہ ساقط ہو چکا ہے۔

اگر مصطفیٰ پاک ﷺ کسی اور نبی یا رسول کے زمانہ میں تشریف لاتے۔ تو وہ نبی یا رسول ﷺ اپنی نبوت و رسالت پر بھی برقرار رہتا اور نبی مکرم ﷺ بھی ان تمام کے رسول اور نبی ہوتے۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت سب کو شامل، سب سے عظیم اور سب سے وسیع ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے یوں عیاں کیا جا سکتا ہے۔

ایک ایسا بادشاہ ہو جس کے کئی وزیر ہوں ہر وزیر کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ بذات خود نہی و امر کے احکام نافذ کر سکے بادشاہ ان تمام وزراء کے تمام احکام سے اتفاق رکھتا ہو اور اگر اس کا ان سے کوئی اختلاف بھی ہو تو اس میں بھی ایک بلیغ حکمت پوشیدہ ہو جو اس حکم کا تقاضا کرتی ہو تمام وزراء اور ان کے تمام پیروکار شہنشاہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوں۔ وہ اس کی ہر بات کو سن کر اس پر عمل پیرا ہونا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہوں اور ان کا بعض احکام میں اختلاف ان کی محبت وعقیدت میں کسی قلت کا سبب نہ بنتا ہو۔

حضور ﷺ کی عظمت وسطوت بھی اسی طرح ہے۔ اگر آپ ﷺ ان تمام رسل کے زمانہ میں یا ان میں سے کسی ایک کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو آپ ﷺ ان کے نبی و رسول ہوتے۔ اور ان میں سے ہر رسول اور نبی اپنی اپنی امت کی طرف بھی نبی یا رسول ہوتا۔ اگر آپ ﷺ ان کو کوئی حکم فرماتے تو اس حکم میں تمام امتیں شامل ہوتیں اگرچہ آپ ﷺ ان کے نام نہ بھی لیتے۔ ہر نبی علیہ السلام کا فیصلہ نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے تقاضا کے مطابق ہوتا اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو جاتا تو وہ اپنے سردار اور راہ نما ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ اس کی شریعتوں میں اختلاف اس حکمت کی وجہ سے ہوتا جس کا تقاضا مختلف شہروں میں اقامت گزیں لوگوں کی عادات اور رسم و رواج کرتے۔ اگر ہم یہ نقطہ نظر اپنائیں کہ حضور ﷺ کی شریعت ان کی شریعتوں کی ناسخ نہ ہوتی تو پھر دیگر انبیاء کی شریعتیں باقی رہتیں اور انبیاء کا یہ اختلاف آئمہ مجتہدین کے اختلاف کی طرح ہوتا۔ اور اگر ہم یہ قول

کریں کہ آپ ﷺ کی شریعت بیضاء دیگر شریعتوں کی ناسخ ہوتی تو پھر معاملہ بڑا واضح ہے اس صورت میں تمام انبیاء کی شریعتیں درحقیقت آپ ﷺ ہی کی شریعت ہوتیں۔ اور ان کے احکام لوگوں، اوقات، اور مقامات کے بدلنے سے بدلتے رہتے۔

ہماری اس بحث سے حدیث "کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" کا مفہوم بھی عیاں ہو گیا۔ اس حدیث کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ نبی ہوں گے کیونکہ اللہ کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے اس وقت بھی وہ تمام انبیاء کی نبوت سے آگاہ تھا اور اس سے پہلے بھی علم رکھتا تھا۔ یقیناً یہ سید المرسلین ﷺ کی خصوصیت ہے اور اسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے یہ حدیث بیان فرمائی تا کہ آپ ﷺ کی امت مرحومہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کچھ آگاہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ نبی محترم ﷺ کی یہ خصوصیت اس وقت بھی ایک امر ثابت تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو اجسام سے پہلے تخلیق فرمایا شاید "کُنْتُ نَبِیًّا" سے آپ ﷺ کی روح مقدس کی طرف اشارہ ہو یا اس کی حقیقت کی طرف اشارہ ہو جبکہ حقائق ہمارے احاطہ عقل میں نہیں آسکتے ان حقائق میں سے ہر حقیقت کو اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے اور جیسے چاہے ظاہر فرما دے حضور ﷺ کی حقیقت تخلیق آدم سے پہلے ہی نبوت کے لیے تیار کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس عظیم وصف سے متصف کر دیا آپ پر انوار و تجلیات کی بارش کر دی آپ ﷺ کے سر مبارک پر خاتم النبیین کا تاج سجا دیا گیا آپ ﷺ کا اسم مبارک عرش پر رقم کیا گیا۔ اور آپ ﷺ کی رسالت کے اعلانات کیے گئے۔ تا کہ ملائکہ وغیرہ آپ ﷺ کی اس قدر و عزت سے آشنا ہو جائیں جو آپ ﷺ کو بارگاہ ربوبیت سے حاصل ہوئی اس وقت بھی آپ کی حقیقت موجود تھی اگر چہ آپ کا پیکر جمیل بعد میں تخلیق کیا گیا۔ آپ ﷺ کی حقیقت کو یہ اوصاف تخلیق آدم سے بہت پہلے عطا کیے گئے۔ لیکن آپ ﷺ کی بعثت اور تبلیغ کو متاخر کیا گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ اس جہان میں جلوہ گر ہو گئے۔ المختصر مخلوق کا کوئی کمال آپ ﷺ کے کمال سے بڑا نہیں اور نہ ہی کوئی مقام آپ کے مقام سے معزز اور ذی شرف ہے حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ کمالات رفیعہ تخلیق آدم سے پہلے ہی عطا کر دیے گئے تھے۔ یہ کمالات آپ ﷺ کی حقیقت کو عطا کیے گئے۔ پھر تمام انبیاء سے آپ ﷺ کے بارے میں عہد اور میثاق لئے گئے۔ یہ عہد نامے اور میثاق اس بیعت کی طرح تھے جو خلفاء کے لیے لی جاتی ہے۔ شاید یہ بیعت ہی ہو جو تمام انبیاء سے لی گئی۔ ذرا نبی اکرم ﷺ کی عظمت ملاحظہ کرو۔ اس طرح "کُنْتُ نَبِیًّا" کا معنی بھی واضح ہو گیا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ نبی ہوں گے۔

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوگئی تو سلسلہ وحی کا آغاز ہوا کیونکہ لوگ آپ ﷺ

کے کلام کو سننے کی تاب نہ رکھتے تھے اور نہ وہ اس کلام کو قبول کر سکتے تھے اور اگر وہ اس قابل ہوتے اور ان میں اتنی تاب ہوتی تو پھر آپ ﷺ کی ذات تو ہر عیب اور نقص سے پاک تھی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کے لیے کسی شخص کو وکیل بنائے تو اگر کفو (ہم مرتبہ خاندان) پایا جائے گا تو وکالت صحیح ہوگی اور وکیل بھی اس وکالت کا اہل ہوگا۔ اور اگر عرصہ دراز تک کفو نہ مل سکے تو اس کی وجہ سے وکیل کی وکالت کی صحت اور وکیل کی اہلیت میں کسی اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔

لَتُؤْمِنُنَّ سے مراد آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہے۔ اللہ رب العزت نے محمد عربی ﷺ کو اس فضل کے ساتھ مختص فرمایا جس کے ساتھ کسی اور ذات کو مختص نہیں فرمایا اسی وجہ سے آپ ﷺ کو تمام مخلوق پر فضیلت ملی۔ وہ عزت و کرامت یہ ہے کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے آپ ﷺ کے متعلق عہد لیا لیکن آپ ﷺ سے کسی کے لیے عہد نہ لیا گیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت تمام انبیاء کی شریعتوں کی ناسخ ہے اور جو شخص بھی آپ ﷺ کے زمانہ کو پالے اس پر واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِي

''اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے علاوہ انہیں کوئی چارہ نہ ہوتا''۔

تورات اور انجیل میں بہت سے ایسے دلائل ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ''جَاءَ كُمْ'' میں خطاب ان اہل کتاب سے ہے جو حضور ﷺ کے ہم عصر تھے۔ اللہ رب العزت نے انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ نسل در نسل یہ عہد لیتے رہیں۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی اس عہد کا علم ہو جائے۔ جو حضور ﷺ کے ہم عصر ہوں تاکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی اعانت کرنے کو اپنے لیے سعادت سمجھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی جس شخص نے میرے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کا انکار کرنیوالا ہو تو میں اسے آتش جہنم کے سپرد کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولا! احمد مجتبیٰ ﷺ کون ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے مخلوق میں کسی ایسی چیز کو پیدا نہیں کیا جو ان سے افضل و اکرم ہو زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے میں نے ان کا نام مبارک اپنے مبارک نام کے ساتھ عرش پر لکھا جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے گی اس وقت تک جنت تمام مخلوق پر حرام ہوگی حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے عرض کی مولا! ان کی امت کس اوصاف سے متصف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حمادون ہوں گے (یعنی وہ ہر چڑھائی اور اترائی پر حمد وثنا کے نغمے الاپیں گے) وہ اپنے وسط میں تہہ بند باندھیں گے۔ وہ پہلوؤں کو پاک رکھیں گے۔ وہ دن کے شیر اور رات کے راہب ہوں گے۔ میں ان سے قلیل عمل بھی قبول کرلوں گا اور صرف ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولا! مجھے اس امت کا نبی بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا نبی ان میں سے ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولا! پھر مجھے ان امت میں سے بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں مقدم اور انہیں متاخر کیا ہے۔ لیکن عنقریب میں تمہیں ''دار جلال'' میں جمع کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پڑھا جو اوصاف جمیلہ سے متصف تھی جب بھی وہ ان کے کسی وصف کی تلاوت کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دست سوال دراز کرتے کہ وہ ان کی امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرماتا یہ تو مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ بالآخر انہوں نے عرض کی مولا مجھے حضور ﷺ کی امت میں سے بنا دے۔ مجھے احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت میں سے اٹھا اور مجھے ان لوگوں میں کردے جو حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت سے محبت کریں۔

چوتھی فصل

امام تقی سبکی کی اس بحث پر اعتراض اور اس کا جواب

امام سبکی کی مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی ایک نبی یا مرسل یا تمام انبیاء اور رسل کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام کے رسول ہوتے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت حضرت آدم سے لے کر قیامت تک ہے آپ ﷺ تمام مخلوق کے رسول ہیں۔ تمام انبیاء اور ان کی امتیں درحقیقت آپ ﷺ ہی کی امت ہیں۔ وہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کے بھی نبی ہیں۔ ''بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً'' سے مراد صرف وہ لوگ نہیں جو آپ ﷺ کے عہد ہمایوں سے لے کر تا روز حشر اس جہان رنگ و بو میں آئیں گے بلکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے۔ تمام عرب وعجم، کالے وسرخ جن وانس بلکہ ملائکہ کے بھی آپ ﷺ رسول ہیں۔

لیکن شہاب خفاجی نے نسیم الریاض شفا کی شرح میں اس قول پر اعتراض کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سابقہ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام انبیاء حضور ﷺ کی شریعت کے تابع تھے اور ان پر آپ

ﷺ کی اتباع لازم تھی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ امت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) امت دعوت (۲) امت اجابت

(۱) امت اجابت پر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کریں اور آپ ﷺ کے پیغام کے صدق پر یقین رکھیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت کی اتباع کرنے کے بھی مکلف ہوں اسی طرح تمام رسل و انبیاء آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کے ترانے گاتے رہے۔ آپ ﷺ کی محبت کا دم بھرتے رہے لیکن وہ آپ ﷺ کی شریعت مطرہ کے مکلف نہ تھے۔ ورنہ وہ نہ تو اصحاب شرع ہو سکتے اور نہ مستقل کتاب کے حامل ہو سکتے۔ عقلی اور نقلی بہت سے ایسے دلائل ہیں جو اس نقطہ نظر کا رد کرتے ہیں جو امام سبکی نے بیان کیا ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (نساء:163)

"بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو بعد میں آئے"۔

جواب

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا "میں نے تمہیں پہلے مبعوث کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو بعد میں مبعوث کروں گا لیکن میں عنقریب تمہیں دار جلال میں جمع کروں گا۔

یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور نہ ہی دیگر سابقہ انبیاء سے آپ ﷺ کی اتباع کی نفی کی جا سکتی ہے۔ دیگر انبیاء نے آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی نہ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس سے پہلے تشریف لائے۔ اور وہ سب ایک زمانہ میں جمع نہ ہو سکے۔ اگر وہ سب ایک زمانے میں جمع ہو جاتے تو ان پر حضور ﷺ کی اتباع لازم ہوتی۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں موجود ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی آرزو کو ضرور پورا فرماتا اور انہیں حضور ﷺ کی امت میں سے کر دیتا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت حضور ﷺ کی امت میں نہ ہو سکتے تو پھر وہ یہ آرزو کیسے کر سکتے تھے کہ مولا! مجھے حضور ﷺ کی امت میں بنا دے اور اگر وہ نبی اکرم ﷺ کے عہد رزیں میں تشریف لاتے تو وہ یقیناً آپ کی امت میں سے ہوتے جہاں تک اعتراض کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو امام سبکی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام اس شریعت کے مکلف ہوتے جو حضور ﷺ کی شریعت کیساتھ خاص ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ اگر انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے زمانہ میں کائنات میں موجود ہوتے تو حضور ﷺ ان کے بھی نبی اور رسول ہوتے اور ان کی شریعتیں بعینہ حضور ﷺ کی شریعت ہوتیں اور ان میں کوئی

اختلاف نہ ہوتا۔اور اگر نبی اکرم ﷺ ان انبیاء کرام کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو حضور ﷺ ان کے بھی نبی ہوتے لیکن ان کے احکام ان ہی کے ساتھ مختص ہوتے۔ ان کی شریعتیں دراصل آپ ﷺ کی شریعت کا ہی ایک حصہ ہوتیں اور وہ اس وقت شریعت کے ان احکام کے مکلّف ہوتے جو ان کے لیے مختص کر دیے جاتے۔ اور وہ احکام ہی ان کی شریعت ہوتی۔ کیونکہ وہ احکام ان انبیاء کے ساتھ مختص ہوتے اس لیے نسخ بھی لازم نہ آتا۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت کے لحاظ سے یہی شریعت ہوتی اور دیگر انبیاء کرام کی شریعتیں ان کی امم کے لحاظ سے اس شریعت کا عین ہوتیں اور اگر آپ ﷺ تمام امم کو ایک حکم فرماتے تو پھر کسی کے لیے بھی اختلاف کرنا ممکن نہ رہتا۔ اس وقت تمام انبیاء کی شریعتیں آپ ﷺ کی شریعت کی فرع ہوتیں۔ ان کے احکام افراد، زمانہ اور جگہ کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے رہتے۔

امام سبکی کا یہ قول زیادہ عجیب نہیں ہے الا یہ کہ وہ تبلیغ بالفعل کا ارادہ کریں لیکن اگر وہ صرف حضور ﷺ کے مبعوث ہونے، نبی اکرم ﷺ کا وصف نبوت و رسالت سے متصف ہونے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ملنے کا قول کریں تو یہ درست ہے۔ ان کے کلام میں اس چیز کا وضاحتؔ کے ساتھ تذکرہ ہے۔ علامہ سبکی کے اس قول میں صرف ان علماء کا اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس حدیث مبارک ''اُرْسِلْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً'' میں ''ناس'' سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھے یا بعد میں قیامت تک جہان رنگ و بو میں آتے رہیں گے۔ علامہ شہاب خفاجی نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی امت اجابت کو آپ ﷺ کی تعظیم کرنا لازم ہے یہ قول ان کے نقطہ نظر کا ہی رد کرتا ہے۔ کیونکہ جب امت اجابت کے ہر فرد پر آپ ﷺ کی تعظیم، توقیر، محبت، عقیدت اور آپ ﷺ کے پیغام کو سچ ماننا لازم ہے تو گویا کہ یہ اعتراف ہے کہ تمام انبیاء اور ان کی امتیں حضور ﷺ کی امت ہیں کیونکہ انبیاء بھی آپ ﷺ کی تصدیق کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی تعظیم بجالاتے رہے اور اسی طرح ان کی امتوں کی اکثریت بھی آپ ﷺ کی عظمت و سیادت کے نغمے الاپتی رہی۔ بعض افراد نے اپنے انبیاء کی مخالفت کی انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی روگردانی کو اپنا وطیرہ بنایا اور فاسقین کے زمرہ میں سے ہو گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تمام لوگ آپ ﷺ کی امت دعوت میں شامل ہیں تو پھر یہ اس قول کی قوی دلیل ہے کہ تمام انبیاء کرام آپ ﷺ کی امت ہیں۔

شہاب خفاجی کا یہ قول کہ نصوص عقلیہ اور نقلیہ اس کا رد کرتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں تشبیہ صرف وحی کرنے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے ہر ایک پر کتاب، صحیفہ، شریعت

اور وہ احکام نازل فرمائے جو ان کے مخصوص وقت کے لیے تھے یہ فرمان اس قول کے منافی نہیں کہ اگر نبی اکرم ﷺ دیگر انبیاء کے ساتھ کسی ایک زمانہ میں جمع ہو جاتے تو ان پر نبی اکرم ﷺ کی اتباع لازم ہوتی۔ اس چیز کو وہ شخص بھی جانتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی بصیرت عطا فرمائی ہے۔

علامہ شہاب کا یہ اعتراض کرنا بھی درست نہیں کہ اللہ نے "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ" فرما کر یہ فرمایا ہے کہ تم آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا یہاں آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے یا اس پر عمل پیرا ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

امام سبکی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام انبیاء اور ان کی امتیں آپ ﷺ کی شریعت کے مکلف ہوتے بلکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان پر آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کی تصدیق فرض ہوتی اور انبیاء کی شریعتیں آپ ﷺ کی شریعت کی فروعات (شاخیں) ہوتیں امام سبکی کے قول میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کر رہی ہو کہ انہوں نے ملزوم کو چھوڑ کر لازم کے متعلق گفتگو کی ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ ارشاد ربانی " کہ پیروی کر وملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا تو ہمارے نقطہ نظر کے خلاف ہے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت تو معاملہ مزید ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

حضور ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد توحید کی طرف دعوت اور اللہ تعالیٰ کو معبود برحق تسلیم کرنا ہے۔ بلا شبہ تمام انبیاء کرام میں یہ چیز مشترک ہے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کی طرف دعوت دی۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو بھی یہ حکم فرمایا کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کریں لوگوں کو دعوت دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں صرف اس کی پرستش کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس حدیث کہ تمام انبیاء بھائی ہیں ان کا باپ ایک اور ان کی مائیں جدا جدا ہیں کا مفہوم یہ ہی ہے۔ وہ ایک ہی چیز (اللہ کی توحید) کی طرف دعوت دیتے تھے۔ یہی ان کی اصل تھی جیسا کہ باپ اولاد کی اصل ہوتا ہے امہات سے مراد انبیاء کرام کی شریعتیں ہیں۔ شریعتوں کو امہات (ماؤں) کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ ماں سے ہی اولاد کا ظہور ہوتا ہے جس طرح شریعت سے احکام نکلتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے امت مصطفویہ سے ہونے کی التجا کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ ان کے زمانہ میں مبعوث ہوتے وہ ان سب کے نبی ہوتے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے امت مصطفویہ میں سے ہونے کی التجا اس لیے کی تھی کیونکہ انھیں حضور ﷺ سے عشق اور آپ ﷺ کی امت سے محبت تھی۔ اسی وجہ سے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار بار حضور

ﷺ سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا اور ان کی وجہ سے ہی امت مسلمہ پر نماز کی تخفیف کی گئی۔ اس سے وہ محبت عیاں ہوتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب انور میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ کے لیے تھی۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ "کُنْتُ نَبِیًّا" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ ارواح میں نبی تھے لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی حقیقت روح نہیں ہے بلکہ ہمارے عقول آپ ﷺ کی حقیقت کے عرفان سے قاصر ہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقت محمدیہ سے آگاہ ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو آپ علیہ السلام سے نبوت و رسالت نہیں چھینی جائے گی بلکہ آپ علیہ السلام اس وقت بھی رسالت و نبوت سے متصف ہوں گے جیسا کہ وہ پہلے دنیا میں رسالت و نبوت سے متصف تھے لیکن اس وقت وہ حضور ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ یہی حضور ﷺ کی اتباع ہے اگر آپ علیہ السلام حضور ﷺ کی اتباع نہ کرتے تو پھر وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتے۔ اس وقت وہ بیک وقت اپنی نبوت و رسالت سے بھی متصف ہوں گے اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت کی بھی اتباع کریں گے۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کو امت مسلمہ میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ آپ علیہ السلام کو صحابی سمجھا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی ظاہری حیات میں شب معراج حضور ﷺ سے ملاقات کی تھی۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نبی، صحابی، شریعت محمدیہ کے تابع اور مجتہد ہوں گے۔

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے"۔

لیکن یہ مفہوم حقیقی نہیں ہے کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بھی ہوا ور روح بھی۔ روح اور جسم کی تخلیق کے درمیان یقیناً کچھ مدت ہو گی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح کی تخلیق کے بعد اور جسم کی تخلیق سے پہلے نبی اکرم ﷺ وصف نبوت سے متصف تھے۔ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کا اعلان فرمایا تمام ارواح کو آپ ﷺ کی روح مبارک سے آگاہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی نبوت کو پہنچاننے اور اس کے اقرار کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَ الْمَاءِ

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے مابین تھے"۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے عناصر کی تخلیق تو ہو چکی تھی لیکن ان کی ترکیب باقی تھی۔ اس لیے ابھی تک ان میں روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی۔ یہ روایت اگر چہ ان الفاظ سے تو ثابت نہیں جو پہلی حدیث میں ہیں لیکن ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ان روایات میں حضور ﷺ کی اس عظمت و رفعت کا تذکرہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔

علامہ الطیبی نے بعض قراء سے روایت کیا ہے کہ "اَلنَّبِیِّیْنَ" پر وقف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے فرمایا اے گروہ انبیاء! اپنی اپنی امت سے فرمانا کہ جب ان میں سے رسول مکرم ﷺ کتاب و حکمت کیساتھ تشریف لائیں تو تم ان پر ضرور ایمان لانا۔

سوال

نبوت ایک وصف ہے اس کے لیے کسی موصوف کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام بھی وصف نبوت سے اس وقت متصف ہوئے جب ان کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور ﷺ کو آپ کے وجود اطہر سے قبل وصف نبوت و رسالت سے کیسے متصف مانا جا سکتا ہے؟۔

جواب

"کُنْتُ نَبِیًّا"...... میں اشارہ آپ ﷺ کی روح مبارک کی طرف ہے اور آپ ﷺ کی اس حقیقت کی طرف ہے جس سے صرف اللہ رب العزت ہی آگاہ ہے اس وقت آپ ﷺ کی روح مبارک اور حقیقت محمدیہ میں وہ شرائط پائی گئی تھیں جن کی وجہ سے وصف نبوت سے متصف کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا جسم اقدس اس وصف سے اس وقت متصف ہوا جب روح کا اس کے ساتھ تعلق قائم ہوا۔ روح محمدی اور حقیقت محمدیہ کو وصف نبوت سے متصف کر دینے میں کوئی حرج نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت نبی محترم ﷺ کا جسد اطہر خارج میں موجود نہ تھا۔

المختصر حضور نبی اکرم ﷺ کی حقیقت تخلیق آدم سے پہلے موجود تھی۔ پہلے رب العزت کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ عنقریب نبی ہوں گے یہ پہلا مرتبہ ہے۔ پھر آپ ﷺ کے نور مبارک کی تخلیق کی گئی۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ پھر ام الکتاب میں آپ ﷺ کا ذکر لکھا گیا یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ پھر ملائکہ کو آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف کیا گیا یہ چوتھا مرتبہ ہے۔ پھر آپ ﷺ کے وجود انور کو ظاہر کیا گیا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی محترم ﷺ کی حقیقت ہر چیز کی تخلیق سے پہلے موجود تھی اور وہ ان اوصاف سے متصف تھی جو بارگاہ ربوبیت سے انہیں عطا کیے گئے۔ وہ اوصاف جن کا تعلق آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا انہیں اس وقت عطا کیا گیا جب آپ اس حریم خاکی میں تشریف لائے۔

اللہ رب العزت نے تمام انبیاء اور ان کی امم سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس کو پالیں تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کی تصدیق کریں اور دشمن کے خلاف آپ کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء سے یہ عہد لیا کہ وہ اس کی کتاب اور اس کا پیغام مخلوق خدا تک پہنچا دیں وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں ہر نبی اپنے بعد تشریف لانیوالے نبی کی تصدیق کرے اور اگر اس کا زمانہ پائے تو اس کی نصرت واعانت کرے۔ اور اپنی قوم سے بھی عہد لیں کہ وہ اس نبی کی اعانت کرے۔

پہلا عہد ہمارے نبی محترم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرے عہد میں تمام انبیاء شامل ہیں۔ ہر دو صورت میں نبی اکرم ﷺ کی فضیلت وکرامت عیاں ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ......(احزاب:7) میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار کا تذکرہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انبیاء حضور ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں اور سب کے بعد نبی محترم ﷺ یہ اعلان فرمائیں کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس تفسیر میں بھی آپ ﷺ کی فضیلت کے کئی اسباب ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میثاق میں یہ عہد لیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اپنی اپنی رسالت ونبوت کی تبلیغ کریں وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ ہر نبی اپنے سے بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں "اَلنَّبِیّٖنَ" کا تذکرہ کیا پھر بعض کو یہ شرف بخشا کہ ان کے مبارک نام ذکر فرمائے۔ پھر نبی محترم ﷺ کو یہ شرف بخشا کہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک تمام انبیاء سے پہلے فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ

"میں تخلیق میں سب انبیاء سے مقدم ہوں لیکن میری بعثت سب سے آخر میں ہوئی"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ

"اس سے آغاز کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا"۔

حضرت علامہ السیوطی کے گوہرہائے آبدار

اَلْقَوْلُ الْمُحَرَّر

عَلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ربانی ہے۔

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

"تا کہ دور فرما دے آپ کیلئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں ان میں سے بعض مقبول اور بعض مردود ہیں اور کچھ ضعیف ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام بالخصوص حضور ﷺ کی عصمت پر دلیل قاطع ہے کہ آپ ﷺ اور دیگر تمام انبیاء نبوت سے پہلے اور بعد ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہیں۔ امام سبکی فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں جن میں سے بعض کی تاویل کرنا اور بعض کو رد کرنا واجب ہے۔

پہلا قول

مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے مراد جاہلیت کے گناہ ہیں۔ امام سبکی فرماتے مقاتل کا یہ قول مردود ہے کیونکہ حضور ﷺ کے لیے کوئی جاہلیت نہیں تھی۔

دوسرا قول

اس سے مراد نبوت سے پہلے کے گناہ ہیں۔ امام سبکی فرماتے ہیں۔ یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ حضور نبی محترم ﷺ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد بھی معصوم تھے۔

تیسرا قول

حضرت سفیان ثوری کا قول ہے اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں سرانجام دیے یا وہ اعمال ہیں جو آپ سرانجام نہ دے سکے۔ امام سبکی فرماتے ہیں۔ یہ قول بھی مردود ہے اور اس کی دلیل پہلے گذر چکی ہے۔

چوتھا قول

مجاہد سے روایت ہے اس سے مراد "حدیث ماریہ" اور "امرۃ زید" ہے امام سبکی فرماتے ہیں یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ ان دونوں قصوں میں حقیقت میں کوئی گناہ ہے ہی نہیں جس نے ایسا عقیدہ رکھا اس نے غلطی کی۔

پانچواں قول

اس سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں آپ ﷺ سے افراط ہوا۔ امام سبکی فرماتے ہیں۔ یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ حضور ﷺ اور دیگر انبیاء کی عصمت پر امت کا اجماع ہے۔ یعنی تمام انبیاء ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں۔ معتزلہ اور کئی دوسرے فرقے انبیاء کے معصوم نہ ہونے کا قول کرتے ہیں۔ لیکن پسندیدہ قول یہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں کیونکہ ہمیں حکم ہے کہ ہم ان کے ہر قول و فعل کی اقتداء کریں اس لیے ان سے غیر شائستہ فعل کیسے سرزد ہو سکتا ہے حالانکہ ہمیں ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

الحشویۃ نے انبیاء کے خلاف اور جرأت کا مظاہرہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ انبیاء سے ہر قسم کے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ حشویۃ کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ عصمت انبیاء پر امت کا اجماع ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء صغیرہ گناہ کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس بھی کوئی نص یا دلیل نہیں ہے انہوں نے مذکورہ بالا آیت سے ہی استدلال کیا ہے حالانکہ اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ بعض افراد نے انبیاء کے لیے ان گناہوں کے جواز کا قول کیا ہے جو رذائل میں سے نہیں ہیں۔
ابن عطیہ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ کیا حضور ﷺ سے گناہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے یا نہیں امام سبکی فرماتے ہیں مجھے شک و شبہ نہیں کہ نبی محترم ﷺ سے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہ ہو سکتا تھا کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم:3)

"اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو آپ کی طرف کی جاتی ہے"۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے ہر قول و فعل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قلیل ہو یا کثیر کی اتباع لازم ہے وہ اس کے متعلق نہ تو توقف کرتے نظر آتے اور نہ ہی کسی بحث میں الجھتے وہ نبی اکرم ﷺ کے جلوت و خلوت کے اعمال پر آگاہ ہونے کی کوشش کرتے اور ان پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے۔ جو شخص صحابہ کرام کے اس عشق و محبت سے آگاہ ہے جو وہ

سرور کائنات سے کیا کرتے تھے۔ اور اسے یہ بھی علم ہو کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کی ولادت سے لے کر وصال مبارک تک کیسے کیسے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے حیاء کرے گا کہ وہ حضور ﷺ کے متعلق ایسی گفتگو کرے یا اس کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اور ایسے قول سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

چھٹا قول

اس آیت میں اس کھیل وکود کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ یہ لعب ولہو آپ ﷺ کے مقام رفیع سے کمتر تھا کیونکہ

فَاِنَّ حَسَنٰتِ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ

یہ قول یحییٰ بن زکریا کا ہے۔ جب آپ ﷺ بچپن میں تھے تو آپ ﷺ کھیل وکود کے لیے بچوں کیساتھ تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ کو آواز سنائی دیتی، آپ ﷺ کھیل وکود کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

یہ قول بھی مردود ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں ہی لعب ولہو اور دیگر افعال میں تمیز کر لیتے تھے تو یقیناً نبی محترم ﷺ بھی اس صفت سے متصف تھے۔ کیونکہ جو وصف کسی بھی نبی کو عطا کیا گیا یا تو اس جیسا وصف یا اس سے عظیم وصف نبی اکرم ﷺ کو عطا کیا گیا۔ روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بچپن میں بھی عدل فرماتے ہیں۔ شیر خوارگی کے عالم میں جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو اپنا پستان پیش کرتیں تو آپ ﷺ اس سے دوودھ نوش فرما لیتے جب وہ آپ ﷺ کو دوسرا پستان پیش کرتیں تو آپ ﷺ دودھ پینے سے انکار کر دیتے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ رضاعت میں آپ ﷺ کا ایک اور بھی شریک ہے۔ یہ عمل لعب ولہو کے ترک کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔ آپ ﷺ کے بچوں کے ساتھ جانے کو ہم لعب ولہو سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ لفظ استعمال کیا بھی جائے تو پھر اس کی مناسب تاویل کرنا ضروری ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر "مَا تَقَدَّمَ" سے آپ ﷺ کے بچپن کے نازیبا افعال مراد لیے جائیں تو پھر ما تاخر سے کون سے غیر شائستہ افعال مراد ہوں گے۔

ساتواں قول

یہ قول عطا الخراسانی کا ہے وہ کہتے ہیں "مَا تَقَدَّمَ" سے مراد حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی لغزش ہے اور "وَ مَا تَاَخَّرَ" سے مراد آپ ﷺ کی امت کے گناہ ہیں۔ یہ قول بھی ضعیف

ہے اس کے ضعف کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام معصوم تھے۔ ان کی طرف کسی گناہ کو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی۔

(۲) ''ک'' خطاب کیساتھ ایک شخص کے گناہ کو دوسرے شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) آپ ﷺ کی تمام امت کے تمام گناہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ بعض کے گناہوں پر قلم عفو پھیرا جائے گا اور بعض کے گناہوں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

آٹھواں قول

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ''مِمَّا یَکُوْنُ'' جو گناہ سرزد ہوں گے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ امام سبکی فرماتے ہیں اس قول کی بھی تاویل کی جائے گی اور کہا جائے گا۔ ''مِمَّا یَکُوْنُ لَوْ کَانَ'' یعنی اگر کوئی لغزش ہوئی تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ بفرض محال اگر ماضی یا مستقبل میں آپ ﷺ سے کوئی لغزش سرزد ہوئی تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔

نواں قول

شفاء میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی لغزش سرزد ہو یا نہ ہو میں جانتا ہوں کہ وہ تمام کی تمام معاف ہیں۔

دسواں قول

''مَاتَقَدَّمَ'' سے مراد نبوت سے قبل کی لغزش اور ''وَمَا تَاَخَّرَ'' سے مراد آپ ﷺ کی عصمت ہے۔ یہ قول احمد بن نصر کا ہے۔

گیارہواں قول

اس سے مراد ہر قسم کی سہو اور غفلت ہے۔ یہ الطبری اور القشیری کا قول ہے۔

بارہواں قول

مکی کہتے ہیں اگرچہ خطاب تو حضور ﷺ کو ہے لیکن اس سے مراد آپ ﷺ کی امت ہے۔

یہ تمام اقوال مردود، ضعیف اور تاویل کے قابل ہیں۔

وہ اقوال جو مقبول ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

شفاء میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ فرمائیں۔

وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ

''نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ''۔

اس وقت کفار خوش ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح:2)

''تا کہ دور فرمادے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے''۔

اس آیت میں مومنین کے لیے بشارت ہے۔ اس آیت کا مقصد ہے کہ اگر آپ ﷺ سے کوئی لغزش ہوئی بھی تو آپ ﷺ کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ آپ ﷺ کی وہ لغزش معاف کر دی جائیگی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک اثر ہے جیسے ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ'' کے بعد اللہ تعالیٰ نے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ نازل فرمائی۔ اس وقت حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کہ آپ کس مقام پر فائز ہوں گے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیسا سلوک ہوگا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا (فتح:5)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مغفرت سے مراد عیوب سے برأت ہے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنے رسالہ ''نہایۃ السول'' میں لکھتے ہیں اللہ رب العزت نے نبی محترم ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اس کے کئی اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے آپ کو ایک بشارت یہ بھی دی ہے۔ ''غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ'' کسی اور نبی کو ایسا مژدہ جانفزا نہیں سنایا گیا۔

اسی وجہ سے جب بروز حشر ان سے شفاعت کا مطالبہ کیا جائے گا تو وہ اپنی کسی نہ کسی لغزش کا ذکر کریں گے اور وہ نفسی نفسی کی صدا لگائیں گے۔ جب مخلوق خدا بارگاہ مصطفویہ میں شفاعت کے لیے عرض کرے گی تو آپ ﷺ فرمائیں گے۔ ہاں میں شفاعت کرتا ہوں۔

امام سبکی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ میں نے اس آیت میں خوب غور و فکر کیا ہے۔ میں نے اس کا تعلق سیاق و سباق سے بھی قائم کیا ہے۔ مجھے تو اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مغفرت کا مژدہ سنایا حالانکہ آپ ﷺ معصوم تھے۔ تا کہ آپ ﷺ پر ہر قسم کی

دنیوی اوراخروی نعمتوں کو مکمل کیا جا سکے۔ ان نعمتوں میں سے بعض اشیاء سلبیہ ہیں مثلاً توبہ اور گناہوں کی مغفرت وغیرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا۔ ''وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ'' تمام نعمتوں کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) دینی نعمتیں ان کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (فتح:20)

(۲) دنیوی نعمتیں

ان نعمتوں کا مقصود دین ہی ہوتا ہے۔ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (فتح:3) اخروی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں سے اور دینی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں سے مقدم فرمایا۔ تاکہ اہم کا ذکر پہلے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام متفرق نعمتیں نبی اکرم ﷺ پر مکمل فرمائیں پھر ان نعمتوں کا اختتام فتح مبین پر کیا کیونکہ وہ نعمت سب نعمتوں سے عظیم تر تھی۔ ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ'' میں نون جمع کا تذکرہ اپنی عظمت کے اظہار کے لیے کیا اور ''لَكَ'' کا ذکر فرما کر اس نعمت کو اپنے محبوب مکرم ﷺ کے لیے مخصوص فرمایا۔

امام سبکی فرماتے ہیں جب میں نے خوب غور وفکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ابن عطیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ یعنی اگرچہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔ لیکن یہ مژدہ اس لیے سنایا گیا تاکہ آپ ﷺ پر نعمتوں کو مکمل کیا جا سکے۔

بعض محقق علماء فرماتے ہیں اس آیت میں مغفرت سے مراد عصمت ہے اس طرح اس آیت کا مفہوم یہ ہے ''لِيَعْصِمَكَ اللّٰهَ'' فِيْمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمْرِكَ وَ فِيْمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ تاکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہلے بھی گناہوں سے معصوم رکھا ہے وہ اسی طرح بعد میں بھی آپ ﷺ کو گناہوں سے بچاتا رہے گا۔ یہ قول انتہائی خوبصورت ہے فصحاء اور بلغاء نے بھی یہ کہا ہے کہ قرآن پاک کی بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ تخفیفات کو مغفرۃ، عفو اور توبہ کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔

مثلاً جب رات کا قیام منسوخ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مزمل:20)

جب حضور ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم منسوخ ہوا تو ارشاد ہوا۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (المجادلہ:13)

''پس جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی''۔

اور جب جماع کی حرمت منسوخ ہوئی تو ارشاد فرمایا

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (البقرہ:187)

''پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر''۔ (القول المحر راختتام پذیر ہوا)

امام، محقق، عارف باللہ شیخ عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات

امام، عارف باللہ عبدالکریم الجیلی صوفیائے عظام سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ "الانسان الکامل" اور" الکمالات الالھیہ" کے مصنف ہیں یہ بے مثال کتابیں ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی عظمت ورفعت پر ایک کتاب لکھی اس کو" الناموس الاعظم والقاموس الاقدم فی معرفته قدر النبی ﷺ" کے نام سے موسوم کیا۔ انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب چالیس اجزاء پر مشتمل ہوگی میں نے ان اجزاء کی بہت جستجو کی لیکن مجھے صرف تین (دس گیارہ اور بارہ) اجزاء ہی میسر آسکے۔ دسویں جز کا نام" قاب قوسین وملتقی النا موسین" ہے میں اسے عنقریب حرف بہ حرف نقل کروں گا۔ مجھے اس جز کے تین نسخے ملے ہیں۔

پہلا نسخہ

ایک نسخہ المکتبہ العمومیۃ الخدیویہ المعربیہ سے ملا۔

دوسرا نسخہ

" مکتبہ المحمودیہ سے تلاش کرلیا اور تیسرا نسخہ ایک حلبی تاجر سے خریدا گیا جب تینوں نسخوں کو ملایا گیا تو وہ نسخہ سب سے اصح بن گیا یہ جزء تمام اجزاء سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند ہے۔ اس لیے میں اس کو حرف بحرف نقل کروں گا۔ اس جزء میں بعض ایسی عبارات ہیں جو تاویل کے قابل ہیں تاویل کے بغیر ان پر اعتراض ہوسکتا ہے۔

مثلاً مصنف رحمۃ اللہ علیہ اسکے مقدمہ میں حضور ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "شَاْنُ الْاِلٰہِ وَعَیْنُ وَاحِدِ ذَاتِہٖ" اگر اس عبارات کا ظاہری معنی لیا جائے تو پھر اس کا انکار لازم ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ لیکن اس عبارت کی تاویل یہ ہے کہ" عَیْنُ وَاحِدِ ذَاتِہٖ میں اضافت شرف وقدر کے لیے ہے اس کا معنی یہ ہے آپ ﷺ اس" واحد" کا" عین" ہیں جو ذات باری تعالیٰ کی طرف مضاف ہے۔ یہ اضافت عزت وکرامت کے لیے ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے ہوئی۔

اسی طرح وہ اپنی کتاب کے اوائل میں ذات باری تعالیٰ کی جانب سے تحریر کرتے ہیں۔

اِنِّی اِخْتَلَسْتُ مِنْ ذَاتِی نُسْخَۃً جَامِعَۃً لِاَسْمَائِیْ وَ صِفَاتِی

نسخہ جامعہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ من ذاتی کی وجہ سے یہ عبارت بھی قابل اعتراض ہے عام شخص بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔

اس کی تاویل یہ ہے کہ "اِنِّی قَدْ اِخْتَلَسْتُ مِنْ ذَاتِی" میں لفظ "من" تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتداء کے لیے ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تخلیق نور ذاتی سے ہوئی نہ کہ نور صفاتی سے۔ اس عبارت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ اللہ کی ذات کا بعض ہیں۔ اور اس کا حصہ ہیں۔

اسی طرح اس جزء کی درج ذیل عبارت بھی تاویل کے بغیر قابل اعتراض ہے۔

اَمَّا کَمَالُہُ الْحَقِّی الَّذِی قَدْ حَبَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ فَاَعْظَمُ مِنْ اَنْ یُدْرَکَ لَہُ غَوْرٌ اَوْ یُعْرَفَ لَہُ غَایَۃٌ اِذَا کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مُتَحَقِّقًا بِجَمِیْعِ الْاَخْلَاقِ الْاِلٰھِیَّۃِ

اس عبارت میں "مُتَحَقِّقًا بِجَمِیْعِ الْاَخْلَاقِ الْاِلٰھِیَّۃ" محل اعتراض ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ان اخلاق کریمانہ کو اپنایا جو آپ ﷺ کے لائق تھے اور ان سے مراد وہ اخلاق الٰہیہ نہیں ہیں جو کسی مخلوق کے لائق نہیں ہوتے بلکہ وہ ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہیں۔

اس طرح اس عبارت پر بھی اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔

"وَرَسُوْلُ اللّٰہِ مَخْلُوْقٌ مِنْ ذَاتِہٖ فَمُحْتَدُہُ الذَّاتُ" اس عبارت کی بھی تاویل یہی ہے کہ یہاں من ابتدائیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور ذاتی سے جبکہ باقی تمام مخلوق کی تخلیق صفاتی نور سے ہوئی۔

گیارہویں جزء کا نام "النور المتمکن" ہے جو "اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ" کے مفہوم کو واضح کرتا ہے بارہویں جزء کو "لِسَانُ الْقَدْرِ بِکِتَابِ نَسِیْمِ السَّحَرِ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس رسالہ میں صوفیانہ انداز سے دقیق نکات سے حضور ﷺ کی شان بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اس رسالہ کو صرف صوفیاء ہی سمجھ سکتے ہیں اس لیے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے صرف دو رسالوں کا ہی تذکرہ کیا ہے ان رسالوں میں سے ہر رسالہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا "ناموس اعظم" کے چالیس اجزاء کہیں سے میسر ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ لیکن مجھے توسعی پیہم کے بعد یہی تین جزء مل سکے ہیں۔ جو شخص ان چالیس اجزاء کو جانتا ہو اور اسے آسانی سے دستیاب ہوں تو اسے ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان میں عام مسلمانوں کے لیے نفع ہے۔ اب میں رسالہ "قاب قوسین و ملتقی النا موسین" کو نقل کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نبی محترم ﷺ کو سب سے ذی شان اور سب سے معزز بنایا انہیں سب سے قابل فخر اور سب سے افضل بنایا سب سے زیادہ بزرگ اور سب سے عظیم بنایا۔ انہیں دنیا میں اپنی نظر کا محل اور بنو آدم میں سے اپنی ذات کا مظہر بنایا انہیں اپنے جمال، کمال اور جلال کا آئینہ بنایا۔ انہیں مخلوق میں اپنی صفات کا ترجمان بنا کر بھیجا آپ ﷺ کرم و جود کا خزانہ ہیں آپ ﷺ حقیقتین کے سلطان، رفیقتین کی حقیقت، دو اسباب میں سے ایک، دو اوصاف سے متصف، دو معنوں کو اور دو کمالوں کو محیط ہیں آپ ﷺ جمال صوری اور حسن معنوی میں بے مثال ہیں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (نجم: 9) کے مرتبہ پر آپ ﷺ ہی فائز ہیں۔

عَیْنُ الْوُجُوْدِ وَاحَدُ الْمَوْجُوْدِ مَجْلٰی مَحَاسِنِ حَضْرَۃِ مَعْبُوْدِ

"آپ ﷺ وجود کا "عین" اور موجود کے یکتا ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلی گاہ ہے"۔

وَحَقِیْقَتُہٗ الْاِسْمُ الَّذِی لِصِفَاتِہٖ خَضَعَتْ رُقَابُ مُعَانِدٍ وَّ جَحُوْدٍ

"آپ ﷺ کی صفات اللہ کے اس اسم کی حقیقت ہیں جس کے سامنے سرکشوں اور منکروں کی گردنیں جھک گئیں"۔

مُتَوَحِّدٌ فِی کُلِّ فَضْلٍ بَاھِرٍ وَوَحِیْدُ فَرْدٍ حَقِیْقَۃِ التَّوْحِیْدِ

"آپ ﷺ ہر عمدہ فضل میں یکتا ہیں۔ وہ یکتا فرد ہے۔ توحید کی حقیقت ہے"۔

کُلُّ الْکَمَالِ عِبَارَۃٌ عَنْ خِرْدَلٍ مُّحْتَقِرًا فِی عِزِّہٖ الْمَصْمُوْدِ

"ہر کمال سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت بے مثل کے سامنے رائی کے دانے سے بھی زیادہ حقیر ہے"۔

شَانُ الْاِلٰہِ وَ عَیْنُ وَاحِدِ ذَاتِہٖ الْمُجْتَبٰی بِصُعُوْدٍ لِسُعُوْدٍ

"آپ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی شان کا مظہر ہے آپ ﷺ اللہ کے نور ذاتی کا مظہر ہیں آپ ﷺ کی ذات مجتبیٰ ہے اور رفعتوں سے سعادت مند ہے"۔

سَعِدَتْ بِہٖ الْاَکْوَانُ طُرًّا اِنَّمَا بِالْاَصْلِ یَسْتَعِدُ فَرْعُ کُلِّ سَعِیْدٍ

"تمام تر عالم آپ ﷺ کی وجہ سے ہی سعادت مند ہوئے ہر سعید (انسان) کی شاخ اصل (تنے) سے ہی سعادت مند ہوتی ہے"۔

رُوْحُ الْمَعَانِیْ وَالْاَوَانِی جُمْلَۃً مَعْنَی الوَجُوْدِ وَ صُوْرَۃُ الْمَوْجُوْدِ

"آپ ﷺ تمام معانی اور اوانی کی روح ہیں۔ وجود کا معنی اور موجود کی صورت ہیں"۔

ذَاكَ النَّبِيُّ الْهَاشِمِيُّ مُحَمَّدٌ   عَبْدُ الْإِلٰهِ خَلِيْفَةُ الْمَحْمُوْدِ

"وہ نبی ہاشمی محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے خلیفہ ہیں"۔

جب تک تاریک رات میں موسلا دھار بارش ہوتی رہے اور بجلی چمکتی رہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کی آل اور اصحاب پر درود و سلام بھیجتا رہے۔

امابعد! میں یہ رسالہ ان سعادتمند لوگوں کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا جو بارگاہ مصطفویہ کے عاشق ہیں جو جمال محمدی کے پروانے ہیں اور جو اس بارگاہ جلال کے مرید ہیں۔ یعنی وہ قوم جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ ہمیشہ حبیب مختار ﷺ کی محبت کے نغمے الاپتے رہیں گے وہ آپ ﷺ کی شریعت بیضاء کو لازم پکڑ کر صبح و شام آپ ﷺ کے دامن کرم سے وابستہ رہیں گے۔ جس کے اجسام نے حضور ﷺ کی محبت کی وہ شراب پی جو ان کے دلوں نے انہیں عطا کی جو ہر قسم سے نشہ سے پاک ہے۔

قَوْمٌ بِاَحْمَدَ فِي الْكِرَامِ تَمَسَّكُوْا   وَ بِحُبِّهٖ فِي الْعَالَمِيْنَ تَهَتَّكُوْا

وَ بِجَاهِهٖ لَعَلَّقُوْا وَتَشَبَّكُوْا   فَوِدَادُهٗ حَجٌّ لَهُمْ وَ تَنَسَّكُوْا

لَا يَرْتَجُوْنَ سِوَاهُ فِي مَقْصُوْدٖ

وہ ایسی قوم ہے جنہوں نے حضور ﷺ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیا اور دنیا میں آپ ﷺ کی محبت میں فنا ہوئے۔ انہوں نے اپنا تعلق آپ ﷺ کے وسیلہ سے قائم کیا یہ آپ ﷺ کی محبت ہے کہ آپ نے ان کی طرف سے حج کیا اور قربانی دی ان کا مقصود آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

يَبْغُوْنَ اَحْمَدَ عِنْدَ غَايَاتِ الْمُنٰى   وَ بِهٖ يَحُوْزُوْنَ الْمَسَرَّةَ وَالْفَنَاء

مُتَوَسِّلِيْنَ بِهٖ تَرْجُوْنَ الْغِنٰى   لِلّٰهِ دَرُّ قُلُوْبِهِمْ لَهُمْ الْهَنَا

حَلُّوْا بِهٖ فِي مَنْزِلَ الْمَسْعُوْدِ

آرزوؤں کی انتہاء کے وقت سرکار کی ذات کے متعلق متوجہ ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی طرف غم اور خوشی میں توجہ کرتے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کا وسیلہ غنی کی آرزو کرتے ہوئے پڑھتے ہیں ان کے دلوں کو مبارک باد ہو، وہ آپ ﷺ کی وجہ سے مبارک منزل سے آشنا ہوئے۔

اَلْحُبُّ اَبْكَاهُمْ وَاَنْحَلَ جِسْمُهُمْ   وَمَحٰى وَاَفْنٰى فِي الْحَقِيْقَةِ رَسْمُهُمْ

قَدْ اُدْعُوْا فِي نِعْمَةِ اَحْمَدَ اِسْمُهُمْ   مُذْ قَدْ دَعَا دَاعِي الْمَحَبَّةِ وَسْمُهُمْ

فَهُمْ لِاَحْمَدَ مِنْ اَقَلِّ عَبِيْدٖ

محبت نے ان کو رلا دیا اور ان کے جسموں کو کمزور اور فناء کر دیا حقیقت میں ان کا نشان فناء ہو گیا انہوں نے سرکار کی تعریف میں اپنے اسم کو مدغم کر دیا جب سے محبت کے داعی نے ان کے نام کو پکارا وہ سرکار کے ادنی غلام ہیں۔

شَرِبُوْا بِكَاسَاتِ الْمَحَبَّةِ مُتْرَعًا   فَلِذٰلِكَ قَدْ صَرَعُوْا وَ يَالَكَ مَصْرَعًا
نَالُوا الْفَخَارَ بِهٖ وَطَابُوْا مَنْبَعًا   وَ زَكَتْ اُصُوْلُهُمْ بِفَرْعٍ اَيْنَعَا
فَهُمْ بِاَحْمَدَ فِي عَلَا وَ صُعُوْدِ

انہوں نے محبت کی شراب کے پیالے کو منہ سے لگایا اور مات کھا گئے انہوں نے آپ کی نسبت سے فخر کو پالیا اور ان کا چشمہ خوشگوار ہو گیا اور ان کی جڑیں پھلدار ٹہنیوں سے عمدہ ہو گئیں وہ سرکار علیہ السلام کی وجہ سے بلندی اور رفعت پر آشیاں بند ہیں۔

مُتَحَقِّقِيْنَ بِنُوْرِهٖ فِي قُدْسِهِمْ   حَيَاءٌ قَدْ عَاشُوْا بِهٖ فِي رَمْسِهِمْ
مُتَطَلِّعِيْنَ لِحُسْنِهٖ فِي اُنْسِهِمْ   مُتَشَرِّعِيْنَ بِفِعْلِهٖ فِي حِسِّهِمْ
خُلَفَاءُهٗ فِي عِزَّةٍ وَّسُعُوْدِ

وہ آپ ﷺ کے نور مبارک کے وسیلہ اپنے مقامات پر جا گزین ہو گئے اس سے پہلے وہ اپنی قبروں میں زندہ جاوید تھے۔ وہ اپنی محبت میں حضور ﷺ کے حسن کی وجہ سے فنا ہیں اور وہ اپنے وجود میں حضور ﷺ کے طریقہ پر گامزن ہیں سرکار کے خلفاء عزت اور سعادت مندی میں ہیں۔

وَلَا هُمُ الرَّحْمٰنُ عَنْهُ نِيَابَتَهٗ   مَلَّكَ الْوُجُوْدَ عِنَايَتَهٗ وَمَنَايَتَهٗ
فَعَلَاهُمْ مِنْ عِزِّ اَحْمَدَ هَابَتَهٗ   نُوْرٌ تُلَبِّيْهِ الْقُلُوْبُ اِجَابَتَهٗ
مَهْمَا اَدْعُوْ لِلْعِشْقِ وَدُوْدٌ

رحمان نے ان کو اپنا دوست بنایا ہے یہ محض اللہ کی طرف سے عنایت اور عطا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صدقہ سے ان کی ہیبت کو زیادہ کیا آپ ﷺ میں ایسا نور ہیں کہ دل اس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں جب میں محبت کرنے والے کی محبت کو عشق کے لیے دعوت دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان عاشقان باوفا سے راضی ہوا اور وہ اپنے رب سے راضی ہوئے اللہ رب العزت نے ان کا تحفظ کیا۔ اپنی محبت کا تاج زریں ان کے سر پر سجایا اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو اپنے محبوب محترم ﷺ کی معیت میں بارگاہ ربوبیت میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

برادران ذی وقار! اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے۔ اور ہماری راہنمائی فرمائے تا کہ اس راستے پر گامزن ہوں جو اس کی بارگاہ بےکس پناہ تک جاتا ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ

عوام کے لیے بارگاہ خداوندی تک پہنچنے کے لئے کئی راستے ہیں لیکن خواص کے لیے وہاں پہنچنے کا صرف ایک راستہ ہے اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اس کا یوں اعلان فرمایا۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام:153)

"اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے"۔

وہی راستہ سیدھا ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ وہی محبت بیضاء ہے اور وہی حضور ﷺ کی شریعت ہے۔ اور یہی وہ جادۂ حق نما ہے جس کو لے کر آپ ﷺ خواص اور عوام کے پاس تشریف لائے۔ اس کے آنے سے ظاہر کے باقی تمام راستے مسدود ہوئے۔ باطن کے تمام دروازے بھی بند ہو گئے۔ صرف ایک یہی دروازہ کھلا رہ گیا۔ حضور ﷺ کے وسیلہ کے بغیر نہ تو سعادت کبریٰ کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بارگاہ ربوبیت میں قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہر ولی آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ کے فیوض سے ہی فیض یاب ہوا۔ اسی شریعت مطہرہ کے سحاب کرم سے ہی اس کو شادابی ملی ہر وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے توسل کے بغیر ترقی کی منازل طے کر جائے گا وہ ہمیشہ زوال پذیر رہتا ہے حتیٰ کہ وہ گمراہی وضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑتا ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے دامن کرم کو مضبوطی سے تھام لو عروۃ وثقی کو پکڑ لو۔ آپ ﷺ کی صورت کاملہ کو ہمہ وقت ذہن میں رکھو حتیٰ کہ ارواح پر پیچیدہ گرہیں کھلنے لگیں پھر یہ راز دل کی طرف منتقل ہو جائیں پر یہ دل سے نفوس کی طرف سرایت کریں پھر ان اسرار کے اثرات اجسام پر بھی ظاہر ہوں۔ حتی کہ نبی محترم ﷺ کا تصور ارواح میں مستحکم ہو جائے گا۔ پھر جب تمہارے لیے حریم ناز کے حجابات اٹھائے جائیں گے تو اس وقت نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک ہی سب سے پہلے تجلیات کو برداشت کرے گی کیونکہ اللہ نے آپ کی روح مبارک کو تجلیات کبریٰ کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی پاکیزہ روح کے علاوہ دنیا و آخرت کی کوئی چیز بھی تجلیات ربانی کا سامنا نہیں کر سکتی جب تمہارے وجود کی زمین آفتاب نبوت سے درخشاں ہو جائے گی جب اس گلشن مشک بار فضا سے تمہاری ارواح کے مشام معطر ہو جائیں گے تو اس وقت تمہاری ارواح میں بھی کچھ قوت و توانائی پیدا ہو گی وہ اپنے رب کی تجلیات کا مشاہدہ کر سکیں گی۔ اور اس کے دیدار سے مشرف ہوں گی۔

میں ان اوراق میں ایسے ہی پوشیدہ معانی سے نقاب کشائی کر رہا ہوں تا کہ تم نبی محترم ﷺ کی

عظمت و رفعت سے آشنا ہوسکو اور فیض ربانی کا کچھ حصہ تمہاری ارواح کو بھی نصیب ہو سکے۔ انسان کو حقیقت میں سعادت کبریٰ اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ ان تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

میں نے اس کتاب کو سات ابواب میں منقسم کیا ہے۔

پہلا باب

آپ ﷺ کی مبارک روح کا بارگاہ صمدیت میں مقام۔

دوسرا باب

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی قدر منزلت آپ کا اسمائے حسنیٰ اور صفات باری تعالیٰ کا مظہر اتم ہونا۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی صوری اور معنوی خوبیاں آپ ﷺ کا جمال وجلال۔

چوتھا باب

اس حقیقت کا بیان کہ صرف حضور ﷺ کی روح مبارک ہی تجلیات ربانی کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔

پانچواں باب

حضور ﷺ کا اسم مبارک ''حبیب'' رکھنے میں حکمت

چھٹا باب

حضور ﷺ کے دامن کرم کو تھامنے کی کیفیت۔

ساتواں باب

اس صورت کاملہ کو ہمہ وقت ذہن نشین کرنے کے ثمرات ونتائج۔

میں نے اس رسالہ کا نام کتاب قاب قوسین وملتقی الناموسین رکھا ہے۔ یہ کتاب ''ناموس اعظم'' کے چالیس اجزاء میں سے دسواں جز ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے کتاب کا آغاز کرتا ہوں اور وہی ہر قسم کی توفیق بخشنے والا ہے۔

پہلا باب

بارگاہ ربوبیت میں روح محمدی کا مقام

ہمیں ترجمان ازل نے بتایا ہے کہ اللہ رب العزت کی صفات اور اسمائے حسنیٰ کمالات کے معانی کو متضمن ہیں تا کہ اس ذات کے حقائق کا اظہار ہوا ہر صفت اس جمال یا جلال کا مظہر ہے جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ ہر اسم مبارک اس کمال کو عیاں کرتا ہے جس کا وہ تقاضا کرتا ہے اللہ رب العزت کی ذات حجابات میں مخفی ہے اور ان اسماء اور صفات کے حقائق رونما ہوتے ہیں۔ ان اسماء اور صفات میں سے ہر اسم اور صفت کہتی ہے اگر چہ ہم نے اس کے کمال کا اظہار کر دیا ہے اس کے جمال وجلال کو آشکارا کر دیا ہے لیکن پھر بھی ہمیں صرف اتنا ہی علم حاصل ہوا جیسے سمندر میں قطرہ یا ریگستان میں سے ایک ذرہ سے آگاہی ہو جائے۔ کیا کوئی ایسی ذات بھی ہے جو ذات باری کی مظہر ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ذاتی افعال کے اس مظہر تک رسائی کیسے ممکن ہے؟۔

اس وقت ایک بلیغ اشارے کا ظہور ہوتا ہے کہ میں نے اپنے نور ذاتی سے ایک ایسے پیکر دلنواز کو تخلیق کیا ہے جو میری صفات اور اسماء کا جامع ہے۔ وہ میری ذاتی تجلیات کا مظہر ہے۔ وہ مجسمہ دلربا اپنے لیے اس حقیقت کو مخصوص کرے گا جس کو پہچانا نہیں جا سکتا وہ اپنے لیے اسی کنہہ کو مختص کرے گا جس کے نہ تو اوصاف بیان ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ تمہارے عظیم مظاہر کو اس مظہر کامل اور مجلی افضل کے ساتھ وہی نسبت ہو گی جو ذات کو صفات کیساتھ ہوتی ہے۔ تا کہ میری رفعت وعظمت پر حمد وثناء مکمل ہو جائے۔ میں اس حقیقت کے نام کو حمد سے مشتق کروں گا میں اس کا نام محمد، احمد اور محمود رکھوں گا۔ وہ میرا عبد خاص ہو گا۔ اس کے جھنڈے کا نام بھی لوائے حمد ہی ہوا۔ اس کا مقام وسیلہ عظمیٰ ہو گا۔

تمام انبیاء کرام اور اولیائے عظام اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے مظہر ہیں جبکہ محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مظہر ہیں۔ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔

دوسرا باب

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت اور آپ ﷺ کا اسمائے حسنیٰ اور صفات باری تعالیٰ کا مظہر اتم ہونا

بلاشبہ حضور ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین واسطہ ہے آپ ﷺ کے اس فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّی

''میں اللہ تعالیٰ سے اور تمام مومنین مجھ میں سے ہیں''۔

حضور ﷺ کے ظہور سے پہلے ہی تمام انبیاء اور مرسلین یہ گواہی دیتے رہے کہ ان کے تمام کمالات اور ترقی حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ کی وجہ ہی سے ہیں۔ انہوں نے اپنے بلند مقامات سے حضور ﷺ کے بلند مرتبہ کو ملاحظہ کیا اور ہر ایک نے آپ ﷺ سے استمداد کی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ امام الانبیاء ٹھہرے اور قدوۃ الاولیاء کے لقب سے ملقب ہوئے۔

جب آپ ﷺ نے ''الحضرۃ الاحدیۃ'' سے الحضرۃ الواحدیۃ کی طرف نزول فرمایا تو آپ اسمائے حسنیٰ کے حقائق کا مظہر بن گئے اور صفات عالیہ کا مجلی بن گئے حضرت کمالیہ آپ ﷺ سے یوں عشق کرنے لگی جس طرح اسم اپنے مسمیٰ سے اور صفت اپنے موصوف سے محبت کرتا ہے۔ ان کمالات کے تمام معانی اپنی حقیقت کیساتھ آپ ﷺ کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی ذات ان کمالات میں سے کسی کمال سے متصف ہوگی تو یہ آپ ﷺ کا ہی کرم ہوگا۔

اس تمام گفتگو کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک ہزار نبی یا ولی کامل حقیقت نوریہ سے اس طرح متصف ہو جائیں کہ ان میں سے ہر ایک نور مطلق ہو جائے تو پھر بھی اسم نور کا اطلاق صرف حضور ﷺ کی ذات والا پر ہی ہوگا۔ درحقیقت اس صفت سے آپ ﷺ ہی متصف ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اس صفت سے متصف ہوئے جبکہ نبی اکرم ﷺ اس صفت کی حقیقت ہیں۔ ذرا تصور تو کرو کہ ایک چیز کی حقیقت ہونے اور اس سے متصف ہونے میں کتنا فرق ہے۔ پھر آپ ﷺ حضرۃ الواحدیہ سے حضرۃ الالوھیۃ کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے حضرت العلمیہ میں پہنچے تو وہاں حضرت العلمیہ کی صورت میں متشکل ہو گئے اسی وجہ سے جب آپ وجود کونی کی

طرف آئے تو آپ ﷺ قلم کی صورت میں تھے اور اسی کو عقل اول کے نام سے موسوم کیا گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو تخلیق فرمایا۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ ان تینوں احادیث کا مفہوم ایک ہے صرف تعبیر میں فرق ہے تمام موجودات سے پہلے آپ ﷺ کے وجود کو تخلیق کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلا واسطہ پیدا فرمایا روح محمدی کو ہی عقل اول کہا جاتا ہے کائنات میں یہی اللہ تعالیٰ کی ذات کی مظہر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روح محمدی (عقل اول) کے واسطہ سے عقل کلی کو پیدا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی مظہر ہے اس کو عرش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حکماء اس کو عقل ثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عقلِ کلی ہر نبی اور ولی کامل کی روح کی حقیقت ہے کیونکہ اسماء وصفات کی مظہر کامل یہی ہے اللہ رب العزت کے عرش عظیم کو حقیقت رحمانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ حقیقت اس عرش پر متمکن ہے جو پورے عالم کو محیط ہے حقیقت رحمانیہ کو عرش عظیم اور مظہر کمالی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء اور صفات کا عین ہے جو پورے عالم کو محیط ہے۔ یہی حقیقت رحمانیہ ہے جس نے ہر چیز کو رحمت کے ساتھ گھیرے ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف:156)

''اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر''۔

اسی طرح اس حقیقت کی تجلی گاہ جس کو عرش عظیم سے تعبیر کرتے ہیں۔ نے تمام عالم کو گھیر رکھا ہے اسی لیے عرش ہر نبی، ہر مرسل اور ہر مقرب فرشتے کا منتہیٰ ہے۔ حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کو عرش کے اوپر جانے کی توفیق نہ ملی۔ اس امر کا یہی راز ہے یہی نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کی رفعت ہے۔ کیونکہ نور ذاتی کی حقیقت آپ ﷺ ہی ہیں جب کہ دیگر انبیاء نور صفاتی کی حقیقت ہیں۔ ذات صفات سے کتنی وراء ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل ثانی (عقل کلی) کے واسطہ سے عقل ثالث کو پیدا فرمایا۔ یہ افعال کا مظہر ہے اس کا نام کرسی ہے یہ اسماء فعلیہ کا مظہر ہے اس لیے روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے دونوں قدمین شریفین کرسی کے اردگرد ہیں۔ قدمین سے مراد حضور ﷺ کی شریعت کے امر اور نہی ہیں۔ یہ نفس کلیہ سارے نفوس ناطقہ کو محیط ہے اس کا ظاہر الکرسی الاعلی اور اس کا باطن اللوح المحفوظ ہے۔ اسی نفس میں عقل ثالث ہے اس کا اسم النفس الکلیہ ہے۔ اس میں پورے عالم کی مخلوقات میں سے صرف انسان ہی پایا جاتا ہے کیونکہ لوح محفوظ میں ماضی اور مستقبل کا علم ہے صرف انسان ہی اس علم

کا احاطہ کرسکتا ہے اس حقیقت کے باطن کو لوح محفوظ اور نفس کلیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہاں ہی عمل صالح کا حکم دیا جاتا ہے اور برے افعال سے روکا جاتا ہے۔ یہی امر ونہی کا مظہر ہے جس کے ظاہر کو کرسی کہا جاتا ہے یہی عقل ثالث ہے۔ نعمت سرمدی کی بخشش اور دائمی عذاب کی سزا اسی جگہ سے ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمائے فعلیہ کے ظہور کا اثر کبھی بھی منقطع نہیں ہوتا اس لیے اس کے آثار صرف انسان کے ساتھ مختص ہیں۔ اس لیے اس کے بعض اوصاف میں فرشتے اور شیاطین شرکت کرتے ہیں۔ فرشتے نورانی مخلوق ہیں وہ ان افعال میں شرکت کرتے ہیں جو انسان کو نعمت سرمدی کا مستحق بنا تے ہیں شیاطین سراپا ظلمت ہیں اس لیے وہ ان افعال میں شرکت کرتے ہیں جو دائمی عذاب کا مستحق بناتے ہیں۔ ان دونوں کے مجموعہ کو کرسی کہتے ہیں۔ یہ قدمین شریفین کے وسط میں ہے یہ صرف انسان کو محیط ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل ثالث کے واسطہ سے عقل رابع کو تخلیق کیا اس سے مراد ساتویں آسمان کی روح ہے پھر عقل رابع کے توسط سے عقل خاص کو پیدا کیا۔ یہ چھٹے آسمان کی روح ہے پھر اس کے وسیلہ سے عقل سادس کو پیدا کیا وہ پانچویں آسمان کی روح ہے پھر عقل سادس سے عقل سابع کو پیدا کیا وہ چوتھے آسمان کی روح ہے پھر عقل سابع سے عقل ثامن پیدا کی وہ تیسرے آسمان کی روح ہے عقل ثامن کی روح سے عقل تاسع کو پیدا فرمایا وہ دوسرے آسمان کی روح ہے پھر عقل تاسع کی روح سے عقل عاشر کو پیدا کیا گیا یہ پہلے آسمان کی روح ہے اس عقل کو عقل فعال بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عالم ارضی کی تدبیر کے امور اسی عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں جس طرح جسم حیوانی کی تدبیر روح کی طرف رجوع کرتی ہے۔

پھر اس عقل فعال کے ذریعے ارکان اربعہ کو تخلیق کیا گیا پہلے آگ، پھر ہوا، پھر پانی اور پھر مٹی کو تخلیق کیا گیا پھر عقل فعال کے واسطہ سے ارکان اربعہ کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ تدبیر مکمل ہوگئی۔ یہ تمام تدبیر اللہ تعالیٰ کے امر، ارادہ اور اس کی قدرت سے اسی طرح مکمل ہوئی۔ جس طرح قلم نے اس لوح محفوظ پر لکھا تھا جس میں کسی طرف سے بھی باطل داخل نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ چار ارکان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایام اربعہ سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَٰتَهَا فِىٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ (سجدہ:10)

''اس میں اندازہ سے مقرر کردی ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کیلئے) چار دنوں میں''۔

اللہ رب العزت نے ہر عقل کے لیے ایک ایک نفس پیدا فرمایا تا کہ ان امور کا اظہار ہو سکے جن کو عقل محیط ہے اور اس کا راز اس کے ذریعہ ظاہر ہو سکے بلکہ یہ نفس اس عقل کے راز کی حقیقت پر ہے جس

طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا تا کہ اس اولاد کا ظہور ہو سکے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھی۔ نفس اولیٰ عقل اولی کے باطن میں ہے اس کو روح الارواح کہتے ہیں۔ اس کو اس روح اضافیہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جو حضرت آدم اور ان کی ذریت میں پھونکی گئی۔ نفس ثانیہ عقل کلی میں موجود ہے اس کو روح کلیہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نفس ثالثہ عقل ثالث میں موجود ہے اس کو نفس کلیہ کہتے ہیں۔ اسی کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔ اس نے نوع انسانی کا احاطہ کر رکھا ہے۔ باقی سات عقول کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ نفس ہیں اس عقل کے آسمان میں موجود ستاروں کی یہی حقیقت ہے عقل رابع کا نفس کیوان کی حقیقت ہے عقل خامس کا نفس مشتری کی حقیقت ہے عقل سادس کا نفس مریخ کی حقیقت پر مشتمل ہے عقل سابع کا نفس شمس کی حقیقت ہے عقل ثامن زہرہ کی حقیقت ہے۔ عقل تاسع کا نفس عطارد کی حقیقت ہے عقل عاشر جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں کا نفس قمر کی حقیقت ہے ارکان اربعہ آباء ہیں جبکہ یہ عقل جو وجود، زمین، معدنیات، نباتات اور حیوانات میں ہے وہ ان ارکان اربعہ کی آباء ہے اسی کے وجود کے ساتھ ہی عالم کا نظام مکمل ہو گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

”اور وہی (خدا) ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر وہ عرش پر متمکن ہوا“۔ (حدید:4)

یہ ایام وہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا ان سے مراد وہ چھ جہات (سمتیں) ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف عالم پیدا کیے ساتواں دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا اس کی کوئی جہت نہیں اس کی جداگانہ کیفیت ہے اللہ تعالیٰ نے سفلی موجودات کو ارکان اربعہ کے واسطہ سے تخلیق کیا اور ان ارکان کو مذکورہ عقول کے واسطہ سے ترتیب دیا ان عقول کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح اعداد کی ترتیب ہوتی ہے یہ ترتیب ایک سے شروع ہوتی ہے دو کے وجود کا انحصار ایک پر ہے اسی طرح تین اس وقت تک نہیں پایا جائے گا جس وقت تک دو کا وجود نہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی عدد بھی اس وقت تک نہیں پایا جا سکتا جب تک کہ اس سے پہلے عدد کا وجود نہ ہو۔ ہر عدد کا آغاز ایک سے ہے۔ لیکن ایک کو عدد شمار نہیں کرتے کیونکہ جب بھی کسی عدد کو دوسرے عدد سے ضرب دی جاتی ہے تو جواب دونوں اعداد سے بڑا آتا ہے لیکن اگر تمام اعداد کو ایک سے ضرب دی جائے تو ان کے جواب میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ ایک عدد نہیں ہے اگر یہ عدد ہوتا تو اس کا بھی کوئی علیحدہ جواب آتا۔

اسی طرح عقل اول جو روح محمدی (ﷺ) کی حقیقت ہے۔ وہ تمام عالم کے وجود کی اصل ہے

خواہ وہ عالم امر یا عالم خلق۔ اسی حقیقت کو محققین تمام علل کی علت کہتے ہیں اللہ رب العزت اس سے منزہ ہے کہ وہ کسی چیز کے وجود کی علت ہو۔

اس تمام تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضور ﷺ کے وجود مسعود سے تمام اشیاء کو کیسے تخلیق کیا گیا تمام ارواح جزئیہ، ارواح کلیہ سے تخلیق کی گئیں اور اجسام کو ارکان سے پیدا کیا گیا۔ آپ ﷺ اول الوجود بھی ہے اور اس کا آخر بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں وجود نے اسی طرح گردش کی جس طرح اس نے اس دن گردش کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ کے وجود مسعود کے ظہور سے وجود کی گردش ایک دائرہ میں مکمل ہو گی۔

حضور ﷺ جس طرح باطن میں وجود کے لحاظ سے حق کے قریب ترین ہیں اسی طرح عنقریب آپ ﷺ جنت میں بھی بلند ترین درجہ پر فائز ہوں گے اور ظاہر میں بھی تمام مخلوق سے خالق کے قریب ترین ہوں گے۔ اس بلند درجہ کو "وسیلہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے درحقیقت وسیلہ وہ سبب ہے جس کے ذریعہ سے کائنات کو وجود بخشا گیا۔ وسیلہ آپ ﷺ کا بلند ترین درجہ ہے کیونکہ یہ وہ ذریعہ ہے جس سے خلق کو ذات باری تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اس طرح نبی محترم ﷺ کو قرب صوری اور قرب معنوی دونوں حاصل ہو گئے آپ ﷺ کو مکانت اور مکان دونوں کی رفعت نصیب ہوئی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ ہر وصف میں اکمل ہیں ہر خلق میں اعظم ہیں۔ خَلق، خُلق، اور صورت و معنی میں آپ ﷺ تمام مخلوق سے مکمل ہیں۔

تیسرا باب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوری اور معنوی خوبیاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال اور جلال

وجود مطلق کو اگر مراتب اور موجودات کی رو سے دیکھا جائے تو وہ دو قسموں میں منقسم ہے۔

(۱) لطیف۔ مثلاً معانی، اخلاق، ارواح وغیرہ

(۲) کثیف۔ مثلاً صورتیں، اشکال اور اجسام وغیرہ

پھر یہ دونوں قسمیں دو اور اقسام میں منقسم ہیں۔ (۱) اعلی (۲) ادنی

طرف اعلیٰ معنوی، مثلاً اخلاق الٰہیہ کو اپنا لینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے متخلق ہونا۔ اس میں انسان کے تمام معنوی کمالات شامل ہیں رفعت اخلاق کو علو مکانت کہتے ہیں اخلاق کی اس رفعت پر وہی شخص فائز ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم کا ارادہ فرمایا ہو۔

طرف ادنی صوری۔ مثلاً برے افعال

صوری عظمت کو علو مکان کہتے ہیں اس کا اعلیٰ درجہ جنت ہے پھر جنت میں بھی کئی درجات ہیں اس کا بلند ترین درجہ "وسیلہ" ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ مکان وجوذی صوری کی رفعتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فائز ہیں۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علو مکانت کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ اور کوئی ایسی ذات نہیں جو بارگاہ خداوندی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ معزز ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ میرے پاس ایک چیز ہے جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوشیدہ رکھی ہے۔ اس چیز کو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کے لیے نہیں چھپایا۔

ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف و قدر کو مکمل فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین و آسمان کی مخلوق سے افضل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر میں عرش الٰہی کی دائیں طرف کھڑا ہو جاؤں گا مخلوق میں سے میرے علاوہ کسی اور کو اس مقام پر کھڑا ہونے کی سعادت حاصل نہ ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب لوگ قبر سے اٹھیں گے تو سب سے پہلے میں اپنی قبر انور سے نکلوں گا۔ جب وہ وفد بن کر آئیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو میں انہیں رحمت کا مژدہ سناؤں گا میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ میں اپنے رب کی بارگاہ میں تمام اولاد آدم سے معزز ہوں۔ میں یہ عظمت فخراً بیان نہیں کر رہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب لوگ جمع ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔

جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا۔ لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں بروز حشر اولاد آدم کا سردار ہوں گا میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ سب سے پہلے زمین میرے لیے ہی شق ہوگی یہ بات میں فخراً نہیں کر رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ارے سنو! میں تو اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔ حضرت ابن عباس ہی سے روایت ہے میں اولین و آخرین سے معزز ہوں میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے عرض کی میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو چھان مارا ہے میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل ہو۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں عبد اللہ ہوں، میں خاتم النبیین ہوں میں اس وقت سے نبی ہوں جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں تھے۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

وہ احادیث جو آپ ﷺ کی اکملیت پر دلالت کرتی ہیں بے شمار ہیں انہوں نے آپ ﷺ کے معنوی اور صوری کمالات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ میں نے صرف انہی احادیث پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی اکملیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے علو مکانت پر بھی آپ ﷺ ہی فائز ہیں اس مقام کو وسیلہ اور مقام محمود سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مکانت اور مکان کے بلند ترین درجہ پر آپ ﷺ فائز

ہیں۔ یہ رفیع درجات آپ ﷺ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔

دوسری طرف جس کو مکان اور مکانت کے زوال سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ابلیس اور اس کے لشکر کا حصہ ہے یہی بدبخت مخلوق ہے۔ ان پر تفصیلی بحث پہلے گذر چکی ہے دوبارہ ذکر کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

اب ہم یہ دلائل دیتے ہیں کہ علومکانت اور علومکان پر صرف نبی محترم ﷺ ہی فائز ہیں۔ ہم اپنی اس گفتگو کو دو فصلوں میں منقسم کرتے ہیں۔

پہلی فصل

کمال معنوی، یہ کمال ہی اس بات کا شاہد عادل ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علومکانت پر فائز ہیں۔ کمال معنوی کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) کمال الٰہی، یہ وہ کمال ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے کامل بندے متصف ہوتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ۔

(۲) کمال کونی، یہ وہ اوصاف محمودہ ہیں جن سے انسان متصف ہوتا ہے ان کا مجموعہ مکارم اخلاق ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے کوئی ایک بھی اخلاق کی ان بلندیوں پر فائز نہ ہوسکا جن پر نبی مکرم ﷺ فائز تھے آپ ہی اخلاق کو مکمل کرنے والے تھے آپ نے فرمایا '' بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ '' میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔ آپ سے ہی اخلاق کریمانہ کی ابتداء ہوئی اور آپ پر ہی ان کا اختتام ہوا۔

آپ ﷺ پر ہی وہ مکمل ہوئے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم:4)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

سیرت کی کتب آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے لبریز ہیں وہ حد وشمار سے ماوراء ہیں آپ ﷺ کے روایت کردہ اخلاق کو ان اخلاق سے جو روایت نہیں کیے گئے وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کو بحر بیکراں سے ہوتی ہے۔ لیکن جو آپ کے اخلاق کریمانہ مروی ہیں ان سے کوئی شخص متصف نہیں ہو سکتا۔ اسی سے ہی آپ ﷺ کے کمال خلقی کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ کے کمال خلقی کا ادراک ناممکن ہے ان کی ابتداء یا انتہا سے آگاہی ناممکن ہے۔ آپ ﷺ تمام اخلاق الٰہیہ سے متصف تھے۔ میں نے اپنی کتاب۔ ''اَلْاَخْلَاقُ اِلٰهِيَّةِ فِي الصِّفَاتِ الْمُحَمَّدِيَّةِ ''میں آپ ﷺ کی ایک ایک صفت اور ایک ایک اسم کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں میں ان میں سے بعض انتہائی

اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

عبداللہ

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اسم ''اللہ'' کا مظہر کامل ہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (انفال:17)

''اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی''۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء:80)

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی''۔

حضور ﷺ کے فرمان ''اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ'' کا یہی مفہوم ہے یہ عبودیت صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کریمانہ کو اپنا لیا تھا۔

نور

یہ اسم آپ ﷺ کا ذاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (مائدہ:15)

''بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی نور سے محمد مصطفیٰ ﷺ اور کتاب مبین سے مراد قرآن پاک ہے''۔

ارشاد ربانی ہے۔

حق

قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

''بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس ان آیات میں حق سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے''۔

الرؤف الرحیم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (توبہ:128)

''مومنوں کے ساتھ بہت مہربانی فرمانے والا بہت رحم والا ہے''۔

رؤف اور رحیم آپ ﷺ کے نام مبارک ہیں۔

الکریم

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (تکویر:19) اور یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔

کریم سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات ہے۔

العظیم

ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم:4)

''اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

الشہید والشاہد

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتے ہوئے فرمایا

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (مائدہ:117)

''اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ:143)

''اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو''۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے تمام اسماء مثلاً جبار، خبیر، فتاح، شکور، علیم، علام، اول، آخر، قوی، ولی، عفو، ہادی، مومن، مہیمن، داعی اور عزیز وغیرہ اپنے اسماء حسنی کی طرح ہی رکھے ہیں۔ یہ تمام وہ اسماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں ان اسماء میں سے ہر اسم مبارک کی قرآن پاک میں دلیل ہے۔ نہ تو ان کا کوئی شخص رد کر سکتا ہے اور نہ ہی انکار کر سکتا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے صرف یہ اسماء مبارکہ صرف اس لیے ذکر کیے ہیں کیونکہ محققین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ متصف ہیں اور ان اوصاف میں آپ ﷺ اس رفیع درجہ پر فائز ہوئے کہ آپ ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے اور کوئی ذات اس بلند درجہ کو حاصل نہ کر سکی۔

اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ علو مکانت کے درجہ پر صرف آپ ﷺ ہی فائز ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا حشر آپ ﷺ کے گروہ میں سے کرے۔ اور ہمارے سینوں کو آپ ﷺ کی محبت وعقیدت سے بھرپور فرمائے۔ (آمین)

تنبیہ

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ ''قرآن پاک حضور ﷺ کا خلق ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی صفت کو حضور ﷺ کا خلق کیسے قرار دیا وجہ یہ ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف سے متصف ہے۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔'' اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ '' اللہ تعالیٰ کا یہ قول حقیقت ہے۔ نبی محترم ﷺ کے مقام رفیع کی عظمتیں تو ملاحظہ کرو کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اپنے اسماء اور صفات سے متصف کر دیا ہے اور خلافت کا تاج سر پر سجایا ہے۔

دوسری فصل

کمال صوری

کمال صوری اس بات کا گواہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جانب سے آپ ﷺ علو مکان پر فائز ہیں کمال صوری کی تین اقسام ہیں۔

(۱) ذاتی (۲) فعلی مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ (۳) قولی مثلاً عمدہ کلام وغیرہ

کمال صوری کی پہلی قسم

آپ ﷺ کی مبارک ذات تمام لوگوں سے حسین ترین تھی۔ سب سے اکمل، افضل، انور اور اطہر تھی۔ آپ ﷺ کی شکل مبارک سب سے زیادہ ملیح اور جمیل تھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ ملیح تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ حضور ﷺ کے بستر مبارک پر تھیں ہر طرف رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اچانک ان کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر پڑی جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی طلعت زیبا سے چادر مبارک ہلائی تو آپ ﷺ کے رخ انور کی روشنی سے پورا کمرہ منور ہو گیا اسی نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی سوئی نظر آئی انہوں نے اسے زمین سے اٹھا لیا۔

حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے۔ حضور ﷺ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند۔ آپ چھوٹے قد والے سے لانبے اور زیادہ طویل قد والے سے کم، سر مبارک بڑا تھا

گیسو مبارک زیادہ گھنگریالے نہ تھے اگر موئے مبارک الجھ جاتے تو حضور ﷺ مانگ نکال لیتے۔ ورنہ حضور ﷺ کے گیسو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے کانوں کی لو تک آویزاں رہتے۔ چہرے کا رنگ چمکدار تھا پیشانی مبارک کشادہ تھی ابرو مبارک باریک بھرے ہوئے تھے۔ لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی۔ ناک مبارک اونچی تھی اس کے اوپر نور برس رہا ہوتا۔ دیکھنے والا گمان کرتا کہ یہ بہت اونچی ہے ڈاڑھی مبارک گھنی تھی دونوں رخسار ہموار تھے دہن مبارک کشادہ اور دندان مبارک چمدار اور شاداب تھے دندان مبارک کھلے تھے۔ بالوں کا خط جو سینہ سے ناف تک چلا گیا تھا وہ باریک تھا۔ گردن مبارک یوں تھی جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو۔ تمام اعضا معتدل تھے۔ اور ان کا اعتدال آشکارا تھا۔ شکم اور سینہ مبارک ہموار تھا۔ سینہ مبارک کشادہ تھا دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا ہڈیوں کے جوڑ ضخیم تھے۔ سینہ کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ شکم اور سینہ بالوں سے صاف تھا۔ دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے اوپر والے حصے میں بال اگے ہوئے تھے دونوں بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی ہاتھ مبارک کشادہ تھے دونوں ہتھیلیاں پر گوشت تھیں اور دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے۔ تمام اندام ہموار تھے دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا۔ جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے رکھتے تو جما کر رکھتے آہستہ خرام مگر تیز رفتار جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو ہمہ تن ملتفت ہوتے نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں آپ کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی بنسبت آسمان کی طرف آپ کی نگاہ کے آپ ﷺ کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوا کرتا تھا۔ آپ ﷺ حسن تدبیر سے صحابہ کرام کو شاہراہ ہدایت پر چلاتے جس سے ملاقات فرماتے اسے پہلے خود سلام دیتے۔ آپ پر ہمیشہ غم واندوہ کی کیفیت طاری رہتی ہمیشہ غور وفکر کرتے رہتے بہت کم آرام فرماتے۔ طویل سکوت اختیار فرماتے بغیر ضرورت کے گفتگو نہ کرتے کلام کا آغاز اور اختتام بلیغ انداز سے فرماتے جوامع الکلم سے گفتگو کرتے نہ ہی فضول اور نہ ہی ضرورت سے کم گفتگو فرماتے آپ ﷺ نرم خو تھے تند خو نہ تھے نہ ہی کسی کی اہانت فرماتے کسی بھی نعمت کی تعظیم کرتے گر کوئی چیز ذوق کے مطابق نہ ہوتی تو نہ اس کی تعریف کرتے نہ ہی مذمت فرماتے بلکہ خاموشی اختیار فرماتے۔ اگر کوئی شخص حق سے اعراض کرتا تو اس سے انتقام لیتے اپنے نفس کے لیے نہ تو کبھی غصے کا اظہار فرمایا اور نہ ہی کسی سے انتقام لیا پورے دست اقدس سے اشارہ فرماتے جب تعجب کا اظہار فرماتے تو ہاتھ مبارک الٹا کر دیتے کبھی گفتگو کرتے وقت ہاتھوں کو ملا لیتے۔ اپنے دائیں انگوٹھے کو اپنی بائیں ہتھیلی پر مارتے۔ جب آپ ﷺ ناراض ہوتے تو روگرداں ہو جاتے اور منہ پھیر لیتے۔ جب خوشی کا اظہار فرماتے تو

نگاہیں جھکا لیتے ہنسنے میں زیادہ سے زیادہ تبسم فرماتے۔ آپ ﷺ کے دانت مبارک اولوں کی طرح سفید تھے۔

یہ حدیث مبارک آپ ﷺ کے حلیہ مبارک، اعتدال اور کمال ظاہری پر دلالت کرتی ہے اہل فراست حکماء کا نظریہ یہ ہے کہ جس شخص کا یہ حلیہ ہو وہ شکل و صورت میں تمام مخلوق سے اکمل ہوتا ہے حضور ﷺ ہی وہ وجود اول ہیں جو کمال، جمال، رونق اور شادابی میں نقطہ کمال پر ہیں۔ اسی طرح جو شخص بھی اعتدال میں حضور ﷺ سے مشابہت رکھتا ہے وہ دوسرے شخص سے اتنا ہی کامل ہوگا جتنی معتدلہ اور کاملہ صفات اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہوں گی۔

تنبیہ

میں نے حضور ﷺ کا یہ حلیہ مبارک اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ تو ہر لمحہ اور ہر لحظہ آپ ﷺ کو اپنے تصور میں رکھے۔ حتیٰ کہ تیرا یہ تصور پختہ ہو جائے۔ اور تو حضور ﷺ کا مشاہدہ کرنے والوں کے درجہ پر فائز ہو جائے تجھے یہ سعادت کبریٰ مل جائے اور تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ملحق ہو جائے۔ اگر تو ہمیشہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور نہ رکھ سکے تو کم از کم درود شریف پڑھتے ہوئے اس صورت کاملہ کو ضرور تصور میں رکھا کر۔

دوسری قسم

حضور ﷺ کے افعال زکیہ اور احوال رضیہ سے کتابیں بھری ہوئی ہیں کائنات ان کے حسن و کمال پر شاہد ہے۔ آپ ﷺ نے ہی لوگوں کے لیے ہدایت کی بنیاد رکھی مخلوق کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالا حلال اور حرام کے مابین تمیز فرمائی۔ نماز اور روزے کا حکم فرمایا لوگوں میں تمام بھلائی کے کاموں کی بنیاد رکھی۔

جو شخص بھی اچھی سنت قائم کرتا ہے۔ تو اس کے لیے اس کا اپنا اجر بھی اور اس سنت پر عمل پیرا ہونے والے کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ اسے یہ ثواب قیامت تک ملتا رہتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کے لیے تمام مخلوق کا اجر ہے بلکہ مخلوق کے میزان میں جو بھی بھلائیاں ہوں گی ان کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔ بلکہ یہ اجر آپ ﷺ کے بحر بے کراں کا ایک قطرہ ہی ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ اصل ہیں اور باقی تمام فرع ہیں۔ حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کا اتنا ہی تذکرہ کافی ہے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں کیا تیرے لیے یہ کافی نہیں کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے آپ ﷺ شدت بھوک کی وجہ سے اپنے بطن پر پتھر باندھ لیتے کیا یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ آپ ﷺ مغفور و مرحوم ہیں۔

آپ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمادی گئی تھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ ﷺ کے لیے زمین کے پہاڑوں کو سونا بنادوں لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ آپ ﷺ نے فقر اختیار فرمایا۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے بحرین کا سونا چاندی پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے نیزہ سے نشان لگایا۔ اسے آپ ﷺ کے سامنے انڈیلا گیا آپ ﷺ نے تمام سونا، چاندی تقسیم کردیا اور اس خزانے میں سے کوئی چیز بھی اپنے گھر نہ لے کر گئے۔ حالانکہ آپ ﷺ کے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا آپ ﷺ کی صفات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ اس لیے اسی قدر تذکرہ ہی کافی ہے۔ (واللہ المستعان)

تیسری قسم

آپ ﷺ کے فصیح اقوال

یہ قسم بھی طوالت کی محتاج نہیں ہے کئی کتب آپ ﷺ کے اقوال سے بھری پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی کلام اور گفتگو کے متعلق فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (تکویر:19)

آپ ﷺ کا کلام درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کلام ہی ہوتا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم:4-3)

''وہ تو اپنی خواہش سے بولتا ہی نہیں مگر یہ کہ ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے''۔

تو حضور ﷺ کی حدیث مبارک میں سے کسی کلمہ کو بھی دیکھے گا تجھے وہاں تمام محاسن نظر آئیں گے کیونکہ مخلوق کی ہدایت کا دارومدار آپ ﷺ کے اقوال پر ہی ہے اس لیے آپ ﷺ نے ہر بھلائی کی طرف لوگوں کی راہنمائی کی۔ ہر فضیلت پر انہیں آگاہ کیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آخری نبی اور آخری رسول بنا کر بھیجا۔ کیونکہ آپ ﷺ ہر حقیقت سے آشنا تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے نور مبارک سے ہر شاہراہ حیات کو منور فرمایا حتی کہ کائنات کو آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور مرشد کی ضرورت نہ رہی۔

چوتھا باب

نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلیت

فیضان الٰہی کا نزول انسان کی قابلیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کیا تو نے کبھی سورج کو شیشے سے اپنی شعاعوں کو منعکس کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس آئینہ میں سورج کی تجلیات اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ انسان اس کی طرف نگاہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ جبکہ باقی جمادات آفتاب کے نور کا مظہر نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر تو کسی معتدل آئینہ میں اپنا عکس دیکھے گا تو تیرا چہرہ اسی طرح نظر آئے گا جس طرح وہ آئینہ ہوگا۔ اگر تو اپنا چہرہ کسی طویل شیشے میں دیکھا تو تجھے تیرا چہرہ بھی طویل لگے گا اور اگر کسی چوڑے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھے گا تو تیرا چہرہ بھی چوڑا نظر آئے گا یہی کیفیت چھوٹے اور بڑے آئینے کی ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ فیض قابلیت کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ اشیاء کو ان کے موزوں مقامات پر رکھتا ہے۔ ہم نے پہلے قابلیت کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ان کی قابلیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی صفات اور اسماء میں ظہور بھی مخلوق کی قابلیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''المنعم'' میں اس کا ظہور اس طرح نہیں ہے جس طرح اسم مبارک المنتقم میں ہے۔ اسی طرح ''نعمۃ'' میں اس کا ظہور اس طرح نہیں جس طرح نقمہ میں ہے۔ ظاہر تو ایک ہے لیکن مظاہر کے مختلف ہونے کی وجہ سے ظہور میں اختلاف ہے۔

جیسا کہ پہلے ہم نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مظاہر میں ظہور ان کی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اشیاء کی قابلیت اس حدود تک ہی متعین ہے جس میں ان کا ظہور ہوتا ہے نعمت بھی مخلوق ہے نقمہ (انتقام) بھی مخلوق ہے یہ دونوں مخلوق ہیں اور ان کا اظہار ہوتا ہے نعمت کی حدود ''المنعم'' تک اور نقمۃ کی حدود ''المنتقم'' تک ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اس لیے یہ قدیم مظہر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قائم بالذات ہیں۔ عالم میں ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا اثر ہے۔ عالم کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے اظہار کی حدود متعین ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ذاتی اسماء سے ہوئی ہے اس لیے یہ اسماء ہی ان کی حدود ہیں۔ اولیائے عظام کی تخلیق اسمائے صفاتی سے ہوئی ہے اس لیے یہی ان کی حدود ہیں باقی مخلوق کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ سے ہوتی ہے اور ان کی حدود وہی ہیں نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق [illegible] سے ہوئی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر ہیں اسی وجہ سے آپ [illegible] مظہر

کیونکہ صفات ذات کی طرف ہی رجوع کرتی ہیں اسی وجہ سے آپ ﷺ کے دین کی آمد سے سارے دین منسوخ ہو گئے کیونکہ ذات کے ظہور کے بعد صفات کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا صرف اس کا علم باقی رہ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے باقی انبیاء کی نبوت باقی رہی وہ منسوخ نہ ہوئی صرف ان کے ادیان ہی منسوخ ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی قابلیت ایک بحر بے کراں ہے۔ باقی انبیاء اور اولیاء کی قابلیت دریاؤں اور نہروں کی طرح ہے اور باقی مخلوق کی قابلیت سمندر میں سے قطرات کی طرح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام عالمین کا مجموعہ ہیں آپ ﷺ کی روح مبارک عقل اول ہے تمام مخلوق کی تخلیق آپ ﷺ کے نور مبارک سے ہی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کی قابلیت باقی تمام موجودات کی قابلیت سے فزوں تر ہے آپ ﷺ ہی فیض اول کا منبع ہیں۔ پہلے آپ ﷺ نے ذات باری تعالیٰ سے فیض لیا پھر اسے پورے عالم میں تقسیم فرمایا۔ فیض ذاتی کی سب سے پہلی توجہ آپ ﷺ ہی کی طرف ہوئی تھی۔ آپ ﷺ ہی سے اس کی توجہ بقیہ مخلوقات کی طرف ان کی قابلیت کے مطابق ہوئی۔ آپ ﷺ ہی کل الوجود ہیں اور تمام اشیاء آپ ﷺ کے لیے ہی ہیں۔ امام عبداللہ یافعیؒ نے کتنی عمدہ مدح سرائی کی ہے۔

يَا وَاحِدَ الدَّهْرِ يَاعَيْنَ الْوُجُوْدِ وَ يَاغَوْثَ الْاَنَامِ وَهَادِيَ كُلِّ حَيْرَانِ

"اے یکتائے روزگار! اے منبع وجود! اے لوگوں کے غوث! اے ہر سرگرداں کی راہنمائی کرنے والے!"

آپ ﷺ کی قابلیت کلیتہ ہے جبکہ باقی تمام مرسلین، انبیاء، ملائکہ، اولیاء، صدیقین، مومنین، صالحین اور ساری کائنات کی قابلیت جزئیہ ہے اس لیے وہ طبعاً حضور ﷺ کی شان رفیع اور بلند مرتبت کے ادراک سے عاجز ہیں اسی وجہ سے تمام انبیاء اور اولیا آپ ﷺ کے در اقدس پر سر جھکاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ کے شرف وقدر کے سامنے وہ اپنی جبین نیاز جھکاتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران: 81)

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو

ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی"۔

تمام اولیائے عظام اپنی علو مرتبت کے باوجود آپ ﷺ کی عروہ وثقی (شریعت مطہرہ) کو پکڑ کر ہی ترقی کرتے ہیں اسی وجہ سے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ "اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے در محمدی کے علاوہ باقی تمام دروازے بند ہیں۔ خدا تک رسائی کا صرف وہی راستہ ہے جو آپ ﷺ کے دروازے سے گزر کر جاتا ہے۔ یعنی جو شخص نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلے گا ظاہراً اور باطناً آپ ﷺ کی اتباع کرے گا وہ ولائیت کے درجہ پر فائز ہو گا ورنہ نہیں اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو پھر امت محمدیہ کے اولیا وہ دعوے نہ کرتے جو سابقہ انبیاء نے کیے تھے امت محمدیہ کے اولیاء نے باطن میں وہی رتبہ پالیا جو سابقہ انبیاء نے حاصل کیا تھا۔ لیکن وہ نبوت کو نہ پاسکے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کو نبوت اور شریعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ملی کیونکہ اللہ کے علم میں تھا کہ دین محمدی کے ظہور کے ساتھ ہی ان کا دین منسوخ ہو جائے گا۔ آپ ﷺ کا ظہور تمام انبیاء کے بعد ہونا تھا۔

جب کہ اولیاء کاملین کا ظہور حضور ﷺ کے ظہور کے بعد ہوا اگر ان میں کسی ایک کو بھی نبوت ملتی تو وہ دین محمدی ﷺ کا ناسخ ہو جاتا یہ محال ہے اس کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ جزء کل پر ظہور نہیں کر سکتا بلکہ کل جزء پر ظہور کرتا ہے دین محمدی ﷺ مکمل ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا جبکہ دیگر انبیاء اور مرسلین مخصوص اقوام کی طرف مبعوث ہوئے کیونکہ ان کے دین جزئی تھے۔ کلی دین کی حدود کل تک اور جزئی دین کی حدود جزء تک ہیں۔ حضور ﷺ کی قوت پورے عالم مثلاً عرش، کرسی، لوح، قلم، افلاک، املاک، سموت، نجوم، سیارے، شمس، قمر، نار، ہوا، پانی، مٹی، درخت، پتھر، معدنیات، حیوانات، انسان، جن اور تمام مخلوق کی مجموعی قوت کے برابر ہے بلکہ آپ ﷺ کی قوت ان کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اس قوت کے لیے آپ ﷺ کو مخصوص فرمایا ہے اور اسی مقام کو "قاب قوسین" سے تعبیر کیا گیا۔ پھر اس قوت میں سے ہر چیز نے اپنی قابلیت کے مطابق قوت حاصل کی۔ اس بات کو سمجھ اور اپنے آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ اس طرح ملحق کر لے جس طرح قطرہ سمندر کے ساتھ مل جاتا ہے تا کہ تجھے سعادت کبریٰ نصیب ہو اور مقام قرب پر فائز ہو جائے۔ اس نکتہ میں ایک عظیم راز ہے اس بحر محمدی ﷺ کے ساتھ ملحق ہونے کی طرف ہی سیدی ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے انہوں نے فرمایا ہم نے بحر میں غواصی کی جبکہ انبیاء ساحل سمندر پر ہی کھڑے رہے۔ کیونکہ کسی شخص کے ساتھ حقیقی الحاق اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ صورۃً اور معنیً بعد میں

ہواولیاء کاملین امت محمدیہ میں سے ہیں وہ آپ کے ساتھ صورۃً ومعنیً ملحق ہیں وہ بحر محمدی ﷺ میں شناوری کرر ہے ہیں جبکہ تمام انبیاء ساحل پر ہیں کیونکہ وہ صرف حکما نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ملحق ہیں وہ معنیً تو آپ ﷺ سے ملحق ہیں لیکن صورۃً آپ ﷺ سے ملحق نہیں ہیں۔ جبکہ وہ حکما حضور ﷺ کے تابع ہیں اولیاء کرام حضور ﷺ کے تابع ہیں وہ متبوع نہیں ہیں اس لیے وہ آپ ﷺ کے صورۃً معنیً، عیناً اور حکما تابع ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ یہ توفیق دیتا ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ ﷺ کے قلزم بے کراں کیساتھ متصل ہو وہ سعادت ابدیہ حاصل کر جاتا ہے اور پھر اسے یہ حق پہنچتا ہے وہ اس طرح کہے جس طرح غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

''حضور ﷺ نے جہاں سے بھی قدم مبارک اٹھایا میں نے آپ ﷺ کے نقش پا پر قدم رکھا مگر میں نبوت عظمی، مکانہ زلفی اور وسیلہ کبری کے رفیع مراتب پر فائز نہ ہوسکا یہ مقامات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تم کوشش کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اس مقام پر فائز کر دے اللہ تعالیٰ تجھے اس کی توفیق دے۔ (آمین)

پانچواں باب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک حبیب رکھنے میں راز

حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کرام بیٹھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار فرما رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماعت فرمایا کہ صحابہ کرام باہم گفتگو میں محو تھے ان میں سے ایک نے کہا تعجب ہے اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق میں سے ایک نبی کو اپنا خلیل بنایا ہے دوسرے صحابی نے کہا اس سے عجیب تر یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔ ایک اور صحابی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں ایک اور صحابی نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا ہے۔ اتنے میں نبی دو جہاں صحابہ کی مجلس میں تشریف لائے انہیں سلام سے مشرف فرمایا اور فرمایا ''میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے تمہارے تعجب کو بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ اللہ رب العزت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمالیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے لیکن میں تو اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔ یہ فخر نہیں ہے۔ میں بروز حشر لواء حمد کو اٹھانے والا ہوں یہ بھی میں فخر سے بیان نہیں کر رہا۔ میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا یہ بھی فخر نہیں۔ میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔

میرے ساتھ فقیر مومن ہوں گے۔ میں اولین وآخرین سے معزز ہوں میں یہ فخر سے نہیں کہہ رہا۔

یہ حدیث حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کو عیاں کر رہی ہے۔ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علو مکانت کا تذکرہ ہو چکا ہے اب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم ''حبیب'' سے موسوم ہونے کا راز بتاؤں گا۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ مقام ''مقامات کمالیہ'' میں سے کتنا ارفع ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری پہچان ہو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ میں نے مخلوق کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کرائی اس نے مجھے پہچان لیا۔'' مخلوقات کی تخلیق کے لیے بارگاہ ایزدی سے جو پہلی توجہ ہوئی وہ محبت کی توجہ تھی کمال کے بقیہ مقامات کے لیے محبت اصل ہے اور باقی مقامات اس کی فروع ہیں اسی لیے پہلا اصل مقام پہلے اصلی موجود کے لیے مخصوص تھا اللہ تعالیٰ کے تمام حقائق کا ظہور محبت کے واسطہ سے ہی ہوا۔ اگر

محبت نہ ہوتی مخلوق کو تخلیق نہ کیا جاتا اور اگر مخلوق نہ ہوتی اسماء اور صفات کی پہچان نہ ہوتی تمام مخلوق کا ظہور حضور ﷺ کی روح مبارک کے واسطہ سے ہوا۔ اگر حقیقت محمدیہ نہ ہوتی تو مخلوق نہ ہوتی اگر مخلوق نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور نہ ہوتا اگر حقیقت محمدیہ نہ ہوتی تو مخلوق اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ کر سکتی نہ ہی اس کی صفات کا کسی کے لیے اظہار ہوتا کیونکہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ ہونا تھا۔ موجودات کے وجود کے لیے محبت ہی پہلا واسطہ ہے۔ موجودات کے ظہور کے لیے محمد مصطفیٰ ﷺ ہی پہلا واسطہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو شب معراج فرمایا۔ اے محمد ﷺ! اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ توجہ حبی کا مقصود آپ ﷺ کی ہی ذات ہے تاکہ کنز مخفی کی پہچان ہو۔ حب الٰہی کا اصل مقصود آپ ﷺ ہی ہیں ۔آپ ﷺ کے علاوہ دیگر مخلوق فرع ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسم ''حبیب'' کے ساتھ صرف آپ ﷺ کو مخصوص فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کے ان افراد سے بھی محبت کرتا ہے جو آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)

''اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا''۔

کیونکہ آپ ﷺ کی امت کی تخلیق آپ ﷺ سے ہی ہوئی ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّی

''میں مومنوں سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں''۔

یہ خصوصیت صرف امت محمدیہ کے ساتھ مختص ہے کوئی اور امت اس فضیلت کی حامل نہیں ہے زمانہ ماضی میں امم میں سے جس امت نے محبت الٰہیہ کا دعوی کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے اس دعویٰ کا انکار کر دیا اور محبت کو صرف حضور ﷺ کی اتباع کرنے والوں کے لیے مخصوص فرمایا کیونکہ ہر نبی کی امت کی تخلیق اس نبی سے ہوئی ہے اور انبیاء میں سے حبیب کے رتبہ پر صرف حضور ﷺ ہی فائز ہیں اس لیے آپ ﷺ کی امت ہی محبت الٰہیہ کے لیے مخصوص ہوئی۔

مطلق محبت کے مخلوق میں نو مراتب ہے اور ذات باری تعالیٰ میں صرف دو مرتبے ہیں۔ محبت الٰہیہ کو اس وقت تک ''حب'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جب تک اس کے اثر کے ظہور کے لیے حرکت نہ ہو۔ جب حرکت کا ظہور ہو گیا تو پھر اس محبت کو ارادہ کہتے ہیں حقیقی محبت اور حقیقی ارادہ صرف خداوندی

کے ساتھ مخصوص ہے۔

مخلوق میں محبت کے مراتب درج ذیل ہیں۔

(۱) میلان: دل کے مطلوب کی طرف میلان اور کشش کو کہتے ہیں۔

(۲) جب اس میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے تو اس کو رغبت کہتے ہیں۔

(۳) جب رغبت میں زیادتی ہوتی ہے تو اس کو طلب کہا جاتا ہے۔

(۴) جب طلب شدت اختیار کرتی ہے تو اس کو ولھ کہتے ہیں۔

(۵) جب ولھ شدت اور دوام اختیار کرتی ہے تو اس کو صبابہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۶) جب صبابہ قوت اختیار کر لیتی ہے تو اس کو ھوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۷) جب جسم پر اسکا حکم جاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ محبّ اپنے نفس کو فناء کر دیتا ہے۔ اس کو شغف کہتے ہیں۔

(۸) پھر ایسی علامات کا ظہور ہوتا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ محبّ اپنے نفس اور اپنی فناء سے مستغنی ہے اس کو غرام کہتے ہیں۔

(۹) جب یہ معاملہ مستحکم ہو جاتا ہے اس کو تمکن اور غلبہ نصیب ہوتا ہے محبّ محبوب میں فناء ہو جاتا ہے امر صرف ایک شی رہ جاتا ہے تو اسے حب مطلق کہتے ہیں اسی کا نام عشق ہے۔ یہ مخلوق کی محبت کا آخری مقام ہے۔ یہاں محبّ حبیب اور حبیب محبّ بن جاتا ہے۔ ان پر ایک دوسرے کی شکل وصورت کا رنگ چڑھ جاتا ہے عاشق کی روح معشوق کی روح کے ساتھ مستحکم ہو جاتی ہے۔

وہ اس روحانی صورت کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے جس طرح پھٹکری مازو کے ساتھ مل جاتی ہے۔ پھر ان کو جدا کرنا محال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَاقَتِ الْخَمْرُ فَتَشَابَهَ فَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ

"جام بھی نرم و ملائم ہے اور شراب بھی پتلی ہے وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں اور معاملہ مشکل میں پڑ گیا ہے"۔

فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ وَكَاَنَّمَا قَدَحٌ وَ لَا خَمْرُ

"ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یا تو وہ صرف شراب ہے پیالہ نہیں ہے یا صرف پیالہ ہے شراب نہیں ہے"۔

بیان کردہ نو مراتب مخلوق کے ساتھ مختص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو منسوب کرنا درست نہیں مگر یہ کہ اس حیثیت سے کہا جائے کہ مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ حب اور ارادہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ

کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ (مائدہ:54)

''تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا''۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا انسان نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰسین:82)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ محبت بھی فرماتا ہے اور ارادہ بھی حب اور ارادہ شوون باری تعالیٰ میں سے ہیں۔

محبت کا ایک اور مرتبہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس کو مرتبہ جامعہ کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کو ود کا نام دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا نام ودود ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے جس سے چاہتا ہے ود فرماتا ہے۔ اور مخلوق اس سے ود کرتی ہے یہ مرتبہ مشترک ہے لیکن یہ قدیم میں قدیم اور حادث میں حادث ہے۔ مؤدت میں خصوصیت یہ ہے کہ یہ جانبین سے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (روم:21)

''اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ۔ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی''۔

مودت دونوں اطراف سے ہوتی ہے۔ جب محبت محبّ اور محبوب دونوں سے ظاہر ہو تو اس کو مودت کہتے ہیں۔ یہ کوئی دو افراد کے مابین مشترک ہوتی ہے کسی ایک کے ساتھ مختص نہیں ہوتی بلکہ وہ دونوں اس میں شریک ہوتے ہیں۔ مودت زوجین (خاوند، بیوی) میں مشترک ہے۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے کے محبّ اور محبوب بن جاتے ہیں تو اس کے مابین محبت اور مودت کا اظہار ہوتا ہے۔ ظہور ہونے میں یہ عشق کے مراتب کی انتہا ہے۔ کیونکہ اس کا اظہار طرفین سے ہوتا ہے ورنہ مخلوق میں عشق سے بالاتر کوئی درجہ نہیں۔ یہ تو محبت الٰہی کی آگ ہے۔

چھٹا باب

درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کھڑا ہونے کی کیفیت

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا حبیب بنایا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مقام شفاعت پر فائز فرما دیا۔ مخلوق کی عام شفاعت کرنے کا رتبہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ دیگر انبیاء کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔ آپ لوگوں کے پیشوا، نگہبان اور راہنما ہیں۔ ہر نگران سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقام شفاعت عطا فرمایا تاکہ تمام لوگوں کی طرف صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے لیے شفاعت کریں اور ان کی دنیوی اور دینوی ضروریات کو پورا فرمائیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وسیلہ کا وعدہ فرمایا اسی کا نام مقام محمود ہے وسیلہ کا معنی مطلوب تک پہنچنے کا ایک واسطہ ہے اور یہی شفاعت ہے۔ جنت میں اس کی صوری شکل فردوس اعلیٰ ہے یہ جنات میں سے ارفع و اعلیٰ رتبہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی مقام ہے تاکہ صورۃً و معناً، ظاہراً و باطناً ہر لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال مکمل ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابتداء میں مخلوق کے ظہور کا واسطہ تھے تو آخرت میں آپ ہی ان کے لیے دائمی نعمتوں کے حصول کا واسطہ ہوں گے۔ ازل اور ابد میں تیرے وجود کے لیے، تیری ہر بھلائی کے لیے اور ہر موجود کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کوئی ذات وسیلہ، واسطہ اور علت نہیں ہے۔ تیرے لیے بہتر یہی ہے کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دامن کرم سے وابستہ ہو جائے۔ تو درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لازم پکڑ لے تاکہ میلان دونوں طرف سے ہو اور مقصود کے حصول میں آسانی ہو تجھے علم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اعرابی سے کیا کہا تھا جس نے جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت کی خواہش کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر تم جنت میں میری رفاقت کے خواہاں ہو تو پھر سجود کی کثرت سے میری مدد کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس کو یہ فرمانا ''اَعِنِّی عَلَی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ''...... اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند فرمایا کہ آپ اس اعرابی کی شفاعت فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں آپ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند کیا کہ یہ جذب و کشش دونوں جانب سے ہو تاکہ اس مقصود کے حصول میں جلدی ہو آپ نے کثرت سجود سے مدد کرنے کے لیے فرمایا تاکہ مقصود پوری طرح حاصل ہو جائے۔

اولیائے کاملین کی سنت مطہرہ بھی یہی ہے وہ در مصطفیٰ ﷺ پر جبین نیاز جھکا دیتے ہیں وہ دروازہ نبی ﷺ پر ڈیرے جما لیتے ہیں یہ طریقہ صرف اولیائے کاملین کا نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کا ہے جس کی تکمیل کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ جب انہیں حریم ناز میں اذن باریابی ملتا ہے تو وہ انوار الٰہیہ کا مشاہدہ نہیں کر سکتے وہ اپنا رخ بارگاہ مصطفوی ﷺ کی جانب لیتے ہیں پھر اس بارگاہ کی برکت سے ان پر مزید تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ ان کیفیت کی شرح کرنا ناممکن ہے وہ سمع محمدی ﷺ سے سنتے اور بصر محمدی ﷺ سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی قابلیت وخصوصیت کی وجہ سے ان تجلیات کو بھی برداشت کرتے ہیں جن کو کوئی ذات برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر انہیں بارگاہ نبویہ سے ایک خلعت عطا کر دی جاتی ہے۔ اس خلعت کے حصول کا صرف یہی طریقہ ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ ہم نے تو بحر میں شناوری کی جبکہ انبیاء کرام ساحل پر کھڑے رہے اس سمندر سے مراد شریعت کا وہ بحر بے کراں ہے جو صرف حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اسی وجہ سے جو ظاہری اور باطنی طور پر سنت محمدیہ پر عمل پیرا ہو۔ اس نے حقیقت محمدیہ کے اس بحر بے کراں میں غواصی کی جس میں ان لوگوں کو شناوری کرنے کی اجازت ملی ہے جو صورۃً اور معنیً اتباع محمدی ﷺ میں کمال حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ قابلیت محمدی ﷺ کے ساتھ مل بارگاہ ربوبیت سے کچھ حاصل کر سکیں۔

جب تو اس حقیقت سے آشنا ہو چکا ہے تو پھر حضور ﷺ کی بارگاہ کو لازم پکڑ لے دہلیز مصطفیٰ ﷺ پر بیٹھ جا۔ اگر تو یہ کہے میں نہیں جانتا کہ اس تعلق کو کیسے قائم کروں اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کو کیسے لازم پکڑوں تو ہم تجھے بتاتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی دو نوع ہیں۔

پہلی قسم

آپ ﷺ کی اتباع پر مداومت اختیار کر کے کمال حاصل کرنا۔ قول، فعل اور اعتقاد میں قرآن و سنت کے مطابق عمل پیرا ہونا۔ آئمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل میں سے کسی ایک کے مذہب پر صدق دل سے عمل پیرا ہونا کیونکہ علمائے محققین کا اجماع ہے یہ چاروں آئمہ کرام حق پر ہیں اور انشاء اللہ بروز حشر یہی فرقہ ناجیہ ہیں۔ اتباع صوری کی اس قسم کا کمال یہ ہے کہ ہم افعال کی عزیمت پر عمل کریں اور رخصت کی طرف جھکاؤ نہ رکھیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو اس آیت میں عزیمت پر ہی عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے ارشاد فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:35)

"تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا"۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو اولوالعزم رسول کے صبر کی طرح صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء

فرماتے ہیں۔ اولوالعزم رسول پانچ ہیں۔ جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔

وَهِيَ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

"تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔

حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفی ﷺ اولوالعزم رسول ہیں کامل تابع کے لیے ضروری ہے کہ وہ امور کی عزیمت کو اپنائے اور سہولت کی طرف جھکاؤ نہ رکھے اور نہ ہی رخصت کی ٹوہ لگائے۔ یہی اسلام کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مقام پر فائز ہونے کی توفیق دے۔

حضور ﷺ کی اتباع کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان عزیمت پر عمل پیرا ہو مگر یہ مقام نفس کی پہچان اور اس کے مکروفریب سے آگاہ ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے انسان نفس اور اس کے مکروفریب کی پہچان کسی مرشد کامل کے واسطہ سے ہی کر سکتا ہے اس لیے ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جو تیری راہنمائی کرے اور ان اعمال واحوال کی پہچان کرائے جو ہر زمان میں تیرے لیے مناسب ہوں کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضور ﷺ ابتداء میں کافی ایام غار حرا میں خلوت گزین رہتے تھے جب آپ کی شان کو رفعت ملی تو آپ نے اس خلوت گزینی کو ترک فرمادیا اور طویل عرصہ صحابہ کرام کے درمیان رہے۔ پھر آپ ﷺ صرف رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہی اعتکاف فرماتے ہیں۔ انسان اپنے لیے معقول اور مناسب چیز کی پہچان صرف اس شیخ طریقت کے ذریعہ سے ہی کر سکتا ہے جو اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اگر وہ مجذوب ہو تو پھر کشف کے ذریعے اس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن ہماری یہ بحث مجذوب کے متعلق نہیں ہے۔ ہم تو تیرے ساتھ محو گفتگو ہیں جو اتباع محمدی ﷺ کا طالب ہے۔ اے برادر محترم! اگر تو اتباع محمدی ﷺ کرنا چاہتا ہے تو پھر تیرے لیے ضروری ہے کہ تو پہلے شیخ کامل کو تلاش کرے جو تیرے نفس کو پہچان کر اس کے مطابق تیری راہنمائی کرے۔ جب تجھے مرشد کامل نصیب ہو جائے تو پھر اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کر نہ ہی اس سے جدا ہو۔ اگرچہ مصائب تجھے پیس کر رکھ دیں کسی بھی حالت میں نہ تو اپنے مرشد کامل کی نافرمانی کر اور نہ ہی اس سے کوئی چیز چھپا اگر تجھ سے کسی معصیت کا ارتکاب ہو جائے تاکہ وہ اس معصیت کے اثرات کو تجھ سے دور کرے۔ یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجایا

شفاعت کرے تا کہ اس معصیت کے اثرات زائل ہو جائیں۔ اگر تجھے ایسا کامل مرشد میسر نہ آسکے تو پھر اہل اللہ کے راستہ کو لازم پکڑ لے حریم ناز تک جانے والا راستہ چار اشیاء پر مشتمل ہے۔

(۱) قلب کا میلان صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ دنیا و آخرت کی کسی چیز کے متعلق کوئی رغبت نہ رکھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی مکمل توجہ کرنا جو محبت پر مبنی ہو اس میں کسی عوض، خواہش اور اکتاہٹ کی آمیزش نہ ہو

(۳) نفس کے دنیاوی اور اخروی مطالبات کی ہر لحہ مخالفت کرنا۔ نفس کی سب سے بڑی مخالفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو ترک کیا جائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت اختیار کرنا خواہ اس کا ذکر زبان سے یا دل سے یا روح سے یا سر سے یا ان تمام سے ہو۔

اس تمام کی تشریح میں نے اپنی کتاب ''غنیۃ ارباب السماع فی کشف القناع'' میں بیان کی ہے۔

دوسری قسم

تعلق صوری کی دوسری قسم یہ ہے کہ تو شدت محبت کے ساتھ حضور ﷺ کی اتباع کرے حتی کہ تو حضور ﷺ کی محبت کا ذوق اپنے تمام وجود میں محسوس کرے۔ پھر تو یہ کہے اللہ کی قسم میں نبی محترم ﷺ کی محبت کو اپنے دل، روح، جسم، بال اور جلد میں اس طرح محسوس کرتا ہوں جس طرح سخت گرمی میں شدید پیاس کے بعد ٹھنڈا پانی پینے سے وہ پانی ہر رگ میں چلتا ہوا محسوس ہوتا ہے نبی محترم ﷺ سے محبت کرنا ہر ایک پر واجب ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے''۔

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان میں کامل نہیں ہو سکتا حتی کہ میں اسے اس کے نفس، مال اور اولاد سے پیارا نہ ہو جاؤ۔ اگر تجھے محبت کا وہ رتبہ نصیب نہ ہو جو میں نے ابھی بیان کیا ہے تو تیرا ایمان ناقص ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر، اس کی بارگاہ میں آہ و زاری کر، اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا کر، نبی اکرم ﷺ کے ذکر مبارک پر مداومت اختیار کر بارگاہ نبوت کے آداب سیکھ جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے اس پر عمل کر اور جس سے آپ ﷺ نے روکا ہے اس سے کنارہ کشی کر۔ شاید تجھے یہ بلند مرتبہ حاصل ہو جائے۔ اور تیرا حشر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہو کیونکہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا'' انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے''۔

اس رسالہ کا مصنف عبدفقیر عبدالکریم بن ابراہیم بن عبدالکریم بن خلیفہ بن احمد بن محمود الکیلانی البغدادی الربیعی الصوفی کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، انبیاء، رسل اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہوں جو میرے نفس، روح، مال اور اولاد پر مؤثر ہے۔ میرے دل، جسم، بال اور جلد میں آپ ﷺ کی محبت رواں دواں ہے۔ میرے اس مقام سے وہ شخص انکار نہیں کرسکتا جو خود اس مقام پر فائز ہے۔ میں اس محبت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں تاکہ وہ بروز حشر تک اس کی حفاظت کرے اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ سے صوری تعلق کی پہلی قسم یہ ہے کہ ظاہری شریعت پر مداومت اختیار کی جائے راہ عزیمت کو اختیار کیا جائے اور حضور ﷺ کی تعظیم کی جائے۔ آپ ﷺ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور تمام اولیائے کرام کی تعظیم کی جائے کیونکہ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے قریبی ہیں۔ اہل اللہ کی گستاخی بارگاہ صمدیت سے دوری کا موجب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنی چاہیے کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے پیار اور ان کا ادب کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

دوسری قسم

بارگاہ رسالت سے معنوی تعلق

اس تعلق کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم

حضور ﷺ کے پیکر اقدس کو ہمہ وقت تصور میں رکھا جائے آپ ﷺ کا اس طرح ادب کیا جائے جس طرح اس شخص کا ادب کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہوتا ہے بلکہ آپ ﷺ کے ادب کرنے میں آپ ﷺ کے جلال، تعظیم اور ہیبت کا بھی لحاظ رکھا جائے اگر تم آپ ﷺ کے پیکر دلنواز کو اپنے سامنے نہ رکھ سکو تو پھر آپ ﷺ کی اس من موہنی صورت کو آنکھوں میں بسالو جو تم نے کبھی اپنے خواب میں دیکھی ہو۔ اور اگر تم آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو تو درود شریف پڑھتے ہوئے تمہاری کیفیت یہ ہونا چاہیے کہ گویا کہ نبی اکرم ﷺ تمہارے سامنے اسی طرح جلال، تعظیم، ہیبت اور حیاء کے ساتھ تشریف فرما ہیں جس طرح آپ ﷺ اپنی ظاہری حیات میں تھے۔ آپ ﷺ تمہیں ملاحظہ فرمارہے ہیں اور تمہارا ذکر سن رہے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ اللہ کی صفات سے متصف ہیں اور اللہ اس کا ہم نشیں ہوتا ہے جو آپ ﷺ کا ذکر کرتا ہے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے وافر

حصہ ملا ہے۔

حضور ﷺ سب سے زیادہ عارف باللہ ہیں۔

اگر تم اس طرح کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے تو پھر تم نے کبھی آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت تو کی ہوگی آپ ﷺ کے روضہ اطہر اور گنبد خضریٰ کی زیارت کی ہوگی تو پھر اپنے ذہن میں اس قبر اطہر اور روضہ انور کا تصور کر لو جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرنے لگو یا آپ ﷺ کے جلال اور تعظیم کے سامنے سر فگندہ ہو۔

اور اگر تمہیں حضور ﷺ کی قبر انور اور روضہ مبارک کی زیارت کرنے کی بھی سعادت نہ ملی ہو تو پھر آپ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو اور یہ تصور کروں کہ محبوب مکرم ﷺ تمہارے درود کو سن رہے ہیں۔ اس وقت مجسمہ ادب بن کر درود شریف کا نذرانہ پیش کرو اور توجہ کے ساتھ یہ وظیفہ محبت پڑھو اور یہ سوچ کر شرم محسوس کرو کہ تم نبی اکرم ﷺ کا ذکر کر رہے ہو اور آپ ﷺ پر درود شریف پڑھ رہے ہو لیکن توجہ کسی اور جانب مبذول ہے اس وقت تمہارا درود شریف جسد بے روح ہوگا کیونکہ انسان جب بھی کسی نیک عمل کو سرانجام دیتا ہے اگر وہ حضور قلب کے ساتھ وہ عمل ادا کرے تو پھر وہ عمل زندہ ہوتا ہے اور اگر غفلت سے ساتھ وہ عمل کرتا ہے تو پھر وہ مردہ ہے اس میں کوئی روح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ کرام نے فرمایا ہے ''نیت عمل کی روح ہے'' اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے میں نے اپنے شیخ اسماعیل بن ابراہیم الجبرتی کو سنا آپ فرما رہے تھے۔ اگر کوئی انسان کسی ایسے عمل میں مشغول ہو جس کے آغاز میں اس نے نیت نہ کی ہو تو پھر وہ عمل شروع کرنے کے بعد بھی اس عمل سے رضائے الٰہی کی نیت کرے تو اللہ تعالیٰ اس نیت کی وجہ سے ہی اس کے عمل میں نئی روح پھونک دے گا۔ اور اگر کسی نے ابتداء میں بری نیت کی پھر عمل کے دوران اپنی نیت کو درست کر لیا تو یہ بھی عمل کی صورت میں حسن وزیبائی پیدا کر دیتی ہے اور اس عمل کو حیات نو نصیب ہو جاتی ہے۔

تعلق معنوی کی پہلی قسم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پیکر دلنواز کو ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رکھا جائے جلال، ہیبت اور تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے دامن کرم کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اس میں ہی سعادت کبریٰ اور منزلت رفیعہ ہے۔

تعلق معنوی کی دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس حقیقت کاملہ کو ذہن میں رکھا جائے جو تمام اوصاف کمال سے متصف ہے جو جلال اور جمال کی جامع ہے۔ اوصاف باری تعالیٰ سے متصف ہے وہ ازل ابد میں

ذات الٰہیہ کے نور سے منور ہے۔ وہ کمال خلقی اور خلقی کو محیط ہے صورت و معنی، حکم و عین، غیب و شہادت اور ظاہر و باطن کی ہر فضیلت آپ ﷺ میں موجود ہے۔ تیرے لیے ممکن نہیں کہ تو ان سب کو بیک وقت اپنے ذہن میں متصور کرلے حتیٰ کہ تجھے یہ علم ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ برزخ کلی ہیں آپ ﷺ قدیم اور حدیث کے حقائق کو دونوں سمتوں سے محیط ہیں آپ ﷺ ہر دو پہلو سے حقیقت ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور ذاتی سے ہوئی ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ کی ذات اوصاف حمیدہ اور افعال جمیلہ نیز اس کے آثار و موثرات کو حکما اور عینا جامع ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (نجم:9-8)

”پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا پھر اس سے بھی کم“۔

میں تیرے لیے اس آیت کے معنی کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں وہ حقیقت جو نبی اکرم ﷺ کے کمالات رفیعہ کو محیط ہے اور تیرے لیے ایسی مثال بیان کرتا ہوں جس سے یہ حقیقت تیرے ذہن میں جاگزین ہو جائے گی۔

سب سے پہلے یہ سمجھ کہ تمام کائنات ایک دائرہ کی طرح ہے جو نصف سے ایک ایسے خط سے منقسم ہے جو اس کے وسط سے گذر رہا ہے اس دائرہ کے نصف اعلیٰ کو وجود قدمی، واجب اور حق سے موسوم سمجھ (اللہ تعالیٰ کی ذات تقسیم و انقسام سے بلند تر ہے) اور اس کے نصف اسفل کو وجود محدث، ممکن اور مخلوق سے تعبیر کرلو۔ اس دائرہ کے ہر نصف کو قوس کہتے ہیں اور خط اس قوس کا وتر ہے ایک خط دونوں قوسوں کا وتر ہے یہی وتر ”قَابَ قَوْسَيْنِ“ ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ذات محمدی ﷺ کمالات الٰہیہ اور کمالات خلقیہ دونوں کی جامع ہے یہ وجود یہ دائرہ کی مثال ہے حضور ﷺ حقیقت کے حقائق اور مخلوق کے حقائق کے مابین برزخ کی مانند ہیں کیونکہ آپ ﷺ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہیں اسی وجہ سے شب معراج آپ ﷺ عرش کے اوپر تشریف لے گئے جیسا کہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عرش مخلوقات کی انتہا ہے عرش کے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے نبی اکرم ﷺ اس عرش پر ہی تشریف فرما ہوئے۔ تمام مخلوق آپ ﷺ کے نیچے تھی صرف رب تعالیٰ ہی آپ ﷺ کے اوپر تھا اس طرح آپ ﷺ صورت محسوسہ میں حق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بن گئے۔ جس طرح آپ ﷺ بالمعنی برزخ ہیں۔

کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور ذاتی سے اور تمام مخلوق کی تخلیق آپ ﷺ کے نور سے ہوئی آپ ﷺ دونوں طرف دونوں صفتوں سے متصف ہیں۔

جب تجھے اس حقیقت کا علم ہو جائے گا پھر تیرے لیے کمال محمدی ﷺ کو ذہن نشین کرنا آسان ہو جائے گا۔

تنبیہ

نبی محترم ﷺ کا ہر عالم میں ظہور اس عالم کے مناسب ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ کا ظہور عالم اجسام میں اس طرح نہیں جس طرح آپ کا ظہور عالم ارواح میں ہوتا ہے کیونکہ عالم اجسام تنگ ہے۔ اور عالم ارواح کی طرح اس میں وسعت نہیں ہے اور عالم ارواح میں آپ ﷺ کا ظہور اس طرح نہیں جس طرح آپ ﷺ کا ظہور عالم معنی میں ہے کیونکہ عالم معنی عالم ارواح سے لطیف تر ہوتا ہے۔ اس طرح زمین پر آپ ﷺ کا ظہور اس طرح نہیں جس طرح آپ ﷺ کا ظہور عرش الٰہی کے دائیں طرف ہے اور عرش الٰہی کے دائیں طرف آپ ﷺ کا ظہور اس طرح نہیں جس طرح آپ ﷺ کا ظہور عرش کے اوپر حریم ناز میں ہے۔ مقام جتنا بلند ہوگا آپ ﷺ کا ظہور بھی اتنا ہی اکمل و اتم ہوگا۔ ہر ظہور میں اس مقام کے مطابق جلال اور ہیبت ہے حتیٰ کہ یہ انتہا ایک ایسے مقام پر ہوتی ہے جس کو نہ کوئی نبی دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ولی حضور ﷺ کے فرمان۔

لِیْ وَقْتٌ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ غَیْرُ رَبِّیْ

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں میرے رب کے علاوہ اور کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا"۔

کا مفہوم یہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

وَقْتٌ مَعَ اللّٰهِ لِی لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے ایک ایسا وقت بھی ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل دخل اندازی نہیں کر سکتا اے میرے بھائی! اپنی ہمت کو بلند کرتا کہ تو نبی محترم ﷺ کو مظاہر علیا میں دیکھ سکے۔

اشارہ

اے برادر محترم! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے صوری پیکر دلنواز اور معنوی سراپا کو ہمہ وقت پیش نظر رکھو، ابتداء میں تمہیں کچھ تکلف کرنا پڑے گا کچھ عرصہ بعد تمہاری روح حضور ﷺ کے ساتھ مالوف ہو جائے گی۔ حضور ﷺ تیرے سامنے تشریف فرما ہوں گے تمہیں یہ سعادت ملے گی کہ تم آپ ﷺ سے گفتگو کر سکو گے آپ ﷺ سے مخاطب ہو سکو گے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تمہارے ساتھ محو گفتگو ہوں گے آپ ﷺ تمہارے ہر سوال کا جواب ارشاد فرمائیں گے۔ اور تم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درجہ پر فائز ہو جاؤ گے اور انہی کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ (انشاء اللہ)

ساتواں باب

بارگاہ مصطفویہ کو لازم پکڑنے کے ثمرات

نبی محترم ﷺ کے در اقدس کو لازم پکڑنا آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا بروز حشر تم میں سے میرے زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کے دل کو آپ ﷺ کے ساتھ ایک خصوصی تعلق نصیب ہوتا ہے، اس کا دل آپ ﷺ کی روحانی صورت سے عشق کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کی زبان پر ہمیشہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک جاری رہتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو قرب نصیب ہوتا ہے حتی کہ وہ حضور ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی معیت میں ہوگا آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے تیرے لیے بھی ایسی ہی دعا ہو۔ بلاشبہ ملائکہ کی دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ درود شریف پڑھنے والے پر درود پڑھتا ہے اس طرح اس کا درود اس کی ذات کی طرف ہی لوٹ آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے درود پڑھنے والے کو قرب نصیب ہوتا ہے اور بروز حشر وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوگا۔ یہ ثمر زبان کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا ہے لیکن اگر درود شریف دل، روح اور سر سے پڑھا جائے تو اس کے ثمرات کیا ہوں گے؟ اور درود کا معنی بھی قرب، اجتماع اور اقبال ہے۔

عمل ظاہر (درود شریف) کا نتیجہ مکانی قرب (جنت) ہے اور عمل باطن (نبی اکرم ﷺ کے پیکر اقدس کو ہمہ وقت ذہن نشین کرنے) کا اجر قرب مکانت ہے اور یہ حریم ناز میں داخل ہو جانا ہے۔

اشارہ

خوب جان لو کہ جب ولی کامل میں اللہ کی معرفت زیادہ ہوتی ہے تو وہ پرسکون اور مستحکم ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ کے ذکر کے وقت وہ اس کے قریب ہوتا ہے اور وہ اسے بھولتا نہیں۔ لیکن جب اس ولی کامل کو نبی اکرم ﷺ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور اس کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے تو وہ مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے۔ ذکر نبی ﷺ کے وقت اس پر معرفت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس ولی کو اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے اور حضور ﷺ کی معرفت جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے وہ اسے نبی محترم ﷺ کی قابلیت اور صلاحیت کے

مطابق حاصل ہوتی ہے۔اسی وجہ سے اس کا سکون برقرار نہیں رہتا اور وہ مضطرب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ معرفت اس کی قابلیت سے زیادہ ہوتی ہے۔ جتنا کوئی ولی نبی اکرم ﷺ کی ذات میں فنا حاصل کرتا چلا جاتا ہے اتنی ہی اس کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی معرفت کسی دوسرے ولی سے کامل ہوتی جاتی ہے بارگاہ ربوبیت میں اس کو استقرار نصیب ہوتا ہے اور حریم ناز میں داخل ہو جاتا ہے۔

بشارت

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اولیائے کاملین میں سے جس نے آپ ﷺ کا دیدار تجلیات الٰہیہ کی کسی تجلی میں کیا اس کو ملبوسات کمالیہ میں سے ایک خلعت پہنا دی جاتی ہے نبی اکرم ﷺ اس خلعت زیبا کو خود پہناتے ہیں۔ اگر اس ولی میں اتنی استطاعت ہو کہ وہ اس دنیا میں اس خلعت کو پہن لے تو اسے فوراً پہنا دی جاتی ہے ورنہ اسے مؤخر کر دیا جاتا ہے جب اس میں استعداد پیدا ہوتی ہے اس کو زیب تن کر لیتا ہے۔ جس شخص کو یہ خلعت زیبا پہنائی جاتی ہے پھر اس پر تجلیات میں سے کوئی تجلی ڈالی جاتی ہے اگر اسے کوئی شخص دیکھ لے تو پھر اس سے یہ خلعت لیکر دوسرے شخص کو عطا کر دی جاتی ہے اور پہلے ولی کو دوسری خلعت عطا کر دی جاتی ہے جو پہلی خلعت سے اکمل ہوتی ہے اگر وہ ولی وہ خلعت بھی کسی اور کو عطا کر دے تو پھر اسے بارگاہ رسالت سے ایک تیسری خلعت ملتی ہے جو پہلی دونوں سے اکمل ہوتی ہے اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور یہ حضور ﷺ کے بحر کرم کا فیض ہے نبی اکرم ﷺ کی یہ سنت مطہرہ اس وقت سے جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد لیا تھا حتی کہ انبیاء کو مقام نبوت ملا جبکہ اولیاء کرام اس مقام پر فائز نہ ہو سکے کیونکہ اولیاء نے انبیاء کے بعد نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا اور اس مخصوص مقام میں دیدار کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ اس سعادت کو حاصل کر گئے جو ان کے علاوہ کوئی حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو خلعت اکمل میں دیکھا تھا۔ نبی اکرم ﷺ ابدالآبدین تک ہیں۔ جو بھی آپ ﷺ کا دیدار کرے گا اس کو خلعت زیبا سے نواز دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس مقام کو حاصل کرنے کی توفیق دے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ

سید عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہرات

حضرت العلام اپنی ''النور المتمکن'' میں فرماتے ہیں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو ظاہر میں ایک نورانی وجود ہے جس کے باطن کا ادراک ناممکن ہے۔ وہ ولی، حمید، قریب اور بعید ہے وہ اہل نعیم پر نعمتیں فرمانے والا اور اصحاب آتش کو عذابِ آتش میں مبتلا کرنے والا ہے۔ وہ ہر سعید اور شقی کی پکڑ کرنے والا ہے۔

اس نے محمد عربی ﷺ کو اہل ہدایت کا پیشوا بنایا ہے۔ وہ مخلوق کا ہاتھ تھام کر خالق کی بارگاہ تک لے جاتے ہیں وہ بارگاہ صمدیت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہر مومن کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس اللہ نے ابلیس کو باغیوں اور سرکشوں کا سردار بنایا وہ مخلوق کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے وہ عمل فاسد اور علم مہلک کے ساتھ گمراہی وضلالت پر گامزن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو قسموں میں منقسم فرمایا ہے اور تمام مخلوق نے یا تو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی ہے یا وہ شیطان مرید کی پیروی میں مستغرق ہے۔ نبی دو جہاں ﷺ کی اتباع کرنے والا ولی مقرب ہے اور آپ ﷺ سے اعراض کرنے والا بد بخت دھتکارا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کے لیے دو جنسوں کی طرف داعی ہیں۔ اس کا جمال نعمت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا جلال عذاب کا تقاضا کرتا ہے بسط قریب کا اور قبض بعید کا تقاضا کرتا ہے اس دونوں راستوں میں سے ہر ایک کی انتہا یا شقاوت ہے یا سعادت۔ میں ذات خداوندی کی حمد وستائش کرتا ہوں اور اس ذات کی تعظیم بجالاتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے وہ اصول وفروع سے منزہ ہے عترت وآل سے پاک ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کمالات کا مظہر ہیں اسماء وصفات کے حقائق کا مظہر کامل ہیں آپ ﷺ در یتیم اور غوث زمان ہیں۔ آپ ﷺ اس منزل رفیع پر فائز ہیں جسے تمام مخلوق حاصل نہ کر سکی۔ جود وکرم اور فضل وکمال کے خزانوں کی چابی آپ ﷺ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

علامہ سید عبدالکریم الجیلی اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

اے برادر محترم! تجھے جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صفت جلال اور صفت جمال کے ساتھ متصف ہے۔ اس کی جمالی صفات قرب اور نعمتوں کا تقاضا کرتی ہیں جبکہ جلالی صفات بعد اور عذاب کا تقاضا کرتی ہیں کائنات کا وجود ان دونوں کے حکم پر دارومدار رکھتا ہے کائنات میں یا تو اعلیٰ یا اسفل، لطیف یا کثیف،

قریب ہے یا بعید

شقی ہے یا سعید، علو والے اہل قرب ہیں۔ یہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کی ارواح کی لطافت کی وجہ سے ان کے اجسام بھی لطیف ہو چکے ہیں یہی اہل یمین ہیں اور ان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ سفلی مخلوق ہی اہل بعد ہے وہی بد بخت ہیں جن کے اجسام کی کثافت کی وجہ سے ان کی ارواح بھی کثیف ہو چکی ہیں وہ اہل شمال میں سے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت اور اہل شقاوت میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیشوا دیا ہے حضور ﷺ اہل سعادت کے راہنما ہیں خود سب سے بڑے سعادت مند ہیں آپ ﷺ ہر جگہ ہر وقت، دنیا اور آخرت میں بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں اسی وجہ سے تمام امر کا انحصار آپ ﷺ پر ہی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نبوت کو ختم فرمایا جس طرح کہ تخلیق کا آغاز آپ ﷺ سے ہی فرمایا تھا۔

ابلیس لعین آپ ﷺ کی ضد ہے وہ بد بختوں کا راہبر ہے اور خود سب سے بڑا شقی ہے وہ بد بختوں کی ہر زمان، مکان، دنیا اور آخرت میں شر کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وہ ابلیس تھا۔ اللہ رب العزت نے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے انکار کر دیا اسی وجہ سے وہ عصیان شعاروں کا راہنما اور انہیں جہنم کی طرف لیجانے والا ہے۔ محمد عربی ﷺ وہ پہلی ذات ہیں جس نے کائنات میں اللہ کی اطاعت کی تھی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا اور اسے حکم فرمایا آ جا وہ آ گئی پھر اسے چلے جانے کا حکم دیا وہ چلی گئی یہ عقل اول اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہے سب سے پہلے اس نے فرمانبرداری کی یہی روح محمدی کی حقیقت ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کی روح کو پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ ہی اس عقل کی حقیقت ہیں جو سب سے پہلے اطاعت بجالائی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ تمام اطاعت شعاروں کے قائد اور ہر جگہ ان کے راہنما ہیں۔ آپ ﷺ کی حیثیت ایک ایسے نگہبان کی سی ہے جو مخلوق کو سلطان کی طرف لے جاتا ہے اور ابلیس اس چوکیدار اور حاجب کی طرح ہے جو مخلوق کو بادشاہ کے پاس آنے سے روکتا ہے (یہ صرف مثال ہے جو سمجھانے کے لیے دی گئی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نگہبان اور چوکیدار سے منزہ ہے) سعید مطلق بلکہ سب سعادت مندوں سے زیادہ سعادت مند آپ ﷺ ہی ہیں۔ شقی مطلق بلکہ سب بد بختوں سے زیادہ بد بخت ابلیس لعین ہے۔ پھر لوگوں میں افراد جتنی زیادہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کریں گے۔ وہ اتنے زیادہ سعید ہوں

گے۔ اور جو اتباع کرنے میں سست ہوں گے وہ مرتبہ میں بھی کم ہوں گے وہ شخص جس نے صرف آپ ﷺ کے قول کی اتباع کی وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول، فعل اور حال کی اتباع کی۔ جس طرح سعادت مندوں کے درجات ہیں اسی طرح بدبختوں کے بھی درجات ہیں۔ جس نے جتنی زیادہ ابلیس کی پیروی کی وہ اتنا ہی زیادہ بدبخت ہے۔

حضرت العلام مذکورہ کتاب کے پہلے باب میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو تخلیق کا شاہکار بنایا آپ ﷺ کو صورت و معنی میں مجسمہ حسن بنایا وجود میں آپ ﷺ کو بلند مرتبہ عطا فرمایا جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہیں ہے جیسا کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا'' وسیلہ جنت میں ایک ارفع درجہ ہے۔ یہ صرف ایک آدمی کو ہی عطا کیا جائے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ آدمی ہوں گا جسے یہ مرتبہ عطا کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کی یہ امید کرنا بالکل بجا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی کا آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے تمام احوال اور اقوال اسی مرتبہ علیا اور منزلت رفیعہ کے موافق ہیں۔ آپ ﷺ سراپا ہدایت تھے۔ آپ ﷺ قول، فعل، حال، ظاہر اور باطن ہر طرح سے شاہراہ ہدایت پر گامزن کرتے۔ آپ ﷺ کی ذات صرف ہدایت کا ہی تقاضا کرتی ہے تاکہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائیں آپ ﷺ کی راہ ہدایت پر گامزن ہوں اور آپ ﷺ کی اطاعت کریں آپ ﷺ نے ہر اس شخص کو سعادت مند کیا جس نے اس سے بہرہ مند ہونا چاہا کیونکہ آپ ﷺ سعادت مطلقہ کی اکسیر ہیں ہر وہ شخص جس نے آپ ﷺ کی اتباع کی یا اسے آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی یا آپ ﷺ کے قریب ہوا اس نے سعادت ابدیہ کو پالیا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو نبی محترم ﷺ پر ایمان لایا پھر فوراً مر گیا اس کے لیے دخول جنت کا کیسے فیصلہ کر دیا جاتا ہے حالانکہ نہ تو اس نے نیک اعمال کیے اور نہ ہی اقوال اور احوال میں آپ ﷺ کی اتباع کی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سراپا نور ہیں۔ نور جنت کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہے نور کی قلیل مقدار بھی کافی ہوتی ہے کیا تم قندیل کے نور کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ تاریک رات میں کس طرح تمہاری راہنمائی کرتی ہے۔ وہ تمہیں گھر کی طرف لے جانے کے لیے اسی طرح ضوفشانی کرتی ہے جس طرح دن کے وقت سورج ضیاء بار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام اہل سعادت آپ ﷺ کے تابع ہیں خواہ ان کا زمانہ آپ ﷺ کے عہد ہمایوں سے پہلے ہو یا وہ بعد میں گزرے ہوں سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کا تابع ہے اسی وجہ سے وہ آپ ﷺ کے نائب تھے اور اولیاء کاملین آپ ﷺ کے خلفاء ہیں یہ تمام مخلوق سے زیادہ سعادت مند ہیں کیونکہ انہوں

نے ظاہر و باطن میں کمال حاصل کیا اور کامیاب ہوئے۔ انبیاء کرام نے باطن کو بھی کمالات الٰہیہ اور
معارف لدنیہ سے آراستہ کیا اور ظاہر میں بھی وہ نبوت، ہدایت اور رسالت کے راستہ پر چلے ہر ایک نے
اس شریعت کی طرف دعوت دی جو اس کے ساتھ مخصوص تھی۔

امت محمدیہ کے اولیائے کاملین کی بھی یہی کیفیت ہے وہ باطن میں کمالات الٰہیہ میں نبی محترم ﷺ کے تابع ہیں اور ظاہر میں بھی احوال، اقوال اور افعال میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہیں گروہ انبیاء علیہم السلام کے بعد حضور ﷺ کی مکمل اتباع انہوں نے ہی کی وہ درجہ نبوت پر فائز نہ ہوئے کیونکہ وہ لوگوں کو شریعت محمدیہ کی طرف ہی دعوت دیتے رہے جبکہ ہر نبی اور رسول اپنی مخصوص شریعت کی طرف دعوت دیتا رہا انبیاء کو اولیاء پر یہ فضیلت ہے کہ انہیں شریعت عطا کی گئی اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں" اس حدیث سے وہ بلند مرتبت علماء مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے جمال وجلال سے واقف ہیں۔

تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام نبی اکرم ﷺ کے لیے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں پہلے تشریف لائے تھے جس طرح کہ بادشاہ سے پہلے حاجب گزرتا ہے اور امت محمدیہ کے اولیاء حضور ﷺ کے خدام ہیں وہ ان خواص کی طرح ہیں جو بادشاہ کے اردگرد بیٹھتے ہیں اسی لیے شیخ ابو الغیث ابن جمیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تو سمندر میں غواصی کی لیکن انبیاء ساحل پر کھڑے رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ قول حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ بحر سے مراد قرب محمدی ہے حقائق باطنہ اور دقائق ظاہرہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختصاص ہے کیونکہ انبیاء کرام کے لیے شریعت محمدیہ پر عمل کرنا لازم نہیں مگر یہ کہ وہ حقیقت میں حضور ﷺ کی اتباع میں ہیں امت محمدیہ کے اولیاء نبی اکرم ﷺ کے اسرار سے آگاہ ہیں وہ کمال محمدی کے سمندر کے شناور ہیں جبکہ انبیاء ساحل پر ہی ایستادہ ہیں۔ کیونکہ وہ بذات خود شریعت کے حامل ہیں اس لیے وہ اس بحر میں غواصی نہ کر سکے جس میں امت محمدیہ کے اولیائے کاملین نے کی۔

اسی وجہ سے سید الاولیاء محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے انبیاء علیہم السلام سے کہا تمہیں صرف لقب دیا گیا ہے جبکہ ہمیں اس نعمت سے نوازا گیا ہے جو تمہیں عطا نہیں کی گئی۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حضور ﷺ کی "تبعیت" کا لقب دیا گیا ہے لیکن وہ صرف حکماً تابع ہیں حقیقت میں حضور ﷺ کی اتباع امت محمدیہ کے اولیاء کاملین نے کی ہے کیونکہ وہ شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہوئے۔ انہوں نے ان کمالات سے خوشہ چینی کی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ وہ حقیقت مجاز، صورت معنی اور ظاہر اور باطن میں نبی اکرم کے تابع ہیں ان کے علاوہ تمام افراد کو کسی

ایک وجہ سے یا کئی وجوہات سے تابع کہا جا سکتا ہے لیکن من کل الوجوہ اتباع صرف اولیاء کاملین نے ہی کی وہ انبیاء اور رسولوں کے بعد سب سے سعادت مند ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مکمل طور پر نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی اس لیے ان کی سعادت بھی ہر پہلو سے مکمل ہے۔ نبی محترم ﷺ کی اتباع کرنے والوں کی تین اقسام ہیں۔

قسم اول

پہلی قسم ان یکتائے روزگار افراد کی ہے جو سبقت لے گئے نبی محترم ﷺ نے اس فرمان میں ان کا ہی ذکر فرمایا ہے" وہ لوگ روانہ ہوئے اور سب سے سبقت لے گئے" یہ وہ فرخندہ فال لوگ ہیں جنہوں نے حقائق الٰہیہ میں نبی محترم ﷺ کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہوئے وہ اوصاف رذیلہ کی میل کچیل سے پاکیزہ ہو گئے اور اوصاف حمیدہ کو اپنا لیا انہوں نے ظاہری افعال میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی وہ صفات محمدیہ سے متصف ہو گئے اس طرح وہ کمالات الٰہیہ کو پا گئے۔

دوسری قسم

دوسری قسم سے مراد وہ عارفین ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے کنارہ کشی اختیار کی اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں کمال حاصل کیا حضور ﷺ کی اتباع کی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے لیے اخلاق کریمانہ اور اوصاف حمیدہ کو اپنایا۔

تیسری قسم

اس قسم میں وہ مومن شامل ہیں جو نبی محترم ﷺ کے اقوال پر عمل پیرا ہیں۔ آپ ﷺ کے افعال کی اتباع کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت عالم صوری میں حضور ﷺ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ قرآن میں ان تینوں اقسام کے متعلق یوں تذکرہ ہوا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر:32)

"پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا فضل ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں ائمہ کا کافی اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے ظَالِمٌ لِنَفْسِہٖ سے مراد وہ لوگ لیے

ہیں جو نفس کی مخالفت میں معنوی لحاظ سے مستحکم ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس پر یہ ظلم کیا کہ اس کو اس کی شہوات نہ دیں۔ اس کا رخ مرغوب ومحبوب اشیاء سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا حتیٰ کہ ان کا نفس فنا فی اللہ ہو گیا پھر وہ بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو گئے۔ اس قسم کو ''قسم صدیقی'' کہتے ہیں۔

مقتصد سے مراد وہ لوگ ہیں جو راہ اعتدال پر رہے اللہ تعالیٰ کے حقوق پورے کرتے رہے اور نفس کو بھی اس کا حصہ دیتے رہے انہوں نے خلوص کیساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دنیا وآخرت میں سے کسی چیز کا تقاضا نہ کیا اس قسم کو ''قسم شہید'' کہتے ہیں۔

سابق بالخیرات سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے آخرت کی تمنا کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اتباع کی انہوں نے جزاء کو پیش نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اس قسم ''قسم صالحی'' کہتے ہیں۔ محقق علماء کا یہی نقطہ نظر ہے۔ مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ۔ بعض آئمہ کرام نے اس نقطہ نظر کے برعکس بیان کیا ہے وہ ''سابق بالخیرات'' کو سب سے افضل گروہ شمار کرتے ہیں ''مقتصد'' کو متوسط شمار کرتے ہیں یعنی وہ لوگوں جنہوں نے اتباع تو کی لیکن پہلے گروہ کے رتبہ کو نہ پا سکے اور ''ظالم لنفسہ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہ بھی کیے اور نیک اعمال بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ (توبہ:102)

''اور کچھ اور ہے جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے''۔

کلام الٰہی میں ''عسی'' فعل کے وقوع کو مستحکم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہی وہ تین گروہ ہیں جو منتخب ہوئے ہیں۔ پہلی قسم اولیاء کاملین کی ہے جنہوں نے ہر پہلو سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی۔ اس قسم کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے اب میں بقیہ دو اقسام کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔

پہلی قسم

پہلی قسم میں وہ پیروکار شامل ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ کی پیروی کی حتیٰ کہ انہوں نے خالق کا عرفان حاصل کرلیا۔ نبی اکرم ﷺ کے لیے دو طریقے مخصوص ہیں۔

(۱) طریقہ باطنہ

(۲) طریقہ ظاہرہ

باطنی طریقہ ایک اجمالی امر ہے اس امر کا ستون اخلاق الٰہیہ سے متصف ہونا ہے۔ اور حقائق میں اس راہ پر گامزن ہونا ہے جس پر ہر صاحب حق کو اس کا حق مل جائے۔ اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ

اخلاق الٰہیہ جن میں کسب کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ ان کا حصول محض عنایت الٰہیہ ہے یہ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جن کے لیے بارگاہ ربوبیت میں سعادت لکھ دی جاتی ہے۔(۲) اخلاق کونیہ ان کو مکارم اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس قسم کے حصول میں عمل کا حصہ ہے۔

اس قسم کو وہ شخص کسب سے حاصل کرسکتا ہے جس کو ازل میں اللہ نے ہمت بخشی ہو۔اس دوسری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔مثلاً تقویٰ،علو ہمت،شرف نفس،یقین، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے متعلق عمدہ عقیدہ،صبر،عفت اور حیاء وغیرہ۔

دوسری قسم

میں وہ اخلاق آتے ہیں جو انسان کے علاوہ دیگر مخلوق میں بھی پائے جاتے ہیں۔مثلاً حلم،کرم، حسن خلق،وسعت صدر،ہدایت،خدمت اور وہ اوصاف جو اپنے موصوف سے دوسرے کی طرف بھی متعدی ہوتے ہیں۔یہ قسم اتباع صوری کی عین ہے۔کیونکہ بروز حشر روح کا حشر اخلاق کی صورت پر ہوگا۔جبکہ جسم کا حشر اعمال پر ہوگا نہ کہ اخلاق پر۔

کیونکہ جسم کی شکل وصورت کا حسن روح کے تابع ہوتا ہے کیا تم مور کو نہیں دیکھتے کیا اس کا حسین جسم اس کو کوئی فائدہ دیتا ہے۔اسی طرح اگر انسان کی شکل وصورت حسین نہ ہو لیکن اس کی روح حسین وجمیل ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں روح کا حسن وجمال معتبر ہوتا ہے اسی طرح معنوی مکارم اخلاق کے پیروکار صوری اتباع کرنے والے سے افضل واعلیٰ ہیں۔

دوسری فصل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال اور اعمال اور اقوال کی اتباع کرنے والے

اقتداء صوری ایک کلی امر ہے یہ اقتداء کرنے والے لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم

اس قسم میں وہ لوگ شامل ہیں۔جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں۔علماء کا گروہ اس قسم میں شمار کیا جاتا ہے۔یہی طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کا وارث ہے۔مثلاً قراء محدثین،مفسرین، اصحاب فقہ وغیرہ۔یہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کے محافظ ہیں۔

دوسری قسم

میں وہ لوگ شامل ہیں جو حضور ﷺ کے افعال قلبیہ کی اقتداء کرتے ہیں مثلاً زھد، اخلاص، مراقبہ، توکل، تفویض اور تسلیم وغیرہ۔

تیسری قسم

میں وہ لوگ شامل ہیں جو آپ ﷺ کے افعال ظاہرہ کی اقتدا کرتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، دعائیں اور اعمال صالحہ وغیرہ۔ مندرجہ بالا تینوں اقسام حضور ﷺ کے پیروکاروں میں شامل ہیں ان کے اقوال، احوال اور افعال حضور ﷺ کی اتباع میں ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ آپ ﷺ کے کسی قول یا فعل یا حال کی مخالفت نہیں کرتے۔ یہ صوری اتباع ہے یہی وہ اتباع ہے جس کی صورت پر بروز حشر جسم کو اٹھایا جائے گا۔ جس کے صوری افعال اور اقوال عمدہ ہوں گے آخرت میں اس کا جسم بھی حسین وجمیل ہوگا۔ اتباع معنوی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ بروز حشر روح اسی صورت پر ہوگی جس کی معنوی اتباع اچھی ہوگی آخرت میں اس کی روح بھی اکمل واجمل ہوگی۔ اتباع جتنی کامل ہوگی روح کا حسن اتنا عمدہ ہوگا اتباع میں جتنی کمی ہوگی۔ روح بھی اسی قدر حسن و جمال میں کم ہوگی۔ فقہاء حضور ﷺ کے اقوال کے وارث ہیں۔ عبادت گذار آپ ﷺ کے احوال ظاہرہ کے وارث ہیں۔ مرید آپ ﷺ کے افعال باطنیہ قلبیہ کے وارث ہیں عارفین آپ ﷺ کے اخلاق روحانیہ اور اوصاف رحمانیہ کے وارث ہیں۔ جبکہ اولیاء کاملین آپ ﷺ کے شؤون الہیہ اور اسرار ہمدانیہ کے وارث ہیں۔ یہی لوگ مرتبہ کمال پر فائز ہیں۔

سیدی عبدالکریم الجیلی قدس سرہ کے مزید جواہرات

لِسَانُ الْقَدْرِ بِكِتَابِ نَسِيمِ السَّحَرِ

''ناموس اعظم اور قاموس اقدم'' کا بارھواں باب ہے۔ یہ بارہ فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کا ساری دنیا سے کٹ کر غار حرا میں خلوت گزیں ہونا۔

دوسری فصل

آپ ﷺ کا بچپن میں بھیڑیں، بکریاں اور اونٹ چرانے میں راز۔

تیسری فصل

ملک شام کی طرف تجارتی سفر کرنے کا راز۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ کے فرمان، میرا رزق میرے نیزے کے سایہ کے نیچے رکھا گیا ہے کا راز۔

پانچویں فصل

حضور ﷺ کے فرمان ''اَلْمَرْءُ حَیْثُ وَضَعَ نَفْسَہٗ'' کی وضاحت

چھٹی فصل

حضور ﷺ کے نزدیک عورتوں کو پسندیدہ بنائے جانے اور ازواج مطہرات کی کثرت میں راز۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ خوشبو کو بہت زیادہ پسند کیوں کرتے تھے۔

آٹھویں فصل

نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا راز۔

نویں فصل

حضور ﷺ کا اپنے مابعد امتیوں سے محبت فرمانے میں حکمت۔

دسویں فصل

''لِیْ وَقْتٌ مَعَ اللّٰہِ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ'' کی تشریح۔

گیارہویں فصل

اے مولا! میں تیری حمد و ثناء اس طرح بیان نہیں کر سکتا جس طرح تو اپنی ذات کی مدح و ستائش کرتا ہے۔ کی تشریح۔

بارہویں فصل

وقت وصال نبی اکرم ﷺ کا ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی''
کہنے میں حکمت اور تین بار اس کا تکرار کرنے میں راز۔

پہلی فصل

غارحرامیں خلوت گزینی

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ذات میں منفرد ہے۔ جس کی صفات اور اسماء کا کثرت سے ظہور ہوتا ہے جو بلند و بالا عظمت کا مالک ہے۔ قرب و دور سے آشنا ہے۔ جو وجوب اور بقا میں قدیم ہے۔ مخلوق پر اسی کی قابلیت کے مطابق جود و کرم کے خزانے لٹانیوالا وہی ہے۔ ہر حقیقت کو نقص و کمال اسی نے عطا کیا ہے۔ میں درود شریف پڑھتا ہوں نبی مکرم ﷺ پر جو خلق عظیم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ قرآن پاک آپ ﷺ کا خلق ہے۔ آپ ﷺ نے ہی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پھر عرش کریم تک سیر فرمائی۔ ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ خَيْرَ صَلٰوةٍ وَّتَسْلِيْمٍ''

برادران محترم! اس غفلت سے بیدار ہو جاؤ اس سے قبل کہ وقت اپنی مہلت ختم کرے۔ بلند مقاصد کی شمشیر کو بے نیام کرو اپنے محبوب شغل کو ترک کرو شاید کہ مطلوب تمہیں مل جائے۔

يَا مَنْ اَرَادَ الْفَوْزَ بِالْاَحْبَابِ   هَلَّا اشْتَغَلْتَ بِهِمْ عَنِ الْاَسْبَابِ

''اے وہ شخص جو اپنے عزیز و اقارب سمیت کامیابی کا خواہاں ہے کیا تو ان تمام سمیت ایسے اسباب سے غافل نہیں ہو گیا''۔

تَهْوِى الْحَبِيْبَ وَتَبْتَغِى بَدَلًا بِهٖ   هٰذَا لَعَمْرِى اَعْجَبُ الْاَعْجَابِ

''تم حبیب ﷺ کی محبت کو لازم پکڑتے ہو اور پھر تم نے آپ ﷺ کا بدل چاہا میری عمر کی قسم یہ بڑا ہی عجیب فعل ہے''۔

يَامَنْ يُرِيْدُ الخلَّ غَيْرَهٗ   اِنْ كَانَ مِنْ اُوْلِى الْاَلْبَابِ

''اے وہ شخص جو خلیل بننے کا خواہش مند ہے لیکن وہ رفاقت کسی اور کی اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ اصحاب عقل و دانش کا یہ قول کتنا عمدہ ہے''۔

لَمْ يَتَّسِعْ قَلْبُ الْفَتٰى فِى شُغْلِهٖ   اِلَّا لِشَىْءٍ وَّاحِدٍ وَّ جَنَابِ

''کہ کسی جوان کے دل میں صرف کسی ایک چیز یا کسی ایک بارگاہ کی محبت ہی ہو سکتی ہے''۔

فَاتْرُكْ سِوَاهُمْ اِنْ اَرَدْتَ وَصَالَهُمْ   وَاهْجُرْ هَوَاكَ وَسَائِرَ الطُّلَّابِ

''اگر تو ان کا وصال چاہتا ہے تو ان کے سوا ہر ایک کو چھوڑ دے اپنی خواہشات اور تمام چاہنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرے''۔

وَتَخَلَّ مَعَهُمْ سَاعَةً فِى خَلْوَةٍ   قَدْ نَزَّهَتْ عَنْ مَانِعٍ وَّ حِجَابٍ

''ایک لمحہ بھر کے لیے ان کے ساتھ خلوت نشینی اختیار کر تو تمام مانع اور حجابات سے محفوظ ہو جائے گا''۔

حضور ﷺ نے غار حرا میں خلوت نشینی فرمائی اور ساری دنیا سے ناتا توڑا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ محبوب بڑا غیور ہے وہ کسی ایسے دل میں نہیں بستا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو۔ مخلوق سے وحشت اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والوں کا دروازہ ہے صحراء اور غاروں میں خلوت نشینی محبوب کے ساتھ پیار کرنے والوں کی علامت ہے مخلوق سے خلوت حق تعالیٰ کے ساتھ جلوت کے دروازے کھول دیتی ہے۔ جب تجھے کسی انسان کے ساتھ انس نہ ہوگا تو پھر تو حریم ناز میں داخل ہو جائے گا جس قدر کان کم سنیں گے اور نگاہیں کم دیکھیں گی اسی قدر سینے کے وسوسے اور افکار کے اندیشے کم ہوں گے۔ اس وقت دلوں سے میل کچیل دور ہوگی ارواح اور اسرار کو محبوب کے ساتھ الفت ہو جائے گی۔ وہ شب و روز اسی کے ذکر میں مشغول رہیں گی۔ نفس محبوب و مانوس اشیاء کی جدائی برداشت کر لیتا ہے۔ ارواح خفیف ہو جاتی ہیں۔ اگر تو خواہشات نفسانی کا غلام ہے تو پھر تو زمین کے ساتھ ہی چمٹا رہے گا اس کے طول و عرض میں ہی دوڑتا رہے گا۔ اگر تو روحانی ہو گیا ہے تو پھر تو محبوب کی طرف اڑ کر چلا جائے گا۔ تیری طبیعت ہر چیز کو ترک کر کے صرف اس چیز پر راضی ہوگی جس پر نبی اکرم ﷺ نے رضا کا اظہار فرمایا تھا۔ آپ ﷺ بلد حرام سے نکل کر غار حرا کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کم مقدار میں کھانا تناول فرماتے اور کم نیند کرتے اور کم ہی گفتگو فرماتے۔ آپ ﷺ شرک اور گناہ سے بالکل معصوم تھے۔ جب دل پر جسم کا حکم قوی ہو جاتا ہے تو روح کا حکم کمزور ہو جاتا ہے جب سلطان روح کا حکم چلتا ہے تو پھر اجسام کا حکم کمزور ہو جاتا ہے۔ پس نفس کو بھوک سے کمزور کر و روح کو قوت دو۔ کم گفتگو کر کے وسواس کی نفی کرو۔ گناہوں کو ترک کرو اور محبوب سے ملاقات کرنے کے لیے خلوت گزیں ہو جاؤ۔

قَدْ صَفَا الْوَقْتُ بِمَنْ اَهْوٰی وَ طَابَ　　فَاَیَ عَنْ وَقْتِنَا الْوَاشِی وَ غَابَ

''خوشگوار اور لذیذ محبوب کی معیت میں وقت کتنا عمدہ ہو گیا ہے۔ ہمارے اس وقت سے چلغور بھی دور اور غائب ہو گیا ہے''۔

سَمَحَ الدَّهْرُ بِطِيبِ الْمُلْتَقٰی　　يَالَهَا مِنْ حَضْرَةٍ وَصْلٍ تَسْتَطَابُ

''اس عمدہ ملاقات کی زمانے نے سخاوت کی اے وہ ذات جس کے وصل کو خوشگوار سمجھا جاتا ہے''۔

نَامَ عَنَّا عَيْنُ مَنْ يَرْ قُبُنَا　　وَتَجَلّٰى الخلُّ مِنْ غَيْرِ حِجَابِ

''رقیب سو گیا اور ہمارے لیے محبوب کا چہرہ بغیر کسی حجاب کے عیاں ہو گیا''۔

لَا زَمَتْنَا بِالْغَوٰی حَادِثَةٌ   اِنَّمَا الْبُعْدُ عَنِ الْحُبِّ عَذَابُ

''ایک حادثہ نے ہم میں جدائی ڈال دی۔ بلا شبہ محبوب سے دوری عذاب ہوتا ہے''۔

لَسْتُ اَخْشٰی جُوْرَ دَهْرٍ یْ فِی الْهَوٰی   اَنَا فِی ظِلِّ حَبِیْبِی لَا اُصَابُ

''میں محبت میں زمانے کے ظلم وستم سے ہراساں نہیں ہوتا۔ میں اپنے محبوب کے سایہ کرم کے نیچے ہوں۔ مجھ تک مصیبت کی رسائی ناممکن ہے''۔

کھانے اور پینے کو ترک کرنا عقل وخرد کو جلا بخشتا ہے سونا موت کی طرح ہے تو اسے چھوڑ دے تجھے حیاتِ نو نصیب ہو گی۔ اس میں تجھے زندگی ملے گی لوگ تجھے اپنے محبوب سے غافل رکھتے ہیں۔ تو انہیں چھوڑ دے تو مطلوب کو پالے گا۔ کثیر گفتگو کرنے کے بعد کئی قسم کے وسواس پیدا ہوتے ہیں۔ گفتگو کو ترک کر دینا دل کا زنگ دور کر کے اس کوئی جلا بخشتا ہے۔

محبت میں اس چیز کو صاف کر جو تیرے دل کو صاف کر دے۔ یہ رتبہ تکالیف بغیر حاصل نہیں ہوتا ورنہ سید خلق ﷺ نہ تو زخمی ہوتے اور نہ ہی آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوتے۔ حالانکہ آپ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے مابین تھے۔ اگر معرفت وعرفان کا حصول اتنا ہی آسان ہوتا تو حضور ﷺ اپنے بطن اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر نہ باندھتے۔ اگر تو بامراد لوگوں سے ملنا چاہتا ہے تو فوراً ان ہلاکتوں پر سوار ہو جا۔ کسی شخص نے یہ کتنا خوب کہا ہے جو شخص ہلاکتوں کی سواری پر سوار نہیں ہوتا وہ بلند لوگوں کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتا۔

دَعْنِی اَسِیْرُ عَلَی الْجُفُوْنِ مُهَرْوِلًا   نَحْوَ الْحَبِیْبِ وَ عَلَی الْاَرْمَاحِ

''مجھے چھوڑ دو میں پلکوں کے بل چل کر اپنے محبوب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ خواہ مجھے نیزوں پر ہی چلنا پڑے''۔

لَا خَیْرَ فِیْمَنْ یَثْنِی عَنْ خَلِّهٖ   خَوْفَ الْبَلَاءِ وَخَشْیَةَ الْاَعْضَاحِ

''اس شخص کے لیے کوئی بھلائی نہیں جو مصائب اور مشکلات سے ڈر کر اپنے محبوب سے روگرداں ہوتا ہے''۔

لَوْکَانَ بَیْنِی وَالْحَبِیْبَ جَهَنَّمُ   لَوَ لَجْتُهَا بِالرُّوْحِ وَالْاَشْبَاحِ

''اگر میرے اور میرے محبوب کے درمیان جہنم بھی ہو پھر بھی میں اپنے جسم اور روح سمیت اس میں چھلانگ لگا دوں گا''۔

اَوْکَانَ مَنْ اَهْوَاهُ فِی اُفُقِ السَّمَاءِ   لَا طِرْتُ لَوْ قَصَّ الْغَرَامُ جَنَاحِی

''اگر میرا محبوب آسمان کے افق پر بھی ہوتا تو اڑ کر اس کے پاس چلا جاتا اگرچہ عشق میرے پر بھی کاٹ کر رکھ دیتا''۔

لَا صَبْرَ لِی عَنْ هَوَیْتُ وَلَمْ اَزَلْ ۔ اَدنو اِلَیْهِ عَشِیَّتِی وَصَبَاحِی

''میں اپنے محبوب کے فراق پر صبر نہیں کر سکتا اس لیے میں صبح و شام اس کے قریب ہونے کے لیے کوشاں رہتا ہوں''۔

دوسری فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صغر سنی میں بھیڑ، بکریاں اور اونٹ چرانے کا راز

تمام حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے جمال کا سایہ اپنے کمال کی بساط پر ڈالا اور وجود کو اپنے وجود کے محاسن عطا کیے حضرت آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا اور دنیا میں اس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس کے ذریعہ وجود کی سلطنت کا انتظام چلایا اور اس پر ہر قسم کا فیض جاری کیا۔ اس کو تمام مخلوق کے اسماء سکھائے تاکہ اسے اپنی تمام مملکت کا علم ہو جائے۔ کیونکہ کوئی بادشاہ اپنے رعیت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ مقربین نے سجدہ کیا کیونکہ ان کا عز و شرف اور کمال اسی کا تقاضا کرتا تھا۔ تاکہ وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو سعادت مند تصور کریں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب، علم اور تہذیب سکھایا اور انہیں محبوب کی بارگاہ میں حاضری کے آداب سکھائے۔ تاکہ وہ عجیب انداز سے اپنی عاجزی کا اظہار کر سکیں۔

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (بقرہ:32)

اِخْضَعْ لِمَنْ تَهْوَاهُ ثُمَّ تَذَلَّلْ ۔ وَالْثِمْ تُرَابَ حِمًی عَلَا وَقَبِّلْ

''جس سے تو محبت کرتا ہے اس کے لیے جھک جا پھر عاجزی کا اظہار کر پھر اس کی بلند و بالا چراگاہ کو بوسہ دے''۔

اَدَبِ الْحُضُوْرَ مَعَ الْاَحِبَّةِ اِنْ تَرٰی ۔ اَلَا تَرٰی لَكَ فِی الْهَوٰی مِنْ مَنْزَلِ

''محبوبوں کے ساتھ جمع ہونے کے لیے ادب سیکھ۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محبت میں تیرے کئی مقامات ہیں''۔

مَنْ لَمْ یَمُتْ عِنْدَ الْاَحِبَّةِ ذِلَّةً ۔ لَمْ یَحْیِی فِی عَیْنِ الْوِصَالِ الْاَفْضَلِ

''جو شخص اپنے محبوبوں کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے مر نہیں جاتا وہ کبھی بھی وصال افضل کے چشمہ سے حیات نو نہیں پا سکتا''۔

لَا تَطْلُبَنَّ اِلَّا اِرَادَتَهُ الَّتِی اِخْتَارَهَا لَكَ فِی الزَّمَانِ الْاَوَلِ

''تو صرف اس خواہش کو ہی طلب کر جس کو اس نے تیرے لیے زمانہ اول میں ہی پسند کر لیا تھا''۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا تَبْتَعِیْنِهٖ وَلَمَّا تَكُنْ مُتَعَرِّفًا فَمَا فِی اَمْرِهٖ وَتَحَمَّلْ

''اپنی خواہشات پر صبر کر اور اس کے معالمہ سے روگراں نہ ہو اور بردباری سے کام لے''۔

اِنْ یَقْبَلُوْكَ لِخِدْمَةٍ فَبِفَضْلِهِمْ اَوْ یَطْرُدُوْكَ فَعَنْهُمْ لَا تَرْحَلْ

''اگر وہ تمہیں کسی خدمت کے لیے چن لیں تو یہ ان کا فضل ہے۔ اور اگر تجھے دھتکار دیں تو پھر بھی تو وہاں سے روانہ نہ ہو''۔

اسی طرح شیطان بھی کئی ہزار سال سے ملائکہ کے درمیان تھا جب اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کا ظہور ہوا تو یہ ملائکہ سے باہر آ گیا۔ ایک وقت تھا جب بھیڑے اور بھیڑیں اکٹھے ہی چرا کرتے تھے۔ چرواہا اپنا ڈنڈا لے کر وہاں آیا تا کہ وہ بھیڑوں کو بھیڑے سے جدا کرے۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے۔

''اس کائنات کو ایک محکم نظام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ ایک حکیم اور بردبار ہستی کی تدبیر سے رواں دواں ہے''۔

اگر تو کسی کو اپنی خواہش کے خلاف دیکھے تو یہی کہہ کہ یہ چیز طوعاً یا کرہاً اپنے رب کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔

ہر وقت امور کا انتظام کرنے والا ایک مدبر ہے اور اسی قطب پر ہی تمام امور کا دارو مدار ہے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کا ایک خلیفہ مقرر ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خلفاء ایک دوسرے کے وارث بن رہے ہیں۔

اے نوجوان اگر تو بھی اولاد آدم میں سے ہے تو پھر تو بھی اس خلافت کو طلب کر اور اس کو غنیمت سمجھ۔ یہ خلافت ہمیشہ باکمال اور اہل علم لوگوں کے پاس آتی رہی۔ اللہ تعالیٰ کی سلطنت پر اس کے خلفاء برحق ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق حلم اور بردباری کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ تجھے جان لینا چاہیے کہ انہیں بلند و بالا آسمانوں، ملک اور ملکوت کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ وہ درحقیقت بادشاہ ہیں اور ان کے علاوہ تمام لوگ غلام ہیں انہیں مخلوق پر ہر قسم کا حکم کرنے کا اختیار ہے۔ بغیر کسی ملامت اور عیب کے ان کے احکام ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں۔ ان سے جب کوئی فعل سرزد ہوتا ہے تو ان سے کوئی سوال نہیں ہوتا ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس کے بعد ندامت کا سامنا کرنے پڑے۔

حضور ﷺ نے صغر سنی میں بھڑیں اس لیے چرائی تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ ہی راعی اعظم ہیں۔تدبر عالم میں آپ ﷺ کا ہی تصرف ہے اسی وجہ سے صرف آپ ﷺ شفیع اعظم ہیں اور مخلوق کو آپ ﷺ کی شفاعت سے ہی نجات نصیب ہوگی۔حالانکہ ہر جگہ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔لیکن آپ ﷺ امتی امتی پکار رہے ہوں گے۔کیونکہ ہر راعی سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔آپ ﷺ ہی کائنات کی راحت اور سکون ہیں جب کائنات کی سانس تنگ ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ اس کی سانس بن جاتے ہیں۔جیسا ''معنی'' میں ہے۔

''ہماری شان یہ ہے کہ جب اس کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں تو ہم سکون و راحت کے ساتھ اس کے لیے سانس کا کام دیتے ہیں۔ہمارا مرتبہ بہت بلند اور ہمارا فضل متصل ہے ہمارے فضل سے تمام امتیں مستفید ہو رہی ہیں۔بلند مرتبہ ہمیں ہی نصیب ہے احسان اور کرم کرنا ہمارا پرانا شیوہ ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کو ہر سرخ اور کالے کی طرف عربی اور عجمی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔تا کہ آپ ﷺ تمام جہاں کے لیے رحمت بن سکیں۔تم یہ گمان نہ کرو کہ آپ ﷺ کی رحمت مسلمانوں اور مومنوں کے ساتھ مختص ہے بلکہ آپ تمام مخلوق کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔کیا تم نے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نہیں سنا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام مخلوق میرے جھنڈے تلے ہوگی۔ میرا یہ گمان نہیں کہ جو نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا اسے کوئی گزند پہنچے گی۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دست اقدس سے تین لپیں ایسے افراد دے گا جن پر جہنم کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔

''اس شخص سے کہہ دو جورات کو سوئے ہوئے بھی ہلاکتوں کے متعلق گفتگو کرتا رہتا ہے اور جسے ہر طرف مصائب نے گھیر رکھا ہے کہ تو حضور ﷺ کے وسیلہ سے ہی نجات پائے گا اس لیے تو ان مصائب سے نہ گھبرا۔آپ ﷺ کی ذات عاقب اور ماحی ہے خواہ کوئی دشمن ہو یا دوست آپ ﷺ کا فضل ہر ایک کو محیط ہے۔اے نوجوان! آپ ﷺ سب کے بعد تشریف لائے کیونکہ سلطان اپنی جماعت کے بعد ہی آتا ہے۔تمام کائنات حضور ﷺ کی رعیت ہے اور آپ ﷺ شرق و غرب کے نگہبان ہیں۔دنیا و آخرت کے تمام امور کی چابیاں آپ ﷺ کے پاس ہی ہیں۔تمام حاجات کے مشکل کشا آپ ﷺ ہی ہیں۔جب تک بلبل نغمہ زن رہے اور جب تک گھنے درختوں میں پرندے چہچہاتے رہیں آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام ہو''۔

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک قریب البلوغ پہنچی تو آپ ﷺ نے بکریاں اور بھیڑیں چرائیں اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری کائنات کے حقیقی راعی آپ ﷺ ہیں اور تا کہ وہ امر متحقق ہو جائے

جو حقیقت میں آپ ﷺ کے لیے مقرر ہے اور اس راز نہاں سے پردہ اٹھ جائے۔

اے محبوب! ﷺ آپ جلدی کریں تا کہ آپ ﷺ اپنے مقصود کو حاصل کر سکیں۔ اے جوان! محتاط رہ روح کی حفاظت کرتا کہ کسی شیطان کا بھیڑیا اس کے پاس نہ جا سکے۔ اور اس کی حفاظت کے لیے ڈنڈے کو کسی وقت بھی اپنے ہاتھ سے نہ رکھ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ تجھے کبھی بھی اپنے نفس کی مخالفت کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ حواس خمسہ، تقوی اور ظاہری اعضاء یہ تمام ایک راعی کی رعیت ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ عدل کرنا لازم ہے۔ اس لیے ان کو ہلاکتوں میں استعمال نہ کرتا کہ تو آخرت میں بد بخت نہ بن سکے کیونکہ ان کے ساتھ ایسا کرنا یہ ظلم ہے تو ظالم کی سزا سے خوب واقف ہے۔ جیسا کہ ''معنی'' میں ہے عدل عمدہ اوصاف میں سے ہے اس لیے سردار! ظلم کرنے والا نہ ہو جا۔ اپنی سیاست کو عمدہ کر اپنی رعیت کو امن دے اور اس پر رحم کرتا رہ۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء دی جائے گی یہ ایک طے شدہ امر ہے۔

تیسری فصل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر شام میں حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمام اشیاء کے راز سے پردہ اٹھایا۔ وہ اشیاء بالکل عیاں ہو گئیں۔ اس نے ہر وقت ہر چیز کو ایک نئی تدبیر بخشی ہر ایک کو ایک نیا وجود بخشا تا کہ عالم کی ہر شی میں اختلاف ہو اور ہر چیز ہر آن ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ اس نے ہی ارشاد فرمایا:

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (ق:15)

''معنی'' میں ہے۔ ساربان تجھے کہتا ہے کہ اپنے محبوبوں کی طرف ہمیشہ محو سفر رہ کیونکہ وجود بھی مسافر ہے کائنات کی کوئی چیز بھی اپنی منزل پر مقیم نہیں ہے۔ ہر ایک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ہر چیز سفر پر رواں دواں ہے لیکن اس کی ترقی مخفی ہے ہر چیز اسی راہ پر گامزن ہے جس پر قادر مطلق نے اسے ڈال دیا ہے۔ وہ اس ارادہ کے مطابق رواں دواں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔''

سفر اصلی ایک کلی سفر ہے وہ سفر حق تعالیٰ سے شروع ہو کر اسی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ اللہ سے اس کا آغاز اور اسی پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

امام جلیل امام جیلی فرماتے ہیں اس سفر کی دس منازل ہیں۔

پہلی منزل

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کا وہاں ظہور فرمایا لیکن اس ظہور کا کسی کو کوئی ادراک نہیں۔

دوسری منزل

لوح محفوظ ہے جس سے بندے کا ظہور تعین پر ہوتا ہے۔

تیسری منزل

آباء کی پشتوں میں سفر، اس سفر میں انسان کئی مقامات طے کرتا ہے۔

چوتھی منزل

اپنے باپ کی پشت میں آنا جہاں سے ظہور شروع ہوتا ہے۔

پانچویں منزل

ماں کا پیٹ جہاں اس کی مختلف شکلیں اور ہیئتیں تبدیل ہوتی ہیں۔

چھٹی منزل

عالم دنیا یہ آزمائش و مصائب کا گھر ہے یہاں زوال اور فناً ہے۔

ساتویں منزل

برزخ

آٹھویں منزل

منزل حشر ہے اس کا نام قیامت ہے۔

نویں منزل

جنت یا جہنم۔

دسویں منزل

اہل جنت کے لیے کثیب اور اہل آتش کے لیے اعراف۔

پھر امام جیلی نے مجھ سے اور سفروں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کو صرف صوفیاء ہی سمجھ سکتے ہیں مجھ جیسا انسان ان کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

پہلا سفر

حق کا خلق کی طرف نزول

دوسرا سفر

خلق کا حق کی طرف بلند ہونا۔

تیسرا سفر

صعود

چوتھا سفر

مخلوق کا حق کے ساتھ حق میں سفر

پانچواں سفر

مخلوق کا حق کے ساتھ حق سے حق کی طرف سفر

چھٹا سفر

انسان کا حریت سے عبدیت کی طرف سفر۔

مخلوق میں سے اہل حق کے طریقوں میں فرق ہے بعض لوگ ساری زندگی ان سفروں پر ہی رواں دواں رہتے ہیں بعض لوگوں کے لیے یہ سفر سمیٹ دیا جاتا ہے وہ اسی دنیا میں ہی واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جنت یا دوزخ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔

ہر منزل کے لیے مخصوص زادراہ ہے۔ بقاء اور کمال کے جوہر کو نقص، فناء اور زوال کے بازار میں فروخت نہ کر۔ ہر قسم کا بھاری سامان دوسرے کو دے دے اور اپنی بھلائیوں کو پوشیدہ رکھ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب تھا۔ اپنے اردگرد کی منازل کو اپنا مسکن نہ بنا بلکہ ہر منزل پر کمال کی تجارت کرتا رہ۔ جب ہم نے تیرے لیے یہ بیان کر دیا ہے کہ انسان ابتداء سے لے کر انتہاء تک ہر وقت سفر میں ہے اور وہ ہر وقت ترقی میں ہے۔ جلال و جمال کے تمام اوصاف کا ظہور اسی طرح ہوتا ہے اگر تو جوان مرد ہے تو پھر ہر وقت زیادتی کا طلب گار رہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر شام میں یہی راز ہے۔

چوتھی فصل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان، میرا رزق میرے نیزے کے سایہ کے نیچے رکھ دیا گیا ہے کی حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو قیوم، قائم، احد، واحد، فرد، صمد، دائم ہے جس نے اپنے پوشیدہ وجود کے نور سے کائنات کی ظلمت کو دور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء اور صفات کے افعال کے تقاضوں کے مطابق اسے خلعت عطا کی اس کی صفات میں سے ہر صفت کائنات میں سے ہر ایک چیز کی طرف توجہ کرتی ہے۔ ہر چیز پر اس کا حکم غالب ہے تا کہ یہ عالم اس کی تجلیات کا مظہر بن جائے۔ درود شریف ہو محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اکمل و اطیب ہیں۔ جو ثقلین کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام اور آل اطہار پر بھی درود و سلام ہو۔

اے برادر محترم! جو حق کی جستجو میں سچا ہوتا ہے وہ مخلوق کے ساتھ مشغول نہیں ہوتا۔ اور اگر محبوب کے علاوہ کسی دوسری مخلوق سے پیار کیا جائے تو پھر مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا۔ زندگی کے لحات ختم ہوتے جارہے ہیں اور تو اپنے محبوب کے علاوہ دوسری اشیاء کی طرف مائل ہے۔

اے جاہل! پھر تو اپنے مطلوب کو کیسے پاسکتا ہے۔ تیرے دل پر غفلت طاری ہے تو اپنے محبوب کے سامنے کیسے حاضر ہوسکتا ہے۔ حضرت ابوالغیث بن جمیل فرماتے ہیں کہ اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کی طرف رجوع کرے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی کیونکہ انہوں نے اپنے رب کی طرف ہی رجوع کیا تھا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (ص:30) جب اللہ اپنے انبیاء کو ترغیب دے رہے ہیں کہ وہ بارگاہ صمدیت کی طرف رجوع کریں اور درگاہ ربوبیت کے سامنے وقوف کو لازم کریں پھر تجھے قرار کیسے نصیب ہوسکتا ہے تو نہ تو اس کے دروازے کے سامنے مقیم ہے اور نہ ہی تو نے وہاں اعتکاف کر رکھا ہے۔ ''معنی'' میں ہے۔

اے حدی خوان! اپنی اونٹنی کو محبوب کے پاس بٹھا لے وادی کے دامن ''سقط اللوی'' میں قیام کرے اپنے محبوب کے اتر جانے کے بعد سفر کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ تو جس سے پیار کرتا ہے وہ مجلس میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ''جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي'' تجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے پر برانگیختہ کرنے کے لیے ہے اور تجھے یہ بتانے کے لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالات واحدانیت کے سایہ میں کیسے تشریف فرما ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ ربوبیت میں کیسے حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے حریم

ناز کے ساتھ متعلق ہیں "رمح" کا یہی معنیٰ ہے۔ اسی بارگاہ کو تو بھی لازم پکڑ لے عنقریب تیرے لیے بھی دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور "دارالاحباب" میں تجھے بھی فضل و کمال کے ساتھ نوازا جائے گا۔

پانچویں فصل

"اَلْمَرْءُ حَيْثُ وَضَعَ نَفْسَهٗ" کا راز

تمام ستائش اللہ کے لیے ہے جو ہر جگہ اس پر صلاحیت کے مطابق تجلی فرماتا ہے۔ کیونکہ مراتب مختلف ہیں مثلاً علو، سفل، نقص، کمال، امر، سلام، منافی، مضاد اور مناسب وغیرہ ہر مقام کے قرب اور بعد میں فرق ہے۔ وصال وانفصال میں تفاوت ہے۔ وہ واحد ہے اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ:115)

"تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے"۔

پاک ہے وہ ذات جس نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔ اور اس میں ظلمت کو دور فرمایا۔ اس کو ایک ایسے عالم میں اتارا جو اس کے اسرار اور برکات سے لبریز تھا اگر انسان پہلے اسفل السافلین میں تھا تو وہ صاحب علیین بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمالات بھی عطا کیے اور عیوب بھی۔ انسان علوم کا ماہر ہو گیا اس نے اسرار و رموز کا احاطہ کر لیا۔ اور اپنے نفس کو ایک مقام پر فائز کیا۔ وہ مرتبہ اس کا مقام ولایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (بقرہ:148)

"ہر ایک کے لیے توجہ کے لیے ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے"۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان کا وہی مقام ہے جہاں اس نے اپنے نفس کو فائز کیا۔

اپنے مقام سے ناآشنا ہونے سے اجتناب کر۔ حضور ﷺ کی شریعت پر عمل کر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کے متعلق فرمایا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:17)

"اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

مزید فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (فتح:10)

"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں"۔

سعادت محمدیہ کے ساتھ بحر احدیت میں غواصی کر۔ کمالات الٰہیہ کے منہج میں آپ ﷺ کے آثار

کی پیروی کر۔ تا کہ تو مقام غوثیت وقطبیت پر فائز ہو سکے اور تجھے حضور ﷺ کی روح کے جوار میں جگہ مل سکے۔

چھٹی فصل

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کثرت کی حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنی معرفت کے لیے عالم کے وجود کو پسند کیا اور مخلوق کو اپنی حکمت کے اعلیٰ نظام پر تخلیق کیا۔ ہر چیز کو کمال عطا کیا۔ حتیٰ کہ اس چیز کو نقص بھی اس کے مرتبہ میں کمال ہے۔

ہر چیز کا کمال اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرف راجع ہے اور اس کے وجود کی قابلیت کے مطابق اس صفت کا اس میں ظہور ہے۔ ظاہر ایک ہے اور ظہور مختلف ہیں اس کا دارومدار مظہر کی وسعت، تنگی، لطافت اور کثافت پر ہے۔ ہر مظہر میں ظہور کی حد متعین ہے وہ حد اللہ تعالیٰ کے کمالات کے معانی سے عبارت ہے۔ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا مظہر ہیں۔

صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر جو بارگاہ ربوبیت کا نور ہے جو اہل قرب کا سردار ہے جو اس کی ذات اور صفات کا راز ہے جو خاتم النبیین ہے جو تاج المرسلین ہے جس کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ ﷺ ہے۔ جو تمام مخلوق سے افضل ہے۔ آپ ﷺ کی آل وعترت پر، صحابہ کرام پر اور تمام امت پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

حضور ﷺ کی عورتوں سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا عین ہے۔ تا کہ آپ ﷺ کو اللہ کا عرفان حاصل ہو۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے، میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے ارادہ کیا کہ میری پہچان ہو میں نے مخلوق کو تخلیق کیا اسے اپنی پہچان کرائی اس نے مجھے پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حقائق کے ظہور کو پسند فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کی تا کہ ہر کمال آپ ﷺ کے لیے متحقق ہو جائے۔ ایک پاکباز بندے کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اس وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَا کُمُ النِّسَاءُ

''تمہاری دنیا میں سے میرے لیے عورتوں کو پسندیدہ بنایا گیا ہے''۔

حضور ﷺ نے فعل کو مجہول ذکر کیا اور ''اَحْبَبْتُ'' نہ کہا۔ ''حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ'' میں ذات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ عورت انسان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ پسلی انسان کی ذات ہی

ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنی ذات ہر ایک کو محبوب ہوتی ہے۔ یہ واحد اور احد ذات کی محبت کی تبع میں ہے۔اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے تمام کمالات کا احاطہ کرلیا ہے۔اگر تو مومن ہے تو پھر تو بھی آپ ﷺ میں سے ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا" مومنین" مجھ سے ہیں۔اس لیے آپ ﷺ سے ناطہ نہ توڑ۔آپ ﷺ کے مطلوب کو طلب کر۔آپ ﷺ کے محبوب سے محبت فرما۔آپ ﷺ کے شربت کو نوش کر۔اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:21)

ساتویں فصل

نبی اکرم ﷺ کو خوشبو پسند ہونے میں حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ملاء اعلیٰ کو حسن و جمال کی صفات کے ساتھ متصف کیا مقربین کو بزرگی و جلال سے آراستہ کیا اپنے اولیاء کو کمال کی خلعت زیبا سے نوازا۔ان کے نزدیک یہ امر محبوب بنایا کہ وہ اس کی ذات کی طرف ترقی کریں۔اس کی صفات کو دیکھیں تا کہ اس کی صفات اور اسماء ان کے لیے متحقق ہوں۔ان کے لیے اس کی صفات کے آثار ظاہر ہوں۔اس ذات نے ہر چیز کو اس کی پیشانی سے پکڑ رکھا ہے۔اس نے غافلوں کو حجاب میں رکھا اور حاضرین کے لیے حجاب اٹھا دیا۔ انہیں اپنی قدرت کے جاری ہونے پر اپنا گواہ بنایا۔اہل حضور میں سے ایک قوم اللہ تعالیٰ کو ان سے بھی محبوب ہے وہ عالم میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شے کا مشاہدہ ہی نہیں کرتے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔انہیں سکون و حرکات کا کوئی شعور نہیں۔وہ گردش دوراں سے آگاہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ میں فناء ہو چکے ہیں انہیں اپنی ذات تک کا بھی احساس نہیں ہے۔وہ اپنے افعال اور اوصاف سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ان سے کمال، جمال اور جلال کی خوشبوئیں آرہی ہیں وہ صفات کمال کے ساتھ معطر ہیں انہیں اپنے افعال کا شعور تک نہیں ہے۔ بلکہ وہ جمال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔وہ اپنے وجود سے فانی ہیں۔ان کے ہر سانس سے عمدہ مہک آتی ہے۔ان کی معطر ہوا کو سونگھ کر مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ان کے پاس غیب کے تمام اسرار عیاں ہوتے ہیں۔

ان کے صحن میں جانے کی اسی کو اجازت ملتی ہے جو ان کا معتمد ہوتا ہے وہ عمدہ خوشبو سے معطر ہوتے ہیں کمال اور جلال کے عنبر کے ساتھ معنبر ہوتے ہیں اور اسی خوشبو کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے" معنیٰ" میں ہے۔

تیرے جسم کی خوشبو نے میرے جسم کو نیا ولولہ بخشا ہے اور تیرے عطر کی خوشبو نے مجھے تیرا اسیر بنا دیا ہے۔ میں اس معنبر جھونکے کی وجہ سے مدہوش ہوں جس میں بارگاہ ربوبیت کی خوشبو شامل ہے۔ جب یہ خوشبو اس بارگاہ کی خوشبو کے ساتھ ملی تو اس کے سامنے ہر خوشبو جھک گئی۔ جس شخص نے اس خوشبو میں سے ایک جھونکا بھی سونگھ لیا وہ ہر اس چیز کو پا گیا جس کی اس نے خواہش کی۔ وہ ایک ایسی عمدہ خوشبو ہے جس کو میت نے بھی سونگھ لیا تو کائنات کو زندہ کرنے والے نے اس کو بھی زندہ کر دیا۔

آٹھویں فصل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہونے کی حکمت

تمام مدح وستائش اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہے جس نے اپنے معزز افراد میں سے سب سے برگزیدہ بندوں پر درود وسلام پڑھا۔ انہیں سب سے افضل امت بنایا انہیں سب سے قریب راستہ کی طرف ہدایت دی اس کے ساتھ کُ ؤن کے ذریعے ظہور فرمایا ہر حرکت وسکون میں تجلی فرمائی اپنے خاص قرب میں انہیں مراتب عطا کیے اس کے پاس ان کے لیے متحرک وساکن برابر ہیں۔ انہوں نے کائنات میں اس کے افعال کا ہی مشاہدہ کیا انہوں نے کسی عمل کی حقیقت کو کسی موجود کی طرف منسوب نہیں کیا وہ فعل کے وجود کی نسبت فاعلوں کی طرف اس طرح کرتے ہیں جس طرح عدم کی طرف نسبت کی جاتی ہے وہ زبان حال سے یوں گنگناتے ہیں۔

اگر میں کہوں کہ میں فاعل ہوں تو میرا کوئی فعل نہیں اور اگر میں کہوں کہ میں کوئی بات کرنے والا ہوں تو میری کوئی بات نہیں حقیقت میں ان لوگوں میں سے کائنات میں کوئی فاعل نہیں کیونکہ حقیقت میں فاعل تو ہی ہے۔ وہ شخص جو اپنے کسی فعل کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور وہ تجھ سے نا آشنا ہے کائنات میں تو ہی دیتا ہے اور تو ہی منع کرتا ہے عامل در حقیقت تو ہی ہے اور کمالات کا ظہور وہاں ہوتا ہے۔

یہ قوم مشاہدہ کرنے میں جدا ہے وہ کائنات میں ہر طریقہ پر چلے انہیں معلوم ہے کہ پیشانی سے پکڑنے والا ہی اطاعات اور گناہوں کا فاعل ہے۔ کائنات میں دو انسانوں کی دونوں حالتیں برابر ہیں دونوں حالتوں میں ان کی حرکات بھی برابر ہے نہ تو اطاعت کرنے والے کا اپنا کوئی عمل ہے اور نہ ہی خطاء کرنے والا کا اپنا کوئی فعل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مطیع اور فرمانبردار، نافرمان اور گناہ گار بنائے۔ پھر گناہ گار اور عاصی کو ہلاک کیا ''المتعالی'' کا یہی معنی ہے یہ گروہ جنت میں ہے کوئی پرواہ نہیں یہ جہنمی ہے کوئی پرواہ نہیں لیکن ایک محب اور عاشق باوفا جب بھی غیب سے کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے

تو وہ کہتا ہے ہمارا مطلوب، مقصود اور مرغوب وہی ہے ''معنیٰ'' میں ہے۔

تیری تلواروں کا حکم اہل ھویٰ کی گردنوں میں جاری ہے اس لیے وہاں یا تو کوئی اطاعت کرنے والا ہے یا راضی رہنے والا ہے۔

وہ مشیت اور ارادہ کو دیکھتے ہیں شقاوت اور سعادت کے مقتضیٰ سے وہ غافل ہو جاتے ہیں اس کی مراد کے سامنے معصیت اور عبادت کے افعال ان کے لیے برابر ہیں۔ مراد پر عمل پیرا ہونے کے لیے ان کے نیام پھٹ جاتے ہیں وہ کوئی توقف نہیں کرتے۔ یہ لوگ ہی سعادت کی حقیقت کے اہل ہیں۔ لیکن ان کے مراتب میں فرق ہے۔ مکرم واصل ہے۔ یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اطاعت بجالانے کی توفیق دی اس کے فراق کو ختم کیا اور اسے وصال عطا کیا کیونکہ اس نے مکارم اخلاق کو اپنایا اور اعمال صالحہ مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ میں کوشش کی کیونکہ ان میں ہی اس کا محبوب ہے ان میں ہی اس کو مطلوب کا مشاہدہ ہوتا ہے اس معنیٰ کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان سے اشارہ فرمایا ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہر حالت میں اللہ رب العزت کی ذات ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مال، سیادت اور سعادت ملی ہے اس دائیں جانب میں جس کو سعادت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان ''بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ'' سے ان اہل طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جو جمال کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آپ ﷺ میں تمام کمالات خلقیہ جمع تھے اسی وجہ سے مکارم اخلاق آپ ﷺ سے ہی تکمیل پذیر ہوئے۔ کیونکہ وہبی اور کسبی کمالات کو آپ ﷺ نے جمع فرمادیا۔

نویں فصل

حضور ﷺ کا اپنے سے بعد میں آنے والے بھائیوں کے لیے اشتیاق

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے قبائل کو موجودات کا عین بنایا۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا مظہر بن سکیں یہ مرکبات کی کثرت کے تعدد میں وحدت کا ظہور ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر اس کے کلی اسماء جزئیات پر صادق نہ آتے میں اللہ تعالیٰ کے مکمل عطیات اور نعمتوں پر اس کا شکرادا کرتا ہوں اس نے باطنی اور ظاہری نعمتوں کو مکمل فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہوں وہی آیات بینات کے خزانوں کی چابی ہیں صلوٰۃ وسلام ہو آپ ﷺ کی آل پر جو کمالات کے آفتاب ہیں۔ آپ ﷺ کے اہل خانہ پر جو شاہراہ ہدایت پر کامیاب ہونے کے لیے ستارے ہیں۔

حضور ﷺ ان مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ اشتیاق رکھتے تھے۔ جو آپ ﷺ کے بعد آنے والے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے تمام صحابہ کرام آپ کے عاشق صادق تھے ہر فضل وکمال میں آپ کا مقام اپنے صحابہ کرام سے بہت بلند تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلوب کے لیے مختلف اور عجیب راستے ہیں جو انہیں محبوب تک لے جاتے ہیں۔ ہر طریقہ کا علم بڑا عجیب اور اس کی واردات بڑی غریب ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس ہر زخم کی مرہم تھی۔ صحابہ کرام نے ان مراہم میں سے صرف وہی لیں ان کے زخم جن کا تقاضا کرتے تھے لیکن قلب محمدی ﷺ غرائب سے پھر بھی بھرا رہا عجائب سے لبریز رہا آپ ﷺ نے پسند فرمایا ایسے لوگ بھی ہوں جو ان معارف کے سننے کے بھی اہل ہوں اور وہ ان گوناگوں تجلیات کے مستحق ہوں تاکہ آپ ﷺ کا بوجھ مزید ہلکا ہو کیونکہ بعض غموں اور دکھوں میں سانس لینا بھی انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ بلاشبہ رسالت کا بوجھ اٹھانے سے انسانی طاقت عاجز ہے خواہ اس کے پاس تمام کائنات کی بھی قوت ہو۔

اس کی طرف ہی اللہ رب العزت سے اشارہ کیا ہے۔

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (مزمل:5)

''بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بھار ڈالیں گے''۔

آپ ﷺ کے پاس قوت الٰہیہ نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس بوجھ کو کبھی نہ اٹھا سکتے۔ آپ ﷺ نے اس جلال اور جمال کے کچھ معارف اہل کمال کو عطا کیے تاکہ آپ ﷺ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو سکے۔ جب ان کے سینے شفا حاصل کر لیں تو آپ ﷺ کو بھی راحت وسکون مل جائے۔

اے فقیر راہ نشیں! تو بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف عازم سفر ہو۔ آپ ﷺ کے مبارک صحن میں اپنا مسکن بنا آپ ﷺ کے پاس اپنا خیمہ لگالے ازازل تا ابد وہاں معتکف رہ تاکہ تیرے زخمی دل کو بھی دوا مل سکے تاکہ اس نفیس مرہم سے تیرا دل بھی شفایاب ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے اشتیاق کا یہ اظہار تجھ پر اپنا فضل وکرم کرتے ہوئے فرمایا تاکہ آپ ﷺ کے اور تیرے مابین ایک راستہ بن جائے۔ حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ سے تجھ پر سلام ہو۔

دسویں فصل

لِي وَقْتٌ مَعَ اللّٰهِ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ

بارگاہ ربوبیت میں میرے لیے ایک ایسا مخصوص وقت بھی ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل دخل اندازی نہیں کرسکتا کی حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہ بڑی شان والا، متکبر اور قوی ہے وہ بلند اور عظیم ہے۔ میں اس کے اسمائے حسنیٰ پر اس کی تعریف کرتا ہوں۔ میں اس کی صفات عالیہ پر اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔ حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ جو تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ جو خاتم النبیین والرسل ہیں جو ہر خاص اور عام کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں پر ہزاروں درود وسلام ہوں آپ ﷺ کے صحابہ اور آل وعترت پر بھی سلام اور درود ہو۔

اے میرے بھائیو! جب تک موسلا دھار بارش ہوتی رہے۔ اور کبوتر کوں کوں کرتے رہیں تم پر لازم ہے کہ تم کمالات الٰہیہ کا مشاہدہ حضور ﷺ کی ذات میں کرتے رہو تمام تر توجہ حقیقت محمدیہ کی طرف مبذول کر کے ان کمالات کا نظارہ کرتے رہو۔ تاکہ تم نوادر معانی کا نبی اکرم ﷺ کی صلاحیت وقابلیت کے مطابق مشاہدہ کرسکو اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے تمام خواہشات کو پاسکو۔ آپ ﷺ کے کان مبارک کے کمالات سے انس ومحبت کے مخاطبات بارگاہ ربوبیت سے سن سکو۔ اور اسرار پنہاں سے آشنائی پا کر کامیاب ہوسکو۔ کیونکہ ہر روح اپنی قابلیت کے مطابق جزئیہ تجلیات کا ہی مشاہدہ کرسکتی ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی ذات حقیقت کلیہ ہے وہ عقل اول ہے وہ روح الٰہی ہے اس لیے آپ ﷺ کی ذات کلی قابلیت کی وجہ سے کلی تجلیات کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔ حقیقت محمدیہ کے وسیلہ کے علاوہ کسی بھی ذات کی اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو کمال مطلق سے حصہ لے تو پھر بارگاہ محمدیہ سے وابستہ ہو جا۔

حبیب ﷺ کے وسیلہ سے حبیب تک پہنچ تاکہ اس کے توسل سے تجھے مقام قرب مل سکے۔

"اے حدی خواں! اپنی سواری کو اس ٹیلے پر بٹھا جہاں مہمانوں کے لیے جگہ بنی ہوئی ہے ایسی گرمی کی پیاس کو ٹھنڈے پانی سے بجھا جس سے جگر پگھل جاتے ہیں۔ ہم نے انس ومحبت کی بساط پر اپنے اس عجیب حال کی شرح لکھی جو اس کی محبت میں ہماری کیفیت تھی ہمیں اس کے وصال سے ایسا حصہ ملا جو چغل خور، رقیب اور ملامت کرنے والوں سے محفوظ ہے"۔

آپ ﷺ نے یہ فرمان اس لیے تجھے سنایا ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا

شرف اور عظمت کتنی بلند، ارفع اور اعلیٰ ہے جبکہ دیگر تمام مخلوق مرتبہ میں حضور ﷺ سے کم تر ہے۔ اور تا کہ تو آپ ﷺ کی قابلیت و صلاحیت کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی تجلی اور صفات کا زیادہ سے زیادہ مشاہدہ کر سکے۔ اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے بلند تر درجہ پر فائز ہو سکے کیا یہ عجیب نہیں کہ قلوب میں اتنی وسعت ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ان میں سما سکے حالانکہ حضور ﷺ کی ذات ان میں نہیں سما سکتی ؟۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی زبان سے کیا فرمایا ارشاد فرمایا کسی زمین یا آسمان میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں وہاں سما سکوں البتہ میرے مومن بندے کے دل میں اتنی وسعتیں ہیں کہ میں وہاں سما سکتا ہوں۔ وہ دل جس میں اللہ رب العزت سما سکتا ہے تو پھر اللہ رب العزت کے ساتھ محمد عربی ﷺ کیوں نہیں سما سکتے لیکن یہ دل کی وسعتیں دل کے نقص اور کمال کے مطابق ہوتی ہیں۔ تمام قلوب کی قابلیت جزئیہ ہے نبی اکرم ﷺ کی قابلیت کلیہ ہے۔ اسی وجہ سے دل اسی بارگاہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس راز سے صرف کامل اولیاء ہی آشنا ہیں۔

گیارہویں فصل

وَلَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ کا راز

تمام ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو ہر بزرگی اور تعریف کے قابل ہے جو نعمتیں اور انعامات بخشنے والا ہے۔ بلند مرتبہ اور ذی شان ہے۔ فضل قدیم اور عام سخاوت والا ہے۔ وہ خود اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔ اس کی ربوبیت کا علم ہر جگہ لہرا رہا ہے ہر چیز اسکے لیے سجدہ ریز اور اس کے سامنے جھکنے والی ہے۔ میں اس کے اسمائے حسنہ کے مقتضا کے مطابق اس کی مدح کرتا ہوں اور اس کی بلند و بالا صفات پر اس کی ثناء کرتا ہوں میں نور اعظم، صاحب قاب قوسین او ادنی ﷺ پر درود پڑھتا ہوں۔ آپ ﷺ کی آل و اولاد وعترت اور صحابہ کرام پر سلام ہو اس وقت تک جب تک حدی خواں نغمے الاپتے رہیں۔

برادران محترم! انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعریف کرتا رہے۔ انسان کی وہ تعریف جو وہ اپنے پروردگار کی کرتا ہے وہ اس کی قابلیت کے ساتھ معلق ہے یہ اس قوت کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے۔ یہ تعریف استعداد کے ان عطیات کے مطابق ہوتی ہے جو اسے عطا کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی تمام تعریف اس طرح ہے جس کا وہ اہل ہے اس کی تعریف اس طرح نہیں جس طرح تیرا فکر اور تیری دلیل عقل سے اندازہ لگا کر مناسب سمجھیں۔ اس قوم کا مقام کتنا بلند ہے۔ جس نے بالذات اس ذات کی تعریف کی۔ اس طرح اس کے لیے کئی کمالات کے معانی عیاں ہوئے۔ کتنے ہی لوگ معرفت کے بحر کے وسط میں کود پڑے۔ موجیں ان پر شوخیاں کرتی رہیں۔ کمال کے ساتھ ہر

طرف سے ان کا احاطہ کر لیا گیا انہوں نے ان معانی کی ان حدود کو پالیا جن کی کوئی حد نہیں۔ انہوں نے اجمال میں تفصیل کو پالیا اس عظیم گروہ کے سردار ﷺ نے فرمایا اے مولا! ہم تیری ذات کی تعریف اس طرح نہیں کر سکتے جس طرح تو اپنی ذات کی تعریف کرتا ہے یعنی میں کمالات کا اتنا زیادہ مشاہدہ کرتا ہوں کہ اس طرح تعریف نہیں کر سکتا۔ ان کی کوئی حد نہیں ہے اس لیے میں اس طرح تعریف نہیں کر سکتا۔ جس طرح تو تعریف کرنے پر قادر ہے۔ جمال وجلال کا ہر کمال تجھی کو زیبا ہے ''معنیٰ'' میں ہے۔

''زمانہ ختم ہو گیا لیکن تیرے اوصاف کی مدح ابھی باقی ہے اے محاسن اخلاق کا احاطہ کرنے والے! اہل دنیا کی زبانیں اپنی نعتوں میں ان بلندیوں کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جن پر تو فائز ہے۔ تیرے اوصاف کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔ تیری ذات میں عجز کرنا ہی دانشمند افراد کی عادت ہے۔

بارہویں فصل

نبی اکرم ﷺ کا وقت وصال تین مرتبہ '' اللّٰھم الرفیق الاعلی '' فرمانے میں حکمت

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بلندیوں کو پیدا فرمایا تمام عظمتوں اور رفعتوں کے نور کو پیدا کیا اپنی مخلوق کی اپنی طرف راہنمائی کی۔ اولیاء کی اپنے اسماء اور صفات کی طرف راہنمائی کی۔ جس نے اپنے خواص کے ساتھ پیار کا اظہار کیا اور انہوں نے اس سے پیار کیا اس نے انہیں اپنا تعارف کروایا۔ انہوں نے اس ذات کی جستجو کی۔ اللہ تعالیٰ نے حلول کے بغیر ہر چیز میں انہیں اپنے جلال اور جمال کا مشاہدہ بغیر کسی مخصوص مقام کے کرایا۔ انہوں نے اس کے کمال کے ساتھ کمال حاصل کیا اس کے جمال کیساتھ جمال حاصل کیا۔ ان کے ذریعے اپنے لطف کے آثار اور اپنے جلال کے انوار کو ظاہر کیا۔ میں اس قرب حقیقی پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس کے انس کے ساتھ مخصوص ہے۔ میں اس ذات کریمانہ پر درود وسلام پڑھتا ہوں جو وسیلہ عظمیٰ ہے۔ جو بلند مرتبت اور رفیع منزلت ہے جو صاحب قاب قوسین او ادنی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحَابَتِهٖ وَ خُلَفَائِهٖ وَ عِتْرَتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

انسان کے لیے معانی کی وجوہات میں سے دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ وہ ہے جس کے ساتھ وہ کائنات میں رہتا ہے۔ دوسری وجہ وہ ہے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں رہتا ہے۔ وہ ہر وجہ میں اپنے حال کے ظہور میں کامل ہوتا ہے یہ کمال اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ذات وصف، اسم، فعل، اثر اور شان تقاضا کرتے ہیں۔ درحقیقت انسان کی دو ذاتیں ہیں۔ وجہ ابعد اس کے لیے عجز، حصر، فقر

اور نقصان ہے۔ وجہ اقرب اس کے لیے عزت، بزرگی، کمال، صفی، وجود اور احسان ہے۔

جب حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا "الرفیق الاعلی" آپ ﷺ نے وقت وصال یہ کلام اس لیے فرمایا تھا تا کہ حقیقت میں یہ امر متحقق ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کی معیت اسی طرح ہو اور آپ ﷺ رفیق اعلیٰ رحمانی سے رفیق انزل نفسانی وروحانی کی طرف نہ لوٹ جائیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

"میری نظر محبوب کے چہرے سے نہ پھیرو۔ کیونکہ مجھے اور کوئی چیز مطلوب نہیں ہے۔ مجھ پر یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے کہ میں اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کو دیکھوں جبکہ میرا محبوب بھی وہیں تشریف فرما ہو۔ میرا دل میرے محبوب کا مسکن ہے بلکہ تمام دل ہی اس کے لیے ہے میرا دل تبدیل ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ اپنے اس محبوب کے حسن کی وجہ سے جس کی دونوں ابرو باہم متصل نہیں ہیں مجھے عشق میں استحکام حاصل ہے۔ یہ عجیب ہے کہ میرا محبوب میرے پاس ہے میں پھر بھی اس کا ہی مشتاق ہوں۔ محبت کی کوئی شان بھی عجیب نہیں ہے۔"

عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر

حضرت العلام اپنی کتاب "الانسان الکامل" میں رقم طراز ہیں۔ مقام قرب وسیلہ ہے کیونکہ اس مقام پر فائز ہونے والا قلوب کے لیے سکون کا باعث بنتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ دل حقائق الٰہیہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تخلیق ان سے ہی ہوئی۔ جب وہ اس دنیا میں آئے تو وہاں سے ناآشنا ہو گئے اسی وجہ سے وہ کسی چیز کو بذات خود قبول نہیں کرتے۔ جب تک کہ اس چیز کا مشاہدہ کسی اور چیز میں نہ کر لیں۔ مثلاً آئینہ وغیرہ وہ اپنا آپ اس چیز میں دیکھتے ہیں پھر اس کو اس طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح کسی کو بنیاد بنایا جاتا ہے اسم حق ارواح کا سب سے پہلا وسیلہ ہے۔ تمام انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ نبی اکرم ﷺ کی ذات ہے وسیلہ مقام قرب ہے۔ اس کے مراتب میں سے پہلا مرتبہ مقام خلت ہے جہاں پر خلیل کے مرتبہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے حبیب کے مراتب شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ حبیب ذاتی تعشق اتحادی کے مقام سے عبارت ہے دونوں متعشقین میں سے ہر ایک دوسرے کی صورت میں اظہار کرتا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکتا ہے مثلاً جسم اور روح کا تعشق ذاتی ہے اگر جسم کو درد ہوتا ہے تو اس درد کو روح بھی محسوس کرتی ہے اور اگر روح کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا درد جسم بھی محسوس کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کی صورت میں ظہور کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح:10)

''وہ جوتمہارے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے قائم مقام رکھا اس طرح ارشادربانی ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (نساء:80)

''جورسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

حضرت ابوسعید الخراز نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری معذرت قبول فرمائیں اللہ کی محبت نے مجھے آپ ﷺ کی محبت سے غافل رکھا آپ ﷺ نے فرمایا اے مبارک اللہ سے محبت ہی میری محبت ہے۔ یہاں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ اپنے کمالات میں بھی منفرد ہیں۔

آپ ﷺ نے کمالات الٰہیہ اور مقامات الٰہیہ پر باطناً مہر لگادی اور ظاہراً آپ ﷺ خود خاتم النبیین والرسل ہیں مقام محبت کا اختتام مقام ختام کا آغاز ہے مقام ختام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا تحقق ہوجائے سوائے ان مقامات کے جہاں تک مخلوق کی رسائی ممکن نہیں وہ تمام اشیاء نبی اکرم ﷺ کے لیے اجمالاً متحقق ہوں گی اور یہ اشیاء بالتفصیل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ اسی وجہ سے کامل بھی ہرلحہ کمال کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی ذات کی کوئی انتہاء نہیں ولی بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ترقی کرتا رہتا ہے۔

مقام عبدیت کسی اور مقام کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ کبھی ولی مقام خلت سے مخلوق کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مقام عبودیت پر فائز فرما دیتا ہے۔ کبھی وہ مقام محبت اور کبھی مقام ختام سے رجوع کرتا ہے۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ عبودت سے مراد یہ ہے کہ ایک بندہ مقام قرب الٰہی سے مخلوق کی طرف رجوع کرے یہ مقام تمام مقامات پر نگران ہے۔ عبادت، عبودیت اور عبودت میں فرق ہے۔ عبادت یہ ہے کہ انسان نیک اعمال جزاء کے حصول کے لیے کرے۔ عبودیت یہ ہے کہ انسان نیک اعمال خالصاً اللہ کے لیے کرے۔ عبودیت یہ کہ اعمال کو اللہ کیساتھ سرانجام دیا جائے۔ اسی وجہ سے یہ تمام مقامات پر نگہبان ہے۔ مقام ختام بھی اسی طرح ہے۔ یہ قرب کے تمام مقامات کو شامل ہے کیونکہ یہ اولیاء کے مقامات کے اختتام سے عبارت ہے جب ولی مقام قرب تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لیے وہ تمام مقامات جائز ہوجاتے ہیں جہاں تک مخلوق کی رسائی ہے۔ وہاں اسے مقام خلت سے بھی حصہ ملتا ہے اور مقام حب سے بھی۔ مقام قربت کے لحاظ سے یہی ختام ہے۔ اسم خلت مقامات قربت کے پہلے مرتبہ کے ساتھ مختص ہے کیونکہ مقرب وہ ہوتا ہے جس کے جسم پر حق تعالیٰ کے آثار ظاہر

ہوتے ہیں۔اس کے بعد مقام حب ہے اس کو ہی مقام محمدی ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مقام ختام مقام قرب کی انتہا کو کہا جاتا ہے اس مقام کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔لیکن ختام کا اسم قربت کے تمام مقامات کو شامل ہے جسے مقام قرب میں یہ حاصل ہو گیا وہ ختم الاولیاء ہے اور مقام ختام میں وہ نبی اکرم ﷺ کا وارث ہے۔کیونکہ مقام قربت ''مقام محمود'' ہے اس سے مراد وہ وسیلہ ہے جہاں سے عبد کامل اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔کہ اس کے آگے کوئی اور نہیں جاسکتا۔صرف وہی ان مقامات پر فائز ہوتا ہے وہ عبد کامل نبی اکرم ﷺ کی ذات ہی ہے اور حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں اس کا اظہار فرمایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا وسیلہ جنت میں ایک بلند مکان ہے وہ صرف ایک آدمی کو ہی ملے گا میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ شخص ہوں گا۔کائنات کی تخلیق کے وقت بھی آپ ﷺ اس مقام پر تھے یقیناً اس وقت بھی آپ ﷺ اس مقام پر فائز ہوں گے۔

فائدہ: عارف باللہ سیدی السید مصطفیٰ البکری اپنے آخری رسالہ میں فرماتے ہیں۔ہمارے نبی اکرم ﷺ پر ہی نبوت کا اختتام ہوا اور نبوت کی پختہ عمارت کی تکمیل ہوئی۔اسی طرح ظاہر میں نبوت کی ولایت کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے باطن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کی ولایت کے دروازے کو بند کیا۔ولایت محمدیہ باطنیہ سیدی محی الدین قدس اللہ سرہ کے ذریعہ بند ہو چکی ہے عنقریب ولایت محمدیہ باطنہ وظاہرہ امام محمد المہدی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے بند ہو جائے گی۔ہم محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوحات مکیہ سے وہ عبارت لکھتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوگا کہ آپ ولایت محمدیہ باطنیہ کے خاتم ہیں۔وہ اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے ہم سے انبیاء کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا،انبیاء میں میری مثال اس طرح ہے جس طرح ایک شخص نے ایک عمارت بنائی۔اس نے اپنی عمارت کو مکمل بنایا صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی۔میں ہی وہ اینٹ ہوں اب میرے بعد کوئی رسول نہیں کوئی نبی نہیں۔

اس حدیث مبارک میں حضور ﷺ نے نبوت کو ایک عمارت سے تشبیہ دی اور انبیاء کو ان اینٹوں سے جس سے وہ عمارت قائم ہے۔یہ انتہائی خوبصورت تشبیہ ہے۔حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں۔میں ۵۹۹ھ میں مکہ معظّمہ میں تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ کعبہ معظّمہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ایک اینٹ سونے کی تھی جبکہ دوسری اینٹ چاندی کی تھی۔وہ عمارت مکمل تھی۔میں اس کی زیارت کرتا رہا اس کے حسن و جمال سے محظوظ ہوتا رہا۔اچانک میں نے رکن یمانی اور رکن شامی کے وسط میں دیکھا تو مجھے دو اینٹوں کی جگہ خالی نظر آئی۔ایک چاندی کی اینٹ کی جگہ خالی تھی جبکہ دوسری خالی جگہ سونے کی اینٹ کی تھی۔اوپر والی لائن میں سونے کی ایک اینٹ کم تھی اور اس کے نیچے چاندی

کی ایک اینٹ نہ تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ان اینٹوں کی جگہ رکھ دیا۔

میرا وجود وہاں فٹ آ گیا اب وہ عمارت بالکل مکمل ہوگئی۔ کعبہ کی عمارت میں کوئی کمی نہ رہی میں وہاں کھڑے دیکھتا رہا۔ میں نے سمجھا کہ میں ہی ان اینٹوں کا عین ہوں اب مجھے اس میں کوئی شک نہ رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ میں اتباع میں اپنی صنف میں اسی طرح ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ انبیاء میں ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ولایت کو مجھ پر ختم کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے یہ کوئی بعید نہیں میں نے اپنا خواب علماء کو سنایا میں نے انہیں اپنی رائے نہ بتائی۔ انہوں نے بھی میرے خواب کی یہی تعبیر کی یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھ پر یہ کرم نوازی کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اختصاص کسی مجبوری، عمل اور موازنہ کی وجہ سے نہیں ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کو نواز دیتا ہے۔ (ابن عربی کا کلام ختم ہوا)

علامہ المصطفیٰ البکری فرماتے ہیں: ہر زمانہ میں ایک ایسے وجود کا ہونا ضروری ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس زمانے کے اولیاء کو ختم فرمائے۔ بعض اوقات وہ قطب ہوتا ہے اور بعض اوقات کوئی اور ہوتا ہے جو ختام کے قائم مقام ہوتا ہے۔

علامہ عبدالکریم الجیلی اپنی کتاب ''الانسان الکامل'' کے آخر میں لکھتے ہیں۔ اس مقام پر نبی اکرم ﷺ کمالات میں یکتا ہیں۔ آپ ﷺ باطناً کمالات الٰہیہ کے خاتم ہیں۔ ظاہراً اس کی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین والرسل بنا کر بھیجا۔

عارف باللہ علامہ محمد یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی کتاب جواہر البحار کے صفحہ ۱۲۱۵ پر سیدی عارف کبیر شیخ عبدالغنی النابلسی کا وہ قول ذکر کیا تھا۔ جو انہوں نے اپنی کتاب ''رد متین'' میں لکھا۔ انہوں نے وہاں اس شخص کا رد کیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح خاتم الاولیاء نہیں جس طرح نبی محترم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں ان کا دعوی یہ ہے کہ وہ خاص ولایت محمدیہ کے خاتم ہیں یہ اس کے مانع نہیں کہ ان کے زمانہ میں اولیاء کثیر تعداد میں ہوں۔ یا اس کے بعد اولیاء کرام موجود ہوں۔

میں نے بھی ایک اور کتاب میں پڑھا ہے کہ ختم ولایت کا وہ مرتبہ جسے شیخ اکبر نے حاصل کیا یہ مرتبہ اب بھی باقی ہے۔ شیخ احمد صفی الدین القشاشی المدنی بھی اس مرتبہ کے اہل تھے اب میں موقع کی مناسبت سے کتاب ''خلاصۃ الاثر'' کی عبارت نقل کرتا ہوں۔ علامہ المحبی فرماتے ہیں۔ میں نے عارف باللہ سالم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ شق الجیب فی معرفۃ رجال الغیب میں پڑھا ہے۔ وہ ''ختم'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ ہر زمانہ میں ایک ولی ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ولایت

خاصہ کو ختم فرماتا ہے۔اور شیخ اکبر اس مقام پر فائز ہیں۔وجدان جس چیز کا فتویٰ دیتا ہے وہ یہ ہے ختمیہ خاصہ ایک ایسا مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جس پر ہر ایک شخص اپنے وقت اور زمانہ کے مطابق فائز ہوسکتا ہے یہ مرتبہ ہمیشہ برقرار رہے گا حتی کہ یہ زمین اللہ اللہ کہنے والوں سے خالی ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جو ان مراتب رفیعہ پر فائز ہوسکے۔

''خلاصہ الاثر'' کی عبارت اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ولایت کی ختمیت شیخ اکبر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

کتاب التنبیہات فی علو مرتبۃ الحقیقۃ المحمدیہ

یہ ایک نفیس کتاب ہے میں نے اس کا نام مکتبہ الخدیویہ المصریہ کی فہرست میں پڑھا پھر میں نے یہ کتاب حاصل کر لی۔ میں اب کتاب کو حرف بحرف نقل کر رہا ہوں میں اس شخص کا بڑا ممنوں ہوگا جو مجھے اس کے مؤلف سے آگاہ کرے گا تا کہ طبع ثانی میں اس کا نام بھی لکھ دیا جائے۔ اس کے اکثر معانی اور مفہوم وہی ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور آئمہ صوفیہ مثلاً شیخ اکبر نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں سلام ہو اسکے ان بندوں پر جن کو اس نے منتخب فرمالیا ہے۔ بالخصوص نبی محترم، رسول معظم ﷺ پر لاکھوں درود و سلام ہوں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے کامل بنایا انہیں شاہد بنایا اور انہیں اتنا قرب عطا کیا کہ وہ قاب قوسین اوادنی کے مقام پر فائز ہو گئے۔ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں جو ربوبیت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر درود و سلام ہو نہ اس میں انقطاع ہو اور نہ ہی اس کی انتہا ہو۔

اما بعد! میں ان تنبیہات کو ذکر کر رہا ہوں جو حقیقت محمدیہ کے علو مرتبت پر دلالت کرتی ہیں۔ تا کہ ان کو سمجھ کر ہمارے قلوب کو تقویت ملے۔ ہمارے کانوں کو ان کا ادراک کرنے کا شرف حاصل ہو اور ہماری زبانیں ان کا تذکرہ کر کے سعادت مند ہوں۔

پہلی تنبیہ

حقیقت محمدیہ کو عقل اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو قلم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو تعلیم دی۔ اس کو حق سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جس سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ باء سے بھی اسے تعبیر کیا جاتا ہے حقیقت محمدیہ کو باء سے تعبیر کرنا بہت عمدہ ہے۔ کیونکہ اشیاء کا ظہور اسی سے ہوا۔ باء سے اشیاء کا ظہور اس لیے ہوا کیونکہ حق تعالیٰ یکتا ہے اس لیے اس سے یکتا کا ہی صدور ممکن ہے۔ گویا کہ باء وہ پہلی شی ہے جس کا صدور حق تعالیٰ سے ہوا۔ حقیقت میں یہ الف ہے اور اپنی ذات کی جہت سے وحدانی ہے اور اپنے مرتبہ کے لحاظ سے یہ باء ہے۔ کیونکہ وجود میں اس کا مرتبہ دوسرا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو باء کہتے ہیں تا کہ یہ حق تعالیٰ سے ممتاز ہو جائے اور الف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص رہے۔ باء مرتبہ کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ یہ عدد ہے اور اشیاء بھی عدد ہیں تو عدد کا

خروج عدد سے ہوا۔ الواحد الاحد مقدس منزہ اپنی احدیت پر رہا یہ بھی جان لو کہ حضرۃ الفعل میں باء زائدہ ہے اسی وجہ سے وہ نقطہ جو اس کے نیچے ہے وہ عالم کونی اور اس کے درمیان احدیت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر باء کا اثر ہوتا تو پھر یہ نقطہ نہ ہوتا اس نقطے کا وجود اس بات کی دلیل ہے یہ اثر اس کا ہے باء کا نہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسری تنبیہ

عالم میں اس انسان کامل کا مرتبہ جس سے اکمل کوئی نہ ہو اسی طرح ہے جس طرح انسان میں سے نفس ناطقہ کا مرتبہ ہے۔ وہ انسان کامل نبی اکرم ﷺ ہیں۔ عالم کی غایت مطلوبہ آپ ﷺ ہی ہیں وہ افراد جو مرتبہ کمال میں آپ ﷺ سے کم ہیں وہ اسی طرح ہیں جس طرح انسان میں قوی روحانیہ، وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ مرتبہ میں ان سے کم ہیں وہ اس طرح ہیں۔ جس طرح انسان میں قوی حسیہ اور وہی وارث ہیں۔ باقی لوگ شکل میں انسان کی صورت کی طرح ہے۔ یہ انسان میں روح حیوانی کی طرح ہیں جس کو نمو و احساس دیا گیا ہے۔ ہم نے یہ اس لیے قول کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے جسم انسان کو بنایا روح پھونکنے سے پہلے اس کے اعضاء کو اعتدال بخشا پھر اس میں روح پھونکی تو وہ مکمل انسان بن گیا ملائکہ کی عالم میں مثال اس طرح ہے جس طرح انسان کے خیال میں صورت ظاہرہ، جنات بھی اسی طرح ہیں۔ عالم میں انسان کا وجود اس انسان کی وجہ ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ جس طرح انسان کی تخلیق نفس ناطقہ سے مکمل ہوتی ہے انسان میں یہ نفس ناطقہ صورت الٰہیہ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کائنات کا نفس حضور ﷺ کی ذات ہی ہے۔ اس نفس نے وجود اور بقاء میں تمام کمالات کو جمع کر لیا ہے اور عالم کی بقاء کا انحصار آپ ﷺ پر ہی ہے۔ عالم میں آپ ﷺ کے ظہور سے قبل یہ دنیا اسی طرح تھی جس طرح روح کے بغیر جسم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ عالم ایک سوئے ہوئے شخص کی طرح ہے۔ روز حشر جب آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر سے باہر تشریف لائیں گے تو یہ عالم نیند سے بیدار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان ارواح کو باقی رکھنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے لیے برزخی اجسام تخلیق فرمائے۔ سونے کے بعد یا مرنے کے بعد ارواح علیحدہ علیحدہ ان اجسام میں چلی جاتی ہیں۔

تیسری تنبیہ

جان لو کہ زمین وسیع ہے۔ یہ تیری عبادت کی جگہ ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتا

ہے گویا کہ تو اس کو اپنی ذات میں دیکھ رہا ہے۔ تو بصارت سے اسے اس طرح دیکھ رہا ہے۔ جس طرح اس کے جلال کے مناسب ہے۔ عین بصیرت بھی اس کی گواہی دیتی ہے کہ وہ تیرے لیے ظاہر ہے۔ تو اپنی عبادت کرتے وقت اسے اپنے خیال میں اس طرح لے آتا ہے جس طرح کے لیے موزوں ہے اور کبھی عین بصیرت کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرتا ہے کہ گویا وہ خیال کے مسکن میں نہیں تو مطلق اور مقید دونوں طرح سے اس کی عبادت کرتا ہے۔ نشأۃ انسانیہ مؤمنہ کے علاوہ اور کسی کے لیے اس طرح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنا حرم بنایا محترم گھر بنایا مخلوقات میں سے ہر چیز غیب پر ہی اس کی عبادت کرتی ہے۔ لیکن انسان کامل مشاہدہ پر اس کی عبادت کرتا ہے۔ ایمان کامل کے علاوہ انسان کی تکمیل نہیں ہوسکتی یہ ایک ایسا نور ہوتا ہے جو ہر ظلمت کو کافور کر دیتا ہے۔ جب انسان مشاہدہ کے ساتھ اس کی عبادت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اور کوئی مخلوق اس طرح عبادت نہ تو کرسکتی ہے اور نہ ہی اس کے لیے ممکن ہے۔ جب تو اس مقام پر فائز نہیں ہے تو میں تیری ایسی راہنمائی کرتا ہوں جس سے تو اس مرتبہ پر فائز ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تو جانتا ہے کہ رسل علیہم السلام کا مزاج موزوں ترین ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے پیغامات کو قبول کریں پھر ہر شخص میں ان پیغامات کو قبول کرنے کی اتنی ہی صلاحیت ہوتی ہے۔ جتنی اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے۔ اسی لیے ہر نبی کو ایک معین قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس رسالت عامہ کو صرف اس لیے قبول کرلیا کیونکہ آپ ﷺ کا مزاج مبارک ہر نبی اور ہر رسول کے مزاج کو محیط تھا۔ آپ ﷺ کا مزاج تمام لوگوں کے مزاج سے زیادہ مناسب اور موزوں تھا۔ آپ ﷺ کی تخلیق تمام اقوام کی تخلیق سے عمدہ تھی۔

جب تجھے یہ معلوم ہوگیا اور تو چاہتا ہے کہ تو حق تعالیٰ کا دیدار اکمل صورت میں کرے تو پھر نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آ۔ آپ ﷺ کی اتباع کو لازم پکڑ۔ آپ ﷺ کو اپنے سامنے ایک آئینہ کی حیثیت سے رکھ۔ اللہ تعالیٰ یقیناً حضور ﷺ کے آئینہ قلب میں تجلی فرماتا ہے آپ ﷺ کے اس آئینہ میں اللہ تعالیٰ کا ظہور مکمل، عمدہ اور احسن ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا آئینہ بھی اکمل ہے۔ جب تو ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ نبی اکرم کے آئینہ دل میں کرے گا تو یہ مشاہدہ اتنا مکمل ہوگا کہ اس سے زیادہ مشاہدہ اور کسی کے آئینہ میں نہیں کیا جاسکتا کیا تو ایمان کے متعلق تدبر نہیں کرتا کہ جن امور کو نبی اکرم ﷺ لے کر تشریف لائے اور حق تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف منسوب کیا ان پر ایمان لانا واجب ہے اگرچہ عقول انہیں محال سمجھتی رہیں۔ اگر شرع اور ایمان نہ ہوتا تو پھر ہم انہیں اپنے عقلی دلائل سے کبھی بھی قبول نہ کرتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسالت پر اور ان امور پر ایمان لانے کی توفیق دی جن

کے ادراک سے عقول قاصر تھے۔ اسی طرح اس نے ہمیں یہ توفیق دی کہ وہ تجلیات جن کو ہمارے مزاج یا ہمارے آئینے قبول نہیں کر سکتے۔ ان کا ادراک ہم آئینہ مصطفیٰ ﷺ میں کر لیں۔

میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے۔ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کی جستجو حضور ﷺ کے آئینہ میں سے کر اپنے آئینہ سے نہ تو نبی اکرم ﷺ کا دیدار کر اور نہ ہی ان تجلیات کو دیکھ جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے آئینہ قلب میں ڈالیں کیونکہ اس طرح تو بلند درجہ سے نیچے آ جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء اور اتباع کو لازم پکڑ۔ اس جگہ پر کبھی قدم نہ رکھ جہاں تجھے حضور ﷺ کا نقش پا نظر نہ آئے۔ اپنا قدم حضور ﷺ کے قدم پر رکھ۔ اگر تو بلند درجہ چاہتا ہے تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل۔

تنبیہ چہارم

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے انوار پیہم کی تجلی فرمائی تو ایسی ارواح کا ظہور ہوا جو جلال اور جمال کے درمیان محو گردش تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیب مستور (جس کا ظہور کسی کے لیے ممکن نہیں) میں عنصر اعظم کو پیدا فرمایا یہ تمام تخلیق بغیر کسی ترتیب کے ایک ہی دفعہ ظہور میں آئی کسی روح کی کوئی پہچان نہ تھی وہاں ہر روح حق تعالیٰ میں حق تعالیٰ کے ساتھ فنا تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور تجلی فرمائی پھر اور ارواح کی تخلیق ہوئی جو ارض بیضاء میں محو گردش رہیں۔ وہ تسبیح و تقدیس میں مشغول رہیں۔ وہ جانتی بھی نہیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے علاوہ بھی کسی مخلوق کو تخلیق کیا ہے ان ارواح میں سے ہر روح اس مقام اور اس کیفیت پر فائز تھی جسے اللہ جانتا تھا۔ ارض بیضاء عالم طبیعہ سے خارج تھی اس کو ارواح متحیرہ کی سرزمین کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا اس میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں وہ ابدآلاباد تک یونہی رہے گی۔ اس زمین میں بھی انسان کامل کے لیے ایک مثال تھی۔ ارواح میں بھی اس کا حصہ تھا۔ ارواح اولی میں اس کے لیے ایک اور مثال تھی۔ ہر عالم میں اس کے لیے ایک ایک مثال تھی پھر اس عنصر اعظم کی عالم تدوین و تسطیر کی سمت مخصوص توجہات تھیں عین میں اس عالم کا کوئی وجود نہ تھا یہ عنصر اعظم عالم میں اکمل وجود تھا اگر وہ پوشیدہ عہد نہ ہوتا جو اہل طریقت نے مجھ سے لیا ہے تو پھر یہ گفتگو ذرا تفصیل سے بیان کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کے ساتھ اس کا تعلق کھول کر بیان کیا جاتا۔ ان مخصوص توجہات کے بعد جو پہلی شی تخلیق ہوئی وہ عقل اول ہے اس کو اول اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ عالم تدوین و تسطیر میں سے اول ہے یہ توجہات اس حقیقت انسانیہ کے لیے تھیں جس کے لیے کمال تھا۔ عقل وغیرہ کی تخلیق کا مقصد وہی تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ظہور اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت کی صورت میں ہونا تھا۔ اس لیے آپ سے پہلے اس وجود کا ہونا ضروری تھا جس پر آپ کی سلطنت ہوتی اگر آپ ﷺ بالفعل آخر میں موجود ہوتے۔ حقیقت محمدیہ کا عین ہی اصل مقصود تھا۔ پوری توجہات بھی اس حقیقت کی جانب ہی تھیں آپ

ﷺ جمع اور وجود کا عین ہیں، اور نسخہ عظمیٰ ہیں۔

پانچویں تنبیہ

جان لو کہ وجود واحد ہے اور اس کا ظہور ہے اور وہ عالم ہے اس کے بطون ہیں اور وہ اسماء ہیں ان کے لیے برزخ ہے۔ جو ظہور اور بطون کے مابین تمیز کرے اور بطون کو ظہور سے ممتاز کرے۔ وہ انسان کامل ﷺ ہی ہیں۔ ظہور بطون کے لیے آئینہ اور بطون ظہور کے لیے آئینہ ہے۔ جو ان کے مابین ہے وہ ان دونوں کے لیے آئینہ ہے جان لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی ذات اور انسان کامل کی ذات کے درمیان مشابہت ہے اس کے عمل اور علم کے درمیان مشابہت ہے۔ اسی طرح قلم اور انسان کامل کی روح کے مابین مشابہت ہے اسی طرح لوح اور اس کے دل کے مابین مشابہت ہے عرش اور اس کے جسم کے درمیان مشابہت ہے۔ کرسی اور اس کے نفس کے درمیان مشابہت ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے آئینہ ہے۔ جو کچھ قلم میں مجمل ہے وہ اس کی روح کے جسم میں مجمل ہے۔ جو کچھ کرسی میں مفصل ہے وہ اس کے نفس میں بھی مفصل ہے۔ انسان کامل تمام کتب الٰہیہ اور کتب کونیہ کا جامع ہے۔ حق تعالیٰ کا علم بذاتہ اس کی تمام اشیاء کے علم کو مستلزم ہے وہ اپنے علم بذاتہ سے تمام اشیاء کو جانتا ہے۔ ہم انسان کامل کے حق میں بھی اس طرح کہتے ہیں کہ اس کا علم بذاتہ تمام انبیاء کے علم کو مستلزم ہے کیونکہ اجمالاً اور تفصیلاً جمیع اشیاء وہ خود ہی ہے۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ کے اس قول میں غور کرو۔

''الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ'' الف سے ذات احدیت کی طرف اشارہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ تمام اشیاء سے اول ہے۔ لام سے اس وجود کی طرف اشارہ ہے جو تمام اعیان وجودیہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اور میم سے جامع کائنات کی طرف اشارہ ہے۔ یہی انسان کامل ہے حق تعالیٰ، عالم اور انسان کامل ایسی کتاب ہیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

چھٹی تنبیہ

مقام محبت تمام مقامات اور احوال سے بلند ترین مرتبہ ہے۔ یہ تمام مقامات میں جاری ہے۔ ہر مقام اور ہر حال کا مقصد و مدعا یہی مقام ہے اور اس کے بعد کے تمام مقامات اسی سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام وجود کی بنیاد اور اس کا سردار ہے۔ یہ عالم کا مبداء اور اس کا مد ہے۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حبیب بنایا۔ جبکہ دیگر افراد کو خلیل بنایا۔ اس سردار کی حقیقت یہ ہے تمام حقائق خواہ وہ سفلی ہوں یا علوی وہ اسی سے نکلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس

کو اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ مقام محبت ہے۔ تمام اوصاف الھیہ سے متصف ہونے کی آرزو ان صفات سے متصف ہونے کے لیے حجاب ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ تمام اوصاف الٰہیہ سے متصف تھے۔ آپ ﷺ کا مقام قرب یہ تھا کہ آپ ﷺ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (نجم:9) کے مقام پر فائز تھے لیکن اس کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ پر کوئی ایسا امر وارد نہیں ہوا جو آپ ﷺ میں پہلے موجود نہ ہو۔ اور نہ ہی آپ ﷺ پر کوئی ایسی چیز وارد ہوئی جو آپ ﷺ میں پہلے موجود نہ ہو۔ اور نہ ہی آپ ﷺ پر کوئی ایسی چیز وارد ہوئی جو آپ ﷺ کی فطرت میں شامل نہ ہو۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عجیب و غریب امر کا ورود ہوا تو ان پر اس کا اثر بھی ظاہر ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس نور کی وجہ سے اپنے چہرے پر برقع اوڑھ لیتے تھے کیونکہ اس سے دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

ساتویں تنبیہ

انسان کامل وہ کتاب ہے جو تمام کتب الٰہیہ کو جامع ہے۔ کیونکہ وہ عالم کبیر کا نسخہ ہے۔ اس کی روح اور عقل وہ کتاب عقلی ہے جس کو ام الکتاب کہا جاتا ہے۔ اُس کے دل کو لوح محفوظ کہا جاتا ہے۔ اس کو نفس کی حیثیت سے کتاب المحو والاثبات کہا جاتا ہے۔ وہ پاکیزہ و بلند، مطہرہ اور مکرمہ صحف ہیں جن کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں اور اس کے اسرار اور معانی کا ادراک صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تاریک حجابات سے منزہ ہوتے ہیں۔ جن کتب کا میں نے ذکر کیا ہے وہ کتب الٰہیہ کی بنیاد ہیں جہاں تک ان کی فروعات کا تعلق ہے تو وجود کی ہر چیز جس میں موجودات کے احکام منقش ہے وہ کتب الھیہ میں ہی شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں تنبیہ

تمام ارباب کا رب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تعین اول وہ تمام اسماء کا منشأ اور تمام غایات کی غایت ہے۔ وہ تمام مطالب پر حاوی ہے اللہ رب العزت نے اپنے اس فرمان میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم:42)

کیونکہ آپ ﷺ تعین اول کا مظہر ہیں ربوبیت آپ ﷺ کے ساتھ مختص ہے یہی ربوبیت عظمیٰ ہے۔ اسمائے الھیتہ میں سے اسم کی علم میں ایک صورت ہے جس کو ماہیت اور عین ثابتہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہر اسم کی ایک صورت خارج میں بھی ہے جس کو مظاہر اور موجودات عینیہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ اسماء ان مظاہر کے ارباب ہیں۔

حقیقت محمدیہ اسم اللہ کی صورت ہے یہ تمام اشیاء الٰہیہ کو جامع ہے اسی سے ہی تمام اشیاء کو فیض ملتا ہے۔ حقیقت محمدیہ ہی تمام عالم کی تربیت کرتی ہے اپنے ظاہر سے عالم کے ظاہر کی اور اپنے باطن سے عالم کے باطن کی تربیت کرتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اسم اعظم ہیں ربوبیت مطلقہ آپ ﷺ کے ساتھ مختص ہے یہ اختصاص آپ ﷺ کے مرتبہ کے لحاظ سے ہے نہ کہ آپ ﷺ کی بشریت کے لحاظ سے آپ ﷺ عبد مربوب ہیں جو اپنے رب کے محتاج ہیں۔

نویں تنبیہ

وہ قطب جس پر احکام عالم کا مدار ہے وہ ازل سے لے کر تا ابد وجود کے دائرہ کا مرکز ہے وہ وحدت کے حکم کے اعتبار سے واحد ہے وہ حقیقت محمدیہ ہے وہ کثرت کے حکم کے اعتبار سے متعدد ہے نبی اکرم ﷺ ہر زمانہ کے قطب ہیں۔ پھر یہ قطبیت اولیاء کرام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ ہر زمانہ میں ایک ایسا ولی ہوتا رہے گا جو اس مقام پر فائز ہوگا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس نظام اور ترتیب کی حفاظت فرمائے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ خاتم الاولیاء کا اظہار فرمائے گا وہ ولایت مطلقہ کا خاتم ہوگا۔

دسویں تنبیہ

اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے لیے اپنی ذات کی تجلی فرمائی اس نے اپنی تمام صفات اور کمالات کو اپنی ذات میں دیکھا اس نے ارادہ کیا کہ وہ ان کو ایک ایسی حقیقت میں دیکھے جو آئینہ کی طرح ہو اس نے حقیقت محمدیہ کو پیدا فرمایا جو عالم میں نوع انسانی کی اصل ہے اس کے وجود کے ساتھ تمام عالم کے حقائق اجمالی طور پر پائے گئے۔ پھر انہیں وجود تفصیلی دیا گیا تو وہ اعیان ثابتہ بن گئے علم، عین اور کمالات میں اعیان عالم حقیقت محمدیہ کے واسطہ ہی حاصل ہوئے۔

گیارہویں تنبیہ

اس تنبیہ میں شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے معانی بیان کیے جائیں گے۔ جو انہوں نے حقیت محمدیہ کے لیے بیان کیا ہے کہ وہ حادث ازلی ہے۔ دائمی ابدی نشئت ہے ایک فرق کرنے والا جامع کلمہ ہے۔

اس کا حدوث ذاتی اس لیے کیونکہ اس کی ذات وجوب کا تقاضا نہیں کرتی اس کا حدوث زمانی اس لیے ہے کیونکہ اس کی نشأۃ عنصریہ عدم زمانی سے پہلے ہے۔ اس کی ازلیت وجود علمی کے اعتبار سے ہے۔ اس کا عین ثابتہ علم میں ازلی ہے۔ اس طرح اس کی ازلیت وجود عینی روحانی سے ہے کیونکہ وہ غیر زمانی ہے اعیان ثابتہ فی العلم اور ارواح مجردہ کی ازلیت اور حق تعالیٰ کی ازلیت میں فرق یہ ہے کہ حق

تعالیٰ کی ازلیت سلبی ہے اس کے عدم سے کسی وجود کا آغاز نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ وجود کا عین ہے۔ جبکہ اعیان ثابتہ فی العلم اور ارواح مجردہ کی ازلیت سے مراد حق تعالیٰ کے وجود کے دوام کے ساتھ اس کے وجود کو دوام ہے۔ عدم سے وجود کا آغاز اس سے ہوا لیکن اس کا وجود اس کے غیر سے ہے۔ جبکہ حضور ﷺ کا دوام اور ابدیت دنیا و آخرت میں اس بقاء کی وجہ سے ہے جو حق تعالیٰ کی بقاء کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ کلمہ جامعہ اس لیے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی حقیقت نے حقائق الٰہیہ اور کونیہ کا علماً اور عیناً احاطہ کرلیا ہے۔ آپ ﷺ کلمہ فاصلہ اس لیے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ہی حقیقت میں ارواح اور ان کی صورتوں میں فرق کیا اگرچہ فاصل ایک معین فرشتہ ہے۔ لیکن وہ آپ ﷺ کے حکم سے ہی فرق کرتا ہے اسی طرح آپ ﷺ ان کے جامع بھی ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی وہ خلیفہ ہیں جو اسماء اور ان کے مظاہر کے جامع ہیں۔ جب اس کون جامع کو وجود ملا تو یہ عالم اپنے خارجی وجود کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ آپ ﷺ روح عالم ہیں اس میں تصرف کرنے والے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی نشأۃ عنصریہ وجود عینی میں متاخر اس لیے ہوئی کیونکہ جب آپ ﷺ کا عین ایسے عناصر سے مرتب تھا۔ جن کا وجود افلاک، ارواح اور عقول سے متاخر تھا تو پھر ان کا پہلے پایا جانا ضروری تھا تا کہ جزء کل سے مقدم ہو جائے۔ تا کہ آپ ﷺ دنیوی خزانہ پر بھی خاتم ہو جائیں اخروی خزانہ کے خاتم بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ آخرت میں تجلیات الٰہیہ آپ ﷺ کے واسطہ سے ہی ہوں گی۔

بارہویں تنبیہ

اللہ تعالیٰ پر صورت کا اطلاق اہل نظر کے نزدیک مجازاً ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ کیونکہ صورت کا اطلاق محسوسات میں ہوتا ہے معقولات میں نہیں ہوسکتا محققین کے نزدیک اللہ کے وصف میں اس کا اطلاق حقیقتاً ہوتا ہے کیونکہ تمام عالم حضرۃ الٰہیۃ کی تفصیلی صورت ہے انسان کامل بھی حضرت الٰہیۃ کی صورت اور عالم کی صورت کی جامع ہے کیونکہ حضرت آدم اپنی روح کے ساتھ حضرۃ الٰہیۃ کی صورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ نشأۃ انسانیہ حضرت الٰہیۃ اور ارواح روحانیہ کی صورتوں کا جامع ہے اور اپنے جسم کے اعتبار سے تمام اجسام کی صورتوں کو جامع ہے۔ لیکن وہ ملائکہ کے خلاف اللہ کی دلیل بن گیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کا علم بھی ملائکہ کے علم سے زیادہ تھا۔

تیرہویں تنبیہ

ہر ظاہر اور باطن کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) باطن مطلق (۳) ظاہر مطلق

(۲) باطن مضاف (۴) ظاہر مضاف

(۱)۔ باطن مطلق ذات باری تعالیٰ، اس کی صفات اور اللہ کے علم میں اعیان ثابتہ ہیں۔

(۲)۔ باطن مضاف۔ عالم ارواح ہے وہ باطن مطلق کی نسبت سے ظاہر ہے۔ اور ظاہر مطلق کی نسبت سے باطن ہے۔

(۳) ظاہر مطلق: عالم اجسام ظاہر مطلق ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کامل کی صورت کو اس طرح بنایا کہ وہ حقائق عالم اور اس کی صور کو ظاہر کرے اور اس کی باطنی صورت کو اپنی صورت پر بنایا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کی قوت سمع اور قوت بصارت ہوں۔ جس طرح ہویت حق تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام میں جاری ہے اسی طرح یہ عالم کے ہر وجود میں جاری ہے۔ لیکن حقائق عالم کی ہر حقیقت میں اس کا ظہور اس کی استعداد کے مطابق ہے۔

افراد انسانیہ کے ہر فرد کے لیے خلافت میں سے حصہ ہے جس سے وہ اپنے اور دیگر افراد کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ یہ اس کا وہ حصہ ہے جس کا وہ اپنے والد اکبر سے وارث بنا وہ والد اکبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔

چودھویں تنبیہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مقام جمع مختص ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (شوریٰ:11)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام وحدت اور کثرت کو جامع ہے وہ جمع، تفصیل، تنزیہ اور تشبیہ کا جامع ہے بلکہ تمام مقامات اسمائیہ کو جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں مثل کے اثبات اور اس کی نفی کو جمع فرمایا بلکہ اس آیت کے نصف میں جمع فرمادیا اس جمع، تنزیہ اور تشبیہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے یعنی مجھے جمیع حقائق اور معارف عطا کیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ تمام کتب کے تمام علوم جمع فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو عین باطن میں ظاہر کی طرف، عین ظاہر میں باطن کی طرف بلایا۔ عین کثرت میں وحدت کی طرف اور عین وحدت میں کثرت کی طرف بلایا۔

پندرہویں تنبیہ

امام انبیاء علیہم السلام اور ان کے ورثاء مطلق امر الٰہی کے خادم ہیں۔ خواہ وہ امر ارادہ کے موافق ہو

یا مخالف۔ بلکہ وہ ممکنات کے احوال کے خادم ہیں اس حیثیت سے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی دین و دنیا کی مصلحتوں کی طرف کرتے ہیں۔ اور انہیں اس چیز سے منع کرتے ہیں جو ان کے دین اور دنیا کے لیے نقصان دہ ہو۔ یہ تبلیغ وارشاد اور ان کی یہ خدمت ان کے اعیان اور احوال کے تقاضا کے مطابق ہے جو حضرۃ علمیہ میں موجود ہے لیکن ان کا وجود خارجی نہیں ہے۔ دیکھو یہ امر کتنا عجیب ہے۔ کہ امر الٰہی کا خادم ممکنات کا خادم ہے حالانکہ اللہ کی بارگاہ میں اس کی کتنی قدر ہے۔

تمام رسل علیہم السلام امر تکلیفی بالحال کے خادم ہیں۔ مثلاً انکا عبادات کرنا اور وہ افعال سرانجام دینا جو حق کے راستہ پر گامزن کر دیں تاکہ لوگ ان کی اتباع کریں پھر وہ بالقول بھی خادم ہیں ایمان لانے کا حکم دینا کفر وعصیان سے روکنا ان اشیاء کا حکم دینا جن پر ثواب ملتا ہے اور ان چیزوں سے منع کرنا جن پر عذاب ہوتا ہے۔ وہ ارادہ کے خادم نہیں ہیں اگر وہ ارادہ کے خادم ہوتے تو وہ کسی کو اس فعل سے منع نہ کرتے جو اس کے ارادہ کے متعلق ہو بلکہ اس میں اس کی مدد کرتے۔

سولھویں تنبیہ: شیخ اکبر ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کے قول "حکمۃ فردیۃ فی کلمۃ محمدیہ" کی تشریح۔ حکمت فردیہ اس لیے ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ مقام الجمعیۃ الالھیتہ پر منفرد ہیں۔ اس مقام کے اوپر صرف ذات احدیت کا ہی مرتبہ ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اسم اعظم اللہ کے مظہر ہیں جو تمام اسماء کو جامع ہے۔ اعیان میں سے سب سے پہلا فیض الٰہی آپ ﷺ کا عین ہے اور اکوان میں سے سب سے پہلا فیض آپ ﷺ کی روح ہے۔ اب ذات احدیت، مرتبہ الھیتہ اور آپ ﷺ کا عین تھا جس کے لیے فردیت اولی ثابت ہے۔ حقیقت محمدیہ کو عقل اول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو فردیت اولی عطا کی گئی یہ اسی طرح تثلیث شی ہے جس طرح آپ ﷺ کی اس حدیث میں تثلث کا تذکرہ ہے۔ "حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثًا" محبت جو کہ وجود کا اصل ہے اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ پہلے عورتوں کا ذکر کیا پھر خوشبو کا تذکرہ کیا پھر فرمایا میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے نزدیک عورتوں کو اس لیے پسندیدہ بنایا گیا تھا کیونکہ ان میں حق کے مشاہدہ کا کمال ہے کیونکہ مواد کے بغیر حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے مستغنی ہے اس اعتبار سے اس کی ذات میں اور کسی دوسری چیز میں کوئی نسبت نہیں۔ مواد کے بغیر حق تعالیٰ کا مشاہدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عورتوں میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ بہت بڑی مثال ہے۔ حالت نکاح میں یہ کامل تر ہے کیونکہ وہاں محب کا محبوب میں فنا ہونا ہے۔ جماع کی ایک مثال یہ اس توجہ الھیتہ کی طرح ہے جو اس نے انسان کی طرف کی اس کو اپنی صورت پر تخلیق کیا تاکہ وہ اس کا نائب بنے اور وہ اس میں اپنی صورت کی مثال دیکھے۔ اسی طرح نکاح کرنے والا اپنی صورت پر بچے کی پیدائش کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اس

میں اپنی بعض روح (نطفہ) پھونکتا ہے تا کہ وہ اپنے عین کا اپنے بچے کے آئینہ میں مشاہدہ کر سکے اور وہ اس کے بعد اس کا نائب بنے اس طرح یہ نکاح نکاح اصلی ازلی کی طرح ہو گیا انسان کی تخلیقی صورت عبودیت سے متصف ہے اس کا باطن حق ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح میں سے ہے جو اس کے ظاہر کی تدبیر کرتا ہے اور اس کی تربیت کرتا ہے۔

سترہویں تنبیہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عبد تخلیق کیا تو آپ ﷺ نے کبھی بھی اس سیادت کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا جس کا تقاضا آپ ﷺ کی ذات عبودیت ذاتیہ کی وجہ سے کرتی تھی۔ وہ عبودیت جو تعین اور تقیید سے حاصل ہوتی تھی یہ صرف اس لیے تھا کہ آپ ﷺ حضرۃ الٰہیہ کا انتہائی ادب کرتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ سجدہ ریز رہے اپنے رب کے لیے عاجزی کرتے رہے مقام عبودیت اور رتبہ انفصالیہ میں رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح سے تمام ارواح اور ان کے مظاہر کو پیدا فرمایا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ اس نور کو عقل بھی کہتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو فاعلیت کا رتبہ دیا وجود عینی میں اس کو خلیفہ بنا کر اس کو تصرف کا اختیار دیا وجود عینی کا ہر کمال اسے عطا کیا۔ روح محمدی مظہر رحمانی ہے وہ ذات جو عرش پر متمکن ہوئی اس کی رحمت سب جہانوں پر چھا گئی۔ ارشاد فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء: 107)

"ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر"۔

اٹھارہویں تنبیہ

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضرت دحیہ الکلبی اپنے زمانہ کے حسین ترین اور جمیل ترین جوان تھے۔ اسی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام جب حضور ﷺ کے پاس آتے تو ان کی شکل میں متشکل ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کے لیے ایک پیغام تھا کہ اے محمد مصطفیٰ ﷺ! میرے اور آپ ﷺ کے درمیان سفارت بھی حسن و جمال ہی کی ہے۔ وحی لانے والا فرشتہ بھی آپ ﷺ کے پاس حسن و جمال کا پیکر بن کر حاضر ہوتا ہے تا کہ اگر پیغام وعید اور زجر پر مشتمل ہو تو اس صورت جمیلہ سے سکون حاصل ہو سکے۔

انیسویں تنبیہ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی یہ کتنی عنایت ہے کہ ہمیں حضور ﷺ کی امت میں سے بنایا۔ تمام رسل میں سے ہر رسول بروز حشر حکم جزئی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک مخصوص گروہ کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن امت محمدیہ کے ایک قطب کی یہ کیفیت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ عام ہوگا اور وہ اپنے زمانہ کے ہر فاسق و فاجر اور نیک و صالح کو جامع ہوگا۔ اس قول پر اعتراض کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کو فیض مشکوٰۃ محمدیہ ﷺ سے ملتا ہے اور آپ ﷺ مقام اعم پر فائز ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ایک ایسا گروہ ہوگا جو انبیاء تو نہیں ہوں گے لیکن انبیاء ان پر رشک کریں گے۔ یہ سب کچھ انہیں حضور ﷺ کی برکت اور آپ ﷺ کے مقام کی وجہ سے ہی نصیب ہوگا۔

بیسویں تنبیہ

اس تنبیہ میں حضور ﷺ کے اس فرمان کی تشریح کی جائے گی جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست اقدس آپ ﷺ کے مبارک شانوں کے درمیان رکھا۔ آپ ﷺ نے اس دست اقدس کے پورے کی ٹھنڈک اپنے سینۂ اقدس میں مخصوص کی اس سے آپ ﷺ کو ہر اس چیز کا علم ہوگیا جو آسمانوں یا زمین میں ہے۔

اللہ رب العزت ید حسیہ (حسی ہاتھ) اور اس کے پوروں سے منزہ ہے۔ اس کا دست اقدس تو احسان وامتنان کا ہاتھ ہے۔ وہ نبوت و رسالت اور ولایت کے انوار کے فیوض کے لیے منتخب فرمانے کے لیے ہے۔ حتی کہ انسان اپنی بصیرت اور بصارت سے تمام عوالم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے اول و آخر، ظاہر و باطن اس کی کلیات و جزئیات، دنیا اور آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دنیا کے اوائل اور اواخر کے متعلق بتایا دنیا اور آخرت میں ماضی اور مستقبل کے متعلق بتایا کیونکہ حضرات کونیہ آپ ﷺ کی بصیرت اور بصارت کی امام بن گئی تھی۔ حتی کہ آپ ﷺ اپنے پیچھے سے بھی اس طرح ہی دیکھ لیتے تھے۔ جس طرح اپنے آگے سے دیکھتے تھے۔ دست قدرت آپ ﷺ کے مبارک شانوں کے درمیان اس لیے رکھا گیا تھا کیونکہ جسے اللہ رب العزت مخصوص فرمالیتا ہے۔ نور الٰہی اس کے پیچھے سے ہی آتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی تھی۔ یہ اس لذت سے عبارت ہے جو آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے امور غیبیہ سے حجاب اٹھایا اور ان کا ظہور فرمایا یہ سب کچھ آپ ﷺ کے مرتبہ کے تقاضا کے مطابق تھا۔

بشریت کی حیثیت سے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کروں اللہ تعالیٰ رازوں سے آگاہ ہے اسی لئے وہ بعض امور جو آپ ﷺ سے پوشیدہ تھے وہ اس امر کی وجہ سے تھے۔ حکم الٰہی جس کا تقاضا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت قائم ہو جائے۔

اکیسویں تنبیہ

نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ وحی لے کر آتا تھا وہ وحی اس شریعت پر مشتمل تھی جس کے مطابق وہ خود عبادت کرتے تھے۔ اگر اس شریعت کے ساتھ انہیں کسی اور کی طرف بھی بھیجا جاتا تو پھر انہیں رسول کہتے تھے۔ کبھی فرشتہ وحی کو قلب انور پر نازل کرتا۔ اور کبھی خارج میں سے کسی حسین شکل میں آتا۔ جو کچھ وہ لے کر آتا وہ اس نبی کے کان میں القاء کرتا جسے وہ سن لیتا کبھی وہ اس کی نگاہ کے سامنے رکھتا دیکھنے سے بھی اسے وہی کچھ حاصل ہو جاتا جو اس کو سننے سے حاصل ہوتا تھا۔ سارے قوائے حسیہ اسی طرح ہیں۔ یہ دروازہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے بند ہو چکا ہے۔ اب کسی شخص کے لیے کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس شریعت کے مطابق کرے جو اس شریعت کی ناسخ ہو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ بھی اسی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ وہ خاتم الاولیاء ہوں گے یہ نبی اکرم ﷺ کا شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ولایت کو ایک نبی محترم علیہ السلام کے ذریعہ سے ختم کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بروز حشر رسولوں کے ساتھ رسول بن کر اور اس امت کے ساتھ ولی اور تابع بن کر اٹھیں گے۔

حضرت الیاس علیہ السلام بھی اسی مقام پر فائز ہیں۔ اس امت کے اولیاء میں سے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات میں سے ایک تجلی میں کھڑا کرے گا۔ وہ اسے حضور ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مظہر بنا کر کھڑا کرے گا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کا مظہر ہونے کی وجہ سے احکام مشروعہ کے خطاب کو سنے گا۔ اس مقام پر فائز ہونے والا ان تمام احکام کو سن لے گا جو امت محمدیہ ﷺ میں مشروع تھے وہ ان تمام کو یاد کر لے گا۔ وہ ان کی صحت کا علم، علم یقین کے ساتھ کرے گا بلکہ اس کو عین الیقین کا علم ہو گا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے حکم پر عمل کرے گا۔

کتاب التنبیہات فی بیان حقیقۃ سید السادات (ﷺ) (ختم ہوئی)

عارف باللہ شیخ عبداللہ السنوی رومی

متوفی ۱۰۵۴ھ کے جواہر پارے

مؤلف شہیر کی کتاب ''مَطَالِعُ النُّوْرِ السَنِی الْمُنْبِی عَنْ طَهَارَتِ النَسْبِ الْعَرَبِی''
سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یہ تألیف اپنی مثال آپ ہے۔اس میں آپ فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے نور محمدی ﷺ کو تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرما کر اس سے دیگر انبیاء و اولیاء اور باقی اشیاء کو تخلیق کیا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے نور محمدی ﷺ کو اپنی جناب سے وہ تابانی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو چمکا دیا۔ پھر یہ نور پاک بحکم الٰہی پاک پیٹھوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا تا آنکہ آپ کی جلوہ گری کائنات رنگ و بو میں ہوئی۔ محمد فداہ ابی وامی وہ ذات ہیں جن کی روح کو رب محمد ﷺ جلا جلالہ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور پھر اسے مقام قرب میں اپنے سامنے بارہ ہزار سال تک رکھا۔ پس تجلیات ربانیہ کے پیہم پڑنے سے آپ حسن و جمال کے اس مقام پر فائز ہوئے کہ جسے دیکھ کر عقول حیران رہ جاتیں وہ روح پاک اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی رہی یہاں تک کہ یہ نورانی روح اپنے کمال کو پہنچی اور جب تخلیق کا مرحلہ قریب آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا جسم مطہر بہترین نسلوں اور پاکباز ماؤں اور نیک سیرت باپوں سے پیدا فرمایا۔

اما بعد: سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پاک انوار الٰہیہ اور اسرار غیبیہ کا مظہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کو ہر چیز کیلئے اصل قرار دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روحانی صورت کو جسمانی صورت میں تبدیل کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس عظیم امانت کیلئے سرزمین عرب میں سے ابدی سعادتوں کا تاج سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سر پر سجایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلم العالمین ہے اسے معلوم تھا کہ مقدس امانت کے امین پاکدامن و نیک سیرت آمنہ و عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ جو بھی نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے پھر تخلیق کے مراحل سے گذر کر پیدا ہوتا ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ (فاطر:11)

''یعنی عورت کا اپنے پیٹ میں بچہ اٹھائے رکھنا اور بچے کی زچگی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے''۔

گویا اللہ تعالیٰ نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایسے والدین کا انتخاب فرمالیا جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک صاف تھے۔ قدیم و جدید ادوار میں چند کم علم حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی طرف "شرک" کی نسبت کی ہے۔ یہ قول کر کے ان کے قدم راہ راست سے پھسل گئے اور وہ جہالت و گمراہی کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ کیونکہ بچہ باپ کے جسم کا ایک حصہ ہی تو ہوتا ہے۔ علماء حق نے احیاء دین کی طرف بہت توجہ دی اور اس مسئلہ (ایمان والدین مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف بہت کم حضرات نے توجہ دی ہے۔ البتہ میں نے (شیخ عبداللہ بسوی نے) آیات قرآنیہ سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مذکورہ رسالہ میں نے "نو بابوں" میں ترتیب دیا ہے۔

باب اول

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ موجودات سے پہلے رب تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے نبی کا نور تھا۔ اور دیگر تمام اشیاء اس سے پیدا فرمائیں اللہ تعالیٰ نے اسے دس ہزار سال تک قرب خاص میں رکھا اور پھر اس کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا ایک حصہ سے عرش دوسرے سے کرسی تیسرے سے حاملین عرش اور چوتھے حصہ کو بارہ ہزار سال تک مقام محبت میں رکھا اس کے بعد اس قسم چہارم کو چار حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے جنت کو تخلیق فرمایا اور چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا لیکن تقسیم سے قبل اس کو مقام خوف میں بارہ ہزار سال رکھا۔ اس کے پہلے حصہ سے ملائکہ دوسرے سے آفتاب تیسرے سے ماہتاب پیدا فرمایا اور چوتھے حصہ کو بارہ ہزار سال مقام رجا میں رکھا اس کے بعد اسے پھر چار حصوں میں تقسیم کیا پہلے حصہ سے عقل دوسرے سے علم و حلم اور تیسرے حصہ سے عصمت و توفیق کو بنایا اور چوتھے حصہ کو مقام حیا میں بارہ ہزار سال رکھا اس کے بعد اس پر خصوصی توجہ فرمائی جس سے وہ نور غایت حیا میں پانی پانی ہو گیا جس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نور کے قطرے ٹپکے اور ہر ہر قطرہ سے ارواح انبیاء پیدا ہوئیں اور جب ارواح انبیاء نے سانس لیا تو اس سے اولیاء، شہداء، صلحاء، نیک سیرت اور مطیع فرمانبردار انسانوں کی ارواح پیدا ہوئیں۔ آپ نے فرمایا عرش و کرسی انبیاء و رسل کی ارواح، صلحاء و صدیقین کی روحیں یہ سب میرے نور کا حصہ ہیں، آفتاب و ماہتاب اور ستارے میرے نور ہی سے بنے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار حجابات

پیدا فرمائے اور میرے نور کا وہ چوتھا حصہ ان کے پیچھے رکھا۔ ہر حجاب کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ رکھا۔ اور جب وہ نور حجابات سے باہر آیا تو حق سبحانہ تعالیٰ نے اسے اجزاء ارضیہ سے مرکب فرمایا۔ وہ حجابات کرامت، سعادت ہیبت، رحمت، رأفتہ، علم، حلم، وقار، سکینہ، صبر، صدق اور یقین وغیرہ کے تھے۔ وہ نور پاک ہر حجاب میں ہزار سال تک عبادت کرتا رہا۔ اس نور پاک سے ایسی روشنی نکلتی جس سے ہر طرف اجالا ہوتا۔ اس کے بعد جب اللہ نے چاہا تو حضرت آدم علیہ السلام کا جسد خاکی تخلیق فرمایا اور میرا نور ان کی پیشانی میں امانت رکھا اسی نور کی برکت سے ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا پھر یہ نور پاک حضرت شیث علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کو منتقل ہوا یوں وہ نورِ پاک، پاک پیٹھوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلب تک آیا اور ان سے رحم آمنہ رضی اللہ عنہا میں منتقل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے، سید المرسلین، خاتم النبیین، اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

اے جابر! اس انداز میں تیرے نبی کی تخلیق ہوئی۔ (المنتقیٰ)

پس حضور ﷺ نے اپنی تخلیق بے مثال کے بارے میں وضاحت فرمادی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور اس میں روح پھونکی تب اللہ تعالیٰ نے نور محمدی ﷺ اس میں رکھا گویا جسد آدم مظہر نور محمدی ہے۔ یوں وہ نور آدم علیہ السلام سے پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ یوں یہ پاک نور ایک پاکباز انسان کی پاک پیٹھ میں سے ہوتا ہوا نیک گھڑی میں پاکباز خاتون سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔ پھر وہ نور وہیں تکمیل کے مراحل کو پہنچا یہاں تک کہ جسد پاک میں روح محمدی ﷺ پھونکی گئی تھی۔ جو ہر چیز کیلئے اصل کی حیثیت رکھتی تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا تھا کہ نور محمدی پاک باپوں سے پاک ماؤں کی طرف منتقل کروں گا وہ پورا ہوا کیونکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادہ سے روک نہیں سکتا۔ نیز سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پاک بھی ہے۔

اَلْوَلَدُ سِرُّ اَبِیْہِ "بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے"۔

کیونکہ بیٹا جب مادہ سے پیدا ہوتا ہے وہ پہلے باپ کی پیٹھ میں پیدا ہوتا اور باپ کے اخلاق و صفات کا اثر قبول کرتا ہے پھر رحم مادر میں منتقل ہوتا ہے اور اس کے خون سے پرورش پاتا ہے یوں ماں کے اخلاق وصفات کا بھی پرتو ہوتا ہے لہٰذا بچہ والدین کی سیرت کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ کی نیک سیرتی اور بلند اخلاقی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کریمین بھی بلند واعلیٰ اور نیک و پاک سیرت کے حامل تھے۔ چونکہ آپ کے والدین آپ کی تخلیق کیلئے اصل کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کا اور

تا آخر تمام پشتوں کا آلودگیوں سے پاک ہونا یقینی امر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آباؤ واجداد کو اس قابل بنایا تھا کہ وہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوہر پاک کے حامل ہوسکیں۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور پاک جس شخص کے پاس آتا گیا اس پر اپنا اثر کرتا گیا۔ کیونکہ وہ شخص اس نور الٰہی کو اٹھانے والا ہوتا۔ یوں آپ کے والدین کریمین اپنے زمانہ کے معزز ترین افراد ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم میں وہ تمام کمالات وصفات رکھ دیں جو خلیفۃ اللہ بننے کیلئے ضروری تھیں۔ تب انہیں حضرت حق سے خلافت عطا ہوئی۔ آدم علیہ السلام کا وجود جب کمالات رفیعہ اور صفات جلیلہ کا مظہر بن گیا اور کمال کے مرتبہ کو حاصل کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی آپ کے جسد خاکی میں رکھ دیا گویا آپ ﷺ کا جسد خاکی صدف کی مانند تھا۔ اور نور محمدی ﷺ موتی کی مانند تھا۔ پس نور محمدی ﷺ پشت در پشت مزید ترقی کرتا گیا اور جب اپنے کمال کو پہنچ گیا تو اس کا ظہور ہوا جس طرح نطفہ رحم مادر میں مختلف مراحل سے گذرتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

''پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں، پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا''۔ (المومنون: 14)

پس جس طرح نطفہ مختلف مراحل سے گذر کر مکمل انسان کی شکل اختیار کرتا ہے اسی طرح نور محمدی ﷺ بھی مختلف پشتوں سے ہوتا ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منتقل ہوا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لئے اور اپنی اولاد کیلئے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ واجداد تھے سب کیلئے اسلام کی دعا کی تھی۔ یوں وہ نور پاک پشت در پشت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ جب اس نور معظم کے ظہور کا وقت قریب آیا تو اس در یتیم کیلئے رحم آمنہ رضی اللہ عنہا نے صدف کا کام دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو اس امانت بے مثل کیلئے چن لیا تھا۔ عبد اللہ و آمنہ دونوں میاں بیوی ظاہری و باطنی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک وصاف تھے۔ سیدہ آمنہ امانت الٰہیہ کی امین بن گئی۔ اور چند ماہ بعد مبارک گھڑی میں بہت حسین انداز میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جس کا ذکر آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک لمبی حدیث میں کیا ہے۔ یوں وہ نور پاک بشری صورت میں منازل طے کرتا رہا حتی کہ ''قَابَ قَوْسَيْنِ'' کے مقام پر فائز ہوا لیکن ابھی فاصلے باقی تھے پھر وہ نور پاک اکملیت کے مقام پر فائز ہوا حتی کہ ''اَوْ اَدْنٰى'' کے اس مقام پر پہنچ گیا جس کے بعد کوئی درجہ و

مقام نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رُوحِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ اَطْیَبُ التَّحِیَّۃِ وَالثَّنَاء

(ملخص)

فصل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاسؑ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (یہاں تک امام بخاری نے بغیر کسی اختلاف کے ذکر کیا ہے) بن آد بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حواء علیہا السلام کے ہاں بیس زچگیوں میں چالیس بچے (جوڑوں کی شکل میں) پیدا ہوئے سوائے شیث علیہ السلام کے۔ آپ تنہا پیدا ہوئے۔ کیونکہ آپ کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور منتقل ہونا تھا۔ آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام کو اور انہوں نے اپنی اولاد کو نصیحت کی کہ جو نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا اسے ہمیشہ پاک عورتوں کی طرف منتقل کرتے رہنا اور یہ نصیحت تا آخر چلتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی آلودگیوں سے محفوظ رکھا۔ احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر آیا ہے۔

حافظ ابوسعید النیشاپوری نے ذکر کیا ہے کہ نور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب عبداللہ بن عبدالمطلب کو منتقل ہوا تو حضرت عبداللہ کی پیشانی روشن ہوگئی اور آپ کے منہ سے کستوری کی طرح خوشبو آتی رہی۔ لوگ حضرت عبداللہ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے اور ان پر بارش برستی۔ ایک دن حضرت عبداللہ حجرہ میں سو رہے تھے کہ اچانک آپ بیدار ہوئے جبکہ آپ کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا سر میں تیل لگا ہوا تھا اور جسم پر خوبصورت عمدہ حلہ تھا۔ آپ نہایت حیران ہوئے۔ آپ کے والد آپ کو لے کر قریش کے کاہنوں کے پاس گئے انہوں نے جواب دیا کہ اس نوجوان کو آسمانوں کے رب کی جانب سے شادی کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔

ایک دفعہ آپ نے "حجر" میں ایک خواب دیکھا جسے کاہنوں نے سن کر کہا اگر یہ خواب درست ہے تو تیری پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس پر اہل آسمان وزمین ایمان لائیں گے۔ اور وہ لوگوں میں

مشہور ومعروف ہوگا۔

ابونعیم، خرائطی اور ابن عسا کر نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو مذکورہ خواب کے بعد شادی کی خاطر لے جارہے تھے تو ایک کاہنہ ان کے پاس سے گذری جس نے کتب میں مذکور نور نبوت حضرت عبداللہ کی پیشانی میں دیکھا جس کی وجہ سے آپ سارے قریش میں خوبرو نظر آرہے تھے اس نے پیشکش کی کہ وہ سو اونٹ کے بدلے اس کے ساتھ ہم بستری کرلیں۔ حضرت عبد اللہ نے انکار کیا اور فرمایا" حرام کاری سے تو مرجانا بہتر ہے" یوں حضرت عبدالمطلب آپ کو لیکر" وہب" جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے کے پاس لے کر آئے اور آپ کی شادی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طے پائی آپ قریش میں افضل ترین عورت تھیں۔ حضرت عبداللہ حضرت آمنہ کے پاس ایام منٰی میں پیر کے دن جمرہ کے قریب تشریف لے گئے۔(اور یوں وہ نور پاک سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو منتقل ہوا) دوبارہ آپ اس کاہنہ کے پاس سے گذرے تو اس نے آپ کے ساتھ گفتگو تک نہ کی۔آپ نے وجہ پوچھی اس نے جواب دیا وہ نور پاک جس کیلئے میں نے تجھے دعوت دی تھی تجھے چھوڑ چکا ہے۔

اور جب آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے شام کے محلات دیکھے اور ایک روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں۔ مجھ سے نور خارج ہوا جس نے کائنات کو چمکا دیا۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نسب میں آباء کی جانب سے" کلاب" میں حضور ﷺ کے ساتھ ملتی ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب یوں ہے۔" آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ" آپ کے والد وہب بنو زہرہ کے سردار تھے۔ اور آپ ﷺ کی والدہ" مرہ بنت عبدالعزیٰ بن عبدالدار بن قصی بن کلاب" تھیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بقرہ:23)

باب دوم

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے اسلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے وقت کلمات کے بارے میں

جب ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ مشرفہ کی تعمیر کا حکم دیا تو آپ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ کی دیواریں بلند کیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان کیا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ......الآیہ (بقرہ:127)

''اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی......''۔

اللہ تعالیٰ نے دیواروں کے بلند کرنے میں اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ ''بانی'' آپ ہی تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام گارا اور پتھر پکڑا رہے تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام دعا کے موقع پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ ملا کر یوں عرض کناں ہوئے۔ ''رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا'' اے ہمارے رب ہماری اس کوشش کو قبول فرما جس کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی ہماری دعاؤں کو سننے والا اور ہمارے کاموں اور نیتوں کو جاننے والا ہے) اور ہمیں مطیع و فرمانبردار بنا اور وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ (بقرہ:128) اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور حضور ﷺ کے آباء واجداد کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کی ہے کہ ان کو سیدھے راستے پر رکھنا کیونکہ ان کی پشتوں سے ایک رسول مکرم ﷺ کا ظہور ہونا ہے جن کی وجہ سے کائنات پیدا کی گئی۔ ''وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا'' اور ہمیں عبادت کی جگہیں یا قربانی کے مقامات دکھا۔ ''وَتُبۡ عَلَیۡنَا'' اور ہم پر مزید کرم نوازی یہ کہ ہم اس حال میں تیری طرف لوٹ کر آئیں کہ تیرے مشاہدہ کے انوار میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ (بقرہ:128) ''بے شک تو اس شخص پر رحم کرنے والا ہے جو تیری جناب میں پناہ کا طلب گار ہو۔ جب خلیل اللہ نے بصیرت کی آنکھ سے نور نبوت کے ذریعے حضور ﷺ کے نور بے مثل کو دیکھا کہ میری اولاد میں سے ایک رسول مبعوث ہونگے جن کے ذریعے دین مکمل ہوگا۔ اور جن کے ذریعے انسان کی فضیلت کا وعدہ الٰہی پورا ہوگا۔ تب انہوں نے دعا فرمائی: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ (بقرہ:129) یعنی اسی امت مسلمہ میں ان ہی میں سے ایک رسول (مکرم) بھیج دے۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ (بقرہ:129) یعنی وہ رسول تیری نازل کردہ آیات ان کو تلاوت کرے گا۔ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ (بقرہ:129) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا۔ امور کو ان کی مناسب جگہ پر رکھنا حکمت ہے۔ ''وَیُزَکِّیۡہِمۡ'' اور انہیں غیر کی طرف متوجہ ہونے سے پاک کرے گا۔ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں مندرجہ ذیل امور طلب کئے۔

(ا) ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی الٰہی میری اولاد کو اپنا مطیع اور اسلام پر چلنے والا بنا اطاعت اور اسلام عبادت کی صفات ہیں عبادت چاہے نوافل میں ہو چاہے فرائض کی شکل میں باعث قرب الٰہی ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے نور نبوت سے نور محمدی ﷺ کو دیکھ لیا تو ان کے لئے یہ دعا فرمائی۔

(۲) جب ابراہیم علیہ السلام نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور پر آگاہی حاصل کی تو ان کیلئے دعا فرمائی کہ الٰہی میری اولاد کو اسلام پر چلا تا کہ نور الٰہی اور روح محمدی کا ظہور اس طرح ہو جس طرح حق تعالیٰ کا ارادہ ہے تب انہوں نے دعا فرمائی۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ:128) یعنی الٰہی میری اولاد کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنا تا کہ نور محمدی کا ظہور اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو۔

(۳) آپ نے اپنی دعا میں دعا کے محل کو دیکھنا چاہا ہے اس کی دو وجہیں ہیں پہلی تو یہ کہ الٰہی طواف اور عبادت کی جگہیں دکھادیجئے۔ کیونکہ غلام کوئی بھی کام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کرتا۔ دوسری یہ کہ ابراہیم علیہ السلام جمال حق کے انوار میں اس قدر کھو چکے تھے کہ انہیں کوئی جگہ نظر نہیں آرہی تھی اس لئے آپ نے جگہ کی تعیین کی دعا کی۔

(۴) آپ نے رسول مکرم ﷺ کی بعثت کیلئے دعا فرمائی۔ کہ الٰہی میری اولاد کو مسلمان بنا اور ان میں اپنا رسول مکرم بھیج گویا وہ امت مسلمان ہو اور وہ رسول مکرم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو۔ اور ملت حنیفہ اور شریعت خلیلیہ بعثت نبی مکرم ﷺ تک ہو۔ نیز وہ نبی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہو کسی اور کی اولاد سے نہ ہو۔ کیونکہ جو آپ کی اولاد میں سے ظاہر ہونے والے تھے وہ کسی اور کی اولاد سے ہرگز ظاہر ہونے والے نہیں تھے۔ کیونکہ آپ کی اولاد مطیع وفرمان بردار ہوگی اور ان کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں رسول مکرم ﷺ کی بعثت ہوگی۔ گویا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ان کی اطاعت کا صلہ ہوگا۔ اور آپ ﷺ کا نور امت مسلمہ سے ظہور پذیر ہوگا اور آپ نسباً اور ملتہً امت مسلمہ سے ہوں گے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ ان کی ملت کا اختتام سید انام ﷺ پر ہوا۔ کیونکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام بعثت سے قبل ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کو شریعت محمدی قرار دے کر اس ملت کو عزت بخشی ہے اور اس ملت کو حیات جاودانی عطا فرمادی ہے۔ نیز اسے تا قیامت باقی رکھا ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم اور محمد ﷺ کے درمیان اور نبی اور دین کے ساتھ آئے۔ تا کہ امت مسلمہ وہی رہے جس میں حضور ﷺ مبعوث ہوں اور آپ کا دین بھی دین اسلام ہی رہے۔

(۶) حضور ﷺ کی بعثت ملت ابراہیمی میں ہوئی کیونکہ ملت ابراہیمی آپ کی شریعت قرار پائی ہے فرمان الٰہی ہے۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (حج:78) پس جب ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کی بعثت تک اسلام کا وجود ثابت ہے اور امت مسلمہ جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے وہ بھی ثابت ہے تو آپ ﷺ کے والدین کریمین کی توحید بھی ثابت ہوگی۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ امت مسلمہ میں سے ہوں لیکن آپ ﷺ کے والدین

امت مسلمہ سے نہ ہوں۔ پس جب آپ ﷺ قرابت طینیہ (مٹی) کی وجہ سے امت مسلمہ سے ہیں تو آپ کے والدین کریمین بھی قرابت رحمیہ کی وجہ سے امت مسلمہ سے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا مادۂ جسمانی اپنے والد ماجد اور والدہ کے ذریعے ہی مکمل ہوا ہے۔ اور والدہ ماجدہ کے ذریعے آپ ﷺ کی صورت بشری مکمل ہوئی۔ پس آپ کے والدین کا مسلمان ہونا ثابت ہو گیا۔

چاہے کوئی اور مسلم ہوتا یا نہ ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی مانگی ہوئی دعا قبول فرمائی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام سچے تھے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن:60)

''مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے بعثت نبوی ﷺ تک اسلام کو اولاد ابراہیم میں باقی رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کے مقصد کو پورا فرمایا۔ اس لئے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام امت مسلمہ میں اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے پیدا ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دین ابراہیمی کو زندہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ امت مسلمہ میں سے رسول بھیج تو گویا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین دین ابراہیمی پر تھے یعنی اسلام پر تھے کیونکہ آپ علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے اسلام ہی مانگا تھا۔ جو شخص دعویٰ کرے کہ حضور ﷺ دین ابراہیمی پر تھے اور آپ نے یہ دعا اپنے آباؤ اجداد سے سن رکھی تھی تو اس کیلئے ان آیات میں یہ خبر ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی بھی ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حضور ﷺ کی نبوت پر شاہد بنایا پس یہ قول حضور ﷺ کے والدین کریمین کے دین اسلام پر ہونے اور ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہونے پر دلیل قرار دیا جائے گا۔

یعنی میں نے تم میں سے جو رسول مبعوث کیا وہ تمہارے باپ ابراہیم کی دعا ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہی طلب کیا تھا اور تمہارے متعلق انہوں نے دعا کی تھی کہ الٰہی انہیں مسلمان بنا یہ دعا تم نے اپنے آباؤ اجداد سے سن رکھی ہے۔ انہوں نے جس رسول کی بعثت کیلئے دعا کی تھی تم اس کا انکار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے۔ (اب جب آپ رسول مبعوث ہوئے تو انکار کرنے لگے ہو)

حضور ﷺ کی تشریف آوری، آپ کی رسالت اور معجزات ظاہرہ سے یقینی ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی تھی۔ اور اس دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین

کریمین امت مسلمہ میں سے تھے۔اسی لئے تو حضور ﷺ نے فرمایا

أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ

"میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی مانگی ہوئی دعا ہوں"۔

پس جو کوئی آپ پر ایمان لایا اسے لامحالہ اس بات پر بھی ایمان لانا ہوگا کہ حضور ﷺ کی بعثت امت مسلمہ میں ہوئی اور اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہوئی۔

جب ابراہیم علیہ السلام تسلیم ورضا کے آخری مقام پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم الغیب میں صورت مصطفیٰ ﷺ سے مطلع فرمایا۔(کہ تیری اولاد میں سے یہ عظیم پیغمبر پیدا ہوں گے) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام:75)

"اور اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کی بادشاہی دکھائی"۔

پس آپ نے دیکھا کہ یہ عظیم رسول مبعوث ہونگے وہ میرے دین کو زندہ کریں گے۔اور جس مقصد کیلئے یہ کائنات بنائی گئی تھی وہ پورا ہوگا۔تب آپ نے اپنی اولاد کے امت مسلمہ پر رہنے اور ان میں سے ایک رسول بھیجنے کیلئے دعا کی۔گویا آپ نے دعا کی الٰہی میرا یہ دین تا دیر قائم ودائم رہے۔تا کہ وہ عظیم پیغمبر اس دین پر پیدا ہوں جب آپ نے اپنی اولاد کی پشتوں میں اس نور کو دیکھا تو دعا کی (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا......الخ) (بقرہ:129) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جو دعا انہوں نے اپنے لئے اپنے دین کیلئے امت مسلمہ کیلئے اور رسول معظم ﷺ کی بعثت کیلئے مانگی تھی۔کیونکہ منشائے ربی تھی۔پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو امت مسلمہ سے دین ابراہیمی پر بھیجا وہ دین جس کی حفاظت آپ کی اولاد کرتی آرہی تھی تو حضور ﷺ کو بھی اس دین کی اتباع کا حکم دیا گیا جس طرح ارشاد پاک ہے۔

بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا (بقرہ:135)

"بلکہ ملت ابراہیم جو ہر برائی سے کنارہ کش تھے"۔

قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل:123)

اے حبیب ﷺ! پھر ہم نے آپ کو وحی کی کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کرو۔پس جب اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین ابراہیمی کی اتباع ضروری ہے تو یقیناً یہ بات بھی ثابت ہوگی کہ اس وقت دین ابراہیمی کا وجود موجود تھا اور امت مسلمہ بھی موجود تھی۔اور امت مسلمہ آپ علیہ السلام کی اولاد میں

سے تھی تو یہ بات بھی یقیناً ثابت ہوگی کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین مسلمان تھے۔ کیونکہ ان کا تعلق بھی امت مسلمہ سے تھا۔ اوراس نص قرآنی کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کے شجرۂ نسب میں علی التعیین کوئی بھی مشرک نہیں تھا۔ پس نص صریح کے موجود نہ ہونے کے باوجود آپ کے آباؤ واجداد پر شرک کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ اور اگر آپ ﷺ کی بعثت سے قبل بت پرستی عام تھی تو اس کا حکم والدین کریمین پر کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی اپنی اولاد کے امت مسلمہ پر رہنے اوران میں رسول کے مبعوث کرنے کی دعا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ پس کوئی مسلمان تمام اولاد ابراہیم پر شرک کا فتویٰ کیسے لگا سکتا ہے۔ یہ سرکشی اور بغاوت ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد (حضور ﷺ کے آباؤ اجداد) کیلئے امت مسلمہ اور اسلام پر رہنے کی دعا مانگی اور ساتھ ساتھ ان کے بت پرستی کی آلودگی سے پاک رہنے کی بھی دعا مانگی ہے کہ

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَالْاَصْنَامَ (ابراہیم:35)

''الٰہی مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا''۔

کیونکہ اس کا امکان تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو دین ابراہیمی پر مبعوث فرمایا اسے آپ کیلئے شریعت قرار دیا اور اسے آپ ہی کی بدولت مکمل فرمایا جس طرح ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ (نیز اسے تا قیامت باقی رکھا)''۔

پس جب آیات الٰہیہ سے سرکار علیہ السلام کا دین ابراہیمی کی اتباع، اس دین کا وجود، اور امت مسلمہ کا وجود ثابت ہوگیا تو والدین کریمین کا اسلام بھی ثابت ہوگیا کیونکہ حضور علیہ السلام کا ظہور ان سے ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کا اطلاق سب سے پہلے آپ کے والدین کریمین، آپ کے قریبی آباؤ اجداد پر ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر رشتہ داروں پر بعد میں ہوتا ہے۔ کیونکہ قرابت رحمیہ، قرابت طینیہ سے مقدم ہے۔

فصل

وہ آیات کریمہ جو حضور ﷺ کے نسب پاک کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ:28)

''بے شک مشرکین پلید ہیں اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں''۔

پس مشرکین نجاست باطنیہ کی وجہ سے مسجد حرام کے قریب جانے اور اس کے اندر جانے سے روک دیئے گئے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ (نور:26)

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کو مشرک مردوں کیلئے خاص کر دیا ہے۔ اور اسی طرح مشرک مرد مشرک عورتوں کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ دونوں کے درمیان ایک خاص مناسبت ہے۔ جبکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (نور:26)

"پاک عورتیں (مومن عورتیں) پاک مردوں کیلئے ہیں۔ اور پاک مرد (مومن مرد) مومن عورتوں کیلئے"۔

پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور بتوں کو عین نجس قرار دیا اور مشرکین کو مسجد حرام سے دور رکھا جبکہ بتوں کے قریب جانے سے بھی روک دیا۔ پس وہ حکیم و علیم رب جو ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے پر قادر ہے۔ کیسے اپنے پاک اور طاہر نبی کی پاک روح کو مشرک عورتوں کی رحموں میں رکھ سکتا ہے۔ وہ نبی جو اصل کائنات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کام کا صدور ناممکن ہے۔ اور اس نبی مکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں جو باعث تخلیق کائنات ہو۔ پس جب پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے ہیں تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور پاک ہمیشہ پشت در پشت پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ سیدنا عبداللہ تک پہنچا اور ان سے قریش کی نہایت پاکباز و پاکدامن خاتون سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی طرف منتقل ہوا۔

باب سوم

ان آیات کے بارے میں ہے جو ملت ابراہیم علیہ السلام کے ثبوت اور اس کا زمانہ رسول ﷺ تک باقی رہنے کے بارے میں ہیں

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ دعائے ابراہیم علیہ السلام کے بعد فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ (بقرہ:130) کوئی ملت ابراہیم سے منہ نہیں موڑتا۔ البتہ "اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ" جو جاہل ہے وہ ایسا کرتا ہے یا جو اپنی عزت نفس کو جانتا نہیں۔ وہ اس دین سے منہ موڑ سکتا ہے۔ اور جو ایسا کرتا ہے یقیناً وہ صاحب عزت نہیں کیونکہ دین ابراہیمی درحقیقت باعث عزت و شرافت ہے۔ پس آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی بعثت نبوی ﷺ کے وقت موجود

تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اتباع پر زور دیا ہے۔

ارشاد باری ہے۔ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (بقرہ:135) یعنی یہودی کہتے ہیں تم ملت یہودیت پر آجاؤ اور عیسائی کہتے ہیں۔ملت عیسائیت پر آجاؤ۔تو ''تَهْتَدُوْا'' تم ہدایت پا جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو حکم دیا۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (بقرہ:135)

''اے محبوب! آپ کہہ دیں تم سب ملت ابراہیمی پر آجاؤ آپ حق کی طرف مائل ہونے والے تھے اور آپ مشرک نہ تھے''۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران:68)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (آل عمران:95)

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا (نساء:125)

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (انعام:161)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:35)

ابن ابی حاتم نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ سفیان سے پوچھا گیا اولاد اسماعیل میں سے کسی نے بتوں کی عبادت کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا۔ ''وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں اولاد اسحٰق اور ساری اولاد ابراہیم کیوں داخل نہیں ہے تو جواب دیا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف مکہ کے رہنے والوں کے لیے دعا کی تھی۔ تمام شہروں کے لیے دعا نہ کی تھی۔ مثلاً فرمایا ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا'' یعنی اس شہر مکہ کو جائے امن بنا۔

ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی تھی اور اس شہر

کے کسی شخص نے بتوں کی عبادت نہ کی۔ اور اسے پر امن بنایا گیا اس کے باسیوں کو پھلوں سے نوازا گیا۔ اس شہر کے رہنے والے امام ومقتدا بن گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

اور ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کرو جو حق کی طرف مائل تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

ملت ابراہیمی کے ثبوت پر اس سے واضح اور کوئی دلیل نہیں۔ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کرو۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت سے پہلے بھی آپ اس ملت پر تھے اور بعثت کے بعد بھی یہ آپ کی شریعت تھی۔ انہوں نے دعا مانگی تھی۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ

(ابراہیم:40)

ابن المنذر نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی دعا کے اثر سے اولاد ابراہیم میں سے کچھ لوگ ہمیشہ موحد رہے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (حج:78)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ القیم

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (فاطر:11)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں آدم سے پیدا کیا کیونکہ تم ان کی پیٹھ میں تھے: ''ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ'' یعنی آدم اور ان کی اولاد کے نطفوں سے تمہیں پیدا کیا۔ ''ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا'' پھر تمہارے جوڑے بنائے تاکہ نسل انسانی کی افزائش ہو سکے۔ ''وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی'' اور عورت جو نطفہ پیٹ میں اٹھاتی ہے ''وَلَا تَضَعُ'' اور جو بچہ جنتی ہے سب کچھ اس علیم وخبیر کے علم بے کراں میں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھتا ہے۔ اس نے کبھی بھی محمد ﷺ کے جوہر پاک کو مشرک کے نطفہ سے پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ذات پاک اصل کائنات ہے۔ اور آپ کی روح سب سے پہلے پیدا کی گئی ہے لہٰذا آپ کی روح تمام ارواح کیلئے باپ کی طرح ہے۔ حضور پاک ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے جود وکرم کا

ذریعہ ہیں۔ نیز آپ ﷺ کی رحمت نے کائنات کو ڈھانپ رکھا ہے۔ پس جب اللہ ہر چیز کو جاننے والا اور حکیم ہے تو اس نے اپنے علم و حکمت سے نور محمدی ﷺ کو بہترین باپ کی پشت میں رکھا پھر اسے بہترین ماں کی رحم میں بہترین گھڑی میں منتقل ہونے کا حکم دیا۔ اور رحم میں اس کی بہترین تربیت فرمادی۔ وہاں اسے وہ پاک غذا مہیا کی جس کا تقاضا وہ پاک ذات کرتی تھی۔ اس نور کی پیدائش بھی ایک سعید گھڑی میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (زخرف:26) یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا اور قوم سے کہا میں تمہارے ان خداؤں سے بری ہوں۔ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ (زخرف:27) اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْم البتہ جس ذات نے مجھے پیدا کیا ہے (اس کی عبادت ضرور کروں گا) بے شک وہ مجھے سیدھے راہ کی طرف ہدایت کرے گی۔ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ (زخرف:28) یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مانگی تھی۔ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ:128) اسے آپ کی اولاد کے بارے میں رکھا اور آپ نے جو دعا کی تھی اسے ہم نے باقی رکھا۔ یا ہم نے ابراہیم کا ذکر باقی رکھا۔ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریر و ابن المنذر نے مجاہد سے وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ (زخرف:28) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" مراد ہے۔ اور قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی گواہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد ابراہیم میں لگاتار ایسے خوش قسمت رہے ہیں جو توحید کے قائل تھے۔ اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ اولاد ابراہیم میں ہمیشہ اخلاص و توحید کا دور دورہ رہا۔ ابن المنذر نے بھی اس سے توحید مراد لی ہے۔

انہوں نے ایک اور بات کہی ہے کہ اولاد ابراہیم میں سے ایک گروہ تا قیامت اللہ تعالیٰ کا قائل ہو گا۔ "لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ" یعنی میری اولاد میں سے اگر کوئی مشرک ہو جائے۔ تو موحدین کی دعا سے دوبارہ مسلمان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (زخرف:29) بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ میں اشارہ اس طرف ہے کہ میں نے قریش اور اس کے آباؤ و اجداد میں سے اولاد ابراہیم کو طویل عمر تک حالت اسلام میں رکھا۔ یہاں تک کہ رسول مکرم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ یعنی ہم نے اولاد ابراہیم کو لمبی عمر دیکر اوران کی نسل کو برقرار رکھ کر ملت خلیلیہ کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تک قائم و دائم رکھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں خبر دی کہ ملت اسلامیہ اولاد ابراہیم یعنی آباؤ و اجداد رسول کریم ﷺ

میں بعثت رسول ﷺ تک برقرار رہی۔ پس آپ ﷺ کے والدین کریمین دونوں موحد تھے بلکہ اوپر تک سارے آباؤ واجداد موحد تھے۔ نیز جیسے پہلے گذر چکا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے عالم ارواح میں حضور نبی رحمت ﷺ کا نور پاک دیکھ لیا تھا۔ تبھی تو آپ نے اپنی اولاد کیلئے توحید پر ثابت قدمی کی دعا مانگی تھی۔ اور ان ہی میں سے حضور ﷺ کیلئے دعا مانگی تھی۔ لہٰذا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ اور یوں کلمہ توحید تا قیامت اولاد ابراہیم میں باقی رکھا گیا۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے۔ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ (زخرف:28) (اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کلمہ توحید باقی رکھا) اور آپ علیہ السلام کی دعا منشائے الٰہی تھی کیونکہ وَجَعَلَهَا..... کے بعد حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ (زخرف:29) (حتیٰ کہ ان کے پاس حق اور سچے رسول آئے) کے الفاظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (جاثیہ:18) وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینہ)

ان آیات کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی اولاد ابراہیم علیہ السلام میں باقی رہنے کے متعلق خبر دی ہے۔ نیز آپ ﷺ کا ظہور اولاد ابراہیم میں ہوا اور ہمیں اس ملت خلیلیہ کے کچھ حصہ کی پیروی کا حکم دیا گیا اور چونکہ یہ ملت حضور ﷺ کیلئے شریعت قرار دے دی گئی اس لئے آپ ﷺ کو بھی اس ملت کی طرف دعوت اور اس کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ان کی اولاد میں باقی رہنا صحیح ہے تو آپ ﷺ کے والدین کریمین کا اسلام بھی صحیح ہے۔ کیونکہ آپ دونوں اولاد ابراہیم کی امت مسلمہ میں سے تھے۔ پس حضور ﷺ کی نسبت اپنے والدین کریمین کی طرف پہلے ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف بعد میں۔

ملت ابراہیمی سے مراد وہ اسلام ہے جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی آپ کو اس ملت کی اتباع اور اس کے احکام زندہ کرنے کا حکم دیا گیا جس طرح ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (نحل:123) ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کرو۔ ملت ابراہیمی اور شریعت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی وقت ایسا نہیں آیا جس میں کسی ملت یا شریعت کا وجود نہ ہو۔ بلکہ شریعت محمدی ﷺ کا مقصد ہی ملت ابراہیمی کی تکمیل تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو جو کتاب دی گئی تھی وہ تمام شریعتوں اور نبوتوں کو شامل ہونے کے علاوہ احکام زائدہ پر مشتمل تھی۔ البتہ

دین ابراہیم میں چند بدقسمت افراد نے بت پرستی کے ذریعے شرک داخل کر دیا تھا لیکن اکثریت پھر بھی دین ابراہیمی پر رہی۔ جس طرح تابعین اوران کے مابعد زمانہ میں اختلافات اور گمراہ فرقے پیدا ہوئے لیکن اسلام پھر بھی باقی رہا۔ پس دین ابراہیمی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک قائم رہا اور جو اس دین کے قائم رکھنے والے تھے۔ ان کے ذریعے یہ دین قائم رہا جس طرح حدیث پاک ہے جس نے نماز قائم کی اس نے گویا دین کو قائم رکھا اور جو نماز کو ضائع کر گیا اس نے گویا دین کو گرا دیا۔

پس ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی رحمت ﷺ تک دین ابراہیم اور مسلمانوں کا وجود موجود تھا۔ اور جب یہ ثابت ہے تو آپ ﷺ کے والدین کریمین کا اسلام بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ملت ابراہیمی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا اور اس کے احکام کو بجالانا ہے۔ اور اس کی ایسی عبادت کرنا جو صورت محمدیہ کے ظہور کا موجب ہو۔ پس جب آپ ﷺ پشت پاک سے صفت عبودیت پر پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "عبد خاص" سے یاد فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ (اسراء:1) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے وقت لے گئی، گویا سیدنا عبداللہ کی عبودیت کی وجہ سے آپ ﷺ کو "عبد" کہہ کر پکارا۔ کیونکہ بچہ باپ کا راز ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی موحدہ تھیں اور دونوں ملت ابراہیم اور دین اسلام پر تھے۔ وہ اسلام جس کا داعی ان کا "بیٹا" ﷺ تھا۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا اور ہادی الی الحق ہے۔

باب چہارم

ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو آدم علیہ السلام سے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک تمام آباؤ اجداد نبی ﷺ کی طہارت نسبت پر دلالت کرتی ہیں

حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا۔" اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں بنو آدم کے بہترین زمانوں میں سے سب سے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ (بخاری)

یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک اپنے آباء واجداد کی شکل میں بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسی لئے تو اس قول کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء:19-218)

یعنی اے محبوب جب تیرا نور سجدہ کرنے والے (موحد) سے دوسرے سجدہ کرنے والے

(موحد) کی طرف منتقل ہوتا رہا تو میں دیکھتا رہا۔ اور وہ زمانہ واقعی بہترین تھا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا نور اصل اور جڑ کی طرح تھا۔ اور زمانے درخت کی طرح۔ اور جن حضرات کے ذریعے آپ کا نور منتقل ہوتا رہا وہ ٹہنیوں پتوں، کلیوں اور پھلوں کی طرح تھے۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ درختوں، ٹہنیوں اور پتوں کو حسن جڑ اور اصل کی وجہ سے نصیب ہوتا ہے۔ اور نور محمدی آباء کی پشتوں سے منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ وہ نور بشر کامل کی صورت میں ظاہر ہوا اور رسالت کاملہ سے نوازا گیا۔ گویا حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے آباؤ واجداد بہترین زمانہ میں ہوتے رہے۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس سے روایت بیان کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب لوگ دو حصوں میں بٹ جاتے تو اللہ تعالیٰ میرے نور کو بہترین حصہ میں رکھتا حتی کہ میرا ظہور میرے والدین کریمین کے ذریعے ہوا جبکہ شرک وغیرہ کی آلودگی نے مجھے چھوا تک نہیں۔ لہٰذا میرے تمام آباء واجداد (ماؤں اور جدات سمیت) ہر دور میں مسلمان رہے۔ اور آدم علیہ السلام سے لے کر تا آخر میں نکاح شرعی کے ذریعے منتقل ہوتا رہا اور میرے آباؤ واجداد نے مجھے نکاح شرعی کے بغیر کسی عورت کو منتقل نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ و آمنہ رضی اللہ عنہما تک میں جاہلیت کی صفات سے بھی پاک رہا اور میرے آباؤ واجداد نے کسی عورت سے زنا کاری بھی نہ کی۔ لہٰذا میں ازروئے نفس کے بھی اور ازروئے نسب کے بھی تم سب سے بہترین ہوں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

بیہقی نے اپنی سنن میں حدیث بیان کی ہے۔

مَا وَلَدَنِي مِنْ سَفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْءٌ مَا وَلَدَنِي اِلَّا نِكَاحُ الْاِسْلَامِ

''میں ہمیشہ اسلامی نکاح کے ذریعہ پیدا ہوتا رہا جاہلیت کی زنا کاری کے ذریعے میں ہرگز پیدا نہیں ہوا''۔

سفاح یہ ہے کہ کوئی عورت عرصہ دراز تک کسی مرد سے زنا کاری کرتی رہے اور پھر اس سے شادی کر لے۔ اسی طرح کی حدیث طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے بھی روایت کی ہے۔ اور ابونعیم نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میرے والدین (شروع سے تا آخر) نے کبھی زنا کاری نہیں کی میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا پاک صاف اور مہذب ہو کر جب لوگ دو گروہوں میں بٹ جاتے تو میں ان میں سے بہترین گروہ میں ہوتا۔

ابن مردویہ نے کہا ہے کہ حضور ﷺ سے ''لَقَدْ جَآءَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ'' میں ''اَنْفَسِكُمْ''

بھی مروی ہے۔(یعنی فاء کے فتحہ سے) سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں از روئے نسب کے، سسرال کے اور حسب کے تم میں سب سے زیادہ نفیس ہوں۔سیدنا آدم علیہ السلام تک میرے والدین میں سے کسی نے بدکاری نہ کی بلکہ شرعی نکاح سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے رہے۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے محمد بن سائب سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی (پشت در پشت) پانچ سو ماؤں کا ذکر کیا ہے لیکن ان پاکباز عورتوں میں کوئی بھی بدکاری یا جاہلیت کی آلودگی سے آلودہ نہ تھی۔

ابونعیم نے دلائل نبوت میں کئی سندوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا میرے آباء بھی اور میری مائیں بھی تا آخر پاکباز تھے۔فطرتی آلودگیوں سے مبرا اور گھٹیا صفات سے پاک وصاف تھے۔ جب بھی لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے میں بہترین گروہ میں ہوتا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رحمت عالمیان ﷺ نے فرمایا" آدم کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے میں اللہ تعالیٰ کے حضور نور کی شکل میں موجود تھا۔وہ نور اللہ کی تسبیح بیان کرتا اور ملائکہ اس کی تسبیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھا۔ان سے نوح علیہ السلام کی طرف (پاک پشتوں کے ذریعے) منتقل ہوا۔اور وہ نور اس وقت بھی ان کی پشت میں تھا۔جب وہ کشتی میں تھے۔ان سے (بذریعہ پاک پشتوں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا اور جب آپ آگ میں ڈالے گئے تو میں ان کی پشت میں تھا۔پھر اللہ کریم مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا تا آنکہ والدین کریمین کے ہاں میرا ظہور ہوا۔میرے والدین نے (شروع سے تا آخر) کبھی زنا کاری نہ کی تھی۔

مسلم اور ترمذی نے واثلہ بن الاسقع سے صحیح حدیث بیان کی ہے۔کہ حضور ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے (میرے لئے) اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو چنا اور اولاد اسماعیل میں سے کنانہ، کنانہ سے قریش، قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے مجھے چنا۔

حمزہ بن یوسف نے اسی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ذکر کیا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے ابراہیم علیہ السلام کو چنا اور انہیں خلیل بنایا، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چنا اور مضر سے کنانہ اور قریش کو پھر بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو اور اولاد عبدالمطلب سے مجھے چنا، اسے المحب الطبری نے ذخائر العقبیٰ میں ذکر کیا ہے۔

ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔سرکار

علیہ السلام نے فرمایا کہ بہترین قبیلہ عرب میں سے مضر ہے اور مضر میں سے عبد مناف ہے۔ عبد مناف میں سے بنو ہاشم ان میں سے بنو عبد المطلب بہترین ہیں۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے تا آخر جب بھی لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوتے میں ان میں بہترین حصہ میں سے ہوتا۔

جلال الدین السیوطی کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ سے لفظاً و معنیً معلوم ہوتا ہے کہ والدین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تا آدم و حواء علیہما السلام سب کے سب کفر اور شرک کی گندگی سے پاک تھے۔ کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو انہیں کبھی بھی طاہر اور پاک صاف و چنے گئے نہ کہا جاتا۔ بلکہ انہیں "نجس" کہا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" میں پلید کہا ہے۔ جب ایسی کوئی بات نہیں تو ثابت ہو گیا کہ آپ کے والدین کریمین میں سے کوئی بھی مشرک نہیں اور آپ پاک مردوں سے پاک عورتوں کی طرف منتقل ہوتے رہے یعنی آپ ﷺ کا نور پاک ہمیشہ ایک سجدہ کرنے والے کی طرف سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ" (آپ کا مستقل ہونا موحدین میں) گویا ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کے تمام آباؤ واجداد مسلمان تھے اور یقیناً ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کا اسلام بھی ثابت ہو گیا ہے قرآن میں جو "لِاَبِيْهِ آزَرَ" کا ذکر آیا ہے اس سے آپ علیہ السلام کا چچا مراد ہے۔

ابن ابی حاتم نے سند ضعیف سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ "اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ آزَرَ" (جب ابراہیم نے اپنے اب آزر سے کہا) اس آیت میں آزر آپ کے باپ کا نام نہیں آپ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام تو "تارخ" ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے کئی سندوں سے یہ روایت بیان کی ہے جن میں سے بعض سندیں صحیح بھی ہیں کہ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔

ابن المنذر، ابن جریج سے سند صحیح کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ "اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ آزَرَ" میں حضرت ابراہیم کے والد مراد نہیں۔ (وہ تو آپ کا چچا تھا) آپ علیہ السلام کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

ابراہیم بن یترح یا تارخ بن شاروخ بن ناخور بن فالح...... آزر آپ کا چچا تھا اور چچا کیلئے اب کا لفظ لغت عرب میں عام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (بقرہ:133)

اس آیت کریمہ میں "اٰبَاۗىِٕكَ" کا کلمہ اپنے اصلی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ گویا اب کا کلمہ چچا، دادا

وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔

امام سیوطی اور ابو علی محبّ طبری کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ کچھ قریشی صفیہ بنت عبدالمطلب کے پاس آئے اور اپنی برتری کا ذکر کرنے لگے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا'' ہم میں رسول اللہ ﷺ ہیں'' انہوں نے کہا کھجور کا درخت یا کوئی اور درخت غیر معروف زمین میں اگ آیا ہے۔ سیدہ صفیہ نے یہ بات حضور ﷺ سے کی۔ آپ ﷺ سن کر غصہ ہوئے اور بلال کو حکم دیا لوگوں کو جمع کرو۔ (جب لوگ جمع ہوئے) تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا لوگو! میں کون ہوں؟ انہوں نے عرض کی اللہ کے رسول ﷺ آپ نے فرمایا: میرا نسب بیان کرو انہوں نے کہا'' محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب''۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا بنے گا جو میری اصل پر اعتراض کرتے ہیں میں تمام سے از روئے نسب کے اور از روئے مقام کے بہترین ہوں۔

حاکم نے ربیعہ بن حارث سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ لوگوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل پاک میں نقص نکالنے کی کوشش کی کہ محمد (ﷺ) کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور کا درخت ہو جو کسی گمنام زمین میں اُگ آیا ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بنانے کے بعد دو حصوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں بہترین حصہ میں رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے خاندان بنائے اور مجھے بہترین خاندان میں رکھا پس میں تم سے از روئے قبیلہ کے اور از روئے خاندان کے بہترین ہوں۔

پس جب حضور نبی رحمت ﷺ تمام حقائق اور تمام ارواح کی اصل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کا وسیلہ ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہر دور میں بہترین قبیلے اور چنے گئے افراد کے ذریعے پشت در پشت بہترین افراد کی طرف منتقل کرتا رہا حتی کہ حضرت عبداللہ تک آپ پہنچ گئے۔ اور پھر اپنے تمام تر حسن اور جمیع رعنائیوں کے ساتھ عالم رنگ و بو میں تشریف لائے دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ ہر چیز کو جو صورت عطا ہوئی وہ آپ ﷺ کے وسیلہ کے سبب عطا ہوئی۔ لہٰذا خود حضور ﷺ آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک تمام ادوار میں بہترین صورت میں رہے۔ کیونکہ نور الٰہی آپ کی ذات میں حسب قابلیت جلوہ گر رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور زمانہ میں اس نور کے وسیلہ سے معرفت الٰہی سے لوگ فیض پاتے رہے۔ اور راہ حق پر گامزن رہے۔ روح محمدی ﷺ آدم علیہ السلام سے عبداللہ رضی اللہ عنہ تک مراحل طے کرتی رہی یہاں تک کہ عبودیت کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں عبد فنا ہوتا ہے تو آپ ﷺ کا ظہور نہایت ہی پاک ماحول میں ہوا یہ پاک روح پاک پشتوں سے پاک رحموں میں (مؤحدین کے ذریعے) منتقل ہوتی رہی اور عبودیت کے منازل طے کرتی

رہی تا آنکہ اس میں عبودیت محضہ کی قوت واستعداد آ گئی۔ جو اس کے ظہور کا تقاضا کرتی تھی۔ تبھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت مسلمہ اور اسلام اپنی اولاد کیلئے جناب حق سے طلب کیا تھا۔ تاکہ ان مسلمانوں میں نور محمدی ﷺ منتقل ہوتا رہے اور جب وہ اپنے کمال کو پہنچے تو ظہور قدسی ہو۔ اسی دعا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

اَنَا دَعْوَةُ اَبِی اِبْرَاهِیْمَ وَبُشْریٰ عِیْسٰی وَرُءْ یَا اُمِّی

''میں ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی خوشخبری اور اپنی ماں کا دیکھا ہوا خواب ہوں''۔

اس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صورت کلیہ کے ظہور اور بعثت عامہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ میں وہ دعا ہوں جو میرے حق میں مانگی گئی تھی۔ نیز حضور ﷺ کے والدین کے حق میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ دونوں مسلمان تھے کیونکہ نور محمدی ﷺ نے اپنی ترقی کی منازل اپنے والدین کے وجود میں طے کیے ہیں۔ یہ منازل اخلاقی بھی تھیں اور جسمانی بھی۔ آپ ﷺ کے والدین کے ہاں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپ جیسا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ پس رتبہ اور مقام میں آپ ﷺ کی ذات یکتا تھی۔ اور جب اپنے والدین سے دنیا کی طرف منتقل ہوئے تو وہ دونوں انتقال فرما گئے۔ والد ماجد تو اس وقت وصال فرما گئے جب آپ شکم مادر میں تھے۔ بعض روایات میں دو اور بعض روایات میں سات ماہ کا ذکر آیا ہے (کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو حمل ٹھہرے ہوئے دو یا سات ماہ گذر چکے تھے) اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ والدہ کی گود میں تھے۔ کہ والد گرامی انتقال فرما گئے۔ آپ شام سے تجارتی سفر پر آرہے تھے کہ مدینہ منورہ میں عبدالمطلب کے ننھیال بنو نجار کے ہاں وفات پا گئے۔

حافظ صلاح الدین علائی ''الدرۃ السنیہ فی مولد خیر البریہ'' میں لکھتے ہیں۔ جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ سے حاملہ ہوئیں تو حضرت عبداللہ کی عمر اٹھارہ برس تھی پھر آپ مدینہ تشریف لے گئے تاکہ وہاں سے کھجور خرید لائیں لیکن وہاں آپکا بنو عدی بن النجار کے ہاں انتقال ہوگیا۔ اس وقت حضور ﷺ شکم مادر میں تھے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر بائیس یا پچیس سال بتائی گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ آمنہ کے ساتھ شادی کے وقت آپ کی عمر تیس یا ستائیس سال تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر بوقت وفات اٹھارہ سال تھی۔ وصال سے قبل آپ اپنے اکلوتے بیٹے (حضور ﷺ) کو لیکر مدینہ منورہ حضرت عبداللہ کے ننھیال (یا حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کیلئے) تشریف لائیں مدینہ میں آپ نے بنو نجار کے ہاں اپنی کنیز ام ایمن سمیت ایک مہینہ قیام کیا۔

ابن سعد نے یہ حدیث پاک ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے جب دار النابغہ کو دیکھا تو فرمایا (ایک وقت تھا جب) میری ماں نے مجھے اس مقام پر ٹھہرایا تھا وہاں یہودیوں کی ایک قوم تھی وہ لوگ مجھے

دیکھتے رہے۔ ام ایمن کہتی ہیں میں نے سنا کہ ان میں سے کوئی کہہ رہا تھا۔ یہ اس امت کے نبی ہیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے ام ایمن نے ان کی ساری گفتگو سن لی جب آپ کی والدہ آپ کو لے کر واپس آرہی تھیں تو ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ''حجون'' کے مقام پر مدفون ہیں جب کہ دار النابغہ بھی مذکور ہے اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی۔ بعض نے چار، بعض نے پانچ، بعض نے سات، بعض نے نو اور بعض نے بارہ سال کا ذکر کیا ہے۔

آپ ﷺ کے والد گرامی کا والدہ ماجدہ سے پہلے فوت ہونا اس لیے تھا کہ والد گرامی کی پشت سے آپ ﷺ پہلے منتقل ہوئے گویا اسی نور کے منتقل ہونے سے آپ کے والد گرامی کا اپنا وجود ختم ہو گیا تھا کیونکہ آپ ﷺ اپنے آباء واجداد کی صورتوں میں ظاہر تھے۔ کیونکہ گذشتہ حدیث میں ذکر ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے۔ آپ کی ولادت کے بعد والدہ ماجدہ کا باقی رہنا اس لئے تھا کہ آپ کو دودھ پلائیں نیز اپنی گود میں تربیت کریں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کریں۔ جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی عبودیت کی وجہ سے اور توجہ الٰہی سے ایک یکتا نور کا مظہر بن گئے اور ان سے وہ نور یکتا رحم آمنہ میں منتقل ہوا تا کہ وہاں بشریت محمد یہ مکمل ہو۔ اور فردیت کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہو۔ تو گویا آپ ﷺ اپنے والدین کیلئے روح کی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر فردیت (ایک ہونا) دو شخصوں میں متعین بھی نہیں ہوتی اس لئے آپ کے والدین کی موت واقع ہوئی۔ اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کا احترام لازم ہوتا اور ان کے حقوق کا بھی لحاظ ضروری تھا۔ جس طرح حدیث پاک ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میرے والدین دونوں یا ایک زندہ ہوتے اور مجھے ''یا محمد'' (فداہ امی وابی) کہہ کر پکارتے تو اگر چہ میں عشاء کی نماز میں فاتحہ پڑھ رہا ہوتا تب بھی انہیں جواب دیتا (اور نماز توڑ دیتا۔) (بیہقی)

جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یتیم پیدا ہونے میں حکمت یہ تھی کہ مخلوق میں سے کسی کا حق آپ کے ذمہ نہ ہو۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کسی کا حق نہ تھا آپ کی ساری توجہ عبادت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے کی طرف مبذول رہی۔ اور اللہ تعالیٰ کا نور اس یکتا یتیم میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ جس نے اپنی ذات وصفات اللہ کیلئے منادی ہوں۔ اور کثرت مخلوق سے منقطع ہو۔ جس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف اور صرف عبودیت کی نسبت ہو۔ کیونکہ فردیت یتیمت میں ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو انوار الٰہیہ کا مظہر بنایا تا کہ آپ صورت کاملہ کے ساتھ سیدنا عبد اللہ سے اور پھر آمنہ کی طرف انتقال سے پیدا ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو ان صفات وکمالات اور

اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بنایا جو کسی اور کے حصہ میں نہیں آئے۔ اور جب صورت محمد یہ تمام کمالات الٰہیۃ اور جمیع کمالات انسانیہ اور اعلیٰ اخلاق کے بلند مقام پر فائز ہو کر پیدا ہوئی تو ان کے والدین کریمین کی پاکیزگی اور طہارت میں شک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ جس میں یہودیت یا نصرانیت کی کچھ بو باقی ہے جو عداوت نبی میں آخری مقام کو پہنچے ہوئے ہیں اور دین ابراہیمی کو اپنانے سے ہچکچاتے ہیں وہ بدقسمت ہی والدین کریمین کے بارے میں شک کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کے بعد گمراہی سے بچائے۔ (آمین)

باب پنجم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے اور اسلام لانے کے بارے میں ہے

اکثر حفاظ محدثین مثلاً ابن شاہین حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، سہیلی، قرطبی محب طبری وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین زندہ ہوئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے۔ (پھر فوت ہوئے) دلیل کے طور پر انہوں نے ایک ضعیف حدیث پیش کی ہے۔ جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے بیان کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مقام حجون پر پہنچے آپ نہایت غمگین تھے اور رو رہے تھے سواری سے اتر کر کافی دیر کہیں ٹھہرے رہے پھر جب واپس تشریف لائے تو آپ نہایت مسرور اور تبسم فرما رہے تھے میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی انہیں زندہ فرما چنانچہ آپ زندہ ہوئیں مجھ پر ایمان لائیں اور دوبارہ فوت ہوئیں اس حدیث کے بارے میں محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے بعض نے اسے موضوع بھی کہا ہے لیکن ضعیف والا قول درست ہے۔ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ والدین کے اسلام کیلئے اس حدیث کو دلیل کیوں بنایا جائے (چاہے حدیث ضعیف ہو یا موضوع) جبکہ والدین کریمین کا اسلام قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ آپ دونوں اپنی زندگی میں دین ابراہیمی پر تھے (جیسا کہ پچھلے صفحات میں بالتفصیل ذکر ہو چکا ہے) اور ان کی وفات بھی دین اسلام پر ہوئی۔ بالخصوص نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان دونوں حضرات کی طرف منتقل ہو گیا اور اس میں وہاں تمام اسلامی احکام و اوصاف کمالیہ مکمل ہو گئے۔ پس بعد از وصال ان کا زندہ ہونا اور اسلام لا کر پھر فوت ہونا محض ان کی عزت افزائی کیلئے تھا۔ اسی حدیث سے والدین کریمین کے اسلام پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس حدیث کے موضوع ہونے پر اعتراض ختم ہو گیا۔ بلکہ اس حدیث سے ان کے اسلام کے

ثبوت پر بھی اعتراض ختم ہو گیا۔ کیونکہ والدین کریمین روح محمدی ﷺ اور نور احمدی کے ظہور کا ذریعہ بنے وہ نور جس سے چار دانگ عالم میں روشنی پھیلی۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

باب ششم

جو ''حدیث مسلم'' سے والدین کریمین کیلئے عذاب نار کو ثابت کرتا ہے اس کا رد

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور پوچھا میرے والد (آخرت میں) کہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آگ میں۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا بے شک میرے والد اور تیرے والد آگ میں ہیں۔

امام مسلم نے ابو ہریرہ سے بھی روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی والدہ کیلئے بخشش کی دعا کی اجازت چاہی لیکن آپ ﷺ کو اجازت نہ دی گئی۔

جاننا چاہیے کہ پہلی حدیث میں میرے والد اور تیرے والد آگ میں ہیں۔ ان الفاظ کے ذکر کرنے پر راوی متفق نہیں ہیں۔

اس اختلاف کو حماد بن سلمہ ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہی سند امام مسلم کی بھی ہے۔ اور معمر نے ثابت سے جو الفاظ روایت کیے ہیں ان میں ''میرے والد اور تیرے والد آگ میں ہیں'' یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ سائل نے جب سرکار دو عالم ﷺ کے والد گرامی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''جب کسی کافر کی قبر کے پاس سے گذرو تو اسے آگ جہنم کی خوشخبری سناؤ۔ ان الفاظ سے والد گرامی کا آگ میں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

بزاز، طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن سعد سے اور انہوں نے زہری سے انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت بیان کی ہے کہ ایک بدو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور پوچھا میرے والد (آخرت میں) کہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں، اس نے پوچھا آپ کے والد محترم؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گذرو تو اسے آگ کی خوشخبری سناؤ۔ یہ مذکورہ سند امام بخاری و امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ پس یہ حدیث دوسری حدیث پر مقدم ہے اور اس کے الفاظ زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ طبرانی اور بیہقی نے تو یہ

اضافہ بھی ذکر کیا ہے۔ ''کہ وہ اعرابی اس کے بعد مسلمان ہوا اور (ایک دن) کہنے لگا حضور ﷺ نے ایک مشکل کام میرے حوالے کیا ہے۔ کہ میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزروں تو اسے آگ کی خوشخبری سناؤں''۔ پس اس اضافہ سے یقیناً معلوم ہوا کہ یہ الفاظ بہ نسبت حضرت انس والی حدیث کے الفاظ کے زیادہ عام ہیں۔ اسلام لانے کے بعد اعرابی کو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ محض وضاحت کیلئے تھے۔ (کہ جب تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گذرے تو اسے آگ کی خوشخبری سنایا کر) اگر یہ اس کے سوال کا جواب ہوتا تو یہ اعرابی کیلئے حکم نہ ہوتا (حالانکہ اعرابی اس حکم پر عمل کرتا رہا) اور وقتی بات ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں جو الفاظ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد گرامی کے بارے میں آئے ہیں وہ راوی کے الفاظ ہیں۔ اور اس کے علاوہ راوی زیادہ مضبوط ہیں۔ (لیکن ان کی ذکر کردہ حدیث میں وہ الفاظ نہیں) اسی طرح امام سیوطی نے ذکر کیا ہے۔

امام سیوطی نے یہ بھی کہا ہے اگر راویوں کا اتفاق مذکورہ حدیث میں تسلیم کیا جائے تب بھی یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل کے خلاف آ رہی ہے۔ اور جب یہ اپنے سے زیادہ ترجیح یافتہ حدیث کے مخالف ہو تو اس میں تاویل واجب ہے نیز دیگر دلائل و احادیث اس پر مقدم ہوں گے۔ یہ قاعدہ علماء کے ہاں مقرر ہے۔ اور حضور ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کیلئے استغفار کی اجازت نہ ملنا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نہیں تھا۔ ممکن ہے یہ ابتدائے اسلام میں ہو بعد میں اجازت مل گئی ہو۔ اور اس طرح بہت سارے کام ابتدائے اسلام میں منع تھے بعد میں جائز ہوئے۔

اس کا ایک اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب ''ام'' (ماں) چچی اور ''اب'' (باپ) چچا کو بھی کہتے ہیں۔ جس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا ''یہ میرے باقی ماندہ آباء میں سے ہیں'' اور میرے اب (چچا) کو حدیث سناؤ۔ اسی طرح ابو طالب کیلئے بھی قریش اب کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ''قُلْ لِابْنِكَ يَرْجِعُ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِنَا'' اپنے بیٹے (بھتیجے) سے کہہ دو کہ ہمارے خداؤں کو گالیاں دینے سے باز آجائے۔ الغرض عرب کے ہاں چچا کو اب کہنا عام ہے۔ ممکن ہے سوال کرنے والے نے پوچھا ہو ''اَيْنَ اَبُوْكَ'' آپ کا چچا آخرت میں کہاں ہے۔ پس اس حدیث سے آپ ﷺ کے والد گرامی کا آگ میں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور اپنی والدہ کیلئے استغفار کی اجازت نہ ملنے والی حدیث سے عدم اجازت پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی یہ کہ والدہ ماجدہ کی قبر حجون میں متفق علیہ نہیں۔ کیونکہ دوسری حدیث اس کے مخالف ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ''ابواء'' کے مقام پر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا محو استراحت ہیں۔ ایک اور حدیث میں دار لنابغہ (مکہ میں) کا بھی ذکر آیا ہے۔

ازرقی نے تاریخ مکہ میں ہاشم بن عاصم اسلمی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر قریش والے ابواء کے مقام پر پہنچے تو ہند بنت عتبہ نے ابوسفیان سے کہا اگر تم لوگ نبی (ﷺ) کی والدہ کی لاش نکال لو (ابواء کے مقام پر ان کی قبر ہے) اگر جنگ میں تمہارے آدمی قیدی بن جائیں تو سیدہ آمنہ کے ایک ایک عضو کے بدلے تم اپنے قیدی چھڑا سکو گے۔ ابوسفیان نے یہ بات قریش سے کی انہوں نے جواب دیا یہ رسم نہ ڈالیں تب تو ابوبکر ہماری (ساری) میتوں کو اکھاڑ پھینکیں گے۔''

دوسری وجہ: اجازت نہ ملنے سے ان کا دوزخی ہونا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک تو حضور ﷺ زندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے نہ کہ ان کی طرف سے جو عالم برزخ میں چلے گئے تھے ممکن ہے آپ نے وحی الٰہی کے آنے سے پہلے استغفار کی اجازت طلب کی ہو حالانکہ آپ کو وحی الٰہی کا انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ارشاد پاک ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ (احقاف:9)

''میں اس کی اتباع کرتا ہوں جو کچھ میری طرف وحی ہو''۔

دوسری یہ کہ ممکن ہے طلب استغفار کا وقت معین ابھی نہ آیا ہو۔ اور اسے کسی اور وقت کے ساتھ مختص کیا گیا ہو۔ اور اس وقت مخصوص میں طلب استغفار کی اجازت دی گئی ہو۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک وقت کسی کام کی اجازت نہیں ملتی جبکہ دوسرے اوقات میں مل بھی جاتی ہے۔ جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نہایت غمگین حالت میں حجون اترے اور کافی دیر تک وہیں رہے جب واپس تشریف لائے تو نہایت مسرور تھے اور فرمایا میں نے اپنے رب سے دعا کی اس نے میری والدہ کریمہ کو زندگی عطا کی آپ مجھ پر ایمان لائیں اور دوبارہ فوت ہوئیں۔ اسے حافظ ابو حفص بن شاہین نے ''ناسخ منسوخ'' میں بیان کیا ہے۔ حدیث مسلم میں طلب استغفار کی اجازت نہ ملنے کا جو ذکر آیا ہے اس حدیث سے قیاس کرنا اس بعد والی حدیث کے ساتھ باطل ہوتا ہے۔ (پچھلی حدیث بعد والی حدیث سے منسوخ ہے)

اور استغفار تو مشرک کافر، مؤمن، ولی، گنہگار اور نیکو کار سب کے لئے یکساں طور پر مانگنا درست ہے۔ جس طرح ارشاد پاک ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (محمد:19)

''اپنے لئے اور مومنین کیلئے مغفرت طلب کرو''۔

وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (نصر:3)

''رب سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

پس استغفار کی اجازت نہ ملنا مشرک ہونے کی دلیل نہیں۔ اس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار پر قیاس کرنا درست نہیں چاہے ان کی دعا اپنے والد کیلئے ہو یا چچا کیلئے۔

بلکہ مذکورہ حدیث تو والدین کریمین کے اسلام پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ شرک اور مشرکین کیلئے دعا قبول نہیں فرماتا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزر کیلئے دعا سے روک دیا تھا اسی طرح حضور ﷺ بھی مشرکین کیلئے استغفار سے روکے گئے تھے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (توبہ:113)

"کسی نبی اور مسلمانوں کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ مشرکین کیلئے دعائے مغفرت طلب کریں"۔

پس آپ وحی الٰہی کے باوجود مشرکین کیلئے طلب مغفرت کیسے کر سکتے تھے؟ حدیث شریف کے مطابق جب استغفار کی اجازت طلب کرتے ہیں تو اس سے یقینی علم ہو جاتا ہے کہ والدین کریمین مشرک نہ تھے بلکہ اسلام پر ان کی وفات واقع ہوئی تھی۔ اور طلب استغفار کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا تھا۔ جبکہ مشرکین کیلئے طلب استغفار سے آپ اس سے پہلے روک دیئے گئے تھے جیسا کہ ارشاد پاک ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (توبہ:84)

"اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ بھی نہ پڑھیں اس کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور حالت کفر میں مر گئے"۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ (توبہ:80)

"ان کیلئے استغفار کیجئے یا نہ کیجئے اگر آپ ان کیلئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں گے تب بھی اللہ ان کی بخشش نہیں فرمائے گا وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے"۔

پس جب ان کیلئے مغفرت کی اجازت طلب کرنا درست ہے تو ان کا شرک کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہونا بدرجہ اولیٰ درست ہے۔ مومنین مومنات کیلئے دعائے مغفرت سورۂ حج کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد:9)

''اپنے لئے مومنین ومومنات کیلئے طلب مغفرت کرو''۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کیلئے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ کو اجازت مل گئی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ والدہ ماجدہ مسلمہ تھیں تبھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر انور پر کھڑے ہونے کی اجازت مل گئی۔ ورنہ مشرکین کی قبروں پر کھڑے ہونے کی نہی قرآن سے ثابت ہے۔ ''وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ'' پس جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا کہ انکی وفات اسلام کے مطابق ہے تب آپ نے استغفار کی اجازت طلب کی کیونکہ وہ کام جس سے رب ناراض ہوتا ہو یا وہ کام محال ہوا سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکر کر سکتے ہیں۔

پس صرف استغفار کی اجازت طلب کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ والدہ کریمہ نہایت سعادت مند تھیں۔ (مسلمہ تھیں) چاہے اجازت ملی ہو یا نہ آپ ﷺ نے استغفار کیا ہو یا نہ محض حدیث مسلم سے یہ فیصلہ کرنا کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین اہل نار میں سے ہیں درست نہیں۔

اور وہ حدیث جسے احمد ابورزین العقیلی کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ راوی نے پوچھا اے اللہ کے رسول! میری والدہ (آخرت میں) کہاں ہے تو آپ نے فرمایا'' آگ میں'' پھر راوی نے پوچھا آپ کے خاندان کے افراد میں سے جو وفات پا چکے ہیں وہ کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا'' کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تیری ماں میری والدہ (ام) کے ساتھ ہو۔'' پس اس سے یہ ثابت کرنا کہ آپ ﷺ کی والدہ اور ماقبل حدیث سے (حدیث مسلم) یہ ثابت کرنا کہ آپ کے والد گرامی اہل نار میں سے ہیں درست نہیں کیونکہ اہل عرب چچا کیلئے اب (باپ) اور چچی کیلئے ام (ماں) کا لفظ عام استعمال کرتے ہیں۔

جد (دادا) کو بھی اب (باپ) کہا جاتا ہے اسی طرح چچا کو بھی اب (باپ) کہا ہے جس طرح قرآن کی آیت ہے۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (بقرہ:133)

''ہم تیرے اور تیرے آباء حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے''۔

قرطبی نے تو ماموں کو بھی اب میں شامل کیا ہے۔ دلیل یہی آیت ہے۔

اور وہ حدیث جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَّلَا تُسْــَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (بقرہ:119)

''تجھ سے اصحٰب نار کے بارے میں سوال کیا نہیں جائے گا''۔

اس حدیث کو کسی معتمد کتاب حدیث نے روایت نہیں کیا۔ چند تفاسیر میں اس کا ذکر بلا سند ہے۔ جس سے والدین کے اہل نار ہونے پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ بات صحیحین (بخاری و مسلم) میں ثابت ہے کہ مذکورہ آیت (وَلَا تُسْئَلُ) ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ آیت اور اگلی پچھلی تمام آیات یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ کیونکہ بلاغت اور اسرار بیان اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ ابتدائی آیات: یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ...... (بقرہ:122) اور آخری آیات۔ وَ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ (بقرہ:124) ہیں۔ لہٰذا بات جیسی شروع ہوئی تھی ویسے ہی ختم ہوئی۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ''لَا تُسْئَلُ عَنْ...... سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ اس کی وضاحت احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

اور وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور کہا جو حالت شرک میں مرا ہو اس کیلئے مغفرت کی دعا نہ کریں۔

اسے بزار نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول الحال راوی ہیں۔

اور یہ حدیث جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

لِابْنَیِ مُلَیْكَةَ اُمُّكُمَا فِی النَّارِ فَشَقَّ عَلَیْهِمَا فَدَعَا هُمَا فَقَالَ اِنَّ اُمِّی مَعَ اُمِّكُمَا

اسے دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور شرعی قسم اٹھائی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (لہٰذا اس سے بھی والدہ کریمہ کا آگ میں ہونا ثابت نہیں ہوتا) اس بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔ البتہ امام مسلم کی حدیث صحیح ہے لیکن بالتفصیل جواب گذر چکا ہے۔

مذکورہ احادیث سے والدین کریمین کا مشرک ہونا ہی ثابت نہیں تو ان کی شرک پر وفات ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے جو دعا مانگی تھی وہ مقبول بارگاہ ایزدی ہوئی اور امت مسلمہ میں ایک رسول مکرم ﷺ تشریف لائے جنہوں نے ملت ابراہیمی کو تا قیامت زندگی عطا کر دی۔ دین ابراہیمی بعثت نبوی ﷺ تک قائم و دائم رہا البتہ چند جھوٹے مبلغین کی وجہ سے اس میں شرک کا ظہور ہو گیا لیکن فتح پھر بھی اسلام کو ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کی نسل جو اسحٰق علیہ السلام سے چلی تھی ان کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوئے۔ جن کی شریعت کو حضور ﷺ کی شریعت نے منسوخ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا بیت اللہ کے آس پاس رہنے والی اولاد

کیلئے تھی۔ جس طرح ارشاد پاک ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم 35)

''اور جب حضرت ابراہیم نے عرض کی مولا! اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بچا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں''۔

بیہقی نے شعب الایمان میں وہب بن منبہ سے روایت بیان کی ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا'' میرا ایک بندہ (ابراہیم) ایسا ہوگا جو میرے راستہ کی طرف لوگوں کو بلائے گا میں اسے چنوں گا اور اس کی راہنمائی صراط مستقیم کی طرف کروں گا نیز اس کی اولاد کے متعلق اس کی دعا قبول کروں گا اور اس کی سفارش پر اس کی اولاد کو'' بیت اللہ'' کی حفاظت عطا کروں گا...... (الحدیث)

اس حدیث سے بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ واجداد کے سیدھے راہ پر رہنا ثابت ہے کیونکہ یہ خدمت اولاد ابراہیم میں سے اجداد رسول ﷺ کو حاصل تھی۔ البتہ عمرو الخزاعی نے ان سے یہ ولایت چھین لی تھی۔ لیکن دوبارہ انہیں حاصل ہوگئی۔ پس ثابت ہوا کہ اولاد ابراہیم میں سے جس سلسلہ کو نور نبوت کے لیے چنا گیا تھا وہ اجداد رسول ﷺ کا سلسلہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے امت مسلمہ پر رہنے کی دعا مانگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کیا اولاد اسمٰعیل میں سے کس نے بتوں کی عبادت کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:35)

''کہ الٰہی مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا''۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ساری اولاد اور اسحٰق علیہ السلام کی اولاد اس دعا میں شامل کیوں نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی وہ شہر مکہ کے باسیوں کیلئے مخصوص تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی اولاد ابراہیم میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ صورت محمد یہ ﷺ کے ظہور کے قابل ہوسکیں اور ان میں اتنی قوت آجائے جو تجلیات الٰہیہ کا مظہر بن سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملت ابراہیمی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت قرار پائی کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ ہوگئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے بلند کردار کے مالک افراد کو اپنے نبی کے نور کیلئے چن لیا بالخصوص آپ کے والدین کریمین تو ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھے کیونکہ وہ دونوں نور یتیمی کیلئے برتن کی حیثیت رکھتے تھے اس پاک روح کیلئے پاک جگہوں کا انتخاب

ضروری تھا۔ پس اللہ تعالیٰ جو حکیم ہے اور چیزوں کو اپنی جگہ پر درست رکھتا ہے۔ اس نے اپنے نبی کے نور کو ان افراد میں رکھا جو ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مصداق تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمانے والا ہے۔

باب ہفتم

"فترۃ" کے بارے میں ہے نیز اس میں اہل فترۃ کے بارے میں بھی وضاحت کی جائے گی

اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماقبل اور مابعد نبی کے زمانہ کو نہیں پایا مثلاً وہ بدو جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مبعوث نہیں ہوئے اور نبی مکرم ﷺ کے زمانہ پاک کو بھی نہ پا سکے۔ اس وضاحت کے مطابق فترۃ والے وہ لوگ ہونگے جو دو رسولوں کے درمیان گذرے ہوں۔ لیکن فقہاء "فترۃ" سے وہ زمانہ مراد لیتے ہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان فترۃ کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت تمام مخلوق کی طرف تھی۔ یا مخصوص گروہ کی طرف تو قرآن فرماتا ہے۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ (آل عمران:49)

"کہ عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں"۔

اس وضاحت کی روشنی میں آپ عرب اور اولاد اسمٰعیل کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ پس اس لحاظ سے جو لوگ بنو اسرائیل میں سے نہیں (مثلاً عرب وغیرہ) وہ بعثت رسول ﷺ سے قبل اہل فترۃ میں شامل نہیں۔ کیونکہ وہ دعوت عیسوی سے خارج ہیں۔ اور اگر شریعت کا لحاظ کیا جائے تب عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت چونکہ بعثت رسول ﷺ تک نصاری میں موجود تھی اس لئے عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کے درمیان فترۃ نہیں کیونکہ شریعت عیسیٰ علیہ السلام ختم نہیں ہوئی۔ اگر فترۃ ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت ایک قوم کیلئے تھی انہوں نے اس فطری نور کے ذریعے وہ بد عقیدے اور جھوٹے مذاہب دیکھ لئے جو نصاری نے دین عیسیٰ علیہ السلام میں پیدا کئے تھے پس انہوں نے ان منحرف ادیان اور غلط مذاہب کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کیونکہ ان کی نظر میں شریعت عیسیٰ علیہ السلام ختم ہو چکی تھی۔ یہ ان کے نزدیک تھا۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ دین جس میں نصاریٰ نے تبدیلی کی

تھی (اور کچھ باقی تھا) تو اہل عرب اہل فترۃ میں شامل نہیں۔ اور اگر فترۃ سے مراد وہ زمانہ ہو جو رسول اور دعوت رسول سے خالی ہو اور شریعت الٰہی سے خالی ہونے پر شریعت میں فتنے پیدا ہوئے ہوں تو اس صورت میں فترہ سے مراد وہ زمانہ ہوگا جس میں نصاریٰ نے دین عیسیٰ علیہ السلام میں تبدیلی کی تھی۔

یہ زمانہ تا بعثت رسول مکرم ﷺ فترۃ میں شامل تصور کیا جائے گا۔ وہ زمانہ جس میں عمرو الخزاعی نے غلط عقیدے ایجاد کئے تھے اس کے زمانہ سے لے کر بعثت رسول مکرم ﷺ تک کا دورانیہ بھی فترۃ میں شامل ہے۔ عمرو الخزاعی نے عرب میں بتوں کی پوجا کی رسم ڈالی تھی۔

جب فترۃ سے مراد وہ زمانہ لیا جائے جو عیسیٰ و محمد علیہما السلام کے درمیان تھا تو اس سے مراد وہ زمانہ لیا جائے گا جو دونوں شریعتوں کے درمیان تھا کیونکہ اس زمانہ میں کوئی شریعت نہ تھی۔ البتہ رسالت عیسیٰ علیہ السلام کا عربوں کیلئے نہ ہونے کے اعتبار سے وہ زمانہ فترۃ میں شامل تصور کیا جائے گا جو عمرو الخزاعی کی بت پرستی کے بعد اور رسالت محمدی ﷺ تک کا تھا۔ کیونکہ عمرو الخزاعی نے دین ابراہیم میں فتنہ پیدا کیا تھا۔ اور اگر ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے اپنی اولاد کے حق میں کی تھی یا دین ابراہیمی کی بقا کیلئے کی تھی اگر اس کی قبولیت کو دیکھا جائے تو دین ابراہیمی بعثت نبوی ﷺ تک باقی تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (زخرف:28) اور شریعت ابراہیمی بعثت نبوی ﷺ تک ختم نہیں ہوئی تھی اس اعتبار سے ان کو اہل فترۃ نہیں کہا جا سکتا بلکہ انہیں اہل جاہلیت کہا جائے گا کیونکہ اس دور میں اکثر پر جہالت کا غلبہ تھا۔ (جبکہ کچھ لوگ اس سے محفوظ بھی تھے) جس کی وجہ سے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔ لہٰذا وہ لوگ اہل فترۃ میں شامل نہیں تھے۔ بلکہ ملت خلیلیہ اور شریعت حنیفیہ پر تھے۔

اکثر علماء کے نزدیک فترۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیانی زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ جب فترۃ شریعت اول کے ختم ہونے کے بعد ہو تو وہ فترۃ بنی اسرائیل میں تصور کیا جائے گا اولاد اسماعیل علیہ السلام یا دیگر عرب اس میں شامل نہ ہونگے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہی نہیں۔ بلکہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی ان کی طرف رسول بن کر نہیں آیا۔ اس صورت میں فترۃ اس وقت سے تصور کیا جائے گا جب سے دین ابراہیم علیہ السلام میں فتنہ و فساد پیدا ہوا اور یہ دورانیہ تا بعثت نبی مکرم ﷺ فترۃ میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دورانیہ کسی بھی مبلغ (رسول) سے خالی رہا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو مسلک بیان کیا گیا ہے وہ اہل جاہلیت کے بارے میں عام نہیں بلکہ اس سے مراد وہ خاص لوگ ہیں جن کو دعوت نبی نہیں پہنچی۔ البتہ جن کو گذشتہ کسی

بھی نبی کی دعوت پہنچی اور پھر انہوں نے کفر پر اصرار کیا تو وہ اہل نار میں سے ہیں۔ نبی سے مراد وہ نبی ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہو۔ اور اگر ان کی طرف بھیجا ہی نہ گیا اور اس کی دعوت ان تک پہنچے تو ان پر ایمان لانا واجب نہیں۔ کیونکہ وہ نبی ان کی طرف نہیں آیا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو صرف نبی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15)

''یعنی جب تک ہم کسی قوم میں رسول نہیں بھیجتے تب تک ان کو عذاب نہیں دیتے''۔

البتہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اور وہ قوم اس کی نافرمانی کرے تو وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتی۔

والدین کریمین بھی چونکہ اولاد اسماعیل علیہ السلام میں تھے ان کو بھی دعوت انبیاء بنی اسرائیل نہیں پہنچی (دعوت انبیاء اسرائیل صرف بنو اسرائیل کیلئے تھی) لہٰذا والدین کریمین کے اسلام اور ایمان میں کوئی نقص نہیں کیونکہ وہ دونوں امت مسلمہ میں سے تھے اور دین ابراہیمی پر تھے۔ ان کیلئے کسی ایسے نبی پر ایمان لانا واجب نہیں تھا جو اولاد اسماعیل سے خارج ہو۔ اور وہ کسی اور قوم کی طرف بھیجا گیا ہو۔ ان پر عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع لازمی نہیں تھی کیونکہ وہ دونوں اس نور کیلئے برتن کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس نور کے امتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونگے۔ شریعت آل یعقوب ختم کریں گے اور شریعت ابراہیمی زندہ کریں گے۔ نیز اولاد ابراہیم میں سے خاتم النبیین بن کر تشریف لائیں گے۔ کیونکہ شریعت آل یعقوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو چکی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روحانی رسول ہونے میں یہی حکمت ہے تاکہ نہ ان کا بیٹا ہو اور نہ نبی بنے۔ بلکہ نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو۔

پس اگر زمانہ جاہلیت کو فترۃ اس اعتبار سے قرار دیا جائے کہ اولاد اسماعیل اور عرب کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تو دور جاہلیت والے تمام وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15) کے تحت داخل ہونگے اور بعثت نبوی ﷺ سے قبل والوں کو کوئی عذاب الٰہی نہ ہوگا۔ امام جلال الدین سیوطی اہل کلام شوافع اور فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ اسی طرح ابن جریر و ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت بیان کی ہے کہ ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ...... کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی کے پاس خبر یا دلیل (رسول) نہ بھیجے تب تک اسے عذاب نہیں دیتا۔ اگر ان آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کی طرف دیکھا جائے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی اولاد کیلئے دعا، ملت ابراہیمی کی بقا کیلئے دعا اور رسول مکرم ﷺ کی بعثت کے لیے دعا کی گئی ہے تو یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ والدین کریمین اور تا آخر آباؤ واجداد رسول ﷺ سب کے سب طاہر و پاک تھے۔ کیونکہ ان سے نور محمدی ﷺ جو پاکیزگی و صفائی

میں بے مثل تھا کا ظہور ہوا۔ اور وہ پاک ذات اس قابل تھی کہ اس پر قرآن نازل کیا جائے جو ماقبل تمام کتب الٰہیہ پر حاوی ہو اور ان کیلئے ناسخ ہو۔

جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ محمد بن خلف (شارح مسلم) نے کہا ہے کہ اہل فترۃ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان کی ہے جنہوں نے بصیرت سے توحید کا ادراک کر لیا۔ ان میں کچھ تو کسی نہ کسی شریعت میں داخل ہوئے۔ جیسے "تبع اور ان کی قوم" اور کچھ ایسے ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہ ہوئے۔ جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو وغیرہ۔ دوسری قسم ان کی ہے جو شرک کا شکار ہوئے اور اپنی شریعت بنائی جس میں اپنی مرضی کی چیزیں حلال کیں اور مرضی کی چیزیں حرام کیں۔ یہ بہت سارے لوگ ہیں مثلاً عمرو بن لحی (الخزاعی) جس نے عربوں میں بت پرستی ایجاد کی اس کا گروہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ اکثریت جنوں اور ملائکہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کو مقدس مقامات میں رکھ کر پوجنے لگے۔ مثلاً کعبہ میں لات، عزیٰ اور منات کو رکھ دیا تھا۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نہ تو شرک کیا نہ مؤحد تھے اور نہ ہی کسی نبی کی شریعت میں شامل تھے اپنے لئے الگ شریعت بھی نہ بنائی الغرض کسی دین پر نہ رہے بلکہ ساری زندگی ان تمام چیزوں سے غفلت میں رہے دور جاہلیت میں اس قسم کے لوگ بھی تھے۔

دوسری قسم کے لوگوں کو عذاب یقینی ہے کیونکہ انہوں نے ایسا کفر کیا جس کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ تیسری قسم کے لوگ اہل فترۃ ہیں گذشتہ آیت "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ...... کے تحت ان کو عذاب نہ دیا جائے گا۔

پہلی قسم کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا "ان میں سے (قس اور زید) ہر ایک کو ایک الگ قوم کر کے اٹھایا جائے گا۔ اور تبع وغیرہ کے ساتھ اہل دین کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔

شیخ مذکور نے یہ بھی کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جو اہل فترۃ ہیں ان کے بھی طبقات ہیں۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے دل پر نور الٰہی جلوہ گر ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہوتے ہیں گویا اپنی فکر سے راہنمائی حاصل کر کے وحدانیت الٰہی کے قائل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قس بن ساعدہ کیونکہ اس کے خطبات سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو فکر کے بغیر نور الٰہی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ یعنی ان کے دل پر ایسا نور پڑتا ہے جس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اسے دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے وہ وحدانیت رب کے قائل ہوتے ہیں۔ قیامت والے دن یہ لوگ بھی بری ہوں گے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے دل کے نور سے حقیقت محمدی ﷺ اور رسالت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عالم غیب میں آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت والے دن خاص لوگوں میں سے اٹھایا جائے گا۔

اور جن لوگوں نے کسی ملت حقہ کی اتباع کی (مثلاً یہود و نصاریٰ) اور ملت ابراہیم یا کسی اور نبی کی اتباع بھی کی۔ کہ یہ نبی بھی اللہ کی طرف سے حق کی طرف بلانے والے ہیں۔ اور ان کی شریعتوں کے مطابق حرام سے بچے اور حلال کو حلال سمجھا۔ اگر چہ یہ چیزیں ان کیلئے ضروری نہ تھیں۔ لیکن پھر بھی اپنے اوپر لازم قرار دیں تو ان کا حشر بھی قیامت والے دن اس نبی کے ساتھ ہوگا۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے کتب انبیاء کا مطالعہ کیا اور ان میں شرف محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پا کر دین محمدی ﷺ کی عظمت کو تسلیم کر لیا اور حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اگر چہ گذشتہ کسی شریعت میں داخل نہ ہوئے لیکن اچھے اخلاق کا پیکر بنے رہے تو ان کا حشر بھی حضور ﷺ کے فرمانبرداروں میں کیا جائے گا۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور حضور ﷺ پر بھی ایمان لائے تو ان کیلئے دوگنا اجر ہے۔ یہ سب سعادت مند ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کوتاہی نظر کی وجہ سے کسی نبی پر ایمان نہیں لائے یا کسی کی تقلید کی وجہ سے اس نبی پر ایمان نہیں لائے تو یہ مطلق بدبختی ہیں۔ یہ اہل فترۃ کے طبقات ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اہل فترۃ میں سے کچھ جہنمی اور کچھ عذاب سے بری ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل فترۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان گذرے ہیں۔ ان میں سے جو عذاب الٰہی سے محفوظ ہونگے ان میں قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو وغیرہ ہیں۔ کیونکہ یہ دین الٰہی پر رہے تھے۔ اور جو بدبخت ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تو کرتے تھے لیکن چونکہ ان کی شریعت تحریف کے ذریعے ختم ہو چکی تھی اس لئے یہ لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ عیسیٰ کی مثل ہیں اور ان پر ایک نئی شریعت اتری ہے۔ اور جو لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ ہونگے وہ اولاد ابراہیم اور عرب ہونگے جن کے دور میں عمرو الخزاعی نے دین ابراہیمی میں بت پرستی کی رسم ڈالی تھی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور مندرجہ ذیل آیات میں ''رسول'' سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا (قصص:59)

حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15)

''اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا حتی کہ وہ ان کے مرکزی شہر میں کسی رسول کو نہ بھیج دے''۔

پس مشرکین عرب کی حالت مشرکین نصاریٰ کی طرح نہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب کی راہنمائی کیلئے اس سے پہلے رسول نہیں آیا تھا۔ لیکن نصاریٰ دین عیسوی میں اشراک (شرک) کے قائل تھے باوجود اس کے ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ..... کے تحت ان کو عذاب نہ دیا جائے گا۔ یہ مفسرین کا خیال ہے لیکن عذاب سے یہاں عذاب دنیا مراد ہے نہ کہ عذاب آخرت۔ لیکن مفسرین نے یہاں بھی عذاب دنیا پر عذات آخرت کو قیاس کیا ہے۔ کہ وہاں بھی ان کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ انہیں ابھی تک رسول کی دعوت نہیں پہنچی تھی۔ عذاب آخرت نہ ہونے پر ایک حدیث بھی بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ جس کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں کہتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' قیامت کے روز فترۃ میں مرا ہو ایک شخص چھوٹا بچہ اور پاگل لائے جائیں گے۔ پس جو فترہ میں مرا ہوگا وہ (عذر پیش کرتے ہوئے) کہے گا''۔ الٰہی! میرے ہاں نہ کتاب آئی تھی نہ رسول...... (الحدیث)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل فترۃ کو دنیا و آخرت دونوں میں عذاب نہ ہوگا وہاں اللہ تعالیٰ اہل فترات بچوں اور پاگلوں (بے وقوفوں) کے پاس رسول بھیجے گا اس کے پاس آگ ہوگی۔ رسول ان سے کہے گا میں اللہ کا رسول ہوں اس آگ میں کود جاؤ۔ جو مطیع ہوگا وہ نجات پا جائے گا اور جو نافرمان ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس جس نے اس میں چھلانگ لگا دی وہ جنتی ہوگا اور جو رکا رہا وہ دوزخ میں جائے گا۔ جو آگ میں جائے گا اس کیلئے آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور مخالفین اپنے عمل کی وجہ سے جہنم کے حقدار ہونگے۔ اور یہ اس لئے ہوگا تاکہ مخلوق کیلئے عدل الٰہی کے تقاضے مکمل ہوں۔ پس اس دنیا میں کسی کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ اہل نار سے ہے درست نہیں۔ جس طرح ارشاد پاک ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15)

''کہ ہم رسول کی بعثت سے قبل کسی کو عذاب دینے والے نہیں''۔

اس وقت اہل فترۃ کی طرف قیامت کے روز رسول بھیجا جائے گا۔

دیلمی نے ابن عمر سے حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں اہل بیت کی شفاعت سب سے پہلے کروں گا پھر جو ان کے قریب ہونگے اور پھر جو ان کے قریب ہونگے۔ اور حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' اے بنو ہاشم! خدا کی قسم! جنت کی زنجیر پکڑ کر اپنی شفاعت کی ابتداء تم سے کروں گا۔ ابوسعید نے عمران بن حصین سے روایت بیان کی ہے۔ کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی بھی دوزخ میں

نہ جائے۔ پس میری یہ دعا قبول ہوئی۔ ایسی دیگر احادیث سے بھی اہل بیت کیلئے شفاعت ثابت ہے۔
مثلاً ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حدیث بیان کی ہے کہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (الضحیٰ:5)

''عنقریب تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا''۔

جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا ''محمد (ﷺ) کی رضا اس بات میں ہے کہ اہل بیت میں سے کوئی بھی اہل نار نہ ہو۔

فصل

فترۃ میں شرک

بزار نے اپنی مسند میں سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد دین اسلام رہا شیطان گاہے گاہے ان میں کوئی ایسی چیز پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہا جو ان کو اسلام سے دور کرے آخر کار وہ تلبیہ میں تبدیلی کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے جو حروف تلبیہ میں زیادہ کئے وہ یہ تھے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ

شیطان لگاتار کوشش میں رہا حتیٰ کہ انہیں شرک میں لے گیا۔

سہیلی نے ''الروض الانف'' میں لکھا ہے کہ عمرو بن لحی خزاعی نے قبیلہ جرہم کو مکہ سے باہر نکالا اور خود بیت اللہ پر قابض ہو گیا۔ عربوں نے اسے خدا بنا لیا وہ جو بھی بدعت پیدا کرتا عرب اسے اپناتے کیونکہ وہ لوگوں کو کپڑے وغیرہ عطا کرتا اور حج کے موسم میں لوگوں کو کھانا کھلاتا۔ ابن اسحٰق نے بتایا کہ وہی وہ بد قسمت ہے جس نے عربوں میں بت پرستی کی رسم ڈالی۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تلبیہ ''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ'' تھا حتیٰ کہ ایک دن عمرو خزاعی تلبیہ کہہ رہا تھا کہ شیطان ایک بوڑھے کی شکل میں اس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ تلبیہ کہنے لگا جب عمرو نے ''لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ'' کہا تو شیطان نے کہا ''اِلَّا شَرِيْكٌ هُوَ لَكَ'' عمرو نے اسے اچھا نہ جانا اور کہا یہ کیا ہے؟ شیطان نے کہا ''تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ'' البتہ اس کے مالک ہیں جس کا رب مالک ہے۔ اس کے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا عمرو نے پڑھا تو اس کی اقتداء میں عربوں نے بھی یہ پڑھنا شروع کیا۔

حافظ عماد الدین بن کثیر نے ''تاریخ'' میں لکھا ہے کہ عرب دین ابراہیمی پر تھے جب عمرو خزاعی مکہ کا والی بنا اور اس نے بیت اللہ کی ولایت اجداد آل نبی ﷺ سے چھین لی تو اس نے بتوں کی پوجا

شروع کی اور عربوں میں گمراہ کن عقائد پھیلا دیئے نیز اس نے تلبیہ میں بھی اضافہ کر دیا "لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" اسے سب سے پہلے پڑھنے والا عمرو ہی تھا۔ عربوں نے اس شرک کی اتباع کی۔ اور یوں وہ قوم نوح اور دیگر بھٹکی ہوئی قوموں کی طرح ہو گئے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو دین ابراہیم پر تھے۔ خزاعہ (عمرو کا قبیلہ) نے بیت اللہ پر تین سو سال تک قبضہ جمائے رکھا۔ ان کی ولایت نہایت منحوس تھی۔ یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کے جد امجد قصی آئے اور خزاعہ سے عربوں کی مدد سے ولایت بیت اللہ چھین لی۔ لیکن عرب عمرو کے پیدا کردہ شرک سے باز نہ آئے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ایک الگ دین تھا جس میں تبدیلی ناممکن تھی۔

عمرو خزاعی کی ولایت کے بعد اور بت پرستی کی ابتداء کے باوجود تمام عرب کا شرک میں مبتلا ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر کیلئے امن اور اپنی اولاد کیلئے شرک سے محفوظ رکھنے کی دعا کی تھی۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: 35) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عمرو سے ولایت چھیننے کے بعد تمام عرب شرک میں مبتلا ہوا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے جد امجد نے (جو دین ابراہیم پر تھے) جب عمرو کے خلاف عربوں سے مدد طلب کی تو تمام نے مل کر آپ کی مدد کی۔ اگر وہ مشرک ہوتے تو کبھی بھی عمرو مشرک کے خلاف صف آرا نہ ہوتے۔ البتہ عوام اور جاہل قسم کے لوگ عمرو کے لائے ہوئے شرک پر قائم رہے اور وہ بعثت نبوی ﷺ تک بت پرستی پر قائم رہے البتہ خواص اور آباؤ اجداد رسول ﷺ دین ابراہیم پر قائم رہے جن کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً (زخرف: 28) اللہ تعالیٰ کا فرمان حق اور سچ ہے۔ اور وہ سیدھے راستے کی طرف ہادی ہے۔

باب ہشتم

ان افراد کے بارے میں جو فترۃ میں دین ابراہیم پر رہے

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو دین حنیف (دین ابراہیم) پر قائم تھے اور شرک سے دور رہے ان سے نبی ﷺ کے انکار کا امکان نہیں تھا۔

حافظ ابو الفرج ابن جوزی نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی پوجا نہیں کی وہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، زید بن عمرو بن نفیل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، ورقہ بن نوفل، رباب بن بزار، سعد بن کہریب حموی، قس بن ساعدہ الایادی اور ابو قیس بن صرمہ تھے۔

ابن اسحٰق نے صحیح میں سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے فرماتی ہیں "میں

نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے دیکھا۔ جو کہہ رہا تھا۔ "اے قریش والو! تم میں سے میرے علاوہ کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں" پھر کہا الٰہی اگر مجھے علم ہوتا کہ تیرے پسندیدہ چہرے کون سے ہیں تو میں ان کے وسیلہ سے تیری عبادت کرتا لیکن مجھے کوئی علم نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دعوت حق اور اس کی حقیقت کو پہچاننے والے بہت کم تھے۔ ابونعیم نے عمرو بن عبداللہ السلمی سے روایت بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں "میں نے زمانہ جاہلیت میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی اور مجھے یقین تھا کہ یہ بت محض پتھر ہیں اور مشرک ان باطل خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح خمیر بن حسب الجہنی کے بارے میں بھی آیا ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کبھی نہ کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور زمانہ اسلام تک زندہ رہے مسلمان ہو کر وفات پائی۔ عمرو خزاعی کے شرک میں سارے عرب کا مبتلا ہونا اور اولاد ابراہیم میں سے چند افراد کا دین اسلام پر قائم رہنا اس وجہ سے تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ دعا قبول فرمائی تھی۔ جس کا پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔ اور توحید الٰہی لوگوں میں قائم رہی جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے شریعت قرار دی ہے۔ ارشاد ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ (شوریٰ:13)

"اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم کو"۔

عمرو خزاعی کی پیدا کردہ بت پرستی تمام عرب میں نہیں پھیلی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے دین الٰہی مقرر کیا تھا نہ کہ شرک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنی اولاد کے حق میں شرک سے محفوظ رکھنے کیلئے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عمرو نے جب بت پرستی پر لوگوں کو ابھارا تو بعض مجبوراً پوجنے لگے بعض نے نفس کی اتباع میں بت پرستی شروع کی اور یہ عوام اور جاہل افراد تھے۔ جو ہر زمانہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور بعض وہ تھے جنہوں نے بت پرستی سے انکار کیا وہ دین ابراہیمی پر ڈٹے رہے۔ بت پرستی صرف اس فترۃ میں پائی جاتی تھی البتہ اس نے تمام لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی۔ رہی بات مجبوراً بت پرستی کی تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس کی رخصت دی ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ اہل اندلس پر جب کفار نے غلبہ حاصل کیا تو ان کو بت پرستی پر مجبور کیا لیکن ان کے دل اسلام پر قائم رہے اور باوجود ظلم و جبر کے اسلام ان کے دلوں سے نہیں نکلا جب انہوں نے دیکھا تو انہیں اپنی حکومت کی فکر دامن گیر ہوئی لہٰذا انہیں مسلمانوں کی طرف بھیج دیا۔ اسی طرح دیار عجم میں روافض نے اہل سنت کے ساتھ نہایت سختی کی لیکن وہ اپنے مسلک سے سرمو بھی نہ پھرے۔ اسی طرح شرک بھی سارے عرب میں

سرایت نہ کر سکا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں دین ابراہیم نے جگہ بنالی تھی۔ اور جو مشرک تھے وہ بھی اس پر برقرار نہ رہ سکے اور کچھ عرصہ بعد اسے چھوڑ کر دین اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کو پوجنے لگے۔ جس طرح حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے کہ لوگ اپنے دین (جو دین فطرت ہے) کی طرف دوبارہ لوٹ آئے۔ پس شرک بھی تمام عرب میں نہیں پھیلا اور مشرک بھی تا ابد اس پر قائم نہ رہ سکے جس طرح زید بن عمرو بن نفیل اور دیگر وہ حضرات جو شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

شرک اور بعثت کے بعد شرک دونوں برابر ہیں کیونکہ اس میں اللہ کی ربوبیت کا انکار نہیں ہوتا بلکہ انسان اپنے خیال میں بتوں کو اللہ کی مخلوق سمجھتے ہوئے۔ انہیں اللہ کے ہاں شفیع گمان کرتا ہے۔ اہل فترۃ میں سے جو مشرک تھے ضروری نہیں کہ وہ آگ میں جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ..... (اسراء:15) پس جب قیامت کے دن رسول انہیں راہ ہدایت کی طرف بلائے گا اور وہ اطاعت کرتے ہوئے بات مانیں گے تو جنت میں جائیں گے اور جو نافرمان ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اہل فترۃ کے بارے میں یہی حکم ہے کیونکہ حدیث شریف اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ پس اولاد ابراہیم میں اسلام و توحید بعثت نبوی ﷺ تک موجود رہے نیز اولاد ابراہیم بت پرستی کے قریب نہ گئی اس پر دلائل قطعیہ موجود ہیں۔ لہٰذا والدین کریمین بدرجہ اولی مؤمنین میں سے تھے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی زمانہ اسلام سے خالی نہ رہا زمانہ جاہلیت میں بت پرستی کے دوران اہل اسلام کی دو قسمیں تھیں۔ پہلی قسم ان کی تھی جو دین ابراہیم پر کما حقہ ثابت قدم رہے جس طرح حضور ﷺ بعثت سے پہلے دین ابراہیم پر عمل پیرا تھے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو شرک کے بعد دین ابراہیمی پر آ گئے تھے۔ پس جو اولاد ابراہیم میں سے تھے وہ دین ابراہیمی پر شروع سے تا آخر قائم رہا اور جو اولاد ابراہیم میں سے نہیں تھے۔ ان کا اس دین پر رہنا یا دوسرے دین پر جانے کے بعد دوبارہ دین ابراہیم پر آنا دونوں جائز ہیں۔ اور اسی دور کے مسلمان بعثت نبوی ﷺ تک چار قسموں میں منقسم تھے پہلے وہ لوگ جو دین ابراہیمی پر قائم رہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی۔

دوسری قسم ان کی ہے جو بت پرستی کے بعد دین ابراہیمی پر آ گئے تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو بت پرستی کے بعد دین موسیٰ علیہ السلام پر ہو گئے اور چوتھی قسم دین عیسیٰ علیہ السلام پر ہو گئی۔ مثلاً ورقہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور تبع کے بارے میں ہے کہ وہ یہودی ہو گئے تھے۔ یہ اہل جاہلیت کی اقسام تھیں۔ اولاد ابراہیم میں بعثت نبوی ﷺ تک اسلام موجود رہا کیونکہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ وغیرہ دین ابراہیمی پر رہے تھے اور اسلام قائم و دائم تھا کیونکہ ابراہیم

علیہ السلام نے بقاءِ دین ابراہیمی کیلئے دعا مانگی تھی اور وہ قبول ہو چکی تھی۔ لہٰذا والدین کریمین بھی اسی دین پر تھے کیونکہ کوئی زمانہ بھی دین ابراہیمی سے خالی نہ تھا چاہے مؤحدین شروع سے اس دین پر تھے یا شرک کے بعد کوئی اس دین پر آ گیا ہو۔ الغرض دین ابراہیم کا وجود بعثت رسول اللہ ﷺ تک موجود تھا اور درمیان میں کوئی دور ایسا نہیں آیا جس میں یہ دین موجود نہ ہو کیونکہ ارشاد پاک ہے۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً (زخرف:28)

ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے اسلام پر رہنے کی دعا مانگی اور ان میں ایک رسول کی بعثت کیلئے زاری کی نیز دین اسلام کو اپنی اولاد میں باقی رہنے کیلئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام دعاؤں کو قبول کر لیا اور توحید کو تا بعثت نبی ﷺ اولاد ابراہیم میں باقی رکھا۔ لہٰذا دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے تا والدین کریمین آباؤ اجداد نبی ﷺ کو شرک کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ کیونکہ آیات قرآنیہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے۔ جو نبوت رسول ﷺ کی تصدیق تو کرتے ہیں لیکن طہارت نسب جس پر قرآن گواہی دیتا ہے کی پہچان سے محروم ہیں۔ پس وہ مؤمن جو اللہ، اس کے رسول اور اللہ کی کتاب (قرآن) کی تصدیق کرتا ہو اس کیلئے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ والدین کریمین سے اوپر تا آخر آباء واجداد رسول ﷺ میں کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہو۔ کیونکہ یہ حضرات اس کائنات میں نور الٰہی کے ظہور کا ذریعہ بنے۔ سہیلی نے الروض الانف میں ایک حدیث بیان کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ ''مضر اور ربیعہ کو گالی مت دو کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتی ہیں کہ'' تمیم اور ضبہ'' کو گالی مت دو کیونکہ وہ بھی مسلمان تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' قس کو گالی مت دو وہ بھی مسلمان تھا اور الیاس کو گالی مت دو وہ بھی مسلمان تھا۔

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ یہ الیاس اپنی پشت میں سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تلبیہ سنا کرتا تھا۔

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ کعب بن لوئی ہی وہ پہلے انسان ہیں جو قریش کو'' عروبہ'' کے دن جمع کرتے (انہوں نے عروبہ کا نام'' جمعہ'' رکھا تھا) اور انہیں حضور ﷺ کے متعلق خطبہ دیتے کہ وہ نبی ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ نیز انہیں اس نبی پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے کیلئے کہتے۔ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے اور ابو نعیم نے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ کعب اور بعثت رسول ﷺ کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔ پس سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کعب بن لوئی تک تمام آباؤ اجداد رسول ﷺ مسلمان تھے۔ نیز کعب اور عبد المطلب کے درمیان چار آباء کا ذکر ہے اور وہ کلاب قصی، عبد مناف اور ہاشم ہیں۔ یہ حضرات ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھے اور

عبدالمطلب کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ ان تک کوئی دعوت نہیں پہنچی کیونکہ بخاری کی حدیث میں ایسا ہی ذکر ہے۔

(۲) وہ ملت ابراہیمی پر تھے۔ اسے سفیان عیینہ نے بیان کیا ہے

(۳) یہ کہ بعد از وفات انھیں دوبارہ اللہ نے زندہ کیا وہ حضور نبی رحمت ﷺ پر ایمان لے آئے پھر فوت ہوئے۔ اسے ابن سید الناس نے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ ضعیف قول ہے اہل سنت کی بجائے اسے بعض شیعہ حضرات نے ذکر کیا ہے اس لئے اکثر علماء کے ہاں پہلے دو قول مشہور ہیں تیسرے قول کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ چونکہ عبدالمطلب نور احمدی ﷺ کیلئے برتن کی حیثیت رکھتے تھے اور اس نورانی پیکر کے جلوہ گر ہونے سے کچھ عرصہ پہلے عبدالمطلب کی پشت اس کیلئے منتخب کی گئی تھی تو اس سے یقینی علم ہو جاتا ہے۔ کہ عبدالمطلب بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبرداروں میں سے تھے کیونکہ ان سے وہ نور عبداللہ کی شکل میں اور ان سے پھر وہ نور اس عالم رنگ و بو میں جلوہ نما ہوا۔ اس لئے فرع اپنے اصل پر اور جزء اپنے کل پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا آباؤ و اجداد نبی مکرم ﷺ کسی دور میں بھی دین ابراہیمی سے نہیں پھرے۔

باب نہم

ان لوگوں کے بارے میں ہے جو فترۃ میں فوت ہوئے وہ عذاب سے محفوظ ہوں گے

اہل فترۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی رسول کے زمانہ سے خالی ہوں کیونکہ وہ شریعت موجود نہیں ہوتی جو وحی الٰہی سے ثابت ہو۔ نہ ہی ان کے پاس رسول آیا ہوتا ہے جس پر وہ ایمان لائیں لہٰذا ایسے لوگوں کو نہ تو دنیا میں رسول کے آنے پہلے عذاب ہوگا۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15)

''ہم ان کو عذاب دینے والے نہیں جب تک ان کے پاس رسول مبعوث نہیں کرتے''۔

چونکہ ان کے پاس رسول کی بعثت نہیں ہوئی جس کی وہ تکذیب کریں یا اس کی نافرمانی کریں اس لئے وہ فطرت اصلیہ یعنی ایمان روحانی پر ہیں (عذاب سے محفوظ ہیں) وہ دین اور وہ شریعتیں جو فترۃ کے زمانوں میں (جب انبیاء اور شریعت الٰہیہ نہیں تھی) عقلاء اور حکماء نے روحانی ذوق یا الہام کے ذریعے وضع کیں تھیں۔ وہ اس لئے تھیں کہ جب انہوں نے نور باطنی سے دیکھا کہ انسان کا تعلق اپنے خالق حقیقی سے ہونا چاہیے۔ تب انہوں نے حق کے اظہار کیلئے اپنا اپنا طریقہ اپنایا اور جب یہ شریعتیں حکم

الٰہی کے مطابق تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شریعت کی طرح قرار دیا جو شریعت اس کی جانب سے ہوتی ہے جس طرح ارشاد پاک ہے۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید:27)

"رہبانیت کی ابتدا انہوں نے خود کی تھی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا تھی لیکن وہ اس کا حق ادا نہ کر سکے"۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کے دروازے کھول دیئے تو ان کے دلوں میں شریعت کی محبت ڈال دی جس کے ذریعے وہ اللہ کی خوشنودی طلب کرتے تھے اسے گویا اللہ تعالیٰ نے من جانب اللہ قرار دیا۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا۔

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (حدید:27)

"یعنی جو ان پر ایمان لائے ہم نے انہیں ان کا اجر عطا کیا۔ اور ان میں اکثر ان شریعتوں سے نکل گئے"۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کے باب نمبر ایک سو ساٹھ میں لکھا کہ یہ شریعتیں کوئی فرشتہ لیکر نہیں آیا۔ بلکہ انہیں حکماء وقت اور علماء زمانہ کے افکار میں راسخ کیا جاتا وہ ان شریعتوں کو اپنے پاس محفوظ کر لیتے اور پھر لوگوں کو ان پر عمل کیلئے ابھارتے ان میں کسی بت پرستی وغیرہ کا ذکر نہ ہوتا۔ یہ عوام الناس کے فائدہ کیلئے ہوتیں یہی وہ بدعت حسنہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے کہ جس نے اس کی رعایت کی اس کو اللہ کی خوشنودی مقصود تھی۔

پس اہل فترات کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم ان خواص کی ہے جو شریعتوں کو بنا کر اس پر لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دیتے۔ دوسری قسم ان کی ہے جو ان پر عمل کرنے لگے اور ان شریعتوں کی رعایت کرتے ہوئے خوشنودیٔ رب حاصل کر گئے۔ اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو ان شریعتوں پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت نے اہل فترات میں سے کسی پر جہنم میں جانے کا حکم نہیں لگایا بلکہ ان کا مسلک ہے کہ رسول کی آمد سے پہلے ان کو عذاب الٰہی نہ ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اسراء:15) اہل کلام واصول میں سے ائمہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص دعوت پہنچنے سے پہلے مرا ہو وہ نجات یافتہ ہے۔ اسے سزا تب دی جائے گی جب وہ بھیجے ہوئے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ ان کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے کہ بعثت سے قبل عذاب نہیں ہے۔ لیکن معتزلہ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ عقل سے توحید کا حصول ضروری تھا اگر عقل کے ذریعے وہ

توحید کے قائل نہیں ہوئے تو انہیں سزا ہوگی۔ یہ مسئلہ اس مسئلہ پر مبنی ہے کہ منعم کا شکر عقلاً واجب ہے یا نہیں اہل سنت کا مسلک ہے کہ جاننے کے بعد واجب ہے یہی مذہب امام فخر الدین رازی کا ہے۔الکیا ھراسی نے اہل سنت کا مسلک یوں بیان کیا ہے۔ کہ شریعت منقولہ سے احکام واجب ہوتے ہیں محض عقول سے احکام ثابت نہیں ہوتے جبکہ معتزلہ وغیرہ نے کہا ہے کہ بعض احکام شریعت سے واجب ہوتے ہیں اور بعض محض عقول سے واجب ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جب رسول آ جائے اور دلیل قائم ہو جائے تو اسے یہ بات تسلیم کرنی چاہیے۔اب اگر تسلیم نہیں کرے گا تو سزا ملے گی۔ کیونکہ کام جو واجب ہوتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی زبانی واجب ہوتے ہیں اور فترۃ میں اس کا تصور ناممکن ہے لہٰذا وجوب ثابت نہیں اور جب وجوب ثابت نہیں تو عذاب بھی نہیں۔معتزلہ یا اہل بدعت میں سے جو کوئی ان کیلئے جہنم کو ثابت کرتا ہے درحقیقت وہ اہل سنت (جو اہل حق ہیں) کی مخالفت کرتا ہے۔اس مسئلہ کو شکر منعم کے واجب ہونے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہاں بعثت سے خالی زمانہ میں رسول کی زبانی احکام واجب ہوئے ہی نہیں تو عذاب کیسا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ..... (اسراء:15)

ابن جریر وابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پاک روایت کی ہے۔

''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ...... (الخ) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے پاس کوئی خبر، دلیل وغیرہ من جانب اللہ نہ آئے۔

لیکن اہل فترہ چھوٹے بچوں اور بے وقوفوں (پاگلوں) کی حالت کے زیادہ مناسب ہیں۔ کہ قیامت والے دن ان کی طرف رسول بھیجا جائے گا جو کوئی اطاعت کرے گا تو نجات پا جائے گا اور جو کوئی نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا۔(اس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے)

اب والدین کریمین کی دو حالتیں ہیں یا تو وہ اہل فترہ میں سے ہیں۔یا دین ابراہیم پر ہیں۔پہلی صورت میں وہ نجات یافتہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ...... (الخ) اور اگر اہل فترہ میں سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف جو نبی مبعوث فرمائے گا (آخرت میں) وہ ان کا بیٹا محمد ﷺ ہی ہوں گے کیونکہ ان کا اپنے بیٹے کے ساتھ قریب ترین تعلق ہے۔اور دنیا میں اولاد اسمٰعیل میں سے جو رسول تشریف لائے گے وہ آپ ہی ہونگے۔پس اس دنیا میں جس طرح اس رسول کا ظہور ان سے ہوا آخرت میں بھی ان کی طرف وہی رسول تشریف لائیں گے۔

اوراگروہ امت مسلمہ میں سے ہوں جس طرح کہ آیات قرآنیہ اورشہادت ربانیہ سے ظاہر ہے تو ان کی سعادت مسلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق میں سے انہیں اپنے رسول مکرم ﷺ کے ظہور کیلئے چن لیا تھا گویا اس دنیا میں بھی وہ بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کیونکہ ان کے ذریعے صورت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا اور آخرت میں بھی انکا مقام رفیع کسی پر مخفی نہ ہوگا کیونکہ ان کا بیٹا ﷺ مقام محمود، حوض کوثر، شفاعت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ کا امین بن کر مخلوق خدا کیلئے تسکین و آرام کا باعث ہوگا۔ نیز اپنے والدین کریمین کی نجات کا ذریعہ ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ اَجْمَعِيْنَ

الوصیۃ

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے عبدمومن، متقی اور گناہوں سے پاک انسان کیلئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اعمال صالحہ اور بلند اخلاق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو نفسانی خواہشات سے باز رکھے اور مخلوق سے تعلق توڑ کر خالق سے تعلق جوڑے نیز اپنے دل کو دنیاوی آلائشوں سے خالی کرے۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ کی جناب میں حضوری سے مانع ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اسے کتاب وسنت کی سمجھ عطا ہو اور جو صفات الٰہیہ قرآن میں ہیں ان سے آراستہ ہونے کی توفیق حاصل ہو۔ اور اللہ و رسول کے کلام کی سمجھ حاصل ہو۔ حدیث پاک ہے حضور ﷺ نے فرمایا "اَهْلُ الْقُرْاٰنِ اَهْلُ اللّٰهِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کو قرآن سے آراستہ ہونے کی سمجھ عطا کی ہے وہ اللہ والے ہیں۔ پس قرآن وحدیث کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت بڑی وراثت ہے۔ کیونکہ حدیث بھی قرآن کی طرح قابل حجت ہے کیونکہ حضور ﷺ کی ہر حدیث وحی الٰہی ہوتی ہے۔ جس طرح ارشاد ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم: 4-3) پس جسے قرآن وحدیث کی فہم عطا ہو تو وہ یقیناً والدین کریمین کے متعلق جان لیتا ہے کہ آپ دونوں اسلام و توحید پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بالتفصیل بیان کر دیا ہے کہ اولاد اسمٰعیل جن کی پشتوں میں نور محمدی جلوہ گر تھا وہ تمام توحید پر رہے۔ اور وہ نور پاک یونہی پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا اور صفات تہذیب سے مزین ہوتا ہوا والدین کریمین تک پہنچا۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے اللہ تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا آپ ﷺ صفائی و تہذیب کی حالت میں منتقل ہوتے رہے۔

کتاب وسنت کی فہم سے انسان خالق حقیقی سے قریب تر ہوتا ہے لیکن افکار حسیہ اور خیالات شیطانیہ کے شکار ہونے سے گمراہی اور ذلالت نیز جناب حق سے دوری مقدر بنتی ہے۔ پھر ابراہیم علیہ

السلام نے اپنی اولاد کیلئے جو دعا مانگی تھی اس میں بھی اپنی اولاد کے ملت اسلامیہ پر رہنے، ان میں سے ایک رسول کی بعثت، اپنی اولاد کا شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے اور خواہشات نفسانی سے بچنے کا ذکر ہے۔ اسی دعا کا اثر تھا کہ شیطان انہیں راہ راست سے بھٹکا نہ سکا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (اسراء:65)

''جو میرے بندے ہیں اے شیطان تو ان پر قابو نہیں پا سکتا''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں جس جس چیز کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا اور ان میں اپنا رسول بھیج دیا حضور ﷺ خود فرماتے ہیں۔

أَنَا دَعْوَةُ اَبِی اِبْرَاهِیْمَ

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں''۔

پس اولاد ابراہیم جن سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا سب کے سب شیطان کی حکمرانی سے محفوظ تھے۔ اور یہ سب کچھ دعائے ابراہیم کی وجہ سے تھا۔ جب ان کی دعا کی مقبولیت کا علم قرآن پاک سے ہو جاتا ہے تو اب والدین کریمین کے اسلام پر رہنے اور امت مسلمہ میں سے رسول کی بعثت اور ان تمام کا شرک سے پاک رہنے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں قرآنی نص سے ثابت ہیں۔ اور جو خبریں اس نص کے معارض ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ قرآن وسنت میں فہم سے عاری لوگوں کی باتیں ہیں جو قابل توجہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تک دین ابراہیمی آپ کی اولاد میں باقی تھا۔ فتوحات میں مذکور ہے کہ بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ لہٰذا آپ غار حراء میں تشریف لے جاتے اور مخلوق سے الگ تھلگ عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص مہربانی تھی۔ یہاں تک کہ فرشتہ (جبرائیل) وحی الٰہی لے کر آیا اور آپ تمام لوگوں کی طرف بشیر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بن کر مبعوث ہوئے۔ پس آپ ﷺ دین ابراہیم پر امت میں مبعوث ہوئے۔ اور یہی ملت آپ کی ملت قرار پائی۔ اور شریعت ابراہیمی آپ ﷺ کی شریعت قرار پائی۔ دین ابراہیمی کو آپ ﷺ کی وجہ سے بقا حاصل ہوئی۔ الغرض جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں مانگا تھا حرفاً حرفاً پورا ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اشیاء اپنی اصلی جگہ پر رکھی جائیں۔ اور تمام کام اپنے اسلوب پر ہوں۔

وَبِاللّٰهِ تَوْفِیْقٌ (ملخص)

تتمہ

نور محمدی ﷺ تقاضا ہی اس بات کا کرتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک یہ تمام نسل پاک صاف اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہوتا کہ ان سے اس نور الٰہی کا ظہور ہو کیونکہ حکمت الٰہیہ یہی ہے کہ

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (نور:26)

''گندی عورتیں گندے مردوں کیلئے اور گندے مرد گندی عورتوں کیلئے اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کیلئے''۔

پس آپ ﷺ کے نور پاک کیلئے اللہ تعالیٰ نے پاک پشتوں کو چن لیا تھا جس طرح حضور ﷺ خود فرماتے ہیں میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ آپ اپنے والدین کریمین تک پہنچے جو صفات و اخلاق میں بیمثال تھے آپ نہایت پاکیزہ روح اور پاکیزہ جسم والے تھے کیونکہ حضور ﷺ ان کے جسم کا ٹکڑا تھے جس طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا۔

اِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّی ''بے شک فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہیں''۔

پس جو کوئی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ نسب نبی ﷺ میں نقص نکالے کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ (احزاب:57)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے''۔

قاضی ابوبکر سے پوچھا گیا جو کوئی آباء نبی کے بارے میں کہے کہ وہ دوزخ میں ہیں تو وہ کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ وہ لعنتی ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ......الخ (احزاب:57)

اور کسی کے والد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دوزخ میں ہے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ امام موفق الدین نے کہا ہے کہ جو کوئی اجداد نبی میں سے کسی ایک میں نقص نکالے تو اسے قتل کیا جائے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ ایک اور قول کے مطابق کافر کو قتل کیا جائے۔

پس سلطان عادل اور امام تقی جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا محافظ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ ملت حنیفیہ کی حفاظت کرے اور روئے زمین سے فساد کو دور کرے اور دین میں فساد سے عظیم فساد اور نہیں ۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین اور آباء واجداد جن سے توحید وایمان کا سورج طلوع ہوا جن کی رحمتوں نے چاردانگ عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ ان (آباء واجداد) کی طرف شرک کی نسبت کرنا فساد دین اور فساد عظیم ہی ہے ۔ لہٰذا اس فساد کی بیخ کنی کیلئے سلطان عادل کو سر دھڑ کی بازی لگانی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

(شیخ عبداللہ بسنوی کی کتاب " مطالع النور السنی " یہاں ختم ہوئی)

خاتمہ

اس میں چند فوائد کا ذکر کیا جائے گا۔

پہلا فائدہ

شیخ زمانہ، امام مرشد کامل، عارف باللہ سیدی، سید احمد بن حسن علوی رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بارے میں ہے۔

شیخ مذکور نے مجھے (یوسف بن اسمٰعیل مؤلف کتاب ھذا) ایک خط لکھا جس میں بعض خوابوں کا ذکر ہے جن خوابوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیبی آوازوں اور حضور نبی رحمت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا ذکر ہے۔ نیز دیگر اولیائے کرام اور صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے۔ اور مجھے بہت سارے اذکار کی اجازت بھی دی ہے۔ اکثر ثقہ عارفین نے مجھے خبر دی ہے کہ شیخ مذکور بحالت بیداری زیارت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی ولایت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں اس کا ذکر تو نہیں کیا البتہ اتنا اشارہ ضرور دیا ہے کہ مجھے بعض امور کے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ممکن ہے اسی زیارت کے بارے میں آپ نے اشارہ دیا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات اہل برزخ صالحین و انبیاء سے بھی ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ جنہوں نے آپ کو اپنی کتب وغیرہ سے چیزیں روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسی کتاب کے جزء ثالث میں ان کا ایک خط مذکور ہے جس میں انہوں نے مجھے ان کے بعض شیوخ سے روایت کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔

اب میں ان کے اس آخری مکتوب کا ذکر کرتا ہوں اور اسکے آخر میں ان دو خطوں کا ذکر کروں گا جو اس سے قبل مجھے موصول ہوئے تھے۔ (خط یہ ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ دین کے جھنڈے تا ابد لہراتے رہیں اور اس کی عطاؤں کے موتی ہمیشہ لٹتے رہیں اور اہل محبت کے سینے اس کے مشاہدات سے آباد رہیں۔ اللہ کے حبیب پر ایسے صلوٰۃ وسلام ہوں جن سے حبیب مکرم خوش ہوں۔ شیخ یوسف بن اسماعیل (اللہ تعالیٰ جنت میں ہمیں یکجا کرے) آپ کا مکتوب ملا آپ کی خوبصورت گفتگو سے دل کو لذت حاصل ہوئی۔ "جَوَاهِرُ الْبَحَارِ فِي فَضَائِلِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ" ﷺ کی طباعت اور "قصیدہ فریدہ الرائیہ" کے نظم پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا فرمایا۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے

انشاء اللہ یہ دین و دنیا ہر لحاظ سے باعث نفع ہے۔ آپ نے مجھ سے ان اجازات اور خوابوں کے متعلق جاننے کی درخواست کی ہے جو اجازات یا خواب میں نے اکابر اہل برزخ سے حاصل کیے ہیں۔ یا وہ خواب جو ان کے متعلق دیکھے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں۔

اہل برزخ میں سے بہت سے علماء باطن و ظاہر کی جانب سے بفضل اللہ مجھے بہت ساری اجازات حاصل ہیں۔ ان میں سے اکثر میری یادداشت سے محو ہیں البتہ جو میرے ذہن میں موجود ہیں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

میں نے اللہ رب العزت کا خواب میں دیدار کیا۔ اس نے مجھے ''ھو یہ'' یعنی ''ھو'' کا ذکر کرنے کا حکم دیا اور تعداد ''سات'' مقرر فرمائی لیکن یہ معلوم نہیں سات مرتبہ، یا سات سو یا سات ہزار کا حکم دیا۔ البتہ میں یہ ذکر کبھی کم اور کبھی زیادہ کرتا ہوں۔

سید المرسلین ﷺ کی زیارت سے تو میں لاتعداد مرتبہ مشرف ہوا ہوں۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجھ پر خاص توجہ ہے ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ کو عشاء کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور میں نے آپ کی اقتداء میں نماز عشاء ادا کی اور آپ ﷺ کی قرآءت سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی طرح ایک اور مرتبہ آپ کی زیارت ہوئی تو میں نے ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ..... (تین آیات) کے متعلق پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی قرآءت ایسی ہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' وہ تین آیات یہ ہیں۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝٧

لِّیَسْــَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا (احزاب)

میں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا اچھی آواز سے (ترتیل سے) قرآن سنایا آپ نے بعد میں حدر سے پڑھ کر سنایا جس طرح میری عادت تھی۔ اور خواب میں آپ ﷺ نے اکثر مصافحہ فرمایا اور مجھے گلے بھی لگایا میں نے مصافحہ کے بارے میں پوچھا تو جو سمجھا وہ یہ تھا کہ انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنا زیادہ مؤکد ہے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ مصافحہ کے وقت ایسا ہی کیا اور ایک دفعہ اپنی شہادت کی انگلی میری ہتھیلی پر رکھی جب کہ ایک دفعہ میرے منہ میں لقمہ بھی ڈالا۔ آپ نے مجھے

سورۂ واقعہ بعد از نماز عصر پڑھنے کا بھی حکم دیا اور صلوٰۃ فجر کے بعد جتنا ہو سکے سورہ اخلاص کے پڑھنے کا حکم دیا ایک دفعہ میں بعد از حج حضر موت کی طرف واپس آ رہا تھا کہ حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے پوچھا "حضر موت جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کی "ہاں" تب آپ نے فرمایا" میں تجھے اس ذات کی امان میں دیتا ہوں جس کی امانت مین آئی چیز کبھی ضائع نہیں ہوتی" میں نے عرض کی میں نے اس ودیعت کو قبول کر لیا ہے۔ ایک دفعہ میں نے حضور ﷺ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا جو کسی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے ان کو یہ آیت سنائی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (آل عمران:44)

"یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں"۔

میں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کیا

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ آل عمران:44)

"اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں"۔

اس آیت کی تلاوت کے وقت میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ اور "اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ" تک پڑھ کر وقف کیا۔ لیکن حضور ﷺ نے "وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ...... (الآیۃ) تلاوت فرما کر اشارہ دیا کہ وقف یہاں درست نہیں ہے اگلی آیت کا معنی مابعد کے ساتھ متصل ہے۔ (اس لئے وقف کے بغیر آگے پڑھو) ایک ذات میں تہجد کیلئے نہ اٹھ سکا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے کھجور کے پتوں کا مصلی مجھے پکڑا دیا کہ میں اٹھ کر تہجد ادا کروں۔ ایک دفعہ "کتاب الاغانی" کے مطالعہ سے فارغ ہو کر لیٹا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا "علم تصوف" کا مطالعہ کرو۔ اور ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک برتن میں مجھے شہد پلا دیا۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں میں نے دیکھا کہ گویا خضر علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر قبر انور کے سامنے لائے۔ اور آواز دی "یارسول اللہ ﷺ! کیا یہی آپ کا نواسا ہے؟ (آپ رحمۃ اللہ علیہ سادات میں ہیں) جواب آیا" ہاں یہ میرا محسن نواسا ہے۔" ایک اور زیارت میں میں نے شیخ محی الدین بن عربی کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو موتی یگانہ ہیں۔ ایک اور مرتبہ شرف دیدار حاصل ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو وہ درود پڑھ کر سنایا جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے پسند فرمایا وہ درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً كَمَا هِیَ فِیْ عِلْمِكَ صَلَاةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا

تَامًّا كَمَا هُوَ فِي عِلْمِكَ سَلَامٌ تَامٌّ عَلَى سَيِّدِنَا وَ مُوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ صَلَاتِكَ عَلَيْهِ وَعَدَدَ صَلَاةِ مَنْ صَلَّى مِنْ خَلْقِكَ وَمِثْلَ صَلَاتِكَ عَلَيْهِ وَمِثْلَ صَلَاةِ مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ مِنْ خَلْقِكَ وَ عَدَدَ سَلَامِكَ عَلَيْهِ وَعَدَدَ سَلَامِ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ مِنْ خَلْقِكَ فِي الْاَوَّلِ وَالْآخِرِ وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ وَالسِّرِّ وَالْعِلَانِيَةِ مِلْأَ الْمِيْزَانِ وَ مُنْتَهَى الْعِلْمِ وَ مَبْلَغَ الرِضَى وَ عَدَدَ النِعَمِ وَ عَدَدَ خَلْقِكَ وَرِضَى نَفْسِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ وَ ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ وَعَدَدَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ فِي عِلْمِكَ وَ عَدَدَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَ زِنَةَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَ مِلْأَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَفِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَلَحْظَةٍ وَخَطْرَةٍ وَطَرْفَةٍ يَطْرَفُ بِهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَاَهْلِ الْاَرْضِيْنَ وَجَمِيْعِ الْمَخْلُوْقِيْنَ صَلَاةً تَكُوْنُ لَكَ رَضًى وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَسَلَامًا يَكُوْنُ لَكَ رَضِيً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَتَرْضَى بِهِمَا وَتَرْضَى بِهِمَا عَنَّا وَعَنْ وَالِدَيْنَا وَ عَنْ اَوْلَادِنَا وَ عَنْ مَشَائِخِنَا وَ عَنْ مُعَلِّمِيْنَا وَ عَنْ اَهْلِ الْحُقُوْقِ عَلَيْنَا وَ عَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاَجْرِ يَارَبِّ لُطْفَكَ الْخَفِيَّ فِي اُمُوْرِي وَ اُمُوْرِ هِمْ وَ اُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ آمِيْنَ۔

يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَ مَالَمْ اَعْلَمْ وَصَلِّ وَسَلِّمْ بِصِفَاتِكَ الْعُظْمٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَصَلِّ وَسَلِّمْ بِكَلِمَاتِكَ التَامَاتِ كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَصَلِّ وَسَلِّمْ بِاِسْمِكَ الْاَعْظَمِ وَرِضْوَانِكَ الْاَكْبَرِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَاَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ اَوْعَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اِسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ عَلٰى رُوْحِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْاَرْوَاحِ وَعَلٰى جَسَدِهٖ فِي الْاَجْسَادِ وَعَلٰى قَبْرِهٖ فِي الْقُبُوْرِ بِكُلِّ

صَلَاةٍ وَبِكُلِّ سَلَامٍ صَلَّيْتَ وَ سَلَّمْتَ بِهِمَا عَلَيْهِ وَبِكُلِّ صَلَاةٍ وَبِكُلِّ سَلَامٍ صَلّٰى وَسَلَّمَ بِهِمَا عَلَيْهِ اَحَدٌ مِنْ خَلْقِكَ فِي الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ وَالسِّرِّ وَالْعِلَانِيَّةِ مِلْءَ الْمِيْزَانِ وَمُنْتَهَى الْعِلْمِ وَ مَبْلَغَ الرِّضٰى وَعَدَدَ النِّعَمِ وَعَدَدَ خَلْقِكَ وَ رِضٰى نَفْسِكَ وَزِنَةِ عَرْشِكَ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَكُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَ ذِكْرِهٖ الْغَافِلُوْنَ۔ وَعَدَدَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ فِي عِلْمِكَ وَزِنَةِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ فِيْ عِلْمِكَ وَمِلْءَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ فِي عِلْمِكَ وَ عَدَدَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَزِنَةَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَمِلْءَ كُلِّ ذَرَّةٍ مِنْ ذٰلِكَ اَلْفَ مَرَّةٍ وَاٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالشَّرَفَ وَالدَّرَجَةَ الْعَالِيَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ آمِيْن يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

میں نے حضور نبی رحمت ﷺ کی جتنی زیارتیں کیں ہیں ان میں سے اتنا کافی ہے۔ میں نے عارف باللہ ابوبکر بن عبداللہ بن طالب العطاس سے سنا ہے کہ ایک دفعہ سید احمد بن علی بحر القدیمی نے بحالت بیداری سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں آپ سے براہ راست حدیث روایت کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میں تین حدیثیں بیان کرتا ہوں۔

پہلی حدیث

یہ کہ جب تک سبز قہوہ کی بو انسان کے منہ سے آرہی ہو ملائکہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

دوسری حدیث

جس نے تسبیح پکڑی تاکہ اس سے ذکر اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ذاکرین میں سے لکھتا ہے چاہے وہ اس کے ساتھ ذکر کرے یا نہ کرے۔

تیسری حدیث

جو کوئی کسی زندہ ولی یا فوت شدہ ولی کے سامنے کھڑا ہوا تو اس نے گویا اللہ کی عبادت زمین کے کونے کونے میں کی۔

مذکور سید احمد، سید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل کے شیخ ہیں اور شیخ عبدالرحمٰن سید ابو بکر کے شیخ ہیں۔ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت کی اور اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا ہمارے دور میں اجازت نہیں ہوتی تھی۔ البتہ میں تجھے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف بھیجنا سکھاتا ہوں اور اس کی تلقین بھی کرتا ہوں۔ وہ درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ زَيْنِ الْوُجُوْدِ وَعَلٰی آلِهٖ خَيْرِ كُلِّ مَوْجُوْدٍ

اور میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا میں تجھے کندھوں پر چادر ڈالنے کا طریقہ نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی ضرور بتایئے۔ آپ نے چادر کا ایک کونہ میرے دائیں کندھے پر ڈال دیا اور یہ کونہ سینے پر لٹکتا چھوڑ دیا جبکہ دوسرا کنارا کمر اور بائیں بغل کے نیچے سے لپیٹتے ہوئے بائیں کندھے پر پیٹھ کی طرف لٹکا دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت سے بھی مشرف ہوا آپ رضی اللہ عنہا نے مجھے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:31)

بار بار پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے سیدی قطب عبدالرحمٰن بن محمد سقاف باعلوی کو خواب میں دیکھا اور اس ورد کے پڑھنے کی اجازت لی۔ یہ وردغوث ابو بکر بن سالم باعلوی کا ہے۔

اَللّٰهُمَّ يَا عَظِيْمَ السُّلْطَانِ يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ يَادَائِمَ النِّعَمِ يَا كَثِيْرَ الْخَيْرِ يَا وَاسِعَ الْعَطَايَا خَفِيَّ اللُّطْفِ يَاجَمِيْلَ الصُّنْعِ يَا حَلِيْمُ لَا يُعْجِلُ صَلِّ يَارَبِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَسَلِّمْ وَارْضَ عَنِ الصَّحَابَةِ اَجْمَعِيْنَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ شُكْرًا وَلَكَ الْمَنُّ فَضْلًا وَاَنْتَ رَبُّنَا حَقًّا وَنَحْنُ عَبِيْدُكَ رِقًّا وَاَنْتَ لَمْ تَزَلْ لِذٰلِكَ اَهْلًا يَا مُيَسِّرَ كُلِّ عَسِيْرٍ وَيَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ وَصَاحِبَ كُلِّ مَزِيْدٍ يَسِّرْ عَلَيْنَا كُلَّ عَسِيْرٍ فَتَيْسِيْرُ الْعَسِيْرِ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ يَامَنْ لَا يَحْتَاجُ اِلَى الْبَيَانِ وَالتَّفْسِيْرِ حَاجَاتُنَا كَثِيْرٌ وَاَنْتَ عَالِمٌ بِهَا خَبِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَخَافُ مِمَّنْ يَخَافُ مِنْكَ وَاَخَافُ مِمَّنْ لَا يَخَافُ مِنْكَ اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مَنْ يَخَافُ مِنْكَ نَجِّنَا مِمَّنْ لَا يَخَافُ مِنْكَ اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِحْرِسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاكْفِنَا بِكَنَفِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ

عَلَيْنَا اَنْ نَهْلِكَ وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرِجَائُنَا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

میں نے شیخ ابوبکر بن سالم باعلوی کو خواب میں دیکھا آپ نے اپنے تمام وردوں کی اجازت دی جن میں مذکورہ بالا ورد بھی شامل ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ دل سے قرآن پڑھنے والے کو ثواب دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں دیا جائے گا۔ آپ نے اپنی زبان میرے منہ میں رکھی اور حلق تک لے گئے۔

عمر بن عبدالرحمٰن العطاس کی زیارت میں مندرجہ ذیل ورد عطا ہوا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (تین بار)

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (تین بار)

"بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" (تین بار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ (دس بار)

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" (تین بار)

"بِسْمِ اللّٰهِ تَحَصَّنَّا بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ" (تین بار)

"بِسْمِ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِ" (تین بار)

"سُبْحَانَ اللّٰهِ عَزَّ اللّٰهُ سُبْحَانَ اللّٰهِ جَلَّ اللّٰهُ" (تین بار)

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" (تین بار)

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" (چار بار)

"يَا لَطِيْفًا بِخَلْقِهٖ يَا عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ يَا خَبِيْرًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِنَا يَا لَطِيْفُ يَا عَلِيْمُ يَا خَبِيْرُ" (تین بار)

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (چالیس بار)

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (ایک بار)

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" (سات بار)

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ" (گیارہ بار)

اس کے بعد

"يَا رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" (گیارہ مرتبہ پڑھے اور اخیر میں یہ پڑھے)

"نَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ یَا اللّٰہُ بِھَا یَا اللّٰہُ بِھَایَا اَللّٰہُ بِحُسْنِ الْخَاتِمَۃِ" (تین بار)

اسے عزیز المثال، فتح باب الوصال، کہا جاتا ہے اور تکالیف اور مصائب کو دفع کرنے کیلئے مجرب ہے۔ نیز حاجات پوری کرنے میں بھی آزمودہ ہے۔ میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ میں جب مکہ مکرمہ حاضر ہو کر سید احمد دحلان کے ہاں طلب علم کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے تمام اوراد ترک کروا دیئے البتہ میں مذکورہ ورد پڑھتا رہا۔ پھر آپ نے یہ ورد بھی چھڑا دیا۔ میں نے عمل کیا تو مجھے خواب میں سید حسین بن صاحب آئے اور مجھے پڑھنے کا کہہ گئے لیکن میں نے وہ ورد نہیں پڑھا پھر خواب میں سید عمر العطاس آئے (جو اس ورد کے صاحب ہیں) اور مجھے ایک رات پڑھنے کیلئے کہہ گئے دوسری رات پھر ایسا ہوا تیسری رات آپ نے دھمکی آمیز لہجہ میں نہایت غصہ کی حالت میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ لہٰذا میں پڑھنے لگا۔

سید قطب عبداللہ کی زیارت اور اوراد کی اجازت سے بھی مشرف ہوا ہوں۔ ایک دن میں شیخ ابو اسحٰق شیرازی کی کتاب "المہذب" پڑھ رہا تھا کہ اس کتاب کے مولف ابو اسحٰق خواب میں تشریف لائے اور مجھے اپنی تمام مؤلفات کے روایت کرنے کی اجازت دی میں نے عرض کی آپ نے کتاب المہذب میں بہترین مواد جمع کیا ہے لیکن دو قول ذکر کرنے کے بعد خاموش ہوتے ہیں اور ترجیح یافتہ قول کا ذکر ان میں نہیں کرتے جس کی وجہ سے طلباء کے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا دین میں اہل تحکم کی صفت یہی ہے ہم ویسے ہی نقل کرتے ہیں جیسے کتابوں میں پاتے ہیں۔ میں نے شیخ ابو حامد الغزالی کی زیارت کی آپ نے اپنی تمام مصنفات کی اجازت دے دی میں نے پوچھا کہ جو کوئی گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو کیا شہر میں جہاں بھی اذان دی جائے (اس کی نماز کے صحیح ہونے کیلئے) کافی ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے عرض کی جب یہ مسئلہ میرے طلباء کو معلوم ہو جائے گا تو وہ کہیں گے اس کی دلیل لاؤ تب؟ آپ نے فرمایا "اپنے دوستوں سے کہنا اسے امام غزالی نے "الوسیط" میں بیان کیا ہے کہتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو وسیط میں وہ مسئلہ ڈھونڈھنے پر معلوم ہوا وہاں لکھا ہوا تھا۔

"وَاُوْلٰی بِاَنْ لَا یُؤَذِّنَ اِکْتِفَآءً بِالنِّدَاءِ الْعَامِ" (ندائے عام (اذان عام) کے بعد مزید اس کیلئے اذان نہ دینا بہتر ہے)

امام نووی اور شیخ احمد بن حجر المکی کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوا ہوں دونوں نے اپنی تالیفات اور کتب کی اجازت دے دی ہے مؤخر الذکر نے معوذتین اوراد میں شامل کرنے کیلئے کہا میں انہیں روزانہ سو مرتبہ پڑھتا ہوں۔ ایک اور خواب میں میں نے ان کو دیکھا اور عرض کی میں نے کتاب

المہذب سے بہت نفع حاصل کیا ہے آپ نے اس کی شرح کیوں نہیں لکھی؟ کہنے لگے اس میں چند مشکل مسائل ہیں۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ "تکبیر تحریمہ میں نیت کا مسئلہ، میں نے عرض کی سبحان اللہ جب انسان اپنے نفس کو اللہ کے حضور لا کر کھڑا کر دے اور اللہ اکبر (زبان سے) کہتا ہے تو کیا اس کا نفس اللہ اکبر نہیں کہے گا؟ آپ خاموش ہوئے میں نے عرض کی بلکہ نفس بھی اللہ اکبر کہے گا آپ نے فرمایا آپ نے درست کہا کچھ شرمندہ ہوئے اور کہا یہی اس کی شرح ہے۔ یعنی جب انسان اللہ کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھے اور دل اس کی عظمتوں سے لبریز ہو جائے تو یہی نیت ہے۔ پس تکبیر تحریمہ خیالات غیر کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے اور نیت اعمال میں تمیز کیلئے ہوتی ہے۔ ایک رات میں نے نظر نہ آنے والی جماعت کو سنا جو ایک ہی آواز میں اللہ کے اسماء کی تلاوت کر رہے تھے اسمائے مبارکہ یہ تھے۔

"یَا رَحْمٰنُ، یَا رَحِیْمُ، اَدْخِلْنَا جَنَّتَكَ، یَا مَلِكُ، یَا قُدُّوْسُ اَدْخِلْنَا جَنَّتَكَ" اسی طرح آخر اسماء تک پڑھتے جا رہے تھے۔

چند فوت شدہ حضرات کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ جب تم ہماری زیارت کو آتے ہو اور دعا پڑھتے ہو اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے دعا یہ ہے۔

یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ اِغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ اِغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ وَارْحَمْنَا وَارْحَمْهُمْ وَوَالِدَیْنَا وَوَالِدَیْهِمْ وَاجْعَلْنَا وَاِیَّاهُمْ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِمَا اَنْزَلْتَ عَلٰی رُسُلِكَ

یہ ورد محمد بن عمر باعلوی کا ہے۔ ایک دفعہ ایک سید جسے کشف حاصل تھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے آپ کو تریم کے مقام پر دیکھا کہ سارے سلف صالحین آپ کو مختلف قسم کے لباس پہنا رہے تھے ان میں قمیص عمامہ اور ٹوپی وغیرہ ہر قسم کا لباس تھا۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ بہت سارے صالحین اور بھی ہیں جن سے وقتاً فوقتاً عالم برزخ میں ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ حضرات ذکر، اذن اور مصافحہ وغیرہ سے نوازتے رہتے ہیں۔ درج ذیل حضرات کے اسمائے گرامی مجھے اس وقت یاد ہیں۔

سید خضر علیہ السلام سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ہوئی اور سید احمد بن عیسیٰ بن علی بن جعفر صادق رضی اللہ عنہم، محمد بن علی باعلوی، محمد سید عبد القادر جیلانی، عبد اللہ بن ابی بکر باعلوی، شیخ محی الدین بن عربی، ابن حجر عسقلانی، عارف ہارون بن ہود العطاس، عبد اللہ اور احمد بن عمر بن سمیط وغیرہ بہت سارے بزرگان دین ایسے ہیں جن کی زیارت سے مشرف بھی ہوا ہوں اور ان حضرات نے کثیر اوراد کی اجازت بھی دے رکھی ہے میں اپنے تمام اوراد و وظائف کی

اجازت شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبھانی کو دیتا ہوں۔ وہ وظائف واوراد جو میں نے اجل شیوخ سے حاصل کئے ہیں۔ وہ شیوخ جو علم وتصوف کی دنیا میں درخشندہ تاروں کی طرح ہیں۔ مثلاً عارف باللہ صالح بن عبداللہ بن احمد العطاس، امام ابوبکر بن عبداللہ طالب العطاس، احمد بن محمد، احمد بن زینی دحلان، سید محمد بن عبدالباری، سید حسن بن عبدالباری، عبدالرحمٰن بن علی آل سقاف، سید ہاشم بن شیخ الحبشی وغیرہ (اور دیگر بہت سارے ایسے بزرگان دین جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوجائے گا۔)

المختصر میں نے ان تمام بزرگوں سے تفسیر، حدیث، اصول فقہ اور تصوف میں جو کچھ روایت کیا اور اجازت حاصل کی ہے ان تمام کی روایت کرنے کی تجھے (یوسف بن اسمٰعیل کو) اجازت دیتا ہوں۔ اور مزید جسے چاہو اجازت دے سکتے ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں اہلیت ہو اور جس کے قدم سلف صالحین کے طریقہ پر مستحکم ہوں۔ اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ اس کے حالات درست ہوں۔

اس سے پہلے آپ نے میرے حالات زندگی کے بارے میں پوچھا تھا تو مختصراً عرض ہے کہ "میں شہر حریضہ میں رمضان ۱۲۵۷ھ کو پیدا ہوا قرآن کی ابتدائی تعلیم اپنے دادا بزرگوار عبداللہ بن علی بن عبد اللہ العطاس سے حاصل کی پھر دادا جان رحمۃ اللہ علیہ مجھے حافظ القرآن فرج بن سباح کے پاس لے گئے۔ یہ عارف باللہ ہارون بن ہود العطاس کے شاگرد تھے ان کی تربیت میں آٹھ سال تک رہے اور وہ حریضہ میں چھپن سالوں سے قرآن پڑھا رہے تھے۔ آپ نہایت متقی اور زاہد انسان تھے آپ کی حالت یہ تھی کہ قرآن پڑھتے پڑھتے سو جاتے جب بیدار ہوتے تو وہیں سے قرأت شروع کرتے جہاں سے تلاوت منقطع کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں طلب علم کے دوران جب کبھی تلاوت سے غفلت ہوتی تو مجھے خواب میں آتے اور لاٹھی دکھا کر پڑھنے کا حکم کرتے۔ میں نے قرآن انہی کے پاس حفظ کیا تھا۔ چھٹی کے بعد مجھے بٹھا لیتے اور ہر سبق چالیس مرتبہ دہرانے کیلئے کہتے۔ یوں میں نے ان کے پاس حفظ مکمل کیا۔ اس دوران حریضہ میں علامہ محمد بن علی بن عبداللہ السقاف سیون سے تشریف لائے۔ اور میں نے فقہ میں بالخصوص ان سے بہت کچھ سیکھا آپ علم وحفظ، عقل وتقوی اور احتیاط واخلاق حسنہ میں عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ تریم شہر میں نماز چاشت کے دوران سجدہ میں وفات پاگئے۔ آپ حریضہ میں سید محسن بن حسین بن جعفر کی وساطت سے تشریف لائے تھے۔ یہ سید محسن بھی بہت بڑے عالم، فاضل متقی اور وصول کرنے وخرچ کرنے میں نہایت محتاط تھے۔ ان جیسا عظیم انسان اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ہوگا۔ ان کی عادت تھی کہ شریعت جن لوگوں کو مال دینے کا حکم کرتی ہے انہیں مال عطا کرتے۔ ان کے ساتھ ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا کہ "شحران" شہر کے ایک "مجذوب" نے ان سے کوئی معمولی چیز طلب کی۔ آپ نے دینے سے انکار کیا جب عارف باللہ ابوبکر بن عبداللہ عطاس کو اس کا علم ہوا تو انہیں بلایا اور

پوچھا تو نے اس سائل کو کیوں محروم رکھا وہ کہنے لگے یہ مجذوب ہیں اور مجذوب کو مال دینا ضیاع (ضائع کرنا) ہے۔ ابوبکر نے غصے میں کہا" مال کا ضیاع' مال کا ضیاع" اگر ابھی تیرا مال سمندر میں گرایا جائے تب کیا ہوگا؟ اس سے انہیں معلوم ہوا کہ مجذوب کا سوال کسی پوشیدہ حکمت کی وجہ سے تھا دوڑے اور مجذوب کو حسب منشاء مال پیش کیا لیکن اس نے لینے سے انکار کیا۔ وہ سیدی ابوبکر کے پاس واپس آئے اور ان کی سفارش پیش کی تب مجذوب نے مال قبول کیا۔ اتفاقاً اس دوران سید محسن کے مال میں سے کافی مقدار میں کچھ مال (سرخ مرچ) سمندر میں کشتی سے گر گیا۔ ابوبکر نے فرمایا" محسن دوبارہ جب کوئی منگتا تیرے پاس آئے تو کہو گے" مال کا ضیاع" ہے؟ آپ نے عرض کی" نہیں" استغفر اللہ۔ ان کے پاس کسی نے حریضہ میں دو سو ریال کے بدلے زمین گروی رکھ لی۔ جب وہ واپس آیا اور دراہم دے کر زمین واپس لے لی تو آپ نے وہ سارے دراہم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے کیونکہ وہ گروی رکھنے والا" ہند" ہو کر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہند کی دولت پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنے چچا سید عارف باللہ علی بن جعفر العطاس وعبداللہ بن الحسین اور عبداللہ بن عمر بن یحییٰ سے تربیت حاصل کی تھی۔

بعید از بلوغت مکہ مکرمہ حج کی نیت سے حاضر ہوا وہاں میرا ارادہ تجوید القرآن کا بھی تھا۔ وہاں میری ملاقات سید احمد زینی دحلان سے ہوئی میری ملاقات سے آپ بہت خوش ہوئے اور مدعا کے بارے میں پوچھا میں نے بتایا کہ حج و تجوید کیلئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا ہوں انہوں نے پوچھا علم حاصل نہیں کرو گے میں نے عرض کی علم اپنے علاقہ میں حاصل کرلوں گا لیکن آپ لگا تار مجھ پر مہربانی فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے اپنے نصیبے کا علم ان سے حاصل کیا پھر مجھے شیخ المقری علی بن ابراہیم کے پاس لے گئے۔ یہ شیخ قرأت میں بے مثال تھے فقہ اور دلائل الخیرات شریف پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ طواف کے دوران دلائل الخیرات پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان کے پاس قرأت سیکھی اور وہاں سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مکہ مکرمہ کے تمام قراء اور جید علماء موجود تھے میں نے ان تمام کے سامنے قرأت سبعہ میں" سورۃ اخلاص، معوذتین، فاتحہ اور الم، ھم المفلحون، تک پڑھا۔ اس نورانی محفل کے اختتام پر شیخ علی سمانودی نے مجھے خلعہ پہنایا پھر شیخ عبداللہ فقیہہ نے خطبہ بلیغہ پڑھا۔ جس میں قرآن کی سورتوں کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ پھر سید احمد نے مجھے" الفیہ بن مالک" یاد کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے میں نے یاد کر کے سنایا میں نے ان کے ساتھ تقریباً پانچ سال تک رہا اور ان کے ساتھ قرآن کا دور کرتا رہتا قرآن کی سورتوں میں موجود احکام و قصص پر بحث کرتے اس دوران شیخ محمد سعید کو دورہ پڑا اور بے ہوش ہو گئے اور بیس روز تک یہ کیفیت طاری رہی کہ وقفہ وقفہ سے ہوش میں آتے۔ جب ہوش میں آتے تو میں ان سے اس خاص کیفیت میں ہونے والے کشف کے بارے میں پوچھتا۔

انہوں نے بتایا کہ اس دوران قرآن کے معانی مجسم ہو کر ظاہر ہوئے قرآن کی آیات کو دیواروں پر تحریر شدہ دیکھا اور ہر آیت نے مجھے اپنے معانی سے آگاہ کیا۔ پھر ہم مکہ مکرمہ کے قریبی دیہاتوں میں جاتے اور وہاں پر لوگوں کو دعوت دین اور دعوت الی اللہ دیتے۔ انہی ایام میں میں نے الوردیۃ سے باب الزکوٰۃ کو یاد کیا نیز اس کتاب کی شرح جو عراقی، اور شیخ الاسلام کی دو شرحیں الصغیر والکبیر اور تیسرا الفتاوی بارزی کی، سنن ابی داؤد، ترغیب ترہیب، دعوت تامہ، حاشیہ سلم، اور بیضاوی شریف میں سے آل عمران سے سورۂ سبا تک شیخ زادہ وغیرہ بہت ساری کتابیں پڑھیں۔ میں جب بھی شیخ محمد وغیرہ سے حضر موت جانے کا ذکر کرتا آپ پر گراں گزرتا۔ اور فرماتے میں چاہتا ہوں کہ آپ مکہ میں میرے نائب ہوں۔ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتایئے لیکن میں نے ان سے کوئی ضرورت ذکر نہ کی۔ اس دوران انہیں میری کسی ضرورت کے بارے میں علم ہوا تو مجھے جھڑکا اور کہا ضرورت کے بارے میں بتلایا کیوں نہیں؟ میں نے عرض کی سلف صالحین کی عادت رہی ہے کہ صبر اور انتظار کرتے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی لگی اور میرے حق میں دعا کی۔ اور جب میں نے حضر موت جانے کا ارادہ کیا تو بہت سارے علوی بزرگ مجھے خواب میں ملے اور حضر موت جانے کیلئے کہا لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شیخ سعید کو کیسے مناؤں ان کی شدت محبت کے پیش نظر یہ ایک مشکل کام تھا۔ خیال آیا کہ رات کو جب کوئی بزرگ خواب میں آئیں تو ان سے سفارش کروائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا صبح کی نماز کے بعد جب ملنے اور شیخ کے ساتھ تلاوت قرآن کیلئے حاضر ہوا تو انہوں نے حضر موت جانے کی اجازت بخوشی دے دی۔ اور خلعہ و کتب کثیرہ عنایت کیں۔ یوں میں ۱۲۸۱ھ کو حضر موت ۱۲۸۱ھ کو چلا آیا۔ اس دوران لگا تار شیخ مذکور کی نظر کرم مجھ پر رہی۔ آپ کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

میں نے عارف باللہ صالح بن عبداللہ بن احمد العطاس سے بھی نفع حاصل کیا۔ آپ کی نظر عنایت ہر حال میں شامل حال رہی آپ نے بھی بہت سارے اوراد کی اجازت کے ساتھ ساتھ خلعہ بھی پہنایا۔ آپ علوم فیضیہ اور مکاشفات و مجاہدات میں اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے۔ آپ نے ایک روز فرمایا اگر علم ایمان کے ایک ذرہ کے بارے میں گفتگو شروع کروں تو دنیا کے کاتب لکھنے سے عاجز آجائیں آپ نے بہت سارے علوم و معارف سے مجھے روشناس کرایا آپ نے اپنے انتقال کے بارے میں بھی مجھے بتا دیا تھا آپ کی وفات ۱۲۸۱ھ میں ہوئی۔

میں نے سید احمد حسن بن محمد بن علوی المحضار باعلوی سے بھی نفع حاصل کیا ہے ان سے جو کچھ میں نے حاصل کیا وہ تقریباً سات کاپیوں پر مشتمل تھا۔ آپ نے بھی خلعہ اور اوراد سے نوازا ہے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات سے بلاواسطہ آپ کو تلقین ہوتی رہتی تھی۔ آپ نے ۱۳۰۴ھ میں وفات

پائی مذکورہ بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سارے اولیاء کرام ایسے ہیں جن سے میں نے علوم ظاہرہ و باطنہ حاصل کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا رشتہ ان کے ساتھ دنیا وآخرت میں مضبوط رکھے۔ (آمین)

میرے اکثر اوقات ذکر، نصیحت اور بزرگان دین کی محفلوں میں گذرتے ہیں یا پھر کتب نافعہ کے مطالعہ میں مصروف رہتا ہوں۔ میں نے بے شمار کتابیں پڑھی ہیں۔ جن کے نام اس وقت ذہن میں ہیں۔ ان میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر، ابن جریر طبری کی تفسیر، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الدر المنثور'' صحاح ستہ، نیل الاوطار، المستقیٰ، الاسماء والصفات، کنز العمال، خصائص کبریٰ، اتقان، یواقیت وجواہر، زاد المعاد، احیاء، نور الابصار، مقدمہ خلدون، حجۃ اللہ علی العالمین (آپ کی تالیف) سعادۃ الدارین، وسائل الوصول، مختصر المواہب اور افضل الصلوات اور ان کے بہت سارے رسائل و کتب المناقب وغیرہ الغرض کتب تفسیر وحدیث تصوف، فقہ، لغت، ادب اور شرح کا ایک ذخیرہ ہے جو میری نظروں سے گذرا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اسلام وایمان کو سلامت رکھے اور خاتمہ بالخیرات فرمائے۔ (آمین)

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت پاک سے مشرف فرمائے اور جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ ملائے۔ آپ کو اپنی طرف سے خلعہ بھیج رہا ہوں پچھلے سال مکہ مکرمہ میں اس کو پہنتا رہا۔ والسلام علیکم۔

آپ نے یہ خط شیخ عبدالرحمٰن بن احمد کے ہاتھ بھیجا اور نیچے مہر لگی تھی جس کی عبارت یہ تھی۔

''اَلْوَاثِقُ بِرَبِّ النَّاسِ اَلْمُنْصِبُ اَحْمَدُ بْنُ حَسَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَطَّاسِ''

فائدہ ثانیہ

شیخ مذکور کی جناب سے پہلا مکتوب جو آپ نے میری طرف روانہ کیا تھا۔ شیخ مذکور سے واقفیت سے قبل آپ رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب میری طرف بھیجا۔ اسے بالاختصار یہاں بیان کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس امت میں ایسے افراد پیدا کیے جو امت سے دکھ اور غم دور کریں۔ اور انہیں تاریکیوں سے نکالیں۔ صلوٰۃ وسلام ہوں اس ذات بابرکات پر جو ہر ہادی کے بھی ہادی ہیں۔ اور تمام انسانوں کیلئے راہنما ہیں یعنی سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب پر اور اللہ کی رحمتیں شامل حال ہوں عالم باعمل شیخ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی پر۔ آپ کی جانب سے جو کتب اور مؤلفات میری طرف روانہ کی گئی تھیں۔ وہ مل چکی ہیں۔ جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل کی جانب راہنمائی کرتی ہیں۔ نیز آپ کا قصیدہ نقش نعل شریف اور حجۃ اللہ علی العالمین سب کچھ ملا ہے۔ حجۃ اللہ علی العالمین پڑھ کر میں نے اپنے دوستوں سے کہا اس کتاب کا نام تو ہدیۃ اللہ الی العٰلمین ہونا چاہیے تھا۔

یہ مکتوب میں نے شکریہ کے طور پر لکھا ہے دعا کی درخواست ہے۔مکتوب میں میں نے نہایت سادہ زبان استعمال کی ہے۔جواب کا منتظر رہوں گا۔اور اپنی دیگر تالیفات سے بھی نوازیئے گا۔آپ پر آپ کی اولاد اور احباب پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

دعا کا طلب گار سید شریف احمد بن حسن بن عبداللہ العطاس ۲۳ رجب ۱۳۱۹ھ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط پڑھ کر دل کو نہایت خوشی حاصل ہوئی۔اور یقین ہو گیا کہ یہ کسی اللہ کے ولی کا خط ہے۔میں نے بھی شکریہ کے طور پر ان کو خط کا جواب لکھا۔اور اس میں عرض کی کہ اپنی نظر عنایت مجھ پر ضرور رکھئے گا۔اور مجھے بھی اپنے حلقہ تلامذہ میں شامل کیجئے گا۔آپ بڑے بڑے مشائخ وعلماء سے بھی افضل واعلیٰ تھے۔اور بیداری میں دیدار مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ والثناء سے مشرف ہوتے رہتے تھے۔ثقہ راویوں سے میں نے یہی سنا ہے۔

الفائدۃ الثالثۃ

آپ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک اور مکتوب۔

میں نے آپ کی جانب دو خط لکھے تھے ان کے جواب میں آپ نے مکتوب لکھا جسے بالاختصار بیان کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ سے فتح مبین اور یقین کا سوال ہے اور دعا ہے کہ دین و دنیا سنور جائیں۔صلوٰۃ وسلام ہوں سید محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے متبعین پر۔

شیخ فاضل عالم و عامل یوسف بن اسمٰعیل النبہانی آپ کا شکریہ جنہوں نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۲۰ جمادی الاولی اور ۲۲ جمادی الاولی والے مکتوب ثانی سے رابطہ قائم کیا ہے۔آپ نے کتب کی طباعت کے سلسلہ میں قرض کے بوجھ کا ذکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کشادگی عطا فرمائے۔ اگر بہت دل گھبرائے تو "یَا مُعْطِی لَا تَبْطِی" پڑھا کرو انشاء اللہ اللہ کی عنایت شامل ہوگی۔آپ کی بھیجی گئی کتب مل گئیں ہیں۔سید احمد کے وسیلہ سے آپ کی تالیف سعادۃ الدارین بھی ملی ہے سب کے سب قصیدے پڑھ لئے ہیں۔

ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

"دُمْتُمْ فَوْقَ دُمْتُمْ" اللہ کرے آپ کو آرزوں سے بھی بلند مقام ملے۔(آمین)

"وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُلِّ عَبْدٍ مُصْطَفٰى"

فقیر احمد بن حسن بن عبداللہ العطاس

فائدہ رابعہ

محی الدین بن عربی کے درود فیضیہ کے متعلق ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی سے بہت سارے درود منقول ہیں۔ان میں سے مشہور ''صلوٰۃ فیضیہ'' ہے۔جو''اَللّٰهُمَّ اَفْضِ صِلَةَ صَلٰوَتِكَ......تا آخر ہے۔میں اسے دمشق کے ایک بزرگ سے روایت کرتا ہوں جنہوں نے اسے خواب میں شیخ عربی سے روایت کیا ہے۔ان کا اسم گرامی السید الشریف عبد الرحمٰن ہے انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں خواب میں شیخ محی الدین ابن عربی کی زیارت کی کہ شیخ عربی جس حجرہ میں انکا مزار ہے اس کی محراب میں کھڑے ہو کر صلاۃ فجر پڑھا رہے تھے انہوں نے سفید تہبند اور چادر اوڑھ رکھی تھی۔ان کی داڑھی نہایت سفید اور چہرہ سرخ گلاب کی طرح تھا۔نصف پنڈلی تک پیلے رنگ کے موزے پہنے ہوئے تھے۔اور پنڈلی کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔جو نہایت روشن تھا۔میں بھی مقتدیوں میں شامل ہو کر ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگا۔نماز سے فارغ ہو کر تمام لوگ چلے گئے لیکن میں اس نیت سے بیٹھا رہا کہ آپ سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹھی میں کنکریوں کی تسبیح کی کیفیت کے متعلق پوچھوں۔شیخ نے پہلے ہی مجھے بلایا اور کہا تم کنکریوں کی تسبیح کے متعلق جاننا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں یہی ارادہ ہے آپ نے ہاتھ بڑھایا اس میں چند کنکریاں تھیں آپ نے فرمایا غور سے دیکھوں میں نے جب بنظر غائر دیکھا تو وہ پتھر صاف وشفاف شیشے کی مانند نظر آنے لگے۔ان کے اندر کے حصہ میں انسانی جسم میں شریانوں کی طرح رگیں بھی نظر آنے لگیں۔ہر پتھر میں قلب انسانی کی طرح دل بھی نظر آرہا تھا۔اور اس دل میں انسانی زبان کی طرح زبان تھی۔زبان سے ''اللہ اللہ'' کی آوازیں آرہی تھیں۔میں ان کے ذکر کو اپنے کانوں سے سنتا تھا۔مجھے شیخ محی الدین نے فرمایا اس طرح سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹھی میں کنکریوں نے تسبیح بیان کی تھی۔پھر آپ نے پوچھا تمہیں حضور نبی رحمت ﷺ کی ذات پاک پر بھیجا جانے والا وہ درود نہ بتاؤں جس کا ثواب ایک لاکھ درود کے برابر ہے؟ میں نے کہا ضرور بتایئے۔آپ نے فرمایا سنو وہ درود پاک یہ ہے۔

''اَللّٰهُمَّ أَفْضِ صِلَةِ صَلٰوَتِكَ......تا آخر۔

آپ جو بھی گفتگو فرماتے وہ میرے دل کی آواز ہوتی۔آپ نے جو کچھ فرمایا تھا۔وہ مجھے سب یاد ہو گیا تھا۔آپ نے پھر فرمایا وہ درود شریف مجھے سناؤ میں نے شروع سے آخر تک سنا ڈالا پھر آپ نے لحن سے سنا میں نے دوبارہ لحن سے سنایا۔تب آپ نے فرمایا'' کافی ہے۔''

پھر میں نیند سے بیدار ہوا۔میں نے دیکھا کہ والد گرامی میرے قریب آرام فرما ہیں۔میں نے انہیں جگایا اور یہ مبارک خواب بیان کی۔آپ بہت خوشی ہوئے اور درود شریف سنانے کیلئے فرمایا۔اور

ساتھ اس کے پڑھنے کی اجازت بھی طلب کی۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح شیخ سید محمد بن عابدین اور شیخ محمد طنطاوی نے بھی مجھ سے اس کی اجازت طلب کی میں نے اجازت دے دی۔ اس سے پہلے یہ درود پاک کسی سے نہیں سنا تھا۔ اسے میں نے شیخ عربی سے خواب میں یاد کیا تھا۔

مجھے (مؤلف) کو بھی سید عبدالرحمٰن نے اس کی اجازت دیدی ہے میرا بیٹا محمد شمس الدین اس کی والدہ صفیہ اور میری بیٹیاں تقیہ، فاطمہ اور عائشہ بھی اس سعادت سے مشرف ہوئیں ہیں۔ اور میں تمام مسلمانوں کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ درود میری کتابوں ''افضل الصلوات'' جامع الصلوات اور صلوات الأخیار میں موجود ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی وہ صفات و کمالات ہیں جو کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ﷺ

فائدہ خامسہ

شیخ جعفر الکنانی کی اجازت کے بارے میں ہے۔

سید شیخ جعفر الکنانی بن علا شہیر اپنے نانا سیدنا محمد فداہ ابی وامی کے روضۂ انور کے قریب کئی مہینے ٹھہرنے کے بعد بیروت تشریف لائے۔ اس سے پہلے بھی آپ یہاں تشریف لائے تھے اور مجھے آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا اس بار آپ کی بیروت میں آمد کا علم ہوا تو دست بوسی کے لئے آپ کی اقامت گاہ پر حاضر ہوا۔ اور اپنے مکان پر آنے کی دعوت دے دی۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور میں نے آپ کے علم و برکت سے بہت فوائد حاصل کئے۔ مثلاً آپ نے مجھے گلے لگایا اور فرمایا میں تجھے اس طرح گلے لگا رہا ہوں جس طرح مجھے سید احمد بن حسن العطاس باعلوی نے پچھلے سال مسجد حرام میں گلے لگایا تھا اور فرمایا تھا میں تجھے اس طرح گلے لگا رہا ہوں جس طرح نبی مکرم ﷺ نے مجھے گلے لگایا تھا۔ پھر آپ نے مصافحہ کیا اور فرمایا میں تیرے ساتھ اس طرح مصافحہ کر رہا ہوں۔ جس طرح میرے ساتھ سید احمد بن حسن العطاس نے مصافحہ کیا تھا اور کہا تھا میں آپ کے ساتھ اس طرح مصافحہ کر رہا ہوں جس طرح سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔ پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں میرے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر جال بنایا اور فرمایا میں نے اس طرح اس لئے کیا کیونکہ سید احمد بن حسن نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں داخل کیں تھیں اور کہا تھا میں نے ایسا اس لئے کیا کیونکہ سرکار علیہ السلام نے اسی طرح میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں داخل کیں تھیں۔ پھر محمد بن جعفر الکنانی نے مجھے تسبیح عطا کی اور فرمایا میں تجھے اسی طرح تسبیح پکڑا رہا ہوں جس طرح سید احمد بن حسن العطاس نے مجھے تسبیح عطا کی تھی۔ اور کہا تھا میں تجھے اس طرح تسبیح پکڑا رہا ہوں جس طرح مجھے سرکار دو عالم ﷺ نے تسبیح عطا کی تھی۔

پھر سید محمد بن جعفر الکنانی نے اپنی تمام مرویات وتالیفات کی اجازت بھی دیدی اور میں نے مستند بزرگوں سے سنا ہے کہ سید احمد بن حسن العطاس بیداری میں زیارت النبی ﷺ سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔

فائدہ سادسہ

کتاب ''روح القدس'' اور قصیدۂ محمد بکری کی اجازت کے متعلق ہے۔

عالم، فاضل السید الشریف محمد مبارک الحسنی نے مجھے کتاب روح القدس پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ کو اپنے بھائی عارف باللہ شیخ محمد الطیب سے اجازت ملی تھی۔ شیخ مبارک نے بتایا کہ عارف باللہ محمد طیب نے یہ کتاب شیخ محی الدین ابن عربی کو خواب میں پڑھ کر سنائی (اور ان سے اجازت حاصل کی) کتاب مذکور محاسبہ نفس کے متعلق ہے۔

آپ نے مجھے ایک قصیدہ جو ''مَا اَرْسَلَ الرَّحْمٰنُ...... سے شروع ہوتا ہے پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ میں بھی روح القدس، صلاۃ فیضیہ اور عارف باللہ سید احمد العطاس سے جو تالیفات اور مرویات کی اجازت مجھے ملی ہے اس کی اپنے ہم عصر تمام ''اہل'' مسلمان بھائیوں کو اجازت دیتا ہوں۔

(قصیدہ مذکورہ کا ذکر میں نے مجموعہ نبہانیہ میں کیا ہے)

۱۱ ربیع الثانی سنۃ ۱۳۳۷ھ

فائدہ سابعہ

سید علیا الحبشی کا مکتوب جو قصیدۂ نبویہ پر مشتمل ہے۔ آپ کا نام عارف باللہ السید علی بن محمد بن حسین الحبشی ہے آپ آل باعلوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج کل حضر موت میں مقیم ہیں۔ عارف باللہ الامام سید حسین الحبشی کے سگے بھائی ہیں۔

آپ کا یہ محبت نامہ جونہی مجھے موصول ہوا میں نے اسے مصر اس غرض سے بھیجا کہ میری کتاب'' جامع الکرامات'' کے حاشیہ پر چھپ سکے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

آپ کے مکتوب کا خلاصہ پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے لفظ'' کن'' کی صدف سے کمالات انسانیہ کا جوہر نکالا پس جس جوہر نے اللہ کے پیغام کو قبول کیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے انکار کیا وہ آگ میں چلا گیا۔ انسان کی اتنی طاقت کہاں کہ وہ اللہ کی تعریف کا کچھ حصہ بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے۔ جس

کے آگے ہر ایک محتاج ہے۔ اور درود وسلام ہوں اللہ تعالیٰ کے محبوب مکرم ﷺ پر جو داعی مطلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں بہترین شریعت عطا کی۔

میں اپنے پیارے بھائی، عالم، عامل یوسف بن اسمٰعیل النبہانی جو سرکار مدینہ ﷺ کا سچا عاشق ہے۔ اس کی محفل میں جانے اور اس کے ساتھ مل بیٹھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ مجھے اس کی تالیفات نے بے انتہا خوش کر دیا ہے۔ میرے بھائی کے ہاتھ بھیجی گئی آپ کی کتاب ملی ہے دوران مطالعہ مجھے آپ کی اہل بیت کیلئے محبت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر عنایات کی بارش نازل فرمائے۔

میں نے سید المرسلین ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے اپنے قصائد کی کتاب میں شامل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی اولاد پر اور آپ کے اہل شہر پر خاص مہربانی فرمائے۔ (آمین) ۱۵ شوال ۱۳۲۴ھ

قصیدہ کے اشعار کا ترجمہ: اس قصیدہ میں حضور نبی رحمت ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کیا جا رہا ہے۔ آپ کی وجہ سے ہم نے زمانہ کا وصف بیان کیا ہے اور آپ کی تشریف آوری سے انسانیت کو شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ کو بہترین عادات وصفات عطا ہوئیں اور آپ نے علم اسلام کو بلند کیا آپ کی فضیلتیں لکھنے سے قلم بھی عاجز ہیں۔ آپ فضائل میں سب سے آگے ہیں اور سب کے امام ہیں۔ بلندی، بزرگی اور مرتبہ و مقام درحقیقت آپ ہی کا حصہ ہیں۔ آپ جامع الصفات ہیں۔ آپ بلندی میں اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں تک جانے کی کسی نے آرزو نہیں کی۔ آپ ہمیشہ سے مائل بہ ترقی ہیں آسمان پر فرشتے آپ کے خادم ہیں۔ آپ کے ساتھ اللہ نے اس مقام پر گفتگو فرمائی جہاں تک عقل کی رسائی نہیں۔ آپ اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ ''اَوْ اَدْنٰی'' کے مقام پر فائز ہوئے۔ یہ فضیلت بھی صرف آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کو یہ سرفرازیاں، یہ قربتیں اور عزتیں مبارک ہوں۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ'' کے روح پرور کلمات بھی عطا ہوئے۔ آپ نے وہ کچھ سنا جس کے سننے کی کان طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ نے وہ کچھ سمجھا جس کو سمجھنے سے لوگ قاصر ہیں۔ اے سید کونین، اے خیر الوریٰ، آپ کا ایک غلام اپنے سینے میں آپ کی محبت وشوق رکھتا ہے۔ میرے دل میں آپ کی محبت ہے جس کی تپش پسلیوں، پہلوؤں میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ اے مددگار نبی! اپنی محبت کی خوشبو سے بیماروں کو تندرست فرمائیے اور ایسی نظر فرمائیے جو دلوں سے میل اور تاریکیوں کو دور کر دے اور ایمان کو مضبوط کر دے۔ نیز صراط مستقیم پر ثابت رکھے۔ میں آپ کے دروازہ پر کھڑا ہوں۔ روح اور جسم آپ کے مشتاق ہیں۔ اپنی زیارت سے مشرف فرمائیے کیونکہ سینے میں آپ کی محبت موجزن ہے۔ آپ پر، آپ کی آل واصحاب پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ جب تک ٹہنیوں پر کبوتریاں چہچہاتی رہیں۔

فائدہ ثامنہ

چند بابرکت خواب جو میں نے دیکھے ہیں یا مجھے کسی نے بیان کئے ہیں۔

مبشرہ

مجھے میرے دوست سلیم آفندی نے اپنی پھوپھی جان کے متعلق خبر دی کہ وہ نہایت نیک سیرت عورت تھیں اور درود شریف باقاعدگی سے پڑھتی تھیں ایک رات انہوں نے سونے سے پہلے سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص سات سات بار، معوذتین اور سومرتبہ درود شریف اس نیت سے پڑھا کہ حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے ایسا کیا تھا۔ لیکن زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس رات مذکورہ اذکار کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک کھلا میدان ہے اور اس میں ایک شاندار محل ہے اپنے ساتھ موجود دو عورتوں سے انہوں نے پوچھا تو بتلایا گیا کہ یہ نبہانی کا محل ہے اور پھر ایک روشن چہرے والا شخص نمودار ہوا تو اسے بتلایا گیا کہ یہ نبہانی ہیں۔ وہ آگے بڑھیں اور دست بوسی کی پھر اس نے دیکھا کہ نبہانی جہاں قدم رکھنے کے بعد اٹھاتے وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹتا۔ پھر وہ جاگ گئیں۔

مبشرہ

ایک رات مجھ سے کسی نے خواب میں پوچھا کہ افضل درود کونسا ہے میں نے جواب دیا افضل درود، درود رسمیہ ابراہیمیہ ہے۔ رسمیہ وہ چیز جو ثابت ہو۔ اسی طرح کسی نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا تو جواب میں آپ نے درود ابراہیمی ہی بتایا تھا۔ تو میرا ''رسمیہ'' کہنے کا مطلب یہی تھا جو حدیث شریف سے ثابت ہو۔ یہ لفظ حالت بیداری میں کبھی میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی میں نے کسی سے سنا تھا۔ حالانکہ اکثر ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ درود ابراہیمی افضل درود ہے۔ یہ خواب اس کی تائید کرتا ہے۔

مبشرہ

الحاج عمر حمور دمشقی جو بیروت میں تجارت کی غرض سے آئے تھے۔ ان کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ ایک دفعہ کسی وجہ سے سخت بیمار پڑ گئے۔ انہوں نے دفع بیماری کیلئے بہت درود شریف پڑھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی۔ ربیع الثانی کی آخری راتوں میں کسی رات انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی ﷺ میں دیکھا اور دیدار مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ سے انہوں نے بیماری کی شکایت کی۔ اور اپنی نظریں جھکا لیں کسی نے آواز دی ''دیکھئے'' آپ نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کے قریب کھڑا ہوں۔ شیخ مذکور نیند سے بیدار ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان کی بیماری ختم ہونے والی

ہے۔ پھر وہ بزرگ میرے پاس آئے۔ اور تمام قصہ بیان کر ڈالا۔ ان کی بیماری بہت شدید تھی البتہ میں نے انہیں زیادہ سے زیادہ استغفار اور درود شریف کا مشورہ دیا۔ اور یقین دلایا کہ اس طرح کرنے سے انشاء اللہ آپ کی بیماری دور ہو جائے گی۔ ان کیلئے حامد افندی عمادی مفتی شام کی طرف منسوب درود شریف مختص کر دیا جو یہ ہے۔

''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ قَلَّتْ حِيْلَتِي اَدْرِكْنِي يَارَسُوْلَ اللهِ'' یہ درود شریف میری کتاب ''افضل الصلوات'' میں بھی مذکور ہے۔ میں نے بذات خود اس کو آزمایا ہے اور تیر بہدف پایا ہے۔ میں نے درود شریف انہیں لکھ کر دے دیا وہ لے کر چلے گئے اور کچھ ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف دور کر دی۔ (الحمدللہ رب العٰلمین)

مبشرہ

ایک درود شریف جو ابوالعباس التجانی کی طرف منسوب اور ''جوہرۃ الکمال'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ایک لفظ ''الاَسقم'' عوام الناس میں مشہور ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ لفظ التجانی کا یا تو ہے ہی نہیں یا غلبہ حال میں اسے ذکر کیا گیا ہے۔

ایک رات میں نے خواب میں شمس الدین الحفنی اور مصطفیٰ البکری کی شروح کا مطالعہ کیا لیکن ان میں یہ لفظ نہیں دیکھا خواب میں التجانی کی شرح میں بھی یہ لفظ نظر نہیں آیا۔ یہ خواب حق دیکھ کر میں نہایت خوش ہوا۔

مبشرہ

میری بیٹی عائشہ زوجہ سید محمد الجبالی نے ایک رات (جو ہفتہ کی رات تھی) خواب میں ایک درویش دیکھا جو بیٹی سے کہہ رہے تھے اپنے والد بزگوار سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ انہیں (یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کو) بہت چاہتے ہیں اور ہر روز آپ ﷺ کی نگاہ میں ہوتے ہیں اور دشمنوں سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (الحمدللہ رب العٰلمین)

مبشرہ

میری بیٹی عائشہ نے بتایا کہ ایک رات اس نے خواب میں حضور نبی رحمت ﷺ کی زیارت کی محسوس ہو رہا تھا آپ وضو فرمانے جا رہے ہیں جب آپ ﷺ نے عائشہ کو دیکھا تو فرمایا ''اَنَا مُحَمَّدٌ سَيِّدُ وُلْدِ عِدْنَانَ'' میں محمد (فداہ ابی و امی) ہوں اور اولاد عدنان کا سردار ہوں۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورانی پیکر کی ہیبت سے عائشہ حد درجہ مرعوب ہوئی اور اس فرمان کے بعد آپ علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور کی طرف نہ دیکھ سکی۔ اور خواب سے بیدار ہوئی۔ فوراً اپنے خاوند کو خواب کے متعلق بتایا خواب سناتے وقت جب وہ "اَنَا مُحَمَّدٌ سَیِّدُ وُلْدِ عِدْنَانٍ" کے دلربا کلمات پر پہنچیں تو وہاں موجود چراغ کی لو ہلنے لگی حالانکہ وہاں معمولی ہوا بھی نہیں تھی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اسم گرامی کی ہیبت کی وجہ سے ہل رہی ہے۔ عائشہ نے کچھ عرصہ میں دو مرتبہ آپ ﷺ کی زیارت کی۔ (الحمدللہ)

مبشرہ

ایک رمضان المبارک کی سحری کے بعد میں تھوڑی دیر کیلئے سو گیا میں نے خواب میں ایک انسان دیکھا جس نے گھر آ کر مجھے بتایا کہ تقی الدین بن تیمیہ حنبلی جو مشہور امام ہیں۔ آپ کی ملاقات کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔ میں یہ سن کر خوش ہوا اور کمرہ سے باہر نکل کر گھر کے صحن میں ان کا استقبال کیا میں نے انہیں بہت بری حالت میں دیکھا (یعنی ان کی صحت بہت کمزور تھی) آپ اپاہجوں کی طرح کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی اکیلے چل سکتے تھے۔ ایک آدمی نے انہیں تھام رکھا تھا شیخ مکمل طور پر اس آدمی پر سہارا کئے ہوئے تھے مجھے ان کی یہ حالت بری محسوس ہوئی۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ آپ مجھ سے بڑے خوش ہوئے اور مجھے دعائیں دینے لگے میں بھی ان کی صحت یابی کیلئے دعائیں دینے لگا۔ آپ میری دعا پر آمین کہتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت واسعہ فرمائے۔ میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے داماد سید محمد الجبالی کو خواب سنایا۔ انہوں نے بتایا کہ جو آدمی ان کو سہارا دیئے ہوئے تھا وہ ان کا عمل صالح تھا۔ ابن تیمیہ کے بارے میں میرا گمان درست نکلا۔

اگر ان کی بدعات نہ ہوتیں تو بہت بڑے بزرگ ہوتے (وہ بدعات) قریب تھا کہ انہیں تباہ کر دیتیں جس طرح ان کے بعد بہت سارے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔

مبشرہ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے قصیدۂ رائیہ الکبریٰ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس میں اللہ اس کے رسول اور ملت اسلامیہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید احسان فرمایا کہ اس نے قصیدۂ رائیہ صغریٰ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جو بدعات کی برائی اور سنت کی مدح سرائی کے متعلق ہیں اس میں تقریباً تین سو اشعار ہیں مندرجہ ذیل اشعار اختتامیہ ہیں (جن کا ترجمہ درج ذیل ہے)

دنیا و آخرت کی بادشاہی اللہ ہی کو زیبا ہے اس کے علاوہ اور کوئی بادشاہی کا حقدار نہیں وہ ہر چیز سے مستغنی ہے بڑھائی اسی کو زیبا ہے باقی ساری مخلوق اس کے سامنے محتاج ہے۔ سب کے سب اس کے حکم کے آگے جھکے ہیں کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔

ساری کائنات ہر لحہ اس کی مہربانیوں کی محتاج ہے اگر اس کی مہربانی نہ ہوتو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا سب سے عظیم وسیلہ محبوب الٰہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غنیٰ دینی چاہی لیکن آپ نے فقر کو پسند فرمالیا۔ آپ تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ذات ہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتے بھی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی آپ جیسا نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری چیزوں کا مالک بنادیا ہے۔

دین و دنیا میں آپ کے سوا کوئی واسطہ اللہ کی جانب نہیں۔ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے بابا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام شفاعت کرنیوالوں کے بھی شافع ہیں۔ تمام مؤمنین سے زیادہ اللہ کی ذات سے محبت کرنے والے ہیں۔ آپ صاحب فضیلت اور سراپا نیکی ہیں۔

اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ امت محمدیہ کے علاوہ کسی اور امت کے ساتھ جنت کے اعلیٰ مقام پر رہنا پسند ہے یا امت محمدیہ کے ساتھ کسی ادنی مقام پر رہنا چاہتے ہو تو خدا کی قسم! میں اپنی نسبت حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ جوڑوں گا۔ اگرچہ مجھے ادنی مؤمن کا مقام ہی کیوں نہ ملے۔ اور اگر آپ کے نعلین پاک سیدھا کرنے کی خدمت مقدسہ نصیب ہو تو میری قسمت کا کیا کہنا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام رسل پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے خدمت نعلین ہی وہ عزت افزائی ہے جس جیسی عزت افزائی اور کوئی نہیں۔ یہ ایسی خدمت ہے جس جیسی دوسری خدمت دنیا و آخرت میں اور کوئی نہیں۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی ایسی ہے کہ جس کی مثل دنیا و آخرت میں نہیں اے مولا! ہمارے دلوں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا فرما۔ اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقتوں سے بہرہ ور فرما۔ اور ہمارا خاتمہ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرما۔

آخری چھ اشعار نماز فجر کے بعد لکھے اور طلوع شمس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا آرام کیلئے نیند سے بیدار ہوا تو ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر میری زبان پر تھا۔

زِدْنِی بِفَرْطِ الْحُبِّ فِیْكَ تَحَیُّرًا   وَارْحَمْ حَشًی بِلَظَّی هَوَاكَ تَسَعَّرًا

میری محبت میں اضافہ فرما البتہ میرا باطن جو تیری محبت میں جل رہا ہے اس پر رحم فرما اس خواب سے قبل یہ شعر کبھی میرے ذہن میں آیا ہی نہ تھا۔ (الحمد للہ رب العالمین)

مراجع ومصادر

اس مجموعہ کو میں نے تقریباً نوے کتابوں سے نقل کیا جن کے مؤلفوں کی تعداد بہتر کے قریب ہے۔ چھبیس کتابیں میں نے مکمل طور پر یہاں نقل کیں ہیں۔ جبکہ باقی کتب سے میں نے ضرورت کے مطابق چیزیں لی ہیں۔ تفصیل ذیل ہے۔

الشفا	(قاضی عیاض)
نوادرالاصول	(حکیم ترمذی)
دلائل النبوت	(حافظ ابونعیم)
أعلام النبوۃ	(ماوردی)
الفتوحات المکیہ	(شیخ اکبر)
التفسیرالکبیر	(فخرالدین رازی)
التائیہ مع شرح کاشانی	(ابن فارض)
بدایۃ السوال فی تفصیل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	(عزبن عبدالسلام)
تہذیب الاسماء واللغات	(امام نووی)
طہارت القلوب	(عبدالعزیزالدیرینی)
نورالعیون فی تلخیص سرۃ الامین والمأمون	(ابن سیدالناس)
کتاب المدخل	(ابن الحاج)

الانسان الکامل، الکمالات الالہیہ فی الصفات المحمدیہ، قاب قوسین، ملتقی النا موسین کتاب النورالمتمکن فی معنی قولہ المومن مرآۃ المؤمن، لسان القدر، نسیم سحر یہ سب کتابیں عبدالکریم الجیلی کی ہیں۔

کتاب الروض	(ابن المقری الشافعی
حاشیہ الشہاب الرملی	

کتاب الخصائص الکبری، القول المحرر فی تفسیر قولہ "لِیَغْفِرَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ......الخ (امام سیوطی) رسالۃ التعظیم والمنۃ (سبکی) عقیدۃ المسایرہ (کمال بن ہمام) شرح الشفا (ملاعلی قاری) شرح اربعین (صدر الدین قونوی) المواہب اللدنیہ (امام قسطلانی) یواقیت و جواہر اور درۃ الغواص، منن الکبری، کشف الغمہ (شعرانی) شرح ہمزیہ، شرح الشمائل، الفتاوی الحدیثیہ اور المولد النبوی (ابن حجر

الہیتمی) تعریف اہل الاسلام والایمان (شیخ علی الحلبی) الشرح الکبیر (جامع صغیر کتاب کی شرح) (مناوی) المکتوباب امام ربانی نقشبندی، شرح دلائل الخیرات (فاسی) شرح الشفا الخفاجی ،تفسیر روح البیان (اسمٰعیل حقی) ابریز کلام عبد العزیز الدباغ (ابن المبارک) شرح مواہب اللدنیہ (امام زرقانی) شرح الصلوات المشیشیہ ، رسالہ الثغر ، (مصطفیٰ البکری) شرح الصلوات المشیشیہ ، شرح دیوان ابن الفارض، الرحلۃ الحجازیہ الرد المتین ، اور المولد النبوی (سیدی عبد الغنی النابلسی) شرح دلائل الخیرات (سلیمان الجمل) شرح احیاء (سید مرتضی الزبیدی) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ (ابن تیمیہ) السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ (السبکی) تاریخ وفیات الاعیان (ابن خلکان) معراج السید زین العابدین، مولد السید جعفر البرزنجی، النظم البدیع، فی مولد الشفیع ﷺ ، عجالۃ الراکب فی ذکر اشرف المناقب ، فتاوی الشہاب الرملی۔ رسالہ فی التوجہ الروحی لہ ﷺ (محمد بن عبد الکریم) افضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ (شیخ عمر حلبی) اربعون حدیثا فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ، تعظیم الاتفاق (احمد بن ناصر) التنبیہات ، مطالع النور السنی المنبئ عن طہارۃ نسب النبی العربی ﷺ (شیخ عبد السنوسی) اوران کے علاوہ بہت ساری کتب اور رسالے ہیں جن سے میں اس کتاب کی تألیف میں مدد لی ہے۔

الخاتمہ

جب میں ''مجموعہ النبہانیہ فی المدائح النبویہ'' سے فارغ ہوا تو خیال آیا کہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کیلئے فضائل النبی المختار ﷺ پر ایک کتاب ترتیب دوں جس جیسی کتاب شاذ و نادر ہو۔ پس میں نے ''جواہر البحار، فی فضائل النبی المختار ﷺ'' کی تالیف کی اور میں نے قرآن وسنت، مفسرین و محدثین، فقہاء، متکلمین، اور صوفیاء کے اقوال سے ایک ذخیرہ اس میں جمع کر دیا۔

وہ صوفیائے کرام جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، سیرت النبویہ، معجزات خصائل واخلاق وشمائل وفضائل النبی ﷺ سے کچھ واقف تھے۔ یا جو تعظیم و تجلیل، درود شریف سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغاثہ (مدد) زیارت النبی ﷺ فضائل مدینہ وروضہ انور، جائے پیدائش اور معراج النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا دیگر حالات شریفہ جو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلقہ تھے۔ اور جو حضرات ان سے باخبر تھے۔ ان تمام کے اقوال کو میں نے اس مجموعہ میں جمع کر دیا ہے۔

''الحمد للّٰہ المنعم الوھاب''

مطبع: بیروت

مؤلف: محمد یوسف النبہانی غفر اللہ لہ ولوالدیہ

بتاریخ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

الحمد للّٰہ رب العالمین